داستان ایمان فروشوں کی

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

جلد اوّل

التمش

مکتبہ داستان

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد اوّل)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

حکایت پبلشرز
26-پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔
فون: 37356541

نام کتاب	....	داستان ایمان فروشوں کی (جلد اوّل)
مصنف	....	اَلتمش
ناشر	....	وقاص شاہد مکتبہ داستان، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	جون 2013ء
قیمت	....	500 روپے

ملنے کے پتے

حکایت پبلشرز

26- پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔

فون: 37356541-37321898

علم و عرفان پبلشرز

40۔ اُردو بازار، لاہور۔ فون نمبر: 37352332-37232336

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

اشرف بک ایجنسی

کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

کمیٹی چوک، راولپنڈی

جہانگیر بکس

بوہڑ گیٹ، ملتان

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرما دیں۔ انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

فہرست

قوم کے اُس بیٹے کے نام جسے
صلاح الدین ایوبی بننا ہے

تعارف

ایسے قارئین کی تعداد کم نہیں جنہیں یہ مسئلہ پریشان کیے ہوئے ہے کہ ہمارے ہاں غلیظ کہانیوں کے سوا رہ ہی کیا گیا ہے، اگر کچھ ہے تو وہ افسانے ہیں، ان میں بھی عشق بازی، فرار اور افسردگی ہوتی ہے جو نوجوان ذہن کے لیے صحت مند نہیں، بتایئے ہم کیا پڑھیں اور بچوں کو کیا پڑھائیں۔ قاری کم سن ہو، جوان ہو یا بوڑھا، وہ ایسی کہانیاں پسند کرتا ہے جن میں کچھ تفریحی مواد ہو، سنسنی اور سسپنس ہو، ان میں ذرا سی ہنگامہ آرائی بھی ہو اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے آسانی سے مُسترد نہیں کیا جا سکتا۔ قارئین کی اِسی کمزوری کو اسلام دشمن عناصر نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے اور پاکستان کے زر پرست ناشر اور ادیب اسی سے پیسہ کما رہے ہیں۔ یہیں سے فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور، حد یہ کہ دشمن کے غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیوں نے جنم لیا اور حیران کُن حد تک فروغ اور مقبولیت حاصل کی۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنایا ہے۔

ہم "داستان ایمان فروشوں کی" کے مصنف محترم التمش کے ممنون ہیں، جنہوں نے حکایت میں صلاح الدین ایوبی کے دور کی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ہم اُن کی پہلی آٹھ کہانیاں پیش کر رہے ہیں۔ ان میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور نوجوان نسل کے مطالبے کی تسکین کریں گے، ساتھ ہی ساتھ اس قومی جذبے کو بھی زندہ و بیدار کریں گے، جسے ہمارا دشمن پُرلذت کہانیوں کے ذریعے ختم کرنے کی کوششوں میں معروف ہے۔

ان آٹھ کہانیوں کے متعلق کچھ مختصراً کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔ اسلام کے عظیم مجاہد اور عظمتِ اسلام کے پاسبان صلاح الدین ایوبی کے دور میں جتنی اسلام کش سازشیں ہوئی ہیں، اتنی اور کسی دور میں نہیں ہوئیں۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمان امراء اور فوجی کمانڈروں کو ہاتھ میں لے کر صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے خلاف استعمال کرنے کے لیے جہاں بے دریغ دولت استعمال کی، وہاں اپنی جوان اور خوب صورت لڑکیوں کو خصوصی ٹریننگ دے کر مکمل بے حیائی سے استعمال کیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو میدانِ جنگ میں شکست دینا آسان نہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا طریقۂ جنگ ایسا تھا کہ صلیبی جنگی طاقت کی افراط اور برتری کے باوجود شکست کھا جاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سلطنت اسلامیہ میں خصوصاً مصر میں جس کی امارت اور فوجی قیادت صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ میں تھی، جاسوسی، تخریب کاری اور اُس وقت کی نوجوان نسل کی کردار کشی کی مہم تیز کر دی۔ دولت اور عورت کو خوب استعمال کیا اور صلاح الدین ایوبی کی ہائی کمان اور انتظامیہ میں غدار پیدا کر لیے، یہ ایمان فروشوں کا گروہ تھا۔

صلاح الدین ایوبی کو ایک جنگ تو میدان میں لڑنی پڑی۔ یہ بڑے بڑے معرکوں کا سلسلہ تھا جو صلیبی جنگوں کے نام سے ہم تک پہنچا، مگر اُس جنگ کی کوئی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی، جو سلطان ایوبی نے صلیبی جاسوسوں جن میں حسین

لڑکیاں تھیں اور حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتل بھی شامل تھے، کے خلاف لڑی۔ ان قاتلوں کو فدائی بھی کہا جاتا تھا اور حشیشین بھی۔ انہوں نے صلاح الدین ایوبی پر چار قاتلانہ حملے کیے۔ اللہ کا یہ مجاہد ڈرامائی طریقے سے اور اپنے زور بازو سے ہر بار بچ گیا۔ اس زمین دوز صلیبی جنگ نے ان کہانیوں کو جنم دیا جن میں سے آٹھ پیش کی جا رہی ہیں۔

تاریخ کی یہ حقیقی داستانیں تفصیلات کی طوالت کی وجہ سے باقاعدہ تاریخ میں نہ آسکیں اور اس لیے بھی کہ مورخوں کی نظر زمین کے نیچے اور پردوں کے پیچھے نہیں جایا کرتی۔ ایسی کہانیاں متعلقہ دور کے وقائع نگاروں کی تحریروں میں محفوظ ہیں یا عینی شاہد بیان کرتے ہیں اور یہ سینہ بہ سینہ، نسل بعد نسل سنی سنائی جاتی اور زندہ رہتی ہیں۔

محترم التمش تلاشِ روزگار کے لیے مشرقِ وسطی گئے تھے۔ روزگار ملا تو اُن کے اندر تاریخ کا جنون پیدا ہو گیا۔ گزشتہ بارہ برسوں میں انہوں نے متعدد اسلامی ممالک کی لائبریریوں کے سٹوروں میں سے وہ کاغذات ڈھونڈ نکالے جنہیں بے کار سمجھ کر وہاں پھینک دیا گیا تھا۔ ان میں سے انہیں صلاح الدین ایوبی کے دور کے سرکاری اور غیر سرکاری وقائع نگاروں کی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ تحریریں مل گئیں۔ یہی تھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی اصل تاریخ......... یہی ہوتی ہیں وہ وارداتیں جو ماضی کی لغزشوں اور غداریوں کو بے نقاب کرتی اور اگلی نسلوں کے لیے باعثِ عبرت اور مشعلِ راہ بنتی ہیں۔

اِن وقائع نگاروں کے علاوہ محترم التمش نے جن مورخوں کی تحریروں سے تفصیلی واقعات حاصل کیے ہیں۔ ان میں ہیرلڈ لیمب، لین پول، ولیم آف ٹائر، قاضی بہاؤالدین شداد، محمد فرید ابو حدید، اینٹی ولیسٹ، واقدی، ہتی، جنرل محمد اکبر خان رنگروٹ، موئیر، سراج الدین، اسد الاسدی، الاطہر، سسٹن، بالڈون اور چند ایک گمنام تاریخ دان بھی شامل ہیں۔

۱۹۷۴ء کے آخر میں محترم التمش پاکستان آئے اور مجھے ملے۔ میں ان کا یہ احسان تا قیامت نہیں بھولوں گا کہ انہوں نے یہ انمول خزانہ ''حکایت'' کے قارئین کی نذر کیا۔ میں نے فروری ۱۹۷۵ء کے شمارے سے اس سلسلے کی اشاعت شروع کر دی جو ابھی تک جاری ہے۔ یہ کہانیاں مسلسل تاریخ نہیں، یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو صلاح الدین ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغرسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور ڈرامائی تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔ یہ دراصل عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں ہیں جو آپ کو چونکا دیں گی اور آپ کے اندر اگر ایمان کا چراغ ٹمٹما رہا ہے تو وہ بھڑک اُٹھے گا۔

اُس دور کا دشمن آج بھی آپ کا دشمن ہے اور وہ ابھی تک وہی پُرلذت حربے استعمال کر رہا ہے۔ یہ کہانیاں خود بھی پڑھیں، بچوں کو بھی پڑھائیں۔ اگر آپ سچے دل سے فحش ڈرامے اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو یہ آٹھ کہانیاں گھر لے جائیے۔ یہ کہانیاں پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے اور صلاح الدین ایوبی کو پکار رہی ہے۔

☆ ☆ ☆

جب ذکوئی سلطان ایوبی کے خیمے میں گئی

''تم پرندوں سے دل بہلایا کرو۔ سپاہ گری اُس آدمی کے لیے ایک خطرناک کھیل ہے، جو عورت اور شراب کا دلدادہ ہو''۔

یہ الفاظ اپریل ۱۱۷۵ء میں صلاح الدین ایوبی نے اپنے چچازاد بھائی خلیفہ الصالح کے ایک امیر سیف الدین کو لکھے تھے۔ اُن دونوں نے صلیبیوں کو در پردہ مدد اور زر و جواہرات کا لالچ دیا اور صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کی سازش کی تھی۔ صلیبی بھی چاہتے تھے۔ انہوں نے حملہ کیا۔ الصالح اور سیف الدین نے ان کی مدد کی، صلاح الدین ایوبی نے ان سب کو شکست دی۔ امیر سیف الدین اپنا مال و متاع چھوڑ کر بھاگا۔ اس کی ذاتی خیمہ گاہ سے رنگ برنگ پرندے، حسین اور جوان رقاصائیں اور گانے والیاں، ساز اور سازندے اور شراب کے مٹکے برآمد ہوئے۔ صلاح الدین ایوبی نے پرندوں کو، ناچنے گانے والیوں اور اُن کے سازندوں کو رہا کر دیا اور امیر سیف الدین کو اس مضمون کا خط لکھا:

تم دونوں نے کفار کی پشت پناہی کر کے اُن کے ہاتھوں میرا نام و نشان مٹانے کی ناپاک کوشش کی، مگر یہ نہ سوچا کہ تمہاری یہ سازش عالم اسلام کا بھی نام و نشان مٹا سکتی ہے۔ تم اگر مجھ سے حسد کرتے تھے تو مجھے قتل کرا دیا ہوتا، تم مجھ پر دو قاتلانہ حملے کرا چکے ہو۔ دونوں ناکام رہے۔ اب ایک اور کوشش کر کے دیکھو۔ ہو سکتا ہے کامیاب ہو جاؤ، اگر تم مجھے یہ یقین دلا دو کہ میرا سر میرے تن سے جدا ہو جائے تو اسلام اور زیادہ سر بلند ہوگا تو ربّ کعبہ کی قسم، میں تمہاری تلوار سے اپنا سر کٹواؤں گا اور تمہارے قدموں میں رکھ دینے کی وصیت کروں گا۔ میں تمہیں صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کوئی غیر مسلم مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ تاریخ تمہارے سامنے ہے۔ اپنا ماضی دیکھو، شاہ فریک اور ریمانڈ جیسے اسلام دشمن صلیبی تمہارے دوست صرف اس لیے بنے کہ تم نے انہیں مسلمانوں کے خلاف میدان میں اُترنے کی شہہ اور مدد دی تھی، اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اُن کا اگلا شکار تم ہوتے اور اس کے بعد اُن کا یہ خواب بھی پورا ہو جاتا کہ اسلام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔

تم جنگجو قوم کے فرد ہو، فن سپاہ گری تمہارا قومی پیشہ ہے۔ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی ہے مگر ایمان اور کردار بنیادی شرط ہے۔ تم پرندوں سے ہی دل بہلایا کرو۔ سپاہ گری اُس آدمی کے لیے ایک خطرناک کھیل ہے جو عورت اور شراب کا دلدادہ ہو۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے ساتھ تعاون کرو اور میرے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤ، اگر یہ نہ کر سکو تو میری مخالفت سے باز آ جاؤ۔ میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔ آمین

صلاح الدین ایوبی

ایک یورپی مورخ لین پول لکھتا ہے.......... ''صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ جو مال غنیمت لگا اس کا کوئی حساب

نہیں تھا۔ جنگی قیدی بھی بے انداز تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے تمام تر مالِ غنیمت تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ جنگی قیدیوں میں تقسیم کر کے انہیں رہا کر دیا۔ دوسرا حصہ اپنی سپاہ اور غریبوں میں تقسیم کیا اور تیسرا حصہ مدرسہ نظام الملک کو دے دیا۔ اس نے اسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی تھی۔ نہ خود کچھ رکھا نہ اپنے کسی جرنیل کو کچھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی قیدی جن میں بہت سے مسلمان تھے اور باقی غیر مسلم، رہا ہو کر صلاح الدین ایوبی کیمپ میں جمع ہو گئے اور اس کی اطاعت قبول کر کے اپنی خدمات اُس کی فوج کے لیے پیش کر دیں۔ ایوبی کی کشادہ ظرفی اور عظمت دُور دُور تک مشہور ہو گئی"۔

اس سے پہلے حسن بن صباح کے پُر اسرار فرقے، فدائی، جنہیں یورپی مورخوں نے قاتلوں کا گروہ لکھا ہے، صلاح الدین ایوبی پر دو بار قاتلانہ حملے کر چکے تھے، لیکن خدائے ذوالجلال کو اپنے اس عظیم مردِ مجاہد سے بہت کام لینا تھا۔ دونوں بار ایک معجزہ ہوا کہ اسلام کا یہ محافظ بال بال بچ گیا۔ اس پر تیسرا قاتلانہ حملہ اس وقت ہوا جب وہ اپنے مسلمان بھائیوں اور صلیبیوں کی سازش کی چٹان کو شمشیر سے ریزہ ریزہ کر چکا تھا۔ امیر سیف الدین میدان سے بھاگ گیا تھا، مگر وہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف حسد اور کینے سے باز نہ آیا۔ اس نے حسن بن صباح کے قاتل فرقے کی مدد حاصل کر لی۔ یہ فرقہ ایک مدت سے اسلام کی آستین میں سانپ کی طرح پل رہا تھا۔ اس کا تفصیلی تعارف بہت ہی طویل ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح زمین سورج سے الگ ہو کر گناہوں کا گہوارہ بن گئی ہے، اسی طرح حسن بن صباح نام کے ایک آدمی نے اسلام سے الگ ہو کر نبیوں اور پیغمبروں والی عظمت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلاتا رہا اور ایسا گروہ بنا لیا جو طلسماتی طریقوں سے لوگوں کو اپنا پیروکار بناتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس گروہ نے نہایت حسین لڑکیاں، نشہ آور جڑی بوٹیاں، ہپناٹزم اور چرب زبانی جیسے طریقے اختیار کیے۔ بہشت بنائی جس میں جا کر پتھر بھی موم ہو جاتے تھے۔ اپنے مخالفین کو ختم کرنے کے لیے قاتلوں کا ایک گروہ تیار کیا۔ قتل کے طریقے خفیہ اور پُر اسرار ہوتے تھے۔ اس فرقے کے افراد اس قدر چالاک، ذہین اور نڈر تھے کہ بھیس اور زبان بدل کر بڑے بڑے جرنیلوں کے باڈی گارڈ تک بن جاتے تھے اور جب کوئی پُر اسرار طریقے سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتلوں کا سراغ ہی نہیں ملتا تھا۔ کچھ عرصے بعد یہ فرقہ "قاتلوں کا گروہ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ لوگ سیاسی قتل کے ماہر تھے۔ زہر بھی استعمال کرتے تھے جو حسین لڑکیوں کے ہاتھوں شراب میں دیا جاتا تھا۔ بہت مدت تک یہ فرقہ اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتا رہا۔ اس کے پیروکار "فدائی" کہلاتے تھے۔

صلاح الدین ایوبی کو نہ حسین لڑکیوں سے دھوکا دیا جا سکتا تھا نہ شراب سے۔ وہ ان دونوں سے نفرت کرتا تھا۔ اُسے قتل کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ اس پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اس کے محافظوں کی موجودگی میں اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دو حملے ناکام ہو چکے تھے۔ اب جبکہ صلاح الدین ایوبی کو یہ توقع تھی کہ اس کا چچا زاد بھائی الصالح اور امیر سیف الدین شکست کھا کر توبہ کر چکے ہوں گے، انہوں نے انتقام کی ایک اور زیرِ زمین کوشش کی۔ صلاح الدین ایوبی نے اس فتح کا جشن منانے کی بجائے حملے جاری رکھے اور تین قصبوں کو قبضے میں لے لیا۔ ان میں غازہ کا مشہور قصبہ بھی تھا۔ اسی قصبے کے گرد و نواح میں ایک روز صلاح الدین ایوبی، امیر جاوا الاسدی کے خیمے میں دوپہر کے وقت غنودگی کے عالم میں سستا رہا تھا۔ اُس نے اپنی وہ پگڑی نہیں اُتاری تھی جو میدانِ جنگ میں اُس کے سر کو صحرا کے سورج اور دشمن کی تلوار سے محفوظ رکھتی تھی۔ خیمے کے باہر اُس کے محافظوں کا دستہ موجود اور چوکس تھا۔

باڈی گارڈز کے اس دستے کا کمانڈر ذرا سی دیر کے لیے وہاں سے چلا گیا۔ ایک محافظ نے صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے گرے ہوئے پردوں میں سے جھانکا۔ اسلام کی عظمت کے پاسبان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا ہوا

تھا۔ اس محافظ نے باڈی گارڈز کی طرف دیکھا۔ ان میں سے تین چار باڈی گارڈز نے اس کی طرف دیکھا۔ محافظ نے اپنی آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ تین چار محافظ اُٹھے اور دوسروں کو باتوں میں لگا لیا، محافظ خیمے میں چلا گیا۔ کمر بند سے خنجر نکالا۔ دبے پاؤں چلا اور پھر چیتے کی طرح سوئے ہوئے صلاح الدین ایوبی پر جست لگائی۔ خنجر والا ہاتھ اوپر اُٹھا۔ عین اُس وقت صلاح الدین ایوبی نے کروٹ بدل لی۔ یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ محافظ خنجر کہاں مارنا چاہتا تھا۔ دل میں یا سینے میں۔ مگر ہوا یوں کہ خنجر صلاح الدین ایوبی کی پگڑی کے بالائی حصے میں اُتر گیا اور سر سے بال برابر دُور رہا، پگڑی سر سے اتر گئی۔

صلاح الدین ایوبی بجلی کی تیزی سے اُٹھا۔ اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ سب کیا ہے۔ اس پر اس سے پہلے ایسے دو حملے ہو چکے تھے۔ اس نے اس پر بھی حیرت کا اظہار نہ کیا کہ حملہ آور اس کے اپنے باڈی گارڈز کے لباس میں تھا، جسے اس نے خود اپنے باڈی گارڈز کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس نے ایک سانس جتنا عرصہ بھی ضائع نہ کیا۔ حملہ آور اس کی پگڑی سے خنجر کھینچ رہا تھا۔ ایوبی سر سے ننگا تھا۔ اس نے حملہ آور کی ٹھوڑی پر پوری طاقت سے گھونسہ مارا۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ حملہ آور کا جبڑا ٹوٹ گیا تھا۔ وہ پیچھے کو گرا اور اُس کے منہ سے ہیبت ناک آواز نکلی۔ اس کا خنجر صلاح الدین ایوبی کی پگڑی میں رہ گیا تھا۔ ایوبی نے اپنا خنجر نکال لیا۔ اتنے میں دو محافظ دوڑتے ہوئے اندر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں کہا کہ اسے زندہ پکڑ لو، مگر یہ دونوں محافظ صلاح الدین ایوبی پر ٹوٹ پڑے۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک خنجر سے دو تلواروں کا مقابلہ کیا۔ یہ مقابلہ ایک دو منٹ کا تھا، کیونکہ تمام باڈی گارڈز اندر آ گئے تھے۔ صلاح الدین ایوبی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے باڈی گارڈز دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو لہولہان کر رہے تھے۔ اسے چونکہ معلوم نہیں تھا کہ ان میں اس کا دشمن کون اور دوست کون ہے، وہ اس معرکے میں شریک نہ ہو سکا۔

کچھ دیر بعد جب باڈی گارڈز میں سے چند ایک مارے گئے، کچھ بھاگ گئے اور بعض زخمی ہو کر بے حال ہو گئے تو انکشاف ہوا کہ اس دستے میں جو صلاح الدین ایوبی کی حفاظت پر مامور تھا، سات محافظ "فدائی" تھے جو صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کام کے لیے صرف ایک "فدائی" خیمے میں بھیجا تھا۔ اندر صورت حال بدل گئی، چنانچہ باقی بھی اندر چلے گئے۔ اصل محافظ بھی اندر گئے، وہ صورت حال سمجھ گئے اور صلاح الدین ایوبی بچ گیا۔ اس نے اپنے پہلے حملہ آور کی شہ رگ پر تلوار کی نوک رکھ کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور اُسے کس نے بھیجا ہے؟ سچ بولنے کے بدلے صلاح الدین ایوبی نے اسے جان بخشی کا وعدہ دیا۔ اس نے بتا دیا کہ وہ "فدائی" ہے اور اسے گمشتگین (جسے بعض مورخوں نے گمشتگین لکھا ہے) نے اس کام کے لیے بھیجا تھا۔ گمشتگین الصالح کے ایک قلعے کا گورنر تھا۔

☆

اصل کہانی سنانے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات سے پہلے کے دَور کو دیکھا جائے۔ صلاح الدین ایوبی کے نام، اس کی عظمت اور تاریخ اسلام میں اس کے مقام اور کارناموں سے کون واقف نہیں؟ ملت اسلامیہ تو اُسے بھول ہی نہیں سکتی، مسیحی دنیا بھی اُسے ہمیشہ یاد رکھے گی۔ لہٰذا یہ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ صلاح الدین ایوبی کا شجرۂ نسب تفصیل سے بیان کیا جائے۔ ہم جو کہانی سنانے لگے ہیں وہ اس نوعیت کی ہے جس کی وسعت کے لیے تاریخ کا دامن تنگ ہوتا ہے۔ یہ تفصیلات وقائع نگاروں اور قلم کاروں کی ریکارڈ کی ہوئی ہوتی ہیں۔ کچھ سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں تک پہنچتی ہیں۔ تاریخ کے دامن میں صلاح الدین ایوبی کے صرف کارنامے محفوظ کیے گئے ہیں۔ ان سازشوں کا ذکر بہت کم آیا ہے جو اپنوں نے اس کے خلاف کیں اور اس کی بڑھتی ہوئی شہرت اور عظمت کو داغ دار کرنے کے لیے اُسے ایسی لڑکیوں کے جال

میں پھانسنے کی بار بار کوشش کی گئی جن کے حسن میں طلسماتی اثر تھا۔

تاریخِ اسلام کا یہ حقیقی ڈرامہ ۲۳ مارچ ۱۱۶۹ء کے روز سے شروع ہوتا ہے۔ جب صلاح الدین ایوبی کو مصر کا وائسرائے اور فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ اسے اتنا بڑا رتبہ ایک تو اس لیے دیا گیا کہ وہ حکمران خاندان کا نونہال تھا اور دوسرے اس لیے کہ اوائل عمر میں ہی وہ فنِ حرب و ضرب کا ماہر ہو گیا تھا۔ سپاہ گری ورثے میں پائی تھی۔ اس کے ذہن میں حکمرانی معنی بادشاہی نہیں، اسلام کی پاسبانی اور قوم کی عظمت اور فلاح و بہبود تھی۔ اس کا جب شعور بیدار ہوا تو پہلی خلش یہ محسوس کی کہ مسلمان حکمرانوں میں نہ صرف یہ کہ اتحاد نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کی مدد سے بھی گریز کرتے تھے۔ وہ عیاش ہو گئے تھے۔ شراب اور عورت نے جہاں اُن کی زندگی رنگین بنا رکھی تھی، وہاں عالمِ اسلام اور خدا کے اس عظیم مذہب کا مستقبل تاریک ہو گیا تھا۔ ان امیروں، اُن کے وزیروں اور مشیروں کے حرم غیر مسلم لڑکیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ زیادہ تر لڑکیاں یہودی اور عیسائی تھیں، جنہیں خاص تربیت دے کر ان حرموں میں داخل کیا گیا تھا۔ غیر معمولی حسن اور اداکاری میں کمال رکھنے والی یہ لڑکیاں مسلمان حکمرانوں اور سربراہوں کے کردار اور قومی جذبے کو دیمک کی طرح کھا رہی تھیں۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صلیبی جن میں فرینک (فرنگی) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مسلمانوں کی سلطنتوں کے ٹکڑے ہڑپ کرتے چلے جا رہے تھے اور بعض مسلم حکمران شاہ فرینک کو سالانہ ٹیکس یا جزیہ ادا کر رہے تھے جس کی حیثیت غنڈہ ٹیکس کی سی تھی۔ صلیبی اپنی جنگی قوت کے رُعب سے اور چھوٹے موٹے حملوں سے حکمرانوں کو ڈراتے رہتے، کچھ علاقے پر قبضہ کر لیتے، تاوان اور ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ آہستہ آہستہ دنیائے اسلام کو ہڑپ کر لیا جائے۔ مسلمان حکمران اپنی رعایا کا خون چوس کر ٹیکس دیتے رہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں عیش و عشرت میں پریشان نہ کیا جائے۔

فرقہ پرستی کے بیج بھی بو دیئے گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک فرقہ حسن بن صباح کا تھا جو صلاح الدین ایوبی کی جوانی سے ایک صدی پہلے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ یہ مفاد پرستوں کا فرقہ تھا، بے حد خطرناک اور پُر اسرار۔ یہ لوگ اپنے آپ کو ''فدائی'' کہتے تھے جو بعد میں ''حشیشین'' کے نام سے مشہور ہوئے، کیونکہ وہ حشیش نام کی ایک نشہ آور شے سے دوسرے کو اپنے جال میں پھانستے تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے مدرسۂ نظام الملک میں تعلیم حاصل کی۔ یاد رہے کہ نظام الملک دنیائے اسلام کی ایک سلطنت کے وزیر تھے۔ یہ مدرسہ انہوں نے قائم کیا تھا، جس میں اسلامی تعلیم دی جاتی اور بچوں کو اسلامی نظریات اور تاریخ سے بہرہ ور کیا جاتا تھا۔ ایک مورخ ابن الاطہر کے مطابق نظام الملک، حسن بن صباح کے ''فدائیوں'' کا پہلا شکار ہوئے تھے، کیونکہ وہ رومیوں کی توسیع پسندی کی راہ میں چٹان بنے ہوئے تھے۔ رومیوں نے ۱۰۹۱ء میں انہیں ''فدائیوں'' کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔ ان کا مدرسہ قائم رہا۔ صلاح الدین ایوبی نے وہیں تعلیم حاصل کی۔ اسی عمر میں اس نے سپاہ گری کی تربیت اپنے بزرگوں سے لی۔ نور الدین زنگی نے اسے جنگی چالیں سکھائیں، ملک کے انتظامات کے سبق دیئے اور ڈپلومیسی میں مہارت دی۔ اس تعلیم و تربیت نے اس کے اندر وہ جذبہ پیدا کر دیا جس نے آگے چل کر اسے صلیبیوں کے لیے بجلی بنا دیا۔ اوائل جوانی میں ہی اس نے وہ ذہانت اور اہلیت حاصل کر لی تھی جو ایک سالارِ اعظم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

صلاح الدین ایوبی نے فنِ حرب و ضرب میں جاسوسی (انٹیلی جنس) کمانڈو اور گوریلا اپریشن کو خصوصی اہمیت دی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ صلیبی جاسوسی کے میدان میں آگے نکل گئے ہیں اور وہ مسلمانوں کے نظریات پر نہایت کارگر حملے کر رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نظریات کے محاذ پر لڑنا چاہتا تھا، جس میں تلوار

استعمال نہیں ہوتی۔ اس کہانی میں آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اُس کی تلوار کا وار تو گہرا ہوتا ہی تھا، اس کی محبت کا وار اس سے کہیں زیادہ مار کرتا تھا۔ اس کے لیے تحمل اور بُردباری کی ضرورت ہوتی ہے جو اس نے اوائل عمر میں ہی اپنے آپ میں پیدا کر لی تھی۔

اُسے جب مصر کا وائسرائے اور کمانڈر انچیف بنا کر مصر بھیجا گیا تو ان سینئر افسروں نے ہنگامہ برپا کر دیا، جو اس عہدے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ ان کی نگاہ میں صلاح الدین ایوبی ابھی طفلِ مکتب تھا مگر اس طفلِ مکتب نے جب اُن کا سامنا کیا، اُس کی باتیں سنیں تو ان کا احتجاج سرد پڑ گیا۔ مورخ لین پول کے مطابق صلاح الدین ایوبی ڈسپلن کا بڑا ہی سخت ثابت ہوا۔ اُس نے تفریح، عیاشی اور آرام کو اپنے لیے اور اپنی افواج کے لیے حرام قرار دے دیا۔ اس نے اپنی دماغی اور جسمانی قوتوں کو صرف اس مقصد پر مرکوز کر دیا کہ سلطنتِ اسلامیہ کو مستحکم کرنا ہے اور صلیبیوں کو اس سرزمین سے نکالنا ہے۔ فلسطین پر وہ ہر قیمت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بھی مقاصد اپنی فوج کو دیئے۔ مصر کا وائسرائے بن کر اس نے کہا..........''خدا نے مجھے مصر کی سرزمین دی ہے۔ اس کی ذاتِ باری مجھے فلسطین بھی ضرور عطا کرے گی''..........مگر مصر پہنچ کر اُس پر انکشاف ہوا کہ اس کا مقابلہ صرف صلیبیوں سے نہیں بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں نے اس کی راہ میں بڑے بڑے حسین جال بچھا رکھے ہیں جو صلیبیوں کے عزائم اور جنگی قوت سے زیادہ خطرناک ہیں۔

☆

مصر میں صلاح الدین ایوبی کا استقبال جن زعما نے کیا ان میں ناجی نام کا ایک سالار خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے سب کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ اور زبان پر پیار و محبت کی چاشنی تھی۔ بعض پرانے افسروں نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جن میں طنز تھی اور تمسخر بھی تھا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے صرف نام سے واقف تھے یا اُس کے متعلق یہ جانتے تھے کہ وہ حکمران خاندان کا فرد اور اپنے چچا کا جانشین ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نورالدین زنگی کے ساتھ اس کا کیا رشتہ ہے۔ ان کی نگاہوں میں صلاح الدین ایوبی کی اہمیت بس اس کے خاندان کی بدولت تھی یا اس وجہ سے انہوں نے اسے اہمیت دی کہ وہ مصر کا فوجی وائسرائے بن کے آیا تھا۔ اس کے سوا انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو کوئی وقعت نہ دی۔ ایک بوڑھے افسر نے اپنے ساتھ کھڑے افسر کے کان میں کہا۔

''بچہ ہے۔ اسے ہم پال لیں گے''

مورخ اور اُس وقت کے وقائع نگار یہ نہیں بتا سکتے کہ صلاح الدین ایوبی نے ان لوگوں کی نظریں بھانپ لی تھیں یا نہیں۔ وہ استقبال کرنے والے اس ہجوم میں بچہ لگ رہا تھا۔ البتہ جب وہ ناجی کے سامنے مصافحہ کے لیے رُکا تو صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر تبدیلی سی آ گئی تھی۔ وہ ناجی سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا لیکن ناجی جو اس کے باپ کی عمر کا تھا۔ سب سے پہلے درباری خوشامدیوں کی طرح جھکا۔ پھر ایوبی سے بغل گیر ہو گیا۔ اُس نے ایوبی کی پیشانی چوم کر کہا..........

''میرے خون کا آخری قطرہ بھی تمہاری جان کی حفاظت کے لیے بہے گا۔ تم میرے پاس زنگی اور شرکوہ کی امانت ہو''۔

''میری جان عظمتِ اسلام سے زیادہ قیمتی نہیں۔'' صلاح الدین ایوبی نے ناجی کا ہاتھ چوم کر کہا..........

''محترم! اپنے خون کا ایک ایک قطرہ سنبھال کر رکھیے۔ صلیبی سیاہ گھٹاؤں کی مانند چھا رہے ہیں۔''

ناجی جواب میں صرف مُسکرایا جیسے صلاح الدین ایوبی نے کوئی لطیفہ سنایا ہو۔

صلاح الدین ایوبی اتنی تجربہ کار سالار کی مُسکراہٹ کو غالباً نہیں سمجھ سکا۔ ناجی فاطمی خلافت کا پروردہ سالار تھا۔

وہ مصر میں باڈی گارڈز کا کمانڈر تھا، جس کی نفری پچاس ہزار تھی اور ساری کی ساری نفری سوڈانی تھی۔ یہ فوج اُس دور کے جدید ہتھیاروں سے مسلح تھی اور یہ فوج ناجی کا ہتھیار بن گئی تھی جس کے زور پر وہ بے تاج بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔ وہ سازشوں اور مفاد پرستی کا دور تھا۔ اسلامی دنیا کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ صلیبیوں کی بھی نہایت دل کش تخریب کاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ زر پرستی اور تعیش کا دور دورہ تھا۔ جس کے پاس ذراسی بھی طاقت تھی، اسے وہ اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے اور دولت سمیٹنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ سوڈانی باڈی گارڈز فوج کا کمانڈر ناجی مصر میں حکمرانوں اور دیگر سربراہوں کے لیے دہشت بنا ہوا تھا۔ خدا نے اسے سازش ساز دماغ دیا تھا۔ اُسے اُس دور کا بادشاہ ساز کہا جاتا تھا۔ بنانے اور بگاڑنے کی خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کو دیکھا تو اس کے چہرے پر بالکل اسی طرح مُسکراہٹ آ گئی جس طرح کمزور سی بھیڑ کو دیکھ کر بھیڑیئے کے دانت نکل آتے ہیں۔ ایوبی اس زہر خند کو نہ سمجھ سکا۔ اس کے لیے سب سے زیادہ اہم آدمی ناجی ہی تھا کیونکہ وہ پچاس ہزار باڈی گارڈز کا کمانڈر تھا اور صلاح الدین ایوبی کو اس فوج کی ضرورت تھی۔

صلاح الدین ایوبی سے کہا گیا کہ حضور بڑی لمبی مسافت سے تشریف لائے ہیں، پہلے آرام کر لیں تو اس نے کہا.........."میرے سر پر جو دستار رکھ دی گئی ہے، میں اس کا اہل نہ تھا۔ اس دستار نے میرا آرام اور میری نیند ختم کر دی ہے۔ کیا آپ حضرات مجھے اُس چھت کے نیچے نہیں لے چلیں گے جہاں میرے فرائض میرا انتظار کر رہے ہیں؟"

"کیا حضور کام سے پہلے طعام پسند نہیں فرمائیں گے؟"..........اُس کے نائب نے پوچھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کچھ سوچا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ لمبے تڑنگے، قوی ہیکل باڈی گارڈز اس عمارت کے سامنے دو رویہ کھڑے تھے جس میں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایوبی نے ان گارڈز کے قدبُت اور ہتھیار دیکھے تو اس کے چہرے پر رونق آ گئی مگر یہ رونق دروازے میں قدم رکھتے ہی غائب ہوگئی، وہاں چار نوجوان لڑکیاں جن کے جسموں میں زہد شکن لچک اور شانوں پر بکھرے ہوئے ریشمی بالوں میں قدرت کا حسن سمویا ہوا تھا، ہاتھوں میں پھولوں کی پتیوں سے بھری ہوئی خوش نما ٹوکریاں اُٹھائے کھڑی تھیں۔ انہوں نے صلاح الدین ایوبی کے راستے میں پتیاں بکھیرنی شروع کر دیں اور اس کے ساتھ دف کی تال پر طاؤس و رباب اور شہنائیوں کا مسحور کن نغمہ اُبھرا۔ ایوبی نے راستے میں پھولوں کی پتیاں دیکھ کر قدم پیچھے کر لیا۔ ناجی اور اس کا نائب اُس کے دائیں بائیں تھے، وہ دونوں جھک گئے اور اُسے آگے چلنے کی دعوت دی۔ یہ وہ انداز تھا جسے مغل بادشاہوں نے ہندوستان میں رائج کیا تھا۔

"صلاح الدین ایوبی پھولوں کی پتیاں مسلنے نہیں آیا"۔ ایوبی نے ایسی مُسکراہٹ سے کہا جو اُن لوگوں نے پہلے کم ہی کبھی کسی کے ہونٹوں پر دیکھی تھی۔

"ہم حضور کے راستے میں آسمان سے تارے بھی نوچ کر بچھا سکتے ہیں"۔ ناجی نے کہا۔

"اگر میری راہ میں کچھ بچھانا چاہتے ہو تو وہ ایک ہی چیز ہے جو میرے دل کو بھاتی ہے"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا۔

"آپ حکم دیں"۔ نائب نے کہا۔ "وہ کون سی چیز ہے جو حضور کے دل کو بھاتی ہے"۔

"صلیبیوں کی لاشیں"۔ صلاح الدین ایوبی نے مُسکرا کر کہا مگر فوراً ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے دھیمی آواز میں جس میں قہر اور عتاب چھپا ہوا تھا، کہا.........."مسلمان کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں۔ جانتے نہیں ہو صلیبی سلطنتِ اسلامیہ کو چوہوں کی طرح کھا رہے ہیں؟ اور جانتے ہو کہ وہ کیوں

کامیاب ہو رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ہم نے پھولوں کی پتیوں پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ ہم نے اپنی بچیوں کو ننگا کر کے ان کی عصمتیں روند ڈالی ہیں۔ میری نظریں فلسطین پر لگی ہوئی ہیں، تم میری راہ میں پھول بچھا کر مصر سے بھی اسلام کا پرچم اُتروا دینا چاہتے ہو؟"............ اُس نے سب کو ایک نظر دیکھا اور دبدبے سے کہا............ "اُٹھا لو یہ پھول میرے راستے سے، میں نے ان پر قدم رکھا تو میری روح کانٹوں سے چھلنی ہو جائے گی۔ ہٹا دو لڑکیوں کو میرے راستے سے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری تلوار ان کے اتنے دل کش سنہرے بالوں میں اُلجھ کر بے کار ہو جائے"۔

"حضور کی جاہ و حشمت............"

"مجھے حضور نہ کہو"۔ صلاح الدین ایوبی نے بولنے والے کو یوں ٹوک دیا جیسے تلوار سے کسی کافر کی گردن کاٹ دی ہو۔ اس نے کہا۔ "حضور وہ تھے جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو اور جن کا میں غلامِ بے دام ہوں۔ میری جان فدا ہو اُس حضور صلعم پر جن کے مقدس پیغام کو میں نے سینے پر کندہ کر رکھا ہے۔ میں یہی پیغام لے کے مصر میں آیا ہوں۔ صلیبی مجھ سے یہ پیغام چھین کر بحیرۂ روم میں ڈبو دینا چاہتے ہیں۔ شراب میں غرق کر دینا چاہتے ہیں۔ میں بادشاہ بن کے نہیں آیا"۔

لڑکیاں کسی کے اشارے پر پھولوں کی پتیاں سمیٹ کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ صلاح الدین ایوبی تیزی سے دروازے کے اندر چلا گیا۔ ایک وسیع کمرہ تھا۔ اس میں ایک لمبی میز رکھی ہوئی تھی جس پر رنگا رنگ پھول بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان روسٹ کیے ہوئے بکروں کے بڑے بڑے ٹکڑے، سالم مرغ اور جانے کیسے کیسے کھانے سجے ہوئے تھے۔ صلاح الدین ایوبی رُک گیا اور اپنے نائب سے پوچھا............ "کیا مصر کا ہر ایک باشندہ اسی قسم کا کھانا کھاتا ہے؟"

"نہیں حضور!" نائب نے جواب دیا............ "غریب لوگ تو ایسے کھانے کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔"

"تم سب کس قوم کے فرد ہو؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا............ "کیا ان لوگوں کی قوم الگ ہے جو ایسے کھانوں کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے؟" کسی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے کہا............ "اس جگہ جس قدر ملازم ہیں اور یہاں جتنے سپاہی ڈیوٹی پر ہیں ان سب کو اندر بلاؤ۔ یہ کھانا انہیں کھلا دو"............ اس نے لپک کر ایک روٹی اُٹھائی۔ اس پر دو تین بوٹیاں رکھیں اور کھڑے کھڑے کھانے لگا۔ نہایت تیزی سے پوری روٹی کھا کر پانی پیا اور باڈی گارڈز کے کمانڈر ناجی کو ساتھ لے کر اس کمرے میں چلا گیا جو وائسرائے کا دفتر تھا۔

دو گھنٹے بعد ناجی باہر نکلا۔ دوڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایڑ لگائی اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

رات ناجی کے خاص کمرے میں اس کے دو کمانڈر جو اُس کے معتمد اور ہمراز تھے، اس کے پاس بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ناجی نے کہا............ "جوانی کا جوش ہے۔ تھوڑے دنوں میں ٹھنڈا کر دوں گا۔ کم بخت جو بھی بات کرتا ہے، کہتا ہے ربِ کعبہ کی قسم صلیبیوں کو سلطنتِ اسلامیہ سے باہر نکال کر دم لوں گا"۔

"صلاح الدین ایوبی"۔ ایک کمانڈر نے طنزیہ کہا............ "اتنا بھی نہیں جانتا کہ سلطنتِ اسلامیہ کا دم نکل چکا ہے۔ اب سوڈانی حکومت کریں گے"۔

"کیا آپ نے اُسے بتایا نہیں کہ یہ پچاس ہزار کا لشکر سوڈانی ہے؟" دوسرے کمانڈر نے ناجی سے پوچھا............ "اور یہ لشکر جسے وہ اپنی فوج سمجھتا ہے، صلیبیوں کے خلاف نہیں لڑے گا؟"

"تمہارا دماغ ٹھکانے ہے اوروش؟" .... ناجی نے کہا............ "میں اُسے یہ یقین دلا آیا ہوں کہ یہ پچاس ہزار سوڈانی شیر اس کے اشارے پر صلیبیوں کے پرخچے اُڑا دیں گے۔ لیکن............" ناجی چپ ہو کر سوچ میں پڑ

گیا۔

''لیکن کیا؟''

''اس نے مجھے حکم دیا کہ مصر کے باشندوں کی ایک فوج تیار کرو''۔ ناجی نے کہا...... ''اس نے کہا ہے کہ ایک ہی ملک کی فوج مناسب نہیں ہوتی۔ وہ مصر کے لوگوں کو بھرتی کر کے ہماری فوج میں شامل کرنا چاہتا ہے''۔

''تو آپ نے کیا جواب دیا؟''

''میں نے کہا کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی''...... ناجی نے جواب دیا...... ''مگر میں ایسے حکم کی تعمیل نہیں کروں گا''۔

''مزاج کا کیسا ہے؟'' اوروش نے پوچھا۔

''ضد کا پکا معلوم ہوتا ہے''۔ ناجی نے جواب دیا۔

''آپ کی دانش اور تجربے کے سامنے تو وہ کچھ بھی نہیں لگتا''۔ دوسرے کمانڈر نے کہا۔ ''نیا نیا امیر مصر بن کے آیا ہے، کچھ روز یہ نشہ طاری رہے گا''۔

''میں یہ نشہ اُترنے نہیں دوں گا''۔ ناجی نے کہا۔ ''اسے اسی نشے میں بدمست کر کے ماروں گا''۔

بہت دیر تک یہ تینوں صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کرتے رہے اور اس مسئلے پر غور کرتے رہے کہ اگر صلاح الدین ایوبی نے ناجی کی بے تاج بادشاہی کے لیے خطرہ پیدا کر دیا تو وہ کیا کاروائی کریں گے۔ اُدھر صلاح الدین ایوبی اپنے نائبین کو سامنے بٹھائے، یہ ذہن نشین کرا رہا تھا کہ وہ حکومت کرنے نہیں آیا اور نہ کسی کو حکومت کرنے دے گا۔ اس نے انہیں کہا کہ اسے جنگی طاقت کی ضرورت ہے اور اُس نے یہ بھی کہا کہ اُسے یہاں کا فوجی ڈھانچہ بالکل پسند نہیں۔ پچاس ہزار باڈی گارڈز سوڈانی ہیں۔ ہمیں ہر خطے کے باشندوں کو یہ حق دینا ہے کہ وہ ہماری فوج میں آئیں۔ اپنے جوہر دکھائیں اور مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ وصول کریں۔ یہاں کے عوام کا معیارِ زندگی اسی طرح بلند ہو سکتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں بتایا...... ''میں نے ناجی سے کہہ دیا ہے کہ وہ عام بھرتی شروع کر دے''۔

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا؟'' ایک ناظم نے اُس سے پوچھا۔

''کیا وہ حکم کی تعمیل سے گریز کرے گا؟''

''وہ گریز کر سکتا ہے''۔ ناظم نے جواب دیا۔ ''فوجی امور اُسی کے سپرد ہیں، وہ کسی سے حکم لیا نہیں کرتا، اپنی منوایا کرتا ہے''۔

صلاح الدین ایوبی خاموش رہا جیسے اس پر کچھ اثر ہی نہ ہوا ہو۔ اُس نے سب کو رخصت کر دیا اور صرف علی بن سفیان کو اپنے ساتھ رکھا۔ علی بن سفیان جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا ماہر تھا۔ اسے صلاح الدین ایوبی بغداد سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ اُدھیڑ عمر آدمی تھا۔ اداکاری، چرب زبانی اور بھیس بدلنے میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگوں میں اس نے جاسوسی کی بھی تھی اور جاسوسوں کو پکڑا بھی تھا۔ اس کا اپنا گروہ تھا جو آسمان سے تارے بھی توڑ لاتا تھا...... صلاح الدین ایوبی کو جاسوسی کی اہمیت سے واقفیت تھی۔ فنی مہارت کے علاوہ علی میں وہی جذبہ تھا جو صلاح الدین ایوبی میں تھا۔

''تم نے سنا علی!'' صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''یہ لوگ کہہ گئے ہیں کہ ناجی کسی سے حکم لیا نہیں کرتا، اپنی منوایا کرتا ہے''۔

"ہاں"۔علی نے جواب دیا۔"میں نے سن لیا ہے، اگر میں چہرے پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا تو میری رائے میں باڈی گارڈز کا یہ کمانڈر جس کا نام ناجی ہے، ناپاک ذہنیت کا انسان ہے۔ اس کے متعلق میں پہلے سے بھی کچھ جانتا ہوں۔ یہ فوج جو ہمارے خزانے سے تنخواہ لیتی ہے، دراصل ناجی کی ذاتی فوج ہے۔ اس نے حکومتی حلقوں میں ایسی ایسی سازشیں کی ہیں، جنہوں نے انتظامی ڈھانچے کو بے حد کمزور کر دیا ہے۔ آپ کا یہ فیصلہ بالکل بجا ہے کہ فوج میں یہاں کے ہر خطے کے سپاہی ہونے چاہئیں۔ میں آپ کو تفصیلی معلومات فراہم کروں گا۔ مجھے شک ہے کہ سوڈانی فوج ناجی کی وفادار ہے، ہماری نہیں۔ آپ کو اس فوج کی ترتیب اور تنظیم بدلنی پڑے گی یا ناجی کو سبکدوش کرنا پڑے گا"۔

"میں اپنی صفوں میں ہی اپنے دشمن پیدا نہیں کرنا چاہتا"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا.........."ناجی گھر کا بھیدی ہے۔ اسے سبکدوش کر کے اپنا دشمن بنا لینا دانش مندی نہیں۔ ہماری تلوار غیروں کے لیے ہے، اپنوں کا خون بہانے کے لیے نہیں۔ میں ناجی کی ذہنیت کو پیار اور محبت سے بدل سکتا ہوں۔ تم اس فوج کی ذہنیت معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے صحیح اطلاع دو کہ فوج کہاں تک ہماری وفادار ہے"۔

مگر ناجی اتنا کچا آدمی نہیں تھا۔ اس کی ذہنیت پیار اور محبت کے بکھیڑوں سے آزاد تھی۔ اُسے اگر پیار تھا تو اپنے اقتدار اور شیطانیت کے ساتھ تھا۔ اس لحاظ سے وہ پتھر تھا مگر جسے اپنے جال میں پھانسنا چاہتا اس کے سامنے موم ہو جاتا تھا۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ بھی رویہ اختیار کیا۔ اس کے سامنے وہ بیٹھتا نہیں تھا۔ ہاں میں ہاں ملاتا چلا جاتا تھا۔ اس نے مصر کے مختلف خطوں سے ایوبی کے حکم کے مطابق فوج کے لیے بھرتی شروع کر دی تھی، حالانکہ یہ کام اُس کی مرضی کے خلاف تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی اُسے کچھ کچھ پسند کرنے لگا تھا۔ ناجی نے اُسے یقین دلایا تھا کہ سوڈانی باڈی گارڈز فوج حکم کی منتظر ہے اور یہ قوم کی توقعات پر پوری اُترے گی۔ ناجی صلاح الدین ایوبی کو دو تین مرتبہ کہہ چکا تھا کہ وہ باڈی گارڈز کی طرف سے اُسے دعوت دینا چاہتا ہے اور فوج اس کے اعزاز میں جشن منانے کے لیے بے تاب ہے، لیکن صلاح الدین ایوبی معروفیت کی وجہ سے یہ دعوت قبول نہیں کر سکا تھا۔

☆

رات کا وقت تھا۔ ناجی اپنے کمرے میں اپنے دو معتمد جونیئر کمانڈروں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ دو ناچنے والیاں سازوں کی ہلکی ہلکی موسیقی مستی میں آئی ہوئی ناگنوں کی طرح مسحور کن اداؤں سے رقص کر رہی تھیں۔ اُن کے پاؤں میں گھنگھرو نہیں تھے۔ اُس کے جسموں پر کپڑے صرف اسی قدر تھے کہ اُن کے ستر ڈھکے ہوئے تھے۔ اس رقص میں خمار کا تاثر تھا۔

دربان اندر آیا اور ناجی کے کان میں کچھ کہا۔ ناجی جب شراب اور رقص میں محو ہوتا تھا تو کوئی مخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ صرف دربان کو معلوم تھا کہ وہ کون سا ضروری کام ہے جس کی خاطر ناجی عیش و طرب کی محفل سے اُٹھا کرتا ہے، ورنہ وہ اندر آنے کی جرأت نہیں کرتا۔ اس کی بات سنتے ہی ناجی باہر نکل گیا اور دربان اُسے دوسرے کمرے میں لے گیا، وہاں سوڈانی لباس میں ملبوس ایک اُدھیڑ عمر آدمی بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک جوان لڑکی تھی۔ ناجی کو دیکھ کر وہ اُٹھی۔ ناجی اُس کے چہرے اور قد کاٹھ کی دل کشی دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ وہ عورتوں کا شکاری تھا۔ اُسے عورتیں صرف اپنی عیاشی کے لیے درکار نہیں ہوتی تھیں۔ ان سے وہ اور بھی کئی کام لیا کرتا تھا جن میں ایک یہ تھا کہ وہ نہایت خوب صورت اور عیار لڑکیوں کے ذریعے بڑے بڑے افسروں کو اپنی مٹھی میں رکھتا تھا اور ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ انہیں امیروں وزیروں کو بلیک

میل کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا اور ان سے وہ جاسوسی بھی کراتا تھا۔ جس طرح قصاب جانور کو دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ اُس کا گوشت کتنا ہے، اسی طرح ناجی لڑکی کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا کہ یہ کس کام کے لیے موزوں ہے۔ لڑکیوں کے بیوپاری اور بردہ فروش اکثر ناجی کے پاس مال لاتے رہتے تھے۔

یہ آدمی بھی ایسے ہی بیوپاروں میں سے لگتا تھا۔ لڑکی کے متعلق اُس نے بتایا کہ تجربہ کار ہے۔ ناچ بھی سکتی ہے اور پتھر کو زبان کے میٹھے زہر سے پانی میں تبدیل کر سکتی ہے۔ ناجی نے اس کا انٹرویو لیا۔ وہ اس فن کا ماہر تھا۔ اس کے مطابق اس نے لڑکی کا امتحان لیا اور اس نے یہ رائے قائم کی جس کام کے لیے وہ ایک اور لڑکی کو تیار کر رہا تھا، اس کے لیے یہ لڑکی تھوڑی ٹریننگ کے بعد موزوں ہو سکتی ہے۔ سودا طے ہو گیا۔ بیوپاری قیمت وصول کر کے چلا گیا۔ ناجی لڑکی کو اُس کمرے میں لے گیا جہاں اس کے دو ساتھی رقص اور شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ اُس نے لڑکی کو ناچنے کے لیے کہا۔ لڑکی نے جب چغہ اُتار کر جسم کو دو ہی بل دیے تو ناجی اور اس کے ساتھی تڑپ اُٹھے۔ پہلی دونوں ناچنے والیوں کے رنگ پیلے پڑ گئے۔ اس نئی لڑکی کے سامنے ان کی قدر و قیمت کم ہو گئی تھی۔

ناجی نے اسی وقت محفل برخاست کر دی اور اس لڑکی کو اپنے پاس بٹھا کر سب کو باہر نکال دیا۔ لڑکی سے نام پوچھا تو اس نے ذکوئی بتایا۔ ناجی نے اسے کہا............ ''ذکوئی! تمہیں یہاں لانے والے نے بتایا تھا کہ تم پتھر کو پانی میں تبدیل کر سکتی ہو۔ میں تمہارا یہ کمال دیکھنا چاہتا ہوں''۔

''وہ پتھر کون ہے؟'' ذکوئی نے پوچھا۔

''نیا امیر مصر''۔ ناجی نے جواب دیا۔ ''وہ سالار اعظم بھی ہے''۔

''صلاح الدین ایوبی؟'' ذکوئی نے پوچھا۔

''ہاں، صلاح الدین ایوبی''۔ ناجی نے کہا۔ ''اگر تم اسے پانی میں تبدیل کر دو تو اُس کے وزن جتنا سونا تمہارے قدموں میں رکھ دوں گا''۔

''وہ شراب تو پیتا ہو گا؟''

''نہیں''۔ ناجی نے جواب دیا۔ ''شراب، عورت، ناچ، گانے اور تفریح سے وہ اتنی ہی نفرت کرتا ہے جتنی ہر مسلمان خنزیر سے کرتا ہے''۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ کے پاس لڑکیوں کا ایسا طلسم ہے جو نیل کی روانی کو روک لیتا ہے''۔ ذکوئی نے کہا............ ''کیا وہ طلسم بے کار ہو گیا ہے؟''

''میں نے ابھی آزمایا نہیں''۔ ناجی نے کہا۔ ''یہ کام تم کر سکتی ہو، میں صلاح الدین ایوبی کی عادتوں کے متعلق تمہیں بہت کچھ بتاؤں گا''۔

''کیا آپ اُسے زہر دینا چاہتے ہیں؟'' ذکوئی نے پوچھا۔

''ابھی نہیں''۔ ناجی نے جواب دیا۔ ''میری اُس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ ایک بار کسی تم جیسی لڑکی کے جال میں پھنس جائے، پھر میں اسے اپنے پاس بٹھا کر شراب پلاؤں، اگر اسے قتل کرنا مقصود ہوتا تو میں یہ کام حشیشین سے نہایت آسانی سے کرا سکتا تھا''۔

''یعنی آپ اس کے ساتھ دشمنی نہیں دوستی کرنا چاہتے ہیں''۔ ذکوئی نے کہا۔

استاہر جستہ جملہ سن کرناجی چند لمحے لڑکی کو دیکھتا رہتا۔ وہ اس کی توقع سے زیادہ ذہین تھی۔

"ہاں ذکوئی!" ناجی نے اس کے ملائم بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔"میں اس کے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی دوستی کہ وہ میرا ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن جائے۔ آگے میں جانتا ہوں کہ مجھے اس سے کیا کام لینا ہے"۔......... ناجی نے کہا اور ذرا سوچ کر بولا۔ "لیکن میں تمہیں یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک جادو صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ میں بھی ہے۔ اگر تمہارے حسن اور ناز و انداز پر اُس کا جادو چل گیا تو میں تمہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا، اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو تم ایک دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکو گی۔ صلاح الدین ایوبی تمہیں موت سے بچا نہیں سکے گا۔ تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے۔ تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکو گی، اسی لیے میں نے تمہارے ساتھ کھل کر باتیں کی ہیں، ورنہ میرے رُتبے اور حیثیت کا آدمی ایک پیشہ ور لڑکی کے ساتھ پہلی ملاقات میں ہی ایسی باتیں کبھی نہ کرتا"۔

"یہ آپ کو آنے والا وقت بتائے گا کہ کون کس کو دھوکہ دیتا ہے"۔......... ذکوئی نے کہا۔"مجھے یہ بتائیے کہ صلاح الدین ایوبی تک میری رسائی کس طرح ہوگی"۔

"میں اُسے ایک جشن میں بلا رہا ہوں"۔ناجی نے کہا......... "اُسے رات اپنے ہاں رکھوں گا اور تمہیں اُس کی خواب گاہ میں داخل کر دوں گا۔ میں نے تمہیں اسی مقصد کے لیے بلایا ہے"۔

"آگے میں سنبھال لوں گی"۔

☆

وہ رات گزر گئی، پھر اور کئی راتیں گزر گئیں۔ صلاح الدین ایوبی انتظامی کاموں اور نئی فوج تیار کرنے میں مصروف رہا کہ ناجی کی دعوت قبول کرنے کا وقت نہ نکال سکا۔ علی بن سفیان نے اُسے ناجی کے متعلق جو رپورٹ دی، اس سے وہ پریشان ہو گیا۔ اُس نے علی سے کہا......... "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص صلیبیوں سے زیادہ خطرناک ہے"۔

"یہ ایک سانپ ہے جسے مصر کی امارت آستین میں پال رہی ہے۔" علی بن سفیان نے ناجی کی تخریب کاری کی تفصیل سنائی کہ اس نے کس طرح کس کس بڑے آدمی کو اپنے ہاتھ میں لیا اور انتظامیہ میں من مانی کرتا رہا۔ پھر کہا "اور جس سوڈانی سپاہ کا وہ سالار ہے وہ ہماری بجائے اس کی وفادار ہے۔ کیا آپ اس کا کوئی علاج سوچ سکتے ہیں؟"

"صرف سوچ ہی نہیں سکتا" صلاح الدین ایوبی نے جواب دیا۔"علاج شروع کر چکا ہوں۔ مصر سے جو سپاہ بھرتی کی جا رہی ہے، اسے میں سوڈانی محافظوں میں گڈمڈ کر دوں گا۔ پھر یہ فوج سوڈانی ہوگی نہ مصری۔ ناجی کی یہ طاقت بکھر کر ہماری فوج میں جذب ہو جائے گی۔ ناجی کو میں اس کے صحیح ٹھکانے پر لے آؤں گا"۔

"اور میں یہ بھی وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے صلیبیوں کے ساتھ بھی گٹھ جوڑ کر رکھا ہے"......... علی بن سفیان نے کہا......... "آپ سلطنتِ اسلامیہ کو ایک مضبوط مرکز پر لا کر اسلام کو وسعت دینا چاہتے ہیں، مگر ناجی آپ کے خواب کو دیوانے کا خواب بنا رہا ہے"۔

"تم اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو؟"

"یہ مجھ پر چھوڑیں"......... علی بن سفیان نے جواب دیا......... میں جو کچھ کروں گا، وہ آپ کو ساتھ ساتھ بتاتا رہوں گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں نے اس کے گرد جاسوسوں کی ایسی دیوار چن دی ہے جس میں آنکھیں بھی ہیں، کان بھی ہیں اور یہ دیوار متحرک ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ میں نے اُسے اپنے جاسوسی کے قلعے میں قید کر لیا ہے"۔

صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس سے اس کی درپردہ کاروائی کی تفصیل نہ پوچھی۔ علی نے اس سے پوچھا۔ ''معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کو جشن پر مدعو کر رہا ہے، اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کی دعوت اس وقت قبول کیجئے گا، جب میں آپ کو بتاؤں گا''۔

ایوبی اُٹھا اور ہاتھ پیٹھ پیچھے رکھ کر ٹہلنے لگا۔ اُس کی آہ نکل گئی۔ وہ رُک گیا اور بولا.......... ''علی بن سفیان! زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بے مقصد زندگی سے کیا یہ بہتر نہیں کہ انسان پیدا ہوتے ہی مر جائے؟ کبھی کبھی یہ سوچ دماغ میں آجاتی ہے کہ وہ لوگ شاید خوش نصیب ہیں جن کی قومی حس مُردہ ہوتی ہے اور جن کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ بڑے مزے سے جیتے اور اپنی آئی پر مر جاتے ہیں''۔

''وہ بدنصیب ہیں امیرِ محترم!'' علی نے کہا۔

''ہاں بن سفیان!'' صلاح الدین ایوبی نے کہا.......... ''میں جب انہیں خوش نصیب کہتا ہوں تو یہی بات معلوم نہیں کون میرے کام میں کہہ دیتا ہے جو تم نے کہی ہے۔ مگر سوچتا ہوں کہ ہم نے تاریخ کا دھارا اس موڑ پر نہ بدلا تو ملتِ اسلامیہ بکھر کر وادیوں، جنگلوں اور صحراؤں میں کھو جائے گی۔ ملت کی خلافت تین حصوں میں بٹ گئی ہے۔ امیر من مانی کر رہے ہیں اور صلیبیوں کے آلۂ کار بنتے جا رہے ہیں۔ مجھے یہ ڈر بھی محسوس ہونے لگا ہے کہ مسلمان اگر زندہ رہے تو وہ ہمیشہ صلیبیوں کے غلام اور آلۂ کار رہیں گے۔ وہ اسی پہ خوش رہیں گے کہ زندہ ہیں مگر قوم کی حیثیت سے وہ مردہ ہوں گے۔ ذرا نقشہ دیکھو علی! آدھی صدی میں دیکھو ہماری سلطنت کا نقشہ کتنا سکڑ گیا ہے''.......... وہ خاموش ہو گیا۔ سر جھکا کر ٹہلنے لگا۔ پھر رُک گیا اور سر کو جھٹک کر علی بن سفیان کو دیکھا۔ کہنے لگا۔ ''جب تباہی اپنے اندر سے اُٹھے تو اُسے روکنا محال ہو جاتا ہے۔ اگر ہماری خلافت اور امارتوں کا یہی حال رہا تو صلیبیوں کو ہم پر حملے کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ آگ جس میں ہم اپنا ایمان، کردار اور اپنی قومیت جلا رہے ہیں، اس میں صلیبی آہستہ آہستہ تیل ڈالتے رہیں گے۔ ان کی سازشیں ہمیں آپس میں لڑاتی رہیں گی.......... میں شاید اپنا عزم پورا نہ کر سکوں۔ میں شاید صلیبیوں سے شکست بھی کھا جاؤں لیکن میں قوم کے نام ایک وصیت چھوڑنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ کسی غیر مسلم پر کبھی بھروسہ نہ کرنا۔ اُن کے خلاف لڑنا ہے تو لڑ کر مر جانا، کسی غیر مسلم کے ساتھ کبھی سمجھوتہ اور کوئی معاہدہ نہ کرنا''۔

''آپ کا لہجہ بتا رہا ہے، جیسے آپ اپنے عزم سے مایوس ہو گئے ہیں''.......... علی بن سفیان نے کہا۔

''مایوس نہیں''۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا.......... ''جذباتی.......... علی! میرا ایک حکم متعلقہ شعبے تک پہنچا دو۔ بھرتی تیز کر دو اور کوشش کرو کہ فوج کے لیے زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی رکھو جو جنگ کا تجربہ حاصل کر چکے ہوں۔ ہمارے پاس اتنی لمبی تربیت کا وقت نہیں۔ بھرتی ہونے والوں کا مسلمان ہونا لازمی قرار دے دو اور تم اپنے لیے ذہن نشین کر لو کہ ایسے جاسوسوں کا ایک دستہ تیار کرو جو دشمن کے علاقے میں جا کر جاسوسی بھی کریں اور شبخون بھی ماریں۔ یہ جانبازوں کا دستہ ہوگا۔ انہیں خصوصی تربیت دو۔ ان میں یہ صفات پیدا کرو کہ اونٹ کی طرح زیادہ سے زیادہ عرصہ پیاس برداشت کر سکیں۔ اُن کی نظریں عقاب کی طرح تیز ہوں، اُن میں صحرائی لومڑی کی مکاری ہو اور وہ دشمن پر چیتے کی طرح جھپٹنے کی مہارت، دلیری اور طاقت کے مالک ہوں۔ ان میں شراب، حشیش وغیرہ کی عادت نہ ہو اور عورت کے لیے وہ برف کی طرح یخ ہوں.......... بھرتی تیز کرا دو بن سفیان!.......... اور یاد رکھو، میں ہجوم کا قائل نہیں۔ مجھے لڑنے والوں کی ضرورت ہے، خواہ تعداد تھوڑی ہو۔ ان میں قومی جذبہ ہو اور میرے عزم کو سمجھتے ہوں، کسی کے دل میں یہ شبہ نہ ہو کہ اُسے

کیوں لڑایا جا رہا ہے"۔

☆

اگلے دس دنوں میں ہزار ہا تربیت یافتہ سپاہی امارت مصر کی فوج میں آ گئے اور اُن دس دنوں میں ناجی نے ذکوئی کو ٹریننگ دے دی کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو کون کون سے طریقے سے اپنے حسن کے جال میں پھانس کر اس کی شخصیت اور اس کے کردار کو کمزور کر سکتی ہے۔ ناجی کے ہمراز دوستوں نے ذکوئی کو دیکھا تو انہوں نے بلا خوف تردید کہا کہ اس لڑکی کو مصر کے فرعون دیکھ لیتے تو خدائی کے دعوے سے دستبردار ہو جاتے۔ ناجی کا جاسوسی کا اپنا نظام تھا، بہت تیز اور دلیر۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کا خصوصی مشیر ہے اور عرب کا مانا ہوا سراغرساں۔ اس نے علی کے پیچھے اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے اور اس نے علی کو قتل کرا دینے کا منصوبہ بھی بنا لیا تھا۔

ذکوئی کو ناجی نے صلاح الدین ایوبی کو اپنے دام میں پھانسنے کے لیے تیار کیا تھا، لیکن وہ محسوس نہ کر سکا کہ مراکش کی رہنے والی یہ لڑکی اس کے اپنے اعصاب پر سوار ہو گئی ہے۔ وہ صرف شکل و صورت کی ہی دل کش نہیں تھی، اس کی باتوں میں ایسا جادو تھا کہ ناجی اسے پاس بٹھا کر اس کے ساتھ باتیں ہی کرتا رہتا تھا۔ اُس نے اُن دو ناچنے گانے والی لڑکیوں سے نگاہیں پھیر لی تھیں جو اس کی منظور نظر تھیں۔ تین چار راتوں سے اُس نے ان لڑکیوں کو اپنے کمرے میں نہیں بلایا تھا۔ ناجی سونے کے انڈے دینے والی مرغی تھی جو ان کے قبضے سے نکل کر ذکوئی کی آغوش میں انڈے دینے لگی تھی۔ انہوں نے ذکوئی کو راستے سے ہٹانے کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں۔ وہ آخر اس نتیجے پر پہنچیں کہ اُسے قتل کرا دیا جائے، مگر اسے قتل کرانا ممکن نظر نہیں آتا تھا، کیونکہ ناجی نے اُسے جو کمرہ دے رکھا تھا اس پر دو محافظوں کا پہرہ رہتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ دونوں لڑکیاں اس مکان سے بلا اجازت باہر نہیں جا سکتی تھیں جو ناجی نے انہیں دے رکھا تھا۔ انہوں نے حرم کی خادمہ عورتوں میں سے ایک کو اعتماد میں لینا شروع کر دیا۔ وہ اس کے ہاتھوں ذکوئی کو زہر دینا چاہتی تھیں۔

علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کا محافظ دستہ بدل دیا۔ یہ سب امیر مصر (وائسرائے) کے پرانے باڈی گارڈ تھے۔ اُن کی جگہ اُس نے ان سپاہیوں میں سے باڈی گارڈز کا دستہ تیار کر دیا جو نئی بھرتی میں آئے تھے۔ یہ جانبازوں کا منتخب دستہ تھا جو سپاہ گری میں بھی تاک تھا اور جذبے کے لحاظ سے اس کا ہر سپاہی مرد حُر تھا۔ ناجی کو یہ تبدیلی بالکل پسند نہ تھی لیکن اس نے صلاح الدین ایوبی کے سامنے اس تبدیلی کی بے حد تعریف کی اور اس کے ساتھ ہی درخواست کی کہ صلاح الدین ایوبی اس کی دعوت قبول کر لے۔ ایوبی نے اسے جواب دیا کہ وہ ایک آدھ دن میں اُسے بتائے گا کہ وہ کب دعوت قبول کر سکے گا۔ اس کے جانے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان سے مشورہ لیا کہ وہ دعوت پر کب جائے۔ علی نے اُسے مشورہ دیا کہ اب وہ کسی بھی روز دعوت قبول کر لے۔

دوسرے ہی دن صلاح الدین ایوبی نے ناجی کو بتایا کہ وہ کسی بھی رات دعوت پر آ سکتا ہے۔ ناجی نے تین روز بعد کی دعوت دی اور بتایا کہ یہ دعوت کم اور جشن زیادہ ہوگا اور یہ جشن شہر سے دور صحرا میں مشعلوں کی روشنی میں منایا جائے گا۔ ناچ گانے کا انتظام ہوگا۔ باڈی گارڈز کے گھوڑ سوار اپنے کرتب دکھائیں گے۔ شمشیر زنی اور بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے مقابلے ہوں گے اور صلاح الدین ایوبی کو رات وہیں قیام کرایا جائے گا۔ رہائش کے لیے خیمے نصب ہوں گے.........

صلاح الدین ایوبی پروگرام کی تفصیل سنتا رہا۔ اس نے ناچ گانے پر بھی اعتراض نہ کیا۔ ناجی نے ڈرتے جھجکتے کہا.........

"فوج کے بیشتر سپاہی جو مسلمان نہیں یا جو ابھی نیم مسلمان ہیں کبھی کبھی شراب پیتے ہیں۔ وہ شراب کے عادی نہیں۔ وہ

اجازت چاہتے ہیں کہ جشن میں انہیں شراب پینے کی اجازت دی جائے"۔

"آپ اُن کے کمانڈر ہیں"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا............ "آپ چاہیں تو انہیں اجازت دے دیں، نہ دینا چاہیں تو میں آپ پر اپنا حکم نہیں چلاؤں گا"۔

"امیر مصر کا اقبال بلند ہو............" ناجی نے غلاموں کی طرح کہا............ "میں کون ہوتا ہوں، اُس کام کی اجازت دینے والا جس کو آپ سخت ناپسند کرتے ہیں"۔

"انہیں اجازت دے دیں کہ جشن کی رات ہنگامہ آرائی اور بدکاری کے سوا سب کچھ کر سکتے ہیں"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا............ "اگر شراب پی کر کسی نے ہلا گلا کیا تو اسے سخت سزا دی جائے گی"۔

یہ خبر جب صلاح الدین ایوبی کے سٹاف تک پہنچی کہ ناجی صلاح الدین ایوبی کے اعزاز میں جو جشن منعقد کر رہا ہے۔ اس میں ناچ گانا ہوگا اور شراب بھی پی جائے گی اور صلاح الدین ایوبی نے اس جشن کی دعوت ان خرافات کے باوجود قبول کر لی ہے تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ کسی نے کہا کہ ناجی جھوٹ بولتا ہے، وہ دوسروں پر اپنا رعب ڈالنا چاہتا ہے اور کسی نے یہ رائے دی کہ ناجی کا جادو صلاح الدین ایوبی پر بھی چل گیا ہے۔ یہ رائے اُن سربراہوں کو پسند آئی جو ناجی کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے چارج لیتے ہی اُن کے لیے عیش و عشرت، شراب نوشی اور بدکاری جرم قرار دے دی تھی۔ اس نے ایسا سخت ڈسپلن رائج کر دیا تھا کہ کسی کو پہلے کی طرح فرائض سے کوتاہی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس پر خوش تھے کہ آج نئے امیر مصر نے کسی دعوت میں شراب اور رقص کی اجازت دے دی ہے تو کل پرسوں وہ خود بھی ان رنگینیوں کا رسیا ہو جائے گا۔

صرف علی بن سفیان تھا جسے معلوم تھا کہ صلاح الدین ایوبی نے خرافات کی اجازت کیوں دی ہے۔

جشن کی شام آگئی۔ ایک تو چاندنی رات تھی۔ صحرا کی چاندنی اتنی شفاف ہوتی ہے کہ ریت کے ذرے بھی نظر آجاتے ہیں۔ دوسرے ہزار مشعلوں نے وہاں صحرا کی رات کو دن بنا دیا تھا۔ باڈی گارڈز کا ہجوم تھا، جو ایک وسیع میدان کے گرد دیواروں کی طرح کھڑا تھا۔ ایک طرف صلاح الدین ایوبی کے بیٹھنے کے لیے جو مسند رکھی گئی تھی وہ کسی بہت بڑے بادشاہ کا تخت معلوم ہوتی تھی۔ اس کے دائیں بائیں بڑے رتبوں کے مہمانوں کی نشستیں تھیں۔ اس وسیع و عریض تماشہ گاہ سے تھوڑی دُور مہمانوں کے لیے نہایت خوب صورت خیمے نصب تھے۔ ان سے ہٹ کر ایک بڑا خیمہ صلاح الدین ایوبی کے لیے نصب کیا گیا تھا جہاں اسے رات بسر کرنی تھی۔ علی بن سفیان نے سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں جا کر اس خیمے کے اردگرد محافظ کھڑے کر دیئے تھے۔

جب علی بن سفیان وہاں محافظ کھڑے کر رہا تھا، ناجی، ذکوئی کو آخری ہدایات دے رہا تھا۔ اس شام ذکوئی کا حسن کچھ زیادہ ہی نکھر آیا تھا۔ اس کے جسم سے ایسے عطر کی بھینی بھینی بو اٹھ رہی تھی جس میں سحر کا تاثر تھا۔ اس نے بال عریاں کندھوں پر پھیلا دیئے تھے۔ سپید کندھوں پر سیاہی مائل بھورے بال زاہدوں کی نظروں کو گرفتار کرتے تھے۔ اس کا لباس اس قدر باریک تھا کہ اس کے جسم کے تمام نشیب و فراز صاف نظر آتے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر قدرتی تبسم اُدھ کھلی کلی کی مانند تھا۔

ناجی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا............ "صلاح الدین ایوبی پر تمہارے جسمانی حسن کا شاید اثر نہ ہو، اپنی زبان استعمال کرنا۔ وہ سبق بھولنا نہیں جو میں اتنے دنوں سے تمہیں پڑھا رہا ہوں اور یہ بھی نہ بھولنا کہ اُس کے

پاس جا کر اس کی لونڈی نہ بن جانا۔ انجیر کا وہ پھول بن جانا جو درخت کی چوٹی پر نظر آتا ہے، مگر درخت پر چڑھ کر دیکھو تو غائب ہو جاتا ہے۔ اسے اپنے قدموں میں بٹھا لینا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم اس پتھر کو پانی میں تبدیل کر لو گی۔ اسی سرزمین میں قلوپطرہ نے سیزر جیسے مرد آہن کو اپنے حسن و جوانی سے پگھلا کر مصر کی ریت میں بہا دیا تھا۔ قلوپطرہ تم سے زیادہ خوب صورت نہیں تھی۔ میں نے تمہیں جو سبق دیئے ہیں وہ قلوپطرہ کی چالیں تھیں۔ عورت کی یہ چالیں کبھی ناکام نہیں ہو سکتیں"۔

ذکوئی مُسکرا رہی تھی اور بڑے غور سے سُن رہی تھی۔ مصر کی ریت نے ایک اور قلوپطرہ کو حسین ناگن کی طرح جنم دیا تھا۔ مصر کی تاریخ اپنے آپ کو دُہرانے والی تھی۔

سورج غروب ہو گیا تو مشعلیں جل اُٹھیں۔ صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار آ گیا۔ اُس کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے اس کے اُن محافظوں کے گھوڑے تھے جو علی بن سفیان نے منتخب کیے تھے۔ اسی دستے میں سے اُس نے دس محافظ شام سے پہلے ہی یہاں لا کر صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے گرد کھڑے کر دیئے تھے۔ سازوں نے دف کی آواز پر استقبالیہ دُھن بجائی اور صحرا "امیر صلاح الدین ایوبی زندہ باد" کے نعروں سے گونجنے لگا۔ ناجی نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور کہا........... "آپ کے جاں نثار، عظمتِ اسلام کے پاسبان آپ کو بسر وچشم خوش آمدید کہتے ہیں۔ اُن کی بے تابیاں اور بے قراریاں دیکھیے۔ آپ کے اشارے پر کٹ مریں گے"........... اور خوشامد کے لیے اُسے جتنے الفاظ یاد آئے اُس نے کہہ ڈالے۔

جونہی صلاح الدین ایوبی اپنی شاہانہ نشست پر بیٹھا۔ سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کی ٹاپوؤں کی آوازیں سنائی دیں۔ گھوڑے جب مشعلوں کی روشنی میں آئے تو سب نے دیکھا کہ چار گھوڑے دائیں سے اور چار بائیں سے دوڑے آ رہے تھے۔ ہر ایک پر ایک ایک سوار تھا، ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ٹکرا جائیں گے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب آئے تو دونوں فریقوں کے سوار رکابوں میں پاؤں جما کر کھڑے ہو گئے۔ پھر انہوں نے لگامیں ایک ایک ہاتھ میں کر لیں اور دوسرے بازو پھیلا دیئے۔ دونوں اطراف کے گھوڑے بالکل آمنے سامنے آ گئے اور سواروں کی دونوں پارٹیاں ایک دوسری سے اُلجھ گئیں۔ سواروں نے ایک دوسرے کو پکڑنے اور گھوڑے سے گرانے کی کوشش کی۔ جب گھوڑے آگے نکل گئے تو دو سوار جو گھوڑوں سے گر پڑے تھے، ریت پر قلابازیاں کھا رہے تھے۔ ایک طرف کے ایک سوار نے دوسری طرف کے ایک سوار کو ایک بازو میں جکڑ کر اسے گھوڑے سے اُٹھا لیا تھا اور اسے اپنے گھوڑے پر ڈال کر لے جا رہا تھا۔ ہجوم نے اس قدر شور بپا کیا کہ اپنی آواز اپنے آپ کو بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔

یہ سوار اندھیرے میں غائب ہوئے تو دونوں طرف سے چار چار اور گھوڑے آئے اور اسی طرح مقابلہ ہوا۔ اس طرح آٹھ مقابلے ہوئے اور اس کے بعد شتر سوار آئے۔ پھر گھوڑا سواروں اور شتر سواروں نے سواری کے متعدد کرتب دکھائے۔ اس کے بعد تیغ زنی اور بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے مظاہرے ہوئے جن میں کئی ایک سپاہی زخمی ہو گئے۔ صلاح الدین ایوبی شجاعت اور بے خوفی کے ان مظاہروں اور مقابلوں میں جذب ہو کے رہ گیا تھا۔ اُسے ایسی ہی بہادر فوج کی ضرورت تھی۔ اس نے علی بن سفیان کے کان میں کہا........... "اگر اس فوج میں اسلامی جذبہ بھی ہو تو میں صرف اسی فوج سے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا سکتا ہوں"۔

علی بن سفیان نے وہی مشورہ دیا جو وہ پہلے بھی دے چکا تھا۔ اس نے کہا........ "اگر ناجی سے کمان لے لی جائے تو جذبہ بھی پیدا ہو جائے گا"........ مگر صلاح الدین ایوبی ناجی جیسے ذہین اور تجربہ کار سالار کو سبکدوش کرنے کی بجائے سدھار کر راہ حق پر لانا چاہتا تھا۔ وہ اس جشن میں اپنی آنکھوں سے یہی دیکھنے آیا تھا کہ یہ فوج کردار کے لحاظ سے کیسی ہے۔ اسے ناجی کی اس درخواست سے ہی مایوسی ہو گئی تھی کہ اس کے سپاہی اور کمان دار شراب پینا چاہتے ہیں اور ناچ گانا بھی ہوگا۔ صلاح الدین ایوبی نے اس درخواست کو اس وجہ سے منظور کیا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لشکر کس حد تک عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا ہے۔

بہادری، شاہ سواری، اور تیغ زنی وغیرہ کے مظاہروں اور مقابلوں میں تو یہ فوج عسکری اور جنگی معیار پر پوری اُترتی تھی مگر کھانے کا وقت آیا تو یہ فوج بدتمیزوں، بلانوشوں اور ہنگامہ پرور لوگوں کا بے قابو ہجوم بن گئی۔ کھانے کا انتظام وسیع و عریض میدان میں کیا گیا تھا۔ ایک طرف فوج کے کم و بیش دو ہزار آدمیوں کے لیے کھانا چنا گیا تھا اور ان سے ذرا دُور صلاح الدین ایوبی اور دیگر بڑے مہمانوں کے کھانے کا انتظام تھا۔ سینکڑوں سالم دنبے اور بکرے، اونٹوں کی سالم رانیں اور ہزاروں مرغ روسٹ کیے گئے تھے۔ دیگر لوازمات کا کوئی شمار نہ تھا اور سپاہیوں کے سامنے شراب کے چھوٹے چھوٹے مشکیزے اور صراحیاں رکھ دی گئی تھیں۔ سپاہی کھانے اور شراب پر ٹوٹ پڑے۔ غٹا غٹ شراب چڑھانے لگے اور معرکہ آرائی ہونے لگی۔ صلاح الدین ایوبی یہ منظر دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جو یہ ظاہر کرتا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے ناجی سے صرف اتنا پوچھا........ "پچاس ہزار فوج میں سے آپ نے یہ سپاہی دعوت کے لیے کس طرح منتخب کیے تھے؟ کیا یہ آپ کے بدترین سپاہی ہیں؟"

"نہیں امیر مصر!"........ ناجی نے غلامانہ لہجے میں جواب دیا........ "یہ دو ہزار عسکری میرے بہترین آدمی ہیں۔ آپ نے ان کے مظاہرے دیکھے ہیں۔ ان کی بہادری دیکھی ہے۔ میدان جنگ میں یہ جس جانبازی کا مظاہرہ کریں گے وہ آپ کو حیران کر دے گا۔ آپ ان کی بدتمیزی کو نہ دیکھیں۔ یہ آپ کے اشارے پر جانیں قربان کر دیں گے۔ میں انہیں کبھی کبھی کھلی چھٹی دے دیا کرتا ہوں تاکہ مرنے سے پہلے دنیائے رنگ و بو سے پورا پورا لطف اُٹھالیں۔"

صلاح الدین ایوبی نے اس استدلال کے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔ ناجی جب دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان سے کہا........ "میں جو دیکھنا چاہتا تھا، وہ دیکھ لیا ہے۔ یہ سوڈانی عسکری شراب اور ہنگامہ آرائی کے عادی ہیں۔ تم کہتے ہو کہ ان میں جذبہ نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان میں کردار بھی نہیں۔ اس فوج کو اگر تم میدان جنگ میں لے گئے تو یہ لڑنے کی بجائے اپنی جان بچانے کی فکر کرے گی اور مال غنیمت لوٹے گی اور مفتوح کی عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرے گی"۔

"اس کا علاج یہ ہے"........ علی بن سفیان نے کہا........ "کہ آپ نے مختلف خطوں سے جو فوج تیار کی ہے، انہیں ناجی کے اس پچاس ہزار سوڈانی لشکر میں مدغم کر دیا جائے۔ بُرے سپاہی اچھے سپاہیوں کے ساتھ مل جل کر اپنی عادتیں بدل دیا کرتے ہیں"۔

صلاح الدین ایوبی مُسکرایا اور علی سے کہا........ "تم یقیناً میرے دل کا راز جانتے ہو۔ میرا منصوبہ یہی ہے جو میں ابھی تمہیں نہیں بتانا چاہتا تھا۔ کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔"

علی بن سفیان میں یہی وصف تھا کہ دوسروں کے دلوں کے راز جان لیتا تھا اور غیر معمولی طور پر ذہین تھا۔ وہ کچھ

اور کہنے ہی لگا تھا کہ ان کے سامنے کئی اور مشعلیں روشن ہو گئیں۔ زمین پر بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے۔ شہنائی اور سارنگ کا ایسا میٹھا اور پرسوز نغمہ اُبھرا کہ مہمانوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ ایک طرف سے ناچنے والیوں کی قطار نمودار ہوئی۔ بیس لڑکیاں ایسے باریک اور نفیس لباس میں ملبوس چلی آ رہی تھیں جس میں ان کے جسموں کا انگ انگ نظر آ رہا تھا۔ ہر ایک کا لباس نہایت باریک چغہ سا تھا جو شانوں سے ٹخنوں تک لمبا تھا۔ اُن کے بال کھلے ہوئے تھے اور اسی ریشم کا حصہ نظر آتے تھے، جس کا انہوں نے لباس پہن رکھا تھا۔ صحرا کی ہلکی ہلکی ہوا سے اور لڑکیوں کی چال سے یہ ڈھیلا ڈھالا لباس ہلتا تھا تو یوں لگتا تھا جیسے پھول دار پودوں کی ڈالیاں فضا میں تیرتی آ رہی ہوں۔ ہر ایک کے لباس کا رنگ جدا تھا۔ ہر ایک کی شکل و صورت ایک دوسری سے مختلف تھی، لیکن حسن اور جسم کی لچک میں سب ایک جیسی تھیں۔ ان کے سر مرمریں بازو عریاں تھے۔ وہ چلتی آ رہی تھیں، لیکن قدم اُٹھتے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ ہوا کی لہروں کی مانند آ رہی تھیں۔

وہ نیم دائرے میں ہو کر رُک گئیں۔ صلاح الدین ایوبی کی طرف منہ کر کے تعظیم کے لیے جھکیں۔ سب کے بال سرک کر شانوں پر آ گئے۔ سازندوں نے ان ریشمی بالوں اور جسموں کے جادو میں طلسم پیدا کر دیا۔ دو سیاہ فام، دیو ہیکل حبشی جن کی کمر کے گرد چیتوں کی کھالیں تھیں۔ ایک بڑا سا ٹوکرا اُٹھائے تیز تیز قدم چلتے نظر آئے اور ٹوکرا لڑکیوں کے نیم دائرے کے سامنے رکھ دیا۔ ساز سپیروں کی بین کی دھن بجانے لگے۔ حبشی مست سانڈوں کی طرح پھنکارتے غائب ہو گئے۔ ٹوکرے میں سے ایک بہت بڑی کلی اوپر کو اُٹھی اور پھول کی طرح کھل گئی۔ اس پھول میں سے ایک لڑکی کا چہرہ نمودار ہوا اور پھر وہ اوپر کو اُٹھنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے سرخ بادلوں میں سے چاند نکل رہا ہو۔ یہ لڑکی اس دنیا کی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کی مُسکراہٹ بھی ارضی نہیں تھی۔ اس کے بالوں کی چمک بھی مصر کی کسی لڑکی کی چمک نہیں لگتی تھی اور جب لڑکی نے پھول کی چوڑی پتیوں میں سے باہر قدم رکھا تو اس کے جسم کی لچک نے تماشائیوں کو مسحور کر لیا۔

علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے مُسکرا کر اس کے کان میں کہا............ "مجھے توقع نہیں تھی کہ یہ اتنی خوب صورت ہو گی۔"

ناجی نے صلاح الدین ایوبی کے پاس آ کر کہا............ "امیر مصر کا اقبال بلند ہو۔ اس لڑکی کا نام زکوئی ہے۔ اسے میں نے آپ کی خاطر سکندریہ سے بلایا ہے۔ یہ پیشہ ور رقاصہ نہیں اور یہ عصمت فروش بھی نہیں۔ رقص سے اسے پیار ہے۔ شوقیہ ناچتی ہے، کسی محفل میں نہیں جاتی۔ میں اس کے باپ کو جانتا ہوں۔ ساحل پر مچھلیوں کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ لڑکی آپ کی عقیدت مند ہے۔ آپ کو پیغمبر مانتی ہے۔ میں اتفاق سے اس کے گھر اس کے باپ سے ملنے گیا تو اس لڑکی نے استدعا کی کہ سنا ہے صلاح الدین ایوبی امیر مصر بن کے آئے ہیں۔ خدا کے نام پر مجھے ان سے ملوا دو۔ میرے پاس اپنی جان اور رقص کے سوا کچھ بھی نہیں جو میں اس عظیم ہستی کے قدموں میں پیش کروں............ قابلِ صد احترام امیر! میں نے آپ سے رقص و سرور کی اجازت اسی لیے مانگی تھی کہ اس لڑکی کو میں آپ کے حضور پیش کرنا چاہتا تھا"۔

"آپ نے اسے بتایا تھا کہ میں اپنے سامنے کسی لڑکی کو رقص اور عریانی کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا؟"............ صلاح الدین ایوبی نے کہا............ "یہ لڑکیاں جنہیں آپ ملبوس لائے ہیں، بالکل ننگی ہیں"۔

"عالی مقام!" ناجی نے کھسیانہ ہو کے جواب دیا۔ "میں نے بتایا تھا کہ امیر مصر رقص کو ناپسند فرماتے ہیں، لیکن یہ کہتی تھی کہ وہ میرا رقص پسند کریں گے، کیونکہ میرے رقص میں دعوتِ گناہ نہیں۔ ایک باعصمت لڑکی کا رقص ہو گا۔ میں ایوبی کے حضور اپنا جسم نہیں، اپنا فن پیش کروں گی۔ اگر میں مرد ہوتی تو ایوبی کی جان کی حفاظت کے لیے اس کے محافظ دستے میں

شامل ہو جاتی"۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا.........."اس لڑکی کو اپنے پاس بلا کر اسے خراج تحسین پیش کروں کہ تم اپنے جسم کو ہزاروں مردوں کے سامنے عریاں کر کے بہت اچھا ناچتی ہو؟ اسے اس پر شاباش کہوں کہ اس نے مردوں کے جنسی جذبات بھڑکانے میں خوب مہارت حاصل کی ہے؟"

"نہیں امیرِ مصر!" ناجی نے کہا۔ "میں اسے اس وعدے پر یہاں لایا ہوں کہ آپ اسے شرف باریابی بخشیں گے۔ یہ بڑی دُور سے اسی اُمید پر آئی ہے۔ ذرا دیکھئے اسے۔ اس کے رقص میں پیشہ ورانہ تاثر نہیں، خود سپردگی ہے۔ دیکھئے، وہ آپ کو کیسی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ بے شک عبادت صرف اللہ کی، کی جاتی ہے، لیکن یہ رقص کی اداؤں سے، عقیدت سے، مخمور نگاہوں سے آپ کی عبادت کر رہی ہے۔ آپ اسے اپنے خیمے میں آنے کی اجازت دے دیں۔ تھوڑی سی دیر کے لیے، اسے مستقبل کی وہ ماں سمجھیں جس کی کوکھ سے اسلام کی پاسبانی کے لیے جانباز جنم لیں گے۔ یہ اپنے بچوں کو بڑے فخر سے بتایا کرے گی کہ میں نے صلاح الدین ایوبی سے تنہائی میں باتیں کرنے کا شرف حاصل کیا تھا"۔

ناجی نے نہایت پُر اثر الفاظ اور جذباتی لب و لہجے میں صلاح الدین ایوبی سے منوا لیا کہ یہ لڑکی جسے اُس نے ایک بردہ فروش سے خریدا تھا، شریف باپ کی باعصمت بیٹی ہے۔ اس نے صلاح الدین ایوبی سے کہلوا لیا کہ "اچھا، اسے میرے خیمے میں بھیج دینا"۔

ذکوئی نہایت آہستہ آہستہ جسم کو بل دیتی اور بار بار صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھ کر مُسکراتی تھی۔ باقی لڑکیاں اس کے گرد تتلیوں کی طرح جیسے اُڑ رہی ہوں۔ یہ اُچھل کود والا رقص نہیں تھا۔ مشعلوں کی روشنی میں کبھی تو یوں لگتا تھا جیسے ہلکے نیلے شفاف پانی میں جل پریاں تیر رہی ہوں۔ چاندنی کا اپنا ایک تاثر تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے متعلق کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ گم صم بیٹھا کیا سوچ رہا تھا۔ ناجی کے سپاہی جو شراب پی کر ہنگامہ بپا کر رہے تھے۔ وہ بھی جیسے مر گئے تھے۔ زمین اور آسمان پر وجد طاری تھا۔ ناجی اپنی کامیابی پر بے حد مسرور تھا اور رات گزرتی جا رہی تھی۔

☆

نصف شب کے بعد صلاح الدین ایوبی اُس خوشنما خیمے میں داخل ہوا جو ناجی نے اس کے لیے نصب کرایا تھا۔ اندر اس نے قالین بچھا دیئے تھے۔ پلنگ پر چیتے کی کھال کی مانند پلنگ پوش تھا، فانوس جو رکھوایا تھا، اس کی ہلکی نیلی روشنی صحرا کی شفاف چاندنی کی مانند تھی اور اندر کی فضا عطر بیز تھی، خیمے کے اندر ریشمی پردے آویزاں تھے۔ ناجی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ خیمے میں گیا اور پوچھا.........."اُسے ذرا سی دیر کے لیے بھیج دوں؟ میں وعدہ خلافی سے بہت ڈرتا ہوں"۔

"بھیج دو"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا اور ناجی ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا خیمے سے نکل گیا۔

تھوڑا ہی وقت گزرا ہوگا کہ صلاح الدین ایوبی کے محافظوں نے ایک رقاصہ کو اس کے خیمے کی طرف آتے دیکھا۔ خیمے کے ہر طرف مشعلیں روشن تھیں۔ روشنی کا یہ انتظام علی بن سفیان نے کرایا تھا تا کہ رات کے وقت محافظ گرد و پیش کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔ رقاصہ قریب آئی تو انہوں نے اسے پہچان لیا۔ انہوں نے اُسے رقص میں دیکھا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو ٹوکرے میں سے نکلی تھی۔ وہ ذکوئی تھی۔ وہ رقص کے لباس میں تھی۔ یہ لباس تو بے شکن تھا، اس میں وہ عریاں تھی۔ محافظوں کے کمانڈر نے اُسے روک لیا۔ ذکوئی نے اسے بتایا کہ اُسے امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی نے بلایا ہے۔ کمانڈر نے اسے بتایا کہ یہ اُن امیروں میں سے نہیں جو تم جیسی فاحشہ لڑکیوں کے ساتھ راتیں گزارتے ہیں۔

"آپ اُن سے پوچھ لیں"۔ ذکوئی نے کہا۔"میں بن بلائے آنے کی جرأت نہیں کرسکتی"۔

"اُن کا بلاوا تمہیں کس طرح ملا تھا؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"سالار ناجی نے کہا ہے کہ تمہیں امیرِ مصر بلاتے ہیں"۔ ذکوئی نے کہا۔"آپ کہتے ہیں تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔ امیر نے جواب طلبی کی تو خود بھگت لینا"۔

کمانڈر تسلیم نہیں کرسکتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی خوابگاہ میں ایک رقاصہ کو بلایا ہے۔ وہ ایوبی کے کردار سے واقف تھا۔ اس کے اس حکم سے بھی واقف تھا کہ ناچنے گانے والیوں سے تعلق رکھنے والے کو ایک سو دُرّے لگائے جائیں گے۔ کمانڈر شش و پنج میں پڑ گیا۔ سوچ سوچ کر اس نے جرأت کی اور صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں چلا گیا۔ ایوبی اندر ٹہل رہا تھا۔ کمانڈر نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ باہر ایک رقاصہ کھڑی ہے۔ کہتی ہے کہ حضور نے اُسے بلایا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا.........."اُسے اندر بھیج دو"۔

کمانڈر باہر نکلا اور ذکوئی کو اندر بھیج دیا۔ محافظوں کو توقع تھی کہ ان کا امیر اور سالارِ اعظم اس لڑکی کو باہر نکال دے گا۔ وہ سب اس کی گرج دار آواز سننے کے لیے تیار ہو گئے، مگر انہیں ایسی کوئی آواز نہ سنائی دی۔ رات گزرتی جارہی تھی۔ اندر سے دھیمی دھیمی باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ محافظ دستے کا کمانڈر بے قراری کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ ایک محافظ نے اسے کہا.........."کیا یہ حکم صرف ہمارے لیے ہے کہ کسی فاحشہ کے ساتھ تعلق رکھنا جرم ہے؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا "حکم صرف ماتحتوں کے لیے اور قانون صرف رعایا کے لیے ہوتے ہیں"۔

"امیرِ مصر کو دُرّے نہیں لگائے جاسکتے"۔

"بادشاہوں کا کوئی کردار نہیں ہوتا"۔ کمانڈر نے جل کر کہا۔"صلاح الدین ایوبی شراب بھی پیتا ہوگا۔ ہم پر جھوٹی پارسائی کا رُعب جمایا جاتا ہے"۔

ان کی نگاہوں میں صلاح الدین ایوبی کا جو بُت تھا وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس بت میں سے ایک عربی شہزادہ نکلا جو عیاش اور بدکار تھا۔ پارسائی کے پردے میں گناہ کا مرتکب ہو رہا تھا۔

ناجی بہت خوش تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی خوشنودی کے لیے اس نے شراب سونگھی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھا مسرت سے جھوم رہا تھا۔ اس کے سامنے اس کا نائب سالار اوروش بیٹھا تھا۔ اس نے ناجی سے کہا.........."اسے گئے بہت وقت گزر گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے، ہمارا تیر صلاح الدین ایوبی کے دل میں اُتر گیا ہے"۔

"میرا تیر خطا کب گیا تھا؟" ناجی نے قہقہہ لگا کر کہا.........."اگر یہ تیر خطا جاتا تو فوراً یہیں لوٹ کے ہمارے پاس آجاتا"۔

"تم ٹھیک کہتے تھے"۔ اوروش نے کہا.........."ذکوئی انسان کے روپ میں طلسم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی حشیشین کے ساتھ رہی ہے، ورنہ صلاح الدین ایوبی جیسا بت کبھی نہ توڑ سکتی"۔

"میں نے اسے جو سبق دیئے تھے وہ حشیشین کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہوں گے"۔ ناجی نے کہا۔ "اب صلاح الدین ایوبی کے حلق سے شراب اتارنی رہ گئی ہے"۔ ناجی کو باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ دوڑ کر باہر گیا۔ وہ ذکوئی نہیں تھی، کوئی سپاہی جارہا تھا۔ ناجی نے دُور سے صلاح الدین ایوبی کے خیمے کی طرف دیکھا، پردے گرے ہوئے تھے اور باہر محافظ کھڑے تھے۔ اس نے اندر جا کر اوروش سے کہا.........."اب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ

میری ذکوئی نے بت توڑ ڈالا ہے"۔

☆

رات کا آخری پہر تھا جب ذکوئی صلاح الدین ایوبی کے خیمے سے نکلی۔ ناجی کے خیمے میں جانے کی بجائے وہ دوسری طرف چلی گئی۔ راستے میں ایک آدمی کھڑا تھا، جس کا جسم سر سے پاؤں تک ایک ہی لبادے میں ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے دھیمی سے آواز میں ذکوئی کو پکارا۔ وہ آدمی کے پاس چلی گئی۔ وہ آدمی اسے ایک خیمے میں لے گیا۔ بہت دیر بعد وہ اس خیمے سے نکلی اور ناجی کے خیمے کا رُخ کر لیا۔ ناجی اس وقت تک جاگ رہا تھا اور کئی بار باہر نکل کر صلاح الدین ایوبی کے خیمے کو دیکھ چکا تھا کہ ذکوئی نے صلاح الدین ایوبی کو پھانس لیا ہے اور اسے آسمان کی بلندیوں سے گھسیٹ کر ناجی کی ذہنیت کی پستیوں میں لے آئی ہے۔

"ادروش!"۔ اس نے کہا......... "رات تو گزر گئی ہے۔ وہ ابھی تک نہیں آئی"۔

"وہ اب آئے گی بھی نہیں"۔ ادروش نے کہا........... "امیر مصر اُسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ ایسے ہیرے کوئی شہزادہ واپس نہیں کیا کرتا........... تم نے اس پر بھی غور کیا ہے؟"

"نہیں"۔ ناجی نے کہا۔ "میں نے اپنی چال کا یہ پہلو تو سوچا ہی نہیں تھا"۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ امیر مصر ذکوئی کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لے؟" ادروش نے کہا۔ "اس صورت میں یہ خطرہ ہے کہ لڑکی ہمارے کام کی نہیں رہے گی"۔

"وہ ہے تو ہوشیار"۔ ناجی نے کہا۔ "مگر رقاصہ کا کیا بھروسہ؟" وہ رقاصہ کی بیٹی ہے اور تجربہ کار پیشہ ور ہے، دھوکہ دے سکتی ہے"۔

وہ گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا کہ ذکوئی اس کے خیمے میں داخل ہوئی۔ اس نے ہنس کر کہا۔ "اپنے امیر کے جسم کا وزن کرو اور لاؤ اتنا سونا۔ آپ نے میرا یہی انعام مقرر کیا تھا نا؟"

"پہلے بتاؤ ہوا کیا؟" ناجی نے بے تابی سے پوچھا۔

"جو آپ چاہتے تھے"۔ ذکوئی نے جواب دیا۔ "آپ کو یہ کس نے بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی پتھر ہے، فولاد ہے اور وہ مسلمانوں کے اللہ کا سایہ ہے؟" اس نے زمین پر پاؤں کا ٹھڈ مار کر کہا........... "وہ اس ریت سے زیادہ بے بس ہے جسے ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اُڑاتے پھرتے ہیں"۔

"تمہارے حسن کے جادو اور زبان کے طلسم نے اسے ریت بنایا ہے"۔ ادروش نے کہا........... "ورنہ یہ کمبخت چٹان تھا"۔

"ہاں، چٹان تھا"۔ ذکوئی نے کہا۔ "اب ریت کا ٹیلا بھی نہیں"۔

"میرے متعلق کوئی بات ہوئی تھی؟" ناجی نے پوچھا۔

"ہاں"۔ ذکوئی نے جواب دیا۔ "پوچھتا تھا ناجی کیسا آدمی ہے، میں نے جواب دیا کہ مصر میں اگر کسی پر آپ کو اعتماد کرنا چاہیے تو وہ صرف ناجی ہے۔ اس نے پوچھا کہ تم کس طرح اُسے جانتی ہو۔ میں نے کہا کہ وہ میرے باپ کے گہرے دوست ہیں۔ ہمارے گھر گئے تھے اور میرے باپ سے کہتے تھے کہ میں صلاح الدین ایوبی کا غلام ہوں۔ مجھے سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو کود جاؤں گا........... پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم باعصمت لڑکی ہو۔ میں نے کہا کہ

میں آپ کی لونڈی ہوں۔ آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر۔ کہنے لگا کچھ دیر میرے پاس بیٹھو۔ میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر وہ اگر پتھر تھا تو موم ہو گیا اور میں نے موم کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا۔ اُس سے رخصت ہونے لگی تو اس نے مجھ سے معافی مانگی۔ کہنے لگا کہ میں نے زندگی میں پہلا گناہ کیا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ گناہ نہیں، آپ نے میرے ساتھ دھوکہ نہیں کیا، زبردستی نہیں کی۔ مجھے بادشاہوں کی طرح حکم دے کر نہیں بلایا۔ میں خود آئی تھی، پھر بھی آؤں گی"۔

لڑکی نے ہر ایک بات اس طرح کھل کر سنائی جس طرح اس کا جسم عریاں تھا۔ ناجی نے جوشِ مسرت سے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اوروش ذکوئی کو خراجِ تحسین اور ناجی کو مبارکباد پیش کر کے خیمے سے نکل گیا۔

☆

صحرا کی اس پُراسرار رات کی کوکھ سے جس صبح نے جنم لیا، وہ کسی بھی صحرائی صبح سے مختلف نہیں تھی مگر اس صبح کے اُجالے نے اپنے تاریک سینے میں ایک راز چھپا لیا تھا جس کی قیمت اس سلطنتِ اسلامیہ جتنی تھی جس کے قیام اور استحکام کا خواب صلاح الدین ایوبی نے دیکھا اور اس کی تعبیر کا عزم لے کر جوان ہوا تھا۔ گزشتہ رات اس صحرا میں جو واقعہ ہوا اس کے دو پہلو تھے۔ ایک پہلو سے صرف ناجی اور اوروش واقف تھے۔ دوسرے پہلو سے صلاح الدین ایوبی کا محافظ دستہ واقف تھا اور صلاح الدین ایوبی، اُس کا سراغرساں اور جاسوس علی بن سفیان اور ذکوئی، تین ایسے افراد تھے جو اس واقعہ کے دونوں پہلوؤں سے واقف تھے۔

صلاح الدین ایوبی اور اس کے سٹاف کو ناجی نے نہایت شان و شوکت اور عقیدت مندی سے رخصت کیا۔ سوڈانی فوج دورویہ کھڑی "صلاح الدین ایوبی زندہ باد" کے نعرے لگا رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے نعروں کے جواب میں بازو لہرانے، مُسکرانے اور دیگر تکلفات کی پروانہ کی۔ ناجی سے ہاتھ ملایا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے پیچھے اس کے محافظوں اور دیگر سٹاف کو بھی گھوڑے دوڑانے پڑے۔ اپنے مرکزی دفتر پہنچ کر وہ علی بن سفیان اور اپنے ایک نائب کو اندر لے گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہ سارا دن کمرے میں بند رہے۔ سورج غروب ہوا، رات تاریک ہو گئی، کمرے کے اندر کھانا تو درکنار پانی بھی نہیں گیا۔ رات خاصی گزر چکی تھی، جب تینوں باہر نکلے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

علی بن سفیان اُن سے الگ ہوا تو محافظوں کے دستے کے کمانڈر نے اسے روک لیا اور کہا............ "محترم! ہمارا فرض ہے کہ حکم مانیں اور زبانیں بند رکھیں، لیکن میرے دستے میں ایک مایوسی اور بے اطمینانی پیدا ہو گئی ہے۔ خود میں بھی اس کا شکار ہو رہا ہوں"۔

"کیسی مایوسی؟"

"محافظ کہتے ہیں کہ ایک فوج کو شراب پینے کی اجازت ہے تو ہمیں اس سے کیوں منع کیا گیا ہے؟" کمانڈر نے کہا............ "اگر آپ میری شکایت کو گستاخی سمجھیں تو سزا دے دیں لیکن میری شکایت سن لیں۔ ہم اپنے امیر کو خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتے تھے اور اس پر دل و جان سے فدا تھے، مگر رات............"

"اس کے خیمے میں ایک رقاصہ گئی تھی"۔ علی بن سفیان نے اس کی بات پوری کرتے ہوئے کہا............ "تم نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ گناہ امیر کرے یا غلام، سزا میں کوئی فرق نہیں۔ گناہ بہر حال گناہ ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ رقاصہ اور امیرِ مصر کی خفیہ ملاقات کے ساتھ گناہ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ کیا تھا؟ ابھی نہیں بتاؤں گا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تم سب کو معلوم ہو جائے گا کہ رات کیا ہوا تھا"۔ اس نے کمانڈر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر

کہا.........."میری بات غور سے سنو عامر بن صالح! تم پرانے عسکری ہو۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ فوج اور فوج کے سربراہوں کے کچھ راز ہوتے ہیں جن کی حفاظت ہم سب کا فرض ہے۔ رقاصہ کا امیر مصر کے خیمے میں جانا بھی ایک راز ہے۔ اپنے جانبازوں کو کسی شک میں نہ پڑنے دو اور کسی سے ذکر تک نہ ہو کہ رات کیا ہوا تھا"۔

علی بن سفیان کی قابلیت اور کارناموں سے یہ کمانڈر آگاہ تھا۔ مطمئن ہو گیا اور اس نے اپنے دستے کے شکوک رفع کر دیئے۔

اگلے روز صلاح الدین ایوبی دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ ناجی ملنے آیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کھانے سے فارغ ہو کر ناجی سے ملا۔ ناجی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ گھبرایا ہوا ہے اور غصے میں بھی ہے۔ اس نے ہکلانے کے لہجے میں کہا.......... قابلِ صد احترام امیر! کیا یہ حکم آپ نے جاری کیا ہے کہ سوڈانی محافظ فوج کی پچاس ہزار نفری مصر کی اس فوج میں مدغم کر دی جائے، جو حال ہی میں تیار ہوئی ہے؟"

"ہاں ناجی" صلاح الدین ایوبی نے تحمل سے جواب دیا۔ "میں نے کل سارا دن اور رات کا کچھ حصہ صرف کر کے اور بڑی گہری سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ تحریر کیا ہے کہ جس فوج کے تم سالار رہوا سے مصر کی فوج میں اس طرح مدغم کر دیا جائے کہ ہر دستے میں سوڈانیوں کی نفری صرف دس فیصد ہو اور تمہیں یہ حکم بھی مل چکا ہو گا کہ تم اب اس فوج کے سالار نہیں ہو گے۔ تم فوج کے مرکزی دفتر میں آجاؤ گے"۔

"عالی مقام!" ناجی نے کہا.......... "مجھے کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے؟"

"اگر تمہیں یہ فیصلہ پسند نہیں تو فوج سے الگ ہو جاؤ"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، میرے خلاف سازش کی گئی ہے".......... ناجی نے کہا۔ "آپ کے بلند دماغ اور گہری نظر کو چھان بین کر لینی چاہیے۔ مرکز میں میرے بہت سے دشمن ہیں"۔

"میرے دوست!" صلاح الدین ایوبی نے کہا.......... "میں نے یہ فیصلہ صرف اس لیے کیا ہے کہ میری انتظامیہ اور فوج سے سازشوں کا خطرہ ہمیشہ کے لیے نکل جائے اور میں نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ فوج میں کسی کا عہدہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو اور کوئی کتنا ہی ادنیٰ کیوں نہ ہو وہ شراب نہ پیئے، ہلڑ بازی نہ کرے اور فوجی جشنوں میں ناچ گانے نہ ہوں"۔

"لیکن عالی جاہ!" ناجی نے کہا.......... "میں نے حضور سے اجازت لے لی تھی"۔

"اور میں نے شراب اور ناچ گانے کی اجازت صرف اس لیے دی تھی کہ اس فوج کو اس کی اصل حالت میں دیکھ سکوں، جسے تم ملتِ اسلامیہ کی فوج کہتے ہو۔ میں پچاس ہزار نفری کو برطرف نہیں کر سکتا۔ مصری فوج میں اسے مدغم کر کے اس کے کردار کو سدھاروں گا اور یہ بھی سن لو کہ ہم میں کوئی مصری، سوڈانی، شامی اور عجمی نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا جھنڈا ایک اور مذہب ایک ہے"۔

"امیر عالی مرتبت نے یہ تو سوچا ہوتا کہ میری حیثیت کیا رہ جائے گی؟"

"جس کے تم اہل ہو"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا.......... "اپنے ماضی پر خود ہی نگاہ ڈالو۔ ضروری نہیں کہ اپنی کارستانیوں کی داستان مجھ سے سنو.......... فوراً کاغذات تیار کر کے میرے نائب کے حوالے کر دو۔ سات دن کے اندر اندر میرے حکم کی تعمیل مکمل ہو جائے"۔

ناجی نے کچھ کہنا چاہتا، لیکن صلاح الدین ایوبی ملاقات کے کمرے سے نکل گیا۔

☆

یہ بات ناجی کے خفیہ حرم میں بھی پہنچ گئی تھی کہ ذکوئی کو امیر مصر نے رات بھر کا شرف باریابی بخشا ہے۔ ذکوئی کے خلاف حسد کی آگ پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے آئے ابھی بہت تھوڑا عرصہ گزرتا تھا لیکن ناجی پہلے روز سے ہی اسے اپنے ساتھ رکھنے لگا تھا۔ اسے ذرا سی دیر کے لیے بھی اپنے اس حرم میں نہیں جانے دیا جاتا تھا جہاں اس کی دل پسند ناچنے والی جوان لڑکیاں رہتی تھیں۔ ذکوئی کو اس نے الگ کمرہ دیا تھا۔ انہیں یہ تو معلوم نہ تھا کہ ناجی اسے صلاح الدین ایوبی کو موم کرنے کی ٹریننگ دے رہا ہے اور وہ کسی بہت بڑے تخریبی منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ یہ رقاصائیں یہ دیکھ کر جل بھن گئی تھیں کہ ذکوئی نے ناجی پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے دل میں اُن کے خلاف نفرت پیدا کر دی ہے۔ حرم میں دو لڑکیاں ذکوئی کو ٹھکانے لگانے کی سوچتی رہتی تھیں۔ اب انہوں نے دیکھا کہ ذکوئی کو امیر مصر نے بھی اتنا پسند کیا ہے کہ اسے رات بھر اپنے خیمے میں رکھا ہے تو وہ پاگل سی ہو گئیں، اسے ٹھکانے لگانے کا واحد طریقہ قتل تھا۔ قتل کے دو ہی طریقے ہو سکتے تھے۔ زہر یا کرائے کا قاتل جو اسے سوتے میں قتل کر آئے۔ دونوں طریقے ممکن نہیں تھے کیونکہ ذکوئی باہر نہیں نکلتی تھی اور زہر دینے کے لیے اس تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

ان دونوں نے حرم کی سب سے زیادہ چالاک ملازمہ کو اعتماد میں لے رکھا تھا۔ اُسے انعام واکرام دیتی رہتی تھیں۔ جب حسد کی انتہا نے اُن کی آنکھوں میں خون اُتار دیا تو انہوں نے اس ملازمہ کو منہ مانگے انعام کا لالچ دے کر اپنا مدعا بیان کر دیا۔ یہ ملازمہ بڑی خرانٹ اور منجھی ہوئی عورت تھی۔ اس نے کہا کہ سالار کی رہائش گاہ میں جا کر ذکوئی کو زہر دینا ممکن نہیں۔ موقع محل دیکھ کر اسے خنجر سے قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے وقت چاہیے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ وہ ذکوئی کی نقل و حرکت پر نظر رکھے گی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی موقع جلدی نکل آئے۔ اس جرائم پیشہ عورت نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی موقعہ نہ نکلا تو حشیشین کی مدد حاصل کی جائے گی مگر وہ معاوضہ بہت زیادہ لیتے ہیں۔ دونوں لڑکیوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ زیادہ سے زیادہ معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔

☆

ناجی بے حد غصے کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ذکوئی اُسے ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کر چکی تھی، لیکن اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

''آپ مجھے اس کے پاس جانے دیں'' ۔ ذکوئی نے چوتھی بار کہا۔ ''میں اُسے شیشے میں اُتار لوں گی''۔

''بے کار ہے'' ناجی نے گرج کر کہا.......... ''وہ کمبخت حکم نامہ جاری کر چکا ہے، جس پر عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔ مجھے اس نے کہیں کا نہیں رہنے دیا۔ اس پر تمہارا جادو نہیں چل سکا۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے خلاف یہ سازش کرنے والے لوگ کون ہیں۔ وہ میری اُبھرتی ہوئی حیثیت سے حسد کرتے ہیں۔ میں امیر مصر بننے والا تھا۔ میں نے یہاں کے حکمرانوں پر حکومت کی ہے، حالانکہ میں معمولی سا سالار تھا۔ اب میں سالار بھی نہیں رہا'' ۔ اس نے دربان کو اندر بلا کر کہا کہ اوروش کو بلا لائے۔

اس کا ہمراز اور نائب اوروش آیا تو ناجی نے اس کے ساتھ بھی اسی موضوع پر بات کی۔ اُسے وہ کوئی نئی خبر نہیں سنا رہا تھا۔ اوروش کے ساتھ وہ صلاح الدین ایوبی کے نئے حکم نامے پر تفصیلی تبادلۂ خیالات کر چکا تھا مگر دونوں اس کے

خلاف کوئی کارروائی سوچ نہیں سکے تھے۔اب اس کے دماغ میں ایک کارروائی آ گئی تھی۔اس نے ادروش سے کہا.........
''میں نے جوابی کارروائی سوچ لی ہے''۔
''کیا؟''

''بغاوت''۔ناجی نے کہا۔ادروش چپ چاپ اُسے دیکھتا رہا۔ناجی نے کہا۔''تم حیران ہو گئے ہو؟ کیا تمہیں شک ہے کہ یہ پچاس ہزار سوڈانی فوج ہماری وفادار نہیں؟ کیا یہ صلاح الدین ایوبی کی نسبت مجھے اور تمہیں اپنا حاکم اور بہی خواہ نہیں سمجھتی؟ کیا تم اپنی فوج کو یہ کہہ کر بغاوت پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ تمہیں مصریوں کا غلام بنایا جا رہا ہے اور مصر تمہارا ہے؟''۔

ادروش نے گہری سانس لے کر کہا.........''میں نے اس اقدام پر غور نہیں کیا تھا۔بغاوت کا انتظام ایک اشارے پر ہو سکتا ہے،لیکن مصر کی نئی فوج بغاوت کو دبا سکتی ہے اور اس فوج کو کمک بھی مل سکتی ہے۔حکومت سے ٹکر لینے سے پہلے ہمیں ہر پہلو پر غور کر لینا چاہیے۔

''میں غور کر چکا ہوں''۔ناجی نے جواب دیا۔''میں عیسائی بادشاہوں کو مدد کے لیے بلا رہا ہوں۔تم دو پیامبر تیار کرو۔انہیں بہت دُور جانا ہے۔آؤ میری باتیں غور سے سن لو۔ذکوئی! تم اپنے کمرے میں چلی جاؤ''۔
ذکوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور وہ دونوں ساری رات اپنے کمرے میں بیٹھے رہے۔

☆

صلاح الدین ایوبی نے دونوں فوجوں کو مدغم کرنے کا وقت سات روز مقرر کیا تھا۔کاغذی کارروائی ہوتی رہی۔ناجی پوری طرح تعاون کرتا رہا۔چار روز گذر چکے تھے۔اس دوران ناجی ایک بار پھر صلاح الدین ایوبی سے ملا،لیکن اس نے کوئی شکایت نہ کی۔تفصیلی رپورٹ دے کر صلاح الدین ایوبی کو مطمئن کر دیا کہ ساتویں روز دونوں فوجیں ایک ہو جائیں گی۔صلاح الدین ایوبی کے نائبین نے بھی اسے یقین دلایا کہ ناجی دیانت داری سے تعاون کر رہا ہے،مگر علی بن سفیان کی رپورٹ کسی حد تک پریشان کن تھی۔اس کی انٹیلی جنس سروس نے رپورٹ دی تھی کہ سوڈانی فوج کے سپاہیوں میں بے اطمینانی اور ابتری سی پائی جاتی ہے۔وہ مصری فوج میں مدغم ہونے پر خوش نہیں۔ان کے درمیان یہ افواہیں پھیلائی جا رہی تھیں کہ مصری فوج میں مدغم ہو کر اُن کی حیثیت غلاموں کی سی ہو جائے گی۔انہیں مالِ غنیمت بھی نہیں ملے گا اور ان سے بار برداری کا کام لیا جائے گا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہیں شراب نوشی کی اجازت نہیں ہو گی۔علی بن سفیان نے یہ رپورٹیں صلاح الدین ایوبی تک پہنچا دیں۔ایوبی نے کہا کہ یہ لوگ طویل مدت سے عیش کر رہے ہیں۔انہیں نئی تبدیلی یقیناً پسند نہیں آئے گی۔مجھے اُمید ہے کہ وہ نئے حالات اور ماحول کے عادی ہو جائیں گے۔
''اس لڑکی سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟''صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔
''نہیں''۔علی نے جواب دیا۔''اس سے ملاقات ممکن نظر نہیں آتی۔میرے آدمی ناکام ہو چکے ہیں۔ناجی نے اُسے قید کر رکھا ہے''۔

اس سے اگلی رات کا واقعہ ہے۔رات ابھی ابھی تاریک ہوئی تھی۔ذکوئی اپنے کمرے میں تھی۔ناجی ادروش کے ساتھ اپنے کمرے میں تھا۔اُسے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا۔باہر کے چراغوں کی روشنی میں اُسے دو گھوڑ سوار گھوڑوں سے اُترتے دکھائی دیئے۔لباس سے وہ تاجر معلوم ہوتے تھے،لیکن وہ

گھوڑوں سے اُتر کرناجی کے کمرے کی طرف چلے تو اُن کی چال بتاتی تھی کہ یہ تاجر نہیں۔ اتنے میں اوروش باہر نکلا، دونوں سوار اُسے دیکھ کر رُک گئے اور اوروش کو سپاہیوں کے انداز سے سلام کیا۔ اوروش نے اُن کے گرد گھوم کر اُن کے لباس کا جائزہ لیا۔ پھر انہیں کہا کہ ہتھیار دکھاؤ۔ دونوں نے پھرتی سے چغے کھولے اور ہتھیار دکھائے۔ اُن کے پاس چھوٹی تلواریں اور ایک ایک خنجر تھا۔ اوروش انہیں اندر لے گیا۔ دربان ایک طرف کھڑا تھا۔

ذکوئی گہری سوچ میں کھو گئی۔ وہ کمرے نکلی اور ناجی کے کمرے کا رُخ کیا مگر دربان نے اسے دروازے پر روک لیا اور کہا کہ اُسے حکم ملا ہے کہ کسی کو اندر نہ جانے دوں۔ ذکوئی کو وہاں ایسی حیثیت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ کمانڈروں پر بھی حکم چلانے لگی تھی۔ دربان کے روکنے سے وہ سمجھ گئی کہ کوئی خاص بات ہے۔ اُسے یاد آیا کہ دو راتیں پہلے ناجی نے اس کی موجودگی میں اوروش سے کہا تھا...........''میں عیسائی بادشاہوں کو مدد کے لیے بلا رہا ہوں۔ تم دو پیامبر تیار کرو۔ انہیں بہت دُور جانا ہے''...........اور پھر اس نے ذکوئی کو اپنے کمرے میں چلے جانے کو کہا تھا اور اُس نے بغاوت کی باتیں بھی کی تھیں۔

یہ سب کچھ سوچ کر وہ اپنے کمرے میں واپس چلی گئی۔ اس کے اور ناجی کے خاص کمرے کے درمیان ایک دروازہ تھا جو دوسری طرف سے بند تھا۔ اس نے اس دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ اُدھر کی آوازیں دھیمی تھیں۔ اسے کوئی بات سمجھ نہ آئی۔ کچھ دیر بعد اُسے ناجی کی بڑی صاف آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ ''آبادیوں سے دُور رہنا، اگر کوئی شک میں پکڑنے کی کوشش کرے تو سب سے پہلے یہ پیغام غائب کرنا، جان پر کھیل جانا، جو بھی راستے میں حائل ہو، اُسے ختم کر دینا۔ تمہارا سفر چار دنوں کا ہے، تین دنوں میں پہنچنے کی کوشش کرنا۔ سمت یاد کر لو۔ شمال مشرق''۔

دونوں آدمی باہر نکلے۔ ذکوئی بھی باہر آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ ناجی اور اوروش بھی باہر کھڑے تھے۔ سواروں کو الوداع کہنے نکلے ہوں گے۔ سوار بہت تیزی سے روانہ ہو گئے۔ ناجی نے ذکوئی کو دیکھا تو اسے بلا کر کہا...........''میں باہر جا رہا ہوں، کام بہت ہے، تم آرام کرو، اگر اکیلے دل نہ لگے تو حرم میں گھوم پھر آنا''۔

''ہاں!'' ذکوئی نے کہا۔ ''جب سے آئی ہوں، باہر نہیں نکلی''۔

ناجی اور اوروش چلے گئے۔ ذکوئی نے چغہ پہنا۔ کمر بند میں خنجر اُڑسا اور حرم کی طرف چل پڑی۔ وہ جگہ چند سو گز دُور تھی۔ وہ ناجی پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ حرم میں گئی تھی۔ دربان کو بھی اس نے یہی بتایا۔ حرم میں داخل ہوئی تو وہاں کی رہنے والیوں نے اُسے حیران ہو کے دیکھا۔ وہ پہلی دفعہ وہاں گئی تھی۔ سب نے اس کا استقبال، احترام اور پیار سے کیا۔ اُن دو لڑکیوں نے بھی اسے خوش آمدید کہا جو اسے قتل کرانا چاہتی تھیں۔ ذکوئی سب سے ملی۔ ہر ایک کے ساتھ باتیں کیں اور واپس چل پڑی۔ وہ خرانٹ ملازمہ بھی وہیں تھی جسے اس کے قتل کے لیے کہا گیا تھا۔ اس نے ذکوئی کو بڑے غور سے دیکھا۔ ذکوئی باہر نکل گئی۔

حرم والے مکان اور ناجی کی رہائش گاہ کا درمیانی علاقہ اونچا نیچا تھا اور ویران۔ ذکوئی حرم سے نکلی تو ناجی کی رہائش گاہ کی طرف جانے کی بجائے، بہت تیز تیز دوسری سمت چل پڑی۔ اُدھر ایک پگڈنڈی بھی تھی لیکن ذکوئی اس سے ذرا دُور ہٹ کر جا رہی تھی۔ اس سے پندرہ بیس قدم پیچھے ایک سیاہ سایہ چلا جا رہا تھا۔ وہ کوئی انسان ہو سکتا تھا مگر سر سے پاؤں تک ایک لبادے میں لپٹا ہونے کی وجہ سے سیاہ بھوت لگتا تھا۔ ذکوئی کی رفتار تیز ہوئی تو اس بھوت نے اپنی رفتار اس سے

بھی تیز کر دی۔ آگے گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ذکوئی اُن میں روپوش ہوگئی۔ سیاہ بھوت بھی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ وہاں سے کوئی اڑھائی تین سوگز آگے صلاح الدین ایوبی کی رہائش گاہ تھی جس کے اردگرد فوج کے اعلیٰ رتبوں کے افراد رہتے تھے۔

ذکوئی کا رُخ اُدھر ہی تھا۔ وہ گھنی جھاڑیوں میں سے نکلی ہی تھی کہ بائیں طرف سے سیاہ بھوت اُٹھا۔ چاندنی بڑی صاف تھی، پھر بھی اس کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے پاؤں کی آہٹ بھی نہیں تھی۔ بھوت کا ہاتھ اوپر اُٹھا۔ چاندنی میں خنجر چمکا اور بجلی کی تیزی سے خنجر ذکوئی کے بائیں کندھے اور گردن کے درمیان اُتر گیا۔ ذکوئی کی چیخ نہیں نکلی۔ خنجر اس کے کندھے سے نکل گیا۔ ذکوئی نے اتنا گہرا زخم کھا کر بھی نہایت تیزی سے اپنے کمربند سے خنجر نکالا۔ بھوت نے اُس پر دوسرا وار کیا تو ذکوئی نے اس کے خنجر والے بازو کو اپنے بازو سے روک کر اپنا خنجر بھوت کے سینے میں گھونپ دیا۔ اسے چیخ سنائی دی جو کسی عورت کی تھی۔ ذکوئی نے اپنا خنجر کھینچ کر دوسرا وار کیا جو بھوت کے پیٹ میں اُتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے اپنے پہلو میں خنجر لگا، لیکن زیادہ گہرا نہیں اُترا۔ بھوت چکرا کر گرا۔

ذکوئی نے یہ نہیں دیکھا کہ اس پر حملہ کرنے والا کون تھا۔ وہ دوڑ پڑی۔ اس کے جسم سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا مکان اسے چاندنی میں نظر آنے لگا۔ آدھا فاصلہ طے کر کے اُسے چکر آنے لگے۔ اس کی رفتار سست ہونے لگی۔ اس نے چلانا شروع کر دیا........."علی، ایوبی۔ علی۔ ایوبی"۔ اس کے کپڑے لال سرخ ہو گئے تھے اور وہ بڑی مشکل سے قدم گھسیٹ رہی تھی۔ اس کی منزل تھوڑی ہی دور رہ گئی تھی جہاں تک پہنچنا اس کے لیے ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ وہ مسلسل صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان کو پکارے جا رہی تھی۔ قریب کہیں ایک گشتی سنتری پھر رہا تھا۔ اُسے اس کی آوازیں سنائی دیں تو وہ دوڑ کر پہنچا۔ ذکوئی اس پر گر پڑی اور کہا........."مجھے امیر مصر تک پہنچا دو۔ بہت جلدی، بہت جلدی۔" سنتری نے اس کا خون دیکھا تو اُسے پیٹھ پر لاد کر دوڑ پڑا۔

☆

صلاح الدین ایوبی اپنے کمرے میں بیٹھا علی بن سفیان سے رپورٹ لے رہا تھا۔ اس کے دو نائب بھی موجود تھے۔ یہ رپورٹیں کچھ اچھی نہیں تھی۔ علی بن سفیان نے بغاوت کے خدشے کا اظہار کیا تھا جس پر غور ہو رہا تھا۔ دربان گھبراہٹ کے عالم میں اندر آیا اور بتایا کہ ایک سپاہی ایک زخمی لڑکی کو اُٹھائے باہر کھڑا ہے۔ کہتا ہے یہ لڑکی امیر مصر سے ملنا چاہتی ہے۔ یہ سنتے ہی علی بن سفیان کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے صلاح الدین ایوبی دوڑا۔ اتنے میں لڑکی کو اندر لے آئے۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا........."طبیب اور جراح کو فوراً بلاؤ"۔ لڑکی کو صلاح الدین ایوبی نے اپنے پلنگ پر لٹا دیا۔ ذرا سی دیر میں پلنگ پوش خون سے لال ہونے لگا۔

"کسی کو نہ بلاؤ"۔ لڑکی نے نحیف آواز میں کہا۔ "میں اپنا فرض ادا کر چکی ہوں"۔

"تمہیں زخمی کس نے کیا ہے ذکوئی؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"پہلے ضروری باتیں سن لو"۔ ذکوئی نے کہا۔ "شمال مشرق کی طرف سوار دوڑا دو۔ دو سوار جاتے نظر آئیں گے۔ دونوں کے چغے بادامی رنگ کے ہیں۔ ایک کا گھوڑا بادامی اور دوسرے کا سیاہ ہے۔ وہ تاجر لگتے ہیں، اُن کے پاس سالار ناجی کا تحریری پیغام ہے جو عیسائی بادشاہ فرینک کو بھیجا گیا ہے۔ ناجی کی یہ سوڈانی فوج بغاوت کرے گی۔ مجھے اور کچھ بھی معلوم نہیں۔ تمہاری سلطنت سخت خطرے میں ہے۔ اُن دو سواروں کو راستے میں پکڑ لو۔ تفصیل اُن کے پاس ہے"۔ بولتے

بولتے ذکوئی کو غشی آنے لگی۔

دو طبیب آ گئے۔ انہوں نے ذکوئی کا خون بند کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس کے منہ میں دوائیاں ڈالیں جن کے اثر سے وہ بولنے کے قابل ہو گئی۔ وہ ضروری پیغام دے چکی تھی۔ اس کے بعد اس نے دوسری ساری باتیں سنائیں۔ مثلاً ناجی نے اور وش کے ساتھ کیا باتیں کی تھیں۔ اُسے کس طرح اپنے کمرے میں بھیج دیا گیا تھا۔ ناجی کا غصہ اور بھاگ دوڑ۔ دو سواروں کا آنا وغیرہ۔ پھر اس نے بتایا کہ اُسے کچھ علم نہیں کہ اس پر حملہ کرنے والا کون تھا۔ وہ موقعہ موزوں دیکھ کر ادھر ہی رپورٹ دینے کے لیے آ رہی تھی کہ پیچھے سے کسی نے اسے خنجر گھونپ دیا۔ اس نے اپنا خنجر نکال کر حملہ آور پر حملہ کیا۔ حملہ آور کی چیخ بتاتی تھی کہ وہ کوئی عورت ہے۔ اس نے حملہ کی جگہ بتائی۔ اس وقت اس جگہ آدمی دوڑا دیئے گے۔ ذکوئی نے کہا تھا کہ وہ زندہ نہیں ہو سکتی۔ اس کے خنجر اس کے سینے اور پیٹ میں لگے تھے۔

خون رُک نہیں رہا تھا۔ زیادہ تر خون تو پہلے ہی بہہ گیا تھا۔ ذکوئی نے صلاح الدین ایوبی کا ہاتھ پکڑا اور چوم کر کہا........." اللہ آپ کو اور آپ کی سلطنت کو سلامت رکھے۔ آپ شکست نہیں کھا سکتے۔ مجھ سے زیادہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ صلاح الدین ایوبی کا ایمان کتنا پختہ ہے" پھر اس نے علی بن سفیان سے کہا۔" میں نے کوتاہی تو نہیں کی؟ آپ نے جو فرض مجھے سونپا تھا، وہ میں نے پورا کر دیا ہے"۔

" تم نے اس سے زیادہ پورا کیا ہے۔" علی بن سفیان نے اسے کہا۔" میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ناجی اس حد تک خطرناک کارروائی کرے گا اور تمہیں جان کی قربانی دینی پڑے گی۔ میں نے تمہیں صرف مخبری کے لیے وہاں بھیجا تھا"۔

" کاش! میں مسلمان ہوتی"۔ ذکوئی نے کہا۔ اس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا۔" میرے اس کام کا جو بھی معاوضہ دینا ہے، وہ میرے اندھے باپ اور سدا بیمار ماں کو دے دینا۔ اُن کی معذوریوں نے مجھے بارہ سال کی عمر میں رقاصہ بنا دیا تھا"۔

ذکوئی کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ آنکھیں آدھی کھلی رہیں اور ہونٹ اس طرح نیم وا جیسے مُسکرا رہی ہو۔ طبیب نے نبض پر ہاتھ رکھا اور صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ ذکوئی کی روح اس کے زخمی جسم سے آزاد ہو گئی تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے کہا........." یہ کسی بھی مذہب کی تھی' اسے پورے اعزاز کے ساتھ دفن کرو۔ اس نے اسلام کے لیے جان قربان کی ہے۔ یہ ہمیں دھوکہ بھی دے سکتی تھی"۔

دربان نے بتایا کہ باہر ایک عورت کی لاش آئی ہے۔ جا کر دیکھا۔ وہ ایک اُدھیڑ عمر کی عورت کی لاش تھی۔ جائے وقوعہ سے دو خنجر ملے تھے۔ اس عورت کو کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ یہ ناجی کے حرم کی ملازمہ تھی جس نے انعام کی لالچ میں ذکوئی پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ رات کو ہی ذکوئی کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا اور ملازمہ کی لاش گڑھا کھود کر دفنا دی گئی۔ دونوں کو خفیہ طریقے سے دفنایا گیا۔ انہیں جب دفنایا جا رہا تھا، صلاح الدین ایوبی نے نہایت اعلیٰ نسل کے آٹھ جوان گھوڑے منگوائے اور آٹھ سوار منتخب کر کے انہیں علی بن سفیان کی کمان میں ناجی کے اُن دو آدمیوں کے پیچھے دوڑا دیا جو ناجی کا پیغام لے کے جا رہے تھے۔

ذکوئی کون تھی؟

وہ مراکش کی ایک رقاصہ تھی۔ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس کا مذہب کیا تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھی، عیسائی بھی نہیں تھی جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کی انٹیلی جنس (جاسوسی اور سراغرسانی) کا سربراہ تھا۔ اُسے

دوسروں کے راز معلوم کرنے کے لیے کئی ڈھنگ اختیار کرنے پڑتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی اُسے اپنے ساتھ مصر لایا تھا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ سوڈانی فوج کا سالار ناجی، سازشی اور شیطان ہے۔ اس کے اندرونِ خانہ حالات معلوم کرنے کے لیے علی بن سفیان نے جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا۔ اسے راز کی ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ناجی حسن بن صباح کے ''فدائیوں'' کی طرح مخالفین کو حسین لڑکیوں اور حشیش سے پھانستا، اپنا گرویدہ بناتا یا مروا دیتا ہے۔ علی بن سفیان نے تلاشِ بسیار کے بعد کسی کی وساطت سے ذکوئی کو مراکش سے حاصل کیا اور خود بردہ فروش کا بہروپ دھار کر اسے ناجی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس لڑکی میں ایسا جادو تھا کہ ناجی اسے صلاح الدین ایوبی کو پھانسنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر خود ہی اس لڑکی کے دام میں پھنس گیا۔ پھنسا بھی ایسا کہ اس کے سامنے وہ اپنے نائب سالار کے ساتھ راز کی باتیں کرتا رہا۔

اس نے ذکوئی کو جشن کی رات صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں بھیج دیا اور اپنی اس فتح پر بے حد مسرور تھا کہ صلاح الدین ایوبی کا اس نے بت توڑ دیا ہے۔ اب وہ اس لڑکی کے ہاتھوں اسے شراب بھی پلا سکے گا اور پھر اسے اپنا مرید بنا لے گا، مگر اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ذکوئی صلاح الدین ایوبی کی ہی جاسوسہ تھی۔ وہ اُسے خیمے میں رپورٹیں دیتی رہی اور صلاح الدین ایوبی سے ہدایات لیتی رہی تھی۔ اس کے خیمے سے نکل کر ذکوئی دوسری طرف چلی گئی تھی جہاں اُسے منہ سر لپیٹے ایک آدمی ملا تھا۔ وہ آدمی علی بن سفیان تھا جس نے اسے کچھ اور ہدایات دی تھیں۔ اس کے بعد ذکوئی ناجی کے گھر سے باہر نہ نکل سکی، اس لیے وہ علی بن سفیان کو کوئی رپورٹ نہ دے سکی۔ آخر اُسے موقعہ مل گیا اور وہ ایسی خبر لے کر وہاں سے نکلی جو خدا کے سوا کسی اور کو معلوم نہ تھی۔ یہ ذکوئی کی بدنصیبی تھی کہ حرم میں اس کے خلاف اس لیے سازش ہو رہی تھی کہ اس نے ناجی پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سازش کامیاب ہو گئی اور ذکوئی قتل ہو گئی، لیکن وہ اطلاع پہنچانے تک زندہ رہی۔

اس کے مرنے سے کچھ عرصہ بعد وہ معاوضہ جو علی بن سفیان نے اس کے ساتھ طے کیا تھا، صلاح الدین ایوبی کی طرف سے انعام اور وہ رقم جو علی بن سفیان نے ناجی سے بردہ فروش کے بھیس میں ذکوئی کی قیمت کے طور پر وصول کی تھی، مراکش میں ذکوئی کے معذور والدین کو ادا کر دی۔

☆

موت کی اس رات کے ستارے ٹوٹ گئے اور صبح طلوع ہوئی تو علی بن سفیان آٹھ سواروں کے ساتھ انتہائی رفتار سے شمال مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ آبادیاں دور پیچھے رہ گئی تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ فرینک کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے۔ رات انہوں نے گھوڑوں کو تھوڑی دیر آرام دیا تھا۔ یہ عربی گھوڑے تھکے ہوئے بھی تازہ دم لگتے تھے...... دُور اُفق پر کھجور کے چند ایک درختوں میں علی کو دو گھوڑے جاتے نظر آئے۔ اس نے اپنی پارٹی کو رستہ بدلنے اور اوٹ میں ہونے کے لیے ٹیلوں کے ساتھ ساتھ ہو جانے کو کہا۔ وہ صحرا کا راز دان تھا، بھٹکنے کا اندیشہ نہ تھا۔ اس نے رفتار اور تیز کر دی۔ اگلے دو سواروں اور اس کی پارٹی میں کم و بیش چار میل کا فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ طے ہو گیا مگر گھوڑے تھک گئے۔ وہ جب کھجوروں کے درختوں تک پہنچے تو دو سوار کوئی دو میل دُور مٹی کی ایک پہاڑی کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے بھی شاید تھک گئے تھے۔ دونوں سوار اُترے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

''وہ پہاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گئے ہیں''۔ علی بن سفیان نے کہا اور راستہ بدل دیا۔

فاصلہ کم ہوتا گیا اور جب فاصلہ چند سو گز رہ گیا تو دونوں سوار اوٹ سے سامنے آئے۔ انہوں نے گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے کا شور سن لیا تھا۔ وہ دوڑ کر غائب ہو گئے۔ علی بن سفیان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ تھکے ہوئے گھوڑے نے

وفاداری کا ثبوت دیا اور رفتار تیز کر دی۔ باقی گھوڑے بھی تیز ہو گئے۔ پہاڑی کے اندر گئے تو دونوں سوار وہاں سے جا چکے تھے، مگر دُور نہیں گئے تھے۔ وہ شاید گھبرا بھی گئے تھے۔ آگے ریتلی چٹانیں تھیں۔ انہیں راستہ نہیں مل رہا تھا۔ کبھی دائیں جاتے کبھی بائیں۔ علی بن سفیان نے اپنے گھوڑے ایک صف میں پھیلا دیئے اور بھاگنے والوں سے ایک سو گز دور جا پہنچا۔ ایک تیر انداز نے دوڑتے گھوڑے سے تیر چلایا جو ایک گھوڑے کی اگلی ٹانگ میں لگا۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا۔ تھوڑی سی اور بھاگ دوڑ کے بعد وہ دونوں گھیرے میں آ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انہوں نے جھوٹ بولا۔ اپنے آپ کو تاجر کہا، لیکن تلاشی لی تو پیغام مل گیا جو ناجی نے انہیں دیا تھا۔ دونوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ گھوڑوں کو آرام کا وقت دیا گیا اور یہ پارٹی واپس ہوئی۔

صلاح الدین ایوبی بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ دن گزر گیا۔ رات بھی گزرتی جا رہی تھی۔ آدھی رات گزر گئی۔ ایوبی لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ سحر کے وقت دروازے پر ہلکی سی دستک سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ دوڑ کر دروازہ کھولا، علی بن سفیان کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے اس کے آٹھ سوار اور دو قیدی کھڑے تھے۔ علی اور قیدیوں کو صلاح الدین ایوبی نے سونے کے کمرے میں ہی بلا لیا اور علی سے ناجی کا پیغام لے کر پڑھنے لگا۔ پہلے تو اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا، پھر جیسے یکلخت خون جوش مار کر اس کے چہرے اور آنکھوں میں چڑھ گیا ہو۔

ناجی کا پیغام خاصا طویل تھا۔ اس نے صلیبیوں کے ایک بادشاہ فریک کو لکھا تھا کہ وہ فلاں دن اور فلاں وقت یونانیوں، رومیوں اور دیگر صلیبیوں کی بحریہ سے بحیرۂ روم کی طرف سے مصر میں فوجیں اُتار کر حملہ کر دے۔ حملے کی اطلاع ملتے ہی پچاس ہزار سوڈانی فوج امیر مصر کے خلاف بغاوت کر دے گی۔ مصر کی نئی فوج حملے اور بغاوت کا بیک وقت مقابلہ کرنے کے قابل نہیں.........اس کے عوض ناجی نے تمام تر مصر یا مصر کے بڑے حصے کی حکمرانی کی شرط پیش کی تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے پیغام لے جانے والے دونوں سواروں کو تہ خانے کی قید میں ڈال دیا اور اسی وقت اپنی نئی فوج کا دستہ بھیج کر ناجی اور اس کے تین نائبین کو ان کے مکانوں میں نظر بند کر کے پہرہ لگا دیا۔ ناجی کے حرم کی تمام کی تمام عورتیں آزاد کر دی گئیں۔ اس کے ذاتی خزانے کو سرکاری خزانے میں ڈال دیا گیا اور ساری کارروائی خفیہ رکھی گئی۔ صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان کی مدد سے ناجی کے اس خط میں جو پکڑ لیا گیا تھا، حملے کی تاریخ کو مٹا کر اگلی تاریخ لکھ دی۔ دو ذہین آدمیوں کو یہ پیغام دے کر شاہ فریک کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ان آدمیوں کو یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ ناجی کے پیامبر ہیں۔ انہیں روانہ کر کے اس سوڈانی فوج کو مصری فوج میں مدغم کرنے کا حکم روک لیا۔

آٹھویں روز پیامبر واپس آ گئے۔ وہ ناجی کا پیغام دے آئے اور فریک کا جواب (ناجی کے نام) لے آئے تھے۔ فریک نے لکھا تھا کہ حملے کی تاریخ سے دو دن پہلے سوڈانی فوج بغاوت کر دے تاکہ صلاح الدین ایوبی کو صلیبیوں کا حملہ روکنے کی ہوش ہی نہ رہے۔ علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کی اجازت سے ان دو پیامبروں کو نظر بند کر دیا۔ یہ باعزت نظر بندی تھی جس میں ان دونوں کے آرام اور بہترین خوراک وغیرہ کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی تاکہ یہ راز فاش نہ ہو جائے۔

صلاح الدین ایوبی نے بحیرۂ روم کے ساحل پر ان مقامات پر اپنی فوج کو چھپا دیا جہاں صلیبیوں کی بحریہ کو لنگر انداز ہونا اور فوجیں اُتارنی تھیں۔ اس نے ان مقامات سے دُور اپنی بحریہ بھی چھپا دی۔ حملے میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ ایک مورخ سراج الدین نے لکھا ہے کہ سوڈانی فوج نے صلیبیوں کے حملے سے پہلے ہی بغاوت کر دی جو صلاح الدین ایوبی

نے طاقت سے نہیں بلکہ ڈپلومیسی اور حسنِ سلوک سے دبالی۔ بغاوت کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ باغیوں کو اپنا سالار ناجی کہیں نظر نہیں آیا تھا اور اس کا کوئی نائب بھی سامنے نہ آیا۔ وہ سب قید میں تھے، مگر ایک اور مورخ جاچی لکھتا ہے کہ سوڈانی فوج نے حملے کے بہت بعد بغاوت کی تھی۔ تاہم یہ دونوں مورخ باقی واقعات پر متفق نظر آتے ہیں۔ دونوں نے لکھا ہے صلاح الدین ایوبی نے ناجی اور اس کے نائبین کو قید میں سزائے موت دے کر رات کے وقت گمنام قبروں میں دفن کرادیا تھا۔

ان دونوں مورخوں نے اور تیسرے مورخ لین پول نے بھی صلیبیوں کی بحریہ کے اعداد و شمار ایک ہی جیسے لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ خط میں دی ہوئی تاریخ کے عین مطابق صلیبیوں کی بحریہ جس میں فرینک کی، یونان کی، رومیوں کی اور سسلی کی بحریہ شامل تھی، متحدہ کمان میں بحیرۂ روم میں نمودار ہوئی۔ مورخوں کے اعداد و شمار کے مطابق جنگی جہازوں کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ اس کے علاوہ بارہ جنگی جہاز بہت بڑے تھے۔ ان میں مصر میں اُتارنے کے لیے فوج تھی۔ اس فوج کا صلیبی کمانڈر ایملرک تھا، جن بادبانی کشتیوں میں رسد تھی، ان کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ جہاز دو قطاروں میں آرہے تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے دفاع کی کمان اپنے پاس رکھی۔ اس نے صلیبیوں کی بحریہ کو ساحل کے قریب آنے دیا۔ سب سے پہلے بڑے جہاز لنگر انداز ہوئے۔ اچانک اُن پر آگ برسنے لگی۔ یہ منجنیقوں سے پھینکی ہوئی مشعلیں تھیں اور آگ کے گولے اور ایسے تیر بھی تھے جن کے پچھلے حصے جلتی ہوئی مشعلوں کی مانند تھے۔ مسلمانوں کی برسائی ہوئی اس آگ نے جہازوں اور کشتیوں کے بادبانوں کو آگ لگادی۔ جہاز لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ فوراً جل اُٹھے۔ اُدھر سے مسلمانوں کے چھپے ہوئے جہاز آگئے۔ انہوں نے بھی آگ ہی برسائی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بحیرۂ روم جل رہا ہو۔ صلیبیوں کے جہاز رُخ موڑ کر ایک دوسرے سے ٹکرانے اور ایک دوسرے کو جلانے لگے۔ ان میں سے صلیبی فوج سمندر میں کود گئی۔ ان میں سے جو سپاہی ساحل کی طرف آئے، وہ سلطان ایوبی کے تیر اندازوں کا نشانہ بنے۔

اُدھر نور الدین زنگی نے شاہ فرینک کی سلطنت پر حملہ کردیا۔ فرینک نے اپنی فوج کو مصر میں داخل کرنے کے لیے خشکی کے ذریعے روانہ کردیا تھا۔ فرینک صلیبیوں کی بحریہ کے ساتھ تھا۔ اُسے اپنے ملک پر حملے کی اطلاع ملی تو بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے ملک میں پہنچا، مگر وہاں کی دُنیا ہی بدل گئی تھی۔

بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا متحدہ بیڑہ نذرِ آتش ہوگیا اور فوج جل کر اور ڈوب کر ختم ہوگئی۔ صلیبیوں کا ایک کمانڈر ایملرک بچ گیا۔ اس نے ہتھیار ڈال کر صلح کی درخواست کی جو بہت بڑی رقم کے عوض منظور کرلی گئی۔ یونانیوں اور سسلی والوں کے کچھ جہاز بچ گئے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں اپنے جہاز واپس لے جانے کی اجازت دے دی، مگر راستے میں ایسا طوفان آیا کہ تمام تر بچے کھچے جہاز غرق ہوگئے۔

۱۹ دسمبر ۱۱۶۹ء کے روز صلیبیوں نے اپنی شکست پر دستخط کیے اور صلاح الدین ایوبی کو تاوان ادا کیا۔

بیشتر مورخین اور ماہرین حرب و ضرب نے صلاح الدین ایوبی کی اس فتح کا سہرا اس کی انٹیلی جنس سروس کے سر باندھا۔ رقاصہ زکوئی کا ذکر اُس دور کے ایک مراکشی وقائع نگار اسد الاسدی نے کیا ہے اور علی بن سفیان کا تعارف بھی اسی وقائع نگار کی تحریر سے ہوا ہے۔

یہ تو ابتدا تھی۔ صلاح الدین ایوبی کی زندگی پہلے سے زیادہ خطروں میں گھر گئی۔

☆ ☆ ☆

ساتویں لڑکی

صلیبیوں کے بحری بیڑے اور افواج کو بحیرۂ روم میں غرق کر کے صلاح الدین ایوبی ابھی مصر کے ساحلی علاقے میں ہی موجود تھا۔ سات دن گزر گئے تھے۔ صلیبیوں سے تاوان وصول کیا جا چکا تھا، مگر بحیرۂ روم ابھی تک بچے کھچے بحری جہازوں کو، کشتیوں کو نگل اور انسانوں کو اُگل رہا تھا۔ صلیبی ملاح اور سپاہ جلتے جہازوں سے سمندر میں کود گئے تھے۔ دور سمندر کے وسط میں سات روز بعد بھی چند ایک جہازوں کے بادبان پھڑپھڑاتے نظر آتے تھے۔ ان میں کوئی انسان نہیں تھا۔ پھٹے ہوئے بادبانوں نے جہازوں کو سمندر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے ان کی تلاشی کے لیے کشتیاں روانہ کر دی تھیں اور ہدایت دی تھی کہ اگر کوئی جہاز یا کشتی کام کی ہو تو وہ رسوں سے گھسیٹ لائیں اور جو اس قابل نہ ہوں، ان میں سے سامان اور کام کی دیگر چیزیں نکال لائیں۔ کشتیاں چلی گئی تھیں اور جہازوں سے سامان لایا جا رہا تھا۔ ان میں زیادہ تر اسلحہ اور کھانے پینے کا سامان تھا یا لاشیں۔

سمندر میں لاشوں کا یہ عالم تھا کہ لہریں انہیں اُٹھا اُٹھا کر ساحل پر پھینک رہی تھیں۔ ان میں کچھ تو جلی ہوئی تھیں اور کچھ مچھلیوں کی کھائی ہوئی۔ بہت سی ایسی تھیں جن میں تیر پیوست تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے تیروں، نیزوں، تلواروں اور دیگر اسلحہ کا معائنہ بڑی غور سے کیا تھا اور انہیں اپنے اسلحہ کے ساتھ رکھ کر مضبوطی اور مار کا مقابلہ کیا تھا۔ زندہ لوگ بھی تختوں اور ٹوٹی ہوئی کشتیوں پر تیرتے ابھی تک سمندر سے باہر آ رہے تھے۔ ان بھوکے، پیاسے، تھکے اور ہارے ہوئے لوگوں کو لہریں جہاں کہیں ساحل پر لا پھینکتی تھیں، وہ وہیں نڈھال ہو کر گر پڑتے اور مسلمان انہیں پکڑ لاتے تھے۔ ساحل کی میلوں لمبائی میں یہی عالم تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے اپنی سپاہ کو مصر کے سارے ساحل پر پھیلا دیا تھا اور انتظام کیا تھا کہ جہاں بھی کوئی قیدی سمندر سے نکلے، اسے وہیں خشک کپڑے اور خوراک دی جائے اور جو زخمی ہوں ان کی مرہم پٹی بھی وہیں ہو جائے۔ اس اہتمام کے بعد قیدیوں کو ایک جگہ جمع کیا جا رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ساحلی علاقے میں گھوم پھر رہا تھا۔ وہ اپنے خیمے سے کوئی دو میل دور نکل گیا۔ آگے چٹانی علاقہ آ گیا۔ چٹانوں کی ایک سمت سمندر اور عقب میں صحرا تھا۔ یہ سرسبز صحرا تھا جہاں کھجور کے علاوہ دوسری اقسام کے صحرائی درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ صلاح الدین ایوبی گھوڑے سے اُترا اور پیدل چٹانوں کے دامن میں چل پڑا۔ محافظ دستے کے چار سوار اس کے ساتھ تھے۔ اس نے اپنا گھوڑا محافظوں کے حوالے کیا اور انہیں وہیں ٹھہرنے کو کہا۔ اس کے ساتھ تین سالار تھے۔ ان میں اس کا رفیق خاص بہاؤ الدین شداد بھی تھا۔ وہ اس معرکے سے ایک ہی روز پہلے عرب سے اس کے پاس آیا تھا۔ انہوں نے بھی گھوڑے محافظوں کے حوالے کیے اور سلطان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

موسم سرد تھا۔ سمندر میں تلاطم نہیں تھا۔ لہریں آتی تھیں اور چٹانوں سے دور ہی سے واپس چلی جاتی تھیں۔ ایوبی ٹہلتے ٹہلتے دور نکل گیا اور محافظ دستے کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے آگے، پیچھے اور بائیں طرف اونچی نیچی چٹانیں اور دائیں

طرف ساحل کی ریت تھی۔ وہ ایک چٹان پر کھڑا ہو گیا، جس کی بلندی دو اڑھائی گز تھی۔ اس نے بحیرۂ روم کی طرف دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر کی نیلاہٹ سلطان ایوبی کی آنکھوں میں اُتر آئی ہو۔ اس کے چہرے پر فتح و نصرت کی مسرت تھی اور اس کی گردن کچھ زیادہ ہی تن گئی تھی۔

اس نے ناک سکیڑ کر کپڑا ناک پر رکھ لیا۔ بولا ''کس قدر تعفن ہے'' .... اس کی اور سالاروں کی نظریں ساحل پر گھومنے لگیں۔ پھڑ پھڑانے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر ہلکی ہلکی چیخیں اور سیٹیاں سی سنائی دیں۔ اوپر سے تین چار گدھ پر پھیلائے اُترتے دکھائی دیئے اور چٹان کی اوٹ میں جدھر ساحل تھا، اُتر گئے۔ ایوبی نے کہا .... ''لاشیں ہیں'' .... اُدھر گیا تو پندرہ بیس گز دور گدھ تین لاشوں کو کھا رہے تھے، ایک گدھ ایک انسانی کھوپڑی پنجوں میں دبوچ کر اُڑا اور جب فضا میں چکر کاٹا تو کھوپڑی اس کے پنجوں سے چھوٹ گئی اور صلاح الدین ایوبی کے سامنے آن گری۔ کھوپڑی کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جیسے صلاح الدین ایوبی کو دیکھ رہی ہوں۔ چہرے اور بالوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ کسی صلیبی کی کھوپڑی ہے۔ ایوبی کچھ دیر کھوپڑی کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور کہا .... ''ان لوگوں کی کھوپڑیاں مسلمانوں کی کھوپڑیوں سے بہتر ہیں۔ یہ ان کھوپڑیوں کا کمال ہے کہ ہماری خلافت عورت اور شراب کی نذر ہوتی جا رہی ہے''۔

''صلیبی چوہوں کی طرح سلطنتِ اسلامیہ کو ہڑپ کرتے چلے جا رہے ہیں''۔ ایک سالار نے کہا۔

''اور ہمارے بادشاہ انہیں جزیہ دے رہے ہیں'' .... شداد نے کہا .... ''فلسطین پر صلیبی قابض ہیں۔ سلطان! کیا ہم اُمید رکھ سکتے ہیں کہ ہم فلسطین سے انہیں نکال سکیں گے''۔

''خدا کی ذات سے مایوس نہ ہو شداد'' .... صلاح الدین ایوبی نے کہا۔

''ہم اپنے بھائیوں کی ذات سے مایوس ہو چکے ہیں'' .... ایک اور سالار بولا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو'' .... سلطان ایوبی نے کہا .... ''حملہ جو باہر سے ہوتا ہے، اسے ہم روک سکتے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ کفار کے اتنے بڑے بحری بیڑے کو تم اتنی تھوڑی طاقت سے نذرِ آتش کر کے ڈبو سکو گے؟ تم نے شاید اندازہ نہیں کیا کہ اس بیڑے میں جو لشکر آ رہا تھا، وہ سارے مصر پر کھیوں کی طرح چھا جاتا۔ اللہ نے ہمیں ہمت دی اور ہم نے کھلے میدان میں نہیں بلکہ صرف گھات لگا کر اس لشکر کو سمندر کی تہہ میں گم کر دیا، مگر میرے دوستو! حملہ جو اندر سے ہوتا ہے اسے تم اتنی آسانی سے نہیں روک سکتے۔ جب تمہارا اپنا بھائی تم پر وار کرے گا تو تم پہلے یہ سوچو گے کہ کیا تم پر واقعی بھائی نے وار کیا ہے؟ تمہارے بازو میں اس کے خلاف تلوار اُٹھانے کی طاقت نہیں ہوگی۔ اگر تلوار اُٹھاؤ گے اور اپنے بھائی سے تیغ آزمائی کرو گے تو دشمن موقع غنیمت جان کر دونوں کو ختم کر دے گا''۔

وہ آہستہ آہستہ ساحل پر چٹان کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ چلتے چلتے رُک گیا۔ جھک کر ریت سے کچھ اُٹھایا اور ہتھیلی پر رکھ کر سب کو دکھایا۔ یہ ہتھیلی جتنی بڑی صلیب تھی جو سیاہ لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک مضبوط دھاگہ تھا۔ اُس نے ان لاشوں کے بکھرے ہوئے اعضاء کو دیکھا، جنہیں گدھ کھا رہے تھے۔ پھر کھوپڑی کو دیکھا جو گدھ کے پنجوں سے اُس کے سامنے گری تھی۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا، کھوپڑی تک گیا۔ تین گدھ کھوپڑی کی ملکیت پر لڑ رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو دیکھ کر پرے چلے گئے۔ سلطان ایوبی نے صلیب کھوپڑی پر رکھ دی اور دوڑ کر اپنے سالاروں سے جا ملا۔ کہنے لگا .... ''میں نے صلیبیوں کے ایک قیدی افسر سے باتیں کی تھیں۔ اس کے گلے میں بھی صلیب تھی۔ اس نے بتایا کہ

صلیبی لشکر میں جو بھرتی ہوتا ہے اس سے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف لیا جاتا ہے کہ وہ صلیب کے نام پر جان کی بازی لگا کر لڑے گا اور وہ روئے زمین سے آخری مسلمان کو بھی ختم کر کے دم لے گا۔ اس حلف کے بعد ہر لشکری کے گلے میں صلیب لٹکا دی جاتی ہے۔ یہ صلیب مجھے ریت سے ملی ہے۔ معلوم نہیں کس کی تھی۔ میں نے اس کھوپڑی پر رکھ دی ہے تاکہ اس کی روح صلیب کے بغیر نہ رہے۔ اس نے صلیب کی خاطر جان دی ہے۔ سپاہی کو سپاہی کے حلف کا احترام کرنا چاہیے"۔

"سلطان!"......... شداد نے کہا......... "یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ صلیبی یروشلم کے مسلمان باشندوں کا کتنا کچھ احترام کر رہے ہیں۔ وہاں سے مسلمان بیوی بچوں کو ساتھ لے کر بھاگ رہے ہیں۔ ہماری بیٹیوں کی آبرو لوٹی جا رہی ہے۔ ہمارے قیدیوں کو انہوں نے ابھی تک نہیں چھوڑا۔ مسلمان جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا ہم ان عیسائیوں سے انتقام نہیں لیں گے؟"

"انتقام نہیں"......... صلاح الدین ایوبی نے کہا......... "ہم فلسطین لیں گے مگر فلسطین کے راستے میں ہمارے اپنے حکمران حائل ہیں"......... وہ چلتے چلتے رُک گیا اور بولا......... "کفار نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر سلطنتِ اسلامیہ کے خاتمے کا حلف اُٹھایا ہے۔ میں نے اپنے اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اور ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر قسم کھائی ہے کہ فلسطین ضرور لوں گا اور سلطنتِ اسلامیہ کی سرحدیں اُفق تک لے جاؤں گا مگر میرے رفیقو! مجھے اپنی تاریخ کا مستقبل کچھ روشن نظر نہیں آتا۔ ایک وقت تھا کہ عیسائی بادشاہ تھے اور ہم جنگجو۔ اب ہمارے بزرگ بادشاہ بنتے جا رہے ہیں اور عیسائی جنگجو۔ دونوں قوموں کا رجحان دیکھ کر میں کہہ رہا ہوں کہ ایک وقت آئے گا جب مسلمان بادشاہ بن جائیں گے، مگر عیسائی ان پر حکومت کریں گے۔ مسلمان اسی میں بدمست رہیں گے کہ ہم بادشاہ ہیں، آزاد ہیں مگر وہ آزاد نہیں ہوں گے۔ میں فلسطین لے لوں گا مگر مسلمانوں کا رجحان بتا رہا ہے کہ وہ فلسطین گنوا بیٹھیں گے۔ عیسائیوں کی کھوپڑی بڑی تیز ہے......... پچاس ہزار سوڈانی لشکر کو کون پال رہا تھا؟ ہماری خلافت اپنی آستین میں ناجی نام کا سانپ پالتی رہی ہے۔ میں پہلا امیر مصر ہوں جس نے دیکھا ہے کہ یہ لشکر ہمارے لیے نہ صرف بے کار ہے، بلکہ خطرناک بھی ہے۔ اگر ناجی کا خط پکڑا نہ جاتا تو آج ہم سب اس لشکر کے ہاتھوں مارے جا چکے ہوتے یا اس کے قیدی ہوتے........."

اچانک ہلکا سا زناٹا سنائی دیا اور ایک تیر صلاح الدین ایوبی کے دونوں پاؤں کے درمیان ریت میں لگا۔ جدھر سے تیر آیا تھا، اس طرف سلطان ایوبی کی پیٹھ تھی......... سالاروں میں سے بھی کوئی اُدھر نہیں دیکھ رہا تھا۔ سب نے بدک کر اس طرف دیکھا، جدھر سے تیر آیا تھا۔ اُدھر نوکیلی چٹانیں تھیں۔ تینوں سالار اور صلاح الدین ایوبی دوڑ کر ایک ایسی چٹان کی اوٹ میں ہو گئے جو دیوار کی طرح عمودی تھی۔ انہیں توقع تھی کہ اور بھی تیر آئیں گے۔ تیروں کے سامنے میدان میں کھڑے رہنا کوئی بہادری نہیں تھی۔ شداد نے منہ میں انگلیاں رکھ کر زور سے سیٹی بجائی۔ محافظ دستہ پابرکاب تھا۔ ان کے گھوڑوں کے سرپٹ ٹاپو سنائی دیے۔ اس کے ساتھ ہی تینوں سالار اس طرف دوڑ پڑے جس طرف سے تیر آیا تھا۔ وہ بکھر کر چٹانوں پر چڑھ گئے۔ چٹانیں زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ صلاح الدین ایوبی بھی ان کے پیچھے گیا۔ ایک سالار نے اسے دیکھ لیا اور کہا......... "سلطان! آپ سامنے نہ آئیں" مگر سلطان ایوبی رُکا نہیں۔

محافظ پہنچ گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں کہا......... "ہمارے گھوڑے یہیں چھوڑ دو اور چٹانوں کے پیچھے جاؤ۔ اُدھر سے ایک تیر آیا ہے، جو کوئی نظر آئے اسے پکڑ لاؤ"۔

سلطان ایوبی چٹان کے اوپر گیا تو اُسے اونچی نیچی چٹانیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی نظر آئیں۔ وہ اپنے سالاروں کو ساتھ لیے پچھلی طرف اُتر گیا اور ہر طرف گھوم پھر کر اور چٹانوں پر چڑھ کر دیکھا۔ کسی انسان کا نشان تک نظر نہ آیا۔ محافظ چٹانی علاقے کے اندر، اوپر اور اِدھر اُدھر گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نیچے اُتر کے وہاں گیا جہاں ریت میں تیر گڑھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے رفیقوں کو بلایا اور تیر پر ہاتھ مارا، تیر گر پڑا۔ سلطان ایوبی نے کہا............ ''دُور سے آیا ہے۔ اس لیے پاؤں میں لگا ہے، ورنہ گردن یا پیٹھ میں لگتا۔ ریت میں بھی زیادہ نہیں اُترا'' .... اس نے تیر اُٹھا کر دیکھا اور کہا............ ''صلیبیوں کا ہے، حشیشین کا نہیں''۔

''سلطان کی جان خطرے میں ہے'' .... ایک سالار نے کہا۔

''اور ہمیشہ خطرے میں رہے گی'' .... صلاح الدین ایوبی نے ہنس کر کہا............ ''میں بحیرۂ روم میں کفار کی وہ کشتیاں دیکھنے نکلا تھا جو ملاحوں کے بغیر ڈول رہی ہیں، مگر میرے عزیز دوستو! کبھی نہ سمجھنا کہ صلیبیوں کی کشتی ڈول رہی ہے، وہ پھر آئیں گے۔ گھٹاؤں کی طرح گرجتے آئیں گے اور برسیں گے بھی، لیکن وہ زمین کے نیچے سے اور پیٹھ کے پیچھے سے بھی وار کریں گے۔ ہمیں اب صلیبیوں سے ایسی جنگ لڑنی ہے جو صرف فوجیں نہیں لڑیں گی۔ میں جنگی تربیت میں ایک اضافہ کر رہا ہوں۔ یہ فنِ حرب وضرب کا نیا باب ہے۔ اسے جاسوسوں کی جنگ کہتے ہیں''

سلطان صلاح الدین ایوبی تیر ہاتھ میں لیے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے کیمپ کی طرف چل پڑا۔ اس کے سالار بھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے سلطان کے دائیں طرف اپنا گھوڑا کر دیا، ایک نے بائیں کو اور ایک نے اپنا گھوڑا اس کے بالکل پیچھے اور قریب رکھا، تا کہ کسی بھی طرف سے تیر آئے تو صلاح الدین ایوبی تک نہ پہنچ سکے۔

☆

صلاح الدین ایوبی نے اس تیر پر ذرا سی بھی پریشانی کا اظہار نہ کیا جو کسی نے اسے قتل کرنے کے لیے چلایا تھا۔ اپنے رفیق سالاروں کو اپنے خیمے میں بٹھائے ہوئے وہ بتا رہا تھا کہ جاسوس اور شب خون مارنے والے دستے کس قدر نقصان کرتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا............ ''میں علی بن سفیان کو ایک ہدایت دے چکا ہوں، لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوسکا، کیونکہ فوراً ہی مجھے اس حملے کی خبر ملی اور عمل درآمد دھرا رہ گیا۔ تم سب فوری طور پر یوں کرو کہ اپنے سپاہیوں اور ان کے عہدے داروں میں سے ایسے افراد منتخب کرو جو دماغی اور جسمانی لحاظ سے مضبوط اور صحت مند ہوں۔ باریک بین، دور اندیش، قوت فیصلہ رکھنے والے جانباز قسم کے آدمی چنو۔ میں نے علی کو ایسے آدمیوں کی جو صفات بتائیں تھیں وہ سب سن لو۔ اُن میں اونٹ کی مانند زیادہ سے زیادہ دن بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی قوت ہو۔ چیتے کی طرح جھپٹنا جانتے ہوں، عقاب کی طرح ان کی نظریں تیز ہوں، خرگوش اور ہرن کی طرح دوڑ سکتے ہوں۔ مسلح دشمن سے ہتھیار کے بغیر بھی لڑ سکیں۔ ان میں شراب اور کسی دوسری نشہ آور چیز کی عادت نہ ہو۔ کسی لالچ میں نہ آئیں۔ عورت کتنی ہی حسین مل جائے اور زرو جواہرات کے انبار ان کے قدموں میں لگا دیئے جائیں، وہ نظر اپنے فرض پر رکھیں............

''اپنے دوستوں اور ان کے کمان داروں کو خاص طور پر ذہن نشین کرا دیں کہ عیسائی بڑی ہی خوب صورت اور جوان لڑکیوں کو جاسوسی کے لیے اور فوجوں میں بے اطمینانی پھیلانے کے لیے اور عسکریوں کو جذبے کے لحاظ سے بے کار کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ میں نے مسلمانوں میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ عورت کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ میں مسلمان عورت کو اس مقاصد کے لیے دشمن کے علاقے میں کبھی نہیں بھیجوں گا۔ ہم عصمتوں کے محافظ ہیں، عصمت

کو ہتھیار نہیں بنائیں گے۔ علی بن سفیان نے چند ایک لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں، لیکن وہ مسلمان نہیں اور وہ عیسائی بھی نہیں، مگر میں عورت کا قائل نہیں"۔

محافظ دستے کا کمانڈر خیمے میں آیا اور اطلاع دی کہ محافظ کچھ لڑکیوں اور آدمیوں کو ساتھ لائے ہیں۔ سلطان ایوبی باہر نکلا۔ اس کے تینوں سالار بھی ساتھ تھے۔ باہر پانچ آدمی کھڑے تھے، جن کے لبے چغے، دستاریں اور ڈیل ڈول بتا رہی تھی کہ تاجر ہیں اور سفر میں ہیں۔ ان کے ساتھ سات لڑکیاں تھیں۔ ساتویں جوان تھیں اور ایک سے ایک بڑھ کر خوب صورت۔ ان محافظوں میں سے ایک نے جو سلطان پر تیر چلانے والے کی تلاش میں گئے تھے بتایا کہ انہوں نے تمام علاقہ چھان مارا، انہیں کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ دور پیچھے گئے تو یہ لوگ تین اونٹوں کے ساتھ ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔

"کیا ان کی تلاشی ہے؟" .... ایک سالار نے پوچھا۔

"لی ہے" .... محافظ نے جواب دیا .... "یہ کہتے ہیں کہ تاجر ہیں۔ ان کا سارا سامان کھلوا کر دیکھا ہے۔ جامہ تلاشی بھی لی ہے۔ ان کے پاس ان خنجروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں" .... اس نے پانچ خنجر سلطان ایوبی کے قدموں میں رکھ دیئے۔

"ہم مراکش کے تاجر ہیں" .... ایک تاجر نے کہا .... "سکندریہ تک جائیں گے۔ دو روز گزرے ہمارا قیام یہاں سے دس کوس پیچھے تھا۔ پرسوں شام یہ لڑکیاں ہمارے پاس آئیں۔ ان کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ سسلی کی رہنے والی ہیں۔ انہیں عیسائی فوج کا ایک کمان دار گھروں سے پکڑ کر ساتھ لے آیا اور ایک بحری جہاز میں جا سوار کیا۔ ان کے ماں باپ غریب ہیں۔ یہ کہتی ہیں کہ بے شمار جہاز اور کشتیاں چل پڑیں۔ لڑکیوں والے جہاز میں چند اور کمانڈر قسم کے آدمی تھے اور اُن کی فوج بھی تھی۔ وہ سب ان لڑکیوں کے ساتھ شراب پی کر عیش و عشرت کرتے رہے۔ اس ساحل کے قریب آئے تو جہازوں پر آگ کے گولے گرنے لگے۔ تمام لوگ جہازوں سے سمندر میں کودنے لگے۔ ان لڑکیوں کو انہوں نے ایک کشتی میں بٹھا کر جہاز سے سمندر میں اُتار دیا۔ یہ بتاتی ہیں کہ انہیں کشتی چلانی نہیں آتی تھی۔ کشتی سمندر میں ڈولتی اور بھٹکتی رہی۔ پھر ایک روز خود ہی ساحل سے آ لگی۔ ہمارا قیام ساحل کے ساتھ تھا۔ یہ ہمارے پاس آ گئیں۔ بہت ہی بُری حالت میں تھیں۔ ہم نے انہیں پناہ میں لے لیا۔ انہیں ہم دھتکار تو نہیں سکتے تھے۔ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان کا کیا کریں۔ پچھلے پڑاؤ سے یہاں تک انہیں ساتھ لائے ہیں۔ یہ سوار آ گئے اور ہمارے سامان کی تلاشی لینے لگے۔ ہم نے ان سے تلاشی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی امیر مصر کا حکم ہے۔ ہم نے ان کی منت سماجت کی کہ ہمیں اپنے سلطان کے حضور لے چلو۔ ہم عرض کریں گے کہ ان لڑکیوں کو اپنی پناہ میں لے لے۔ ہم سفر میں ہیں۔ انہیں کہاں کہاں لیے پھریں گے"۔

لڑکیوں سے پوچھا تو وہ سسلی کی زبان بول رہی تھیں۔ وہ ڈری ڈری سی لگتی تھیں۔ ان میں سے دو تین اکٹھی ہی بولنے لگیں۔ صلاح الدین ایوبی نے تاجروں سے پوچھا کہ ان کی زبان کون سمجھتا ہے؟ ایک نے بتایا کہ صرف میں سمجھتا ہوں۔ یہ التجا کر رہی ہے کہ سلطان انہیں پناہ میں لے لے۔ کہتی ہیں کہ ہم تاجروں کے قافلے کے ساتھ نہیں جائیں گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے میں ڈاکو ہمیں اُٹھا کر لے جائیں۔ اِدھر جنگ بھی ہو رہی ہے۔ ہر طرف عیسائیوں اور مسلمانوں کے سپاہی بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں۔ ہمیں سپاہیوں سے بہت ڈر آتا ہے۔ ہمیں جب گھروں سے اُٹھایا گیا تھا تو ہم سب کنواری تھیں۔ ان فوجیوں نے بحری جہاز میں ہمیں طوائفیں بنائے رکھا ہے۔

ایک لڑکی نے کچھ کہا تو اس کی زبان جاننے والے تاجر نے سلطان ایوبی نے کہا............ "یہ کہتی ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے بادشاہ تک پہنچادو۔ ہوسکتا ہے اس کے دل میں رحم آجائے"۔

ایک اور لڑکی بول پڑی۔ اس کی آواز رندھیائی ہوئی تھی۔ تاجر نے کہا............ "یہ کہتی ہے کہ ہمیں عیسائی سپاہیوں کے حوالے نہ کیا جائے۔ میں مسلمان ہو جاؤں گی، بشرطیکہ کوئی اچھی حیثیت والا مسلمان میرے ساتھ شادی کرلے"۔

دو تین لڑکیاں پیچھے کھڑی منہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر گھبراہٹ تھی۔ بات کرتے شرماتی یا ڈرتی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی نے تاجر سے کہا............ "انہیں کہو کہ یہ عیسائیوں کے پاس نہیں جانا چاہتیں۔ ہم انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ لڑکی جو کہہ رہی ہے کہ مسلمان ہو جائے گی، بشرطیکہ کوئی مسلمان اس کے ساتھ شادی کرلے، اسے کہو کہ میں اس کی پیش کش قبول نہیں کر سکتا، یہ خوف اور مجبوری کے عالم میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہے۔ انہیں بتاؤ کہ انہیں مجھ پر اعتماد ہے تو میں انہیں اسلام کی بیٹیوں کی طرح پناہ میں لیتا ہوں۔ اپنے دارالحکومت میں جاکر یہ انتظام کردوں گا کہ انہیں عیسائی راہبوں یا کسی پادری کے پاس بھجوادوں گا۔ پادری یروشلم میں ہوں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب عیسائی قیدیوں کو آزاد کیا جائے گا تو میں کوشش کروں گا کہ ان کی شادیاں قابلِ اعتماد اور اچھی حیثیت کے قیدیوں کے ساتھ کردوں۔ انہیں یہ بھی بتادو کہ کسی مسلمان کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ انہیں اجازت ہوگی کہ کسی مسلمان سے ملیں۔ ان کی ضروریات اور عزت کا خیال رکھا جائے گا"۔

تاجر نے لڑکیوں کو ان کی زبان میں سلطان ایوبی کی ساری باتیں بتائیں تو ان کے چہروں پر رونق آگئی۔ وہ ان شرائط پر رضامند ہوگئیں۔ تاجر شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے لڑکیوں کے لیے الگ خیمہ لگانے اور خیمے کے باہر ہر وقت ایک سنتری موجود رہنے کا حکم دیا۔ وہ خیمے کی جگہ بتانے ہی لگا تھا کہ چھ صلیبی سلطان ایوبی کے سامنے لائے گئے۔ وہ بہت ہی بُری حالت میں تھے۔ ان کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ کپڑوں پر خون بھی تھا، ریت بھی۔ ان کے چہرے لاشوں کی مانند تھے۔ ان کے متعلق بتایا گیا کہ ڈیڑھ دو میل دور ساحل پر بے سدھ پڑے تھے۔ وہ ٹوٹی ہوئی کشتی پر تیر رہے تھے۔ ایک دن کشتی پانی بھر جانے سے ڈوب گئی۔ یہ سب تیر کر ساحل تک پہنچے۔ کشتی میں بائیس آدمی سوار ہوئے تھے۔ صرف یہ چھ زندہ بچے۔ ان سے چلا نہیں جاتا تھا۔ یہ صلیبی لشکر کے سپاہی تھے۔ وہ سب دھڑام سے بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک چہرے مہرے سے لگتا تھا کہ معمولی سپاہی نہیں ہے، وہ کراہ رہا تھا۔ اس کے کپڑوں پر خون کا ایک دھبہ بھی نہ تھا، مگر زخمیوں سے زیادہ تکلیف میں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ساتوں لڑکیوں کو غور سے دیکھا اور پھر کراہنے لگا۔

یہ صلاح الدین ایوبی کا حکم تھا کہ ہر ایک قیدی اسے دکھایا جائے، چونکہ قیدی ابھی تک سمندر سے بچ بچ کر نکل رہے تھے، اس لیے ہر ایک قیدی سلطان ایوبی کے سامنے لایا جاتا تھا۔ اس نے ان قیدیوں کو بھی دیکھا۔ کسی سے کوئی بات نہ کی۔ البتہ اس قیدی کو جو سب سے زیادہ کراہ رہا تھا اور جس کے جسم پر کوئی زخم نہ تھا، سلطان نے غور سے دیکھا اور آہستہ سے اپنے سالاروں سے کہا............ "علی بن سفیان ابھی تک نہیں آیا۔ ان تمام قیدیوں سے جواب تک ہمارے پاس آچکے ہیں، بہت کچھ پوچھنا ہے۔ ان سے معلومات لینی ہیں"۔ اس نے اس قیدی کی طرف دیکھ کر کہا............ "یہ آدمی کمان دار معلوم ہوتا ہے۔ اسے نظر میں رکھنا اور جب علی بن سفیان آئے تو اسے کہنا کہ اس سے تفصیلی پوچھ گچھ کرے۔ معلوم ہوتا ہے اسے اندر کی چوٹیں آئی ہیں۔ شاید پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں............ انہیں فوراً زخمی قیدیوں کے خیموں میں پہنچادو۔

انہیں کھلاؤ پلاؤ اور ان کی مرہم پٹی کرو"۔

قیدیوں کو اس طرف لے جایا گیا جس طرف زخمی قیدیوں کے خیمے تھے۔ لڑکیاں انہیں جاتا دیکھتی رہیں، پھر ان لڑکیوں کو بھی لے گئے۔

☆

فوج کے خیموں سے تھوڑی دور لڑکیوں کے لیے خیمہ نصب کیا جا رہا تھا، وہاں سے کوئی سو قدم دور زخمی قیدیوں کے خیمے تھے، وہاں بھی ایک خیمہ گاڑا جا رہا تھا اور چھ نئے زخمی قیدی زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ لڑکیاں ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دونوں خیمے کھڑے ہو گئے۔ لڑکیاں اپنے خیمے میں چلی گئیں اور زخمیوں کو اُن کے اپنے خیمے میں لے گئے۔ ایک سنتری لڑکیوں کے خیمے کے باہر کھڑا ہو گیا۔ لڑکیوں کے لیے کھانا آ گیا جو انہوں نے کھا لیا۔ پھر ایک لڑکی خیمے سے نکل کر اس خیمے کی طرف دیکھنے لگی جس میں نئے چھ زخمی قیدیوں کو لے گئے تھے۔ اس کے چہرے پر اب گھبراہٹ اور خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ سنتری نے اسے دیکھا اور اس نے سنتری کو دیکھا۔ لڑکی نے مُسکرا کر اشارہ کیا کہ وہ زخمیوں کے خیمے کی طرف جانا چاہتی ہے۔ سنتری نے سر ہلا کر اسے روک دیا۔ لڑکیوں کو خیمے سے دُور جانے یا کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ لڑکیوں اور چھ زخمیوں کے خیموں کے درمیان بہت سے درخت تھے۔ بائیں طرف مٹی کا ایک ٹیلا تھا جس پر جھاڑیاں تھیں۔

سورج غروب ہو گیا۔ پھر رات تاریک ہونے لگی۔ کیمپ کے غل غپاڑے پر نیند غالب آنے لگی اور پھر زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں رات کے سکوت میں کچھ زیادہ ہی صاف سنائی دینے لگیں۔ دور پرے بحیرۂ روم کا شور دبی دبی مسلسل گونج کی طرح سنائی دے رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے اس جنگی کیمپ میں جاگنے والوں میں چند ایک سنتری تھے یا وہ زخمی قیدی جنہیں زخم سونے نہیں دیتے تھے یا صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے اندرون کا سماں تھا، وہاں کسی کو نیند نہیں آئی تھی۔ سلطان ایوبی کے تین سالار اس کے پاس بیٹھے تھے اور باہر محافظ دستہ بیدار تھا۔

سلطان ایوبی نے ایک بار پھر کہا............ "علی بن سفیان ابھی تک نہیں آیا"............ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ اس نے کہا............ "اس کا قاصد بھی نہیں آیا"۔

"اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو اطلاع آ چکی ہوتی"............ ایک سالار نے کہا............ "معلوم ہوتا ہے وہاں سب ٹھیک ہے"۔

"اُمید تو یہی رکھنی چاہیے"............ صلاح الدین ایوبی نے کہا............ "لیکن پچاس ہزار کے لشکر نے بغاوت کر دی تو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ وہاں نفری ڈیڑھ ہزار سوار اور دو ہزار سات سو پیادہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں سوڈانی بہتر اور تجربہ کار عسکری ہیں اور تعداد میں بہت زیادہ"۔

"ناجی اور اس کے سازشی ٹولے کے خاتمے کے بعد بغاوت ممکن نظر نہیں آتی"۔ ایک اور سالار نے کہا۔ "قیادت کے بغیر سپاہی بغاوت نہیں کریں گے"۔

"پیش بندی ضروری ہے"............ صلاح الدین ایوبی نے کہا............ "لیکن علی آ جائے تو پتہ چلے گا کہ پیش بندی کس قسم کی کی جائے"۔

صلیبیوں کو روکنے کے لیے تو سلطان ایوبی خود آیا تھا لیکن دارالحکومت میں سوڈانی فوج کی بغاوت کا خطرہ تھا۔ علی بن سفیان کو سلطان ایوبی نے وہیں چھوڑ دیا تھا، تاکہ وہ سوڈانی لشکر پر نظر رکھے اور بغاوت کو اپنے خصوصی فن سے دبانے

کی کوشش کرے۔ اسے اب تک صلاح الدین ایوبی کے پاس آ کر وہاں کے احوال وکوائف بتانے تھے، مگر وہ نہیں آیا تھا، جس سے سلطان ایوبی بے چین ہوا جارہا تھا۔

وہ جب اپنے سالاروں کے ساتھ قاہرہ کی صورت حال کے متعلق باتیں کر رہا تھا، اس کا تمام کیمپ گہری نیند سو چکا تھا مگر وہ ساتوں لڑکیاں جاگ رہی تھیں، جنہیں سلطان ایوبی نے پناہ میں لے لیا تھا۔ ایک بار سنتری نے خیمے کا پردہ اُٹھا کر دیکھا، اندر دیا جل رہا تھا۔ پردہ ہٹتے ہی لڑکیاں خراٹے لینے لگیں۔ سنتری نے دیکھا وہ پوری سات ہیں اور سو رہی ہیں تو اس نے پردہ گرایا اور خیمے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ خیمے کے پردے کے ساتھ جو لڑکی تھی اس نے نیچے سے پردہ ذرا اوپر اُٹھایا۔ پردہ آہستہ سے چھوڑ کر اس نے ساتھ والی کے کان میں کہا.......... ''بیٹھ گیا ہے.........'' ساتھ والی نے اگلی لڑکی کے کان میں کہا.......... ''بیٹھ گیا ہے..........'' اور اس طرح کانوں کانوں میں یہ اطلاع ساتوں لڑکیوں تک پہنچ گئی کہ سنتری بیٹھ گیا ہے۔ ایک لڑکی جو خیمے کے دوسرے دروازے کے ساتھ تھی آہستہ سے اُٹھ کر بیٹھی اور بستر سے نکل گئی۔ بستر زمین پر بچھے تھے۔ اس نے اوپر لینے والے کمبل اس طرح بستر پر ڈال دیئے جیسے ان کے نیچے لڑکی لیٹی ہوئی ہے۔

وہ پاؤں پر سرکتی خیمے کے دروازے تک گئی۔ پردہ ہٹایا اور باہر نکل گئی۔ باقی چھ لڑکیوں نے آہستہ آہستہ خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ سنتری کو معلوم تھا کہ یہ سمندر سے بچ کر نکلی ہوئی پناہ گزین لڑکیاں ہیں، کوئی خطرناک قیدی تو نہیں۔ وہ بیٹھ کر اونگھتا رہا۔ لڑکی دبے پاؤں ایسے رُخ پر ٹیلے کی طرف چلتی گئی جس رُخ سے اس کے اور سنتری کے درمیان خیمہ حائل رہا۔ ٹیلے کے پاس پہنچ کر اس نے اُس خیمے کا رُخ کر لیا جس میں چھ نئے قیدی رکھے گئے تھے۔ رات تاریک تھی، وہاں کچھ درخت تھے۔ سنتری اب اُدھر دیکھتا بھی تو اسے لڑکی نظر نہ آتی۔ لڑکی بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرک سرک کر آگے بڑھنے لگی۔ آگے ریت کی ڈھیریاں سی تھیں۔ وہ اُن کی اوٹ میں سرکتی ہوئی خیمے کے قریب پہنچ گئی، مگر وہاں ایک سنتری ٹہل رہا تھا۔ لڑکی ایک ڈھیری کے پاس لیٹ گئی۔ سنتری اسے سیاہ سائے کی طرح نظر آرہا تھا۔ وہ اب دو سنتریوں کے درمیان تھی۔ ایک اس کے اپنے خیمے کا اور دوسرا زخمیوں کے خیمے کا۔ اسے ڈر یہ تھا کہ زخمیوں کا سنتری اس کی طرف آ گیا تو وہ پکڑی جائے گی۔

بہت دیر انتظار کے بعد سنتری دوسرے زخمیوں کی طرف چلا گیا۔ لڑکی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتی خیمے تک پہنچ گئی اور پردہ اُٹھا کر اندر چلی گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ دو تین زخمی آہستہ آہستہ کراہ رہے تھے۔ شاید ان میں سے کسی نے خیمے کا پردہ اُٹھتا دیکھ لیا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں پوچھا.......... ''کون ہے؟''.......... لڑکی نے منہ سے ''شی'' کی لمبی آواز نکالی اور سرگوشی میں پوچھا.......... ''رابن کہاں ہے؟''.......... اسے جواب ملا.......... ''اُدھر سے تیسرا''.......... لڑکی نے تیسرے آدمی کے پاؤں ہلائے تو آواز آئی۔ ''کون ہے؟''.......... لڑکی نے جواب دیا.......... ''موبی''۔

رابن اُٹھ بیٹھا۔ ہاتھ لمبا کر کے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اسے اپنے بستر میں گھسیٹ لیا۔ اسے اپنے پاس لٹا کر اوپر کمبل ڈال دیا۔ بولا.......... ''سنتری نہ آجائے، میرے ساتھ لگی رہو''.......... اس نے لڑکی کو اپنے ساتھ لگا لیا اور کہا.......... ''میں اس اتفاق پر حیران ہو رہا ہوں کہ ہماری ملاقات ہوگئی ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے۔ ہم نے بہت بڑی شکست کھائی ہے، لیکن یہ سب دھوکا تھا''.......... یہ وہی زخمی قیدی تھا جو دوسروں سے الگ تھلگ اور چہرے مہرے اور جسم جثے سے معمولی سپاہی نہیں بلکہ اعلیٰ رتبے کا لگتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے بھی کہا تھا کہ یہ کوئی معمولی سپاہی نہیں، اس پر نظر رکھنا، علی بن سفیان اس سے تفتیش اور تحقیقات کرے گا۔

"تم کتنے زخمی ہو؟" لڑکی نے اس سے پوچھا........."کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں" ....رابن نے جواب دیا.........."خراش تک نہیں آئی۔ انہیں بتایا ہے کہ اندر کی چوٹیں ہیں اور سینے کے اندر شدید درد ہے، لیکن میں بالکل تندرست ہوں"۔

"پھر یہاں کیوں آ گئے؟" ....لڑکی نے پوچھا۔

"میں نے بہت کوشش کی کہ مصر میں داخل ہو جاؤں اور سوڈانی لشکر تک پہنچ سکوں لیکن ہر طرف اسلامی فوج پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی راستہ نہیں ملا۔ ان پانچ زخمیوں کو اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ زخمی بن کر یہاں آ گیا۔ اب فرار کی کوشش کروں گا جو ابھی ممکن نظر نہیں آتی" ....اس نے ذرا غصے سے کہا.........."مجھے دو سوالوں کا جواب دو۔ ایوبی کو میں نے زندہ دیکھا ہے، کیوں؟ کیا تیر ختم ہو گئے تھے یا وہ حرام خور بزدل ہو گئے ہیں؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تم سات کی سات لڑکیاں مسلمانوں کی قید میں کیوں آ گئیں؟ کیا وہ پانچوں مر گئے ہیں یا بھاگ گئے ہیں؟"

"وہ زندہ ہیں رابن!"......موبی نے کہا......"تم کہتے ہو کہ خدائے یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے لیکن میں کہتی ہوں کہ ہمارا خدا ہمیں کسی گناہ کی سزا دے رہا ہے۔ صلاح الدین ایوبی اس لیے زندہ ہے کہ تیر اس کے پاؤں کے درمیان ریت میں لگا تھا"۔

"کیا تیر کسی لڑکی نے چلایا تھا؟" ....رابن نے پوچھا.........."کرسٹوفر کہاں تھا؟"

"اُسی نے چلایا تھا مگر........."

"کرسٹوفر کا تیر خطا گیا؟" ....رابن نے حیرت سے تڑپ کر پوچھا.........."وہ کرسٹوفر جس کی تیر اندازی نے شاہ آگسٹس کو حیران کر دیا اور اس کی ذاتی تلوار انعام میں لی تھی، یہاں آ کر اس کا نشانہ اتنا چونک گیا کہ چھ فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا صلاح الدین ایوبی اس کے تیر سے بچ گیا؟ بدبخت کے ہاتھ ڈر سے کانپ گئے ہوں گے"۔

"فاصلہ زیادہ تھا" ....موبی نے کہا.........."اور کرسٹوفر کہتا تھا کہ تیر کمان سے نکلتے ہی لگا تھا کہ کھلی ہوئی آنکھ میں مچھر پڑ گیا۔ اسی حالت میں اس کا تیر نکل گیا"۔

"پھر کیا ہوا؟"

"جو ہونا چاہیے تھا" ....موبی نے کہا.........."صلاح الدین ایوبی ساحل پر گیا تھا تو اس کے ساتھ تین کمانڈر تھے اور چار محافظوں کا دستہ تھا۔ وہ ہر طرف پھیل گئے۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی تھی کہ علاقہ چٹانی تھا، کرسٹوفر بچ کے نکل آیا اور پھر ہمیں اتنا وقت مل گیا کہ ترکش اور کمان ریت میں دبا کر اوپر اونٹ بٹھا دیا۔ سپاہی آ گئے تو کرسٹوفر نے انہیں بتایا کہ وہ پانچوں مراکش کے تاجر ہیں اور یہ لڑکیاں سمندر سے نکل کر ہماری پناہ میں آئی ہیں۔ مسلمان سپاہیوں نے ہمارے سامان کی تلاشی لی۔ انہیں تجارتی سامان کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔ وہ ہم سب کو سلطان ایوبی کے سامنے لے گئے۔ ہم نے یہ ظاہر کیا کہ ہم سسلی کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتیں۔ کرسٹوفر نے ایوبی سے کہا کہ وہ ہماری زبان جانتا ہے۔ ہم ساتوں لڑکیوں نے چہروں پر گھبراہٹ اور خوف پیدا کر لیا"۔

موبی نے رابن کو وہ ساری باتیں سنائیں جو سلطان ایوبی کے ساتھ ہوئی تھیں۔ یہ سات لڑکیاں اور پانچ آدمی جو مراکشی تاجروں کے بھیس میں تھے، حملے سے دو روز پہلے ساحل پر اُتارے گئے تھے۔ پانچوں آدمی صلیبیوں کے تجربہ کار جاسوس اور کمانڈو تھے اور لڑکیاں بھی جاسوس تھیں۔ جاسوسی کے علاوہ ان کے ذمے یہ کام بھی تھا کہ مسلمان سالاروں کو اپنے

جال میں پھانسیں۔ وہ خوب صورت تو تھیں ہی، انہیں جاسوسی اور ذہنوں کی تخریب کاری کی خاص ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس ٹریننگ میں اداکاری خاص طور پر شامل تھی۔ پانچ مردوں کا یہ مشن تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو ختم کرنا اور ناجی کے ساتھ رابطہ رکھنا۔ یہ لڑکیاں مصر کی زبان روانی سے بول سکتی تھیں، لیکن انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ رابن اس شعبے کا سربراہ تھا۔ اسے ناجی تک پہنچنا تھا، مگر صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان کی چال نے یہاں کے حالات کا رُخ ہی اُلٹا کر دیا۔

''کیا تم صلاح الدین ایوبی کو جال میں نہیں پھانس سکتیں؟''...........رابن نے پوچھا۔

''ابھی تو یہاں پہلی رات ہے''..........موبی نے کہا..........''اس نے ہمارے متعلق جو فیصلہ دیا ہے، اگر وہ سچے دل سے دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد نہیں پتھر ہے، اگر اُسے ہمارے ساتھ کوئی دلچسپی ہوتی تو کسی ایک لڑکی کو اپنے خیمے میں بلا لیتا..........اسے قتل کرنا بھی آسان نہیں۔ وہ ایک ہی بار ساحل پر آیا تھا، مگر تیر خطا گیا۔ وہ سالاروں اور محافظوں کے نرغے میں رہتا ہے۔ اِدھر ایک سنتری ہمارے سر پر کھڑا ہے اور محافظوں کے پورے دستے نے صلاح الدین ایوبی کے خیمے کو گھیر رکھا ہے''۔

''وہ پانچوں کہاں ہیں؟''..........رابن نے پوچھا۔

''تھوڑی دور ہیں''..........موبی نے جواب دیا..........''وہ ابھی یہیں رہیں گے''۔

''سنو موبی!''..........رابن نے کہا..........''اس شکست نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ میرے ضمیر پر اتنا بوجھ آپڑا ہے، جیسے اس شکست کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف تو سب سے لیا گیا ہے، لیکن ایک سپاہی کے حلف میں اور میرے حلف میں زمین اور آسمان جتنا فرق ہے۔ میرے رتبے کو سامنے رکھو۔ میرے فرائض کو دیکھو۔ آدھی جنگ مجھے زمین کے نیچے سے اور پیٹھ کے پیچھے سے وار کر کے جیتنی تھی، مگر میں اور تم سات اور وہ پانچ اپنا فرض ادا نہیں کر سکے۔ مجھ سے یہ صلیب جواب مانگ رہی ہے''..........اس نے گلے میں ڈالی ہوئی صلیب ہاتھ میں لے کر کہا..........''میں اسے اپنے سینے سے جدا نہیں کر سکتا''..........اس نے موبی کے سینے پر ہاتھ پھیر کر اس کی صلیب ہاتھ میں لے لی اور کہا..........''تم اپنے ماں باپ کو دھوکہ دے سکتی ہو، اس صلیب سے آنکھیں نہیں چُرا سکتیں۔ اس نے جو فرض تمہیں سونپا ہے، وہ پورا کرو۔ خدا نے تمہیں جو حسن دیا ہے، وہ چٹانوں کو پھاڑ کر تمہیں راستہ دے دے گا۔ میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ ہماری اچانک اور غیر متوقع ملاقات اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ ہمارے لشکر بحیرۂ روم کے اُس پار اکٹھے ہو رہے ہیں۔ جو مر گئے، سو مر گئے، جو زندہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ شکست نہیں دھوکا تھا۔ تم اپنے خیمے میں واپس جاؤ اور ان لڑکیوں سے کہو کہ خیمے میں نہ پڑی رہیں۔ بار بار صلاح الدین ایوبی سے ملیں۔ اس کے سالاروں سے ملیں۔ بے تکلفی پیدا کریں۔ مسلمان ہو جانے کا جھانسہ دیں۔ آگے وہ جانتی ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے''۔

''سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ ہوا کیا؟''..........موبی نے کہا..........''کیا سوڈانیوں نے ہمیں دھوکہ دیا ہے؟''

''میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا''..........رابن نے کہا..........''میں نے حملے سے بہت پہلے مصر میں پھیلائے ہوئے اپنے جاسوسوں سے جو معلومات حاصل کی تھیں، وہ یہ ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کو سوڈانیوں کے پچاس ہزار محافظ لشکر پر بھروسہ نہیں، حالانکہ یہ مسلمانوں کے وائسرائے مصر کی اپنی فوج ہے۔ ایوبی نے آکر مصری فوج تیار کر لی ہے۔ سوڈانی اس میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔ ان کے کمانڈر ناجی نے ہم سے مدد طلب کی تھی۔ میں نے اس کا خط دیکھا تھا

اور میں نے تصدیق کی تھی کہ یہ خط ناجی کا ہی ہے اور اس میں کوئی دھوکہ نہیں مگر ہمارے ساتھ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا دھوکہ ہوا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟ میں یہ چھان بین کیے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔ شاہ آگسٹس نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے گھروں کے اندر کے بھید معلوم کر کے ان کی بنیادیں ہلا دوں گا۔ اب تصور کرو موبی! شہنشاہ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ وہ مجھے سزائے موت سے کم کیا سزا دے گا! صلیب کا قہر مجھ پر الگ نازل ہوگیا"۔

"میں سب جانتی ہوں" ....موبی نے کہا........."جذباتی باتیں نہ کرو، عمل کی بات کرو۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں"۔

رابن کے اعصاب پر اپنا فرض اور شکست کا احساس اس حد تک غالب تھا کہ اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ موبی جیسی دل کش لڑکی جس کے ایک ایک نقش اور جسم کے انگ انگ میں شراب کا طلسم بھرا ہوا تھا، اس کے سینے سے لگی ہوئی ہے اور اس کے ریشم جیسے ملائم اور لمبے بال اس کے آدھے چہرے کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ رابن نے ان بالوں کے لمس کو ذرا سا محسوس کیا اور کہا.........."موبی! تمہارے یہ بال ایسی مضبوط زنجیریں ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے گرد لپٹ گئیں تو وہ تمہارا غلام ہو جائے گا، لیکن تمہیں سب سے پہلا جو کام کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ کرسٹوفر اور اس کے ساتھیوں سے کہو کہ وہ تاجروں کے بھیس میں ناجی کے پاس پہنچیں اور معلوم کریں کہ اس کے لشکر نے بغاوت کیوں نہیں کی اور یہ راز فاش کس طرح ہوا کہ اس سے فائدہ اُٹھا کر صلاح الدین ایوبی نے کشتی کے چند ایک دستے گھات میں بٹھا کر ہماری تین افواج کا بیڑہ غرق کر دیا اور انہیں یہ بھی کہو کہ معلوم کریں کہ ناجی صلاح الدین ایوبی سے ہی تو نہیں مل گیا؟ اور اس نے ہمارا یہی حشر کرانے کے لیے ہی تو خط نہیں لکھا تھا؟ اگر ایسا ہی ہوا ہے تو ہمیں اپنے جنگی منصوبوں میں ردوبدل کرنا ہوگا۔ مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ اسلامیوں کی تعداد کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو، انہیں ہم آسانی سے شکست نہیں دے سکتے۔ ضروری ہو گیا ہے کہ ان کے حکمرانوں کا اور عسکری قیادت کا جذبہ ختم کیا جائے۔ ہم نے تم جیسی لڑکیاں عربوں کے حرموں میں داخل کر دی ہیں"۔

"تم نے بات پھر لمبی کر دی ہے" ....موبی نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا........."ہم اپنے گھر میں ایک بستر پر نہیں لیٹے ہوئے کہ بڑے مزے سے ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے رہیں۔ ہم دشمن کے کیمپ میں قید اور پابند ہیں۔ باہر سنتری پھر رہے ہیں، رات گزرتی جا رہی ہے۔ ہمارے پاس لمبی باتوں کا وقت نہیں۔ ہمارا مشن تباہ ہو چکا ہے۔ اب بتاؤ کہ ان حالات میں ہمارا مشن کیا ہونا چاہیے۔ ہم سات لڑکیاں اور چھ مرد ہیں۔ ہم کیا کریں۔ ایک یہ کہ ناجی کے پاس جائیں اور اس کے دھوکے کی چھان بین کریں، پھر کسے اطلاع دیں؟ تم کہاں ملو گے؟"۔

"میں یہاں سے فرار ہو جاؤں گا" ....رابن نے کہا........."لیکن فرار سے پہلے اس کیمپ، اس کی نفری اور ایوبی کے آئندہ عزائم کے متعلق تفصیل معلوم کروں گا۔ اس شخص کے متعلق ہمیں بہت چوکنا رہنا ہوگا۔ اس وقت اسلامی قوم میں یہ واحد شخص ہے جو صلیب کے لیے خطرہ ہے، ورنہ اسلامی خلافت ہمارے جال میں آتی چلی جا رہی ہے۔ شاہ ایملرک کہتا تھا کہ مسلمان اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ اب ان کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاؤں میں بٹھانے کے لیے صرف ایک ہلے کی ضرورت ہے، مگر اس کا یہ عزم محض خوش فہمی ثابت ہوا۔ مجھے یہاں رہ کر ایوبی کی کمزور رگیں دیکھنی ہیں اور تمہیں پانچ آدمیوں کے ساتھ مل کر سوڈانی لشکر کو بھڑکانا اور بغاوت کرانی ہے۔ نہایت ضروری یہ ہے کہ ایوبی زندہ نہ رہے، اگر وہ زندہ

رہے تو ہمارے اس قید خانے میں زندہ رہے، جہاں وہ عمر کی آخری گھڑی تک سورج نہ دیکھ سکے اور رات کو آسمان کا اسے ایک بھی تارا نظر نہ آئے......... تم پہلے اپنے خیمے میں جاؤ اور اپنی چھ لڑکیوں کو ان کا کام سمجھا دو۔ انہیں خاص طور پر ذہن نشین کرا دو کہ اُس آدمی کا نام علی بن سفیان ہے جسے اِن ریشمی بالوں، شربتی آنکھوں اور اتنے دلکش جسموں سے ایسے بے کار کرنا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے کام کا نہ رہے اور اگر ہو سکے تو اس کے اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان ایسی غلط فہمی پیدا کرنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں۔ تم سب اچھی طرح جانتی ہو کہ دو مردوں میں غلط فہمی اور دشمنی کس طرح پیدا کی جاتی ہے......... جاؤ اور لڑکیوں کو مکمل ہدایت دے کر کرسٹوفر کے پاس پہنچو۔ اسے میرا اسلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تیرے تیر کو ایوبی پر آ کر ہی خطا ہونا تھا؟ اب اس گناہ کا کفارہ ادا کرو اور جو کام تمہیں سونپا گیا ہے، وہ سو فی صد پورا کرو"۔

رابن نے موبی کے بالوں کو چوم کر کہا......... "تمہیں صلیب پر اپنی عزت بھی قربان کرنا پڑے گی، لیکن خدائے یسوع مسیح کی نظروں میں تم مریم کی طرح کنواری ہو گی۔ اسلام کو جڑ سے اُکھاڑنا ہے۔ ہم نے یروشلم لے لیا ہے۔ مصر بھی ہمارا ہو گا"۔

☆

موبی رابن کے بستر سے نکلی اور خیمے کے پردے کے پاس جا کر پردہ اُٹھایا، باہر جھانکا، اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ باہر نکل گئی اور خیمے کی اوٹ سے دیکھا کہ سنتری کہاں ہے۔ اسے دور کسی کے گنگنانے کی آواز سنائی دی۔ یہ سنتری ہی ہو سکتا تھا۔ موبی چل پڑی۔ درختوں سے گزرتی قدم قدم پر پیچھے دیکھتی وہ ٹیلے تک پہنچ گئی اور اپنے خیمے کا رُخ کر لیا۔ نصف راستہ طے کیا ہو گا کہ اسے دو آدمیوں کی دبی دبی باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں اس کے خیمے کے قریب معلوم ہوتی تھیں۔ اسے یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ سنتری نے معلوم کر لیا ہے کہ ایک لڑکی غائب ہے اور وہ کسی دوسرے سنتری کو یا اپنے کمانڈر کو بلا لایا ہے۔ اس نے سوچا کہ خیمے میں جانے کی بجائے اپنے ان پانچ ساتھیوں کے پاس چلی جائے جو مراکشی تاجروں کے بھیس میں کوئی ڈیڑھ ایک میل دور خیمہ زن تھے مگر اسے یہ خیال بھی آ گیا کہ اس کی گمشدگی سے باقی لڑکیوں پر مصیبت آ جائے گی۔ وہ تھیں تو پوری چالاک، پھر بھی ان پر پابندیاں سخت ہونے کا خطرہ تھا اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ موبی ذرا اور آگے چلی گئی تا کہ ان دو آدمیوں کی باتیں سن سکے۔ ان کی زبان وہ سمجھتی تھی۔ یہ تو اس نے دھوکہ دیا تھا کہ وہ سسلی کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں سمجھتی۔

وہ آدمی خاموش ہو گئے۔ موبی دبے پاؤں آگے بڑھی۔ اسے بائیں طرف قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ درختوں کے درمیان اسے ایک سیاہ سایہ جو کسی انسان کا تھا، جاتا نظر آیا۔ اس نے رُخ بدل لیا اور ٹیلے کی طرف آنے لگا۔ موبی کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ وہ ٹیلے پر چڑھنے لگی۔ ٹیلا اونچا نہیں تھا۔ فوراً ہی اوپر چلی گئی۔ وہ تھی تو بہت ہوشیار، لیکن ہر انسان، ہر قدم پر پوری احتیاط نہیں کر سکتا۔ وہ ٹیلے کی چوٹی پر کھڑی ہو گئی۔ اس کے پس منظر میں ستاروں سے بھرا ہوا آسمان تھا۔ سمندر اور صحرا کی فضا رات کو آئینے کی طرح شفاف ہوتی ہے۔ درختوں میں جاتے ہوئے آدمی نے ٹیلے کی چوٹی پر ٹنڈ منڈ درخت کے تنے کی طرح کا ایک سایہ دیکھا۔ موبی نے پہلو اس آدمی کی طرف کر دیا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے، جنہیں اس نے ہاتھ سے پیچھے کیا۔ اس کی ناک، سینے کا اُبھار اور لبادہ تاریکی میں بھی راز کو فاش کرنے لگا۔ یہ آدمی رات کے سنتریوں کا کمان دار تھا۔ وہ آدمی رات کے وقت کیمپ کے گشت پر نکلا اور سنتریوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ یہ سنتریوں کی تبدیلی کا وقت تھا۔ کمان دار اس لیے زیادہ چوکس تھا کہ سلطان ایوبی تین سالاروں کے ساتھ کیمپ

میں موجود تھا۔ سلطان ڈسپلن کا بڑا ہی سخت تھا۔ ہر کسی کو ہر لحہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ سلطان رات کو اُٹھ کر گشت پر آ جائے گا۔

کمان دار سمجھ گیا کہ ٹیلے پر کوئی لڑکی کھڑی ہے۔ اسی شام کمان داروں کو خبردار کیا گیا تھا کہ صلیبیوں نے جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ لڑکیاں صحرائی خانہ بدوشوں کے بہروپ میں بھی ہو سکتی ہیں اور ایسی غریب لڑکیوں کے بھیس میں بھی جو فوجی کیمپوں میں کھانے کی بھیگ مانگنے آتی ہیں اور یہ لڑکیاں اپنے آپ کو مظلوم یہ اور مظلوم ظاہر کر کے پناہ بھی مانگ سکتی ہیں۔ کمان داروں کو بتایا گیا تھا کہ آج رات سات لڑکیاں سلطان کی پناہ میں آئی ہیں، جنہیں بظاہر رحم کر کے مگر انہیں مشتبہ سمجھ کر پناہ میں لے لیا گیا ہے۔ اس کمان دار نے یہ احکام سن کر اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا............ ’’اللہ کرے ایسی کوئی لڑکی مجھ سے پناہ مانگے‘‘ .... اور وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

اب آدھی رات کے وقت جب سارا کیمپ سو رہا تھا، اسے ٹیلے پر ایک لڑکی کا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ پہلے تو وہ ڈرا کہ یہ چڑیل یا جن ہو سکتا ہے۔ اس نے نئے سنتری کو لڑکیوں کے خیمے پر کھڑا کر کے اسے بتایا تھا کہ اندر سات لڑکیاں ہیں۔ اس نے پردہ اُٹھا کر دیکھا تو دیئے کی پیلی روشنی میں اسے سات بستر نظر آئے تھے۔ ہر لڑکی نے منہ بھی کمبلوں میں ڈھانپ رکھا تھا۔ سردی زیادہ تھی۔ اس نے اندر جا کر یہ نہیں دیکھا کہ ساتواں بستر خالی ہے اور اس پر کمبل اس طرح رکھے گئے ہیں جیسے ان کے نیچے لڑکی سوئی ہوئی ہو۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ساتویں لڑکی ٹیلے پر اس کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا کہ اسے آواز دے یا اس تک خود جائے یا اگر وہ جن یا چڑیل ہے تو اس کے غائب ہونے کا انتظار کرے۔

تھوڑی سی دیر کے انتظار کے بعد بھی لڑکی غائب نہ ہوئی، بلکہ وہ دو تین قدم آگے چلی اور پھر پیچھے کو چل پڑی اور پھر رُک گئی۔ کمان دار جس کا نام فخر المصری تھا، آہستہ آہستہ ٹیلے تک گیا اور کہا............ ’’کون ہو تم؟ نیچے آؤ‘‘۔

لڑکی نے ہرن کی طرح چوکڑی بھری اور ٹیلے کی دوسری طرف اُتر گئی۔ فخر کو یقین آ گیا کہ کوئی انسان ہے، جن چڑیل نہیں۔ وہ تنومند مرد تھا۔ ٹیلا اونچا نہیں تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اُدھر بھی اندھیرا تھا۔ رات کی خاموشی میں اسے لڑکی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ ٹیلے سے دوڑتا اُترا اور لڑکی کے پیچھے گیا۔ لڑکی اور تیز دوڑ پڑی۔ فاصلہ بہت کم تھا لیکن فخر مرد تھا، فوجی تھا، چیتے کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ ٹیلے کے پیچھے اونچی نیچی زمین خشک جھاڑیاں اور کہیں کہیں کوئی درخت تھا۔ بہت سا دوڑ کر فخر المصری نے محسوس کیا کہ اس کے آگے تو کوئی بھی نہیں۔ اس نے رُک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے اپنے پیچھے اور بہت سا بائیں کو لڑکی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ تربیت یافتہ لڑکی تھی، جہاں اسے حُسن اور شباب کے استعمال کی تربیت دی گئی تھی، وہاں اسے فوجی ٹریننگ بھی دی گئی تھی اور خنجر زنی کے داؤ پیچ بھی سکھائے گئے تھے۔ وہ ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گئی تھی۔ فخر آگے گیا تو وہ دوسری طرف دوڑ پڑی۔

یہ تعاقب آنکھ مچولی کی مانند تھا۔ فخر کو اندھیرا پریشان کر رہا تھا۔ موبی کے قدم خاموش ہو جاتے تو وہ رُک جاتا۔ قدموں کی آواز سنائی دیتی تو وہ دوڑ پڑتا۔ غصے سے وہ باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے یہ جان لیا کہ یہ کوئی جوان لڑکی ہے، اگر بڑی عمر کی ہوتی تو اتنی تیز اور اتنا زیادہ نہ بھاگ سکتی۔ تعاقب میں فخر دو میل فاصلہ طے کر گیا۔ موبی نے جھاڑیوں اور اونچی نیچی زمین سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ اس کے مرد ساتھیوں کا ڈیرہ قریب آ گیا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی وہاں تک جا پہنچی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو آوازیں دیں۔ وہ گھبرا کر جاگے اور خیمے سے باہر آئے۔ ایک نے مشعل جلالی۔ یہ ڈنڈے کے سرے پر لپٹے ہوئے کپڑے تھے۔ ان کی آگ کی روشنی بہت زیادہ تھی۔ فخر نے تلوار سونت لی اور ہانپتا کانپتا ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ یہ پانچ آدمی لباس سے سفری تاجر نظر آتے ہیں اور مسلمان لگتے ہیں۔ لڑکی ان میں سے ایک کی ٹانگوں کو

دونوں بازوؤں میں مضبوطی سے پکڑے بیٹھی ہوئی تھی۔ مشعل کے ناچتے شعلے میں اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور خوف نظر آ رہا تھا۔ اس کا سینہ اُبھرا اور بیٹھ رہا تھا۔ اس کی سانسیں بُری طرح اُکھڑی ہوئی تھیں۔

''یہ لڑکی میرے حوالے کردو''...........فخر المصری نے حکم کے لہجے میں کہا۔

''یہ ایک نہیں''...........ایک آدمی نے التجا کے لہجے میں جواب دیا...........''ہم نے تو سات لڑکیاں آپ کے سلطان کے حوالے کی ہیں۔ آپ اسے لے جاسکتے ہیں''۔

''نہیں''...........موبی نے اس کی ٹانگوں کو اور مضبوطی سے پکڑتے ہوئے، روتے ہوئے اور خوف زدہ لہجے میں کہا...........''میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ یہ لوگ عیسائیوں سے زیادہ وحشی ہیں۔ ان کا سلطان انسان نہیں سانڈ ہے، درندہ ہے۔ اس نے میری ہڈیاں بھی توڑ دی ہیں۔ میں اس سے بھاگ کر آئی ہوں''۔

''کون سلطان؟''...........فخر نے حیران سا ہو کر پوچھا۔

''وہی جسے تم صلاح الدین ایوبی کہتے ہو''...........موبی نے جواب دیا۔ وہ اب مصر کی عربی بول رہی تھی۔

''یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے''...........فخر نے کہا اور پوچھا...........''یہ ہے کون؟ تمہاری کیا لگتی ہے؟''۔

''اندر آجاؤ دوست! باہر سردی ہے''...........ایک آدمی نے فخر سے کہا...........''تلوار نیام میں ڈال لو۔ ہم تاجر ہیں۔ ہم سے آپ کو کیا خطرہ۔ آؤ۔ اس لڑکی کی بپتا سن لو''...........اس نے آہ بھر کر کہا...........''میں آپ کے سلطان کو مردِ مومن سمجھتا تھا مگر ایک خوب صورت لڑکی دیکھ کر وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ وہ باقی چھ لڑکیوں کا بھی یہی حشر کر رہا ہوگا''۔

''ان کا یہ حشر دوسرے سالاروں نے کیا ہے''...........موبی نے کہا...........''شام کو ان بے چاریوں کو اپنے خیمے میں لے گئے تھے اور انہیں بے سندھ کر کے خیمے میں ڈال دیا۔ وہ خیمے میں بے ہوش پڑی ہیں''۔

فخر المصری تلوار نیام میں ڈال کر ان کے ساتھ خیمے میں چلا گیا۔ اندر جا کر بیٹھے تو ایک آدمی نے آگ جلا کر قہوے کے لیے پانی رکھا اور اس میں جانے کیا کچھ ڈالتا رہا۔ دوسرے آدمی نے فخر سے پوچھا کہ اس کا رُتبہ کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ کمان دار اور عہدے دار ہے۔ انہوں نے اس کے ساتھ بہت سی باتیں کیں جن سے انہوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ شخص عام قسم کا سپاہی نہیں اور ذمہ دار فرد ہے۔ ذہین اور دلیر بھی ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے (جو کرسٹوفر تھا) فخر کو سات لڑکیوں کی بالکل وہی کہانی سنائی جو انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو سنائی تھی۔ انہوں نے فخر کو یہ بھی بتایا کہ سلطان ایوبی نے ان کے متعلق کیا کہا تھا۔ ان لڑکیوں نے سلطان کو پیش کش بھی کی تھی کہ وہ اپنے گھروں کو تو واپس نہیں جاسکتیں اور عیسائیوں کے پاس بھی نہیں جانا چاہتیں، اس لیے وہ مسلمان ہونے کو تیار ہیں، بشرطیکہ کوئی اچھے رتبوں والے عسکری اُن کے ساتھ شادی کر لیں۔ ہم نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کردار کے لحاظ سے پتھر ہے۔ ہم ہر روز سفر پر رہنے والے تاجر ہیں، انہیں کہاں ساتھ لیے لیے پھرتے۔ اُنہیں سلطان کے حوالے کر دیا گیا، مگر سلطان نے اس لڑکی کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ اس کی زبانی سن لو۔

فخر المصری نے لڑکی کی طرف دیکھا تو لڑکی نے کہا...........''ہم بہت خوش تھیں کہ خدا نے ہمیں ایک فرشتے کی پناہ دی ہے۔ سورج غروب ہونے کے بعد سلطان کا ایک محافظ آیا اور مجھے کہا کہ سلطان بلا رہا ہے۔ میں باقی چھ لڑکیوں کی نسبت ذرا زیادہ خوب صورت ہوں۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ تمہارا ایوبی بُری نیت سے بلا رہا ہے، میں چلی گئی۔ سلطان ایوبی نے شراب کی صراحی کھولی۔ ایک پیالہ اپنے آگے رکھا اور ایک مجھے دیا۔ میں عیسائی ہوں، شراب سو بار پی ہے۔ بُری

جہاز میں عیسائی کمان داروں نے میرے جسم کو کھلونہ بنائے رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی بھی میرے جسم کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا۔ شراب اور مرد میرے لیے کوئی نئی چیزیں نہیں تھیں، لیکن ایوبی کو میں فرشتہ سمجھتی تھی۔ میں اس کے جسم کو اپنے ناپاک جسم سے دور رکھنا چاہتی تھی، مگر وہ ان عیسائیوں سے بدتر نکلا، جو مجھے بحری جہاز میں لائے تھے اور جب اُن کا جہاز ڈوبنے لگا تو انہوں نے ہمیں ایک کشتی میں ڈال کر سمندر میں اُتار دیا۔ ان میں سے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ ہمارے جسم چھوڑے ہوئے اور ہڈیاں چٹخی ہوئی تھیں.........

''خدا نے ہمیں بچا لیا اور اس آدمی کی پناہ میں پھینک دیا جو فرشتے کے روپ میں درندہ ہے۔ مجھے سلطان نے ہی بتایا تھا کہ میرے ساتھ کی باقی چھ لڑکیاں اس کے سالاروں کے خیموں میں ہیں۔ میں نے سلطان کے پاؤں پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ شادی کر لو۔ اس نے کہا اگر تم مجھے پسند کرتی ہو تو شادی کے بغیر تمہیں اپنے حرم میں رکھ لوں گا......... اس نے میرے ساتھ وحشیوں کا برتاؤ کیا۔ شراب میں بدمست تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ لٹا لیا، جوں ہی اس کی آنکھ لگی۔ میں وہاں سے بھاگ آئی۔ اگر میری بات کا اعتبار نہ آئے تو اس کے محافظوں سے پوچھ لو''۔

اس دوران ایک آدمی نے فخر کو قہوہ پلایا۔ ذرا سی دیر بعد فخر کا مزاج بدلنے لگا۔ اس نے نفرت سے قہقہہ لگایا اور کہا......... ''ہمیں حکم دیتے ہیں کہ عورت اور شراب سے دور رہو اور خود شراب پی کر راتیں عورتوں کے ساتھ گزارتے ہیں''۔
فخر محسوس ہی نہ کر سکا کہ لڑکی کی کہانی محض بے بنیاد ہے اور نہ ہی وہ محسوس کر سکا کہ اس کا مزاج کیوں بدل گیا ہے۔ اُسے حشیش پلا دی گئی تھی۔ اس پر ایسا نشہ طاری ہو چکا تھا جسے وہ نشہ نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اب اپنے تصوروں میں بادشاہ بن چکا تھا۔ لڑکی کے چہرے پر مشعل کے شعلے کی روشنی ناچ رہی تھی۔ اس کے بکھرے ہوئے سیاہی مائل بھورے بال چمک رہے تھے۔ وہ فخر کو پہلے سے زیادہ حسین نظر آنے لگی۔ اس نے بے تاب ہو کر کہا......... ''تم اگر چاہو تو میں تمہیں پناہ میں لیتا ہوں''۔

''نہیں''......... لڑکی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور بولی......... ''تم بھی میرے ساتھ اپنے سلطان جیسا سلوک کرو گے۔ تم مجھے اپنے خیمے میں لے جاؤ گے اور میں ایک بار پھر تمہارے سلطان کے قبضے میں آ جاؤں گی''۔

''ہم تو اب دوسری چھ لڑکیوں کو بھی بچانے کی سوچ رہے ہیں''......... ایک تاجر نے کہا......... ''ہم ان کی عزت بچانا چاہتے تھے مگر ہم سے بھول ہوئی''۔

فخر المصری کی نگاہیں لڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اتنی خوب صورت لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ خیمے میں خاموشی طاری ہو گئی، جسے کرسٹوفر نے توڑا۔ اس نے کہا۔ ''تم عرب سے آئے ہو یا مصری ہو؟''

''مصری''......... فخر نے کہا......... ''میں دو جنگیں لڑ چکا ہوں۔ اسی لیے مجھے یہ عہدہ دیا گیا ہے''۔

''سوڈانی فوج کہاں ہے، جس کا سالار ناجی ہے؟''......... کرسٹوفر نے پوچھا۔

''اُس فوج کا ایک سپاہی بھی ہمارے ساتھ نہیں آیا''......... فخر نے جواب دیا۔

''جانتے ہو ایسا کیوں ہوا ہے؟''......... کرسٹوفر نے کہا......... ''سوڈانیوں نے صلاح الدین ایوبی کی امارت اور کمان کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ فوج اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہے۔ ناجی نے سلطان ایوبی کو بتا دیا تھا کہ وہ مصر سے چلے جائیں، کیونکہ وہ غیر ملکی ہیں۔ اسی لیے ایوبی نے مصریوں کی فوج بنائی اور لڑانے کے لیے یہاں لے آیا۔ اس تم لوگوں کو شرافت اور نیکی کا جھانسہ دیا اور خود عیش کر رہا ہے۔ کیا تمہیں مال غنیمت ملا ہے؟......... اگر تمہیں ملا بھی تو سونے چاندی کے دو دو ٹکڑے مل جائیں گے۔ صلیبیوں کے جہازوں سے بے بہا خزانہ سلطان ایوبی کے ہاتھ آیا ہے۔ وہ سب رات کے

اندھیرے میں سینکڑوں اونٹوں پر لاد کر قاہرہ روانہ کر دیا گیا ہے، جہاں سے دمشق اور بغداد چلا جائے گا۔ سوڈانی لشکر کو سلطان نہتہ کر کے غلاموں میں بدل دینا چاہتا ہے، پھر عرب سے فوج آجائے گی اور تم مصری بھی غلام ہو جاؤ گے"۔

☆

اس عیسائی کی ہر ایک بات فخر المصری کے دل میں اُترتی جا رہی تھی۔ اثر باتوں کا نہیں، بلکہ موبی کے حسن اور حشیش کا تھا۔ عیسائیوں نے یہ حربہ حسن بن صباح کے حشیشین سے سیکھا تھا۔ موبی کو بالکل توقع نہیں تھی کہ یہ صورت حال پیدا ہو جائے گی کہ ایک مصری اس کے تعاقب میں اس کے دام میں آجائے گا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ فخر مصری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتا۔ موبی نے اپنے پانچوں ساتھیوں کو سنانا شروع کر دیا کہ رابن زخمی ہونے کا بہانہ کر کے زخمیوں کے خیمے میں پڑا ہے اور اس نے کہا ہے کہ ناجی سے مل کر معلوم کرو کہ اس نے بغاوت کیوں نہیں کی یا اس نے عقب سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کیوں نہیں کیا اور یہ بھی معلوم کرو کہ اس نے ہمیں دھوکہ تو نہیں دیا؟

وہ باتیں کر رہی تھی تو فخر نے پوچھا......... "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"یہ کہہ رہی ہے"......... ایک نے جواب دیا......... "اگر یہ شخص یعنی تم صلاح الدین کی فوج میں نہ ہوتے تو یہ تمہارے ساتھ شادی کر لیتی۔ یہ مسلمان ہونے کو بھی تیار ہے، لیکن کہتی ہے کہ اسے اب مسلمانوں پر بھروسہ نہیں رہا"۔

فخر نے بے تابی سے لپک کر لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اپنی طرف گھسیٹ کر کہا......... "اگر میں بادشاہ ہوتا تو خدا کی قسم تمہاری خاطر تخت اور تاج قربان کر دیتا۔ اگر شرط یہی ہے کہ میں صلاح الدین ایوبی کی دی ہوئی تلوار پھینک دوں تو یہ لو"......... اس نے کمر بند سے تلوار کھولی اور نیام سمیت لڑکی کے قدموں میں رکھ دی۔ کہا......... "میں اب سے ایوبی کا سپاہی اور کمان دار نہیں ہوں"۔

"مگر ایک شرط اور بھی ہے"......... لڑکی نے کہا......... "میں اپنا مذہب تمہاری خاطر ترک کر دیتی ہوں، لیکن صلاح الدین ایوبی سے انتقام ضرور لوں گی"۔

"کیا اسے میرے ہاتھ سے قتل کرانا چاہتی ہو؟" فخر نے پوچھا۔

لڑکی نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آخر کرسٹوفر نے کہا.........

"ایک صلاح الدین ایوبی نہ رہا تو کیا فرق پڑے گا؟ ایک اور سلطان آجائے گا۔ وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ مصریوں کو آخر غلام ہی ہونا پڑے گا۔ تم ایک کام کرو۔ سوڈانیوں کے سالار ناجی کے پاس پہنچو اور یہ لڑکی اس کے سامنے کر کے اسے بتاؤ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اصل میں کیا ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں؟"

ان لوگوں کو یہ تو علم تھا کہ ناجی کا صلیبیوں کے ساتھ رابطہ ہے اور موبی اس کے ساتھ بات کرے گی، لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ ناجی اور اس کے معتمد سالار خفیہ طریقے سے مروائے جا چکے ہیں۔ اس تک لڑکی کو ہی جانا تھا۔ اس کا اکیلے جانا ممکن نہیں تھا۔ اتفاق سے انہیں فخر المصری مل گیا۔ لہٰذا اسی کو استعمال کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ آدمی چونکہ سلطان ایوبی کی نظر میں آگئے تھے، اس لیے بھی اس کی نظر میں رہنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے موبی سے سن لیا تھا کہ ان کے شعبہ جاسوسی اور تخریب کاری کا سربراہ رابن اسی کیمپ میں ہے اور فرار ہوگا، اس لیے وہ اسے مدد دینے کے لیے بھی وہاں موجود رہنا چاہتے تھے۔ ان کے ارادے معلوم نہیں کیا تھے۔ صلاح الدین ایوبی پر چلایا ہوا ان کا تیر خطا گیا تو انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا تھا۔ ان کا بہروپ اور ڈرامہ کامیاب رہا، لیکن ان کا مشن تباہ ہو گیا تھا۔ لہٰذا اب وہ بدلی ہوئی صورت

حال اور اتفاقات سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ فخر المصری حسن اور حشیش کے جال میں آ گیا تھا۔ اس نے واپس کیمپ میں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسے یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ لڑکی کو لے کر روانہ ہو جائے، اُن لوگوں نے اسے اپنا ایک اونٹ دے دیا۔ پانی کا ایک مشکیزہ دیا اور تھیلے میں کھانے کا بہت سارا سامان ڈال دیا۔ ان اشیاء میں کچھ ایسی تھیں جن میں حشیش ملی ہوئی تھی۔ موبی کو ان کا علم تھا۔ فخر کو ایک لمبا چغہ اور تاجروں والی دستار پہنا دی گئی۔ لڑکی اونٹ پر سوار ہوئی۔ اس کے پیچھے فخر سوار ہو گیا اور اونٹ چل پڑا۔ فخر گردو پیش سے بے خبر تھا اور وہ اپنے ماضی سے بھی بے خبر ہو گیا تھا۔ صرف یہ احساس اس پر غالب تھا کہ روئے زمین کی حسین ترین لڑکی اس کے قبضے میں ہے، جس نے سلطان کو ٹھکرا اسے پسند کیا ہے۔ فخر نے موبی کو دونوں بازوؤں میں لے کر اس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا لی۔

موبی نے کہا......... ''تم عیسائی کمان داروں اور اپنے سلطان کی طرح وحشی تو نہیں بنو گے؟ میں تمہاری ملکیت ہوں۔ جو چاہو کرو، مگر میں پھر تم سے نفرت کروں گی''۔

''کہو تو میں اونٹ سے اُتر جاتا ہوں''۔ فخر نے اسے اپنے بازوؤں سے نکال کر کہا......... ''مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم مجھے دل سے چاہتی ہو یا محض مجبوری کے عالم میں میری پناہ لی ہے؟''

''پناہ تو میں ان تاجروں کی بھی لے سکتی تھی''۔ موبی نے جواب دیا......... ''لیکن تم مجھے اتنے اچھے لگے کہ تمہاری خاطر مذہب تک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا''......... اس نے جذباتی باتیں کر کے فخر کے اعصاب پر قبضہ کر لیا اور رات گزرتی چلی گئی۔

سفر کم و بیش پانچ دنوں کا تھا، لیکن فخر المصری عام راستو سے ہٹ کر جا رہا تھا، کیونکہ وہ بھگوڑا فوجی تھا۔ موبی کو نیند آنے لگی۔ اس نے سر پیچھے فخر کے سینے پر رکھ دیا اور گہری نیند سو گئی۔ اونٹ چلتا رہا، فخر جاگتا رہا۔

☆

صلاح الدین ایوبی صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ دربان نے اطلاع دی کہ علی بن سفیان آیا ہے۔ سلطان دوڑ کر باہر نکلا۔ اس کے منہ سے علی بن سفیان کے سلام کے جواب سے پہلے یہ الفاظ نکلے......... ''اُدھر کی کیا خبر ہے؟''۔

''ابھی تک خیریت ہے''......... علی بن سفیان نے جواب دیا......... ''مگر سوڈانی لشکر میں بے اطمینانی بڑھتی جا رہی ہے۔ میں نے اس لشکر میں اپنے جو مخبر چھوڑے تھے، ان کی اطلاعوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے کسی ایک بھی کمان دار نے قیادت سنبھال لی تو بغاوت ہو جائے گی''۔

صلاح الدین ایوبی اسے اپنے خیمے میں لے گیا۔ علی بن سفیان کہہ رہا تھا......... ''ناجی اور اس کے سرکردہ سالاروں کو تو ہم نے ختم کر دیا ہے، لیکن وہ مصری فوج کے خلاف سوڈانیوں میں نفرت کا جو زہر پھیلا گئے تھے، اس کا اثر ذرہ بھر کم نہیں ہوا۔ ان کی بے اطمینانی کی دوسری وجہ اُن کے سالاروں کی گمشدگی ہے۔ میں نے اپنے مخبروں کی زبانی یہ خبر مشہور کرا دی ہے کہ اُن کے سالار بحیرۂ روم کے محاذ پر گئے ہوئے ہیں، مگر امیر محترم! مجھے شک ہوتا ہے کہ سوڈانیوں میں شکوک اور شبہات پائے جاتے ہیں۔ جیسے انہیں علم ہو گیا ہے کہ ان کے سالاروں کو قید کر لیا گیا ہے اور مار بھی دیا گیا ہے''۔

''اگر بغاوت ہو گئی تو مصر میں ہمارے جو دستے ہیں، وہ اسے دبا سکیں گے؟''۔ صلاح الدین ایوبی نے پوچھا......... ''کیا وہ پچاس ہزار تجربہ کار فوج کا مقابلہ کر سکیں گے؟......... مجھے شک ہے''۔

''مجھے یقین ہے کہ ہماری قلیل فوج سوڈانیوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی''۔ علی بن سفیان نے کہا..........''میں اس کا بندوبست کر آیا ہوں۔ میں نے عالی مقام نورالدین زنگی کی طرف دو تیز رفتار قاصد بھیج دیئے ہیں۔ میں نے پیغام بھیجا ہے کہ مصر میں بغاوت کی فضا پیدا ہو رہی ہے اور ہم نے جو فوج تیار کی ہے، وہ تھوڑی ہے اور اس میں سے آدھی فوج محاذ پر ہے۔ متوقعہ بغاوت کو دبانے کے لیے ہمیں کمک بھیجی جائے''۔

''مجھے اُدھر سے کمک کی اُمید کم ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا..........''پرسوں ایک قاصد یہ خبر لایا تھا کہ زنگی نے فرینکوں پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ حملہ انہوں نے ہماری مدد کے لیے کیا تھا۔ فرینکوں کے اُمراء اور فوجی قائدین بحیرۂ روم میں صلیبیوں کے اتحادی بیڑے میں تھے اور فرینکوں کی کچھ فوج مصر میں داخل ہو کر عقب سے حملہ کرنے اور ہمارے سوڈانی لشکر کی پشت پناہی کے لیے مصر کی سرحد پر آ گئی تھی۔ محترم زنگی نے ان کے ملک پر حملہ کر کے اُن کے سارے منصوبے کو ایک ہی وار میں برباد کر دیا ہے اور شاہ فرینک کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا ہے۔ انہوں نے صلیبیوں سے کچھ رقم بھی وصول کی ہے''۔ صلاح الدین ایوبی خیمے کے اندر ٹہلنے لگا۔ جذباتی لہجے میں بولا..........''سلطان زنگی کے قاصد کی زبانی وہاں کے کچھ ایسے حالات معلوم ہوئے ہیں، جنہوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے''۔

''کیا اب صلیبی اُدھر یلغار کریں گے؟'' علی بن سفیان نے پوچھا۔

''مجھے صلیبیوں کی یلغار کی ذرہ بھر پروا نہیں''۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا..........''پریشانی یہ ہے کہ کفار کی یلغار کو روکنے والے شراب کے مٹکوں میں ڈوب گئے ہیں۔ اسلام کے قلعے کے پاسبان حرم میں قید ہو گئے ہیں۔ عورت کی زلفوں نے انہیں پابہ زنجیر کر دیا ہے۔ علی! چچا اسدالدین شیرکوہ کو اسلام کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ کاش وہ آج زندہ ہوتے۔ میدانِ جنگ میں مجھے وہی لائے تھے۔ ہم نے دستے کی کمان کی ہے۔ میں اُن کے ساتھ صلیبیوں کے محاصرے میں تین مہینے رہا ہوں۔ مجھے شیرکوہ ہمیشہ سبق دیا کرتے تھے کہ گھبراہٹ اور خوف سے بچنا۔ تائید ایزدی اور رضائے الٰہی کا قائل رہنا اور اسلام کا علم بلند رکھنا۔ میں شیرکوہ کی کمان میں مصریوں اور صلیبیوں کی مشترک فوج کے خلاف بھی لڑا ہوں۔ سکندریہ میں محاصرے میں رہا ہوں۔ شکست میرے سر پر آ گئی تھی۔ میرے مٹھی بھر عسکری بددل ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے کس طرح اُن کے حوصلے اور جذبے تروتازہ رکھے؟ یہ میرا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تا آنکہ چچا شیرکوہ نے حملہ آور ہو کر محاصرہ توڑا..........تم یہ کہانی اچھی طرح جانتے ہو۔ ایمان فروشوں نے کفار کے ساتھ مل کر ہمارے لیے کیسے کیسے طوفان کھڑے کیے، مگر میں گھبرایا نہیں۔ دل نہیں چھوڑا''۔

''مجھے سب کچھ یاد ہے سلطان!''..........علی بن سفیان نے کہا..........''اس قدر معرکہ آرائیوں اور قتل و غارت کے بعد توقع تھی کہ مصری راہِ راست پر آ جائیں گے، مگر ایک غدار مرتا ہے تو ایک اور اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ غدار کمزور خلافت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اگر فاطمی خلافت حرم میں گم نہ ہو جاتی تو آج آپ صلیبیوں سے یورپ میں لڑ رہے ہوتے، مگر ہمارے غدار بھائی انہیں سلطنتِ اسلامیہ سے باہر نہیں جانے دے رہے۔ جب بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ جائیں تو رعایا میں سے بھی کچھ لوگ بادشاہی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ وہ کفار کی طاقت اور مدد حاصل کرتے ہیں۔ ایمان فروشی میں وہ اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ کفار کے عزائم اور اپنی بیٹیوں کی عصمتوں تک کو بھلا دیتے ہیں''۔

''مجھے ہمیشہ انہی لوگوں سے ڈر آتا ہے''۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا۔''اللہ نہ کرے، اسلام کا نام جب بھی ڈوبا مسلمانوں کے ہاتھوں سے ڈوبے گا۔ ہماری تاریخ غداروں کی تاریخ بنتی جا رہی ہے۔ یہ رجحان بتا رہا ہے کہ ایک روز

مسلمان جو برائے نام مسلمان ہوں گے، اپنی سرزمین کفار کے حوالے کر دیں گے۔ اگر اسلام کہیں زندہ رہا تو وہاں مسجدیں کم اور قحبہ خانے زیادہ ہوں گے۔ ہماری بیٹیاں صلیبیوں کی طرح بال کھلے چھوڑ کر بے حیا ہو جائیں گی۔ کفار انہیں اسی راستے پر ڈال رہے ہیں، بلکہ ڈال چکے ہیں.........اب مصر سے پھر وہی طوفان اُٹھ رہا ہے۔ علی! تم اپنے محکمے کو اور مضبوط اور وسیع کر لو۔ میں نے اپنے رفیقوں سے کہہ دیا ہے کہ دشمن کے علاقوں میں جا کر شبخون مارنے اور خبریں لانے کے لیے تنو مند اور ذہین جوانوں کا انتخاب کرو۔ صلیبی اس محاذ کو مضبوط اور پُر اثر بنا رہے ہیں، تم فوری طور پر جاسوسی کرو، جنگ کی تیاری کرو.........فوری طور پر کرنے والا کام یہ ہے کہ سمندر سے کئی ایک صلیبی بچ کر نکلے ہیں۔ ان میں زیادہ تر زخمی ہیں اور جو زخمی نہیں، وہ کئی کئی دن سمندر میں ڈوبنے اور تیرنے کی وجہ سے زخمیوں سے بدتر ہیں۔ ان سب کا علاج معالجہ ہو رہا ہے۔ میں نے سب کو دیکھا ہے، تم بھی انہیں دیکھ لو اور اپنی ضرورت کے مطابق ان سے معلومات حاصل کرو"۔

سلطان ایوبی نے دربان کو بلا کر ناشتے کے لیے کہا اور علی بن سفیان سے کہا.........''کل کچھ زخمی اور کچھ بھلی لڑکیاں میرے سامنے لائی گئی تھیں۔ چھ تو سمندر سے نکلے ہوئے قیدی ہیں۔ ان میں ایک پر مجھے شک ہے کہ وہ سپاہی نہیں۔ رتبے اور عہدے والا آدمی ہے۔ سب سے پہلے اسے ملو، پانچ تاجر سات عیسائی لڑکیوں کو ساتھ لائے تھے".........اس نے علی بن سفیان کو لڑکیوں کے متعلق وہی کچھ بتایا جو تاجروں نے بتایا تھا۔ سلطان ایوبی نے کہا.........

''میں نے لڑکیوں کو دراصل حراست میں لیا ہے، لیکن انہیں بتایا ہے کہ میں انہیں پناہ میں لے رہا ہوں۔ لڑکیوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ غریب گھرانوں کی لڑکیاں ہیں اور پھر ان کا یہ بیان کہ انہیں ایک جلتے ہوئے جہاز میں سے کشتی میں بٹھا کر سمندر میں اُتارا گیا اور کشتی انہیں ساحل پر لے آئی۔ مجھے شکوک میں ڈال رہا ہے۔ میں نے انہیں الگ خیمے میں رکھا ہے اور سنتری کھڑا کر دیا ہے۔ تم ناشتے کے فوراً بعد اس قیدی اور ان لڑکیوں کو دیکھو"۔

آخر میں صلاح الدین ایوبی نے مُسکرا کر کہا.........''کل دن کے وقت ساحل پر ٹہلتے ہوئے مجھ پر ایک تیر چلایا گیا تھا، جو میرے پاؤں کے درمیان ریت میں لگا"......... اس نے تیر علی بن سفیان کو دے کر کہا.........''علاقہ چٹانی تھا۔ محافظ تلاش اور تعاقب کے لیے بہت دوڑے، مگر انہیں کوئی تیر انداز نظر نہیں آیا۔ اس علاقے سے انہیں یہ پانچ تاجر ملے، جنہیں محافظ میرے پاس لے آئے۔ انہوں نے یہ سات لڑکیاں بھی میرے حوالے کیں اور چلے گئے"۔

''اور وہ چلے گئے؟" علی بن سفیان نے حیرت سے کہا.........''آپ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی؟"

''محافظوں نے ان کے سامان کی تلاشی لی تھی"......... سلطان ایوبی نے کہا.........''اُن سے ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جس سے اُن پر شک ہوتا"۔

علی بن سفیان تیر کو غور سے دیکھتا رہا اور بولا.........''سلطان اور سراغرساں کی نظر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں سب سے پہلے ان تاجروں کو پکڑنے کی کوشش کروں گا"۔

علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کے خیمے سے باہر نکلا تو دربان نے اسے کہا.........''یہ کمان دار اطلاع لایا ہے کہ کل سات عیسائی لڑکیاں قید میں آئی تھیں۔ اُن میں سے ایک لاپتہ ہے۔ کیا سلطان کو یہ اطلاع دینا ضروری ہے؟۔ یہ کوئی اہم واقعہ تو نہیں کہ سلطان کو پریشان کیا جائے"۔

علی بن سفیان گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کمان دار جو اطلاع دینے آیا تھا، اس نے علی بن سفیان کے قریب آ کر آہستہ سے کہا.........ایک عیسائی لڑکی کا لاپتہ ہو جانا تو اتنا اہم واقعہ نہیں، مگر اہم یہ ہے کہ فخر المصری نام کا کمان دار بھی

رات سے لاپتہ ہے۔ رات کے سنتریوں نے بتایا ہے کہ وہ لڑکیوں کے خیمے تک گیا تھا، وہاں سے زخمیوں کے خیموں کی طرف گیا اور پھر کہیں نظر نہیں آیا۔ رات وہ گشت پر نکلا تھا"۔

علی بن سفیان نے ذرا سوچ کر کہا............ "یہ اطلاع سلطان تک ابھی نہ جائے۔ رات کے اُس وقت کے تمام سنتریوں کو اکٹھا کرو، جب فخر گشت پر نکلا تھا" .... اس نے سلطان ایوبی کے محافظ دستے کے کمان دار سے کہا کہ کل سلطان کے ساتھ جو محافظ ساحل تک گئے تھے، انہیں لاؤ۔ وہ وہیں تھے۔ چاروں سامنے آگئے تو علی بن سفیان نے انہیں کہا............ "کل جہاں تم نے تاجروں اور لڑکیوں کو دیکھا تھا، وہاں فوراً پہنچو۔ اگر وہ تاجر ابھی تک وہیں ہیں تو انہیں حراست میں لے لو اور وہیں میرا انتظار کرو اور اگر جا چکے ہوں تو فوراً واپس آؤ"۔

محافظ روانہ ہو گئے تو علی بن سفیان لڑکیوں کے خیمے تک گیا۔ چھ لڑکیاں باہر بیٹھی تھی اور سنتری کھڑا تھا۔ علی نے لڑکیوں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے عربی زبان میں پوچھا............ "ساتویں لڑکی کہاں ہے؟"

لڑکیوں نے ایک دوسری کے منہ کی طرف دیکھا اور سر ہلائے۔ علی بن سفیان نے کہا...... "تم سب ہماری زبان سمجھتی ہو"۔

لڑکیاں اسے حیران سا ہو کے دیکھتی رہیں۔ علی اُن کے چہروں اور ڈیل ڈول سے شک میں پڑ گیا تھا۔ وہ لڑکیوں کے پیچھا جا کھڑا ہوا اور عربی زبان میں کہا............ "ان لڑکیوں کے کپڑے اُتار کر ننگا کر دو اور بارہ وحشی قسم کے سپاہی بلا لاؤ"۔

تمام لڑکیاں بدک کر پیچھے کو مڑیں۔ دو تین نے بیک وقت بولنا شروع کر دیا، وہ عربی زبان بول رہی تھیں............ "لڑکیوں کے ساتھ تم ایسا سلوک نہیں کر سکتے" .... ایک نے کہا............ "ہم تمہارے خلاف نہیں لڑیں"۔

علی بن سفیان کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے کہا............ "میں تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کروں گا۔ تم نے جس طرح ایک ہی دھمکی سے عربی بولنی شروع کر دی ہے، اب بغیر کسی دھمکی کے یہ بتا دو کہ ساتویں لڑکی کہاں ہے" .... سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ علی نے کہا............ "میں اس سوال کا جواب لے کر رہوں گا۔ تم نے سلطان پر ظاہر کیا ہے کہ تم ہماری زبان نہیں جانتیں، اب تم ہماری زبان ہماری طرح بول رہی ہو۔ کیا میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟" .... اس نے سنتری سے کہا............ "انہیں خیمے کے اندر بٹھا دو"۔

رات کے سنتری آ گئے تھے۔ فخر المصری کی گشت کے وقت کے سنتریوں سے علی بن سفیان نے پوچھ گچھ کی۔ آخر لڑکیوں کے خیمے والے سنتری نے بتایا کہ فخر رات اُسے یہاں کھڑا کر کے زخمیوں کے خیموں کی طرف گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے اس کی آواز سنائی دی............ "کون ہو تم؟ نیچے آؤ" .... سنتری نے اُدھر دیکھا تو اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ سامنے مٹی کے ٹیلے پر اُسے ایک آدمی کا سایہ سا نظر آیا اور وہ سایہ وہیں غائب ہو گیا۔

علی بن سفیان فوراً وہاں گیا۔ یہ ٹیلہ ساحل کے قریب تھا۔ اس کی مٹی ریتلی تھی۔ ایک جگہ سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہاں کوئی اوپر گیا ہے۔ وہاں زمین پر دو قسم کے پاؤں کے نشان تھے۔ ایک نشان تو مرد کا تھا، جس نے فوجیوں والا جوتا پہن رکھا تھا۔ دوسرا نشان چھوٹے جوتے کا تھا اور زنانہ لگتا تھا۔ زمین کچی اور ریتلی تھی۔ زنانہ نشان جدھر سے آیا تھا، علی بن سفیان اُدھر کو چل پڑا۔ یہ نشان اُسے اس خیمے تک لے گئے جہاں موبی راہن سے ملی تھی۔ اس نے خیمے کا پردہ اُٹھایا اور اندر چلا گیا۔

اس کی چہرہ شناس نگاہوں نے زخمی قیدیوں کو دیکھا۔ سب کے چہرے بھانپے۔ رابن بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے علی بن سفیان کو دیکھا اور فوراً ہی کراہنے لگا، جیسے اسے درد کا اچانک دورہ پڑا ہو۔ علی نے اسے کندھے سے پکڑ کر اُٹھا لیا اور خیمے سے باہر لے گیا۔ اس سے پوچھا.............. "رات کو ایک قیدی لڑکی اس خیمے میں آئی تھی، کیوں آئی تھی؟"........... رابن اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جن میں حیرت تھی اور ایسا تاثر بھی جیسے وہ کچھ سمجھا ہی نہ ہو۔ علی بن سفیان نے اُسے آہستہ سے کہا.............. "تم میری زبان سمجھتے ہو دوست! میں تمہاری زبان سمجھتا ہوں۔ بول سکتا ہوں، لیکن تمہیں میری زبان میں جواب دینا ہوگا"........... رابن اس کا منہ دیکھتا رہا۔ علی نے سنتری سے کہا۔ "اسے خیمے سے باہر رکھو"۔

علی بن سفیان خیمے کے اندر چلا گیا اور قیدیوں سے اُن کی زبان میں پوچھا۔ "رات کو لڑکی اس خیمے میں کتنی دیر رہی تھی؟ اپنے آپ کو اذیت میں نہ ڈالو"۔

سب چپ رہے، مگر ایک اور دھمکی سے ایک زخمی نے بتا دیا کہ لڑکی خیمے میں آئی تھی اور رابن کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی تھی۔ یہ زخمی سمندر سے جلتے جہاز سے کودا تھا۔ اس نے آگ کا بھی اور پانی کا بھی قہر دیکھا تھا۔ وہ اتنا زخمی نہیں تھا، جتنا خوف زدہ تھا۔ وہ کسی اور مصیبت میں پڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ رابن اور لڑکی کے درمیان کیا باتیں ہوئیں اور لڑکی کون تھی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رابن کا عہدہ کیا ہے۔ وہ اس کے صرف نام سے واقف تھا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ رابن اس کیمپ میں آنے تک بالکل تندرست تھا۔ یہاں آ کر وہ اس طرح کراہنے لگا، جیسے اُسے اچانک کسی بیماری کا دورہ پڑ گیا ہو۔

علی بن سفیان ایک محافظ کی راہنمائی میں اُن پانچ آدمیوں کو دیکھنے چلا گیا جو تاجروں کے بہروپ میں کچھ دُور خیمہ زن تھے۔ محافظوں نے انہیں الگ بٹھا رکھا تھا۔ علی کو انہوں نے پہلی اطلاع یہ دی کہ اُن کے پاس کل دو اونٹ تھے، مگر آج ایک ہی ہے۔ یہی اشارہ کافی تھا۔ وہ اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے کہ دوسرا اونٹ کہاں ہے۔ دوسرے اونٹ کے پاؤں کے نشان مل گئے۔ علی بن سفیان نے انہیں کہا.............. "تمہارا جرم معمولی چوری چکاری نہیں ہے۔ تم ایک پوری سلطنت اور اس کی تمام تر آبادی کے لیے خطرہ ہو۔ اس لیے میں تم پر ذرہ بھر رحم نہیں کروں گا۔ کیا تم تاجر ہو؟"

"ہاں"........... سب نے سر ہلا کر کہا.............. "ہم تاجر ہیں جناب! ہم بے گناہ ہیں"۔

علی بن سفیان نے کہا.............. "اپنے ہاتھوں کی اُلٹی طرف میرے سامنے کرو"۔ پانچوں نے ہاتھ اُلٹے کر کے آگے کر دیئے۔ علی نے سب کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی اُنگلی کی درمیانی جگہ کو دیکھا اور ایک آدمی کو کلائی سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ اسے کہا.............. "کمان اور ترکش کہاں چھپا رکھی ہے؟"

اس آدمی نے معصوم بننے کی بہت کوشش کی۔ علی نے سلطان ایوبی کے ایک محافظ کو اپنے پاس بلا کر اس کے بائیں ہاتھ کی اُلٹی طرف اسے دکھائی۔ اس کے انگوٹھے کے اُلٹی طرف اُس جگہ جہاں انگوٹھا ہتھیلی کے ساتھ ملتا ہے، یعنی جہاں جوڑ ہوتا ہے، وہاں ایک نشان تھا۔ ایسا نشان اس آدمی کے انگوٹھے کے جوڑ پر بھی تھا۔ علی نے اسے اپنے محافظ کے متعلق بتایا.............. "یہ سلطان ایوبی کا بہترین تیر انداز ہے اور یہ نشان اس کا ثبوت ہے کہ یہ تیر انداز ہے"۔

اس کے انگوٹھے کی اُلٹی طرف ایک مدھم سا نشان تھا، جیسے وہاں بار بار کوئی چیز رگڑی جاتی رہی ہو۔ یہ تیروں کی رگڑ کے نشان تھے۔ تیر دائیں ہاتھ سے پکڑا جاتا ہے، کمان بائیں ہاتھ سے پکڑی جاتی ہے، تیر کا اگلا حصہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ہوتا ہے اور جب تیر کمان سے نکلتا ہے تو انگوٹھے پر رگڑ کھاتا ہے۔ ایسا نشان ہر ایک تیر انداز کے ہاتھ میں ہوتا

تھا۔علی بن سفیان نے اسے کہا.........."ان پانچ میں تم اکیلے تیرانداز ہو۔کمان اور ترکش کہاں ہے؟".......... پانچوں چپ رہے۔علی نے ان پانچ میں سے ایک کو پکڑ کر محافظوں سے کہا.........."اِس کو اُس درخت کے ساتھ باندھ دو"۔

اُسے کھجور کے درخت کے ساتھ کھڑا کر کے باندھ دیا گیا۔علی نے اپنے تیرانداز کے کان میں کچھ کہا۔تیرانداز نے کندھے سے کمان اُتار کر اس میں تیر رکھا اور درخت سے بندھے ہوئے آدمی کا نشانہ لے کر تیر چھوڑا۔تیر اس آدمی کی دائیں آنکھ میں اُتر گیا۔وہ تڑپنے لگا۔علی نے باقی چار سے کہا.........."تم میں کتنے ہیں جو صلیب کی خاطر اس طرح تڑپ تڑپ کر جان دینے کو تیار ہیں؟اس کی طرف دیکھو"..........انہوں نے دیکھا۔وہ آدمی چیخ رہا تھا،تڑپ رہا تھا،اس کی آنکھ سے خون بُری طرح بہہ رہا تھا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں"..........علی بن سفیان نے کہا.........."کہ باعزت طریقے سے تم سب کو سمندر پار بھیج دوں گا..........دوسرے اونٹ پر کون گیا ہے؟،کہاں گیا ہے؟"

"تمہارا اپنا ایک کمان دار ہمارا ایک اونٹ ہم سے چھین کر لے گیا ہے"..........ایک آدمی نے کہا۔

"اور ایک لڑکی بھی"۔علی بن سفیان نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد علی بن سفیان کے فن نے اُن سے اعتراف کروالیا کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں،مگر انہوں نے یہ جھوٹ بولا کہ لڑکی رات خیمے سے بھاگ آئی تھی اور اس نے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے رات اسے اپنے خیمے میں رکھا تھا،اس نے شراب پی رکھی تھی اور لڑکی کو بھی پلائی تھی اور لڑکی گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں آئی تھی۔اس کے تعاقب میں فخرالمصری نام کا ایک کمان دار آیا اور اس نے جب لڑکی کی باتیں سُنیں تو اسے ہمارے اونٹ پر بٹھا کر زبردستی لے گیا۔ انہوں نے وہ تمام بہتان علی بن سفیان کو سنائے جو لڑکی نے سلطان ایوبی پر لگائے تھے۔

علی نے مُسکرا کر کہا.........."تم پانچ تربیت یافتہ عسکری اور تیرانداز اور ایک آدمی تم سے لڑکی بھی لے گیا اور اونٹ بھی"..........اس نے انہی کی نشاندہی پر زمین میں دبائی ہوئی کمان اور ترکش بھی نکلوالی۔ان چاروں کو خیمہ گاہ میں بھجوا دیا گیا۔پانچواں آدمی تڑپ تڑپ کر مر چکا تھا۔

اونٹ کے پاؤں کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔علی بن سفیان نے نہایت سرعت سے دس سوار بلائے اور انہیں اپنی کمان میں لے کر اس طرف روانہ ہوگیا،جدھر اونٹ گیا تھا،مگر اونٹ کی روانگی اور اس کے تعاقب میں علی بن سفیان کی روانگی میں،چودہ پندرہ گھنٹوں کا فرق تھا۔اونٹ تیز تھا اور اسے آرام کی بھی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔اونٹ،پانی اور خوراک کے بغیر چھ سات دن تروتازہ رہ سکتا ہے۔اس کے مقابلے میں گھوڑوں کو راستے میں کئی بار آرام،پانی اور خوراک کی ضرورت تھی۔ان عناصر نے تعاقب ناکام بنا دیا۔اونٹ نے چودہ پندرہ گھنٹوں کا فرق پورا نہ ہونے دیا۔ فخرالمصری نے تعاقب کے پیشِ نظر قیام بہت کم کیا تھا۔

علی بن سفیان کو راستے میں صرف ایک چیز ملی،یہ ایک تھیلا تھا۔اس نے رُک کر تھیلا اُٹھایا،کھول کر دیکھا،اس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔اسی تھیلے میں ایک اور تھیلا تھا۔اس میں بھی وہی چیزیں تھیں۔علی بن سفیان کے سونگھنے کی تیز حس نے اسے بتا دیا کہ ان اشیاء میں حشیش ملی ہوئی ہے۔راستے میں اُسے دو جگہ ایسے آثار ملے تھے،جن سے پتہ چلتا تھا کہ یہاں اونٹ رُکا ہے اور سوار یہاں بیٹھے ہیں۔کھجوروں کی گٹھلیاں،پھلوں کے بیج اور چھلکے بھی بکھرے ہوئے تھے۔ تھیلے نے اسے شک میں ڈال دیا۔اس کے ذہن میں یہ شک نہ آیا کہ فخری المصری کو حشیش کے نشے میں لڑکی اپنے محافظ

کے طور پر ساتھ لے جا رہی ہے۔ تاہم اس نے تھیلا اپنے پاس رکھا، مگر تھیلے کی تلاشی اور قیام نے وقت ضائع کر دیا تھا۔

☆

فخر المصری اور موبی منزل پر نہ بھی پہنچتے اور راستے میں پکڑے بھی جاتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ سوڈانی لشکر میں ناجی، ادروش اور ان کے ساتھی جو زہر پھیلا چکے تھے وہ اثر کر گیا تھا۔ فاطمی خلافت کے وہ فوجی سربراہ جو برائے نام جرنیل اور دراصل حاکم بنے ہوئے تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی کو ایک ناکام امیر اور بے کار حاکم ثابت کرنا چاہتے تھے۔ مسلمان حکمران حرم میں اُن لڑکیوں کے اسیر ہو گئے تھے۔ حکومت کا کاروبار خود ساختہ افسر چلا رہے تھے، من مانی اور عیش و عشرت کر رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی جیسا کوئی مذہب پسند اور قوم پرست قائد قوم کو جگا دے اور حکمرانوں اور سلطانوں کو حرم کی جنت سے باہر لا کر حقائق کی دُنیا میں لے آئے۔ سلطان ایوبی کے پہلے معرکوں سے جو اس نے اپنے چچا شیرکوہ کی قیادت میں لڑے تھے، یہ لوگ جان چکے تھے کہ اگر یہ شخص اقتدار میں آ گیا تو اسلامی سلطنت کو مذہب اور اخلاقیات کی پابندیوں میں جکڑ لے گا۔ لہٰذا انہوں نے ہر وہ داؤ کھیلا جو سلطان ایوبی کو چاروں شانے چت گرا سکتا تھا۔ انہوں نے در پردہ صلیبیوں سے تعاون کیا اور ان کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کے لیے زمین ہموار کی اور اس کے راستے میں چٹانیں کھڑی کیں۔ اگر نورالدین زنگی نہ ہوتا تو آج نہ صلاح الدین ایوبی کا تاریخ میں نام ہوتا، نہ آج نقشے پر اتنے زیادہ اسلامی ممالک نظر آتے۔

نورالدین زنگی نے ذرا سے اشارے پر بھی سلطان ایوبی کو کمک اور مدد بھیجی۔ صلیبیوں نے مصری فوج کے سوڈانیوں کے بلاوے پر بحیرۂ روم سے حملہ کیا تو نورالدین زنگی نے اطلاع ملتے ہی خشکی پر صلیبیوں کی ایک مملکت پر حملہ کر کے اُن کے اس لشکر کو مفلوج کر دیا جو مصر پر حملہ کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ یہ تو سلطان ایوبی کا نظامِ جاسوسی ایسا تھا کہ اس نے صلیبیوں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اب علی بن سفیان نے زنگی کی طرف برق رفتار قاصد یہ خبر دینے کے لیے دوڑا دیئے تھے کہ سوڈانیوں کی بغاوت کا خطرہ ہے اور ہماری فوج کم بھی ہے، دو حصوں میں بٹ بھی گئی ہے۔ قاصد پہنچ گئے تھے اور نورالدین زنگی نے خاصی فوج کو مصر کی طرف کوچ کا حکم دے دیا تھا۔ بعض مورخین نے اس فوج کی تعداد دو ہزار سوار اور پیادہ لکھی ہے اور کچھ اس سے زیادہ بتاتے ہیں۔ بہر حال زنگی نے اپنی مشکلات اور ضروریات کی پروا نہ کرتے ہوئے سلطان ایوبی کی مشکلات اور ضروریات کو اہمیت اور اوّلیت دی، مگر اس کی فوج کو پہنچنے کے لیے بہت دن درکار تھے۔

مسلمان نام نہاد فوجی اور دیگر سرکردہ شخصیتوں نے دیکھا کہ مصر میں سلطان ایوبی کے خلاف بے اطمینانی اور بغاوت پھوٹ رہی ہے تو انہوں نے اسے ہوا دی۔ در پردہ سوڈانیوں کو اُکسایا اور اپنے مخبروں کے ذریعے یہ بھی معلوم کر لیا کہ سوڈانیوں کے سالاروں کو مروا کر خفیہ طریقے سے دفن کر دیا گیا ہے۔ سوڈانی لشکر کے کم رتبے والے کمان دار سالار بن گئے اور صلاح الدین ایوبی کی اس قلیل فوج پر حملہ کرنے کے منصوبے بنانے لگے، جو مصر میں مقیم تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی آدھی فوج اور سلطان کی دارالحکومت سے غیر حاضری سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ منصوبہ ایسا تھا کہ جس کے تحت پچاس ہزار سوڈانی فوجی سیاہ گھٹا کی طرح مصر کے آسمان سے اسلام کے چاند کو روپوش کرنے والی تھی۔

علی بن سفیان قاہرہ پہنچ گیا۔ وہ جن کے تعاقب میں گیا تھا، اُن کا اُس سے آگے کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اس نے اپنے اُن جاسوسوں کو بلایا جو اس نے سوڈانی ہیڈ کوارٹر اور فوج میں چھوڑ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ گزشتہ رات ایک اونٹ آیا تھا۔ اندھیرے میں جو کچھ نظر آ سکا، وہ دو سوار تھے، ایک عورت اور ایک مرد۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ وہ

کون سی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ علی بن سفیان کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ وہاں چھاپہ مارتا۔ سوڈانی فوج سلطنتِ اسلامیہ کی فوج تھی، کوئی آزاد فوج نہیں تھی، مگر علی نے اس خدشے کے پیش نظر چھاپہ نہ مارا کہ یہ جلتی پر تیل کا کام کرے گا۔ اس کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ موبی اور فخر المصری کو گرفتار کرنا ہے، بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ سوڈانی قیادت کے عزائم اور آئندہ منصوبے معلوم کیے جائیں، تاکہ پیش بندی کی جا سکے۔ اس نے اپنے جاسوسوں کو نئی ہدایات جاری کیں۔ جاسوسوں میں غیر مسلم لڑکیاں بھی تھیں، جو عیسائی یا یہودی نہیں تھیں۔ یہ قحبہ خانوں کی بڑی ذہین اور تیز طرار لڑکیاں تھیں، مگر علی بن سفیان نے ان پر بھی سو فیصد بھروسہ نہیں کیا تھا، کیونکہ وہ دوغلا کھیل بھی کھیل سکتی تھیں۔ ان لڑکیوں سے بھی اُس لڑکی (موبی) کا سراغ نہ مل سکا جس کے تعاقب میں علی آیا تھا۔

☆

چار روز علی بن سفیان دارالحکومت سے باہر مارا مارا پھرتا رہا۔ اس کا دائرہ کار سوڈانی فوجی قیادت کے ارد گرد کا علاقہ تھا۔ پانچویں رات وہ باہر کھلے آسمان تلے بیٹھا اپنے دو جاسوسوں سے رپورٹ لے رہا تھا۔ اس کے تمام آدمیوں کو معلوم ہوتا تھا کہ کس وقت وہ کہاں ہوتا ہے۔ اُس کے گروہ کا ایک آدمی ایک آدمی کو ساتھ لیے اُس کے پاس آیا اور کہا.......... ''یہ اپنا نام فخری المصری بتاتا ہے، جھاڑیوں میں ڈگمگاتا، گرتا اور اُٹھتا تھا۔ میں نے اس سے بات کی تو کہنے لگا کہ مجھے میری فوج تک پہنچا دو۔ اس سے اچھی طرح بولا بھی نہیں جاتا''.......... اس دوران فخر المصری بیٹھ گیا تھا۔

''تم وہی کمان دار ہو جو محاذ سے ایک لڑکی کے ساتھ بھاگے ہو؟'' علی بن سفیان نے اُس سے پوچھا۔

''میں سلطان کی فوج کا بھگوڑا ہوں''.......... فخر نے ہکلاتی لڑکھڑاتی زبان میں کہا.......... ''سزائے موت کا حق دار ہوں، لیکن میری پوری بات سن لیں، ورنہ تم سب کو سزائے موت ملے گی''۔

علی بن سفیان اُس کے لب و لہجے سے سمجھ گیا کہ یہ شخص نشے میں ہے یا نشے کی طلب نے اس کا یہ حال کر رکھا ہے۔ وہ اسے اپنے دفتر میں لے گیا اور اسے وہ تھیلا دکھایا جو اُسے راستے میں پڑا ملا تھا۔ پوچھا.......... ''یہ تھیلا تمہارا ہے؟ اور تم اس سے یہ چیزیں کھاتے رہے ہو؟''

''ہاں''.......... فخر المصری نے جواب دیا.......... ''وہ مجھے اسی سے کھلاتی تھی''۔ اس کے سامنے وہ تھیلا بھی پڑا تھا جو تھیلے کے اندر سے نکلا تھا۔ علی نے اس میں سے چیزیں نکال کر سامنے رکھ لی تھیں۔ فخر نے یہ چیزیں دیکھیں تو جھپٹ کر مٹھائی کی قسم کا ایک ٹکڑا اُٹھا لیا۔ علی نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ فخر نے بے تابی سے کہا.......... ''خدا کے لیے مجھے یہ کھانے دو۔ میری جان اور روح اسی میں ہے''.......... مگر علی نے اُس سے وہ ٹکڑا چھین لیا اور اسے کہا.......... ''مجھے ساری واردات سناؤ، پھر یہ ساری چیزیں اُٹھا لینا''۔

فخر المصری نڈھال اور بے جان ہوا جا رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اُسے ایک سفوف کھلا دیا جو حشیش کا توڑ تھا۔ فخر نے اسے تمام تر واقعہ سنا دیا کہ وہ کیمپ سے لڑکی کے تعاقب میں کس طرح گیا تھا۔ تاجروں نے اُسے قہوہ پلایا تھا، جس کے اثر سے وہ کسی اور ہی دُنیا میں جا پہنچا تھا۔ تاجروں (صلیبی جاسوسوں) نے اُس سے جو باتیں کی تھیں، وہ بھی اس نے بتائیں اور پھر لڑکی کے ساتھ اس نے اونٹ پر جو سفر کیا تھا، وہ اس طرح سنایا کہ وہ مسلسل چلتے رہے۔ اونٹ نے بڑی اچھی طرح ساتھ دیا۔ رات کو وہ تھوڑی دیر قیام کرتے تھے۔ لڑکی اسے کھانے کو دوسرے تھیلے میں سے چیزیں دیتی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ لڑکی نے اسے اپنی محبت کا یقین دلایا اور شادی کا وعدہ کیا تھا اور شرط یہ رکھی تھی کہ وہ اسے سوڈانی

کمان داروں کے پاس پہنچا دے۔ وہ راستے میں ہی لڑکی کو شادی کے بغیر بیوی بنانے کی کوشش کرتا رہا، لیکن لڑکی اُسے اپنی بانہوں میں لے کر پیار اور محبت سے ایسے ارادے اور خواہش کو مار دیتی۔ فخری نے محسوس تک نہ کیا کہ لڑکی اسے حشیش اور اپنے حسن وشباب کے قبضے میں لیے ہوئے ہے۔ تیسرے پڑاؤ میں جب انہوں نے کھانے پینے کے لیے اونٹ روکا تو تھیلا غائب پایا جو اونٹ کے دوڑنے سے کہیں گر پڑا تھا۔ لڑکی نے اسے کہا کہ واپس چل کر تھیلا ڈھونڈ لیتے ہیں، لیکن فخر المصر ی نے کہا کہ وہ بھگوڑا فوجی ہے، خدشہ ہے کہ اس کا تعاقب ہو رہا ہوگا۔ لڑکی ضد کرنے لگی کہ تھیلا ضرور ڈھونڈیں گے۔ فخر نے اسے یقین دلایا کہ بھوکا مرنے کا کوئی خطرہ نہیں، راستے میں کسی آبادی سے کچھ لے لیں گے، مگر لڑکی آبادی کے قریب جانا نہ چاہتی تھی اور کہتی تھی کہ واپس چلو۔

فخر المصر ی نے اُسے زبردستی اونٹ پر بٹھالیا اور اس کے پیچھے بیٹھ کر اونٹ کو اُٹھایا اور دوڑا دیا۔ وہ سفر کی تیسری رات تھی۔ اگلی شام وہ شہر سے باہر سوڈانیوں کے ایک کمان دار کے ہاں پہنچ گئے، مگر فخر المصر ی اپنے سر کے اندر ایسی بے چینی محسوس کرنے لگا، جیسے کھوپڑی میں کیڑے رینگ رہے ہوں۔ آہستہ آہستہ وہ حقیقی دُنیا میں آگیا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ یہ حشیش نہ ملنے کا اثر ہے۔ اُس کی تصوراتی بادشاہی اور ذہن میں بسائی ہوئی جنت تھیلے میں کہیں ریگزار میں گر گئی تھی۔ لڑکی نے اُس کے سامنے کمان دار کو صلیبیوں کا پیغام دیا اور اسے بغاوت پر اُکسایا۔ فخر پاس بیٹھا سنتا رہا اور اُس کے ذہن میں کیڑے بڑے ہو کر تیزی سے رینگنے لگے۔ نشہ اُتر چکا تھا۔ اُسے یاد آنے لگا کہ وہ محاذ سے بھاگ آیا ہے۔ لڑکی (موبی) کو یہی خوش فہمی ہوگی کہ فخر پر نشہ طاری ہے۔ چنانچہ اُس نے بے خوف وخطر کمان دار سے یہ بھی کہہ دیا کہ سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کے درمیان یہ غلط فہمی پیدا کرنی ہے کہ وہ ظاہری طور پر نیک بنے پھرتے ہیں مگر عورت اور شراب کے دلدادہ ہیں۔

اُن کی اس طویل گفتگو میں بغاوت کی باتیں بھی ہوئیں۔ اس وقت تو فخر المصر ی پوری طرح بیدار ہو چکا تھا، لیکن سر کے اندر کی بے چینی اسے بہت پریشان کر رہی تھی۔ لڑکی نے کمان دار سے کہا کہ اگر بغاوت کرنی ہے تو وقت ضائع نہ کریں۔ سلطان ایوبی محاذ پر ہے اور اُلجھا ہوا ہے۔ لڑکی نے یہ جھوٹ بولا کہ صلیبی تین چار دنوں بعد دوسرا حملہ کرنے والے ہیں۔ سلطان ایوبی کو یہاں سے بھی فوج محاذ پر بلانی پڑے گی۔ کمان دار نے لڑکی کو بتایا کہ چھ سات دنوں تک سوڈانی لشکر یہاں کی فوج پر حملہ کر دے گا۔

فخر یہ ساری گفتگو سنتا رہا۔ آدھی رات کے بعد اُسے الگ کمرے میں بھیج دیا گیا جہاں اُس کے سونے کا انتظام تھا۔ لڑکی اور کمان دار دوسرے کمرے میں رہے۔ درمیان میں دروازہ تھا جو بند کر دیا گیا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اُس نے دروازے کے ساتھ کان لگائے تو اُسے ہنسی کی آوازیں سنائی دیں، پھر لڑکی کے یہ الفاظ سنائی دیئے .... ''اسے حشیش کے زور پر یہاں تک لائی ہوں اور اس مجبوبہ بنی رہی ہوں۔ مجھے ایک محافظ کی ضرورت تھی۔ حشیش کا تھیلا راستے میں گر پڑا ہے۔ اگر صبح اسے ایک خوراک نہ ملی تو یہ پریشان کرے گا'' .... اس کے بعد فخر نے دوسرے کمرے سے جو آوازیں سنیں، وہ اسے صاف بتا رہی تھیں کہ شراب پی جا رہی ہے اور بدکاری ہو رہی ہے۔ بہت دیر بعد اُسے کمان دار کی آواز سنائی دی .... ''یہ آدمی اب ہمارے لیے بے کار ہے۔ اسے قید میں ڈال دیتے ہیں یا ختم کرا دیتے ہیں'' .... لڑکی نے اس کی تائید کی۔

فخر المصر ی پوری طرح بیدار ہو گیا اور وہاں سے نکل بھاگنے کی سوچنے لگا۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ وہ اس کمرے سے نکلا۔ اس کا دماغ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ کبھی تو دماغ صاف ہو جاتا، مگر زیادہ دیر ماؤف رہتا۔ صبح کی روشنی پھیلنے تک وہ

خطرے سے دُور نکل گیا تھا۔ اسے اب دوہرے تعاقب کا خطرہ تھا۔ دونوں طرف اسے موت نظر آرہی تھی۔ اپنی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا تو بھی مجرم تھا اور اگر سوڈانی پکڑ لیتے تو فوراً قتل کر دیتے۔ وہ دن بھر فرعونوں کے کھنڈروں میں چھپا رہا۔ حشیش کی طلب، خوف اور غصہ اُس کے جسم اور دماغ کو بے کار کر رہا تھا۔ رات تک وہ چلنے سے بھی معذور ہوا جا رہا تھا۔ پھر اُسے یہ بھی احساس نہ رہا کہ دِن ہے یا رات اور وہ کہاں ہے۔ اس کے دماغ میں یہ اِرادہ بھی آیا کہ اس عیسائی لڑکی کو جا کر قتل کر دے۔ یہ سوچ بھی آئی کہ اونٹ یا گھوڑا مل جائے اور وہ محاذ پر سلطان ایوبی کے قدموں میں جا گرے، مگر جو بھی سوچ آتی تھی، اس پر اندھیرا چھا جاتا تھا جو اُس کی آنکھوں کے سامنے آکر ہر چیز تاریک کر دیتا تھا۔ اسی حالت میں اسے یہ آدمی ملا۔ وہ چونکہ جاسوس تھا، اس لیے تربیت کے مطابق اُس نے فخر المصری کے ساتھ دوستی اور ہمدردی کی باتیں کیں اور اسے علی بن سفیان کے پاس لے آیا۔

تصدیق ہو گئی کہ سوڈانی لشکر حملہ اور بغاوت کرے گا اور یہ کسی بھی لمحے ہو سکتا ہے۔ علی بن سفیان سوچ رہا تھا کہ مقامی کمانڈروں کو فوراً چوکنا کرے اور سلطان ایوبی کو اطلاع دے، مگر وقت ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔ اتنے میں اسے پیغام ملا کہ صلاح الدین ایوبی بلا رہے ہیں۔ وہ حیران ہو کر چل پڑا کہ سلطان کو تو وہ محاذ پر چھوڑ آیا تھا۔

وہ سلطان ایوبی سے ملا تو سلطان نے بتایا.......... ''مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ ساحل پر صلیبی جاسوسوں کا ایک گروہ موجود ہے اور اُن میں سے کچھ اِدھر بھی آگئے ہوں گے۔ محاذ پر میرا کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ میں کمان اپنے رفیقوں کو دے کر یہاں آگیا۔ دِل اس قدر بے چین تھا کہ میں یہاں بہت بڑا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ یہاں کی کیا خبر ہے؟''

علی بن سفیان نے اُسے ساری خبر سنا دی اور کہا.......... ''اگر آپ چاہیں تو میں زبان کا ہتھیار استعمال کر کے بغاوت کو روکنے کی کوشش کروں یا سلطان زنگی کی مدد آنے تک ملتوی کرا دوں۔ میں جاسوسوں کو ہی استعمال کر سکتا ہوں۔ ہماری فوج بہت کم ہے۔ حملے کو نہیں روک سکے گی''۔

سلطان ایوبی ٹہلنے لگا۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا تھا اور علی بن سفیان اسے دیکھ رہا تھا۔ سلطان نے رُک کر کہا..........

''ہاں علی! تم اپنی زبان اور اپنے جاسوس استعمال کرو، لیکن حملے کو روکنے کے لیے نہیں، بلکہ حملے کے حق میں۔ سوڈانیوں کو حملہ کرنا چاہیے، مگر رات کے وقت جب ہماری فوج خیموں میں سوئی ہوئی ہو گی''۔

علی بن سفیان نے حیرت سے سلطان کو دیکھا۔ سلطان نے کہا.......... ''یہاں کے تمام کمان داروں کو بلوا لو اور تم بھی آجاؤ''.......... سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو یہ ہدایت بڑی سختی سے دی.......... ''سب کو یہ بتا دینا کہ میرے متعلق اُن کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ میں محاذ سے یہاں آگیا ہوں۔ سوڈانیوں سے میری یہاں موجودگی کو پوشیدہ رکھنا بے حد ضروری ہے۔ میں بڑی احتیاط سے خفیہ طریقے سے آیا ہوں''۔

تین راتیں بعد..........

قاہرہ تاریک رات کی آغوش میں گہری نیند سویا ہوا تھا۔ ایک روز پہلے قاہرہ کے لوگوں نے دیکھا تھا کہ اُن کی فوج جو مصر سے تیار کی گئی تھی، شہر سے باہر جا رہی ہے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ فوج جنگی مشق کے لیے شہر سے باہر گئی ہے۔ نیل کے کنارے جہاں ریتلی چٹانیں اور ٹیلے ہیں وہاں دریا اور ٹیلوں کے درمیان فوج نے جا کر خیمے گاڑ دیئے تھے۔ فوج پیادہ بھی تھی، سوار بھی.......... رات کا پہلا نصف گزر رہا تھا کہ قاہرہ کے سوئے ہوئے باشندوں کو دُور قیامت کا شور سنائی دیا۔

گھوڑوں کے سرپٹ بھاگنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ سوئے ہوئے لوگ جاگ اُٹھے، وہ سمجھے کہ فوج جنگی مشق کر رہی ہے، مگر شور قریب آتا اور بلند ہوتا گیا۔ لوگوں نے چھتوں پر چڑھ کر دیکھا۔ آسمان لال سرخ ہو رہا تھا۔ بعض نے دیکھا کہ دور دریائے نیل سے آگ کے شعلے اُٹھتے اور تاریک رات کا سینہ چاک کرتے خشکی پر کہیں گرتے تھے۔ پھر شہر میں سینکڑوں سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے۔ شہر والوں کو ابھی معلوم نہیں تھا کہ یہ جنگی مشق نہیں، باقاعدہ جنگ ہے اور جو آگ لگی ہوئی ہے، اس میں سوڈانی لشکر کا خاصا بڑا حصہ زندہ جل رہا ہے۔

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی ایک بے مثال چال تھی۔ اس نے دارالحکومت میں مقیم قلیل فوج کو دریائے نیل اور ریتلے ٹیلوں کے درمیان وسیع میدان میں خیمہ زن کر دیا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے سوڈانی لشکر میں اپنے آدمی بھیج کر بغاوت کی آگ بھڑکا دی تھی اور اس کے کمان داروں سے یہ فیصلہ کروا لیا تھا کہ رات کو جب سلطان کی فوج گہری نیند سوئی ہوئی ہوگی، اس پر سوڈانی فوج حملہ کر دے گی اور صبح تک ایک ایک سپاہی کا صفایا کر کے دارالحکومت پر بے خوف وخطر قابض ہو جائے گی اور سوڈانی فوج کا دوسرا حصہ بحیرۂ روم کے ساحل پر مقیم فوج پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا جائے گا.......... اس فیصلے اور منصوبے کے مطابق سوڈانی فوج کا ایک حصہ نہایت خفیہ طریقے سے رات کو بحیرۂ روم کے محاذ کی طرف روانہ کر دیا گیا اور دوسرا حصہ دریائے نیل کے کنارے خیمہ زن فوج پر ٹوٹ پڑا۔

اس فوج نے سیلاب کی طرح ایک میل وسعت میں پھیلی ہوئی خیمہ گاہ پر ہلہ بول دیا اور بہت ہی تیزی سے اس علاقے میں پھیل گئی۔ اچانک خیموں پر آگ کے تیر اور تیل میں بھیگے ہوئے کپڑوں کے جلتے گولے برسنے لگے۔ نیل بھی آگ برسانے لگا۔ خیموں کو آگ لگ گئی اور شعلے آسمان تک پہنچنے لگے۔ سوڈانی فوج کو خیموں میں سلطان ایوبی کی فوج کا نہ کوئی سپاہی ملا، نہ گھوڑا، نہ کوئی سوار۔ اس فوج کو وہاں تمام خالی خیمے ملے۔ کوئی مقابلے کے لیے نہ اُٹھا اور اچانک آگ ہی آگ پھیل گئی۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ سلطان ایوبی نے رات کے پہلے پہر خیموں سے اپنی فوج کو نکال کر ریتلے ٹیلوں کے پیچھے چھپا دیا تھا اور خیموں میں خشک گھاس کے ڈھیر لگوا دیئے تھے۔ خیموں پر اور اندر بھی تیل چھڑک دیا تھا۔ اس نے کشتیوں میں چھوٹی منجنیقیں رکھوا کر شام کے بعد ضرورت کی جگہ بھجوا دی تھیں۔

جونہی سوڈانی فوج خیمہ گاہ میں آئی سلطان کی چھپی ہوئی فوج نے آگ والے تیر اور نیل سے کشتیوں میں رکھی ہوئی منجنیقوں نے آگ کے گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ خیموں کو آگ لگی تو گھاس اور تیل نے وہاں دوزخ کا منظر بنا دیا۔ سوڈانیوں کے گھوڑے اپنے پیادہ سپاہیوں کو روندنے لگے۔ سپاہیوں کے لیے آگ سے نکلنا ناممکن ہو گیا۔ چیخوں نے آسمان کا جگر چاک کر دیا۔ اس قدر آگ نے رات کو دن بنا دیا۔ سلطان ایوبی کو مٹھی بھر فوج نے آگ میں جلتی سوڈانیوں کی فوج کو گھیرے میں لے لیا، جو آگ سے بچ کر نکلتا تھا، وہ تیروں کا نشانہ بن جاتا تھا، جو فوج بچ گئی، وہ بھاگ نکلی۔

اُدھر سوڈانیوں کی جو فوج محاذ کی طرف سلطان کی فوج پر حملہ کرنے جا رہی تھی، اُس کا بھی صلاح الدین ایوبی نے انتظام کر رکھا تھا۔ چند ایک دستے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ ان دستوں نے اُس فوج کے پچھلے حصے پر حملہ کر کے ساری فوج میں بھگدڑ مچا دی۔ یہ دستے ایک حملے میں جو نقصان کر سکتے تھے، کر کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ سوڈانی فوج سنبھل کر چلی تو پچھلے حصے پر ایک اور حملہ ہوا۔ یہ برق رفتار سوار تھے جو حملہ کر کے غائب ہو گئے۔ صبح تک اس فوج کے پچھلے حصے پر تین حملے ہوئے۔ سوڈانی سپاہی اسی سے بددل ہو گئے۔ انہیں مقابلہ کرنے کا تو موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ دن کے وقت کمان داروں نے بڑی مشکل سے فوج کا حوصلہ بحال کیا، مگر رات کو کوچ کے دوران ان کا پھر وہی حشر ہوا۔ دوسری رات

تاریکی میں اُن پر تیر بھی برسے۔ انہیں اندھیرے میں گھوڑے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جو اُن کی فوج کے عقب میں کشت و خون کرتی دور چلی جاتی تھیں۔

تین چار یورپی مورخوں نے جن میں لین پول اور ولیم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھا ہے کہ دشمن کی کثیر نفری پر رات کے وقت چند ایک سواروں سے عقبی حصے پر شب خون مارنا اور غائب ہو جانا سلطان ایوبی کی ایسی جنگی چال تھی جس نے آگے چل کر صلیبیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اس طرح سلطان ایوبی دشمن کی پیش قدمی کی رفتار کو بہت سست کر دیتا تھا اور دشمن کو مجبور کر دیتا تھا کہ وہ اُس کی پسند کے میدان میں لڑے جہاں سلطان ایوبی نے جنگ کا پانسہ پلٹنے کا انتظام کر رکھا ہوتا تھا۔ ان مورخین نے سلطان ایوبی کے ان جانباز سواروں کی جرأت اور برق رفتاری کی بہت تعریف کی ہے۔ آج کے جنگی مبصر، جن کی نظر جنگوں کی تاریخ پر ہے، رائے دیتے ہیں کہ آج کے کمانڈو اور گوریلا آپریشن کا موجد صلاح الدین ایوبی ہے۔ وہ اس طریقۂ جنگ سے دشمن کے منصوبے درہم برہم کر دیا کرتا تھا۔

سوڈانیوں پر اس نے یہی طریقہ آزمایا اور صرف دو راتوں کے بار بار کے شب خون سے اس نے سوڈانی سپاہیوں کا لڑنے کا جذبہ ختم کر دیا۔ ان کی قیادت میں کوئی دماغ نہ تھا۔ یہ قیادت فوج کو سنبھال نہ سکی۔ اس فوج میں علی بن سفیان کے بھی آدمی سوڈانی سپاہیوں کے بھیس میں موجود تھے۔ انہوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ عرب سے ایک لشکر آ رہا ہے جو انہیں کاٹ کر رکھ دے گا۔ انہوں نے بددلی اور فرار کا رجحان پیدا کرنے میں پوری کامیابی حاصل کی۔ فوج غیر منظم ہو کر بکھر گئی۔ نیل کے کنارے اس فوج کا جو حشر ہوا، وہ عبرت ناک تھا.......... یہ افواہ غلط ثابت نہ ہوئی کہ عرب سے فوج آ رہی ہے۔ نورالدین زنگی کی فوج آ گئی جس کی نفری بہت زیادہ نہیں تھی۔ بعض مورخین نے دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ لکھی ہے۔ بعض کے اعداد و شمار اس سے کچھ زیادہ ہیں۔ تاہم اصلاح الدین ایوبی کو سہارا مل گیا اور اُس نے فوراً اس کمک کی قیادت سنبھال لی۔ اس کیفیت میں جب کہ سوڈانیوں کا پچاس ہزار لشکر سلطان ایوبی کے آگ کے پھندے میں اور اُدھر صحرا میں شب خونوں کی وجہ سے بدنظمی کا شکار ہو گیا تھا، یہ تھوڑی سی کمک بھی کافی تھی۔

سلطان ایوبی اس کمک سے اور اپنی فوج سے سوڈانیوں کا قتلِ عام کر سکتا تھا، لیکن اُس نے ڈپلومیسی سے کام لیا۔ سوڈانی کمان کے کمان داروں کو پکڑا اور انہیں ذہن نشین کرایا کہ اُن کے لیے تباہی کے سوا کچھ نہیں رہا، لیکن وہ انہیں تباہ نہیں کرے گا۔ کمان داروں نے اپنا حشر دیکھ لیا تھا۔ وہ اب سلطان کے عتاب اور سزا سے خائف تھے، لیکن سلطان نے انہیں بخش دیا اور سزا دینے کی بجائے سوڈانیوں کی بچی کھچی فوج کو سپاہیوں سے کاشت کاروں میں بدل دیا۔ انہیں زمینیں دیں اور کھیتی باڑی میں انہیں سرکاری طور پر مدد دی اور پھر انہیں یہ اجازت بھی دے دی کہ ان میں سے جو لوگ فوج میں بھرتی ہونا چاہتے ہیں، ہو سکتے ہیں۔

سوڈانیوں کو یوں دانش مندی سے ٹھکانے لگا کر صلاح الدین ایوبی نے نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی فوج اور اپنی فوج کو یکجا کر کے اس میں وفادار سوڈانیوں کو بھی شامل کر کے ایک فوج منظم کی اور صلیبیوں پر حملے کے منصوبے بنانے لگا۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ اپنے جاسوسوں اور شب خون مارنے والے جانبازوں کے دستے فوراً تیار کرے۔ اُدھر صلیبیوں نے بھی جاسوسی اور تخریب کاری کا انتظام مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

ساتویں لڑکی
جب صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے آئی

صلاح الدین ایوبی کے دور کے وقائع نگاروں کی تحریروں میں ایک شخص سیف اللہ کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے کہ اگر کسی انسان نے سلطان ایوبی کی عبادت کی ہے تو وہ سیف اللہ تھا۔ سلطان ایوبی کے گہرے دوست اور دست راست بہاؤالدین شداد کی اس ڈائری میں جو آج بھی عربی زبان میں محفوظ ہے، سیف اللہ کا ذکر ذرا تفصیل سے ملتا ہے۔ یہ شخص جس کا نام کسی باقاعدہ تاریخ میں نہیں ملتا، صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد سترہ سال زندہ رہا۔ وقائع نگار لکھتے ہیں کہ اس نے عمر کے یہ آخری سترہ سال سلطان ایوبی کی قبر کی مجاوری میں گزارے تھے۔ اس نے وصیت کی تھی کہ وہ مر جائے تو اسے سلطان کے ساتھ دفن کیا جائے، مگر سیف اللہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ ایک گمنام انسان تھا، جسے عام قبرستان میں دفن کیا گیا اور وہ وقت جلدی ہی آ گیا کہ اس قبرستان پر انسانوں نے بستی آبادی کر لی اور قبرستان کا نام ونشان مٹا ڈالا۔

تاریخی لحاظ سے سیف اللہ کی اہمیت یہ تھی کہ وہ سمندر پار سے صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے آیا تھا۔ اُس وقت اس کا نام میگنا ناماریوس تھا۔ اُس نے اسلام کا صرف نام سنا تھا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ اسلام کیسا مذہب ہے۔ صلیبیوں کے پروپیگنڈے کے مطابق اسے یقین تھا کہ اسلام ایک قابلِ نفرت مذہب اور مسلمان ایک قابلِ نفرت فرقہ ہے جو عورتوں کا شیدائی اور انسانی گوشت کھانے کا عادی ہے۔ لہٰذا میگنا ناماریوس جب بھی مسلمان کا لفظ سنتا تھا تو وہ نفرت سے تھوک دیا کرتا تھا۔ وہ بے مثال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب صلاح الدین ایوبی تک پہنچا تو میگنا ناماریوس قتل ہو گیا اور اس کے مُردہ وجود سے سیف اللہ نے جنم لیا۔

تاریخ میں ایسے حکمرانوں کی کمی نہیں، جنہیں قتل کیا گیا یا جن پر قاتلانہ حملے ہوئے، لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی تاریخ کی اُن معدودے چند شخصیتوں میں سے ہے، جسے قتل کرنے کی کوششیں دشمنوں نے بھی کیں اور اپنوں نے بھی، بلکہ اپنوں نے اسے قتل کرنے کی غیروں سے زیادہ سازشیں کیں۔ یہ امر افسوس ناک ہے کہ سلطان ایوبی کی داستانِ ایمان افروز کے ساتھ ساتھ ایمان فروشوں کی کہانی بھی چلتی ہے۔ اسی لیے صلاح الدین ایوبی نے بارہا کہا تھا۔ "تاریخ اسلام، وہ وقت جلدی دیکھے گی، جب مسلمان رہیں گے تو مسلمان ہی لیکن اپنا ایمان بیچ ڈالیں گے اور صلیبی ان پر حکومت کریں گے"۔

آج ہم وہ وقت دیکھ رہے ہیں۔

سیف اللہ کی کہانی اُس وقت سے شروع ہوتی ہے، جب سلطان ایوبی نے صلیبیوں کا متحدہ بیڑہ بحیرۂ روم میں نذرِ آب و آتش کیا تھا۔ ان کے کچھ بحری جہاز بچ کر نکل گئے تھے۔ سلطان ایوبی بحیرۂ روم کے ساحل پر اپنی فوج کے ساتھ موجود رہا اور سمندر میں سے زندہ نکلنے والے صلیبیوں کو گرفتار کرتا رہا۔ ان میں سات لڑکیاں بھی تھیں جن کا تفصیلی ذکر آپ

پڑھ چکے ہیں۔ مصر میں سلطان کی سوڈانی سپاہ نے بغاوت کردی جسے سلطان نے دبالیا۔ اُسے سلطان زنگی کی بھیجی ہوئی کمک بھی مل گئی۔ وہ اب صلیبیوں کے عزائم کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔

بحیرۂ روم کے پار روم شہر کے مضافات میں صلیبی سربراہوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ ان میں شاہ آگسٹس تھا، شاہ ریمانڈ اور شہنشاہ لوئی ہفتم کا بھائی رابرٹ بھی۔ اس کانفرنس میں سب سے زیادہ قہر وغضب میں آیا ہوا ایک شخص تھا جس کا نام ایملرک تھا۔ وہ صلیبیوں کے اس متحدہ بیڑے کا کمانڈر تھا جو مصر پر فوج کشی کے لیے گیا تھا مگر صلاح الدین ایوبی ان پر ناگہانی آفت کی طرح ٹوٹ پڑا اور اس بیڑے کے ایک بھی سپاہی کو مصر کے ساحل پر قدم نہ رکھنے دیا۔ مصر کے ساحل پر جو صلیبی پہنچے، وہ سلطان ایوبی کے ہاتھ میں جنگی قیدی تھے۔ صلیبیوں کی کانفرنس میں ایملرک کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کا بیڑہ غرق ہوئے پندرہ دن گزر گئے تھے۔ وہ پندرھویں دن اٹلی کے ساحل پر پہنچا تھا۔ سلطان ایوبی کے آتشیں تیر اندازوں نے اس کے جہاز کے بادبان اور مستول جلا ڈالے تھے۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے ملاحوں اور سپاہیوں نے آگ پر قابو پالیا تھا اور وہ جہاز کو بچالے گئے تھے مگر بادبانوں کے بغیر جہاز سمندر پر ڈولتا رہا۔ پھر طوفان آگیا۔ اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہی تھی۔ بہت سے بچے کھچے جہاز اور کشتیاں اس طوفان میں غرق ہوگئی تھیں۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ ایملرک کا جہاز ڈولتا، بھٹکتا، ڈوب ڈوب کر اُبھرتا اٹلی کے ساحل سے جالگا تھا۔ اس میں اس کے ملاحوں کا بھی کمال شامل تھا۔ انہوں نے چپوؤں کے زور پر جہاز کو قابو میں رکھا تھا۔

ساحل پر پہنچتے ہی اس نے ان تمام ملاحوں اور سپاہیوں کو بے دریغ انعام دیا۔ صلیبی سربراہ وہیں اس کے منتظر تھے۔ وہ اس پر غور کرنا چاہتے تھے کہ انہیں دھوکہ کس نے دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شک سوڈانی سالار ناجی پر ہی ہوسکتا تھا۔ اسی کے خط کے مطابق انہوں نے حملے کے لیے بیڑہ روانہ کیا تھا مگر ان کے ساتھ ناجی کا تحریری رابطہ پہلے بھی موجود تھا۔ انہوں نے ناجی کے اس خط کی تحریر پہلے دو خطوں سے ملائی تو انہیں شک ہوا کہ یہ کوئی گڑبڑ ہے۔ انہوں نے قاہرہ میں جاسوس بھیج رکھے تھے مگر ان کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ انہیں یہ بتانے والا کوئی نہ تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ناجی اور اس کے سازشی سالاروں کو خفیہ طریقے سے مروادیا اور رات کی تاریکی میں گمنام قبروں میں دفن کردیا تھا اور صلیبی سربراہوں اور بادشاہوں کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ جس خط پر انہوں نے بیڑہ روانہ کیا تھا، وہ خط ناجی کا ہی تھا، مگر حملے کی تاریخ سلطان ایوبی نے تبدیل کرکے لکھی تھی۔ جاسوسوں کو ایسی معلومات کہیں سے بھی نہیں مل سکتی تھیں۔

یہ کانفرنس کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ ایملرک کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی تھی۔ وہ شکست خوردہ تھا۔ غصے میں بھی تھا اور تھکا ہوا بھی تھا۔ کانفرنس اگلے روز کے لیے ملتوی کردی گئی............رات کے وقت یہ تمام سربراہ شکست کا غم شراب میں ڈبو رہے تھے۔ ایک آدمی اس محفل میں آیا۔ اسے صرف ریمانڈ جانتا تھا۔ وہ ریمانڈ کا قابلِ اعتماد جاسوس تھا۔ وہ حملے کی شام مصر کے ساحل پر اُترا تھا۔ اس سے تھوڑی ہی دیر بعد صلیبیوں کا بیڑہ آیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے یہ بیڑہ سلطان ایوبی کی قلیل فوج کے ہاتھوں تباہ ہوا تھا۔

یہ جاسوس مصر کے ساحل پر رہا اور اس نے بہت سی معلومات مہیا کرلی تھیں۔ ریمانڈ نے اس کا تعارف کرایا تو سب اس کے گرد جمع ہوگئے۔ اس جاسوس کو معلوم تھا کہ صلیبی سربراہوں نے سلطان ایوبی کو قتل کرانے کے لیے رابن نام کا ایک ماہر جاسوس سمندر پار بھیجا تھا اور اس کی مدد کے لیے پانچ آدمی اور سات جوان اور خوب صورت لڑکیاں بھیجی گئی تھیں۔

اس جاسوس نے بتایا کہ رابن دشمیوں کے ساتھ زخمی ہونے کا بہانہ کرکے صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں پہنچ

گیا تھا۔اس کے پانچ آدمی تاجروں کے بھیس میں تھے۔ان میں کرسٹوفر نام کے ایک آدمی نے ایوبی پر تیر چلایا مگر تیر خطا گیا۔پانچوں آدمی پکڑے گئے اور ساتوں لڑکیاں بھی پکڑی گئیں۔انہوں نے کہانی تو اچھی گھڑلی تھی۔سلطان ایوبی نے لڑکیوں کو پناہ میں لے لیا اور پانچوں آدمیوں کو چھوڑ دیا تھا،مگر ایوبی کا ایک ماہر سراغ رساں جس کا نام علی بن سفیان ہے، اچانک آگیا۔اس نے سب کو گرفتار کر لیا اور پانچ میں سے ایک آدمی کو سب کے سامنے قتل کرا کے دوسروں سے اقبال جرم کروالیا۔جاسوس نے کہا......... ''میں نے اپنے متعلق بتایا تھا کہ میں ڈاکٹر ہوں،اس لیے سلطان نے مجھے زخمیوں کی مرہم پٹی کی ڈیوٹی دے دی۔وہیں مجھے یہ اطلاع ملی کہ سوڈانیوں نے بغاوت کی تھی جو دبالی گئی ہے اور سوڈانی افسروں اور لیڈروں کو ایوبی نے گرفتار کر لیا ہے۔رابن، چار آدمی اور چھ لڑکیاں ایوبی کی قید میں ہیں،لیکن ابھی تک ساحل پر ہیں۔ساتویں لڑکی جو سب سے زیادہ ہوشیار ہے،لاپتہ ہے۔اُس کا نام موبینا ارتلاس ہے،موبی کہلاتی ہے۔ایوبی بھی کیمپ میں نہیں ہے اور اس کا سراغ رساں علی بن سفیان بھی وہاں نہیں ہے۔میں بڑی مشکل سے نکل کر آیا ہوں۔بڑی زیادہ اُجرت پر تیز رفتار کشتی مل گئی تھی۔میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ رابن،اس کے آدمی اور لڑکیاں موت کے خطرے میں ہیں۔مردوں کا ہمیں فکر نہیں کرنا چاہیے،لڑکیوں کو بچانا لازمی ہے۔آپ جانتے ہیں کہ سب جوان ہیں اور چنی ہوئی خوب صورت ہیں۔مسلمان ان کا جو حال کر رہے ہوں گے،اس کا تصور آپ کر سکتے ہیں''۔

''ہمیں یہ قربانی دینی پڑے گی''.........شاہ آگسٹس نے کہا۔

''اگر مجھے یقین دلا دیا جائے کہ لڑکیوں کو جان سے مار دیا جائے گا تو میں یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہوں''.........ریمانڈ نے کہا......... ''مگر ایسا نہیں ہوگا،مسلمان ان کے ساتھ وحشیوں کا سلوک کر رہے ہوں گے۔لڑکیاں ہم پر لعنت بھیج رہی ہوں گی۔میں انہیں بچانے کی کوشش کروں گا''۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے''.........رابرٹ نے کہا......... ''کہ مسلمان،ان لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کر کے ہمارے خلاف جاسوسی کے لیے استعمال کرنے لگیں۔بہر حال ہمارا یہ فرض ہے کہ انہیں قید سے آزاد کرائیں۔میں اس کے لیے اپنا آدھا خزانہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہوں''۔

''یہ لڑکیاں صرف اس لیے قیمتی نہیں کہ یہ لڑکیاں ہیں''.........جاسوس نے کہا......... ''وہ دراصل تربیت یافتہ ہیں۔اتنے خطرناک کام کے لیے ایسی لڑکیاں ملتی ہی کہاں ہیں۔آپ کسی جوان لڑکی کو ایسے کام کے لیے تیار نہیں کر سکتے کہ وہ دشمن کے پاس جا کر اپنا آپ دشمن کے حوالے کر دے۔دشمن کی عیاشی کا ذریعہ بنے اور جاسوسی اور تخریب کاری کرے۔اس کام میں عزت تو سب سے پہلے دینی پڑتی ہے اور یہ خطرہ تو ہر وقت لگا رہتا ہے کہ جوں ہی دشمن کو پتہ چلے گا کہ یہ لڑکی جاسوس ہے تو اسے اذیتیں دی جائیں گی،پھر اسے جان سے مار دیا جائے گا.........ان لڑکیوں کو ہم نے زر کثیر صرف کر کے حاصل کیا،پھر ٹریننگ دی تھی اور انہیں بڑی محنت سے مصر اور عرب کی زبان سکھائی تھی۔ایک ہی بار سات تجربہ کار لڑکیوں کو ضائع کرنا عقل مندی نہیں''۔

''کیا تم اعتماد سے کہہ سکتے ہو کہ لڑکیوں کو ایوبی کے کیمپ سے نکالا جا سکتا ہے؟''.........آگسٹس نے پوچھا

''جی ہاں!''.........جاسوس نے کہا......... ''نکالا جا سکتا ہے۔اس کے لیے غیر معمولی طور پر دلیر اور پختہ کار آدمیوں کی ضرورت ہے مگر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دو دنوں تک رابن،اس کے چاروں آدمیوں اور لڑکیوں کو قاہرہ لے جائیں۔وہاں سے نکالنا بہت ہی مشکل ہوگا۔اگر ہم وقت ضائع نہ کریں تو ہم انہیں کیمپ میں ہی جالیں گے۔آپ مجھے بیس

آدمی دے دیں۔ میں ان کی راہنمائی کروں گا، لیکن آدمی ایسے ہوں جو جان پر کھیلنا جانتے ہوں"۔

"ہمیں ہر قیمت پر ان لڑکیوں کو واپس لانا ہے"............ ایملرک نے گرج کر کہا۔ اس پر بحیرۂ روم میں جو بیتی تھی، اس کا وہ انتقام لینے کو پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ صلیبیوں کے متحدہ بیڑے اور اس بیڑے میں سوار لشکر کا سپریم کمانڈر بن کر اس اُمید پر گیا تھا کہ مصر کی فتح کی سہرا اس کے سر بندھے گا، مگر صلاح الدین ایوبی نے اسے مصر کے ساحل کے قریب بھی نہ جانے دیا۔ وہ جلتے ہوئے جہاز میں زندہ جل جانے سے بچا تو طوفان نے گھیر لیا۔ اب بات کرتے اس کے ہونٹ کانپتے تھے اور وہ زیادہ تر باتیں میز پر مکے مار کر یا اپنی ران پر زور زور سے ہاتھ مار کر اپنے جذبات کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے کہا............ "میں لڑکیوں کو بھی لاؤں گا اور صلاح الدین کو قتل بھی کرواؤں گا۔ میں انہی لڑکیوں کو مسلمانوں کی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے استعمال کروں گا"۔

"میں سچے دل سے آپ کی تائید کرتا ہوں شاہ ایملرک!"............ ریمانڈ نے کہا............ "ہمیں تربیت یافتہ لڑکیوں کو اتنی آسانی سے ضائع نہیں کرنا چاہیے نہ ہم کریں گے۔ آپ سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ شام کے حرموں میں ہم کتنی لڑکیاں داخل کر چکے ہیں۔ کئی مسلمان گورنر اور امیر ان لڑکیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ بغداد میں یہ لڑکیاں اُمراء کے ہاتھوں ایسے متعدد افراد کو قتل کرا چکی ہیں جو صلیب کے خلاف نعرہ لے کر اُٹھے تھے۔ مسلمانوں کی خلافت کو ہم نے عورت اور شراب سے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں اتحاد نہیں رہا۔ وہ عیش و عشرت میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔ صرف دو آدمی ہیں جو اگر زندہ رہے تو ہمارے لیے مستقل خطرہ بنے رہیں گے۔ ایک نور الدین زنگی اور دوسرا صلاح الدین ایوبی۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی زیادہ دیر تک زندہ رہا تو ہمارے لیے اسلام کو ختم کرنا آسان نہیں ہوگا۔ اگر صلاح الدین ایوبی نے سوڈانیوں کی بغاوت دبا لی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اُس حد سے زیادہ خطرناک ہے، جس حد تک ہم اسے سمجھتے رہے ہیں۔ ہمیں میدانِ جنگ سے ہٹ کر تخریب کاری کا محاذ بھی کھولنا پڑے گا۔ مسلمانوں میں تفرقہ اور بے اطمینانی پھیلانے کے لیے ہمیں ان لڑکیوں کی ضرورت ہے"۔

"ہمیں اپنے کامیاب تجربوں سے فائدہ اُٹھانا چاہیے"............ لوئی ہفتم کے بھائی رابرٹ نے کہا............ "عرب میں ہم مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا چکے ہیں۔ مسلمان عورت، شراب اور دولت سے اندھا ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو مارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے مسلمان کے ہاتھوں مرواؤ۔ مسلمان کو ذہنی عیاشی کا سامان مہیا کر دو تو وہ اپنے دین اور ایمان سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ تم مسلمان کا ایمان آسانی سے خرید سکتے ہو"............ اس نے عرب کے کئی امراء اور وزراء کی مثالیں دیں جنہیں صلیبیوں نے عورت، شراب اور دولت سے خرید لیا تھا اور انہیں اپنا در پردہ دوست بنا لیا تھا۔

کچھ دیر مسلمانوں کی کمزوریوں کے متعلق باتیں ہوئیں پھر لڑکیوں کو آزاد کرانے کے عملی پہلوؤں پر غور ہوا۔ آخر یہ طے پایا کہ بیس نہایت دلیر آدمی اس کام کے لیے روانہ کیے جائیں اور وہ اگلی شام تک روانہ ہو جائیں۔ اسی وقت چار پانچ کمانڈروں کو بلایا گیا۔ انہیں اصل مقصد اور مہم بتا کر کہا گیا کہ بیس آدمی منتخب کریں۔ کمانڈروں نے تھوڑی دیر اس مہم کے خطروں کے متعلق بحث مباحثہ کیا۔ ایک کمانڈر نے کہا............ "ہم پہلے ہی ایک ایسی فورس تیار کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے کیمپوں پر شب خون مارا کرے گی اور ان کی متحرک فوج پر بھی رات کو حملے کر کے پریشان کرتی رہے گی۔ اس فورس کے لیے ہم نے چند ایک آدمی منتخب کیے ہیں"۔

"لیکن یہ آدمی سو فیصد قابلِ اعتماد ہونے چاہئیں"............ آگسٹس نے کہا۔ "وہ ہماری تمہاری نظروں سے

او جمل ہو کر یہ کام کریں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کریں اور واپس آ کر کہیں کہ وہ بہت کچھ کر کے آئے ہیں"۔

"آپ یہ سن کر حیران ہوں گے"............ایک کمانڈر نے کہا............"کہ ہماری فوج میں ایسے سپاہی بھی ہیں جنہیں ہم نے جیل خانوں سے حاصل کیا ہے، یہ ڈاکو، چور اور رہزن تھے۔ انہیں بڑی بڑی لمبی سزائیں دی گئی تھیں۔ انہیں جیل خانوں میں مرنا ہی تھا۔ ہم نے ان سے بات کی تو وہ جوش و خروش سے فوج میں آ گئے۔ آپ کو شاید یہ معلوم کر کے بھی حیرت ہو کہ ناکام حملے میں ان سزا یافتہ مجرموں نے بڑی بہادری سے کئی جہاز بچائے ہیں............ میں لڑکیوں کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کی مہم میں ایسے تین آدمی بھیجوں گا"۔

مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں عیش و عشرت کا رجحان بڑھ گیا اور اتحاد ختم ہو رہا تھا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو اخلاقی تباہی تک پہنچانے میں ذہنی عیاشی کا ہر سامان مہیا کیا............اب انہیں یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کو ایک ہی حملے میں ختم کر دیں گے، چنانچہ ان کے خلاف عیسائی دُنیا میں نفرت کی طوفانی مہم چلائی گئی اور ہر کسی کو اسلام کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی۔ اس کے جواب میں معاشرے کے ہر شعبے کے لوگ صلیبی لشکر میں شامل ہونے لگے۔ ان میں پادری بھی شامل ہوئے اور عادی مجرم بھی گناہوں سے توبہ کر کے مسلمانوں کے خلاف مسلح ہو گئے۔ بعض ملکوں کے جیل خانوں میں جو مجرم لمبی قید کی سزائیں بھگت رہے تھے، وہ بھی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ان مجرموں کے متعلق عیسائیوں کا تجربہ غالباً اچھا تھا، جس کے پیش نظر ایک کمانڈر نے لڑکیوں کو آزاد کرانے اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کے لیے قیدی مجرموں کا انتخاب کیا تھا۔

صبح تک بیس انتہائی دلیر اور ذہین آدمی چن لیے گئے۔ ان میں میکنا ماریوس بھی تھا جسے روم کے جیل خانے سے لایا گیا تھا۔ اس جاسوس کو جو ڈاکٹر کے بہروپ میں سلطان ایوبی کے کیمپ میں رہا اور فرار ہو کر آیا تھا، اس کمانڈو پارٹی کا کمانڈر اور گائیڈ مقرر کیا گیا۔ اس پارٹی کو یہ مشن دیا گیا کہ لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے نکالنا ہے۔ اگر رابن اور اس کے چار ساتھیوں کو بھی آزاد کرایا جا سکے تو کرا لینا، ورنہ ان کے لیے کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا مشن تھا، صلاح الدین کا قتل۔ اس پارٹی کو کوئی عملی ٹریننگ نہ دی گئی۔ صرف زبانی ہدایات اور ضروری ہتھیار دے کر اسی روز ایک بادبانی کشتی میں ماہی گیروں کے بھیس میں روانہ کر دیا گیا۔

☆

جس وقت یہ کشتی اٹلی کے ساحل سے روانہ ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی سوڈانیوں کی بغاوت کو مکمل طور پر دبا چکا تھا۔ سوڈانیوں کے بہت سے کمان دار مارے گئے یا زخمی ہو گئے تھے اور بہت سے سلطان ایوبی کے دفتر کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال کر شکست اور سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ وہ سلطان کے حکم کے منتظر تھے۔ سلطان اندر بیٹھا اپنے سالاروں وغیرہ کو احکام دے رہا تھا۔ علی بن سفیان بھی موجود تھا۔ اس فتح میں اس کا بہت عمل دخل تھا۔ صلیبیوں کو شکست دینے میں بھی اس کے نظام جاسوسی نے بہت کام کیا تھا، بلکہ یہ دونوں کامیابیاں جاسوسی کے نظام کی ہی کامیابیاں تھیں۔ سلطان ایوبی کو جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا............"علی! ہمیں ان جاسوس لڑکیوں اور اُن کے ساتھیوں کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ وہ ابھی تک ساحل پر قیدی کیمپ میں ہیں۔ ان سب کو فوراً یہاں لانے کا بندوبست کرو اور تہ خانے میں ڈال دو"۔

"میں ابھی پیغام بھجوا دیتا ہوں"............علی بن سفیان نے کہا............"ان سب کو یہاں پہرے میں بلوا لینا

ہوں......... سلطان! آپ شاید ساتویں لڑکی کو بھول گئے ہیں۔ وہ سوڈانیوں کے ایک کمان دار بالیان کے پاس تھی۔ اسی لڑکی سے جاسوسوں اور بغاوت کا انکشاف ہوا تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بالیان ان کمان داروں میں نہیں ہے جو باہر موجود ہیں اور وہ زخمیوں میں بھی نہیں ہے اور وہ مرے ہوؤں میں بھی نہیں ہے۔ مجھے شک ہے کہ ساتویں لڑکی جس کا نام فخرالمصری نے موبی بتایا تھا، بالیان کے ساتھ کہیں روپوش ہوگئی ہے"۔

"اپنا شک رفع کرو علی" .... سلطان ایوبی نے کہا......... "یہاں مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ بالیان لاپتہ ہے تو وہ بحیرۂ روم کی طرف نکل گیا ہوگا۔ صلیبیوں کے سوا اسے اور کون پناہ دے سکتا ہے۔ بہر حال ان جاسوسوں کو تہہ خانوں میں ڈالو دو اور اپنے جاسوس فوراً تیار کر کے سمندر پار بھیج دو"۔

"زیادہ ضروری تو یہ ہے کہ اپنے جاسوس اپنے ہی ملک میں پھیلا دیئے جائیں"۔ یہ مشورہ دینے والا سلطان نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی فوج کا سالار تھا۔ اس نے کہا......... "ہمیں صلیبیوں کی طرف سے اتنا خطرہ نہیں، جتنا اپنے مسلمان امراء سے ہے۔ اپنے جاسوس ان کے حرموں میں داخل کر دیئے جائیں تو بہت سی سازشیں بے نقاب ہوں گی"۔ اُس نے تفصیل سے بتایا کہ یہ خودساختہ حکمران کس طرح صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ سلطان زنگی اکثر پریشان رہتے ہیں کہ باہر کے حملوں کو روکیں یا اپنے گھر کو اپنے ہی چراغ سے جلنے سے بچائیں۔

صلاح الدین ایوبی نے یہ روائیداد غور سے سنی اور کہا......... "اگر تم لوگ جن کے پاس ہتھیار ہیں، دیانت دار اور اپنے مذہب سے مخلص رہے تو باہر حملے اور اندر کی سازشیں قوم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ تم اپنی نظر سرحدوں سے دور آگے لے جاؤ۔ سلطنت اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ تم نے جس روز اپنے آپ کو اور خدا کے اس عظیم مذہب اسلام کو سرحدوں میں پابند کر لیا اور اس روز سے یوں سمجھو کہ تم اپنے ہی قید خانے میں قید ہو جاؤ گے۔ پھر تمہاری سرحدیں سکڑنے لگیں گی۔ اپنی نظریں بحیرۂ روم سے آگے لے جاؤ۔ سمندر تمہارا راستہ نہیں روک سکتے۔ گھر کے چراغوں سے نہ ڈرو، یہ تو ایک پھونک سے گل ہو جائیں گے۔ ان کی جگہ ہم ایمان کے چراغ روشن کر دیں گے"۔

"ہمیں اُمید ہے کہ ہم ایمان فروشی کو روک لیں گے، سلطانِ محترم!" .... سالار نے کہا......... "ہم مایوس نہیں"۔

"صرف دو لعنتوں سے بچو میرے عزیز رفیقو!" .... سلطان ایوبی نے کہا......... "مایوسی اور ذہنی عیاشی۔ انسان پہلے مایوس ہوتا ہے، پھر ذہنی عیاشی کے ذریعے راہِ فرار اختیار کرتا ہے"۔

اس دوران علی بن سفیان جا چکا تھا۔ اس نے فوراً ایک قاصد بحیرۂ روم کے کیمپ کی طرف اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ رابن، اس کے چار ساتھیوں اور لڑکیوں کو گھوڑوں یا اونٹوں پر سوار کر کے بیس محافظوں کے پہرے میں دارالحکومت کو بھیج دو......... قاصد کو روانہ کر کے اس نے اپنے ساتھ چھ سات سپاہی لیے اور کمان دار بالیان کی تلاش میں نکل گیا۔ اس نے ان سوڈانی کمان داروں سے جو باہر بیٹھے تھے، بالیان کے متعلق پوچھ لیا تھا۔ سب نے کہا تھا کہ اسے لڑائی میں کہیں بھی نہیں دیکھا گیا تھا اور نہ ہی وہ اس فوج کے ساتھ گیا تھا جو بحیرۂ روم کی طرف سلطان کی فوج پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ علی بن سفیان بالیان کے گھر گیا تو وہاں اس کی دو بوڑھی خادماؤں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ بالیان کے گھر میں پانچ لڑکیاں تھیں۔ ان میں جس کی عمر ذرا زیادہ ہو جاتی تھی، اسے وہ غائب کر دیتا اور اس کی جگہ جوان لڑکی لے آتا تھا۔ ان خادماؤں نے بتایا کہ بغاوت سے پہلے اس کے پاس ایک فرنگی لڑکی آئی تھی جو غیر معمولی طور پر خوب

صورت اور ہوشیار تھی۔ بالیان اس کا غلام ہو گیا تھا۔ بغاوت کے ایک روز بعد جب سوڈانیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو بالیان رات کے وقت گھوڑے پر سوار ہوا، دوسرے گھوڑے پر اس فرنگی لڑکی کو سوار کیا اور معلوم نہیں، دونوں کہاں روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ سات گھوڑ سوار تھے۔ حرم کی لڑکیوں کے متعلق بوڑھیوں نے بتایا کہ وہ گھر میں جو ہاتھ لگا اٹھا کر چلی گئی ہیں۔

علی بن سفیان وہاں سے واپس ہوا تو ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا آیا اور علی بن سفیان کے سامنے رُکا۔ اس پر فخر المصری سوار تھا۔ کود کر گھوڑے سے اُترا اور ہانپتی کانپتی آواز میں بولا............ "میں آپ کے پیچھے آیا ہوں۔ میں بھی اسی بد بخت بالیان اور اس کافر لڑکی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ میں ان سے انتقام لوں گا۔ جب تک ان دونوں کو اپنے ہاتھوں قتل نہیں کرلوں گا، مجھے چین نہیں آئے گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کدھر گئے ہیں۔ میں نے ان کا پیچھا کیا ہے، لیکن ان کے ساتھ سات مسلح محافظ ہیں، میں اکیلا تھا۔ وہ بحیرۂ روم کی طرف جا رہے ہیں، مگر عام راستے سے ہٹ کر جا رہے ہیں"............ اس نے علی بن سفیان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے صرف چار سپاہی دے دیں، میں ان کے تعاقب میں جاؤں گا اور انہیں ختم کر کے آؤں گا"۔

علی بن سفیان نے اسے اس وعدے سے ٹھنڈا کیا کہ وہ اسے چار کی بجائے بیس سوار دے گا۔ وہ ساحل سے آگے اتنی جلدی نہیں جا سکتے۔ میرے ساتھ رہو۔ علی بن سفیان مطمئن ہو گیا کہ یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔

☆

اُس وقت بالیان اس صلیبی لڑکی کے ساتھ جس کا نام موبی تھا، ساحل کی طرف جانے والے عام راستے سے ہٹ کر دور جا چکا تھا۔ ان علاقوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سوڈانی فوج اور اس کے کمانداروں کو صلاح الدین ایوبی نے معافی دے دی ہے۔ ایک تو وہ سلطان کے عتاب سے بھاگ رہا تھا اور دوسرے یہ کہ وہ موبی جیسی حسین لڑکی کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی حسین لڑکیاں صرف مصر اور سوڈان میں ہی ہیں، مگر اٹلی کی اس لڑکی کے حسن اور دل کشی نے اسے اندھا کر دیا تھا۔ اس کی خاطر وہ اپنا رُتبہ، اپنا مذہب اور اپنا ملک ہی چھوڑ رہا تھا، لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ موبی اس سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ جس مقصد کے لیے آئی تھی، وہ ختم ہو چکا تھا۔ گو مقصد تباہ ہو گیا تھا، تاہم موبی اپنا کام کر چکی تھی۔ اس کے لیے اس نے اپنے جسم اور اپنی عزت کی قربانی دی تھی۔ وہ ابھی تک اپنی عمر سے دُگنی عمر کے آدمی کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔

بالیان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ موبی اسے بُری طرح چاہتی ہے، مگر موبی اس سے نفرت کرتی تھی۔ وہ چونکہ مجبور تھی، اس لیے اکیلی بھاگ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس مقصد کیلئے بالیان کو ساتھ لیے ہوئے تھی کہ اسے اپنی حفاظت کی ضرورت تھی۔ اُسے بحیرۂ روم پار کرنا تھا یا رابن تک پہنچنا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ رابن اور اس کے ساتھی جو تاجروں کے بھیس میں تھے، پکڑے جا چکے ہیں۔ اس مجبوری کے تحت وہ بالیان کے ہاتھ میں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ وہ کئی بار اسے کہہ چکی تھی کہ تیز چلو اور پڑاؤ کم کرو، ورنہ پکڑے جائیں گے، لیکن بالیان جہاں اچھی جگہ دیکھتا رُک جاتا۔ اس نے شراب کا ذخیرہ اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

ایک رات موبی نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے بالیان کو اتنی زیادہ پلا دی کہ وہ بے سدھ ہو گیا۔ ان کے ساتھ جو سات محافظ تھے، وہ کچھ پرے سو گئے تھے۔ موبی نے دیکھا تھا کہ ان میں ایک ایسا ہے جو جوان ہے اور سب پر چھایا رہتا ہے۔ بالیان زیادہ تر اسی کے ساتھ ہر بات کیا کرتا تھا۔ موبی نے اسے جگایا اور تھوڑی دور لے گئی۔ اسے

کہا..........''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کون ہوں، کہاں سے آئی ہوں اور یہاں کیوں آئی تھی۔ میں تم لوگوں کے لیے مدد لائی تھی، تاکہ تم صلاح الدین ایوبی جیسے غیر ملکیوں سے آزاد ہو سکو مگر تمہارا یہ کمان دار بالیان اس قدر عیاش آدمی ہے کہ اس نے شراب پی کر بدمست ہو کر میرے جسم کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ عقل مندی سے بغاوت کا منصوبہ بناتا اور فتح حاصل کرتا، اس نے مجھے اپنے حرم کی لونڈی بنالیا اور اندھا دھند فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایسی لاپرواہی سے حملہ کروایا کہ ایک ہی رات میں تمہاری اتنی بڑی فوج ختم ہو گئی۔

''تمہاری شکست کا ذمہ دار یہ شخص ہے۔ اب یہ میرے ساتھ صرف عیاشی کے لیے جا رہا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ میں اسے سمندر پار لے جاؤں، اسے اپنی فوج میں رُتبہ دلاؤں اور اس کے ساتھ شادی کرلوں، مگر مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر مجھے شادی ہی کرنی ہے اور اپنے ملک میں لے جا کر اسے فوج میں رُتبہ دلانا ہے تو مجھے ایسے آدمی کا انتخاب کرنا چاہیے، جو میرے دل کو اچھا لگے۔ وہ آدمی تم ہو، تم جوان ہو، دلیر ہو، عقل مند ہو، میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے، تمہیں چاہ رہی ہوں۔ مجھے اس بوڑھے سے بچاؤ۔ میں تمہاری ہوں۔ سمندر پار چلو۔ فوج کا رُتبہ اور مال و دولت تمہارے قدموں میں ہوگا، مگر اس آدمی کو یہیں ختم کرو۔ وہ سویا ہوا ہے، اسے قتل کر دو اور آؤ نکل چلیں''۔

اس نے محافظ کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ محافظ اس کے حسن میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے دیوانہ وار لڑکی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ موبی اس جادوگری کی ماہر تھی۔ وہ ذرا پرے ہٹ گئی۔ محافظ اس کی طرف بڑھا تو عقب سے ایک برچھی اس کی پیٹھ میں اُتر گئی۔ اس کے منہ سے ہائے نکلی اور وہ پہلو کے بل لڑھک گیا۔ برچھی اس کی پیٹھ سے نکلی اور اسے آواز سنائی دی..........''نمک حرام کو زندہ رہنے کا حق نہیں''۔ لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ وہ اُٹھی اور اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ تم نے اسے قتل کر دیا ہے کہ پیچھے سے ایک ہاتھ نے اس کے بازو کو جکڑ لیا اور جھٹکا دے کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اسے بالیان کے پاس پھینک کر کہا..........''ہم اس شخص کے پالے ہوئے دوست ہیں۔ ہماری زندگی اسی کے ساتھ ہے۔ تم ہم میں سے کسی کو اس کے خلاف گمراہ نہیں کر سکتی۔ جو گمراہ ہوا اس نے سزا پالی ہے''۔

بالیان شراب کے نشے میں بے ہوش پڑا تھا۔

''تم لوگوں نے یہ بھی سوچا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو؟''..........موبی نے پوچھا۔

''سمندر میں ڈوبنے''..........ایک نے جواب دیا..........''تمہارے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، جہاں تک بالیان جائے گا، ہم وہیں تک جائیں گے''..........اور وہ دونوں جا کر لیٹ گئے۔

دوسرے دن بالیان جاگا تو اسے رات کا واقعہ بتایا گیا۔ موبی نے کہا کہ وہ مجھے جان کی دھمکی دے کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ بالیان نے اپنے محافظوں کو شاباش دی، مگر ان کی یہ بات سنی ان سنی کر دی کہ یہ لڑکی اسے گمراہ کر کے لے گئی تھی اور انہوں نے اس کی باتیں سنی تھیں۔ وہ موبی کے حسن اور شراب میں مدہوش ہو کر سب کچھ بھول گیا۔ موبی نے اسے ایک بار پھر کہا کہ تیز چلنا چاہیے، مگر بالیان نے پروانہ کی۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ موبی اب آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ اپنے دوستوں کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

علی بن سفیان نے نہ جانے کیا سوچ کر ان کا تعاقب نہ کیا۔ بغاوت کے بعد کے حالات کو معمول پر لانے کے لیے، وہ سلطان ایوبی کے ساتھ بہت مصروف ہو گیا تھا۔

☆

ساحل کے کیمپ سے رابن، اس کے چاروں ساتھیوں اور چھ لڑکیوں کو پندرہ محافظوں کی گارڈ میں قاہرہ کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ قامدان سے پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ قیدی اونٹوں پر تھے اور گارڈ گھوڑوں پر۔ وہ معمول کی رفتار پر جا رہے تھے اور معمول کے مطابق پڑاؤ کر رہے تھے۔ وہ بے خوف و خطر جا رہے تھے وہاں کسی دشمن کے حملے کا ڈر نہیں تھا۔ قیدی نہتے تھے اور ان میں چھ لڑکیاں تھیں۔ کسی کے بھاگنے کا بھی ڈر نہیں تھا، مگر وہ یہ بھول رہے تھے کہ یہ قیدی تربیت یافتہ جاسوس ہیں، بلکہ یہ لڑاکے جاسوس تھے۔ ان میں جو تاجروں کے بھیس میں پکڑے تھے، وہ چنے ہوئے تیر انداز اور تیغ زن تھے اور لڑکیاں محض لڑکیاں نہیں تھیں، جنہیں وہ کمزور عورت ذات سمجھ رہے تھے۔ ان لڑکیوں کی جسمانی دلکشی، یورپی رنگت کی جاذبیت، جوانی اور ان کی بے حیائی ایسے ہتھیار تھے جو اچھے اچھے جابر حکمرانوں سے ہتھیار ڈلوا لیتے تھے۔

محافظوں کا کمانڈر مصری تھا۔ اس نے دیکھا کہ ان چھ میں سے ایک لڑکی اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے اور وہ جب اسے دیکھتا ہے تو لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ یہ مسکراہٹ اس مصری کو موم کر رہی تھی۔ شام کے وقت انہوں نے پہلا پڑاؤ کیا تو سب کو کھانا دیا گیا۔ اس لڑکی نے کھانا نہ کھایا۔ کمانڈر کو بتایا گیا، تو اس نے لڑکی کے ساتھ بات کی۔ لڑکی اس کی زبان بولتی اور سمجھتی تھی۔ لڑکی کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہے۔

رات کو جب سب سو گئے تو کمانڈر اُٹھا۔ اس نے لڑکی کو جگایا اور الگ لے گیا۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ وہ ایک مظلوم لڑکی ہے، اسے فوجیوں نے ایک گھر سے اغوا کیا اور اپنے ساتھ رکھا۔ پھر اسے جہاز میں اپنے ساتھ لائے جہاں وہ ایک افسر کی داشتہ بنی رہی۔ دوسری لڑکیوں کے متعلق اس نے بتایا کہ ان کے ساتھ اس کی ملاقات جہاز میں ہوئی تھی۔ انہیں بھی اغوا کر کے لایا گیا تھا۔ اچانک جہازوں پر آگ برسنے لگی اور جہاز جلنے لگے۔ ان لڑکیوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا گیا۔ کشتی انہیں اس ساحل پر لے آئی، جہاں انہیں جاسوس سمجھ کر قید میں ڈال دیا گیا۔

یہ وہی کہانی تھی جو تاجروں کے بھیس میں جاسوسوں نے ان لڑکیوں کے متعلق صلاح الدین ایوبی کو سنائی تھی۔ مصری گارڈ کمانڈر کو معلوم نہیں تھا۔ وہ یہ کہانی پہلی بار سن رہا تھا۔ اسے تو حکم ملا تھا کہ یہ خطرناک جاسوس ہیں۔ انہیں قاہرہ لے جا کر سلطان کے ایک خفیہ محکمے کے حوالے کرنا ہے۔ اس حکم کے پیش نظر وہ ان لڑکیوں کی یا اس لڑکی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اس لڑکی کو اپنی مجبوری بتا دی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ لڑکی کی ترکش میں ابھی بہت سے تیر باقی ہیں۔ لڑکی نے کہا۔ ''میں تم سے کوئی مدد نہیں مانگتی، تم اگر میری مدد کرو گے تو میں تمہیں روک دوں گی، کیونکہ تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ اپنی خاطر تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ میرا کوئی غم خوار نہیں۔ میں ان لڑکیوں کو بالکل نہیں جانتی اور ان آدمیوں کو بھی نہیں جانتی۔ تم مجھے رحم دل بھی لگتے ہو اور میرے دل کو بھی اچھے لگتے ہو، اس لیے تمہیں یہ باتیں بتا رہی ہوں''۔

اتنی خوب صورت لڑکی کے منہ سے اس قسم کی باتیں سن کر کون سا مرد اپنے آپ میں رہ سکتا ہے۔ یہ لڑکی مجبور بھی تھی۔ رات کی تنہائی بھی تھی۔ مصری کی مردانگی پگھلنے لگی۔ اس نے لڑکی کے ساتھ دوستانہ باتیں شروع کر دیں۔ لڑکی نے ایک اور تیر چلایا اور صلاح الدین ایوبی کے کردار پر زہر اُگلنے لگی۔ اس نے کہا.......... ''میں نے تمہارے گورنر صلاح الدین ایوبی کو اپنی مظلومیت کی یہ کہانی سنائی تھی۔ مجھے اُمید تھی کہ وہ میرے حال پر رحم کرے گا، مگر اس نے مجھے اپنے خیمے میں رکھ لیا اور شراب پی کر میرے ساتھ بدکاری کرتا رہا۔ اس وحشی نے میرا جسم توڑ دیا ہے۔ شراب پی کر وہ اتنا وحشی بن جاتا ہے کہ اس میں انسانیت رہتی ہی نہیں''۔

مصری کا خون کھولنے لگا۔ اس نے بدک کر کہا.......... ''ہمیں کہا گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی مومن ہے، فرشتہ

ہے، شراب اور عورت سے نفرت کرتا ہے"۔

"مجھے اب اسی کے پاس لے جایا جا رہا ہے"...... لڑکی نے کہا...... "اگر تمہیں یقین نہ آئے تو رات کو دیکھ لینا کہ میں کہاں ہوں گی۔ وہ مجھے قید خانے میں نہیں ڈالے گا، اپنے حرم میں رکھ لے گا۔ مجھے اس آدمی سے ڈر آتا ہے"...... اس قسم کی بہت سی باتوں سے لڑکی نے اس مصری کے دل میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت پیدا کر دی اور وہ پوری طرح مصری پر چھا گئی۔ اس کے دل اور دماغ پر قبضہ کر لیا۔ مصری کو معلوم نہیں تھا کہ یہی ان لڑکیوں کا ہتھیار ہے۔ لڑکی نے آخر میں اسے کہا...... "اگر تم مجھے اس ذلیل زندگی سے نجات دلا دو تو میں ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو جاؤں گی اور میرا باپ تمہیں سونے کی اشرفیوں سے مالا مال کر دے گا"۔ اُس نے اس کا طریقہ یہ بتایا...... "میرے ساتھ سمندر پار بھاگ چلو۔ کشتیوں کی کمی نہیں۔ میرا باپ بہت امیر آدمی ہے۔ میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں گی اور میرا باپ تمہیں نہایت اچھا مکان اور بہت سی دولت دے گا۔ تم تجارت کر سکتے ہو"۔

مصری کو یہ یاد رہ گیا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اپنا مذہب ترک نہیں کر سکتا۔ لڑکی نے ذرا سوچ کر کہا...... "میں تمہارے لیے اپنا مذہب چھوڑ دوں گی"...... اس کے بعد وہ فرار اور شادی کا پروگرام بنانے لگے۔ لڑکی نے اسے کہا...... "میں تم پر زور نہیں دیتی، اچھی طرح سوچ لو۔ میں صرف جاننا چاہتی ہوں کہ میرے دل میں تمہاری جو محبت پیدا ہو گئی ہے، اتنی تمہارے دل میں بھی پیدا ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر تم مجھے قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہو تو سوچ لو اور کوشش کرو کہ قاہرہ تک ہمارا سفر لمبا ہو جائے۔ ہم ایک بار وہاں پہنچ گئے تو پھر تم میری بو بھی نہیں سونگھ سکو گے"۔

لڑکی کا مقصد صرف اتنا سا تھا کہ سفر لمبا ہو جائے اور تین دنوں کی بجائے چھ دن راستے میں ہی گزر جائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رابن اور اس کے ساتھی فرار کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ وہ اس کوشش میں تھے کہ رات کو سوئے ہوئے محافظوں کے ہتھیار اُٹھا کر انہیں قتل کیا جائے، جو ناممکن سا کام تھا یا اُن کے گھوڑے چُرا کر بھاگا جائے۔ ابھی تو پہلا ہی پڑاؤ تھا۔ اُن کی ضرورت یہ تھی کہ سفر لمبا ہو جائے تاکہ اطمینان سے سوچ سکیں اور عمل کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اس لڑکی کو استعمال کیا، وہ محافظوں کے کمانڈر کو قبضے میں لے لے۔ لڑکی نے پہلی ملاقات میں ہی یہ مقصد حاصل کر لیا اور مصری کو منہ مانگی قیمت دے دی۔ مصری کوئی ایسا بڑا ارتبے والا آدمی نہیں تھا۔ معمولی سا عہدے دار تھا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ کہاں ایک جیتی جاگتی لڑکی جو اس کے تصوروں سے بھی زیادہ خوب صورت تھی، اس کی لونڈی بن گئی تھی۔ وہ اپنا آپ، اپنا فرض اور اپنا مذہب ہی بھول گیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی لڑکی سے الگ نہیں ہونا چاہتا تھا۔

اس پاگل پن میں اُس نے صبح کے وقت پہلا حکم یہ دیا کہ جانور بہت تھکے ہوئے ہیں، لہٰذا آج سفر نہیں ہو گا۔ محافظوں اور شتربانوں کو اس حکم سے بہت خوشی ہوئی۔ وہ محاذ کی سختیوں سے اُکتائے ہوئے تھے۔ انہیں منزل تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ دن بھر آرام کرتے رہے۔ گپ شپ لگاتے رہے اور ان کا کمانڈر اس لڑکی کے پاس بیٹھا بدمست ہوتا رہا۔ دن گزر گیا، رات آئی اور جب سب سو گئے تو مصری لڑکی کو ساتھ لیے دُور چلا گیا۔ لڑکی نے اُسے آسمان پر پہنچا دیا۔

صبح جب یہ قافلہ چلنے لگا تو مصری کمانڈر نے راستہ بدل دیا۔ اپنے دستے سے اس نے کہا کہ اس طرف اگلے پڑاؤ کے لیے بہت خوب صورت جگہ ہے۔ قریب ایک گاؤں بھی ہے جہاں مرغیاں اور انڈے مل جائیں گے۔ اس کا دستہ اس پر بھی خوش ہوا کہ کمانڈر انہیں عیش کرا رہا ہے۔ البتہ اس دستے میں دو عسکری ایسے تھے جو کمانڈر کی ان حرکتوں سے خوش نہیں تھے۔ انہوں نے اسے کہا کہ ہمارے پاس خطرناک قیدی ہیں۔ یہ سب جاسوس ہیں۔ انہیں بہت جلدی حکومت کے حوالے کر

دینا چاہیے۔ بلاوجہ سفر لمبا کرنا ٹھیک نہیں۔ مصری نے انہیں یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ یہ میری ذمہ داری ہے کہ جلدی پہنچوں یا دیر سے۔ جواب طلبی ہوئی تو مجھ سے ہوگی۔ دونوں خاموش تو ہو گئے، لیکن وہ الگ جا کر آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے۔

☆

دوپہر کے بعد انہیں دُور آگے بہت سے گدھ اُڑتے اور اُترتے نظر آئے۔ یہ اس کی نشانی تھی کہ وہاں کوئی مُردار ہے۔ وہ علاقہ مٹی اور ریت کے ٹیلوں کا تھا۔ صحرائی درخت بھی تھے۔ چلتے چلتے وہ ان ٹیلوں میں داخل ہو گئے۔ راستہ اوپر ہوتا گیا اور ایک بلند جگہ سے انہیں ایک میدان نظر آیا جہاں گِدھوں کے غول اُترتے ہوئے شور برپا کر رہے تھے۔ ذرا اور آگے گئے تو نظر آیا کہ لاشیں ہیں، بدبو بھی تھی۔ یہ اُن سوڈانیوں کی لاشیں تھیں جو بحیرۂ روم کے ساحل پر تیم سلطان ایوبی کی فوج پر حملہ کرنے چلے تھے۔ سلطان ایوبی کے جانباز سواروں نے راتوں کو ان کے عقبی حصے پر حملے کر کے یہ کشت و خون کیا اور سوڈانی فوج کو تتر بتر کر دیا تھا۔ یہاں سے آگے میلوں وسعت پر لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ سوڈانیوں کو اپنی لاشیں اُٹھانے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ قیدیوں اور محافظوں کا قافلہ چلتا رہا اور ذرا سا رُخ بدل کر لاشوں اور گِدھوں سے ہٹ گیا۔

قافلہ جب وہاں سے گزر رہا تھا تو انہوں نے دیکھا کہ لاشوں کے اِرد گرد اُن کے ہتھیار بھی بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں کمانیں اور ترکش تھے۔ برچھیاں، تلواریں اور ڈھالیں بھی تھیں۔ قیدیوں نے یہ ہتھیار دیکھ لیے۔ انہوں نے آپس میں باتیں کیں اور رابن نے اس لڑکی سے کچھ کہا جس نے مصری کمانڈر پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لاشیں اور ہتھیار دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ دائیں طرف ٹیلوں کے قریب سر سبز جگہ تھی۔ پانی بھی نظر آ رہا تھا۔ سبزہ ٹیلوں کے اوپر تک گیا ہوا تھا۔ لڑکی نے کمانڈر کو اشارہ کیا تو وہ اس کے قریب چلا گیا۔ لڑکی نے کہا...... ''یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ یہیں رُک جاتے ہیں''...... مصری نے قافلے کا رُخ پھیر دیا اور سر سبز ٹیلے کے قریب پانی کے چشمے پر جا روکا۔ رات یہیں بسر کرنی تھی۔ سب گھوڑوں اور اونٹوں سے اُترے، جانور پانی پر ٹوٹ پڑے۔ رات گزارنے کے لیے اچھی جگہ دیکھی جانے لگی۔ دو ٹیلوں کے درمیان جگہ کشادہ بھی تھی اور وہاں سبزہ بھی تھا۔ یہی جگہ منتخب کر لی گئی۔

جب رات کا اندھیرا گہرا ہوا تو سب سو گئے۔ مصری جاگ رہا تھا اور لڑکی بھی جاگ رہی تھی۔ اس رات اسے خاص طور پر جاگنا اور مصری کمانڈر کو پوری طرح مدہوش کرنا تھا۔ اسے جب خراٹوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو وہ مصری کے پاس چلی گئی۔ اسی لڑکی کی خاطر وہ سب سے الگ اور دُور ہٹ کر لیٹتا تھا۔ لڑکی اسے ٹیلے کی اوٹ میں لے گئی اور وہاں سے اور زیادہ دُور جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مصری اس کی خواہشوں کا غلام ہو گیا تھا۔ اسے احساس تک نہ تھا کہ آج رات لڑکی اُسے ایک خاص مقصد کے لیے دور لے جا رہی ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور لڑکی اسے تین ٹیلوں سے بھی پرے لے گئی۔ وہ لڑکی اور مصری کو بانہوں میں لے لیا۔ مصری بے خود ہو گیا۔

اُدھر رابن نے جب دیکھا کہ کمانڈر جا چکا ہے اور دوسرے محافظ گہری نیند سوئے ہوئے ہیں تو اس نے لیٹے لیٹے اپنے ایک ساتھی کو جگایا۔ اس نے ساتھ والے کو جگایا۔ اس طرح رابن کے چاروں ساتھی جاگ اُٹھے...... محافظ اُن سے ذرا دُور سوئے ہوئے تھے۔ مصری کمانڈر کو لڑکی نے اتنا بے پروا کر دیا تھا کہ رات کو وہ سنتری کھڑا نہیں کرتا تھا۔ پہلے رابن پیٹ کے بل رینگتا ہوا محافظوں سے دُور چلا گیا۔ اس کے بعد اس کے چاروں ساتھی بھی چلے گئے۔ ٹیلے کی اوٹ میں ہو کر وہ تیز تیز چلنے لگے اور لاشوں تک پہنچ گئے۔ ٹٹول ٹٹول کر انہوں نے تین کمانیں اور ترکش اٹھائے اور ایک ایک برچھی اٹھالی۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے لڑکی سے کہا تھا کہ وہ کمانڈر سے کہے کہ یہاں پڑاؤ کیا جائے۔ وہ ہتھیار لے کر واپس

ہوئے، اب وہ اکٹھے تھے۔

وہ سوئے ہوئے محافظوں کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ رابن نے ایک محافظ کے سینے میں برچھی مارنے کے لیے برچھی ذرا اوپر اُٹھائی۔ باقی چار بھی ایک ایک محافظ کے سر پر کھڑے تھے۔ یہ نہایت کامیاب چال تھی۔ وہ بیک وقت چار محافظوں کو ختم کر سکتے تھے اور باقی گیارہ کے سنبھلنے تک انہیں بھی ختم کرنا مشکل نہیں تھا۔ پیچھے تین شتربان تھے اور مصری کمانڈر۔ وہ آسان شکار تھے۔ رابن نے جونہی برچھی اوپر اُٹھائی، زناٹہ سا سنائی دیا اور ایک تیر رابن کے سینے میں اُتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تیر رابن کے ایک ساتھی کے سینے میں لگا، وہ ڈولے۔ ان کے تین ساتھی ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ یہ کیا ہوا ہے کہ دو اور تیر آئے اور دو اور قیدی اوندھے ہو گئے۔ آخری قیدی بھاگنے کے لیے پیچھے کو مُڑا تو ایک تیر اس کے پہلو میں اتر گیا۔ یہ کام اتنی خاموشی سے ہو گیا کہ ان محافظوں میں سے کسی کی آنکھ ہی نہ کھلی جن کے سروں پر موت آن کھڑی ہوئی تھی۔

تیر انداز آگے آئے۔ انہوں نے مشعلیں روشن کیں۔ یہ وہ دو محافظ تھے جنہوں نے اپنے کمانڈر سے کہا تھا کہ انہیں منزل پر جلدی پہنچنا چاہیے۔ وہ دیانت دار تھے۔ وہ سوئے ہوئے تھے، جب چاروں قیدی ان کے قریب سے گزرے تو اُن میں سے ایک کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے اپنے ساتھی کو جگایا اور قیدیوں کا تعاقب دبے پاؤں کیا۔ انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اگر قیدیوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو انہیں تیروں سے ختم کر دیں گے، مگر اس سے پہلے وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ اندھیرے میں انہیں جو کچھ نظر آتا رہا، وہ دیکھتے رہے۔ قیدی ہتھیار اُٹھا کر واپس آئے تو دونوں محافظ آکر ٹیلے کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گئے۔ جونہی قیدیوں نے محافظوں کو برچھیاں مارنے کے لیے برچھیاں اُٹھائیں، انہوں نے تیر چلا دیئے۔ پھر چاروں کو ختم کر دیا۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو آواز دی تو اسے لاپتہ پایا۔ اس آواز سے لڑکیاں جاگ اُٹھیں اور باقی محافظ بھی جاگے۔ لڑکیوں نے اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھیں۔ ہر ایک لاش میں ایک تیر اُترا ہوا تھا۔ لڑکیاں خاموشی سے لاشوں کو دیکھتی رہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ آدمی آج رات کیا کریں گے۔

مصری کمانڈر وہاں نہیں تھا اور ایک لڑکی بھی غائب تھی۔

محافظوں کو معلوم نہیں تھا کہ جب ان قیدی جاسوسوں کے سینوں میں تیر داخل ہوئے تھے، بالکل اسی وقت اُن کے مصری کمانڈر کی پیٹھ میں ایک خنجر اُتر گیا تھا۔ اُس کی لاش تیسرے ٹیلے کے ساتھ پڑی تھی۔ اس رات صحرا کی ریت خون کی پیاسی معلوم ہوتی تھی۔ مصری کمانڈر اپنے محافظ دستے اور قیدیوں سے بے خبر اس لڑکی کے ساتھ چلا گیا اور لڑکی اسے خاصا دور لے گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے ساتھی ایک خونی ڈرامہ کھیلیں گے۔ لڑکی مصری کو ایک ٹیلے کے ساتھ لے کے بیٹھ گئی۔

اسی ٹیلے سے ذرا پرے بالیان اور اس کے چھ محافظوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ اُن کے گھوڑے کچھ دور بندھے ہوئے تھے۔ بالیان موبی کو ساتھ لیے ٹیلے کی طرف آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی۔ موبی نے نیچے بچھانے کے لیے دری اُٹھا رکھی تھی۔ بالیان محافظوں سے دُور جا کر عیش و عشرت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دری بچھا دی اور موبی کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ وہ بیٹھے ہی تھے کہ رات کے سکوت میں انہیں قریب سے کسی کی باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ چونکے اور دم سادھ کر سننے لگے۔ آواز کسی لڑکی کی تھی۔ بالیان اور موبی دبے پاؤں اس طرف آئے اور ٹیلے کی اوٹ سے دیکھا۔ انہیں دو سائے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ ایک عورت اور ایک مرد ہے۔ موبی اور زیادہ قریب ہو گئی اور غور سے باتیں سننے لگی۔ مصری کمانڈر کے ساتھ اس لڑکی نے ایسی واضح باتیں کیں کہ موبی کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کی ساتھی لڑکی ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسے قاہرہ لے جایا جا رہا ہے۔

مصری نے جو حرکتیں اور باتیں کیں، وہ تو بالکل ہی صاف تھیں۔ کسی شک کی گنجائش نہیں تھی۔ موبی جان گئی کہ یہ مصری اس لڑکی کو اس کی مجبوری کے عالم میں عیاشی کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ موبی نے یہ بالکل نہ سوچا کہ اِرد گرد کوئی اور بھی ہوگا اور اس نے جو ارادہ کیا ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر بالیان کے کان میں کہا............ "یہ مصری ہے اور یہ میرے ساتھ کی ایک لڑکی کے ساتھ عیش کر رہا ہے۔ اس لڑکی کو بچا لو۔ یہ مصری تمہارا دشمن ہے اور لڑکی تمہاری دوست"............ اس نے بالیان کو اور زیادہ بھڑکانے کے لیے کہا۔ "یہ بڑی خوب صورت لڑکی ہے، اسے بچا لو اور اپنے سفری حرم میں اضافہ کرلو"۔

بالیان شراب پیے ہوئے تھا۔ اس نے کمر بند سے خنجر نکالا اور بہت تیزی سے آگے بڑھ کر خنجر مصری کمانڈر کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ خنجر نکال کر اسی تیزی سے ایک اور وار کیا۔ لڑکی مصری سے آزاد ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ موبی دوڑی اور اُسے آواز دی۔ وہ دوڑ کر موبی سے لپٹ گئی۔ موبی نے اس سے پوچھا کہ دوسری کہاں ہیں۔ اس نے رابن اور دوسرے ساتھیوں کے متعلق بھی بتایا اور یہ بھی کہا کہ وہ پندرہ محافظوں کے پہرے میں ہیں۔ بالیان دوڑتا گیا اور اپنے چھ ساتھیوں کو بلا لایا۔ اُن کے پاس کمانیں اور دوسرے ہتھیار تھے۔ اتنے میں قیدیوں کے محافظوں میں سے ایک اپنے مصری کمانڈر کو آوازیں دیتا اِدھر آیا۔ بالیان کے ایک ساتھی نے تیر چلایا اور اس محافظ کو ختم کر دیا۔ وہ لڑکی انہیں اپنی جگہ لے جانے کے لیے آگے آگے چل پڑی۔

بالیان کو آخری ٹیلے کے پیچھے روشنی نظر آئی۔ اس نے ٹیلے کی اوٹ میں جا کر دیکھا۔ وہاں بڑی بڑی دو مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کے ڈنڈے زمین میں گڑھے ہوئے تھے۔ ان کے اوپر والے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپٹے ہوئے تھے، جو جل رہے تھے۔ بالیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندھیرے میں تھا۔ اسے روشنی میں پانچ لڑکیاں الگ کھڑی نظر آ رہی تھیں اور محافظ بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے درمیان پانچ لاشیں پڑی تھیں، جن میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ موبی اور دوسری لڑکی کی سسکیاں نکلنے لگیں۔ موبی کے اُکسانے پر بالیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ تمہارا شکار ہے، تیروں سے ختم کر دو۔ ان کی تعداد اب چودہ تھی۔ یہ اُن کی بدقسمتی تھی کہ وہ روشنی میں تھے۔

بالیان کے ساتھیوں نے کمانوں میں تیر ڈالے۔ تمام تیر ایک ہی بار کمانوں سے نکلے۔ دوسرے ہی لمحے کمانوں میں چھ اور تیر آ چکے تھے۔ ایک ہی بار قیدیوں کے چھ محافظ ختم ہو گئے۔ باقی ابھی سمجھ نہ سکے تھے کہ یہ تیر کہاں سے آئے ہیں۔ چھ اور تیروں نے چھ اور محافظوں کو گرا دیا۔ باقی دو رہ گئے تھے۔ اُن میں سے ایک اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ دوسرا ذرا سست نکلا اور وہ بھی سوڈانیوں کے بیک وقت تین تیروں کا شکار ہو گیا۔ تین شتربان رہ گئے تھے، جو سامنے نہیں تھے۔ وہ اندھیرے میں کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے۔ مشعلوں کی روشنی میں اب لاشیں ہی لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ ہر لاش ایک ایک تیر لیے ہوئے تھی اور ایک میں تین تیر پیوست تھے۔ موبی دوڑ کر لڑکیوں سے ملی۔ اتنے میں انہیں ایک گھوڑے کی سرپٹ دوڑنے کی آوازیں سنائی دی، جو دور نکل گئیں۔ بالیان نے کہا............ "یہاں رُکنا ٹھیک نہیں۔ ان میں ایک بچ کر نکل گیا ہے۔ وہ قاہرہ کی سمت گیا ہے۔ فوراً یہاں سے نکلو"۔

انہوں نے محافظوں کے گھوڑے کھولے اور اپنی جگہ گئے، وہاں جا کر دیکھا کہ ایک گھوڑا بمع زین غائب تھا۔ اسے بچ کر نکل جانے والا محافظ لے گیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑوں تک نہیں جا سکتا تھا۔ چھپ کر اُدھر چلا گیا، جہاں اسے آٹھ گھوڑے بندھے نظر آئے۔ زینیں پاس ہی پڑی تھیں۔ اُس نے ایک گھوڑے پر زین کسی اور بھاگ نکلا۔ بالیان نے چودہ

گھوڑوں پر زینیں کسوائیں۔ سامان دو گھوڑوں پر لادا، باقی گھوڑے ساتھ لیے اور روانہ ہو گئے۔ لڑکیوں نے موبی کو سنایا کہ اُن پر کیا بیتی ہے اور انہیں کہاں لے جایا جا رہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ رابن اور اس کے ساتھی لاشوں کے ہتھیار اُٹھانے گئے تھے، مگر معلوم نہیں کہ وہ کس طرح مارے گئے۔

موبی نے کہا......... ''ایوبی کے کیمپ میں میری اور رابن کی ملاقات اچانک ہو گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ مجھے یوں نظر آ رہا ہے کہ یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے، ورنہ ہم اس طرح خلاف توقع نہ ملتے۔ آج ہماری ملاقات بالکل خلاف توقع ہوگئی ہے، لیکن میں یہ نہیں کہوں گی کہ یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے۔ خدائے یسوع مسیح ہم سے ناراض معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے جس کام میں ہاتھ ڈالا وہ چوپٹ ہوا۔ بحیرۂ روم میں ہماری فوج کو شکست ہوئی اور مصر میں ہماری دوست سوڈانی فوج کو شکست ہوئی۔ اِدھر رابن اور کرسٹوفر جیسے دلیر اور قابل آدمی اور ان کے اتنے اچھے ساتھی مارے گئے۔ معلوم نہیں، ہمارا انجام کیا ہوگا''۔

''ہمارے جیتے جی تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا''۔ بالیان نے کہا..... ''میرے شیروں کا کمال تم نے دیکھ لیا ہے''۔

☆

جس وقت قیدیوں کا قافلہ لاشوں کے پاس ٹیلوں میں رُکا تھا۔ اُس وقت ساحل پر سلطان ایوبی کی فوج کے کیمپ میں تین آدمی داخل ہوئے۔ وہ اٹلی کی زبان بولتے تھے۔ ان کا لباس بھی اٹلی کے دیہاتیوں جیسا تھا، ان کی زبان کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ اٹلی کے جنگی قیدیوں سے معلوم کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ اٹلی سے آئے ہیں اور اپنی لڑکیوں کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ یہ یہاں کے سالار سے ملنا چاہتے ہیں۔ انہیں بہاؤالدین شداد کے پاس پہنچا دیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری میں شداد کیمپ کمانڈر تھا۔ اٹلی کا ایک جنگی قیدی بلایا گیا۔ وہ مصر کی زبان بھی جانتا تھا۔ اس کی وساطت سے ان آدمیوں کے ساتھ باتیں ہوئیں۔ اِن تین آدمیوں میں ایک ادھیڑ عمر تھا اور دو جوان تھے۔ تینوں نے ایک ہی جیسی بات سنائی۔ تینوں کی ایک ایک جوان بہن کو صلیبی فوجی اُن کے گھروں سے اُٹھا لائے تھے۔ انہیں کسی نے بتایا تھا کہ وہ لڑکیاں مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچ گئی ہیں۔ یہ اپنی بہنوں کی تلاش میں آئے تھے۔

انہیں بتایا گیا کہ یہاں سات لڑکیاں آئی تھیں۔ انہوں نے یہی کہانی سنائی تھی مگر ساتوں جاسوس نکلیں۔ ان تینوں نے کہا کہ ہماری بہنوں کا جاسوسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو غریب اور مظلوم لوگ ہیں۔ کسی سے کشتی مانگ کر اتنی دور آئے ہیں۔ ہم غریبوں کی بہنیں جاسوسی کی جرأت کیسے کر سکتی ہیں۔ ہمیں اِن سات لڑکیوں کا کچھ پتہ نہیں۔ معلوم نہیں، وہ کون ہوں گی۔ ہم تو اپنی بہنوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

''ہمارے پاس اور کوئی لڑکی نہیں''۔ شداد نے بتایا۔ ''یہی سات لڑکیاں تھیں، جن میں سے ایک لاپتہ ہوگئی تھی اور باقی چھ کو پرسوں صبح یہاں سے روانہ کر دیا گیا ہے۔ اگر انہیں دیکھنا چاہتے ہو تو قاہرہ چلے جاؤ۔ ہمارا سلطان رحم دل انسان ہے، تمہیں لڑکیاں دکھا دے گا''۔

''نہیں''۔ ایک نے کہا......... ''ہماری بہنیں جاسوس نہیں۔ وہ سات کوئی اور ہوں گی۔ ہماری بہنیں سمندر میں ڈوب گئی ہوں گی یا ہمارے ہی فوجیوں نے انہیں اپنے پاس رکھا ہوا ہوگا''۔

بہاؤالدین شداد نیک خصلت انسان تھا۔ اُس نے ان دیہاتیوں کی مظلومیت سے متاثر ہو کر ان کی خاطر تواضع کی اور انہیں عزت سے رخصت کیا۔ اگر وہاں علی بن سفیان ہوتا تو ان تینوں کو اتنی آسانی سے نہ جانے دیتا۔ اس کی سراغ

رساں نظریں بھانپ لیتیں کہ یہ تینوں جھوٹ بول رہے ہیں..........تینوں چلے گئے۔ کسی نے بھی نہ دیکھا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ وہ چلتے ہی چلے گئے اور شام تک چلتے ہی رہے۔ کیمپ سے دُور جہاں کوئی خطرہ نہ تھا، وہ چٹانوں کے اندر چلے گئے۔ وہاں ان جیسے اٹھارہ آدمی بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان تینوں میں جو اُدھیڑ عمر تھا، وہ میکنا ناماریوس تھا۔ یہ صلیبیوں کی وہ کمانڈو پارٹی تھی جسے لڑکیوں کو آزاد کرانے اور اگر ممکن ہو سکے تو سلطان ایوبی کو قتل کرنے کا مشن دیا گیا تھا۔ ان تینوں نے کیمپ سے کچھ اور ضروری معلومات بھی حاصل کر لی تھیں۔ یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی یہاں نہیں قاہرہ میں ہے۔ شداد کے ساتھ باتیں کرتے، جہاں انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ لڑکیاں قاہرہ کو روانہ کر دی گئی ہیں، وہاں انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ ان کے ساتھ پانچ مرد قیدی بھی ہیں۔

یہ پارٹی ایک بڑی کشتی میں آئی تھی۔ انہوں نے کشتی ساحل پر ایک ایسی جگہ باندھ دی تھی جہاں سمندر چٹان کو کاٹ کر اندر تک گیا ہوا تھا۔ ان لوگوں کو اب قاہرہ کے لیے روانہ ہونا تھا، مگر سواری نہیں تھی۔ یہ تین آدمی جو کیمپ میں گئے تھے، یہ بھی دیکھ آئے تھے کہ اس فوج کے گھوڑے اور اونٹ کہاں بندھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ کیمپ سے جانور چوری کرنا آسان نہیں۔ اکیس گھوڑے یا اونٹ چوری نہیں کیے جا سکتے تھے۔ ابھی سورج طلوع ہونے میں بہت دیر تھی۔ وہ پیدل ہی چل پڑے۔ اگر انہیں سواری مل جاتی تو وہ قیدیوں کو راستے میں ہی جا لینے کی کوشش کرتے۔ اب وہ یہ سوچ کر پیدل چلے کہ قاہرہ میں جا کر قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ سب جانتے تھے کہ یہ زندگی اور موت کی مہم ہے۔ صلیبی فوج کے سربراہوں اور شاہوں نے انہیں کامیابی کی صورت میں جو انعام دینے کا وعدہ کیا تھا، وہ اتنا زیادہ تھا کہ کوئی کام کیے بغیر اپنے کنبوں سمیت ساری عمر آرام اور بے فکری کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔

میکنا ناماریوس کو جیل خانے سے لایا گیا تھا۔ اُسے ڈاکہ زنی کے جرم میں تیس سال سزائے قید دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ دو اور قیدی تھے جن میں ایک کی سزا چوبیس سال اور دوسرے کی ستائیس سال تھی۔ اُس زمانے میں قید خانے قصاب خانے ہوتے تھے۔ مجرم کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بڑی ظالمانہ مشقت لی جاتی اور مویشیوں کی طرح کھانے کو بے کار خوراک دی جاتی تھی۔ قیدی رات کو بھی آرام نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی قید سے موت بہتر تھی۔ ان تینوں کو انعام کے علاوہ سزا معاف کرنے کا وعدہ دیا گیا تھا۔ صلیب پر حلف لے کر انہیں اس پارٹی میں شامل کیا گیا تھا۔ جس پادری نے اُن سے حلف لیا تھا، اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ جتنے مسلمانوں کو قتل کریں گے، اس سے دس گنا ان کے گناہ بخشے جائیں گے اور اگر انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو قتل کیا تو اُن کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اگلے جہان خدائے یسوع مسیح انہیں جنت میں جگہ دیں گے۔

یہ معلوم نہیں کہ یہ تینوں قید خانے کے جہنم سے آزاد ہونے کے لیے موت کی اس مہم میں شامل ہوئے تھے یا اگلے جہان جنت میں داخل ہونے کے لیے یا انعام کا لالچ انہیں لے آیا تھا یا وہ نفرت جو اُن کے دِلوں میں مسلمانوں کے خلاف ڈالی گئی تھی۔ بہر حال وہ عزم کے پختہ معلوم ہوتے تھے اور اُن کا جوش و خروش بتا رہا تھا کہ وہ کچھ کر کے ہی مصر سے نکلیں گے یا جانیں قربان کر دیں گے۔ باقی اٹھارہ تو فوج کے منتخب آدمی تھے۔ انہوں نے جلتے ہوئے جہازوں سے جانیں بچائی تھیں اور بڑی مشکل سے واپس گئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے اس ذلت آمیز شکست کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ انعام کا لالچ تو تھا ہی.........یہی جذبہ تھا جس کے جوش سے وہ اَن دیکھی منزل کی سمت پیدل ہی چل پڑے۔

دوپہر کے وقت ایک گھوڑ سوار صلاح الدین ایوبی کے ہیڈ کوارٹر کے سامنے جا رُکا۔ گھوڑے کا پسینہ چھوٹ رہا

تھا اور سوار کے منہ سے تھکن کے مارے بات نہیں نکل رہی تھی۔ وہ گھوڑے سے اُترا تو گھوڑے کا سارا جسم بڑی زور سے کانپا۔ گھوڑا گر پڑا اور مر گیا۔ سوار نے اسے آرام دیئے بغیر اور پانی پلائے بغیر ساری رات اور آدھا دن مسلسل دوڑایا تھا۔
سلطان ایوبی کے محافظوں نے سوار کو گھیرے میں لے لیا۔ اُسے پانی پلایا اور جب وہ بات کرنے کے قابل ہوا تو اس نے کہا کہ کسی سالار یا کمان دار سے ملا دو.......... سلطان ایوبی خود ہی باہر آ گیا تھا۔ سوار اُسے دیکھ کر اُٹھا اور سلام کر کے کہا.........."سلطان کا اقبال بلند ہو۔ بڑی خبر لایا ہوں".......... سلطان ایوبی اسے اندر لے گیا اور کہا.........."خبر جلدی سے سناؤ"۔

"قیدی لڑکیاں بھاگ گئی ہیں۔ ہمارا پورا دستہ مارا گیا ہے"۔ اس نے کہا.........."مرد قیدیوں کو ہم نے جان سے مار دیا ہے۔ میں اکیلا بچ کے نکلا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ حملہ آور کون تھے۔ ہم مشعلوں کی روشنی میں اور وہ اندھیرے میں۔ اندھیرے سے تیر آئے اور میرے تمام ساتھی ختم ہو گئے"۔

یہ قیدیوں کے محافظوں کے دستے کا وہ آدمی تھا جو اندھیرے میں غائب ہو گیا تھا اور سوڈانیوں کا گھوڑا کھول کر بھاگ آیا تھا۔ اس نے گھوڑے کو بلا روکے سرپٹ دوڑایا تھا اور اتنا طویل سفر آدھے سے بھی تھوڑے وقت میں طے کر لیا تھا۔
سلطان صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان اور فوج کے ایک نائب سالار کو بلا لیا۔ وہ آئے تو اس آدمی سے کہا کہ وہ اب ساری بات سنائے۔ اُس نے کیمپ سے روانگی کے وقت سے بات شروع اور اپنے کمانڈر کے متعلق بتایا کہ وہ ایک قیدی لڑکی کے ساتھ دل بہلاتا رہا اور قیدیوں سے لاپروا ہو گیا، پھر راستے میں جو کچھ ہوتا رہا اور آخر میں جو کچھ ہوا، اُس نے سنا دیا، مگر وہ یہ نہ بتا سکا کہ حملہ آور کون تھے۔

سلطان ایوبی نے علی بن سفیان اور نائب سالار سے کہا.........."اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیبی چھاپہ مار مصر کے اندر موجود ہیں"۔

"ہو سکتا ہے"۔ علی بن سفیان نے کہا.........."یہ صحرائی ڈاکو بھی ہو سکتے ہیں۔ اتنی خوب صورت چھ لڑکیاں ڈاکوؤں کے لیے بہت بڑی کشش تھی"۔

"تم نے اس کی بات غور سے نہیں سنی"۔ سلطان ایوبی نے کہا.........."اس نے کہا ہے کہ مرد قیدی لاشوں کے ہتھیار اُٹھا لائے تھے اور محافظوں کو قتل کرنے لگے تھے۔ محافظوں میں سے دو نے انہیں تیروں سے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد اُن پر حملہ ہوا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبی چھاپہ مار اُن کے تعاقب میں تھے"۔

"وہ کوئی بھی تھے سلطان محترم!" نائب سالار نے کہا۔"فوری طور پر کرنے والا کام یہ ہے کہ اس عسکری کو راہنمائی کے لیے ساتھ بھیجا جائے اور کم از کم بیس گھوڑا سوار جو تیز رفتار ہوں، تعاقب کے لیے بھیجے جائیں۔ یہ بعد کی بات ہے کہ وہ کون تھے"۔

"میں اپنے ایک نائب کو ساتھ بھیجوں گا"۔ علی بن سفیان نے کہا۔

"اس عسکری کو کھانا کھلاؤ".......... سلطان ایوبی نے کہا.........."اسے تھوڑی دیر آرام کر لینے دو۔ اتنی دیر میں بیس سوار تیار کرو اور تعاقب میں روانہ کر دو۔ اگر ضرورت سمجھو تو زیادہ سوار بھیج دو"۔

"میں نے جہاں سے گھوڑا کھولا تھا، وہاں آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے"۔ محافظ نے کہا.........."وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ حملہ آور وہی ہو سکتے ہیں، اگر گھوڑے آٹھ تو وہ بھی آٹھ ہی ہوں گے"۔

"چھاپہ ماروں کی تعداد زیادہ نہیں ہو سکتی"۔ نائب سالار نے کہا............"ہم انشاءاللہ انہیں پکڑ لیں گے"۔

"یہ یاد رکھو کہ وہ چھاپہ مار ہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا............"اور لڑکیاں جاسوس ہیں، اگر تم ایک جاسوس یا چھاپہ مار کو پکڑ لو تو سمجھ لو کہ تم نے دشمن کے دو سو عسکری پکڑ لیے ہیں۔ میں ایک جاسوس کو ہلاک کرنے کے لیے دشمن کے دو سو عسکریوں کو چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک عورت کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، مگر ایک جاسوس اور تخریب کار عورت اکیلی پورے ملک کا بیڑہ غرق کر سکتی ہے۔ یہ لڑکیاں بے حد خطرناک ہیں، اگر وہ مصر کے اندر رہ گئیں تو تمہارا پورے کا پورا لشکر بے کار ہو جائے گا۔ ایک جاسوس یا جاسوسہ کو پکڑنے یا جان سے مارنے کے لیے اپنے ایک سو سپاہی قربان کر دو۔ یہ سودا پھر بھی سستا ہے۔ چھاپہ مار اگر نہ پکڑے جائیں تو مجھے پروا نہیں ان لڑکیوں کو ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔ ضرورت سمجھو تو تیروں سے انہیں ہلاک کر دو۔ زندہ نکل کر نہ جائیں"۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر بیس تیز رفتار سوار روانہ کر دیے گئے۔ ان کا راہنما یہ محافظ تھا اور کمانڈر علی بن سفیان کا ایک نائب زاہدین تھا۔ ان سواروں میں فخر المصری کو علی بن سفیان نے خاص طور پر شامل کیا تھا۔ یہ فخر کی خواہش تھی کہ اسے بالیان اور موبی کے تعاقب کے لیے بھیجا جائے۔ یہ تو نہ علی بن سفیان کو علم تھا، نہ فخر المصری کو کہ جن کے تعاقب میں سوار جا رہے ہیں، وہ بالیان، موبی اور ان کے چھ وفادار ساتھی ہیں۔

ادھر سے یہ بیس سوار روانہ ہوئے جن میں اکیسواں ان کا کمانڈر تھا۔ ان کا ہدف لڑکیاں تھیں اور انہیں چھڑا کر لے جانے والے۔ ادھر سے صلیبیوں کے بیس کمانڈو آ رہے تھے جن میں اکیسواں اُن کا کمانڈر تھا۔ ان کا بھی ہدف یہی لڑکیاں تھیں، مگر ان کی کمزوری یہ تھی کہ وہ پیدل آ رہے تھے۔ دونوں پارٹیوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ جن کے تعاقب میں وہ جا رہے ہیں، وہ کہاں ہیں۔

☆

صلیبیوں کی کمانڈو پارٹی اگلے روز سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے خاصا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ راستہ اوپر چڑھ رہا تھا، وہ علاقہ نشیب و فراز کا تھا۔ یہ لوگ بلندی پر گئے تو انہیں دور ایک میدان میں جہاں کھجور کے بہت سے درختوں کے ساتھ دوسری قسم کے درخت بھی تھے، بے شمار اونٹ کھڑے نظر آئے۔ انہیں بٹھا بٹھا کر اُن سے سامان اُتارا جا رہا تھا۔ بارہ چودہ گھوڑے بھی تھے۔ ان کے سوار فوجی معلوم ہوتے تھے، باقی تمام شتربان تھے۔ یہ اکیس صلیبی رُک گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ اونٹ اور گھوڑے ہیں۔ یہی ان کی ضرورت تھی۔ اُن کے کمانڈر نے پارٹی کو روک لیا اور کہا............"ہم سچے دل سے صلیب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کر آئے ہیں۔ وہ دیکھو صلیب کا کرشمہ............ یہ معجزہ ہے۔ خدا نے آسمان سے تمہارے لیے سواری بھیجی ہے۔ تم میں سے جس کے دل میں کسی بھی گناہ کا یا فرض سے کوتاہی کا یا جان بچا کر بھاگنے کا خیال ہے، وہ فوراً نکال دو۔ خدا کا بیٹا جو مظلوموں کا دوست اور ظالموں کا دشمن ہے، تمہاری مدد کے لیے آسمان سے اُتر آیا ہے"۔

سب کے چہروں پر تھکن کے جو آثار تھے، وہ غائب ہو گئے اور چہروں پر رونق آ گئی۔ انہوں نے ابھی اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا کہ اتنے بے شمار اونٹوں اور گھوڑوں میں سے جن کے ساتھ اتنے زیادہ شتربان اور فوجی ہیں، وہ اپنی ضرورت کے مطابق جانور کس طرح حاصل کریں گے۔

یہ ایک سو کے لگ بھگ اونٹوں کا قافلہ تھا جو محاذ پر فوج کے لیے راشن لے جا رہا تھا۔ چونکہ ملک کے اندر دشمن کا

کوئی خطرہ نہیں تھا، اس لیے قافلے کی حفاظت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ صرف دس گھوڑ سوار ساتھ بھیج دیئے گئے تھے۔ شتربان نہتے تھے۔ ابھی چھاپہ مار اور شب خون مارنے والے میدان میں نہیں آئے تھے۔ صلیبیوں کے یہ اکیس آدمی پہلے چھاپہ مار تھے یا اس سے پہلے صلاح الدین ایوبی نے شب خون کا وہ طریقہ آزمایا تھا جس میں تھوڑے سے سواروں نے سوڈانیوں کی فوج کے عقبی حصے پر حملہ کیا اور غائب ہو گئے تھے۔

اس ''وار کرو اور بھاگو'' کے طریقۂ جنگ کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے سلطان ایوبی نے تیز رفتار، ذہین اور جسمانی لحاظ سے غیر معمولی طور پر صحت مند عسکریوں کے دستے تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا اور دشمن کے ملک میں لڑاکا جاسوس بھیجنے کی سکیم بھی تیار کر لی تھی، لیکن صلیبیوں کو ابھی شب خون اور چھاپوں کی نہیں سوجھی تھی۔ کسی نجی قافلے کو ڈاکو بعض اوقات لوٹ لیا کرتے تھے۔ سرکاری قافلے ہمیشہ محفوظ رہتے تھے۔ اسی لیے فوجوں کے رسد کے قافلے بے خوف و خطر رواں دواں رہتے تھے۔ اس سے پہلے بھی اسی محاذ کے لیے دو بار رسد کے قافلے جا چکے تھے اور اسی علاقے سے گزرے تھے۔ لہٰذا حفاظتی اقدامات کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

یہ قافلہ بھی خطروں سے بے پروا محاذ کو جا رہا تھا اور رات کے لیے یہاں پڑاؤ کر رہا تھا۔ اس سے تھوڑی ہی دور قافلے کے لیے بہت بڑا خطرہ آ رہا تھا۔ صلیبی کمانڈر نے اپنی پارٹی کو ایک نشیب میں بٹھا لیا اور دو آدمیوں سے کہا کہ وہ جا کر یہ دیکھیں کہ قافلے میں کتنے اونٹ، کتنے گھوڑے، کتنے مسلح آدمی اور خطرے کیا کیا ہیں۔ پھر وہ رات کو حملہ کرنے کی سکیم بنانے لگا۔ اُن کے پاس ہتھیاروں کی کمی نہیں تھی۔ جذبے کی بھی کمی نہیں تھی۔ ہر ایک آدمی جان پر کھیلنے کو تیار تھا۔

نصف شب سے بہت پہلے وہ دو آدمی واپس آئے جو قافلے کو قریب سے دیکھنے گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ قافلے کے ساتھ دس مسلح سوار ہیں جو ایک ہی جگہ سوئے ہوئے ہیں۔ گھوڑے الگ بندھے ہیں۔ شتربان ٹولیوں میں بٹ کر سوئے ہوئے ہیں۔ سامان میں زیادہ تر بوریاں ہیں۔ شتربانوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔

یہ بڑی اچھی معلومات تھیں۔ کام مشکل نہیں تھا۔

قافلے والے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ دس عسکریوں کی آنکھ بھی نہ کھلی کہ تلواروں اور خنجروں نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ صلیبی چھاپہ ماروں نے یہ کام اتنی خاموشی اور آسانی سے کر لیا کہ بیشتر شتربانوں کی آنکھ ہی نہ کھلی اور جن کی آنکھ کھلی، وہ سمجھ ہی نہ پائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، جس کے منہ سے آواز نکلی وہ اس کی زندگی کی آخری آواز ثابت ہوئی۔ چھاپہ ماروں نے شتربانوں کو ہراساں کرنے کے لیے چیخنا شروع کر دیا۔ سوئے ہوئے شتربان گھبرا کر ہڑ بڑا کر اُٹھے۔ اونٹ بھی بدک کر اُٹھنے لگے۔ صلیبیوں نے شتربانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ بہت تھوڑے بھاگ سکے۔ صلیبی کمانڈر نے چلا کر کہا......... ''یہ مسلمانوں کا راشن ہے، تباہ کر دو۔ اونٹوں کو بھی ہلاک کر دو'' .... انہوں نے اونٹوں کے پیٹوں میں تلواریں گھونپنی شروع کر دیں۔ اونٹوں کے واویلے سے رات کانپنے لگی۔ کمانڈر نے گھوڑے دیکھے۔ بارہ تھے، دس سواروں کے لیے اور دو فالتو۔ اُس نے نو اونٹ الگ کر لیے۔

سورج طلوع ہوا تو پڑاؤ کا منظر بڑا بھیانک تھا۔ بے شمار لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ بہت سے اونٹ مر چکے تھے۔ کئی تڑپ رہے تھے۔ کچھ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ہر طرف خون ہی خون تھا۔ جدھر نگاہ جاتی تھی، اونٹ مرتے ہوئے یا تڑپتے نظر آتے تھے۔ راشن کی بوریاں پھٹی ہوئی تھیں۔ آٹا اور کھانے کا دیگر سامان خون میں بکھرا ہوا تھا۔ بارہ کے بارہ گھوڑے غائب تھے اور وہاں کوئی زندہ انسان موجود نہیں تھا۔ چھاپہ مار دُور نکل گئے تھے۔ ان کی سواری کی ضرورت پوری

ہوگئی تھی۔اب وہ تیز رفتاری سے اپنے شکار کو ڈھونڈ سکتے تھے۔

☆

شکار دُور نہیں تھا۔ بالیان کا دماغ پہلے ہی موبی کے حسن و جوانی اور شراب نے ماؤف کر رکھا تھا۔اب اس کے پاس سات حسین اور جوان لڑکیاں تھیں۔ وہ خطروں کو بھول ہی گیا تھا۔ موبی اسے بار بار کہتی تھی کہ اتنا زیادہ کہیں رُکنا ٹھیک نہیں، جتنی جلدی ہوسکے، سمندر تک پہنچنے کی کوشش کرو، ہمارا تعاقب ہو رہا ہوگا، مگر بالیان بے فکرے بادشاہوں کی طرح قہقہہ لگا کر اس کی بات سنی اَن سنی کر دیتا تھا۔ لڑکیوں کو جس رات آزاد کرایا گیا تھا، اس سے اگلی رات وہ ایک جگہ رُکے ہوئے تھے۔ بالیان نے موبی سے کہا کہ ہم سات مرد ہیں اور تم سات لڑکیاں ہو۔ میرے ان چھ دوستوں نے میرا ساتھ بڑی دیانت داری سے دیا ہے۔ میں اُن کی موجودگی میں تمہارے ساتھ رنگ رلیاں مناتا رہا، پھر بھی وہ نہیں بولے۔ اب میں انہیں انعام دینا چاہتا ہوں۔ تم ایک ایک لڑکی میرے ایک ایک دوست کے حوالے کر دو اور انہیں کہو کہ یہ تمہاری وفاداری کا تحفہ ہے۔

''یہ نہیں ہوسکتا''............ موبی نے غصے سے کہا............''ہم فاحشہ نہیں ہیں۔ میری مجبوری تھی کہ میں تمہارے ہاتھ میں کھلونا بنی رہی۔ یہ لڑکیاں تمہاری خریدی ہوئی لونڈیاں نہیں ہیں''۔

''میں نے تمہیں کسی وقت بھی شریف لڑکی نہیں سمجھا''۔ بالیان نے شاہانہ جلال سے کہا............''تم سب ہمارے لیے اپنے جسموں کا تحفہ لائی ہو۔ یہ لڑکیاں معلوم نہیں کتنے مردوں کے ساتھ کھیل چکی ہیں۔ان میں ایک بھی مریم نہیں''۔

''ہم اپنا فرض پورا کرنے کے لیے جسموں کا تحفہ دیتی ہیں''۔ موبی نے کہا............''ہم عیاشی کے لیے مردوں کے پاس نہیں جاتیں۔ ہمیں ہماری قوم اور ہمارے مذہب نے ایک فرض سونپا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے ہم اپنا جسم، اپنا حسن اور اپنی عصمت کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ ہمارا فرض پورا ہو چکا ہے۔ اب تم جو کچھ کہہ رہے ہو، یہ عیاشی ہے جو ہمیں منظور نہیں۔ جس روز ہم عیاشی میں اُلجھ گئیں، اس روز سے صلیب کا زوال شروع ہو جائے گا۔ صلیب ٹوٹ جائے گی۔ ہم اپنی عصمت کے شیشے کو توڑ دیتی ہیں تاکہ صلیب نہ ٹوٹے۔ ہمیں ٹریننگ دی گئی ہے کہ ایک مسلمان سربراہ کو تباہ کرنے کے لیے دس مسلمانوں کے ساتھ راتیں بسر کرنا جائز ہے اور کارِ ثواب ہے۔ مسلمانوں کے ایک مذہبی پیشوا کو اپنے جسم سے ناپاک کرنے کو ہم ایک عظیم کارِ خیر سمجھتی ہیں۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم صلیب کی بقا کے لیے مجھے استعمال کر رہی ہو''۔ بالیان کے احساسات آہستہ آہستہ جاگنے لگے............''کیا تم مجھے صلیب کا محافظ بنانا چاہتی ہو؟''

''کیا تم ابھی تک شک میں ہو؟'' موبی نے کہا............''تم نے صلیب کے ساتھ کیوں دوستی کی ہے؟''

''صلاح الدین ایوبی کی حکمرانی سے آزاد ہونے کے لیے''۔ بالیان نے کہا............''صلیب کی حفاظت کے لیے نہیں۔ میں مسلمان ہوں، لیکن اس سے پہلے میں سوڈانی ہوں''۔

''میں سب سے پہلے صلیبی ہوں''۔ موبی نے کہا............''عیسائی ہوں اور اس کے بعد اُس ملک کی بیٹی ہوں جہاں میں پیدا ہوئی تھی''۔ موبی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا............''اسلام کوئی مذہب نہیں۔ اسی لیے تم اپنے ملک کو اس پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہ تمہاری نہیں، تمہارے مذہب کی کمزوری ہے۔ تم میرے ساتھ سمندر پار چلو تو میں تمہیں اپنا مذہب دکھاؤں گی۔ تم اپنے مذہب کو بھول جاؤ گے''۔

''میں اس مذہب پر لعنت بھیجوں گا جو اپنی بیٹیوں کو غیر مردوں کے ساتھ راتیں بسر کرنے اور شراب پینے کو

ثواب کا کام سمجھتا ہے"۔ بالیان اچانک بیدار ہو گیا۔ اس نے کہا............ "تم نے؟ اپنی عصمت مجھ سے نہیں لٹائی، بلکہ میری عصمت لوٹی ہے۔ میں نے تمہیں نہیں، بلکہ تم نے مجھے کھلونا بنائے رکھا ہے"۔

"ایک مسلمان کا ایمان خریدنے کے لیے عصمت کوئی زیادہ قیمت نہیں"۔ لڑکی نے کہا............ "میں نے تمہاری عصمت نہیں لوٹی، تمہارا ایمان خریدا ہے، مگر تمہیں راستے میں بھٹکتا ہوا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ تمہیں ایک عظیم روشنی کی طرف لے جا رہی ہوں، جہاں تمہیں اپنا مستقبل اور اپنی عاقبت ہیروں کی طرح چمکتی نظر آئے گی"۔

"میں اس روشنی میں نہیں جاؤں گا"۔ بالیان نے کہا۔

"دیکھو بالیان!" موبی نے کہا............ "مرد، جنگجو مرد وعدے اور سودے سے پھرا نہیں کرتے۔ تم میرا سودا قبول کر چکے ہو۔ میں نے تمہارا ایمان خرید کر شراب میں ڈبو دیا ہے اور تمہیں منہ مانگی قیمت دی ہے۔ اتنے دنوں سے تمہاری لونڈی اور بے نکاحی بیوی بنی ہوئی ہوں۔ اس سودے سے پھرو نہیں۔ ایک کمزور لڑکی کو دھوکہ نہ دو"۔

"تم نے مجھے وہ عظیم روشنی یہیں دکھا دی ہے جو تم مجھے سمندر پار لے جا کر دکھانا چاہتی ہو"۔ بالیان نے کہا............ "مجھے اپنا مستقبل اور اپنی عاقبت ہیروں کی طرح چمکتی نظر آنے لگی ہے"............ موبی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو بالیان گرج کر بولا۔ "خاموش رہو لڑکی! صلاح الدین ایوبی میرا دشمن ہو سکتا ہے، لیکن میں اس رسول کا دشمن نہیں ہو سکتا جس کا صلاح الدین ایوبی بھی نام لیوا ہے۔ میں اس رسولؐ کے نام پر مصر اور سوڈان قربان کر سکتا ہوں۔ اس کے عظیم اور مقدس نام پر میں صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال سکتا ہوں"۔

"میں تم کو کئی بار کہہ چکی ہوں کہ شراب کم پیا کرو"۔ موبی نے کہا............ "ایک شراب دوسرے رات بھر جاگنا اور میرے جسم کے ساتھ کھیلتے رہنا۔ دیکھو تمہارا دماغ بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ میں تمہاری بیوی ہوں"۔

"میں کسی فاحشہ صلیبی کا خاوند نہیں ہو سکتا"۔ اس کی نظر شراب کی بوتل پر پڑی، اس نے بوتل اُٹھا کر پرے پھینک دی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے دوستوں کو بلایا۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ اُس نے کہا۔ "یہ لڑکیاں اور یہ لڑکی بھی تمہاری قیدی ہیں، انہیں واپس قاہرہ لے چلو"۔

"قاہرہ؟" ایک نے حیران ہو کے کہا۔ "آپ قاہرہ جانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں!" اس نے کہا............ "قاہرہ! حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس ریگزار میں کب تک بھٹکتے رہو گے؟ کہاں جاؤ گے؟ چلو۔ گھوڑوں پر زینیں کسو اور ہر لڑکی کو ایک ایک گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ کر لے چلو"۔

☆

صحرا میں اونٹ کا سفر بے آواز سا ہوتا ہے۔ گھوڑوں کے ٹاپوؤں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیتی ہیں، لیکن اونٹ کے پاؤں خدا نے ایسے بنائے ہیں کہ ہلکی سی آواز بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بالیان جس وقت موبی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا، اسے محسوس تک نہ ہوا کہ ایک اونٹ ایک چھوٹے سے ریتلے ٹیلے کی اوٹ میں کھڑا ان دونوں کو اور چھ لڑکیوں کو اور چھ آدمیوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ صلیبی کمانڈو پارٹی کا ایک آدمی تھا۔ اس پارٹی کا کمانڈر عقل مند آدمی تھا۔ بالیان کے ڈیرے سے تقریباً نصف میل دُور اس نے پڑاؤ کیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا شکار اُس سے نصف میل دُور ہے۔ اس نے فوجی دانش مندی سے کام لیتے ہوئے رات کو تین آدمیوں کو یہ ڈیوٹی دی تھی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر دُور دُور تک گھوم آئیں اور جہاں انہیں کوئی خطرہ یا کام کی کوئی چیز نظر آئے، آ کر اطلاع دیں۔ اس کام کے لیے اونٹ ہی موزوں

سواری تھی، کیونکہ اس کے پاؤں کی آواز نہیں ہوتی۔ تینوں سوار مختلف سمتوں کو چلے گئے تھے۔ یہ سارا علاقہ ایسا تھا کہ پڑاؤ کے لیے نہایت اچھا تھا، اس لیے کمانڈر نے سوچا تھا کہ یہاں کسی اور نے بھی ڈیرے ڈال رکھے ہوں گے۔

ایک شتر سوار کو روشنی سی نظر آئی تو وہ اس طرف چل پڑا۔ یہ ایک چھوٹی مشعل تھی جو بالیان کے عارضی کیمپ میں جل رہی تھی۔ شتر سوار آگے گیا تو ایک ٹیلے کے پیچھے ہوگیا۔ یہ اتنا ہی اونچا تھا کہ اونٹ پر سوار ہو کر آگے دیکھا جاسکتا تھا۔ اونٹ اور سوار اس کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ اسے ہلکی ہلکی روشنی میں لڑکیاں نظر آئیں جو بالیان کے فوجی دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگا رہی تھیں۔ اُن سے کچھ دُور ایک اور لڑکی ایک آدمی کے ساتھ باتیں کرتی نظر آئی۔ ذرا پرے بہت سے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں وہ گھوڑے بھی تھے جو ان لوگوں نے قیدیوں کے محافظوں کو قتل کر کے حاصل کیے تھے۔

صلیبی شتر سوار نے اونٹ کو موڑا۔ کچھ دُور تک آہستہ آہستہ چلا اور پھر اونٹ دوڑا دیا۔ اونٹ کے لیے نصف میل کا فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا۔ سوار نے اپنی پارٹی کو خوش خبری سنائی کہ شکار ہمارے قدموں میں ہے۔ کمانڈر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ شتر سوار سے ہدف کی تفصیل پوچھی اور پارٹی کو پیدل چلا دیا۔ گھوڑوں کے قدموں کی آواز سے شکار کے چوکنا ہو جانے کا خطرہ تھا......... جس وقت یہ پارٹی بالیان کے ڈیرے تک پہنچی، بالیان حکم دے چکا تھا کہ ایک ایک لڑکی کو گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ دو۔ اس کے دوست حیرت زدہ ہو کر بالیان کو دیکھ رہے تھے کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ انہوں نے اس کے ساتھ بحث شروع کردی اور وقت ضائع ہوتا رہا۔ بالیان نے انہیں بڑی مشکل سے قائل کیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، ہوش ٹھکانے رکھ کر کہہ رہا ہے اور قاہرہ چلنے جانے میں ہی مصلحت اور عافیت ہے۔

لڑکیاں پریشانی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ بالیان کے آدمیوں نے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور لڑکیوں کو پکڑ لیا۔ اچانک اُن پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بالیان نے بلند آواز سے بار بار کہا......... "ہم ہتھیار ڈالنا چاہتے ہیں۔ لڑکیوں کو قاہرہ لے جا رہے ہیں"......... وہ حملہ آوروں کو سلطان ایوبی کے فوجی سمجھ رہا تھا، لیکن ایک خنجر نے اس کے دل میں اُتر کر اُسے خاموش کر دیا۔ اس کے دوست اتنے زیادہ آدمیوں کے ایسے اچانک حملے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ سنبھلنے سے پہلے ہی ختم ہو گئے۔ صلیبیوں کا چھاپہ کامیاب تھا۔ لڑکیاں آزاد ہو چکی تھیں۔ چھاپہ مار انہیں فوراً اپنی جگہ لے گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو پہچان لیا۔ وہ بھی ان کی پارٹی کا جاسوس تھا۔ انہوں نے رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا اور پہرے کے لیے دو سنتری کھڑے کر دیے جو ڈیرے کے اردگرد گھومنے لگے۔

☆

سلطان ایوبی کے بھیجے ہوئے سوار، اس جگہ سے ابھی دُور تھے، جہاں سے قیدی لڑکیاں بالیان کے آدمیوں نے رہا کرائی تھیں۔ رات کو بھی چلے جا رہے تھے۔ وہ تعاقب میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ راہنما اُن کے ساتھ تھا۔ وہ راستہ اور جگہ بھولا نہیں تھا۔ وہ انہیں اس جگہ لے گیا جہاں اُن پر حملہ ہوا تھا۔ ایک مشعل جلا کر دیکھا گیا، وہاں رابن اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں اور اُن کے محافظوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ یہ چیری پھاڑی اور کھائی ہوئی تھیں۔ اُس وقت بھی صحرائی لومڑیاں اور گیدڑ انہیں کھا رہے تھے۔ سواروں کو دیکھ کر یہ درندے بھاگ گئے۔ دن کے وقت انہیں گدھ کھاتے رہے تھے۔ محافظ اپنے کمانڈر کو اُس جگہ لے گیا جہاں سے اس نے گھوڑا کھولا تھا۔ وہاں سے مشعل کی روشنی میں زمین دیکھی گئی۔ گھوڑوں کے قدموں کے نشان نظر آ رہے تھے اور سمت کی نشان دہی کر رہے تھے، جدھر یہ گئے تھے، مگر رات کے وقت ان نشانوں کو دیکھ دیکھ کر چلنا بہت مشکل تھا۔ وقت ضائع ہونے کا اور بھٹک جانے کا ڈر تھا۔ رات کو وہیں قیام کیا گیا۔

صلیبی پارٹی کے کیمپ میں سب جاگ رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھے۔ کمانڈر نے فیصلہ کیا تھا کہ سحر کی تاریکی میں بحیرۂ روم کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس وقت میکناناماریوس نے کہا کہ مقصد ابھی پورا نہیں ہوا۔ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنا باقی ہے۔ کمانڈر نے کہا کہ یہ اُس صورت میں ممکن تھا کہ وہ لڑکیوں کے پیچھے قاہرہ چلے جاتے۔ اب وہ قاہرہ سے بہت دور ہیں، اس لیے قتل کی مہم ختم کی جاتی ہے۔

''یہ میری مہم ہے، جسے موت کے سوا کوئی ختم نہیں کر سکتا''۔ میکناناماریوس نے کہا............''میں نے صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کا حلف اُٹھایا تھا۔ مجھے ایک ساتھی اور ایک لڑکی کی ضرورت ہے''۔

''یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے''............کمانڈر نے کہا............''سب پر فرض ہے کہ میرا حکم مانیں''۔

''میں کسی کے حکم کا پابند نہیں''۔ میکناناماریوس نے کہا۔ ''تم سب خدا کے حکم کے پابند ہو''۔

کمانڈر نے اُسے ڈانٹ دیا۔ میکناناماریوس کے پاس تلوار تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور کمانڈر پر تلوار سونت لی۔ اُن کے ساتھی درمیان میں آ گئے۔ میکناناماریوس نے کہا............''میں خدا کا دھتکارا ہوا انسان ہوں۔ میں گناہ اور بے انصافی کے درمیان بھٹک رہا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو، مجھے تیس سالوں کے لیے قید خانے میں کیوں کیا گیا تھا؟ پانچ سال گزرے میرے ایک بہن جس کی عمر سولہ سال تھی، اغوا کر لی گئی تھیں۔ میں غریب آدمی ہوں، میرا باپ مر چکا ہے، ماں اندھی ہے، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، محنت مشقت کر کے میں ان سب کا پیٹ پالتا تھا۔ میں نے گرجے میں صلیب پر لٹکے ہوئے یسوع مسیح کے بت سے بہت دفعہ پوچھا تھا کہ میں غریب کیوں ہوں؟ میں نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ میں دیانت داری سے اتنی محنت کرتا ہوں، مگر میرے کنبے کے پیٹ پھر بھی خالی رہتے ہیں۔ میری ماں کو خدا نے کیوں اندھا کیا ہے؟ یسوع مسیح نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور جب کنواری بہن اغوا ہو گئی تو میں نے گرجے میں جا کر کنواری مریم کی تصویر سے پوچھا تھا کہ میری کنواری بہن کے کنوار پنے پر تجھے ترس کیوں نہیں آیا؟ وہ معصوم تھی۔ اس پر خدا نے یہ ظلم کیا تھا کہ اسے خوب صورتی دے دی تھی۔ مجھے یسوع مسیح نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے کنواری مریم نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

''ایک روز مجھے ایک بہت ہی امیر آدمی کے نوکر نے بتایا کہ تمہاری بہن اس امیر آدمی کے گھر میں ہے۔ وہ عیاش آدمی ہے۔ کنواریوں کو اغوا کرتا ہے، تھوڑے دن اُس کے ساتھ کھیلتا ہے، اور انہیں کہیں غائب کر دیتا ہے، لیکن وہ آدمی بادشاہ کے دربار میں بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اسے رتبے کی تلوار دی ہے۔ گناہ گار ہوتے ہوئے خدا اس پر خوش ہے۔ دُنیا کا قانون اُس کے ہاتھ میں کھلونا ہے............ میں اس کے گھر گیا اور اپنی بہن واپس مانگی۔ اس نے مجھے دھکے دے کر اپنے محل سے نکال دیا۔ میں پھر گرجے میں گیا۔ یسوع مسیح کے بت اور کنواری مریم کی تصویر کے آگے رویا۔ خدا کو پکارا۔ مجھے کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں گرجے میں اکیلا تھا۔ پادری آ گیا۔ اس نے مجھے ڈانٹ کر گرجے سے نکال دیا۔ کہنے لگا............''یہاں سے دو تصویریں چوری ہو چکی ہیں، نکل جاؤ، ورنہ پولیس کے حوالے کر دوں گا''............ میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا............''کیا یہ خدا کا گھر نہیں ہے؟''............اس نے جواب دیا............''تم مجھ سے پوچھے بغیر خدا کے گھر میں کیسے آئے۔ اگر گناہوں کی معافی مانگنی ہے تو میرے پاس آؤ۔ اپنا گناہ بیان کرو۔ میں خدا سے کہوں گا کہ تمہیں بخش دے۔ تم خدا سے براہِ راست کوئی بات نہیں کر سکتے۔ جاؤ نکلو یہاں سے............''اور میرے دوستو! مجھے خدا کے گھر سے نکال دیا گیا''۔

وہ ایسے لہجے میں بول رہا تھا کہ سب پر سناٹا طاری ہو گیا۔ لڑکیوں کے آنسو نکل آئے۔ صحرا کی رات کے سکوت

میں اس کی باتوں کا تاثر سب پر طلسم بن کر طاری ہو گیا۔

وہ کہہ رہا تھا.........."میں پادری کو، یسوع مسیح کے بت کو، کنواری مریم کی تصویر کو اور اُس خدا کو جو مجھے کر جے میں نظر نہیں آیا، شک کی نظروں سے دیکھتا نکل آیا۔ گھر گیا تو اندھی ماں نے پوچھا۔" میری بچی آئی یا نہیں؟ میری بیوی نے پوچھا، میرے بچوں نے پوچھا۔ میں بھی بت اور تصویر کی طرح چپ رہا، مگر میرے اندر سے ایک طوفان اُٹھا اور میں باہر نکل گیا۔ میں سارا دن گھومتا پھرتا رہا۔ شام کے وقت میں نے ایک خنجر خریدا اور دریا کے کنارے ٹہلتا رہا۔ رات اندھیری ہو گئی اور بہت دیر بعد میں ایک طرف چل پڑا۔ مجھے اس محل کی بتیاں نظر آئیں جہاں میری بہن قید تھی۔ میں بہت تیز چل پڑا اور اس محل کے پچھواڑے چلا گیا۔ میں اتنا چالاک اور ہوشیار آدمی نہیں تھا، لیکن مجھ میں چالاکی آ گئی۔ میں پچھلے دروازے سے اندر چلا گیا۔ محل کے کسی کمرے میں شور شرابا تھا۔ شاید کچھ لوگ شراب پی رہے تھے۔ میں ایک کمرے میں داخل ہوا تو ایک نوکر نے مجھے روکا۔ میں نے خنجر اس کے سینے میں رکھ دیا اور اپنی بہن کا نام بتا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ نوکر مجھے اندر کی سیڑھیوں سے اوپر لے گیا اور ایک کمرے میں داخل کر کے کہا کہ یہاں ہے۔ میں اندر گیا تو میرے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ کمرہ خالی تھا......

"دروازہ کھلا اور بہت سے لوگ اندر آ گئے۔ اُن کے پاس تلواریں اور ڈنڈے تھے۔ میں نے کمرے کی چیزیں اُٹھا اُٹھا کر اُن پر پھینکنی شروع کر دیں۔ بہت توڑ پھوڑ کی۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے مارا پیٹا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو میں ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ میرے خلاف الزام یہ تھے کہ میں نے ڈاکہ ڈالا، بادشاہ کے درباری کا گھر برباد کیا اور تین آدمیوں کو قتل کی نیت سے زخمی کیا۔ میری فریاد کسی نے نہ سُنی اور مجھے تیس سال سزائے قید دے کر قید خانے کے جہنم میں پھینک دیا۔ ابھی پانچ سال پورے ہوئے ہیں۔ میں انسان نہیں رہا۔ تم قید خانے کی سختیاں نہیں جانتے۔ دن کے وقت مویشیوں جیسا کام لیتے ہیں اور رات کو کتوں کی طرح زنجیر ڈال کر کوٹھڑیوں میں بند کر دیتے ہیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میری اندھی ماں زندہ ہے یا مر چکی ہے۔ بیوی بچوں کا بھی کچھ پتہ نہ تھا۔ مجھے خطرناک ڈاکو سمجھ کر کسی سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا..........

"میں ہر وقت سوچتا رہتا تھا کہ خدا سچا ہے یا میں سچا ہوں۔ سنا تھا کہ خدا بے گناہوں کو سزا نہیں دیتا، مگر مجھے خدا نے کس گناہ کی سزا دی تھی؟ میرے بچوں کو کس گناہ کی سزا دی تھی؟ میں پانچ سال اسی اُلجھن میں مبتلا رہا۔ کچھ دن گزرے، فوج کے دو افسر قید خانے میں آئے۔ وہ اس کام کے لیے جس پر ہم آئے ہوئے ہیں، آدمی تلاش کر رہے تھے۔ میں اپنے آپ کو پیش نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ یہ بادشاہوں کے لڑائی جھگڑے تھے۔ مجھے کسی بادشاہ کے ساتھ دلچسپی نہیں تھی، لیکن میں نے جب سنا کہ چند ایک عیسائی لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کرانا ہے تو میرے دل میں اپنی بہن کا خیال آ گیا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان قابلِ نفرت قوم ہے۔ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں عیسائی لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کراؤں گا تو خدا اگر سچا ہے تو میری بہن کو اُس ظالم عیسائی کے پنجے سے چھڑا دے گا، پھر فوجی افسروں نے کہا کہ ایک مسلمان بادشاہ کو قتل کرنا ہے تو میں نے اسے جزا کا کام سمجھا اور اپنے آپ کو پیش کر دیا، مگر شرط یہ رکھی کہ مجھے اتنی رقم دی جائے جو میں اپنے کنبے کو دے سکوں۔ انہوں نے رقم دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر تم سمندر پار مارے گئے تو تمہارے کنبے کو اتنی زیادہ رقم دی جائے گی کہ ساری عمر کے لیے وہ کسی کے محتاج نہیں رہیں گے"۔

اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا.........."یہ دو میرے ساتھ قید خانے میں تھے۔ انہوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ ہم سے سینکڑوں باتیں پوچھی گئیں۔ ہم تینوں نے انہیں یقین دلا دیا کہ ہم اپنی قوم اور اپنے

مذہب کو دھوکہ نہیں دیں گے۔ میں نے دراصل اپنے کنبے کے لیے اپنی جان فروخت کر دی ہے۔ قید خانے سے نکالنے سے پہلے ایک پادری نے ہمیں بتایا کہ مسلمانوں کا قتل تمام گناہ بخشوا دیتا ہے اور عیسائی لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کراؤ گے تو سیدھے جنت میں جاؤ گے۔ میں نے پادری سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے جو جواب دیا، اس سے میری تسلی نہ ہوئی۔ میں نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھایا۔ ہمیں باہر نکالا گیا، مجھے میرے گھر لے گئے۔ میرے گھر والوں کو انہوں نے بہت سی رقم دی۔ میں مطمئن ہو گیا۔ اب میرے دوستو! مجھے اپنا حلف پورا کرنا ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا خدا کہاں ہے۔ کیا ایک مسلمان بادشاہ کو قتل کر کے خدا نظر آ جائے گا"۔

"تم پاگل ہو"۔ کمانڈر نے کہا "تم نے جتنی باتیں کی ہیں، ان میں مجھے عقل کی ذرا سی بو بھی نہیں آئی"۔

"اس نے بڑی اچھی باتیں کیں ہیں"۔ اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "میں اس کا ساتھ دوں گا"۔

"مجھے ایک لڑکی کی ضرورت ہے"۔ میگنا ناماریوس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں لڑکی کی جان اور عزت کا ذمہ دار ہوں۔ لڑکی کے بغیر میں صلاح الدین ایوبی تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ میں جب سے آیا ہوں۔ سوچ رہا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ تنہائی میں کس طرح مل سکتا ہوں"۔

موبی اُٹھ کر اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی اور بولی.......... "میں اس کے ساتھ جاؤں گی"۔

"ہم تمہیں بڑی مشکل سے آزاد کرا کے لائے ہیں موبی!" کمانڈر نے کہا.......... "میں تمہیں ایسی خطرناک مہم پر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔

"مجھے اپنی عصمت کا انتقام لینا ہے"۔ موبی نے کہا.......... "میں صلاح الدین ایوبی کی خواب گاہ میں آسانی سے داخل ہو سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ مسلمان کا رتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے، وہ خوب صورت لڑکیوں کا اتنا ہی زیادہ شیدائی ہو جاتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کو محسوس تک نہ ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں آخری لڑکی دیکھ رہا ہے"۔

بہت دیر کی بحث اور تکرار کے بعد میگنا ناماریوس اپنے ایک ساتھی اور موبی کے ساتھ اپنی پارٹی سے رخصت ہوا۔ سب نے انہیں دعاؤں کے ساتھ الوداع کہا۔ انہوں نے دو اونٹ لیے۔ ایک پر موبی سوار ہوئی اور دوسرے پر دونوں مرد۔ اُن کے پاس مصر کے سکے تھے اور سونے کی اشرفیاں بھی۔ دونوں مردوں نے چغے اوڑھ لیے تھے۔ میگنا ناماریوس کی داڑھی خاصی لمبی ہو گئی تھی۔ قید خانے میں دھوپ میں مشقت کر کر کے اس کا رنگ اٹلی کے باشندوں کی طرح گورا نہیں رہا تھا۔ سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ اس سے اس پر یہ شک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ یورپی ہے۔ بھیس بدلنے کے لیے انہیں کپڑے دے کر بھیجا گیا تھا، مگر ایک رکاوٹ تھی جس کا بظاہر کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ یہ کہ میگنا ناماریوس اٹلی کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا۔ موبی مصر کی زبان بول سکتی تھی۔ دوسرا جو آدمی ان کے ساتھ گیا تھا، وہ بھی مصر کی زبان نہیں جانتا تھا۔ انہیں اس کا کوئی علاج کرنا تھا۔

وہ رات کو ہی چل پڑے۔ موبی راستے سے واقف ہو چکی تھی۔ وہ قاہرہ سے ہی آئی تھی۔ میگنا ناماریوس نے اس پر بھی ایک چغہ ڈال دیا اور اس کے سر پر دوپٹے کی طرح چادر اوڑھا دی۔

☆

صبح کی روشنی میں سلطان ایوبی کے اُن سواروں کا دستہ جو اُن کے تعاقب میں گیا تھا، گھوڑوں کے کھرے دیکھ کر روانہ ہو گیا۔ یہ بہت سے گھوڑوں کے نشان تھے، جو چھپ ہی نہیں سکتے تھے۔ صبح سے پہلے صلیبوں کی پارٹی لڑکیوں کو ساتھ

لے کر چل پڑی۔ اُن کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ان کے تعاقب میں جانے والوں کا سفر رُک گیا، کیونکہ رات کے وقت وہ زمین کو نہیں دیکھ سکتے تھے، مگر صلیبیوں نے سفر جاری رکھا۔ وہ آدمی رات کے وقت پڑاؤ کرنا چاہتے تھے، وہ بہت جلدی میں تھے۔

صبح کے دھندلکے میں صلیبی جو آدھی رات کے وقت رُکے تھے، چل پڑے۔ اُن کے تعاقب میں جانے والوں کی پارٹی صبح کی روشنی میں روانہ ہوئی۔ میگناماریوس نے عقل مندی کی تھی کہ وہ اونٹوں پر گیا تھا۔ اونٹ بھوک اور پیاس کی پروا نہیں کرتا۔ رُکے بغیر گھوڑے کی نسبت بہت زیادہ سفر کر لیتا ہے۔ اس سے میگناماریوس کا سفر تیزی سے طے ہو رہا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر تھی، جب انہیں لاشیں نظر آئیں۔ علی بن سفیان کے نائب نے بالیان کی لاش پہچان لی۔ اُس کا چہرہ سلامت تھا۔ اُس کے قریب اس کے چھ دوستوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ گِدھوں اور درندوں نے زیادہ تر گوشت کھا لیا تھا۔ سوار حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ خون بتاتا تھا کہ انہیں مرے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے۔ اگر یہ بغاوت کی رات مرے ہوتے تو خون کا نشان نہ ہوتا اور اُن کی صرف ہڈیاں رہ جاتیں۔ یہ ایک معمہ تھا جسے کوئی نہ سمجھ سکا، وہاں سے پھر گھوڑوں کے نشان چلے۔ سواروں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ نصف میل تک گئے تو اونٹوں کے پاؤں کے نشان بھی نظر آئے۔ وہ بڑھتے ہی چلے گئے۔ سورج غروب ہوا تو بھی نہیں رُکے، کیونکہ اب مٹی کے اونچے نیچے ٹیلوں کا علاقہ شروع ہو گیا تھا، جس میں ایک راستہ بل کھاتا ہوا گزرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں سے گزرنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

صلیبی اسی راستے سے گزرے تھے اور بحیرۂ روم کی طرف چلے جا رہے تھے۔ ٹیلوں کا علاقہ دُور تک پھیلا ہوا تھا، وہاں سے تعاقب کرنے والے نکلے تو رُک گئے، کیونکہ آگے ریتلا میدان آگیا تھا۔

صبح کے وقت چلے تو کسی نے کہا کہ سمندر کی ہوا آنے لگی ہے۔ سمندر دُور نہیں تھا مگر صلیبی ابھی تک نظر نہیں آئے تھے۔ راستے میں ایک جگہ کھانے کے بچے کھچے ٹکڑوں سے پتہ چلا کہ رات یہاں کچھ لوگ رُکے تھے۔ گھوڑے بھی یہاں باندھے گئے تھے۔ پھر یہ گھوڑے وہاں سے چلے۔ زمین کو دیکھ کر تعاقب کرنے والوں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگا دیں۔ سورج اپنا سفر طے کرتا گیا اور آگے نکل گیا۔ گھوڑوں کو ایک جگہ آرام دیا گیا۔ پانی پلایا اور یہ دستہ روانہ ہو گیا۔ سمندر کی ہوائیں تیز ہو گئی تھیں اور ان میں سمندر کی بُو صاف محسوس ہوتی تھی۔ پھر ساحل کی چٹانیں نظر آنے لگیں۔ زمین بتا رہی تھی کہ گھوڑے آگے آگے جا رہے ہیں اور یہ بے شمار گھوڑے ہیں۔

ساحل کی چٹانیں گھوڑوں کی رفتار سے قریب آ رہی تھیں۔ تعاقب کرنے والوں کو ایک چٹان پر دو آدمی نظر آئے۔ وہ اس طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ تیزی سے سمندر کی طرف اُتر گئے۔ گھوڑے اور تیز ہو گئے۔ چٹانوں کے قریب گئے تو انہیں گھوڑے روکنے پڑے، کیونکہ کئی جگہوں سے چٹانوں کے پیچھے جایا جا سکتا تھا۔ ایک آدمی کو چٹان پر چڑھ کر آگے دیکھنے کو بھیجا گیا۔ وہ آدمی گھوڑے سے اُتر کر دوڑتا گیا اور ایک چٹان پر چڑھنے لگا۔ اوپر جا کر اس نے لیٹ کر دوسری طرف دیکھا اور پیچھے ہٹ آیا۔ وہیں سے اس نے سواروں کو اشارہ کیا کہ پیدل آؤ۔ سوار گھوڑوں سے اُترے اور دوڑتے ہوئے چٹان تک گئے۔ سب سے پہلے علی بن سفیان کا نائب اوپر گیا۔ اس نے آگے دیکھا اور دوڑ کر نیچے اُترا۔ اس نے اپنے دستے کو بکھیر دیا اور انہیں مختلف جگہوں پر جانے کو کہا۔

دوسری طرف سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ صلیبی وہاں موجود تھے۔ یہ وہ جگہ تھی، جہاں سمندر چٹانوں کو کاٹ کر اندر آ جاتا تھا۔ اس پارٹی نے اپنی کشتی وہاں باندھی تھی۔ وہ گھوڑوں سے اُتر کر کشتی میں سوار ہو رہے تھے۔ کشتی بہت بڑی تھی۔ لڑکیاں کشتی میں سوار ہو چکی تھیں۔ گھوڑے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اچانک اُن پر تیر برسنے لگے۔

تمام کو ہلاک نہیں کرنا تھا۔ انہیں زندہ پکڑنا تھا۔ بہت سے کشتی سے کود گئے اور کشتی کے چپو مارنے لگے۔ پیچھے جو رہ گئے وہ تیروں کا نشانہ بن گئے تھے۔ کشتی میں جانے والوں کو للکارا گیا، مگر وہ نہ رُکے، وہاں سمندر گہرا تھا۔ کشتی آہستہ آہستہ جا رہی تھی۔ اِدھر سے اشارے پر تیراندازوں نے کشتی پر تیر برسا دیئے۔ چپوؤں کی حرکت بند ہوگئی۔ تیروں کی دوسری باڑ گئی، پھر تیسری اور چوتھی باڑ لاشوں میں پیوست ہوگئی۔ اُن میں اب کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ کشتی وہیں ڈولنے لگی۔ سمندر کی موجیں ساحل کی طرف آتیں اور چٹانوں سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ ذرا سی دیر میں کشتی ساحل پر واپس آگئی۔ سواروں نے نیچے جا کر کشتی پکڑ لی، وہاں صرف لاشیں تھیں۔ لڑکیاں بھی مر چکی تھیں، بعض کو دو دو تیر لگے تھے۔

کشتی کو باندھ دیا گیا اور سواروں کا دستہ محاذ کی طرف روانہ ہوگیا۔ کیمپ دُور نہیں تھا۔

☆

میکنا ناماریوس قاہرہ کی ایک سرائے میں قیام پذیر تھا۔ اس سرائے کا ایک حصہ عام اور کمتر مسافروں کے لیے تھا اور دوسرا حصہ امراء اور اونچی حیثیت کے مسافروں کے لیے۔ اس حصے میں دولت مند تاجر بھی قیام کرتے تھے۔ اُن کے لیے شراب اور ناچنے گانے والیاں بھی مہیا کی جاتی تھیں۔ میکنا ناماریوس اسی خاص حصے میں ٹھہرا۔ موبی کو اُس نے اپنی بیوی بتایا اور اپنے ساتھی کو معتمد ملازم۔ موبی کی خوب صورتی اور جوانی نے سرائے والوں پر میکنا ناماریوس کا رعب طاری کر دیا۔ ایسی حسین اور جوان بیوی کسی بڑے دولت مند ہی کی ہو سکتی تھی۔ سرائے والوں نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ موبی نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے صلاح الدین ایوبی کے گھر اور دفتر کے متعلق معلومات حاصل کرلیں۔ اس نے یہ بھی معلوم کرلیا کہ سلطان ایوبی نے سوڈانیوں کو معافی دے دی ہے اور سوڈانی فوج توڑ دی ہے۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ سوڈانی سالاروں اور کمان داروں وغیرہ کے حرم خالی کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی کہ انہیں زرعی زمینیں دی جا رہی ہیں۔

یہ میکنا ناماریوس کی غیر معمولی دلیری تھی یا غیر معمولی حماقت کہ وہ اس ملک کی زبان تک نہیں جانتا تھا۔ پھر بھی اتنے خطرناک مشن پر آگیا تھا۔ اُسے اس قسم کے قتل کی اور اتنے بڑے رتبے کے انسان تک رسائی حاصل کرنے کی کوئی ٹریننگ نہیں دی گئی تھی۔ وہ ذہنی لحاظ سے انتشار اور خلفشار کا مریض تھا، پھر بھی وہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے آیا، جس کے اردگرد محافظوں کا پورا دستہ موجود رہتا تھا۔ اس کے دستے کے کمانڈر نے اسے کہا تھا کہ تم پاگل ہو، تم نے جتنی باتیں کی ہیں۔ ان میں مجھے ذرا سی بھی عقل کی بو نہیں آئی۔ بظاہر میکنا ناماریوس پاگل ہی تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بڑے آدمیوں کو قتل کرنے والے عموماً پاگل ہوتے ہیں۔ اگر پاگل نہیں تو اُن کے ذہنی توازن میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ یہی کیفیت اٹلی کے اس سزا یافتہ آدمی کی تھی۔ اس کے پاس ایک ہتھیار ایسا تھا جو ڈھال کا کام بھی دے سکتا تھا۔ یہ تھی موبی۔ موبی مصر کی صرف زبان ہی نہیں جانتی تھی، بلکہ اُسے اور اس کی مری ہوئی چھ ساتھی لڑکیوں کو مصری اور عربی مسلمانوں کے رہن سہن، تہذیب و تمدن اور دیگر معاشرتی اونچ نیچ کے متعلق لمبے عرصے کے لیے ٹریننگ دی گئی تھی۔ وہ مسلمان مردوں کی نفسیات سے بھی واقف تھی۔ اداکاری کی ماہر تھی اور سب سے بڑی خوبی یہ کہ وہ مردوں کو انگلیوں پر نچانا اور بوقتِ ضرورت اپنا پورا جسم ننگا کر کے کسی مرد کو پیش کرنا بھی جانتی تھی۔

یہ تو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ بند کمرے میں میکنا ناماریوس، موبی اور ان کے ساتھی نے کیا باتیں کیں اور کیا منصوبہ بنایا۔ البتہ ایسا ثبوت پرانی تحریروں میں ملتا ہے کہ تین چار روز سرائے میں قیام کے بعد میکنا ناماریوس باہر نکلا، تو اس کی داڑھی دُھلی دھلائی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ سوڈانیوں کی طرح گہرا بادامی تھا، جو مصنوعی ہو سکتا تھا، لیکن مصنوعی لگتا

نہیں تھا۔ اس نے معمولی قسم کا چغہ اور سر پر معمولی قسم کا رومال اور عمامہ باندھ رکھا تھا۔ موبی سر سے پاؤں تک سیاہ برقعہ نما لبادے میں تھی اور اس کے چہرے پر باریک نقاب اس طرح پڑا تھا کہ ہونٹ اور ٹھوڑی ڈھکی ہوئی تھی، پیشانی تک چہرہ ننگا تھا۔ پیشانی پر اس کے بھورے ریشمی بال پڑے ہوئے تھے اور اس کا حسن ایسا نکھرا ہوا تھا کہ راہ جاتے لوگ رُک کر دیکھتے تھے۔ ان کا ساتھی معمولی سے لباس میں تھا، جس سے پتہ چلتا تھا کہ نوکر ہے۔ سرائے کے باہر دو نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ سرائے والوں نے میگنا ناماریوس کے لیے اُجرت پر منگوائے تھے، کیونکہ اُس نے کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ سیر کے لیے جانا چاہتا ہے۔ میگنا ناماریوس اور موبی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور جب گھوڑے چلے تو ان کا ساتھی نوکروں کی طرح پیچھے پیچھے چل پڑا۔

صلاح الدین ایوبی اپنے نائبین کو سامنے بٹھائے سوڈانیوں کے متعلق احکامات دے رہا تھا۔ وہ یہ کام بہت جلدی ختم کرنا چاہتا تھا، کیونکہ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سلطان زنگی کی بھیجی ہوئی فوج، مصر کی نئی فوج اور وفادار سوڈانیوں کو ساتھ ملا کر ایک فوج بنائے گا اور فوری طور پر یروشلم پر چڑھائی کرے گا۔ بحیرۂ روم کی شکست کے بعد، جبکہ سلطان زنگی نے فرینکوں کو بھی شکست دے دی تھی، ایک لمبے عرصے تک صلیبیوں کے سنبھلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی سلطان ایوبی ان سے یروشلم چھین لینے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ سوڈانیوں کو زمینوں پر آباد کر دینا چاہتا تھا، تاکہ کھیتی باڑی میں اُلجھ جائیں اور ان کی بغاوت کا امکان نہ رہے۔

نئی فوج کی تنظیم تو اور ہزارہا سوڈانیوں کو زمینوں پر آباد کرنے کا کام آسان نہیں تھا۔ ان دونوں کاموں میں خطرہ یہ تھا کہ سلطان ایوبی کی فوج اور اپنی انتظامیہ میں ایسے اعلیٰ افسر موجود تھے جو اُسے مصر کی امارات کے سربراہ کی حیثیت سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ سوڈانیوں کی فوج کو توڑ کر بھی سلطان ایوبی نے اپنے خلاف خطرہ پیدا کر لیا تھا۔ اس فوج کے چند ایک اعلیٰ حکام زندہ تھے۔ انہوں نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی تھی، مگر علی بن سفیان کی انٹیلی جنس بتا رہی تھی کہ بغاوت کی راکھ میں ابھی کچھ چنگاریاں موجود ہیں۔

انٹیلی جنس کی رپورٹ یہ بھی تھی کہ ان باغی سربراہوں کو اپنی شکست کا اتنا افسوس نہیں، جتنا صلیبیوں کی شکست کا غم ہے، کیونکہ وہ بغاوت دب جانے کے بعد بھی صلیبیوں سے مدد لینا چاہتے تھے اور مصر کی انتظامیہ اور فوج کے دو تین اعلیٰ حکام کو سوڈانیوں کی شکست کا افسوس تھا، کیونکہ وہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ صلاح الدین ایوبی مارا جائے گا یا بھاگ جائے گا۔ یہ ایمان فروشوں کا ٹولہ تھا، لیکن سلطان ایوبی کا ایمان مضبوط تھا۔ اس نے مخالفین سے واقف ہوتے ہوئے بھی اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ اُن کے ساتھ نرمی سے اور خلوص سے پیش آتا رہا۔ کسی محفل میں اُس نے ان کے خلاف کوئی بات نہ کی اور جب کبھی اس نے ماتحتوں سے اور فوج سے خطاب کیا تو ایسے الفاظ کبھی نہ کہے کہ میں اپنے مخالفین کو مزہ چکھا دوں گا۔ کبھی دھمکی آمیز یا طنزیہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ البتہ ایسے الفاظ اکثر اس کے منہ سے نکلتے تھے.........."اگر کسی ساتھی کو ایمان بیچتا دیکھو تو اُسے روکو۔ اسے یاد دلاؤ کہ وہ مسلمان ہے اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو تا کہ وہ دشمن کے اثر سے آزاد ہو جائے"......... لیکن درپردہ وہ مخالفین کی سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا۔ علی بن سفیان کا محکمہ بہت ہی زیادہ مصروف ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو زیرِ زمین سیاست کی اطلاعیں باقاعدگی سے دی جا رہی تھیں۔

اب اس محکمے کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ محافظوں اور شتربانوں کے قتل کی اطلاع بھی قاہرہ آ چکی تھی۔ اس سے پہلے جاسوسوں کا گروہ جس میں لڑکیاں بھی تھیں۔ محافظوں سے نامعلوم افراد نے آزاد کرا لیا تھا۔ ان دو واقعات

نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ملک میں صلیبی جاسوس اور چھاپہ مار موجود ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں یہاں کے باشندوں کی پشت پناہی اور پناہ حاصل ہے۔ ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ چھاپہ ماروں اور لڑکیوں کو عین اس وقت ختم کر دیا گیا ہے، جب وہ کشتی میں سوار ہو رہے تھے۔ چھاپہ ماروں کی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے فوج کے دو دستے سارے علاقے میں گشت کے لیے گزشتہ شام روانہ کر دیئے گئے اور انٹیلی جنس کے نظام کو اور زیادہ وسیع کر دیا گیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی قدرے پریشان بھی تھا۔ وہ کیا عزم لے کے مصر میں آیا تھا اور اب سلطنت اسلامیہ کے استحکام اور وسعت کے لیے اس نے کیا کیا منصوبے بنائے تھے، مگر اُس کے خلاف زمین کے اوپر سے بھی اور زمین کے نیچے سے بھی ایسا طوفان اُٹھا تھا کہ اس کے منصوبے لرزنے لگے تھے۔ اُسے پریشانی یہ تھی کہ مسلمان کی تلوار مسلمان کی گردن پر لٹک رہی تھی۔ ایمان کا نیلام ہونے لگا تھا۔ سلطنتِ اسلامیہ کی خلافت بھی سازشوں کے جال میں اُلجھ کر سازشوں کا حصہ اور آلۂ کار بن گئی تھی۔ زن اور زر نے عرب کی سرزمین کو ہلا ڈالا تھا۔ سلطان ایوبی اس سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ اسے قتل کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں، لیکن اس پر وہ کبھی پریشان نہیں ہوا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ میری جان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی ذاتِ باری کو جب زمین پر میرا وجود بے کار لگے گا تو مجھے اُٹھا لے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے طور پر اپنی حفاظت کا کبھی فکر نہیں کیا تھا۔ یہ تو اُس کی فوجی انتظامیہ کا بندوبست تھا کہ اس کے گرد محافظوں کے دستے اور انٹیلی کے آدمی موجود رہتے تھے اور علی بن سفیان تو اس معاملے میں بہت چوکس تھا۔ ایک تو یہ اُس کی ڈیوٹی تھی، دوسرے یہ کہ وہ سلطان ایوبی کو اگر پیغمبر نہیں تو اپنا پیر و مُرشد ضرور سمجھتا تھا۔

اس روز سلطان ایوبی نائبین کو احکامات اور ہدایات دے رہا تھا، جب دو گھوڑے اس کے محافظ دستے کی بنائی ہو حد پر رُکے۔ انہیں محافظوں کے کمانڈر نے روک لیا تھا۔ سوار میکنا ناماریوس اور موبی تھے۔ وہ گھوڑوں سے اُترے تو گھوڑوں کی باگیں ان کے ساتھی نے تھام لیں۔ موبی نے کمانڈر سے کہا کہ وہ اپنے باپ کو ساتھ لائی ہے۔ سلطان ایوبی سے ملنا ہے۔ کمانڈر نے میکنا ناماریوس سے بات کی اور ملاقات کی وجہ پوچھی۔ میکنا ناماریوس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ یہ زبان سمجھتا ہی نہیں تھا۔ موبی نے اپنا نام اسلامی بتایا تھا۔ اس نے کمانڈر سے کہا......... "اس سے بات کرنا بے کار ہے، یہ گونگا اور بہرہ ہے......... ملاقات کا مقصد ہم سلطان کو یا اس کے کسی بڑے افسر کو بتائیں گے"۔

علی بن سفیان باہر ٹہل رہا تھا۔ اس نے میکنا ناماریوس اور موبی کو دیکھا تو ان کے پاس آ گیا۔ اس نے السلام و علیکم کہا تو موبی نے وعلیکم السلام کہا۔ کمانڈر نے اسے بتایا کہ یہ سلطان سے ملنا چاہتے ہیں۔ علی بن سفیان نے میکنا ناماریوس سے ملاقات کی وجہ پوچھی تو موبی نے اسے بھی کہا کہ یہ میرا باپ ہے، گونگا اور بہرہ ہے۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا کہ سلطان ابھی بہت مصروف ہیں، فارغ ہو جائیں گے تو اُن سے ملاقات کا وقت لیا جائے گا۔ اس نے کہا......... "آپ ملاقات کا مقصد بتائیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا کام سلطان سے ملے بغیر ہو جائے۔ سلطان چھوٹی چھوٹی شکایتوں کے لیے ملاقات کا وقت نہیں نکال سکتے۔ متعلقہ محکمہ از خود ہی شکایت رفع کر دیا کرتا ہے"۔

"کیا سلطان ایوبی اسلام کی ایک مظلوم بیٹی کی فریاد سننے کے لیے وقت نہیں نکال سکیں گے؟"......... موبی نے کہا......... "مجھے جو کچھ کہنا ہے، وہ میں انہی سے کہوں گی"۔

"مجھے بتائے بغیر آپ سلطان سے نہیں مل سکیں گی"......... علی بن سفیان نے کہا۔ "میں سلطان تک آپ کی فریاد پہنچاؤں گا۔ وہ ضروری سمجھیں گے تو آپ کو اندر بلا لیں گے"......... علی بن سفیان انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔

موبی نے شمالی علاقے کے کسی قصبے کا نام لے کر کہا۔.........''دو سال گزرے سوڈانی فوج وہاں سے گزری۔ میں بھی لڑکیوں کے ساتھ فوج دیکھنے کے لیے باہر آ گئی۔ ایک کمان دار نے اپنا گھوڑا موڑا اور میرے پاس آ کر میرا نام پوچھا۔ میں نے بتایا تو اس نے میرے باپ کو بلایا۔ اسے پرے لے جا کر کوئی بات کی، کسی نے کمان دار سے کہا کہ یہ گونگا اور بہرہ ہے۔ کمان دار چلا گیا۔ شام کے بعد چار سوڈانی فوجی ہمارے گھر آئے اور مجھے زبردستی اُٹھا کر لے گئے اور کمان دار کے حوالے کر دیا۔ اس کا نام بالیان ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے آیا اور حرم میں رکھ لیا۔ اُس کے پاس چار اور لڑکیاں تھی۔ میں نے اسے کہا کہ میرے ساتھ باقاعدہ شادی کر لے، لیکن اس نے مجھے شادی کے بغیر ہی بیوی بنائے رکھا۔ دو سال اس نے مجھے اپنے پاس رکھا۔ سوڈانی فوج نے بغاوت کی تو بالیان چلا گیا۔ معلوم نہیں مارا گیا ہے یا قید میں ہے۔ آپ کی فوج اس کے گھر میں آئی اور ہم سب لڑکیوں کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ تم سب آزاد ہو.........

میں اپنے گھر چلی گئی۔ میرے باپ نے شادی کرنی چاہی تو سب نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ حرم کی بچی ہوئی ہڈی ہے، وہاں لوگوں نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ ہم سرائے میں ٹھہرے ہیں۔ سنا تھا کہ سلطان سوڈانیوں کو زمینیں اور مکان دے رہے ہیں۔ مجھے آپ بالیان کی داشتہ یا اس کی بیوی سمجھ کر یہاں زمین اور مکان دے دیں، تاکہ وہ اُس قصبے سے نکل آؤں۔ ورنہ میں خودکشی کر لوں گی یا گھر سے بھاگ کر کہیں طوائف بن جاؤں گی''۔

''اگر آپ کو زمین سلطان سے ملے بغیر مل جائے تو سلطان سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟''.........علی بن سفیان نے کہا۔

''ہاں!''.........موبی نے کہا.........''پھر بھی ملنے کی ضرورت ہے۔ اُسے آپ عقیدت بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں سلطان کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اس کی سلطنت میں عورت کھلونا بنی ہوئی ہے۔ دولت مندوں اور حاکموں کے ہاں شادی کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ خدا کے لیے عورت کی عصمت کو بچاؤ اور عورت کی عظمت کو بحال کرو۔ سلطان سے یہ کہہ کر شاید میرے دل کو سکون آ جائے گا''۔

میگ نا ناماریوس اس طرح خاموش بیٹھا رہا، جیسے اس کے کان میں کوئی بات نہیں پڑ رہی۔ علی بن سفیان نے موبی سے کہا کہ سلطان کو اجلاس سے فارغ ہونے دیں پھر ان سے ملاقات کی اجازت لی جائے گی۔ یہ کہہ کر علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ وہ بہت دیر بعد آیا اور کہا کہ وہ سلطان سے اجازت لینے جا رہا ہے۔ وہ سلطان ایوبی کے کمرے میں چلا گیا اور خاصی دیر بعد آیا۔ اس نے موبی سے کہا کہ اپنے باپ کو سلطان کے پاس لے جاؤ۔ اس نے انہیں سلطان ایوبی کا کمرہ دکھا دیا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے دونوں نے باہر کی طرف دیکھا۔ وہ غالباً قتل کے بعد وہاں سے نکلنے کا راستہ دیکھ رہے تھے۔

☆

سلطان کمرے میں اکیلا تھا۔ اس نے دونوں کو بٹھایا اور موبی سے پوچھا۔''کیا تمہارا باپ پیدائشی گونگا اور بہرہ ہے؟''

''ہاں سلطانِ محترم!''.........موبی نے جواب دیا.........''یہ اس کا پیدائشی نقص ہے''۔

سلطان ایوبی بیٹھا نہیں، کمرے میں ٹہلتا رہا اور بولا.........''میں نے تمہاری شکایت اور مطالبہ سن لیا ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ میں تمہیں یہاں زمین بھی دوں گا اور مکان بھی بنوا دوں گا۔ سنا ہے تم کچھ اور بھی مجھ سے کہنا چاہتی ہو''۔

''اللہ آپ کا اقبال بلند کرے!'' ....موبی نے کہا.......... ''آپ کو بتا دیا گیا ہوگا کہ میرے ساتھ کوئی آدمی شادی نہیں کرتا۔ لوگ مجھے حرم کی چھوڑی ہوئی ہڈی، فاحشہ اور بدکار کہتے ہیں اور میرے باپ کو کہتے ہیں کہ اس نے بیٹی بیچ ڈالی تھی۔ آپ مجھے زمین اور مکان تو دے دیں گے، لیکن مجھے ایک خاوند کی ضرورت ہے، جو میری عزت کی رکھوالی کرے..........'' اس نے جھجک کر کہا.......... ''میں ایسی بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتی، لیکن اپنی ماں کی عرضداشت آپ تک پہنچانا چاہتی ہوں کہ آپ اگر میری شادی نہیں کرا سکتے تو مجھے اپنے حرم میں رکھ لیں۔ آپ میری عمر، میری شکل و صورت اور میرا جسم دیکھیں۔ کیا میں آپ کے قابل نہیں ہوں؟'' یہ کہہ کر اس نے میگنا ناماریوس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوسرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور سلطان ایوبی کی طرف اشارہ یا۔ یہ اشارہ شاید پہلے سے طے شدہ تھا۔ میگنا ناماریوس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی کی طرف کیے اور پھر موبی کے ہاتھ پکڑ کر سلطان ایوبی کی طرف بڑھایا، جیسے وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میری بیٹی کو قبول کر لو۔

''میرا کوئی حرم نہیں لڑکی!'' ....سلطان ایوبی نے کہا.......... ''میں ملک سے حرم، قحبہ خانے اور شراب ختم کر رہا ہوں'' .... بات کرتے کرتے اس نے اپنی جیب سے ایک سکہ نکالا اور ہاتھ میں اُچھالنے لگا۔ اس نے کہا.......... ''میں عورت کی عزت کا محافظ بننا چاہتا ہوں'' .... یہ کہتے کہتے وہ دونوں کی پیٹھ پیچھے چلا گیا اور سکہ ہاتھ سے گرا دیا۔ ٹن کی آواز آئی تو میگنا ناماریوس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور پھر فوراً ہی سامنے دیکھنے لگا۔

صلاح الدین ایوبی نے تیزی سے اپنے کمربند سے ایک فٹ لمبا خنجر نکال کر اس کی نوک میگنا ناماریوس کی گردن پر رکھ دی اور موبی سے کہا۔

''یہ شخص میری زبان نہیں سمجھتا۔ اُسے کہو کہ اپنے ہاتھ سے اپنا ہتھیار پھینک دے۔ اس نے ذرا سی پس و پیش کی تو یہاں سے تم دونوں کی لاشیں اُٹھائی جائیں گی''۔

موبی کی آنکھیں حیرت اور خوف سے کھل گئیں۔ اس نے اداکاری کا کمال دکھانے کی کوشش کی اور کہا.......... ''میرے باپ کو ڈرا دھمکا کر آپ مجھ پر کیوں قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں تو خود ہی اپنے آپ کو پیش کر رہی ہوں''۔

''تم جب محاذ پر میرے سامنے آئی تھیں تو تم میری زبان نہیں بولتی تھیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا اور خنجر کی نوک میگنا ناماریوس کی گردن پر رکھے رکھی۔ اُس نے کہا.......... ''کیا تم اتنی جلدی یہاں کی زبان بولنے لگی ہو؟.......... اسے کہو ہتھیار فوراً باہر نکال دے''۔

موبی نے اپنی زبان میں میگنا ناماریوس سے کچھ کہا تو اُس نے چغے کے اندر ہاتھ ڈال کر خنجر باہر نکالا جو اتنا ہی لمبا تھا جتنا سلطان ایوبی کا تھا۔ سلطان نے اس کے ہاتھ سے خنجر لے لیا اور اپنا خنجر اس کی گردن سے ہٹا کر کہا.......... ''باقی چھ لڑکیاں کہاں ہیں؟''۔

''آپ نے مجھے پہچاننے میں غلطی کی ہے'' .... موبی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا.......... ''میرے ساتھ اور کوئی لڑکی نہیں ہے۔ آپ کون سی چھ لڑکیوں کی بات کر رہے ہیں؟''

''مجھے خدا نے آنکھیں دی ہیں'' .... سلطان ایوبی نے کہا.......... ''اور خدا نے مجھے ذہن بھی دیا ہے، جس میں وہ چہرے نقش ہو جاتے ہیں جنہیں ایک بار آنکھ دیکھ لیتی ہے۔ تمہارا چہرہ جو آدھا نقاب میں ہے، میں نے پہلے بھی دیکھا ہے.......... تمہیں اور تمہارے اس ساتھی کو خدا نے اتنا ناقص ذہن دیا ہے کہ جس کام کے لیے تم آئے تھے، تم اس

قابل نہیں۔ سرائے میں تم دونوں خاوند اور بیوی تھے۔ یہاں آ کر تم باپ اور بیٹی بن گئے، مگر تم ہو کچھ بھی نہیں اور تمہارا ایک ساتھی باہر گھوڑوں کے پاس کھڑا ہے، وہ تمہارا نوکر نہیں۔ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے"۔

یہ کمال علی بن سفیان کا تھا۔ اسے موبی نے بتایا تھا کہ وہ سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ ان دونوں کو اپنے کمرے میں بٹھا کر باہر نکل گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرائے میں چلا گیا تھا۔ سرائے والوں سے اُس نے ان کے حلیے بتا کر پوچھا تو اسے بتایا گیا تھا کہ وہ میاں بیوی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا نوکر ہے۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ انہوں نے بازار سے کچھ کپڑے بھی خریدے تھے، جن میں لڑکی کا برقعہ نما چغہ اور جوتے بھی تھے۔ انہوں نے علی بن سفیان سے کہا تھا کہ وہ میاں بیوی ہیں۔ اس نے اور کوئی تفتیش نہیں کی۔ ان کے کمرے کا تالا توڑ کر ان کے سامان کی تلاشی لی۔ اس سے چند ایسی اشیاء برآمد ہوئیں جنہوں نے شک کو یقین میں بدل دیا۔ علی بن سفیان سمجھ گیا کہ سلطان ایوبی سے ان کا تنہائی میں ملنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔ اس نے ان کے گھوڑے دیکھے تھے۔ اعلیٰ نسل کے تیز رفتار گھوڑے تھے۔ سرائے والے سے ان کے گھوڑوں کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ یہ تینوں مسافر اونٹوں پر آئے تھے اور یہ گھوڑے لڑکی نے یہ کہہ کر منگوائے تھے کہ نہایت اچھے ہوں اور تیز رفتار ہوں۔ سرائے والے نے یہ بھی بتایا تھا کہ لڑکی کا خاوند گونگا ہے اور نوکر بھی گونگا معلوم ہوتا ہے، وہ کسی سے بات نہیں کرتا۔ دراصل وہ بھی یہاں کی زبان نہیں جانتا تھا۔

علی بن سفیان نے واپس آ کر دیکھا کہ اجلاس ختم ہو گیا ہے تو وہ سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔ اسے ان کے متعلق بتایا اور وہ کہانی بھی سنائی جو لڑکی نے اسے سنائی تھی۔ پھر سرائے سے جو معلومات اس نے حاصل کی تھیں اور ان کے سامان سے جو مشکوک چیزیں برآمد کی تھیں، وہ دکھائیں اور اپنی رائے یہ دی کہ آپ کو قتل کرنے آئے ہیں۔ آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں یہ منصوبہ بنایا ہو گا کہ آپ کو قتل کر کے نکل جائیں گے۔ جتنی دیر میں کسی کو پتہ چلے گا، اتنی دیر میں وہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے دُور جا چکے ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ آپ کو اتنی خوب صورت لڑکی کے چکر میں ڈال کر خواب گاہ میں قتل کرنا چاہتے ہوں۔

سلطان ایوبی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کہا........... "انہیں ابھی گرفتار نہ کرو۔ میرے پاس بھیج دو"۔

علی بن سفیان نے انہیں اندر بھیج دیا اور خود سلطان کے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگ کھڑا رہا۔ اس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلا کر کہا........... "ان دونوں گھوڑوں کو اپنے گھوڑوں کے ساتھ باندھ دو اور زینیں اُتار دو اور ان کے ساتھ جو آدمی ہے، اسے حراست میں بٹھا لو۔ اس کی تلاشی لو۔ اس کے کپڑوں کے اندر خنجر ہو گا۔ وہ اس سے لے لو"۔

ان احکام پر عمل ہو گیا۔ میگنا ناماریوس کا ساتھی گرفتار ہو گیا۔ اس سے ایک خنجر برآمد ہوا۔ گھوڑوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ اور جب انہیں سلطان ایوبی کے کمرے میں داخل کیا گیا تو باتوں باتوں میں سلطان نے ایک سکہ فرش پر پھینک کر یقین کر لیا کہ یہ شخص بہرہ نہیں۔ سکے کی آواز پر اس نے فوراً پیچھے مُڑ کر دیکھا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے لڑکی سے کہا........... "اسے کہو کہ میری جان صلیبیوں کے خدا کے ہاتھ میں نہیں، میرے اپنے خدا کے ہاتھ میں ہے"۔

موبی نے اپنی زبان میں میگنا ناماریوس سے بات کی تو اس نے چونک کر کچھ کہا۔ موبی نے سلطان ایوبی سے کہا........... "یہ کہتا ہے، کیا آپ کا خدا کوئی اور ہے اور کیا مسلمان بھی خدا کو مانتے ہیں؟"

"اسے کہو کہ مسلمان اس خدا کو مانتے ہیں جو سچا ہے اور سچے عقیدے والوں کو عزیز رکھتا ہے"........... سلطان

ایوبی نے کہا.........."مجھے کس نے بتایا ہے تم دونوں مجھے قتل کرنے آئے ہو؟.......... میرے خدا نے، اگر تمہارا خدا سچا ہوتا تو تمہارا خنجر مجھے ہلاک کر چکا ہوتا۔ میرے خدا نے تمہارا خنجر میرے ہاتھ میں دے دیا ہے۔" اس نے ایک تلوار کہیں سے نکالی اور چند اور اشیا انہیں دکھا کر کہا.........."یہ تلوار اور یہ چیزیں تمہاری ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ سمندر پار سے آئی ہیں۔ تم سے پہلے یہ مجھ تک پہنچ گئی ہیں"۔

میکنا ماریوس حیرت سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں اُبل کر باہر آگئیں، جتنی باتیں ہوئیں، وہ موبی کی وساطت سے ہوئی۔ میکنا ماریوس نے بولنا شروع کر دیا اور وہ صرف اپنی زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ خدا کے متعلق یہ باتیں سن کر اس نے کہا.........."یہ شخص سچے عقیدے کا معلوم ہوتا ہے۔ میں اس کی جان لینے آیا تھا، لیکن اب میری جان اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے کہو کہ تمہارے سینے میں ایک خدا ہے۔ وہ مجھے دکھائے۔ میں اس خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں، جس نے اسے اشارہ دیا ہے کہ ہم اسے قتل کرنے آئے ہیں"۔

سلطان ایوبی کے پاس اتنی لمبی چوڑی باتوں کا وقت نہیں تھا۔ اُسے چاہیے تھا کہ ان دونوں کو جلاد کے حوالے کر دیتا، لیکن اس نے دیکھا کہ یہ شخص بھٹکا ہوا معلوم ہوتا ہے، اگر یہ پاگل نہیں تو یہ ذہنی طور پر گمراہ ضرور ہے، چنانچہ اس نے اس کے ساتھ دوستانہ انداز سے باتیں شروع کر دیں۔ اس دوران علی بن سفیان اندر آگیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سلطان خیریت سے تو ہے، سلطان ایوبی نے مُسکرا کر کہا۔ "سب ٹھیک ہے علی! میں نے ان سے خنجر لے لیا ہے".......... علی بن سفیان سکون کی آہ بھر کر باہر چلا گیا۔

میکنا ماریوس نے کہا.........."پیشتر اس کے کہ سلطان میری گردن تن سے جدا کر دے، میں اپنی زندگی کی کہانی سنانے کی مہلت چاہتا ہوں۔"

سلطان نے اجازت دے دی۔ میکنا ماریوس نے بالکل وہ کہانی جو رات صحرا میں اس نے اپنے پارٹی کمانڈر اور اپنے ساتھیوں کو سنائی تھی، من و عن سلطان ایوبی کو سنا دی۔ اب کے اس نے صلیب پر لٹکتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بُت، کنواری مریم کی تصویر اور پادریوں کے اُس خدا سے جس سے وہ پادری کی اجازت کے بغیر بات بھی نہیں کر سکتا تھا، بیزاری کا اظہار اور زیادہ شدت سے کیا اور کہا.........."مرنے سے پہلے مجھے خدا کی ایک جھلک دکھا دو۔ میرے خدا نے بچوں کو بھوکا مار دیا ہے، میری ماں کو اندھا کر دیا ہے، میری بہن کو شرابی وحشیوں کا قیدی بنا دیا ہے اور مجھے تیس سالوں کے لیے قید خانے میں بند کر دیا ہے، میں وہاں سے نکلا تو موت کے منہ میں آپڑا۔ سلطان! میری جان تیرے ہاتھ میں ہے، مجھے سچا خدا دکھا دے، میں اس سے فریاد کروں گا، اس سے انصاف مانگوں گا"۔

"تیری جان میرے ہاتھ میں نہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا.........."میرے خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر میرے ہاتھ میں ہوتی تو اس وقت تک تم میرے جلاد کے پاس ہوتے، میں تمہیں وہ سچا خدا دکھا دوں گا، جو تیری گردن مارنے سے مجھے روک رہا ہے، لیکن تجھے اس خدا کا سچا عقیدہ قبول کرنا ہوگا، ورنہ خدا تمہاری فریاد نہیں سنے گا اور انصاف بھی نہیں ملے گا".......... سلطان ایوبی نے اس کا خنجر اس کی گود میں پھینک دیا اور خود اس کے پاس جا کر اس کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ موبی سے کہا.........."اسے کہو میں اپنی جان اس کے حوالے کرتا ہوں۔ یہ خنجر میری پیٹھ میں گھونپ دے"۔

میکنا ماریوس نے خنجر ہاتھ میں لے لیا۔ اسے غور سے دیکھا۔ سلطان ایوبی کی پیٹھ پر نگاہ دوڑائی۔ اُٹھا اور سلطان کے سامنے جا گیا۔ اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی جلالی شخصیت کا اثر تھا یا سلطان

کی آنکھوں کی چمک میں اُسے سچا خدا نظر آ گیا کہ اس کے ہاتھ کانپے۔ اس نے خنجر سلطان ایوبی کے قدموں میں رکھ دیا۔ وہ دوزانو بیٹھ گیا اور سلطان کا ہاتھ چوم کر زار و قطار رونے لگا........ موبی سے کہا......... "اسے کہو کہ یا تو یہ خود خدا ہے یا اس نے خدا کو اپنے سینے میں قید کر رکھا ہے۔ اسے کہو مجھے اپنا خدا دکھا دو"۔

سلطان ایوبی نے اسے اُٹھایا اور سینے سے لگا کر اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔

وہ تو بھٹکا ہوا انسان تھا۔ اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھر دی گئی تھی اور اسلام کے خلاف زہر ڈالا گیا تھا۔ پھر حالات نے اسے اپنے مذہب سے بیزار کیا۔ یہ ایک قسم کا پاگل پن تھا اور ایک تشنگی تھی جو اسے ایسی خطرناک مہم پر لے آئی تھی۔ سلطان ایوبی اُسے بے گناہ سمجھتا تھا، لیکن اسے آزاد بھی نہ کیا، بلکہ اپنے پاس رکھ لیا۔ موبی باقاعدہ ٹریننگ لے کر آئی تھی اور مفرور جاسوسہ تھی۔ یہ وہ ساتویں لڑکی تھی جس نے صلیبیوں کا پیغام سوڈانیوں تک پہنچایا اور بغاوت کرائی تھی۔ وہ ملک کی دشمن تھی۔ اسے اسلامی قانون نہیں بخش سکتا تھا۔ سلطان نے اُسے اور اس کے ساتھی کو علی بن سفیان کے حوالے کر دیا۔ تفتیش میں دونوں نے اقبالِ جرم کر لیا اور یہ بھی بتا دیا کہ رسد کے قافلے کو انہوں نے ہی لوٹا تھا اور لڑکیوں کو بھی انہوں نے آزاد کرایا اور محافظ دستے کو ہلاک کیا تھا اور بالیان اور اس کے ساتھیوں کو بھی انہوں نے ہلاک کیا تھا۔

یہ تفتیش تین دن جاری رہی۔ اس دوران میگنا ناماریوس کا دماغ روشن ہو چکا تھا۔ ایک بار اس نے سلطان ایوبی سے پوچھا......... "کیا آپ نے اس لڑکی کو مسلمان کر کے حرم میں داخل کر لیا ہے؟"

"آج شام کو اس سوال کا جواب دوں گا"......... سلطان ایوبی نے جواب دیا۔

شام کے وقت سلطان ایوبی نے میگنا ناماریوس کو ساتھ لیا اور کچھ دُور لے جا کر ایک احاطے میں لے گیا۔ لکڑی کے دو تختے پڑے تھے۔ ان پر سفید چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ سلطان ایوبی نے چادروں کو ایک طرف سے اُٹھا دیا اور میگنا ناماریوس کو دکھایا، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس کے سامنے موبی کی لاش پڑی تھی اور دوسرے تختے پر اس کے ساتھی کی لاش تھی۔ سلطان ایوبی نے موبی کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کھینچا، گردن کندھے سے جُدا تھی۔ اس نے میگنا ناماریوس سے کہا......... "میں اسے بخش نہیں سکتا تھا، تم اسے اپنے ساتھ لائے تھے کہ میں اس کے حسن اور جسم پر فدا ہو جاؤں گا، مگر اس کا جسم مجھے ذرہ بھر اچھا نہیں لگا تھا، یہ ناپاک جسم تھا۔ یہ اب مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ اب جبکہ اس جسم سے اتنی حسین شکل و صورت جدا ہو چکی ہے۔ مجھے یہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔ اللہ اس کے گناہ معاف کرے"۔

"سلطان!"......... میگنا ناماریوس نے پوچھا......... "آپ نے مجھے کیوں بخش دیا ہے"۔

"اس لیے کہ تم مجھے قتل کرنے آئے تھے"......... سلطان ایوبی نے جواب دیا......... "مگر یہ میری قوم کے کردار کو قتل کرنے آئی تھی اور تمہارا یہ ساتھی بھی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بہت سے لوگوں کا قاتل بنا اور تم نے میرا خون بہا کر خدا کو دیکھنا چاہا تھا"۔

چند ہی دنوں بعد میگنا ناماریوس سیف اللہ بن گیا جو بعد میں سلطان ایوبی کے محافظ دستے میں شامل ہوا اور جب سلطان ایوبی خالقِ حقیقی سے جا ملا، تو سیف اللہ نے زندگی کے آخری سترہ برس سلطان صلاح الدین ایوبی کی قبر پر گزار دیئے۔ آج کسی کو بھی معلوم نہیں کہ سیف اللہ کی قبر کہاں ہے۔

☆ ☆ ☆

ڈوسری بیوی

قاہرہ سے ڈیڑھ دومیل ڈور جہاں ایک طرف ریت کے ٹیلے اور باقی ہر طرف صحرا ریت کے سمندر کی مانند اُفق تک پھیلا ہوا تھا، انسانوں کے سمندر تلے دب گیا تھا۔ یہ لاکھوں انسانوں کا ہجوم تھا۔ ان میں شتر سوار بھی تھے اور گھوڑ سوار بھی۔ بہت سے لوگ گدھوں پر بھی سوار تھے۔ تعداد ان کی زیادہ تھی، جن کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ لاتعداد ہجوم چار پانچ دنوں سے صحرا کی اس وسعت میں جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ قاہرہ کے بازاروں میں بھیڑ اور رونق زیادہ ہو گئی تھی۔ سرائے بھر گئی تھی۔ یہ لوگ ڈور ڈور سے اس سرکاری منادی پر آئے تھے کہ چھ سات روز بعد قاہرہ کے مضافاتی ریگستان میں مصر کی فوج گھوڑ سواری، شتر سواری، دوڑتے گھوڑوں اور اونٹوں سے تیر اندازی اور بہت سے جنگی کمالات کا مظاہرہ کرے گی۔ منادی میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ غیر فوجی لوگ بھی ان مظاہروں میں جس کسی کو چاہیں تیغ زنی، کشتی، دوڑتے گھوڑوں کی لڑائی اور تیر اندازی وغیرہ کے لیے للکار کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہ منادی صلاح الدین ایوبی نے کرائی تھی۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب ملے گی اور دوسرے یہ کہ جو لوگ ابھی تک سلطان کو فوجی لحاظ سے کمزور سمجھتے ہیں، ان کے شکوک رفع ہو جائیں۔ سلطان ایوبی کو جب یہ اطلاعیں ملنے لگیں کہ لوگ چھ روز پہلے ہی تماشہ گاہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا مگر علی بن سفیان پریشان سا نظر آتا تھا۔ اس نے سلطان کے آگے اس پریشانی کا اظہار کر بھی دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے مسرت سے اُسے کہا تھا............ ''اگر تماشائیوں کی تعداد ایک لاکھ ہو جائے تو ہمیں پانچ ہزار سپاہی تو مل ہی جائیں گے''۔

''محترم امیر!'' علی بن سفیان نے کہا...... ''میں تماشائیوں کے ہجوم کو کسی اور زاویے سے دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندازے کے مطابق اگر تماشائیوں کی تعداد ایک لاکھ ہوئی تو اس میں ایک ہزار جاسوس ہوں گے۔ دیہات سے عورتیں بھی آ رہی ہیں۔ ان میں زیادہ تر سوڈانی ہیں۔ ان میں اکثر کا رنگ اتنا گورا ہے کہ عیسائی عورت ان میں چھپ سکتی ہے''۔

''میں تمہاری اس مشکل کو اچھی طرح سمجھتا ہوں علی!'' سلطان نے کہا............ ''لیکن تم جانتے ہو کہ میں نے جس میلے کا انتظام کیا ہے، وہ کیوں ضروری ہے۔ تم اپنے محکمے کو اور زیادہ ہوشیار کر دو''۔

''میں اس کے حق ہوں!'' .... علی بن سفیان نے کہا............ ''یہ میلہ بہت ہی ضروری ہے۔ میں نے اپنی پریشانی آپ کو پریشان کرنے کے لیے نہیں بتائی، صرف یہ اطلاع پیش کی ہے کہ یہ میلہ اپنے ساتھ کیا خطرہ لا رہا ہے۔ قاہرہ میں عارضی قحبہ خانے کھل گئے ہیں جو ساری رات شائقین سے بھرے رہتے ہیں۔ تماشائیوں میں سے بعض نے شہر کے ماہر ٹھیکے نصب کر لیے ہیں۔ میرے گروہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ان میں بھی قمار بازوں اور عصمت فروشوں کے ٹھیے موجود ہیں۔ کل میلے کا دن ہے۔ ناچنے گانے والیوں نے تماشائیوں سے دولت کے ڈھیر اکٹھے کر لیے ہیں''۔

''میلہ ختم ہو جائے گا تو یہ غلاظت بھی ہجوم کے ساتھ ہی صاف ہو جائے گی''۔ سلطان ایوبی نے کہا......... ''میں

اس پر پابندی عائد نہیں کرنا چاہتا۔ مصر کی اخلاقی حالات اچھی نہیں۔ رقص اور عصمت فروشی ایک دو دنوں میں ختم نہیں کی جاسکتی۔ ابھی مجھے زیادہ سے زیادہ تماشائیوں کی ضرورت ہے۔ مجھے فوج تیار کرنی ہے اور تم جانتے ہو علی! ہمیں بہت زیادہ فوج کی ضرورت ہے۔ میں نے فوج اور انتظامیہ کے سربراہوں کے اجلاس میں یہ ضرورت وضاحت سے بیان کردی تھی"۔

"میں آپ کو اس وضاحت سے روک نہیں سکا تھا، امیر محترم!"..........علی بن سفیان نے کہا.........."میری سراغ رساں نگاہوں میں ان سربراہوں میں نصف ایسے ہیں جو ہمارے وفادار نہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان میں کچھ ایسے ہیں جو آپ کو اس گدی پر نہیں دیکھنا چاہتے اور باقی جو ہیں اُن کی دل چسپیاں سوڈانیوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک ایک آدمی چھوڑ رکھا ہے۔ میرے آدمی مجھے ان کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں"۔

"کسی کی کوئی خطرناک سرگرمی سامنے آئی ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"نہیں۔" علی بن سفیان نے جواب دیا.........."سوائے اس کے، کہ یہ لوگ اپنی حیثیت اور رتبوں کو فراموش کر کے راتوں کو مشکوک خیموں میں اور اُن مکانوں میں جاتے ہیں جو عارضی قحبہ خانے اور رقص گاہیں بن گئے ہیں۔ دو نے تو ناچنے والی لڑکیوں کو گھروں میں بھی بلایا ہے..........ان سے زیادہ میرا دماغ اُن دو بادبانی کشتیوں پر گھوم رہا ہے جو دس روز گزرے، بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ دیکھی گئی تھیں"۔

"اُن میں کیا خاص بات تھی؟".........سلطان ایوبی نے پوچھا۔

اس وقت تک بحیرۂ روم کے ساحل سے فوج کو واپس بلا لیا گیا تھا، وہاں ڈھکی چھپی جگہوں پر دو دو فوجی سمندر پر نظر رکھنے کے لیے بٹھا دیئے گئے تھے۔ علی بن سفیان نے ماہی گیروں اور صحرائی خانہ بدوشوں کے لباس میں ساحل پر انٹیلی جنس کے چند آدمی مقرر کر دیئے تھے۔ یہ اہتمام ایک تو اس لیے کیا گیا تھا کہ صلیبی اچانک حملہ نہ کر دیں اور دوسرے اس لیے کہ اِدھر سے صلیبیوں کے جاسوس نہ آسکیں، مگر ساحل بہت لمبا تھا۔ کہیں کہیں چٹانیں بھی تھیں، جہاں سمندر اندر آجاتا تھا۔ سارے ساحل پر نظر نہیں رکھی جاسکتی تھی۔ دس روز گزرے ایسی ہی ایک جگہ سے جہاں سمندر چٹانوں کے اندر آیا ہوا تھا، دو بادبانی کشتیاں نکلتی دیکھی تھیں۔ وہ شاید رات کو آئی تھیں۔

انہیں جاتا دیکھ کر سلطان کے دو سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے اس جگہ پہنچے، جہاں سے کشتیاں نکل کر گئی تھیں۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ کوئی انسان نہیں تھا اور کشتیاں سمندر میں دور چلی گئی تھیں۔ کشتیوں اور بادبانوں کی ساخت بتاتی تھی کہ یہ مصر کے ماہی گیروں کی نہیں۔ سمندر پار کی معلوم ہوتی تھیں۔ سوار تھوڑی دُور تک صحرا میں گئے۔ انہیں کسی انسان کا سراغ نہیں ملا۔ انہوں نے قاہرہ اطلاع بھجوادی تھی کہ ساحل کے ساتھ دو مشکوک کشتیاں دیکھی گئی ہیں۔ علی بن سفان کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ریگزار میں انہیں ڈھونڈ لیتا جو کشتیوں میں سے اُترے تھے۔ اطلاع پہنچتے پہنچتے تین دن گزر گئے تھے۔ یہ بھی یقین نہیں تھا کہ کشتیوں سے کون اُترا ہے۔

علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے اس سوال کے جواب میں کہ ان کشتیوں میں کیا خاص بات تھی، یہ وضاحت کر دی اور کہا.........."ہم میلے کی منادی ڈیڑھ مہینے سے کرا رہے ہیں۔ ڈیڑھ مہینے میں خبر یورپ کے وسط تک پہنچ سکتی ہے اور وہاں سے جاسوس آسکتے ہیں۔ مجھے یقین کی حد تک شک ہے کہ تماشائیوں کے ساتھ صلیبیوں کے جاسوس میلے میں آگئے ہیں۔ قاہرہ میں اس وقت لڑکیاں عارضی طور پر نہیں، مستقل طور پر فروخت ہو رہی ہیں۔ سلطان سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے خریدار معمولی حیثیت کے لوگ نہیں ہو سکتے۔ ان خریداروں میں قاہرہ کے تاجر، ہماری انتظامیہ اور فوج کے سربراہ اور نامی

گرامی بردہ فروش شامل ہیں۔ بکنے والی لڑکیوں میں صلیبیوں کی جاسوس لڑکیاں ہو سکتی ہیں اور یقیناً ہوں گی"۔

سلطان ایوبی ان اطلاعوں سے پریشان نہ ہوا۔ بحیرۂ روم میں صلیبیوں کو شکست دیئے تقریباً ایک سال گزر گیا تھا۔ علی بن سفیان نے سمندر پار جاسوسی کا انتظام کر رکھا تھا جو مضبوط اور سو فیصد قابل اعتماد نہیں تھا۔ تاہم یہ اطلاع مل گئی تھی کہ صلیبیوں نے مصر میں جاسوس اور تخریب کار بھیج رکھے ہیں۔ ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ مصر کے متعلق اُن کے منصوبے کیا ہیں۔ بغداد اور دمشق سے آنے والی اطلاعوں سے پتہ چلا تھا کہ صلیبیوں نے زیادہ تر دباؤ ادھر ہی رکھا ہوا ہے۔ وہاں خصوصاً شام میں، وہ مسلمان اُمرا کو عیاشیوں اور شراب میں ڈبوتے چلے جا رہے تھے۔ سلطان نورالدین زنگی کی موجودگی میں صلیبی ابھی براہِ راست ٹکر لینے کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔ بحیرۂ روم میں جب صلاح الدین ایوبی نے اُن کا بیڑہ بمع لشکر غرق کر دیا تھا، اُدھر عرب میں سلطان زنگی نے صلیبیوں کی مملکت پر حملہ کر کے انہیں صلح پر مجبور کیا اور جزیہ وصول کر لیا تھا۔ اس معرکے میں بہت سے صلیبی سلطان زنگی کی قید میں آئے تھے۔ جن میں رینالٹ نام کا ایک صلیبی سالار بھی تھا۔ سلطان زنگی نے ان قیدیوں کو رہا نہیں کیا تھا، کیونکہ صلیبیوں نے مسلمان جنگی قیدیوں کو شہید کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ صلیبی عہد شکنی بھی کرتے تھے۔

سلطان ایوبی کو اطمینان تھا کہ اُدھر سلطان زنگی سلطنتِ اسلامیہ کی پاسبانی کر رہا ہے، پھر بھی وہ فوج تیار کر رہا تھا تاکہ صلیبیوں سے فلسطین لیا جائے اور عرب کی سرزمین کو کفار سے پاک کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مصر کا دفاع مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ بیک وقت حملے اور دفاع کے لیے بے شمار فوج کی ضرورت تھی۔ مصر میں بھرتی کی رفتار سلطان ایوبی کے عزائم کے مطابق سست تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ سوڈانیوں کی جو فوج توڑ دی گئی تھی، اس کے کماندار اور عہدے دار دیہات میں سلطان ایوبی کے خلاف پروپیگنڈا کرتے پھر رہے تھے۔ اس فوج میں سے تھوڑی سی تعداد سلطان کی فوج میں وفاداری کا حلف اُٹھا کر شامل ہو گئی تھی۔ کچھ فوج مصر سے تیار کر لی گئی تھی اور کچھ سلطان زنگی نے بھیج دی تھی۔ مصر کے لوگوں نے ابھی یہ فوج نہیں دیکھی تھی، نہ ہی انہوں نے سلطان ایوبی کو دیکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس میلے کا اعلان کر کے اپنے فوجی سربراہوں اور اُن کے ماتحت کمانداروں وغیرہ کو ہدایت دی تھی کہ وہ باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے ملیں اور پیار و محبت سے ان کا اعتماد حاصل کریں۔ انہیں باور کرائیں کہ وہ انہی میں سے ہیں اور ہم سب کا مقصد یہ ہے کہ خدا اور رسول ﷺ کی سلطنت کو دُور دُور تک پھیلانا اور اسے صلیبی فتنے سے پاک کرنا ہے۔

میلے سے ایک روز پہلے علی بن سفیان، سلطان کو جاسوسوں کے خطرے سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا............

"امیرِ محترم! مجھے جاسوسوں کا کوئی ڈر نہیں، دراصل خطرہ اپنے ان کلمہ گو بھائیوں سے ہے جو کفار کے اس زمین دوز حملے کو کامیاب بناتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان مضبوط ہو تو جاسوسوں کا پورا لشکر بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ میلے کے تماشائیوں میں جو ناچنے والی لڑکیاں نظر آ رہی ہیں۔ وہ صلیبیوں کا جال ہیں، تاہم میرا گروہ دن رات مصروف ہے"۔

"اپنے آدمیوں سے یہ کہہ دو کہ کسی جاسوس کو جان سے نہ ماریں"...... سلطان ایوبی نے کہا...... "زندہ پکڑو۔ جاسوس دشمن کے لیے آنکھ اور کان ہوتا ہے، لیکن ہمارے لیے وہ زبان ہے۔ وہ تمہیں اُن کی خبریں دے گا، جنہوں نے اُسے بھیجا ہے"۔

☆

میلے کی صبح طلوع ہوئی۔ وہ میدان بہت ہی وسیع تھا جس کے تین اطراف تماشائیوں کا ہجوم تھا، جس طرف ریت کے ٹیلے تھے ادھر کسی کو نہیں جانے دیا گیا تھا۔ جنگی دف بجنے لگے۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں اس طرح سنائی دیں، جیسے سیلابی دریا آ رہا ہو۔ گرد آسمان کی طرف اُٹھ رہی تھی۔ یہ دو ہزار سے زیادہ گھوڑے تھے۔ پہلا گھوڑ سوار میدان

میں داخل ہوا۔ یہ صلاح الدین ایوبی تھا۔ اس کے دونوں طرف علم بردار تھے اور پیچھے سواروں کا دستہ تھا۔ گھوڑوں پر پھول دار چادریں ڈالی گئی تھیں۔ ہر سوار کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ برچھی کے چمکتے ہوئے پھل کے ساتھ رنگین کپڑے کی چھوٹی سی جھنڈی تھی۔ ہر سوار کی کمر سے تلوار لٹک رہی تھی۔ گھوڑے ڈلکی چال آرہے تھے۔ سوار گردنیں تانے اور سینے پھیلائے بیٹھے تھے۔ اُن کے چہروں پر جلالی تاثر تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ تماشائیوں کے دم بخود ہجوم سے اعلیٰ و برتر ہوں۔ اُن کی آن بان دیکھ کر تماشائیوں پر خاموشی طاری ہوگئی تھی، ان پر رعب چھا گیا تھا۔

تماشائی نیم دائرے میں کھڑے تھے۔ ان کے پیچھے تماشائی گھوڑوں پر بیٹھے تھے اور ان کے پیچھے کے تماشائی اونٹوں پر بیٹھے تھے۔ ایک ایک گھوڑے اور ایک ایک اونٹ پر دو دو تین تین آدمی بیٹھے تھے۔ ان کے آگے ایک جگہ شامیانہ لگایا گیا تھا، جس کے نیچے کرسیاں رکھی تھی۔ یہاں اونچی حیثیت والے تماشائی بیٹھے تھے۔ ان میں تاجر بھی تھے۔ سلطان کی حکومت کے افسر اور شہر کے معززین بھی۔ ان میں قاہرہ کی مسجدوں کے امام بھی بیٹھے تھے۔ انہیں سب سے آگے بٹھایا گیا تھا، کیونکہ سلطان ایوبی مذہبی پیشواؤں اور علماء کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ ان کی موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر بیٹھتا نہیں تھا۔ ان میں سلطان کے وہ افسر بھی بیٹھے تھے جو انتظامیہ کے تھے، لیکن ان کا تعلق فوج سے تھا۔ سلطان نے انہیں خاص طور پر کہا تھا کہ ان زعماء میں بیٹھ کر ان کے ساتھ دوستی پیدا کریں۔ ان میں خادم الدین البرق تھا۔ علی بن سفیان کے بعد یہ دوسرا آدمی تھا جو سلطان ایوبی کے خفیہ منصوبوں، مملکت اور فوج کے ہر راز سے واقف تھا۔ اس کا کام ہی ایسا تھا اور اس کا عہدہ سالار جتنا تھا۔ جنگ کے منصوبے اور نقشے اسی کے پاس ہوتے تھے۔ اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ وہ عرب کے مردانہ حسن اور جلال کا پیکر تھا۔ جسم توانا اور چہرہ ہشاش بشاش تھا۔

البرق کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ بہت ہی خوب صورت لڑکی تھی۔ وہ نوجوان تھی۔ لڑکی کے ساتھ ایک آدمی بیٹھا تھا جس کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ کوئی امیر کبیر لگتا تھا۔ البرق کئی بار اس لڑکی کی طرف دیکھ چکا تھا۔ ایک بار لڑکی نے بھی اسے دیکھا تو مسکرا دی۔ پھر اس نے بوڑھے کی طرف دیکھا تو اس کی مُسکراہٹ غائب ہوگئی۔

گھوڑے تماشائیوں کے سامنے سے گزر گئے تو شتر سوار آگئے۔ اونٹوں کو گھوڑوں کی طرح رنگ دار چادروں سے سجایا گیا تھا۔ ہر سوار کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ اور اس کے پھل سے ذرا نیچے تین تین انچ چوڑے اور ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ لمبے دو رنگے کپڑے جھنڈیوں کی طرح بندھے ہوئے تھے۔ ہوا میں وہ پھڑ پھڑاتے بہت ہی خوب صورت لگتے تھے۔ ہر سوار کے کندھوں سے ایک کمان آویزاں اور اونٹ کی زین کے ساتھ رنگین ترکش بندھی تھی۔ اونٹوں کی گردنیں خم کھا کر اوپر کو اٹھی ہوئیں اور سر جیسے فخر سے اونچے ہوگئے تھے۔ سواروں کی شان نرالی تھی۔ گھوڑسواروں کی طرح ہر شتر سوار سامنے دیکھ رہا تھا۔ اُن کی آنکھیں بھی دائیں بائیں نہیں دیکھتی تھیں۔ یہ اونٹ انہی اونٹوں جیسے تھے جن پر تماشائی بیٹھے ہوئے تھے، لیکن فوجی ترتیب، فوجی چال اور فوجی سواروں کے نیچے وہ کسی اور جہان کے لگتے تھے۔

البرق نے اپنے پاس بیٹھی ہوئی لڑکی کو ایک بار پھر دیکھا۔ اب کے لڑکی نے اسے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا جادو تھا کہ البرق نے اپنے آپ میں بجلی کا جھٹکا سا محسوس کیا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر شرم و حیا کا تبسم آگیا اور اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے بوڑھے کو دیکھا تو اس کا تبسم نفرت میں بدل گیا۔ البرق کی ایک بیوی تھی، جس میں سے اُس کے چار بچے تھے۔ وہ شاید اس بیوی کو بھول گیا تھا۔ وہ لڑکی کے اس قدر قریب بیٹھا تھا کہ لڑکی کا اُٹھا ہوا ریشمی نقاب ہوا سے اُڑ کر کئی بار البرق کے سینے سے لگا۔ ایک بار اس نے نقاب ہاتھ

سے پرے کیا تو لڑکی نے شرما کر معذرت کی۔ البرق مسکرایا، منہ سے کچھ نہ کہا۔

شتر سواروں کے پیچھے پیادہ فوج آ رہی تھی۔ ان میں تیر اندازوں اور تیغ زنوں کے دستے تھے۔ اُن کی ایک ہی جیسی چال، ایک ہی جیسے ہتھیار اور ایک ہی جیسا لباس تماشائیوں پر وہی تاثر طاری کر رہا تھا جو سلطان ایوبی کرنا چاہتا تھا۔ سپاہیوں کے چہروں پر تندرستی اور توانائی کی رونق تھی اور وہ خوش و خرم اور مطمئن نظر آتے تھے۔ یہ ساری فوج نہیں، صرف منتخب دستے تھے۔ ان کے پیچھے منجنیقیں آ رہی تھیں، جنہیں گھوڑے گھسیٹ رہے تھے۔ ہر منجنیق دستے کے پیچھے ایک ایک گھوڑا گاڑی تھی جس میں بڑے بڑے پتھر اور ہانڈیوں کی قسم کے برتن رکھے تھے۔ ان میں تیل جیسی کوئی چیز بھری ہوئی تھی جو منجنیقوں سے پھینکی جاتی تھی۔ جہاں یہ برتن گرتا تھا وہ کئی ٹکڑوں میں ٹوٹ کر سیال مادے کو بہت سی جگہ پر بکھیر دیتا تھا۔ اس پر آتشیں تیر چلائے جاتے تو سیال مادہ شعلے بن جاتا تھا۔

سلطان ایوبی کی قیادت میں یہ سوار اور پیادہ دستے، نیم دائرے میں کھڑے اور بیٹھے ہوئے تماشائیوں کے آگے سے دُور آگے نکل گئے۔ صلاح الدین ایوبی راستے میں سے واپس آ گیا۔ اُس کے گھوڑے کے آگے علم برداروں کے گھوڑے، دائیں، بائیں اور پیچھے محافظوں کے گھوڑے اور اُن کے پیچھے نائب سالاروں کے گھوڑے تھے۔ سلطان نے گھوڑا روک لیا، کود کر اُترا اور تماشائیوں کو ہاتھ ہوا میں لہرا لہرا کر سلام کرتا شامیانے کے نیچے چلا گیا، وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان ایوبی نے سب کو سلام کیا اور اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

سوار اور پیادہ دستے دُور آگے جا کر ٹیلوں کے عقب میں چلے گئے۔ میدان خالی ہو گیا۔ ایک گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام اور دوسرے میں اونٹ کی رسی تھی۔ اونٹ گھوڑے کی رفتار کے ساتھ دوڑتا آ رہا تھا۔ میدان کے وسط میں آ کر گھوڑ سوار گھوڑے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے باگیں چھوڑ دیں۔ وہ اُچھل کر اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہو گیا، وہاں سے کود کر گھوڑے کی پیٹھ پر آ گیا اور وہاں سے زمین پر کود گیا۔ چند قدم گھوڑے اور اونٹ کے ساتھ بھاگا پھر کود کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ گھوڑے اور اونٹ کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ گھوڑے کی پیٹھ سے وہ اونٹ کی پیٹھ پر چلا گیا اور دُور آگے جا کر غائب ہو گیا۔

خادم الدین البرق دائیں کو ذرا سا جھکا۔ اُس کے منہ اور لڑکی کے سر کے درمیان دو تین انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ لڑکی نے اسے دیکھا۔ البرق مُسکرایا۔ لڑکی شرما گئی۔ بوڑھے نے دونوں کو دیکھا۔ اس کے بوڑھے ماتھے کے شکن گہرے ہو گئے۔

اچانک ٹیلوں کے پیچھے سے ہانڈیوں کی طرح کے مٹی کے وہ برتن جو گھوڑا گاڑیوں پر لدے ہوئے تھے، اوپر کو جاتے، آگے آتے اور میدان میں گرتے نظر آئے۔ برتن ٹوٹتے تھے تو تیل اچھل کر بکھر جاتا تھا۔ کم و بیش ایک سو برتن گرے اور اُن سے نکلا ہوا مادہ تقریباً ایک سو گز لمبائی اور اسی قدر چوڑائی میں بکھر گیا۔ ایک ٹیلے پر چھ تیر انداز نمودار ہوئے۔ انہوں نے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے جو سیال مادے والی جگہ گڑ گئے۔ فوراً وہ تمام جگہ ایک ایسا شعلہ بن گئی جو گھوڑے کی پیٹھ تک بلند اور کوئی ایک سو گز تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف سے چار گھوڑ سوار گھوڑے پوری رفتار سے دوڑتے آئے۔ شعلے کے قریب آ کر وہ رُکے نہیں۔ رفتار کم بھی نہ کی۔ چاروں شعلے میں چلے گئے۔ تماشائی دم بخود تھے کہ وہ جل جائیں گے مگر وہ اتنے وسیع شعلے میں دوڑتے نظر آ رہے تھے۔ آخر وہ چاروں شعلے میں سے نکل گئے۔ تماشائیوں نے داد و تحسین کا وہ شور بلند کیا کہ آسمان پھٹنے لگا۔ دو سواروں کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ دونوں بھاگتے گھوڑوں سے ریت پر گرے اور تھوڑی دور لڑھکنیاں کھاتے گئے۔ ان کے کپڑوں کی آگ بجھ گئی۔

البرق اس شوروغل اور سواروں کے کمالات سے نظریں پھیرے ہوئے لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی اس کی طرف دیکھتی اور ذرا سا مسکرا کر بوڑھے کو دیکھنے لگتی تھی۔ بوڑھا اُٹھ کر جانے کیوں چلا گیا۔ لڑکی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ البرق کو معلوم تھا کہ لڑکی بوڑھے کے ساتھ آئی ہے۔ اس نے لڑکی سے پوچھا۔

''تمہارے والد صاحب کہاں چلے گئے ہیں؟''

''یہ میرا باپ نہیں'' ....لڑکی نے جواب دیا..........''میرا خاوند ہے''۔

''خاوند؟'' ....البرق نے حیرت سے پوچھا..........''کیا یہ شادی تمہارے والدین نے کرائی ہے؟''

''اس نے مجھے خریدا ہے'' ....لڑکی نے اُداس لہجے میں کہا۔

''وہ کہاں گیا ہے؟'' ....البرق نے پوچھا۔

''ناراض ہو کر چلا گیا ہے''.....لڑکی نے جواب دیا.....''اسے شک ہو گیا ہے کہ میں آپ کو دلچسپی سے دیکھتی ہوں''

''کیا تم واقعی مجھے دلچسپی سے دیکھتی ہو؟'' ....البرق نے رومانی انداز سے پوچھا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ آ گئی۔ دھیمی سی آواز میں بولی۔ ''میں اس بوڑھے سے تنگ آ گئی ہوں۔ اگر کسی نے مجھے اس سے نجات نہ دلائی تو میں خودکشی کر لوں گی''۔

میدان میں سوار اور پیادہ فوجی حیران کن کرتب دکھا رہے تھے اور حرب و ضرب کے مظاہرے کر رہے تھے۔ تماشائیوں نے جنگی مظاہرے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ انہوں نے صرف سوڈانی فوج دیکھی تھی جو خزانے کے لیے سفید ہاتھی بنی ہوئی تھی۔ اس کے کمان دار بادشاہوں کی طرح باہر نکلتے تھے۔ ان کے ساتھ اگر فوج کا دستہ ہو تو وہ دیہات کے لیے مصیبت بن جاتے تھے۔ مویشی تک کھول کر لے جاتے تھے۔ کسی کے پاس اچھی نسل کا اونٹ، گھوڑا دیکھتے تو زبردستی لے جاتے تھے۔ لوگوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ فوج رعایا پر ظلم و تشدد کرنے کے لیے رکھی جاتی ہے، لیکن سلطان کی فوج بہت مختلف تھی۔ ایک تو وہ دستے تھے جو مظاہرے میں شریک تھے۔ باقی فوج کو سلطان کی ہدایات کے مطابق تماشائیوں میں پھیلا دیا گیا تا کہ وہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر ان پر یہ تاثر پیدا کریں کہ فوجی ان کے بھائی ہیں اور انہی میں سے ہیں۔ بدتمیزی یا بداخلاقی کرنے والے فوجی کے لیے بڑی سخت سزا مقرر کی گئی تھی۔

خادم الدین البرق جو سلطان ایوبی کی جنگی مشاورتی محکمے کا سربراہ اور رازداں تھا، سلطان کی ہدایات اور میلے کے شوروغل سے بالکل ہی لاتعلق ہو گیا تھا۔ لڑکی ایک جادو بن کر اس کی عقل پر غالب آ گئی تھی۔ اس نے لڑکی میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اسے لڑکی نے قبول کر لیا تھا۔ اس سے دونوں کے لیے سہولت پیدا ہو گئی۔ البرق نے کہیں ملنے کو کہا تو لڑکی نے جواب دیا کہ وہ خریدی ہوئی لونڈی ہے اور بوڑھے نے اسے قید میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اس پر ہر وقت نظر رکھتا ہے۔ لڑکی نے یہ بھی بتایا کہ بوڑھے کے گھر چار بیویاں ہیں......البرق نے اپنے رُتبے کو فراموش کر دیا۔ عشق باز نوجوان کی طرح اُس نے ملاقات کی وہ جگہیں بتانی شروع کر دیں جہاں آوارہ آدمیوں کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا۔ ان جگہوں میں ایک جگہ لڑکی کو پسند آ گئی۔ یہ شہر سے باہر قدیم زمانے کا کوئی کھنڈر تھا۔ البرق نے لڑکی سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اسے بوڑھے سے آزاد کرانے کی کوشش کرے گا۔

☆

تیسری رات البرق گھر سے نکلا۔ وہ حاکموں کی شان سے گھر سے نکلا کرتا تھا، مگر اس رات وہ چوروں کی طرح باہر نکلا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک طرف چل پڑا۔ قاہرہ پر سکوت طاری تھا۔ فوجی میلہ ختم ہوئے دو دن گزر گئے تھے۔ باہر

سے آئے ہوئے تماشائی جا چکے تھے۔ سرکاری حکم کے تحت عارضی قحبہ خانے اُٹھا دیئے گئے تھے۔ علی بن سفیان کا محکمہ اب یہ سراغ لگاتا پھر رہا تھا کہ باہر سے آئی ہوئی کتنی لڑکیاں اور کتنے مشکوک لوگ شہر یا مضافاتی دیہات میں رہ گئے ہیں۔ میلے کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ دو ہی دنوں میں چار ہزار جوان فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور مزید بھرتی کی توقع تھی۔

البرق شہر سے نکل گیا اور اس نے اُس کھنڈر کا رُخ کیا جہاں لڑکی کو آنا تھا۔ صحرائی گیدڑوں کے سوا زمین و آسمان گہری نیند سو گئے تھے۔ لڑکی نے البرق سے کہا تھا کہ وہ بوڑھے کی قیدی ہے اور وہ اُس پر ہر وقت نظر رکھتا ہے، پھر بھی البرق اس اُمید پر جا رہا تھا کہ لڑکی ضرور آئے گی۔ ممکنہ خطروں سے نمٹنے کے لیے اس کے پاس ایک خنجر تھا۔ عورت ایسا جادو ہے کہ جس پر طاری ہو جائے وہ کسی کی پروا نہیں کیا کرتا۔ عقل و دانش اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ البرق پختہ عمر کا آدمی تھا مگر وہ نادان نوجوان بن گیا تھا۔ اسے اندھیرے میں کھنڈر کے قریب ایک تاریک سایہ، سر سے پاؤں تک لبادے میں لپٹا ہوا نظر آیا اور کھنڈر کے کھڑے سیاہ بھوت میں جذب ہو گیا تو وہ تیز تیز چلتا کھنڈر میں پہنچا۔ گری ہوئی دیوار کے شگاف سے وہ اندر آ گیا۔ آگے اندھیرہ کمرہ تھا۔ چھت میں بڑی زور سے کوئی بہت بڑا پرندہ پھڑ پھڑایا۔ البرق نے ہوا کے تیز جھونکے محسوس کیے اور اچانک اس کے منہ پر تھپڑ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اسے "چی چی" کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ جان گیا کہ یہ بڑے چمگاڈر ہیں جن کے پنجے اس کا منہ نوچ ڈالیں گے۔ وہ بیٹھ گیا اور پاؤں پر سرکتا کمرے سے نکل گیا۔ کمرہ اڑتے چمگاڈروں سے بھر گیا تھا۔

آگے صحن تھا، جس کے اِرد گرد گول برآمدہ تھا۔ البرق نے یہ بھی نہ سوچا کہ ایک خریدی ہوئی قیدی لڑکی جس پر ہر وقت نظر رکھی جاتی ہے، اس ہیبت ناک کھنڈر میں کیسے آئی گی، مگر برآمدے میں کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ نے اسے بتا دیا کہ یہاں کوئی موجود ہے۔ اس نے کمر سے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے سر پر چمگاڈر اُڑ رہے تھے، پھڑ پھڑانے کی آوازیں ڈراؤنی تھیں۔ البرق نے آہستہ سے پکارا............ "آصفہ!"............ لڑکی نے اُسے اپنا نام بتا دیا تھا اور میلے میں یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ کس طرح فروخت ہوئی ہے۔

"آپ آ گئے؟"............ اسے آصفہ کی آواز سنائی دی۔ وہ برآمدے میں سے دوڑتی آئی اور البرق کے ساتھ چپک گئی۔ کہنے لگی............ "آپ کی خاطر جان کو خطرے میں ڈال کر آئی ہوں۔ مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ بوڑھے کو شراب میں نیند کا سفوف پلا آئی ہوں۔ وہ جاگ نہ اُٹھے"۔

"کیا تم اُسے شراب میں زہر نہیں پلا سکتی؟"............ البرق نے پوچھا۔

"میں نے کبھی قتل نہیں کیا"............ آصفہ نے کہا............ "میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح کسی غیر مرد سے ملنے اس ڈراؤنے کھنڈر میں آؤں گی"۔

البرق نے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا...... اچانک ان کے پیچھے برآمدہ روشن ہو گیا، جس کمرے میں سے البرق گزر کر آیا تھا، اس میں سے دو مشعلیں نکلیں۔ یہ لکڑیوں کے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپیٹ کر بنائی گئی تھیں۔ اُن کے شعلے خاصے بڑے تھے۔ البرق نے آصفہ کو اپنے پیچھے کر لیا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ کیا یہ کھنڈر میں رہنے والی بدروحیں تھیں؟ یا لڑکی کے تعاقب میں اس کا خاوند آ گیا تھا؟...... البرق ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک آواز گرجی...... "دونوں کو قتل کر دو"۔

مشعلیں قریب آئیں تو اُن کے ناچتے شعلوں میں البرق اور آصفہ کو چار آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں برچھی اور تین کے پاس تلواریں تھیں۔ انہوں نے مشعلیں زمین میں گاڑ دیں۔ کھنڈر کا صحن روشن ہو گیا۔ چاروں آدمی البرق

کے گرد بھوکے بھیڑیوں کی طرح آہستہ آہستہ چکر میں چلنے لگے۔ آصفہ اس کے پیچھے تھی۔ برآمدے میں سے ایک اور آواز آئی............ "مل گئے؟ زندہ نہ چھوڑنا"............ یہ لڑکی کے بوڑھے خاوند کی آواز تھی۔

آصفہ البرق کے عقب سے آگے آگئی۔ اس نے حقارت اور غصے سے بوڑھے سے کہا............ "آگے آؤ اور مجھے قتل کردو۔ میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔ میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں"۔

چاروں مسلح آدمی ان کے گرد کھڑے تھے۔ برچھی والے نے برچھی آہستہ آہستہ آصفہ کی طرف کی اور اس کی نوک اس کے پہلو سے لگا کر کہا............ "مرنے سے پہلے برچھی کی نوک دیکھ لو، لیکن تم سے پہلے یہ شخص تڑپ تڑپ کر تمہارے سامنے مرے گا، جس کی خاطر تم یہاں آئی ہو"۔

آصفہ نے جھپٹا مار کر برچھی پکڑ لی اور جھٹکا دے کر برچھی چھین لی۔ آصفہ البرق سے الگ ہوگئی اور للکار کر کہا............ "آؤ، آگے آؤ۔ میں دیکھتی ہوں کہ تم مجھ سے پہلے اس آدمی کو کس طرح قتل کرتے ہو"۔

البرق خنجر آگے کیے اس کے سامنے آگیا۔ لڑکی نے برچھی سے اس پر وار کیا جس سے اس نے برچھی چھینی تھی۔ وہ آدمی پیچھے کو بھاگا۔ اس کے ساتھیوں نے البرق پر حملہ کرنے کی بجائے صرف پینترے بدلے۔ وہ البرق کو آسانی سے قتل کر سکتے تھے، مگر وہ بڑھ کر حملہ نہیں کر رہے تھے۔ آصفہ کی للکار گرج رہی تھی۔ وہ بڑھ کر وار کرتی تھی، مگر وار خالی جاتا تھا۔ البرق نے ایک آدمی پر خنجر سے حملہ کیا تو دو آدمی اس کے پیچھے آئے۔ آصفہ ایک ہی جست میں اس کے پیچھے ہوگئی۔ اُس کے ہاتھ میں لمبی برچھی تھی جو تلوار کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ خنجر تلوار کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ بوڑھا ایک طرف کھڑا اپنے آدمیوں کو للکار رہا تھا۔ تھوڑی سی دیر انہوں نے البرق اور آصفہ پر حملے کیے۔ آصفہ اُن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھی۔ البرق وار بچاتا تھا اور خنجر سے وار کرنے کی کوشش کرتا تھا، مگر عجیب امر یہ تھا کہ لڑکی کے حملوں کے باوجود کوئی زخمی نہیں ہوا۔ بوڑھے کے آدمیوں نے بھی تیغ زنی کے جوہر دکھائے، مگر البرق اور آصفہ کو خراش تک نہ آئی۔ اتنے میں بوڑھے نے کہا............ "رُک جاؤ"............ اور لڑائی بند ہوگئی۔

"میں ایسی بے وفا لڑکی کو گھر میں نہیں رکھنا چاہتا"............ بوڑھے نے کہا............ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ اتنی دلیر اور بہادر ہے، اگر اسے میں زبردستی لے بھی گیا تو یہ مجھے قتل کردے گی"۔

"میں تمہیں اس کی پوری قیمت دوں گا"............ البرق نے کہا............ "کہو، تم نے اسے کتنے میں خریدا تھا"۔

بوڑھا ہاتھ بڑھا کر آگے بڑھا اور البرق سے ہاتھ ملا کر بولا............ "میرے پاس دولت کی کمی نہیں۔ میں یہ لڑکی تمہیں بخش دیتا ہوں۔ اسے تمہارے ساتھ اتنی محبت ہے کہ تمہاری خاطر اتنے سارے آدمیوں کے مقابلے میں آگئی ہے۔ میں اسے اس لیے بھی تمہارے حوالے کرتا ہوں کہ یہ جنگجو نسل کی لڑکی ہے۔ میں تاجر اور سوداگر ہوں۔ یہ کسی تم جیسے جنگجو کے گھر میں اچھی لگے گی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ تم سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت کے حاکم ہو۔ میں سلطان کا وفادار اور مرید ہوں۔ میں تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ۔ میں نے اسے طلاق دی اور اسے تم پر حلال کر دیا............ چلو، دوستو انہیں اکیلا چھوڑ دو"............ وہ مشعلیں اُٹھا کر چلے گئے۔

البرق کی حیرت کی انتہا یہ تھی کہ اس کے پاؤں تلے زمین ہلنے لگی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اسے بوڑھے کا فریب سمجھ رہا تھا۔ اسے یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ یہ لوگ راستے میں گھات لگا کر ان دونوں کو قتل کریں گے۔ آصفہ کے ہاتھ میں برچھی تھی، وہ البرق نے لے لی اور کچھ دیر بعد کھنڈر سے نکلے۔ وہ دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتے تیز تیز چلنے لگے۔ ذرا سی

آہٹ سنائی دیتی تو وہ چونک کر رُک جاتے۔ ہر طرف اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتے اور آہستہ آہستہ چل پڑتے۔ شہر میں داخل ہوئے تو ان کی جان میں جان آئی۔ آصفہ نے رک کر بازو البرق کے گلے میں ڈال دیئے اور پوچھا۔ "آپ کو مجھ پر اعتماد ہے یا نہیں؟" .... البرق نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس پر جذبات کا اتنا غلبہ تھا کہ کچھ بول نہ سکا۔ لڑکی نے اسے بے دام خرید لیا تھا۔ اسے یہ تو اب پتہ چلا تھا کہ لڑکی اسے کیسی دیوانگی سے چاہتی ہے اور کتنی بہادر ہے۔ دراصل وہ لڑکی کے حسن پر مرمٹا تھا۔ اُس کی بیوی اس کی ہم عمر تھی۔ آصفہ کو دیکھ کر اس نے محسوس کیا کہ وہ بیوی اس کے کام کی نہیں رہی۔

اُس دور میں جب عورت فروخت ہوتی تھی، گھر میں بیوی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بیک وقت چار بیویاں تو خاوند اپنا حق سمجھتا تھا، لیکن جو پیسے والے تھے، وہ دو چار خوب صورت لڑکیاں بغیر نکاح کے رکھ لیتے تھے۔ مسلمان اُمراء کو عورت نے ہی تباہ کیا تھا۔ ان کے ہاں یہ بھی رواج تھا کہ ایک آدمی کی بیویاں خاوند کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ڈھونڈ ڈھونڈ کر خوب صورت لڑکیاں خاوند کو بطور تحفہ پیش کرتی تھیں۔

البرق جب آصفہ کو ساتھ لیے گھر میں داخل ہوا تو سب سوئے ہوئے تھے۔ صبح اس کی بیوی نے اپنے خاوند کے پلنگ پر اتنی حسین لڑکی دیکھی تو اسے ذرہ بھر محسوس نہ ہوا کہ اس کا سہاگ اُجڑ گیا ہے، بلکہ وہ خوش ہوئی کہ اس کے اتنے اچھے خاوند کو اتنی خوب صورت لڑکی مل گئی ہے۔ اس کے آجانے سے وہ کچھ فرائض سے سبکدوش ہو گئی تھی۔ البرق کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ ایسی ایک اور بیوی یا داشتہ رکھ سکتا تھا۔

صلاح الدین ایوبی مسلمانوں کو عورت سے اور عورت کو مسلمانوں سے آزاد کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک خاوند ایک بیوی کا حکم نافذ کرنا چاہتا تھا، مگر ابھی وہ ہر اُس امیر اور وزیر کو دشمن بنانے سے ڈرتا تھا جس نے کئی کئی لڑکیوں کو گھروں میں رکھا ہوا تھا۔ عورت کے خریدار یہی لوگ تھے۔ انہی کی دولت سے عورت کھلی منڈی میں نیلام ہوتی تھی۔ اغوا کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ قتل اور خون خرابے ہوتے تھے اور اُمراء اور حاکموں کی زن پرستی کا ہی نتیجہ تھا کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے لڑکیوں کی وساطت سے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑوں میں زہر بھر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان ایوبی کو یہ احساس بھی پریشان کیے رکھتا تھا کہ یہی عورت مردوں کے دوش بدوش کفار کے خلاف لڑا کرتی تھی، مگر اب یہ عورت جو جہاد میں مرد کے لیے آدھی قوت تھی، مرد کی تفریح اور عیاشی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ اس سے صرف یہ نہیں ہوا کہ قوم کی آدھی جنگی قوت ختم ہو گئی ہے، بلکہ عورت ایک ایسا نشہ بن گئی ہے جس نے قوم کی مردانگی کو بیکار کر دیا ہے۔

سلطان ایوبی عورت کی عظمت بحال کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک منصوبہ تیار کر رکھا تھا جس کے تحت وہ غیر شادی شدہ لڑکیوں کو باقاعدہ فوج میں بھرتی کرنا چاہتا تھا۔ اسی کے تحت حرم بھی خالی کرنے تھے، مگر ایسے احکام وہ اسی صورت میں نافذ کر سکتا تھا کہ سلطنت کی خلافت یا امارت اس کے ہاتھ آجائے۔ یہ مہم بڑی دشوار تھی۔ اس کے دشمنوں میں اپنوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جانتا تھا کہ قوم میں ایمان فروشوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اس کا ایک معتمد خاص اور حکومت کے رازوں کا رکھوالا، خادم الدین البرق بھی ایک نوجوان حسینہ کو گھر لے آیا ہے اور یہ لڑکی اس کے اعصاب پر ایسی بُری طرح چھا گئی ہے کہ وہ اب فرائض سلطنت سے بے پروا ہو سکتا ہے۔

فوجی میلے میں مصر کے لوگ سلطان ایوبی کی فوجی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے، بلکہ اسے اسلامی اور مصری فوج سمجھ کر اس سے متاثر ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی تقریریں کرنے والا حاکم نہیں تھا، لیکن اس دن اتنے بڑے اجتماع سے اس نے خطاب کرنا ضروری سمجھا۔ اس نے کہا کہ یہ فوج قوم کی عصمت کی محافظ اور اسلام کی پاسبان ہے۔ اس نے صلیبیوں

کے عزائم تفصیل سے بیان کیے اور مصریوں کو بتایا کہ عرب میں مسلمان اُمراء اور حاکموں کی تعیش پرستی کی وجہ سے صلیبیوں نے وہاں مسلمان کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ وہ قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں، مسلمان لڑکیوں کو اغوا کر کے بے آبرو کرتے، پھر انہیں بیچ ڈالتے ہیں.......... سلطان ایوبی نے لوگوں کو قومی جذبے سے آگاہ کر کے انہیں کہا کہ وہ فوج میں بھرتی ہو کر اپنی بیٹیوں کی عصمت اور اسلام کی عظمت کی پاسبانی کریں۔ سلطان کی تقریر میں جوش تھا اور ایسا تاثر کہ تماشائیوں کے دلوں میں ہلچل بچ گئی اور اسی روز جوان آدمی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

دس روز تک بھرتی ہونے والوں کی تعداد چھ ہزار ہوگئی۔ اس میں کم و بیش ڈیڑھ ہزار جوان اپنے اونٹ ساتھ لائے اور ایک ہزار کے قریب گھوڑوں اور خچروں سمیت آئے۔ سلطان نے انہیں جانوروں کا معاوضہ فوری طور پر ادا کر دیا اور فوج نے ان کی ٹریننگ شروع کر دی۔

میلے کے تین ماہ بعد..........

سلطان کی فوج میں تین جرائم کی رفتار بڑھنے لگی.......... چوری، جواء بازی اور رات کی غیر حاضری..........
یہ جرائم اس سے پہلے بھی ہوتے تھے، لیکن نہ ہونے کے برابر تھے۔ فوجی میلے کے بعد یہ وبا کی صورت اختیار کرنے لگے۔ ان تینوں کی بنیاد جواء بازی تھی۔ چوری کی وارداتیں اسی تک محدود تھیں کہ سپاہی سپاہی کی کوئی ذاتی چیز چرا کر بازار میں بیچ ڈالتا تھا، مگر ایک رات فوج کے تین گھوڑے غائب ہو گئے۔ سواروں اور سپاہیوں کی تعداد پوری تھی۔ کوئی بھی غیر حاضر نہیں تھا، اگر اس نقصان کو نظر انداز کر دیا جاتا تو اگلی بار دس گھوڑے چوری ہو جاتے۔ اعلیٰ حکام تک رپورٹ پہنچی۔ انہوں نے فوجوں کو تنبیہ کی، سزا سے ڈرایا، خدا سے ڈرایا مگر یہ تینوں جرائم بڑھتے گئے۔

ایک رات ایک سپاہی پکڑا گیا۔ وہ کہیں سے کیمپ میں آرہا تھا۔ اس سے پہلے رات کو غیر حاضر ہونے والے سپاہی چوری چھپے سنتریوں سے بچ کر نکل جاتے اور بچتے بچاتے آجاتے تھے، لیکن یہ سپاہی لڑکھڑاتا آرہا تھا۔ سنتری نے اسے دیکھ لیا اور اُسے پکارا۔ سپاہی رُک گیا اور گر پڑا۔ سنتری نے دیکھا کہ یہ خون میں نہایا ہوا تھا۔ اسے اُٹھا کر اپنے عہدے دار کے پاس لے گیا۔ اس کی مرہم پٹی کی گئی، مگر وہ زندہ نہ رہ سکا۔ مرنے سے پہلے اس نے بتایا کہ وہ اپنے ایک ساتھی سپاہی کو قتل کر آیا ہے اور اس کی لاش کیمپ سے نصف کوس دور ایک خیمے میں پڑی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق وہاں تین خیمے تھے۔ وہ لوگ خانہ بدوش تھے۔ ان کے پاس خوب صورت عورتیں تھیں۔ وہ ان عورتوں کی نمائش فوجیوں میں کرتے تھے۔ رات کو سپاہی وہاں تک پہنچ جاتے تھے، وہ دوسروں کو بتاتے تو وہ بھی چلے جاتے۔

وہ خانہ بدوش صرف عظمت فروش نہیں تھے۔ ان کی ہر عورت اپنے ہر فوجی گاہک کو یہ تاثر دیتی تھی کہ وہ اس پر فدا ہے اور اس کے ساتھ شادی کرے گی۔ بعد کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ انہوں نے سپاہیوں میں رقابت پیدا کر دی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ دو سپاہی خانہ بدوشوں کے خیمے میں لڑ پڑے۔ ایک مارا گیا اور دوسرا زخمی ہو کر آیا اور بیان دے کر مر گیا۔

دوسرے سپاہی کی لاش لانے کے لیے آدمی روانہ کر دیئے گئے۔ ان کے ساتھ ایک کمان دار بھی تھا۔ مرنے والے سپاہی نے راستہ اور جگہ بتا دی تھی۔ وہاں گئے تو دیکھا کہ سپاہی کی لاش پڑی ہے۔ خیمے نہیں ہیں، وہاں کے نشان بتا رہے تھے کہ یہاں سے خیمے اُکھاڑے گئے ہیں۔ رات کے وقت ان کی تلاش ممکن نہیں تھی۔ سپاہی کی لاش اُٹھا لائے۔ اس حادثے کی رپورٹ سلطان ایوبی کو دی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ فوج میں جرائم بڑھ گئے ہیں اور تین گھوڑے بھی چوری ہو چکے تھے۔ سلطان نے علی بن سفیان کو بلا کر کہا کہ وہ سپاہیوں کے بھیس میں اپنے سراغ رساں فوج میں شامل کر کے معلوم کرے

کہ یہ جرائم کیوں بڑھ گئے ہیں۔ سلطان نے اس سلسلے میں البرق کو بھی حکم دیا۔

اس ''کیوں'' کا جواب شہر کے اندر موجود تھا، جہاں تک علی بن سفیان کے سراغ رساں کی رسائی محال تھی۔ یہ ایک بہت بڑا قلعہ نما مکان تھا۔ مصریوں کا ایک کنبہ نہیں، بلکہ پورا خاندان اس میں رہتا تھا۔ اس مکان اور مکینوں کو شہر میں عزت حاصل تھی، کیونکہ یہاں خیرات بہت تقسیم ہوتی تھی۔ ناداروں کو یہاں سے مالی مدد ملتی تھی۔ فوجی میلے میں اس خاندان نے سلطان ایوبی کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں فوج کے لیے پیش کی تھی۔ یہ سوداگر خاندان تھا۔ مصر میں سلطان ایوبی کے آنے سے پہلے یہ مکان سوڈانی فوج کے بڑے رتبے والوں اور انتظامیہ کے حاکموں کی مہمان گاہ بنا رہا تھا۔ سوڈانیوں کو سلطان ایوبی نے آکر ختم کر دیا تو اس خاندان کی وفاداریاں حکومت کے ساتھ رہیں اور یہ سلطان ایوبی کا وفادار ہو گیا۔

جس روز سلطان ایوبی نے البرق اور علی بن سفیان کو حکم دیا کہ وہ فوج میں جرائم کی وبا کی وجوہات معلوم کریں، اس سے اگلی رات اس مکان کے ایک کمرے میں دس بارہ آدمی بیٹھے تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ کمرے میں ایک بوڑھا آدمی داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک بڑی خوب صورت لڑکی تھی جس کا آدھا چہرہ نقاب میں تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا اور لڑکی نے نقاب اُٹھا دیا۔ وہ بوڑھے کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''کل امیرِ مصر تک اطلاع پہنچ گئی ہے کہ فوج میں جوئے بازی اور بدکاری بڑھ گئی ہے''۔ بوڑھے نے کہا........ ''ہماری آج کی یہ نشست بہت اہم ہے۔ امیر نے سپاہیوں کے بھیس میں فوج میں سراغ رساں شامل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ ہمیں ان سراغ رسانوں کو ناکام کرنا ہے۔ تازہ اطلاع بڑی ہی اُمید افزا ہے۔ دو مصری سپاہیوں نے ایک عورت پر لڑ کر ایک دوسرے کو قتل کر دیا ہے، یہ ہماری کامیابی کی ابتدا ہے۔''

''تین مہینوں میں صرف ایک مسلمان سپاہی نے دوسرے کو قتل کیا اور خود بھی قتل ہوا ہے''۔ ایک آدمی نے بوڑھے کی بات کاٹ کر کہا........ ''کامیابی کی یہ رفتار بہت سست ہے۔ کامیابی ہم اسے کہیں گے جب ایوبی کا کوئی نائب سالار اپنے سالار کو قتل کر دے گا''۔

''میں کامیابی اسے کہوں گا جب کوئی سالار یا نائب سالار صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دے گا''۔ بوڑھے نے کہا........ ''مجھے معلوم ہے کہ ایک ہزار سپاہی قتل ہو جائیں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارا مطمعِ نظر ایوبی کا قتل ہے۔ آپ سب کو پچھلے سال کے دونوں واقعات یاد ہوں گے۔ ساحل پر سلطان ایوبی پر تیر چلایا گیا اور وہ خطا گیا۔ روم سے آدمی آئے، وہ ایسے ناکام ہوئے کہ سب کے سب مارے گئے اور ایک بدبخت مسلمان ہو گیا۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟........ یہ کہ سلطان کو قتل کرنا اتنا آسان نہیں جتنا آپ لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایوبی قتل ہو جائے تو اس کا جانشین اس سے زیادہ سخت اور کٹر مسلمان ثابت ہو۔ اس لیے یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کی فوجوں کو اس خوب صورت جاہی کے راستے پر ڈال دو، جس پر صلیب کے پرستاروں نے بغداد اور دمشق کے مسلمان امراء اور حاکموں کو ڈال دیا ہے''۔

''صلیب کے پرستاروں اور سوڈانیوں کو شکست کھائے ایک سال گزر گیا ہے''۔ ایک نے کہا........ ''اس ایک سال میں آپ نے کیا کیا ہے؟........ محترم! آپ بڑا لمبا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ دو آدمیوں کا قتل بے حد لازمی ہے۔ ایک صلاح الدین ایوبی، دوسرا علی بن سفیان''۔

''اگر علی بن سفیان کو ختم کر دیا جائے تو ایوبی اندھا اور بہرہ ہو جائے گا''۔ ایک اور نے کہا۔

''میں نے وہ آنکھیں حاصل کر لی ہیں جو سلطان ایوبی کے سینے کے ہر ایک راز کو دیکھ سکتی ہیں''۔ بوڑھے نے کہا

اور اس لڑکی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا جو اس کے ساتھ آئی تھی۔ بوڑھے نے کہا............ ''یہ ہیں وہ آنکھیں۔ دیکھ لو ان آنکھوں میں کیا جادو ہے۔ تم سب نے صلاح الدین ایوبی کے ایک حاکم خادم الدین البرق کا نام سنا ہوگا۔ تم میں سے بعض نے اسے دیکھا بھی ہوگا۔ صرف دو آدمی ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے سینے میں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک علی، دوسرا البرق۔ علی بن سفیان کو قتل کرنا حماقت ہو گیا، میں نے جس طرح البرق پر قبضہ کر لیا ہے، اسی طرح علی پر بھی کر لوں گا''۔

''البرق آپ کے قبضے میں آ چکا ہے؟''............ ایک نے پوچھا۔

''ہاں!'' بوڑھے نے لڑکی کے ریشمی بالوں کو ہاتھ سے چھیڑ کر کہا............ ''میں نے اسے ان زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ میں نے آج آپ سب کو چند اور باتیں بتانے کے علاوہ یہ خوش خبری بھی سنانے کے لیے بلایا ہے۔ ہمیں جلدی برخاست ہونا ہے، کیونکہ ہم سب کا ایک جگہ اکٹھا ہونا ٹھیک نہیں۔ اس لڑکی کو تم سب شاید جانتے ہو۔ مجھے بالکل اُمید نہیں تھی کہ یہ اتنی اُستادی سے یہ ڈرامہ کھیل لے گی۔ اس کی عمر دیکھئے، پختہ نہیں ہے۔ میں پورا ایک سال ایسے موقع کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا کہ علی بن سفیان یا البرق کو یا دونوں کو پھانس سکوں۔ میں ان سے ملا کبھی نہیں، کیونکہ میں ان کی شناخت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ فوجی حکام کو سلطان شہریوں سے دور رکھتا تھا۔ آخر اس نے فوجی میلے کا اعلان کیا اور مجھے پتہ چل گیا کہ اس نے اپنے فوجی کمان داروں، سالاروں اور عہدے داروں سے کہا ہے کہ میلے میں وہ شہریوں میں بیٹھیں اور ان سے باتیں کریں اور ان پر اپنا رعب نہیں، بلکہ اعتماد پیدا کریں۔ مجھے علی بن سفیان کہیں نظر نہیں آیا۔ اس لڑکی کو میں ساتھ لے گیا تھا، البرق نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو کرسیاں خالی تھیں۔ میں نے لڑکی کو اس کے پاس بٹھا دیا۔ اسے میں آٹھ مہینوں سے استادی طریقے سکھا رہا تھا۔ مجھے اپنا بوڑھا خاوند اور اپنے آپ کو خریدی ہوئی مظلوم لڑکی بتا کر اس نے البرق جیسے مومن کو اپنی خوب صورتی میں گرفتار کر لیا۔ ملاقات کا وقت اور جگہ طے کر لی۔ میں نے اسے بتایا کہ اسے کھنڈر میں کیا ناٹک کھیلنا ہے۔ لڑکی کھنڈر میں چلی گئی۔ میں چار آدمیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ دو آدمی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ دو کو آپ سب نہیں جانتے۔ وہ ہمارے گروہ کے آدمی ہیں۔ اس نے البرق پر ثابت کر دیا کہ یہ اس کی خاطر جان دے دے گی۔ ہمارے چاروں ساتھیوں نے البرق پر اور اس پر تلواروں سے حملے کیے۔ اس نے برچھی کے وار کیے۔ یہ ناٹک اس قدر حقیقی معلوم ہوتا تھا کہ البرق کو شک تک نہ ہوا۔ کم بخت کے دماغ میں یہ بھی نہ آئی کہ تلواروں کے اور برچھی کے اتنے وار ہوئے، مگر کوئی زخمی تک نہ ہوا۔ میں نے یہ کہہ کر یہ کھیل ختم کیا کہ یہ لڑکی اتنی بہادر ہے کہ کسی بہادر کے پاس ہی اچھی لگتی ہے۔ میں نے اسے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے البرق کے حوالے کر دیا''۔

''میں نے اسے اپنا نام آصفہ بتا رکھا ہے''۔ لڑکی نے کہا............ ''میں حیران ہوں کہ اتنی پختہ عمر کا حاکم اتنی آسانی سے میرے جال میں پھنس گیا ہے۔ میں نے اسے شراب کا عادی بنا دیا ہے۔ اس نے کبھی نہیں پی تھی۔ پہلی بیوی اسی گھر میں رہتی ہے۔ اس کے بچے بھی ہیں، لیکن وہ سب کو جیسے بھول گیا ہے''............ لڑکی نے محفل کو تفصیل سے بتایا کہ اس نے کیسے کیسے طریقوں سے سلطان ایوبی کے اس معتمد خصوصی کی عقل کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔

''ان تین مہینوں میں یہ لڑکی مجھے صلاح الدین ایوبی کے کئی قیمتی راز دے چکی ہے''۔ بوڑھے نے کہا............ ''سلطان ایوبی بہت زیادہ فوج تیار کر رہا ہے۔ اس میں سے وہ آدھی مصر میں رکھے گا اور باقی نصف کو اپنی کمان میں عیسائی بادشاہوں کے خلاف لڑانے کے لیے لے جائے گا۔ اس کی نظر یروشلم پر ہے، لیکن البرق سے اس لڑکی نے جو راز لیے ہیں، وہ یہ ہیں کہ سلطان سب سے پہلے اپنے مسلمان حکمرانوں اور قلعہ داروں کو متحد کرے گا۔ ان کے اتحاد کو صلیب کے

پرستاروں نے بالکل اسی طرح بکھیر دیا ہے، جس طریقے سے ہم نے البرق کو اپنے قبضے میں لیا ہے"۔

"تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ البرق اب ہمارے گروہ کا فرد ہے؟"..........ایک آدمی نے پوچھا۔

"نہیں"۔ بوڑھے نے جواب دیا۔"وہ سچے دل سے ایوبی کا وفادار ہے۔ وہ انتہائی وفادار اس لڑکی کا بھی ہے۔ یہ لڑکی سلطان، قوم اور اسلام کی وفاداری کا اظہار ایسے والہانہ طریقے سے کرتی ہے کہ البرق اسے، قوم کی جانباز بیٹی سمجھتا ہے۔ اس لڑکی کے حسن و جوانی اور محبت کے عملی اظہار کا جادو الگ ہے۔ البرق کو ہم اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے۔ ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ پوری طرح ہمارے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے"۔

"سلطان ایوبی اور کیا کرنا چاہتا ہے؟"۔ اس گروہ کے ایک رُکن نے پوچھا۔

"اس کے ذہن میں سلطنتِ اسلامیہ ہے"۔ بوڑھے نے کہا۔"وہ صلیب کی سلطنت میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔ ہمارے ان جاسوسوں کو جو سمندر پار سے آئے ہیں، ایوبی نے گرفتار اور بے کار کرنے کے لیے علی بن سفیان کی نگرانی میں ایک بہت بڑا گروہ تیار کیا ہے۔ البرق سے حاصل کی ہوئی اطلاعات کے مطابق اس نے جانبازوں کی ایک الگ فوج تیار کی ہے، جسے وہ صلیبی ملکوں میں بھیج کر جاسوسی اور تباہی کرائے گا۔ اس فوج کی ٹریننگ شروع ہو چکی ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے منصوبے بہت خطرناک ہیں۔ انہی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے فوجی میلے کا ڈھونگ رچایا اور چھ سات ہزار جوان بھرتی کر لیے ہیں۔ لوگ ابھی تک بھرتی ہو رہے ہیں۔ بھرتی ہونے والوں میں سوڈانی بھی ہیں۔ مجھے اوپر سے جو ہدایات ملی ہیں، وہ یہ ہیں کہ ایوبی کی فوج میں بدکاری کے بیج بونے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں عورت اور جواء داخل کر دو"۔

بوڑھے نے بتایا کہ اس نے فوجی میلے کے فوراً بعد اپنے آدمی بھرتی کرا دیئے تھے۔ انہوں نے بڑی خوبی سے فوج میں جواء شروع کرا دیا ہے۔ جواء اور عورت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو چوری اور قتل تک لے جاتی ہیں۔ اس نے دوسرا طریقہ یہ بتایا کہ عصمت فروش عورتوں کو ٹریننگ دے کر فوجی کیمپوں کے اردگرد چھوڑ دیا گیا ہے، جو یہ ظاہر نہیں ہونے دیتیں کہ وہ پیشہ ور ہیں۔ انہوں نے سلطان کے فوجیوں کو بدی کے راستے پر ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان میں رقابت بھی پیدا کر دی ہے۔ بوڑھے نے کہا.........."اس کی کامیابی پرسوں سامنے آئی ہے۔ دو سپاہی ایک عورت کے خیمے میں بیک وقت پہنچ گئے۔ دونوں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو بُری طرح زخمی کر دیا۔ ایک تو خیمے میں ہی مر گیا۔ دوسرے کے متعلق پتہ چلا کہ کیمپ میں جا کر مر گیا ہے.......... یہ رپورٹ سلطان ایوبی تک پہنچ گئی ہے۔ اس نے علی بن سفیان اور البرق کو حکم دیا ہے کہ فوجوں میں اپنے سراغ رساں بھیج کر معلوم کریں کہ جواء بازی، چوری چکاری اور بدکاری کیوں بڑھتی جا رہی ہے۔ لہٰذا آپ سب ان تمام عورتوں سے جو اسی کام میں مصروف ہیں، کہہ دیں کہ کیمپوں کے قریب نہ جائیں"۔

اسی مجلس میں یہ بھی بتایا گیا کہ آصفہ جس کا اصلی نام کچھ اور تھا، پانچویں، چھٹی رات اس بوڑھے کو اطلاعیں دے جاتی ہے جو وہ البرق سے حاصل کرتی ہے، جس رات اسے باہر نکلنا ہوتا ہے، وہ البرق کو شراب میں ایک خاص سفوف گھول کر پلا دیتی ہے۔ اس کے اثر سے صبح تک اس کی آنکھ نہیں کھل سکتی۔ مجلس میں یہ انکشاف بھی ہوا کہ مصر کے شہروں اور قصبوں میں خفیہ قحبہ خانے اور قمار خانے قائم کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے اثرات امید افزا ہیں۔ تربیت یافتہ عورتیں اچھے اچھے گھرانوں کے نوجوانوں کو بدکاری کے راستے پر ڈالتی جا رہی ہیں۔ اب کوشش یہ کی جائے گی کہ مسلمان لڑکیوں میں بھی بے حیائی کا رجحان پیدا کیا جائے۔

یہ محفل جو جاسوسوں کا ایک خفیہ اجلاس تھا، برخاست ہوئی۔ وہ سب اکٹھے باہر نہ نکلے۔ ایک آدمی باہر جاتا تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد دوسرا آدمی نکلتا تھا۔ بوڑھا بھی چلا گیا تھا۔ صرف آصفہ اور ایک آدمی رہ گیا۔ آصفہ نے نقاب میں چہرہ چھپایا اور اس آدمی کے ساتھ نکل گئی۔

☆

البرق نے آصفہ کو ایک راز بنا کے رکھا ہوا تھا۔ اس نے ابھی کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ دوسری شادی معیوب نہیں تھی، لیکن وہ ڈرتا تھا کہ دوست مذاق کریں گے کہ اتنا عرصہ ایک بیوی کے ساتھ گزار کر چالیس سال کی عمر میں نوجوان لڑکی کے ساتھ شادی کر لی، مگر یہ بھید چھپ نہ سکا۔ علی بن سفیان نے شہر میں اور فوجی کیمپوں کے اردگرد اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ اسے یہ اطلاعیں مل رہی تھی کہ فوجی میلے کے بعد شہر میں بھی جواء اور بدکاری بڑھ رہی ہے۔ ایک روز ایک سراغ رساں نے علی بن سفیان کو یہ رپورٹ دی کہ گزشتہ تین مہینوں میں اس نے چار بار دیکھا ہے کہ خادم الدین البرق کے گھر سے رات اُس وقت جب سب سو جاتے ہیں، ایک عورت سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی نکلتی ہے۔ وہ تھوڑی دور جاتی ہے تو ایک آدمی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ سراغ رساں نے بتایا کہ دو بار اس نے یہیں تک دیکھا، تیسری بار اس نے اس عورت کا پیچھا کیا، وہ اس آدمی کے ساتھ ایک مکان میں چلی گئی۔ وہاں سے کچھ دیر بعد نکلی اور اُس آدمی کے ساتھ واپس چلی گئی۔

اس سراغ رساں نے بتایا کہ اس نے اس عورت کو گزشتہ رات گھر سے نکلتے، ایک آدمی کے ساتھ جاتے دیکھا تو تعاقب کیا۔ وہ اسی مکان میں داخل ہوگئی۔ ذرا سی دیر بعد وہ ایک آدمی کے ساتھ مکان سے نکلی۔ وہ دونوں شہر کے ایک بہت بڑے مکان میں داخل ہو گئے۔ سراغ رساں مکان سے دُور دُور رہا۔ بہت سا وقت گزر جانے کے بعد اس مکان سے ایک ایک کر کے گیارہ آدمی نکلے۔ آخر میں یہ عورت ایک آدمی کے ساتھ نکلی۔ سراغ رساں اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ان کے تعاقب میں گیا۔ البرق کے مکان سے کچھ دُور آدمی ایک اور طرف چلا گیا اور عورت البرق کے مکان میں داخل ہو گئی۔

سراغ رساں البرق جیسے حاکم کے گھر کے متعلق کوئی بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، لیکن علی بن سفیان کی ہدایات اور احکام بڑے ہی سخت تھے۔ اس نے اپنے جاسوسوں، مخبروں اور سراغ رسانوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی کسی حرکت کو شک سے دیکھیں تو بھی اسے بتائیں اور وہ کسی کے رتبے کا لحاظ نہ کریں، جہاں انہیں کسی قسم کا شک ہو، خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، وہ علی بن سفیان کو تفصیل سے بتائیں۔ یہ سبق جاسوسی کی ٹریننگ میں شامل تھا کہ جاسوسی کی کامیابی کا دارومدار ایسی ہی حرکتوں اور باتوں سے ہوتا ہے، جنہیں بے معنی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اس سراغ رساں نے چار مرتبہ جو مشاہدہ کیا تھا، وہ علی بن سفیان کے لیے اہم تھا، وہ البرق کی بیوی کو اچھی طرح جانتا تھا، وہ ایسی عورت نہیں تھی کہ راتوں کو کسی غیر مرد کے ساتھ باہر جائے۔ البرق کی کوئی بیٹی جوان بھی نہیں تھی۔ یہ تو کسی کو بھی علم نہ تھا کہ البرق نے ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ اس نے اس مسئلے پر بہت غور کیا، اُسے یہ خیال بھی آ گیا کہ البرق اس کا دوست بھی ہے۔ اُسے حق پہنچتا تھا کہ اس کے دوست کے گھر میں کوئی گڑبڑ ہے تو اس کے لیے کچھ کرے، مگر اس کے ذہن میں جو سوچ غالب تھی، وہ یہ تھی کہ شہر میں مشکوک عورتوں کا ریلا سا آ گیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ البرق کسی بدکار عورت کے چکر میں آ گیا ہو؟۔ ایک طریقہ اس کے دماغ میں آ گیا۔ اس نے اپنے محکمے کی ایک عورت کو اس روپ میں البرق کے گھر میں بھیجا کہ وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ اس کا خاوند مر گیا ہے اور اس کے بیٹے آوارہ ہو گئے ہیں، لہٰذا

اس کی اعانت کی جائے۔

ہدایت کے مطابق یہ عورت اُس وقت البرق کے گھر میں گئی جب وہ گھر میں نہیں تھا۔ دوسری ہدایت کے مطابق وہ سارے گھر میں پھری تو اُسے آصفہ نظر آ گئی۔ یہ عورت البرق کی پہلی بیوی سے ملی۔ اپنی "فریاد" پیش کی اور کہا کہ وہ (البرق کی پہلی بیوی) البرق سے اس کی سفارش کرے۔ باتوں باتوں میں اس نے کہا......... "آپ کی بیٹی کی شادی ہوگئی ہے یا ابھی کنواری ہے؟"......... اسے جواب ملا......... "یہ میری بیٹی نہیں، میرے خاوند کی دوسری بیوی ہے۔ تین مہینے ہوئے، انہوں نے شادی کی ہے"۔

علی بن سفیان کے لیے یہ اطلاع حیران کن تھی۔ اس کے دل میں یہی شک پیدا ہوگیا کہ رات کو باہر جانے والی اس کی نئی بیوی ہوسکتی ہے۔ علی نے ایک اور عورت کے ہاتھ البرق کی پہلی بیوی کو پیغام بھیجا کہ وہ اُسے کہیں باہر ملنا چاہتا ہے، مگر البرق کو پتہ نہ چلے، اس نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ ان کے گھر کے متعلق کوئی بہت ہی ضروری بات کرنی ہے۔ علی نے ملاقات کے لیے ایک جگہ بھی بتادی اور وقت وہ بتایا جب البرق دفتر میں مصروف ہوتا تھا......... وہ آ گئی۔ علی بن سفیان کے دل میں اس معزز عورت کا بہت ہی احترام تھا۔ اس نے البرق کی بیوی سے کہا کہ اسے معلوم ہوا ہے کہ البرق نے دوسری شادی کرلی ہے۔ بیوی نے جواب دیا......... "خدا کا شکر ہے کہ اس نے دوسری شادی کی ہے۔ چوتھی اور پانچویں نہیں کی"۔

باتیں کرتے کرتے علی بن سفیان نے پوچھا۔ "وہ کیسی ہے؟"

"بہت خوب صورت ہے"۔ بیوی نے جواب دیا۔

"شریف بھی ہے؟"......... علی بن سفیان نے پوچھا......... "آپ کو اس پر کسی قسم کا شک تو نہیں؟"......... کچھ دیر تک وہ گہری سوچ میں پڑی رہی۔ علی نے کہا......... "اگر میں یہ کہوں کہ وہ کبھی کبھی رات کو باہر چلی جاتی ہے تو آپ بُرا تو نہ جانیں گی؟"

وہ مُسکرائی اور کہنے لگی......... "میں خود پریشان تھی کہ یہ بات کس سے کروں۔ میرے خاوند کا یہ حال ہے کہ اس کا غلام ہوگیا ہے۔ مجھ سے تو اب بات بھی نہیں کرتا۔ میں اس لڑکی کے خلاف خاوند کے ساتھ بات کروں تو وہ مجھے گھر سے نکال دے۔ وہ سمجھے گا کہ میں حسد سے شکایت کر رہی ہوں۔ یہ لڑکی صاف نہیں۔ ہمارے گھر میں شراب کی بو بھی کبھی نہیں آئی تھی۔ اب وہاں مٹکے خالی ہوتے ہیں"۔

"شراب؟" علی بن سفیان نے چونک کر پوچھا......... "البرق شراب بھی پینے لگا ہے؟"

"صرف پیتا نہیں"۔ بیوی نے کہا......... "بدمست اور مدہوش ہوجاتا ہے۔ میں نے چھ بار اس لڑکی کو رات کے وقت باہر جاتے اور بہت دیر بعد آتے دیکھا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جس رات لڑکی کو باہر جانا ہوتا ہے، اس رات البرق بے ہوش ہوتا ہے۔ صبح بہت دیر سے اُٹھتا ہے۔ لڑکی بدمعاش ہے۔ اسے دھوکہ دے رہی ہے"۔

"لڑکی بدمعاش نہیں"۔ علی بن سفیان نے کہا......... "وہ جاسوس ہے۔ وہ البرق کو نہیں، قوم کو دھوکہ دے رہی ہے"۔

"جاسوس؟" بیوی نے چونک کر کہا......... "میرے گھر میں جاسوس؟" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دانت پیس کر بولی......... "آپ جانتے ہیں کہ میں شہید کی بیٹی ہوں۔ البرق پکا مسلمان تھا۔ اس نے زندگی اسلام کے نام پر وقف کر رکھی تھی۔ میں بچوں کو جہاد کے لیے تیار کر رہی ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ میرے بچوں کا باپ ایک جاسوس لڑکی کے قبضے میں آ گیا ہے۔ میں اپنے بچوں کے باپ کو قربان کر سکتی ہوں، قوم اور اسلام کو قربان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ میں دونوں کو قتل کر دوں گی"۔

علی بن سفیان نے اسے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا اور اسے سمجھایا کہ ابھی یہ یقین کرنا ہے کہ یہ لڑکی جاسوس ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ البرق بھی جاسوسوں کے گروہ میں شامل ہو گیا ہے یا اسے شراب پلا کر صرف استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس عورت کو یہ بھی بتایا گیا کہ جاسوسوں کو قتل نہیں، گرفتار کیا جاتا ہے اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔

علی بن سفیان نے اسے کچھ ہدایات دیں اور اُسے کہا کہ وہ لڑکی کی ہر حرکت پر نظر رکھے.......... یہ عورت چلی گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے علی بن سفیان کی ہدایات پر ٹھنڈے دل سے عمل کرے گی، مگر اس کی چال اور اس کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ کسی بھی وقت بے قابو ہو جائے گی۔ وہ حرم کی عورت نہیں تھی، وہ خاوند کی وفادار بیوی اور ملک و ملت پر جان نثار کرنے والی قوم کی بیٹی تھی۔

☆

خادم الدین البرق اور علی بن سفیان صرف رفیق کار ہی نہیں تھے۔ ان کی گہری دوستی بھی تھی۔ وہ ہم عمر تھے۔ انہوں نے اکٹھے معرکے لڑے تھے۔ دونوں سلطان ایوبی کے پرانے ساتھی تھے۔ اتنی گہری دوستی کے باوجود البرق نے علی بن سفیان سے دوسری شادی چھپا رکھی تھی۔ علی کو معلوم ہوا تو اس نے البرق کے ساتھ اس ضمن میں کوئی بات نہیں کی۔ وہ اس کی بیوی کی وساطت سے اس کے گھر کا معمہ حل کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ اس نے البرق کے مکان اور اُس مکان کے درمیان اپنے جاسوسوں میں اضافہ کر دیا تھا، جہاں البرق کی نئی بیوی رات کو جایا کرتی تھی۔ البرق کی پہلی بیوی کے ساتھ باتیں کیے دو راتیں گزر گئی تھیں۔ لڑکی باہر نہیں نکلی تھی۔ جاسوس پوری پوری رات بیدار رہے تھے۔

تیسری رات، نصف شب سے ذرا پہلے علی بن سفیان گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس نے اپنے عملے اور اپنے ملازموں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ جب چاہیں اسے جگا سکتے ہیں۔ وہ ان حاکموں سے مختلف تھا جو کسی کو آرام میں مخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اُس رات علی کو ملازم نے گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا.......... ''عمر آیا ہے، گھبرایا ہوا ہے''۔

علی بن سفیان کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح کمرے سے نکلا، صحن دو تین چھلانگوں میں عبور کیا اور ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا۔ اس کے عملے کا ایک آدمی باہر کھڑا تھا۔ اس نے کہا.......... ''ملازم کو دوڑائیں۔ دس بارہ سوار فوراً منگوائیں۔ اپنا گھوڑا جلدی تیار کریں، پھر آپ کو بتاتا ہوں کہ کیا ہوا ہے''۔

علی بن سفیان نے ملازم کو چودہ مسلح سوار اور اپنا گھوڑا اور تلوار لانے کو دوڑایا اور عمر سے پوچھا...... ''کہو کیا بات ہے''۔

عمر اور آذر نام کے دو جاسوس آصفہ کو دیکھنے کے لیے متعین تھے۔ علی بن سفیان نے انہیں حکم دے رکھا تھا کہ لڑکی گھر سے نکل کر کہیں جائے تو اسے فوراً اطلاع دی جائے۔ عمر بڑی خطرناک اطلاع لے کر آیا۔ اس نے بتایا کہ تھوڑی دیر گزری، البرق کے گھر سے سیاہ چادر میں سر سے پاؤں تک لپٹی ہوئی ایک عورت نکلی۔ پچاس ساٹھ گز آگے گئی تو البرق کے گھر سے اسی لباس میں ایک اور عورت نکلی۔ وہ بہت تیز تیز اگلی عورت کے پیچھے چلی گئی۔ جب اُس سے ذرا دُور رہ گئی تو اگلی عورت رُک گئی۔ دونوں جاسوس چھپے ہوئے تھے۔ انہیں کوئی دیکھ نہ سکا۔ وہ تعاقب بھی چھپ چھپ کر کرتے تھے۔ دونوں عورتوں میں نہ جانے کیا بات ہوئی۔ ان میں سے ایک نے تالی بجائی، کہیں قریب سے ایک آدمی نکلا۔ اس نے بعد میں آنے والی عورت کو پکڑنا چاہا۔ عورت نے اس پر کسی ہتھیار کا وار کیا جو اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ اس آدمی نے بھی اس پر کسی ہتھیار سے وار کیا۔

جو عورت پہلے آئی تھی، اس کی آواز سنائی دی.......... ''اِسے اُٹھا کر لے چلو''.......... دوسری عورت نے اس پر وار کیا۔ اس کی چیخ سنائی دی۔ دوسری عورت نے اس پر ایک اور وار کیا اور آدمی کا وار بچایا بھی۔ دونوں عورتیں زخمی ہو گئی

تھیں۔ عمر علی بن سفیان کو اطلاع دینے دوڑ پڑا۔ آذر وہیں چھپا رہا۔ اُسے یہ دیکھنا تھا کہ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں۔

علی بن سفیان نے اس قسم کے ہنگامی حالات کے لیے تیز رفتار اور تجربہ کار لڑا کا سواروں کا ایک دستہ تیار رکھا ہوا تھا۔ یہ سوار اپنے گھوڑوں کے قریب سوتے تھے۔ زینیں اور ہتھیار اُن کے پاس رہتے تھے۔ انہیں یہ مشق کرائی جاتی تھی کہ رات کے وقت ضرورت پڑنے پر وہ چند منٹوں میں تیار ہو کر ضرورت کی جگہ پہنچیں۔ وہ اس قدر تیز ہو گئے تھے کہ علی بن سفیان کے ملازم نے دستے کے کمان دار کو اطلاع دی کہ چودہ سوار بھیج دو تو وہ علی بن سفیان کے کپڑے بدلنے اور اس کا گھوڑا تیار ہونے تک پہنچ گئے۔

علی بن سفیان کی قیادت اور عمر کی راہنمائی میں وہ واردات کی جگہ پہنچے۔ دو سواروں کے ہاتھوں میں ڈنڈوں کے ساتھ تیل میں بھیگے ہوئے کپڑوں کی مشعلیں تھی، وہاں دو لاشیں پڑی تھیں۔ علی بن سفیان نے گھوڑے سے اُتر کر دیکھا، ایک البرق کی پہلی بیوی تھی، دوسرا آذر تھا، عمر کا ساتھی۔ دونوں زندہ تھے اور خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آذر نے بتایا کہ وہ البرق کی بیوی کو پھینک کر چلے گئے تو وہ اس کے پاس گیا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے اُس پر خنجر کے تین وار کیے۔ وہ سنبھل نہ سکا، حملہ آور بھاگ گیا۔ آذر نے بتایا کہ دوسری عورت البرق کے گھر کی طرف نہیں گئی، بلکہ اُدھر گئی ہے، جہاں وہ پہلے جایا کرتی تھی۔ عمر کو اس گھر کا علم تھا۔

علی بن سفیان نے دو سواروں سے کہا کہ وہ دونوں زخمیوں کو فوراً جراح کے پاس لے جائیں اور ان کا خون روکنے کی کوشش کریں۔ باقی سواروں کو وہ عمر کی راہنمائی میں اُس مکان کی طرف لے گیا، جہاں آصفہ پہلے کئی بار جاتے دیکھی گئی تھی۔ وہ پرانے زمانے کا بڑا مکان تھا۔ اس سے ملحق کئی اور مکان تھے۔ پچھواڑے سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ علی نے اپنے سواروں کو مکان کے دونوں طرف سے پیچھا بھیجا۔ دو سواروں کو مکان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ کوئی بھی اندر سے نکلے تو اسے پکڑ لو، بھاگنے کی کوشش کرے تو پیچھے سے تیر مارو اور ختم کر دو۔

سوار ابھی چکر کاٹ کر پچھواڑے کی طرف جا ہی رہے تھے کہ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دینے لگے۔ علی بن سفیان نے ایک سوار سے کہا...... ''سرپٹ جاؤ، اپنے کمان دار سے کہو کہ اس مکان کو گھیرے میں لے کر اندر داخل ہو جائیں، اندر کے تمام افراد کو گرفتار کر لے'' ...... سوار کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ علی بن سفیان نے بلند آواز سے اپنے جاسوسوں کو حکم دیا...... ''ایڑ لگاؤ، تعاقب کرو۔ ایک دوسرے کو نظر میں رکھو'' ...... اور اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ یہ رسالے کے چنے ہوئے گھوڑے تھے اور ان کے سوار سلطان ایوبی سے کئی بار خراجِ تحسین حاصل کر چکے تھے۔ مفرور بھی شاہ سوار معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے گھوڑوں کے ٹاپو بتاتے تھے کہ اچھی نسل کے بہت تیز دوڑنے والے گھوڑے ہیں۔ یہ شہر کا علاقہ تھا، جہاں مکان کی رکاوٹیں تھیں۔ گلیاں تھیں، جو گھوڑوں کی دوڑ کے لیے کشادہ نہیں تھیں، ان سے آگے کھلا میدان تھا۔

اندھیرے میں گھوڑے نظر نہیں آتے تھے۔ اُن کی آوازوں پر تعاقب ہو رہا تھا۔ وہ جب کھلے میدان میں گئے تو اُن کا چھپنا مشکل ہو گیا۔ اُفق کے پس منظر میں وہ سایوں کی طرح صاف نظر آنے لگے۔ وہ چار تھے۔ انہوں نے کم و بیش ایک سو گز کا فاصلہ حاصل کر لیا تھا۔ وہ پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ علی بن سفیان کے حکم پر دو سواروں نے اسی رفتار سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے تیر چلائے۔ تیر شاید خطا گئے تھے، بھاگنے والے دانش مند معلوم ہوتے تھے۔ تیر ان کے قریب سے یا درمیان سے گزرے تو انہوں نے گھوڑے پھیلا دیئے۔ وہ اکٹھے جا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے کھلنے لگے۔ نہایت اچھے طریقے سے گھوڑے ایک دوسرے سے خاصے دور ہٹ گئے۔ علی بن سفیان کا دستہ بہت تیز تھا، فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا، مگر

بھاگنے والوں کے گھوڑے اور زیادہ ایک دوسرے سے ہٹتے جا رہے تھے۔ آگے کھجور کے پیڑوں کا جھنڈ آ گیا۔ اُن کے گھوڑے وہاں اس طرح ایک دوسرے سے دور ہٹ گئے کہ دو دائیں طرف اور دو کھجوروں کے بائیں طرف ہو گئے۔ یہ جگہ اونچی تھی، گھوڑے اوپر اُٹھے اور غائب ہو گئے۔

تعاقب کرنے والے بلندی پر گئے تو انہیں آگے جو بھاگتے سائے نظر آئے، وہ ایک دوسرے سے بہت ہی دُور ہو گئے تھے۔ پھر وہ اتنی دور دور ہو گئے کہ ان کے رُخ ہی بدل گئے۔ علی بن سفیان جان گیا کہ وہ اس کے سواروں کو منتشر کرنا چاہتے ہیں۔ علی نے بلند آواز سے کہا...... ''ہر سوار کے پیچھے تقسیم ہو جاؤ۔ ایک دوسرے کو بتا دو۔ ایڑ لگاؤ، فاصلہ کم کرو، کمانوں میں تیر ڈال لو''۔

سوار تقسیم ہو گئے۔ سب نے کندھوں سے کمانیں اُتار کر تیر ڈال لیے اور تقسیم ہو کر ایک ایک گھوڑے کے پیچھے گئے۔ ان کے گھوڑوں کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ ٹاپوؤں کے شور وغل میں کمانوں سے تیر نکلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کسی نے للکار کر کہا...... ''ایک کو مار لیا، گھوڑا بے قابو ہو گیا ہے''...... اِدھر علی بن سفیان کے ساتھ جو دو سوار تھے، انہوں نے بیک وقت تیر چلائے۔ اندھیرے میں تیر خطا جانے کا ڈر تھا اور تیر خطا جا بھی رہے تھے۔ پھر بھی انہوں نے ایک اور گھوڑے کو نشانہ بنا لیا۔ یہ گھوڑا بے قابو ہو کر اور گھوم کر پیچھے کو آیا۔ ایک سوار نے اس کی گردن میں برچھی ماری۔ دوسرے نے اپنے گھوڑے سے جھک کر اس کے پیٹ میں برچھی داخل کر دی، مگر گھوڑا تو آنا تھا، گرا نہیں۔ سوار زندہ پکڑنا تھا۔ علی کے ایک سوار نے بازو بڑھا کر ایک سوار کی گردن جکڑ لی۔ نیچے گھوڑا زخمی تھا۔ وہ رُکتے رُکتے رک گیا۔ اس پر ایک آدمی سوار تھا اور ایک لڑکی جسے سوار نے آگے بٹھا رکھا تھا۔ لڑکی شاید بے ہوش تھی۔

صحرا کی تاریک رات میں اب کسی سرپٹ دوڑتے گھوڑے کے ٹاپو نہیں سنائی دیتے تھے۔ سواروں کی آوازیں اور دُلکی چلتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیتے تھے۔ سوار ایک دوسرے کو پکار رہے تھے۔ ان کی آوازوں سے پتہ چلتا تھا کہ انہوں نے بھاگنے والوں کو پکڑ لیا ہے۔ علی بن سفیان نے سب کو اکٹھا کر لیا۔ بھاگنے والے پکڑے گئے تھے۔ ان کے دو گھوڑے زخمی تھے۔ ان گھوڑوں کو مرنے کے لیے صحرا میں چھوڑ دیا گیا۔ بھاگنے والے پانچ تھے۔ چار آدمی اور ایک لڑکی۔ لڑکی گر پڑی تھی۔ بھاگنے والوں میں سے ایک نے کہا...... ''ہمارے ساتھ تم لوگ جو سلوک کرنا چاہو کر لو، مگر یہ لڑکی زخمی ہے۔ ہم اُمید رکھیں گے کہ تم اسے پریشان نہیں کرو گے''۔

ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ مشعل بندھی ہوئی تھی۔ کھول کر جلائی گئی۔ لڑکی کو دیکھا گیا۔ بہت ہی خوب صورت اور نوجوان لڑکی تھی۔ اس کے کپڑے خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ اس کے کندھے پر، گردن کے قریب خنجر کا گہرا زخم تھا۔ اس سے اتنا خون نکل گیا تھا کہ لڑکی کا چہرہ لاش کی طرح سفید اور آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ علی بن سفیان نے زخم میں ایک کپڑا ٹھونس کر اوپر ایک اور کپڑا باندھ دیا اور اُسے ایک گھوڑے پر ڈال کر سوار سے کہا کہ جلدی جراح تک پہنچے۔ وہاں جلدی کا تو سوال ہی نہیں تھا، وہ شہر سے میلوں دُور نکل گئے تھے۔ قیدیوں میں ایک بوڑھا تھا۔

یہ قافلہ جب قاہرہ پہنچا تو صبح طلوع ہو رہی تھی۔ سلطان کو رات کے واقعہ کی اطلاع مل گئی تھی۔ علی بن سفیان ہسپتال گیا۔ جراح اور طبیب قیدی لڑکی کی مرہم پٹی میں اور ہوش میں لانے میں مصروف تھے۔ سوار نے اسے تھوڑی دیر پہلے پہنچایا تھا۔ البرق کی پہلی بیوی اور آذر ہوش میں آ گئے تھے، مگر اُن کی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ سلطان ایوبی ہسپتال میں موجود تھا۔ اس نے علی بن سفیان کو الگ کر کے کہا۔ ''میں بہت دیر سے یہاں ہوں۔ میں نے البرق کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا تھا۔ اس نے عجیب بات بتائی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ البرق ہوش میں نہیں۔ اس کے کمرے میں شراب کے پیالے اور صراحی

پڑی ہے۔ کیا وہ شراب بھی پینے لگا ہے؟ اُسے اتنا بھی ہوش نہیں کہ اس کی بیوی گھر سے باہر زخمی پڑی ہے۔ میں نے اس کی بیوی سے ابھی کوئی بات نہیں کی۔ طبیب نے منع کر دیا ہے"۔

"اس کی ایک نہیں، دو بیویاں زخمی ہیں"......... علی بن سفیان نے کہا......... "یہ لڑکی جسے ہم نے صحرا سے جا کر پکڑا ہے، البرق کی دوسری بیوی ہے۔ ذرا زخمیوں کو بولنے کے قابل ہونے دیں۔ ہم نے بہت بڑا شکار مارا ہے"۔

البرق سورج نکلنے کے بعد جاگا۔ ملازم کے بتانے پر وہ دوڑتا آیا۔ اس کی دونوں بیویاں زخمی پڑی تھیں۔ اسے چاروں جاسوس دکھائے گئے۔ وہ بوڑھے کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اسے وہ آصفہ کا بوڑھا خاوند سمجھتا رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے یہ واردات اپنی تحویل میں لے لی، کیونکہ یہ جاسوسوں کے پورے گروہ کی واردات تھی اور اس میں اس کا معتمد ملوث تھا جسے فوج کے تمام راز اور آئندہ منصوبے معلوم تھے۔

جوں ہی زخمی بیان دینے کے قابل ہوئے، ان سے بیان لیے گئے۔ ان سے یہ کہانی یوں بنی کہ البرق کی پہلی بیوی کو جب علی بن سفیان نے بتایا کہ اس کے خاوند کی دوسری بیوی مشتبہ چال چلن کی ہے اور وہ جاسوس معلوم ہوتی ہے تو وہ سخت غصے کے عالم میں گھر چلی گئی۔ وہ اپنے خاوند کو اور آصفہ کو قتل کر دینا چاہتی تھی، لیکن علی بن سفیان نے اُسے کہا تھا کہ جاسوس کو زندہ پکڑا جاتا ہے، تاکہ ان کے چھپے ہوئے ساتھیوں کا سراغ لیا جا سکے۔ اس نے اپنے آپ پر قابو پایا اور آصفہ پر گہری نظر رکھنے لگی۔ اس نے رات کا سونا بھی ترک کر دیا۔ موقع دیکھ کر اس نے ان کے سونے والے کمرے کے اس دروازے میں چھوٹا سا سوراخ کر لیا جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔ رات کو اس سوراخ میں سے انہیں دیکھتی رہتی تھی۔ دو راتیں تو اس نے یہی دیکھا کہ لڑکی البرق کو شراب پلاتی تھی اور عریانی کا پورا مظاہرہ کرتی تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی باتیں ایسے انداز سے کرتی تھی جیسے وہ اس کا پیر اور مرشد ہو۔ صلیبیوں کو بُرا بھلا کہتی اور وہی باتیں کرتی جو سلطان ایوبی کے جنگی منصوبے میں شامل تھیں۔ البرق اسے بتاتا تھا کہ سلطان کیا کر رہا ہے اور کیا سوچ رہا ہے۔

البرق کی پہلی بیوی نے دو راتیں یہی کچھ دیکھا اور سنا۔ تیسری رات وہ ناٹک کھیلا گیا جس کا البرق کی پہلی بیوی کو بے تابی سے انتظار تھا۔ آصفہ نے البرق کو شراب پلانی شروع کی اور اسے بالکل حیوان بنا دیا۔ آصفہ دونوں پیالے اٹھا کر اور یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی...... "دوسری لاتی ہوں"...... وہ واپس آئی تو پیالوں میں شراب تھی۔ اس نے ایک پیالہ البرق کو دے دیا۔ دوسرا خود منہ سے لگا لیا۔ اس کے بعد اس نے بے حد ننگی حرکتیں کیں اور البرق بے سدھ لیٹ گیا۔ آصفہ نے کپڑے پہنے اور البرق کو آہستہ آہستہ بلایا۔ وہ نہ بولا، پھر اسے ہلایا۔ ہاتھ سے اس کے پپوٹے اوپر کیے، مگر اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس نے پیالے دوسرے کمرے میں لے جا کر شراب میں بے ہوش کرنے والی کوئی چیز البرق کے پیالے میں ملا دی تھی۔

آصفہ نے کپڑے پہنے۔ اوپر سیاہ چادر اس طرح لے لی کہ سر سے پاؤں تک چھپ گئی۔ آدھی رات ہونے کو تھی۔ اس نے قندیل بجھائی اور باہر نکل گئی۔ پہلی بیوی آگ بگولہ ہو گئی۔ اس نے خنجر اُٹھایا۔ اوپر لبادہ اوڑھا، وہ کمرے سے نکلنے لگی تو دیکھا کہ آصفہ ایک ملازمہ کے ساتھ کھسر پھسر کر رہی تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ ملازمہ کو اس نے ساتھ ملا رکھا تھا۔ آصفہ باہر نکل گئی۔ ملازمہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پہلی بیوی بڑے دروازے سے باہر نکل گئی۔ وہ تیز تیز چلتی آصفہ کے تعاقب میں گئی۔ وہ اس کے قدموں کی آہٹ پر جا رہی تھی۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ آصفہ کو شاید اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔ وہ رُک گئی۔ پہلی بیوی اندھیرے میں اچھی طرح دیکھ نہ سکی۔ وہ آصفہ کے قریب چلی گئی اور رُک گئی۔ اچانک آمنے سامنے آجانے سے پہلی بیوی فیصلہ نہ کر سکی کہ کیا کرے۔ اس کے منہ سے نکل گیا...... "کہاں جا رہی ہو آصفہ؟"

پہلی بیوی کو معلوم نہ تھا کہ لڑکی کی حفاظت کے لیے ایک آدمی چھپ چھپ کر اس کے ساتھ جاتا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ آصفہ نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور البرق کی پہلی بیوی سے ہنس کر کہا...... "آپ میرے پیچھے آئی ہیں یا کہیں جا رہی ہیں؟"...... اتنے میں پیچھے سے کسی نے پہلی بیوی کو بازوؤں میں جکڑ لیا، مگر اس عورت نے گرفت مضبوط ہونے سے پہلے ہی جسم کو زور سے جھٹکا دیا اور آزاد ہوگئی۔ اس نے تیزی سے خنجر نکال لیا۔ اس کے سامنے ایک آدمی تھا۔ عورت نے اس پر وار کیا جو وہ بچا گیا۔ آدمی نے ایسا وار کیا کہ خنجر عورت کے پہلو میں اُتر گیا۔ اس آدمی نے دیکھ لیا تھا کہ عورت کے پاس خنجر ہے۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ پہلی بیوی نے آصفہ پر حملہ کیا اور خنجر اس کی گردن اور کندھے کے درمیان اُتار دیا۔ لڑکی نے زور سے چیخ ماری۔ آدمی نے پہلی بیوی پر وار کیا جو یہ عورت پھرتی سے بچا گئی۔ اس نے وار کیا تو اس آدمی نے اس کا بازو اپنے بازو سے روک لیا۔

آصفہ گر پڑی تھی۔ البرق کی پہلی بیوی کو بھی گہرا زخم آیا تھا جو پہلو سے پیٹ تک چلا گیا تھا۔ وہ ڈگمگانے لگی۔ وہ آدمی آصفہ کو اُٹھا کر کہیں چلا گیا۔ علی بن سفیان کے دو جاسوس عمر اور آذر چھپ کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دوسری عورت کون ہے۔ عمر اس آدمی کے پیچھے چھپ چھپ کر گیا جو آصفہ کو اُٹھا لے گیا تھا۔ وہ اسی مکان میں لے گیا جہاں وہ جایا کرتی تھی۔ وہاں سے عمر علی بن سفیان کو اطلاع دینے چلا گیا۔ آذر نے بتایا کہ وہ وہیں چھپا رہا۔ زخمی عورت وہیں پڑی تھی۔ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ آذر اس عورت کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پیچھے سے کسی نے اس پر خنجر سے تین وار کیے اور حملہ آور بھاگ گیا۔ آذر وہیں بے ہوش ہوگیا۔

شام تک البرق کی پہلی بیوی اور آذر کی حالت بگڑ گئی۔ جراحوں اور طبیبوں نے بہت کوشش کی، مگر وہ زندہ نہ رہ سکے۔ البرق کی بیوی نے علی بن سفیان سے کہا تھا کہ میں اپنے خاوند کو قربان کر سکتی ہوں، قوم اور ملک کی عزت کو قربان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس نے قوم کے نام پر جان دے دی۔

سلطان ایوبی کے حکم سے خادم الدین البرق کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس نے یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ اس نے یہ جرم دانستہ نہیں کیا۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں بے وقوف بن گیا تھا، مگر یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے حکومت اور فوج کے راز شراب اور حسین لڑکی کے نشے میں دشمن کے جاسوسوں تک پہنچائے ہیں۔ سلطان ایوبی قتل کا جرم بخش سکتا تھا۔ شراب خوری اور عیاشی کا اور دشمن کو راز دینے کے جرائم نہیں بخشا کرتا تھا۔

آصفہ سے اس روز کوئی بیان نہ لیا گیا۔ اس پر زخم کا اتنا اثر نہیں تھا، جتنا خوف کا تھا۔ وہ جاسوس لڑکی تھی۔ سپاہی نہیں تھی۔ اسے شہزادی کے روپ میں شہزادوں سے بھید لینے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کا یہ حشر بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر زیادہ خوف اس کا تھا کہ وہ مسلمانوں کی قیدی ہے اور مسلمان اسے بہت خراب کریں گے۔ ایک خطرہ یہ بھی اسے نظر آیا تھا کہ مسلمان اس کے زخم کا علاج نہیں کریں گے۔ اس نے اس خطرے کا اظہار ہر اُس آدمی سے کیا جو اس کے قریب گیا۔ وہ ڈرے ہوئے بچے کی طرح روتی تھی۔ علی بن سفیان نے اسے بہت تسلی دی کہ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو کسی مسلمان زخمی عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے، مگر وہ سلطان ایوبی سے ملنا چاہتی تھی۔ آخر سلطان کو بتایا گیا۔

سلطان ایوبی اس کے پاس گیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس حالت میں وہ اسے اپنی بیٹی سمجھتا ہے۔

"میں نے سنا تھا کہ سلطان ایوبی تلوار کا نہیں، دل کا بادشاہ ہے"......... آصفہ نے روتے ہوئے کہا.........

"اتنا بڑا بادشاہ جسے شکست دینے کے لیے عیسائیوں کے سارے بادشاہ اکٹھے ہوگئے ہیں۔ ایک مجبور لڑکی کو دھوکا دیتے اچھا نہیں لگتا.......... ان لوگوں سے کہو کہ مجھے فوراً زہر دے دیں۔ میں اس حالت میں کوئی اذیت برداشت نہیں کر سکوں گی"۔

"کہو تو میں ہر وقت تمہارے پاس موجود رہوں گا"......... سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہیں دھوکہ بھی نہیں

دوں گا، اذیت بھی نہیں دوں گا، مگر وعدہ کرو کہ تم بھی مجھے دھوکہ نہیں دو گی۔ تم ذرا اور بہتر ہو لو، طبیب نے کہا ہے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اگر تمہیں اذیت دینی ہوتی تو میں اسی حالت میں قید خانے میں ڈال دیتا۔ تمہارے زخم پر نمک ڈالا جاتا۔ تم چیخ چیخ اور چلا چلا کر اپنے جرم اور اپنے ساتھیوں سے پردے اُٹھاتی، مگر ہم کسی عورت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا کرتے۔ البرق کی بیوی مر گئی ہے، لیکن تمہیں زندہ رکھنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے"۔

''میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''یہاں تمہیں کوئی مرد اس نظر سے نہیں دیکھے گا کہ تم ایک نوجوان اور خوب صورت لڑکی ہو''......... سلطان ایوبی نے کہا......... ''تم یہ خدشہ دل سے نکال دو۔ تمہارے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو اسلامی قانون میں لکھا ہے''۔

اس مکان کی تلاشی لی گئی تھی جہاں آصفہ جایا کرتی تھی۔ وہ کسی کا گھر نہیں تھا۔ جاسوسوں کا اڈہ تھا۔ اندر اصطبل بنا ہوا تھا۔ اندر سے پانچ آدمی برآمد ہوئے تھے، انہیں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان پانچ نے ان چاروں نے جنہیں تعاقب میں پکڑا گیا تھا، جرم کا اعتراف کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر انہیں اس تہہ خانے میں لے گئے جہاں پتھر بھی بول پڑتے تھے۔ بوڑھے نے تسلیم کر لیا کہ اس نے اس لڑکی کو دانے کے طور پر پھینک کر البرق کو پھانسا تھا۔ اس نے سارا ناٹک سنا دیا۔ دوسروں نے بھی بہت سے پردے اُٹھائے اور اس مکان کا راز فاش کیا، جسے شہر کے لوگ احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس مکان میں بہت سی لڑکیاں رکھی گئی تھیں جو دو مقاصد کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ ایک جاسوسی کے لیے اور دوسری حاکموں اور اونچے گھرانے کے مسلمان نوجوانوں کا اخلاق تباہ کرنے کے لیے۔ وہ مکان جاسوسوں اور تخریب کاروں کا اڈہ تھا۔

ان جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ سلطان ایوبی کی فوج میں انہوں نے اپنے آدمی بھرتی کرا دیئے ہیں، جنہوں نے سپاہیوں میں جوئے بازی کی عادت پیدا کر دی ہے۔ وہ ہاری ہوئی بازی جیتنے کے لیے ایک دوسرے کے پیسے چراتے اور چور بنتے جا رہے ہیں۔ شہر میں انہوں نے پانچ سو سے کچھ زیادہ فاحشہ عورتیں پھیلا دی ہیں، جو نوجوانوں کو پھانس کر انہیں عیاشی کی راہ پر ڈال رہی ہیں۔ خفیہ قمار خانے بھی کھول دیئے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ اُن سوڈانیوں کو سلطان کے خلاف بھڑکایا جا رہا ہے، جنہیں فوج سے نکال دیا گیا تھا۔ سب سے اہم انکشاف یہ تھا کہ انہوں نے چھ ایسے مسلمان افسروں کے نام بتائے جو سلطان ایوبی کی حکومت میں اہم حیثیت رکھتے تھے مگر سلطان ایوبی کے خلاف کام کر رہے تھے۔ آصفہ عیسائی لڑکی تھی۔ اس کا نام فلیمنگو بتایا گیا۔ وہ یونانی تھی۔ اسے تیرہ سال کی عمر سے اس کام کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ اسے مصر کی زبان سکھائی گئی۔ ایسی سینکڑوں لڑکیاں مسلمان علاقوں میں استعمال کرنے کے لیے تیار کی گئی تھیں، جنہیں چوری چھپے ادھر بھیجا گیا تھا۔

اس لڑکی نے بھی کچھ نہ چھپایا۔ پندرہ روز بعد اس کا زخم ٹھیک ہو گیا۔ اسے جب بتایا گیا کہ اُسے سزائے موت دی جا رہی ہے تو اس نے کہا......... ''میں خوشی سے یہ سزا قبول کرتی ہوں۔ میں نے صلیب کا مشن پورا کر دیا ہے''......... اسے جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔

دوسروں کی ابھی ضرورت تھی۔ ان کی نشاندہی پر چند اور لوگ پکڑے گئے، جن میں چند ایک مسلمان بھی تھے۔ ان سب کو سزائے موت دی گئی۔ البرق کو ایک سو بید کی سزا دی گئی جو وہ برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ اس کے بچوں کو سلطان ایوبی نے سرکاری تحویل میں لے لیا۔ ان کے لیے سرکاری خرچ پر ملازمہ اور اتالیق مقرر کیے گئے۔ وہ البرق کے بچے نہیں، ایک مجاہدہ کے بچے تھے۔ ان کی ماں شہید ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اُمِ عرارہ کا اغوا

جون ۱۱۷۱ء کا وہ دن مصر کی گرمی سے جل رہا تھا، جس دن خلیفہ العاضد کے قاصد نے آ کر صلاح الدین ایوبی کو پیغام دیا کہ خلیفہ یاد فرما رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کے تیور بدل گئے۔ اس نے قاصد سے کہا.......... ''خلیفہ کو بعد از سلام کہنا کہ کوئی بہت ضروری کام ہے تو بتا دیں میں آ جاؤں گا۔ اس وقت مجھے ذرا سی بھی فرصت نہیں۔ انہیں یہ بھی کہنا کہ میرے سامنے جو کام پڑے ہیں، وہ حضور کے دربار میں حاضری دینے کی نسبت زیادہ ضروری اور اہم ہیں''۔

قاصد چلا گیا اور سلطان ایوبی بے چینی میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ فاطمی خلافت کا دور تھا۔ مصر میں اس خلافت کا خلیفہ العاضد تھا۔ اُس دور کا خلیفہ بادشاہ ہوتا تھا۔ جمعہ کے خطبے میں ہر مسجد میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ عیش و عشرت کے سوا ان لوگوں کے پاس کوئی کام نہ تھا۔ اگر نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نہ ہوتے یا وہ بھی دوسرے امراء، وزراء کی طرح خوشامدی اور ایمان فروش ہوتے تو اس دور کے خلیفوں نے تو سلطنتِ اسلامیہ کو بیچ کھایا تھا۔ العاضد ایسا ہی ایک خلیفہ تھا۔ صلاح الدین ایوبی مصر میں گورنر بن کر آیا تو ابتداء میں خلیفہ نے اسے کئی بار بلایا تھا۔ سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ خلیفہ اسے صرف اس لیے بلاتا ہے کہ اُسے یہ احساس رہے کہ حاکم ایوبی نہیں، خلیفہ ہے۔ وہ سلطان ایوبی کا احترام کرتا تھا۔ اسے اپنے ساتھ بٹھاتا تھا، مگر اس کا انداز شاہانہ اور لب ولہجہ آمرانہ ہوتا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو جب بھی بلایا، بلا مقصد بلایا اور رخصت کر دیا۔ صلیبیوں کو بحیرۂ روم میں شکست دے کر اور سوڈانی فوج کی بغاوت کو ختم کر کے صلاح الدین ایوبی نے خلیفہ کو ٹالنا شروع کر دیا تھا۔

اُس نے خلیفہ کے محل میں جو شان و شوکت دیکھی تھی، اس نے اس کے سینے میں آگ لگا رکھی تھی۔ محل میں زر و جواہرات کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے کے برتن سونے کے تھے۔ شراب کی صراحی اور پیالوں میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ حرم لڑکیوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان میں عربی، مصری، مراکشی، سوڈانی اور ترک لڑکیوں کے ساتھ ساتھ عیسائی اور یہودی لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ اس قوم کا خلیفہ تھا جسے ساری دُنیا میں اللہ کا پیغام پھیلانا تھا اور جسے دُنیائے کفر کی مہیب جنگی قوت کا سامنا تھا۔ سلطان ایوبی کو خلیفہ کی کچھ اور باتیں بھی کھائے جا رہی تھیں۔ ایک یہ کہ خلیفہ کا ذاتی حفاظتی دستہ سوڈانی حبشیوں اور قبائلیوں کا تھا جن کی وفاداری مشکوک تھی۔ دوسرے یہ کہ خلیفہ کے دربار میں سوڈان کی باغی اور برطرف کی ہوئی فوج کے کمان دار اور نائب سالار خصوصی حیثیت کے مالک تھے۔

صلاح الدین ایوبی کی ہدایت پر علی بن سفیان نے قصرِ خلافت میں نوکروں اور اندر کے دیگر کام کرنے والوں کے بھیس میں اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔ خلیفہ کے حرم کی دو عورتوں کو بھی اعتماد میں لے کر جاسوسی کے فرائض سونپے گئے تھے۔ ان جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق، خلیفہ سوڈانی کمان داروں کے زیر اثر تھا۔ وہ ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر کا بوڑھا تھا، لیکن خوب صورت عورتوں کی محفل میں خوش رہتا تھا۔ اس کی اسی کمزوری سے صلاح الدین ایوبی کے مخالفین فائدہ اُٹھا رہے

تھے۔ ۱۱۷۱ء کے دوسرے تیسرے مہینے میں خلیفہ کے حرم میں ایک جوان اور غیر معمولی طور پر حسین لڑکی کا اضافہ ہوا تھا۔ حرم کی جاسوس عورتوں نے علی بن سفیان کو بتایا تھا کہ تین چار آدمی آئے تھے جو عربی لباس میں تھے۔ وہ اس لڑکی کو لائے تھے۔ ان کے پاس بہت سے تحفے بھی تھے۔ لڑکی بھی تحفے کے طور پر آئی تھی۔ اس کا نام اُم عرارہ بتایا گیا تھا۔ اس میں خوبی یہ تھی کہ خلیفہ العاضد پر اس نے جادو سا کر دیا تھا۔ بہت ہی چالاک اور ہوشیار لڑکی تھی۔

سلطان ایوبی کو قصرِ خلافت کی ان تمام خرافات کا علم تھا مگر حکومت پر اس کی گرفت ابھی اتنی مضبوط نہیں ہوتی تھی .... کہ وہ خلیفہ کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا۔ اس سے پہلے کے گورنر اور امیر خلیفہ کے آگے جھکے رہتے تھے۔ اسی لیے مصر بغاوتوں کی سرزمین بن گیا تھا۔ وہاں اسلامی خلافت تو تھی، مگر اسلام کا پرچم سرنگوں ہوتا جا رہا تھا۔ فوج سلطنتِ اسلامیہ کی تھی، مگر سوڈانی جرنیل شہری حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ اور ان کا رابطہ صلیبیوں کے ساتھ تھا۔ انہی کی بدولت قاہرہ اور اسکندریہ میں عیسائی کنبے آباد ہونے لگے تھے۔ ان میں جاسوس بھی تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے سوڈانی فوج کو تو ٹھکانے لگا دیا تھا، لیکن ابھی چند ایک سوڈانی جرنیل موجود تھے جو کسی بھی وقت خطرہ بن کر اُبھر سکتے تھے۔ انہوں نے قصرِ خلافت میں اثر و رسوخ پیدا کر رکھا تھا۔

سلطان ایوبی خلافت کی تعیش پرست گدّی کو اس ڈر سے نہیں چھیڑنا چاہتا تھا کہ خلافت کے متعلق کچھ لوگ جذباتی تھے اور کچھ حامی تھے۔ ان میں خوشامدیوں کے ٹولے کی اکثریت تھی۔ اس اکثریت میں وہ اعلیٰ حکام بھی تھے جو مصر کی امارت کی توقع لگائے بیٹھے تھے مگر یہ حیثیت صلاح الدین ایوبی کو مل گئی۔ سلطان ایوبی ان حالات میں جہاں ملک جاسوسوں اور غداروں سے بھرا پڑا تھا اور صلیبیوں کے جوابی حملے کا خطرہ بھی تھا، ان اعلیٰ اور ادنیٰ حکام کو اپنا دشمن نہیں بنانا چاہتا تھا جو خلافت کے پروردہ تھے، مگر جون ۱۱۷۱ء کے ایک روز جب خلیفہ نے اسے بلایا تو اس نے اسے صاف انکار کر دیا۔

اس نے دربان سے کہا .... ''علی بن سفیان، بہاؤالدین شداد، عیسیٰ الہکاری فقیہہ اور الناصر کو میرے پاس جلدی بھیج دو''۔

☆

یہ چاروں سلطان ایوبی کے خصوصی مشیر اور معتمد تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں کہا .... ''ابھی ابھی خلیفہ کا قاصد مجھے بلانے آیا تھا۔ میں نے جانے سے انکار کر دیا ہے۔ میں نے آپ کو یہ بتانے اور رائے لینے کے لیے بلایا ہے کہ میں جمعہ کے خطبہ سے خلیفہ کا نام نکلوا رہا ہوں''۔

''یہ اقدام ابھی قبل از وقت ہوگا'' .... شداد نے کہا .... ''خلیفہ کو لوگ پیغمبر سمجھتے ہیں۔ رائے عامہ ہمارے خلاف ہو جائے گی''۔

''ابھی تو لوگ اسے پیغمبر سمجھتے ہیں'' .... سلطان ایوبی نے کہا .... ''تھوڑے ہی عرصے بعد وہ اسے خدا سمجھنے لگیں گے۔ اسے پیغمبری اور خدائی دینے والے ہم لوگ ہیں، جو خطبے میں اس کا نام خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لیتے ہیں۔ کیوں عیسیٰ فقیہہ! آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟''

''میں آپ کی تائید کرتا ہوں'' .... عیسیٰ الہکاری فقیہہ نے جواب دیا .... ''کوئی بھی مسلمان خطبے میں کسی انسان کا نام برداشت نہیں کر سکتا۔ انسان بھی ایسا جو شراب، عورت اور ہر طرح کے گناہ کا شیدائی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ صدیوں سے خلیفہ کو پیغمبروں کا درجہ دیا جا رہا ہے، میں چونکہ شہری اور مذہبی امور کا ذمہ دار ہوں، اس لیے یہ نہیں بتا سکتا

کہ سیاسی اور فوجی لحاظ سے آپ کے فیصلے کا ردِعمل کیا ہوگا"۔

"ردِعمل شدید ہوگا"............ بہاؤالدین شداد نے کہا............"اور ہمارے خلاف ہوگا۔ اس کے باوجود میں یہی مشورہ دوں گا کہ یہ بدعت ختم ہونی چاہیے یا خلیفہ کو پکا مسلمان بنا کر لوگوں کے سامنے لایا جائے جو مجھے ممکن نظر نہیں آتا"۔

"رائے عامہ کو مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے"............ علی بن سفیان نے کہا جو جاسوسی اور سراغ رسانی کے شعبے کا سربراہ تھا۔ اس نے ملک کے اندر جاسوسوں اور مخبروں کا جال بچھا رکھا تھا۔ اس نے کہا............"عام لوگوں نے خلیفہ کی کبھی صورت نہیں دیکھی۔ وہ العاضد کے نام سے نہیں صلاح الدین ایوبی کے نام سے واقف ہیں۔ میرے محکمے کی مصدقہ اطلاعات نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آپ کے دوسالہ دورِ امارت میں لوگوں کی ایسی ضروریات پوری ہوگئی ہیں جن کے متعلق انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ شہروں میں ایسے مطب نہیں تھے، جہاں مریضوں کو داخل کر کے علاج کیا جا سکتا۔ لوگ معمولی معمولی بیماریوں سے مر جاتے تھے۔ اب سرکاری مطب کھول دیئے گئے ہیں، درس گاہیں بھی کھولی گئی ہیں، تاجروں اور دکان داروں کی لوٹ کھسوٹ ختم ہوگئی ہے، جرائم بھی کم ہو گئے ہیں اور اب لوگ اپنی مشکلات اور فریادیں آپ تک براہِ راست پہنچا سکتے ہیں۔ آپ کے یہاں آنے سے پہلے لوگ سرکاری اہل کاروں اور فوجیوں سے خوف زدہ رہتے تھے۔ آپ نے ان کے حقوق بتا دیئے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ملک و ملت کا حصہ سمجھنے لگے ہیں۔ خلافت سے انہیں بے انصافی اور بے رحمی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ آپ نے انہیں عدل و انصاف اور وقار دیا ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ قوم خلافت کی بجائے امارت کے فیصلے کو قبول کرے گی"۔

"میں نے قوم کو عدل و انصاف اور وقار دیا ہے یا نہیں"............ سلطان ایوبی نے کہا............"میں نے قوم کے حقوق اسے دیئے ہیں یا نہیں، میں نہیں جانتا۔ میں قوم کو ایک انتہائی بیہودہ روایت نہیں دینا چاہتا۔ میں قوم کو شرک اور کفر نہیں دینا چاہتا۔ ضروری ہو گیا ہے کہ اس روایت کو توڑ کر ماضی کے کوڑے کرکٹ میں پھینک دیا جائے جو مذہب کا حصہ بن گئی ہے۔ اگر یہ روایت قائم رہی تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل پرسوں میں بھی اپنا نام خطبے میں شامل کر دوں۔ دیئے سے دیا جلتا ہے، لیکن میں اس دیئے کو بجھا دینا چاہتا ہوں جو شرک کی روشنی کو آگے چلا رہا ہے۔ قصرِ خلافت بدکاری کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ خلیفہ اُس رات بھی شراب پیئے ہوئے حرم کے حسن میں بدمست پڑا تھا جس رات سوڈانی فوج نے ہم پر حملہ کیا تھا، اگر میری چال ناکام ہو جاتی تو مصر سے اسلام کا پرچم اُتر جاتا۔ جب اللہ کے سپاہی شہید ہو رہے تھے، اس وقت بھی خلیفہ شراب پیئے ہوئے تھا۔ میں اسے احکام کے مطابق یہ بتانے گیا کہ سلطنت پر کیا طوفان آیا تھا اور ہماری فوج نے اس کا دم خم کس طرح توڑا ہے تو اس نے مست سانڈ کی طرح جھوم کر کہا تھا............"شاباش! ہم بہت خوش ہوئے۔ ہم تمہارے باپ کو خصوصی قاصد کے ہاتھ مبارک باد اور انعام بھیجیں گے"............ میں نے اسے کہا کہ یا خلیفۃ المسلمین! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میں نے یہ فرض اپنے باپ کی خوشنودی کے لیے نہیں، اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لیے ادا کیا ہے۔

اس بڈھے خلیفہ نے کہا............"صلاح الدین ایوبی! تم ابھی بچے ہو، مگر کام تم نے بڑوں والا کر دکھایا ہے"۔

"اس نے میرے ساتھ اس طرح بات کی تھی جیسے وہ مجھے اپنا غلام اور اپنے حکم کا پابند سمجھتا ہے۔ یہ بے دین انسان قومی خزانے کے لیے سفید ہاتھی بنا ہوا ہے"............ سلطان ایوبی نے ایک خط نکال کر سب کو دکھایا اور کہا............ "چھ سات دن گزرے نورالدین زنگی نے مجھے یہ پیغام بھیجا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ خلافت تین حصوں میں بٹ گئی ہے۔ بغداد کی مرکزی خلافت کا دونوں ماتحت خلیفوں پر اثر ختم ہو چکا ہے۔ آپ یہ خیال رکھیں کہ مصر کا خلیفہ خود مختار حاکم نہ

بن جائے۔ وہ سوڈانیوں اور صلیبیوں سے بھی ساز باز کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ خلافت صرف بغداد میں رہے اور ذیلی خلیفے ختم کر دیئے جائیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف سازشیں تیار کر رکھی ہیں۔ اگر آپ مصر کے خلیفہ کی بادشاہی اس کے محل کے اندر ہی محدود رکھنے کی کوشش کریں گے تو میں آپ کو فوجی اور مالی امداد دوں گا۔ احتیاط کی بھی ضرورت ہے کیونکہ مصر کے اندرونی حالات ٹھیک نہیں۔ مصر میں ایک بغاوت اور بھی ہوگی۔ سوڈانیوں پر کڑی نظر رکھیں"۔

سلطان ایوبی نے خط پڑھ کر کہا......... "اس میں کیا شک ہے کہ خلافت سفید ہاتھی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ خلیفہ العاضد دورے پر نکلتا ہے تو آپ کی آدھی فوج اس کی حفاظت کے لیے ہر طرف پھیلا دی جاتی ہے؟ لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ خلیفہ کے راستے میں چادریں اور قالین بچھائیں۔ خلیفہ کا حفاظتی دستہ دورے سے پہلے لوگوں کو دھمکیاں دے کر مجبور کر دیتا ہے کہ ان کی عورتیں اور جوان بیٹیاں خلیفہ پر پھولوں کی پتیاں پھینکیں۔ اس کے دوروں پر خزانے کی وہ رقم تباہ کی جاتی ہے جو ہمیں سلطنتِ اسلامیہ کے دفاع اور توسیع کے لیے اور قوم کی فلاح و بہبود کے لیے درکار ہے۔ اس کے علاوہ اس پہلو پر بھی غور کرو کہ ہمیں مصری عوام پر، یہاں کے عیسائیوں اور دیگر غیر مسلموں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام شہنشاہوں کا مذہب نہیں۔ یہ عرب کے صحراؤں کے گڈریوں، کسانوں اور شتربانوں کا سچا مذہب ہے اور یہ انسان کو انسانیت کا وہ درجہ دینے والا مذہب ہے جو خدا کو عزیز ہے"۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ کے خلاف کارروائی کرنے سے آپ کے خلاف یہ بہتان تراشی ہونے لگے کہ خلیفہ کی جگہ آپ خود حاکم بننا چاہتے ہیں"......... شداد نے کہا......... "آج جھوٹ اور باطل کی جڑیں صرف اس لیے مضبوط ہو گئی ہیں کہ مخالفت اور مخالفانہ ردِ عمل سے ڈر کر لوگوں نے سچ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ حق کی آواز سینوں میں دب کر رہ گئی ہے۔ شاہانہ دوروں نے اور شہنشاہیت کے اظہار کے اوچھے طریقوں نے رعایا کے دلوں سے وہ وقار ختم کر دیا ہے جو قوم کا طرہ امتیاز تھا۔ عوام کو بھوکا رکھ کر اور ان پر زبردستی اپنی حکمرانی ٹھونس کر انہیں غلامی کی ان زنجیروں میں باندھا جا رہا ہے، جنہیں ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توڑا تھا۔ ہمارے بادشاہوں نے قوم کو اس پستی تک پہنچا دیا ہے کہ یہ بادشاہ اپنی عیاشیوں کی خاطر صلیبیوں سے دوستانہ کر رہے ہیں، ان سے پیسے مانگتے ہیں اور صلیبی آہستہ آہستہ سلطنتِ اسلامیہ پر قابض ہوتے چلے جا رہے ہیں......... آپ نے شداد! مخالفت کی بات کی ہے۔ ہمیں مخالفت سے نہیں ڈرنا چاہیے"۔

"قابلِ احترام امیر!"......... سلطان ایوبی کے نائب سالار الناصر نے کہا......... "ہم مخالفت سے نہیں ڈرتے۔ آپ نے ہمیں میدانِ جنگ میں دیکھا ہے۔ ہم اس وقت بھی نہیں ڈرے تھے، جب ہم محاصرے میں لڑے تھے۔ ہم بھوکے اور پیاسے بھی لڑے تھے۔ صلیبیوں کے طوفان ہم نے اس حالت میں بھی روکے تھے، جب ہماری تعداد کچھ بھی نہیں تھی، مگر میں آپ کو آپ کی ہی کہی ہوئی ایک بات یاد دلانا چاہتا ہوں۔ آپ نے ایک بار کہا تھا کہ حملہ جو باہر سے آتا ہے اُسے ہم قلیل تعداد میں بھی روک سکتے ہیں، لیکن حملہ جو اندر سے ہوتا ہے اور جب حملہ آور اپنی قوم کے افراد ہوتے ہیں تو ہم ایک بار چونک اُٹھتے اور سُن ہو جاتے ہیں کہ یا خدائے ذوالجلال یہ کیا ہوا۔ قابلِ احترام امیر مصر! جب ملک کے حاکم ملک کے دشمن ہو جائیں تو آپ کی تلوار نیام کے اندر تڑپتی رہے گی، باہر نہیں آئے گی"۔

"آپ نے درست کہا الناصر!"......... سلطان ایوبی نے کہا......... "میری تلوار نیام میں تڑپ رہی ہے۔ یہ اپنے حاکموں کے خلاف باہر نہیں آنا چاہتی۔ میرے دل میں قوم کے حکمرانوں کا ہمیشہ احترام رہا ہے۔ ملک کا حکمران قوم

کی عظمت کا نشان ہوتا ہے، قوم کے وقار کی علامت ہوتا ہے، لیکن آپ سب غور کریں کہ ہمارے حکمرانوں میں کتنی کچھ عظمت اور کتنا کچھ وقار رہ گیا ہے۔ میں صرف خلیفہ العاضد کی بات نہیں کر رہا۔ علی بن سفیان سے پوچھو۔ اس کا محکمہ موصل، حلب، دمشق، مکہ اور مدینہ منورہ کی جو خبریں لایا ہے وہ یہ ہیں کہ خلافت کی تعیش پرستی کی وجہ سے جہاں جہاں کوئی امیر محاکم ہے، وہ وہاں کا مختارِ کُل بن گیا ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ ٹکڑوں میں بٹتی جا رہی ہے۔ خلافت اس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ اس نے اُمرا اور حکام کو ذاتی سیاست بازیوں کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں اس خطرے سے بے خبر نہیں کہ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو ہم جب یکجا کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ اور بکھرے گا۔ ہمارے سامنے پہاڑ کھڑے ہو جائیں گے، لیکن میں گھبراؤں گا نہیں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ بھی نہیں گھبرائیں گے۔ میں آپ کے مشوروں کا احترام کروں گا، لیکن میں آئندہ خلیفہ کے بلاوے پر صرف اس صورت میں جاؤں گا، جب کوئی ضروری کام ہوگا۔ فوری طور پر میں خطبے سے خلیفہ کا نام اور ذکر نکلوا رہا ہوں"۔

سب نے سلطان ایوبی کے اس اقدام کی حمایت کی اور اسے اپنی پوری مدد اور ہر طرح کی قربانی دینے کا یقین دلایا۔

خلیفہ العاضد اس وقت اپنے ایک خصوصی کمرے میں تھا۔ جب قاصد نے اسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ اگر کوئی ضروری کام ہے تو میں آ سکتا ہوں، ورنہ میں بہت معروف ہوں۔ خلیفہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ رجب کو میرے پاس بھیج دو۔ رجب اس کے حفاظتی دستے کا کمان دار تھا جس کا عہدہ نائب سالار جتنا تھا۔ وہ مصر کی فوج کا افسر تھا۔ اسے خلیفہ کے باڈی گارڈز کی کمان دی گئی تھی۔ اس نے قصرِ خلافت اور خلیفہ کے حفاظتی دستوں میں چُن چُن کر سوڈانی حبشیوں کو رکھا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے مخالفین میں سے اور خلیفہ کے خوشامدیوں میں سے تھا۔

اُس وقت خلیفہ کے اس خصوصی کمرے میں اُم عرارہ موجود تھی جب قاصد صلاح الدین ایوبی کا جواب لے کے آیا تھا۔ اس نے خلیفہ سے کہا......... "صلاح الدین ایوبی آپ کا نوکر ہے، آپ نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے، آپ کیوں نہیں اسے معزول کر دیتے؟ کیوں نہیں اپنے سپاہی بھیج کر اسے حراست میں یہاں بلوا لیتے؟"

"اس لیے کہ اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے"......... خلیفہ نے غصے کے عالم میں کہا......... "فوج اس کی کمان میں ہے، وہ میرے خلاف فوج استعمال کر سکتا ہے"......... اتنے میں رجب آ گیا۔ اس نے جھک کر فرشی سلام کیا۔ العاضد نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں اسے کہا......... "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ کمبخت خودسر اور سرکش آدمی ہے......... یہ صلاح الدین ایوبی......... میں نے اسے بلایا تو یہ کہہ کر آنے سے انکار کر دیا ہے کہ کوئی ضروری کام ہے تو آؤں گا، ورنہ آپ کا بلاوا میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ میرے سامنے ضروری کام پڑے ہیں"۔

غصے میں بولتے بولتے اسے ہچکی آئی، پھر کھانسی اُٹھی اور اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس حالت میں کمزوری آواز میں کہا......... "بدبخت کو یہ بھی احساس نہیں کہ میں بیمار ہوں۔ میرا دل مجھے لے بیٹھے گا۔ میرے لیے غصہ ٹھیک نہیں۔ مجھے اپنی صحت کا غم کھائے جا رہا ہے اور اسے اپنے کاموں کی پڑی ہے"۔

"آپ نے اسے کیوں بلایا تھا؟"......... رجب نے پوچھا......... "مجھے حکم دیجئے"۔

"میں نے اسے صرف اس لیے بلایا تھا کہ اسے احساس رہے کہ اس کے سر پر ایک حاکم بھی ہے"......... خلیفہ نے دل پہ ہاتھ رکھے ہوئے کراہتی ہوئی آواز میں کہا......... "تم ہی نے مجھے بتایا تھا کہ صلاح الدین خود مختار ہوتا جا رہا ہے۔ میں اسے بار بار یہاں بلانا چاہتا ہوں۔ اسے حکم دینا چاہتا ہوں، تا کہ اسے اپنے پاؤں کے نیچے رکھوں۔ یہ ضروری

نہیں کہ کوئی ضروری کام ہو تو ہی میں اسے بلاؤں"۔

اُم عرار نے شراب کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا کر کہا............"آپ کو سو بار کہا ہے کہ غصے میں نہ آجایا کریں۔ آپ کے دل اور اعصاب کے لیے غصہ ٹھیک نہیں"............اس نے سونے کی ایک ڈبیہ میں سے نسواری رنگ کے سفوف میں سے ذرا سا خلیفہ کے منہ میں ڈالا اور پانی پلا دیا۔ خلیفہ نے اس کے بکھرے ہوئے ریشمی بالوں میں انگلیاں اُلجھا کر کہا............"اگر تم نہ ہوتیں تو میرا کیا ہوتا۔ سب کو میری دولت اور رتبے سے دلچسپی ہے۔ میری ایک بھی بیوی ایسی نہیں جسے میری ذات کے ساتھ دلچسپی ہو۔ تم تو میرے لیے فرشتہ ہو"............اس نے لڑکی کو اپنے قریب بٹھا کر بازو اس کی کمر میں ڈال دیا۔

"خلیفۃ المسلمین"!............رجب نے کہا............"آپ بڑے ہی نرم دل اور نیک انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے یہ گستاخی کی ہے۔ آپ نے یہ بھی فراموش کر دیا ہے کہ وہ عربی نسل سے نہیں۔ وہ آپ کی نسل سے نہیں۔ وہ کرد ہے، میں حیران ہوں کہ اسے اتنی بڑی حیثیت کس نے دے دی ہے، اگر اس میں کچھ خوبی ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ اچھا عسکری ہے۔ میدانِ جنگ کا استاد ہے، لڑنا بھی جانتا ہے اور لڑانا بھی جانتا ہے، مگر یہ وصف اتنا اہم نہیں کہ اسے مصر کی امارت سونپ دی جاتی............اُس نے سوڈان کی اتنی بڑی اور اتنی تجربہ کار فوج یوں توڑ کر ختم کر دی ہے، جس طرح بچہ کوئی کھلونہ توڑ دیتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ جب یہاں سوڈانی باشندوں کی فوج تھی، ناجی اور ادروش جیسے سالار تھے تو رعایا آپ کے کتوں کے آگے بھی سجدے کرتی تھی۔ سوڈانی لشکر کے سالار آپ کی دہلیز پر حاضر رہتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ آپ اپنے ایک ماتحت کو بلاتے ہیں تو وہ آنے سے انکار کر دیتا ہے"۔

"رجب!" خلیفہ نے اچانک گرج کر کہا............"تم ایک مجرم ہو"۔

رجب کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اُم عرارہ بدک کر العاضد سے الگ ہو گئی۔ العاضد نے اسے پھر بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا اور پیار سے بولا............"کیا میں نے تمہیں ڈرا دیا ہے؟ میں رجب سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ آج دو سال بعد مجھے بتا رہا ہے کہ ہماری پرانی فوج اور اس کے سالار اچھے تھے اور صلاح الدین ایوبی کی بنائی ہوئی فوج خلافت کے حق میں اچھی نہیں۔ کیوں رجب! تم یہ بات پہلے بھی جانتے تھے؟ چپ کیوں رہے؟ اب جب کہ یہ امیرِ مصر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے، مجھے بتا رہے ہو کہ وہ خلافت کا باغی اور سرکش ہے"۔

"میں حضور کے عتاب سے ڈرتا تھا"............رجب نے کہا............"سلطان ایوبی کا انتخاب بغداد کی خلافت نے کیا تھا۔ یہ آپ کے مشورے سے ہی ہوا ہوگا۔ میں خلافت کے انتخاب کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ آج امیرِ مصر کی گستاخی اور اس کے زیرِ اثر آپ کے دل کے دورے نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ زبان کھولوں۔ میں کب سے دیکھ رہا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کئی بار آپ کے حضور گستاخی کر چکا ہے۔ میرا فرض ہے کہ آپ کو خطروں سے آگاہ کروں اور بچاؤں"۔

اس دوران اُم عرارہ خلیفہ کے گالوں سے گال رگڑتی رہی اور اس کے انگلیوں میں اُنگلیاں اُلجھا کر بچوں کی طرح کھیلتی رہی۔ ایک بار اس نے خلیفہ کے گالوں کو ہاتھوں میں تھام کر پوچھا............"طبیعت بحال ہوئی؟"

خلیفہ نے اس کی ٹھوڑی کو چھیڑتے ہوئے کہا............"دوائی نے اتنا اثر نہیں کیا، جتنا تیرے پیار نے کیا ہے۔ خدا نے تجھے وہ حسن اور وہ جذبہ دیا ہے جو میرے ہر روگ کے لیے اکسیر ہے"............اس نے اُم عرارہ کا سر اپنے سینے پر

ڈال کر رجب سے کہا..........''روزِ قیامت جب مجھے جنت میں بھیجیں گے تو میں خدا سے کہوں گا کہ مجھے کوئی حور نہیں چاہیے، مجھے اُمِّ عرارہ دے دو''۔

''اُمِّ عرارہ صرف حسین ہی نہیں''..........رجب نے کہا..........''یہ بہت ہوشیار اور ذہین بھی ہے۔ حضور کا حرم سازشوں کا گھر بنا ہوا تھا۔ اس نے آکر سب کو لگام ڈال دی ہے۔ اب کسی کی جرأت نہیں کہ کوئی عورت کسی عورت کے خلاف یا کوئی اہل کار قصرِ خلافت میں ذرا سی بھی گڑبڑ کرے''۔

''رجب صلاح الدین ایوبی کے متعلق بات کر رہے تھے''..........اُمِّ عرارہ نے کہا۔''ان کی باتیں غور سے سنیں اور صلاح الدین ایوبی کو لگام ڈالیں''۔

''تم کیا کہہ رہے تھے رجب!''..........خلیفہ نے پوچھا۔

''میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں نے اس ڈر سے زبان بند رکھی کہ امیرِ مصر کے خلاف کوئی بات خلافت کو گوارا نہ ہوگی''..........رجب نے کہا..........''صلاح الدین ایوبی قابل سالار ہو سکتا ہے''۔

''مجھے اس کا صرف یہی وصف پسند ہے کہ میدانِ جنگ میں وہ اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیتا''..........خلیفہ نے کہا..........''ہمیں سلطان ایوبی جیسے ہی سالاروں کی ضرورت ہے جو خلافتِ اسلامیہ کا وقار میدانِ جنگ میں قائم رکھیں''۔

''میں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں خلیفۃ المسلمین!''..........رجب نے کہا..........''خلافت نے ہمیں میدانِ جنگ میں نہیں آزمایا۔ صلاح الدین ایوبی کے متعلق میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ وہ خلافتِ اسلامیہ کے وقار کے لیے نہیں لڑتا، بلکہ اپنے وقار کے لیے لڑتا ہے۔ آپ فوج کے سالار سے سپاہی تک پوچھ لیں۔ صلاح الدین انہیں یہ سبق دیتا رہتا ہے کہ وہ ایسی سلطنتِ اسلامیہ کے قیام کے لیے لڑیں، جس کی سرحدیں لامحدود ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ ایسی سلطنت کے خواب دیکھ رہا ہے، جس کا بادشاہ وہ خود ہوگا۔ نورالدین زنگی اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے دو ہزار سواروں اور اتنے ہی پیادہ عسکریوں کی فوج بھیج تھی۔ کیا اس نے خلیفۂ بغداد کی اجازت سے یہ فوج بھیجی تھی؟ کیا خلافت کا کوئی ایلچی آپ سے مشورہ لینے آیا تھا کہ مصر میں فوج کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جو کچھ ہوا خلافت سے بالا ہوا''۔

''تم ٹھیک کہتے ہو''..........خلیفہ نے کہا..........''مجھ سے نہیں پوچھا گیا تھا اور مجھے اب خیال آیا ہے کہ اُدھر سے آئی ہوئی اتنی زیادہ کمک واپس نہیں بھیجی گئی''۔

''واپس اس لیے نہیں بھیجی گئی کہ یہ کمک مصر پر گرفت مضبوط کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی اور اسی لیے یہاں رکھی گئی ہے''..........رجب نے کہا..........''مصر کی پرانی فوج کے سپاہیوں کو کسان اور بھکاری بنانے کے لیے یہ کمک آئی تھی۔ ناجی، ادروش، کاکیش، عبد یزدان، ابی آذر اور ان جیسے آٹھ اور سالار کہاں ہیں؟ حضور نے کبھی سوچا نہیں۔ ان سب کو صلاح الدین ایوبی نے خفیہ طور پر قتل کرا دیا تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ صلاح الدین ایوبی سے زیادہ قابل سالار تھے۔ یہ قتل کس کی گردن پر ہے؟ صلاح الدین ایوبی نے حاکموں کی مجلس میں کہا تھا کہ خلیفۂ مصر نے ان سب کو غداری اور بغاوت کے جرم میں سزائے موت دے دی ہے''۔

''جھوٹ''..........خلیفہ نے بھڑک کر کہا..........''سفید جھوٹ۔ مجھے صلاح الدین ایوبی نے بتایا تھا کہ یہ

سب غدار ہیں۔ میں نے اسے کہا تھا کہ گواہ لاؤ اور مقدمہ چلاؤ"۔

"اس نے مقدمہ چلائے بغیر وہ فیصلہ خود کیا جو خلافت کی مُہر کے بغیر بے کار ہوتا ہے"............ رجب نے کہا............ "ان بدقسمت سالاروں کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے صلیبی بادشاہ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ان کا مقصد کچھ اور تھا، وہ یہ تھا کہ صلیبیوں سے بات چیت کر کے جنگ وجدل ختم کیا جائے اور ہم اپنے ملک اور رعایا کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کی طرف توجہ دے سکیں۔ آپ شاید تسلیم نہ کریں، مگر یہ حقیقت ہے کہ صلیبی ہمیں اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔ وہ ہمارے خلاف جنگی طاقت صرف اس لیے تیار رکھتے ہیں کہ نورالدین زنگی اور شیرکوہ جیسے مسلمانوں سے انہیں حملے کا خطرہ رہتا ہے۔ شیرکوہ مر گیا تو صلاح الدین ایوبی کو اپنی جگہ چھوڑ گیا۔ یہ شخص شیرکوہ کا پروردہ ہے۔ اس نے ساری عمر عیسائی قوم سے لڑتے اور اسلام کے دشمن پیدا کرتے اور دشمنوں میں اضافہ کرتے گزاری ہے۔ اگر صلاح الدین کی جگہ مصر کا امیر کسی اور کو مقرر کیا جاتا تو آج عیسائی بادشاہ آپ کے دربار میں دوستوں کی طرح آتے، قتل و غارت نہ ہوتی، اتنے پرانے اور تجربہ کار سالار قتل ہو کر گمنام نہ ہو جاتے"۔

"مگر رجب!"............ خلیفہ نے کہا............ "صلیبیوں نے بحیرۂ روم سے حملہ جو کیا تھا؟"

"صلاح الدین ایوبی نے ایسے حالات پیدا کیے تھے کہ صلیبی اپنے دفاع کے لیے حملے میں پہل کرنے پر مجبور ہو گئے"............ رجب نے کہا............ "صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ حملہ آ رہا ہے، کیونکہ حالات اسی نے پیدا کیے تھے۔ اس لیے اس نے حملہ روکنے یعنی دفاع کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ یہ شخص فرشتہ تو نہیں تھا کہ اسے غیب کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ایسا ناٹک کھیلا تھا جس میں ہزار ہا بچے یتیم اور ہزار ہا عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ اس پر آپ نے اسے میری موجودگی میں خراج تحسین پیش کیا۔ پھر اس نے سوڈانی فوج کو جو آپ کی وفادار تھی، جنگی مشق کے بہانے رات کو باہر نکالا اور اندھیرے میں اس پر اپنی نئی فوج سے حملہ کر دیا۔ مشہور یہ کیا کہ ناجی کی فوج نے بغاوت کر دی تھی۔ اس پر بھی آپ نے اسے خراج تحسین پیش کیا۔ آپ اتنے سادہ دل اور مخلص ہیں کہ آپ اس چال اور اس دھوکے کو سمجھ نہ سکے"۔

اس دوران اُمّ عرارہ جو عرب کے حسن کا شاہکار تھی۔ خلیفہ العاضد کے ساتھ "بڑی معصومیت" سے کچھ ایسی فحش حرکتیں کرتی رہی کہ العاضد پر شراب کا نشہ دُگنا ہو گیا۔ اس کی ذہنی کیفیت اس لڑکی کے قبضے میں تھی۔ رجب کی باتیں اور دلیلیں اُس کے دماغ میں اُترتی جا رہی تھیں۔ اُس کی زیادہ تر توجہ اُمّ عرارہ پر مرکوز تھی۔ رجب کی باتیں تو وہ ضمنی طور پر سُن رہا تھا۔ رجب نے صلاح الدین ایوبی پر ایک انتہائی بے ہودہ وار کیا۔ اس نے کہا............ "اُس نے ایک اور فریب کاری شروع کر رکھی ہے۔ کسی خوب صورت اور جوان لڑکی کو پکڑ کر اس کی آبروریزی کرتا ہے اور چند دن عیش کر کے اسے یہ کہہ کر مروا دیتا ہے کہ یہ جاسوس ہے۔ عیسائیوں کے خلاف قوم میں نفرت پیدا کرنے کے لیے اس نے فوج اور عوام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ صلیبی اپنی لڑکیوں کو مصر میں جاسوسی کے لیے بھیجتے ہیں اور وہ بدکار عورتوں کو بھی یہاں بھیجتے ہیں جو قوم کا اخلاق تباہ کرتی ہیں۔ میں اسی ملک کا باشندہ ہوں۔ یہاں جتنے قحبہ خانے ہیں، وہاں مصری اور سوڈانی عورتیں ہیں، اگر کوئی عیسائی عورت ہے تو وہ کسی کی جاسوس نہیں، یہ اس کا پیشہ ہے"۔

"مجھے حرم کی تین چار لڑکیوں نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی نے انہیں اپنے گھر بلایا اور خراب کیا تھا"...... اُمّ عرارہ نے کہا۔

خلیفہ بھڑک اُٹھا اور کہا............ "میرے حرم کی لڑکیاں؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا"۔

"اس لیے کہ آپ کی بیماری میں یہ خبر آپ کے لیے اچھی نہیں تھی"...........اُم عرارہ نے کہا............"اب بھی یہ بات میرے منہ سے بے اختیار نکل گئی ہے۔ میں نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ اب کوئی لڑکی کسی کے بلانے پر باہر نہیں جا سکتی"۔

"میں اُسے ابھی بلا کر دُرّے لگواؤں گا"............خلیفہ نے کہا............"میں انتقام لوں گا"۔

"انتقام لینے کے طریقے اور بھی ہیں"............رجب نے کہا............"اس وقت عوام صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ آپ کے خلاف ہو جائیں گے"۔

"تو کیا میں اپنی یہ توہین برداشت کر لوں؟"............خلیفہ نے کہا۔

"نہیں"............رجب نے کہا............"اگر آپ مجھے اجازت دیں اور میری مدد کریں تو میں صلاح الدین ایوبی کو اسی طرح غائب کر دوں گا جس طرح اس نے مصر کی پرانی فوج کے سالاروں کو گم کر دیا ہے"۔

"تم یہ کام کس طرح کرو گے؟"............خلیفہ نے پوچھا۔

"حشیشین یہ کام کر دکھائیں گے"............رجب نے کہا............"وہ رقم بہت زیادہ طلب کرتے ہیں"۔

"رقم کا مطالبہ جس قدر ہوگا، وہ میں دوں گا"............خلیفہ نے کہا............"تم انتظام کرو"۔

☆

دو روز بعد جمعہ تھا۔ قاہرہ کی جامعہ مسجد کے خطیب کو عیسیٰ الہکاری فقیہہ نے کہہ دیا تھا کہ خطبے میں خلیفہ کا نام نہ لیا جائے۔ یہ خطیب ترک تھے، جن کا پورا نام تاریخ میں محفوظ نہیں۔ وہ امیر العالم کے نام سے مشہور تھے۔ اس دور کے دستاویزی ثبوت ایسے بھی ملے ہیں جن کے مطابق خطیب امیر العالم نے کئی بار اس بدعت کو ختم کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ خلیفہ کا نام خطبے سے حذف کیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو امیر العالم نے ہی مشورہ دیا تھا کہ اس بدعت کے خاتمے کے احکام جاری کریں اور دو وقائع نگار اس کا سہرا عیسیٰ الہکاری فقیہہ کے سر باندھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ منصوبہ خطیب امیر العالم اور مذہبی امور کے مشیر عیسیٰ الہکاری فقیہہ کے پیشِ نظر بھی ہو، لیکن صلاح الدین ایوبی کی گفتگو کی جو دستاویزات مل سکی ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دلیرانہ اقدام سلطان ایوبی کا ہی تھا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ اُس وقت سچے مسلمان موجود تھے۔

خطیب امیر العالم نے خطبے میں خلیفہ کا نام نہ لیا۔ جامع مسجد میں صلاح الدین ایوبی درمیانی صفوں میں موجود تھا۔ علی بن سفیان اس سے تھوڑی دُور کسی صف میں بیٹھا تھا۔ سلطان ایوبی کے متعدد دیگر مشیر اور معتمد بکھر کر عوام میں بیٹھے تھے تا کہ ان کا ردِ عمل بھانپ سکیں۔ علی بن سفیان کے مخبروں کی بہت بڑی تعداد مسجد میں موجود تھی۔ خلیفہ کا نام خطبے میں سے غائب کرنا ایک سنگین اقدام نہیں، بلکہ خلافت کے احکام کے مطابق سنگین جرم تھا۔ اس کا ارتکاب کر دیا گیا۔ سربراہوں میں سے اگر کوئی مسجد میں نہیں تھا تو وہ خلیفہ العاضد تھا۔

نماز کے بعد سلطان ایوبی اُٹھا۔ خطیب کے پاس گیا۔ ان سے مصافحہ کیا۔ ان کے چغے کا بوسہ لیا اور کہا............ "اللہ آپ کا حامی و ناصر ہے"۔ خطیب امیر العالم نے جواب دیا............"یہ حکم صادر فرما کر آپ نے جنت میں گھر بنا لیا ہے"............واپس چند قدم چل کر سلطان ایوبی رُک گیا اور خطیب کے قریب جا کر کہا............"اگر آپ کو خلیفہ کا بلاوا آ جائے تو اس کے پاس جانے کی بجائے میرے پاس آ جانا۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا"۔

"اگر اسے میری گستاخی نہ سمجھیں"............امیر العالم نے کہا............"تو عرض کروں کہ باطل اور شرک کے خلاف

عمل اور حق گوئی اگر جرم ہے تو اس کی سزا میں اکیلا بھگتوں گا۔ میں آپ کا سہارا نہیں ڈھونڈوں گا۔ خلیفہ نے بلایا تو اکیلا جاؤں گا۔ میں نے خلیفہ کے نام کو آپ کے حکم سے نہیں، خدا کے حکم سے حذف کیا ہے۔ میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں''۔

شام کے بعد صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان، بہاؤالدین شداد اور چند ایک اور مشیروں سے دن کی رپورٹ لے رہا تھا۔ سارے شہر میں شہریوں کے بھیس میں مخبر اور جاسوس پھیلا دیئے گئے تھے، جنہوں نے لوگوں کی رائے معلوم کر لی تھی۔ علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ کہیں سے بھی اسے ایسی اطلاع نہیں ملی، جہاں کسی نے یہ کہا ہو کہ خطبے میں خلیفہ کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ علی بن سفیان کے بعض آدمیوں نے دو تین جگہوں پر یہ بھی کہا کہ جامع مسجد کے خطیب نے آج خطبے میں خلیفہ کا نام نہیں لیا تھا، یہ اُس نے بہت بُرا کیا ہے۔ اس پر کچھ آدمی اس طرح حیران ہوئے جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ خطبے میں خلیفہ کا نام لیا گیا تھا یا نہیں۔ ان میں سے چار پانچ نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ خلیفہ خدا یا پیغمبر تو نہیں۔ ان اطلاعات سے سلطان ایوبی کو اطمینان ہو گیا کہ عوام کے جس ردعمل سے اسے ڈرایا گیا تھا، اس کا کہیں بھی اظہار نہیں ہوا۔

صلاح الدین ایوبی نے اسی وقت سلطان نورالدین زنگی کے نام پیغام لکھا، جس میں اسے اطلاع دی کہ اس نے جمعے کے خطبے میں سے خلیفہ کا نام نکلوا دیا ہے۔ عوام کی طرف سے اچھے ردعمل کا اظہار ہوا ہے۔ لہٰذا آپ بھی مرکزی خلافت کو خطبے سے خارج کر دیں۔ اب لُبِ لباب کا طویل پیغام لکھ کر اُس نے حکم دیا کہ قاصد کو علی الصبح روانہ کر دیا جائے جو یہ پیغام نورالدین زنگی کو دے کر واپس آ جائے۔ اس کے بعد اس نے علی بن سفیان سے کہا کہ خلیفہ کے محل میں جاسوسوں کو چوکنا کر دیا جائے۔ وہاں ذرا سی بھی مشکوک حرکت ہو تو فوراً اطلاع دیں۔ رجب کو سلطان ایوبی جانتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ رجب خلیفہ کا منہ چڑھا نائب سالار ہے۔ سلطان ایوبی نے علی بن سفیان سے کہا............ ''رجب کے ساتھ ایک آدمی سائے کی طرح لگا رہنا چاہیے''۔

اُس رات خلیفہ کی محفل عیش و طرب میں رجب نہیں تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے قتل کا انتظام کرنے چلا گیا تھا۔ اسے حسن بن صباح کے حشیشین سے ملنا تھا۔ خلیفہ روزمرہ کی طرح باہر کی دُنیا سے بے خبر اور اُمِ عرارہ کے طلسماتی حسن اور ناز و ادا میں گم تھا۔ اسے کسی نے بتایا ہی نہیں تھا کہ خطبے میں سے اس کا نام حذف ہو چکا ہے۔ وہ خوش تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا انتظام ہونے والا ہے۔ اُمِ عرارہ نے اسے جلدی سلانے اور بے ہوش کرنے کے لیے زیادہ شراب پلا دی اور شراب میں خواب آور سفوف بھی ملا دیا۔ اس بوڑھے سے جلدی چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ یہی نسخہ استعمال کیا کرتی تھی۔ اُسے سلا کر اور قندیلیں بجھا کر وہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ اپنے مخصوص کمرے کی طرف جا رہی تھی جس میں رجب رات کو چوری چھپے اس کے پاس آیا کرتا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ کواڑوں کے پیچھے سے کسی نے اس پر کمبل پھینکا۔ اس کی آواز بھی نہ نکلنے پائی تھی کہ اس کے منہ پر جہاں پہلے ہی کمبل لپٹ گیا تھا، ایک اور کپڑا باندھ دیا گیا۔ اسے کسی نے کندھوں پر ڈال لیا اور کمرے سے نکل گیا، یہ دو آدمی تھے۔ وہ محل کی بھول بھلیوں اور چور راستوں سے واقف معلوم ہوتے تھے۔ وہ اندھیری سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ اوپر سے انہوں نے رسہ باندھ کر نیچے لٹکایا۔ لڑکی کو کندھوں پر ڈالے ہوئے وہ آدمی رسے سے نیچے اُتر گیا۔ اس کے پیچھے دوسرا اُترا اور دونوں اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ کچھ دور چار گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے پاس دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اندھیرے میں آتے دیکھا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ ایک نے کندھے پر کچھ اٹھا رکھا

ہے۔ وہ گھوڑوں کو آگے لے گئے۔ سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ایک سوار نے لڑکی کو اپنے آگے ڈال لیا۔ ان میں سے کسی نے کہا.........."گھوڑوں کو ابھی دوڑانا نہیں۔ ٹاپو سارے شہر کو جگا دیں گے".......... گھوڑے آہستہ آہستہ چلتے گئے اور شہر سے نکل گئے۔

"یہ صلاح الدین ایوبی کا کام ہے"۔

"امیر مصر کے سوا ایسی جرأت اور کوئی نہیں کر سکتا"۔

"اس کے سوا اور ہو ہی کون سکتا ہے"۔

قصرِ خلافت میں یہی شور و غوغا بپا تھا کہ اُمِ عرارہ کو صلاح الدین ایوبی نے اغوا کرایا ہے۔ رجب واپس آ گیا تھا۔ محل کے کونے کونے کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ محافظ دستہ کمان داروں کے عتاب کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ خود کمان دار بھی سپاہیوں کی طرح تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ایک لڑکی کا اغوا معمولی واردات نہیں تھی اور لڑکی بھی ایسی جسے خلیفہ حرم کا ہیرا سمجھتا تھا۔ محل کے پچھواڑے ایک رسّہ لٹک رہا تھا۔ زمین پر پاؤں کے نشان تھے جو تھوڑی دُور جا کر گھوڑوں کے نشانات میں ختم ہو گئے تھے۔ ان سے یہ ثبوت مل گیا تھا کہ لڑکی کو رسّے سے اُتارا گیا ہے۔ اس شک کا اظہار بھی کیا گیا کہ لڑکی اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ گئی ہے۔ خلیفہ نے اس شک کو مسترد کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اُمِ عرارہ اس پر جان چھڑکتی تھی۔

"یہ صلاح الدین ایوبی کا کام ہے".......... رجب نے العاضد سے کہا.........."قصرِ خلافت میں ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی بھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا"۔

ہر کسی کے کانوں میں یہ الفاظ رجب نے ہی ڈالے تھے۔ اسے جونہی اُمِ عرارہ کی گمشدگی کی اطلاع ملی تھی، اس نے سارے محل میں گھوم پھر کر ہر کسی سے لڑکی کے متعلق پوچھا اور ہر کسی سے کہا تھا.........."یہ سلطان ایوبی کا کام ہے".......... قصرِ صدارت کے اعلیٰ حاکم سے ادنیٰ ملازم تک انہی الفاظ کو دہرائے چلے جا رہے تھے اور جب یہ الفاظ خلیفہ العاضد کے کانوں میں پڑے تو اُس نے ذرہ بھر سوچنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ الزام بے بنیاد ہو سکتا ہے۔ اس کے کانوں میں یہ تو پہلے ہی ڈالا جا چکا تھا کہ سلطان ایوبی عورتوں کا شیدائی ہے۔ اُمِ عرارہ نے اسے یہ بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی حرم کی چار لڑکیوں کو خراب کر چکا ہے۔ خلیفہ نے اسی وقت اپنے خصوصی قاصد کو بلایا اور اُسے کہا کہ امیر مصر کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ پردے میں لڑکی واپس کر دو، میں کوئی کارروائی نہیں کروں گا"۔

جس وقت خلیفہ قاصد کو یہ پیغام دے رہا تھا، اس وقت قاہرہ سے دس بارہ میل دُور تین شتر سوار قاہرہ کی طرف خراماں خراماں آ رہے تھے۔ وہ مصری فوج کے گشتی سنتری تھے۔ مصر کے سیاسی حالات چونکہ اچھے نہیں تھے۔ جاسوسوں اور تخریب کاروں کی سرگرمیاں رُکنے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھیں۔ سلطان ایوبی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ملک میں غداری اور بغاوت کی چنگاریاں بھی سلگ رہی ہیں۔ اُس سوڈانی فوج کی طرف سے جسے اُس نے برطرف کر دیا تھا، خطرہ پوری طرح ٹلا نہیں تھا۔ اس فوج کے کمان دار، عہدے دار اور سپاہی تجربہ کار عسکری تھے۔ کسی بھی وقت ملک کے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ سلطان ایوبی کے مخالفین نے صلیبیوں سے دوستانہ کر رکھا تھا۔ ان کے جاسوسوں کو وہ پناہ، امداد اور مدد مہیا کرتے تھے۔ ان خطرات کے پیشِ نظر دارالحکومت سے بہت دُور دُور اور ہر طرف فوج کے چند ایک دستے رکھے گئے تھے۔ ان کے گشتی سنتری دن رات صحراؤں اور ٹیلوں ٹیکریوں کے علاقوں میں گھوڑوں اور اونٹوں پر گشت کرتے رہتے تھے تاکہ آنے والے خطرے کی اطلاع قبل از وقت دی جا سکے۔

وہ تین شتر سوار انہی دستوں کے گشتی سنتری تھے جو اپنی ذمہ داری کے علاقے میں گشت کر کے واپس آ رہے تھے۔ آگے مٹی اور پتھروں کی پہاڑیوں اور چٹانوں کا وسیع علاقہ تھا۔ وہ ایک وادی میں سے گزر رہے تھے، انہیں کسی عورت کی آہ و زار سنائی دی۔ مردانہ آوازیں بھی سنائی دیں۔ ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ لڑکی پر زبردستی کی جا رہی ہے۔ ایک شتر سوار اُترا اور اس چٹان پر چڑھ گیا، جس کی دوسری طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے چھپ کر دیکھا، اُدھر چار گھوڑے کھڑے تھے اور چار آدمی بھی تھے۔ چاروں سوڈانی حبشی تھے........... ایک بڑی ہی خوب صورت لڑکی تھی، جو دوڑی جا رہی تھی۔ ایک حبشی نے اسے پکڑ لیا اور اسے بازوؤں میں دبوچ کر اُٹھا لیا اور اُسے اپنے ساتھیوں کے درمیان کھڑا کر کے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل ہو گیا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ باندھ کر کہا............ ''تم مقدس لڑکی ہو۔ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر ہمیں گناہ گار نہ کرو۔ دیوتاؤں کا قہر ہمیں جلا ڈالے گا یا ہمیں پتھر بنا دے گا''۔

''میں مسلمان ہوں''........... لڑکی نے چلا کر کہا........... ''تمہارے دیوتاؤں پر لعنت بھیجتی ہوں، مجھے چھوڑ دو، ورنہ میں تم سب کو خلیفہ کے کتوں سے بوٹی بوٹی کرا دوں گی''۔

''تم اب خلیفہ کی ملکیت نہیں''........... ایک حبشی نے اسے کہا........... ''اب تم اس دیوتا کی ملکیت ہو جس کے ہاتھ میں آسمان کی بجلیوں کا قہر، ناگوں کا زہر اور شیروں کی طاقت ہے۔ اس نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ اب جو کوئی تمہیں اس سے چھیننے کی کوشش کرے گا، اسے صحرا کی ریت جلا کر راکھ کر دے گی''۔

ایک حبشی نے دوسرے سے کہا........... ''میں نے تمہیں کہا تھا کہ یہاں نہ رکو، مگر تم آرام کرنا چاہتے تھے۔ اسے بندھا ہوا چلے چلتے اور شام سے پہلے پہلے منزل پر پہنچ جاتے''۔

''کیا ہمارے گھوڑے تھک نہیں گئے تھے؟''........... حبشی نے جواب دیا........... ''ہم ساری رات کے جاگے ہوئے نہیں تھے؟ اسے پھر باندھ لو اور چلو''۔

اس نے لڑکی کو دبوچ لیا۔ اچانک اس کی پیٹھ میں ایک تیر اُتر گیا۔ اُس کی گرفت لڑکی سے ڈھیلی ہو گئی۔ لڑکی اُسے دھکا دے کر بھاگنے لگی تو دوسرے آدمی نے اسے پکڑ کر گھسیٹا اور گھوڑوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ ایک اور تیر آیا جو ایک آدمی کی گردن میں لگا۔ وہ آدمی بُری طرح تڑپنے لگا، جس آدمی نے لڑکی کو پکڑا تھا، وہ گھوڑے کی باگ پکڑ کر لڑکی اور گھوڑے کو نشیبی جگہ لے گیا، جو بالکل قریب تھی۔ ایک حبشی اور بھی رہ گیا تھا، وہ بھی دوڑ کر نشیب میں اُتر گیا........... یہ تیر اُس شتر سوار سنتری نے چلائے تھے جو چٹان پر چڑھ گیا تھا۔ اس نے بعد میں جو بیان دیا، اس میں اس نے کہا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے نام سے ڈر گیا تھا، لیکن لڑکی نے جب یہ کہا کہ میں مسلمان ہوں اور میں دیوتاؤں پر لعنت بھیجتی ہوں تو سنتری کا ایمان بیدار ہو گیا۔ لڑکی نے جب خلیفہ کا نام لیا تو سنتری سمجھ گیا کہ یہ حرم کی لڑکی ہے۔ اس کا لباس، اس کی شکل وصورت اور اس کی ڈیل ڈول بتا رہی تھی کہ یہ معمولی درجے کی لڑکی نہیں، اسے اغوا کیا جا رہا ہے اور اسے سوڈان میں لے جا کر فروخت کیا جائے گا۔ سنتری کو یہ معلوم تھا کہ تھوڑے دنوں بعد سوڈانی حبشیوں کا ایک میلہ لگنے والا ہے، جس میں لڑکیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

فوج کو سلطان ایوبی نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ عورت کی عزت کی حفاظت کی جائے گی۔ ایک عورت کی عزت کو بچانے کے لیے ایک درجن آدمیوں کے قتل کی بھی اجازت تھی۔ سنتری نے یہ ساری باتیں سامنے رکھ کر فیصلہ کر لیا کہ اس لڑکی کو بچانا ہے۔ اس نے دو تیر چلائے اور دو حبشی مار ڈالے۔ اس نے غلطی یہ کی کہ باقی دو حبشیوں کو پکڑنے کے لیے نیچے

اُتر آیا۔ اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ بردہ فروشوں کا تعاقب کرنا ہے۔ وہ تینوں اونٹوں کو دوڑاتے دوسری طرف گئے مگر انہیں چٹان کا چکر کاٹ کر جانا پڑا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اونٹ گھوڑے کا تعاقب کر سکتا ہے یا نہیں۔ ان تینوں میں سے تیر کمان صرف اسی سنتری کے پاس تھا۔ باقی دو کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں۔

وہ اس جگہ پہنچے جہاں لڑکی اور حبشیوں کو دیکھا گیا تھا تو وہاں دو لاشوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ سوڈانی حبشی لڑکی کو بھی لے گئے تھے اور اپنے مرے ہوئے ساتھیوں کے گھوڑوں کو بھی۔ شتر سواروں نے تعاقب میں اونٹ دوڑائے لیکن وہ ٹیلوں اور چٹانوں کا علاقہ تھا۔ راستہ گھومتا اور مڑتا تھا۔ انہیں بھاگتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دے رہے تھے جو دور ہٹتے گئے اور خاموش ہو گئے۔ شتر سواروں نے دونوں لاشیں اونٹوں پر لادیں اور واپس آ گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ لاشیں کس کی ہیں۔ یہ عام قسم کے بردہ فروشوں کی بھی ہو سکتی تھیں، انہیں اُٹھالانا ضروری نہ تھا، لیکن لڑکی خلیفہ کی معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے لاشیں اُٹھانا ضروری سمجھا گیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اغوا کرنے والے کون ہیں۔

☆

صلاح الدین ایوبی پریشانی اور غصے کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں اس کے مشیر اور معتمد بیٹھے تھے۔ یہ اس کے دوست بھی تھے۔ وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے آپ کو ہمیشہ قابو میں رکھتا تھا۔ وہ کبھی جذباتی نہیں ہوا تھا، وہ غصہ پی جایا کرتا تھا اور ذہن کو پوری طرح قابو میں رکھ کر سوچا اور فیصلہ کیا کرتا تھا۔ ایسے حالات نے بھی اسے آزمایا تھا، جن میں جابر جنگجو بھی ہتھیار ڈال دیا کرتے تھے۔ وہ محاصروں میں بھی لڑا تھا اور اس حال میں بھی محاصرے میں رہا تھا کہ اس کے سپاہیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے، قلعے میں کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہ رہا تھا اور سپاہیوں کے ترکش بھی خالی ہو گئے تھے۔ اس کے سپاہی اس انتظار میں تھے کہ وہ ہتھیار ڈال کر انہیں اس اذیت اور موت سے بچا لے گا، لیکن سلطان ایوبی نے صرف اپنا حوصلہ ہی مضبوط نہ رکھا بلکہ سپاہیوں میں بھی نئی روح پھونک دی، مگر اس روز سلطان ایوبی کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا تھا، چہرے پر غصہ بھی تھا اور گھبراہٹ بھی۔ یہی وجہ تھی کہ سب خاموش بیٹھے تھے۔

''آج پہلی بار میرا دماغ میرا ساتھ چھوڑ گیا ہے''............ اس نے کہا۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ خلیفہ کے اس پیغام کو نظر انداز کر دیں؟''............ اس کے نائب سالار الناصر نے کہا۔

''میں اسی کوشش میں مصروف ہوں''............ سلطان ایوبی نے کہا............ ''لیکن الزام کی نوعیت دیکھو جو مجھ پر عائد کیا گیا ہے۔ میں نے اس کے حرم کی ایک لڑکی اغوا کروائی ہے۔ استغفر اللّٰہ۔ اللّٰہ مجھے معاف کرے۔ اس نے میری توہین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پیغام بلکہ دھمکی قاصد کی زبانی بھیجی ہے، وہ مجھے بلا لیتا، میرے ساتھ براہِ راست بات کرتا''۔

''میں پھر بھی یہی مشورہ دوں گا کہ اپنے آپ کو ٹھنڈا کیجئے''............ بہاؤالدین شداد نے کہا۔

''میں سوچ یہ رہا ہوں کہ کیا واقعی حرم سے کوئی لڑکی اغوا ہوئی ہے''............ سلطان ایوبی نے کہا............ ''یہ جھوٹ معلوم ہوتا ہے، اسے پتہ چل گیا ہوگا کہ میں نے خطبے میں سے اس کا نام نکلوا دیا ہے۔ اس کے جواب میں اس نے مجھ پر یہ الزام لگا کر کہ میں نے اس کے حرم کی ایک لڑکی اغوا کرائی ہے، انتقام لینے کی کوشش کی ہے''............ سلطان ایوبی نے عیسیٰ الہکاری فقیہہ سے کہا............ ''ایک حکم نامہ مصر کی تمام مسجدوں کے نام جاری کر دو کہ آئندہ کسی مسجد میں خطبے میں خلیفہ کا ذکر نہیں کیا جائے گا''۔

''آپ اس کے ہاں چلے جائیں اور اس سے بات کریں''............ الناصر نے کہا............ ''اسے صاف الفاظ

میں بتا دیں کہ خلیفہ قوم کی عزت کا نشان ہوتا ہے، لیکن اس کا حکم نہیں چل سکتا، خصوصاً اس صورت حال میں جب حالات جنگی ہیں اور دشمن کا خطرہ باہر سے بھی ہے اور اندر سے بھی موجود ہے۔ میں تو یہاں تک مشورہ دوں گا کہ اس کے محافظ دستے کی نفری کم کر دیں۔ سوڈانی حبشیوں کی جگہ مصری دستہ رکھیں اور اس کے محل کے اخراجات کم کر دیں۔ میں اس کے نتائج سے آگاہ ہوں، ہمیں مقابلہ کرنا ہی پڑے گا، ہمیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے"۔

"میں نے ہمیشہ اپنے اللہ پر بھروسہ کیا ہے"......... سلطان ایوبی نے کہا......... "خدائے ذوالجلال مجھے اس ذلت سے بھی بچا لے گا"۔

دربان اندر آیا، سب نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ "صحرا کے گشتی دستے کا کمان دار اپنے تین سپاہیوں کے ساتھ آیا ہے۔ وہ سوڈانیوں کی لاشیں لائے ہیں"۔

سب نے دربان کی مداخلت کو اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ اس وقت سلطان ایوبی بڑے ہی اہم اور خفیہ اجلاس میں مصروف تھا، لیکن سلطان نے دربان سے کہا۔ "انہیں اندر بھیج دو"......... سلطان ایوبی نے اپنے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی اسے کوئی ملنے آئے، وہ اسے اطلاع دے اور اگر رات اسے جگانے کی ضرورت محسوس ہو تو فوراً جگا لے۔ سلطان کوئی بات اور کوئی ملاقات التوا میں نہیں ڈالا کرتا تھا۔

عہدے دار اندر آیا۔ اس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا اور تھکا تھکا نظر آتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے بٹھایا اور دربان سے کہا کہ اس کے لیے پینے کے لیے کچھ لے آؤ۔ عہدے دار نے سلطان کو بتایا کہ اس کے گشتی سنتریوں نے چار سوڈانی حبشیوں سے ایک مغویہ لڑکی کو چھڑانے کی کوشش میں دو کو تیروں سے مار ڈالا ہے اور وہ لڑکی کو اُٹھا کر بھاگ گئے ہیں۔ عہدے دار نے بتایا کہ سنتریوں کے بیان کے مطابق لڑکی خانہ بدوش یا کسی عام گھرانے کی نہیں تھی۔ وہ بہت ہی امیر لگتی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ خلیفہ کی ملکیت ہے۔

"معلوم ہوتا ہے"......... سلطان ایوبی نے کہا......... "خدائے ذوالجلال میری مدد کو آگیا ہے"......... وہ باہر نکل گئے۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے سب حاکم اس کے پیچھے چلے گئے۔

باہر زمین پر دو لاشیں پڑی تھیں۔ ایک لاش پیٹ کے بل تھی۔ اس کی پیٹھ میں تیر اُترا ہوا تھا۔ دوسری لاش کی گردن میں تیر پیوست تھا۔ پاس تین سپاہی کھڑے تھے۔ انہوں نے امیر مصر کو جو اُن کا سالار اعلیٰ بھی تھا، شاید پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ فوجی انداز سے سلام کر کے پرے ہٹ گیا۔ سلطان ایوبی نے ان کے سلام کا صرف جواب ہی نہیں دیا، بلکہ ان سے ہاتھ ملایا اور کہا......... "یہ شکار کہاں سے مار لائے ہو مومنو؟"......... اس سنتری نے جس نے چٹان سے تیر چلا کر دو آدمیوں کو مارا تھا۔ سلطان ایوبی کو سارا واقعہ پوری تفصیل سے سنا دیا۔

"کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی خلیفہ کی ہی داشتہ ہو؟"......... سلطان ایوبی نے اپنے مشیروں سے پوچھا۔

"معلوم یہی ہوتا ہے"......... علی بن سفیان نے کہا......... "ان کے خنجر دیکھئے"۔ اس نے دو خنجر سلطان ایوبی کو دکھائے، جس وقت سپاہی واقعہ سنا رہا تھا۔ علی بن سفیان لاشوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ انہوں نے سوڈان کا قبائلی لباس پہن رکھا تھا۔ کپڑوں کے اندر ان کے کمرے بند تھے، جن کے ساتھ ایک ایک خنجر تھا۔ یہ خلیفہ کے حفاظتی دستے کے خاص ساخت کے خنجر تھے۔ ان کے دستوں پر قصرِ خلافت کی مہریں لگی ہوئی تھی۔ علی بن سفیان نے کہا......... "اگر انہوں نے یہ خنجر چوری نہیں کیے تو یہ دونوں قصرِ خلافت کے حفاظتی دستے کے سپاہی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لڑکی وہی ہے جو خلیفہ

کے حرم سے اغوا ہوئی ہے اور اغوا کرنے والے خلیفہ کے محافظوں میں سے ہیں"۔

"لاشیں اُٹھواؤ اور خلیفہ کے پاس لے چلو"...........سلطان ایوبی نے کہا۔

"پہلے یقین کر لیا جائے کہ یہ واقعی خلیفہ کے محافظوں میں سے ہیں"۔ علی بن سفیان نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ علی بن سفیان کے ساتھ قصرِ خلافت کا ایک کمان دار آ گیا۔ اسے دونوں لاشیں دکھائی گئیں۔ اس نے فوراً پہچان لیا اور کہا..........."یہ دونوں محافظ دستے کے سپاہی ہیں، گزشتہ تین روز سے چھٹی پر تھے۔ ان کی چھٹی سات دن رہتی تھی"۔

"کوئی اور سپاہی بھی چھٹی پر ہے؟"...........سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"دو اور ہیں"۔

"کیا وہ ان کے ساتھ چھٹی پر گئے تھے؟"

"اکٹھے گئے تھے"۔ کمان دار نے جواب دیا اور ایک ایسا انکشاف کیا جس نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا..........."یہ سوڈان کے ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو خون خواری میں مشہور ہے۔ ان میں فرعونوں کے وقت کی کچھ رسمیں چلی آ رہی ہیں۔ یہ قبیلہ ہر تین سال بعد ایک جشن مناتا ہے۔ یہ ایک میلہ ہوتا ہے جو تین دن اور تین راتیں رہتا ہے۔ دن ایسے مقرر کرتے ہیں کہ چوتھی رات چاند پورا ہوتا ہے۔ میلے میں وہ لوگ بھی جاتے ہیں جن کا اس قبیلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ صرف عیاشی کے لیے جاتے ہیں۔ میلے میں لڑکیوں کی خرید و فروخت کے لیے باقاعدہ منڈی لگتی ہے۔ اس میلے سے ایک ماہ پہلے ہی اِردگرد، بلکہ قاہرہ تک کے لوگ جن کی بیٹیاں جوان ہوگئی ہیں، ہوشیار اور چوکس ہو جاتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کو باہر نہیں جانے دیتے۔ ان دنوں خانہ بدوش بھی اس علاقے سے دور چلے جاتے ہیں۔ لڑکیاں اغوا ہوتی ہیں اور اس میلے میں فروخت ہو جاتی ہیں۔ یہ چاروں سوڈانی اسی میلے کے لیے چھٹی پر گئے تھے۔ میلہ تین روز بعد شروع ہو رہا ہے"۔

"کیا ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلیفہ کے حرم کی لڑکی انہوں نے اغوا کی ہوگی؟"...........علی بن سفیان نے پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا"۔ کمان دار نے جواب دیا..........."یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان دنوں میں اس قبیلے کے لوگ جان کا خطرہ مول لے کر بھی لڑکیاں اغوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ خون خوار اتنے ہیں کہ اگر کسی لڑکی کے وارث میلے میں چلے جائیں اور اپنی لڑکی لینے کی کوشش کریں تو انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔ لڑکیوں کے گاہکوں میں مصر کے امیر، وزیر اور حاکم بھی ہوتے ہیں۔ میلے میں ایسے عارضی قحبہ خانے بھی کھل جاتے ہیں، جہاں جواء، شراب اور عورت کے شدائی دولت لٹاتے ہیں۔ اس جشن کی آخری رات بڑی پُراسرار ہوتی ہے۔ کسی خفیہ جگہ ایک نوجوان اور غیر معمولی طور پر حسین لڑکی کو قربان کیا جاتا ہے۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ لڑکی کو کہاں اور کس طرح قربان کیا جاتا ہے۔ یہ کام ان کا ایک مذہبی پیشوا، جسے حبشی خدا بھی کہتے ہیں، کرتا ہے۔ اس کے ساتھ بہت تھوڑے سے خاص آدمی اور چار پانچ لڑکیاں ہوتی ہیں۔ لوگوں کو لڑکی کا کٹا ہوا سر اور خون دکھایا جاتا ہے، جسے دیکھ کر یہ قبیلہ پاگلوں کی طرح ناچتا اور شراب پیتا ہے۔

☆

خلیفہ نے محافظ دستے کے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ تمام تر محافظ دستہ دھوپ میں کھڑا تھا۔ سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ اس دستے کو صبح کھڑا کیا گیا تھا۔ کمان داروں اور عہدے داروں کو بھی کھانے کی اجازت دی گئی تھی، نہ

پانی پینے کی۔ رجب بار بار آتا اور اعلان کرتا تھا کہ لڑکی محافظوں کی مدد کے بغیر اغوا نہیں کی جا سکتی تھی۔ جس کسی نے اغوا میں مدد دی ہے، وہ سامنے آ جائے، ورنہ تمہیں یہیں بھوکا اور پیاسا مار دیا جائے گا۔ اگر لڑکی خود باہر گئی ہوتی تو تم میں سے کسی نہ کسی نے ضرور دیکھی ہوتی .... ان دھمکیوں کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ سب کہتے تھے کہ وہ بے گناہ ہیں۔

خلیفہ رجب کو ٹکنے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے رجب سے کہا تھا۔ ''مجھے لڑکی کا افسوس نہیں، پریشانی یہ ہے کہ جو اتنے کڑے پہرے سے لڑکی کو اغوا کر سکتے ہیں، وہ مجھے بھی قتل کر سکتے ہیں۔ مجھے یہ ثبوت چاہیے کہ لڑکی کو صلاح الدین ایوبی نے اغوا کرایا ہے''۔

رجب نے ہی اغوا کا بہتان سلطان ایوبی کے سر تھوپا تھا، مگر خلیفہ اُسے کہہ رہا تھا کہ ثبوت لاؤ، رجب ثبوت کہاں سے لاتا، اس کی جان پر بن گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر محافظ دستے کے سامنے گیا، غصے سے وہ باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ وہ کئی بار دی ہوئی دھمکی ایک بار پھر دینے ہی لگا تھا کہ دروازے پر کھڑے سنتریوں نے دروازے کھول دیئے اور اعلان کیا......... ''امیر مصر تشریف لا رہے ہیں''۔

بڑے دروازے میں سلطان ایوبی کا گھوڑا داخل ہوا۔ اس کے آگے دو محافظ سواروں کے گھوڑے تھے۔ آٹھ سوار پیچھے تھے۔ ایک دائیں اور بائیں تھا۔ ان کے پیچھے سلطان ایوبی کے حاکم اور مشیر تھے۔ ان میں علی بن سفیان بھی تھا۔ رجب نے خلیفہ کو اطلاع بھیج دی کہ صلاح الدین ایوبی آیا ہے۔ سب نے دیکھا کہ سلطان ایوبی کے اس جلوس کے پیچھے چار پہیوں والی ایک گاڑی تھی جس کے آگے دو گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ گاڑی پر دو لاشیں پڑی تھیں۔ ایک سیدھی اور دوسری اُلٹی۔ تیر ابھی تک لاشوں میں اُترے ہوئے تھے۔ ان لاشوں کے ساتھ وہ تین شتر سوار تھے، جنہوں نے ان حبشیوں کو مارا تھا۔

خلیفہ باہر آ گیا۔ سلطان ایوبی اور اس کے تمام سوار گھوڑوں سے اُترے۔ سلطان ایوبی نے اسی احترام سے خلیفہ کو سلام کیا جس احترام کا وہ حق دار تھا۔ جھک کر اس سے مصافحہ کیا اور اس کا ہاتھ چوما۔

''مجھے آپ کا پیغام مل گیا تھا کہ میں آپ کے حرم کی لڑکی واپس کر دوں''۔ سلطان ایوبی نے کہا......... ''میں آپ کے دو محافظوں کی لاشیں لایا ہوں۔ یہ لاشیں مجھے بے گناہ ثابت کر دیں گی اور میں حضور اقدس میں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی آپ کی فوج کا سپاہی نہیں ہے، جس خلافت کی آپ نمائندگی کر رہے ہیں، وہ اس کا بھیجا ہوا ہے''۔

خلیفہ نے صلاح الدین ایوبی کے تیور بھانپ لیے۔ اس فاطمی خلیفہ کا ضمیر گناہوں کے بوجھ سے کراہ رہا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی بارعب اور پُر جلال شخصیت کا سامنا کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا......... ''میں تمہیں اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں، صلاح الدین ایوبی اندر آؤ''۔

''میری حیثیت ابھی ملزم کی ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا......... ''مجھے ابھی صفائی پیش کرنی ہے کہ میں اغوا کا ملزم نہیں ہوں۔ خدائے ذوالجلال نے میری مدد فرمائی ہے اور دو لاشیں بھیجی ہیں۔ یہ لاشیں بولیں گی نہیں، ان کی خاموشی اور ان میں اُترے ہوئے تیر گواہی دیں گے کہ صلاح الدین ایوبی اس جرم کا مجرم نہیں ہے، جو قصرِ خلافت میں سرزد ہوا ہے۔ میں جب تک اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہ کر لوں گا، اندر نہیں جاؤں گا''......... وہ لاشوں کی طرف چل پڑا۔

خلیفہ کھچا ہوا اُس کے پیچھے پیچھے گیا۔ تھوڑی دُور چار ساڑھے چار سو نفری کا محافظ دستہ کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے لاشیں اُٹھوا کر اس دستے کے سامنے رکھ دیں اور بلند آواز سے کہا......... ''آٹھ آٹھ سپاہی آگے آؤ اور لاشوں کو دیکھ کر جاؤ

کہ یہ کون ہیں؟"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پہلے کمان دار اور عہدے دار آئے۔ انہوں نے لاشیں دیکھ کر ان کے نام بتائے اور کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "یہ ہمارے دستے کے سپاہی تھے"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کے بعد آٹھ سپاہی آئے، انہوں نے بھی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ یہ ان کے ساتھی تھے۔ آٹھ اور سپاہی آئے، پھر آٹھ اور آئے۔ اسی طرح آٹھ آٹھ سپاہی آتے رہے اور بتاتے رہے کہ یہ لاشیں ان کے فلاں فلاں ساتھیوں کی ہیں۔

"صلاح الدین ایوبی!"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ خلیفہ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "میں نے مان لیا ہے کہ یہ لاشیں قصرِ خلافت کے دو محافظوں کی ہیں۔ میں اس سے آگے سننا چاہتا ہوں کہ انہیں کس نے ہلاک کیا ہے"۔

صلاح الدین ایوبی نے اس گشتی سنتری سے، جس نے انہیں ہلاک کیا تھا، کہا کہ اپنا بیان دہرائے۔ اُس نے سارا واقعہ خلیفہ کو سنا دیا۔ وہ ختم کر چکا تو سلطان ایوبی نے خلیفہ سے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "لڑکی میرے پاس نہیں لائی گئی۔ وہ سوڈانی حبشیوں کے میلے میں فروخت ہونے کے لیے گئی ہے"۔

خلیفہ کھسیانہ ہوا جا رہا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی سے کہا کہ وہ اندر چلے۔ سلطان ایوبی نے اندر جانے سے انکار کر دیا اور کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "میں اس لڑکی کو زندہ یا مردہ برآمد کر کے آپ کے حضور حاضری دوں گا۔ ابھی میں اتنا ہی کہوں گا کہ حرم کی ایک ایسی لڑکی کا اغوا جو تحفے کے طور پر آئی تھی اور جو آپ کی منکوحہ بیوی نہیں داشتہ تھی، میرے لیے ذرہ بھر اہمیت نہیں رکھتی۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے اس سے اہم فرائض سونپے ہیں"۔

"میری پریشانی یہ نہیں کہ ایک لڑکی اغوا ہو گئی ہے"۔ خلیفہ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "اصل پریشانی یہ ہے کہ اس طرح لڑکیاں اغوا ہونے لگیں تو ملک میں قانون کا کیا حشر ہو گا"۔

"اور میری پریشانی یہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ اغوا ہو رہی ہے"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ میرا شعبہ سراغ رسانی لڑکی کو برآمد کرنے کی پوری کوشش کرے گا"۔

خلیفہ سلطان ایوبی کو ذرا پرے لے گیا اور کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "صلاح الدین! میں ایک عرصے سے دیکھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے کھچے کھچے رہتے ہو۔ میں نجم الدین ایوب (سلطان صلاح الدین ایوبی کے والد محترم) کا بہت احترام کرتا ہوں، مگر تمہارے دل میں میرے لیے ذرہ بھر احترام نہیں ہے اور مجھے آج بتایا گیا ہے کہ جامع مسجد کے خطیب امیر العالم نے یہ گستاخی کی ہے کہ خطبے سے میرا نام ہٹا دیا ہے۔ مجھے رجب نے بتایا ہے کہ میں اسے اس گستاخی کی سزا دے سکتا ہوں۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے تمہاری شہ پر تو ایسا نہیں کیا؟"

"میری شہہ پر نہیں، میرے حکم پر اس نے خلیفہ کا نام خطبہ سے حذف کیا ہے"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "صرف آپ کا نام نہیں، بلکہ ہر اس خلیفہ کا نام خطبے سے ہٹا دیا گیا ہے جو آپ کے بعد آئے گا اور جو اُس کے بعد آئے گا"۔

"کیا یہ حکم فاطمی خلافت کو کمزور کرنے کے لیے جاری کیا گیا ہے؟" خلیفہ نے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "مجھے شک ہے کہ یہاں عباسی خلافت لائی جا رہی ہے"۔

"حضور بہت بوڑھے ہو گئے ہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "قرآن نے شراب کو اسی لیے حرام کہا ہے کہ اس سے دماغ ماؤف ہو جاتا ہے"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلطان نے ذرا سوچ کر کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کل سے آپ کے محافظ دستے میں رد و بدل ہو گا اور رجب کو میں واپس لے کر آپ کو نیا کمان دار دوں گا"۔

''لیکن میں رجب کو یہاں رکھنا چاہتا ہوں''۔ خلیفہ نے کہا۔

''میں حضور سے درخواست کرتا ہوں کہ فوجی معاملات میں دخل دینے کی کوشش نہ کریں''۔ سلطان ایوبی نے کہا اور علی بن سفیان کی طرف متوجہ ہوا جو پانچ حبشی محافظوں کو ساتھ لیے آرہا تھا۔

''یہ پانچوں اُسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں''۔ علی بن سفیان نے کہا.......... ''میں نے اس دستے سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس قبیلے کے کوئی آدمی یہاں ہوں تو باہر آجائیں۔ یہ پانچ صفوں سے باہر آگئے۔ ان کے متعلق مجھے ان کے کمان دار نے بتایا ہے کہ پرسوں سے چھٹی پر جارہے تھے۔ میں انہیں اپنے ساتھ لے جارہا ہوں۔ لڑکی کے اغوا میں ان کا ہاتھ ہوسکتا ہے''۔

صلاح الدین ایوبی نے رجب کو بلا کر کہا.......... ''کل یہاں دوسرا کمان دار آرہا ہے، آپ میرے پاس آجائیں گے۔ میں آپ کو منجنیقوں کی کمان دینا چاہتا ہوں''۔

رجب کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

☆

اُمِ عرارہ کو گھوڑے پر ڈالے ہوئے جب وہ دو حبشی اتنی دُور نکل گئے، جہاں انہیں تعاقب کا خطرہ نہ رہا تو انہوں نے گھوڑے روک لیے۔ لڑکی ایک بار پھر آزاد ہونے کو تڑپنے لگی۔ حبشیوں نے اسے کہا کہ اس کا تڑپنا بے کار ہے۔ اب اگر اُسے وہ آزاد بھی کر دیں تو وہ اس ریگستان سے زندہ نہیں نکل سکے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اسے بے آبرو نہیں کرنا چاہتے۔ اگر اُن کی نیت ایسی ہوتی تو وہ اس کے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کر چکے ہوتے۔ اُمِ عرارہ حیران تھی کہ انہوں نے اسے چھیڑا تک نہیں تھا۔ انہیں تو جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ اتنی دلکش لڑکی ان کے رحم و کرم پر ہے۔ ان میں سے ایک نے جو مارا جا چکا تھا، مرنے سے پہلے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر التجا کی تھی کہ وہ تڑپ تڑپ کر اپنے آپ کو اذیت میں نہ ڈالے۔ اُمِ عرارہ نے ان سے پوچھا کہ اسے کہاں لے جایا جارہا ہے تو اسے جواب دیا گیا کہ وہ اسے آسمان کے دیوتا کی ملکہ بنانے کے لیے لے جارہے ہیں۔

انہوں نے لڑکی کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اُٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ اس نے آزاد ہونے کی کوشش ترک کر دی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ کوشش بے سود ہے۔ گھوڑے چل پڑے اور اُمِ عرارہ ایک حبشی کے آگے گھوڑے پر بیٹھی ہچکولے کھاتی رہی۔ ایک جگہ رُک کر اس کے منہ میں پانی ڈالا گیا اور گھوڑے چل پڑے۔ بہت دیر بعد خنکی سے اُمِ عرارہ نے محسوس کیا کہ رات ہوگئی ہے۔ گھوڑے رُک گئے۔ اس وقت تک اس نازک لڑکی کا جسم مسلسل گھوڑسواری سے ٹوٹ چکا تھا۔ دہشت سے اس کا دماغ بے کار ہوگیا تھا۔ اسے گھوڑے رُکتے ہی اپنے اردگرد تین چار مردوں اور تین عورتوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ زبان اس کی سمجھ سے بالا تھی۔ یہی حبشی راستے میں اس کے ساتھ عربی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ ان کا لہجہ عربی نہیں تھا۔

ابھی اس کی آنکھوں سے پٹی نہیں کھولی گئی تھی۔ اسکی تو جیسے زبان بھی بند ہوگئی تھی۔ اُسے کسی نے اُٹھا کر کسی نرم چیز پر بٹھا دیا۔ یہ پالکی تھی۔ پالکی اوپر کو اُٹھی اور اس کا ایک اور سفر شروع ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی دف کی ہلکی ہلکی گونج دار تھاپ سنائی دینے لگی اور عورتیں گانے لگیں۔ اس گانے کے الفاظ تو وہ نہ سمجھ سکی تھی، اس کی لَے میں جادو کا اثر تھا۔ یہ اثر ایسا تھا، جس نے اُمِ عرارہ کے خوف میں اضافہ کر دیا، لیکن اس خوف میں ایسا تاثر بھی پیدا ہونے لگا جیسے اس پر نشہ یا خمار طاری

ہور ہا ہو۔ رات کی خنکی خمار میں لذت سی پیدا کر رہی تھی۔ اُمِ عرارہ نے یہ چاہتے ہوئے کہ وہ پالکی سے کود جائے اور بھاگ اُٹھے اور یہ لوگ اُسے جان سے ماردیں، اس نے ایسی جرأت نہ کی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ ان انسانوں کے قبضے میں نہیں بلکہ کوئی اور ہی طاقت ہے جس نے اس پر قابو پالیا ہے اور اب وہ اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں کر سکے گی۔

وہ محسوس کرنے لگی کہ پالکی بردار سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں، وہ چڑھتے گئے۔ کم و بیش تیس سیڑھیاں چڑھ کر وہ ہموار چلنے لگے اور چند قدم چل کر رُک گئے۔ پالکی زمین پر رکھ دی گئی۔ اُمِ عرارہ کی آنکھوں سے پٹی کھول کر کسی نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ تھوڑی دیر بعد ان ہاتھوں کی انگلیاں کھلنے لگی اور لڑکی کو روشنیاں دکھائی دینے لگی۔ آہستہ آہستہ ہاتھ اُس کی آنکھوں سے ہٹ گئے۔ وہ ایک ایسی عمارت میں کھڑی تھی جو ہزاروں سال پرانی نظر آتی تھی۔ گول ستون اوپر تک چلے گئے تھے۔ ایک وسیع ہال تھا جس پر فرش روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ ڈنڈے سے لگے ہوئے تھے اور ڈنڈوں کے سروں پر مشعلوں کے شعلے تھے۔ اندر کی فضا میں ایسی خوشبو تھی جس کی مہک اس کے لیے نئی تھی۔ دف کی ہلکی ہلکی تھاپ اور عورتوں کا گیت اسے سنائی دے رہا تھا۔ یہ تھاپ اور یہ لَے ہال میں ایسی گونج پیدا کر رہی تھی، جس میں خواب کا تاثر تھا۔

اُس نے سامنے دیکھا۔ ایک چبوترہ تھا جس کی آٹھ دس سیڑھیاں تھیں۔ چبوترے پر پتھر کے بُت کا منہ اور سر تھا۔ اس کی ٹھوڑی کے نیچے تھوڑی سی گردن تھی۔ ٹھوڑی سے ماتھے تک یہ پتھر کا چہرہ قد آور انسان سے بھی ڈیڑھ دو فٹ اونچا تھا۔ منہ کھلا ہوا تھا جو اتنا چوڑا تھا کہ ایک آدمی ذرا سا جھک کر اس میں داخل ہو سکتا تھا۔ منہ میں سفید دانت بھی تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ چہرہ قہقہے لگا رہا ہو۔ اس کے دونوں کانوں سے ڈنڈے نکلے ہوئے تھے، جن کے باہر والے سروں پر مشعلیں جل رہی تھی۔ اچانک اس کی آنکھیں جو کم و بیش گز گز بھر چوڑی تھیں، چمکنے لگیں۔ ان سے روشنی پھوٹنے لگی۔ عورتوں کے گیت کی لَے بدل گئی۔ دف کی تھاپ میں جوش پیدا ہو گیا۔ پتھر کے منہ کے اندر روشنی ہوگئی۔ لمبے لمبے سفید چغے پہنے ہوئے دو آدمی جھک کر منہ سے باہر آئے۔ منہ کے آگے تین سیڑھیاں تھیں۔ ان آدمیوں کے رنگ سیاہ اور سروں پر پرندوں کے لمبے لمبے اور رنگا رنگ پر بندھے ہوئے تھے۔ منہ سے باہر آ کر ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔

معاً بعد پتھر کے منہ میں ایک اور آدمی نمودار ہوا۔ وہ بھی جھک کر باہر آیا۔ وہ ذرا بوڑھا لگتا تھا۔ اس کا چغہ سرخ رنگ کا تھا اور اس کے سر پر تاج تھا۔ ایک سانپ جو مصنوعی تھا اس کے دائیں کندھے پر کنڈلی مارے اور پھن پھیلائے بیٹھا تھا اور ایک بائیں کندھے پر۔ دونوں سانپوں کے رنگ سیاہ تھے۔ اُمِ عرارہ پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ سُن ہو کے کھڑی رہی۔ یہ آدمی جو اس قبیلے کا مذہبی پیشوا یا پروہت تھا، چبوترے کی سیڑھیاں اُتر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُمِ عرارہ تک آیا اور دونوں گھٹنے فرش پر رکھ کر اس نے لڑکی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیے۔ اس نے لڑکی سے عربی زبان میں کہا.........''تم ہو وہ خوش نصیب لڑکی جسے میرے دیوتا نے پسند کیا ہے۔ ہم تمہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں''۔

اُمِ عرارہ بیدار ہو گئی۔ اس نے روتے ہوئے کہا.........''میں کسی دیوتا کو نہیں مانتی، اگر تم دیوتاؤں کو مانتے ہو تو میں تمہیں انہی کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہو''۔

''یہاں جو بھی آتی ہے، یہی کہتی ہے''۔ پروہت نے کہا.........''لیکن اُس پر اس مقدس جگہ کا راز کھلتا ہے تو کہتی ہے کہ میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔ میں جانتا ہوں تم مسلمانوں کے خلیفہ کی محبوبہ ہو، مگر جس نے تمہیں پسند کیا ہے، اس کے آگے دنیا کے خلیفے اور آسمانوں کے فرشتے سجدے کرتے ہیں۔ تم جنت میں آ گئی ہو''۔ اس نے چغے کے اندر

سے ایک پھول نکالا اور اُمِ عرارہ کی ناک کے ساتھ لگا دیا۔ اُمِ عرارہ حرم کی شہزادی تھی۔ اس نے ایسے ایسے عطر سونگھے تھے جو اُس جیسی شہزادیوں کے سوا اور کوئی خواب میں بھی نہیں سونگھ سکتا تھا، مگر اس پھول کی بو اس کے لیے انوکھی تھی۔ یہ بو اس کی روح تک اُتر گئی۔ اس کی سوچوں کا رنگ ہی بدل گیا۔ اس کی نظروں کے زاویے ہی بدل گئے۔ پروہت نے کہا..........

''یہ دیوتا کا تحفہ ہے''..........اور اس نے پھول اس کی ناک سے ہٹا لیا۔

اُمِ عرارہ نے ہاتھ آہستہ آہستہ آگے کیا اور پروہت کا پھول والا ہاتھ پکڑ کر اپنی ناک کے قریب لے آئی۔ پھول سونگھ کر خمار آلود آواز میں بولی۔ ''کتنا دل نشین تحفہ ہے۔ آپ یہ مجھے دیں گے نہیں؟''

''کیا تم نے تحفہ قبول کر لیا ہے؟''۔ پروہت نے پوچھا۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ ''ہاں! اُمِ عرارہ نے جواب دیا..........''میں نے یہ تحفہ قبول کر لیا ہے''..........اس نے پھول کو ایک بار پھر سونگھا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے اس کی مہک کو اپنے وجود میں جذب کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''دیوتا نے بھی تمہیں قبول کر لیا ہے''۔ پروہت نے کہا اور پوچھا..........''تم اب تک کہاں تھیں؟''

لڑکی سوچ میں پڑ گئی جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ سر ہلا کر بولی..........''میں یہیں تھی.......... نہیں۔ میں ایک اور جگہ تھی.......... مجھے یاد نہیں کہ میں کہاں تھی''۔

''تمہیں یہاں کون لایا ہے؟''

''کوئی بھی نہیں''..........اُمِ عرارہ نے جواب دیا..........''میں خود آئی ہوں''۔

''تم گھوڑے پر نہیں آئی تھیں؟''

''نہیں''۔ لڑکی نے جواب دیا..........''میں اُڑتی ہوئی آئی ہوں''۔

''کیا راستے میں صحرا اور پہاڑ اور جنگل اور ویرانے نہیں تھے؟''

''نہیں تو!''۔ لڑکی نے بچوں کی سی شوخی سے جواب دیا..........''ہر طرف سبزہ زار اور پھول تھے''۔

''تمہاری آنکھوں پر کسی نے پٹی نہیں باندھی تھی؟''

''پٹی؟..........نہیں تو''۔ لڑکی نے جواب دیا..........''میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میں نے رنگ برنگ پرندے دیکھتے تھے، پیارے پیارے پرندے''۔

پروہت نے اپنی زبان میں بلند آواز سے کچھ کہا۔ اُمِ عرارہ کے عقب سے چار لڑکیاں آئیں۔ انہوں نے اس کے کپڑے اُتار دیئے۔ وہ مادر زاد ننگی ہو گئی۔ اُس نے مُسکرا کر پوچھا..........''دیوتا مجھے اس حالت میں پسند کریں گے؟'' پروہت نے کہا..........''نہیں تمہیں دیوتا کے پسند کے کپڑے پہنائے جائیں گے''..........لڑکیوں نے اس کے کندھوں پر چادر سی ڈال دی جو اتنی چوڑی تھی کہ کندھوں سے پاؤں تک اس کا جسم مستور ہو گیا۔ اس چادر کے کناروں پر رنگ دار ریشوں کے ٹکڑے تھے۔ چادر آگے کر کے ان ٹکڑوں کو گانٹھیں دے دی گئیں اور چادر نہایت موزوں چغہ بن گئی۔ اُمِ عرارہ کے بال ریشم جیسے ملائم اور سیاہی مائل بھورے تھے۔ ایک لڑکی نے اس کے بالوں میں کنگھی کر کے اس کے شانوں پر پھیلا دیئے۔ اس کا حسن اور زیادہ بڑھ گیا۔

پروہت نے اسے مُسکرا کر دیکھا اور گھوم کر پتھر کے مہیب چہرے کی طرف چل پڑا۔ دو لڑکیوں نے اُمِ عرارہ کے ہاتھ تھام لیے اور پروہت کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔ اُمِ عرارہ شہزادیوں کی طرح چل پڑی۔ اس نے اِدھر اُدھر نہیں دیکھا

کہ ماحول کیسا ہے۔ اس کی چال میں اور ہی شان تھی۔ عورتوں کا راگ اسے پہلے سے زیادہ طلسماتی اور پرسوز معلوم ہونے لگا۔ وہ پروہت کے پیچھے، ہاتھ لڑکیوں کے ہاتھوں پر رکھے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پروہت پتھر کے پہاڑ جیسے چہرے کے منہ میں داخل ہو گیا۔ اُمِ عرارہ بھی تین سیڑھیاں چڑھ کر پتھر کے منہ میں جھک کر داخل ہو گئی۔ دونوں لڑکیاں وہیں کھڑی رہیں۔ اُمِ عرارہ کا ہاتھ پروہت نے تھام لیا۔ منہ کی چھت اتنی اونچی تھی کہ وہ سیدھے چل رہے تھے۔ حلق میں پہنچے تو آگے سیڑھیاں تھیں۔ وہ سیڑھیاں اُتر گئے۔ یہ ایک تہہ خانہ تھا جہاں قندیلیں روشن تھیں۔ ایک کمرے میں بھی مہک تھی۔ یہ کمرہ کشادہ نہیں تھا، چھت اونچی نہیں تھی۔ اس کی دیواریں اور چھت درختوں کے پتوں اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ فرش پر ملائم گھاس اور گھاس پر پھول بچھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں خوشنما صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ پروہت نے صراحی سے دو پیالے بھرے۔ ایک اُمِ عرارہ کو دیا، دونوں نے پیالے ہونٹوں سے لگائے اور خالی کر دیئے۔

''دیوتا کب آئے گا؟'' اُمِ عرارہ نے پوچھا۔

''تم نے ابھی اسے پہچانا نہیں؟'' پروہت نے کہا............''تمہارے سامنے کون کھڑا ہے؟''

اُمِ عرارہ اس کے پاؤں میں بیٹھ گئی اور بولی.........''ہاں! میں نے پہچان لیا ہے۔ تم وہ نہیں ہو جسے میں نے اوپر دیکھا تھا۔ تم نے مجھے قبول کر لیا ہے؟''

''ہاں!'' پروہت نے کہا.........''آج سے تم میری دُلہن ہو''۔

☆

''میں آپ کو اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ پروہت لڑکی کو پھول سونگھاتا ہے جس کی خوشبو سے لڑکی کے ذہن سے نکل جاتا ہے کہ وہ کیا تھی، کہاں سے آئی ہے اور کس طرح لائی گئی ہے۔ وہ پروہت کی لونڈی بن جاتی ہے اور اسے دُنیا کی گندی چیزیں بھی خوب صورت دکھائی دیتی ہیں۔ پروہت تین راتیں اسے اپنے ساتھ تہہ خانے میں رکھتا ہے''۔

یہ انکشاف ان پانچ سوڈانی حبشیوں میں سے ایک علی بن سفیان کے سامنے بیان کر رہا تھا، جنہیں اس نے خلیفہ کے محافظ دستے میں سے نکالا تھا۔ یہ پانچوں اسی قبیلے میں سے تھے، جس قبیلے کے وہ چاروں تھے، جنہوں نے اُمِ عرارہ کو اغوا کیا تھا۔ اپنے ساتھ لے جا کر علی بن سفیان نے ان پانچوں سے کہا تھا کہ چونکہ وہ اسی قبیلے کے ہیں جو تیسرے سال کے آخر میں جشن مناتا ہے اور وہ چھٹی پر جا رہے تھے۔ اس لیے انہیں معلوم ہو گا کہ لڑکی کس طرح اغوا ہوئی ہے۔ ان پانچوں نے کہا کہ انہیں اغوا کا علم ہی نہیں۔ علی بن سفیان نے انہیں یہ لالچ بھی دیا کہ وہ سچ بتا دیں گے تو انہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی، پھر بھی وہ لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ یہ قبیلہ وحشیانہ مزاج اور خون خواری کی وجہ سے مشہور تھا۔ انہیں سزا کا ذرہ بھر ڈر نہ تھا۔ پانچوں بہت دلیری سے انکار کر رہے تھے۔ آخر علی بن سفیان کو وہ طریقے آزمانے پڑے جو پتھر کو بھی پگھلا دیتے ہیں۔

پانچوں کو الگ الگ کر کے علی بن سفیان انہیں اس جگہ لے گیا جہاں چیخیں اور آہ و بکا کوئی نہیں سنتا تھا۔ مسلسل اذیت اور تشدد سے کوئی ملزم مر جائے تو کسی کو پروا نہیں ہوتی تھی۔ یہ پانچوں سوڈانی بڑے ہی سخت جان معلوم ہوتے تھے۔ وہ رات بھر اذیت سہتے رہے۔ علی بن سفیان رات بھر جاگتا رہا۔ آخر انہیں اس امتحان میں ڈالا گیا جو آخری حربہ سمجھا جاتا تھا، یہ تھا ''چکر شکنجہ''۔ رہٹ کی طرح چوڑے اور بہت بڑے پہیے پر ملزم کو اُلٹا لٹا کر ہاتھ رسیوں سے چکر کے ساتھ باندھ دیئے جاتے اور پاؤں ٹخنوں سے رسیاں ڈال کر فرش میں گاڑے ہوئے کیلوں سے کس دیئے جاتے تھے۔ پہیے کو ذرا سا

آگے چلایا جاتا تو ملزم کے بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہونے لگتی تھیں۔ بعض اوقات ملزم کو کھینچ کر پہیئے کو ایک جگہ روک لیا جاتا تھا۔ اذیت کا یہ طریقہ ملزموں کو بے ہوش کر دیتا تھا۔

سحر کے وقت ایک ادھیڑ عمر حبشی نے علی بن سفیان سے کہا.......... ''میں سب کچھ جانتا ہوں، لیکن دیوتا کے ڈر سے نہیں بتایا۔ دیوتا مجھے بہت بُری موت ماریں گے''۔

''کیا اس سے بڑھ کر کوئی بُری موت ہو سکتی ہے، جو میں تمہیں دے رہا ہوں؟'' علی بن سفیان نے کہا.......... ''اگر تمہارے دیوتا سچے ہوتے تو وہ تمہیں اس شکنجے سے نکال نہ لیتے؟ تم اگر مرنے سے ڈرتے ہو تو موت یہاں بھی موجود ہے۔ تم بات کرو۔ میرے ہاتھ میں ایک ایسا دیوتا ہے جو تمہیں تمہارے دیوتا سے بچا لے گا''۔

یہ سوڈانی حبشی کئی بار بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسے دیوتا تو نہیں موت صاف نظر آ رہی تھی۔ علی بن سفیان نے اس کی زبان کھول لی۔ اسے شکنجے سے کھول کر کھلایا اور پلایا اور آرام سے لٹا دیا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اُمِ عرارہ کو اُن کے قبیلے کے چار آدمیوں نے اغوا کیا تھا۔ وہ چاروں چھٹی پر چلے گئے تھے۔ انہوں نے اغوا کی رات اور وقت بتا دیا تھا۔ یہ پانچ حبشی جو علی بن سفیان کے قبضے میں تھے، اُس رات پہرے پر تھے۔ اغوا کرنے والوں میں سے دو کو اندر آنا تھا۔ انہیں بڑے دروازے سے داخل کرنے کا انتظام انہوں نے کیا تھا اور انہیں اغوا اور فرار میں پوری مدد دی تھی۔ اس حبشی نے بتایا کہ اس لڑکی کو دیوتا کی قربان گاہ پر قربان کیا جائے گا۔ ہر تین سال بعد ان کا قبیلہ چار روزہ جشن مناتا ہے، لیکن لڑکی اپنے قبیلے کی نہیں ہوتی۔ شرط یہ ہے کہ لڑکی غیر ملکی ہو، سفید رنگ کی ہو، اونچے درجے کے خاندان کی ہو اور اتنی خوب صورت ہو کہ لوگ دیکھ کر ٹھٹھک جائیں''۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر تین سال بعد تمہارا قبیلہ باہر سے ایک خوب صورت لڑکی اغوا کر کے لاتا ہے''۔ علی بن سفیان نے پوچھا۔

''نہیں۔ یہ غلط ہے''۔ سوڈانی حبشی نے جواب دیا.......... ''تین سال بعد صرف میلہ لگتا ہے۔ لڑکی کی قربانی پانچ میلوں کے بعد یعنی ہر پندرہ سال بعد دی جاتی ہے۔ مشہور یہی ہے کہ ہر تین سال بعد لڑکی قربان کی جاتی ہے''۔

اس نے اپنے باپ کے حوالے سے وہ جگہ بتائی جہاں قربانی دی جاتی تھی۔ پروہت کو وہ دیوتا کا بیٹا کہتا تھا، جہاں میلہ لگتا تھا، اس سے ڈیڑھ ایک میل جتنی دُور ایک پہاڑی علاقہ تھا، جہاں جنگل بھی تھا۔ یہ علاقہ زیادہ وسیع اور عریض نہیں تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہاں دیوتا رہتے ہیں اور ان کی خدمت کے لیے جن اور پریاں بھی رہتی ہیں۔ لوگ اس لیے یہ باتیں مانتے تھے کہ ہر طرف صحرا اور اس میں جزیرے کی طرح کچھ علاقہ پہاڑی اور سرسبز تھا جو قدرت کا ایک عجوبہ تھا۔ یہ دیوتاؤں کا مسکن ہی ہو سکتا تھا۔ اس علاقے میں فرعونوں کے وقتوں کے کھنڈر تھے، وہاں ایک جھیل بھی تھی جس میں چھوٹے مگر مچھ رہتے تھے۔

قبیلے کا کوئی آدمی سنگین جرم کرے تو اسے پروہت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ پروہت اسے زندہ جھیل میں پھینک دیتا، جہاں مگر مچھ اسے کھا جاتے تھے۔ پروہت انہی کھنڈروں میں رہتا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا پتھر کا سر اور منہ تھا جس میں دیوتا رہتا تھا۔ ہر پندرھویں سال کے آخری دنوں میں باہر سے ایک لڑکی اغوا کر کے لائی جاتی جو پروہت کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ پروہت لڑکی کو ایک پھول سونگھاتا تھا جس کی خوشبو سے لڑکی کے ذہن سے نکل جاتا تھا کہ وہ کیا تھی، کہاں سے آئی تھی اور اسے کون لایا تھا۔ اس پھول میں کوئی نشہ آور بو ڈالی جاتی تھی، جس کے اثر سے وہ پروہت کو دیوتا اور اپنا خاوند سمجھ

لیتی تھی۔ اسے وہاں کی گندی چیزیں بھی خوب صورت دکھائی دیتی تھیں۔

لڑکی کی قربانی انہی کھنڈرات میں دی جاتی تھی۔ لڑکی کو پروہت تہہ خانے میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس جگہ چار مرد اور چار خوب صورت لڑکیاں رہتی تھیں۔ ان کے سوا اور کسی کو پہاڑوں کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لڑکی کو جب قربان گاہ پر لے جایا جاتا تو اسے احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ وہ فخر اور خوشی سے مرتی تھی۔ اس کا دھڑ مگرمچھوں کی جھیل میں پھینک دیا جاتا اور بال کاٹ کر قبیلے کے ہر گھر میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ ان بالوں کو مقدس سمجھا جاتا تھا۔ لڑکی کا سر خشک ہونے کے لیے رکھ دیا جاتا تھا، جب گوشت ختم ہو کر صرف کھوپڑی رہ جاتی تو اُسے ایک غار میں رکھ دیا جاتا تھا۔ لڑکی کسی کو دکھائی نہیں جاتی تھی۔

"پندرہ سال پورے ہو رہے ہیں۔ اب کے لڑکی کی قربانی دی جائے گی" .... اس حبشی نے کہا......... "ہم نو آدمی مصر کی فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ ہمیں چونکہ نڈر اور وحشی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ہمیں خلیفہ کے محافظ دستے کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ دو مہینے گزرے ہم نے اس لڑکی کو دیکھا۔ ایسی خوب صورت لڑکی ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہم سب نے فیصلہ کر لیا کہ اس لڑکی کو اُٹھا لے جائیں گے اور قربانی کے لیے پیش کریں گے۔ ہمارے ایک ساتھی نے جو کل مارا گیا ہے۔ اپنے گاؤں جا کر قبیلے کے بزرگ کو بتا دیا تھا کہ اس بار قربانی کے لیے ہم لڑکی لائیں گے۔ ہم نے لڑکی کو اغوا کر لیا ہے"۔

☆

یہ قصہ صلاح الدین ایوبی کو سنایا گیا تو وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔ علی بن سفیان اس کے حکم کا منتظر تھا۔ سلطان ایوبی نے نقشہ دیکھا اور کہا......... "اگر جگہ یہ ہے تو یہ ہماری عمل داری سے باہر ہے۔ تم نے شہر کے پرانے لوگوں سے جو معلومات حاصل کی ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرعون تو صدیاں گزریں مر گئے ہیں، لیکن فرعونیت ابھی باقی ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اگر دُور نہ پہنچ سکیں تو قریبی پڑوس سے تو کفر اور شرک کا خاتمہ کریں، آج تک معلوم نہیں کتنے والدین کی معصوم بیٹیاں قربان کی جا چکی ہیں اور اس میلے میں کتنی بیٹیاں اغوا ہو کر فروخت ہو جاتی ہیں۔ ہمیں دیوتاؤں کا تصور ختم کرنا ہے۔ لوگوں کو دیوتاؤں کا تصور دے کر نام نہاد مذہبی پیشوا لڑکیاں اغوا کروا کے بدکاری اور عیاشی کرتے ہیں"۔

"میرے مخبروں کی اطلاعوں نے یہ بے ہودہ انکشاف کیا ہے کہ ہماری فوج کے کئی کمان دار اور مصر کے پیسے والے لوگ اس میلے میں جاتے اور لڑکیاں خریدتے یا چند دنوں کے لیے کرائے پر لاتے ہیں" .... علی بن سفیان نے کہا......... "کردار کی تباہی کے علاوہ یہ خطرہ بھی ہے کہ سوڈانیوں کی برطرف فوج کے عسکری اس میلے میں زیادہ تعداد میں جاتے ہیں۔ ہماری فوج اور ہمارے دوسرے لوگوں کا سوڈانی سابقہ فوجیوں کے ساتھ ملنا جلنا اور جشن منانا ٹھیک نہیں۔ یہ مشترکہ تفریح ملک کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے" .... علی بن سفیان نے ذرا جھجک کر کہا......... "اور لڑکی کو قربان ہونے سے پہلے بچانا اور خلیفہ کے حوالے کرنا، اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے آپ پر اغوا کا جو الزام عائد کیا ہے، وہ کتنا بے بنیاد اور لغو ہے"۔

"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں علی!" .... سلطان ایوبی نے کہا......... "میری توجہ اپنی ذات پر نہیں۔ مجھے کوئی کتنا ہی حقیر کہے، میں اسلام کی عظمت کے فروغ اور تحفظ کو نہیں بھول سکتا۔ میری ذات کچھ بھی نہیں اور تم بھی یاد رکھو علی!

اپنی ذات سے توجہ ہٹا کر سلطنت کے استحکام اور فلاح و بہبود پر مرکوز کر دو۔ اسلام کی عظمت کا امین خلیفہ ہوا کرتا تھا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خلیفے اپنی ذات میں گم ہوتے گئے اور اپنے نفس کا شکار ہو گئے۔ اب ہماری خلافت اسلام کی بہت بڑی کمزوری بن گئی ہے۔ صلیبی ہماری اس کمزوری کو استعمال کر رہے ہیں۔ اگر تم کامیابی سے اپنے فرائض نبھانا چاہتے ہو تو اپنی ذات اور اپنے نفس سے دست بردار ہو جاؤ......... خلیفہ نے مجھ پر جو الزام عائد کیا ہے، اسے میں نے بڑی مشکل سے برداشت کیا ہے۔ میں او چھے وار کا جواب دے سکتا تھا، مگر میرا وار بھی اوچھا ہوتا۔ پھر میں ذاتی سیاست بازی میں اُلجھ جاتا۔ مجھے خطرہ بھی نظر آ رہا تھا کہ ملتِ اسلامیہ کسی دور میں جا کر اپنے ہی حکمرانوں کی ذاتی سیاست بازیوں، خود پسندی، نفس پرستی اور اقتدار کی ہوس کی نذر ہو جائے گی"۔

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں محترم امیر!"......... علی بن سفیان نے کہا......... "اگر آپ اس لڑکی کو قربان ہونے سے بچانا چاہتے ہیں تو حکم صادر فرمائیے۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ پرسوں سے میلہ شروع ہو رہا ہے"۔

"فوج میں یہ حکم فوراً پہنچا دو کہ اس میلے میں کسی فوجی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں"......... سلطان ایوبی نے نائب سالار کو بلا کر کہا......... "خلاف ورزی کرنے والے کو اس کے عہدے اور رتبے سے قطع نظر پچاس کوڑے سرِ عام لگائے جائیں گے"۔

اس حکم کے بعد سکیم بننے لگی۔ متعلقہ حکام کو سلطان ایوبی نے بلا لیا تھا۔ اس نے سب سے کہا تھا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس طلسم کو توڑنا ہے۔ یہ جگہ فرعونیت کی آخری نشانی معلوم ہوتی ہے......... پہلے فوج کشی زیرِ بحث آئی جو اس وجہ سے خارج از بحث کر دی گئی کہ اسے اس قبیلے کے لوگ اپنے اوپر باقاعدہ حملہ سمجھیں گے۔ لڑائی ہوگی جس میں میلہ دیکھنے والے بے گناہ لوگ بھی مارے جائیں گے اور عورتوں اور بچوں کے مارے جانے کا خطرہ بھی ہے۔ یہ حل بھی پیش کیا گیا کہ اس سوڈانی حبشی کو رہنما کے طور پر ساتھ رکھا جائے اور اُس جگہ چھاپہ مار بھیجے جائیں جہاں لڑکی کو قربان کیا جائے گا۔ سلطان ایوبی نے حبشی کو ساتھ لے جانا پسند نہیں کیا، کیونکہ دھوکے کا خطرہ تھا۔ اس وقت تک سلطان ایوبی کے حکم کے مطابق چھاپہ ماروں اور شب خوں مارنے والوں کا ایک دستہ تیار کیا جا چکا تھا۔ اسے مسلسل جنگی مشقوں سے تجربہ کار بنا دیا گیا تھا کہ وہ جانبازوں کا دستہ تھا، جنہیں جذبے کے لحاظ سے اس قدر پختہ بنا دیا گیا تھا کہ وہ اس پر فخر محسوس کرنے لگے کہ انہیں جس مہم پر بھیجا جائے گا، اس سے وہ زندہ واپس نہیں آئیں گے۔

نائب سالار الناصر اور علی بن سفیان کے مشوروں سے یہ طے ہوا کہ صرف بارہ چھاپہ مار اس پہاڑی جگہ کے اندر جائیں گے، جہاں پروہت رہتا ہے اور لڑکی قربان کی جاتی ہے۔ حبشی کی دی ہوئی معلومات کے مطابق اس رات میلے میں زیادہ رونق ہوتی ہے، کیونکہ وہ میلے کی آخری رات ہوتی ہے۔ قبیلے کے لوگوں کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں ہوتا کہ لڑکی قربان کی جا رہی ہے، جسے معلوم ہوتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ قربان گاہ کہاں ہے۔ ان معلومات کی روشنی میں یہ طے کیا گیا کہ پانچ سو سپاہی میلہ دیکھنے والوں کے بھیس میں تلواروں وغیرہ سے مسلح ہو کر اس رات میلے میں موجود ہوں گے۔ ان میں سے دو سو کے پاس تیر کمان ہوں گے۔ اُس زمانے میں ان ہتھیاروں پر پابندی نہیں تھی۔ چھاپہ ماروں کے ذہنوں میں واضح تصور کی صورت میں وہ جگہ نقش کر دی جائے گی۔ وہ براہ راست حملہ نہیں کریں گے۔ چھاپہ ماروں کی طرح پہاڑی علاقے میں داخل ہوں گے۔ پہرہ داروں کو خاموشی سے ختم کریں گے اور اصل جگہ پہنچ کر اس وقت حملہ کریں گے جب لڑکی قربان گاہ میں لائی جائے گی۔ اس سے قبل حملے کا یہ نقصان ہو سکتا ہے کہ لڑکی کو تہہ خانے میں ہی غائب یا ختم کر دیا جائے گا۔

یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قربانی آدھی رات کے وقت پورے چاند میں ہی دی جاتی ہے۔ پانچ سو سپاہیوں کو اس وقت سے پہلے قربان گاہ والی پہاڑیوں کے اردگرد پہنچنا تھا۔ چھاپہ ماروں کے لیے گھیرے میں آجانے یا مہم ناکام ہونے کی صورت میں یہ ہدایت دی گئی کہ وہ فلیتے والا ایک آتشیں تیر اوپر کو چلائیں گے۔ اس تیر کا شعلہ دیکھ کر یہ پانچ سو نفری حملہ کر دے گی۔

اسی وقت بارہ جانباز منتخب کر لیے گئے اور اس فوج میں سے جو دو سال پہلے نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی کی مدد کے لیے بھیجی تھی، پانچ سو ذہین اور بے خوف سپاہی، عہدے دار اور کمان دار منتخب کر لیے گئے۔ یہ لوگ عرب سے آئے تھے، مصر اور سوڈان کی سیاست بازیوں اور عقائد کا ان پر کچھ اثر نہ تھا۔ وہ صرف اسلام سے آگاہ تھے اور یہی ان کا عقیدہ تھا۔ وہ ہر اس عقیدے کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، جسے وہ غیر اسلامی سمجھتے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ ایک باطل عقیدے کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ انہیں اپنے سے زیادہ نفری سے مقابلہ کرنا پڑے اور لڑائی خونریز ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کے سامنے کوئی ٹھہر ہی نہ سکے اور بغیر لڑائی کے مہم سر ہو جائے۔ انہیں سکیم سمجھا دی گئی اور ان کے ذہنوں میں پہاڑی علاقے کا اور ان پہاڑیوں کی بلندی، جو زیادہ نہیں تھی اور ان میں گھری ہوئی قربان گاہ کا تصور بٹھا دیا گیا۔ بارہ جانبازوں کو بھی ان کے ہدف کا تصور دیا گیا۔ انہیں ٹریننگ بڑی سختی سے دی گئی تھی۔ پہاڑیوں پر چڑھنا اور ریگستانوں میں دوڑنا، بھوک اور پیاس اونٹ کی طرح برداشت کرنا، اُن کے لیے مشکل نہیں تھا۔

قربانی کی رات کو چھ روز باقی تھے۔ تین دن اور تین راتیں چھاپہ ماروں اور پانچ سو سپاہیوں کو مشق کرائی گئی۔ چوتھے روز چھاپہ ماروں کو اونٹوں پر روانہ کر دیا گیا۔ اونٹوں کی میانہ چال سے ایک دن اور آدھی رات کا سفر تھا۔ شتربانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ چھاپہ ماروں کو پہاڑی علاقے سے دُور جہاں وہ کہیں اُتار کر واپس آجائیں۔ پانچ سو کے دستے کو تماشائیوں کے بھیس میں دو دو چار چار کی ٹولیوں میں گھوڑوں اور اونٹوں پر روانہ کیا گیا۔ انہیں جانور اپنے ساتھ رکھنے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے کمان دار بھی اس بھیس میں چلے گئے۔

☆

میلے کی آخری رات تھی۔

پورا چاند اُبھرتا آ رہا تھا۔ صحرا کی فضا شیشے کی طرح شفاف تھی۔ میلے میں انسانوں کے ہجوم کا کوئی شمار نہ تھا۔ کہیں نیم برہنہ لڑکیاں رقص کر رہی تھیں اور کہیں گانے والیوں نے مجمع لگا رکھا تھا۔ سب سے زیادہ بھیڑ اس چبوترے کے اردگرد تھی، جہاں لڑکیاں نیلام ہو رہی تھیں۔ ایک لڑکی کو چبوترے پر لایا جاتا۔ گاہک اسے ہر طرف سے دیکھتے۔ اس کا منہ کھول کر دانت دیکھتے، بالوں کو اُلٹا پلٹا کر دیکھتے، جسم کی سختی اور نرمی محسوس کرتے اور بولی شروع ہو جاتی۔ وہاں جوا بھی تھا، شراب بھی تھی، اگر وہاں نہیں تھا تو قانون نہیں تھا۔ پوری آزادی تھی۔ دُور دُور سے آئے ہوئے لوگوں کے خیمے میلے کے اردگرد نصب تھے۔ تماشائی مذہب اور اخلاق کی پابندیوں سے آزاد تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان سے تھوڑی ہی دُور جو پہاڑیاں ہیں، ان میں ایک خوب صورت لڑکی کو ذبح کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے اور وہاں ایک انسان دیوتا بنا ہوا ہے۔ وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ ان پہاڑیوں میں گھرا ہوا علاقہ دیوتاؤں کا پایۂ تخت ہے، جہاں جن اور بھوت پہرہ دیتے ہیں اور کوئی انسان وہاں جانے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔

انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان کے درمیان اللہ کے پانچ سو سپاہی گھوم پھر رہے ہیں اور بارہ انسان دیوتاؤں کے پایۂ تخت کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں..........صلاح الدین ایوبی کے بارہ چھاپہ ماروں کو بتایا گیا تھا کہ پہاڑیوں کے

اندرونی علاقے میں داخل ہونے کا راستہ کہاں ہے، لیکن وہاں سے وہ داخل نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ وہاں پہرے کا خطرہ تھا۔ انہیں بہت دشوار راستے سے اندر جانا تھا۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ پہاڑیوں کے اردگرد کوئی انسان نہیں ہوگا، مگر وہاں انسان موجود تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس حبشی نے علی بن سفیان کو غلط بتایا تھا کہ اس علاقے کے گرد کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔ پہاڑیوں کا یہ خطہ ایک میل بھی لمبا نہیں تھا اور اسی قدر چوڑا تھا۔ وہ چونکہ تربیت یافتہ چھاپہ مار تھے۔ اس لیے وہ بکھر کر اور احتیاط سے آگے گئے تھے۔ ایک چھاپہ مار کو اتفاق سے ایک درخت کے قریب ایک متحرک سایہ نظر آیا۔ چھاپہ مار چھپتا اور رینگتا اس کے عقب میں چلا گیا۔ قریب جا کر اس پر جھپٹ پڑا۔ اس کی گردن بازو کے شکنجے میں لے کر خنجر کی نوک اس کے دل پر رکھ دی۔ گردن ڈھیلی چھوڑ کر اس سے پوچھا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو اور یہاں کس قسم کا پہرہ ہے؟

وہ حبشی تھا۔ چھاپہ مار عربی بول رہا تھا جو حبشی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اتنے میں ایک اور چھاپہ مار آ گیا۔ اس نے بھی خنجر حبشی کے سینے پر رکھ دیا، انہوں نے اشاروں سے پوچھا تو حبشی نے اشاروں میں جواب دیا، جس سے شک ہوتا تھا کہ یہاں پہرہ موجود ہے۔ اس حبشی کی شہ رگ کاٹ دی گئی اور چھاپہ مار اور زیادہ محتاط ہو کر آگے بڑھے۔ یکلخت جنگل آ گیا۔ آگے پہاڑی تھی۔ چاند اوپر اٹھتا آ رہا تھا، لیکن درختوں اور پہاڑیوں نے اندھیرا کر رکھا تھا۔ وہ پہاڑی پر ایک دوسرے سے ذرا دور دور اوپر چڑھتے گئے۔

اندر کے علاقے میں جہاں لڑکی کو پروہت کے حوالے کیا گیا تھا اور ہی سرگرمی تھی۔ پتھر کے چہرے کے سامنے چبوترے پر ایک قالین بچھا ہوا تھا۔ اس پر چوڑے پھل والی تلوار رکھی تھی۔ اس کے قریب ایک چوڑا برتن رکھا تھا اور قالین پر پھول بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے قریب آگ جل رہی تھی۔ چبوترے کے چاروں کناروں پر دیئے جلا کر چراغاں کیا گیا تھا۔ وہاں چار لڑکیاں گھوم پھر رہی تھیں، ان کا لباس دو دو چوڑے پتے تھے اور باقی جسم برہنہ۔ چار حبشی تھے، جنہوں نے کندھوں سے ٹخنوں تک سفید چادریں لپیٹ رکھی تھیں۔ اُم عرارہ تہہ خانے میں پروہت کے ساتھ تھی۔ پروہت اس کے بالوں سے کھیل رہا تھا اور وہ مخمور آواز میں کہہ رہی تھی .... "میں انگوک کی ماں ہو، تم انگوک کے باپ ہو، میرے بیٹے مصر اور سوڈان کے بادشاہ بنیں گے۔ میرا خون انہیں پلا دو۔ میرے لمبے لمبے سنہری بال ان کے گھروں میں رکھ دو۔ تم مجھ سے دور کیوں ہٹ گئے ہو، میرے قریب آؤ" .... پروہت اس کے جسم پر تیل کی طرح کوئی چیز ملنے لگا۔

انگوک غالباً اس قبیلے کا نام تھا۔ ایک عربی لڑکی کو نشے کے خمار نے اس قبیلے کی ماں اور پروہت کی بیوی بنا دیا تھا۔ وہ قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ پروہت آخری رسوم پوری کر رہا تھا۔

بارہ چھاپہ مار رات کے کیڑوں کی طرح رینگتے ہوئے پہاڑیوں پر چڑھتے، اترتے اور ٹھوکریں کھاتے آ رہے تھے۔ بہت ہی دشوار گزار علاقہ تھا۔ بیشتر جھاڑیاں خاردار تھیں۔ چاند سر پر آ گیا تھا۔ انہیں درختوں میں سے روشنی کی کرنیں دکھائی دینے لگیں۔ ان کرنوں میں انہیں ایک حبشی کھڑا نظر آیا، جس کے ایک ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں لمبوتری ڈھال تھی۔ وہ بھی دیوتاؤں کے پایۂ تخت کا پہرہ دار تھا۔ اسے خاموشی سے مارنا ضروری تھا۔ وہ ایسی جگہ کھڑا تھا، جہاں اس پر عقب سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آمنے سامنے کا مقابلہ موزوں نہیں تھا۔ ایک چھاپہ مار جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے نے اس کے سامنے ایک پتھر پھینکا، جس نے گر کر اور لڑھک کر آواز پیدا کی۔ حبشی بدکا اور اس طرف آیا۔ وہ جوں ہی جھاڑی میں چھپے ہوئے چھاپہ مار کے سامنے آیا، اس کی گردن ایک بازو کے شکنجے میں آ گئی اور ایک خنجر اس کے دل میں اتر گیا۔ چھاپہ مار کچھ دیر وہاں رکے اور احتیاط سے آگے چل پڑے۔

اُمِ عرارہ قربانی کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ پروہت نے آخری بار اسے اپنے سینے سے لگایا اور اس کا ہاتھ تھام کر سیڑھیوں کی طرف چل پڑا۔ باہر کے چار حبشی مردوں اور لڑکیوں کو پتھر کے سر اور چہرے کے منہ میں روشنی نظر آئی تو وہ منہ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ پروہت نے اپنی زبان میں ایک اعلان کیا اور منہ سے اُتر آیا۔ اُمِ عرارہ اس کے ساتھ تھی۔ اسے وہ قالین پر لے گیا۔ مرد اور لڑکیاں ان کے اردگرد کھڑی ہوگئیں۔ اُمِ عرارہ نے عربی زبان میں کہا......... ''میں انگوک کے بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے اپنی گردن کٹوا رہی ہوں۔ میں ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہی ہوں۔ میری گردن کاٹ دو۔ میرا سر انگوک کے دیوتا کے قدموں میں رکھ دو۔ دیوتا اس سر پر مصر اور سوڈان کا تاج رکھیں گے'' .... چاروں آدمی اور لڑکیاں ایک بار پھر سجدے میں گر گئیں۔ پروہت نے اُمِ عرارہ کو قالین پر دو زانو بٹھا کر اس کا سر آگے جھکا دیا اور وہ تلوار اُٹھالی، جس کا پھل پورے ہاتھ جتنا چوڑا تھا۔

ایک چھاپہ مار جو سب سے آگے تھا، رُک گیا۔ اس نے سرگوشی کر کے پیچھے آنے والے کو روک لیا۔ پہاڑی کی بلندی سے انہیں چبوترہ اور پتھر کا سر نظر آیا......... چبوترے پر ایک لڑکی دو زانو بیٹھی تھی۔ جس کا سر جھکا ہوا تھا۔ شفاف چاندنی، چراغاں اور بڑی مشعلوں نے سورج کی روشنی کا سماں بنا رکھا تھا۔ لڑکی کے پاس کھڑے آدمی کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ دو زانو بیٹھی ہوئی لڑکی برہنہ تھی۔ اس کے جسم کا رنگ بتا رہا تھا کہ حبشی قبیلے کی لڑکی نہیں۔ چھاپہ مار دُور تھے اور بلندی پر بھی تھے، وہاں سے تیر خطا جانے کا خطرہ تھا، مگر وہ جس پہاڑی پر تھے، اس کے آگے ڈھلان نہیں تھی، بلکہ سیدھی دیوار تھی، جس سے اُترنا ناممکن تھا۔ وہ جان گئے کہ لڑکی قربان کی جارہی ہے اور اسے بچانے کے لیے وقت اتنا تھوڑا ہے کہ وہ اُڑ کر نہ پہنچے تو اسے بچا نہیں سکیں گے۔ انہوں نے چوٹی سے نیچے دیکھا۔ چاندنی میں انہیں ایک جھیل نظر آئی۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہاں ایک جھیل ہے جس میں مگرمچھ رہتے ہیں۔

دائیں طرف ڈھلان تھی، لیکن وہ بھی تقریباً دیوار کی طرح تھی۔ وہاں جھاڑیاں اور درخت تھے۔ انہیں پکڑ پکڑ کر اور ایک دوسرے کے ہاتھ تھام کر وہ ڈھلان اُترنے لگے۔ ان میں سے آخری جانباز نے اتفاق سے سامنے دیکھا۔ چاندنی میں سامنے کی چوٹی پر اسے ایک حبشی کھڑا نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈھال تھی اور دوسرے ہاتھ میں برچھی، جو اس نے تیر کی طرح پھینکنے کے لیے تان رکھی تھی۔ چھاپہ ماروں پر چاندنی نہیں پڑ رہی تھی۔ حبشی ابھی شک میں تھا۔ آخری چھاپہ مار نے کمان میں تیر ڈالا۔ رات کی خاموشی میں کمان کی آواز سنائی دی۔ تیر حبشی کی شہ رگ میں لگا اور وہ لڑھکتا ہوا، نیچے آرہا۔ چھاپہ مار ڈھلان اُترتے گئے۔ گرنے کا خطرہ ہر قدم پر تھا۔

☆

پروہت نے تلوار کی دھار اُمِ عرارہ کی گردن پر رکھی اور اوپر اُٹھائی۔ لڑکیوں اور مردوں نے سجدے سے اُٹھ کر دو زانوں بیٹھتے ہوئے پُرسوز اور دھیمی آواز میں کوئی گانا شروع کر دیا۔ یہ ایک گونج تھی جو اس دُنیا کی نہیں لگتی تھی۔ پہاڑیوں میں گھری ہوئی اس تنگ سی وادی میں ایسا طلسم طاری ہوا جا رہا تھا جو باہر کے کسی بھی انسان کو یقین دلا سکتا تھا کہ یہ انسانوں کی نہیں، دیوتاؤں کی سرزمین ہے......... پروہت تلوار کو اوپر لے گیا۔ اب تو ایک دو سانسوں کی دیر تھی۔ تلوار نیچے کو آنے ہی لگی تھی کہ ایک تیر پروہت کی بغل میں دھنس گیا۔ اس کا تلوار والا ہاتھ ابھی نیچے نہیں گرا تھا کہ تین تیر بیک وقت اس کے پہلو میں اُتر گئے۔ لڑکیوں کی چیخیں سنائی دیں۔ مرد کسی کو آوازیں دینے لگے۔ تیروں کی ایک اور باڑ آئی جس نے دو مردوں کو گرا دیا۔ لڑکیاں جدھر منہ آیا، دوڑ پڑیں۔ اُمِ عرارہ اس شور و غل اور اپنے اردگرد تڑپتے ہوئے اور خون میں ڈوبے ہوئے

جسموں سے بے نیاز سر جھکائے بیٹھی تھی۔

چھاپہ مار بہت تیز دوڑتے آئے۔ چبوترے پر چڑھے اور اُمِ عرارہ کو ایک نے اُٹھا لیا۔ وہ ابھی تک نشے کی حالت میں باتیں کر رہی تھی۔ ایک جانباز نے اپنا کرتہ اُتار کر اسے پہنا دیا۔ اسے لے کر چلے ہی تھے کہ ایک طرف سے بارہ حبشی برچھیاں اور ڈھالیں اُٹھائے دوڑتے آئے۔ چھاپہ مار بکھر گئے۔ ان میں چار کے پاس تیر کمانیں تھیں۔ انہوں نے تیر برسائے۔ باقی چھاپہ مار ایک طرف چھپ گئے اور جب حبشی آگے آئے تو عقب سے ان پر حملہ کر دیا۔ ایک تیر انداز نے کمان میں فلیتے والا تیر نکالا۔ فلیتے کو آگ لگائی اور کمان میں ڈال کر اوپر کو چھوڑ دیا۔ تیر دُور اوپر جا کر رُکا تو اس کا شعلہ جو رفتار کی وجہ سے دب گیا تھا، رفتار ختم ہوتے ہی بھڑکا اور نیچے آنے لگا۔

میلے کی رونق ابھی ماند نہیں پڑی تھی۔ تماشائیوں میں سے پانچ سو تماشائی میلے سے الگ ہو کر اس پہاڑی خطے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں دُور فضا میں ایک شعلہ سا نظر آیا جو بھڑک کر نیچے کو جانے لگا۔ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوئے۔ ان کے کمان دار ساتھ تھے۔ پہلے تو وہ آہستہ آہستہ چلے تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ ذرا دُور جا کر انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ تماشائی میلے میں شراب، جوئے اور ناچنے گانے والی لڑکیوں اور عصمت فروش عورتوں میں اتنے مگن تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ان کے دیوتاؤں پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

چھاپہ مار نے اس خطرے کی وجہ سے آتشیں تیر چلا دیا تھا کہ حبشیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی، مگر فوج وہاں پہنچی تو وہاں بارہ تیر لاشیں حبشیوں کی اور دو لاشیں چھاپہ مار شہیدوں کی پڑی تھیں۔ وہ برچھیوں سے شہید ہوئے تھے۔ کمان داروں نے وہاں کا جائزہ لیا۔ پتھر کے منہ میں گئے اور تہہ خانے میں جا پہنچے، وہاں انہیں جو چیزیں ہاتھ لگیں، وہ اُٹھا لیں۔ اُن میں ایک پھول بھی تھا جو قدرتی نہیں، بلکہ کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ احکام کے مطابق فوج کو وہیں رہنا تھا، لیکن پہاڑیوں میں چھپ کر۔ چھاپہ ماروں نے اُمِ عرارہ کو گھوڑے پر ڈالا اور قاہرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

صبح طلوع ہوئی۔

میلے کی رونق ختم ہوگئی تھی۔ بیشتر تماشائی رات شراب پی پی کر ابھی تک مدہوش پڑے تھے۔ دکان دار جانے کے لیے مال اسباب باندھ رہے تھے۔ لڑکیوں کے بیوپاری بھی جا رہے تھے۔ صحرا میں روانہ ہونے والوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ میلے کے قریب جو گاؤں تھا وہاں کے لوگ بے تابی سے اس لڑکی کے بالوں کا انتظار کر رہے تھے، جسے رات قربان کیا گیا تھا۔ اس قبیلے کے لوگ جو دُور دراز دیہات کے رہنے والے تھے، پہاڑی جگہ سے دور کھڑے دیوتاؤں کے مسکن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے بڑے بوڑھے انہیں بتا رہے تھے کہ ابھی پروہت آئے گا۔ وہ دیوتاؤں کی خوشنودی کا پیغام دے گا اور ان میں بال تقسیم کرے گا، مگر ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ دیوتاؤں کے مسکن پر سکوت طاری تھا۔ اس منتظر ہجوم کو معلوم نہ تھا کہ وہاں فوج مقیم ہے اور اب وہاں سے دیوتاؤں کا کوئی پیغام نہیں آئے گا.........دن گزرتا گیا۔ قبیلے کے جن نوجوانوں نے قربانی کی باتیں سنی تھیں، انہیں شک ہونے لگا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ دن گزر گیا۔ سورج انہی پہاڑیوں کے پیچھے جا کر ڈوب گیا۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ وہاں جا کر دیکھتا کہ پروہت کیوں نہیں آیا۔

☆

''طبیب کو بلاؤ''.........سلطان ایوبی نے کہا.........''لڑکی پر نشے کا اثر ہے''۔

اُمِ عرارہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اور کہہ رہی تھی.........''میں انگوگ کی ماں ہوں۔ تم کون ہو؟ تم دیوتا نہیں

ہو۔ میرا شوہر کہاں ہے۔ میرا سر کاٹو اور دیوتا کو دے دو۔ مجھے میرے بیٹوں پر قربان کر دو"............ وہ بولے جا رہی تھی، مگر اب اس پر غنودی بھی طاری ہو رہی تھی۔ اس کا سر ڈول رہا تھا۔

طبیب نے آتے ہی اس کی کیفیت دیکھی اور اسے کوئی دوائی دے دی۔ ذرا سی دیر میں اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ اسے لٹا دیا گیا اور وہ گہری نیند سوگئی۔ سلطان ایوبی کو تفصیل سے بتایا گیا کہ پہاڑی خطے میں کیا ہوا اور وہاں سے کیا ملا ہے۔ اس نے اپنے نائب سالار الناصر اور بہاؤ الدین شداد کو حکم دیا کہ پانچ سو سوار لے جائیں، ضروری سامان لے جائیں اور اس بُت کو مسمار کر دیں، مگر اس جگہ کو فوج کے گھیرے میں رکھیں۔ حملے کی صورت میں مقابلہ کریں۔ اگر وہ لوگ دب جائیں اور لڑ نہ سکیں تو انہیں وہ جگہ دکھا کر پیار اور محبت سے سمجھائیں کہ یہ محض ایک فریب تھا۔

شداد نے اپنی ڈائری میں جو عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ پانچ سو سواروں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ راہنمائی اس فوج کے کمان دار نے کی جو پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ سینکڑوں سوڈانی حبشی دُور دُور کھڑے تھے۔ ان میں سے بعض گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے۔ ان کے پاس برچھیاں، تلواریں اور کمانیں تھیں۔ ہم نے اپنے تمام تر سواروں کو اس پہاڑی جگہ کے اِردگرد اس طرح کھڑا کر دیا کہ ان کے منہ باہر کی طرف اور ان کی کمانوں میں تیر تھے اور جن کے پاس کمانیں نہیں تھیں، ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ خطرہ خون ریز لڑائی کا تھا۔ میں الناصر کے ساتھ اندر گیا۔ بُت کو دیکھ کر میں نے کہا کہ فرعونوں کی یادگار ہے۔ حبشیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ہر جگہ گھوم پھر کر دیکھا، دو پہاڑیوں کے درمیان ایک کھنڈر تھا، جو فرعونوں کے وقتوں کی خوشنما عمارت تھی۔ دیواروں پر اُس زمانے کی تحریریں تھیں۔ الفاظ لکیروں والی تصویروں کی مانند تھے۔ کوئی شبہ نہ رہا کہ یہ فرعونوں کی جگہ تھی............ دیوار جیسی ایک پہاڑی کے دامن میں جھیل تھی، جس کے اندر اور باہر دو دو قدم لمبے مگرمچھ تھے۔ جھیل کا پانی پہاڑی کے دامن کو کاٹ کر پہاڑی کے نیچے چلا گیا تھا۔ پانی کے اوپر پہاڑی کی چھت تھی۔ جگہ خوف ناک تھی۔ ہمیں دیکھ کر بہت سارے مگرمچھ کنارے پر آگئے اور ہمیں دیکھنے لگے۔

میں نے سپاہیوں سے کہا، حبشیوں کی لاشیں جھیل میں پھینک دو، یہ بھوکے ہیں۔ وہ لاشیں گھسیٹ کر لائے اور جھیل میں پھینک دیں، مگرمچھوں کی تعداد کا اندازہ نہیں، پوری فوج تھی۔ لاشوں کے سر باہر رہے اور یہ سر پانی میں دوڑتے پہاڑی کے اندر چلے گئے۔ پھر پروہت کی لاش آئی۔ اس نے دوسرے انسانوں کو مگرمچھوں کے آگے پھینکا تھا، ہم نے اسے بھی جھیل میں پھینک دیا............ دو سپاہی چار سوڈانی لڑکیوں کو لائے۔ وہ کہیں چھپی ہوئی اور عریاں تھیں۔ کمر کے ساتھ ایک پتہ آگے اور پیچھے بندھا ہوا تھا۔ میں نے اور الناصر نے منہ پھیر لیے۔ سپاہیوں سے کہا کہ انہیں مستور کرو۔ جب ان کے جسم کپڑوں میں چھپ گئے تو دیکھا کہ وہ بہت خوب صورت تھیں۔ روتی تھیں، ڈرتی تھیں۔ ہمارے ترجمان کو انہوں نے وہاں کا حال اپنی زبان میں بیان کیا جو بہت شرم ناک تھا۔ مسلمان کو عورت ذات کا یہ حال برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ عورت اپنی ہو، کسی اور کی ہو، کافر ہو، اسلام اسے بیٹی کہتا ہے۔ ان چار لڑکیوں کا بیان ظاہر کرتا تھا کہ وہ فرعونوں کو خدا مانتی ہیں۔ ان کا قبیلہ انسان کو خدا مانتا ہے۔

یہ جگہ خوش نما تھی۔ سارے صحرا میں سرسبز تھی۔ اندر پانی کا چشمہ تھا، جس نے جھیل بنائی، درخت تھے، جنہوں نے سایہ دیا۔ کسی فرعون کو یہ مقام پسند آیا تو اسے تفریح کا مقام بنایا۔ اپنی خدائی کے ثبوت میں یہ بُت بنایا۔ اس میں تہہ خانہ رکھا اور یہاں عیش کی۔ آسمان نے کوئی اور رنگ دکھایا۔ سورج اُدھر سے اِدھر ہو گیا۔ فرعونوں کے ستارے ٹوٹ گئے اور مصر میں دوسرے باطل مذہب آئے۔ آخر میں حق کی فتح ہوئی اور مصر نے کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" سنا اور خدا کے حضور سرخرو ہوا، لیکن

کسی نے نہ جانا کہ باطل ان پہاڑیوں میں زندہ رہا۔ الحمدللہ، ہم نے خدائے عزوجل سے راہنمائی لی۔ باطل کا یہ نقش بھی اُکھاڑا اور اس ریگزار کو پاک کیا۔

☆

اس جگہ کو سواروں کے گھیرے میں لے کر فوج نے پتھر کے اس ہیبت ناک بُت کو مسمار کر دیا، چبوترہ بھی گرا دیا، تہہ خانہ ملبے سے بھر دیا۔ باہر سینکڑوں حبشی حیران اور خوف زدہ کھڑے تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ان سب کو بلا کر اندر لے جایا گیا کہ یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ چاروں لڑکیاں اُن کے حوالے کی گئیں۔ چاروں کے باپ اور بھائی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی لڑکی لے لی۔ انہیں بتایا گیا کہ یہاں ایک بدکار آدمی رہتا تھا، وہ مگرمچھوں کو کھلا دیا گیا ہے۔ ان سینکڑوں حبشیوں کو اکٹھا بٹھا کر ان کی زبان میں وعظ دیا گیا۔ وہ سب خاموش رہے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ وہ پھر بھی خاموش رہے۔ کبھی کبھی شک ہوتا تھا، جیسے ان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا ہے۔ انہیں یہ الفاظ دھمکی کے لہجے میں کہے گئے......... ''اگر تم سچے خدا کو دیکھنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں دکھائیں گے۔ اگر تم اسی جگہ کو جہاں تم بیٹھے ہو، اپنے جھوٹے خداؤں کا گھر کہتے رہو گے تو ہم ان پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر کے ریت کے ساتھ ملا دیں گے، پھر تم دیکھو گے کہ کون سا خدا سچا ہے''۔

اُدھر قاہرہ میں اُمِ عرارہ ہوش میں آ چکی تھی۔ وہ اپنی داستان سنا چکی تھی، جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ کبھی وہ کہتی تھی کہ اس نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ اُسے ساری باتیں یاد آ گئیں تھیں۔ اس نے بتایا کہ پروہت اسے دن رات بے آبرو کرتا تھا اور پھول کی با۔ اس کی ناک کے ساتھ لگاتا تھا۔ اُمِ عرارہ کو بتایا گیا کہ اس کی گردن کٹنے والی تھی، اگر چھاپہ مار بروقت نہ پہنچ جاتے تو اس کا سر غار میں اور جسم مگرمچھوں کے پیٹ میں ہوتا۔ نازک سی، یہ حسین لڑکی خوف سے کانپنے لگی۔ اس کے آنسو نکل آئے اس نے سلطان ایوبی کے ہاتھ چوم لیے اور کہا......... ''خدا نے مجھے گناہوں کی سزا دی ہے، میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لیے مجھے پناہ میں لے لیں''......... اس کی ذہنی کیفیت بہت بُری تھی۔

اس نے شام کے ایک دولت مند تاجر کا نام لے کر کہا کہ وہ اس کی بیٹی ہے۔ یہ مسلمان تاجر تھا۔ اس کا دوستانہ شام کے امیروں کے ساتھ تھا۔ اُس وقت کے امیر ایک ایک شہر یا تھوڑے رقبے کے خطوں کے حکمران ہوا کرتے تھے، جو مرکزی امارت کے ماتحت تھے۔ مرکزی امارت، مرکزی وزارت اور خلافت کے ماتحت ہوتی تھی۔ یہ امراء دسویں صدی کے بعد پوری طرح عیاشیوں میں ڈوب گئے تھے۔ بڑے تاجروں سے دوستی رکھتے تھے، ان کے ساتھ کاروبار بھی کرتے اور رشوت بھی لیتے تھے۔ ان کے حرموں میں لڑکیوں کی افراط رہتی اور شراب بھی چلتی تھی۔ اُمِ عرارہ ایسے ہی ایک دولت مند تاجر کی بیٹی تھی جو اپنے باپ کے ساتھ بارہ تیرہ سال کی عمر میں امراء کی رقص و سرود کی محفلوں میں جانے لگی تھی۔ باپ غالباً دیکھ رہا تھا کہ لڑکی خوب صورت ہے، اس لیے وہ اسے لڑکپن میں ہی امراء کی سوسائٹی کا عادی بنانے لگا تھا۔ اُمِ عرارہ نے بتایا کہ وہ چودہ سال کی ہوئی تو امراء نے اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ دو نے اسے بڑے قیمتی تحفے بھی دیئے۔ وہ گناہوں کی اسی دُنیا کی ہو کے رہ گئی۔

عمر کے سولھویں سال وہ باپ کو بتائے بغیر ایک امیر کی درپردہ داشتہ بن گئی، مگر رہتی اپنے گھر میں تھی۔ وہ دولت میں جنی پلی تھی، شرم و حیا سے آشنا نہیں تھی۔ دو تین سال بعد وہ باپ کے ہاتھ سے نکل گئی اور آزادی سے دو اور امراء سے تعلقات پیدا کر لیے۔ اس نے خوب صورتی، چرب زبانی اور مردوں کو انگلیوں پر نچانے میں نام پیدا کر لیا۔ باپ نے اس کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ گذشتہ چھ سال سے اسے ایک اور ہی قسم کی ٹریننگ ملنے لگی تھی۔ یہ تین امراء نے مل کر سازش کی تھی،

جس میں اس کا باپ بھی شریک تھا۔ اسے خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ آگے چل کر اس سازش میں ایک صلیبی بھی شامل ہو گیا۔ یہ امراء خود مختار حاکم بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ صلیبیوں کی مدد کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ اُمِ عرارہ کو نورالدین زنگی اور خلافت کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے بھی استعمال کیا گیا تھا۔ صلیبیوں نے اس مہم میں تین عیسائی لڑکیاں شامل کر کے ایک زمین دوز محاذ بنا لیا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ مصر میں صلاح الدین ایوبی نے نام پیدا کر لیا ہے اور اس نے دو ایسے کارنامے کر دکھائے ہیں، جس نے اسے مصر کا وزیر اور امیر نہیں، بلکہ بادشاہ بنا دیا ہے تو اُمِ عرارہ کو خلیفہ العاضد کی خدمت میں تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔ اسے مہم یہ دی گئی کہ خلیفہ کے دل میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف دشمنی پیدا کرے اور سابق سوڈانی فوج کے جو چند ایک حکام فوج میں رہ گئے ہیں، انہیں العاضد کے قریب کر کے سوڈانیوں کو ایک اور بغاوت پر آمادہ کرے۔ اسے دوسری مہم یہ دی گئی تھی کہ خلیفہ العاضد کو آمادہ کرے کہ سوڈانی جب بغاوت کریں تو وہ انہیں ہتھیاروں اور ساز و سامان سے مدد دے اور اگر ممکن ہو سکے تو صلاح الدین ایوبی کی فوج کا کچھ حصہ باغی کر کے سوڈانیوں سے ملا دے۔ خلیفہ اور کچھ نہ کر سکے تو اپنا محافظ دستہ سوڈانیوں کے حوالے کر کے خود سلطان ایوبی کے پاس جا پناہ لے اور اسے کہے کہ اس کے محافظ باغی ہو گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایسا محاذ قائم کرنا تھا جو اُسے مصر سے بھاگنے پر مجبور کر دے اور باقی عمر گمنامی میں گزار دے۔

اُمِ عرارہ نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئی تھی، لیکن باپ نے اسے مسلمانوں کی ہی جڑیں کاٹنے کی تربیت دی اور سلطنتِ اسلامیہ کے اُمراء نے اپنے دشمنوں کے ساتھ مل کر اپنی ہی سلطنت کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اس لڑکی نے خلیفہ العاضد کا دماغ اپنے قبضہ میں لے لیا اور سلطان ایوبی کے خلاف کر دیا تھا۔ رجب کو وہ سازش میں شریک کر چکی تھی۔ رجب نے دو اور فوجی حکام کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ رجب نے اس سلسلے میں یہ کام کیا کہ خلیفہ کے محافظ دستے میں وہ مصریوں کی جگہ سوڈانی رکھتا جا رہا تھا۔ اُمِ عرارہ کو خلیفہ کے پاس آئے ابھی دو اڑھائی مہینے ہوئے تھے، وہ قصرِ خلافت پر غالب آ گئی تھی اور حرم کی ملکہ بن گئی تھی۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ خلیفہ سلطان ایوبی کو قتل کرانا چاہتا ہے اور رجب نے حشیشین سے مل کر قتل کرا انتظام کر دیا ہے۔

یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ سلطان ایوبی نے خلیفہ کے بے کار وجود اور عیش پرستی سے تنگ آ کر اس کے خلاف کارروائی شروع کر دی تھی اور یہ بھی اتفاق تھا کہ اُمِ عرارہ کو وہی لوگ اغوا کر کے لے گئے، جنہیں وہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑانا چاہتی تھی اور یہ اتفاق تو بڑا ہی اچھا تھا کہ سلطان ایوبی نے رجب سے محافظ دستے کی کمان لے لی اور وہاں اپنی پسند کا ایک نائب سالار بھیج دیا تھا، مگر ان اتفاقات نے حالات کا دھارا موڑ کر سلطان ایوبی کے لیے ایک خطرہ پیدا کر دیا۔ سلطان ایوبی نے اُمِ عرارہ کو اپنی پناہ میں رکھا۔ لڑکی بُری طرح پچھتا رہی تھی اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ قدرت نے اسے ایک دھچکہ دے کر اس کا دماغ درست کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی ٹھنڈے دل سے سوچنے لگا کہ اس سازش میں جو حکام شامل ہیں، ان کے ساتھ وہ کیا سلوک کرے۔

دوسرے دن الناصر اور بہاؤالدین شداد فرعونوں کا آخری نشان مٹا کر فوج واپس لے آئے۔

☆

آٹھ دنوں بعد..........

رات کا پچھلا پہر تھا۔ سلطان ایوبی کے جاگنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ اُسے ملازم نے جگا دیا اور کہا کہ الناصر،

علی بن سفیان اور دو اور نائب آئے ہیں۔ سلطان اُچھل کر اُٹھا اور ملاقات کے کمرے میں چلا گیا۔ ان حکام کے ساتھ ان دستوں میں سے ایک کا کمان دار بھی تھا، جو شہر سے دُور گشت کرتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو بتایا گیا کہ کم و بیش چھ ہزار سوڈانی جن میں برطرف سوڈانی فوج کے افراد ہیں اور اس وحشی قبیلے کے بھی جس کے عقیدے کو ملیا میٹ کیا گیا تھا۔ مصر کی سرحد میں داخل ہو کر ایک جگہ پڑاؤ کیے ہوئے ہیں۔ اس کمان دار نے یہ عقل مندی کی کہ عام لباس میں دو شتر سوار یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجے کہ اس لشکر کا کیا ارادہ ہے۔ ان شتر سواروں نے اپنے آپ کو مسافر ظاہر کیا اور یہ معلوم کر لیا کہ یہ لشکر قاہرہ پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ شتر سواروں نے لشکر کے سربراہوں سے مل کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کیں اور کہا کہ وہ بہت سے آدمیوں کو اس لشکر میں شامل کرنے کے لیے لائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہو آئے۔ ان کی اطلاع کے مطابق یہ لشکر اِدھر اُدھر سے مزید نفری کا منتظر تھا اور اسے اگلے روز وہاں سے کوچ کرنا تھا۔

سلطان ایوبی نے پہلا حکم یہ دیا کہ خلیفہ کے محافظ دستے میں صرف پچاس سپاہی اور ایک کمان دار رہنے دو۔ باقی تمام دستے کو چھاؤنی میں بلا لو۔ اگر خلیفہ احتجاج کرے تو کہہ دینا کہ یہ میرا حکم ہے۔ سلطان نے علی بن سفیان سے کہا کہ اپنے شعبے کے کم از کم سو آدمی جو سوڈانی زبان اچھی طرح بول سکتے ہیں۔ سوڈانی باغیوں کے بھیس میں اس کمان کے دار کے ساتھ ابھی روانہ کر دو۔ کمان دار سے کہا کہ یہ سو آدمی ان دو شتر سواروں کے ساتھ سوڈانیوں کے لشکر میں شامل ہوں گے۔ یہ دو شتر سوار سنتری بتائیں گے کہ وہ وعدے کے مطابق مدد لائے ہیں۔ ان کے لیے ہدایات یہ دیں کہ وہ لشکر کی پیش قدمی کے متعلق اطلاع دیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ رات کے وقت اس لشکر کے جانور اور رسد کہاں ہوتی ہے۔ سلطان ایوبی نے الناصر سے کہا کہ تیز رفتار گھوڑ سوار چھاپہ ماروں اور چھوٹی منجنیقوں کے دستے تیار رکھو۔

''میں نے سوچا تھا کہ سیدھی ٹکر لے کر سوڈانیوں کو شہر سے دور ہی ختم کیا جائے''۔ الناصر نے کہا۔

''نہیں!''۔ سلطان ایوبی نے کہا............''یاد رکھنا الناصر! اگر دشمن کی تعداد کبھی تم سے تھوڑی ہو تو بھی براہِ راست تصادم سے گریز کرو۔ رات کو چھاپہ مار استعمال کرو، شب خون مارو، دشمن کو پہلو سے لو۔ عقب سے لو، ضرب لگاؤ اور بھاگو، دشمن کی رسد تباہ کرو، جانور تباہ کرو، دشمن کو پریشان کرو، اس کے دستے بکھیر دو، اُسے آگے آنے کی مہلت نہ دو، اسے دائیں بائیں پھیل جانے پر مجبور کر دو، اگر سامنے سے ٹکر لینا چاہتے ہو تو یہ نہ بھولو کہ یہ صحرا ہے۔ سب سے پہلے پانی کی جگہ پر قبضہ کرو۔ سورج اور ہوا کے رُخ کو دشمن کے خلاف رکھو۔ اسے پریشان کر کے اپنی پسند کے میدان میں لاؤ۔ میں تمہیں عملی سبق دوں گا۔ اس لشکر کی یہ خواہش میں پوری نہیں ہونے دوں گا کہ وہ قاہرہ تک پہنچے یا میری فوج اس کے آمنے سامنے جا کر لڑے''............اس نے علی بن سفیان سے کہا............''تم جن ایک سو آدمیوں کو لشکر میں شامل ہونے کے لیے بھیجو گے، انہیں کہنا کہ وہ سوڈانیوں میں یہ افواہ پھیلا دیں کہ چھ سات دنوں تک صلاح الدین ایوبی فلسطین پر حملہ کرنے کے لیے جا رہا ہے۔ اس لیے قاہرہ پر حملہ، اس کی غیر حاضری میں کیا جائے گا''۔

ایسی بہت سی ہدایات اور احکام دے کر سلطان ایوبی نے انہیں بتایا کہ وہ آج شام سے قاہرہ میں نہیں ہو گا۔ اس نے انہیں قاہرہ سے بہت دُور ایک جگہ بتائی۔ وہ اپنا ہیڈ کوارٹر دشمن کے قریب رکھنا چاہتا تھا تاکہ جنگ اپنی نگرانی میں لڑا سکے۔ سب نے ملاقات کے کمرے میں ہی صبح کی نماز پڑھی اور سلطان ایوبی کے احکام پر کارروائی شروع کر ہو گئی۔

سلطان ایوبی تیاری کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆

سوڈانیوں کے لشکر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دو سال گزرے، ان کی ایک بغاوت بُری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ دوسری کوشش کی تیاریاں اسی وقت شروع ہو گئی تھیں۔ صلیبیوں نے مدد کا وعدہ کر رکھا تھا اور جاسوسوں کی بہت بڑی تعداد مصر میں داخل کر دی تھی۔ سوڈانیوں کا حملہ ایک نہ ایک روز آنا ہی تھا، لیکن یہ اچانک آ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی نے ایک سوڈانی قبیلے کے مذہب پر فوجی حملہ کیا اور اس کے دیوتاؤں کا مسکن تباہ کر دیا تھا۔ یہ وجہ معمولی نہیں تھی۔ مصر میں جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے مخالفین تھے، انہوں نے اس کے اس اقدام کو اس کے خلاف استعمال کیا۔ سوڈانی فوج کے برطرف کیے ہوئے باغی کمان داروں کو بھی موقع مل گیا۔ یہ فوراً حرکت میں آ گئے۔ ان میں مصری مسلمان بھی تھے۔ انہوں نے اُس قبیلے کے مذہبی جذبات کو بھڑکایا اور انہیں کہا کہ ان کا مذہب سچا ہے اور اگر وہ سلطان ایوبی کے خلاف اُٹھیں گے تو ان کے دیوتا اپنی توہین کا انتقام لینے کے لیے ان کی مدد کریں گے۔ انہوں نے پانچ سات دنوں میں لشکر جمع کر لیا اور قاہرہ پر حملے کے لیے چل پڑے۔ جوں جوں اِدھر اُدھر کے لوگوں کو پتہ چلتا تھا، وہ اس لشکر میں شامل ہوتے جاتے تھے۔

دو شتر سواروں کے ساتھ جب ایک سو مسلح آدمی اس لشکر میں شامل ہوئے، یہ لشکر سرحد سے آگے آ گیا تھا اور ایک جگہ پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی رات کے وقت اتنا آگے چلا گیا، جہاں اسے اس لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع جلدی مل سکتی تھی۔ ان سو آدمیوں نے حملہ آوروں کے سربراہوں کو بتایا کہ صلاح الدین ایوبی چند دنوں تک فلسطین کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ سربراہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے یہ پڑاؤ دو دن اور بڑھا دیا۔ اگلی رات سلطان ایوبی کو اس لشکر کی پہلی اطلاعیں ملیں۔

اس سے اگلی رات اس نے پچاس سوار اور پانچ منجنیقیں بھیجیں، جن کے ساتھ آتش گیر مادے والی ہانڈیاں تھیں۔ انہیں ایک گھوڑا کھینچتا تھا۔ آدھی رات کے وقت جب سوڈانی لشکر سویا ہوا تھا، ان کے اناج کے ذخیرے پر ہانڈیاں گرنے لگیں۔ معاً بعد آتشیں تیر آئے اور مہیب شعلے اُٹھنے لگے۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ منجنیقوں کو وہاں سے فوراً پیچھے بھیج دیا گیا۔ پچاس سواروں نے تین چار حصوں میں تقسیم ہو کر گھوڑے سرپٹ دوڑائے اور لشکر کے پہلوؤں کے آدمیوں کو کچلتے اور برچھیوں سے زخمی کرتے غائب ہو گئے۔ لشکریوں کو سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا۔ آگ کے شعلوں سے جہاں اناج کا ذخیرہ جل رہا تھا، وہاں اونٹ اور گھوڑے بدک کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ سلطان ایوبی کے سوار ایک بار پھر آئے اور تیر برساتے گزر گئے۔ وہ اس کے بعد نہیں آئے۔

دوسرے دن اطلاع ملی کہ سوڈانیوں کے کم و بیش چار سو آدمی آگ سے، گھوڑوں اور اونٹوں کی بھگدڑ سے اور چھاپہ مار سواروں کے حملوں سے مارے گئے ہیں۔ تمام تر اناج جل گیا اور تیروں کا ذخیرہ بھی نذر آتش ہو گیا تھا۔ لشکر نے وہاں سے کوچ کیا اور رات ایسی جگہ پڑاؤ کیا، جہاں اِدھر اُدھر مٹی کے ٹیلے تھے۔ اس جگہ شب خون کا خطرہ نہیں تھا۔ اب رات کو گشتی دستے بھی پڑاؤ سے دُور دُور گشت کرتے رہے، مگر حملہ پھر بھی ہوا۔ اس کا انداز بھی گزشتہ رات جیسا تھا۔ لشکر کے سربراہوں کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے دو گشتی دستے سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی گھات میں آ گئے تھے اور مارے گئے ہیں۔ تیر اندازوں نے ٹیلوں سے آتشیں تیر چلائے اور غائب ہو گئے۔ سحر کا دھندلکا نکھرنے تک یہ شب خون جاری رہے۔ ان سے گزشتہ رات کی نسبت زیادہ نقصان ہوا۔

شام کو علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کو اپنے جاسوسوں کی لائی ہوئی یہ اطلاع دی کہ کل دن کے وقت سوڈانی لشکر اس انداز سے پیش قدمی کرے گا کہ شب خون مارنے والوں کا ٹھکانہ معلوم کر کے اسے ختم کیا جائے۔ سلطان ایوبی نے

اپنے قریب کچھ فوج رکھی تھی۔ اس نے رات کے وقت حملہ نہ کرایا۔ اسے معلوم تھا کہ اب دشمن چوکنا ہوگا۔ اگلے روز اس نے چار سو پیادہ سپاہی سوڈانیوں کے لشکر کے دائیں طرف نصف میل دور بھیج دیئے اور چار سو بائیں طرف۔ انہیں یہ ہدایت دی کہ وہ آگے کو چلتے جائیں۔ دونوں دستے جنگی ترتیب میں سوڈانیوں کے پہلو سے گزرے تو سوڈانیوں نے اس خطرے کے پیش نظر اپنے پہلو پھیلا دئے کہ یہ دستے پہلو پر یا عقب سے حملہ کریں گے۔ سلطان ایوبی کی ہدایت کے مطابق اُس کے کمان دار اپنے دستوں کو پرے ہٹاتے گئے۔ سوڈانی دھوکے میں آگئے۔ انہوں نے اپنے لشکر کو دائیں بائیں پھیلا دیا۔ اچانک سلطان ایوبی کے پانچ سو سواروں نے ٹیلوں کی اوٹ سے نکل کر سوڈانیوں کے وسط میں ہلہ بول دیا۔ یہاں ان کی اعلیٰ کمان تھی۔ گھوڑ سواروں کا یہ حملہ اچانک اور بے حد شدید تھا۔ سارے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ پہلوؤں سے پیادہ تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اس طرح صرف تیرہ سو نفری کی فوج نے کم وبیش چھ ہزار کے لشکر کو بھگدڑ میں مبتلا کر کے ایسی شکست دی کہ صحرا لاشوں سے اٹ گیا اور سوڈانی قید میں بھی آئے اور بھاگے بھی۔ بھاگنے والوں کی تعداد تھوڑی تھی۔

یہ سوڈانیوں کی دوسری بغاوت تھی جو سلطان ایوبی نے انہی کے خون میں ڈبو دی۔ اب کے سلطان ایوبی نے ڈپلومیسی سے کام نہیں لیا۔ اس نے جنگی قیدیوں سے معلومات حاصل کر کے ان تمام کمان داروں اور دیگر حکام کو قید میں ڈال دیا جو در پردہ بغاوت کی سازش میں شریک تھے۔ تخریب کاروں کی بھی نشاندہی ہوگئی۔ انہیں سزائے موت دی گئی۔ رجب جیسے نائب سالاروں کو ہمیشہ کے لیے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ سلطان ایوبی حیران اس پر ہوا کہ بعض ایسے حکام اس سازش میں شریک تھے، جنہیں وہ اپنا وفادار سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے معتمد سالاروں اور دیگر حکام سے کہہ دیا کہ مصر کے دفاع اور سلطنت کے استحکام کے لیے سوڈان پر حملہ اور قبضہ ضروری ہو گیا ہے۔

اس نے خلیفہ العاضد سے محافظ دستہ واپس لے کر اسے معزول کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اب مصر خلافت عباسیہ کے تحت ہے اور یہ بھی کہ خلافت کی گدی بغداد میں ہوگی۔ سلطان ایوبی نے اُمِ عرارہ کو آٹھ محافظوں کے ساتھ نورالدین زنگی کے حوالے کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

☆ ☆ ☆

لڑکی جو فلسطین سے آئی تھی

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے آہ بھری اور کہا............ ''قوم متحد ہو سکتی ہے اور ہو بھی جاتی ہے۔ قوم کا شیرازہ امراء اور حکام بکھیرا کرتے ہیں یا وہ خود ساختہ قائد جو امیر، وزیر یا حاکم بننا چاہتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے علی! مصر کے لوگوں کی زبان پر ہمارے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ غداری اور تخریب کاری صرف بڑے لوگ کر رہے ہیں۔ ان بڑے لوگوں کو میری ذات کے ساتھ کوئی عداوت نہیں۔ میں انہیں اس لیے برا لگتا ہوں کہ میں اسی گدی پر بیٹھ گیا ہوں جس کے وہ خواب دیکھ رہے تھے۔''

سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ علی بن سفیان اور بہاؤ شداد بیٹھے سن رہے تھے۔ وہ ستمبر کے پہلے ہفتے کی ایک شام تھی۔ جون اور جولائی میں سلطان ایوبی نے سوڈانیوں کی بغاوت کو کچلا اور اس کے فوراً بعد العاضد کو خلافت کی گدی سے ہٹایا تھا۔ اس سے پہلے اس نے سوڈانیوں کی بغاوت کو نہایت اچھی جنگی حکمت عملی سے دبا کر سوڈانی فوج توڑ دی تھی۔ مگر بغاوت کرنے والے کسی بھی قائد، کماندار یا عسکری کو سزا نہیں دی تھی۔ ڈپلومیسی سے کام لیا تھا۔ اس طرح اس کی جنگی اہمیت کی بھی دھاک بیٹھ گئی تھی اور ڈپلومیسی کی بھی۔ اب کے سوڈانیوں نے پھر سر اٹھایا تو سلطان ایوبی نے اس سر کو ہمیشہ کے لیے کچل دینے کے لیے پہلے تو میدان جنگ میں سوڈانیوں کی لاشوں کے انبار لگائے، پھر جو بھی پکڑا گیا، اس کے عہدے اور رتبے کا لحاظ کیے بغیر اسے انتہائی سزا دی۔ اکثریت کو تو جلاد کے حوالے کیا، باقی جو بچے انہیں لمبی قید میں ڈال دیا یا ملک بدر کر کے سوڈان کی طرف نکال دیا۔

''آج دو مہینے ہو گئے''............ سلطان ایوبی نے کہا............ ''میں سلطنت کے انتظام اور قوم کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ نہیں دے سکا۔ مجرم لائے جا رہے ہیں اور میں سوچ بچار کے بعد انہیں سزائے موت دیتا چلا جا رہا ہوں۔ یوں دل کو تکلیف ہو رہی ہے جیسے میں قتل عام کر رہا ہوں۔ میرے ہاتھوں مرنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔''

''محترم امیر!''............ بہاؤالدین شداد نے کہا۔ ''ایک کافر اور ایک مسلمان ایک ہی قسم کا گناہ کریں تو زیادہ سزا مسلمان کو ملنی چاہیے کیونکہ اس تک اللہ کے سچے دین کی روشنی پہنچی پھر بھی اس نے گناہ کیا۔ کافر تو عقل کا بھی اندھا ہے مذہب کا بھی اندھا۔ آپ اس پر غم نہ کریں کہ آپ نے مسلمانوں کو سزا دی ہے۔ وہ غدار تھے۔ سلطنت اسلامیہ کے باغی تھے، انہوں نے اسلام کا نام مٹی میں ملانے کے لیے کافروں سے اتحاد کیا۔''

''میرا اصل غم یہ ہے شداد!''............ سلطان ایوبی نے کہا............ ''کہ میں حکمران بن کے مصر نہیں آیا۔ اگر مجھے حکومت کرنے کا نشہ ہوتا تو مصر کی موجودہ فضا میرے لیے سازگار تھی۔ جنہیں صرف امارت کی گدی سے پیار ہوتا ہے، وہ سازشی ذہن کے حاکموں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ قوم کو کچھ دیئے بغیر لوگوں کو دلکش مگر جھوٹے رنگوں کی تصویریں دکھاتے رہتے ہیں۔ اپنے ذاتی عملے میں شیطانی خصلت کے افراد کو رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ماتحت حاکموں کو شہزادوں کا درجہ

دیئے رکھتے ہیں۔ اور خود شہنشاہ بن جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ سے یہ گدی لے لو لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرنا۔ میں جو مقصد لے کر گھر سے نکلا ہوں وہ مجھے پورا کر لینے دو۔ نورالدین زنگی نے ہزاروں جانوں کی قربانی دے کر اور دریائے نیل کو عرب کے مجاہدوں کے خون سے سرخ کر کے شام اور مصر کا اتحاد قائم کیا ہے۔ مجھے اس متحد سلطنت کو وسعت دینی ہے۔ سوڈان کو مصر میں شامل کرنا ہے۔ فلسطین کو صلیبیوں سے چھڑانا ہے۔ صلیبیوں کو یورپ کے وسط میں لے جا کر کسی گوشے میں گھٹنوں بٹھانا ہے اور مجھے یہ فتوحات اپنی حکمرانی کے لیے نہیں اللہ کی حکمرانی کے لیے حاصل کرنی ہیں مگر مصر میرے لیے دلدل بن گیا ہے۔ وہ کون سا گوشہ ہے جہاں سازش، بغاوت اور غداری نہیں۔''

''ان تمام سازشوں کے پیچھے صلیبی ہیں'' ....علی بن سفیان نے کہا۔ ....''میں حیران ہوں کہ وہ کس بے دردی سے اپنی جوان لڑکیوں کو بے حیائی کی تربیت دے کر ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ان لڑکیوں کی خوبصورتی کا اپنا جادو ہے، ان کا طلسم ان کی زبان میں ہے۔''

''زبان کا وار تلوار سے گہرا ہوتا ہے'' ....سلطان ایوبی نے کہا..........''وہ عقل جو تمہاری کمزوریوں کو بھانپ سکتی ہے علی! وہ اپنی زبان سے ایسے انداز سے اور ایسے موقع پر ایسے الفاظ کہلوائے گی کہ تم اپنی تلوار نیام میں ڈال کر دشمن کے قدموں میں رکھ دو گے۔ صلیبیوں کے پاس دو ہی تو ہتھیار ہیں، الفاظ اور حیوانی جذبہ جسے انسانی جذبے پر غالب کرنے کے لیے وہ اپنی جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ انہوں نے مسلمان امراء اور احکام کے دلوں سے مذہب تک نکال دیا ہے۔''

''صرف حکام نہیں امیر محترم!'' ....علی بن سفیان نے کہا..........''مصر کے عام لوگوں میں بھی بدکاری عام ہو گئی ہے۔ یہ صلیبیوں کا کمال ہے۔ دولت مند مسلمانوں کے گھروں میں بھی بے حیائی شروع ہو گئی ہے۔''

''یہی سب سے بڑا خطرہ ہے'' ....سلطان ایوبی نے کہا..........''میں صلیبیوں کے سارے لشکر کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور کیا ہے مگر میں ڈرتا ہوں کہ صلیبیوں کے اس وار کو نہیں روک سکوں گا اور جب میری نظریں مستقبل میں جھانکتی ہیں، تو میں کانپ اٹھتا ہوں۔ مسلمان برائے نام مسلمان رہ جائیں گے۔ ان میں بے حیائی صلیبیوں والی ہو گی اور ان کے تہذیب و تمدن پر صلیبی رنگ چڑھا ہوا ہو گا۔ میں مسلمانوں کی کمزوریاں جانتا ہوں۔ مسلمان اپنے دشمن کو نہیں پہچانتے۔ اس کے بچھائے ہوئے خوبصورت جال میں پھنس جاتے ہیں۔ میں صلیبیوں کی کمزوریاں جانتا ہوں وہ بے شک مسلمان کے خلاف متحد ہو گئے ہیں لیکن ان کے اندر سے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ فرانسیسی اور جرمن ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ برطانوی اور اطالوی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔ وہ مسلمان کو مشترک دشمن سمجھ کر اکٹھے ہیں لیکن ان میں عداوت کی حد تک اختلافات ہیں۔ ان کا شاہ آگسٹس دوغلا بادشاہ ہے۔ باقی بھی ایسے ہی ہیں مگر انہوں نے مسلمان امراء کو عورت کے حسن اور زر و جواہرات کی چمک دمک سے اندھا کر رکھا ہے۔ اگر مسلمان امراء متحد ہو جائیں تو صلیبی چند دنوں میں بکھر جائیں۔'' اب فاطمی خلافت کو ختم کر کے میں نے اپنے دشمنوں میں اضافہ کر لیا ہے۔ فاطمی اپنی گدی کی بحالی کے لئے سوڈانیوں اور صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔''

''ان کے شاعر کو کل سزائے موت دے دی گئی ہے'' ....علی بن سفیان نے کہا۔

''جس کا مجھے بہت افسوس ہے'' ....سلطان ایوبی نے کہا..........''عمارۃ الیمنی کی شاعری نے میرے

دل پر بھی گہرا اثر کیا تھا۔ مگر اس نے الفاظ اور ترنم کو چنگاریاں بنا کر اسلام کے خرمن کو جلانے کی کوشش کی ہے۔"

عمارۃ الیمنی اس دور کا مشہور شاعر تھا۔ اس دور میں اور اس سے پہلے بھی لوگ شاعروں کو پیروں اور پیغمبروں جتنا درجہ دیتے تھے۔ شاعر الفاظ اور ترنم سے فوجوں میں جذبے کی نئی روح پھونک دیا کرتے تھے۔ یہی درجہ اس مسلمان شاعر کو حاصل تھا۔ اس نے لوگوں میں جو مقام پیدا کر رکھا تھا، اسے اس نے اس طرح استعمال کرنا شروع کر دیا تھا کہ ایک طرف وہ لوگوں میں جہاد کا جذبہ پختہ کرتا تھا اور ساتھ ہی فاطمی خلافت کی عظمت کی دھاک لوگوں کے دلوں میں بٹھاتا تھا۔ اسے فاطمی خلافت کی اتنی پشت پناہی حاصل تھی کہ اس نے سلطان ایوبی کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے آخری اشعار یہ تھے......... "مجھے فاطمی خلافت کی محبت کا طعنہ دینے والو! مجھ پر لعنت بھیجو۔ میں تمہیں لعنت کے لائق سمجھتا ہوں......... فاطمی محلات کی ویرانی پر آنسو بہاؤ۔ ان میں رہنے والوں کو میرا پیغام دو کہ میں نے تمہارے لیے جو زخم کھائے ہیں وہ کبھی مندمل نہ ہوں گے۔"

اس کے گھر اچانک چھاپہ مارا گیا تھا۔ وہاں سے دستاویزی ثبوت ملا تھا کہ وہ صرف فاطمی خلافت کا ہی بہی خواہ نہیں بلکہ صلیبیوں کا وظیفہ خوار بھی ہے۔ صلیبی اسے اس مقصد کے لیے وظیفہ دیتے تھے کہ وہ مصریوں کے دلوں پر فاطمی خلافت کو غالب کرے اور سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پیدا کرتا رہے۔ اسے سزائے موت دے دی گئی تھی۔

"جس قوم کے شاعر بھی دشمن کے وظیفہ خوار ہوں، اس قوم کے لیے ذلت و رسوائی ہے"......... سلطان ایوبی نے کہا۔

دربان اندر آیا اور کہا کہ معزول خلیفہ العاضد کا قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی کے ماتھے کے شکن گہرے ہو گئے۔ اس نے کہا...... "خلافت کے سوا یہ بوڑھا مجھ سے اور کیا مانگ سکتا ہے"...... دربان سے کہا...... "اسے اندر بھیج دو۔"

العاضد کا قاصد اندر آیا اور کہا......... "خلیفہ کا سلام پیش کرتا ہوں۔"

"وہ خلیفہ نہیں ہے"...... سلطان ایوبی نے کہا......... "دو مہینے ہو گئے ہیں اسے معزول ہوئے۔ وہ اپنے محل میں قید ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں قابل صد احترام امیر!"......... قاصد نے کہا......... "عادت کے تحت منہ سے نکل گیا ہے۔ العاضد نے بعد از سلام کہا ہے کہ بیماری نے بستر پر ڈال دیا ہے اٹھنا محال ہے۔ ملنے کی خواہش ہے۔ اگر امیر محترم تشریف لا سکیں تو احسان ہوگا۔"

سلطان ایوبی نے بے قراری سے اپنی ران پر ہاتھ مارا اور کہا......... "وہ مجھے بلا رہا ہے کیونکہ وہ ابھی تک اپنے آپ کو خلیفہ سمجھتا ہے۔"

"نہیں امیر مصر!"......... قاصد نے کہا......... "ان کی حالت بہت خراب ہے۔ محل کے طبیب نے خطرے کا اظہار کیا ہے۔ یہ ان کا دیرینہ مرض ہے جو غم اور غصے میں تیز ہو جاتا ہے، اب تو وہ اٹھنے سے معذور ہو گئے ہیں"...... قاصد نے ذرا جھک کر کہا......... "انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ اکیلے تشریف لائیں۔ راز کی دو چار باتیں ہیں جو کسی دوسرے کے سامنے نہیں کی جا سکتیں۔"

"انہیں بعد از سلام کہنا صلاح الدین ایوبی راز کی سب باتیں جانتا ہے"......... سلطان ایوبی نے کہا......... "اب راز کی باتیں خدا سے کہنا۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔"

قاصد مایوس ہو کر چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے دربان کو بلا کر کہا کہ طبیب کو بلاؤ۔ اس نے علی بن سفیان اور بہاؤ الدین شداد سے کہا..........''اس نے مجھے اکیلا آنے کو کہا ہے۔ کیا اس میں کوئی چال نہیں؟ کیا میرا خدشہ غلط ہے کہ مجھے محل میں بلا کر میرا کام تمام کرنا چاہتا ہے؟ اسے مجھ پر او چھاوار کرنا چاہیے۔ اسے حق حاصل ہے۔''

''آپ نے اچھا کیا نہیں گئے''..........شداد نے کہا اور علی بن سفیان نے تائید کی۔

طبیب آ گیا تو سلطان ایوبی نے اسے کہا..........''آپ العاضد کے پاس چلے جائیں۔ میں جانتا ہوں وہ بہت مدت سے بیمار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طبیب مایوس ہو گیا ہے۔ آپ جا کر دیکھیں اور اس کا علاج کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بیمار نہ ہو اگر ایسا ہے تو مجھے بتائیں۔''

☆

سابق خلیفہ العاضد کو اسی محل میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی جو اس کی خلافت کی گدی تھی۔ اس محل کو اس نے جنت بنا رکھا تھا۔ حرم دیس دیس کی خوبصورت عورتوں سے پر رونق تھا۔ لونڈیوں کا ہجوم الگ تھا۔ سینکڑوں محافظوں کا دستہ مستعد رہتا تھا۔ فوجی کمانڈر حاضری میں کھڑے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے لائے ہوئے انقلاب نے اس محل کی دنیا ہی بدل ڈالی تھی۔ خلیفہ اب خلیفہ نہیں تھا۔ محل میں عیش و عشرت کا تمام سامان جوں کا توں رہنے دیا گیا، فوجی کمانڈروں اور محافظ دستے کو وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ فوج کا ایک دستہ اب بھی وہاں نظر آتا تھا۔ مگر یہ العاضد کا محافظ نہیں پہرہ دار تھا۔ خلافت کا محل چونکہ سازشوں کا مرکز تھا اس لیے وہاں اب پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ العاضد اب اپنے محل میں قیدی تھا۔ وہ بوڑھا تھا اور دل کے مرض کا مریض تھا۔ خلافت چھن جانے کا غم، بڑھاپا، شراب اور عیش و عشرت نے اسے بستر پر ڈال دیا تھا۔

چند دنوں میں وہ لاش کی مانند ہو گیا تھا۔ اس کی تیمارداری کے لیے دو ادھیڑ عمر عورتیں اور ایک خادم اس کے کمرے میں موجود تھا۔ العاضد آنکھ کھولتا، انہیں دیکھتا اور آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ محل کا طبیب اسے دوائی پلا گیا تھا۔ دو جوان لڑکیاں کمرے میں آئیں۔ یہ العاضد کے حرم کی رونق تھیں۔ ان میں سے ایک نے خلیفہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر جھک کر صحت کا حال احوال پوچھا۔ دوسری نے العاضد کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسے صحت یابی کی دعا دی۔ دونوں لڑکیوں نے ایک دوسری کی آنکھوں میں دیکھا اور ایک نے کہا..........''آپ آرام فرمائیں۔ ہم آپ کو بے آرام نہیں کریں گی''..........دوسری نے کہا..........''ہم ہر وقت ساتھ والے کمرے میں موجود رہتی ہیں۔ بلا لیا کریں۔'' اور دونوں کمرے سے نکل گئیں۔

العاضد نے کراہ کر لمبی آہ بھری اور اپنے پاس کھڑی ادھیڑ عمر عورتوں سے کہا..........''یہ دونوں لڑکیاں میری تیمارداری کے لیے نہیں آتی تھیں۔ یہ دیکھنے آئی تھیں کہ میں کب مر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں انہوں نے اپنی دوستیاں لگا رکھی ہیں۔ یہ گدھ ہیں۔ میرے مرنے کا انتظار کر رہی ہیں۔ ان کی نظر میرے مال اور دولت پر ہے۔ تم تینوں کے سوا یہاں میرا ہمدرد کون ہے؟..........کوئی نہیں۔ کوئی بھی نہیں۔ فاطمی خلافت کے نعرے لگانے والے کہاں گئے!''۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا اور کروٹ بدل لی۔ وہ تکلیف میں تھا۔

اتنے میں قاصد کمرے میں آیا اور کہا..........''امیر مصر نے آنے سے انکار کر دیا ہے۔''

''اوہ بدنصیب صلاح الدین!''..........العاضد نے کراہنے والے لہجے میں کہا..........''میرے مرنے سے پہلے ایک بار تو آ جاتا''..........صدمے نے اس کی تکلیف میں اضافہ کر دیا۔ اس نے نحیف آواز میں رک رک کر

کہا.........."اب تو میری لونڈیاں بھی میرے بلانے پر نہیں آتیں۔ امیر مصر کیوں آئے گا.......... مجھے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ میرے خون کے رشتے بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ ان میں سے بھی کوئی نہیں آیا۔ وہ میرے جنازے پر آئیں گے اور محل میں جو ہاتھ لگا اٹھا کر چلے جائیں گے۔"

وہ کچھ دیر کراہتا رہا۔ دونوں تیماردار عورتیں پریشانی کے عالم میں اس کی باتیں سنتی رہیں۔ ان کے پاس تسلی اور حوصلہ افزائی کے لیے بھی جیسے کوئی الفاظ نہیں رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف سا طاری تھا جیسے وہ خدا کے اس قہر سے ڈر رہی تھیں۔ جو بادشاہ کو گدا اور امیر کو فقیر بنا دیتا ہے۔

دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک سفید ریش بزرگ کھڑا تھا۔ وہ ذرا رک کر اندر آیا اور العاضد کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کہا.........."اسلام وعلیکم۔ میں امیر مصر کا طبیب خاص ہوں۔ انہوں نے مجھے آپ کے علاج کے لیے بھیجا ہے۔"

"کیا امیر مصر میں اتنی سی بھی مروت نہیں رہی کہ آکے مجھے دیکھ جاتا؟".........العاضد نے کہا.........."میرے بلانے پر بھی نہ آیا۔"

"اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" طبیب نے کہا.........."انہوں نے مجھے آپ کے علاج کے لیے بھیجا ہے۔ میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ اتنے بڑے واقعہ کے بعد جس میں باقاعدہ جنگ ہوئی اور ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں، امیر مصر شاید یہاں نہیں آئیں گے۔ انہیں آپ کی صحت کا فکر ضرور ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے آپ کے علاج کا حکم نہ دیتے۔ اس حالت میں آپ ایسی کوئی بات ذہن میں نہ لائیں جو آپ کے دل کو تکلیف دیتی ہے ورنہ علاج نہیں ہو سکے گا۔"

"میرا علاج ہو چکا".........العاضد نے کہا.........."میرا ایک پیغام غور سے سن لو۔ صلاح الدین کو لفظ بہ لفظ پہنچا دینا۔ میری نبض سے ہاتھ ہٹا لو۔ میں اب دنیا کی حکمت اور تمہاری دوائیوں سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔ سنو طبیب! صلاح الدین سے کہنا کہ میں تمہارا دشمن نہ تھا۔ میں تمہارے دشمنوں کے جال میں آ گیا تھا۔ یہ بدقسمتی میری ہے یا صلاح الدین کی کہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف اس وقت کر رہا ہوں۔ جب میں ایک گھڑی کا مہمان ہوں .... صلاح الدین سے کہنا کہ میرے دل میں ہمیشہ تمہاری محبت رہی ہے اور تمہاری محبت کو ہی دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے زر و جواہرات اور حکمرانی کی محبت بھی اپنے دل میں پیدا کر لی۔ جو اسلام کے احترام پر غالب آ گئی۔ آج سب نشے اتر گئے ہیں۔ وہ لوگ جو میرے پاؤں میں بیٹھا کرتے تھے، وہ بیگانے ہو گئے ہیں۔ وہ لونڈیاں بھی میرے مرنے کی منتظر ہیں جو میرے اشاروں پر ناچا کرتی تھیں۔ میرے دربار میں عریاں رقص کرنے والی لڑکیاں مجھے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں.......... انسان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انسانوں کی باتوں میں آکر خدا کو بھول جاتا ہے اور یہ بھی بھول ہی جاتا ہے کہ اسے خدا کے پاس جانا ہے جہاں کوئی انسان کسی انسان کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ان کمبختوں نے مجھے خدا بنا ڈالا مگر آج جب حقیقی خدا کا بلاوا آیا ہے تو مجھ پر حقیقت روشن ہوئی ہے......

"میں نے اس کو نجات کا ذریعہ سمجھا ہے کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لوں اور صلاح الدین کو ایسے خطروں سے خبردار کر جاؤں جن سے وہ شاید واقف نہیں۔ اسے کہنا کہ میرے محافظ دستے کا سالار رجب زندہ ہے اور سوڈان میں کہیں روپوش ہے۔ وہ مجھے بتا کر گیا تھا کہ فاطمی خلافت کی بحالی کے لیے وہ سوڈانیوں اور قابل اعتماد مصریوں کی فوج تیار کرے گا

اور وہ صلیبیوں سے جنگی اور مالی امداد لے گا..........صلاح الدین سے کہنا کہ اپنے محافظ دستے پر نظر رکھے، اکیلا باہر نہ نکلے۔ رات کو زیادہ محتاط رہے کیونکہ رجب نے فدائیوں کے ساتھ ایوبی کے قتل کا منصبہ بنالیا ہے۔ اسے کہنا کہ مصر تمہارے لیے آگ اگلنے والا پہاڑ ہے۔ تم جنہیں دوست سمجھتے ہوئے وہ بھی تمہارے دشمن ہیں اور وہ جو تمہاری آواز کے ساتھ آواز ملا کر وسیع سلطنت اسلامیہ کے نعرے لگاتے ہیں، ان میں صلیبیوں کے پالے ہوئے سانپ موجود ہیں..........

''تمہارے جنگی شعبے میں فیض الفاطمی بڑا حاکم ہے مگر تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے مخالفین میں سے ہے۔ وہ رجب کا دست راست ہے۔ تمہاری فوج میں ترک، شامی اور دوسرے عربی نسل کے جو کماندار اور سپاہی ہیں ان کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ یہ سب تمہارے وفادار اور اسلام کے محافظ ہیں۔ مصری فوجیوں میں قابل اعتماد بھی ہیں اور بے وفا بھی۔ تم نہیں جانتے کہ تم نے جب سوڈانی لشکر پر فیصلہ کن حملہ کیا تھا تو حملہ آور دستوں میں دو دستوں کے کماندار تمہاری چال کو ناکام کرنے کے لیے تمہاری ہدایات اور احکام پر غلط عمل کرنا چاہتے تھے لیکن تمہارے ترک اور عرب سپاہیوں میں جوش اور جذبہ ایسا تھا کہ اپنے کمانداروں کے حکم کا انتظار کیے بغیر وہ سوڈانیوں پر قہر بن کر ٹوٹے، ورنہ یہ دو کماندار جنگ کا پانسہ پلٹ کر تمہیں ناکام کر دیتے۔''

العاضد مری مری آواز میں رک رک کر بولتا رہا۔ طبیب نے اسے ایک دو مرتبہ بولنے سے روکا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کرادیا۔ اس کے چہرے پر پسینہ اس طرح آگیا تھا جیسے کسی نے پانی چھڑک دیا ہو۔ دونوں عورتوں نے اس کا پسینہ پونچھا لیکن پسینہ چشمے کی طرح پھوٹتا آرہا تھا۔ اس نے چند ایک اور انتظامیہ اور فوج کے حکام کے نام بتائے جو سلطان ایوبی کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک فدائی تھے جن کا پیشہ پر اسرار قتل تھا۔ وہ اس فن کے ماہر تھے۔ العاضد نے مصر میں صلیبیوں کے اثر و رسوخ کی بھی تفصیل سنائی اور کہا.......... ''انہیں مسلمان نہ سمجھنا۔ یہ ایمان فروخت کر چکے ہیں..........صلاح الدین سے کہنا کہ اللہ تمہیں کامیاب کرے اور سرخرو کرے، لیکن یہ یاد رکھنا کہ ایک تو وہ لوگ ہیں جو چوری چھپے دھوکہ تمہیں دھوکہ دے رہے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو خوشامد سے تمہیں خدا کے بعد کا درجہ دے دیں گے۔ یہ ان لوگوں سے زیادہ خطرناک ہیں جو چوری چھپے دھوکہ دیتے ہیں..........اسے کہنا کہ دشمنوں کو زیر کر کے جب تم اطمینان سے حکومت کی گدی پر بیٹھو گے تو میری طرح دونوں جہان کے بادشاہ نہ بن جانا۔ سدا بادشاہی اللہ کی ہے۔ اسی مصر میں فرعونوں کے کھنڈر دیکھ لو۔ میرا انجام دیکھ لو۔ اپنے آپ کو اس انجام سے بچانا۔''..........

اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ اس کے چہرے پر جہاں کرب کا تاثر تھا۔ وہاں سکون سا بھی نظر آنے لگا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی مگر حلق سے خراٹے سے نکلے۔ اس کا سر ایک طرف لڑھک گیا اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ یہ واقعہ ستمبر ۱۱۷۱ء کا ہے۔

طبیب نے سلطان ایوبی کو اطلاع بھجوائی۔ محل میں العاضد کی موت کی خبر پھیل گئی۔ محل کے کسی کونے سے رونا تو دور کی بات ہے ہلکی سی سسکی بھی نہ سنائی دی۔ صرف ان دو عورتوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔ جو آخری وقت اس کے پاس تھیں..........سلطان ایوبی چند ایک حکام کے ساتھ فوراً محل میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں برآمدوں اور غلام گردشوں میں کچھ سرگرمی سی تھی۔ اسے شک ہوا۔ اس نے محافظ دستے کے کماندار کو بلا کر حکم دیا کہ محل کے تمام کمروں میں گھوم جاؤ۔ تمام مردوں، عورتوں اور لڑکیوں کو کمروں سے نکال کر باہر صحن میں بٹھا دو اور کسی کو باہر نہ جانے دو۔ کسی کو کیسی ہی ضرورت کیوں

نہ ہو اصطبل سے کوئی گھوڑا نہ کھولے۔ سلطان ایوبی نے محل پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ اس نے عجیب چیز یہ دیکھی کہ العاضد جو اپنے آپ کو بادشاہ بنائے بیٹھا تھا اور جس نے عورت اور شراب کو ہی زندگی جانا تھا، اس کی میت پر رونے والا کوئی نہ تھا۔ محل مردوں اور عورتوں سے بھرا پڑا تھا۔ مگر کسی کے چہرے پر اداسی کا تاثر بھی نہیں تھا۔

طبیب سلطان ایوبی کو الگ لے گیا اور اسے العاضد کی آخری باتیں سنائیں۔ اس نے اپنی رائے ان الفاظ میں دی کہ آپ کو آخری وقت میں اس کے بلاوے پر آ جانا چاہیے تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے بتایا کہ وہ اس خدشے کے پیش نظر نہیں آیا کہ اس شخص کا کچھ بھروسہ نہ تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسے ایمان فروشوں سے نفرت تھی مگر اب طبیب کی زبانی العاضد کا آخری پیغام سن کر سلطان ایوبی کو سخت پچھتاوا ہونے لگا۔ وہ بہت بے چین ہو گیا اور اس نے کہا........... ''اگر میں آ جاتا تو اس کے منہ سے کچھ اور راز کی باتیں نکلوا لیتا۔ وہ کوئی راز سینے میں نہ لے گیا ہو۔''

متعدد مورخین نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ العاضد بے شک عیاش اور گمراہ تھا، اس نے سلطان ایوبی کے خلاف سازشوں کی پشت پناہی بھی کی لیکن اس کے دل میں سلطان ایوبی کی محبت بہت تھی۔ دو مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر سلطان ایوبی العاضد کے بلاوے پر چلا جاتا تو العاضد اسے اور بھی بہت سی باتیں بتاتا۔ بہر حال تاریخ ثابت کرتی ہے کہ العاضد کے بلاوے میں کوئی فریب نہیں تھا۔ اس نے اپنی روح کی نجات کے لیے اور سلطان ایوبی کی محبت کے لیے گناہوں کی بخشش مانگنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ بہت مدت تک سلطان ایوبی تاسف میں رہا کہ وہ آخری وقت العاضد کی باتیں نہ سن سکا۔ بعد میں ان تمام افراد کے خلاف الزامات صحیح ثابت ہوئے تھے جن کی العاضد نے نشاندہی کی تھی۔

سلطان ایوبی نے ان تمام افراد کے نام علی بن سفیان کو دے کر حکم دیا کہ ان سب کے ساتھ اپنے جاسوس اور سراغرساں لگا دو لیکن کسی کو مکمل شہادت اور ثبوت کے بغیر گرفتار نہ کرنا۔ ایسے طریقے اختیار کرو کہ وہ عین موقعہ پر پکڑے جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے ساتھ بے انصافی ہو جائے۔ یہ احکام دے کر اس نے تجہیز و تکفین کے انتظامات کرائے۔ اسی شام العاضد عام قبرستان میں دفن کر دیا گیا جہاں تھوڑے ہی عرصے بعد قبر کا نام و نشان مٹ گیا۔ سلطان ایوبی نے محل کی تلاشی لی۔ وہاں سے اس قدر سونا، جواہرات اور بیش قیمت تحائف نکلے کہ سلطان ایوبی حیران رہ گیا۔ اس نے حرم کی تمام عورتوں اور جوان لڑکیوں کو علی بن سفیان کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ معلوم کرو کون کہاں کی رہنے والی ہے۔ ان میں سے جو اپنے گھروں کو جانا چاہتی ہیں انہیں اپنی نگرانی میں گھروں تک پہنچا دو اور ان میں جو غیر مسلم اور فرنگی ہیں ان کے متعلق پوری طرح چھان بین کر کے معلوم کرو کہ وہ کہاں سے آئی تھیں اور ان میں مشتبہ کون کون سی ہے۔ مشتبہ کو آزاد نہ کیا جائے بلکہ اس سے معلومات حاصل کی جائیں۔

سلطان ایوبی نے محل سے برآمد ہونے والا مال و دولت ان تعلیمی اداروں، مدرسوں اور ہسپتالوں میں تقسیم کر دیا جو اس نے مصر میں کھولے تھے۔

☆

العاضد نے مرنے سے پہلے اپنے محافظ دستے کے سالار رجب کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سوڈان میں روپوش ہے جہاں وہ سلطان ایوبی کے خلاف فوج تیار کر رہا ہے اور وہ صلیبیوں سے بھی مدد لے گا۔ علی بن سفیان نے چھ ایسے جانباز منتخب کیے جو اعلیٰ جاسوس تھے۔ ان کو کیا مدار رجب کو پہچانتا تھا۔ انہیں تاجروں کے بھیس میں سوڈان روانہ کر دیا گیا۔ انہیں سمجھا دیا گیا تھا کہ ممکن ہو سکے تو اسے زندہ پکڑ لائیں ورنہ وہیں قتل کر دیں۔

جس وقت یہ پارٹی سوڈان کو روانہ ہوئی اس وقت رجب سوڈان میں نہیں بلکہ فلسطین کے ایک مشہور اور مضبوط قلعے، شوبک میں تھا۔ فلسطین پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ انہوں نے اس خطے کو اڈہ بنا لیا تھا۔ مسلمانوں پر انہوں نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ مسلمان وہاں سے کنبہ در کنبہ بھاگ رہے تھے۔ وہاں کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ صلیبی ڈاکوؤں کی صورت بھی اختیار کرتے جا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ کر فلسطین میں آجاتے تھے۔ لڑکیوں کو بھی اغوا کر لاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان ایوبی سب سے پہلے فلسطین کو تہ تیغ کرنا چاہتا تھا تاکہ مسلمانوں کے جان و مال اور آبرو کو محفوظ کیا جا سکے۔ اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ قبلہ اول پر بھی صلیبی قابض تھے، مگر مسلمان امراء کا یہ عالم تھا کہ وہ صلیبیوں کے ساتھ دوستی کرتے پھرتے تھے۔ رجب بھی ایک مسلمان فوجی سربراہ تھا۔ وہ سلطان کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لیے صلیبیوں کے پاس پہنچ گیا تھا۔

اس کے اعزاز میں قلعے میں رقص کی محفل گرم کی گئی تھی۔ رجب نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ برہنہ ناچ ناچنے والیوں میں زیادہ تعداد مسلمان لڑکیوں کی تھی جنہیں صلیبیوں نے کمسنی میں اغوا کر لیا اور رقص کی تربیت دی تھی۔ اپنی قوم کی بیٹیوں کو وہ کافروں کے قبضے میں ناچتا دیکھتا رہا اور ان کے ہاتھوں شراب پیتا رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو مسلمان کمانڈار بھی تھے۔ رات بھر وہ شراب اور رقص میں بدمست رہے اور صبح صلیبیوں کے ساتھ بات چیت کے لیے بیٹھے۔ اس اجلاس میں صلیبیوں کے مشہور بادشاہ گائی لوزینان اور کونارڈ موجود تھے۔ ان کے علاوہ چند ایک صلیبی فوج کے کمانڈر بھی تھے۔ رات کو رجب انہیں بتا چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے سوڈانیوں کے حبشی قبیلے کے معبد کو مسمار کر کے ان کے پروہت کو ہلاک کروا دیا ہے۔ اس پر سوڈانیوں نے حملہ کیا جسے صلاح الدین نے پسپا کیا اور اس نے خلیفہ العاضد کی خلافت ختم کر کے عباسیہ کا اعلان کر دیا ہے مگر مصر میں کوئی خلیفہ نہیں رہے گا۔ رجب نے انہیں بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطان ایوبی مصر کا خود مختار حکمران بننا چاہتا ہے۔ رجب نے صلیبیوں کو اس اجلاس میں بتایا کہ وہ ان سے جنگی اور مالی مدد لینے آیا ہے۔ اور وہ سوڈان جا کر فوج تیار کرے گا۔ مصر میں بدنظمی اور ابتری پھیلانے کے لیے بھی اس نے صلیبیوں سے مدد مانگی۔

''فوری طور پر دو پہلو سامنے آتے ہیں جن پر ہمیں توجہ مرکوز کرنی چاہیے''...........کونارڈ نے کہا..........''جس حبشی قبیلے کے مذہب میں صلاح الدین نے ظالمانہ دخل اندازی کی ہے اسے انتقام کے لیے بھڑکایا جائے۔ اس کے ساتھ سارے سوڈان میں جتنے بھی عقیدے اور مذہب ہیں ان کے پیروکاروں کو صلاح الدین کے خلاف یہ کہہ کر مشتعل کیا جائے کہ یہ مسلمان بادشاہ لوگوں کی عبادت گاہیں اور ان کے دیوتاؤں کے بت توڑتا پھر رہا ہے۔ پیشتر اس کے کہ وہ کسی اور عقیدے پر حملہ آور ہو اسے مصر میں ہی ختم کر دیا جائے۔ اس طرح لوگوں کے مذہبی جذبات مشتعل کر کے انہیں مصر پر حملے کے لیے آسانی سے تیار کیا جا سکتا ہے۔''

''ہم مصر کے مسلمانوں تک کو صلاح الدین کے خلاف کھڑا کر سکتے ہیں''..........ایک صلیبی کمانڈر نے کہا..........''اگر محترم رجب برا نہ مانیں تو میں انہی کے فائدے کی بات کہہ دوں۔ مسلمان میں مذہبی جنون پیدا کر کے مسلمان کو مسلمان کے ہاتھوں مروا دینا کوئی مشکل نہیں۔ جس طرح ہمارے مذہب میں بعض پادریوں نے اپنے آپ کو گرجوں کا حاکم بنا کر اپنا وجود انسان اور خدا کے درمیان کھڑا کر دیا ہے، بالکل اسی طرح اسلام میں بھی بعض اماموں نے مسجد پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو خدا کا ایجنٹ بنا لیا ہے۔ ہمارے پاس دولت ہے جس کے زور پر ہم مسلمان مولوی تیار کر کے مصر کی مسجدوں میں بٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اپنے عیسائی بھی موجود ہیں جو اسلام اور قرآن سے بڑی اچھی طرح

واقف ہیں۔ انہیں ہم مسلمان اماموں کے روپ میں استعمال کریں گے۔ صلاح الدین کے خلاف کسی مسجد میں کوئی بات کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان مولویوں کی زبان سے ہم مسلمانوں میں ایسی توہم پرستی پیدا کریں گے کہ ان کے دلوں میں صلاح الدین کی وہ عظمت مٹ جائے گی جو اس نے پیدا کر رکھی ہے۔"

"یہ مہم فوراً شروع کر دینی چاہیے"............ رجب نے کہا............"سلطان ایوبی نے مصر میں مدرسے کھول دیئے ہیں جہاں بچوں اور نوجوانوں کو مذہب کے صحیح رخ سے روشناس کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے وہاں کوئی ایسا مدرسہ نہیں تھا۔ لوگ مسجد میں خطبے سنتے تھے، جن میں خلیفہ کی مدح سرائی زیادہ ہوتی تھی۔ صلاح الدین نے خطبوں سے خلیفہ کا ذکر ختم کرا دیا ہے۔ اگر لوگوں میں علم کی روشنی اور ذہنی بیداری پیدا ہوگئی تو ہمارا کام مشکل ہو جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ حکومت کے استحکام کے لیے لوگوں کو ذہنی طور پر پسماندہ اور جسمانی طور پر محتاج رکھنا لازمی ہے۔"

"محترم رجب!"............ ایک صلیبی کمانڈر مسکرا کر بولا............"آپ کو اپنے ملک کے متعلق بھی علم نہیں کہ وہاں در پردہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم نے یہ مہم اسی روز شروع کر دی تھی جس روز صلاح الدین نے ہمیں بحیرہ روم میں شکست دی تھی۔ ہم کھلی تخریب کاری کے قائل نہیں۔ ہم ذہنوں میں تخریب کاری کیا کرتے ہیں۔ ذرا غور کریں محترم! دو سال پہلے قاہرہ میں کتنے قحبہ خانے تھے اور اب کتنے ہیں؟ کیا ان میں بے پناہ اضافہ نہیں ہوگیا؟ کیا دولتمند مسلمان گھرانوں میں لڑکوں اور لڑکیوں میں قابل اعتراض معاشقے شروع نہیں ہو گئے؟ ہم نے وہاں جو عیسائی لڑکیاں بھیجی تھیں وہ مسلمان لڑکیوں کے روپ میں مسلمان مردوں کے درمیان رقابت پیدا کر کے خون خرابے کرا چکی ہیں۔ قاہرہ میں ہم نے نہایت دلکش جواء بازی رائج کر دی ہے دو مسجدوں میں ہمارے بھیجے ہوئے آدمی امام ہیں۔ وہ نہایت خوبی سے اسلام کی شکل و صورت بگاڑ رہے ہیں۔ وہ جہاد کے معنی بگاڑ رہے ہیں۔ ہم نے وہاں عالموں اور فاضلوں کے بھیس میں بھی کچھ آدمی بھیج رکھے ہیں جو مسلمانوں کو جنگ و جدل کے خلاف تیار کر رہے ہیں۔ وہ دوست اور دشمن کا تصور بھی بدل رہے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر یہ توقع ہے کہ مسلمان چند برسوں تک اس ذہنی کیفیت میں داخل ہو جائیں گے جہاں وہ اپنے آپ کو بڑے فخر سے مسلمان کہیں گے مگر ان کے ذہنوں پر ان کے تہذیب و تمدن پر صلیب کا اثر ہوگا۔"

"صلاح الدین کا جاسوسی کا نظام بہت ہوشیار ہے"............ رجب نے کہا............"اگر اس کے شعبہ جاسوس اور سراغرسانی کے سربراہ علی بن سفیان کو قتل کر دیا جائے تو صلاح الدین اندھا اور بہرہ ہو جائے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود کچھ بھی نہیں کر سکتے"............ کونارڈ نے کہا............"آپ ایک حاکم کو قتل بھی نہیں کرا سکتے۔ اگر آپ عقل کے لحاظ سے اتنے کمزور ہیں تو آپ ہمارے آدمیوں کو بھی پکڑوا کر مروائیں گے۔ اور ہماری دولت بھی برباد کر دیں گے۔"

"یہ کام میں خود کرالوں گا"............ رجب نے کہا............"میں نے فدائیوں سے بات کر لی ہے۔ وہ تو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے بھی تیار ہیں۔"

☆

"............ آپ سوڈان کی طرف سے مصر کی سرحد پر بدامنی پیدا کرتے رہیں۔" کونارڈ نے کہا............"ملک کے اندر ہم ذہنی اور دیگر اقسام کی تخریب کاری کرتے رہیں گے۔ ادھر عرب میں کئی ایک مسلمان امراء ہمارے قبضے میں آگئے ہیں۔ ان میں کئی ایک کو ہم نے اس قدر بے بس کر دیا ہے کہ ان سے ہم جزیہ وصول کرتے ہیں۔ ہم چھوٹے چھوٹے حملے کر کے

ان کی تھوڑی تھوڑی زمین پر قبضہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ سوڈان کی طرف سے بھی چال چلیں۔ مسلمانوں میں صرف دو شخص رہ گئے ہیں۔ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی۔ ان کے ختم ہوتے ہی اسلامی دنیا کا سورج غروب ہو جائے گا۔ بشرطیکہ آپ لوگ ثابت قدم رہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مصر آپ کا ہوگا۔"

اس قسم کی بنیادی گفت و شنید کے بعد بہت دیر تک ان میں طریقہ کار اور لائحہ عمل پر بحث ہوتی رہی۔ آخر کار رجب کو تین بڑی ہی دلکش اور بے حد چالاک لڑکیاں اور سونے کے ہزار ہا سکے دیئے گئے۔ اسے قاہرہ کے دو آدمیوں کے پتے دیئے گئے۔ ان میں سے کسی ایک تک ان لڑکیوں کو خفیہ طریقے سے پہنچانا تھا۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک سلطان ایوبی کے جنگی شعبے کا ایک حاکم فیض الفاطمی تھا۔ رجب کو یہ نہیں بتایا گیا کہ لڑکیوں کو کس طرح استعمال کیا جائے گا۔ اسے اتنا ہی بتایا گیا کہ فیض الفاطمی کے ساتھ ان کا رابطہ ہے۔ وہ لڑکیوں کا استعمال جانتا ہے اور لڑکیوں کو بھی معلوم ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ یہ تینوں عرب اور مصر کی زبان روانی سے بول سکتی تھیں۔

اسی روز تینوں لڑکیاں اور دس محافظ رجب کے ساتھ کر کے اسے روانہ کر دیا گیا۔ اسے سب سے پہلے سوڈان کے اسی پہاڑی خطے میں جانا تھا جہاں لڑکی کی قربانی دی جاتی تھی اور جہاں سلطان ایوبی کے جانبازوں نے ام عرارہ کو حبشیوں سے چھڑا کر پروہت کو ہلاک کیا اور فرعونوں کے وقتوں کی عمارتیں تباہ کی تھیں۔ رجب نے سوڈانیوں کی شکست اور العاضد کی خلافت سے معزولی کے بعد بھاگ کر اسی جگہ پناہ لی اور اسی جگہ کو اپنا اڈہ بنا لیا تھا۔ اس نے اپنے گرد حبشیوں کا وہ قبیلہ جمع کر لیا تھا جس کے پروہت کو سلطان ایوبی نے ہلاک کرایا تھا۔ یہ لوگ ابھی تک اس جگہ کو دیوتاؤں کا مسکن کہتے تھے اور پہاڑیوں کے اندر نہیں جاتے تھے۔ اندر صرف چار بوڑھے حبشی جاتے تھے۔ ان میں ایک اس قبیلے کا مذہبی پیشوا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مرے ہوئے پروہت کا جانشین بنا لیا تھا۔ اس نے تین آدمی اپنے محافظوں کے طور پر منتخب کر لیے تھے۔ جو اس کے ساتھ پہاڑیوں کے اندر جاتے تھے۔ رجب نے اسی چھوٹے سے خطے کے ایک ڈھکے چھپے گوشے کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ فرار ہو کر وہ وہاں گیا۔ اور پھر مصر میں مقیم کسی صلیبی ایجنٹ کے ساتھ فلسطین چلا گیا تھا۔

☆

حبشیوں کا یہ قبیلہ جو انگوک کہلاتا تھا، خوفزدہ تھا۔ ایک تو ان کے دیوتا کی قربانی پوری نہ ہوئی، دوسرے ان کا پروہت مارا گیا، تیسرے ان کے دیوتا کا بت اور مسکن ہی تباہ کر دیا گیا اور چوتھی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ قبیلے کے سینکڑوں جوان دیوتا کی توہین کا انتقام لینے گئے تو انہیں شکست ہوئی اور زیادہ تر مارے گئے۔ اس قبیلے کے گھر گھر میں ماتم ہو رہا تھا۔ ان میں سے بعض لوگ یہ بھی سوچنے لگے تھے کہ جس نے ان کے دیوتا کا بت توڑا ہے وہ کوئی بہت بڑا دیوتا ہوگا۔ مرے ہوئے پروہت کے جانشین نے جب اپنے قبیلے کا یہ حال دیکھا تو اس نے پہلے تو یہ کہا کہ دیوتا کے مگرمچھ بھوکے ہیں، ان کے پیٹ بھرو۔ حبشیوں نے کئی ایک بکریاں مگرمچھوں کے لیے بھیج دیں۔ ایک نے تو اونٹ پروہت کے حوالے کر دیا۔ یہ جانور کئی دنوں تک مگرمچھوں کی جھیل میں پھینکے جاتے رہے مگر قبیلے سے خوف کم نہ ہوا۔

ایک رات سے پروہت نے قبیلے کو پہاڑی جگہ سے باہر جمع کیا اور بتایا کہ اس نے دیوتاؤں تک رسائی حاصل کی ہے۔ دیوتاؤں نے یہ اشارہ دیا ہے کہ چونکہ وقت پر لڑکی کی قربانی نہیں ہوئی اس لیے قبیلے پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ دیوتاؤں نے کہا ہے کہ اب بیک وقت دو لڑکیوں کی قربانی دی جائے تو مصیبت ٹل سکتی ہے۔ ورنہ دیوتا سارے قبیلے کو چین نہیں لینے دیں گے۔ پروہت نے یہ بھی کہا کہ لڑکیاں انگوک نہ ہوں اور سوڈان کی بھی نہ ہوں۔ ان کا سفید فام ہونا

ضروری ہے۔.........اتنا منتا تھا کہ قبیلے کے بہت سے دلیر اور نڈر آدمی اٹھ کھڑے ہوئے۔انہوں نے کہا کہ وہ مصر سے دو فرنگی یا مسلمان لڑکیاں اٹھا لائیں گے۔

ادھر سے رجبؔ فلسطین سے تین صلیبی لڑکیاں دس محافظوں کے ساتھ لا رہا تھا۔اس کا سفر بہت لمبا تھا اور یہ سفر خطرناک بھی تھا۔وہ سلطان ایوبی کی فوج کا بھگوڑا اور باغی سالار تھا۔اسے معلوم تھا کہ سرحد کے ساتھ ساتھ سلطان ایوبی نے گشتی پہرے کا انتظام کر رکھا ہے،اس لیے وہ اپنے قافلے کو دور کا چکر کاٹ کر لا رہا تھا۔اس کے قافلے میں تین اونٹ تھے جن پر پانی،خوراک اور صلیبیوں کا دیا ہوا بہت سارا سامان لدا ہوا تھا۔باقی سب گھوڑوں پر سوار تھے۔کئی دنوں کی مسافت کے بعد وہ دیوتاؤں کے پہاڑی مسکن میں پہنچ گئے۔اس سے ایک ہی روز پہلے قبیلے کے پروہت نے کہا تھا کہ دو سفید فام اور سوڈان کے باہر کی لڑکیوں کی قربانی دیتی ہے۔رجب سب سے پہلے پروہت سے ملا۔پروہت نے اس کے ساتھ تین سفید فام اور بہت ہی حسین لڑکیاں دیکھیں تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔یہ لڑکیاں قربانی کے لیے موزوں تھیں۔ اس نے رجب سے لڑکیوں کے متعلق پوچھا تو رجب نے اسے بتایا کہ انہیں وہ خاص مقصد کے لیے اپنے ساتھ لایا ہے۔

رجب لڑکیوں کو پہاڑیوں کے اندر ایک ایسی جگہ لے گیا جو سرسبز اور خوشنما تھی اور تین اطراف سے پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔وہاں رجب نے خیمے گاڑ دیئے تھے۔لڑکیوں کو چوری چھپے موقع محل دیکھ کر قاہرہ میں ان دو آدمیوں کے حوالے کرنا تھا،جن کے اتے پتے اسے صلیبیوں نے دیئے تھے۔لڑکیوں کے آرام و آسائش کا پورا انتظام تھا۔رجب نے وہاں شراب کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔رات اس نے سفر سے کامیاب لوٹنے کی خوشی میں جشن منایا۔صلیبی محافظوں کو بھی شراب پلائی۔لڑکیوں نے بھی پی۔

آدھی رات کے بعد جب محافظ اور اس کے اپنے چند ایک ساتھی جو پہلے ہی وہاں موجود تھے سو گئے تو رجب ایک لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے خیمے میں لے جانے لگا۔لڑکی اس کی نیت بھانپ گئی۔اس نے اسے کہا.........''میں طوائف نہیں ہوں۔میں یہاں صلیب کا فرض پورا کرنے آئی ہوں۔میں آپ کے ساتھ شراب پی سکتی ہوں مگر بدی قبول نہیں کروں گی۔''

رجب نے اسے ہنستے ہوئے اپنے خیمے کی طرف گھسیٹا تو لڑکی نے اپنا بازو چھڑا لیا۔رجب نے دست درازی کی تو لڑکی دوڑ کر اپنی ساتھی لڑکیوں کے پاس چلی گئی۔وہ دونوں بھی باہر آ گئیں۔انہوں نے رجب کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ انہیں غلط نہ سمجھے۔

رجب کو غصہ آ گیا۔اس نے کہا.........''میں جانتا ہوں تم کتنی پاک باز ہو۔بے حیائی تمہارا پیشہ ہے۔''

''اس پیشے کا استعمال ہم وہاں کرتی ہیں جہاں اپنے فرض کے لیے ضروری ہوتا ہے۔''لڑکی نے کہا.........''ہم عیاشی کی خاطر عیاشی نہیں کیا کرتیں۔''

رجب ان کی کوئی بات سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔آخر لڑکیوں نے اسے کہا.........''ہمارے ساتھ دس محافظ ہیں۔وہ ہماری حفاظت کے لیے ساتھ آئے ہیں۔انہیں کل واپس چلے جانا ہے۔اگر ہم نے ان کی ضرورت محسوس کی تو ہم انہیں یہاں روک سکتی ہیں یا خود یہاں سے جا سکتی ہیں۔''

رجب چپ ہو گیا مگر اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ لڑکیوں کو بخشنے کا نہیں۔وہ رات گزر گئی۔دوسرے دن رجب نے فلسطین سے ساتھ لائے ہوئے محافظوں کو رخصت کر دیا.........دن گزر گیا۔شام کے وقت رجب لڑکیوں

کے ساتھ بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا کہ پروہت اپنے چار حبشیوں کے ساتھ آگیا۔ اس نے سوڈانی زبان میں رجب سے کہا......... ''ہمارے دیوتا ہم سے ناراض ہیں۔ انہوں نے دو فرنگی یا مسلمان لڑکیوں کی قربانی مانگی ہے۔ یہ لڑکیاں قربانی کے لیے موزوں ہیں۔ ان میں سے دو لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو۔''

رجب چکرا گیا۔ اس نے جواب دیا......... ''یہ لڑکیاں قربانی کے لیے نہیں ہیں۔ ان سے ہمیں بہت کام لینا ہے اور انہی کے ہاتھوں ہمیں تمہارے دیوتاؤں کے دشمن کو مروانا ہے۔''

''تم جھوٹ بولتے ہو۔''......... پروہت نے کہا......... ''تم ان لڑکیوں کو یہاں تفریح کے لیے لائے ہو۔ ہم ان میں سے دو لڑکیوں کو قربان کریں گے۔''

رجب نے بہت دلیلیں دیں مگر پروہت نے کسی ایک بھی دلیل کو قبول نہ کیا۔ اس کے دماغ پر دیوتا سوار تھے۔ اس نے اٹھ کر دو لڑکیوں کے سروں پر باری باری ہاتھ رکھے اور کہا......... ''یہ دونوں دیوتا کے لیے ہیں۔ اگوک کی نجات ان دو لڑکیوں کے ہاتھ میں ہے۔''......... یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ رک کر رجب سے کہا......... ''لڑکیوں کو ساتھ لے کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم جانتے ہو کہ ہم تمہیں فوراً ڈھونڈ لیں گے۔''

لڑکیاں سوڈان کی زبان نہیں سمجھتی تھیں۔ حبشی پروہت نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھا۔ رجب کو پریشان دیکھا تو انہوں نے رجب سے پوچھا کہ یہ حبشی کیا کہہ رہا تھا۔ رجب نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ وہ انہیں قربانی کے لیے مانگتا ہے۔ لڑکیوں کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ تمہارے سر کاٹ کر خشک ہونے کے لیے رکھ دیں گے۔ اور جسم جھیل میں پھینک دیں گے مگر مچھ جسموں کو کھا جائیں گے۔ لڑکیوں کے رنگ فق ہو گئے۔ انہوں نے رجب سے پوچھا کہ اس نے انہیں بچانے کے لیے کیا سوچا ہے۔ رجب نے جواب دیا......... ''میں نے اسے سمجھانے کے لیے ساری دلیلیں دے ڈالی ہیں مگر اس نے ایک بھی نہیں سنی۔ میں ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں۔ میں تو انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہوں۔ یہ میری فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اپنے عقیدے کے اتنے پکے ہیں کہ پہلے دیوتاؤں کو خوش کریں گے، پھر میری بات سنیں گے۔''

رجب کی باتوں اور انداز سے لڑکیوں کو شک ہو گیا کہ وہ انہیں بچا نہیں سکے گا۔ یا انہیں خوش کرنے کے لیے بچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ انہوں نے گزشتہ رات رجب کی نیت کی ایک جھلک دیکھ بھی لی تھی۔ اس لیے وہ اس سے مایوس ہو گئی تھیں۔ رجب نے انہیں رسمی طور پر بھی تسلی نہ دی کہ وہ انہیں بچا لے گا۔ لڑکیاں خیمے میں چلی گئیں۔ انہوں نے صورت حال پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچیں کہ وہ یہاں رجب کی عیاشی کا ذریعہ بنے یا حبشیوں کے دیوتا کی بھینٹ چڑھنے کے لیے نہیں آئیں۔ وہ بے مقصد موت نہیں مرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے وہاں سے فرار کا ارادہ کیا۔ فرار ہو کر فلسطین تک خیریت سے پہنچنا آسان کام نہ تھا مگر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ یہ لڑکیاں صرف خوبصورت اور دلکش ہی نہیں تھیں، گھوڑ سواری اور سپاہ گری کی بھی انہیں تربیت دی گئی تھی تاکہ ضرورت پڑے تو اپنا بچاؤ خود کر سکیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے بھاگ کر فلسطین چلی جائیں گی۔

وہ رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسرے دن لڑکیوں نے اچھی طرح دیکھا کہ رات کو گھوڑے کہاں بندھے ہوتے ہیں اور وہاں سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے۔ حبشی پروہت دن کے وقت بھی آیا اور رجب کے ساتھ باتیں کر کے چلا گیا۔ لڑکیوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔ رجب نے انہیں بتایا کہ وہ کل رات تمہیں یہاں سے لے جائیں

گے۔ وہ مجھے دھمکی دے گیا ہے کہ میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو وہ مجھے قتل کر کے مگرمچھوں کی جھیل میں پھینک دیں گے۔ لڑکیوں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ فرار کا فیصلہ کر چکی ہیں کیونکہ انہیں رجب کی نیت پر شک ہو گیا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے رجب کے ساتھ ایسی باتیں کیں اور ایسی باتیں اس کے منہ سے کہلوائیں جن سے پتہ چلتا تھا جیسے وہ انہیں بچانے کی بجائے حبشیوں کو خوش کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اسے وہیں چھپائے رکھیں اور اسے سلطان ایوبی کے خلاف فوج تیار کرنے میں مدد دیں۔ لڑکیوں کو یہ شک بھی ہوا کہ رجب انہیں ایسی قیمت کے عوض بچانے کی کوشش کرے گا جو وہ اسے نہیں دینا چاہتی تھیں۔

سارا دن اسی کشمکش میں گزر گیا۔ رجب کو شک نہ ہوا کہ لڑکیاں بھاگ جائیں گی۔ اسے اس وقت بھی شک نہ ہوا۔ جب لڑکیوں نے اسے کہا کہ ایسے جہنم نما صحرا میں ایسا سرسبز خطہ قدرت کا عجوبہ ہے، آؤ ذرا اس کی سیر کرا دو۔ رجب انہیں گھمانے پھرانے لگا۔ آگے وہ بھیانک جھیل آ گئی جس کے کنارے پر پانچ چھ مگرمچھ بیٹھے تھے۔ جھیل کا پانی غلیظ اور بدبودار تھا۔ ایک لڑکی نے کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے پہاڑی کے اندر چشمہ ہے۔ سب نے جب پہاڑی کے اندر دیکھا تو ایک لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ پانی پہاڑی کے اندر ایک وسیع غار بنا چلا گیا تھا۔ رجب نے کہا............ ''یہ ہیں وہ مگرمچھ جو یہاں کے مجرموں کو اور قربان کی ہوئی لڑکیوں کے جسموں کو کھاتے ہیں'' .... ایسا ہولناک منظر دیکھ کر لڑکیوں کے دلوں میں فرار کا ارادہ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔ انہوں نے سیر کے بہانے فرار کا راستہ اچھی طرح دیکھ لیا اور ایسی نرم زمین دیکھ لی جس پر گھوڑوں کے قدموں کی آواز پیدا نہ ہو۔ ان کی سیر کی خواہش کے پیچھے یہی مقصد تھا۔

ادھر حبشی پروہت قریبی بستی میں بیٹھا قبیلے کو یہ خوشخبری سنا رہا تھا کہ قربانی کے لیے لڑکیاں مل گئی ہیں اور قربانی آج سے چوتھی رات دی جائے گی جو پورے چاند کی رات ہو گی۔ اس نے کہا کہ قربانی دیوتاؤں کے مسکن اور معبد کے کھنڈروں پر دی جائے گی۔ اس کے بعد ہم یہ معبد خود تعمیر کریں گے اور جب یہ معبد تعمیر ہو جائے گا تو ہم اس قوم سے انتقام لیں گے جنہوں نے ہمارے دیوتا کی توہین کی ہے۔

☆

نصف شب کا عمل تھا۔ رجب اور اس کے ساتھیوں کو لڑکیوں نے اپنے خصوصی فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی شراب پلا دی تھی کہ ان کی بیداری کا خطرہ ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ بے ہوش پڑے تھے۔ لڑکیوں نے سفر کے لیے سامان باندھ لیا۔ تین گھوڑوں پر زینیں کسیں، سوار ہوئیں اور اس نرم زمین پر گھوڑوں کو ڈال دیا جو انہوں نے دن کے وقت دیکھی تھی۔ اس خطے کے ایک حصے میں چار حبشی موجود تھے لیکن وہ سوئے ہوئے تھے اور دور تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہاں سے کوئی بھاگنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اگر بھاگے گا تو صحرا اسے راستے میں ہی ختم کر دے گا، مگر لڑکیاں اس سرسبز، خوشنما اور ہولناک قید خانے سے نکل گئیں۔ وہ اسی راستے سے فلسطین جانا چاہتی تھیں جس راستے سے رجب انہیں لایا تھا۔ وہ تھیں تو غیر معمولی طور پر ذہین اور انہیں عسکری تربیت بھی دی گئی تھی مگر انہیں یہ علم نہیں تھا کہ صحرا میں اس قدر فریب چھپے ہوئے ہیں جو دانش مندوں کو بھی عقل کا اندھا کر دیا کرتے ہیں۔ اتنے طویل صحرائی سفر پر لوگ قافلوں کی صورت میں نکلا کرتے تھے اور ان کے پاس صحرا کی ہر آفت کا مقابلہ کرنے کا اہتمام ہوتا تھا۔

رات کے وقت تو صحرا سرد تھا۔ تینوں لڑکیوں نے اس جگہ سے کچھ دور تک گھوڑوں کو آہستہ آہستہ چلایا، پھر ایڑ لگا دی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگے۔ بہت دور جا کر انہوں نے گھوڑوں کی رفتار کم کر دی۔ باقی رات گھوڑے اسی رفتار

پر چلتے رہے۔ صبح طلوع ہوئی اور جب سورج اوپر آیا تو لڑکیوں کے ارد گرد ریت کے گول گول ٹیلے تھے اور ان سے آگے ریتلی مٹی کی اونچی اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ کوئی راستہ نہ تھا۔ انہوں نے سورج سے اپنی سمت کا اندازہ کیا اور ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں داخل ہو گئیں۔ گھوڑے پیاسے تھے۔ ہر گھوڑے پر پانی کا ایک ایک چھوٹا مشکیزہ تھا جو ایک دن کے لیے بھی کافی نہیں تھا۔ گھوڑوں کو کہاں سے پانی پلایا جاتا۔ لڑکیاں کسی نخلستان کی تلاش میں چلتی چلی گئیں۔ سورج اوپر اٹھتا گیا اور صحرا کو دوزخ بناتا گیا۔ نخلستان کا کہیں نشان اور تصور بھی نظر نہیں آتا تھا۔

رجب اور اس کے ساتھی سورج طلوع ہونے کے بعد بھی نہ جاگے۔ وہ تو بیہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ پروہت اپنے تین حبشیوں کے ساتھ آیا۔ اس نے سب سے پہلے لڑکیوں کے خیمے میں دیکھا۔ خیمہ خالی تھا۔ اس نے رجب کو جگایا اور کہا "دونوں لڑکیاں میرے حوالے کر دو"............ رجب ہڑبڑا کر اٹھا اور پروہت کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ ان لڑکیوں کو ضائع نہ کرے۔ اس نے اسے تفصیل سے بتایا کہ ان لڑکیوں سے کیا کام لینا ہے مگر پروہت نے اس کی ایک بھی بات نہ مانی۔ رجب نے اپنے ساتھیوں کو جگانا چاہا تو حبشیوں نے اسے پکڑ لیا۔ پروہت نے پوچھا............ "لڑکیاں کہاں ہیں؟"

رجب نے وہیں سے لڑکیاں کو پکارا تو اسے کوئی جواب نہ ملا۔ خیمے میں جا کر دیکھا۔ انہیں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ کہیں نظر نہ آئیں۔ اچانک نظر زینوں پر پڑی۔ تین زینیں غائب تھیں۔ گھوڑے دیکھے تو تین گھوڑے غائب تھے۔ رجب نے پروہت سے کہا............ "وہ تمہارے ڈر سے بھاگ گئی ہیں۔ تم نے بڑے کام کی لڑکیوں کو بھگا دیا ہے۔"

"انہیں تم نے بھگایا ہے"............ پروہت نے کہا اور اپنے تین حبشیوں سے رجب کے متعلق کہا............ "اسے لے جا کر باندھ دو۔ اس نے انگوک کے دیوتا کو پھر ناراض کر دیا ہے۔ اچھے سواروں کو بلاؤ اور لڑکیوں کا پیچھا کرو۔ وہ دور نہیں جا سکتیں۔"

رجب کے احتجاج اور منت سماجت کو نظر انداز کرتے ہوئے حبشی اسے اپنے ساتھ لے گئے اور ایک درخت کے ساتھ اسے اس طرح باندھ دیا کہ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے سوئے ہوئے ساتھیوں کے ہتھیار اٹھا لیے گئے، پھر انہیں جگا کر دھمکی دی گئی کہ وہ یہاں سے ہلے تو قتل ہو جائیں گے............ تھوڑی دیر بعد چھ گھوڑ سوار اور شتر سوار آ گئے۔ انہیں لڑکیوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا گیا۔ ریت پر تین گھوڑوں کے قدموں کے نشان صاف تھے۔ اسی سمت کو یہ حبشی سوار انتہائی رفتار سے روانہ ہو گئے۔ لڑکیوں کو پکڑنا آسان نہیں تھا کیونکہ فرار اور تعاقب میں آٹھ دس گھنٹوں کا فرق تھا۔ حبشی سواروں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ صحرا کے بھیدی تھے اور مرد تھے۔ سختیاں جھیل سکتے تھے۔ آگے جا کر انہیں یہ مشکل پیش آئی کہ ہوا چل رہی تھی جس نے ریت اڑا اڑا کر گھوڑوں کے کھوج غائب کر دیئے تھے۔ پھر بھی وہ اندازے پر چلتے گئے۔

تین چار گھنٹوں کے تعاقب کے بعد انہیں ایک طرف سے آسمان پر افق کے کچھ اوپر تک مٹیالی سرخی دکھائی دی جو اوپر اٹھتی اور آگے بڑھتی آ رہی تھی۔ سواروں نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، گھوڑوں اور اونٹوں کو پیچھے کی طرف موڑ کر سرپٹ دوڑا دیا۔ یہ صحرا کی وہ آندھی آ رہی تھی جو بڑے بڑے ٹیلوں کو ریت کے ذروں میں بدل کر اڑا لے جاتی ہے۔ کوئی انسان یا جانور کہیں رک کر کھڑا رہے یا بیٹھ جائے تو ریت اس کے جسم کے ساتھ رک رک کر اسے زندہ دفن کر دیتی ہے۔ اور اس پر ٹیلا کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہاں آندھی سے بچنے کے لیے کوئی مضبوط ٹیلا نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر اپنے پہاڑی خطے

تک پہنچنا چاہتے تھے جو بہت ہی دور تھا............وہاں تک آدمی پہنچ گئی تھی۔ اس ٹیلے کے درخت دو ہرے ہو ہو کر جھک رہے تھے۔ جیسے کہ گر جاتے پہاڑی سے آپی غار میں جا چھپے تھے۔ پروہت ایک جگہ ریت پر گھٹنے ٹیکے ہوئے ہاتھ ہوا میں بلند کرتا اور ذرا زور سے زمین پر مارتا تھا۔ ہر بار بلند آواز سے کہتا تھا............"انگوک کے دیوتا! اپنے قہر کو سمیٹ لے۔ ہم دو بہت ہی خوبصورت لڑکیاں تیرے قدموں میں پیش کر رہے ہیں"............وہ اس آدمی کو دیوتا کا قہر سمجھ رہا تھا۔ صحرا اور آدمی کا چولی دامن کا ساتھ تھا لیکن سرخ اور ایسی تیز و تند آندھی کبھی کبھی چلا کرتی تھی۔ وہ حبشیوں کے خطرے سے تو بہت دور نکل گئی تھیں مگر صحرا کے ایسے خطرے میں آ گئیں جو ان کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ ان کے لیے دوسری مصیبت یہ آئی کہ ریت کی بوچھاڑوں اور آندھی کے زناٹوں سے گھبرا کر تینوں گھوڑے منہ زور اور بے لگام ہو کر دوڑ پڑے۔ وہ چونکہ اکٹھے بدکے تھے، اس لیے اکٹھے ہی دوڑتے جا رہے تھے۔ اس سے یہ فائدہ تو ہوا کہ ریت میں دب جانے کا خطرہ نہ رہا مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ بے لگام گھوڑے کہاں جا رکیں گے اور وہ جگہ اصل راستے سے کتنی دور ہو گی۔ لڑکیوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ گھوڑوں کو قابو میں کر لیتیں اور گھوڑوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ زیادہ دوڑ سکتے۔ وہ پیاسے تھے اور آدھی رات سے مسلسل چل رہے تھے۔

تھکن اور پیاس گھوڑوں کو بے حال کرنے لگی۔ ایک گھوڑا منہ کے بل گرا۔ اس کی سوار لڑکی ایسی گری کہ گھوڑا اٹھا اور جب پھر گرا تو لڑکی اس کے نیچے آ گئی۔ اسے مرنا ہی تھا۔ کچھ اور آگے گئے تو ایک گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہو گیا............زین ایک طرف لڑھک گئی اس کی سوار اسی پہلو پر گری مگر بایاں پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ لڑکی زمین پر گھسیٹی جانے لگی۔ تیسری لڑکی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا اپنا گھوڑا بے قابو تھا۔ وہ اپنی ساتھی کی چیخیں سنتی رہی۔ پھر چیخیں خاموش ہو گئیں اور وہ لڑکی کی لاش کو گھوڑے کے ساتھ زمین پر جاتا دیکھتی۔ اس پر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ کتنی ہی دلیر کیوں نہ تھی، آخر لڑکی تھی۔ زور سے رونے لگی۔ ڈھیلی زین والا گھوڑا یکلخت رک گیا۔ تیسری لڑکی اپنا گھوڑا روک نہ سکی۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ آندھی میں اسے کچھ نظر نہ آیا کہ اس گھوڑے کا کیا حشر ہوا۔ لڑکی تو یقیناً مر چکی تھی۔

تیسری لڑکی اکیلی رہ گئی۔ اس نے رکابوں سے پاؤں ذرا پیچھے کر لیے۔ اس کی دہشت زدگی کا یہ عالم تھا کہ اس نے گھوڑے کی لگام چھوڑ کر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر جوڑ دیئے اور گلا پھاڑ کر خدا کو پکارنے لگی............"میرے عظیم خدا! آسمانوں کے خدا! میرے گناہ معاف کر دے۔ میں گناہگار ہوں۔ میرا بال بال گناہگار ہے۔ میں گناہ کرنے آئی تھی۔ میں نے گناہوں میں پرورش پائی ہے۔ میرے خدا! میں اس وقت بہت چھوٹی تھی جب مجھے بڑوں نے گناہوں کے راستے پر ڈالا تھا۔ انہوں نے مجھے گناہوں کے سبق دیتے جوان کیا اور کہا کہ جاؤ مردوں کو اپنے حُسن اور اپنے جسم سے گمراہ کرو۔ ان کے ہاتھوں انسانوں کو قتل کرواؤ۔ جھوٹ بولو۔ فریب دو اور بدکار بن جاؤ۔ انہوں نے بتایا تھا کہ یہ صلیب کا فرض ہے۔ تم پورا کرو گی تو جنت میں جاؤ گی"............وہ پاگلوں کی طرح چلا رہی تھی اور اس کے گھوڑے کی رفتار گھٹتی جا رہی تھی۔ زار و قطار روتے ہوئے اس نے خدا سے کہا۔ "تیرا مذہب سچا ہے، مجھے اسی کا معجزہ دکھا"

اس کے عقیدے متزلزل ہو گئے تھے۔ گناہوں کے احساس نے اس کے دماغ پر قابو پا لیا تھا۔ موت کے خوف نے اسے فراموش کرا دیا تھا کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ اسے اپنا ماضی گناہوں میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا اور اس کے دل میں یہ احساس بیدار ہوتا جا رہا تھا کہ وہ مردوں کے استعمال کی چیز ہے اور اسے دھوکے اور فریب کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اور اب سزا صرف اس اکیلی کو مل رہی ہے۔

اسے غشی کی لہر آئی اور گزر گئی۔ اس نے دھاڑ ماری اور سر کو جھٹک کر بلند آواز سے کہا......... ''میری مدد کر میرے خدا! میں ابھی مرنا نہیں چاہتی'' .... اور اس کے ساتھ ہی اسے یاد آ گیا کہ وہ یتیم بچی ہے۔ موت کے سامنے انسان ماضی کی طرف بھاگتا ہے جو انسانی فطرت کا قدرتی ردعمل ہے۔ اس جوان لڑکی نے بھی ماضی میں پناہ لینے کی کوشش کی مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ماں نہیں تھی، باپ نہیں تھا، کوئی بہن بھائی نہیں تھا، اسے کچھ یاد آیا کہ صلیبیوں نے اسے پالا اس راہ پہ ڈالا ہے جہاں وہ ایک بڑا ہی حسین دھوکہ بن گئی تھی۔ اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ وہ اب بخشش چاہتی تھی، اسے غشی آنے لگی گھوڑے کی رفتار سست ہو گئی تھی کہ وہ بمشکل چل رہا تھا اور اس کے ساتھ آندھی بھی تھمنے لگی۔ لڑکی ہوش کھو بیٹھی تھی۔

☆

سلطان ایوبی نے سرحد کے ساتھ ساتھ گشتی پہرے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان میں سے تین دستوں کا ہیڈ کوارٹر سوڈان اور مصر کی سرحد سے چار پانچ میل اندر کی طرف تھا۔ ہیڈ کوارٹر کے خیمے ایسی جگہ نصب کیے گئے تھے جہاں آندھیوں سے بچنے کی اوٹ تھی مگر اس آندھی نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ آندھی رکی تو سپاہی خیمے وغیرہ سنبھالنے میں مصروف ہو گئے۔ ان تین دستوں کا کمانڈر ایک ترک احمد کمال تھا۔ وہ ایک خوبرو اور گورے رنگ کا تنومند آدمی تھا۔ وہ بھی آندھی رکتے ہی باہر آ گیا اور ساز و سامان اور جانوروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ فضا گرد سے صاف ہو گئی تھی۔ ایک سپاہی نے ایک طرف اشارہ کر کے اسے کہا......... ''کماندار! وہ گھوڑا اور سوار ہمارا تو نہیں؟'' ....

''ہم نے ابھی لڑکیوں کو فوج میں شامل نہیں کیا۔'' احمد کمال نے جواب دیا......... وہ لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ بال بکھرے ہوئے صاف نظر آ رہے ہیں۔

وہ اس سپاہی کو ساتھ لے کر دوڑ پڑا۔ ایک گھوڑا سر نیچے کیے نہایت ہی آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ اسے چارے کی بو آئی تو ہیڈ کوارٹر کے گھوڑوں کی طرف چل پڑا۔ گھوڑے پر ایک لڑکی اس طرح سوار تھی کہ اس کے بازو گھوڑے کی گردن کے ادھر ادھر تھے اور لڑکی آگے کو اس طرح جھکی ہوئی تھی کہ اس کا سر گھوڑے کی گردن سے ذرا پیچھے تھا۔ لڑکی کے بال بکھر کر آگے آ گئے تھے۔ احمد کمال کے پہنچنے تک گھوڑا وہاں بندھے ہوئے گھوڑوں کے پاس جا کر ان کا چارہ کھانے لگا تھا۔ احمد کمال نے لڑکی کے پاؤں رکابوں سے نکالے اور اسے گھوڑے سے اتار کر بازوؤں پر اٹھا لیا۔ سپاہی سے کہا......... ''زندہ ہے۔ فرنگی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے گھوڑے کو پانی پلاؤ'' .... وہ لڑکی کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ لڑکی کے بال ریت سے اٹے ہوئے تھے۔ احمد کمال نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر منہ میں پانی کے قطرے ٹپکانے لگا۔

لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ دو چار لمحے احمد کمال کو حیرت سے دیکھتی رہی اور اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ احمد کمال کا رنگ گورا دیکھ کر اس نے انگریزی میں پوچھا......... ''میں فلسطین میں ہوں؟'' .... احمد کمال نے سر ہلا کر اسے سمجھانا چاہا کہ میں یہ زبان نہیں سمجھتا۔ لڑکی نے عربی زبان میں پوچھا......... ''تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟''

''میں اسلامی فوج کا معمولی سا کماندار ہوں۔'' احمد کمال نے جواب دیا......... ''اور تم مصر میں ہو۔''

لڑکی کی آنکھیں ابل پڑیں اور وہ اس قدر گھبرائی جیسے پھر بے ہوش ہو جائے گی۔ احمد کمال نے کہا......... ''ڈرو نہیں۔ سنبھالو اپنے آپ کو'' .... اس نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا......... ''میں

جان گیا ہوں کہ تم فرنگی ہو۔ میری مہمان ہو۔ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں"............اس نے ایک سپاہی کو بلایا اور لڑکی کے لیے پانی اور کھانا منگوایا۔

لڑکی نے لپک کر پانی کا پیالہ اٹھالیا اور منہ سے لگا کر بے صبری سے پینے لگی۔ احمد کمال نے پیالہ اس کے ہونٹوں سے ہٹا کر کہا............"آہستہ۔ پہلے کھانا کھالو۔ پانی بعد میں پینا"............لڑکی نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھالیا۔ پھر وہ کھانا کھاتی رہی اور پانی پیتی رہی۔ اس کے چہرے پر رونق واپس آ گئی۔

احمد کمال نے ایک خیمہ الگ لگوا رکھا تھا جو اس کا غسل خانہ تھا۔ وہاں پانی کی کمی نہیں تھی۔ خیمہ گاہ ایک نخلستان کے قریب تھی۔ احمد کمال نے کھانے کے بعد لڑکی کو غسل والے خیمے میں داخل کر کے پردے باندھ دیئے۔ لڑکی نے غسل تو کر لیا لیکن وہ بہت ہی خوف زدہ تھی کیونکہ وہ اپنے دشمن کی پناہ میں آ گئی تھی جہاں اسے اچھے سلوک کی توقع نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں بچپن سے یہ ڈالا جاتا رہا تھا کہ مسلماں وحشی ہوتے ہیں اور عورت کے لیے تو وہ درندے ہیں۔ اس خوف کے ساتھ اس پر حبشیوں کا، مگرمچھوں کا اور صحرائی آندھی کا خوف طاری تھا۔ اپنے ساتھ کی دونوں لڑکیوں کی موت اور وہ بھی ایسی بھیانک موت، اس کے رونگٹے کھڑے کر رہی تھی۔ اس نے غسل کرتے ہوئے بڑی شدت سے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے ناپاک وجود کو دھونے کی کوشش کر رہی ہے جسے دنیا کا پانی پاک نہیں کر سکتا۔ اس نے کسمپرسی کی حالت میں تنگ آکر اپنے آپ کو صورت حال کے حوالے کر دیا۔

احمد کمال نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ایسے حسن اور ایسے دلگداز جسم والی لڑکی معمولی لڑکی نہیں۔ مصر کے اس حصے میں ایسی فرنگی لڑکی کیسے آسکتی تھی؟ اس نے لڑکی سے پوچھا تو لڑکی نے جواب دیا کہ وہ قافلے سے بچھڑ گئی ہے۔ آندھی میں گھوڑا بے لگام ہو گیا تھا۔ احمد کمال ایسے جواب سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے تین چار اور سوال کیے تو لڑکی کے ہونٹ کانپنے لگے۔ احمد کمال نے کہا............"اگر تم یہ کہتی کہ تم اغوا کی ہوئی لڑکی ہو اور آندھی نے تمہیں چھڑا دیا ہے تو شاید میں مان جاتا۔ تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا"

اتنے میں اس سپاہی نے جو احمد کمال کے ساتھ تھا۔ خیمے کا پردہ اٹھایا اور ایک تھیلا اور ایک مشکیزہ احمد کمال کو دے کر کہا کہ یہ اس لڑکی کے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ احمد کمال تھیلا کھولنے لگا تو لڑکی نے گھبرا کر تھیلے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ احمد کمال نے تھیلا اسے دے کر کہا............"لو خود کھول کر دکھا دو"

لڑکی کی زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔ اس نے بچوں کے انداز سے تھیلا پیٹھ پیچھے کر لیا۔ احمد کمال نے کہا "یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں تمہیں کہہ دوں کہ جاؤ چلی جاؤ۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تمہیں روکوں، لیکن ایک ایسی لڑکی کو جو آبادیوں سے دور اکیلی گھوڑے پر بے ہوشی کی حالت میں بھٹکتی ہوئی پائی گئی ہے اسے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ میرا انسانی فرض ہے۔ مجھے اپنا ٹھکانہ بتا دو۔ میں تمہیں اپنے سپاہیوں کے ساتھ حفاظت سے پہنچا دوں گا۔ اگر نہیں بتاؤ گی تو تمہیں مشتبہ لڑکی سمجھ کر قاہرہ اپنی حکومت کے پاس بھیج دوں گا۔ تم مصری نہیں ہو۔ تم سوڈانی نہیں ہو۔"

لڑکی کے آنسو بہنے لگے۔ وہ جس مصیبت سے گزر کر آئی تھی اس کی دہشت اور ہولناکی اس پر پہلے ہی غالب تھی۔ اس نے تھیلا احمد کمال کے آگے پھینک دیا۔ احمد نے تھیلا کھولا تو اس میں سے کچھ کھجوریں، دو چار چھوٹی موٹی عام سی چیزیں نکلیں اور ایک تھیلی نکلی۔ یہ کھولی تو اس میں سے سونے کے بہت سے سکے اور ان میں سونے کی باریک سی زنجیر کے ساتھ چھوٹی سی سیاہ لکڑی کی صلیب نکلی۔ احمد کمال اس سے یہی سمجھ سکا کہ لڑکی عیسائی ہے۔ اسے غالباً معلوم نہیں تھا کہ جو

عیسائی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے صلیبی لشکر میں شامل ہوتا ہے وہ ایک صلیب پر حلف اٹھاتا ہے اور چھوٹی سی ایک صلیب ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے۔ احمد کمال نے اسے کہا کہ اس تھیلے میں میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔

''اگر میں یہ سارا سونا تمہیں دے دوں تو میری مدد کرو گے؟'' لڑکی نے پوچھا۔ کیسی مدد؟''

''مجھے فلسطین پہنچا دو'' لڑکی نے جواب دیا.......... ''اور مجھ سے کوئی سوال نہ پوچھو۔''

''میں فلسطین تک بھی پہنچا دوں گا لیکن سوال ضرور پوچھوں گا۔''

''اگر مجھ سے کچھ بھی نہ پوچھو تو اس کا الگ انعام دوں گی۔''

''وہ کیا ہوگا؟''

''گھوڑا تمہیں دے دوں گی'' لڑکی نے جواب دیا.......... ''اور تین دنوں کے لیے مجھے اپنی لونڈی سمجھ لو۔''

احمد کمال نے اس سے پہلے ہاتھ میں کبھی اتنا سونا نہیں اٹھایا تھا اور اس نے ایسا حیران کن حسن اور جسم بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنے سامنے پڑے ہوئے سونے کے چمکتے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھا پھر لڑکی کے ریشم جیسے بالوں کو دیکھا جو سونے کے تاروں کی طرح چمک رہے تھے، پھر اس کی آنکھوں کو دیکھا جن میں وہ طلسماتی چمک تھی جو بادشاہوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا کرتی ہے۔ وہ تنومند مرد تھا کمان دار تھا۔ ان دستوں کا حاکم تھا جو سرحد پر پہرہ دے رہے تھے۔ اسے روکنے، پوچھنے اور پکڑنے والا کوئی نہ تھا مگر اس نے سکے تھیلی میں ڈالے، صلیب بھی تھیلی میں رکھی، اور تھیلی لڑکی کی گود میں رکھ دی۔

''کیوں؟'' لڑکی نے پوچھا.......... ''یہ قیمت تھوڑی ہے؟''

''بہت تھوڑی۔'' احمد کمال نے کہا.......... ''ایمان کی قیمت خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا''.......... لڑکی نے کچھ کہنا چاہا لیکن احمد کمال نے اسے بولنے نہ دیا اور کہا.......... ''میں اپنا فرض اور اپنا ایمان فروخت نہیں کر سکتا۔ سارا مصر میرے اعتماد پر آرام کی نیند سوتا ہے۔ تین مہینے گزرے سوڈانیوں نے قاہرہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر میں یہاں نہ ہوتا اور اگر میں ان کے ہاتھ اپنا ایمان فروخت کر دیتا تو یہ لشکر قاہرہ میں داخل ہو کر تباہی برپا کر دیتا۔ تم مجھے اس لشکر سے زیادہ خطرناک نظر آتی ہو۔ کیا تم جاسوس نہیں ہو؟''

''نہیں!''

''تم یہی بتا دو کہ تمہیں آندھی نے کسی ظالم کے پنجے سے بچایا ہے یا تم آندھی سے بچ کر نکلی ہو؟''.......... لڑکی نے بے معنی سا جواب دیا تو احمد کمال نے کہا.......... ''مجھے تمہارے متعلق یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ کون ہو اور کہاں سے آئی ہو۔ میں کل تمہیں قاہرہ کے لیے روانہ کر دوں گا۔ وہاں ہمارا جاسوسی اور سراغرسانی کا ایک محکمہ ہے وہ جانے اور تم جانو۔ میرا فرض پورا ہو جائے گا۔''

''اگر اجازت دو تو میں اس وقت ذرا آرام کر لوں۔'' لڑکی نے کہا.......... ''کل جب قاہرہ کے لیے مجھے روانہ کرو گے تو شاید تمہارے سوالوں کا جواب دے دوں۔''

لڑکی رات بھر کی جاگی ہوئی اور دن کے ایسے خوفناک سفر کی تھکی ہوئی تھی۔ لیٹی اور سو گئی۔ احمد کمال نے دیکھا کہ وہ نیند میں بڑبڑاتی تھی۔ بے چینی میں سر ادھر ادھر مارتی تھی اور ایسے پتہ چلتا تھا جیسے خواب میں رو رہی ہو۔ احمد کمال نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ ایک مشکوک فرنگی لڑکی پکڑی گئی ہے جسے کل قاہرہ بھیجا جائے گا۔ اس کے ساتھی احمد کمال کے کردار

سے واقف تھے۔ کوئی بھی ایسا شک نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے لڑکی کو بدنیتی سے اپنے خیمے میں رکھا ہے۔ اس نے لڑکی کا گھوڑا دیکھا تو وہ حیران ہوا کیونکہ گھوڑا اعلیٰ نسل کا تھا اور جب اس نے زین دیکھی تو اس کے شکوک رفع ہو گئے۔ زین کے نیچے مصر کی فوج کا نشان تھا۔ یہ گھوڑا احمد کمال کی اپنی فوج کا تھا۔

حبشیوں نے آندھی کی وجہ سے تعاقب ترک کر دیا تھا۔ وہ واپس زندہ پہنچ گئے تھے۔ پروہت نے فیصلہ دے دیا تھا کہ لڑکیاں آندھی میں ماری گئی ہوں گی۔ لہٰذا تعاقب میں کسی کو بھیجنا بیکار ہے۔ وقت بھی بہت گزر گیا تھا۔ لیکن رجب پر آفت نازل ہو رہی تھی۔ اس سے حبشی بار بار یہی ایک سوال پوچھتے تھے۔ ''لڑکیاں کہاں ہیں؟'' .... اور وہ قسمیں کھا کھا کر کہتا تھا کہ مجھے معلوم نہیں۔ حبشیوں نے اسے اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ تلوار کی نوک سے اس کے جسم میں زخم کرتے اور اپنا سوال دہراتے تھے۔ حبشیوں نے اس کے ساتھیوں کو بھی درختوں کے ساتھ باندھ دیا اور ان کے ساتھ بھی ظالمانہ سلوک کرنے لگے۔ رجب کو خدا اپنی قوم اور اپنے ملک سے غداری کی سزا دے رہا تھا۔ رات کو بھی اسے نہ کھولا گیا۔ اس کا جسم چھلنی ہو گیا تھا۔

احمد کمال کے خیمے میں لڑکی سوئی ہوئی تھی۔ وہ سورج غروب ہونے سے پہلے جاگی تھی۔ احمد کمال نے اسے کھانا کھلایا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر سو گئی تھی۔ اس سے دو تین قدم دور احمد کمال سویا ہوا تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ خیمے میں دیا جل رہا تھا۔ اچانک لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ احمد کمال کی آنکھ کھل گئی۔ لڑکی بیٹھ گئی تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ احمد کمال اس کے قریب ہو گیا۔ لڑکی تیزی سے سرک کر اس کے ساتھ لگ گئی اور روتے ہوئے بولی .... ''ان سے بچاؤ۔ وہ مجھے مگرمچھوں کے آگے پھینک رہے ہیں۔ وہ میرا سر کاٹنے لگے ہیں۔''

''کون؟''

''وہ بھدے حبشی۔'' لڑکی نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا .... ''وہ یہاں آئے تھے۔'' احمد کمال کو حبشیوں کی قربانی کا علم تھا۔ اسے شک ہوا کہ اسے شاید قربان کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا تو لڑکی نے بازو احمد کمال کے گلے میں ڈال دیئے۔ کہنے لگی: ''مت پوچھو۔ میں خواب دیکھ رہی تھی۔'' .... احمد کمال دیکھ رہا تھا کہ وہ بہت ہی ڈری ہوئی ہے۔ اس نے اسے تسلیاں دیں اور یقین دلایا کہ یہاں اسے اٹھانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ لڑکی نے کہا .... ''میں سو نہیں سکوں گی۔ تم میرے ساتھ باتیں نہیں کر سکتے؟ میں اکیلی جاگ نہیں سکوں گی۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

احمد کمال نے کہا .... ''میں تمہارے ساتھ جاگتا رہوں گا'' .... اس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا .... ''جب تک میرے پاس ہو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا۔ لڑکی کے ساتھ اس نے حبشیوں کے متعلق یا اس کے متعلق کوئی بات نہ کی نہ پوچھی۔ اسے ترکی اور مصر کی باتیں سناتا رہا۔ لڑکی اس کے ساتھ [illegible] احمد کمال کا طلب دلچسپ [illegible] تھا۔ اس نے لڑکی کا خوف دور کر دیا اور لڑکی سو گئی۔

اس کے [illegible] صبح طلوع ہو رہی تھی۔ لڑکی نے دیکھا کہ احمد کمال نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ احمد کمال نے [illegible] کے لیے ہاتھ اٹھائے اور آنکھیں بند کر لیں۔ لڑکی اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ احمد کمال فارغ ہوا تو [illegible] کیا تھا؟''

[illegible] کے ساتھ [illegible] احمد کمال نے جواب دیا۔

''تم نے خدا سے کبھی سونا اور خوبصورت بیوی نہیں مانگی؟''

''یہ دونوں چیزیں خدا نے بغیر مانگے مجھے دے دی تھیں''.........احمد کمال نے کہا.........''لیکن ان پر میرا کوئی حق نہیں۔ شاید خدا نے میرا امتحان لینا چاہا تھا۔''

''تمہیں یقین ہے کہ خدا نے تمہیں بدی کا مقابلہ کرنے کی ہمت دی ہے۔؟''

''تم نے دیکھا نہیں؟''.........احمد کمال نے جواب دیا۔''تمہارا سونا اور تمہارا حسن مجھے اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکے۔ یہ میری کوشش اور اللہ کی دین ہے۔''

''کیا خدا گناہ معاف کر دیا کرتا ہے؟''لڑکی نے پوچھا۔

''ہاں! ہمارا خدا گناہ معاف کر دیا کرتا ہے۔''احمد کمال نے جواب دیا.........''شرط یہ ہے کہ گناہ بار بار نہ کیا جائے۔''

لڑکی نے سر جھکا لیا۔ احمد کمال نے جب اس کی سسکیاں سنیں تو اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ وہ رو رہی تھی۔ لڑکی نے احمد کمال کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کئی بار چوما۔ احمد کمال نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ لڑکی نے کہا.........''آج ہم جدا ہو جائیں گے۔ تم مجھے قاہرہ بھیج دو گے۔ میں اب آزاد نہیں ہو سکوں گی۔ میرا دل مجبور کر رہا ہے کہ تمہیں بتا دوں کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں۔ پھر تمہیں بتاؤں گی کہ میں اب کیا ہوں۔''

''ہماری روانگی کا وقت ہو گیا ہے۔''احمد کمال نے کہا.........''میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میں اتنی نازک اور اتنی خطرناک ذمہ داری کسی اور کو نہیں سونپ سکتا۔''

''یہ نہیں سنو گے کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں؟''

''اٹھو!''احمد کمال نے کہا.........''یہ سننا میرا کام نہیں''.........وہ خیمے سے باہر نکل گیا۔

☆

کچھ دیر بعد قاہرہ کی سمت چھ گھوڑے جا رہے تھے۔ ایک پر احمد کمال تھا۔ اس کے پیچھے دوسرے گھوڑے پر لڑکی تھی۔ اس کے پیچھے پہلو بہ پہلو چار گھوڑے محافظوں کے تھے اور ان کے پیچھے ایک اونٹ جس پر سفر کا سامان، پانی اور خوراک وغیرہ تھی جا رہا تھا۔ قاہرہ تک کم و بیش چھتیس گھنٹوں کا سفر تھا۔ لڑکی نے دو مرتبہ اپنا گھوڑا اس کے پہلو میں کر لیا اور دونوں مرتبہ احمد کمال نے اسے کہا کہ وہ اپنا گھوڑا اس کے اور محافظوں کے درمیان رکھے۔ اس کے سوا اس نے لڑکی کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ سورج غروب ہونے کے بعد احمد کمال نے قافلے کو روک لیا اور پڑاؤ کا حکم دیا۔

رات لڑکی کو احمد کمال نے اپنے خیمے میں سلایا۔ اس نے دیا جلتا رکھا۔ وہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ کسی نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اس نے لڑکی کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا۔ لڑکی کا ہاتھ اس کے ماتھے پر تھا۔ احمد کمال تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ لڑکی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے احمد کمال کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور اسے چوم کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ احمد کمال اسے دیکھتا رہا۔ لڑکی نے آنسو پونچھ کر کہا.........''میں تمہاری دشمن ہوں۔ تمہارے ملک میں جاسوسی کے لیے اور تمہارے بڑے بڑے حاکموں کو آپس میں ٹکرانے کے لیے اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کا انتظام کرنے کے لیے فلسطین سے آئی ہوں، لیکن اب میرے دل سے دشمنی نکل گئی ہے۔''

''کیوں؟'' احمد کمال نے کہا.........''تم بزدل لڑکی ہو۔ اپنی قوم سے غداری کر رہی ہو۔ سولی پر کھڑے ہو کر بھی کہو کہ میں صلیب پر قربان ہو رہی ہوں۔''

''اس کی وجہ سن لو'' اس نے کہا.........''تم پہلے مرد ہو جس نے میرے حسن اور میری جوانی کو قابل نفرت چیز سمجھ کر ٹھکرایا ہے۔ ورنہ کیا اپنے کیا بیگانے، مجھے کھلونہ سمجھتے رہے۔ میں نے بھی اسی کو زندگی کا مقصد سمجھا کہ مردوں کے ساتھ کھیلو، دھوکے دو اور عیش کرو۔ میری تربیت ہی اسی مقصد کے تحت ہوئی تھی۔ جسے تم لوگ بے حیائی کہتے ہو وہ میرے لیے ایک فن ہے، ایک ہتھیار ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ مذہب کیا ہے اور خدا کے احکام کیا ہیں۔ صرف صلیب ہے جس کے متعلق مجھے بچپن میں ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ یہ خدا کی دی ہوئی نشانی ہے اور یہ عیسائیت کی عظمت کی علامت ہے اور یہ کہ ساری دنیا پر حکمرانی کا حق صرف صلیب کے پجاریوں کو حاصل ہے اور یہ کہ مسلمان صلیب کے دشمن ہیں۔ انہیں اگر زندہ رہنا ہے تو صلیبیوں کے قدموں میں رہ کر زندہ رہیں.........میں انہی چند ایک باتوں کو مذہب کے بنیادی اصول سمجھتی رہی۔ مجھے مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے کی تربیت دی گئی تو اسے بھی مذہبی فریضہ کہا گیا......

''کیا تم اپنے ایک سالار رجب کو جانتے ہو؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''وہ خلیفہ کے محافظ دستوں کا سالار ہے۔'' احمد کمال نے کہا۔''وہ بھی سوڈانیوں کے حملے والی سازش میں شامل تھا۔''

''اب کہاں ہے؟''

''معلوم نہیں۔'' احمد کمال نے کہا.........''مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ رجب فوج سے بھگوڑا ہو گیا ہے۔ جہاں کہیں نظر آئے اسے پکڑ لو اور بھاگے تو تیر مارو اور اسے ختم کر دو۔''

''میں بتاؤں وہ کہاں ہے۔؟'' لڑکی نے کہا.........''وہ سوڈان میں حبشیوں کے پاس ہے۔ وہاں ایک خوشنما جگہ ہے۔ وہاں حبشی لڑکیوں کو دیوتا کے آگے قربان کرتے ہیں۔ رجب وہاں ہے۔ میں جانتی ہوں وہ فوج کا بھگوڑا ہے۔ ہم تین لڑکیاں اس کے ساتھ فلسطین سے آئی تھیں۔''

''باقی دو کہاں ہیں؟''

لڑکی نے آہ بھری اور کہا.........''وہ مر گئی ہیں۔ انہی کی موت نے مجھے بدل ڈالا ہے۔''.........لڑکی نے احمد کمال کو ایک لمبی کہانی کی طرح سنایا کہ وہ کس طرح فلسطین سے رجب کے ساتھ آئی تھیں۔ کس طرح حبشیوں نے ان میں سے دو لڑکیوں کو دیوتا کے نام پر ذبح کرنا چاہا، رجب انہیں بچا نہ سکا، کس طرح وہ وہاں سے بھاگیں اور راستے میں دو لڑکیاں کس طرح آندھی میں ماری گئیں۔ اس نے کہا.........''میں اپنے آپ کو شہزادی سمجھتی تھی۔ میں نے بادشاہوں کے دلوں پر حکمرانی کی ہے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ خدا بھی ہے اور موت بھی ہے۔ مجھے گناہوں میں ڈبویا گیا اور میں ڈوبتی چلی گئی۔ عجیب لذت تھی اس ڈوبنے میں، مگر مجھے وہ مگر مچھ دکھائے گئے جن کے آگے ذبح کی ہوئی لڑکیوں کے جسم پھینکے جاتے ہیں۔ مگر مچھ پانی کے کنارے سوئے ہوئے تھے۔ ان کے بھدے اور مکروہ جسم دیکھ کر میں کانپ گئی۔ وہ میرے ایک جسم کو جس نے بادشاہوں کے سر جھکائے تھے، ان مگر مچھوں کی خوراک بنانا چاہتے تھے۔ میں نے وہ بدصورت، بیہودہ کاہن بھی دیکھے جو میرا سر میرے جسم سے الگ کرنے کے لیے آ گئے تھے۔ موت کے پروں کی آواز مجھے سنائی دینے لگی تھی۔ میرا رگ رگ بیدار ہو گئی۔ میرے اندر سے مجھے آواز سنائی دی۔ اپنے حسن اور اتنے دل نشین جسم کا انجام

دیکھ.........ہم جان کی بازی لگا کر اپنے گھر سے نکلی تھیں۔ ہمیں یہ کہہ کر جب کے ساتھ فلسطین سے بھیجا گیا تھا کہ یہ شخص ہماری حفاظت کرے گا لیکن اس شخص نے میرے ساتھ دست درازی کی.........

''ہم وہاں سے بھاگیں۔ آندھی میں گھوڑے بے قابو ہو کر بھاگ اٹھے۔ ہمارے لیے صحرا میں کوئی پناہ نہیں تھی۔ ہم آندھی اور گھوڑوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ پہلے ایک لڑکی گری۔ میں نے اسے گھوڑے کے نیچے آتے دیکھا۔ پھر دوسری لڑکی گھوڑے سے گری تو پاؤں رکاب میں پھنس جانے کی وجہ سے گھوڑے نے اسے دو میل سے زیادہ فاصلے تک گھسیٹا۔ اس کی چیخیں میرا جگر چاک کر رہی تھیں۔ میں اب بھی اس کی چیخیں سن رہی ہوں۔ جب تک زندہ رہوں گی، یہ چیخیں سنتی رہوں گی۔ پھر وہ لڑکی لاش بن گئی۔ میرا گھوڑا ساتھ ساتھ دوڑا آ رہا تھا۔ مگر میرے قابو میں نہیں تھا۔ وہ لڑکی بھی اپنے گھوڑے کے ساتھ پیچھے رہ گئی۔ میں اب اکیلی تھی۔ مجھے خدا نے ان دو لڑکیوں کو مار کر بتا دیا تھا کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ وہ مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور شوخ تھیں۔ ان میں حسن کا غرور بھی تھا۔ انہوں نے بھی بادشاہوں کو انگلیوں پر نچایا تھا مگر ایسی بھیانک موت مریں کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ اب وہ ریت کی گمنام قبروں میں دفن ہو گئی ہیں۔ میں اکیلی رہ گئی۔ آندھی کے زناٹے موت کے قہقہے بن گئے۔ مجھے اپنے سر کے اوپر، آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں چڑیلیں، بدروحیں، بھوت اور موت کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ میں بدھو اور بیوقوف لڑکی نہیں ہوں۔ دماغ روشن ہے۔ میں نے جان لیا کہ خدا مجھے گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔ ایسی ہیبت ناک موت اور ایسی ہولناک آندھی۔ وہ تم نے بھی دیکھی ہے۔ مجھے خدا یاد آ گیا۔ میں نے خدا کو بلند آواز سے پکارا۔ رو رو کر گناہوں سے توبہ کی اور معافی مانگی، پھر میں بے ہوش ہو گئی.........

''اور جب ہوش میں آئی تو میں تمہارے قبضے میں تھی۔ تمہاری گوری رنگت دیکھ کر میں خوش ہوئی کہ تم یورپی ہو اور میں فلسطین میں ہوں۔ اسی دھوکے میں میں نے اپنی زبان میں پوچھا تھا کہ کیا میں فلسطین میں ہوں۔ جب مجھے پتہ چلا کہ میں مسلمانوں کے قبضے میں ہوں تو میرا دل بیٹھ گیا۔ میں آندھی سے بچ کر اپنے دشمن کے قبضے میں آ گئی تھی۔ مسلمانوں کے متعلق مجھے بتایا گیا تھا کہ عورتوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کرتے ہیں لیکن تم نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ تم نے سونا ٹھکرا دیا اور تم نے مجھے بھی ٹھکرا دیا۔ میں اس قدر خوف زدہ تھی کہ میں کہتی تھی کہ خواہ کوئی مل جائے، مجھے پناہ دے دے اور مجھے سینے سے لگا لے۔ تمہارے متعلق مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ تمہارا کردار پاک ہے۔ مجھے یہ توقع تھی کہ رات کو تم مجھے پریشان کرو گے۔ میں خواب میں بھی مگرمچھوں، حبشیوں اور آندھی کی دہشت دیکھتی رہی۔ میں ڈر کر اٹھی تو تم نے مجھے سینے سے لگا لیا اور بچوں کی طرح مجھے کہانیاں سنا کر میرا خوف دور کر دیا اور جب رات گزر گئی تو میں نے جاگتے ہی تمہیں خدا کے آگے سجدے میں دیکھا۔ تم نے جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور آنکھیں بند کر لی تھیں اس وقت تمہارے چہرے پر مسرت، سکون اور نور تھا۔ میں اس شک میں پڑ گئی کہ تم انسان نہیں فرشتہ ہو، کوئی انسان سونے اور مجھ جیسی لڑکی سے منہ نہیں موڑ سکتا.........

''میں نے تمہارے چہرے پر جو سکون اور مسرت دیکھی تھی اس نے میرے آنسو نکال دیئے۔ میں تم سے پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ سکون تمہیں کس نے دیا ہے۔ میں تمہارے وجود سے اتنی متاثر ہوئی کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھنا بہت بڑا گناہ سمجھا۔ میں تمہیں یہ کہنا چاہتی تھی کہ میں تمہیں اپنے متعلق ہر ایک بات بتا دوں گی۔ اس کے عوض مجھے یہ کردار اور یہ سکون دے دو اور میرے دل سے وہ دہشت اتار دو جو مجھے بڑی ہی تلخ اذیت دے رہی ہے مگر تم نے میری بات نہ سنی، تمہیں فرض عزیز تھا''.........اس نے احمد کمال کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور کہا.........''تم شاید اسے بھی دھوکہ سمجھو، لیکن

میرے دل کی بات سن لو۔ میں تم سے جدا نہیں ہو سکوں گی۔ میں نے کل تمہیں گناہ کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے اپنی لونڈی سمجھو، مگر اب میں ساری عمر کے لیے تمہارے قدموں میں بیٹھی رہوں گی۔ مجھے اپنی لونڈی بنالو اور اس کے عوض مجھے وہ سکون دے دو جو میں نے نماز کے وقت تمہارے چہرے پر دیکھا تھا۔"

"میں تمہیں بالکل نہیں کہوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے رہی ہو۔" احمد کمال نے کہا۔ "میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی قوم کو اور اپنی فوج کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ تم میرے پاس امانت ہو، میں خیانت نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا وہ میرا فرض تھا۔ یہ فرض اس وقت ختم ہو گا جب میں تمہیں متعلقہ محکمے کے حوالے کر دوں گا اور وہ مجھے حکم دے گا کہ احمد کمال تم واپس چلے جاؤ۔"

وہ اسے دھوکہ نہیں دے رہی تھی۔ اس نے روتے ہوئے کہا.......... "تمہارے حاکم جب مجھے سزائے موت دیں گے تو تم میرا ہاتھ پکڑے رکھنا۔ اب یہی ایک خواہش ہے۔ میں تمہیں ایسی بات نہیں کہوں گی کہ مجھے فلسطین پہنچا دو۔ میں تمہارے فرض کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ مجھے صرف اتنا کہہ دو کہ میں نے تمہارا پیار قبول کر لیا ہے، میں تمہیں یہ بھی نہیں کہوں گی کہ مجھے اپنی بیوی بنالو کیونکہ میں ایک ناپاک لڑکی ہوں۔ مجھے تربیت دینے والوں نے پتھر بنا دیا تھا۔ میں یہ بھی سمجھتی تھی کہ میرے اندر انسانی جذبات نہیں رہے لیکن خدا نے مجھے بڑے ہی پر ہول طریقے سے سمجھا دیا کہ انسان پتھر نہیں بن سکتا اور وہ ایک نہ ایک دن مجبور ہو کر کسی سے پوچھتا ہے کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔"

رات گزرتی جا رہی تھی اور وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ احمد کمال نے اس سے پوچھا.......... "تم جیسی لڑکیوں کو ہمارے ملک میں بھیج کر ان سے کیا کام لیا جاتا ہے۔"

"بہت سے کام کرائے جاتے ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "بعض کو مسلمان امراء کے حرموں میں مسلمان کے روپ میں داخل کر دیا جاتا ہے جہاں وہ تربیت کے مطابق امراء اور وزراء پر غالب آ جاتی ہیں۔ ان سے صلیبیوں کی پسند کے افراد کو عہدے دلاتی ہیں۔ جو حاکم صلیبیوں کے خلاف ہو اس کے خلاف کارروائیاں کراتی ہیں۔ مسلمان لڑکیاں اتنی چالاک نہیں ہوتیں۔ انہیں خوبصورتی پر ناز ہوتا ہے۔ وہ حرموں کے لیے منتخب تو ہو جاتی ہیں لیکن ایک عیسائی یا یہودی لڑکی انہیں بیکار کر کے اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ اس وقت تک اسلامی حکومت کے امیروں اور وزیروں اور قلعہ داروں کی آدھی تعداد کے فیصلے میری قوم کے حق میں ہوتے ہیں.......... لڑکیوں کا ایک گروہ اور بھی ہے۔ یہ لڑکیاں اسلامی نام سے مسلمانوں کی بیویاں بن جاتی ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ اچھے درجے کے مسلمان گھرانوں کی لڑکیوں کے دماغ اور کردار خراب کرتی ہیں۔ ان کے لڑکوں کو بدی کے راستے پر ڈالتی اور شریف گھرانوں کی لڑکیوں اور لڑکوں کے معاشقے کراتی ہیں۔ مجھ جیسی صلیبی لڑکیاں چوری چھپے تمہارے ایسے حاکموں کے پاس آتی ہیں جو ہمارے ہاتھ میں کھیل رہے ہوتے ہیں۔ ان حاکموں کو سونے کے سکوں کی صورت میں معاوضہ ملتا رہتا ہے۔ وہ مجھ جیسی لڑکیوں کو حفاظت میں ایسے طریقے سے رکھتے ہیں، جن سے ان پر ذرا سا شک بھی نہیں ہوتا۔ یہ لڑکیاں اعلیٰ درجے کے حاکموں کے درمیان رقابت اور غلط فہمیاں پیدا کرتی اور صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کے خلاف ناپسندیدگی پیدا کرتی ہیں۔ مجھے دو لڑکیوں کے ساتھ اسی کام کے لیے رجب کے حوالے کیا گیا تھا۔"

وہ اس صلیبیوں کی درپردہ کارروائیوں اور مسلمانوں کی ایمان فروشی کی تفصیل سناتی رہی۔ احمد کمال سنتا رہا۔

☆

دوسرے دن سورج غروب ہونے سے بہت پہلے یہ قافلہ قاہرہ پہنچ گیا۔احمد کمال علی بن سفیان کے پاس گیا اور اسے لڑکی کے متعلق تمام تر رپورٹ دے کر لڑکی اس کے حوالے کردی۔اس نے یہ بھی بتایا کہ رجب حبشیوں کے پاس ہے اور اس نے اس جگہ کو اڈہ بنا رکھا ہے۔ جہاں حبشی لڑکی کی قربانی دیا کرتے تھے۔احمد کمال نے یہ بھی کہا کہ اگر اسے حکم دیا جائے تو وہ رجب کو زندہ یا مردہ وہاں سے لاسکتا ہے۔علی بن سفیان نے ایسا حکم نہ دیا کیونکہ اس مقصد کے لیے اس کے پاس تربیت یافتہ فوجی تھے۔احمد کمال نے وہ طریقہ بتادیا جس سے رجب تک پہنچا جاسکتا تھا۔اس نے یہ طریقہ لڑکی کی سنائی ہوئی باتوں کے مطابق سوچا تھا۔علی بن سفیان پہلے ہی ایک پارٹی سوڈان بھیج چکا تھا۔اس نے لڑکی سے تفتیش کرنے سے پہلے چار نہایت ذہین کمانڈار بلائے اور انہیں احمد کمال کے حوالے کرکے حکم دیا کہ اس کے مطابق وہ سوڈان فوراً چلے جائیں اور رجب کو لانے کی کوشش کریں۔اس نے احمد کمال کو واپسی سے پہلے آرام کے لیے بھیج دیا اور لڑکی کو اپنے پاس بلایا۔

لڑکی سے اس نے پہلا سوال کیا تو لڑکی نے جواب دیا۔"احمد کمال میرے سامنے بیٹھا رہے گا تو جو پوچھو گے بتا دوں گی ورنہ زبان نہیں کھولوں گی خواہ جلاد کے حوالے کردو۔"

علی بن سفیان نے احمد کمال کو بلا کر اس کے سامنے بٹھا دیا۔لڑکی نے مسکرا کر بولنا شروع کردیا۔اس نے کچھ بھی نہ چھپایا اور آخر میں کہا۔"مجھے سزا دینی ہے تو میری ایک آخری خواہش پوری کردو۔ میں احمد کمال کے ہاتھ سے مرنا چاہتی ہوں۔"اس نے تفصیل سے سنادیا کہ وہ احمد کمال کی مرید کیوں بن گئی ہے۔

علی بن سفیان نے لڑکی کو قید میں ڈالنے کی بجائے احمد کمال کی تحویل میں رہنے دیا اور سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔اسے لڑکی کا سارا بیان سنایا۔اس نے کہا........."آپ کا معتمد فیض الفاطمی ہمارا دشمن ہے۔لڑکیوں کو اس کے پاس آنا تھا۔"......سلطان ایوبی کا فوری ردعمل یہ تھا........."وہ جھوٹ بکتی ہے۔تمہیں گمراہ کررہی ہے۔فیض الفاطمی ایسا حاکم نہیں۔"

"امیر محترم!آپ بھول گئے ہیں کہ وہ فاطمی ہے؟"..........علی بن سفیان نے کہا.........."آپ شاید یہ بھی بھول گئے ہیں کہ فاطمی اور فدائیوں کا گہرا رشتہ ہے۔یہ لوگ آپ کے وفادار ہو ہی نہیں سکتے۔"

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ وہ غالباً سوچ رہا تھا کہ کس پر بھروسہ کرے۔کچھ دیر بعد اس نے کہا........"علی!میں تمہیں یہ اجازت نہیں دوں گی کہ فیض الفاطمی کو گرفتار کرلو۔کوئی ایسی ترکیب کرو کہ وہ جرم کرتا پکڑا جائے۔میں اسے موقعہ پر پکڑنا چاہتا ہوں اور یہ موقعہ پیدا کرنا تمہارا کام ہے۔وہ جنگ جیسے اہم شعبے کا حاکم ہے۔سلطنت کے جنگی راز اس کے پاس ہیں۔مجھے بہت جلدی یہ ثبوت چاہیے کہ وہ ایسے گھناؤنے جرم کا مجرم ہے یا نہیں۔"

علی بن سفیان سراغرسانی کا ماہر تھا۔ خدا نے اسے دماغ ہی ایسا دیا تھا۔ اس نے ایک ترکیب سوچ لی اور سلطان ایوبی سے کہا........"لڑکی جن مراحل سے گزر کر آئی ہے ان کی دہشت نے اس کا دماغ ماؤف کردیا ہے اور وہ احمد کمال کے لیے جذباتی ہوگئی ہے کیونکہ اس شخص نے اسے دہشت سے بچایا اور ایسا سلوک کیا ہے کہ لڑکی اس کے بغیر بات ہی نہیں کرتی۔مجھے امید ہے کہ میں اسی لڑکی کو استعمال کرسکوں گا۔"

"کوشش کردیکھو"سلطان ایوبی نے کہا........"لیکن یاد رکھو، میں واضح ثبوت اور شہادت کے بغیر تمہیں اجازت نہیں دوں گا کہ فیض الفاطمی کو گرفتار کرلو۔مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ وہ بھی دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔"

علی بن سفیان لڑکی کے پاس گیا اور اسے اپنا مدعا بتایا۔لڑکی نے کہا........"احمد کمال کہے تو میں آگ میں بھی

کو د جاؤں گی"...........احمد کمال نے اسے کہا........."جیسے یہ کہتے ہیں ویسے کر دو۔ان کی بات سمجھ لو۔"

"اس کا مجھے کیا انعام ملے گا؟"..........لڑکی نے پوچھا۔

"تمہیں پوری حفاظت سے فلسطین کے قلعہ شوبک میں پہنچا دیا جائے گا"..........علی بن سفیان نے کہا........"اور یہاں تمہیں پوری عزت سے رکھا جائے گا۔"

"نہیں!"..........لڑکی نے کہا........."یہ انعام بہت تھوڑا ہے۔ مجھے منہ مانگا انعام دو۔ میں اسلام قبول کرلوں گی اور احمد کمال میرے ساتھ شادی کرلے۔"

احمد کمال نے صاف انکار کر دیا۔علی بن سفیان اسے باہر لے گیا۔احمد کمال نے کہا کہ یہ بے شک اسلام قبول کرلے لیکن میں اسے پھر بھی اسلام کا دشمن سمجھوں گا۔علی بن سفیان نے اسے کہا........."ملک اور قوم کی سلامتی کی خاطر تمہیں یہ قربانی دینی ہوگی۔"..........احمد کمال مان گیا۔اس نے اندر جا کر لڑکی سے کہا.........."میں چونکہ تمہیں ابھی تک بے اعتبار لڑکی سمجھ رہا ہوں اس لیے شادی سے انکار کیا ہے۔اگر تم ثابت کر دو کہ تمہارے دل میں میرے مذہب کے لیے قربانی کا جذبہ ہے تو میں تمام عمر تمہارا غلام رہوں گا۔"

لڑکی نے علی بن سفیان سے کہا.........."کہو مجھے کیا کرنا ہے۔میں بھی دیکھ لوں گی کہ مسلمان اپنے وعدے کے کتنے پکے ہوتے ہیں۔میری ایک شرط یہ بھی ہے کہ احمد کمال میرے ساتھ رہے گا۔"

علی بن سفیان نے اس کی یہ شرط بھی مان لی اور اپنے ایک اہلکار کو بلا کر احمد کمال اور لڑکی کے لیے رہائش کے انتظام کا حکم دے دیا۔اس نے دروازہ بند کر لیا اور لڑکی کو احمد کمال کی موجودگی میں بتانے لگا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆

تیسرے دن علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے آدمی حبشیوں کی اس مقدس جگہ پہنچ گئے جہاں سے لڑکیاں بھاگی تھیں۔اور جہاں رجب حبشیوں کا قیدی تھا۔یہ چھ آدمی تھے اور سب اونٹوں پر سوار تھے۔انہوں نے بھیس نہیں بدلا تھا۔وہ مصری فوج کے لباس میں تھے۔ان کے پاس برچھیاں، تیر و کمان اور تلواریں تھیں۔انہیں احمد کمال نے لڑکیوں کی روئیداد سنادی تھی۔اس کے مطابق علی بن سفیان نے انہیں طریقہ کار سمجھا دیا تھا۔وہ پہاڑی خطے کے اندر گئے جسے پہاڑیوں نے قلعہ بنا رکھا تھا۔ایک برچھی نہ جانے کہاں سے آئی اور ان کے سامنے زمین میں گڑ گئی۔اس کا مطلب یہ تھا کہ رک جاؤ، تم گھیرے میں ہو۔وہ رک گئے۔حبشی پروہت سامنے آیا۔اس کے ساتھ تین حبشی تھے جن کے پاس برچھیاں تھیں۔حبشی نے انہیں خبردار کیا کہ وہ اس کے چھپے ہوئے تیراندازوں کی زد میں ہیں۔اگر انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔

سب نے اپنے ہتھیار حبشیوں کے آگے پھینک دیئے اور اونٹوں سے اتر آئے۔ان کے قائد نے حبشی پروہت سے ہاتھ ملا کر کہا........."ہم تمہارے دوست ہیں۔محبت لے کے آئے ہیں، تمہاری محبت لے کے جائیں گے.........کیا تم نے تینوں لڑکیوں کی قربانی دے دی ہے۔؟"

ہم مصری فوج کے باغی ہیں"......... جماعت کے قائد نے جواب دیا.........."ہم تمہاری اس فوج کے ساتھی ہیں جو مسلمانوں سے تمہارے دیوتا کی توہین کا انتقام لے گی۔ہمیں تمہارے آدمیوں نے بتایا تھا کہ انہیں شکست اس لیے ہوئی ہے کہ لڑکی کی قربانی نہیں دی جاسکی۔ہم رجب کے ساتھ تھے۔ہم نے اسے کہا کہ ہم تین فرنگی لڑکیاں اغوا کر کے

لے آئیں گے۔ اور ایک کی بجائے تین لڑکیاں قربان کریں گے اور دیوتا کے مگرمچھوں کو کھلائیں گے۔ ہم بڑی دور سے تین لڑکیاں ورغلا کر اور بہت سے لالچ دے کر لے آئے اور رجب کے حوالے کر دی تھیں۔ وہ انہیں یہاں لے آیا تھا۔ ہم یہ دیکھنے آئے ہیں کہ لڑکیوں کی قربانی دی جا چکی ہے یا نہیں۔"

حبشی پروہت دھوکے میں آ گیا۔ اس نے کہا........."رجب نے ہمارے ساتھ کمینگی کی ہے۔ وہ لڑکیاں لے آیا تھا مگر اس کی نیت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے لڑکیوں کو یہاں سے بھگا دیا لیکن ہم نے اسے نہیں بھاگنے دیا۔ اسے پوری سزا دی ہے۔ لڑکیاں ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہیں۔ کیا تم دو لڑکیوں کا بندوبست کر سکتے ہو؟ دیوتاؤں کا قہر سخت ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہم ضرور بندوبست کریں گے".........قائد نے کہا........."تھوڑے دنوں تک ہم دو لڑکیاں لے آئیں گے۔ ہمیں رجب کے پاس لے چلو۔ ہم اس سے پوچھیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں؟"

حبشی پروہت سب کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک جگہ مٹی کا ایک چوڑا اور گول برتن رکھا تھا جو ایسے ہی ایک برتن سے ڈھکا ہوا تھا۔ پروہت نے اوپر والا برتن اٹھا کر نیچے والے برتن میں ہاتھ ڈالا۔ جب اس نے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں رجب کا سر تھا۔ چہرے کا ہر ایک نقش بالکل صحیح اور سلامت تھا۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئی تھیں۔ منہ بند تھا۔ یہ سر اور چہرہ گردن سے کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا گیا تھا۔ اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ یہ کوئی دوائی تھی جس میں حبشیوں نے سر ڈالا ہوا تھا تاکہ خراب نہ ہو۔ پروہت نے کہا........."اس کا جسم مگرمچھوں کو کھلا دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھیوں کو ہم نے زندہ جھیل میں پھینک دیا تھا۔ مگرمچھ بھوکے تھے۔"

"اگر ہمیں یہ سر دے دو تو ہم اپنے تمام ساتھیوں کو دکھائیں گے" ایک نے کہا........."اور انہیں بتائیں گے کہ جو انگوک کے دیوتا کی توہین کرے گا اس کا یہ انجام ہوگا۔"

"تم اس شرط پر لے جا سکتے ہو کہ کل سورج غروب ہونے سے پہلے واپس لے آؤ گے"......... پروہت نے کہا........."یہ انگوک کے دیوتا کی ملکیت ہے۔ اگر واپس نہیں لاؤ گے۔ تو تمہارا سر جسم سے جدا ہو جائے گا۔"

☆

تیسرے روز رجب کا سر سلطان صلاح الدین ایوبی کے قدموں میں پڑا تھا اور سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔

اسی رات کا واقعہ ہے.........احمد کمال اور لڑکی اس مکان کے برآمدے میں سوئے ہوئے تھے جو انہیں رہائش کے لیے دیا گیا تھا۔ اس مکان میں۔ رہتے ہوئے انہیں چھ روز گزر گئے تھے۔ اس دوران لڑکی احمد کمال سے کہتی رہی تھی کہ وہ فوراً مسلمان ہونے کو تیار ہے اور احمد کمال اس کے ساتھ شادی کر لے، لیکن احمد کمال یہی ایک جواب دیتا تھا........."پہلے فرض پورا کریں گے"........لڑکی نے دو تین بار اس خدشے کا بھی اظہار کیا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوگا۔ احمد کمال اسے ابھی ایک ہاتھ دور ہی رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران لڑکی کے دل سے دہشت اتر گئی تھی اور اب وہ ہوشمندی سے سوچنے کے قابل ہو گئی تھی۔

اس رات وہ اور احمد کمال برآمدے میں سوئے ہوئے تھے۔ باہر ایک سپاہی پہرے پر کھڑا تھا۔ آدھی رات سے کچھ دیر پہلے پہرہ دار مکان کے ارد گرد گھومنے کے لیے آہستہ آہستہ چلا تو کسی نے پیچھے سے اس کی گردن بازو میں جکڑ لی۔

فوراً بعد اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا گیا۔ ہاتھ اور پاؤں بھی رسیوں میں جکڑے گئے۔ وہ چار آدمی تھے۔ مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ایک آدمی دیوار سے پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا دوسرا اس کے کندھوں پر چڑھ کر دیوار پھلانگ گیا۔ اندر سے اس نے دروازہ کھول دیا۔ باقی تین آدمی بھی اندر چلے گئے۔ ایک جو سب سے زیادہ قوی ہیکل تھا، اس نے لڑکی کے منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ لڑکی کے جاگنے تک اس نے لڑکی کو دبوچ لیا اور اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ تین آدمیوں نے احمد کمال کو رسیوں سے جکڑ کر اور منہ پر کپڑا باندھ کر پلنگ پر ہی پڑا رہنے دیا۔ اسے مزاحمت کی مہلت ہی نہ ملی۔ باہر جا کر انہوں نے لڑکی پر کمبل ڈال دیا تا کہ کوئی دیکھ لے تو اسے پتہ نہ چل سکے کہ اس آدمی کے کندھوں پر لڑکی ہے۔

شہر سے چار پانچ میل دور فرعونوں کے وقتوں کی ایک بہت ہی وسیع و عریض اور بھول بھلیوں جیسی عمارت کے کھنڈر تھے۔ ان کے متعلق لوگ بہت سی ڈراؤنی باتیں کیا کرتے تھے کہ عمارت کے اندر ایک بلند چٹان ہے۔ اس چٹان کو کاٹ کر بہت سے کمرے اور ان کمروں کے نیچے بھی کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے اندر وہی جا کر واپس آ سکتا تھا جو ان سے واقف تھا۔ بہت مدت سے کسی نے ان کھنڈروں کے اندر جانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ مشہور ہو گیا تھا کہ اندر جنوں بھوتوں کا بسیرا ہے۔ اندر سانپوں کا بسیرا تو ضرور ہی تھا۔ سانپوں کے ڈر سے کوئی اس کھنڈر کے قریب سے بھی نہیں گزرتا تھا۔ بڑی خوفناک کہانیاں سنی سنائی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود یہ چار آدمی جو لڑکی کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ ان کھنڈروں میں داخل ہو گئے اور داخل بھی اس طرح ہوئے جیسے یہی ان کا گھر تھا۔

وہ غار نما کمروں، غلام گردشوں اور اندھیری گلیوں میں سے بغیر رکے گذرتے گئے۔ آگے مشعلوں کی روشنی تھی۔ ان کے قدموں کی آہٹوں سے چمگادڑ اڑتے اور پھڑ پھڑاتے تھے۔ چھپکلیاں اور رینگنے والی کئی چیزیں ادھر ادھر بھاگتی پھر رہی تھیں۔ اندر مکڑیوں کے جالے اور کائی بھی تھی............ وہ چٹان میں بنے ہوئے ایک کمرے سے داخل ہو گئے۔ وہاں ایک آدمی مشعل لیے کھڑا تھا جو ان کے آگے آگے چل پڑا۔ آگے سیڑھیاں تھیں جو نیچے اترتی تھیں۔ وہ سب نیچے اتر گئے اور ایک طرف مڑ کر ایک وسیع کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہاں فرش پر بستر بچھا تھا۔ اس کے ساتھ بڑی خوشنما دری تھی۔ کمرہ سجا ہوا تھا۔ لڑکی کو بستر پر ڈال کر اس کے منہ سے کپڑا کھول دیا گیا...... لڑکی غصے سے بولی............ "میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا ہے؟ میں مر جاؤں گی کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔"

"اگر تمہیں وہاں سے اٹھوا نہ لیا جاتا تو کل صبح تمہیں جلاد کے حوالے کر دیا جاتا۔" ایک آدمی نے کہا............ "میرا نام فیض الفاطمی ہے۔ تمہیں میرے پاس آنا تھا۔ باقی دو کہاں ہیں؟ تم اکیلی کیسے پکڑی گئی ہو؟ رجب کہاں ہے؟"

لڑکی مطمئن ہو گئی اور بولی............ "میں خدا کا شکر بجا لاتی ہوں جس نے مجھے بڑی بڑی خوفناک مصیبتوں سے بچا لیا۔ میں منزل پر پہنچ گئی ہوں۔"............ اس نے فیض الفاطمی کو رجب، حبشیوں، آندھی، دو لڑکیوں کی موت اور احمد کمال کے ہتھے چڑھ جانے کی ساری روائیداد سنادی۔ فیض الفاطمی نے اسے تسلی دی اور ان چاروں آدمیوں کو جو لڑکی کو اٹھا لائے تھے، سونے کے چھ چھ ٹکڑے دیئے اور کہا............ "تم اب اپنی اپنی جگہ سنبھال لو۔ میں تھوڑی دیر بعد چلا جاؤں گا۔ یہ لڑکی تین چار روز یہیں رہے گی۔ میں رات کو آیا کروں گا۔ باہر جب اس کی تلاش ختم ہو جائے گی تو اسے لے جاؤں گا۔"

چاروں آدمی چلے گئے اور کھنڈر کے چاروں طرف ایسی جگہوں پر بیٹھ گئے جہاں سے باہر نظر رکھی جا سکتی تھی۔

فیض الفاطمی کے ساتھ ایک ہی آدمی رہ گیا جو مصری فوج کا کمانڈار تھا۔ اندر فیض الفاطمی اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا اور دو لڑکیوں کی موت کا اسے غم بھی تھا۔ اسے رجب کے انجام کا بھی علم نہیں تھا۔ اس نے کہا............ "رجب کو وہاں سے نکالنا ضروری ہے۔ اس نے علی بن سفیان اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کا کچھ انتظام کیا تھا جس کا مجھے علم نہیں کہ کیا تھا۔ اس نے غالباً فدائیوں سے معاملہ طے کیا ہے۔ یہ دونوں قتل اب بہت ضروری ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں کوئی نیا منصوبہ بنانا ہے۔ میں دوسرے ساتھیوں سے بات کر کے تمہیں کل بتاؤں گا۔ ابھی آرام کرو۔ مجھے واپس جانا ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی کو آپ پر اعتماد ہے؟"............ لڑکی نے پوچھا۔

"اتنا زیادہ کہ اپنی ذاتی باتوں میں بھی مجھ سے مشورہ لیتا ہے۔"............ فیض الفاطمی نے جواب دیا۔

"مجھے پتہ چلا ہے کہ اعلیٰ حکام میں صلاح الدین ایوبی کے وفاداروں کی تعداد بہت زیادہ ہے"............ لڑکی نے کہا............ "اور فوج بھی اس کی وفادار ہے۔"

"یہ صحیح ہے"............ کمانڈار جو وہاں موجود تھا بولا............ "اس کا سراغرسانی کا محکمہ بہت ہوشیار ہے جہاں کوئی سر اٹھاتا ہے۔ اس کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حکام میں دو اور ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ان کے نام آپ کو محترم فیض الفاطمی بتا سکیں گے۔"

فیض الفاطمی نے دونوں نام بتا دیئے اور مسکرا کر لڑکی سے کہا............ "تمہیں اعلیٰ سطح پر ہی کام کرنا ہے۔ صرف دو حکام کے درمیان چپقلش پیدا کرنی ہے۔ اور دو کو زہر دینا ہے جو تم آسانی سے دے سکو گی مگر اب مشکل یہ پیدا ہو گئی ہے کہ تمہیں کسی محفل میں نہیں لے جا سکیں گے۔ تم پردہ نشین مسلمان لڑکی کے بھیس میں کام کرو گی، ورنہ پکڑی جاؤ گی۔ ہو سکتا ہے میں تمہیں واپس فلسطین بھیج دوں اور کسی اور لڑکی کو بلا لوں جسے یہاں کوئی پہچان نہ سکے۔ میرا گروہ بہت ذہین اور سرگرم ہے۔ یہ سالاروں سے نیچے کمانداروں کی سطح کا گروہ ہے۔ یہ چار آدمی جو تمہیں اتنی دلیری سے اٹھا لائے ہیں، اسی گروہ کے افراد ہیں۔ ہم نے ایوبی کی فوج میں بے اطمینانی پھیلانی شروع کر دی ہے۔ قوم اور فوج کو ایک دوسرے سے متنفر کرنا ضروری ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ شامی اور ترک فوجی مصری عوام میں اپنے اچھے سلوک، کردار اور لڑنے کے جذبے کی بدولت بہت مقبول ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ سوڈانیوں کو شکست دے کر انہوں نے شہریوں کے دلوں میں عزت کا اضافہ کر لیا ہے۔ ہمیں فوج کی اس عزت کو مجروح کرنا ہے۔ سالاروں اور دیگر فوجی حکام کو رسوا کرنا ہے۔ اس کے بغیر ہم صلیبیوں اور سوڈانیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ باہر کا حملہ ناکام رہے گا۔ فوج اسے کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ قوم فوج کا ساتھ دے گی۔ اگر اس وقت ایک طرف سے صلیبی اور دوسری طرف سے سوڈانی حملہ کر دیں تو قوم اور فوج مل کر قاہرہ کو ایسا قلعہ بنا دے گی جسے فتح کرنا ناممکن ہوگا۔ قاہرہ کو فتح کرنے کے لیے ہمیں زمین ہموار کرنی ہو گی۔ لوگوں کے ذہنوں میں وہم اور وسوسے اور نوجوانوں کے کردار میں جنس پرستی اور آوارگی پیدا کرنی ہو گی۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ کام دو سال سے ہو رہا ہے"............ لڑکی نے کہا۔

"خاصی کامیابی بھی ہوئی ہے"............ فیض الفاطمی نے کہا............ "بدکاری میں اضافہ ہو گیا ہے مگر صلاح الدین ایوبی نے ایک تو نئے مدرسے کھول دیئے ہیں، دوسرے مسجدوں میں خطبے سے خلیفہ کا نام نکال کر کوئی اور ہی رنگ پیدا کر دیا ہے اور لڑکوں کو عسکری تعلیم دینی شروع کر دی ہے۔"

☆

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ ان چار آدمیوں میں سے ایک آیا اور فیض الفاطمی سے کہا۔۔۔۔۔۔ "ابھی باہر نہ جانا۔ کچھ گڑبڑ ہے۔"

فیض الفاطمی گھبرایا۔ اس آدمی کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ایک اونچی جگہ چھپ کر دیکھا۔ آدھی رات کے پورے چاند نے باہر کے ماحول کو روشن کر رکھا تھا۔ اس نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔ "تم لوگوں نے بے احتیاطی کی ہے۔ یہ تو فوجی معلوم ہوتے ہیں۔ گھوڑے بھی ہیں۔ تم چاروں طرف سے دیکھو، میں کدھر سے نکل سکتا ہوں۔"

"میں دیکھ چکا ہوں"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس آدمی نے جواب دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "یوں نظر آتا ہے جیسے ہم مکمل گھیرے میں ہیں۔ آپ وہیں چلے جائیں۔ مشعلیں بجھا دیں۔ وہاں سے نکلنے کی غلطی نہ کریں۔ وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔"

فیض الفاطمی کھنڈروں میں غائب ہو گیا اور یہ آدمی جو پہرہ دے رہا تھا۔ بلند جگہ سے اتر کر اندر کو جانے کی بجائے دیواروں کے ساتھ ساتھ چھپتا باہر نکل گیا۔ باہر کا یہ عالم تھا کہ پچاس کے قریب پیادہ فوجی تھے اور بیس پچیس گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے سارے کھنڈر کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہ پہرہ دار ان تک گیا اور ایک فوجی سے پوچھا۔۔۔۔۔۔۔۔ "علی بن سفیان کہاں ہیں؟"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس بتایا گیا تو وہ دوڑتا ہوا گیا۔ اس دستے کی کمان علی بن سفیان خود کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ احمد کمال تھا۔ پہرہ دار نے انہیں کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "اندر کوئی ایسا خطرہ نہیں۔ آپ کے ساتھ دو آدمی بھی کافی ہیں۔ میرے ساتھ آئیں"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ پہرہ دار ان چار آدمیوں میں سے تھا جنہوں نے لڑکی کو اغوا کیا تھا۔

علی بن سفیان نے دو مشعلیں روشن کرائیں۔ احمد کمال اور چار عسکریوں کو ساتھ لیا۔ دو کے ہاتھوں میں مشعلیں دیں۔ سب نے تلواریں نکال لیں اور اس آدمی کے ساتھ کھنڈر میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی کسی طرف سے آیا اور دوڑتا ہوا اندر کی طرف چلا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علی بن سفیان کے راہنما نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "یہ ان کا آدمی ہے۔ وہ اندر والوں کو خبردار کرنے چلا گیا ہے۔ آپ تیز چلیں"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ سب دوڑ پڑے۔ اگر یہ لوگ راہنما کے بغیر ہوتے تو ان بھول بھلیوں میں بھٹک جاتے یا ڈر کر وہاں سے بھاگ آتے۔ راہنما کے ساتھ وہ بڑی اچھی رفتار سے جا رہے تھے۔ کسی طرف سے ایک اور آدمی دوڑتا آیا۔ اس کی انہیں یہ آواز سنائی دی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "میں ادھر جا رہا ہوں۔ تیز چلو"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ راہنما کا ساتھی تھا۔

وہ اس چٹانی کمرے میں پہنچ گئے جس سے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ نیچے سے انہیں آوازیں سنائی دیں۔ "ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ یہ دونوں ان کے آدمی ہیں"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سنائی دیں اور یہ آواز بھی آئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "اسے بھی ختم کر دو۔ یہ گواہی نہ دے سکے۔"

علی بن سفیان اور احمد کمال مشعل برداروں کے پیچھے دوڑتے پھلانگتے نیچے اترے۔ اس کمرے میں پہنچے تو وہاں خون بہہ رہا تھا۔ لڑکی پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ فیض الفاطمی کے ساتھ جو کماندار تھا وہ اور ایک اور آدمی فیض الفاطمی اور ایک پہرہ دار سے لڑ رہے تھے۔ علی بن سفیان نے فیض الفاطمی کو للکارا۔ فیض الفاطمی نے جب اپنے خلاف بہت سی تلواریں دیکھیں تو اس نے تلوار پھینک دی۔ احمد کمال نے دوڑ کر لڑکی کو سنبھالا۔ اس کا پیٹ چاک ہو چکا تھا۔ احمد کمال نے فرش پر بچھے ہوئے بستر سے چادر اٹھا کر لڑکی کے پیٹ پر کس کر باندھ دی اور علی بن سفیان سے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "مجھے اجازت ہو تو اسے باہر لے جاؤں؟"۔۔۔۔۔۔۔۔۔ علی بن سفیان نے اسے اجازت دیدی۔ احمد کمال نے لڑکی کو بازوؤں پر اٹھا لیا۔ وہ سخت تکلیف میں تھی۔ پھر بھی اس نے مسکرا کر احمد کمال سے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ "میں نے فرض پورا کر دیا ہے۔ تمہارے

مجرم پکڑوا دیئے ہیں۔"

فیض الفاطمی اور لڑکی کو اغوا کرنے والے چار میں سے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا باقی دو آدمی اور ایک کمانڈار جو فیض الفاطمی کے ساتھ تھے، علی بن سفیان کے آدمی تھے۔ یہ ایک ڈرامہ تھا جو فیض الفاطمی کو موقعہ پر گرفتار کرنے کے لیے کھیلا گیا تھا۔ لڑکی نے پورا پورا تعاون کیا لیکن زخمی ہوگئی۔ یہ ڈرامہ اس طرح تیار کیا گیا تھا کہ لڑکی سے وہ خفیہ الفاظ معلوم کیے گئے جو اس کے گروہ کو ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ لڑکی نے یہ بھی بتا دیا کہ اسے فیض الفاطمی کے پاس جانا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنے تین ذہین جاسوس استعمال کیے جن میں ایک کمانڈار کے عہدے کا تھا۔ انہیں خفیہ الفاظ بتائے اور کہا کہ وہ فیض الفاطمی تک رسائی حاصل کریں اور اسے بتائیں کہ تین میں سے ایک لڑکی یہاں آگئی ہے لیکن وہ فلاں مکان میں قید ہے جہاں سے اسے نکالا جاسکتا ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ وہ فیض الفاطمی کو رجب کا جھوٹا پیغام دیں کہ اس لڑکی کو بچاؤ اور اپنی کارروائیاں تیز کر دو۔

ان جاسوسوں نے تین دنوں کے اندر فیض الفاطمی تک رسائی حاصل کر لی اور اس پر ثابت کر دیا کہ وہ اس کے زمین دوز گروہ کے افراد ہیں۔ فیض الفاطمی کو یہ خطرہ بھی تھا کہ لڑکی چونکہ قید میں ہے اس لیے اذیت کے زیر اثر بتا دے گی کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہے۔ فیض الفاطمی کے لیے اپنا تحفظ ضروری تھا۔ لہٰذا اس نے لڑکی کے اغوا کا منصوبہ بنایا۔ اس میں اس نے کمانڈار کو اپنے ساتھ رکھا۔ دو آدمی علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے اور دو اپنے ملازمان کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ لڑکی کو اٹھالائیں گے اور کھنڈر میں پہنچا دیں۔ اس کھنڈر کو انہوں نے کچھ عرصے سے اپنا خفیہ اڈہ بنا رکھا تھا۔ منصوبہ بن گیا تو علی بن سفیان تک پہنچ گیا۔ پانچ چھ دنوں میں احمد کمال اور لڑکی کو بتایا گیا کہ وہ برآمدے میں سوئیں گے اور رات کو لڑکی اغوا ہوگی جس کے خلاف وہ مزاحمت نہیں کریں گے۔ مکان کے باہر ہر وقت ایک سپاہی پہرے پر رہتا تھا۔ اس رات جو آدمی پہرے پر تھا وہ سپاہی نہیں بلکہ علی بن سفیان کے محکمے کا جاسوس تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رات کو اس پر حملہ ہوگا اور حملہ کس طرح کا ہوگا حملہ کرنے والا علی بن سفیان کا آدمی تھا۔ اگر فیض الفاطمی کا آدمی ہوتا تو وہ اسے خنجر مار کر ہلاک کر دیتا۔

اس رات فیض الفاطمی اور کمانڈار کھنڈر میں چلے گئے۔ مقررہ وقت پر پہرے دار پر حملہ ہوا۔ دیوار پھلانگی گئی۔ اس وقت احمد کمال جاگ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لڑکی کو اٹھالیا گیا ہے لیکن وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا۔ اس نے تڑپنا اس وقت شروع کیا جب وہ رسیوں میں بندھ چکا تھا۔ لڑکی کو کھنڈر میں پہنچا دیا گیا۔ یہ ڈرامہ اس لیے کھیلا گیا تھا کہ فیض الفاطمی نے اغوا کا منصوبہ بنایا اور اس میں اپنے دو آدمی شامل کر دیئے تھے۔ ان پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہ حقیقی اغوا ہے اور اس میں کوئی دھوکہ فریب نہیں۔ آخر دم تک شک نہ ہوا۔ اغوا کے بعد علی بن سفیان نے پہرہ دار اور احمد کمال کی رسیاں کھولیں۔ پیادہ سپاہی اور سوار تیار تھے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد وہ کھنڈر کی طرف روانہ ہوگئے۔ اور کھنڈر کو گھیرے میں لے لیا۔

انہیں سب سے پہلے علی بن سفیان کے ہی ایک آدمی نے دیکھا جس نے فیض الفاطمی کو جا کر اطلاع دی۔ اسے باہر لا کر گھیرا دکھایا اور یہ مشورہ دیا کہ وہ اسی کمرے میں چلا جائے۔ اسے ادھر بھیج کر یہ آدمی باہر نکل گیا اور علی بن سفیان اور احمد کمال کو اندر لے گیا۔ یہ اس آدمی کی دانشمندی تھی کہ اس نے فیض الفاطمی کو اسی کمرے میں چھپے رہنے پر قائل کر لیا تھا۔ اگر وہ کھنڈر کے بھول بھلیوں جیسے کمروں، برآمدوں، گلیوں اور تہ خانوں میں نکل جاتا تو اسے پکڑنا آسان نہ ہوتا۔ کھنڈر بہت وسیع اور پیچیدہ تھا۔ باہر تو چاندنی تھی لیکن اندر تاریکی تھی جس میں تعاقب کیا جاتا تو اپنے آدمیوں کے مارے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ بالکل آخری وقت فیض الفاطمی کو پتہ چلا کہ کمانڈار اور دو آدمی اس کے ساتھی نہیں بلکہ اسے دھوکے میں یہاں لائے

ہیں۔لڑکی سے یہ غلطی ہوئی کہ اس کے منہ سے کچھ ایسے الفاظ نکل گئے جس سے ظاہر ہوگیا کہ یہ بھی اس دھوکے میں شریک ہے۔فیض الفاطمی کے دو ساتھی اس کے پاس پہنچ گئے۔دھوکہ بے نقاب ہوگیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔فیض الفاطمی نے لڑکی کے پیٹ میں نوک کی طرف سے تلوار ماری اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔اس نے لڑکی کو غالباً اس لیے بھی قتل کرنا ضروری سمجھا تھا کہ وہ اس کے خلاف گواہی دینے کے لیے بھی زندہ نہ رہے۔

فیض الفاطمی اور اس کے ساتھیوں کو قید میں ڈال دیا گیا۔علی بن سفیان نے تینوں کو الگ الگ قید میں رکھا اور تینوں کو رجب کا سر دکھا کر کہا........... "اپنے دوست کا انجام دیکھ لو۔اگر تمہیں یہ توقع ہے کہ تمہیں فوراً سزا دے دی جائے گی تو یہ خیال دماغوں سے نکال دو۔جب تک اپنے پورے گروہ کو سامنے نہیں لاؤ گے تمہیں چکر شکنجے میں باندھے رکھوں گا۔جینے بھی نہیں دوں گا مرنے بھی نہیں دوں گا۔"

لڑکی کی حالت اچھی نہیں تھی۔طبیبوں اور جراحوں نے اسے بچانے کی پوری کوشش کر ڈالی مگر کٹی ہوئی انتڑیوں کا کوئی علاج نہ ہوسکا۔وہ پھر بھی مطمئن تھی جیسے اسے پیٹ کے مہلک زخم کی پرواہ نہیں تھی۔اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ احمد کمال کو میرے پاس بیٹھا رہنے دو۔سلطان ایوبی بھی اس کی عیادت کے لیے آیا۔احمد کمال امیر مصر اور اپنی فوج کے سالار اعلیٰ کو دیکھ کر تعظیم کے لیے اٹھا تو لڑکی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔احمد کمال سلطان ایوبی کی موجودگی میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔آخر سلطان نے اسے لڑکی کے پاس بیٹھنے کی اجازت دے دی۔سلطان ایوبی نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور شفقت سے صحت یابی کی دعا دی۔

تیسری رات احمد کمال لڑکی کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔لڑکی نے انوکھے سے لہجے میں پوچھا........... "احمد! تم نے میرے ساتھ شادی کر لی ہے نا؟........... میں نے اپنا وعدہ پورا کیا، تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔خدا نے میرے گناہ بخش دیئے ہیں" .... اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔اس نے احمد کمال کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا مگر گرفت فوراً ڈھیلی پڑ گئی۔احمد کمال نے کلمہ شریف پڑھا اور لڑکی کو خدا کے سپرد کر دیا۔دوسرے دن سلطان ایوبی کے حکم کے مطابق لڑکی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

فیض الفاطمی نے اور اس کے ساتھیوں نے صرف دو دن اذیتیں سہیں اور اپنے گروہ کی نشاندہی کر دی۔ان لوگوں کو بھی پکڑا گیا۔مراکشی وقائع نگار اسد الاسدی نے سلطان ایوبی کے وقت کے ایک کاتب کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے جب فیض الفاطمی کی سزائے موت پر دستخط کیے تو سلطان زار و قطار رونے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

جب زہر کو زہر نے کاٹا

یہ واقعہ ۱۱۷۱ء کا ہے۔

قاہرہ میں ایک مسجد تھی جو اتنی بڑی نہیں تھی کہ لوگ وہاں جمعہ کی نماز پڑھتے اور اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ نمازیوں کی کمی ہوتی۔ یہ قاہرہ کے اس علاقے میں تھی جو شہر کا قریبی مضافات یا شہر کے باہر کا علاقہ تھا جہاں درمیانے اور اس سے کم درجے کے لوگ رہتے تھے۔ مذہب کا احترام انہی لوگوں کے دلوں میں رہ گیا تھا مگر ان کی بدنصیبی یہ تھی کہ تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ جذباتی استدلال اور دلکش الفاظ سے فوراً متاثر ہوتے اور انہیں قبول کر لیتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے مصر میں آ کر جو نئی فوج تیار کی تھی اس میں ان کنبوں کے افراد زیادہ بھرتی ہوئے تھے جس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ ذریعہ معاش تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کی تنخواہ میں کشش پیدا کی تھی۔ اور متعدد سہولتیں بھی تھیں۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ لوگ جہاد کو فرض سمجھتے تھے۔ وہ اسلام کے نام پر جان اور مال قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اس دور میں اس جذبے کی شدید ضرورت تھی۔ سرکاری طور پر انہیں بتایا گیا تھا کہ صلیبی دنیا عالم اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کے لیے اپنے تمام تر ذرائع اور ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔

چھ سات مہینوں سے یہ گمنام سی مسجد مشہور ہو گئی تھی۔ یہ شہرت نئے پیش امام کی بدولت تھی جو عشاء کی نماز کے بعد درس دیا کرتا تھا۔ پہلا پیش امام صرف تین روز ایسی بیماری سے بیمار رہ کر مر گیا تھا جسے کوئی حکیم اور سیانا سمجھ ہی نہیں سکا۔ وہ پیٹ کے درد اور آنتوں کی سوزش کی شکایت کرتا تھا۔ اسی روگ سے مر گیا۔ وہ عام سا ایک مولوی تھا جو صرف نماز باجماعت پڑھاتا تھا۔ اس کی وفات کے اگلے ہی روز سرخ و سفید چہرے اور بھوری داڑھی والا ایک مولوی آیا جس نے امامت کے فرائض اپنے ذمے لینے کی پیشکش کی۔ لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ وہ کہیں جھونپڑے میں رہتا تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ وہ علم کا شیدائی اور مذہب کے سمندر کا غوطہ خور ہے۔ وہ خاطر و مدارات کا اور لوگوں سے نذرانے وصول کرنے کا قائل نہیں تھا۔ اس کی ضرورت صرف یہ تھی کہ اسے کشادہ اور اچھا مکان مل جائے جہاں وہ دو بیویوں کے ساتھ عزت سے اور پردے میں رہ سکے۔

لوگوں نے مسجد کے قریب ہی اسے ایک مکان خالی کرا دیا جس کے کئی ایک کمرے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ دونوں بیویوں کے ساتھ اس مکان میں آیا۔ بیویاں سیاہ برقعوں میں مستور تھیں۔ ان کے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔ پاپوش تک چھپے ہوئے تھے۔ اسے لوگوں نے ضروری سامان وغیرہ دے کر آباد کر دیا۔ لوگ ایک تو اس کی ظاہری شخصیت سے متاثر ہوئے لیکن جس جادو نے انہیں اس کا گرویدہ کیا وہ اس کی آواز کا جادو تھا۔ اس مسجد میں اس نے پہلی اذان دی تو جہاں جہاں تک اس کی آواز پہنچی سناٹا سا طاری ہو گیا۔ ایک مقدس ترنم زمین و آسمان پر وجد طاری کر رہا تھا۔ یہ ایک طلسم تھا جو ان لوگوں کو بھی مسجد میں لے گیا جو گھروں میں نماز پڑھتے یا پڑھتے ہی نہیں تھے۔ اسی رات اس نے عشاء کی نماز کے بعد

نمازیوں کو پہلا درس دیا اور انہیں کہا کہ وہ ہر رات درس دیا کرے گا۔ چھ سات مہینوں میں اس نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ بعض لوگ تو اس کے مرید بن گئے۔ اس مسجد میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اس پیش امام نے جو دراصل عالم تھا، وہاں جمعہ کی نماز بھی شروع کر دی۔

چھ سات مہینوں بعد اس مسجد اور اس عالم پیش امام کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی۔ شہر کے بھی کچھ لوگ اس کے درس میں جانے لگے۔ وہ اسلام کے جن بنیادی اصولوں پر زیادہ زور دیتا تھا وہ تھے عبادت اور محبت۔ وہ لڑائی جھگڑے اور جنگ وجدل کے خلاف سبق دیتا تھا۔ اس نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ عقیدہ پختہ کر دیا تھا کہ انسان اپنی تقدیر خود نہیں بنا سکتا۔ جو کچھ ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کمزور سا ایک کیڑا ہے۔ اس عالم کا انداز بیان بڑا ہی پراثر ہوتا تھا۔ وہ قرآن ہاتھ میں لے کر ہر بات قرآن کی کسی نہ کسی آیت سے واضح کرتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی وہ بے حد تعریف کیا کرتا اور اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ مصر کی خوش بختی ہے کہ اس ملک کی امارت اسلام کے ایسے شیدائی کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے جہاد کا فلسفہ اور مفہوم بھی پیش کیا تھا جو لوگوں کے لیے نیا تھا لیکن انہوں نے بلاحیل وحجت اسے تسلیم کر لیا۔

ایک رات عشاء کی نماز کے بعد وہ اپنا درس شروع کرنے لگا تو ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کی............ "عالم عالی مقام! خدا آپ کے علم کی روشنی جنات تک اور اس مخلوق تک بھی پہنچائے جو ہمیں نظر نہیں آتی۔ میں اپنے آٹھ دوستوں کے ساتھ بہت دور سے آیا ہوں۔ ہم آپ کے علم کی شہرت سن کر آئے ہیں۔ اگر گستاخی نہ ہو اور عالم عالی مقام کی خفگی کا باعث نہ بنے تو ہمیں جہاد کے متعلق کچھ بتائیں۔ ہم شک میں ہیں۔ لوگوں نے بتایا ہے کہ ہمیں جہاد کا مطلب غلط بتایا جا رہا ہے۔"

سات آٹھ آوازیں سنائی دیں............ "ہم نے یہ درس نہیں سنا تھا۔"

ایک نے کہا............ "یہ وقت کی آواز ہے جو ہمارے کانوں میں بگاڑ کر ڈالی گئی ہے۔ ہم صحیح بات سننا چاہتے ہیں۔"

عالم نے کہا............ "یہ قرآن کی آواز ہے جسے کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔ میرا فرض ہے کہ صحیح آواز کو ایک ہزار بار دہراؤں تاکہ یہ ہر ایک کان میں پہنچ جائے............ جہاد کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنے کے لیے ان کی گردنیں کاٹو۔ جہاد کا مطلب قتل وغارت نہیں، خون خرابہ نہیں۔" اس نے قرآن سے ایک آیت پڑھی اور اس کی تفسیر یوں بیان کی۔ "یہ علم میرا نہیں، یہ فرمان خداوندی ہے کہ تم بدی اور گناہ کے خلاف لڑتے ہو تو اسے جہاد کہتے ہیں جو ہم سب پر فرض کر دیا گیا ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پیار کے زور سے پھیلا ہے؟ جہاد کی شکل بعد میں آ کر بگڑی ہے اور یہ انہوں نے بگاڑی ہے جو بادشاہی کے دلدادہ ہیں۔ عیسائی بھی دوسروں کے ملکوں کو اپنی سلطنت بنانے کے لیے جنگ وجدل کو مقدس جنگ کہتے ہیں اور مسلمان بھی اسی ارادے سے قتل وغارت کو جہاد کہتے ہیں۔ یہ صرف حکومتیں اور بادشاہیاں قائم کرنے کے ڈھنگ ہیں۔ لوگوں کو مذہب کے نام پر بھڑکا کر لڑایا جاتا ہے اور اس طرح بادشاہیوں کی بنیادیں مضبوط کی جاتی ہیں۔"

"تو کیا امیر مصر صلاح الدین ایوبی ہمیں گمراہ کر کے لڑا رہا ہے؟" اس آدمی نے پوچھا جس نے جہاد کا صحیح مطلب سمجھنا چاہا تھا۔

"نہیں!" عالم نے جواب دیا۔ "صلاح الدین ایوبی پر اللہ کی رحمت ہو۔ اسے بڑوں نے جو بتایا ہے وہ سچ

مسلمان کی حیثیت سے پوری نیک نیتی سے اس پر عمل کر رہا ہے۔اس کے دل میں عیسائیوں کی نفرت ڈالی گئی ہے۔ وہ اس کے مطابق عمل کر رہا ہے ذرا غور کرو کہ عیسائی اور مسلمان میں کیا فرق ہے۔ دونوں کا نبی مشترک ہے۔ آگے آ کر ذرا اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت موسیٰ محبت اور امن کا پیغام لائے تھے۔ ہمارے رسول صلعم بھی محبت کا پیغام دے گئے ہیں۔ پھر تلوار اور زرہ بکتر کہاں سے آ گئی؟ یہ ان لوگوں کی لائی ہوئی چیزیں ہیں جو خدا کی اتنی پیاری زمین پر جس پر صرف اسی کی ذات باری کی حکمرانی ہے، وہ اپنی حکومت قائم کرتے اور خدا کے بندوں کو اپنا غلام بناتے ہیں.......... میں امیر مصر کے دربار میں حاضری دوں گا اور اس کی خدمت اقدس میں جہاد کا صحیح نقطہ نظر واضح کروں گا۔ امیر مصر صلاح الدین ایوبی نے صحیح جہاد شروع کر رکھا ہے جو جہالت اور بے علمی کے خلاف ہے۔ اس نے خطبے سے خلیفہ کا نام نکال کر بہت بڑا جہاد کیا ہے۔ اس نے مدرسے کھول کر بھی جہاد کیا ہے لیکن مدرسوں میں یہ خرابی ہے کہ جہاں مذہب اور معاشرت کی تعلیم دی جاتی ہے، وہاں عسکری تربیت بھی دی جاتی ہے۔ بچوں کو خدا کے نام پر غارت گری کے سبق دیئے جاتے ہیں۔ انہیں تیغ زنی اور تیر اندازی بھی سکھائی جاتی ہے۔ جب تم اپنے بچوں کے ہاتھوں میں تلوار اور تیر کمان دو گے تو انہیں یہ بھی بتاؤ گے کہ ان سے وہ کیسے ہلاک کریں۔ ظاہر ہے کہ تم انہیں کچھ انسان دکھاؤ گے اور کہو گے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں انہیں ہلاک کرو۔"

عالم کی آواز میں ایسا تاثر تھا اور اس کے دلائل میں اتنی کشش تھی کہ سننے والے مسحور ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے کہا........ "اپنے بچوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ گے کیونکہ اپنے بچوں کو غلط راستے میں ڈالنے والے تم تھے۔ تمہیں جنت میں اپنے بادشاہ اور فوجوں کے سالار نہیں لے جائیں گے، پیش امام اور وہ عالم دین لے جائیں گے جن کے ہاتھ میں مذہب اور علم کی قندیل تھی۔ تم دنیا میں ان کے پیچھے چلو گے تو وہ روز قیامت بھی تمہیں اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ روز قیامت جس کے ہاتھ انسان کے خون سے لال ہوں گے اسے ساری عمر کے اچھے اعمال اور ساری عمر کی نمازوں کے باوجود دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک نقطہ اور سمجھ لو۔ تم زکوٰۃ بیت المال کو دیتے ہو۔ بیت المال حاکم وقت کا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ غریبوں اور ناداروں کا حق ہے۔ حاکم وقت غریب اور نادار نہیں ہوتا۔ تمہاری زکوٰۃ جو بیت المال میں جاتی ہے اس سے گھوڑے اور ہتھیار خریدے جاتے ہیں جو انسانوں کو ہلاک کرنے کے کام آتے ہیں۔ لہٰذا جو فرض ادا کر کے تم جنت میں جا سکتے ہو وہ فرض ادا کر کے بھی تم دوزخ میں ٹھکانا بناتے ہو۔ لہٰذا زکوٰۃ بیت المال میں نہ دو۔"

عالم نے موضوع بدلا اور کہا........ "بہت سی باتیں عام ذہن کے انسانوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ انہیں بتاتا بھی کوئی نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے اندر ایک حیوانی جذبہ ہے؟ کیا تم عورت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے؟ کیا یہی جذبہ نہیں جو تمہیں بدکاری کے اڈوں پر لے جاتا ہے؟........ یہ جذبہ خدا نے خود پیدا کیا ہے۔ یہ کسی انسان کا پیدا کردہ نہیں۔ تم اس کی تسکین کر سکتے ہو۔ اسی لیے خدا نے تمہیں حکم دیا ہے کہ بیک وقت گھر میں چار بیویاں رکھو۔ اگر تم غریب ہو اور ایک بیوی بھی نہیں لا سکتے تو کسی عورت کو اجرت دے کر اس حیوانی جذبے کی تسکین کر سکتے ہو جو تم میں خدا نے پیدا کیا ہے اور انسان اسی جذبے کی پیداوار ہے، مگر بدی سے بچو۔ ایک ایک دو دو، تین تین، چار چار بیویاں گھر میں رکھو۔ ان بیویوں کو اور اپنی بیٹیوں کو گھروں میں چھپا کر رکھو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جوان لڑکیوں کو بھی عسکری تربیت دی جا رہی ہے اور انہیں بھی گھوڑ سواری اور شتر سواری سکھائی جا رہی ہے۔ زنانہ مدرسوں میں انہیں زخمیوں کی مرہم پٹی اور انہیں سنبھالنے کے طریقے سکھائے جا رہے ہیں تا کہ وہ میدان جنگ کے زخمیوں کو سنبھال لیں اور اگر ضرورت پڑے تو لڑیں بھی........ یہ ایک

بدعت ہے۔ اپنی لڑکیوں کو اس بدعت سے بچاؤ۔ یہ باتیں اپنے ان دوستوں اور پڑوسیوں کو بھی سناؤ جو مسجد میں نہیں آتے۔ خدا کے احکام اور کارناموں میں مت دخل دو۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔''

☆

عالم نے درس ختم کیا تو سامعین جن کی تعداد اتنی ہوگئی تھی کہ بہت سے لوگ پیچھے کھڑے تھے، مسجد میں بیٹھنے کو جگہ نہ تھی، اٹھ کر عالم سے ہاتھ ملانے اور جانے لگے۔ بعض نے اس کے ہاتھ چومے۔ جھک کر مصافحہ تو ہر کسی نے کیا۔ ایک ایک کر کے سب لوگ چلے گئے۔ صرف دو آدمی عالم کے سامنے بیٹھے رہے۔ ان میں سے ایک وہ آدمی تھا جس نے کہا تھا کہ مجھے جہاد کے متعلق بتایئے۔ اس آدمی نے لمبا چغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر چھوٹی سی پگڑی اور اس پر چوڑا پھولدار رومال پڑا ہوا تھا۔ اس کی داڑھی لمبی اور سیاہ اور مونچھیں گھنی تھیں۔ لباس سے وہ درمیانہ درجے کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس ایک آنکھ پر ہرے رنگ کا پٹی نما کپڑا تھا جو دو دھاگوں سے اس کے سر کے ساتھ بندھا تھا۔ اس کپڑے نے اس کی ایک آنکھ ڈھانپ رکھی تھی۔ عالم کے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ اس کی یہ آنکھ خراب ہے۔ دوسرے آدمی کا لباس بھی معمولی سا تھا۔ اس کی بھی داڑھی لمبی اور گھنی تھی۔ مسجد میں عالم کے پاس یہی دو آدمی رہ گئے تھے۔ ان کے ساتھ چھ اور آدمی تھے جو جہاد کا درس لینے آئے تھے۔ وہ مسجد کے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ شاید اپنے ساتھیوں کے انتظار میں تھے۔

''کیوں، تمہارا شک ابھی رفع نہیں ہوا؟''...... عالم نے مسکرا کر ان دونوں سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے شک رفع ہو گیا ہے۔'' آنکھ کی ہری پٹی والے نے جواب دیا۔ ''ہم شاید آپ ہی کی تلاش میں ہیں۔ ہم نے آدھا مصر چھان مارا ہے۔ ہمیں مسجد کا محل وقوع اور نشانیاں غلط بتائی گئی تھیں۔''

''کیا آدھے مصر میں تمہیں مجھ سے بہتر کوئی عالم نہیں ملا؟''

''تلاش جو صرف آپ کی تھی۔'' اس آدمی نے جواب دیا...... ''کیا ہم صحیح جگہ آ گئے ہیں؟ آپ کا درس بتاتا ہے کہ ہم آپ کی ہی تلاش میں تھے۔''

عالم نے باہر کی طرف دیکھا اور بے توجہی کے انداز سے بولا...... ''معلوم نہیں موسم کیسا رہے گا!''

''بارش آئے گی۔'' ہری پٹی والے نے کہا۔

''آسمان بالکل صاف ہے'' عالم نے کہا۔

''ہم گھٹائیں لائیں گے۔'' ہری پٹی والے نے کہا اور قہقہہ لگایا۔

عالم مسکرایا اور رازداری سے پوچھا'' کہاں سے آئے ہو؟''

''ایک مہینے سے ہم سکندریہ میں تھے۔'' اس آدمی نے جواب دیا۔'' اس سے پہلے شوبک میں تھے۔''

''مسلمان ہو؟''

''فدائی۔'' ہری پٹی والے نے کہا...... ''ابھی مسلمان ہی سمجھو۔''...... اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ بڑی زور سے ہنسا۔

''میں آپ کو اس فن کا استاد مانتا ہوں۔'' دوسرے نے عالم سے کہا...... ''مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ آپ ہیں۔ آپ ناکام نہیں ہو سکتے۔''

''اور کامیابی آسان بھی نہیں۔'' عالم نے کہا۔'' صلاح الدین ایوبی کو شاید تم نہیں جانتے۔ بے شک میں نے

ان تمام لوگوں کے دلوں میں جہاد اور جنس کے متعلق اسلامی نظریات کے خلاف شکوک پیدا کر دیئے ہیں لیکن صلاح الدین نے جو مدرسے کھولے ہیں وہ شاید ہماری کوششوں کو آسانی سے کامیاب نہ ہونے دیں۔

''اس نے پوچھا۔'' تم نے مجھے یہ کیوں کہا تھا کہ میں جہاد پر درس دوں؟''

''شوبک میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ کی سب سے بڑی نشانی یہی ہے.........'' ہری پٹی والے نے جواب دیا.........'' یہ تمام الفاظ جو آپ نے درس میں بولے ہیں ہمیں وہاں بتائے گئے تھے۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آپ جہاد کے بعد جنسی جذبے کا ذکر ضرور کریں گے۔ آپ نے اپنا سبق بڑی محنت سے یاد کیا ہے۔''

''میرا نام کیا ہے؟'' عالم نے پوچھا۔

''کیا آپ ہمارا امتحان لینا چاہتے ہیں؟''.........اس آدمی نے جواب دیا۔'' کیا آپ کو ہم پر شک ہے؟ ہمیں ایک دوسرے کے نام نہیں صرف نشانیاں بتائی جاتی ہیں۔''

''تم کس کام سے آئے ہو؟''.........عالم نے پوچھا۔

''فدائی کس کام سے آیا کرتے ہیں؟''......... ہری پٹی والے نے پوچھا۔

''تمہیں میرے پاس کیوں بھیجا گیا ہے؟''.........عالم نے پوچھا۔

''ایک اونٹنی کے لیے۔'' اس آدمی نے جواب دیا.........'' آپ کے پاس دو ہیں۔ ہمیں آپ کے پاس نہ بھیجا جاتا مگر آپ کو اطلاع مل گئی ہوگی کہ صلاح الدین ایوبی کے ایک نائب سالار رجب سوڈانی کے ساتھ شوبک سے تین اونٹنیاں روانہ کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک ہمارے مقصد کے لیے تھی مگر معلوم نہیں کیا ہوا کہ تینوں ماری گئی ہیں۔ رجب کی کھوپڑی اور ایک سب سے زیادہ خوبصورت اونٹنی صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ بھی ختم ہوگئی۔''

''ہاں۔''.........عالم نے آہ بھر کر کہا.........''ہمیں بہت بڑا نقصان ہوا.........صلاح الدین کا ایک بڑا ہی کارآمد سالار جو ہمارے قبضے میں تھا، جلاد کی نذر ہو گیا.........اندر چلو.........یہ جگہ محفوظ نہیں۔''

وہ دونوں عالم کے ساتھ اٹھے اور باہر نکل گئے۔ باہر جو چھ آدمی کھڑے تھے وہ اندھیرے میں بکھر گئے۔

☆

وہ اب عالم کے گھر میں داخل ہوئے۔ صاف ستھرا گھر تھا۔ کئی کمرے تھے۔ دو تین کمروں میں سے گزر کر وہ ایسے کمرے میں چلے گئے جو زمین پر ہی تھا لیکن زیر زمین معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سامنے کوڑا کباڑ بکھرا ہوا تھا۔ دروازے کے باہر تالا لگا ہوا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دروازہ برسوں سے نہیں کھولا گیا اور کھولا بھی نہیں جائیگا۔ ایک پہلو میں کھڑکی تھی۔ اسے ہاتھ لگایا تو کھل گئی۔ عالم اندر گیا۔ اس کے پیچھے یہ دونوں آدمی اندر چلے گئے۔ اندر سے کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ اس کے ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کی دستی تصویر اور دوسری طرف مریم کی تصویر تھی۔ عالم نے کہا.........'' یہ میرا گرجا ہے اور پناہ گاہ بھی۔''

''خطرے کی صورت میں آپ کے پاس کیا انتظام ہے؟'' آنکھ کی ہری پٹی والے نے پوچھا اور مشورہ دیا.........'' آپ کو صلیب اور یہ تصویریں اس طرح سامنے نہیں رکھنی چاہیے۔''

''یہاں تک کسی کے آنے کا خطرہ نہیں۔'' عالم نے جواب دیا اور ہنس کر کہا.........'' مسلمان بڑی سیدھی اور جذباتی قوم ہے۔ یہ قوم جذباتی الفاظ اور سنسنی خیز دلائل پر مرتی ہے۔ جنس انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں ان

لوگوں میں یہ کمزوری ابھار رہا ہوں۔ انہیں یہ سبق دے رہا ہوں کہ چار شادیاں فرض ہیں۔ آہستہ آہستہ انہیں بدکاری کی طرف راغب کر رہا ہوں۔ مذہب کے نام پر تم مسلمان سے بدی بھی کرا سکتے ہو نیکی بھی۔ ہاتھ میں قرآن رکھ کر بات کرو تو یہ لوگ احمقانہ باتوں کے بھی قائل ہو جاتے ہیں اور جھوٹ کو بھی سچ مان لیتے ہیں۔ میرا تجربہ کامیاب ہے۔ میں یہاں اپنے جیسا ایک گروہ پیدا کر لوں گا جو مسجد میں بیٹھ کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر ان لوگوں کے جذبہ جہاد کو اور کردار کو قتل کر دے گا۔ عورت کے متعلق میں ان لوگوں کے نظریات بدل رہا ہوں۔ صلاح الدین ایوبی نے عورتوں کو بھی عسکری تربیت دینی شروع کر دی ہے۔ میں انہیں بتا رہا ہوں کہ عورت کو گھر میں قید رکھو۔ میں اس قوم کی نصف آبادی کو بیکار کر دوں گا۔"

"فوج کے خلاف نفرت پیدا کرنا ضروری ہے۔" ہری پٹی والے کے ساتھی نے کہا............"صلاح الدین ایوبی نے یہی کمال کر دکھایا ہے کہ قوم اور فوج کو ایک کر دیا ہے۔ وہ اس وقت اعلان کر دے کہ یروشلم فتح کرنا ہے تو مصر کی ساری آبادی اس کے ساتھ چل پڑے گی۔"

"لیکن وہ ایسا اعلان کرے گا نہیں۔" عالم نے کہا............وہ دانشمند ہے۔ وہ جذباتی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک تربیت یافتہ سپاہی کو ایک سو غیر تربیت یافتہ جوشیلے آدمیوں پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کھوکھلے نعروں سے قوم کو بھڑکاتا نہیں۔ حقیقت کی بات کرتا ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اس کی قوم کو حقیقت اور تربیت سے دور رکھیں اور اسے جذباتی بنا دیں۔ اس قوم میں شعور کی بجائے جوش رہ جائے۔ وہ جوش جس میں حقیقت پسندی اور دانشمندی نہ ہو، دشمن کے پہلے تیر سے ہی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ خواہ تیر قریب سے گزر جائے۔ ہم ان میں صرف جوش رہنے دیں گے۔ تم نے سنا ہے کہ میں اپنے درس میں صلاح الدین ایوبی کی بہت تعریفیں کر رہا تھا۔"

"یہ باتیں تو ہم بعد میں کر لیں گے۔" اس آدمی نے کہا............"دونوں اونٹنیاں دکھا دیں اور یہ بتائیں کہ ہمیں یہاں کس وقت اور کس طرح پناہ مل سکتی ہے اور یہاں اپنا کوئی اور آدمی رہتا ہے یا نہیں۔"

"نہیں!"............عالم نے جواب دیا............"یہاں اور کوئی نہیں رہتا۔"

ان کے درمیان کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا۔ وہ خفیہ الفاظ میں ایک دوسرے کو پہچان چکے تھے۔ عالم کمرے سے نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو بڑی ہی خوبصورت اور جوان لڑکیاں تھیں۔ یہی وہ دو لڑکیاں تھیں جن کے متعلق اس نے لوگوں کو بتایا تھا کہ اس کی بیویاں ہیں۔ انہیں وہ سر سے پاؤں تک برقعے میں چھپا کر لایا تھا۔ مگر ان دو آدمیوں کے سامنے وہ بے پردہ آ گئیں۔ عالم نے ان کا تعارف دونوں آدمیوں سے کرایا اور الماری میں سے شراب کی بوتل نکالی۔ ایک لڑکی گلاس لے آئی۔ شراب گلاسوں میں ڈالی گئی۔ ان دونوں آدمیوں نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔

"پہلے کام کی باتیں کر لیں۔" ہری پٹی والے نے کہا۔

"ہمیں دو آدمیوں کو قتل کرنا ہے۔" دوسرے نے کہا............"صلاح الدین ایوبی کو اور علی بن سفیان کو۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم نے دونوں کو نہیں دیکھا ہمیں دونوں آدمی دکھا دیں۔ کیا آپ نے انہیں دیکھا ہے؟"

"اتنا دیکھا ہے کہ دونوں کو اندھیرے میں بھی پہچان سکتا ہوں۔" عالم نے کہاں............"میں نے جو مہم شروع کر رکھی ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ دونوں کو اچھی طرح پہچان لوں۔ علی بن سفیان اتنا ذہین اور گھاگھ ہے کہ اپنے کسی جاسوس کو یہاں بھیجنے کی بجائے خود یہاں آ سکتا ہے۔ اگر وہ بھیس بدل کر میرے سامنے آئے تو بھی اسے پہچان لوں گا۔"

"اور صلاح الدین ایوبی کے متعلق کیا خیال ہے؟"............ہری پٹی والے نے پوچھا۔

''اسے بھی خوب پہچانتا ہوں۔'' عالم نے جواب دیا۔

ہری پٹی والے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی کنپٹیوں پر رکھے۔ داڑھی کو پکڑا اور ہاتھوں کو نیچے کو جھٹکا دیا۔ اس کی لمبی داڑھی اور گھنی مونچھیں اس کے چہرے سے الگ ہوگئیں۔ پیچھے چھوٹی سے داڑھی رہ گئی جو نہایت اچھی طرح تراشی ہوئی تھی۔ مونچھیں بھی تراشیدہ تھیں۔ لمبی داڑھی اور گھنی مونچھیں مصنوعی تھیں۔ جواب اس نے ہاتھ میں لے رکھی تھیں۔ اس نے آنکھ سے ہری پٹی بھی نوچ کر پرے پھینک دی۔ عالم جہاں تھا وہیں بت بن گیا۔ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں اور اس کا منہ کھل گیا۔ دونوں لڑکیاں حیران و ششدر کبھی اس آدمی کی دیکھتیں جس نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا، کبھی عالم کو دیکھتیں جس کا رنگ لاش کی طرح ہوگیا تھا۔ عالم کے منہ سے حیرت اور گھبراہٹ میں ڈوبی ہوئی سرگوشی نکلی.........''صلاح الدین ایوبی؟''

''ہاں دوست!'' اسے جواب ملا.........''میں صلاح الدین ایوبی ہوں۔ تمہاری شہرت سن کر تمہارا درس سننے آیا تھا.........'' سلطان ایوبی نے اپنے ساتھی کی داڑھی کو مٹی میں لے کر جھٹکا دیا تو اس کی داڑھی چہرے سے الگ ہوگئی۔ اس نے عالم سے کہا.........''آپ اسے بھی پہچانتے ہوں گے؟''

''پہچانتا ہوں'' عالم نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا.........''علی بن سفیان''

علی بن سفیان کی صرف ٹھوڑی پر داڑھی تھی۔ اچانک لڑکیاں اور عالم پیچھے کو دوڑے اور الماری میں سے چھرا نما تلواریں نکال لیں۔ مگر ادھر کو گھومے تو ان کی تلواریں جھک گئیں کیونکہ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان نے چغوں کے اندر سے اسی قسم کی تلواریں نکال لی تھیں۔ لڑکیوں کو تیغ زنی کی مشق تو کرائی گئی تھی لیکن دو پیشہ ور تیغ زنوں کے مقابلے میں نہ آسکیں۔ ان سے تلواریں رکھوالی گئیں۔ علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ ذرا سی دیر میں چھ آدمی جو باہر کھڑے تھے اسی سائز کی تلواریں سونتے کھڑکی میں سے کود کر آگئے۔

دوسرے دن مسجد کے سامنے اس علاقے کے لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہاں چند ایک سرکاری اہل کار بھی تھے جو لوگوں کو باری باری عالم کے اس خفیہ کمرے میں لے جا رہے تھے جہاں صلیب، حضرت عیسیٰؑ اور مریم کی تصویریں آویزاں تھیں۔ لوگوں کو شراب کی بوتلیں بھی دکھائی گئیں۔ اہل کار لوگوں کو عالم کی اصلیت بتا رہے تھے اور وہ جہاد کا جو نظریہ پیش کرتا رہتا تھا کی اس کی وضاحت کر رہے تھے۔

☆

سلطان ایوبی کی ہدایت پر علی بن سفیان نے سارے ملک میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا کیونکہ یہ ثابت ہوگیا تھا کہ ملک میں، خصوصاً قاہرہ میں صلیبیوں نے بہت سے جاسوس اور تخریب کار بھیج دیئے تھے۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کے کردار کشی کی جو زمین دوز مہم چلائی تھی وہ سلطان ایوبی کو زیادہ پریشان کر رہی تھی۔ اسے جب علی بن سفیان نے اطلاع دی تھی کہ ایک مسجد کا پیش امام ہر رات درس دیتا ہے اور اسلامی نظریات کو بگاڑ رہا ہے تو سلطان ایوبی نے فوراً ہی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اس عالم کو گرفتار کرلو۔ اس نے کہا تھا.........''علی! مذہب میں فرقہ بندی شروع ہوگئی ہے۔ یہ پیش امام کسی فرقے کا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ قرآن کی اپنی تفسیریں پیش کر رہا ہو۔ میں مذہب میں دخل نہیں دینا چاہتا۔ میں حاکم ہوں عالم نہیں ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تخریب کار ہے، تو گرفتاری سے پہلے پوری طرح چھان بین کرلو۔ پیش امام کا درجہ مجھ سے بہت زیادہ بلند ہے۔''

علی بن سفیان خود اس مسجد میں درس سننے نہیں گیا تھا کیونکہ اسے شک تھا کہ اگر یہ پیش امام واقعی دشمن کا بھیجا ہوا تخریب کار ہے تو اسے پہچانتا ہوگا۔ اس نے اپنے ذہین سراغرساں مسجد میں بھیجے تھے۔ جو دس بارہ مرتبہ وہاں گئے اور انہوں نے جو درس سنے وہ من وعن علی بن سفیان کو سنا دیئے۔ آخر ایک رات اس صلیبی "عالم" نے جہاد پر درس دیا اور یہ تاویل پیش کی جو صلاح الدین ایوبی نے بھی سنی۔ سراغرسانوں نے یہ درس علی بن سفیان کو سنایا تو کوئی شک نہ رہا۔ علی نے سلطان ایوبی کو بتایا اور یہ رائے دی کہ اگر یہ شخص صلیبیوں کا جاسوس اور تخریب کار نہیں تو بھی اسے پکڑنا یا روکنا ضروری ہے کیونکہ وہ جہاد کا ایسا نظریہ پیش کر رہا ہے جو صرف وہ آدمی پیش کر سکتا ہے جو دشمن کا آدمی ہو یا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

سلطان ایوبی نے یہ رپورٹ بڑی ہی غور سے سنی اور کہا کہ معاملہ بہرحال مذہب، مسجد اور پیش امام کا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ علی بن سفیان کے ساتھ خود بہروپ میں درس سننے جائے گا اور خود یقین کرے گا کہ پیش امام کی نیت اور اصلیت کیا ہے۔ جہاد کے ساتھ حیوانی جذبے کے ذکر نے سلطان ایوبی کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے یہ بہروپ تیار کرایا تھا جس میں وہ مسجد میں گئے تھے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور جاسوسی کے خلاف دفاع کے فن کا ماہر تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو اپنی ایک اور کامیابی سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ فیض الفاطمی کو جس صلیبی لڑکی نے موقعہ پر گرفتار کرایا اور احمد کمال نام کے ایک کماندار کی خاطر اسلام قبول کرنے اور اس کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر ماری گئی تھی۔ اس نے وہ خفیہ الفاظ اور اشارے بتائے تھے جو صلیبی جاسوس ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس کی نشاندہی پر چند ایک مسلمان بھی پکڑے گئے تھے جو صلیبیوں سے زر و جواہرات اور خوبصورت لڑکیاں لے کر ان کے لیے جاسوسی کرتے تھے۔ انہوں نے بھی علی بن سفیان کے تہہ خانے میں تصدیق کی تھی کہ یہ الفاظ اور اشارے استعمال ہوتے ہیں۔ اشارے یہ تھے کہ جاسوس جو ایک دوسرے سے پہلی بار ملتے اور ایک دوسرے کے متعلق یقین کرنا چاہتے تھے ان میں سے ایک آسمان کی طرف دیکھ کر کہتا تھا..........."معلوم نہیں موسم کیسا رہے گا"..........وہ ایسی بے پروائی کے سے لہجے میں کہتا تھا جیسے یونہی اسے موسم کا خیال آ گیا ہو۔

دوسرا کہتا تھا.........."بارش آئے گی"..........اسے جواب ملتا تھا۔"آسمان بالکل صاف ہے".........

دوسرا کہتا تھا.........."ہم گھٹائیں لائیں گے"..........اور وہ قہقہہ لگاتا تھا۔ قہقہے کی ضرورت یہ ہوتی تھی کہ یہ مکالمہ کوئی اور سن لے یا دوسرا آدمی جاسوس نہ ہو تو وہ یہ سمجھے کہ اس آدمی نے مذاق کیا ہے۔ علی بن سفیان کو بتایا گیا تھا کہ یہ خفیہ مکالمہ اس وقت بولا جائے گا جب یہ ظاہر ہو جائے گا۔ دوسری بات جو علی نے معلوم کی تھی وہ یہی تھی کہ جاسوس ایک دوسرے کو اپنا نام نہیں بتاتے۔ ان کا ہیڈ کوارٹر فلسطین کا ایک قصبہ شوبک تھا جو ایک قلعہ تھا۔ یہ صلیبیوں کا جاسوسی کا مرکز تھا۔

ان انکشافات کے سہارے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان بہروپ میں مسجد میں چلے گئے۔ انہوں نے جہاد کے درس کی خواہش ظاہر کی تو عالم نے خواہش پوری کر دی۔ پھر وہ اس کے پاس اکیلے رہ گئے اور ان خفیہ مکالموں نے عالم کو بے نقاب کر دیا۔ اس نے بعد میں بیان دیا تھا کہ وہ اتنا کچا جاسوس نہیں تھا کہ وہ اجنبی آدمیوں کے آگے اپنا آپ ظاہر کر دیتا۔ اسے ان خفیہ الفاظ نے پھنسایا، کیونکہ یہ مکالمہ ہر ایک جاسوس کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ جاسوسوں کے اعلیٰ درجے کا مکالمہ ہے۔ اس سے نیچے اس سے کوئی جاسوس واقف نہیں ہوتا۔ اس مکالمے کے بعد کا قہقہہ خاص طور پر قابل ذکر تھا۔ اس کے بغیر ایک دوسرے پر اپنا راز فاش نہیں کیا جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے قہقہہ لگایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ چھ جانبازوں کو بھی لے

گیا تھا تا کہ بوقت ضرورت مدد دیں۔

علی بن سفیان نے اس جاسوس کو اور دونوں لڑکیوں کو اپنے تہہ خانے میں بند کر دیا اور سب سے پہلے اس علاقے میں جا کر تفتیش کی کہ یہ شخص اس مسجد پر قابض کس طرح ہوا اور اس سے پہلے وہ جس جھونپڑے میں رہتا تھا وہ اسے کس نے دیا تھا۔ وہاں کے مختلف لوگوں نے جو بیان دیئے ان سے پتہ چلا کہ یہ شخص دو بیویوں کے ساتھ اس آبادی میں آیا۔ پہلے ایک آدمی کے گھر مہمان رہا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی عالم فاضل ہے تو انہوں نے اسے یہ جھونپڑا دے دیا۔ وہ اس مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا۔ وہاں بہت مدت سے ایک پیش امام تھا۔ یہ شخص پیش امام کا مرید بن گیا۔ پندرہ سولہ روز بعد پیش امام نے مسجد میں ہی پیٹ درد کی شکایت کی۔ یہ شکایت اتنی تیزی سے بڑھی کہ اس کے بعد پیش امام مسجد میں نہ آسکا۔ حکیموں نے گھر جا کر دیکھا۔ دوائیاں دیں مگر وہ تیسرے روز مر گیا۔ اس کے بعد اس عالم نے لوگوں سے بات کر کے مسجد سنبھال لی۔ اس نے ایسا تاثر پیدا کیا کہ لوگ اس کے عقیدت مند ہو گئے اور اس کی ضرورت کے مطابق اسے مکان دے دیا۔

علی بن سفیان کے پوچھنے پر لوگوں نے اسے بتایا کہ انہوں نے کئی بار اس شخص کو پیش امام کے لیے کھانا لے جاتے دیکھا تھا۔ علی بن سفیان جان گیا کہ پیش امام کو اس آدمی نے زہر دیا ہے اور اسے راستے سے ہٹا کر مسجد پر قبضہ کیا تھا اس جاسوس کے گھر کی تلاشی میں بہت سے ہتھیار برآمد ہوئے تھے۔ جو مختلف جگہوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ وہاں زہر بھی برآمد ہوا۔ وہ ایک کتے کو دیا گیا تو کتا تین دن بے چین رہا اور گرتا اور اٹھتا رہا۔ تیسرے دن شام کے بعد کتا مر گیا۔

علی بن سفیان نے اپنی تفتیش سلطان ایوبی کے آگے رکھی تو سلطان نے اسے کہا........... ''ان تینوں کو قید میں خوب پریشان کرو۔ اور انہیں خوفزدہ کیے رکھو، لیکن میں انہیں جلاد کے حوالے نہیں کروں گا اور انہیں قید میں بھی نہیں ڈالوں گا۔''

''پھر آپ کیا کریں گے؟''........... علی بن سفیان نے پوچھا۔

''میں انہیں حفاظت اور عزت سے واپس بھیج دوں گا۔'' علی بن سفیان نے حیرت زدہ ہو کر سلطان ایوبی کے منہ کی طرف دیکھا۔ سلطان نے کہا........... ''میں ایک جواء کھیلنا چاہتا ہوں علی! ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بازی لگاؤں یا نہیں'' .... اس نے ذرا توقف سے کہا........... ''کل دوپہر کے کھانے کے بعد نائب سالاروں، مشیروں، اعلیٰ کمانداروں اور انتظامیہ کے ہر شعبے کے سربراہ کو میرے پاس لے آنا۔ تمہاری موجودگی بھی ضروری ہے۔''

☆

علی بن سفیان نے اس رات پہلی بار اس ''عالم'' سے تفتیش کی لیکن وہ بڑا سخت آدمی نکلا۔ اس نے کہا........... ''غور سے میری بات سن لو علی بن سفیان! ہم دونوں ایک ہی میدان کے سپاہی ہیں۔ تم میرے ملک میں کبھی پکڑے گئے تو مجھے امید ہے کہ تم جان دے دو گے، اپنے ملک اور اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دو گے۔ تم بھی تو قع مجھ سے رکھو۔ مجھے معلوم ہے میرا انجام کیا ہوگا۔ اگر میں تمہیں وہ ساری باتیں بتا دوں جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو تو بھی تم لوگ مجھے بخشو گے نہیں۔ مجھے اس تہہ خانے میں مرنا ہے خواہ تم جلاد سے مروا دو خواہ اذیت میں ڈال کر مار دو۔ پھر میں کیوں اپنی قوم کو دھوکہ دوں۔''

"مجھے امید ہے کہ تم اپنا ارادہ بدل دو گے"...........علی بن سفیان نے کہا..........."کیا تم ان دو لڑکیوں کی عزت بچانے کی خاطر یہ پسند نہیں کرو گے کہ میں جو پوچھوں وہ مجھے بتا دو؟"

"کیسی عزت؟"............اس نے جواب دیا............"ان لڑکیوں کے پاس صرف حسن اور ناز نخرے ہیں یا وہ استادی ہے جس سے وہ پتھروں کو بھی موم کر لیتی ہیں۔ان کے پاس عزت نام کی کوئی چیز نہیں۔یہی تو انہیں سکھلایا جاتا ہے کہ اپنی عزت سے دستبردار ہو جاؤ۔ہم لوگ اپنی جان اور عزت بہت دور پھینک آتے ہیں۔تم ان لڑکیوں کے ساتھ جیسا بھی سلوک کرنا چاہو کر لو۔انہیں میرے سامنے ذلیل کر لو، میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔لڑکیاں بھی تمہیں کچھ نہیں بتائیں گی۔"

"جاسوس لڑکیوں کو ہم سزائے موت دے دیا کرتے ہیں انہیں ذلیل کبھی نہیں کیا۔"علی بن سفیان نے کہا..........."ہمارا مذہب عورت کو اذیت میں ڈالنے کی ہمیں اجازت نہیں دیتا۔"

"میرے دوست!" جاسوس نے کہا..........."تم پیار کا حربہ استعمال کر و یا اذیت کا ہم میں سے کوئی بھی اپنے ان ساتھیوں کی نشاندہی نہیں کرے گا جو تمہاری سلطنت کی جڑوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔تم نے لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا وعدہ کیا ہے۔میں اس کے عوض تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری جنگ نہیں صلیب اور چاند تارے کی جنگ ہے۔میں ان معمولی سے جاسوسوں میں سے نہیں ہوں جو ادھر کی خبریں ادھر بھیجتے اور تمہارے آئندہ کے ارادے معلوم کرتے رہتے ہیں۔اس شعبے میں میرا رتبہ بہت اونچا ہے۔میں عالم ہوں۔اپنے مذہب کا مطالعہ اتنا ہی گہرا کیا جتنا تمہارے مذہب کا۔انجیل اور قرآن کی تہہ تک پہنچا ہوں۔میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمہارا مذہب بہتر اور سادہ ہے۔یہ ہر انسان کا مذہب ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔اس کی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے،مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے مذہب کی اصلیت کو بگاڑ دیا ہے تاکہ اس کی مقبولیت ختم ہو جائے۔یہودیوں نے مسلمان علماء کے بھیس میں اس میں بے بنیاد روایات شامل کر دی ہیں۔اسلام تو ہمات کے خلاف تھا مگر اس وقت سب سے زیادہ توہم پرست مسلمان ہیں۔میں نے چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت مسلمانوں کو سجدے کرتے اور نذرانے دیتے دیکھا ہے اور ایسی کئی ایک بدعتیں تمہارے مذہب میں شامل کر دی گئی ہیں..........

"ہم ایک لمبی مدت سے تمہارے اصل نظریات کو بگاڑ رہے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں۔دنیا میں صرف دو مذہب رہ جائیں گے۔ایک عیسائیت دوسرا اسلام،اور یہ دونوں اس وقت تک معرکہ آرا رہیں گے جب تک کہ دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔کسی بھی مذہب کو تیروں اور تلواروں سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔کسی مذہب کو تبلیغ سے بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔اس کا بھی ایک طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا تھا۔میں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ اس مہم میں میں اکیلا نہیں۔پورا ایک گروہ تمہارے نظریات پر حملہ آور ہوا ہے۔"

علی بن سفیان اس کے سامنے ٹہل رہا تھا اور اس کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔اس نے عالم جاسوس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں۔اس کا ارادہ تو یہ تھا کہ اس جاسوس کو بھی ہر جاسوس کی طرح اذیتوں کے انہی مرحلے میں سے گزارے گا جہاں کسی بھی لمبے جاسوس سارے راز اگل دیتے ہیں لیکن اس نے قید خانے کے ایک محافظ کو بلا کر اس آدمی کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھلوا دیں اور اس کے لیے پانی اور کھانا منگوایا۔اس نے کہا..........."میرے اس سلوک کو اگلوانے کا حربہ نہ سمجھنا۔ہم عالموں کی قدر کیا کرتے ہیں۔خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں۔میں تم سے کچھ نہیں

پوچھوں گا۔ جو کچھ بتانا پسند کرتے ہو بتا دو۔''

''اور میں تمہاری قدر کرتا ہوں علی!''.......... عالم جاسوس نے کہا......''میں نے تمہاری بہت تعریف سنی ہے۔ تم میں فن کا کمال بھی ہے اور جذبے کی حرارت بھی۔ تمہارے لیے سب سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ صلیبی بادشاہ تمہیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کے ہم پلہ ہو...... میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں نے علم سے یہ حاصل کیا ہے کہ کسی قوم کے تہذیب و تمدن اور مذہب کو بگاڑ دو تو فوجوں کے حملے اور جنگ وجدل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں جنسی آگ بھڑکا دو۔ یقین نہ آئے تو اپنے مسلمان حکمرانوں کی حالت دیکھ لو۔ تمہارے رسولؐ نے کہا تھا کہ نفس کو مارو کہ یہی تباہی کی جڑ ہے۔ تمہاری قوم نے اس پر کب تک عمل کیا؟ رسولؐ کی زندگی تک۔ یہودیوں نے اپنی حسین لڑکیوں سے تمہاری قوم کو بھڑکایا۔ آج تمہاری قوم نفس کی غلام ہو گئی ہے۔ تم میں جس کے پاس دولت آجاتی ہے وہ سب سے پہلے حرم کو عورتوں سے بھرتا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ غریب ہی ہو، چار بیویاں ضرور رکھنا چاہتا ہے۔ یہودیوں کے روپ میں تمہارے نظریات میں جنسیت ڈال دی۔ اگر اپنے رسولؐ کی ہدایت پر مسلمان عمل پیرا رہتے تو میں یہ یقین سے کہتا ہوں کہ آج دنیا کا تین چوتھائی حصہ مسلمان ہوتا، مگر اب یہ حال ہے تین چوتھائی مسلمان برائے نام مسلمان ہیں اور تمہاری سلطنت سکڑتی سمٹتی چلی جا رہی ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ یہ اس حملے کا نتیجہ ہے جو مجھ جیسے عالموں نے تمہارے مذہب اور تہذیب و تمدن پر کیا ہے۔

''میرے دوست! یہ حملے جاری رہیں گے۔ میں پیشین گوئی کر سکتا ہوں کہ ایک روز اسلام اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ اگر ہوگا تو ایک فرسودہ نظریئے کی شکل میں موجود رہے گا اور اس کے پیروکار جنسی لذت میں مست ہوں گے۔ ہر کوئی صلاح الدین ایوبی اور نور الدین نہیں بن سکتا۔ انہیں کل پرسوں مر جانا ہے۔ ان کے بعد جو آئیں گے، انہیں ہم نفس پرستی میں مبتلا کر دیں گے۔ مجھے قتل کر دو۔ میری مہم کو قتل نہیں کر سکو گے۔ انسانوں کے مر جانے سے مقاصد نہیں مر جایا کرتے۔ میری جگہ کوئی اور آئے گا۔ ہم اسلام کو ختم کر کے اپنا غلام بنا کر دم لیں گے...... اب چاہو تو مجھے جلاد کے حوالے کر سکتے ہو۔ میں اور کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

علی بن سفیان نے اس سے اور پوچھا بھی کچھ نہیں۔ وہ غالباً سوچ رہا تھا کہ اس کا کام کس قدر دشوار اور کتنا نازک ہے۔ اس صلیبی تخریب کار نے جو کچھ کہا۔ سچ تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ قوم میں اخلاقی تباہی کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں۔ عرب کے امراء وزراء تو پوری طرح تباہ ہو چکے تھے۔ صلاح الدین ایوبی میدان جنگ میں صلیبیوں کو شکست دے کر سلطنت اسلامیہ کو وسیع تر کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا مگر صلیبیوں نے ایسے پہلو سے حملہ کیا تھا جسے روکنا سلطان ایوبی کے بس سے باہر نظر آتا تھا...... علی بن سفیان عالم جاسوس کی کوٹھری بند کرا کے ان کوٹھڑیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا جن میں لڑکیاں قید تھیں۔ وہ ایک کوٹھڑی کھلوا کر اندر چلا گیا۔ لڑکی فرش پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ علی اسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔

☆

اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد فوج اور انتظامیہ کے تمام حاکم اور عہدیدار اس کمرے میں جمع تھے جہاں صلاح الدین ایوبی انہیں احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ ان سب کو پتہ چل چکا تھا کہ ایک جاسوس دو لڑکیوں کے ہمراہ پکڑا گیا ہے۔ وہ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ سلطان ایوبی آگیا۔ اس نے سب کو گہری نظر سے یوں دیکھا جیسے ان

میں سے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔

"میرے عزیز ساتھیو!" اس نے کہا............ "آپ نے سن لیا ہوگا کہ ہم نے ایک مسجد سے ایک صلیبی کو پکڑا ہے جو وہاں باقاعدہ امام بنا ہوا تھا" اس نے تفصیل سے بتایا کہ اسے کس طرح پکڑا گیا ہے۔ پھر انہیں وہ باتیں سنائیں جو جاسوس نے علی بن سفیان کے ساتھ قید خانے میں کی تھیں۔ علی بن سفیان یہ باتیں سلطان ایوبی کو سنا چکا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کہا............ "میں نے آپ کو یہ وعظ سنانے کے لیے نہیں بلایا کہ جاسوسوں اور تخریب کاروں سے بچو۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنے والے کے لیے میں یہ دنیا جہنم بنا دوں گا۔ میں اب کسی غدار کو سزائے موت نہیں دوں گا۔ موت نجات کا ذریعہ ہے۔ میں نے اب غدار کے لیے یہ سزا مقرر کی ہے۔ کہ اس کے گلے میں رسی ڈال کر ایک تختی آگے اور ایک پیچھے لٹکا کر اسے ہر روز بازاروں میں گھما پھرا کر چوک میں کھڑا کر دیا جائے گا تختیوں پر لکھا ہوگا............ 'میں غدار ہوں' .... اسے ہر روز صبح سے شام کھڑا رکھا جائے گا تا کہ وہ بھوکا پیاسا مر جائے گا اور اس کی لاش شہر سے باہر پھینک دی جائے گی۔ اس کے لواحقین کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ اس کا جنازہ پڑھیں یا اسے دفن کریں............

"لیکن میرے عزیز دوستو! اس سے دشمن کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ایک اور غدار پیدا کر لے گا۔ جب تک اس کے پاس عورت کی بے حیائی اور زر و جواہرات کی فراوانی اور ہمارے پاس ایمان کی کمی ہے، وہ غدار پیدا کرتا رہے گا۔ کیا یہ آپ کی غیرت کے لیے چیلنج نہیں کہ آپ کا دشمن آپ کی مسجد میں بیٹھ کر آپ کا قرآن ہاتھ میں لے کر آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مسخ کرے؟ اس پہلو پر بھی غور کریں کہ صلیبی جو لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے اور ہماری قوم کی کردار کشی کے لیے بھیج رہے ہیں، ان میں بہت سی لڑکیاں مسلمانوں کی بچیاں ہیں جنہیں ان کفار نے قافلوں سے اغوا کیا اور انہیں بدکاری کی شرمناک تربیت دے کر جاسوسی کے لیے تیار کیا ہے۔ فلسطین کفار کے قبضے میں ہے۔ وہاں مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا ہے۔ وہ مختصراً یہ ہے کہ صلیبی ان کے گھروں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ وہ فریاد کرتے ہیں تو قید خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کی کمسن بچیوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ ان میں جو غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی ہیں ان کے ذہنوں سے مذہب اور قومیت نکال دی جاتی ہے اور انہیں بے حیائی کی تربیت دے کر مردوں کو انگلیوں پر نچانا سکھا کر انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ اس گروہ میں ان کی اپنی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان میں تو شرم و حجاب اور عصمت کی کوئی قدر ہی نہیں۔ وہ مسلمان بچیوں کو بھی بدی کے لیے استعمال کرتے ہیں............

"انہوں نے جب فلسطین پر قبضہ کیا تو وہ وہاں سب سے بڑا جو انقلاب لائے وہ یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے جینا حرام کر دیا۔ ان کا قتل عام کیا، ان کے گھروں کو لوٹ لیا، مسجدوں کو اصطبلوں اور گرجوں میں بدل دیا، مسلمان بچیوں کو اغوا کر کے انہیں قحبہ خانوں میں بٹھا دیا گیا، جو خوبصورت نکلیں انہیں تخریب کاری اور بدکاری کی تربیت دے کر ہمارے امیروں اور وزیروں کے حرموں میں داخل کر دیا اور انہیں ہمارے خلاف بھی استعمال کیا۔ مسلمان گھرانوں کی بچیوں کے گلوں میں انہوں نے صلیب لٹکا دی۔ مسلمان جو فلسطین سے بھاگے اور ہمارے پاس پناہ لینے کے لیے قافلہ در قافلہ چلے انہیں راستے میں شہید کر دیا گیا۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی آبروریزی سرعام ہوئی اور میرے کلمہ گو بھائیو! یہ

سلسلہ رکا نہیں۔ ابھی تک جاری ہے۔ صلیبیوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کا کوئی نام لیوا زندہ نہ رہے اور مسلمان لڑکیاں عیسائیوں کو جنم دیں۔ ہم سب پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے کہ ہم اپنے ان مسلمان بھائیوں اور ان کی بچیوں کو فراموش کیے بیٹھے ہیں جو وہاں ذلت اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ان شہیدوں کو بھی فراموش کیے بیٹھے ہیں جو صلیبیوں کی بربریت کا شکار ہوئے .... میں آپ کو کوئی حکم دینے سے پہلے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ میں تجربہ کار فوجی ہیں اور انتظامیہ کے حاکم بھی۔"

پرانی عمر کا ایک کمانڈر اٹھا۔ اس نے کہا .... "امیر مصر! ہمیں آپ کے حکم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ حکم خداوندی ہے کہ تمہارے پڑوس میں مسلمان نسل پر ظلم ہو رہا ہو اور وہاں کے مسلمان خدا کو مدد کے لیے پکار رہے ہوں تو ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس ملک پر فوج کشی کر کے اپنے کلمہ گو بھائیوں کو نجات دلائیں۔ ہمیں فلسطین پر فوج کشی کرنی چاہیے۔"

نائب سالار کے رتبے کے ایک اور شخص نے اٹھ کر جوش سے کہا .... "کفار پر فوج کشی سے پہلے آپ ان مسلمان حاکموں اور امراء پر فوج کشی کریں جو در پردہ کفار کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہ صورت حال باعث شرم ہے کہ ہماری صفوں میں غدار بھی ہیں۔ فیض الفاطمی کے رتبے کا آدمی غدار ہو سکتا ہے تو چھوٹے عہدوں پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمان بچی کی آبروریزی کا انتقام لینے کے لیے ساری قوم کو فنا ہو جانا چاہیے مگر یہاں ہماری ایک پوری نسل کی آبروریزی ہو رہی ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ صلیبیوں نے ہماری بچیوں کو بدکاری کے لیے تیار کیا اور ہم سے ان کے ساتھ بدکاری کرا رہے ہیں۔ محترم امیر! اگر میں جذباتی نہیں ہو گیا تو مجھے یہ تجویز پیش کرنے کی اجازت دیں کہ ہمیں فلسطین لینا ہے۔ صلیبیوں نے ہمارے قبلۂ اوّل کو بدی کا مرکز بنا دیا ہے۔"

ایک اور آدمی اٹھا لیکن سلطان ایوبی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بٹھا دیا اور کہا .... "میں یہی سننا چاہتا تھا۔ آپ میں سے جو میرے قریب رہتے ہیں جانتے ہیں کہ میرا اولین ہدف فلسطین ہے۔ میں مصر کی امارت کے فرائض سنبھالتے ہی فلسطین پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر دو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، ایمان فروشوں نے مجھے مصر میں ایسا الجھایا ہے جیسے میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ ذرا ان دو سالوں کے واقعات پر غور کریں۔ آپ صلیبی تخریب کاروں اور غداروں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ سوڈانیوں کو ہمارے خلاف لڑانے والے ہم میں سے ہی ہیں۔ سوڈانی حبشیوں سے مصر پر حملہ کرانے والے ہمارے اپنے سالار اور کمانڈر تھے۔ وہ اس قومی خزانے سے تنخواہ لیتے تھے جس میں قوم کا پیسہ ہے اور جس میں خدا کے نام پر دی ہوئی زکوٰۃ کا پیسہ ہے۔ میں نے اس امید پر دو سال گزار دیئے ہیں کہ میں جاسوسوں، انہیں پناہ اور مدد دینے والوں اور ایمان فروشوں کو ختم کر کے فلسطین پر حملہ کروں گا، لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تخریب کاری کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ کیوں نہ اس چشمے کو جا کر بند کیا جائے جہاں اسلام دشمنی کے سامان پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہم صلیبیوں کو خود موقع دے رہے ہیں کہ وہ ہماری صفوں میں غدار پیدا کریں ....

"میں نے آپ کو آج اس لیے بلایا ہے کہ فلسطین پر حملے میں اب زیادہ تاخیر نہیں ہو گی۔ فوج کی جنگی مشقیں اور تربیت تیز کر دو۔ مجاہدین کو لمبے عرصے کا محاصرہ کرنے کی مشق کراؤ۔ مجھے ترک اور شامی دستوں پر پورا اعتماد ہے۔ مصریوں اور وفادار سوڈانیوں میں جذبہ پیدا اور پختہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں دشمن کے خلاف قہر اور غضب پیدا کر دو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ ان میں غیرت پیدا کرو اور انہیں بتاؤ کہ وہ تمہاری ہی بہنیں اور بیٹیاں ہیں جو صلیبیوں کی درندگی کا شکار ہو رہی ہیں .... آپ میں انتظامیہ کے جو حضرات ہیں ان کے ذمے یہ فرض ہے کہ وہ مسجدوں کے پیش اماموں

سے کہیں کہ لوگوں پر جہاد کی غرض و غایت واضح کریں اور نو عمر لڑکوں میں عسکری خیالات پیدا کریں۔ کوئی بھی پیش امام یا خلیب اسلامی نظریات کو غلطی سے یا دانستہ غلط رنگ میں پیش کرتا ہے اسے امامت کے فرائض سے سبکدوش کر دیں۔ اگر کردار مضبوط ہو تو کوئی کشش اور کوئی انگیخت گمراہ نہیں کر سکتی۔ ذہنوں کو فارغ نہ رہنے دیں، کھلا نہ چھوڑیں۔ ورنہ دشمن انہیں استعمال کرے گا.........فوجوں کے کوچ کے احکامات آپ کو جلد مل جائیں گے۔ اللہ آپ کا حامی اور ناصر ہے۔''

☆

سات روز گزر گئے۔

عالم جاسوس اور دونوں لڑکیوں کو سلطان ایوبی نے ملاقات کے لیے بلایا۔ انہیں لایا گیا تو سلطان ایوبی نے کہا کہ انہیں دوسرے کمرے میں بٹھا دو۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں تھیں۔ انہیں جس کمرے میں بٹھایا گیا وہ سلطان ایوبی کے خاص کمرے کے ساتھ تھا۔ دونوں کا ایک دروازہ تھا، جس کا ایک کواڑ کھلا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے ٹہلتے ٹہلتے کہا.........''میں فوری طور پر کرک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔''

کرک فلسطین کا ایک قلعہ نما قصبہ تھا۔ دوسرا مشہور قصبہ شوبک تھا۔ یہ بھی ایک مضبوط قلعہ تھا۔ شوبک کو صلیبیوں نے مرکز بنا رکھا تھا۔ صلیبی بادشاہ اور اعلیٰ کمانڈر شوبک میں ہی اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہیں صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ہیڈ کوارٹر تھا اور یہ جاسوسوں کا ٹریننگ کیمپ تھا۔ سلطان ایوبی کے فوجی اور شہری انتظامیہ کے حلقوں میں یہ خیال یقین کی حد تک تھا کہ سلطان ایوبی سب سے پہلے شوبک پر حملہ کرے گا کیونکہ اس جگہ کی اہمیت ہی ایسی تھی۔ اگر اس مضبوط اڈے کو سر کر لیا جاتا تو صلیبیوں کی کمر توڑی جا سکتی تھی۔ مگر سلطان ایوبی کہہ رہا تھا کہ پہلے کرک پر حملہ کیا جائے گا۔ یہ تو ثانوی اہمیت کی جگہ تھی۔

ایک نائب سالار نے کہا.........''محترم! آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میری ناقص رائے یہ ہے کہ پہلے شوبک سر کر لیا جائے۔ دشمن کی مرکزی کمان ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم نے شوبک لے لیا تو کرک لینا کوئی مشکل نہ ہو گا اور اگر ہم نے کرک پر طاقت ضائع کر دی تو شوبک لینا ناممکن ہو جائے گا۔''

دوسرے کمرے میں جاسوس بیٹھے تھے۔ درمیانی دروازے کا ایک کواڑ کھلا تھا۔ سلطان ایوبی کے کمرے کی آوازیں اس کمرے میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ عالم جاسوس کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ آہستہ آہستہ سرک کر دروازے کے ساتھ ہو گیا۔ اس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا.........''میں درجہ بدرجہ پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں۔ کرک شوبک کی نسبت آسان شکار ہے۔ میں اس پر قبضہ کر کے اسے اڈہ بنا لوں گا۔ کمک منگوا کر اور فوج کو کچھ عرصہ آرام دے کر پوری تیاری کے بعد شوبک پر حملہ کروں گا۔ اس قصبے کا دفاع ہمارے جاسوسوں کے کہنے کے مطابق، اتنا مضبوط ہے کہ ہمیں لمبے عرصے تک اسے محاصرے میں رکھنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ کرک پر ہماری زیادہ طاقت ضائع نہیں ہو گی۔ ہمیں پہلے ایک اڈہ چاہیے اور ایسی رسد گاہ جہاں سے ہمیں فوری طور پر رسد ملتی رہے۔''

عالم جاسوس دروازے کے ساتھ بیٹھا سن رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی اس کے پاس آ بیٹھیں۔ علی بن سفیان نے بھی دھیان نہ دیا کہ ایسی رازکی باتیں جاسوسوں کے کانوں میں پہنچ رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان نے اس لیے احتیاط نہ کی ہو کہ ان جاسوسوں کو شوبک واپس تھوڑے ہی جانا تھا۔ انہیں تو ساری عمر قید میں گزارنی تھی یا جلاد کے ہاتھوں مرنا تھا۔ عالم جاسوس نے لڑکیوں سے سرگوشی میں کہا.........''کاش، ہم میں سے کوئی ایک یہاں سے نکل سکے اور صلاح الدین ایوبی کے اس ارادے کی اطلاع شوبک اور کرک تک پہنچا دے۔ یہ کتنا قیمتی راز ہے، اگر پہلے ہی وہاں پہنچا دیا

جائے تو مسلمان کی فوج کو کرک کے راستے میں ہی لڑائی میں الجھا کر اس کی طاقت ختم کی جاسکتی ہے۔ان کا حملہ کرک سے دور ہی پسپائی میں بدلا جاسکتا ہے۔

''ہمیں مکمل راز داری کی ضرورت ہے''.........سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا.........''اگر صلیبیوں کو ہمارے حملے کی خبر قبل از وقت ہوگئی تو ہم کرک تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ ہمیں راستے میں روک لیں گے۔ ہمارے لیے خطرہ یہ ہے کہ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری فوج بہت کم ہے۔ صلیبیوں کی نفری زیادہ ہونے کے علاوہ ان کے گھوڑے اور ہتھیار ہم سے بہتر ہیں۔ان کے خول لوہے کے ہیں اور وہ زرہ بکتر بھی پہنتے ہیں۔اس سے ہمارے تیر انداز بیکار ثابت ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ صلیبیوں کو بے خبری میں جا لوں تاکہ انہیں کھلے میدان میں لڑنے کا موقعہ نہ ملے۔اگر وہ کھلے میدان میں لڑے تو ہمارے عقب میں آکر وہ ہماری رسد کا نظام روک دیں گے۔اس کا نتیجہ پسپائی اور شکست کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ میں وہ راستہ اختیار کروں گا جو جاریب کے ٹیلوں میں سے گزرتا ہے۔ یہ بڑا وسیع اور عریض علاقہ ہے۔ مجھے خطرہ صرف یہ نظر آرہا ہے کہ صلیبی راستے میں آکر لڑے تو ہمیں شکست کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

''اس کا علاج یہ ہے کہ فوج کو تین چار حصوں میں تقسیم کرکے صرف رات کے وقت کوچ کرایا جائے۔دن کے وقت کوئی حرکت نہ کی جائے''.........علی بن سفیان نے کہا.........''راستے میں کوئی بھی اجنبی آدمی یا قافلہ نظر آئے اسے روک لیا جائے اور کرک تک پہنچنے تک اسے اپنے ساتھ رکھا جائے۔ جاسوسی کے خلاف یہی اقدام کارگر ہوسکتا ہے۔''

اس وقت جب عالم جاسوس اور دو لڑکیاں سلطان ایوبی کی زبان سے اس قدر نازک اور اہم منصوبہ سن رہی تھیں ،شوبک کے قلعے میں صلیبیوں کی اہم شخصیتوں اور کمانڈروں کی کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ پریشان سے تھے۔ان میں حاتم الاکبر نام کا ایک مصری مسلمان بھی بیٹھا تھا۔ وہ انہیں یہ خبریں تفصیل سے سنا چکا تھا کہ خلیفہ العاضد معزولی کے بعد مرچکا ہے۔ مصراب بغداد کے خلیفہ کے تحت آگیا ہے۔ صلیبیوں کا وفادار مسلمان نائب سالار رجب پراسرار طریقے سے مارا جاچکا ہے۔ وہ جن تین لڑکیوں کو شوبک سے لے گیا تھا وہ ماری جاچکی ہیں اور صلیبیوں کا ایک اور وفادار مسلمان فوجی حاکم فیض الفاطمی بھی جلاد کے ہاتھوں مروا دیا گیا ہے۔اب حاتم الاکبر نے انہیں یہ خبر بد سنائی کہ جس عالم جاسوس کو دو لڑکیوں کے ساتھ قاہرہ بھیجا گیا تھا وہ عین اس وقت لڑکیوں سمیت گرفتار ہوگیا ہے جب اس کا مشن کامیاب ہو رہا تھا۔

یہ ثبوت ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا سراغرسانی نظام بہت ہوشیار ہے''.........کونارڈ نے کہا.........''کونارڈ صلیبیوں کا مشہور حکمران اور فوجی کمانڈر تھا۔اس نے کہا.........''ان لڑکیوں کو وہاں سے آزاد کرانا ممکن نہیں۔نہایت اچھی لڑکیاں ضائع ہوتی جارہی ہیں۔''

''صلیب کی خاطر ہمیں یہ قربانی دینی پڑے گی''.........صلیبیوں کے ایک اور بادشاہ اور فوجی کمانڈر رگے آف لوزینان نے کہا.........''ہمیں بھی مرنا ہے۔ ہمارے جو آدمی پکڑے گئے ہیں انہیں بھول جاؤ۔ان کی جگہ اور آدمی بھیجو۔ یہ دو لڑکیاں کہاں سے آئی تھیں؟''.........اس نے پوچھا.........''اور وہ تین لڑکیاں کون تھیں جو رجب کے ساتھ ماری گئی تھیں؟''

''ان میں دو عیسائی تھیں''.........ان کے انٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا.........''دونوں اطالوی تھیں اور تین مسلمان تھیں۔ انہیں بچپن میں اڑایا گیا تھا۔ بہت خوبصورت تھیں، جوانی تک انہیں یاد نہیں رہا تھا کہ وہ مسلمان

تھیں۔ ہم نے انہیں بچپن میں ہی اس فن کی تربیت دینی شروع کر دی تھی۔ یہ شک نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں چونکہ معلوم تھا کہ وہ مسلمان ہیں اس لیے انہوں نے ہمیں دھوکا دیا۔"

"مسلمان تھیں تو کیا؟" ....کونارڈ نے کہا اور حاتم الاکبر کی طرف اشارہ کر کے کہا.........."ہمارا پیارا دوست حاتم بھی تو مسلمان ہے۔ کیا اسے اپنے مذہب کا پاس نہیں؟" ....اس نے شراب کا گلاس حاتم کے ہاتھ میں دے کر کہا.........."حاتم جانتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی مصر کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے اور وہ اسلام کے نام پر کھیل رہا ہے۔ ہم مصر کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو مصر میں چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔

حاتم الاکبر صلیبیوں کی شراب میں بدمست اس کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ اس نے کہا.........."میں اب وہاں ایسا انتظام کروں گا کہ آپ کا کوئی آدمی وہاں پکڑا نہیں جائیگا۔"

"اگر ہم مصر میں یہ زمین دوز گڑبڑ جاری نہ رکھتے تو صلاح الدین ہم پر کبھی کا حملہ کر چکا ہوتا".........ایک صلیبی کمانڈر نے کہا.........."یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم اس کی طاقت اس کے اپنے آدمیوں پر ضائع کر رہے ہیں۔"

"کیا اس کے اور علی بن سفیان کے خاتمے کا ابھی کوئی انتظام نہیں ہوا؟" ....کونارڈ نے پوچھا۔

"کئی بار ہو چکا ہے" ....انٹیلی جنس کے سربراہ نے کہا.........."لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں پتھر قسم کے انسان ہیں۔ نہ وہ شراب پیتے ہیں نہ عورت کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے نہ انہیں شراب میں کچھ دیا جا سکتا ہے نہ عورت کے ہاتھوں مروایا جا سکتا ہے۔ اب کامیابی کی توقع ہے۔ ایوبی کے باڈی گارڈز میں چار آدمی فدائی ہیں۔ انہیں میں نے بڑی چابکدستی سے وہاں تک پہنچایا ہے۔ جب بھی موقع ملا وہ دونوں کو یا ایک کو ختم کر دیں گے۔"

"کیا ہمارے ہاں ایوبی کے بھیجے ہوئے جاسوس ہیں؟" ....گے آف لوزینان نے پوچھا۔

"یقیناً ہیں" ....انٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا.........."جب سے ہم نے مصر میں اور ادھر شام میں جاسوسی اور تباہ کاری کا سلسلہ شروع کیا ہے صلاح الدین نے بھی اپنے جاسوس ہمارے ہاں بھیج دیئے ہیں۔ ان میں سے دو پکڑے گئے ہیں۔ وہ اذیتوں سے مر گئے ہیں اپنے کسی تیسرے ساتھی کی نشاندہی نہیں کی۔"

"ان کی کامیابی کس حد تک ہے؟"

"بہت حد تک" ....دوسرے نے جواب دیا.........."کرک میں ہماری رسد کو جو آگ لگی تھی جس میں آدھی رسد جل گئی اور گیارہ گھوڑے زندہ جل گئے تھے وہ ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں کا کام تھا۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ہماری جنگی کیفیت اور اہلیت کی پوری معلومات صلاح الدین ایوبی کو ملتی رہتی ہے۔ اس کے جاسوسوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ جان پر کھیل جاتے ہیں اور کام پوری دیانت داری سے کرتے ہیں۔"

ان میں بہت دیر اس مسئلے پر بحث ہوتی رہی کہ مصر اور شام میں تخریبی کارروائیوں کو کس طرح تیز اور مزید تباہ کن کیا جا سکتا ہے۔ حاتم الاکبر انہیں سلطان ایوبی کی حکومت کی کمزور رگیں اور مضبوط پہلو دکھا رہا تھا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ حاتم الاکبر کو کچھ آدمی اور دو تین لڑکیاں دی جائیں۔

اس وقت سلطان ایوبی اپنے دو نائبین اور علی بن سفیان کو اپنے اس منصوبے سے آگاہ کر رہا تھا کہ وہ کرک پر حملہ کریگا۔ اس نے بیس روز بعد کا دن بتایا جب اسے فوجوں کو کوچ کرانا تھا۔ یہ تمام تر منصوبہ عالم جاسوس اور دو لڑکیاں ساتھ

والے کمرے میں سن رہی تھیں۔ عالم نے ایک بار پھر لڑکیوں کے ساتھ افسوس کا اظہار کیا کہ انہیں ایک راز معلوم ہو گیا ہے مگر وہ اسے شوبک تک نہیں پہنچا سکتے۔ ایک لڑکی نے کہا۔ ''میں کوشش کروں گی کہ صلاح الدین ایوبی مجھے پسند کر لے۔ اگر تھوڑی سی دیر کے لیے بھی وہ مجھے اپنے ساتھ تنہائی میں رکھ لے تو میں اس سے رہائی پالوں گی۔ مجھے امید ہے کہ میں اس کی عقل پر قبضہ کر لوں گی۔''

''معلوم نہیں اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟''......... عالم جاسوس نے کہا......... ''تم دونوں یاد رکھو۔ اگر وہ تمہیں اکیلے اکیلے بلائے تو دونوں یہ کوشش کرنا کہ اسے حیوان بنا سکو۔ اگر وہ شراب پیئے تو تم جانتی ہو کہ اسے کتنی پلا کر بے ہوش کیا جا سکتا ہے۔ وہ بیہوش ہو جائے تو فرار کا طریقہ تم جانتی ہو اور دونوں کو معلوم ہے کہ تمہیں کس کے پاس پہنچنا ہے۔ اس کا گھر مسجد کے بالمقابل ہے۔''

''میں جانتی ہوں''......... ایک لڑکی نے کہا......... ''مہدی ابادان۔''

''ہاں!''......... عالم نے کہا......... ''اگر تم مہدی تک پہنچ گئیں تو وہ تمہیں شوبک تک پہنچا دے گا۔ میرے فرار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے ایوبی کا منصوبہ سن لیا ہے۔ کوچ کی تاریخ یاد رکھو۔ راستہ یاد کر لو۔ کوچ رات کے وقت ہوا کرے گا۔ دن کے وقت اس کی فوج کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ حملہ کرک پر ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ یہ اطلاع قبل از وقت پہنچ گئی تو ہماری فوج ایوبی کو راستے میں روک لے گی۔ ایوبی اسی صورت حال سے ڈرتا ہے۔ شوبک میں جا کر یہ خاص طور پر بتانا کہ ایوبی کھلے میدان میں آمنے سامنے نہیں لڑنا چاہتا کیونکہ اس کے پاس فوج کم ہے۔''

سلطان ایوبی کے کمرے سے ایسی آوازیں آئیں جیسے اجلاس ختم ہو گیا ہو اور نائبین باہر جا رہے ہیں۔ عالم اور لڑکیاں فوراً اس جگہ سرک گئیں جہاں انہیں بٹھایا گیا تھا۔ عالم کے کہنے پر انہوں نے سر گھٹنوں میں دے لیے جیسے انہوں نے کچھ بھی نہیں سنا اور گرد و پیش کا کوئی ہوش نہیں۔ انہیں اپنے کمرے میں قدموں کی آواز سنائی دی تو بھی انہوں نے اوپر نہ دیکھا۔ عالم نے اس وقت اوپر دیکھا جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا......... ''اٹھو۔ میرے ساتھ آؤ''......... وہ علی بن سفیان تھا۔ علی نے لڑکیوں کو بھی اٹھایا اور انہیں سلطان ایوبی کے کمرے میں لے گیا۔

''میں تمہارے علم اور تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں۔''......... سلطان ایوبی نے عالم جاسوس سے کہا......... ''ان کی زنجیریں کھول دو......... تم تینوں بیٹھ جاؤ۔'' علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ سلطان ایوبی نے عالم سے کہا......... ''لیکن تم علم کو کس شیطانی کام میں استعمال کر رہے ہو۔ اس کی بجائے تم یہاں آ کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تو میں تمہاری قدر دل کی گہرائیوں سے کرتا کہ تم اپنے مذہب اور اپنے نبی کی خدمت کر رہے ہو۔ کیا تمہارے مذہب میں یہ روا ہے کہ تم دوسرے مذہب کی عبادت گاہ میں اس کے مذہب میں جھوٹ شامل کرو؟ کیا تمہارے دل میں اپنی مقدس صلیب کا، حضرت عیسیٰؑ کا اور کنواری مریم کا یہ احترام ہے کہ جھوٹ اور ابلیسیت جیسے کبیرہ گناہ کر کے تم ان کی عبادت کرتے ہو؟''

''یہ جھوٹ میرے فرائض میں شامل ہے''......... عالم نے کہا......... ''میں نے جو کچھ کیا مقدس صلیب کے لیے کیا۔''

''تم کہتے ہو کہ تم نے انجیل اور قرآن کا گہرا مطالعہ کیا ہے''......... سلطان ایوبی نے کہا۔ ''کیا ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی انسان کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اس قسم کی نوخیز لڑکیوں کو بدکاری کی راہ پر ڈالو اور غیر مردوں کے پاس بھیج کر اپنی مطلب براری کرو؟ کیا انجیل نے تمہیں کہا ہے کہ صلیب کی خاطر اپنی قوم کی بیٹیوں کی عظمت

دوسروں کے حوالے کردو؟ کیا تم نے کسی مسلمان لڑکی کو قرآن اور اسلام کے نام پر اپنی عصمت غیر مردوں کے حوالے کرتے کبھی دیکھا ہے؟"

"اسلام کو میں عیسائیت کا دشمن سمجھتا ہوں"............ عالم نے کہا............ "مجھے جو زہر ہاتھ آئے گا اسلام کی رگوں میں ڈالوں گا۔"

"تم اتنے میٹھے زہر سے چند ایک مسلمانوں کے کردار کو ہلاک کر سکتے ہو"............ سلطان ایوبی نے کہا............ "اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے"............ اس نے لڑکیوں سے کہا............ "تم کس خاندان کی بیٹیاں ہو؟ معلوم ہے تمہیں؟ اپنی اصلیت جانتی ہو تو مجھے بتاؤ"............ دونوں خاموش رہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا............ "تم نے اپنی پاکیزگی ختم کرالی ہے۔ اب بھی تم کسی باعزت گھر کی قابل احترام بیویاں بن سکتی ہو؟"

"میں قابل احترام بیوی بننا چاہتی ہوں"............ ایک لڑکی نے کہا............ "کیا آپ مجھے قبول کریں گے؟ اگر نہیں تو مجھے کوئی باعزت خاوند دے دیں۔ میں اسلام قبول کر کے گناہوں سے توبہ کرلوں گی۔"

سلطان ایوبی مسکرایا اور ذرا سوچ کر کہا............ "میں نہیں چاہتا کہ اس عالم کا علم جلاد کی تلوار سے خون میں ڈوب جائے اور میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کی جوانی اور حسن میرے قید خانے میں گلتا سڑتا رہے"............ سنو لڑکی! تم اگر واقعی گناہوں سے توبہ کرنا چاہتی ہو تو میں تمہیں تمہارے ملک میں بھیج دیتا ہوں، لیکن وہ ملک تمہارا نہیں، ہمارا ہے۔ میں ایک نہ ایک دن اپنا ملک تمہارے بادشاہوں سے لے لوں گا۔ تم جاؤ اور کسی کی بیوی بن جاؤ............ میں تم تینوں کو رہا کرتا ہوں۔

تینوں یوں بدکے جیسے انہیں سوئیاں چبھو دی گئی ہوں۔ اتنے میں علی بن سفیان لوہار کے ساتھ کمرے میں آیا اور تینوں کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ سلطان نے کہا............ "علی! میں نے انہیں رہا کر دیا ہے"............ علی بن سفیان کا رد عمل بھی وہی تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سلطان ایوبی کے منہ کی طرف دیکھتا رہا............ سلطان نے کہا............ "انہیں تین اونٹ دو اور چار مسلح محافظ ساتھ بھیجو جو گھوڑ سوار ہوں۔ نہایت ذہین اور دلیر محافظ جو انہیں شوبک کے قلعے میں چھوڑ کر واپس آجائیں۔ راستے کے لیے سامان ساتھ دو اور آج ہی انہیں روانہ کردو"............ اس نے عالم سے کہا............ "وہاں جا کر یہ غلط فہمی نہ پھیلا دینا کہ صلاح الدین ایوبی جاسوسوں کو بخش دیا کرتا ہے۔ میں انہیں دانے کی طرح چکی میں پیس پیس کر مارا کرتا ہوں۔ تمہیں صرف اس لیے رہا کر رہا ہوں کہ تم عالم ہو۔ تمہیں موقع دے رہا ہوں کہ علم کا روشن پہلو دیکھو۔ تمہاری نجات اسی میں ہے۔"

☆

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا جب انہیں اونٹوں پر سوار کر کے چار محافظوں کے ساتھ روانہ کر دیا گیا۔ محافظ خاص طور پر منتخب کیے گئے تھے۔ اس انتخاب کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ انہیں صلیبی کمانڈروں کے سامنے جانا تھا۔ وہ خوبرو اور وجیہہ تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی نہایت اچھی قسم کے بھیجے گئے تھے، مگر سب حیران تھے کہ سلطان ایوبی نے یہ فیاضی کیوں کی ہے۔ دشمن کو بخش دینا اس کا شیوہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان نے اس سے پوچھا تو اس نے اتنا ہی کہا............ "علی، میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ایک جواء کھیلنا چاہتا ہوں۔ اگر میں بازی ہار گیا تو صرف اتنا ہی نقصان ہوگا جو میں پہلے ہی اٹھا چکا ہوں کہ دشمن کے تین جاسوس میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی نقصان نہیں ہوگا"............ علی بن سفیان نے اس جوئے کی وضاحت چاہی لیکن سلطان ایوبی نے اسی پر بات ختم

کردی کہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔

باقی سب تو حیران تھے مگر رہا ہونے والے خوشی سے باؤلے جا رہے تھے۔ خوشی صرف رہائی کی نہیں تھی۔ اصل خوشی اس راز کی تھی جو وہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ وہ قاہرہ شہر سے دور نکل گئے تھے۔ ان کے اونٹ پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ دو محافظ آگے تھے اور دو پیچھے۔ عالم نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ ان کی زبان سمجھتے ہیں؟ چاروں اپنی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ عالم اور لڑکیاں ان کی زبان بڑی روانی سے بولتی تھیں۔ یہ انہیں خاص طور پر سکھائی گئی تھی۔

عالم نے لڑکیوں سے اپنی زبان میں کہا........ ''خدائے یسوع مسیح نے معجزہ دکھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے ہمارے ساتھ پیار ہے اور اسے ہماری فتح منظور ہے۔ یہ سچے مذہب کی نشانی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان جیسے داناؤں کو خدا نے عقل کا ایسا اندھا کیا ہے کہ انتہائی خطرناک راز ہمارے کانوں میں ڈال کر ہمیں رہا کر دیا ہے۔ ہم اپنی فوج کو ان کا سارا منصوبہ سنائیں گے اور ہماری فوج ایوبی کو صحرا میں گھیر کر ختم کرے گی۔ اسے کرک تک پہنچنے کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے کمانڈر جنگ کو حملے تک محدود نہیں رکھیں گے۔ وہ مصر پر ضرور چڑھائی کریں گے۔ مصر فوجوں سے خالی ہوگا۔ یہ فتح بڑی آسان ہوگی۔''

''آپ عالم ہیں، تجربہ کار ہیں۔'' .... ایک لڑکی نے کہا........ ''مگر آپ جسے معجزہ کہہ رہے ہیں وہ مجھے ایک خطرہ دکھائی دے رہا ہے........ خطرہ یہ چار محافظ ہیں۔ کہیں آگے جا کر یہ ہمیں قتل کر کے واپس چلے جائیں گے۔ صلاح الدین ایوبی نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ جلاد کے حوالے کرنے کی بجائے ہمیں ان کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ ہمیں جی بھر کے خراب کریں گے اور قتل کر دیں گے۔''

''اور ہم نہتے ہیں'' .... عالم نے یوں کہا جیسے اس کے ذہن سے خوش فہمیاں نکل گئی ہوں۔ اس نے کہا........ ''تم نے جو کہا ہے وہ درست ہو سکتا ہے۔ کوئی حکمران اپنے دشمن کے جاسوس کو بخش نہیں سکتا اور مسلمان اس قدر جنس پرست ہیں کہ تم جیسی حسین لڑکیوں کو چھوڑ نہیں سکتے۔''

''ہمیں راتوں کو چوکنا رہنا پڑے گا........'' دوسری لڑکی نے کہا........ ''رات کو یہ سو جائیں تو انہیں انہی کے ہتھیاروں سے ختم کر دیا جائے۔ ذرا ہمت کی ضرورت ہے۔''

''ہمیں یہ ہمت کرنی پڑے گی'' .... عالم نے کہا........ ''یہ کام آج ہی رات ہو جائے تو اچھا ہے۔ صبح تک ہم بہت دور نکل جائیں گے۔''

دو محافظ آگے اور دو پیچھے اپنی گپ شپ لگاتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ دو اتنی دلکش لڑکیاں ان کی تحویل میں ہیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ایک نے عالم سے کہا کہ ہم ابھی رکیں گے نہیں۔ رات کا پہلا پہر چلتے گزاریں گے........ وہ چلتے گئے اور صحرا کی رات تاریک ہوتی گئی۔ عالم اور لڑکیاں اونٹوں کو قریب کر کے محافظوں کے قتل کا منصوبہ بنا رہی تھیں۔ بہت دیر بعد ایک سرسبز جگہ آ گئی۔ محافظ رک گئے اور وہیں پڑاؤ کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ تین محافظ لیٹ گئے تھے اور ایک ٹہل رہا تھا۔ عالم لڑکیوں کے ساتھ محافظوں سے کچھ دور لیٹا۔ ان تینوں کی نظریں محافظوں پر تھی۔ وہ چوتھے محافظ کو دیکھتے رہے۔ وہ پڑاؤ کے اردگرد ٹہلتا رہا۔ ایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ دوڑ کر ادھر گیا اور اچھی طرح دیکھ بھال کر کے آ گیا۔

تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ اس نے اپنے ایک اور ساتھی کو جگایا اور خود اس کی جگہ لیٹ گیا۔ جو جاگا تھا وہ پڑاؤ کے

ارد گرد ٹہلنے لگا۔ کبھی جانوروں کے پاس جا کر انہیں دیکھتا اور کبھی سوئے ہوئے انسانوں کو دیکھتا۔ عالم نے لڑکیوں سے کہا......''ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ یہ کمبخت پہرہ دے رہے ہیں، جو ہوگا ہو کے رہے گا، سو جاؤ''......اور وہ سو گئے۔

رات گزر گئی۔ صبح ابھی دھندلی تھی جب محافظوں نے انہیں جگایا اور روانہ ہونے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی ترتیب میں چلے جا رہے تھے۔ جس میں ایک روز پہلے تھے۔ تین اونٹ پہلو بہ پہلو، دو محافظ آگے اور دو اونٹوں کے پیچھے۔ وہ ایک بار پھر لڑکیوں سے لاتعلق ہو گئے۔ انہوں نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی تھی جس سے شک ہوتا کہ یہ لوگ اوباش یا بدمعاش ہیں۔ سورج ابھرتا آیا۔ پھر یہ قافلہ ٹیلوں کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ مٹی اور ریت کی پہاڑیاں مخنی سی دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان میں گلیاں سی تھیں اور ان پر پہاڑیوں کا سایہ تھا۔ لڑکیاں ڈرنے لگیں۔ ڈر ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہ میں یہ جگہ جرم اور قتل وغیرہ کے لیے موزوں تھی مگر محافظ ان کی طرف دیکھ نہیں رہے تھے۔

''ان سے کہو کہ ہمارے ساتھ باتیں کریں''............ایک لڑکی نے عالم سے کہا............''ان کی خاموشی اور لاتعلقی مجھے ڈرا رہی ہے۔ انہیں کہو کہ ہمیں مارنا چاہتے ہیں تو فوراً مار دیں۔ میں موت کا انتظار نہیں کر سکتی۔''

عالم خاموش رہا۔ وہ لڑکیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تینوں ان محافظوں کے رحم و کرم پر تھے............سورج سر پر آ گیا تو وہ ان ٹیلوں کے اندر ایسی جگہ رک گئے جہاں ریت کی سلوں والے ٹیلے تھے اور اوپر جا کر آگے کو جھکے ہوئے تھے۔ ان کے سائے میں انہوں نے قیام کیا۔ کھانے کے دوران عالم نے محافظوں سے پوچھا............''تم لوگ ہمارے ساتھ باتیں کیوں نہیں کرتے؟''

''جو باتیں ہمارے فرض میں شامل نہیں وہ ہم نہیں کیا کرتے''............محافظوں کے کمانڈر نے جواب دیا اور پوچھا............''اگر تم لوگ کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہو تو ہم سنیں گے اور جواب دیں گے۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم کون ہیں؟'' عالم نے پوچھا۔

''تم تینوں جاسوس ہو''......محافظ نے جواب دیا......''یہ لڑکیاں بدکار ہیں۔ یہ ان آدمیوں کے استعمال کیلئے ہیں جنہیں تم لوگ ہمارے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہو۔ امیر مصر (اللہ اس کے نیک ارادوں میں برکت دے) نے تمہیں معلوم نہیں کیوں بخش دیا ہے۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں قلعہ شوبک میں چھوڑ آئیں۔ تم امانت ہو......تم نے یہ بات مجھ سے کیوں پوچھی ہے؟''

''تمہارے ساتھ باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا''............عالم نے جواب دیا............''اتنا لمبا سفر اس لاتعلق اور بیگانگی سے بڑا کٹھن ہو رہا ہے۔ ہمارے ساتھ باتیں کرتے چلو۔''

''ہم ہمسفر ہیں''......محافظ نے کہا......''لیکن ہماری منزلیں جدا ہیں۔ دو روز بعد ہم جدا ہو جائیں گے۔''

عالم جاسوس نے جیسے محافظ کا جواب سنا ہی نہ ہو۔ اس کی آنکھیں کسی دور کی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ صحرا سے اچھی طرح واقف تھا۔ صحرا کے خطروں سے واقف تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور غالباً ڈر سے پھٹتی جا رہی تھیں۔ محافظ نے اس طرف دیکھا جس طرف عالم دیکھ رہا تھا۔ محافظ کی بھی آنکھیں کھل گئیں............کوئی دو سو گز دور ایک بلند جگہ دو اونٹ کھڑے تھے۔ ان پر دو آدمی سوار تھے جن کے چہروں اور سروں پر پگڑیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ اونٹوں کی ٹانگیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ بلندی کے پیچھے تھیں۔ سوار خاموشی سے کھڑے محافظوں اور جاسوسوں کے قافلے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا انداز اور لباس بتا رہا تھا کہ وہ کون ہیں۔

''جانتے ہو یہ کون ہیں؟''............محافظوں کے کمانڈر نے عالم سے پوچھا۔

''صحرائی ڈاکو''..........عالم نے جواب دیا۔''معلوم نہیں کتنے ہوں گے۔''

''دیکھا جائے گا''......محافظ نے کہا۔اس نے اٹھتے ہوئے اپنے ایک ساتھی سے کہا......''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر ڈاکوؤں کی طرف چلے گئے۔ان کے پاس تلواروں کے علاوہ برچھیاں بھی تھیں۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر شتر سوار بلندی کے پیچھے غائب ہو گئے۔وہ محافظ جو پیچھے رہ گئے تھے۔قریب کے ٹیلے پر چڑھ گئے۔عالم نے لڑکیوں سے کہا.........''میرا خیال ہے تمہارا خدشہ صحیح ثابت ہو رہا ہے۔یہ ڈاکو نہیں۔یہ صلاح الدین ایوبی کے بھیجے ہوئے آدمی معلوم ہوتے ہیں ورنہ یہ محافظ اتنی دلیری سے ان کی طرف نہ چلے جاتے۔ایوبی تم دونوں کو بہت زیادہ ذلیل کرانا چاہتا ہے۔میرے لیے تو موت لکھی ہوئی ہے۔تمہیں بڑی خوفناک سزا دی جائے گی۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم آزاد نہیں۔''..........ایک لڑکی نے کہا.........''ہم ابھی تک قیدی ہیں۔''

''یہی معلوم ہوتا ہے''.........دوسری لڑکی نے کہا۔

دونوں محافظ واپس آ گئے۔ان کے ساتھی اور جاسوس ان کے گرد جمع ہو گئے۔محافظوں کے کمانڈر جس کا نام حدید تھا انہیں بتانے لگا.........''وہ صحرائی قزاق ہیں۔ہم ان سے مل آئے ہیں۔ان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔یہ دونوں جو ہمیں دیکھ رہے تھے کہتے ہیں کہ صبح سے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔انہوں نے مجھے کہا ہے کہ تم فوج کے آدمی اور مسلمان معلوم ہوتے ہو لیکن یہ لڑکیاں مسلمان نہیں۔یہ دونوں لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو،ہم تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔میں نے انہیں کہا ہے کہ یہ لڑکیاں کسی بھی مذہب کی ہوں،ہمارے پاس امانت ہیں۔ہم جیتے جی تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ ہم اپنی جانیں ضائع نہ کریں۔میں انہیں کہہ آیا ہوں کہ پہلے ہماری جانیں ضائع کرو پھر لڑکیوں کو لے جانا''......اس نے عالم اور لڑکیوں سے پوچھا.........''تم کوئی ہتھیار استعمال کر سکتے ہو؟''

''ان لڑکیوں کو ہر ایک ہتھیار چلانے کی تربیت دی گئی ہے۔''عالم نے کہا.........''تمہارے پاس برچھیاں ہیں،تلواریں بھی ہیں اور تیر کمان بھی ہیں۔ان میں سے ایک ایک ہتھیار ہمیں دے دو۔

''ابھی نہیں''..........حدید نے سوچ کر کہا.........''میں قبل از وقت تمہیں ہتھیار نہیں دے سکتا۔اگر ڈاکوؤں سے ٹکر ہو گئی تو اس وقت دے دوں گا.........ہمیں اس علاقے سے فوراً نکل جانا چاہیے۔ان سے گھوڑوں اور اونٹوں پر لڑائی ہو گئی تو یہ علاقہ موزوں نہیں گھوڑے گھما پھرا کر لڑنے کے لیے یہ جگہ خراب ہے۔''

وہ فوراً وہاں سے چل پڑے۔محافظوں نے کمانیں ہاتھوں میں لے لیں اور ترکش کھول لیے۔حدید آگے تھا۔ اسے اس کے ساتھی نے کہا.........''ان جاسوسوں کو ہتھیار دینا ٹھیک نہیں۔آخر ہمارے دشمن ہیں۔ہو سکتا ہے کہ ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر ہمیں مار ڈالیں۔''

عالم لڑکیوں سے کہہ رہا تھا.........''ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں،انہوں نے ہمیں ہتھیار دینے سے انکار کر دیا ہے۔ڈاکو ان کے اپنے آدمی ہیں۔یہ تم دونوں کو ان کے حوالے کر دیں گے اور مجھے مروا دیں گے۔''

دونوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں تھا اور دونوں پر ڈاکوؤں کا ڈر سوار ہو گیا تھا۔حدید نے اپنے محافظوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی نقاب پوش نظر آئے تو مجھے بتائے بغیر اس پر تیر چلا دو۔ان کے ساتھ ٹکر ضرور ہو گی۔دیکھنا یہ ہے کہ کب ہو گی اور کہاں ہو گی......وہ تیز رفتاری سے چلتے گئے۔گھوڑوں اور اونٹوں کو آرام،چارہ اور پانی ملتا رہا تھا،اس لیے تھکن کا ان پر کوئی اثر نہیں تھا۔ٹیلوں کا علاقہ بہت دور چلا گیا تھا۔کئی جگہوں پر یہ قافلہ اونچے ٹیلوں کے درمیان آ جاتا تھا۔حدید کو ڈر

یہ تھا کہ ڈاکو اوپر سے تیر نہ برسادیں۔ اس نے گھوڑوں کو ایڑ لگانے کو کہا اور جاسوسوں سے کہا کہ وہ بھی اونٹوں کو گھوڑوں کی رفتار پر کرلیں اور اوپر کو دیکھتے رہیں۔

وہ اس علاقے سے نکل گئے۔ کوئی ڈاکو نظر نہیں آیا۔ سورج نیچے جانے لگا تھا۔ ایک بار دور دو اونٹ اسی سمت پر جاتے نظر آئے، جدھر یہ قافلہ جا رہا تھا۔ قافلہ چلتا رہا۔ راستے میں ایک جگہ پانی مل گیا۔ انہوں نے جانوروں کو پانی پلایا، خود بھی پیا اور چل پڑے۔ سورج نیچے جاتا رہا اور افق کے پیچھے چلا گیا۔ شام تاریک ہوئی تو حدید نے قافلے کو روک لیا۔ کہنے لگا...... ''یہ جگہ لڑائی کے لیے اچھی ہے کیونکہ ارد گرد کوئی رکاوٹ نہیں'' ......اس نے گھوڑوں کی زینیں کھولی نہیں، تاکہ ضرورت کے وقت گھوڑے تیار ملیں۔ اونٹوں کو بٹھا دیا گیا۔ کھانا کھا کر حدید نے لڑکیوں کو اپنے درمیان لٹایا اور انہیں کہا کہ وہ ہوشیار رہیں۔ محافظوں سے کہا کہ وہ کمانیں تیار رکھیں۔ سوئیں نہیں، لیٹے رہیں۔ اسے یقین تھا کہ رات کو حملہ ضرور ہوگا۔

☆

رات آدھی گزر گئی۔ صحرا پرسکون اور خاموش رہا۔ پھر اچانک ان کے گرد سیاہ بھوتوں جیسے بڑے بڑے سائے دوڑنے لگے۔ اونٹوں کے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی اور زمین مل رہی تھی۔ اونٹوں کی تعداد دس سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ان پر ایک ایک سوار تھا۔ وہ محافظوں وغیرہ کو دہشت زدہ کرنے کے لیے ان کے ارد گرد اونٹوں کو دوڑا رہے تھے۔ تین چار چکر پورے کر کے ایک نے للکارا...... ''لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو۔ تم سے کچھ اور لیے بغیر ہم چلے جائیں گے۔''

اس کے جواب میں حدید نے لیٹے لیٹے پہلا تیر چلایا۔ جسے تیر لگا اس کی بڑی زور کی آواز سنائی دی۔ دوسرے محافظوں نے بھی لیٹے لیٹے ایک ایک تیر چلایا۔ دو اونٹ بلبلا کر بولے اور بے قابو ہو گئے۔ حدید نے لڑکیوں سے کہا............ ''بھاگنا نہیں ہمارے ساتھ رہنا۔''

شتر سواروں میں سے کسی نے کہا............ ''ٹوٹ پڑو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ لڑکیوں کو اٹھا لو۔''

صحرا کی رات اتنی شفاف ہوتی ہے کہ چاندنی نہ ہو تو بھی کچھ دور تک نظر آ جاتا ہے۔ شتر سوار اونٹوں سے کود آئے۔ پھر تلواریں اور برچھیاں ٹکرانے کا اور دونوں فریقوں کی للکار کا شور رات کا جگر چاک کرنے لگا۔ کسی کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ حدید اور محافظ نے لڑکیوں کو اس طرح اپنے درمیان کر لیا تھا کہ محافظوں کی پیٹھیں لڑکیوں کی طرف تھیں۔ لڑکیوں نے کئی بار کہا کہ ہمیں بھی کچھ دو۔ حدید نے کہا............ ''میری تلوار نکال لو'' ....وہ خود برچھی سے لڑ رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اس کی نیام سے تلوار نکال لی اور دونوں محافظوں کے درمیان سے نکل گئی۔ حدید نے اسے کہا............ ''ہم سے جدا نہ ہونا لڑکی'' ....ڈاکوؤں کا زیادہ حملہ لڑکیوں پر تھا۔ عالم کی کوئی آواز نہ سنائی دی۔

یہ معرکہ بہت دیر لڑا جاتا رہا۔ آدمی بکھرتے چلے گئے۔ محافظ ایک دوسرے کو پکارتے رہے پھر ان کی پکار ختم ہو گئی۔ معرکے کا شور بھی کم ہوتا گیا۔ حدید نے اپنے ساتھیوں کو پکارا لیکن اسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اسے ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے پکار رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ حدید سمجھ گیا کہ کوئی ڈاکو ایک لڑکی کو اونٹ کی بجائے کسی محافظ کے گھوڑے پر ڈال کر لے گیا ہے۔ وہ دوڑ کر ایک گھوڑے تک پہنچا۔ زین کسی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگنے والے گھوڑے کے ٹاپوؤں کی آواز پر تعاقب میں گیا۔ دوسری لڑکی کے متعلق اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ صحرا میں کوئی رکاوٹ، کوئی ندی نالہ نہیں تھا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اگلا گھوڑا بھی اچھی نسل کا تھا۔ فرق یہ کہ اس گھوڑے پر دو سوار تھے۔

کوئی ایک میل بعد حدید کو اگلے گھوڑے کا سایہ نظر آنے لگا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا۔ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ حدید نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے بھی ایک گھوڑا آ رہا ہے جس کا سوار محافظ بھی ہو سکتا تھا ڈاکو بھی۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پچھلا گھوڑا قریب آ گیا تھا۔ حدید نے پکارا............ ''کون ہو؟''............ اسے جواب نہ ملا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا اور گھوڑے کو اور زیادہ تیز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اگلا گھوڑا سیدھا جا رہا تھا۔ اس کی باگ شاید لڑکی کے ہاتھ میں آ گئی تھی کیونکہ حدید دیکھ رہا تھا کہ وہ گھوڑا دائیں بائیں ہو رہا ہے اور اس کی رفتار بھی گھٹتی جا رہی ہے............ وہ اس تک پہنچ گیا۔

اس کے پاس برچھی تھی۔ اس نے اگلے سوار کو پہلو پر جا کر برچھی کا وار کیا لیکن وہ گھوڑا ایک طرف ہو گیا۔ سوار تو بچ گیا برچھی گھوڑے کو لگی۔ حدید نے گھوڑا روکا اور گھمایا۔ دوسرا سوار بھی گھوڑے کو گھمانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن لڑکی جو اس کے آگے بیٹھی تھی، باگیں ادھر ادھر کر کے گھوڑے کا رخ صحیح نہیں ہونے دیتی تھی۔ حدید نے لڑکی کو پکارا تو لڑکی اور زیادہ دلیر ہو گئی۔

سوار لڑکی کو ساتھ لیے گھوڑے سے کود گیا اور اس نے اپنے گھوڑے کو ڈھال بنا لیا۔ حدید اپنے گھوڑے کو گھما گھما کر لاتا مگر جدھر سے بھی وار کرنے آتا ڈاکو لڑکی کو ساتھ لیے اپنے گھوڑے کی اوٹ میں ہو جاتا۔ آخر حدید گھوڑے سے اتر آیا۔ اتنے میں دوسرا سوار بھی آ گیا۔ وہ محافظ نہیں ڈاکو تھا۔ وہ بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ حدید نے انہیں للکارا۔ ''لڑکی کو نہیں لے جا سکو گے''............ ایک ڈاکو نے لڑکی کو دبوچ رکھا اور دوسرا حدید سے لڑنے لگا۔ لڑکی کے پاس اب تلوار نہیں تھی۔ دوسرے ڈاکو نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور وہ حدید پر ٹوٹ پڑا۔ حدید نے لڑکی کو پکار کر کہا............ ''تم گھوڑے پر بیٹھو اور شوبک کی طرف نکل جاؤ۔ میں ان دونوں کو تمہارے پیچھے نہیں آنے دوں گا''............ مگر لڑکی وہیں کھڑی رہی۔

حدید نے دونوں کا خوب مقابلہ کیا۔ ڈاکوؤں نے اسے بار بار کہا............ ''ایک لڑکی کے لیے اپنی جان مت گنواؤ''............ حدید نے ہر بار یہی جواب دیا............ ''پہلے میری جان لو پھر لڑکی کو لے جانا''...... اور اس نے کئی بار لڑکی سے کہا...... ''تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔ بھاگو یہاں سے'' آخر لڑکی نے کہا...... ''تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی''...... حدید زخمی ہونے لگا۔ اس نے ایک بار پھر لڑکی سے کہا...... ''میں زخمی ہو گیا ہوں۔ میرے مرنے سے پہلے نکل جاؤ۔''

ایک ڈاکو لڑکی کی طرف گھوما۔ حدید کو موقع مل گیا۔ اس نے برچھی اس کے پہلو میں اتار دی، لیکن اس وقت دوسرے ڈاکو کی تلوار اس کے کندھے پر لگی۔ لڑکی نے ایک ڈاکو کو گرتے دیکھ لیا۔ اس نے دوڑ کر اس کی تلوار لے لی اور پیچھے سے آ کر دوسرے ڈاکو کی پیٹھ میں برچھی کی طرح اتار دی۔ وہ سنبھلنے لگا تو آگے سے حدید کی برچھی اس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ ڈاکو بھی ختم ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی حدید بھی کھڑا رہنے کے قابل نہ رہا۔ لڑکی نے اسے سہارا دیا تو اس نے کہا............ ''تم ٹھیک ہو نا؟ مجھے چھوڑ دو۔ گھوڑے پر بیٹھو اور فوراً شوبک کو روانہ ہو جائے۔ اللہ تمہیں خیریت سے پہنچا دے گا۔ شوبک دور نہیں۔ اپنے ساتھیوں کی طرف نہ جانا۔ وہاں شاید کوئی زندہ نہیں ہو گا۔''

''زخم کہاں کہاں ہیں؟'' لڑکی نے اس سے پوچھا۔

''مجھے مرنے دو لڑکی!'' حدید نے کہا............ ''تم نکل جاؤ۔ خدا کے لیے میرا فرض تم خود ہی پورا کر دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اور قزاق ادھر آ نکلے۔''

لڑکی کی غلط فہمی اور شکوک رفع ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس شخص نے اس کی خاطر جان خطرے میں ڈالی ہے۔ اس نے اسے اکیلا چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ دوڑ کر گئی۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی پانی کی چھاگل کھول لائی اور حدید کے منہ کے ساتھ لگا دی۔ اسے پانی پلا کر چھاگل گھوڑے کے ساتھ باندھ دی اور اس سے پوچھنے لگی کہ

اس کے زخم کہاں ہیں۔ حدید نے اسے زخم بتائے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اور کچھ ٹکڑے حدید کے لباس سے پھاڑے۔ انہیں پانی میں بھگو کر اس نے حدید کے زخموں پر باندھ دیا۔ اسے اس کام کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس نے حدید کو سہارا دے کر اٹھایا اور گھوڑے تک لے گئی۔ بڑی مشکل سے اسے گھوڑے پر بٹھایا۔ خود دوسرے گھوڑے پر بیٹھنے لگی تو حدید نے کہا۔ "میں اکیلا گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکوں گا۔" وہاں تین گھوڑے تھے۔ لڑکی نے یہ دانشمندی کی کہ گھوڑے ضائع کرنے مناسب نہ سمجھے۔ دو گھوڑوں کی باگیں ایک گھوڑے کی زین کے پیچھے باندھ دیں اور خود حدید کے پیچھے سوار ہو گئی۔ اس نے حدید کی پیٹھ اپنے سینے سے لگائی اور اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔

"شوبک کی سمت بتا سکتے ہو؟"......... لڑکی نے پوچھا۔

حدید نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ستارے دیکھے اور ایک طرف اشارہ کر کے کہا......... اس رخ کو چلو......... پھر اس نے کہا......... "میں شاید زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ خون نکل رہا ہے۔ جہاں کہیں میری جان نکل جائے مجھے وہیں دفن کر دینا اور اگر تمہیں میری نیت پر کوئی شبہ تھا تو وہ دل سے نکال کر مجھے بخش دینا۔ میں نے امانت میں خیانت نہیں کی۔ خدا تمہیں زندہ و سلامت اپنے ٹھکانے پر پہنچا دے۔"

گھوڑا چلا جا رہا تھا اور رات گزرتی جا رہی تھی۔

☆

صبح طلوع ہوئی تو حدید بے ہوشی کی حالت میں تھا اور اپنے آپ کو ہوش میں رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ اس کا خون رک گیا تھا لیکن زیادہ تر خون بہہ جانے سے اس کا جسم بے جان ہو گیا تھا۔ لڑکی نے اسے چھوٹے سے نخلستان میں اتارا، اسے پانی پلایا۔ گھوڑوں کے ساتھ کچھ کھانے کی چیزیں بندھی ہوئی تھیں، وہ حدید کو کھلائیں۔ اس سے اس کا دماغ صاف ہونے لگا۔ اسے پہلا خیال یہ آیا کہ پہلے وہ اس لڑکی کا محافظ تھا اب اس کا قیدی ہے۔ لڑکی نے اسے لٹا دیا۔ وہ رات بھر گھوڑے پر سوار رہے تھے۔ کچھ دیر کے آرام سے حدید کا جسم ٹھکانے آ گیا۔ اس نے لڑکی سے کہا......... "شوبک دور نہیں شاید ایک دن کی مسافت ہے۔ تم ایک گھوڑا لو اور اسے بھگاتی لے جاؤ، جلدی پہنچ جاؤ گی۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"تم زندہ واپس نہیں پہنچ سکو گے۔" لڑکی نے کہا......... "اگر یہیں سے واپس جانا ہے تو مجھے ساتھ لے چلو۔ تم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔"

"میں مرد ہوں۔" حدید نے کہا......... "میرا دل نہیں مان رہا کہ ایک لڑکی میری حفاظت کرے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔"

"میں ان معمولی سی لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو گھروں میں پڑی رہتی ہیں"......... لڑکی نے کہا......... "اور جو مرد کی حفاظت کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتیں۔ مجھے ایک فوجی مرد سمجھو۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرا ہتھیار میری خوبصورتی، میری جوانی اور میری چرب زبانی ہے۔ میں تمہاری طرح سختیاں برداشت کر سکتی ہوں۔ میں شوبک تک پیدل پہنچ سکتی ہوں۔"

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں"......... حدید نے کہا......... "ڈاکو ہم دونوں کو کتنا قریب لے آئے ہیں مگر ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم میرے ملک کی بنیادیں ہلانے کی کوشش کر رہی ہو اور ایک دن میں تمہارے ملک پر حملہ کرنے آؤں گا۔"

''لیکن اس وقت میری دوستی قبول کرلو'' لڑکی نے کہا..........''دشمنی کی باتیں اس وقت سوچیں گے۔ جب تم تندرست ہو کر اپنے ملک چلے جاؤ گے۔'' اس نے حدید کی گردن کے نیچے بازو کر کے اسے اٹھایا۔ حدید اب اٹھ سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا گھوڑے تک پہنچ گیا۔ لڑکی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں رکھا اور اسے سہارا دے کر گھوڑے پر سوار کر دیا۔ لڑکی بھی اسی گھوڑے پر سوار ہونے لگی تو حدید نے ہاتھ آگے کر کے اسے روک دیا اور کہا..........''تم اب دوسرے گھوڑے پر بیٹھو میں اکیلا سواری کر سکوں گا۔''

''اس کے باوجود میں اسی گھوڑے پر بیٹھوں گی''.....لڑکی نے کہا.....''تمہیں اپنے ساتھ لگائے رکھوں گی۔''

حدید کی ضد کے باوجود لڑکی اس کے پیچھے سوار ہوگئی اور جب ایک بازو اس کے سینے پر رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگانے لگی تو حدید نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا..........''مجھے ذرا اپنے سہارے بیٹھنے دو''..........لڑکی نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا کر اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال دیا۔ اس نے حدید سے پوچھا..........''میں جانتی ہوں تم مجھے بدکار لڑکی سمجھ کر مجھ سے دور رہنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''نہیں۔'' حدید نے کہا..........''میں تمہیں صرف لڑکی سمجھ کر دور رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں اپنے قریب کرنے کی خواہش ہوتی تو دو راتیں تم بے بسی کی حالت میں میری قید میں رہی ہو۔ میں تمہیں اپنی لونڈی بنا سکتا تھا لیکن میں نے اپنے اوپر شیطان کا غلبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ اب تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میں امانت میں خیانت کر رہا ہوں۔ میرے اندر گناہ کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔''

''تم پتھر تو نہیں ہو؟'' لڑکی نے اس سے پوچھا..........''مجھے تو جس مرد نے دیکھا ہے بھوکی نظروں سے دیکھا ہے۔ میں نے صرف اتنی سی قیمت دے کر تمہاری قوم کے دو مومنوں کے ایمان خرید لیے تھے۔''

''کتنی قیمت؟''..........حدید نے پوچھا۔

''صرف اتنی سی کہ انہیں پاس بٹھایا اور سر اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا۔''

''ان کے پاس ایمان تھا ہی نہیں۔'' حدید نے کہا۔

''جو کچھ بھی تھا۔'' لڑکی نے کہا..........''وہ میں نے ان سے لے لیا تھا۔ اس کی جگہ ان کے دلوں میں اپنی قوم کے خلاف غداری ڈال دی تھی۔''

''وہ کون ہیں؟''..........حدید نے پوچھا۔

''ابھی نہیں بتاؤں گی۔'' لڑکی نے جواب دیا..........''جس طرح تم اپنے فرض کے پکے ہو اسی طرح مجھے بھی اپنا فرض عزیز ہے۔''

حدید خاموش ہو گیا۔ وہ لڑکی کے جسم کی حرارت اور ہلکی ہلکی بو محسوس کر رہا تھا۔ لڑکی کے کھلے ہوئے ریشمی سے بال ہوا سے لہرا کر اس کے گالوں پر پڑ رہے تھے۔ اور گالوں کو سہلا رہے تھے۔ اسے اونگھ آ گئی۔ گھوڑا چلتا رہا۔ بہت دور جا کر حدید کی آنکھ کھلی تو سورج سر پر آ چکا تھا۔ اس نے کہا..........''گھوڑے کو ایڑ لگاؤ۔ مجھے امید ہے کہ ہم سورج غروب ہونے کے بعد شوبک پہنچ جائیں گے۔''

لڑکی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور صحرا تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔

☆

سورج غروب ہو چکا تھا۔ شوبک کے قلعے کے اس کمرے میں جہاں صلیبی حاکموں اور کمانڈروں کے اجلاس ہوا کرتے تھے، وہاں حاکم اور کمانڈر بیٹھے تھے۔ ان میں عالم جاسوس بھی بیٹھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا...... "میں یہ نہیں بتا سکتا کہ دونوں لڑکیوں کا کیا حشر ہوا یا ہو رہا ہے۔ میں نے انہیں بچانے بلکہ انہیں دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی کیونکہ ان سے زیادہ قیمتی یہ راز تھا جو مجھے آپ تک پہنچانا تھا۔ جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو میں موقع دیکھ کر ایک طرف ہو گیا اور ایک گھوڑے تک پہنچ گیا۔ ایک تو میری رہائی ایک معجزہ ہے۔ دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ میں اتنے خونریز معرکے میں سے صاف بچ کر نکل آیا۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکو نہیں تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھیجے ہوئے آدمی تھے۔ یہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے ہم تینوں کو خود سزائے موت کیوں نہ دی اور لڑکیوں کو خراب کرانے کا یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ یہ ایک ڈھونگ تھا۔ لڑکیاں اب ان لوگوں کے قبضے میں ہوں گی اور ظالمانہ اذیتیں برداشت کر رہی ہوں گی۔"

"انہیں چھڑانے کا ہم کوئی طریقہ نہیں سوچ سکتے۔" ایک صلیبی حاکم نے کہا۔ "یہ قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں۔ ہمارے پاس لڑکیوں کی کمی نہیں۔ ہمارا یہ طریقہ کامیاب ہے۔ اسے جاری رکھنے کے لیے اور لڑکیاں تیار کرو............ سب آگئے ہیں۔ اب وہ راز بتاؤ جو تم اپنے ساتھ لائے ہو۔"

عالم جاسوس انہیں سنا چکا تھا کہ وہ قاہرہ کی ایک مسجد سے کس طرح گرفتار ہوا تھا۔ قید خانے میں اس کے ساتھ اور لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوا اور سلطان ایوبی نے انہیں کس طرح خلاف توقع رہا کیا۔ اس نے یہ بھی سنایا کہ یہ راز سلطان ایوبی نے اسے کس طرح دیا ہے۔ اس نے تاریخ بتا کر کہا............ "صلاح الدین ایوبی اس روز اپنی فوج کو کوچ کرائے گا۔ وہ کرک پر حملہ کرے گا۔ نائب سالار کہہ رہے تھے کہ شوبک کو پہلے لینا چاہیے کیونکہ یہ زیادہ مضبوط قلعہ ہے لیکن صلاح الدین شوبک پر اپنی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کرک کو کمزور سمجھ کر پہلے اسے لینا چاہتا ہے۔ وہاں وہ اپنی فوج اور رسد وغیرہ کا اڈہ بنائے گا۔ رسد جمع کر کے وہ کمک بلائے گا اور فوج کو کافی آرام دے کر شوبک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ خاص طور پر کہا تھا کہ وہ ہمیں بے خبری میں لینا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ اس نے یہ بتائی ہے کہ اس کی فوج کم ہے اور ہماری فوج زیادہ بھی ہے اور ہمارے پاس گھوڑے بھی بہتر ہیں اور ہمارے پاس خود اور زرہ بکتر ہیں۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر صلیبی فوج نے اسے راستے میں روک لیا تو اسے شکست کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ کھلے میدان میں لڑنے سے ڈرتا ہے"............ عالم جاسوس نے وہ تمام باتیں بتائیں جو اس نے سلطان ایوبی کی زبان سے سنی تھیں۔

اتنے قیمتی اور اہم راز کی تفصیل سن کر لڑکیوں کو سب بھول گئے اور اس مسئلے پر تبادلہ خیالات کرنے لگے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سلطان ایوبی غیر معمولی طور پر دانش مند جنگجو ہے۔ اس نے کرک پر حملے کا جو پلان بنایا ہے اس میں اس کی جنگی فہم و فراست کا پتہ ملتا ہے۔ راستے میں نہ لڑنے کا فیصلہ بھی اس کی دانائی کی دلیل ہے۔ وہ راستے میں طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ یہ خدائے یسوع مسیح کا خاص کرم ہے کہ اس کے پلان کا علم ہو گیا ہے، ورنہ وہ کرک کو لے کر شوبک جیسے مضبوط دفاع کے لیے خطرہ بن سکتا تھا............ انہوں نے اسی وقت سلطان ایوبی کے پلان کے مطابق اپنی فوجوں کی نقل و حرکت اور دفاع کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ پلان میں یہ اقدامات طے پائے۔

صلیبی افواج کی متحدہ مرکزی کمان شوبک میں ہی رہے گی۔ رسد گاہ بھی وہیں رکھی جائے گی۔ جنگ کو شوبک سے ہی کنٹرول کیا جائے گا۔

کرک کی قلعہ بندی کو اور زیادہ مضبوط کرایا جائے گا۔ کچھ اور فوج کرک منتقل کر دی جائے گی۔

ایوبی کو کرک سے دور اس کی اپنی سرحد کے اندر کسی دشوار گزار علاقے میں روکا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج بھیجی جائے گی۔ اس فوج میں گھوڑ سوار اور شتر سوار زیادہ ہوں گے۔ کوشش کی جائے گی کہ ایوبی کی فوج کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ پانی کے چشموں پر پہلے سے قبضہ کر لیا جائے۔

ان اقدامات پر فوری طور پر عمل درآمد کے احکامات نافذ کر دیئے گئے۔ ہر کوئی خوش تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ سلطان ایوبی کا کوئی راز قبل از وقت معلوم ہو گیا تھا ورنہ اس نے صلیبیوں کو ہمیشہ آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ اس پر حیرت کا بھی اظہار کیا گیا کہ سلطان ایوبی جیسے آدمی سے یہ لغزش سرزد ہوئی کہ ان جاسوسوں کو دوسرے کمرے میں بٹھا کر جنہیں وہ رہا کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ایسی نازک باتیں بلند آواز سے کیں جو اسے شکست فاش سے دوچار کر سکتی تھیں۔ انہوں نے ایک اہتمام یہ بھی کیا کہ فرانس کی فوج جو وہاں سے بہت دور تھی۔ یہ پیغام بھیج دیا کہ فلاں دن سے پہلے پہلے ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو روکا جا سکے۔

اتنے میں ایک صلیبی افسر اندر آیا اور انٹیلی جنس کے سربراہ کے کان میں کچھ کہا۔ اس سربراہ نے سب کو بتایا کہ ان دو میں سے ایک لڑکی جو ڈاکوؤں کے گھیرے میں آ گئی تھی ابھی ابھی آئی ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اس کے ساتھ ایک زخمی مسلمان محافظ ہے۔ عالم جاسوس سب سے پہلے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی باہر چلے گئے۔ حدید کو لڑکی نے برآمدے میں لٹا دیا تھا اور خود اس کے پاس بیٹھی تھی گھوڑے کی اتنی لمبی سواری اور تیز رفتاری نے حدید کے زخم کھول دیئے تھے۔ اس کا خون جو صبح بند ہو گیا تھا پھر بہنے لگا تھا اور اس پر غشی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ صلیبی کمانڈروں نے حدید کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ ڈاکوؤں کا حملہ ایک ڈھونگ تھا۔ انہوں نے لڑکی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے اندر چلنے کو کہا۔ وہ بڑی قیمتی لڑکی تھی لیکن اس نے اس وقت تک اندر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ جب تک حدید کی مرہم پٹی نہیں ہو جاتی۔

انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن نام کا جرمن تھا۔ اس نے لڑکی کو پرے لے جا کر کہا........... ''کس سانپ کے بچے کی تم مرہم پٹی کرانا چاہتی ہو۔ یہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی کہ بچ کر آ گئی ہو، ورنہ یہ درندے تمہیں ان وحشیوں کے حوالے کرنا چاہتے تھے جو ڈاکو بن کر آئے تھے۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' لڑکی نے جھنجلا کر کہا۔ ''پہلے ہمیں بھی یہی شک تھا لیکن اس شخص نے میرے سارے شکوک رفع کر دیئے ہیں۔ اس نے دو ڈاکوؤں کو ہلاک کر کے مجھے بچایا ہے۔'' اس نے ہرمن کو سارا واقعہ سنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ یہ شخص اسے بار بار کہتا تھا کہ مجھے یہیں مرنے دو اور تم چلی جاؤ۔

صلیبیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اتنی گہری اتری ہوئی تھی کہ اتنے زیادہ افسروں میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ اس زخمی کی مرہم پٹی کرو۔ عالم جاسوس تک نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ لڑکی ان کے ساتھ اندر نہیں جا رہی تھی۔ آخر کسی نے کہا کہ زخمی کو کمرے میں لے چلو اور فوراً مرہم پٹی کرو۔ اسے اٹھوا کر لے گئے اور لڑکی اپنے افسروں کے ساتھ چلی گئی۔ اسے کہا گیا کہ وہ بیان کرے کہ کس طرح زندہ بچی ہے۔ اس نے پوری تفصیل سے سنا دیا۔ اس دوران اس کے لیے وہیں کھانا اور شراب آ گئی۔ اس نے کہا........... ''اگر زخمی کو کھانا کھلایا جا چکا ہے تو میں کھاؤں گی۔ میں ذرا اسے دیکھ آؤں''........... وہ جانے کے لیے اٹھی۔

''ٹھہر و لو ذیتا!''........... ہرمن نے اسے بڑے رعب سے کہا........... ''تم دوسری بار صلیب کی فوج کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔ پہلے تمہیں اندر چلنے کو کہا گیا تو تم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے زخمی کو اٹھاؤ۔ اب تم ہلا

اجازت اور بدتمیزی سے باہر جارہی ہو۔ یہ سب صلیبی فوج کے اعلیٰ احکام ہیں اور یہاں دو صلیبی حکمران بھی بیٹھے ہیں۔ جانتی ہو اس حکم عدولی اور بدتمیزی کی سزا کیا ہے؟.........دس سال سزائے قید..........اور جب تم یہ حکم عدولی دشمن کے ایک معمولی سے عہدیدار کی خاطر کررہی ہو، تو تمہیں سزائے موت بھی دی جاسکتی ہے۔"

"کیا صلیبی حکمران اور کمانڈر اس انسان کو اس کا صلہ نہیں دیں گے کہ اس نے ان کی ایک تجربہ کار جاسوسہ کی جان اپنی جان خطرے میں ڈال کر بچائی ہے؟" لڑکی نے کہا.........."میں جانتی ہوں کہ وہ میرے دشمن کی فوج کا عہدیدار ہے لیکن میں اسے دشمن اس وقت کہوں گی جب وہ اپنی فوج میں واپس چلا جائے گا۔"

"دشمن ہر حال میں اور ہر جگہ دشمن ہے"......ایک صلیبی کمانڈر نے چلا کر کہا......"فلسطین میں ہم نے کتنے مسلمانوں کو زندہ رہنے دیا ہے؟ ان کی نسل ہم کیوں ختم کررہے ہیں؟ اس لیے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔ دنیا پر صرف صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ ایک زخمی مسلمان ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بیٹھ جاؤ۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

☆

اگلی صبح سے شوبک میں ایک نئی سرگرمی شروع ہوگئی۔ یہ فوجی نوعیت کی سرگرمی تھی شوبک شہر کے لوگ اس سرگرمی سے بے نیاز اپنے کام کاج میں مصروف ہوتے جارہے تھے۔ قلعے سے فوجیں نکل رہی تھیں۔ سامان بھی ادھر ادھر کیا جارہا تھا۔ باہر سے آنے والی فوج کی عارضی خیمہ گاہ کے لیے جگہ خالی کی جارہی تھی۔ رسد اکٹھی کرنے کے لیے اونٹوں کی قطاریں آرہی تھیں۔ فوجی ہیڈ کوارٹر میں بھی بھاگ دوڑ تھی۔ یہ ساری تیاری صلاح الدین ایوبی کا حملہ روکنے کے لیے کی جارہی تھی۔ اور ان احکامات پر عمل درآمد شروع ہوگیا تھا جو گزشتہ رات کے پلان کے مطابق دیئے گئے تھے۔ ہر ایک افسر اس افراتفری میں مصروف تھا۔ چند ایک بڑے افسر کرک روانہ ہوگئے تھے۔

صرف ایک لڑکی تھی جو اس سرگرمی اور بھاگ دوڑ سے لاتعلق تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو زخمی حدید کو لائی تھی۔ اس کے افسر نے اسے لوزینا کے نام سے پکارا تھا۔ رات اسے کانفرنس کے کمرے سے آدھی رات کے بعد فراغت ملی تھی۔ وہ جاسوسی کے خصوصی شعبے سے تعلق رکھتی تھی اس لیے کانفرنس میں اس کی ضرورت تھی۔ اس سے قاہرہ کے ان افراد کے متعلق رپورٹیں لیتی تھیں جن کے پاس وہ جاتی رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد نیند اور گھوڑسواری کی تھکن نے سے نڈھال کردیا تھا۔ کانفرنس کے بعد ایک افسر نے اسے کہا تھا......"اسے ڈاکٹر کے حوالے کردیا گیا ہے۔ تمہیں اس کی اتنی زیادہ پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ تمہاری ڈیوٹی ایسی ہے جس میں ایسے جذبات کامیاب نہیں ہونے دیا کرتے"......اور اس کے اپنے شعبے کے بڑے افسر، ہرمن نے اسے کہا تھا......"اگر آج رات میں نہ ہوتا تو نارڈ اور گے آف لوزینان جیسے بادشاہ جو کسی کو بخشا نہیں کرتے تمہیں قید میں ڈال دیتے۔ تمہارے محافظ کا انتظام کردیا گیا ہے اور تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اسے تم نہیں ملوگی۔"

"کیوں؟"......لوزینا نے حیرت اور مایوسی سے پوچھا......"کیا میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کرسکوں گی؟"

"نہیں۔" ہرمن نے کہا.........."کیونکہ وہ دشمن کا فوجی ہے۔ تم اپنا شعبہ جانتی ہو کیا ہے۔ ہم تمہیں اس سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ تو تمہارے فن اور فرض کا تقاضہ ہے۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کے ساتھ تمہاری جذباتی وابستگی ہوگئی ہے۔ تمہیں دشمن کے ساتھ ایسی وابستگی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"

"آپ مجھے صرف اتنا سا یقین دلادیں کہ اس کی مرہم پٹی ہوگئی ہے۔" لوزینا نے کہا.........."اور اسے صحیح و

سلامت واپس بھیج دیا جائے گا۔"

"لوزینا!" ہرمن نے جھنجھلا کر کہا......"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری یہ خواہش پوری کردی جائے گی اور سنو۔ تم بڑے مشکل اور خطرناک مشن سے واپس آئی ہو اور تمہارا سفر زیادہ خطرناک تھا۔ تمہیں آرام کے لیے دس دن چھٹی دی جاتی ہے۔ مکمل آرام کرو۔"

یہ باتیں رات کو ہوئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جاسوس لڑکیوں کی رہائش ہائی کمان کے مین کوارٹر سے بہت دور تھی۔ اس جیسی اعلیٰ درجے کی جاسوس لڑکیاں نہایت اچھے کمروں میں رہتی تھیں۔ جہاں انہیں شہزادیوں جیسی سہولتیں اور عیاشی میسر تھی۔ ان کی ڈیوٹی ایسی تھی کہ انہیں مسلمان ملکوں میں بھیجا جاتا تھا۔ جہاں پکڑے جانے کی صورت میں انہیں ہر قسم کی اذیت اور ذلت میں ڈالا جاسکتا تھا۔ موت یا سزائے موت تو یقینی تھی۔ ایسی ڈیوٹی کا تقاضا تھا کہ ان لڑکیوں کو دنیا کی ہر آسائش مہیا کی جائے۔ لوزینا کمرے میں جاتے ہی سوگئی تھی۔ دوسرے دن اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اٹھنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ اٹھی اور ناشتہ کر کے باہر نکلی۔ اس کے ساتھ والے کمروں میں لڑکیاں آگئیں۔ وہ اس سے قاہرہ کی باتیں سننا چاہتی تھیں۔ اس نے بہت ہی مختصر سی بات سنا کر انہیں ٹال دیا اور ہسپتال کی طرف چل پڑی۔

☆

وہ تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اس کی ایک ساتھی لڑکی جو اس کی ہمراز سہیلی تھی پیچھے سے جاملی اور پوچھا......

"لوزینا! کہاں جارہی ہو؟ اور تم پریشان ہو۔ یہ تھکن کا اثر ہے یا کوئی خاص واقعہ ہوگیا ہے؟ تمہیں چھٹی نہیں ملی؟"

"چھٹی مل گئی ہے۔" اس نے جواب دیا......"ایک خاص واقعہ ہوگیا ہے جس نے مجھے پریشان کردیا ہے۔"......وہ سہیلی کو ساتھ لیے ایک درخت کے نیچے جابیٹھی اور اسے تمام واقعہ سنادیا۔ اسے اپنے افسروں نے جو دھمکیاں دی تھیں وہ بھی سنائیں اور اس نے کہا......"میں حدید سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کی مرہم پٹی نہیں ہوئی اور اسے شہر سے نکال دیا گیا ہے یا اسے مرنے کے لیے کسی کوٹھڑی میں بند کردیا گیا ہے۔"

"تم نے بتایا ہے کہ تمہیں اس سے ملنے سے منع کردیا گیا ہے۔" سہیلی نے اسے مشورہ دیا......"یہ خطرہ مول نہ لو۔ تم اگر پکڑی گئیں تو جانتی ہو کہ سزا کیا ہے؟"

"اس شخص کے لیے میں سزائے موت بھی قبول کرلوں گی۔" لوزینا نے کہا......"میں تمہیں سنا چکی ہوں کہ اس نے میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے۔ میری جان کو تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ڈاکو مجھے لے بھی جاتے تو چند دن مجھے خراب کر کے کسی امیر کبیر آدمی کے ہاتھ فروخت کردیتے۔ حدید میرے اس انجام سے آگاہ تھا۔ اس نے میری عزت کی خاطر اپنی جان کی بازی لگادی تھی۔ ڈاکوؤں نے کہا بھی تھا کہ لڑکیاں ہمیں دے دو اور چلے جاؤ۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں پاکباز لڑکی نہیں مگر اس نے مجھے امانت سمجھا۔"

"تم اس کے لیے جذباتی ہوگئی ہو؟"

"ہاں!" لوزینا نے جواب دیا......"میں جذبات کا اظہار ہرمن کے آگے نہیں کرسکتی تھی، اپنا دل تمہارے آگے رکھ سکتی ہوں۔ تم میری سہیلی ہو اور عورت کا دل رکھتی ہو۔ ہماری زندگی کیا ہے؟ ہم ایک خوبصورت خنجر اور میٹھا زہر ہیں۔ ہمارا جسم مرد کی تفریح اور فریب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ میں نے یہ باتیں پہلے کبھی نہیں سوچی تھیں۔ اپنے وجود کو جذبات سے خالی سمجھا تھا مگر اس آدمی کے جسم کو میں نے اپنے جسم کے ساتھ لگایا تو میرے وجود میں وہ سارے

جذبات بیدار ہو گئے۔ جو میں سمجھتی تھی مجھ میں نہیں ہیں۔ میں ایک ہی بار ماں، بہن، بیٹی اور کسی کو چاہنے والی لڑکی بن گئی۔ یہ شاید اس کا اثر تھا کہ اپنے آپ کو میں بادشاہوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والی شہزادی سمجھتی تھی۔..........

"مجھ میں اتنی تخریب کاری ڈالی گئی ہے کہ جابر حکمرانوں کو بھی انگلیوں پر نچا سکتی ہوں۔ مگر ڈاکوؤں نے مجھے بکنے والی چیز بنا دیا۔ مجھے اس سطح پر لے آئے جہاں مجھ جیسی لڑکیاں ہر رات نئے گاہک کے ہاتھ فروخت ہوتی ہیں یا کسی مسلمان امیر یا حاکم کے ہاتھ فروخت ہو کر اس کے حرم کی لونڈیاں بن جاتی ہیں۔ اس آدمی نے جس کا نام حدید ہے، مجھے اس سطح سے اوپر اٹھا لیا۔ اس سے پہلے اس میں اس کی قیدی تھی۔ اس نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے تفریح کا ذریعہ بناتا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ اس نے مجھے نظر انداز کیا پھر اس نے جب میری عزت کو بچانے کے لیے اپنا جسم کٹوا لیا تو میں نے بے قابو ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس سطح کی لڑکی بن گئی جس سے مجھے گرا دیا گیا ہے۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی بات یاد آئی۔ اس نے مجھے کہا کہ تم کسی باعزت آدمی کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتی؟ میں نے دل میں کہا تھا کہ یہ مسلمان احمق ہے۔ میں اب محسوس کر رہی ہوں کہ ہمارے دشمن نے کتنی عظیم بات کہی تھی .... میں تمہیں صاف بتا دیتی ہوں کہ میں اب جاسوسی نہیں کر سکوں گی۔ میرے دماغ میں بچپن سے جو سبق ڈالے گئے تھے وہ صحرا کی خوفناک رات نے ڈاکوؤں کے خطرے نے اور حدید کے جسم کی حرارت اور اس کے خون کی بو نے زائل کر دیئے ہیں۔"

"تم اتنی لمبی بات نہ کرتی تو بھی میں جان گئی تھی کہ تم کیا محسوس کر رہی ہو۔" اس کی سہیلی نے کہا.......... "لیکن میں حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ اسے چلے جانا ہے۔ تم اس کے ساتھ نہیں جا سکو گی۔ وہ اگر یہاں تکلیف میں ہے تو حکم ہے کہ تم اسے نہیں مل سکتیں۔ اگر پکڑی گئیں تو اپنے ساتھ اسے بھی مرواؤ گی۔"

"تو تم میری مدد کرو۔" لوزینا نے منت کی۔ "یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے صرف یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ٹھیک ہو گیا ہے اور تندرستی کی حالت میں چلا گیا ہے تو میرے دل کو چین آ جائے گا۔"

"ہاں!" سہیلی نے کہا.......... "میں یہ کام کر سکتی ہوں۔ تم کمرے میں چلی جاؤ۔" وہ کمرے میں چلی گئی اور اس کی سہیلی کسی اور طرف نکل گئی۔

☆

قاہرہ میں بھی فوجوں میں بہت سرگرمی تھی۔ فوج کی جنگی مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔ چند ایک دستے الگ کر لیے گئے تھے۔ انہیں شبخون مارنے، تھوڑی تعداد میں دشمن کی کئی گنا زیادہ نفری پر حملہ کرنے اور "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کی مشقیں اس طرح کرائی جا رہی تھیں کہ رات کو بھی دستے چھاؤنی سے باہر رہتے تھے۔ سلطان ایوبی ذاتی طور پر یہ مشقیں دیکھتا تھا۔ وہ تیسرے چوتھے روز اعلیٰ کمانڈروں اور دستوں کے کمانداروں تک کو لیکچر دیتا اور انہیں نقشوں اور خاکوں کی مدد سے جنگی چالیں سکھاتا تھا۔ اس نے اس ٹریننگ کا بنیادی اصول یہ رکھا تھا.......... "کم تعداد سے دشمن کا زیادہ نقصان کرنا۔ ہتھیار سے زیادہ عقل کو استعمال کرنا۔ آمنے سامنے کے معرکے سے گریز۔ سامنے سے حملہ نہ کرنا۔ دس بارہ آدمیوں کے شبخون سے اتنا نقصان کرنا جتنا ایک سو آدمی دن کے وقت دو بدو معرکے میں کر سکتے ہیں۔"

اس کے علاوہ وہ دشمن کے کسی قلعے یا شہر کو لمبے محاصرے میں رکھنے کے طریقے بتاتا اور قلعوں کی دیواروں میں نقب لگانے کے سبق دیتا تھا۔ اس نے تمام اونٹوں گھوڑوں اور خچروں کا معائنہ کر لیا تھا۔ کمزور یا عمر خوردہ جانوروں کو اس نے الگ کر دیا تھا.... حملے کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ سلطان ایوبی نے فلسطین کی فتح کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کے پہلے مرحلے

میں کامیابی سے داخل ہونے کی تیاری زور شور سے کر رہا تھا۔ ادھر اسے راستے میں ہی روکنے کے اہتمام ہو رہے تھے۔

دونوں فوجوں کی تیاریاں ایسی تھیں جیسے ایک دوسری کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ صلیبیوں کی تیاریوں کا دائرہ شوبک سے کرک تک اور مصر کی سرحدوں تک تھا۔ وہ اس وسیع دائرے کو سلطان ایوبی کے لئے ایسا پھندہ بنا رہے تھے جس میں سے اس کے لیے ساری عمر نکلنے کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ ان کی تیاریاں سلطان ایوبی کے اس منصوبے کی روشنی میں ہو رہی تھیں جو ان تک قبل از وقت پہنچ گیا تھا۔

ان وسیع تیاریوں کے اندر شوبک میں ایک سرگرمی اور بھی تھی، جس کا تعلق جنگ سے نہیں جذبات سے تھا اور یہ ایک خفیہ سرگرمی تھی۔ لوزینا اپنے کمرے میں پڑی حدید کے لیے بے قرار ہو رہی تھی۔ اور اس کی سہیلی دو روز سے حدید کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ افسروں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا اور وہ سپاہیوں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا۔ وہ جاسوس لڑکی تھی۔ بڑے بڑے افسر بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ لوزینا کو اور ہر جاسوس لڑکی کو وہاں یہی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے باوجود یہ سہیلی جس سے بھی پوچھتی کہ لوزنیا کے ساتھ جو زخمی مسلمان آیا تھا وہ کہاں ہے تو اسے یہی ایک جواب ملتا...... "میں نے تو اسے نہیں دیکھا"...... تیسرے دن ایک افسر نے اسے راز داری سے بتایا کہ اس کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور اسے مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔

سہیلی نے جب یہ خبر لوزینا کو سنائی تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا.......... "مسلمانوں کا کیمپ" ایک خوفناک جگہ تھی۔ اس میں پہلی جنگوں کے مسلمان قیدی بھی تھے۔ اور وہ مسلمان بھی جنہیں کسی جرم کے بغیر صلیبیوں نے اپنے مقبوضہ علاقے سے پکڑا تھا۔ یہ مسلمان زیادہ تر ان قافلوں میں سے پکڑے جاتے تھے جنہیں صلیبی لوٹتے تھے۔ یہ کیمپ قید خانہ نہیں تھا، یہ جنگی قیدی کیمپ کہلاتا تھا۔ یہ ایک بیگار کیمپ تھا جس پر کوئی ایسا کڑا پہرہ نہ تھا جیسا قید خانوں میں ہوتا ہے۔ ان بد نصیب قیدیوں کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ بھی نہ تھا۔ یہ لوگ مویشی بنا دیئے گئے تھے۔ جہاں ضرورت ہوتی ان میں سے بہت سے آدمی ہانک کر لے جائے جاتے اور ان سے کام لیا جاتا تھا۔ انہیں خوراک صرف اتنی سی دی جاتی جس سے وہ زندہ رہ سکتے تھے۔ وہ خیموں میں رہتے تھے۔ ان میں جو بیمار پڑ جاتا اس کا علاج اسی صورت میں کیا جاتا تھا کہ بیماری معمولی ہو۔ اگر بیماری فوراً زور پکڑ لے تو اسے زہر دے کر مار دیا جاتا تھا۔ یہ بد نصیب مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو صرف اس جرم کی سزا بھگت رہے تھے کہ وہ مسلمان ہیں۔ سلطان ایوبی کو اس کے جاسوسوں نے اس بیگار کیمپ کے متعلق خبریں دے رکھی تھیں۔

حدید کو بھی کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔ لوزینا کے لیے حکم تھا کہ اسے نہ ملے۔ ہرمن کو شک ہو گیا تھا کہ ایک جذباتی وابستگی ہے، لیکن لوزینا نے اس حکم کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ حدید "مسلمانوں کے کیمپ" میں ہے تو اس نے سہیلی سے کہا کہ وہ اسے آزاد کرائے گی۔ سہیلی نے اس کی جذباتی حالت دیکھ کر مدد کا وعدہ کیا اور دونوں نے پلان بنا لیا۔

وہ اسی شہر میں گئی اور ایک پرائیویٹ ڈاکٹر سے ملی۔ اسے کہا کہ وہ ایک زخمی کو لا رہی ہے جس کا علاج اسے اس شرط پر کرنا پڑے گا کہ اس کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ ڈاکٹر نے اس راز داری کی وجہ پوچھی تو لوزینا نے کہا.......... "وہ ایک غریب سا مسلمان ہے جس نے میرے خاندان کی بہت خدمت کی ہے۔ وہ کہیں لڑائی جھگڑے میں زخمی ہو گیا ہے۔ اس کے پلے کچھ بھی نہیں اس لیے کوئی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کرتا۔ چونکہ یہاں تمام ڈاکٹر عیسائی ہیں اس لیے وہ کسی مسلمان کا علاج بلا اجرت نہیں کرتے۔ راز داری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر شہر کے منتظم تک یہ خبر پہنچ گئی کہ ان مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا ہوا ہے تو وہ اسی کو بہانہ بنا کر انہیں مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دے گا۔ انہیں تو بہانہ چاہیے۔ میں اس آدمی کو اس خدمت اور ایثار کا صلہ دینا چاہتی ہوں۔ جو اس نے میرے خاندان کے لیے کیا ہے۔ میں اسے رات کے وقت لاؤں گی۔

آپ کتنی اجرت لیں گے۔ میں رازداری کی بھی اجرت دوں گی۔"

اس دوران ڈاکٹر اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا۔ لوزینا نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ یہی بتایا تھا کہ وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ لڑکی کا غیر معمولی حسن دیکھ کر ڈاکٹر جو اجرت لینا چاہتا تھا، اسے وہ زبان پر نہیں لا رہا تھا۔ لوزینا اس میدان اور اس فن کی ماہر تھی۔ وہ مردوں کی نظریں پہچانتی تھی۔ اس نے اپنے فن کو استعمال کیا تو ڈاکٹر موم ہوگیا۔ لوزینا نے سونے کے چار سکے اس کے آگے رکھ دیئے اور جب ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ تم سے زیادہ قیمتی سکے نہیں تو لوزینا نے مخصوص مسکراہٹ سے کہا.........."آپ جو قیمت مانگیں گے دوں گی۔ میرا کام کر دیں۔"

ڈاکٹر یہ سمجھ گیا کہ معاملہ خطرناک اور پر اسرار معلوم ہوتا ہے لیکن لوزینا کو دیکھ کر اس نے خطرہ قبول کر لیا اور کہا.........."لے آؤ۔ آج رات، کل رات، جب چاہو لے آؤ۔ اگر میں سویا ہوا ملوں تو جگا لینا".........اس نے ایک ہاتھ میں سونے کے سکے اور دوسرے ہاتھ میں لوزینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

☆

اس مہم کا سب سے زیادہ نازک اور پر خطر مسئلہ تو یہ تھا کہ حدید کو کیمپ سے نکالا کس طرح جائے۔ رات کو وہاں پہرہ برائے نام ہوتا تھا۔ ان بد نصیب قیدیوں میں بھاگنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے انہیں مشقت پر لگایا جاتا اور سورج غروب ہونے کے بعد کیمپ میں لایا جاتا۔ ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ لوزینا کی سہیلی نے کیمپ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر لیں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ زخمی اور بیمار قیدیوں کو معمولی سی ایک ڈسپنسری میں ہر روز بھیجا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ صرف ایک پہرہ دار ہوتا ہے۔ دوسرے دن لوزینا اپنی سہیلی کے ساتھ وہاں پہنچ گئی جہاں مریض قیدیوں کو لے جایا جاتا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ پچیس تیس مریضوں کی ایک پارٹی نہایت آہستہ آہستہ چلتی آ رہی تھی اور پہرہ دار ہاتھ میں لاٹھی لیے انہیں مویشیوں کی طرح ہانکتا لا رہا تھا۔ جو تیز نہیں چل سکتے تھے انہیں وہ لاٹھی سے دھکیل دھکیل کر لا رہا تھا۔

دونوں لڑکیاں آگے چلی گئیں۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے تماشہ دیکھ رہی ہوں۔ جب مریضوں کا ٹولہ ان کے قریب سے گزر رہا تھا تو وہ ہر ایک کو دیکھنے لگیں۔ اچانک لوزینا کو دھچکہ لگا۔ حدید اسے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے اچھی طرح چلا نہیں جاتا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ رونق اور رمق بجھ گئی تھی جو لوزینا نے زخمی ہونے سے پہلے دیکھی تھی۔ حدید کے کندھے جھک گئے تھے۔ اس کے کپڑے خون سے لال تھے۔ خون خشک ہو چکا تھا۔ لوزینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر حدید کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ اس نے منہ پھیر لیا.......... یہ مریض ٹولہ آگے نکل گیا تو لوزینا اور اس کی سہیلی پہرہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کرنے لگیں جن میں ان مسلمان مریضوں کے خلاف نفرت تھی۔ انہوں نے زبان کے جادو سے پہرہ دار کو اپنا گرویدہ کر لیا اور کہا کہ وہ ازراہ مذاق ان قیدیوں کے ساتھ باتیں کرنا چاہتی ہیں۔

ڈسپنسری میں دوسرے مریض بھی تھے۔ خاصا ہجوم تھا۔ قیدیوں کو ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ لوزینا ان کے قریب چلی گئی اور اس کی سہیلی نے پہرہ دار کو باتوں میں الجھا لیا۔ حدید دیوار کے سہارے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ لوزینا نے آنکھ کے اشارے سے اسے پرے بلایا۔ وہ جب اس کے قریب گیا تو لوزینا نے آہستہ سے کہا.........."مجھے حکم ملا ہے کہ تم سے کبھی نہ ملوں۔ بیٹھ جاؤ۔ ہم یہ ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ ہم باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہارے حکم دینے والوں پر۔" حدید نے نحیف مگر غضبناک آواز میں کہا.........."میں نے تمہیں کسی صلے کے لالچ میں ڈاکوؤں سے نہیں بچایا تھا۔ وہ میرا فرض تھا۔ کیا تم فرض ادا کرنے

والوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو؟"

"چپ رہو حدید!"..........لوزینا نے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا.........."یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ مجھے بتاؤ کہ رات تم کس جگہ ہوتے ہو۔ آج رات تمہیں وہاں سے نکلنا ہے۔"

حدید اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لوزینا نے اسے آنسوؤں سے اور بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ وہ اسے دھوکہ نہیں دے رہی۔ حدید نے بتایا کہ وہ رات کو کہاں سوتا ہے وہاں سے نکلنا مشکل نہیں لیکن نکل کر وہ جائے گا کہاں؟..........انہوں نے جلدی جلدی میں فرار کا منصوبہ بنالیا۔

☆

"مسلمانوں کا کیمپ" ایسی نیند سویا ہوا تھا جیسے یہ لاشوں کی بستی ہو۔ پہرہ دار بھی سو گئے تھے۔ یہاں سے کبھی کوئی بھاگا نہیں تھا۔ بھاگ کر کوئی جاتا بھی کہاں! اس کے علاوہ پہرہ داروں کو یہ بھی معلوم تھا کہ کوئی ایک آدھا بھاگ بھی گیا تو کون جواب طلبی کرے گا۔ رات کا پہلا پہر ختم ہو رہا تھا کہ پھٹے پرانے ایک خیمے سے ایک آدمی پیٹ کے بل رینگتا ہوا خیموں کی اوٹ میں وہاں تک چلا گیا۔ جہاں اسے کوئی پہرہ دار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آگے اسے اندھیرے میں بھی کھجور کا درخت نظر آنے لگا جہاں تک اسے پہنچنا تھا۔ ایک سایہ سر سے پاؤں تک موٹے کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ رینگنے والا اٹھ کھڑا ہوا اور کھجور کے تنے تک پہنچ گیا۔ وہ حدید تھا۔ لوزینا اس کی منتظر تھی۔

"تیز چل سکو گے؟"..........لوزینا نے پوچھا۔

"کوشش کروں گا۔"..........حدید نے جواب دیا۔

وہ کیمپ سے دور نکل گئے۔ آگے وسیع علاقہ غیر آباد تھا۔ مشکل یہ تھی کہ حدید تیز نہیں چل سکتا تھا۔ لوزینا نے سہارا دے کر تیز چلانے کی کوشش کی اور اسے بتاتی گئی کہ اسے کیسے کیسے حکم اور دھمکیاں ملی ہیں۔ اس نے حدید کی غلط فہمی رفع کر دی۔ آگے شہر کی گلیاں آگئیں اور پھر ڈاکٹر کا گھر آگیا۔ تین چار بار دستک دینے سے ڈاکٹر باہر آیا اور انہیں فوراً اندر لے گیا۔ اس نے حدید کے زخم کھول کر دیکھے تو کہا کہ کم از کم بیس روز مرہم پٹی ہوگی۔ یہ سن کر لوزینا کے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ آگیا۔ وہ یہ تھا کہ اتنے دن وہ حدید کو چھپائے گی کہاں؟ اسے بیگار کیمپ میں واپس تو نہیں لے جانا تھا۔ اس کی عقل جواب دے گئی۔ ڈاکٹر مرہم پٹی کر چکا تھا اس نے کہا کہ اسے نہایت اچھی اور مقوی غذا کی ضرورت ہے۔

لوزینا اسے پرے لے گئی اور کہا....."یہ جہاں رہتا ہے وہاں اسے اچھی غذا نہیں مل سکتی۔ میں گھر میں اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔ آپ اسے یہیں رکھیں اور جو چیز اس کے لیے فائدہ مند ہو وہ کھلائیں۔ مجھ سے آپ جتنی قیمت اور اجرت مانگیں گے دوں گی۔"

ڈاکٹر نے جو اُجرت بتائی وہ بہت ہی زیادہ تھی۔ لوزینا نے کم کرنے کو کہا تو ڈاکٹر نے کہا.........."تم مجھ سے بہت ہی خطرناک کام کرا رہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ شخص مسلمانوں کے کیمپ سے لایا گیا ہے اور یہ مصری فوج کا سپاہی ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ مجھے منہ مانگی اجرت دو گی تو تمہارا یہ راز میرے گھر سے باہر نہیں جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے"......لوزینا نے کہا......"اور یہ بھی سن لو ڈاکٹر! اگر یہ راز فاش ہو گیا تو آپ زندہ نہیں رہیں گے۔"

ڈاکٹر نے حدید کو ایک کمرے میں لٹا دیا اور اسے بتایا کہ وہ ٹھیک ہونے تک یہیں رہے گا۔ اس نے اندر سے اسے دودھ اور پھل لا دیئے اور لوزینا کو ایک اور کمرے میں لے گیا..........دوسرے دن لوزینا اور اس کی سہیلی نے کیمپ کی جاسوسی

کی۔ڈسپنسری میں گئیں۔مریض قیدی وہاں لے جائے گئے۔دونوں لڑکیوں نے پہرہ دار کے ساتھ گپ شپ لگائی اور اپنے خصوصی ڈھنگ سے باتیں کر کے معلوم کرلیا کہ حدید کی گمشدگی سے کیمپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہاں کوئی ہلچل نہیں۔

دن گزرتے گئے۔ڈاکٹر کو چونکہ منہ مانگی قیمت اور اجرت مل رہی تھی،اس لیے اس نے حدید کو چھپائے بھی رکھا اور اس کا علاج پوری توجہ سے کرتا رہا۔اسے مقوی غذا بھی دیتا رہا۔لوزینا شام کے بعد وہاں جاتی۔کچھ دیر حدید کے ساتھ بیٹھتی اور بہت دیر ڈاکٹر کے کمرے میں گزارتی۔اس روزمرہ کے معمول میں بیس روز گزر گئے اور حدید کے زخم مل گئے۔ اس کی صحت بحال ہوگئی۔لوزینا نے ڈاکٹر سے کہا کہ وہ کل رات کسی بھی وقت حدید کو لے جائے گی۔

دوسرے دن اس نے اپنی سہیلی کو استعمال کیا۔چھوٹے عہدے کا ایک افسر اس کی سہیلی کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ سہیلی نے اس افسر کو جھانسہ دیا اور لوزینا نے اس کے ٹرنک سے اس کی وردی نکال لی جو اس نے حدید کو پہنادی۔گھوڑے کا انتظام مشکل نہ تھا۔وہ بھی ہوگیا۔یہ اہتمام اس لیے کیا جارہا تھا کہ شہر کے اردگرد مٹی کی بہت اونچی دیوار تھی۔اس کے چار دروازے تھے جو رات کو بند رہتے تھے۔ان دنوں دن کے وقت یہ دروازے کھلے رکھے جاتے تھے کیونکہ سلطان ایوبی کے آنے والے حملے کے لیے فوجوں اور ان کے سامان کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے قلعے کے بڑے دروازے کی طرف ایک صلیبی افسر گھوڑے پر جارہا تھا۔ اس کی کمر سے لٹکتی ہوئی تلوار مسلمانوں کی طرح ٹیڑھی نہیں سیدھی تھی اور اس کا دستہ صلیب کی شکل کا تھا۔وہ ہر لحاظ سے صلیبی تھا۔دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے اونٹوں کا ایک کارواں رسد سے لدا ہوا باہر جارہا تھا۔ظاہر یہی ہوتا تھا جیسے یہ گھوڑ سوار افسر اس کارواں کے ساتھ جارہا ہو۔وہ دروازے کے پاس پہنچا تو صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ، ہرمن، گھوڑے پر سوار دروازے میں داخل ہوا۔وہ کہیں باہر سے آرہا تھا۔اس نے اس افسر کو دیکھا اور مسکرایا، مگر اس افسر نے مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے نہ دیا۔ہرمن چند قدم اندر کو آیا تو اس نے گھوڑا روک لیا۔اسے دو تین سو قدم دور لوزینا کھڑی نظر آئی جس نے ہرمن کو دیکھا تو وہاں سے تیزی سے اپنے ٹھکانے کی طرف چلی گئی۔

علی بن سفیان کی طرح ہرمن بھی ماہر جاسوس اور سراغرساں تھا۔اس نے فوراً گھوڑا دروازے کی طرف گھمایا اور ایڑ لگادی۔وہ اپنا ایک شک رفع کرنا چاہتا تھا۔اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو گھوڑا دوڑ پڑا۔باہر جا کر ہرمن نے دیکھا کہ جو افسر اس کے پاس سے گزرا تھا وہ اتنی دور نکل گیا تھا کہ اس کے تعاقب میں جانا بیکار تھا۔اس گھوڑ سوار نے دروازے سے نکلتے ہی گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔گھوڑا بہت تیز رفتار تھا۔ ہرمن اسے دیکھتا رہا اور وہ صحرا کی وسعت میں گم ہوگیا.........لوزینا نے حدید کو آزاد کرا کے صلہ دے دیا تھا۔

☆

ہرمن نے گھوڑا موڑا اور تیزی سے اندر گیا۔وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے کیمپ میں گیا اور وہاں کے انچارج سے حدید کی نشانیاں بتا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔کچھ پتہ نہ چلا۔جس خیمے میں حدید کو رکھا گیا تھا وہاں کے رہنے والوں نے بتایا کہ ایک صبح وہ یہاں سے غائب تھا۔وہ سمجھے کہ اسے ادھر ادھر کردیا گیا ہے۔ہرمن کا شک یقین میں بدل گیا۔وہ حدید ہی تھا جسے اس نے صلیبی فوج کی وردی میں دروازے سے نکلتے دیکھا تھا۔وہ مزید تفتیش سے پہلے لوزینا کے کمرے میں گیا۔وہ سر ہاتھوں میں تھامے رو رہی تھی۔

"کیا اسے تم نے بھگایا ہے"......... ہرمن نے گرج کر کہا۔لوزینا نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ ہرمن نے

کہا............ ''جھوٹ بولو گی تو میں تفتیش کر کے ثابت کردوں گا کہ اسے تم نے فرار میں مدد دی ہے۔''

''نہ آپ کو تفتیش کی ضرورت ہے نہ مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت''............ لوزینا نے کہا............ ''میری زندگی ایک شاہانہ جھوٹ اور میرا وجود ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ اپنی روح کی نجات کے لیے میں سچ بول کر مر رہی ہوں'' اس کی آواز میں غنودگی تھی جو بڑھتی جارہی تھی۔ وہ اٹھی تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑائیں۔ اس کے قریب ایک گلاس پڑا تھا جس میں چند قطرے پانی تھا۔ اس نے گلاس اٹھا کر ہرمن کی طرف بڑھا کر کہا............ ''میں نے اپنے آپ کو سزائے موت دے دی ہے۔ اس گلاس میں پانی کے چند قطرے گواہی دیں گے کہ میں نے اپنے ناپاک جسم کو سزائے موت اس لیے نہیں دی کہ اپنی قوم سے غداری کی اور دشمن کو قید سے بھگا دیا ہے بلکہ میرا جرم یہ تھا کہ میں ان انسانوں کو دھوکے دینے گئی تھی جن کے ہاں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں۔ ان میں چار انسانوں نے میری عزت بچانے کے لیے جو میرے پاس تھی ہی نہیں، دس ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا۔ پھر ایک انسان نے مجھے اپنا جسم کٹوا کر ڈاکوؤں سے چھینا۔ مجھے نیکی اور بدی، محبت اور نفرت کا فرق معلوم ہوگیا۔ میں سچ بول کر مر رہی ہوں۔ یہ پرسکون موت ہے۔''

وہ گرنے لگی تو ہرمن نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر اسے تھام لیا۔ لوزینا نے اپنے جسم کو جھٹکا دیا اور ہرمن کے بازوؤں سے نکل کر پرے ہوگئی۔ اوٹھتی ہوئی آواز میں بولی...... ''میرے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ اب تمہارے کام کا نہیں رہا۔ اس زہر نے اس میں سچ داخل کردیا ہے۔ تمہیں ناپاک جسموں کی ضرورت ہے...... اسے میں نے بھگایا ہے۔ اسے میں نے بیس روز چھپائے رکھا تھا۔ اسے میں نے فرینڈس کی وردی چرا کر پہنائی تھی۔ اسے میں نے گھوڑا دیا تھا۔ میں اس کے ساتھ نہیں جاسکتی تھی۔ میں اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی، اس لیے میں نے زہر پی لیا۔ اگر تم مجھے پکڑ نہ لیتے تو بھی میں زہر پی لیتی''...... وہ پلنگ پر لڑھک گئی۔ ہرمن کو اس کی آخر سرگوشی سنائی دی............ ''سچ بول کر مرنے میں کتنا سکون ہے''...... اس نے آخری سانس اس طرح لی جیسے سکون سے آہ بھری ہو۔

اسے جب دفن کر چکے تو ایک افسر نے پوچھا...... ''اس کا کوئی خاندان تھا تو انہیں اس کی موت کی اطلاع دے دو۔''

''اس کا خاندان ہم ہی تھے''............ ہرمن نے جواب دیا............ ''اسے دس گیارہ سال کی عمر میں کسی قافلے سے اغوا کر کے لائے تھے۔''

صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کوچ کیے تیسرا دن تھا۔ صلیبیوں نے اسے راستے میں روکنے کے لیے فوج بھیج دی تھی۔ حملہ چونکہ کرک پر آرہا تھا، اس لیے صلیبیوں نے شوبک سے زیادہ تر فوج کرک بھیج دی تھی۔ اس کا ایک حصہ شام کی طرف بھی بھیج دیا تھا تاکہ نورالدین زنگی مدد کے لیے آئے تو اسے کرک سے کچھ دور روکا جاسکے اور اس فوج کا کچھ حصہ سلطان ایوبی کو راستے میں روکنے والی فوج کو دیا گیا تھا۔ سلطان الدین ایوبی نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر کے کوچ کرایا تھا اور تینوں کو دور دور رکھا تھا۔ وہ جب اس مقام پر پہنچ گیا جہاں صلیبیوں سے ٹکر ہونی چاہیے تھی، اس نے تینوں حصوں کے کمانڈروں اور ان کے ماتحت کمانڈروں کو اپنے خیمے میں بلایا۔

''ہم اس مقام پر آگئے ہیں جہاں راز فاش کردینا چاہیے''............ سلطان ایوبی نے کہا............ ''تم شاید حیران ہو رہے ہو گے کہ میں تمہیں یہ بتاتا رہا ہوں کہ میں کرک پر حملہ کروں گا مگر میں تمہیں کسی اور طرف لے آیا ہوں۔ میں کرک پر حملہ نہیں کررہا۔ ہماری منزل شوبک ہے۔ ایک سوال تم سب کو پریشان کر رہا ہے کہ میں نے ان تین جاسوسوں کو جن میں ایک عالم تھا اور دو لڑکیاں کیوں رہا کردیا تھا اور انہیں محافظ کیوں دیئے تھے۔ اس سوال کا جواب سن لو۔ میں نے

انہیں اپنے ساتھ والے کمرے میں بٹھا کر درمیان کا دروازہ آدھا کھلا رکھا اور علی بن سفیان اور دو نائبین کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ میں فلاں تاریخ کو کرک پر حملہ کر رہا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ جاسوس سن رہے تھے۔ میں نے ان کے کانوں میں یہ بھی ڈالا کہ میں صلیبیوں سے کھلے میدان کی جنگ سے ڈرتا ہوں.........

''اس قسم کی باتیں ان کے کانوں میں ڈال کر انہیں رہا کر دیا اور انہیں محافظ دیئے تاکہ وہ صحیح وسلامت شوبک پہنچ جائیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ راستے میں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ ڈاکوؤں نے تین محافظوں اور ایک لڑکی کو مار ڈالا ہے۔ چوتھا محافظ کل رات شوبک سے واپس آ گیا ہے۔ وہاں ہمارے جو جاسوس ہیں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ عالم جاسوس زندہ شوبک پہنچ گیا تھا جس نے میرا دھوکہ کامیاب کر دیا ہے۔ صلیبیوں نے اپنی فوج میری مرضی کے مطابق تقسیم کر دی ہے۔ اس وقت تمہاری فوج کا بائیں والا حصہ صلیبیوں کی بہت بڑی فوج کے بائیں پہلو سے چار میل دور ہے۔''

اس نے بائیں حصے کے کمانڈر سے کہا......... ''آج سورج غروب ہونے کے بعد تم اپنے تمام گھوڑسوار دستے سیدھے آگے دو میل لے جاؤ گے۔ وہاں سے اپنے بائیں کو ہو جانا۔ چار میل سیدھا جانا پھر بائیں کو جانا اور دو میل پر تمہیں دشمن آرام کی حالت میں ملے گا۔ حملہ کرنا تم جانتے ہو۔ یہ تیز ہلہ ہو گا۔ راستے میں جو کچھ آئے اسے کچلتے ہوئے نکل آؤ اور اپنی اسی جگہ پر آ جاؤ جہاں سے چلے تھے۔ دوسرا حصہ شام کے بعد سیدھا آگے بڑھے گا۔ آٹھ نو میل جا کر بائیں کو ہو جائے گا۔ تمہیں دشمن کی رسد اور قافلے ملیں گے۔ اس کے علاوہ تم دشمن کے عقب میں ہو گے۔ دن کے وقت دشمن بائیں والے کے تعاقب میں آئے گا لیکن تم سامنے کی ٹکر نہیں لو گے۔ دن کو بہت پیچھے آ جاؤ گے۔ رات کو پھر حملہ کرو گے اور رکو گے نہیں۔ صلیبی آگے بڑھیں گے تو درمیان والا حصہ عقب سے حملہ کرے گا اور دشمن کے سنبھلنے تک بکھر جائے گا۔ تیسرا حصہ جو میرے ساتھ ہے، آج رات کوچ کر رہا ہے۔ ہم کل دوپہر تک شوبک کا محاصرہ کر چکے ہوں گے۔ باقی دو حصے صلیبیوں کو ان طریقوں سے جن کی میں تمہیں مشق کراتا رہا ہوں دشمن کو صحرا میں پریشان کیے رکھیں گے۔ اس تک رسد نہیں پہنچنے دیں گے وہ جوں ہی پانی کے چشموں سے ہٹے گا تم چشموں پر قبضہ کر لو گے۔ حملہ ہمیشہ پہلو سے کرو گے اور لڑنے کے لیے رکو گے نہیں۔ جانباز دستے ہر رات دشمن کے مویشیوں پر آگ پھینکیں گے۔''

یہ ۱۱۷۱ء کے آخری دن تھے جب کرک والوں کو سلطان ایوبی کے لیے انتظار کے بعد پتہ چلا کہ شوبک جیسا اہم قلعہ سلطان ایوبی کے محاصرے میں آ گیا ہے جب کہ زیادہ تر فوج کرک میں اکٹھی کر لی گئی ہے اور صحرا میں بھیج دی گئی ہے۔ شوبک کو وہ کوئی مدد نہیں دے سکتے تھے۔ صحرا میں جو فوج گئی تھی، مسلمان اس کا برا حشر کر رہے تھے۔ صلیبیوں کی پریشانی یہ تھی کہ مسلمان سامنے آ کر نہیں لڑتے تھے۔ وہ گوریلا اور کمانڈو طرز کے حملے سے ان کا نقصان کر رہے تھے۔ انہوں نے رسد روک لی تھی۔ پانی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں کی یہ فوج نہ لڑنے کے قابل رہی تھی نہ پیچھے ہٹ کر شوبک کو بچانے کے لیے پہنچ سکتی تھی۔

شوبک میں صلیبیوں نے قلعے اور شہر کی دیواروں سے تیروں اور برچھیوں سے بہت مقابلہ کیا لیکن سلطان ایوبی کے نقب زن دستوں نے دیواریں توڑ لیں۔ یہ محاصرہ تقریباً ڈیڑھ مہینہ رہا۔ آخر سلطان ایوبی شوبک میں داخل ہو گیا۔ وہ سب سے پہلے بیگار کیمپ میں گیا، جہاں کے بدنصیب قیدیوں نے شکر کے سجدے کیے۔ صلیبیوں کی صحرا والی فوج بے ترتیبی میں پسپا ہو کر کرک کے قلعے میں چلی گئی جہاں بہت سی فوج بیکار بیٹھی صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

ایونا جب عائشہ بنی

۱۱۷۲ء کا دوسرا مہینہ گزر رہا تھا۔ شوبک کا قلعہ تو سر ہو چکا تھا لیکن شہر میں ابھی بدنظمی اور افراتفری تھی۔ عیسائی اپنے کنبوں سمیت وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ بھاگ بھی گئے تھے۔ انہیں ڈر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جس طرح انہوں نے شوبک کے مسلمان باشندوں پر ظلم وتشدد روا رکھا تھا، اسی طرح اب مسلمان ان کا جینا حرام کر دیں گے۔ اس انتقامی کارروائی سے وہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ انہوں نے جب اپنی فوج کو قلعے سے بھاگتے، سلطان ایوبی کے تیر اندازوں کے تیروں سے مرتے اور ہتھیار ڈالتے دیکھا تو بال بچوں کو لے کے گھروں سے نکلنے لگے۔ مسلمان سپاہ نے انہیں جانے نہیں دیا تھا۔ سالاروں اور کمانداروں نے اپنے طور پر حکم دے دیا تھا کہ شہر سے کسی شہری کو کہیں جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی بھاگنے والے عیسائیوں کو ریگستان کے دُور دراز راستوں، گوشوں اور ٹیلوں کے علاقوں سے روک روک کر واپس بھیج رہے تھے۔

یہ لوگ دراصل اپنے اور اپنے حکمرانوں کے گناہوں کی سزا سے بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کو کیڑے مکوڑے بنا رکھا تھا۔ ''مسلمانوں کا کیمپ'' اس کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ سلطان ایوبی کو اس کیمپ کا علم تھا۔ وہ شوبک میں داخل ہوتے ہی اس کیمپ میں پہنچا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں دو ہزار کے قریب مسلمان قید تھے۔ یہ دو ہزار لاشیں تھیں۔ ان سے مویشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ان سے غلاظت تک اٹھوائی جاتی تھی۔ ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو یہاں جوانی میں لائے گئے تھے اور بوڑھے ہو چلے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ وہ انسان ہیں۔ ان میں پہلی لڑائیوں کے جنگی قیدی بھی تھے اور ان میں اُن بدنصیبوں کی تعداد زیادہ تھی جنہیں صلیبیوں نے قافلوں سے اور شہر سے پکڑ کر کیمپ میں ڈالا تھا۔ یہ امیر کبیر تاجر تھے یا خوبصورت لڑکیوں کے باپ تھے۔ ان سے دولت، مال اور لڑکیاں چھین لی گئی تھیں۔ ان میں شہر کے وہ مسلمان بھی تھے جن کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ سلطنت اسلامیہ کے وفادار اور صلیب کے دشمن ہیں۔ شہر میں جو مسلمان رہتے تھے وہ نماز اور قرآن گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھتے تھے، وہ بھی اس طرح کہ آواز باہر نہ جائے............ وہ معمولی حیثیت کے عیسائیوں کو بھی جھک کر سلام کرتے تھے۔ اپنی جوان بیٹیوں کو تو وہ پردے میں رکھتے ہی تھے۔ اپنی معصوم بچیوں کو بھی وہ باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔ عیسائی خوبصورت بچیوں کو اغوا کر لیتے تھے۔

سلطان ایوبی نے جب ان دو ہزار زندہ لاشوں کو دیکھا تو اس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس نے کہا تھا ....''ان مظلوموں کو آزاد کرانے کے لیے میں پوری کی پوری سلطنتِ اسلامیہ کو داؤ پر لگا سکتا ہوں''............ اس نے ان کی غذا اور اُن کی صحت کے لیے فوری احکامات جاری کر دیئے تھے اور کہا تھا کہ ابھی انہیں اسی جگہ رکھا جائے اور انہیں بستر مہیا کیے جائیں۔ اس کے پاس ابھی ان کی کہانیاں سننے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اسے ابھی باہر کی کیفیت کو قابو میں لانا تھا۔ باہر کا یہ عالم تھا کہ جنگ ابھی جاری تھی جس کی نوعیت کھلی جنگ کی سی نہیں تھی۔ صورت یہ تھی کہ صلیبی فوج جو سلطان

ایوبی کے دھوکے میں آکر کرک اور شوبک سے دُور اُس فوج کو روکنے کے لیے چلی گئی تھی وہ بکھر کر پسپا ہو رہی تھی۔ مسلمان دستے اُس پر شب خون مار مار کر اور زیادہ بُرا حال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو اطلاعیں مل رہی تھیں کہ بعض جھڑپوں میں اس کے دستے گھیرے میں آکر نقصان اٹھا رہے تھے۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ کرک کے قلعے میں جو صلیبی فوج ہے، وہ صحرا میں پھنسی اور بکھری ہوئی اپنی فوج کی مدد کے لیے بھیج دی جائے گی۔

اس صورت حال کے لیے سلطان ایوبی کے پاس فوج کی کمی تھی۔ مصر سے وہ کمک نہیں منگوانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں کی سازشیں دبی نہیں تھیں۔ معزول کی ہوئی فاطمی خلافت کے حامی در پردہ سازشوں میں مصروف تھے۔ سوڈانی حبشی الگ طاقت جمع کر رہے تھے۔ ان دونوں کو صلیبی مدد دے کر سلطان ایوبی کے خلاف متحد کر رہے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ متعدد مسلمان سیاسی اور فوجی سربراہ بھی سلطان ایوبی کے خلاف در پردہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ یہ ایمان فروشوں کا ٹولہ تھا جو اقتدار کے حصول کے لیے اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کر رہا تھا۔ انہوں نے حشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں جنہوں نے سلطان ایوبی کے قتل کا منصوبہ بنا لیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کئی بار کہا تھا کہ صلیبیوں کی یہ کتنی بڑی کامیابی ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مسلمانوں کو قتل کرا رہے ہیں۔ وہ بیشک ایمان فروش ہیں جنہیں میں نے غداری کی پاداش میں سزائے موت دی ہے لیکن وہ مسلمان تھے، کلمہ گو تھے۔ کاش، یہ لوگ اپنے دشمن کو پہچان لیتے۔

اب جب کہ شوبک کا قلعہ اس کے قدموں میں تھا اور وہ قلعے کی دیوار پر اپنے فوجی مشیروں وغیرہ کے ساتھ گھوم رہا تھا اسے شہر کے مسلمان باشندے گروہ در گروہ ناچتے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے نظر آ رہے تھے۔ اونٹوں پر شہیدوں کی لاشیں اور زخمی لائے جا رہے تھے، سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اس کا دستِ راست بہاؤ الدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے............ "صلاح الدین کے چہرے پر فتح و نصرت کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ خوشیاں منانے والے شوبک کے مسلمانوں کا ایک گروہ دف اور شہنائی کی تال پر ناچتا اس دیوار کے دامن میں آن رکا جہاں ہم کھڑے تھے۔ صلاح الدین ایوبی انہیں دیکھتا رہا۔ لوگ اسے دیکھ کر پاگلوں کی طرح ناچنے لگے۔ ایوبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ اس نے ان لوگوں کے لیے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ بس دیکھ رہا تھا۔ گروہ میں سے کسی نے بلند آواز سے کہا............ صلاح الدین بن نجم الدین ایوب! تم شوبک کے مسلمانوں کے لیے پیغمبر بن کر اُترے ہو۔............ وہ لوگ عربی نسل کے تھے۔ ایک دوسرے کو باپ کے نام سے پہچانتے اور پکارتے تھے۔ اس لیے ان میں بیشتر صلاح الدین ایوبی کو بن ایوب یا ابن نجم کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کرد نسل سے تھا............

"ناچنے والوں میں سے کسی نے نعرہ لگایا............ کرد کے بچے! ہم تیری پیغمبری کو سجدہ کرتے ہیں"............ صلاح الدین ایوبی یکلخت بیدار ہو گیا۔ تڑپ کر بولا۔ انہیں کہو مجھے گناہگار نہ کریں۔ میں پیغمبروں کا غلام ہوں۔ سجدے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے............ میں نے سلطان کے ایک محافظ سے کہا، بھاگ کر جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ ایسے نعرے نہ لگائیں............ آرام سے کہنا۔ ان کا دل نہ دکھانا۔ انہیں ناچنے دو انہیں گانے دو۔ انہوں نے جہنم سے نجات حاصل کی ہے۔ میری زندگی ان لوگوں کی خوشیوں کے لیے وقف ہے۔............ وہ اور کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ یہ جذبات کا غلبہ تھا۔ اس نے منہ پھیر لیا وہ ہم سب سے اپنے آنسو چھپا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہم سب کی طرف دیکھا اور کہا............ ہم ابھی فلسطین کی دہلیز پر پہنچے ہیں۔ ہماری منزل بہت دُور ہے۔ ہمیں شمال

میں وہاں تک جانا ہے جہاں سے بحیرۂ روم کا ساحل گھوم کر مغرب کو جاتا ہے۔ ہمیں سرزمین عرب سے آخری صلیبی کو دھکیل کر بحیرۂ روم میں ڈبونا ہے۔"

وہیں سلطان ایوبی نے اپنے متعلقہ مشیر کو حکم دیا کہ سارے شہر میں منادی کرادو کہ کوئی غیر مسلم اس خوف سے شہر سے نہ بھاگے کہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔ کسی کو کسی مسلمان فوجی یا شہری سے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ قلعے کے دروازے پر شکایت کرے۔ اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ اس نے زور دے کر کہا کہ ہم کسی کے لیے تکلیف اور مصیبت کا نہیں پیار اور محبت کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر کسی نے اسلامی حکومت کے خلاف کوئی بات یا حرکت کی تو اسے اسلامی قانون کے تحت سزا دی جائے گی جو بہت سخت ہوگی اور یاد رکھو کہ اسلامی قانون سے نہ کوئی غیر مسلم بچ سکتا ہے نہ مسلمان.........اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ شہر میں اگر کوئی صلیبی فوجی یا جاسوس چھپا ہوا ہے یا اسے کسی نے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے تو وہ فوراً اپنے آپ کو مسلمان فوج کے حوالے کر دے۔

سلطان ایوبی کی فوج قلعے کی ایک دیوار توڑ کر اندر گئی تھی۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ قلعے کے اس حصے پر فوراً قبضہ کیا جائے جہاں صلیبیوں کے محکمۂ جاسوسی کا مرکز تھا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے اس مرکز کے متعلق بہت سے معلومات دی تھیں اور راہنمائی بھی کی تھی مگر صلیبی اتنے اناڑی نہیں تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اسی حصے کو خالی کیا اور دستاویزات نکال لے گئے تھے۔ ان کی جاسوسی کا سربراہ، ہرمن اور اس کے دیگر ماہرین وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ البتہ آٹھ لڑکیاں پکڑی گئی تھیں جو علی بن سفیان کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ وہ ان سے معلومات لے رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے بتایا تھا کہ کم وبیش بیس لڑکیاں وہاں سے نکل گئی ہیں۔ وہ سب اپنے طور پر بھاگی تھیں۔ ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ مرد جاسوس بھی نکل گئے تھے۔ ان آٹھ لڑکیوں میں سے ایک نے اپنی ساتھی لڑکی، لوزینا کے متعلق بتایا تھا کہ اس نے ایک مسلمان فوجی (حدید) کو قلعے سے فرار کرا کے خودکشی کر لی تھی۔

شوبک میں امن اور شہری انتظامات بحال کرنے کی سرگرمیاں تھیں اور کرک میں شوبک پر حملے اور اسے سلطان ایوبی سے چھڑانے کی سکیمیں بن رہی تھیں لیکن صلیبی حملے کے لیے اتنی جلدی تیار نہیں ہو سکتے تھے جتنا وہ سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے پہلا سوال تو یہ تھا کہ ان کے عالم جاسوس نے بڑی پکی اطلاع دی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس کی فوجیں کرک کی طرف آ رہی تھیں۔ ان کے قاہرہ کے جاسوسوں نے بھی ناقابلِ تردید اطلاعیں دی تھیں کہ سلطان ایوبی کی فوج کرک پر حملہ کرے گی جس کی کمان وہ خود کرے گا مگر آدھے راستے سے اس کی فوجوں نے رُخ بدل دیا اور ایسی چالیں چلیں کہ صلیبی فوج جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے گئی تھی، شب خونوں کی زد میں آ گئی اور سلطان ایوبی نے کرک سے اتنی زیادہ دُور شوبک پر حملہ کر دیا۔

یہ سوال ایک کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا جس میں صلیبی فوج کے اعلیٰ افسر اور صلیبی حکمران موجود تھے۔ ان کے محکمۂ جاسوسی کا سربراہ، جرمن نژاد ہرمن اور عالم جاسوس جسے سلطان ایوبی نے قاہرہ سے گرفتار کر کے رہا کر دیا تھا، ملزموں کی حیثیت سے کانفرنس میں پیش کیے گئے۔ عالم جاسوس شوبک کے قلعے سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے کانفرنس میں ہتھکڑیوں میں پیش کیا گیا تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے غلط اطلاع دے کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا اور ان کی فتح کا باعث بنا ہے۔ اس نے ایک بار پھر بیان دیا کہ اسے یہ اطلاع کس طرح ملی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس کی اطلاع میں کوئی شک تھا تو متعلقہ محکمے کو اس کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کے اس بیان

ہرمن سے پوچھا گیا کہ اس نے جاسوسی کے ماہر کی حیثیت سے کیوں تسلیم کر لیا تھا کہ اس جاسوس کی لائی ہوئی اطلاع بالکل صحیح ہے۔

''مجھے اس ضمن میں بہت کچھ کہنا ہے''.......... ہرمن نے کہا.......... ''میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر ہوں مگر کئی مواقع ایسے آئے ہیں جن میں میری مہارت اور میرے جاسوسوں کی محنت اور قربانی کو نظر انداز کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میری مہارت فوج کی مرکزی کمان کے حکم یا کسی بادشاہ کے حکم کی نذر ہوگئی۔ اس کانفرنس میں تین حکمران موجود ہیں اور ان کی متحدہ کمان کے اعلیٰ کمانڈر بھی موجود ہیں اور جبکہ ہم اتنی بڑی شکست سے دوچار ہوئے ہیں جس میں شوبک جیسا قلعہ ہاتھ سے نکل گیا ہے، اس کے ساتھ میلوں وسیع علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا ہے، سال بھر کی رسد اور دیگر ساز و سامان دشمن کے ہاتھ لگا ہے اور شوبک کی پوری آبادی مسلمانوں کی غلام ہوگئی ہے، میں آپ کی خامیاں اور احمقانہ حرکتیں آپ کے سامنے رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور میں آپ سب کو بصد احترام یاد دلاتا ہوں کہ ہم نے صلیب پر حلف اٹھایا ہے کہ صلیب کے وقار کے لیے اپنا آپ قربان کر دیں گے۔ اگر آپ میں سے کسی کے ذاتی وقار کو ٹھیس پہنچے تو اسے صلیب کا وقار پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔''

ہرمن کی حیثیت ایسی تھی کو نارڈ، گے آف لوزینان اور شاہ آگسٹس جیسے خودسر بادشاہ بھی اس کی بات رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ جاسوسی کا تمام تر نظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ ان میں تباہ کار جاسوس بھی تھے۔ ہرمن کسی بھی حکمران کو خفیہ طریقے سے قتل کرانے کی ہمت اور اہلیت رکھتا تھا۔ اسے اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنا تجزیہ پیش کرے۔

''میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ دشمن کے راز معلوم کرنے کے لیے اور اس کی کردارکشی کے لیے صرف لڑکیوں پر کیوں بھروسہ کیا جا رہا ہے۔'' اُس نے پُوچھا۔

''اس لیے کہ عورت انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے''.......... کسی حکمران نے کہا.......... ''کردارکشی کا بہترین ذریعہ عورت ہے، خواہ وہ تحریر میں ہو یا گوشت پوست کی صورت میں ہو۔ کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو کہ عرب میں بہت سے مسلمان امراء، قلعہ داروں اور وزراء کو ہم نے عورت کے ہاتھوں اپنا غلام بنا لیا ہے؟''

''لیکن آپ یہ نہیں سوچ رہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حکومت فوج کے ہاتھ میں ہے۔'' ہرمن نے کہا۔ ''اُن کا خلیفہ اپنا حکم نہیں منوا سکتا۔ فوجی امور میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی مصر میں حیثیت ایک گورنر کی ہے لیکن اس نے وہاں کے خلیفہ کو معزول کر دیا ہے۔ اِدھر نورالدین زنگی ہے جس کی حیثیت ایک سالار اور وزیر کی ہے لیکن جنگی امور میں اسے بغداد کے خلیفہ سے حکم اور اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ پیشِ نظر رکھیے کہ آپ نے چند ایک امیروں، وزیروں اور قلعہ داروں کو ہاتھ میں لے لیا ہے تو ان کی حیثیت چند ایک غداروں کی ہے۔ وہ آپ کو اپنے ملک کا ایک انچ علاقہ بھی نہیں دے سکتے۔ اسلامی سلطنت کے اصل حکمران فوجی ہیں۔ نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوجوں کی تربیت ایسی کی ہے کہ آپ لڑکیوں سے اس فوج کا کردار خراب نہیں کر سکتے اور نہ ہی کر سکے ہیں۔ اس فوج کے لیے شراب پینا سنگین جرم ہے۔ اسلام میں ہر کسی کے لیے شراب حرام ہے۔ اس پابندی کا اثر یہ ہے کہ مسلمان [illegible] ہوش ٹھکانے رکھتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی شراب کا عادی ہوتا تو آج مصر ہمارا ہوتا اور صلاح الدین ایوبی شوبک کے قلعے کا فاتح نہ ہوتا بلکہ اس قلعے میں ہمارا قیدی ہوتا۔''

[illegible] نے اسے ٹوک کر کہا.......... ''اپنی بات لڑکیوں تک رکھو۔ ہمارے پاس

مسلمانوں کے اوصاف سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں" .... ہرمن نے کہا............ "کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کا استعمال ناکام ہو چکا ہے۔ گزشتہ دو برسوں میں ہم بڑی قیمتی لڑکیاں مصر میں بھیج کر مسلمان فوجیوں کے ہاتھوں مروا چکے ہیں۔ لڑکی کے معاملے میں یہ بھی یاد رکھیے کہ عورت ذات جذباتی ہوتی ہے۔ آپ لڑکیوں کو کتنی ہی سخت ٹریننگ کیوں نہ دیں، وہ مردوں کی طرح پتھر نہیں بن سکتیں۔ ہم انہیں خطروں میں پھینک دیتے ہیں۔ خطرہ بہرحال خطرہ ہوتا ہے اور دل ودماغ پر اثر کرتا ہے۔ بعض اوقات حالات بہت ہی بگڑ جاتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمان فوجی ہماری لڑکیوں کو تفریح کا ذریعہ بنانے کی بجائے انہیں پناہ میں لے لیتے ہیں اور ان کے جسم اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ لڑکیاں جذبات سے مغلوب ہو کے رہ جاتی ہیں۔ حال ہی میں ہماری ایک لڑکی کو صلاح الدین ایوبی کے ایک کمانڈر نے ڈاکوؤں سے بچایا اور زخمی ہو گیا۔ لڑکی اسے شوبک میں لے آئی۔ ہم نے اسے مسلمانوں کے کیمپ میں پھینک دیا۔ لڑکی نے اسے ہماری فوج کے ایک افسر کی وردی پہنا کر قلعے سے نکال دیا۔ اسے گھوڑا بھی دیا۔ میں نے لڑکی کو پکڑ لیا۔ لڑکی نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اس نے سزا کے خوف سے خودکشی نہیں کی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ گناہگار ہے اور اپنے جسم کو دھوکے کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ یہ احساس اتنا شدید تھا کہ اس نے زہر پی لیا۔۔۔۔۔

"لڑکیوں کے خلاف میں ایک دلیل اور بھی دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس جو جاسوس لڑکیاں ہیں، ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جنہیں ہم نے بچپن میں مسلمانوں کے قافلوں سے یا ان کے گھروں سے اغوا کرایا تھا۔ انہیں ہم نے اپنا مذہب دیا اور اپنی ٹریننگ دی۔ وہ جوان ہوئیں اور اپنا بچپن اور اپنی اصلیت بھول گئیں۔ انہیں یاد بھی نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کی بیٹیاں ہیں مگر ہم نے ان کے صرف نام بدلے، ان کا مذہب اور اُن کا کردار بدلا، ان کے خون کو نہ بدل سکے۔ میں انسانی نفسیات کو سمجھتا ہوں۔ لیکن یہ میرا تجربہ ہے کہ مسلمان کی نفسیات دوسرے مذاہب کے انسانوں سے مختلف ہے۔ یہ لڑکیاں جب کسی مسلمان کے سامنے جاتی ہیں تو جیسے انہیں اچانک یاد آ جاتا ہے کہ ان کی رگوں میں بھی مسلمان باپ کا خون ہے۔ مسلمان کے خون سے اس کا مذہب نکلتا نہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی لڑکی کو جاسوسی کے لیے نہ بھیجا جائے؟" ایک کمانڈر نے اس سے پوچھا۔

"کسی ایسی لڑکی کو نہ بھیجا جائے جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوئی تھی" .... ہرمن نے جواب دیا............ "اگر آپ لڑکیوں کو میرے محکمے سے نکال ہی دیں تو صلیب کے لیے بہتر رہے گا۔ آپ مسلمان اُمراء کے حرموں میں لڑکیاں بھیجتے رہیں۔ آپ انہیں پھانس سکتے ہیں۔ وہ آسانی سے آپ کے ہاتھ آ جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے میدانِ جنگ نہیں دیکھا۔ ان کی تلوار ہماری تلوار سے نہیں ٹکرائی۔ ہمیں ان کی صرف فوج پہچانتی ہے۔ دشمن کو صرف فوج جانتی ہے۔ اس لیے وہ ہمارے جھانسے میں نہیں آ سکتی۔"

صلیبیوں کا شاہ آگسٹس انتہا درجے کا شیطان فطرت حکمران تھا جو اسلام کی دشمنی کو عبادت سمجھتا تھا۔ اس نے کہا............ "ہرمن! تمہاری نگاہ محدود ہے۔ تم صرف صلاح الدین اور نورالدین کو دیکھ رہے ہو۔ ہم اسلام کو دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں اس مذہب کی بیخ کنی کرنی ہے۔ اس کے لیے کردارکشی اور نظریات میں شکوک پیدا کرنا لازمی ہے۔ مسلمانوں میں ایسی تہذیب رائج کرو جس میں کشش ہو۔ ضروری نہیں کہ ہم اپنا مقصد اپنی زندگی میں حاصل کر لیں............ ہم یہ کام اپنی اگلی نسل کے سپرد کر دیں گے۔ کچھ کامیابی وہ حاصل کرے گی اور یہ مہم اس سے اگلی نسل ہاتھ میں لے لے گی............ پھر ایک

دور ایسا آہی جائے گا جب اسلام کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ اگر اسلام زندہ رہا بھی تو یہ مذہب کسی اور صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو جنم نہیں دے گا۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مذہب مسلمانوں کا اپنا ہوگا۔ لیکن یہ مذہب ہماری تہذیب میں رنگا ہوا ہوگا۔ ہرمن! آج سے سو سال بعد پر نظر رکھو۔ فتح اور شکست عارضی واقعات ہیں۔ ہم شوبک پر دوبارہ قبضہ کر لیں گے۔ تم مصر میں سازشوں کو مضبوط کرو، فاطمیوں اور سوڈانی حبشیوں کو مدد دو۔ حشیشین کو استعمال کرو۔"

☆

کانفرنس کے کمرے میں ایک صلیبی افسر داخل ہوا۔ گرد سے اٹا ہوا اور تھکا ہوا تھا۔ وہ اس فوج کے کمانڈروں میں سے تھا جو ریگستان میں چلی گئی تھی اور آہستہ آہستہ کرک کی طرف پسپا ہو رہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے کہا........."فوج کی حالت اچھی نہیں۔ میں یہ تجویز لے کے آیا ہوں کہ کرک کی تمام تر فوج کے ساتھ کافی کمک ملا کر شوبک پر حملہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ آمنے سامنے کی جنگ لڑیں۔ اس وقت جنگ کی کیفیت یہ ہے کہ ہمارے دستے مرکزی کمان کے حکم کے مطابق کرک کی طرف پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے شب خون مارنے والے دستے تھوڑی سی نفری سے رات کو عقبی حصے پر شب خون مارتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ دن کے وقت ان کے تیز انداز چند ایک تیر برسا کر نقصان کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ وہ نشانہ گھوڑے یا اونٹ کو بناتے ہیں۔ جس جانور کو تیر لگتا ہے، وہ بھگدڑ مچا دیتا ہے۔ اسے دیکھ کر دوسرے گھوڑے اور اونٹ بھی ڈرتے اور بے قابو ہو جاتے ہیں۔ ہم نے رک کر اِدھر اُدھر کے دستے اکٹھے کیے اور جوابی حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن مسلمان آمنے سامنے نہیں آتے۔ ہمارے کچھ دستوں کو انہوں نے صرف اس لیے مارا ہے کہ مسلمان انہیں اپنی مرضی کے میدان میں لے جا کر لڑاتے ہیں۔ سپاہ میں لڑنے کا جذبہ ماند پڑ گیا ہے۔ جذبے کو بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک شدید جوابی حملہ کیا جائے۔"

اس مسئلے پر بحث شروع ہوگئی۔ صلیبیوں کے لیے مشکل یہ پیدا ہو گئی تھی کہ ان کی فوج کا بڑا حصہ جسے بہترین لڑاکا سمجھا جاتا تھا۔ کرک سے دور ریگزار میں بکھر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی چال کامیاب تھی۔ اس کے کماندار اور دستوں کے عہدیدار اس کی چال کو خوش اسلوبی سے عملی رنگ دے رہے تھے۔ وہ پانی پر قبضہ کر لیتے تھے۔ بلندیوں پر پہنچ جاتے تھے۔ ٹیلوں کے علاقوں میں گھات لگاتے تھے اور دن کے وقت اگر ہوا تیز ہو تو ہوا کے رخ سے حملہ کرتے تھے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ ہوا اور گھوڑوں کی اڑائی ہوئی ریت صلیبیوں کی آنکھوں میں پڑتی اور انہیں اندھا کرتی تھی۔ سلطان ایوبی کے پاس اتنی نفری نہیں تھی کہ وہ شوبک کو بچا سکتا۔ اس نے جنگی فہم و فراست سے کام لیا اور صلیبیوں پر اپنا رعب قائم کر دیا تھا۔ شوبک کے شمال مشرق میں صلیبیوں کی خاصی فوج بیکار بیٹھی تھی۔ اسے اس رستے واپس نہیں بلایا جا رہا تھا کہ نورالدین زنگی سلطان ایوبی کو کمک بھیج دے گا۔

صلیبی حکمران اور کمانڈر کرک کے قلعے میں بیٹھے ہوئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ شوبک میں ایوبی کو یہ مسئلہ پریشان کر رہا تھا کہ صلیبیوں نے حملہ کر دیا تو وہ کس طرح روکے گا۔

اس نے عیسائیوں کے بھیس میں اپنے جاسوس کرک بھجوا دیئے تھے۔ تاکہ صلیبیوں کے عزائم اور منصوبوں سے آگاہ کرتے رہیں۔ اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اسے محاذ کی خبریں تیزی سے مل رہی تھیں۔ اس نے شوبک سے اور گرد و نواح کے علاقے سے فوج کے لیے بھرتی شروع کر دی۔ اور حکم دیا کہ قلعے میں فوری طور پر اُن کی ٹریننگ شروع کر دی جائے۔ صلیبیوں کے بہت سے گھوڑے اور اونٹ قلعے میں رہ گئے تھے۔

باہر کے دستوں کو اس نے حکم بھیج دیا تھا کہ دشمن کے جانوروں کو مارنے کی بجائے پکڑیں اور قلعے میں بھیجتے رہیں۔ نئی بھرتی کی ٹریننگ کے سلسلے میں اس نے یہ حکم جاری کیا کہ انہیں شب خون مارنے کی اور متحرک جنگ لڑنے کی ٹریننگ دی جائے۔

کرک میں جو کانفرنس ہو رہی تھی اس میں ہرمن کی اس تجویز کو رد کر دیا گیا تھا کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ البتہ عالم جاسوس کو چھوڑ دیا گیا اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں پر نظریاتی حملہ کرنے کے لیے آدمی تیار کرے۔ اس کے بعد یہ پوچھا گیا کہ شوبک میں کتنی جاسوس لڑکیاں اور مرد رہ گئے ہیں اور کیا لڑکیوں کو وہاں سے نکالا جا سکتا ہے؟ ہرمن نے انہیں بتایا کہ چند ایک لڑکیاں مسلمانوں کی قید میں ہیں۔ کچھ نکل آئی ہیں اور کچھ لاپتہ ہیں۔ مرد جاسوسوں کے متعلق اس نے بتایا کہ چند ایک قید ہو گئے ہیں اور بہت سے وہیں ہیں۔ انہیں اطلاع بھیج دی گئی ہے کہ وہیں رہیں اور اب مسلمانوں بن کر اپنا کام کریں............ ایک صلیبی حکمران نے کہا کہ جو لڑکیاں وہاں قید میں ہیں انہیں نکالنا شاید آسان نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ کچھ لڑکیاں وہاں عیسائیوں کے گھروں میں روپوش ہو گئی ہوں۔ انہیں وہاں سے نکالنا لازمی ہے۔

تھوڑی دیر کے بحث مباحثے کے بعد طے ہوا کہ ایک ایسا گروہ تیار کیا جائے جو سلطان ایوبی کے شب خون مارنے والے آدمیوں کی طرح جان پر کھیلنا جانتا ہو۔ اس گروہ کا ہر ایک آدمی ذہین اور پھرتیلا ہو۔ عربی یا مصری زبان بول سکتا ہو۔ اس گروہ کو ایسے مسلمانوں کے بھیس میں شوبک بھیجا جائے جس سے پتہ چلے کہ کرک کے عیسائیوں کے ظلم و تشدد سے بھاگ کر آئے ہیں۔ انہیں یہ کام دیا جائے کہ شوبک میں رہ کر لڑکیوں کا سراغ لگائیں اور انہیں وہاں سے نکالیں۔ اس کام کے لیے جرائم پیشہ آدمی موزوں رہیں گے جنہیں ان کی خواہش کے مطابق جیلوں سے نکال کر فوج میں لیا گیا ہے۔ فوج میں پیشہ ور مجرموں کو تلاش کرو اور انہیں چند دن ٹریننگ دے کر شوبک بھیج دو لیکن یہ خیال رکھو کہ ان میں وہی سپاہی ہوں جو شوبک میں رہ چکے ہیں اور وہاں کے گلی کوچوں اور لوگوں سے واقف ہیں............ یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ جرائم پیشہ آدمی اس خطے کی زبان نہیں جانتے۔ اس کا یہ حل پیش کیا گیا کہ زیادہ تر ایسے آدمی بھیجے جائیں جو وہاں کی زبان جانتے ہوں۔

متعدد مؤرخین نے شوبک کی فتح کو کئی ایک رنگ دیئے ہیں۔ ان میں صاف گو قسم کے مؤرخین نے جو ولیم آف ٹائر کی طرح عیسائی ہیں، صلیبیوں پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے حکمران خوبصورت لڑکیوں کے ذریعے مسلمان علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور کردار کشی پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس سے ان کے اپنے کردار کا پتہ ملتا ہے کہ کیا تھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے چند ایک غیر فوجی سربراہوں کو اپنے زیر اثر لے لیا تھا لیکن ان کے دماغ میں یہ نہ آئی کہ مسلمانوں کی ایک قوم بھی ہے اور ایک فوج بھی ہے۔ کسی قوم اور اس کی فوج کے قومی جذبے کو مارنا آسان کام نہیں ہوتا اور اس صورت میں جب کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے نہتے قافلے لوٹے تھے، ان کی بچیاں اغوا کی تھیں، مفتوحہ علاقوں میں وسیع پیمانے پر آبروریزی کی، قتل عام کیا اور مسلمانوں کو بیگار کیمپوں میں ٹھونس کر جانور بنا دیا۔ مسلمان قوم اور فوج کے جذبے کو مجروح کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام کی صفوں میں چند ایک غدار پیدا کر لینے سے اس مذہب کی عظمت کو مجروح نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس وقت جب شوبک پر حملے کی ضرورت تھی اور جب صلاح الدین ایوبی جنگی لحاظ سے

کمزور تھا، صلیبیوں نے شوبک سے چند ایک لڑکیوں کو نکال لانے پر توجہ مرکوز کر لی اور اس مہم کے لیے جانبازوں کا گروہ تیار ہونے لگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کی جنگی فہم وفراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے صلیبیوں پر یہ رعب طاری کر دیا تھا کہ اس نے ان کی فوج کو بکھیر دیا ہے۔ صلیبیوں نے اس تاثر کو قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اس طرف توجہ یہ نہ دی کہ ایوبی کی اپنی فوج دستہ دستہ ٹولہ ٹولہ ہو کے بکھر گئی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلطان ایوبی اس صورتِ حال سے کچھ پریشان بھی تھا۔ اس کے مشیر خاص شداد نے اس کی جس پریشانی کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے دستے صلیبیوں کے تعاقب میں بکھر گئے تھے۔ اس سے مرکزیت ختم ہو گئی تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کے دستے ذاتی اور قومی جذبے کے تحت لڑ رہے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملی ہیں کہ بعض مسلمان دستے صحرائی بھول بھلیوں میں بھٹک گئے اور خوراک اور پانی سے محروم رہے لیکن وہ ہر حال اور ہر کیفیت میں لڑتے رہے۔

یہ جذبے کی جنگ تھی جس سے صلیبی سپاہی عاری تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو پسپا ہوتے دیکھا تو ان میں لڑنے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اگر صلیبی ادھر توجہ دیتے تو ایوبی کی بکھری ہوئی فوج پر قابو پا سکتے تھے مگر وہ ذرا ذرا سی باتوں پر اتنی زیادہ توجہ دیتے تھے جتنی اہم جنگی امور پر دی جاتی ہے۔

یہاں ایک اور وضاحت ضروری ہے۔ اُس دور کے صلیبی وقائع نگاروں کے حوالے سے دو تین غیر مسلم مؤرخین نے اس قسم کی غلط بیانی کی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے مسلسل دو سال شوبک کو محاصرے میں رکھا اور ناکام لوٹ گیا۔ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ زنگی کو اس کے مشیروں نے خبردار کیا تھا کہ ایوبی مصر کو اپنے ذاتی تسلط میں رکھ کر فلسطین کا بھی خودمختار حکمران بننا چاہتا ہے۔ وہ فلسطین پر قبضہ کر کے زنگی کو معزول کر دے گا۔ یہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ نور الدین زنگی نے اس بہانے شوبک کو اپنی فوج روانہ کر دی کہ یہ سلطان ایوبی کے لیے کمک ہے لیکن اس نے اپنے کمانڈروں کو خفیہ ہدایت دی تھی کہ وہ شوبک کے جنگی امور اپنے قبضے میں لے لیں چنانچہ یہ فوج آئی۔ سلطان ایوبی سے کسی نے کہا کہ نور الدین زنگی نے یہ فوج اس کی مدد کے لیے نہیں بھیجی بلکہ اس کی مرکزی کمان پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجی ہے۔ یہ سن کر سلطان ایوبی دل برداشتہ ہو گیا اور وہ شوبک کا محاصرہ اٹھا کر مصر کو کوچ کر گیا۔

عیسائی مؤرخین نے زنگی اور ایوبی کی اس مفروضہ چپقلش کو بہت اچھالا ہے لیکن ان مؤرخین کی تعداد زیادہ ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ سلطان ایوبی نے ڈیڑھ ماہ کے محاصرے کے بعد شوبک کا قلعہ لے لیا تھا۔ البتہ یہ پتہ بھی ملتا ہے کہ صلیبی تخریب کاروں نے نور الدین زنگی کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سلطان ایوبی کے والد نجم الدین ایوب لمبی مسافت طے کر کے شوبک پہنچے۔ انہیں شک ہو گیا تھا کہ ان کا بیٹا ایسی حماقت پر اُتر ہی نہ آیا ہو اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تخریب کار اس کے کان زنگی کے خلاف بھر دیں۔

بہاؤ الدین شداد اپنی یادداشتوں میں رقمطراز ہے.........'' اپنے والد بزرگوار کو دیکھ کر ایوبی بہت حیران ہوا۔ اُن کے گھٹنے چھو کر مصافحہ کیا اور سمجھا کہ محترم والد اسے فتح کی مبارکباد دینے آئے ہیں مگر انہوں نے بیٹے کو پہلے الفاظ یہ کہے.........'' کیا نور الدین زنگی جاہل ہے جس نے مجھ جیسے گمنام اور غریب آدمی کے بیٹے کو مصر کا حکمران بنا ڈالا ہے؟ کیا مجھے یہ سننا پڑے گا کہ تیرا بیٹا ذاتی اقتدار کی خاطر سلطنتِ اسلامیہ کے محافظ نور الدین زنگی کا دشمن ہو گیا ہے؟......... جاؤ اور زنگی سے معافی مانگو.........''

بات کھلی تو معلوم ہوا کہ سلطان ایوبی کا ذہن صاف ہے اور وہ نور الدین زنگی سے کمک مانگنے والا ہے۔ نجم

الدین ایوب مطمئن ہو گئے اور واضح ہو گیا کہ یہ صلیبیوں کی تخریب کاری اور عیاری ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی قاصد اور معتمد فقیہہ عیسیٰ الہکاری کو اپنے والد محترم کے ساتھ رخصت کیا اور الہکاری کو نورالدین زنگی کے نام ایک تحریری پیغام دیا۔ اس کے ساتھ شوبک کے کچھ تحفے بھی بھیجے۔ اس نے لکھا۔ ''بیش قیمت تحفہ شوبک کا قلعہ ہے جو میں آپ کے قدموں میں پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد خدائے عزّ وجل کی مدد سے کرک کا قلعہ پیش کروں گا۔''

اس پیغام میں سلطان ایوبی نے واضح کیا تھا کہ صلیبیوں کی تخریب کاری سے خبردار رہیں اور یہ نہ بھولیں کہ کچھ مسلمان امراء بھی اس تخریب کاری اور سازشوں میں صلیبیوں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ ان کی سرکوبی کی جائے۔ اس پیغام میں سلطان ایوبی نے شوبک کی اس وقت کی صورتِ حال اور اپنی فوج کی کیفیت تفصیل سے لکھی اور کچھ انقلابی تجاویز پیش کیں۔ اس نے زنگی کو لکھا کہ ان حالات میں جب دشمن ہماری سرزمین پر قلعہ بند ہے۔ اور وہ میدانِ جنگ میں ہمارے خلاف سرگرم ہے اور زمین دوز کارروائیوں سے بھی ہمارے درمیان غدار پیدا کر رہا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہماری غیر فوجی قیادت نہ صرف ناکام ہو گئی ہے بلکہ سلطنتِ اسلامیہ کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ ہم گھر سے دُور بے رحم صحراؤں میں دشمن سے برسرِ پیکار ہیں۔ ہمارے مجاہد لڑتے اور مرتے ہیں۔ وہ بھوکے اور پیاسے بھی لڑتے ہیں۔ انہیں کفن نصیب نہیں ہوتے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے تلے روندی جاتی اور صحرائی لومڑیوں اور گدھوں کی خوراک بنتی ہیں۔ اسلام کی عظمت اور قوم کے وقار کو جتنا وہ سمجھتے ہیں اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ہمارے غیر فوجی حکام اور سربراہوں کے خون کا ایک قطرہ نہیں گرتا۔ وہ میدانِ جنگ سے بہت دور محفوظ بیٹھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عیش و عشرت کے عادی ہو گئے ہیں۔ دشمن انہیں نہایت حسین اور چلبلی لڑکیوں اور یورپ کی شراب سے اپنا مرید بنا لیتا ہے۔ ہم دین و ایمان کی سربلندی کے لیے مرتے ہیں اور وہ ایمان کو دشمن کے ہاتھ بیچ کر عیش کرتے اور اس کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔

سلطان ایوبی نے لکھا کہ اب جبکہ میں فلسطین کی دہلیز پر آ گیا ہوں اور میں نے فلسطین لیے بغیر واپس نہ جانے کا تہیہ کر لیا ہے، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ (نورالدین زنگی) غیر فوجی قیادت پر کڑی نظر رکھیں۔ امیر العلماء سے کہیں کہ وہ مساجد میں اور ہر جگہ اعلان کر دے کہ سلطنتِ اسلامیہ کا صرف ایک خلیفہ ہے اور یہ بغداد کی خلافت ہے۔ ہر مسلمان پر اس واحد خلافت کی اطاعت فرض ہے لیکن خطبے میں اور کسی مسجد میں خلیفہ کا نام نہیں لیا جائے گا۔ عظیم نام صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہے۔ یہ حکم بھی جاری کیا جائے کہ آئندہ جب خلیفہ یا کوئی حاکم کسی دورے یا معائنے کے لیے باہر نکلے گا تو اس کے محافظ دستے کے سوا کوئی جلوس اس کے ساتھ نہیں ہو گا اور لوگ راستے میں رُک کر اور جھک جھک کر اُسے سلام نہیں کریں گے...... سلطان ایوبی نے سب سے زیادہ اہم بات یہ لکھی کہ شیعہ سُنی تفرقہ بڑھتا جا رہا ہے۔ فاطمی خلافت کی معزولی نے اس تفرقے میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ تفریق ختم ہونی چاہیے۔ بے شک خلافت اور حکومت سُنی ہے لیکن کسی سُنی حاکم یا اہل کار کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شیعوں کو اپنا غلام سمجھے۔ حکومت اور فوج میں شیعوں کو پوری نمائندگی دی جائے۔

اس قسم کی کچھ اور بھی انقلابی تجاویز تھیں جو سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی کو بھیجیں۔ مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ زنگی نے ان پر فوری طور پر عمل کیا۔ اپنے ہاں بھی سلطان ایوبی نے شیعہ سنی تفرقہ پیار و محبت اور عقل و دانش سے مٹانا شروع کر دیا۔

☆

کرک میں صلیبی سلطان ایوبی پر جوابی وار کرنے پر غور کر رہے تھے۔ ان کی مرکزی کمان نے قاصدوں کے ذریعے اپنی بکھری ہوئی فوج کو احکام بھیج دیئے کہ مسلمانوں سے لڑنے کی کوشش نہ کریں بلکہ نکلنے کی ترکیب کریں تاکہ جوابی

حملے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج بچ جائے۔ ان احکام کے ساتھ ہی انہوں نے چالیس جانبازوں کا ایک گروہ تیار کرلیا جسے مظلوم مسلمانوں کے بہروپ میں شوبک میں داخل ہونا اور لڑکیوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔ صلیبی حکمرانوں نے اس خیال سے کہ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر ہے وہاں اپنے تخریب کاروں میں اضافہ کرنے کا بھی فیصلہ کرلیا۔ وہ سوڈانیوں اور فاطمیوں کو جلد از جلد متحد کر کے قاہرہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔

شوبک اور کرک کے درمیانی علاقے میں بہت خون بہہ رہا تھا۔ وہ سارا علاقہ ہموار ریگستان نہیں تھا۔ کئی جگہوں پر مٹی اور ریتلی سلوں کے ٹیلے تھے اور کہیں ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جن میں کوئی داخل ہو جائے تو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ ایسے علاقوں میں صلیبی بھی مر رہے تھے اور سلطان ایوبی کے مجاہدین بھی.........اور وہاں شوبک کے وہ عیسائی بھی مر رہے تھے جو مسلمانوں کے ڈر سے شہر سے کرک کی سمت بھاگ اٹھے تھے۔ فضا میں گدھوں کے غول اڑ رہے تھے۔ ان کے پیٹ انسانی گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ صحرائی درندے لاشوں کو چیر پھاڑ رہے تھے اور معرکہ آرائی کا یہ عالم تھا جیسے اُفق سے اُفق تک انسان ایک دوسرے کا کشت و خون کر رہے ہوں۔ اس وسیع ریگزار میں کہیں کہیں نخلستان بھی تھے جہاں پانی مل جاتا تھا۔ تھکے ہارے انسان، زخمی انسان اور پیاس کے مارے ہوئے انسان وہاں جا جا کر گرتے تھے۔

عماد ہاشم سلطان ایوبی کی فوج کے ایک چھوٹے سے دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ شامی باشندہ تھا۔ اسی لیے وہ اپنا نام عماد شامی بتایا کرتا تھا۔ صلیبیوں کے خلاف جو جذبہ ہر مسلمان سپاہی کے دل میں تھا، وہ عماد شامی میں بھی تھا لیکن اس کے جذبے میں انتقام کا قہر اور غضب زیادہ تھا۔ اس کے متعلق سب جانتے تھے کہ وہ یتیم ہے اور اس کا سگا عزیز رشتہ دار کوئی نہیں لیکن اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہ یتیم ہے یا نہیں کیونکہ اس کا باپ اس کی آنکھوں کے سامنے مرا نہیں تھا۔ وہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں گھر سے بھاگا تھا۔ اُس وقت اس کا گھر شوبک میں تھا۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس کے بچپن میں شوبک پر صلیبیوں کا قبضہ ہوا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کا کشت و خون شروع کر دیا تھا۔ اس کا بچپن صلیبیوں کی دہشت میں گزرا تھا۔ اس نے مسلمان جنگی قیدی بھی دیکھے جنہیں مار مار کر لایا جا رہا تھا اور اس کے سامنے دو قیدیوں کے سر کاٹ دیئے گئے تھے کیونکہ وہ زخموں کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے۔ اس نے مسلمان گھروں سے لڑکیاں اغوا ہوتے دیکھی تھیں اور اس نے مسلمانوں کو بیگار میں جاتے بھی دیکھا تھا۔ شوبک کے مسلمان کہا کرتے تھے کہ جب شہر میں عیسائی مسلمانوں کو بلاوجہ پکڑ پکڑ کر کیمپ میں لے جانا شروع کر دیں اور ان کے گھروں پر حملے کرنے لگیں تو سمجھو کہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں کہیں شکست ہوئی ہے۔

عماد شامی کا گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ اُس کی ایک بہن تھی جس کی عمر سات آٹھ سال تھی۔ اُسے وہ بہن یاد تھی۔ بہت خوبصورت اور گڑیا سی بچی تھی۔ گھر میں اس کا باپ تھا، ماں تھی اور ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ ایک روز عماد کی گڑیا سی بہن باہر نکل گئی اور لاپتہ ہوگئی۔ باپ نے تلاش کی مگر کہیں نہ ملی۔ ایک مسلمان پڑوسی نے اسے بتایا کہ اُسے عیسائی اٹھا کر لے گئے ہیں۔ باپ شہر کے حاکم کے پاس فریاد لے کر گیا۔ جونہی اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہے، حاکم اس پر برس پڑا اور اس پر الزام عائد کیا کہ وہ حکمران قوم پر اتنا گھٹیا الزام تھوپ رہا ہے۔ گھر آ کر باپ نے اور عماد کے بڑے بھائی نے عیسائیوں کے خلاف شور شرابا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو ان کے گھر حملہ ہوا۔ عماد نے اپنی ماں اور بڑے بھائی کو قتل ہوتے دیکھا۔ وہ باہر بھاگ گیا اور ایک مسلمان کے گھر جا چھپا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر نہیں گیا کیونکہ اس مسلمان نے اس ڈر سے اُسے باہر نہ نکلنے دیا کہ عیسائی اسے بھی قتل کر دیں گے۔

تھوڑے دنوں بعد اس مسلمان نے اسے ایک اور آدمی کے حوالے کر دیا جو اسے چوری چھپے شہر سے باہر لے

گیا۔ صبح کے وقت وہ ایک قافلے کے ساتھ جا رہا تھا۔ بہت دنوں کی مسافت کے بعد وہ شام پہنچا۔ وہاں اُسے ایک امیر کبیر تاجر کے گھر نوکری مل گئی۔ اب اس کی یہی زندگی تھی کہ نوکری کرے اور زندہ رہے۔ وہ ذہنی طور پر بالغ اور بیدار ہو گیا۔ یہ انتقام کا جذبہ تھا۔ اسی جذبے کے زیر اثر اسے فوجی اچھے لگتے تھے۔ اس نے تاجر کی نوکری چھوڑ کر کسی فوجی حاکم کے گھر میں نوکری کر لی۔ عماد نے اسے بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونا چاہتا ہے۔

اس حاکم نے اس کی پرورش کی اور سولہ سال کی عمر میں اسے شام کی فوج میں بھرتی کرا دیا۔ وہ انتقام کیلئے بے تاب تھا۔ اسے تین چار معرکوں میں شریک ہونے کا موقع ملا جن میں اس کے جوہر سامنے آ گئے۔ گیارہ بارہ سال بعد اُسے اس فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا گیا جو نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی کے مدد کے لیے بھیجی تھی۔ دو سال مصر میں گزر گئے۔ پھر خدا نے اس کی یہ مراد بھی پوری کی کہ وہ شوبک پر حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ گیا لیکن اُسے اُس فوج میں رکھا گیا جسے ریگزار میں صلیبیوں کی فوج پر حملے کرنے تھے۔

وہاں وہ صلیبیوں کے لیے قہر بنا ہوا تھا۔ اس کا چھاپہ مار سوار دستہ مشہور ہو گیا تھا۔ عماد شامی اپنے سواروں کو ساتھ لیے صحرا میں صلیبیوں کی مشک لیتا پھرتا اور بھیڑیوں اور چیتوں کی طرح ان پر جھپٹتا تھا مگر اس کے سینے میں جو آگ لگی ہوئی تھی وہ سرد نہیں ہوتی تھی.........ایک ماہ بعد اس کے دستے میں کل چار سوار رہ گئے تھے، باقی سب شہید ہو گئے.........ایک رات اس نے ان چار سواروں سے صلیبیوں کے کم و بیش پچاس افراد کے دستے پر حملہ کر دیا۔ وہ سارا دن چھپ چھپ کر اس کا پیچھا کرتا رہا تھا۔ دن کے وقت وہ چار سپاہیوں سے پچاس سپاہیوں پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اُن کے تعاقب میں وہ بہت دور نکل گیا۔ رات کو صلیبی رک گئے اور انہوں نے پڑاؤ کیا لیکن بہت سے سنتری بیدار رکھے۔ عماد نے آدھی رات کے وقت گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور سوئے ہوئے صلیبیوں کے درمیان سے اس طرح گزرا کہ برچھی سے دائیں بائیں وار کرتا گیا۔ اس کے چاروں جانبازوں کا بھی یہی انداز تھا۔

انہیں جو ہلتی چیز نظر آئی اس پر برچھوں یا تلواروں کے وار کرتے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ کئی سوئے ہوئے صلیبی ان کے گھوڑوں تلے روندے گئے۔ سنتریوں نے تاریکی میں تیر چلائے جو خطا گئے۔ آگے جا کر عماد نے اپنے جانباز سواروں کو روکا اور انہیں وہاں سے آہستہ آہستہ پیچھے لایا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ دشمن بیدار ہو چکا ہے۔ وہ گھوڑ سواروں کو پھر قریب لے گیا اور ایڑ لگانے کا حکم دے دیا۔ اندھیرے میں اُسے سائے سے گھومتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ پانچوں گھوڑے سرپٹ دوڑتے ان کے درمیان سے گزرے مگر اب وہ دشمن پر وار کر کے آگے گئے تو وہ پانچ کی بجائے تین تھے۔ دو کو صلیبی تیر اندازوں نے گرا لیا تھا۔

عماد کا خون اور زیادہ جوش میں آ گیا۔ اس نے اپنے مجاہدوں سے کہا.........''ابھی انتقام لیں گے.........'' یہ اس کی حماقت تھی۔ اُس نے اپنے دونوں مجاہدوں کو موڑا اور صلیبیوں کے قریب آہستہ آہستہ آ کر حملے کا حکم دے دیا۔ اب تو گھوڑے بھی تھک گئے تھے اور دشمن پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ اس حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عماد اکیلا رہ گیا۔ اب کے وہ دشمن میں سے نکلا تو اس کے ساتھ اپنے دو ساتھیوں کی بجائے دو صلیبی تھے جو اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اندھیرے میں اس نے انہیں ان کی للکار سے پہچانا۔ ورنہ وہ انہیں اپنے ساتھی سمجھ رہا تھا۔

وہ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس پر تلواروں سے حملہ کیا۔ اس کے پاس لمبی برچھی تھی۔ دوڑتے گھوڑے سے اس نے دونوں کا مقابلہ کیا۔ گھوڑا گھما گھما کر آمنے سامنے آ کر معرکہ لڑا۔ لڑائی خاصی لمبی ہو گئی اور وہ دور ہٹتے چلے

گیے۔ آخر عماد نے دونوں صلیبیوں کو مار لیا اور دونوں کے گھوڑے شوبک بھیجنے کے لیے پکڑ لیے۔ ان کی تلواریں بھی لے لیں مگر اسے یہ خیال نہ رہا کہ کہاں تک جا پہنچا ہے۔ اس نے گھوڑے کو اور اپنے آپ کو آرام دینے کے لیے ایک جگہ قیام کیا لیکن وہ سونے سے ڈرتا تھا کیونکہ کسی بھی وقت اور کہیں بھی وہ دشمن کے نرغے میں آ سکتا تھا۔ اس نے رات جاگتے گزار دی۔ ستارے دیکھ کر اس نے یہ معلوم کر لیا کہ شوبک کس طرف ہے اور کرک کس طرف ہے اور اسے صحرا میں کون سی جگہ جانا ہے جہاں اسے اپنا کوئی دستہ مل جائے گا۔

صبح ہوتے ہی وہ چل پڑا۔ وہ صحراؤں میں جنا پلا تھا۔ بھٹکنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ تجربہ کار چھاپہ مار تھا، خطرے کو دور سے سونگھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اسے دور دور صلیبی چار چار یا پانچ پانچ کی ٹولیوں میں جاتے نظر آئے۔ اگر اس کے پاس دو فالتو گھوڑے نہ ہوتے تو کسی ٹولی پر حملہ کر دیتا۔ وہ بچتا بچاتا اپنی راہ چلتا گیا۔ راستے میں اسے کئی جگہ گھوڑوں اور اونٹوں کے مردار اور صلیبی سپاہیوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں۔ جنہیں گدھ اور لومڑیاں کھا رہی تھیں۔ ان میں اس کے اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی ہوں گی۔ وہ چلتا گیا اور سورج افق پر چلا گیا۔ آگے ٹیلوں کا علاقہ آ گیا جس میں سے راستے ہر چند قدم پر گھومتے تھے۔ یہاں ڈر تھا کہ صلیبیوں کی کوئی ٹولی رات کے لیے قیام کرے گی۔ وہ سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈر بھی تھا کہ کسی ٹیلے پر کوئی تیر انداز نہ بیٹھا ہو۔ وہ ہر طرف اور اوپر دیکھتا چلتا گیا۔

☆

آگے راستہ دو ٹیلوں کے درمیان سے مڑتا تھا۔ وہاں سے وہ مڑا تو اچانک اسے کسی کے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی آدمی ساتھ والے ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا اور ایڑی لگائی۔ تیز رفتار سے وہ ٹیلے کے پیچھے گیا تو آگے راستہ ایک اور ٹیلے نے بند کر رکھا تھا۔ یہ جگہ ایک وسیع کھڈ بنی ہوئی تھی۔ عماد سے کوئی بیس قدم دور میلے کچیلے سے چغے والا ایک آدمی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عماد کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ اس آدمی کا سر ڈھکا ہوا تھا۔ وہ آدمی نہتہ معلوم ہوتا تھا۔ عماد نے اسے للکارا مگر وہ ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ٹیلا مشکل قسم کا تھا۔ عماد آگے چلا گیا۔ اس آدمی نے ایک کوشش اور کی مگر کہیں ہاتھ پاؤں نہ جما سکا۔ وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ ٹیلے سے اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ لڑھکتا ہوا عماد کے گھوڑے کے قدموں میں آن پڑا۔ اس کے سر سے چغے کی اوڑھنی والا حصہ اتر گیا۔ عماد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک جوان لڑکی تھی اور خوبصورت اتنی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

عماد گھوڑے سے اترا۔ لڑکی خوفزدہ تھی۔ اس کی رہی سہی قوت بھی خوف نے ختم کر دی۔ وہ اٹھی مگر بیٹھ گئی۔ عماد نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اس نے جواب دیا.......... ''پانی پلاؤ'' .... عماد نے ایک گھوڑے سے پانی کی چھاگل کھول کر اسے دے دی۔ اس نے بے تابی سے پانی پیا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ عماد نے اسے کھانے کے لیے کچھ دیا جو اس کے پیٹ میں گیا تو اس کے چہرے پر زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ عماد نے اسے کہا.......... ''مجھ سے ڈرو نہیں۔ بتاؤ کون ہو؟''

''شوبک سے اپنے خاندان کے ساتھ چلی تھی۔'' اس نے تھکی ہاری زبان میں کہا.......... ''سب مارے گئے ہیں۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ مسلمانوں نے راستے میں حملہ کر دیا تھا۔''

''مجھے سچ کیوں نہیں بتا دیتی کہ تم کون ہو؟'' .... ''تم نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔''

''جھوٹ ہی سہی۔'' اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا.......... ''مجھ پر رحم کرو اور مجھے کرک تک پہنچا دو۔''

''شوبک تک۔'' عماد نے کہا............ ''میں تمہیں شوبک لے جا سکتا ہوں۔ کرک نہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ میں راستے میں عیسائی فوج کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا۔''

''پھر مجھے ایک گھوڑا دے دو۔'' لڑکی نے کہا............ ''میں لڑکی ہوں۔ اگر راستے میں کسی کے قبضے میں آ گئی تو جانتے ہو کہ میرا انجام کیا ہو گا۔''

''میں تمہیں گھوڑا بھی نہیں دے سکتا۔ تمہیں یہاں سے اکیلے روانہ بھی نہیں کر سکتا۔'' عماد نے کہا............ ''یہ میرا فرض ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ شوبک لے جاؤں۔''

''وہاں مجھے کس کے حوالے کرو گے؟''

''اپنے حاکموں کے حوالے کروں گا۔'' عماد نے کہا اور اسے تسلی دی............ ''تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہو گا جس کا تمہیں ڈر ہے۔''

لڑکی کرک جانے کی ضد کر رہی تھی۔ عماد نے اسے بتایا کہ انہیں حکم ملا ہے کہ شوبک کے کسی عیسائی باشندے کو وہاں سے بھاگنے نہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے لڑکی کو خبردار کیا کہ وہ کرک تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ چونکہ گوری رنگت کی خوبصورت لڑکی تھی اس لیے لڑکی کو یہ ڈر تھا کہ یہ مسلمان فوجی اسے بے آبرو کرے گا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس کے ساتھ آبرو کا ہی سودا کر کے اسے کہا جائے کہ وہ اسے گھوڑا دے دے۔ لڑکی نے اپنا رویہ بدل لیا اور عماد سے کہا............ ''میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ آج رات یہیں قیام کیا جائے۔ صبح شوبک کو روانہ ہو جائیں گے۔'' عماد بھی تھکا ہوا تھا۔ گھوڑوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لڑکی کی بھی حالت دیکھ رہا تھا۔ اس نے وہیں رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے لڑکی نے اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے یہی دیکھا کہ یہ بڑھی ہوئی داڑھی والا مسلمان فوجی ہے جو جسم کی ساخت اور گرد سے اٹے ہوئے چہرے سے وحشی لگتا ہے۔ اس سے اسے رحم کی امید نہیں تھی۔ اب جبکہ اس نے کچھ اور ہی سوچ لیا تھا، اس نے عماد کو گہری نظروں سے دیکھا۔

اس وقت عماد بھی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس قدر حسین لڑکی کا اس صحرا میں اکیلے رہ جانا جہاں صلیبی اور اسلامی سپاہی لمبے عرصے سے بھوکے بھیڑیوں کی طرح بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں اس کے لئے کتنا خطرناک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی پر سپاہی یا کمانڈر آپس میں ہی لڑ مریں۔ وہ خود بھی فرشتہ نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس وقت لڑکی اسے دیکھ رہی تھی۔ عماد نے کوشش کی کہ وہ لڑکی سے نظریں پھیر لے مگر لڑکی کی آنکھوں نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔ اس نے اپنے جسم کے اندر کوئی ایسا جذبہ محسوس کیا جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس نے ایک بار نظریں جھکا لیں مگر آنکھیں اپنے آپ پھر اوپر اٹھ گئیں اور وہ بے چین سا ہونے لگا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ عماد نے آہستہ سے کہا............ ''تم شاید کنواری ہو۔''

''ہاں'' لڑکی نے جواب دیا اور ذرا سا بھی سوچے بغیر کہہ دیا............ ''میرا دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ اگر میرے ساتھ کرک چلے چلو تو میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں گی۔''

عماد بیدار سا ہو گیا۔ اس نے کہا............ ''پھر تم مجھے کہو گی کہ اپنا مذہب تبدیل کر لو، جو میں نہیں کر سکوں گا۔ تم شوبک چل کر میرے ساتھ شادی کر و اور مسلمان ہو جاؤ۔''

''مجھے بہر حال کرک جانا ہے۔'' لڑکی نے کہا..... ''اگر میرے ساتھ وہاں تک چلو گے تو تمہاری دنیا بدل جائے گی۔''

لڑکی نے سودا بازی شروع کر دی تھی لیکن عماد کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ یہ سوچ ایسی تھی جسے وہ سمجھ نہیں سکتا تھا۔ وہ بار بار

لڑکی کے چہرے، اس کے ریشمی بالوں اور آنکھوں کو دیکھتا اور سر جھکا کر سوچ میں کھو جاتا تھا۔ لڑکی کی جیسے وہ کوئی بات سن ہی نہیں رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کا چہرہ گہری شام کی تاریکی میں چھپ گیا۔ اس نے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے میں سے کھانے کی دو تین چیزیں نکالیں۔ لڑکی کو دیں اور خود بھی کھائیں۔ اس کا جسم اس قدر رنڈھال تھا کہ جونہی لیٹا اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆

آدھی رات کے بہت بعد لڑکی نے کروٹ بدلی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے عماد کو دیکھا۔ وہ خراٹے لے رہا تھا۔ ان سے چند قدم دور گھوڑے کھڑے تھے رات کے پچھلے پہر کا چاند ٹیلوں کے اوپر آ گیا تھا۔ صحرائی چاندنی آئینے کی طرح شفاف تھی۔ لڑکی نے گھوڑوں کو دیکھا عماد کو اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ سونے سے پہلے گھوڑوں کی زینیں اتار دیتا۔ لڑکی نے گھوڑے تیار دیکھے، عماد کو گہری نیند سوئے دیکھا اور یہ بھی محسوس کیا کہ پیٹ میں خوراک اور پانی جانے سے اس کا جسم تر و تازہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنے چغے کے اندر ہاتھ ڈالا۔ جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس کی اتنی دلکش انگلیوں نے ایک خنجر کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ چاندنی میں اسے عماد کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ تو بیہوشی کی نیند سویا ہوا تھا۔ لڑکی نے چاندنی میں چمکتے ہوئے خنجر کو دیکھا اور ایک بار پھر عماد کے چہرے پر نظر ڈالی۔ عماد آہستہ سے کچھ بڑبڑایا۔ وہ نیند میں بول رہا تھا۔ لڑکی یہی سمجھ سکی کہ وہ گھر والوں کو یاد کر رہا ہے۔

لڑکی نے عماد کے سینے کو غور سے دیکھا اور اندازہ کیا کہ اس کا دل کہاں ہے۔ وہ ایک سے دوسرا وار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ وار دل پر ہونا چاہیے تھا تاکہ عماد فوراً مر جائے ورنہ وہ مرتے مرتے بھی اسے مار ڈالے گا۔ لڑکی نے خنجر کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑوں کو دیکھا۔ اس نے دل ہی دل میں پورا عمل دہرایا۔ وہ خنجر دل میں اتار دے گی اور بھاگ کر ایک گھوڑے پر سوار ہو جائے گی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دے گی۔ وہ سپاہی نہیں تھی ورنہ وہ بلا سوچے سمجھے خنجر مار کر عماد کو ختم کر دیتی۔ یہی وجہ کافی تھی کہ عماد مسلمان ہے اور اس کا دشمن، مگر وہ بار بار عماد کے چہرے پر نظریں گاڑ لیتی تھی اور جب اسے قتل کرنے کے لیے خنجر کو مضبوطی سے پکڑتی تھی تو اس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ عماد ایک بار پھر بڑبڑایا۔ اب کے اس کے الفاظ ذرا صاف تھے۔ وہ خواب میں اپنے گھر پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ماں کا نام لیا۔ بہن کو بھی یاد کیا اور کچھ ایسے الفاظ کہے جیسے انہیں قتل کر دیا گیا اور عماد قاتلوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔

کوئی احساس یا جذبہ لڑکی کا ہاتھ روک رہا تھا۔ خوف بھی ہو سکتا تھا۔ یہ قتل نہ کرنے کا جذبہ بھی ہو سکتا تھا۔ لڑکی بے چین ہو گئی۔ اس نے یہ ارادہ کیا کہ قتل نہ کرے۔ آہستہ سے اٹھے۔ گھوڑے پر بیٹھے اور آہستہ آہستہ اس کھڈ سے نکل جائے۔ وہ اٹھی اور خنجر ہاتھ میں لیے گھوڑے کی طرف چل پڑی مگر ریت نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ اس نے رک کر عماد کو دیکھا تو اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس مرد نے اتنی بھی پرواہ نہیں کی کہ اسے ایک جوان لڑکی تنہائی میں مل گئی ہے اور اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ لڑکی عیسائی ہے جو اسے سوتے میں قتل کر سکتی ہے اور اس نے گھوڑے کی زینیں بھی نہیں اتاریں اور اس نے اپنی برچھی اور تلوار بھی احتیاط سے نہیں رکھی۔ کیوں؟ کیا اسے مجھ پر بھروسہ تھا؟ کیا یہ اتنا ہی بے حس ہے کہ میری جوانی اس کے اندر کوئی جذبہ بیدار نہیں کر سکی؟......... اسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اس آدمی نے اسے گھوڑے سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا۔ وہ آہستہ آہستہ ایک گھوڑے تک پہنچی۔ گھوڑا ہنہنایا۔ لڑکی نے گھبرا کر عماد کو دیکھا۔ گھوڑے کی آواز پر بھی اس کی آنکھ نہ کھلی۔

وہ تین گھوڑوں کی اوٹ میں کھڑی ایک گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنے عقب سے آواز

سنائی دی۔ ''کون ہو تم؟'' ....لڑکی نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ایک آدمی نے منہ سے وسل بجائی اور کہا.......... ''ہماری یہ قسمت؟'' ....وہ دو تھے۔ دوسرا ہنسا۔ لڑکی زبان سے پہچان گئی کہ یہ صلیبی ہیں۔ ایک نے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ لڑکی نے کہا.......... ''میں صلیبی ہوں'' ....دونوں آدمی ہنس پڑے اور ایک نے کہا.......... ''پھر تم سالم ہماری ہو۔ آؤ۔''

''ذرا ٹھہرو اور میری بات سنو'' ....اس نے کہا.......... ''میں شوبک سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ میرا نام ایونا ہے۔ میں جاسوسی کے شعبے کی ہوں۔ کرک جا رہی ہوں۔ وہ دیکھو ایک مسلمان سپاہی سویا ہوا ہے۔ اس نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر بھاگ رہی ہوں۔ میری مدد کرو۔ یہ گھوڑے سنبھالو اور مجھے کرک پہنچاؤ۔'' اس نے انہیں اچھی طرح سمجھایا کہ وہ صلیبی فوج کے لیے کتنی قیمتی اور کارآمد لڑکی ہے۔

ایک صلیبی نے اسے وحشیوں کی طرح بازوؤں میں جکڑ لیا اور کہا.......... ''جہاں کہو گی پہنچا دیں گے۔'' دوسرے نے ایک بیہودہ بات کہہ دی اور دونوں اسے ایک طرف کو دھکیلنے لگے۔ وہ صلیبی فوج کے پیادہ سپاہی تھے۔ جو مسلمان چھاپہ ماروں سے بھاگتے پھر رہے تھے۔ رات وہ چھپ کر ذرا آرام کرنا چاہتے تھے۔ ایسی خوبصورت لڑکی نے انہیں حیوان بنا دیا۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ انہیں صلیب کا بھی کوئی خیال نہیں تو اس نے اس امید پر بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا کہ عماد جاگ اٹھے گا۔ اسے سپاہیوں نے گھسیٹنا شروع کر دیا۔

اچانک ایک نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے ساتھی کا نام لے کر کہا.......... ''بچو'' ....مگر اس کے بچنے سے پہلے ہی عماد کی برچھی اس کی پیٹھ میں اتر چکی تھی۔ دوسرے نے تلوار سونت لی۔ اس وقت لڑکی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ اس نے خنجر صلیبی سپاہی کے پہلو میں گھونپ دیا۔ یکے بعد دیگرے دو اور وار کیے اور چلا چلا کر کہا.......... ''تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ تم صلیب کے نام پر غلیظ داغ ہو۔''

جب دونوں صلیبی ٹھنڈے ہو گئے تو لڑکی بے قابو ہو کر رونے لگی۔ عماد نے اسے بہلایا اور کہا...... ''اب یہاں رکنا ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے زیادہ سپاہی ادھر آ نکلیں۔ ہم ابھی شوبک کو روانہ ہو جاتے ہیں۔'' اس نے لڑکی سے پوچھا...... ''انہوں نے تمہیں جگایا تھا؟''

''نہیں۔'' لڑکی نے جواب دیا.......... ''میں جاگ رہی تھی اور گھوڑوں کے پاس کھڑی تھی۔''

''وہاں کیوں؟''

''گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے کے لیے۔'' لڑکی نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔''

''تم نے خنجر کہاں سے لیا ہے؟''

''میرے پاس تھا۔'' لڑکی نے جواب دیا.......... ''میں نے پہلے ہی ہاتھ میں لے رکھا تھا۔''

''پہلے ہی ہاتھ میں کیوں لے رکھا تھا؟'' عماد نے پوچھا.......... ''شاید اس لیے کہ میں جاگ اٹھوں تو تم مجھے قتل کر دو۔''

لڑکی نے جواب نہ دیا۔ عماد کو دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد بولی.......... ''میں تمہیں قتل کر کے بھاگنا چاہتی تھی۔ پیشتر اس کے کہ تم مجھے قتل کرو، میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں نے یہ خنجر تمہیں قتل کرنے کے لیے کھولا تھا لیکن ہاتھ اٹھا

نہیں۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں نے تمہارے دل میں خنجر کیوں نہیں اتارا۔ تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں بزدل نہیں۔ پھر بھی میں تمہیں قتل نہ کر سکی۔ میں کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتی۔ شاید تم کچھ بتا سکو۔"

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" عماد نے کہا..........."تمہارا ہاتھ میرے خدا نے روکا تھا اور تمہاری عزت خدا نے بچائی ہے۔ میرا وجود تو ایک بہانہ اور ایک سبب تھا..........کسی گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور چلو۔"

لڑکی نے خنجر عماد کی طرف بڑھا کر کہا..........."میرا خنجر اپنے پاس رکھ لو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"تم میری تلوار بھی اپنے پاس رکھ لو۔" عماد نے کہا..........."تم مجھے قتل نہیں کر سکو گی۔" یہ مذاق نہیں تھا۔ دونوں پر سنجیدگی طاری تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تیسرا گھوڑا ساتھ لے کر چل پڑے۔

سورج نکلنے تک وہ اس علاقے میں پہنچ چکے تھے جہاں کوئی صلیبی سپاہی نظر نہیں آتا تھا۔ عماد کی اپنی فوج کے چند سپاہی اسے نظر آئے، جن کے ساتھ اس نے کچھ باتیں کیں اور چلتے گئے۔ اپریل کا سورج بہت ہی گرم تھا۔ وہ منہ اور سر لپیٹے ہوئے چلتے گئے۔ دور سے ریت پانی کے سمندر کی طرح چمکتی نظر آتی تھی اور بائیں سمت ریتلی سلوں کی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ سفر کے دوران وہ آپس میں کوئی بات نہ کر سکے۔ گرمی کے علاوہ ان لاشوں نے بھی ان پر خاموشی طاری کر رکھی تھی۔ جو انہیں ادھر ادھر بکھری ہوئی نظر آرہی تھیں۔ کوئی ایک بھی لاش سالم نہیں تھی۔ گدھوں اور درندوں نے ان کے اعضاء الگ الگ کر دیئے تھے۔ بعض لاشوں کی صرف ہڈیاں اور کھوپڑیاں رہ گئی تھیں۔ عماد نے لڑکی سے کہا..........."یہ تمہاری قوم کے سپاہی ہیں۔ یہ ان بادشاہوں کی خواہشوں کا شکار ہو گئے ہیں جو اسلامی سلطنت کو ختم کرنے برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے ہیں۔"

لڑکی خاموش رہی۔ وہ بار بار عماد کو دیکھتی تھی اور آہ بھر کر سر جھکا لیتی تھی۔ عماد نے سلوں کی پہاڑیوں کا رخ کر لیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں پانی ضرور ہوگا اور سایہ بھی۔ سورج ان کے پیچھے جانے لگا تو وہ پہاڑیوں میں پہنچ گئے۔ تلاش کے بعد انہیں ہری جھاڑیاں اور گھاس نظر آگئی۔ ایک جگہ سے پہاڑی کا دامن پھٹا ہوا تھا۔ وہاں پانی تھا وہ گھوڑوں سے اترے۔ پہلے خود پانی پیا پھر گھوڑوں کو پانی پینے کے لیے چھوڑ دیا اور سائے میں بیٹھ گئے۔

"تم کون ہو؟"..........لڑکی نے اس سے پوچھا..........."تمہارا نام کیا ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں مسلمان ہوں۔" عماد نے جواب دیا..........."میرا نام عماد ہے اور میں شامی ہوں۔"

"رات خواب میں تم کسے یاد کر رہے تھے؟"

"یاد نہیں رہا۔" عماد نے کہا..........."میں شاید خواب میں بول رہا ہوں گا۔ میرے ساتھی مجھے بتایا کرتے ہیں کہ میں خواب میں بولا کرتا ہوں۔"

"تمہاری ماں ہے؟ بہن ہے؟" لڑکی نے پوچھا اور کہا..........."تم شاید انہیں یاد کر رہے تھے۔"

"تھیں کبھی!" عماد نے آہ بھر کر کہا..........."اب انہیں خواب میں دیکھا کرتا ہوں"

لڑکی نے اس سے ساری بات پوچھنے کی بہت کوشش کی لیکن عماد نے اور کچھ نہیں بتایا۔ اس نے لڑکی سے کہا..........."تم نے اپنے متعلق جھوٹ بولا تھا۔ مجھے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم کون ہو۔ میں تمہیں متعلقہ حاکم کے حوالے کر کے واپس آجاؤں گا۔ اگر سچ بول سکو تو اپنے متعلق کچھ بتا دو لیکن یہ نہ کہنا کہ تم ان صلیبی لڑکیوں میں سے نہیں ہو جو ہمارے ملک میں جاسوسی کے لیے آئی ہیں۔"

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' لڑکی نے کہا.......... ''میں جاسوس لڑکی ہوں۔ میرا نام ایونا ہے۔''

''تمہارے ماں باپ کو معلوم ہے کہ تمہارا کام کس قسم کا ہے؟'' عماد نے پوچھا۔

''میرے ماں باپ نہیں ہیں۔'' ایونا نے جواب دیا.......... ''میں نے ان کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میرا محکمہ میری ماں اور اس محکمہ کا حاکم ہرمن میرا باپ ہے۔''.......... اس نے یہ بات یہیں پر ختم کر دی اور کہا.......... ''میری ایک ساتھی لڑکی نے ایک مسلمان سپاہی کو بچانے کے لیے زہر پی لیا تھا۔ میں اس وقت بہت حیران ہوئی تھی کہ کوئی صلیبی لڑکی ایک مسلمان کے لیے اتنی بڑی قربانی کر سکتی ہے۔؟ میں آج محسوس کر رہی ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ پتہ چلا تھا کہ اس مسلمان سپاہی نے بھی تمہاری طرح اس لڑکی کو ڈاکوؤں سے لڑ کر بچایا، خود زخمی ہوا اور لڑکی کو شوبک تک پہنچایا تھا۔ تمہاری طرح اس نے بھی دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے۔ لوزینا بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہاری خاطر اپنی جان قربان کر دوں گی۔''

''میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔'' عماد نے کہا.......... ''ہم لوگ حکم کے پابند ہوتے ہیں۔''

''شاید یہ جذبات کا اثر ہے کہ میں ایسے محسوس کرتی ہوں جیسے میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے۔''

''دیکھا ہوگا۔'' عماد نے کہا.......... ''تم مصر گئی ہوگی۔ وہاں دیکھا ہوگا۔''

''میں مصر ضرور گئی ہوں۔'' لڑکی نے کہا.......... ''تمہیں نہیں دیکھا تھا۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا.......... ''میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں۔''

''تمہاری خوبصورتی سے میں نے انکار نہیں کیا۔'' عماد نے سنجیدگی سے کہا.......... ''میں سمجھ گیا ہوں تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔ تم ضرور حیران ہوگی کہ میں نے تمہارے ساتھ وہ سلوک کیوں نہیں کیا ہے جو تمہاری صلیب کے دو سپاہیوں نے تمہارے ساتھ کرنا چاہا تھا۔ ہو سکتا ہے تمہارے دل میں یہ خوف ابھی تک موجود ہو کہ میں تمہیں دھوکہ دے رہا ہوں اور تمہیں شوبک لے جا کر خراب کروں گا یا تمہارے ساتھ تمہاری مرضی کے خلاف شادی کر لوں گا یا تمہیں بیچ ڈالوں گا۔ میں تمہارا یہ خوف دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لڑکی میرے مذہب کی ہو یا کسی دوسرے مذہب کی میں کسی لڑکی کو بری نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب تیرہ چودہ سال کی تھا تو میری ایک چھوٹی سی بہن اغوا ہو گئی تھی۔ اس کی عمر چھ سات سال تھی۔ سولہ سال گزر گئے ہیں۔ اسے شوبک کے عیسائی اٹھا لے گئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ اگر زندہ ہے تو کسی امیر کے حرم میں ہوگی یا تمہاری طرح جاسوسی کرتی پھر رہی ہوگی۔ میں جس لڑکی کو دیکھتا ہوں اسے اپنی بہن سمجھ لیتا ہوں۔ اسے بری نظر سے اس لیے نہیں دیکھتا کہ وہ میری گمشدہ بہن ہی نہ ہو۔ میں تمہیں صرف اس لیے شوبک لے جا رہا ہوں کہ محفوظ رہو۔ میں جانتا تھا کہ صحرا میں اکیلے جانے اور پیدل چلنے سے تمہارا کیا حشر ہوتا اور تم کسی کے ہاتھ چڑھ جاتیں تو تمہارا حال وہی ہوتا جو تمہارے اپنے صلیبی بھائی کرنے لگے تھے۔ مجھے اپنی خوبصورتی کا احساس نہ دلاؤ۔ میں اس احساس کے لحاظ سے مردہ ہوں۔ مجھے لذت ان صحراؤں میں صلیبیوں کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے اور ان کا خون بہاتے ملتی ہے۔''

لڑکی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پیار کا تاثر تھا۔ اس کے ساتھ ایسی باتیں کسی نے نہیں کی تھیں۔ اسے بے حیائی اور عیاری کے سبق دیئے گئے تھے اور اس کی باتوں اور چال ڈھال میں بڑی محنت سے جنسی کشش پیدا کی گئی تھی۔ اسے ایک بڑا ہی خوبصورت فریب بنایا گیا تھا۔ اس پر حسن اور شراب کا نشہ طاری کیا گیا تھا۔ اسے عصمت کے موتی سے محروم رکھا گیا تھا اور وہ اس ٹریننگ کے بعد اپنی ساتھی لڑکیوں کی طرح اپنے آپ کو مردوں کے

دلوں پر راج کرنے والی شہزادی سمجھنے لگی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اس کا گھر کہاں ہے اور اس کے ماں باپ کیسے تھے۔ عماد کی جذباتی باتوں نے اس کی ذات میں ایک عورت کے جذبات بیدار کر دیئے۔ وہ گہری سوچ کے عالم میں کھو گئی۔ جیسے وہ بے تکلف ہو گئی ہو۔

اس نے گہری سوچ کے عالم میں کہا.........."ایک ڈراؤنے خواب کی طرح یاد آتا ہے کہ مجھے ایک گھر سے اٹھایا گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا کہ اس وقت میری عمر کیا تھی۔" اس نے اپنے بالوں میں دونوں ہاتھ پھیرے اور بالوں کو دونوں مٹھیوں میں لے کر جھنجھوڑا جیسے پرانی یادوں کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے اکتا کر کہا.........."کچھ یاد نہیں آتا۔ میرا ماضی شراب اور عیش و عشرت اور حسین عیاریوں میں گم ہو گیا ہے۔ میں نے کبھی بھی نہیں سوچا کہ میرے والدین کون تھے اور کیسے تھے۔ مجھے کبھی ماں باپ کی ضرورت محسوس ہوئی ہی نہیں۔ میرے اندر جذبات تھے ہی نہیں۔ مجھے معلوم ہی نہیں کہ مرد باپ اور بھائی بھی ہو سکتا ہے۔ مرد مجھے اپنی تفریح کے استعمال کی چیز سمجھتے ہیں لیکن میں مردوں کو استعمال کیا کرتی ہوں۔ جس پر میری خوبصورتی اور میری جوانی کا نشہ طاری نہ ہوا سے میں حشیش اور شراب سے اپنا غلام بنا لیا کرتی ہوں۔ مگر اب تم نے جو باتیں کی ہیں انہوں نے مجھ میں وہ حسیں بیدار کر دی ہیں جو ماں، باپ، بہن اور بھائی کا پیار مانگتی ہیں۔"

اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ وہ رک رک کر بولتی رہی پھر بالکل ہی چپ ہو گئی۔ کبھی عماد کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتی اور کبھی اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے بال مٹھی میں لے کر جھنجھوڑنے لگتی۔ وہ دراصل گم گشتہ ماضی اور حال کے درمیان بھٹک گئی تھی۔ عماد نے جب اسے کہا کہ اٹھو چلیں، تو وہ بھولے بھالے معصوم سے بچے کی طرح اس کے ساتھ چل پڑی۔ ان کے گھوڑے انہیں پہاڑی علاقے سے بہت دور لے گئے تو بھی وہ عماد کو دیکھ رہی تھی۔ صرف ایک بار اس نے ہنس کر کہا.........."مرد کی باتوں اور وعدوں پر میں نے کبھی اعتبار نہیں کیا۔ میں سمجھ نہیں سکتی کہ میں کیوں محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے تمہارے ساتھ جانا چاہیے۔".......... عماد نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

☆

وہ جب شوبک کے دروازے پر پہنچے تو اگلے روز کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ وہ صحرا میں ایک اور رات گزار آئے تھے۔ عماد لڑکی کو جہاں لے جانا چاہتا تھا اس جگہ کے متعلق پوچھ کر وہ چل پڑا۔ گھوڑے شہر میں سے گزر رہے تھے۔ لوگ ایونا کو رک رک کر دیکھتے تھے۔ چلتے چلتے عماد نے ایک مکان کے سامنے گھوڑا روک لیا اور بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ ایونا نے اس سے پوچھا.........."یہاں کیوں رک گئے؟".......... اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ دروازے کے قریب جا کر گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اس نے دروازے پر آہستہ آہستہ دو تین ٹھوکریں ماریں۔ ایک بزرگ صورت انسان نے دروازہ کھولا۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" عماد نے عربی زبان میں پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا.........."عیسائیوں کا ایک خاندان رہتا تھا۔ ہماری فوج آ گئی تو پورا خاندان بھاگ گیا ہے۔"

"اب آپ نے اس پر قبضہ کر لیا ہے؟"

بوڑھا ڈر گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ سوار فوجی ہے اور اس سے باز پرس کر رہا ہے کہ عیسائی کے مکان پر اس نے کیوں قبضہ کر لیا ہے جبکہ سلطان ایوبی نے منادی کے ذریعے حکم جاری کیا ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے کسی عیسائی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ بوڑھے نے کہا.........."میں نے قبضہ نہیں کیا۔ اس کی حفاظت کے لیے یہاں آ گیا ہوں۔

میں اسے بالکل بند کردوں گا۔ اس کا مالک زندہ ہے۔ وہ مسلمان ہے اور پندرہ سولہ سال سے بیگار کیمپ میں پڑا ہے۔''

''کیا امیر مصر نے انہیں کیمپ سے رہا نہیں کیا؟'' عماد نے پوچھا۔

''وہاں کے مسلمان اب آزاد ہیں لیکن ابھی کیمپ میں ہی ہیں۔'' بوڑھے نے جواب دیا............''ان سب کی حالت اتنی بری ہے کہ قابل احترام سالار اعظم ایوبی نے ان کے لیے دودھ، گوشت، دوائیوں اور نہایت اچھے رہن سہن کا انتظام وہیں کر دیا ہے۔ بہت سے طبیب ان کی دیکھ بھال کرر ہے ہیں۔ ان میں جس کی صحت بحال ہو جاتی ہے اسے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں جو رہتے ہیں انہیں ان کے رشتہ دار وہیں ملنے جاتے ہیں۔ اس مکان کا مالک بھی وہیں ہے۔ ایک تو اس کا بڑھاپا ہے اور دوسرے کیمپ کی پندرہ سولہ سالوں کی اذیتیں۔ بے چارہ صرف زندہ ہے۔ میں اسے دیکھنے جایا کرتا ہوں۔ امید ہے صحت یاب ہو جائے گا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کا مکان خالی ہو گیا ہے۔''

''اس کے رشتہ دار کہاں ہیں؟'' عماد نے پوچھا۔

''کوئی بھی زندہ نہیں۔'' بوڑھے نے جواب دیا اور تین چار گھر چھوڑ کر ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا............''وہ میرا ذاتی مکان ہے۔ میں ان لوگوں کا صرف پڑوسی تھا۔ آپ مجھے ان کا رشتہ دار کہہ سکتے ہیں۔''

عماد یہ پوچھ کر کہ اندر مستورات نہیں ہیں، گھوڑے سے اُتر کر اندر چلا گیا۔ کمروں میں گیا۔ دیواروں پر ہاتھ پھیرا۔ اَیونا بھی اندر چلی گئی۔ اس نے عماد کو دیکھا۔ وہ آنسو پونچھ رہا تھا۔ اَیونا نے آنسوؤں کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا............''اپنے بچپن کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں اس گھر سے بھاگا تھا۔ یہ میرا گھر ہے''............اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بوڑھے سے پوچھا............''اِن کے رشتے دار مر گئے ہیں؟ ان کی کوئی اولاد بھی تھی!''

''صرف ایک لڑکا بچا تھا، جو عیسائی ڈاکوؤں سے بچ کر میرے گھر آ گیا تھا''۔ بوڑھے نے جواب دیا............ ''اسے میں نے شام کو روانہ کر دیا تھا، اگر یہاں رہتا تو مارا جاتا''۔

عماد کو وہ رات یاد آ گئی جب وہ اس گھر سے بھاگ کر پڑوسی کے گھر جا چھپا تھا۔ وہ یہی پڑوسی تھا مگر اس نے بوڑھے کو بتایا نہیں کہ وہ لڑکا جسے اس نے شوبک سے شام کو روانہ کر دیا تھا، وہ یہی جوان ہے، جسے وہ یہ کہانی سنا رہا ہے۔ عماد کے لیے جذبات پر قابو پانا محال ہو گیا، لیکن وہ سخت جان فوجی تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا............''میں اس مکان کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا نام بتا دو''۔ بوڑھے نے اسے اس کے باپ کا نام بتا دیا۔ عماد کو اپنے باپ کا نام اچھی طرح یاد تھا۔

''اس لڑکے کی ایک بہن تھی''۔ بوڑھے نے کہا............''بہت چھوٹی تھی۔ اسے عیسائیوں نے اغوا کر لیا تھا۔ اسی ضمن میں اس گھر کے سارے افراد عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے''۔

''اَیونا!''۔ عماد نے لڑکی سے کہا............''اپنی مقدس صلیب کے پرستاروں کی کرتوت سن رہی ہو؟''

اَیونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چھت کو دیکھنے لگی۔ اُس نے کمرے کے دروازے کے ایک کواڑ کو بند کیا اور اس کی اُلٹی طرف دیکھنے لگی۔ کواڑ پر تین چار چھوٹی چھوٹی اور گہری لکیریں کھدی ہوئی تھیں۔ وہ بیٹھ کر ان لکیروں کو بڑی غور سے دیکھنے لگی۔ عماد اسے دیکھ رہا تھا۔ اَیونا لکیروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ اُٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں بھی کواڑوں پر ہاتھ پھیر کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ عماد نے جا کر اس سے پوچھا............''کیا دیکھ رہی ہو؟''

لڑکی مُسکرائی اور بولی............''تمہاری طرح میں بھی اپنا بچپن ڈھونڈ رہی ہوں''۔ اس نے عماد سے پوچھا............''یہ تمہارا گھر تھا؟ تم یہیں سے بھاگے تھے؟''

''نہیں سے''۔ عماد نے جواب دیا اور اُسے سنا دیا کہ کس طرح اُن کے گھر پر عیسائیوں نے حملہ کیا اور اس کی ماں اور بڑے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ عماد بھاگ گیا اور وہ آج تک یہ سمجھتا رہا کہ اس کا باپ بھی قتل ہو گیا ہے، لیکن یہ بوڑھا بتاتا یا ہے کہ باپ کیمپ میں زندہ ہے۔

''تم نے اس بوڑھے کو بتا دیا ہے کہ وہ لڑکے تم ہی ہو جسے اس نے پناہ دی تھی؟''

''میں بتانا نہیں چاہتا''۔ اس نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

ایونا اُسے بڑی غور سے دیکھنے لگی اور بوڑھا ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ دونوں یہاں کیا دیکھ رہے ہیں۔ عماد بچپن کی یادوں میں گم ہو گیا تھا۔ بوڑھے نے پوچھا............ ''میرے لیے کیا حکم ہے؟''

عماد چونکا اور حکم دینے کے لہجے میں بولا............ ''اس مکان کو اپنی نگرانی میں رکھیں۔ یہ آپ کی تحویل میں ہے''۔ اس نے ایونا سے کہا............ ''آؤ، چلیں''۔

''کیا تم اپنے باپ سے نہیں ملو گے؟''۔ ایونا نے اس سے پوچھا۔

''پہلے اپنا فرض ادا کر لوں''۔ عماد نے جواب دیا............ ''مجھے ریگستان میں میرا کمان دار ڈھونڈ رہا ہوگا۔ وہ مجھے مردہ قرار دے چکے ہوں گے۔ وہاں میری ضرورت ہے، آؤ میرے ساتھ آؤ۔ میں یہ امانت کسی کے حوالے کر دوں''۔

☆

''لڑکیاں، لڑکیاں، لڑکیاں''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے شگفتہ سے لہجے میں علی بن سفیان سے کہا............ ''کیا یہ کمبخت صلیبی میرے راستے میں لڑکیوں کی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ لڑکیوں کو میرے سامنے نچا کر مجھ سے شوبک کا قلعہ لے لیں گے؟''

''امیر محترم!'' علی بن سفیان نے کہا............ ''آپ اپنی ہی باتوں کی تردید کر رہے ہیں۔ یہ لڑکیاں دیوار نہیں بن سکتیں۔ دیمک بن چکی ہیں اور دیمک کا کام کر رہی ہیں۔ آپ کے اور محترم نورالدین زنگی کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش لڑکیوں کے ہاتھوں کرائی گئی ہے اور ان لڑکیوں نے حشیش اور شراب کے ذریعے ہمارے مسلمان حکام اور امراء کو استعمال کیا ہے''۔

''یہ وہی موضوع ہے جس پر ہم سو بار بات کر چکے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا............ ''مجھے ان لڑکیوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آٹھوں جاسوس ہیں۔ انہوں نے اب تک کوئی نیا انکشاف کیا ہے یا نہیں''۔

''انہوں نے بتایا ہے کہ شوبک میں صلیبی جاسوس اور تخریب کار موجود ہیں''۔ علی بن سفیان نے جواب دیا............ ''لیکن ان میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان کے گھروں اور ٹھکانوں کا علم نہیں۔ ان میں سے تین مصر میں کچھ وقت گزار آئی ہیں۔ وہاں انہوں نے جو کام کیا ہے وہ آپ کو بتایا جا چکا ہے''۔

''کیا وہ قید خانے میں ہیں؟'' سلطان ایوبی نے کہا۔

''نہیں''۔ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ اس نے کہا............ ''وہ اپنی پرانی جگہ رکھی گئی ہیں۔ ان پر پہرہ ہے''۔

اتنے میں دربان اندر آیا۔ اس نے کہا............ ''عماد شامی نام کا ایک عہدیدار ایک صلیبی لڑکی کو ساتھ لایا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے اس نے کرک کے راستے پر پکڑا ہے اور یہ لڑکی جاسوس ہے''۔

''دونوں کو اندر بھیج دو''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

دربان کے جاتے ہی عماد اور ایونا اندر آئے۔ سلطان ایوبی نے عماد سے کہا۔ ''معلوم ہوتا ہے بہت لمبی مسافت سے آئے ہو۔ تم کس کے ساتھ ہو؟''

''میں شامی فوج میں ہوں۔'' عماد نے جواب دیا......... ''میرے کمانڈر کا نام احتشام ابن محمد ہے اور میں البرق دستے کا عہدیدار ہوں۔''

''البرق کس حال میں ہے؟'' ۔سلطان ایوبی نے پوچھا اور علی بن سفیان سے کہا......... ''البرق فی الواقع برق ہے۔ ہم نے جب سوڈانیوں پر شبخون مارے تھے تو البرق قیادت کر رہا تھا۔ صحرائی چھاپوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔''

''سالار اعظم!'' عماد نے کہا..... ''آدھا دستہ اللہ کے نام پر قربان ہو چکا ہے۔ میرے گروہ میں سے صرف میں رہ گیا ہوں۔''

''تم نے اتنی جانیں ضائع تو نہیں کیں؟'' سلطان ایوبی نے سنجیدگی سے پوچھا۔ مرجانے اور قربان ہونے میں بہت فرق ہے۔''

''نہیں سالار اعظم!'' عماد نے جواب دیا......... ''خدائے ذوالجلال گواہ ہے کہ ہم نے ایک ایک جان کے بدلے بیس بیس جانیں لی ہیں۔ اگر صلیبیوں کی فوج اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئی تو وہ صرف چند ایک زخمی ہوں گے۔ فلسطین کی ریت کو ہم نے صلیبیوں کے خون سے لال کر دیا ہے۔ ہمارے دوسرے دستوں نے بھی دشمن پر پورا قہر برسایا ہے۔ دشمن میں اب اتنا دم نہیں رہا کہ وہ تھوڑے سے عرصے میں اگلی جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔''

''اور تم؟'' سلطان ایوبی نے لڑکی سے پوچھا......... ''کیا تم پسند کرو گی کہ اپنے متعلق ہمیں سب کچھ بتا دو؟''

''سب کچھ بتاؤں گی۔'' ایونا نے کہا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔

''عماد شامی!'' سلطان ایوبی نے عماد سے کہا......... ''فوجی آرام گاہ میں چلے جاؤ۔ نہاؤ دھوؤ۔ آج کے دن اور آج کی رات آرام کرو۔ کل واپس اپنے جیش میں چلے جانا۔''

''میں دشمن کے دو گھوڑے بھی لایا ہوں۔'' عماد نے کہا......... ''ان کی تلواریں بھی ہیں۔''

گھوڑے اصطبل میں اور تلواریں اسلحہ خانے میں دے دو۔'' سلطان ایوبی نے کہا اور ذرا سوچ کر کہا......... ''اگر ان گھوڑوں میں کوئی تمہارے گھوڑے سے بہتر ہو تو بدل لو۔ باہر کے محاذ پر گھوڑے کی کیا حالت ہے؟''

''کوئی پریشانی نہیں۔'' عماد نے بتایا..... ''اپنا ایک گھوڑا ضائع ہوتا ہے تو ہمیں صلیبیوں کے دو گھوڑے مل جاتے ہیں۔''

عماد سلام کر کے باہر نکل گیا۔ اس نے امانت صحیح جگہ پہنچا دی تھی۔ ادھر سے تو وہ فارغ ہو گیا لیکن اس کے دل پر بوجھ تھا۔ یہ جذبات کا بوجھ تھا۔ یہ بچپن کی یادوں کا بوجھ تھا اور یہ اس باپ کی محبت کا بوجھ تھا جو کیمپ میں پڑا تھا۔ وہ تذبذب میں مبتلا تھا۔ جنگ ختم ہونے تک وہ باپ سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈرتا تھا کہ باپ کی محبت اور دل کے پرانے زخم اس کے فرض کے راستے میں حائل ہو جائیں گے.........وہ اپنے گھوڑے کے پیچھے دو گھوڑے باندھے اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔ اسے ماحول کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ گھوڑا اسے ایک گھاٹی پر لے گیا۔ اس نے سامنے دیکھا۔ شوبک کا قصبہ اسے نظر آ رہا تھا۔ وہ رک گیا اور اس قصبے کو دیکھنے لگا جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور جہاں سے جلاوطن ہوا تھا۔ اس پر جذبات نے رقت طاری کر دی۔

''راستے سے ہٹ کر رکو سوار!'' اسے کسی کی آواز نے چونکا دیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پیچھے ایک گھوڑا سوار دستہ

آرہا تھا۔ اس نے گھوڑے ایک طرف کر لیے۔ جب دستے کا اگلا سوار اس کے قریب سے گزرا تو عماد سے پوچھا..........''باہر سے آئے ہو؟ وہاں کی کیا خبر ہے؟''

''اللہ کا کرم ہے دوستو!!''..........اس نے جواب دیا..........''دشمن ختم ہو رہا ہے۔ شوبک کو کوئی خطرہ نہیں۔''

دستہ آگے چلا گیا تو عماد دائیں طرف چل پڑا۔

☆

''میں نے آپ سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔'' ایونا سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ وہ بتا چکی تھی کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ قاہرہ میں ایک مہینہ رہ چکی ہے۔ اس نے وہاں کے چند ایک سرکردہ مسلمانوں کے نام بھی بتائے تھے جو سلطان ایوبی کے خلاف سرگرم تھے اور اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ صلیبیوں کی طرف سوڈانیوں کو بہت مدد مل رہی ہے اور صلیبی فوج کے تجربہ کار کمانڈو سوڈانیوں کو شبخون مارنے کی ٹریننگ دے رہے ہیں..........ایونا نے کسی استفسار کے بغیر ہی اتنی زیادہ باتیں بتا دیں جو جاسوس اذیتوں کے باوجود نہیں بتایا کرتے کیونکہ ان میں ان کی اپنی ذات بھی ملوث ہوتی ہے۔ اس سے علی بن سفیان شک میں پڑ گیا۔

''ایونا'' علی بن سفیان نے کہا..........''میں بھی تمہارے فن کا فنکار ہوں۔ میں تمہیں خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ تم اونچے درجے کی فنکار ہو۔ ہمارے تشدد اور قید خانے سے بچنے اور ہمیں گمراہ کرنے کا تمہارا طریقہ قابل تعریف ہے مگر میں اس دھوکے میں نہیں آسکتا۔''

''آپ کا نام؟''..........ایونا نے پوچھا۔

''علی بن سفیان۔'' علی نے جواب دیا..........''تم نے شاید ہرمن سے میرا نام سنا ہوگا۔''

ایونا اٹھی اور آہستہ آہستہ علی بن سفیان کے قریب جا کر دو زانو بیٹھ گئی۔ اس نے اس علی بن سفیان کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہاتھ چوم کر بولی..........''آپ کو زندہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ کے متعلق مجھے بہت کچھ بتایا گیا تھا۔ ہرمن کہا کرتا تھا کہ علی بن سفیان مر جائے تو ہم مسلمانوں کی جڑوں میں بیٹھ کر انہیں جنگ کے بغیر ختم کر سکتے ہیں۔''..........لڑکی اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی..........''میں نے قاہرہ میں آپ کو دیکھنے کی بہت کوشش کی تھی مگر دیکھ نہ سکی۔ میری موجودگی میں آپ کے قتل کا منصوبہ تیار ہوا تھا۔ پھر مجھے نہیں بتایا گیا کہ یہ منصوبہ کامیاب ہوا تھا یا نہیں۔ مجھے شوبک بلا لیا گیا تھا۔''

''ہم کس طرح یقین کر لیں کہ تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے؟''..........علی بن سفیان نے پوچھا۔

''آپ مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے؟'' لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

''اس لیے کہ تم صلیبی ہو۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔

''اگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں صلیبی نہیں مسلمان ہوں تو آپ کہیں گے کہ یہ بھی جھوٹ ہے۔'' لڑکی نے کہا..........''میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ سولہ سترہ سال گزرے، میں اسی قصبے سے اغوا ہوئی تھی۔ یہاں آکر مجھے پتہ چلا ہے کہ میرا باپ کیمپ میں ہے۔'' اس نے اپنے باپ کا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اسے اپنے باپ کا نام اب معلوم ہوا ہے۔ اس نے سنایا کہ عماد نے اسے کس طرح صحرا سے بچایا تھا اور وہ رات کو اسے قتل کرنے لگی مگر اس کا خنجر والا ہاتھ اٹھتا ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا..........''میں نے دن کے وقت اس کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں نظر ڈالی تو میرے دل میں کوئی

ایسا احساس بیدار ہو گیا جس نے مجھے شک میں ڈال دیا کہ میں عماد کو پہلے سے جانتی ہوں یا اسے کہیں دیکھا ضرور ہے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ایسے نہیں ہو سکتا.........رات کو دو صلیبی سپاہیوں نے مجھ پر حملہ کیا تو عماد جاگ اٹھا۔ اس نے ایک کو برچھی سے مار دیا۔ میں اس وقت تک اپنے آپ کو صلیبی سمجھتی تھی۔ میری ہمدردیاں صلیبیوں کے ساتھ تھیں مگر میں نے دوسرے صلیبی سپاہی کو خنجر سے ہلاک کر دیا اور مجھے خوشی اس پر نہیں ہوئی کہ میں نے ان سے اپنی عزت بچائی ہے بلکہ اس پر ہوئی کہ میں نے عماد کی جان بچائی ہے.........

''اور جب راستے میں عماد نے میرے ساتھ اپنے متعلق کچھ جذباتی باتیں کیں تو زندگی میں پہلی بار میرے سینے میں بھی جذبات بیدار ہو گئے۔ میں تمام سفر میں عماد کو دیکھتی ہی رہی۔ مجھے صرف اتنا یاد آیا کہ مجھے بچپن میں اغوا کیا گیا تھا۔ مگر یہ یاد بھی ذہن میں دھندلی ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھ جیسی لڑکیوں کو کس طرح تیار کیا جاتا ہے۔ بچپن کی یادیں اور اصلیت ذہن سے اتر جاتی ہے۔ یہی حال میرا ہوا۔ لیکن مجھے یقین ہونے لگا کہ عماد کو میں جانتی ہوں۔ یہ خون کی کشش تھی۔ آنکھوں نے آنکھوں کو اور دل نے دل کو پہچان لیا تھا۔ شاید عماد نے بھی یہی کچھ محسوس کیا ہو اور شاید اسی احساس کا اثر تھا کہ اس نے مجھ جیسی دلکش لڑکی کو اس طرح نظر انداز کیے رکھا جیسے میں اس کے ساتھ تھی ہی نہیں۔ اس نے مجھے گہری نظروں سے بہت دفعہ دیکھا ضرور تھا۔

ایونا نے تفصیل سے سنایا کہ شوبک میں داخل ہو کر عماد ایک مکان کے آگے رک گیا اور ہم دونوں اندر چلے گئے ....اس نے کہا.........''یہ گھر اندر سے دیکھ کر میری یادیں بیدار ہونے لگیں۔ مجھے ذہن پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ذہن اپنے آپ ہی مجھے اس گھر میں گھمانے پھرانے لگا۔ میں نے ایک کواڑ کی الٹی طرف دیکھا۔ وہاں مجھے خنجر کی نوک سے کھدی ہوئی لکیریں نظر آئیں۔ یہ میں نے بچپن میں بڑے بھائی کے خنجر سے کھودی تھیں۔ میرا ذہن مجھے ایک اور کواڑ کے پیچھے لے گیا۔ وہاں بھی ایسی ہی لکیریں تھیں۔ پھر میں نے عماد کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔ داڑھی کے باوجود اس کی سولہ سترہ سال پرانی صورت یاد آ گئی۔ میں نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے قابو میں رکھا۔ میں نے عماد کو بتایا نہیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ وہ اتنا پاک فطرت انسان اور میں اتنی ناپاک لڑکی۔ وہ اتنا غیرت مند اور میں اتنی بے غیرت۔ اگر میں اسے بتا دیتی تو معلوم نہیں وہ کیا کر گزرتا۔''

اس دوران علی بن سفیان نے کئی بار سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ وہ لڑکی کو ابھی تک شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن لڑکی کی جذباتی کیفیت، اس کے آنسو اور بعض الفاظ کے ساتھ اس کی سسکیاں دونوں پر ایسا اثر کر رہی تھیں جیسے لڑکی کی باتیں سچ ہیں۔ لڑکی نے آخر انہیں اس پر قائل کر لیا کہ اس کے متعلق وہ چھان بین کریں۔ اس نے کہا......''آپ مجھ پر اعتبار کریں نہ کریں، مجھے قید خانے میں ڈال دیں، جو سلوک کرنا چاہتے ہیں کریں، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے کچھ کر کے مرنا چاہتی ہوں۔''

''کیا کر سکتی ہو؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''اگر آپ مجھے کرک تک پہنچا دیں تو میں صلیب کے تین چار بادشاہوں اور اپنے محکمے کے سربراہ ہرمن کو قتل کر سکتی ہوں''۔

''ہم تمہیں کرک تک پہنچا سکتے ہیں۔'' سلطان ایوبی نے کہا.........''لیکن اس کام سے نہیں کہ تم کسی کو قتل کرو۔ میں تاریخ میں اپنے متعلق یہ تہمت چھوڑ کر نہیں مرنا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے دشمنوں کو ایک عورت کے

ہاتھوں مروادیا تھا اور شوبک میں فوج لے کے بیٹھا رہا۔ اگر مجھے پتہ چلے گا کہ صلیبیوں کا کوئی بادشاہ کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہے تو میں اس کے علاج کے لیے اپنے طبیب بھیجوں گا اور پھر ہم تم پر ایسا بھروسہ کر بھی نہیں سکتے۔ البتہ تمہاری اس خواہش پر غور کر سکتے ہیں کہ تمہیں معاف کر کے کرک بھیج دیں۔"

"نہیں۔" ایونا نے کہا......... "میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں۔ میں یہیں مروں گی۔ میری اس خواہش کا ضرور خیال رکھیں کہ عماد کو یہ نہ بتائیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ میں کیمپ اپنے باپ کو ضرور دیکھنے جاؤں گی۔ لیکن اسے بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں اس کی بیٹی ہوں۔" وہ زاروقطار رونے لگی۔

علی بن سفیان نے اپنی ضرورت کے مطابق اس سے بہت سی باتیں پوچھیں پھر سلطان ایوبی سے پوچھا کہ اسے کہاں بھیجا جائے۔ سلطان ایوبی نے سوچ کر کہا کہ اسے آرام اور احترام سے رکھو۔ فیصلہ سوچ کر کریں گے۔

علی بن سفیان اسے اپنے ساتھ لے گیا اور ان کمروں میں سے ایک اسے دے دیا جہاں جاسوس لڑکیاں رہا کرتی تھیں۔ لڑکی نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا اور کہا......... "ان کمروں سے مجھے نفرت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے اس گھر میں رکھا جائے جہاں سے میں اغوا ہوئی تھی؟"

"نہیں!......" علی بن سفیان نے جواب دیا...... "کسی کے جذبات کی خاطر، ہم اپنے قواعد وضوابط نہیں بدل سکتے۔"

وہاں کے پہرہ داروں اور ملازموں کو کچھ ہدایات دے کر علی بن سفیان لڑکی کو وہاں چھوڑ گیا۔

عماد فوجی آرام گاہ میں گیا اور نہا کر سو گیا مگر اتنی زیادہ تھکن کے باوجود اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوشش کے باوجود وہ سو نہ سکا۔ اس کے ذہن میں یہی ایک سوال کلبلا رہا تھا کہ باپ سے ملے یا نہ ملے۔ تھک ہار کر وہ اٹھا اور اس جگہ کی طرف چل پڑا جو شوبک میں مسلمانوں کے کیمپ کے نام سے مشہور تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے باپ کا نام لیا اور پوچھتا پوچھتا باپ تک پہنچ گیا۔ اس کے سامنے ایک بوڑھا لیٹا ہوا تھا۔ عماد نے اس سے ہاتھ ملایا اور اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ اس کا باپ ہڈیوں کا پنجر بن چکا تھا۔ اسے اچھی خوراک دوائیاں دی جا رہی تھیں۔ عماد نے اپنا تعارف کرائے بغیر اس سے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ سولہ برسوں کی اذیت ناک مشقت، قید اور بچوں کے غم نے اس کا یہ حال کر دیا ہے کہ اتنی اچھی غذا اور اتنی اچھی دوائیں اس پر کوئی اثر نہیں کر رہیں۔

باپ دھیمی آواز میں عماد کو اپنا حال سنا رہا تھا لیکن عماد سولہ سترہ سال پیچھے چلا گیا تھا۔ اسے باپ کی صورت اچھی طرح یاد تھی۔ اب اس کے سامنے جو باپ لیٹا ہوا تھا اس کے چہرے کی ہڈیاں باہر نکل آئی تھیں۔ پھر بھی اسے پہچاننے میں عماد کو ذرہ بھر دقت نہ ہوئی۔ اس نے کئی بار سوچا کہ اسے بتا دے کہ وہ اس کا بیٹا ہے؟ اس نے عقل مندی کی کہ نہ بتایا۔ اس نے دو خطرے محسوس کیے تھے۔ ایک یہ کہ باپ یہ خوشگوار دھچکہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ دوسرا یہ کہ اگر اس نے برداشت کر لیا تو اس کے لیے رکاوٹ بن جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ محاذ پر جانے لگے تو یہ صدمہ اسے لے بیٹھے...... وہ باپ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

آدھی رات کا عمل ہوگا۔ ایونا بستر سے اٹھی۔ اس وقت تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے علی بن سفیان کے رویے سے محسوس کر لیا تھا کہ اس پر اعتبار نہیں کیا گیا اور اب نہ جانے اس کا انجام کیا ہوگا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کس طرح یقین دلائے کہ اس نے جو آپ بیتی سنائی ہے وہ جھوٹ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا خون انتقام کے جوش سے کھول رہا تھا۔ عماد کے ساتھ اپنے گھر میں جا کر اس کے ذہن میں بچپن کی یادیں از خود جاگ اٹھی تھیں اور خواب کی طرح اسے بہت سی باتیں یاد آ گئی تھیں۔ اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اسے اغوا کے بعد بے تحاشا پیار، کھلونوں اور نہایت اچھی خوراک سے یہ

روپ دیا گیا تھا۔ پھر اسے وہ گناہ یاد آئے جو اس سے کرائے گئے تھے۔ اور وہ سراپا گناہ بن گئی تھی۔ وہ انتقام لینے کو بیتاب ہوئی جا رہی تھی...... اس جذباتی حالت نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ اس ذہنی کیفیت میں باپ سے ملنے کی خواہش بھی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ باہر دو پہرہ دار ہر وقت ٹہلتے رہتے تھے۔ اس کا دماغ اب سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ اب جذبات کے زیر اثر تھی۔

اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ اسے باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔ دائیں طرف کوئی بیس گز دور اسے دونوں پہرہ دار باتیں کرتے ہوئے سائے کی طرح نظر آئے۔ لڑکی دروازے میں سے سر نکالے انہیں دیکھتی رہی۔ پہرے دار وہاں سے ذرا پرے ہٹ گئے۔ لڑکی دبے پاؤں باہر نکلی اور اس عمارت کی اوٹ میں ہو گئی۔ آگے گھاٹی اترتی تھی۔ وہ بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرکتی گھاٹی اتر گئی۔ اب اسے پہرہ دار نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا کیمپ کہاں ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اب یہ کیمپ قید خانے سے مہمان خانہ بن گیا ہے۔ اس لیے اسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہاں کوئی سنتری اسے روک لے گا۔ وہ باپ کو ملنے جا رہی تھی جس کا اسے صرف نام معلوم تھا۔ وہ تیز تیز جا رہی تھی کہ اسے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے پیچھے دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ اس آہٹ کو وہ اپنے قدموں کی آہٹ سمجھ کر چل پڑی لیکن یہ کسی اور کی آہٹ تھی۔ ایک تنومند آدمی وہیں سے اس کے پیچھے چل پڑا تھا، جہاں سے وہ گھاٹی اتری تھی۔

ایونا کو یہ آہٹ ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ رکی ہی تھی کہ اس کے سر اور منہ پر کپڑا آن پڑا۔ پلک جھپکتے کپڑا بندھ گیا اور دو مضبوط بازوؤں نے اسے جکڑ کر اٹھا لیا۔ وہ تڑپی مگر تڑپنا بیکار تھا۔ رات تاریک تھی اور یہ علاقہ غیر آباد تھا۔ ذرا آگے جا کر اسے ایک کمبل میں لپیٹ کر گٹھڑی کی طرح اٹھا لیا گیا۔ وہ ایک نہیں دو آدمی تھے...... نصف گھنٹے کے بعد اسے اتار کر کھولا گیا۔ وہ ایک کمرے میں تھی جس میں دو دیئے جل رہے تھے۔ وہاں چار آدمی تھے۔ اس نے سب کو باری باری حیرت سے دیکھا اور کہا...... "تم لوگ ابھی یہاں ہو؟...... اور آپ گیرالڈ؟ آپ بھی یہیں ہیں؟"

"ہم جا کر آئے ہیں"...... گیرالڈ نے جواب دیا...... "تم سب کو یہاں سے نکالنے کے لیے۔ اچھا ہوا کہ تم مل گئیں۔"

یہ وہ چالیس صلیبی تھے جنہیں کرک سے اس کام کے لیے بھیجا گیا تھا کہ جاسوس لڑکیاں جو مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئی ہیں انہیں وہاں سے نکالیں اور شوبک میں اپنے جو جاسوس رہ گئے ہیں انہیں وہاں منظم کریں اور اگر ممکن ہو تو وہاں تخریب کاری بھی کریں۔ تخریب کاری میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اصطبل میں داخل ہو کر جانوروں کے چارے میں زہر ملائیں، رسد کو آگ لگائیں اور فوجیوں کے لنگر خانے میں بھی زہر ملا سکیں تو کوشش کریں۔ اس گروہ کا کمانڈر گیرالڈ نام کا ایک برطانوی تھا جو تباہ کار جاسوسی کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ایونا اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اسے دیکھ کر ایونا کا خون نفرت اور انتقام کے جوش سے کھول اٹھا لیکن وہ فوراً سنبھل گئی۔ یہ موقع نفرت کے اظہار کا نہیں تھا۔ گیرالڈ تو ایسا گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایونا بالکل بدل گئی ہے۔ اس نے ایونا سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی تھی؟ ایونا نے کہا کہ اسے فرار کا موقع مل گیا تھا۔ اس لیے وہ فرار ہو رہی تھی۔

گیرالڈ نے اسے بتایا کہ وہ چھاپہ مار جاسوسوں کا ایک گروہ کرک کے مظلوم مسلمانوں کے بہروپ میں یہاں لایا ہے۔ ان دنوں شوبک کے حالات ایسے تھے کہ یہ گروہ آسانی سے ایک ہی گروہ کی صورت میں شہر میں آ گیا تھا۔ جنگ کی وجہ سے لوگ آ جا رہے تھے۔ اردگرد کے دیہات کے مسلمان بھی شہر میں آ رہے تھے۔ اسی دھوکے میں یہ گروہ بھی آ گیا۔ شہر میں پہلے سے جاسوس موجود تھے۔ انہوں نے پورے گروہ کو پس پردہ کر لیا۔ گیرالڈ نے ایونا کو بتایا کہ وہ دو راتوں سے اس

مکان کو دیکھ رہا ہے جس میں لڑکیاں ہیں۔اس جگہ سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔یہ انہی کی بنائی ہوئی تھی۔رات کو وہ دیکھنے جاتا تھا کہ پہرہ داروں کی حرکات اور معمول کیا ہے۔یہ بڑا اچھا اتفاق تھا کہ اسے ایونا مل گئی۔ایونا نے اسے بتایا کہ لڑکیوں کو نکالنا آسان نہیں، تاہم نکالا جا سکتا ہے۔

رات کو ہی سکیم تیار ہو گئی۔ایونا نے گیراللہ کو بتایا کہ لڑکیاں کھلے کمروں میں ہیں جو قید خانہ نہیں۔پہرہ دار صرف دو ہیں۔اس قسم کی اور بھی بہت سی تفصیلات تھیں جو ایونا نے انہیں بتائیں۔یہ بھی طے ہو گیا کہ لڑکیوں کو نکالنے کے لیے کتنے آدمی جائیں گے اور باقی آدمی کون سے مکان میں جمع ہوں گے۔اس سکیم کے بعد ایونا نے یہ تجویز پیش کی کہ اسے واپس چلے جانا چاہیے۔کیونکہ اس کی گمشدگی سے لڑکیوں پر پہرہ سخت کر دیا جائے گا جس سے یہ مہم ناممکن ہو جائے گی۔

گیراللہ نے ایونا کی یہ تجویز پسند کی اور اسے اپنے ساتھ لے جا کر اس کی رہائش گاہ کے قریب چھوڑ گیا۔ایونا کو باہر سے آتے دیکھ کر پہرہ داروں نے اس سے باز پرس کی۔اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ دور نہیں گئی تھی۔پہرہ دار اس لیے چپ ہو رہے کہ یہاں کی لاپروائی تھی کہ لڑکی نکل گئی تھی۔

دوسرے دن علی بن سفیان کسی اور کام میں مصروف تھا۔ایونا نے پہرہ داروں سے کہا کہ وہ اسے علی بن سفیان کے پاس لے چلیں۔انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں اس کے بلانے پر کوئی نہیں آئے گا بلکہ اس کی جب ضرورت ہو گی تو اسے بلایا جائے گا۔ایونا نے بڑی مشکل سے پہرہ داروں کو قائل کیا کہ وہ کسی اور کو بتائے بغیر مرکزی کمان کے کسی فرد تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ نہایت اہم اور نازک بات کرنی ہے۔اس نے پہرہ داروں سے کہا کہ اگر انہوں نے اس کا پیغام نہ پہنچایا تو اتنا زیادہ نقصان ہو گا کہ پہرہ دار اس کو تاہی کی سزا سے بچ نہیں سکیں گے...... پہرہ داروں نے پیغام بھجوانے کا بندوبست کر دیا۔علی بن سفیان نے پیغام ملتے ہی لڑکی کو بلا لیا۔اس کے بعد لڑکی کمرے میں واپس نہیں آئی۔

رات کو جب شوبک کی سرگرمیاں سو گئیں اور شہر پر خاموشی طاری ہو گئی تو اس عمارت کے اردگرد آٹھ دس سائے سے حرکت کرتے نظر آئے جہاں لڑکیوں کو رکھا گیا تھا۔عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پہرہ دار غائب تھے۔آٹھ دس چھاپہ مار خوش ہونے کی بجائے حیران ہوئے ہوں گے کہ پہرہ دار نہیں ہیں۔وہ آٹھوں پیٹ کے بل رینگ کر آگے آئے۔ایونا نے انہیں بتا دیا تھا کہ لڑکیاں کون کون سے کمرے میں ہیں۔کمروں کے دروازوں اور کھڑکیوں سے یہ لوگ واقف تھے۔وہ چھاپہ مار ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔باقیوں نے پروا نہ کی کہ وہاں پہرہ دار ہیں یا نہیں۔انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ پہرہ دار صرف دو ہوتے ہیں۔دو پر دس کا قابو پانا مشکل نہیں تھا۔وہ سب لڑکیوں کے کمروں میں گھس گئے مگر ان میں سے باہر کوئی بھی نہ نکلا۔

گیراللہ اسی مکان میں تھا جہاں وہ گزشتہ رات ایونا کو لے گیا تھا۔اس مکان میں سکیم کے مطابق بیس آدمی تھے۔باقی کسی اور عیسائی کے گھر چھپے ہوئے تھے۔گیراللہ بے صبری سے لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔اب تک انہیں اس کے آدمیوں کے ساتھ پہنچ جانا چاہیے تھا۔آخر دروازے پر دستک ہوئی۔دستک کا یہ طے شدہ خاص انداز تھا۔گیراللہ نے خود جا کر دروازہ کھولا۔یہ مکان پرانے دور کی قلعہ نما حویلی تھی جس میں ایک امیر کبیر عیسائی رہتا تھا۔گیراللہ نے جوں ہی دروازہ کھولا اسے کسی نے باہر گھسیٹ لیا۔فوجیوں کا ایک ہجوم دروازے میں داخل ہوا۔ان کے ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تھیں۔فوجی تیز اور تند سیلاب کی طرح اندر چلے گئے۔ایک وسیع کمرے میں بیٹھے ہوئے بیس صلیبی چھاپہ مار جاسوسوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ان سے ہتھیار لے لیے گئے اور انہیں گھر کے مالک اور اس کے کنبے سمیت باہر لے گئے۔

ایسا ہی حملہ اس مکان پر بھی بولا گیا جہاں باقی صلیبی چھاپہ مار تیار بیٹھے تھے۔یہ دونوں چھاپے بیک وقت مارے

گئے۔ اسی رات دس گیارہ مکانوں پر چھاپے مارے گئے۔ یہ سرگرمی رات بھر جاری رہی۔ مکانوں کی تلاشی لی گئی اور صبح کے وقت علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے سامنے جو لوگ کھڑے کیے ان میں ایک تو گیر الڈ اور اس کے چالیس چھاپہ مار تھے اور تقریباً اتنی ہی تعداد ان جاسوس اور تخریب کاروں کی تھی جنہیں دوسرے مکانوں سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ان مکانوں سے جو سامان برآمد ہوا اس میں بے شمار ہتھیار، زہر کی بہت سی مقدار، تیروں کا ذخیرہ، آتش گیر مادہ اور بہت سی نقدی برآمد ہوئی۔ یہ کارنامہ ایونا کا تھا۔ اس نے گیر الڈ کے ساتھ سکیم بنائی تھی اور اس سے ان تمام جاسوسوں کے ٹھکانے معلوم کر لیے تھے جو شوبک میں چھپے ہوئے تھے۔ گیر الڈ کو اس پر کلی اعتماد تھا۔ ایونا رات کو ہی واپس آ گئی اور صبح اس نے تمام تر سکیم علی بن سفیان کو بتا دی اور جاسوسوں کے ٹھکانوں کی بھی نشاندہی کر دی۔ علی بن سفیان کے جاسوس دن کے وقت سارے ٹھکانے دیکھ آئے تھے۔ شام کے وقت سلطان ایوبی کے خصوصی چھاپہ مار دستوں کو ان ٹھکانوں پر چھاپے مارنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ لڑکیوں کو کمروں سے نکال کر کہیں اور چھپا دیا گیا تھا۔ ان کی جگہ ہر کمرے میں تین تین چھاپہ مار بھیج دیے گئے۔ جوں ہی چھاپہ مار لڑکیوں کو اپنے ساتھ لانے کے لیے کمروں میں داخل ہوئے مسلمان چھاپہ ماروں نے انہیں پکڑ لیا۔ اس طرح شوبک میں صلیبیوں کے تقریباً تمام جاسوس اور چھاپہ مار پکڑے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی گیر الڈ تھا۔ تمام کو تفتیش اور اس کے بعد سزا کے لیے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

ایونا نے ان تمام مسلمان سرکردہ شخصیتوں کی بھی نشاندہی کر دی جو قاہرہ میں سلطان ایوبی کے خلاف سرگرم تھے۔ حشیشین کے ہاتھوں سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کو قتل کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا گیا تھا وہ بھی ایونا نے بے نقاب کیا اور سلطان ایوبی سے کہا..........''اب تو آپ کو مجھ پر اعتبار آ جانا چاہیے۔''

وہ منظر بڑا ہی جذباتی اور رقت انگیز تھا جب عماد کو بتایا گیا کہ ایونا اس کی بہن ہے اور جب بہن بھائی کو ان کے باپ کے سامنے کھڑا کیا گیا تو جذبات کی شدت سے بوڑھا باپ بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی کا نام عائشہ ہے۔ سلطان ایوبی نے اس خاندان کے لیے خاص وظیفہ مقرر کیا اور علی بن سفیان کے محکمے کے لیے حکم جاری کیا کہ تمام جاسوس لڑکیوں کے متعلق چھان بین کی جائے۔ صلیبیوں نے دوسری لڑکیوں کو بھی مسلمان گھرانوں سے اغوا کیا ہوگا۔ سلطان نے حکم میں کہا کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کے خاندان ڈھونڈے جائیں اور لڑکیوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔

سلطان ایوبی کی فوج بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہو گئی..........شوبک سے دور کے محاذ کی خبریں امید افزا تھیں لیکن فوری ضرورت یہ تھی کہ بکھرے ہوئے دستوں کو یکجا کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے سلطان ایوبی نے شوبک کا فوجی نظام اپنے معاونوں کے حوالے کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر شوبک سے دور صحرا میں منتقل کر لیا۔ اس نے برق رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھ لی۔ اس کے ذریعے اس نے ایک ماہ میں بکھرے ہوئے دستے ایک دوسرے کے قریب کر لیے۔ اس کے بعد انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے شوبک کا دفاع اسی طرح منظم کر دیا جس طرح قاہرہ کا کیا تھا۔ سب سے دور سرحدی دستے تھے جس کے سوار گشت کرتے تھے۔ ان سے پانچ چھ میل پیچھے فوج کا دوسرا حصہ خیمہ زن کر دیا اور تیسرے حصے کو متحرک رکھا۔

کرک میں اکٹھی ہونے والی فوج کی کیفیت ایسی تھی کہ فوری حملے کے قابل نہیں تھی۔ ادھر سلطان ایوبی نے بھرتی کی رفتار تیز کر دی اور نئی بھرتی کی ٹریننگ کا انتظام کھلے صحرا میں کر دیا۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ کرک میں اپنے جاسوس بھیجے جو وہاں کی اطلاعیں لانے کے علاوہ یہ کام بھی کریں کہ وہاں کے رہنے والے مسلمان نوجوانوں کو کرک سے نکلنے اور یہاں آ کر فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔

☆ ☆ ☆

عنایت اللہ کی بہترین کتابیں

- داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد سیٹ)
- فردوس ابلیس (دو جلد)
- فتح گڑھ سے فرار
- اور نیل بہتا رہا (دو جلد)
- ایک اور بت شکن پیدا ہوا (دو جلد)
- خاکی وردی لال لہو
- شمشیر بے نیام (دو جلد)
- ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ
- حجاز کی آندھی
- اکھیاں میٹ کے سپنا تکیا
- دمشق کے قید خانے میں
- ستارہ جو ٹوٹ گیا
- اندلس کی ناگن
- ہماری شکست کی کہانی
- بی آر بی بہتی رہے گی
- میں کسی کی بیٹی نہیں
- لاہور کی دہلیز پر
- پرچم اڑتا رہا
- دو پلوں کی کہانی
- ہیرے کا جگر
- اس نے کہا
- کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس
- چار دیواری کی دنیا
- بدر سے باٹا پور تک
- طاہرہ
- لہو جو ہم بہا کے آئے
- پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت
- سزا اس گناہ کی
- پانچویں لڑکی
- 1857ء کی داستانِ شجاعت
- بھٹکے ہوؤں کی داستان
- منزل اور مسافر (دو جلد)
- پتن پتن کے پاپی
- فتح گڑھ سے فرار
- اُستانی اور ٹیکسی ڈرائیور
- ناقابل فراموش
- میں گناہ گار تو نہیں
- پاکستان - ایک پیاز دو روٹیاں
- جب میں تحفہ بنی
- میں کسی کی بیٹی نہیں
- چھوٹی بہن کا پگلا بھائی
- اُلجھے راستے
- پیاسی رُوحیں
- جوانی کے جنگل میں
- ایوبی، غزنوی اور محمد بن قاسم
- اُس نے کہا

واحد تقسیم کار
علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40-اُردو بازار، لاہور۔
فون 37232336، 37352332 فیکس: 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

داستان ایمان فروشوں کی

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

جلد دوم، سوم

التمش

مکتبہ داستان

ختم نبوت ﷺ زندہ باد　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی و غیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد دوم، سوم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں

عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

حکایت پبلشرز

26- پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔

فون: 37356541

نام کتاب	....	داستان ایمان فروشوں کی
		(جلد دوم، سوم)
مصنف	....	التمش
ناشر	....	وقاص شاہد
		مکتبہ داستان، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	جون 2013ء
قیمت	....	600روپے

ملنے کے پتے

حکایت پبلشرز

26-پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔

فون: 37356541-37321898

علم وعرفان پبلشرز

40۔اُردو بازار، لاہور۔فون نمبر:37352332-37232336

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

اشرف بک ایجنسی

کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

کمیٹی چوک، راولپنڈی

جہانگیر بکس

بوہڑ گیٹ، ملتان

خزینہ علم وادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔انشاءاللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔(ناشر)

فہرست

تعارف

آپ نے اس ولولہ انگیز سلسلے کا پہلا حصہ پڑھ لیا ہے۔ دوسرا حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ہم ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے مصنف محترم التمش کے ممنون ہیں، جنہوں نے ''حکایت'' میں مجاہد اعظم سلطان صلاں الدین ایوبی کے دَور کی قیمتی کہانیوں کا یہ سلسلہ شروع کیا۔ ان میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور نوجوان نسل کے مطالبوں کی تسکین کریں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اُس قومی جذبے کو بھی زندہ و بیدار کریں گے، جسے ہمارا دشمن پُر لذت اور تخریبی کہانیوں کے ذریعے مارنے کی کوشش کر رہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے دور میں جتنی اسلام کش سازشیں ہوئی ہیں، اتنی اور کسی دور میں نہیں ہوئیں۔ صلیبیوں کو میدانِ جنگ میں صلاح الدین ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے مسلمان امراء اور سالاروں کو ہاتھ میں لینے کے لیے جہاں بے دریغ زر و جواہرات استعمال کیے، وہاں غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک عیسائی اور یہودی لڑکیوں کا بھی استعمال کیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی نوجوان نسل کی کردار کشی کے نہایت دل کش ذرائع اختیار کیے۔ انہوں نے حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں کو بھی استعمال کیا۔

اُس دور کا دشمن آج بھی ہمارا دشمن ہے اور ابھی تک وہی پُر لذت حربے استعمال کر رہا ہے۔ یہ کہانیاں خود بھی پڑھیں، بچوں کو بھی پڑھائیں۔ اگر آپ سچے دل سے فحش، عریاں اور مخرب الاخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب گھر لے جائیے...... آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے اور صلاح الدین ایوبی کو پکار رہی ہے۔

عنایت اللہ (مرحوم)

مدیر ''حکایت'' لاہور

قاہرہ میں بغاوت اور سلطان ایوبی

فلسطین ابھی صلیبیوں کے پاؤں تلے کراہ رہا تھا۔ یروشلم صلیب پر لٹکا ہوا تھا۔ اس مقدس شہر سے خون رس رہا تھا، وہاں کے مسلمان جو صلیبیوں کے ظالمانہ استبداد کے شکنجے میں آئے ہوئے تھے، پس رہے تھے، تڑپ رہے تھے اور صلاں الدین ایوبی کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن تک یہ اطلاعیں پہنچ چکی تھیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی فلسطین کی سرزمین میں داخل ہو چکا ہے اور شوبک کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ یہ اُن کے لیے خوش خبری تھی مگر یہ خوش خبری پیغامِ اجل ثابت ہوئی۔ صلیبیوں نے شوبک کی شکست کا انتقام یروشلم اور دیگر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں سے لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو مُردہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ وہ جاسوسی نہ کر سکیں اور حملے کی صورت میں صلاح الدین ایوبی کی مدد کرنے کی جرأت نہ کریں۔ سب سے زیادہ مظالم کرک کے مسلمانوں پر توڑے جا رہے تھے۔ شوبک کے بعد کرک ایک بڑا قلعہ تھا جس پر صلیبیوں کو بہت ناز تھا۔ ایسا ہی ناز انہیں شوبک پر بھی تھا، مگر اُس کے ناز کو سلطان صلاح الدین ایوبی کی نہایت اچھی چال اور اس کے مجاہدین کی شجاعت نے ریت کے ذروں کی طرح بکھیر دیا تھا۔ اب صلیبی کرک کو مضبوط کر رہے تھے، وہاں کے مسلمان باشندوں پر تشدد ایک احتیاطی تدبیر تھی۔ صلیبیوں کو یہ وہم ہو گیا تھا کہ مسلمان جاسوسی کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی انہوں نے شوبک کی طرح مشتبہ مسلمانوں کو بیگار کیمپ میں پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

''فلسطین کی فتح ہمارا ایک عظیم مقصد ہے مگر کرک سے مسلمانوں کو نکالنا اس سے بھی عظیم تر مقصد ہونا چاہیے''۔ جاسوسوں کے ایک گروہ کا سربراہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو بتا رہا تھا۔ وہ طلعت چنگیز نام کا ایک تُرک تھا جو چھ جاسوسوں کو شوبک سے بھاگے ہوئے عیسائی باشندوں کے بہروپ میں کرک لے گیا تھا۔ وہ تین مہینوں بعد واپس آیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان کی موجودگی میں وہاں کے حالات بتا رہا تھا۔ صلیبی فوج جو بھاگ کر کرک پہنچی تھی، اس کے متعلق اُس نے بتایا کہ خاصی بُری حالت میں ہے اور فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں۔ اس ہاری ہوئی فوج نے کرک میں جاتے ہی مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ اندھا دھند گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ مسلمان عورتوں نے باہر نکلنا چھوڑ دیا ہے، جہاں کسی مسلمان پر ذرا سا شک ہوتا ہے، اُسے پکڑ کر بیگار کیمپ میں لے جاتے ہیں، جہاں انسان ایسا مویشی بن جاتا ہے جو بول نہیں سکتا۔ صبح کے اندھیرے سے رات کے اندھیرے تک کام کرتا، سوکھی روٹی اور پانی پر زندہ رہتا ہے...... ''ہم نے وہاں زمین دوز مہم چلائی ہے کہ جتنے مسلمان جوان ہیں یا لڑنے کی عمر میں ہیں، وہ یہاں سے نکل کر شوبک پہنچیں اور فوج میں بھرتی ہو جائیں، تاکہ کمک کا انتظار کیے بغیر کرک پر حملہ کیا جا سکے'' ...... چنگیز تُرک نے کہا...... ''ہماری موجودگی میں کچھ لوگ وہاں سے نکل آئے تھے، لیکن یہ کام ایک تو اس لیے مشکل ہے کہ ہر طرف صلیبی فوج پھیلی ہوئی ہے اور دوسری مشکل یہ ہے کہ اپنے کنبوں، خصوصاً عورتوں کو وہ عیسائیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں آ سکتے۔ فوری ضرورت یہ ہے کہ کرک پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو نجات دِلائی جائے''۔

اس سے پہلے ایک اور جاسوس یہ اطلاع دے چکا تھا کہ صلیبیوں کی سکیم اب یہ ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کرک کا محاصرہ کرے گا تو صلیبیوں کی ایک فوج، جو ایک صلیبی حکمران ریمانڈ کے زیر کمان ہے، عقب سے حملہ کرے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پہلے ہی اپنے فوجی سربراہوں سے کہہ دیا تھا کہ صلیبی عقب سے حملہ کریں گے۔ اس صورتِ حال کے لیے اُسے زیادہ فوج کی ضرورت تھی۔ اس نے چنگیز کو رُخصت کر کے علی بن سفیان سے کہا...... ''جذبات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں فوراً کرک پر حملہ کر دینا چاہیے۔ میں اچھی طرح اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہاں کے مسلمان کس جہنم میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن حقائق کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی صفوں کو مستحکم کیے بغیر آگے ایک قدم نہ اُٹھاؤ، ضرب اُس وقت لگاؤ، جب تمہیں یقین ہو کہ کاری ہو گی۔ ہم اُن عورتوں اور بچوں کو نہیں بھول سکتے جو دشمن کے ہاتھوں ذلیل وخوار اور قتل ہو رہے ہیں۔ یہ ہمارے گمنام شہید ہیں، یہ قوم کی عظیم قربانی ہے۔ میں انہی کی آبرو اور انہی کے وقار کے لیے فلسطین لینا چاہتا ہوں، اگر میرا مقصد یہ نہ ہو تو جنگ کا مقصد ڈاکہ اور لوٹ مار رہ جاتا ہے۔ وہ قوم جو اپنی اُن بچیوں اور بچوں کو بھول جائے جو دشمن کے استبداد میں ذلیل وخوار اور قتل ہوئے، وہ قوم ڈاکوؤں اور رہزنوں کا گروہ بن جاتی ہے۔ اس قوم کے افراد دشمن سے انتقام لینے کی بجائے ایک دوسرے کو لوٹتے، ایک دوسرے کو دھوکے اور فریب دیتے ہیں۔ اُن کے حاکم قوم کو لوٹتے اور عیش وعشرت کرتے ہیں اور جب دشمن انہیں کمزور پا کر اُن کے سر پر آ جاتا ہے تو کھوکھلے نعرے لگا کر قوم کو بے وقوف بناتے ہیں اور دشمن کے ساتھ در پردہ سودا بازی کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کا کچھ حصہ اور اس حصے کی آبادی نہایت رازدارانہ طریقے سے دشمن کے حوالے کر کے باقی ملک میں اپنی حکمرانی قائم رکھتے ہیں، پھر وہ اور زیادہ عیش اور لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ دشمن انہیں بخشے گا نہیں...... یہ عیش چند روزہ ہے، لہٰذا قوم کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بھی جلدی جلدی نچوڑ لو''۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسی متعدد قوموں کے نام لیے اور کہا...... ''وہ توسیع پسند تھے۔ اُن کے سامنے اس کے سوا کوئی مقصد نہ تھا کہ ساری دنیا پر بادشاہی کریں اور دُنیا بھر کی دولت سمیٹ کر اپنے قدموں میں ڈھیر لگا لیں۔ انہوں نے دوسری قوموں کی عصمت دری کی اور اُن کی اپنی بیٹیاں اور بہنیں دوسروں کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں۔ ان قوموں کے حکمران پرائی زمین پر ہلاک ہوئے اور اُن کا نام ونشان کس نے مٹایا؟ ان قوموں نے، جو غیرت مند تھیں اور جنہیں احساس تھا کہ اُن کی زمین کو اور اُن کی عصمت کو دشمن نے ناپاک کیا ہے اور اس کا انتقام لینا ہے۔ ہم بھی حملہ آور ہیں، صلیبی بھی حملہ آور ہیں، لیکن ہم میں فرق ہے۔ وہ دور دراز ملکوں سے ہمارے مذہب کا نام ونشان مٹانے آئے ہیں۔ وہ اس لیے آئے ہیں کہ مسلمان عورتوں کو اپنی گرفت میں لے کر ان کے بطن سے صلیبی پیدا کریں۔ ہم اُن کی آبرو کے دفاع کے لیے حملہ آور ہوئے ہیں۔ اگر ہم کفر کے طوفان کو نہ روکیں تو ہم بے غیرت ہیں اور ہم مسلمان نہیں اور اگر اسلام کا دفاع اس انداز سے کریں کہ دشمن کے انتظار میں گھر بیٹھے رہیں اور جب وہ حملہ آور ہو تو اپنے گھر میں اُس کے خلاف لڑیں اور پھر فخر سے کہیں کہ ہم نے دشمن کا حملہ پسپا کر دیا ہے تو یہ ثبوت ہے ہماری بزدلی کا۔ دفاع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ دشمن تمہیں مارنے کے لیے نیام سے تلوار نکالنے لگے تو تمہاری تلوار اُس کی گردن کاٹ چکی ہو۔ وہ کل حملے کے لیے آنے والا ہو تو آج اُس پر حملہ کر دو''۔

''میرے پاس اس کا ایک ہی علاج ہے کہ محترم نورالدین زنگی سے کمک مانگی جائے''۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''اور کرک پر حملہ کر دیا جائے''۔

''یہ بھی نقصان دہ ہوگا''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''زنگی کے پاس اتنی فوج موجود رہنی چاہیے

کہ صلیبی ہمارے عقب پر حملہ کریں تو زنگی اُن کے عقب پر حملہ کر سکے۔ میں مدد مانگنے کا قائل نہیں۔ اس کی بجائے میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ کرک میں چھاپہ مار دستے بھیج کر صلیبیوں کا جینا حرام کیے رکھوں۔ مجھے اُمید ہے کہ ہمارے جاسوس چھاپہ مار صلیبیوں کی جڑیں چوہوں کی طرح کاٹتے رہیں گے، مگر اس کی سزا وہاں کے بے گناہ مسلمان باشندوں کو ملے گی۔ چھاپہ مار تو اپنا کام کر کے اِدھر اُدھر ہو جائیں گے۔ وہ ہر قسم کی سختی اور مصیبت جھیل سکتے ہیں۔ ہمارے نہتے بہن بھائی کچلے جائیں گے۔ البتہ اس تجویز پر غور کرو کہ وہاں سے مسلمان کنبوں کو نکالنے کا کوئی خفیہ انتظام کیا جائے۔ حملے میں کچھ وقت لگے گا۔ ہمیں خاصی بھرتی مل گئی ہے۔ کرک کے جوان بھی آ گئے ہیں اور آ رہے ہیں''۔

☆

''میں محسوس کرنے لگا ہوں کہ ہمیں یہاں کے باشندوں کے متعلق اپنی پالیسی میں تبدیلی کرنی پڑے گی''۔ صلیبیوں کے محکمۂ جاسوسی اور سراغ رسانی کے سربراہ ہرمن نے کہا۔ قلعہ کرک میں چند ایک صلیبی بادشاہ، اُن کے فوجی کمانڈر اور انتظامیہ کے حکام جمع تھے۔ وہ جوں جوں اپنی ہاری ہوئی فوج کو دیکھ رہے تھے، ان کی عقل پر غصہ اور انتقام غالب آتا جا رہا تھا۔ وہ شکست کو بہت جلدی فتح میں بدلنا چاہتے تھے۔ اُن میں ان کی انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن، واحد آدمی تھا جو ٹھنڈے دِل سے سوچتا اور عقل کی بات کرتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے صلیبی بھائی کرک کے مسلمان باشندوں کے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک کر رہے ہیں۔ اس نے کہا...... ''آپ نے یہی سلوک شوبک کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ انہوں نے وہاں ''مسلمانوں کے کیمپ'' سے اُس مسلمان فوجی کو بھگا دیا جسے ہم نے خطرناک جاسوس سمجھ کر قید میں ڈال دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے وہاں کے مسلمانوں نے پناہ دی تھی۔ وہ قلعے کے اندرونی حالات اور دفاع کو دیکھ گیا تھا۔ اس کے علاوہ صلاح الدین ایوبی نے ہمارے قلعے کی دیوار جو توڑی تھی، اس میں اندر کے مسلمانوں کا بھی ہاتھ تھا۔ وہ آپ کے سلوک سے اس قدر تنگ آئے ہوئے تھے کہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر مسلمان فوج کی مدد کی اور جب فوج کا ہراول دستہ اندر آیا تو مسلمانوں نے اس کی رہنمائی کی''۔

''اسی لیے ہم کرک کے مسلمانوں کا دم خم توڑ رہے ہیں کہ اُن میں جذبہ اور ہمت ہی نہ رہے''...... ایک صلیبی سالار نے کہا۔

''اس کی بجائے اگر آپ انہیں اپنا دوست بنالیں تو وہ آپ کی مدد کریں گے''۔ ہرمن نے کہا...... ''اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں پیار اور محبت سے انہیں اُن کا مذہب تبدیل کیے بغیر صلیب کا گرویدہ بنالوں گا۔ میں انہیں مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑا دوں گا''۔

''تم بھول رہے ہو ہرمن!'' ایک مشہور صلیبی بادشاہ ریمانڈ نے کہا...... ''تم چند ایک مسلمانوں کو لالچ دے کر انہیں غدار بنا سکتے ہو، مگر ہر ایک مسلمان کو اسلامی فوج کے خلاف نہیں کر سکتے۔ پوری قوم غدار نہیں ہو سکی۔ ہرمن! تم ان لوگوں پر اتنا بھروسہ نہ کرو، ہم انہیں دوست نہیں بنانا چاہتے۔ ہم ان کی نسل ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی بھی غیر مسلم کسی مسلمان کے ساتھ محبت کرتا ہے تو اس کا طلب یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت کرتا ہے، جبکہ ہمارا مقصد اسلام کا خاتمہ ہے۔ کرک میں، یروشلم میں، عقرہ اور عدیسہ میں اور جہاں بھی صلیب کی حکمرانی ہے، مسلمانوں کو اس قدر پریشان کرو کہ وہ مر جائیں یا وہ صلیب کے آگے گھٹنے ٹیک دیں''۔

''مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ صلاح الدین ایوبی کو باقاعدہ معلوم ہوتا جا رہا ہے۔'' ہرمن نے

کہا...... ''آپ اسے اُکسار رہے ہیں کہ وہ کرک پر جلدی حملہ کرے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ ہماری فوج فوری حملے کے آگے ٹھہرنے کے قابل نہیں''۔

''اس کا حل یہ نہیں کہ ہم مسلمان باشندوں کو سر پر بٹھالیں''۔ فلپ آگسٹس نے کہا...... ''آپ لوگ مسلمان جنگی قیدیوں کو ابھی تک پال رہے ہیں۔ انہیں قتل کیوں نہیں کر دیتے؟''

''اس لیے کہ ایوبی ہمارے قیدیوں کو قتل کر دے گا''۔ گے آف لوزینان نے جواب دیا...... ''ہمارے پاس مسلمانوں کے کل تین سو اکسٹھ جنگی قیدی ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ہمارے بارہ سو پچتر قیدی ہیں''۔

''کیا ہم ایک مسلمان کو مارنے کے لیے چار صلیبی نہیں مروا سکتے؟''...... آگسٹس نے کہا...... ''ہمارے وہ قیدی جو صلاح الدین ایوبی کے پاس ہیں، بزدل تھے، وہ لڑنے کی بجائے قید ہوئے۔ وہ زندہ رہنا چاہتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مر جائیں تو اچھا ہے، تم اطمینان سے مسلمان قیدیوں کو ختم کر دو''۔

''کیا مسلمان باشندوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کر کے اور مسلمان جنگی قیدیوں کو قتل کر کے تم صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دو گے؟'' سالار کے عہدے کے ایک صلیبی نے کہا...... ''اس وقت فوج کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی اگر پیش قدمی کر آیا تو اُسے کس طرح روکیں گے اور اُس سے شوبک کا قلعہ واپس کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ کرک کے تمام مسلمانوں کو قتل کر دو۔ پھر کیا ہوگا؟ صلاح الدین ایوبی کی طرح تم اپنی نظر میں وسعت کیوں نہیں پیدا کرتے۔ کیا ہرمن بتا سکتا ہے کہ مصر میں اس کی زمین دوز کارروائیاں کیا ہیں اور کامیابی کتنی ہے؟''

''توقع سے زیادہ''۔ ہرمن نے جواب دیا۔ ''علی بن سفان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ شوبک میں ہے۔ میں نے قاہرہ سے اس کی غیر حاضری سے بہت فائدہ اُٹھایا ہے۔ قاہرہ کے نائب ناظم مصلح الدین کو فاطمیوں نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ مصلح صلاح الدین ایوبی کا معتمدِ خاص ہے، لیکن اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔ فاطمیوں نے در پردہ اپنا ایک خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ وہ قاہرہ کے اندر سے بغاوت اور سوڈانیوں کے حملے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارے فوجی افسر سوڈان کی فوج تیار کر رہے ہیں۔ قاہرہ میں صلاح الدین ایوبی جو فوج چھوڑ آیا ہے، اس کے دو نائب سالار ہمارے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں، اُدھر سے سوڈانی حملہ کریں گے۔ قاہرہ میں بغاوت ہوگی اور فاطمی اپنی خلافت کا اعلان کر دیں گے''۔

''تم لوگ یہ بھول رہے ہو کہ صلاح الدین ایوبی اس قدر تیز آدمی ہے کہ کرک پر حملہ ملتوی کر کے قاہرہ پہنچ جائے گا''۔ ریمانڈ نے کہا...... ''اُسے یہیں رہنے پر مجبور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اُسے یہیں اُلجھا لیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا راستہ روک لیا جائے اور اس کا ایک بھی سپاہی قاہرہ تک نہ پہنچ سکے''۔

''مجھے سو فیصد اُمید ہے کہ قاہرہ میں جو اس کی فوج ہے، وہ اس کے کام نہیں آ سکے گی''۔ ہرمن نے کہا...... ''میرے آدمیوں نے فوج میں اس قسم کے شکوک پیدا کر دیئے ہیں کہ انہیں قاہرہ میں پیچھے چھوڑ کر مالِ غنیمت سے محروم کر دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ شوبک کی سینکڑوں عیسائی لڑکیاں صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ آئی ہیں جو اُس نے وہاں فوج کے حوالے کر دی ہیں۔ میری کامیابی یہ ہے کہ میں نے مسلمان فوجی حکام کے ہی منہ میں یہ افواہیں ڈال کر اُن کی فوج میں پھیلائی ہیں۔ میں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے ہیں کہ قاہرہ کی تمام فوج سوڈانیوں کا ساتھ دے گی اور صلاح الدین ایوبی کو بغاوت فرو کرنے کے لیے یہاں سے تمام فوج لے جانی پڑے گی، مگر یہ فوج اُس وقت وہاں پہنچے گی جب قاہرہ ایک بار پھر فاطمی خلافت کی گدی بن چکا ہوگا اور وہاں سوڈان کی فوج قابض ہوگی۔ ضروری نہیں کہ ہم یہاں صلاح الدین ایوبی پر

حملہ کریں اور اُسے روکیں۔ ہم اُسے بھٹکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں گے۔ ہم اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں مروائیں گے''۔
ہرمن نے زور دے کر کہا...... ''آپ ابھی تک مسلمان کی نفسیات نہیں سمجھ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میری بعض کارگر باتیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مسلمان اگر فوجی ہو اور اس کے دماغ میں ٹریننگ کے دوران یہ بٹھا دیا جائے کہ وہ ملک اور قوم کا محافظ ہے تو وہ ملک اور قوم کی خاطر جان قربان کر دیتا ہے۔ دُنیا کی بادشاہی اس کے قدموں میں رکھ دو، وہ سپاہی رہنا پسند کرے گا، قوم سے غداری نہیں کرے گا۔ اگر اسی فوجی میں جنسی لذت، شراب نوشی اور عہدوں کی خواہش پیدا کر دو تو وہ اپنا مذہب بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ہم نے جن مسلمان فوجی حکام کو اپنے ساتھ ملایا ہے، اُن میں یہی خامیاں پیدا کی تھیں اور کر رہے ہیں......
''مگر فوجی کو غدار بنانا اتنا آسان نہیں جتنا انتظامیہ کے حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا آسان ہے۔'' ہرمن نے کہا......''انتظامیہ کے ہر حاکم میں امراء اور وزراء کی صف میں آنے کی شدید خواہش ہوتی ہے۔ ان لوگوں پر بادشاہ بننے کا خبط سوار ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ دیکھیں۔ ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد یہ لوگ خلافت پر ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ ان کے جرنیلوں نے نہایت دیانت داری سے اپنا کام جاری رکھا۔ وہ دوسرے ملکوں کو تہ تیغ کرتے رہے اور اسلامی سلطنت کو وسیع کرنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن اُن کے خلیفوں نے جہاں دیکھا کہ فلاں جرنیل ایسا مقبول ہو گیا ہے کہ اس کی فتوحات کی بدولت قوم اُسے خلیفہ سے زیادہ مقام دینے لگی ہے تو خلیفہ اور اُس کے حواریوں نے اس جرنیل کو غلط احکام دے کر اُسے ذلیل اور رُسوا کر دیا۔ خود خلیفہ کی گدی مخالفین سے محفوظ نہ رہی۔ مخالفین کی نگاہ اسلامی سلطنت کی وسعت سے ہٹ کر خلافت کے حصول پر مرکوز ہو گئی۔ جرنیل ہارتے چلے گئے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم عرب میں بیٹھے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی انہی جرنیلوں میں سے ہے جو سلطنت کو اُنہی سرحدوں تک لے جانا چاہتا ہے جہاں تک یہ پہلے جرنیلوں نے پہنچائی تھیں۔ اس شخص میں خوبی یہ ہے کہ وہ انتظامیہ اور خلافت کی پروا نہیں کرتا۔ اس نے مصر کی خلافت کو اپنے ارادوں کے سامنے رکاوٹ بنتے دیکھا تو خلیفہ کو ہی معزول کر دیا۔ یہ دلیرانہ قدم اس نے فوجی طاقت اور اپنی فہم و فراست کے بل بوتے پر اُٹھایا ہے''۔
ہرمن بولتا جا رہا تھا۔ تمام حکمران اور صلیبی کمانڈر انہماک سے سُن رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا......''صلاح الدین ایوبی اپنی قوم کی اس کمزوری کو سمجھ گیا ہے کہ غیر فوجی قیادت گدی کی خواہش مند ہے اور یہ خواہش ایسی ہے کہ جو زن اور زر پرستی اور شراب نوشی جیسی عادتیں پیدا کرتی ہے۔ ہم نے صرف اُن فوجی افسروں کو ہاتھ میں لیا ہے جو اقتدار کے خواہش مند ہیں۔ اسی لیے ہم زیادہ تر اثر انتظامیہ کے سربراہوں پر ڈال رہے ہیں۔ فوج کو کمزور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے لوگوں کی نظروں میں رسوا کر دیا جائے۔ یہ کام میرا ہے جو میں کر رہا ہوں۔ آپ شاید میری تائید نہ کریں، لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو میدانِ جنگ میں آسانی سے شکست نہیں دے سکتے۔ وہ صرف لڑنے کے لیے نہیں لڑتا۔ اس کے عزم کی بنیاد ایک ایسے منصوبے پر ہے جسے اس کی ساری فوج سمجھتی ہے۔ اس کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خلیفہ سے یا غیر فوجی قیادت سے حکم نہیں لیتا۔ وہ کٹر مسلمان ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں خُدا اور قرآن پاک سے حکم لیتا ہوں۔ میرے جو جاسوس بغداد میں ہیں، انہوں نے اطلاع دی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے نورالدین زنگی کو ساتھ ملا کر یہاں سے انقلابی تجاویز بھیجی ہیں جن پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے۔ ایک یہ ہے کہ امیر العلماء سے یہ فتویٰ صادر کرایا گیا ہے کہ خلافت صرف ایک ہی ہو گی اور یہ بغداد کی خلافت ہو گی۔ یہ خلافت دوسرے ممالک کے متعلق احکام نافذ کرنے اور سمجھوتوں کی بات چیت کرنے سے پہلے اعلیٰ فوجی قیادت سے منظوری لے گی۔ جنگی امور فوجی حکام کے ہاتھ میں ہوں

گے۔خلیفہ دور دراز علاقوں میں لڑنے والے جرنیلوں کو کوئی حکم نہیں بھیج سکتا۔تیسرے یہ کہ خلیفہ کا نام خطبے میں نہیں لیا جائے گا اور خلافت کا اثر ورسوخ ختم کرنے کے لیے صلاح الدین ایوبی نے حکم جاری کرا دیا ہے کہ خلیفہ یا اس کے نائب یا کوئی قلعہ دار وغیرہ جب دورے وغیرہ کے لیے باہر نکلیں گے تو لوگوں کو راستے میں کھڑے ہونے ،نعرے لگانے اور سلام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

''صلاح الدین ایوبی نے سب سے اہم کام یہ کیا ہے کہ سُنّی شیعہ تفرقہ مٹا دیا ہے''۔ ہرمن نے کہا......''اُس نے شیعوں کو فوج اور انتظامیہ میں پوری نمائندگی دے دی ہے اور نہایت پُر اثر طریقوں سے شیعہ علماء کو قائل کرلیا ہے کہ وہ ایسی رسمیں ترک کردیں جو اسلام کے منافی ہیں...... صلاح الدین ایوبی کے یہ انقلابی اقدامات ہمارے لیے نقصان دہ ہیں۔ہم مسلمانوں کی انہی خامیوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے جو دراصل جاری ہے کہ مسلمانوں کی انتظامی قیادت کو صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کیا جائے''۔

''صرف آج نہیں، ہمیشہ کے لیے''۔فلپ آگسٹس جو مسلمانوں کا کٹر دشمن تھا بولا۔''ہماری عداوت صرف صلاح الدین ایوبی سے نہیں ۔ ہماری جنگ اسلام کے خلاف ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایوبی مرجائے تو یہ قوم کوئی دوسرا ایوبی پیدا نہ کر سکے۔اس قوم کو عقیدوں ،غلط اور بے بنیاد عقیدوں کے ہتھیاروں سے مارو۔ان میں بادشاہ بننے کا جنون طاری کردو۔انہیں عیاش بنادو اور ایسی روایات پیدا کردو کہ یہ لوگ خلافت کی گدی پر آپس میں لڑتے رہیں، پھر اس خلافت کو اس کی فوج پر سوار کردو۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ قوم ایک نہ ایک دن صلیب کی غلام ہو جائے گی۔اس کا تمدن اور اس کا مذہب صلیب کے رنگ میں رنگا ہوا ہوگا۔وہ بادشاہی اور خلافت کے حصول کے لیے آپس میں دست و گریبان ہوں گے اور اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے ہم سے مدد مانگیں گے۔اُس وقت ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوگا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی کہ میں نے جو پیشین گوئی کی ہے، وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی ہے۔اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے یہودی تمہیں اپنی لڑکیاں پیش کر رہے ہیں، انہیں استعمال کرو۔یہودیوں کو صرف اس لیے اپنا دشمن سمجھو کہ وہ یروشلم کو اپنا مقدس شہر اور فلسطین کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔انہیں کہو کہ فلسطین تمہارا ہے۔آخر میں یہ خطہ ہم تم کو ہی دیں گے، ابھی ہمارا ساتھ دو، لیکن یہ احتیاط ضرور کرنا کہ یہودی بہت چالاک قوم ہے۔اُسے جب تمہاری طرف سے خطرہ نظر آیا تو تمہارے ہی خلاف ہو جائے گی۔اس کی دولت اور اس کی لڑکیاں استعمال کرو اور اس کے عوض انہیں فلسطین پیش کرو''۔

☆

قلعہ شوبک اور قلعہ کرک سے بہت دور ایک ایسا وسیع خطہ تھا جو مٹی، ریت اور سلوں کی پہاڑیوں اور اونچی نیچی چٹانوں میں گھرا ہوا تھا۔یہ خطہ کم وبیش ڈیڑھ ایک میل وسیع اور چوڑا تھا۔اس میں بہت سا علاقہ ریتلا میدانی تھا اور اس میں کھڈ بھی تھے اور کم اونچی ٹیکریاں بھی۔ جب صلیبی حکمران اور کمانڈر اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہے تھے اور نہایت پُر کشش اور خطرناک طریقے وضع کر رہے تھے، صحرا کا یہ خطہ میدانِ جنگ بنا ہوا تھا۔ہزاروں پیادہ عسکری، گھوڑ سوار اور شتر سوار بھاگ دوڑ رہے تھے۔تلواریں اور برچھیوں کی انیاں چمک رہی تھیں۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ سے گرد گھیرے بادلوں کی طرح آسمان کی طرف اُٹھ رہی تھی۔اس گرد میں برچھیاں بھی اُڑ رہی تھیں، تیر بھی۔ پیادہ سپاہی گھوڑوں سے آگے نکل جانے کی رفتار سے دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ایک پہاڑی کے دامن میں آگ کے شعلے اُڑتے اور پہاڑی سے ٹکرا کر بھڑکتے اور بجھ جاتے تھے۔شور وغل آسمان کو ہلا رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ایک بلند چٹان پر کھڑا یہ نظارہ انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بہت دیر سے اس میدان کے اردگرد کی چٹانوں پر گھوم رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو نائب تھے۔

''میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ جس رفتار سے سکھلائی ہو رہی ہے۔ نئے سپاہی چند دنوں میں تجربہ کار ہو جائیں گے''۔ ایک نائب نے کہا۔'' آپ نے جن سواروں کو وہ اتنا چوڑا کھڈ پھلانگتے ہوئے دیکھا تھا، وہ سب کرک سے آئے ہوئے سوار ہیں۔ میں انہیں اناڑی سمجھتا تھا، تیر اندازوں کا معیار بھی اچھا ہو رہا ہے''۔

میدانِ جنگ کا یہ منظر دراصل ٹریننگ تھی، جس کے متعلق صلاح الدین ایوبی نے بڑے سخت احکام جاری کیے تھے۔ اِردگرد سے بہت سے جوان فوج میں بھرتی کیے گئے تھے اور کرک سے بھی بہت سے مسلمان چوری چھپے نکل آئے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا کمال تھا کہ کرک سے بھی جوان حاصل کر لیے تھے۔ شوبک کے وہ مسلمان جنہوں نے صلیبیوں کا ظلم و تشدد برداشت کیا تھا، جوش و خروش سے صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ ان کی ٹریننگ کا انتظام وہیں کر دیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، اس میں ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ اُسے اُس کے نائب یقین دلا رہے تھے کہ وہ نئی بھرتی کو تھوڑے سے عرصے میں پختہ کار بنا دیں گے۔

''سپاہی صرف ہتھیاروں کے استعمال اور جسمانی پھرتی سے تجربہ کار نہیں بن سکتا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... عقل اور جذبے کا استعمال ضروری ہے۔ مجھے ایسی فوج کی ضرورت نہیں جو اندھا دُھند دشمن پر چڑھ دوڑے اور صرف ہلاک کرے۔ مجھے ایسی فوج چاہیے، جسے معلوم ہو کہ اس کا دشمن کون ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں۔ میری فوج کو علم ہونا چاہیے کہ یہ خدا کی فوج ہے اور خدا کی راہ میں لڑ رہی ہے۔ جوش و خروش، جو میں دیکھ رہا ہوں، بہت ضروری ہے مگر مقصد واضح نہ ہو، اپنی حیثیت واضح نہ ہو تو یہ جوش جلدی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ انہیں بتاؤ اور ذہن نشین کراؤ کہ ہم فلسطین کیوں لینا چاہتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ غداری کتنا بڑا جرم ہے۔ انہیں سمجھاؤ کہ تم صرف فلسطین کے لیے نہیں، بلکہ اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے لڑ رہے ہو اور تم آنے والی نسلوں کے وقار کے لیے لڑ رہے ہو۔ عملی سکھلائی کے بعد انہیں وعظ دو اور ان پر ان کی قومی عظمت واضح کرو''۔

''ہر شام انہیں وعظ دیئے جاتے ہیں، سالارِ اعظم!'' ایک نائب نے کہا..... ''ہم انہیں صرف درندے اور وحشی نہیں بنا رہے''۔

''اور یہ خیال رکھو کہ ان کے دلوں میں قوم کی وہ بیٹیاں نقش کر دو جو کفار کے ہاتھوں اغوا اور بے آبرو ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''انہیں قرآن پاک کے وہ ورق یاد دلاتے رہنا، جنہیں صلیبیوں نے پاؤں تلے مسلا تھا اور انہیں وہ مسجدیں یاد دلاتے رہنا، جن میں کفار نے گھوڑے اور مویشی باندھے تھے اور باندھ رہے ہیں۔ بیٹی کی عزت اور مسجد کا احترام مسلمان کی عظمت کے نشان ہوتے ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ جس روز تم عصمت اور مسجد کو ذہن سے اُتار دو گے، اُس روز تم اپنے لیے اس دُنیا کو جہنم بنا لو گے اور آخرت میں جو عذاب ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے''۔

پہاڑیوں پر جو دو دو چار چار سپاہی گھوم پھر رہے تھے، وہ پہرہ دار تھے۔ صلیبیوں کے جوابی حملے کا خطرہ موجود تھا۔ دور آگے تک فوج موجود تھی، پھر بھی ٹریننگ کے اس علاقے کے گرد پہرے کی ضرورت تھی۔ ان پہرہ داروں میں سے دو ایک چوٹی پر جا رہے تھے، وہ رُک گئے۔ انہیں نیچے ایک ٹیکری پر صلاح الدین ایوبی کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اُن کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ فاصلہ دو اڑھائی سو گز تھا۔ ایک پہرہ دار نے کہا..... ''کم بخت کی پوری پیٹھ ہمارے سامنے ہیں، اگر یہاں سے تیر چلاؤں تو اس کے دل کے پار کر سکتا ہوں۔ کیا خیال ہے؟''

''پھر بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟'' اس کے ساتھی نے پوچھا۔

''ہاں!'' دوسرے نے کہا..... ''تم ٹھیک کہتے ہو۔ اگر یہ لوگ ہمیں پکڑ کر جان سے مار ڈالیں تو کوئی بات نہیں۔ وہ زندہ پکڑ کر ایسے شکنجے میں جکڑیں گے کہ ہمیں اپنے تمام ساتھیوں کے نام بتانے پڑیں گے''۔

''یہ کام اس کے محافظوں کو کرنے دو''۔ اس کے ساتھی نے کہا..... ''اگر صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنا اتنا آسان ہوتا تو یہ اب تک زندہ نہ ہوتا''۔

''یہ کام اب ہو جانا چاہیے''۔ دوسرے نے کہا..... ''سنا ہے فاطمی کہتے ہیں کہ تم کچھ کیے بغیر ہم سے منہ مانگی رقم لیتے جا رہے ہو''۔

''مجھے اُمید ہے کہ یہ کام جلدی ہو جائے گا''۔ اس کے ساتھی نے کہا..... ''سنا تھا کہ حشیشین بہت دلیر ہیں۔ قتل کرنے کے لیے جان پر کھیل جاتے ہیں۔ ابھی تک انہوں نے کچھ کر کے تو نہیں دکھایا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ایوبی کے محافظ دستے میں تین حشیشین ہیں۔ یہ تو ان کا کمال ہے کہ محافظ دستے تک پہنچ گئے ہیں اور کسی کو اُن کی اصلیت کا علم نہیں ہوا، مگر وہ قتل کب کریں گے؟ کم بخت ڈرتے ہیں''۔

وہ باتیں کرتے آگے چلے گئے۔

☆

مورخین لکھتے ہیں کہ مصر سے صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری سے وہاں مخالفین کی زمین دوز سرگرمیاں اُبھر آئیں تو صورتِ حال ایسی پیدا کر دی گئی جسے صرف معجزہ سنبھال سکتا تھا۔ یہ ایک سازش تھی جو فاطمی خلافت کی معزولی اور تخریب کاروں کی گرفتاری کے بعد بظاہر دب گئی تھی، لیکن راکھ میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح دہکتی رہی تھی۔ اس کی پشت پناہی کرنے والے صلیبی تھے اور اسے عملی جامہ پہنانے والے وہ مسلمان زُعما تھے جن پر سلطان ایوبی کو بھروسہ تھا۔ صلیبیوں نے یہودی لڑکیاں حاصل کر لی تھیں جو عرب اور مصر کی زبان روانی سے بولتی اور اپنے آپ کو ہر رنگ میں ڈھال سکتی تھیں۔ مصر کی انتظامیہ کے متعدد حکام اقتدار میں حصے کے یا کلی طور پر خود مختاری کے خواہش مند تھے۔ ان میں قومی وقار اور جذبہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ حرموں کے بادشاہ تھے۔ ان لوگوں کو آلۂ کار بنانے والوں میں فاطمیوں نے دانش مندی کا ثبوت دیا اور انہوں نے حسن بن صباح کے حشیشین کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔

اُس وقت کے وقائع نگاروں نے جن میں اسد الاسدی، ابن الاثیر، ابی الفضر اور ابن الجوزی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ صلیبیوں نے سوڈانیوں کو مدد دے کر انہیں مصر پر حملے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ مصر میں جو تھوڑی سی فوج تھی، وہ بغاوت کے لیے تیار کر دی گئی تھی۔ صلاح الدین ایوبی کے حامی سخت پریشان تھے کہ وہ قبل از وقت نہ پہنچا تو مصر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ان وقائع نگاروں اور دو اور گمنام کاتبوں کی غیر مطبوعہ تحریروں سے ایک کہانی کی کڑیاں ملتی ہیں۔ ان میں قاہرہ کے محکمۂ مالیات کے ایک بڑے ناظم خضر الحیات کا ذکر ملتا ہے۔ وہ خزانے کا بھی ذمہ دار تھا۔ دوسرے علاقوں کی جزیے اور تاوان وغیرہ کی رقمیں، زکوٰۃ، سزا کے طور پر وصول ہونے والے جرمانے، عطیات اور نظامتِ مصر کا تمام تر حساب کتاب اور پیسہ مالیات کے محکمے میں آتا اور خرچ ہوتا تھا۔ یہ بڑا ہی اہم اور نازک محکمہ تھا۔ اس کے ناظم کا قابلِ اعتماد ہونا بہت ضروری تھا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی خوش نصیبی تھی کہ ناظم خضر الحیات دین دار مسلمان تھا۔

ایک رات وہ باہر سے آیا۔ گھر میں داخل ہوا تو اندھیرے کو چیرتا ہوا ایک تیر آیا جو خضر الحیات کی پیٹھ میں اُتر اور

دل تک پہنچا۔ اُس کی کربناک آواز سن کر ملازم باہر آیا، پھر گھر کے افراد باہر آئے۔ مشعل کی روشنی میں خضر کو اوندھے منہ پڑے دیکھا۔ اتفاق سے کسی نے دیکھ لیا کہ خضر کے دائیں ہاتھ کی انگلی زمین پر تھی اور مٹی پر اس انگلی سے اس نے کچھ لکھا تھا، وہ مر چکا تھا۔ زمین پر اس نے انگلی سے لکھا تھا...... ''مصلح''...... ''ح'' پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس حرف کی گولائی کے نصف میں جا کر اس کی جان نکل گئی ہوگی۔ لاش اُٹھالی گئی اور اس لفظ کو محفوظ رکھا گیا۔ ایک آدمی کو کوتوال غیاث بلبیس کو بلانے دوڑا دیا گیا۔ یہی کہا جاسکتا تھا کہ خضر نے مرتے مرتے مٹی پر اپنے قاتل کا نام لکھا ہے۔ غیاث بلبیس کوتوال بھی تھا اور مصر کی تمام تر پولیس کا حاکم اعلیٰ بھی۔ یہ بھی صلاح الدین ایوبی کا قابلِ اعتماد حاکم تھا۔ علی بن سفیان کی طرح شہری جرائم کا ماہر سراغ رساں تھا۔

بلبیس نے آتے ہی زمین پر لکھے ہوئے لفظ ''مصلح'' کو غور سے دیکھا۔ اتنے میں شہر کا نائب ناظم مصلح الدین خضر کے قتل کی خبر سن کر آگیا۔ بلبیس نے اُسے دیکھتے ہی زمین پر پاؤں رگڑ کر ''مصلح'' کا لفظ مٹا دیا۔ مصلح الدین چونکہ شہر کا نائب تھا۔ اس لیے کوتوالی کا محکمہ اس کے ماتحت تھا۔ اس نے بلبیس کو حکم کے لہجے میں کہا...... ''قاتل کا سراغ صبح سے پہلے مل جانا چاہیے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا''...... بلبیس نے اسے یقین دلایا کہ قاتل کو جلدی پکڑ لیا جائے گا۔ وہ وہاں سے چلا گیا۔ رات کو ہی بلبیس نے خضر الحیات کے نائب معاون اور اس کے دفتر میں اُن افراد کو بلا لیا جو مقتول کے قریب رہتے تھے اور بتا سکتے تھے کہ قتل کے روز ان کی سرگرمیاں کیا رہیں۔ ان لوگوں سے اُسے پتا چلا کہ آج شہری انتظامیہ کے حکامِ اعلیٰ کا ایک اجلاس تھا جس میں فوج کا کوئی نمائندہ نہیں تھا۔ خضر کا نائب اس کی مدد کے لیے اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس میں مالیات کے سلسلے میں فوج کے اخراجات زیرِ بحث آئے تو خضر نے کہا کہ مصر میں بعض اخراجات روکنے پڑیں گے، کیونکہ امیرِ مصر، صلاح الدین ایوبی نے شوبک میں بہت سی فوج بھرتی کی ہے جس کے لیے کثیر رقم کی ضرورت ہے۔

نائب ناظم مصلح الدین نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ فوج کے اخراجات غیر ضروری ہیں۔ مزید فوج بھرتی کرنے کے بجائے ہمیں توجہ اس فوج کے مسائل کی طرف دینی چاہیے جو پہلے ہی ہمارے لیے ایک مہنگا مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ مصر میں جو فوج ہے، اس میں بے اطمینانی اور بدامنی پائی جاتی ہے۔ شوبک سے جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا ہے، اس میں سے اس فوج کے لیے کوئی حصہ نہیں بھیجا گیا۔ خضر الحیات نے کہا...... ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ امیرِ مصر نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے کی بدعت ختم کر دی ہے؟ یہ نہایت اچھا فیصلہ ہے۔ مالِ غنیمت کے لالچ سے لڑنے والی فوج کا کوئی قومی جذبہ اور مذہبی نظریہ نہیں ہوتا''۔

اس مسئلے پر بحث تُرش کلامی میں بدل گئی۔ مصلح الدین نے یہاں تک کہہ دیا کہ امیرِ مصر مصری سپاہیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کر رہا، جتنا شامی اور تُرک سپاہیوں کے ساتھ کرتا ہے۔ اُس نے غصے میں کچھ اور ناروا باتیں کہہ دیں، جن کے جواب میں خضر نے کہا...... ''مصلح! تمہاری زبان سے صلیبی اور فاطمی بول رہے ہیں''...... اس پر اجلاس ہنگامے کی صورت اختیار کر لیا اور برخاست ہوگیا۔ خضر الحیات کے معاون اور نائب نے بتایا کہ اجلاس کے بعد مصلح الدین خضر الحیات کے دفتر میں آیا، وہاں پھر ان میں گرما گرمی ہوئی۔ مصلح الدین خضر کو اس پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ مصری فوج مطمئن نہیں۔ اُس نے پھر وہی باتیں دہرائیں جو اس نے اجلاس میں کہی تھیں۔ خضر الحیات نے کہا...... ''اگر ایسا ہی ہے تو میں یہ مسئلہ تمہاری طرف سے امیرِ مصر کے آگے رکھ دوں گا، لیکن میں یہ ضرور لکھوں گا کہ تم نے اجلاس میں تمام شرکاء کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ امیرِ مصر فوج میں امتیازی سلوک کر رہا ہے اور میں یہ بھی لکھوں گا کہ تم نے ہمیں یہ یقین دلانے کی بھی کوشش کی کہ صلاح الدین ایوبی نے شوبک کا مالِ غنیمت شامیوں اور تُرکوں میں تقسیم کر دیا ہے اور میں یہ

رائے ضرور دوں گا کہ تم نے جو الزامات عائد کیے ہیں، انہیں سچ ثابت کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور فوج میں جو افواہیں دشمن پھیلا رہا ہے، ان کے متعلق تم نے کہا ہے کہ یہ افواہیں نہیں، بلکہ سچ ہے''۔

خضر الحیات کے نائب نے بیان دیا کہ مصلح الدین جب خضر کے کمرے سے نکلا تو اس کے منہ سے یہ الفاظ سُنے گئے تھے..... ''اگر تم زندہ رہے تو سب کچھ لکھ کر صلاح الدین ایوبی کے آگے رکھ دینا''۔

غیاث بلبیس نے فوری طور پر مصلح الدین سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک تو اس کی حیثیت بہت اونچی تھی اور دوسرے یہ کہ بلبیس اُس کے خلاف مزید شہادت جمع کرنا چاہتا تھا۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ اگر اُس نے مصلح الدین پر بغیر ٹھوس شہادت کے ہاتھ ڈالا تو یہ اقدام اس کے اپنے لیے مصیبت بن جائے گا، اگر صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں موجود ہوتا تو بلبیس اس کی پشت پناہی حاصل کر لیتا۔ وہ اتنا سمجھ گیا تھا کہ یہ قتل ذاتی رنجش کا نتیجہ نہیں۔ خضر الحیات ذاتی رنجش رکھنے والا حاکم نہیں تھا۔ رات کو اُس نے چند ایک لوگوں کے دروازے کھٹکھٹائے اور تفتیش میں لگا رہا۔ اپنے خفیہ آدمیوں کو بھی سرگرم کر دیا، لیکن اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔

☆

بعد کی شہادتوں اور واقعات سے جو واردات سامنے آئی، وہ کچھ اس طرح بنتی ہے کہ قتل کی رات سے اگلی رات مصلح الدین اپنے گھر گیا تو پہلی بیوی نے اُسے کمرے میں بلایا۔ اُس نے بیس اشرفیاں مصلح الدین کے آگے کرتے ہوئے کہا..... ''خضر الحیات کا قاتل یہ بیس اشرفیاں واپس کر گیا ہے اور کہہ گیا ہے کہ تم نے پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے کہے تھے۔ میں نے تمہارا کام کر دیا تو تم نے صرف بیس اشرفیاں بھیجی ہیں۔ یہ میں تمہاری بیوی کو واپس دے چلا ہوں۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اب ایک سو اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے لوں گا، اگر دو دن تک مال نہ پہنچا تو ویسا ہی تیر جو خضر کے دِل میں اُترا ہے، تمہارے بھی دِل میں اُتر جائے گا''۔

مصلح الدین کا رنگ اُڑ گیا، سنبھل کر بولا..... ''تم کیا کہہ رہی ہو؟ کون تھا وہ؟ میں نے کسی کو خضر الحیات کے قتل کے لیے یہ رقم نہیں دی تھی؟''

''تم خضر کے قاتل ہو''۔ بیوی نے کہا..... ''مجھے معلوم نہیں کہ قتل کی وجہ کیا ہے۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ تم نے اُسے قتل کرایا ہے''۔

یہ مصلح الدین کی پہلی بیوی تھی۔ اُس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل تیس سال کی ہوگی۔ خاصی خوب صورت عورت تھی۔ کوئی ایک ماہ قبل وہ گھر میں ایک غیر معمولی طور پر خوب صورت اور جوان لڑکی لے آیا تھا۔ ایک خاوند کے لیے بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اُس زمانے میں زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ کوئی بیوی دوسری بیویوں سے حسد نہیں کرتی تھی، مگر مصلح الدین نے پہلی بیوی کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ جب سے نئی بیوی آئی تھی اُس نے پہلی بیوی کے کمرے میں جانا ہی چھوڑ دیا تھا..... بیوی نے اُسے کئی بار بلایا تو بھی وہ نہ گیا۔ بیوی کے اندر انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ آدمی جو اُسے بیس اشرفیاں دے گیا تھا۔ غالباً مصلح الدین سے بڑا ہی سنگین انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے اس کی پہلی بیوی کو بتا دیا تھا کہ خضر الحیات کو مصلح الدین نے قتل کرایا ہے۔

''تم اپنی زبان بند رکھنا''۔ مصلح الدین نے بیوی کو بارعب لہجے میں کہا..... ''یہ میرے کسی دشمن کی چال ہے۔ وہ میرے اور تمہارے درمیان دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے''۔

''تمہارے دِل میں میری دشمنی کے سوا اور رہا ہی کیا ہے؟''...... بیوی نے پوچھا۔

''میرے دِل میں تمہاری پہلے روز والی محبت ہے۔'' مصلح الدین نے کہا...... ''کیا تم اس آدمی کو پہچانتی ہو؟''

''اُس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا''۔ بیوی نے کہا...... ''مگر تمہارا نقاب اُتر گیا ہے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے''...... مصلح الدین نے کچھ کہنے کی کوشش کی، مگر بیوی نے اُسے بولنے نہ دیا۔ اُس نے کہا...... ''مجھے شک ہے تم نے بیت المال کی رقم ہضم کی ہے، جس کا علم خضر الحیات کو ہو گیا تھا۔ تم نے کرائے کے قاتل سے اُسے راستے سے ہٹا دیا ہے''۔

''مجھ پر جھوٹے الزام عائد نہ کرو''...... مصلح الدین نے کہا...... ''مجھے رقم ہضم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''تمہیں نہیں، اُس فرنگن کو رقم کی ضرورت ہے، جسے تم نے نکاح کے بغیر گھر رکھا ہوا ہے''۔ بیوی نے جل کر کہا...... ''تمہیں شراب کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ اگر یہ الزام جھوٹا ہے تو بتاؤ کہ یہ چار گھوڑوں کی بگھی کہاں سے آئی ہے؟ گھر میں آئے دن ناچنے والیاں جو آتی ہیں، وہ کیا مفت آتی ہیں؟ شراب کی جو دعوتیں دی جاتی ہیں، اُن کے لیے رقم کہاں سے آتی ہے؟''

''خدا کے لیے چپ ہو جاؤ''۔ مصلح الدین نے غصے اور پیار کے ملے جلے لہجے میں کہا...... ''مجھے معلوم کر لینے دو، وہ آدمی کون تھا جو یہ خطرناک چال چل گیا ہے۔ اصل حقیقت تمہارے سامنے آجائے گی''۔

''میں اب چپ نہیں رہ سکوں گی''۔ بیوی نے کہا...... ''تم نے میرا سینہ انتقام سے بھر دیا ہے۔ میں سارے مصر کو بتاؤں گی کہ میرا خاوند قاتل ہے۔ ایک مومن کا قاتل ہے۔ تم میری محبت کے قاتل ہو۔ اس قتل کا انتقام لوں گی''۔

مصلح الدین منت سماجت کر کے اُسے چپ کرانے لگا اور اُسے قائل کر لیا کہ وہ صرف دو روز چپ رہے، تا کہ وہ اس آدمی کو تلاش کر کے ثابت کر سکے کہ وہ قاتل نہیں ہے۔ اُس نے بیوی کو یہ بھی بتایا کہ غیاث بلبیس نے چند ایک مشتبہ افراد پکڑ لیے ہیں اور قاتل بہت جلدی پکڑا جائے گا۔

رات گزر گئی۔ اگلا دِن بھی گزر گیا۔ مصلح الدین گھر سے غائب رہا۔ اس کی دوسری بیوی یا داشتہ بھی کہیں نظر نہ آئی۔ شام کے بعد مصلح الدین گھر آیا اور پہلی بیوی کے کمرے میں چلا گیا۔ اُس کے ساتھ پیار اور محبت کی باتیں کرتا رہا۔ بیوی اُس کے فریب میں نہیں آنا چاہتی تھی، مگر پیار کے دھوکے میں آگئی۔ مصلح الدین نے اُسے کہا کہ وہ اس آدمی ڈھونڈ رہا ہے، جو بیس اشرفیاں دے گیا تھا...... کچھ دیر بعد بیوی سو گئی۔ اُس رات مصلح الدین نے ملازموں کو چھٹی دے دی تھی۔ گھر میں ایسی خاموشی تھی جو پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ مصلح الدین بہت دیر سوئی ہوئی بیوی کے کمرے میں رہا، پھر اُٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

آدھی رات کا عمل ہو گا۔ ایک آدمی اس گھر کی باہر والی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی اُس کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ تیسرا آدمی ان دونوں کو سیڑھی بنا کر اوپر گیا اور دیوار سے لٹک کر اندر کی طرف کود گیا۔ اس نے اندر سے بڑا دروازہ کھول دیا۔ اس کے دونوں ساتھی اندر آ گئے۔ اس گھر میں رکھوالی والا کتا ہر رات کھلا رہتا تھا، اس رات وہ بھی ڈربے میں بند تھا۔ شاید ملازم جاتے ہوئے بھول گئے تھے کہ اُسے کھلا رہنا ہے۔ تینوں آدمی برآمدے میں چلے گئے۔ اندھیرا گہرا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتے گئے۔ گھپ اندھیرے میں ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ایک نے اُس کمرے کے دروازے پر جا ہاتھ رکھا، جس میں مصلح الدین کی پہلی بیوی جسے وہ فاطمہ کے نام سے بلایا کرتا تھا، سوئی ہوئی تھی۔ کواڑ کھل گیا۔ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں آدمی اندر گئے اور اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے فاطمہ کے پلنگ تک پہنچ گئے۔ ایک آدمی کا ہاتھ فاطمہ کے منہ پر لگا تو اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھی کہ مصلح الدین کا ہاتھ ہے۔ اس نے ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا...... ''کہاں جا

رہے ہیں آپ؟''

اس کے جواب میں ایک آدمی نے اس کے منہ پر کپڑا رکھ کر اس کا کچھ حصہ اُس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ فوراً بعد تینوں نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ایک نے منہ پر ایک اور کپڑا کس کر باندھ دیا۔ ایک نے ایک بوری کی طرح کا تھیلا کھولا۔ دوسرے دو آدمیوں نے فاطمہ کو دُہرا کر کے رسیوں سے اُس کے ہاتھ اور پاؤں باندھے اور اُسے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا۔ انہوں نے تھیلا اُٹھایا اور باہر نکل گئے۔ بڑے دروازے سے بھی نکل گئے۔ گھر میں کوئی مرد ملازم نہیں تھا۔ خادمائیں بھی اس رات چھٹی پر تھیں۔ تھوڑی دور ایک درخت کے ساتھ تین گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ تینوں آدمی گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ ایک نے تھیلا اپنے آگے رکھ لیا۔ تینوں گھوڑے قاہرہ سے نکل گئے اور سکندریہ کا رُخ کر لیا۔

صبح ملازم آ گئے۔ مصلح الدین نے فاطمہ کے متعلق پوچھا، دو خادماؤں نے اسے تلاش کر کے بتایا کہ وہ گھر میں نہیں ہے۔ بہت دیر تک جب اس کا کوئی سراغ نہ ملا تو مصلح الدین ایک خادمہ کو الگ لے گیا۔ بہت دیر تک اُس کے ساتھ باتیں کرتا رہا، پھر اُسے ساتھ لیے غیاث بلبیس کے پاس چلا گیا۔ اُسے کہا کہ اُس کی بیوی لاپتہ ہوگئی ہے۔ اس نے اس شک کا اظہار کیا کہ خضر الحیات کو فاطمہ نے قتل کرایا ہے اور خضر نے مرتے مرتے انگلی سے ''مصلح'' جو لکھا تھا، وہ دراصل مصلح کی بیوی لکھنا چاہتا تھا، لیکن موت نے تحریر پوری نہ ہونے دی۔ اس کے ثبوت میں اُس نے اپنی خادمہ سے کہا کہ وہ بلبیس کو اس آدمی کے متعلق بتائے۔ خادمہ نے بیان دیا کہ پرسوں شام ایک اجنبی آیا، جس کے چہرے پر نقاب تھا۔ اُس وقت مصلح الدین گھر پر نہیں تھا۔ اُس آدمی نے دروازے پر دستک دی تو یہ خادمہ باہر گئی۔ اجنبی نے کہا کہ وہ فاطمہ سے ملنا چاہتا ہے۔ خادمہ نے کہا کہ گھر میں کوئی مرد نہیں، اس لیے وہ فاطمہ سے نہیں مل سکتا۔ اس نے کہا کہ فاطمہ سے یہ کہہ دو کہ وہ اشرفیاں واپس کرنے آیا ہے، کہتا ہے کہ میں پوری رقم لوں گا۔ خادمہ نے فاطمہ کو بتایا تو اُس نے اس آدمی کو اندر بلا لیا۔

خادمہ نے بیان میں کہا کہ فاطمہ نے اُسے برآمدے میں کھڑا رہنے کو کہا اور یہ ہدایت دی کہ کوئی آ جائے تو میں اسے خبردار کر دوں۔ خادمہ کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑی رہی۔ اندر کی باتیں جو اُسے سنائی دیں، ان میں اس آدمی کا غصہ اور فاطمہ کی منت سماجت تھی۔ ان باتوں سے صاف پتا چلتا تھا کہ فاطمہ نے اس آدمی سے کہا تھا کہ علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو قتل کرنا ہے، جس کے عوض وہ اسے پچاس اشرفیاں اور دو ٹکڑے سونا دے گی۔ خادمہ کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ فاطمہ نے اس آدمی کو بیس اشرفیاں کس وقت اور کہاں بھیجی تھیں اور کون لے گیا تھا۔ وہ پوری پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ اُسے کہہ رہی تھی کہ اُس نے غلط آدمی کو قتل کیا ہے۔ یہ نقاب پوش اجنبی کہہ رہا تھا کہ تم نے یقین کے ساتھ بتایا تھا کہ حسن بن عبداللہ فلاں وقت خضر الحیات کے گھر جائے گا۔ وہ گھات میں بیٹھ گیا۔ اُس نے ایک آدمی کو خضر کے گھر کے دروازے کے قریب جاتے دیکھا۔ اُس کا قد بُت حسن بن عبداللہ کی طرح تھا۔ قتل کرتے وقت اتنی مہلت نہیں ملی کہ شکار کو اچھی طرح دیکھ کر یقین کر لیا جائے۔ تم نے جو وقت بتایا تھا، یہ وہی وقت تھا۔ میں نے تیر چلا دیا اور وہاں سے بھاگ نکلا۔

وہ فاطمہ سے پچاس اشرفیاں مانگ رہا تھا۔ فاطمہ نے پہلے تو منت سماجت کی، پھر وہ بھی غصے میں آ گئی اور کہا کہ اصل آدمی کو قتل کرو گے تو ان بیس اشرفیوں کے علاوہ پچاس اشرفیاں اور سونے کے دو ٹکڑے دوں گی۔ اس آدمی نے کہا کہ میں نے کام کر دیا ہے، اس کی پوری اُجرت لوں گا۔ فاطمہ نے انکار کر دیا۔ وہ آدمی بڑے غصے میں یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں پوری اُجرت وصول کر لوں گا۔ فاطمہ نے خادمہ کو سختی سے کہا کہ وہ اس آدمی کے متعلق کسی سے ذکر نہ کرے۔ اُس نے خادمہ کو دو اشرفی انعام دیا۔ آج صبح وہ اس کے کمرے میں گئی تو فاطمہ وہاں نہیں تھی۔ اُسے شک ہے کہ اس آدمی نے انتقاماً اسے اغوا کر لیا ہے۔

غیاث بلبیس نے کچھ سوچ کر مصلح الدین کو باہر بھیج دیا اور خادمہ سے پوچھا..... ''یہ بیان تمہیں کس نے پڑھایا ہے؟ فاطمہ نے یا مصلح الدین نے؟''

''فاطمہ تو یہاں نہیں ہے'' ۔اُس نے کہا..... ''یہ میرا اپنا بیان ہے''۔

''مجھے سچ بتا دو'' ۔بلبیس نے کہا..... ''فاطمہ کہاں ہے، وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟'' خادمہ گھبرانے لگی ۔کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی ۔بلبیس نے کہا..... ''کوتوالی کے تہہ خانے میں جانا چاہتی ہو؟ اب تم واپس نہیں جا سکو گی''۔

وہ غریب عورت تھی ۔اُسے معلوم تھا کہ کوتوالی کے تہہ خانے میں جا کر سچ اور جھوٹ الگ الگ ہو جاتے ہیں اور اس سے پہلے جسم کے جوڑ بھی الگ الگ ہو جاتے ہیں ۔وہ رو پڑی اور بولی..... ''سچ کہتی ہوں تو آقا سزا دیتا ہے، جھوٹ بولتی ہوں تو آپ سزا دیتے ہیں''..... بلبیس نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اُسے تحفظ کا یقین دلایا ۔خادمہ نے کہا..... ''میں نے قتل کے دوسرے روز صرف استاد دیکھا تھا کہ ایک نقاب پوش آیا تھا ۔آقا مصلح الدین گھر نہیں تھے ۔نقاب پوش نے فاطمہ کو باہر بلایا تھا ۔وہ بڑے دروازے کے باہر اور فاطمہ اندر تھی ۔وہ اس کے سامنے نہیں ہوئی ۔ملازموں نے اُسے دیکھا تھا، لیکن کسی نے بھی قریب جا کر نہیں سنا کہ ان کے درمیان کیا باتیں ہوئی ۔نقاب پوش چلا گیا تو فاطمہ اندر آئی ۔اُس نے چھوٹی سی ایک تھیلی اُٹھا رکھی تھی ۔فاطمہ کا سر جھکا ہوا تھا ۔وہ کمرے میں چلی گئی تھی..... دوسری شام مصلح الدین نے چاروں ملازموں اور سائیس کو رات بھر کی چھٹی دے دی تھی ۔چار ملازموں میں دو مرد اور دو عورتیں ہیں''۔

''اس سے پہلے ملازموں کو کبھی رات بھر کے لیے چھٹی دی گئی ہے؟''..... بلبیس نے پوچھا۔

''کبھی نہیں'' ۔اس نے جواب دیا..... ''کوئی ایک ملازم کبھی چھٹی لے لیتا ہے، سب کو کبھی چھٹی نہیں دی گئی ۔خادمہ نے سوچ کر کہا..... ''عجیب بات یہ ہے کہ آقا نے کہا تھا کہ آج رات کتے کو بند ھا رہنے دینا ۔اس سے پہلے ہر رات کتا کھلا رکھا جاتا تھا ۔بڑا خون خوار کتا ہے ۔اجنبی کو بُو پر چیر نے پھاڑنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے''۔

''مصلح الدین کے تعلقات فاطمہ کے ساتھ کیسے تھے؟'' غیاث بلبیس نے پوچھا۔

''بہت کھچے ہوئے'' ۔خادمہ نے بتایا..... ''آقا ایک بڑی خوب صورت اور جوان لڑکی لایا ہے جس نے آقا کو اپنا غلام بنالیا ہے ۔فاطمہ کے ساتھ آقا کی بول چال بھی بند ہے''۔

غیاث بلبیس نے خادمہ کو الگ بٹھا کر مصلح الدین کو اندر بلایا اور باہر نکل گیا ۔واپس آیا تو اس کے ساتھ دو سپاہی تھے ۔انہوں نے مصلح الدین کو دائیں اور بائیں بازوؤں سے پکڑ لیا اور باہر لے جانے لگے ۔مصلح الدین نے بہت احتجاج کیا ۔بلبیس یہ حکم دے کر باہر نکل گیا کہ اسے قید میں ڈال دو ۔اُس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ مصلح الدین کے گھر پر پہرہ کھڑا کر دو، کسی کو باہر نہ جانے دو۔

☆

اُس وقت فاطمہ قاہرہ سے بہت دُور شمال کی طرف ایک ایسی جگہ پہنچ چکی تھی جہاں ارد گرد اونچے ٹیلے، سبزہ اور پانی بھی تھا ۔یہ جگہ عام راہ گزر سے ہٹی ہوئی تھی ۔وہاں وہ سورج نکلنے کے وقت پہنچی تھی، گھوڑے رُک گئے ۔اُسے تھیلے سے نکالا گیا، اُس کے منہ سے کپڑا ہٹا دیا گیا اور ہاتھ پاؤں بھی کھول دیئے گئے ۔اُس کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے ۔وہ تین نقاب پوشوں کے نرغے میں تھی ۔تین گھوڑے کھڑے تھے ۔فاطمہ چیخنے چلانے لگی ۔نقاب پوشوں نے اُسے پانی پلایا اور کچھ کھانے کو دیا ۔وہ ہاتھ نہیں آ رہی تھی ۔اُس کے پیٹ میں پانی اور کھانا گیا اور تازہ ہوا لگی تو جسم میں طاقت آ گئی ۔وہ اچانک اُٹھی

اور دوڑ پڑی۔ تینوں بیٹھے دیکھتے رہے۔ کوئی بھی اس کے تعاقب میں نہ گیا۔ دُور جا کر وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں چلی گئی تو ایک نقاب پوش گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایڑ لگائی اور فاطمہ کو جا لیا۔ وہ دوڑ دوڑ کر تھک گئی، لیٹ گئی۔ نقاب پوش نے اُسے اُٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا اور خود اس کے پیچھے سوار ہو کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس لے گیا۔

''بھاگو''۔ ایک نے اُسے تحمل سے کہا۔ ''کہاں تک بھاگو گی۔ یہاں سے تو کوئی تنومند مرد بھی بھاگ کر قاہرہ نہیں پہنچ سکتا''۔ فاطمہ روتی، چیختی اور گالیاں دیتی تھی۔ ایک نقاب پوش نے اُسے کہا..... ''اگر ہم تمہیں قاہرہ واپس لے چلیں تو بھی تمہارے لیے کوئی پناہ نہیں۔ تمہیں تمہارے خاوند نے ہمارے حوالے کیا ہے''۔

''یہ جھوٹ ہے''۔ فاطمہ نے چلا کر کہا۔

''یہ سچ ہے''۔ اُس نے کہا۔ ''ہم نے تمہیں اُجرت کے طور پر لیا ہے۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں تمہارے ہاتھ میں بیس اشرفیوں کی تھیلی دے آیا تھا۔ تم نے خاوند سے کہہ دیا کہ تم قاتل ہو اور تم نے بے وقوفی یہ کی کہ اُسے یہ بھی کہہ دیا کہ تم کوتوال کو بتا دو گی۔ وہ تم سے پہلے ہی تنگ آیا ہوا تھا۔ اُس کی داشتہ نے اُس کے دل پر اور اس کی عقل پر قبضہ کر لیا تھا۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ لڑکی کون ہے اور کہاں سے آئی ہے اور کیا کرنے آئی ہے۔ دوسرے دن تمہارا خاوند ہمارے ٹھکانے پر آیا۔ ایسا بے ایمان آدمی ہے کہ اُس نے ہمیں خضرالحیات کے قتل کے عوض پچاس اشرفی اور سونے کے دو ٹکڑے دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر کام ہو گیا تو صرف بیس اشرفی بھیجی۔ میں نے تمہیں استعمال کیا اور یہ رقم تمہارے ہاتھ میں دے دی تاکہ تمہیں بھی اس راز کا علم ہو جائے۔ ہمارا تیر نشانے پر بیٹھا۔ دوسرے دن وہ ہمارے ٹھکانے پر آیا اور پچاس اشرفیاں دینے لگا۔ سونے کے ٹکڑے پھر ہضم کر رہا تھا۔ میرے اِن ساتھیوں نے کہا کہ اب ہم بہت زیادہ اُجرت لیں گے۔ اگر وہ نہیں دے گا تو ہم کسی نہ کسی طرح کوتوال تک خبر پہنچا دیں گے۔ اسے اب خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ تمہیں بھی پتا چل گیا تھا کہ قاتل وہی ہے۔ اس کا علاج اس نے یہ سوچا کہ ہمیں کہا کہ تم میری بیوی کو اُٹھا لے جاؤ۔ میں تمہارے لیے راستہ صاف کر دوں گا۔ ہم جان گئے کہ وہ اپنی داشتہ کے زیرِ اثر تم سے جان چھڑانا چاہتا ہے اور اب وہ اُس لیے تمہیں غائب کرنا چاہتا ہے کہ تم اس کے جُرم کی گواہ بن گئی ہو اور اُسے کہہ بھی چکی ہو کہ تم کوتوال کو خبر کر دو گی''۔

فاطمہ کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ وہ حیرت زدہ ہو کر اُن تینوں کو باری باری دیکھتی تھی۔ اُن کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ یہ آنکھیں ڈراؤنی اور خوفناک تھیں۔ اُن کی زبان میں مٹھاس اور اپنائیت کی جھلک ضرور تھی۔ انہوں نے اُسے دھمکی نہیں دی، بلکہ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس کا تڑپنا، رونا اور بھاگنا بے کار ہے۔

''میں نے تمہیں دیکھا تھا''۔ نقاب پوش نے اُسے کہا..... ''جب مصلح الدین نے کہا کہ میری بیوی کو اُجرت کے طور پر اُٹھا لے جاؤ تو میں نے سکندریہ کی منڈی کے بھاؤ سے تمہاری قیمت کا اندازہ کیا۔ تم ابھی جوان ہو اور تم حسین ہو۔ تم بڑے اچھے داموں بک سکتی ہو۔ ہم مان گئے۔ اگر تمہارا خاوند ہمیں اتنی زیادہ اُجرت نہ دیتا تو ہم نے اسے بتا دینا تھا کہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا اور اس کی داشتہ کو اغوا کر لیا جائے گا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ آج رات اُس کے گھر کوئی ملازم نہیں ہو گا۔ کتا بھی بندھا ہوا ہو گا۔ البتہ بڑا دروازہ اندر سے بند ہو گا کہ تم دیکھ لو تو شک نہ کرو..... ہم تینوں ایک دوسرے کے اوپر کھڑے ہو کر تمہارے گھر کی دیوار پھلانگی۔ ہم نے ہاتھوں میں خنجر لے رکھے تھے اور ہم سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے، کیونکہ ہمیں تمہارے خاوند پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ ہمیں مروا سکتا تھا، لیکن ایسا نہ ہوا۔ ہمارے لیے راستہ واقعی صاف تھا۔ تمہیں اُٹھایا اور لے آئے''۔

''اِس نے یہ کہانی تمہیں اس لیے سنائی ہے کہ تم اپنے خاوند کے گھر کو دِل سے نکال دو''...... دوسرے نقاب پوش نے کہا...... ''ہم تمہیں یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ ہم تین آدمی اکیلی عورت کی مجبوری سے فائدہ نہیں اُٹھائیں گے۔ ہم بیوپاری ہیں۔ کرائے کا قتل اور اغوا ہمارا پیشہ ہے۔ ہم تمہارے جسم کے ساتھ کھیل کر خوش ہونے والے نہیں۔ تین مرد ایک عورت کو اغوا اور مجبور کر کے تفریح کریں تو یہ کوئی فخر والی بات نہیں''۔

''تم مجھے سکندر کے بازار میں بیچو گے؟'' فاطمہ نے بے بسی کے لہجے میں پوچھا...... ''میری قسمت میں اب عصمت فروشی لکھی ہے؟''

''نہیں''۔ ایک نقاب پوش نے جواب دیا...... ''عصمت فروشی کے لیے جنگلی اور صحرائی لڑکیاں خریدی جاتی ہیں، تم حرم کی چیز ہو۔ کسی باعزت امیر کے پاس جاؤ گی۔ ہمیں بھی تو اچھی قیمت چاہیے۔ ہم تمہیں مٹی میں نہیں پھینکیں گے۔ تم اب رونا اور غم کرنا چھوڑ دو، تاکہ تمہارے چہرے کی دلکشی اور رونق قائم رہے، ورنہ تم عصمت فروشی کے قابل رہ جاؤ گی۔ تھوڑی دیر کے لیے سو جاؤ''۔

☆

یہ دیکھ کر اِن لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی بے ہودہ حرکت نہیں کی، دست درازی نہیں کی، فاطمہ کو کچھ سکون سا محسوس ہوا۔ رات بھر وہ اذیت میں بھی رہی تھی۔ تھیلے میں دُہری کر کے اسے بند کیا گیا تھا، جسم درد کر رہا تھا۔ وہ لیٹی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کا دِل خوف اور گھبراہٹ کی گرفت میں تھا۔ اِس صورتِ حال کو وہ قبول نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ تینوں نقاب پوش سوئے ہوئے ہیں۔ وہ بھی رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ فاطمہ نے پہلے تو یہ سوچا کہ کسی ایک کا خنجر نکال کر تینوں کو قتل کر دے، لیکن اتنی جُرات نہ کر سکی۔ تینوں کو قتل کرنا آسان نہیں تھا۔ اُس نے گھوڑے دیکھے۔ ان لوگوں نے گھوڑوں سے زینیں نہیں اُتاری تھیں۔ وہ آہستہ سے اُٹھی اور دبے پاؤں ایک گھوڑے تک پہنچی۔ سورج ٹیلوں کے پیچھے جا رہا تھا اور فاطمہ کو معلوم ہی نہ تھا کہ وہ قاہرہ سے کس طرف اور کتنی دُور ہے۔ اس نے یہ خطرہ مول لے لیا اور صحرا کی وُسعت میں بھٹک بھٹک کر مر جائے گی، ان لوگوں کے ہاتھوں سے ضرور نکلے گی۔

اُس نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایڑ لگا دی۔ ٹاپوؤں نے نقاب پوشوں کو جگا دیا۔ انہوں نے فاطمہ کو ٹیلے کی اوٹ میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ دو نقاب پوش گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تعاقب میں گھوڑے سرپٹ بھگا دیئے۔ فاطمہ کے لیے مشکل یہ تھی کہ اُسے ٹیلوں کے قید خانے سے نکلنے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ صحرائی ٹیلے بھول بھلیوں جیسے ہوتے ہیں۔ صرف صحرا کے بھیدی ان سے واقف ہوتے ہیں۔ فاطمہ ایسے رُخ ہولی جہاں آگے ایک اور ٹیلے نے راستہ روک رکھا تھا۔ اُس نے وہاں جا کر پیچھے دیکھا تو نقاب پوش تیزی سے اس کے قریب آ رہے تھے۔ اس نے گھوڑے کو ٹیلے پر چڑھا اور ایڑ ماری گئی، گھوڑا اچھا تھا۔ اوپر جا کر پرے اُتر گیا۔ وہ ایک طرف کو گھوڑا موڑ لے گئی۔ آگے راستہ مل گیا۔ نقاب پوش بھی پہنچ گئے۔ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ فاطمہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، جب اُس نے اپنے سامنے سمندر کی طرح کھلا صحرا اور چار شتر سوار اپنی سمت آتے دیکھے۔ اُس نے چلانا شروع کر دیا...... ''بچاؤ، ڈاکوؤں سے بچاؤ''...... وہ اُن تک پہنچ گئی۔

اُس کے پیچھے دونوں نقاب پوشوں کے گھوڑے باہر آئے۔ شتر سواروں کو دیکھ کر انہوں نے گھوڑوں کی باگیں کھینچیں اور گھوڑے موڑے بھی۔ شتر سواروں نے اونٹ دوڑا دیئے۔ ایک نے کمان میں تیر رکھ کر چھوڑا تو تیر ایک گھوڑے کی گردن میں اُتر گیا۔ گھوڑا درد سے تڑپا، اُچھلا اور بے قابو ہو گیا۔ سوار گو دگیا۔ شتر سواروں نے انہیں للکارا تو دوسرے نے

گھوڑا روک لیا۔ انہیں معلوم تھا کہ چار شتر سوار تیر اندازوں کی زد میں ہیں۔ فاطمہ نے بتایا کہ ان کا ایک ساتھی اندر ہے۔ ان دونوں کو پکڑ لیا گیا...... یہ چاروں سلطان ایوبی کی فوج کے کسی گشتی دستے کے سپاہی تھے۔ سلطان ایوبی نے سارے صحرا میں گشتی پہرے کا انتظام کر رکھا تھا، تاکہ اچانک حملے کا خطرہ نہ رہے اور صلیبی تخریب کار مصر میں داخل نہ ہو سکیں۔ ان گشتی دستوں کا بہت فائدہ تھا۔ انہوں نے کئی مشتبہ لوگ پکڑے تھے۔ اب یہ نقاب پوش اُن کے پھندے میں آ گئے۔ فاطمہ نے انہیں بتایا کہ اُسے کس طرح یہاں تک لایا گیا ہے، وہ کس کی بیوی ہے۔ اُن نے یہ بھی بتایا کہ ناظم مالیات قتل ہو گیا ہے۔ قتل اس کے خاوند مصلح الدین نے کرایا ہے، جو شہر کا ناظم ہے اور قاتل ان تینوں میں سے ایک ہے۔

تیسرے نقاب پوش کو بھی پکڑ لیا گیا۔ اُن سے خنجر لے لیے گئے۔ ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ اُن کا ایک گھوڑا تیر لگنے سے بھاگ گیا تھا۔ ایک گھوڑے پر دو نقاب پوشوں کو اور تیسرے پر ایک کو بٹھا کر سپاہی اپنے کمانڈر کے پاس لے چلے۔ فاطمہ کو انہوں نے اونٹ پر بٹھا لیا۔ اس اونٹ کا سوار اپنے ایک ساتھی کے پیچھے سوار ہو گیا۔ اس قافلے کے سامنے چار میل کی مسافت تھی جو انہوں نے سورج غروب ہونے تک طے کر لی۔ وہ ایک نخلستان تھا، جہاں خیمے بھی نصب تھے۔ یہ اس دستے کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ فاطمہ کو اس کمان دار کے سامنے پیش کیا گیا۔ تینوں نقاب پوشوں کو پہرے میں بٹھا دیا گیا۔ انہیں اگلے روز قاہرہ بھیجنا تھا۔

☆

صلیبیوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کرک میں بیٹھے بیٹھے صلاح الدین ایوبی کا انتظار نہیں کریں گے۔ انہوں نے فوج کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ فرانس کی فوج کو انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو راستے میں روکنے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ ریمانڈ کی فوج مسلمانوں کی فوج پر عقب سے حملے کے لیے مقرر ہوئی۔ کرک کے قلعے کے دفاع کے لیے جرمنی کی فوج تھی، جس کے ساتھ فرانس اور انگلستان کے کچھ دستے تھے۔ انہیں جاسوسوں نے بتا دیا تھا کہ سلطان ایوبی نئی فوج تیار کر رہا ہے۔ صلیبی حکمرانوں نے اس اقدام کا جائزہ لیا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ٹریننگ کیمپ پر حملہ کر کے پیچھے ہٹ آئیں لیکن اُن کی انٹیلی جنس نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ دلیل یہ دی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے دفاع کی تین تہیں بنا رکھی ہیں، جن میں ایک تہہ متحرک ہے۔ اس کے علاوہ اس کے دیکھ بھال کے دستے دُور دُور تک گھومتے پھرتے ہیں اور صحرا میں ہلتی ہوئی ہر چیز کو قریب جا کر دیکھتے ہیں۔ ان دفاعی انتظامات کو دیکھ کر صلیبیوں نے اس حملے کا خیال دل سے نکال دیا۔

ایک امریکی مصنف انٹنی ویسٹ نے متعدد مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ صلیبیوں کے پاس صلاح الدین ایوبی کی نسبت چار گنا فوج تھی، جس میں زرہ پوش پیادہ اور سوار دستوں کی بہتات تھی۔ اگر یہ فوج صلاح الدین ایوبی پر براہِ راست حملہ کر دیتی تو مسلمان زیادہ دیر جم نہ سکتے، مگر صلیبی فوج کو شوبک کی شکست میں جو نقصان اُٹھانا پڑا تھا، اس میں ایک دہشت بھی تھی جو میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے فوجیوں پر طاری تھی۔ صلیبیوں کا مورال متزلزل تھا، جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شوبک کو وہ لوہے کا قلعہ سمجھتے تھے۔ وہ اپنی فوج کو صحرا میں بھیج کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ سلطان ایوبی قلعوں سے دُور ہی ختم کر دیں گے۔ وہ کرک کے دفاع میں بیٹھے رہے اور ایوبی نے شوبک لے لیا اور صحرا میں صلیبیوں کو آمنے سامنے کی جنگ کا موقع دیئے بغیر انہیں چھاپہ ماروں سے مروا دیا۔ اس کی ''آگ کی ہانڈیوں'' نے گھوڑوں اور اونٹوں کو اتنا دہشت زدہ کیا کہ خاصے عرصے تک جانور معمولی سی آگ دیکھ کر بھی بدک جاتے تھے۔ انٹنی ویسٹ نے ثبوت بھی مہیا کیا ہے کہ صلیبی فوج مختلف بادشاہوں اور ملکوں کی مرکب تھی جو بظاہر متحد تھی، لیکن یہ اتحاد برائے نام تھا۔

ہر بادشاہ اور اس کی فوج کا اعلیٰ کمانڈر ملک گیری اور بادشاہی کی توسیع کا خواہش مند تھا۔ ان میں صرف یہ جذبہ مشترک تھا کہ مسلمان کو ختم کرنا ہے، مگر اُن کے دِلوں میں جو اختلافات تھے، وہ اُن کے فیصلوں پر اثر انداز ہوتے تھے۔

مورخ لکھتے ہیں کہ صلیبی سازشوں کے ماہر تھے اور مسلمانوں کے جس علاقے پر قابض ہو جاتے تھے، وہاں قتلِ عام اور آبروریزی شروع کر دیتے تھے۔ اس کے برعکس صلاح الدین ایوبی محبت اور اخلاقی قدروں کو ایسی خوبی سے استعمال کرتا تھا کہ دشمن بھی اس کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اُس نے اپنی فوج میں یہ خوبی پیدا کر دی تھی کہ دس سپاہیوں کا چھاپہ مار دستہ ایک ہزار نفری کے فوجی کیمپ کو تہس نہس کر کے غائب ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ جان قربان کرنے کو معمولی سی قربانی سمجھتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی جس انداز سے میدانِ جنگ میں تھوڑی سی فوج کو ترتیب دیتا تھا، وہ بڑی سے بڑی فوج کو بھی بے بس کر دیتی تھی۔ شوبک اور کرک کے میدان میں بھی اس نے اسی جنگی دانش مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ صلیبیوں نے اس کا جائزہ لیا، اپنی فوج کی جسمانی اور جذباتی کیفیت دیکھی تو انہوں نے براہِ راست حملے کا خیال چھوڑ دیا اور کوئی دوسرا ڈھنگ سوچ لیا، لیکن اس ڈھنگ کے متعلق بھی انہیں شک تھا۔ اس کا علاج انہوں نے یہ کیا کہ مصر میں بغاوت بھڑکانے اور سوڈانیوں کو مصر پر حملہ کرنے پر اُکسانے کا اہتمام کر لیا۔

مصر کے نائب ناظم امورِ شہری مصلح الدین کی طرف سے انہیں اُمید افزا رپورٹیں مل رہی تھیں، وہاں ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ مصر کا ناظمِ مالیات خضر الحیات قتل ہو گیا ہے اور مصلح الدین پکڑا گیا ہے۔ کرک تک یہ اطلاع پہنچنے کے لیے کم از کم پندرہ دن درکار تھے، کیونکہ راستے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی۔ قاصد بہت دُور کا چکر کاٹ کر اور قدم پھونک پھونک کر کرک جا سکتے تھے۔ بہت دِنوں کا چلا ہوا ایک قاصد اُس رات وہاں پہنچا جس رات فاطمہ اغوا ہوئی تھی۔ اُس نے رپورٹ دی کہ بغاوت کے لیے فضا سازگار ہے، لیکن سوڈانی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے ہاں گھوڑوں کی کمی ہے، اِن کے پاس اونٹ زیادہ ہیں۔ انہیں کم و بیش پانچ سو اچھے گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی زینیں درکار ہیں۔ فرانسیسی فوج کے کمانڈر نے کہا کہ پانچ سو گھوڑے فوراً روانہ کر دیئے جائیں اور ان کے ساتھ صلیبی فوج کے پانچ سات افسروں کو بھی بھیج دیا جائے جو سوڈانیوں کی جنگی اہلیت اور کیفیت کا جائزہ لے کر حملہ کرائیں۔

صلیبیوں کے پاس گھوڑوں کی کمی تھی۔ انہوں نے کرک میں اعلان کر دیا کہ مصر پر حملے کے لیے پانچ سو گھوڑوں کی فوری ضرورت ہے۔ عیسائی باشندوں نے تین چار دنوں میں گھوڑے مہیا کر دیئے جو ایسے راستے سے روانہ کر دیئے گئے، جس کے متعلق یقین تھا کہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ ان کا راہنما وہی جاسوس تھا جو گھوڑے مانگنے آیا تھا۔ وہ سوڈانی تھا اور تین سال سے جاسوسی کر رہا تھا۔ ان گھوڑوں کے ساتھ آٹھ صلیبی فوج کے افسر تھے، جنہیں سوڈانی حملے کی قیادت کرنی تھی۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو یہاں سے نکلنے نہیں دیا جائے گا...... سلطان صلاح الدین ایوبی کو صرف یہ معلوم تھا کہ مصر کے حالات ٹھیک نہیں، لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ حالات آتش فشاں پہاڑ بن چکے ہیں جو پھٹنے والا ہے۔ علی بن سفیان نے اسے یہ تسلی دے رکھی تھی کہ اُس نے جاسوسی کا جو جال بچھایا ہے، وہ خطروں سے قبل از وقت خبردار کر دے گا۔ انہیں خضر الحیات کے قتل اور مصلح الدین کی گرفتاری کا بھی علم نہیں تھا۔ غیاث بلبیس کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع بھجوا دے، لیکن اُس نے یہ کہہ کر اس مشورے پر عمل نہیں کیا تھا کہ تفتیش مکمل کر کے اصل صورتِ حال سے سلطان ایوبی کو آگاہ کرے گا۔

☆

فاطمہ کو گشتی دستے کے کمانڈر نے رات الگ خیمے میں رکھا۔ سحر کا دُھندلکا ابھی صاف نہیں ہوا تھا۔ اب اُسے اور تینوں نقاب پوشوں کو آٹھ محافظوں کے ساتھ قاہرہ کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ یہ قافلہ سورج غروب ہونے کے بعد قاہرہ پہنچا اور سیدھا کوتوالی گیا۔ غیاث بلبیس اس واردات کی تفتیش میں مصروف تھا۔ اُس وقت وہ تہہ خانے میں تھا۔ اُس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی لی اور وہاں سے اُس کی داشتہ کو برآمد کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ازبک مسلمان بتاتی تھی۔ اُس نے بلبیس کو گمراہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس کے جواب میں بلبیس نے اُسے اُس کوٹھڑی کی جھلک دکھائی، جہاں بڑے بڑے سخت جان مرد بھی سینے کے راز اُگل دیا کرتے تھے۔ لڑکی نے اعتراف کر لیا کہ وہ یروشلم سے آئی ہے اور عیسائی ہے۔ اُس نے اعتراف کے ساتھ بلبیس کو اپنے جسم اور دولت کے لالچ دینے شروع کر دیئے۔ بلبیس نے مصلح الدین کے گھر کی تلاشی میں جو دولت برآمد کی تھی، اس نے اُس کا دماغ ہلا دیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ مصلح الدین کیوں صلیبیوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ خود لڑکی اس قدر پُرکشش اور چرب زبان تھی کہ اُسے ٹھکرانے کے لیے پتھر دِل کی ضرورت تھی۔

بلبیس نے اپنا ایمان ٹھکانے رکھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ تو کوئی بہت بڑی سازش تھی جس کی کڑیاں یروشلم سے جا ملتی ہیں۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ وہ ہر ایک بات بتا دے۔ لڑکی نے جواب دیا..... ''میں جو کچھ بتا سکتی تھی، بتا دیا ہے۔ اس سے آگے کچھ بتاؤں گی تو یہ صلیب کے ساتھ دھوکا ہوگا۔ میں صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھا چکی ہوں کہ اپنے فرض کی ادائیگی میں جان دے دوں گی۔ میرے ساتھ جو بھی سلوک کرنا چاہو کر لو، کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اگر مجھے آزاد کر کے یروشلم یا کرک پہنچا دو گے تو منہ مانگی دولت تمہارے قدموں میں رکھ دی جائے گی۔ مصلح الدین تمہاری قید میں ہے۔ اس سے پوچھ لو، وہ تمہارا بھائی ہے۔ شاید کچھ بتا دے''۔

بلبیس نے اُس سے مزید کچھ بھی نہ پوچھا۔ وہ مصلح الدین کے پاس چلا گیا۔ مصلح الدین بڑی بُری حالت میں تھا۔ اسے چھت کے ساتھ اس طرح لٹکایا گیا تھا کہ رسہ کلائیوں سے بندھا تھا اور اس کے پاؤں فرش سے اوپر تھے۔ بلبیس نے جاتے ہی اُس سے پوچھا..... ''مصلح دوست! جو پوچھتا ہوں، بتا دو۔ تمہاری بیوی کہاں ہے؟ اور اسے کس سے اغوا کرایا ہے؟ اب تمہیں کچھ اور باتیں بھی بتانی پڑیں گی۔ تمہاری داشتہ اپنے آپ کو بےنقاب کر چکی ہے''۔

''کھول دے مجھے رذیل انسان!''..... مصلح الدین نے غصے اور درد سے دانت پیس کر کہا..... ''امیر مصر کو آنے دے۔ میں تیرا یہی حشر کراؤں گا''۔

اتنے میں بلبیس کے ایک اہل کار نے آ کر اس کے کان میں کچھ کہا۔ حیرت سے اُس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ وہ دوڑتا ہوا تہ خانے سے نکلا اور اوپر چلا گیا۔ وہاں مصلح الدین کی بیوی اور اسے اغوا کرنے والے تین آدمی بیٹھے تھے۔ فاطمہ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوئی اور تینوں کس طرح پکڑے گئے ہیں۔ بلبیس فاطمہ اور تینوں مجرموں کو تہ خانے میں لے گیا اور مصلح الدین کے سامنے جا کھڑا کیا۔ مصلح الدین نے انہیں دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بلبیس نے پوچھا..... ''ان تینوں میں سے قاتل کون ہے؟''..... مصلح الدین خاموش رہا۔ بلبیس نے تین دفعہ پوچھا۔ وہ پھر بھی خاموش رہا۔ بلبیس نے تہ خانے کے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ آدمی آگے آیا اور مصلح الدین کی کمر کے گرد بازو ڈال کر اس کے ساتھ لٹک گیا۔ اس آدمی کا وزن مصلح الدین کی کلائیاں کاٹنے لگا جو رسے سے بندھی ہوئی تھیں۔ اُس نے درد سے چیختے ہوئے کہا..... ''درمیان والا''۔

بلبیس تینوں کو الگ لے گیا اور انہیں کہا کہ وہ بتا دیں کہ وہ کون ہیں اور یہ سارا سلسلہ کیا ہے، ورنہ وہ یہاں سے

زندہ نہیں نکل سکیں گے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور بولنے پر رضامند ہو گئے۔ بلبیس نے انہیں الگ الگ کر دیا اور فاطمہ کو اوپر لے گیا۔ فاطمہ نے اُسے وہی بات سنائی جو سنائی جا چکی ہے۔ اُس نے اپنے متعلق یہ بتایا کہ اس کی ماں سوڈانی اور باپ مصری ہے۔ تین سال گزرے، وہ اپنے باپ کے ساتھ مصر آئی۔ مصلح الدین نے اُسے دیکھ لیا اور اس کے باپ کے پاس آدمی بھیجے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ رقم کتنی طے ہوئی۔ باپ اسے مصلح الدین کے گھر چھوڑ گیا اور ایک تھیلی لے کر چلا گیا۔ مصلح الدین نے ایک عالم اور چند ایک آدمیوں کو بلا کر باقاعدہ نکاح پڑھوایا اور وہ اس کی بیوی بن گئی۔ وہ اس کے ساتھ بہت محبت کرتا تھا۔ محبت فاطمہ کی کمزوری تھی۔ باپ سے اسے محبت اور شفقت نہیں ملی تھی۔ اُسے شک تھا کہ باپ اُسے یہاں بیچنے کے لیے ہی لایا تھا۔ مصلح الدین کے خلاف اُسے کبھی بھی شک نہیں ہوا تھا وہ اتنا بُرا آدمی ہے۔ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ اس کی باہر کی سرگرمیوں کے متعلق فاطمہ کو کچھ بھی معلوم نہ تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے شوبک کی طرف کوچ کیا تو اس کے فوراً بعد مصلح الدین میں ایک تبدیلی آئی۔ وہ رات بہت دیر تک باہر رہنے لگا۔ ایک رات فاطمہ نے دیکھا کہ وہ شراب پی کر آیا ہے۔ فاطمہ کا باپ شرابی تھا۔ وہ شراب کی بُو اور شرابی کو پہچان سکتی تھی۔ اُس نے مصلح الدین کی محبت کی خاطر یہ بھی برداشت کیا۔ پھر گھر میں رات کے وقت اجنبی سے آدمی آنے لگے۔ مصلح الدین نے ایک رات فاطمہ کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں اور سونے کے چند ایک ٹکڑے دکھا کر گھر میں رکھ لیے اور ایک رات جب وہ شراب میں بدمست ہو کر آیا تو اُس نے فاطمہ سے کہا..... ''اگر مصر کا شمالی علاقہ جو بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ملتا ہے، مجھے مل جائے تو تم پسند کرو گی یا سوڈان کی سرحد کے ساتھ کا علاقہ؟ تم جو پسند کرو اس کی تم ملکہ ہو گی اور میں بادشاہ''...... فاطمہ اتنے اونچے دماغ کی لڑکی نہیں تھی کہ اس سلسلے میں اس سے کچھ پوچھتی۔ وہ سمجھی کہ اس کا خاوند زیادہ شراب پی کر بہک گیا ہے۔ ہوش میں وہ ایسی باتیں نہیں کرتا تھا، پھر ایک روز ایک بڑی حسین لڑکی اس کے گھر لائی گئی۔ ساتھ دو آدمی تھے۔ یہ لڑکی اس کے گھر میں ہی رہی۔ نکاح نہیں پڑھا گیا۔ اس لڑکی نے فاطمہ کو دوست بنانے کی بہت کوشش کی، لیکن اُسے اس لڑکی سے نفرت ہو گئی۔ اس لڑکی نے اُس سے اُس کا خاوند چھین لیا۔ اس کے بعد خضرالحیات کے قتل کا واقعہ ہوا۔

☆

تینوں نقاب پوشوں نے پہلے بلبیس کو غلط باتیں بتانے کی کوشش کی، لیکن بلبیس انہیں راستے پر لے آیا۔ تینوں نے الگ الگ جو بیان دیے، ان سے یہ انکشاف ہوا کہ تینوں حشیشین کے گروہ کے آدمی ہیں۔ انہیں صلیبیوں کی طرف سے مصلح الدین کے ساتھ لگایا گیا تھا۔ مصلح الدین کو بے شمار دولت، ایک عیسائی لڑکی دی گئی تھی اور یہ وعدہ کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کامیاب کرا دے تو مصر کی سرحد کے ساتھ اسے ایک الگ ریاست بنا کر دی جائے گی، جس کی حکمرانی اس کے ہاتھ میں اور اس عیسائی لڑکی کے ہاتھ میں ہو گی۔ مصلح الدین نے اعلیٰ حکام کو اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا تھا، مگر خضرالحیات اس کے ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مالیات اور بیت المال پر قبضہ ضروری تھا جو خضرالحیات کی موجودگی میں ممکن نہ تھا۔ خزانے کا محافظ دستہ جانبازوں کا منتخب گروہ تھا۔ مصلح الدین خضرالحیات کو قتل کروا کے اس دستے کو تبدیل کرانا چاہتا تھا۔ اس میں باغی افراد رکھنے تھے اور دو حشیشین۔ ان تینوں کے ذمے ہر اُس حاکم کا قتل تھا جس کا فیصلہ مصلح الدین کو کرنا تھا۔ انہیں اس کام کی اُجرت صلیبیوں کی طرف سے باقاعدہ مل رہی تھی۔ وہ چونکہ یہ کام کاروبار اور پیشے کے طور پر کرتے ہیں، اس لیے فالتو اُجرت لینے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے مصلح الدین سے پچاس اشرفیاں اور سونا الگ مانگا جو اُس نے خضرالحیات کے قتل کے بعد انہیں نہیں دیا۔ اُس نے کہا تھا کہ تمہیں پوری اُجرت مل رہی ہے۔

انہوں نے اسے قتل کی دھمکی دی تو اس نے انہیں اپنی بیوی پیش کی اور کہا کہ تمہیں اس کی اچھی قیمت مل جائے گی۔ فاطمہ اس کے ساتھ تعاون نہیں کر رہی تھی۔

مصلح الدین ابھی تک چھت کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ اُسے بیان لینے کے لیے اُتارا گیا تو وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ جاسوس لڑکی کی کوٹھڑی میں گئے تو وہ مری پڑی تھی۔ اُس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ طبیبوں نے آکر دیکھا اور کہا کہ اس نے زہر کھالیا ہے۔ اس کے پاس چھوٹا سا ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، صاف پتا چلتا تھا کہ اس میں زہر بندھا ہوا تھا جو لڑکی نے اپنے کپڑوں میں کہیں چھپا رکھا تھا...... بہت دیر بعد مصلح الدین ہوش میں آیا، لیکن وہ بہکی بہکی باتیں کرتا تھا۔ بولتے بولتے چپ ہو جاتا اور پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھنے لگتا، پھر بے معنی سی باتیں شروع کر دیتا۔ طبیبوں نے اسے دوائیاں کھلائیں، لیکن اس کا دماغ اذیت سے اور پکڑے جانے کے صدمے سے بگڑ گیا تھا۔

اُسی رات غیاث بلبیس کے پاس ایک معزز شخصیت آئی۔ اس کا نام زین الدین علی بن نجا الواعظ تھا۔ اس نے بلبیس سے کہا کہ اُسے پتا چلا ہے کہ کچھ جاسوس اور تخریب کار پکڑے گئے ہیں اور وہ بھی کچھ انکشاف کرنا چاہتا ہے۔ زین الدین مذہب، سیاست اور معاشرت کے میدان کا بزرگ قائد تھا۔ وہ پیر و مُرشد تو نہیں تھا، لیکن بڑے بڑے حاکم بھی اس کے مُرید تھے۔ چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اسے پیروں کی طرح مانتا تھا۔ اُسے حاکموں اور معاشرت میں اونچی حیثیت کے دو چار افراد سے پتا چلا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کی غیر حاضری سے دشمن فائدہ اُٹھا رہا ہے اور ایسی چابکدستی سے سازش اور بغاوت کا زہر پھیلا رہا ہے کہ کسی کو پکڑنا آسان نہیں۔ زین الدین نے غیاث بلبیس اور علی بن سفیان کے نائب حسن بن عبداللہ کو بتانے کی بجائے اپنے طور پر اس تخریب کاری کی جاسوسی شروع کر دی تھی۔ فوج کے چھوٹے بڑے افسر بھی اس کی محفل میں آتے تھے۔ اُس نے ان سے بہت سی باتیں معلوم کر لی تھیں اور متعدد ذمہ دار افراد کے نام اور ان کی سرگرمیاں بھی معلوم کر لی تھیں۔ اُس نے دراصل ذاتی طور پر تخریب کاروں کے خلاف اپنا ایک گروہ تیار کر لیا تھا، جس نے نہایت نازک راز حاصل کر لیے تھے۔

ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے اپنی تصنیف ''سلطان صلاح الدین ایوبی'' میں سازش اور بغاوت کے انکشاف کا سہرا زین الدین علی کے سَر باندھا ہے اور تین چار مورخین کے حوالے دیئے ہیں، لیکن اُس دور کی جو تحریریں محفوظ ہیں، ان سے پتا چلتا ہے کہ محکمۂ مالیات کے ناظم کے قتل سے صلیبیوں کی یہ سازش بے نقاب ہوئی تھی، جس کے آلۂ کار وہ مسلمان تھے جن پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو اعتماد تھا۔ بہر حال اس بزرگ شخصیت کی ذاتی کاوش اور اس کا جو حاصل تھا، وہ قومی سطح کا ایسا کارنامہ تھا جسے مورخین نے بجا طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس نے بلبیس سے کہا کہ وہ ابھی کچھ دن اور اپنی جاسوسی جاری رکھنا چاہتا تھا، تاکہ ہر ایک سازشی کی نشاندہی ہو جائے، لیکن ان تخریب کاروں کی گرفتاری کی خبر شہر میں مشہور ہو گئی ہے، جس سے ان کے ساتھی روپوش ہو جائیں گے۔ اُس نے نام اور پتے وغیرہ بتا دیئے۔ اپنے آدمی بھی بلبیس کے حوالے کر دیئے۔ حسن بن عبداللہ کو بلا لیا گیا۔

حسن اور بلبیس نے فیصلہ کیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو فوری طور پر اطلاع دے دی جائے۔ اس کے لیے زین الدین کو ہی منتخب کیا گیا اور اُسی روز اُسے بارہ سواروں کے محافظ دستے کے ساتھ شوبک روانہ کر دیا گیا۔

☆

تیسری شام یہ قافلہ شوبک پہنچ گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب زین الدین کو دیکھا تو حیران بھی ہوا

اور خوش بھی۔ وہ اس شخصیت سے واقف تھا۔ بغل گیر ہو کر ملا۔ زین الدین نے کہا...... ''میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔ ناظم مالیات خضر الحیات قتل ہو چکا ہے اور اس کا قاتل آپ کا نائب مصلح الدین کوتوالی میں پاگل ہو گیا ہے''...... سلطان کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ زین الدین نے اُسے تسلی دی اور تفصیلات بتائیں۔ اُس فوج کے متعلق جو مصر میں تھی، اُس نے بتایا کہ اس میں بے اطمینانی پھیلا دی گئی ہے۔ اس قسم کی افواہیں پھیلائی گئی ہیں کہ شوبک کو سر کرنے والی فوج کو سونے چاندی سے مالا مال کر دیا گیا ہے اور اسے عیسائی لڑکیاں بھی دی گئی ہیں۔ مصر والی فوج میں یہ دہشت بھی پیدا کر دی گئی ہے کہ سوڈانیوں کا بہت بڑا لشکر مصر پر حملہ کرنے والا ہے، جسے مصر کی یہ تھوڑی سی فوج روک نہیں سکے گی۔ اس فوج کے ہر ایک سپاہی کو قتل کر دیا جائے گا اور صلاح الدین ایوبی چاہتا ہی یہی ہے کہ یہ فوج قتل ہو جائے۔ اس کے علاوہ یہ افواہ بھی پھیلائی گئی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ پر شدید زخمی ہو گیا ہے، شاید زندہ نہیں رہے گا۔ اس کے کمانڈر وہاں من مانی کر رہے ہیں۔ زین الدین نے بتایا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے زخمی ہونے کی خبر پر یقین کر لیا گیا ہے۔ اسی لیے مصلح الدین جیسے حاکم مصر کو صلیبیوں کی مدد سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور اپنی اپنی خود مختار ریاستوں کے قیام کے انتظامات کر رہے ہیں۔

سلطان ایوبی نے وقت ضائع کیے بغیر برق رفتار قاصد بلایا اور نور الدین زنگی کے نام ایک پیغام میں مصر کے یہ سارے حالات لکھے اور اس سے فوجی مدد مانگی۔ اُس نے لکھا کہ میں یہاں رہتا ہوں تو مصر ہاتھ سے جاتا ہے، چلا جاتا ہوں تو شوبک کی فتح شکست میں بدل جائے گی۔ لیا ہوا علاقہ کسی قیمت پر واپس نہیں دیا جائے گا۔ میں ابھی فیصلہ نہیں کر سکا کہ یہاں رہوں یا مصر چلا جاؤں...... اُس نے قاصد سے کہا کہ وہ دن اور رات گھوڑا بھگاتا رہے۔ گھوڑا تھک جائے تو جو کوئی سوار سامنے آئے، اس سے گھوڑا بدل لے۔ کوئی انکار کرے تو اُسے قتل کر دے۔ رفتار کم نہ ہو...... اور اُسے یہ ہدایت بھی دی کہ اگر وہ دشمن کے گھیرے میں آ جائے تو نکلنے کی کوشش کرے اور اگر پکڑا جائے تو پیغام منہ میں ڈال کر نگل لے۔ دشمن کے ہاتھ پیغام نہ لگے۔ قاصد روانہ ہو گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسا ہی ایک اور قاصد بلایا اور اُسے اپنے بھائی تقی الدین کے نام پیغام لکھ کر اُسے وہی ہدایات دیں جو پہلے قاصد کو دی تھیں۔ اس پیغام میں اُسنے بھائی کو لکھا کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے، جتنے لڑاکا آدمی آکٹھے کر سکتے ہو، گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور قاہرہ پہنچو۔ راستے میں بلا ضرورت رُکنا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں تمہیں کہاں ملوں گا۔ ملوں گا بھی یا نہیں۔ اگر قاہرہ میں ہماری ملاقات نہ ہو سکی اور اگر میں زندہ نہ ہوا تو امارتِ مصر سنبھال لینا۔ مصر بغداد کی خلافت کی مملکت ہے اور خدائے ذوالجلال نے اس مملکت کی ذمہ داری ایوبی خاندان کو سونپی ہے۔ روانگی سے پہلے قبلہ والد محترم (نجم الدین ایوب) کے آگے جھکنا اور انہیں کہنا کہ وہ تمہاری پیٹھ پر ہاتھ پھیریں، پھر محترمہ والدہ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر اُن کی روح سے دعائیں لے کر آنا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ میں جہاں ہوں، وہاں اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہوگا۔ تم مصر میں اس پرچم کو سربلند رکھو۔

یہ قاصد بھی روانہ ہو گیا۔

ان دونوں میں سے جو قاصد نور الدین زنگی کے پاس پہنچا، اس کی جسمانی حالت یہ تھی کہ اس کا بایاں بازو تلواروں کے زخموں سے قیمہ بنا ہوا تھا اور اس کی پیٹھ میں ایک تیر اُترا ہوا تھا۔ وہ زنگی کے قدموں میں گرا۔ اتنا ہی کہہ سکا کہ راستے میں دشمن مل گیا تھا۔ اس حال میں پیغام لے کے نکلا ہوں۔

اُس نے پیغام زنگی کے ہاتھ میں دیا اور شہید ہو گیا۔ نور الدین زنگی کی فوج جب شوبک کے قریب پہنچی تو قلعے اور شہر میں اعلان ہو گیا کہ صلیبیوں کا بہت بڑا حملہ آ رہا ہے۔ گرد آسمان تک جا رہی تھی۔ پتا نہیں چلتا تھا کہ گرد میں کیا ہے،

امکان یہی تھا کہ یہ صلیبی فوج ہے۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شوبک کی فوج مقابلے کے لیے تیار ہوگئی، لیکن گرد میں جو جھنڈے نظر آئے۔ وہ اسلامی تھے، پھر گرد میں سے تکبیر کے نعرے سنائی دیئے۔ قلعے سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے نائبین استقبال کے لیے آگے چلے گئے۔

☆

تین چار روز بعد صبح سویرے قاہرہ میں جو فوج تھی اُسے میدان میں جمع ہونے کا حکم ملا۔ فوجی چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ انہیں تیاری کا یہ حکم ملا ہے۔ بعض نے کہا کہ بغاوت ہوگی۔ کسی نے کہا کہ سوڈانیوں کا حملہ آرہا ہے۔ ان کے کمانڈروں تک کو علم نہیں تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ یہ حکم فوج کی مرکزی کمان سے جاری ہوا تھا...... جب تمام فوج اپنی ترتیب سے میدان میں آگئی تو ایک طرف سے چھ سات گھوڑے دوڑتے آئے۔ سب دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سب سے آگے صلاح الدین ایوبی تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ شوبک میں ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک عجیب حرکت کی۔ اُس نے تہ بند کے سوا تمام کپڑے اُتار کر پھینک دیئے۔ سر بھی ننگا کر دیا اور فوج کی تمام صفوں کے سامنے سے گھوڑا اُڑلکی چال چلاتا گزر گیا۔ پھر سامنے آکر بلند آواز سے کہا...... ''میرے جسم پر کسی نے کوئی زخم دیکھا ہے؟ کیا میں زندہ ہوں یا مردہ؟''

''امیرِ مصر کا اقبال بلند ہو''...... ایک شتر سوار نے کہا...... ''ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ زخمی ہیں اور جانبر نہیں ہو سکیں گے''۔

''اگر یہ خبر جھوٹی ہے تو وہ افواہیں بھی جھوٹی ہیں جو تمہارے کانوں میں ڈالی گئی ہیں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے اتنی بلند آواز سے کہا کہ آخری صف تک اس کی آواز پہنچتی تھی۔ اُس نے کہا...... ''جن مجاہدین کے متعلق تمہیں بتایا گیا ہے کہ وہاں سونا اور چاندی لوٹ رہے ہیں اور عیسائی لڑکیوں کے ساتھ عیش کر رہے ہیں۔ وہ ریگستان میں اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ اور اس سے اگلا قلعہ سر کرنے کی تیاریوں میں پاگل ہو رہے ہیں۔ وہ کیوں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ تمہاری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کو صلیبی درندوں سے بچا سکیں۔ شوبک میں ہم نے مسلمان بچیوں اور ان کی ماؤں اور ان کے باپوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ بچیاں عیسائیوں کے پاس اور ان کی مائیں اور اُن کے باپ عیسائیوں کی بیگار کر کر کے مر رہے تھے۔ اب کرک، یروشلم اور فلسطین کی ہر بستی میں جو عیسائیوں کے قبضے میں ہے، مسلمانوں کا یہی حال ہو رہا ہے۔ مسجدیں اصطبل بنادی گئی ہیں اور قرآن کے مقدس ورق گلیوں میں عیسائیوں کے قدموں میں مسلے جا رہے ہیں''۔

یہ تقریر اتنی جوشیلی اور سنسنی خیز تھی کہ ایک کمان دار نے چلا کر کہا...... ''پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں بھی محاذ پر کیوں نہیں لے جایا جاتا؟''

''تمہیں یہاں اس لیے بٹھایا گیا ہے کہ دشمن کی پھیلائی ہوئی افواہیں سنو اور ان پر یقین کرو''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''تم یہاں اپنے پرچم کے خلاف بغاوت کرو، تاکہ سوڈانیوں کے ساتھ صلیبی اس سرزمین پر بھی قبضہ کرلیں اور تمہاری بیٹیوں کی بھی عصمت دری کریں۔ تم قرآن کے ورق اپنے ہاتھوں باہر کیوں نہیں بکھیر دیتے؟ کیا تم قرآن کی توہین صلیبیوں سے کرانا چاہتے ہو؟ تم جو اپنے ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتے، قوم کی آبرو کی حفاظت کیا کرو گے''...... تمام فوج میں ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''تمہیں چند ایک کمان دار نظر نہیں آرہے۔ وہ میں تمہیں دکھاتا ہوں''۔

اُس نے اشارہ کیا تو ایک طرف سے دس گیارہ آدمی گردنوں میں رسیاں پڑی ہوئی اور ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے، آگے لائے گئے۔ انہیں صفوں کے آگے سے گزارا گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اعلان کیا...... ''یہ تمہارے

کمان دار تھے، لیکن یہ اُس قوم کے دوست ہیں جو تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمہارے قرآن کی دشمن ہے۔ یہ پکڑے گئے ہیں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے فوج کو خضر الحیات کے قتل اور مصلح الدین کی گرفتاری کا پورا واقعہ سنایا اور مصلح الدین کو سامنے لایا گیا۔ وہ ابھی تک پاگل پن کی حالت میں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی گزشتہ رات کو توالی کے تہہ خانے میں اُسے دیکھ آیا تھا۔ اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو پہچانا نہیں تھا۔ وہ اپنی ریاست اور خود مختار حکمرانی کی باتیں کر رہا تھا۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُسے گھوڑے پر بٹھا کر فوج کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس نے فوج کو دیکھا اور بلند آواز سے بولا...... ''یہ میری فوج ہے۔ مصر کی حکومت کے خلاف بغاوت کر دو۔ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ صلاح الدین ایوبی مصر کا دشمن ہے۔ تم اُسے قتل کر دو''۔

وہ بولے جا رہا تھا۔ اُس کے منہ سے پاگل پن کی جھاگ نکل رہی تھی۔ فوج کی صفوں سے ''پنگ'' کی آواز آئی اور ایک تیر مصلح الدین کی شہہ رگ میں اُتر گیا۔ وہ گر رہا تھا، جب کئی اور تیر اس کے جسم میں اُتر گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے چلا کر تیر اندازوں کو روکا۔ کمان داروں نے تیر چلانے والوں کو آگے آنے کو کہا۔ اُن میں سے ایک نے کہا...... ''ہم نے غدار کو مارا ہے۔ اگر یہ قتل ہے تو گردنیں حاضر ہیں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں معاف کر دیا۔ اُس کے جسم پر ابھی تک صرف تہ بند تھا۔ باقی جسم ننگا تھا۔ اُس نے جلاد کو وہیں بلایا اور ان غداروں کو جنہیں فوج کے سامنے لایا گیا تھا، جلاد کے حوالے کر کے اُن کے سر جسموں سے الگ کرا دیئے۔

اُس نے ایک اور حکم دے کر سب کو حیران کر دیا۔ اُس نے حکم دیا کہ یہ فوج یہیں سے محاذ کو کوچ کرے گی۔ تمہارا ذاتی اور دیگر ساز وسامان اور رسد تمہارے پیچھے آئے گی...... فوج کوچ کر گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ مصر فوج کے بغیر رہے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے غداروں کے کٹے ہوئے سر دیکھے۔ وہ کسی سے کوئی بات کرنے لگا تو اسے ہچکی سی آئی اور اس کے آنسو بہ نکلے۔ اُس نے کپڑے پہنے اور ایک سمت چل پڑا۔ اس نے اپنے ساتھ کے حکام سے کہا...... ''مجھے خطرہ یہ نظر آ رہا ہے کہ دشمن ملتِ اسلامیہ میں اسی طرح غدار پیدا کرتا رہے گا اور وہ دن آ جائے گا، جب غداروں کی گردنیں مارنے والے بھی دشمن کو دوست کہنے لگیں گے۔ میرے دوستو! اسلام کو سر بلند دیکھنا چاہتے ہو تو دوست اور دشمن کو پہچانو''۔

مصر کے جن حاکموں کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فوج کو کیوں کوچ کرا دیا ہے، انہیں اُس نے بتایا کہ یہ فوج یہاں فارغ بیٹھی تھی۔ میں یہ حکم دے گیا تھا کہ اسے فارغ نہ رہنے دیا جائے۔ جنگی مشقیں جاری رہیں اور شہر سے دُور لے جا کر اس فوج کو وقتاً فوقتاً جنگی حالت میں رکھا جائے اور ذہنی تربیت بھی جاری رہے، مگر میرے حکم پر عمل نہیں کیا گیا۔ میں نے دو ذمہ دار حاکموں کو سزائے موت دے دی ہے۔ انہوں نے ایک سازش کے تحت فوج کو فارغ رکھا۔ سپاہی جوئے اور نشے سے دل بہلانے لگے اور ان کے ذہن افواہوں کو قبول کرنے لگے۔ تم شاید سوچ رہے ہو کہ مصر میں فوج نہیں رہی۔ گھبراؤ نہیں۔ فوج آ رہی ہے، جس فوج نے شوبک فتح کیا ہے، وہ قاہرہ میں داخل ہو چکی ہے۔ اُس نے میرے پیچھے پیچھے کوچ کیا تھا۔ وہ فوج دشمن کو اور دشمن کے گناہوں کو بہت قریب سے دیکھ آئی ہے۔ اسے کوئی باغی نہیں کر سکتا۔ اس کے سپاہی شہیدوں کو دھوکہ نہیں دیں گے اور یہ فوج جو یہاں سے جا رہی ہے۔ یہ کرک پر حملہ کرے گی یا دشمن اس پر حملہ کرے گا۔ پھر یہ بھی دشمن کو جان جائے گی، جو سپاہی ایک بار دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑے، اُسے کوئی لالچ غداری پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

یہ انقلاب اس طرح آیا تھا کہ نور الدین زنگی اور اپنے بھائی تقی الدین کی طرف قاصد بھیج کر سلطان صلاح

الدین ایوبی خفیہ طور پر قاہرہ کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اپنے نائبین کو کمان دے کر اُس نے سخت ہدایت دی تھی کہ اُس کی غیر حاضری کی کسی کو خبر نہ ہو۔ اُس نے کہا کہ زنگی ضرور مدد بھیجے گا۔ جونہی اس کی مدد آئے، اتنی ہی اپنی فوج یہاں سے قاہرہ بھیج دی جائے لیکن راستے میں پڑاؤ زیادہ نہ کرے۔ اس سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ اگر مصری فوج باغی ہو گئی تو محاذ سے آنے والی فوج بغاوت فرد کرے گی اور اگر حالات ٹھیک ہوئے تو مصری فوج محاذ پر آجائے گی اور محاذ کی فوج مصر میں رہے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ پہنچا تو اس کی موجودگی خفیہ رکھی گئی۔ رات ہی رات اُس نے زین الدین کی نشاندہی کے مطابق تمام غداروں کو سوتے میں پکڑ وایا۔ کئی اور جگہوں پر چھاپے مروائے۔ تین حشیشین نے بھی بعض افراد کے نام بتائے تھے۔ انہیں بھی پکڑا گیا۔ کسی کے عہدے اور رتبے کا لحاظ نہ کیا گیا۔

فاطمہ کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم کے مطابق زین الدین کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے کہا گیا کہ کسی موزوں جگہ اس کی شادی کر دی جائے۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی تقی الدین کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے تین دن انتظار کرنا پڑا۔ تقی الدین کم و بیش دو سو سواروں کے ساتھ آ گیا۔ سلطان ایوبی نے اُسے مصر کے حالات اور واقعات اور آئندہ لائحہ عمل بتا کر قائم مقام امیر مصر مقرر کر دیا اور یہ اجازت بھی دے دی کہ وہ سوڈان پر نظر رکھے اور جب ضرورت سمجھے، حملہ کر دے۔

یہ ہدایات اور احکام دے کر سلطان صلاح الدین ایوبی شوبک کو روانہ ہونے لگا تو علی بن سفیان جو اُس کے ساتھ آیا تھا، بولا ..... ''کرک کے صلیبیوں نے آپ کے لیے ایک تحفہ بھیجا ہے۔ اگر کچھ دیر اور انتظار کریں تو تحفہ دیکھتے جائیں'' ..... علی بن سفیان سلطان صلاح الدین ایوبی کو حیرت میں چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ اس نے سلطان ایوبی کو باہر چلنے کو کہا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ہو کر علی بن سفیان کے ساتھ چلا گیا۔ تھوڑی ہی دُور میدان میں پانچ سو گھوڑے کھڑے تھے۔ ہر گھوڑے پر زین تھی۔ ان گھوڑوں سے ذرا پرے سات آٹھ صلیبی رسیوں سے بندھے ہوئے کھڑے تھے۔ اور اپنی فوج کا ایک سرحدی دستہ بھی مستعد کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے پوچھا کہ یہ گھوڑے کہاں سے آئے ہیں؟ علی بن سفیان نے ایک آدمی کو بلا کر سلطان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا..... ''یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ تین سال سے صلیبیوں کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ یہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ وہ اسے اپنا جاسوس سمجھتے ہیں، لیکن یہ میرا جاسوس ہے۔ یہ کرک گیا تھا اور صلیبی بادشاہوں کو سوڈانیوں کا یہ پیغام دیا تھا کہ انہیں پانچ سو گھوڑوں اور زینوں کی ضرورت ہے۔ انہوں نے گھوڑے دے کر اپنے یہ فوجی افسر بھی بھیج دیئے۔ یہ اُس سوڈانی فوج کی قیادت کرنے جا رہے تھے، جسے مصر پر حملے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ میرا شیر انہیں شمال کی طرف سے گھما کر ایک پھندے میں لے آیا اور اپنے اس سرحدی دستے کو بلایا۔ اپنی شناخت بتائی اور یہ دستہ پانچ سو گھوڑوں اور ان صلیبی فوجی افسروں کو قاہرہ ہانک لایا''۔

صلیبی افسروں کو معلومات حاصل کرنے کے لیے علی بن سفیان نے اپنے نائب حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا اور خود سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ شوبک کو روانہ ہو گیا۔

......❁......

کھنڈروں کی آواز

سازش اور غداری کے مجرموں کا خون قاہرہ کی ریت نے ابھی اپنے اندر جذب نہیں کیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی تقی الدین اُس کے بلاوے پر دو سو منتخب سواروں کے ساتھ قاہرہ پہنچ گیا۔ سازش کے مجرموں کی گردنیں کاٹی جا چکی تھیں اور یوں نظر آتا تھا جیسے قاہرہ کی ریت اِن مرے ہوئے مسلمانوں کا خون اپنے اندر جذب کرنے سے گریز کر رہی ہے جو صلیبیوں کے ساتھ مل کر سلطنتِ اسلامیہ کے پرچم کو سرنگوں کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اِن سب کی لاشیں دیکھیں۔ ان کے کٹے ہوئے سر ان کے بے جان جسموں کے سینوں پر رکھ دیئے گئے تھے۔ صرف ایک لاش تھی جو سب سے بڑے غدار کی تھی اور جس پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو کُلی طور پر اعتماد تھا۔ اس لاش کا سر اس کے ساتھ ہی تھا۔ ایک تیر اُس کی شہ رگ میں داخل ہو کر دوسری طرف نکلا ہوا تھا۔ یہ قاہرہ کا نائب مصلح الدین تھا۔ فوج کے سامنے جب اس کا جرم سنایا جا رہا تھا تو ایک جوشیلے اور محبِ اسلام سپاہی نے کمان میں تیر ڈال کر مصلح الدین کی شہ رگ سے پار کر دیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے سپاہی کی اس غیر قانونی حرکت کو جو ڈسپلن کے خلاف تھی، صرف اس لیے نظر انداز کر کے معاف کر دیا تھا کہ کوئی بھی صاحب ایمان اسلام کے خلاف غداری برداشت نہیں کر سکتا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ہی اپنی فوج میں ایمان کی یہ قوت پیدا کی تھی۔

ان لاشوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی کے چہرے پر ایسی خوشی کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی کہ اُس کی صفوں اور نظامِ حکومت میں سے اتنے زیادہ غدار اور سازشی پکڑے گئے اور انہیں سزائے موت دے دی گئی ہے۔ اُس کے چہرے پر اداسی اور آنکھیں گہری سرخ تھیں، جیسے وہ آنسو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ تو تھا ہی جس کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا......

''ان میں سے کسی کا جنازہ نہیں پڑھایا جائے گا۔ ان کی لاشیں ان کے رشتہ داروں کو نہیں دی جائیں گی، تاکہ انہیں کفن نہ پہنائے جائیں۔ رات کے اندھیرے میں انہیں ایک ہی گہرے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دو اور زمین ہموار کر دو۔ اس دُنیا میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہے''۔

''امیرِ محترم!''...... سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایک رفیق اور معتمد خاص قاضی بہاؤ الدین شداد نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے کہا...... ''کوئف ال اور شاہدوں کے بیان اور قاضی کا فیصلہ تحریر میں لا کر دستاویز میں محفوظ کر لینا ضروری ہیں، تاکہ یہ اعتراض نہ رہے کہ یہ فیصلہ صرف ایک فرد کا تھا۔ آپ کا فیصلہ برحق ہے۔ انصاف کر دیا گیا ہے، مگر قانون کا تقاضا کچھ اور ہے''۔

''کیا قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ دینِ الٰہی کی جڑیں کفار کے ساتھ مل کر کاٹنے والے کو یہ حق دیا جائے کہ وہ قانون کے سامنے کھڑا ہو کر دین داروں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے پاسبانوں کو جھوٹا ثابت کرے؟''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسے تحمل سے کہا جس میں ایک دین دار مسلمان کا عتاب صاف جھلک رہا

تھا۔ اُس نے ان تمام حاکموں کو جو وہاں موجود تھے، مخاطب ہو کر کہا..... ''اگر میں نے بے انصافی کی ہے تو مجھے اتنے زیادہ انسانوں کے قتل کے جرم میں سزائے موت دے دو اور میری لاش شہر سے دُور پھینک دو، جہاں صحرائی لومڑیاں اور گدھ میری کوئی ہڈی بھی اس زمین پر نہ رہنے دیں، لیکن میرے رفیقو! مجھے سزا دینے سے پہلے قرآن پاک الف لام میم سے والناس تک پڑھ لینا، اگر قرآن مجھے سزا دیتا ہے تو میری گردن حاضر ہے''۔

''بے انصافی نہیں ہوئی سالارِ اعظم!''..... کسی اور نے کہا..... ''قاضی شداد کا مقصد یہ ہے کہ قانون کی بے حرمتی نہ ہو''۔

''میں سمجھ گیا ہوں''..... سلطان ایوبی نے کہا..... ''ان کا مقصد آئینے کی طرح صاف ہے۔ میں آپ سب کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حاکمِ وقت ذاتی طور پر جانتا ہے کہ جسے غداری کے جرم میں اس کے سامنے لایا گیا ہے، وہ غداری کا مجرم ہے تو حاکمِ وقت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ شہادتوں اور قانون کے دیگر جھمیلوں میں پڑے بغیر غدار کو وہی سزا دے، جس کا وہ حق دار ہے، اگر وہ سزا دینے سے گریز کرتا، ڈرتا یا ہچکچاتا ہے تو وہ حاکمِ وقت خود بھی غدار ہے یا کم از کم نااہل اور بے ایمان ضرور ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ قاضی کے سامنے جا کر مجرم اُسے بھی مجرم کہہ دیں گے۔ میرا سینہ صاف ہے مجھے غداروں کی صف میں کھڑا کر دو۔ خدا کا ہاتھ مجھے اُس سے الگ کر دے گا۔ اگر تمہارے سینے رب کعبہ کے نور سے منور ہیں تو مجرموں کا سامنا کرنے سے مت ڈرو۔ تاہم میرے دوست بہاؤالدین شداد نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کرو کاغذات تیار کر کے محترم قاضی سے فیصلہ تحریر کرا لو۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ان کا نہیں ہوگا۔ تحریر کر دیا جائے کہ امیرِ مصر افواجِ مصر کا سالارِ اعلیٰ بھی ہے، نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ان مجرموں کو سزائے موت دی ہے جن کا جرم بلا شک وشبہ ثابت ہو گیا تھا''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے لمبے سفر سے آیا تھا، تھکا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے کہا..... ''میں تمہارے چہرے پر تفکر اور تھکن دیکھ رہا ہوں، لیکن آرام نہیں کر سکو گے۔ تمہارا سفر ختم نہیں ہوا، بلکہ اب شروع ہوا ہے۔ مجھے شوبک جلدی جانا ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ ضروری باتیں کر کے جاؤں گا''۔

''جانے سے پہلے ایک حکم اور صادر فرما جائیے''..... ناظمِ شہر نے کہا..... ''جنہیں سزائے موت دی گئی ہے، ان کی بیواؤں اور بچوں کا کیا بنے گا''۔

''ان کے لیے بھی میرے اسی حکم پر عمل کرو جو میں ان سے پہلے غداروں کے اہل وعیال کے متعلق دے چکا ہوں''..... سلطان ایوبی نے جواب دیا..... ''بیواؤں کے متعلق یہ چھان بین کر لو کہ اپنے خاوندوں کی طرح اُن میں سے کسی کا تعلق دشمن کے ساتھ نہ ہو۔ ہمارے ہاں زن پرستی نے بھی غدار پیدا کیے ہیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ صلیبیوں نے ہماری بھائیوں کو خوب صورت لڑکیاں دے کر ان کے عوض ان کا ایمان خریدا ہے۔ ان میں سے جو بیوائیں نیک اور مومن ہیں، ان کی شادیاں ان کی منشا کے مطابق کر دو۔ کسی پر اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش نہ کرنا۔ خیال رکھنا کہ کوئی عورت بے سہارا نہ رہے اور باعزت روٹی سے محروم نہ رہے اور اس میں محتاجی کا احساس نہ پیدا ہو۔ یہ بھی خیال رکھنا کہ ان کے کانوں میں کوئی یہ نہ پھونک دے کہ ان کے خاوندوں کو بے گناہ سزائے موت دی گئی ہے۔ انہیں ذہن نشین کرا دو کہ تم خوش قسمت ہو کہ ایسے گناہ گار خاوندوں سے نجات مل گئی ہے..... اور اُن کے بچوں کی تعلیم وتربیت خصوصی انتظامات کے تحت کرو۔ تمام اخراجات بیت المال سے لو۔ غداروں کے بچے غدار نہیں ہوا کرتے، بشرطیکہ ان کی تعلیم وتربیت صحیح ہو۔ یہ سب مسلمانوں

کے بچے ہیں۔ان کی تعلیم وتربیت ایسی ہو کہ ان میں محرومی کا احساس پیدا نہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کے گناہ کا کفارہ بچے کو ادا کرنا پڑے''۔

☆

سلطان ایوبی کو واپسی کی جلدی تھی، اُسے فکر یہ تھا کہ اس کی غیر حاضری میں صلیبی کوئی جنگی کارروائی نہ کر دیں۔ نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک تو وہاں (کرک اور شوبک کے علاقہ میں) میں پہنچ چکی تھی۔قاہرہ کی فوج ابھی اُدھر جا رہی تھی، لیکن ان دونوں فوجوں کو اس علاقے سے روشناس کرانا تھا۔اُس نے اپنے دفتر میں جا کر اپنے بھائی تقی الدین، علی بن سفیان، اس کے نائب حسن عبداللہ، کوتوال غیاث بلبیس اور چند ایک نائبین اور حکام کو بلا لیا، وہ زیادہ تر ہدایات تقی الدین کو دینا چاہتا تھا۔اُس نے اجلاس میں اعلان کیا کہ اُس کی غیر حاضری میں اُس کا بھائی تقی الدین قائم مقام امیر مصر اور یہاں کی افواج کا سالارِ اعلیٰ ہو گا اور اسے اتنے ہی اختیارات حاصل ہوں گے جو سلطان ایوبی کے اپنے تھے۔

''تقی الدین!''...... سلطان ایوبی نے اپنے بھائی سے کہا......''آج سے دِل سے نکال دو کہ تم میرے بھائی ہو۔نا اہلی، بددیانتی، کوتاہی، غداری یا سازش اور بے انصافی کا ارتکاب کر و گے تو اُسی سزا کے مستحق سمجھے جاؤ گے جو شریعت کے قانون میں درج ہے''۔

''میں اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں، امیرِ مصر!''...... تقی الدین نے کہا...''اور ان خطروں سے بھی آگاہ ہوں جو مصر کو درپیش ہیں''۔

''صرف مصر کو نہیں''......سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا......''یہ خطرے سلطنتِ اسلامیہ کو درپیش ہیں اور اسلام کے فروغ اور سلطنت کی توسیع کے لیے بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی بھی خطہ، جو سلطنتِ اسلامیہ کہلاتا ہے، وہ کسی ایک فرد یا گروہ کی جاگیر نہیں۔وہ خدائے عزوجل کی سرزمین ہے اور تم سب اس کے پاسبان اور امین ہو۔اس کی مٹی کا ذرّہ ذرّہ تمہارے پاس امانت ہے۔اس کی مٹی بھی جب اپنے کام میں لانا چاہو تو سوچ لو کہ تم کسی دوسرے انسان کا حق تو نہیں مار رہے؟ خدا کی امانت میں خیانت تو نہیں کر رہے؟...... میری باتیں غور سے سن لو تقی الدین! اسلام کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کے پیروکاروں میں غداروں اور سازش پسندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔کسی قوم نے اتنے غدار پیدا نہیں کیے، جتنے مسلمانوں نے کیے ہیں۔یہاں تک کہ ہماری تاریخ جو جہاد اور اللہ کے نام پر جنگ و جدل کی قابلِ فخر تاریخ ہے، غداری کی بھی تاریخ بن گئی ہے اور اپنی قوم کے خلاف سازش گری ہماری روایت بن گئی ہے...... علی بن سفیان سے پوچھو تقی! ہمارے وہ جاسوس جو صلیبیوں کے علاقوں میں سرگرم رہتے ہیں، بتاتے ہیں کہ صلیبی حکمران، مذہبی پیشوا اور دانشور اسلام کی اس کمزوری سے واقف ہیں کہ مسلمان زن، زر اور اقتدار کے لالچ میں اپنے مذہب، اپنے ملک اور اپنی قوم کا تختہ اُلٹ دینے سے بھی گریز نہیں کرتا''۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اجلاس کے شرکاء پر نگاہ دوڑائی اور کہا...''ہمارے جاسوسوں نے ہمیں بتایا ہے کہ صلیبیوں نے اپنے جاسوسوں کو ذہن نشین کرایا ہے کہ مسلمان کی تاریخ جتنی فتوحات کی ہے، اتنی ہی غداری کی تاریخ ہے۔مسلمانوں نے اتنی فتوحات حاصل نہیں کیں، جتنے غدار پیدا کیے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد مسلمان خلافت پر ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔انہوں نے اقتدار کی خاطر ایک دوسرے کو قتل کیا۔ایک خلیفہ یا امیر مقرر ہوا تو خلافت اور امارت کے دوسرے امیدواروں نے اُس کے خلاف یہاں تک

سازشیں کیں کہ اسلام کے دشمنوں تک سے درپردہ مدد لی اور جس کے ہاتھ میں خلافت اور امارت آگئی، اُس نے ہر اُس قائد کو قتل کرایا جس سے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا۔ قومی وقار ختم ہوتا گیا اور ذاتی اقتدار رہ گیا۔ پھر تحفظ اسی کا ہوتا رہا۔ سلطنت کی توسیع ختم ہوئی، پھر سلطنت کا دفاع ختم ہوا اور پھر سلطنت سکڑنے لگی۔ صلیبی ہماری اس تاریخی کمزوری سے آگاہ ہیں کہ ہم لوگ ذاتی اقتدار کے تحفظ اور استحکام کے لیے سلطنت کا بہت بڑا حصہ بھی قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ یہی ہماری تاریخ بنتی جا رہی ہے......

''تقی الدین اور میرے رفیقو! میں جب ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں اور جب اپنے موجودہ دَور میں غداروں کی بھرمار اور سازشوں کے جال کو دیکھتا ہوں تو یہ خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمان تاریخ کی تحریروں کے ساتھ بھی غداری کریں گے۔ وہ قوم کی آنکھوں میں دھول جھونک کر لکھیں گے کہ وہ بہادر ہیں اور انہوں نے دشمن کو ناک چنے چبوا دیئے ہیں، مگر درپردہ دشمن کو دوست بنائے رکھیں گے۔ اپنی شکستوں پر پردے ڈالے رکھیں گے۔ سلطنتِ اسلامیہ سکڑتی چلی جائے گی اور ہمارے خود ساختہ خلیفے اس کا الزام کسی اور پر تھوپیں گے۔ مسلمانوں کی ایک نسل ایسی آئے گی جس کے پاس صرف نعرہ رہ جائے گا ''اسلام زندہ باد''۔ وہ نسل اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں ہوگی۔ اس نسل کو یہ بتانے والا کوئی نہ ہوگا کہ اسلام کے پاسبان اور علم بردار وہ تھے جو وطن سے دُور ریگزاروں میں، پہاڑوں میں، وادیوں میں اور اجنبی ملکوں میں جا کر لڑے۔ وہ دریا اور سمندر پھلانگ گئے۔ انہیں کڑکتی بجلیاں، آندھیاں اور اولوں کے طوفان بھی نہ روک سکے۔ وہ اُن ملکوں میں لڑے جہاں کے پتھر بھی اُن کے دشمن تھے۔ وہ بھوکے لڑے، پیاسے لڑے، ہتھیاروں اور گھوڑوں کے بغیر بھی لڑے۔ وہ زخمی ہوئے تو کسی نے ان کے زخموں پر مرہم نہ رکھا، وہ شہید ہوگئے تو ان کے رفیقوں کو ان کے لیے قبریں کھودنے کی مہلت نہ ملی۔ وہ خون بہاتے گئے، اپنا بھی اور دشمن کا بھی۔ پیچھے ایوانِ خلافت میں شراب بہتی رہی۔ برہنہ لڑکیوں کے ناچ ہوتے رہے۔ یہودی اور صلیبی سونے سے اور اپنی بیٹیوں کے حسن سے ہمارے خلیفوں اور ہمارے امیروں کو اندھا کرتے گئے۔ جب خلیفوں نے دیکھا کہ قوم ان تیغ زنوں کی پجاری ہوتی جا رہی ہے، جنہوں نے یورپ اور ہندوستان میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں تو خلیفوں نے ان مجاہدینِ اسلام پر لوٹ مار اور زنا کاری جیسے الزام تھوپنے شروع کر دیئے۔ انہیں کمک اور رسد سے محروم کر دیا۔ مجھے قاسم اور وہ کمسن اور خوبرو بیٹا یاد آتا ہے، جس نے اس حال میں ہندوستان کے ایک طاقتور حکمران کو شکست دی اور ہندوستان کے اتنے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا کہ اُس نے کمک نہیں مانگی، رسد نہیں مانگی۔ مفتوحہ علاقوں کا ایسا انتظام کیا کہ ہندو اُس کے غلام ہوگئے اور اُس کی شفقت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئے۔ مجھے جب یہ لڑکا یاد آتا ہے تو دل میں درد اُٹھتا ہے۔ اُس وقت کے خلیفہ نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اُس پر زنا کا الزام عائد کیا اور مجرم کی حیثیت سے واپس بلایا''...... سلطان صلاح الدین ایوبی کو ہچکی سی آئی اور وہ خاموش ہوگیا۔

بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے...... ''میرا عزیز دوست صلاح الدین ایوبی اپنی فوج کے سینکڑوں شہیدوں کی لاشیں دیکھتا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر رونق آجایا کرتی تھی، مگر صرف ایک غدار کو سزائے موت دے کر جب اُس کی لاش کو دیکھتا تو اس کا چہرہ بجھ جاتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے...... محمد بن قاسم کا ذکر کرتے کرتے اُسے ہچکی آئی اور وہ خاموش ہوگیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ آنسو روک رہا ہے۔ کہنے لگا...... ''دشمن اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اپنوں نے اسے شہید کر دیا۔ دشمن نے اُسے فاتح تسلیم کیا۔ اپنوں نے اُسے زانی کہا...... صلاح الدین ایوبی نے زیاد کے بیٹے طارق کا بھی ذکر کیا اور اُس روز وہ اتنا جذباتی ہوگیا تھا کہ اس کی زبان رکتی ہی نہیں تھی، حالانکہ وہ کم گو تھا۔ حقیقت پسند تھا۔ ہم

سب پر خاموشی طاری تھی اور ہم سب جسم کے اندر عجیب سا اثر محسوس کر رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی بلاشک وشبہ عظیم قائد تھا۔ وہ ماضی کو نہیں بھولتا تھا۔ حال کے خطروں اور تقاضوں سے نبرد آزما رہتا اور اُس کی نظریں صدیوں بعد آنے والے مستقبل پر لگی رہتی تھیں''۔

''صلیبیوں کی نظریں ہمارے مستقبل پر لگی ہوئی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا۔ ''صلیبی حکمران اور فوجی حکام کہتے ہیں کہ وہ اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ وہ ہماری سلطنت پر قابض نہیں ہونا چاہتے۔ وہ ہمارے دلوں کو نظریات کی تلوار سے کاٹنا چاہتے ہیں۔ میرے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ صلیبیوں کا سب سے زیادہ اسلام دشمن بادشاہ فلپ آگسٹس کہتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو ایک مقصد دے دیا ہے اور ایک روایت پیدا کر دی ہے۔ اب صلیبیوں کی آنے والی نسلیں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سرگرم رہیں گی۔ ضروری نہیں کہ وہ تلوار کے زور سے اپنا مقصد حاصل کریں گے۔ ان کے پاس کچھ حربے اور بھی ہیں...... تقی الدین! جس طرح اُن کی نظر مستقبل پر ہے، اُسی طرح ہمیں بھی مستقبل پر نظر رکھنی چاہیے، جس طرح انہوں نے ہم میں غدار پیدا کرنے کی روایت قائم کی ہے، اسی طرح ہمیں ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہئیں کہ غداری کے جراثیم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں۔ غداروں کو قتل کرتے چلے جانا کوئی علاج نہیں، غداری کا رجحان ختم کرنا ہے۔ اقتدار کی ہوس ختم کر کے حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا کرنی ہے۔ یہ اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے کہ قوم کی آنکھوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن کا تصور موجود ہو۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ صلیبیوں کی تہذیب میں ایسی بے حیائی ہے، جو پُرکشش ہے۔ قومیں ان کی تہذیب میں جذب ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اُن کے ہاں شراب بھی جائز ہے، عورتوں کا غیر مردوں کے ساتھ ناچنا، کودنا اور تنہا رہنا بھی جائز ہے۔ ہمارے اور اُن کے درمیان یہی سب سے بڑا فرق ہے کہ ہم عصمتوں کے پاسبان ہیں اور وہ عصمتوں کے بیوپاری۔ یہی وہ فرق ہے جو ہمارے مسلمان بھائی مٹا دیتے ہیں۔ تقی الدین! تمہارا ایک محاذ زمین کے اوپر ہے، دوسرا زمین کے نیچے۔ ایک محاذ دشمن کے خلاف ہے اور دوسرا اپنوں کے خلاف۔ اگر اپنوں میں غدار نہ ہوتے تو ہم اس وقت یہاں نہیں یورپ کے قلب میں بیٹھے ہوئے ہوتے اور صلیبی ہمارے خلاف اپنی حسین بیٹیوں کی بجائے کوئی بہتر ہتھیار استعمال کرتے اور اچھی قسم کی جنگی چالیں چلتے۔ ایمان کی حرارت تیز ہوتی تو اس وقت تک صلیب ایندھن کی طرح جل چکی ہوتی''۔

''مجھے آپ کی بہت سی دشواریوں کا علم یہاں آ کر ہوا ہے''...... تقی الدین نے کہا۔ ''محترم نورالدین زنگی بھی پوری طرح آگاہ نہیں کہ مصر میں آپ غداروں کی ایک فوج کے گھیرے میں آئے ہوئے ہیں۔ آپ اُن سے کمک مانگ لیتے۔ انہیں مدد کے لیے کہتے''۔

''تقی بھائی!''...... سلطان ایوبی نے جواب دیا...... ''مدد صرف اللہ سے مانگی جاتی ہے۔ مدد اپنوں سے مانگی جائے یا غیروں سے، اپنا ایمان کمزور کر دیتی ہے۔ صلیبیوں کی فوج زرہ بکتر میں ہے۔ میرے سپاہی معمولی سے کپڑوں میں ملبوس ہیں، پھر بھی انہوں نے صلیبیوں کو شکست دی ہے۔ ایمان لوہے کی طرح مضبوط ہو تو زرہ بکتر کی ضرورت نہیں رہتی۔ زرہ بکتر اور خندقیں تحفظ کا احساس پیدا کرتی ہیں اور سپاہی کو اپنے اندر قید کر لیتی ہیں۔ یاد رکھو، میدان میں خندق سے باہر رہو، گھوم پھر کر لڑو، دشمن کے پیچھے نہ جاؤ۔ اسے اپنے پیچھے لاؤ۔ مرکز کو قائم رکھو، پہلوؤں کو پھیلا دو اور دشمن کو دونوں بازوؤں میں جکڑ لو۔ محفوظ وہاں رکھو جہاں سے وہ دشمن کے عقب میں جا سکے۔ چھاپہ ماروں کے بغیر کبھی جنگ نہ لڑنا۔ چھاپہ ماروں سے دشمن کی رسد تباہ کراؤ۔ وہ رسد جو پیچھے سے آئے اور وہ بھی جو دشمن اپنے ساتھ رکھے۔ چھاپہ ماروں کو دشمن کے

جانوروں کو مارنے یا ہراساں کرنے کے لیے استعمال کرو۔ آمنے سامنے کی ٹکر سے بچو۔ جنگ کو طول دو۔ دشمن کو پریشان کیے رکھو..... میں جو فوج چھوڑ چلا ہوں، یہ محاذ سے آئی ہے۔ اس فوج میں جان پر کھیل جانے والے چھاپہ مار دستے بھی ہیں۔ اسے صرف اشارے کی ضرورت ہے۔ میں نے اس فوج میں ایمان کی حرارت پیدا کر رکھی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر اس فوج کا ایمان سرد کر دو۔ ہم پر جو حملہ ہو رہا ہے، وہ ہمارے ایمان پر ہو رہا ہے۔ صلیبی تمدن کے اثرات بڑی تیزی سے مصر میں آ رہے ہیں''۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے بھائی تقی الدین کو پوری تفصیل سے بتایا کہ سوڈان میں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ سوڈانیوں میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی ہے، جو مسلمان ہیں، نہ عیسائی۔ ان میں مسلمان بھی ہیں، جن میں مصر کی اُس فوج کے بھگوڑے بھی ہیں، جسے بغاوت کے جرم میں توڑ دیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا..... ''لیکن گھر بیٹھے دشمن کا انتظار نہ کرتے رہنا۔ جاسوس تمہیں خبریں دیتے رہیں گے۔ حسن بن عبداللہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں محسوس کرو کہ دشمن کی تیاری مکمل ہو چکی ہے اور وہ اب حملے کے لیے اجتماع کر رہا ہے، تم وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دو اور دشمن کو تیاری کی حالت میں ہی ختم کر دو، لیکن پیچھے کے انتظامات مضبوط رکھنا۔ قوم کو محاذ کے حالات سے بے خبر نہ رکھنا۔ اگر خدانخواستہ شکست ہو جائے تو اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو تسلیم کر لینا اور قوم کو بتا دینا کہ شکست کے اسباب کیا تھے۔ جنگ قوم کے خون اور پیسے سے لڑی جاتی ہے۔ بیٹے قوم کے شہید اور اپاہج ہوتے ہیں۔ لہٰذا قوم کو اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ جنگ کو بادشاہوں کا کھیل نہ سمجھنا۔ یہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ اس میں قوم کو اپنے ساتھ رکھنا..... میں نے جس فاطمی خلافت کو معزول کیا تھا، اس کے حواری ہمارے خلاف سرگرم ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے درپردہ اپنا خلیفہ مقرر کر رکھا ہے۔ ان کا خلیفہ العاضد تو مر گیا ہے، لیکن وہ خلافت کو اس اُمید پر زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ سوڈانی مصر پر حملہ کریں گے۔ ہماری فوج بغاوت کرے گی اور صلیبی چپکے سے اندر آ کر فاطمی خلافت بحال کر دیں گے۔ فاطمیوں کو حسن بن صباح کے قاتل گروہ کی حمایت حاصل ہے۔ میں علی بن سفیان کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس کا نائب حسن بن عبداللہ اور کوتوال غیاث بلبیس تمہارے ساتھ رہیں گے۔ یہ اس زمین دوز گروہ پر نظر رکھیں گے..... فوج کی بھرتی تیز کر دو اور انہیں جنگی مشقیں کراتے رہو''۔

''تھوڑے ہی عرصے سے ہمیں اطلاعیں مل رہی ہیں کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے سے فوج کے لیے بھرتی نہیں مل رہی''..... حسن بن عبداللہ نے کہا..... ''یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے خلاف ہوتے جا رہے ہیں''۔

''معلوم کرایا ہے کہ باعث کیا ہے؟''..... علی بن سفیان نے پوچھا۔

''میرے دو مخبر اس علاقے میں قتل ہو چکے ہیں''..... حسن بن عبداللہ نے کہا..... ''وہاں سے خبر لینا آسان نہیں، تاہم میں نے نئے مخبر بھیج دیئے ہیں''۔

''میں اپنے ذرائع سے معلوم کر رہا ہوں''..... غیاث بلبیس نے کہا..... ''مجھے شک ہے کہ اس وسیع علاقے کے لوگ نئے وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ علاقہ دشوار گزار ہے۔ لوگ سخت جان ہیں، لیکن عقیدوں کے ڈھیلے اور توہمات پرست ہیں''۔

''توہم پرستی بہت بڑی لعنت ہے''..... سلطان ایوبی نے کہا..... ''اُس علاقے پر نظر رکھو اور وہاں کے لوگوں کو توہمات سے بچاؤ''۔

☆

تین چار روز بعد کرک کے قلعے میں بھی ایک اجلاس منعقد ہوا۔ وہ صلیبی حکمرانوں اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کا اجلاس تھا۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کا ایک قلعہ (شوبک) لے چکا ہے اور اب کرک پر حملہ کرے گا۔ انہیں اس احساس نے پریشان کر رکھا تھا کہ اگر مسلمانوں نے کرک کو بھی شوبک کی طرح فتح کر لیا تو یروشلم کو بچانا مشکل ہو جائے گا۔ صلیبی جان گئے تھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی سنبھل سنبھل کر آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک جگہ لیتا ہے، فوج کی کمی نئی بھرتی سے پوری کرتا ہے، اُسے پوری فوج کے ساتھ ٹریننگ دیتا ہے اور جب اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اگلی ٹکر لینے کے قابل ہو گیا ہے تو آگے بڑھتا ہے۔ چنانچہ وہ کرک کے دفاع کو مضبوط کر رہے تھے اور باہر آ کر لڑنے کی بھی سکیم بنا چکے تھے، مگر اس اجلاس میں انہیں اپنی سکیم میں رد و بدل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، کیونکہ اُن کے انٹیلی جنس کے سربراہ ہرمن نے انہیں سلطان ایوبی، اس کی فوج اور مصر کے تازہ حالات کے متعلق انقلابی خبریں دی تھیں۔

صلیبی جاسوسوں نے بہت ہی تھوڑے وقت میں کرک میں یہ اطلاعیں پہنچا دیں تھیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اُس فوج کو قاہرہ لے گیا ہے جو اس محاذ پر لڑی اور شوبک کا قلعہ لیا تھا اور قاہرہ میں جو فوج ہے، اسے عجلت میں محاذ پر بھیج دگیا گیا ہے اور نورالدین زنگی نے اپنی بہترین فوج کی کمک اس محاذ پر بھیج دی ہے اور سلطان ایوبی کا بھائی تقی الدین دمشق سے قاہرہ پہنچ گیا ہے، جہاں وہ سلطان ایوبی کا قائم مقام ہوگا اور سلطان ایوبی قاہرہ چلا گیا ہے، جہاں وہ سازشیوں کو سزائے موت دے کر محاذ کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ صلیبیوں کے لیے یہ خبر اچھی نہیں تھی کہ قاہرہ کا نائب ناظم مصلح الدین بھی پکڑا گیا اور غداری کے جرم میں مارا گیا ہے۔ مصلح الدین صلیبیوں کا کارآمد اور اہم ایجنٹ تھا۔ صلیبی نظامِ جاسوسی کا سربراہ ہرمن اجلاس کو ان تبدیلیوں سے آگاہ کر رہا تھا۔ اُس نے کہا...... ''مصلح الدین کے مارے جانے سے ہمیں نقصان تو ہوا ہے، لیکن تقی الدین کا تقرر ہمارے لیے اُمید افزا ہے۔ وہ بے شک صلاح الدین ایوبی کا بھائی ہے، لیکن وہ سلطان ایوبی نہیں ہے، میرے تخریب کار جاسوس اُسے چکر دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ بھی اُمید افزا ہے کہ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان قاہرہ سے غیر حاضر ہیں''۔

''میں حیران ہوں کہ تمہارے حشیشین کیا کر رہے ہیں؟''...... ریمانڈ نے پوچھا...... ''کیا وہ دوہرا کھیل تو نہیں کھیل رہے؟ کمبخت ابھی تک صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کر سکے۔ ہم بہت رقم ضائع کر چکے ہیں''۔

''رقم ضائع نہیں ہو رہی''...... ہرمن نے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ صلاح الدین ایوبی محاذ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اُس کے ساتھ چوبیس باڈی گارڈ قاہرہ گئے ہیں۔ ان میں چار حشیشین ہیں، ان کے لیے موقع آ گیا ہے۔ میں نے انتظام کر دیا ہے۔ وہ صلاح الدین کو راستے میں قتل کر دیں گے''۔

''ہمیں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''یہ فرض کر کے سوچو کہ صلاح الدین ایوبی قتل نہیں ہو سکا اور وہ زندہ سلامت محاذ پر موجود ہے۔ اُس کے پاس اب تازہ دم فوج ہے۔ اُس نے نئی بھرتی کو ٹریننگ دے لی ہے اور اُسے نورالدین زنگی کی کمک مل گئی ہے۔ اُس نے شوبک جیسا مضبوط اڈہ بھی حاصل کر لیا ہے۔ لہٰذا اب اس کی رسد قاہرہ سے نہیں آئے گی۔ شوبک میں اُس نے بے شمار رسد جمع کر لی ہے۔ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ میں اُسے موقع نہیں دینا چاہتا کہ وہ کرک کا محاصرہ کر لے اور ہم محاصرے میں لڑیں''۔

''اب ہم محاصرے تک نوبت نہیں آنے دیں گے''...... ایک اور صلیبی حکمران نے کہا...... ''ہم باہر لڑیں گے اور اس انداز سے لڑیں گے کہ شوبک کا محاصرہ کر لیں''۔

''صلاح الدین ایوبی صحرائی لومڑی ہے''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''اسے صحرا میں شکست دینا آسان نہیں۔ وہ ہمیں شوبک کے محاصرے کی اجازت دے دے گا، مگر ہمارا محاصرہ کرلے گا۔ میں اس کی چالیں سمجھ چکا ہوں۔ اگر تم اُسے آمنے سامنے لاکر لڑا سکتے ہو تو تمہیں فتح کی ضمانت دے سکتا ہوں، مگر تم اسے سامنے نہیں لاسکو گے۔

بہت دیر کے بحث مباحثے کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ نصف فوج کو قلعے سے باہر بھیج دیا جائے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے قریب خیمہ زن کر دیا جائے اور اس کی فوج کی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھی جائے۔ اس سکیم میں باہر لڑنے والی فوج کی تعداد کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج سے تین گنا نہ ہو تو دگنی ضرور ہو۔ عقب سے حملے کے لیے الگ فوج مقرر کی گئی اور پلان میں یہ بھی شامل کیا گیا کہ مسلمان فوج کی کمک اور رسد شوبک سے آئے گی، لہٰذا شوبک اور مسلمانوں کے درمیانی فاصلے کو چھاپہ ماروں کی زد میں رکھنے کا انتظام کیا جائے۔ فوجی کمانڈروں نے کہا کہ سامنے اتنی زیادہ قوت سے حملہ کیا جائے کہ صلاح الدین ایوبی جم کر لڑنے پر مجبور ہو جائے۔ صلیبیوں کو دراصل اپنی بکتر فوج پر بھروسہ تھا۔ اُن کی بیشتر فوج زرہ پوش تھی۔ سروں پر آہنی خود تھے۔ پیشانیوں سے ناک اور منہ تک چہرے آہنی خودوں کے مضبوط نقابوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے اونٹوں کو بھی زرہ پوش کرلیا تھا۔ اونٹوں کے سروں پر آہنی غلاف چڑھا دیئے گئے تھے اور پہلوؤں کے ساتھ لوہے کی پتریاں لٹکتی تھیں جو تیروں کو روک لیتی تھیں۔ اُنہوں نے کوشش کی تھی کہ بہتر قسم کے گھوڑے حاصل کر سکیں۔ یورپی ممالک سے لائے ہوئے گھوڑے صحرا میں جلدی تھک جاتے اور پیاس سے بے حال ہو جاتے تھے۔ صلیبیوں نے عربی علاقوں سے گھوڑے خریدے تھے، مگر ان کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے قافلوں سے گھوڑے چھیننے شروع کر دیئے تھے۔ گھوڑے چرائے بھی تھے۔ سلطان ایوبی کے گھوڑے بہتر تھے۔ عربی نسل کے یہ صحرائی گھوڑے پیاس سے بے نیاز میلوں بھاگ سکتے تھے۔

ان جنگی تیاریوں اور اہتمام کے علاوہ صلیبیوں نے نظریاتی جنگ کا محاذ جو کھولا تھا، اس کے متعلق اُن کے انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر، ہرمن نے رپورٹ پیش کی کہ صلاح الدین ایوبی کو مصر کے جنوب مغرب کے سرحدی علاقے سے بھرتی نہیں ملے گی۔ یہ وہی علاقہ تھا جس کے متعلق سلطان صلاح الدین ایوبی کی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ نے رپورٹ دی تھی کہ وہاں کے لوگ اب فوج میں بھرتی نہیں ہوتے، بلکہ بعض لوگ فوج کے خلاف بھی ہو گئے ہیں۔ یہ جفاکش اور جنگجو قبائل کا علاقہ تھا جس نے سلطان ایوبی کو نہایت اچھے سپاہی دیئے تھے، مگر اب ہرمن کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا تھا کہ صلیبی تخریب کار اُس علاقے میں پہنچ گئے ہیں، وہاں نوبت یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ حسن بن عبداللہ نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس علاقے کے لوگ فوج کے خلاف کیوں ہو گئے ہیں، دو مخبر بھیجے تھے۔ دونوں قتل ہو گئے تھے۔ ان کی لاشیں نہیں ملی تھیں۔ پُراسراری ایک اطلاع ملی تھی کہ ہمیشہ کے لیے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ وہ علاقہ جو بہت وسیع و عریض تھا، جاسوسوں اور مخبروں کے لیے بہت ہی مضبوط قلعہ بن گیا تھا، وہاں سے کوئی معلومات حاصل ہوتی ہی نہیں تھیں۔ اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ وہاں کے لوگ ہیں تو مسلمان، لیکن توہم پرست اور عقیدے کے بہت ڈھیلے ہیں۔

ہرمن نے تفصیلات بتائے بغیر کہا کہ اُس کا تجربہ کامیاب رہا ہے۔ وہ اب مصر کے تمام سرحدی علاقے میں اس طریقۂ کار کو پھیلائے گا۔ پھر ان اثرات کو مصر کے اندر لے جانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے اُمید ظاہر کی کہ وہ مصر کے قصبوں اور شہروں کو بھی اپنے اثر میں لے لے گا۔ اُس نے کہا...... ''میں مسلمانوں کی ایک ایسی خامی کو اُن کے خلاف استعمال کر رہا ہوں، جسے وہ اپنی خوبی سمجھتے ہیں۔ مسلمان درویشوں، فقیروں، وظیفے اور چلّے کرنے والوں، عاملوں اور

مولویوں اور کٹیا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہنے والے مجذوب قسم کے لوگوں کے فوراً مرید بن جاتے ہیں۔ درویشوں وغیرہ کا یہ گروہ اسلامی فوج کے ان سالاروں کے خلاف ہے، جنہوں نے ہمارے خلاف جنگیں لڑ کر شہرت حاصل کی ہے۔ یہ درویش اپنے متعلق لوگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ خدا اُن کے ہاتھ میں ہے اور وہ خدا کے خاص بندوں میں سے ہیں۔ وہ صرف نام پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں میدانِ جنگ میں جانے کی ہمت اور جرأت نہیں، لہٰذا وہ گھر بیٹھے وہی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو سالاروں نے جہاد میں حاصل کی ہے۔ اگر دیانت داری اور غیر جانب داری سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے یہ فوجی لیڈر جن میں صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی بھی شامل ہیں، قابلِ تحسین انسان ہیں۔ ان میں سے جنہوں نے یورپ تک اسلام پھیلا دیا اور سپین کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا، بجا طور پر حق رکھتے ہیں کہ قوم اپنی عبادت میں بھی ان کا نام لے مگر اُن کے خلیفوں نے اپنا نام عبادت میں شامل کر کے فوجی لیڈروں کی اہمیت گھٹا دی اس کے ساتھ مسلمانوں میں نام نہاد عالموں اور اماموں کا ایک گروہ پیدا ہوا جو عمل سے گھبراتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہیں، وہ عالم اور امام ہیں۔ یہ گروہ خلیفوں کی آڑ میں جہاد کے معنی مسخ کر رہا ہے، تاکہ لوگ جہاد میں جانے کی بجائے ان کے گرد جمع ہوں اور انہیں خدا کے برگزیدہ انسان مانیں۔ اُن کے پاس پُراسراری باتیں اور باتیں کرنے کا ایسا طلسماتی انداز ہے کہ لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان برگزیدہ انسانوں کے سینے میں وہ راز چھپا ہوا ہے، جو خدا نے ہر بندے کو نہیں بتایا۔ چنانچہ سیدھے سادھے مسلمان اُن کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ میں مسلمانوں کو اسلام کی ہی باتیں سنا سنا کر اسلام کی بنیادی رُوح سے دُور لے جا رہا ہوں۔ تاریخ گواہ ہے کہ یہودیوں نے نظریاتی تخریب کاری کر کے اسلام کو کافی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ میں انہی کے اصولوں پر کام کر رہا ہوں''۔

یہی وہ محاذ تھا جس کے متعلق سلطان صلاح الدین ایوبی پریشان رہتا تھا۔ پریشانی کا اصل باعث یہ تھا کہ اس محاذ پر اپنی ہی قوم کے افراد اُس کے خلاف لڑ رہے تھے اور یہ محاذ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔

☆

تقی الدین اور اپنے اُن حکام کو جنہیں قاہرہ میں رہنا تھا، ہدایات دے کر سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ چوبیس ذاتی محافظوں کا دستہ تھا۔ صلیبیوں کو باڈی گارڈز کی نفری کا علم تھا اور انہیں یہ بھی علم تھا کہ اس دستے میں چار حشیشین ہیں، جو نہایت کامیاب اداکاری سے اور بہادری کے کارناموں سے محافظ دستے کے لیے منتخب ہو گئے تھے۔ ان کا مقصد صلاح الدین ایوبی کا قتل تھا، لیکن انہیں موقع نہیں مل رہا تھا، کیونکہ محافظ دستے کی نفری چوبیس سے کہیں زیادہ رہتی اور ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی، کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ ان چاروں کی ڈیوٹی اکٹھی لگی ہو۔ محافظوں کے کمانڈر بہت ہوشیار اور چوکس رہتے تھے۔ انہیں یہ تو علم تھا کہ ان کے درمیان قاتل بھی موجود ہیں، وہ بیدار رہتے تھے کہ کوئی محافظ کوتاہی نہ کرے۔ اب سلطان ایوبی سفر میں تھا۔ اُس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ محافظوں کی پوری فوج کو ساتھ نہیں رکھے گا، چوبیس کافی ہیں، حالانکہ راستے میں صلیبی چھاپہ ماروں کا خطرہ تھا۔

سلطان ایوبی قاہرہ سے دن کے پچھلے پہر روانہ ہوا تھا۔ آدھی رات سفر میں اور باقی آرام میں گزری۔ سحر کی تاریکی میں اُس نے کوچ کا حکم دیا۔ دوپہر کا سورج گھوڑوں کو پریشان کرنے لگا تو ایک ایسی جگہ یہ قافلہ رُک گیا، جہاں پانی بھی تھا، درخت بھی اور ٹیلوں کا سایہ بھی تھا۔ ذرا سی دیر میں سلطان ایوبی کے لیے خیمہ نصب کر دیا گیا۔ اس کے اندر سفری چارپائی اور بستر بچھا دیا گیا۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر سلطان ایوبی اونگھنے کے لیے لیٹ گیا۔ دو محافظ خیمے کے آگے اور

پیچھے کھڑے ہو گئے۔ دستے کے باقی محافظ قریب ہی سایہ دیکھ کر بیٹھ گئے۔ کچھ گھوڑوں کو پانی پلانے کے لیے لے گئے۔ علی بن سفیان اور دیگر حکام جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ تھے، ایک درخت کے نیچے جا کر لیٹ گئے۔ انہوں نے خیمے نصب نہیں کرائے تھے۔ اس جگہ کے خدوخال ایسے تھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیمہ اُن کی نظروں سے اوجھل تھا۔ صحرا کا سورج زمین و آسمان کو جلا رہا تھا، جس کسی کو جہاں چھاؤں ملی، وہاں بیٹھ یا لیٹ گیا۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے پر جن دو محافظوں کی ڈیوٹی لگی، وہ دونوں حشیشین تھے، جو ایک عرصہ سے ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ اس موقع کو پوری طرح موزوں بنانے کے لیے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ محافظوں کی زیادہ تر نفری گھوڑوں کو پانی پلانے چلی گئی تھی۔ پانی ایک ٹیلے کے دوسری طرف تھا۔ قافلے کا سامان اُٹھانے والے اونٹوں کے شتربان بھی اونٹوں کو پانی کے لیے لے گئے تھے۔ جو محافظ ڈیوٹی والوں کے علاوہ پیچھے رہ گئے تھے، اُن میں دو اور حشیشین تھے۔ انہوں نے اشاروں اشاروں میں طے کر لیا۔ صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے سامنے کھڑے محافظ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر دیکھا اور باہر والوں کو اشارہ کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، اس حالت میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ اُس کی پیٹھ خیمے کے دروازے کی طرف تھی۔ محافظ دبے پاؤں اندر چلا گیا۔ اُس نے خنجر نہیں نکالا، تلوار نہیں نکالی، بلکہ اُس کے ہاتھ میں جو برچھی تھی، وہ بھی اُس نے خیمے کے باہر رکھ دی تھی۔ ہر محافظ کی طرح وہ قوی ہیکل جوان تھا۔ دیکھنے میں وہ سلطان ایوبی کی نسبت دُگنا نہیں تو ڈیڑھ گنا طاقتور ضرور تھا۔

وہ دبے پاؤں سلطان ایوبی تک گیا اور بجلی کی تیزی سے سلطان کی گردن دونوں ہاتھوں میں جکڑ لی۔ سلطان ایوبی جاگ اُٹھا۔ اُس نے کروٹ بھی بدل لی، لیکن جس شکنجے میں اُس کی گردن آ گئی تھی، اُس سے گردن چھڑانا ممکن نہیں تھا۔ اسلام کے اس جری جرنیل کی زندگی صرف دو منٹ رہ گئی تھی۔ وہ اب پیٹھ کے بل پڑا تھا۔ حملہ آور نے اُس کے پیٹ پر گھٹنہ رکھ کر ایک ہاتھ اُس کی گردن سے ہٹا دیا، دوسرے ہاتھ سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی شہ رگ کو دبائے رکھا۔ اُس نے اپنے کمر بند سے ایک پڑیا سی نکالی۔ اسے ایک ہی ہاتھ سے کھولا اور صلاح الدین ایوبی کے منہ میں ڈالنے لگا۔ وہ سلطان کو زہر دے کر مارنا چاہتا تھا، کیونکہ گلا دبا کر مارنے سے صاف پتا چل جاتا ہے کہ گلا دبایا گیا ہے۔ سلطان ایوبی بے بس تھا۔ پیٹ پر اتنے قوی ہیکل جوان کا گھٹنہ اور بوجھ تھا۔ شہ رگ دشمن کے شکنجے میں تھی اور سانس رُک گیا تھا۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا جو اُس نے پڑیا دیکھ کر بند کر لیا۔ اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔ موت سر پر آ گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے کمر بند سے تلوار نما خنجر نکال لیا، جو وہ زیور کی طرح اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ حملہ آور اُس کے منہ میں زہر ڈالنے کی کوشش میں مگن تھا، دیکھ نہ سکا کہ سلطان نے خنجر نکال لیا ہے۔ سلطان ایوبی نے خنجر اُس کے پہلو میں اُتار دیا۔ کھینچا اور ایک بار پھر خنجر حملہ آور کے پہلو میں اُتر گیا۔ حملہ آور سانڈ جیسا آدمی تھا۔ اتنی جلدی مر نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی سپاہی تھا۔ وہ خنجر کے وار اور ہدف سے آگاہ تھا۔ اُس نے خنجر حملہ آور کے پہلو سے نکالا نہیں۔ وہیں خنجر کو گھمایا اور نیچے کو جھٹکا دیا۔ حملہ آور کی انتڑیاں اور پیٹ کا اندرونی حصہ باہر آ گیا۔

حملہ آور کے ہاتھ سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی گردن چھوٹ گئی۔ دوسرے ہاتھ سے زہر کی پڑیا گر پڑی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے جسم کو جھٹکا دیا، حملہ آور کو دھکا دیا اور حملہ آور چارپائی سے نیچے جا پڑا۔ وہ اب اُٹھنے کے قابل نہیں تھا۔ یہ معرکہ بمشکل آدھے منٹ میں ختم ہو گیا، مگر خیمے سے باہر دوسرا محافظ کھڑا تھا۔ اُس نے اندر دھمک سی سنی تو پردہ اُٹھا کر جھانکا، وہاں کچھ اور ہی نقشہ دیکھا۔ وہ تلوار سونت کر آیا اور سلطان صلاح الدین ایوبی پر وار کیا، مگر سلطان خیمے کے درمیانی بانس کے پیچھے ہو گیا۔ تلوار بانس پر لگی۔ صلاح الدین ایوبی تو جیسے پیدائشی تیغ زن تھا۔ اُدھر تلوار بانس میں لگی، اِدھر

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جھپٹا مارنے کے اندر سے حملہ آور پر خنجر کا وار کیا۔ حملہ آور بھی لڑاکا تھا۔ اسی لیے تو وہ محافظ دستے کے لیے چنا گیا تھا۔ وہ وار بچا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے محافظ دستے کے کمانڈر کو آواز دی۔ حملہ آور نے دوسرا وار کیا، تو سلطان صلاح الدین ایوبی آگے سے ہٹ گیا، مگر ایسا ہٹا کہ حملہ آور کے پہلو میں چلا گیا۔ اب کے حملہ آور سلطان کے خنجر کا وار نہ بچا سکا۔ سلطان ایوبی کی پکار پر دو محافظ خیمے میں آئے۔ دونوں نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔ اتنے میں سلطان ایوبی دوسرے محافظ کو بھی زخمی کر چکا تھا، مگر وہ ابھی تک لڑ رہا تھا۔ اس کے دو اور ساتھی آ گئے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے حوصلہ قائم اور دماغ حاضر رکھا۔ اللہ نے مدد کی کہ دستے کا کمانڈر اندر آ گیا۔ اس نے دوسرے محافظوں کو آوازیں دیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے کہنے پر وہ حملہ آوروں سے اُلجھ گیا۔ اتنے میں چار پانچ محافظ آ گئے۔ اُدھر سے علی بن سفیان اور دوسرے حکام بھی شور سن کر آ گئے۔ خیمے میں دیکھا تو اُن کے رنگ اُڑ گئے۔ چار محافظ لہولہان ہو کے پڑے تھے۔ دو مر چکے تھے، تیسرا مر رہا تھا، وہ ہوش میں نہیں تھا۔ اس کا پیٹ اوپر سے نیچے تک پھٹا ہوا اور سینے پر دو گہرے زخم تھے۔ چوتھے کے پیٹ میں ایک زخم تھا اور دوسرا زخم ران پر۔ وہ زمین پر بیٹھا، ہاتھ جوڑ کر چلا رہا تھا۔..... ''میں زندہ رہنا چاہتا ہوں، مجھے میری بہن کے لیے زندہ رہنے دو''..... سلطان ایوبی نے اپنے محافظوں کو روک دیا۔ محافظ اتنے بھڑکے ہوئے تھے کہ انہوں نے تیسرے محافظ کو بے ہوشی میں سانس لیتے دیکھا تو اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ چوتھے کو سلطان ایوبی نے بچا لیا۔ یہ رحم کا جذبہ بھی تھا اور یہ ضرورت بھی کہ اس سے بیان لینے تھے اور اس سازش کی کڑیاں بھی ملانی تھیں۔

صلاح الدین ایوبی کا طبیب بھی اس کے قافلے کے ساتھ تھا۔ وہ جراح بھی تھا، ہر جگہ اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُسے کہا کہ اس زخمی کو ہر قیمت پر زندہ رکھنے کی کوشش کرے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو خراش تک نہیں آئی تھی، وہ ہانپ رہا تھا، لیکن جذباتی طور پر بالکل مطمئن تھا۔ غصے کا شائبہ تک نہ تھا۔ اُس نے مُسکرا کر کہا..... ''میں حیران نہیں ہوا، ایسا ہونا ہی تھا''..... علی بن سفیان کی جذباتی حالت بگڑی ہوئی تھی۔ یہ اُس کی ذمہ داری تھی کہ محافظ دستے کے لیے جسے منتخب کیا جائے، اُس کے متعلق چھان بین کرے کہ وہ قابلِ اعتماد ہے۔ اب یہ دیکھنا تھا کہ دستے کے باقی سپاہیوں میں کوئی ان کا ساتھی رہ گیا ہے یا باقی دیانت دار ہیں..... سلطان صلاح الدین ایوبی کے بستر پر وہ پُڑیا پڑی ہوئی تھی جو حملہ آور اُس کے منہ میں ڈالنا چاہتا تھا۔ ایک سفید سا سفوف تھا جس میں سے کچھ بستر پر بکھر گیا تھا۔ طبیب نے یہ سفوف دیکھا اور جب سنا کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے منہ میں ڈالا جا رہا تھا تو طبیب کا رنگ اُڑ گیا۔ اُس نے بتایا کہ یہ ایسا زہر ہے کہ جس کا صرف ایک ذرہ بھی حلق سے نیچے اُتر جائے تو تھوڑی سی دیر میں انسان نہایت اطمینان سے مر جاتا ہے۔ وہ تلخی محسوس نہیں کرتا اور نہ وہ اپنے اندر کوئی اور تبدیلی محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا بستر اُٹھوا کر باہر بھجوایا اور صاف کرا دیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے زخمی کو اُٹھوا کر اپنے بستر پر لٹا دیا۔ اس کے پیٹ میں تلوار لگی تھی اور دوسرا زخم ران پر تھا۔ پیٹ کا زخم مہلک نظر نہیں آتا تھا، ترچھا تھا۔ ران کا زخم لمبا تھا اور گہرا بھی۔ وہ ہاتھ جوڑ کر سلطان صلاح الدین ایوبی سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ سلطان کے خلاف اس کے دِل میں کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ کوئی نظریاتی عداوت بھی نہیں تھی۔ وہ کرائے کا قاتل تھا۔ اپنی شکست کے ساتھ اُسے اپنی ایک غیر شادی شدہ بہن کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا نام لیتا اور کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ میرا گناہ بخش دو۔ ایک مسلمان بہن کی خاطر مجھے بخش دو۔

''زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے''......سلطان ایوبی نے ایسے لہجے میں کہا کہ جس میں تحمل تھا، مگر رعب اور جلال بھی تھا۔ سلطان نے کہا......''تم نے دیکھ لیا ہے کہ کون مارتا اور کون زندہ رکھتا ہے، لیکن میرے دوست! اس وقت تمہاری جان جس کے ہاتھ میں ہے، تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اپنا گناہ دیکھو۔ اپنی بے بسی دیکھو، میں تمہیں تمہارے ساتھیوں کی لاش کے ساتھ زندہ باہر صحرا میں پھینک دوں گا۔ صحرا کی لومڑیاں اور بھیڑیئے تمہیں اس حال میں نوچ نوچ کر کھائیں گے کہ تم زندہ رہو گے، ہوش میں ہو گے، مگر بھاگ نہیں سکو گے۔ بوٹی بوٹی ہو کر مرو گے اور اپنے گناہ کی سزا پاؤ گے۔''

زخمی تڑپ اُٹھا۔ اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگا......سلطان ایوبی نے پوچھا......''تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ میرے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے؟''

''میں فاطمیوں کا آدمی ہوں''......اُس نے جواب دیا......''ہم چاروں حشیشین تھے۔ کوئی دو سال اور کوئی تین سال پہلے آپ کی فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ ہمیں سکھایا گیا تھا کہ آپ کے محافظ دستے میں کس طرح پہنچا جا سکتا ہے''۔ اُس نے بولنا شروع کر دیا اور راز کی باتیں بتانے لگا۔ اُس نے بتایا کہ محافظ دستے میں یہی چار قاتل تھے۔ اُس کے بیان کے دوران سلطان صلاح الدین ایوبی نے طبیب سے کہا کہ وہ اس کی مرہم پٹی کرتا رہے۔ طبیب نے اُسے ایک دوا پلا دی اور خون روکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے زخمی کو تسلی دی کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ زخمی انکشاف کرتا گیا۔ اُس نے معزول فاطمی خلافت اور حشیشین کے معاہدے کو بے نقاب کیا۔ فاطمیوں نے صلیبیوں سے جو مدد لی تھی اور لے رہے تھے، اُس کی تفصیل بتائی......خاصا وقت صرف کر کے طبیب نے اُس کی مرہم پٹی مکمل کر دی۔ اصل مرہم تو سلطان ایوبی کی شفقت تھی، جس میں انتقام کا ذرا سا بھی شک نہیں ہوتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا کہ لاشیں باہر پھینک دو اور اس زخمی کے متعلق اُس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ وہیں سے اسے قاہرہ لے جائے اور اُس نے جو نشاندہیاں کی ہیں، اُن کے خلاف کارروائی کرے۔ زخمی نے نہایت کارآمد سراغ دیئے، جن میں کچھ ایسے خطرناک تھے جن کی تفتیش علی بن سفیان ہی اچھی طرح کر سکتا تھا۔ اُسے اُسی وقت اونٹ پر خاص طریقے سے لٹا کر علی بن سفیان واپسی کے سفر پر چل پڑا۔

صلاح الدین ایوبی پر متعدد بار قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ تاریخ میں ان تمام کا ذکر نہیں آیا۔ مندرجہ بالا طرز کے دو حملوں کا ذکر ملتا ہے۔ ایک بار ایک فدائی قاتل نے سلطان صلاح الدین ایوبی پر اسی طرح سوتے میں خنجر کا وار کیا تھا۔ خنجر پگڑی میں لگا اور سلطان ایوبی جاگ اُٹھا تھا۔ یہ قاتل سلطان ایوبی کے ہاتھوں مارا گیا اور اُس کے محافظ دستے کے چند ایسے محافظ پکڑے گئے تھے جو کرائے کے قاتل تھے۔

☆

مصر کے جنوب مغربی علاقے میں جو سوڈان کی سرحد کے ساتھ ملتا تھا، صدیوں پرانی کسی پیچ در پیچ عمارت کے کھنڈر تھے۔ اُس زمانے میں مصر کی سرحد کچھ اور تھی۔ صلاح الدین ایوبی کہا کرتا تھا کہ مصر کی کوئی سرحد ہے ہی نہیں۔ تاہم سوڈانیوں نے ایک خیالی سی سرحد بنا رکھی تھی۔ کھنڈروں کے اِردگرد کا علاقہ دشوار گزار تھا۔ غالباً فرعونوں کے وقتوں میں یہ علاقہ سرسبز تھا اور وہاں پانی کی بہتات تھی۔ خشک جھیلیں اور دو ندیوں کے گہرے اور خشک پاٹ بھی تھے۔ ریتلی چٹانیں بھی تھیں اور ریتلی مٹی کے ٹیلے بھی۔ ان کی شکلیں کسی بہت بڑی عمارت کے کھنڈروں کی مانند تھیں، کہیں ٹیلہ ستون کی طرح دُور اوپر تک چلا گیا تھا اور کہیں ٹیلے دیواروں کی طرح کھڑے تھے، جہاں جہاں جگہ ہموار تھی، وہاں ریت تھی۔ چٹانیں

اونچی بھی تھیں، نیچی بھی۔ اس علاقے کے اِردگرد کہیں کہیں پانی تھا،لہٰذا درخت تھے اور وہاں کے رہنے والے کھیتی باڑی کرتے تھے۔ کم وبیش چالیس میل لمبا اور دس بارہ میل چوڑا یہ علاقہ آباد تھا۔ یہ آبادی مسلمان تھی۔ ان میں کچھ لوگ مسلمان نہیں تھے۔ ان کے عجیب وغریب سے عقیدے تھے۔

فرعونوں کی عمارت کے کھنڈروں سے لوگ ڈرا کرتے تھے۔ اِن کے اِردگرد کا علاقہ بھی ایسا تھا کہ دیکھنے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، وہاں سے کوئی گزرتا ہی نہیں تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہاں فرعونوں کی بدرُوحیں رہتی ہیں جو دِن کے دوران بھی جانوروں کی صورت میں گھومتی پھرتی رہتی ہیں اور کبھی اونٹوں پر سوار سپاہیوں کے بھیس میں اور کبھی خوب صورت عورتوں کے روپ میں نظر آتی ہیں اور رات کو وہاں سے ڈراؤنی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ کوئی ایک سال سے یہ کھنڈر لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اس سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے لیے بھرتی کی مہم شروع ہوئی تھی تو بھرتی کرنے والے اس علاقے کے اِردگرد بھی گھومتے پھرتے رہے تھے، وہاں کے باشندوں نے انہیں خبردار کیا تھا کہ وہ ٹیلوں کے اندر نہ جائیں، انہیں پُراسرار آوازوں، ڈراؤنی چیزوں اور بدروحوں کی کہانیاں سنائی گئی تھیں۔ اس علاقے سے فوج کو بہت بھرتی ملی تھی، مگر اس کے بعد بھرتی کرنے والے گئے تو لوگوں کا رجحان بدلا ہوا تھا۔ سرحد پر گشت کرنے والے دستوں نے رپورٹ دی تھی کہ گشتی سنتری بھی اس علاقے کے اندر نہیں جایا کرتے تھے اور انہوں نے کبھی کسی انسان کو اُدھر جاتے نہیں دیکھا تھا، مگر اب وہ لوگوں کو اندر جاتا دیکھتے ہیں اور وہاں سے آنے والے ڈرے ہوئے نہیں ہوتے، بلکہ مطمئن سے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ ہر جمعرات کے روز رات تک، اندر میلہ سا لگتا ہے اور اس کے بعد اس قسم کا واقعہ ہوا کہ سرحدی دستوں کے چار پانچ سپاہی لاپتہ ہو گئے۔ اُن کے متعلق یہ رپورٹ دی گئی تھی کہ بھگوڑے ہو گئے ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جہاں دشمن کے ملکوں میں جاسوس بھیج رکھے تھے، وہاں اس نے اپنے ملک میں بھی جاسوسوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ غیر مسلم مورخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو خاص طور پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ اُس نے آج کے انٹیلی جنس نظام اور کمانڈو طریقۂ جنگ کو خصوصی اہمیت دے کر ٹریننگ کے نئے طریقے دریافت کیے اور یہ ثابت کر دیا تھا کہ صرف دس افراد سے ایک ہزار نفری کی فوج کا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے یورپی مورخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے اس فن کو تاریخ میں اتنی جگہ نہیں دی، جتنی دینی چاہیے تھی لیکن اُس دور کے وقائع نگاروں نے جو تحریریں قلمبند کی ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ اسلام کا یہ عظیم پاسبان انٹیلی جنس، گوریلا اور کمانڈو اپریشن کا کس قدر ماہر تھا۔ اندرونِ ملک اس کی انٹیلی جنس گوشے گوشے پر نظر رکھتی اور فوج کی مرکزی کمان کو رپورٹیں دیتی رہتی تھی۔ یہ اسی نظام کی اعلیٰ کارکردگی کا ثبوت تھا کہ مصر کے دُور دراز کے ایسے علاقے کی سرگرمیوں کی بھی اطلاع مرکز کو پہنچا دی گئی تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس چھوٹے سے خطے کو تو خدا نے بھی فراموش کر رکھا ہے مگر مخبروں نے وہاں کے لوگوں کی صرف ذہنی تبدیلی دیکھی اور اسی کی اطلاع دی تھی، انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہوتا ہے۔ اس اطلاع کے بعد دو مخبر قتل یا لاپتہ ہو گئے تھے۔

وہاں کے لوگوں نے نہ صرف ٹیلوں کے ڈراؤنے علاقے کے اندر جانا شروع کر دیا، بلکہ وہ فرعونوں کی اس پیچ در پیچ عمارت کے کھنڈروں میں بھی جانے لگے تھے، جہاں جانے کے تصور سے ہی اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ ایک گاؤں میں ایک شتر سوار آیا۔ یہ اجنبی مسلمان اور مصری تھا۔ اُس کا

اونٹ اچھی نسل کا اور تندرست تھا۔ اس مسافر نے گاؤں والوں کو اکٹھا کر کے یہ قصہ سنایا کہ وہ غربت سے تنگ آ چکا تھا۔ اب وہ رہزنی اور چوری کے ارادے سے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ پیدل تھا۔ وہ اس اُمید پر اس علاقے میں آ گیا کہ یہاں کوئی آبادی نہیں ہے، اس لیے رہزنی کرتے پکڑا نہیں جائے گا۔ وہ بہت دِن پیدل چلتا رہا، مگر اسے کوئی شکار نہ ملا۔ آخر ٹیلوں کے اس علاقے میں جہاں کوئی نہیں جاتا، وہ جا کر گر پڑا۔ اس کے جسم میں طاقت نہیں رہی تھی۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے خدا سے مدد مانگی۔ اسے ایک گونج دار آواز سنائی دی ...... ''تم خوش قسمت ہو کہ تم نے ابھی گناہ نہیں کیا۔ گناہ کی صرف نیت کی ہے۔ اگر تم کسی کو لوٹ کر یہاں آتے تو تمہارا جسم ہڈیوں کا پنجر بن جاتا اور شیطان کے چھوڑے ہوئے درندے تمہارا گوشت جو تمہارے سامنے پڑا ہوا ہوتا، تمہیں دکھا دکھا کر کھا جاتے۔

اس آواز نے اجنبی پر غشی طاری کر دی۔ اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُسے اٹھا رہا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے ایک سفید ریش بزرگ کھڑا تھا جو دودھ کی مانند سفید اور آنکھوں سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔ وہ جان گیا کہ یہ آواز جو اُس نے سنی تھی، اسی بزرگ کی تھی۔ اجنبی کی زبان بند ہو گئی اور وہ کانپنے لگا۔ بزرگ نے اسے اُٹھا کر کہا ...... ''مت ڈر مسافر! یہ سب لوگ جو یہاں آنے سے ڈرتے ہیں، بدنصیب ہیں۔ انہیں شیطان اِدھر آنے نہیں دیتا۔ تم جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ یہاں اب فرعونوں کی خدائی نہیں رہی۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مملکت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہیں آسمان سے اُترنے والے ہیں۔ اب اسلام کی قندیلیں اسی کھنڈر سے روشن ہوں گی، جن کی روشنی ساری دُنیا کو منور کر دے گی۔ جاؤ، لوگوں کو ہمارا پیغام دو، انہیں یہاں لاؤ'' ...... اجنبی نے کہا کہ وہ اُٹھ نہیں سکتا، چل نہیں سکتا، جسم سوکھ گیا ہے۔ سفید ریش بزرگ نے کہا ...... ''تم اٹھو اور پچاس قدم شمال کی طرف جاؤ۔ پیچھے مُڑ کر نہ دیکھنا، ڈرنا نہیں۔ لوگوں تک پیغام پہنچا دینا، ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ تمہیں ایک اونٹ بیٹھا ہوا نظر آئے گا۔ اس کے ساتھ کھانا اور پانی ہوگا اور اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا وہ تمہارا ہوگا''۔

اجنبی نے گاؤں والوں کو سنایا کہ وہ اُٹھ کر چلنے لگا تو اس کے جسم میں طاقت آ گئی تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ یہ کسی فرعون کی بدروح ہے۔ اُس نے پیچھے نہیں دیکھا۔ بدروح کے ڈر سے قدم گنتا رہا اور راستہ گھوم گیا۔ پچاس قدم پر یہ اونٹ بندھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کھانا بندھا ہوا تھا، جو اس نے کھا لیا اور پانی پی لیا۔ اُس کے جسم میں ایسی طاقت آ گئی جو پہلے اُس کے جسم میں نہیں تھی۔ اس نے لوگوں کو ایک تھیلی کھول کر دکھائی جس میں سونے کی اشرفیاں تھیں۔ یہ تھیلی اونٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اجنبی اونٹ پر سوار ہوا اور اس گاؤں میں آ گیا، جس میں بیٹھا وہ قصہ سنا رہا تھا۔ اس کے بعد اُس نے گاؤں والوں کو سفید ریش بزرگ کا پیغام دیا اور چلا گیا۔ اس کا سنانے کا انداز ایسا پُر اثر تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ٹیلوں کے علاقے میں جانے کا اشتیاق پیدا ہو گیا، لیکن گاؤں کے بوڑھوں نے کہا کہ یہ اجنبی انسان نہیں، بلکہ کھنڈر کے شر شرار کا حصہ ہے ...... انسانی فطرت میں یہ کمزوری ہے کہ چھپے ہوئے کو بے نقاب کرنے کی اور بھید کو پا لینے کی کوشش کرتی ہے، جن جسموں میں جوانی کا خون ہوتا ہے، وہ خطرے مول لے لیتے ہیں۔ گاؤں کے جوانوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ وہاں جائیں گے۔ اشرفیوں کا جادو بڑا سخت تھا، جس سے وہ لوگ بچ نہیں سکتے تھے۔

☆

اس چالیس میل لمبے اور دس میل چوڑے خطے میں جتنے گاؤں تھے، ان سب سے اطلاعیں ملیں کہ ایک اجنبی مسافر یہی قصہ سنا گیا ہے۔ کچھ لوگ تذبذب میں تھے اور کچھ تذبذب اور فیصلے کے درمیان بھٹک رہے تھے، مگر اُدھر جانے

سے ڈرتے تھے، بعض آدمی گئے بھی لیکن ٹیلوں کے پُراسرار علاقے کو دُور سے دیکھ کر واپس آ گئے۔ کچھ روز بعد دو جواں سال شتر سوار تمام علاقے میں گھوم گئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی قصہ سنایا جو ذرا مختلف تھا۔ وہ بہت دُور کے سفر پر گھوڑوں پر جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ دو ٹٹو تھے جن پر قیمتی مال تھا۔ یہ تجارت کا مال تھا جو وہ سوڈان لے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ مال کے ساتھ گھوڑے اور ٹٹو بھی چھین لیے اور انہیں زندہ چھوڑ دیا۔ یہ دونوں ٹیلوں کے علاقے میں آ کر تھکن، بھوک، پیاس اور غم سے گر پڑے۔ انہیں بھی سفید ریش بزرگ نظر آیا۔ اُس نے انہیں وہی پیغام دیا اور کہا...... ''تمہیں شیطان کے درندوں نے لوٹا ہے۔ تم اللہ کے نیک بندے ہو، جاؤ، تمہیں پچاس قدم پر دو اونٹ کھڑے ملیں گے اور ان کے ساتھ جو کچھ بندھا ہو گا وہ تمہارا ہو گا، لیکن مال و زر دیکھ کر آپس میں لڑ نہ پڑنا، ورنہ ہمیشہ کے لیے اندھے ہو جاؤ گے''...... انہیں بھی اس بزرگ نے کہا کہ گاؤں گاؤں جا کر لوگوں کو پیغام دیں کہ ان کھنڈروں سے ڈریں نہیں۔

اس کے بعد ایسی ہی بہت سی روائتیں سنی اور سنائی جانے لگیں۔ ان میں ڈر اور خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا، بلکہ ایسی کشش تھی کہ لوگوں نے ٹیلوں کے اِردگرد پھرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے بعض لوگوں کو اندرونی علاقے سے باہر جاتے اور آتے بھی دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ اندر ایک درویش بزرگ ہے جو غیب کا حال بتاتا اور آسمانوں کی خبر دیتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ امام مہدی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتا تھا۔ ایک بات وثوق سے کہی جاتی تھی کہ وہ جو کوئی بھی ہے، خدا کا بھیجا ہوا ہے اور گناہ گاروں سے نہ ملتا ہے، نہ انہیں نظر آتا ہے۔ اس کے پاس جانے کے لیے نیت صاف ہونی چاہیے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ مُردوں کو بھی زندہ کرتا ہے...... یہ طلسماتی اور پُراسرار روائتیں اور حکائتیں لوگوں کو اندرونی علاقے میں لے جانے لگیں۔ آگے جا کر انہوں نے پہلی بار وہ کھنڈر دیکھے، جن سے وہ ڈرتے تھے۔ وہ ان کے اندر بھی گئے۔ یہ کمروں، غلام گردشوں اور غاروں جیسے راستوں کی بھول بھلیاں تھیں۔ ایک کمرہ بہت ہی وسیع اور اس کی چھت اونچی تھی۔ جالے لٹک رہے تھے اور ماحول پر ہیبت طاری تھی، لیکن وہاں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں سیڑھیاں فرش سے نیچے جاتیں اور تہ خانوں میں جا کر ختم ہوتی تھیں۔

یہ عمارت اُن فرعونوں کی تھی جو اپنے آپ کو خدا کہتے تھے۔ وہ کسی کسی کو نظر آتے تھے۔ لوگوں کو اس عمارت میں اکٹھا کر لیا کرتے اور لوگوں کو ان کی صرف آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ آواز ایسی سُرنگوں میں سے گزر کر آتی تھی جن کے دہانے بڑے کمرے میں تھے، مگر نظر نہیں آتے تھے۔ بولنے والا سرنگ کے دوسرے سرے پر ہوتا تھا جس کے متعلق کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ کہاں ہے۔ وہ اسے خدا کی آواز سمجھتے تھے جو عام آدمی کو نظر نہیں آتا۔ ان بڑے کمروں میں روشنیوں کا ایسا انتظام ہوا کرتا تھا کہ مشعلیں نظر نہیں آتی تھیں، کمرے روشن رہتے تھے۔ آئینے کی طرح چمکیلی دھات کی چادریں استعمال کی جاتی تھیں، جن سے چھپی ہوئی مشعلوں کی روشنی منعکس ہوتی تھی...... وہ تو صدیوں پرانی بات تھی۔ اب صلاح الدین ایوبی کے دور میں اس عمارت میں پھر وہی آوازیں گونجنے لگیں، جنہیں لوگ خدا کی آوازیں سمجھا کرتے تھے۔ ذرا سے وقت میں لوگوں کے دِلوں سے کھنڈروں کی ہیبت نکل گئی۔ وہ جب بڑے کمرے میں جاتے تو اس سے پہلے انہیں اندھیری اور فراخ سرنگوں میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ آگے بہت ہی فراخ اور اونچی چھت والا کمرہ آ جاتا، جس میں روشنی ہوتی مگر کوئی مشعل نظر نہیں آتی تھی۔ وہاں گونج کی طرح آواز آتی...... ''ہم نے تمہیں اندھیروں میں سے نکال کر روشنی دکھائی ہے۔ کوہِ طور کی روشنی ہے۔ اس نور کو دِلوں میں داخل کر لو۔ فرعونوں کی بدروحیں بھی مر گئی ہیں۔ اب یہاں موسیٰ علیہ السلام کا نور ہے اور اس نور کو عیسیٰ علیہ السلام اور زیادہ منور کرے گا۔ خدا کو یاد کرو، کلمہ پڑھو''۔ اور لوگ حیرت سے منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے

ایک دوسرے کو دیکھتے اور کلمہ طیبہ گنگنانا شروع کر دیتے تھے۔

اگر اس آواز میں خدا، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کلمہ طیبہ کا ذکر نہ ہوتا تو لوگ شاید اس کا یہ اثر قبول نہ کرتے، جو وہ کر رہے تھے۔ وہ سب مسلمان تھے۔ اپنے مذہب کے نام پر وہ اس اثر کو قبول کرتے تھے..... اور جب انہیں یہ آواز سنائی دی..... ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے غارِ حرا کے اندھیرے میں رسالت عطا کی تھی۔ تمہیں بھی ان غاروں کے اندھیرے میں خدا کا نور نظر آئے گا''..... تو لوگوں نے سر جھکا لیے اور اس آواز کو جس کی گونج میں طلسماتی اثر تھا، اپنے دِل پر نقش کر لیا، لیکن لوگ اس ہستی تک پہنچنا چاہتے تھے جس کی یہ آواز تھی اور جو مسافروں کو اونٹ، کھانا، پانی اور اشرفیاں دیتی اور مردوں کو زندہ کرتی تھی۔ لوگوں کی بیتابیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے گھروں کو جاتے تو انہیں عورتیں بتاتیں کہ ایک اجنبی آیا تھا جو کھنڈر والے درویش کی کرامات سنا گیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اُس نے درویش کی زیارت کی ہے۔ ایک روز ان دیہات میں جو سب سے بڑا گاؤں ہے، وہاں کی مسجد کے پیش امام سے لوگوں نے استفسار کیا۔ اُس نے کہا..... ''وہ مقدس انسان ہے، صرف نیک لوگوں سے ملتا ہے، نیک وہ ہوتا ہے جو خون خرابہ نہ کرے، صلح اور امن کی زندگی بسر کرے۔ یہ مقدس درویش حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام لایا ہے۔ اس پیغام میں محبت ہے، جنگ و جدل نہیں۔ اس پیغام میں یہ نصیحت ہے کہ کسی کو زخمی نہ کرو، بلکہ زخمی کے زخموں پر مرہم رکھو..... اگر تم لوگ ان اصولوں پر زندگی بسر کرو گے تو یہ درویش تمہاری کایا پلٹ دے گا''۔

جب ایک امام مسجد نے بھی اس مقدس درویش کو اور اس کی آواز کو برحق کہہ دیا تو کسی شک و شبے کی گنجائش نہ رہی۔ لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھنڈروں میں جانے لگے تو اعلان ہوا کہ ہر جمعرات کے روز اندر جانے کی اجازت ہوگی اور شام کو میلہ لگا کرے گا۔ چنانچہ اُس روز سے جمعرات کا دن مخصوص ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی عورتوں کو بھی وہاں جانے کی اجازت مل گئی۔ اب کھنڈروں کے اندر اپنی مرضی سے کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ جمعرات کے روز ان کے اِردگرد میلے کا سماں ہوتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر اور پیدل بھی آتے اور شام کو کھنڈروں میں جانے کے وقت کا انتظار کرتے تھے..... اندر کی سنسنی خیز دُنیا میں انقلاب آ گیا، وہاں اب لوگوں کو گناہ اور نیکی کے، تاریکی اور روشنی کے تصورات ایسی صورت میں نظر آتے تھے کہ لوگ انہیں مجسم اور متحرک صورت میں دیکھتے اور حیرت زدہ ہوتے تھے۔ کسی کو کوئی اُلٹا سیدھا سوال اور شک کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی وہ کسی سوال اور شک کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔

سورج غروب ہوتے ہی اندھیرے سرنگ کا منہ کھل جاتا جو اندر لے جاتی تھی۔ یہ دراصل اس عمارت کے درمیان سے گزرنے والا راستہ تھا۔ اس کی دیواریں بہت بڑے بڑے بلاکوں کی تھیں۔ اوپر ایسی ہی چھت تھی۔ یہ سرنگ ہر دس بارہ قدموں بعد دائیں یا بائیں کو مُڑتی تھی۔ اس کے دروازے یا دہانے سے باہر چند ایک آدمی کھڑے ہوتے تھے۔ ان کے پاس کھجوروں کے انبار لگے ہوتے تھے۔ یہ کھجوریں لوگوں کی لائی ہوئی ہوتی تھیں، جسے نذرانہ کہا جاتا تھا۔ زائرین کھجوریں ایک جگہ ڈھیر کر دیتے تھے۔ کھجوروں کے پاس پانی کے مشکیزے رکھے ہوتے تھے۔ شام کو جب زائرین کو اندر جانے کی اجازت ملتی تھی تو دروازے پر ہر ایک کو تین کھجوریں کھلا کر چند گھونٹ پانی پلایا جاتا اور اندر بھیج دیا جاتا۔ تاریک سرنگ سے گزر کر جب یہ لوگ روشن ہال کمرے میں پہنچتے تو وہاں انہیں آوازیں سنائی دیتیں..... ''کلمہ طیبہ پڑھو۔ اپنے اللہ کو یاد کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہونے والا ہے۔ دِل سے بدی اور دشمنی نکال دو۔ لڑائی جھگڑا ختم کر دو اور دیکھو ان کا حشر جنہیں جنت کا دھوکہ دے کر لڑایا گیا تھا''۔

اس آواز کے ساتھ ہی لوگوں کی آنکھوں میں نہایت تیز روشنی پڑتی۔ انہیں ایک طرف منہ کر کے کھڑا کیا جاتا تھا۔ ان کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتیں تو روشنی ذرا مدھم ہو جاتی۔ اس کے بعد روشنی کبھی تیز ہوتی، کبھی مدھم اور لوگوں کے سامنے والی دیوار پر ستارے چمکتے نظر آتے۔ ان ستاروں میں جنبش ہوتی اور انتہائی مکروہ اور بھدی شکلوں والے انسان جاتے نظر آتے۔ گونج دار آواز سنائی دیتی...... "یہ سب تمہاری طرح جوان اور خوب صورت تھے۔ انہوں نے خدا کا پیغام نہ سنا۔ یہ کمر کے ساتھ تلواریں سجا کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے جیسے خوب صورت جوانوں کو قتل کیا۔ انہیں دھوکہ دیا گیا کہ تم لڑو، مر جاؤ گے تو جنت میں جاؤ گے۔ دیکھ لو ان کا انجام۔ خدا نے انہیں شیطان کے درندے بنا کر کھلا چھوڑ دیا ہے"......

ان آوازوں کے ساتھ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک سنائی دیتی۔ کچھ اور آوازیں بھی سنائی دیتیں جو مختلف درندوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ روشنی اتنی تیز ہو جاتی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتیں، پھر لمبے لمبے دانتوں والے درندے دائیں سے بائیں جاتے نظر آتے۔ یہ بھی انسان تھے، لیکن ان کی شکلیں بڑے ہی ڈراؤنے بھیڑیوں جیسی تھیں۔ انہوں نے بازوؤں پر برہنہ لڑکیاں اُٹھا رکھی تھیں۔ یہ لڑکیاں جوان اور خوب صورت تھیں۔ لڑکیاں تڑپتی تھیں۔ بادل کی گرج اور زیادہ بلند سنائی دیتی اور آواز آتی...... "انہیں اپنے حسن پر ناز تھا۔ انہوں نے خدا کے حُسن کو ناپاک کیا تھا"...... ان ڈراؤنی اور بھیانک شکلوں کے بعد بڑے ہی خوبرو مرد اور خوب صورت عورتیں گزرتیں۔ یہ سب ہنستے کھیلتے جاتے تھے۔ یہ نیک اور پاک لوگ تھے، جن کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ انہوں نے کبھی لڑائی جھگڑے کی بات نہیں کی تھی۔ وہ سراپا محبت، پیار اور خلوص تھے۔

اس کے بعد زائرین کو ایک تہ خانے میں لے جایا جاتا، جہاں انسانی ہڈیوں کے پنجر بھی تھے اور خوب صورت لڑکیاں بھی گھومتی پھرتی اور مُسکراتی نظر آتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد آواز سنائی دیتی...... "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہونے والا ہے...... جنگ و جدل اور خون خرابہ دِل سے نکال دو"...... تہ خانے کا ایک راستہ اور تھا جس سے لوگوں کو باہر نکال دیا جاتا۔ لوگوں پر ایسا تاثر طاری ہوتا تھا جیسے وہ سو گئے تھے اور انہوں نے بڑا ہی عجیب خواب دیکھا ہو، جو ڈراؤنا تھا اور خوب صورت بھی۔ وہ ایک بار پھر اندر جانے کو بے تاب ہوتے تھے، لیکن کسی کو اس طرف جانے نہیں دیا جاتا تھا، جدھر سے لوگ اندر جاتے تھے۔ وہ اپنے گھروں کو واپس نہیں جانا چاہتے تھے۔ رات وہیں کھنڈروں کے قریب ہی گزار دیتے تھے۔ وہاں کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھ کر انہیں اندر کے راز بتاتے تھے۔ ایک راز یہ تھا کہ اندر جس کی آواز سنائی دیتی ہے وہ خدا کی طرف سے یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُنیا میں آ رہے ہیں اور خلیفہ العاضد بھی دُنیا میں واپس آ گیا ہے۔

العاضد فاطمی خلافت کا خلیفہ تھا، جس کی گدی مصر میں تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے معزول کر کے مصر کو بغداد کی خلافتِ عباسیہ کے تحت کر دیا تھا۔ العاضد اس کے فوراً بعد مر گیا تھا۔ یہ دو اڑھائی سال پہلے کا واقعہ تھا۔ فاطمیوں نے صلیبیوں اور حشیشین کے ساتھ ساز باز کر کے ایک سازش تیار کی تھی، جس کے تحت سلطان صلاح الدین ایوبی کا تختہ اُلٹنا اور مصر میں فاطمی خلافت بحال کرنا تھا۔ اس سازش کی کامیابی کے لیے سوڈانیوں کو تیار کیا جا رہا تھا کہ وہ مصر پر حملہ کر دیں۔

کھنڈر کے مریدوں کی تعداد میں اور اس کی عقیدت مندی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور جنوب مغربی علاقے کے لوگ قائل ہوتے جا رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلیفہ العاضد کو واپس بھیج چکے ہیں اور خود بھی واپس آ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے فوج میں بھرتی ہونے سے توبہ کر لی تھی، کیونکہ وہ جنگ و جدل کو گناہ سمجھنے لگے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو ایک گنہ گار بادشاہ قرار دے دیا گیا تھا جو اپنی بادشاہی کو وسعت دینے کے لیے جوانوں کو یہ دھوکہ دے کر فوج میں بھرتی کرتا تھا کہ وہ شہید ہوں گے اور سیدھے جنت میں جائیں گے۔ کھنڈروں کے اندر کی دُنیا لوگوں کے لیے عبادت گاہ بن گئی تھی،

بعض نے تو ٹیلوں کے علاقے میں یہ ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ وہ اس مقدس درویش کی زیارت کے لیے بے قرار رہتے تھے، جس کی آواز کھنڈروں میں سنائی دیتی تھی، مگر وہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ایک نیا فرقہ جنم لے رہا تھا۔

اس زخمی حشیش کو جو سلطان صلاح الدین ایوبی پر قاتلانہ حملے میں زخمی ہوا تھا، علی بن سفیان قاہرہ لے گیا، جہاں اسے ایک الگ تھلگ مکان میں رکھا گیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے حکم کے مطابق اس کے علاج کے لیے ایک جراح مقرر کر دیا گیا۔ وہ آخر مجرم تھا۔ اُسے جس مکان میں رکھا گیا، اس کے دروازے پر ایک سنتری کھڑا رہتا تھا۔ وہ ابھی بھاگنے کے قابل نہیں تھا۔ کھنڈروں کی نشاندہی اسی نے کی تھی۔ فیصلہ ہوا تھا کہ یہ ٹھیک ہو جائے تو اس کی رہنمائی میں جاسوس بھیج کر کھنڈروں کے اندر کے حالات دیکھے جائیں گے۔ ہوسکتا تھا کہ یہ زخمی جھوٹ بول رہا ہو۔ علی بن سفیان نے قاہرہ آتے ہی اپنے نائب حسن بن عبداللہ اور کوتوال غیاث بلبیس سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس علاقے میں اپنا کوئی مخبر اور جاسوس نہ بھیجیں، جس کے متعلق انہیں رپورٹ ملی ہے کہ وہاں کے لوگ فوج کے خلاف ہو گئے ہیں۔ علی کو کسی بہت بڑے اور کارآمد انکشاف کی توقع تھی۔

زخمی کو معلوم نہیں، کیوں یہ وہم ہو گیا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔ وہ روتا تھا اور بار بار اپنے گاؤں کا نام بتا کر کہتا تھا کہ میری بہن کو بلا دو، میں اسے دیکھے نہیں سکوں گا۔ علی بن سفیان اس کی اسی کمزوری کو اُس سے مزید راز اگلوانے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ زخمی اپنی بہن کے متعلق غیر معمولی طور پر جذباتی تھا۔ علی کو جب یقین ہو گیا کہ زخمی کے سینے میں اب اور کوئی بات نہیں رہ گئی تو اُس نے دو پیامبر بلا کر انہیں زخمی کا گاؤں اور علاقہ بتایا اور کہا کہ اس کی بہن کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ یہ علاقہ مصر کے جنوب مغرب میں ہی تھا...... پیامبر اُسی وقت روانہ ہو گئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ پر پہنچ گیا اور شوبک کے قلعے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے پر قاتلانہ حملے کا کوئی تاثر نہیں تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس کے محافظ دستے کا کمانڈر اور دیگر حکام جو اُس کے ساتھ تھے، بہت پریشان اور شرمسار تھے۔ وہ ڈرتے بھی تھے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کسی نہ کسی مقام پر اُن پر برس پڑے گا اور جواب طلبی بھی کرے گا مگر اُس نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ البتہ اپنی مرکزی کمان کے فوجی حکام سے کہا...... ''آپ نے دیکھ لیا ہے کہ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ آپ میری جنگی چالیں غور سے دیکھتے رہا کریں۔ دشمن نے جو دوسرا محاذ کھول رکھا ہے، اس پر گہری نظر رکھیں اور تخریب کاروں کی پکڑ دھکڑ اور سرکوبی کرتے رہیں''...... اُس نے کسی سے اتنا بھی نہ کہا کہ محافظ دستے کی چھان بین کی جائے۔ اس نے اتنے بڑے حادثے کا کوئی اثر ہی نہ لیا۔ شوبک قلعے میں پہنچا اور سب سے پہلے پوچھا کہ کوئی جاسوس واپس آیا ہے یا نہیں۔ اسے بتایا گیا کہ دو جاسوس کارآمد معلومات لائے ہیں۔ اُس نے دونوں کو بلا لیا اور صلیبیوں کے ارادوں کے متعلق رپورٹیں لیں۔ اُسے تقریباً وہ تمام پلان بتا دیا گیا جو صلیبیوں نے تیار کیا تھا۔ اُس نے نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کے سالار اور مصر سے آئی ہوئی فوج کے سالار اور دونوں کے نائبین کو بُلا بھیجا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔

چوتھے روز زخمی حشیش کی بہن آ گئی۔ اُس کے ساتھ چار آدمی تھے، جن کے متعلق بتایا گیا کہ زخمی کے چچا اور تایا زاد بھائی ہیں۔ بہن جوان اور پُرکشش تھی اور اپنے بھائی کے لیے بہت ہی پریشان تھی۔ زخمی اس کا اکیلا بھائی تھا۔ اُن کے ماں باپ مر چکے تھے۔ اُسے اور اس کے ساتھ آئے ہوئے چار آدمیوں کو زخمی کے پاس لے جانے کے لیے علی بن سفیان کی اجازت کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے بہن کو اجازت دے دی، اُس کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں کو نہ ملنے دیا۔ انہوں نے منت سماجت کی اور کہا کہ وہ اتنی دُور سے آئے ہیں۔ انہیں صرف اتنی اجازت دی جائے کہ زخمی کو دیکھ لیں۔ وہ

کوئی بات نہیں کریں گے۔علی بن سفیان نے اس طرح اجازت دی کہ خود اُن کے ساتھ ہوگا اور انہیں فوراً باہر نکال دے گا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔اُسی وقت اِن سب کو زخمی کے پاس لے گیا۔بہن نے بھائی کو دیکھا تو اُس کے اوپر گر پڑی۔بھائی کا منہ چومنے لگی اور زار و قطار رونے لگی۔دوسرے آدمیوں کے متعلق علی بن سفیان نے زخمی سے کہا کہ ان سے ہاتھ ملالو، یہ واپس جا رہے ہیں۔اُس نے چاروں سے ہاتھ ملایا تو علی بن سفیان نے انہیں باہر چلے جانے کو کہا اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ آئندہ اسے نہیں مل سکیں گے۔وہ چلے گئے۔بہن نے علی بن سفیان کے قدموں میں بیٹھ کر اُس کے پاؤں پکڑ لیے اور رو رو کر منت کی کہ اُسے بھائی کی خدمت کے لیے وہیں رہنے دیا جائے۔علی بن سفیان ایک بہن کی ایسی جذباتی التجا کو ٹھکرا نہ سکا۔اُس نے لڑکی کی جامہ تلاشی لی اور اُسے وہیں رہنے کی اجازت دے دی اور وہاں سے چلا گیا۔

بہن بھائی اکیلے رہ گئے تو بہن نے بھائی سے پوچھا کہ اُس نے کیا کیا ہے۔بھائی نے بتا دیا۔بہن نے پوچھا کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔بھائی نے جواب دیا..... ''امیرِ مصر پر قاتلانہ حملے کا جرم بخشا تو نہیں جائے گا۔اگر ان لوگوں نے مجھ پر رحم کیا تو سزائے موت نہیں دیں گے، ساری عمر کے لیے تہہ خانے کی قید میں ڈال دیں گے''۔

''پھر میں ساری عمر تمہیں نہیں دیکھ سکوں گی؟'' بہن نے پوچھا۔

''نہیں شارجا!'' ...... بھائی نے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا..... ''پھر میں مر بھی نہیں سکوں گا، جی بھی نہیں سکوں گا۔وہ جگہ بڑی خوفناک ہے، جہاں ہمیشہ کے لیے قید کر دیں گے''۔

بہن جس کا نام شارجا تھا، بچوں کی طرح بلبلا اُٹھی۔اس نے کہا..... ''میں نے تمہیں اُس وقت بھی روکا تھا، کہ ان لوگوں کے چکر میں نہ پڑو، مگر تم نے کہا کہ صلاح الدین ایوبی کا قتل جائز ہے۔تم لالچ میں آگئے تھے۔تم نے میری بھی پروانہ کی، میرا کیا بنے گا۔تم نہ ہوئے تو میرا آسرا کون ہوگا''۔

زخمی بھائی کا ذہن تقسیم ہوگیا تھا۔کبھی وہ پچھتاوے کی باتیں کرتا اور کہتا کہ وہ ان لوگوں کے جھانسے میں آگیا تھا۔اُس نے یہ بھی کہا..... ''صلاح الدین ایوبی انسان نہیں، خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ ہے۔ہم چار ہٹے کٹے جوان مل کر اتنا بھی نہ کر سکے کہ اس کے جسم پر خنجر کی نوک سے خراش ہی ڈال دیتے۔اُس پر زہر نے بھی اثر نہیں کیا۔اس اکیلے نے تین کو جان سے مار دیا اور مجھے موت کے منہ میں ڈال دیا''

''یہ کہنے والے جھوٹ تو نہیں کہتے تھے۔صلاح الدین ایوبی کا ایمان اتنا مضبوط ہے کہ اُسے کوئی گناہ گار قتل نہیں کر سکتا''۔بہن نے کہا..... ''تم چاروں مسلمان تھے۔اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ بھی مسلمان ہے''۔

''اس نے خدا کے خلیفہ کی گدی کی توہین کی ہے''۔زخمی بھائی کا دماغ اُلٹی طرف چل پڑا۔اُس نے جوشیلے لہجے میں کہا..... ''تم نہیں جانتی کہ خلیفہ العاضد خدا کے بھیجے ہوئے خلیفہ تھے''۔

''جو کوئی جو کچھ بھی تھا'' ...... بہن نے کہا..... ''میں یہ جانتی ہوں کہ تم میرے بھائی ہو اور مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہے ہو۔کیا تمہارے بچنے کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے؟''

''شاید پیدا ہو جائے''۔بھائی نے جواب دیا..... ''میں نے اس شرط پر انہیں سارے راز بتا دیئے ہیں کہ میرا گناہ بخش دیں، مگر میرا گناہ اتنا سنگین ہے جو شاید نہ بخشا جائے''۔

اس وقت زخمی کو سو جانا چاہیے تھا اور اُسے اتنا زیادہ بولنا نہیں چاہیے تھا، کیونکہ پیٹ کے زخم کھل جانے کا ڈر تھا، مگر وہ بولتا جا رہا تھا اور بہن رو رہی تھی۔بولتے بولتے اُسے پیٹ کے زخم میں ٹیسیں محسوس ہونے لگیں اور وہ بے حال

ہوگیا۔ اس نے بہن سے کہا۔۔۔ ''شارجا! باہر جاؤ۔ کوئی آدمی ملے تو اُسے کہو کہ طبیب یا جراح کو بلا دے۔ میں مر رہا ہوں''۔ شارجا دوڑتی باہر گئی۔ باہر سنتری کھڑا تھا۔ اُس نے اُسے بھائی کی حالت بتائی تو اُس نے شارجا کو اس جراح کے گھر کا راستہ بتا دیا، جسے زخمی کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اُسے سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ دن ہو یا رات، زخمی کو زندہ رکھنے کی پوری کوشش کرے۔ وہ شاہی جراح تھا۔

شارجا دوڑتی گئی۔ جراح کا گھر بالکل قریب تھا۔ شارجا نے جراح کو بھائی کی حالت بتائی تو وہ بھاگم بھاگ آیا اور زخمی کو دیکھا۔ اُس کے پیٹ کی پٹی خون سے لال ہوگئی تھی۔ جراح نے فوراً پٹی کھولی۔ خون بند کرنے کے لیے اس میں سفوف ڈالے اور بہت سا وقت صرف کر کے پٹی باندھی۔ خون بند ہوگیا۔ اُس نے زخمی کو دوائی پلا دی، جس کے اثر سے اُسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ شارجا اس جواں سال جراح کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھتی رہی۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ اتنی رات گئے کوئی اس کے مجرم بھائی کو دیکھنے آ جائے گا، لیکن جراح دوڑتا آیا اور اس نے اتنے انہماک سے زخمی کی مرہم پٹی کی کہ شارجا کو حیران کر دیا۔ زخمی کی آنکھ لگ گئی تو جراح نے آنکھیں بند کر کے اور ہاتھ اوپر اُٹھا کر سرگوشی کی۔۔۔ ''زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے، میرے خدا! اس بدنصیب کے حال پر کرم کرو۔ اسے زندگی عطا کرو، خدائے عزّ وجل''۔

شارجا کے آنسو نکل آئے۔ اُس پر جراح کا تقدس طاری ہوگیا۔ اُس نے جراح کے قریب دوزانو ہو کر اس کا ایک ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ جراح کے پوچھنے پر شارجا نے بتایا کہ وہ زخمی کی بہن ہے۔ اُس نے جراح سے پوچھا۔۔۔ ''آپ کے دل میں اتنا زیادہ رحم ہے کہ میرے بھائی کو آپ تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے یا اسے اس لیے زندہ رکھنا چاہتے ہیں کہ یہ آپ کو راز کی ساری باتیں بتا دے؟''

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس کے پاس کوئی راز ہے یا نہیں''۔ جراح نے کہا۔۔۔ ''میرا فرض ہے کہ اسے زندہ رکھوں اور اس کے زخم بالکل ٹھیک کر دوں۔ میری نگاہ میں مومن اور مجرم میں کوئی فرق نہیں''۔

''آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے''۔ شارجا نے کہا۔۔۔ ''اگر معلوم ہوتا تو آپ اس کے زخم پر مرہم رکھنے کی بجائے اس میں نمک بھر دیتے''۔

''مجھے معلوم ہے''۔ جراح نے جواب دیا۔۔۔ ''لیکن میں اسے زندہ رکھنے کی پوری کوشش کروں گا''۔

شارجا اتنی متاثر ہوئی کہ اس نے جراح کے ساتھ اپنی باتیں شروع کر دیں۔ اسے بتایا کہ اُس کے ماں باپ بچپن میں مر گئے تھے۔ اُس وقت اس کا بھائی دس گیارہ سال کا تھا۔ اس نے شارجا کو پالا پوسا اور جوان کیا۔ اگر اس کا بھائی نہ ہوتا تو کوئی نہ کوئی اسے اغوا کر کے لے جاتا۔ بھائی نے زندگی بہن کے لیے وقف کر دی تھی۔ جراح انہماک سے اس کی باتیں سنتا رہا اور اُسے اس خیال سے باہر صحن میں لے گیا کہ زخمی کی آنکھ نہ کھل جائے۔ جراح ایسے انداز سے شارجا کی باتیں سن رہا تھا، جیسے وہ رات یہیں گزارے گا، مگر وہ جانے لگا تو شارجا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔۔۔ ''آپ چلے جائیں گے تو مجھے ڈر آئے گا''۔۔۔ جراح نے اُسے بتایا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا اور اس کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتا۔ جراح گھر میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ شارجا کی خاطر کچھ دیر اور رُک گیا اور رات کے پچھلے پہر گیا۔۔۔ دوسرے دن کا سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا کہ وہ زخمی کو دیکھنے آ گیا۔ اُس نے رات والے انہماک سے اس کی مرہم پٹی کی۔ زخمی کو دودھ پلایا اور ایسا دیا جو شارجا نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

اس دوران علی بن سفیان آیا۔ زخمی کی حالت دیکھ کر چلا گیا، لیکن جراح نہ گیا۔ وہ شارجا کے ساتھ باتیں کر

اس کی باتیں سنتا رہا۔ اُس روز شام تک وہ تین بار زخمی کو دیکھنے آیا۔ حالانکہ وہ صرف دوپہر کو آیا کرتا تھا۔ شام کو وہ چلا گیا تو زخمی نے اپنی بہن سے کہا..... ''شارجا! میری ایک بات غور سے سن لو۔ میری زندگی اس جرّاح کے ہاتھ میں ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں دیکھ کر یہ میرا علاج پہلے سے زیادہ اچھے طریقے سے کرنے لگا ہے۔ میں موت قبول کرلوں گا، مگر اسے اتنی زیادہ قیمت نہیں دوں گا جو اِس نے دِل میں رکھ لی ہے..... مجھے شک نہیں یقین ہے کہ یہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے تمہاری عزت کا نذرانہ لینا چاہتا ہے''۔

''میں تو اسے فرشتہ سمجھتی ہوں''۔ شارجا نے کہا..... ''اس نے ابھی تک کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں کیا اور میں بچی بھی تو نہیں، لیکن میں اسے ایسا سمجھتی نہیں''۔

شارجا کا انداز ایسا تھا جس نے بھائی کو شک میں ڈال دیا کہ وہ جرّاح میں دلچسپی لیتی ہے۔

☆

اُس رات جرّاح آیا۔ زخمی سو گیا تھا۔ شارجا جاگ رہی تھی۔ وہ جرّاح کے ساتھ صحن میں چلی گئی۔ کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں۔ جرّاح نے اسے کہا کہ اُس کا بھائی دوائی کے اثر سے اتنی گہری نیند سو گیا ہے کہ صبح تک اس کی آنکھ شاید نہیں کھلے گی۔ آؤ، میرے گھر چلو..... شارجا کچھ جھجکی، لیکن جرّاح کی پیش کش ٹھکرا نہ سکی۔ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ خوبرو، جواں سال اور حلیم طبع جرّاح اکیلا رہتا تھا۔ شارجا بالغ دماغ لڑکی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ آج رات یہ آدمی اُس کے سامنے بے نقاب ہو جائے گا، مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ اس کے ساتھ ہمدرد دوستوں کی طرح باتیں کرتا رہا۔ لڑکی کو اُس کے اتنے مشفقانہ سلوک نے پریشان کر دیا۔ اُس نے بے اختیار اس سے پوچھا..... ''میں صحرا کے دور دراز علاقے کی غریب سی لڑکی ہوں اور ایک ایسے مجرم بہن ہوں جس نے مصر کے بادشاہ پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ اس کے باوجود آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں، جس کی میں حق دار نہیں ہوں''..... جرّاح نے مُسکراہٹ کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے صاف کہہ دیا..... ''مجھ میں اس خوبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ میں جوان لڑکی ہوں اور شاید میری شکل وصورت بھی اچھی ہے''۔

''تم میں ایک خوبی اور بھی ہے، جس کا تمہیں علم نہیں''۔ جرّاح نے کہا..... ''تمہاری عمر اور تمہاری ہی شکل وصورت کی میری ایک بہن تھی۔ جس طرح تم بہن بھائی اکیلے ہو، اسی طرح میں اور میری بہن اکیلے رہ گئے تھے۔ میں نے تمہارے بھائی کی طرح اپنی بہن کو پالا پوسا اور اپنی زندگی اور ساری خوشیاں اس کے لیے وقف کر دی تھیں۔ وہ بیمار ہوئی اور میرے ہاتھوں میں مر گئی۔ میں اکیلا رہ گیا۔ تمہیں دیکھا تو شک ہوا کہ جیسے میری بہن مجھے مل گئی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو جوان اور خوب صورت لڑکی سمجھتی ہو اور میری نیت پر شک ہے تو اس کا یہی علاج ہے کہ میں تم میں ایسی دلچسپی کا اظہار نہیں کروں گا جو اب تک کیا ہے۔ تمہارے بھائی میں پوری دلچسپی لیتا رہوں گا۔ اُسے ٹھیک کرنا میرا فرض ہے''۔

شارجا رات دیر سے وہاں سے واپس آئی۔ جرّاح اُس کے ساتھ تھا۔ لڑکی کے شکوک رفع ہو چکے تھے۔

دوسرے دن جرّاح زخمی کو دیکھنے آیا۔ اُس نے شارجا کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ وہ جانے لگا تو شارجا نے باہر جا کر اسے روک لیا۔ وہ رو رہی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ جرّاح اُس سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ جرّاح نے اُسے بتایا کہ وہ ناراض نہیں لیکن وہ اسے کسی اور شک میں نہیں ڈالنا چاہتا..... رات کو جب زخمی سو گیا تو شارجا وہاں سے نکل گئی اور جرّاح کے گھر چلی گئی۔ یہ اس کی بے تابی تھی جس پر وہ قابو نہ پا سکی۔ بہت دیر تک جرّاح کے پاس رہی۔ اس کے ذہن میں کچھ گانٹھیں پڑی ہوئی تھیں، جنہیں وہ کھولنا چاہتی تھی۔ اُس نے جرّاح سے پوچھا..... ''کیا خلیفہ خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں؟''

''خلیفہ انسان ہوتا ہے''۔ جرّاح نے جواب دیا..... ''خدا کے بھیجے ہوئے نبی اور پیغمبر تھے۔ یہ سلسلہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوگیا ہے۔''

''صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا ہے؟'' لڑکی نے پوچھا

''نہیں''۔ جرّاح نے جواب دیا..... ''وہ بھی انسان ہے، لیکن عام انسانوں سے اس کا رُتبہ بلند ہے، کیونکہ وہ خدا اور خدا کے بھیجے ہوئے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچانا چاہتا ہے''۔

ایسے اور بہت سے سوال تھے جو شار جانے پوچھے اور جرّاح نے اس کے شکوک رفع کیے۔ اُس نے کہا..... ''پھر میرا بھائی بہت بڑا گناہ گار ہے۔ اگر اسے کوئی یہ باتیں بتا دیتا جو آپ نے مجھے بتائی ہیں تو وہ اس گناہ سے بچا رہتا۔ اب تو اس کی جاں بخشی نہیں ہوگی''۔

''ہو جائے گی''۔ جرّاح نے اسے بتایا..... ''اگر صلاح الدین ایوبی نے کہہ دیا ہے کہ اُسے زندہ رکھنے کی کوشش کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے سزا نہیں دی جائے گی۔ اُسے چاہیے کہ گناہوں سے توبہ کر لے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اُسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی''۔

میں ساری عمر صلاح الدین ایوبی کی اور آپ کی خدمت میں گزار دوں گی''۔ شار جانے روتے ہوئے کہا..... ''اور میرا بھائی آپ سب کا غلام رہے گا''..... وہ جذباتی ہوگئی۔ اُس نے جرّاح کے ہاتھ پکڑ کر کہا..... ''آپ مجھ سے جو قیمت وصول کرنا چاہیں، میں دوں گی۔ آپ مجھے اپنی لونڈی بنا لیں، اس کے عوض میرے بھائی کو ٹھیک کر دیں اور اسے سزا سے بچا لیں''۔

قیمت اللہ سے وصول کی جاتی ہے''۔ جرّاح نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا..... ''بھائی کے گناہ کی سزا بہن کو نہیں دی جائے گی اور بھائی کی صحت کی قیمت بہن سے وصول نہیں کی جائے گی۔ سب کا پاسبان اللہ ہے۔ اس کی ذاتِ باری نے مجھے تمہاری عصمت کی پاسبانی اور تمہارے بھائی کی صحت کی ذمہ داری سونپی ہے۔ دعا کرو کہ میں اس امانت میں خیانت نہ کروں۔ بہن کی دُعا عرش کو بھی ہلا دیا کرتی ہے۔ دُعا کرو..... دُعا کرو..... اس خدا کی عظمت کو یاد رکھو، جس کے خلاف تمہیں گمراہ کیا جا رہا ہے''۔

جرّاح نے اس لڑکی پر طلسم طاری کر دیا۔ ایک تو باتیں ہی ایسی تھی جو جرّاح نے اسے بتائی تھیں۔ تاثر تو جرّاح کے سلوک نے پیدا کیا تھا۔ جرّاح کے متعلق تو اُسے کچھ اور ہی شک ہوگیا تھا، لیکن وہ کچھ اور نکلا۔ اُسے جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ ایسی تنہائی میں اور رات کے وقت اتنی حسین اور جوان لڑکی اس کے رحم و کرم پر ہے..... رات آدھی گزر گئی تھی۔ جرّاح نے اسے کہا..... ''اُٹھو، تمہیں وہاں تک چھوڑ آؤں اور تمہارے بھائی کو بھی دیکھ آؤں''۔

دونوں گھر سے نکلے اور آہستہ آہستہ چل پڑے۔ رات تاریک تھی۔ وہ دونوں مکان کے پچھواڑوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ یہ چھوٹی سی ایک گلی تھی جس میں گزرتے ہی وہ مکان آ جاتا تھا جہاں زخمی حشیش قید میں پڑا تھا اور اس کے دروازے پر سنتری کھڑا رہتا تھا وہ دونوں اس گلی میں داخل ہوئے ہی تھی کہ پیچھے سے دونوں کو مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا گیا۔ دونوں کے منہ کپڑوں میں بندھ گئے۔ ان کی آواز بھی نہ نکل سکی۔ جرّاح جسمانی لحاظ سے کمزور نہیں تھا، مگر وہ بے خبری میں جکڑا گیا تھا۔ حملہ آور چار پانچ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے دونوں کو اُٹھا لیا اور تاریکی میں غائب ہوگئے۔ کچھ دور گھوڑے کھڑے تھے۔ جرّاح کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے اور اسے گھوڑے پر ڈال کر ایک آدمی

گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اُسے کسی کی آواز سنائی دی جو شارجا سے مخاطب تھی..... ''شور نہ کرنا شارجا! تمہارا کام ہو گیا ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے لائے ہیں۔''

شارجا کے منہ سے کپڑا اُتار دیا گیا تھا۔ جرّاح کو اس کی آواز سنائی دی..... ''اسے چھوڑ دو۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ یہ بہت اچھا آدمی ہے''۔

''اس کی تو ہمیں ضرورت ہے''۔ کسی نے کہا۔

''شارجا!''..... کسی نے حکم کے لہجے میں کہا..... ''خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ''۔

''اوہ! شارجا کی آواز سنائی دی۔'' یہ تم ہو؟''

''سوار ہو جاؤ''۔ کسی نے پھر حکم دیا۔ ''وقت ضائع نہ کرو''۔

اور گھوڑے سرپٹ دوڑ پڑے۔ ذرا سی دیر میں قاہرہ سے نکل گئے۔ شارجا نہایت اچھی سوار تھی۔

☆

صبح سنتری بدلنے کا وقت ہوا۔ نیا سنتری آیا تو رات والا سنتری وہاں نہیں تھا۔ اُس نے اندر جا کے دیکھا تو وہاں زخمی سویا ہوا تھا۔ اُس کے اوپر کمبل پڑا ہوا تھا۔ اس کا منہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ نیا سنتری باہر والے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ ابھی جرّاح زخمی کو دیکھنے آئے گا اور علی بن سفیان بھی آئے گا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ زخمی کی بہن زخمی کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے سوا اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں، مگر بہن بھی اُسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ سورج طلوع ہوا تو علی بن سفیان آیا۔ اس نے سنتری سے پوچھا کہ جرّاح آچکا ہے یا زخمی کو دیکھ کر چلا گیا ہے؟ سنتری نے اُسے بتایا کہ جرّاح نہیں آیا۔ پہلا سنتری یہاں نہیں تھا اور اندر زخمی کی بہن بھی نہیں ہے۔ علی بن سفیان یہ سوچ کر اندر گیا کہ زخمی کی تکلیف بڑھ گئی ہوگی اور اس کی بہن جرّاح کو بلانے چلی گئی ہوگی۔ علی بن سفیان کے لیے ہی نہیں، یہ زخمی سلطنتِ اسلامیہ کے لیے بھی مصر جتنا قیمتی تھا۔ اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار تھا اور ایک بڑی خطرناک سازش کے بے نقاب ہونے کی توقع تھی۔

وہ تیزی سے اندر گیا۔ زخمی کے سر سے پاؤں تک کمبل پڑا تھا۔ علی بن سفیان کو تازہ خون کی بو محسوس ہوئی۔ اُس نے زخمی کے منہ سے کمبل ہٹایا تو یوں بدک کر پیچھے ہٹ گیا، جیسے وہ زخمی نہیں اژدہا تھا۔ اُس نے وہیں سے باہر کھڑے سنتری کو آواز دی۔ سنتری دوڑتا ہوا اندر گیا۔ علی بن سفیان نے اُسے زخمی کا چہرہ دکھاتے ہوئے پوچھا..... ''یہ رات والا سنتری تو نہیں؟''..... نئے سنتری نے چہرہ دیکھ کر حیرت اور گھبراہٹ سے بوجھل آواز میں کہا..... ''یہی تھا۔ یہ اس بستر میں کیوں سویا ہوا ہے حضور؟..... زخمی کہاں ہے؟''

''یہ سویا ہوا نہیں''۔ علی بن سفیان نے اُسے کہا..... ''مرا ہوا ہے''۔

اس نے کمبل اُٹھا کر پرے پھینک دیا۔ بستر خون سے لال تھا۔ وہ زخمی حشیش نہیں، بلکہ رات والے سنتری کی لاش تھی۔ علی بن سفیان نے دیکھا، لاش کے دل کے قریب خنجر کے دو زخم تھے۔ زخمی حشیش غائب تھا۔ علی بن سفیان نے کمرے میں، صحن میں اور باہر زمین کو غور سے دیکھا۔ کہیں خون کا قطرہ بھی نظر نہ آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سنتری کو زندہ اٹھا کر اندر لایا گیا اور بستر پر لٹا کر اس کے دل میں خنجر مارے گئے۔ اسے تڑپنے نہیں دیا گیا، ورنہ خون کے چھینٹے بکھرے ہوئے ہوتے۔ وہ مر گیا تو اس پر کمبل ڈال دیا گیا اور قاتل زخمی قیدی کو اُٹھا کر لے گئے اور اس کی بہن کو بھی لے گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ زخمی کی بہن نے زخمی کے فرار میں مدد دی ہے۔ وہ جوان اور حسین لڑکی تھی۔ اُس نے سنتری کو پھانس لیا

ہوگا۔ اُسے اندر لے گئی ہوگی۔ لڑکی کے ساتھیوں نے سنتری کو بے خبری میں پکڑ لیا ہوگا۔ علی بن سفیان کو اپنی اس غلطی پر تاسف ہوا کہ اُس نے زخمی کے چار ساتھیوں کو زخمی سے ملنے کی اجازت دی تھی۔ انہوں نے بتایا تھا کہ وہ زخمی کے چچا زاد اور تایا زاد بھائی ہیں۔ وہ اندر آ کر دیکھ گئے تھے کہ یہاں کے حفاظتی اقدامات کیا ہیں۔ اُسے بہن کو بھی یہاں رہنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔ اُس نے یہ بھی یقین نہیں کیا تھا کہ یہ لڑکی زخمی کی بہن تھی یا اس گروہ کی فرد تھی۔

علی بن سفیان کو غصہ آیا اور وہ اپنی بھول پر پچھتایا بھی، لیکن اُس نے دل ہی دل میں زخمی اور اُس کے ساتھیوں کے اتنے کامیاب فرار کو سراہا۔ علی بن سفیان جیسے سراغ رساں کو دھوکہ دینا آسان نہیں تھا۔ وہ لوگ اُسے بھی جُل دے گئے تھے۔ اُس نے نئے سنتری سے کچھ باتیں پوچھیں تو اُس نے بتایا کہ اس سے پہلے وہ رات کو بھی پہرے پر کھڑا رہ چکا ہے۔ اُس نے لڑکی کو جراح کے ساتھ اُس کے گھر جاتے اور رات بہت دیر بعد دونوں کو واپس آتے دیکھا تھا۔ اس سے علی بن سفیان کو شک ہوا کہ لڑکی نے جراح کو بھی اپنے حسن و جوانی کے زیر اثر کر لیا تھا۔ علی نے سنتری سے کہا کہ دوڑ کر جائے اور جراح کو بلا لائے۔ سنتری کے جانے کے بعد وہ سراغ ڈھونڈنے لگا۔ باہر گیا۔ زمین دیکھی۔ اُسے پاؤں کے نشان نظر آئے لیکن نشان اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ زخمی شہر میں تو روپوش نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا۔ زخمی کے گاؤں پر جہاں سے اُس کی بہن کو لایا گیا تھا، چھاپہ مارا جائے۔ وہ گاؤں بہت دُور تھا۔

سنتری نے واپس آ کر بتایا کہ جراح گھر نہیں ہے۔ علی بن سفیان اس کے گھر گیا۔ اس کے ملازم نے بتایا کہ جراح رات بہت دیر بعد ایک لڑکی کے ساتھ باہر نکلا تھا، پھر واپس نہیں آیا۔ اس لڑکی کے متعلق اس نے بتایا کہ پہلے بھی جراح کے ساتھ آ چکی ہے اور دونوں بہت دیر تک اندر بیٹھے رہے تھے۔ علی بن سفیان کو یقین ہو گیا کہ جراح بھی زخمی کے فرار میں شریک ہے اور یہ لڑکی کے حُسن کے جادو کا کمال ہے۔ علی نے اپنے محکمے کے سراغ رسانوں کو بلایا اور انہیں فرار کے متعلق بتایا۔ وہ سب اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ ایک جگہ انہیں بہت سے گھوڑوں کے کھروں کے نشان نظر آئے۔ اردگرد کے رہنے والوں میں سے تین چار آدمیوں نے بتایا کہ رات انہوں نے بہت سے گھوڑے دوڑنے کی آوازیں سنی تھیں۔ سراغ رساں کھروں کو دیکھتے دیکھتے شہر سے نکل گئے، مگر آگے جانا بے کار تھا۔ رات کے بھاگے ہوئے گھوڑوں کو اب کھرے دیکھ دیکھ کر پکڑنا کسی پہلو ممکن نہیں تھا۔ انہیں صرف اتنا پتا چلا کہ مفرور اس سمت کو گئے ہیں۔ علی بن سفیان کے کرنے کا کام اب یہی رہ گیا تھا کہ قائم مقام امیر مصر تقی الدین کو اطلاع دے دے کہ زخمی حشیش کو اس کے ساتھی اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ اُسے یہ خیال بھی آیا کہ زخمی نے راز کی جو باتیں بتائیں تھیں، وہ بے بنیاد تھیں اور اُس نے اپنی جان بچانے اور فرار کا موقعہ پیدا کرنے کے لیے یہ چال چلی تھی۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی اور علی بن سفیان کو بھی اُلّو بنا گیا تھا۔

آدھا دن گزر گیا تھا جب علی بن سفیان تقی الدین کو اطلاع دینے کے لیے چلا گیا۔ اُس وقت اُس کا زخمی قیدی جو کھڑا ہونے کے بھی قابل نہیں تھا، وہ قاہرہ سے بہت دُور ایک ویرانے میں پہنچ چکا تھا، مگر وہ زندہ نہیں تھا۔ جراح کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ ایک گھوڑے پر بے جان چیز کی طرح پڑا تھا۔ اُس کی ٹانگیں گھوڑے کے ایک طرف اوپر کا دھڑ اور بازو دوسری طرف تھے۔ رات بھر وہ اسی حالت میں رہا تھا۔ صبح کا اُجالا صاف نہیں ہوا تھا جب گھوڑے رُکے۔ جراح کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ اُسے پٹی باندھنے والا آدمی نظر نہ آسکا، کیونکہ اس کا سر نیچے تھا۔ پٹی بندھ جانے کے بعد اُس کے پاؤں کھول دیئے گئے اور اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے ہاتھ بندھے رہے۔ اس کے پیچھے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور گھوڑے ذرا سے آرام کے بعد پھر چل پڑے۔ اُسے اتنا ہی پتا چل سکتا تھا کہ اس کے پیچھے چند اور

گھوڑے آرہے ہیں اور سوار آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں..... گھوڑے چلتے گئے اور سورج اوپر اُٹھتا گیا، پھر جراح نے محسوس کیا کہ گھوڑا چڑھائی چڑھ رہا ہے۔ تھوڑے فاصلے پر دائیں بائیں مُڑ رہا ہے۔ نیچے اُتر رہا ہے۔ اس سے وہ اندازہ کر رہا تھا کہ یہ علاقہ ٹیلوں اور کھائیوں کا ہے۔

بہت دیر بعد جب سورج سر پر آ گیا تھا، اُسے پیچھے سے بلند آوازیں سنائی دیں، جن سے اُسے پتا چلا کہ کوئی سوار گر پڑا ہے۔ اس کا گھوڑا رُک گیا اور پیچھے کو مڑا۔ اُسے اس طرح کی آوازیں سنائی دیں ''اُٹھاؤ ... سائے میں لے چلو۔ بے ہوش ہو گیا ہے۔ اوہ خدایا۔ اس کا خون بہہ رہا ہے''۔ اُسے شارجا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی ''جراح کی آنکھیں اور ہاتھ کھول دو۔ وہ خون روک لے گا، ورنہ میرا بھائی مر جائے گا''۔ یہ زخمی شیش تھا جو گھوڑے سے گر پڑا تھا۔ رات بھر کی گھوڑسواری سے اور گھوڑا اتنی تیز بھگانے سے اس کے پیٹ کا زخم کھل گیا تھا اور ران کے زخم سے بھی خون جاری ہو گیا تھا۔ وہ درد کو برداشت کرتا رہا تھا، خون نکلتا رہا۔ آخر یہاں آ کر خون اتنا نکل گیا کہ اس پر غشی طاری ہوئی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اُسے اُٹھا کر ایک ٹیلے کے سائے میں لے گئے۔ اُس کے منہ میں پانی ڈالا لیکن پانی حلق سے نیچے نہ گیا۔ اُس کے کپڑے خون سے تر ہو گئے تھے۔

جراح کی آنکھیں کھول دی گئی اور اُسے کہا گیا کہ وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ اس نے اپنی پیٹھ میں خنجر کی نوک محسوس کی۔ وہ آگے آگے چل پڑا۔ ٹیلے کے دامن میں زخمی پڑا تھا اور شارجا اُس کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے جراح سے کہا ''خدا کے لیے میرے بھائی کو بچاؤ''۔ جراح نے سب سے پہلے زخمی کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس کے لیے حکم تھا کہ وہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ وہ بیٹھ گیا تھا اور زخمی کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اُس کی پیٹھ میں خنجر کی نوک چبھ رہی تھی۔ زخمی کی نبض محسوس کر کے وہ تیزی سے اُٹھا اور پیچھے کو مڑا۔ اُس کے سامنے چار آدمی کھڑے تھے، جن کے چہرے سیاہ نقابوں میں تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ جراح نے غصے سے کہا ''تم سب پر اللہ کی لعنت ہو۔ تم نے اسے بچانے کے بجائے اس کی جان لے لی ہے۔ تم سب اس کے قاتل ہو۔ یہ مر چکا ہے۔ ہم نے اسے چارپائی سے ہلنے بھی نہیں دیا تھا اور تم اسے گھوڑے پر بٹھا کر لائے۔ اس کے زخم کھل گئے اور جسم کا تمام خون ضائع ہو گیا''۔

شارجا بھائی کی لاش پر گر پڑی اور چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ نقاب پوشوں نے جراح کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اُسے وہاں سے کچھ دُور لے گئے۔ لاش گھوڑے پر ڈال دی گئی اور قافلہ پھر روانہ ہو گیا۔ جراح کو شارجا کے رونے اور چلانے کی جگر سوز آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ جراح کے گھوڑے پر جو سوار تھا، اس سے جراح نے کہا کہ یہ زخمی بالکل ٹھیک ہو سکتا تھا مگر تم لوگوں نے اسے مار دیا۔ اُسے کوئی سزا نہ ملتی۔ سوار نے کہا ''ہم اسے زندہ رکھنے کے لیے نہیں لائے تھے۔ ہم نے دراصل وہ راز اغوا کیا ہے جو اس کے پاس تھا۔ اس کے مرنے کا ہمیں کوئی غم نہیں، ہم خوش ہیں کہ تم اور تمہاری حکومت اس راز سے بے خبر ہے جو اس کے سینے میں تھا''۔

''مجھے تم لوگ کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟'' جراح نے پوچھا۔

''ہم تمہیں پیغمبروں کی طرح رکھیں گے''۔ سوار نے جواب دیا ''تمہیں گرم ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔ ہم تمہیں اس لیے لائے تھے کہ راستے میں زخمی کو تکلیف ہوئی تو اس کی مرہم پٹی کرو گے، مگر ہم نے یہ نہیں سوچا کہ تمہارے پاس نہ کوئی دوائی ہے نہ مرہم۔ تمہیں اغوا کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ہم اس راز کو بھی ساتھ لانا چاہتے تھے۔ ہم اسے ہی لاتے تو تم جو اس کے ساتھ تھے، ہمارے تعاقب میں پوری فوج ہوتی۔ اس لیے تمہیں بھی اُٹھا لانا ضروری تھا۔ تیسری وجہ یہ

ہے کہ ہمیں ایک جرّاح کی ضرورت ہے۔ تمہیں ہم اپنے ساتھ رکھیں گے''۔

''میں ایسے کسی آدمی کا علاج نہیں کروں گا جو میری حکومت کے خلاف ہوگا''...... جرّاح نے کہا...... ''تم سب صلیبیوں اور سوڈانیوں اور فاطمیوں کے دوست ہو اور اُن کے اشاروں پر سلطنتِ اسلامیہ کے خلاف تخریب کاری کر رہے ہو۔ میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا''۔

''پھر تم قتل ہو جاؤ گے''۔ سوار نے کہا۔

''یہ میرے لیے بہتر ہوگا''۔ جرّاح نے جواب دیا۔

''پھر ہم تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں گے جو تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگا''...... سوار نے جواب دیا...... ''پھر تم ہمارا ہر حکم مانو گے، لیکن میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ بُرے سلوک کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ تم نے صلاح الدین ایوبی کی بادشاہی دیکھی ہے۔ ہماری بادشاہی دیکھو گے تو اپنی زبان سے کہو گے کہ میں یہیں رہنا چاہتا ہوں، یہ تو جنت ہے اگر تم نے ہماری جنت کو ٹھکرا دیا تو ہم تمہیں اپنا جہنم دکھائیں گے''۔

گھوڑے چلتے رہے۔ جرّاح آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کے اندھیرے میں اپنے مستقبل کو دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ فرار کی ترکیبیں بھی سوچتا رہا۔ اُسے بار بار شارجا کا خیال آتا، مگر وہ یہ سوچ کر مایوس ہو جاتا تھا کہ یہ لڑکی بھی اسی گروہ کی ہے، وہ اس کی مدد نہیں کرے گی۔

☆

اُن کا سفر اتنا لمبا نہیں تھا، لیکن سرحدی دستوں اور اُن کے گشتی سنتریوں کے ڈر سے مجرموں کا یہ قافلہ بچ بچ کر، چھپ چھپ کر اور بڑی دُور کا چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ شام کے بعد بھی یہ قافلہ چلتا رہا اور رات گزرتی رہی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے قافلہ رُک گیا۔ جرّاح کو گھوڑے سے اُتار کر اُس کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور چونکہ اندھیرا تھا۔ اس لیے اس کی آنکھوں سے پٹی بھی کھول دی گئی۔ اُسے کھانے کو کچھ دیا گیا، پانی بھی پلایا گیا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھ بھی باندھ دیئے گئے اور پاؤں بھی اور اُسے سو جانے کو کہا گیا۔ سوار تھکے ہوئے تھے۔ اس سے ایک رات پہلے کے جاگے ہوئے تھے، لیٹے اور سو گئے۔ گھوڑوں کو زینیں اُتار کر ذرا پرے باندھ دیا گیا تھا۔ جرّاح کے بھاگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بندھا ہوا تھا، وہ بھی سو گیا۔

کچھ دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ سمجھا کہ اُسے روانگی کے جگایا جا رہا ہے، لیکن کوئی اس کے پاؤں کی رسی کھول رہا تھا۔ وہ چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ مرنے کے لیے بھی تیار ہو گیا۔ اُسے یہ بھی توقع تھی کہ اُسے قتل کر کے پھینک جائیں گے، لیکن پاؤں کی رسی کھلنے کے بعد جب یہ سایہ اُس کے ہاتھوں کی رسّی کھولنے لگا تو اُسے نے جھک کر جرّاح کے کان میں کہا...... ''میں نے دو گھوڑوں پر زینیں کس دی ہیں۔ خاموشی سے میرے پیچھے آؤ۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ وہ بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں''...... یہ شارجا کی آواز تھی۔

جرّاح آہستہ سے اُٹھا اور شارجا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ ریت پر پاؤں کی آہٹ پیدا ہی نہیں ہوتی تھی۔ آگے دو گھوڑے کھڑے تھے۔ ایک پر شارجا سوار ہو گئی۔ دوسرے پر جرّاح سوار ہو گیا۔ شارجا نے کہا...... ''اگر تم اچھے سوار نہیں ہو تو ڈرنا نہیں، گرو گے نہیں۔ ایڑ لگاؤ اور لگام ڈھیلی چھوڑ دو۔ گھوڑے دائیں کو دائیں بائیں موڑنا تو جانتے ہو گے''...... جرّاح نے جواب دیئے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ شارجا کا گھوڑا بھی اس کے ساتھ ہی دوڑا۔ دوڑتے گھوڑے سے شارجا

کہا..... ''میرے پیچھے رہو۔ میں راستہ جانتی ہوں۔ اندھیرے میں مجھ سے الگ نہ ہو جانا''۔

سرپٹ بھاگتے گھوڑوں نے مجرموں کو جگا دیا، لیکن تعاقب آسان نہیں تھا۔ انہیں پہلے تو دیکھنا تھا کہ یہ کس کے گھوڑے ہیں۔ انہیں شارجا کے بھاگنے کا خطرہ ہی نہیں تھا۔ کچھ وقت دیکھنے میں لگ گیا ہوگا کہ وہ کون تھے اور ذرا دیر بعد ہی، انہیں پتا چلا ہوگا کہ شارجا اور جراح بھاگ گئے ہیں، پھر انہیں اپنے گھوڑوں پر زینیں ڈالنی تھیں۔ اس میں اتنا وقت صرف ہو گیا ہوگا کہ بھاگنے والے دو اڑھائی میل دُور نکل گئے ہوں گے..... شارجا اور جراح نے بار بار پیچھے دیکھا۔ آوازیں سننے کی بھی کوشش کی۔ انہیں یقین سا ہو رہا تھا کہ اُس کے تعاقب میں کوئی نہیں آ رہا۔ وہ ابھی گھوڑوں کی رفتار کم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے، اس لیے ایڑ لگاتے چلے گئے۔ آخر وہ حد آ گئی جہاں گھوڑے خود ہی آہستہ ہونے لگے، لیکن وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ جراح نے شارجا سے کہا کہ یہاں کہیں نہ کہیں کوئی سرحدی دستہ ہونا چاہیے، مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہوگا۔ شارجا کو بھی معلوم نہیں تھا، اُس نے جراح کو بتایا کہ وہ ان دستوں سے بچنے کے لیے دُور کے راستے سے گئے تھے، ورنہ اُس کا گاؤں دُور نہیں تھا۔ اُس نے اُسے یہ یقین دلایا کہ وہ قاہرہ کی صحیح سمت کو جا رہے ہیں اور قاہرہ دُور نہیں۔

اگلا دِن آدھا گزر گیا تھا، جب علی بن سفیان قائم مقام امیرِ مصر تقی الدین کے سامنے بیٹھا تھا۔ تقی الدین کہہ رہا تھا..... ''میں اس پر حیران نہیں کہ آپ جیسے تجربہ کار حاکم نے یہ غلطی کی تھی کہ مشکوک لڑکی کو زخمی قیدی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی اور چار مشکوک افراد کو بھی زخمی کے پاس لے گئے۔ میں اس پر حیران ہوں کہ یہ گروہ اتنا زیادہ دلیر اور منظم ہے۔ زخمی کو اُٹھا لے جانا، سنتری کو قتل کر کے زخمی کے بستر پر ڈال جانا، دلیرانہ اقدام بھی ہے اور یہ ایک منظم جُرم ہے''۔

''میرا خیال ہے کہ اس جُرم کو جراح اور لڑکی نے آسان بنایا ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''اس جُرم میں بھی ہماری قوم کی اسی کمزوری نے کام کیا ہے جس کے متعلق صلاح الدین ایوبی پریشان رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ عورت اور اقتدار کا نشہ ملتِ اسلامیہ کو لے ڈوبے گا۔ جراح کو میں نیک اور صاحبِ کردار سمجھتا تھا مگر ایک لڑکی نے اُسے بھی اندھا کر دیا۔ بہرحال زخمی قیدی کے گاؤں کا پتا چل گیا ہے۔ میں نے ایک دستہ روانہ کر دیا ہے''۔

''اور جنوب مغربی علاقے کے جس کھنڈر کا زخمی قیدی نے ذکر کیا تھا اُس کے متعلق آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' تقی الدین نے پوچھا۔

''مجھے شک ہے کہ اُس نے جھوٹ بولا تھا''..... علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ''اُس نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ بے بنیاد قصہ گھڑا تھا۔ تاہم اُس علاقے کی سراغ رسانی کی جائے گی''۔

وہ اسی مسئلے پر باتیں کر رہے تھے کہ دربان نے اندر آ کر ایسی اطلاع دی جس نے دونوں کو سُن کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی زبانیں بولنے سے معذور ہو گئی ہوں۔ علی بن سفیان اُٹھا اور یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ ''کوئی اور ہوگا''..... اُس کے پیچھے تقی الدین بھی باہر نکل گیا، مگر وہ کوئی اور نہیں اُن کا اپنا جراح ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ زخمی قیدی کی بہن شارجا تھی۔ ان کے گھوڑے بری طرح ہانپ رہے تھے۔ جراح اور شارجا کے چہرے اور سر گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ ہونٹ خشک اور منہ کھلے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان نے ذرا غصے سے پوچھا..... ''قیدی کو کہاں چھوڑ آئے؟''..... جراح نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ہمیں ذرا دم لینے دو۔ دونوں کو اندر لے گئے۔ اُن کے لیے پانی اور کھانا وغیرہ منگوایا گیا۔

جراح نے تفصیل سے بتایا کہ وہ کس طرح اغوا ہوا تھا اور سفر میں زخمی قیدی مر گیا ہے۔ اُسے بالکل علم نہیں تھا کہ

زخمی قیدی کو بھی اغوا کیا گیا ہے۔ یہ اسے اگلے روز سفر میں پتا چلا جب زخمی گھوڑے سے گرا اور زخم کھل جانے کی وجہ سے مر گیا۔ جرّاح کو جس طرح شارجا نے آزاد کرایا اور اس کے ساتھ بھاگی وہ بھی تفصیل سے سنایا..... شارجا نے اپنا بیان دیا تو علی بن سفیان جان گیا کہ یہ صحرائی لڑکی ہے، اجڈ اور دلیر ہے اور یہ اتنی چالاک نہیں جتنا سمجھا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی کے سہارے اور اُسی کی خاطر زندہ تھی۔ اس بھائی کی خاطر وہ جان دینے کے لیے بھی تیار رہتی تھی۔ جرّاح نے جس خلوص سے اُس کے بھائی کا علاج کیا، اس سے وہ اتنی متاثر ہوئی کہ اس کی مُرید بن گئی۔ جرّاح کو وہ فرشتہ سمجھنے لگی۔ پہلے روز اُس کے ساتھ جو چار آدمی آئے تھے، وہ اُس کے کچھ نہیں لگتے تھے۔ وہ اس کے چچازاد اور تایازاد بھائی نہیں تھے۔ وہ اسی گروہ کے آدمی ہیں جو صلاح الدین ایوبی کو اور اس کے اعلیٰ حاکموں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ جب علی بن سفیان کے آدمی شارجا کے گاؤں اُسے ساتھ لانے گئے تھے، اُس وقت یہ چاروں آدمی گاؤں میں تھے۔ انہیں پتا چلا کہ شارجا کا بھائی زخمی ہو کر قید ہو گیا ہے تو وہ اس ارادے سے ساتھ چل پڑے کہ زخمی کو اغوا کریں گے۔ انہیں ڈر یہ تھا کہ زخمی کے پاس جو راز ہے، وہ فاش نہ ہو۔ وہ جانتے تھے کہ زخمی کہاں اور کس کارروائی میں زخمی ہوا ہے۔

شارجا کے بیان کے مطابق، اس کا ارادہ بھی یہی تھا کہ بھائی کو اغوا کرائے گی۔ اُس نے بھائی کے پاس رہنے کی جو التجا کی تھی اس سے اُس کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ بھائی کی خدمت اور دیکھ بھال کرے گی اور دوسرا یہ کہ موقعہ ملا تو اسے اغوا کرائے گی۔ وہ چاروں آدمی زخمی سے مل کر واپس نہیں گئے۔ بلکہ قاہرہ میں ہی رہے تھے۔ وہ شارجا کے اشارے کے منتظر تھے لیکن جرّاح نے لڑکی کو اتنا متاثر کیا کہ اس کی سوچ ہی بدل گئی۔ جرّاح نے اُسے یقین دلایا کہ اس کے بھائی کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اس کے علاوہ جرّاح نے اُسے ایسی باتیں بتائیں جو اُس نے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ جرّاح نے اُس کے اندر اسلام کی عظمت بیدار کر دی تھی اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کر کے اُسے اپنا مُرید بنا لیا تھا۔ وہ ہر وقت جرّاح کے پاس بیٹھ کر اس کی باتیں سننے کے لیے بے تاب رہنے لگی۔ ایک روز وہ جرّاح کے گھر جا رہی تھی تو اُسے ان چاروں میں سے ایک آدمی راستے میں مل گیا۔ اُس نے شارجا سے کہا کہ زخمی کے اغوا میں اب دیر نہیں ہونی چاہیے۔ شارجا نے اُسے کہا کہ وہ ارادہ بدل چکی ہے۔ اس کا بھائی یہیں رہے گا۔ اس آدمی نے شارجا سے کہا کہ اگر اُس نے شہر میں آ کر اپنا دماغ خراب کر لیا ہے تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ زخمی یہاں نہیں رہے گا۔

شارجا کو توقع نہیں تھی کہ یہ چاروں اتنی دلیری سے اُس کے بھائی کو اغوا کر لیں گے۔ اُس نے انہیں فیصلہ سنا دیا کہ وہ اُن کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔ اس آدمی نے اُسے کہا..... ''ہم تمہاری ہر ایک حرکت کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ تم نے جرّاح کو پھانس لیا ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تم خود اس کے جال میں پھنس گئی ہو''۔

شارجا نے اُسے دھتکار دیا۔ اسے چونکہ توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی دلیری کا مظاہرہ کر سکیں گے۔ اس لیے اس نے جرّاح کے ساتھ بھی ذکر نہ کیا کہ اُس کے زخمی بھائی کے اغوا کا خطرہ ہے۔ اُسی رات شارجا اور جرّاح ان چاروں کے چنگل میں آ گئے۔ انہیں جب گھوڑوں پر سوار کرانے کے لیے اُٹھا لے گئے تو اس نے دیکھا کہ ایک گھوڑے پر اُس کا زخمی بھائی بیٹھا تھا۔ اس وقت وہ کچھ خوش ہوئی کہ اُس کا بھائی آزاد ہو گیا ہے۔ وہ فرار پر آمادہ ہو گئی، لیکن جرّاح کو ان لوگوں کی قید میں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اُس نے انہیں کہا بھی کہ اُسے چھوڑ دو، لیکن وہ نہ مانے۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ راستے میں شارجا کو بتایا گیا کہ اس کے بھائی کو کس طرح اغوا کیا گیا ہے۔ وہاں صرف دو آدمی گئے تھے۔ ایک نے سنتری سے کہیں کا راستہ پوچھنے کے بہانے اسے باتوں میں لگا لیا، دوسرے نے پیچھے سے اُس کی گردن جکڑ

لی، اور دونوں اُسے اُٹھا کر اندر لے گئے۔ زخمی انہیں دیکھ کر اُٹھ بیٹھا، اس کے بستر پر سنتری کو لٹا دیا گیا اور اس کے دل پر خنجر کے دو گہرے وار کر کے اُسے ختم کر دیا گیا، پھر اُس پر کمبل ڈال دیا گیا۔ دونوں نے زخمی قیدی کو اُٹھایا اور نکل گئے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شار جا جرّاح کے گھر میں ہے۔ انہیں ڈر تھا کہ وہ نہیں مانے گی اور اغوا نا کام بنا دے گی، لیکن اُسے بھی وہاں سے غائب کرنا ضروری تھا، کیونکہ اُس کے پاس بھی ایک راز تھا۔ دو آدمی گھات میں بیٹھے تھے۔ جونہی جرّاح اور شار جا تنگ اور تاریک گلی میں آئے تو انہیں جکڑ لیا گیا اور اغوا کامیاب ہو گیا۔

☆

علی بن سفیان جیسا گھاگ سراغ رساں کوئی اور تجربہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے جرّاح اور شار جا کے بیانوں پر فوری اعتبار نہ کیا۔ یہ بھی سازش کی ایک کڑی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دونوں کو الگ کر دیا اور اُن سے اپنے انداز سے پوچھ گچھ کی۔ جرّاح دانش مند آدمی تھا۔ اُس نے علی بن سفیان کو قائل کر لیا کہ اُس نے جو بیان دیا ہے وہ لفظ بہ لفظ درست ہے۔ اُس نے کہا کہ ایک تو جذباتی پہلو تھا۔ اس لڑکی کی شکل و صورت اس کی مری ہوئی بہن سے ملتی جلتی تھی، اس لیے وہ اسے اچھی لگی اور وہ اُسے اپنے گھر بھی لے جاتا اور زخمی کے مکان میں بھی اس کے ساتھ زیادہ وقت بیٹھا رہتا تھا۔ جرّاح نے بتایا کہ اُس کے اس سلوک سے لڑکی اتنی متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنے کچھ شکوک اُس کے سامنے رکھ دیئے۔ یہ اُس لڑکی کا دوسرا پہلو تھا جس پر جرّاح نے زیادہ توجہ دی۔ لڑکی مسلمان تھی، لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس پر بڑے ہی خطرناک اثرات جو باہر سے آئے تھے، کام کر رہے تھے۔ جرّاح نے اس کے ذہن سے یہ اثرات صاف کر دیئے۔ لڑکی چونکہ پسماندہ ذہن کی تھی، صحرا کے دور دراز گوشے کی رہنے والی تھی، اس لیے اُس کے ذہن میں جو کچھ ڈالا گیا، وہ اسی کو صحیح سمجھتی تھی۔ اس کی باتوں سے یہ انکشاف ہوا کہ اس علاقے میں اسلام کے منافی اثرات اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف تخریب کاری زور شور سے اور بلا روک ٹوک جاری ہے۔

شار جا سے علی بن سفیان نے کوئی بیان نہیں لیا، اُس پر سوال کرتا رہا اور اس کے جوابوں سے ایک بیان مرتب ہو گیا۔ اُس نے فرعونوں کے اُس کھنڈر کے متعلق وہی انکشاف کیا جو بیان کیا جا چکا تھا۔ وہ بھی اس کھنڈر کے اس پُر اسرار آدمی کی معتقد تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ گناہ گاروں کو نظر نہیں آتا اور اُس کی صرف آواز سنائی دیتی ہے۔ شار جا نے بتایا کہ اس کا بھائی فوج میں تھا اور وہ گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ اُسے گاؤں کے کچھ لوگوں نے کہا تھا کہ وہ اس کھنڈر میں چلی جائے، کیونکہ وہ مقدس انسان خوب صورت کنواریوں کو بہت پسند کرتا ہے۔ شار جا پر علی بن سفیان کی ماہرانہ جرح سے لڑکی کے سینے سے یہ راز بھی نکل آیا کہ اُس کے گاؤں کی تین کنواری لڑکیاں اس کھنڈر میں چلی گئیں تھیں، پھر واپس نہیں آئیں۔ ایک بار اُس کا بھائی گاؤں آیا تھا۔ شار جا نے اُس سے پوچھا کہ وہ کھنڈر چلی جائے؟ بھائی نے اُسے منع کر دیا تھا۔ شار جا اچھی طرح بیان تو نہ کر سکی، لیکن یہ پتا چل گیا کہ مصر کے جنوب مغربی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔ جرّاح کے متعلق لڑکی نے بتایا کہ اُسے اگر گاؤں میں لے جاتے اور قید میں ڈال دیتے تو وہاں سے بھی وہ اُسے اپنی جان کی بازی لگا کر آزاد کرا دیتی۔ اُس کا جب بھائی مر گیا تو اُس نے گاؤں تک جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور تہیہ کر لیا کہ وہ جرّاح کو یہیں سے آزاد کرائے گی۔ ان چاروں مجرموں کو وہ اپنا ہمدرد سمجھا کرتی تھی، لیکن جرّاح نے اُسے بتایا تھا کہ یہ اللہ کے بہت بڑے مجرم ہیں۔ ان کے متعلق اسے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ انہیں اس کے بھائی کے ساتھ ہمدردی نہیں، بلکہ اس راز سے دلچسپی تھی جو اُس کے پاس تھا۔ اسی لیے انہوں نے اُسے مار دیا۔

علی بن سفیان نے اس سے پوچھا کہ وہ اب کیا کرنا چاہتی ہے اور اپنے متعلق اُس نے کیا سوچا ہے۔ اُس نے

جواب دیا کہ وہ ساری عمر جراح کے قدموں میں گزار دے گی اور اگر جراح اُسے آگ میں کود جانے کو کہے گا تو وہ کود جائے گی۔ اُس نے اس پر رضامندی کا اظہار کیا کہ وہ کھنڈر تک جانے والوں کی رہنمائی کرے گی اور اپنے علاقے کے ہر اُس فرد کو پکڑوائے گی جو مصر کی حکومت کے خلاف کام کر رہا ہے۔

علی بن سفیان کے مشورے پر فوج اور انتظامیہ کے اعلیٰ حکام کا اجلاس بلایا گیا اور صورتِ حال تقی الدین کے سامنے رکھی گئی۔ سب کا یہ خیال تھا کہ تقی الدین مصر میں نیا نیا آیا ہے اور اتنی بڑی ذمہ داری بھی اس کے سر پر پہلی بار پڑی ہے، اس لیے وہ محتاط فیصلے کرے گا اور شاید کوئی خطرہ مول نہ لینا چاہے۔ اجلاس میں بیشتر حکام نے اس پر اتفاق کیا کہ چونکہ اتنے وسیع علاقے کی اتنی زیادہ آبادی گمراہ کر دی گئی ہے، اس لیے اس آبادی کے خلاف کارروائی نہ کی جائے۔ مسئلہ یہ تھا کہ کھنڈرات کے اندر کے جو حالات معلوم ہوئے تھے، اُن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں سے ایک نیا عقیدہ نکلا ہے جسے لوگوں نے قبول کر لیا ہے۔ لہٰذا یہ لوگ اپنے معبد اور عقیدے پر فوجی حملہ برداشت نہیں کریں گے۔ اس کا حل یہ پیش کیا گیا کہ اس علاقے میں اپنے معلم، عالم اور دانشور بھیجے جائیں جو لوگوں کو راہِ راست پر لائیں۔ ان کے جذبات کو مجروح نہ کیا جائے...... اجلاس میں ایک مشورہ یہ بھی پیش کیا گیا کہ سلطان ایوبی کو صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے اور اُن سے حکم لے کر کارروائی کی جائے۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انسانوں سے ڈرتے ہیں'' ...... تقی الدین نے کہا...... ''اور آپ کے دل میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈر نہیں جن کے سچے مذہب کی وہاں توہین ہو رہی ہے۔ امیر مصر اور سالارِ اعلیٰ کو خبر تک نہیں دی جائے گی کہ مصر میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا آپ اس سے بے خبر ہیں کہ وہ میدانِ جنگ میں کتنے طاقتور دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر ہیں؟ کیا آپ صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم سب دو چار ہزار گناہگاروں اور دشمنانِ دین سے ڈرتے ہیں؟ میں براہِ راست کارروائی کا اور بڑی ہی سخت کارروائی کا قائل ہوں''۔

''گستاخی معاف امیرِ محترم!'' ...... ایک نائب سالار نے کہا...... ''صلیبی ہم پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ ہم اس الزام کی تردید عملی طور پر کرنا چاہیے ہیں۔ ہم پیار اور خلوص کا پیغام لے کر جائیں گے''۔

''تو پھر اپنی کمر کے ساتھ تلوار کیوں لٹکائے پھرتے ہو؟'' ...... تقی الدین نے طنزیہ لہجے میں کہا...... ''فوج پر اتنا خرچ کیوں کر رہے ہو؟ کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ ہم فوج کو چھٹی دے دیں اور ہتھیار دریائے نیل میں پھینک کر مبلغوں کا ایک گروہ بنالیں اور درویشوں کی طرح گاؤں گاؤں، قریہ قریہ دھکے کھاتے پھریں؟'' ...... تقی الدین نے جذباتی لہجے میں کہا۔ ''اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کے خلاف صلیب کی تلوار نکلے گی تو اسلام کی شمشیر نیام میں نہیں پڑی رہے گی اور جب شمشیر اسلام نیام سے نکلے گی تو ہر اُس سر کو تن سے جدا کرے گی جو کلمۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جھکنے سے انکار کرتا ہے، وہ ہر اُس زبان کو کاٹے گی جو کلمۂ حق کو جھٹلاتی ہے۔ صلیبی اگر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ ہم نے اسلام تلوار کے زور پر پھیلایا ہے تو میں اُن سے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ سلطنت اسلامیہ کیوں سکڑتی چلی آ رہی ہے؟ خود مسلمان کیوں اسلام کے دشمن ہوئے جا رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ صلیبیوں نے عورت اور شراب سے، زر و جواہرات اور ہوسِ اقتدار سے اسلام کی تلوار کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ وہ ہم پر جنگ پسندی اور تشدد کا الزام عائد کر کے ہماری عسکریت روایات کو ختم کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے خلاف لڑ نہیں سکتے۔ اُن کے بری لشکر اور بحری بیڑے ناکام ہو گئے ہیں۔ وہ ہمارے درمیان تخریب کاری کر رہے ہیں۔ اللہ کے سچے دین کی جڑیں کاٹ رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ ان کے خلاف تلوار نہ اُٹھاؤ۔

''غور سے سنو میرے دوستو! صلیبی اور آپ کے دوسرے دشمن آپ کو محبت کا جھانسہ دے کر آپ کے ہاتھ سے تلوار لینا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کی پیٹھ پر وار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ اصول محض ایک فریب ہے کہ کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جسے یہ معلوم نہیں کہ کرک میں وہ مسلمان آبادی کا کیا حشر کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے شوبک فتح کر کے وہاں مسلمانوں کا بیگار کیمپ نہیں دیکھا تھا؟ وہاں مسلمان عورتوں کی جو انہوں نے عصمت دری کی، وہ نہیں سنی تھیں؟ مقبوضہ فلسطین میں مسلمان خوف اور ہراس کی، بے آبروئی اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلے لوٹتے اور عورتوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے نام پر تلوار اُٹھانا جرم ہے۔ اگر یہ جرم ہے تو میں اس جُرم سے شرمسار نہیں۔ صلیبیوں کی تلوار نہتوں کو کاٹ رہی ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ اللہ اور رسولِ صلی علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ صلیب اور بُتوں کے پجاری نہیں ..... تمہاری تلوار صرف وہاں ہاتھ سے گر پڑنی چاہیے، جہاں سامنے نہتے ہوں اور اُن تک خدا کا پیغام نہ پہنچا ہو۔ ہمیں اس اصول کا قائل نہیں ہونا چاہیے کہ لوگوں کے جذبات پر حملہ نہ کرو۔ میں نے دیکھا ہے کہ عرب میں چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمران اور نااہل اُمراء لوگوں کو خوش کرنے کے لیے بڑے دلکش اور دِلوں کو موہ لینے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے غلط جذبات اور احساسات کو اور زیادہ بھڑکا کر انہیں خوش رکھتے ہیں، تاکہ لوگ انہیں عیش وعشرت سے اور غیر اسلامی طرزِ زندگی سے روک نہ سکیں۔ ان امراء کا طریقہ کار یہ ہے کہ انہوں نے خوشامدیوں کا ایک گروہ پیدا کر لیا ہے جو اُن کی ہر آواز پر لبیک کہتا ہے اور رعایا میں گھوم پھر کر ثابت کرتا رہتا ہے کہ اُن کے امیر نے جو بات کہی ہے، وہ خدا کی آواز ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے بندے، بدکار اور عیاش انسانوں کے غلام ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ قوم حاکم اور محکوم میں تقسیم ہوتی چلی جا رہی ہے .....

''ہم دیکھ رہے ہیں کہ دشمن ہماری جڑیں کاٹ رہا ہے اور ہماری قوم کے ایک حصے کو کفر کی تاریکیوں میں لے جا رہا ہے، اگر ہم نے سخت رویہ اختیار نہ کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم کفر کی تائید کر رہے ہیں۔ میرے بھائی صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ غداری ہماری روایت بنتی جا رہی ہے، لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ یہ بھی روایت بنتی جا رہی ہے کہ ایک ٹولہ حکومت کیا کرے گا اور قوم محکوم ہوگی۔ حکمران ٹولہ قوم کا خزانہ شراب میں بہائے گا اور قوم پانی کے گھونٹ کو بھی ترسے گی۔ میرے بھائی نے ٹھیک کہا تھا کہ ہمیں قوم اور مذہب کے مستقبل پر نظر رکھنی ہے۔ ہمیں قوم میں وقار اور کردار کی بلندی پیدا کرنی ہے۔ آنے والی نسلیں ہماری قبروں سے جواب مانگیں گی۔ اس مقصد کے لیے ہمیں ایسی کارروائی سے گریز نہیں کرنا چاہیے جو ملک اور مذہب کے لیے سودمند ہو۔ اگر یہ برحق اقدام قوم کے چند ایک افراد کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ہم قوم کا مفاد اور وقار چند ایک افراد کی خوشنودی پر قربان نہیں کر سکتے۔ ہم ملک کے ایک اتنے بڑے حصے کو صرف اس لیے دشمن کی تخریب کاری کے سپرد نہیں کر سکتے کہ وہاں کے لوگوں کے جذبات مجروح ہوں گے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ وہاں کے لوگ سیدھے سادے اور بے علم ہیں۔ انہیں اپنے وہ مسلمان بھائی جو قبیلوں کے سردار ہیں اور مذہب کے اجارہ دار ہیں، دشمن کا آلۂ کار بن کر گمراہ کر رہے ہیں''۔

اجلاس میں کسی کو توقع نہیں تھی کہ تقی الدین کا ردِ عمل اتنا شدید اور فیصلہ اتنا سخت ہوگا۔ اُس نے جو دلائل پیش کیے، ان کے خلاف کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ کوئی مشورہ ہی پیش کرتا۔ اُس نے کہا..... ''مصر میں جو فوج ہے، یہ محاذ سے آئی ہے اور اس سے پہلے بھی لڑ چکی ہے۔ اس فوج کے صرف پانچ سو گھوڑ سوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ آج شام اُس علاقے کی طرف روانہ کر دو جہاں وہ مشکوک کھنڈرات ہیں۔ یہ فوج اس علاقے سے اتنی دُور رہے گی کہ ضرورت پڑے تو

فوری طور پر محاصرہ کر سکے۔ میرے ساتھ دمشق سے جو دو سوار آئے ہیں، وہ علاقے کے اندر جا کر کھنڈروں پر حملہ کریں گے۔ ایک چھاپہ مار دستہ کھنڈروں کے اندر جائے گا۔ دو سوار کھنڈروں کو محاصرے میں رکھیں گے۔ اگر باہر سے حملہ ہوا یا مزاحمت ہوئی تو فوج کو بڑا حصہ مقابلہ کرے گا اور محاصرہ تنگ کرتا جائے گا۔ اس کارروائی میں فوج کو سختی سے حکم دیا جائے کہ کسی نہتے کو نہیں چھیڑا جائے گا''۔

اس فیصلے کے فوراً بعد فوجی حکام کوچ، حملے اور محاصرے وغیرہ کا منصوبہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

☆

سلطان ایوبی مصر کی تازہ صورتِ حال سے بے خبر کرک اور شوبک قلعوں کے درمیان میل ہا میل وسیع صحرا میں جہاں ریتلی چٹانوں، ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے بھی تھے اور جہاں کسی کسی جگہ پانی اور سائے کی بھی افراط تھی، صلیبیوں کے نئے جنگی منصوبے کے مطابق اپنی افواج کی صف بندی کر رہا تھا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا تھا کہ صلیبی دُگنی طاقت سے جو زیادہ تر زرہ پوش اور بکتر بند ہوگی، قلعے سے باہر آ کر حملہ کریں گے۔ یہ فوج سلطان ایوبی کی فوج کو آمنے سامنے کی جنگ میں اُلجھالے گی اور دوسری فوج عقب سے حملے کرے گی۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دُور دُور تک پھیلا دیا۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جہاں جہاں پانی اور سبزہ تھا، وہاں فوراً قبضہ کر لیا۔ ان جگہوں کے دفاع کے لیے اُس نے بڑے سائز کی کمانوں والے تیر انداز بھیج دیئے۔ ان کے تیر بہت دور تک جاتے تھے۔ وہاں منجنیقیں بھی رکھیں، جو آگ کی ہانڈیاں پھینکتی تھی۔ یہ اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ دشمن قریب نہ آسکے۔ بلندیوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ سلطان ایوبی نے تمام دستوں کو حکم دیا کہ دشمن سامنے سے حملہ کرے تو وہ اور زیادہ پھیل جائیں تاکہ دشمن بھی پھیلنے پر مجبور ہو جائے۔ اُس نے اپنی فوج کو ایسی ترتیب میں کر دیا کہ دشمن یہ فیصلہ ہی نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان فوج کے پہلو کدھر اور عقب کس طرف ہے۔

سلطان ایوبی نے فوج کا ایک بڑا حصہ ریزرو میں رکھ لیا تھا۔ ایک حصے کو اس طرح متحرک رکھا کہ جہاں کمک کی ضرورت پڑے، فوراً کمک دے سکے۔ اُس کا سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار اُس کے چھاپہ مار دستے تھے اور اس سے زیادہ خطرناک اُس کا جاسوسی کا نظام تھا جو اُسے صلیبیوں کی نقل و حرکت کی خبریں دے رہا تھا۔ شوبک کا قلعہ سلطان ایوبی سر کر چکا تھا۔ صلیبیوں کے منصوبے میں یہ بھی تھا کہ ان کے لیے حالات سازگار ہوئے تو وہ شوبک کو محاصرے میں لے کر فتح کر لیں گے۔ انہیں توقع تھی کہ اُن کا اتنا زیادہ لشکر سلطان ایوبی کی قلیل تعداد فوج کو صحرا میں ختم کر دے گا، یا اتنا کمزور کر دے گا کہ وہ شوبک کو باہر سے مدد نہیں دے سکے گی۔ اُن کے اس منصوبے کے پیشِ نظر سلطان ایوبی نے شوبک کی وہ طرف جس طرف سے صلیبی اس قلعے پر حملہ کر سکتے تھے، خالی چھوڑ دی۔ اُس نے صلیبیوں کے لیے موقع پیدا کر دیا کہ وہ راستہ صاف دیکھ کر شوبک پر حملہ کریں۔ اُس طرف سے اس نے دیکھ بھال والی چوکیاں بھی ہٹا دیں اور دُور دُور تک علاقہ خالی کر دیا۔

صلیبیوں کے جاسوسوں نے کرک میں فوراً اطلاع پہنچائی کہ سلطان ایوبی نے صلیبیوں کے ساتھ صحرا میں لڑنے کے لیے فوج شوبک سے دور اکٹھی کر لی ہے اور شوبک کا راستہ صاف ہو گیا ہے۔ صلیبیوں نے فوراً اپنی اس فوج کو جو سلطان ایوبی کے سامنے سے حملہ کرنے کے لیے باہر نکالی تھی، حکم دے دیا کہ رُخ بدل کر شوبک کی طرف چلی جائے۔ چنانچہ یہ فوج اُدھر کو ہولی۔ اس کے پیچھے رسد کے ذخیرے جا رہے تھے۔ فوج جب شوبک سے چار میل دُور رہ گئی تو اُسے روک لیا گیا۔ یہ اس فوج کا عارضی پڑاؤ تھا۔ رسد کی گھوڑا گاڑیاں، اونٹ اور خچر ہزاروں کی تعداد میں چلے آ رہے تھے۔ انہیں کوئی خطرہ نہ تھا، کیونکہ مسلمانوں کی فوج کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ صلیبی حکمران بہت خوش تھے۔ انہیں شوبک کا قلعہ اپنے قدموں

میں پڑا نظر آرہا تھا، مگر رات کو انہیں اپنے پیچھے پانچ چھ میل دُور آسمان لال سرخ نظر آیا۔ شعلے اتنے بلند تھے کہ اتنی دُور سے بھی نظر آئے تھے۔ صلیبیوں نے سوار دوڑا دیئے۔ جہاں سے شعلے اُٹھ رہے تھے، وہاں اُن کی رسد تھی۔ سوار وہاں پہنچے تو انہیں صحرا میں بے لگام گھوڑے اور بے مہار اونٹ ہر طرف دوڑتے بھاگتے نظر آئے۔

یہ تباہی سلطان ایوبی کے ایک چھاپہ مار دستے کی بپا کی ہوئی تھی۔ رسد میں گھوڑوں کے لیے خشک گھاس سے لدی ہوئی سینکڑوں گھوڑا گاڑیاں تھیں۔ انہیں رسد کے کیمپ کے اِرد گرد کھڑا کیا گیا تھا۔ صلیبی خوش فہمیوں میں بتلا تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کی ہر ایک حرکت پر سلطان ایوبی کی نظر ہے۔ رات کو جب رسد کا کیمپ سو گیا تو مسلمان چھاپہ ماروں نے اونٹوں پر جا کر خشک گھاس میں آتشیں فلیتوں والے تیرے چلائے۔ گھاس فوراً جل اُٹھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کیمپ شعلوں کے گھیرے میں آ گیا۔ ان کے نرغے میں آئے ہوئے انسان جانیں بچانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑے تو اِن میں سے بہت سے تیروں کا شکار ہوگئے، جو جانور رسیاں توڑ سکے وہ تو بھاگ گئے اور جو کھل نہ سکے، وہ زندہ جل گئے۔ دُور دُور تک پھیلا ہوا کیمپ جہنم بن گیا۔ چھاپہ ماروں نے کئی ایک اونٹ اور گھوڑے پکڑ لیے اور واپس چلے گئے۔

صبح طلوع ہوئی۔ صلیبی کمانڈوں نے جا کر رسد کا کیمپ دیکھا۔ وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔ اُن کی ایک ماہ کی رسد تباہ ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ شوبک کا راستہ جو صاف تھا، یہ سلطان ایوبی کی ایک چال تھی۔ انہوں نے بغیر دیکھے کہہ دیا کہ کرک سے شوبک تک اُن کی رسد اور کمک کا راستہ محفوظ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے شوبک کا محاصرہ ملتوی کر دیا۔ رسد کے بغیر محاصرہ ناممکن تھا اور جب انہیں اطلاع ملی کہ گزشتہ رات اس فوج کی بھی رسد تباہ ہوگئی ہے، جو سلطان ایوبی کی فوج پر سامنے سے حملہ کرنے کے لیے جمع تھی تو انہوں نے اپنے تمام تر جنگی منصوبے پر نظر ثانی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں کہیں بھی سلطان ایوبی کی فوج نظر نہیں آ رہی تھی۔ انہیں جاسوس یہ بھی نہیں بتا سکے تھے کہ مسلمانوں کی فوج کا اجتماع کہاں ہے۔ دراصل یہ اجتماع کہیں بھی نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ صلیبیوں نے دونوں محاذوں پر پیش قدمی روک دی ہے تو اُس نے اپنے کمانڈروں کو بلا کر کہا...... ''صلیبیوں نے جنگ ملتوی کر دی ہے، لیکن ہماری جنگ جاری ہے۔ وہ دونوں فوجوں کے آمنے سامنے کے تصادم کو جنگ کہتے ہیں۔ میں چھاپوں اور شب خونوں کو جنگ کہتا ہوں۔ اب چھاپہ ماروں کو سرگرم رکھو۔ صلیبی دونوں طرف سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ انہیں اطمینان سے پیچھے نہ ہٹنے دو۔ انتہائی عقب یا پہلو پر شب خون مارو اور غائب ہو جاؤ۔ صلیبی آپ کو اپنے سامنے لا کر لڑنا چاہتے ہیں، لیکن میں آپ کو اُس میدان میں اُن کے سامنے لے جاؤں گا جو آپ کی مرضی کا ہوگا اور جہاں کی ریت بھی آپ کی مدد کرے گی''۔

سلطان ایوبی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنے عملے اور محافظ دستے کے ساتھ خانہ بدوش تھا۔ کسی ایک جگہ نہ ٹھہرنے کے باوجود معلوم ہوتا تھا، جیسے ہر جگہ موجود ہے۔

☆

مصر میں سلطان ایوبی کا بھائی تقی الدین صلیبیوں کے دوسرے محاذ پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ یہ مصر کا جنوب مغربی علاقہ تھا، جہاں کے ڈراؤنے ٹیلوں کے اندر فرعونوں کے ہولناک کھنڈرات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے واپس آنے والے تھے۔ تمام تر علاقہ ایک نئے عقیدے کا پیرو کار ہو گیا تھا...... جمعرات کی شام تھی۔ زائرین کا ہجوم کھنڈر کے غار نما دروازے میں داخل ہو رہا تھا۔ اندر بڑے کمرے میں پُراسرار آواز گونج رہی تھی۔ لوگوں کو دیوار پر گناہ گار اور نیکوکار

جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہاں وہی سماں تھا جو ہر جمعرات کے روز ہوا کرتا تھا۔ اچانک اُس پُراسرار مقدس انسان کی آواز خاموش ہو گئی، جس کے متعلق مشہور تھا کہ گناہ گاروں کو نظر نہیں آتا۔ اس کی بجائے ایک اور آواز سنائی دی۔ ''گمراہ انسانو! آج کی رات گھروں کو نہ جانا۔ کل صبح تم پر وہ راز فاش ہو جائے گا، جس کے لیے تم بے تاب ہو۔ یہاں سے فوراً باہر نکل جاؤ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لا رہے ہیں۔ اس کھنڈر سے دُور جا کر سو جاؤ'' ...... بڑے کمرے میں حیرت زدہ لوگوں کو دیوار پر جو چمکتے ہوئے ستارے نظر آتے تھے، وہ ماند پڑ گئے۔ اُس وقت ان ستاروں میں سے حسین لڑکیاں اور خوبرو مرد ہنستے کھیلتے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ فوجی قسم کے کچھ آدمی انہیں پکڑ پکڑ کر لے جا رہے ہیں۔ کہیں سے چیخیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ بادل جو گرجتے تھے، وہ بھی خاموش ہو گئے۔ لوگوں کے لیے یہ جگہ بڑی ہی مقدس تھی۔ وہ خوف زدہ ہو کے باہر کو بھاگے اور کھنڈر خالی ہو گیا۔

یہ انقلاب تقی الدین اور علی بن سفیان لائے تھے۔ اُن کے ساتھ فوج کی وہی نفری تھی، جو تقی الدین نے اپنے حکم میں بتائی تھی۔ یہ دستے شام کے بعد ٹیلوں والے علاقے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ان کی راہنمائی شار جا کر رہی تھی، جو گھوڑے پر سوار تھی۔ وہ انہیں جمعرات کی شام وہاں لے گئی تھی، کیونکہ اُس روز وہاں میلہ لگتا تھا اور دُور دور سے لوگ آتے تھے۔ فوج کے بڑے حصے کو جس میں پانچ سو گھوڑ سوار، دو سو شتر سوار اور پانچ سو پیادہ تھے۔ اس علاقے سے ذرا دُور رکھا گیا تھا۔ انہیں نہتے لوگوں کے خلاف استعمال نہیں کرنا تھا۔ اُن کے ذمہ یہ فرض تھا کہ سوڈان کی سرحد پر نظر رکھیں، چونکہ کھنڈروں کے اندر کی تخریب کاری صلیبیوں اور سوڈانیوں کی پشت پناہی پر ہو رہی تھی۔ اس لیے یہ خطرہ تھا کہ وہاں فوجی کارروائی کی گئی تو سوڈانی حملہ کر دیں گے۔ تقی الدین نے اس علاقے کے قریب کے سرحدی دستوں کو جو سرحدوں کی حفاظت کے لیے وہیں رہتے تھے، قریب بلا کر اپنے تحت کر لیا تھا۔

دو سو گھوڑ سوار جو تقی الدین کے ساتھ دمشق سے آئے تھے، وہ وہاں کے چُنے ہوئے اور دیوانگی کی حد تک دلیر سوار تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے تیر اندازی اُن کا خصوصی کمال تھا۔ پیادہ سپاہیوں میں سلطان ایوبی کے اپنے ہاتھوں تیار کیے ہوئے چھاپہ مار بھی تھے۔ انہیں ایسی ٹریننگ دی گئی تھی کہ انتہائی دشوار ٹیلوں اور درختوں پر حیران کن رفتار سے چڑھتے اور اُترتے تھے۔ چند گز پھیلی ہوئی آگ سے گزر جانا اُن کا معمول تھا۔ اِن چھاپہ مار جانبازوں کو اُس وقت کھنڈر کی طرف روانہ کیا گیا، جب لوگ اندر جا رہے تھے، وہاں تک انہیں شار جا لے گئی تھی۔ علی بن سفیان اُن کے ساتھ تھا۔ تیز رفتار قاصد بھی ساتھ تھے، تاکہ پیغام رسانی میں تاخیر نہ ہو۔ کھنڈر کے دروازے کے باہر دو آدمی کھڑے اندر جانے والوں کو تین تین کھجوریں کھلا رہے تھے۔ دروازے کے اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے سے لوگ گزر کر اندر روشن کمرے میں جاتے تھے۔ باہر صرف ایک مشعل جل رہی تھی، جس کی روشنی معمولی سی تھی۔

چھ آدمی جن کے سر چادروں میں ڈھکے ہوئے تھے، زائرین کے ساتھ دروازے تک گئے اور ہجوم سے ہٹ کر کھجوریں کھلانے والوں کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ انہیں کہا گیا کہ وہ سامنے سے گزریں، لیکن وہ سن ہو کے رہ گئے، کیونکہ ان کی پیٹھوں میں خنجروں کی نوکیں رکھ دی گئی تھیں۔ یہ چھ آدمی چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے ایک ایک آدمی کے پیچھے ہو کر خنجر ان کی پیٹھوں سے لگا کر آہستہ سے کان میں کہا تھا ...... ''زندہ رہنا چاہیے ہو تو یہاں سے باہر چلے جاؤ۔ تم سب فوج کے گھیرے میں ہو'' ...... کھجوریں کھلانے اور پانی پلانے والے آدمی ذرا سی بھی مزاحمت کے بغیر باہر نکل گئے۔ چھاپہ ماروں نے خنجر اس طرح چغوں میں چھپا لیے کہ لوگوں میں سے کوئی دیکھ نہ سکا۔ یہ چار آدمی جونہی باہر کو آئے، وہاں دس بارہ چھاپہ

مار دیہاتیوں کے لباس میں کھڑے تھے۔انہوں نے چاروں کو گھیر لیا اور دھکیلتے ہوئے دُور لے گئے۔وہاں انہیں رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ چھ چھاپہ مار جو کھجوروں اور پانی کے مشکیزوں کے پاس رہ گئے تھے، انہوں نے اندر جانے والے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ کھجوروں اور پانی کے بغیر اندر جاؤ، کیونکہ اندر سے نیا حکم آیا ہے۔سیدھے سادے دیہاتی اندر جاتے رہے۔

اُن کے ساتھ اب چھاپہ مار بھی اندر جا رہے تھے اور مشعلیں بھی اندر جا رہی تھیں۔لوگ حیران تھے کہ مشعلیں کیوں لے جائی جا رہی ہیں۔کم وبیش پچاس مشعلیں اور دو سو چھاپہ مار اندر چلے گئے۔وہ روشن کمرے میں نہ گئے، بلکہ ان تاریک راستوں اور غلام گردشوں میں چلے گئے، جن میں باہر کے لوگ نہیں جا سکتے تھے۔ان میں سے بعض کے پاس خنجر اور خنجر نما تلواریں تھی اور بعض کے پاس چھوٹی کمانیں۔اُس دروازے سے بھی جس سے لوگ باہر نکلتے تھے، چھاپہ مار داخل ہوگئے۔وہ ہدایت کے مطابق تاریک بھول بھلیوں میں جا رہے تھے۔تقی الدین کے دو سو گھوڑ سوار آگے گئے اور انہوں نے پورے کھنڈر کو گھیرے میں لے لیا۔ان کے ساتھ پیادہ دستہ بھی تھا، جس کے سپاہیوں نے اندر سے نکلنے والوں کو روک کر ایک طرف اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ چھاپہ مار مشعل برداروں کے ساتھ اندر گئے تو انہیں ایسے محسوس ہونے لگا جیسے کسی کے پیٹ میں چلے گئے ہوں۔اندر کے راستے اور کمرے انتڑیوں کی مانند تھے...... یہ راستے انہیں ایک ایسے طلسم میں لے گئے، جسے دیکھ کر چھاپہ مار بدک کر رُک گئے۔یہ ایک بہت کشادہ کمرہ تھا، جس کی چھت اونچی تھی۔اندر بہت سے مرد اور عورتیں تھیں۔ان میں کچھ ایسے تھے، جن کے چہرے بھیڑیوں کی طرح تھے، بعض تھے تو انسان لیکن وہ اس قدر بدصورت اور بھیانک چہروں والے تھے کہ دیکھ کر ڈر آتا تھا، وہ جن اور بھوت لگتے تھے اور ان کے درمیان خوب صورت اور جوان لڑکیاں بھڑکیلے اور چمکیلے کپڑے پہنے ہنس کھیل رہی تھیں۔ایک طرف دیوار کے ساتھ چند ایک خوب صورت لڑکیاں خوبرو مردوں کے ساتھ مٹک مٹک کر چل رہی تھی۔اُدھر چھت سے فرش تک پردے لٹکے ہوئے تھے، جو دائیں بائیں ہٹتے، کھلتے اور بند ہوتے تھے۔دوسری طرف آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی چمکتی اور بجھتی تھی۔

اگر چھاپہ ماروں کو یہ یقین نہ دلایا گیا ہوتا کہ کھنڈر کے اندر جو کوئی بھی ہے اور جس حُلیئے میں بھی ہے، وہ انسان ہوگا اور اندر کوئی بدروح، روح یا بھوت پریت نہیں، تو چھاپہ مار وہاں سے بھاگ جاتے۔وہاں خوب صورت لڑکیاں اور خوبرو مرد تھے، وہ بھی ڈراؤنے لگتے تھے......اس عجیب وغریب مخلوق نے جب مشعل بردار چھاپہ ماروں کو دیکھا تو انہیں ڈرانے کے لیے ڈراؤنی آوازیں نکالنے لگے، جو آدمی بدصورت، چڑیلوں اور بھیڑوں کے چہروں والے تھے، اُن کی آوازیں زیادہ خوف ناک تھیں۔اس دوران ایک دو آدمیوں نے شاید ڈر کر اپنے چہرے بے نقاب کر دیئے۔یہ بھیڑیوں کے چہرے تھے جو انہوں نے اُتارے تو اندر سے انسانوں کے چہرے نکلے۔چھاپہ ماروں نے سب کو گھیر کر پکڑ لیا اور سب کے نقاب اُتار دیئے، وہاں شراب بھی پڑی تھی۔ان سب کو باہر لے گئے۔کھنڈر کے دوسرے حصوں کی تلاشی میں ایک آدمی پکڑا گیا جو ایک تنگ سی سُرنگ کے منہ میں منہ ڈالے بھاری آواز میں کہہ رہا تھا...... ''گناہوں سے توبہ کرو۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں......'' اور ایسے کئی الفاظ تھے جو وہ بول رہا تھا۔یہ سُرنگ گھوم پھر کر اُس روشن کمرے میں جاتی تھی، جہاں زائرین کو یہ پُراسرار، ڈراؤنی اور خوب صورت مخلوق دکھا کر حیرت زدہ کیا جاتا تھا۔اس آدمی کو وہاں سے ہٹا کر چھاپہ ماروں کے ایک کمان دار نے سرنگ میں منہ ڈال کر کہا کہ اے گمراہ لوگو، آج رات گھروں کو نہ جانا، کل صبح تم پر وہ راز فاش ہو جائے گا، جس کے لیے تم بے تاب ہو۔

کھنڈرات کے اندر کسی نے بھی مزاحمت نہ کی۔خنجروں اور تلواروں کے آگے سب اپنے آپ کو گرفتاری کے

لیے پیش کرتے چلے گئے۔ چھاپہ مار اُن آدمیوں کی نشاندہی پر جنہیں گرفتار کرلیا گیا تھا، اُن جگہوں تک پہنچے جہاں بجلی کی طرح چمکنے والی روشنیوں کا انتظام تھا۔ ڈھکی چھپی جگہوں میں مشعلیں جل رہی تھی۔ اُن کے پیچھے لکڑی کے تختے تھے، جن پر ابرق چپکایا ہوا تھا۔ ان تختوں کے زاویے بدلتے تھے تو ابرق کی چمک لوگوں کی آنکھوں میں پڑتی اور چندھیا دیتی تھی۔ کمرہ تاریک کرنے کے لیے مشعلوں کو پیچھے کرلیا جاتا تھا۔ بادل گرجنے کی آوازیں دھات کی چادروں کو جھٹکے دے کر پیدا کی جاتی تھیں۔ پردوں پر جگہ جگہ ابرق کے ٹکڑے چپکا دیئے گئے تھے، جن پر روشنی پڑتی تو ستاروں کی طرح چمکتے تھے۔ اس طرف پردوں کا رنگ ایسا تھا کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ کپڑا ہے۔ وہ اُسے پھٹی ہوئی دیوار سمجھتے تھے۔ عقل اور ہوش والے انسان کے لیے یہ کوئی معمہ نہیں تھا۔ بے شک یہ روشنیوں کے خاص انتظام کا جادو تھا، جو لوگوں کو مسحور کرلیتا تھا، لیکن اندر جو جاتا تھا، اُس کی عقل اور ہوش پر اُس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔ انہیں اندر جاتے وقت دروازے پر جو تین کھجوریں کھلائی جاتی اور پانی پلایا جاتا تھا۔ ان میں نشہ آور آمیزش ہوتی تھی۔ اس کا اثر فوراً ہو جاتا تھا۔ اس اثر کے تحت زائرین کے ذہنوں پر جو بھی تصور بٹھایا جاتا اور کانوں میں جو بھی آوازیں ڈالی جاتی، وہ اسے سوفیصد صحیح اور برحق سمجھ لیتے تھے۔ اسی نشے کا اثر تھا کہ لوگ باہر جا کر دوبارہ اندر آنے کی خواہش کرتے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ اُس عقیدے کا تاثر نہیں، بلکہ اس نشے کا اثر ہے جو انہیں کھجوروں اور پانی میں دیا جاتا ہے۔

کھجوروں کے انبار اور پانی کے مشکیزوں پر بھی قبضہ کرلیا گیا تھا۔ اندر پکڑ دھکڑ اور تلاشی کا سلسلہ جاری تھا۔ باہر دوسو سپاہیوں نے کھنڈروں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہر طرف مشعلوں کی روشنی تھی۔ فوج کا بڑا حصہ اور دو سرحدی دستے سوڈان کی سرحد کے ساتھ ساتھ گھوم پھر رہے تھے...... رات گزر گئی۔ سوڈان کی طرف سے کوئی حملہ نہ ہوا۔ کھنڈرات میں بھی کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ صبح کے اُجالے نے اس علاقے کو روشن کیا تو وہاں ہراساں دیہاتیوں کا ہجوم تھا۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر سو گئے تھے۔ گھوڑسواروں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔

☆

کچھ دیر بعد تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے بٹھا دیا گیا۔ ان کی تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان تھی۔ ایک طرف سے ایک جلوس آیا جسے فوجی ہانک کر لا رہے تھے۔ اس جلوس میں بھیڑیوں اور چڑیلوں کے چہروں والے انسان تھے۔ اس میں مکروہ اور بڑی بھیانک شکلوں والے انسان بھی تھے اور اس جلوس میں وہ تمام مخلوق تھی جو لوگوں کو کھنڈر کے اندر دکھائی جاتی تھی اور بتایا جاتا تھا کہ یہ آسمان ہے جہاں یہ لوگ مرنے کے بعد گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اُن کا سب سے بڑا گناہ یہ بتایا جاتا تھا کہ یہ جنگ و جدل کے عادی تھے، یعنی یہ فوجی تھے۔ اس جلوس سے الگ دس بارہ لڑکیوں کو بھی لوگوں کے سامنے لایا گیا۔ یہ بہت ہی خوب صورت لڑکیاں تھیں۔ ان کے ساتھ خوبرو مرد تھے۔ ان دونوں جلوسوں کو لوگوں کے ہجوم کے سامنے ایک اونچی جگہ پر کھڑا کر دیا گیا اور انہیں کہا گیا کہ لوگوں کو اپنے چہرے دکھاؤ۔ سب نے بھیڑیوں اور چڑیلوں کے مصنوعی چہرے اُتار دیئے۔ اُن کے اندر سے اچھے بھلے انسانی چہرے نکل آئے۔ جو آدمی مکروہ اور بھیانک چہروں والے تھے، وہ بھی مصنوعی چہرے تھے۔ یہ چہرے بھی اُتار دیئے گئے۔

لوگوں سے کہا گیا کہ وہ ان آدمیوں اور ان لڑکیوں کے قریب سے گزرتے جائیں اور انہیں پہچانیں۔ لوگ تو اسی پر حیران ہو گئے کہ یہ آسمان کی مخلوق نہیں، اسی زمین کے انسان ہیں۔ لڑکیاں بھی پہچان لی گئیں۔ ان میں زیادہ تر اسی علاقے کی رہنے والی تھیں اور تین چار یہودی تھیں، جنہیں صلیبی اسی مقصد کے لیے لائے تھے۔ لوگ انہیں دیکھ چکے تو ان

مجرموں کو سامنے لایا گیا جنہوں نے یہ طلسماتی اہتمام کر رکھا تھا۔ ان میں چھ صلیبی تھے جو مصر کے اس علاقے کی زبان بولتے اور سمجھتے تھے۔ انہوں نے بہت سے آدمی اس علاقے سے اپنے ساتھ ملا لیے تھے۔ رات گرفتاری کے بعد اُن سے اعتراف کرالیا گیا تھا کہ انہوں نے تین چار مسجدوں میں اپنے امام رکھ دیئے تھے جو لوگوں کو مذہب کے پردے میں غیر اسلامی نظریات کے معتقد بنا رہے تھے۔ اس گروہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو قائل کیا جائے کہ فوج میں بھرتی نہ ہوں، کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ گروہ اس مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ان تخریب کاروں نے یہ کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کہ اس علاقے کے لوگوں میں سوڈانیوں کی محبت پیدا کر دی تھی اور اُن کا مذہب تبدیل کیے بغیر انہیں بے مذہب کر دیا تھا۔

لوگوں سے کہا گیا کہ اب وہ کھنڈروں کے اندر جا کر گھومیں پھریں اور اس فریب کاری کا ثبوت اپنی آنکھوں دیکھیں۔ لوگ اندر چلے گئے، جہاں جگہ جگہ فوجی کھڑے تھے اور لوگوں کو دکھا رہے تھے کہ انہیں کیسے کیسے طریقوں سے دھوکہ دیا جاتا رہا ہے۔ بہت دیر بعد جب تمام لوگ اندر سے گھوم پھر آئے تو تقی الدین نے اُن سے خطاب کیا اور انہیں بتایا کہ کھجوروں اور پانی میں انہیں نشہ دیا جاتا ہے۔ اندر جو جنت اور جہنم تھا، وہ اس نشے کے زیر اثر نظر آتا تھا۔ میں ان مجرموں سے کہتا ہوں کہ اندر چل کر مجھے آسمان کی مخلوق چلتی پھرتی دکھائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہاں اور مرا ہوا خلیفہ العاضد کہاں ہے۔ یہ سب فریب تھا۔ یہ وہ نشہ ہے جو حشیشین کا پیر استاد حسن بن صباح لوگوں کو پلا کر انہیں جنت دکھایا کرتا تھا۔ وہ تو ایک وقت میں چند ایک آدمیوں کو نشہ پلاتا تھا، مگر یہاں اسلام کے اِن دشمنوں نے اتنے وسیع علاقے کی پوری آبادی پر نشہ طاری کر دیا ہے۔

تقی الدین نے لوگوں کو اصلیت دکھا کر انہیں بتایا کہ ابتداء میں ایک درویش کی کہانی سنائی گئی تھی جو مسافروں کو اونٹ اور اشرفیاں دیا کرتا ہے۔ یہ محض بے بنیاد کہانیاں تھیں اور بے سروپا جھوٹ۔ کہانیاں سنانے والوں کو تمہارے دین و ایمان کے دشمن بے دریغ مال و دولت دیتے تھے..... تقی الدین نے اس فریب کاری کے تمام پہلو بے نقاب کیے اور جب اُس نے مجرموں کی اصلیت کو بے نقاب کیا تو لوگ جوش میں آ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجرموں پر ہلہ بول دیا۔ اُس وقت لوگوں کا وہ نشہ اُتر چکا تھا جو رات کو انہیں کھجوروں اور پانی میں دیا گیا تھا۔ فوج نے ہجوم پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے تمام مجرموں اور لڑکیوں کو جان سے مار کر چھوڑا۔

تقی الدین نے فوج کو اسی علاقے میں پھیلا دیا اور فوج کی نگرانی میں وہاں ایک تو تخریب کاروں کے ایجنٹوں کو گرفتار کیا اور دوسرے یہ کہ مسجدوں میں قاہرہ کے عالم متعین کر دیئے جنہوں نے لوگوں کو مذہبی اور عسکری تعلیم و تربیت شروع کر دی۔ فرعونوں کے کھنڈروں کو لوگوں کے ہاتھوں مسمار کرا دیا گیا۔

تقی الدین نے قاہرہ جا کر پہلا کام یہ کیا کہ جرّاح اور شارجا کی خواہش کے مطابق انہیں شادی کی اجازت دے دی اور دوسرا کام یہ کیا کہ اُس نے فوج کی مرکزی کمان کو حکم دیا کہ سوڈان پر حملے کی تیاری کی جائے۔ اُس نے کھنڈروں کی مہم میں دیکھ لیا تھا کہ پڑوسی سوڈانیوں نے مصر کے اتنے وسیع علاقے کو اپنے اثر میں لے لیا تھا اور یہ اثر شدید جوابی کارروائی کے بغیر ختم نہیں ہوگا۔ اُس پر انکشاف بھی ہوا تھا کہ سوڈانی صلیبیوں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور وہ باقاعدہ حملے کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔ لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ سوڈان پر حملہ کیا جائے۔ اس سے اگر سوڈان کا کچھ علاقہ قبضے میں آئے یا نہ آئے، اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ دشمن کی تیاریاں درہم برہم ہو جائیں گی اور ان کا منصوبہ لمبے عرصے کے لیے تباہ ہو جائے گا۔ تقی الدین کو سلطان ایوبی کی پشت پناہی حاصل تھی۔

......۞......

رینی الیگزینڈر کا آخری معرکہ

مصر کے قائم مقام امیر تقی الدین نے صلیبیوں کی نظریاتی یلغار کو بروقت فوجی کارروائی سے روک دیا اور اُس خفیہ اور پُراسرار اڈے کو ہی مسمار کر دیا، جہاں سے یہ فتنہ اُٹھا تھا مگر وہ مطمئن نہیں تھا، کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ اسلام کش زہر قوم کی رگوں میں اُتر گیا ہے۔ اس صلیبی تخریب کاری کو سوڈان سے پشت پناہی مل رہی تھی اور سوڈانیوں کو صلیبیوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ تقی الدین نے اس اڈے کو بھی تباہ کرنے کے لیے سوڈان پر حملے کی تیاریاں تیز کر دیں۔ سلطان ایوبی نے وہاں بھی جاسوس بھیج رکھے تھے، جن کی جانبازانہ کوششوں سے وہاں کے بڑے نازک راز مل رہے تھے، مگر ان رازوں سے جو فائدہ سلطان ایوبی اُٹھا سکتا تھا، وہ اس کے بھائی تقی الدین کے بس کی بات نہیں تھی۔ دونوں بھائیوں کا جذبہ تو ایک جیسا تھا، لیکن دونوں کی ذہانت میں بہت فرق تھا۔ دونوں بھائی جس کارروائی کا فیصلہ کرتے تھے، وہ شدید ہوتی تھی۔ فرق یہ تھا کہ سلطان ایوبی محتاط رہتا تھا اور تقی الدین بے صبر ہو کر احتیاط کا دامن چھوڑ دیتا تھا۔ اُسے جب فوجی مشیروں نے کہا کہ سوڈان پر حملے کا فیصلہ دانش مندانہ ہے، لیکن محترم ایوبی سے مشورہ لے لینا ضروری ہے تو تقی الدین نے اپنے مشیروں کے اس مشورے کو مسترد کرتے ہوئے کہا..... ''کیا آپ لوگ امیر محترم کو یہ تاثر دینا چاہتے کہ آپ اُن کے بغیر کچھ سوچ نہیں سکتے اور کچھ کر نہیں سکتے؟ کیا آپ بھول گئے ہیں کہ مصر سے اتنی دُور محترم ایوبی کس طوفان میں گھرے ہوئے ہیں؟ اگر ہم نے ان سے مشورے اور فیصلے کا انتظار کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سوڈانی حملے میں پہل کر کے ہم پر سوار ہو جائیں گے''۔

''آپ ابھی حملے کا حکم دیں''۔ ایک نائب سالار نے کہا..... ''فوج اسی حالت میں، رسد کے بغیر کوچ کر جائے گی، لیکن اتنی بڑی اور اتنی اہم مہم کے لیے گہری سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ ہم کوچ کی تیاری کے تمام تر انتظامات بہت تھوڑے وقت میں کر لیں گے۔ آپ محترم ایوبی کو اطلاع ضرور دے دیں تا کہ وہ اور محترم نورالدین زنگی ادھر بھی دھیان رکھیں''۔

تقی الدین نہیں مانا۔ اُس نے کہا..... ''آپ مصر میں ایک ایک غدار اور ایک تخریب کار کو پکڑتے اور اُسے ختم کرتے ہیں۔ میں اُس منبعے کو بند کرنا چاہتا ہوں، جہاں سے تخریب کاری اور غداری پیدا ہو رہی ہے۔ اس کام کے لیے مجھے کسی کے حکم اور مشورے کی ضرورت نہیں''۔

تقی الدین چند ایسے عناصر اور کوائف کو نظر انداز کر رہا تھا جو اُس کے حملے کو ناکام کر سکتے تھے۔ ایک یہ کہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے جاسوس مصر میں موجود تھے جو یہاں کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ تقی الدین کی کمزوری یہ بھی تھی کہ اس کے دشمن کے جاسوس مسلمان بھی تھے جو انتظامیہ اور فوج میں اونچے عہدوں پر فائز تھے۔ اس کے مقابلے میں تقی الدین کے جاسوس سوڈانیوں کے پالیسی سازوں اور حکام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ سلطان ایوبی نے ۱۱۶۹ میں مصر کی جس سوڈانی فوج کو بغاوت کے جرم میں توڑ دیا تھا۔ اس کے کئی ایک کمان دار اور عہدے دار سوڈان میں تھے۔ وہ سلطان ایوبی کی جنگی چالوں سے واقف تھے۔ انہوں نے انہی چالوں کے مطابق اپنی فوج کی تربیت کی تھی۔ صلیبیوں نے انہیں نہایت اچھا

اسلحہ اور ضرورت سے زیادہ جنگی سامان دے رکھا تھا۔ یہ گھر کے بھیدی تھے۔ تقی الدین نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ سوڈان کے جس علاقے میں پیش قدمی کرنے جارہا ہے۔ وہ ایک وسیع صحرا ہے جہاں پانی خطرناک حد تک کم ہے اور وہ مقام جہاں حملہ کرنا ہے، اتنا دور ہے جہاں تک رسد کو خطرے میں ڈالے بغیر رواں رکھنا ممکن نہیں ہوگا۔ مصر کے اندرونی حالات کو قابو میں رکھنے اور تخریب کاری کے انسداد کے لیے بھی فوج درکار تھی، مگر تقی الدین اس قدر بھڑکا ہوا تھا کہ اُس نے مکمل طور پر نیک نیتی اور اسلامی جذبے کی شدت کے زیر اثر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں اور سلطان ایوبی کو اطلاع نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اُس کی اس خود مختاری میں وہی جذبہ تھا جو سلطان ایوبی میں تھا۔ اسے احساس تھا کہ سلطان ایوبی کا مقابلہ تند اور تیز طوفان سے ہے اور صلیبی فیصلہ کن جنگ لڑنے کا اہتمام کیے ہوئے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا، دُرست تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کرک سے آٹھ نو میل دور ایک چٹانی علاقے میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیے ہوئے تھے۔ یہ اس کا عارضی قیام تھا۔ وہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو خانہ بدوش رکھا کرتا تھا، جس مقام پر اسے حملہ کرانا یا شب خون مروانا ہوتا، وہ اس کے قریب رہتا اور حملہ کرنے والے دستے کے کمانڈر کو بتا دیا کرتا تھا کہ وہ اُن کی واپسی کے وقت کہاں ہوگا۔ اُس کے چھاپہ مار (کمانڈو جانباز) صلیبی فوج کی تمام تر کمک تباہ کر چکے تھے۔ چھاپہ ماروں کے چھوٹے چھوٹے گروہ اُس صلیبی فوج کے لیے ناگہانی مصیبت بنے ہوئے تھے، جو صحرا میں پھیلی ہوئی تھی۔ صلیبیوں کا نقصان تو بہت ہو رہا تھا، لیکن چھاپہ ماروں کی شہادت غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ دس جانباز جاتے تو تین چار واپس آتے تھے۔ یہ رپورٹیں بھی ملنے لگی تھیں کہ صلیبیوں نے ایسے انتظامات کر لیے ہیں جو شب خون اور چھاپے کو کامیاب نہیں ہونے دیتے۔ لہٰذا اب چھاپہ ماروں کو جان کی بازی لگانی پڑتی تھی۔ سلطان ایوبی اب اپنی چالیں اور فوجوں کا پھیلاؤ بدلنے کی سوچ رہا تھا۔

''معلوم ہوتا ہے صلیبی مجھے آمنے سامنے آنے پر مجبور کر رہے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے اپنے فوجی نائبین سے کہا..... ''میں انہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گا اور میں اب اپنے اتنے زیادہ جوان مروانے سے بھی گریز کروں گا''۔

''میں چھاپہ مار دستوں کی نفری میں اضافہ کرنے کا مشورہ دُوں گا''۔ ایک نائب نے کہا۔ ''اور میں یہ بھی مشورہ دوں گا کہ ہمیں دشمن کی قوت کو صرف اس لیے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ہماری فوج میں جذبہ زیادہ ہے۔ جذبہ سپاہی کو بے جگری سے لڑا کر مروا سکتا ہے، فتح کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری نفری بہت کم ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ صلیبی فوج کا بیشتر حصہ زرہ پوش ہے''۔

سلطان ایوبی مُسکرایا اور بولا..... ''لوہا جو انہوں نے پہن رکھا ہے، وہ انہیں نہیں ہمیں فائدہ دے گا۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ صلیبی کوچ کرتے ہیں تو رات کو کرتے ہیں یا صبح کے وقت؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دھوپ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں، سورج اُوپر اُٹھتا ہے تو اس کی تمازت زرہ بکتر کو انگاروں کی طرح گرم کر دیتی ہے۔ زرہ پوش سپاہی اور سوار لوہے کے خود اور آہنی سینہ پوش اُتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوہے کا وزن اُن کی حرکت کی تیزی ختم کر دیتا ہے۔ میں انہیں دوپہر کے وقت لڑاؤں گا جب اُن کے سروں پر رکھا ہوا لوہا اُن کا پسینہ نکال کر اُن کی آنکھوں میں ڈالے لگا اور وہ اندھے ہو جائیں گے۔ آپ نفری کی کمی کو متحرک طریقۂ جنگ سے اور جذبے سے پورا کریں''۔

اتنے میں سلطان ایوبی کے انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان کا ایک نائب زاہدان آ گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ ان دونوں آدمیوں کو اُس نے بٹھایا اور پوچھا..... ''کیا خبر ہے؟''۔ دونوں نے اپنے اپنے گریبان کے اندر ہاتھ ڈالے اور لکڑی کی بنی ہوئی وہ صلیبیں باہر نکالیں جو اُن کی گردنوں سے بندھی

ہوئی تھیں۔ وہ صلیبی نہیں مسلمان تھے۔ اپنے آپ کو صلیبی ظاہر کرنے کے لیے وہ صلیبیں گلے میں لٹکا لیتے تھے۔ دونوں نے صلیبیں اُتار کر نیچے پھینک دیں۔ ان میں سے ایک نے اپنی رپورٹ پیش کی۔

یہ دونوں جاسوس تھے جو کرک سے واپس آئے تھے۔ پہلے بھی ذکر آچکا تھا کہ کرک فلسطین کا ایک قلعہ بند شہر تھا، جس پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلیبی شوبک نام کا ایک قلعہ سلطان ایوبی کے ہاتھ ہار چکے تھے۔ وہ کرک کسی قیمت پر دینا نہیں چاہتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے دفاعی انتظامات بڑے ہی سخت کر دیئے تھے جن میں ایک بندوبست یہ تھا کہ وہ قلعہ بند ہو کر نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ شوبک سے جب عیسائی اور یہودی باشندے مسلمانوں کے ڈر سے کرک بھاگ رہے تھے، اُس وقت سلطان ایوبی نے اپنی فوج اور انتظامیہ کو یہ حکم دیا تھا کہ بھاگنے والے غیر مسلموں کو روکیں اور انہیں واپس لا کر ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، لیکن سلطان ایوبی نے ایک خفیہ حکم یہ بھی دیا تھا کہ زیادہ تر باشندوں کو جانے دیں۔ اس حکم میں راز یہ تھا کہ غیر مسلم باشندوں میں سلطان کے جاسوس بھی جا رہے تھے۔ اپنے جاسوس دشمن کے اس شہر میں اور مضافات میں جس پر تھوڑے عرصے بعد حملہ کرنا تھا، بھیجنے کا یہ موقع نہایت اچھا تھا۔ مسلمان جاسوس عیسائی اور یہودی پناہ گزینوں کے بھیس میں کرک چلے گئے تھے۔ وہاں کے مسلمان باشندوں کو ساتھ ملا کر انہوں نے خفیہ اڈے بنا لیے تھے۔ وہ وہاں سے اطلاعات بھیجتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی ذاتی طور پر ان کی رپورٹیں سنا کرتا تھا۔

اُس روز دو جاسوس آئے تو سلطان ایوبی نے انہیں فوراً اپنے خیمے میں بلا لیا اور باقی سب کو باہر نکال دیا۔ جاسوسوں کی رپورٹ میں صلیبیوں کی فوج کی نقل و حرکت اور ترتیب کے متعلق اطلاعات تھیں۔ سلطان ایوبی اُن کے مطابق نقشہ بناتا رہا۔ اس دوران اس کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ جاسوسوں نے جب کرک کے مسلمان باشندوں کی بے بسی اور مظلومیت کی تفصیل سنائی تو سلطان کے چہرے پر نمایاں تبدیلی آ گئی۔ ایک بار تو وہ جوش میں اُٹھ کر کھڑا ہوا اور خیمے میں ٹہلنے لگا۔ جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ شوبک سے صلیبی شکست کھا کر کرک پہنچے تو انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ سلطان ایوبی کو بہت سے حالات کا تو پہلے سے علم تھا۔ ان دو جاسوسوں نے اُسے بتایا کہ اب وہاں بازار میں جن مسلمانوں کی دُکانیں ہیں، وہ بہت پریشان ہیں۔ غیر مسلم تو اُن کی دکانوں پر جاتے ہی نہیں، مسلمانوں کو بھی ڈرا دھمکا کر اُن کی دکانوں سے دُور رکھا جاتا ہے۔ وہاں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی باقاعدہ مہم شروع کی گئی ہے۔ عیسائی اور یہودی مسجدوں کے سامنے اونٹ، گھوڑے اور دیگر مویشی باندھ دیتے ہیں۔ اذان اور نماز پر کوئی پابندی نہیں، لیکن جب اذان ہوتی ہے تو غیر مسلم شور مچاتے، ناچتے اور مذاق اُڑاتے ہیں۔

جاسوسوں نے بتایا کہ مسلمانوں کا قومی جذبہ ختم کرنے کے لیے وہاں اس قسم کی افواہیں زور و شور سے پھیلائی جا رہی ہیں کہ صلاح الدین ایوبی اتنا شدید زخمی ہو کر دمشق چلا گیا ہے کہ اب تک مر چکا ہوگا اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کمان کی کمزوری کی وجہ سے صحرا میں بکھر گئی ہے اور سپاہی مصر کی طرف بھاگ رہے ہیں اور یہ بھی کہ مسلمان اب کرک پر حملہ کرنے کے قابل نہیں رہے اور بہت جلدی شوبک بھی صلیبیوں کو واپس ملنے والا ہے اور یہ بھی کہ سوڈانی فوج نے مصر پر حملہ کر دیا ہے اور مصر کی فوج سوڈانیوں کے ساتھ مل گئی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا کہ اب علی الصبح پادری، مسلمان محلوں میں گھومتے پھرتے اور ہر مسلمان گھر کے دروازے پر گھنٹیاں بجاتے، اپنے مذہبی گیت گاتے اور مسلمانوں کو دعائیں دیتے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کا اور کوئی پرچار نہیں کرتے۔ یہ پرچار وہاں کی عیسائی اور یہودی لڑکیاں کرتی ہیں، جو مسلمان نوجوانوں کو جھوٹی محبت کا جھانسہ دے کر اُن کے ذہن تباہ کر رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں مسلمان لڑکیوں کی سہیلیاں بن کر انہیں اپنی آزادی کی بڑی ہی دلکش

تصویر دکھاتی ہیں اور انہیں بتاتی ہیں کہ مسلمان فوج جو علاقہ فتح کرتی ہے، وہاں مسلمان لڑکیوں کو بھی خراب کرتی ہے۔

ان رپورٹوں میں سلطان ایوبی کے لیے کوئی بات نئی نہیں تھی۔ ابتداء میں اُس کے جاسوس اُسے کرک کے مسلمانوں کی حالتِ زار بتا چکے تھے، وہاں کے مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ وہ سلطان ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف کوئی حوصلہ شکن افواہ نہیں سننا چاہتے تھے، لیکن وہاں جو بھی بات اُن کے کانوں میں پڑتی تھی، حوصلہ شکن ہوتی تھی۔ وہ ڈرتے بات نہیں کرتے تھے۔ ان کے گھروں کی دیواروں کے بھی کان تھے۔ وہ اکٹھے بیٹھنے سے بھی ڈرتے تھے۔ جنازے اور بارات کے ساتھ بھی جاسوس ہوتے تھے اور مسجدوں میں بھی جاسوس ہوتے تھے۔ ان کی بدنصیبی تو یہ تھی کہ جاسوسی ان کے اپنے مسلمان بھائی کرتے تھے۔ وہ اپنے گھروں میں بھی سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے۔ کسی مسلمان کے خلاف صرف یہ کہہ دینا کہ وہ صلیبی حکومت کے خلاف ہے۔ اُسے بیگار کیمپ میں بھیجنے کے لیے کافی ہوتا تھا۔

''لیکن سالارِ اعظم!'' ایک جاسوس نے کہا..... ''اب وہاں ایک اور چال چلی جا رہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک ہونے لگا ہے۔ صلیبی حکومت نے اس کی ایک مثال یہ پیش کی ہے کہ ایک عیسائی حاکم نے ایک مسجد کو بوسیدہ حالت میں دیکھا تو اس کی مرمت کا حکم دیا اور اپنی نگرانی میں مرمت کرادی۔ انہوں نے بیگار کیمپ کے مسلمانوں کو رہا تو نہیں کیا، لیکن انہیں کچھ سہولتیں دے دی ہیں۔ روزمرہ مشقت کا وقت بھی کم کر دیا ہے، لیکن ان کے کانوں میں یہی ڈالا جاتا ہے کہ تم نے صلیب کے خلاف بہت بڑا جرم کیا ہے، پھر بھی تم پر رحم کیا جا رہا ہے۔ یہ پیار اور محبت کا ہتھیار بڑا ہی خطرناک ہے۔ اس جھوٹے پیار سے غیر مسلم مسلمان نوجوانوں کو نشے اور جُوئے کا عادی بناتے جا رہے ہیں، اگر ہم نے حملے میں وقت ضائع کیا تو کرک کے مسلمان اگر مسلمان ہی رہے تو برائے نام مسلمان ہوں گے، ورنہ وہ قرآن سے منہ موڑ کر گلے میں صلیب لٹکا لیں گے۔ اس صورت میں وہ اُس وقت ہماری کوئی مدد نہیں کریں گے، جب ہم کرک کا محاصرہ کریں گے۔ اس پیار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خلاف جاسوسی پہلے سے زیادہ ہوگئی ہے اور گرفتاریاں ہوتی رہتی ہیں۔ ابھی تک مسلمانوں کا جذبہ قائم ہے اور وہ ثابت قدم رہنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک غیر مسلموں کے پیار کو قبول نہیں کیا، مگر وہ زیادہ دیر تک ثابت قدم نہیں رہ سکیں گے''۔

یہی وہ صورتِ حال تھی جس کی تفصیل سن کر سلطان ایوبی پریشان ہوگیا تھا۔ اُسے یہ اطلاع بہت تکلیف دے رہی تھی کہ مسلمان مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کر رہے ہیں۔ اُس کے لیے پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ مقبوضہ علاقے میں صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف پیار کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نوجوانوں کی کردار کُشی کا بھی عمل شروع ہوگیا تھا۔ ان دونوں سے زیادہ خطرناک وہ افواہیں تھیں جو وہاں کے مسلمانوں میں اسلامی فوج کے خلاف پھیلائی جا رہی تھیں۔ اُس نے اپنے نظامِ جاسوسی کے نائب زاہدان کو بلایا اور پوچھا..... ''کیا تم نے ان کی باتیں سن لی ہیں؟''

''ایک ایک لفظ سنا اور انہیں آپ کے پاس لایا ہوں''۔ زاہدان نے جواب دیا۔

''علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلالوں؟''۔ سلطان ایوبی نے پوچھا..... ''یا تم اُس کی جگہ پُر کر سکو گے؟ یہ معاملہ نازک ہے۔ دشمن کے شہر میں مسلمانوں کو افواہوں اور دشمن کے زہریلے پیار سے بچانا ہے''۔

''علی بن سفیان کو قاہرہ سے بلانے کی ضرورت نہیں''..... زاہدان نے جواب دیا..... ''حسن بن عبداللہ کو بھی اُن کے ساتھ رہنے دیں۔ مصر کے حالات اچھے نہیں۔ ملک تخریب کاروں اور غداروں سے بھرا پڑا ہے۔ کرک کے مسئلے کو میں سنبھال لوں گا''۔

''تم نے کیا سوچا ہے؟''......سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس سے پوچھا۔ وہ دراصل زاہدان کا امتحان لے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زاہدان مخلص اور محنتی سراغ رساں ہے اور اپنے شعبے کے سربراہ علی بن سفیان کا شاگرد ہے۔ اس پر سلطان کو پورا پورا اعتماد تھا، پھر بھی وہ یقین کرنا ضروری سمجھتا تھا کہ یہ شاگرد اپنے استاد کی کمی پوری کرے گا۔ اُس نے زاہدان کا جواب سنے بغیر کہا...... ''زاہدان! میں نے میدانِ جنگ میں شکست نہیں کھائی۔ یہ خیال رکھنا کہ میں اس محاذ پر بھی شکست کھانا نہیں چاہتا، جس پر صلیبیوں نے حملہ کیا ہے۔ میں کرک کے مسلمانوں کو اخلاقی اور نظریاتی تباہی سے بچانا چاہتا ہوں''۔

''آپ جانتے ہیں کہ کرک میں ہمارے جاسوس موجود ہیں''......زاہدان نے کہا......''میں انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کروں گا۔ وہ وہاں کے مسلمانوں کو آپ کے متعلق اور ہماری فوج اور مصر کے متعلق صحیح خبریں سناتے رہیں گے اور انہیں آپ کا پیغام دیں گے''۔

''وہاں کی مسلمان عورتوں میں قومی جذبے کی کمی نہیں''۔ ایک جاسوس بول پڑا۔ اُس نے کہا......''ہم جوان لڑکیوں سے کہیں گے کہ وہ گھر گھر جا کر عورتوں کے ذہن صاف کرتی رہیں گی۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ وہاں کی لڑکیاں لڑنے کے لیے بھی تیار ہیں''۔

''عورتیں اگر گھر اور بچوں کی تربیت کا محاذ سنبھالے رکھیں تو اسی سے اسلام کے فروغ اور سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع میں بہت مدد ملے گی''......سلطان ایوبی نے کہا۔''انہیں اس مقصد کے لیے استعمال کرو کہ مسلمان گھرانوں میں اور بچوں میں غیر اسلامی اثرات داخل نہ ہونے دیں۔ میں اس کوشش میں مصروف ہوں کہ کرک پر جلدی حملہ کر دوں اور شوبک کی طرح وہاں کے بھی مسلمانوں کو آزاد کراؤں''۔ اُس نے زاہدان سے پوچھا......''اس مقصد کے لیے کسے کرک بھیجو گے؟''

''انہی دونوں کو''۔ زاہدان نے جواب دیا......''یہ آنے جانے کے راستوں اور طریقوں سے واقف ہو چکے ہیں اور وہاں کے حالات اور ماحول سے مانوس ہیں''۔

یہ دونوں آدمی غیر معمولی طور پر ذہین جاسوس تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں ہدایات دینی شروع کر دیں۔

☆

کرک میں مسلمان باشندوں پر پیار کا جو ہتھیار چلایا جا رہا تھا، وہ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر، جرمن نژاد ہرمن کی اختراع تھی۔ وہ شوبک کی شکست کے بعد صلیبی حکمرانوں پر زور دے رہا تھا کہ کرک کے مسلمانوں کو پیار کا دھوکہ دے کر صلیب کا وفادار بنایا جائے یا کم از کم صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دیا جائے۔ صلیبی حکمران مسلمانوں سے اتنی زیادہ نفرت کرتے تھے کہ اُن کے ساتھ جھوٹا پیار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ تشدد اور درندگی سے مسلمانوں کا قومی جذبہ اور وقار ختم کرنے کے قائل تھے۔ ہرمن اپنے فن کا ماہر تھا۔ انسانوں کی نفسیات سمجھتا تھا۔ اُس نے صلیبی حکمرانوں کو بڑی مشکل سے اپنا ہم خیال بنایا اور یہ پالیسی مرتب کرالی کہ شہر اور مضافات کے اس علاقے کے مسلمانوں کو جو صلیبی استبداد میں ہے، مشتبہ اور جاسوس سمجھا جائے، جس مسلمان کے خلاف ذرا سی بھی شہادت ملے، اُسے گرفتار کر کے غائب کر دیا جائے، لیکن ہر مسلمان شہری کو دہشت زدہ نہ کیا جائے۔ اس پالیسی کی بنیادی شق یہ تھی کہ لڑکیوں کے ذریعے مسلمان لڑکیوں کو بے پردہ کیا جائے اور مسلمان لڑکیوں کو ذہنی عیاشی اور نشے کا عادی بنا دیا جائے۔ مختصر یہ ہے کہ ان کی کردار کشی کا انتظام کیا جائے۔ لہٰذا اس پالیسی پر عمل شروع کر دیا گیا تھا۔ ابتدا افواہوں سے کی گئی تھی۔ ہرمن نے یہ منظوری بھی لے لی تھی کہ مسلمانوں میں غداری کے جراثیم پیدا کرنے کے لیے خاصی رقم خرچ کی جائے۔ چند ایک مسلمانوں کو خوب صورت اور تندرست گھوڑوں

کی تھیلیاں دے کر انہیں شہزادہ بنا دیا جائے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف مخبری اور اُن میں افواہیں پھیلانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ انہیں شاہی دربار میں وقتاً فوقتاً مدعو کر کے اُن کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا جائے۔ اُن کی مستورات کو بھی مدعو کر کے اُن کی عزت کی جائے کہ وہ اپنی اصلیت اور اپنا مذہب ذہن سے اُتار دیں۔ ہرمن نے کہا تھا...... ''اگر آپ مسلمان کو اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو اس کے دماغ میں بادشاہی کا کیڑا ڈال دیں۔ انہیں گھوڑے اور تھیلیاں دے کر اس کے دامن میں چند ایک اشرفیاں ڈال دیں۔ پھر وہ بادشاہی کے نشے میں آپ کے اشاروں پر ناچے گا۔ شراب بھی پیئے گا اور اپنی بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں ننگا کر کے آپ کے حوالے کر دے گا۔ اگر آپ مسلمان کا مستقبل تاریک کرنا چاہتے ہیں تو یہ نسخہ آزمائیں۔ میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں اور اب پھر بتاتا ہوں کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی اخلاقی تباہی کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کا سب سے پرانا اور سب سے بڑا دشمن یہودی ہے۔ اسلام کی جڑیں تباہ کرنے کے لیے یہودی اپنی بیٹیوں کی عزت اور اپنی پونجی کا آخری سکہ بھی قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں''۔

یہودیوں میں خطرہ یہ تھا کہ وہ اسی خطے کے رہنے والے تھے، اس لیے مسلمانوں کی زبان بولتے تھے اور اُن کے رسم و رواج اور گھریلو زندگی سے بھی واقف تھے۔ اُن کی شکلیں اور کئی دیگر کوائف ملتے جلتے تھے۔ کوئی یہودی لڑکی مسلمانوں کا لباس پہن کر کسی مسلمان گھر میں جا بیٹھے تو اُسے بلاشک وشبہ مسلمان سمجھ لیا جاتا تھا۔ اس مشابہت سے یہودی پورا پورا فائدہ اُٹھا رہے تھے اور اسلامی معاشرت میں غیر اسلامی زہر داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

جس روز سلطان ایوبی نے دو جاسوسوں کو ہدایات دیں اور زاہدان سے کہا تھا کہ وہ کرک میں جاسوسوں کے ذریعے مسلمانوں کو صحیح خبریں پہنچائے، اس سے بیس روز بعد کرک میں ایک پاگل اور مجذوب اچانک کہیں سے نمودار ہوا۔ اس نے ہاتھ میں لکڑی کی بنی ہوئی گز بھر لمبی صلیب اُٹھا رکھی تھی، جسے وہ اوپر کر کے چلاتا تھا...... ''مسلمانوں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے۔ شوبک میں مسلمان اپنی بیٹیوں کی عصمت دری کر رہے ہیں۔ مصر میں مسلمانوں نے شراب پینا شروع کر دی ہے۔ خدائے یسوع مسیح نے کہا ہے کہ اب یہ قوم روئے زمین پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ مسلمانو! نوح کے دوسرے طوفان سے بچنا چاہتے ہو تو صلیب کے سائے میں آ جاؤ۔ اگر صلیب پسند نہیں تو خدائے یہودہ کے آگے سجدہ کرو۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بے کار ہیں''۔

لباس اور شکل وصورت سے وہ اچھا بھلا لگتا تھا، لیکن باتوں اور انداز سے پگلا معلوم ہوتا تھا۔ اُس کی داڑھی بھی تھی۔ لمبا چغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر پگڑی اور اس پر رومال ڈالا ہوا تھا، جو کندھوں پر بھی پھیلا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے اور بالوں پر گرد تھی جس سے پتا چلتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے۔ اُس کے پاؤں گرد آلود تھے۔ اُسے کوئی روکتا اور بات کرتا تھا تو رک جاتا تھا، لیکن کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ کوئی بات جیسے سنتا سمجھتا ہی نہیں تھا۔ سوال کوئی بھی پوچھو وہ اپنا اعلان دہرانے لگتا تھا...... ''مسلمانوں کی تباہی کا وقت قریب آ گیا ہے وغیرہ''...... کسی نے بھی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے۔ عیسائی اس لیے خوش تھے کہ اس نے ہاتھ میں صلیب اُٹھا رکھی تھی اور خدائے یسوع مسیح کا نام لیتا تھا۔ یہودی اس لیے خوش تھے کہ وہ خدائے یہودہ کا نام لیتا تھا اور دونوں کی یہ خوشی مشترک تھی کہ وہ مسلمانوں کی تباہی کی خوش خبری سنا رہا تھا۔ صلیبی فوج کے چند ایک سپاہیوں نے اس کی للکار سنی تو انہوں نے قہقہہ لگایا۔ شہری انتظامیہ کی فوج (جو بعد میں پولیس کہلائی) نے اُسے دیکھا تو اُسے پاگل کہہ کر نظر انداز کر دیا۔ مسلمانوں میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کا منہ بند کرتے۔ مسلمان اُس کے منہ سے اپنی تباہی کا اعلان سن کر ڈر بھی گئے تھے اور انہیں غصہ بھی آیا تھا، مگر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

یہ مجذوب شہر کی گلیوں اور بازاروں میں گھوم رہا تھا اور اس اعلان کو دہراتا جا رہا تھا..... ''مسلمانو! صلیب کے سائے میں آ جاؤ۔ تمہاری تباہی کا وقت آ گیا ہے۔ مسجدوں میں تمہارے سجدے بے کار ہیں''۔ کہیں کہیں وہ یہ بھی کہتا تھا..... ''کرک میں مسلمانوں کی فوج نہیں آئے گی۔ ان کا صلاح الدین ایوبی مر چکا ہے۔'' بعض اوقات وہ اوٹ پٹانگ اور بے معنی فقرے سے بولتا تھا جو ثابت کرتے تھے کہ وہ پاگل ہے۔ بچے اُس کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے تھے۔ بڑے عمر کے آدمی بھی کچھ دُور تک اس کے پیچھے پیچھے چلتے اور رُک جاتے تھے، وہاں سے چند اور آدمی اُس کے پیچھے چل پڑتے تھے۔ مسلمان اُسے غصے کی نگاہ سے بھی دیکھتے تھے اور اپنے بچوں کو اس کے پیچھے جانے سے روکتے تھے۔ صرف ایک مسلمان تھا جو اس پاگل کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم دُور تھا۔ یہ ایک جواں سال مسلمان تھا۔ راستے میں دو عیسائی نوجوانوں نے اُسے طعنے دیئے۔ ایک نے اُسے کہا..... ''عثمان بھائی تم بھی صلیب کے سائے میں آ جاؤ''۔ اُس نے انہیں قہر بھری نظروں سے دیکھا اور چپ رہا۔ ان عیسائیوں کو معلوم نہیں تھا کہ عثمان کے پاس ایک خنجر ہے اور وہ اس پاگل کو قتل کرنے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے جا رہا ہے۔

اُس کا پورا نام عثمان صارم تھا۔ اُس کے ماں باپ زندہ تھے اور اس کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی، جس کا نام النور صارم تھا۔ اس لڑکی کی عمر بائیس تیئس سال تھی۔ عثمان اس سے تین چار سال بڑا تھا۔ جوشیلا جوان تھا۔ اسلام کے نام پر جان نثار کرتا تھا۔ صلیبی حکومت کی نظر میں وہ مشتبہ بھی تھا، کیونکہ وہ مسلمان نوجوانوں کو صلیبی حکومت کے خلاف زمین دوز کارروائیوں کے لیے تیار کرتا رہتا تھا۔ وہ ابھی کوئی جرم کرتا پکڑا نہیں گیا تھا۔ اُس نے جب اس پاگل کی آواز سنی تو باہر نکل آیا۔ پاگل اتنی بڑی صلیب بلند کیے مسلمانوں کے خلاف بلند آواز میں واہی تباہی بکتا جا رہا تھا۔ عثمان صارم نے یہ بھی دیکھا یہ تو کوئی پاگل ہے۔ اُس نے صلیب دیکھی اور پاگل کے الفاظ سُنے تو اُس پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ اپنے گھر جا کر اُس نے خنجر لیا اور کُرتے کے اندر ناف میں اُڑس کر پاگل کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ اُسے ایسی جگہ قتل کرنا چاہتا تھا، جہاں اُسے کوئی پکڑ نہ سکے۔ وہ صلیبیوں کے خلاف مزید کارروائیوں کے لیے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ وہ پاگل سے دس بارہ قدم پیچھے چلا گیا اور اس کا اعلان سنتا گیا۔ جب دو عیسائیوں نے اُسے طعنے دیئے اور ایک نے کہا کہ عثمان تم بھی صلیب کے سائے میں آ جاؤ تو اُن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کے دِل میں قتل کا ارادہ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔

پاگل کے پیچھے اور اُس کے ساتھ ساتھ لوگوں اور بچوں کا جلوس جمع ہو گیا تھا۔ قتل کا یہ موقعہ اچھا نہیں تھا۔ دن گزرتا گیا اور پاگل کی آواز دھیمی پڑتی گئی۔ اُس کے پیچھے چلنے والے کم ہوتے گئے۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ باقی تھی۔ ایک مسجد آ گئی۔ پاگل مسجد کے دروازے میں بیٹھ گیا اور اس نے صلیب اوپر کر کے کہا..... ''اب یہ گرجا ہے، مسجد نہیں ہے''..... اُس وقت عثمان صارم اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔ اُسے اچھی طرح احساس تھا کہ یہ بے شک پاگل ہے لیکن اس کے قتل کی سزا بھی موت ہو گی کیونکہ اس نے صلیب اٹھا رکھی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف نعرے لگا رہا ہے۔ عثمان صارم نے پاگل کے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا..... ''یہاں سے فوراً اٹھو اور اپنی صلیب کے ساتھ غائب ہو جاؤ، ورنہ صلیبی یہاں سے تمہاری لاش اٹھائیں گے۔''

پاگل نے اُسے نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کے سامنے بہت سے بچے کھڑے تھے۔ اُس نے عثمان صارم کی دھمکی کا جواب دیئے بغیر بچوں کو ڈانٹ کر بھاگ جانے کو کہا۔ بچے ڈر کر بھاگ گئے تو پاگل مسجد کے اندر چلا گیا۔ عثمان صارم کے لیے یہ موقع بہت اچھا تھا۔ اُس نے کچھ سوچے بغیر چوکڑی بھری، دروازے کے اندر گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اُس نے

تیزی سے خنجر نکالا، مگر وار کرنے لگا تو پاگل نے گھوم کر دیکھا۔ عثمان کے خنجر کا وار اپنی طرف آتا دیکھ کر اُس نے صلیب آگے کر کے وار صلیب پر لیا اور کہا...... ''رُک جاؤ جوان، اندر چلو، میں مسلمان ہوں''۔

عثمان صارم نے دوسرا وار نہ کیا۔ پاگل جوتے اُتار کر مسجد کے اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے صلیب اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اندر جا کر اُس نے عثمان صارم سے نام پوچھا اور کہا...... ''میں مسلمان ہوں، میری باتیں غور سے سن لو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کب سے میرے پیچھے آ رہے ہو؟''

''میں سارا دن تمہارے پیچھے پھرتا رہا ہوں'' ۔عثمان صارم نے جواب دیا...... ''مگر مجھے قتل کا موقعہ نہیں مل رہا تھا''۔

''تم مجھے قتل کیوں کرنا چاہتے ہو؟'' پاگل نے پوچھا

''کیونکہ میں اسلام اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا''۔ عثمان صارم نے جواب دیا...... ''تم پاگل ہو یا نہیں، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔

پاگل نے اُس سے کئی اور باتیں پوچھیں۔ آخر اُس نے کہا...... ''مجھے تم جیسے ایک جوان کی ضرورت تھی۔ اچھا ہوا کہ تم خود ہی میرے پیچھے آ گئے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے اپنے مطلب کا کوئی مسلمان بڑی مشکل سے ملے گا۔ میں صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ میں نے یہ ڈھونگ صلیبیوں کو دھوکہ دینے کے لیے رچایا ہے۔ میں نے اسی بھیس میں سفر کیا ہے۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یاد رکھو کہ مسجد میں کوئی صلیبی آ گیا تو میں پھر وہی بکواس شروع کر دوں گا، جو دن بھر کرتا رہا ہوں۔ تم غور سے سنتے رہنا، جیسے تم مجھ سے متاثر ہو رہے ہو۔ میں بہت تیزی سے بولوں گا۔ شام کی نماز کا وقت ہو رہا ہے۔ مسلمانوں میں صلیبیوں کے بھی جاسوس ہیں۔ میں نمازیوں کے آنے تک اپنی بات ختم کرنا چاہتا ہوں''۔

عثمان صارم نے کبھی جاسوس نہیں دیکھا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ غیر معمولی طور پر ذہین جاسوس ہے، جس نے اُسے چند سوال پوچھ کر پہچان لیا ہے کہ یہ جوان قابلِ اعتماد ہے۔ جاسوس نے اُسے کہا...... ''اپنے جیسے چند ایک جوان اکٹھے کرو اور کچھ مسلمان لڑکیوں کو بھی تیار کرو۔ تمہیں ہر ایک مسلمان گھرانے میں یہ پیغام پہنچانا ہے کہ صلاح الدین ایوبی آ رہا ہے اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ یہاں سے صرف آدھے دن کی مسافت جتنا دُور ہے۔ اس کی تمام فوج کرک پر حملہ کرنے کے لیے نہ صرف تیار ہے، بلکہ اس فوج نے صلیبی فوج کے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ مصر میں حالات پُرسکون ہیں، وہاں صلیبیوں نے جو تخریب کاری کی تھی، وہ جڑ سے اُکھاڑ دی گئی ہے''۔

''صلاح الدین ایوبی کب حملہ کرے گا؟''...... عثمان صارم نے پوچھا۔ ''ہم اُس کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم اسے یقین دِلاتے ہیں کہ تم باہر سے حملہ کرو گے تو ہم صلیبیوں پر اندر سے حملہ کریں گے۔ خدا کے لیے جلدی آؤ''۔

''تحمل سے کام لو جوان!''...... جاسوس نے کہا...... ''پہلے صلاح الدین ایوبی کا پیغام سن لو اور یہ ہر ایک نوجوان کے ذہن پر نقش کر دو۔ ایوبی نے کہا ہے کہ کرک کے مسلمان نوجوانوں سے کہنا کہ تم ملک اور مذہب کے پاسبان ہو۔ میں پہلی جنگ لڑکپن میں لڑی تھی اور محاصرے میں لڑی تھی۔ فوج کی کمان میرے چچا کے پاس تھی۔ اُس نے مجھے کہا تھا کہ محاصرے میں گھبرا نہ جانا۔ اگر تم اس عمر میں گھبرا گئے تو تمہاری ساری عمر گھبراہٹ اور خوف میں گزرے گی۔ اگر اسلام کے علمبردار بننا چاہتے ہو تو یہ علَم آج ہی اُٹھا لو اور دشمن کی دیواریں توڑ کر نکل جاؤ، پھر گھوم کر آؤ اور دشمن پر جھپٹ پڑو۔ میں گھبرایا نہیں۔ تین مہینوں کے محاصرے نے ہمیں فاقہ کشی بھی کرائی، لیکن ہم محاصرہ توڑ کر نکل آئے اور ہم نے جس خوراک سے پیٹ بھرے، وہ دشمن کی رسد سے چھینی ہوئی خوراک تھی۔ ہمارے جو گھوڑے محاصرے میں بھوک سے مر گئے تھے، ہم

نے ان کی کمی دشمن کے گھوڑوں سے پوری کی۔

''صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ میری قوم کے بیٹوں سے کہنا کہ تم پر دشمن نے پیار کے ہتھیار سے حملہ کیا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھنا کہ کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا دوست نہیں ہوسکتا۔ صلیبی میدانِ جنگ میں ٹھہر نہیں سکے۔ ان کے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں، اس لیے وہ اب مسلمانوں کی اُبھرتی ہوئی نسل کے ذہن سے قومیت اور مذہب نکالنے کے جتن کر رہے ہیں، انہوں نے جو ہتھیار استعمال کیا ہے، وہ بڑا ہی خطرناک ہے۔ یہ ہے ذہنی عیاشی، کاہلی اور کوتاہی۔ تم میں یہ تینوں خرابیاں پیدا کرنے کے لیے عیسائی اور یہودی ایک ہوگئے ہیں۔ یہودی اپنی لڑکیوں کے ذریعے تم میں حیوانی جذبہ بھڑکا رہے ہیں اور تمہیں نشے کا عادی بنا رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ حیوانی جذبے اور نشے سے تمہاری عاقبت خراب ہوگی اور موت کے بعد تم جہنم میں جاؤ گے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کردار کی یہ خرابیاں تمہارے لیے اس دُنیا کو ہی جہنم بنا دیں گی۔ تم جسے جنت کی لذت سمجھتے ہو، وہ جہنم کا عذاب ہے۔ تم صلیبیوں کے غلام ہو جاؤ گے جو تمہاری بہنوں کو بے آبرو کرتے پھریں گے، تمہارے قرآن کے ورق گلیوں میں اُڑیں گے اور تمہاری مسجدیں اصطبل بن جائیں گی۔

''صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ باوقار قوم کی طرح زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی روایات کو نہ بھولو۔ صلیبی ایک طرف تم پر تشدد کر رہے ہیں اور دوسری طرف تمہیں دولت اور گھوڑا گاڑیوں کا لالچ دے رہے ہیں۔ مسلمان ان عیاشیوں کا قائل نہیں ہوتا...... تمہاری دولت تمہارا کردار اور ایمان ہے۔ یہ صلیبیوں کی شکست کا ثبوت ہے کہ وہ تمہاری تلوار سے خوف زدہ ہو کر اتنے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کو بے حیا بنا کر تمہیں اپنا غلام بنانے کے جتن کر رہے ہیں میری قوم کے بیٹو! اپنے کردار کو محفوظ رکھو۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ ظالم حکمران دراصل کمزور حکمران ہوتا ہے۔ وہ ا مخالفین میں سے کسی کو ظلم وتشدد سے زیر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی کو دولت کا لالچ دے کر۔ تم ظلم وتشدد سے بھی نہ ڈ اور کسی لالچ میں بھی نہ آؤ۔ تم قوم کا مستقبل ہو۔ ہم قوم کا ماضی ہیں۔ دشمن تمہارے ذہنوں سے تمہارا درخشندہ ماضی نکال کر اس میں اپنے نظریات اور مفادات کی سیاہی بھرنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ اسلام کا مستقبل تاریک ہو جائے۔ اپنی اہمیت پہچانو۔ دشمن تمہیں صرف اس لیے اپنے تابع کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ تم سے خائف ہے۔ اپنی نظر آج پر نہیں کل رکھو، کیونکہ تمہارے دشمن کی نظر تمہارے مذہب کے کل پر ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ کفار تمہارا کیا حال کر رہے ہیں۔ اگر ذہنی عیاشی میں پڑ گئے تو تمام تر ملتِ اسلامیہ کا یہی حشر ہوگا''۔

جاسوس نے سلطان ایوبی کا پیغام بہت تیزی سے عثمان صارم کو سُنا دیا اور اُسے عمل کے طریقے بتانے لگا۔ اُ نے کہا...... ''سالارِ اعظم نے خاص طور پر کہا ہے کہ اپنے اوپر جوش اور جذبات کا غلبہ طاری نہ کرنا۔ عقل پر جذبات کو غالب نہ آنے دینا۔ اشتعال سے بچنا۔ اپنے آپ پر قابو رکھنا۔ احتیاط لازمی ہے۔ جاسوس نے اُسے بتایا کہ وہ اور اُس کے ساتھی کسی نہ کسی روپ میں اُسے خود ہی ملتے رہیں گے اور یہ رابطہ قائم رہے گا۔ فوری طور پر ضرورت یہ ہے کہ مسلمان ا گھروں میں چوری چھپے کمانیں، تیر اور برچھیاں بنائیں اور گھروں میں چھپا کر رکھیں۔ عورتوں کو گھروں کے اندر ہی خنجر برچھی مارنے اور وار سے بچنے کے لیے طریقہ سکھائیں۔ یہودی لڑکیوں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ ان کے ساتھ ایسی ک بات نہ کریں جس سے انہیں کوئی شک پیدا ہو۔ اپنے طور پر کوئی جنگی کارروائی نہ کریں۔ پہلے منظم ہو جائیں، پھر قیاد بنائیں۔ ہر ایک فرد کا ذرا سا بھی عمل قائد کی نظر میں ہونا چاہیے اور کسی فرد کا کوئی اقدام قائد کی اجازت کے بغیر نہ ہو''۔

سورج غروب ہونے لگا تھا۔ مسجد کا پیش امام آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی جاسوس نے صلیب اُٹھائی اور دوڑتا ہو

نکل گیا۔ باہر سے پھر وہی اعلان سنائی دینے لگا...... ''مسلمانو! صلیب کے سائے میں آجاؤ۔ تمہارا اسلام مر گیا ہے''......
امام نے عثمان صارم کو قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا...... ''یہ یہاں کیا کر رہا تھا؟ اور تم نے اسے اندر کیوں بٹھا رکھا تھا؟ اسے ہلاک کیوں نہ کر دیا؟ تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون جم گیا ہے؟ میں اتنا بوڑھا نہ ہوتا تو یہاں سے اُسے زندہ باہر نہ جانے دیتا''۔

''میں اُس کے پیچھے اسی لیے آیا تھا کہ یہ یہاں سے زندہ نہ نکل سکے''۔ عثمان صارم نے کہا اور امام کو اپنا خنجر دکھا کر کہنے لگا...... ''خدا کا شکر ہے کہ اُس نے میرا خنجر صلیب پر روک لیا تھا۔ یہ آدمی پاگل نہیں، عیسائی اور یہودی بھی نہیں۔ یہ مسلمان ہے۔ صلاح الدین ایوبی کا پیغام لایا ہے''...... اس نے بوڑھے امام کو سلطان ایوبی کا پیغام سنایا اور کہا...... ''میں اس پیغام پر عمل کروں گا۔ آج شام سے ہی بسم اللہ کر رہا ہوں، لیکن ہمیں ایک امیر کی ضرورت ہے۔ کیا آپ ہماری قیادت کریں گے؟ یہ سوچ لیں کہ صلیبی حکومت کو خبر مل گئی تو سب سے پہلے امیر کی گردن اُڑائی جائے گی''۔

''کیا مسجد میں کھڑے ہو کر میں کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ میں قوم سے الگ رہوں گا؟'' ۔ امام نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ فیصلہ قوم کرے گی کہ میں امیر اور قائد بننے کے قابل ہوں یا نہیں۔ میں خدا کے گھر میں کھڑا یہ عہد کرتا ہوں کہ میری دانش، میرا مال میری اولاد اور میری جان اسلام کے تحفظ اور فروغ کے لیے اور صلیب کو رُو بہ زوال کرنے کے لیے وقف ہو گئی ہے...... میرے عزیز بیٹے! صلاح الدین ایوبی کے پیغام کا ایک ایک لفظ ذہن میں بٹھا لو۔ اُس نے ٹھیک کہا ہے کہ نوجوان قوم اور مذہب کا مستقبل ہوتے ہیں۔ وہ اسے روشن بھی کر سکتے ہیں اور وہ آوارہ ہو کر اسے تاریک بھی کر سکتے ہیں۔ جب کوئی نوجوان صلیبیوں اور یہودیوں کی بے حیائی کا دلدادہ ہو کر لڑکیوں کو بُری نظر سے دیکھتا ہے تو وہ محسوس نہیں کرتا کہ اُس کی اپنی بہن بھی اُس جیسے نوجوانوں کی بُری نظر کا شکار ہو رہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے، جہاں قومیں تباہ ہوتی ہیں...... میرے نوجوان بیٹے! خُدا کے اس گھر میں عہد کرو کہ تم صلاح الدین ایوبی کے پیغام پر عمل کرو گے''۔

☆

عثمان صارم نے گھر جا کر اپنی بہن النور کو الگ بٹھا کر سلطان ایوبی کا پیغام سنایا اور کہا...... ''النور! ہمارا مذہب اور ہمارا قومی وقار تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہا ہے۔ آج سے اپنے آپ کو پردہ نشین لڑکی سمجھنا چھوڑ دو۔ مسلمان لڑکیوں تک یہ پیغام پہنچا کر انہیں اس جہاد کے لیے تیار کر لو۔ میں تمہیں خنجر، تیر کمان اور برچھی کا استعمال سکھا دوں گا۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ کسی کو شک بھی نہ ہو کہ ہم لوگ کیا کر رہے ہیں''۔

''میں ہر طرح کی قربانی کے تیار ہوں''۔ النور نے کہا...... ''میں اور میری تمام سہیلیاں تو پہلے ہی سوچ رہی ہیں کہ ہم اپنی آزادی اور اپنی قوم کے لیے کیا کر سکتی ہیں۔ ہم تو مردوں کے منہ کی طرف دیکھ رہی ہیں''۔

عثمان صارم نے اُسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج کے متعلق جتنی خبریں یہاں مشہور کی جاتی ہیں، وہ سب جھوٹی ہوتی ہیں۔ تمام مسلمان گھرانوں میں جا کر عورتوں کو صحیح خبریں سناؤ۔ عثمان صارم نے اُسے صحیح خبریں سنائیں اور یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں میں غدار اور صلیبیوں میں مخبر بھی ہیں۔ اُس نے بہن کو ایسے تین چار گھرانے بتائے اور کہا کہ ان عورتوں کو ہاتھ میں لو اور انہیں بتاؤ کہ ان کے آدمی غدار ہیں۔ انہیں یہ بھی کہو کہ عیسائی اور یہودی لڑکیوں کے پیار سے بچو۔ ان کا پیار محض دھوکہ ہے۔

''کیا میں رِیْنی کو یہاں آنے سے روک دوں؟''...... عثمان صام نے کہا...... ''وہ بہت تیز اور ہوشیار لڑکی ہے''۔

رینی ایک نوجوان عیسائی لڑکی تھی۔ عثمان صام کے گھر سے تھوڑی ہی دُور اس کا گھر تھا۔ اُس کا باپ شہری انتظامیہ کے کسی اونچے عہدے پر فائز تھا۔ لڑکی کا پورا نام رَینی الیگزینڈر تھا۔ وہ النور کی سہیلی بنی ہوئی تھی۔ عثمان صارم کے ساتھ بھی اُس نے گہرے مراسم پیدا کر لیے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوتی تھی۔ عثمان صارم ابھی اس کے قریب نہیں ہوا تھا۔ یہ وجیہہ جوان سمجھتا تھا کہ یہ عیسائی لڑکی ہے اور یہاں جاسوسی کرنی آتی ہے۔ اُس نے رینی کو کبھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق بھی کر لیتا تھا تا کہ اُسے شک نہ ہو۔ اب جب اُسے یہ ضرورت پیش آئی کہ رَینی اُس کے گھر نہ آیا کرے تو رَینی کو یہ کہنا اس کے لیے مشکل ہو گیا کہ اب ہمارے گھر نہ آیا کرو، مگر اُسے روکنا ضروری تھا کیونکہ وہ گھر میں اپنی بہن کو جنگی ٹریننگ دینا چاہتا تھا اور اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں اب کیا کیا راز آئیں گے۔ اُس نے سوچ سوچ کر یہ طریقہ پسند کیا کہ النور سے کہا کہ رَینی جب بھی آئے تم یہ کہہ کر باہر چلی جایا کرو کہ کسی سہیلی کے گھر جا رہی ہوں۔ اس طرح اُسے ٹالتی رہو۔ وہ خود ہی آنا چھوڑ دے گی۔

کرک شہر کے لوگ اس پاگل کی باتیں کر رہے تھے جو مسلمانوں کی تباہی کی پیشین گوئی کرتا پھر رہا تھا۔ غیر مسلموں کو وہ بہت ہی اچھا لگا تھا۔ سب اُسے ڈھونڈتے پھرتے تھے، لیکن وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سرکاری طور پر بھی اُسے تلاش کیا جا رہا تھا، کیونکہ مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے اور اُن کا جذبہ سرد کرنے کے لیے اس پاگل کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔ وہ اُسی رات کہیں لاپتہ ہو گیا تھا۔ دس بارہ روز اُس کی تلاش ہوتی رہی۔ صلیبی حکام نے شہر کے باہر بھی گھوڑ سوار دوڑا دیئے۔ انہیں توقع تھی کہ وہ اس شہر سے کہیں دوسرے شہر جا رہا ہوگا، مگر وہ کسی کو نہ ملا اور دس بارہ دن گزر گئے۔

ان دس بارہ دنوں میں عثمان صارم نے النور اور اس کی تین سہیلیوں کو ہتھیاروں کا استعمال سکھا دیا۔ اُس نے انہیں تیغ زنی بڑی محنت سے سکھائی۔ اُس کے علاوہ اُس نے مسلمان نوجوانوں کو در پردہ سلطان ایوبی کا پیغام سنا کر زمین دوز محاذ پر جمع کر لیا۔ ان نوجوانوں نے اُن مسلمان کاریگروں کو تیار کر لیا جو برچھیاں اور تیر و کمان وغیرہ بناتے تھے۔ یہ سب صلیبیوں کے ملازم تھے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہتھیار نہیں بنا سکتے تھے۔ مسلمانوں کو کوئی ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کاریگروں نے گھروں میں چوری چھپے ہتھیار بنانے شروع کر دیئے۔ یہ بہت ہی خطرناک کام تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں صرف سزائے موت ہی نہیں تھی، بلکہ مرنے سے پہلے صلیبی درندوں کی بھیانک اذیتیں تھیں، وہاں کوئی مسلمان کوئی معمولی سے جرم میں یا محض شک میں پکڑا جاتا تو اس سے پوچھا جاتا تھا کہ مسلمان گھرانوں کے اندر کیا ہو رہا ہے اور جاسوس کہاں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے جسم کو روئی کی طرح دھننا شروع کر دیتے تھے۔ کاریگر جو ہتھیار بناتے تھے، وہ عثمان صارم جیسے نوجوان رات کو مختلف گھروں میں چھپا دیتے تھے۔ دن کے وقت لڑکیاں بُرقعہ نما لبادوں میں خنجر اور تیر کمان چھپا کر مسلمانوں کے گھروں میں لے جاتی رہتی تھیں، مگر ہتھیار بنانے اور گھروں میں پہنچانے کی رفتار بہت سست تھی۔

اُدھر سلطان ایوبی کو ایک جاسوس نے اطلاع دے دی کہ کرک اور مضافات کے مسلمانوں تک اس کا پیغام پہنچ گیا ہے اور وہاں کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے زمین دوز محاذ بنا لیا ہے۔ یہ اطلاع لانے والا بھی ایک ذہین اور نڈر جاسوس تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ جاسوس جس نے سلطان ایوبی کا پیغام عثمان صارم تک پہنچایا تھا، پاگل کے بہروپ میں کامیاب رہا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس اطلاع پر بہت خوش تھا۔ اس نے کہا...... ''جس قوم کے نوجوان بیدار ہو جائیں، اُسے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی''۔

''اس کامیابی نے میرا حوصلہ بڑھا دیا ہے''۔شعبۂ جاسوسی کے نائب زاہدان نے کہا......''اگر آپ اجازت دیں تو میں مقبوضہ علاقے کے نوجوانوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اتنا بھڑکا سکتا ہوں کہ وہ شعلے بن کر کرک اور یروشلم کو آگ لگا دیں گے''۔

''اور اس آگ میں وہ خود بھی جل مریں گے''۔سلطان ایوبی نے کہا......''میں نوجوانوں کو شعلے نہیں بنانا چاہتا۔ میں اُن کے سینوں میں ایمان کی چنگاری سلگانا چاہتا ہوں۔نوجوانوں کو بھڑکانا کوئی مشکل کام نہیں۔ان میں سے کوئی اشرفی کی چمک اور لالچ سے تمہارے ہاتھ میں کھیلنے لگے گا اور زیادہ تعداد ان کی ہے جو جذباتی الفاظ اور جوشیلے نعروں سے بھڑک اُٹھتے ہیں، پھر تم ان سے جو کچھ کرانا چاہتے ہو کرالو۔انہیں آپس میں بھی لڑا سکتے ہو۔اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ جاہل اور گنوار ہیں اور ان کا اپنا دماغ ہی نہیں۔اصل وجہ یہ ہے کہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے کہ خون کا جوش کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتا ہے۔اس عمر میں ذہن عیاشی کی طرف بھی مائل ہوتا ہے اور عمل صالح کی طرف بھی۔تم نوجوان ذہن کو جو بھی تحریک اور اشتعال دے دو، وہ اسی کا اثر قبول کرلے گا۔تمہارے دشمن ہماری قوم کے اُبھرتے ہوئے ذہن میں عیاشی اور جنسی لذت کے جراثیم ڈال رہے ہیں۔ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم انہیں جہاد کی طرف مائل کر کے دشمن کے خلاف استعمال نہ کرسکیں۔تم یہ کوشش کرو کہ نوجوان بھڑکیں نہیں، بلکہ سرد رہیں اور سوچیں۔رسولِ مقبول ﷺ کی اس حدیث کو سمجھیں کہ اپنے آپ کو جانو اپنے دشمن کو پہچانو۔ان کی سوچیں بدل دو۔اُن میں قومیت کا احساس پیدا کرو۔یہ نوجوان قوم کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔انہیں بھڑکا کر جلنے سے بچاؤ۔انہیں مروانا دانش مندی نہیں۔دانائی یہ ہے کہ اُن کے ہاتھوں دشمن کو مرواؤ، لیکن دشمن کا تصور واضح کرو۔ کوئی مسلمان مجھے بُرا بھلا کہے تو وہ نہ اسلام کا دشمن ہے، نہ غدار ہے۔وہ میرا دشمن ہے۔میں اُسے قانون کا سہارا لے کر سزا نہیں دوں گا، جو اسلام در سلطنتِ اسلامیہ کے تحفظ کے لیے بنایا گیا ہے۔ملت کا قانون ملت کے امیر کے ذاتی استعمال کے لیے نہیں ہوتا۔غداری کی سزا اُسے دی جاتی ہے جو ملک اور قوم کی جڑیں کاٹے اور دین کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرے، خواہ حکمران خود ہی اس کا مجرم ہو، وہ غدار ہے اور سزا کا مستحق''۔

''اس صورت میں جبکہ وہاں نوجوان تیار ہوگئے ہیں، ہم انہیں کس طرح استعمال کریں''۔زاہدان نے پوچھا۔

''انہیں جوش میں نہ آنے دو''۔سلطان ایوبی نے جواب دیا......''ان کی سوچیں بیدار کر۔وہاں کے حالات کے مطابق وہ خود فیصلہ کریں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔وہ جذبات کے غلبے کے تحت نہ سوچیں، وہاں اور زیادہ ذہین جاسوس بھیجو اور یہ یاد رکھو زاہدان کہ دشمن ہمیں نہیں ہمارے نوجوان بچوں کا کردار بگاڑنے کی کوشش کو رہا ہے یا ہمارے اُن حاکموں کا جن کے ذہن بچوں کی طرح خام ہیں۔کسی بھی قوم کو جنگ کے بغیر شکست دینا چاہو تو اس کے نوجوانوں کو ذہنی عیاشی میں ڈال دو۔یہ قوم اس حد تک تمہاری غلام ہو جائے گی کہ اپنی مستورات تمہارے حوالے کر کے اس پر فخر کرے گی۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم کو اسی سطح پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں''......سلطان ایوبی کو جیسے اچانک کچھ یاد آگیا ہو۔اُس نے زہدان سے کہا......''میں نے کسی سے کہا تھا کہ کرک کے اُن مسلمانوں تک جو ہتھیار بنا رہے ہیں، آتش گیر مادہ پہنچا دیا ہیں بتا دو کہ یہ کس طرح بنتا اور استعمال ہوتا ہے''۔

''وہ انہیں بتا دیا گیا ہے''۔زاہدان نے جواب دیا......''اطلاع ملی ہے کہ مسلمانوں نے یہ مادہ تیار کرنا شروع کردیا ہے''۔

☆

کرک میں ایسے حالات فوراً ہی پیدا ہو گئے جن میں وہاں کے نوجوانوں کو خود ہی سوچنا اور عمل کرنا پڑا۔ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے قافلے لوٹنے کا بھی سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ قافلے اتنے عام نہیں تھے۔ تاجر اور دیگر سفر کرنے والے اکٹھے ہوتے رہتے تھے۔ ان کی تعداد ڈیڑھ دو سو ہو جاتی تو قافلے کی صورت میں چلتے تھے۔ یہ ایک حفاظتی اقدام ہوتا تھا۔ قافلے کے ساتھ لڑنے والے مسلح افراد بھی ہوتے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی افراط ہوتی تھی۔ تاجروں کا بے شمار مال اور دولت ہوتی تھی۔ قافلے میں چند ایک کنبے بھی ہوتے تھے۔ یہ لوگ نقل مکانی کرتے تھے۔ صلیبی استبداد میں آئے ہوئے مسلمان اکثر وہاں سے ہجرت کر کے مسلمانوں کی حکمرانی کے علاقوں میں جاتے رہتے تھے۔ اتنے بڑے قافلے کو چند ایک ڈاکو نہیں لوٹ سکتے تھے۔ قافلے والے مقابلہ کرتے تھے۔ صلیبیوں نے یہ کام اپنی فوج کے سپرد کیا تھا۔ انہیں اگر کسی قافلے کی اطلاع مل جاتی تو اپنی فوج کے ایک دو دستوں کو صحرائی لوگوں کے بھیس میں بھیج کر اسے لوٹ لیتے تھے۔ قافلوں میں صرف مسلمان ہوتے تھے۔ یہ جرم اُن صلیبی بادشاہوں نے بھی کرایا اور لوٹے ہوئے مال سے حصہ وصول کیا، جنہیں آج تاریخ میں صلیبی جنگوں کا ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

اس جرم میں مسلمان امراء بھی شامل تھے۔ وہ چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کے حکمران تھے۔ اُن کے پاس فوج بھی تھی۔ لٹے ہوئے قافلوں کے دو چار آدمی فریاد لے کر ان حکمرانوں کے دربار میں جاتے تھے تو اُن کی شنوائی نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ان حکمرانوں کو بھی صلیبی لڑکیوں، شراب اور تھوڑے سے سونے کی صورت میں حصہ دیا کرتے تھے۔

اگر یہ حکمران چاہتے تو صلیبی ڈاکوؤں کا قلع قمع کر سکتے تھے، مگر انہوں نے صلیبی ڈاکوؤں کو ایسی کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ یہ ڈاکو ان کی ریاستوں کے اندر بھی آ کر لوٹ مار کر جاتے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں اندھا کر کے یہ فائدہ بھی اُٹھایا کہ ان کی ریاستوں کے سرحدی علاقے ہڑپ کرتے گئے۔ انہوں نے بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مسلسل ڈاکوؤں سے پریشان کر کے جزیہ بھی وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح سلطنتِ اسلامیہ سکڑتی چلی جا رہی تھی۔ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی ان مسلمان ریاستوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ان حکمرانوں کو وہ صلیبیوں سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ ایک بار نورالدین زنگی نے صلاح الدین ایوبی کو ایک پیغام بھیجا تھا جس میں کئی اور باتوں کے علاوہ ان چھوٹے چھوٹے مسلمان حکمرانوں کے متعلق لکھا تھا...... ''ان مسلمان حکمرانوں نے اپنی عیش و عشرت کے لیے اپنی ریاستیں صلیبیوں کے پاس گروی رکھ دی ہیں۔ وہ کفار سے تحفے اور زر و جواہرات اور اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں لیتے اور اسلام کا نام ڈبوتے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان کفار سے زیادہ ناپاک اور خطرناک ہیں۔ وہ بادشاہی کے نشے میں بدمست ہیں اور صلیبی اُن کی جڑوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ صلیبیوں کو شکست دینے سے پہلے ضروری ہو گیا ہے کہ ان مسلمان ریاستوں پر قبضہ کر کے انہیں سلطنتِ اسلامیہ میں مدغم کیا جائے اور خلافتِ بغداد کے تحت لایا جائے۔ اس کے بغیر اسلام کا تحفظ ممکن نہیں''۔

ان خطروں کے باوجود کبھی کبھی کوئی بہت بڑا قافلہ صحرا میں جاتا نظر آ جاتا تھا۔ کرک سے چند میل دُور سے ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ اس میں ایک سو سے زیادہ اونٹ تھے۔ بہت سے گھوڑے بھی تھے۔ قافلے میں تاجروں کا مال تھا اور چند ایک کنبے تھے۔ ایک کنبہ ایسا بھی تھا، جس میں دو جوان لڑکیاں تھیں، یہ بہنیں تھیں۔ قافلہ حسبِ معمول مسلمانوں کا تھا۔ کرک کے علاقے سے قافلہ گزر رہا تھا تو صلیبیوں کو پتا چل گیا۔ انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ بھیج دیا جس نے دن دہاڑے قافلے پر جا حملہ کیا۔ قافلے کے گھوڑ سواروں نے مقابلہ تو بہت کیا مگر صلیبیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہاں ریت خون سے لال ہو گئی۔ صلیبیوں نے بچوں تک کو کاٹ ڈالا۔ پندرہ سولہ جواں سال مسلمان رہ گئے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔ دونوں لڑکیوں کو

پکڑ لیا۔ انٹوں اور گھوڑوں کو مال واسباب سمیت کرک لے گئے۔

یہ قافلہ جب کرک میں داخل ہوا تو آگے آگے قیدی تھے۔ ان کے پیچھے دو گھوڑوں پر دو لڑکیاں سوار تھیں، جن کا لباس بتاتا تھا کہ مسلمان ہیں۔ ان کے پیچھے صلیبی تھے، جن کے چہروں پر نقاب تھے اور ان کے پیچھے مال واسباب سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار تھی۔ لڑکیاں رو رہی تھیں۔ کرک کے شہری تماشہ دیکھنے کے لیے باہر نکل آئے۔ وہ تالیاں پیٹتے اور قہقہے لگاتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لٹا ہوا یہ قافلہ مسلمانوں کا ہے اور قیدی بھی مسلمان ہیں۔ ان قیدیوں میں ایک جوان سال قیدی آفاق نام کا تھا۔ دونوں مغویہ لڑکیاں اس کی بہنیں تھیں۔ آفاق زخمی بھی تھا۔ اس کی پیشانی اور کندھے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ لٹے ہوئے قافلے کے آگے آگے شہر میں داخل ہوا تو تماشائیوں کو دیکھ کر اس نے بلند آواز سے کہا..... ''کرک کے مسلمانو! ہمارا تماشہ دیکھ رہے ہو؟ ڈوب مرو۔ ان لڑکیوں کو دیکھو، یہ میری نہیں تمہاری بہنیں ہیں۔ یہ مسلمان ہیں''۔

ایک صلیبی نے پیچھے سے اس کی گردن پر گھونسہ مارا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ اس کے ہاتھ رسیوں سے پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ ایک قیدی نے اُسے اُٹھایا تو آفاق پھر چلایا..... ''کرک کے مسلمانو! یہ تمہاری بیٹیاں ہیں''..... اُسے دو تین نقاب پوشوں نے پیٹنا شروع کر دیا۔ اس کی بہنیں چیخ چیخ کر رو رہی تھیں اور فریادیں کرتی تھیں..... ''خدا کے لیے ہمارے بھائی کو نہ مارو۔ ہمارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرلو، اسے نہ مارو''..... ایک بہن چلا رہی تھی..... ''آفاق خاموش ہو جاؤ۔ تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے''..... مگر آفاق چپ نہیں ہو رہا تھا۔ تماشائیوں میں مسلمان بھی تھے جو اپنا خون پی رہے تھے، مگر بے بس تھے۔ ان کی غیرت اُن کی نظروں کے سامنے سے گزرتی جا رہی تھی اور وہ دیکھ رہے تھے۔ اُن میں نوجوان مسلمان بھی تھے اور ان میں عثمان صارم بھی تھا۔ اُس نے اپنے نوجوان دوستوں کی طرف دیکھا۔ سب کی آنکھیں لال تھیں اور دِل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

عثمان صارم تھوڑی دُور تک اس قافلے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ آگے ایک غریب سا موچی بیٹھا تھا، جو لوگ کے جوتے مرمت کیا کرتا تھا۔ اُسے کسی مسلمان نے اپنی گھر کی ڈیوڑھی میں سونے کی جگہ دے رکھی تھی۔ دن بھر وہ باہر بیٹھا جوتے مرمت کرتا رہتا تھا۔ بدقسمت قافلہ اُس کے سامنے سے بھی گزرا۔ اُس نے بھی آفاق کی للکار اور لڑکیوں کی آہ وزاری سنی۔ آفاق کے چہرے کو خون سے لال دیکھا۔ اُس پر صلیبیوں کا ظلم ہوتا بھی دیکھا، لیکن اس طرح دیکھا جیسے اُس نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس موچی کو نہ کبھی کسی نے مسجد میں جاتے دیکھا تھا، نہ گرجے میں۔ وہ یہودیوں کی عبادت گاہ میں بھی کبھی نہیں گیا تھا۔ اس کی طرف وہی توجہ دیتا تھا، جسے جوتا مرمت کرانا ہوتا تھا، اُسے کبھی کسی نے بولتے نہیں سنا تھا۔ وہ خلق کا راندہ ہوا انسان تھا، جسے صلیبیوں کے ساتھ بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اسلامیوں کے ساتھ بھی کوئی واسطہ نہیں تھا۔

عثمان صارم چلتے چلتے اس موچی کے قریب سے گزرنے لگا تو رُک گیا۔ قیدی آگے نکل گئے تھے۔ اونٹ جا رہے تھے۔ جب آخری اونٹ گزر گیا تو عثمان صارم نے دونوں جوتے اُتار کر موچی کے آگے رکھ دیئے اور اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ موچی کسی کا جوتا مرمت کر رہا تھا۔ اُس نے عثمان صارم کو سر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ عثمان نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سرگوشی میں کہا..... ''ان دونوں لڑکیوں کو آج رات آزاد کرانا ہے''۔

''جانتے ہو، یہ لڑکیاں رات کو کہاں ہوں گی؟''..... موچی نے سر اُٹھائے بغیر اتنی دھیمی آواز میں پوچھا کہ عثمان صارم کے سوا کوئی اور نہیں سن سکتا تھا۔

''جانتا ہوں''۔ عثمان صارم نے جواب دیا..... ''صلیبی بادشاہوں کے پاس ہوں گی، لیکن ہم میں سے کسی نے

بھی وہ جگہ اندر سے نہیں دیکھی''۔

''میں نے دیکھی ہے''۔موچی نے اپنے کام میں مگن رہ کر کہا...... ''وہاں سے لڑکیوں کو نکالنا ممکن نہیں''۔

''تم کس مرض کی دوا ہو؟''...... عثمان صارم نے ایسے لہجے میں کہا جس میں جذبات کا لرزہ اور غصہ تھا۔ کہنے لگا''ہماری رہنمائی کرو، اگر ہم لڑکیوں تک پہنچ گئے تو پکڑے گئے تو لڑکیوں کی گردنیں کاٹ دیں گے۔انہیں صلیبیوں کے پاس نہیں رہنے دیں گے''۔

''کتنے جوانوں کی قربانی دے سکتے ہو؟''موچی نے پوچھا۔

''جتنے جوان مانگو گے''۔

''کل رات''۔

''آج رات''۔عثمان صارم نے دبدبے سے کہا...... ''آج ہی رات برجیس! آج ہی رات''۔

''امام کے پاس پہنچو''۔موچی نے کہا۔

''کتنے جوان؟''

''برجیس موچی نے سوچ کر کہا...... ''آٹھ...... ہتھیار سن لو۔خنجر۔آتش گیر مادہ''۔

عثمان صارم نے اپنے جوتے پہنے اور چلا گیا۔

☆

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔عثمان صارم نے راستے میں اپنے سات ہم جولیوں کو گھروں سے بلا کر انہیں امام کے گھر پہنچنے کو کہا اور خود امام کے گھر چلا گیا۔یہ اُسی مسجد کا امام تھا، جس میں عثمان صارم کی ملاقات''پاگل'' سے ہوئی تھی۔عثمان نے ہی امام کو اپنی زمیں دوز جماعت کی امامت پیش کی تھی، جسے جماعت کے ہر فرد نے قبول کر لیا تھا۔یہ لوگ کسی نہ کسی کے گھر میں مل بیٹھتے اور لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔اب ان دو مغویہ لڑکیوں کا مسئلہ سامنے آ گیا تو عثمان صارم نے ان کی رہائی کا ارادہ کر لیا جو دراصل خودکشی کا ارادہ تھا۔وہ موچی کے کہنے کے مطابق امام کے گھر چلا گیا۔امام بے چینی سے اپنی ڈیوڑھی میں ٹہل رہا تھا۔عثمان صارم کو دیکھ کر رُک گیا اور پوچھا...... ''عثمان! تم نے اس قیدی کی للکار سنی تھی؟ معلوم ہوتا تھا، وہ لڑکیاں اس کی بہنیں تھیں''۔

''میں اسی للکار پر لبیک کہنے آیا ہوں محترم امام!''عثمان صارم نے کہا...... ''برجیس آ رہا ہے اور میرے سات دوست بھی آ رہے ہیں''۔

''تم کیا کرو گے؟''امام نے پوچھا...... ''تم کر ہی کیا سکو گے؟...... میں جانتا ہوں کہ ہماری بے شمار لڑکیاں کافروں کے قبضے میں ہیں، مگر ان دو لڑکیوں نے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے۔''اُس نے منہ اوپر کر کے گہری آہ بھری اور کہا...... ''یا خدا مجھے صرف ایک رات کے لیے جوان کر دے یا آج ہی رات میری جان لے لے۔اگر میں زندہ رہا تو تمام عمر ان لڑکیوں کی آہ وزاری مجھے سنائی دیتی رہے گی اور میں پاگل ہو جاؤں گا''۔

''ہمیں اپنی دانش کی روشنی دکھائیں''۔عثمان صارم نے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ ہم آپ کو ایک رات سے زیادہ بے چین نہیں رہنے دیں گے''۔

عثمان صارم کے دو ساتھی اندر آئے۔امام نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور تینوں سے مخاطب ہو کر کہا...... ''آج یوں

معلوم ہوتا ہے، جیسے میری دانش جواب دے گئی ہے۔ مجھے اس طرح بے قابو نہیں ہونا چاہیے، لیکن کوئی غیرت کو للکارے تو جذبے بھڑک اُٹھتے ہیں، جنہیں مطمئن کرنے کے لیے جوان ہونا ضروری ہوتا ہے...... لیکن میرے بچو! میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں، مجھ میں اب برداشت کی قوت نہیں رہی تم جو کچھ کرنے کا ارادہ کرو، سنبھل کر کرنا''۔

ایک ایک کرکے سات نوجوان جمع ہو گئے اور اُن کے فوراً بعد موچی آ گیا۔ اس نے بوری اُٹھا رکھی تھی جس میں پرانے جوتے اور اوزار تھے۔ اُس نے بوری پھینکی اور کمر سیدھی کی۔ وہ ہنس پڑا۔ وہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ موچی ہے جو دُنیا کی گہما گہمی سے رشتہ توڑے ہوئے، راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کرتا رہتا ہے۔ اُس وقت جب وہ امام کے گھر میں تھا اور دروازہ بند ہو چکا تھا، وہ موچی نہیں برجیس تھا...... علی بن سفیان کے محکمۂ جاسوسی کے ایک خفیہ شعبے کا تجربہ کار اور نہایت عقل مند جاسوس...... اُس نے امام سے کہا...... ''یہ لڑکے آج ہی ان دونوں لڑکیوں کو صلیبیوں کی قید سے آزاد کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کام میں صرف پکڑے جانے کا یا ناکامی کا ہی خطرہ نہیں، بلکہ یقینی موت کا خطرہ ہے۔''

''ہم یہ خطرہ قبول کرتے ہیں محترم برجیس!''...... ایک نوجوان نے کہا...... ''آپ اس فن کے استاد ہیں۔ ہماری رہنمائی کریں''۔

''اگر عقل کی بات سنیں، تو میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں''...... برجیس نے کہا...... ''صلیبیوں کے پاس بہت سی مسلمان لڑکیاں ہیں۔ ان میں سے بعض کو انہوں نے بچپن میں قافلوں اور گھروں سے اغوا کیا تھا اور انہیں اپنی تعلیم و تربیت دے کر ہمارے خلاف جاسوسی اور تمہاری کردار کشی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ تم لوگ ایک ایک لڑکی کو تو آزاد نہیں کرا سکتے۔ اگر تم سب میرے فن سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو میں کہوں گا کہ دو لڑکیوں کی خاطر تم جیسے آٹھ جوان قربان کر دینا عقل مندی نہیں۔ بُردباری اور تحمل ضروری ہے''۔

''میں تحمل کو کس طرح قبول کر سکتا ہوں؟''...... عثمان صارم نے بھڑک کر کہا۔

''میری طرح''۔ برجیس نے کہا...... ''کیا میں پیشے کا موچی ہوں؟ میں جب مصر میں ہوتا ہوں تو میری سواری کے لیے عربی گھوڑا تیار رہتا ہے اور میرے گھر میں دو ملازم ہیں مگر یہاں تین مہینوں سے راستے میں بیٹھا لوگوں کے غلیظ جوتے مرمت کرتا رہتا ہوں...... میں تمہیں دو لڑکیوں کی آزادی کے لیے پورے کرک اور اس سے آگے کے بہت وسیع علاقے کو آزاد کرانے کے لیے زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ برداشت کرو، انتظار کرو''۔

عثمان صارم اور اس کے ساتوں دوست برداشت کی حدوں سے نکل چکے تھے۔ اُن کی باتوں سے پتا چلتا تھا کہ اُن میں انتظار کی بھی ہمت نہیں رہی۔ وہ کسی کی راہنمائی کے بغیر ہی اُس جگہ پر حملہ کرنے کو تیار تھے، جہاں توقع تھی کہ لڑکیاں ہوں گی۔ انہوں نے امام کی بھی باتیں سننے سے انکار کر دیا۔ آخر برجیس نے انہیں بتایا کہ اس کے دو جاسوس اُس جگہ معمولی ملازم ہیں، جہاں صلیبی حکمران رات کو اکٹھے ہوتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ یہ دونوں جاسوس عیسائیوں کے بھیس میں شوبک کی فتح کے بعد وہاں سے بھاگنے والے عیسائیوں کے ساتھ آئے تھے۔ انہیں یہاں نوکری مل گئی تھی اور وہ کامیاب جاسوسی کر رہے تھے۔

تم سب نے وہ عمارت دیکھی ہے جہاں وہ صلیبی حکمران جو ہماری فوج کے خلاف لڑنے کے لیے برطانیہ، اٹلی، فرانس اور جرمنی وغیرہ سے آئے ہوئے ہیں، رہتے ہیں۔ اس عمارت میں ایک بڑا کمرہ ہے، جہاں وہ شام کے بعد اکٹھے ہوتے، شراب پیتے اور ناچتے ہیں۔ اُن کی تفریح کے لیے لڑکیاں موجود ہوتی ہیں۔ وہ آدھی رات تک وہاں اُدھم مچاتے

رہتے ہیں۔تم نے دیکھا ہے کہ وہ جگہ ذرا بلندی پر ہے، جہاں سے پورا شہر نظر آتا ہے۔وہاں فوج کا پہرہ بھی ہوتا ہے۔اس عمارت تک پہنچنا ممکن نہیں۔کوئی عام آدمی بلکہ کوئی خاص شہری بھی اس عمارت کے قریب نہیں جا سکتا۔میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ دو لڑکیاں کہاں ہوں گی، مگر اُن تک رسائی کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہماری فوج باہر سے ابھی حملہ کر دے۔اس صورت میں تمام حکمران اور فوجی حکام اس عمارت سے چلے جائیں گے اور حملہ روکنے میں لگ جائیں گے، مگر آج رات حملہ نہیں ہو سکتا۔یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ صلاح الدین ایوبی کب حملہ کریں گے''۔

''ضرورت حملے کی ہے''۔امام نے برجیس سے وضاحت چاہی...... ''دوسرے لفظوں میں ضرورت یہ ہے کہ اس عمارت میں جو لوگ ہیں، وہ وہاں سے چلے جائیں اور لڑکیاں وہیں رہ جائیں۔اس صورت میں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اس عمارت میں داخل ہو کر لڑکیوں کو اُٹھا لائیں''۔

''جی ہاں!'' برجیس نے اپنے تجربے کی بنا پر خود اعتمادی سے کہا۔''اگر شہر کے اندر کوئی بڑا ہی شدید اور خطرناک قسم کا ہنگامہ ہو جائے، کہیں آگ لگ جائے اور آگ جنگی ساز و سامان کو لگے تو شاید حکمران اور دیگر لوگ وہاں سے نکل کر موقعۂ واردات پر چلے جائیں''۔ برجیس گہری سوچ میں کھو گیا۔اُس نے عثمان صارم اور اس کے ساتھیوں کو باری باری دیکھا اور کچھ دیر بعد کہا...... ''ہاں میرے مجاہدو! اگر ایک جگہ آگ لگا سکتے ہو تو لڑکیوں کی رہائی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے''۔

''جلدی بتاؤ محترم!''...... عثمان صارم نے بے صبر ہو کر پوچھا...... ''کہاں آگ لگانی ہے۔کہو تو سارے شہر کو آگ لگا دیں''۔

''تم سب نے وہ جگہ دیکھی ہے، جہاں صلیبیوں کی فوج کے گھوڑے بندھے رہتے ہیں؟'' برجیس نے کہا...... ''وہاں اس وقت کم و بیش چھ سو گھوڑے ایک جگہ بندھے ہوئے ہیں۔باقی مختلف جگہوں پر ہیں۔ان کے قریب اتنی ہی تعداد میں اونٹوں کی بندھی ہوئی ہے۔ان سے ذرا ہی پرے گھوڑوں کے خشک گھاس کے پہاڑ کھڑے ہیں۔اس سے تھوڑا ہٹ کر فوج کے خیموں کے ڈھیر پڑے ہیں، وہاں گھوڑا گاڑیاں بھی کھڑی ہیں اور ایسا سامان بے شمار پڑا ہے، جسے فوراً آگ لگ سکتی ہے، مگر اس کے اِردگرد سنتری گھوم پھر رہے ہوتے ہیں، وہاں سے رات کے وقت کسی کو گزرنے کی اجازت نہیں۔اگر تم اس گھاس اور خیموں کے انباروں کو آگ لگا سکو تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ صلیبی حکمران ساری دُنیا کو بھول کر وہاں پہنچ جائیں گے۔گھاس، کپڑے اور لکڑی کے شعلے آسمان تک جائیں گے۔سارے شہر پر خوف طاری ہو جائے گی۔آگ لگانے کے ساتھ ہی اگر تم زیادہ سے زیادہ گھوڑوں کو کھول دو تو وہ ڈر کر ایسا بھاگیں گے کہ لوگوں کو کچلتے پھریں گے، مگر سوچنا یہ ہے کہ آگ کون لگائے گا، گھوڑے کون کھولے گا اور آگ لگانے کے لیے وہاں پہنچا کس طرح جائے گا''۔

''فرض کر لو، آگ لگ گئی'' ایک نوجوان نے کہا...... ''اور وہ عمارت بھی خالی ہو گئی تو ہمیں کیا کرنا ہو گا؟''

''میں ساتھ ہوں گا''۔ برجیس نے جواب دیا...... ''اُس عمارت میں تم میرے بغیر نہیں جا سکو گے، وہاں میرے دو ساتھی موجود ہیں۔وہ مجھے بتا دیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں، مگر یہ بھی سوچ لو کہ لڑکیوں کو اُٹھا لائیں گے تو انہیں کہیں چھپانا بھی ہو گا اور اُس کے بعد کرک کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔صلیبی یقین ہی نہیں کریں گے کہ یہ مسلمان کے سوا کسی اور کا کام ہو سکتا ہے''۔

''مسلمان پہلے کتنے کچھ آرام میں ہیں؟''...... امام نے کہا...... ''میں مشورہ دیتا ہوں کہ ہم یہ کام کر گزریں۔صلیبیوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ مسلمان کتنا ہی مجبور اور بے بس کیوں نہ ہو، وہ غلام نہیں رہ سکتا اور اس کا وار جگر چاک کر دیا کرتا ہے''۔

برجیس تو تھا ہی کمانڈو قسم کا جاسوس۔ وہ کئی راز معلوم کر کے سلطان ایوبی تک پہنچا چکا تھا، لیکن اُسے اس قسم کی تخریب کاری کا کوئی موقع نہیں ملا تھا۔ وہ ایسی شدید کارروائی کو ضروری سمجھتا تھا تا کہ صلیبیوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان کیا کرسکتا ہے۔ اُس نے عثمان صارم اور اُس کے ساتھیوں کو سمجھانا شروع کر دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ اس سلسلے کی دو کڑیاں بہت نازک تھیں۔ ایک یہ کہ آگ لگانے کے لیے تین چار لڑکیاں جائیں۔ وہ سنتری سے کسی اعلیٰ فوجی حاکم کا پتہ پوچھیں اور سنتری کو مار ڈالیں۔ برجیس نے لڑکیوں کو بھیجنے کی اس لیے سوچی تھی کہ عورت، خصوصاً نوجوان لڑکی، جو تاثر پیدا کرسکتی ہے، وہ کوئی مرد نہیں کرسکتا۔ مرد شک پیدا کرسکتا ہے۔ دوسرا خطرناک مرحلہ یہ آیا کہ کتنے نوجوان صلیبی حکمرانوں کی عمارت پر حملہ آور ہوں۔ برجیس اور امام نے متفقہ طور پر کہا کہ زیادہ نہ ہوں۔ یہی آٹھ ہوں تو بہتر ہے، کیونکہ زیادہ ہجوم نظر آ سکتا ہے اور کسی نہ کسی کے پکڑے جانے کا خطرہ زیادہ ہوگا۔

پھر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اتنی دلیر لڑکیاں کہاں سے ملیں گی۔ عثمان صارم نے کہا کہ ایک اس کی بہن النور ہوگی۔ ایک اور نوجوان نے کہا کہ دوسری اُس کی بہن ہوگی۔ باقی چھ نوجوانوں میں کسی کی بہن نہیں تھی۔ اُمید ظاہر کی گئی کہ یہ دو لڑکیاں اپنی اپنی ایک سہیلی کو ساتھ لے لیں گی۔ برجیس نے ان لڑکیوں کو ان کا کام سمجھانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔
سورج غروب ہو گیا تھا۔ امام مسجد ایک طرف چلا گیا۔ باقی سب ایک ایک کر کے باہر نکلے۔ سب سے آخر میں برجیس باہر نکلا۔ وہ پھر وہی موچی تھا جسے کچھ خبر نہیں تھی کہ اُس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ وہ جھکا جھکا اس طرح مری ہوئی چال چلا جا رہا تھا جیسے ساری دُنیا کے رنج و غم کا بوجھ اُس کے کندھوں پر گر پڑا ہو۔

☆

عثمان صارم اپنے گھر سے ابھی کچھ دُور تھا کہ اُسے رینی الیگزینڈر مل گئی۔ وہ عثمان کی بہن النور کی گہری سہیلی بنی ہوئی تھی۔ دونوں بہن بھائی چاہتے تھے کہ وہ اُن کے گھر نہ آیا کرے، لیکن عثمان صارم اُسے اچانک گھر آنے سے روک کر کسی شک میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ رینی اُس کے ساتھ بے تکلف ہونے کی کوشش کیا کرتی تھی جس سے عثمان کو یہ خیال بھی آتا تھا کہ وہ اُس کا کردار خراب کر کے اس کا قومی جذبہ مارنا چاہتی ہے۔ اُس شام رینی راستے میں مل گئی۔ اُس نے مسکرا کر دیکھا اور رُکنا نہ چاہا، مگر رینی رُک گئی اور اُس کا راستہ روک لیا۔ عثمان صارم کو ایسا کوئی ڈر نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ایک عیسائی لڑکی کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتا پکڑا گیا تو سزا پائے گا۔ وہ جانتا تھا کہ صلیبی اور یہودی انہیں دیکھ کر خوش ہوں گے کہ اُن کی ایک لڑکی مشتبہ مسلمان نوجوان کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہے۔ وہ بھی رُک گیا اور بولا ..... ''میں ذرا جلدی میں ہوں رینی''۔
''تمہیں کوئی جلدی نہیں عثمان!'' ..... رینی نے دوستانہ لہجے میں کہا ..... ''کیا تم اتنی آسانی سے مجھ سے پیچھا چھڑا سکو گے؟''

''میں تم سے پیچھا چھڑانے کی تو نہیں سوچ رہا''۔
''جھوٹ نہ بولو عثمان!'' رینی نے مسکرا کر کہا ..... ''میں تمہارے گھر سے آ رہی ہوں۔ تمہاری بہن نے مجھے صاف کہہ دیا ہے کہ یہاں اب کم آیا کرو۔ عثمان ناراض ہوتا ہے ..... کیوں عثمان! یہ بات تم نے خود کیوں نہ کہہ دی؟''۔
عثمان صارم خاموش رہا۔ اس کی بہن نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ اُس کے لیے جواب دینا مشکل ہو گیا۔ اُسے خاموش دیکھ کر رینی نے کہا ..... ''مجھے یہ تو بتا دو کہ میں تمہارے گھر کیوں نہ آیا کروں؟''۔
عثمان صارم کی ذہنی حالت کچھ اور تھی۔ وہ جلدی میں تھا اور اُس کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ وہ ٹالنے کے

لیے کوئی موزوں جواب نہ سوچ سکا۔ اُس کے منہ سے وہی بات نکل گئی جو اُس کے دل میں تھی۔ اس نے کہا...... ''ریی! معلوم نہیں میں خود کیوں نہ تمہیں کہہ سکا کہ ہمارے گھر نہ آیا کرو۔ اب سن لو۔ ہماری آپس میں کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو، ہم قومی لحاظ سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم ذاتی محبت کی بات کرو گی، مگر میں قومی محبت کا قائل ہوں جو صلیب اور قرآن مجید میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ میرا وطن ہے۔ تمہاری قوم یہاں کیا کر رہی ہے؟...... جب تک تمہاری قوم کے آخری آدمی کا بھی وجود یہاں رہے گا، ہم ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے...... میرے دِل میں جو کچھ تھا، وہ تمہیں بتا دیا ہے''۔

''اور میرے دل میں جو کچھ ہے، وہ بھی سن لو''۔ ریی نے کہا...... ''میرے دل سے تمہاری محبت نہ صلیب نکال سکتی ہے، نہ قرآن مجید۔ میں جب تک تمہیں دیکھ نہ لوں، مجھے چین نہیں آتا۔ تمہیں مسکراتا دیکھتی ہوں تو میری روح بھی مسکرا اُٹھتی ہے۔ سن لو عثمان! اگر تم نے مجھے اپنے گھر آنے سے روکا تو ہم دونوں کے لیے اچھا نہیں ہوگا''۔

''تم مجھے دھمکی دے سکتی ہو۔ تم حکمران قوم کی لڑکی ہو نا!'' عثمان صارم نے تحمل سے کہا۔

''اگر میرے دماغ میں حکمرانی کا نشہ ہوتا تو تم یہاں نہ کھڑے ہوتے۔ قید خانے میں گل سڑ رہے ہوتے۔'' ریی نے کہا...... ''تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ مجھے تمہارے متعلق کچھ معلوم نہیں؟ کہو تو تمہاری زمین دوز کارروائیوں کی تفصیل سنا دوں۔ کہو تو تمہارے گھر سے وہ سارے خنجر، تیر وکمان اور آتش گیر مادہ برآمد کرادوں جو تم نے اپنے گھر میں میری قوم اور میری حکومت کے خلاف استعمال کرنے کے لیے چھپا رکھا ہے اور جو تمہیں گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں۔ النور کو تم تیغ زنی سکھا رہے ہو اور تمہارے ساتھ جو دوست ہمارے خلاف کام کر رہے ہیں، اُن میں سے کئی ایک کو جانتی ہوں، لیکن عثمان! تم نہیں جانتے کہ تمہارے اور قید خانے کے درمیان میرا وجود حائل ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرا باپ کون ہے اور وہ کیا نہیں جانتا اور کیا نہیں کرسکتا۔ وہ پانچ مرتبہ گھر میں بتا چکا ہے کہ عثمان کی گرفتاری ضروری ہوگئی ہے۔ میں نے پانچوں مرتبہ باپ سے منت کرکے کہا ہے کہ عثمان کی بہن میری بڑی پیاری سہیلی ہے اور اس کا باپ ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ دو تین بار میرے باپ نے مجھے ڈانٹ کر کہا ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ تعلق توڑ دوں۔ مجھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمان اس قابل نہیں کہ اُن کے ساتھ اتنی زیادہ محبت اور مروت کی جائے، لیکن میں ماں باپ کی اکیلی اولاد ہوں، وہ مجھے ناراض نہیں کرنا چاہتے''۔

سورج غروب ہوگیا تھا۔ شام تاریک ہونے لگی تھی۔ عثمان صارم خاموش رہا۔ اُس کا ذہن کسی اور طرف تھا۔ وہ کچھ جواب دیئے بغیر چل پڑا۔ ابھی دو ہی قدم اُٹھائے تھے کہ ریی نے آگے ہو کر اُسے اس طرح روک لیا کہ اس کا سینہ عثمان کے سینے سے لگ گیا۔ ریی نے دونوں ہاتھ اس کے کولہوں پر رکھ دیئے۔ اس کے جسم سے عثمان کو ایسی عطر بیز بو آئی جو مسلمان گھرانوں میں نہیں ہوتی تھی۔ لڑکی اُس کے قریب ہوگئی۔ اتنی قریب کہ اُن کی سانسیں ٹکرانے لگیں۔ ریی کے ملائم ریشم جیسے بال جب عثمان صارم کے گالوں سے لگے تو وہ یوں تڑپ اُٹھا جیسے پھندے سے آزاد ہونے کی کوشش کی ہو۔ ریی نے اُسے چھوڑ دیا۔

''مجھے آزاد کردو ریی!'' عثمان صارم نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا...... ''مجھے پتھر بن جانے دو۔ میرا راستہ کوئی اور ہے۔ ہم اکٹھے نہیں چل سکیں گے''۔

''محبت قربانی مانگتی ہے''۔ ریی نے نشیلی آواز میں کہا...... ''کہو کیا قربانی مانگتے ہو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم جو جی میں آئے کرو، میں تمہیں قید نہیں ہونے دوں گی''۔

''اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں''۔ عثمان صارم نے طنزیہ کہا۔ ''کہ میں تمہیں بتاؤں گا ہی نہیں کہ میرے جی میں

کیا آئی ہے اور میں کیا کرنے والا ہوں۔ میں تمہارے اس حسین جسم اور ریشمی بالوں کے جادو میں نہیں آؤں گا''۔

''تو پھر مجھے ثابت کرنا پڑے گا کہ میں تمہارے لیے قربانی کر سکتی ہوں''۔ ریٹی نے کہا..... ''جاؤ عثمان! تم جلدی میں ہو، لیکن میں تمہارے گھر آنے سے باز نہیں آؤں گی''۔

عثمان صارم دوڑ پڑا۔ ریٹی اُسے دیکھتی رہی اور آہ بھر کر چلی گئی۔

☆

عثمان صارم گھر میں داخل ہوا تو برجیس وہاں پہنچ چکا تھا۔ عثمان صارم اندر چلا گیا اور اپنے باپ، ماں اور النور کو تفصیل سے بتایا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کا ایک قافلہ لوٹا ہے اور دو لڑکیوں کو بھی ساتھ لے آئے ہیں۔ اُس نے تمام تر واقعہ سنا کر کہا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُن لڑکیوں کو آزاد کرانے جا رہا ہے اور اس مہم میں النور کی بھی ضرورت ہے۔ عثمان صارم کے باپ کی ٹانگ صلیبیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جوانی میں کٹ گئی تھی اور وہ باقی عمر اس افسوس میں کاٹ رہا تھا کہ وہ جہاد کے قابل نہیں رہا۔ اُس نے عثمان سے کہا..... ''بیٹا! تم نے اگر اتنے خطرناک کام کا ارادہ کر لیا ہے تو مجھے یہ سننا نہ پڑے کہ تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ غداری کی ہے۔ اس کام میں پکڑے جانے کا امکان زیادہ ہے۔ اگر تم پکڑے گئے اور تمہارے ساتھی نکل آئے تو جان دے دینا، اپنے ساتھیوں کے نام پتے نہ بتانا۔ میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کی فوج کے لیے جوان کر رہا تھا، لیکن تمہاری بہن کی شادی کر کے تمہیں رخصت کرنے کا سوچا تھا۔ جاؤ اور میری روح کو مطمئن کر دو۔ ایک بار پھر سن لو۔ میں کسی سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ تمہاری رگوں میں صارم کا خون نہیں تھا''۔

باپ نے بیٹی کو بھی اجازت دے دی۔ عثمان صارم نے اُسے بتایا کہ برجیس ڈیوڑھی میں بیٹھا ہے اور وہ اس مہم کی کمان اور رہنمائی کرے گا۔ باپ ڈیوڑھی میں برجیس کے پاس چلا گیا۔ عثمان نے النور سے کہا کہ وہ فوراً اپنی ایک یا دو ایسی سہیلیوں کو بلا لائے جو اس کام میں شامل ہونے کی جرأت رکھتی ہیں۔ النور اُسی وقت باہر نکل گئی اور ذرا سی دیر میں دو سہیلیوں کو بلا لائی۔ اتنے میں عثمان صارم کا ایک ساتھی اپنی بہن کے ساتھ آ گیا۔ ایک ایک کر کے ساتوں جوان آ گئے۔ برجیس نے لڑکیوں کو بتایا کہ وہ کس راستے کہاں جائیں گی۔ راستے میں انہیں ایک سنتری روکے گا۔ لڑکیاں اس سے پوچھیں گی کہ اوپر کو کون سا راستہ جاتا ہے۔ وہ کہیں گی کہ شاہ رینالڈ نے انہیں بلایا ہے، لیکن وہ غلط راستے پر آ گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک لڑکی نوکرانیوں کے بھیس میں ہوگی، جس کے سر پر سامان ہوگا۔ سنتری کو ختم کرنا ہوگا، پھر آگ لگانی ہوگی۔ آگ لگانے والا سامان ''نوکرانی'' کے سر پر ہوگا۔ گھوڑے اس طرح بندھے ہوں گے کہ لمبے لمبے رسّوں کے سرے زمین میں دبائے ہوئے ہوں گے اور گھوڑوں کی پچھلی ایک ایک ٹانگ سے زنجیر یا رسّی بندھی ہوگی جو رسّوں سے گزاری ہوئی ہوگی۔ ان لمبے رسّوں کو خنجروں سے کاٹ دینا ہوگا اور چند ایک گھوڑوں کو خنجر بھی مارنے ہوں گے تاکہ وہ منہ زور ہو کر بھاگ اٹھیں۔

برجیس نے لڑکیوں کو فوراً لباس اور حلیہ درست کرنے کو کہا اور ایک کو نوکرانی بنا دیا۔ اُس کے منہ اور ہاتھوں پر مٹی اور سیاہی سی مل دی۔ پھر وہ عثمان صارم اور اس کے ساتھیوں کو ہدایات دینے لگا۔ وہ خود اُن کے ساتھ جا رہا تھا۔ عثمان صارم کے باپ نے بھی انہیں کچھ مشورے دیئے۔ پھر سب کو خنجر دیئے گئے۔ خاصا وقت گزر گیا تھا، لیکن برجیس کہہ رہا تھا کہ ابھی شہر جاگ رہا ہے۔ اُس جگہ کی رونق اُس وقت جاگتی تھی جب شہر سو جاتا تھا۔ تیاریوں میں وقت گزرتا رہا اور روانگی کا وقت ہو گیا۔ سب کو اکیلے اکیلے جانا اور ایک طے شدہ مقام پر ملنا تھا۔ لڑکیوں کا راستہ الگ تھا۔ انہیں اندازاً وقت بتا دیا گیا تھا جب انہیں آگ لگانی تھی۔ اُس وقت برجیس کی جماعت کو حملے کے مقام پر ہونا چاہیے..... یہ بے حد نازک اور خطرناک مہم تھی جس میں

وقت کی غلطی اور کسی کی کوئی بے احتیاطی سب کو ایسے قید خانے میں ڈال سکتی تھی جو جہنم سے کم نہیں تھا۔ سب سے زیادہ خطرہ لڑکیوں کا تھا، کیونکہ وہ لڑکیاں تھیں۔ تصور کیا جا سکتا تھا کہ اُن کے پکڑے جانے کی صورت میں اُن کا کیا حشر ہوگا۔ النور نے کہا کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہوا تو لڑکیاں اپنے خنجروں سے خودکشی کر لیں گی۔ وہ کفار کے ہاتھ زندہ نہیں آئیں گی۔

شہر پر خاموشی طاری ہوتے ہوتے سارا شہر خاموش ہو گیا۔ کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ صرف ایک جگہ تھی جہاں رات کے سکوت کا ذرہ بھر اثر نہیں تھا۔ یہ وہ عمارت تھی جہاں صلیبیوں کی متحدہ کمان کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ وہیں صلیبی حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں کی رہائش بھی تھی۔ یہ لوگ اُس ہال میں ایک ایک کر آ چکے تھے، جہاں وہ ہر رات شراب نوشی اور رقص کی محفل جمایا کرتے تھے۔ اُس رات اُن کا موضوع دو نئی مسلمان لڑکیاں اور مال واسباب تھا جو قافلے سے لوٹا گیا تھا...... کسی نے پوچھا کہ یہ لڑکیاں کسی اور کام بھی آ سکتی ہیں؟ اس کا جواب ایک فوجی کمانڈر نے یہ دیا کہ لڑکیاں بالغ ذہن کی ہیں۔ اس لیے انہیں جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کی عمر سولہ سترہ سال ہے اور دوسری کی بائیس تیئس سال۔ کچھ عرصہ تفریح کے لیے استعمال ہو سکتی ہیں۔

''اس کے بعد انہیں اپنے دو فوجی افسروں کے حوالے کر دینا''...... ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا......''وہ اُن کے ساتھ شادی کر لیں گے''۔

یہ لڑکیاں اُن کے ہنسی مذاق اور غلیظ باتوں کا موضوع بنی رہیں اور وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے رہے۔ اُس وقت لڑکیاں دو الگ الگ کمروں میں تھیں۔ وہ رو رو کر بے حال ہو رہی تھی۔ دونوں کے ساتھ ایک ایک خادمہ تھی۔ یہ ادھیڑ عمر عورتیں بڑی خرانٹ اور اس فن کی ماہر تھیں۔ وہ لڑکیوں کو نہلا چکی تھیں اور انہیں رات کا لباس پہنا رہی تھی۔ لڑکیوں نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اُن کے آگے ایسے ایسے کھانے رکھے گئے تھے جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے، لیکن انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے متعلق معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے اور اُس کے ساتھ کیا بیت رہی ہے۔ دونوں عورتیں انہیں بڑے ہی حسین سبز باغ دکھا رہی تھیں۔ ایک کو بتایا جا رہا تھا کہ اُسے فرانس کے بادشاہ نے پسند کیا ہے جو اُسے زر و جواہرات سے لاد دے گا۔ دوسری کو جرمن کے بادشاہ کی ملکہ بننے کے خواب دکھائے جا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہیں بڑے پیار سے دھمکیاں بھی دی جا رہی تھیں کہ انہوں نے اگر ان بادشاہوں کو ناراض کیا تو وہ انہیں فوجی سپاہیوں کے حوالے کر دیں گے۔

یہ لڑکیاں صحرائی دیہات کی رہنے والی تھیں۔ کوئی ایسی بزدل بھی نہیں، لیکن بے بس ہو گئی تھیں۔ اپنے تحفظ میں کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ اُن کے ماں باپ اور بڑے بھائی نے اُن کی عصمت کی خاطر صلیبی استبداد کے علاقے سے ہجرت کی تھی، مگر صلیبیوں کے پھندے میں آ گئے۔ لڑکیاں پکڑی گئیں۔ ماں باپ مارے گئے اور بھائی قید ہو گیا۔ خدا کے سوا ان کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ قید سے نکل بھاگنے کے بھی قابل نہیں تھیں۔ وہ روتی تھیں تو صرف خدا کو یاد کرتی اور خدا کو ہی مدد کے لیے پکارتی تھیں۔ اپنی عزت کے علاوہ وہ اپنے بھائی آفاق کے لیے وہ بہت پریشان تھیں۔

اُس وقت آفاق بیگار کیمپ میں تڑپ رہا تھا۔ وہ زخمی تھا اور اُسے پیٹا بھی بہت گیا تھا۔ پہلے کے قیدی شام کے وقت روز مرہ کی مشقت سے آئے تھے۔ انہوں نے ان نئے قیدیوں کو دیکھا۔ اُن کی بپتا سنی۔ اُن میں صرف آفاق زخمی تھا۔ کسی نے اس کی مرہم پٹی نہیں کی تھی۔ تین چار قیدیوں نے مرہم اور کچھ دیسی دوائیاں چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ رات کو انہوں نے آفاق کے زخم صاف کیے اور مرہم بھر کر اوپر کپڑے باندھ دیئے۔

آفاق کو اپنے زخموں کا درد محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اُس کا دھیان اپنی بہنوں کی طرف تھا۔ قیدیوں سے وہ پوچھتا تھا کہ اُس کی بہنیں کہاں ہوں گی اور ان کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہوگا۔ اُسے بتایا گیا کہ اس قید خانے کی کوئی دیوار نہیں اور انہیں بیڑیاں بھی نہیں ڈالی گئیں، پھر بھی وہ یہاں سے بھاگ نہیں سکتا، کیونکہ سنتری گھوم پھر رہے ہیں اور اگر وہ یہاں سے نکل بھی جائے تو جائے گا کہاں۔ کہیں نہ کہیں پکڑا جائے گا۔ اس کی سزا اتنی اذیت ناک موت ہوگی جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اُسے بتایا گیا کہ یہاں کئی کئی سالوں سے قیدی پڑے ہیں جو کرک ہی کے رہنے والے ہیں، لیکن بھاگنے کی جرأت نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ پکڑے نہ گئے تو صلیبی اُن کے پورے خاندان کو قید میں ڈال دیں گے۔ ان تمام مجبوریوں اور خطروں کے باوجود آفاق فرار اور بہنوں کو رہا کرانے کی سوچ رہا تھا۔ اُس کا جسم چلنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ قیدی دِن بھر کے تھکے ماندے بے ہوشی کی نیند سو گئے اور آفاق جاگ رہا تھا۔

☆

''لڑکیاں پکڑی نہ گئی ہوں''۔ عثمان صارم نے سرگوشی میں کہا۔

''خدا کو یاد کرو عثمان!'' برجیس نے کہا..... ''ہم اس وقت موت کے منہ میں ہیں۔ دِل سے تمام خوف نکال دو اور خدا کو دِل میں بٹھالو..... تمہیں دوسرے لڑکوں پر بھروسہ ہے؟''۔

''پورا بھروسہ''۔ عثمان نے کہا..... ''ان کا فکر نہ کرو۔ مجھے لڑکیوں کا فکر ہے''۔

''خدا کو یاد کرو''۔ برجیس نے کہا..... ''ہم چوری کرنے نہیں آئے۔ اللہ مدد کرے گا''۔

اُس وقت عثمان صارم اور برجیس گھر میں نہیں تھے۔ وہ اُس عمارت سے جس میں مغویہ لڑکیاں تھیں، اتنی دُور جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے، جہاں سے عمارت انہیں اپنے سر پر کھڑی نظر آ رہی تھی۔ اُن کے سات ساتھی اُن سے تھوڑی ہی دُور بکھر کر انہی کی طرح چھپے ہوئے تھے۔ برجیس نے انہیں اچھی طرح بتا دیا تھا کہ کون سے اشارے پر انہیں کیا کرنا ہے۔ عثمان صارم کو اُن چار لڑکیوں کا غم تھا جو فوجی سامان اور گھاس کو آگ لگانے کے لیے گئی تھیں۔ اُن میں اُس کی اپنی بہن النور بھی تھی۔ اُس وقت تک آگ لگ جانی چاہیے تھی۔ توقع یہ تھی کہ اگر سکیم کامیاب رہی تو آگ کے شعلے اُٹھیں گے، پھیلیں گے۔ اس عمارت سے تمام کمانڈر وغیرہ آگ کی طرف بھاگیں گے جو ایک قدرتی ردعمل تھا، کیونکہ فوجی سامان کو آگ لگنے کی صورت میں وہ اپنی محفل عیش وطرب میں مگن نہیں رہ سکتے تھے۔ ان کے جاتے ہی ان نوجوانوں کو عمارت پر ٹوٹ پڑنا تھا، مگر لڑکیوں کو گئے بہت وقت ہو گیا تھا۔ شاید سنتری نے انہیں روک کر واپس بھیج دیا ہوگا۔

لڑکیاں ابھی سنتری تک ہی نہیں پہنچی تھی، کیونکہ وہاں سنتری تھا ہی نہیں۔ سنتری کا نہ ہونا خطرہ تھا، کیونکہ زندہ رہنے کی صورت میں وہ انہیں آگ لگاتے پکڑ سکتا تھا۔ لڑکیوں نے سنتری کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ وہ خشک گھاس کے پہاڑوں جیسے ڈھیروں کے پاس سے گزر رہی تھیں۔ اندھیرے میں انہیں خیموں کے انبار نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ اکٹھی جا رہی تھی۔ انہیں ایک جگہ ڈنڈے سے بندھی ہوئی مشعل کا شعلہ نظر آیا۔ وہ اُدھر چلی گئیں۔ سنتری سامنے آ گیا۔ مشعل کا ڈنڈا زمین میں گڑھا ہوا تھا۔ سنتری نے مشعل اُٹھالی اور لڑکیوں کے قریب آ کر انہیں روکا۔ وہ لڑکیوں کا بھڑکیلا لباس اور سج دھج دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ ان کے ساتھ ایک نوکرانی تھی جس نے سر پر گٹھڑی سی اُٹھا رکھی تھی۔ سنتری نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہی ہیں۔

''معلوم ہوتا ہے ہم غلط راستے پر آ گئی ہیں''۔ النور نے بڑی شوخ ہنسی سے کہا..... ''شاہ رینالڈ کا دعوت نامہ آیا

تھا۔ہم نے رات کو آنے کا وعدہ تھا۔ ذرا دیر ہوگئی تو کسی نے بتایا کہ یہ راستہ چھوٹا ہے۔ یہاں تو آگے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے وغیرہ بندھے ہوئے ہیں۔ ہم کدھر جائیں؟''

ایک معمولی سے سنتری پر رعب طاری کرنے کے لیے شاہ رینالڈ کا نام ہی کافی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ صلیبی بادشاہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ رینالڈ نے ان لڑکیوں کو عیش وعشرت اور ناچ گانے کے لیے بلایا ہوگا۔ لڑکیوں کے لباس، عمریں اور اُن کی شکل وصورت اور النور کے بات کرنے کا نڈر اور کھلنڈر سا انداز بتا رہا تھا کہ یہ اُس کے اعلیٰ حکام کے مطلب کی لڑکیاں ہیں۔ اُس نے انہیں راستہ بتانا شروع کر دیا۔ ایک لڑکی اس کے پیچھے ہوگئی اور اتنی زور سے خنجر اس کی پیٹھ میں گھونپا کہ دِل کو چیرتا آگے نکل گیا۔ اُس کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی۔ النور نے مشعل پر دونوں پاؤں رکھ کر اس کا شعلہ بجھا دیا۔ باقی لڑکیوں نے بھی سنتری کے جسم میں اپنا خنجر داخل کر دیا۔ سنتری کی آواز بھی نہ نکلی۔ برجیس نے انہیں بتایا تھا کہ گھاس کو آگ لگے گی تو اس کی روشنی میں انہیں خیموں کے ڈھیر اور گاڑیاں نظر آجائیں گی۔ گھاس کے پہاڑ تو انہیں اندھیرے میں بھی نظر آ رہے تھے جو لڑکی تو کرانی بنی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی سے سر سے گٹھڑی اُتاری۔ اس میں آتش گیر مادہ اور آگ لگانے کا سامان تھا۔

انہوں نے گھاس کے ایک ڈھیر کو آگ لگا دی۔ پھر دوسرے اور تیسرے کو اور ذرا سی دیر میں تمام ڈھیروں کو آگ لگ گئی۔ اب خطرہ بڑھ گیا تھا، کیونکہ روشنی ہوگئی تھی۔ تھوڑی دور انہیں لپٹے ہوئے خیموں کے ڈھیر نظر آگئے۔ یہ کپڑا تھا۔ اسے آگ لگانا مشکل نہ تھا۔ خیمے بھی جلنے لگے۔ خالی گھوڑا گاڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑی تھیں۔ لڑکیوں میں غیر معمولی پھرتی آگئی تھی۔ انہوں نے تین چار گاڑیوں پر آتش گیر مادہ پھینکا اور آگ لگا دی۔ اتنی دیر میں گھاس کے شعلے آسمان تک پہنچنے لگے۔ لڑکیاں گھوڑوں کی طرف بھاگیں۔ ابھی تک کوئی بیدار نہیں ہوا تھا۔ لڑکیوں نے خنجروں سے وہ لمبے لمبے رسے کاٹ دیئے، جن کے سرے زمین میں دبے ہوئے تھے اور ہر رسے کے ساتھ چالیس سے پچاس گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ لڑکیوں نے چند ایک گھوڑوں کو خنجر مارے۔ وہ بدک کر اور شعلوں کے ڈر سے ہیبت ناک آواز سے ہنہنانے لگے اور اندھا دُھند بھاگنے لگے۔ جو گھوڑے کھل نہ سکے۔ انہوں نے اودھم بپا کر دیا۔ معلوم نہیں کتنے گھوڑے کھل کر ادھر اُدھر دوڑنے اور ہنہنانے لگے۔ اونٹ کھلے تھے اور آرام سے بیٹھے تھے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اندھا دھند بھاگنے لگے۔

چاروں لڑکیاں بے لگام گھوڑوں اور بے مہار اونٹوں کے نرغے میں آگئیں۔ دوسری طرف شعلے تھے جن کی تپش دور سے بھی جسموں کو جلاتی تھی اور جانوروں کے اس قدر زیادہ شور وغل اور دھماکوں جیسے ٹاپوؤں سے فوج بیدار ہوگئی۔

مغویہ لڑکیوں کو دُلہنیں بنا دیا گیا تھا۔ دونوں کے کمروں میں بیک وقت ایک ایک آدمی داخل ہوا۔ یہ صلیبیوں کے جنگجو حکمران تھے۔ وہ شراب میں بدمست تھے۔ خادمائیں باہر نکل گئیں۔ لڑکیاں کمروں میں بھاگ دوڑ کر پناہیں ڈھونڈنے لگیں۔ اُن کی عصمت کا پاسبان خدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ ایک لڑکی دو زانو گر پڑی اور ہاتھ جوڑ کر رو کر خدا کو مدد کے لیے پکارا۔ صلیبی نے قہقہہ لگایا اور اُس کی طرف بڑھا...... باہر اُسے شور وغل سنائی دیا۔ یہ غیر معمولی شور تھا۔ اُس نے دروازہ کھول کر دیکھا تو ایسے لگا جیسے پورے شہر کو آگ لگ گئی ہو، گھوڑوں اور اونٹوں کی خوف زدگی کا یہ عالم کہ کچھ گھوڑے اس بلندی پر بھی چڑھ آئے جس پر یہ عمارت تھی۔ اُس کا نشہ فوراً اُتر گیا۔ دوسرا بھی باہر نکل آیا۔ دو تین آدمی دوڑتے آئے اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا کہ گھاس، خیموں اور گاڑیوں کو آگ لگ گئی ہے۔ دوڑتے ہوئے جانوروں نے کئی آدمیوں کو کچل دیا ہے۔

اگر آگ شہر کو لگتی تو یہ حکام پروانہ کرتے، وہاں فوج کا سامان جل رہا تھا اور فوج کے سینکڑوں جانور کھل گئے

تھے۔ ذراسی دیر میں تمام حکمران اور کمانڈر اور وہاں جو کوئی بھی تھا، دوڑتے نکل گئے۔ وہ اپنی نگرانی میں آگ بجھانے کا بندوبست کرنا چاہتے تھے۔ اس عمارت کے اردگرد جو مسلح پہرہ تھا وہ بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ باڈی گارڈز بھی اپنے حکام کے پیچھے دوڑتے گئے۔ برجیس نے بلند آواز سے پکارا...... ''تم بھی چلو''...... اور وہ عمارت کی طرف اُٹھ دوڑا۔ اس کے آٹھ جوان بھی دوڑ پڑے۔ اُن کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔ عمارت کے برآمدوں میں جا کر اُس نے اپنے اُن دو ساتھیوں کو پکارنا شروع کر دیا جو وہاں عیسائیوں کے بھیس میں ملازم تھے۔ اُن میں سے ایک مل گیا۔ اُس نے برجیس کو پہچان لیا۔ برجیس نے اس سے پوچھا کہ آج جو لڑکیاں یہاں لائی گئی ہیں، وہ کہاں ہیں۔ اُسے معلوم نہیں تھا۔ اُس نے کمرے دکھا دیئے اور خود بھی ساتھ ہولیا۔ وہاں اب سہولت یہ پیدا ہوگئی تھی کہ کوئی ذمہ دار آدمی موجود نہ تھا، پیچھے نوکر چاکر رہ گئے تھے جو آگے جا کر بلندی سے آگ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ برجیس کی سکیم پوری طرح کامیاب تھی۔

وہ ملازم کی رہنمائی میں اُن کمروں میں جانے لگے جہاں لڑکیاں ہوتی تھیں، وہاں برآمدوں میں کچھ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ اُن میں بعض نیم برہنہ تھیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آج جو لڑکیاں آئی ہیں وہ کہاں ہیں۔ انہیں بھی معلوم نہ تھا۔ آخر ایک کمرے میں گئے تو ایک لڑکی مل گئی۔ وہ کمرے میں دبکی ہوئی تھی۔ عثمان صارم اور اُس کے بعض ساتھیوں نے اُسے دن کے وقت دیکھا تھا۔ جب ان دونوں کو لٹے ہوئے قافلے کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا۔ برجیس کی پارٹی کے تمام آدمی نقاب پوش تھے۔ انہیں دیکھ کر لڑکی نے چیخ ماری۔ برجیس نے اُسے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور اسے رہا کرانے آئے ہیں، مگر وہ لڑکی اتنی ڈری ہوئی تھی کہ اُن کے ہاتھ نہیں آرہی تھی۔ انہوں نے اُسے زبردستی اُٹھا لیا۔ دوسرے کمرے میں اُس کی بہن مل گئی اس کا ردِعمل بھی یہی تھا۔ اُسے بھی زبردستی اُٹھایا گیا۔ دوسری لڑکیاں جو ایک عرصے سے صلیبیوں کے پاس تھیں، یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ وہ آدمیوں کو ڈاکو سمجھ کر اِدھر اُدھر بھاگ گئیں۔ مغویہ بہنیں چیخ و پکار کر رہی تھی۔ انہیں برجیس نے غصے سے کہا کہ وہ سب مسلمان ہیں انہیں مسلمان گھرانوں میں لے جا کر چھپائیں گے۔ بڑی ہی مشکل سے انہیں خاموش کیا گیا اور جانبازوں کی یہ جماعت وہاں سے نکل گئی۔

☆

آگ کا منظر بے حد خوفناک تھا۔ شعلے توقع سے کہیں زیادہ اونچے جا رہے تھے اور دُور دُور تک پھیل گئے اور پھیلتے ہی چلے جا رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں نے سارے شہر میں قیامت بپا کر رکھی تھی۔ سارا شہر جاگ اُٹھا تھا۔ گلیوں میں، سڑکوں پر اور میدانوں میں ان جانوروں نے اس قدر دہشت گردی پھیلا دی تھی کہ لوگ دبک کر گھروں میں بیٹھ گئے تھے اور آگ نے جو دہشت پھیلائی تھی، اس سے بعض لوگ گھروں سے بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ افراتفری اور بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ وہ عقل مند اور موقع شناس تھے۔ انہوں نے آگ، بھاگتے دوڑتے جانور اور افراتفری دیکھی تو یہ معلوم کیے بغیر کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ یہ مشہور کر دیا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوجیں شہر میں داخل ہوگئی ہیں اور شہر کو آگ لگا رہی ہیں۔ یہ افواہ مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہوش اُڑ گئے۔ یہ افواہ آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ غیر مسلموں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

صلیبی حکمران اور اعلیٰ حکام آگے کی جگہ پہنچے تو وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ انہوں نے بھی یہی سمجھا کہ مسلمانوں کی فوج قلعے میں کہیں نقب لگا کر اندر آ گئی ہے۔ انہوں نے فوج کو قلعے کے دفاع کے لیے جنگی ترتیب میں فوراً چلے جانے کا حکم دیا اور اسی فوج کے کچھ حصے کو قلعے کے باہر جانے کو کہا۔ دو تین کمانڈر دوڑ کر قلعے کی دیوار پر چڑھے اور باہر دیکھا۔ باہر خاموشی

تھی۔ کسی طرف سے حملہ نہیں ہوا تھا۔ قلعے کا عقبی دروازہ کھول دیا گیا، تا کہ فوج باہر جا سکے۔ رات کے وقت قلعے کا دروازہ نہیں کھولا جاتا تھا، لیکن اس خیال سے دروازہ کھول دیا گیا کہ سلطان ایوبی کا کوئی جانباز دستہ اندر آ گیا ہے، جس نے بھگدڑ مچادی ہے۔ یہ باہر کے حملے کا پیش خیمہ ہے۔ فوج آ رہی ہوگی۔ اس فوج کو شہر سے دُور روکنے کے لیے صلیبیوں نے رات کو ہی فوج باہر بھیج دی اور دروازہ کھولنے کا خطرہ مول لے لیا۔ یہ فیصلہ دراصل گھبراہٹ میں کیا گیا تھا اور یہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ بعض غیر مسلموں نے جو عقبی دروازے کے قریب تھے، دیکھ لیا کہ وہ دروازہ کھل گیا ہے۔ وہ اندھادھند دروازے کی طرف بھاگے۔ انہیں دیکھ کر دوسرے شہری بھی ان کے پیچھے گئے۔ وہاں سے فوج گزر رہی تھی۔ شہریوں کا سیلاب آ گیا جسے کوئی نہ روک سکا۔

آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ گھوڑا گاڑیوں کے قریب ہی رسد کی بوریوں کے انبار تھے۔ بہت سا دیگر اقسام کا سامان بھی پڑا تھا۔ آگ پر قابو پانا ضروری تھا۔ شہری گھروں میں چھپ گئے تھے یا بھاگ رہے تھے۔ یہ کام فوج کر سکتی تھی۔ فوج کی کچھ نفری کو بلا لیا گیا اور اس کے ساتھ ہی کسی کو ان مسلمان قیدیوں کا خیال آ گیا جو بیگار کیمپ میں پڑے ہوئے تھے۔ فوراً حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو اس اعلان کے ساتھ لے آؤ کہ وہ آگ پر قابو پالیں تو انہیں صبح کے وقت رہا کر دیا جائے گا۔ قیدی باہر کے شور سے جاگ اُٹھے تھے اور سنتری انہیں ڈنڈے مار مار کر سو جانے کو کہہ رہے تھے۔ اتنے میں حکم آ گیا کہ قیدیوں کو پانی لانے اور آگ پر پھینکنے کے لیے لے چلو۔ رہائی کا اعلان بھی کیا گیا۔ ان میں آفاق بھی تھا۔ اس کا جسم ٹھنڈا ہو کر اور زیادہ دُکھنے لگا تھا۔ اُس نے ایک قیدی سے کہا ..... ''صلیبیوں کی ساری سلطنت جل جائے میں آگ بجھانے نہیں جاؤں گا''۔

''پاگل نہ بنو''..... ایک قیدی نے اُسے کہا..... ''ان لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ آگ بجھاؤ اور کل رہا ہو جاؤ، لیکن یہ دھوکہ ہے۔ یہ کافر جھوٹ بولتے ہیں۔ تم ہمارے ساتھ چلو اور بھاگ نکلو۔ ہم نہیں بھاگ سکتے، کیونکہ یہ لوگ ہمارے گھروں سے واقف ہیں، تم نکل جانا''۔

''جاؤں گا کہاں؟''

قیدی نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتا کر کہا..... ''میں کوشش کروں گا کہ موقع محل دیکھ کر تمہیں اپنے گھر پہنچا دوں، لیکن وہاں زیادہ دن نہ رُکنا، کیونکہ صلیبی میرے سارے کنبے کو سزا دیں گے''۔

قیدیوں کو صلیبی لے گئے اور انہیں تقسیم کر کے مختلف کنوؤں پر لے جایا گیا۔ فوجی پانی نکال رہے تھے۔ قیدیوں نے مشکیزے اٹھانے شروع کر دیئے۔ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے اور آگ پر پانی پھینکتے تھے۔ ایک دو چکروں میں سنتری ان کے ساتھ رہے مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ قیدی اور فوجی گڈمڈ ہو گئے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ صلیبی کمانڈر گھبراہٹ میں سب کو گالیاں دے رہے تھے۔ اتنے میں گھوڑوں کا ڈرا ہوا ریوڑ دوڑتا ہوا آیا۔ آگ بجھانے والے قیدی اور فوجی ان کی زد میں آ گئے۔ سب ادھر اُدھر بھاگ اُٹھے۔ بعض کچلے بھی گئے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے آفاق کو وہ پرانا قیدی اپنے ساتھ لے گیا۔ مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ خوش تھے کہ مسلمان فوج آ گئی ہے۔ قیدی اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اُس کا سارا خاندان جاگ رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب بہت مسرور ہوئے، لیکن اُس نے آفاق کو اُن کے حوالے کر کے کہا..... ''اسے چھپا لو اور جلدی شہر سے نکال دینا۔ میں نہیں رُک سکتا۔ صلیبیوں نے کل رہائی کا وعدہ کیا ہے۔ اُسے ابھی کوئی نہیں جانتا۔ اگر میں یہاں رُک گیا تو شاید کبھی بھی رہائی نہیں ملے گی''۔

''کیا یہ سچ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج اندر آ گئی ہے؟''..... قیدی کے باپ نے پوچھا۔

''کچھ پتا نہیں''..... قیدی نے جواب دیا..... ''آگ بہت زور کی ہے۔ معلوم نہیں کب بجھے گی''۔

''اگر ہماری فوج نہیں آئی تو پھر ہم یہ خطرہ کیسے مول لے سکتے ہیں؟''...... قیدی کے باپ نے کہا۔

''یہ آدمی خود ہی نکل جائے گا''...... قیدی نے کہا...... ''یہ کل یہاں سے نکل جائے گا''۔

''اس کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں''...... قیدی کے باپ نے کہا...... ''ابھی ابھی تمہارا چھوٹا بھائی دو مسلمان لڑکیوں کو لایا ہے۔ انہیں اُس نے اور صارم کے بیٹے عثمان نے اور ان کے دوستوں نے صلیبیوں کے شاہی خانے سے اغوا کیا ہے۔ دونوں کو ہم نے گھر میں چھپا لیا ہے''۔

''کون ہے وہ لڑکیاں؟''...... قیدی نے پوچھا۔

''کہتے ہیں انہیں کل ایک قافلے سے صلیبیوں نے اغوا کیا تھا''...... باپ نے جواب دیا...... '' کا بھائی سنا ہے، قید میں ہے''۔

آفاق نے تڑپ کر پوچھا...... ''کہاں ہیں وہ لڑکیاں؟''

ذرا سی دیر میں آفاق اپنی بہنوں کو گلے لگا رہا تھا۔ خدا نے اُن کی فریادیں سن لی تھیں۔ یہ بڑا ہی جذباتی منظر تھا۔ اُن کے ماں باپ مارے گئے تھے۔ وہ لٹ گئے تھے۔ انہیں ایسی معجزہ نما ملاقات کی توقع نہیں تھی...... جس قیدی کا یہ گھر تھا، وہ دوڑ کر باہر نکل گیا۔ وہ قید سے بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کا چھوٹا بھائی، برجیس اور عثمان صارم کے ساتھ تھا۔ وہ لڑکیوں کو گھر چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا۔

وہ اچانک آ گیا۔ اس نے لڑکیوں سے کہا...... ''فوراً اُٹھو شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا ہے''...... آفاق کے متعلق اسے بتایا گیا کہ ان لڑکیوں کا بھائی ہے اور قید سے فرار ہو کر آیا ہے۔ اُس نے آفاق کو بھی اپنے ساتھ لیا اور باہر لے گیا۔ باہر تین گھوڑے تھے۔ یہ برجیس کا انتظام تھا۔ اُس نے دونوں بہنوں کو گھوڑوں پر سوار کیا اور جب تیسرے گھوڑے پر خود سوار ہونے لگا تو اُسے آفاق کے متعلق بتایا گیا۔ اُس نے آفاق کو تیسرے گھوڑے پر سوار کیا اور خود چل پڑا۔ اُس نے اتنا ہی کہا...... ''خدا حافظ دوستو! زندہ رہے تو پھر ملیں گے''...... اور وہ دوڑ پڑا۔ وہ شہر کے عقبی دروازے کی طرف جا رہا تھا، جہاں سے ڈرے ہوئے شہریوں کا جلوس باہر کو بھاگا جا رہا تھا۔ یہ دروازہ برجیس نے پہلے سے دیکھ رکھا تھا۔ شہر سے نکلنے کا موقع پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے کہیں سے تین گھوڑے پکڑے اور لے آیا۔ کسی صلیبی کمانڈر نے دیکھ لیا کہ شہری تو بھاگ رہے ہیں۔ اُس نے دروازہ بند کرنے کا حکم دے دیا۔ برجیس جب وہاں پہنچا تو دروازہ آہستہ آہستہ بند ہو رہا تھا اور شہریوں کا ایک ہجوم دروازے میں پھنس گیا تھا۔ ایک واویلا بپا تھا۔ برجیس نے چلانا شروع کر دیا...... ''پیچھے سے فوج آ رہی ہے۔ دروازہ کھول دو۔ بھاگو۔ مسلمان آ رہے ہیں''۔ ہجوم نے آگے کو زور لگایا تو بند ہوتے ہوتے دروازہ کھل گیا۔ انسان رُکے ہوئے دریا کی طرح بند توڑ کر نکل گئے۔

باہر نکل کر برجیس نے آفاق سے کہا کہ کسی ایک بہن کے پیچھے سوار ہو جاؤ، اگر میں تمہارے ساتھ سوار ہوا تو ایک گھوڑے پر دو مردوں کا وزن زیادہ ہو جائے گا۔ ہمارا سفر لمبا ہے۔ آفاق ایک بہن کے پیچھے سوار ہو گیا۔ دوسری سے اُس نے کہا کہ وہ سواری سے ڈرے نہیں۔ گھوڑا اسے گرائے گا نہیں۔ انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ برجیس کو معلوم تھا کہ راستے میں صلیبی فوج خیمہ زن ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ کون سی جگہ فوج نہیں ہے۔ وہ اُس سمت ہو لیا۔ کرک کے بھاگے ہوئے لوگ اِدھر اُدھر بکھرتے جا رہے تھے۔ شعلوں کی روشنی دُور دُور تک جا رہی تھی۔ آفاق اور لڑکیوں کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں کس طرح رہا کرایا گیا ہے۔ برجیس خاموش تھا۔ وہ اگر بولتا تو صرف اتنا کہ آفاق سے اس کی خیریت پوچھتا تھا اور اس

کی جو بہن گھوڑے پر اکیلی سوار تھی، اس سے پوچھ لیتا تھا کہ وہ ڈر تو نہیں رہی۔ کرک کے شعلے پیچھے ہٹتے جارہے تھے اور رات گھوڑوں کی رفتار کے ساتھ گزرتی جارہی تھی۔

☆

صبح طلوع ہوئی تو برجیس سلطان ایوبی کی فوج کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس نے ایک کمان دار سے اپنا تعارف کرایا اور سلطان ایوبی کے متعلق پوچھا کہ کہاں ہوگا۔ کمان دار اُسے اپنے دستوں کے کمان دار کے پاس لے گیا، جس نے اسے بتا دیا کہ سلطان ایوبی کہاں ہو سکتا ہے۔ برجیس اپنی اس کامیابی پر بے حد خوش تھا۔ اُس نے صرف لڑکیوں کو صلیبیوں سے آزاد نہیں کرایا تھا، بلکہ کرک میں آتش زنی جیسی تخریبی کارروائی کر کے صلیبی فوج کے غیر مسلم شہریوں کے جذبے پر خوف طاری کر آیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کو یہ مشورہ دینا چاہتا تھا کہ کرک پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔

کرک کی صبح بڑی بھیانک تھی۔ شعلوں کی بلندی اور تندی ختم ہوگئی تھی، لیکن آگ ابھی تک سلگ رہی تھی۔ صلیبی فوج کی رسد اور جانوروں کا تمام تر خشک چارہ جل گیا تھا۔ خیموں کے علاوہ بے شمار جنگی سامان نذرِ آتش ہو گیا تھا۔ کچھ اونٹ زندہ جل گئے تھے۔ تمام گھوڑے اور اونٹ رات بھر دوڑ دوڑ کر تھک گئے اور اب سارے شہر میں آوارہ پھر رہے تھے۔ جگہ جگہ ان لوگوں کی لاشیں پڑی تھیں، جو بے لگام گھوڑوں اور بے مہار اونٹوں کی زد میں آکر کچلے گئے تھے۔ فوجی اور قیدی ابھی تک کنوؤں سے پانی لا لا کر آگ پر پھینک رہے تھے۔ صلیبی حکام ابھی تک یہ سمجھ رہے تھے کہ سلطان ایوبی کی فوج اندر آگئی ہے، لیکن وہاں ایسے کوئی آثار نہیں تھے۔ انہوں نے قلعے کی دیواروں پر جا کر ہر طرف دیکھا۔ باہر صلیبیوں کی اپنی فوج قلعے کے اردگرد موجود تھی۔ اسلامی فوج کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ اب یہ تفتیش کرنی تھی کہ آگ کس طرح لگی۔

اُس سنتری کی لاش ملی جسے لڑکیوں نے خنجروں سے ہلاک کیا تھا، لیکن گھوڑوں اور اونٹوں نے اُسے ایسی بُری طرح روندا تھا کہ خنجروں کے زخم پہچانے نہیں جاتے تھے۔ اس سے تھوڑی دور چار زنانہ لاشیں ملیں۔ یہ اُس میدان میں پڑی ہوئی تھیں، جہاں گھوڑے اور اونٹ باندھے جاتے تھے۔ یہ تفتیش کرنے والا حاکم کوئی معمولی آدمی نہیں، بلکہ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر ہرمن تھا۔ اس میدان میں لاشیں تو اور بھی پڑی تھیں لیکن اسے چار عورتوں کی لاشیں ملیں۔ ان کے چہرے گھوڑوں کے پاؤں تلے آ آ کر مسخ ہو گئے تھے۔ جسم کا کوئی حصہ سلامت نہیں تھا۔ یہ لاشیں ایک دوسری سے دُور دُور پڑی تھیں۔ ان کے کپڑے تار تار ہو گئے تھے۔ خاک و خون میں اُن کا اصل رنگ نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا ہی پتا چلتا تھا کہ یہ زنانہ کپڑے ہیں۔ لاشیں دیکھ کر بھی یہ ثبوت ملتا تھا کہ یہ عورتوں کی ہیں۔ سب کے جسموں سے کھال اکھڑی ہوئی اور کئی جگہوں سے گوشت باہر آیا ہوا تھا۔ کئی ہڈیاں ننگی ہوگئی تھیں اور ٹوٹی ہوئی بھی تھیں۔ ہر لاش کے گلے میں زنجیر اور زنجیر کے ساتھ ایک چھوٹی صلیب بندھی ہوئی تھی۔ یہ صلیبیں اس امر کا ثبوت تھا کہ عورتیں عیسائی تھیں۔

ہرمن اور فوجی افسر حیران تھے کہ عورتوں کی لاشیں یہاں کیوں پڑی ہیں۔ یہ فوجی علاقہ تھا اور اُس طرف سے کسی شہری کو گزرنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی یہ عام گزرگاہ تھی۔ یہ تو جانوروں اور رسد وغیرہ کی جگہ تھی، وہاں چند اور لاشیں بھی پڑی تھیں، وہ فوجیوں کی تھیں۔ عورتیں رات کے وقت اِدھر کیوں آئیں؟...... اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ صرف قیاس آرائی کی جاسکتی تھی جو کی گئی۔ کہا گیا کہ فوجی پیشہ ور عورتوں کو اِدھر لے آئے ہوں گے، مگر اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ آگ کس طرح لگی۔ شہر کے مسلمانوں پر شک کیا جاسکتا تھا، لیکن مجرموں کا سراغ لگانا آسان نہیں تھا۔ حکم دے دیا گیا کہ خفیہ پولیس اور فوج کے سراغ رساں شہر میں مشتبہ مسلمانوں کی چھان بین کریں اور جس پر ذرا سا بھی شک ہو اُسے قید میں

ڈال کر اذیت رساں تحقیقات کریں۔

النور اور اس کی تینوں لڑکیوں کے گھر والے بہت پریشان تھے۔لڑکیاں واپس نہیں آئی تھیں۔ڈر یہ تھا کہ پکڑی نہ گئی ہوں۔انہوں نے اپنا فرض مکمل کامیابی سے ادا کیا تھا،لیکن وہ ابھی تک لاپتہ تھیں۔عثمان صارم اور اس کے دوست ان تماشائیوں کے ہجوم میں جا کھڑے ہوئے جو آتش زدہ جگہ کھڑے تھے۔وہاں انہیں پتا چلا کہ چار عورتوں کی لاشیں ملی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اعلان ہوا کہ چار عورتوں کی لاشیں فلاں جگہ رکھ دی گئی ہیں۔تمام شہری انہیں دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کریں۔ تماشائیوں کا ہجوم اُدھر چلا گیا۔عثمان صارم اور اُس کے دوستوں نے اکٹھی رکھی ہوئی چار لاشوں کو دیکھا۔ان کی صلیبیں اُن کے سینوں پر رکھ دی گئی تھیں۔کوئی بھی کسی لاش کو نہ پہچان سکا۔پہچاننے کے لیے وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔چہروں سے بھی کھال اُتری ہوئی تھی۔بعض کے چہرے اندر کو پچک گئے تھے۔

عثمان صارم کے آنسو نکل آئے۔وہ تماشائیوں میں سے نکل گیا۔اُس کے دوست بھی اُس سے جا ملے۔ان سب کو معلوم تھا کہ یہ لاشیں کن کی ہیں۔ان میں ایک عثمان صارم کی بہن النور کی لاش تھی۔باقی تین لاشیں اس کی سہیلیوں کی تھیں۔چاروں رات کو اپنا فرض ادا کر کے شہید ہو گئی تھیں۔ان کی شہادت کا عینی شاہد کوئی بھی نہیں تھا۔لاشوں کی حالت جو کہانی بیان کرتی تھی وہ کچھ اس طرح ہو سکتی تھی کہ ان لڑکیوں نے سنتری کو ہلاک کر کے آگ لگائی۔بعد میں گھوڑوں کے رستے کاٹے اور انہی گھوڑوں کی بھگدڑ کی زد میں آ گئیں۔معلوم نہیں کتنے سو گھوڑے اور اونٹ لاشوں کو روندتے رہے۔دو لڑکیوں کی عصمت بچانے کے لیے چار لڑکیاں قربان ہو گئیں۔برجیس نے اپنے ہاتھوں ان لڑکیوں کے گلوں میں صلیبیں لٹکائی تھیں تاکہ بوقت ضرورت وہ صلیبیں دکھا کر ظاہر کر سکیں کہ وہ عیسائی ہیں۔

ان لڑکیوں کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔انہیں صلیبیوں نے عیسائی سمجھ کر اپنے قبرستان میں کہیں دفن کر دیا۔ان کے لواحقین نے ماتم نہیں کیا۔ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی گئی۔گھروں میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔چاروں لڑکیوں کے باپوں نے ایک ہی جیسے جذبات کا اظہار کیا۔انہوں نے کہا کہ اسلام کے نام پر وہ چار بیٹے قربان کرنے کو تیار ہیں،مگر اُن سے جو قربانی لی جانے لگی وہ بڑی ہی اذیت ناک تھی۔صلیبی فوج نے تمام مسلمان گھروں کی خانہ تلاشی شروع کر دی۔خطرہ تھا کہ جو ہتھیار انہوں نے گھروں میں چھپا رکھے ہیں،وہ پکڑے جائیں گے۔سب نے ہتھیار اندرونی کمروں کے فرش کھود کر دبا دیئے۔دوسرا خطرہ یہ تھا کہ جو چار لڑکیاں شہید ہو گئی تھیں،ان کے متعلق جواب دینا مشکل تھا کہ کہاں چلی گئی ہیں۔آگ کی رات کے دوسرے ہی دن امام کو جب لڑکیوں کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو اس نے پہلی بات یہ کہی......
''تمہارے غیر مسلم پڑوسی اور مسلمان مخبر ضرور پوچھیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں تو کیا جواب دو گے؟''

امام دانش مند اور دُور اندیش انسان تھا۔اس نے گہری سوچ کے بعد کہا...... ''چاروں لڑکیوں کے باپ اور بھائی میرے ساتھ آئیں''......وہ آ گئے تو اُس نے سب کو ایک طریقہ بتایا اور کچھ باتیں ذہن نشین کرائیں۔وہ سب کو صلیبیوں کی انتظامیہ کے دفتر میں لے گیا اور وہاں کے سب سے بڑے حاکم سے ملاقات کی اجازت لے کر بڑے غصے اور جذباتی لہجے میں کہا...... ''میں ان لوگوں کا امام ہوں۔یہ میرے پاس فریاد لے کر آئے ہیں کہ رات آگ لگی تو یہ سب آگ بجھانے کے لیے اُٹھ دوڑے۔یہ رات بھر کنوؤں سے پانی نکالتے رہے۔شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔یہ لوگ صبح کے وقت گھروں کو گئے تو انہیں پتا چلا کہ آپ کی فوج کے کچھ آدمی ان کے گھروں میں گھس گئے اور ان کی کنواری لڑکیاں اُٹھا کر لے گئے۔ہماری چار لڑکیاں لاپتہ ہیں''۔

''ہماری فوج پر الزام لگانے سے پہلے سوچ لو''...... صلیبی حاکم نے رعب سے کہا۔

''جناب! میں مذہبی پیشوا ہوں''...... امام نے کہا...... ''میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں دھتکار سکتے ہیں اور اپنی فوج کو بے گناہ کہہ سکتے ہیں لیکن خدا سے آپ کوئی اچھا بُرا عمل نہیں چھپا سکتے۔ آپ ہمارے حاکم ہیں۔ خدا تو نہیں۔ ان لوگوں نے آپ کی فوج کو نقصان سے بچانے کے لیے ساری رات آگ سے لڑائی لڑی۔ آپ انہیں یہ صلہ دے رہے ہیں کہ یہ بھی تسلیم نہیں کرنا چاہتے کہ ان کی لڑکیوں کو آپ کے فوجی اُٹھا لے گئے ہیں''۔

کچھ دیر کی بحث کے بعد حاکم نے انہیں کہا کہ ان لڑکیوں کو تلاش کیا جائے گا۔ امام اُس سے یہی کہلوانا چاہتا تھا۔ باہر آ کر جب وہ واپسی کے لیے چلے تو امام نے سب سے کہا کہ اب یہی مشہور کر دو کہ رات ان کی لڑکیاں اغوا ہوگئی ہیں۔ چنانچہ یہی مشہور کر دیا گیا۔ ان کے پڑوس میں رہنے والے غیر مسلموں نے یقین کر لیا۔ رات شہر کی حالت ہی ایسی تھی کہ لوٹ مار اور اغوا آسانی سے کی جا سکتی تھی۔

☆

برجیس سلطان ایوبی کے خیمے میں بیٹھا تھا۔ آفاق کی مرہم پٹی سلطان ایوبی کا جراح کر چکا تھا۔ آفاق کی دونوں بہنیں بھی خیمے میں بیٹھی تھیں۔ برجیس رات کا کارنامہ سنا چکا تھا۔ سلطان ایوبی بار بار لڑکیوں کو دیکھتا تھا۔ ہر بار اُس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ برجیس نے کہا کہ وہ کرک کو ایسی افراتفری اور بھگدڑ میں چھوڑ آیا ہے کہ فوری طور پر حملہ کیا جائے تو حملہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ شہر میں فوجوں کے لیے رسد نہیں رہی۔ جانوروں کے لیے چارہ نہیں رہا۔ جانور ڈرے ہوئے ہیں۔ شہر پر خوف طاری ہے۔ فوج بھی ڈری ہوئی ہے۔

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ بہت دیر بعد اُس نے سر اُٹھایا اور اپنے نائبین اور مشیروں کو بلایا۔ اس نے پہلا حکم یہ دیا کہ ان لڑکیوں اور ان کے بھائی کو قاہرہ روانہ کر دیا جائے اور ان کی رہائش اور وظیفے کا انتظام کیا جائے۔

''آپ میری بہنوں کو اپنی عافیت میں لے لیں''...... آفاق نے کہا...... ''میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ مجھے اپنی فوج میں شامل کر لیں۔ مجھے اپنی ماں اور باپ کے خون کا انتقام لینا ہے۔ اگر آپ مجھے کرک میں داخل کر سکیں تو میں اندر تباہی مچا دوں گا''۔

''جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''بڑی لمبی تربیت کی ضرورت ہے۔ تم صرف اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کو بے تاب ہو، مجھے ان تمام باپوں اور تمام بیٹیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جو صلیبی درندوں کا شکار ہوئی ہیں۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو''۔

آفاق کی جذباتی حالت ایسی تھی کہ سلطان ایوبی اسے زبردستی قاہرہ بھیجنے سے گریز کرنے لگا۔ اسے کہا کہ پہلے اپنا علاج کرائے، صحت یاب ہو جائے پھر اس کی خواہش پوری کر دی جائے گی...... اتنے میں نائب سالار اور اعلیٰ کمان دار آ گئے۔ ان میں زاہدان بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے آفاق اور اُس کی بہنوں کو باہر بھیج دیا۔ اُس نے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا کرک کو فوراً محاصرے میں لے لیا جائے؟...... اُس نے سب کو کرک کی اُس وقت کی کیفیت بتائی۔ اس مسئلے پر بحث شروع ہوگئی۔ زاہدان نے اپنے جاسوسوں اور رپورٹوں کی روشنی میں کہا کہ صلیبی فوج صرف کرک میں نہیں باہر بھی ہے اور اس کا ایک حصہ ایسی پوزیشن میں ہے جو ہماری فوج کا محاصرہ باہر سے توڑ دے گا۔ انہوں نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ رسد کی آمد و رفت کی حفاظت کے لیے ان کی پوری فوج موجود ہے۔ اگر ان کے پاس وقتی طور پر رسد کی کمی آ گئی ہے تو یہ سمجھ

کر حملہ کرنا کہ ہمارا محاصرہ کامیاب ہوگا، محض خوش فہمی ہے۔ اُن کے پاس صرف وہی رسد اور سامان نہیں تھا جو جل گیا ہے۔ ان کی ہر ایک فوج کے ساتھ اپنی اپنی رسد اور سامان موجود ہے اور اُن کی نفری ہم سے پانچ چھ گنا ہے۔

اجلاس کے دوسرے شرکاء نے اپنے اپنے مشورے پیش کیے۔ ان کی اکثریت فوری حملے کے حق میں تھی اور بعض نے انتظار کی تجویز پیش کی۔ تجاویز اور مشورے جیسے کیسے بھی تھے سلطان ایوبی نے سنے۔ اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کمانڈروں کا جذبہ شدید تھا۔ ان میں بیشتر نے کہا کہ حملہ جلدی کریں یا دیر سے۔ یہ پیش نظر رکھیں کہ ایک بار حملہ کر کے یہ نہ سننا پڑے کہ محاصرہ اُٹھالو، کیونکہ ہم کمزور ہیں۔ سلطان ایوبی خاموشی سے سنتا رہا۔ اس نے آخر میں فوج کے جذبے اور دیگر کوائف کے متعلق پوچھا۔ اُسے تسلی بخش جواب ملا۔

''میں جلدی حملہ کرنا چاہتا ہوں'' ...... آخر میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا ...... ''لیکن میں جلد بازی کا قائل نہیں۔ میرے سامنے صرف کرک کا قلعہ بند شہر نہیں بلکہ صلیبیوں کی وہ تمام فوج ہے جو انہوں نے باہر پھیلا رکھی ہے۔ زاہدان نے ٹھیک کہا ہے کہ کرک کے اندر تباہی سے ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ تاہم حملہ جلدی ہوگا۔ فاصلہ زیادہ نہیں۔ ایک ہی رات میں ہمارے دستے کرک تک پہنچ سکتے ہیں، مگر انہیں ایک جنگ قلعے سے باہر لڑنی پڑے گی۔ کوچ سے بیشتر ہمیں کرک کے مسلمانوں کو تیار کرنا پڑے گا۔ مجھے اندر کی جو تازہ اطلاعیں ملی ہیں، وہ یہ ہیں کہ وہاں کے مسلمان درپردہ ایک جماعت کی صورت میں منظم ہو چکے ہیں۔ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ محاصرے کی صورت میں شہر میں تخریب کاری کریں گے۔ ان کی لڑکیاں بھی میدان میں نکل آئی ہیں۔ صرف چار لڑکیوں نے صلیبیوں کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ پچاس پچاس نفری کے چار دستے بھی نہیں پہنچا سکتے۔ ہم کوشش کریں گے کہ شہر میں اپنے چھاپہ مار بھی داخل کر دیں''۔

''مداخلت کی معافی چاہتا ہوں'' ...... برجیس نے کہا ...... ''اگر چھاپہ مار بھیجنے ہیں تو فوراً بھیجئے۔ کرک کے جو شہری بھاگ گئے ہیں، وہ یقیناً واپس جائیں گے۔ ان کے پردے میں چھاپہ مار داخل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ممکن نہیں ہوگا۔ آتش زنی کے واقعہ کے بعد صلیبی محتاط ہو جائیں گے اور شہر کے تمام دروازے بند کر دیں گے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے ساتھ آج ہی روانہ ہو جاؤں۔ وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائیں۔ وہاں سے ہتھیار مل جائیں گے۔''

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ آج ہی رات چھاپہ مار برجیس کی قیادت میں روانہ کر دیئے جائیں۔ جہاں تک گھوڑے لے جا سکتے ہیں، وہاں تک گھوڑوں پر جائیں۔ آگے پیدل جائیں۔ گھوڑے واپس لانے کے لیے کچھ آدمی ساتھ بھیج دیئے جائیں۔ اُسی وقت زاہدان سے کہا گیا کہ وہ برجیس کی ہدایات کے مطابق چھاپہ ماروں کو شہری لباس مہیا کرنے اور شام کے بعد روانہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جنگی نوعیت کی ہدایات دیں اور خاص طور پر کہا ...... ''یہ یاد رکھنا کہ جس فوج سے ہم حملہ کرا رہے ہیں۔ یہ وہ فوج نہیں جس نے شوبک فتح کیا تھا۔ یہ فوج مصر سے آئی ہے جس میں دشمن نے بے اطمینانی پھیلائی تھی۔ اس فوج کو محاصرے میں لڑنے کا تجربہ نہیں۔ کمان داروں کو چوکنا رہنا پڑے گا۔ مجھے شک ہے کہ اس فوج میں تخریبی ذہن کے سپاہی بھی ہیں۔ میں نے جو دستے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، وہ ترک اور شامی ہیں اور نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو بھی اپنے پاس محفوظ میں رکھوں گا۔ حالات تمہارے خلاف ہو گئے تو گھبرا کر پیچھے نہ ہٹ آنا۔ میں تمہارے پیچھے موجود رہوں گا ...... اور یہ بھی یاد رکھو کہ کرک کے مسلمانوں کے ساتھ اُمیدیں وابستہ نہ کیے رکھنا۔ ان کے لیے جو ہدایات بھیج رہا ہوں، وہ ایسی ہرگز نہیں ہوں گی کہ یہ اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال لیں کہ ان کی مستورات کی عزت بھی محفوظ نہ رہے۔ میں ان سے اتنی زیادہ قربانی نہیں مانگوں گا۔ وہ محکوم اور مجبور ہیں۔ ظلم و تشدد کا شکا

ہیں۔ہم اُن کی آزادی اور نجات کے لیے جارہے ہیں،ان کے بھروسے پر نہیں جارہے''۔

☆

چار پانچ دنوں تک کرک میں یہ کیفیت رہی کہ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے پڑ رہے تھے۔کئی مسلمان محض شک میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔بیگار کیمپ کے جن قیدوں کو اس وعدے پر آگ بجھانے کے لیے لے گئے تھے کہ انہیں رہا کر دیا جائے گا،اُنہیں رہا نہیں کیا گیا تھا۔صلیبیوں نے مظالم کا ایک نیا دور شروع کر دیا تھا۔ان کا نقصان معمولی نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے سوا یہ دلیرانہ تخریب کاری اور کوئی نہیں کر سکتا۔گرفتار ہونے والوں میں عثمان صارم کے دو دوست بھی تھے جو لڑکیوں کو رہا کرانے کے لیے اُن کے ساتھ تھے۔انہیں درندوں کی طرح اذیتیں دی جارہی تھیں۔صلیبی بربریت کی حدوں سے بھی آگے نکل گئے تھے،مگر انہیں کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔صرف یہ دو کم عمر لڑکے تھے جن کے سینوں میں سراغ تھا،لیکن ان کی زبانیں بند تھیں۔ان کے جسموں میں کچھ نہیں رہا تھا۔چکر شکنجے میں کس کس کر اور جھٹکے دے دے کر اُن کے جوڑ الگ کر دیے گئے تھے،لیکن لڑکے خاموش تھے۔

آخر ہرمن خود قید خانے میں گیا۔اس کی توجہ بھی ان دو لڑکوں پر تھی۔اسے مسلمان مخبروں نے بتایا تھا کہ آتش زنی میں ان دو لڑکوں کا بھی ہاتھ ہے۔مسلمان مخبر دو تھے۔دونوں ان لڑکوں کے پڑوسی تھے۔وہ معمولی سی حیثیت کے آدمی ہوا کرتے تھے،لیکن اب گھوڑا گاڑیوں میں سواری کرتے تھے اور صلیبیوں کے درباری بن گئے تھے۔وہ صلیبی حاکموں کو گھروں میں بھی مدعو کرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ بٹھاتے اور فخر کرتے تھے۔ان کی دو دو تین تین بیویاں تھیں اور وہ شراب بھی پیتے تھے۔انہوں نے ان دو لڑکوں کو آتش زنی کی رات کہیں مشکوک حالت میں دیکھا تھا اور انہیں گرفتار کرا دیا۔ ہرمن نے قید خانے میں ان دونوں نوجوانوں کی حالت دیکھی تو اُس نے محسوس کیا کہ نزع کی حالت میں پہنچ کر بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو یہ کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ان کے جسم عادی ہو چکے ہیں۔وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔انہیں بڑا اچھا کھانا کھلایا۔پیار اور شفقت سے پیش آیا۔ڈاکٹروں کو بلا کر انہیں دوائی پلائی اور تشدد کے زخموں اور چوٹوں کا علاج کرایا۔ پھر انہیں سلا دیا۔وہ فوراً ہی گہری نیند سو گئے۔

ہرمن دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔کچھ دیر بعد ان میں سے ایک نوجوان صاف الفاظ میں بڑبڑانے لگا۔''میں کیا جانوں؟ میرا جسم کاٹ دو۔مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔اگر کچھ معلوم ہوگا تو کبھی نہیں بتاؤں گا۔تم گردن کے ساتھ صلیب باندھتے ہو،میں نے قرآن کی ایک آیت باندھی ہوئی ہے''۔

''تم نے آگ لگائی تھی''...... ہرمن نے کہا...... ''تم نے صلیبیوں کی کمر توڑ دی ہے۔تم بہادر ہو۔مر گئے تو شہید کہلاؤ گے''۔

''اگر مر گیا تو''......نوجوان بڑبڑایا......''اگر مر گیا تو۔جب تک جسم میں جان ہے۔اس جان میں ایمان بھی رہے گا۔جان نکل جائے گی،ایمان نہیں نکلے گا''۔

ہرمن نے اس کے سوئے ہوئے ذہن میں اپنے مطلب کی باتیں ڈالنے کی بہت کوشش کی لیکن نوجوان کے ذہن نے قبول نہ کیں۔اتنے میں دوسرا لڑکا بھی بڑبڑانے لگا۔ہرمن نے اس کی طرف توجہ دی۔اسی طرح اُس کے ذہن میں بھی باتیں ڈالیں جو اُس نوجوان نے اُگل دیں۔ہرمن کے ساتھ اُس کے تین چار سراغ رساں بھی تھے۔اُس نے بہت دیر کی کوشش کے بعد آہ بھری اور کہا......''مزید کوشش بے کار ہے۔ان کی زبان سے تم کوئی راز نہیں اُگلوا سکو گے۔یہ بے گناہ

معلوم ہوتے تھے، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے عقیدے اور جذبے کے پکے ہیں۔ میں نے انہیں مرغن کھانوں میں اتنی زیادہ حشیش کھلائی ہے جتنی گھوڑے کو کھلا دو تو وہ بھی باتیں کرنے لگے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قومی جذبہ جسے یہ لوگ ایمان کہتے ہیں ان کی روحوں میں اُترا ہوا ہے۔ تم ان کی روحوں پر کوئی نشہ طاری نہیں کر سکتے۔ دوسری صورت یہی ہے کہ یہ بے گناہ ہوں گے''۔

وہ بے گناہ نہیں تھے۔ وہ آتش زنی اور لڑکیوں کو آزاد کرانے کی مہم میں شریک تھے۔ صلیبی جسے گناہ اور جرم کہہ رہے تھے، وہ مسلمان کے لیے عظیم نیکی اور جہاد تھا جو ان لڑکوں نے روح اور ایمان کی قوت سے کیا تھا۔ حشیش نے انہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ ان کی عقل کو سُلا دیا تھا مگر ان کی روحیں بیدار تھیں۔ صلیبی ان کی زبان سے ہلکا اشارہ بھی نہ لے سکے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لڑکے بے قصور ہیں۔ یہ صلیبیوں کی مجبوری تھی...... ان لڑکوں کی آنکھ کھلی تو باہر ویرانے میں پڑے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں بے ہوشی کی حالت میں دُور لے جا کر پھینک دیا۔ وہ اُٹھے، ایک دوسرے کو دیکھا اور گھروں کو چل دیئے۔

جو عیسائی اور یہودی باشندے آتش زنی کی رات شہر سے نکل گئے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر کہ کوئی حملہ نہیں ہوا اور امن وامان ہے تو واپس آنے لگے۔ صلیبیوں کی فوج جو باہر خیمہ زن تھی، اُس نے بھی انہیں یقین دلایا کہ کوئی حملہ نہیں ہوا۔ وہ چلے چلے جائیں۔ چنانچہ ایک حکم کے تحت شہر کے دو دروازے ان لوگوں کے لیے کھلے رکھے گئے جو واپس آ رہے تھے۔ لوگ کنبہ در کنبہ چلے آ رہے تھے...... اور انہی میں برجیس بھی کرک میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھ سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ کرک کے لوگوں نے دیکھا کہ وہ چپ چاپ اور غریب سا موچی جو دُنیا کے ہنگاموں سے بے خبر راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کیا کرتا تھا، تین دنوں کی غیر حاضری کے بعد پھر راستے میں آ بیٹھا ہے۔ اُس نے رات ہی رات پندرہ چھاپہ ماروں کو عثمان صارم اور اس کے نوجوان ساتھیوں کی مدد سے مسلمان گھرانوں میں چھپا دیا تھا۔ ان میں اب کوئی کسی دکان میں ملازم تھا، کوئی صلیبیوں کے اصطبل کا سائیس بن گیا تھا، کوئی مذہب کے طالب علم کے روپ میں مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔

انہیں اب یہ دیکھنا تھا کہ سلطان ایوبی کے حملے کی صورت میں وہ اندر سے کیا کر سکتے ہیں۔ کرنے والا کام صرف یہ تھا کہ کہیں سے قلعے کی دیوار میں اتنا بڑا شگاف پیدا کریں کہ اس میں سے گھوڑے بھی اندر آ سکیں یا قلعے کا کوئی دروازہ کھول سکیں۔ وہ انہی کاموں کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ عثمان صارم نے اپنی نوجوان جماعت میں اضافہ کر لیا تھا۔ لڑکیاں بھی تیار ہو گئی تھیں، مگر ریِنی الیگزینڈر سائے کی طرح عثمان صارم کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اُسے راستے میں روک لیتی تھی، اُس کے گھر چلی جاتی تھی اور ایک روز اس نے عثمان صارم سے پوچھا...... ''عثمان! النور کہاں ہے؟''

''تمہاری قوم کے کسی گناہ گنار کے پاس''...... عثمان صارم نے جل کر جواب دیا...... ''اُس پر اللہ کی لعنت''۔

''رحمت کہو عثمان!''...... ریِنی نے کہا...... ''تم ہمارے خلاف لڑ کر مرنے والوں کو شہید کہا کرتے ہو۔ النور شہید ہو گئی ہے''۔

''عثمان صارم چکرا گیا۔ اُسے کوئی جواب نہ بن پڑا''۔

''اور اُن دو لڑکیوں کو اُٹھانے والوں میں تم بھی تھے۔'' ریِنی نے کہا...... ''لیکن تم ابھی تک گرفتار نہیں ہوئے۔ میں نے کہا تھا نا کہ تمہاری قید اور آزادی کے درمیان میرا وجود حائل ہے...... کہو۔ اور کتنی قربانی مانگتے ہو''۔

عثمان صارم آخر نوجوان تھا۔ جسم میں جتنا جوش اور جذبہ تھا، اتنی عقل نہیں تھی۔ وہ دانش مند نہیں تھا۔ ریِنی کی باتوں نے اسے پریشان کر دیا۔ اُس نے جھنجھلا کر پوچھا...... ''ریِنی! تم کیا چاہتی ہو؟''

''ایک یہ کہ میری محبت قبول کرلو''......رینی نے جواب دیا......''دوسرا یہ کہ ان زمین دوز حرکتوں سے باز آ جاؤ''۔

''تم اپنی قوم اور اپنی حکومت سے محبت کرتی ہو''۔عثمان صارم نے کہا......''اگر تمہارے دِل میں میری محبت اتنی ہی شدید ہے تو میری قوم سے ہمدردی کیوں نہیں کرتی؟''

''مجھے نہ اپنی قوم سے محبت ہے نہ تمہاری قوم سے''۔رینی نے کہا......''میں تمہیں خطرناک کارروائیوں سے صرف اس لیے روک رہی ہوں کہ تم مارے جاؤ گے۔حاصل کچھ بھی نہ ہوگا۔میں جذباتی نہیں، حقیقت کی بات کر رہی ہوں کہ سلطان ایوبی کرک فتح نہیں کر سکے گا۔اپنے باپ کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق بات کر رہی ہوں۔جنگ محاصرے کی نہیں ہوگی، باہر کرک سے دُور ہوگی۔ہمارے کمانڈر سلطان ایوبی کی چالیں سمجھ گئے ہیں۔شوبک کی شکست سے انہوں نے سبق حاصل کر لیا ہے۔اب کرک کے محاصرے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔اگر تم لوگوں نے شہر کے اندر سے کوئی کارروائی کی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مارے جاؤ گے یا گرفتار ہو کر باقی عمر نا قابلِ برداشت اذیتوں میں گزارو گے۔میں تمہیں صرف زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ہوں''۔

عثمان صارم سر جھکائے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔اسے رینی کی آواز سنائی دی......''سوچو عثمان! سوچو۔میری باتیں ایک غیر قوم کی لڑکی کی باتیں سمجھ کر ذہن سے اُتار نہ دینا''۔

☆

''میں آپ سب کو ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ یہ کرک ہے شوبک نہیں''۔سلطان ایوبی نے اپنے کمانڈروں کو آخری ہدایات دیتے ہوئے کہا......''صلیبی چوکنے اور بیدار ہیں۔میری جاسوسی مجھے بتا رہی ہے کہ ہمیں ایک جنگ کرک سے باہر لڑنی پڑے گی۔شہر کے اندر سے مسلمانوں نے کوئی زمین دوز کارروائی کی تو شاید وہ ہمارے کام نہیں آ سکے گی۔اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بے چارے مارے جائیں گے۔میں انہیں اتنے بڑے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔انہیں بچانے کی ایک ہی صورت ہے کہ حملہ تیز اور بہت سخت کرو''......ایسے ہی چند اور ضروری احکامات کے بعد سلطان ایوبی نے اُس فوج کو کوچ کا حکم دے دیا جسے کرک کا محاصرہ کرنا تھا۔

کوچ سورج غروب ہونے کے بعد کیا گیا۔فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔صبح طلوع ہونے تک فوج کرک کے مضافات میں پہنچ گئی، جہاں سے محاصرے کی ترتیب میں آگے بڑھی۔اس فوج کے سالار کے لیے یہ ایک عجوبہ تھا کہ راستے میں اُسے صلیبیوں کا کوئی ایک دستہ بھی نظر نہ آیا۔اُسے بتایا گیا تھا کہ صلیبیوں نے باہر بھی فوج خیمہ زن کر رکھی ہے۔اسے ایسے راستے سے بھیجا گیا تھا جس طرف صلیبیوں کی فوج نہیں تھی۔پھر بھی مزاحمت ضروری تھی جو بالکل ہی نہ ہوئی۔مسلمانوں کی اس فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔قلعے کی دیواروں سے تیروں کی بارش برسنے لگی۔سلطان ایوبی کی فوج نے اس کے جواب میں کوئی شدید کارروائی نہ کی۔اس کے کمان دار اِدھر اُدھر سے دیواروں پر چڑھنے یا نقب لگانے یا کسی دروازے کو توڑ کر اندر جانے کے امکانات دیکھتے پھر رہے تھے۔انہوں نے تیر اندازوں کو بھی خاموش رکھا۔ان کے ساتھ وہ جاسوس تھے جو شہر سے واقف تھے۔وہ انہیں بتا رہے تھے کہ اندر کوئی سی اہم جگہ کہاں ہے۔

شہر کے اندر ابھی کسی کو خبر نہیں ملی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے، لیکن یہ محاصرہ ابھی مکمل نہیں تھا۔عقب ابھی خالی تھا جہاں دو دروازے تھے۔اچانک قلعے کے اندر فوجی علاقے میں آگ برسنے لگی۔یہ آتش گیر مادے والی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی ایجاد تھی۔یہ منجنیقوں سے اندر پھینکی جا رہی تھیں۔شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی فوج قلعے کی دیوار پر چڑھ گئی اور باہر کو تیر پہ تیر چلا رہی تھی۔شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔عیسائی اور یہودی باشندوں

گھروں میں دبک گئے۔ مسلمان باشندے دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ وہ سلطان ایوبی کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ مسلمان ایسے تھے جو دعاؤں کے ساتھ بڑی خطرناک سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ یہ وہاں کے نوجوان تھے، جن میں لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی تھے۔ شہر کی افراتفری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ کہیں اکٹھے ہو گئے اور قلعے کے بڑے دروازے کو اندر سے کھولنے یا توڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دروازہ بہت مضبوط او موٹی لکڑی کا تھا جس پر لوہے کی موٹی موٹی پتریاں بھی مڑھی ہوئی تھیں۔ اُسے توڑنا آسان نہیں تھا۔ باہر سے مسلمان فوج نے دروازے پر منجنیقوں سے ہانڈیاں پھینکیں۔ یہ دوسری قسم کی تھیں۔ یہ ٹوٹتی تھیں تو ان میں سے سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر فلیتے والے آتشیں تیر چلائے جاتے تو سیال مادہ کو آگ لگ جاتی تھیں۔ اس طریقے سے دروازے کو آگ لگائی گئی لیکن لوہے نے لکڑی کو نہ جلنے دیا۔ دروازہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اوپر سے صلیبیوں نے وہ تیر برسانے شروع کر دیئے جو بہت دُور تک جاتے تھے۔ یہ منجنیقوں تک پہنچ گئے جن سے کئی آدمی زخمی اور شہید ہو گئے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے منجنیقیں پیچھے کر لی گئیں اور آگ پھینکنے کا طریقہ ناکام ہو گیا۔

آخر مسلمان تیر اندازوں کو حکم دیا گیا کہ قلعے کی دیواروں پر جو دشمن کے سپاہی ہیں، اُن پر تیر برسائیں۔ سارا دن دونوں طرف سے تیر انداز ہوتی رہی۔ ہوا میں صرف تیر اُڑتے نظر آتے تھے۔ صلیبی دفاعی پوزیشنوں میں تھے اور دیواروں کی بلندی پر بھی تھے، اس لیے زیادہ نقصان مسلمان فوج کا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے نقب زن جو قلعوں کی دیواریں توڑنے کے ماہر تھے، ہر طرف گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ دیوار میں کہاں شگاف ڈالا جا سکتا ہے، وہاں چاروں طرف سے اتنے تیر آ رہے تھے کہ دیوار کے قریب جانا خودکشی کے برابر تھا۔ شام سے کچھ دیر پہلے نقب زنوں کی آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت آگے بڑھی۔ یہ جانباز جب دیوار سے تھوڑی دُور رہ گئے تو اوپر سے اُن پر اس قدر تیر برسے اور تیروں کے ساتھ اتنی زیادہ برچھیاں آئیں کہ آٹھوں جانباز وہیں شہید ہو گئے۔ ایک ایک کے جسم میں کئی کئی تیر اور برچھیاں لگیں۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ رینی اپنے گھر میں تھی۔ اُس کا باپ تھکا ہوا آیا تھا۔ یہ کہہ کر سو گیا کہ جلدی جاگ اُٹھے گا، کیونکہ رات کو بھی اُسے کام پر جانا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ شہر کے مسلمانوں کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ وہ اندر سے کوئی بڑی خطرناک کارروائی کرنے والے ہیں۔ ہمیں ہر ایک مسلمان گھرانے پر نظر رکھنی پڑے گی۔ یہ کہہ کر وہ سو گیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو کسی ملازم کی بجائے رینی نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک مسلمان کھڑا تھا جو بڑی اونچی حیثیت کا مالک تھا۔ صلیبیوں کی طرف سے اُسے خوب انعام واکرام ملتا تھا۔ رینی نے اُسے بتایا کہ اس کا باپ سویا ہوا ہے۔ وہ پیغام دے دے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جاگے گا تو اُسے بتا دیا جائے گا۔ مسلمان نے کہا کہ وہ خود بات کرنا چاہتا ہے۔ بات بہت اہم اور نازک ہے۔

''آج رات مسلمان کے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے''...... رینی کے پوچھنے پر اُس نے مختصراً بتایا۔ اُس نے کہا...... ''میں نے ان کا ہمدرد اور ساتھی بن کر یہ راز حاصل کیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتا ہے کہ ان میں باہر سے آئے ہوئے چھاپہ مار بھی ہیں اور نیا انکشاف یہ ہے کہ وہ غریب موچی جو راستے میں بیٹھا رہتا ہے وہ سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہے اور اس کا نام برجیس ہے...... میں تمہارے والد کو یہ خبر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان لوگوں کو پھانسنے کے لیے گھات لگائی جائے''۔

رینا نے چند ایک مسلمان نوجوانوں کے نام لے کر عثمان صارم کا بھی نام لیا اور پوچھا...... کیا یہ لڑکے بھی اس مہم میں شامل ہیں؟''

''صارم کا بیٹا عثمان تو اس گروہ کا سرغنہ ہے''...... مسلمان مخبر نے بتایا...... ''اور ان کا سب سے بڑا سرغنہ امام رازی ہے''۔

''آپ تھوڑی دیر تک آ جائیں''...... رینی نے اُسے کہا...... ''باپ کو ذرا سی دیر سو نے دیں''۔

مگر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ صلیبیوں کو خوش کرنے اور اُن سے انعام وصول کرنے کا اسے نہایت موزوں موقع مل گیا تھا۔ اس کے متعلق مسلمانوں کو معلوم نہیں تھا کہ قرآن کی بجائے صلیب کا وفادار ہے۔ اُسی روز مسلمان نوجوانوں اور چھاپہ ماروں نے دیوار توڑنے کی سکیم بنائی تھی۔ اس خفیہ اجتماع میں تین چار بزرگ، امام اور یہ مسلمان بھی تھا جس نے لڑکوں کو اچھے مشورے دیئے اور سب سے زیادہ جذبے کا اظہار کیا تھا۔ مسلمانوں کو شک تک نہ ہوا کہ وہ صلیبیوں کا پالا ہوا سانپ ہے، سبھی اُسے شہر کا امیر اور معزز تاجر سمجھتے تھے جس کے حسن سلوک کی بدولت صلیبی بھی اُس کی عزت کرتے تھے۔

وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ رینی گہری سوچ میں کھو گئی۔ اس نے اُسے اندر بٹھانے کی بجائے یہ کہا کہ وہ اُسے پوری بات سنائے اور یہ بھی کہا کہ آؤ ذرا باہر ٹہل لیتے ہیں، اتنی دیر میں باپ جاگ اُٹھے گا۔ وہ تو صلیبیوں کا غلام تھا۔ اتنے بڑے افسر کی بیٹی کے ساتھ خراماں خراماں چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ کنویں تک پہنچ گئے۔ یہ کنواں شہریوں کے لیے کھودا گیا تھا۔ بہت ہی دُور سے پانی نکلا تھا۔ رینی کنویں کے منہ پر رُک گئی۔ مسلمان مخبر اُسے بات سنا رہا تھا۔ وہ بھی کنویں کے قریب کھڑا تھا۔ رینی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے دھکہ دیا۔ مسلمان پیچھے کو گرا اور سیدھا کنویں میں گیا۔ اُس کی چیخ سنائی دی جو ''دھڑام'' کی آواز میں ختم ہو گئی۔

رینی اس مسرت کے ساتھ گھر آ گئی کہ اُس نے ایک ایسا راز کنویں میں ڈبو دیا ہے جو عثمان صارم کی یقینی موت کا باعث بن سکتا تھا۔

☆

وہاں سے وہ ڈرتی ہوئی عثمان صارم کے گھر گئی۔ اُس کی ماں کے پاس بیٹھی، النور کی باتیں کرتی رہی۔ اُس نے عثمان کے متعلق پوچھا تو اُس کی ماں نے بتایا کہ وہ شام کے بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ رینی کو خیال آ گیا کہ وہ دیوار توڑنے کی مہم پر چلا گیا ہوگا۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ ان کے اجتماع میں کوئی اور مخبر بھی ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور نے فوج کو اطلاع دے دی ہو۔ وہ باہر نکل گئی اور اُس طرف چل پڑی جس طرف سے ان لوگوں نے دیوار توڑنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اُس مسلمان نے جسے اُس نے کنویں میں پھینک دیا تھا، بتا دیا تھا کہ چھاپہ مار دیوار کے اوپر جا کر صلیبی تیر اندازوں کو ایسے طریقے سے ختم کریں گے کہ کسی کو پتا نہ چل سکے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نیچے سے دیوار کھودیں گے۔ دیوار مٹی کی تھی۔ اس کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اوپر دو گھوڑے پہلو بہ پہلو آسانی سے دوڑ سکتے تھے۔ مٹی کی وجہ سے اس کی کھدائی مشکل نہیں، وقت طلب تھی۔ اس پارٹی نے بوقت ضرورت لڑائی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ان کے پاس خنجر اور برچھیاں بھی تھیں۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دلیرانہ مہم تھی جس کی ناکامی کے امکانات زیادہ تھے۔ انہوں نے جگہ ایسی منتخب کی تھی، جہاں پکڑے جانے کا امکان ذرا کم تھا۔

یہ گروہ مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ رینی اُس طرف دوڑی جا رہی تھی۔ وہ عثمان صارم کو روکنا چاہتی تھی۔ اُسے شاید علم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ پکڑے جائیں گے اور عثمان صارم مارا جائے گا۔ ان جانبازوں کا جانے کا طریقہ اور راستہ کچھ اور تھا۔ رینی پہلے وہاں پہنچ گئی جہاں سے دیوار توڑنی تھی۔ وہاں ابھی کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اُس نے اندھیرے میں اِدھر

اُدھر دیکھا۔ اچانک پیچھے سے اُسے کسی نے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر پرے لے گیا۔ یہ ایک فوجی تھا۔ پرے لے جا کر فوجی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے باپ کا نام لیا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے چلی جائے مگر وہ وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتی تھی۔ وہاں دراصل فوج کا ایک پورا دستہ چھپا ہوا تھا۔ اس کے کمانڈر نے رینی کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ یہاں نقب لگانے آرہا ہے اور اُسے پکڑنے کے لیے گھات لگائی گئی ہے...... یہ اطلاع ایک اور مسلمان مخبر نے فوج کو دی تھی۔

رینی انہیں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ گھات سے اُٹھ جائیں۔ وہ تو صرف عثمان صارم کو بچانا چاہتی تھی۔ اس مسلمان نوجوان کی محبت نے اُس کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اتنے میں ایک فوجی نے کہا...... ''اطلاع غلط نہیں تھی، وہ آرہے ہیں'' ...... رینی تڑپ اُٹھی۔ اُس نے چلا کر کہا...... ''عثمان! واپس چلے جاؤ'' ...... دستے کے کمانڈر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا...... ''یہ بدبخت جاسوس معلوم ہوتی ہے، اسے گرفتار کرلو'' ...... لیکن گرفتاری کی انہیں مہلت نہ ملی، کیونکہ کچھ دور سے شور شرابہ سنائی دینے لگا تھا۔

جانبازوں کی یہ پارٹی سیدھی گھات میں آگئی تھی۔ صلیبیوں کے دستے کی تعداد زیادہ تھی۔ پیشتر اس کے کہ جانباز سنبھلتے، وہ گھیرے میں آچکے تھے۔ مشعلیں جل اُٹھیں جن کی روشنی میں جانباز صاف نظر آنے لگے۔ ان کے پاس کھدائی کا سامان، برچھیاں اور خنجر تھے۔ بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ان میں گیارہ لڑکیاں تھیں۔ صلیبی کمانڈر نے باآواز بلند کہا...... ''لڑکیوں کو زندہ پکڑو'' ...... چھاپہ ماروں میں سے کسی نے کہا...... ''مجاہدو! بھاگنا نہیں۔ ایک ایک لڑکی کو ساتھ رکھو''۔

اور جو معرکہ لڑا گیا، وہ بڑا ہی خون ریز تھا۔ چھاپہ مار تو تربیت یافتہ لڑاکے تھے۔ خوب لڑے، لیکن لڑکوں اور لڑکیوں نے صلیبیوں کو حیران کر دیا۔ لڑکیاں ڈرنے کی بجائے نوجوانوں کو للکار رہی تھیں۔ انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش میں متعدد صلیبی ان کے خنجروں کا شکار ہوگئے، مگر صلیبی تعداد میں زیادہ تھے۔ چونکہ یہ معرکہ قلعے میں لڑا جا رہا تھا، اس لیے صلیبی فوج کے دو دستے آگئے۔ اس معرکے میں ایک نسوانی آواز بار بار سنائی دیتی تھی...... ''عثمان نکل جاؤ...... عثمان! تم نکل جاؤ'' ...... یہ رینی کی آواز تھی۔ اُس وقت تک عثمان لڑ رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک صلیبی آیا۔ عثمان کے پاس خنجر تھا اور صلیبی کے پاس تلوار۔ اچانک اس صلیبی کی پیٹھ میں ایک خنجر داخل ہوگیا۔ یہ رینی کا خنجر تھا۔ ایک اور صلیبی نے اُسے للکارا۔ اُس نے مرے ہوئے صلیبی کی تلوار اُٹھالی اور مقابلے پر اُتر آئی۔

عثمان صارم اُس کی مدد کے لیے آگے بڑھا لیکن کسی صلیبی کی تلوار نے اُسے شہید کر دیا۔ کچھ دیر بعد جانبازوں میں صرف دو لڑکیاں زندہ رہیں۔ وہ اکٹھی تھیں اور بہت سے صلیبیوں کے گھیرے میں آگئیں۔ گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ خنجر پھینک دیں۔ دونوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ دونوں نے بیک وقت اپنا اپنا خنجر اپنے اپنے دِل پر رکھا اور دوسرے لمحے انہوں نے خنجر اپنے دِلوں میں اُتار دیئے۔ رینی کو زخمی کر کے پکڑ لیا گیا تھا۔ اس نے بعد میں پاگل پن کی کیفیت میں بیان دیا کہ وہ اس سکیم کو ناکام کر کے عثمان صارم کو بچانا چاہتی تھی۔

قلعے کی دیوار توڑنے کی اُمید ختم ہوگئی۔ شہر کے اندر مسلمانوں کی تخریب کاری بھی ختم ہوگئی۔ مسلمانوں کی قیادت کرنے والے جانباز شہید ہو چکے تھے۔ برجیس بھی شہید ہو چکا تھا، لیکن سلطان ایوبی کی اُمیدیں صرف ان سرفروشوں کے ساتھ وابستہ نہیں تھیں۔ وہ قلعے سَر کرنا جانتا تھا۔ ابھی تو محاصرے کا دوسرا دن تھا مگر اب کے صلیبیوں نے بھی قسم کھالی تھی کہ وہ کرک کا قلعہ سلطان ایوبی کو نہیں دیں گے۔

......❁......

میرے فلسطین، میں آؤں گا

صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے غیر معمولی طور پر مستحکم مستقر کرک پر ایسی بے خبری میں حملہ کیا تھا کہ صلیبیوں کو اُس وقت خبر ہوئی جب سلطان ایوبی کی فوج کرک کو محاصرے میں لے چکی تھی، لیکن محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ یہ سہ طرفہ محاصرہ تھا۔ جاسوسوں نے سلطان ایوبی کو یقین دلایا تھا کہ کرک شہر کے مسلمان باشندے اُن چھاپہ ماروں کے ساتھ جنہیں سلطان ایوبی نے پہلے ہی شہر میں داخل کر دیا تھا، اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے۔ محاصرے کے چوتھے پانچویں روز اندر سے ایک جاسوس نے باہر آ کر سلطان ایوبی کو یہ اطلاع دی کہ تمام چھاپہ مار اور چند ایک مسلمان شہری دیوار توڑنے کی کوشش میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان میں مسلمان لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں ایک عیسائی لڑکی بھی شامل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی بتایا گیا کہ کسی ایمان فروش مسلمان نے اس جانباز جماعت میں شامل ہو کر دشمن کو اطلاع دے دی تھی جس کے نتیجے میں دشمن نے گھات لگائی اور ساری کی ساری جماعت کو شہید کر دیا۔ یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اب اندر سے دیوار توڑنے کی اُمیدیں ختم ہو چکی ہیں۔

اُمیدیں ختم ہونی ہی تھیں۔ صلیبیوں نے جب دیکھا کہ دیوار توڑنے والوں میں کرک کے مسلمان نوجوانوں، اور لڑکیوں کی لاشیں تھیں تو انہوں نے مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ اندھا دھند شروع کر دی۔ لڑکیوں تک کو نہ بخشا۔ جوانوں کو بیگار کیمپ میں، بوڑھوں کو اُن کے اپنے گھروں میں اور جوان لڑکیوں کو قلعے کی فوجی بارکوں میں قید کر دیا۔ ان میں سے کچھ لڑکیوں نے خودکشی بھی کر لی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ کفار اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ صلاح الدین ایوبی کو بھی یہی غم کھانے لگا کہ کرک کے مسلمانوں کو یہ قربانی بہت مہنگی پڑے گی۔ اُس نے جب ان جانبازوں کی خبر سنی تو اپنے نائبین سے کہا...... ''یہ کارستانی صرف ایک ایمان فروش مسلمان کی ہے۔ اس ایک غدار نے اسلام کی اتنی بڑی فوج کو بے بس کر دیا ہے۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے نام پر جانیں قربان کر دیں، ایک یہ مسلمان ہیں جنہوں نے اللہ کا ایمان کفار کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔ یہ غدار اسلام کی تاریخ کا رُخ پھیر رہے ہیں''...... سلطان ایوبی غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ران پر گھونسہ مار کر بولا...... ''میں کرک کو بہت جلدی فتح کروں گا اور ان غداروں کو سزا دوں گا''۔

سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا افسر، زاہدان خیمے میں داخل ہوا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا کہ...... ''آج رات کو محاصرہ مکمل ہو جانا چاہیے۔ میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں کہ کون سے دستے کرک کے پیچھے بھیجے جائیں''۔

''مداخلت کی معافی چاہتا ہوں امیر مصر!''...... زاہدان نے کہا...... ''اب شاید آپ محاصرہ مکمل نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے کچھ وقت ضائع کر دیا ہے۔''

''کیا تم کوئی نئی خبر لائے ہو؟''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُس سے پوچھا۔

آپ نے جس کامیابی سے دشمن کو بے خبری میں آن لیا تھا، اس سے آپ پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکے''۔ زاہدان نے

جواب دیا۔ وہ ایسے بے دھڑک انداز سے بول رہا تھا۔ جیسے اپنے سے چھوٹے عہدے کے آدمی کو ہدایات دے رہا ہو۔ سلطان ایوبی نے اپنے تمام سینئر اور جونیئر کمانڈروں اور تمام شعبوں کے سربراہوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اُسے بادشاہ سمجھ کر فرشی سلام نہ کیا کریں، مشورے دلیری اور خوداعتادی سے دیں اور نکتہ چینی کھل کر کیا کریں۔ زاہدان انہی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس کی حیثیت ایسی آنکھ کی سی تھی جو اندھیروں میں بھی دیکھ لیتی تھی اور وہ ایسا کان تھا جو اپنے جاسوسوں کے ذریعے سینکڑوں میل دُور دشمن کی سرگوشیاں بھی سن لیا کرتا تھا۔ سلطان ایوبی کو اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کامیاب جاسوسی کے بغیر جنگ نہیں جیتی جاسکتی۔ خصوصاً اس صورتِ حال میں جہاں صلیبیوں نے سلطنتِ اسلامیہ میں جاسوسوں اور تخریب کا جال بچھا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کو نہایت اعلیٰ اور غیر معمولی طور پر ذہین اور تجربہ کار جاسوسوں کی ضرورت تھی۔ اس میدان میں وہ پوری طرح کامیاب تھا۔ اس کی انٹیلی جنس کے تین افسر علی بن سفیان اور اُس کے دو نائب، حسن بن عبداللہ اور زاہدان جانباز قسم کے سراغ رساں اور جاسوس تھے۔ انہوں نے اس محاذ پر صلیبیوں کے کئی وار بے کار کیے تھے۔

''آپ کو معلوم تھا کہ صلیبیوں نے جہاں کرک کا دفاع مضبوط کر رکھا ہے، وہاں بہت سی فوج کرک سے دُور خیمہ زن کر رکھی ہے''۔ زاہدان نے کہا...... ''آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اس فوج کو باہر سے محاصرہ توڑنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جاسوسوں کی اطلاعیں صاف بتا رہی تھیں کہ اب صلیبی قلعے سے باہر لڑیں گے، پھر بھی آپ نے فوری طور پر محاصرہ مکمل نہیں کیا۔ اس سے دشمن نے فائدہ اُٹھا لیا ہے''۔

''تو کیا انہوں نے حملہ کر دیا ہے؟'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے بے تابی سے پوچھا۔

''آج شام تک اُن کی فوج اُس مقام پر آجائے گی جہاں ہماری کوئی فوج نہیں''۔ زاہدان نے جواب دیا...... ''میرے جاسوس جو اطلاعیں لائے ہیں، وہ یہ ہیں کہ صلیبی فوج گھوڑ سوار اور شتر سوار ہوگی۔ پیادہ دستے بہت کم ہیں۔ وہ محاصرے کی جگہ پر آجائیں گے اور دائیں بائیں حملے کریں گے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہمارا محاصرہ ٹوٹ جائے گا۔ صلیبیوں کی تعداد بھی زیادہ بتائی جاتی ہے''۔

''میں تمہیں اور تمہارے جاسوسوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جو یہ اطلاعیں لائے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں جانتا ہوں یہ کام کتنا دشوار اور خطرناک ہے۔ میں تم سب کو یقین دلاتا ہوں کہ صلیبی ہمارے محاصرے کا جو خلا پُر کرنے اور محاصرے توڑنے آرہے ہیں میں انہیں اسی خلاء میں گم کر دوں گا۔ مجھے اللہ کی مدد پر بھروسہ ہے، اگر تم میں کوئی غدار نہیں تو اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا''۔

''ابھی وقت ہے''۔ ایک نائب سالار نے کہا...... ''اگر آپ حکم دیں تو ہم محفوظہ کے تین چار دستے صلیبیوں کے پہنچنے سے پہلے بھیج دیتے ہیں۔ محاصرے کا خلا پُر ہو جائے گا اور صلیبیوں کا حملہ ناکام ہو جائے گا''۔

سلطان ایوبی کے چہرے پر پریشانی یا اضطراب کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا۔ اس نے زاہدان سے پوچھا...... ''اگر تمہاری اطلاع بالکل صحیح ہے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ صلیبی فوج کس وقت حملے کے مقام پر پہنچے گی؟''

''اُن کی پیش قدمی خاصی تیز ہے''۔ زاہدان نے جواب دیا...... ''ان کے ساتھ خیمے اور رسد نہیں آرہی۔ پیچھے آرہی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راستے میں کوئی پڑاؤ نہیں کریں گے۔ اگر وہ اسی رفتار پر آتے رہے تو رات گہری ہونے تک پہنچ جائیں گے''۔

''خدا کرے کہ وہ راستے میں نہ رُکیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''مگر وہ تھکے ہوئے اور بھوکے پیاسے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ حملہ نہیں کریں گے۔ حملے کے مقام پر آ کر جانوروں کو آرام اور خوراک دیں گے۔ اس دوران وہ دیکھیں گے کہ ہم نے جو محاصرہ کر رکھا ہے، اس میں خلاء ہے یا نہیں۔ صلیبی اتنے کوڑھ مغز نہیں کہ ایسی پیش بینی اور پیش بندی نہ کریں''...... سلطان ایوبی نے اپنے عملے کے دو تین حکام کو بلایا اور انہیں نئی صورتِ حال سے آگاہ کر کے کہا...... ''صلیبی ہمارے جال میں آ رہے ہیں، قلعے کے عقب میں ہم نے محاصرے میں جو خلا چھوڑ دیا ہے، اسے اور زیادہ کھلا کر دو۔ دائیں اور بائیں کے دستوں سے کہہ دو کہ اُن پر عقب سے حملہ آ رہا ہے۔ اپنے پہلوؤں کو مضبوط کر لیں اور دشمن کو اپنے درمیان آنے دیں۔ کوئی تیر انداز حکم کے بغیر کمان سے تیر نہ نکالے''۔

اس قسم کے احکام کے بعد سلطان ایوبی نے پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے چند ایک دستوں کو جو اُس نے ریزرو میں رکھے ہوئے تھے، سورج غروب ہوتے ہی ایسے مقام پر چلے جانے کو کہا جو صلیبیوں کے حملے کے ممکنہ مقام کے قریب تھا۔ وہ علاقہ میدانی نہیں تھا اور صحرا کی طرح ریتلا بھی نہیں تھا۔ وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کا علاقہ تھا۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر کو بھی بلا لیا تھا۔ اُسے اس نے یہ کام سونپا کہ صلیبیوں کی فوج کے پیچھے فلاں راستے سے یہ رسد آ رہی ہے جو رات کو راستے میں تباہ کرنی ہے۔ ایسے اور کئی ایک ضروری احکامات دے کر سلطان ایوبی خیمے سے نکلا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنے عملے کے ضروری افراد کو ساتھ لیا اور محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

صلاح الدین ایوبی خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے والا انسان نہیں تھا۔ اُس نے دُور سے محاصرے کا جائزہ لیا اور اپنے عملے سے کہا...... ''صلیبیوں سے یہ قلعہ لینا آسان نہیں۔ محاصرہ بڑے بڑے لمبے عرصے تک قائم رکھنا پڑے گا''۔ اُس نے دیکھا کہ قلعے کی سامنے والی دیوار سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ قلعے کے دروازے تک پہنچنا ناممکن تھا...... سلطان ایوبی کی فوج تیروں کی زد سے دُور تھی۔ جوابی تیر اندازی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سلطان ایوبی قلعے کے پہلو کی طرف گیا۔ وہاں اُسے ایک ولولہ انگیز منظر نظر آیا۔ اس کا ایک دستہ حیران کن تیزی سے قلعے کی دیوار پر تیر برسا رہا تھا۔ چھ منجنیقیں آگ پھینک رہی تھیں۔ دیوار پر جہاں تیر اور آگ کے گولے جا رہے تھے، وہاں کوئی صلیبی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دبک گئے تھے۔ سلطان ایوبی دور کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کے تقریباً چالیس سپاہی ہاتھوں میں برچھیاں اور کدالیں اُٹھائے دیوار کی طرف سرپٹ دوڑ پڑے اور دیوار تک پہنچ گئے۔ قلعے کی دیوار پتھروں اور مٹی کی تھی۔ انہوں نے دیوار توڑنی شروع کر دی۔ اسی مقصد کے لیے اوپر تیر اور آگ کے گولے برسائے جا رہے تھے کہ اوپر سے دشمن اُن پر دیوار توڑتے وقت تیر نہ چلا سکے۔

سلطان ایوبی کے منہ سے بے اختیار نکلا...... ''آفرین''...... مگر اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ قلعے کی دیوار پر للکار سنائی دی۔ عین اُس جگہ کے اوپر سے جہاں سلطان ایوبی کے جانباز دیوار توڑ رہے تھے۔ بہت سے صلیبیوں کے سر اور کندھے نظر آئے۔ پھر بڑے بڑے ڈول اور ڈرم نظر آئے۔ یہ اُلٹا دیئے گئے۔ ان میں سے جلتی ہوئی لکڑیاں اور انگارے نکلے جو اِن مجاہدین پر گرے جو نیچے دیوار توڑ رہے تھے۔ مجاہدین نے آگے جا کر تیر برسانے شروع کر دیئے جن میں متعدد صلیبی گھائل ہو گئے۔ دیوار کی کسی اور طرف سے تیر آئے جنہوں نے مجاہدین تیر اندازوں کو زخمی اور شہید کر دیا پھر دونوں طرف سے اس قدر تیز برسنے لگے کہ ہوا میں اُڑتے ہوئے تیروں کا جال تن گیا۔ جانباز دیوار توڑ رہے تھے۔ یہ کام آسان نہیں تھا، کیونکہ دیوار بہت ہی چوڑی تھی۔ نیچے سے اس کی چوڑائی اوپر کی نسبت زیادہ تھی۔ ان جانبازوں پر اوپر سے تیر نہیں

چلایا جا سکتا تھا مگر ان پر جلتی لکڑیاں اور دہکتے انگارے پھینکے جا رہے تھے۔ آگ کے ڈول اور ڈرم پھینکنے والوں میں بظاہر کوئی بھی مسلمان تیر اندازوں سے بچ کر نہیں جاتا تھا، لیکن وہ تیر کھا کر گرنے سے پہلے آگ انڈیل دیتے تھے۔

نیچے یہ عالم تھا کہ آگ بھڑک رہی تھی اور دیوار توڑنے والے شعلوں اور انگاروں میں بھی دیوار توڑ رہے تھے۔ تیروں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ آخر دیوار توڑنے والے جھلس گئے اور ان میں سے چند ایک اس حالت میں پیچھے کو دوڑے کہ اُن کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ دیوار سے ہٹے ہی تھے کہ اوپر سے تیر آئے جو اُن کی پیٹھوں میں اُتر گئے۔ اس طرح ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ آسکا۔ دس اور مجاہدین دیوار کی طرف دوڑے اور دشمن کے تیروں میں سے گزرتے ہوئے دیوار تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے دیوار کے بہت سے پتھر نکال لیے۔ اوپر سے اُن پر بھی آگ کے ڈرم اور ڈول انڈیل دیئے گئے۔ آگ پھینکنے والوں سے دو اتنا اوپر اُٹھ گئے تھے کہ مجاہدین کے تیر سینوں میں کھا کر وہ پیچھے گرنے کی بجائے آگے کو گرے اور دیوار سے سیدھے نیچے اپنی ہی پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے، مگر دیوار توڑنے والوں میں سے بھی کوئی زندہ نہ بچا۔

سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس دستے کے کمانڈر کے پاس جا کر کہا ...... ''تم پر اور تمہارے جانبازوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ اسلام کی تاریخ ان سب کو ہمیشہ یاد رکھے گی جو اللہ کے نام پر جل گئے ہیں۔ اب یہ طریقہ چھوڑ دو۔ پیچھے ہٹ آؤ۔ اتنی تیزی سے انسان اور تیر ختم نہ کرو۔ صلیبی اس قلعے کے لیے اتنی زیادہ قربانی دے رہے ہیں جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا''۔

''اور ہم بھی اتنی زیادہ قربانی دیں گے، جس کا صلیبی تصور نہیں کر سکتے''۔ کمانڈر نے کہا ...... ''دیوار یہیں سے ٹوٹے گی اور ہم آپ کو یہیں سے اندر لے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ تمہاری آرزو پوری کرے''۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا ...... ''اپنے مجاہدین کو بچا کر رکھو۔ صلیبی باہر سے حملہ کر رہے ہیں، تمہیں شاید باہر لڑنا پڑے گا۔ محاصرہ مضبوط رکھو۔ ہم صلیبیوں کو اندر بھوکا ماریں گے''۔

اس دستے کو پیچھے ہٹا لیا گیا، مگر کمانڈر نے سلطان ایوبی سے کہا ...... ''سالارِ اعظم کی اجازت ہو تو میں شہیدوں کی لاشیں اُٹھوا لوں؟ اس مقصد کے لیے مجھے پھر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا''۔

''ہاں!'' سلطان ایوبی نے کہا ...... ''اُٹھوا لو۔ کسی شہید کی لاش باہر نہ پڑی رہے''۔

سلطان ایوبی وہاں سے چلا گیا۔ اس جانباز دستے نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی لاشیں اُٹھائیں وہ ایک ولولہ انگیز منظر تھا۔ جتنی لاشیں اُٹھانی تھیں، اتنے ہی مجاہدین شہید ہو گئے۔ سلطان ایوبی دُور نکل گیا تھا۔ جنگ کے دوران وہ اپنا پرچم ساتھ نہیں رکھا کرتا تھا، تاکہ دشمن کو معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اپنی فوج سے دُور ہٹ گیا اور بہت دُور جا کر وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں چلا گیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر جا کر لیٹ گیا تاکہ اسے دشمن نہ دیکھ سکے۔ اُسے قلعہ اور شہر کی دیوار نظر آ رہی تھی اور کم و بیش ایک میل لمبا وہ علاقہ بھی نظر آ رہا تھا جہاں ابھی اُس کی فوج نہیں پہنچی تھی۔ اس نے ٹیلوں کے علاقے کا جائزہ لیا۔ ہر جگہ گھوما پھرا۔

اسی جائزے اور دیکھ بھال میں سورج غروب ہو گیا۔ وہ وہیں رہا۔ شام گہری ہوئی تو اُسے اطلاع دی گئی کہ اُس کے حکم کے مطابق پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے دستے آ رہے ہیں۔ اُس نے اپنے قاصد سے کہا کہ کمانڈروں کو بلایا جائے ...... جب کمانڈر اس کے پاس آئے تو چھاپہ مار دستے کا کمانڈر بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اسے سلطان ایوبی نے راستہ بتا

کر اپنے ہدف پر چلے جانے کو کہا، پھر وہ دوسرے کمانڈروں کو ہدایات دینے لگا۔

☆

رات آدھی گزری تھی کہ دُور سے گھوڑوں کی آوازیں اس طرح سنائی دینے لگیں جیسے سیلاب بند توڑ کر آ رہا ہو۔ چاند پورا تھا۔ چاندنی شفاف تھی۔ صلیبیوں کے گھوڑ سوار ٹیلوں اور چٹانوں سے کچھ دُور تک آ گئے۔ اُن کے پیچھے شتر سوار تھے۔ ان کی تعداد کے متعلق مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ غیر مسلم مورخوں نے تعداد تین ہزار سے کم بیان کی ہے۔ مسلمان مورخ پانچ سے آٹھ ہزار تک بتاتے ہیں۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی جو تحریریں دستیاب ہو سکی ہیں، وہ کم سے کم تعداد دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار بتاتے ہیں۔ ان کا کمانڈر ایک مشہور صلیبی حکمران ریمانڈ تھا۔ دو مورخوں نے کمانڈر کا نام رینالٹ لکھا ہے، لیکن وہ ریمانڈ تھا۔ وہ اسی حملے کے لیے لمبے عرصے سے وہاں سے دُور خیمہ زن تھا۔ اُسے اب رات کو یا صبح ہوتے ہی سلطان ایوبی کی اُس فوج پر حملہ کرنا تھا جس نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

صلیبی سوار گھوڑوں اور اونٹوں سے اُترے۔ گھوڑوں کے ساتھ دانے کی تھیلیاں تھیں جو گھوڑوں کے آگے لٹکا دی گئیں۔ سواروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے جانور کے ساتھ رہیں اور زیادہ دیر کے لیے سو نہ جائیں۔ جانوروں کے لیے چارہ اور پانی کے مشکیزے پیچھے آ رہے تھے۔ صلیبیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں پر عقب سے اچانک حملہ کر کے گھوڑوں کو قلعے کے اندر سے پانی پلائیں گے۔ سلطان ایوبی کے دیدبان صلیبیوں کو بڑی اچھی طرح دیکھ رہے تھے اور گھبرا بھی رہے تھے، کیونکہ صلیبیوں کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ طاقت سے وہ محاصرہ توڑ سکتے تھے۔

سحر ابھی دھندلی تھی۔ صلیبیوں کو سوار ہونے، برچھیاں اور تلواریں تیار رکھنے کا حکم ملا۔ یہ دراصل حملے کا حکم تھا۔ وہ ایک بڑی ہی لمبی صف کی صورت میں آگے بڑھے، جونہی اگلی صف نے ایڑ لگائی، عقب سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں، جن سواروں کو تیر لگے، وہ گھوڑوں پر ہی اوندھے ہو گئے یا گر پڑے اور جن گھوڑوں کو تیر لگے وہ بے قابو ہو کر بھاگ اُٹھے۔ اونٹ بھی چلے ہی تھے کہ اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ صلیبی کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہ ہوا کیا ہے اور اُن کی ترتیب بکھرتی کیوں جا رہی ہے۔ انہوں نے غصے کی حالت میں چلانا شروع کر دیا۔ زخمی گھوڑوں اور اونٹوں نے جو واویلا بپا کیا، اس نے ساری فوج پر دہشت طاری کر دی۔ صبح کا اُجالا صاف ہوا تو ریمانڈ کو معلوم ہوا کہ وہ سلطان ایوبی کے گھیرے میں آ گیا ہے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ اسے بہت زیادہ سمجھ رہا تھا۔ ایسی صورتِ حال کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔ اُس نے حملہ رکوا دیا، لیکن اُس کے سواروں کی اگلی صف اُس خلاء کے قریب پہنچ چکی تھی جہاں اس پورے لشکر کو پہنچنا تھا۔

محاصرے والی فوج کو پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا۔ وہ اس حملے کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کے مجاہدین نے گرد کے بادل زمین سے اُٹھتے اور اپنی طرف آتے دیکھے تو وہ تیار ہو گئے۔ گرد قریب آئی تو اس میں سے گھوڑ سوار نمودار ہوئے۔ مجاہدین نے اپنے آپ کو حملہ روکنے کی ترتیب میں کر لیا۔ وہ دائیں اور بائیں تھے۔ جونہی گھوڑے اُن کے درمیان آئے، مجاہدین پہلوؤں سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ تب صلیبی سواروں کو احساس ہوا کہ وہ اپنے لشکر سے کٹ گئے ہیں اور ان کا لشکر اپنی جگہ سے چلا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان اور نگرانی خود کر رہا تھا۔ صلیبی پیچھے کو مڑے تاکہ مقابلہ کریں لیکن سلطان ایوبی نے انہیں یہ چال چل کر بہت مایوس کیا کہ صلیبیوں کا کوئی دستہ سرپٹ رفتار سے کسی طرف حملہ کرتا تھا تو آگے مزاحمت نہیں ملتی تھی۔ البتہ پہلوؤں اور عقب سے اُس پر تیر برستے تھے۔ صلیبی کمانڈروں نے اپنے لشکر کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر دیا۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اُس کی ہدایت کے مطابق آمنے سامنے کے مقابلے کی

نوبت ہی نہ آنے دی۔ صلیبیوں کے گھوڑے تھکے ہوئے تھے۔ بھوکے اور پیاسے بھی تھے۔ انہیں جنگ روکنی پڑی۔ وہ چارے اور پانی کے منتظر تھے۔ رسد کو صبح تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

دوپہر تک رسد نہ پہنچی۔ چند ایک سوار دوڑے گئے، لیکن وہ مسلمان تیراندازوں کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ زندہ پیچھے چلے بھی جاتے تو انہیں رسد نہ ملتی۔ وہ رات کو ہی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستے کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ اس دستے نے بڑی کامیابی سے شب خون مارا اور رسد تباہ کر دی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ میں سے مزید دستے بلا لیے اور ریمانڈ کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ اگر مسلمانوں کی تعداد صلیبیوں جتنی ہوتی تو وہ حملہ کر کے صلیبیوں کو ختم کر دیتے۔ سلطان ایوبی اپنی نفری ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اس لشکر کو لڑاتے لڑاتے ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں لے جا کر گھیرے میں لے لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا، صلیبی بے کار ہوتے جائیں گے، مگر صلیبیوں کو بڑی کامیابی سے گھیرے میں لے کر اُسے خود بھی نقصان ہو رہا تھا۔ اُس نے جہاں صلیبیوں کی اتنی بڑی قوت کو باندھ لیا تھا، وہاں اُس کے اپنے بہت سے ریزرو دستے بھی بندھ گئے تھے۔ انہیں اب وہ کسی اور طرف استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

اس علاقے کے اندر پانی موجود تھا جو جانوروں کو کچھ عرصے کے لیے زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ فوج کو زندہ رکھنے کے لیے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کا گوشت کافی تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کا محاصرہ مکمل کرنے کا حکم دے دیا۔ صلیبی چین سے نہیں بیٹھے۔ ہر روز کسی نہ کسی جگہ جھڑپ ہوتی تھی اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے قلعے اور شہر کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ کہیں سے بھی دیوار توڑنے کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

☆

محاصرے کا سولہواں سترھواں روز تھا۔ شام کے وقت سلطان ایوبی اپنے خیمے میں بیٹھا اپنے نائبین وغیرہ کے ساتھ اس مسئلے پر باتیں کر رہا تھا کہ قلعے کو توڑنے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ محافظ نے اندر آ کر اطلاع دی کہ سوڈان کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی تڑپ کر بولا..... ''اُسے فوراً اندر بھیج دو''..... اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے نکل گیا..... ''اللہ کرے یہ کوئی اچھی خبر لایا ہو''۔

قاصد اندر آیا تو سلطان ایوبی نے فوراً پہچان لیا کہ یہ قاصد نہیں، کسی دستے کا کمانڈر ہے۔ سلطان ایوبی نے بے تابی سے پوچھا..... ''کوئی اچھی خبر لائے ہو؟..... بیٹھ جاؤ''۔

کمانڈر نے نفی میں سر ہلایا اور بولا..... ''جس رنگ میں سالارِ اعظم دیکھیں، خبر اس لیے اچھی نہیں کہ ہم سوڈان میں فتح حاصل نہیں کر سکے اور اس لحاظ سے خبر اچھی ہے کہ ہم نے ابھی شکست نہیں کھائی اور پسپا نہیں ہوئے''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ شکست اور پسپائی کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''صاف نظر آ رہے ہیں''۔ کمانڈر نے جواب دیا..... ''میں آپ کا حکم لینے آیا ہوں کہ ہم کیا کریں۔ ہمیں کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہماری یہ ضرورت پوری نہ ہوئی تو پسپائی کے بغیر چارہ نہیں''۔

سلطان ایوبی نے پورا پیغام سننے سے پہلے اُس کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ اور پیغام سناتے جاؤ۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں اس کا بھائی تقی الدین مصر کا قائم مقام امیر مقرر ہوا تھا۔ اُس نے سوڈان اور مصر کی سرحد کے قریب فرعونوں کے زمانے کے کھنڈروں میں صلیبیوں کا پیدا کردہ ایک بڑا ہی خطرناک نظریہ اور ڈرامہ پکڑا تھا اور اُس کے فوراً بعد اُس نے یہ سوچ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہاں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مشیروں اور سالاروں نے اُسے کہا تھا

کہ وہ سلطان ایوبی سے اجازت لے کر حملہ کریں مگر تقی الدین نے یہ کہہ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اس لیے پریشان نہیں کرنا چاہتا کہ وہ صلیبیوں کے اتنے طاقتور لشکر کے خلاف لڑ رہا ہے۔ اُس نے جوش میں آ کر حملہ تو کر دیا تھا لیکن یہ کمانڈر پیغام لایا تھا کہ سوڈان میں شکست صاف نظر آ رہی ہے۔ عام قاصد کی بجائے تقی الدین نے ایک کمانڈر کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو محاذ کی صحیح صورتِ حال فنی نقطہ نگاہ سے سنا سکے۔ اس سے پہلے سلطان ایوبی کو صرف یہ اطلاع ملی تھی کہ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کر دیا ہے۔

کمانڈر نے جو واقعات سلطان ایوبی کو سنائے وہ مختصراً یہ تھے کہ تقی الدین نے حقائق پر نظر رکھنے کی بجائے جذبے اور جذبات سے مغلوب ہو کر حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کا جذبہ وہی تھا جو اُس کے بھائی سلطان ایوبی کا تھا لیکن دونوں بھائیوں کی جنگی فہم وفراست میں فرق تھا۔ تقی الدین نے جو فیصلہ کیا، نیک نیتی اور اسلامی جذبے کے تحت کیا مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر گیا کہ دشمن پر سوچے سمجھے بغیر ٹوٹ پڑنے کو جہاد یا جنگ نہیں کہتے۔ اُس نے سوڈان میں پھیلائے ہوئے اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں پر بھی پوری طرح غور نہ کیا۔ اُن کی صرف اس اطلاع پر توجہ مرکوز رکھی کہ سوڈانیوں کو صلیبی کمانڈر ٹریننگ دے رہے ہیں اور وہاں حملے کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں۔ تقی الدین نے دشمن کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینے کا فیصلہ کر لیا، مگر اس قسم کی انتہائی اہم معلومات حاصل نہ کیں کہ سوڈانیوں کی جنگی طاقت کتنی ہے؟ وہ کتنی طاقت لڑائیں گے اور کتنی ریزو میں رکھیں گے؟ ان کے ہتھیار کیسے ہیں؟ سوار کتنے اور پیادہ کتنے ہیں؟ اور سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ تھا کہ میدانِ جنگ کس قسم کا مصر سے کتنی دُور ہوگا اور رسد کے انتظامات کیا ہوں گے؟

دو خرابیاں تو ابتدا میں ہی سامنے آ گئیں۔ ایک یہ کہ سوڈانیوں نے بلکہ صلیبی کمانڈروں نے تقی الدین کو سرحد پر روکا نہیں۔ اُسے بہت دُور تک سوڈان کے اُس علاقے تک جانے کے لیے راستہ دے دیا جو بڑا ہی ظالم صحرا تھا اور جہاں پانی نہیں تھا۔ دوسرا نقصان یہ سامنے آیا کہ تقی الدین کی فوج دراصل صلاح الدین ایوبی کی چالوں پر لڑنے والی فوج تھی جو انتہائی کم تعداد میں دشمن کے بڑے بڑے دستوں کو تہس نہس کر دیا کرتی تھی۔ اس فوج کو صرف سلطان ایوبی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی آمنے سامنے کی ٹکر سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ وہ متحرک قسم کی جنگ لڑتا تھا۔ تقی الدین لشکر کشی کا قائل تھا۔ اس فوج میں تجربہ کار اور جانباز چھاپہ مار دستے بھی تھے لیکن اُن کا صحیح استعمال سلطان ایوبی جانتا تھا۔ سوڈان میں جا کر یوں ہوا کہ فوج ایک لشکر کی صورت میں بندھی رہی اور دشمن اپنی چال چل گیا۔ دشمن تقی الدین کو اپنی پسند کے علاقے میں لے گیا اور اس کی فوج پر سلطان ایوبی کے انداز کے شب خون مارنے شروع کر دیئے۔ تقی الدین کے جانوروں اور جوانوں کو پانی کی ایک بوند بھی نہیں ملتی تھی۔ چھاپہ مار دستوں کے کمانڈروں نے اُسے کہا کہ وہ انہیں صحرا میں آزاد چھوڑ دے مگر تقی الدین نے اسے خدشے کے پیشِ نظر انہیں کوئی کارروائی نہ کرنے دی کہ جمعیت اور مرکزیت ختم ہو جائے گی۔

جب رسد کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ تکلیف دہ احساس ہوا کہ وہ اتنی دُور چلے آئے ہیں جہاں تک رسد کو پہنچتے کئی دن لگیں گے اور رسد کا راستہ محفوظ بھی نہیں۔ ہوا بھی ایسے ہی کہ رسد کے پہلے ہی قافلے کی اطلاع ملی کہ دشمن نے اسے تباہ نہیں کیا، بلکہ تمام تر رسد اور جانور اُڑا لے گیا ہے۔ اس حادثے کی اطلاع پر چھاپہ مار دستوں کے ایک سینئر کمانڈر اور تقی الدین میں گرما گرمی ہو گئی۔ کمانڈر نے کہا کہ وہ لڑنے آئے ہیں اور لڑیں گے، لیکن اس طرح نہیں کہ دشمن شب خون مار رہا ہے، رسد لوٹ کر لے گیا ہے اور ہم مرکزیت کے پابند بیٹھے رہیں۔ تقی الدین نے حکم کے لہجے میں سخت کلامی کی تو کمانڈر نے کہا..... ''آپ تقی الدین ہیں، صلاح الدین نہیں۔ ہم اُس عزم اور اُس طریقے سے لڑیں گے جو ہمیں صلاح الدین نے

سکھایا ہے۔ہم چھاپہ مار ہیں۔ہم دشمن کے پیٹ کے اندر جا کر اُس کا پیٹ چاک کیا کرتے ہیں۔آپ کا یہ لشکر بھوکا مر رہا ہے اور رسد دشمن لے گیا ہے۔ہم دشمن کی رسد لوٹ کر اپنی فوج کو کھلانے کے عادی ہیں''۔

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ تقی الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔وہ جانتا تھا کہ چھاپہ ماروں کا یہ کمانڈر کس جذبے سے پاگل ہوا جا رہا ہے۔اس نے جذباتی لہجے میں کہا......''میں ذاتِ باری تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔میں ان جانبازوں کو جو فلسطین میں لڑتے ہوئے آئے ہیں، ناحق موت کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہتا''۔

''پھر آپ کو حملہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا''۔کمانڈر نے کہا......''ہم میں کون ہے جو اللہ کے نام پر جان دینے کے لیے تیار نہیں۔ہم موت کے منہ میں آ چکے ہیں اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ موت کے منہ میں جا کر اپنے آپ کو اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے۔آپ جذبات سے نکلیں،ہم دشمن کے جال میں آ چکے ہیں''۔

تقی الدین کوئی ایسا اناڑی بھی نہیں تھا۔اُسے سلطان ایوبی کے یہ الفاظ یاد تھے کہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر کسی کو حکم نہ دینا اور میدانِ جنگ میں جا کر اپنی غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرنا۔اُس نے اس کمانڈر کی سخت کلامی کو گستاخی نہ سمجھا اور اُسی وقت تمام اعلیٰ کمانڈروں کو بلا کر جنگ کی صورتِ حال اور آئندہ اقدام کے متعلق بات چیت کی۔فیصلہ ہوا کہ چھاپہ ماروں کو جوابی کارروائیاں کرنے کے لیے پھیلا دیا جائے۔رسد کے راستے کو بھی چھاپہ مار اپنی حفاظت میں لے لیں۔فوج کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ اُسے تین حصوں میں تقسیم کر کے دشمن پر تین اطراف سے حملہ کیا جائے۔تقی الدین نے اپنے پاس جو محفوظہ رکھا وہ خاصا کم تھا۔اس تقسیم اور ترتیب سے یہ فائدہ ہوا کہ فوج اس علاقے سے نکل گئی جہاں پانی نہیں تھا۔ریت اور ٹیلوں کا سمندر تھا،مگر فوج بکھر گئی۔دشمن نے تینوں حصوں پر حملے کر کے انہیں اور زیادہ بکھیر دیا۔جانی نقصان بہت ہونے لگا۔نہایت تیزی سے کمانڈروں نے اپنے اپنے دستوں کو الگ الگ کر کے اسی نوعیت کی جنگ شروع کر دی جو انہیں سلطان ایوبی نے سکھائی تھی مگر صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ جیت نہیں سکیں گے۔انہوں نے جذبہ قائم رکھا۔رسد اور کمک کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔وہ شب خون مارتے اور کھانے پینے کے لیے کچھ حاصل کر لیتے تھے۔چھاپہ مار دستے نہایت جانبازی سے شب خون مارتے،دشمن کا نقصان کرتے اور جو ہاتھ لگتا وہ مختلف دستوں تک پہنچا دیتے تھے۔

مرکزی کمان ختم ہو چکی تھی۔تقی الدین اپنے عملے کے ساتھ بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔جذبے کی حد تک وہ مطمئن تھا۔اُسے کہیں سے بھی ایسی اطلاع نہ ملی کہ کسی دستے یا جماعت نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔جنگ چھوٹے چھوٹے معرکوں اور جھڑپوں میں تقسیم ہوتے ہوتے آدھے سوڈان تک پھیل گئی۔مسلمان کمانڈروں نے فرداً فرداً یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتے رہیں گے،سوڈان سے نکلیں گے نہیں۔دشمن کا نقصان بھی ہو رہا تھا۔ایک وقت آ گیا، جب دشمن پریشان ہو گیا کہ مسلمانوں کو سوڈان سے کس طرح نکالا جائے۔مسلمان فوجی صحراؤں، بیابانوں اور دیہاتی آبادیوں میں پھیل گئے تھے۔اب مرکز کو یہ بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ جانی نقصان کتنا ہو چکا ہے اور کتنی نفری باقی ہے۔یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ دشمن بھی مصیبت میں مبتلا ہے اور اب وہ مصر پر حملہ نہیں کر سکے گا،مگر اس طریقہ جنگ سے کوئی ٹھوس فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جا سکتا تھا۔فوج مرتی جا رہی تھی۔

ان حالات میں تقی الدین نے سلطان ایوبی کو اپنے ایک کمانڈر کی زبانی پیغام بھیجا۔اُس نے کہا کہ سوڈان کی مہم صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ اسے کمک مل جائے۔اس کی تمام فوج چھاپہ مار پارٹیوں میں بٹ گئی تھی۔ان پارٹیوں کی کارروائیوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے مزید فوج کی ضرورت تھی۔تقی الدین نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ

کمک نہ مل سکے تو کیا وہ سوڈان میں بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے مصر واپس آجائے؟ مصر میں جو فوج تھی، وہ مصر کے اندرونی حالات اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی ناکافی تھی۔ اسے محاذ پر لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی پسپائی کا قائل نہیں تھا۔ اُس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو پسپائی کا حکم دے یا نہیں، لیکن حقائق اسے مجبور کر رہے تھے۔ وہ کمک نہیں دے سکتا تھا۔ وہ خود کمک کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔

☆

تقی الدین کے اس قاصد نے سلطان ایوبی کی صورتِ حال تو بتا دی لیکن صلیبیوں اور سوڈانیوں نے وہاں جو ایک اور محاذ کھول دیا تھا، وہ نہ بتایا۔ غالباً اُس کمانڈر کو معلوم نہ ہوگا۔ ایسے انکشافات بہت بعد میں ہوئے تھے۔ تقی الدین کی فوج دس دس بارہ بارہ کی ٹولیوں میں بکھر کر لڑ رہی تھی۔ بعض علاقوں میں خانہ بدشوں کے جھونپڑے اور خیمے بھی تھے۔ بعض جگہیں ہری بھری اور سرسبز بھی تھیں اور بیشتر علاقے بنجر، ویران اور ریگستان تھے۔ ایک شام تین چھاپہ مار مجاہدین واپس اپنے ایک سینیئر کمانڈر کے پاس آئے۔ ان میں دو زخمی تھے۔ انہوں نے سنایا کہ ان کی پارٹی میں اکیس افراد تھے اور بائیسواں پارٹی کمانڈر تھا۔ دن کے وقت یہ پارٹی ایک جگہ چھپی ہوئی تھی۔ پارٹی کمانڈر ادھر اُدھر اس طرح ٹہل رہا تھا جیسے پہرہ دے رہا ہو یا کسی کی راہ دیکھ رہا ہو۔ ایک سوڈانی شتر سوار گزرا اور پارٹی کمانڈر کو دیکھ کر رُک گیا۔ کمانڈر اس کے پاس گیا اور معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ شتر سوار چلا گیا تو پارٹی کمانڈر نے اپنے اکیس جانبازوں کو یہ خوش خبری سنائی کہ دو میل دُور ایک گاؤں ہے جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اس شتر سوار نے پارٹی کو اپنے گاؤں میں مدعو کیا ہے۔ رات کو گاؤں والے پارٹی کو اپنا مہمان رکھیں گے اور دشمن کی ایک جمعیت کی جگہ بھی بتائیں گے۔

تمام جانباز بہت خوش ہوئے۔ کھانا دانہ ملنے کے علاوہ دشمن پر حملے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی یہ سب اُس گاؤں کی طرف چل دیئے۔ وہاں جا کے دیکھا کہ صرف تین جھونپڑے تھے۔ اِدھر اُدھر درخت تھے اور پانی بھی تھا۔ سپاہیوں کو جھونپڑوں کے باہر ڈیرے ڈالنے کو کہا گیا۔ پارٹی کمانڈر ایک جھونپڑے میں چلا گیا۔ باہر مشعلیں جلا دی گئیں اور سب کو کھانا دیا گیا۔ پارٹی کمانڈر نے کہا کہ سب سو جاؤ، حملے کے وقت انہیں جگا لیا جائے گا۔ تھکے ہوئے سپاہی سو گئے۔ یہ تین جو واپس آئے ان میں سے ایک سو نہ سکا یا اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے ایک جھونپڑے میں عورتوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ جھونپڑے میں پارٹی کمانڈر دو نہایت حسین لڑکیوں کے ساتھ ہنس کھیل رہا تھا اور شراب چل رہی تھی۔ لڑکیاں صحرائی لباس میں تھیں، لیکن صحرائی لگتی نہیں تھیں۔ اس سپاہی کو باہر کچھ دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ چاندنی میں اُس نے دیکھا کہ بہت سے آدمی آرہے تھے، جن کے ہاتھوں میں برچھیاں اور تلواریں تھیں۔ سپاہی جھونپڑے کی اوٹ میں ہو گیا اور دیکھتا رہا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جھونپڑے میں کوئی داخل ہوا۔ اُس کی آواز سنائی دی...... ''کیوں بھائی کام کر دیں؟'' ...... پارٹی کمانڈر نے کہا...... ''تم آگئے؟ سب سوئے ہوئے ہیں۔ ختم کر دو''...... اور لڑکیوں کے قہقہے سنائی دیئے۔

وہ آدمی جو آرہے تھے، سوئی ہوئی پارٹی پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ تو سوتے میں ختم ہو گئے اور جو جاگ اُٹھے انہوں نے مقابلہ کیا۔ یہ سپاہی چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ اُسے اپنے دو ساتھی بھاگتے نظر آئے۔ موقعہ دیکھ کر یہ سپاہی بھی بھاگ اُٹھا اور اپنے دو ساتھیوں سے جا ملا۔ وہ دونوں زخمی تھے۔ کسی نے اُن کا تعاقب نہ کیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پارٹی کمانڈر شتر سوار کے دیئے ہوئے لالچ میں آگیا تھا یا وہ پہلے سے ہی دشمن کا ایجنٹ تھا اور اپنے آدمیوں کو مروانے کا موقعہ دیکھ رہا تھا۔ بہر حال یہ

انکشاف ہوا کہ دشمن نے بکھرے ہوئے مسلمان دستوں کو ختم کرنے یا اپنے ہاتھ میں کرنے کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ دشمن انسانی فطرت کی کمزوریوں کو استعمال کر رہا تھا۔ ان حالات میں لڑنے والے سپاہی کو پیٹ اور جنس کی بھوک بہت پریشان کیا کرتی ہے۔ دشمن مجاہدین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر حملے الگ کر رہا تھا اور نفسیاتی ہتھیار بھی استعمال کر رہا تھا۔ ایسے چند اور واقعات ہوئے۔ مجاہدین کو خبردار کیا گیا کہ کسی کے جھانسے میں نہ آئیں۔

ایسے بہت سے واقعات میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ چھاپہ مار دستے کا ایک کمانڈر، عطاالہاشم ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا دستہ تین چار پارٹیوں میں بکھرا ہوا تھا۔ یہ مصر سے آنے والی رسد کا راستہ تھا۔ عطاالہاشم نے اپنے صرف ایک دستے سے جس کی نفری ایک سو سے کچھ کم تھی، رسد کے تمام تر راستے کو محفوظ کر دیا تھا۔ رسد پر چھاپہ مارنے والے دشمن کا اُس نے بہت نقصان کیا تھا۔ اس کے جانباز اچانک جھپٹ پڑے تھے۔ سوڈانیوں نے انہیں ختم کرنے کے بہت جتن کیے، لیکن پانچ چھ جانبازوں کو شہید کرنے کے سوا کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ عطاالہاشم ٹیلوں میں ڈھکی ہوئی ایک جگہ پر بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ چھ سات جانباز تھے۔ یہ اُس نے ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ اُسے صحرائی خانہ بدوشوں کے لباس میں دو لڑکیاں ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ نظر آئیں۔ عطاالہاشم کو دیکھ کر تینوں اس کے پاس آ گئے۔ لڑکیاں سوڈانی معلوم ہوتی تھیں، لیکن انہوں نے جو لباس پہن رکھا تھا۔ وہ بہروپ لگتا تھا۔ اُن کے چہروں پر گرد تھی، چہرے اُداس تھے اور تھکن بھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکیاں ادھیڑ عمر آدمی کے پیچھے ہو گئیں۔ یہ جھجک اور شرم کا اظہار تھا۔

اس آدمی نے کچھ مصری اور کچھ سوڈانی زبان میں کہا کہ وہ مسلمان ہے اور یہ دونوں اس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ بھوک سے مر رہے ہیں۔ اُس نے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ عطاالہاشم سوڈان کی زبان جانتا تھا۔ وہ چھاپہ مار تھا۔ سوڈانی علاقے میں کمانڈو کارروائیوں کی کامیابی کے لیے اُس نے سوڈانی زبان سیکھی تھی۔ اُس کے پاس خوراک کی کمی نہیں تھی۔ وہ رسد کا محافظ تھا۔ دو تین بار رسد گزری تھی جس میں سے اُس نے اپنے دستے کے لیے بہت سا راشن پانی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اُس نے ان تینوں کو کھانا دیا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کہاں جا رہے ہیں؟ اُس آدمی نے کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ اُن کا گاؤں جنگ کی زد میں آ گیا ہے۔ کبھی سوڈانی آ جاتے تھے تو کبھی مسلمان۔ دونوں گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کو فوجیوں سے چھپاتا پھرتا تھا، آخر تنگ آ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ لڑکیوں کی عزت بچانا چاہتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ چونکہ وہ مسلمان ہے، اس لیے اس کوشش میں ہے کہ مصر چلا جائے، مگر ممکن نظر نہیں آتا۔ اُس نے عطاالہاشم سے کہا کہ وہ انہیں مصر پہنچا دے۔ اُس کے ساتھ ہی اس نے پوچھا ...... ''تم لوگ اس جگہ کب تک رہو گے؟''

''جب تک رہوں، تم تینوں کو اپنے ساتھ رکھوں گا'' ...... عطاالہاشم نے جواب دیا۔

''آپ ان دونوں لڑکیوں کو اپنی پناہ میں لے لیں'' ...... ادھیڑ عمر آدمی نے کہا ...... ''میں چلا جاتا ہوں''۔

''میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں کہ آپ کی زندگی کتنی دشوار ہے'' ...... ایک لڑکی نے معصوم لہجے میں کہا اور پوچھا ...... ''آپ کو اپنا گھر اور بیوی بچے یاد نہیں آتے؟''

''سب یاد آتے ہیں'' ...... عطاالہاشم نے جواب دیا ...... ''لیکن میں اپنے فرض کو نہیں بھول سکتا''۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کھانا کھا کر پانی پی کر ان کے جسموں میں نئی جان اور نئی روح پیدا ہو گئی ہو۔ ایک لڑکی تو خاموش رہی، دوسری کی زبان رواں ہو گئی۔ اس نے جتنی بھی باتیں کیں ان میں عطاالہاشم اور اُس کے جانبازوں کے لیے ہمدردی تھی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ وطن سے اتنی دُور آ کر اپنی جانیں کیوں ضائع کرتے ہیں۔

عطاالہاشم اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے تینوں کو اُٹھایا اور اپنے آدمیوں کو بلایا۔ انہیں کہا کہ اس سوڈانی کے پاؤں رسیوں سے باندھ کر میرے گھوڑے کے پیچھے باندھ دو۔ انہوں نے اُسے گرا کر پاؤں باندھ دیئے اور گھوڑا کھول لائے۔ رسی کا ایک سرا گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا۔ عطاالہاشم نے ایک سپاہی سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ وہ سوار ہو گیا۔ عطاالہاشم نے لڑکیوں کو اکٹھا کھڑا کر کے دو تیر انداز بلائے۔ انہیں کہا کہ میرے اشارے پر لڑکیوں کی آنکھوں کے درمیان ایک ایک تیر چلا دیں اور گھوڑ سوار گھوڑے کو ایڑ لگا دے۔ گھوڑے کے پیچھے سوڈانی بندھا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ گھوڑا دوڑے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ تیر اندازوں نے ایک ایک تیر کمانوں میں ڈال لیا اور گھوڑ سوار نے باگیں تھام لیں۔ عطاالہاشم نے سوڈانی لڑکیوں اور آدمی سے کہا...... ''میں تم تینوں کو صرف ایک بار کہوں گا کہ اپنی اصلیت بتا دو، جس مقصد کے لیے آئے ہو، صاف بتا دو، ورنہ اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

خاموشی طاری ہوگئی۔ لڑکیوں نے گھوڑے کے پیچھے بندھے ہوئے اپنے ساتھی کو دیکھا۔ وہ بھی خاموش تھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں آپس میں مشورہ کر لیا۔ سوڈانی نے کہا کہ اپنا آپ ظاہر کر دے گا۔ عطاالہاشم اُس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا کہ وہ سچ بولے گا تو اُسے کھولا جائے گا۔ اس آدمی نے کہا...... ''او پتھر دِل انسان! تیرے پاس اتنی خوب صورت لڑکیاں لایاں ہوں اور تو انہیں تیروں کا نشانہ بنا رہا ہے۔ انہیں اپنے پاس رکھ اور اپنے دستے کو سمیٹ کر یہاں سے چلا جا۔ اگر یہ قیمت تھوڑی ہے تو اپنی قیمت بتا۔ سونے کے سکے مانگ، کچھ اور مانگ۔ شام سے پہلے لا دوں گا''۔

عطاالہاشم اُٹھا اور سوار سے کہا...... ''گھوڑا دُلکی چال پندرہ بیس قدم چلاؤ''۔

گھوڑا اچل پڑا۔ چند قدم آگے گیا تو سوڈانی بلبلا اُٹھا۔ عطاالہاشم نے کہا...... ''رُک جاؤ''...... گھوڑا رُکا تو عطاالہاشم نے اس کے پاس جا کر کہا کہ وہ سیدھی باتیں کرنے پر آ جائے۔ وہ مان گیا۔ اُس نے بتا دیا کہ وہ سوڈانی جاسوس ہے اور صلیبیوں نے اُسے ٹریننگ دی ہے، لڑکیوں کے متعلق اس نے بتایا کہ مصر کی پیدائش ہیں اور صلیبیوں نے انہیں تخریب کاری کے فن کا ماہر بنا رکھا ہے۔ عطاالہاشم نے اُس کے پاؤں کھول دیئے اور اُسے اپنے پاس بٹھا کر باتیں پوچھیں۔ اُس نے بتایا کہ اُسے یہ کام دیا گیا ہے کہ سوڈان میں پھیلے ہوئے مسلمان کمانڈروں کو لڑکیوں یا سونے چاندی کا چکمہ دے کر انہیں اور ان کے سپاہیوں کو ختم یا قید کرا دیا جائے یا انہیں اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ اُس نے بتایا کہ عطاالہاشم نے رسد کا راستہ ایسی خوبی سے محفوظ کر رکھا تھا کہ صلیبی اور سوڈانی چھاپہ ماروں کا جانی نقصان بھی ہوا اور رسد بھی نکل گئی۔ اُسے یہ مشن دے کر بھیجا گیا تھا کہ عطاالہاشم کو ان لڑکیوں سے اندھا کر کے اُسے قتل کر دے یا اُسے ایسے پھندے میں لے آئے کہ اسے قتل یا قید کر لیا جائے اور اگر وہ ایمان کا کچا ثابت ہوا تو اُسے اپنے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ یہ سوڈانی حیران تھا کہ عطاالہاشم نے اتنی خوب صورت لڑکیوں کو قبول نہیں کیا۔ اُس نے جب عطاالہاشم سے پوچھا کہ اس نے لڑکیوں اور زر و جواہرات کی پیش کش کو کیوں ٹھکرا دیا ہے تو عطاالہاشم نے مسکرا کر کہا۔ ''کیونکہ میں ایمان کا کچا نہیں''۔

عطاالہاشم نے لڑکیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ زیادہ باتیں کرنے والی نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ عطاالہاشم نے بتایا کہ انہیں وہ کل صبح اپنے ہیڈ کوارٹر میں سالارِ اعلیٰ تقی الدین کے پاس لے جائے گا یا بھیج دے گا۔ اُس نے سوڈانی کو لڑکیوں سمیت اس ہدایت کے ساتھ اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا کہ انہیں الگ الگ رکھا جائے۔ ان کی تلاشی لی گئی۔ تینوں کے پاس ایک ایک خنجر تھا۔ آدمی کے پاس ایک پوٹلی تھی جس میں حشیش بندھی ہوئی تھی۔

سورج غروب ہونے والا تھا جب اُس کے دستے کی ایک ٹولی واپس آ گئی۔ اُس نے ٹولی کو کچھ دُور دُور تک پھیلا

دیا۔ اُس نے ہر کسی کو بتا دیا کہ یہ تینوں جاسوس اور تخریب کار ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کے ساتھیوں کو معلوم ہو کہ یہ یہاں ہیں اور انہیں چھڑانے کے لیے حملہ کریں۔ ان انتظامات کے بعد وہ آرام کے لیے لیٹ گیا۔ وہ جگہ نشیب وفراز کی تھی۔ اس نے لیٹنے سے پہلے دیکھ لیا تھا کہ اس کے سپاہیوں نے لڑکیوں اور مرد کو کس طرح لٹایا ہے۔ وہ خود ایک ٹیلے کے ساتھ لیٹا جہاں سے وہ اپنے سپاہیوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ دیر بعد اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ذہن میں یہ دو لڑکیاں آگئیں۔ وہ اس سوچ میں کھو گیا کہ یہ کتنی خوب صورت اور بظاہر کیسی معصوم سی لڑکیاں ہیں اور ان سے کتنا غلیظ اور کتنا خطرناک کام کرایا جا رہا ہے، اگر یہ کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتیں تو کسی باعزت گھرانے میں دلہنیں بن کر جاتیں۔ اُسے اپنی بیوی یاد آگئی جو دُلہن بن کر اُس کے گھر آئی تھی تو انہی کی طرح جوان اور دل کش تھی۔ اپنی بیوی کی یاد اُسے رومان انگیز تصورات میں لے گئی۔ اس ویران صحرا میں جہاں وہ موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ ان تصوروں نے اُس پر نشہ طاری کر دیا۔ میدانِ جنگ میں سپاہی ایسے ہی تصوروں اور بڑی ہی دل کش یادوں سے دِل بہلایا کرتے ہیں۔

چاندنی نکھر آئی تھی۔ صحرا کی چاندنی بڑی ہی شفاف اور خنک ہوا کرتی ہے۔ اس کی خنکی میں ایسا تاثر ہوتا ہے جو ذہن اور دِل سے موت کے خوف کو دھو ڈالتا ہے۔ عطاالہاشم اُٹھا اور اس انداز سے خراماں خراماں اُس جگہ گیا جہاں لڑکیاں سوئی ہوئی تھیں، جیسے وہ حفاظتی انتظام کا معائنہ کرنے جا رہا ہو۔ وہ اکٹھی سو رہی تھیں۔ ان کے اِردگرد سپاہی سوئے ہوئے تھے۔ سوڈانی آدمی کچھ دُور تین سپاہیوں کے نرغے میں سویا ہوا تھا۔ عطاالہاشم نے ایک لڑکی کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبایا۔ لڑکی کی آنکھ کھل گئی۔ عطاالہاشم کو چاندنی میں پہچان کر وہ اُٹھ بیٹھی۔ عطاالہاشم نے اُسے اٹھنے اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی اس مسرت کے ساتھ اٹھی کہ اس پتھر جیسے کمانڈر پر اس کی جوان نسوانیت کا جادو چل گیا ہے۔ وہ اُس کے ساتھ چل پڑی۔ عطاالہاشم نے دیکھا کہ اُس کے سپاہی کیسی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ خبر بھی نہیں کہ کوئی آدمی ان کے درمیان سے لڑکی کو اُٹھا کر لے جا رہا ہے۔ اُسے اپنے سپاہیوں پر غصے کی بجائے ترس آ گیا جو ایک غیر یقینی سی جنگ لڑ رہے تھے۔ کسی باقاعدہ کمان اور کنٹرول کے باوجود وہ نظم وضبط کی پابندی کر رہے تھے۔

لڑکی کو وہ اپنی جگہ لے گیا۔ لڑکی کے سر پر اب اوڑھنی نہیں تھی۔ چاندنی اس کے بکھرے ہوئے بالوں کو سونے کے تاروں کا رنگ دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر لڑکی کو دیکھتا رہا اور لڑکی اُسے دیکھتی رہی۔ لڑکی نے نشیلی سی آواز میں مُسکرا کر کہا...... ''میں حیران ہوں کہ آپ ڈر کیوں رہے ہیں۔ مجھے آپ کے پاس آپ ہی کے لیے لایا گیا ہے۔ کیا آپ میری ضرورت محسوس نہیں کرتے؟'' ...... وہ اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا جیسے بت بن گیا ہو۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں کے ساتھ لگا لیا اور بولی ...... ''میں جانتی ہوں آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے، آپ کیا سوچ رہے ہیں؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارا باپ میری طرح کا ایک مرد ہوگا'' ...... عطاالہاشم نے اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا ...... ''میں بھی باپ ہوں۔ ہم دونوں باپوں میں زمین اور آسمان جتنا فرق ہے۔ وہ باپ کتنا بے غیرت ہے اور میں ہوں کہ غیرت کی پاسبانی کے لیے اپنے بچوں کو یتیم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔

''میرا کوئی باپ نہیں'' ...... لڑکی نے کہا ...... ''دیکھا ہوگا، اس کی صورت یاد نہیں''۔

''مر گیا تھا؟''

''یہ بھی یاد نہیں''۔

''اور ماں؟''

''کچھ بھی یاد نہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''یہ بھی یاد نہیں کہ میں کسی گھر میں پیدا ہوئی تھی یا کسی خانہ بدوش کے خیمے میں...... مگر یہ وقت ایسی بے مزہ باتیں کرنے کا نہیں''۔

''ہم سپاہی یادوں سے مزے حاصل کیا کرتے ہیں''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں بھی تمہارے ماضی کی چند ایک یادیں تازہ کردوں''۔

''میں بجائے خود ایک حسین یاد ہوں''...... لڑکی نے کہا...... ''جس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار جاتی ہوں، وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ میری اپنی کوئی یاد نہیں''۔

''اپنے آپ کو حسین نہیں، ایک غلیظ یاد کہو''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''مجھے تمہارے جسم سے صلیبیوں کے، سوڈانیوں کے، مسلمانوں کے اور بڑے ہی غلیظ انسانوں کے گناہوں کی بو آرہی ہے۔ تم میرے قریب آؤ گی تو مجھے متلی آجائے گی۔ تمہیں کوئی مرد یاد نہیں رکھتا۔ تم جیسی لڑکیوں کے شکاری آج یہاں اور کل وہاں ہوتے ہیں۔ دوسرا شکار مل جاتا ہے تو پہلے کو بھول جاتے ہیں۔ تمہارا یہ حسن چند دنوں کا مہمان ہے۔ تم میری قید میں ہو۔ میں تمہارا یہ چہرہ اسی وقت سزا کے طور پر زخمی کر کے ہمیشہ کے لیے مکروہ بنا سکتا ہوں، مگر ایسی ضرورت نہیں۔ یہ صحرا، شراب، حشیش اور بدکاری تمہیں سال کے اندر اندر مرجھایا ہوا پھول بنا دے گی جسے لوگ اُٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہ صلیبی اور یہ سوڈانی تمہیں بھیک مانگنے کے لیے باہر نکال دیں گے۔ تم بڑے ہی گھٹیا انسانوں کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جاؤ گی......'' عطاالہاشم کے لہجے میں ایسا ٹھہراؤ اور ایسا تاثر تھا کہ لڑکی کی ذہنی کیفیت میں ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ یہ مسلمان کمانڈر کہہ رہا تھا...... ''میری ایک بیٹی ہے جو تم سے دو تین سال چھوٹی ہوگی۔ اس کی شادی ایک باعزت جوان کے ساتھ ہوگی جو میری طرح کمر سے تلوار لٹکا کر بڑی اچھی نسل کے گھوڑے پر سوار ہوا کرے گا۔ وہ میری طرح میدانِ جنگ کا شہزادہ ہوگا۔ میری بیٹی دُلہن بنے گی۔ اپنے خاوند کے دِل میں اور اُس کے گھر میں راج کرے گی۔ لوگ میری بیٹی کو ایک نظر دیکھنا چاہیں گے مگر دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں بھی اس پر فخر کیا کروں گا اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ اتنی محبت کرے گا کہ وہ بوڑھی ہو جائے گی تو بھی محبت ختم نہیں ہوگی۔ بڑھے گی۔ تمہیں دیکھنے کے لیے کوئی بھی بے تاب نہیں ہوتا، کیونکہ تم ایک ننگا بھید ہو، تمہاری عزت کسی کے دِل میں نہیں اور کوئی بھی نہیں جو تمہیں محبت کے قابل سمجھے گا''۔

''آپ میرے ساتھ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟''...... لڑکی نے ایسی آواز میں پوچھا جو اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔

''میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم جیسی بیٹیاں مقدس ہوتی ہیں''...... عطاالہاشم نے جواب دیا...... ''ہم مسلمان لوگ بیٹی کو اللہ کا پیغام سمجھتے ہیں۔ اگر تم عصمت اور مذہب کے معنی سمجھ لو تو تم پر اللہ کی رحمت برس جائے گی، مگر تم سمجھ نہیں سکو گی، کیونکہ تم اس محبت سے واقف نہیں جو روح کی گہرائیوں تک پہنچا کرتی ہے۔ تم بدنصیب ہو۔ تم نے مردوں کی ہوس دیکھی ہے، محبت نہیں دیکھی''۔

عطاالہاشم آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ اُس کے لب و لہجے اور انداز کا اپنا ایک تاثر تھا لیکن لڑکی اس پر حیران ہو رہی تھی کہ یہ بھی دوسرے مردوں کی طرح مرد ہے، مگر اس نے اُس کے حسن کو ذرّہ بھر اہمیت نہیں دی۔ عطاالہاشم جذباتی لحاظ سے پتھر بھی نہیں تھا۔ وہ تو سرتاپا جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔ لڑکی نے بے تاب سا ہو کر کہا...... ''آپ کی باتوں میں ایسا نشہ اور خمار ہے جو میں نے شراب اور حشیش میں نہیں پایا۔ مجھے آپ کی کوئی بھی بات سمجھ نہیں آرہی لیکن ہر ایک بات دِل میں اُترتی جا رہی ہے''...... لڑکی ذہین تھی۔ اس قسم کی تخریب کاری کے لیے ذہین ہونا لازمی تھا۔ مردوں کو انگلیوں پر نچانے کی اُسے بچپن

سے ٹریننگ دی گئی تھی مگر اس مرد نے اس ناگن کا زہر مار دیا۔ اس نے عطاالہاشم سے بہت سی باتیں پوچھیں جن میں کچھ مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُس کے لہجے اور انداز میں اب پیشہ وارانہ اداکاری نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے قدرتی رنگ میں باتیں کر رہی تھی۔ اُس نے پوچھا...... ''مجھے آپ لوگ کیا سزا دیں گے؟''۔

''میں تمہیں کوئی سزا نہیں دے سکتا''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''کل صبح تمہیں اپنے سالارِ اعظم کے حوالے کر دوں گا''۔

''وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟''

''جو ہمارے قانون میں لکھا ہے''۔

''آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟''

''نہیں''

''میں نے سنا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''اگر آپ مجھے اپنی بیوی بنا لیں تو میں آپ کا مذہب قبول کر کے ساری عمر آپ کی خدمت کروں گی''۔

''میں تمہیں بیٹی بنا سکتی ہوں، بیوی نہیں''...... عطاالہاشم نے کہا...... ''کیونکہ تم میرے ہاتھوں میں مجبور ہو، تم میری پناہ میں بھی ہو اور میری قید میں بھی''۔

وہ باتوں میں مصروف تھے۔ لڑکی کا ساتھی مرد تین سپاہیوں کے نرغے میں لیٹا ہوا تھا، مگر وہ جاگ رہا تا۔ اُس نے عطاالہاشم کو دیکھ لیا تھا کہ وہ لڑکی کو جگا کر لے گیا ہے۔ وہ خوش تھا کہ لڑکی عطاالہاشم کو چکمہ دے کر قتل کر دے گی یا اُسے یہاں سے کہیں دور لے جائے گی۔ وہ لیٹا ہوا لڑکی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اُس نے سپاہیوں کو دیکھا، وہ بے ہوش ہو کے سوئے ہوئے تھے۔ انہیں بے ہوش ہونا ہی تھا، کیونکہ اس سوڈانی نے شام کے بعد ان سپاہیوں کے ساتھ گپ شپ شروع کر دی تھی اور انہیں ہنستے کھیلتے حشیش پلا دی تھی۔ اس سے حشیش کی ایک پوٹلی تو برآمد کر لی گئی تھی، لیکن اُس نے تھوڑی سی حشیش اپنے چغے میں کہیں سی رکھی تھی، وہاں سے نکال کر اس نے تین سپاہیوں کو پلا دی وہ چونکہ اس نشے کے عادی نہیں تھے، اس لیے بے ہوشی کی نیند سو گئے۔ یہ سوڈانی رات کو بھاگنے کے جتن کر رہا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ لڑکی عطاالہاشم کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بہت دیر گزر گئی ہے تو وہ سمجھا کہ لڑکی اس مسلمان کمانڈر کو دُور نہیں لے جا سکی، لہٰذا اس شخص کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ وہ واپس گیا اور سوئے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک کی کمان اور ترکش میں تین چار تیر لے آیا۔ راستے میں چند فٹ اونچی جگہ تھی جس کی اوٹ میں وہ عطاالہاشم کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اس لیے بھی نظر نہیں آ سکتا تھا کہ اس طرف عطاالہاشم کی پیٹھ تھی۔ لڑکی کا منہ اُدھر ہی تھا، لیکن وہ اپنے آدمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ وہ آدمی تیر و کمان لے کر آیا تو لڑکی کو چاندنی میں اس کا سر اور کندھے نظر آئے پھر اسے کمان نظر آئی۔ عطاالہاشم اپنی موت سے بے خبر بیٹھا تھا۔ اس کا خنجر نیام میں پڑا ہوا تھا اور نیام قریب ہی رکھی تھی۔ لڑکی نے نیام اُٹھا کر خنجر نکال لیا۔ عطاالہاشم جھپٹ کر اس سے خنجر چھیننے ہی لگا کہ لڑکی نے نہایت تیزی سے گھٹنوں کے بل ہو کر اپنے آدمی طرف پوری طاقت سے خنجر پھینکا۔

فاصلہ چند گز تھا۔ اُدھر سے آہ کی آواز سنائی دی۔ خنجر سوڈانی کی شہ رگ میں اُتر گیا تھا اور اس نے زخمی ہوتے ہی تیر چلا دیا تھا۔ نشانہ چوک جانا ضروری تھا۔ تیر کا زناٹہ عطاالہاشم کے قریب سے گزرا اور دھک کی آواز سنائی دی۔ اُس نے

دیکھا کہ تیر لڑکی کے سینے میں اُتر گیا تھا۔ وہ دوڑ کر اُس کی طرف گیا جس طرف خنجر گیا اور تیر آیا تھا۔ وہاں سوڈانی اپنی شہ رگ سے خنجر نکال رہا تھا۔ اُس نے خنجر نکال لیا اور اُٹھا۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ حملہ کرے گا عطاالہاشم نے اُچھل کر اس کے پہلو میں دونوں پاؤں جوڑ کر مارے۔ سوڈانی دور جا پڑا۔ عطاالہاشم بھی گرا اور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ سوڈانی نہ اُٹھ سکا۔ اس کی شہ رگ سے خون اُبل اُبل کر نکل رہا تھا۔ عطاالہاشم نے خنجر اُٹھایا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی سینے میں اپنے ہی ساتھی اور محافظ کا تیر لیے اطمینان سے پڑی تھی۔ وہ ابھی زندہ تھی۔ تیر نکالنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

لڑکی نے عطاالہاشم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کراہتی ہوئی آواز میں بولی..... ''میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اس کے عوض اپنے خدا سے کہنا کہ میری روح کو اپنی پناہ میں لے لے۔ میرے جسم کی طرح میری روح بھی ان صحراؤں میں نہ بھٹکتی رہے۔ میری عمر گناہوں میں گزری ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ خدا اس ایک نیکی کے بدلے میرے سارے گناہ بخشش دے گا۔ میرے سر پر اُسی طرح ہاتھ پھیرو جس طرح اپنی بیٹی کے سر پر پھیرا کرتے ہو''۔

عطاالہاشم نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا..... ''اللہ تیرے گناہ بخش دے، تجھ سے گناہ کروائے گئے ہیں تو بے گناہ ہے۔ تجھے کسی نے نیکی کی روشنی دکھائی ہی نہیں''۔

لڑکی نے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے عطاالہاشم کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے بولنے لگی۔ اُس نے کہا..... ''یہاں سے تین کوس دور سوڈانیوں کا ایک اڈہ ہے۔ وہ لوگ آپ سب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور غور سے سنو۔ آپ کی فوج اتنی زیادہ پھیل گئی ہے کہ اس کی قسمت میں اب موت یا قید ہے۔ آپ کے ہر ایک کمانڈر اور ہر ایک ٹولی کے پیچھے مجھ جیسی لڑکیاں یا مرد لگے ہوئے ہیں۔ میں اس لڑکی کے ساتھ آپ کے چار کمانڈروں کو پھانس کر ختم کرا چکی ہوں۔ مصر کی فکر کرو۔ صلیبیوں نے وہاں بڑے ہی خطرناک اور خوب صورت جال بچھا دیے ہیں۔ آپ کی قوم اور فوج میں ایسے مسلمان حاکم موجود ہیں جو صلیبیوں کے تنخواہ دار جاسوس اور اُن کے وفادار ہیں۔ انہیں مجھ جیسی لڑکیاں اور بے پناہ دولت دی جا رہی ہے۔ مصر کو بچاؤ۔ سوڈان سے نکل جاؤ۔ اپنے غداروں کو پکڑو۔ میں کسی کا نام نہیں جانتی جو معلوم تھا، بتا دیا ہے۔ آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے بیٹی کہا ہے۔ آپ نے مجھے باپ کا پیار دیا ہے۔ میں اس کا معاوضہ یہی دے سکتی ہوں کہ آپ کو خطروں سے آگاہ کر دوں۔ اپنے بکھرے ہوئے دستے کو اکٹھا کر لو اور حملہ روکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دو تین دنوں میں آپ پر حملہ ہوگا۔ فاطمیوں اور فدائیوں سے بچو۔ انہوں نے مصر میں بہت سے ایسے حاکموں کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا ہے جو صلاح الدین ایوبی اور اپنی قوم کے وفادار ہیں''۔

لڑکی کی آواز ڈوبتی اور رُکتی گئی اور ایک لمبے سانس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ صبح طلوع ہوئی تو عطاالہاشم دونوں لاشوں اور زندہ لڑکی کو ساتھ لے کر تقی الدین کے پاس چلا گیا۔ اُسے سارا واقعہ سنایا اور لڑکی کی آخری باتیں بھی سنائیں۔ تقی الدین پہلے ہی پریشان تھا۔ وہ شپٹا اُٹھا۔ اس نے کہا..... ''اپنے بھائی کی اجازت اور ہدایت کے بغیر میں پسپا نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے ایک ذمہ دار ذہین کمانڈر کو کرک بھیجا ہے۔ اس کی واپسی تک ثابت قدم رہو''۔

☆

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کی بیان کی ہوئی جنگی صورتِ حال پر غور کیا تو اپنے مشیروں کو بلا کر انہیں بھی تفصیل سنائی۔ اُس نے کہا..... ''بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے پیچھے ہٹانا آسان کام نہیں۔ دشمن انہیں یکجا نہیں ہونے دے گا۔ پسپائی سے اس فوج کے جذبے پر بھی بُرا اثر پڑے گا جو مصر میں ہے اور جو یہاں میرے ساتھ ہے اور قوم کا دل

ٹوٹ جائے گا، مگر حقائق سے فرار بھی ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو فریب دینا بھی خطرناک ہے۔ حقائق کا تقاضہ یہ ہے کہ تقی الدین اپنی فوج کو واپس لے آئے۔ ہم اُسے کمک نہیں دے سکتے۔ ہم کرک کا محاصرہ اُٹھا کر اُس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ میرے بھائی نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ بڑی ہی قیمتی فوج ضائع ہو رہی ہے''۔

''یہ ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں بننا چاہیے''...... ایک اعلیٰ حکام نے کہا...... ''ہمیں سوڈان کی جنگ سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ قائدین اور حکام کے غلط فیصلوں سے فوج بدنام ہو رہی ہے۔ ہمیں قوم کو صاف الفاظ میں بتا دینا چاہیے کہ سوڈان میں ہماری ناکامی کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں ہوتی''۔

''بلاشبہ یہ میرے بھائی کی غلطی ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور یہ میری غلطی بھی ہے کہ میں نے تقی الدین کو اجازت دی تھی کہ حالات کے مطابق وہ جو کارروائی مناسب سمجھے مجھ سے پوچھے بغیر کر گزرے۔ اُس نے اتنی بڑی کارروائی حقائق کا جائزہ لیے بغیر کر دی اور اپنے آپ کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ میں اپنی اور اپنے بھائی کی لغزشوں کو اپنی قوم سے اور نورالدین زنگی سے چھپاؤں گا نہیں۔ میں تاریخ کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ میں اپنے کاغذات میں تحریر کراؤں گا کہ اس شکست کی ذمہ دار فوج نہیں، ہم تھے۔ ورنہ ہماری تاریخ کو آنے والے حکمران ہمیشہ دھوکہ دیں گے۔ میں سلطنت اسلامیہ کے آنے والے حکمرانوں کے لیے یہ مثال قائم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی لغزشوں پر پردہ ڈال کر بے گناہوں کو تاریخ میں ذلیل نہ کریں۔ یہ ایسی غلطی اور ایسا فریب ہے جو کرۂ ارض پر اسلام کو پھیلنے کی بجائے سکڑنے پر مجبور کرے گا''۔

سلطان ایوبی کا چہرہ لال ہو گیا۔ اُس کی آواز کانپنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی زبان سے پسپائی کا لفظ کہنا نہیں چاہتا۔ وہ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے بڑے ہی مشکل حالات میں جنگیں لڑی تھیں مگر اب حالات نے اُسے مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے تقی الدین کے بھیجے ہوئے کمانڈر سے کہا...... ''تقی الدین سے کہنا کہ اپنے دستوں کو سمیٹو اور انہیں تھوڑی تھوڑی نفری میں پیچھے بھیجو، جہاں دشمن تعاقب میں آئے، وہاں جم کر لڑو اور اس انداز سے لڑو کہ دشمن تمہارے تعاقب میں مصر میں داخل نہ ہو جائے۔ دستے جو مصر میں پہنچ جائیں، انہیں اکٹھا رہنے کا حکم دو تا کہ مصر پر دشمن حملہ کرے تو اسے روک سکو۔ محفوظ پسپائی کے لیے چھاپہ ماروں کو استعمال کرو۔ کسی دستے کو دشمن کے گھیرے میں چھوڑ کر نہ آنا۔ میں پسپائی بڑی مشکل سے برداشت کر رہا ہوں۔ میں یہ خبر برداشت نہیں کر سکوں گا کہ تمہارے کسی دستے نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ پسپائی آسان نہیں ہوتی۔ پیش قدمی کی نسبت محفوظ اور باعزت پسپائی بہت مشکل ہے۔ حالات پر نظر رکھنا، تیز رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھنا۔ میں تحریری پیغام نہیں بھیج رہا ہوں، کیونکہ خطرہ ہے کہ تمہارا قاصد راستے میں پکڑا گیا تو دشمن کو معلوم ہو جائے گا کہ تم پسپا ہو رہے ہو''۔

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کو بہت سی ہدایات دیں اور رخصت کر دیا۔ اس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز ابھی سنائی دے رہی تھی کہ دربان خیمے میں داخل ہوا اور کہا کہ قاہرہ سے ایک قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے اندر بلا لیا۔ وہ انٹیلی جنس کا عہدے دار تھا۔ وہ مصر کے اندرونی حالات کے متعلق حوصلہ شکن خبر لایا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہاں دشمن کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ علی بن سفیان اپنے پورے محکمے کے ساتھ شب و روز مصروف رہتا ہے۔ حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ فوجی بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ ایک بار تو اُڑ ہی گیا۔ اگر صرف مصر کا غم ہوتا تو وہ پرواہ نہ کرتا۔ اُس نے مصر کو بڑے ہی خطرناک حالات سے بچایا تھا۔ صلیبیوں اور فاطمیوں کی تخریب کاری کی بڑی ہی کاری ضربیں بے کار کی تھیں۔

سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا بڑا ہی شدید حملہ روکا تھا۔ خلیفہ تک کو معزول کر کے نتائج کا سامنا دلیری اور کامیابی سے کیا تھا، مگر اب کرک کو محاصرے میں لے کر وہ وہاں پابجولاں ہو گیا تھا۔ وہاں سے اُس کی غیر حاضری میدانِ جنگ کا پانسہ اُس کے خلاف پلٹ سکتی تھی۔ کرک کے محاصرے کے علاوہ اُس نے قلعے کے باہر صلیبیوں کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ یہ فوج گھیرا توڑنے کی کوشش میں حملے پہ حملہ کیے جا رہی تھی، وہاں خون ریز جنگ لڑی جا رہی تھی۔ سلطان ایوبی اپنی خصوصی چالوں سے دشمن کے لیے آفت بنا ہوا تھا۔ ایسی جنگ اس کی نگرانی کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی تھی۔

اُدھر سوڈان کی صورتِ حال نے بھی مصر کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ یہ ایک اضافی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ تقی الدین نے بھاگنے کے انداز سے پسپائی کی تو دشمن کی فوج اس کی فوج کو وہیں ختم کر دے گی اور سیدھی مصر میں داخل ہو جائے گی۔ مصر میں جو فوج تھی، وہ حملہ روکنے کے لیے کافی نہیں تھی۔ ادھر کرک کے محاصرے کی کامیابی یا جلدی کامیابی مخدوش نظر آ رہی تھی۔ دونوں محاذوں کی کیفیت میں مصر میں بغاوت کے خطرے کی خبر ایسی چوٹ تھی جس نے سلطان ایوبی کے پاؤں ہلا دیئے۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے ہوئے خیمے میں ٹہلتا رہا، پھر اُس نے کہا...... ''میں صلیبیوں کی تمام تر فوج کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ اُس فوج کا بھی جو انہوں نے یورپ میں جمع کر رکھی ہے، مگر میری قوم کے یہ چند ایک غدار مجھے شکست دے رہے ہیں۔ کفار کے یہ حواری اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہلاتے ہیں؟ وہ غالباً جانتے ہیں کہ انہوں نے مذہب تبدیل کر لیا تو عیسائی انہیں یہ کہہ کر دھتکار دیں گے کہ تم غدار ہو، ایمان فروش ہو، اپنے مذہب میں رہو، ہم سے اُجرت لو اور اپنی قوم سے غداری کرو'' ...... وہ خاموش ہو گیا۔ اُس کے خیمے میں جو افراد موجود تھے، وہ بھی خاموش تھے۔ سلطان ایوبی نے سب کو باری باری دیکھا اور کہا...... ''خدا ہم سے بڑا ہی سخت امتحان لینا چاہتا ہے۔ اگر ہم سب ثابت قدم رہے تو ہم خدا کے حضور سرخرو ہوں گے''۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ بات کہہ دی، لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُس پر گھبراہٹ طاری ہے، جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

☆

سلطان ایوبی کو اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ مصر میں بغاوت کا خطرہ ہے اور صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ تفصیلات بڑی ہی خوفناک تھیں۔ اُس کی غیر حاضری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلمان حکام میں سے تین چار صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تو چند دن بعد اُس نے رسد مانگی۔ قاصد نے کہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ رسد فوراً بھیج دی جائے، مگر دو روز تک کوئی انتظام نہ کیا گیا جو حاکم رسد کی فراہمی اور ترسیل کا ذمہ دار تھا، اُس سے باز پرس ہوئی تو اُس نے یہ اعتراض کیا کہ بیک وقت دو محاذ کھول دیئے گئے ہیں۔ دو محاذوں کو رسد کہاں سے دی جا سکتی ہے۔ ایک یہ طریقہ ہے کہ مصر میں جو فوج ہے، اُسے بھوکا رکھا جائے، بازار سے سارا اناج اُٹھا کر قاہرہ کے باشندوں کے لیے قحط پیدا کیا جائے اور محاذوں کا پیٹ بھرا جائے۔

یہ ایک اعلیٰ رُتبے کا حاکم تھا، مسلمان تھا اور سلطان ایوبی کے مصاحبوں میں سے بھی تھا۔ اس کی نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی بات سچ مان لی گئی کہ اناج وغیرہ کی واقعی کمی ہے، تاہم اسے کہا گیا کہ جس طرح ہو سکے محاذ پر لڑنے والے فوجیوں کو رسد ضرور پہنچے۔ اس حاکم نے انتظام کر دیا مگر دو اور دن ضائع کر دیئے۔ پانچویں روز رسد کا قافلہ روانہ ہوا۔ یہ اونٹوں اور خچروں کا بڑا ہی لمبا قافلہ تھا۔ مشورہ دیا گیا کہ قافلے کے ساتھ فوج کا ایک گھوڑ دستہ حفاظت کے

لیے بھیجا جائے۔ اسی حاکم نے جو رسد فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا، فوج کا دستہ بھیجنے پر اعتراض کیا اور جواز یہ پیش کیا کہ تمام راستہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ مصر میں فوج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رسد حفاظتی دستے کے بغیر بھیج دی گئی۔ روانگی کے چھ روز بعد اطلاع آگئی کہ رسد راستے میں ہی (سوڈان میں) دشمن کی گھات میں آگئی ہے۔ سوڈانی، رسد بمع جانوروں کے لے گئے ہیں اور انہوں نے شتربانوں کو قتل کر دیا ہے۔

قاہرہ ہیڈکوارٹر کے بالائی حکام پریشان ہو گئے۔ رسد کا ضائع ہو جانا معمولی سی چوٹ نہیں تھی۔ سوڈانی میدان جنگ میں فوج کی ضرورت کا احساس اُن کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ انہوں نے ذمہ دار حاکم سے کہا کہ وہ فوری طور پر اتنی ہی رسد کا انتظام کرے۔ اُس نے کہا کہ منڈی میں اناج کی قلت ہو گئی ہے۔ تاجروں سے کہا جائے کہ اناج مہیا کریں۔ تاجروں سے بات ہوئی تو انہوں نے اپنے گودام کھول کر دکھا دیئے، سب خالی تھے۔ گوشت کے لیے ایک بھی دُنبہ، بکرا، بیل، گائے یا کوئی اور جانور نظر نہیں آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ مصر میں جو فوج ہے، اُسے بھی پورا راشن نہیں مل رہا، جس سے فوجوں میں بے اطمینانی پھیل رہی ہے۔ تاجروں نے بتایا کہ دیہات سے مال آ ہی نہیں رہا۔ علی بن سفیان کی جاسوسی کا انتظام بڑا اچھا تھا۔ یہ انکشاف جلدی ہو گیا کہ باہر کے لوگ دیہات میں آتے ہیں اور وہ اناج اور بکرے وغیرہ منڈی کی نسبت زیادہ دام دے کر خرید لے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اناج وغیرہ ملک سے باہر جا رہا تھا۔ تب سب کو یاد آیا کہ تین چار سال قبل سلطان ایوبی نے مصر کی پہلی فوج کو جس میں سوڈانی باشندوں کی اکثریت تھی، بغاوت کے جرم میں توڑ کر اس کے افسروں اور سپاہیوں کو سرحد کے ساتھ ساتھ قابلِ کاشت اراضی دے کر کاشت کار بنا دیا تھا۔ وہ لوگ اب مصری حکومت کو اور منڈیوں کو اناج دیتے ہی نہیں تھے۔ یہ سوڈان پر حملے کا ردِعمل تھا۔ یہ انقلاب چھ سات دنوں میں آگیا تھا۔ اناج کی فراہمی کا کام فوج کو سونپا گیا۔ دن رات کی بھاگ دوڑ سے تھوڑا سا اناج ہاتھ آیا جو فوج کی حفاظت میں سوڈان کے محاذ کو روانہ کر دیا گیا۔

بالائی حکام کے لیے رسد کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایسی قلت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ سلطان ایوبی نے رسد مانگ لی تو کیا جواب دیں گے۔ سلطان ایوبی کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ مصر میں اناج کا قحط پیدا ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے تین حکام کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ ان میں انتظامیہ کے بڑے عہدے کا ایک حاکم، سلیم الادریس تھا۔ اُس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق الادریس اس کمیٹی کا سربراہ تھا۔ دوسرے دو اس سے ایک ہی درجہ کم عہدے کے غیر فوجی یعنی شہری انتظامیہ کے حاکم تھے۔ رات کے وقت یہ تینوں پہلے اجلاس میں بیٹھے تو دو نے الادریس سے کہا کہ سلطان ایوبی نے دو محاذ کھول کر سخت غلطی کی ہے اور تقی الدین ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا ہے۔

''فلسطین مسلمانوں کی سرزمین ہے''...... الادریس نے کہا...... ''وہاں سے صلیبیوں کو نکالنا ضروری ہے، وہاں مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں، وہاں مسلمان مستورات کی عزت محفوظ نہیں۔ مسجدیں اصطبل بن گئی ہیں''۔

''یہ سب بہتان ہے''...... ایک نے کہا...... ''کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ صلیبی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کر رہے ہیں؟''

''میں ایک کھلی حقیقت بیان کر رہا ہوں''...... سلیم الادریس نے کہا۔

''ہم سے حقیقت چھپائی جا رہی ہے''...... دوسرے نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی قابلِ قدر شخصیت ہے، لیکن آپس میں سچ بات کرنے سے ہمیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ ایوبی کو ملک گیری کی ہوس چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی۔ وہ ایوبی خاندان کو شاہی خاندان بنانا چاہتا ہے۔ صلیبیوں کی فوج ایک طوفان ہے۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر صلیبی

ہمارے دشمن ہوتے تو وہ فلسطین کی بجائے مصر پر قبضہ کرتے۔ اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے کہ ہماری اس چھوٹی سی فوج کو اب تک کچل چکے ہوتے۔ وہ ہمارے نہیں صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں''۔

''آپ کی باتیں میرے لیے نا قابلِ برداشت ہیں''...... الادریس نے کہا...... ''بہتر ہے کہ ہم جس مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں، اس کے متعلق بات کریں''۔

''یہ باتیں میرے لیے بھی نا قابلِ برداشت ہیں''...... ایک نے کہا...... ''لیکن ایک آدمی کی خواہشات پر ہمیں پوری قوم کے مفاد کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ آپ دونوں محاذوں کے لیے رسد کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ رسد کی حالت آپ نے دیکھ لی ہے کہ نہیں مل رہی۔ سوڈان کا محاذ ٹوٹ رہا ہے۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم اس محاذ کی رسد روک لیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تقی الدین پیچھے ہٹ آئے گا اور فوج مرنے سے بچ جائے گی''۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم رسد نہ بھیجیں تو تقی الدین مجبوری کے عالم میں گھیرے میں آجائے''...... الادریس نے کہا۔ ''ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہماری فوج دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دے''۔

''ڈال دے ہتھیار''...... اُس نے کہا...... ''ہم شکست کا الزام فوج کے سر تھوپ دیں گے''۔

''آپ کیا سوچ کر یہ باتیں کررہے ہیں؟'' سلیم الادریس نے پوچھا۔

''میری سوچ بڑی صاف ہے''۔ اُس نے جواب دیا۔ ''صلاح الدین ایوبی ہم پر فوجی حکومت ٹھونسنا چاہتا ہے۔ وہ صلیبیوں سے مسلسل محاذ آرائی کرکے قوم کو بتانا چاہتا ہے کہ قوم کی سلامتی کی ضامن صرف فوج ہے اور قوم کی قسمت فوج کے ہاتھ میں ہے، اگر ایوبی امن پسند ہوتا تو صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور صلح جوئی سے رہنے کا معاہدہ کرلیتا''۔

الادریس سٹپٹا اُٹھا۔ وہ سلطان ایوبی کے خلاف اور صلیبیوں کی حمایت میں کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ اجلاس میں گرما گرمی ہوگئی۔ کمیٹی کے دو ممبر اُسے بات بھی نہیں کرنے دے رہے تھے۔ اُس نے آخر تنگ آکر کہا...... ''میں اجلاس برخاست کرتا ہوں۔ کل ہی میں آپ کی رائے اور تجاویز قلم بند کرکے محاذ پر امیر مصر کو بھیج دوں گا''...... وہ غصے میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

ایک ممبر وہاں سے چلا گیا، دوسرا جس کا نام ارسلان تھا، الادریس کے ساتھ رہا۔ ارسلان کا شجرۂ نسب سوڈانیوں سے ملتا تھا۔ اُس نے الادریس سے کہا...... ''آپ شخصیت پرست اور جذباتی مسلمان ہیں۔ میں نے حقیقت بیان کی اور آپ ناراض ہوگئے۔ میں اب آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے خلاف صلاح الدین ایوبی کو کچھ نہ لکھنا۔ آپ کے لیے اچھا نہ ہوگا''...... اُس کے لہجے میں چیلنج اور دھمکی تھی۔ الادریس نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو ارسلان نے کہا ''اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ علیحدگی میں بات کروں گا''۔

''یہیں کرلو''۔ الادریس نے کہا۔

''میرے گھر چلیں''۔ ارسلان نے کہا...... ''کھانا میرے ساتھ کھائیں مگر یہ خیال رکھیں کہ یہ ملاقات ایک راز ہوگی''۔

الادریس اُس کے ساتھ اُس کے گھر چلا گیا۔ اندر گیا تو اُسے یوں لگا جیسے کسی بادشاہ کے محل میں آگیا ہو۔ ارسلان اتنی زیادہ اونچی حیثیت کا حاکم نہیں تھا۔ دونوں کمرے میں بیٹھے ہی تھے کہ ایک خوب صورت لڑکی نہایت خوب صورت صراحی اور چاندی کے دو پیالے چاندی کے گول تھال میں رکھے ہوئے اندر آئی اور اُن کے آگے رکھ دیا۔ الادریس

نے بو سے جان لیا کہ یہ شراب ہے۔ اُس نے پوچھا..... ''ارسلان! تم مسلمان ہو اور شراب پیتے ہو؟'' ارسلان مسکرا دیا اور بولا..... ''ایک گھونٹ پی لیں، آپ اُس حقیقت کو سمجھ جائیں گے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں''۔

دو سوڈانی حبشی اندر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی طشتریوں میں کھانا تھا۔ کھانا لگ چکا تو الادریس حیرت سے ارسلان کو دیکھنے لگا۔ ارسلان نے کہا..... حیران نہ ہوں محترم الادریس! یہ شان و شوکت آپ کو بھی مل سکتی ہے۔ میں بھی آپ کی طرح پارسا ہوا کرتا تھا، مگر اب اِس طرح کی دو لڑکیاں میرے گھر میں ہیں۔ دمشق اور بغداد کے امیروں اور وزیروں کے گھروں میں جا کر دیکھو۔ انہوں نے اس طرح کی حسین اور جوان لڑکیوں سے حرم بھر رکھے ہیں، وہاں شراب بہتی ہے''۔

''یہ لڑکیاں، یہ دولت اور یہ شراب صلیبیوں کی کرم نوازیاں ہیں''۔ الادریس نے کہا ''عورت اور شراب نے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں''۔

''آپ صلاح الدین ایوبی کے الفاظ میں باتیں کرتے ہیں''۔ ارسلان نے کہا..... ''یہی آپ کی بدنصیبی ہے''۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''..... الادریس نے جھنجھلا کر پوچھا۔ ''مجھے شک ہے کہ تم صلیبیوں کے جال میں آ گئے ہو''۔

''میں فوج کا غلام نہیں بننا چاہتا''۔ ارسلان نے کہا۔ ''میں فوج کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سوڈان میں تقی الدین کو رسد اور کمک نہ دی جائے۔ اُسے دھوکہ دیا جائے کہ کمک آ رہی ہے۔ اُسے جھوٹی اُمیدوں پر لڑاتے رہو، حتیٰ کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ ظاہر ہے سوڈانی اُسے قتل کر دیں گے اور اس کی فوج بھی ادھر ہی ختم ہو جائے گی۔ ہم فوج کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرا کر اسے قوم کی نظروں میں ذلیل کر دیں گے۔ پھر قوم صلاح الدین ایوبی کی فوج سے بھی متنفر ہو جائے گی..... آپ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اس کا آپ کو اتنا اور ایسا معاوضہ ملے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے''۔

''میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں''۔ الادریس نے کہا..... ''تم مجھ سے ایمان فروشی کرانا چاہتے ہو۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا''۔

بہت دیر کی بحث اور تکرار کے بعد الادریس نے کہا..... ''تم اتنی خطرناک باتیں اتنی دلیری سے کس طرح کر رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں تمہیں گرفتار کر کے غداری کی سزا دلا سکتا ہوں''۔

''کیا میں یہ نہیں کہہ سکوں گا کہ آپ مجھ پر جھوٹا الزام عائد کر رہے ہیں؟'' ارسلان نے کہا۔ ''صلاح الدین ایوبی میرے خلاف ایک لفظ نہیں سنے گا''۔

الادریس سٹپٹا اُٹھا۔ وہ حیران تھا کہ اتنے بڑے عہدے کا حاکم کس قدر شیطان ہے اور وہ کتنی دلیری سے باتیں کر رہا ہے۔ دراصل الادریس خود مردِ مومن تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ ایمان کو نیلام کر دینے والے ذلت کی کن پستیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اُس کے پاس ارسلان کو پابند کرنے اور راہِ راست پر لانے کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ وہ ارسلان کے عہدے سے زیادہ بڑے عہدے کا حاکم تھا۔ اس نے ارسلان سے کہا..... ''میں جان گیا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو اور تم کیا کر رہے ہو، تم جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو، اس کی سزا موت ہے۔ میں تمہیں یہ رعایت دیتا ہوں کہ سات روز کے اندر اپنا رویہ درست کر لو اور دشمن سے تعلقات توڑ کر مجھے یقین دلا دو کہ تم خلافتِ بغداد اور اپنی قوم کے وفادار ہو۔ میں تمہیں عہدے کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہوں۔ یہ انتظام ہم خود کر لیں گے۔ اگر مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں اس محل میں جسے صلیبیوں نے بنا دیا ہے، نظر بند کر دوں گا۔ سات دن بڑی لمبی رعایت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آٹھویں روز تمہیں جلاد

یہاں سے نکالے''۔

الادریس اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ ارسلان مسکرا رہا تھا۔ ارسلان نے کہا...... ''محترم الادریس! آپ کے دو بیٹے ہیں، دونوں جوان ہیں''۔

''ہاں!'' الادریس نے کہا اور پوچھا۔ ''کیا ہے میرے بیٹوں کو؟''

''کچھ نہیں!'' ارسلان نے کہا۔ ''میں آپ کو یاد دلا رہا ہوں کہ آپ کے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی آپ کی کل اولاد ہے''۔

الادریس اس اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے کہا...... ''شراب نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے''...... اور وہ باہر نکل گیا۔

☆

ارسلان کے گھر سے نکل کر الادریس علی بن سفیان کے گھر چلا گیا اور اُسے ارسلان کی باتیں سنائیں۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ارسلان اُس کی مشتبہ فہرست میں ہے، لیکن اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل رہا۔ تاہم وہ جاسوسوں کی نظر میں ہے۔ الادریس بہت پریشان تھا اور حیران بھی کہ ارسلان اتنی دلیری سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ اکیلا نہیں، غداری منظم طریقے سے ہو رہی ہے۔ اس کے جراثیم فوج میں بھی پھیلا دیئے گئے ہیں۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ سوڈان کے محاذ کے لیے رسد کا تھا۔ الادریس نے اُسے بتایا کہ اُس نے ارسلان کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے اور رسد کا انتظام اب خود کرنا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ایک سازش کے تحت دیہات سے اناج اور بکرے وغیرہ سرحد سے باہر بھجوائے جا رہے ہیں۔ منڈی میں غلے اور دیگر سامانِ خورد و نوش کا مصنوعی قحط پیدا کر دیا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے اپنے جاسوسوں اور مخبروں کو یہ کام دے رکھا ہے کہ رات کو اِدھر اُدھر گھومتے رہا کریں۔ جہاں کہیں انہیں اناج کی ایک بوری بھی جاتی نظر آئے، پکڑ لیں۔ طویل بات چیت کے بعد انہوں نے رسد کے انتظام کا کوئی طریقہ سوچ لیا۔

سلیم الادریس اس قومی مہم اور اپنے فرائض میں اس قدر مگن تھا کہ اُس کے ذہن سے ارسلان کا یہ اشارہ نکل گیا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی تمہاری کل اولاد ہے۔ الادریس کو اپنے بیٹوں کے کردار پر بھروسہ تھا مگر جوانی اندھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں بدکاری کی ایک لہر آئی تھی جس نے نوجوان ذہن کو لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ دو تین سال پہلے بھی ایسی ہی ایک لہر آئی تھی جس پر جلدی ہی قابو پا لیا گیا تھا۔ اب یہ لہر زمین کے نیچے سے آئی اور کام کر گئی۔ یہ مختلف کھیل تماشوں کی صورت میں آئی جن میں شعبدہ بازی اور کھیلوں کی صورت میں جوا بازی شامل تھی۔ یہ لوگ خیمے اور شامیانے تان کر تماشہ دکھاتے تھے جس میں کچھ بھی قابلِ اعتراض نہیں تھا، مگر شامیانوں کے اندر خفیہ خیمے تھے، جہاں اکیلے اکیلے نوجوان کو اشارے سے بلایا جاتا تھا۔ ان سے پیسے لے کر کپڑوں پر بنی ہوئی دستی تصویریں دکھانے کا کام لڑکیاں کرتی تھیں جن کی مسکراہٹ اور انداز دعوتِ گناہ ہوتی تھی۔

وہیں نوجوانوں کو تھوڑی تھوڑی حشیش پلائی جاتی تھی۔ یہ شرمناک اور خطرناک سلسلہ زمین کے اوپر چل رہا تھا مگر اسے پکڑ کوئی نہیں سکتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کوئی یہ تصویریں دیکھ کر یا حشیش کا ذائقہ چکھ کر آتا تھا، وہ اپنے گناہ کو چھپا رکھتا تھا۔ اس گناہ میں لذت ایسی تھی کہ جانے والے بار بار جاتے تھے۔ وہ اس لیے بھی باہر کسی سے ذکر نہیں کرتے تھے کہ حکومت تک بات پہنچ گئی تو انہیں نشہ آور لذت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس لذت پرستی کا شکار نوجوان اور فوجی ہو رہے

تھے۔اُن کے لیے در پردہ قحبہ خانے بھی کھول دیئے گئے۔کردار کشی کی یہ مہم کس قدر کامیاب تھی؟......اس کا جواب کرک کے قلعے میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس اور نفسیاتی جنگ کا ماہر جرمن نژاد ہرمن اپنے حکمرانوں کو ان الفاظ میں دے رہا تھا۔

''سپین کے مصوروں نے جو تصویریں بنائی ہیں، یہ لوہے کے بنے ہوئے مردوں کو بھی مٹی کے بُت بنا دیتی ہیں''۔اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کی ایک فحش تصویر حاضرین کو دکھائی۔یہ بڑے سائز کی تصویر تھی جو بُرش سے دل کش رنگوں میں بنائی گئی تھی۔صلیبی حکمرانوں نے تصویر دیکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ ننگے مذاق شروع کر دیئے۔ہرمن نے کہا......''میں نے ایسی بے شمار تصویریں بنوا کر مصر کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی خفیہ نمائش کا انتظام کر دیا ہے۔وہاں سے ہماری کامیابی کی اطلاعیں آ رہی ہیں۔میں نے قاہرہ کی نوجوان نسل میں حیوانی جذبہ بھڑکا دیا ہے۔یہ ایسا طاقتور جذبہ ہے جو مشتعل ہو جائے تو انسانی جذبوں کو جن میں قومی جذبہ خاص طور پر شامل ہے، تباہ کر دیتا ہے۔ان تصویروں نے مصر میں مقیم مسلمان فوج کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے بے کار کرنا شروع کر دیا ہے۔ان تصویروں کی لذت نشہ بھی مانگتی ہے۔اس کا انتظام بھی کر دیا ہے۔میرے تخریب کاروں اور جاسوسوں کے گروہ نے صحرائی لڑکیوں کی پوری فوج قاہرہ اور دوسرے قصبوں میں داخل کر دی ہے۔یہ لڑکیاں دیمک کی طرح صلاح الدین ایوبی کی قوم اور فوج کو کھا رہی ہیں۔وہ وجوہات کچھ اور تھیں جب میری مہم قاہرہ میں پکڑی گئی تھی۔اب میں نے کچھ اور طریقے آزمائے ہیں جو کامیاب ہو رہے ہیں۔اب وہاں کے مسلمان خود میری مہم کی حفاظت کریں گے اور اسے تقویت دیں گے۔وہ اس ذہنی عیاشی کے عادی ہو گئے ہیں، تھوڑے ہی عرصے بعد میں ان کے ذہنوں میں اُن کی اپنی ہی قوم اور اپنے ہی ملک کے خلاف زہر بھرنا شروع کر دوں گا''۔

''صلاح الدین ایوبی بہت ہوشیار آدمی ہے''۔حاضرین سے کسی نے کہا۔''وہ جونہی مصر پہنچا، تمہاری اس مہم کو جڑ سے اُکھاڑ دے گا''

''اگر وہ مصر پہنچا تو......'' ہرمن نے کہا......''اس سوال کا جواب آپ ہی دے سکتے ہیں کہ آپ اُس کا محاصرہ کامیاب ہونے دیں گے یا نہیں۔بے شک اُس نے ریمانڈ کی فوج کو قلعے سے باہر گھیرے میں لے رکھا ہے اور قلعہ اُس کے محاصرے میں ہے، لیکن یہ گھیرا اور یہ محاصرہ اسی کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔آپ یہاں فیصلہ کن جنگ نہ لڑیں۔ایوبی کو محاصرہ کیے رکھنے دیں تا کہ وہ یہیں پابند رہے اور مصر نہ جا سکے۔سوڈان میں ہمارے کمانڈروں نے تقی الدین کی فوج کو نہایت کامیابی سے بکھیر دیا ہے۔وہ اب نہ لڑ سکتا ہے، نہ وہاں سے نکل سکتا ہے۔مصر کی منڈیوں کا اور وہاں کی کھیتیوں کا غلہ میں نے غائب کرا دیا ہے۔آپ کی دی ہوئی دولت آپ کو پورا صلہ دے رہی ہے۔ایوبی کا ایک وفادار حاکم ارسلان دراصل آپ کا وفادار ہے۔وہ ہمارے ساتھ پورا تعاون کر رہا ہے۔اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہمارے ساتھ ہیں''۔

''ارسلان کو کتنا معاوضہ دیا جا رہا ہے؟''۔فلپ آگسٹس نے پوچھا۔

''جتنا ایک مسلمان حاکم کا دماغ خراب کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے''۔ہرمن نے جواب دیا......''عورت اور شراب، دولت اور حکومت کا نشہ کسی بھی مسلمان کا ایمان خرید سکتا ہے۔وہ میں نے خرید لیا ہے......میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ اب صلاح الدین ایوبی مصر جائے گا تو اسے وہاں کی دُنیا بدلی ہوئی نظر آئے گی، وہ جس نوجوان نسل کی بات فخر سے کیا کرتا ہے، وہ مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے لیے بے کار ہو گی۔اس کی سوچیں اور اس کا کردار ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔یہ نسل جنسی جذبے کی ماری ہوئی ہو گی۔یہی حال اس فوج کا ہو گا جسے وہ مصر چھوڑ آیا ہے۔اس فوج میں میرے تخریب کاروں نے اتنی زیادہ بے اطمینانی پھیلا دی ہے کہ وہ بغاوت سے بھی گریز نہیں کرے گی۔میں آج یہ دعویٰ وثوق سے کر سکتا ہوں کہ آپ سے

پہلے میں اپنا محاذ ختم کر چکا ہوں گا۔ دشمن کے کردار اور اخلاق کو تباہ کر دینے سے فوجوں کے حملوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی"۔

ہرمن کی اس حوصلہ افزا رپورٹ پر صلیبی حکمران بہت خوش ہوئے۔ فلپ آگسٹس نے وہی عزم دہرایا جس کا اظہار وہ کئی بار کر چکا تھا۔ اُس نے کہا...... "ہماری لڑائی صلاح الدین ایوبی سے نہیں اسلام سے ہے۔ ایوبی بھی مر جائے گا۔ ہم بھی مر جائیں گے لیکن ہمارا جذبہ اور عزم زندہ رہنا چاہیے، تاکہ اسلام بھی مر جائے اور دُنیا پر صلیب کی حکمرانی ہو۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایسا محاذ کھولا جائے جہاں سے مسلمانوں کے نظریات اور کردار پر حملہ کیا جائے۔ میں ہرمن کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ اس نے محاذ نہ صرف کھول دیا ہے بلکہ حملہ کر کے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے"۔

☆

سٹیم الادریس کے بھی دو بیٹے جوان تھے۔ ایک کی عمر سترہ سال اور دوسرے کی اکیس سال تھی۔ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ بھی لذت پرستی کے اس طوفان کی لپیٹ میں آ گئے تھے یا نہیں، جو صلیبی تخریب کار قاہرہ میں لائے تھے۔ البتہ یہ ثبوت بعد میں ملا کہ بڑے بیٹے کے درپردہ تعلقات ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کے ساتھ تھے۔ یہ لڑکی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتی تھی اور بے پردہ رہتی تھی۔ کسی بڑے خاندان کی لڑکی تھی۔ اُن کی ملاقاتیں خفیہ ہوتی تھیں، جس روز ارسلان نے الادریس سے کہا تھا کہ تمہارے دو بیٹے جوان ہیں، اُس سے اگلے روز اس لڑکی نے الادریس کے بڑے بیٹے سے کہا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے۔ وہ جدھر جاتی ہے، اُس کا پیچھا کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں بھی دیتا ہے۔ اس بڑے بیٹے نے لڑکی سے پوچھا کہ نوجوان کون ہے تو لڑکی نے نہ بتایا۔ بات گول کر گئی، کہنے لگی کہ اُس نے زیادہ پریشان کیا تو اُسے بتا دے گی۔

بعد کے انکشافات سے پتہ چلا کہ اُسے کوئی نوجوان پریشان نہیں کرتا تھا، بلکہ وہ خود نوجوانوں کو پریشان اور خراب کرتی پھر رہی تھی۔ اُس نے جس شام بڑے بیٹے سے یہ شکایت کی کہ اس سے اگلے ہی روز اُس نے الادریس کے چھوٹے بیٹے کو جس کی عمر سترہ سال تھی، اپنے جال میں پھانس لیا اور ایسی والہانہ اور بے تابانہ محبت کا اظہار زبانی اور عملی طور پر کیا کہ لڑکا اپنا آپ اُس کے حوالے کر بیٹھا۔ دو درپردہ ملاقاتوں کے بعد اُس نے اُسے بھی بتایا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں دیتا ہے۔ لڑکے کا خون جوش میں آ گیا۔ اُس نے پوچھا کہ وہ کون ہے تو لڑکی نے کہا کہ اگر اُس نے زیادہ پریشان کیا تو بتاؤں گی۔ اُسی شام وہ اس لڑکے کے بڑے بھائی سے ملی اور اُسے کہا کہ وہ نوجوان مجھے زیادہ پریشان کرنے لگا ہے۔ وہ تمہارے متعلق کہتا ہے کہ اُسے میں ایسے طریقے سے قتل کروں گا کہ کسی کو پتا ہی نہیں چل سکے گا۔ لڑکی نے کہا "تم خنجر اپنے پاس رکھا کرو"۔

دوسری شام کی ملاقات میں اُس نے چھوٹے بھائی کو اسی طرح مشتعل کیا اور اُسے کہا کہ وہ خنجر اپنے پاس رکھا کرے۔ چنانچہ دونوں بھائی اس حقیقت سے بے خبر کہ وہ ایک ہی لڑکی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ خنجر اپنے پاس رکھنے لگے۔ لڑکی دونوں سے الگ الگ ملتی رہی۔ صرف پانچ دنوں میں لڑکی نے دونوں بھائیوں کو پہلے حیوان، پھر درندہ بنا دیا۔ اُس شام اُس نے بڑے بھائی کو شہر سے ذرا باہر ایک اندھیری جگہ ملنے کو کہا۔ چھوٹے بھائی کو بھی اُس نے وہی وقت اور وہی جگہ بتائی اور دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نوجوان جو مجھے پریشان کیا کرتا ہے۔ آج کہہ گیا ہے کہ شام کو جہاں بھی جاؤ گی، مجھے وہاں پاؤ گی۔ میں تمہارے چاہنے والے کو تمہارے سامنے قتل کروں گا۔ لڑکی نے کہا..... "میں نے اُسے کہا ہے کہ اگر تم اتنے دلیر ہو تو شام کو اس جگہ آ جانا۔ اگر تم نے اُسے قتل کر دیا تو میں تمہاری ہو جاؤں گی"۔ دونوں بھائی خون ریز معرکہ لڑنے

کے لیے تیار ہو گئے۔

شام کو بڑا بھائی خنجر لیے اُس جگہ پہنچ گیا جو اُس لڑکی نے بتائی تھی۔ اُس نے ایسی استادی کا مظاہرہ کیا کہ جگہ اندھیری کا انتخاب کیا اور یہ بھی خیال رکھا کہ دونوں بھائی اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو پہچان نہ لیں۔ وہ وہاں پہنچی تو بڑے بھائی کو وہاں موجود پایا۔ اُسے بتایا کہ وہ نوجوان میرے پیچھے آرہا ہے۔ بڑے بھائی نے خنجر نکال لیا اور فوراً ہی بعد چھوٹا بھائی آ گیا۔ لڑکی نے بڑے بھائی سے کہا کہ وہ آ گیا ہے، لیکن میں نہیں چاہتی کہ خون خرابہ ہو، میں اُسے کہتی ہوں کہ وہ چلا جائے۔ یہ کہہ کر وہ چھوٹے بھائی کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ پہلے سے موجود ہے اور اُس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ چھوٹے بھائی کی عقل پر جوانی کا تازہ خون سوار تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اندھیرے میں اپنے بھائی کی طرف دوڑا۔ بڑے بھائی نے حملہ آور کو اتنی تیزی سے آتے دیکھا تو وہ بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ بھائیوں نے ایک دوسرے پر رقابت کے جوش میں بڑے گہرے وار کیے۔ وہ گر گر کر اُٹھے اور ایک دوسرے کو لہولہان کرتے رہے۔ لڑکی انہیں بھڑکاتی رہی۔

علی بن سفیان کے شعبے کے آدمی رات کو گشت پر رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک گھوڑ سوار گشت پر ادھر آ نکلا۔ لڑکی بھاگ اُٹھی۔ گھوڑ سوار نے اُسے دُور نہ جانے دیا اور پکڑ کر واپس لے گیا۔ وہاں دونوں بھائی زمین پر پڑے، آخری سانسیں لے رہے تھے۔ لڑکی نے اُن سے لاتعلقی کے اظہار کی بہت کوشش کی، لیکن اس آدمی نے اُسے نہ چھوڑا۔ لڑکی کے دیئے ہوئے لالچ کو بھی اُس نے قبول نہ کیا۔ اُس نے پکار پکار کر گشتی پہرہ داروں کو بلا لیا۔ اُس وقت تک دونوں بھائی مر چکے تھے۔ لڑکی کو اُسی وقت علی بن سفیان کے پاس لے گئے۔ لاشیں بھی لائی گئیں۔ روشنی میں دیکھا تو دونوں بھائی تھے۔ سلیم الادریس کو اطلاع دی گئی۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر اُس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ لڑکی نے اُلٹے سیدھے بیان دیئے مگر وہ اس سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہی تھی کہ وہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں رہتی ہے۔ الادریس بہت بُری ذہنی حالت میں تھا۔ اُس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا..... "اسے شکنجے میں ڈالو علی، اس طرح یہ کچھ نہیں بتائے گی"۔

"بتانے کے لیے ہے ہی کیا"۔ لڑکی نے بھی غصے میں کہا۔ بڑے بھائی کی لاش کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "اس نے مجھے بلایا تھا، میں چلی گئی۔ اوپر سے (چھوٹا بھائی) آ گیا۔ دونوں نے خنجر نکال لیا اور لڑ پڑے۔ میں ڈر کے مارے بھاگ اُٹھی اور ایک گھوڑ سوار نے مجھے پکڑ لیا۔ میں اپنے باپ کا نام اس لیے نہیں بتاتی کہ اُس کی بھی رُسوائی ہوگی"۔

علی بن سفیان کا دماغ حاضر تھا۔ اُسے یاد آ گیا کہ ارسلان اور الادریس کی آپس میں ترش کلامی ہوئی تھی۔ ارسلان اُس کے مشتبہوں کی فہرست میں تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کے گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے الادریس کو آنکھ سے اشارہ کر کے کہا..... "یہ لڑکی کوئی بھی ہے، یہ قاتل نہیں۔ یہ دو جوانوں کو اکیلے قتل نہیں کر سکتی۔ اس نے سچ بات بتا دی ہے۔ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا"۔ اس نے لڑکی سے کہا..... "جاؤ تم آزاد ہو۔ آئندہ کسی کے ساتھ اتنی دُور نہ جانا، ورنہ قتل ہو جاؤ گی"۔

لڑکی بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ علی بن سفیان نے اپنے دو مخبروں سے کہا کہ ان میں سے ایک لڑکی کا راستہ دیکھ کر دوسرے راستے سے ارسلان کے گھر کے بڑے دروازے سے ذرا دُور چھپ جائے اور دوسرا ایسے طریقے سے لڑکی کا تعاقب کرے کہ لڑکی کو پتا نہ چلے اور وہ جہاں بھی جائے، فوراً اطلاع دی جائے۔ دونوں آدمی چلے گئے۔ لڑکی تیز تیز قدم اُٹھاتی جا رہی تھی اور اُس کا تعاقب ہو رہا تھا۔ علی بن سفیان کا شک ٹھیک ثابت ہوا۔ لڑکی ارسلان کے گھر چلی گئی۔ وہاں ایک آدمی موجود تھا۔ اُس نے آ کر اطلاع دی کہ لڑکی اُس گھر میں داخل ہوئی ہے۔ جب الادریس کو معلوم ہوا کہ لڑکی کا تعلق

ارسلان کے گھر سے ہے تو اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ ارسلان نے اُسے کہا تھا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں، مگر الادریس یہ اشارہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ ارسلان کی کارستانی ہے۔ دونوں بھائیوں کو اُسی نے اس عجیب و غریب طریقے سے ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ الادریس نے حاکم اعلیٰ کو اطلاع دی۔ پولیس کا سربراہ غیاث بلبیس بھی آ گیا۔ علی بن سفیان کو بھی خصوصی اختیارات حاصل تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ارسلان کے گھر چھاپہ مار کر اُسے گھر میں ہی نظر بند کر دیا جائے۔

☆

''اب میں سلیم الادریس کو بتاؤں گا کہ میں کیوں اتنی دلیری سے باتیں کرتا ہوں''۔ ارسلان نے اس لڑکی کی کامیابی کی روئیداد سن کر کہا۔۔۔ ''میں اُسے بتاؤں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں''۔ اُس نے لڑکی کو شراب پیش کی اور دونوں کامیابی کا جشن منانے لگے۔

اُن کا جشن ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ بغیر اطلاع کے کوئی اندر آ گیا۔ یہ الادریس تھا۔ اُس نے ارسلان اور لڑکی کو نشے اور عریانی کی حالت میں دیکھا اور لڑکی کو پہچان لیا۔ ارسلان نے نشے کی حالت میں کہا۔۔۔۔ ''اپنے بیٹوں کو قتل کرا کے تم میرے ہاتھوں قتل ہونے آئے ہو؟۔۔۔۔ دربان کہاں ہے؟ یہ شخص میری جنت میں بغیر اجازت کیوں کر آ گیا ہے؟''

''تمہیں جہنم میں لے جانے کے لیے''۔ الادریس نے کہا۔۔۔۔ ''میں اپنے بیٹوں کا انتقام لینے نہیں آیا، تمہیں غداروں کے انجام تک پہنچانے آیا ہوں''۔

اتنے میں شہر کا وہ حاکم اعلیٰ اندر آیا جس کے پاس امیر مصر کے اختیارات تھے۔ اُس کے ساتھ غیاث بلبیس اور علی بن سفیان تھے۔ لڑکی کو گرفتار کر لیا گیا۔ ارسلان کے تمام ملازموں اور گھر کے دیگر افراد کو باہر نکال کر اس کے محل جیسے مکان کے اندر اور باہر فوج کا پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس کے گھر میں ایک تہہ خانہ برآمد ہوا جو بہت ہی وسیع اور گہرا تھا، وہاں سے تیر کمانوں اور برچھیوں کے انبار نکلے۔ ایک ڈھیر خنجروں کا تھا۔ آتش گیر مادہ بھی تھا۔ ایک صندوق میں سے حشیش اور زہر برآمد ہوئے۔ ایک اور کمرے میں سے سونے کی اینٹیں اور اشرفیوں کی تھیلیاں برآمد ہوئیں۔ اُس نے اپنی پرانی دو بیویوں اور اُن کے بچوں کو کہیں اور بھیج رکھا تھا۔ گھر میں تین لڑکیاں تھیں۔ تینوں ایک سے ایک بڑھ کر خوب صورت تھیں اور تینوں غیر مسلم تھیں۔ رات ہی رات ملازموں کی چھان بین کر لی گئی۔ ان میں تین صلیبیوں کے جاسوس نکلے۔

''کیا تم خود بتاؤ گے کہ تمہارے عزائم کیا ہیں؟'' حاکم اعلیٰ نے ارسلان سے پوچھا۔۔۔۔ ''یہ مال و دولت اور اسلحے کے یہ انبار تمہیں سزائے موت دلانے کے لیے کافی ہیں''۔

''پھر سزائے موت دے دو''۔ اُس نے نشے کی حالت میں کہا۔۔۔۔ ''اگر مجھے جان ہی دینی ہے تو خاموشی سے کیوں نہ مر جاؤں؟''

''خدا کی نگاہ میں یہ بہت بڑی نیکی ہوگی کہ تم ہمیں اور اس کے نام لیواؤں کو خطروں سے آگاہ کر دو''۔ حاکم اعلیٰ نے کہا۔۔۔ ''مجھے اُمید ہے کہ اسی نیکی کے بدلے خدا تمہارے اتنے گناہ بخش دے گا''۔

''تم لوگ تو مجھے نہیں بخشو گے''۔ ارسلان نے کہا۔

''سلطان ایوبی اس سے بھی بڑے گناہ بخش دیا کرتا ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا۔۔۔۔ آپ کے بچنے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ بتا دیں کہ یہاں کس قسم کی تخریب کاری ہو رہی ہے۔ کچھ اور لوگ گرفتار کرا دیں''۔

وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ باقی لوگ اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ الادریس نے اپنی خنجر نما تلوار کمر سے باندھ رکھی تھی۔ ارسلان خاموشی سے ٹہلتے ٹہلتے اُس کے قریب گیا اور بڑی ہی تیزی سے اس کی میان سے تلوار نکال کر اپنے سینے اور پیٹ کے درمیان رکھی، پیشتر اس کے ہاتھ سے تلوار چھینی جاتی، اُس نے دستے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوری طاقت سے تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔ وہ اپنے بستر پر گرا۔ دوسرے آدمی تلوار اُس کے پیٹ سے نکالنے لگے تو اس نے کہا۔ ''رہنے دو۔ میری دو تین باتیں سن لو۔ مر جاؤں گا تو تلوار نکال لینا۔ میں نے اپنے آپ کو سزا دے دی ہے۔ میں زندہ صلاح الدین ایوبی کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا، کیونکہ وہ مجھے اپنا وفادار دوست سمجھتا تھا...... میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ تلوار اپنا کام کر چکی ہے۔ ہوش کرو، مصر سخت خطرے میں ہے۔ مصر میں جو فوج ہے وہ بغاوت کے لیے تیار ہے۔ فوجوں کی رسد کو میں نے ناپید کیا ہے۔ سپاہیوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ صلیبی تخریب کاروں نے فوج میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ محاذوں پر بکرے، اناج اور شراب جا رہی ہے اور وہاں کے سپاہیوں کو مالِ غنیمت سے مالا مال کر کے عیاشی کرائی جا رہی ہے...... میرے گروہ میں اچھے عہدوں کے لوگ ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں بتاؤں گا۔ فاطمی اور فدائی تباہ کاری کی پوری تیاری کر چکے ہیں۔ تم بغاوت کو روک نہیں سکو گے۔ نئی فوج لاؤ۔ حالات تمہارے قابو سے ......'' اور وہ فقرہ مکمل کیے بغیر مر گیا۔

اُس کے گھر سے جو تین لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں، وہ بھی اس کے فقرے کو مکمل نہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنے متعلق بتا دیا کہ انہیں اخلاقی تخریب کاری اور مردوں کو پھانس کر استعمال کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ارسلان کے گھر راتوں کو محفلیں جما کرتی تھیں، جس میں فوج اور انتظامیہ کے افسر آیا کرتے تھے۔ اُن کی خفیہ ملاقاتیں اور اجلاس ان لڑکیوں کے بغیر ہوتے تھے۔ لڑکیوں نے یہ تصدیق کر دی کہ مصر میں بغاوت کے لیے زمین ہموار کر دی گئی ہے، جس لڑکی نے دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا، اس نے قتل کی ساری کہانی سنا دی جو بیان کی گئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ الادریس کے بڑے بیٹے کو پہلے ہی اپنے جال میں محبت کا جھانسہ دے کر لے چکی تھی۔ اسے ارسلان اپنے باپ الادریس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا، لیکن ارسلان نے منصوبہ بدل دیا اور لڑکی سے کہا کہ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دو۔

ایک ہی رات میں تقریباً اڑھائی سو اونٹ مرکزی دفتر کے سامنے لائے گئے۔ ان پر غلہ اور خورد و نوش کا دیگر سامان لدا ہوا تھا۔ یہ اونٹ تین چار قافلوں کی صورت میں مختلف جگہوں سے پکڑے گئے تھے۔ اناج وغیرہ کو سرحد سے باہر جانے سے روکنے کے لیے گشتی پارٹیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ان کی پہلی کامیابی تھی۔ ان قافلوں کے ساتھ جو آدمی تھے، انہوں نے شہر کے چند ایک بیوپاریوں کے نام بتائے۔ ان بیوپاریوں نے تمام غلہ اور دیگر سامان زیرِ زمین کر لیا تھا۔ آدھی رات کے بعد وہ یہ سامان باہر کے اجنبی تاجروں کے ہاتھ بیچتے تھے۔ ان آدمیوں نے دیہاتی علاقوں میں بھی چند ایک جگہوں کی نشاندہی کی، جہاں اجنبی سے تاجر موجود رہتے اور تمام تر رسد اکٹھی کر کے لے جاتے تھے۔ شتربانوں میں سے بعض نے سرحد کی ایک جگہ بتائی، جہاں سے یہ قافلے سوڈان جایا کرتے تھے، وہاں ایک سرحدی دستہ موجود تھا۔ انکشاف ہوا کہ اس دستے کا کمانڈر دشمن سے باقاعدہ معاوضہ یا رشوت لیتا اور قافلے گزار دیتا تھا۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ اہتمام ارسلان کی زیرِ کمان ہو رہا تھا۔

☆

یہ اُن سینکڑوں میں سے چند ایک واقعات ہیں جو سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر کو لپیٹ میں لیے ہوئے

تھے۔الادریس اور دیگر اعلیٰ حکام نے ارسلان کی غداری اور الادریس کے بیٹوں کی موت اور دیگر واقعات پر غور کرنے کے لیے اجلاس منعقد کیا۔علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ مشورہ پیش کیا کہ حالات اتنے بگڑ گئے ہیں کہ ان کے بس میں نہیں رہے۔پیشتر اس کے کہ مصر میں بغاوت ہو جائے یا فاطمیوں کے اور فدائیوں کے ہاتھوں کوئی اعلیٰ شخصیت قتل ہو جائے ،سلطان ایوبی کو مکمل حالات سے آگاہ کر دیا جائے اور انہیں مشورہ دیا جائے کہ ممکن ہو سکے تو وہ کرک کا محاصرہ اپنے نائبین کے سپرد کر کے قاہرہ آ جائیں۔ایک قاصد کو تو پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا،مگر اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔اب سنگین وارداتیں ہو گئیں تو اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ علی بن سفیان محاذ پر سلطان ایوبی کے پاس جائے۔

کرک کے محاصرے کو دو مہینے گزر گئے تھے،مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔صلیبیوں نے دفاع کے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ایک انتظام یہ تھا کہ شہر میں سامانِ خورد ونوش کا ذخیرہ کافی تھا۔ایک جاسوس نے اندر سے تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر باہر پھینکا تھا،جس میں تحریر تھا کہ اندر خوراک کی کمی نہیں۔مسلمان باشندوں پر اتنی سخت پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں کہ ان کے گھروں کی دیواریں بھی ان کے خلاف مخبری اور جاسوسی کرتی تھیں۔اس لیے اندر تخریب کاری ممکن نہیں ہو رہی تھی ،ورنہ خوراک کا ذخیرہ تباہ کر دیا جاتا۔شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوسوں کی بھی کمی تھی۔وہ کبھی کبھی رات کے وقت تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر اور موقع محل دیکھ کر باہر کو تیر چلا دیتے تھے۔فوجوں کو حکم تھا کہ ایسا تیر نظر آئے تو وہ اپنے کمانڈر تک پہنچا دیں۔صلیبیوں نے محاصرہ توڑنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔وہ سلطان ایوبی کی طاقت زائل کرتے جا رہے تھے۔سلطان ایوبی اُن کی چال سمجھ گیا تھا۔اس کے جواب میں اُس نے بھی اپنا طریقہ بدل دیا تھا۔

صلیبیوں کی یہ کوشش ناکام ہو چکی تھی کہ انہوں نے باہر سے حملہ کیا تھا۔سلطان ایوبی اس حملے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے نہایت اچھی چال سے اس فوج کو گھیرے میں لے لیا تھا۔اس فوج کو گھیرے میں آئے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا۔ گھیرے میں آئی ہوئی فوج گھیرا توڑنے کے لیے ہر طرف حملے کرتی تھی۔سلطان ایوبی اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔البتہ گھیرا کئی میلوں پر پھیل گیا تھا۔وہ علاقہ سرسبز تھا،اس لیے صلیبیوں کو پانی اور جانوروں کو چارہ مل جاتا تھا۔ ان کے جانور مرتے تھے تو اُسے وہ کھا لیتے تھے،مگر یہ کافی نہیں تھا۔ہزاروں گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے یہ چارہ کافی نہیں تھا۔پانی کے لیے وہاں کوئی ندی یا دریا نہیں تھا۔تین چار چشمے تھے،جن میں سے دو،ڈیڑھ مہینے میں ہی خشک ہو گئے تھے۔ صلیبی سپاہیوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔انہیں غذا بہت کم ملتی تھی اور پانی کے لیے بہت دُور جانا پڑتا تھا۔رات کو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار گروہ اُن پر شب خون مارتے اور نقصان کرتے رہتے تھے۔ڈیڑھ ماہ میں یہ فوج آدھی رہ گئی تھی۔اُن کے جانوروں میں بھی دم نہیں رہا تھا۔صلیبی حکمران ریمانڈ جو اس فوج کا کمانڈر تھا،سخت پریشانی کے عالم میں انتظار کر رہا تھا کہ صلیبی حملہ کر کے اُسے سلطان ایوبی سے چھڑائیں گے،مگر اُس کی مدد کو کوئی نہیں آ رہا تھا۔

سلطان ایوبی چاہتا تو چاروں طرف سے حملہ کر کے اس فوج کو شکست دے سکتا تھا لیکن اس سے اپنا جانی نقصان بھی ہونا لازمی تھا اور جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کا خطرہ بھی تھا۔سلطان ایوبی اپنی طاقت زائل نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ صلیبیوں کو آہستہ آہستہ مار رہا تھا۔اُسے یہ نقصان ضرور ہو رہا تھا کہ اُس کی فوج کا تیسرا حصہ اس صلیبی فوج کو گھیرے میں رکھنے میں اُلجھ گیا تھا۔اُسے وہ شہر کے محاصرے کی کامیابی کے لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔اُس کے پاس ابھی ریزرو دستے موجود تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ قلعہ توڑنے کے لیے وہ انہیں استعمال کرے۔وہ اب محاصرے کو اور زیادہ طول دینا نہیں چاہتا تھا۔اُس دور میں محاصرے عموماً طویل ہوا کرتے تھے۔ایک ایک شہر کو دو دو سال تک بھی محاصرے میں رکھا گیا ہے۔چھ سات ماہ کا

محاصرہ طویل نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن سلطان ایوبی محاصرے کو طول دینے کا قائل نہیں تھا۔ وہ ان حملہ آوروں میں سے بھی نہیں تھا جو کسی ملک کے دارالحکومت کا محاصرہ کر کے اندر والوں کو پیغام بھیجا کرتے تھے کہ اتنی مقدار زرو جواہرات کی، اتنے ہزار گھوڑے اور اتنی عورتیں باہر بھیج دو، ہم چلے جائیں گے۔ سلطان ایوبی عرب کی سرزمین سے صلیبیوں کو نکالنا چاہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ سرزمین اسلام کا سرچشمہ ہے جو ساری دُنیا کو سیراب کرے گا اور وہ اپنی عمر کو بہت کم سمجھا کرتا تھا۔ یہ الفاظ اُس نے بار ہا کہے تھے کہ میں یہ کام اپنی مختصری عمر میں پورا کر دینا چاہتا ہوں، ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان امراء اس مقدس خطے کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک رات وہ اپنے خیمے میں گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اُس نے یہاں تک سوچا تھا کہ قلعے کے اردگرد سے اتنی فراخ سرنگیں کھدوائی جائیں جن میں پیادہ سپاہی گزر سکیں۔ کچھ اور طریقے بھی اُس کے ذہن میں آئے۔ وہ اب چند دنوں میں کرک پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں علی بن سفیان اُس کے خیمے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھ کر سلطان ایوبی خوش نہیں ہوا، کیونکہ اُسے اطلاع مل چکی تھی کہ مصر کے حالات خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ چہرے پر تشویش کے آثار لیے سلطان ایوبی علی بن سفیان سے بغل گیر ہو کر ملا اور کہا..... ''تم میرے لیے یقیناً کوئی خوش خبری نہیں لائے''۔

''بظاہر خیریت ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''مگر خوش خبری والی بات بھی کوئی نہیں''۔ اُس نے مصر کے حالات اور واقعات سنانے شروع کر دیئے۔ علی بن سفیان جیسا ذمہ دار حاکم سلطان ایوبی سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ نہ ہی وہ اُسے خوش فہمیوں میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ لگی لپٹی رکھے بغیر بات کی جائے۔ علی بن سفیان نے تقی الدین کی غلطیوں اور سلطان ایوبی کی بھی ایک دو غلطیوں کا کھل کر ذکر کیا۔ ارسلان کی غداری کا قصہ اور ادریس کے جوان بیٹوں کی موت کا حادثہ سن کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اگر ارسلان مر نہ چکا ہوتا تو سلطان ایوبی کبھی یقین نہ کرتا کہ اُس کا یہ حاکم جسے وہ اپنا وفادار سمجھتا ہے، غداری کر سکتا ہے۔ اس سے پہلے بھی دو دوست اُس سے غداری کر چکے تھے۔

''اگر ارسلان ذرا سی دیر اور زندہ رہتا تو باقی راز بھی بے نقاب کر دیتا''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''اُس کے آخری فقرے سے جو موت نے پورا نہ ہونے دیا، صاف ثبوت ملتا ہے کہ مصر میں بغاوت ہونے ہی والی ہے۔ مصر میں ہماری جو فوج ہے، اُسے ذہنی لحاظ سے پست کر دیا گیا ہے۔ میری جاسوسی بتاتی ہے کہ کمان دار تک غلط فہمیوں اور بے اطمینانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ فوج کے لیے غلے اور گوشت کی قلت پیدا کر کے یہ بے بنیاد بات پھیلا دی گئی ہے کہ تمام تر رسد محاذوں پر بھیجی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ فوج کا مال حاکم بیچ کر کھا رہے ہیں۔ دشمن کی سازش پوری طرح کامیاب ہے''۔

''دشمن کی سازش اُسی ملک میں کامیاب ہوتی ہے جہاں کے چند ایک افراد دشمن کا ساتھ دینے پر اُتر آتے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''اگر ہمارے اپنے بھائی دشمن کا آلۂ کار بن جائیں تو ہم دشمن کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میں جس طرح اللہ کے ان شیروں کے جذبے کے زور پر اور ان کی جانیں قربان کر کے صلیبیوں کو میدانِ جنگ میں ناکوں چنے چبوا رہا ہوں، اسی طرح میرے حاکم بھی پکے مسلمان ہوتے تو آج قبلۂ اوّل آزاد ہوتا اور ہماری اذانیں یورپ کے کلیساؤں میں گونج رہی ہوتیں، مگر میں مصر میں قید ہو کے رہ گیا ہوں، میرے جذبے اور میرا اعزم زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں''۔ اُس نے کچھ دیر کی گہری خاموشی اور سوچ کے بعد کہا..... ''مجھے سب سے پہلے ان غداروں کو ختم کرنا ہوگا، ورنہ یہ قوم کو دیمک کی طرح کھاتے رہیں گے''۔

''میں یہ مشورہ لے کر آیا ہوں کہ اگر محاذ آپ کو اجازت دے تو مصر چلئے''۔ علی بن سفیان نے کہا۔

''میں حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتا علی!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''لیکن میں یہ اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ میرے ہاتھوں سے صلیبیوں کی گردن اور فلسطین چھڑانے والے میرے بھائی ہیں۔علی بن سفیان! اگر میں نے غداروں کو اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والے مسلمانوں کو ابھی ختم نہ کیا تو یہ کبھی ختم نہ ہوں گے اور ہماری تاریخ کو یہ گروہ ہمیشہ شرمسار کرتا رہے گا۔قوم میں ہر دور میں یہ گروہ موجود رہے گا جو دین اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے دوستی کر کے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرتا رہے گا''۔اُس نے پوچھا سوڈان کے محاذ کی کیا خبر ہے؟ میں نے تقی الدین کو پیغام بھیج دیا کہ اس محاذ کو سمیٹنا شروع کر دو''۔

''مصر میں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ایسا حکم دیا ہے'' علی بن سفیان نے کہا۔

''اور کسی کو معلوم ہونا بھی نہیں چاہیے''۔سلطان ایوبی نے کہا۔اس نے دربان کو بلایا اور کہا۔'' کاتب کو فوراً بلالاؤ''۔

کاتب کاغذ اور قلمدان لے کر آیا تو سلطان ایوبی نے کہا۔''لکھو...... قابلِ صد احترام نورالدین زنگی......''۔

☆

وہ قاصد بڑا ہی تیز رفتار تھا جس نے سلطان ایوبی کا پیغام اگلی رات کے آخری پہر بغداد میں نورالدین زنگی تک پہنچا دیا۔سلطان ایوبی نے اُسے کہا تھا کہ راستے میں ہر چوکی پر اُسے تازہ دم گھوڑا مل جائے گا،لیکن وہ گھوڑا صرف تبدیل کرے،خود آرام اور کھانے کے لیے نہ رُکے۔کہیں بھی گھوڑا آہستہ نہ چلے۔اگر رات کو نورالدین زنگی کے پاس پہنچے،تو دربان سے کہہ دے کہ انہیں جگا دے۔اگر زنگی خفگی کا اظہار کرے تو کہہ دینا کہ صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ ہم سب جاگ رہے ہیں۔قاصد جب نورالدین زنگی کے دروازے پر پہنچا تو محافظ دستے نے اُسے روک دیا اور کہا کہ پیغام صبح دیا جائے گا۔قاصد نے گھوڑے تو کئی بدلے تھے مگر کہیں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے بھی نہیں رُکا تھا۔تھکن،بھوک،پیاس اور دوراتوں کی بیداری سے وہ لاش بن گیا تھا۔زبان پیاس سے اکڑ گئی تھی۔وہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور اُس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔اُس نے اشاروں میں بتایا کہ پیغام بہت ضروری ہے۔نورالدین زنگی نے بھی سلطان ایوبی کی طرح اپنے خصوصی عملے،دربان اور اپنے باڈی گارڈز کے کمانڈر کو کہہ رکھا تھا کہ کوئی ضروری بات یا پیغام ہو تو اُس کی نیند اور آرام کی پروانہ کی جائے۔

قاصد کی حالت دیکھ کر باڈی گارڈز نے اندر جا کر نورالدین زنگی کی خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔وہ باہر آ گیا اور پیغام اور قاصد کو ملاقات کے کمرے میں لے گیا۔قاصد کمرے میں داخل ہوتے ہی گر پڑا۔زنگی نے اپنے ملازموں کو بلایا اور قاصد کی دیکھ بھال کرنے کو کہا۔اُس نے پیغام پڑھنا شروع کیا۔سلطان ایوبی نے لکھا تھا:

''آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔میرا پیغام آپ کو خوش نہیں کرے گا۔آپ کے لیے خوشی اور اطمینان کی بات صرف یہ ہے کہ میں نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔آپ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کر رہا ہوں۔آپ میرے پاس تشریف لائیں گے تو تمام حالات سناؤں گا۔میں نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔اتنی کامیابی حاصل کر چکا ہوں کہ صلیبیوں کی ایک فوج نے شاہ ریمانڈ کی سرکردگی میں باہر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔میں نے محفوظہ سے اُسے گھیرے میں لے لیا ہے۔اب تک اس کی آدھی فوج ختم کر چکا ہوں۔بھوکے صلیبی اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو کھا رہے ہیں جو انہیں اتنی دور سے یہاں لائے تھے۔میں اس کوشش میں ہوں کہ ریمنڈ کو زندہ پکڑ لوں،مگر کرک کا محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا ہے۔صلیبیوں کا دماغ اور طریقہ جنگ پہلے سے بہت بہتر ہے۔میں محاصرے کو کامیاب کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا اور مجھے اُمید تھی

کہ میرے جانباز مجاہد قلعہ توڑ لیں گے۔ وہ جس جذبے سے لڑ رہے ہیں، وہ آپ کو حیران کر دے گا مگر سوڈان میں میرا بھائی تقی الدین ناکام ہو گیا ہے۔ اُس کی غلطی کہ اُس نے اجنبی صحرا میں جا کر فوج کو پھیلا دیا ہے۔ وہ مدد مانگ رہا ہے۔ میں نے اُس محاذ سمیٹنے اور واپس آنے کو کہہ دیا ہے۔ مصر سے آئی ہوئی خبریں اچھی نہیں۔ غداروں اور ایمان فروشوں نے دشمن کا آلۂ کار بن کر مصر میں بغاوت اور صلیبی یلغار کے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ علی بن سفیان کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ خود میرے پاس آیا ہے۔ میں اُس کے مشورے کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ میں مصر چلا جاؤں...... محترم! میں کرک کا محاصرہ اُٹھا نہیں سکتا، ورنہ صلیبی کہیں گے کہ صلاح الدین پسپا بھی ہو سکتا ہے۔ دشمن کی گردن میرے ہاتھ میں ہے۔ آیئے اور یہ گردن آپ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیں، اپنی فوج ساتھ لائیں، میں اپنی فوج مصر لے جاؤں گا، ورنہ مصر بغاوت کا شکار ہو جائے گا۔ اُمید ہے آپ میرے دوسرے پیغام کا انتظار نہیں کریں گے''۔

نورالدین زنگی نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا۔ شب خوابی کے لباس میں ہی مصروفِ کار ہو گیا۔ فوجی حکام کو بلا لیا۔ انہیں احکام دیئے اور دن ابھی آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ اُس کی فوج کرک کی سمت کوچ کر چکی تھی۔ زنگی وہ مردِ مجاہد تھا جس کا نام سن کر صلیبی بدک جاتے تھے۔ اُس کے سینے میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ وہ فنِ حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ اُس نے راستے میں کم سے کم پڑاؤ کیے اور اتنی جلدی محاذ پر پہنچا کہ سلطان ایوبی حیران رہ گیا۔ اگر قاصد پہلے سے اُسے اطلاع نہ دے دیتا کہ زنگی اپنی فوج کے ساتھ آ رہا ہے تو دُور سے گرد کے بادل دیکھ کر سلطان صلاح الدین سمجھتا کہ صلیبیوں کی فوج آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی گھوڑا سرپٹ بھگاتا استقبال کے لیے گیا۔ نورالدین زنگی اسے دیکھ کر گھوڑے سے کود آیا۔ اسلام کی عظمت کے یہ دونوں پاسبان جب گلے ملے تو جذبات کی شدت سے سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔

☆

سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی کو تمام تر حالات اور غداروں کی ساری کارستانیاں سنائیں۔ زنگی نے کہا......

''صلاح الدین! تمہاری عمر ابھی اتنی نہیں گزری کہ چند ایک حقائق کو قبول کر سکو۔ یہ اسلام کی بدنصیبی ہے کہ غدار ہماری قوم کا لازمی حصہ بن گئے ہیں اور قوم ان سے کبھی پاک نہیں ہو گی۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب غدار قوم پر باقاعدہ حکومت کریں گے۔ دشمن کے خلاف باتیں کریں گے۔ بلند دعوے کریں گے۔ دشمن کو کچل دینے کے نعرے لگائیں گے، مگر قوم جان نہیں سکے گی کہ اُن کے حکمران دراصل اس کے اور اس کے دین کے دشمن کے ساتھ درپردہ دوستی کر چکے ہیں۔ دشمن انہی کو ڈھال اور انہی کو تلوار بنائے گا اور ان کے ہاتھوں قوم کو مروائے گا...... پریشان نہ ہو صلاح الدین! ہم حالات پر قابو پا لیں گے۔ تم مصر پہنچو اور تقی الدین کو مدد دے کر سوڈان سے نکالو۔ دائیں بائیں حملے کر کے دشمن کو اُلجھائے رکھو، تاکہ تقی الدین کا کوئی دستہ کہیں گھیرے میں نہ آ جائے۔ مصر میں فوجوں کو یکجا کرو اور مصر میں جو فوج ہے، اسے میرے پاس بھیج دو۔ میں اس کے دماغ سے بغاوت کا کیڑا نکال دوں گا''۔

شام کے بعد زنگی نے اپنی فوج کو کرک کے محاصرے پر لگا دیا اور سلطان ایوبی کی فوج پیچھے ہٹ آئی۔ اُسے فوراً قاہرہ کے لیے کوچ کا حکم دے دیا گیا۔ کچھ غلطی وہاں ہوئی جہاں سلطان ایوبی نے ریمانڈ کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ زنگی نے جب وہاں اپنے دستے اس ہدایت کے ساتھ بھیجے کہ سلطان ایوبی کی فوج کی بدلی کرنی ہے تو احکام اور ہدایات پر کسی غلط فہمی کی بنا پر عمل نہ ہو سکا۔ ریمانڈ نے اتفاق سے اُس سمت حملہ کیا، جہاں اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں کا دستہ کمزور ہے۔ اُس نے وہاں کسی کو بھی حملہ روکنے کے لیے تیار نہ پایا۔ وہ اس طرف سے نکل گیا اور کچھ فوج بھی نکل گئی۔ صلیبیوں کی

بچی کھچی فوج پھنسی رہ گئی، جسے اگلے روز پتا چلا کہ اُن کا حکمران کمانڈر بھاگ گیا ہے تو اُس نے بھی اندھا دھند بھاگنے کی کوشش کی۔ صلیبی اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑے۔ کچھ مارے گئے اور بعض پکڑے گئے۔ نقصان یہ ہوا کہ ریمانڈ نکل گیا۔ فائدہ یہ ہوا کہ گھیرا کامیاب رہا اور نورالدین زنگی کی فوج کا یہ حصہ کرک کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے فارغ ہو گیا۔

سلطان ایوبی جب قاہرہ کو روانہ ہونے لگا تو حسرت بھری نظروں سے کرک کو دیکھا۔ اُس نے زنگی سے کہا......
''تاریخ یہ تو نہیں کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی پسپا ہو گیا تھا؟ میں نے محاصرہ اُٹھایا تو نہیں!''

''نہیں صلاح الدین!''...... نورالدین زنگی نے اس کا گال تھپکا کر کہا...... ''تم نے شکست نہیں کھائی۔ تم جذباتی ہو گئے ہو۔ جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی''۔

''میں آؤں گا میرے فلسطین!''...... سلطان ایوبی نے کرک کو دیکھتے ہوئے کہا...... ''میں آؤں گا''۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی، پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

نورالدین زنگی اُسے دیکھتا رہا۔ وہ جب اپنے گھوڑے سمیت دُور جا کر گرد میں چھپ گیا تو زنگی نے اپنے ایک نائب سے کہا...... ''اسلام کو ہر دور میں ایک صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہوگی''۔

یہ واقعہ ۱۱۷۳ء (۵۶۹ ہجری) کے وسط کا ہے۔

......۞......

وہ جو مُردوں کو زندہ کرتا تھا

مصر کے دیہاتی اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ ''وہ آسمان سے آیا ہے۔ خدا کا دین لایا ہے۔ دِل کی بات بتاتا ہے اور آنے والے وقت کے اندھیروں کو روشن کر کے دکھاتا ہے۔ مرے ہوؤں کو اُٹھا دیتا ہے''۔

وہ کون تھا؟...... جنہوں نے اُسے دیکھا تھا، وہ اُس کی کرامات سے اس قدر مسحور ہو گئے تھے کہ یہ جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ کون ہے۔ وہ تسلیم کر لیتے تھے کہ وہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور جو لوگ اُس کی راہ دیکھ رہے تھے، وہ اس سوال سے بے نیاز تھے کہ وہ کون ہے۔ قافلے گزرتے تھے تو اُس کی کرامات سناتے تھے۔ کوئی اکیلا دکیلا مسافر کسی گاؤں میں جاتا تھا تو اُس کے معجزوں کا ذکر کرتا تھا۔ بعض لوگ اُسے نبی اور پیغمبر بھی کہتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اُسے بارش کا دیوتا مانتے تھے اور اُس کی خوشنودی کے لیے انسانی جان کی قربانی دینے کے لیے بھی تیار تھے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اُس کا مذہب کیا ہے اور وہ کیسا عقیدہ ساتھ لایا ہے۔ لوگ ابھی پسماندگی کے دور میں تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے اور قدرت کے ستم کا شکار رہتے تھے، انہیں جہاں اُمید بندھتی تھی کہ اُن کے مصائب کا حل موجود ہے، وہاں جا سجدے کرتے تھے۔ ان کی اکثریت مسلمان تھی۔ اسلام کی روشنی وہاں تک پوری آب و تاب سے پہنچی تھی۔ مسلمانوں نے مسجدیں بھی بنا رکھی تھی۔ ربِ کعبہ کے حضور پانچوں وقت سجدے بھی کرتے تھے، مگر اسلام کے سچے عقیدے کو پختہ تر کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اُن کے امام بے علم تھے جو اپنی امامت کو برقرار رکھنے کے لیے لوگوں کو عجیب و غریب باتیں بتاتے رہتے تھے۔ قرآن کو انہوں نے (نعوذ باللہ) کالے علم کی ایک کتاب بنا ڈالا تھا اور ایسا تاثر پیدا کر رکھا تھا کہ قرآن کو صرف امام سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ مسلمان قرآن کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈرتے تھے۔

اِن اماموں نے لوگوں کے دلوں میں ''غیب'' کا ایک لفظ بٹھا دیا تھا اور انہیں باور کرا دیا تھا کہ جو کچھ بھی ہے، وہ غیب میں ہے اور غیب میں جھانکنے کی قدرت صرف امام کو حاصل ہے۔ اماموں نے انسان کو ایک کمزور چیز بنا دیا تھا۔ اس مقام سے وسوسے اور توہمات پیدا ہوئے۔ صحرائی آندھیوں کی چیخوں میں انہیں اُس مخلوق کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو امام کہتے تھے کہ انسانوں کو نظر نہیں آ سکتی۔ بیماریاں جنات اور شر شرار بن گئیں۔ امام معالج اور عامل بن گئے، جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اُن کے قبضے میں جنات ہیں۔ انسان ''غیب'' سے اور ''غیب کی سزا'' سے اتنے خوف زدہ رہنے لگے کہ ان کے دلوں میں اسلام کا عقیدہ کمزور پڑ گیا اور وہ ہر اُس آواز پر لبیک کہنے لگے جو انہیں غیب کی مخلوق اور غیب سے سزا سے بچانے کا یقین دلاتی تھی۔...... یہی وجہ تھی کہ لوگ بے تابی سے اُس کی راہ دیکھ رہے تھے جو آسمان سے آیا ہے اور مرے ہوؤں کو اُٹھا دیتا ہے''۔

وہ مصر کے اُس دیہاتی علاقے میں وارد ہوا تھا جو جنوب مغرب کی سرحد کے ساتھ تھا۔ اُس زمانے میں سرحد کا کوئی واضح وجود نہیں تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے کاغذوں پر ایک لکیر کھینچ رکھی تھی، لیکن وہ بھی کہا کرتا تھا کہ دینِ اسلام کی اور سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ دراصل سرحد عقیدوں کے درمیان تھی، جہاں تک اسلام کی گرفت تھی، وہ اسلامی

سلطنت تھی اور جہاں سے غیر اسلامی نظریات شروع ہوتے تھے، وہ علاقہ غیر کہلاتا تھا۔ مصر کے جس آخری گاؤں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی، وہ امارتِ مصر کا آخری اور سرحدی گاؤں سمجھا جاتا تھا۔ اسی باعث صلیبی ملتِ اسلامیہ کے نظریات پر حملے کرتے اور اسلامی عقیدوں کو کمزور کر کے وہاں اپنے عقائد کا غلبہ پیدا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ اُس وقت سرحدوں کی حیثیت جغرافیائی کم اور نظریاتی زیادہ تھی۔ اُس دور کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے غلبۂ اسلام کے ساتھ ہی مسلمانوں پر نظریاتی حملے شروع کر دیئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان جنگ کو جہاد کہتے ہیں اور قرآن نے مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ حالات کے تقاضے کے پیش نظر جہاد کو نماز پر فوقیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ کسی غیر مسلم سلطنت میں مسلمان باشندوں پر ظلم وستم ہو رہا ہو تو دوسری سلطنتوں کے مسلمانوں پر یہ اقدام فرض ہو جاتا ہے کہ مظلوم رعایا کو غیر مسلموں کے ظلم وستم سے بچائیں، خواہ اس مقصد کے لیے جنگی کارروائی کرنی پڑے۔

انہی قرآنی احکام نے مسلمانوں میں عسکری جذبہ پیدا کیا تھا جس کا اثر یہ تھا کہ مسلمان جس ملک پر فوج کشی کرتے یا جس میدان میں بھی لڑتے تھے، اُن کے ذہن میں جنگ کا مقصد واضح ہوتا تھا۔ گو اُن پر مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا تھا لیکن اُن کے ہاں لوٹ مار جنگ کے مقاصد میں شامل نہیں ہوتی تھی، نہ ہی وہ مالِ غنیمت کے لالچ سے لڑتے تھے۔ اس کے برعکس صلیبیوں کی جنگ ملک گیری کی ہوس کی آئینہ دار ہوتی اور وہ لوٹ مار پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹنے کا کام بھی صلیبی فوج کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ صلیبیوں کو اس کا یہ نقصان اُٹھانا پڑتا تھا کہ ہر میدان میں ان کی جنگی طاقت مسلمانوں کی نسبت پانچ سے دس گنا ہوتی تھی، مگر وہ مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھا جاتے تھے۔ شکست نہ کھائیں تو فتح بھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ قرآن کے احکام نے مسلمانوں میں جنگی جنون پیدا کر رکھا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر لڑتے اور جانیں قربان کرتے ہیں۔ صلیبیوں کے جرنیلوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو مسلمانوں پر مذہبی جنون کی گرفت کمزور کرنے کی ترکیبیں سوچتے اور اُن پر عمل کرتے تھے، وہ جان گئے تھے کہ ایک مسلمان جو دس غیر مسلموں کا مقابلہ کرتا ہے، وہ کوئی فرشتہ اور جن بھوت نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے اندر اللہ کی طاقت اور اپنے عقیدے کی قوت محسوس کرتا ہے جو اُسے کسی لالچ سے اور اپنی جان سے بھی بے نیاز کر دیتی ہے۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی سے بہت پہلے ہی یہودی اور صلیبی عالموں اور مفکروں نے مسلمانوں کی عسکری رُوح کو مُردہ کرنے کے لیے اُن کی کردار کشی شروع کر دی تھی اور اُن کے مذہبی عقائد میں پُرکشش ملاوٹ کر کے اُن کے ایمان کو کمزور کرنا شروع کر دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کی بدنصیبی یہ تھی کہ وہ جب صلیبیوں کے خلاف اُٹھے تو اُس وقت تک صلیبیوں کی نظریاتی یلغار بہت حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ اسلام کے دشمنوں نے اس یلغار کو دوطرفہ استعمال کیا تھا۔ اوپر کے طبقے کو جس میں حکمران، امراء اور وزراء وغیرہ تھے، دولت، عورت اور شراب کا دلدادہ بنا دیا تھا اور نیچے یعنی پسماندہ لوگوں میں توہم پرستی اور مذہب کے خلاف وسوسے پیدا کر دیئے تھے جس طرح زنگی اور ایوبی نے فن حرب وضرب میں نئے تجربے کیے اور نئی چالیں وضع کیں، اسی طرح صلیبیوں نے در پردہ کردار کشی کے میدان میں نئے طریقے دریافت کیے۔ تین چار یورپی مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض صلیبی حکمرانوں نے میدانِ جنگ کو اہمیت دینی ہی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس نظریے کے قائل ہو گئے تھے کہ جنگ اس طریقے سے لڑو کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت زائل ہوتی رہے۔ زوردار حملہ اُن کے مذہبی عقائد پر کرو اور اُن کے دلوں میں ایسے وہم پیدا کر دو جو مسلمان قوم اور فوج کے درمیان بداعتمادی اور حقارت پیدا کر دیں۔ اس مکتبہ فکر کے صلیبی مفکروں میں فلپ آگسٹس سرِفہرست تھا۔ یہ صلیبی حکمران اسلام

دشمنی کو اپنے مذہب کا بنیادی اصول سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ ہے جو ہماری زندگی میں نہیں تو کسی نہ کسی وقت میں ضرور کامیاب ہوگی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اُٹھتی ہوئی نسل کے ذہن میں قومیت کی بجائے جنسیت بھر دو اور انہیں ذہنی عیاشی میں ڈبو دو۔

آگسٹس اپنے مشن کی کامیابی کے لیے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ ہم جس دور یعنی ۱۱۶۹ء کے لگ بھگ کی کہانی سنا رہے ہیں، اُس وقت وہ نورالدین زنگی کے ہاتھوں شکست کھا کر مفتوحہ علاقے واپس کر چکا تھا۔ اُس نے زنگی کو تاوان بھی دیا تھا اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر کے جزیہ دے رہا تھا، مگر جنگی قیدیوں کے تبادلے میں اُس نے چند ایک معذور مسلمان سپاہی واپس کیے۔ تندرست قیدیوں کو اُس نے قتل کر دیا تھا اور اب وہ کرک کے قلعے میں اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں اسلام دشمنی خبط کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اس کی بعض چالیں ایسی خفیہ ہوتی تھیں کہ اُس کے اپنے صلیبی حکمران اور جرنیل بھی اُسے شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ اُس پر اپنے ساتھیوں نے یہ الزام عائد کیا کہ وہ اندر سے مسلمانوں کا دوست ہے اور اُن کے ساتھ سودا بازی کر رہا ہے۔ ایک یورپی مورخ آندرے آزون کے مطابق، اس الزام کے جواب میں ایک بار آگسٹس نے کہا تھا...... ''ایک مسلمان حکمران کو پھانسنے کے لیے میں اپنی کنواری بیٹیوں کو بھی اُس کے حوالے کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ صلح نامے اور دوستی کے معاہدے کرنے سے گھبراتے، کیونکہ اس میں تم اپنی توہین کا پہلو دیکھتے ہو، تم یہ نہیں سوچتے کہ مسلمان کو میدانِ جنگ کی نسبت صلح کے میدان میں مارنا آسان ہے۔ ضرورت پڑے تو اس کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح نامہ کرو، معاہدہ کرو اور گھر آ کر معاہدے اور صلح نامے کے اُلٹ ردِعمل کرو۔ کیا میں ایسا نہیں کر رہا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے خون کے رشتے کی دو لڑکیاں، دمشق کے ایک شیخ کے حرم میں ہیں؟ کیا اس شیخ سے تم لڑے بغیر بہت سارا علاقہ لے نہیں چکے؟ کیا اس نے دوستی کا حق ادا نہیں کیا؟ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتا ہے اور میں اس کا جانی دشمن ہوں۔ میں ہر ایک غیر مسلم سے کہوں گا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کرو اور انہیں دھوکہ دے کر مارو''۔

☆

یہ تھی وہ صلیبی ذہنیت جو ایک کامیاب سازش کے تحت سلطنتِ اسلامیہ کی جڑوں کو دیمک کی طرح کھا رہی تھی۔ اسی سازش کا یہ نتیجہ تھا کہ مصر میں بغاوت کی چنگاری شعلہ بننے لگی تھی جسے سرد کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کو کرک کا محاصرہ اس حالت میں اُٹھانا پڑا، جب وہ صلیبیوں کی ایک سوار فوج کو قلعے سے باہر شکست دے چکا تھا۔ اُسے محاصرہ نورالدین زنگی کے حوالے کر کے اپنی فوج سمیت قاہرہ جانا پڑا۔ وہ دل برداشتہ تو نہیں تھا لیکن دِل پر ایسا بوجھ تھا جو اُس کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کی فوج کے سپاہی اس خیال سے مطمئن تھے کہ انہیں آرام کے لیے قاہرہ لے جایا جا رہا ہے لیکن دستوں کے وہ کمان دار جو سلطان ایوبی کے عزم اور لڑنے کے لیے طریقہ کار کو سمجھتے تھے، حیران تھے کہ اُس نے نورالدین کو فوج سمیت کیوں بلایا اور محاصرہ کیوں اُٹھایا ہے۔ وہ تو فتح یا شکست تک لڑنے کا قائل تھا۔ اُس کے ہیڈکوارٹر کے دو تین سالاروں کے سوا کسی کو علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات بہت خراب ہو گئے ہیں اور سوڈان میں تقی الدین کا حملہ ناکام ہو گیا ہے اور اُسے خیریت سے پیچھے ہٹانا ہے۔ سلطان ایوبی کے ساتھ علی بن سفیان بھی تھا۔ وہی مصر کے اندرونی حالات کی رپورٹ لے کر آیا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کرک سے کوچ کے حکم کے ساتھ یہ حکم بھی دیا تھا کہ راستے میں بہت کم پڑاؤ کیے

جائیں گے اور کوچ بہت تیز ہوگا۔ اس حکم سے سب کو شک ہوا تھا کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔ سفر کی پہلی شام آئی۔ فوج رات بھر کے لیے رُک گئی۔ سلطان ایوبی کا خیمہ نصب ہوگیا تو اُس نے اپنے اعلیٰ کمانڈروں اور اپنی مرکزی کمان کے عہدے داروں کو بلایا۔ اُس نے کہا..... ''آپ میں زیادہ تعداد اُن کی ہے جنہیں معلوم نہیں کہ میں نے محاصرہ کیوں اُٹھایا ہے اور میں فوج کو قاہرہ کیوں لے جا رہا ہوں۔ بے شک محاصرہ ٹوٹا نہیں۔ آپ میں کوئی بھی پسپا نہیں ہوا لیکن میں اسے اگر شکست نہیں تو پسپائی ضرور کہوں گا۔ میرے رفیقو! ہم پسپا ہو رہے ہیں اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ آپ کو پسپا کرنے والے آپ کے اپنے بھائی ہیں، اپنے رفیق ہیں، وہ صلیبیوں کے رفیق بن چکے ہیں اور انہوں نے بغاوت کا منصوبہ بنالیا ہے۔ اگر علی بن سفیان اس کے نائب اور غیاث بلبیس چوکس نہ ہوتے تو آج آپ مصر نہ جا سکتے۔ وہاں صلیبیوں اور سوڈانیوں کی حکمرانی ہوتی۔ ارسلان جیسا حاکم صلیبیوں کا آلۂ کار نکلا، وہ الادریس کے دو جوان بیٹے مروا کر خودکشی کر چکا ہے، اگر ارسلان غدار ہے تو آپ اور کس پر بھروسہ کریں گے؟''

حاضرین پر سناٹا طاری ہوگیا۔ بے چینی اور اضطراب اُن کی آنکھوں میں چمک رہا تھا۔ سلطان ایوبی خاموش ہو کر سب کو دیکھا۔ اُس دور کا ایک وقائع نگار، قاضی بہاؤالدین شداد کسی غیر مطبوعہ تحریر کے حوالے سے لکھتا ہے کہ دو قندیلوں کی کانپتی ہوئی روشنی میں سب کے چہرے اس طرح نظر آ رہے تھے جیسے وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں۔ وہ آنکھ بھی نہیں جھپکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ سے زیادہ اُس کا لب ولہجہ اور انداز اُن پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی کی آواز میں روز والا جوش نہیں، بلکہ لرزہ سا تھا جو سب کو ڈرا رہا تھا۔ اس نے کہا..... ''میں یہ کہہ کر کہ آپ میں بھی غدار ہیں، معافی نہیں مانگوں گا۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ قرآن پر حلف اُٹھاؤ کہ آپ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے وفادار ہیں۔ ایمان بیچنے والے قرآن ہاتھ میں لے کر بھی وفاداری کا یقین دلایا کرتے ہیں۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ انسان جو مسلمان نہیں وہ آپ کا دشمن ہے۔ دشمن جب آپ کے ساتھ محبت اور دوستی کا اظہار کرتا ہے تو اس میں اُس کی دشمنی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ آپ کو آپ کے بھائیوں کے خلاف اور آپ کے مذہب کے خلاف استعمال کرتا ہے اور جہاں اُسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا موقع ملتا ہے، وہ مسلمان مستورات کی عصمت دری اور اسلام کی بیخ کنی کرتا ہے۔ یہی اس کا مقصد ہے، ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں۔ یہ ہماری ذاتی جنگ نہیں۔ یہ ذاتی حکمرانی قائم کرنے کے لیے ملک پر قبضے کی کوشش نہیں۔ یہ دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ کفر اور اسلام کی جنگ ہے۔ یہ جنگ اُس وقت تک لڑی جاتی رہے گی، جب تک کفر یا اسلام ختم نہیں ہو جاتا''۔

''گستاخی معاف سالارِ اعظم!'' ایک سالار نے کہا..... ''اگر ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم غدار نہیں ہیں تو ہمیں مصر کے حالات سے آگاہ کریں۔ ہم عمل سے ثابت کریں گے کہ ہم کیا ہیں۔ ارسلان فوج کا نہیں انتظامیہ کا حاکم تھا۔ آپ کو غدار انتظامی شعبوں میں ملیں گے، فوج میں نہیں۔ کرک قلعے کا محاصرہ آپ نے اُٹھایا ہے، ہم نے نہیں۔ محترم زنگی کو آپ نے بلایا ہے، ہم نے نہیں۔ ہمارا امتحان میدانِ جنگ میں ہو سکتا ہے، پُرامن کوچ میں نہیں..... مصر میں کیا ہو رہا ہے؟''

صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان کو طرف دیکھا اور کہا..... ''علی! انہیں بتاؤ وہاں کیا ہو رہا ہے''۔

علی بن سفیان نے کہا..... ''غداروں نے دشمن کے ساتھ مل کر سوڈان کے محاذ کے لیے رسد روک لی ہے۔ منڈیوں سے غلہ غائب کر دیا ہے۔ دیہاتی علاقوں میں اجنبی لوگ آکر غلہ اور خورد ونوش کی دیگر اشیاء خرید کر لے جاتے ہیں۔ گوشت ناپید کر دیا گیا ہے۔ رسد اگر بھیجی جاتی ہے تو دانستہ تاخیر کی جاتی ہے۔ یوں بھی ہوا کہ رسد بھیج کر دشمن کو اط

دے دی گئی۔ دشمن نے رسد کے قافلے کو راستے میں روک لیا۔ شہر میں بدکاری عام ہوگئی ہے۔ جوئے بازی کے ایسے دلچسپ طریقے رائج ہوگئے ہیں جن کے ہمارے لڑکے عادی ہوتے جارہے ہیں۔ دیہاتی علاقوں سے فوج کو بھرتی نہیں ملتی اور جانور بھی نہیں ملتے۔ فوج میں بے اطمینانی پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے قومی کردار کو تباہ کرنے کے سامان پیدا کردیئے گئے ہیں۔ انتظامیہ کے حکام چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ لالچ صلیبیوں نے دے رکھے ہیں۔ ان حاکموں کو باہر سے بے دریغ دولت مل رہی ہے، چونکہ سلطنت اور امارت کا انتظام انہی لوگوں کے ہاتھ میں ہے، اس لیے انہوں نے ایسی فضا پیدا کردی ہے جو دشمن کے لیے سازگار ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ دیہاتی علاقوں میں عجیب وغریب عقیدے پھیل رہے ہیں۔ لوگ غیر اسلامی اصولوں کے قائل اور پابند ہوتے جارہے ہیں۔ اس میں خطرہ یہ ہے کہ ہمیں فوج انہی علاقوں سے ملتی ہے اور ہماری موجودہ فوج انہی علاقوں سے آئی ہے۔ بے بنیاد اور غیر اسلامی عقیدے فوج میں بھی آگئے ہیں''۔

''کیا آپ نے اس کا تدارک نہیں کیا؟'' حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔

''جی ہاں!'' علی بن سفیان نے کہا..... ''میرا تمام تر شعبہ مجرموں کے سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے میں مصروف ہے۔ میں نے اپنے جاسوس اور مخبر دیہاتی علاقوں میں بھی پھیلا رکھے ہیں، مگر دشمن کی تخریب کاری اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس کے آدمیوں کو پکڑنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کو پناہ اور تحفظ دیتے ہیں۔ کیا آپ یہ سن کر حیران نہیں ہوں گے کہ دیہاتی علاقوں کی بعض مسجدوں کے امام بھی دشمن کی تخریب کاری میں شامل ہوگئے ہیں؟''

''یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں انتظامیہ فوج کے سپرد کردوں''..... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا..... ''فوج جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ اسی کی تکمیل کا فرض ادا کرتی رہے تو سلطنت کے لیے بھی بہتر ہوتا ہے اور فوج کے لیے بھی، جس طرح ایک کوتوال سالار کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ البتہ ہر سالار کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ کوتوال کیا کررہے ہیں۔ ہر سالار کو باخبر رہنا چاہیے کہ انتظامیہ کیا کررہی ہے۔ کیا واقعی فرائض میں کوتاہی تو نہیں ہورہی؟..... میرے رفیقو! ہمیں خدا نے تاریخ کی سب سے زیادہ کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ مصر کے حالات آپ نے سن لیے ہیں۔ سوڈان کا حملہ ناکام ہوگیا ہے۔ تقی الدین اپنی غلطیوں کی بدولت سوڈان کے صحرا میں پھنس کے رہ گیا ہے۔ اُس کی فوج چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بکھر گئی ہے۔ اُس کی پسپائی بھی ممکن نظر نہیں آتی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ محترم زنگی کرک فتح کرلیں گے یا نہیں، لیکن اُسے بھی میں اپنی ناکامی کہتا ہوں۔ آپ انتہائی مشکل حالات میں بھی میدانِ جنگ میں دشمن کو شکست دے سکتے ہیں مگر دشمن نے جس محاذ پر حملہ کیا ہے۔ اس پر دشمن کو شکست دینا آپ کے لیے بظاہر آسان نظر نہیں آتا۔ آپ تیغ زن ہیں۔ صحراؤں کا سینہ چیر سکتے ہیں مگر مجھے خطرہ نظر آرہا ہے کہ صلیبیوں کے اس محاذ پر آپ ہتھیار ڈال دیں گے''۔

حاضرین میں چند ایک جوشیلی اور پُرعزم آوازیں سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''اس وقت جو فوج مصر میں ہے وہ جب شوبک اور کرک کے محاذ سے مصر گئی تھی تو اس کے کمان داروں اور عہدے داروں کا جذبہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا آج آپ کا ہے، مگر قاہرہ پہنچ کر جب انہوں نے دشمنوں کے سبز باغ دیکھے تو بغاوت کے لیے تیار ہوگئے۔ اب اس فوج کی کیفیت یہ ہے کہ آپ اس پر بھروسہ نہیں کرسکتے''۔

''ہم ایسے ایک ایک کمان دار اور عہدے دار کو قتل کرکے دم لیں گے''۔ ایک سالار نے کہا۔

''ہم سب سے پہلے اپنی صفوں کو غداروں سے پاک کریں گے''۔ایک اور نے کہا۔
''اگر میرا بیٹا صلیبیوں کا دوست نکلا تو میں اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا''۔ایک بوڑھے نائب سالار نے کہا۔
''میں اس قسم کی جوشیلی اور جذباتی باتوں کا قائل نہیں''......سلطان ایوبی نے کہا۔
حاضرین کا جوش غضب ناک ہو گیا۔یہ وہ لوگ تھے جو سلطان ایوبی کے سامنے بات کرنے سے ڈرا کرتے تھے،مگر اب یہ سن کر کہ اُن کی فوج کی وہ نفری جو مصر میں ہے۔دشمن کی تخریب کاری کا شکار ہو کر اپنی سلطنت کے خلاف بغاوت پر اُتر آئی ہے تو وہ لوگ آگ بگولہ ہو گئے۔ایک نے سلطان ایوبی کو یہاں تک کہہ دیا......''آپ ہمیں ہمیشہ تحمل سے سوچنے اور بُردباری سے عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں،مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جنہیں تحمل اور بُردباری اور زیادہ بگاڑ دیتی ہے۔ہمیں اجازت دیں کہ قاہرہ تک ہم ایک بھی پڑاؤ نہ کریں۔ہم آرام اور خوراک کے بغیر متواتر سفر کریں گے۔ہم اس فوج کو نہتہ کر کے قید کر لیں گے''۔
صلاح الدین ایوبی کے لیے ان حکام پر قابو پانا محال ہو گیا۔اُس نے کچھ اور باتیں کہہ سن کر مجلس برخاست کر دی۔علی الصبح فوج نے کوچ کیا۔یہ کوچ ترتیب سے ہو رہا تھا۔سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ الگ تھلگ جا رہا تھا۔اُس نے دیکھا کہ علی بن سفیان اُس کے ساتھ نہیں تھا۔شام تک فوج کو دو مرتبہ کچھ دیر کے لیے روکا گیا۔شام گہری ہونے کے بعد بھی فوج چلتی رہی۔رات کا پہلا پہر ختم ہو رہا تھا،جب سلطان ایوبی نے رات کے قیام کے لیے فوج کو روکا۔سلطان کھانے سے فارغ ہوا تو علی بن سفیان آ گیا۔
''سارا دن کہاں رہے علی؟''......سلطان ایوبی نے پوچھا۔
گزشتہ رات میرے دل میں ایک شک پیدا ہو گیا تھا''......علی بن سفیان نے جواب دیا......''اس کی تصدیق یا تردید کے لیے سارا دن فوج میں گھومتا پھرتا رہا''۔
''کیسا شک؟''
''آپ نے رات دیکھا نہیں تھا کہ تمام سالار،کمان دار اور عہدے دار کس طرح اُس فوج کے خلاف بھڑک اُٹھے تھے جو مصر میں ہے؟''......علی بن سفیان نے کہا......''مجھے شک ہونے لگا تھا کہ یہ اپنے اپنے دستوں کو بھی اسی طرح بھڑکائیں گے۔میرا شک صحیح ثابت ہوا۔انہوں نے تمام تر فوج کو مصر کی فوج کے متعلق ایسی باتیں بتائی ہیں کہ تمام فوج انتقامی جذبے سے مشتعل ہو گئی ہے۔میں نے سپاہیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم محاذوں پر زخمی اور شہید ہوتے ہیں اور ہمارے ہی ساتھی قاہرہ میں عیش کرتے اور اسلامی پرچم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں۔ہم جاتے ہی انہیں ختم کر دیں گے،پھر سوڈان میں پھنسی ہوئی فوج کی مدد کو پہنچیں گے۔قابلِ صد احترام امیر!اگر ہم نے کوئی پیش بندی نہ کی تو قاہرہ پہنچتے ہی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ہماری یہ فوج انتقامی جذبے کے زیرِ اثر غصے میں ہے اور ہماری مصر والی فوج پہلے ہی بغاوت کے بہانے ڈھونڈ رہی ہے''۔
''مجھے اس پر تو خوشی ہے کہ مسلسل معرکوں کی تھکی ہوئی اس فوج میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے''۔سلطان ایوبی نے کہا......''مگر ہمارا دشمن یہی چاہتا ہے کہ ہماری فوج دو حصوں میں بٹ کر آپس میں ٹکرایا جائے''۔وہ گہری سوچ میں پڑ گیا، پھر کہنے لگا......''جب ہم قاہرہ سے خاصا دور رہوں گے تو میں ذمہ دار اور ذہین قاصد بھیج کر مصر والی فوج کو کسی دوسرے راستے

سے کرک کی سمت کوچ کا حکم دے دوں گا۔ شاید میں خود آگے چلا جاؤں اور اُس فوج کو کوچ کرادوں تا کہ یہ فوج جو ہمارے ساتھ ہے، جب وہاں پہنچے تو وہاں اُسے اس فوج کا کوئی سپاہی نظر نہ آئے۔ تم نے اچھا کیا ہے علی! میری توجہ ادھر نہیں گئی تھی"۔

☆

وہ پُراسرار غیب دان جس کے متعلق سرحد کے دیہاتی علاقوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے، اپنے مصاحبوں کے قافلے کے ساتھ سفر کرتا تھا۔ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ وہ بوڑھا نہیں۔ اُس کی داڑھی بھورے رنگ کی اور چہرے کی رنگت گوری بتائی جاتی تھی۔ اُس نے سر کے بال بڑھا رکھے تھے۔ لوگ بتاتے تھے کہ اُس کی شربتی آنکھوں میں پورے چاند جیسی چمک ہے اور اُس کے دانت ستاروں کی طرح سفید اور شفاف ہیں۔ اُس کا قد اونچا اور جسم گٹھا ہوا بتایا جاتا تھا اور وہ بولتا تھا تو سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ اُس کے ساتھ بہت سے مصاحب اور بہت سے اونٹ تھے۔ سامان والے اونٹ الگ تھے جن میں سے بعض پر بڑے بڑے تھیلے لدے ہوتے تھے۔ اُس کا قافلہ آبادی سے دُور رکتا اور وہ وہیں لوگوں سے ملتا تھا۔ کسی آبادی میں نہیں جاتا تھا۔ وہ ایک جگہ سے کوچ کرتا تو اُس کے آگے آگے کچھ لوگ اونٹ اور گھوڑے بھگا دیتے اور راستے میں آنے والے لوگوں اور بستیوں کو خبر کر دیتے تھے کہ وہ آرہا ہے، یہ لوگ ہر کسی کو اُس کی کرامات اور روحانی قوتوں کے کرشمے سناتے تھے۔ لوگ کئی کئی دِن اُس کے راستے میں بیٹھے رہتے تھے۔

جس رات علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کو بتا رہا تھا کہ محاذ سے قاہرہ کو جانے والی فوج مصر میں مقیم فوج کے خلاف مشتعل ہوگئی ہے، اُس رات وہ غیب دان قاہرہ سے بہت دُور ایک نخلستان میں خیمہ زن ہوا۔ اُس کا ایک اصول یہ تھا کہ چاندنی راتوں میں کسی سے نہیں ملتا تھا۔ دن کے دوران کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا تھا۔ اندھیر راتیں اُسے پسند تھیں۔ اُس کی محفل ایسی قندیلوں سے روشن ہوتی تھی جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسری سے مختلف تھا۔ ان روشنیوں کا بھی ایک تاثر تھا جو حاضرین محفل کے لیے طلسماتی تھا۔ وہ جہاں خیمہ زن ہوا تھا، اُس کے کچھ دور ایک بستی تھی جس میں زیادہ تر مسلمان اور کچھ سوڈانی حبشی رہتے تھے۔ اس بستی میں ایک مسجد بھی تھی جہاں کا امام ایک خاموش طبیعت انسان تھا۔ ایک جواں سال آدمی کوئی دو مہینوں سے اُس کے پاس دینی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتا تھا۔ یہ آدمی جو اپنا نام محمود بن احمد بتاتا تھا کسی دوسری بستی کی مسجد میں جایا کرتا تھا۔ اُس کی دلچسپی امام مسجد اور اس کے علم کے ساتھ تھی، مگر اُس کی ایک دلچسپی اور بھی تھی۔ یہ ایک لڑکی تھی جس نے اسے اپنا نام سعدیہ بتایا تھا۔ سعدیہ کو محمود اتنا اچھا لگا کہ وہ اسے کئی بار اپنی بکریوں کا دودھ پلا چکی تھی۔

اُن کی پہلی ملاقات بستی سے دور ایک ایسی جگہ ہوئی تھی جہاں سعدیہ اپنی چار بکریاں اور دو اونٹ چرانے اور پانی پلانے کے لیے لے گئی تھی۔ محمود وہاں پانی پینے کے لیے رُکا تھا۔ سعدیہ نے اُس سے پوچھا تھا کہ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے۔ محمود نے کہا تھا کہ نہ کہیں سے آرہا ہوں، نہ کہیں جا رہا ہوں۔ سعدیہ سادگی سے ہنس پڑی تھی۔ وہ تھی ہی کچھ ایسا تھا۔ سعدیہ نے محمود سے قدرتی سا سوال پوچھا...... "مسلم یا سوڈانی؟" محمود نے جواب دیا کہ وہ مسلمان ہے تو سعدیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ محمود نے اُسے اپنا صحیح ٹھکانہ نہیں بتایا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں کیں جو سعدیہ کو اچھی لگی تھیں۔ سعدیہ اُس سے سوڈان کی جنگ کے متعلق پوچھنے لگی۔ اس کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ اُسے اسلامی فوج کے ساتھ دلچسپی ہے۔ اُس نے جب صلاح الدین ایوبی کے متعلق پوچھا تو محمود نے اس کی ایسی تعریفیں کیں جیسے سلطان صلاح الدین ایوبی انسان نہیں، خدا کا اُتارا ہوا فرشتہ ہے۔ سعدیہ نے پوچھا...... "کیا صلاح الدین

ایوبی اُس سے زیادہ مقدس اور برگزیدہ ہے جو آسمان سے اُترا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے؟''

''صلاح الدین ایوبی مرے ہوؤں کو زندہ نہیں کر سکتا'' محمود نے جواب دیا۔

''ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ زندہ ہوتے ہیں، انہیں صلاح الدین ایوبی مار ڈالتا ہے''۔ سعدیہ نے شکی لہجے میں کہا..... ''لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے اور ہماری طرح کلمہ اور نماز پڑھتا ہے؟''

''تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگوں کو مار ڈالتا ہے؟''

''ہمارے گاؤں میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں اور وہ بتا جاتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی بہت بُرا آدمی ہے''۔ سعدیہ نے کہا۔

''تمہاری مسجد کا امام کیا بتاتا ہے؟'' محمود نے بتایا۔

''وہ بہت اچھی باتیں بتاتا ہے''۔ سعدیہ نے کہا..... ''وہ سب کو کہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی اسلام کی روشنی سارے مصر اور سوڈان میں پھیلانے آیا ہے اور اسلام ہی خدا کا سچا دین ہے''۔

''محمود اُس کے ساتھ اسی موضوع پر باتیں کرتا رہا تھا۔ سعدیہ سے اُسے پتا چلا کہ اُس کے گاؤں میں ایسے آدمی آتے رہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں مگر باتیں ایسی کرتے ہیں کہ کئی لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ محمود نے سعدیہ کے شکوک رفع کر دیئے اور اپنی ذات میٹھی زبان اور شخصیت کا اُس پر ایسا اثر پیدا کیا کہ سعدیہ نے بے تابی سے کہا کہ وہ اکثر یہیں بکریاں چرانے آیا کرتی ہے اور محمود جب کبھی ادھر سے گزرے تو اُسے ضرور ملے۔ محمود اُسے جذبات اور حقائق کے درمیان بھٹکتا چھوڑ کر اس کے گاؤں کی طرف چلا گیا۔ سعدیہ یہ سوچتی رہ گئی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کا لباس اسی علاقے کا تھا مگر اُس کی شکل وصورت اور اُس کی باتیں بتاتی تھیں کہ وہ اس علاقے کا رہنے والا نہیں..... سعدیہ کے شکوک صحیح تھے۔ محمود بن احمد دیہاتی علاقے کا رہنے والا نہیں تھا۔ سکندریہ شہر کا باشندہ تھا اور علی بن سفیان کی داخلی جاسوسی (انٹیلی جنس) کا ایک ذہین کارکن تھا۔ وہ کئی مہینوں سے اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے سرحدی دیہات میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس نے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام خفیہ رکھا ہوا تھا۔ اُس کے ساتھ چند اور جاسوس بھی تھے جو اس علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کبھی کبھی اکٹھے ہوتے اور اُن کے جو مشاہدات ہوتے تھے۔ وہ اپنے کسی ایک ساتھی کے سپرد کر کے اُسے قاہرہ بھیج دیتے تھے۔ اس طرح علی بن سفیان کے شعبے کو پتا چلتا رہتا تھا کہ سرحدی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔

محمود بن احمد کو سعدیہ مل گئی تو اُس نے اس لڑکی کے ساتھ بھی ایسی باتیں کیں جن سے اُسے گاؤں اور گرد و پیش کے علاقے کے لوگوں کے خیالات کا علم ہو سکتا تھا۔ اُس نے سعدیہ کے گاؤں کی مسجد کے امام کے متعلق خاص طور پر پوچھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دو گاؤں میں اُس نے ایسے امام مسجد دیکھے تھے جو اُسے مشکوک سے لگتے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے اُسے پتا چلا تھا کہ یہ دونوں امام نئے نئے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ان مسجدوں میں امام تھے ہی نہیں۔ دونوں جہاد کے خلاف وعظ سناتے اور قرآن کی آیات پڑھ کر غلط تفسیریں بیان کرتے تھے، اور یہ دونوں پُر اسرار غیب دان کو برحق بتاتے اور لوگوں میں اس کی زیارت کا اشتیاق پیدا کرتے تھے۔ محمود اور اُس کے دو ساتھیوں نے ان دونوں اماموں کے متعلق رپورٹ قاہرہ بھیج دی تھی اور اب وہ سعدیہ کے گاؤں جا رہا تھا۔ اُسے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس گاؤں کا امام سلطان ایوبی کا مرید اور اسلام کا علمبردار ہے۔ اُس نے اسی مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

☆

وہ مسجد میں گیا اور امام سے ملا۔ اپنا جھوٹا تعارف کرا کے اُس نے کہا کہ وہ مذہبی علم کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ امام نے اُسے تعلیم دینے کا وعدہ کیا اور اُسے مسجد میں رہنے کی پیش کش کی۔ محمود مسجد میں قید نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے امام سے کہا کہ وہ دو تین روز بعد اپنے گھر جایا کرے گا۔ اُس نے امام کو بھی اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ امام نے اُس سے نام پوچھا تو اُس نے کچھ اور نام بتا دیا۔ یہ پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے تو اس نے دور کسی سرحدی گاؤں کا نام بتا دیا۔ امام مُسکرایا اور آہستہ سے بولا...... ''محمود بن احمد! مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے فرائض سے بے خبر نہیں۔ سکندریہ کے مسلمان فرض کے پکے ہوتے ہیں''۔

محمود ایسا چونکا جیسے بدک اُٹھا ہو۔ وہ سمجھا کہ یہ امام صلیبیوں کا جاسوس ہے، لیکن امام نے اُسے زیادہ دیر تک شک میں نہ رہنے دیا اور کہا...... ''میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے کم از کم تمہارے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کر دینا چاہیے۔ میں تمہارے ہی محکمے کا آدمی ہوں۔ میں تمہارے تمام ساتھیوں کو جو اس علاقے میں ہیں، جانتا ہوں۔ مجھے تم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں محترم علی بن سفیان کے اُس عملے کا آدمی ہوں جو دشمن پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے جاسوسوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔ میں امام بن کر جاسوسی کا کام کر رہا ہوں''۔

''پھر میں آپ کو دانش مند آدمی نہیں کہوں گا''۔ محمود بن احمد نے کہا...... ''آپ نے جس طرح میرے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کیا ہے، اس طرح آپ دشمن کے کسی جاسوس کے سامنے بھی بے نقاب ہو سکتے ہیں''۔

مجھے یقین تھا کہ تم میرے آدمی ہو''۔ امام نے کہا...... ''ضرورت ایسی آپڑی ہے کہ تمہیں اپنا اصلی روپ بتانا ضروری سمجھا۔ میرے ساتھ دو محافظ ہیں جو یہاں کے باشندوں کے بہروپ میں گاؤں میں موجود رہتے ہیں۔ مجھے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے ہو۔ اس گاؤں میں دشمن کے تخریب کار آرہے ہیں۔ تم نے اس آدمی کے متعلق سنا ہوگا جس کے متعلق مشہور ہو گیا ہے کہ وہ مستقبل کے اندھیرے کی خبر دیتا اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ گاؤں بھی اُس کی اَن دیکھی کرامات کی زد میں آ گیا ہے۔ میں نے گاؤں والوں کو شروع میں بتایا تھا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور لاشوں میں کوئی انسان جان نہیں ڈال سکتا، مگر اُس کی شہرت کا جادو اتنا سخت ہے کہ لوگ میرے خلاف ہونے لگے ہیں۔ میں سنبھل گیا کیونکہ میں اس مسجد سے نکلنا نہیں چاہتا۔ مجھے ایک اڈے اور ٹھکانے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے گمراہ کیے ہوئے لوگوں کو اسلام کا سیدھا راستہ بھی دکھانا ہے۔ پندرہ بیس روز گزرے، رات کو دو آدمی میرے پاس آئے۔ میں اکیلا تھا۔ اُن دونوں کے چہروں پر نقاب تھے۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے انہیں کہا کہ میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو درس بند کر دو اور اُس کی باتیں کرو جو آسمان سے آیا ہے اور خدا کا سچا مذہب لایا ہے۔ میں دونوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ ہتھیار ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں لیکن میں لڑ کر قتل کر کے یا قتل ہو کر اپنا فرض پورا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے عقل سے کام لیا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ آج سے وہ مجھے اپنا آدمی سمجھیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ اُن کی باتوں پر عمل کرے گا تو اُسے ایک انعام یہ ملے گا کہ اُسے قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ اُسے اشرفیاں دی جائیں گی''۔

''پھر آپ نے اپنے وعظ اور خطبے کا رنگ بدل دیا ہے؟'' محمود نے پوچھا۔

''کسی حد تک''۔ امام نے جواب دیا...... ''میں اب دونوں قسم کی باتیں کرتا ہوں۔ مجھے اشرفیوں کی نہیں۔ اپنی جان کی ضرورت ہے۔ میں اپنا فرض ادا کیے بغیر مرنا نہیں چاہتا۔ میں گاؤں سے باہر جا کر تمہیں یا تمہارے کسی ساتھی کو ڈھونڈنا بھی نہیں چاہتا، کیونکہ اُس کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ خدا نے خود ہی تمہیں میرے پاس بھیج دیا ہے۔ میرے

محافظ اُس رات میرے پاس نہیں تھے۔اب تم ہی میرے ساتھ رہو۔تم میرے شاگرد کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گے۔تم سیدھی سادی گنواروں کی سی باتیں کیا کرنا۔گاؤں میں چار پانچ آدمی ایسے ہیں جو ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔اگر ہمیں قریب کوئی سرحدی دستہ مل جائے تو ہمارا مقصد پورا ہو سکتا ہے،مگر ہمارے سرحدی دستوں کے کسی کمان دار پر بھروسہ کرنا بڑا خطرناک ہے۔دشمن نے اشرفیوں اور عورتوں سے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔وہ تنخواہ ہمارے خزانے سے لیتے اور کام دشمن کا کرتے ہیں''۔

محمود بن احمد اُس کے پاس رُک گیا۔اُسی روز امام نے اُسے اپنے دونوں محافظوں سے ملا دیا۔

شام کو جب سعدیہ مسجد میں امام کے لیے کھانا لے کر آئی تو محمود کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور مُسکرائی۔محمود نے پوچھا..... ''میرے لیے کھانا نہیں لاؤ گی؟'' سعدیہ کھانا امام کے حجرے میں رکھ کر دوڑی گئی اور روٹی کے ساتھ ایک پیالے میں بکریوں کا دودھ بھی لے آئی۔وہ چلی گئی تو امام نے محمود سے کہا..... ''یہ علاقے کی سب سے زیادہ خوب صورت لڑکی ہے۔ذہین بھی ہے اور کم عمر بھی۔اس کا سودا ہو رہا ہے''۔

''سودا یا شادی؟''

''سودا''.....امام نے کہا..... ''تم جانتے ہو کہ ان لوگوں کی شادی دراصل سودا ہوتا ہے،مگر سعدیہ کا سیدھا سودا ہو رہا ہے۔ہمیں اس کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیے تھا،لیکن خریدار مشکوک لوگ ہیں۔وہ یہاں کے رہنے والے نہیں۔یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو مجھے دھمکی دے گئے ہیں۔تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ وہ اس لڑکی کو اپنے رنگ میں رنگ کر ہمارے خلاف استعمال کریں گے۔اس لیے اسے بچانا ضروری ہے اور اس لیے بھی اسے بچانا ضروری ہے کہ یہ لڑکی مسلمان ہے۔ہمیں سلطنت کے ساتھ ساتھ سلطنت کی بچیوں کی عصمت کی حفاظت بھی کرنی ہے۔مجھے اُمید ہے کہ یہ سودا نہیں ہو سکے گا۔سعدیہ کے باپ کو میں نے اپنا مُرید بنا رکھا ہے لیکن وہ غریب اور تنہا آدمی ہے اور رسم و رواج سے بھاگ بھی نہیں سکتا۔بہر حال سلطنت اور سعدیہ کی عصمت کے محافظ ہمارے سوا اور کوئی نہیں''۔

اس کے بعد محمود امام کا شاگرد بن گیا۔دن گزرنے لگے اور اس کی ملاقاتیں سعدیہ کے ساتھ ہونے لگیں۔لڑکی چراگاہ میں چلی جاتی اور محمود وہاں پہنچ جاتا تھا۔اُن کی بے تکلفی بڑھ گئی تو محمود نے سعدیہ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو اُسے خریدنا چاہتے ہیں۔سعدیہ انہیں نہیں جانتی تھی۔اُس کے لیے وہ اجنبی تھے۔انہوں نے اُسے اس طرح آ کر دیکھا تھا جس طرح گائے،بھینس کو خریدنے سے پہلے دیکھا جاتا ہے۔سعدیہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کسی کی بیوی نہیں بنے گی۔اُسے عرب کا کوئی دولت مند تاجر یا کوئی امیر یا وزیر اپنے حرم میں رکھ کر قید کر لے گا،جہاں وہ اپنا گھر بسائے بغیر بوڑھی ہو کر مر جائے گی،یا اسے ناچنا سکھا کر تفریح کی چیز بنا لیا جائے گا۔اُس نے اپنے گاؤں کے فوجیوں سے ایسی لڑکیوں کے بہت قصے سنے تھے۔وہ اتنے پسماندہ علاقے میں رہتے ہوئے بھی ذہین تھی اور اپنا بُرا بھلا سوچ سکتی تھی۔اُس نے محمود کو دیکھا تو اُسے دِل میں بٹھا لیا اور اُس نے جب یہ دیکھا کہ محمود اُسے چاہنے لگا ہے تو اُس نے دِل میں یہ ارادہ پختہ کر لیا کہ وہ فروخت نہیں ہوگی۔وہ جانتی تھی کہ خریداروں سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ایک روز اُس نے محمود سے پوچھا..... ''تم مجھے خرید نہیں سکتے؟''

''خرید سکتا ہوں''.....محمود نے کہا..... ''لیکن میں جو قیمت دوں گا وہ تمہارے باپ کو منظور نہیں ہوگی''۔

''کتنی قیمت دو گے؟''

''میرے پاس دینے کے لیے اپنے دِل کے سوا کچھ بھی نہیں''..... محمود بن احمد نے جواب دیا..... معلوم نہیں تم

دل کی قیمت جانتی ہو یا نہیں''۔

''اگر تمہارے دل میں میری محبت ہے تو میرے لیے یہ قیمت بہت زیادہ ہے''...... سعدیہ نے کہا...... ''تم ٹھیک کہتے ہو کہ میرے باپ کو یہ قیمت منظور نہیں ہوگی، لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میرا باپ مجھے بیچنا بھی نہیں چاہتا، اُس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ غریب ہے اور اکیلا ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں۔ میرے خریداروں نے میرے باپ کو دھمکی دی ہے کہ اُس نے اُن کی قیمت قبول نہ کی تو وہ مجھے اغوا کر لیں گے''۔

''تمہارا باپ اتنی زیادہ قیمت کیوں قبول نہیں کرتا؟''...... محمود نے پوچھا...... ''لڑکیوں کو بیچنے کا تو یہاں رواج ہے''۔

''باپ کہتا ہے کہ وہ لوگ مسلمان نہیں لگتے؟''...... سعدیہ نے کہا...... ''میں نے بھی باپ سے کہہ دیا ہے کہ میں کسی غیر مسلم کے پاس نہیں جاؤں گی''...... اُس نے بے تاب ہو کر کہا...... ''تم اگر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ چل پڑوں گی''۔

''میں تیار ہوں''...... محمود نے کہا۔

''تو چلو''...... سعدیہ نے کہا...... ''آج ہی رات چلو''۔

''نہیں''...... محمود کے منہ سے نکل گیا...... ''میں اپنا فرض پورا کیے بغیر کہیں بھی نہیں جا سکتا''۔

''کیسا فرض؟''...... سعدیہ نے پوچھا۔

محمود بن احمد چونکا۔ وہ سعدیہ کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اُس کا فرض کیا ہے۔ اُس نے منہ سے نکلی ہوئی بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی مگر سعدیہ اُس کے پیچھے پڑ گئی۔ محمود کو اچانک یاد آ گیا۔ اُس نے کہا...... ''میں امام سے مذہبی تعلیم لینے آیا ہوں۔ اس کی تکمیل کے بغیر میں کہیں نہیں جاؤں گا''۔

''اس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہاں پہنچا دیا جائے گا''...... سعدیہ نے کہا۔

محمود فرض کو ایک لڑکی پر قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اُس کے دل میں یہ شک بھی پیدا ہوا کہ یہ لڑکی دشمن کی جاسوس بھی ہو سکتی ہے، جسے اُسے بے کار کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے سعدیہ کے متعلق چھان بین کرنا ضروری سمجھا۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی فوج قاہرہ سے آٹھ دس میل دور تھی۔ اُسے بتا دیا گیا تھا کہ فوج مشتعل ہے اور مصر کی فوج پر ٹوٹ پڑے گی۔ سلطان ایوبی نے وہاں پڑاؤ کا حکم دے دیا اور سپاہیوں میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ خود سپاہیوں کے جذبات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک سوار کے پاس رُکا تو کئی سوار اور پیادہ اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے ان کے ساتھ غیر ضروری سی باتیں کیں تو ایک سوار بول پڑا۔ اُس نے پوچھا...... ''گستاخی معاف سالارِ اعظم! یہاں پڑاؤ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم شام تک قاہرہ پہنچ سکتے تھے''۔

''تم لوگ لڑتے لڑتے آئے ہو''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں تمہیں اس کھلے صحرا میں آرام دینا چاہتا ہوں''

''ہم لڑتے آئے ہیں اور لڑنے جا رہے ہیں''...... سوار نے کہا۔

''لڑنے جا رہے ہیں؟''...... سلطان ایوبی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا...... ''میں تو تمہیں قاہرہ لے جا رہا ہوں، جہاں تم اپنے دوستوں سے ملو گے''۔

''وہ ہمارے دشمن ہیں''......سوار نے کہا......''اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے دوست بغاوت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ ہمارے دشمن ہیں''۔

''صلیبیوں سے بدترین دشمن''......ایک اور سپاہی نے کہا۔

''کیا یہ سچ نہیں سالارِ اعظم کہ قاہرہ میں غداری اور بغاوت ہو رہی ہے؟''......کسی اور نے پوچھا۔

''کچھ گڑبڑ سی ہے''......سلطان ایوبی نے کہا......''میں مجرموں کو سزا دوں گا''۔

''آپ پوری فوج کو کیا سزا دیں گے؟''......ایک سوار نے کہا......''سزا ہم دیں گے۔ ہمیں کمان داروں نے قاہرہ کے سارے حالات بتا دیئے ہیں۔ ہمارے ساتھی شوبک اور کرک میں شہید ہوئے ہیں۔ دونوں شہروں کے اندر ہماری بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت دری ہوئی ہے اور کرک میں ابھی تک ہو رہی ہے۔ ہمارے ساتھی قلعے کی دیواروں سے دشمن کی پھینکی ہوئی آگ میں زندہ جل گئے ہیں۔ قبلۂ اوّل پر کافروں کا قبضہ ہے اور ہماری فوج قاہرہ میں بیٹھی عیش کر رہی ہے۔ آپ کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہی ہے، جنہیں شہیدوں کا پاس نہیں، اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کا خیال نہیں، انہیں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں۔ ہم جانتے ہیں وہ اسلام کے دشمن کے دوست بن گئے ہیں۔ ہم جب تک غداروں کی گردنیں اپنے ہاتھوں نہیں کاٹیں گے، ہمیں شہیدوں کی روحیں معاف نہیں کریں گے۔ ذرا ان زخمیوں کو دیکھئے، جنہیں ہم اپنے ساتھ لا رہے ہیں، کسی کی ٹانگ نہیں، کسی کا بازو نہیں۔ کیا یہ اس لیے ساری عمر کے لیے اپاہج ہو گئے ہیں کہ ہمارے ساتھی اور ہمارے دوست دشمن کے ہاتھ میں کھیلیں؟''

''ہم انہیں اپنے ہاتھوں سزا دیں گے''......اور پھر ایسا شور بپا ہو گیا کہ ساری فوج وہاں جمع ہو گئی۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے اس جوش و خروش پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ وہ سپاہیوں کے جوش اور جذبے کو سرد کر کے ان کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں صبر و تحمل کی تلقین کی۔ کوئی حکم نہ دیا۔ اپنے خیمے میں گیا۔ مشیروں اور نائبین کو بلا کر کہا کہ یہ فوج اگلے حکم تک یہیں پڑاؤ کرے گی۔ اُس نے کہا......''میں نے دیکھ لیا ہے کہ خانہ جنگی ہو گی۔ فوج کا آپس میں ٹکرا جانا دشمن کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ میں آج رات قاہرہ جا رہا ہوں۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ سپاہیوں کے جوش کو سرد کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے''۔

اُس نے ضروری احکام اور ہدایات دے کر کہا۔''ہماری قاہرہ والی فوج جو بغاوت پر آمادہ ہے، میری نظر میں بے گناہ ہے اور ہماری قوم کے وہ نوجوان جو جوئے اور ذہنی عیاشی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، وہ بھی بے گناہ ہیں۔ فوج کو ہمارے اعلیٰ حکام نے غلط باتیں بتا کر بھڑکایا ہے۔ انہی حکام کے ایماء پر دشمن نے ہمارے ملک کے سب سے بڑے شہر میں ذہنی عیاشی کے سامان پھیلائے ہیں۔ اس اخلاقی تباہ کاری کو فروغ صرف اس لیے حاصل ہوا ہے کہ ہماری انتظامیہ کے وہ حکام جنہیں اس تخریب کاری کو روکنا تھا، وہ اسے پھیلانے میں شریک ہیں۔ دشمن انہیں اُجرت دے رہا ہے، جب کسی قوم کے سربراہ اور امراء دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے ہیں تو اس قوم کا یہی حشر ہوتا ہے۔ ہماری فوج سوڈان کے ظالم صحرا میں بکھری ہوئی لڑ رہی ہے، کٹ رہی ہے، سپاہی بھوکے اور پیاسے مر رہے ہیں اور ہمارے حاکم ان کی کمک، رسد اور ہتھیار روکے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ دشمن کی سازشیں نہیں جسے ہمارے اپنے بھائی کامیاب کر رہے ہیں؟ اس سے دشمن ایک فائدہ اُٹھا رہا ہے کہ تقی الدین اور اس کے وہ عسکری جو جذبہ جہاد سے لڑ رہے ہیں، وہ مر رہے ہیں اور نوبت ہتھیار ڈالنے تک آ گئی ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ ہماری قوم کو بتایا جائے گا کہ یہ دیکھو تمہاری فوج شکست کھا گئی ہے، کیونکہ یہ اسی قابل تھی۔ ہمارے بعض

بھائی مصر کی امارت پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ سب سے پہلے فوج کو قوم کی نظروں میں رُسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ من مانی کر سکیں۔ مجھے امارت کے ساتھ چپکے رہنے کی کوئی خواہش نہیں، اگر میرے مخالفین میں سے کوئی مجھے یہ یقین دلا دے کہ وہ میرے عزم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا تو میں اس کی فوج میں سپاہی بن کر رہوں گا، مگر ایسا کون ہے؟ یہ لوگ اپنی باقی زندگی بادشاہ بن کر گزارنا چاہتے ہیں، خواہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر کے بادشاہی ملے اور میں اپنی زندگی میں قوم کو اُس مقام پر لانا چاہتا ہوں، جہاں وہ اپنے دین کے دشمنوں کے سر پر پاؤں رکھ کر بادشاہی کرے۔ ہمارے ان لالچی اور غدار حاکموں کی نظر اپنے حال پر، اپنے آج پر ہے۔ میری نظر قوم کے مستقبل پر ہے''۔

اُس نے بولتے بولتے توقف کیا اور کہا..... ''میرا گھوڑا فوراً تیار کرو''..... اُس نے اُن افراد کے نام لیے، جنہیں اُس کے ساتھ جانا تھا۔ اُس نے کہا..... ''نہایت خاموشی سے ان سب کو بلاؤ اور انہیں قاہرہ چلنے کے لیے کہو۔ میرا خیمہ یہیں لگا رہنے دو تا کہ کسی کو شک نہ ہو کہ میں یہاں نہیں ہوں''..... اُس نے گہرا سانس لیا اور کہا..... ''میں آپ [illegible] سے ذہن نشین کراتا ہوں کہ جو فوج بغاوت کے لیے تیار ہے، میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ تم میں سے کوئی بھی اس فوج کے خلاف کدورت نہ رکھے۔ اسی طرح اپنے نوجوانوں کو بھی قابلِ نفرت نہ سمجھنا۔ میں اُن کے خلاف کارروائی کروں گا جو فوج اور قوم کو گمراہ اور ذلیل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ یہی فوج جب اپنے دشمن کے سامنے آئے گی اور دشمن اُس کا تیروں سے استقبال کرے گا تو فوج کو یاد آئے گا کہ وہ اللہ کی فوج ہے۔ دماغ سے بغاوت کے کیڑے نکل جائیں گے۔ آپ جب اپنے بچوں کو اپنے دین کا دشمن دکھائیں گے تو اُن کا ذہن از خود جوئے سے ہٹ کر جہاد کی طرف آ جائے گا۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کی بقا اور وقار فوج کے بغیر ممکن نہیں۔ میں صلیبیوں اور یہودیوں کے عزائم اور ان کے طرزِ جنگ اور ان کی زمین دوز کارروائیوں کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسلام کی فوج کو کمزور کر کے اسلام کا خاتمہ کریں گے۔ جس روز اور جس دور میں کسی بھی مسلمان ملک کی فوج کمزور ہو گئی، وہ ملک اپنی آزادی اور اپنا وقار کھو بیٹھے گا۔ کسی بھی دور میں کوئی مسلمان مملکت مضبوط اور باوقار فوج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ ہمارا آج کا غلط اقدام اسلام کے مستقبل کو تاریک کر دے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آنے والی نسلیں ہماری لغزشوں، ناکامیوں اور کامیابیوں سے فائدہ اُٹھائیں گی یا نہیں''۔

''امیر مصر!''..... ایک مشیر نے کہا..... ''اگر ہمارے بھائی غداری کے فن میں ہی مہارت حاصل کرتے رہے تو آنے والی نسلیں غلام ہوں گی۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہو گا کہ آزادی کسے کہتے ہیں اور قومی وقار کیا ہے۔ کیا ہمارے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟''

''قوم کا ذہن بیدار کرو''..... سلطان ایوبی نے کہا..... ''قوم کو رعایا نہ کہو۔ قوم کا ہر فرد اپنی جگہ بادشاہ ہوتا ہے۔ کسی بھی فرد کو قومی وقار سے محروم نہ کرو۔ ہمارے امراء اور حاکموں میں چونکہ بادشاہ اور خلیفہ بننے کا جنون سوار ہے، اس لیے وہ قوم کو رعایا بنا کر اسے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو، قوم جسموں کا مجموعہ نہیں، جسے تم مویشیوں کی طرح ہانکتے پھرو۔ قوم میں دماغ بھی ہے، روح بھی ہے اور قومی وقار بھی ہے۔ قوم کی ان خوبیوں کو اُبھارو تا کہ قوم خود سوچے کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے۔ اچھا کون اور بُرا کون ہے۔ اگر قوم محسوس کرے کہ صلاح الدین ایوبی سے بہتر امیر موجود ہے جو سلطنتِ اسلامیہ کے تحفظ کے ساتھ اسے سمندروں سے پار بھی وسعت دے سکتا ہے تو قوم کا کوئی بھی فرد مجھے راستے میں روک لے اور جرأت سے کہے کہ صلاح الدین ایوبی! تم یہ مسند خالی کر دو، ہم نے تم سے بہتر آدمی ڈھونڈ لیا ہے۔

قوم میں یہ سوچ بھی اور جرأت بھی اور مجھ میں فرعونیت نہ ہو کہ اپنے خلاف بات کرنے والے کی گردن مار دوں۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ ملت اسلامیہ ایسے ہی فرعونوں کی نذر ہو جائے گی۔ قوم کو رعایا اور مویشی بنا دیا جائے گا، پھر مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے یا برائے نام مسلمان ہوں گے۔ مذہب تو شاید ان کا یہی رہے گا مگر تہذیب و تمدن صلیبیوں کا ہوگا''۔

اتنے میں ایک محافظ نے اندر آ کر بتایا کہ گھوڑا تیار ہے اور جن تین چار نائب سالاروں کو بلایا گیا تھا، وہ بھی آ گئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھ چار محافظ لیے۔ باقی محافظ دستے سے کہا کہ وہ اس کے خالی خیمے پر پہرہ دیتے رہیں اور کسی کو پتا نہ چلنے دیں کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اُس نے اپنے ساتھ جانے والے عملے سے کہا کہ وہ خاموشی سے فلاں جگہ پہنچ جائیں، وہ ان سے آ ملے گا۔ اُس نے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور باہر نکل گیا۔

☆

صحرا تاریک تھا۔ چودہ گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی تاریکی چھٹنے سے پہلے قاہرہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ علی بن سفیان کو اُس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اس کی فوج پڑاؤ میں گہری نیند سو گئی تھی۔ جاگنے والے سنتریوں کو بھی علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ نکل گیا ہے۔ قاہرہ والوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ سلطان ایوبی مصر میں داخل ہو چکا ہے..... رات کا پچھلا پہر تھا، جب سلطان ایوبی کا قافلہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ اسے کسی سنتری نے نہ روکا، وہاں کوئی سنتری تھا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا..... ''یہ ہے بغاوت کی ابتداء۔ شہر میں کوئی سنتری نہیں۔ فوج سوئی ہوئی ہے۔ بے پروا، بے نیاز، حالانکہ ہم دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں اور دشمن کے حملے کا خطرہ ہر لمحہ موجود ہے''۔

اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی، ایک لمحہ آرام کیے بغیر، اُس نے مصر کے قائم مقام سالارِ اعلیٰ کو بلا لیا۔ الادریس کو بھی بلا لیا، جس کے دونوں جوان بیٹوں کو غداروں نے دھوکے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا۔ قائم مقام سالارِ اعلیٰ سلطان ایوبی کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ سلطان ایوبی نے الادریس سے افسوس کا اظہار کیا۔ الادریس نے کہا..... ''میرے بیٹے میدانِ جنگ میں جانیں دیتے تو مجھے خوشی ہوتی۔ وہ دھوکے میں مارے گئے ہیں''..... اُس نے کہا..... ''یہ وقت میرے بیٹوں کے ماتم کرنے کا نہیں، آپ نے مجھے کسی اور مقصد کے لیے بلایا تھا۔ حکم فرمائیں''۔

قائم مقام سالارِ اعلیٰ محبِ اسلام تھا۔ ان دونوں سے سلطان ایوبی نے قاہرہ کے اندرونی حالات کے متعلق تفصیلی رپورٹ لی اور پوچھا کہ ان کی نظر میں کون کون سے حاکم مشتبہ ہیں۔ وہ فوجی حکام کے متعلق خاص طور پر پوچھ رہا تھا۔ اُسے چند ایک نام بتائے گئے۔ اُس نے احکام دینے شروع کر دیئے، جن میں اہم [illegible] تھے کہ مشتبہ حکام کو قاہرہ میں مرکزی کمان میں رہنے دیا جائے اور تمام فوج کو سورج نکلنے سے پہلے کوچ کی تیاری میں جمع کر لیا [illegible]ئے اور بھی بہت سی ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے ایک پلان تیار کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہدایات علی بن سفیان کو دے کر اسے فارغ کر دیا۔ کچھ دیر بعد فوج کے کیمپ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ فوج کو قبل از وقت جگا لیا گیا تھا۔ فوج اور انتظامیہ کے مشتبہ حکام کو صلاح الدین ایوبی کے ہیڈ کوارٹر میں بلا لیا گیا تھا۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ انہیں اتنا ہی پتا چلا تھا کہ سلطان ایوبی آ گیا ہے۔ انہوں نے اُس کا گھوڑا بھی دیکھ لیا تھا، لیکن انہیں سلطان ایوبی نظر نہیں آ رہا تھا اور سلطان ایوبی انہیں ابھی ملنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں کوچ تک فوج سے الگ رکھنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ یہی اس کا مقصد تھا۔

ابھی صبح کی روشنی صاف نہیں ہوئی تھی۔ فوج ترتیب سے کھڑی کر دی گئی۔ پیادوں اور سواروں کی صفوں

پیچھے رسد اور دیگر سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ سلطان ایوبی نے فوج کو یہ ٹریننگ خاص طور پر دی تھی کہ جب بھی فوری کوچ کا حکم ملے تو فوج ایک گھنٹے کے اندر اندر بمع رسد اور دیگر سامان کے قافلے کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اسی ٹریننگ اور مشق کا کرشمہ تھا کہ فوج طلوعِ صبح کے ساتھ ہی کوچ کے لیے تیار ہوگئی تھی۔ سلطان ایوبی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ مصر کا قائم مقام سالارِ اعلیٰ بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کو ایک نظر دیکھا اور ایک صف کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اُس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی اور اُس کے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے...... ''آفرین، صد آفرین۔ اسلام کے پاسبانو، تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو''...... صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کا اپنا ایک اثر تھا جسے ہر ایک سپاہی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کی مُسکراہٹ اور داد و تحسین کے کلمے سپاہیوں پر اس اثر کو اور زیادہ گہرا کر رہے تھے۔ امیر اور سالارِ اعلیٰ کا سپاہیوں کے اتنا قریب جانا ہی کافی تھا۔

تمام فوج کا معائنہ کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی نے مکمل طور پر بلند آواز سے فوج سے خطاب کیا۔ اُس وقت کی تحریروں میں اُس کے جو الفاظ محفوظ ملتے ہیں، وہ کچھ اس طرح تھے...... ''اللہ کے نام پر کٹ مرنے والے مجاہدو! اسلام کی ناموس تمہاری تلواروں کو پکار رہی ہے۔ تم نے شوبک کا مضبوط قلعہ جو کفر کا سب سے زیادہ مضبوط مورچہ تھا، ریت کا ٹیلہ سمجھ کر توڑ ڈالا تھا۔ تم نے صلیبیوں کو صحراؤں میں بکھیر کر مارا اور جنت الفردوس میں جگہ بنالی ہے۔ تمہارے ساتھی، تمہارے عزیز دوست تمہارے سامنے شہید ہوئے۔ تم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے دفن کیا۔ اُن چھاپہ مار شہیدوں کو یاد کرو جو دشمن کی صفوں کے پیچھے جا کر شہید ہوئے۔ تم ان کا جنازہ نہ پڑھ سکے۔ اُن کی لاشیں بھی نہ دیکھ سکے۔ تم تصور کر سکتے ہو کہ دشمن نے اُن کی لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ شہیدوں کے یتیم بچوں کو یاد کرو۔ اُن کی بیویوں کو یاد کرو جن کے سہاگ خدا کے نام پر قربان ہو گئے ہیں۔ آج شہیدوں کی روحیں تمہیں للکار رہی ہیں۔ تمہاری غیرت کو اور تمہاری مردانگی کو پکار رہی ہیں۔ دشمن نے کرک کے قلعے کو اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ تمہارے کئی ساتھی دیواروں سے پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے ہیں۔ تم اگر وہ منظر دیکھتے تو سر کی ٹکروں سے قلعے کی دیواریں توڑ دیتے۔ وہ آگ میں جلتے رہے اور دیوار میں شگاف ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ موت نے انہیں مہلت نہ دی......

''عظمتِ اسلام کے پاسبانو! کرک کے اندر تمہاری بیٹیوں اور تمہاری بہنوں کی عصمت دری ہو رہی ہے۔ بوڑھوں سے مویشیوں کی طرح مشقت لی جا رہی ہے۔ جوانوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ ماؤں کو بچوں سے الگ کر دیا گیا ہے، مگر میں کہ جس نے پتھروں کے قلعے توڑے ہیں، مٹی کا قلعہ سر نہیں کر سکا۔ میری طاقت تم ہو، میری ناکامی تمہاری ناکامی ہے''...... اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہوگئی۔ اُس نے بازو اوپر کر کے کہا...... ''میرا سینہ تیروں سے چھلنی کر دو۔ میں ناکام لوٹا ہوں، مگر میری جان لینے سے پہلے میرے کان میں یہ خوش خبری ضرور ڈالنا کہ تم نے کرک لے لیا ہے اور اپنی عصمت بریدہ بیٹیوں کو سینے سے لگا لیا ہے''۔

اُس وقت کا ایک وقائع نگار الاسدی لکھتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑے اپنے سواروں کی جذباتی کیفیت کو سمجھتے تھے۔ سوار خاموش تھے، لیکن کئی گھوڑے بڑی زور سے ہنہنائے۔ تڑاخ تڑاخ کی آوازیں سنائی دیں۔ سوار باگوں کو زور زور سے جھٹک کر اپنی بے تابی اور جذبۂ انتقام کی شدت کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کی زبانیں خاموش تھیں۔ اُن کے چہرے لال سرخ ہو کر ان کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ تیروں کی طرح اُن کے دلوں میں اُترتے جا رہے تھے۔ بغاوت کی چنگاریاں بجھ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔

"مسلطنتِ اسلامیہ کی عصمت کے محافظو! تم کفار کے لیے دہشت بن گئے ہو۔ تمہاری تلواروں کو کُند کرنے کے لیے آج صلیبی اپنی بیٹیوں کی عصمت اور حشیش استعمال کر رہے ہیں۔ تم نہیں سمجھتے کہ صلیبی اپنی ایک بیٹی کی عصمت لٹا کر ایک ہزار مجاہدین کو بے کار کر دیتے ہیں اور اپنے علاقوں میں اپنی ایک بیٹی کے بدلے ہماری ایک ہزار بیٹیوں کو بے آبرو کرتے ہیں۔ تمہارے درمیان ایک فاحشہ عورت بھیج کر ہماری سینکڑوں بیٹیوں کو فاحشہ بنا لیتے ہیں۔ جاؤ اور اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کو بچاؤ۔ تم کرک جا رہے ہو جس کی دیواروں کے گھیرے میں قرآن کے ورق بکھرے ہوئے ہیں اور جہاں کی مسجدیں صلیبیوں کے لیے بیت الخلا بن گئی ہیں۔ وہ صلیبی جو تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔ آج تم پر قہقہے لگا رہے ہیں۔ شوبک تم نے لیا تھا اور کرک بھی تم ہی لو گے"۔

سلطان ایوبی نے فوج پر یہ الزام عائد نہیں کیا کہ وہ گمراہ ہوگئی ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے۔ اُس نے کسی کے خلاف شک وشبے کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس کی بجائے فوج کے جذبے اور غیرت کو ایسا للکارا کہ فوج جو حیران تھی کہ اسے اتنی سویرے کیوں جگایا گیا ہے۔ اب اس پر حیران تھی کہ اُسے کرک کی طرف کوچ کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ تمام تر فوج مشتعل ہوگئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اعلیٰ اور ادنیٰ کمانڈروں کو بلایا اور انہیں کوچ کے متعلق ہدایات دیں۔ کوچ کے لیے کوئی اور راستہ بتایا۔ راستہ اُس راستے سے بہت دور تھا جس پر محاذ کی فوج آ رہی تھی۔ کوچ کرنے والی فوج کے ساتھ سلطان ایوبی نے اپنے وہ کمانڈر بھیج دیئے جنہیں وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہیں اُس نے خفیہ طور پر ہدایات دے دی تھیں۔ فوج کو جب کوچ کا حکم ملا تو سپاہیوں کے نعرے قاہرہ کے در و دیوار کو ہلانے لگے۔ سلطان ایوبی کا چہرہ جذبات کی شدت سے دمک رہا تھا۔

جب فوج اُس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو اُس نے ایک قاصد کو پیغام دے کر اُس پڑاؤ کی طرف روانہ کر دیا جہاں محاذ سے آنے والی فوج رُکی ہوئی تھی۔ قاصد کو بہت تیز جانے کو کہا گیا۔ پیغام یہ تھا کہ پیغام ملتے ہی فوج کو قاہرہ کے لیے کوچ کرا دیا جائے۔ فاصلہ آٹھ دس میل تھا۔ قاصد جلدی پہنچ گیا۔ اُسی وقت کوچ کا حکم مل گیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد فوج کے ہراول دستے قاہرہ میں داخل ہوگئے۔ ان کے پیچھے باقی فوج بھی آ گئی۔ اُسے رہائش کے لیے وہی جگہ دی گئی جہاں گزشتہ رات تک کوچ کر جانے والے فوج قیام پذیر تھی۔ سپاہیوں کو کمانڈروں نے بتانا شروع کر دیا کہ پہلی فوج کو محاذ پر بھیج دیا گیا ہے۔ آنے والی فوج بھڑکی ہوئی تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں ٹھنڈا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے دانش مندی سے فوجی بغاوت کا خطرہ بھی ختم کر دیا اور خانہ جنگی کا امکان بھی نہ رہنے دیا۔ اُس نے اعلیٰ کمانڈروں کو بلا لیا اور اُس فوجی حاکم کو بھی بلایا جو سرحدی دستوں کا ذمہ دار تھا۔ اُس نے یہ معلوم کر کے کہ سرحد پر کتنے دستے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، اتنی ہی نفری کے دستے تیار کر کے علی الصبح مطلوبہ جگہوں کو بھیجنے کا حکم دیا۔ اُسے بتایا جا چکا تھا کہ سرحدی دستے ملک سے غلہ اور فوجی ضروریات کا دیگر سامان باہر بھیجنے میں دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان دستوں کے کمانڈروں کو خصوصی احکامات دیئے اور سرحد سے واپس آنے والے پرانے دستوں کے متعلق اُس نے حکم دیا کہ انہیں قاہرہ میں لانے کی بجائے باہر سے ہی محاذ پر بھیج دیا جائے۔

☆

سعدیہ دونوں وقت مسجد میں امام کو کھانا دینے جاتی تھی۔ محمود بن احمد شاگرد کی حیثیت سے مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ اُس چراگاہ میں بھی چلا جایا کرتا تھا جہاں سعدیہ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ وہاں ٹیلے بھی تھے۔ جگہ سرسبز تھی، کیونکہ وہاں پانی تھا۔ جگہ گاؤں سے ذرا دُور تھی۔ سعدیہ اب محمود کو اپنا محافظ سمجھنے لگی تھی اور اسے یقین ہوگیا تھا کہ محمود اُسے

کافروں کے قبضے میں جانے سے بچالے گا،مگر محمود اُس کی یہ بات نہیں مانتا تھا کہ اُسے فوراً گاؤں سے لے جائے۔سعدیہ نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُسے اپنے گاؤں چھوڑ آئے اور یہاں آکر تعلیم مکمل کرلے۔محمود اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا گاؤں مصر کے دوسرے سرے پر ہے جہاں وہ اتنی جلدی نہیں جاسکتا۔اُس نے اپنے جاسوسی کے فن کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ سعدیہ دشمن کی آلۂ کار نہیں۔اگر محمود کے راستے میں فرض حائل نہ ہوتا تو وہ کبھی کا سعدیہ کو وہاں سے لے جاچکا ہوتا۔فرض کے علاوہ امام مسجد اسی کے محکمے کا افسر تھا،جس کی موجودگی میں وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرسکتا تھا۔امام نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ رہے۔اُس کا کہنا حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ایک روز اچانک گاؤں میں رونق آگئی۔کچھ اجنبی صورتیں نظر آنے لگیں۔ہر کسی کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا......''وہ آرہا ہے،وہ آسمان سے آیا ہے......مرے ہوؤں کو زندہ کرنے والا آرہا ہے''......گاؤں کا ہر فرد بہت ہی خوش تھا۔وہ کہتے تھے کہ ان کی مرادیں پوری کرنے والا آرہا ہے۔سعدیہ دوڑتی آئی اور محمود بن احمد سے کہا......''تم نے بھی سنا ہے کہ وہ آرہا ہے؟ تم جانتے ہو میں اُس سے کیا مانگوں گی؟ میں اسے کہوں گی کہ محمود مجھے فوراً یہاں سے لے جائے،پھر تم مجھے لے جاؤ گے''۔

محمود کچھ بھی جواب نہ دے سکا۔اُس نے ابھی تک اس پُراسرار آدمی کو نہیں دیکھا تھا جسے لوگ پیغمبر تک کہتے تھے......محمود کی ڈیوٹی کے علاقے میں وہ پہلی بار آرہا تھا۔اُس کی کرامات اور معجزوں کی کہانیاں اس علاقے میں کبھی کی پہنچ رہی تھیں۔محمود باہر نکل گیا تو اجنبی لوگوں میں اُسے اپنے دو ساتھی جاسوس نظر آئے۔ان کا علاقہ کوئی اور تھا۔محمود نے ان سے پوچھا کہ وہ اس کے علاقے میں کیوں آگئے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس غیب دان کو دیکھنے آئے ہیں مگر وہ جاسوسوں کی حیثیت سے نہیں آئے تھے بلکہ اس سے پوری طرح متاثر تھے۔انہوں نے اس کی کرامات کسی جگہ دیکھی تھیں،جوانہوں نے محمود کو ایسے انداز سے سنائی کہ وہ مرعوب ہوگیا۔یہ دونوں اس غیب دان کو برحق سمجھنے لگے تھے۔محمود نے سوچا کہ علی بن سفیان کے تربیت یافتہ جاسوس جس سے متاثر ہوجائیں،وہ برحق ہوسکتا ہے۔

محمود اُس سرسبز جگہ کی طرف چلا گیا جہاں سعدیہ بکریاں اور اونٹ چرانے کے بہانے اسے ملا کرتی تھی،مگر وہاں کچھ اور ہی گہما گہمی تھی۔اُسے دور ہی دو آدمیوں نے روک دیا اور کہا کہ خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر آرہا ہے۔یہ جگہ اس کے لیے صاف کی جارہی ہے۔وہ یہیں قیام کرے گا۔اُس نے دور سے دیکھا کہ ایک ٹیلے میں غار سا بنایا جارہا تھا اور جگہ ہموار کی جارہی تھی۔اب وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔گاؤں کے لوگ کام دھندا چھوڑ کر وہاں جمع ہورہے تھے۔اجنبی آدمی جو اُس جگہ صفائی وغیرہ کا کام کرتے تھے،باری باری آکر لوگوں کو،اس کے معجزے سناتے تھے۔لوگ مسرور اور مسحور ہوئے جارہے تھے۔رات کو بھی لوگ وہاں کھڑے رہے۔ان کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں کوئی بھی نہ گیا۔دوسرے دن کی ابھی صبح طلوع ہوئی تھی کہ لوگ پھر وہیں پہنچ گئے۔انہیں دُور ہی روک لیا گیا۔رات کے دوران اجنبی چہروں میں اضافہ ہوگیا تھا۔یہ لوگ وہاں گڑھے بھی کھود رہے تھے۔ان کے ساتھ چند اونٹ تھے جن پر بہت سارا سامان لدا ہوا تھا۔یہ سامان کھولا جانے لگا تو انہیں بہت سے خیمے نظر آئے جو کھول کر نصب کیے جارہے تھے۔

شام گہری ہونے لگی۔راتیں تاریک ہوا کرتی تھیں۔چاند رات کے پچھلے پہر اُبھرتا تھا۔اس غیب دان کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ صرف تاریک راتوں میں لوگوں کو اپنا آپ دکھاتا ہے۔شام کے بعد بھی گاؤں کے لوگ وہاں موجود رہے۔ایک طرف گاؤں کی عورتیں بھی کھڑی تھیں،جن میں سعدیہ بھی تھی،جو جگہ آنے والے کے لیے صاف کی جارہی تھی،وہاں مشعل جل رہی تھیں۔دو آدمی ان چند لڑکیوں کے پیچھے سے آئے،جن میں سعدیہ تھی۔لڑکیاں انہیں دیکھ نہ سکیں۔

سامنے سے تین چار آدمی آئے۔ یہ اجنبی لوگوں میں سے تھے۔ لڑکیوں کے قریب آ کر انہوں نے لڑکیوں سے کہا..... ''تم یہاں سے جاتی کیوں نہیں؟''..... اور وہ لڑکیوں کو ڈرانے کے لیے ان کی طرف دوڑے، لڑکیاں بھاگ اُٹھیں اور بکھر گئیں۔ کسی نے پیچھے سے سعدیہ کے اوپر کمبل پھینکا۔ دو مضبوط بازوؤں نے اُسے کمر سے دبوچ لیا۔ ایک ہاتھ سے کسی نے اُس کا منہ بند کر دیا۔ اُسے کندھے پر اُٹھا کر کوئی دوڑ پڑا۔ ایک تو تاریکی تھی اور دوسرے لڑکیاں بھاگ گئی تھیں۔ اس لیے کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ سعدیہ کو کوئی اُٹھا لے گیا ہے۔

دوسری صبح جیسے طوفان آ گیا ہو۔ گاؤں کے لوگ چراگاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ ایک ہجوم چلا آ رہا تھا۔ اس کے آگے آگے سولہ سترہ اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر نہایت خوب صورت پالکی تھی۔ ہر پالکی کے پردے گرے ہوئے تھے۔ ''وہ'' ان میں سے کسی پالکی میں تھا۔ آگے آگے دَف اور شہنائیاں بج رہی تھیں۔ بعض لوگ وجد آفریں گونج میں کچھ گنگناتے آ رہے تھے۔ اونٹوں کی گردنوں سے لٹکتی ہوئی بڑی بڑی گھنٹیوں کا ترنم اسی موسیقی کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ ہجوم میں کوئی شور شرابا نہیں تھا۔ ہر کسی پر تقدس کا رعب طاری تھا۔ یہ مریدوں اور عقیدت مندوں کا جلوس تھا جو معلوم نہیں کہاں کہاں سے، اس کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔ ایسی فضا پیدا ہو گئی تھی جیسے پالکیوں والے اونٹ آسمان سے اُتر رہے ہوں۔ یہ قافلہ سرسبز جگہ چلا گیا۔ وہاں ٹیلے زیادہ تھے۔ ایک جگہ بہت سے خیمے نصب کر دیئے گئے تھے۔ ان میں ایک خیمہ خاصا بڑا تھا۔ تمام لوگوں کو دُور ہٹا دیا گیا، پھر کوئی نہ دیکھ سکا کہ پالکیوں میں سے کون کون نکلا اور کہاں غائب ہو گیا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم دُور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ سعدیہ کے گاؤں کے لوگ ان سے اس مقدس انسان کی باتیں سننے لگے۔ انسانی فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ انسان جس قدر گنوار اور پسماندہ ہوتا ہے، وہ اتنا ہی سنسنی پسند ہوتا ہے۔ وہ باتوں میں سنسنی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کیفیت وہاں پیدا ہو گئی تھی۔

امام بھی اس ہجوم کو دیکھ رہا تھا اور محمود بھی۔ وہ ابھی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں قاہرہ سے یہ ہدایت ملی تھی کہ سرحدی علاقے میں کوئی نیا عقیدہ پھیلایا جا رہا ہے، اس کے متعلق تفصیلات معلوم کر کے بتاؤ کہ یہ کیا ہے اور اس کی پشت پناہی میں کون لوگ ہیں۔ قاہرہ کو ابھی کوئی تفصیلی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ جن علاقوں میں پُراسرار آدمی جا چکا تھا، وہاں کے جاسوس بھی اس کے معجزوں سے مرعوب ہو گئے تھے۔ وہ اُس کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالنے سے ڈرتے تھے۔ سرحدی دستوں نے بھی ایسا ہی اثر قبول کیا تھا۔ اب اس امام کی باری تھی۔ اُسے دیکھنا تھا کہ یہ سب کوئی ڈھونگ ہے، شعبدہ بازی ہے یا کیا ہے۔ اُس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ لوگ اُس کی صرف باتیں سن سن کر اتنے متاثر اور مرعوب ہو گئے تھے کہ انہوں نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اُس کی جھلک دیکھنے کو اُس جگہ کے گرد بیٹھے تھے جہاں وہ اونٹ سے اُتر کر کسی خیمے میں غائب ہو گیا تھا۔

امام اور محمود وہاں کھڑے تھے۔ سعدیہ کا باپ ان کے پاس آن رُکا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں بتایا کہ سعدیہ رات سے غائب ہے۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ انہیں چند آدمیوں نے سامنے سے آ کر ڈرایا اور وہاں سے بھگا دیا تھا۔ ایک لڑکی نے بتایا کہ اُس نے وہاں سے پیچھے دو آدمی دیکھے تھے۔ اس سے آگے کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ باپ سعدیہ کی تلاش میں چل پڑا۔ محمود بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں اُسے سعدیہ کہاں مل سکتی تھی مگر وہ باپ تھا۔ بے چینی سے اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ محمود اس کے ساتھ رہا۔ انہیں ایک اجنبی نے روک لیا اور پوچھا..... ''کیا تم لوگ کسی کو ڈھونڈ رہے ہو؟''.....

سعدیہ کے باپ نے اُسے بتایا کہ گزشتہ رات اُس کی لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے۔

''مجھے ابھی ابھی کسی نے بتایا ہے کہ تم اس لڑکی کے باپ ہو''..... اجنبی نے سعدیہ کا حلیہ بتا کر کہا..... ''اگر تم اس

لڑکی کو ڈھونڈ رہے ہو تو وہ تمہیں یہاں نہیں ملے گی۔ اب تک وہ مصر کی سرحد سے باہر اور بہت دُور جا چکی ہو گی۔ گذشتہ شام میں نے ایک گھوڑا دیکھا تھا۔ ایک نوجوان اور بڑی خوب صورت لڑکی دوسری لڑکیوں سے ہٹ کر گھوڑے کے پاس گئی۔ سوار گھوڑے کے قریب کھڑا تھا۔ لڑکی نے اُس کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ سوار گھوڑے پر سوار ہو کر چند قدم پرے چلا گیا۔ لڑکی اِدھر اُدھر دیکھتی اُس کے پیچھے گئی۔ آگے جا کر وہ خود ہی سوار کے آگے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ سوار گھوڑا دوڑا لے گیا۔ میں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے جو ایک سوار کے ساتھ اپنی مرضی سے چلی گئی ہے۔ آج کسی نے بتایا کہ وہ تمہاری بیٹی تھی۔ اُسے اب ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرو"۔

وہ آدمی چلا گیا۔ سعدیہ کے باپ کے آنسو نکل آئے۔ محمود کا رَدِ عمل کچھ اور تھا۔ وہ جاسوس تھا۔ اُس نے یہ سوچا کہ یہ آدمی سفید جھوٹ بول گیا ہے۔ اس کی اطلاع اور تمام تر بیان جھوٹ تھا۔ کوئی اُسے کیسے بتا سکتا تھا کہ اس شخص کی بیٹی ایک سوار کے ساتھ بھاگ گئی ہے، جب اسے دیکھنے والا یہ اکیلا شخص تھا۔ جاسوس کو یہ ٹریننگ خاص طور پر دی جاتی تھی کہ کسی کی بات پر فوراً اعتبار نہ کرو اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھو۔ محمود نے اس اجنبی کا پیچھا کیا۔ وہ ہجوم میں سے ہوتا ہوا ٹیلوں کے پیچھے چلا گیا اور خیموں میں کہیں غائب ہو گیا۔ محمود کو یقین ہو گیا کہ سعدیہ انہی خیموں میں ہے اور اُس کے اغوا میں اس آدمی کا ہاتھ ہے۔ یہ سعدیہ کے خریداروں میں سے ہو سکتا ہے، جنہوں نے سودا نہ ہونے پر سعدیہ کے باپ کو لڑکی کے اغوا کی دھمکی دی تھی۔ سعدیہ کے باپ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ یہ اجنبی سعدیہ کے باپ کو یہ جھوٹا بیان دے کر گمراہ کرنے آیا تھا، تاکہ باپ اپنی بیٹی کو یہاں تلاش نہ کرے۔

محمود بن احمد کے دِل میں سعدیہ کی اتنی شدید محبت تھی کہ اُس نے سعدیہ کو وہاں سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اُس نے امام کو جا کر یہ ساری بات سنائی۔ امام سراغ رسانی کے شعبے کا ذہین حاکم تھا۔ اُس نے بھی یہی رائے دی کہ اس غریب باپ کو دھوکا دیا جا رہا ہے کہ اس کی بیٹی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ محمود نے امام کے ان دونوں جاسوسوں سے جو گاؤں میں موجود رہتے تھے، ذکر کیا اور کہا کہ وہ سعدیہ کو وہاں سے نکالے گا اور اُسے ان کی مدد کی ضرورت ہے، مگر یہ کام آسان نہیں تھا۔ ٹیلوں کے اندر اب کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

☆

نور الدین زنگی نے کرک کے محاصرے میں اپنی فوج لگا دی تھی اور قلعہ توڑنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔ اُس نے پہلے روز ہی اپنے کمانڈروں سے کہہ دیا تھا کہ جو قلعہ صلاح الدین ایوبی سر نہیں کر سکا، وہ تم بھی آسانی سے سَر نہیں کر سکو گے۔ صلاح الدین ایوبی تو ناممکن کو ممکن کر دکھانے والا آدمی ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے تفصیل سے بتا دیا تھا کہ یہاں کون کون سے طریقے آزما چکا ہے۔ یہ بھی بتایا تھا کہ قلعے کے اندر کیا کیا ہے۔ رسد اور جانور کہاں ہیں اور آبادی کس طرف ہے۔ اُسے یہ معلومات جاسوس نے دی تھیں۔ وہ اندر آگ پھینکنا چاہتا تھا مگر اُس کی منجنیقیں چھوٹی تھیں۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے پاس بڑی کمانیں تھیں جن کے تیر بہت دُور تک چلے جاتے تھے۔ یہ تیر منجنیقوں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ اسی لیے قلعے کے دروازے پر بھی آگ نہیں پھینکی جا سکتی تھی۔ مجاہدین کہیں سے قلعے کی دیوار توڑنے کی کوشش کرتے تھے تو اوپر سے صلیبی جلتی ہوئی لکڑیوں اور دہکتے کوئلوں کے ڈرم انڈیل دیتے تھے۔

نور الدین زنگی نے اپنے نائبین کا اجلاس بلا کر انہیں کہا...... "صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ وہ بڑی منجنیقیں بنوا کر اندر آگ پھینک سکتا ہے، لیکن اندر مسلمانوں کی آبادی بھی ہے، اگر ایک بھی مسلمان جل گیا تو یہ ساری عمر کا

پچھتاوا ہوگا۔ میں اب ایوبی کی سوچ کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں۔ میں نے اتنی بڑی منجنیقیں بنانے کا انتظام کر لیا ہے جن کی پھینکی ہوئی آگ اور وزنی پتھر دُور تک جا سکیں گے۔ آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ آپ کی پھینکی ہوئی آگ سے اندر چند ایک مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ میرے دوستو! اگر تم اندر کے مسلمانوں کی حالت جانتے ہوتو کہو گے کہ وہ مر ہی جائیں تو اچھا ہے۔ وہاں کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں۔ مسلمان بچیاں صلیبیوں کے پاس ہیں اور مرد کھلے قید خانے میں بڑے بگار کر رہے ہیں۔ وہ تو دُعائیں مانگ رہے ہوں گے کہ خدا انہیں موت دے دے۔ آپ کا محاصرہ جس قدر لمبا ہوتا جائے گا، اندر کے مسلمانوں کی اذیت بھی اسی قدر زیادہ اور اذیتوں کی مدت لمبی ہوتی جائے گی اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ ہر ایک مسلمان جل مرے گا۔ اگر چند ایک مر گئے تو ہمیں یہ قربانی دینی ہی پڑے گی۔ آپ بھی تو مرنے کے لیے آئے ہیں۔ اسلام کو زندہ رکھنا ہے تو ہم میں سے کئی ایک کو جانیں قربان کرنی ہوں گی۔ میں آپ کو یہ اطلاع اس لیے دے رہا ہوں کہ آپ میں سے مجھ پر کوئی یہ الزام عائد نہ کرے کہ میں نے ایک قلعہ سر کرنے کے لیے بے گناہ مسلمانوں کو جلا دیا ہے"۔

"ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا"...... ایک سالار نے کہا...... "ہم یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنے نہیں آئے۔ فلسطین مسلمانوں کا ہے۔ ہم یہاں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بادشاہی بحال کرنے آئے ہیں۔ قبلہ اوّل ہمارا ہے، صلیبیوں اور یہودیوں کا نہیں"۔

"ہم یہودیوں کے اس دعوے کو بھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ فلسطین یہودیوں کا وطن ہے"۔ ایک اور نے کہا...... "ہم سب جل مرنے کے لیے تیار ہیں، ہم اپنے بچوں کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں"۔

نورالدین زنگی کے ہونٹوں پر ایسی مُسکراہٹ آ گئی جس میں مسرت نہیں تھی۔ اُس نے کہا...... "تم جانتے ہی ہو گے کہ فلسطین کو اپنا وطن بنانے کے لیے یہودی کس میدان میں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی دولت اور اپنی بیٹیوں کی عصمت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے اور انہیں ہمارے خلاف لڑا رہے ہیں۔ اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کے ہی ذریعے ہماری صفوں میں غدار پیدا کر رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ صلاح الدین ایوبی اور مصر ہے۔ مصر کے بڑے بڑے شہروں میں فاحشہ عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ سب یہودی عورتیں ہیں۔ افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مسلمان امراء اور دولت مند تاجر یہودیوں کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ ان میں نفاق اور تفرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اب کفار انہیں آپس میں لڑائیں گے۔ اگر ہم ہوش میں نہ آئے تو یہودی ایک نہ ایک دن فلسطین کو اپنا وطن بنا کر قبلہ اوّل کو اپنی عبادت گاہ بنالیں گے اور مسلمان مملکتیں آپس میں لڑتی رہیں گی۔ انہیں محسوس تک نہ ہوگا کہ ان کی آپس کی چپقلش کے پیچھے یہودیوں اور صلیبیوں کا ہاتھ ہے۔ یہ ہوگا دولت، عورت اور شراب کا کرشمہ جو شروع ہو چکا ہے۔ اگر ہمیں آنے والی نسلوں کو باوقار زندگی دینی ہے تو ہمیں آج کی نسل کے کچھ بچے قربان کرنے پڑیں گے۔ میں نیا چاند نکلنے تک کرک لے لینا چاہتا ہوں، خواہ مجھے اس کے کھنڈر ملیں اور اندر مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں۔ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں صلیبیوں اور یہودیوں کو بحیرۂ روم میں ڈبونا ہے۔ یہ کام ہمیں اپنی زندگی میں کرنا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہمارے بعد اسلام کا پرچم غداروں اور صلیب نوازوں کے ہاتھوں میں آ جائے گا"۔

نورالدین زنگی نے کاریگروں کی بھی ایک فوج ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے متعلقہ کاریگروں کو بتا دیا تھا کہ کھجوروں کے بہت لمبے لمبے درخت کاٹ کر منجنیقیں تیار کریں۔ اُس نے کاریگروں کے مشوروں سے کچھ اور قسم کے بھی درخت کٹوا لیے تھے اور حکم دیا کہ ان کے تنے اور ٹہن خشک ہونے سے پہلے کام میں لائے جائیں تا کہ ان میں لوہے والی سختی

بیدانہ ہو جائے۔ کاریگر دن رات مصروف رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے وزنی پتھروں کے ڈھیر لگوا دیئے تھے۔ اس کے پاس صلاح الدین ایوبی کا چھوڑا ہوا آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھی تھا۔ بہت سا سیال مادہ زنگی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اُس نے آگ کے گولے تیار کر لیے تھے۔ اسی دوران مصر سے سلطان ایوبی کی بھیجی ہوئی فوج بھی پہنچ گئی۔ نورالدین زنگی کو اس فوج کے متعلق بتایا گیا تھا کہ بغاوت کے لیے تیار رہے، لیکن زنگی نے جب اس کا معائنہ کیا تو اُسے بغاوت کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ زنگی سلطان ایوبی کی طرح دانش منداور دُور اندیش انسان تھا۔ اُس نے اِس فوج کو چند ایک پُر جوش الفاظ سے اس سے زیادہ بھڑکا دیا جتنا سلطان ایوبی نے بھڑکا کر بھیجا تھا۔

ایک روز سورج غروب ہو چکا تھا۔ صلیبی حکمران اور اعلیٰ فوجی کمانڈر قلعے کے اندر ایک کانفرنس بیٹھے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں محاصرے کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ انہیں یہ بھی پتا چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی مصر جا چکا ہے اور نورالدین زنگی آ گیا ہے۔ کانفرنس والے دن کی صبح انہیں یہ اطلاع ملی کہ مصر سے تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے یہ سب اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی بات شروع کی ہی تھی کہ دھماکے کی طرح آواز سنائی دی اور ملبہ گرنے کا شور بھی اُٹھا۔ صلیبی کمانڈر اور حکمران دوڑتے باہر نکلے۔ ساتھ والے کمرے کی منڈیر پھٹ گئی تھی اور وہاں ایک وزنی پتھر پڑا تھا۔ دیوار میں شگاف نہیں ہوا تھا۔ زناٹہ سا سنائی دیا جو قریب آ کر دھماکہ بن کر خاموش ہو گیا۔ اسی جگہ کے قریب ایک اور پتھر گرا۔ صلیبی وہاں سے بھاگے۔ وہ سمجھ گئے کہ مسلمان منجنیقوں سے پتھر پھینک رہے ہیں۔ وہ قلعے کی دیوار پر گئے، مگر شام اندھیری ہو چکی تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

یہ نورالدین زنگی کی تیار کرائی ہوئی ایک منجنیق تھی جسے تجرباتی طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہ ضرورت کے عین مطابق دُور مار تھی مگر اسے چلانا بہت مشکل تھا۔ ایک لمبے شہتیر کے وسط میں مضبوط رسے باندھے گئے تھے جنہیں گھوڑوں کے زور سے کھینچ کر خم دیا جاتا اور خم کی جگہ پتھر رکھا جاتا تھا۔ انتہائی خم میں لے جا کر رسہ تلواروں سے کاٹ دیا جاتا تھا۔ اس طریقے سے نقصان یہ ہوتا تھا کہ رسہ کٹ جاتا اور اسے گانٹھ دے کر دوبارہ استعمال کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ دوسری تکلیف یہ ہوتی تھی کہ جب آٹھ گھوڑوں کو کھچا تناہوا رسہ کٹتا تو گھوڑے دُور آگے کو اس طرح چلے جاتے تھے جیسے کسی بے پناہ قوت نے دھکا دیا ہو۔ دو تین باریوں ہوا کہ دو گھوڑے آگے جا کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور پچھلے گھوڑے ان کے اوپر گرے۔ دو سوار ایسے زخمی ہوئے کہ محاذ کے قابل نہ رہے۔ زنگی نے پھر بھی آدھی رات کے بعد تک یہ عمل جاری رکھا جس سے یہ نقصان ہوا کہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹر کی دو چھتیں گر پڑیں اور چند ایک کمروں کی دیواروں میں لمبے چوڑے شگاف پڑ گئے۔ یہ نقصان کچھ زیادہ تو نہیں تھا لیکن صلیبیوں کی حوصلہ شکنی کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ چند ایک دیواروں کے شگافوں نے ہیڈ کوارٹر کے محافظوں اور عملے کو وہاں سے بھگا دیا تھا اور صبح تک اُس دور کی پہلی ''بمباری'' کی دہشت ناک خبر سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

مگر آدھی رات کے بعد نورالدین زنگی کی پہلی دور مار منجنیق بے کار ہو گئی تھی۔ پتھر پھینکنے والا حصہ جسے خم دیا جاتا تھا زیادہ استعمال سے یا زیادہ زور دینے سے ٹوٹ گیا۔ آخری پتھر قلعے کے اندر جانے کی بجائے دیوار کے باہر لگا۔ زنگی نے اس کا پتھر پھینکنے سے روک دیا۔ تاہم یہ تجربہ ناکام نہیں تھا۔ کاریگروں میں دو خاص طور پر دانش مند تھے۔ انہوں نے ایک اصول دیکھ لیا تھا۔ اس اصول پر انہیں کامیاب دور مار منجنیق تیار کرنی تھی۔ انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ رسہ کاٹے بغیر پتھر نکلے اور اگر رسے کاٹنے ہی پڑیں تو گھوڑے اس سے پہلے تنے ہوئے رسّوں سے آزاد کر دیئے جایا کریں۔ نورالدین زنگی نے انہیں کہا کہ وہ جو کچھ بھی کریں، وقت ضائع کیے بغیر کریں۔ دن رات سوچیں اور کام کریں۔

انہوں نے کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے تیر وکمان بنانے والے کاریگروں سے کہا کہ وہ دُور مار کمانیں تیار کریں۔ اُس نے اپنے کمانڈروں سے کہا کہ اپنے دستوں میں سے غیر معمولی طور پر طاقتور سپاہی الگ کر لیں جو بڑی کمانوں سے تیر پھینک سکیں۔

☆

سعدیہ کے گاؤں کے باہر جہاں وہ بکریاں چراتی اور محمود بن احمد سے ملا کرتی تھی، ایک ایسی دُنیا آباد ہوگئی، جس کی رونق وہاں کے لوگوں کے لیے روئے زمین کی نہیں، آسمان سے اُتری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ بہت دیر گزری سورج غروب ہو چکا تھا۔ رات تاریک تھی۔ لوگوں کو ٹیلوں کے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی، لیکن انہیں ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا۔ کسی کو کسی ٹیلے کے اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لوگوں کو جہاں بٹھایا گیا، وہاں سے کسی کو اُٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں کوئی حکم نہیں دیا جا رہا تھا، بلکہ ''اُس'' سے ڈرایا جا رہا تھا۔ کہتے تھے کہ وہ کسی کی ذرا سی بھی حرکت سے ناراض ہو گیا تو سب پر مصیبت نازل ہوگی۔ لوگ دم بخود بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان سے کچھ دور بڑی خوب صورت دریاں اور ان پر دو قالین بچھے ہوئے تھے۔ پیچھے لمبے لمبے پردے لٹکے ہوئے تھے، جن پر ستارے سے چمکتے تھے۔ یہ چمک اُن مشعلوں اور قندیلوں سے پیدا ہوتی تھی جو ایک خاص ترکیب سے رکھی جل رہی تھیں۔ پردوں کے پیچھے عمودی ٹیلا تھا جس کے دامن میں اجنبی لوگ غار کھود رہے تھے۔ اس ٹیلے کے پیچھے کچھ جگہ ہموار تھی، وہاں رنگا رنگ خیمے نصب تھے۔

تماشائیوں پر ایسا رُعب طاری تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ یہ رات اُس سے اگلی تھی جس رات سعدیہ اغوا ہوئی تھی۔ سامنے لٹکے ہوئے پردے آہستہ آہستہ ہلنے لگے تھے۔ ستارے آسمان کے ستاروں کی طرح ٹمٹمانے لگے اور ایسے سازوں کا ترنم سنائی دینے لگا جن کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ یہ ایک گونج سی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا۔ صحرا کی خاموش رات میں یہ تاثر روحوں تک اُترتا محسوس ہوتا تھا۔ یہ احساس بھی ہوتا تھا جیسے اس ترنم کی لہریں لوگوں کے اوپر سے گزر رہی ہوں، جنہیں وہ دیکھ سکیں گے، چھو بھی سکیں گے، یہی وجہ تھی کہ لوگ بار بار اوپر اِدھر اُدھر دیکھتے تھے، لیکن انہیں نظر کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ سازوں کے ترنم میں ایک اور گونج شامل ہوگئی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی نغمہ گنگنا رہے ہیں۔ اس میں لڑکیوں کی آواز بھی تھی۔ اس کے ساتھ جب ٹیلے کے سامنے اتنے لمبے لمبے پردے ہلتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے رات، فضا اور ماحول پر وجد طاری ہو گیا ہو۔

لوگ پوری طرح مسحور ہو گئے تو کہیں سے گونج دار آواز اُٹھی .... ''وہ آ گیا ہے، جسے خدا نے آسمان سے اُتارا ہے۔ اپنے دل اور دماغ خیالوں سے خالی کر دو۔ وہ تمہارے دلوں اور دماغوں میں خدا کی سچی باتیں اُتار دے گا''۔

پردوں میں جنبش ہوئی۔ پردوں میں سے ایک انسان نمودار ہوا۔ وہ تھا تو انسان ہی لیکن اس مترنم اور مرعوب ماحول میں ان روشنیوں میں وہ کسی بلند و بالا جہان کی مخلوق لگتا تھا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ریشمی اور لمبے تھے جو اُس کے شانوں پر پڑتے تھے۔ بالوں میں چمک تھی۔ چہرہ بھرا بھرا اور سرخ و سپید، داڑھی سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ یہ بھی بھورے رنگ کی تھی۔ جسم گٹھا ہوا اور اس پر سبز چغہ تھا۔ چغے پر پردوں کی طرح ستارے تھے جو روشنیوں میں چمکتے تھے۔ ایسی ہی چمک اُس کی آنکھوں میں تھی۔ اُس کے سراپا میں ایسا تاثر تھا جس نے لوگوں کو مبہوت کر دیا۔ اُس کے ساتھ سازوں کا گونج دار ترنم اور بہت سی آوازوں کے گنگنانے کی گونج، مگر جس نے لوگوں کو دم بخود کیا تھا، وہ اُن کی کہانیوں کا اثر تھا جو کبھی سے سُن رہے تھے۔ ان معجزاتی کہانیوں کی سنسنی خیزی نے ان کی سوچوں پر غلبہ پا رکھا تھا۔ اُس رات اُسے ا

سامنے دیکھ کر انہوں نے پہلے تو سر جھکائے پھر ہاتھ اس طرح پیٹ پر باندھ لیے جس طرح نماز میں باندھے جاتے ہیں۔
اُس نے پردوں کے سامنے کھڑے ہو کر بازو اوپر کو پھیلائے اور کہا...... ''تم پر اس خدا کی رحمت نازل ہو جس نے تمہیں دُنیا میں اُتارا، جس نے تمہیں آنکھیں دیں تا کہ تم دیکھ سکو، جس نے تمہیں کان دیئے تا کہ تم سن سکو، جس نے تمہیں دماغ دیا کہ تم سوچ سکو، جس نے تمہیں زبان دی تا کہ تم بول سکو، تم ہی جیسے انسانوں نے جن کی آنکھیں تمہاری طرح ہیں، زبانیں تمہاری طرح ہیں، تمہیں غلام بنا کر خدا کی نعمتوں سے اور دُنیا کی آسائشوں سے محروم کر دیا ہے۔ اب تمہارا یہ حال ہے کہ تمہاری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں مگر تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ تمہارے کان سن سکتے ہیں مگر یہ سچ بات نہیں سنتے۔ تمہارا دماغ سوچ سکتا ہے مگر اس میں وہم اور جھوٹے قصے بھرے ہوئے ہیں۔ تمہاری زبانیں بول سکتی ہیں مگر ان کے خلاف ایک کلمہ نہیں کہہ سکتیں جنہوں نے تمہیں غلام بنا لیا ہے۔ انہوں نے تمہیں تمہارے گھوڑے اور اونٹوں کو اور تمہارے جوان بیٹوں کو خرید لیا ہے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو اس طرح لڑاتے ہیں جس طرح کتوں کو لڑایا جاتا ہے۔ وہ تمہارے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیروں اور برچھیوں سے چھلنی کروا کر مرواتے ہیں۔ تمہارے بیٹوں کو مروا کر ریگستانوں میں پھینک دیتے ہیں جہاں انہیں مُردے کھانے والے پرندے اور درندے کھا جاتے ہیں...... میں وہ آنکھ ہوں جو آنے والے وقت کو دیکھ سکتی ہے اور دیکھ سکتی ہے کہ انسانوں کے دلوں میں کیا ہے۔ میں وہ کان ہوں جو خدا کی آواز سن سکتا ہے، میں وہ دماغ ہوں جو بنی نوع انسان کی بھلائی کی سوچتا ہے اور میں وہ زبان ہوں جو خدا کا پیغام سناتی ہے۔ میں خدا کی زبان ہوں''۔
''کیا تو لافانی بھی ہے، جسے موت نہیں آئے گی؟''...... مجمعے میں سے ایک آواز اُٹھی۔ لوگ دم بخود ہو گئے۔ بعض ڈر بھی گئے کہ اس شخص نے اس مقدس انسان کی بات کاٹ کر اُس مصیبت کو آواز دی ہے جو گاؤں پر نازل ہو گی۔
''تم آزمالو''...... اُس نے کہا...... ''میرے سینے میں تیر مارو''
اُس کی آواز میں اور انداز میں جادو کا اثر تھا۔ اس نے پھر کہا...... ''یہاں کوئی تیر انداز ہے تو میرے سینے پر تیر چلائے''...... ہجوم پر سناٹا طاری ہو چکا تھا۔ اُس نے غصیلی اور بلند آواز سے کہا...... ''میں حکم دیتا ہوں کہ یہاں جس کسی کے پاس تیر و کمان ہے، وہ سامنے آجائے''۔
چار تیر انداز جو سعدیہ کے گاؤں کے رہنے والے نہیں تھے، آہستہ آہستہ آگے آئے۔ وہ ڈرے سہمے ہوئے تھے...... اُس نے کہا...... ''تیس قدم گن کر چاروں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ''...... انہوں نے تیس قدم گنے اور اُس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔
''کمانوں میں تیر ڈالو''
چاروں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔
''میرے دِل کا نشانہ لے لو''۔
انہوں نے کمانیں سیدھی کر کے نشانہ لے لیا۔
''یہ سوچے بغیر کہ میں مر جاؤں گا، پوری طاقت سے کمانیں کھینچو اور تیر چلا دو''۔
انہوں نے کمانیں جھکا لیں، انہوں نے یہی سوچا تھا کہ وہ مر جائے گا۔
''میرے دِل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ''...... اُس نے گرج کر کہا...... ''ورنہ جہاں کھڑے ہو وہیں شعلے بن کر بھسم ہو جاؤ گے''۔

تیراندازوں نے اپنی موت کے ڈر سے فوراً کمانیں اوپر کرلیں اور اُس کے دِل کا نشانہ لیا۔ دیکھنے والا ہجوم اس طرح خاموش تھا جیسے وہاں کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ سازوں کا ترنم اس سکوت پر کچھ زیادہ ہی سحر آگیں اور پُرسوز ہوگیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے انسانوں کی مترنم گونج پھر اُبھری جو نظر نہیں آتے تھے...... اس سحر آگیں موسیقی میں چار کمانوں کی ''ٹنگ، ٹنگ'' کی آوازیں بڑی صاف سنائی دیں۔ چار تیر اُس مقدس انسان کے دِل کے مقام میں پیوست ہوگئے۔ وہ کھڑا رہا۔ اُس کے بازو اوپر اور کچھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

''چار خنجروں والے آگے آجائیں''...... اُس نے کہا...... ''تیرانداز چلے جائیں''

تیرانداز حیران و پریشان چلے گئے اور چار آدمی ایک طرف سے سامنے آئے۔ اس حکم پر کہ خنجر ہاتھ میں لے لو اور مجھ سے پندرہ قدم گن کر میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ اُس سے پندرہ قدم دُور جا کر کھڑے ہوئے، اُس نے پوچھا...... ''تم نشانے پر خنجر پھینکنا جانتے ہو؟''...... چاروں نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں۔ اُس نے کہا...... ''چاروں اکٹھے میرے سینے میں خنجر مارو''۔

چاروں نے پوری طاقت سے خنجر اُس پر پھینکے۔ چاروں خنجر اس کے سینے میں لگے اور وہیں رہے۔ خنجروں کی نوکیں اُس کے سینے میں اُتری ہوئی تھیں اور وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ہجوم سے آوازیں سنائی دینے لگیں...... ''آفریں...... اس کے قبضے میں موت کے فرشتے ہیں''۔

''کیا اسے جواب مل گیا ہے جس نے پوچھا کہ میں لافانی ہوں؟''............ اُس نے پوچھا۔

ایک آدمی جو صحرائی لباس میں تھا، دوڑتا ہوا گیا اور اُس کے قدموں میں سجدہ ریز ہوگیا۔ ''اُس'' نے جھک کر اُسے اُٹھایا اور کہا...... ''جا تجھ پر خدا کی رحمت ہو''۔

''تو پھر تو مردے میں بھی جان ڈال سکتا ہے''...... ایک بوڑھے دیہاتی نے آگے کر کہا...... ''خدا نے مجھے ایک ہی بیٹا دیا تھا، وہ جوانی میں مر گیا ہے۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ تو مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے۔ میں اپنے بیٹے کی لاش اُٹھا کر بہت دُور سے آیا ہوں۔ میرے بڑھاپے پر رحم کر، اسے زندہ کر دے''...... بوڑھا دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

چار آدمی کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش آگے لائے۔ لاش درخت کی ٹیڑھی ٹیڑھی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر پر پڑی تھی۔ انہوں نے لاش اُس کے آگے رکھ دی۔ اس نے کہا...... ''ایک مشعل لو، لاش کو اُٹھاؤ اور تمام لوگوں کو دکھاؤ۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ پہلے ہی زندہ تھا''

لاش سب کے سامنے سے گزاری گئی۔ اُس کے منہ سے کفن ہٹا دیا گیا تھا۔ ایک آدمی ہاتھ میں مشعل لیے ساتھ ساتھ تھا۔ سب نے دیکھا کہ اُس کا چہرہ لاش کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئیں اور منہ بھی آدھا کھلا ہوا تھا۔ سب نے لاش دیکھ لی تو اُسے اس مقدس انسان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ موسیقی کی لے بدل گئی اور پہلے سے زیادہ پُرسوز ہوگئی۔ ''اس'' نے بازو آسمان کی طرف کیے اور بلند آواز سے پکارا...... ''زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں تیرے بیٹے کا بیٹا ہوں۔ تو نے اپنے بیٹے کو سولی سے اُتارا اور مجھے صلیب کا تقدس عطا کیا تھا، اگر تیرا بیٹا اور اُس کی صلیب سچی ہے تو مجھے قوت دے کہ میں اس بدنصیب بوڑھے کے بیٹے کو زندگی دے سکوں''...... اُس نے جھک کر لاش کے کفن پر ہاتھ پھیرا، منہ سے کچھ بُڑبُڑایا، پھر لاش کے اوپر ہوا میں اس طرح دونوں ہاتھ پھیرے کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کفن پھڑ پھڑانے لگا۔ مقدس انسان ہوا میں اُس پر ہاتھ پھیرتا رہا، کفن اور زور سے پھڑپھڑایا۔ بعض لوگ اس قدر ڈر گئے کہ ایک دوسرے سے

قریب ہوگئے۔عورتوں میں سے کسی عورت کی چیخ بھی سنائی دی۔ یہ منظر اس لیے بھی بھیانک بن گیا تھا کہ مُردے کو زندہ کرنے والے کے سینے میں چار تیر اور چار خنجر اُترے ہوئے تھے۔

کفن میں کچھ اور ہی حرکت ہوئی۔ لاش بیٹھ گئی۔ اُس نے ہاتھ کفن سے باہر نکالے۔ ہاتھوں سے کفن میں سے چہرہ ننگا کیا اور آنکھیں مل کر کہا...... ''کیا میں عالمِ پاک میں پہنچ گیا ہوں؟''

''نہیں!'' اُسے زندہ کرنے والے نے سہارا دے کر اُٹھایا اور کہا...... ''تم اسی دُنیا میں ہو جہاں تم پیدا ہوئے تھے، جاؤ اپنے باپ کے سینے سے لگ جاؤ''۔

باپ نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو بازوؤں میں لے لیا۔ بے تابی سے اُس کا منہ چوم چوم کر اُس نے زندہ کرنے والے کے آگے سجدہ کیا۔ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے، اُٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ان کے سامنے کفن میں لپٹی ہوئی لاش اپنے پاؤں پر چل رہی تھی۔ مُردہ زندہ ہو گیا تھا۔ باپ نے اُسے سارے ہجوم کے سامنے سے گزارا تا کہ سب دیکھ لیں کہ وہ زندہ ہو گیا ہے۔

''لیکن میں اور کسی مُردہ کو زندہ نہیں کروں گا''۔ اُس نے کہا...... ''زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تم لوگوں کو صرف یہ دکھانے کے لیے کہ میں خدا کا ایلچی بن کر آیا ہوں، ابھی ابھی خدا سے اجازت لی ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے طاقت دے دے کہ میں مرے ہوئے انسان میں جان ڈال سکوں۔ خدا نے مجھے طاقت دے دی۔

''کیا تم جنگ میں مرے ہوئے سپاہی کو زندہ کر سکتے ہو؟''...... مجمعے میں سے کسی نے پوچھا۔

''نہیں''۔ اس نے جواب دیا...... ''جنگ میں مرنے والوں سے خدا اتنا زیادہ ناراض ہوتا ہے کہ انہیں دوسری زندگی نہیں دیتا۔ اگلے جہان وہ انہیں دوزخ کی آگ میں پھینک دیتا ہے۔ ہر مرد کسی کو قتل کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اُسے ایک باپ نے پیدا کیا ہے، اسی طرح وہ بھی کسی کا باپ بنے۔ اسی لیے تمہیں کہا گیا ہے کہ چار چار بیویاں رکھو۔ مرد اور عورت کا یہی کام ہے کہ بچے پیدا کریں اور جب بچے بڑے ہو جائیں تو اُن سے بچے پیدا کریں۔ یہی عبادت ہے''۔

☆

جس وقت وہ معجزے دکھا رہا تھا، اُس وقت دو آدمی ٹیلے کے پیچھے اُس جگہ چھپے ہوئے تھے، جہاں رنگ برنگ خیمے نصب تھے۔ کسی خیمے میں سے لڑکیوں کی باتیں اور ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ یہ دو آدمی امام اور محمود بن احمد تھے۔ محمود کو یقین تھا کہ سعدیہ یہیں کہیں ہے۔ محمود میں اتنی مذہبی سوجھ بوجھ نہیں تھی۔ وہ خدا کے اس ایلچی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں تھا۔ امام نے کہا تھا کہ کوئی انسان مرے ہوئے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اُس نے توجہ ہی نہیں دی تھی کہ پُراسرار آدمی لوگوں کو کیا کچھ کر کے دکھا رہا ہے۔ اُس نے اس سے یہ فائدہ اُٹھایا تھا کہ لوگ اُس کی کرامات دیکھنے میں مگن ہیں، اس لیے پیچھے جا کر یہ دیکھا جائے کہ اس میں راز کیا ہے۔ اس کی توجہ صرف سعدیہ پر تھی۔ محمود صرف سعدیہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ خیموں کی جگہ اندھیرا تھا۔ صرف تین خیموں میں روشنی تھی۔ تینوں کے پردے دونوں طرف سے بند تھے۔ وہاں پہرے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ دو تین مرد کہیں باتیں کر رہے تھے۔ یہ خطرہ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دونوں کسی کو نظر آ گئے تو وہ زندہ نہیں رہیں گے۔ ٹیلے کی دوسری طرف سے ''اُس'' کی آواز سنائی دے رہی تھی اور سازوں کا ترنم بھی سنائی دے رہا تھا، لیکن یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ سازندے کہاں ہیں۔

امام اور محمود نے روشنی والے ایک خیمے کے قریب جا کر لڑکیوں کی باتیں سننے کی کوشش کی۔ان کی باتوں نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا۔ایک نسوانی آواز کہہ رہی تھی..... ''یہاں بھی تماشہ کامیاب رہا ہے''.....ایک اور لڑکی نے کہا..... ''بڑی ہی جاہل قوم ہے''۔

''مسلمان کو تباہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اُسے شعبدے دکھا کر توہم پرست بنا دو''..... یہ ایک اور عورت کی آواز تھی۔

''معلوم نہیں، وہ کس حال میں ہے؟''

''کون؟''

''نئی چڑیا!''.....ایک لڑکی نے کہا..... ''تم سب کو ماننا پڑے گا کہ وہ ہم سب سے زیادہ خوب صورت ہے''۔

''وہ آج دن کو بھی روتی رہی تھی''۔کسی لڑکی نے کہا۔

''آج رات اُس کا رونا بند ہو جائے گا''.....ایک لڑکی نے کہا..... ''اُسے خدا کے بیٹے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے''۔

لڑکیوں کا قہقہہ سنائی دیا۔ایک نے کہا..... ''خدا بھی کیا یاد کرے گا کہ ہم نے اُسے کیسا بیٹا دیا ہے۔کمال انسان ہے''۔

اس کے بعد لڑکیوں نے آپس میں فحش باتیں شروع کر دیں۔امام اور محمود سمجھ گئے کہ نئی چڑیا سعدیہ ہی ہو سکتی ہے۔انہیں بہر حال یقین ہو گیا کہ یہ سب شعبدہ بازی ہے اور یہ ڈھونگ پسماندہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے رچایا جا رہا ہے۔امام نے محمود کے کان میں کہا..... ''اِن لڑکیوں کی عریاں باتیں اور شراب کی بو بتا رہی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے.....ہم ویسے ہی نہیں بھٹک رہے''۔

وہ دونوں بڑے خیمے کے قریب چلے گئے۔یہ خیمہ ایک ٹیلے کے ساتھ تھا اور یہ ٹیلا تقریباً عمودی تھا۔ٹیلے اور خیمے کے پچھلے دروازے کے درمیان ایک آدھ گز فاصلہ تھا۔انہوں نے اس جگہ جا کر دیکھا۔خیمے کے پردے درمیان سے رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ایک آنکھ سے اندر جھانکنے کی جگہ تھی۔انہوں نے جھانکا تو اُن کے شکوک رفع ہو گئے۔اندر ایک لمبی مسند تھی جس پر خوش نما مسند پوش بچھا ہوا تھا۔فرش پر قالین بچھا تھا اور دو قندیلیں جل رہی تھیں۔ایک طرف شراب کی صراحی اور پیالے رکھے تھے۔اندر کی سجاوٹ اور شان و شوکت سے پتا چلتا تھا کہ اس مشتبہ قافلے کے سردار کا خیمہ ہے۔سعدیہ کے پاس ایک عورت اور ایک مرد تھا۔سعدیہ کو دُلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔

''آج سارا دن تم روتی رہی ہو''.....عورت اُسے کہہ رہی تھی..... ''تھوڑی دیر بعد تم ہنسو گی اور اپنے آپ کو پہچان بھی نہیں سکو گی۔تم خوش نصیب ہو کہ اُس نے جو خدا کی طرف سے زمین پر اُترا ہے، تمہیں پسند کیا ہے۔وہ صرف تمہارے لیے یہاں آیا ہے۔اُس نے تمہیں بیس روز کی مسافت جتنی دُور سے غیب کی آنکھ سے دیکھا تھا۔تمہارے گاؤں میں اُسے خدا لایا ہے، اگر یہ نہ آتا تو تم کسی صحرائی گڈریئے کے ساتھ بیاہ دی جاتیں یا تمہیں بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا''۔

سعدیہ پر ان باتوں کا جادو سوار ہوتا جا رہا تھا۔وہ خاموشی سے سن رہی تھی۔محمود جوش میں آ چلا تھا۔امام نے اُسے روک لیا۔وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سعدیہ کو کس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیلے کی دوسری طرف سے کسی نے اعلان کیا..... ''وہ جو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگی اور موت ہے اور جس کی آنکھ غیب کے بھید دیکھ سکتی ہے، تاریک رات میں آسمان پر جا رہا ہے، جس کے ستارے خدا کی آنکھ کی طرح روشن ہیں۔تم میں سے کوئی آدمی اُس طرف نہ دیکھے جہاں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ٹیلوں کے اوپر کوئی نہ جائے، جس کسی نے اُس طرف

جانے یا دیکھنے کی کوشش کی، وہ ہمیشہ کے لیے اندھا ہو جائے گا۔ کل رات وہ تم سب کی مرادیں سنے گا"۔

امام اور محمود وہیں کھڑے رہے۔ خیمے کے اندر جو مرد عورت تھے، انہوں نے سعدیہ کو ایک بار پھر نصیحت کی کہ وہ آرہا ہے، اُس کے سامنے کوئی بدتمیزی نہ کرنا...... وہ آگیا۔ وہ سامنے کی طرف سے خیمے میں داخل ہوا۔ امام اور محمود یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ "اُس" کے سینے میں چار تیر اور چار خنجر اُترے ہوئے تھے۔ سعدیہ نے تیر اور خنجر دیکھے تو اُس نے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مقدس انسان مسکرایا اور بولا...... "ڈرمت لڑکی! یہ معجزہ مجھے خدا نے دیا ہے کہ میں تیروں اور خنجروں سے مر نہیں سکتا"...... وہ سعدیہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

"میں نے یہ شعبدہ ایک بار قاہرہ میں دیکھا تھا۔" امام نے محمود کے کان میں کہا...... "تم بھی ڈر نہ جانا۔ میں جانتا ہوں تیر اور خنجر کہاں پھنسے ہوئے ہیں۔"

"وہ" اُٹھا اور خیمے کا پردہ رسیوں سے باندھ دیا۔ اِدھر محمود اور امام نے اپنی طرف سے خیمے کا پردہ کھول دیا۔ انہوں نے نتائج کی پروانہ کی۔ دبے پاؤں اندر گئے۔ جونہی وہ شخص مُڑا، وہ امام اور محمود کے شکنجے میں آچکا تھا۔ محمود نے دبی آواز میں سعدیہ سے کہا...... "جس پر تم بیٹھی ہو، اس کا کپڑا اس کے اوپر ڈال دو۔ سعدیہ تو جیسے سُن ہوگئی تھی۔ اُس نے مسند پوش اُتار کر اُس آدمی پر ڈال دیا۔ اس کا جسم طاقتور نظر آتا تھا، مگر امام اور محمود نے اُسے بُری طرح جکڑ لیا تھا، پھر اُس کے اوپر کپڑا ڈال کر باندھ دیا۔ قندیلیں بجھادی گئیں۔ امام کے کہنے پر پہلے سعدیہ باہر نکلی۔ اپنے قیدی کو محمود نے اپنے کندھوں پر پھینک لیا۔ امام ہاتھ میں خنجر لیے آگے آگے چلا۔ وہ سب جس طرف سے خیمے میں داخل ہوئے تھے، اسی طرف سے باہر نکل گئے۔ پکڑے جانے کا خطرہ ہر قدم پر تھا، لیکن انہوں نے ایسا راستہ اختیار کیا جو انہیں فوراً خطرے سے باہر لے گیا۔ اندھیرے نے اُس کی بہت مدد کی۔

☆

انہیں دُور کا چکر کاٹ کر گاؤں میں داخل ہونا پڑا۔ وہ مسجد میں چلے گئے۔ حُجرے میں لے جا کر اس شعبدہ باز کو کھولا گیا۔ ابھی تک تیر اور خنجر اس کے سینے میں اُترے ہوئے تھے۔ اسے اُٹھانے کی وجہ سے وہ ٹیڑھے ہوگئے تھے۔ سعدیہ کو بھی انہوں نے حُجرے میں ہی رکھا، کیونکہ خطرہ تھا کہ لڑکی کی گمشدگی کا پتا چل گیا تو وہ لوگ اس کے باپ پر حملہ کریں گے۔ دراصل حملہ کرنے والے اب یہ دیکھنے کی حالت میں بھی نہیں تھے کہ اُن کے "خدا" کا بیٹا کہاں ہے۔ وہ کامیاب جشن کر کے شراب اور بدکاری میں بدمست ہوگئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اُن کا آقا بمع نئی چڑیا کے اغوا بھی ہوسکتا ہے۔

امام اور محمود نے اُسے چغہ اُتارنے کو کہا۔ اُس نے پہلے تیر اور خنجر کھینچ کر نکالے۔ چغہ اُتارا پھر اُس سے اندر کے کپڑے بھی اُتروالیے گئے۔ ان کپڑوں میں کارک کی طرح نرم لکڑی چھپی ہوئی تھی جس پر چمڑہ لگا ہوا تھا۔ یہ لکڑی کچھ بھاری ہوجاتی تھی اور اتنی لمبی چوڑی تھی جس سے اس کا سینہ ڈھک جاتا تھا۔ تیر اور خنجر اس میں اُترے ہوئے تھے۔ اُس نے امام اور محمود سے کہا...... "اپنی قیمت بتاؤ۔ سونے کی صورت میں گھوڑوں اور اونٹوں کی صورت میں، ابھی ادا کردوں گا، مجھے آزاد کردو"۔

"تم اب آزاد نہیں ہوسکو گے"۔ امام نے کہا...... "ہم بھی لوگوں کی طرح تمہارے انتظار میں بیٹھے تھے"۔ امام نے محمود سے کہا...... "تمہیں معلوم ہوگا کہ قریبی چوکی کہاں ہے، وہاں کے پورے دستے کو ساتھ لے آؤ"...... اُس نے چوکی کا فاصلہ اور سمت بتائی اور وہ خفیہ الفاظ بھی بتائے جن سے امام سراغ رساں اور جاسوس کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔

اپنے دو جاسوسوں کے نام اور ٹھکانہ بتا کر محمود سے کہا...... ''انہیں میرے پاس بھیجتے جانا''۔

محمود نے امام کے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہو کر نکل گیا۔ اسے امام کے دونوں جاسوس مل گئے، انہیں مسجد میں جانے کو کہہ کر وہ چوکی کی سمت روانہ ہو گیا۔ گاؤں سے کچھ دُور جا کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت تھی، مگر وہ شش و پنج میں مبتلا تھا۔ وہ اس چوکی کے کمانڈر کو جانتا تھا۔ وہ لا پروا آدمی تھا۔ صلیبیوں اور سوڈانیوں نے اُسے رشوت دے دے کر اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ محمود نے قاہرہ کو اس کی رپورٹ بھیج رکھی تھی مگر ابھی تک اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ محمود کو یہی نظر آ رہا تھا کہ وہ اپنے دستے کو اُس کے ساتھ نہیں بھیجے گا یا وقت ضائع کرے گا تا کہ دشمن نکل جائے۔ محمود سوچ رہا تھا کہ اگر چوکی سے اُسے دستہ نہ ملا تو وہ کیا کرے گا۔ صبح سے پہلے دستے کو گاؤں میں پہنچنا ضروری تھا۔ دستہ نہ ملنے کی صورت میں امام اور ان کے جاسوسوں کی جانیں خطرے میں آ سکتی تھیں، کیونکہ اس شعبدہ باز کے ساتھ بہت سارے آدمی تھے۔ اس کے مریدوں کا ہجوم بھی اُسی کا حامی تھا۔

امام کے پاس خنجر تھا۔ اُس کے جاسوس بھی اُس کے پاس آ گئے تھے۔ وہ بھی خنجروں سے مسلح تھے۔ انہوں نے شعبدہ باز کو گرفتار کیے رکھا۔ وہ رہائی کی اتنی زیادہ قیمت پیش کر رہا تھا جو امام اور اس کے جاسوس خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ امام نے اُسے کہا...... ''میں مسجد میں بیٹھا ہوں۔ یہ اُسی خدا کا گھر ہے جس نے تمہیں سچا دین دے کر زمین پر اُتارا ہے۔ کیا یہ ہے تمہارا سچا دین؟...... دیکھو دوست! میں قاہرہ کی حکومت کا اہل کار ہوں، میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا اور میں ایمان بھی نہیں بیچ سکتا''۔

محمود بن احمد چوکی کے خیموں میں داخل ہوا تو کمانڈر کے خیمے میں اُس نے روشنی دیکھی۔ گھوڑے کے قدموں کی آواز سن کر کمانڈر باہر آ گیا۔ محمود نے اپنا تعارف کرایا اور کمانڈر کے ساتھ خیمے میں چلا گیا۔ محمود کے لیے یہ کمانڈر اجنبی تھا۔ اُسے کمانڈر نے بتایا کہ گزشتہ شام پرانے دستے کو یہاں سے بھیج دیا گیا ہے اور یہ دستہ نیا آیا ہے۔ یہ تبدیلی صلاح الدین ایوبی کے حکم سے کی گئی تھی۔ تمام پرانے سرحدی دستوں کو وہاں سے ہٹا کر اُس فوج کے دستے بھیج دیئے گئے تھے جو سلطان ایوبی کے ساتھ محاذ سے آئی تھی۔ محمود نے کمانڈر کو تفصیل سے بتایا کہ انہوں نے بہت بڑا شکار پکڑا ہے اور اس کے تمام گروہ کو پکڑنے کے لیے چوکی کے پورے دستے کی فوری طور پر ضرورت ہے، تا کہ ان لوگوں کو رات ہی رات میں گھیرے میں لے لیا جائے۔

کمانڈر نے فوراً پورے دستے کو جس کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی، گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ اُن کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں اور ان میں تیر انداز بھی تھے۔ آٹھ دس سپاہیوں کو چوکی پر چھوڑ دیا گیا۔ یہ دستہ کرک کے محاصرے سے آیا تھا۔ جذبہ قائم تھا۔ کمانڈر نے سرپٹ گھوڑے دوڑا دیئے۔ محمود راہنمائی کر رہا تھا۔ منزل کے قریب جا کر گھوڑوں کی رفتار سست کر دی گئی تا کہ مجرموں کو خبر نہ ہونے پائے۔ مجرم خبر ہونے کی حالت میں نہیں تھے۔ شراب اور نیند نے انہیں بے ہوش کر رکھا تھا۔ کمانڈر نے محمود کی راہنمائی میں گھیرا مکمل کر لیا اور کارروائی صبح تک ملتوی کر دی۔ محمود نے امام کو اطلاع دی کہ دستہ آ گیا ہے۔ سعدیہ ابھی امام کے حُجرے میں ہی تھی۔ امام نے ایک جاسوس بھیج کر سعدیہ کے باپ کو بھی بلا لیا۔

☆

جو معتقد، مرید اور زائرین بڑی دُور دُور سے ''اُس'' کی زیارت کو آئے تھے، وہ رات کے معجزے دیکھ کر آسمان تلے سو گئے تھے۔ اُن کے مقدس انسان نے انہیں کہا تھا کہ اگلی رات وہ ان کی مُرادیں سنے گا۔ یہ ہجوم صبح اُس وقت جاگ اُٹھا، جب اُجالا ابھی دُھندلا تھا۔ اس دُھندلکے میں انہیں بہت سے گھوڑے نظر آئے۔ اُن پر سوار جو تھے، وہ

تھے۔لوگ کچھ بھی سمجھ نہ سکے۔انہیں معلوم نہیں تھا کہ جو مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے، وہ مسجد کے حجرے میں ہاتھ پاؤں بندھے بیٹھا ہے۔وہ اب مسلمانوں کے سچے خدا کی گرفت میں آ چکا تھا۔دستے کا کمانڈر دمشق کا رہنے والا رُشد بن مسلم جس کا عہدہ معمولی تھا لیکن سرحد پر آ کر اُس نے اپنے دستے سے کہا تھا......''ساری سلطنت صرف تمہارے بھروسے پر سوتی ہے۔صلاح الدین ایوبی ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔اگر وہ تمہیں نظر نہیں آتا تو اُسے میری آنکھوں میں دیکھ لو۔ہم سب سلطان صلاح الدین ایوبی ہیں، مگر کسی نے یہاں پرانے دستے کے آدمیوں کی طرح ایمان فروخت کیا تو میں اُس کے پاؤں باندھ کر ریگستان میں زندہ پھینک دوں گا، میں اس سزا کا حکم قاہرہ سے نہیں لوں گا۔میں خدا سے حکم لیا کرتا ہوں''۔

رُشد بن مسلم نے صبح کے وقت دیکھا کہ خیموں کے اندر کوئی حرکت نہیں تھی۔اندر والے اتنی جلدی اُٹھنے والے نہیں تھے۔رُشد نے لوگوں سے کہا کہ وہ دُور پیچھے ہٹ جائیں اور وہیں موجود رہیں۔انہیں مقدس انسان قریب سے دکھایا جائے گا۔لوگوں کو دُور ہٹا کر رُشد نے تین چار سوار مختلف ٹیلوں کے اوپر کھڑے کر دیئے، تاکہ مجرموں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔باقی سواروں کو اُس نے گھوڑوں سے اُتار کر چاروں طرف سے پیدل اندر جانے کو کہا اور حکم دیا کہ کوئی مزاحمت کرے تو اُسے فوراً ہلاک کر دو۔کوئی بھاگے تو اُسے تیر مار دو...... وہاں بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔رُشد ننگی تلوار ہاتھ میں لیے خیمے میں داخل ہوا تو اندر اُسے ایک نیم برہنہ لڑکی اور دو آدمی گہری نیند میں سوئے ہوئے نظر آئے۔اُس نے تلوار کی نوک چبھو کر تینوں کو جگایا۔جاگنے کی بجائے انہوں نے جگانے والے کو گالیاں دیں اور کروٹ بدل کر سوئے رہے۔تلوار کی نوک اب کے اُن کی کھال میں اُتر گئی۔تینوں ہڑبڑا کر اُٹھے۔انہیں باہر نکال لیا گیا۔دوسرے خیموں میں بھی دو لڑکیاں اور مرد ملے، وہ اسی حالت میں تھے۔خیموں میں بے شمار سامان تھا۔ایک خیمے میں بہت سے ساز پڑے تھے۔

سب کو باہر لے جا کر ان پر پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ان کے اونٹوں اور تمام تر سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔امام رُشد بن مسلم کے ساتھ تھا۔وہ اُس آدمی کو اپنے حجرے میں سے لے آیا جو اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کا بیٹا کہتا تھا۔اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے تھے۔اُسے اُسی جگہ کھڑا کیا گیا جہاں رات اُس نے معجزے دکھائے تھے۔ پیچھے پردے سٹے ہوئے تھے۔اس کے گروہ کو اُس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ان سب کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔وہ ساز ان کے قریب رکھ دیئے گئے جو ایک خیمے سے برآمد ہوئے تھے۔امام نے لوگوں کو آگے آنے کو کہا۔ہجوم آگے آیا تو امام نے کہا......''اسے کہو کہ یہ خدا کا ایلچی ہے یا اس کا بیٹا ہے تو اپنے ہاتھ رسیوں سے آزاد کر لے۔یہ مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔میں اس کے گروہ کے ایک آدمی کو ہلاک کروں گا۔تم اسے کہو کہ اُسے میرے ہاتھ سے چھڑا لے یا وہ مر جائے تو اُسے زندہ کر دے''......امام نے اس کے گروہ کے ایک آدمی کو اُٹھایا اور رُشد کی تلوار لے کر اُس کی طرف بڑھا تو وہ آدمی چلا اُٹھا......''مجھے بخش دو۔یہ آدمی مجھے زندہ نہیں کر سکے گا۔یہ بہت بڑا پاپی ہے۔خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرنا''۔

لوگوں نے یہ تماشا دیکھا، مگر اُن کے وہم ابھی دُور نہیں ہوئے تھے۔امام اس آدمی کا چُغہ اور کپڑے بھی ساتھ لے آیا تھا۔نرم لکڑی بھی ساتھ تھی۔امام نے یہ کپڑے پہن لیے۔کسی کو دکھائے بغیر لکڑی اندر رکھ لی۔اوپر چُغہ پہن لیا۔اس نے رُشد سے کہا کہ اپنے چار تیر انداز میرے سامنے لاؤ۔تیر انداز آئے تو اُس نے انہیں کہا......''تیس قدم دور کھڑے ہو کر میرے دِل کا نشانہ لو اور تیر چلاؤ''......تیر اندازوں نے رُشد بن مسلم کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔رات کو محمود نے رُشد کو تیروں اور خنجروں کے سینے میں اُترنے کی حقیقت بتا دی تھی۔رُشد نے اپنے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلا دیں۔انہوں نے نشانہ لے کر تیر چلا دیئے۔چاروں تیر امام کے دِل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔امام نے کہا......''اب آگے

آ کر میرے سینے پر چار خنجر پوری طاقت سے پھینکو'' ...... خنجر پھینکے گئے جو امام کے سینے میں جا کر اٹک گئے۔

امام نے تیر اندازوں سے کہا۔''ایک ایک تیر اور کمانوں میں ڈالو'' ...... اُس نے مقدس انسان کو ذرا آگے لیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز میں کہا ...... ''یہ شخص اپنے آپ کو لافانی کہتا ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ یہ اصل میں کیا ہے'' ...... اُس نے تیر اندازوں سے کہا ...... ''اس کے دِل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ''۔

جونہی کمانیں اوپر اُٹھیں۔ وہ آدمی دوڑ کر امام کے پیچھے ہو گیا۔ وہ موت کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور بھکاریوں کی طرح جان کی بخشش مانگ رہا تھا۔ امام نے اُسے کہا ...... ''آگے آؤ اور لوگوں کو بتاؤ، کہ تم صلیبیوں کے بھیجے ہوئے تخریب کار ہو اور تم شعبدہ باز ہو'' ...... امام نے تلوار کی نوک اس کے پہلو سے لگا دی۔

''لوگو!'' ...... اُس آدمی نے آگے جا کر بلند آواز سے کہا ...... ''میں لافانی نہیں ہوں۔ میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ مجھے صلیبیوں نے بھیجا ہے کہ تمہارا ایمان خراب کروں۔ اس کی مجھے اُجرت ملتی ہے''۔

''اور شمعون کی بیٹی سعدیہ کو اسی نے اغوا کرایا تھا''۔ امام نے کہا۔''ہم نے لڑکی رہا کرالی ہے''۔

امام نے چغہ اُتارا۔ اندر کے کپڑے اُتارے۔ لکڑی الگ کی اور رُشد کے ایک سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ تمام مجمعے میں گھماؤ۔ امام نے لوگوں سے کہا کہ تیر اور خنجر اس لکڑی میں لگتے ہیں ...... تمام لوگوں نے یہ بھید دیکھ لیا تو انہیں آگے بلا کر کہا گیا کہ ہر جگہ گھومو اور ہر ایک چیز دیکھو۔ لوگ ڈرتے ہوئے ہر جگہ پھیل گئے۔ پردوں کے پیچھے ایک غار بنایا گیا تھا۔ وہاں رات کو سازندے بیٹھ کر ساز بجاتے تھے ...... لوگ خیموں میں گئے تو وہاں شراب کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ ہر جگہ گھوم پھر چکے تھے تو انہیں ایک جگہ بٹھا کر بتایا گیا کہ یہ سب ڈھونگ کیا تھا۔ امام نے معلوم کر لیا تھا کہ جسے اُس نے رات کو زندہ کیا تھا، وہ کون ہے، وہ اسی کے گروہ کا ایک آدمی تھا جو رسیوں میں بندھا ہوا قیدیوں میں بیٹھا تھا۔ اُسے لوگوں کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ ایک اور آدمی لوگوں کو دکھایا گیا، جو رات کو بوڑھے کا بہروپ دھار کر اس آدمی کا باپ بنا تھا۔ چار تیر انداز بھی سامنے آ گئے جنہوں نے رات تیر چلائے تھے۔ وہ بھی اسی گروہ کے آدمی تھے۔ غرض تمام تر ڈھونگ لوگوں کو دکھایا گیا۔

''اسلام کے بیٹو! غور سے سنو''۔ امام نے لوگوں سے کہا ...... ''یہ سب صلیب کے پجاری ہیں اور تمہارا ایمان خراب کرنے آئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ کوئی انسان کسی انسان کو زندہ نہیں کر سکتا۔ خود خدا کسی مرے ہوئے کو زندہ نہیں کرتا کیونکہ خدائے ذوالجلال اپنے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے۔ اس کی ذات واحدہ لاشریک ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہ صلیبی اسلام کی آواز کو دبانے کے لیے یہ ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ باطل کے پجاری تمہارے ایمان اور جذبے سے اور تمہاری تلوار سے ڈرتے ہیں۔ تمہارا مقابلہ میدان میں نہیں کر سکتے، اس لیے دل کش طریقے اختیار کر کے تمہارے دِلوں میں وہم اور وسوسے ڈال رہے ہیں تا کہ تم اسلام کے تحفظ کے لیے صلیب کے خلاف تلوار نہ اُٹھاؤ۔ اسی مصر میں فرعون نے اپنے آپ کو خدا کہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی خدائی کو دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا۔ اپنی عظمت کو پہچانو میرے دوستو! اپنے دشمن کو بھی اچھی طرح پہچان لو''۔

لوگ جو سب کے سب مسلمان تھے، مشتعل ہو گئے۔ وہ چونکہ پسماندہ اور علم سے بے بہرہ تھے، اس لیے انتہا پسند تھے۔ انہوں نے گناہ گار انسان کی شعبدہ بازی دیکھ کر اُسے ''خدا کا بیٹا'' تسلیم کر لیا اور جب اس کے خلاف باتیں سنیں ایسے مشتعل ہو گئے کہ غیض و غضب سے نعرے لگاتے اُس آدمی پر اور اس کے گروہ پر ٹوٹ پڑے۔ امام ان مجرموں کو زندہ قاہرہ لے جانا چاہتا تھا، لیکن اتنے بڑے ہجوم سے انہیں زندہ نکالنا ناممکن ہو گیا۔ رُشد نے تشدد سے ہجوم پر قابو پانے

مشورہ دیا جو امام نے تسلیم نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ تمہاری تلواروں سے یہ سیدھے سادے مسلمان کٹ جائیں گے۔ انہیں اپنے ہاتھوں ان لوگوں کو ہلاک کرنے دو، تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ جس نے خدا کا ایلچی اور بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے، وہ ایک گناہگار انسان ہے جسے کوئی بھی انسان قتل کر سکتا ہے۔

امام، رُشد بن مسلم اور محمود ایک طرف گئے۔ رُشد نے ایک ٹیلے پر جا کر اپنے سپاہیوں کو للکارا اور کہا...... "تم جہاں ہو وہیں رہو، ان لوگوں کو مت روکو"۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہاں امام، محمود، رُشد بن مسلم اور اُس کے دستے کے سپاہی رہ گئے۔ تمام ہجوم غائب ہو چکا تھا۔ رات جہاں شعبدے دکھائے گئے تھے، وہاں شعبدہ باز اور اُس کے گروہ کی لاشیں پڑی تھیں۔ لڑکیوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ کوئی لاش پہچانی نہیں جاتی تھی۔ سب قیمہ ہو چکی تھیں۔ لوگ خیمے، پردے اور تمام تر سامان لوٹ کر لے گئے تھے۔ مجرم گروہ کے اونٹ بھی لوگ کھول کر لے گئے اور رُشد کے دستے کے نو گھوڑے بھی لاپتہ ہو گئے۔ اُن کے سوار پیادہ تھے اور گھوڑوں سے دُور تھے۔ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ اپنی فوج کے گھوڑے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آندھی آئی ہے اور سب کو اپنے ساتھ اُڑا لے گئی ہے۔

"ہمیں اب قاہرہ چلنا پڑے گا"۔ امام نے رُشد اور محمود سے کہا...... "یہ واقعہ حکومت کے سامنے رکھنا ہو گا"۔

☆

اِن چند ہی دنوں میں صلاح الدین ایوبی نے جو احکام نافذ کیے اور جو اقدام کیے، وہ انقلابی تھے۔ اتنے انقلابی کہ اس کے قریبی دوست اور مرید بھی چونک اُٹھے۔ اُس نے سب سے پہلے اُن افسروں کے گھروں پر چھاپے مروائے اور تلاشی لی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کی مشتبہ فہرست میں تھے۔ ان میں دو تین مرکزی کمان کے اعلیٰ حاکم تھے۔ اُن کے گھروں سے زر و جواہرات، دولت اور بڑی خوب صورت غیر ملکی لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ بعض کے گھروں میں ایسے ملازم تھے جو سوڈان کے تجربہ کار جاسوس تھے اور بھی کئی ایک ثبوت مل گئے۔ ان سب کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے عہدے اور رُتبے کا لحاظ کیے بغیر غیر معین مدت کے لیے قید خانے میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ اخلاقی مجرموں جیسا سلوک کیا جائے۔ اس اقدام سے اس کی مرکزی کمان اور مجلس مشاورت کی چند ایک اہم آسامیاں خالی ہو گئیں۔ اُس نے ذرہ بھر پروانہ کی۔

سلطان ایوبی نے دوسرا حملہ اُس گروہ پر کیا جو اپنے آپ کو مذہب کا اجارہ دار بنائے ہوئے تھا۔ سلطان ایوبی کو مشیروں نے خلوصِ نیت سے مشورہ دیا کہ مذہب ایک نازک معاملہ ہے۔ لوگ مسجدوں کے اماموں کے مرید ہیں۔ رائے عامہ خلاف ہو جائے گی۔ سلطان ایوبی نے پوچھا...... "اِن میں کتنے ہیں جو مذہب کی روح کو سمجھتے ہیں؟ لوگ اُن کے مرید صرف اس لیے بن گئے ہیں کہ اُن کی ساری کوششیں اسی پر مرکوز ہیں کہ لوگ اُن کے مرید بن جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ امام اپنی عظمت قائم کرنے کے لیے لوگوں کو اصل مذہب سے بے بہرہ رکھتے ہیں۔ قوم کی بہترین درس گاہ مسجد ہے۔ مسجد کی چار دیواری میں بٹھا کر کسی کے کان میں ڈالی ہوئی کوئی بات رُوح تک اُتر جاتی ہے۔ یہ مسجد کے تقدس کا اثر ہے، مگر یہاں مسجد کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ مسجدوں میں امام پیر اور مُرشد بنتے جا رہے ہیں۔ اگر میں نے مسجدوں میں باعمل عالم نہ رکھے تو کچھ عرصے بعد لوگ اماموں، پیروں اور مرشدوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ یہ بے علم اور بے عمل عالم اپنے آپ کو خدا اور اُس کے بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنا لیں گے اور اسلام کے زوال کا باعث بنیں گے"۔

سلطان ایوبی نے اپنے ایک مفکر اور باعمل عالم زین الدین علی بن نجا الواعظ کو مشورے کے لیے بلایا۔ اس عالم

نے اپنا جاسوسی کا ایک ذاتی نظام قائم کر رکھا تھا اور ایک بار اُس نے صلیبیوں کی ایک بڑی ہی خطرناک سازش بے نقاب کر کے بہت سے آدمی گرفتار کرائے تھے۔ وہ مذہب کو اور مذہب میں جو تخریب کاری ہو رہی ہے، اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر سلطان ایوبی کا حوصلہ بڑھا دیا کہ اگر آج آپ مذہب کو تخریب کاری سے آزاد نہیں کریں گے تو کل آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ قوم آپ کی راہنمائی اور حکم کو قبول کرنے سے پہلے نام نہاد مذہبی پیشواؤں سے اجازت لیا کرے گی۔ اس وقت تک صلیبی مسلمانوں کے مذہبی نظریات میں توہم پرستی اور رسم و رواج کی ملاوٹ کر چکے ہیں..... سلطان ایوبی نے فوری طور پر تحریری حکم نافذ کر دیا کہ زین الدین علی بن نجا الواعظ کی زیرِ نگرانی ملک کی تمام مسجدوں کے اماموں کی علمی اور معاشرتی جانچ پڑتال ہو گی اور نئے امام مقرر کیے جائیں گے۔ نئے اماموں کے تقرر کے لیے سلطان ایوبی نے جو شرائط لکھیں، اُن میں امام کا عالم ہونے کے علاوہ فوجی یا سابق فوجی یا عسکری تربیت یافتہ ہونا ضروری قرار دے دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فلسفۂ جہاد اور عسکری جذبے کو مذہب اور مسجد سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے ملک میں ایسے تمام کھیل تماشے اور تفریح کے ذرائع اور طریقے جُرم قرار دے دیئے جن میں جوئے بازی اور تخریبی سکون کا پہلو نکلتا تھا۔ اُس کے حکم سے علی بن سفیان کے محکمے نے تفریح گاہوں اور اُن کے زیرِ زمین حصوں پر چھاپے مارے، جہاں سے اٹلی کے مصوروں کی بنائی ہوئی ننگی تصویریں برآمد ہوئیں۔ بہت سے لوگ گرفتار کیے گئے، جنہیں ملک دشمنی اور دشمن کا آلۂ کار بننے کے الزام میں تمام عمر کے لیے تہہ خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اس کی بجائے سلطان ایوبی نے تیغ زنی، تیر اندازی، گھوڑ سواری، بغیر ہتھیار لڑائی، کشتی جسے پنجہ آزمائی کہتے تھے اور ایسے ہی چند ایک کھیلوں کے مقابلوں کا سرکاری انتظام کر دیا۔ پہلے مقابلے میں خود گیا اور اوّل آنے والوں کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے تک انعام میں دیئے۔ اُس نے درس گاہوں اور مسجدوں میں تعلیمی مقابلوں کا اہتمام کیا۔

سرحدی دستوں پر اُس نے زیادہ توجہ دی تھی۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ شہروں اور دارالحکومت سے دُور رہنے والے لوگ نظریاتی تخریب کاری کا شکار جلدی ہوتے ہیں اور وہی سب سے پہلے دشمن کے حملے یا سرحدی جھڑپوں کی زد میں آتے ہیں۔ ان لوگوں کے نظریاتی اور جسمانی تحفظ کے لیے اُس نے خصوصی انتظام کیے۔ اس نے سرحدوں پر جو دستے بھیجے تھے، اُن کے کمانڈروں کو اُس نے خود ہدایات دیں اور بڑے ہی سخت احکام دیئے تھے۔ یہ تمام کمانڈر جذبے اور ذہانت کے لحاظ سے ساری فوج میں منتخب کیے گئے تھے۔ رُشد بن مسلم انہی میں سے تھا، جسے محمود کا اشارہ ملا کہ ایک تخریب کار پکڑا ہے تو وہ پورے کا پورا دستہ لے کر اُٹھ دوڑا تھا۔ اگر پرانا کمانڈر رہتا تو اُس وقت صلیبیوں یا سوڈانیوں کی دی ہوئی شراب میں بدمست ہوتا اور تخریب کار اپنے سرغنہ کی رہائی کے لیے گاؤں میں تباہی پھیلا کر غائب ہو چکے ہوتے۔

اب رُشد بن مسلم، محمود بن احمد اور امام جس کا نام یوسف بن آذر تھا، اُس کے کمرے میں بیٹھے، اس شعبدہ بازی کی کہانی سنا رہے تھے، جسے لوگ قتل کر چکے تھے۔ علی بن سفیان بھی موجود تھا۔ اُس نے تینوں سے ساری واردات سن لی تھی اور سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ سلطان ایوبی خاموش تھا کہ اتنی خطرناک نظریاتی یلغار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے، مگر علی بن سفیان نے کہا..... ''صرف یلغار ختم ہوئی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے لمبا عرصہ درکار ہے۔ مجھے جو تفصیل معلوم ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ سرحدی دیہات سے ہمیں فوجی بھرتی نہیں مل رہی۔ سرحد کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگ سوڈانیوں کے دوست بن گئے ہیں۔ وہ امارتِ مصر کے خلاف ہو گئے ہیں۔ جہاد کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ لوگ غلّہ اور مویشی ہمیں نہیں دیتے۔ سوڈانیوں کو بخوشی دیتے ہیں۔ مسجدیں ویران ہو گئی ہیں۔ لوگ توہم پرست ہو کر شعبدہ بازوں

پیروں وغیرہ کی پرستش کرنے لگے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کے ذہنوں کو اپنے صحیح راستے پر لانے کے لیے باقاعدہ مہم شروع کرنی پڑے گی۔ اگر اس صلیبی شعبدہ باز اور اُس کے گروہ کو لوگ قتل نہ کر دیتے تو ہم اسے سارے علاقے میں گھماتے پھراتے"۔

سلطان ایوبی نے اپنے انقلابی احکامات میں سرحدی علاقوں کو خاص طور پر شامل کر رکھا تھا۔ اب اُس نے اس طرف اور زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اُس کے لیے سب سے زیادہ شدید سردردی یہ تھی کہ تقی الدین اور اُس کی فوج کو سوڈان سے نکالنا تھا۔ قاہرہ پہنچتے ہی وہ منصوبہ بندی میں مصروف ہو گیا تھا۔ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ وہ خود سوڈان کے محاذ پر نہیں جا سکتا تھا، کیونکہ مصر کے اندرونی حالات اُس کی توجہ کے محتاج تھے۔ اُس نے قاہرہ میں آ کر تقی الدین کو یہ اطلاع دینے کے لیے کہ وہ قاہرہ آ گیا ہے، ایک قاصد بھیج دیا تھا۔ قاصد واپس آ چکا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ تقی الدین کا جانی نقصان خاصا ہو چکا ہے اور کچھ نفری دشمن کے جھانسے میں آ کر یا جنگ کی صورتِ حال سے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئی ہے۔ قاصد نے بتایا کہ تقی الدین اپنی باقی ماندہ فوج کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، مگر دشمن اُس کے سر پر موجود رہتا ہے۔ تقی الدین کو جوابی حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اُسے اتنی سی مدد کی ضرورت ہے کہ دشمن پر حملے کرنے کے لیے چند دستے مل جائیں تا کہ وہ اپنی فوج کو واپس لا سکے۔

سلطان ایوبی نے اسی وقت اپنے تین چار چھاپہ مار دستے اور چند ایک وہ دستے جنہیں جوابی حملہ کرنے اور گھوم پھر کر لڑنے کی خصوصی مشق کرائی گئی تھی، سوڈان بھیج دیئے تھے۔ وہ ہر حملہ دشمن کے عقب میں جا کر کرتے اور دشمن کا نقصان کر کے اور اُسے بکھیر کر اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے۔ چھاپہ ماروں نے دشمن کو زیادہ پریشان کیا۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ دشمن کو تقی الدین کے تعاقب سے ہٹایا جائے۔ وہ خلافِ توقع بہت جلدی کامیاب ہو گئے۔ ان کی اہلیت اور شجاعت کے علاوہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کی فوج تھکی ہوئی تھی اور صحرا بڑا ہی دشوار اور گرم تھا۔ گھوڑے اور اونٹ جواب دے رہے تھے۔

سوڈان کا حملہ بُری طرح ناکام ہوا۔ کامیابی صرف یہ ہوئی کہ تقی الدین کو، اُس کی مرکزی کمان کے سالاروں وغیرہ اور دستوں کو اور بچی کھچی فوج کو ایسی تباہی سے بچا لیا گیا جو اُن کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ تقی الدین جب مصر کی سرحد میں داخل ہوا تو اُسے پتا چلا کہ وہ سوڈان میں آدھی فوج ضائع کر آیا ہے۔

☆

اُدھر کرک جل رہا تھا۔ نورالدین زنگی کے کاریگروں نے ضرورت کے مطابق دُور مار منجنیقیں بنالی تھیں، جن سے قلعے کے اندر پتھر کم اور آگ زیادہ پھینکی جا رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی اندر کے چند ایک ہدف بتا آیا تھا۔ اُن میں رسد کا ذخیرہ بھی تھا۔ آگ کے پہلے گولے قلعے کی اُس طرف پھینکے گئے جس طرف سے رسد کا ذخیرہ ذرا قریب تھا۔ خوش قسمتی سے گولے ٹھکانے پر گئے۔ اندر سے شعلے جو اُٹھے انہوں نے زنگی کی فوج کا حوصلہ بڑھا دیا۔ مسلمانوں نے دور مار تیر و کمان بھی تیار کر لیے تھے۔ انہیں استعمال کرنے کے لیے غیر معمولی طور پر طاقتور سپاہی استعمال کیے جا رہے تھے لیکن آٹھ دس تیر پھینک کر سپاہی بے حال ہو جاتا تھا۔ زنگی نے ایک اور دلیرانہ کارروائی کی۔ اُس نے نہایت دلیر سپاہی چن لیے اور انہیں حکم دیا کہ قلعے کے دروازے پر ٹوٹ پڑیں۔ انہیں دروازہ توڑنے کے موزوں اوزار دیئے گئے۔

جانبازوں کا یہ دستہ دروازے کی طرف دوڑا تو اوپر سے صلیبیوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ کئی جانباز شہید اور زخمی ہو گئے۔ زنگی نے دُور مار تیر اندازوں کو وہاں اکٹھا کیا اور عام تیر اندازوں کا بھی ایک ہجوم بلا لیا۔ ان سب کو مختلف زاویوں پر مورچہ بند کر کے دروازے کے اوپر والے دیوار کے حصے پر مسلسل تیر پھینکنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو

اتنے تیر برسنے لگے جن کے پیچھے دیوار کا بالائی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ جانبازوں کی ایک اور جماعت دروازے کی طرف دوڑی۔ زنگی نے تیروں کی بارش اور تیز کرا دی۔ دیوار پر للکار سنائی دی۔ ذرا دیر بعد دیوار پر لکڑیوں سے بندھے ہوئے ڈرم نظر آئے۔ یہ جلتی لکڑیوں اور کوئلوں سے بھرے ہوئے تھے، جونہی انہیں باہر کو انڈیلنے والوں کے سر نظر آئے وہ سر تیروں کا نشانہ بن گئے۔ ایک دو ڈرم باہر کو گرے باقی دیوار پر ہی اُلٹے ہو گئے۔ وہاں سے شعلے اُٹھے جن سے پتا چلتا تھا کہ آگ پھینکنے والے اپنی آگ میں جل رہے ہیں۔

زنگی کے کسی کمانڈر نے زنگی کے حملے کا یہ طریقہ دیکھ لیا۔ وہ گھوڑا سرپٹ دوڑا کر قلعے کے پچھلے دروازے کی طرف چلا گیا اور وہاں کے کمانڈر کو بتایا کہ سامنے والے دروازے پر کیا ہو رہا ہے۔ ان دونوں کمانڈروں نے وہی طریقہ پچھلے دروازے پر آزمانا شروع کر دیا۔ پہلے ہلے میں مجاہدین کا جانی نقصان زیادہ ہوا، لیکن جوں جوں مجاہدین گرتے تھے، اُن کے ساتھی قہر بن کر دروازے کی طرف دوڑتے تھے۔ تیر اندازوں نے صلیبیوں کو اوپر سے آگ نہ پھینکنے دی۔ زنگی نے حکم دیا کہ منجنیقیں قلعے کے اندر آگ پھینکیں۔ زنگی کی فوج نے دونوں دروازوں پر دلیرانہ حملے دیکھے تو فوج کسی کے حکم کے بغیر دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ قلعے کے سامنے چلا گیا اور دوسرا عقبی دروازے کی طرف۔ دونوں طرف دیوار پر تیروں کی ایسی بارش برسائی گئی کہ اوپر کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ دونوں دروازے توڑ لیے گئے۔ زنگی کی فوج اندر چلی گئی۔ شہر میں خون ریز جنگ ہوئی، وہاں کے باشندوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

اس بھگدڑ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے صلیبی حکمران اور کمانڈر قلعے سے نکل گئے۔ شام تک صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ زنگی نے قیدی مسلمانوں کو کھلے اور بند قید خانوں سے نکالا پھر صلیبی حکمرانوں کو سارے شہر میں تلاش کیا مگر کوئی ایک بھی نہ ملا۔

یہ ۱۱۷۳ء کی آخری سہ ماہی تھی، جب کرک کا مضبوط قلعہ سر کر لیا گیا اور مسلمانوں کو بیت المقدس نظر آنے لگا۔

......۞......

جب خزانہ مل گیا

صلیبیوں کی یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی ہنگامہ خیز کانفرنس تھی۔ وہ ہر شکست کے بعد، ہر فتح کے بعد، ہر پسپائی اور ہر کامیاب پیش قدمی کے بعد مل بیٹھتے تھے۔ تبادلۂ خیالات کرتے اور شراب پیتے تھے۔ عورت اور شراب کے بغیر وہ سمجھتے تھے کہ جنگ جیتی ہی نہیں جا سکتی۔ اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور مسلمان حکام کی کردار کشی کے لیے بھیج دیتے تھے اور خود اپنے قبضے میں لیے ہوئے علاقوں سے مسلمان لڑکیاں اغوا کر کے انہیں تفریح کا ذریعہ بناتے تھے۔ جاسوسوں نے جب انہیں یہ بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ صلیبی عصمتوں کے بیوپاری اور مسلمان عصمتوں کے محافظ ہیں تو صلیبی حکمران اور کمانڈر بہت ہنسے تھے، ان میں سے کسی نے سلطان ایوبی کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ شخص اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتا کہ جس طرح صلیب کے بیٹے سپاہی بن کر جسم استعمال کرتے ہیں، اسی طرح صلیب کی بیٹیاں بھی مسلمانوں کو بے کار کرنے کے لیے اپنا جسم استعمال کرتی ہیں۔ کسی اور نے کہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو ابھی تک احساس نہیں ہوا کہ اس کی قوم کے بے شمار چھوٹے چھوٹے حکمرانوں، قلعہ داروں اور سالاروں کو ہماری ایک ایک لڑکی اور سونے کے سکوں کی ایک ایک تھیلی ایسی شکست دے چکی ہے جس پر وہ لوگ فخر کر رہے ہیں اور اس شکست سے لطف اُٹھا رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی ہم سے اسلام کی عصمت کس طرح بچائے گا؟

یہ صلیبیوں کی پہلی کانفرنس کی باتیں ہیں مگر ۱۱۷۳ء کے آخر میں بیت المقدس میں صلیبی سربراہ اکٹھے ہوئے تو ان پر کچھ اور ہی موڈ طاری تھا۔ انہوں نے سلطان ایوبی کا مذاق نہ اُڑایا۔ کسی کے ہونٹوں پر بھولے سے بھی مُسکراہٹ نہ آئی اور کسی کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ جب مل بیٹھتے ہیں تو شراب کا دور بھی چلا کرتا ہے۔ کرک سے وہ بڑے ہی شرمناک طریقے سے پسپا ہوئے تھے۔ ان میں ریجنالڈ بھی تھا جو کرک کا قلعہ دار بلکہ مالک تھا۔ وہ جنگجو تھا، فنِ حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ اس نے اپنے زرہ پوش لشکر سے متعدد بار لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس محفل میں ریمانڈ بھی تھا جس نے کرک کے محاصرے کے دوران صلاح الدین ایوبی کی فوج محاصرے میں لے لیا تھا۔ ان دونوں نے ایسا پلان بنایا تھا جس کے متعلق وہ بجا طور پر خوش فہمیوں میں مبتلا تھے، مگر سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ قائم رکھا، ریمانڈ کا محاصرہ ایسے انداز میں توڑا کہ ریمانڈ کا لشکر محاصرے میں آ گیا۔ اس کی رسد تباہ ہو گئی اور اس کی فوج اپنے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کو مار مار کر کھاتی رہی۔ آخر اس کی آدھی سے زیادہ فوج کٹ گئی، کچھ گرفتار ہوئی اور باقی پسپا ہو گئی۔

ریجنالڈ خوش نصیب تھا کہ نورالدین زنگی کے سرفروشوں نے قلعہ سر کر لیا تو اندر کی بھگدڑ میں ریجنالڈ بچ کر نکل گیا، ورنہ وہ اس کانفرنس میں شمولیت کے زندہ نہ ہوتا۔ اس محفل میں صلیبیوں کے اُن جنگجو سرداروں کی تعداد بھی خاصی تھی، جنہیں ''نائٹ'' کہا جاتا تھا۔ یہ ایک خطاب تھا جو بادشاہ کی طرف سے عطا کیا جاتا اور اس کے ساتھ سر سے پاؤں تک زرہ بھی دی جاتی تھی۔ اس کانفرنس میں عکرہ کا پادری بھی تھا اور ان میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن فلپ آگسٹس بھی

تھا۔ نائٹوں اور دیگر کمانڈروں کے ساتھ ساتھ اس کانفرنس میں صلیبیوں کی متحدہ انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن اور اس کے دو تین معاون بھی تھے۔ ابتداء میں اس ہجوم پر خاموشی چھائی رہی جیسے وہ ایک دوسرے کے سامنے بات کرتے گھبراتے ہوں۔ آخر فلپ آگسٹس نے زبان کھولی جس سے محفل میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اُس نے ''محافظ صلیب اعظم'' کو کانفرنس کی صدارت پیش کر کے اسی سے درخواست کی کہ وہ خطاب کرے۔

''ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں، عہد توڑے اور بیت المقدس میں زندہ اور تندرست آ بیٹھے۔'' عکرہ کے پادری نے کہا۔۔۔۔۔ ''میں یسوع مسیح کے آگے شرمسار ہوں اور میں صلیب کو دیکھتا ہوں تو میری نظریں جھک جاتی ہیں۔ کیا تم سب نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے دشمنوں کا خاتمہ کرو گے، خواہ اس میں تمہیں جانیں بھی قربان کرنی پڑیں؟ کیا تم نے حلف نہیں اُٹھایا تھا کہ اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لیے جان اور مال کی اور اپنے جسموں کے اعضا کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرو گے؟ تم میں کتنے ہیں جن کے جسموں پر ہلکی سی خراشیں بھی آئی ہوں؟ کوئی ایک بھی نہیں۔ تم شوبک مسلمانوں کو دے کر بھاگے۔ اب تم کرک دے کر بھاگ آئے ہو۔ میں اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ جو میدان میں اُترتے ہیں، وہ شکست بھی کھا سکتے ہیں۔ دو فتوحات کے بعد ایک شکست کوئی معنی نہیں رکھتی مگر یکے بعد دیگرے شکستیں اور دو پسپائیاں مجھے یقین دلا رہی ہیں کہ صلیب یورپ میں قید ہوگئی ہے اور وہ وقت بھی آنے والا ہے جب یورپ کے کلیساؤں میں مسلمانوں کی اذانیں گونجیں گی''۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا''۔۔۔۔۔ فلپ آگسٹس نے کہا۔۔۔۔۔ ''صلیب اعظم کے محافظ! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ شکست کے کچھ اسباب تھے جن پر ہم غور کر چکے ہیں اور اب آپ کی موجودگی میں مزید غور کریں گے''۔

''اور شاید تم اس پر غور نہ کرو کہ اب مسلمانوں کی منزل بیت المقدس ہوگی''۔۔۔۔۔ صلیب اعظم کے محافظ نے کہا۔ ''کیا تم اس حقیقت سے بے خبر ہو کہ صلاح الدین ایوبی بیت المقدس لینے کی قسم کھا چکا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے، جس کی خاطر وہ اپنے بچوں تک کو ذبح کر ڈالیں گے؟''

''ہم نے مسلمانوں میں غداری کا بیج ڈال دیا ہے''۔۔۔۔۔ فلپ آگسٹس نے کہا۔۔۔۔۔ ''ہم نے مسلمانوں میں ا[illegible] غدار پیدا کر لیے ہیں جو صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کو بیت المقدس کے راستے پر ڈال کر انہیں راستے میں ہی پیا[illegible] مار ڈالیں گے''۔

''پھر یہ کون سے مسلمان ہیں جنہوں نے تم سے دو اتنے مضبوط قلعے لے لیے ہیں؟''۔۔۔۔۔ صلیب اعظم کے محا[فظ] نے کہا۔۔۔۔۔ ''اس حقیقت کو مت بھولو کہ مسلمان انتہا پسند قوم ہے۔ مسلمان غداری پر آتا ہے تو اپنے بھائیوں کی گردن پر چھ[ری] چلا دیتا ہے مگر اس میں جب قومی جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو اپنی گردن کاٹ کر گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا کرتا ہے۔ مسلمان [اگر] غدار بھی ہو جائے تو اس پر اعتماد نہ کرو، دُور نہ جاؤ، گزرے ہوئے صرف دس سالوں کے واقعات پر نظر ڈالو۔ اسلام [کے] غداروں نے تمہیں کتنے علاقے دلوائے ہیں؟ کیا تم میں ہمت ہے کہ مصر میں قدم رکھو؟ آج مسلمان فلسطین میں بیٹھے ہیں کل تمہارے سینے پر بیٹھے ہوں گے۔ یاد رکھو میرے دوستو! اگر صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی نے تم سے بیت المقد[س] لے لیا تو وہ تم سے یورپ بھی لے لے گا لیکن سوال فلسطین اور یورپ کا نہیں، سوال زمین کے ٹکڑوں کا نہیں، اصل مسئلہ صلیب اور اسلام کا ہے۔ یہ دو مذہبوں اور نظریوں کی جنگ ہے۔ دو میں سے ایک کو ختم ہونا ہے۔ کیا تم صلیب کا خاتمہ پسند کرو گے؟''

''نہیں مقدس باپ، ایسا کبھی نہیں ہوگا''۔۔۔۔۔ محفل میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔۔۔۔۔ ''اتنی زیادہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں [...]

''پھر تم ان وجوہات پر غور کرو جو تمہاری پسپائی کا باعث بنی ہیں''...... محافظ صلیبِ اعظم نے کہا...... ''میں تمہیں جنگ کے متعلق کوئی سبق نہیں دے سکتا۔ میں نظریات کے محاذ کا سپاہی ہوں۔ میں کلیسا کا محافظ ہوں۔ مجھے کلیسا کی کنواریوں کی قسم دس کٹر مسلمان میرے سامنے لے آؤ، انہیں صلیب کا پجاری بنالوں گا۔ ذرا اس پر غور کرو کہ تمہارے اتنے بڑے لشکر جو زرہ پوش بھی ہیں، مسلمانوں کی مختصر سی فوج کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟ تمہارے پانچ سو سواروں کو ایک سو پیادہ مسلمان شکست دے دیتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ مسلمان مذہب کے جنون سے لڑتے ہیں۔ وہ تمہارے مقابلے میں آتے ہیں تو قسم کھالیتے ہیں کہ فتح یا موت۔ میں نے سنا ہے کہ ان کے چھاپہ مار تمہارے عقب میں چلے جاتے ہیں اور تمہاری کمر توڑ کر تمہارے تیروں سے چھلنی ہو جاتے ہیں یا نکل جاتے ہیں۔ ذرا سوچو کہ دس دس بارہ بارہ آدمی تمہارے ہزاروں کے لشکر میں کس طرح گھس آتے ہیں؟ یہ محض مذہبی جنون ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا بھی ان کے ساتھ ہے اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ ہے۔ ایسی دلیرانہ کارروائیوں میں وہ اپنے کمانڈروں سے نہیں قرآن سے حکم لیتے ہیں۔ میں نے قرآن کا مطالعہ بہت غور سے کیا ہے۔ ہمارے خلاف جنگ کو قرآن جہاد کہتا ہے اور ہر مسلمان پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ جہاد کو نماز یعنی عبادت پر فوقیت حاصل ہے...... تم بھی جب تک اپنے آپ میں یہی جنون پیدا نہیں کرو گے، اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے''۔

☆

کچھ ایسے ہی جذباتی اور حقیقی الفاظ تھے جن سے عکرہ کے پادری نے اپنے شکست خوردہ حکمرانوں اور کمانڈروں کو بھڑکانے اور ان میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ اب آپس میں بحث مباحثہ کرو کہ تمہاری شکست کے اسباب کیا تھے اور اس کی ذمہ داری کس کس پر عائد ہوتی ہے اور اس شکست کو فتح میں کس طرح بدلنا ہے۔ بیت المقدس کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالو۔ صلاح الدین ایوبی فرشتہ نہیں۔ تمہاری طرح ایک انسان ہے۔ اُس کی طاقت صرف اس میں ہے کہ اُس کا ایمان پکا ہے۔

پادری کے جانے کے بعد کانفرنس میں جو گرما گرمی پیدا ہوئی، وہ اس لحاظ سے تاریخی نوعیت کی تھی کہ اس میں کچھ فیصلے کیے گئے۔ ان میں ایک فیصلہ یہ تھا کہ جوابی حملہ نہ کیا جائے بلکہ ایوبی اور زنگی کے لیے انگیخت پیدا کی جائے کہ وہ پیش قدمی کریں اور حملے جاری رکھیں۔ انہیں مستقر سے دور لایا جائے اور بکھیر کر لڑایا جائے۔ اس طرح اُن کی رسد کے راستے لمبے اور غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور فرینکوں کو فوری طور پر تیار کیا جائے کہ سمندر کی طرف سے مصر پر بحری حملہ کریں، اور ساحل پر فوج اُتار کر مصر کے شمال مشرق کے اتنے سے علاقے پر قبضہ کرلیں جسے مضبوط مستقر (اڈہ) بنالیا جائے۔ اسے فلسطین کے دفاع اور مصر پر جارحیت کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ اہم فیصلہ یہ ہوا کہ اسلامی علاقوں میں اخلاق کی تخریب کاری تیز کر دی جائے اور نظریاتی حملے اور شدید کر دیے جائیں۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مصر میں صلیبیوں کی ایک مہم تباہ کر دی گئی تھی جو سرحدی علاقے میں ہمات پیدا کرنے کے لیے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں سے آکر اطلاع دے دی تھی کہ وہ مہم ناکام ہو گئی ہے اور جن مسلمانوں کو زیر اثر لے لیا گیا تھا، انہوں نے ہی مہم کے افراد کو ہلاک کر دیا ہے...... اس کانفرنس میں یہ انکشاف پیش کیا گیا کہ مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔ وہ مجبور ہو کر قافلوں کی صورت میں نقل مکانی کرتے ہیں تو راستے میں اُن کے قافلے لوٹ لیے جاتے ہیں۔ مال اور مویشی چھین لیے جاتے ہیں اور لڑکیوں کو

اغوا کر لیا جاتا ہے۔ کانفرنس میں اس اقدام کو ضروری سمجھا گیا۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کا یہ بھی ایک اچھا طریقہ تھا۔ یہ نسل کشی کی مہم تھی جو صلیبیوں نے بہت عرصے سے جاری کر رکھی تھی۔ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمان کی کمسن اور خوب صورت بچیوں کو اغوا کر کے صلیبی انہیں بے حیائی اور چرب زبانی کی تربیت دے کر انہیں پالتے پوستے اور جب وہ جوان ہو جاتیں انہیں مسلمانوں میں غداری کے جراثیم پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے لیے بے شمار دولت کی ضرورت تھی جو خرچ تو کی جا رہی تھی، لیکن کچھ دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک یہ تھی کہ رقم اونٹوں کے ذریعے بھیجی جاتی تھی کئی بار ایسے ہوا کہ مصر کے کسی سرحدی دستے نے پکڑ لیا یا اونٹ لوٹ لیے گئے۔ ضرورت یہ محسوس کی گئی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ مل جائے جس سے رقم اور انعامات کی دیگر قیمتی اشیاء اسی ملک سے دستیاب ہو جائیں جہاں استعمال کرنی ہوں۔ خاصے عرصے سے اس مسئلے پر سوچ و بچار ہو رہا تھا۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا کمانڈو، ہرمن، علی بن سفیان کی طرح غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ اُس نے کبھی کا سوچ رکھا تھا کہ مصر کی زمین اپنے اندر اس قدر خزانے چھپائے ہوئے ہے، جس سے ساری دُنیا کو خریدا جا سکتا ہے مگر ان خزانوں تک پہنچنا آسمان سے ستارے توڑ لانے کے برابر تھا۔ یہ خزانے فرعونوں کے مدفنوں میں محفوظ تھے۔ تاریخ فرعونوں کی اس رسم سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہی کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اس کے ساتھ شاہانہ ضروریات کا تمام سامان اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔

مرے ہوئے فرعون کو قبر چند گز چوڑی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ زمین کے نیچے ایک محل تعمیر ہو جاتا تھا۔ فرعون اپنی زندگی میں اپنا مدفن تیار کرا لیا کرتے تھے اور جگہ ایسی منتخب کرتے تھے جس تک اُس کی موت کے بعد کوئی رسائی حاصل نہ کر سکے۔ مرنے کے بعد مدفن کو اس طرح بند کر دیا جاتا تھا کہ معماروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اسے کھولا کس طرح جا سکتا ہے۔ مرنے والے کے لواحقین معماروں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ فرعونوں کا ایک عقیدہ تو یہ تھا کہ وہ خدا ہیں اور دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد انہیں یہی جاہ و جلال حاصل ہوگا۔ چنانچہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اور پھر پہاڑ کے نیچے زمین کی کھدائی کر کے محل جیسے ہال اور دیگر کمرے بنوا کر اس محل میں زیادہ سے زیادہ ہیرے جواہرات رکھوا دیئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ بگھیاں بمع گھوڑوں اور بگھی بانوں کے اور کشتیاں بمع ملاحوں کے اندر رکھ دی جاتی تھیں۔ خدمت کے لیے کنیزیں اور اور بیویاں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ اس طرح صورتِ حال یہ بن جاتی تھی کہ ایک انسان کی لاش کے ساتھ جہاں بے انتہا مال و دولت دفن ہو جاتا تھا، وہاں بہت سے انسان زندہ اندر بھیج کر باہر سے مدفن کا منہ بند کر دیا جاتا تھا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دم گھٹنے سے کس طرح مرتے ہوں گے۔ فرعونوں کی لاشوں کو مصالحے وغیرہ لگا کر حنوط کیا جاتا تھا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج بھی ان کی لاشیں محفوظ ہیں، جن میں کچھ لندن کے عجائب خانے میں پڑی ہیں۔

فرعونوں کا دور ختم ہوا تو مصر کی حکومت جس کے بھی ہاتھ آئی، اُس نے فرعونوں کے مدفن تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہ مہم ناممکن کی حد تک مشکل ثابت ہوئی۔ مدفنوں کو تلاش کرنا ہی ایک مسئلہ تھا۔ اس کے بعد آج تک یہ مہم جاری ہے۔ مصر نے تاریخ میں بہت سی بادشاہیاں دیکھیں۔ ہر بادشاہ نے مدفن تلاش کیے، جسے جو ہاتھ لگا، لے اُڑا۔ سب سے زیادہ حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا کیونکہ انگریزوں نے وہاں موجودہ دور میں اپنا اثر قائم کیا تھا جب سائنس ترقی کر چکی تھی۔ سائنس نے اور کھدائی کے مشینی طریقوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ مصر کی زمین فرعونوں کے خزانوں سے ابھی تک مالا مال ہے اور مصر کی تاریخ میں اگر غور سے جھانکیں تو اس میں ایسے پُراسرار اور خوفناک واقعات

ملتے ہیں کہ وہ رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ کچھ ذاتی طور پر کسی فرعون کے مدفن کی تلاش میں نکلے۔ ان میں سے بعض مدفن میں داخل ہو بھی گئے، مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں غائب ہو گئے۔ ان میں سے جو بچ کر نکلے وہ دوسرے کے لیے سراپا عبرت بن گئے۔ اسی لیے یہ عقیدہ آج بھی قائم ہے کہ فرعون خدا تو نہیں تھے لیکن اُن کے پاس مر کر بھی کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو اُن کے مدفنوں میں جانے والوں کو عبرت ناک سزا دیتی ہے۔ لوگوں نے اس عقیدے کو اس لیے تسلیم کیا ہے کہ جس بادشاہ نے بھی کسی فرعون کے مدفن میں ہاتھ ڈالا، اس کی بادشاہی کو زوال آیا۔ بعض نے فرعونوں کو نحوست کا حامل کہا ہے۔

صلاح الدین ایوبی کے دور سے پہلے ہی صلیبیوں کو معلوم تھا کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہ وجہ بھی تھی کہ وہ مصر پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ان مدفنوں کی تلاش مصریوں سے کرائی جائے اور خزانے نکلوا کر استعمال کیے جائیں۔ انہیں کسی طرح یہ پتا چل گیا تھا کہ مصری حکومت کے پرانے کاغذات میں ایسی تحریریں اور نقشے موجود ہیں جن میں بعض مدفنوں کے متعلق معلومات درج ہیں۔ ان کاغذات تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ صلیبیوں نے مصر میں بڑے ذہین جاسوس بھیجے تھے، جو صرف یہ معلوم کر سکتے تھے کہ یہ کاغذات کہاں ہیں اور کس طرح اُڑائے جا سکتے ہیں مگر اس شعبے کے سربراہ کو اپنی گرفت میں لینا ممکن نہ تھا۔ اُن دنوں جب سلطان ایوبی شوبک اور کرک کی جنگوں میں اُلجھا ہوا تھا اور اُس کی غیر حاضری میں مصر سازشوں کی زرخیز زمین اور بغاوت کا آتش فشاں بن چکا تھا۔ صلیبیوں کے ماہر سراغ رساں ہرمن نے کامیابی حاصل کر لی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کے ایک اعلیٰ کمانڈر، احمر درویش کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ احمر سوڈانی تھا۔ اس کے خلاف کوئی ایسی شکایت نہیں تھی کہ وہ غدار ہے۔ سلطان ایوبی کو اس پر اعتماد تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی زیرِ کمان لڑائیاں لڑی تھیں اور کمانڈروں کی صف میں نام پیدا کیا تھا۔

بعد کے انکشافات سے معلوم ہوا کہ یہ کمال میریا ایستھینا نام کی ایک صلیبی لڑکی کا تھا کہ اُس نے احمر کے دماغ میں سوڈان کی محبت، سلطان ایوبی کی مخالفت اور سوڈان اور مصر کے سرحدی علاقے میں سے کچھ حصے کی خودمختار ریاست کا لالچ پیدا کیا تھا۔ وہ تھا تو مسلمان لیکن صلیبیوں نے اُس کے دماغ میں ڈال دیا تھا کہ وہ پہلے سوڈانی اور بعد میں مسلمان ہے۔ اب جبکہ نورالدین زنگی نے کرک کا قلعہ توڑ لیا تھا اور سلطان ایوبی مصر میں غداروں کا قلع قمع کر رہا تھا، احمر درویش نے صلیبی جاسوسوں کے ساتھ کئی ایک ملاقاتیں کر لی تھیں۔ اُس نے کسی کو شک تک نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ اُس نے مرکزی دفاتر میں اتنا اثر و رسوخ پیدا کر رکھا تھا کہ وہ پرانی دستاویزات تک پہنچ گیا۔ وہاں سے اس نے جو کاغذات چوری کرائے، اُن میں بظاہر اُوٹ پٹانگ سی لکیروں کا ایک نقشہ تھا۔ دراصل یہ کاغذات نہیں کپڑے اور کاغذ کے درمیان کی کوئی چیز تھی۔ ایسے ہی چند ایک اور کپڑے یا کاغذ تھے، جن پر فرعونوں کے وقتوں کی عجیب و غریب تحریریں تھیں، جنہیں پڑھنا اور سمجھنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ یہ کسی کو دکھائی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ بہر حال کسی طرح ان تحریروں کے معانی واضح کر لیے گئے۔ انکشاف یہ ہوا کہ قاہرہ سے تقریباً اٹھارہ کوس دُور ایک پہاڑی علاقہ ہے جو خوفناک ہے، بے کار ہے اور جس کے اندر شاید درندے بھی نہیں جاتے ہوں گے، اس کے اندر کہیں ایک فرعون کا مدفن ہے۔

یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ تحریر کہاں تک صحیح اور بامعنی ہے۔ اس میں لکیروں میں ہاتھ سے بنی ہوئی چند ایک تصویریں بھی تھیں۔ کہانی کا کچھ حصہ ان تصویروں میں چھپا ہوا تھا۔ احمر نے قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس فرعون کا نام ریمسیس دوم تھا۔ اس کے مدفن کی تلاش اور کھدائی کے لیے صلیبیوں نے قاہرہ میں چند ایک ہوشیار، دانش مند اور جفاکش آدمی بھیج دیئے تھے۔ ان کا سربراہ مارکونی اطالوی تھا جسے سیاحت اور کوہ پیمائی کا تجربہ تھا۔ احمر نے ان آدمیوں کو کامیابی

سے بہروپ چڑھادیئے تھے کہ قاہرہ میں انہیں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ دو کو تو اُس نے اپنے گھر میں ملازم رکھ لیا تھا۔ اس کے عوض احمر درویش سے یہ سودا ہوا تھا کہ وہ مدفن سے زر و جواہرات نکالے، انہیں اپنے پاس رکھے۔ سلطان ایوبی کے خلاف تخریب کاری میں استعمال کرے، فدائیوں کو منہ مانگی اُجرت دے۔ سلطان ایوبی کو قتل کرائے اور جب مصر صلیبیوں یا سوڈانیوں کے قبضے میں آجائے گا تو اُسے ایک خودمختار ریاست بنادی جائے گی، جس میں کچھ حصہ سوڈان کا کچھ مصر کا شامل ہوگا۔ اُسے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس تلاش کے دوران اگر سلطان ایوبی صلیبیوں پر یا سوڈانیوں پر حملہ کرے تو احمر اپنے زیر کمان دستوں کو سلطان ایوبی کی جنگی چالوں کے اُلٹ استعمال کرے۔

احمر درویش کا دماغ اتنے بڑے لالچ کے جادو کی گرفت میں آچکا تھا اور اُس نے مارکونی کو اُن دو صلیبیوں کے ساتھ جو اُس کے نوکروں کے بہروپ میں اُس کے گھر میں تھے، نقشہ دے کر مدفن کی تلاش کی مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ ایک جاسوس کی وساطت سے اُس نے ہرمن کو اطلاع بھیج دی تھی کہ تلاش شروع ہو چکی ہے۔ ہرمن نے اس کانفرنس میں صلیبی حکمرانوں وغیرہ کو بتادیا کہ اگر یہ مدفن بے نقاب ہو گیا تو اس سے برآمد ہونے والی دولت سے مصر کی جڑیں مصریوں کے ہی ہاتھوں کھوکھلی کی جاسکیں گی۔

☆

۱۱۷۴ء کی پہلی سہ ماہی کے آخری دن تھے۔ قاہرہ سے اٹھارہ کوس دُور ایک جگہ تین اونٹ کھڑے تھے۔ ہر اونٹ پر ایک آدمی سوار تھا۔ ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک سوار نے چغے کے اندر سے ایک گول کیا ہوا چوڑا کاغذ نکالا۔ اُسے کھول کر غور سے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا...... ''جگہ یہی ہے''......اس کے اشارے پر تینوں اونٹ آگے چل پڑے۔ دو ٹیلے آمنے سامنے دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے درمیان ایک اونٹ گزرنے کا راستہ تھا۔ تینوں ایک قطار میں اندر چلے گئے۔ اندر کی پہاڑیوں کی شکل و صورت ایسی تھی جیسے کوئی بہت ہی وسیع عمارت ہو جس کی چھتیں غائب ہوں۔ ریت کے لامحدود سمندر میں یہ پہاڑی علاقہ تین چار میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ باہر ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ان کے پیچھے سخت مٹی کی پہاڑیاں اور ان کے پیچھے ٹوٹی پھوٹی دیواروں کی طرح پہاڑیاں تھیں جن میں بعض بہت چوڑے اور گول ستونوں کی طرح ایک ہزار فٹ بلندی تک گئی ہوئی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جب شام ابھی گہری نہیں ہوتی تھی۔ یہ علاقہ بہت سے بھوتوں کی طرح نظر آیا کرتا تھا۔ اس کے اندر جانے کی کسی نے کبھی جرأت نہیں کی تھی۔ کوئی جرأت کرتا بھی تو کیوں کرتا۔ اندر جانے کی کسی کو کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ صحرا کے مسافروں کی ضرورت صرف پانی ہوا کرتی تھی۔ ایسے خشک پہاڑوں اور چٹانوں کے اندر جو دن کے وقت دُور سے شعلوں کی طرح نظر آتے تھے۔ پانی کا ذرا سا دھوکہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ جگہ کسی راستے میں بھی نہیں پڑتی تھی۔ میلوں دُور سے نظر آنے لگتی تھی۔ لوگ اس کے متعلق کچھ ڈراؤنی سی کہانیاں سنایا کرتے تھے جن میں ایک یہ تھی کہ یہ شیطان بدرُوحوں کا مسکن ہے۔ خدا نے جب آسمان سے شیطان کو دھتکارا تھا تو شیطان یہیں اُترا تھا۔ اس علاقے کی چونکہ فوجی اہمیت بھی نہیں تھی۔ اس لیے فوجوں نے بھی کبھی اس کے اندر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایسے علاقے کے اندر ریت، موت اور صحرائی درندوں کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔ اس ہولناک خطے کی تاریخ میں غالباً یہ پہلے تین انسان تھے جو اس کے اندر چلے گئے تھے۔ انہیں وہیں جانا تھا کیونکہ ہزاروں سال پرانا نقشہ اسی جگہ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ صرف ایک لکیر شک پیدا کرتی تھی۔ یہ ایک ندی کی لکیر تھی، مگر وہاں کوئی ندی

تھی تھی۔اس کی جگہ اب ایک بڑا ہی لمبا نشیب نظر آتا تھا جس کی چوڑائی بارہ چودہ گز تھی۔اس کے اندر کی ریت کی شکل و صورت بتاتی تھی کہ صدیوں پہلے یہاں سے پانی گزرتا رہا ہے۔اسی نشیب نے جو قریب ہی کہیں ختم ہونے کی بجائے دریائے نیل کی طرف چلا گیا تھا،شتر سواروں کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس جگہ کی تلاش میں ہیں،وہ یہی ہے۔

ان سواروں میں ایک مارکونی اطالوی تھا اور دو اس کے ساتھی تھے،تینوں صلیبی تھے۔انہیں سلطان ایوبی کے ایک کمانڈر احمر درویش نے فرعون ریمینس دوم کے مدفن کی تلاش کے لیے بھیجا تھا۔نقشے کے مطابق وہ صحیح جگہ پر آگئے تھے۔ اب اندر جا کر یہ دیکھنا تھا کہ یہ جگہ کس حد تک صحیح ہے۔مارکونی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے والے فرعون اپنی آخری آرام گاہ ایسے جہنم میں بنانے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔احمر اور ہرمن نے ہمیں ایک بے کار آزمائش میں ڈال دیا ہے۔اُس کے ساتھیوں نے اُسے اپنا کمانڈر سمجھتے ہوئے کوئی مشورہ نہ دیا۔وہ حکم کے پابند تھے۔مارکونی سخت جان صلیبی تھا۔ہمت ہارنے کا قائل نہ تھا۔وہ آگے آگے چلتا رہا۔وہ جوں جوں اندر جارہے تھے،چٹانوں کی شکلیں بدلتی جا رہی تھیں۔ان کا رنگ گہرا بادامی بھی تھا،کتھئی بھی اور کہیں کہیں ان کا رنگ نیلا لال بھی تھا۔ان میں ریتلی سلوں کی چٹانیں تھیں اور مٹی کے سیدھے کھڑے ٹیلے بھی۔ڈھلانوں سے ریت بہتی نظر آتی تھی۔

بہت آگے جا کر یہ وادی بند ہوگئی۔مارکونی نے دائیں طرف دیکھا۔ایک ٹیلا درمیان سے اس طرح پھٹا ہوا تھا جیسے زلزلے نے دیوار میں شگاف کر دیا ہو۔شگاف میں سے جھانکا۔یہ ایک گلی تھی،جو دُور تک چلی گئی تھی۔اونٹ کا گزرنا مشکل نظر آتا تھا۔مارکونی نے اپنا اونٹ شگاف کی گلی میں داخل کر دیا۔اس کے گھٹنے دونوں طرف ٹیلوں کی دیواروں سے لگتے تھے۔اُس نے ٹانگیں سمیٹ کر اونٹ کی کوہان پر رکھ دیں۔پچھلے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔اونٹوں کے پہلو دائیں بائیں لگتے تھے تو مٹی نیچے گرتی تھی۔ٹیلا دو حصوں میں کٹ کر دُور تک چلا گیا تھا۔اونٹوں کے ہچکولوں سے یوں لگتا تھا جیسے ٹیلے کے دونوں حصے ہل رہے ہوں اور دونوں مل کر اونٹوں کو سواروں سمیت پیس ڈالیں گے۔آگے جا کر اوپر دیکھا تو دُور اوپر ٹیلے کے دونوں حصوں کی چوٹیاں آپس میں مل گئی تھیں۔آگے اندھیرا سا تھا لیکن دُور آگے روشنی سی نظر آتی تھی جس سے اُمید بندھ گئی کہ وہ گلی وہاں ختم ہو جائے گی اور آگے جگہ فراخ ہے۔

گلی نے اب سُرنگ کی صورت اختیار کر لی تھی جس میں اونٹوں کے پاؤں کی آوازیں ذرا اونی سی گونج پیدا کرتی تھیں۔مارکونی بڑھتا گیا۔وہاں یہی ایک راستہ تھا اس لیے غلطی کا امکان کم تھا۔سامنے روشنی کا جو دھبہ تھا،وہ پھیل رہا تھا، سُرنگ ختم ہو رہی تھی......اور جب وہ سُرنگ کے دہانے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اونٹ سواروں سمیت نہیں گزر سکیں گے۔سوار اونٹوں کی گردنوں پر آ کر نیچے اُترے،کیونکہ پہلوؤں سے نہیں اُترا جا سکتا تھا۔اونٹوں کو بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔آگے دیکھا تو چاروں طرف کسی پرانے قلعے کی بڑی ہی بلند دیواریں نظر آئیں،مگر یہ قلعہ قدرتی تھا۔پہاڑیوں کی شکل ایسی تھی کہ تین چار سو گز تک ڈھلان تھی اور وہاں سے پہاڑیاں سیدھی اوپر کو اُٹھ گئی تھیں۔بعض اونچی تھیں،بعض کم بلند۔معلوم ہوتا تھا جیسے ہر جگہ ہر طرف سے بند ہو۔گھوم پھر کر دیکھا تو ایک پہاڑی کے ساتھ اتنی جگہ تھی جس پر پیدل چلا جا سکتا تھا۔

مارکونی نے اونٹوں کو بٹھا دیا اور پیدل چل پڑے۔پہاڑی گولائی میں ہوگئی تھی۔پاؤں جما کر رکھنا پڑتا تھا، کیونکہ ریت اور مٹی تھی جس سے پاؤں ڈھلان کی طرف ہو کر گرا سکتا تھا۔یہ دراصل کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔چلنے کی صرف جگہ تھی۔زمین اور ٹیلے بتا رہے تھے کہ صدیوں سے یہاں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔یہ چلنے کی جگہ یا راہ آگے گئی تو مارکونی اور اس کے ساتھیوں کے دِل اُچھل کر حلق تک آگئے۔ڈھلان سخت ہوگئی تھی اور نیچے جا کر کسی بڑی ہی اونچی دیوار کی

منڈیر بن گئی تھی۔ دائیں طرف پہاڑی تھی جس کے پہلو میں وہ قدم جما جما کر چل رہے تھے مگر بائیں طرف زمین دُور نیچے چلی گئی تھی۔ یہ ایک بڑی وسیع اور بہت ہی گہری کھائی تھی۔ وہاں سے گرنے کا نتیجہ صرف موت تھا۔ کھائی کے دوسرے کناروں پر اسی طرح کے پہاڑ تھے جس کے ساتھ ساتھ وہ چل رہے تھے۔

ایسے خطرناک مقام پر آ کر مارکونی کے ایک ساتھی نے اُس سے پوچھا...... ''کیا تمہیں یقین ہے کہ ریمینس فرعون کا جنازہ اس جگہ سے گزارا گیا ہوگا؟''

''احمر درویش نے یہی راستہ بتایا ہے''...... مارکونی نے کہا...... ''جہاں تک میں نقشے کو سمجھ سکا ہوں، ہمارے گزرنے کا یہی راستہ ہے۔ ریمینس کا تابوت کسی اور طرف سے گزارا گیا تھا۔ ہمیں وہ راستہ معلوم کرنا ہے۔ وہ کوئی خفیہ راستہ تھا جو صدیوں کی آندھیوں اور زمین کی تبدیلیوں نے بند کر دیا ہوگا۔ اگر وہ راستہ مل گیا تو ہم مدفن تک پہنچ جائیں گے''۔

''اگر زندہ رہے تو!''

''میں اس کے متعلق یقین تو نہیں دلا سکتا''...... مارکونی نے کہا...... ''یہ یقین دِلا سکتا ہوں کہ مدفن مل گیا تو تم دونوں کو مالا مال کر دوں گا''۔

راستہ چوڑا ہو گیا اور کھائی ختم ہو گئی۔ اب وہ دو ایسی پہاڑیوں کے درمیان جا رہے تھے، جن کے دامن ملے ہوئے تھے مگر کچھ ہی دور آگے پہاڑیاں مل گئی تھیں۔ وہ وہاں تک پہنچے تو انہیں بائیں طرف اوپر چڑھنا پڑا۔ کوئی ایک سو گز اور اوپر جا کر انہیں ایک گلی سی نظر آئی جو نیچے کو جا رہی تھی۔ وہاں سے اِردگرد دیکھا تو دُور دُور تک پہاڑیوں کے ستون اوپر کو گئے ہوئے تھے۔ منظر ہیبت ناک تھا۔ وہ نیچے اُترتے گئے۔ یہ گلی کئی ایک موڑ مڑ کر انہیں ایک فراخ جگہ لے گئی جو گولائی میں تھی۔ یہاں کی گرمی ناقابلِ برداشت تھی۔ چوٹیوں کے قریب پہاڑیوں میں چمک سی تھی۔ وہاں کی مٹی میں کسی دھات کی آمیزش تھی۔ اسی کی تپش سے گرمی زیادہ تھی۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ سوائے چند گز جگہ کے۔ وہاں گئے تو خوف سے تینوں پیچھے ہٹ گئے۔ وہ بہت گہرا نشیب تھا۔ وسعت بھی زیادہ تھی۔ اس کی تہ پر ریت چمک رہی تھی اور سورج کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ ریت سے دھواں سا اُٹھتا اور لرزتا نظر آتا تھا۔ اس سے اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

اس اتنے گہرے نشیب کے آمنے سامنے کے کناروں کو ایک قدرتی دیوار ملاتی تھی۔ یہ نیچے سے اوپر تک تھی۔ یہ دراصل مٹی اور ریت کا دیوار نما ٹیلا تھا جو نیچے سے بھی اتنا ہی چوڑا تھا جتنا اوپر سے۔ اس کی چوڑائی ایک گز سے کم تھی۔ کہیں سے گولائی میں تھی جس پر چلنا خطرناک تھا۔ اگر مارکونی کو پار جانا ہی تھا تو یہی ایک راستہ تھا جو پُل صراط کی مانند تھا۔ اس کی لمبائی پچاس گز سے زیادہ ہی تھی۔ مارکونی کے ایک ساتھی نے اُسے کہا...... ''میرا خیال ہے اس دیوار پر چلنے کی بجائے تم خودکشی کا کوئی بہتر طریقہ اختیار کرو گے''۔

''خزانے راستے میں پڑے نہیں ملا کرتے''...... مارکونی نے کہا...... ''ہمیں اسی راستے سے پار جانا ہے''۔

''اور پھسل کر نیچے جہنم کی آگ میں گرنا ہے''...... دوسرے ساتھی نے کہا۔

''کیا ہم نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف نہیں اُٹھایا کہ صلیب کی عظمت اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے جانیں قربان کر دیں گے؟''...... مارکونی نے کہا...... ''کیا میدانِ جنگ میں ہمارے ساتھی صلیب پر جانیں قربان نہیں کر رہے؟ میں بزدلوں کی طرح یہیں سے واپس ہو کر احمر درویش کو یقین دلا سکتا ہوں کہ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد اب تمام راستے بند ہو چکے ہیں، جہاں ندی تھی، وہاں چٹانیں ہیں اور جہاں نقشہ چٹانیں دکھاتا ہے، وہاں کچھ بھی نہیں ہے، مگر میں بزدل نہیں بنوں گا،

جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرے دِل پر خوف طاری ہو چکا ہے۔ میں اس کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ میرے خوف میں اضافہ نہ کرو دوستو! اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو صلیب سے دھوکہ کرو گے اور اس کی سزا بڑی اذیت ناک ہوگی۔ میں تمہارے آگے آگے چلتا ہوں، جہاں پھسلنے کا خطرہ محسوس کرو، وہاں اس طرح بیٹھ جانا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں، پھر آگے سرکتے رہنا''۔

☆

یہ مطالبہ کہ وہ ایک رقاصہ کو اپنے ساتھ رکھے گا، کوئی عجیب یا غیر معمولی مطالبہ نہ تھا۔ البتہ قدومی کو اپنے ساتھ لے جانا کچھ عجیب سا تھا۔ قدومی ایک جواں سال رقاصہ تھی جو صرف امراء اور دولت مند افراد کے ہاں جاتی تھی۔ وہ سوڈان کی رہنے والی تھی اور مسلمان تھی۔ وہ خوب صورت تو تھی ہی مگر اُس کے ناز و ادا میں جو جادو تھا، اُس نے بڑے بڑے لوگوں کے دماغ خراب کر رکھے تھے۔ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ قدومی مارکونی کے ساتھ صحرا میں چلی جائے گی۔ مارکونی اس کے بغیر جانے پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔ احمر درویش کو آخر یہ وعدہ کرنا پڑا کہ وہ قدومی کو اس کے ساتھ بھیج دے گا۔

اُسی روز پچاس آدمیوں کی تلاش شروع ہوگئی۔ قاہرہ میں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی کمی نہیں تھی۔ مارکونی زیادہ تر آدمی انہی میں سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، کیونکہ وہ اُس کے اعتماد کے آدمی تھے۔ احمر بھی اسی گروہ سے آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہتا تھا۔ سلطان ایوبی کے اس جرنیل نے اپنا ایک تخریب کار گروہ تیار کر رکھا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ اُن کے اغراض و مقاصد صلیبیوں والے تھے۔ احمر درویش نے اپنا ایمان نیلام کر کے ان چند ایک مسلمانوں کو بھی ایمان فروش بنا دیا تھا۔ یہ سب صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے تھے اور ان کا اُٹھنا بیٹھنا حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔

قدومی کے پاس مارکونی خود احمر درویش کا پیغام لے کر گیا۔ احمر معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ وہ فوجی حاکم تھا اور مصر پر عملاً فوج کی حکومت تھی۔ ویسے بھی قدومی احمر کے زیر اثر تھی۔ اُس نے بادل نخواستہ ہاں کر دی، لیکن مارکونی نے اُسے یہ بتا کر کہ وہ فرعون کے مدفن میں سے ہیرے جواہرات نکالنے جا رہا ہے، قدومی پر ایسا نشہ طاری کر دیا کہ وہ فوراً روانہ ہونے کو تیار ہوگئی۔ مارکونی منجھا ہوا چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے قدومی کو ملکہ قلوپطرہ بنا دیا۔ قدومی ایک رقاصہ تھی، جس کے کوئی جذبات نہیں تھے۔ اُسے اپنے جسم، اپنے حسن، اپنے فن اور زر و جواہرات سے پیار تھا۔ وہ اُن عورتوں میں سے تھی جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتی ہیں کہ اُن کے حُسن و جوانی کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ مارکونی نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ فرعون کے مدفن سے برآمد ہونے والا خزانہ کہاں اور کیوں صرف کیا جائے گا۔

پچاس آدمیوں کی تلاش میں پندرہ بیس دِن لگ گئے۔ ان میں زیادہ تعداد صلیبی تخریب کاروں کی تھی۔ باقی مسلمان تھے۔ وہ بھی صلیبیوں کے ہی تخریب کار تھے۔ سب اونٹوں پر سوار ہو کر قاہرہ سے نکل گئے تھے، لیکن وہ اکٹھے روانہ نہ ہوئے۔ تین تین چار چار کی ٹولیوں میں مسافروں اور تاجروں کے روپ میں نکلے۔ قدومی کو ایک پردہ دار بیوی کے بہروپ میں لے جایا گیا۔ مارکونی اس کا خاوند بنا۔ ان دونوں کے ساتھ ،، آدمی تھے۔ ایک صلیبی تھا اور دوسرا مسلمان جس کا نام اسماعیل تھا۔ یہ احمر کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ اپنی ضرورت پر اور کرائے پر بھی ہر جرم کر گزرتا تھا۔ کرائے کے قاتلوں میں سے بھی تھا۔ معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت اور عزت نہیں تھی لیکن حیثیت والے لوگ اُسے سلام کرتے تھے۔ مارکونی بھی اُسے اچھی طرح جانتا تھا اور اس مہم میں اُسے قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ یہ سب الگ الگ راستوں سے روانہ ہوئے تھے۔ انہیں اٹھارہ کوس دور وہ جگہ بتا دی گئی تھی جہاں انہیں اکٹھا ہونا تھا۔ اُن کے پاس تیر و کمان اور تلواریں تھیں۔

رسّے اور کھدائی کا سامان تھا۔
سب سے پہلے مارکونی، اسماعیل، قدومی اور اُن کا ایک صلیبی ساتھی وہاں پہنچے تھے۔ مارکونی انہیں اس پہاڑی علاقے کے اندر لے گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور انہوں نے خیمے لگا لیے تھے۔ اُسی رات اُن کے ساتھیوں کو پہنچ جانا تھا۔ اسماعیل قدومی کو جانتا تھا۔ قدومی اُس سے واقف نہیں تھی۔

☆

رونے کی آوازیں بدستور آرہی تھیں اور ان کے تیسرے ساتھی کی چیخوں کی گونج اس طرح بھٹک رہی تھی جیسے اوپر جا کر اُن کے اوپر منڈلا رہی ہو..... دیوار کچھ چوڑی ہوگئی۔ مارکونی نے گھوم کر اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اوپر کر لیا۔ آگے وہ ذرا اطمینان سے چل سکتے تھے، لیکن ہوا کے جھونکے اتنے تیز تھے کہ اُن کے لیے توازن قائم رکھنا ذرا مشکل تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور دیوار ختم ہوگئی۔ آگے زمین اور پہاڑیاں کچھ سخت تھیں۔ دو چٹانوں کے درمیان تنگ سا راستہ تھا۔ وہ اس میں داخل ہو گئے۔ مارکونی کے ساتھی نے اس سے پوچھا..... ''جیفرے مر چکا ہوگا؟ اُسے بچایا یا دیکھا نہیں جا سکتا؟''
مارکونی نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ بھری اور نفی میں سر ہلایا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے کچھ کہے بغیر اپنے ساتھی کے کندھے پر تھپکی دی اور آگے چل پڑا۔ یہ بھی ایک گلی سی تھی جو فراخ ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی سے کہا..... ''ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم جہاں جاتے ہیں، وہاں ایک ہی راستہ ملتا ہے۔ ایک سے زیادہ راستے ہوں تو بھٹک جانے کا خطرہ ہوتا ہے''۔
یہ گلی ختم ہوگئی۔ آگے جگہ کشادہ ہوتے ہوتے بہت ہی کھل گئی اور زمین اوپر کو اُٹھتی گئی۔ ہوا ابھی تک تیز تھی۔ مارکونی کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس ہیبت ناک علاقے میں کتنی دُور اور اندر پہنچ گیا ہے۔ اُسے صرف یہ احساس رہ گیا تھا کہ دُنیا سے اُس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔ وہ صلیب کے نام پر دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ فرعون کا مدفن تلاش کرنے کا مقصد اُس کے سامنے یہی تھا کہ اس سے نکلے ہوئے خزانوں سے مسلمانوں کو خرید کر انہیں سلطنتِ اسلامیہ کے ہی خلاف استعمال کیا جائے گا اور دُنیا میں صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ وہ اپنے ڈرے ہوئے ساتھی کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ ہوا اُسی طرف سے آرہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں دائیں اور بائیں کو ہٹ گئی تھیں اور سامنے آسمان نظر آرہا تھا۔ مارکونی چڑھائی چڑھ رہا تھا وہ رُک گیا اور ہوا کو سُونگھ کر بولا..... ''تم بھی سونگھو، ہوا میں جو بو ہے وہ صحرائی نہیں''۔
''تمہارا دماغ جواب دے رہا ہے''۔ اُس کے ساتھی نے کہا..... ''صحرا میں صحرائی بُو نہیں ہے تو اور کس کی ہے؟ تم اطالوی ہو شاید؟ شاید تمہیں اپنے گھر کی بُو آرہی ہے''۔
مارکونی کے چہرے پر کچھ اور تاثر تھا۔ وہ ہوا کو سونگھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا..... ''تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ میرے دماغ پر صحرا کی صعوبت کا اثر ہوگیا ہے۔ یہاں پانی نہیں ہو سکتا۔ میں شاید خیالوں میں کھجوروں، سبزے اور پانی کی بُو سونگھ رہا ہوں۔ میں اس بُو سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ میرا تجربہ ہے، مگر میرے سونگھنے کی حس مجھے دھوکہ دے رہی ہے۔ اس جہنم میں پانی بوند بھی نہیں ہو سکتی''۔
''مارکونی!'' اُس کے ساتھی نے اُس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا اور کہا..... ''میں بھی ایک بُو سونگھ رہا ہوں، موت کی بُو۔ مجھے موت اپنی طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ آؤ دوست! جدھر سے آئے ہیں، اُدھر ہی لوٹ چلیں، اگر سمجھتے ہو کہ میں بزدل ہوں تو مجھے میدانِ جنگ میں بھیج دو۔ ایک سو مسلمانوں کو کاٹنے سے پہلے نہیں مروں گا''۔

مارکونی زیادہ باتیں کرنے والا آدمی نہیں تھا۔اُس نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مُسکرا کر کہا۔۔۔ ''ہم ایک سو نہیں، ایک ہزار مسلمانوں کو کاٹیں گے اور مریں گے نہیں، میرے ساتھ آؤ''۔

وہ ساتھی کو لے کر چڑھائی چڑھنے لگا۔ چڑھائی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ زمین آہستہ آہستہ اوپر اُٹھ رہی تھی۔ سورج آگے نکل گیا تھا۔ سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ ان دونوں کو تھکن نے چور کر دیا تھا۔۔۔ وہ آگے کو جھکے ہوئے بڑھتے گئے اور اوپر اُٹھی ہوئی انتہائی بلندی تک پہنچ گئے۔ ریت نے اُس کی آنکھیں بھر دی تھیں۔ مارکونی نے آنکھیں مل کر دیکھا۔ آگے ڈھلان تھی اور چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں۔ وہ ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا ''تم اگر ریگستان سے اچھی طرح واقف ہو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ سامنے دیکھو اور بتاؤ کہ یہ سراب تو نہیں؟''

اُس کے ساتھی نے دیکھا۔ آنکھیں بند کیں، کھولیں اور غور سے دیکھا۔ اُس نے کہا۔۔۔ ''یہ سراب نہیں ہو سکتا''۔ وہ واقعی سراب نہیں تھا۔ انہیں کھجوروں کے کئی ایک درختوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ پتے ہرے تھے۔ درخت نشیبی جگہ میں معلوم ہوتے تھے اور کچھ دُور بھی تھے۔ مارکونی ٹیکری سے آگے چلا گیا۔ وہ اب دوڑ رہا تھا، اُس کا ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، وہاں عجیب و غریب شکلوں کی ٹیکریاں تھیں۔ بعض ایسی جیسے کوئی انسان گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھا ہو۔ کچھ بڑی تھیں، کچھ چھوٹی۔ مارکونی ان میں سے راستہ تلاش کرتا دوڑتا جا رہا تھا۔ سورج پہاڑیوں کی چوٹیوں کے قریب چلا گیا۔ مارکونی کا سانس پھولنے لگا۔ اُس کا ساتھی قدم گھسیٹتا جا رہا تھا۔ مارکونی اچانک رُک گیا اور آہستہ آہستہ یوں پیچھے ہٹنے لگا جیسے اُس نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔ اُس کا ساتھی اُس سے جا ملا اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

☆

اُن دونوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہیں ایک نشیب نظر آ رہا تھا۔ یہ کم و بیش ایک میل وسیع اور عریض تھا۔ اس کے اِردگرد مٹی اور ریت کی اونچی اونچی قدرتی دیواریں تھیں۔ گہرائی کا یہ علاقہ سرسبز تھا۔ کچھ اونچا نیچا بھی تھا، وہاں کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں پانی کی بہتات تھی۔ ایسے جہنم میں ایسا سرسبز گوشہ فریبِ نگاہ نہیں تھا۔ وہ اسی خطے کی بُو تھی جو مارکونی نے سونگھی تھی۔ مارکونی کو اس جگہ سے کچھ آگے ایسی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں جو ریت اور مٹی کی نہیں، بلکہ پتھروں اور پتھریلی سِلوں کی تھیں۔ اُن کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ اس جہنمی خطے کے باہر سے یہ پہاڑیاں نظر نہیں آتی تھیں اور اس سرسبز جگہ کا تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مارکونی نے تیزی سے بیٹھ کر اپنے ساتھی کو بھی بازو سے پکڑ کر بٹھا دیا۔ انہیں ایک اور عجیب و غریب چیز نظر آ گئی تھی۔ یہ دو انسان تھے جو نشیب میں اسی طرف آ رہے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک ننگے تھے۔ اُن کے رنگ گہرے بادامی اور اُن کے چہرے اچھے خاصے تھے۔ کہیں سے ایک عورت نکلی۔ وہ کسی اور طرف جا رہی تھی، وہ بھی سر سے پاؤں تک ننگی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور کمر تک لمبے تھے۔ شکل و صورت سے یہ لوگ حبشی اور جنگلی نہیں لگتے تھے۔

''یہ بدروحیں ہیں''۔ مارکونی کے ساتھی نے کہا۔۔۔ ''یہ انسان نہیں ہو سکتے۔ مارکونی! سورج غروب ہونے والا ہے۔ اٹھو، پیچھے کو بھاگ چلیں۔ رات کو یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے''۔

مارکونی انہیں بدروحیں سمجھتے ہوئے بھی کہہ رہا تھا کہ یہ انسان ہو سکتے ہیں۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ وہ ہوا میں اُڑ نہیں رہے تھے، زمین پر چل رہے تھے۔ دُور انہیں تین بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دوڑتے نظر آئے۔ ان سب کی حرکتیں ایسی تھیں جن سے یقین ہوتا تھا کہ یہ انسان ہیں۔ مارکونی پیٹ کے بل سرکتا آگے چلا گیا۔ اُس کا

ساتھی بھی اُس کے پہلو میں جا لیٹا۔ وہ جہاں لیٹ کر دیکھ رہے تھے، وہاں کی دیوار عمودی نہیں کچھ ڈھلائی تھی اور ریت زیادہ تھی۔ مارکونی کے ساتھی نے غالباً اور آگے ہونے کی کوشش کی یا جانے کیا ہوا، وہ نیچے کو سرک گیا اور لڑھکتا ہوا نیچے جا پڑا۔ وہاں سے اوپر آنا ممکن نہیں تھا۔ مارکونی پیچھے کو سرک کر ایک ایسی ٹیکری کی اوٹ میں ہو گیا جہاں سے وہ نیچے دیکھ سکتا تھا۔ یہ ڈھلان جہاں سے صلیبی گرا تھا، تیس چالیس گز اونچی ہوگی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی کو اُٹھتے دیکھا۔ وہ ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مارکونی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دو ننگے آدمی جو اسی طرف آ رہے تھے، دوڑ پڑے۔ مارکونی نے انہیں اوپر سے دیکھ لیا۔ اُس کے ساتھی نے نہ دیکھا، مارکونی اسے آواز نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہاں کوئی اور انسان بھی ہے۔ اُن دو آدمیوں نے مارکونی کے ساتھی کو پیچھے سے دبوچ لیا۔ اُس کے پاس خنجر تھا اور ایک چھوٹی تلوار بھی، مگر ہتھیار نکالنے کا موقع نہ ملا۔ اُن آدمیوں نے اُسے نیچے گرا لیا۔ وہ عورت جو کہیں جا رہی تھی، دوڑتی آئی۔ اُدھر سے بچے بھی آ گئے۔ انہوں نے اپنی زبان میں کسی کو پکارا۔ معلوم نہیں کہاں سے دس بارہ آدمی سب ننگے تھے، دوڑتے آئے۔ ایک نے مارکونی کے ساتھی کی کمر سے تلوار نکال لی۔ اُسے گرا لیا گیا اور مارکونی نے دیکھا کہ تلوار سے اس کے ساتھی کی شہ رگ کاٹ دی۔ سب آدمی ناچنے لگے۔ وہ کچھ گا بھی رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔ اتنے میں ایک ضعیف العمر انسان آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنے قد جتنا لمبا عصا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب ایک طرف ہٹ گئے۔

یہ بوڑھا بھی ننگا تھا۔ اُس کے عصا کے اوپر والے سرے پر دو سانپوں کے پھن بنے ہوئے تھے۔ یہ فرعونوں کا امتیازی نشان ہوا کرتا تھا۔ بوڑھے نے مارکونی کے ساتھی کے جسم کو ہاتھ لگایا۔ وہ اب تڑپ نہیں رہا تھا، مر چکا تھا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ تمام ننگے انسان جن میں چند ایک عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی، سجدے میں گر پڑے۔ بوڑھا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ پھر اوپر کیا اور سب سجدے سے سر اُٹھا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بوڑھے کو ڈھلان کی طرف اشارے کر کے بتایا جا رہا تھا کہ یہ آدمی اُدھر سے نیچے آیا ہے۔ بوڑھے کے اشارے پر دو لوگ مارکونی کے ساتھی کی لاش کو اُٹھا لے گئے۔ مارکونی کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ یہ پُراسرار انسان اوپر آ کر ہر طرف دیکھیں گے کہ نیچے گرنے والے کے ساتھی بھی اوپر ہوں گے۔ وہ کچھ دیر وہیں سے نیچے دیکھتا رہا۔

پھر سورج غروب ہو گیا۔ مارکونی نے موت کو قبول کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ اس جگہ اور ان لوگوں کے بھید کو پانے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے ہاتھ میں چھوٹی تلوار لے لی اور ادھر اُدھر دیکھتا ایک اور سمت چل پڑا۔ شام اندھیری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اُوپر ہی اوپر سے اُس طرف جا رہا تھا جس طرف وہ اُس کے ساتھی کو لے گئے تھے۔ وہاں کوئی آہٹ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ ڈراؤنا سا سکوت تھا۔ وہ دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتا آگے ہی آگے چلتا گیا۔ نشیب کی گولائی کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اُسے دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جب یہ آوازیں بلند ہوگئیں تو ناچنے اور گانے کا ترنم اور ہنگامہ تھا۔ وہ ان آوازوں کی سمت گیا تو اُسے ایک اور منظر نظر آیا۔ بائیں طرف ایک اور وسیع نشیب جگہ تھی۔ کئی مشعلیں جل رہی تھیں، وہاں بھی سبزہ تھا، جہاں کم و بیش پچیس مرد، عورتیں اور بچے آہستہ آہستہ ناچ اور گا رہے تھے۔ اُن کے درمیان بہت سی آگ جل رہی تھی۔ اُس کے ذرا اوپر ایک انسانی لاش سر اور پاؤں سے باندھ کر زمین کے متوازی لٹکائی ہوئی تھی۔ اُسے گھمایا جا رہا تھا۔ یہ مارکونی کا ساتھی تھا جسے بھونا جا رہا تھا۔ مارکونی یہ ہولناک منظر دیکھتا رہا۔ اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ بوڑھے نے اُس کے ساتھی کے جسم سے گوشت کاٹ کر سب میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

مارکونی کے دِل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ وہاں سے اُدھر کو واپس چل پڑا، جدھر سے آیا تھا۔ اُسے راستہ یاد تھا۔ وہ چوکنا ہو کر چلا جا رہا تھا۔ وہ اُس دیوار پر پہنچا جو تصوروں سے زیادہ گہرے نشیب میں کھڑی تھی۔ یہیں اُس کا ایک ساتھی گرا تھا۔ وہ جب دیوار کے درمیان اُس جگہ پہنچا جہاں سے اُس کا ساتھی گرا تھا، اُسے دُور نیچے غرانے اور بھونکنے کی دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سمجھ گیا کہ صحرائی لومڑیاں اُس کے ساتھی کو کھا رہی ہیں۔ اُس کے دوسرے ساتھی کو تو انسان کھا گئے تھے۔ اب ہوا تیز نہیں تھی۔ وہ تاریکی میں سنبھل سنبھل کر چلتا اور سرکتا دیوار سے گزر گیا...... رات کے پچھلے پہر وہ اُس جگہ پہنچا، جہاں تین اونٹ بیٹھے تھے۔ اُس نے اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ اونٹوں کے ساتھ بندھا ہوا پانی پی لیتا۔ وہ ایک اونٹ پر بیٹھا۔ دو اونٹوں کو ساتھ لیا اور چل پڑا۔

☆

وہ اگلے دن کی شام تھی جب مارکونی ایک معزز مصری سوداگر کے روپ میں احمر درویش کے گھر میں داخل ہوا۔ احمر نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا...... ''تم اکیلے ہو، وہ دونوں کہاں ہیں؟''

مارکونی جواب دینے کی بجائے بیٹھ گیا۔ اُس کے تو ہوش ہی ٹھکانے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ اُس نے احمر کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اُسے ایک ایک لمحے لمحے اور ایک ایک قدم کی روئیداد سنائی۔ احمر کو مارکونی کے دو ساتھیوں کے مرنے کا ذرہ بھر افسوس نہ ہوا۔ اُس نے جب سنا کہ ایک ساتھی کو ننگے آدم خوروں نے کھا لیا ہے تو اُس نے خوشی سے اُچھل کر پوچھا...... ''کیا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اُن میں سے کسی کے بھی جسم پر کپڑا نہیں تھا؟...... بوڑھے کے عصا پر دو سانپوں کے پھن تم نے دیکھے تھے؟...... تم نے اچھی طرح دیکھا تھا کہ اِن لوگوں نے ہمارے آدمی کا گوشت کھا لیا تھا؟''

''میں خواب کی باتیں نہیں سنا رہا''۔ مارکونی نے جھنجھلا کر کہا...... ''مجھ پر جو بیتی ہے، میں وہ سنا رہا ہوں۔ میں نے یہ اپنی آنکھوں دیکھا ہے، جو سُنا رہا ہوں''۔

''فرعون بھی یہی سنا رہے ہیں جو تم نے سنایا ہے''۔ احمر درویش نے اُٹھ کر مارکونی کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اُسے مسرت کی شدت سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا...... ''تم نے بھید پا لیا ہے۔ مارکونی! یہی ہیں وہ لوگ جن کی مجھے تلاش تھی۔ یہ قبیلہ سولہ صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زمانہ انہیں انسان کا گوشت کھانے پر مجبور کر دے گا۔ تم یہ تحریریں نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے پڑھ لی ہیں۔ لکھا ہے کہ خزانوں کی حفاظت سانپ کیا کرتے ہیں، لیکن میرے خزانوں کی حفاظت انسان کریں گے جو صدیوں بعد سانپ اور درندے بن جائیں گے۔ میرے مدفن کی حدود میں کوئی انسان داخل ہوگا، اُسے میرے محافظ کھا جایا کریں گے۔ وقت اور زمانہ انہیں ننگا کر دے گا، لیکن میں نے جہاں اپنا دوسری دُنیا کا گھر بنایا ہے، وہ جگہ اس کی ستر پوشی کرے گی۔ باہر کا کوئی مرد ان کی عورت پر نظر نہیں ڈال سکے گا، جو نظر ڈالے گا وہ وہاں سے زندہ نہیں جا سکے گا''۔

''میں زندہ واپس آ گیا ہوں''۔ مارکونی نے کہا۔

''اس لیے کہ تم نیچے نہیں گئے''۔ احمر نے کہا...... ''تم نے جن سیاہ رنگ کے پتھریلے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے، وہ پہاڑ اپنے دامن میں کہیں ریمنیس کی حنوط کی ہوئی لاش اور خزانے چھپائے ہوئے ہیں...... اور یہ ننگے لوگ؟...... ان کے آباؤ اجداد ریمنیس کے وقت سے وہاں پہرہ دے رہے ہیں، وہ مرتے رہے، اُن کی نسل آگے بڑھتی رہی اور پندرہ سولہ صدیاں گزر گئیں۔ میں پتا نہیں سکتا کہ وہ زندہ کس طرح رہتے ہیں۔ شاید درندوں کی طرح صحرا کے مسافروں کے شکار میں رہتے اور

انہیں بھون کر کھا لیتے ہیں، وہاں پانی کی افراط ہے۔ کھجوروں کی کمی نہیں۔ ان کا زندہ رہنا حیران کن نہیں۔ وہ آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہیں، اگر اُن کے عقیدے ٹوٹ چکے ہوتے تو وہ وہاں نہ ہوتے...... تم نے ان کے پاس کوئی ہتھیار دیکھے تھے؟''

''نہیں!''

''اُن کی تعداد کا کچھ اندازہ؟''

''رات کو جب اکٹھے تھے تو پچیس تھے''۔

''وہ اس سے زیادہ ہو بھی نہیں سکتے''۔ احمر درویش نے کہا۔

''ہاں!'' مارکونی نے کہا...... میں نے اُن کے پاس دو اونٹ بھی دیکھے تھے۔ اونٹ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں، مگر میں نے صرف دو دیکھے تھے''۔

''پھر وہ باہر آتے ہوں گے''۔ احمر درویش نے کہا...... ''وہ باہر ضرور آتے ہوں گے۔ مسافروں کو پکڑنے کے لیے انہیں باہر آنا ہی پڑتا ہوگا...... سنو مارکونی! غور سے سنو۔ وہاں کوئی ایسا سیدھا راستہ ضرور ہے جس سے وہ باہر آتے اور اندر جاتے ہوں گے۔ یہ پہاڑوں کا کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔ میں نے تمہیں جو راستہ بتایا تھا۔ وہ آنے جانے کا ایسا راستہ نہیں جس سے بار بار آیا جایا جا سکے۔ وہاں کوئی اور راستہ ہے جو اِن ننگے آدم خوروں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں اس کی ترکیب سوچ چکا ہوں۔ ترکیب یہ ہے کہ وہاں باقاعدہ حملہ کیا جائے۔ ہوسکتا ہے ہمیں اُس دیوار نما ٹیلے سے جس سے تمہارا ایک ساتھی گر کر مرا ہے اور آدمی گرا کر مارنے پڑیں، لیکن یہ قربانی ضروری ہے۔ بتاؤ پچیس تیس نہتے آدمیوں کو جن میں بچے اور عورتیں بھی ہیں، مارنے کے لیے اور اُن میں دو تین کو زندہ پکڑنے کے لیے تمہیں کتنے آدمی درکار ہیں؟ کم سے کم بتاؤ؟ ان آدمیوں کے رہنما اور سربراہ ہو گے''۔

''میں ترکیب سمجھ گیا ہوں''۔ مارکونی نے کہا...... ''ایک ترکیب میرے دماغ میں بھی آئی ہے۔ ہم انہیں قتل کر سکتے ہیں۔ دو تین کو زندہ پکڑ سکتے ہیں، لیکن میں آپ کو یہ یقین نہیں دلا سکتا کہ وہ اس جگہ کے تمام بھید ہمیں بتا دیں گے۔ اپنے قبیلے کو مرتا دیکھ کر وہ بھی مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے، لیکن بتائیں گے کچھ نہیں۔ میں ایسی ترکیب کروں گا کہ ان میں سے ایک دو آدمی باہر کو بھاگ اُٹھیں اور اُن کا تعاقب کیا جائے۔ راستہ معلوم ہو جائے گا''۔

''تم دانش مند ہو مارکونی!''...... احمر درویش نے کہا...... ''بتاؤ کتنے آدمی ہوں؟''

''پچاس!'' مارکونی نے جواب دیا اور کہا...... ''زیادہ تر آدمی میرے منتخب کیے ہوئے ہوں گے۔ میں انہیں تلاش کر لوں گا، مگر مہم کے آغاز سے پہلے میں اپنی شرطیں پیش کرنا چاہتا ہوں''۔

''تمہیں منہ مانگا انعام ملے گا''۔ احمر نے کہا۔

''مجھے خزانے سے حصہ ملنا چاہیے''۔ مارکونی نے کہا...... ''اتنی خطرناک مہم میرے فرائض میں شامل نہیں۔ جاسوس اور تخریب کار ہوں۔ مجھے خزانے کی تلاش کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ یہ آپ کی ذاتی مہم ہے۔ میں انعام نہیں منہ مانگا حصہ لوں گا۔ اگر آپ کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو آپ کو ایک ریاست کی حکمرانی مل جائے گی۔ میں جاسوس کا جاسوس رہوں گا''۔

''یہ مہم اور یہ منصوبہ ذاتی نہیں''۔ احمر درویش نے کہا...... ''یہ مصر، صلیب اور سوڈان کی حکمرانی کا منصوبہ ہے''۔

مارکونی اپنے مطالبے پر قائم رہا۔ احمر مجبور ہو گیا۔ اُسے احساس تھا کہ مارکونی کے سوا ریمیس کے مدفن تک اور نہیں پہنچ سکتا۔ اُس کے مطالبے ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مارکونی نے کہا...... ''معلوم نہیں مجھے کتنے دن صحرا

رہنا پڑے۔ میں ایسی سخت اور خشک خوراک پسند نہیں کروں گا۔ مجھے دو تین اونٹ فالتو دیئے جائیں جو میں اور میرے ساتھی بھون کر کھاسکیں اور مجھے قدومی دی جائے''۔

''قدومی؟'' احمد درویش نے حیرت سے کہا..... ''اتنی نازک اور ایسی اعلیٰ درجے کی رقاصہ کو تمہارے ساتھ ایسی خطرناک مہم میں روانہ کردوں؟ وہ جانے پر بھی راضی نہیں ہوگی''۔

''اسے زیادہ معاوضہ پیش کریں، وہ راضی ہو جائے گی''۔ مارکونی نے کہا..... ''میں اُس کے لیے ایسا انتظام کروں گا کہ وہ محسوس ہی نہیں کر سکے گی کہ وہ صحرا میں ہے اور کسی خطرناک مہم میں شریک ہے۔ میں اس کی قدر و قیمت سے واقف ہوں''۔

یہ اُس دور کا واقعہ ہے جب دولت مند تاجر اپنی چہیتی بیویوں کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اپنی بیویوں میں سے کوئی پسند نہ ہو تو کسی من پسند طوائف یا رقاصہ کو منہ مانگا معاوضہ دے کر ہمسفر بنا لیتے تھے۔ فوجوں کے کمانڈر بھی جنگ کے دوران اپنی بیویوں یا کرائے کی خوب صورت عورتوں کو ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اُس دور میں خوب صورت اور جوان عورت کو سونے سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں اور یہودیوں نے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے عورت کا استعمال کیا تھا۔

☆

اچانک گرم ہوا کے جھونکے تیز ہونے لگے۔ ریت اُڑنے لگی اور اس کے ساتھ عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو یا تین عورتیں اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔ مارکونی کے ساتھی گھبرا گئے۔ مارکونی نے کان کھڑے کیے۔ ایک ساتھی نے کہا..... ''اس دوزخ میں کوئی عورت زندہ نہیں ہو سکتی۔ یہ بدروحیں ہیں''۔

''یہ کچھ بھی نہیں ہے''..... مارکونی نے کہا..... ''بدروحیں بھی نہیں، زندہ عورتیں بھی نہیں۔ یہ ہوا کی پیدا کی ہوئی آوازیں ہیں۔ اس علاقے میں بعض ٹیلوں میں لمبے لمبے سوراخ ہیں جو دونوں طرف کھلتے ہیں اور بعض چٹانوں کی شکل ایسی ہے کہ ان سے تیز ہوا کے جھونکے گزرتے ہیں تو اس قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں جو تم سن رہے ہو۔ نیچے اتنی گہری اور اتنی وسیع کھائی ہے۔ اس پر یہ ننگے پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ آوازوں میں گونج پیدا کرتے ہیں۔ یہ گونج ہر طرف بھٹکتی رہتی ہے، ڈرو نہیں''۔

مگر اُس کے ساتھیوں پر ایسا خوف طاری ہو گیا تھا جس پر وہ قابو نہیں پا سکتے تھے۔ یہ آوازیں ہوا کی نہیں تھیں۔ قریب ہی کہیں عورتیں یا بدروحیں رو رہی تھیں۔ انہوں نے مارکونی کا پیش کیا ہوا فلسفہ تسلیم نہ کیا۔ آوازیں ہی ایسی تھیں۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ٹیلوں سے اور زمین سے ریت کے ہلکے ہلکے بادل اُڑنے لگے تھے جن سے اب زیادہ دُور تک نظر نہیں آسکتا تھا۔ مارکونی نے اس قدرتی دیوار پر پہلا قدم رکھا جو اس بھیانک نشیب میں کھڑی تھی۔ وہاں جگہ اتنی کچی تھی کہ ریت اور مٹی میں پاؤں دھنس گیا۔ اُس نے دوسرا پاؤں آگے رکھا اور نیچے دیکھا۔ گہرائی دیکھ کر وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اب اس گہرائی کی تہہ بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی، کیونکہ ریت اُڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی تہہ ہے ہی نہیں۔ مارکونی چند قدم آگے چلا گیا۔ وہاں اس کے دائیں یا بائیں کوئی ٹیلا نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ہوا میں کھڑا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکوں نے اس کے جسم کو دھکیل دھکیل کر اُس کا توازن بگاڑ دیا۔ رونے کی آوازیں اور بلند ہو گئیں۔

اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا..... ''آرام آرام سے پاؤں جماتے آؤ۔ نیچے بالکل نہ دیکھنا۔ یہ تصور کرتے آنا کہ تم زمین پر چل رہے ہو''۔

اُس کے دونوں ساتھیوں پر پہلے ہی خوف طاری تھا۔ دیوار پر تین چار قدم آگے گئے تو ہوا کی تندی نے اُن کے پاؤں اُکھاڑ دیئے۔ اُن کے جسم ڈولنے لگے۔ مارکونی اُن کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ وسط میں پہنچ گئے اور وہاں مارکونی نے دیکھا کہ دیوار ٹوٹی ہوئی ہے اور ذرا نیچے چلی گئی ہے۔ وہاں چوڑائی اتنی کم تھی کہ کھڑے ہو کر چلا نہیں جا سکتا تھا۔ مارکونی بیٹھ گیا اور گھوڑے کی سواری کی پوزیشن میں ٹانگیں اِدھر اُدھر کر کے آگے کو سرکنے لگا۔ دیوار کی چوڑائی کم اور گول ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نیچے کو سرک گیا۔ اس کے پیچھے اس کا ایک ساتھی بھی آگے چلا گیا۔ اچانک تیسرے ساتھی کی بے حد گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی...... ''مارکونی مجھے پکڑنا''...... مگر اُس تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ کوئی سہارا نہ ہونے کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ اُس کی چیخیں سنائی دیتی رہیں جو دُور ہی دُور ہوتی گئیں، پھر دھمک کی آواز آئی، چیخیں بند ہو گئیں، انجام ظاہر تھا۔ مارکونی نے نیچے دیکھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ گر کر مرنے والے کی چیخوں کی گونج ابھی تک اس دہشت ناک ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔

''مجھے اپنے ساتھ رکھو مارکونی!''...... دوسرے ساتھی نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی...... ''میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتا''۔

مارکونی نے اُس کا حوصلہ بڑھایا اور آگے بڑھنے لگا۔ دیوار اوپر اُٹھ رہی تھی۔ مارکونی بیٹھے بیٹھے آگے بڑھتا گیا۔

☆

ایک وہ محاذ تھا جس پر نورالدین زنگی لڑ رہا تھا۔ اُس نے کرک کا قلعہ فتح کر کے وہاں کے اور مضافات کے علاقوں میں انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ اُس کے گشتی دستے دُور دُور تک گشت کرتے تھے تاکہ صلیبی کسی طرف سے جوابی حملے کے لیے آئیں تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ ان دستوں کا تصادم صلیبی دستوں سے ہوتا رہتا تھا۔ زنگی تمام انتظامات سلطان ایوبی کی فوج کے حوالے کر کے بغداد واپس جانے کی تیاریاں کرنا چاہتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے انتظار میں تھا، مگر سلطان ایوبی دوسرے محاذ پر لڑ رہا تھا جو صلیبیوں اور اُن کے پیدا کردہ غداروں نے مصر میں کھول رکھا تھا۔ یہ محاذ زیادہ خطرناک تھا۔ سلطان ایوبی اس زمین دوز محاذ پر لڑنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ وہ خوب مقابلہ کر رہا تھا مگر اُسے ابھی پتا نہیں چلا تھا کہ ایک محاذ اور بھی کھل گیا ہے۔ یہ تھا ''فرعونوں کے مدفنوں کی تلاش''۔

شام کے کھانے کے بعد سلطان ایوبی اُس کمرے میں گیا، جہاں وہ اپنے سالاروں اور دیگر حکام کو اکٹھا کر کے احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ وہاں فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کے علاوہ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس بھی تھے۔ سلطان ایوبی کو اُسی روز نورالدین زنگی کا ایک طویل تحریری پیغام ملا۔ اُس نے اس پیغام کے ضروری حصے کمانڈروں کو سنائے۔ زنگی نے لکھا تھا...... ''عزیز صلاح الدین! اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ اسلام کو تمہاری بہت ضرورت ہے۔ کرک اور گرد و پیش کے علاقے دشمن سے صاف ہو چکے ہیں۔ گشتی دستے جاتے ہیں تو صلیبیوں کا کوئی دستہ کبھی کبھی ہمارے کسی دستے سے اُلجھ پڑتا ہے۔ صلیبی مجھ پر یہ رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ابھی یہیں ہیں۔ تمہارے تیار کیے ہوئے چھاپہ مار دستے تعریف کے قابل ہیں۔ یہ بہت دُور تک چلے جاتے ہیں، تم نے اُن پر جو محنت کی ہے، وہ اس کا صلہ دے رہے ہیں۔ تمہارے جاسوس ان سے بھی دلیر اور عقل مند ہیں۔ اُن کی نظروں سے میں اتنی دُور بیٹھا ہوا دشمن کی ہر ایک حرکت دیکھ رہا ہوں۔

''تازہ اطلاع یہ ہے کہ صلیبی شاید جوابی حملہ نہ کریں۔ وہ ہمیں انگیخت کر رہے ہیں کہ ہم آگے جا کر اُن پر حملہ کریں۔ تم جانتے ہو کہ بیت المقدس جو ہماری منزل ہے اور قبلۂ اوّل، جو ہمارا مقصود ہے کتنی دُور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم

ان فاصلوں سے اوران مسافتوں سے گھبرانے والے انسان نہیں، لیکن فاصلے زیادہ نہیں، دشواریاں اور رکاوٹیں زیادہ ہیں۔ بیت المقدس تک ہمیں بہت سے قلعے سر کرنے ہوں گے۔ ان میں چند ایک قلعے تو بہت مضبوط ہیں۔ صلیبیوں نے قبلۂ اول کا دفاع دُور دُور کی قلعہ بندیوں کی صورت میں بہت مضبوط کر رکھا ہے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ صلیبی اس کوشش میں ہیں کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور اطالویوں کا بحری بیڑہ متحدہ ہو جائے اور مصر پر حملہ آور ہو کر شمالی علاقے میں فوجیں اتار دے۔ تمہیں اس صورتِ حال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ پیش بندی کر لو۔ تمہارے پاس دُور مار آتشیں، گولے پھینکنے والی منجنیقیں زیادہ ہونی چاہئیں۔ میں یہ مشورہ دوں گا کہ شمالی علاقے کی زمین اجازت دے تو دشمن کے بحری بیڑے کو ساحل تک آنے دو۔ وہاں مزاحمت نہ کرو۔ دشمن کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دو کہ اُس نے تمہیں بے خبری میں آن دبوچا ہے۔ فوجیں اُتر آئیں تو جہازوں پر آگ برساؤ اور صلیبی فوج کو اپنی پسند کے میدان میں گھسیٹ لاؤ......

میں تمہاری مجبوریوں سے بے خبر نہیں ہوں۔ تمہارے قاصد نے تمام حالات بتائے ہیں۔ ربِ کعبہ کی قسم، صلیبیوں کی ساری بادشاہیاں طوفان کی طرح آ جائیں تو بھی اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ بیت لہو دینا جانتی ہے۔ یہ سرفروشوں کی اُمت ہے مگر ایمان فروشوں نے ہمیں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ تم قاہرہ میں قید ہو گئے ہو، میں بغداد سے نہیں نکل سکتا۔ عورت، شراب اور زر و دولت نے ہماری صفوں میں شگاف کر ڈالے ہیں۔ اگر ہمارے گھر میں سکون اور اعتماد ہوتا تو ہم دونوں صلیب کا مقابلہ کرتے مگر کفار نے ایسا طلسم پیدا کیا ہے کہ مسلمان بھی کافر ہو گئے ہیں۔ یہ کافر مسلمان اتنے مردہ ہو چکے ہیں کہ یہ احساس بھی نہیں رکھتے کہ اُن کا دشمن اُن کی بیٹیوں کی عصمت سے کھیل رہا ہے۔ کرک کے مسلمان بہت بُری حالت میں تھے۔ صلیبیوں نے اُن پر جو مظالم ڈھائے، وہ سنو تو لہو کے آنسو روؤ۔ میں اپنی قوم کے غداروں کو کیسے سمجھاؤں کہ دشمن کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے......

''تم نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تمہارے اپنے بھائی اور اچھے اچھے حاکم اور کمان دار تمہارے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی! افسوس اس پر نہیں کہ وہ تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے، افسوس ناک امر یہ ہے کہ وہ غدار تھے اور یہ بھی افسوس ناک ہے کہ صلیبی خوش ہو رہے ہوں گے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرا رہے ہیں۔ تم غداروں کو بخش نہیں سکتے۔ غداری کی سزا قتل ہے...... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جب آؤ تو تمہارے ساتھ فوج زیادہ ہونی چاہیے۔ صلیبی تمہیں قلعہ بندیوں میں لڑا کر تمہاری طاقت زائل کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کے راستے میں ہی تم بے دست پا ہو جائے۔ تم جب آؤ تو مصر کے اندرونی حالات کو پوری طرح قابو میں کر کے آنا۔ سوڈانیوں کی طرف سے چوکنا رہنا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سامنے کچھ مالی مسائل بھی ہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ بہتر ہے کہ اپنے مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرو اور یہ کوشش بھی کرو کہ قاہرہ سے جلدی نکل آؤ، لیکن اندر اور باہر کے حالات دیکھ کر وہاں سے نکلنا۔ اللہ تمہارا حامی ہے''۔

☆

صلاح الدین ایوبی نے مجلس کے حاضرین کو یہ پیغام پڑھ کر سنایا اور انہیں یہ اُمید افزا خبریں سنائیں کہ فوج میں شامل ہونے کے لیے دیہاتی علاقے سے لوگ آنے لگے ہیں۔ توہم پرستی کی جو مہم دشمن نے شروع کی تھی، وہ ختم کر دی گئی لیکن کہیں کہیں اس کے اثرات باقی ہیں۔ ایک فتور مسجدوں سے بھی اُٹھا تھا۔ اُسے بھی دبا لیا گیا ہے۔ تین چار اماموں نے توہمات کو جو صلیبیوں نے ہمارے مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی، لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنا شروع کر

دیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا ایلچی بنا لیا تھا۔ ہمارے سامنے ایسے لوگ آئے ہیں جو کسی مصیبت کے وقت براہِ راست خدا سے دُعا مانگنے کے بجائے اماموں کو نذرانے دیتے رہے کہ وہ ان کے لیے دُعا کریں۔ یہ وہم پھیلا دیا گیا تھا کہ عام آدمی خدا سے کچھ نہیں مانگ سکتا، نہ خدا اس کی سنتا ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''میں نے ان اماموں کو مسجدوں سے نکال دیا ہے اور مسجدیں ایسے اماموں کے حوالے کر دی ہیں جن کے نظریات اور عقیدے قرآن کے عین مطابق ہیں۔ وہ اب لوگوں کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ مسلمان کا خدا عالم اور بے علم کے لیے، امیر اور غریب کے لیے، حاکم اور رعایا کے لیے ایک جیسا ہے۔ وہ ہر کسی کی دُعا سنتا ہے۔ اچھے عمل کی جزا اور بُرے عمل کی سزا دیتا ہے۔ میں اپنی قوم میں یہی قوت اور یہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اور خدا کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے دوستو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا دشمن صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑ رہا۔ وہ تمہارے دِلوں میں نئے عقیدے ڈال رہا ہے۔ یہودی اس مہم میں پیش پیش ہے۔ یہودی اب بھی تمہارے آمنے سامنے آ کر نہیں لڑے گا۔ وہ تمہارے ایمان کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس عمل میں اتنی جلدی کامیاب نہیں ہو سکتا، لیکن وہ ناکام بھی نہیں ہوگا۔ وہ وقت آئے گا، جب خدا کی دھتکاری ہوئی یہ قوم مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ایسی چال چلے گی کہ اپنے مقصد کو پا لے گی۔ اس کا خنجر سلطنتِ اسلامیہ کے سینے میں اُتر جائے گا۔ اگر اپنی تاریخ کو اس ذلت سے بچانا چاہتے ہو تو آج ہی پیش بندی کر لو۔ اپنی قوم کے قریب جاؤ۔ اپنے آپ کو حاکم اور قوم کو محکوم سمجھنا چھوڑ دو۔ ان میں اتنا وقار پیدا کرو کہ یہ قومی وقار پر جانیں قربان کر دیں''۔

سلطان ایوبی نے بتایا کہ صلیبیوں کے پاس عورت اور دولت ہے اور ہمارے ہاں ان دونوں کا لالچ موجود ہے۔ ہمارے سامنے ایک مہم یہ بھی ہے کہ قوم کے دِل سے عورت اور دولت کا لالچ نکال دیں۔ اس کے لیے ایمان کی مضبوطی کی ضرورت ہے۔

''امیر محترم!'' ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا..... ''ہمیں دولت کی ضرورت بھی ہے۔ اخراجات پورے کرنے مشکل ہو رہے ہیں۔ ہمیں بعض کاموں میں مشکل پیش آتی ہے''۔

''میں یہ مشکل آسان کر دوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''تمہیں یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے قبول کرنی پڑے گی کہ مسلمانوں کے پاس دولت کی اور فوج کی کمی رہی ہے اور رہے گی۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی جنگ تین سو تیرہ مجاہدین کی طاقت سے لڑی تھی۔ اُس کے بعد مسلمان جہاں بھی لڑے، اسی تناسب سے لڑے۔ مسلمانوں کے پاس دولت کی کمی کبھی نہیں رہی۔ دولت چند ایک افراد کے گھروں میں چلی گئی۔ اب بھی ہماری قوم کا یہی حال ہے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے جو مالک مسلمان ہیں، اُن کے پاس دولت کے ڈھیر پڑے ہیں''۔

''دولت کے ڈھیر یہاں بھی پڑے ہیں، سالارِ اعظم''۔ غیاث بلبیس نے کہا..... ''اگر آپ اجازت دیں تو ایک نئی مہم شروع کر سکتے ہیں..... آپ کو معلوم ہے کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہاں جو فرعون بھی مرا وہ اپنا تمام ترخزانہ اپنے ساتھ زمین کے نیچے لے گیا۔ وہ خزانے کس کے تھے؟ یہ اُس غریب مخلوق کی دولت تھی جسے بھوکا رکھ کر اُس کے سجدے کرائے گئے۔ اُس دور کے انسان نے فرعون کو خدا صرف اس لیے کہا تھا کہ وہ انسان بھوکا تھا۔ اُس کی قسمت فرعونوں کے ہاتھ میں تھی۔ اُس کی زندگی اور موت بھی فرعونوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ انسانوں سے زمین کھدوا کر اور پہاڑ کٹوا کر فرعونوں نے اپنے زمین دوز مقبرے بنائے، تو وہ ایسے جیسے اُن کے محل تھے۔ ان میں انہوں نے وہ دولت ڈھیر کر لی جو لوگوں کی تھی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم فرعونوں کے زمین دوز مقبروں اور مدفنوں کی تلاش شروع کر دیں۔

میرے رفیقو! صلاح الدین ایوبی کو اس قطار میں کھڑا نہ کرو۔ میں اپنی قوم کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ اصل دولت قومی وقار اور ایمان ہے، لیکن یہ تاثر صرف اس صورت میں پیدا کیا جا سکتا ہے کہ میں خود اور تم سب جو حکومت کے ستون ہو، دل سے دولت کا لالچ نکال دو''۔

''ہم ان خزانوں کی تلاش ذاتی لالچ کے لیے نہیں کرنا چاہتے''۔ ایک کمانڈر نے کہا۔۔۔۔۔ ''ہم قومی ضروریات کے پیش نظر یہ مہم شروع کرنا چاہتے ہیں''۔

''میں جانتا ہوں میرا انکار تم میں سے کسی کو پسند نہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔۔۔ ''میری بات سمجھنے کی لیے تمہیں اپنے ذہن بالکل خالی کرنے ہوں گے۔ میری عقل مجھے بتا رہی ہے کہ باہر سے آئی ہوئی دولت جو قومی ضروریات کے لیے آئی ہو، حاکموں کے ایمان متزلزل کر دیا کرتی ہے۔ یہ دولت کی لعنت ہے، اگر میرے پاس گھوڑا خریدنے کے لیے رقم نہیں ہوگی تو میں فوج کے ساتھ پیدل بیت المقدس جاؤں گا۔ گھوڑا خریدنے کے لیے مُردوں کے کفن اُتار کر نہیں بیچوں گا۔ میرا مقصد بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرانا ہے۔ گھوڑا خریدنے کے لیے رقم کا حصول میرا مقصد نہیں۔ تم جب خزانوں کی تلاش کرنے لگو گے تو قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طور پر چوری چھپے مقبروں کو اُکھاڑنے لگیں گے۔ مصر میں ایسا ہوتا آیا ہے اور جب یہ خزانے تمہارے سامنے آئیں گے تو تم ایک دوسرے کے اگر دشمن نہ ہوئے تو ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھو گے۔ جہاں خزانے آ جاتے ہیں، وہاں انسانی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ حقوق العباد کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان زر و جواہرات نے انسان کو خدا بنایا تھا۔ وہ عذاب کہاں ہیں؟ آسمانوں پر نہیں، زمین کے نیچے ہے۔ میرے رفیقو! میں ایک نئے جرم کی بنیاد نہیں ڈالنا چاہتا۔ ان خزانوں سے بچو۔ یہ خزانوں کے لالچ کا ہی کرشمہ ہے کہ تمہاری صفوں میں غدار بھی موجود ہیں۔ تم دو غداروں کو قتل کرتے ہو تو چار اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اپنی تقدیر، اپنی تدبیر سے بناؤ۔ تم مسلمان ہو۔ اپنی قسمت کفار کے ہاتھوں میں نہ دو، ورنہ سب غدار ہو جاؤ گے۔ فرعون مر چکے ہیں۔ انہیں زمین کی تہوں میں دبا رہنے دو''۔

''آپ کے حکم کے بغیر ہم ایسی کوئی مہم شروع نہیں کریں گے''۔ کسی نے کہا۔

''غیاث!'' سلطان ایوبی نے غیاث بلبیس سے مُسکرا کر پوچھا۔۔۔۔۔ ''آج تمہیں ان پوشیدہ خزانوں کا خیال کیسے آ گیا ہے؟ مجھے یہاں آئے چار سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ تجویز کیوں پیش نہ کی''۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا امیرِ محترم!'' غیاث بلبیس نے کہا۔۔۔۔۔ ''تقریباً دو مہینے ہوئے کُتب خانے کے محرر نے مجھے بتایا تھا کہ پرانے کاغذات میں سے کچھ کاغذات گم ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کاغذات کی نوعیت اور اہمیت پوچھی تو اُس نے بتایا کہ وہ ایسے اہم نہیں تھے کہ تلاش ضروری سمجھی جائے۔ یہ کچھ نقشے سے تھے اور فرعونوں کے وقتوں کی تحریریں تھیں۔ بہت ہی بوسیدہ اور کرم خوردہ کاغذات اور کپڑے تھے۔ محرر نے جب فرعونوں کا نام لیا تو مجھے خیال آیا کہ ان تحریروں اور نقشوں میں فرعونوں کے خفیہ مقبروں کے متعلق معلومات ہو سکتی ہیں۔ میں نے وہ پلندے دیکھے، جن میں سے کاغذات گم ہوئے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر زیادہ توجہ نہیں دی کہ ان تحریروں کو آج کون پڑھ اور سمجھ سکتا ہے''۔

''تم نے صحیح نہیں سوچا غیاث بلبیس!'' سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔۔۔ ''مصر میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان تحریروں و اشاروں کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان کاغذوں اور نقشوں کی چوری حیران کن نہیں۔ یہ چوری خزانے کے کسی لالچی نے کی ہوگی۔ ان کاغذوں کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں، مجھے چور کے ساتھ دلچسپی ہے۔ وہ کوئی تمہارا ہی رفیق نہ ہو۔ اس چور کا سراغ لگاؤ''۔

''مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ ان کاغذوں کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا۔۔۔۔۔ ''میں محترم

خزانے ملک اور قوم کی خاطر استعمال کریں''۔

غیاث بلبیس کی تائید میں کئی آوازیں اُٹھیں..... ''یہ صحیح ہے امیر محترم! ہم نے اس سے پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا''.....ہم اس مہم میں فوج کو استعمال کر سکتے ہیں''.....شہری آبادی سے ایک لشکر جمع کیا جا سکتا ہے''..... ہاں، ہاں، غیر فوجیوں کو استعمال کیا جائے اور انہیں اُجرت دی جائے''۔

مجلس میں ہنگامہ سا بپا ہو گیا۔ ہر کوئی کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا، اگر کوئی خاموش تھا تو وہ صلاح الدین ایوبی تھا۔ مجلس میں بہت دیر بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کا امیر اور سالارِ اعظم خاموش ہے۔ مجلس پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے سب پر نگاہ ڈالی اور کہا..... ''میں اس مہم کی اجازت نہیں دے سکتا جس کی تجویز غیاث بلبیس نے پیش کی ہے''..... مجلس پر سناٹا طاری ہو گیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ سلطان ایوبی اس تجویز کو ٹھکرا دے گا۔ اس نے کہا..... ''میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد تاریخ مجھے قبر چور اور مقبروں کا ڈاکو کہے۔ تاریخ نے مجھے ذلیل کیا تو اس میں تمہاری بھی ذلت ہو گی۔ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ صلاح الدین ایوبی کے مشیر اور وزیر بھی قبر چور تھے۔ صلیبی اس الزام کو خوب اُچھالیں گے اور تمہاری قربانیوں اور جذبۂ اسلام کو ڈکیتی اور رہزنی کا نام دے کر تمہیں تمہاری ہی نسلوں میں رُسوا کر دیں گے اور تم ہی نہیں، ہماری تاریخ ذلیل اور رُسوا ہو جائے گی''۔

''گستاخی معاف امیر محترم!''..... علی بن سفیان نے کہا..... ''تھوڑے سے عرصے کے لیے مصر صلیبیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کے خزانوں کی تلاش شروع کی تھی۔ قاہرہ کے مضافات میں ہم نے جن کھنڈروں سے صلیبی تخریب کاروں اور فدائیوں کا ایک گروہ پکڑا تھا، وہ کسی فرعون کا مدفن تھا۔ وہاں سے وہ سب کچھ لے گئے تھے۔ صلیبیوں کی حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہی، ورنہ وہ یہاں کے تمام خزانے نکال کر لے جاتے۔ محترم غیاث بلبیس نے ٹھیک کہا ہے کہ یہ خزانے اگر کسی کی ملکیت ہیں تو وہ فرعون نہیں تھے، ان کے مالک اُس وقت کے انسان تھے۔ میں یہ مشورہ پیش کرنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ یہ خزانے نکال کر آج کے انسان کی فلاح و بہبود اور وقار کے لیے استعمال کیے جائیں''۔

''اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں''..... سلطان ایوبی نے کہا..... ''کہ یہ خزانے تمہارے سامنے آئے تو تم بھی فرعون بن جاؤ گے۔ انسان کو یہ جرأت کس نے دی تھی کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھے؟..... دولت اور دولت کی ہوس نے۔ انسان کو انسان کے آگے سجدہ کس نے کرایا تھا؟..... مفلسی اور بھوک نے۔ تم صلیبیوں کی بات کرتے ہو کہ انہوں نے فرعونوں کے ایک مدفن کو لوٹا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب پہلے فرعون کی لاش تمام تر خزانے کے ساتھ زمین میں دبائی گئی تھی، قبر چوری اُسی وقت شروع ہو گئی تھی۔ انسان وحشیوں اور درندوں کی طرح پہلے فرعون کے مدفن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اُن کا دین اور ایمان صرف دولت بن گیا تھا، پھر فرعون مر کر اپنے خزانے زمین میں لے جاتے رہے اور قبر چوری باقاعدہ پیشہ بن گئی۔ اس کے بعد ہر فرعون نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مدفن کسی ایسی جگہ تیار کرایا کہ کوئی اُسے کھول نہ سکے اور جب فرعونوں کا دور ختم ہو گیا تو مصر جس کے قبضے میں بھی آیا اُس نے ان چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش شروع کر دی۔ میں جانتا ہوں کہ فرعونوں کے بہت سے مدفن ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی جانتا ہی نہیں کہ کہاں ہیں۔ وہ زمین دوز محل ہیں۔ قیامت تک مصر کے حکمران اور حملہ آور ان مدفنوں کو ڈھونڈتے رہیں گے.....

''ان تمام حکومتوں کو زوال کیوں آیا؟ صرف اس لیے کہ ان کی توجہ خزانوں پر مرکوز ہو گئی تھی۔ رعایا کو یہ تاثر دیا گیا کہ دولت ہے تو عزت ہے۔ ہاتھ خالی ہے تو تم بھی اور تمہاری بیٹیاں بھی اُن کی ہیں جن کے پاس دولت ہے.....

غیاث بلبیس کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ بہت دنوں سے ہمارے مخبر اور شہر کے اندر کے جاسوس ہمیں کسی پُراسرار سرگرمی کی اطلاعیں دے رہے ہیں۔ قدومی یہاں کی ایک مشہور رقاصہ ہے، جسے امیروں کی محفلوں کی شمع کہا جاتا ہے، پانچ چھ دنوں سے غائب ہے۔ ایک رقاصہ کا شہر سے غیر حاضر ہو جانا کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا کرتا، لیکن قدومی کو میں نے خاص طور پر نظر میں رکھا ہوا ہے۔ میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس کے ہاں اجنبی اور مشکوک سے دو آدمی آتے رہے ہیں۔ پھر قدومی کے گھر سے ایک روز ایک پردہ پوش عورت کو نکلتے دیکھا گیا۔ وہ ایک اجنبی تاجر مسافر کے ساتھ جا رہی تھی۔ مجھے شک ہے کہ قدومی بھیس بدل کر نکل گئی ہے۔ دوسرے مخبروں کی اطلاعوں سے پتا چلتا ہے کہ کچھ آدمی جنوب کی طرف مشکوک حالت میں جاتے دیکھے گئے ہیں۔ ان سرگرمیوں سے مجھے شک ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ان گم شدہ کاغذات کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور یہ شبہ بھی ہے کہ یہ صلیبی تخریب کار ہوں گے۔ جو کچھ بھی ہے، ہم ان سرگرمیوں کا کھوج لگا رہے ہیں''۔

''ضرور کھوج لگاؤ''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''اور ان خزانوں کو اپنے ذہنوں سے اُتار دو۔ میں جانتا ہوں کہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ہمیں مالی استحکام کی ضرورت ہے، مگر میں کسی سے مدد نہیں مانگوں گا۔ محترم نورالدین زنگی نے مالی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ میں یہ امداد بھی قبول نہیں کروں گا۔ مالی امداد سگے بھائی سے ملے تو بھی انسانی صلاحیتوں کے لیے محنت اور دیانت داری کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے، پھر انسان خزانوں کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگتا ہے۔ مصر کی زمین بانجھ نہیں ہوگئی۔ محنت کرو کہ یہ زمین تمہیں ثمر دے۔ قوم کو بتاؤ کہ حکومت پر اس کے حقوق کیا ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو رعایا سمجھنا چھوڑ دے اور قوم کو یہ بھی بتاؤ کہ اُس کے فرائض کیا ہیں، اگر قوم نے فرائض سے نگاہیں پھیر لیں تو حقوق پامال ہو جائیں گے۔ تم جس زمین کی پاسبانی میں خون نہیں بہاؤ گے اور جس کے وقار کے لیے پسینہ نہیں بہاؤ گے، وہ تمہارا حق بھی ادا نہیں کرے گی۔ پھر اس ملک کے حکمران باہر کے خزانوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور قوم افراد میں منتشر ہو کر کفار کی غلام ہو جائے گی۔

☆

جن خزانوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی ہاتھ لگانے سے بھی گریز کرتا تھا، اُن تک اُس کے اپنے ہی ایک جرنیل کے بھیجے ہوئے پچاس آدمی پہنچ گئے تھے۔ مارکونی، اسماعیل، قدومی اور ایک اور صلیبی شام کو پہنچے۔ اُن کے باقی ساتھی جو الگ الگ ٹولیوں میں روانہ ہوئے تھے، اُسی رات پہنچنا شروع ہوئے اور آدھی رات کے بعد پورے پچاس آدمی پہنچ گئے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ جگہ ایسی تھی جس کے قریب سے بھی کوئی مسافر نہیں گزرا تھا۔ جگہ ڈراؤنی ہونے کے علاوہ کسی راستے پر پڑتی ہی نہیں تھی۔ یہ چونکہ سرحد سے دور تھی، اس لیے سرحدی دستوں کی نظر میں بھی نہیں تھی۔ مارکونی نے رات کو ہی سب کو اس خطے کے اندر پہنچا دیا تاکہ باہر سے کوئی دیکھ ہی نہ سکے اور انہیں مکمل آرام دینے کے لیے کہا کہ وہ جتنی دیر سو سکتے ہیں، سو جائیں۔ یہاں سے آگے پیدل جانا ہوگا اور یہ سفر جسم کی بجائے اعصاب کو زیادہ تھکائے گا۔ مارکونی خود قدومی کے ساتھ اپنے خیمے میں چلا گیا۔

وہ سب اُس وقت جاگے جب سورج اُن ٹیلوں کے اوپر آ گیا جس کے دامن میں سب سوئے ہوئے تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ وہ کون کون سا سامان، اوزار اور ہتھیار وغیرہ اپنے ساتھ لیں۔ ان میں مضبوط رسّے، کدالیں اور موٹی موٹی سلاخیں تھیں اور ہتھیاروں میں تیر و کمان اور تلواریں۔ راستے کی مشکلات کے متعلق بھی اُس نے سب کو بتا دیا۔ اُس دیوار کے متعلق بھی انہیں ذہنی طور پر تیار کر دیا، جس سے اُس کا ایک ساتھی گر کر ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو گیا تھا۔ اُس نے

انہیں رونے کی آوازوں سے بھی خبردار کر دیا جو اس علاقے میں سنائی دیتی تھیں۔ اونٹوں کو ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے اُس نے صرف ایک آدمی پیچھے رہنے دیا۔ قدومی کو بھی وہ ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ کہیں کوئی راستہ اندر جانے کے لیے مل ہی جائے گا اور وہ قدومی کو اُس راستے سے لے جائے گا۔ قدومی کی حفاظت کے لیے بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے صرف اسماعیل موزوں آدمی تھا۔

مارکونی نے اسماعیل سے کہا...... ''تم قدومی کے لیے یہیں رہو گے، لیکن یہ خیال رکھنا کہ تمہاری حیثیت اس لڑکی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس کے آرام اور حفاظت کے تم ذمہ دار ہو گے۔ میں بہت جلدی واپس آ رہا ہوں، تم دونوں کو ساتھ لے جاؤں گا''۔

وہ اپنی پارٹی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس راستے سے وہ واقف ہو چکا تھا۔ بے خوف و خطر چلتا گیا، جوں جوں یہ آدمی آگے بڑھتے جا رہے تھے، اُن پر خوف مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ صحراؤں سے پوری طرح واقف تھے، مگر ایسا خطہ اور اس قسم کے پہاڑ انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور وہ جب اُس جگہ پہنچے جہاں رونے کی آوازیں آتی تھیں تو سب بدک کر خلاؤں میں دیکھنے لگے۔ بلا شک و شبہ عورتیں رو رہی تھیں۔ ان آدمیوں میں دو تین ایسے بھی تھے جنہوں نے اس علاقے کے متعلق وہ تمام ڈراؤنی کہانیاں سن رکھی تھی جو بہت مدت سے مشہور تھیں۔ انہوں نے اپنے صلیبی ساتھیوں کو بھی یہ کہانیاں سنا کر ڈرا دیا۔ وہ سب ڈر کی گرفت میں پہلے ہی تھے، لیکن انہیں جو انعام بتایا گیا تھا، اس میں اتنی طاقت تھی جو اُن کے خوف کو دبا رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ صلیب کے تنخواہ دار ملازم بھی تھے اور مارکونی ان کا افسر تھا۔ وہ انعام اور حکم کی پابندی کے تحت چلے جا رہے تھے۔ رونے کی آوازوں پر وہ بدکے تو مارکونی نے انہیں بتایا کہ یہ عورتیں یا عورتوں کی بدروحیں نہیں، یہ ہوا کی آوازیں ہیں مگر وہ ڈرتے رہے اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔

اُس وقت سورج غروب ہو رہا تھا، جب وہ اُس وسیع اور بے انتہا گہرے نشیب تک پہنچے جو انہیں قدرتی دیوار پر چل کر پار کرنا تھا۔ مارکونی کو وہاں کچھ مشکل پیش آئی۔ دیوار پر پاؤں رکھنے سے سب گھبراتے تھے۔ مارکونی آگے آگے چلا۔ وہ ایک بار اس خطرے سے گزر چکا تھا۔ اُس کے پیچھے دوسرے آدمی نے دیوار پر قدم رکھا اور پھر باقی بھی چل پڑے۔ سورج اس جہنم میں ہی روپوش ہو گیا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ کھائی کی گہرائی نظر نہیں آتی تھی۔ مارکونی دیوار عبور کر گیا۔ اُسے ایسی چیخ سنائی دی جو تہ کی طرف جا رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ایک اور ہیبت ناک چیخ سنائی دی۔ یہ بھی دُور نیچے جا کر ایک دھیمی سی دھمک میں خاموش ہو گئی۔ ایسی پانچ چیخیں سنائی دیں...... یہ گروہ جب دیوار سے گزر کر کچھ آگے جا جمع ہوا تو اس میں پانچ آدمی نہیں تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ اس سے آگے کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے اور وہ منزل کے قریب آ گئے ہیں۔ اُس نے اس امید کا اظہار بھی کیا کہ ان کی واپسی اس راستے سے نہیں ہوگی، بلکہ سیدھا اور آسان راستہ مل جائے گا۔

رات بہت گہری ہو چکی تھی، جب وہ اُس جگہ پہنچے جس کے نیچے وسیع سر سبز خطہ تھا۔ مارکونی نے تمام آدمیوں کو وہاں سے تھوڑی دُور چھپا دیا۔ دو آدمی اپنے ساتھ لیے اور باقی سب سے کہا کہ اُن کے پاس جو کچھ ہے وہ کھا کر سو جائیں۔ انہیں ضرورت کے وقت جگایا جائے گا۔ مارکونی دو آدمیوں کو ساتھ لے کر اُس جگہ کی دیکھ بھال کے لیے چلا گیا۔ نیچے موت کا سکوت تھا۔ کہیں ہلکی سی روشنی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اور زیادہ قریب جانے سے ڈرتا تھا۔ اُس نے حملہ صبح کے لیے ملتوی کر دیا اور اپنے آدمیوں کے پاس واپس آ گیا۔

☆

قدومی اور اسماعیل اکیلے رہ گئے تھے۔قدومی اُن ہنگامہ خیز محفلوں کی عادی تھی جن میں شراب اور دولت پانی کی طرح بہتی تھی۔ مارکونی اسے اس ہولناک ویرانے میں لے آیا تھا اور اُسے ایک آدمی کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا تھا۔ اسماعیل اُسے جانتا تھا۔ وہ اسماعیل سے واقف نہیں تھی۔ اسماعیل جرم وگناہ کی دُنیا کا انسان تھا۔ اُس کی شکل وصورت اتنی اچھی اور طبیعت اتنی شگفتہ تھی کہ قدومی نے اُسے کوئی عام آدمی نہ سمجھا، لیکن اسماعیل اُس کے ساتھ بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ شام کے وقت اُس نے قدومی کو بھنا ہوا گوشت گرم کر کے دیا اور شراب بھی اُس کے آگے رکھ کر کہا کہ کھانا کھا کر سو جانا۔ کوئی ضرورت ہو تو خیمے سے بلا لینا۔ وہ باہر نکل گیا۔ قدومی نے کھانا کھا لیا۔ شراب بھی حسبِ عادت پی لی، لیکن تنہائی اُسے پریشان کرنے لگی۔ اُسے اپنے حسن اور ناز و ادا پر چونکہ فخر تھا، اس لیے اُس تو قع تھی کہ اسماعیل اس کے قریب ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس فخر میں تکبر اور غرور زیادہ تھا، مگر اسماعیل نے اُس کی طرف ایسی کوئی توجہ نہ دی جس کی قدومی کو توقع تھی۔

قدومی کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنے خیمے سے نکلی اور اسماعیل کے خیمے میں چلی گئی۔ وہ ابھی جاگ رہا تھا۔ قدومی کے لیے اُس نے دیا جلا دیا اور پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ قدومی نے کہا کہ اس کی طبیعت گھبرا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور پوچھا...... ''تم شاید مسلمان ہو''۔

''تمہیں مذہب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟''...... اسماعیل نے جواب دیا...... ''تمہاری دلچسپی انسانوں کے ساتھ ہے، کسی کے مذہب کے ساتھ نہیں۔ میرا نام اسماعیل ہے اور میرا کوئی مذہب نہیں رہا''۔

''اوہ!''...... قدومی نے مُسکراہٹ اور حیرت سے کہا...... ''تم ہو اسماعیل۔ احمر درویش کے خاص آدمی''۔ اُس نے پوچھا...... ''یہ آدمی کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ وہ مارکونی کے متعلق پوچھ رہی تھی۔ کہنے لگی...... ''اُس نے اپنا نام سلیمان سکندر بتایا ہے، لیکن یہ مسلمان معلوم نہیں ہوتا''۔

''یہ مصری بھی نہیں''...... اسماعیل نے کہا...... ''اور یہ سوڈانی بھی نہیں، اور سلیمان سکندر اس کا نام نہیں''

''پھر یہ کون ہے؟''...... قدومی نے پوچھا...... ''اس کا اصلی نام کیا ہے؟''

''میں اس کا نام نہیں بتا سکتا''...... اسماعیل نے کہا...... ''یہ راز چھپائے رکھنے کے لیے مجھے معاوضہ ملتا ہے...... تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ کون ہے۔ تم منہ مانگی اُجرت پر اس کی تفریحِ طبع کے لیے آئی ہو۔ یہ تمہارا پیشہ ہے۔ اس نے تمہیں خزانے میں سے کچھ حصہ دینے کا وعدہ دیا ہوگا''۔

''وہ تو میرا حق ہے''...... قدومی نے کہا...... ''اس نے مجھے جو اُجرت دی ہے، وہ اس خطرناک بیابان میں ساتھ آنے کے لیے بہت ہی تھوڑی ہے۔ میں تو خزانے میں سے حصہ لینے کے وعدے پر ساتھ آئی ہوں''۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں وہ حصہ دے دے گا؟''...... اسماعیل نے پوچھا...... ''اور کیا تمہیں یقین ہے کہ اُسے وہ خزانہ مل جائے گا جس کا حصہ وصول کرنے کے لیے تم آئی ہو؟''

''میں اتنی قیمتی لڑکی ہوں کہ لوگ مجھے خزانوں کے عوض خریدنا چاہتے ہیں''...... قدومی نے غرور کے لہجے میں کہا...... ''یہ شخص تو میری قیمت ادا ہی نہیں کر سکتا۔ میں ایسے امیرزادوں اور شہزادوں کو اپنا غلام بنا کے رکھا کرتی ہوں''۔

''کب تک؟''...... اسماعیل نے مُسکرا کر کہا...... ''زیادہ سے زیادہ دو سال۔ اس کے بعد تمہاری قیمت اتنی گر جائے گی کہ تم گلیوں میں پاگلوں کی طرح دوڑتی پھرو گی، تمہیں پوچھے گا کوئی نہیں، جن کے پاس خزانے ہیں اُنہیں اور ایک قدومی مل جائے گی۔ تم جیسی کئی مل جائیں گے...... سنو قدومی! اتنا غرور نہ کرو''۔

''کیوں نہ کروں؟''...... قدومی نے کہا...... ''یہ شخص جو اپنا نام سلیمان سکندر بتاتا ہے، میرے طلسم میں ایسا گرفتار ہے کہ اُس نے مجھے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ وہ صرف میرے لیے خزانے کی تلاش میں جا رہا ہے۔ وہ مجھے سکندر یہ لے جائے گا، جہاں ہم سمندر کے کنارے محل بنائیں گے۔ پھر میں رقاصہ نہیں رہوں گی، کیا تمہیں اس میں کچھ شک ہے؟''

''شک نہیں مجھے یقین ہے کہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے'' ...... اسماعیل نے کہا...... ''میں اپنی اُجرت کے لیے اس کے ساتھ آیا ہوں۔ احمر درویش کا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ، میں آ گیا۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں کرائے کا گناہگار ہوں۔ میں اُجرت پر قتل بھی کیا کرتا ہوں، مگر میں جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں کبھی پکڑا ہی نہیں گیا۔ احمر درویش مجھے بچا لیتا ہے۔ مجھ میں دوسری خوبی یا خرابی یہ ہے کہ میں عورت کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں ایسا کیوں کرتا ہوں۔ عورت پردہ دار ہو یا عصمت فروش، میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ میں عورت کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں بھی دھوکے میں نہیں رکھوں گا۔ میں تمہیں یہ بتا دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ یہ خزانہ تمہارے لیے محل تعمیر کرنے کے لیے نہیں نکالا جا رہا۔ یہ مصر کی جڑیں کاٹنے کے لیے استعمال ہوگا۔ یہاں صلیبی حکومت قائم کی جائے گی۔ مسجدوں کو گرجے بنایا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ خزانہ مصر سے باہر چلا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے تمہیں مصر کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں، مجھے بھی نہیں، ہم دونوں پیشہ ور ہیں۔ گناہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں تمہیں صرف دو باتیں بتانا چاہتا تھا، جو بتا چکا ہوں۔ ایک بار پھر سن لو۔ تمہارے حسن اور جوانی کی عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں یہ شخص اپنے ساتھ تفریح اور عیاشی کے لیے لایا ہے۔ اس کی نظر میں تم ایک طوائف ہو۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو ایک دو ہیرے تمہارے ہاتھ میں دے دے گا اور اگر اُس نے کسی کے لیے محل تعمیر کیا بھی تو وہ کوئی نوخیز لڑکی ہوگی۔ وہ تم نہیں ہوگی۔ تمہارے چہرے پر مجھے بال جیسی باریک دو لکیریں نظر آ رہی ہیں جو آج اچھی لگتی ہیں تھوڑے ہی دنوں بعد یہ گہری ہو کر تمہاری قدر و قیمت ختم کر دیں گی۔''

اسماعیل کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی اور اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جس میں طنز نہیں تھی، دھوکہ اور فریب نہیں تھا۔ ایک گونہ اپنائیت سی تھی اور ایسی حقیقت جو قدومی نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ اسماعیل اُس پر ڈورے ڈالے گا مگر اسماعیل نے اُسے ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ اس کی بجائے اُسے یہ تاثر دے دیا کہ اس کی اہمیت دو روز کی مہمان ہے۔ قدومی تو اپنے حُسن کی تعریفیں سننے کی عادی تھی۔ اپنے آپ کو قلوپطرہ ثانی سمجھتی تھی۔ اسماعیل نے ایسا تاثر پیدا کیا جسے قدومی دھتکار نہ سکی۔ اسماعیل کا انداز ہی ایسا تھا کہ اُس کا پیدا کیا ہوا تاثر اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور قدومی کی آنکھوں سے نیند غائب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسماعیل کے ساتھ باتوں میں رات گزارنا چاہتی تھی۔ اس خواہش کو وہ دبا نہ سکی۔ اسماعیل نے اسے مایوس نہ کیا۔ رات کا آخری پہر تھا، جب قدومی کی آنکھ لگ گئی۔

اُس کی آنکھ کھلی تو وہ اسماعیل کے خیمے میں تھی اور اسماعیل خیمے سے باہر کمبل میں لپٹا سویا ہوا تھا۔ قدومی نے اسے جگایا اور کہا...... ''میں نے خواب دیکھا ہے۔ عجیب سا خواب تھا۔ پوری طرح یاد نہیں رہا۔ کوئی مجھے کہہ رہا تھا کہ سلیمان سکندر کے خزانے کے نسبت اسماعیل کی باتیں زیادہ قیمتی ہیں''...... وہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں رقاصہ کا تصنع نہیں، ایک معصوم لڑکی کی سادگی تھی۔

☆

سورج نکلنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ مارکونی اپنے آدمیوں کو اُس سرسبز نشیب کے اوپر اپنی سکیم کے مطابق موزوں جگہوں پر چھپا چکا تھا۔ صبح روشن ہوئی تو نیچے ننگے آدمی اور عورتیں نظر آنے لگیں۔ مارکونی نے اپنے ایک دلیر اور نڈر

آدمی کو نیچے جانے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اسی ڈھلان سے جس سے اُس کا ایک ساتھی لڑھک کر نیچے گرا اور اس پُر اسرار قبیلے کی ضیافت بن گیا تھا۔ مارکونی نے اپنے اُس آدمی کو نیچے لڑھک جانے کو کہا۔ وہ ڈھلان کے اوپر بیٹھا اور نیچے سرک گیا۔ کچھ آگے جا کر وہ قلابازیاں کھانے لگا اور زمین پر جا پڑا۔ وہ اُٹھ کر چل پڑا۔ تین چار ننگے آدم خوروں نے اُسے دیکھ لیا اور اُسے پکڑنے کے لیے دوڑے۔ وہ خوشی سے چلا رہے تھے۔ وہ جب اس آدمی کے قریب آئے تو اوپر سے چار تیر نکلے اور اُن کے سینوں میں اُتر گئے۔ اُدھر سے دو اور ننگے مرد دوڑے آئے۔ وہ بھی تیروں کا نشانہ بن گئے۔ مارکونی نے اوپر ایک چٹان کے ساتھ رسہ بندھوا دیا تھا، جسے اُس نے ڈھلان سے نیچے پھینک کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے پکڑ کر سب ایک دوسرے کے پیچھے نیچے اُتر جائیں۔

سب نیچے چلے گئے۔ مارکونی نے اوپر سے رسہ کھول کر نیچے پھینک دیا اور ڈھلان سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ یہ سارا گروہ تلواریں نکال کر آگے کو دوڑ اپڑا۔ چند اور ننگے مرد سامنے آئے، انہیں بھی کاٹ دیا گیا۔ جو ذرا دور تھے، وہ اُلٹے پاؤں بھاگے۔ نیچے سے سرسبز علاقے کے کئی ایک حصے تھے۔ مارکونی نے دیکھا کہ بھاگنے والے ایک حصے میں چلے گئے تھے۔ وہ اُن کے پیچھے گیا۔ اُسے اُن آدمیوں کا واویلا سنائی دے رہا تھا۔ ان کی چیخ و پکار پر وہ اُن کے تعاقب میں گیا۔ اس کے باقی آدمی خون خرابہ کر رہے تھے۔ وہ خود ان دو آدمیوں کے تعاقب میں رہا...... تھوڑی ہی دُور اسے آدمی نظر آ گئے۔ وہ اب دو نہیں تین تھے۔ وہ تینوں ایک چٹان پر چڑھ رہے تھے۔ مارکونی نے ان کے پیچھے دوڑتے کچھ فاصلہ رکھا۔ وہ تینوں چٹان کی دوسری طرف اُتر گئے۔ وہ بھی چٹان پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف اُسے سیاہ پہاڑی کا دامن نظر آیا۔ وہاں ایک غار کا دہانہ تھا جس میں جھک کر گزرا جا سکتا تھا۔ مارکونی اس غار میں چلا گیا۔ اُس نے تلوار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

اندر سے غار کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے اس میں کسی کے دوڑنے کی ہلکی ہلکی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دوڑتا گیا۔ یہ غار نہیں سُرنگ تھی جو معلوم نہیں قدرتی تھی یا فرعون ریمینس نے مرنے سے پہلے بنوائی تھی۔ سُرنگ کے کئی موڑ تھے اور اندر گھپ اندھیرا۔ اُسے بولنے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ دوڑتا گیا اور اُسے دُور سامنے روشنی کا ایک گولا نظر آیا۔ اسے تین آدمی دوڑتے دکھائی دیئے۔ وہ غار کا دوسرا دہانہ تھا۔ وہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سکیم کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ تینوں غار سے نکل گئے۔ وہ بھی غار سے نکل گیا۔ تینوں میں ایک آدمی گر پڑا۔ مارکونی نے جا کر دیکھا۔ یہ وہی بوڑھا آدمی تھا جس نے اُسے اُس روز دیکھا تھا جس روز اس کا ساتھی نیچے گر پڑا اور آدم خوروں کے ہاتھوں میں مارا گیا تھا۔ وہ بہت ہی بوڑھا تھا۔ زیادہ دوڑ نہیں سکتا تھا۔ غار سے باہر ریتلے اور پتھریلے ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ایک طرف سیاہ پہاڑ دُور اوپر تک چلا گیا تھا۔ مارکونی نے بوڑھے کو سہارا دے کر اُٹھایا اور اس کے بھاگتے ہوئے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے اشاروں میں اسے سمجھایا کہ ان آدمیوں کو واپس بلاؤ۔

بوڑھے نے انہیں پکارا۔ وہ رُکے تو انہیں اپنی طرف بلایا۔ اُس نے مارکونی کے ساتھ مصری زبان میں بات کرتے ہوئے کہا...... ''میں تمہاری زبان بولتا اور سمجھتا ہوں۔ مجھے قتل کر کے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا''۔

مارکونی بھی مصری زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا...... ''میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارے ان آدمیوں کو بھی قتل نہیں کروں گا۔ مجھے باہر جانے کا راستہ بتا دو''۔

''کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟''...... بوڑھے نے پوچھا۔

''ہاں''...... مارکونی نے جواب دیا...... ''میں تمہاری بادشاہی سے نکل جانا چاہتا ہوں''۔

بوڑھے نے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ وہ دونوں بہت ہی ڈرے ہوئے تھے۔ بوڑھے نے مارکونی سے کہا..... ''اس کے ساتھ جاؤ۔ یہ تمہیں سیدھے راستے پر ڈال دیں گے''۔

بوڑھا ساتھ چل پڑا۔ وہ ٹیلوں کے درمیان سے گزرے، ایک ٹیلے کے اوپر گئے اور ایسی ہی کچھ بھول بھلیوں میں سے گزر کر وہ کھلے صحرا میں پہنچ گئے۔ مارکونی نے دیکھا کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ یہاں کوئی راستہ ہے جو اندر کی پُراسرار دُنیا میں لے جاتا ہے۔ بوڑھے نے اسے کہا..... ''تم اب چلے جاؤ، ورنہ خدا کا قہر تمہیں بھسم کر دے گا''..... مارکونی نے تینوں کو ساتھ لیا اور یہ کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے گیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو بھی باہر لائے گا۔ مارکونی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس سے وہ تینوں ڈر رہے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ واپس چل پڑے۔ مارکونی نے راستہ اور اس کے موڑ اچھی طرح دیکھ لیے۔ وہ پھر غار کے دہانے میں داخل ہوئے اور اس میں گزرتے سرسبز دنیا میں پہنچ گئے۔ بوڑھا اُسے اُس جگہ لے گیا جہاں مارکونی کے ساتھی کو آگ پر بھون کر کھایا گیا تھا۔ مارکونی کے ساتھی اُسے ڈھونڈ رہے تھے۔ کئی ایک ننگی لاشیں پڑی تھیں۔ بچوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ بوڑھے نے یہ قتل عام شاید پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ رُک گیا اور بڑے تحمل سے مارکونی سے پوچھا..... ''ان بے گناہوں کو کاٹ کر تم نے کیا پایا؟''

''اور تم ہمارے آدمی کو بھون کر کھا گئے تھے''..... مارکونی نے پوچھا..... ''اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟''

''وہ گناہگار دُنیا کا انسان تھا''..... بوڑھے نے کہا..... ''اس نے ہماری مقدس سلطنت میں آکر اسے ناپاک کر دیا تھا''۔

''تم لوگ یہاں کیوں رہتے ہو؟''..... مارکونی نے پوچھا..... ''فرعون ریمینس دوم کا مدفن کہاں ہے؟''

''میں ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دوں گا''..... بوڑھے نے جواب دیا۔

مارکونی نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان کی عورتوں کو لے آؤ۔ اس نے حملے سے پہلے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی عورت کو قتل نہ کریں اور نہ چھیڑیں۔ انہیں یرغمال کے طور پر پکڑ لیں۔ مارکونی کے ساتھی دس گیارہ عورتوں کو سامنے لے آئے، ان میں دو تین بوڑھی، باقی جوان، نوجوان اور دو تین کمسن بچیاں تھیں۔ وہ مادر زاد ننگی تھیں۔ اُن کے رنگ گندمی اور صاف تھے۔ شکل و صورت بھی سب کی اچھی تھی۔ ان کے بال کمر تک گئے ہوئے تھے اور اُن میں چمک تھی۔

''کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری عورتوں کو تمہارے سامنے بے عزت کر کے انہیں قتل کر دیا جائے؟''..... مارکونی نے بوڑھے سے پوچھا۔

''کیا تم اس سے پہلے مجھے قتل نہیں کر دو گے؟''..... بوڑھے نے پوچھا۔

''نہیں!''..... مارکونی نے جواب دیا۔

''سنو گناہگار دُنیا کے انسان!''..... بوڑھے نے کہا..... ''تمہاری عورتیں کپڑوں میں ڈھکی رہتی ہیں۔ تم انہیں پردوں میں چھپا چھپا کر رکھتے ہو، مگر وہ بے حیائی سے باز نہیں آتی۔ تم عورت کی خاطر سلطنتیں قربان کر دیتے ہو۔ عورت کو نچاتے ہو اور انہیں گناہوں کا ذریعہ بناتے ہو۔ ہماری عورتیں ننگی رہتی ہیں مگر بے حیائی نہیں کرتیں۔ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے تم نے میری دُنیا کی عورتوں کو دیکھا ہے۔ میں تو تمہاری نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم خدائے مقدس ریمینس کے خزانے لوٹ لو، میری بیٹیوں کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالنا''۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ مجھے ان پہاڑوں کا بھید بتا دو''..... مارکونی نے کہا..... ''میں تمہاری عزت تمہارے

حوالے کر دوں گا"۔

"ڈاکو کے وعدے پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا"...... بوڑھے کے ہونٹوں پر طنز کی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا "جس آدمی کے دِل میں دولت کی لالچ ہوتا ہے، اُس کی آنکھ میں غیرت نہیں ہوتی۔ اس زبان پر وعدے آتے ہیں اور اسی زبان سے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ تم اُس دنیا کے انسان ہو جہاں دولت پر اپنی بیٹیاں قربان کی جاتی ہیں اور سنو میرے اجنبی دوست! تم مصری نہیں ہو۔ تمہاری آنکھوں میں سمندر کی چمک ہے، نیل کے پانی کی نہیں۔ تمہارے جسم سے مجھے سمندر پار کی بُو آتی ہے"۔

"میں ریمینس کے مدفن کی تلاش میں آیا ہوں"...... مارکونی نے اُسے غصے سے کہا...... "مجھے وہ مدفن بتادو"۔

"میں بتادوں گا"...... بوڑھے نے کہا...... "اس سے پہلے میں تمہیں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مدفن کے اندر جا کر تم زندہ باہر نہیں آسکو گے"۔

"کیا تمہارے آدمی اندر چھپے ہوئے ہیں جو مجھے قتل کر دیں گے؟"

"نہیں!"...... بوڑھے نے جواب دیا...... "تمہیں قتل کرنے کے لیے میرے پاس کوئی آدمی نہیں رہا۔ تمہارے اپنے آدمی تمہیں قتل کریں گے۔ تمہاری لاش یہاں سے کوئی نہیں لے جائے گا"۔

"تم غیب دان ہو؟"...... مارکونی نے پوچھا...... "آنے والے وقت کی خبر دے سکتے ہو؟"

"نہیں!"...... بوڑھے نے جواب دیا...... "میں نے گزرا ہوا وقت دیکھا ہے، جس نے گزرے ہوئے وقت کو عقل اور دِل کی نظر سے دیکھا ہو وہ آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے۔ موت تمہاری آنکھوں میں آکر بیٹھ گئی ہے"۔

مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا...... "تم جنگلی ہو بڈھے! مجھے بتاؤ وہ مدفن کہاں ہے جس کی تلاش میں میں اتنی دُور سے آیا ہوں"۔

"تمہارے سامنے ہے"...... بوڑھے نے کہا...... "وہ اُوپر، آؤ"۔

مارکونی نے کچھ سوچا اور اپنے آدمیوں سے کہا...... "اِن عورتوں کو عزت سے رکھو۔ اس بوڑھے کے ساتھ گپ شپ لگاتے رہو اور اس کے ان دونوں آدمیوں کو بھی کچھ نہ کہنا۔ ان کے ساتھ دوستی پیدا کرلو۔ میں قدومی اور اسماعیل کو لینے جا رہا ہوں"۔

وہ اُسی راستے پر چل پڑا جو سُرنگ میں سے گزر کر باہر جاتا تھا۔

☆

مارکونی اس راستے سے باہر نکل گیا جو اُسے بوڑھے نے دکھایا تھا۔ اُسے اس سمت کا اندازہ تھا جدھر سے وہ اس ہولناک علاقے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اُس نے کم و بیش دو میل سفر طے کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اُس مقام پر پہنچ گیا ہے، جہاں سے وہ اپنے گروہ کے ساتھ اندر گیا تھا وہ اپنے خیمے تک گیا۔ اُس نے اسماعیل اور قدومی کو ایک ہی خیمے میں اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ حکم کے لہجے میں اسماعیل سے کہا...... "میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی حیثیت میں رہنا۔ اُس کے پاس بیٹھے تم کیا کر رہے ہو؟"

"کیا میں اس ویرانے میں اکیلی بیٹھی رہتی؟"...... قدومی نے کہا...... "میں نے خود اسے اپنے پاس بلایا ہے"۔

"تمہیں میں اپنے ساتھ صرف اور صرف اپنے لیے لایا ہوں"...... مارکونی نے غصے سے کہا...... "میں تمہیں اپنی اُجرت دے رہا ہوں۔ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے گھر میں اپنے پاس سو آدمیوں کو بلاؤ۔ یہاں تم مصری لونڈی ہو"۔

گذشتہ رات اسماعیل نے اُس پر خلوصِ دل سے ایسا تاثر طاری کر دیا تھا کہ اُس کے دل میں مارکونی کے خلاف شک اور ناپسندیدگی پیدا ہوگئی تھی۔ اُسے وہ اب اپنا ایک گاہک سمجھنے لگی تھی۔ اب مارکونی نے اُسے اپنی لونڈی کہہ دیا تو اُس کے دل میں مارکونی کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی۔ اُس نے اچھے اور بُرے انسان میں فرق دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ اسماعیل نے اُسے بالکل نہیں کہا تھا کہ وہ اچھا آدمی ہے، بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ کرائے کا گناہگار اور اُجرت لے کر قتل کرنے والا آدمی ہے۔ قدومی مارکونی کو دھتکار نہیں سکتی تھی، کیونکہ وہ اپنی طے کی ہوئی اُجرت پر آئی تھی جو وہ وصول کر کے گھر رکھ آئی تھی۔ آگے خزانے کے کچھ حصے کا وعدہ تھا جو مشکوک نظر آتا تھا۔ اُس نے برداشت نہ کیا کہ مارکونی اسماعیل کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرے۔

اسماعیل مارکونی کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے مارکونی کو بازو سے پکڑا اور ذرا پرے لے جا کر دھیمی سی آواز میں کہا..... ''احمر درویش نے تمہیں شاید میرے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔ میرے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم میرے ملک اور میری قوم کی جڑیں کاٹنے آئے ہو۔ میں اتنا بڑا گناہگار ہوں کہ کرائے پر تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اپنی پوری اُجرت لوں گا اور اگر خزانہ برآمد ہو گیا تو اپنا حصہ الگ وصول کروں گا''۔

''تم ایسی باتیں احمر درویش کے ساتھ کرنا''..... مارکونی نے اسے کمانڈروں کی طرح کہا..... ''یہاں تم میرے ماتحت ہو۔ خزانہ جو نکلے گا، وہ میری تحویل میں ہوگا۔ میں اسے جہاں چاہوں لے جاؤں''۔

''سنو سلیمان سکندر!''..... اسماعیل نے پہلے کی طرح دھیمی آواز اور ہلکے سے تبسم سے کہا..... ''میں جانتا ہوں تم مارکونی ہو، سلیمان سکندر نہیں ہو۔ میں ایک عادی مجرم ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہاری باتیں مجھے مجرم سے مصری مسلمان بنا دیں گی اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان قومی جذبے کا اتنا اندھا ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کی لاش میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو لاش بھی اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ مجھے مجرم رہنے دو''۔

مارکونی نے محسوس کر لیا کہ یہ شخص بہت گہرا ہے اور پیچیدہ بھی، اس لیے اس سے اس موقعے پر دشمنی مول لینی اچھی نہیں۔ اُس نے اسماعیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور دوستوں کی طرح مُسکرا کر کہا..... ''تم بلاوجہ کسی غلط فہمی میں پڑ گئے ہو۔ میں دراصل یہ نہیں چاہتا کہ یہ طوائف تمہارے یا میرے دماغ پر سوار ہو جائے۔ یہ بہت چالاک عورت ہے۔ یہ ہم دونوں میں غلط فہمی پیدا کر کے خزانے پر ہاتھ مارنا چاہتی ہے۔ مجھے اپنا دشمن نہ سمجھو۔ احمر درویش نے تمہیں بتایا نہیں کہ اُس نے تمہارے متعلق کیا سوچ رکھا ہے''۔

''کیا تمہیں اُمید ہے کہ خزانہ مل جائے گا؟''

''مل گیا ہے''..... مارکونی نے جواب دیا..... ''میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں''

اسماعیل اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ قدومی بھی اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار بڑے نمایاں تھے، مارکونی نے اُس آدمی کو آواز دی جسے وہ اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اُسے کہا کہ وہ اونٹوں کو ایک دوسرے کے پیچھے باندھ کر لے آئے۔ خیمے بھی لپیٹ لیے گئے۔

☆

مارکونی انہیں وہاں لے گیا جہاں اُس کے دوسرے آدمی تھے اور جہاں فرعون ریمینس کا خفیہ مدفن تھا۔ قدومی نے ایسی سرسبز جگہ دیکھی تو بہت حیران ہوئی۔ ایک اونچی پہاڑی کے دامن میں ننھی سی جھیل تھی۔ پہاڑی کے نیچے سے پانی

پھوٹتا تھا۔ یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ مارکونی ننگے قبیلے کے بوڑھے سردار کے پاس چلا گیا۔ اُسے مدفن کا سراغ لگانا تھا۔ قدومی اسماعیل کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ اُسے ایک چھوٹے سے بچے کی لاش پڑی دکھائی دی۔ بچہ ننگا تھا اور اُس کا جسم خون میں نہایا ہوا تھا۔ قدومی خوف سے کانپنے لگی۔ کچھ اور آگے گئے تو دو لاشیں اکٹھی پڑی تھیں۔ یہ بڑی عمر کے آدمیوں کی تھیں۔ دونوں میں تیر پیوست تھے اور جب وہ اسماعیل کے ساتھ فراخ جگہ گئی جہاں مارکونی کے آدمی اوپر سے اُترے تھے، وہاں اُسے کئی اور لاشیں نظر آئیں۔ ان میں پانچ چھ لاشیں بچوں کی بھی تھیں۔ تمام لاشوں کے منہ اور آنکھیں کھلی ہوئیں اور چہروں پر اذیت اور کرب کے بھیانک تاثرات تھے۔ قدومی کسی بڑی ہی حسین دُنیا کی عورت تھی۔ اُس نے ایسا ہیبت ناک منظر کبھی خواب میں نہیں دیکھا تھا۔ ایک بہت ہی چھوٹے سے بچے کی لاش دیکھ کر اُس کی چیخ نکل گئی۔

مارکونی کے تین چار آدمی چیخ سُن کر دوڑے آئے۔ قدومی کو چکر آ گیا تھا اور اسماعیل نے اُسے تھام لیا تھا۔ مارکونی کے آدمیوں کو بتایا گیا کہ وہ لاشیں دیکھ کر ڈر گئی ہے۔ ایک آدمی اس کے لیے پانی لینے کو دوڑا۔ قدومی جلدی سنبھل گئی۔ اُس نے پوچھا کہ یہ مرنے والے کون تھے اور انہیں کیوں قتل کیا گیا ہے۔ قدومی نے اسماعیل کی طرف دیکھا۔ اُس کا رنگ پیلا پڑ کا تھا۔ اسماعیل نے کہا...... ''ہم سے یہ لوگ اچھے تھے جو اس خزانے کی رکھوالی کر رہے تھے۔ یہ ننگے آدم خور دیانت دار تھے جنہوں نے جان دے دی، خزانے کا بھید نہ بتایا۔ اگر یہ فرعون کا مدفن اُکھاڑ کر مال و دولت نکال لے جاتے تو انہیں کون پکڑ سکتا تھا، مگر یہ دیانت دار تھے۔ ہم ڈاکو اور قاتل ہیں جو اپنے آپ کو مہذب سمجھتے ہیں۔ یہ مارکونی کی کارستانی ہے''۔

''میں اس خزانے میں سے کچھ بھی نہیں لوں گی جس کی خاطر ان معصوم بچوں اور بے گناہ آدمیوں کو اس بے دردی سے قتل کیا گیا ہے''...... قدومی نے کہا...... ''ان کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آتا۔ یہ نہتے تھے''۔

اُس وقت مارکونی بوڑھے کے ساتھ ایک چٹان کے پیچھے گیا ہوا تھا۔ بوڑھے نے اُسے کہا...... ''اوپر چلے جاؤ، وہاں تمہیں ایک بہت بڑا پتھر جو یہیں سے نظر آ رہا ہے، اسے تم چٹان ہی سمجھ رہے ہو، اگر اُسے وہاں سے ہٹا سکو تو تمہیں اُس دُنیا کا دروازہ نظر آئے گا جس میں ریمینس دوم کا تابوت اور اُس کا خزانہ رکھا ہے۔ اس چٹان کو اُس وقت سے کسی نے نہیں ہلایا جب سے یہ یہاں رکھی گئی ہے۔ پندرہ صدیوں سے اس چٹان کو کسی نے چھوا بھی نہیں۔ ہم پندرہ صدیوں سے اس کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ میں تمہیں ریمینس کی موت کے واقعات اس طرح سنا سکتا ہوں جیسے وہ کل میرے سامنے مرا ہو۔ یہ مجھے باپ اور دادا نے سنائے تھے۔ دادا کو اس کے باپ اور دادا نے سنائے تھے اور اس طرح پندرہ صدیوں کی باتیں میرے سینے میں آئیں جو میں نے اپنے قبیلے کو سنا دی ہیں''۔

''میں یہ باتیں بعد میں سنوں گا''...... مارکونی نے بے تاب ہو کر کہا اور وہ چٹان پر چڑھ گیا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اوپر کی مخروطی چٹان الگ ہے یا الگ کی جا سکتی ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر سے دیکھنے کی کوشش کی مگر اُسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جس سے یہ چٹان الگ معلوم ہوتی ہے۔ وہ نیچے اُتر آیا۔

''میں جانتا ہوں، تم یقین نہیں کرو گے کہ اس چٹان کے دو حصے ہیں''...... بوڑھے نے کہا...... ''اوپر کا حصہ جو پیچھے پہاڑ کے ساتھ ملا ہوا ہے، پہاڑ اور چٹان کا حصہ معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں۔ یہ انسانی ہاتھوں کا کمال ہے۔ اس کی ساخت قدرتی لگتی ہے لیکن یہ انسانوں کی کاریگری ہے۔ ریمینس نے یہ اپنی نگرانی میں بنوایا تھا، اس کے نیچے اور پہاڑ کے سینے میں جو دُنیا آباد ہے، وہ ریمینس نے اپنی زندگی میں تیار کرائی تھی اور اسے باہر کی دُنیا کے انسانوں سے تا قیامت چھپائے رکھنے کے لیے اُس نے یہ چٹان بنوائی، رکھوا کر دیکھی اور اُن آدمیوں کو قید میں ڈال دیا تھا جنہوں نے اُس کا مدفن

اور چٹان تیار کی تھی۔ وہ مر گیا تو اس کا تابوت یہاں لایا گیا۔ اُس کا ضرورت کا سامان اندر رکھا گیا۔ کاریگروں کو قید سے نکال کر اوپر چٹان رکھوائی گئی اور ان تمام آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ بارہ آدمیوں کو یہاں غاروں میں آباد کیا گیا۔ انہیں مصر کی بارہ خوب صورت عورتیں دی گئیں۔ انہیں غاروں میں رہنے کو کہا گیا۔ ان کے ذمے اس جگہ کی رکھوالی تھی۔ آج تم نے جنہیں قتل کر دیا اور میں جو زندہ ہوں، انہی بارہ آدمیوں اور بارہ عورتوں کی نسل سے ہیں''۔

''اس چٹان کو ہم وہاں سے ہٹا کس طرح سکتے ہیں؟''...... مارکونی نے پوچھا۔

''تمہاری آنکھیں کہاں ہیں؟''...... بوڑھے نے پوچھا...... ''تمہاری عقل کہاں ہے؟''......اور اس نے کہا...... ''چٹان کی چوٹی دیکھو۔ کیا تم اس کے ساتھ رسّے نہیں باندھ سکتے؟ اگر تمہارے آدمیوں میں طاقت ہے تو مل کر رسّے کو کھینچیں تو چٹان نیچے آسکتی ہے''۔

مارکونی مدفن کو بہت جلد بے نقاب کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو بلایا۔ رسّے منگوائے اور دو رسّے اوپر والی چٹان کی اُبھری ہوئی چوٹی کے ساتھ بندھوا دیئے۔ اُس نے تمام آدمیوں سے کہا کہ نیچے سے رسّہ پوری طاقت سے کھینچیں۔ وہ خود اُوپر چلا گیا۔ نیچے سے جب سب نے زور لگایا تو اُس نے دیکھا کہ بڑی چٹان ہل رہی تھی۔ ایک بار یہ اتنی زیادہ ہل گئی کہ اُسے اس کے نیچے خلا نظر آ گیا۔ اُس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُس نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اس کے آدمیوں نے اور زور لگایا تو چٹان سرک گئی۔ مارکونی نے اپنے آدمیوں کو ذرا آرام کرنے کو کہا۔ سورج سیاہ پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تھا۔ مارکونی کے پاس شراب کا ذخیرہ تھا۔ اُس نے شراب کا مشکیزہ منگوا کر کہا پیو اور اس چٹان کو کنکر کی طرح نیچے پھینک دو۔

سب شراب پر ٹوٹ پڑے۔ مارکونی نے پُر جوش لہجے میں کہا...... ''میں آج رات تمہیں دو اونٹ بھون کر کھلاؤں گا''...... تھوڑی دیر بعد شراب نے سب کی تھکن دُور کر دی اور ان میں نئی تازگی آ گئی۔ اتنے میں سورج اُفق سے بھی نیچے چلا گیا تھا۔ مشعلیں جلا کر رکھ لی گئیں اور سب نے ایک بار پھر زور لگانا شروع کیا۔ مارکونی اُوپر کھڑا تھا۔ اسے مشعلوں کی ناچتی روشنی میں چٹان کا بالائی حصہ آگے کو جھکتا اور کچھ سرکتا نظر آیا۔ اُس نے اور زیادہ جوش سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اچانک چٹان مہیب آواز کے ساتھ سرک گئی اور اُلٹ کر نیچے کو لڑھک گئی، جہاں مارکونی کے آدمی تھے، وہ جگہ تنگ تھی۔ اُن کے پیچھے بھی ایک پتھریلی ٹیکری تھی۔ اُوپر سے چٹان اتنی تیزی سے آئی کہ نیچے سے آدمی بھاگ نہ سکے۔ روشنی بھی کم تھی۔ پہاڑوں اور چٹانوں میں گھری ہوئی یہ دُنیا بیک وقت کئی ایک چیخوں سے لرز اُٹھی اور سکوت طاری ہو گیا۔ مارکونی دوڑتا نیچے آیا۔ ایک مشعل اُٹھا کر دیکھا۔ گری ہوئی چٹان کے نیچے سے خون بہہ رہا تھا، کسی کا ہاتھ نظر آ رہا تھا، کسی کی ٹانگ اور کسی کا سر، اور کچھ ایسے بھی تھے جو درمیان میں نیچے آ گئے تھے۔

مارکونی کو کسی کے دوڑنے کی آہٹیں سنائی دیں۔ کوئی بچ بھی گئے تھے، وہ بھاگ گئے تھے۔ اُس نے ٹیکری پر دیکھا، وہاں چار انسان کھڑے تھے ایک بوڑھا تھا، دوسرا اسماعیل، تیسرا مارکونی کا ایک ساتھی جو ہانپ رہا تھا، وہ بھاگا نہیں تھا اور چوتھا انسان قدومی تھی جو سراپا خوف بنی کھڑی تھی۔ مارکونی آہستہ آہستہ ٹیکری پر آیا۔ اس نے چاروں کو باری باری دیکھا۔ سب خاموش تھے۔ سب سے پہلے بوڑھا بولا۔ اس نے کہا...... ''میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں موت نظر آ رہی ہے۔ میں نے اپنے فرض کو نظر انداز کر کے تمہیں یہ بھید بتا دیا تھا کہ یہ موت کا بھید ہے اور موت میرا فرض پورا کر دے گی...... کیا تم واپس چلے جاؤ گے؟''

''نہیں!''...... مارکونی نے آہستہ سے کہا...... ''میرے، یہ ساتھی میرے ساتھ ہیں، یہ میرا ساتھ دیں گے''۔ اُس

نے ان سے پوچھا..... ''معلوم ہوتا ہے، کوئی زندہ نکل گئے ہیں، کون کون بھاگا ہے؟

''مجھ سے پوچھو''..... بوڑھے نے کہا..... تمہارے چار آدمی میرے دو آدمیوں کے ساتھ بھاگ گئے ہیں۔ میرے آدمی انہیں باہر کا راستہ نہیں بتائیں گے۔ انہیں اب اندر ہی بھٹک بھٹک کر مرنا ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ چٹان کے نیچے آ کر مر جاتے۔ یہ موت آسان تھی۔ آج رات کے لیے یہ کام بند کر دو۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا''۔

☆

مارکونی پر اس حادثے کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے بوڑھے کو اپنے کھانا کھلایا۔ اسماعیل نے بوڑھے کو ایک چادر دی جو اُس نے اپنے اوپر ڈال لی۔ قدومی پر خاموشی طاری تھی۔ وہ اُن عورتوں کو بھی دیکھ چکی تھی جنہیں مارکونی نے یرغمال بنا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ اب کسی اور جگہ تھیں۔

''تم میرے ایک آدمی کو کھا گئے تھے''۔ مارکونی نے کہا۔ ''اس پہلے تم نے کتنے انسان کھائے ہیں؟''

''جتنے ہاتھ لگ سکے''..... بوڑھے نے جواب دیا..... ''میں بتا نہیں سکتا کہ ہماری نسل میں انسانی گوشت کب داخل ہوا، جو تاریخ میرے کانوں میں ڈالی گئی ہے۔ اس میں پندرہ صدیوں پرانی ایک پیشن گوئی شامل ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ جو لوگ خدائے ریمینس کے مدفن کی حفاظت کریں گے، انہیں ریگزار اپنی ٹھنڈی آغوش میں رکھے گا۔ انہیں پانی اور سائے سے محروم نہیں ہونے دے گا۔ انہیں دُنیا کے لالچ سے آزاد کر دے گا۔ انہیں سونے، چاندی، عورت اور شراب کی خواہش سے آزاد کر دے گا۔ انہیں یہ بھی ضرورت نہیں رہے گی کہ وہ اپنے ستر ڈھانپیں۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ہوگی۔ ان میں کوئی لالچ نہیں ہوگا۔ لالچ ہی انسان کو قاتل، ڈاکو اور بددیانت بناتا ہے، وہ کبھی دولت کا لالچ کرتا ہے اور کبھی عورت کا۔ اس کا دین نہیں رہتا۔ لالچ فساد کی جڑ ہے۔ ہمیں اس لعنت سے آزاد کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ ریمینس کے محافظ انسان کا گوشت کھائیں گے۔ یہاں سے باہر جائیں گے۔ انسان کا شکار کھیلیں گے اور کوئی جانور ملے تو اُسے بھی کھائیں گے۔ اگر نہیں کھائیں گے تو ان کی نسل ختم ہو جائے گی''۔

''کیا تم آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہو؟''..... قدومی نے بوڑھے سے پوچھا۔

''انسان بڑی کمزور چیز ہے۔ اپنے خدا بدلتا رہتا ہے''..... بوڑھے نے کہا..... ''اور کبھی انسان خود ہی خدا بن جاتا ہے۔ اس وقت تم لوگ میرے خدا ہو، کیونکہ میری جان اور میری بچیوں کی عزت جو تمہاری قید میں ہیں، تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تم پر یہ راز تمہیں خدا سمجھ کر فاش کر دیا ہے، کیونکہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں اور اپنی بچیوں کو بے آبرو کرنے سے ڈرتا ہوں۔ فرعون نے بھی تمہاری طرح اپنے وقت کی مخلوق کی گردن پر بھوک اور بیگار کی چھری رکھ کر کہا تھا کہ میں خدا ہوں۔ انسان نے مجبور ہو کر کہا..... ''ہاں! تم ہی خدا ہو''..... بھوک اور مفلسی انسان کو حقیقت سے بہت دُور لے جا کر پھینک دیتی ہے۔ اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ جسے حقیقی خُدا نے اشرف المخلوقات کہا تھا، اُس کا صرف جسم رہ جاتا ہے، جسے پیٹ کی آگ جلاتی ہے تو وہ اس انسان کے آگے سجدے کرنے لگتا ہے جو اُس کے پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرتا ہے۔ انسان کی اسی کمزوری نے بادشاہ پیدا کیے۔ ڈاکو اور رہزن پیدا کیے۔ انسان کو حاکم اور محکوم، ظالم اور مظلوم بنایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو بھوک نے بدی سے آشنا کیا۔ یہ غلط ہے۔ انسان کو بدکار زر و جواہرات نے بنایا ہے..... تم کون ہو؟ کیا ہو؟''۔ اُس نے قدومی سے پوچھا..... ''ان میں سے کس کی بیوی ہو؟ ان میں سے کسے اپنا آدمی کہہ سکتی ہو؟''..... بوڑھے کو معلوم ہو چکا تھا کہ قدومی قاہرہ کی رقاصہ ہے۔

قدومی اس کے سوال سے پریشان ہوگئی۔ وہ پہلے پریشان تھی۔ بوڑھے کے سوال نے اس کا پسینہ نکال دیا۔ بوڑھے نے اُسے خاموش دیکھ کر کہا...... ''تم اپنے حسین چہرے اور جوانی کی بدولت اپنے آپ کو خدا سمجھتی ہو اور تمہاری خواہش کرنے والے تمہیں خدا کہتے ہیں۔ مجھے جنگلی اور وحشی نہ سمجھو۔ میرے پاس کپڑے ہیں جو میں پہن کر کبھی کبھی قاہرہ جایا کرتا ہوں...... تمہاری مہذب دُنیا کو دیکھتا ہوں، پھر واپس آ کر کپڑے اُتار دیتا ہوں۔ میں نے تمہاری دُنیا میں بگھیوں پر شہزادے سیر کرتے دیکھے ہیں۔ تمہاری طرح کی شہزادیاں دیکھی ہیں۔ ناچنے اور گانے والی بھی دیکھی ہیں اور انہیں جو نچاتے ہیں، انہیں بھی دیکھا ہے۔ میں نے فرعونوں کے وقتوں کی باتیں سنی ہیں اور آج کے وقت کے فرعون بھی دیکھے ہیں۔ ان سب کا انجام بھی دیکھا ہے۔ تمہارا انجام بھی جو تمہیں ابھی نظر نہیں آ رہا، دیکھ رہا ہوں۔ تم نے خزانے کی لالچ میں اتنے بے گناہ انسانوں کا خون کیا۔ اس گناہ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ فرعون بھی نہیں بچ سکے تھے۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا۔ ان کا انجام دیکھنا۔ وہ خدا ہوتے تو اُن کا یہ انجام نہ ہوتا۔ خدا وہ ہوتا ہے جو انجام تک پہنچایا کرتا ہے، انجام تک پہنچا نہیں کرتا۔ میں نے اُس انسان کو کبھی خدا نہیں مانا جو آج پہاڑی کے نیچے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے۔ میں اور میرا قبیلہ اس کی حفاظت نہیں کر رہے۔ ہم نے دُنیا کے لالچ سے بچنے کے لیے اپنا ایک عقیدہ بنا لیا ہے۔ ہم اس عقیدے کی حفاظت کر رہے ہیں''۔

بوڑھا ٹھہری ٹھہری آواز میں بولتا جا رہا تھا۔ قدومی اُسے دیکھ رہی تھی اور بوڑھے کی باتوں میں اُسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ مارکونی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مُسکراہٹ تھی۔ وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس نے بوڑھے سے کہا...... ''تم اپنی عورتوں کے پاس جاؤ۔ صبح جلدی اُٹھنا۔ ہمیں اندر جانا ہے''۔

بوڑھا چلا گیا تو مارکونی نے قدومی سے کہا...... ''آؤ، ہم بھی سو جائیں''۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی''...... قدومی نے کہا۔

مارکونی اُس کی طرف لپکا۔ قدومی پیچھے ہٹ گئی۔ مارکونی نے اُسے دھمکی دی۔ اسماعیل اس کے آگے آ گیا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ مارکونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور مارکونی پیچھے ہٹ گیا۔ وہ جب چلا گیا تو قدومی اسماعیل کے سینے پر سر پھینک کر بچوں کی طرح رونے لگی۔

☆

صبح جاگے تو مارکونی نے بوڑھے کو ڈھونڈا۔ بوڑھا وہاں نہیں تھا۔ عورتوں کو دیکھا۔ وہ بھی غائب تھیں۔ انہیں آوازیں دیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُن میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ مارکونی کو اب ان کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ مدفن کا دہانہ کھل چکا تھا۔ بوڑھا اگر وہاں ہوتا بھی تو اُسے معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہے۔ مارکونی نے اسماعیل، اپنے ساتھی اور قدومی کو اپنے ساتھ لیا اور وہ سب اُس چٹان پر چڑھ گئے جہاں مدفن کے اندر جانے کا دہانہ تھا۔ مارکونی نیچے اُترا۔ یہ ایک کشادہ گڑھا تھا، جو سُرنگ بن کر ایک طرف چلا گیا تھا۔ وہ مشعلیں ساتھ لے گئے تھے، جو جلائی گئیں۔ کچھ دُور آگے جا کر سُرنگ بند ہوگئی۔ مارکونی نے وہاں الٹی کدال ماری تو ایسی آوازیں آئیں جیسے اس کے پیچھے جگہ کھوکھلی ہے۔ یہ پتھر کا چوکور دروازہ تھا۔ اس پر ضربیں لگائی گئیں کناروں سے خلا نظر آنے لگے۔ سلاخوں اور ہتھوڑوں وغیرہ کی مدد سے اس تراشے ہوئے پتھر کو ہلا لیا گیا اور بہت سی محنت اور مشقت کے بعد اس چوکور پتھر نے اس طرح راستہ دے دیا کہ پیچھے کو گرا۔ اس کے وزن کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرنے سے زلزلے کا جھٹکا محسوس ہوا۔ اندر سے پندرہ سولہ صدیوں کی بدبو جھکڑ کی طرح باہر آئی۔ سب پیچھے کو بھاگے اور انہوں نے ناک منہ پر کپڑے لپیٹ لیے۔ ذرا دیر بعد مشعلوں کے ساتھ اندر گئے۔ چند قدم آگے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

سیڑھیوں پر انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیوں کے پنجر پڑے تھے۔ان کے ساتھ برچھیاں اور ڈھالیں بھی تھیں۔یہ پہرداروں کی ہڈیاں تھیں۔انہیں اندر زندہ پہرے پر کھڑا کر کے مدفن کے منہ پر اتنی وزنی سل جما دی گئی تھی۔سیڑھیاں انہیں دُور نیچے لے گئیں۔یہ ایک وسیع کمرہ تھا۔یہ زمین پتھریلی تھی۔کاریگروں نے لمبی مدت صرف کر کے دیواریں اور چھت اس طرح تراشی تھیں کہ یہ بیسویں صدی کی عمارت معلوم ہوتی تھی۔وہاں ایک بڑی ہی خوش نما کشتی رکھی تھی جس کے بادبان لپٹے ہوئے تھے۔کشتی میں بھی انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں پڑی تھیں۔یہ ملاحوں کی تھیں۔ایک تاریک راستہ جو کاریگری سے تراشا گیا تھا، ایک اور کمرے میں لے گیا، وہاں ایک سجی سجائی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی۔اس کے آگے آٹھ گھوڑوں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی تھی اور بگھی کی اگلی سیٹ پر انسانی ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔اس کمرے میں کئی اور ہڈیوں کے پنجر تھے۔اس سے آگے ایک اور کمرہ تھا جو صحیح معنوں میں شیش محل تھا۔چھت اونچی اور دیواروں پر چتر کاری کی گئی تھی۔ایک دیوار کے ساتھ سیڑھیاں اور ان پر ایک پتھر کی کرسی اور کرسی پر ریمینس کا بت بیٹھا ہوا تھا۔یہ بھی پتھر کا تھا۔

سیڑھیوں پر ہڈیوں کے پنجر اور کھوپڑیاں پڑی تھیں۔قدومی نے ایک کھوپڑی کے ساتھ موتیوں کا ایک ہار دیکھا جس کے ساتھ ایک نیلا ہیرا تھا۔کانوں میں ڈالنے والے زیورات تھے اور انگوٹھیاں بھی چند اور ڈھانچوں کے ساتھ اُس نے ہار اور زیورات دیکھے۔مارکونی نے ایک ہار اُٹھایا، ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ان موتیوں اور ہیروں کی چمک ماند نہیں پڑی تھی۔مشعل کی روشنی سے ہیرے رنگا رنگ شعاعیں دیتے تھے۔مارکونی ہار قدومی کے گلے میں ڈالنے لگا تو قدومی چیخ کر اسماعیل کے پیچھے ہوگئی۔مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا...... ''میں نے کہا تھا کہ تمہیں ملکہ قلوپطرہ بناؤں گا۔ڈرو مت قدومی! یہ سب ہار تمہارے ہیں''۔

''نہیں!''......قدومی نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا...... ''نہیں! میں نے ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں میں اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔یہ بھی مجھ جیسی تھیں۔یہ اُس ''خدا'' کی محبوبہ کا ہار ہے جو یہیں کہیں مرا پڑا ہے۔میں نے ان کا انجام دیکھ لیا ہے، جنہیں تکبر نے 'خدا' بنایا۔میں نے اپنا خدا دیکھ لیا ہے''......وہ اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اُس نے اسماعیل کو گھسیٹتے ہوئے کہا...... ''مجھے یہاں سے لے چلو۔مجھے لے چلو یہاں سے۔میں ہڈیوں کا پنجر ہوں''......اُس کے گلے میں اپنا ہار تھا۔اُس نے یہ ہار اُتار کر ہڈیوں پر پٹخ دیا۔انگلیوں سے بیش قیمت انگوٹھیاں اُتار کر پھینک دیں اور چلانے لگی...... ''میں نے اپنا انجام دیکھ لیا ہے۔میں نے خدا دیکھ لیا ہے۔مجھے یہاں سے لے چلو''۔

مارکونی ایک اور کمرے میں جا چکا تھا۔اسماعیل نے قدومی سے کہا...... ''ہوش میں آؤ۔ہم چلے گئے تو یہ سارا خزانہ یہ دونوں صلیبی اُٹھا لے جائیں گے''......اسماعیل کو ایک اور راستہ نظر آ گیا۔مشعل اُس کے ہاتھ میں تھی۔وہ قدومی کو اُس طرف لے گیا اور وہ ایک اور فراخ کمرے میں داخل ہوئے۔وسط میں ایک چبوترے پر تابوت رکھا تھا، چہرہ ننگا تھا۔یہ فرعون ریمینس دوم جس کے آگے لوگ سجدے کرتے تھے۔لاش حنوط کی ہوئی تھی۔چہرہ بالکل صحیح تھا۔آنکھیں کھلی ہوئی تھی۔اسماعیل اس چہرے کو بہت دیر تک دیکھتا رہا۔قدومی نے بھی دیکھا، پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں بھی ہڈیوں کے پنجر نظر آئے اور وہیں انہیں بڑے خوش نما بکس بھی دکھائی دیے۔ایک بکس کا ڈھکنا کھلا تھا۔انہوں نے دیکھا کہ اس میں سونے کے زیورات اور ہیرے پڑے تھے۔ان پر ایک انسانی بازو کی ہڈی اور ایک ہاتھ کی ہڈیاں پھیلی ہوئی تھی۔بکس کے ساتھ کھوپڑی اور باقی ہڈیاں پڑی تھیں۔

''آہ انسان!''......اسماعیل نے کہا...... ''اس شخص نے مرنے سے پہلے یہ زیورات اور ہیرے اُٹھانے کی کوشش

کی۔اسے اُمید ہوگی کہ یہاں سے نکل بھاگے گا مگر دم گھٹنے سے خزانے کے اوپر مرگیا۔بوڑھے نے ٹھیک کہا تھا کہ انسان کی دشمن بھوک نہیں ہوس ہے"۔اُس نے بکس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا...... "قدومی!تم بھی ہوس لے کے آئی ہو۔میں تمہیں کچھ دے دوں"۔

"نہیں اسماعیل!"......قدومی نے اس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا...... "میری ہوس مر چکی ہے،قدومی مر چکی ہے"۔

اسماعیل نے پھر بھی بکس میں ہاتھ ڈالا۔قدومی نے چلا کر کہا......بچو اسماعیل!

اسماعیل اُستاد تھا۔وہ ایک طرف گر کر لڑھک گیا اور اُٹھا،اُس نے دیکھا کہ مارکونی تلوار سونتے اُس پر حملہ آور ہوا تھا۔اُس کی تلوار کا وار بکس پر پڑا۔مارکونی کی آواز سنائی دی...... "یہ میرا خزانہ ہے"......اتنے میں مارکونی کا ساتھی بھی آ گیا۔اسماعیل کے پاس خنجر تھا،جس سے وہ تلوار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔قدومی کو قریب ہی ایک برچھی پڑی نظر آ گئی۔مارکونی اسماعیل پر وار کر رہا تھا جو وہ مشعل سے روک رہا تھا۔مارکونی کے ساتھی نے بھی اسماعیل پر حملہ کیا۔دونوں صلیبی خزانہ دیکھ کر پاگل ہو چکے تھے۔قدومی کو انہوں نے نہ دیکھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔جوں ہی مارکونی کی پیٹھ قدومی کی طرف ہوئی،قدومی نے پوری طاقت سے برچھی اُس کے پہلو میں اُتار دی۔برچھی نکال کر ایک اور وار کیا اور اُسے لڑھکا دیا۔اس کا ایک ہی ساتھی رہ گیا۔وہ قدومی پر تلوار کا وار کرنے کو لپکا تو اسماعیل نے خنجر سے اس کے پہلو سے پیٹ چیر ڈالا۔

قدومی جو خزانے میں سے حصہ لینے گئی تھی،اپنے گلے کا ہار،بیش قیمت دو انگوٹھیاں اور کانوں کے زیورات وہاں پھینک کر اسماعیل کے ساتھ باہر نکل آئی۔دہانے والے دروازے سے نکلتے ہوئے اسماعیل نے جلتی ہوئی مشعل اندر ہی پھینک دی۔وہ دونوں ان اشیا کے علاوہ بہت کچھ اندر ہی پھینک آئے تھے۔قدومی کو جب باہر کی تازہ ہوا لگی تو اُس نے اسماعیل سے کہا...... "ہم کہاں سے آئے ہیں؟کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو؟میں کون ہوں؟"

"میں بھی کچھ ایسے ہی محسوس کر رہا ہوں"۔اسماعیل نے کہا۔"ہم شاید سارے گناہ اندر ہی پھینک آئے ہیں"۔

اس علاقے سے باہر نکلنے کا راستہ انہیں معلوم تھا۔وہ باہر نکل گئے۔باہر تھوڑے سے اونٹ کھڑے تھے،باقی معلوم نہیں کہاں غائب ہو گئے تھے۔وہ دو اونٹوں پر بیٹھے اور قاہرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

☆

وہ اگلی رات تھی۔آدھی رات گزر گئی تھی،جب غیاث بلبیس نے قدومی اور اسماعیل کی ساری داستان ہر ایک تفصیل کے ساتھ سُن کر لمبی آہ بھری اور کہا...... "مجھے صلاح الدین ایوبی کی باتیں اب صحیح معلوم ہو رہی ہیں۔اس نے کہا تھا،ان خزانوں سے دُور رہو"۔

غیاث بلبیس شہری امور کا کوتوال تھا۔اسماعیل اور قدومی اُسے اچھی طرح جانتے تھے۔وہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔وہ صحرا سے لوٹ کر احمر درویش کے پاس جانے کی بجائے غیاث بلبیس کے پاس چلے گئے اور اُسے ساری واردات سُنا کر بتایا کہ اس کا اصل سرغنہ احمر درویش ہے۔غیاث بلبیس نے اُسی وقت علی بن سفیان کو اپنے پاس بلا لیا۔اُسے یہ واردات سنائی۔احمر معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ان دونوں نے سلطان ایوبی کو جاجگایا اور اجازت مانگی کہ وہ احمر درویش کو گرفتار کر لیں۔انہیں اجازت مل گئی۔انہوں نے فوج کے کچھ آدمی ساتھ لیے اور احمر درویش کے گھر چھاپہ مارا۔سارے گھر کی تلاشی لی۔وہاں سے وہ نقشے اور کاغذات برآمد ہوئے جو پرانی دستاویزات کے پلندے سے غائب تھے۔

صبح علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کے ساتھ فوج کے ایک بڑے دستے کو اس پُراسرار علاقے کی طرف بھیجا

گیا، جہاں ریمینس کا مدفن تھا۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا تھا کہ ثبوت وغیرہ دکھ کر مدفن کو اسی طرح بند کر دیا جائے، جس طرح پہلے تھا۔ کسی کو اندر نہ جانے دیا جائے۔ اسماعیل راہنمائی کر رہا تھا۔ وہاں گئے تو وہ جگہ خونچکاں کہانی بیان کر رہی تھی۔ فوج کی مدد سے مدفن کے دہانے کو اُسی وزنی چوکور پتھر سے بند کر دیا گیا۔ چٹان جو نیچے پڑی تھی، اسے فوج کی ایک بڑی جمعیت نے رسّوں اور زنجیروں سے اوپر کیا اور فرعون ایک بار پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا، مگر اب وہ اپنے جیسے دو اور گناہگاروں کی لاشیں اپنے مدفن میں لے گیا۔

❁

اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟

صلیبیوں کا سن ۱۱۷۴ء دُنیائے اسلام کے لیے اچھا ثابت نہ ہوا۔ یہ مسلمانوں کا سن ۵۶۹ ہجری تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان نے سال کے آغاز میں یہ خبر سنائی کہ عکرہ میں اپنا ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا ہے۔ یہ اطلاع ایک اور جاسوس لایا تھا جو ان دونوں کے ساتھ تھا۔ یہ جاسوس کچھ قیمتی معلومات بھی لایا تھا، لیکن ایک جاسوس کی شہادت اور دوسرے کی گرفتاری نے سلطان ایوبی کو پریشان کر دیا۔ علی بن سفیان بھانپ گیا کہ سلطان ایوبی کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گیا ہے۔ فوجی سراغ رسانی اور جاسوسی کا یہ ماہر سربراہ جانتا تھا کہ سلطان ایوبی نے سینکڑوں فوجیوں کی شہادت پر بھی کبھی پریشانی اور افسوس کا اظہار نہیں کیا، لیکن ایک چھاپہ مار یا کسی ملک میں بھیجے ہوئے ایک جاسوس کی شہادت کی خبر سن کر اُس کا چہرہ بجھ جایا کرتا ہے۔

اب ایک جاسوس کی شہادت اور ایک کی گرفتاری کی اطلاع پر علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے چہرے پر رنج کا تاثر دیکھا تو اس نے کہا..... ''امیر محترم! آپ کا چہرہ اُداس ہوتا ہے تو لگتا ہے سارا عالمِ اسلام ملول ہو گیا ہے۔ اسلام کی آبرو جانوں کی قربانی مانگتی ہے۔ ایک دن ہم دونوں کو بھی شہید ہونا ہے۔ ہمارے دو جاسوس ضائع ہو گئے ہیں تو میں دو اور بھیج دوں گا۔ یہ سلسلہ رُک تو نہیں جائے گا''۔

''یہ سلسلہ رُک جانے کا مجھے خدشہ نہیں علی!'' سلطان ایوبی نے رنجیدہ سی مُسکراہٹ سے کہا..... ''کسی چھاپہ مار کی شہادت میرے ذہن میں یہ سوچ بیدار کر دیتی ہے کہ ایک یہ سرفروش ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل، وطن سے دُور، اپنے بیوی بچوں، بہن بھائیوں اور ماں باپ سے دُور دشمن کے ملک میں تن تنہا اپنا فرض ادا کرتے ہیں اور جان کی قربانی دیتے ہیں اور ایک یہ ایمان فروش ہیں جو گھروں میں بادشاہوں کی طرح رہتے، عیش و عشرت کرتے اور اسلام کی جڑیں کاٹنے میں اپنے دشمن کا ہاتھ بٹاتے ہیں''۔

''کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ سالاروں، نائب سالاروں اور تمام کمان داروں کو باقاعدہ وعظ دیئے جایا کریں؟'' علی بن سفیان نے کہا..... ''آپ انہیں مہینے میں ایک بار اسلام کی عظمت اور صلیبیوں کے عزائم کے متعلق وعظ دیا کریں۔ میرا خیال ہے کہ جن کا رجحان دشمن پروری کی طرف ہے، انہیں بتایا جائے کہ اُن کا دشمن کون ہے اور کیسا ہے تو وہ اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کر لیں گے''۔

''نہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''جب انسان ایمان بیچنے پر آتا ہے تو اُس کے آگے قرآن رکھ دو تو وہ اس مقدس کتاب کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دے گا۔ ایک طرف صرف الفاظ ہوں اور دوسری طرف دولت، عورت اور شراب تو انسان الفاظ سے متاثر نہیں ہوتا۔ الفاظ نشہ دے سکتے، بادشاہی نہیں دے سکتے۔ ہماری قوم کے غدار بچے نہیں۔ وہ گنوار اور جاہل نہیں۔ وہ سب حاکم ہیں۔ فوج اور حکومت کے اونچے عہدے کے لوگ ہیں۔ وہ سپاہی نہیں۔ دشمن کے ساتھ ساز باز حاکم

ہی کیا کرتے ہیں۔ سپاہی لڑتے اور مرتے ہیں۔ انہیں جھانسے دے کر بغاوت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ میں کسی کو وعظ اور خطبہ نہیں دُوں گا۔ خطبے دینے والے حکمران دراصل کمزور اور بددیانت ہوتے ہیں۔ وہ قوم کا دل الفاظ سے اور جوشیلے خطبوں سے پرچایا کرتے ہیں۔ خطبے اور تقریریں کمزوری کی علامت ہوتی ہیں۔ میں فوج اور قوم سے یہ نہیں کہوں گا کہ ہم فاتح اور خوش حال ہیں۔ میں حالات کو بدلوں گا، پھر حالات بتائیں گے کہ ہم امیر ہیں یا غریب، فاتح ہیں یا شکست خوردہ۔ قوم اور فوج مجھ سے اناج مانگے گی، تو میں انہیں الفاظ کی خوراک نہیں دُوں گا۔ غداروں کو میں سزا دوں گا۔ انہیں جینے کے حق سے محروم کردُوں گا۔ علی بن سفیان! مجھے الفاظ میں نہ الجھاؤ۔ اگر مجھے بولنے کی عادت پڑ گئی تو میں جھوٹ بولنا بھی شروع کردوں گا''۔

مصر میں بغاوت کا جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا، وہ ختم کر دیا گیا تھا۔ اعلیٰ عہدوں کے چند ایک حاکم پکڑے گئے اور سزا پا چکے تھے۔ دو نے خود ہی سلطان ایوبی کے پاس آکر اقبالِ جرم کیا اور معافی لے لی تھی۔ سلطان ایوبی کا یہ کہنا بالکل صحیح تھا کہ غداری اور بے اطمینانی پیدا کرنے کے ذمہ دار مفاد پرست حاکم ہوتے ہیں۔ فوج اور قوم کو گمراہ کر کے سبز باغ دکھائے جاتے اور بغاوت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ مصر میں ۱۱۷۴ء کے آغاز تک فوج میں بغاوت کا نام ونشان تک نہ رہا تھا۔ البتہ صلیبی جاسوسی اور تخریب کاری میں بدستور مصروف تھے۔ صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار مصر میں موجود اور سرگرم تھے۔ یہ سلسلہ روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے بھی اپنے جاسوس اُن علاقوں میں بھیج رکھے تھے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ سلطان ایوبی اس زمین دوز جنگ کا ماہر تھا۔

پاک فلسطین کی سرزمین کا ایک مقام تھا جو اس لحاظ سے اہم تھا کہ وہاں صلیبیوں کا سب سے بڑا پادری ہے جسے صلیب اعظم کا محافظ کہا جاتا تھا، رہتا تھا۔ وہیں سے صلیبی کمانڈر ہدایات اور حوصلہ افزائی حاصل کرتے تھے اور عکرہ اُس دور میں صلیبیوں کی ہائی کمانڈ کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا۔ جب نورالدین زنگی نے کرک کا قلعہ فتح کر لیا تو صلیبی عکرہ کو ہیڈ کوارٹر بنا کر بیت المقدس کو سلطان ایوبی اور نورالدین زنگی سے بچانے کی سکیمیں بنا رہے تھے، وہاں کے حالات معلوم کرنے اور دشمن کی سکیم کی اطلاع کرک میں زنگی کو یا قاہرہ میں سلطان ایوبی کو پہنچانے کے لیے تین جاسوس بھیج دیئے گئے تھے۔ ان کا کمانڈر عمران نام کا ایک نڈر اور ذہین جاسوس تھا۔ یہ علی بن سفیان کا انتخاب تھا۔

یہ تینوں نہایت خوبی سے عکرہ میں داخل ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے شوبک کا قلعہ اور شہر فتح کیا تو وہاں سے بے شمار عیسائی اور یہودی کرک کی طرف بھاگ گئے تھے۔ مسلمانوں نے کرک پر چڑھائی کر کے یہ شہر بھی لے لیا تو وہاں سے بھی غیر مسلم بھاگے اور مختلف مقامات پر چلے گئے۔ ان دونوں مفتوحہ جگہوں کے اردگرد کے علاقوں کے بھی عیسائی اور یہودی بھاگ گئے تھے۔ سلطان ایوبی کا انٹیلی جنس کا محکمہ بھی اپنی فوج کے ساتھ تھا۔ علی بن سفیان کی ہدایت کے مطابق کئی جاسوس عیسائیوں کے بہروپ میں عیسائیوں کے علاقوں میں بھیج دیئے گئے۔ ان میں سے تین کو یہ مشن دیا گیا کہ وہ عکرہ سے جنگی معلومات حاصل کر کے قاہرہ بھیجیں۔ انہیں وہاں صلیبی فوج کی نقل وحرکت پر نظر رکھنی تھی۔ غیر مسلم آبادی میں مسلمان فوج کی دہشت بھی پھیلانی تھی اور یہ اطلاع بھی دینی تھی کہ وہاں کس قسم کی تباہ کاری (سبوتاژ) کی جاسکتی ہے۔

یہ تینوں لٹے پٹے عیسائیوں کے بہروپ میں عکرہ داخل ہو گئے۔ اُن دنوں وہاں یہ حالت تھی کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ وہ سب ہراساں تھے اور پناہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ پناہ کے بعد روزگار کا مسئلہ تھا۔ عمران اور اس کے دونوں جاسوسوں کو وہاں عیسائیوں کی حیثیت سے پناہ مل گئی۔ تینوں ذہین اور تربیت یافتہ تھے۔ عمران سیدھا بڑے پادری کے پاس چلا گیا۔ اپنے آپ کو کسی ایسے علاقے کا پناہ گزین ظاہر کیا جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اُس نے اس طرح باتیں

کیں جیسے اُس پر مذہب کا جنون طاری ہے اور وہ خدا کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کی بیوی اور بچے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ اُسے ان بچوں کا اور بیوی کا کوئی غم نہیں۔ اُس نے بے تابی سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ کلیسا کی خدمت کرنا چاہتا ہے، کیونکہ اس نے سنا ہے کہ خدا اور روحانی سکون کلیسا میں ہے۔ اُس نے اپنا نام جان گنتھر بتایا۔

''......اور میں نے تو اسلام قبول کر ہی لیا تھا''۔ عمران نے پادری سے کہا...... ''اُن کے ایک مولوی نے کہا تھا کہ خدا مسجد میں ہے۔ میری بیوی اور میرے بچے مجھ سے نالاں اور شاکی تھے کہ میں کوئی کام کاج نہیں کرتا تھا۔ خدا اور روحانی سکون کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا۔ میں خدا کے وجود پر یقین رکھتا ہوں۔ وہ خدا ہی تھا جس نے میری بیوی کو مسلمانوں کے ہاتھوں مروا کر اپنی پناہ میں لے لیا، کیونکہ جو اُس کا خاوند تھا، اُسے روٹی نہیں دیتا تھا۔ وہ خدا ہی تھا جس نے میرے بچوں کو بھی سنبھال لیا، کیونکہ وہ ماں کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے اور میں جو اُن کا باپ تھا، ان کی طرف سے بے پروا تھا۔ میں مسلمان ہو چلا تھا مگر مسلمانوں نے میرے معصوم بچوں کو مار ڈالا۔ انہوں نے ہم پر بہت مظالم ڈھائے۔ میں جان گیا کہ خدا مسلمان کے سینے میں نہیں ہے، کہیں اور ہے۔

اُس نے اچانک پادری کے کندھے تھام کر اُسے جھنجھوڑا اور دانت پیس کر پوچھا...... ''مقدس باپ! مجھے بتاؤ میں پاگل تو نہیں ہو گیا؟ میں اپنی جان اپنے ہاتھوں لے لوں گا۔ میں اگلے جہان تمہارا گریبان پکڑ کر خدا کے سامنے لے جاؤں گا اور کہوں گا کہ یہ شخص مذہبی پیشوا نہیں، ایک ڈھونگ تھا۔ اس نے مذہب کے نام پر لوگوں کو دھوکے دیئے ہیں''۔

اُس کی ذہنی کیفیت ایسی ہو گئی کہ صلیبِ اعظم کا محافظ چونک پڑا۔ اُس نے عمران کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا......

''تم میرے غمزدہ بیٹے ہو۔ خدا تمہارے اپنے سینے میں ہے جو تمہیں خدا کے بیٹے کے معبد میں نظر آئے گا۔ تم عیسائی ہو جان گنتھر! تم اسی مذہب اور اسی روپ میں خدا کو پالو گے۔ تم جاؤ، ہر صبح میرے پاس آجایا کرو۔ میں تمہیں خدا دکھا دوں گا''۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گا مقدس باپ!''۔ عمران نے کہا...... ''میرا کوئی گھر نہیں۔ دُنیا میں میرا کوئی نہیں رہا۔ مجھے اپنے پاس رکھیں۔ میں آپ کی اور خدا کے بیٹے کی معبد کی اتنی خدمت کروں گا، جتنی آپ نے بھی نہیں کی''۔

عمران نے علی بن سفیان سے تربیت لی تھی۔ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو چونکہ صلیبیوں کے راز معلوم کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اس لیے انہیں عیسائیت کے متعلق، گرجوں کے اندر کے آداب اور طور طریقوں کے متعلق نہ صرف معلومات دی گئیں، بلکہ ریہرسل بھی کرائی گئی تھی۔ عمران نے اس ریہرسل کو ایسی خوبی سے عملی شکل دی کہ بڑا پادری اور اُس کے چیلے چانٹے اس سے بہت متاثر ہوئے اور سے گرجے میں رکھ لیا۔ عمران نے پادری کی خدمت ایسا والہانہ انداز سے شروع کر دی کہ وہ پادری کا خصوصی ملازم بن گیا۔ چونکہ وہ ذہین بھی تھا، اس لیے اُس نے پادری کے دل پر قبضہ کر لیا۔ پادری نے تسلیم کر لیا کہ یہ شخص غیر معمولی طور پر ذہین ہے، لیکن اس پر مذہب کا جنون اتنی شدت سے طاری ہو گیا ہے کہ اس کی ذہانت بے کار ہو رہی ہے۔ پادری نے اس کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔

☆

عمران کا ایک ساتھی ایک عیسائی تاجر کے پاس گیا اور بتایا کہ وہ کرک سے بھاگا ہوا عیسائی ہے جہاں اس کا سارا خاندان مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اُس نے اپنی داستانِ غم ایسے جذباتی انداز سے سنائی کہ تاجر نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ وہ رحیم ہنگورہ نام کا سوڈانی مسلمان تھا۔ عمران کی طرح ذہین، دلیر اور خوبرو۔ اُس نے اس تاجر کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اُس نے چند دن صرف کر کے دیکھا تھا کہ وہاں صلیبی فوج کے افسر آتے ہیں اور فوج کے لیے

سامان خریدتے ہیں۔ ٹریننگ اور اپنی عقل کے زور پر وہ تاجر کا قابلِ اعتماد ملازم بن گیا۔ چند دنوں بعد تاجر نے اُسے گھر کے کام بھی دینے شروع کر دیئے۔ رحیم نے ایلی مُور کے عیسائی نام سے تاجر کے گھر والوں پر بھی اپنا اثر قائم کر لیا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے تاجر کی بیوی، اُس کی جوان بیٹی اور بیٹے کو ایسے انداز سے اپنی تباہی کی کہانی سنائی تھی کہ ان سب کے آنسو نکل آئے تھے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کا مکان انہیں کے مکان جیسا تھا، ایسی ہی سجاوٹ تھی۔ ایسا ہی سامان تھا۔ اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا تھا۔ تاجر کی بیٹی جیسی خوب صورت جوان بہن تھی۔ اُس کے گھر میں حاجت مندوں کو نوکر رکھا جاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اب خدا نے یہ دن دکھایا ہے کہ میں نوکری کر رہا ہوں۔

تاجر کی بیٹی ایلس اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئی۔ وہ رحیم سے اس کی بہن کے متعلق ہی پوچھتی رہی۔ رحیم نے کہا...... ''وہ بالکل تمہاری طرح تھی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے بہن اور زیادہ یاد آنے لگی ہے۔ اگر وہ مر جاتی تو اتنا غم نہ ہوتا۔ غم یہ ہے کہ مسلمان اُسے اُٹھا لے گئے ہیں۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ اُس کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ مجھے اب یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ اُسے مسلمانوں سے کس طرح رہائی دلاؤں۔ کبھی دل میں زیادہ اُبال اُٹھا تو شاید میں پاگلوں کی طرح وہیں جا پہنچوں، جہاں بہن کو چھوڑ آیا ہوں۔ بہن تو نہیں ملے گی، مجھے موت مل جائے گی۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا''۔

ماں بیٹی نے ضرور سوچا ہوگا کہ اتنا خوبرو جوان جوانی کی عمر میں ہی غم میں گھلنے لگا ہے اور اس کی جذباتی حالت بتا رہی ہے کہ اس کا غم ہلکا نہ کیا گیا تو یہ پاگل ہو جائے گا یا خودکشی کر لے گا۔ ایلس جو تاجر کی جوان اور غیر شادی شدہ بیٹی تھی، رحیم کے درد کو اپنے دِل میں محسوس کرنے لگی۔ یہاں تک کہ رحیم جب باہر نکلا تو ایلس نے کسی بہانے باہر جا کر رحیم کو راستے میں روک لیا اور کہا کہ وہ اُن کے گھر آتا رہا کرے۔ اُس نے رحیم سے کچھ جذباتی باتیں کر کے اُس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ ماں بیٹی نے تاجر سے بھی کہا کہ اس آدمی کا خیال رکھے۔ دراصل رحیم کی شکل وصورت اور ڈیل ڈول ایسی تھی کہ وہ کسی اونچے اور کھاتے پیتے خاندان کا بیٹا لگتا تھا۔ اس تاثر میں اگر کوئی کسر تھی تو وہ اس کی زبان اور اداکاری سے پوری ہو جاتی تھی جس کی اُسے ٹریننگ دی گئی تھی۔

تین چار روز بعد وہ تاجر کے پاس بیٹھا تھا کہ اُسے اپنا ایک ساتھی جاسوس رضا الجادہ نظر آ گیا۔ رحیم اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اُسے کوئی ٹھکانہ نہیں ملا۔ رضا تجربہ کار گھوڑ سوار تھا اور گھوڑے پالنے اور سنبھالنے کی مہارت رکھتا تھا۔ رحیم اُسے تاجر کے پاس لے آیا اور اس کا تعارف فرانسس کے نام سے کرا کے کہا کہ یہ بھی کرک کا لٹا پٹا عیسائی ہے۔ اسے کہیں نوکر کرا دیا جائے۔ رحیم نے کہا یہ گھوڑوں کے سائیسوں کا انچارج تھا۔ یہی کام کر سکتا ہے۔ تاجر نے کہا کہ اس کے پاس بڑے بڑے فوجی افسر آتے رہتے ہیں۔ ان کی وساطت سے وہ فرانسس کو ملازمت دلا دے گا...... دو تین روز بعد رضا کو اُس اصطبل میں ملازمت مل گئی جہاں فوج کے بڑے افسروں کے گھوڑے رہتے تھے۔

تاجر کے پاس فوج کے افسر آتے رہتے اور وہ ان کے پاس جاتا رہتا تھا۔ رحیم نے دیکھا کہ تاجر اُن افسروں کو شراب اور حشیش کے علاوہ چوری چھپے عورتیں بھی دیا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے ان سب کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ رحیم تاجر کو صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی کے خلاف بھڑکاتا رہتا اور اس خواہش کا اظہار کرتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج پورے عرب اور مصر پر قابض ہو جائے اور کوئی مسلمان زندہ نہ رہے۔ اس خواہش میں وہ بعض اوقات اتنا بے تاب اور بے قابو نظر آتا تھا جیسے عکرہ کے مسلمانوں کا خون پی لے گا۔ تاجر اُسے تسلی دیتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج اس کی خواہش پوری کر دے گی۔ وہ

صلیبی فوج کے ان افسروں کو بھی بُرا بھلا کہنے لگتا تھا جو عکرہ میں بیٹھے عیش کر رہے تھے۔ ان جذباتی باتوں کے ساتھ ساتھ رحیم عقل مندی کی باتیں بھی کرتا تھا اور مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ایسے جنگی نقشے اور منصوبے بناتا تھا کہ تاجر اُسے غیر معمولی طور پر دانش مند سمجھتا تھا۔ ایسے ہی جذبات اور دانش مند باتوں کا نتیجہ تھا کہ تاجر نے اُسے وہ فوجی راز دینے شروع کر دیئے جو اُسے فوجی افسروں سے حاصل ہوتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ایلس رحیم کی گرویدہ ہوگئی۔ رحیم نے ابتدا میں اسے بھی اپنے فرض کی ایک کڑی سمجھا لیکن ایلس کے والہانہ پن نے رحیم کے دِل میں اُس کی محبت پیدا کر دی۔ رحیم نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنا فرض پورا کر کے وہ ایلس کو اپنے ساتھ قاہرہ لے جائے گا اور اُسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کر لے گا، مگر ابھی دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ صلیبی فوج کا ایک بڑا افسر اس لڑکی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

رضا الجاوہ بھی تربیت یافتہ جاسوس تھا۔ اصطبل میں اُسے فوج کے کسی بڑے افسر کا گھوڑا مل گیا تھا۔ اس افسر نے محسوس کیا کہ رضا عام قسم کا سائیس نہیں بلکہ عقل و دانش بھی رکھتا ہے۔ وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا، جب کبھی یہ افسر اصطبل میں آتا تو رضا اس سے پوچھتا۔ ''صلاح الدین ایوبی کو آپ کب شکست دے رہے ہیں؟'' اور پھر وہ بتاتا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں کیا خوبیاں اور صلیبی فوج میں کیا خامیاں ہیں۔ ایک روز اُس نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اگر کوئی جنگی امور کا ماہر نہ کہے تو کم از کم ایک سائیس کے دماغ میں نہیں آ سکتی۔ اس افسر نے اُسے کہا۔ تم کون ہو؟ تمہارا پیشہ سائیسی نہیں ہوسکتا''۔

''آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میرا پیشہ سائیسی ہے؟'' رضا نے کہا۔ ''میں کرک میں گھوڑوں کا مالک تھا۔ میں خود تو فوج میں نہیں تھا۔ میرے دو گھوڑے جنگ میں گئے تھے۔ یہ تو زمانے کے انقلاب ہیں کہ گھوڑوں کا مالک آج اصطبل میں سائیس ہے۔ مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دیں تو میں باقی عمر آپ کے جوتے صاف کرتے گزار دوں گا''۔

''صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے فرانس!'' اس نے رضا سے کہا۔

''لیکن کیسے؟'' رضا نے کہا...... ''اگر ہمارے بادشاہوں نے کرک اور شوبک پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو اسی طرح محاصرے میں لے کر شکست دینے کی کوشش کی، جس طرح انہوں نے ہمیں محاصرے میں لیا تھا تو آپ کامیاب نہیں ہوں گے۔ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی جنگ کے اُستاد ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے ہماری فوج کو قلعوں سے دور روکنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ عقل مندی اس میں ہوگی کہ حملہ کسی ایسی سمت سے کیا جائے جو ایوبی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ ایوبی اور زنگی قلعوں میں بیٹھے رہیں اور آپ مصر پر چھا جائیں''۔

''ایسے ہی ہوگا''۔ افسر نے معنی خیز مُسکراہٹ سے کہا...... ''سمندر میں کوئی قلعہ نہیں ہوتا۔ مصر کے ساحل پر کوئی قلعہ نہیں۔ مصر پر اب صلیب کی حکمرانی ہوگی''۔

یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد رضا نے اس افسر سے کئی ایک راز کی باتیں معلوم کر لیں۔ دشمن اپنا جنگی راز تفصیل سے بیان نہیں کیا کرتا۔ ہوشیار جاسوس اشاروں میں باتیں اُگلو لیتا اور ان اشاروں کو اپنے فن کے مطابق جوڑ کر وہ کہانی بنا لیتا ہے، جسے راز کہتے ہیں۔

☆

رحیم اور رضا ہر اتوار کو صبح گرجے میں جاتے اور عمران سے ملاقات کر لیتے اور اُسے اپنی رپورٹیں بھی دیا کرتے

تھے۔ رحیم نے عمران کو بتا دیا تھا کہ تاجر کی بیٹی ایلس اُسے بڑی شدت سے چاہنے لگی ہے۔ عمران نے اُسے کہا کہ وہ اس کی محبت کو ٹھکرائے نہیں، ورنہ اُسے اس جگہ سے نکال دیا جائے اور یہ احتیاط بھی کرے کہ اس کی محبت میں ہی نہ گم ہو جائے، مگر رحیم ایلس کے حسن و جوانی میں گم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُن کی شادی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ عکرہ سے بھاگ چلیں، کیونکہ کوئی فوجی افسر لڑکی کے باپ کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رہا تھا۔ رحیم نے عمران کو یہ صورتِ حال نہ بتائی۔

عمران نے پادری کا قُرب اور اعتماد اس حد تک حاصل کر لیا تھا کہ اُس کا ہمراز درباری بن گیا تھا۔ وہ پادری سے ایسے سوال پوچھتا تھا جن میں ذہانت کی پختگی اور علم کی تشنگی ہوتی تھی۔ پادری اپنی فراغت کے اوقات میں اُسے مذہب کے سبق دیا کرتا تھا۔ وہ عمران کو یہ ذہن نشین کرا رہا تھا کہ عیسائیت کا یہ فرض ہے کہ کرۂ ارض سے اسلام کا وجود ختم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے جنگ کی جائے اور جو بھی ذریعہ کامیاب ہو سکتا ہے، استعمال کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کو قتل کیا جائے۔ انہیں ہر ذریعے سے عیسائیت میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ عیسائیت قبول نہ کریں تو ان کے ذہنوں سے اسلام بھی نکال دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں بدی کا بیج بو دیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنی عورتوں کو استعمال کیا جائے۔ یہ عورتیں مسلمان عورتوں میں بدکاری پیدا کریں اور جوان لڑکیاں مسلمان نوجوانوں اور ان کے حکمرانوں اور حاکموں کا کردار تباہ کریں۔ چونکہ یہودی بھی مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اپنی عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو تباہ کاری کے لیے یہودی عورتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ سامنے رکھا جائے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا ہے۔ پھر ہر طریقہ اختیار کیا جائے، وہ خواہ دوسروں کی نظر میں ناجائز، ظالمانہ اور شرمناک ہی کیوں نہ ہو۔

عمران پادری سے ایسی باتیں سنتا اور اطمینان کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وہاں فوجی افسر اور حکومت کے افسر بھی آتے رہتے تھے۔ اُن دنوں چونکہ صلیبیوں کو یکے بعد دیگرے دو میدانوں میں شکست کھا کر بھاگنا پڑا تھا، اس لیے عکرہ میں ہر کسی کی زبان پر یہی سوال تھا کہ جوابی حملہ کب کیا جائے گا۔ پادری کی ذاتی محفل میں تو اور کوئی بات ہوتی ہی نہیں تھی۔ عمران وہاں سے قیمتی راز حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صلیبی حکمرانوں میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہے۔ اُن کی اپنی بادشاہیاں اور سلطنتیں تھیں، وہ چونکہ ہم مذہب تھے، اس لیے صلیب پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسلام کے خاتمے کی جنگ شروع کر دی تھی، مگر اندر سے وہ پھٹے ہوئے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے۔ جو در پردہ مسلمانوں کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر کے اپنے صلیبی بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی تیاریاں بھی کرتے رہتے تھے۔ ان میں قابلِ ذکر ریمزر مینوئل تھا جس نے ایک میدان میں نورالدین زنگی کے ساتھ صلح کر کے تاوان ادا کیا اور مسلمانوں کے جنگی قیدی رہا کر دیئے تھے۔ اب ریمزر مینوئل دوسرے حکمرانوں کو بھڑکا رہا تھا کہ وہ سب مل کر زنگی پر حملہ کریں۔ حملے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک زنگی پر اور دوسرا مصر پر۔ اُس وقت زنگی کرک میں تھا۔

بہر حال پادری اُن کے نفاق پر پریشان رہتا تھا۔ عمران نے اُسے یہ نہ کہا کہ جو قوم اپنی لڑکیوں کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتی، اس کے افراد ایک دوسرے کو دھوکہ دینے سے کیوں گریز کریں گے۔ میدان میں ہار کر زمین دوز جنگ لڑنے والی قوم کی اخلاقی حالت یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے بھائیوں سے بھی دغا اور فریب کریں۔ عمران نے اپنے ذہن میں یہ بات سلطان ایوبی کو بتانے کے لیے محفوظ کر لی کہ اگر اسلام کی صفوں میں غدار نہ ہوں تو صلیبیوں کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے یورپ بھی لیا جا سکتا ہے۔ غدار مسلمانوں کی سب سے بڑی

کمزوری بن گئے تھے۔ عکرہ کا پادری اور صلیبی حکمران مسلمانوں کی اس کمزوری پر بہت خوش تھے۔ عمران کو وہاں پتا چلا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے کردار میں تخریب کاری کی مہم اور تیز کر دی ہے۔ اُسے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے نام بھی معلوم ہو گئے جو در پردہ صلیبیوں کے اتحادی بن چکے تھے۔ انہیں صلیبی بے دریغ یورپ کی شراب، دولت اور جوان لڑکیاں سپلائی کر رہے تھے۔

عمران اور رضا تو اپنے فرائض میں مگن تھے مگر رحیم فرض کے راستے سے ہٹتا جا رہا تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اُسے تاجر کے گھر کا ہی کوئی کام دیا جائے۔ ایلس کی محبت نے اُسے اندھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند دنوں بعد ایلس نے اُسے بتایا کہ اس کی شادی ایک ایسے فوجی افسر کے ساتھ کی جا رہی ہے جو عمر میں اُس سے بہت بڑا ہے۔ بڑا نہ بھی ہوتا تو ایلس رحیم کے سوا کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں سے منوا چکی تھی کہ اس افسر کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ اس کا باپ نہیں مانتا تھا۔ وہ اِن فوجی افسروں سے ہی دولت کما رہا تھا۔ اپنی لڑکی دینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ایلس نے ایک روز اپنے گلے میں ڈالی ہوئی صلیب رحیم کے ہاتھ پر رکھ کر اُس پر اپنا ہاتھ رکھا اور صلیب کی قسم کھائی تھی کہ وہ رحیم کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔ رحیم نے بھی صلیب پر ایسی ہی قسم کھائی تھی۔

☆

ایک روز پادری کے پاس چار پانچ فوجی افسر آئے اور اس کے خاص کمرے میں جا بیٹھے۔ عمران نے اُن کے چہروں کے تاثرات سے محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ عمران پادری کے کمرے میں چلا گیا۔ ایک فوجی افسر بات کرتے چپ ہو گیا۔ پادری نے عمران سے کہا..... ''جان گنتھر! تم کچھ دیر باہر ہی رہو۔ ہم کوئی ضروری باتیں کر رہے ہیں''۔

عمران دوسرے کمرے میں چلا گیا اور دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ بول رہے تھے، پھر بھی کام کی باتیں عمران کی سمجھ میں آ گئیں۔ جب فوجی افسر چلے گئے تو عمران وہاں سے اِدھر اُدھر ہو گیا تا کہ پادری کو شک نہ ہو۔ اُس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ اسی وقت بھاگ جائے اور کہیں رُکے بغیر قاہرہ پہنچے اور سلطان ایوبی کو اطلاع کر دے کہ حملہ روکنے کی تیاری کر لے، مگر پادری نے اُسے بلا کر ایسے کام پر لگا لیا کہ وہ فوری طور پر بھاگ نہ سکا۔ اس کے علاوہ اُسے رحیم اور رضا سے بھی رپورٹیں لینی تھی۔ ممکن تھا کہ ان کے کانوں میں بھی یہ خبر پہنچی ہو، جو اس نے سنی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اُن سے تصدیق ہو جائے تو تینوں اکٹھے عکرہ سے نکل جائیں۔ اس کام کے لیے وہ تین چار روز انتظار کر سکتا تھا لیکن اس کی بے تابی اُسے ٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

دوسرے دن وہ رضا کے پاس گیا۔ رضا اُسے اصطبل میں ملا۔ اُس نے پوچھا کہ اُسے کوئی نئی خبر ملی ہے؟ رضا نے بتایا کہ کچھ غیر معمولی سی سرگرمی نظر آ رہی ہے اور اس نے اُڑتے اُڑتے سُنی ہے کہ صلیبی اب حملہ خشکی کے راستے نہیں کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر کی طرف سے آئیں گے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کے حملے کی تفصیل کیا ہے۔ عمران نے اُسے بتایا کہ اس حملے کو صلیبی فیصلہ کن بنانا چاہتے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سُنا تھا، وہ رضا کو سنا دیا اور اسے یہ مشن دیا کہ وہ اس حملے کی تفصیلات معلوم کرے۔ عمران صرف تصدیق کرنا چاہتا تھا، ورنہ وہ تفصیل سے تو آگاہ ہو ہی چکا تھا۔ اُس نے رضا سے کہا کہ اب وہ ایک آدھ دن میں یہاں سے روانگی کی تیاری کرے، اُن کا فرض پورا ہو چکا ہے۔ واپسی کے لیے انہیں گھوڑوں یا اونٹوں کی بھی ضرورت تھی، جو انہیں کہیں سے چوری کرنے تھے۔

عمران رحیم سے ملنا چاہتا تھا تا کہ اُسے بھی چوکنا کر کے واپسی کی تیاری کے لیے کہہ دے، لیکن رات ہو چکی تھی

اور وہ اُس کے ٹھکانے پر جانا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ تاجر نے اُسے رہنے کے لیے جو جگہ دے رکھی تھی، وہاں جانا ٹھیک نہیں تھا۔ عمران گرجے چلا گیا۔

وہ اگر رحیم کے پاس جاتا بھی تو وہ اُسے نہ ملتا۔ وہ اپنے ٹھکانے میں بھی نہیں تھا اور وہ عکرہ میں بھی نہیں تھا۔ جب عمران اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ اُس وقت ایلس نے رحیم کو کسی اور ہی پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ صلیبیوں نے رقص اور کھانے کی محفل منعقد کی تھی۔ ایلس کے امیدوار نے اُسے اپنے ساتھ رقص کے لیے کہا تو ایلس نے اُسے ٹھکرا دیا اور وہ اس سے کم عمر کے افسروں کے ساتھ ناچتی رہی۔ اُس کے اُمیدوار نے اُس کے باپ سے شکایت کی۔ اس کا باپ بھی اس محفل میں موجود تھا، جہاں شراب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھی۔ باپ نے ایلس کو ڈانٹ کر کہا کہ وہ اپنے منگیتر کی توہین نہ کرے اور اس کے ساتھ ناچے۔ ایلس ناراض ہو کر گھر چلی گئی اور باپ کو یہ فیصلہ سنا آئی کہ وہ اس بوڑھے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔

اس کا باپ اور امیدوار اس کے پیچھے گئے۔ وہ دُور جا چکی تھی۔ گھر جا کر دیکھا، وہ وہاں نہیں تھی۔ تلاش کرتے کرتے وہ رحیم کے کمرے سے برآمد ہوئی۔ باپ نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ اس نے تنک کر جواب دیا کہ وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے اور جہاں چاہے بیٹھ سکتی ہے۔ اُس کے اُمیدوار کو شک ہوا کہ یہاں معاملہ گڑبڑ ہے۔ ایلس کو باپ گھر لے گیا۔ اُمیدوار نے رحیم سے پوچھا کہ یہ لڑکی یہاں کیوں آئی تھی...... رحیم نے جواب دیا کہ وہ پہلے بھی یہاں آیا کرتی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ اُمیدوار بڑا افسر تھا۔ اس نے رحیم کو دھمکی دی کہ وہ یہاں سے چلا جائے، ورنہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ رحیم کے جسم میں جوانی کا خون تھا۔ اُس نے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔ معاملہ بگڑ گیا۔ تاجر نے آ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ ایلس کے اُمیدوار نے کہا کہ وہ اس آدمی کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔

دوسرے دن تاجر نے رحیم سے کہا کہ وہ اُسے ملازمت میں نہیں رکھ سکتا، کیونکہ فوج کے اتنے بڑے افسر کو ناراض کر کے وہ اپنا کاروبار تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ اُس نے رحیم کو یہ نصیحت کی کہ وہ وہاں سے چلا جائے، کیونکہ فوجی افسر اُسے کسی جرم کے بغیر قید خانے میں ڈال سکتا ہے۔ رحیم بھول چکا تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے یہاں آیا ہے۔ اُس نے ایلس کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا لیا۔ اس کے اُمیدوار کی دھمکی کا وہ عملی جواب دینا چاہتا تھا۔ تاجر اپنی دکان میں تھا۔ رحیم اُس کے گھر گیا۔ ایلس سے ملا اور اُسے بتایا کہ اس کے باپ نے اُسے نوکری سے نکال دیا ہے۔ ایلس اس کے ساتھ بھاگ جانے کو تیار ہو گئی۔ بھاگنے کا وقت شام کے بعد کا مقرر کیا گیا، جب اُس کا باپ گھر نہیں ہوتا تھا۔

رات کو اُس وقت جب عمران رضا کے پاس بیٹھا، اس راز کے متعلق باتیں کر رہا تھا، جس کے لیے انہوں جان کا خطرہ مول لے رکھا تھا۔ رحیم ایلس کے انتظار میں شہر سے باہر اُس جگہ کھڑا تھا جو اسے ایلس نے بتائی تھی۔ ایلس نے اُسے کہا تھا کہ وہ باپ کے گھوڑے پر آئے گی اور وہ دونوں ایک ہی گھوڑے پر بھاگیں گے۔ وہ بے صبری سے ایلس کا انتظار کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ وہ باپ کا گھوڑا کس طرح چُرا کر لا سکے گی...... لڑکی نے گھوڑا چُرا لیا تھا۔ اس پر زین ڈال کر کس لی تھی اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکل بھی آئی تھی۔ رحیم نے جب اُسے دیکھا تو اُسے یقین نہ آیا کہ یہ ایلس ہے۔ اس کی آواز پر وہ گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہو گیا۔ کچھ دُور تک انہوں نے گھوڑے کی رفتار آہستہ رکھی۔ شہر سے دُور جا کر رحیم نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کچھ دیر بعد وہ عکرہ سے کافی دُور جا چکے تھے۔

☆

آدھی رات کے وقت وہ ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں پانی تھا۔ رحیم نے اس خیال سے گھوڑا روک لیا کہ اسے پانی پلا لیا جائے اور آرام بھی کر لے۔ اسے معلوم تھا کہ آگے بہت دُور تک پانی نہیں ملے گا۔ اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ کسی کو کیا خبر کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اُس نے ایلس سے کہا کہ آرام کر لیں۔ سحر کی تاریکی میں روانہ ہو جائیں گے۔

''تم بیت المقدس کا راستہ جانتے ہو؟'' ایلس نے اس سے پوچھا۔

انہوں نے عکرہ سے بھاگتے وقت یہ طے کیا ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ اب لڑکی نے بیت المقدس کا نام لیا تو رحیم نے کہا..... ''بیت المقدس کیوں؟ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا جہاں تمہارے تعاقب میں کوئی آنے کی جرأت ہی نہیں کرے گا''۔

''کہاں؟'' ایلس نے پوچھا۔

''مصر''۔ رحیم نے جواب دیا۔

''مصر؟'' ایلس نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا..... ''وہ تو مسلمانوں کا ملک ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے''۔

''مسلمانوں کو تم نہیں جانتی ایلس!'' رحیم نے کہا۔ ''مسلمان بڑی رحم دل قوم ہے۔ تم چل کے دیکھنا''۔

''نہیں!'' ایلس نے بدک کر کہا..... ''مجھے مسلمانوں سے ڈر آتا ہے۔ بچپن سے مجھے مسلمانوں کے متعلق بڑی غلیظ باتیں بتائی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈرایا کرتی ہیں۔ مجھے مسلمانوں سے نفرت ہے''۔

وہ ڈر رہی تھی اور رحیم کے ساتھ لگ گئی تھی۔ اُس نے کہا..... ''مجھے بیت المقدس لے چلو۔ وہاں ہم شادی کریں گے۔ بیت المقدس کدھر ہے؟ میں سمت بھول گئی ہوں''۔

''میں مصر کی طرف جا رہا ہوں''۔ رحیم نے کہا۔

''ایلس بگڑ گئی اور پھر رونے لگی۔

''تم مسلمانوں سے نفرت کرتی ہو؟''

''بہت زیادہ!''

''اور مجھ سے تمہیں محبت ہے؟''

''بہت زیادہ!''

''اور اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں مسلمان ہوں، تو تم کیا کرو گی؟''

''میں ہنسوں گی''۔ ایلس نے کہا..... ''مجھے تمہارے لطیفے اور مذاق بہت اچھے لگتے ہیں''۔

''میں مذاق نہیں کر رہا ایلس!'' رحیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''میں مسلمان ہوں اور .... اس قربانی پر غور کرو جو مجھ سے تمہاری محبت نے کرائی ہے۔ میں یہ قربانی بخوشی دے رہا ہوں''۔

''کیسی قربانی؟'' ایلس نے کہا..... ''تم تو پہلے ہی بے گھر تھے۔ اب ہم اپنا گھر بنائیں گے''۔

''نہیں ایلس!'' رحیم نے کہا..... ''میں اب بے گھر ہوا ہوں۔ تم اپنے گھر سے بھاگی ہو۔ میرے ساتھ شادی کر کے تم اپنا گھر بسا لو گی، لیکن میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ میں اپنے فرض کا بھگوڑا ہوں، میں اپنی فوج کا بھگوڑا ہوں..... میں جاسوس ہوں۔ عکرہ میں جاسوسی کرنے آیا تھا مگر تمہاری محبت پر میں نے اپنا فرض قربان کر دیا ہے''۔

''تم مجھے ڈرا رہے ہو''۔ ایلس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''چلو سو جاؤ۔ میں تمہیں جلدی جگا دوں گی''۔

''میں تمہیں ڈرا نہیں رہا ایلس!'' رحیم نے کہا..... ''میرا نام رحیم ہنگور ہے، ایلی مور نہیں۔ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں جہاں رکھوں گا، پورے آرام میں رکھوں گا۔ تمہیں تمہارے باپ کے گھر والی بادشاہی نہیں دے سکوں گا، لیکن تکلیف بھی نہیں ہونے دُوں گا۔ تمہاری زندگی آرام سے گزرے گی''۔

''مجھے اسلام قبول کرنا پڑے گا؟'' ایلس نے پوچھا۔

''تو اس میں کیا ہرج ہے؟'' رحیم نے کہا..... ''تم ایسی باتیں نہ سوچو۔ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ سو جاؤ۔ ہمارا سفر بڑا لمبا ہے۔ باتوں کے لیے بہت وقت ہے''۔

وہ لیٹ گیا۔ ایلس بھی لیٹ گئی۔ ذرا سی دیر بعد ایلس کو رحیم کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ گہری سوچوں میں کھو گئی تھی۔

☆

رحیم کی آنکھ کھلی تو صبح کا اُجالا سفید ہو چکا تھا۔ وہ گھبرا کر اُٹھا۔ اُسے اتنی دیر نہیں سونا چاہیے تھا، آنکھیں مل کر ادھر اُدھر دیکھا۔ وہاں گھوڑا بھی نہیں تھا۔ ایلس بھی نہیں تھی۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا۔ صحرا کی ویرانی کے سوا اسے کچھ بھی نہیں نظر نہ آیا۔ اُس نے ایلس کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سوچوں میں کھو گیا۔ ایک خیال یہ آیا کہ اُن کے تعاقب میں کوئی آ گیا ہوگا اور وہ ایلس کو سوتے میں اُٹھا کر لے گیا ہے۔ اس صورت میں رحیم کو زندہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اُسے وہ لوگ قتل کر جاتے یا اُسے اغوا کے جرم میں پکڑ لے جاتے۔ حیرت اس پر تھی کہ وہ ایلس کو ایسی خاموشی سے اُٹھا کر لے گئے کہ رحیم کی آنکھ ہی نہ کھلی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایلس خود بھاگ گئی ہے کہ اُس رحیم کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

ایلس جہاں کہیں بھی گئی اور اُسے جو کوئی بھی لے گیا، رحیم کو اب یہ سوال پریشان کرنے لگا کہ وہ کہاں جائے، عکرہ واپس جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ قاہرہ جانے سے بھی ڈرتا تھا۔ اُس نے اپنا فرض پورا نہیں کیا تھا۔ اُس نے اپنے کمانڈر عمران کو نہیں بتایا تھا کہ وہ جا رہا ہے۔ سوچ سوچ کر اُس نے ایک بہانہ گھڑ لیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اب قاہرہ کی بجائے کرک چلا جائے اور وہاں بتائے کہ اُسے پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور جاسوس ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بھاگ کر وہاں سے نکلا ہے۔ اُسے مہلت نہیں ملی کہ عمران یا رضا کو اطلاع دے سکتا کہ اس کی گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے..... یہ اچھا بہانہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُسے کوئی یہ تو نہیں کہے گا کہ کوئی ثبوت اور شہادت لاؤ۔

وہ پانی پی کر کرک کی سمت چل پڑا۔ اسے ایلس کی گمشدگی پریشان کر رہی تھی اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُسے کبھی بھی پتا نہ چل سکے گا کہ ایلس کہاں غائب ہو گئی ہے۔

وہ بمشکل تین میل چلا ہوگا کہ اُسے دوڑتے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ گرد کا بادل اُڑا آ رہا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا، چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سوار کون ہیں۔ اسے یہی معلوم تھا کہ وہ خود کون ہے۔ یہی خطرناک پہلو تھا۔ وہ گھوڑوں کے راستے سے ہٹ کر چلتا گیا۔ گھوڑے قریب آ گئے۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہ صلیبی تھے اور انہوں نے گھوڑے اس کی طرف موڑ لیے تھے۔ وہ نہتہ تھا۔ بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں تھی۔ سواروں نے اُسے گھیر لیا۔ اُس نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ ایلس کا امیدوار تھا۔ اُس نے رحیم سے کہا..... ''مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو''۔

اُسے پکڑ لیا گیا اور اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر اسے ایک سوار نے لاش کی طرح گھوڑے پر ڈال لیا۔

گھوڑے عکرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب عمران رحیم سے ملنے گیا تو وہ اسے نہ ملا۔ تاجر کے ایک نوکر نے اُسے بتایا کہ اسے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ عمران شش وپنج میں پڑ گیا۔ رحیم جا کہاں سکتا تھا۔ اس کے پاس کیوں نہیں آیا؟......
عمران گرجے میں واپس چلا گیا۔ رضا سے وہ شام کے بعد مل سکتا تھا۔ انہیں رحیم کو ڈھونڈنا تھا۔ یہ خطرہ بھی محسوس کیا گیا کہ وہ گرفتار نہ ہو گیا ہو۔ اس صورت میں یہ خطرہ تھا کہ اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو نشاندہی نہ کر دی ہو۔ عمران کو یہ سوچ پریشان کر رہی تھی کہ رحیم اگر پکڑا گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اور رضا بھی پکڑے جائیں۔ پکڑے جانے اور مارے جانے کا انہیں فکر نہ تھا۔ فکر یہ تھا کہ انہوں نے وہ راز حاصل کر لیا تھا جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے اور اب انہیں یہاں سے نکلنا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رضا اصطبل سے باہر کہیں کھڑا تھا۔ چار گھوڑے اصطبل کے دروازے پر رُکے۔ ایک سوار نے اپنے آگے کسی کو لاش کی طرح ڈال رکھا تھا، اُسے اُتارا گیا۔ یہ دیکھ کر رضا کا خون خشک ہو گیا کہ وہ رحیم تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ سواروں میں ایک بڑا افسر تھا۔ رضا اُسے اچھی طرح جانتا پہچانتا تھا۔ دوسروں سے بھی وہ واقف تھا۔ رحیم کو وہ لے جانے لگے تو بڑے افسر نے رضا کو دیکھ لیا۔ اُسے ''فرانس'' کے نام سے بلایا۔ رضا دوڑا گیا، لیکن اس کے پاؤں نہیں اُٹھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔

''چاروں گھوڑے اندر لے جاؤ''۔ اس افسر نے رضا سے کہا..... ''ہمارے سائیسوں کے حوالے کر دینا''۔..... اُس نے رحیم کے متعلق حکم دیا..... ''اسے اُس کمرے میں لے چلو۔

رضا کو چونکہ فرانس کے نام سے بلایا گیا تھا، اس لیے وہ جان گیا کہ رحیم نے اس کی نشاندہی نہیں کی۔ یہ صلیبی افسر اُسے ابھی تک سائیس فرانس سمجھ رہے تھے۔ اُس نے ایک افسر سے پوچھا..... ''یہ کون ہے؟ اس نے چوری کی ہو گی''۔

''یہ صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہے''۔ ایک فوجی نے جواب دیا اور طنزیہ لہجے میں کہا..... ''اب یہ تہہ خانے میں جاسوسی کرے گا، جاؤ گھوڑے لے جاؤ''۔

اس دوران رضا اور رحیم نے ایک دوسرے کو گہری نظروں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا۔ انہوں نے آنکھوں کے کچھ اشارے مقرر کر رکھے تھے۔ اگر ایسی صورتِ حال میں دو جاسوسوں کا سامنا ہو جائے تو وہ ایک اشارہ تو یہ کرتے تھے کہ بھاگ جاؤ۔ دوسرا یہ کہ کوئی خطرہ نہیں۔ رحیم نے رضا کو ایسا ہی ایک اشارہ کیا جس سے اُسے تسلی ہو گئی کہ اس نے کسی کی نشاندہی نہیں کی۔ تاہم ان کے لیے یہ خوشی کی بات نہیں تھی۔ اس کا ساتھی پکڑا گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ تہہ خانے میں اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ رحیم کو اب مرنا تھا مگر بڑی ہی اذیت ناک موت مرنا تھا۔ رضا کو معلوم تھا کہ رحیم کو کون سے کمرے میں لے جایا جا رہا ہے اور اس کے بعد اُسے کہاں لے جائیں گے۔

☆

عمران گرجے کے ساتھ اپنے کمرے میں پریشانی کی حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ رحیم کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ رضا تھا۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور گھبرائی ہوئی سرگوشی میں کہا۔ ''رحیم پکڑا گیا ہے''...... اُس نے جو دیکھا تھا وہ عمران کو سنا دیا۔ رضا نے اُسے یہ بھی بتا دیا کہ رحیم نے اشارے سے اُسے بتا دیا ہے کہ اس نے ہماری نشاندہی نہیں کی۔

''اگر ابھی نہیں کی تو تہہ خانے میں جا کر دے گا''۔ عمران نے کہا..... ''اس دوزخ میں زبان بند رکھنا آسان نہیں ہوتا''۔
ان دونوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا محال ہو گیا کہ وہ فوراً نکل جائیں یا ایک آدھ دن انتظار کر لیں۔ ایسے نازک

وقت میں ان سے ایک غلطی سرزد ہوگئی۔ وہ یہ تھی کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گئے۔ چھاپہ ماروں (کمانڈو) اور جاسوسوں کے لیے یہ ہدایت تھی کہ وہ تحمل، بردباری اور صبر سے کام لیں۔ عجلت اور جذبات سے بچیں۔ اگر ان کا کوئی ساتھی ایسے طریقے سے کہیں پھنس جائے کہ اس کی مدد کرنے میں دوسروں کے پھنسنے کا بھی خطرہ ہو تو اس کی مدد نہ کی جائے۔ رضا جذبات میں آ گیا۔ اس نے کہا...... ''میں رحیم جیسے خوب صورت اور دلیر دوست کو قید سے نکالنے کی کوشش کروں گا''۔

''ناممکن ہے''۔ عمران نے کہا اور اُسے اپنے خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں چونکہ وہیں رہتا ہوں، جہاں رحیم کو لے گئے ہیں۔ اس لیے دیکھوں گا کہ اُسے وہاں سے نکالنا ممکن ہو سکتا ہے یا نہیں''۔ رضا نے کہا...... ''میں نے وہاں اتنی دوستی پیدا کر رکھی ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ رحیم کہاں ہے۔ اگر میں اُس تک پہنچ گیا تو رحیم آزاد ہو جائے گا یا میں بھی اس کے ساتھ ہی جاؤں گا اور اگر میں بھی پکڑا گیا تو تم نکل جانا۔ راز تمہارے پاس ہیں۔ میں رحیم کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا''۔

ناممکن تھا کہ رضا رحیم کو وہاں سے آزاد کر لیتا، لیکن اس کے جذبات اتنے شدید تھے کہ عمران بھی اس کا ہمنوا ہو گیا اور وہ حقائق کو بھول گیا۔ رضا اُسے یہ کہہ کر چلا گیا کہ رات کو کسی وقت آ کر اُسے بتائے گا کہ رحیم کی رہائی کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ اگر کوئی صورت نہ ہوئی تو وہ رات کو نکل جائیں گے۔ عمران کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ گھوڑوں کا انتظام کرلے۔ گھوڑوں کا انتظام آسان نہیں تھا۔ پادری کے باڈی گارڈوں کے گھوڑے وہاں موجود رہتے تھے۔ انہی میں سے دو یا تین گھوڑے چوری کرنے تھے۔

اس وقت تک رحیم کو قید خانے میں نہیں ڈالا گیا تھا۔ اُسے انٹیلی جنس کے دو وحشی قسم کے افسروں کے حوالے کر دیا گیا تھا، جاسوس جب پکڑا جاتا ہے تو سزا کا مرحلہ سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ پہلے اس سے معلومات لی جاتی ہیں۔ جاسوس اکیلا نہیں ہوتا، پورا گروہ ہوتا ہے۔ گرفتار کیے ہوئے جاسوس سے یہی ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور دوسرا سوال یہ کہ اس نے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔ رحیم سے بھی یہی سوال پوچھا گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسرا سوال پوچھا گیا کہ اس نے یہاں سے کوئی خفیہ بات معلوم کی ہے تو وہ بتا دے۔ رحیم نے جواب دیا کہ اس کے پاس کوئی راز نہیں۔ تاجر کی بیٹی ایلس کے ساتھ تعلقات کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ایلس کی شادی ایک بوڑھے افسر کے ساتھ کی جا رہی تھی، اس لیے وہ گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوگئی۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس طرح پکڑے گئے ہو؟''

''نہیں''...... رحیم نے جواب دیا...... ''میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں پکڑا گیا ہوں''۔

''تم اور بھی بہت کچھ جانتے ہو''...... ایک افسر نے اُسے کہا...... ''وہ سب کچھ بتا دو جو تم جانتے ہو، تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی''۔

''میں یہ جانتا ہوں کہ میں اپنا فرض بھول گیا تھا''...... رحیم نے کہا...... ''میں اس سزا کو خوشی سے قبول کروں گا۔ مجھے جس قدر تکلیف اور جتنی اذیت دے سکتے ہو، دو۔ میں اسے اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کروں گا''۔

''کیا تمہارے دل میں ابھی تک ایلس کی محبت ہے؟''۔

''ابھی تک ہے''...... رحیم نے کہا...... ''اور ہمیشہ رہے گی۔ میں اُسے اپنے ساتھ قاہرہ لے جا رہا تھا۔ اسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرنی تھی''۔

''اگر ہم یہ کہیں کہ اس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے تو تم مان لو گے؟''

''نہیں''......رحیم نے کہا......''جس نے میرے لیے اپنا گھر اور اپنے عزیز چھوڑ دیئے تھے۔ وہ دھوکہ نہیں دے سکتی، اس کے ساتھ کسی نے دھوکہ کیا ہے''۔

''اگر ہم ایلس تمہارے حوالے کر دیں تو کیا تم ہمیں بتا دو گے کہ عکرہ میں تمہارے کتنے ساتھی ہیں اور وہ کہاں ہیں؟''......اس سے پوچھا گیا......''اور یہ بھی بتا دو گے کہ تم نے یہاں سے کون سا راز حاصل کیا ہے؟''

رحیم کا سر جھک گیا۔ ایک افسر نے اس کا سر اوپر اُٹھایا تو رحیم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ افسروں کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ خاموش رہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے اندر ایسی کش مکش پیدا ہوگئی ہے جس میں وہ فیصلہ نہیں کر سکتا اس کا رویہ اور ردِعمل کیا ہونا چاہیے۔ اس کی یہ کیفیت ظاہر کرتی تھی کہ اس کے دِل میں ایلس کی محبت بہت گہری اُتری ہوئی ہے۔

''تمہیں آخر کار ہمارے تمام سوالوں کا جواب دینا ہوگا''......ایک افسر نے کہا......''اُس وقت تک تم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے ہوگے۔ تم جیو گے نہ، مرو گے۔ اگر پہلے ہی جواب دے دو تو ایلس تمہارے پاس ہوگی اور تم آزاد ہوگے۔ اس وقت تم قید خانے میں نہیں، یہ ایک افسر کا کمرہ ہے۔ اگر تم سوچنے کی مہلت چاہتے ہو تو آج رات تمہیں اسی کمرے میں رکھا جائے گا''۔

رحیم خاموش رہا اور خالی خالی نظروں سے افسروں سے دیکھتا رہا۔ افسروں کو ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس کمرے سے بھاگ جائے گا۔ برآمدے میں پہرہ تھا۔ گشتی بہرہ بھی تھا۔ رحیم بھاگ کر جا بھی کہاں سکتا تھا۔ ایک افسر نے باہر آ کر اپنے ساتھی افسر سے کہا......''تم وقت ضائع کر رہے ہو، اسے تہہ خانے میں لے چلو۔ لوہے کی لال گرم سلاخ اس کے جسم کے ساتھ لگاؤ، ساری باتیں اُگل دے گا، نہیں بولے گا تو بھوکا اور پیاسا پڑا رہنے دو''۔

''میرا تجربہ مختلف ہے میرے دوست!''......دوسرے افسر نے کہا......''یہ نہ بھولو، یہ مسلمان ہے۔ تم نے اب تک کتنے مسلمان جاسوسوں سے راز اُگلوائے ہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ کمبخت ایک بار ڈٹ جائیں تو مر جاتے ہیں، زبان نہیں کھولتے۔ یہ شخص کہہ چکا ہے کہ ہماری ہر اذیت اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کر لے گا۔ یہ کٹر مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ یہ تہ خانے میں جا کر بھی کہہ دے گا کہ وہ کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ ہمارا مقصد اسے جان سے مارنا نہیں، یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور یہ معلوم کرنا ہے کہ انہیں اس حملے کا پتا تو نہیں چل گیا جو مصر پر کرنے والے ہیں؟''

''ان کے باپ کو بھی پتا نہیں چل سکتا''......دوسرے افسر نے کہا......''ہائی کمانڈ کے افسروں کے سوا کسی کو حملے کے متعلق علم ہی نہیں۔ یہ جاسوس تاجر کی بیٹی کے عشق میں اُلجھا ہوا تھا۔ اسے تو دنیا کی ہوش نہیں تھی، اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسے ایلس نے گرفتار کرایا ہے۔ یہ ابھی تک اس کی محبت میں گرفتار ہے۔

''میں ایلس کو ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں''......ایک نے کہا......''اُسے آج رات اسی کمرے میں رہنے دیتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جو راز ہم کئی دنوں میں بھی نہیں اُگلوا سکیں گے، وہ ایلس جیسی دلکش لڑکی چند منٹوں میں اُگلوائے گی''۔

''کیا اس لڑکی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟''

''کیا تمہیں ابھی تک شک ہے؟''......دوسرے نے کہا......''تم نے شاید پوری بات نہیں سنی۔ ایلس نے واپس آ کر جو بیان دیا ہے، وہ تم نے پورا نہیں سنا۔ اب چونکہ تفتیش ہم دونوں کے سپرد کی گئی ہے۔ اس لیے تمہارے ذہن میں ہر ایک بات واضح ہونی چاہیے۔ ایلس اس شخص کو بُری طرح چاہتی تھی۔ وہ اسے ایلی مور نام کا عیسائی سمجھتی رہی۔ ایلس

کا باپ اس کی شادی کمانڈر رولیسٹ میکاٹ کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ دراصل اپنی بیٹی رشوت کے طور پر دے رہا تھا۔ ایلس اس جاسوس کے ساتھ بھاگ گئی۔ راستے میں اس نے ایلس کو بتا دیا کہ وہ ایلی مور نہیں، رحیم ہے اور وہ مسلمان ہے۔ ایلس نے اسے مذاق سمجھا مگر رحیم نے اسے یقین دلایا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا۔ رحیم نہیں جانتا تھا کہ ایلس کے دل میں مسلمانوں کی کتنی دہشت اور حقارت بچپن سے بیٹھی ہوئی ہے اور رحیم کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایلس مذہب کی پکی ہے۔ ہر وقت صلیب گلے میں ڈالے رکھتی ہے۔ اس نے جان لیا کہ اس مسلمان نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ قاہرہ لے جا کر نہ صرف خود اسے خراب کرے گا، بلکہ دوسروں سے بھی خراب کرائے گا اور آخر میں کسی کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ ہم نے اپنے بچوں کے ذہنوں میں مسلمانوں کا جو گھناؤنا تصور پیدا کر رکھا ہے، وہ ایلس کے سامنے آ گیا......

''ایلس کے دل میں مذہب کی محبت پیدا ہوگئی اور یہ محبت مسلمان کی محبت پر ایسی غالب آئی کہ اسے حقارت میں بدل دیا۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ عکرہ واپس آ کر اُسے بوڑھے کمانڈر کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ اسے صلیب کا یہ فرض یاد آ گیا کہ مسلمان کو ہر حال میں دشمن سمجھنا اور اسلام کے خاتمے کے لیے کام کرنا ہے۔ لڑکی چونکہ ہوشیار اور دلیر ہے، اس لیے اس نے بھاگنے کا نہایت اچھا طریقہ سوچا۔ رحیم پر ظاہر نہ ہونے دیا اور لیٹ گئی۔ رحیم اطمینان سے سو گیا تو ایلس گھوڑے پر سوار ہوئی اور ایسی خاموشی سے نکل آئی کہ رحیم کو خبر تک نہ ہوئی۔ راستے سے واقف تھی۔ عکرہ پہنچ گئی اور اپنے باپ کے سامنے اقبالِ جرم کر کے اُسے رحیم کے متعلق بتایا۔ باپ نے اُسی وقت کمانڈر رولیسٹ میکاٹ کو جگایا اور اُسے یہ واقعہ سنایا۔ کمانڈر نے تین سپاہی ساتھ لیے اور رحیم کے تعاقب میں گیا۔ رحیم پیدل کہاں جا سکتا تھا، پکڑا گیا اور اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے''۔

''رحیم کو معلوم نہیں کہ اسے ایلس نے دھوکہ دیا ہے''۔

''نہیں''...... دوسرے نے کہا...... ''میں اب ایلس کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ رحیم کو ہم نہایت اچھا کھانا کھلائیں گے''۔

☆

وہاں کے ملازموں اور دوسرے لوگوں کی زبان پر یہی موضوع تھا کہ ایک مسلمان جاسوس پکڑا گیا ہے۔ رضا بھی فرانسس کے روپ میں ان ملازموں میں شامل تھا۔ وہ بھی مسلمان کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسروں کی طرح خواہش ظاہر کر رہا تھا کہ جاسوس کو سرِ عام پھانسی دی جائے یا اُسے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا بھگا دیا جائے۔ رضا کو معلوم ہو چکا تھا کہ رحیم ابھی تک اسی کمرے میں ہے۔ سب حیران تھے کہ اسے قید خانے میں کیوں نہیں لے گئے اور جب باورچی خانے کے ایک ملازم نے انہیں بتایا کہ قیدی کے لیے افسروں کا سا کھانا گیا ہے اور وہ خود کھانا دے آیا تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ رضا باتوں باتوں میں باورچی خانے کے اس آدمی کو الگ لے گیا اور پوچھا...... ''کیا تم مذاق کر رہے ہو کہ مسلمان جاسوس کو اتنا اچھا کھانا دیا گیا ہے جو افسر کھاتے ہیں، پھر وہ جاسوس نہیں ہوگا''۔

''بڑا خطرناک جاسوس ہے''...... ملازم نے کہا...... ''جو افسر تفتیش کر رہے ہیں، میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ ابھی اُسے کھلا پلا کر اس سے باتیں پوچھیں گے، پھر وہ کسی لڑکی کی باتیں کر رہے تھے جو اس قیدی کو پھانس کر اس سے اُگلوائے گی''۔

رحیم کھانا کھا چکا تو اس کے کمرے میں ایلس داخل ہوئی، دونوں افسر چلے گئے تھے۔ انہوں نے ایلس کو بلا کر

اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے اور قیدی سے کیا پوچھنا ہے۔ ایلس کو دیکھ کر رحیم بہت حیران ہوا۔ اسے خواب کا دھوکہ ہوا ہوگا۔

''تم؟''...... اس نے ایلس سے پوچھا...... ''کیا تمہیں بھی گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے؟''

''ہاں!''...... ایلس نے کہا...... ''میں کل رات سے قید میں ہوں''

''تم وہاں سے غائب کس طرح ہوئی تھی؟''...... رحیم نے کہا...... ''میں مان نہیں سکتا کہ تم خود بھاگ آئی تھی؟''

''میں کیوں کر بھاگ سکتی تھی''...... ایلس نے کہا...... ''میرا تو جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ تم سو گئے تھے مگر مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں اُٹھ کر ٹہلنے لگی اور کچھ دور نکل گئی۔ کسی نے پیچھے سے میرا منہ ہاتھ سے بند کر دیا اور اُٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایک نے ہمارا گھوڑا بھی لے لیا، میرا منہ بند تھا۔ تمہیں پکار نہیں سکتی تھی، وہ مجھے یہاں لے آئے''

''انہیں کس نے بتایا ہے کہ میں ایلی مور نہیں، رحیم ہوں؟''...... رحیم نے پوچھا...... ''اور جنہوں نے تمہیں وہاں جا پکڑا تھا، وہ مجھے بھی کیوں نہ پکڑ لائے؟ انہوں نے مجھے قتل کیوں نہ کر دیا؟''

''میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی''...... ایلس نے کہا...... ''میں خود مجرم ہوں''۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو ایلس''...... رحیم نے کہا...... ''تمہیں دھمکا کر میرے متعلق پوچھا گیا ہے اور تم نے ڈر کے مارے بتا دیا ہے کہ میں کون ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں، میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہیں کوئی تکلیف ہو''۔

''اگر تمہیں میری تکلیف کا خیال ہے تو یہ لوگ تم سے جو کچھ پوچھتے ہیں، وہ انہیں بتا دو''...... ایلس نے کہا...... ''انہوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں رہا کر دیں گے''۔

''بات پوری کرو ایلس''...... رحیم نے طنزیہ لہجے میں کہا...... ''یہ بھی کہو کہ میں سب کچھ بتا دوں تو مجھے رہا کر دیں گے اور تم میرے ساتھ شادی کر لوگی''۔

''شادی بھی ہو سکتی ہے''...... ایلس نے کہا...... ''بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ''۔

''کیا تم یہ اُمید لے کے آئی ہو کہ میں رہائی کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دوں گا؟''...... رحیم نے کہا...... ''ایلس! میں فوج کا معمولی سا سپاہی نہیں۔ جاسوس ہوں۔ عقل رکھتا ہوں، میں اسی گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں کہ عقل پر تمہاری محبت کو سوار کر لیا تھا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو، جس صلیب کی تم قسمیں کھا رہی ہو، وہ گلے میں ڈال کر جھوٹ بول رہی ہو۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم خود وہاں سے بھاگی ہو؟ کیونکہ تمہارے دِل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتماد نہ رہا اور مجھے سوتا چھوڑ کر بھاگ آئیں۔ یہاں آ کر تم نے اپنے بوڑھے منگیتر کو میرے پیچھے بھیج دیا۔ میرے دل میں بھی تمہاری قوم کے خلاف نفرت ہے۔ میں تمہاری قوم کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنی جان تمہاری قوم کو تباہ کرنے کے لیے داؤ پر لگائی ہے، لیکن تمہاری محبت، محبت ہی رہے گی۔ اس پر نفرت غالب نہیں آ سکے گی۔ میں نے تمہاری خاطر اپنا فرض فراموش کیا۔ اپنا مستقبل تباہ کیا، مگر تم نے ناگن کی طرح ڈنگ مارا''۔

وہ ایسے انداز سے بول رہا تھا کہ ایلس کی زبان بند ہوگئی۔ اس کے دل میں رحیم کی محبت موجود تھی، رحیم نے جب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمے اور پُر اثر انداز میں باتیں کیں تو یہ جوان لڑکی اپنے سینے سے اُٹھتے ہوئے جذبات کے بگولے کی لپیٹ میں آ گئی۔ پہلے تو اس کے آنسو پھوٹے پھر اس نے بے تابی سے رحیم کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور روتے ہوئے کہا...... ''مجھے تم سے نفرت نہیں۔ تم اپنا فرض بھول گئے تھے، میں نہ بھول سکی۔ میں مجرم ہوں، میں

تمہیں پکڑوایا ہے۔ اس جرم کی سزا مجھے بڑی سخت ملے گی۔ مجھے چند دنوں میں اس بوڑھے کمانڈر کی بیوی بنا دیا جائے گا جو وحشی ہے اور شراب پی کر درندہ بن جاتا ہے۔ مجھے کچھ نہ بتاؤ ایلی مور"۔

میں ایلی مور نہیں ہوں"...... رحیم نے کہا...... "میں رحیم ہوں"۔

☆

تفتیش کرنے والے دونوں افسر کہیں اور بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ یہ خوب صورت لڑکی رحیم کو موم کر لے گی اور صبح سے پہلے پہلے ہمارا کام پورا کر دے گی۔ وہاں صرف ایک پہرہ دار تھا جو برآمدے میں بیٹھ گیا تھا۔ کمرے کے پچھواڑے اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں ایک سایہ اتنی آہستہ آہستہ آگے کو سرک رہا تھا جیسے ہوا کا جھونکا رُک رُک کر آگے بڑھ رہا ہو۔ اُدھر عمران گرجے سے ملحق اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ ذرا سی آہٹ سنائی دیتی تھی تو وہ اُٹھ کر دروازے میں آ جاتا تھا۔ اُسے ہر آہٹ رضا کی آہٹ لگتی تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری سے تین گھوڑے منتخب کر لیے تھے جو آٹھ گھوڑوں کے ساتھ بندھے تھے۔ اُس کے زینیں بھی چوری چھپے الگ کر لی تھیں۔ اُسے اُمید تھی کہ رضا اور رحیم آجائیں گے مگر جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی، اُمید بھی تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حقیقت نکھرتی آ رہی تھی کہ اس نے رضا کو یہ اجازت دے کر کہ رحیم کو آزاد کرائے، سخت غلطی کی تھی۔ یہ ناممکن تھا۔ وہ اب سوچ رہا تھا کہ ایک گھوڑا کھولے اور نکل جائے مگر اسے رضا کا خیال آ جاتا تھا۔ رضا نے اُسے کہا تھا کہ وہ رات کو آئے گا ضرور خواہ اکیلا آئے۔

اُس وقت رضا موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ وہ ایک سیاہ سایہ بن کر اُس کمرے کے ایک دریچے کے پاس پہنچ گیا، جس میں رحیم بند تھا۔ اُس نے کان لگا کر اندر کی باتیں سنیں۔ اسے کسی کے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ میں تمہیں رہا نہیں کرا سکتی۔ یہ لوگ جو کچھ پوچھتے ہیں، وہ بتا دو پھر میں اپنے باپ سے کہہ کر تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں۔ مجھے اسی مقصد کے لیے تمہارے پاس لایا گیا ہے کہ میری محبت تم سے راز اُگلوائے گی"۔

دریچے کے کواڑ پر نہایت آہستہ سے کسی نے تین بار دستک دی۔ رحیم اس اشارے کو سمجھتا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ اُس کا کون سا ساتھی ہو سکتا ہے۔ ایلس کچھ نہ سمجھ سکی۔ رحیم ٹہلتے ٹہلتے دریچے تک گیا اور کواڑ کھول دیا۔ رضا باہر کھڑا تھا، کود کر اندر آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ایلس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور خنجر اس کے دل میں اُتار دیا۔ اسے قتل کرنا ضروری تھا، ورنہ وہ شور مچا کر انہیں پکڑا سکتی تھی۔ رضا اور رحیم دریچے سے کود کر باہر گئے اور اندھیرے سے بھاگ اُٹھے۔ رضا اس جگہ سے واقف تھا۔ اُس نے راستہ تو اچھا اختیار کیا تھا لیکن برآمدے میں جو پہرہ دار تھا، اس نے کسی طرف سے دو سائے بھاگتے دیکھ لیے۔ اس کے شور پر دوسرے سنتری ہوشیار ہو گئے۔ جانے کہاں سے ایک تیر آیا جو رحیم کے پہلو میں اُتر گیا۔ وہ جوان اور توانا آدمی تھا، گرا نہیں، رضا کے ساتھ بھاگتا چلا گیا، مگر زیادہ دُور تک نہ جا سکا۔ اُس کے قدم ڈگمگانے لگے تو رضا نے اُسے اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ تیر پہلو سے نکالنا ممکن نہیں تھا۔

رحیم رضا سے کہنے لگا کہ وہ اُسے وہیں پھینک کر بھاگ جائے۔ وہ اب زندہ نہیں رہ سکتا تھا لیکن رضا اپنے دوست کو اُس وقت تک اپنے آپ سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک وہ زندہ تھا۔ اُس نے رحیم کی ایک نہ سنی اور تاریک راستوں میں چھپتا چھپاتا چلتا گیا۔ اسے خیال آ گیا کہ وہ اُس جگہ سے گزر رہا ہے جہاں تمام مکان مسلمانوں کے ہیں۔ اسے دُور دُور بھاگ دوڑ اور شور شرابا سنائی دے رہا تھا۔ ان کا تعاقب کرنے والے کہیں اور تھے۔ رضا کو معلوم تھا کہ عکرہ کے مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں اور صلیبیوں کی نگاہ میں ہر مسلمان جاسوس اور مشتبہ ہے۔ ذرا سے

شک پر کسی بھی مسلمان کو قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس کے گھر کی تلاشی توہین آمیز طریقے سے لی جاتی تھی۔ رضا کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر وہ رحیم کے بوجھ تلے شل ہو چکا تھا اور اسے یہ اُمید بھی تھی کہ شاید رحیم کی زندگی بچانے کا کوئی بندوبست ہو جائے۔

اُس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ رضا تیزی سے اندر چلا گیا، جس نے دروازہ کھولا تھا، گھبرا گیا۔ رضا نے مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کرایا، وہاں تو صرف یہ کہہ دینا ہی کافی تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ رضا کو پناہ مل گئی مگر رحیم شہید ہو چکا تھا۔ رضا کے کپڑے خون سے لتھڑ گئے تھے۔ اس نے گھر والوں سارا واقعہ سنایا اور عمران کے متعلق بھی بتایا۔ گھر میں تین مرد تھے، وہ جوش میں آگئے۔ انہوں نے رضا کے کپڑے تبدیل کر دیئے۔ رحیم کی لاش کے متعلق فیصلہ ہوا کہ اسے گھر کے کسی کمرے میں دفن کر دیا جائے گا۔ رضا عمران کو بلانے کے لیے چلا گیا۔

☆

رات کے اس وقت جب دُنیائے اسلام گہری نیند سوئی ہوئی تھی، قوم کے غدار دشمن کی بھیجی ہوئی عورتوں اور شراب میں بدمست پڑے تھے، ان سے دُور، بہت دُور ایک مسلمان اسلام کی ناموس پر اپنی جان پر کھیل گیا تھا اور دو جان کی بازی لگا کر اس راز کے ساتھ عکرہ سے نکل کر قاہرہ پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، جس پر مصر کی عزت اور اسلام کی آبرو کا دار و مدار تھا۔ اس راز کو وہ خدا کی امانت سمجھتے تھے، وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا کہ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں یا عیش کر رہے ہیں، لیکن انہیں یہ احساس تھا کہ انہیں خدا دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

عمران کا سر اس تذبذب اور اضطراب میں دُکھنے لگا تھا کہ رحیم آجائے گا یا نہیں، رضا آجائے گا یا نہیں؟ قاہرہ تک یہ خبر پہنچا سکے گا یا نہیں کہ مصر پر حملے کے لیے بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا بہت بڑا بیڑہ آرہا ہے۔ عمران اس لیے بھی قاہرہ یا کم از کم کرک جلدی پہنچنا چاہتا تھا کہ نورالدین زنگی یا سلطان ایوبی یا دونوں کسی اور طرف حملے یا پیش قدمی کی سکیم نہ بنا لیں۔ ایسی صورت میں انہیں روکنا تھا، اگر ان کی فوج کسی اور طرف نکل گئی تو مصر کا خدا ہی حافظ تھا۔ عمران کو ان سوچوں نے اس قدر پریشان کیا کہ اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ اسے شہر کی خاموشی مین کوئی سرگرمی سنائی دے رہی تھی، کچھ بھاگ دوڑ سی تھی۔ یہ اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی۔ اُس نے دو چار نفل پڑھ کر ہاتھ خدا کے حضور پھیلا دیئے اور گڑگڑایا۔۔۔ ''یا خدا! مجھے اپنے فرض کی تکمیل تک زندگی عطا کر۔ میں یہ امانت ٹھکانے پر پہنچا دوں تو مجھے میرے خاندان سمیت ختم کر دینا''۔

اُس کے دروازے پر ویسی ہی دستک ہوئی جیسی رحیم کے دریچے پر ہوئی تھی۔ عمران نے دروازہ کھولا۔ رضا کھڑا تھا۔ اُسے اندر بلا کر عمران نے دروازہ بند کر دیا۔ رضا ہانپ رہا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ اس پر کیا گزری ہے اور رحیم شہید ہو چکا ہے۔ عمران نے جب یہ سنا کہ رحیم کی لاش ایک مسلمان گھرانے میں ہے جو اسے گھر میں دفن کر دیں گے تو عمران پریشان ہو گیا۔ وہ عکرہ کے کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ رضا نے اُسے بتایا کہ اس گھر میں تین مرد اور باقی عورتیں ہیں۔ انہوں نے فوراً ایک کمرے کے کونے میں کھدائی شروع کر دی تھی۔ عمران اس گھر جانا چاہتا تھا، تا کہ دیکھ لے کہ ان کے پکڑے جانے کا کوئی خطرہ تو نہیں۔ رضا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہوشیار لوگ معلوم ہوتے ہیں، سنبھال لیں گے۔

عکرہ سے نکلنا دشوار ہو گیا تھا۔ شہر کی ناکہ بندی کر لی گئی تھی۔ ایک لڑکی کا قتل اور ایک جاسوس کا فرار معمولی سی واردات نہیں تھی۔ نکلنا رات کو ہی تھا۔ ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اکٹھے نکلیں گے اور دونوں میں سے کوئی پکڑا گیا یا دونوں

پکڑے گئے تو اور جو کچھ بھی کہیں، یہ نہیں بتائیں گے کہ رحیم کی لاش کہاں ہے یا وہ مارا گیا ہے۔ اگلا مسئلہ گھوڑوں کا تھا۔ عمران رضا کو اُس جگہ لے گیا جہاں آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے مگر دُور سے دیکھا کہ محافظوں میں سے ایک وہاں ٹہل رہا تھا۔ عمران رضا کو ایک جگہ چھپا کر آگے گیا اور اس سنتری کے پاس چلا گیا۔ اس سے پوچھا کہ آج اسے پہرہ دینے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔ سنتری عمران کو جان گلتھر کے نام سے اچھی طرح جانتا تھا اور بڑے پادری کے خصوصی خادم کی حیثیت سے اس کا احترام بھی کرتا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ آج ایک مسلمان جاسوس کو پکڑا گیا تھا۔ وہ کسی لڑکی کو قتل کر کے فرار ہو گیا ہے۔ اس لیے حکم آیا ہے کہ ہوشیار رہا جائے۔

اس سنتری کی موجودگی میں گھوڑے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ عمران نے اسے باتوں میں لگا لیا اور پیچھے ہو کر اس کی گردن بازو کے گھیرے میں لے لی۔ سنتری کا دم گھٹنے لگا۔ عمران نے اس کے پہلو سے خنجر نما تلوار کھینچ لی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ مرنے تک اس کی گردن بازو کے شکنجے میں دبائے رکھی۔ اسے مار کر عمران نے رضا کو بلایا۔ دو گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور سوار ہو گئے۔ گرجے کے باقی محافظ کمرے میں کہیں سوئے ہوئے تھے۔ عمران اور رضا چل پڑے۔ شہر سے نکلنے کے کئی راستے تھے۔ وہ ایک طرف چل پڑے اور شہر سے نکل گئے۔ اچانک وہ گھیرے میں آگئے اور انہیں للکارا گیا۔

''ہم شہری ہیں دوستو!''...... عمران نے کہا...... ''ہم بھی تمہاری طرح ڈیوٹی دے رہے ہیں''

تین چار مشعلیں جل اُٹھیں جن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ وہاں گھوڑ سواروں کا ایک دستہ تھا جو ادھر اُدھر پھیلا ہوا تھا تب انہیں احساس ہوا کہ شہر کی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ عمران نے اپنے کپڑے نہیں دیکھے تھے، اس کے کپڑوں پر سنتری کا خون تھا۔ مشعل کی روشنی میں یہ خون صلیبی سواروں کو نظر آ گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ خون کس کا ہے تو عمران نے لگام کو جھٹکا دے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ رضا نے بھی ایسا ہی کیا مگر اس نے ذرا دیر کر دی۔ عمران نکل گیا۔ رضا گھیرے میں آگیا۔ عمران کے پیچھے بھی تین سوار گئے۔ اسے رضا کی بلند پکار سنائی دینے لگی...... ''عمران رُکنا نہیں، نکل جاؤ۔ خدا حافظ''...... عمران بہت دُور تک یہ پکار سنتا رہا۔ پتا چلتا تھا جیسے وہ گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عمران کا گھوڑا بڑا اچھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں سے تیر گزرنے لگے لیکن وہ تعاقب کرنے والوں کو پیچھے ہی پیچھے چھوڑتا چلا گیا۔ وہ راستے سے واقف تھا۔ اس نے کرک کا رُخ کر لیا۔ گھوڑا بدلنے کی ضرورت تھی۔

جب صبح کی روشنی سفید ہو رہی تھی، اس کا گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے پانی کی تلاش کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ آگے ریتلی چٹانوں کا علاقہ آگیا۔ وہ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے سامنے چٹان میں دو تیر لگے جس کا مطلب تھا کہ رُک جاؤ۔ وہ رُک گیا اور یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ اسے روکنے والے اس کی اپنی فوج کے آدمی تھے۔ اسے اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر نے اُس کی بات سُن کر اسے تازہ دم گھوڑا دیا اور دو سپاہی اس کے ساتھ کر کے اسے کرک کے راستے پر ڈال دیا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نورالدین زنگی سے مل کر قاہرہ جائے گا۔ عکرہ سے جو خبر لایا تھا، وہ زنگی تک بھی پہنچی چاہیے تھی۔

☆

عمران جب کرک کے قلعے میں نورالدین زنگی کے سامنے بیٹھا اپنی کہانی سنا رہا تھا۔ زنگی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس خوبرو جوان کو دل میں بٹھا لینا چاہتا ہو۔ اُس نے اُٹھ کر بے تابی سے عمران کو سینے سے لگا لیا اور اس کے گال چوم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور پھر نیام میں ڈال کر نیام کو چوما۔ اسے دونوں ہاتھ پہ

رکھ کر عمران سے کہا..... ''اس وقت جب صلیب ایک خوفناک گدھ کی طرح چاند ستارے پر منڈلا رہی ہے، ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تلوار سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ تم بغداد میں کہو، دمشق میں کہو، کہیں بھی کہو، میں تمہیں ایک محل دے سکتا ہوں۔ تم نے جو کارنامہ کر دکھایا ہے۔ اس کے صلے میں تم دولت کے انبار کے حق دار ہو، لیکن میرے عزیز دوست! میں تمہارے لیے محل کھڑا نہیں کروں گا۔ تمہیں دولت کی شکل میں صلہ نہیں دوں گا، کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اندھا اور اپاہج کر دیا ہے۔ یہ قبول کرو، میری تلوار! اور یاد رکھو اس تلوار نے بڑے بڑے جابر صلیبوں کا خون پیا ہے۔ اس تلوار نے بہت سے قلعوں پر اسلام کا جھنڈا لہرایا ہے اور یہ تلوار اسلام کی پاسبان ہے۔''

عمران نورالدین زنگی کے آگے دوزانو بیٹھ گیا اور اُس کے ہاتھوں سے تلوار لے کر چومی، آنکھوں سے لگائی اور کمر سے باندھ لی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اُس پر رقت طاری ہوگئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''اور اپنی قدر و قیمت جان لو میرے دوست!''..... زنگی نے کہا..... ''ایک جاسوس دشمن کے لشکر کو شکست دے سکتا ہے اور ایک غدار اپنی پوری قوم کو شکست کی ذلت میں ڈال سکتا ہے۔ تم نے دشمن کو شکست دے دی ہے۔ تم جو خبر لائے ہو یہ دشمن کی شکست کی خبر ہے۔ صلیبی انشاء اللہ مصر اور فلسطین کے ساحل سے آگے نہیں آسکیں گے اور ان کا بحری بیڑہ واپس نہیں جاسکے گا۔ یہ تمہاری فتح ہوگی اور اس کا صلہ تمہیں خدا دے گا''۔

''مجھے قاہرہ کے لیے جلدی روانہ ہو جانا چاہیے''..... عمران نے کہا..... ''دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ امیر مصر کو بہت دن پہلے اطلاع جانی چاہیے''۔

''تم ابھی روانہ ہو جاؤ''..... نورالدین زنگی نے کہا..... ''میں تمہیں بڑی اچھی نسل کا گھوڑا دے رہا ہوں''۔ اُس نے عمران کو قاہرہ تک کا وہ راستہ بتا دیا جس پر کئی چوکیاں تھیں۔ ان پر قاصدوں کے گھوڑے بدلنے کا انتظام تھا..... اور صلاح الدین ایوبی سے پہلی بات یہ کہنا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کو اپنے خاندان میں جذب کر لو۔ ان کے خاندانوں کی کفالت کا انتظام بیت المال سے کرو''..... اس نے عمران سے پوچھا..... ''تم صرف جاسوسی کر سکتے ہو یا جنگ کو بھی سمجھ سکتے ہو؟''

''کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہوں''..... عمران نے جواب دیا..... ''آپ حکم دیں''

''پیغام لکھنے کا وقت نہیں''..... زنگی نے کہا..... ''صلاح الدین ایوبی سے کہہ دینا کہ مجھے کرک تمہارے حوالے کر کے بغداد جلدی واپس جانا تھا۔ اطلاعیں مل رہی ہیں کہ اُن علاقوں میں صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے اور ہمارے چھوٹے چھوٹے حکمران ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں لیکن اس تازہ خبر نے مجھے رکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چار پانچ سال پہلے تم نے بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا بیڑہ غرق کیا تھا۔ وہ تمہارے پھندے میں آگئے تھے۔ اب وہ محتاط ہو کر آئیں گے۔ اسی لیے انہوں نے سکندریہ کے شمالی ساحل کو منتخب کیا ہے۔ اگر تم ان سے سمندر میں براہِ راست ٹکر لینے کا فیصلہ کرو تو تمہاری غلطی ہوگی۔ تمہارے پاس صلیبیوں جتنی بحری طاقت نہیں ہے۔ ان کے جہاز بڑے ہیں اور ہر جہاز میں بادبانوں کے علاوہ بے شمار چپو ہیں۔ چپو چلانے کے لیے ان کے پاس غلاموں کی بے انداز تعداد ہے۔ تم اتنی تعداد سے محروم ہو۔ تمہارے جہازوں کے چپو چلانے والے ملاح ہیں اور سپاہی بھی۔ سمندری جنگ میں وہ دونوں کام نہیں کر سکیں گے۔ صلیبیوں کو ساحل پر آنے دو۔ سکندریہ کو بحری لوگوں کا خطرہ ہوگا۔ آتشیں گولے شہر کو آگ لگا دیں گے۔ اس کا کوئی انتظام کر لینا۔

''اگر دشمن نے اسی انداز سے حملہ کیا جیسا کہ عمران خبر لایا ہے تو میں دشمن کے پہلو پر ہوں گا۔ یہ اس کا بایاں ہوگا۔ تم دائیں پہلو کو سنبھالو گے اور تمہارے ذمے ایک کام یہ ہوگا کہ صلیبیوں کا کوئی جہاز واپس نہ جائے۔ آگ لگا دینا

تمہارے پاس سمندری چھاپہ مار ہوں تو تم جانتے ہو کہ ان سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوڈان کی طرف سے چوکنا رہنا۔ وہ سرحد خالی نہ رہے۔ مجھے احساس ہے کہ تمہارے پاس فوج کم ہے۔ میں یہ کمی پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے بڑی ضرورت راز داری کی ہے۔ راز داری کی خاطر میں پیغام تحریری نہیں بھیج رہا۔ فتح کی صورت میں، میں کرک فوج کے حوالے کر کے بغداد چلا جاؤں گا''۔

یہ پیغام ذہن نشین کر کے عمران قاہرہ روانہ ہو گیا۔

صلیبیوں کے سن ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے جب علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ عکرہ میں ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا اور ان کا کمانڈر عمران واپس آ گیا ہے تو جان لینے کے باوجود کہ عمران بڑا ہی قیمتی راز لایا ہے، سلطان ایوبی بجھ سا گیا۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ چند ایک باتیں کر کے عمران کو اندر بلایا اور اُٹھ کر اُسے گلے لگا لیا، پھر کہا...... ''پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا ایک ساتھی شہید کس طرح ہوا اور دوسرا پکڑا کس طرح گیا ہے؟''

عمران نے پوری تفصیل سے ساری کہانی بیان کر دی اور جب اس نے وہ راز بیان کیا جو وہ عکرہ سے لایا ہے تو سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ عمران نے یہ بھی بتایا کہ وہ نور الدین زنگی کو اطلاع دے آیا ہے۔ اس نے سلطان ایوبی کو زنگی کا پیغام سنایا۔ اس سے سلطان ایوبی کا بہت سا وقت بچ گیا تھا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور ان خاندانوں کے متعلق معلومات پیش کرنے کا کہا تا کہ اس کے مطابق ان کی مزید مدد کی جائے۔ اس کے بعد اس نے عمران سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ عمران نے اسے بتایا کہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ چار پانچ سال پہلے کی نسبت زیادہ ہو گا۔ حملہ ایک ماہ کے اندر اندر ہو گا۔ یورپ سے تازہ دم فوج لائی جائے گی جسے سکندریہ کے شمال میں اُتارا جائے گا۔ دوسری فوج بیت المقدس کے علاقے سے آئے گی جو مصر کی طرف پیش قدمی کرے گی۔ سکندریہ کے شمال میں اُترنے والی فوج سکندریہ پر قبضہ کر کے اسے اڈہ اور رسد گاہ بنائے گی اور شمال کی طرف سے مصر پر حملہ آور ہو گی۔ عمران کے کہنے کے مطابق صلیبیوں کو یہ توقع ہے کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جالیں گے اور نور الدین زنگی اسے مدد اور کمک نہیں دے سکے گا، کیونکہ راستے میں صلیبیوں کی بیت المقدس والی فوج حائل ہو گی۔

یہ ایسا طوفان تھا جو بے خبری میں آ جاتا تو مصر پر صلیبیوں کا قبضہ یقینی تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے تمام سینئر کمانڈروں کو بلا لیا۔ علی بن سفان کو اس نے یہ ہدایت دی کہ وہ دشمن کے جاسوسوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دے تا کہ اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی خبر باہر نہ جا سکے۔ سکندریہ کے متعلق اس نے خصوصی ہدایات دیں۔

☆

برطانیہ ابھی اس جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ انگریزوں کو غالباً یہ توقع تھی کہ کسی وقت وہ اکیلے ہی مسلمانوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں گے، لیکن پوپ (سب سے بڑے پادری) کے کہنے پر انگریزوں نے صلیبیوں کو اپنے کچھ جنگی جہاز دیئے تھے۔ سپین کا تمام بیڑہ اس حملے میں شرکت کے لیے تیار تھا، فرانس، جرمنی اور بلجیم کے جہاز بھی آ گئے تھے اور اس متحدہ بیڑے میں یونان اور سسلی کی جنگی کشتیاں بھی شامل تھیں۔ رسد اور اسلحہ کے لیے ماہی گیروں سے بادبانی کشتیاں لے لی گئی تھیں۔ ان میں بعض خاصی بڑی تھیں۔ اس بیڑے میں اُن تمام ممالک سے تازہ دم فوج آ رہی تھی جس سے صلیب پر حلف لیا گیا تھا کہ فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں آئے گی۔

''اگر صلاح الدین ایوبی نے ہمارا مقابلہ اپنے بحری بیڑے سے کیا تو اس کی اُسے مصر جتنی قیمت دینی پڑے گی۔''

فرانسیسی بحریہ کے کمانڈر نے کہا..... ''ہم جانتے ہیں کہ اس کے بحری بیڑے کی کتنی کچھ طاقت ہے''..... وہ بحیرۂ روم کے دوسرے کنارے پر ایک کانفرنس میں بیٹھا کہہ رہا تھا..... ''صلاح الدین ایوبی اور نورالدین خشکی پر لڑنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اس حملے کی خبر مسلمانوں کو قبل از وقت نہیں ہوگی اور صلاح الدین ایوبی کو اُس وقت خبر ہوگی جب ہم قاہرہ کو محاصرے میں لے چکے ہوں گے۔ نورالدین زنگی اُس کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکے گا اور ہمارا یہ حملہ فیصلہ کن ہوگا''۔

''میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ سوڈانیوں کا استعمال کرنا ضروری ہے''..... رینالٹ نے کہا..... ''ریناٹ ایک مشہور صلیبی حکمران اور جنگجو تھا۔ اسے بیت المقدس کی طرف سے خشکی پر آنا اور حملہ کرنا تھا۔ وہ شروع سے زور دے رہا تھا کہ وہ مصر پر شمال اور مشرق سے حملہ کریں تو جنوب سے سوڈانی بھی مصر پر حملہ کر دیں گے۔

''آپ پچھلے تجربوں کو بھول جاتے ہیں''..... اسلام کے سب سے بڑے دشمن فلپ آگسٹس نے کہا..... ''۱۱۶۹ء میں ہم نے سوڈان کو بے دریغ مدد دی تھی اور اس توقع پر ہم نے سمندر سے حملہ کیا تھا کہ سوڈانی جنوب سے حملہ کریں گے اور صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو سوڈانی ہیں وہ بغاوت کر دیں گے مگر انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ دو سال بعد پھر انہیں مدد دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی ضائع کر دی۔ اب کے پھر انہوں نے ہمیں مایوس کیا، ہم کیوں انہیں اپنے منصوبے میں شریک کریں؟ اگر مصر ہم نے اپنی طاقت سے لے لیا تو سوڈانی ہم سے حصہ مانگیں گے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ سوڈانیوں میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں۔ مسلمان پر بھروسہ کرنا غلطی ہے۔ اگر آپ سچے دل سے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا دوست نہ سمجھیں۔ انہیں خرید کر اپنا دوست ضرور بنائیں، لیکن دل میں اس کی دشمنی قائم رکھیں''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں''..... ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا..... ''آپ لوگوں نے فاطمیوں کو دوست بنایا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہوتے ہوئے بھی اسے ابھی تک قتل نہیں کر سکے۔ ہم نے انہیں بڑے بڑے قابل جاسوس اور تخریب کار دیئے جو انہوں نے اپنی غلطیوں سے پکڑوا کر مروا دیئے۔ اب ہم کسی پر بھروسہ نہیں کریں گے، ہمیں اپنی جنگی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اب ہم کامیاب ہوں گے''۔

ان کی جنگی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس سے زیادہ تکبر کرنے میں حق بجانب تھے۔ بحری بیڑے کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ بیت المقدس کی طرف سے جو فوج آرہی تھی۔ وہ سمندر کی طرف سے آنے والی نفری سے دُگنی تھی۔ یورپی مورخوں میں تعداد کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے تو اس حملے کا صلیبی جنگوں میں ذکر ہی نہیں کیا، جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اس حملے میں کم وبیش صلیبیوں کی چھ بادشاہیاں شامل تھیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے حکمران بھی تھے، جو اپنی فوجیں لے آئے تھے۔ ان میں خامی یہ تھی کہ ان کی کمان متحدہ نہیں تھی، تاہم یہ لشکر نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو آسانی سے شکست دے سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کی فوج کم تھی۔ اس کے علاوہ مصر میں غداروں نے بدامنی پھیلا رکھی تھی اور سب سے بڑا خطرہ یہ کہ سوڈانی بھی حملہ کر سکتے تھے۔ نورالدین زنگی کو بھی کچھ ایسی ہی دشواریوں کا سامنا تھا۔ دنیائے اسلام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور یہ حکمران عیش وعشرت کے عادی ہو چکے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں اپنے زیر اثر لے رکھا تھا۔ وہ آپس میں پھٹے ہوئے تھے اور انہیں اسلام کی ناموس کا ذرہ بھر احساس نہ تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سنیئر کمانڈروں کو بلا کر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے کو اُس نے سوڈان کی سرحد پر چلے جانے کو کہا۔ اس کے کمانڈر کو یہ ہدایت دی کہ وہ سرحد سے خاصا پیچھے خیمہ زن رہے، لیکن فوج کو مختلف جگہوں پر اس طرح متحرک رکھے کہ گرد اُڑتی رہے اور یہ ظاہر ہو کہ فوج کی تعداد بے حساب ہے۔ سلطان ایوبی نے خصوصی

حکم یہ دیا کہ کسی بھی وقت فوج آرام کی حالت میں نہ رہے۔ دوسرے حصے کو سکندریہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا، لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ کوچ رات کو ہوگا اور تمام پڑاؤ دن کے وقت ہوں گے۔ اس کے کمانڈر کو بتایا گیا کہ اسے یہ حکم بعد میں ملے گا کہ اس کی منزل کیا ہے اور آخری خیمہ گاہ کہاں ہوگی۔ تیسرے حصے کو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس نے کسی بھی کمانڈر کو نہ بتایا کہ یہ احکام کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ یہ سب نے دیکھا کہ تمام ترمنجنیقیں اس فوج کو دی گئی تھیں جو سکندریہ کی طرف جا رہی تھیں۔

اس کے ساتھ آٹھ روز بعد سلطان ایوبی قاہرہ میں نہیں تھا اور نور الدین زنگی کرک میں نہیں تھا۔ وہ دونوں سکندریہ کے مشرق میں گھوم پھر رہے تھے، مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں کسی ملک کے حکمران اور فوجوں کے کمانڈر ہیں اور یہ وہ انسان ہیں جو صلیبیوں کے لیے سراپا دہشت بنے ہوئے ہیں۔ وہ غریب سے دوشتربان تھے جو معلوم نہیں کہاں سے آئے تھے اور کہاں جا رہے تھے۔ انہوں نے ساحل پر جا کر بحیرۂ روم کی وسعت کو نظروں سے بھانپا اور ناپا۔ وہ تین چار دن میں دُور دُور گھوم گئے۔ سلطان ایوبی سکندریہ اور نور الدین زنگی کرک چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو کچھ احکام دیئے اور وہ چلا گیا۔

☆

صلیبیوں کا بیڑہ مکمل خاموشی اور راز داری سے آیا۔ بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج چل پڑی۔ دونوں کی روانگی کے اوقات میں مطابقت تھی۔ صلیبیوں نے بڑے اچھے موسم کا انتخاب کیا تھا۔ اس موسم میں سمندر خاموش رہتا ہے۔ تلاطم اور طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا۔ صلیبی جہازوں کے کپتانوں کو مصر کا ساحل نظر آنے لگا، لیکن انہیں سلطان ایوبی کا کوئی جہاز نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب سے اگلے جہاز کے کپتان نے سمندر میں ماہی گیروں کی ایک کشتی دیکھی۔ اس نے جہاز ان کے قریب کر کے اوپر سے جھک کر پوچھا...... ''جنگی جہاز کہاں ہیں؟ اگر غلط بتاؤ گے تو تمہیں ڈبو کر مار ڈالیں گے''۔

ماہی گیروں نے کہا...... ''مصر کے جہاز اس طرح نہیں رکھے جاتے۔ یہاں سے بہت دُور ہیں''۔

جہاز روک کر رسہ پھینکا گیا۔ دو ماہی گیر رسے کے ذریعے جہاز پر چلے گئے۔ انہوں نے کپتان کو مصر کے جنگی جہازوں کے متعلق جو معلومات دیں، وہ یہ تھیں کہ کئی جہاز مرمت ہو رہے ہیں۔ جو جہاز اچھی حالت میں ہیں وہ اتنی دور ہیں کہ سکندریہ تک پہنچتے دو دن لیں گے، کیونکہ بادبانوں اور چپوؤں کے لحاظ سے وہ کمزور اور کم رفتار ہیں۔ ماہی گیر نے جو سب سے زیادہ قیمتی بات بتائی، وہ یہ تھی کہ چونکہ سلطان ایوبی بحریہ کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ اس لیے جنگی ملاح عیش و عشرت میں پڑے رہتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ جو دیہات ہیں، وہاں چلے جاتے ہیں۔ ماہی گیروں سے مچھلیاں چھین لیتے ہیں۔

صلیبی بحریہ کے راہنما کے لیے یہ معلومات خوش خبری سے کم نہ تھیں۔ اُس نے اپنا جہاز روک لیا اور ایک کشتی کے ذریعے اس بیڑے کے کمانڈر کے جہاز تک گیا۔ اُسے اس نے یہ معلومات دیں جو اس نے دو ماہی گیروں سے لی تھیں۔ ان کے لیے میدان صاف تھا۔ کمانڈر نے بیڑے کو وہیں روک لیا۔ وہ شام کے بعد اندھیرے میں ساحل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے وہ جگہ بتا دی گئی تھی جہاں ساحل کے ساتھ پانی اتنا گہرا تھا کہ جہاز ریت میں پھنسے بغیر ساحل تک آ سکتے تھے۔ وہاں فوج کو آسانی سے اُتارا جا سکتا تھا...... سکندریہ کی بندرگاہ سے ایک کشتی کھلے سمندر کی طرف چلی گئی جو بظاہر ماہی گیروں کی تھی۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا جب یہ کشتی بیڑے تک پہنچ گئی۔ کم و بیش اڑھائی سو جنگی جہاز سمندر میں دُور دُور تک بکھرے ہوئے تھے۔ ماہی گیر اپنی کشتی کو بیڑے کے درمیان لے گئے اور پوچھ کر کمانڈر کے جہاز تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بتایا کہ سکندریہ کے اندر کوئی فوج نہیں ہے۔ صرف شہری آبادی ہے اور مصری بیڑے کے جنگی جہاز یہاں

سے بہت دُور ہیں..... یہ ماہی گیر مسلمانوں کے جاسوس تھے۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ جب اگلی صف کے جنگی جہاز ساحل کی طرف بڑھے اور کسی دشواری کے بغیر ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ پچھلی صف کے جہاز ان کے قریب، عقب میں آئے اور لنگر ڈال دیئے۔ تیسری صف بھی قریب آ گئی۔ فوج اُتارنے کا انتظام غالباً یہ تھا کہ ہر ایک جہاز کو ساحل پر نہیں آنا تھا بلکہ تمام جہازوں کو ساتھ ملا کر ان میں سے فوج کو گزر کر اُترنا تھا۔ سکندریہ پر خاموشی سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اطلاع کے مطابق وہاں چونکہ فوج نہیں تھی، اس لیے قبضہ مشکل نہ تھا۔ اگلے جہازوں سے جو فوج اُتری، اسے سکندریہ میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا اور سپاہیوں کو بتایا گیا کہ شہر ان کا اپنا ہے، کوئی مزاحمت نہیں ہوگی۔ سپاہی دوڑ پڑے۔ انہیں شہر کو لوٹنا تھا اور ان کی نظر عورتوں پر بھی تھی۔

جونہی سپاہیوں کا یہ ہجوم شہر کے قریب آیا، شہر کے باہر دائیں اور بائیں شعلے اُٹھے جن سے رات روشن ہو گئی۔ یہ گھاس، لکڑیوں اور کپڑوں کے انبار تھے جن پر تیل ڈالا گیا تھا۔ ان سے روشنی کا کام لینا تھا۔ شہر کی گلیوں میں بھی مشعلیں جل اُٹھیں اور مکانوں کی چھتوں سے تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ صلیبی پیچھے کو بھاگے تو دائیں اور بائیں سے ان پر تیر برسنے لگے۔ ان کے لیے سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے رات لرزنے لگی۔ ان صلیبیوں کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی۔ ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ پیچھے گیا ہوگا۔ صلیبی فوج جو ابھی جہازوں میں تھی، اُسے آگے آنے کا حکم ملا۔ جہازوں میں صلیبیوں کی منجنیقیں آتشیں گولے پھینکنے لگیں اور دُور مار تیر بھی آنے لگے۔

سب سے پیچھے والے دو تین جنگی جہازوں میں سے شعلے اُٹھے۔ صلیبی کپتانوں نے پیچھے دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر سے آگ کے گولے اُٹھتے ہیں اور ان کے جہازوں میں آ کر گرتے ہیں۔ صلیبیوں نے خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر جہازوں کو ہجوم کی صورت میں اکٹھا کر دیا تھا اور وہ سلطان ایوبی کے پھندے میں آ گئے تھے۔ دن کے وقت اگلے جہاز کو جو ماہی گیر ملے تھے، وہ علی بن سفیان کے محکمے کے آدمی تھے۔ یہ قدرتی سی بات تھی کہ سمندر میں ماہی گیر ملے تو صلیبی کپتان نے ان سے معلومات حاصل کیں۔ ماہی گیروں نے غلط معلومات دیں۔ انہوں نے صرف یہ بات ٹھیک بتائی تھی کہ مصری بیڑہ یہاں سے دُور ہے۔ وہ واقعی دُور تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو بتا دیا تھا کہ وہ سمندر پر نظر رکھے۔ کسی بھی وقت حملہ آ جائے گا۔ امیر البحر نے دیکھ بھال کا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ اسے قبل از وقت پتا چل گیا تھا کہ صلیبی بیڑہ سمندر کے وسط تک آ گیا ہے۔ چنانچہ امیر البحر اپنے چند ایک جنگی جہاز جن میں آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں تھیں، ایک طرف دُور لے گیا تھا۔ اُس نے بادبان بھی اُتار لیے تھے اور مستول بھی، تاکہ دور سے جہاز نظر نہ آ سکیں۔ ان کی بجائے اس نے ایک ایک چپو پر دو دو آدمی لگا دیئے تاکہ رفتار تیز رہے۔

شام کے بعد جب صلیبی بیڑہ ساحل کے قریب گیا تو امیر البحر نے مستول بھی چڑھا دیئے اور بادبان بھی اور چپوؤں کی رفتار بھی تیز رکھی اور اس طرح وہ صلیبی بیڑے کے عقب عین اُس وقت پہنچ گیا، جب صلیبیوں نے اپنے جہاز ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیئے تھے۔ صلیبیوں کو دوسرا دھوکہ ان ''ماہی گیروں'' نے دیا تھا جو سکندریہ سے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے صلیبی کمانڈر سے کہا تھا کہ وہ ان کے جاسوس ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ سکندریہ میں کوئی فوج نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ شہر کے ان مکانوں میں جو سمندر کی طرف تھے، وہاں صرف فوج تھی۔ شہریوں کو محفوظ حصے میں بھیج دیا گیا تھا۔

سلطان ایوبی کا امیر البحر بہت تھوڑے جہاز لے کر گیا تھا۔ انہوں نے نقصان تو بہت کیا، لیکن دشمن کے کئی ایک جہاز بچ کر نکل گئے۔ دوسروں نے مقابلہ کیا۔ جلتے جہازوں نے رات کو دن بنا دیا تھا۔ اس روشنی میں سلطان ایوبی کے جہاز

بھی نظر آنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز صلیبیوں کی منجنیقوں کی زد میں آ گیا۔ امیر البحر نے اپنے جہازوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا کیونکہ دشمن جہازوں کی افراط کی سہولت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سکندریہ میں سلطان ایوبی کے جانبازوں نے جوش میں آکر ساحل پر ہلہ بول دیا اور جہازوں پر آتشیں تیر پھینکنے لگے۔ یہ جانباز مصر کی فوج کے اُس تیسرے حصے کے تھے، جسے سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ انہیں غیر فوجی لباس میں سکندریہ میں مکانوں میں مورچہ بند کیا گیا تھا اور نہایت خاموشی سے شہریوں کو دوسرے مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی عقل اور دھوکے کی جنگ لڑ رہا تھا اور کم سے کم طاقت استعمال کر رہا تھا۔ اس نے ابھی خاصی نفری اپنے زیر کمان ریزرو میں رکھی ہوئی تھی۔

رات بھر یہ جنگ جاری رہی۔ سمندر میں کئی جہاز جل رہے تھے، وہاں قیامت کا منظر بنا ہوا تھا۔ صلیبی بیڑہ چونکہ زیادہ تھا بلکہ سلطان ایوبی کے جہازوں کی نسبت بہت ہی زیادہ، اس لیے صلیبی جہاز تباہی سے نکل کر مسلمانوں کے جہازوں کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صورت گھیرے والی بن گئی تھی۔ رات کو پتا نہیں چلتا تھا کہ اپنے جہازوں کی کیفیت کیا ہے۔ سلطان ایوبی وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنے اُن جہازوں کو جنہیں اُس نے محفوظہ کے طور پر رکھا ہوا تھا، حکم بھیج دیا کہ صلیبی جہازوں کو دُور کا چکر کاٹ کر اُلجھائیں۔ رات کے پچھلے پہر باقی جہاز بھی معرکے میں شریک ہو گئے۔ اس میں بہادری تو اُن ملاحوں کی تھی جو چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اپنے جہازوں کو تیر، آتش گیر مادہ اور گولے پہنچا رہے تھے۔ اپنے جہازوں کو ڈھونڈنا بہت ہی مشکل کام تھا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی۔ جب امیر البحر ایک کشتی میں ساحل پر آیا۔ اس کے ساتھ چند ایک بحری سپاہی تھے۔ امیر البحر کے کپڑے خون سے لال تھے اور اس کی ایک ٹانگ جھلسی ہوئی تھی۔ اس کا جہاز نذرِ آتش ہو گیا تھا اور وہ چند ایک جوانوں کو سمندر سے نکال لایا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو بڑی عجلت میں معرکے کی صورتِ حال بتائی جو مختصر یہ تھی کہ اس کے آدھے جہاز تباہ ہو چکے تھے، لیکن صلیبیوں کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جا چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ سلطان ایوبی نے اُسے بتایا کہ باقی جہازوں کو بھی بھیج دیا گیا ہے۔ یہ اقدام امیر البحر کی خواہش اور ضرورت کے عین مطابق تھا۔ اس نے سلطان ایوبی سے کہا...... ”صلیبیوں کو سب سے زیادہ نقصان وہ بوجھ دے رہا ہے جو انہوں نے جہازوں میں لاد رکھا ہے۔ رسد کے علاوہ اُن کے جہازوں میں فوج بھی ہے اور بعض جہازوں میں گھوڑے ہیں۔ اس بوجھ کی وجہ سے اُن کے جہاز رفتار میں نہیں آتے اور گھومنے میں دیر لگاتے ہیں۔ میرے جہاز خالی ہیں“۔

امیر البحر اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اس کا سر ڈول رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے طبیب اور جراح کو بلایا مگر امیر البحر نے پروا نہ کی۔ سلطان ایوبی کا ہیڈ کوارٹر ساحل کے چٹانی علاقے میں تھا۔ وہ ایک اونچی چٹان پر کھڑے تھے۔ سورج کی پہلی کرنوں نے سمندر اور ساحل کا جو منظر دکھایا وہ ہیبت ناک تھا، جہاں تک نظر جاتی تھی۔ سمندر میں جہاز مست سانڈوں کی طرح سمندر کو چیر رہے تھے۔ بہت سے جہاز جل رہے تھے۔ بعض مستول ٹوٹ جانے اور بادبان بے کار ہو جانے سے ایک ہی جگہ کھڑے ہچکولے کھا رہے تھے۔ سمندر میں بہت سے انسان تیرتے نظر آ رہے تھے اور موجیں لاشوں کو ساحل پر لا رہی تھیں، اپنے جہازوں کا کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ دُور مغرب کی طرف سمندر سے مستولوں کے بالائی حصے اُبھرے، پھر بادبان نظر آئے۔ جہاز ایک صف میں ایک دوسرے سے دُور دُور معرکے کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ”تمہارے جہاز آ رہے ہیں“...... اُس نے اِدھر دیکھا، وہاں امیر البحر نہیں تھا۔

امیر البحر اپنے جہازوں کو آتا دیکھ کر سلطان کو بتائے بغیر چٹان سے اُتر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو وہ اُس وقت نظر

آیا جب وہ ایک کشتی میں بیٹھ چکا تھا اور کشتی کا بادبان کھل چکا تھا۔ یہ دس چپوؤں کی کشتی تھی۔ سلطان ایوبی نے چلا کر اسے پکارا...... ''سعدی! تم واپس آجاؤ۔ میں نے تمہاری جگہ ابوفرید کو بھیج دیا ہے''۔

امیرالبحر دُور نکل گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا...... ''یہ میری جنگ ہے۔ خدا حافظ''...... اور اُس کی کشتی دُور ہی دُور ہٹتی گئی، پھر نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

قاصد نے سلطان ایوبی کو اطلاع دی کہ سکندریہ سے شمال مشرق کی طرف تین میل دُور صلیبیوں کی کچھ فوج اُتر آئی ہے اور وہاں خون ریز معرکہ لڑا جا رہا ہے۔ سلطان ایوبی نے وہاں جانے کی بجائے کچھ احکام جاری کر دیئے اور سمندری جنگ کو دیکھتا رہا...... اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ صلیبیوں کا ایک جہاز ساحل کے ذرا قریب آگیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بیڑے کا ایک جہاز اس کے قریب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صلیبیوں نے تیروں کی بوچھاڑیں ماریں لیکن مسلمان ملاحوں نے پروانہ کی۔ وہ اپنے جہاز کو صلیبی جہاز کے اتنا قریب لے آئے کہ کود کر اس میں چلے گئے اور دست بدست لڑ کر جہاز پر قبضہ کر لیا، مگر یہ معرکہ اتنا سہل نہ تھا، جیسا بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان بحریہ کے سرفروشوں نے خون اور جان کی بے دریغ قربانی دی۔ وہ تین تین چار چار جہازوں کے گھیرے میں لڑے۔ دشمن کے جہازوں میں کود کود کر لڑے۔ تیروں سے چھلنی ہوئے مگر اس طرح معرکے میں سے نکلنے کی نہ سوچی، جس طرح صلیبی اپنے جہاز نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صلیبیوں کی کمر رات کو ہی ٹوٹ گئی تھی۔ اُن کے کمانڈر صلیب کا حلف پورا کر رہے تھے اور انہیں صبح تک یہ اُمید لڑاتی رہی کہ وہ سلطان ایوبی کی قلیل سی بحری قوت پر قابو پالیں گے، لیکن اگلے دن کے پچھلے پہر تک اُن کی کیفیت اتنی بگڑ چکی تھی کہ جہاز بکھر کر اُدھر کو ہی جا رہے تھے، جدھر سے آئے تھے۔ وہ اپنی زیادہ تر قوت مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کر گئے تھے اور اُن کی جو تھوڑی سی فوج ساحل پر اُتری تھی۔ وہ سکندریہ سے تین چار میل دُور شمال مشرق میں کچھ کٹ گئی تھی، باقی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج کا دوسرا حصہ ابھی جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے پاس قاصد آ رہے تھے، جا رہے تھے اور جب اُسے یقین ہوگیا کہ صلیبی ناکام ہوگئے ہیں تو اُس نے فوج کے دوسرے حصے کو ایک اور محاذ دے دیا۔ عمران کی اطلاع کے مطابق بیت المقدس کی طرف سے بھی صلیبی فوج کو آنا تھا۔ اُس کے لیے نورالدین زنگی گھات میں تھا، تاہم پیش بندی کے طور پر سلطان ایوبی نے دفاع مضبوط کر لیا۔ تیسرے حصے کو جو اُس نے اپنے زیرِ کمان ریزرو میں رکھا ہوا تھا، اُن صلیبیوں کو پکڑنے پر لگا دیا جو سمندر سے نکل رہے تھے۔

سورج کی آخری کرنوں نے سلطان ایوبی کو یہ منظر دکھایا کہ صلیبیوں کے وہی جہاز نظر آ رہے تھے جو جل چکے تھے اور ابھی ڈوبے نہیں تھے یا وہ جنہیں پکڑ لیا گیا تھا یا اُن جہازوں کے بادبان نظر آ رہے تھے جو واپس جاتے ہوئے دُور ہی دور ہٹتے جا رہے تھے۔ اس کی اپنی بحریہ کے جہاز جو بچ گئے تھے، ساحل کی طرف آ رہے تھے۔ دیکھنے والوں نے اندازہ لگایا کہ سلطان کی آدھی بحریہ مصر پر قربان ہوگئی تھی۔ کشتیاں ساحل پر آ رہی تھیں۔ ان میں اپنے بحری سپاہی آتے تھے جو زخمی تھے یا سمندر سے نکالے گئے تھے۔ ان کے جہاز تباہ ہوگئے تھے۔ ایک کشتی اُس چٹان کے قریب آ کے ساحل سے لگی جس پر سلطان ایوبی کھڑا تھا۔ اس میں کسی کی لاش تھی۔ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے پوچھا...... ''یہ کس کی لاش ہے؟''

''امیرالبحر سعدی بن سعد کی۔'' ایک ملاح نے جواب دیا۔

سلطان ایوبی دوڑ کر نیچے اُترا۔ لاش سے کپڑا ہٹایا۔ اُس کے امیرالبحر کی لاش خون سے لال ہو چکی تھی۔ ملاحوں نے بتایا کہ امیرالبحر نے ایک جہاز تک پہنچ کر بحریہ کی کمان لے لی تھی اور جنگ لڑاتے رہے۔ انہوں نے اس جہاز پر اپنی

کمان کا جھنڈا اچڑھادیا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں کے چار جہازوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان میں سے دو تباہ ہوئے اور امیر البحر کا جہاز بھی تباہ ہو گیا۔ اس وقت تک معرکہ ختم ہو چکا تھا...... سلطان ایوبی نے امیر البحر کی لاش کا ہاتھ چوما اور کہا...... ''تم سمندر کے فاتح ہو۔ میں کچھ بھی نہیں''۔

اس نے جہاں یہ حکم دیا کہ دشمن کے جو جہاز پیچھے رہ گئے ہیں، اُن سے سامان نکالا جائے، وہاں جذباتی لہجے میں کہا...... ''تمام کشتیاں سمندر میں ڈال دو اور کسی شہید کی لاش سمندر میں نہ رہنے دو۔ انہیں یہیں دفن کرنا جہاں بحیرۂ روم کی ہوائیں ان کی قبروں کو ٹھنڈی رکھیں''۔

بحری شہیدوں کی تعداد کم نہیں تھی۔

☆

بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج کوچ کر چکی تھی اور آدھا راستہ طے کر آئی تھی۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ اُن کی بحریہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے قلب میں صلیبیوں کا مشہور جنگجو حکمران ریجنالٹ تھا۔ اس فوج کے بھی تین حصے تھے۔ ایک آگے تھا۔ دوسرا کچھ دُور پیچھے درمیان میں اور تیسرا بہت دائیں کو ہٹ کر آرہا تھا۔ اس کی متحدہ کمان ریجنالٹ کے پاس تھی اور اُسے یہ توقع تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جا لے گا۔ تصوروں میں اُسے قاہرہ نظر آرہا تھا۔ گھوڑا گاڑیوں کے قافلے، رسد بھی ساتھ لا رہے تھے۔ سکندریہ سے بہت دور شمال مشرق میں ایک وسیع خطہ ریت اور مٹی کے ٹیلوں اور نشیب و فراز کا ہوا کرتا تھا۔ آٹھ صدیوں نے اس خطے کو اب ویسا نہیں رہنے دیا۔ اس کے قریب باقی علاقہ صحرا تھا اور اس صحرا میں پانی بھی تھا۔ ریجنالٹ نے ایک پڑاؤ وہاں کیا۔ اس کی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تھا۔ دائیں طرف والا حصہ دُور تھا۔ آدھی رات کا وقت ہوگا۔ ریجنالٹ کے کیمپ میں قیامت بپا ہوگئی۔ اس کے کچھ بھی پلے نہ پڑا کہ یہ قیامت آسمان سے ٹوٹی ہے یا اس کی اپنی فوج نے بغاوت کر دی ہے۔

اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ نورالدین زنگی کی گھات میں آ گیا ہے۔ زنگی نے کئی دنوں سے اپنی فوج کو ٹیلوں اور نشیب و فراز کے اس علاقے میں لا کے بٹھا رکھا تھا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ یہاں پانی قریب ہے، اس لیے صلیبی یہاں پڑاؤ کریں گے۔ صلیبی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تو زنگی کے کمانڈروں کو مایوسی ہوئی۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ رات کو پڑاؤ پر حملہ کرنا ہے۔ وہاں پڑاؤ نہ ہوا۔ بہت دیر بعد انہیں دُور سے گرد کے بادل نظر آئے تو وہ سمجھے کہ آندھی آرہی ہے۔ صحرائی آندھی بڑی خوف ناک ہوا کرتی ہے، لیکن یہ آندھی نہیں صلیبی فوج کا درمیانی حصہ تھا جو اسی جگہ آکر رک گیا، جہاں نورالدین زنگی کو توقع تھی۔ صلیبیوں نے خیمے نہ لگائے کیونکہ انہیں صبح کوچ کرنا تھا۔ جانوروں کو الگ باندھ دیا گیا اور پھر سورج ڈوب گیا۔

آدھی رات کو زنگی کے دستے جو گھات میں تھے، باہر آئے، یہ سب سوار تھے۔ انہوں نے پہلے تو اندھیرے میں تیروں کا مینہ برسایا اور جب سوئے ہوئے سپاہیوں میں بھگدڑ مچی تو سواروں نے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ وہ اندھا دھند برچھیاں اور تلواریں چلاتے گئے اور آگے نکل گئے۔ صلیبی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ سواروں نے پھر ہلہ بول دیا۔ صلیبیوں کے بندھے ہوئے گھوڑوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔ یہ سب بھاگ اُٹھے۔ ریجنالٹ وہاں سے بھاگ گیا اور دائیں حصے والی فوج میں جا پہنچا۔ یہ حصہ کہیں دُور پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ نورالدین زنگی اسی طرف تھا۔ اس ساری فوج کی رسد پیچھے آرہی تھی۔ زنگی نے اس کے لیے الگ دستے مقرر کر رکھے تھے۔ انہوں نے صبح تک رسد پر قبضہ کر لیا۔ دائیں والا حصہ رات کو ہوشیار ہو گیا تھا۔ ریجنالٹ اسے اپنے حصے کی طرف لانے لگا، کیونکہ وہ اسی جگہ کو میدانِ جنگ سمجھتا تھا۔ صبح کے

دھند لکے میں یہ فوج چل پڑی۔ نورالدین زنگی نے عقب سے اُس کے پہلو پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد اس فوج کو معلوم ہی نہ ہوسکا کہ اس پر کس طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کی طرح زنگی بھی جم کر نہیں لڑتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے دستوں سے حملے کرا کے صلیبیوں کو بکھیرتا جا رہا تھا۔

اُس نے رات کو سلطان ایوبی کی طرف قاصد بھیج دیا تھا۔ ان دونوں نے سکیم پہلے ہی بنا رکھی تھی۔ زنگی کا ہر عمل اور اقدام اور دشمن کا ردِعمل ان کی سکیم کے عین مطابق تھا۔ ریجنالٹ نے اپنی فوج کے اگلے حصے کو پیچھے آنے کا پیغام بھیجا۔ چار روز ریجنالٹ اور زنگی میں لامحدود وسعت میں معرکے ہوتے رہے۔ زنگی نے صلیبیوں کو بکھیر لیا تھا اور ''ضرب لگاؤ اور بھاگو'' کے اصول پر لڑ رہا تھا۔ صلیبیوں کی فوج کا آگے والا حصہ واپس ہوا تو رات کو اُس کے عقب پر حملہ ہوا۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے دو تین شب خون مارے اور غائب ہو گئے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ صلیبی آمنے سامنے کی جنگ لڑنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن سلطان ایوبی انہیں کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ یہ طریقہ آسان نہیں تھا۔ چھاپہ مار اگر ایک سو کی تعداد میں جاتے تھے تو بمشکل ساٹھ واپس آتے تھے۔ اس کے لیے خصوصی مہارت، دلیری اور تیزی کی ضرورت تھی جو سلطان ایوبی نے اپنے چھاپہ مار دستوں میں پیدا کر رکھی تھی۔

جنگ بہت دُور دُور تک پھیل گئی۔ صلیبی فوج میں نہ جمعیت رہی، نہ مرکزیت۔ اُن کی رسد زنگی کے قبضے میں آ گئی تھی۔ میدانِ جنگ میں نہ کوئی سامنا، نہ عقب۔ صلیبی اس جنگ کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے جو مسلمان لڑ رہے تھے، پھر کیفیت یہ ہوگئی کہ جو صلیبی سپاہی بھاگ سکے، بھاگ گئے اور جن میں تاب نہ رہی، وہ ہتھیار ڈالنے لگے۔ ریجنالٹ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے کسی اور جگہ کچھ فوج اکٹھی کر لی اور اُسے یہ بھی پتا چل گیا کہ زنگی کہاں ہے۔ اس نے نہایت اچھی سکیم سے وہاں حملہ کر دیا۔ یہ ایک بڑا ہی سخت معرکہ تھا۔ صلیبی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ریجنالٹ کی چالیں اور اپنی فوج پر کنٹرول بہت اچھا تھا مگر چوتھی پانچویں رات زنگی کے شب خون مارنے والے ایک دستے کے چند ایک جانبازوں نے جان کی بازی لگا دی اور ریجنالٹ کی ذاتی خیمہ گاہ پر جا شب خون مارا۔ یہ زنگی کی سکیم کے تحت اقدام کیا گیا تھا۔ زنگی نے چھاپہ ماروں کی للکار پر حملہ کر دیا۔ اُس دور میں رات کے وقت لڑائی نہیں لڑی جاتی تھی۔ یہ طرح مسلمانوں نے ڈالی تھی کہ رات کو بھی حملے جاری رکھتے تھے۔

صبح طلوع ہوئی تو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر ریجنالٹ قیدی کی حیثیت سے نورالدین زنگی کے سامنے کھڑا تھا اور زنگی اسے اپنی شرائط بتا رہا تھا۔ یہ صلیبی کمانڈر ہر شرط ماننے پر آمادہ تھا لیکن بات جب بیت المقدس پر آئی تو ریجنالٹ نے انکار کر دیا۔ زنگی نے اسے کہا تھا کہ بیت المقدس ہمارے حوالے کر دو اور آزاد ہو جاؤ...... شام تک سلطان ایوبی بھی آ گیا۔ ریجنالٹ کو پورے احترام کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اُسے بغل گیر ہو کر ملا۔

''آپ عظیم سپاہی ہیں''۔ ریجنالٹ نے سلطان ایوبی سے کہا۔

''یوں کہو کہ اسلام عظیم مذہب ہے''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''سپاہی وہی عظیم ہوتے ہیں جن کا مذہب عظیم ہوتا ہے''۔

''محترم ریجنالٹ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ان کا بحری بیڑہ نہیں آیا تھا؟'' نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی سے کہا...... ''انہیں صحیح جواب تم ہی دے سکتے ہو۔ میں تو یہاں تھا''۔

''آپ کا بحری بیڑہ پورے طمطراق سے آیا تھا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور واپس بھی چلا گیا ہے۔ آپ

بہت سے جہاز سمندر کی تہہ میں ہوں گے اور جو ڈوبے نہیں، اُن کے جلے ہوئے ڈھانچے سمندر پر تیر رہے ہیں جو فوج جہازوں سے اُتر آئی تھی، وہ واپس نہیں جا سکی۔ ہم نے آپ کی تمام لاشیں پورے احترام سے دفن کر دی ہیں''...... سلطان ایوبی اُسے جنگ کی صورتِ حال سنا رہا تھا کہ ریجنالٹ کی آنکھیں اور منہ کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ یہ روئیداد سچی ہے۔

''اگر یہ سچ ہے تو آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہوا؟''...... ریجنالٹ نے پوچھا۔

''یہ راز اُس روز آپ پر فاش کروں گا جس روز فلسطین سے صلیب کا آخری سپاہی بھی نکل جائے گا''...... نور الدین زنگی نے کہا...... ''آپ کی یہ شکست آخری نہیں، کیونکہ آپ اس سرزمین سے نکلنے پر آمادہ نظر نہیں آتے''۔

''میں آپ کو اپنے علاقے دے دوں گا''۔ ریجنالٹ نے کہا...... ''مجھے رہا کر دیں۔ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بھی کروں گا۔ آپ کی سلطنت بہت وسیع ہو جائے گی''

''ہمیں اپنی سلطنت کی ضرورت نہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''ہمیں خدا کی سلطنت قائم کرنی ہے۔ اسلام کی سلطنت جس کی وسعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کا مقصود اسلام کی بیخ کنی ہے جو ممکن نہیں۔ آپ نے فوجیں استعمال کر دیکھی ہیں۔ بحری بیڑہ بھی آزما لیا ہے۔ اپنی بیٹیوں کو بھی استعمال کر دیکھا ہے۔ آپ نے ہماری قوم میں غدار بھی پیدا کیے ہیں۔ گزشتہ ایک صدی میں آپ نے کتنی کامیابی حاصل کی ہے؟''

''کیا یہ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ ہم نے اسلام کو کہاں کہاں سے نکالا ہے؟'' ریجنالٹ نے کہا...... ''اسلام تو بحیرۂ روم کے پاس پہنچ گیا تھا۔ سپین سے اسلام کی پسپائی کیوں ہوئی؟ روم آپ کے ہاتھ سے کیوں نکلا؟ سوڈان آپ کا کیوں دشمن ہوا؟ صرف اس لیے کہ ہم نے تمہارے اسلام کے محافظوں کو خرید لیا تھا۔ آج بھی تمہارے حکمران بھائی ہمارے زرخرید غلام ہیں۔ ان کی ریاستوں میں مسلمان رہ گئے ہیں، اسلام ختم ہو گیا ہے۔

''ہم وہاں اسلام کو زندہ کریں گے دوست!''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

''آپ خواب دیکھ رہے ہیں، صلاح الدین ایوبی!'' ریجنالٹ نے کہا...... ''آپ دونوں کب تک زندہ رہیں گے؟۔ کب تک لڑنے کے قابل رہیں گے؟ اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟ میں آپ دونوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ آپ سچے دل سے اپنے مذہب کے پاسبان اور بہی خواہ ہیں لیکن آپ کی قوم میں مذہب کو نیلام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہم خریدار ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ جنگ و جدل کی بجائے اپنی قوم کو زر پرستی، لذت پرستی اور تعیش پسندی سے بچانے کی مہم چلائیں تو ہم یہاں ایک دن نہ ٹھہر سکیں گے، مگر میرے دوستو! آپ اس مہم میں کامیاب نہیں ہوں گے، جس کی وجہ یہ ہے کہ عیاشی آپ کی قوم میں نہیں آئی، بلکہ قوم کے سربراہ اور حکمران عیاش ہو گئے ہیں۔ اس حقیقت سے آپ چشم پوشی نہ کریں کہ جو بُرائی حکمرانوں کی طرف سے شروع ہوتی ہے، وہ قوم میں رواج کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کے حکمرانوں کو اپنے جال میں پھانسا ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مجھے قتل کر دیں۔ مجھ جیسے چند اور صلیبی حاکموں کو قتل کر دیں، اسلام کو بہر حال ختم ہونا ہے۔ ہم نے جس مرض کا زہر آپ کی قوم کی رگوں میں ڈال دیا ہے، وہ بڑھے گا، کم نہیں ہو گا''۔

وہ ایسی حقیقت بیان کر رہا تھا جس سے نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی انکار نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم وہ صلیبیوں پر بہت بڑی فتح حاصل کر چکے تھے اور ایک صلیبی بادشاہ جو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر تھا، ان کے پاس جنگی قیدی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدی ہاتھ آئے تھے۔ یہ صرف ایک جاسوس کا کارنامہ تھا جو عکرہ سے اس حملے کی خبر بروقت لے آیا تھا۔

☆

ریجنالٹ اور دوسرے تمام جنگی قیدیوں کو نورالدین زنگی کرک لے گیا اور سلطان ایوبی اس سے رخصت ہو کر قاہرہ چلا گیا۔ اُس نے سوچا تک نہ تھا کہ وہ اب نورالدین زنگی سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ وہ اس مسرت کے ساتھ قاہرہ گیا کہ زنگی ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو بڑی سخت شرائط منوائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ نورالدین زنگی نے بھی ذہن میں کچھ منصوبے بنائے ہوں گے، مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مارچ ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے کہ بغداد کے کسی علاقے میں شدید زلزلہ آیا جس نے چھ سات دیہات کو تباہ کر دیا۔ بغداد میں بھی نقصان ہوا۔ مورخوں نے اسے تاریخ کا سب سے زیادہ تباہ کن زلزلہ کہا ہے۔ نورالدین زنگی کے دِل میں اپنے عوام کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اُن کی امداد کے احکام جاری کرنے کی بجائے خود کرک سے چل پڑا۔ وہ ان کی دستگیری اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا تھا، ویسے بھی اُسے کرک سے جانا تھا۔ بغداد اور اِردگرد کے حالات اچھے نہیں تھے۔ وہ کرک سے ریجنالٹ اور دوسرے صلیبی قیدیوں کو بھی ساتھ لیتا گیا۔

بغداد پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے زلزلے کا شکار ہونے والے لوگوں کی طرف توجہ دی۔ دارالخلافے سے باہر رہنے لگا۔ وہ دِل و جان سے اپنے لوگوں کی مدد کرتا رہا۔ جہاں رات آتی وہیں رُک جاتا۔ اس نے کھانے کی پروانہ کی کہ کیسا ملتا ہے اور کس کے ہاتھ کا پکا ہوتا ہے۔ اُسے تباہ حال لوگوں کی خوش حالی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اپریل کے آخر تک اُس نے تمام متاثرین کو آباد کر دیا۔ جب ذرا فرصت ملی تو اُس نے اپنے طبیب کو بتایا کہ وہ اپنے گلے کے اندر درد محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے دوا دارو کیا لیکن حلق میں سوزش بڑھتی گئی۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا، لیکن مرض کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ بات کرنے سے بھی معذور ہو گیا اور مئی ۱۱۷۴ء کے پہلے ہفتے میں خاموشی سے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ زنگی کو خناق کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا لیکن بعض مورخوں نے وثوق سے لکھا ہے کہ زنگی کو حسن بن صباح کے فدائیوں نے زہر دیا تھا۔ اُن دنوں جب زنگی زلزلے سے تباہ کیے ہوئے دیہات میں بھاگتا دوڑتا رہتا اور اس کے کھانے کے اوقات اور پکانے کے طور طریقے بے قاعدہ ہو گئے تھے۔ فدائیوں نے اُسے کھانے میں ایسا زہر دینا شروع کر دیا تھا جس کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ زہر حلق کی ایسی سوزش کا باعث بنا، جسے طبیب سمجھ ہی نہ سکے۔ جنرل محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب ''گوریلا وارفیئر'' میں کئی بڑے بڑے اور مستند مورخوں کے حوالے سے اسی کی تصدیق کی ہے کہ نورالدین زنگی فدائیوں کا شکار ہوا تھا۔

زنگی کوئی وصیت نہ کر سکا۔ سلطان ایوبی کو کوئی پیغام نہ بھیج سکا۔ سلطان ایوبی کو اُس وقت اطلاع پہنچی جب زنگی دفن ہو چکا تھا۔ دوسرے ہی دن بغداد سے ایک اور قاصد یہ اطلاع لے کے آیا کہ نورالدین زنگی کی وفات کے ساتھ ہی موصل، حلب اور دمشق کے اُمراء نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے اور سلطان ایوبی کو یہ اطلاع بھی ملی کہ بغداد کے اُمراء وزراء نے نورالدین زنگی کے بیٹے الملک الصالح کو جس کی عمر صرف گیارہ سال تھی، سلطنتِ اسلامیہ کا خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ یہ اُمراء نابالغ خلیفہ کو کس راستے پر ڈالیں گے اور وہ کیا گل کھلائیں گے۔

سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا...... ''تم نے پانچ مہینے گزرے، مجھے اطلاع دی تھی کہ عکرہ میں اپنا ایک جاسوس شہید ہو گیا اور دوسرا پکڑا گیا ہے تو میرا دِل بیٹھ گیا تھا اور مجھے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے صلیبیوں کا یہ سال دُنیائے اسلام کے لیے اچھا نہیں ہو گا...... بیٹھ جاؤ۔ میری باتیں غور سے سنو۔ اب ہمیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔

......۞......

اسلام کی بقا کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی

مئی ۱۱۷۴ء کا دن دُنیائے اسلام کا ایک تاریک دن تھا۔ نورالدین زنگی کی میت کو ابھی غسل بھی نہیں دیا گیا تھا کہ بہت سے انسانوں کے چہرے مسرت سے چمک اُٹھے تھے۔ یہ صلیبی نہیں تھے، یا یوں کہئے کہ صرف صلیبی نہیں تھے جو زنگی کے انتقال پر پُرسرور تھے، ان میں مسلمان بھی تھے جو صلیبیوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی خوش نظر آتے تھے۔ یہ مسلمان ریاستوں اور جاگیروں کے امراء اور حاکم تھے۔ وہ سب زنگی کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ وہ جنازے کے لیے آئے تھے۔ اُن میں سے بعض بے چین تھے جیسے زنگی کے انتقال سے غم زدہ ہوں، مگر بے چینی یہ تھی کہ وہ زنگی کو شام سے پہلے پہلے دفن کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اکٹھے تو ہو گئے تھے لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو شکی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کا مذہب ایک، خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک اور دشمن ایک تھا مگر ہر ایک کا دِل دوسرے سے الگ اور جدا تھا۔ اُن کی مثال ایک درخت کی ٹہنیوں کی سی تھی جو ٹوٹ کر درخت سے الگ ہو گئی ہوں اور اب الگ الگ اپنے آپ کو ہرا بھرا رکھنے کی توقع لیے ہوئے ہوں۔

وہ دور دراصل جاگیرداری اور نوابی کا تھا۔ بعض مسلمان ریاستیں ذرا وسیع تھیں اور باقی چھوٹی چھوٹی...... ان کے حکمران امیر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مرکزی خلاف کے تحت تھے۔ اسلام کے کسی بھی دشمن کے خلاف جنگ ہوتو یہ امراء خلافت کو مالی اور فوجی مدد دیتے تھے مگر یہ مدد صرف مدد تک محدود رہتی تھی، اس میں کوئی ملی جذبہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ امن اور سکون سے عیش و عشرت کرنے کی خاطر خلافت کا مطالبہ پورا کر دیتے تھے۔ عیش و عشرت کی خاطر وہ اپنے سب سے بڑے (بلکہ واحد) دشمن صلیبیوں سے در پردہ دوستی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے صلیبیوں کے ساتھ در پردہ معاہدے کر بھی رکھے تھے لیکن نورالدین زنگی کا وجود صلیبیوں کے راستے میں ایک چٹان تھا۔ وہ مسلمان امراء کو کئی بار شرمسار کر چکا تھا اور اس نے انہیں ذہن نشین کرانے کی سرتوڑ کوشش کی تھی کہ صلیبی انہیں اسلامی وحدت سے توڑ کر ہڑپ کرتے جائیں گے مگر صلیبیوں کی مہیا کی ہوئی یورپی شراب، نوجوان لڑکیوں اور سونے کی اینٹوں میں اتنی قوت تھی، جس نے ان کے کان بند اور عقل سربمہر کر رکھی تھی۔ زنگی کی آواز جیسے پتھروں سے ٹکرا کر واپس آ جاتی تھی۔

وہ سب سے پہلے جاگیردار اور نواب تھے، امیر اور حاکم تھے اور ان کے بعد اگر مذہب کی بات چل نکلے تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ اُن کا اگر دین تھا تو وہ ان کی ریاستیں اور جاگیریں تھیں۔ یہی اُن کا ایمان تھا۔ وہ اسلامی وحدت کے قائل نہیں تھے۔ جنگ کے تحت خلاف تھے کیونکہ انہیں خطرہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ صلیبی ان کی جاگیروں پر قبضہ کر لیں گے۔ ان کے علاوہ اُن کے دلوں میں یہ ڈر بھی تھا کہ ان کی رعایا نے اپنے دشمن کو پہچان لیا تو اس میں روحانی بیداری اور قومی وقار بیدار ہو جائے گا، پھر رعایا ان کی نوابی کے لیے خطرہ بن جائے گی۔ حقیقت یہ تھی کہ رعایا ان کے لیے مستقل خطرہ تھی۔ لوگوں میں قومی وقار موجود تھا۔ زنگی کی فوج انہی لوگوں کی فوج تھی۔ اس کے مجاہدوں نے دس گنا دشمن کا

مقابلہ بھی کیا تھا۔ یہ جذبے کا کرشمہ تھا۔ امراء کو یہ جذبہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ لہٰذا وہ زنگی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے اور صلاح الدین ایوبی کو تو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ اب زنگی فوت ہو گیا تو وہ خوش تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس قوم میں اب کوئی زنگی نہیں رہا اور جہاد بھی زنگی کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔

زنگی دفن ہو گیا۔ صلیبیوں پر مسلمانوں کی جو دہشت طاری تھی، وہ ختم ہو گئی۔ اُن کے دل میں اب صلاح الدین ایوبی کا کانٹا رہ گیا تھا جس کے متعلق اب وہ اتنے فکر مند نہیں تھے، جتنے زنگی کی زندگی میں تھے۔ اب سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا تھا۔ اُسے مدد اور کمک دینے والا زنگی مر گیا تھا۔ صلیبیوں کو اصل خوشی تو اس پر ہوئی کہ زنگی کے بعد سرکردہ امراء وزراء نے زنگی کے کمسن بیٹے الملک الصالح کو گدی پر بٹھا دیا تھا جس کی عمر گیارہ سال تھی۔ یہ انتخاب اُن امراء نے کیا تھا جو درپردہ صلیبیوں کے دوست تھے۔ اس طرح سلطانی کی گدی صلیبیوں کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اُن اُمراء میں گمشتگین نام کا ایک امیر جو درا صل قلعہ دار (قلعے کا گورنر) تھا اور دوسرا سیف الدین والئی موصل تھا۔ دمشق کا حاکم شمس الدین بن عبدالمالک تھا۔ الجزیرہ اور نواحی علاقوں پر نورالدین زنگی کے بھتیجے کا راج تھا۔ ان کے علاوہ کئی اور جاگیردار تھے۔ ان سب نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ وہ بظاہر خلافت کے ماتحت تھے، لیکن عملاً آزاد ہو گئے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بہت مسرور تھے مگر محسوس نہ کر سکے کہ وہ ذرّوں کی طرح بکھر کر صلیبیوں کا آسان شکار بن گئے ہیں۔

زنگی کی وفات سے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا، اُسے زنگی کی بیوی نے محسوس کیا۔ سلطان ایوبی نے محسوس کیا اور اُن لوگوں نے محسوس کیا جن کے دلوں میں اسلام کی عظمت زندہ تھی۔

☆

اس حادثے کو بہت دن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں مصطفیٰ جودت نام کا ایک اعلیٰ فوجی افسر بیٹھا بول رہا تھا۔ مصطفیٰ ترک تھا۔ وہ نورالدین زنگی کی فوج میں منجنیقوں کا کمانڈر تھا۔ زنگی کی وفات کے بعد اُس نے عالم اسلام میں جو تباہ کن انقلاب دیکھا، اُس نے اُسے تڑپا دیا۔ اُس نے یہ کہہ کر لمبی چھٹی لے لی کہ اُسے ترکی گئے کئی سال گزر گئے ہیں، لہٰذا وہ ترکی اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ وہ دمشق سے روانہ ہوا، قاہرہ پہنچ گیا اور سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔ مصطفیٰ اُن فوجی افسروں میں سے تھا جو افسر کم اور مسلمان زیادہ ہوتے ہیں۔ اُسے معلوم تھا کہ زنگی کے بعد صرف سلطان ایوبی ہے جو عظمتِ اسلام کی پاسبانی کر سکتا ہے اور کرے گا۔ اُسے ڈر تھا کہ سلطان ایوبی کو اس طرف کے حالات کا علم نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ سلطان ایوبی کو وہاں کے حالات سنا رہا تھا۔

''......اور فوج کس حال میں ہے؟'' سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

''محترم زنگی مرحوم نے فوج میں جو جذبہ پیدا کیا تھا، وہ زندہ ہے''...... مصطفیٰ نے جواب دیا...... ''مگر یہ جذبہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ صلیبیوں کے سیلاب کو صرف فوج نے روک رکھا ہے۔ محترم زنگی مرحوم کی زندگی میں عملاً فوج حکومت کر رہی تھی۔ جنگی منصوبے اور فیصلے فوج کے ہاتھ میں تھے، لیکن یہ اقدام خلافت کے احکام کے خلاف تھا۔ اب ہم خلافت کے پابند ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے آپ کوئی کارروائی نہیں کر سکتے، اگر خلیفہ کوئی جنگی منصوبہ بنائے گا ہی نہیں تو فوج کیا کرے گی؟ صلیبی جانتے ہیں کہ مسلمان اُمراء میں وہ غیرت ہی نہیں جو قومی عظمت کی خاطر لڑاتی اور مرواتی ہے اور لوگ جانیں قربان کرتے ہیں۔ صلیبیوں نے اُمراء کی غیرت خرید لی ہے اور اب وہ سالاروں کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کی تخریبی سرگرمیاں فوج میں بھی اور قوم میں بھی شروع ہو گئی ہیں، اگر یہ عمل جلدی نہ روکا گیا

صلیبی فوجی حملے کے بغیر ہی سلطنتِ اسلامیہ کے مالک بن جائیں گے۔ سلطنتِ اسلامیہ جاگیروں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ اُمراء کو اب راہِ راست پر نہیں لایا جا سکتا۔ وہ صلیبیوں کی شراب میں ڈوب گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں لڑکیوں کی فوج اُتار دی ہے۔ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ لڑکیاں اُمرا کے حرموں میں رہتی ہیں۔ ان کے کہنے پر جشن منائے جاتے ہیں، جن میں سرکردہ فوجی افسروں کو مدعو کر کے یہ لڑکیاں انہیں بے حیائی سے اپنے جال میں پھانس رہی ہیں''۔

''اور اس کے بعد میں جانتا ہوں کیا ہوگا'' ..... سلطان ایوبی نے کہا..... ''فوجیوں کو نشے اور بدکاری کا عادی بنایا جائے گا''۔

''بنایا جا رہا ہے''۔ مصطفیٰ نے کہا..... ''حشیشین بھی اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اب یوں ہوگا کہ جو سالار یا نائب سالار صلیبیوں کی دشمنی دل سے نہیں نکالے گا اور جہاد کا قائل رہے گا، اسے حشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کے ہاتھوں پُراسرار طریقے سے قتل کرا دیا جائے گا''۔

مصطفیٰ ن سلطان ایوبی کو تفصیل سے بتایا کہ کون سا امیر کیا کر رہا ہے۔ اس تفصیل کا لب لباب یہ تھا کہ اُمرا جہاں خود مختار ہو گئے تھے۔ وہاں انہوں نے ایک دوسرے کو دشمن سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ صلیبی اس نفاق اور چپقلش کو ہوا دے رہے تھے۔

''آپ نے اچھا کیا ہے جو مجھے وہاں کے حالات بتانے آ گئے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''اگر آپ نہ آتے تو مجھے ان تفصیلات کا علم نہ ہوتا، البتہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ گیارہ سال کے بچے کو سلطان بنا کر وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں''۔

''اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' مصطفیٰ نے پوچھا..... ''اگر آپ نے فوری کارروائی نہ کی تو سمجھ لیں کہ سلطنتِ اسلامیہ کا سورج ڈوب گا ہے۔ آپ کی کارروائی صرف جنگی ہونی چاہیے''۔

''یہ دن بھی مجھے دیکھنا تھا کہ میں بھائیوں کے خلاف جنگی کارروائی کی سوچوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میرے مرے کے بعد غدار تاریخ میں یہ نہ لکھ دیں گے کہ صلاح الدین ایوبی خانہ جنگی کا مجرم تھا''۔

''اگر آپ اس ڈر سے قاہرہ میں بیٹھے رہے تو تاریخ آپ پر یہ شرم ناک الزام عائد کرے گی کہ نور الدین زنگی مر گیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھی دم نکل گیا تھا۔ اس نے مصر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے سلطنتِ اسلامیہ کو قربان کر دیا تھا''۔

''ہاں!'' سلطان ایوبی نے کہا..... ''یہ الزام زیادہ شرم ناک ہوگا۔ میں ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں، مصطفیٰ! اگر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلتا ہوں تو میں یہ نہیں دیکھوں گا کہ میرے گھوڑے تلے کون روندا جاتا ہے۔ میری نگاہ میں وہ کلمہ گو کفار سے بدتر ہے جو کافر کو دوست سمجھتا ہے..... آپ واپس چلے جائیں۔ میں نے علی بن سفیان کو وہاں بھیج رکھا ہے لیکن یاد رکھنا کہ وہ جاسوسوں کے بھیس میں گیا ہے۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ علی بن سفیان ان کے درمیان گھوم پھر رہا ہے اور جائزہ لے رہا ہے کہ وہاں کس قسم کی کارروائی کی ضرورت ہے۔ آپ جا کر یہ دیکھیں کہ کون کون سا سالار مشکوک ہے۔ علی بن سفیان کے ساتھ بہت سے آدمی گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں وہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے تمام اُمراء کی طرف اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے ہیں کہ اُمراء ان حالات میں جب کہ صلیبی ان کے سر پر بیٹھے ہیں ایک محاذ پر مورچہ بند ہو جائیں اور آپس کے اختلافات مٹانے کی کوشش کریں۔ مجھے اُمید نہیں کہ وہ پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں لیکن میں انہیں صرف ایک بار بتا دینا چاہتا ہوں کہ سیدھا راستہ کون سا ہے، میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ انہوں نے

میرے کہے پر عمل نہ کیا تو میں کیا کروں گا''۔

''مصطفیٰ جودت کو رخصت کر کے سلطان ایوبی نے اپنے دربان کو چند ایک سالاروں اور انتظامیہ کو حکام کے نام لے کر کہا کہ انہیں جلدی سے اس کے پاس بھیجا جائے۔ یہ اس کی ہائی کمانڈ تھی، جسے اس نے بلایا تھا۔

☆

قاضی بہاؤ الدین شداد جو صلاح الدین ایوبی کا دست راست اور ہمراز دوست تھا اور جو اُس کی مجلس مشاورت میں اعلیٰ رتبہ اور مقام رکھتا تھا، اپنی یاداشتوں میں لکھتا ہے...... ''صلاح الدین ایوبی کو خدا نے فولاد کے اعصاب عطا کیے تھے۔ اُس نے اپنی شخصیت اور کردار کو اس قدر مضبوط بنا رکھا تھا کہ پہاڑوں جیسے صدمے ہنس کھیل کر برداشت کر لیتا تھا۔ عزم کا ضدی اور مستقل مزاج تھا۔ امیر ہو یا غلام وہ ہر کسی کا یکساں احترام کرتا تھا۔ البتہ کسی کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا تو صرف بہادری اور شجاعت کی بنا سمجھتا تھا۔ اُس کے قریب رہنے والے اس سے دو طرح کا تاثر لیتے تھے۔ ایک رعب کا دوسرا محبت کا۔ اُس کے سپاہی جب میدانِ جنگ میں اُسے دیکھتے تھے تو دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک بار یوں ہوا کہ ایک خادم نے دوسرے خادم پر جوتا اُتار کر پھینکا۔ صلاح الدین ایوبی کمرے سے نکل رہا تھا۔ جوتا اسے جا لگا۔ دونوں خادم تھر تھر کانپنے لگے لیکن صلاح الدین ایوبی نے دونوں طرف سے منہ پھیر لیا اور آگے نکل گیا۔ یہ کردار کی عظمت کا مظاہرہ تھا۔ دوست تو دوست، دشمن اُس کے سامنے آتے تو اُس کے مرید بن جاتے تھے......

''نور الدین زنگی کی موت نے سلطنتِ اسلامیہ کو تاریخ کے سب سے بڑے خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس خطرے کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا کہ اپنے ہی امیر اور وزیر صلیبیوں کے دوست اور اسلام کے دشمن ہو گئے تھے۔ مصر کے اندرونی حالات ابھی پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ صلاح الدین ایوبی مصر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایسے حالات میں وہ یہی کر سکتا تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ کے دفاع کا ارادہ دل سے نکال دے اور صرف مصر کے دفاع کو مضبوط رکھے، لیکن میرا یہ دوست ذرّہ بھر نہ گھبرایا۔ اس ضمن میں میرے ساتھ بات کرتے ہوئے اُس نے کہا...... ''اگر میں اسلام کی پاسبانی سے دستبردار ہو جاؤں تو روزِ محشر صلیبیوں کے ساتھ اُٹھایا جاؤں گا''...... اسلام کی پاسبانی اور فروغ کو وہ فرمانِ خداوندی سمجھتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو کبھی حاکم یا حکمران نہیں سمجھا۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی تو جوانی بھی یاد ہے۔ جب وہ پوری طرح عیش و عشرت میں ڈوب گیا تھا۔ وہ شراب بھی پیتا اور رقص کے سرور کا دلدادہ تھا۔ موسیقی اور رقص کی باریکیوں اور گہرائیوں کو سمجھتا اور نسوانی حُسن کو دِل کھول کر خراجِ تحسین پیش کرتا اور تعیش کے لیے حسین ترین لڑکی کا انتخاب کرتا تھا۔ کبھی کسی کے وہم و گمان میں نہیں آیا تھا کہ یہ نوجوان چند ہی سال بعد اسلام کا سب سے بڑا علم بردار اور اسلام کے دشمنوں کے لیے برق اور طوفان بن جائے گا۔ اپنے چچا کے ساتھ وہ صلیبیوں کے خلاف پہلے ہی معرکے میں گیا تو اُس نے سب کو حیران کر دیا اور جب وہ اس معرکے سے واپس آیا تو اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ عیش و عشرت پر لعنت بھیجی اور اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی۔ اُس نے قوم کو اور اپنی فوج کو یہ نعرہ دیا کہ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں......

''اُسے اس بدلی ہوئی کیفیت میں دیکھنے والے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ کبھی عیاش بھی ہوا کرتا تھا۔ کردار کی بلندی اور پختگی اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کو مار دیا جائے۔ یہ پختگی صلاح الدین ایوبی کے کردار میں تھی۔ دوستوں کی محفلوں میں وہ کہا کرتا تھا...... ''مجھے کافروں نے مسلمان بنایا ہے۔ اگر ہم اپنے ان نوجوانوں کو جو مذہب سے منحرف ہو گئے ہیں، کافر کی ذہنیت دکھا دیں تو وہ راہِ راست پر آ جائیں گے۔ دشمن کے ساتھ انہیں پیار کے جو سبق دیئے

جا رہے ہیں، وہ انہیں قومی وقار سے محروم کر رہے ہیں۔ میں اپنی قوم کو اپنے رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث یاد کرانا چاہتا ہوں کہ ''اپنے آپ کو جان لو کہ تم کون ہو اور کیا ہو اور اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان لو کہ وہ کون ہے اور کیا ہے اور تمہارے متعلق وہ کیا ارادے رکھتا ہے''...... اُس کے کردار کا رُخ دشمن نے ہی بدلا تھا...... صلاح الدین ایوبی اپنے مقصد اور عزم میں اس حد تک مگن رہا کہ اُس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ وہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا قائد ہے، مصر کا حاکم کُل ہے اور فنِ حرب وضرب کا ایسا استاد کہ صلیبیوں کے کمانڈر متحد ہو کر بھی، اس سے خائف رہتے ہیں۔ اس کی مالی حالت یہ تھی کہ وہ حج نہیں کر سکا۔ جہاد نے اسے مہلت نہ دی۔ آخری عمر میں اس کی یہی ایک خواہش رہ گئی تھی کہ حج پر جائے، مگر اب اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ وہ جب فوت ہوا تو اس کی ذاتی متاع صرف سنتالیس درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کی جائیداد صرف ایک مکان تھا جو اُس کے باپ دادا کا تھا''۔

یہ اُس کے کردار کی پختگی کا حیران کُن مظاہرہ تھا کہ اُس نے جب اپنے سالاروں وغیرہ کو کانفرنس کے لیے بلایا تو اُس کے چہرے پر گھبراہٹ یا پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔ کانفرنس کے حاضرین پر خاموشی طاری تھی۔ انہیں یہ توقع تھی کہ سلطان ایوبی گھبرایا ہوا ہوگا، مگر اُس نے مُسکرا کر سب کو دیکھا اور کہا...... ''میرے رفیقو! تم نے بڑے ہی دشوار اور پیچیدہ حالات میں میرا ساتھ دیا ہے۔ آج ایسے حالات نے ہمیں للکارا ہے جو بظاہر ہمارے قابو میں آنے والے نہیں، لیکن یاد رکھو، اگر ہم نے ان حالات پر قابو نہ پایا تو ہم سب کے لیے دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور خدا کے حضور بھی رسوائی۔ دُنیا میں تاریخ ہماری قبروں پر لعنت بھیجے گی اور روزِ محشر وہ شہید ہمیں شرمسار کریں گے جنہوں نے اسلام کی آبرو پر جانیں قربان کی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم سب جانیں قربان کر دیں''...... اس تمہید کے بعد اُس نے اپنے اعلیٰ حکام کو ہر ایک تفصیل بتائی اور کہا کہ اب انہیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔ اُس نے سب کے چہروں کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر خاموش رہا۔ سب کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ یہ حکام ہر صورتِ حال میں اُس کا ساتھ دیں گے۔ اُس نے کہا...... ''میرا پہلا اقدام یہ ہے کہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتا ہوں، میں اب مرکزی خلافت کا پابند نہیں رہنا چاہتا، لیکن میں یہ اعلان تم سب کی اجازت کے بغیر نہیں کروں گا۔ مجھے اجازت دینے یا نہ دینے سے پہلے ایک دو پہلوؤں پر غور کر لو۔ ایک یہ کہ خلافت عملاً ختم ہو چکی ہے۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ خلیفہ گیارہ سال کا بچہ ہے۔ اس پر تین چار اُمراء نے قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ اُمراء صلیبیوں کے دوست ہیں۔ لہٰذا آپ کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگنی چاہیے کہ خلافت صلیبیوں کی گود میں چلی گئی ہے۔ اب ہماری فکر خلافت کے خلاف ہے، اگر تم خود مختار اور آزاد نہیں ہوتے تو تمہیں خلیفہ کے حکم ماننے پڑیں گے اور یہ حکم سلطنتِ اسلامیہ کے لیے تباہ کن ہوں گے۔ کیا ان حالات میں یہ اقدام صحیح نہیں ہوگا کہ میں مصر کو خلافت سے آزاد کر دوں اور اس کے بعد تمہارا ہر قدم ایسا آزادانہ ہو جو اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہو؟''

''کیا آپ خلافت کے خلاف کاروائی کرنا چاہتے ہیں؟'' ایک سالار نے پوچھا۔

''میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا''۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا...... ''کل پرسوں تک میرے وہ ایلچی واپس آجائیں گے، جنہیں میں نے امراء کی طرف بھیج رکھا ہے۔ اگر مجھے جنگی کاروائی کا فیصلہ کرنا پڑا، تو گریز نہیں کروں گا''۔

''آپ مصر کو خود مختار مملکت قرار دے دیں''۔ ایک حاکم نے کہا...... ''ہم گیارہ سال کے بچے کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے''۔

''تو کیا تم سب مجھے سلطانِ مصر تسلیم کرو گے؟'' صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

تمام حاضرین نے بیک زبان کہا کہ وہ اُسے سلطانِ مصر تسلیم کرتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اُسی وقت خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مصر کو آزاد مملکت قرار دے دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اسے اُسی وقت قانون کے مطابق سلطان کا خطاب مل گیا۔

''میں اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نہیں، میدانِ جنگ کا بادشاہ ہوں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم نے دیکھا ہے کہ میں صلیبیوں کے لشکر کے درمیان گھومتا پھرتا رہا ہوں۔ میں نے دس دس جانبازوں سے دس دس ہزار لشکروں کو تہہ و بالا کیا ہے، مگر اپنے بھائیوں کے خلاف جنگ کی سوچتا ہوں تو تمام جنگی چالیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ میری تلوار نیام سے باہر نہیں آتی۔ مجھے اور تم سب کو یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں اور صلیبی تماشہ دیکھیں''۔

''یہ تماشہ ہمیں دکھانا ہی پڑے گا، سلطانِ محترم!'' ایک سالار نے کہا...... ''اگر اپنے بھائیوں پر الفاظ کا اثر نہ ہو تو تلوار استعمال کرنی ہی پڑے گی۔ ہم میں سے کوئی بھی خلافت کی گدی کا خواہش مند نہیں۔ ہم جو کچھ کریں گے اسلام کی خاطر کریں گے، ذاتی مفاد کی خاطر نہیں''۔

☆

سلطان ایوبی نے اس سے پہلے دو ایلچی دمشق، حلب، موصل اور دو تین اور ریاستوں کے اُمراء کی طرف بھیج رکھے تھے۔ اُس نے سب کو طویل پیغام بھیجا تھا جس میں اُس نے سب کو صلیبی خطرے سے آگاہ کیا اور انہیں متحدہ ہونے کی تلقین کی تھی۔ وہ انہیں اسلامی وحدت کا قائل کرنا چاہتا تھا۔ دونوں ایلچی مایوس واپس آ گئے۔ کسی ایک بھی امیر نے اُس کے پیغام کو قبول نہیں کیا تھا، بلکہ بعض نے مذاق اُڑایا تھا۔ ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ کے دربار میں گئے۔ پیغام پیش کیا تو خلیفہ نے خود پڑھنے کی بجائے اُن امراء کے حوالے کر دیا جن کے ہاتھوں میں وہ کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ انہوں نے ہی اسے خلافت کی گدی پر بٹھایا تھا۔ اُن اُمراء نے سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ آپس میں کھسر پھسر کی اور ایک نے خلیفہ سے کہا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف جنگ کا بہانہ کر کے تمام مسلمان ریاستوں کو ایک ریاست بنانے کی سوچ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ اس ریاست کا حکمران بنے گا۔ دوسرا امیر بول پڑا۔ اُس نے بھی گیارہ سال کی عمر کے خلیفہ کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکایا اور کہا...... ''آپ اسے حکم دے سکتے ہیں کہ جنگ کرنے یا کرنے کا فیصلہ صرف خلیفہ کر سکتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی خلیفہ کی حکم عدولی کرے تو آپ اسے معزول کر کے واپس بلا سکتے ہیں۔ مصر کی امارت کسی اور کے حوالے کی جا سکتی ہے''۔

کمسن خلیفہ نے ایلچیوں کو یہی حکم دیا اور کہا...... ''صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ وہ ہمارے حکم کا انتظار کرے۔ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ اسلامی وحدت کی ضرورت ہے یا نہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی کے پاس فوج ہے، اس میں زنگی مرحوم کے بھیجے ہوئے بہت سے دستے ہیں''۔ ایک امیر نے خلیفہ سے کہا...... ''اُسے حکم بھیجا جائے کہ وہ دستے واپس بھیج دے۔ اُسے اپنی مرضی سے فوج کے استعمال کی اجازت نہیں ملنی چاہیے''۔

''اُسے کہنا کہ وہ دستے، سوار اور پیادہ، جو اُسے خلافت کی طرف سے دے دیئے گئے تھے، وہ واپس کر دے''۔ خلیفہ نے کہا...... ''اور تم لوگ اب جا سکتے ہو''۔

''اور ایوبی سے کہنا کہ آئندہ خلیفہ کو اس قسم کے پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کرے''۔ ایک اور امیر نے کہا۔

ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ دوسرے اُمراء کے پاس گئے۔ سب نے پیغام کا مذاق اُڑایا، بعض نے سلطان ایوبی کے خلاف توہین آمیز الفاظ بھی کہے۔ ایلچی واپس آ گئے۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی جیسے اُسے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ اسے دراصل علی بن سفیان کا انتظار تھا جسے اُس نے خفیہ دمشق بھیج رکھا تھا۔ فوجی جاسوسی اور سراغ رسانی کا یہ ماہر اپنے ساتھ کم و بیش ایک سولڑا کا جاسوس لے کر دمشق گیا تھا۔ یہ لوگ تاجروں کے قافلے کی صورت میں تاجروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی کو ان کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ نورالدین زنگی کی وفات کی اطلاع کے فوراً بعد سلطان ایوبی کو یہ اطلاع ملی کہ امیروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اطلاع بھیجنے والا کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا، بلکہ نورالدین زنگی کی بیوی تھی، جو نئے خلیفہ کی ماں تھی۔ اس نے خفیہ طور پر اپنا ایک قاصد قاہرہ کی طرف دوڑا دیا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو وہی حالات بتائے جو زنگی کی وفات کے بعد وہاں پیدا ہو گئے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو کہلا بھیجا تھا...... ''اسلام کی آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے کمسن بیٹے کو خلیفہ بنا دیا گیا ہے۔ لوگ میرا احترام کرنے لگے ہیں، کیونکہ میں خلیفہ کی ماں ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں خوش قسمت ماں ہوں، مگر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ میرے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا گیا، بلکہ مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا گیا ہے۔ سیف الدین امیر موصل نے اور دوسرے تمام امیروں نے میرے بیٹے کے گرد گھیرا ڈال لیا ہے۔ میرے خاوند کے بھتیجوں نے بھی خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو قتل کر دوں، لیکن اس کے نتائج سے ڈرتی ہوں، آپ آ جائیں۔ یہ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ آپ کس طرح آئیں گے اور کیا کریں گے۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے اس طرف توجہ نہ دی یا وقت ضائع کیا تو قبلۂ اوّل پر تو صلیبی قابض ہیں ہی، خانہ کعبہ پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ کیا ان لاکھوں شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا، جنہوں نے زنگی کی اور آپ کی قیادت میں جانیں قربانی کی ہیں؟ آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے زیر اثر کیوں نہیں رکھتی؟ میں اس کا جواب دے چکی ہوں۔ اُمراء نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ صرف ایک بار میرے پاس آیا تھا۔ وہ میرا بیٹا لگتا ہی نہیں تھا۔ اسے شاید حشیش پلائی گئی تھی۔ وہ بھول چکا ہے کہ میں اس کی ماں ہوں...... بھائی صلاح الدین ایوبی! جلدی آؤ۔ دمشق کے لوگ آپ کا استقبال کریں گے۔ مجھے اسی قاصد کی زبانی جواب دیں کہ آپ کیا کریں گے یا کچھ بھی نہیں کریں گے''۔

سلطان ایوبی نے قاصد کو اُسی وقت بھیج دیا تھا۔ اُس نے زنگی کی بیوہ کو یقین دلایا تھا کہ وہ بڑا سنگین اقدام کرے گا لیکن سوچ سمجھ کر قدم اُٹھائے گا۔ قاصد کو واپس بھیجنے کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو دمشق، موصل، حلب، یمن اور تمام تر اسلامی علاقوں میں جا کر وہاں کا جائزہ لینے کے لیے کہا۔ یہ کوئی سرکاری نوعیت کا دورہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان کو جاسوسوں کے انداز سے بہروپ میں وہاں جانا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ معلوم کرے کہ مسلمان اُمراء جو خودمختاری کا اعلان کر چکے ہیں، کیا ارادے رکھتے ہیں۔ صلیبیوں کے ساتھ اُن کا رابطہ ہے یا نہیں۔ خلیفہ کی فوج کا رجحان کیا ہے۔ کیا اس فوج کو خلیفہ کے ایسے احکام کی خلاف ورزی کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے جو اسلام کے لیے نقصان دہ اور دشمن کے لیے سودمند ہوں؟ اور علی بن سفیان کو یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ ان علاقوں کے عوام کے جذبات اور نظریات کیا ہیں اور کیا فدائی بھی خلیفہ کے ساتھ مل گئے ہیں؟ یہ جائزہ بھی لینا تھا کہ سلطان ایوبی دمشق یا کسی اور مسلمان علاقے پر فوج کشی کرے تو وہاں کے عوام کا ردعمل کیا ہو گا۔

سلطان ایوبی کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ اندھیرے میں نہیں چلتا تھا۔ اُسے جہاں جانا ہوتا، اپنے جاسوسی کے ذریعے وہاں کے احوال و کوائف، دشواریوں اور خطروں کا جائزہ لے لیتا تھا۔ جیسا کہ پہلی کہانیوں میں بتایا جا چکا ہے

کہ اُس کا جاسوسی کا نظام بہت تیز اور ہوشیار تھا۔ اُس کے جاسوس جہاں اداکاری اور بہروپ دھارنے کی مہارت رکھتے تھے، وہاں وہ ماہر چھاپہ مار (گوریلے اور کمانڈو) بھی تھے۔ اسی لیے انہیں لڑاکا جاسوس کہا جاتا تھا۔ وہ بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے بھی ماہر تھے۔ علی بن سفیان کو خدا نے جاسوسی اور سراغ رسانی کا وصف پیدائش کے ساتھ ہی عطا کیا تھا۔ اب زنگی کی وفات کے بعد اسلامی ممالک کے حالات مخدوش ہو گئے اور صلیبی خطرہ سر پر آ گیا تو اُسے سلطان ایوبی کے اس حکم کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ ان بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لینا ہے اور یہ جائزہ کس طرح لینا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اُس کی لائی ہوئی رپورٹ کے مطابق کوئی کارروائی کرے گا اور یہ کارروائی بقائے اسلام کے لیے بے حد ضروری ہو گی۔

☆

یہاں ہم کہانی کو کچھ دن پیچھے لے جاتے ہیں۔ جب علی بن سفیان قاہرہ سے روانہ ہوا تھا۔ اُس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنے لڑاکا جاسوسوں میں سے کم و بیش ایک سو افراد کو منتخب کیا۔ انہیں مشن بتایا اور کہا کہ اسلام کی آبرو اُن سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے اور اس مشن میں انہیں اپنی مہارت کا پورا پورا استعمال کرنا ہے۔ ان ایک سو آدمیوں کو تاجروں کا لباس پہنایا گیا۔ علی بن سفیان مصنوعی داڑھی کے ساتھ قافلے کا سردار بنا۔ انہوں نے اونٹوں پر مختلف اقسام کا سامان لاد لیا جو انہیں دمشق وغیرہ کی منڈیوں میں بیچنا اور اس کے بدلے وہاں سے سامان لانا تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ تجارتی سامان میں اس پارٹی نے تلواروں اور برچھیوں جیسے ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ اس میں آتش گیر مادہ بھی تھا اور آگ لگانے کا دیگر سامان بھی۔ یہ قافلہ رات کے وقت قاہرہ سے روانہ ہوا اور طلوعِ سحر تک بہت دُور نکل گیا۔

کچھ دیر آرام کر کے قافلہ پھر روانہ ہوا۔ علی بن سفیان بہت جلدی منزل پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تو بھی اُس نے قافلے کو نہ روکا۔ رات خاصی گزر چکی تھی جب ایک بڑی موزوں جگہ آ گئی۔ یہ سرسبز خطہ تھا اور وہاں اونچی نیچی چٹانیں بھی تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہاں پانی بھی تھا۔ قافلہ آرام اور پانی کے لیے رُک گیا۔ یہ لوگ تاجر نہیں فوجی تھے۔ ان کی ہر حرکت میں ڈسپلن تھا، احتیاط تھی اور ٹریننگ کے مطابق وہ خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی ایسے تربیت یافتہ تھے کہ انسانوں کی طرح خاموش تھے۔ علی بن سفیان نے چٹانوں اور ٹیلوں کے اندر جانے کی بجائے باہر ہی پڑاؤ کیا۔ فوجی دستوں کے مطابق دو آدمیوں کو پانی کی تلاش کے لیے بھیجا گیا۔ سب نے ہتھیار نکال لیے تھے، کیونکہ اُن دنوں سفر میں دو خطرے تھے۔ ایک خطرہ صحرائی ڈاکوؤں کا تھا اور دوسرا صلیبیوں کے چھاپہ مار دستوں کا۔ اُن کے یہ دستے دراصل ڈاکو ہی تھے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے پھرتے تھے۔

دو آدمی اس خطے کے اندر چلے گئے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ یہاں دشمن کے چھاپہ ماروں یا گشتی دستوں نے قیام نہ کر رکھا ہو۔ کچھ دُور اندر گئے تو کہیں روشنی کا دھوکہ سا ہوا۔ وہ آگے گئے اور ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انہیں بڑی اچھی جگہ نظر آئی جو میدانی سی تھی، وہاں پانی بھی تھا۔ ہریالی بھی تھا اور کھجور کے درخت بھی تھے، وہاں دو مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں انہیں چھ سات آدمی اور چار لڑکیاں نظر آئیں۔ بہت خوب صورت لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے آگ بھی جلا رکھی تھی جس پر وہ گوشت بھون رہے تھے اور پیالوں میں وہ کچھ پی رہے تھے، جو شراب ہی ہو سکتی تھی۔ ذرا پرے گھوڑے اور تین چار اونٹ بندھے تھے۔ بہت سارا سامان بھی ایک طرف پڑا تھا۔ علی بن سفیان کے دونوں آدمی چھپ کر قریب چلے گئے۔ رات کے سکوت میں اُن لوگوں کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اُن کا ہنسی مذاق بتا رہا تھا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں۔ لڑکیاں بے حیائی کی حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔ ان دونوں آدمیوں نے انہیں نظر انداز نہ کیا۔ واپس آ کر علی بن سفیان کو بتایا۔

علی بن سفیان گیا اور چھپ کر قریب سے دیکھا۔ ان آدمیوں اور لڑکیوں کی زبان کچھ اور تھی جو علی بن سفیان سمجھتا تھا۔ وہ عیسائی تھے۔ علی بن سفیان سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے پاس چلا جائے اور معلوم کرے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں یا ان کی نقل و حرکت دیکھتا رہے۔ اُس کے ساتھ ایک سولڑا کا جاسوس تھے۔ اُسے ان چھ سات آدمیوں اور چار لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن وہ انہیں سراغ رساں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے شک ہو گیا تھا کہ یہ صلیبی جاسوس اور تخریب کار ہیں اور کسی اسلامی مملکت میں جا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ اُس کے مطلب کے لوگ تھے۔ وہ اور زیادہ قریب ہونے کے لیے ٹیلے کے اوپر اوپر سرکتا ہوا آگے گیا تو ٹھٹھک کر رُک گیا۔ وہاں ٹیلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اُسے اپنے بالکل نیچے دو آدمی نظر آئے جن کے منہ اور سر سیاہ کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے ان آدمیوں اور لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بلاشک و شبہ صحرائی ڈاکو تھے اور ان کی نظر لڑکیوں پر تھی۔ یہ دو نقاب پوش پیچھے ہٹ آئے۔ انہوں نے آپس میں جس زبان میں باتیں کیں، وہ علی بن سفیان کی مادری زبان تھی۔

''ان کے پاس ہتھیار ہیں''...... ایک ڈاکو نے کہا۔

''ہاں''...... دوسرے نے کہا...... ''میں نے دیکھ لیا ہے۔ ان کی تلواریں سیدھی ہیں۔ یہ عیسائی ہیں''۔

''یہ عام قسم کے مسافر معلوم نہیں ہوتے''

''انہیں سو جانے دو، سب کو بلا لاتے ہیں''۔

''ہم آٹھ آدمی انہیں سوتے میں ہی پکڑ سکتے ہیں''۔

''پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آدمیوں کو سوتے میں ختم کر دیں گے اور لڑکیوں کو گھوڑوں پر ڈال لیں گے''۔

وہ دونوں اپنے ساتھیوں کو بلانے کے لیے چل پڑے۔ علی بن سفیان نے چھپ چھپ کر اُن کا تعاقب کیا۔ وہ کسی اور راستے سے باہر نکل گئے۔ وہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ علی بن سفیان کا قافلہ اسی طرف قیام کیے ہوئے تھے جدھر ڈاکو نہیں گئے تھے۔ علی بن سفیان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ ان لوگوں کو خبردار کر دے یا انہیں اپنے قافلے میں لے جائے۔ گہری سوچ بچار کے بعد اُس نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ اپنے آدمیوں میں واپس آیا۔ بیس بائیس آدمیوں کو برچھیوں سے مسلح کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں موزوں جگہوں پر تیار کھڑا کر دیا اور اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ خود بھی چوکس اور ہوشیار رہا اور اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ ڈاکو کس وقت آئیں گے۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکیاں اور ان کے ساتھ آدمی سو گئے ہیں۔ صرف ایک آدمی برچھی ہاتھ میں لیے ٹہلتا رہا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ تربیت یافتہ ہیں۔ اس آدمی کو انہوں نے سنتری کھڑا کیا تھا۔ مشعلیں جلتی رہیں۔

☆

سحر ہو چلی تھی جب ٹیلوں کے اندر گھوڑوں کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ سب ہوشیار ہو گئے۔ لڑکیوں کا سنتری بدل گیا تھا۔ اب دوسرا آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ ڈاکو ٹیلوں کے درمیان تھے اور علی بن سفیان اور اس کے آدمی ٹیلوں کے اوپر۔ تھوڑی دیر بعد آٹھ نو ڈاکو اُس جگہ داخل ہوئے جہاں ان کا شکار سویا ہوا تھا۔ سنتری گھبرا گیا۔ اُس نے جلدی سے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ ڈاکوؤں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیا اور گھوڑوں سے کود آئے۔ لڑکیوں کے ساتھ آدمی جاگ اُٹھے مگر ڈاکوؤں نے انہیں ہتھیار اُٹھانے کی مہلت نہ دی۔ ایک نے للکار کر کہا...... ''اپنا سامان اور لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو اور اپنی جانیں

بچاؤ''......اُس نے لڑکیوں سے کہا......''تم اِس طرف آجاؤ، ماری جاؤ گی''......دو ڈاکوؤں نے انہیں دھکیل کر ایک طرف کر دیا۔ان کے آدمی نہتے تھے۔پھر بھی دو نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔وہ واقعی تربیت یافتہ تھے۔بے جگری سے لڑے۔

علی بن سفیان کی آواز پر جو اُس نے پہلے مقرر کر رکھی تھی، اُس کے آدمی عقابوں کی طرح ٹیلوں سے اُترے اور ڈاکو ابھی سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ ایک ایک برچھی ایک ایک ڈاکو کے جسم میں داخل ہو چکی تھی۔اس سے پہلے ڈاکوؤں کے ہاتھوں لڑکیوں کے ساتھ کے دو آدمی مارے جا چکے تھے، جس کا علی بن سفیان کو کوئی افسوس نہیں تھا۔وہ غالباً یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک دو آدمیوں کا خون ہو جائے تاکہ دوسروں پر، خصوصاً لڑکیوں پر، دہشت طاری ہو جائے۔علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو ٹیلوں پر چڑھا دیا اور ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔لڑکیاں بہت ہی ڈری ہوئی تھیں۔ان کے سامنے دو لاشیں اپنے ساتھیوں کی اور نو لاشیں ڈاکوؤں کی پڑی تھیں۔علی بن سفیان نے اُن کی زبان میں ان آدمیوں اور لڑکیوں سے باتیں شروع کر دیں۔وہ لوگ اُس کے اس قدر ممنون تھے جیسے اس کے مرید بن گئے ہوں۔ اُس نے انہیں موت کے منہ سے نکالا تھا۔ان سے اس نے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تو علی بن سفیان مُسکرایا اور بولا......''اگر تم لوگ مجھ سے یہ سوال پوچھتے تو میں بھی ایسا ہی غلط جواب دیتا۔ میں تمہاری تعریف کروں گا کہ اتنی خوفزدگی میں بھی تم نے اپنا پردہ نہیں اُٹھایا''۔

''تم کہاں سے آئے ہو؟''......ایک نے اس سے پوچھا ''اور کہاں جا رہے ہو؟''

''جہاں سے تم آئے ہو''......علی بن سفیان نے جواب دیا......''اور وہیں جا رہا ہوں جہاں تم جا رہے ہو۔ ہمارے کام مختلف ہیں، منزل ایک ہی ہے''۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔حیران سے ہوئے اور علی بن سفیان کو دیکھنے لگے۔وہ مُسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا......''کیا تم نے دیکھا تھا کہ میں نے کیسی چال سے ان ڈاکوؤں کو ختم کر دیا ہے؟ کیا کوئی مسافر یا کوئی قافلہ ایسی چال چل سکتا ہے؟ کیا یہ ایک تربیت یافتہ کمانڈر کی استادی نہیں جو میں نے دکھائی ہے؟''

''تم مسلمان فوجی بھی ہو سکتے ہو؟''

''میں صلیب کا سپاہی ہوں''......علی بن سفیان نے جواب دیا۔

''کیا تم اپنی صلیب دکھا سکتے ہو؟''

''کیا تم اپنی اپنی صلیب مجھے دکھا سکتے ہو؟''......علی بن سفیان نے پوچھا اور سب کی طرف دیکھ کر کہا......''تم نہیں دکھا سکتے۔تمہارے پاس صلیبیں نہیں ہیں، کیونکہ جس کام کے لیے تم جا رہے ہو، اس میں صلیب ساتھ نہیں رکھی جا سکتی۔میں تم سے تمہارے نام نہیں پوچھوں گا۔اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا۔اپنا کام بھی نہیں بتاؤں گا۔صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں اور ہم سے معلوم نہیں کون کون اپنے وطن کو واپس لوٹ سکے گا۔ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔خداوند یسوع مسیح نے جس طرح مجھے اور میرے آدمیوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے، یہ نشانی ہے کہ تم صحیح راستے پر ہو اور تم کامیاب ہو گے۔نورالدین زنگی کی موت اس حقیقت کی نشانی ہے کہ دُنیا پر صلیب کی حکومت ہو گی۔ مسلمانوں کا کون سا امیر رہ گیا ہے جو ہمارے جال میں نہیں آ گیا؟ میں تمہیں یہی نصیحت کروں گا کہ ثابت قدم رہنا''...... اُس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا......''تمہارا کام سب سے زیادہ خطرناک اور نازک ہے۔خداوند یسوع مسیح تمہاری قربانی کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ہم جو مرد ہیں، وہ اپنی جان دے کر دُنیا کی مشکلات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔تمہاری

کی جان نہیں لیتا۔ تم سے آبرو کی قربانی لی جاتی ہے اور یہی سب سے بڑی قربانی ہے''۔

علی بن سفیان اُستاد تھا۔ اُس کی زبان میں ایسا طلسم تھا کہ وہ سب دم بخود ہو گئے۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے ان سے کہلوا لیا کہ وہ صلیبی ہیں اور تخریب کاری کے لیے دمشق اور دیگر علاقوں میں جا رہے ہیں۔ وہ بھی تاجروں کے بھیس میں ہے۔ علی بن سفیان صلیبیوں کے نظامِ جاسوسی کی خفیہ باتیں اور اصطلاحیں جانتا تھا۔ اُس وقت تک وہ بے شمار صلیبی جاسوس پکڑ کر ان سے اقبالِ جرم کروا چکا تھا۔ اس نے جب ان اصطلاحوں میں باتیں کیں تو لڑکیوں اور ان کے ساتھ آدمیوں کو نہ صرف یہ یقین ہو گیا کہ وہ صلیبی جاسوس ہے، بلکہ وہ اسے جاسوسوں کا کمانڈر سمجھنے لگے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کے ساتھ ایک سو آدمی ہیں۔ ان میں لڑاکا جاسوس بھی ہیں اور فدائی بھی جو دمشق وغیرہ میں اُن اعلیٰ افسروں کو قتل کرنے یا غائب کرنے جا رہے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے مکتبِ فکر کے پیروکار ہیں۔ اُس نے انہیں بتایا کہ وہ لمبے عرصے سے مصر میں کام کر رہا تھا۔ اب اُسے اِدھر بھیجا جا رہا ہے۔

اس گروہ نے علی بن سفیان کے سامنے اپنا پردہ اُٹھا دیا اور ایک مشکل پیش کی۔ وہ یہ تھی کہ ان کا کمانڈر ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ ان علاقوں میں پہلے بھی آ چکا تھا، جہاں وہ جا رہے تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد وہ اندھے ہو گئے تھے۔ انہیں ایک راہنما کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں تسلی دی کہ وہ اپنے مشن سے ہٹ کر ان کی راہنمائی کرے گا، وہ اسے اپنا مشن بتا دیں۔ انہوں نے بتا دیا۔ انہیں چند ایک سالاروں کے نام بتا کر کہا گیا تھا کہ ان تک پہنچانے ہیں اور لڑکیوں کو ضرورت کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ ایسے سالاروں اور امیروں تک رسائی حاصل کرنی ہے جو صلیبیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ انہیں صلیبیوں کا دوست بنانا ہے۔

''اس مرحلے میں آ کر میرا اور تمہارا کام ایک ہو جاتا ہے''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''مجھے ان سالاروں اور امرین کو ختم کرنا ہے جو دل سے صلیب کی دشمنی نہیں نکال رہے...... تم دمشق میں کہاں قیام کرو گے؟''

''تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تاجر بن کر جا رہے ہیں''...... ایک نے جواب دیا...... ''دمشق کے قریب جا کر یہ یہاں باپردہ مسلمان عورتیں بن جائیں گی۔ ہم سرائے میں قیام کریں گے۔ وہاں سے تاجروں کے بھیس میں سالاروں وغیرہ تک جائیں گے۔

☆

اگلی صبح علی بن سفیان کا قافلہ دمشق کی سمت جا رہا تھا۔ یہ صلیبی آدمی اور لڑکیاں بھی اس قافلے میں شامل ہو گئی تھیں۔ جانوروں میں ڈاکوؤں کے گھوڑوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں نے علی بن سفیان کو اپنا لیڈر بنا لیا تھا۔ ان کی نظر میں یہی تھا۔ اُس نے انہیں کہا تھا کہ وہ اس کے کسی آدمی کے ساتھ بات نہ کریں، کیونکہ ان میں مسلمان بھی ہیں جو جنگجو اور تخریب کار ہیں لیکن ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔ راستے میں علی بن سفیان نے ان صلیبیوں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان سے باتیں پوچھتا رہا۔ اسے کام کی بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔

اگلے روز قافلہ دمشق میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان کی ہدایت پر سرائے میں جانے کی بجائے قافلے نے ایک میدان میں ڈیرے گاڑ دیئے۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ باہر سے جب تاجروں کے قافلے آتے تھے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مال دکانوں میں جانے سے پہلے قافلے سے ہی خرید لیا جائے، وہاں سے کم قیمت پر اشیاء مل جاتی تھیں۔ علی بن سفیان نے اعلان کیا کہ دس گھوڑے بھی بکاؤ ہیں۔ اس ہجوم میں دمشق کے تاجر اور دکاندار بھی تھے۔ دو چار

گھنٹوں میں وہاں میلہ لگ گیا۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ مال روک کے رکھیں اور جلدی فروخت نہ کریں۔ اتنا زیادہ ہجوم دیکھ کر اُس نے اپنے چند ایک ذہین آدمیوں سے کہا کہ وہ لوگوں میں گھل مل جائیں اور ان کے خیالات معلوم کریں۔ یہ آدمی اس کام کے ماہر تھے۔ وہ چغے اُتار کر ہجوم میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے دو تین شہر میں چلے گئے۔

علی بن سفیان اور اُس کے تمام آدمیوں نے مغرب کی نماز مختلف مسجدوں میں تقسیم ہو کر پڑھی۔ صلیبیوں کو وہ خیمہ گاہ میں چھوڑ گئے تھے۔ مسجدوں میں انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ قاہرہ سے آئے ہیں اور تاجر ہیں۔ لوگوں کے ساتھ گپ شپ کے انداز میں انہوں نے اُن کے خیالات معلوم کر لیے۔ لوگوں کے خیالات اور جذبات اُمید افزا تھے۔ ان میں کچھ بھڑکے ہوئے بھی تھے۔ وہ نئے خلیفہ اور اُمراء کے خلاف باتیں کرتے تھے اور ان میں اونچی حیثیت کے لوگ بھی تھے جو جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دُنیائے اسلام کو صلیب کی للکار رہی ہے اور اپنی خلافت عیاش امراء کے ہاتھ آ گئی ہے۔ وہ بہت پریشان تھے اور کہتے تھے کہ زنگی کے بعد صرف صلاح الدین ایوبی ہے جو اسلام کا نام زندہ رکھ سکتا ہے۔

علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ یہ لڑکیاں اور آدمی صلیبی ہیں اور ان پر یہی ظاہر کرتے رہیں کہ ہم سب صلیب کے مشن پر آئے ہیں۔ انہیں کوئی شک نہیں ہوا تھا۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ آج رات آرام کریں اور اُس کی ہدایت کا انتظار کریں۔ رات کو وہ ایک سالار توفیق جواد کے گھر چلا گیا۔ وہ تاجروں کے بھیس میں تھا اور مصنوعی داڑھی لگا رکھی تھی۔ اس نے دربان سے کہا کہ اندر اطلاع دو کہ قاہرہ سے آپ کا ایک دوست آیا ہے۔ دربان نے اندر اطلاع دی تو علی بن سفیان کو اندر بلا لیا گیا۔ توفیق جواد اُسے پہچان نہ سکا۔ علی بن سفیان نے بات کی تو توفیق جواد نے اُسے پہچان لیا اور گلے لگا لیا۔ علی بن سفیان کو اس شخص پر بھروسہ تھا۔ اُس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کچھ صلیبی جاسوسوں اور لڑکیوں کو پھانس لایا ہے اور اب یہ سوچنا ہے کہ انہیں کس طرح استعمال کیا جائے۔

اُس سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کے اندرونی اور بیرونی حالات کیا ہے؟''..... علی بن سفیان نے اُس سے پوچھا..... ''قاہرہ میں بڑی تشویش ناک خبریں پہنچی ہیں''۔

توفیق جواد نے ان تمام خبروں کی تصدیق کی جو قاہرہ پہنچی تھیں۔ اس نے کہا..... ''علی بھائی، تم اسے خانہ جنگی کہو گے، لیکن صلیبی خطرے کو روکنے کے لیے صلاح الدین ایوبی کو خلافت کے خلاف فوج کشی کرنی پڑے گی''۔

''اگر ہم قاہرہ سے فوج لائیں تو کیا یہاں کی فوج ہمارا مقابلہ کرے گی؟''علی بن سفیان نے پوچھا۔

''تم لوگ حملے کے انداز سے نہ آؤ''..... توفیق جواد نے کہا..... ''صلاح الدین ایوبی یہ ظاہر کریں کہ وہ خلیفہ سے ملنے آئے ہیں اور خلیفہ کی تعظیم کے لیے فوج کے کچھ دستے ساتھ لائے ہیں۔ اگر امراء کی نیت ٹھیک ہوئی تو وہ استقبال کریں گے، دوسری صورت میں ان کا ردِعمل سامنے آ جائے گا۔ جہاں تک یہاں کی فوج کا تعلق ہے، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ فوج تمہارا مقابلہ نہیں کرے گی، بلکہ تمہارا ساتھ دے گی، مگر یہ بھی ذہن میں رہو کہ تم جتنا وقت ضائع کرو گے، فوج اتنی تم سے دُور ہٹتی جائے گی۔ اس فوج کا وہ جذبہ مارنے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں جو اسلامی فوج کی اصل قوت ہے۔ تم جانتے ہو علی بھائی، حکمران جو عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں، وہ سب سے پہلے دشمن کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہیں، تا کہ جنگ و جدل کا خطرہ ٹل جائے۔ پھر وہ فوج کو کمزور کرتے ہیں اور ایسے سالاروں کو منظورِ نظر بناتے ہیں جو خدا کے احکام کی بجائے ان کی خواہشات کے پابند ہوں۔ وہ صلاح الدین ایوبی جیسے سالاروں کو پسند نہیں کرتے، یہ عمل یہاں شروع ہو چکا ہے۔ ہمارے اعلیٰ رتبوں کے چند ایک فوجی افسر اپنے جذبے اور ایمان سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ ابھی

جیسے ایسے سالار بھی ہیں جو صلیبیوں کو کبھی دوست نہیں کہیں گے اور نورالدین زنگی کے جذبہ جہاد کو زندہ رکھیں گے، مگر وہ اپنے طور پر خلافت کے احکام کے بغیر کیا کر سکتے ہیں؟''

''کیا میں سلطان ایوبی سے یہ کہہ دوں کہ یہاں کی فوج ہمارا ساتھ دے گی؟''...... علی بن سفیان نے پوچھا۔

''ضرور کہہ دو''...... توفیق جواد نے جواب دیا...... ''البتہ خلیفہ کے محافظ دستے (باڈی گارڈز) اور اُمراء کے محافظ دستے تمہارے خلاف لڑیں گے۔ ان دستوں کی نفری کم نہیں اور ان میں چنے ہوئے سپاہی ہیں۔ جب سے زنگی فوت ہوئے ہیں، ان دستوں کی خاطر و مدارت پہلے سے زیادہ ہونے لگی ہے۔ انہیں غالباً خانہ جنگی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے''۔

''یہاں کے لوگوں میں مجھے جو قومی جذبہ نظر آیا ہے، اس سے مجھے توقع ہے کہ ہم یہاں آئے تو کامیاب ہوں گے''...... علی بن سفیان نے کہا۔

''قوم اتنی جلدی بے حس نہیں ہو سکتی''...... توفیق جواد نے کہا...... ''جس قوم نے اپنے بیٹے شہید کرائے ہوں، وہ اپنے دشمن کو کبھی نہیں بخشتی اور جس فوج نے دشمن سے دو دو ہاتھ کیے ہوں، اسے اتنی جلدی سرد نہیں کیا جا سکتا مگر حکمرانوں کے پاس ایسے ایسے ہتھکنڈے ہوتے ہیں جو قوم اور فوج کو مُردہ کر دیا کرتے ہیں۔ اب قوم اور فوج میں نفاق پیدا کیا جا رہا ہے۔ قوم کی نظر میں فوج کو گرایا جا رہا ہے۔

''میں محترم نورالدین زنگی کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''وہ خلیفہ کی والدہ بھی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی آبرو کو بچائیں...... کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ انہیں یہاں بلا لیا جائے؟''

''کل ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی''...... توفیق جواد نے کہا...... ''میں انہیں بلا سکتا ہوں۔ تمہارا نام سن کر وہ فوراً آ جائیں گی''۔

توفیق جواد نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا کہ خلیفہ کی والدہ کے ہاں جاؤ، میرا سلام کہنا اور ان کے کان میں کہنا کہ قاہرہ سے کوئی آیا ہے۔

☆

جب علی بن سفیان توفیق جواد کے پاس بیٹھا تھا، اُس وقت اس کی خیمہ گاہ میں رونق تھی۔ رات خاصی گزر گئی تھی۔ خریداروں کا ہجوم بہت دیر ہوئی جا چکا تھا۔ علی بن سفیان کے ایک سو آدمیوں نے لمبا سفر طے کیا تھا۔ وہ بازار سے دنبے اور بکرے لے آئے تھے، جنہیں ذبح کر کے وہ کھا رہے تھے اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ لڑکیاں ایک خیمے میں تھیں۔ صلیبی مرد علی بن سفیان کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے شراب نکال لی، تاکہ محفل کی رونق دوبالا ہو جائے۔ انہوں نے سب کو شراب پیش کی تو سب نے انکار کر دیا۔ صلیبی حیران ہوئے۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ ان میں مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ جو مسلمان تھے، ان کے متعلق بتایا گیا تھا کہ فدائی ہیں، یعنی وہ برائے نام مسلمان ہیں۔ اصل میں وہ حسن بن صباح کے فرقے کے تھے جو شراب کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ صلیبیوں کو کچھ شک ہوا۔ وہ آخر تربیت یافتہ جاسوس تھے۔ انہوں نے دو چار اور ایسی نشانیاں دیکھ لیں جن سے ان کا شک پختہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح اُٹھنے لگے جیسے خیمے میں سونے جا رہے ہوں۔

انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ایک لڑکی نے یہ کام

اپنے ذمے لے لیا۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکلی کہ یہ خیمہ خالی کردو۔ وہ کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی رہی۔ بہت دیر بعد علی بن سفیان کا ایک آدمی اُٹھ کر اُس کی طرف آیا۔ وہ معلوم نہیں کیوں اُٹھا تھا۔ لڑکی نے اسے روک لیا اور کہا کہ خیمے میں بیٹھے بیٹھے اُس کا دل گھبرا رہا تھا، اس لیے باہر نکل آئی۔ وہ مردوں کو انگلیوں پر نچانا جانتی تھی۔ اس آدمی کو اُس نے ایسی باتوں میں جکڑ لیا کہ وہ بھول ہی گیا کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔ لڑکی نے کہا...... ''یہ آدمی جو ہمارے ساتھ ہیں، بہت بُرے آدمی ہیں۔ ہم تمہاری طرح یہاں کسی اور کام سے آئی ہیں، لیکن یہ ہمیں بہت پریشان کرتے ہیں۔ کیا ایسے ہوسکتا ہے کہ تم میرے خیمے میں آکر سوؤ؟ میں ان سے بچی رہوں گی'' ...... اور اس نے ایسی اداکاری کی کہ یہ آدمی موم ہوگیا اور اُس کے ساتھ اس کے خیمے میں چلا گیا۔

خیمے میں چھوٹی قندیل جل رہی تھی۔ لڑکی نے روشنی میں اس آدمی کو دیکھا تو بڑی ہی پُرکشش اور جذباتی مُسکراہٹ سے کہا...... ''اوہ! تم تو بہت خوب صورت آدمی ہو۔ تم میری حفاظت کرسکو گے۔ اس نے شراب کی چھوٹی صراحی اُٹھا کر کہا...... ''تھوڑی سی پیوؤ گے؟''

''نہیں!''

''کیوں؟''

''میں مسلمان ہوں''

''اگر اتنے پکے مسلمان ہو تو صلیب کے لیے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کیوں آئے ہو؟''

وہ آدمی چونکا۔ اس نے کہا...... ''اُس کی مجھے اُجرت ملتی ہے''۔

لڑکی جتنی خوب صورت تھی، اس سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔ اپنے یہ دونوں ہتھیار استعمال کر کے اُس نے بن سفیان کے اس آدمی کے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا۔ اس نے کہا...... ''شراب نہ پیو، شربت پی لو''۔ وہ دوسرے خیمے میں گئی اور ایک پیالہ اُٹھا لائی۔ اس آدمی نے پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ سے لگایا تو مُسکرا کر پیالہ رکھ دیا۔ لڑکی سے پوچھا ''اس میں کتنی حشیش ڈالی ہے؟''

لڑکی کو دھچکہ سا لگا، لیکن سنبھل گئی اور بولی...... ''زیادہ نہیں۔ اتنی سی ڈالی ہے جتنی تمہیں ذرا سی دیر کے لیے خود کردے''۔

''کیوں؟''

''کیونکہ میں تم پر قبضہ کرنا چاہتی ہوں''...... اس نے سنجیدگی سے کہا...... ''اگر تمہیں میری باتیں بُری لگیں تو خنجر میرے دِل میں اُتار دینا۔ میں تمہیں اتفاقیہ نہیں ملی تھی۔ میں نے تمہیں اُٹھتے اور اِدھر آتے دیکھ لیا تھا۔ میں تمہارے راستے میں کھڑی ہوگئی تھی۔ سفر کے دوران میں تمہیں بڑی غور سے دیکھتی رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ہم کبھی اکٹھے رہے اور ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم میرے دِل میں اُتر گئے ہو۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے تمہیں شراب پیش کی تھی، خود پی تھی۔ میں شراب نہیں پیتی کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ یہ لوگ مجھے زبردستی پلاتے ہیں''۔

وہ چونک کر بولا...... ''تم ان کافروں کے ساتھ کیسے آگئیں؟''

''بارہ سال سے ان کے ساتھ ہوں''...... لڑکی نے جواب دیا۔ ''میں یروشلم کی رہنے والی ہوں۔ اُس وقت میری عمر بارہ سال تھی۔ جب مجھے باپ نے فروخت کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے خریدار عیسائی ہیں۔ انہوں نے مجھے کام کی ٹریننگ دی جس کے لیے میں آئی ہوں۔ میں دمشق اور بغداد کا نام سنا کرتی تھی اور یہ نام مجھے اچھے لگتے تھے۔

سرزمین پر قدم رکھا ہے تو اس کی ہواؤں نے میرے اندر میرا مذہب بیدار کر دیا ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ مسلمانوں کی تباہی کے لیے میں کوئی کام نہیں کر سکوں گی''...... اس نے جذباتی لہجے میں کہا...... ''میرا دل رو رہا ہے، میری روح رو رہی ہے''...... اُس نے اس آدمی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیے اور کہا...... ''تم بھی مسلمان ہو، آؤ بھاگ چلیں۔ مجھے جہاں لے جاؤ گے، چلوں گی۔ ریگستان میں لیے پھرو گے تو خوشی سے تمہارے ساتھ رہوں گی۔ تم بھی اپنی قوم کو دھوکہ دینے سے باز آجاؤ۔ ہمارے پاس سونے کے بہت سے سکے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہاں پڑے ہیں، آسانی سے چرا لاؤں گی''۔

علی بن سفیان کا یہ آدمی تھا تو عقل مند، لیکن لڑکی کے جھانسے میں آ گیا۔ اُسے اپنی ڈیوٹی یاد آ گئی تھی۔ اسی لیے اس نے حشیش نہیں پی تھی۔ وہ حشیش کی بو سے واقف تھا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ اور اس کی پارٹی یہاں کیا کرنے آئی ہے، لڑکی نے بتا دیا۔ اس آدمی نے کہا...... ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم یہاں مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکو گی۔ اگر تم سچے دِل سے اس کام سے متنفر ہو گئی ہو تو تم خوش قسمت ہو کہ تم ہمارے دھوکے میں آ گئی ہو۔ اب تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ ہم میں سے کوئی بھی صلیب کا جاسوس نہیں۔ ہم سب مصر کی فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں''...... لڑکی جوشِ مسرت سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اس آدمی نے کہا...... ''میں اپنے کمانڈر سے کہوں گا کہ تمہیں دوسری لڑکیوں سے الگ رکھے اور کسی امیر وغیرہ کے حوالے نہ کرے''۔

لڑکی بے تابی سے اس کے ہاتھ چومنے لگی۔ اس کا فریب کامیاب ہو گیا۔ علی بن سفیان کا اتنا ہوشیار جاسوس ایک لڑکی کے فریب کا شکار ہو گیا''۔

''ذرا ٹھہرو''...... لڑکی نے کہا...... ''میں دیکھ آؤں کہ میرے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں''...... وہ خیمے سے نکل گئی۔

☆

علی بن سفیان سالار توفیق جواد کے گھر بیٹھا نور الدین زنگی کی بیوہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اسلام کے عظیم مجاہد کی بیوہ نے قاصد کے ذریعے صلاح الدین ایوبی تک اپنے جذبات پہنچا دیئے تھے، پھر بھی اس سے ملنا ضروری تھا۔ بہت سی معلومات لینی اور اقدام طے کرنے تھے۔ کچھ دیر بعد یہ پُر عظمت عورت آ گئی۔ وہ سیاہ اوڑھنی میں تھی۔ علی بن سفیان کو پہچان نہ سکی، کیونکہ وہ مصنوعی داڑھی میں تھا۔ جب پہچان لیا تو اس کے آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگی...... ''یہ وقت بھی ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو یوں چھپ کر اور بہروپ دھار کر ملیں گے۔ تم یہاں سر اونچا کر کے آیا کرتے تھے۔ اب اس حال میں آئے ہو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ لے اور میں گھر سے اس احتیاط سے نکلی ہوں کہ کوئی میرے پیچھے یہ دیکھنے کے لیے نہ آئے کہ میں کہاں جا رہی ہوں''۔

علی بن سفیان کے آنسو بہہ رہے تھے۔ جذبات کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ بہت دیر بول ہی نہ سکا۔ زنگی کی بیوہ نے کہا...... ''علی بن سفیان! میں نے یہ لباس اپنے خاوند کے ماتم کے لیے نہیں پہنا، میں اس غیرت کے ماتم میں ہوں جو میری قوم کا زیور ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے میرے بیٹے کو آلۂ کار بنا کر قومی غیرت صلیبیوں کے قدموں میں ڈال دی ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو۔ کل خلیفہ کے حکم سے اُس صلیبی بادشاہ کو جسے میرے خاوند نے جنگی قیدی بنایا تھا، رہا کر دیا گیا ہے۔ یہ رینالڈ تھا جسے چند ہی مہینے پہلے نور الدین زنگی نے بے شمار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ ایک لڑائی میں پکڑا تھا۔ اُسے اور دوسرے قیدیوں کو زنگی کرک سے یہاں لے آئے تھے۔ زنگی بہت خوش تھے۔ کہتے تھے کہ میں صلیبیوں کے ساتھ ایسی سودا بازی کر کے اس صلیبی حکمران کو چھوڑ دوں گا جو اُن کی کمر توڑ دے گی۔ ایک بادشاہ اور اعلیٰ کمان دار کی گرفتاری معمولی سی بات نہیں ہوتی۔ ہم اس کے بدلے صلیبیوں سے اپنی شرائط منوا سکتے تھے، مگر کل میرا بیٹا میرے پاس آیا اور بڑی خوشی سے کہا......

''ماں! میں نے صلیبی حکمران کو اور اس کے ساتھ تمام صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیا ہے''...... میرے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ میں بہت دیر اپنے آپ سے باہر رہی۔ بیٹے سے پوچھا کہ ان جنگی قیدیوں کے عوض تم نے اپنے جنگی قیدی رہا کرالیے ہیں؟ بیٹے نے بچوں کا سا جواب دیا۔ کہنے لگا کہ ہم ان قیدیوں کو لے کے کیا کریں گے۔ ہم آئندہ کسی سے لڑائی نہیں کریں گے۔

''میں نے بیٹے سے کہا کہ تم آئندہ اپنے باپ کی قبر پر نہ جانا۔ تم جب مرو گے تو میں تمہیں اس قبرستان میں دفن نہیں کروں گی جس میں تمہارا باپ دفن ہے۔ اس قبرستان میں وہ شہید بھی دفن ہیں جو صلیبیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ تمہیں وہاں دفن کر کے میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتی...... لیکن میرا بیٹا بچہ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا۔ صلیبیوں نے اپنے حکمران اور جنگی قیدیوں کو رہا کرا کے اسلام کے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ میں حیران ہوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں بیٹھا ہوا کیا کر رہا ہے۔ وہ کیوں نہیں آتا؟ علی بن سفیان! صلاح الدین ایوبی کیا سوچ رہا ہے؟ اسے کہنا تمہاری ایک بہن تمہاری غیرت کا ماتم کر رہی ہے۔ اُسے کہنا کہ وہ سیاہ لباس اُس روز اُتارے گی جس روز تم دمشق میں داخل ہو کر مجھے دکھا دو گے کہ تم نے ملتِ اسلامیہ کی آبرو ان عیاش اور ایمان فروشوں سے چھین لی اور اسے بچا لیا ہے، ورنہ میں اسی لباس میں مر جاؤں گی اور وصیت کر جاؤں گی کہ مجھے اسی لباس میں دفن کیا جائے، کفن نہ پہنایا جائے۔ میں روزِ قیامت اپنے خاوند اور خدا کے سامنے سفید کفن میں نہیں جانا چاہتی''۔

''میں ان جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''آیئے، حقیقت کی بات کریں۔ سلطان ایوبی آپ کی ہی طرح بے تاب اور بے چین ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ہمیں کوئی کارروائی جذبات اور اشتعال کے زیر اثر نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہم اس کوشش میں ہیں کہ خانہ جنگی نہ ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ قوم ہمارا ساتھ دے۔ فوج کے متعلق توفیق جواد مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ ہماری فوج کے خلاف نہیں لڑے گی۔ البتہ محافظ دستے مقابلہ کریں گے''۔

''قوم آپ کے ساتھ ہے''...... زنگی کی بیوہ نے کہا...... ''میں عورت ہوں۔ میدانِ جنگ میں نہیں جا سکی۔ میں ایک اور محاذ پر لڑ رہی ہوں۔ میں نے قوم کی عورتوں میں ملی جذبہ اس حد تک پیدا کر رکھا ہے کہ آپ کسی بھی وقت انہیں میدانِ جنگ میں لے جا سکتے ہیں۔ میرے انتظامات کے تحت یہاں کی تمام نوجوان لڑکیاں تیغ زنی اور تیر اندازی کی مہارت رکھتی ہیں۔ عورتوں نے اپنے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں کو شعلے بنا رکھا ہے۔ میں نے جن عورتوں کے ہاتھوں انہیں تربیت دی ہے۔ وہ میرے ہاتھ میں ہیں۔ اگر نوبت خانہ جنگی تک آ گئی تو ہر گھر کی عورتیں خلیفہ کی فوج کے خلاف مورچہ بنا لیں گی۔ اگر صلاح الدین ایوبی فوج لے کے آئے تو میرا خلیفہ بیٹا اور اس کے حاشیہ بردار اپنے آپ کو تنہا پائیں گے۔ تم جاؤ برادر علی! فوج لاؤ۔ یہاں کے حالات مجھ پر چھوڑو۔ قوم کی طرف سے تم پر ایک بھی تیر نہیں چلے گا۔ اگر تم ضرورت سمجھو کہ میرے بیٹے کو قتل کر دیا جائے تو بھول جانا کہ وہ نور الدین زنگی کا اور میرا بیٹا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے جسم کے ٹکڑے کرا دوں گی، سلطنتِ اسلامیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکوں گی''۔

توفیق جواد نے بھی علی بن سفیان کو یقین دلایا کہ خانہ جنگی نہیں ہو گی۔ اس کے بعد انہوں نے سکیم بنائی کہ سلطان ایوبی کس طرح آئے گا اور یہاں کیا ہو گا۔ یہ طے ہوا کہ سلطان ایوبی خاموشی سے آئے گا اور خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو بے خبری میں آن لے گا۔

☆

وہ صلیبی لڑکی جس نے علی بن سفیان کے ایک آدمی سے معلوم کرلیا تھا کہ یہ ایک سو آدمی صلیب کے آدمی نہیں، اُسے خیمے میں اکیلا چھوڑ کر اور اُسے یہ کہہ کر چلی گئی کہ وہ دیکھنے جارہی ہے کہ اس کے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا کہ وہ دھوکے میں آگئے ہیں۔ یہ سب مصری فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں اور ان کا کمانڈر علی بن سفیان ہے جو سراغ رسانی اور جاسوسی کا ماہر سربراہ ہے۔ اس انکشاف نے ان صلیبیوں کو چونکا دیا اور وہ سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ ان کے لیے وہاں رُکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لڑکی اُس مصری جاسوس کے پاس چلی گئی تا کہ اسے پھانسے رکھے۔ ایک صلیبی باہر نکلا اور علی بن سفیان کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ اسے نہ ملا۔ اُس وقت علی بن سفیان توفیق جواد کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ صلیبی یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ علی بن سفیان یہیں ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔ اُسے غیر حاضر دیکھ کر صلیبی نے خطرہ محسوس کیا کہ علی بن سفیان ان کی گرفتاری کا انتظام کرنے گیا ہے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو جا کر بتایا کہ وہاں سے فوراً نکلنے کی ترکیب کریں۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ یہ لوگ شہر سے ناواقف تھے۔ دن کے وقت وہ اپنی منزل ڈھونڈ سکتے تھے۔ رات کو لڑکیوں کو ساتھ ساتھ لیے پھرنا مناسب نہیں تھا۔

ایک نے مشورہ دیا کہ سرائے میں چلے چلتے ہیں۔ وہاں جا کر کہیں گے کہ ہم قاہرہ کے تاجر ہیں، باہر کھلے میدان میں سو نہیں سکتے۔ اس لیے سرائے میں رات گزارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایک آدمی کو چوری چھپے اس کام کے لیے بھیج دیا کہ سرائے تلاش کرے اور وہاں سے معلوم کرے کہ رات کے وقت چار آدمیوں اور چار عورتوں کو جگہ مل سکتی ہے یا نہیں، اگر جگہ مل جائے تو وہ یہاں سے اکیلے اکیلے نکلیں اور سرائے میں پہنچ جائیں۔ ان کے لیے سامان ایک مسئلہ تھا۔ یہ بظاہر تجارتی سامان تھا، لیکن اس میں زرد جواہرات اور تحفے تھے، جو وہ صلیبیوں کی طرف سے اُمراء کے لیے لائے تھے۔ وہ چونکہ اُمراء کے پاس جانے کے لیے آئے تھے۔ اس لیے انہیں ایسا کوئی خطرہ نہ تھا کہ پکڑے جائیں گے۔ انہوں نے بہروپ اس لیے دھار رکھا تھا کہ اُمراء کے سوا اور کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ اُمراء سے مل کر انہیں وہیں رہنا اور تخریب کاری کرنی تھی، اس لیے وہ اپنی اصلیت چھپائے رکھنا چاہتے تھے۔

ان کا بھیجا ہوا آدمی سرائے کی تلاش میں جارہا تھا۔ گلیاں اور بازار ویران تھے۔ اُسے کوئی آدمی نظر نہیں آرہا تھا۔ جس سے وہ پوچھتا کہ سرائے کہاں ہیں۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بعد اس سامنے سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ اندھیرے میں اتنا ہی پتا چلتا تھا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ وہ قریب آیا تو صلیبی نے اُس سے سرائے کے متعلق پوچھا۔ اُس نے سر اور آدھے چہرے پر چادر سی ڈال رکھی تھی۔ اُس نے صلیبی کو بتایا کہ سرائے شہر کے دوسرے سرے پر ہے۔ پھر اس سے پوچھا کہ وہ اتنی رات گئے، سرائے کیوں ڈھونڈ رہا ہے۔ ایسے وقت میں اس کے لیے سرائے کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ صلیبی نے اُسے بتایا کہ وہ آج تاجروں کے قافلے کے ساتھ آئے ہیں۔ ان کے ساتھ چار عورتیں ہیں جنہیں وہ خیموں میں نہیں رکھنا چاہتے۔

''ہاں، یہ ایک مسئلہ ہے''......اس آدمی نے کہا......''تمہیں شام سے پہلے بندوبست کر لینا چاہیئے تھا۔ آؤ، میں تمہاری کچھ مدد کرتا ہوں۔ تم پردیسی ہو۔ یہاں سے جا کر یہ نہ کہو کہ دمشق میں تمہاری مستورات کھلے میدان میں پڑی رہی تھیں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مستورات کو ساتھ لے آؤ۔ میں سرائے کھلوا کر جگہ دلوا دوں گا''۔

وہ آدمی صلیبی کے ساتھ چل پڑا اور دونوں قافلے کی خیمہ گاہ تک پہنچ گئے۔ صلیبی نے اُسے ایک جگہ روک کر کہا......''تم یہیں ٹھہرو۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں''......یہ کہہ کر وہ خیمہ گاہ کے ایک طرف سے گھوم کر کہیں غائب ہو گیا۔ صلیبیوں کے خیمے دوسری طرف اور ذرا ہٹ کر تھے۔ اس آدمی نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ ایک آدمی اس کے ساتھ آیا ہے

جو انہیں سرائے میں جگہ دلا دے گا۔ اس کے ساتھی کچھ گھبرائے۔ یہ آدمی بھی دھوکہ دے سکتا تھا، لیکن وہ ایسے جال میں پھنس گئے تھے جس سے نکلنے کے لیے انہیں کوئی نہ کوئی تو خطرہ مول لینا ہی تھا۔ مصری جاسوس جو صلیبی لڑکی کے جھانسے میں آ گیا تھا، اس نے لڑکی کو یہاں تک بتا دیا تھا کہ خلیفہ اور امراء صلیبیوں کے زیر اثر آ گئے ہیں، اس لیے علی بن سفیان بہروپ میں ایک دلڑا کا جاسوس کے ساتھ آیا ہے اور ان کا مشن یہ ہے کہ یہاں کا جائزہ لیں کہ صلیبی اثرات کہاں تک پہنچے ہیں اور کیا صلاح الدین ایوبی کے لیے جنگی کارروائی ضروری ہے یا نہیں''۔

لڑکی نے علی بن سفیان کا یہ مشن اپنے ساتھیوں کو بتا دیا تھا۔ یہ بڑی ہی کار آمد اطلاع تھی جو صلیبی جاسوس رات ہی کٹھ پتلی خلیفہ تک پہنچا کر خراجِ تحسین حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ اطلاع وہ اپنے صلیبی حکمرانوں تک بھی پہنچا چاہتے تھے تا کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا راستہ روکنے کا بندوبست کر لیں۔ ان صلیبی جاسوسوں نے یہ ارادہ بھی کیا کہ وہ علی بن سفیان اور اس کی پوری جماعت کو خلیفہ کے حکم سے گرفتار کرا دیں۔ انہوں نے اس لڑکی کو بہت ہی خراجِ تحسین پیش کیا جس نے مصری جاسوس کے سینے سے یہ راز نکلوا لیا تھا۔ یہ مصری اب لڑکی کے خیمے میں گہری نیند سویا ہوا تھا اور لڑکی خیمے میں نہیں، بلکہ اپنے ساتھیوں کے پاس تھی۔

انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ علی بن سفیان کے تمام آدمی سوئے ہوئے ہیں۔ سب اکٹھے نکل چلیں۔ سامان اور جانوروں کو یہیں رہنے دو۔ کل صبح ہوتے ہی وہ مصری جاسوسوں کو پکڑا دیں گے پھر ان کا سامان انہیں مل جائے گا۔ وہ خیمہ گاہ سے بھاگنا اس لیے چاہتے تھے کہ انہیں ڈر تھا کہ علی بن سفیان رات کو لڑکیاں غائب کر دے گا یا ان سب کو مروا دے گا یا کوئی دھوکہ دے گا۔ بہر حال رُکنا ٹھیک نہیں تھا۔ وہ سب خیمہ گاہ سے پرے پرے دبے پاؤں چل پڑے اور اُس جگہ پہنچے جہاں ان کا ایک ساتھی ایک آدمی کو کھڑا کر گیا تھا، مگر وہ آدمی وہاں نہیں تھا۔ وہ سب اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہے تھے کہ بیٹھے ہوئے اونٹوں کی اوٹ میں سے بہت سے آدمی اُٹھے اور صلیبیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ انہیں ایک طرف لے گئے اور مشعلیں جلائی گئیں۔ علی بن سفیان نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے جھوٹ بولے۔ علی بن سفیان نے پوچھا...... ''وہ آدمی کون تھا جو سرائے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا''۔

ایک صلیبی نے کہا...... ''وہ میں تھا''۔

''اور جس سے تم نے سرائے کا راستہ پوچھا تھا''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''وہ میں تھا''۔

یہ محض اتفاق تھا اور اللہ کا کرم کہ علی بن سفیان توفیق جواد کے گھر سے واپس آ رہا تھا۔ یہ صلیبی سرائے کی تلاش میں جا رہا تھا۔ اُس نے علی بن سفیان سے ہی سرائے کا راستہ پوچھا۔ اگر روشنی ہوتی، تو صلیبی اسے پہچان لیتا۔ ایک تو اندھیرا تھا، دوسرے علی بن سفیان نے سر پر رومال یا چادر ڈال رکھی تھی۔ صلیبی کی ایک ہی بات سن کر وہ جان گیا کہ انہیں کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ وہ دھوکے میں آ گئے ہیں۔ لہٰذا اب بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ یہ صلیبی بے شک جاسوس ہیں، لیکن انہیں یہاں اُمراء میں سے کوئی نہ کوئی پناہ میں لے لے گا۔ چنانچہ اس نے صلیبی کو خوش اخلاقی کا جھانسہ دے کر پھانس لیا اور اس کے ساتھ خیمہ گاہ تک چلا گیا۔ وہ سوچتا رہا کہ اب اُسے کیا کارروائی کرنی چاہیے۔ صلیبی نے اس پر یہ کرم کیا کہ اسے اپنے خیموں سے دور کھڑا کر گیا۔

علی بن سفان نے فوراً اپنے دو تین آدمیوں کو جگا لیا اور نہایت عجلت سے انہیں بتایا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ہدایات دے کر وہ خود صلیبیوں کے خیموں تک گیا۔ وہ سب لڑکیوں سمیت ایک خیمے میں جمع ہو گئے تھے۔ علی بن سفیان نے

دبے پاؤں قریب جا کر ان کی باتیں سنیں۔ وہ صرف یہ جان سکا کہ صلیبی جاسوسوں کو اس کا مشن معلوم ہو گیا ہے، لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ راز فاش کس طرح ہوا ہے۔ اتنی دیر میں اس کے بہت سے آدمی اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق برچھیوں سے مسلح ہو کر اونٹوں کی اوٹ میں جا کر بیٹھ چکے تھے۔ صلیبیوں کو وہیں آنا تھا۔ وہ جوں ہی وہاں پہنچے، علی بن سفیان بھی آ گیا اور سب کو گھیر کر پکڑ لیا گیا۔

''دوستو!''...... علی بن سفیان نے انہیں کہا...... ''تمہاری جاسوسی بہت کمزور ہے۔ تمہیں ابھی بہت سی تربیت کی ضرورت ہے۔ کیا جاسوس اس طرح سنسان گلیوں میں پھرا کرتے ہیں؟ اور کیا جاسوس کسی اجنبی کو پہچانے بغیر بات کیا کرتے ہیں؟ یہ فن مجھ سے سیکھو''۔

''اگر آپ یہ فن اپنے آدمیوں کو سکھا دیں تو زیادہ بہتر ہو گا''...... ایک صلیبی نے کہا...... ''کیا آپ ہماری اس مہارت کی تعریف نہیں کریں گے کہ ہم نے آپ کے ایک آدمی سے آپ کی اصلیت معلوم کر لی ہے؟ یہ تو قسمت کا کھیل ہے۔ آپ جیت گئے ہم ہار گئے۔ اگر ہمارا قائد مارا نہ جاتا تو ہم یوں بھٹک نہ جاتے''۔

''مجھے وہ آدمی بتاؤ گے جس نے راز فاش کیا ہے؟''...... علی بن سفیان نے پوچھا۔

''اُس خیمے میں سویا ہوا ہے''...... ایک لڑکی نے ایک خیمے کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا...... ''وہ میرے دھوکے میں آ گیا تھا''۔

''یہ باتیں اب قاہرہ میں چل کر ہوں گی''...... علی بن سفیان نے کہا۔

''صبح طلوع ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ تاجروں کا قافلہ جا رہا تھا۔ اونٹوں پر جہاں تجارتی سامان لدا ہوا تھا، وہاں خیمے بھی لدے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان اور اس کے ایک سو آدمیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا کہ لپٹے ہوئے خیموں میں چار لڑکیاں اور چار آدمی لپٹے ہوئے ہیں۔ علی بن سفیان نے روانگی سے کچھ دیر پہلے سحر کی تاریکی میں ایک ایک صلیبی کو ایک ایک خیمے میں لپیٹ کر اونٹوں پر لاد کر باندھ دیا تھا۔ اُسے کوئی فکر نہیں تھی کہ وہ دم گھٹنے سے مر جائیں گے یا زندہ رہیں گے۔ قافلہ دمشق سے نکل گیا اور جب شہر اتنی دُور پیچھے رہ گیا کہ نظر بھی نہیں آتا تھا، اُس نے صلیبیوں کو خیموں سے نکالا۔ سب زندہ تھے۔ لڑکیوں کو اونٹوں پر اور مردوں کو گھوڑوں پر سوار کر لیا گیا۔ صلیبیوں نے رہائی کے لیے وہ تمام زر و جواہرات اور سونے کے ٹکڑے پیش کیے جو وہ خلیفہ اور اُمراء کے لیے لائے تھے۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''یہ ساری دولت تو میرے ساتھ ہی جا رہی ہے''۔

☆

اُس وقت ریمانڈ نام کا ایک صلیبی تریپولی کا حکمران تھا۔ یہ وہی علاقہ ہے جو آج لبنان کہلاتا ہے۔ دوسرے صلیبی حکمران یروشلم اور گرد و نواح میں تھے۔ نورالدین زنگی کی وفات پر وہ سب بہت خوش تھے۔ وہ ایک کانفرنس کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے منصوبوں پر نظر ثانی کر لی تھی اس کے مطابق فرنگیوں کا ایک کمانڈر سیر زا اپنی فوج حلب تک لے گیا۔ حلب کا امیر شمس الدین تھا۔ سیریز نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ حلب اس کے حوالے کر دے یا صلح نامے پر دستخط کر کے تاوان ادا کرے۔ شمس الدین نے اس ڈر سے صلیبیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے کہ دمشق اور موصل کے اُمراء اسے جنگ میں اُلجھا ہوا دیکھ کر اس کی مملکت پر قبضہ کر لیں گے۔ اس ایک ہی کامیابی سے صلیبی دلیر ہو گئے۔ وہ جان گئے کہ یہ مسلمان اُمراء ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے دشمن ہیں، چنانچہ انہوں نے جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ انہیں خطرہ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی سے تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے کردار سے آگاہ تھے۔

انہیں ڈر یہ تھا کہ سلطان ایوبی دمشق یا ان علاقوں میں کہیں بھی آ گیا تو وہ تمام اُمراء کو متحدہ کر لے گا۔ چنانچہ وہ اُمراء کو بہت جلدی اپنے اتحادی بنا لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ ریمانڈ نے خلیفہ الملک الصالح کو ایک ایلچی کے ذریعے تحائف کے ساتھ یہ پیش کش بھی بھیج دی تھی کہ وہ اسے ضرورت کے وقت فوجی مدد دے گا۔

اسلام کی بقا اور آبرو کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی۔ اس کا دارومدار سلطان صلاح الدین ایوبی کے اقدام پر تھا۔ ایک ساعت جو گزر جاتی تھی، اسلام کو تباہی کے قریب لے جاتی تھی۔ سلطان ایوبی قاہرہ میں علی بن سفیان کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے علی بن سفیان کی رپورٹ کے مطابق کچھ فیصلہ کرنا تھا۔ وہ بغداد، دمشق اور یمن وغیرہ پر فوج کشی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ مصر کے اندرونی حالات ٹھیک نہیں تھے اور فوج کم تھی۔ وہ عسر سے زیادہ سے زیادہ نہیں، بلکہ کم سے کم فوج اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا اور یہی ایک خطرہ تھا، جو اُسے پریشان کر رہا تھا کہ اتنی کم فوج سے وہ کیا کامیابی حاصل کر سکے گا۔ اس کے باوجود اُس نے فوج کشی کے سوا دوسرا کوئی اقدام سوچا ہی نہیں۔ وہ دن میں ایک دوبار اپنے مکان کی چھت پر جا کر اُس سمت دیکھا کرتا تھا جس سمت سے علی بن سفیان کو آنا تھا۔ وہ اُفق پر نظریں گاڑ دیتا تھا۔

ایک روز اُسے اُفق پر گرد کے بادل نظر آئے جو زمین سے اُٹھے اور اوپر ہی اوپر اُٹھتے اور پھیلتے گئے۔ سلطان ایوبی اوپر ہی کھڑا رہا۔ گرد کا بادل آگے ہی آگے آتا گیا، پھیلتا گیا...... اور پھر اس میں سے گھوڑوں اور اونٹوں کے ہیولے نظر آنے لگے۔ وہ علی بن سفیان کا قافلہ تھا۔ اُس نے راستے میں بہت تھوڑے پڑاؤ کیے تھے۔ اُسے جب قاہرہ کے مینار نظر آنے لگے تو اُس نے اونٹ اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُسے احساس تھا کہ گذرتے ہوئے لمحوں کی قیمت کیا ہے اور اُس کے انتظار میں سلطان صلاح الدین ایوبی رات کو سوتا بھی نہیں ہوگا۔

پھر وہ لمحہ آ گیا جب گرد سے اٹا ہوا علی بن سفیان سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے نہانے دھونے کی مہلت نہ دی۔ وہ خبریں سننے کے لیے بے تاب تھا۔ اُس کے لیے کھانا وغیرہ وہیں لانے کا حکم دے کر اُسے دفتر میں لے گیا۔ علی بن سفیان نے اُسے تفصیلی رپورٹ دی۔ نور الدین زنگی کی بیوہ کا پیغام، اُس کے جذبات اور تاثرات سنائے۔ سالار توفیق جواد سے جو بات چیت ہوئی تھی وہ سنائی اور آخر میں بتایا کہ وہ دمشق سے ایک تحفہ لایا ہے۔ یہ تحفہ چار صلیبی جاسوس مرد اور چار لڑکیاں تھیں۔ اُس نے سلطان ایوبی سے کہا...... ''میں شام سے پہلے پہلے کچھ قیمتی معلومات ان لوگوں سے حاصل کر لوں گا''۔

''تو اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں فوجی طاقت استعمال کرنی پڑے گی''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

''کرنی پڑے گی اور ہم ضرور کریں گے''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ خانہ جنگی نہیں ہوگی''۔

سلطان ایوبی نے اپنے دو ایسے فوجی مشیروں کو بلایا جن پر اُسے کلی طور پر اعتماد تھا۔ وہ آئے تو اُس نے انہیں کہا...... ''میں تم سے اب جو بھی بات کروں، وہ اپنے سینے میں اُتار لینا۔ تم دونوں کے علاوہ علی بن سفیان تیسرا آدمی ہوگا جو اِس راز سے واقف ہوگا''...... اُس نے انہیں دمشق اور دیگر تمام اسلامی ریاستوں اور جاگیروں کے احوال و کوائف سنائے۔ علی بن سفیان کی لائی ہوئی رپورٹ سنائی اور کہا...... ''اللہ کی فوج اللہ کے حکم کی تعمیل کیا کرتی ہے۔ امیر اور خلیفہ کی اطاعت ہم پر فرض ہے، لیکن امیر اور خلیفہ ہی اللہ کے عظیم مذہب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کے دشمن ہو جائیں تو اللہ کے سپاہی پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُمتِ رسول اللہ کی ناموس کو بچائیں۔ اگر میرا وجود ملک و ملت کے لیے خطرے اور بدنامی کا باعث بنے تو تمہارا فرض ہے کہ میرا سر میرے دھڑ سے

جدا کر دو یا مجھے بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں پھینک دو اور ملک میں احکام خداوندی نافذ کرو۔ آج یہی فرض ہم پر عائد ہو گیا ہے۔ ہمارا خلیفہ قومی غیرت اور وقار سے دستبردار ہو کر اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ اُن سے مدد مانگ رہا ہے، اُن کے جاسوسوں کو پناہ دے رہا ہے، اُس کے حاشیہ بردار عیش و عشرت میں ڈوب گئے ہیں۔ سلطنتِ اسلامیہ کے حصے بخرے کر رہے ہیں۔ شمس الدین والی حلب نے صلیبیوں کے آگے ہتھیار ڈال کر تاوان ادا کیا اور صلح کر لی ہے اور صلیبی عالم اسلام پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں تو کیا ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہو گیا کہ ہم فوجی طاقت سے خلیفہ کو اس مقدس گدی سے اُٹھائیں اور اسلام کی آبرو بچائیں؟''

''بالکل فرض ہو گیا ہے''۔ دونوں مشیروں نے بیک زبان کہا۔

''اب ہمارا اقدام جو کچھ بھی ہو گا، وہ ہم چاروں کے درمیان راز ہو گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا اور اُن کے ساتھ اپنے سوچے ہوئے اقدام کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

صلیبی جاسوسوں اور لڑکیوں کو علی بن سفیان اپنے مخصوص تہہ خانے میں لے گیا اور انہیں کہا..... ''تم ایسے جہنم میں داخل ہو گئے ہو جہاں تم زندہ بھی نہیں رہو گے اور مرو گے بھی نہیں۔ اپنے جسموں کو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر جو باتیں تم میرے سامنے اُگلو گے وہ اسی صحت مندی کی حالت بتا دو اور اس جہنم سے رہائی حاصل کرو۔ میں تمہیں سوچنے کا موقعہ دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آؤں گا''۔

وہ جب انہیں بیڑیاں ڈالنے کا حکم دے رہا تھا تو ایک صلیبی نے کہا..... ''ہم ساری باتیں بتا دیں گے۔ ہمیں سزا دینے سے پہلے یہ درخواست سن لیں کہ ہم تنخواہ پر کام کرنے والے ملازم ہیں۔ سزا حکم دینے والوں کو ملنی چاہیے۔ ہم جو مرد ہیں، سختیاں برداشت کر لیں گے، ہم ان لڑکیوں کو اذیت سے بچانا چاہتے ہیں''۔

''انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا''۔ علی بن سفیان نے کہا..... ''تم میرا کام آسان کر دو گے تو لڑکیاں تمہارے ساتھ رہیں گے۔ اس تہہ خانے سے تم سب کو نکال لیا جائے گا اور باعزت نظر بندی میں رکھا جائے گا''۔

انہوں نے جو انکشاف کیے ان سے اُن تمام حالات کی تصدیق ہو گئی جو نور الدین زنگی کی وفات کے بعد پیدا ہو گئے تھے۔

☆

تین روز بعد......

مصر کی سرحد سے بہت دُور، شمال مشرق کی سمت مٹی کے اونچے نیچے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا وسیع خطہ تھا جس میں کہیں کہیں سبزہ بھی تھا اور پانی بھی۔ یہ خطہ قافلوں اور فوجوں کے عام راستوں سے ہٹ کر تھا۔ اس کے اندر ایک جگہ بے شمار گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا پرے سوار سوئے ہوئے تھے اور ان سے الگ ہٹ کر چھوٹا سا ایک خیمہ لگا ہوا تھا جس کے اندر ایک آدمی سویا ہوا تھا۔ تین چار آدمی ٹیلوں کے اوپر ٹہل رہے تھے اور تین چار آدمی اس خطے کے باہر بکھر کر گھوم پھر رہے تھے..... خیمے میں سویا ہوا آدمی سلطان صلاح الدین ایوبی تھا۔ ٹیلوں پر اور ٹیلوں کے باہر گھومنے پھرنے والے آدمی سنتری تھے اور جو سوار سوئے ہوئے تھے، وہ سلطان ایوبی کے سوار تھے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔

صلاح الدین نے بڑی گہری سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کم سے کم فوج اپنے ساتھ لے کر دمشق جائے گا۔ اگر اس کا استقبال ایک سلطان کی حیثیت سے ہوا تو زبانی بات چیت کرے گا اور اگر مزاحمت ہوئی تو وہ اسی نفری

سے مقابلہ کرے گا۔ علی بن سفیان نے اُسے یقین دلایا تھا کہ خلیفہ اور اُمراء کے محافظ دستوں نے مزاحمت کی تو سالار توفیق جواد اپنی فوج سلطان ایوبی کے حوالے کردے گا۔ زنگی کی بیوہ نے یقین دلایا تھا کہ شہر کے لوگ سلطان ایوبی کا استقبال کریں گے، لیکن سلطان ایوبی نے اپنے آپ کو خوش فہمیوں میں کبھی مبتلا نہیں ہونے دیا تھا۔ اُس نے یہ فرض کر کے فیصلہ کیا تھا کہ وہ سات سو سواروں کے ساتھ جہاں جا رہا ہے، وہاں کا ہر ایک سپاہی اور بچہ بچہ اُس کا دشمن ہے۔ اُس نے اپنے رسالے (گھوڑ سوار دستوں) میں سے وہ سات سو سوار منتخب کیے تھے جو بہت سے معرکے لڑ چکے تھے، ان میں چھاپہ مار سوار بھی تھے جو دشمن کے عقب میں معرکے لڑنے کا تجربہ رکھتے تھے۔ جنگی مہارت کے علاوہ یہ سوار جذبے کے جنونی تھے جن کی آنکھیں صلیب کا نام سن کر لال سرخ ہو جایا کرتی تھیں۔ آج کی فوجی زبان میں یہ "کریک ٹروپس" تھے۔

قاہرہ سے ان سواروں کو سلطان ایوبی نے رات کے وقت خفیہ طریقے سے نکالا تھا۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے نکلے تھے اور قاہرہ سے بہت دُور ایک پہلے سے بتائی ہوئی جگہ اکٹھے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی بھی خفیہ طریقے سے قاہرہ سے نکلا تھا۔ صرف علی بن سفیان اور دو خصوصی فوجی مشیروں کو اس کا علم تھا۔ سلطان ایوبی کا محافظ دستہ بدستور قاہرہ میں اُس کے گھر اور ہیڈ کوارٹر میں مستعد رہتا تھا۔ اس سے یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ سلطان ایوبی یہیں ہے۔

تمام یورپی اور مسلمان مورخین اس پر متفق ہیں کہ سلطان ایوبی نے سات سو سوار منتخب کیے۔ خفیہ طریقے سے شہر سے نکلا اور دمشق کو روانہ ہوا۔ قاہرہ اور گردونواح میں صلیبی جاسوس موجود تھے۔ ان میں مصری مسلمان بھی تھے جن میں کچھ سرکاری ملازمت میں بھی تھے، مگر کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ قاہرہ سے سلطان ایوبی اور سات سو سوار غائب ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی دمشق میں داخل ہونے تک اپنی نقل و حرکت کو راز میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ رات کو سفر کرتا اور دن کو کہیں چھپ جاتا تھا۔ سات سو گھوڑوں اور سواروں کو چھپانا ممکن نہیں تھا لیکن سلطان ایوبی ریگزار کا بھیدی تھا۔ ایسے راستے سے جا رہا تھا، جدھر سے کوئی قافلہ نہیں جایا کرتا تھا اور وہ چھپنے کی جگہ ڈھونڈ لیا تھا۔ دو یورپی مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس خفیہ سفر کے دوران وہ سواروں کے ساتھ عام سپاہیوں کی طرح گھلا ملا، گپ شپ لگاتا اور باتوں باتوں میں انہیں آگ کے بگولے بناتا رہا۔ اس کے ساتھ انہیں سمجھاتا رہا کہ آگے حالات کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں۔ اُس نے سواروں کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کیا، کوئی جھوٹی اُمید نہیں دلائی، انہیں خطروں سے آگاہ کرتا رہا۔ سلطان ایوبی کی شخصیت اور کردار میں جو جلال تھا، وہ ہر ایک سوار کی رُوح میں اُتر گیا اور سوار اُڑ کر دمشق پہنچنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔

مورخوں میں البتہ یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ ۱۱۷۴ء کا کون سا مہینہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جولائی کا مہینہ تھا، بعض نے نومبر لکھا ہے۔ بہرحال یہ واقعہ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد کا ہے۔ اگر وقائع نگاروں کی تحریروں میں چھوٹے چھوٹے واقعات غور سے پڑھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی ستمبر کے ابتدائی دنوں میں دمشق کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اُس نے مصر کی ہائی کمانڈ خفیہ طور پر اپنے دو مشیروں کے سپرد کر دی تھی۔ سوڈان کی طرف کی سرحد پر مورچہ بندی اور دفاعی انتظامات مزید مضبوط کر دیئے تھے۔ شمال کی طرف بحریہ کو حکم دیا گیا تھا کہ ہر وقت، دن رات، سمندر میں دُور دُور تک کشتیاں گشت کرتی رہیں اور جنگی جہاز بحری سپاہیوں کے ساتھ ہر لحہ تیاری کی حالت میں رہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے جانشینوں سے کہہ دیا تھا کہ کسی بھی طرف سے حملہ آئے تو وہ اُس کے حکم کا انتظار نہ کریں۔ اُس نے یہ بھی حکم دے دیا تھا کہ سرحد پر دشمن ذرا سی بھی گڑ بڑ کرے تو شدید قسم کی جوابی کارروائی کرو۔ ہر وقت جارحیت کے لیے تیار رہو۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو سوڈان کے اندر جا کر مصر کا دفاع کرو"۔

سلطان ایوبی مصر کو اپنی فوج اور خدا کے حوالے کر کے چوری چھپے سات سو سواروں کے ساتھ دمشق جا رہا تھا۔

☆

دمشق کے قلعے پر سنتری گھوم پھر رہے تھے۔ انہیں دُور اُفق پر گرد کے گھنے بادل اُٹھتے نظر آئے جو دمشق کی طرف آرہے تھے۔ وہ کچھ دیر دیکھتے رہے۔ شاید تاجروں اور مسافروں کا کوئی بڑا قافلہ ہوگا، مگر اونٹ اتنی گرد نہیں اُڑاتے۔ یہ گھوڑے معلوم ہوتے تھے..... گرد بہت قریب آ گئی تو اس میں ذرا ذرا گھوڑے نظر آنے لگے اور پھر اوپر اُٹھی ہوئی برچھیوں کی انیاں نظر آنے لگیں۔ ہر برچھی کے ساتھ کپڑے کی لمبوتری جھنڈی تھی۔ یہ بلا شک وشبہ کوئی فوج تھی اور یہ فوج خلیفہ کی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک سنتری نے نقارہ بجا دیا۔ قلعے کی دوسری دیواروں پر بھی نقارے بج اُٹھے۔ قلعے میں جو فوج تھی وہ تیاری کی پوزیشنوں میں آ گئی۔ دیواروں کے اوپر تیر اندازوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے۔ قلعے کا کمانڈر بھی اوپر آ گیا۔ گرد اُڑاتے ہوئے سوار قلعے کے قریب آ گئے اور حملے کی ترتیب میں آ کر رُک گئے۔ قلعہ کے کمانڈر نے سواروں کے کمانڈر کا جھنڈا دیکھا تو وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کا جھنڈا تھا۔ قلعہ دار کو سرکاری طور پر بتایا جا چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس طرف آئے تو اسے بلا روک ٹوک شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

''آپ کس ارادے سے آئے ہیں؟'' قلعہ دار نے پوچھا..... ''اگر خلیفہ سے ملنا ہے تو اپنے سوار دُور پیچھے لے جائیں اور اکیلے آگے آئیں''۔

''خلیفہ سے کہہ دو کہ صلاح الدین ایوبی باہر بلا رہا ہے''۔ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے کہا..... ''اور تم سن لو۔ میرے سوار پیچھے نہیں جائیں گے، شہر میں جائیں گے۔ خلیفہ کو اطلاع دو کہ وہ باہر نہ آیا تو بہت سے مسلمانوں کا خون اُس کی گردن پر ہوگا''۔

''صلاح الدین بن نجم الدین ایوب!'' قلعے کے کمان دار نے کہا..... ''میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہارا ایک بھی سوار زندہ واپس نہیں جائے گا۔ میں خلیفہ کے حکم کا پابند ہوں۔ تمہارے لیے شہر کا کوئی دروازہ نہیں کھلے گا''۔

قلعے کے باہر جو سپاہی پہرے پر تھے، انہوں نے خلیفہ کی طرف ایک سپاہی دوڑا دیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی ڈیوٹی تھی کہ خلیفہ کو خطرے سے آگاہ کر دیں تا کہ فوج کو تیاری کا حکم دیا جائے۔ اِدھر سلطان ایوبی نے اپنے سواروں کو کچھ حکم دیا۔ سواروں نے بجلی کی تیزی سے حرکت کی، وہ اور زیادہ پھیل گئے۔ سواروں نے کمانیں نکال لیں، اور ان میں تیر ڈال لیے۔ اُدھر دمشق شہر کا بڑا دروازہ بند کر دیا گیا اور شہر کی فصیل پر بھی تیر انداز تیار ہو گئے۔

قلعہ دار یعنی قلعے کا کمانڈر غالباً خلیفہ کے حکم کا یا شاید اندر سے آنے والی فوج کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ مقابلے کے لیے وہ تیار تھا۔ خلیفہ کو باہر کی صورتِ حال کی اطلاع مل گئی۔ وہ بچہ تھا۔ ایک بار تو جوش میں آ گیا، پھر گھبرا گیا۔ اس کے مشیروں نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اس سے حکم دلوایا کہ فوج باہر نکل کر سلطان ایوبی کو گھیرے میں لے لے اور ہتھیار ڈلوا کر سلطان ایوبی کو گرفتار کر لے۔ اس اثنا میں شہر کے لوگوں کو بھی پتا چل گیا کہ سلطان ایوبی فوج لے کر آیا ہے۔ نورالدین زنگی کی بیوہ حرکت میں آ گئی۔ اُس نے عورتوں کی جو زمین دوز جماعت بنا رکھی تھی، وہ بھی سرگرم ہو گئی۔ گھر گھر اطلاع پہنچ گئی کہ سلطان ایوبی آیا ہے۔ عورتیں باہر نکل آئیں اور ''خوش آمدید صلاح الدین ایوبی'' کے نعرے لگنے لگیں۔ بعض نے پھول بھی اکٹھے کر لیے۔ مرد بھی نکل آئے۔ نعروں سے دمشق گونجنے لگا۔ خلیفہ کے حاشیہ برداروں کو عوام کا یہ رویہ پسند نہ آیا، مگر شہریوں کا سیلاب شہر کے دروازے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ شہر کی فصیل پر بھی چڑھ گئے تھے اور

سلطان ایوبی کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

خلیفہ اور اُس کے حواریوں کو سب سے بڑی چوٹ یہ پڑی کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ فوج نے سلطان ایوبی کے مقابلے میں آنے سے انکار کر دیا ہے۔ سپاہیوں تک تو حکم ہی نہیں پہنچا تھا۔ انکار کرنے والے سالار اور دیگر کمانڈر تھے۔ کمانڈروں میں کچھ ایسے تھے جو اُمراء کے پروردہ تھے۔ وہ اپنے دستوں کو تیاری کا حکم دینے لگے تو خلیفہ کے مخالف کمانڈروں نے انہیں خبردار کر دیا کہ انہوں نے سلطان ایوبی کے خلاف ہتھیار اُٹھائے تو انہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر شہر میں گھسیٹا جائے گا۔ تین چار کمانڈروں نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکال لیں۔ معاملہ خون خرابے تک پہنچنے والا تھا کہ زنگی کی بیوہ آن پہنچی۔ یہ عورت پاگلوں کی طرح بھاگ دوڑ رہی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ گھوڑا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ وہ دیکھنے آئی تھی کہ فوج کیا کر رہی ہے۔ کہیں خانہ جنگی کی صورت تو پیدا نہیں ہوگئی؟ اس نے یہ منظر دیکھا کہ تین چار کمانڈر تلواریں نکالے ایک دوسرے کو للکار رہے تھے اور دوسرے بیچ بچاؤ کر رہے تھے۔ ان میں توفیق جواد بھی تھا۔ زنگی کی بیوہ کو دیکھتے ہی وہ دوڑ کر اُس تک گیا اور کہا..... ''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں''

''یہاں کیا ہو رہا ہے؟'' اس عظیم مجاہدہ نے پوچھا..... ''کیا فوج صلاح الدین ایوبی کے استقبال کے لیے جا رہی ہے یا مقابلے کے لیے؟''

''فوج نہیں جا رہی'' ۔ توفیق جواد نے جواب دیا..... ''ہم نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ یہ لوگ آپس میں لڑنا چاہتے ہیں۔ ان میں دو خلیفہ کے وفادار ہیں''۔

زنگی کی بیوہ گھوڑے سے کود کر اُتری اور ان کمانڈروں کے درمیان آ گئی جو ایک دوسرے کو للکار رہے تھے۔ اس عورت نے اپنا سر ننگا کر دیا اور اُن سے چلا کر کہا..... ''بے غیرتو! پہلے اس سر کو تن سے جُدا کرو۔ اپنی ماں کا سر اس مٹی میں پھینکو، پھر کافروں کی حمایت میں لڑنا۔ تم اُن بیٹیوں کو بھول گئے ہو جنہیں کافر اُٹھا کر لے گئے تھے۔ تم اپنی ان بچیوں کو بھول گئے ہو جو کافروں کی درندگی سے مر چکی ہیں۔ تم کس کی حمایت میں ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکالے ہوئے ہو؟ میرے بیٹے کے وفادار کافر ہیں۔ آؤ پہلے میری گردن اُڑاؤ پھر ایوبی کے مقابلے میں جانا''۔

زنگی کی بیوہ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ منہ سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ کمانڈروں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور سر جھکا کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔

''کیا فوج نے حکم عدولی کی ہے؟'' یہ خلیفہ کے ایک مشیر کی گھبرائی ہوئی آواز تھی جس نے خلیفہ کے دربار میں سناٹا طاری کر دیا۔

''محافظوں کے دستے باہر نکالو'' ۔ ایک امیر نے غصے سے کہا۔ ''جم کر مقابلہ کرو''۔

تھوڑی ہی دیر بعد محافظوں کے دستے تیار ہو گئے۔ اُس وقت شہریوں کا ہجوم اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ عورتیں چلا رہی تھیں..... ''دروازے کھول دو۔ ہماری عصمتوں کا پاسبان آیا ہے۔'' مرد نعرے لگا رہے تھے۔ محافظ دستوں کو آگے بڑھنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اُس وقت خلافت کا قاضی، کمال الدین سامنے آ گیا۔ وہ خلیفہ کے دربار میں گیا۔ قاضی کی حیثیت سب سے اونچی اور قابلِ احترام سمجھی جاتی تھی۔ اُس نے خلیفہ سے کہا کہ اگر اس نے صلاح الدین ایوبی کے مقابلے کے لیے اپنی فوج بھیجی تو شہری اس فوج پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس سے زیادہ تر نقصان شہریوں کا ہوگا۔ خانہ جنگی ہوگی۔ اپنے ہاتھوں اپنے بچوں اور عورتوں کو مروانے کے علاوہ سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ صلیبی فوج جو یہاں سے دُور نہیں

مزاحمت کے بغیر اندر آجائے گی۔ پھر آپ رہیں گے نہ آپ کی خلافت۔ اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ بھائی بھائی کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ ذرا باہر آکر لوگوں کی بے تابیاں دیکھیں۔ کیا آپ اس طوفان کو روک لیں گے؟''

''شہر کی چابی میرے حوالے کر دیں''۔ قاضی کمال الدین نے کہا۔

چابی قاضی کے حوالے کر دی گئی۔ اُس نے اپنے ہاتھوں شہر کا دروازہ کھولا۔ شہریوں کا ہجوم رُکے ہوئے سیلاب کی طرح باہر نکلا۔ قاضی کمال الدین نے چابی سلطان ایوبی کے حوالے کی۔ سلطان ایوبی نے دوزانو ہو کر قاضی کے ہاتھ چومے اور اُس کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور جب نور الدین زنگی کی بیوہ سامنے آئی تو سلطان ایوبی کی سسکیاں نکل گئیں۔ زنگی کی بیوہ اُس سے لپٹ گئی اور بچوں کی طرح بلبلانے لگی۔ اس کی ہچکیاں تھم نہیں رہی تھیں۔ سلطان ایوبی کے سواروں پر عورتوں نے پھول پھینکے، بلائیں لیں اور انہیں جلوس میں اندر لے گئیں۔

قلعے کی چابی بھی سلطان ایوبی کے حوالے کر دی گئی۔ وہ سب سے پہلے اپنے گھر گیا۔ وہ دمشق کا رہنے والا تھا۔ بڑے جذباتی انداز سے اُس پرانے سے مکان میں داخل ہوا، جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔

☆

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اُس نے فوج کے چھوٹے بڑے کمانڈروں کو اپنے مکان میں بلا لیا۔ اُن کے ساتھ باتیں کر کے معلوم کیا کہ اُن پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ فوج کی حالت اور کیفیت پوچھی اور اپنے حکام جاری کیے۔ اسی دوران اسے اطلاع ملی کہ خلیفہ اپنے وفادار مشیروں، وزیروں اور امیروں کے ساتھ لاپتہ ہو گیا ہے۔ فوج کے دو تین اعلیٰ احکام بھی اس کے ساتھ فرار ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوراً اُٹھا اور فرار ہونے والوں کے گھروں پر چھاپے مروائے۔ یہ گھر دراصل محل تھے۔ بھاگنے والے اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔ ان کا مال و دولت پیچھے رہ گیا تھا۔ حرم کی عورتیں، رقاصائیں اور عیش و عشرت کا سارا سامان پیچھے رہ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس تمام دولت پر قبضہ کر کے اس میں سے کچھ بیت المال میں دے دیا اور زیادہ تر غریبوں اور اپاہجوں میں تقسیم کر دیا۔

اُس نے خلیفہ اور مفرور اُمراء وغیرہ کے تعاقب کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اُس نے مصر اور شام کی وحدت یعنی ایک سلطنت کا اعلان کر دیا اور اپنے بھائی تقی الدین کو دمشق کا امیر (گورنر) مقرر کر دیا۔ دوسرے حصوں کے نئے گورنر مقرر کیے اور اس سلطنت کے استحکام اور دفاع کے انتظامات میں مصروف ہو گیا، مگر اُس کی انٹیلی جنس کی رپورٹیں اُسے بتا رہی تھیں کہ اُس کے اُمراء، جو الملک الصالح کے وفادار تھے، اُسے چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ یورپی ممالک سے آئی ہوئی اطلاعات سے پتا چلا کہ صلیبی بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں جس سے وہ عالم اسلام پر فیصلہ کن حملہ کریں گے۔ اُس کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اُس کے اپنے اُمراء اُسے شکست دینے کے لیے صلیبیوں کے راہ دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے ان باغیوں کو ٹھکانے لگائے۔ یہ معمولی سی مہم نہیں تھی۔ دمشق کی فوج کی اہلیت سے وہ واقف نہ تھا۔ اس نے فوری طور پر اس فوج کی ٹریننگ شروع کر دی۔ اسے جہاں لڑنا تھا، وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ موسم سرما میں ان پہاڑوں پر برف بھی پڑتی تھی اور موسم سرما آرہا تھا۔

قاہرہ اور دمشق میں اُسے ایک فرق نمایاں طور پر نظر آرہا تھا۔ قاہرہ میں صلیبی اور سوڈانی جاسوسوں اور تخریب کاروں کے کئی خفیہ اڈے تھے اور وہاں کے لوگوں پر سلطان ایوبی کو پوری طرح بھروسہ نہیں تھا۔ دمشق میں صلیبی تخریب کار موجود تھے لیکن یہاں قوم کا بچہ بچہ اُس کے ساتھ تھا، بلکہ اُس کے اشارے پر آگ میں کود جانے کو تیار تھا۔ اس لیے یہاں

کے لوگوں کے متعلق یہ خطرہ بہت کم تھا کہ وہ دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کے آلہ کار بن جائیں گے۔ دمشق اور شام کے لوگوں نے نورالدین زنگی کے زمانے میں پُروقار زندگی گزاری تھی۔ اُس کی وفات کے فوراً بعد ان کا ذاتی وقار ختم ہو گیا تھا۔ نئے حکمرانوں نے انہیں رعایا بنا لیا تھا۔ امیر وزیر عیش وعشرت اور ذاتی سیاست بازیوں میں مصروف ہو گئے اور انتظامیہ کے حاکم لوگوں کے لیے وبالِ جان بن گئے تھے۔ قانون کا احترام ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ قحبہ خانے اور شراب خانے بھی کھل گئے تھے۔ چار پانچ مہینوں میں لوگوں کا جینا حرام ہو گیا تھا۔ اناج تک کی کمی ہو گئی تھی۔ لوگوں کو پتا چلا کہ اناج باہر جا رہا ہے۔ اُمراء اور وزراء نے اناج درپردہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور درپردہ باہر کہیں بھیج دیتے تھے۔ بازاروں میں ہر چیز کے بھاؤ چڑھ گئے اور لوگ تنگدستی محسوس کرنے لگے تھے۔

وہاں کے لوگ تنگدستی اور فاقہ کشی تک برداشت کرنے کو تیار تھے، لیکن وہ قومی سطح سے گرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ صلیبیوں کے ساتھ دوستی کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اُن کے حکمران انہیں دشمن کی جھولی میں ڈال رہے ہیں۔ نورالدین زنگی کے دورِ حکومت میں جھونپڑیوں اور پھٹے پُرانے خیموں میں رہنے والوں کو بھی معلوم ہوتا تھا کہ سرکاری سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ جنگ کی صورت میں وہ میدانِ جنگ کی صورتِ حال سے آگاہ ہوتے تھے۔ زنگی کے مرتے ہی لوگوں کو اچھوت قرار دے دیا گیا تھا۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ حکومت کے اُمور کے متعلق کسی کو استفسار کی جرأت نہیں ہونی چاہیے۔ دو مسجدوں کے اماموں کو صرف اس لیے مسجدوں سے نکال دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو غیرت اور حریت کا وعظ سنا رہے تھے۔ خلیفہ کے محل اور دیگر سرکاری عمارتوں کے قریب آنا عوام کے لیے جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ وہی لوگ جو نورالدین زنگی کو بھی راستے میں روک لیا کرتے اور محاذوں کی خبریں سنا کرتے تھے، اب معمولی سے سرکاری اہل کار کو بھی دیکھ کر ہٹ جایا کرتے تھے۔

لوگ گھٹن محسوس کرنے لگے تھے۔ جہاد کے نعرے بھی مرتے جا رہے تھے۔ نعرے تو مر سکتے ہیں، جذبے اتنی جلدی نہیں مرا کرتے۔ لوگوں نے چوری چھپے مل بیٹھ کر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کیا کریں۔ نورالدین زنگی کی بیوہ نے عورتوں کی ایک جماعت بنا لی تھی۔ ان حالات اور اس گھٹن میں انہیں اطلاع ملی کہ صلاح الدین ایوبی آ گیا ہے اور فوج ساتھ لایا ہے تو وہ استقبال کے لیے باہر نکل آئے اور جب انہیں پتا چلا کہ خلیفہ سلطان ایوبی کو اپنی فوج کے زور سے روکنا چاہتا ہے تو لوگ فوج پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ خلیفہ کے محافظ دستوں کی انہوں نے بہت بے عزتی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ الملک الصالح اور اس کے حواری امیر چوروں کی طرح دمشق سے بھاگ گئے تھے...... اور اب لوگ سلطان ایوبی پر جانیں فدا کرنے کو بے تاب تھے۔ لوگوں کی اس جذباتی کیفیت نے سلطان ایوبی کا کام آسان کر دیا تھا۔

☆

عورتوں میں قومی جذبہ پہلے سے ہی تھا۔ اب یہ جذبہ دہکتے انگارے بن گیا۔ بر[illegible] سال لڑکیوں کا ایک وفد سلطان ایوبی کے پاس گیا اور یہ عرض داشت پیش کی کہ لڑکیوں کو محاذ پر فوج کے ساتھ بھیجا جائے اور انہیں عسکری تربیت دی جائے۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کے علاوہ لڑنا بھی چاہتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے اُن کے جذبے کو سراہتے ہوئے کہا...... ''مجھے جس روز تمہاری ضرورت پڑی، تمہیں گھروں سے نکال لوں گا۔ ابھی تمہارا محاذ گھر ہے۔ میں تمہیں گھروں کا قیدی نہیں بنانا چاہتا۔ اگر تم مائیں ہو تو بچوں کو مجاہد بناؤ، اگر تم بہنیں ہو تو بھائیوں کو اسلام کے پاسبان بناؤ۔ میں تمہاری عسکری تربیت کا بندوبست کروں گا مگر یہ نہ بھولنا کہ تمہیں گھروں کا نظام سنبھالنا ہے''...... ایسی چند اور باتیں کر کے اُسے

جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔اس نے کہا..... ''ایک محاذ اور ہے جس پر تم کام کرسکتی ہو۔تم نے سنا ہوگا کہ ہم نے خلیفہ کے محل اور امیروں، وزیروں اور حاکموں کے گھروں سے بہت سی لڑکیاں برآمد کی ہیں۔ان کی تعداد دو تین نہیں دو تین سو ہے۔ہم نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔وہ یہیں کہیں شہر میں یا گردونواح میں ہوں گی۔معلوم نہیں کہ وہ کہاں کہاں کی رہنے والی تھیں اور اب کہاں کہاں خراب ہوتی پھر رہی ہیں۔میں ان ذرا ذرا سے مسئلوں کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔میرے سامنے بڑے بڑے اونچے پہاڑ کھڑے ہیں۔میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ لڑکیوں کو تلاش کرو۔ان میں بہت سی ایسی ہوں گی جنہیں خرید کر یا اغوا کر کے حرموں میں داخل کیا گیا ہوگا۔اب اُن کا مستقبل یہی ہے کہ وہ خفیہ قحبہ خانوں میں چلی جائیں گی۔سرائے میں مسافروں کی خدمت کریں گی اور ذلیل و خوار ہوتی پھریں گی۔ان کے ساتھ کوئی شادی نہیں کرے گا۔انہیں ڈھونڈو اور ان میں کھوئی ہوئی عزت از سرِ نو پیدا کر کے ان کی شادیوں کا انتظام کرو''۔

لڑکیوں نے اس مہم کا آغاز کر دیا۔انہوں نے اپنے گھروں کے مردوں کی مدد حاصل کر لی اور چند دنوں میں کئی ایک لڑکیاں برآمد کر کے انہیں اپنے گھروں میں رکھ کر ان کی تربیت شروع کر دی۔ان بدنصیب لڑکیوں میں سحر نام کی ایک لڑکی تھی جسے زبردستی رقاصہ بنایا گیا تھا۔اسے ایک امیر کے گھر سے برآمد کر کے رہا کیا گیا تھا۔اُس نے ایک غریب سے گھرانے میں پناہ لے رکھی تھی۔اتفاق سے لڑکیوں کو پتا چلا تو اسے وہاں سے لے آئیں۔اُس نے جب دیکھا کہ دمشق کی لڑکیاں باقاعدہ فوج کی طرح کام کر رہی ہیں تو اُس کی سوئی ہوئی غیرت بیدار ہوگئی اور اس میں جذبہ انتقام بھی پیدا ہوگیا۔اُس نے لڑکیوں کو بتایا کہ اُس کے ساتھ کی ایک رقاصہ سرائے کے مالک کے پاس ہے۔سحر سرائے کے مالک کو جانتی تھی۔اُس نے بتایا کہ یہ آدمی صلیبیوں کا جاسوس ہے اُس نے ایک تہ خانہ بنا رکھا ہے جہاں فدائی (حشیشین) اور صلیبی جاسوس راتوں کو جاتے ہیں۔رقص ہوتا ہے اور شراب کے مٹکے خالی ہوتے ہیں۔سحر کو بھی ایک رات وہاں لے جایا گیا تھا۔اس نے کہا..... ''میں ان جاسوسوں کو پکڑوا سکتی ہوں، لیکن میں انہیں پکڑوانا نہیں چاہتی۔سرائے کے مالک کو اُن کے ساتھ اپنے ہاتھوں قتل کرنا چاہتی ہوں، مگر یہ کام میں اکیلی نہیں کرسکتی۔تم میرا ساتھ دو''۔

لڑکیاں تیار ہوگئیں۔انہوں نے ایک منصوبہ تیار کر لیا۔اس کے مطابق ایک شام سحر پردے میں سرائے کے مالک کے پاس چلی گئی۔وہ اُسے دیکھ کر خوش ہوا۔سحر نے کہا..... ''میں فوراً تمہارے پاس پہنچ جاتی لیکن شہر میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔مجھے ڈر تھا کہ میں تمہارے پاس آئی تو تم بھی پکڑے جاؤ گے۔میں ایک غریب سے گھرانے میں یتیم لڑکی بن کر چھپی رہی۔اب حالات صاف ہوگئے ہیں۔تم پر کسی نے شک نہیں کیا، اس لیے تمہارے پاس آگئی ہوں''۔

سرائے کا مالک اسے اپنی رقاصہ کے پاس لے گیا۔وہ بھی بہت خوش ہوئی۔اس شام کے بعد وہ چند راتیں وہیں رہی۔اس نے دیکھا کہ خلیفہ اور عیاش اُمراء کے چلے جانے اور سلطان ایوبی کے اتنے سخت احکام کے باوجود سرائے کے تہ خانے میں رونق وہی تھی۔اس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔مسافر اپنے کمروں میں سو جاتے تھے تو تہ خانے کی دُنیا آباد ہو جاتی تھی۔وہاں اب بھی صلیبی جاسوس اور فدائی آتے تھے۔سحر اُن کا دِل لبھاتی رہی اور راتوں کو ناچتی اور انہیں شراب پلاتی رہی۔یہ لوگ مسافروں کے بہروپ میں سرائے میں آتے تھے۔سحر نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ رات کو سرائے کے باہر پہرے کا انتظام بھی ہوتا ہے تاکہ کوئی خطرہ نظر آئے تو تہ خانے تک قبل از وقت اطلاع پہنچا دی جائے۔سحر کو وہاں قید کر لیا گیا تھا۔وہ کبھی باہر نہیں جاسکتی تھی۔وہ دِل پر پتھر رکھ کر وہاں ناچتی رہی۔وہ مایوس ہوگئی تھی کہ وہ انتقام لینے آئی تھی مگر قید ہوگئی۔اُس نے کسی پر اپنی مایوسی کا اظہار نہ ہونے دیا۔اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ لوگ اس پر اعتبار کرنے لگے۔بعض راز کی باتیں بھی

اس کے سامنے کر گزرتے تھے۔

ایک رات تہ خانے کی محفل میں ایک صلیبی جاسوس نے سرائے کے مالک سے کہا..... ''ہم ان دو لڑکیوں سے اکتا گئے ہیں، کوئی نئی چیز لاؤ''۔

سحر اور دوسری رقاصہ بھی وہیں تھی۔ دوسری رقاصہ کو تو افسوس ہوا ہوگا، سحر کو امید کی ایک کرن نظر آئی۔ سرائے کے مالک نے کہا کہ صلاح الدین ایوبی نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ اب دمشق میں کوئی اور رقاصہ یا کوئی نئی چیز نہیں مل سکے گی۔

''مل کیوں نہیں سکے گی؟'' سحر نے کہا..... ''جن ناچنے گانے والیوں کو امیروں کے گھروں سے پکڑ کر آزاد کر دیا گیا تھا۔ وہ ابھی یہیں ہیں۔ میری طرح وہ بھی چھپی ہوئی ہیں، اگر تم لوگ مجھے دو تین روز کے لیے باہر جانے دو تو میں انہیں پردہ دار خواتین کے بھیس میں یہاں لے آؤں گی''۔

سحر کو اس وقت تک قابل اعتماد سمجھا گیا تھا۔ انہوں نے اسے اجازت دے دی اور کچھ رقم بھی دے دی۔ صبح ہوئی تو سحر پردے میں باہر نکل گئی۔

☆

چار پانچ روز بعد سرائے کے چور دروازے سے آٹھ مستورات داخل ہوئیں اور سرائے کے مالک کے کمرے میں چلی گئیں۔ مستورات نے برقعہ نما لبادے اوڑھ رکھے تھے جن میں ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔ کمرے میں آ کر سب نے نقاب اٹھا دیئے۔ سرائے کے مالک نے آنکھیں مَل کر انہیں دیکھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب جوان لڑکیاں تھیں اور ایک سے ایک بڑھ کر خوب صورت۔ اُن کے ساتھ سحر تھی۔ اُس نے بتایا کہ ان میں سے کون کس کے پاس تھی اور یہ بھی بتایا کہ ان کا رقص دیکھ کر اور گانا سن کر تم پر مدہوشی طاری ہو جائے گی۔ اس نے کہا..... ''آج رات اپنے تمام دوستوں کو تہ خانے میں بلا لو''۔

سرائے کا مالک پاگلوں کی طرح اُٹھ دوڑا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو رات تہ خانے میں آنے کو کہنے گیا تھا۔ سحر لڑکیوں کو دوسری رقاصہ کے پاس لے گئی۔ وہ رقاصہ انہیں دیکھ کر حیران ہوئی کہ وہ ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ اس رقاصہ نے ایک لڑکی کے ساتھ اپنی مخصوص اصطلاحوں میں بات کی تو وہ لڑکی ذرا جھینپ گئی۔ سحر نے اسے کہا..... ''یہ ڈری ہوئی ہیں۔ میں انہیں زمین کے نیچے سے نکال کر لائی ہوں۔ رات کو ان کا فن دیکھ کر تم سمجھ جاؤ گی کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں''۔

وہ رقاصہ مطمئن نہ ہوئی۔ اسے کچھ شک ہوتا یا نہ ہوتا، اسے یہ افسوس ضرور تھا کہ ان لڑکیوں کے سامنے اس کی قدر و قیمت ختم ہوگئی ہے۔ اُس نے سحر کو اپنے کمرے میں لے جا کر کہا..... ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ یہ نئی لڑکیاں ہیں اور خوب صورت بھی۔ ان کے مقابلے میں ہم دونوں بہت ہی پرانی نظر آئیں گی۔ ہماری قیمت اتنی گر جائے گی کہ یہ لوگ ہمیں پرانے سامان کی طرح اُٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ تم انہیں کہاں سے لے آئی ہو؟ کیوں لے آئی ہو تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے''۔

''میں دراصل اپنی مشقت کم کرنا چاہتی ہوں''۔ سحر نے جواب دیا..... ''ان کے آجانے سے ہم دونوں کا کام ہو جائے گا''۔

دوسری رقاصہ اس کی یہ دلیل نہیں مان رہی تھی۔ سحر کے پاس اور کوئی دلیل نہیں تھی جس سے وہ اسے مطمئن کرتی۔ دونوں میں تکرار ہوگئی۔ دوسری رقاصہ غصے میں آ گئی اور بولی..... ''میں سرائے کے مالک سے کہوں گی کہ یہ لڑکیاں

ناچنے والی نہیں، یہ عصمت فروش لڑکیاں ہیں جنہیں اس نازک جگہ نہیں آنا چاہیے، کیونکہ یہ تہ خانے کے راز کو خطرے میں ڈال سکتی ہیں۔ ان نوجوان لڑکیوں کا کیا بھروسہ؟''...... یہ رقاصہ بہت تجربہ کار اور چالاک تھی۔ اُس نے سحر کی زبان بند کر دی پھر بھی سحر اس کی بات نہیں مان رہی تھی۔ اس رقاصہ نے آخر یہ دھمکی دی...... ''اگر تم انہیں یہاں سے چلتا نہیں کرو گی تو میں یہاں آنے والوں کو یہ کہہ کر یہاں آنے سے روک دوں گی کہ تم انہیں گرفتار کرانے کے لیے ان لڑکیوں کا جال پھیلا رہی ہو''۔

سحر پریشان ہوگئی۔ دوسری رقاصہ غصے میں باہر جانے کو اُٹھی اور دروازے کی طرف چلی۔ سحر نے بڑی پھرتی سے اپنی قمیض کے نیچے ہاتھ ڈالا اور کمر بند سے خنجر نکال کر دوسری رقاصہ کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ وہ زخم کھا کر گھومی تو سحر نے خنجر اس کے دل میں اُتار دیا اور دانت پیس کر کہا...... ''میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بدبخت تجھے بھی میرے ہی ہاتھوں مرنا تھا''...... اُس نے اسی کے کپڑوں سے خنجر صاف کیا۔ رقاصہ کی لاش پر اُس کے پلنگ سے بستر اُٹھا کر پھینک دیا اور دروازہ باہر سے بند کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اپنے خون آلود کپڑے بدلے اور خنجر کمر بند میں اڑس کر قمیض کے نیچے چھپا دیا۔

☆

رات سرائے کے مالک کے علاوہ چھ آدمی تہ خانے کے اس کمرے میں آئے جہاں رقص اور شراب کا دور چلا کرتا تھا۔ سرائے کے مالک نے سحر سے دوسری رقاصہ کے متعلق پوچھا تو سحر نے نفرت کے لہجے میں کہا...... ''وہ ان لڑکیوں کو دیکھ کر جل بھن گئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ان سب سے زیادہ حسین سمجھتی ہے۔ آج رات وہ یہاں نہ ہی آئے تو اچھا ہے۔ محفل کے رنگ میں بھنگ ڈالے گی''۔

''لعنت بھیجو!'' سرائے کے مالک نے کہا...... ''کل اُس سے نمٹ لوں گا۔ اُسے پڑی رہنے دو، اپنے کمرے میں''۔

سحر نے ان چھ آدمیوں سے کہا...... ''ان لڑکیوں کے پاس اچھے کپڑے نہیں ہیں۔ اُن کا لباس تم سب کے ذمے ہیں۔ آج رات وہ جن کپڑوں میں ہیں، انہی میں تمہارے سامنے آئیں گی''۔

انہوں نے جب لڑکیوں کو دیکھا تو بھول ہی گئے کہ انہوں نے کیسے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ لڑکیاں چہروں سے پیشہ ور ناچنے والیاں لگتی ہی نہیں تھیں۔ ان کے چہرے تروتازہ اور معصوم سے تھے۔ ان کے بالوں کو بھی نہیں سجایا گیا تھا۔ ان کی کوئی حرکت ظاہر نہیں کرتی تھی کہ یہ پیشہ ور ہیں۔ ان کا انداز سیدھا سادا سا تھا۔ سحر نے انہیں کہا کہ اپنے مہمانوں کو شراب پیش کرو۔ وہ جب صراحیوں سے پیالوں میں شراب انڈیلنے لگیں تو ایک آدمی نے ایک لڑکی کو چھیڑا۔ لڑکی بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کا چہرہ لال سرخ ہو گیا۔

''سحر!'' اُس آدمی نے کہا...... ''انہیں کہاں سے لائی ہو؟ یہ کس کے پاس تھیں؟''

سحر نے قہقہہ لگایا اور بولی...... ''اپنا فن بھول گئی ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کا خوف ہے جو ان سب پر طاری ہے۔ ابھی کھل جائیں گی''۔

''صلاح الدین ایوبی!'' ایک نے طنزیہ کہا...... ''ہمارے جال میں وہ اب آیا ہے۔ ہم اُسے اسی کے امیروں اور سالاروں سے مروائیں گے''...... اُس نے اپنے ایک ساتھی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا...... ''اس کا خنجر صلاح الدین ایوبی کے خون کا پیاسا ہے۔ جانتی ہو نا اسے؟ یہ حسن بن صباح کی اُمت سے ہے، فدائی!'' اُس نے ایک لڑکی کے گال پر ہلکی سی تھپکی دے کر کہا...... ''ایوبی کا خوف دل سے اُتار دو۔ وہ چند دنوں کا مہمان ہے''۔

تھوڑی سی دیر بعد شراب رنگ دکھانے لگی اور رقص کی فرمائش ہوئی۔ لڑکیاں صراحیوں اور پیالوں کو ادھر اُدھر

کرتی اور بھرتی ان چھ آدمیوں کے پیچھے ہوگئیں۔ اچانک سب نے قمیضوں کے نیچے ہاتھ ڈالے، خنجر نکالے، سحر نے بھی خنجر نکال لیا تھا۔ اُس نے سرائے کے مالک پر وار کیا اور دوسریوں نے چھ آدمیوں کو پے در پے وار کر کے لڑھکا دیا۔ کسی کو بھی سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ سحر ہر ایک پر وار پہ وار کیے جارہی تھی، جیسے پاگل ہوگئی ہو۔ اُس نے انتقام لے لیا۔

یہ لڑکیاں شریف گھرانوں کی بیٹیاں تھیں جو سلطان ایوبی کے پاس عرض داشت لے کر گئی تھیں کہ وہ مردوں کے دوش بدوش لڑنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے ہی سحر کو ایک غریب گھرانے سے برآمد کیا تھا۔ اُس نے جب لڑکیوں کو جنگی پیمانے پر کام کرتے دیکھا تو اسے سرائے کے مالک کا خیال آگیا تھا۔ اس نے لڑکیوں کو بتا دیا تھا کہ سرائے کا تہ خانہ جاسوسوں اور تخریب کاروں کا اڈہ ہے۔ ان لڑکیوں کی مدد سے وہ انہیں پکڑوانا چاہتی تھی، مگر وہاں گئی تو سرائے کے مالک نے اس کا باہر نکلنا بند کر دیا۔ جاسوسوں کی اس فرمائش پر کہ نئی لڑکیاں لاؤ، اُسے موقع مل گیا۔ اُسے نئی لڑکیاں لانے کی اجازت مل گئی۔ اُس نے ان لڑکیوں سے ذکر کیا اور کہا کہ وہ نئی لڑکیاں بن کر چلیں اور ان آدمیوں کو ختم کیا جائے۔ لڑکیاں تیار ہوگئیں، انہوں نے سکیم بنائی اور اس کے ساتھ چلی گئیں۔ انہوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ ان آدمیوں کو اپنے جال میں پھانس کر گرفتار کرایا جائے، اگر انہیں گرفتار کرایا جاتا تو اُن سے بڑی قیمتی معلومات حاصل کی جاسکتی تھی اور ان سے نشاندہی کروا کے ان کے کئی اور ساتھی پکڑائے جاسکتے تھے، مگر لڑکیاں جوشیلی اور جذباتی تھیں۔ وہ اتنا ہی جانتی تھیں کہ دشمن کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے جذبۂ جہاد کی تسکین کرنا چاہتی تھیں اور سحر کا سینہ جذبۂ انتقام سے پھٹ رہا تھا۔ وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کو بے تاب تھی۔ اُس نے دوسری رقاصہ کو اسی لیے قتل کیا تھا کہ ان لڑکیوں کی اصلیت بے نقاب ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ ان کی اصلیت تو بے نقاب ہو ہی چلی تھی۔ انہیں اس قسم کی غلیظ محفل کے طور طریقوں اور شراب پلانے کے انداز سے واقفیت ہی نہیں تھی۔ انہوں نے بروقت خنجر نکال لیے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئیں۔

وہ سب چور دروازے سے نکلیں اور اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئیں۔ ان کی رپورٹ پر کچھ دیر بعد فوج نے سرائے پر چھاپہ مارا اور تہ خانے میں گئے، وہاں لاشیں پڑی تھیں۔ تہ خانے کے کمروں کی تلاشی لی گئی۔ ایک کمرے سے دوسری رقاصہ کی لاش برآمد ہوئی اور سرائے کے مالک کے کمرے سے کئی ایک ثبوت ملے کہ یہ لوگ جاسوس اور تخریب کار تھے......

مگر آنے والا وقت سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطنتِ اسلامیہ کے لیے تاریخ کے سب سے بڑے خطرے لا رہا تھا اور سلطان ایوبی دن رات جنگی منصوبہ بندی اور فوج کی ٹریننگ میں مصروف رہتا تھا۔

......۞......

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد سوم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

واحد تقسیم کار:

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور
فون37232336، فیکس37352332
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

فہرست

تعارف

''داستان ایمان فروشوں کی'' کا تیسرا حصہ پیش کیا جا تا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری ابھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہل چل بپا کر دیتی ہے۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے، جسے پورا کرنا ضروری ہے، لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں۔ ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریے، ناول اور کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلم کاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی قومی سود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی ابھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشو و نما کے لیے ''حکایت'' میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے میں ہم دو حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ تیسرا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے، سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی، مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی، جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں

کے ذریعے کمزور، بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغ رسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ (مرحوم)
مدیر ''حکایت'' لاہور

ناگوں والے قلعے کے قاتل

دمشق میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی داخل ہوا تھا تو اُس کے ساتھ سات سو سوار تھے۔ تمام مورخین نے یہی تعداد لکھی ہے لیکن تاریخ سلطان ایوبی کے اُن جانبازوں سے بے خبر ہے جن میں سے کوئی تاجروں کے بہروپ میں، کوئی بے ضرر مسلمانوں کے بھیس میں اور کوئی شامی فوج کے معمولی معمولی سپاہیوں کے لباس میں ایک ایک بھی، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں بھی دمشق میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر سلطان ایوبی کے خاموش حملے سے پہلے ہی یہاں آ گئے تھے اور کچھ اُس وقت داخل ہوئے تھے جب دمشق کے دروازے سلطان ایوبی کے لیے کھل گئے تھے۔ یہ جاسوسوں کا دستہ تھا جنہیں جانباز جاسوس کہا جاتا تھا، کیونکہ ہر قسم کی لڑائی، ہر ہتھیار کے استعمال، ہر طرح کی تباہ کاری کے ماہر تھے اور دماغی لحاظ سے مستعد اور ذہین۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جان کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایسے ایسے خطرے مُول لیتے تھے جن کے تصور سے ہی عام سپاہی بدک جاتے تھے۔ ایسا جذبہ صرف ٹریننگ سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس کام کے لیے ایسے جوان منتخب کیے جاتے تھے جن کے دلوں میں اپنے مذہب کا عشق اور دشمن کی نفرت بھری ہوتی تھی۔ یہ جانباز جنونی قسم کے مسلمان ہوتے تھے۔ سلطان ایوبی نے ایسے جانبازوں کے کئی دستے تیار کر رکھے تھے۔

سلطان ایوبی جب سات سو سواروں کے ساتھ دمشق کو روانہ ہوا تھا تو اس نے منتخب لڑاکا جاسوسوں کا ایک دستہ خصوصی ہدایات کے ساتھ دمشق کو روانہ کر دیا تھا۔ ان میں ایک ہدایت یہ تھی کہ اگر دمشق کی فوج مقابلے پر اُتر آئے تو یہ جاسوس شہر کے اندر اپنی سمجھ اور ضرورت کے مطابق تخریب کاری کریں اور وہ دروازے کھولنے کی بھی کوشش کریں۔ ان میں ایسے بھی تھے جنہیں شہریوں میں دہشت، بھگدڑ، افراتفری اور افواہیں پھیلانے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ ان تمام جانبازوں کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان تھی۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں نے صحیح تعداد نہیں لکھی۔ صرف یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی کی آمد کے وقت دمشق میں دو تین سو جاسوس اور تباہ کار موجود تھے۔ ایک فرانسیسی وقائع نگار نے صلیبی جنگوں کے حالات اور واقعات قلم بند کرتے ہوئے سلطان ایوبی کے لڑاکا جاسوسوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ اس نے ان جانبازوں کے اسلامی جذبے کو مذہبی جنون بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ جاسوس نفسیاتی مریض تھے۔ اس فرانسیسی نے تو مذہبی جنون کی توہین کی ہے کہ اسے نفسیاتی مرض کہا ہے، لیکن یہ نفسیاتی کیفیت ہی تھی۔ مسلمان صاحب ایمان صرف اُس صورت میں بنتا ہے۔ جب مذہب اس کی نفسیات کا جُز بن جاتا ہے۔

ان جانبازوں کو جاسوسی اور تباہ کاری کی ٹریننگ علی بن سفیان اور اس کے دو نائبین حسن بن عبداللہ اور زاہدان نے دی تھی اور معرکہ آرائی کی ٹریننگ تجربہ کار فوجیوں کے ہاتھوں ملی تھی۔ اب جب کہ سلطان ایوبی دمشق میں تھا اور علی بن سفیان قاہرہ میں تھا، وہاں کے اندرونی حالات پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری، دمشق پر اُس کے قبضے اور خلافت کی معزولی کی صورت میں مصر میں صلیبی تخریب کاری کا خطرہ بڑھ گیا تھا، اس لیے علی بن سفیان کو وہیں رہنے

دیا گیا تھا۔ دمشق میں اُس کا ایک نائب حسن بن عبداللہ آیا تھا۔ وہی جاسوس جانبازوں کے دستے کا کمانڈر تھا۔ دمشق پر سلطان ایوبی نے قبضہ کرلیا تو وہاں کی بیشتر فوج سالار توفیق جواد کی زیر کمان سلطان ایوبی سے مل گئی تھی۔ باقی فوج اور خلیفہ کے باڈی گارڈ دستے، خلیفہ اور اُس کے حواری اُمراء کے ساتھ دمشق سے بھاگ گئے تھے۔ توقع تھی کہ سلطان ایوبی انہیں گرفتار کرنے کے لیے فوج اُن کے تعاقب میں بھیجے گا، لیکن اُس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی۔ دو تین سالاروں نے اسے کہا بھی کہ اِن اُمراء وغیرہ کو پکڑنا ضروری ہے، جو بھاگ گئے ہیں۔ وہ کہیں اکٹھے ہو جائیں گے اور اطمینان سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاری کریں گے۔

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ صلیبیوں سے بھی مدد مانگیں گے جو انہیں مل جائے گی۔'' سلطان ایوبی نے کہا..... ''لیکن میں اندھیرے میں کبھی نہیں چلا۔ پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ گئے کہاں ہیں اور ان کا مرکز کون سا بنے گا۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں، میری آنکھیں اور میرے کان بھاگنے والوں کے ساتھ ہی چلے گئے ہیں۔ وہ بدبخت اتنی جلدی حملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ صلیبی کیا کریں گے۔ وہ مصر پر بھی یلغار کر سکتے ہیں۔ وہ شام پر بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ شاید اس انتظار میں ہیں کہ میں کیا کروں گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ میری چال کے بعد اپنی چال چلنا چاہتے ہوں۔ آپ فوج کو میری بتائی ہوئی تنظیم میں لا کر اُن کی تربیت اور جنگی مشقیں جاری رکھیں''۔

☆

سلطان ایوبی نے جنہیں اپنی آنکھیں اور اپنے کان کہا تھا، وہ یہی جاسوس تھے جو مصر سے یہاں آئے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے، جب الملک الصالح اور اس کے اُمراء اور وزراء دمشق سے بھاگے تو ان کے ساتھ سلطان ایوبی کے بہت سے جاسوس بھی چلے گئے تھے۔ بھاگنے والوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ تمام اُمراء اور وزراء اور کئی ایک جاگیرداروں اور حاکموں کا عملہ بھی تھا، فوج کی بھی کچھ نفری تھی اور بڑوں کے خوشامدی لوگ بھی تھے۔ یہ تتر بتر ہو کر بھاگے تھے۔ ان کے ساتھ جاسوسوں کا چلے جانا آسان تھا۔ یہ جاسوس اس مشن پر ساتھ گئے تھے کہ دیکھیں الصالح اور اس کے پالنے والے اُمراء کیا جوابی کارروائی کریں گے اور انہیں صلیبیوں کی کتنی، کچھ اور کیسی مدد حاصل ہوگی۔ یہ جاسوس جو دمشق سے باہر گئے تھے، حسن بن عبداللہ کے خصوصی منتخب افراد تھے۔ وہ اس صورتِ حال کے سیاسی پس منظر کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

ان میں ایک ماجد بن محمد حجازی تھا۔ خوبرو جوان، جسم نہایت موزوں اور گٹھا ہوا اور اسے خدا نے زبان کی ایسی چاشنی دی تھی جس میں طلسماتی اثر تھا۔ تقریباً ہر جاسوس کی شکل وصورت اور اوصاف ایسے ہی تھے، لیکن ماجد بن محمد ان سب سے برتر لگتا تھا۔ اُن جاسوسوں کی اتنی اچھی صحت کا راز غالباً یہ تھا کہ انہیں کسی قسم کے نشے کی عادت نہیں تھی اور وہ عیاشی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے اخلاق میں جو پختگی تھی، اُس نے اُن میں فولاد جیسی قوتِ ارادی پیدا کر رکھی تھی۔ ان کا قول وفعل مذہب کا پابند تھا۔ ماجد حجازی اپنے ساتھیوں کی طرح اس فولادی کردار کا نمونہ تھا اور روح کی جو پاکیزگی تھی، اُس نے اس کے چہرے کو حسین بنا رکھا تھا۔ وہ دمشق سے بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے نیچے عرب کی اعلیٰ نسل کا گھوڑا تھا۔ اس کے پاس تلوار تھی اور گھوڑے کی زین کے ساتھ چمکتی ہوئی اَنی والی برچھی تھی۔

وہ ویرانے میں اکیلا جا رہا تھا۔ اس نے حلب کی سمت جاتے ہوئے بہت سے لوگوں کو دیکھا تھا۔ اسے کوئی ایک بھی ایسا نظر نہیں آیا تھا جس کے ساتھ وہ جائے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہمسفر ڈھونڈ رہا تھا جو اُس کے مشن کے لیے سودمند ہو سکے۔ ایسا ہمسفر فوج کا کوئی اعلیٰ افسر ہوسکتا تھا یا کوئی ایسا امیر جسے الملک الصالح کا قرب حاصل ہوتا۔ اس کی سرا

رساں آنکھیں الصالح کوڈھونڈ رہی تھیں۔اس نے چند ایک لوگوں سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس طرف گیا ہے مگر اسے الصالح کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔اُسے معلوم تھا کہ الملک الصالح نورالدین زنگی مرحوم کی عمر یا اُس کی خوبیوں جیسا کوئی آدمی نہیں، بلکہ وہ گیارہ سال کی عمر کا بچہ ہے جسے مفاد پرست اُمراء نے اپنے مقاصد کے لیے سلطنت کی گدی پر بٹھایا ہے اور عملاً حکمران یہ اُمراء خود بنے ہوئے ہیں۔وہ تصور میں لا سکتا تھا کہ وہ بچہ اکیلا نہیں جا رہا ہوگا،اس کے ساتھ امیروں،وزیروں اور درباریوں کا قافلہ ہوگا اور اس قافلے کے ساتھ زر و جواہرات اور مال و دولت سے لدے ہوئے اونٹ ہوں گے۔

ماجد حجازی نے سوچا تھا کہ یہ قافلہ اُسے نظر آ گیا تو وہ الملک الصالح کا مرید بن کر قافلے میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کامیابی حاصل ہونے کی صورت میں اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور سینوں سے راز کس طرح نکالنے ہیں، مگر اسے اپنے شکار کا کوئی سراغ نہ ملا۔آگے چٹانی علاقہ آ گیا، جہاں ہریالی بھی تھی۔ذرا ستانے کے لیے وہ چٹانوں کے اندر چلا گیا...... ایک جگہ اُسے دو گھوڑے نظر آئے۔ان سے ذرا پرے ہری بھری گھاس پر ایک آدمی لیٹا ہوا تھا اور اُس کے ساتھ ایک عورت تھی۔وہ سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔وہ ذرا فاصلے پر رُک گیا اور گھوڑے سے اُتر کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ایک گھوڑا ہنہنایا تو وہ آدمی اُٹھ بیٹھا۔لباس سے وہ اونچے درجے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔اُس نے ماجد حجازی کو دیکھا تو اُسے اپنے پاس بلایا۔ماجد اُس کے پاس چلا گیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔عورت بھی اُٹھ بیٹھی۔وہ عورت نہیں، جوان لڑکی تھی اور بہت خوب صورت تھی۔اس کے گلے کا ہار بتا رہا تھا کہ یہ لوگ معمولی حیثیت کے نہیں۔اس آدمی کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی اور لڑکی پچیس سال سے کم لگتی تھی۔ماجد نے ان دونوں کو ایک نظر میں بھانپ لیا۔

''تم کون ہو؟'' اُس آدمی نے ماجد سے پوچھا...... ''دمشق سے آئے ہو؟''

''میں دمشق سے ہی آیا ہوں''۔ماجد نے جواب دیا...... ''لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں۔آپ کیسے سفر میں ہیں؟''

''غالباً ہم ایک ہی سفر کے مسافر ہیں''۔اس آدمی نے مُسکرا کر کہا...... ''تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو''۔

''کیا آپ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ میں شریف ہوں یا بدمعاش؟'' ماجد حجازی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ اس نے کہا...... ''جس کے ساتھ اتنی حسین لڑکی ہو اور لڑکی کے گلے میں اتنا قیمتی ہار ہو اور ساتھ مال اور دولت بھی ہو، وہ ہر راہی کو بدمعاش اور ڈاکو سمجھتا ہے۔میں ڈاکو نہیں ہوں۔آپ کو ڈاکوؤں سے بچا ضرور سکتا ہوں، خواہ میری جان چلی جائے''...... اُس کے دماغ میں اچانک ایک بات آ گئی ہو جو اُس نے تیر کی طرح مُنہ سے نکال دی۔اُس نے کہا...... ''دمشق سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ ڈاکوؤں کا شکار ہو گئے ہیں۔میں نے راستے میں دو لاشیں بھی دیکھی ہیں۔یہ موقعہ ڈاکوؤں کے لیے نہایت اچھا ہے کہ لوگ مال و دولت کے ساتھ دمشق سے بھاگ رہے ہیں''۔

لڑکی کا اتنا دلکش رنگ اُڑ گیا۔وہ اپنے آدمی کے ساتھ لگ گئی۔کچھ ایسی ہی حالت آدمی کی ہو گئی۔ماجد حجازی جان گیا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا ہیں۔اُن پر خوف و ہراس غالب کر کے اس نے اپنی زبان کے کرشمے دکھانے شروع کر دیئے۔اس نے صلاح الدین ایوبی کو بُرا بھلا کہا اور سلطان الملک الصالح کی مدح سرائی یوں کی جیسے وہ زمین و آسمان کا واحد برگزیدہ انسان ہو۔ماجد نے اُس پر دہشت کا غلبہ اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے کہا۔ ''صلاح الدین ایوبی نے دمشق سے بھاگے ہوئے آپ جیسے لوگوں کو لوٹنے اور اُن سے جوان بیٹیاں اور بیویاں چھیننے کے لیے اپنی فوج کے دستے اِدھر بھیجے ہیں...... یہ لڑکی آپ کی کیا لگتی ہے؟''

''یہ میری بیوی ہے''۔

اور دمشق میں آپ کتنی بیویاں چھوڑ آئے ہیں؟'' ماجد حجازی نے پوچھا۔

''چار''۔

''خدا کرے یہ پانچویں خیریت سے آپ کے ساتھ منزل پر پہنچ جائے۔'' ماجد نے کہا۔

''ایوبی کی فوج کتنی دُور ہے؟'' اُس آدمی نے پوچھا۔ ''تم نے سپاہیوں کو لوٹ مار کرتے دیکھا ہے؟''

''ہاں، دیکھا ہے۔'' ماجد حجازی نے کہا..... ''اگر میں آپ سے کہوں کہ میں بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کا سپاہی ہوں تو آپ کیا کریں گے؟''

وہ کانپنے لگا۔ مُسکرایا بھی مگر مُسکراہٹ غائب ہوگئی۔ اس نے کہا..... ''میں تمہیں کچھ دے دوں گا اور تم سے التجا کروں گا کہ مجھے کنگال نہ کرو، اور میں تم سے یہ التجا بھی کروں گا کہ اس بے چاری کو میرے ساتھ رہنے دو''۔

ماجد حجازی نے قہقہہ لگایا اور کہا..... ''دولت اور عورت سے زیادہ محبت انسان کو بزدل اور کمزور بنا دیتی ہے، اگر مجھے کوئی کہے کہ جو کچھ پاس ہے، وہ میرے حوالے کردو تو میں تلوار کھینچ کر اسے کہوں گا کہ پہلے مجھے قتل کرو، پھر میری لاش سے تمہیں جو کچھ ملے وہ لے جانا..... محترم! مجھے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ دمشق میں آپ کیا تھے؟ اور اب آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اگر آپ نے سچ بتا دیا تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو مجھ سے زیادہ مخلص اور جانباز محافظ نہ ملے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری منزل ایک ہے۔ میں ایوبی کی فوج کا سپاہی ضرور ہوں، لیکن بھگوڑا ہوں''۔

اس آدمی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ دمشق کے مضافاتی علاقے کا جاگیردار تھا۔ اسے سرکاری کے دربار میں ایسی سرکاری حیثیت بھی حاصل تھی کہ سلطنت کی شہری اور جنگی پالیسیوں میں بھی اس کا عمل دخل تھا۔ سلطان کے باڈی گارڈ دستے کے زیادہ تر سپاہی اسی کے دیئے ہوئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ وہ سلطنت کے بالائی حلقے کا اہم قسم کا درباری تھا۔ اسے گھر سے نکلتے ذرا دیر ہوگئی تھی۔ الصالح نے اپنے تمام حاشیہ برداروں سے کہا تھا کہ وہ حلب پہنچ جائیں۔ چنانچہ یہ جاگیردار حلب جا رہا تھا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ بہت سے زر و جواہرات ساتھ لے جا رہا ہے۔ چار بیویاں پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ یہ چونکہ سب سے چھوٹی اور خوبصورت تھی اس نے بڑے افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ اس کے محافظ اور تمام ملازم دمشق میں ہی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے اس کا گھر لوٹ لیا ہوگا۔ یہ اس کی اپنی ہمت تھی کہ وہ بروقت اپنا بیش قیمت خزانہ لے کر نکل آیا۔ وہ اب الصالح کے پاس جا رہا تھا۔

ماجد حجازی کو اس کی داستان سن کر خوشی ہوئی۔ یہ جاگیردار اس کے کام کا آدمی تھا۔ اس کے ساتھ وہ حلب کے دربار تک پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اپنے متعلق بتایا کہ وہ اُس سوار دستے کا کماندار تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ساتھ دمشق لایا تھا، لیکن وہ الصالح کا مرید ہے۔ اس لیے وہ اُس کے خلاف ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔ اس عقیدت مندی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایوبی کی فوج سے بھاگ آیا ہے اور سلطان کے دربار میں جا رہا ہے۔ اگر اُس نے پسند کیا تو وہ اس کے محافظ دستے میں شامل ہو جائے گا۔

''اگر میں ابھی سے تمہیں اپنا محافظ بنالوں تو تمہاری اُجرت کی شرائط کیا ہوں گی؟'' اُس نے ماجد حجازی سے پوچھا۔ ''میں جیسے دمشق میں بادشاہ تھا، اسی طرح وہاں بھی بادشاہ ہوں گا، جہاں جا رہا ہوں۔ میرے محافظ بن کر تمہیں افسوس نہیں ہوگا''۔

''اگر آپ مجھے اپنا محافظ بنائیں گے تو آپ کو فوجی مشیر کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔ ماجد حجازی نے اُسے کہا..... ''میری اُجرت آپ میری قابلیت دیکھ کر خود ہی مقرر کر دیں گے''۔ میں ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا''۔

ماجد حجازی اس کا باڈی گارڈ بن گیا۔ یوں کہئے کہ ایک درباری جاگیردار کے ساتھ سلطان ایوبی کا ایک جاسوس لگ گیا۔ اس جاگیردار کے پاس بے انداز زرو جواہرات تھے جو اس نے ایسے سامان میں چھپا رکھے تھے جو بظاہر معمولی سا تھا۔ اسے فوری طور پر ایک محافظ کی ضرورت تھی۔ ماجد کے ڈرانے سے یہ ضرورت اور شدید ہوگئی تھی۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور فضا خنک ہونے لگی تھی۔ ماجد کے مشورے پر انہوں نے وہیں قیام کیا..... رات گزر گئی تو جاگیردار کو یقین آ گیا کہ ماجد قابلِ اعتماد آدمی ہے۔

☆

لمبی مسافت کے بعد وہ حلب پہنچے۔ اُس وقت حلب کا امیر شمس الدین تھا جس نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے صلیبیوں کو تاوان دے کر ان سے صلح کر لی تھی۔ الملک الصالح دمشق سے بھاگ کر وہاں پہنچ چکا تھا۔ اُس کے تمام اُمراء وزراء اس کے ساتھ تھے اور اس کے باڈی گارڈ کے دستے بھی وہاں پہنچ رہے تھے۔ الصالح نے حلب کی امارت پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے اُمراء وغیرہ فوج کو نئے سرے سے منظم کرنے لگے تھے۔ صورتِ حال ایسی تھی کہ فوج کو ہر اُس آدمی کی ضرورت تھی جس میں تھوڑی سی جنگی سوجھ بوجھ ہو۔ الملک الصالح کے پاس سونے اور خزانے کی کمی نہیں تھی، کمی فوج، کمانڈروں اور مشیروں کی تھی۔ وہ اور اس کا ٹولہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے اور خلافت بحال کرنے کو بے تاب تھا۔ اُن کی بے تابیوں سے یوں پتا چلتا تھا جیسے اُن کے دشمن صلیبی نہیں سلطان ایوبی ہے۔ انہوں نے خلیفہ کی مہر کے ساتھ اِدھر اُدھر کے اُمراء کو پیغام بھیجے کہ وہ سلطنت کے دفاع کے لیے سلطان الملک الصالح کے ساتھ فوجی تعاون کریں۔ ان اُمراء میں حمص، حماۃ اور موصل کے حکمران خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کسی کی طرف سے اُمید افزا جواب ملا اور کسی نے تعاون کا صرف وعدہ کیا۔

یہ جاگیردار حلب پہنچا تو الصالح نے اُسے خوش آمدید کہا۔ وہ بھی الصالح کی جنگی مجلس مشاورت کا اہم رُکن تھا۔ اُسے حلب میں ایک مکان دے دیا گیا۔ وہ آتے ہی اس قدر مصروف ہو گیا کہ صبح کا گیا، آدھی رات کو گھر آتا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں اُس کی بیوی ماجد حجازی میں دلچسپی لینے لگی۔ ماجد نے اس کے ساتھ ایسی بے تکلفی پیدا کر لی جس میں بدنیتی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ماجد نے پُروقار انداز اختیار کیے رکھا، جس سے لڑکی متاثر ہوئی اور وہ جیسے بھول ہی گئی ہو کہ ماجد اُس کے خاوند کا محافظ ہے۔ ماجد اپنے مشن پر کام کر رہا تھا۔ اس نے دو تین دنوں میں لڑکی کے دِل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ اس کے خاوند کی باقی چار بیویاں کیسی تھیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی ایسی بُری تو نہیں تھی۔ اس شخص نے انہیں پرانی سمجھ کر دھوکہ دیا اور اس لڑکی کو ساتھ لے کر بھاگ آیا۔

''اور ایک روز یہ تمہیں بھی چھوڑ کر کسی اور کو لے آئے گا''..... ماجد حجازی نے کہا..... ''ان امیروں کا یہ شغل ہے''۔

''اگر میں تمہیں دِل کی بات بتا دوں تو میرے خاوند کو تو نہیں بتا دو گے؟''..... لڑکی نے پوچھا..... ''مجھے دھوکہ تو نہیں دو گے؟''

اگر میری فطرت میں دھوکہ اور فریب ہوتا تو میں تمہارے خاوند کو وہیں جہاں میں تمہیں ملا تھا، آسانی سے قتل کر کے تم پر اور تمہارے مال و دولت پر ہاتھ صاف کر سکتا تھا''۔ ماجد نے کہا..... ''میں مرد ہوں، عورت کو فریب دینا مرد کی شان کے خلاف ہے''۔

''میں اب اس راز کو اپنے دل میں زیادہ دیر نہیں رکھ سکتی کہ مجھے تم سے ایسی محبت ہے جس پر میرا قابو نہیں رہا''۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ ''اور یہ بھی ایک راز ہے کہ مجھے اس خاوند سے نفرت ہے۔ میں بکی ہوئی لڑکی ہوں۔ کئی بار دل میں آیا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں۔ میں شاید بزدل ہوں۔ اپنی جان لینے سے ڈرتی ہوں۔ میرے ارادے کچھ اور تھے: میرے خیالات کچھ اور تھے۔ تم نے میرے ارادوں اور خیالوں پر مٹی ڈال دی ہے اور میرا یہ ارادہ پکا کر دیا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں''۔

''کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے، اس لیے خودکشی کرنا چاہتی ہو؟''

''نہیں!'' لڑکی نے کہا۔۔۔ ''میرے ذہن میں صلاح الدین ایوبی کا تصور نورالدین زنگی سے زیادہ مقدس اور پیارا تھا۔ تم نے اس تصور کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ کیا صلاح الدین ایوبی اتنا ہی برا ہے جتنا تم نے بتایا ہے؟''۔

میں تمہارے راز کو اپنا راز سمجھوں گا''۔ ماجد حجازی نے کہا۔۔۔ ''اس کے عوض تمہیں اپنا ایک راز دیتا ہوں۔ میں تم سے کوئی وعدہ نہیں لوں گا کہ میرے راز کی حفاظت کرنا۔ اگر میرا راز فاش ہو گیا تو نہ تم زندہ رہو گی، نہ تمہارا خاوند۔ میں صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہوں۔ میں نے دو چار دنوں میں بھانپ لیا ہے کہ تم اصل میں کیا ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کا تصور اُس سے کہیں زیادہ مقدس ہے جو تم نے اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے۔ وہ ان امیروں اور بادشاہوں کا دشمن ہے جنہوں نے لڑکیوں کو اپنے حرموں میں قید کر رکھا ہے۔ وہ اس کے سخت خلاف ہے کہ عورت کو صرف تفریح اور عیاشی کا ذریعہ بنائے۔ وہ مرد اور عورت کی برابری کا اور ایک خاوند اور ایک بیوی کا قائل ہے۔ وہ عورتوں کو فوجی تربیت دینا چاہتا ہے۔ میں نے تمہارے خاوند کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا کہ ایوبی نے اپنی فوج کے چند دستوں کو دمشق سے بھاگنے والوں کو لوٹنے اور ان کی لڑکیوں کو اٹھا لانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ سچے اسلام کا علمبردار ہے۔ میں اسی اسلام کی خاطر اور اسی صلاح الدین ایوبی کی خاطر یہاں ایک کام کے لیے آیا ہوں''۔

لڑکی کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ اس نے ماجد حجازی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوما اور کہا۔۔۔ ''تمہارا یہ راز کبھی فاش نہ ہوگا۔ مجھے مت بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟ مجھے مت بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی اصل میں کیا ہے اور تم نے میرے خاوند کو کیا بتایا تھا۔ میں عورتوں کی اس جماعت کی لڑکی تھی جو نورالدین زنگی کی زندگی میں ہم نے بنائی تھی۔ ہم صلیبیوں کے خلاف اپنا محاذ قائم کر رہی تھیں۔ زنگی کی بیوہ ہماری سرپرست اور نگران تھی۔ میرا باپ پسند نہیں کرتا تھا کہ میں اس جماعت میں رہوں۔ وہ لالچی اور خوشامدی انسان ہے۔ اس کے لیے صلیب اور ہلال میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اسی کا غلام ہے جس سے اسے کچھ رقم ہاتھ آ جائے۔ اس نے مجھے اس آدمی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس سودے کو لوگ شادی کہتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ مسلمان کی بچی میدانِ جنگ میں ہو یا اُسے کوئی بھی اور قومی کام دے دو تو وہ مردوں کو حیران کر دیتی ہے اور دشمن کا منہ پھیر سکتی ہے۔ مگر یہی بچی جب حرم میں قید کر لی جاتی ہے وہ چیونٹی بن جاتی ہے۔ یہی حالت میری ہوئی۔ اگر میرا یہ خاوند معمولی حیثیت کا ہوتا تو میں بغاوت کرتی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتی، مگر اس آدمی کے پاس طاقت ہے، دولت ہے اور الصالح کا جو محافظ دستہ ہے، اُس کے آدھے سپاہی اس کے علاقے کے ہیں جو اسی کے بھرتی کرائے ہوئے ہیں۔۔۔

''میں چونکہ اس کی پہلی بیویوں سے زیادہ جوان اور خوب صورت ہوں، اس لیے میں ہی اس کا کھلونا بن گئی۔ میری روح مر گئی۔ میرا صرف جسم زندہ رہا۔ باہر کی دُنیا سے میرا رشتہ ٹوٹ چکا تھا اور میں جس دُنیا میں قید تھی، وہاں شراب اور ناچ گانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر کچھ اور تھا تو وہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کے منصوبے تھے۔۔

بولتے بولتے چپ ہوگئی۔ اس نے ماجد حجازی کو جھنجھوڑ کر کہا...... ''کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟ میں نے یہ یقین کیے بغیر کہ تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہو یا میرے خاوند کے، تمہیں اپنے دِل کی باتیں سنا رہی ہوں۔ اگر میرے خاوند کے جاسوس ہو تو اُسے یہ ساری باتیں سُنا دینا جو میں نے تمہیں سنا رہی ہوں۔ وہ مجھے سزا دے گا۔ میں اب ہر قسم کی سزا برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے پاس اب جسم رہ گیا ہے۔ یہ جسم پتھر بن گیا ہے۔ روح مرگئی ہے''۔

''تمہاری رُوح زندہ ہے''۔ ماجد حجازی نے کہا...... ''میری نگاہیں گہرائیوں سے زیادہ گہرائی تک دیکھ لیا کرتی ہیں۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تمہاری رُوح زندہ ہے، ورنہ میں اپنا راز کبھی تمہارے آگے نہ کھولتا۔ میں حسن اور جوانی سے مغلوب ہونے والا انسان نہیں ہوں، مرد ہوں۔ اپنی جان اسلام کے نام پر وقف کر دی ہے۔ تم بولو۔ اپنا دِل ہلکا کرتی جاؤ، میں سن رہا ہوں، تمہاری داستان میرے لیے نئی نہیں۔ یہ ہر مسلمان عورت کی داستان ہے۔ اسلام کا زوال اُسی روز شروع ہوگیا تھا جس روز ایک مسلمان نے حرم کھولا اور اس میں خوب صورت لڑکیاں خرید کر قید کی تھیں۔ صلیبیوں نے کہا کہ اب اس قوم کو عورت کے ہاتھوں مرواؤ۔ انہوں نے ہمارے بادشاہوں کے حرم اپنی بیٹیوں سے بھر دیے ہیں''۔

''یہ میرے خاوند کے گھر میں بھی ہوا''۔ لڑکی نے کہا...... ''میں نے اپنی آنکھوں سے صلیبی لڑکیوں کو اپنے خاوند کے پاس آتے اور شراب پیتے دیکھا ہے۔ میں سوائے رونے کے اور کر ہی کیا سکتی تھی۔ میں اس لیے نہیں روتی تھی کہ ان لڑکیوں نے مجھ سے میرا خاوند چھین لیا ہے، بلکہ اس لیے کہ مجھ سے میرا اسلام چھن گیا تھا، وہ اسلام جس کی خاطر میں نے تمہاری طرح اپنی جان وقف کی تھی''۔

''آؤ جذباتی باتوں سے ہٹ کر اُس کام کی باتیں کریں جس کے لیے میں یہاں آیا ہوں''۔ ماجد نے کہا اور اس سے پوچھا...... ''اپنے خاوند پر تمہارا کتنا کچھ اثر ہے؟ کیا تم اُس کے دِل سے راز کی باتیں نکال سکتی ہو؟''

''شراب کے دو پیالے پلا کر اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر میں اُس سے ہر راز لے سکتی ہوں''۔ لڑکی نے جواب دیا...... ''تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟''...... اُس نے کچھ سوچ کر اور مُسکرا کر کہا...... ''میری ایک ذاتی شرط مان لو گے؟...... اگر میں تمہارا کام کر دوں تو مجھے یہاں سے لے جاؤ گے؟ میری محبت کو ٹھکرا تو نہیں جاؤ گے؟''

ماجد حجازی نے اس کا دِل رکھ لیا اور اُس کی شرط مان لی۔ اُس نے اسے بتایا کہ الصالح گیارہ سال کا بچہ ہے۔ وہ امیروں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ یہ امیر اور وزیر صلاح الدین ایوبی کو ختم کر کے سلطنتِ اسلامیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوگیا تو ان ٹکڑوں کو صلیبی ہضم کر جائیں گے اور اسلام کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ جس قوم نے اپنے ملک کے ٹکڑے کیے، وہ کبھی زندہ نہیں رہی۔ ہمارے یہ امیر صلیبیوں تک سے مدد لینے کو تیار ہیں۔ صلیبی انہیں ضرور مدد دیں گے اور اس کے عوض وہ انہیں اپنا محکوم بنائیں گے۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ خلیفہ کے ہاں کیا منصوبے بن رہے ہیں اور صلیبی انہیں کیا مدد دے رہے ہیں۔ مجھے یہ خبر بہت جلدی صلاح الدین ایوبی تک پہنچانی ہے تاکہ اس کے مطابق کارروائی کی جائے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی بے خبری میں صلیبیوں کے حملے کی زد میں آجائے''۔

''کیا صلاح الدین ایوبی مسلمان امیروں پر حملہ کرے گا؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''اگر ضرورت پڑی تو وہ دریغ نہیں کرے گا''۔

لڑکی بہت ہی جذباتی تھی اور وہ ذہین بھی تھی۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا...... ''اسلام کو یہ دن بھی دیکھنے تھے کہ ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت آپس میں لڑے گی''۔

''اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں''۔ ماجد حجازی نے کہا..... ''صلاح الدین ایوبی بادشاہ نہیں، اللہ تعالیٰ کا سپاہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ملک اور قوم کو خطروں اور تباہی سے بچانے کا فرض فوج کے سپرد ہے۔ یہ خطرہ باہر کے دشمن کا ہو یا اندر کے غداروں اور مفاد پرست حکمرانوں کا، اُن سے ملک اور قوم کو بچانا سپاہی کا فرض ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ فوج کو حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننے دے گا۔ فوج حکمرانوں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے۔ وہ مسلمان کافروں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے جو کافروں کو دوست سمجھ کر انہیں اپنی جڑوں میں بٹھاتا ہے..... اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے خاوند سے یہ راز لو کہ یہاں کیا منصوبہ بن رہا ہے''۔

''میں راز بھی دوں گی اور دُعا بھی کروں گی کہ جب تم یہاں سے دمشق جاؤ تو تمہارے ساتھ یہ راز بھی ہو اور میں بھی ہوں''۔ لڑکی نے کہا۔

☆

''تریپولی کے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کی طرف ایک ایلچی اس درخواست کے ساتھ بھیج دیا گیا ہے کہ وہ الصالح کی مدد کو آئے''۔ دوسرے ہی دن لڑکی نے ماجد حجازی کو بتایا..... ''میں نے رات کو شراب پلا کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت باتیں کیں اور اُس سے کہا کہ تم لوگ بزدل ہو جو دمشق سے بھاگ کر حلب میں آن پناہ لی ہے۔ کوئی مسلمان حکمران کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا جو صلاح الدین ایوبی نے کی ہے..... ایسی بہت باتیں کیں تو بھڑک اُٹھا اور میرے ساتھ بیہودہ حرکتیں کرتے ہوئے بولا..... ''ایوبی چند دنوں کا مہمان ہے۔ فدائی قاتلوں کے مرشد شیخ سنان سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا بندوست کرے اور منہ مانگا انعام لے۔ وہ اپنے تجربہ کار آدمی دمشق بھیج رہا ہے''..... اس نے یہ بھی بتایا کہ اپنی فوج کی تیاری کے لیے بہت وقت مل جائے گا کیونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں برف پڑنے لگے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی صحرائی فوج کو اتنی سردی اور برف میں نہیں لڑا سکے گا۔

یہ ابتدا تھی۔ شراب اور عورت ایک مرد کے سینے سے راز نکلوا رہی تھی۔ لڑکی نے ہر رات خاوند سے دن بھر کی کارگزاری معلوم کرنی شروع کر دی اور یہ راز ماجد حجازی کے سینے میں محفوظ ہوتے گئے۔ ایک روز خاوند نے ماجد سے کہا..... ''مجھے ملازموں نے تمہارے متعلق ایک قابلِ اعتراض بات بتائی ہے''..... ماجد کانپ اُٹھا۔ وہ سمجھا کہ اس کا بھانڈہ پھوٹ گیا ہے، مگر خاوند نے کہا..... ''تم میری بیوی کو ورغلا رہے ہو۔ میری غیر حاضری میں تم اس کے پاس بیٹھے رہتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ میرے مقابلے میں تم خوبرو ہو اور جوان بھی ہو۔ میری بیوی تمہیں پسند کر سکتی ہے، مگر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔

ماجد حجازی نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ اُس کی غلط فہمی ہے لیکن اُس کے دل میں وہم پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے بھی یہی بات کہی اور اس پر پابندی عائد کر دی کہ وہ ماجد حجازی سے نہیں مل سکتی۔

ماجد حجازی ابھی وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اسے ابھی وہاں کا پورا منصوبہ نہیں ملا تھا۔ اُس نے لڑکی کے خاوند کی ڈانٹ ڈپٹ سہہ لی اور اس کی دھمکیوں سے اپنے اوپر مصنوعی خوف کی کیفیت بھی طاری کر لی۔ اس کی منت سماجت بھی کی۔ اس شخص نے اُسے معاف تو کر دیا لیکن اُسی روز چھ باڈی گارڈ لے آیا۔ اُس دور میں امیر کبیر لوگ اپنے گھر میں باڈی گارڈ رکھنے کو عزت کی نشانی سمجھتے تھے۔ اس آدمی نے ماجد حجازی سمیت سات باڈی گارڈ رکھ لیے اور ان میں سے ایک کو کمانڈر بنا دیا۔ اس کمانڈر نے ماجد کو یہ خصوصی حکم سنایا کہ چونکہ آقا کی نظروں میں مشتبہ ہے۔ اس لیے وہ مکان کے دروازے تک بھی نہیں جا سکتا اور رات کو تھوڑی سی دیر کے لیے بھی غیر حاضر نہیں ہو سکتا۔ ماجد نے اس حکم کے آگے بھی سر

تسلیم ختم کر دیا اور اُس نے ایسا رد یہ اختیار کر لیا جیسے مر گیا ہو۔

دو تین راتیں ہی گزری ہوں گی، آدھی رات کے وقت یہ لڑکی باہر نکلی۔ بڑے دروازے پر ایک باڈی گارڈ پہرے پر کھڑا تھا۔ لڑکی نے اس سے آقاؤں کے جلال اور رعب سے پوچھا...... ''تم یہیں کھڑے رہتے ہو یا مکان کے اِردگرد چکر بھی لگاتے ہو؟''...... اس نے کچھ جواب دیا تو لڑکی نے کہا...... ''تم نئے آدمی ہو۔ ہمارے دمشق والے محافظ بہت ہوشیار اور چوکس تھے۔ تم اگر یہاں نوکری کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اسی طرح ہوشیار اور چوکس بننا پڑے گا۔ آقا بڑی سخت طبیعت کے مالک ہیں''۔ پہرہ دار نے احترام سے سر جھکا لیا۔

لڑکی باڈی گارڈوں کو دیکھنے نکلی تھی۔ وہ اُن دو خیموں کی طرف چل پڑی جن میں دوسرے باڈی گارڈ سوئے ہوئے تھے۔ دروازے والے پہرہ دار نے دوڑ کر کمانڈر کو جگا دیا اور بتایا کہ مالکہ معائنے کے لیے آئی ہے۔ کمانڈر گھبرا کر اُٹھا اور لڑکی کے آگے جھک گیا۔ لڑکی نے اسے بھی ہدایات دیں اور ایک خیمے کے آگے رُک کر بلند آواز سے باتیں کرنے لگی۔ ماجد حجازی اسی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ باہر آ گیا۔ لڑکی نے اُس سے یوں بات کی جیسے اسے اچھی طرح جانتی ہی نہ ہو۔ اس سے پوچھا...... ''تم شاید پہلے والے محافظ ہو؟''...... ماجد نے تعظیم سے جواب دیا تو لڑکی نے کمانڈر سے کہا...... ''اس آدمی کو جلدی تیار کرو۔ یہ میرے ساتھ قصرِ سلطنت تک جائے گا۔ دو گھوڑے فوراً تیار کرو''۔

''اگر آقا آپ کے متعلق پوچھیں تو میں کیا جواب دوں؟'' کمانڈر نے پوچھا۔

''میں سیر سپاٹے کے لیے نہیں جا رہی'' لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا...... ''آقا کے ہی کام سے جا رہی ہوں۔ حکومت کے کاموں میں مت دخل دو، جاؤ گھوڑے تیار کرو''۔

کمانڈر نے ایک آدمی کو اصطبل کی طرف دوڑا دیا۔ ماجد حجازی تلوار سے مسلح ہو کر تیار ہو گیا تھا۔ لڑکی اُسے اصطبل کی طرف لے گئی۔ کمانڈر کو اس لڑکی کے خاوند نے بتا رکھا تھا کہ ماجد پر نظر رکھے اور اسے گھر کے اندر نہ جانے دے۔ اب لڑکی نے ماجد کو ہی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ کمانڈر نے دیکھا کہ وہ دونوں اصطبل کی طرف چلے گئے ہیں تو وہ دوڑ کر اندر لڑکی کے خاوند کو اطلاع دینے چلا گیا۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ خاوند کو معلوم ہے کہ اس کی بیوی مشتبہ باڈی گارڈ کے ساتھ جا رہی ہے۔ وہ لڑکی کو روک بھی نہیں سکتا تھا، کیونکہ وہ اس کی مالکن تھی...... وہ اندر گیا اور ڈرتے ڈرتے اپنے آقا کے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر قندیل جل رہی تھی اور کمرہ شراب کی بدبو سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آقا کو دیکھا، وہ بستر پر اس طرح پڑا تھا کہ اس کا سر اور بازو پلنگ سے لٹک رہا تھا۔ ایک خنجر اس کے سینے میں اُترا ہوا تھا۔ اس کے سینے پر خنجر کے کئی زخم تھے۔ کمانڈر نے اس کی نبض دیکھی، وہ مرا ہوا تھا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔

ماجد حجازی کو لڑکی بتا چکی تھی کہ اُس نے اپنے خاوند سے سارا منصوبہ معلوم کر لیا ہے اور اب اس منصوبے پر عمل شروع ہو رہا ہے۔ اس نے خاوند کو روزمرہ کی طرح شراب پلائی اور اتنی پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ لڑکی اُسے بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر آ سکتی تھی، لیکن انتقام کے جذبے نے اُسے پاگل کر دیا۔ اس نے اسی کے خنجر سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا اور خنجر اس کے سینے میں ہی رہنے دیا...... ماجد حجازی گھبرایا نہیں۔ وہ تو ہر لحظہ کسی نہ کسی اچانک پیدا ہونے والی صورتِ حال کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس نے لڑکی کے اس اقدام کو سراہا اور اسے کہا کہ وہ اطمینان سے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔

وہ جونہی گھوڑوں پر سوار ہونے لگے، رات کی خاموشی میں ایک آواز بڑی ہی بلند سنائی دینے لگی...... ''گھوڑے والو، انہیں روک لو، وہ آقا کو قتل کر کے جا رہی ہے''۔

چھ کے چھ باڈی گارڈ تلواریں اور برچھیاں اُٹھائے باہر آ گئے۔ ماجد اور لڑکی گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔ انہیں اسی راستے سے گزرنا تھا جہاں باڈی گارڈ تھے۔ ماجد نے لڑکی سے کہا کہ وہ گھوڑ سواری نہیں کر سکتی تو اُس کے گھوڑے پر پیچھے بیٹھ جائے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑانا پڑے گا۔ لڑکی نے خود اعتمادی سے کہا کہ وہ گھوڑا دوڑا سکتی ہے۔ ماجد نے اُسے کہا کہ وہ گھوڑا اس کے پیچھے رکھے، ماجد نے تلوار نکال لی۔ اُدھر باڈی گارڈوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا اور وہ اصطبل کی طرف دوڑتے آ رہے تھے۔ ماجد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے پیچھے لڑکی نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ کمانڈر کی آواز گرجی...... ''رُک جاؤ، مارے جاؤ گے''...... چاندنی رات تھی۔ ماجد نے دیکھ لیا کہ باڈی گارڈ برچھیاں اوپر کیے ان کی طرف آ رہے ہیں۔ اس نے گھوڑے کا رُخ ان کی طرف کر دیا اور آگے ہو کر تلوار گھمانے لگا۔ گھوڑے کی رفتار اس کی توقع سے زیادہ تیز تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے سامنے آ گئے اور گھوڑے تلے کچلے گئے۔ ایک برچھی اُس کی طرف آئی جو اُس نے تلوار کے وار سے بے کار کر دی۔

''کمانیں نکالو'' کمانڈر نے چلا کر کہا۔ باڈی گارڈ تجربہ کار معلوم ہوتے تھے۔ ذرا سی دیر میں دو تیر ماجد حجازی کے قریب سے گزر گئے۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھمانا شروع کر دیا تا کہ تیر انداز نشانہ نہ لے سکیں۔ اتنے میں وہ تیروں کی زد سے نکل گئے۔ اب یہ خطرہ تھا کہ باڈی گارڈ گھوڑوں پر تعاقب کریں گے لیکن اُسے پکڑے جانے کا ڈر نہیں تھا، کیونکہ گھوڑوں پر زینیں کسنے کے لیے جو وقت صرف ہونا تھا، وہ اُس کے لیے دُور نکل جانے کے لیے کافی تھا اور ہوا بھی یہی۔ آبادی سے دُور نکل جانے تک اُسے تعاقب میں آتے گھوڑوں کی آوازیں سنائی نہ دیں۔ اس نے لڑکی سے کہا کہ اب گھوڑا اس کے پہلو میں کر لے۔

لڑکی کا گھوڑا جب اس کے پہلو میں آیا تو ماجد نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ گھبرائی یا ڈری تو نہیں؟ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ لڑکی نے اُسے دوڑتے گھوڑوں کے ساتھ بلند آواز سے سنانا شروع کر دیا کہ اس نے کون سا راز اپنے خاوند سے حاصل کیا ہے۔ ماجد نے اسے کہا کہ آگے چل کر رُکیں گے تو ساری بات سنوں گا لیکن لڑکی بولتی رہی۔ ماجد نے جب بار بار اسے کہا کہ چپ ہو جائے، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے تو لڑکی نے کہا...... ''پھر رُک جاؤ، میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکوں گی''...... ماجد ابھی رُکنا نہیں چاہتا تھا اور لڑکی بولتی جا رہی تھی۔ آخر لڑکی نے ہاتھ لمبا کر کے ماجد کے گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں۔ اس کے لیے اسے آگے جھکنا پڑا۔ تب ماجد نے دیکھا کہ لڑکی کے دوسرے پہلو میں تیر اُترا ہوا ہے۔ ماجد نے فوراً گھوڑا روک لیا۔

''یہ تیر مجھے وہیں لگ گیا تھا''...... لڑکی نے کہا...... ''میں اسی لیے تمہیں دوڑتے گھوڑے سے اصل بات سنا رہی تھی کہ مرنے سے پہلے یہ راز تمہیں دے دوں''...... ماجد حجازی نے اسے گھوڑے سے اُتارا اور زمین پر بیٹھ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس نے تیر کو ہاتھ لگایا۔ وہ خاصا اندر چلا گیا تھا، نکالا نہیں جا سکتا تھا یہ جراح کا کام تھا جو پٹھا چیر کر تیر نکال سکتا تھا...... ''اسے رہنے دو، میری بات سن لو''...... لڑکی نے کہا...... اور اس نے ماجد کو سارا منصوبہ سنا دیا جو اس نے خاوند سے سنا تھا...... ''میرا خیال ہے کہ یہ شک کسی کو نہیں ہوگا کہ ہم کوئی راز لے کر حلب سے بھاگے ہیں۔ وہ منصوبے میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ محافظوں تک کو معلوم ہے کہ میرے خاوند کو شک ہے کہ میرے اور تمہارے درپردہ تعلقات ہیں۔ وہ یہی کہیں گے کہ میں تمہارے ساتھ محبت کی خاطر بھاگی ہوں''۔

لڑکی ساری بات سنا چکی تو اس نے ماجد کا ماتھا چوم کر کہا...... ''اب سکون سے مر سکوں گی''...... اور اُس پر غشی طاری ہونے لگی۔

ماجد نے دوسرے گھوڑے کو اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا۔ لڑکی کو اپنے گھوڑے پر ڈال کر اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور اسے ایسی پوزیشن میں ساتھ لگا لیا کہ تیر اُسے تکلیف نہ دے، مگر تیر اپنا کام کر چکا تھا۔

☆

وہ جب دمشق میں اپنے کمانڈر حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچا، اُس وقت لڑکی کو شہید ہوئے کم و بیش بارہ گھنٹے گزر گئے تھے۔ اس نے قصرِ حلب کا تمام تر منصوبہ سنا کر بتایا کہ یہ کارنامہ اس لڑکی کا ہے۔ حسن بن عبداللہ اُسی وقت ماجد حجازی کو اور لڑکی کی لاش کو صلاح الدین ایوبی کے پاس لے گیا۔ ماجد حجازی نے بتایا کہ لڑکی کیا تھی اور اسے باپ نے کس طرح ایک جاگیردار کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ ماجد نے لڑکی کی ساری باتیں سلطان ایوبی کو سنائیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکی کا باپ بھی دمشق سے بھاگ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے لڑکی کی لاش نورالدین زنگی کی بیوہ کے حوالے کر دی اور حکم دیا کہ لڑکی کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے۔

لڑکی نے مرنے سے پہلے ماجد حجازی کو جو منصوبہ بتایا تھا، وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان الملک الصالح تمام مسلمان مملکتوں کے اُمراء کو سلطان ایوبی کے خلاف متحد کر رہا تھا اور ان کی فوجوں کو ایک کمانڈر کے تحت لانا چاہتا تھا۔ تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو مدد کے لیے آمادہ کرایا گیا تھا۔ یہ لڑکی جو نئی خبر لائی تھی، یہ تھی کہ ریمانڈ اپنی فوج کو اس طرح استعمال کرے گا کہ مصر اور شام کے درمیان سلطان ایوبی کے لیے رسد اور کمک کے راستے روک دے گا۔ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ایوبی جنگ کی صورت میں مصر سے کمک منگوائے گا۔ اس کے علاوہ ریمانڈ سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کے لیے اپنے تیز رفتار سوار دستے حرکت میں رکھے گا۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ریمانڈ دوسرے صلیبی حکمرانوں کو بھی مدد کے لیے بلا لے گا۔ حسن بن صباح کے پیروکار فدائیوں کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا سودا طے کر لیا گیا تھا۔ فدائی فوری طور پر دمشق پہنچ رہے تھے۔ اس تمام تر منصوبے کا ہر حصہ اہم تھا لیکن سلطان ایوبی نے اس کے جس حصے پر زیادہ توجہ دی وہ یہ تھا کہ دشمن سردیوں کا موسم گزر جانے کے بعد جنگ شروع کرے گا۔ ان علاقوں میں سردی زیادہ پڑتی تھی، بارشیں ہوتی تھیں اور بعض جگہوں پر برف بھی پڑتی تھی۔ ایسے موسم میں جنگ نہیں لڑی جا سکتی تھی اور نہ ہی کبھی لڑی گئی تھی۔ یہاں جس نے بھی حملہ کیا، کھلے موسم میں کیا۔

لڑکی کی حاصل کی ہوئی معلومات کے مطابق منصوبے میں شامل کیا گیا تھا کہ فوجیں قلعہ بند ہو جائیں۔ فوجوں کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور حملے کی تیاری کی جائے۔ موسم کھلتے ہی ان فوجوں کو شام پر حملہ کرنا تھا۔ صلیبی حکمران ریمانڈ کو جنگی مدد کا معاوضہ پیش کیا گیا تھا جو سونے کے سکوں کی صورت میں تھا۔ ریمانڈ نے شرط پیش کی تھی کہ اسے یہ معاوضہ پہلے ادا کر دیا جائے۔ الصالح کے حواری اُمراء نے فیصلہ کیا کہ معاوضہ فوراً بھیج دیا جائے۔

''مسلمانوں کی بدنصیبی''...... سلطان ایوبی نے آہ لے کر کہا...... ''آج مسلمان کفار کے کندھے سے کندھا ملا کر اسلام کے خلاف اُٹھے ہیں۔ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو اس سے زیادہ اور اذیت کیا ملے گی''۔

قاضی بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں...... ''میرا عزیز دوست صلاح الدین ایوبی اتنا جذباتی کبھی نہیں ہوا تھا، جتنا اُس وقت ہوا جب اسے بتایا گیا کہ سلطان الصالح جسے اسلام کی عظمت کی نشانی سمجھا جاتا ہے اور مسلمان اُمراء مل کر اس کے اس عزم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبیوں کو سرزمین عرب سے نکال کر سلطنت اسلامیہ کو وسعت دی جائے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔ وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ رُک گیا اور ایسے جوش میں بولا جس

میں جذباتیت زیادہ تھی، کہنے لگا۔ ''یہ ہمارے بھائی نہیں، ہمارے دشمن ہیں۔ اگر مرتد بھائی کا قتل گناہ ہے تو میں یہ گناہ کروں گا۔ اگلے جہان دوزخ کی آگ قبول کرلوں گا لیکن اس جہان میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذہب کو رُسوا نہیں ہونے دوں گا۔ میرا ضمیر پاک ہے۔ اس حکومت پر لعنت، اس حکمران پر لعنت جو کفار سے دوستی کے معاہدے کرے اور کفار سے مدد مانگے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سب دولت اور حکومت کا لالچ ہے۔ یہ لوگ ایمان نیلام کر کے حکومت کا نشہ پورا کرنا چاہتے ہیں''...... اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ مار کر کہا...... ''وہ سردی میں نہیں لڑنا چاہتے، وہ برفانی دیواروں میں لڑنے سے ڈرتے ہیں۔ میں سردی میں لڑوں گا، برف سے لدی چوٹیوں پر اور یخ دریاؤں میں لڑوں گا......

''صلاح الدین ایوبی حقیقت پسند تھا۔ جذبات سے مغلوب ہو کر اس نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ جنگ کے متعلق اس نے کبھی نعرہ نہیں لگایا تھا۔ وہ دوٹوک ہدایات دیا کرتا تھا۔ ہر دستے کے کمان دار کو دفتر میں کاغذ پر لکیریں ڈال کر اور میدانِ جنگ میں زمین پر انگلی سے لکیریں کھینچ کر ہدایات دیا کرتا تھا مگر اُس دن اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہا۔ اس نے ایسی باتیں بھی کہہ دیں جو وہ عام محفل میں نہیں کہا کرتا تھا۔ وہ شاید یہ جانتا تھا کہ اس محفل میں فوج کے قابلِ اعتماد سالاروں اور میرے سوا اور کوئی نہیں''۔

''توفیق جواد!''...... سلطان ایوبی نے دمشق کی فوج کے سالار جواد سے کہا...... ''میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ تمہاری فوج سردیوں میں لڑ سکے گی یا نہیں۔ جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لو کہ میں رات کو چھاپہ ماروں کو ایسی جگہوں پر چھاپے مارنے کے لیے بھیجوں گا، جہاں انہیں دریا میں سے گزر کر جانا پڑے گا۔ بارش بھی ہوگی اور برف بھی ہو سکتی ہے''۔

''میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ میری فوج میں جذبہ ہے''...... سالار توفیق جواد نے کہا...... ''اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فوج میرے ساتھ ہے۔ الصالح کے ساتھ بھاگ نہیں گئی۔ میرے سپاہی جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتے ہیں''۔

''اگر سپاہی میں جذبہ ہو اور وہ جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتا ہو تو وہ جلتے ہوئے ریگستان میں بھی لڑ سکتا ہے اور جمی ہوئی برف پر بھی''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اللہ کے سپاہی کو نہ ریگزار کی تپش روک سکتی ہے نہ برف کی یخ سردی''...... اس نے محفل کے حاضرین پر نگاہ دوڑائی اور کہا...... ''تاریخ شاید مجھے پاگل کہے گی، لیکن میں اس فیصلے سے ٹل نہیں سکتا کہ میں دسمبر کے مہینے میں جنگ شروع کروں گا۔ اُس وقت موسم سرما کا عروج ہوگا۔ پہاڑیوں کا رنگ سفید ہوگا۔ یخ جھکڑ چلتے ہوں گے اور راتیں ٹھٹھر رہی ہوں گی۔ کیا تم سب میرے اس فیصلے کو قبول کرو گے؟''

سب نے بیک زبان کہا کہ وہ اپنے سلطان کا ہر حکم بجا لائیں گے۔ تب اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آگئی اور وہ ایسے احکام دینے لگا جن میں جذبات کا عمل دخل نہیں تھا۔ اس نے کہا...... ''آج ہی رات سے تمام فوج اس حالت میں جنگی مشقیں کرے گی کہ ہر ایک فرد، سالار سے سپاہی تک، کپڑوں کے بغیر ہوگا۔ صرف کمر جامہ پہنا جائے گا جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوگی۔ باقی جسم ننگا ہوا گا۔ عشا کی نماز کے فوراً بعد تمام فوج کپڑے اُتار کر باہر نکل جایا کرے گی۔ یہاں قریب ہی جھیلیں ہیں۔ فوج کو ان میں سے گزارا جائے گا۔ میں تمہیں اس تربیتی منصوبے کی تفصیلات دوں گا۔ تمام طبیب فوج کے ساتھ ہوں گے۔ ابتداء میں سپاہی ٹھنڈ سے بیمار پڑ جائیں گے۔ طبیب فوراً، اسی جگہ انہیں گرم کپڑوں میں لپیٹ کر اور آگ کے قریب لٹا کر علاج کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ بیماروں کی تعداد زیادہ نہیں ہوگی۔ دن کے وقت طبیب سپاہیوں کا معائنہ کرتے رہیں گے۔ اگر طبیبوں کی تعداد کم ہو تو مصر سے بلا لو، یہاں سے یہ ضرورت پوری کرلو''۔

یہ نومبر ۱۱۷۴ء کا آغاز تھا۔ رات کو سردی خاصی زیادہ ہو جاتی تھی۔ سلطان ایوبی نے راتوں کو ٹریننگ کا پروگرام مرتب

کر لیا اور اپنے سالاروں اور جونیئر کمانڈروں کو بلایا۔ اس نے مختصر سا لیکچر دیا...... ''اب تم جس دشمن سے لڑو گے، اسے دیکھ کر تمہاری تلواریں نیاموں سے باہر آنے سے گریز کریں گی، کیونکہ تمہارا دشمن بھی ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے تمہارے سامنے آئے گا۔ اس کے علم پر بھی وہی چاند تارا ہے جو تمہارے علم پر ہے۔ وہ بھی وہی کلمہ پڑھتا ہے جو تم پڑھتے ہو۔ تم انہیں مسلمان سمجھو گے مگر وہ مرتد ہیں۔ وہ اپنی نیاموں میں صلیب کی تلواریں لا رہے ہیں۔ ان کی ترکش میں صلیب کے تیر ہیں، تم ایمان کے پاسبان ہو، وہ ایمان کے بیوپاری ہیں۔ خود ساختہ سلطان الصالح بیت المال کا سونا اور خزانہ ساتھ لے گیا ہے اور اُس نے قوم کو یہ دولت تریپولی کے صلیبی حکمران کو اس مقصد کے لیے دے دی ہے کہ وہ اسے جنگی مدد دے کر تمہیں شکست دے۔ یہ شکست تمہاری نہیں، اسلام کی شکست ہوگی۔ یہ خزانہ قوم کا ہے۔ قوم کی دی ہوئی زکوٰۃ کا ہے۔ یہ خزانہ شراب اور عیاشی میں بہہ رہا ہے اور اسی خزانے سے کفار کے ساتھ دوستانے گانٹھے جا رہے ہیں۔ کیا تم قومی خزانے کے چور کو اپنا سلطان تسلیم کرو گے؟''

''نہیں نہیں'' کے ساتھ کچھ آوازیں ''لعنت لعنت'' کی بھی سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نے جن اصولوں پر مصر کی فوج تیار کر لی ہے، وہی اصول تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کے انتظار میں اپنے گھروں میں نہ بیٹھے رہو۔ یہ کوئی اصول نہیں کہ دشمن حملہ کرے تو تم حملہ روکو۔ تمہیں یہ اصول قرآن نے دیا ہے کہ جنگ ہو تو لڑو، جنگ نہ ہو تو جنگ کی تیاری میں مصروف رہو۔ جوں ہی تمہیں پتا چلے کہ دشمن تم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے، اُس پر حملہ کر دو۔ یاد رکھو جو مسلمان نہیں، وہ تمہارا دوست نہیں۔ کافر تمہارے قدموں میں آ کر سجدہ کرے تو بھی اسے اپنا دوست نہ سمجھو۔ دوسرا بنیادی اُصول یہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ اور قوم کی آبرو کے پاسبان تم ہو۔ اگر تمہارے حکمران بے غیرت ہو جائیں، قوم بدکاری میں تباہ ہو جائے اور دشمن غالب آ جائے تو آنے والی نسلیں کہیں گی کہ اس قوم کی فوج نااہل اور کمزور تھی۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا کہ حکمرانوں کی بداعمالیاں فوج کے حساب میں لکھی جاتی ہیں، کیونکہ فتح و شکست کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے۔ حکمرانوں کی عیش پسندی اور مفاد پرستی فوج کو کمزور کر چکی ہوتی ہے۔ پھر شکست کی ذمہ داری فوج کے کندھوں پر ڈال دی جاتی ہے......

''پھر کیوں نہ تم ابھی سے اپنے خلیفہ اور حکمرانوں کو ٹھکانے لگا دو جو تمہاری اور قوم کی ذلت و رُسوائی کا باعث بن رہے ہیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ میں جس جنگ کی تیاری کر رہا ہوں وہ کیسی ہوگی۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ بڑی ہی سخت جنگ ہوگی۔ سخت ان معنوں میں کہ میں تمہیں انتہائی دشوار حالات میں لڑا رہا ہوں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ تمہاری تعداد کم ہوگی۔ اس کمی کو تم جذبے اور ایمان کی قوت سے پورا کرو گے''۔

سلطان ایوبی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ دشمن کے جاسوس اُن کے درمیان موجود ہیں اور ان جاسوسوں کا طریقہ کار کیا ہے۔

☆

''اور تم یہ مت سوچو کہ صلاح الدین ایوبی مسلمان ہے۔ خلیفہ کا درجہ پیغمبر جتنا ہوتا ہے۔ نجم الدین ایوب کے اس مرتد بیٹے نے خلیفہ کو قصرِ خلافت سے نکال دیا ہے اور شام پر غاصبانہ قبضہ کر کے مصر اور شام کا بادشاہ بن گیا ہے۔ اگر تم خدا کے قہر سے بچنا چاہتے ہو، زلزلوں اور طوفانوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو صلاح الدین ایوبی کو شرمناک شکست دے کر سلطنت کی گدی بحال کرو''...... یہ آواز ایک امیر کی تھی جو حلب میں اپنی فوج کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اس نے کہا...... ''سردیوں کا موسم نکل جائے گا تو ہم دمشق پر حملہ کریں گے۔ اس دوران ہم فوج میں اضافہ کریں گے اور تم جنگ

کی تیاری کرتے رہو گے''۔

''ذہنی تخریب کاری کے بغیر جنگ جیتنا بہت مشکل ہے''...... یہ آواز صلیبی فوج کے ایک مشیر کی تھی جسے ریمانڈ نے الصالح کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا...... ''ہم تمہارے کسی شہر میں آ کر نہیں لڑیں گے۔ ہم مصر سے آنے والی کمک کو روکیں گے اور موقع دیکھ کر سلطان ایوبی کو کہیں گھیرے میں لے لیں گے۔ آپ کی فوج دمشق پر حملہ کرے گی۔ سردیوں کے موسم میں نہ آپ حملہ کر سکتے ہیں، نہ صلاح الدین ایوبی۔ آپ اس وقت سے فائدہ اُٹھائیں۔ مجھے جو خطرہ نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کی قوم آپس میں لڑنے سے گریز کرے گی۔ آپ ان علاقوں میں جو آپ کے قبضے میں ہیں، اپنی قوم کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکائیں۔ اس کا بہترین حربہ آپ کا مذہب اور قرآن ہے۔ اس مقصد کے لیے مذہب، قرآن اور مسجد کو استعمال کریں۔ ہم نے مسلمانوں میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ مذہب کے نام پر جلدی بھڑکتے ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کریں تو ہم آپ کو یہ تخریب کاری دمشق میں بھی کر کے دکھا دیں گے''۔

''یہ دیکھ کر میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ پانچ سال گزر گئے ہیں، ہم سے ابھی صلاح الدین ایوبی قتل نہیں ہوا''...... یہ آواز فدائی قاتلوں (حشیشین) کے مُرشد شیخ سنان کی تھی۔ وہ اُن فدائیوں سے جنہیں سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا جا رہا تھا کہہ رہا تھا۔ ایوبی پر ہمارے چار حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ ناکام بھی ایسے کہ ہمارے آدمی مارے گئے اور زندہ بھی پکڑے گئے۔ حسن بن صباح کی روح مجھ سے جواب مانگ رہی ہے۔ کیا تم اسے زہر نہیں دے سکتے؟ کہیں چھپ کر اُسے تیر کا نشانہ نہیں بنا سکتے؟ کیا تم اپنی موت سے خوف زدہ ہو گئے ہو؟ اپنے حلف کے [illegible] بھول گئے ہو؟ میں اب یہ نہیں سننا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی ابھی زندہ ہے''۔

''وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا''...... ایک فدائی نے کہا اور اس کے ساتھیوں [illegible] اس کی تائید کی۔

سلطان ایوبی کی جو فوج مصر میں تھی، اس کی کمان سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے پاس تھی۔ سلطان ایوبی اُسے یہ حکم دے آیا تھا کہ بھرتی تیز کر دے اور جنگی مشقیں جاری رکھے۔ اس نے العادل کو سوڈان کی طرف سے خبردار کیا تھا اور اسے بتا آیا تھا کہ سوڈان کی طرف سے معمولی سی بھی فوج حرکت ہو تو وسیع پیمانے پر جنگی کارروائی کرے اور سلطان ایوبی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کمک اور رسد تیار رکھے۔ دمشق کی مہم کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کیسی صورتِ حال پیدا کر دے۔ اب اس نے جو منصوبہ بنایا تھا، اس کے لیے اسے کمک کی ضرورت تھی۔ جاسوس اور لڑکی نے اسے بتا دیا تھا کہ ریمانڈ مصر اور شام کے درمیان حائل ہو کر سلطان ایوبی کی کمک اور رسد روک لے گا۔ اس اطلاع کے پیش نظر اس نے کمک قبل از وقت منگوا کر اپنے ہاتھ میں رکھ لینا ضروری سمجھا۔ اس کمک کو سردیوں کی جنگ کی ٹریننگ کی بھی ضرورت تھی۔ اس نے ایک طویل پیغام کے ساتھ ایک قاصد قاہرہ بھیج دیا۔

اس نے العادل کو پیادہ اور سوار دستوں کی تعداد لکھی جو اُسے درکار تھی اور یہ ہدایت بھیجی کہ تمام فوج اکٹھی کوچ نہ کرے، بلکہ چھوٹے چھوٹے دستے رات کے وقت ایک دوسرے سے دُور دُور نقل و حرکت کریں۔ دن کے وقت سفر نہ کیا جائے۔ حتی الامکان کمک کے کوچ کو خفیہ رکھا جائے...... العادل اپنے بھائی کا ہی تربیت یافتہ تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کمک روانہ کر دی اور اسے خفیہ رکھنے کا یہ انتظام کیا کہ فوج کے چند افراد کو عام مسافروں کے لباس میں اونٹوں پر سوار کر کے اس ہدایت کے ساتھ کمک کے راستے میں بھیج دیا کہ وہ دائیں بائیں، دُور دُور چلتے رہیں اور کوئی مشکوک آدمی نظر آئے تو اس کی چھان بین کریں اور ضرورت محسوس ہو تو اسے پکڑ لیں۔

کمک کے دستے چند دنوں بعد دمشق پہنچنے لگے اور سلطان ایوبی نے انہیں بھی رات کی ٹریننگ میں شامل کر دیا۔ اس کے ساتھ نئی بھرتی کا حکم بھی دے دیا۔

☆

دمشق کے مضافات میں اُس دور میں جنگل اور کھڈ نالوں کا علاقہ ہوا کرتا تھا۔ وہاں ایک صدیوں پرانے قلعے کے کھنڈر تھے۔ اس کے اندر کبھی کوئی نہیں گیا تھا۔ رات کو لوگ اس کے قریب سے بھی نہیں گزرتے تھے۔ یہ چونکہ فوجی استعمال کے قابل نہیں رہا تھا اور تھا بھی بے موقعہ، اس لیے فوج نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ سلطان ایوبی کے دور میں دمشق کے دفاع کے لیے ایک اور جگہ قلعہ تعمیر کر لیا گیا تھا۔ وہ پرانا قلعہ ناگوں والا قلعہ کہلاتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس میں ناگوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ ناگ اور ناگن کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ قلعہ سکندر اعظم نے بنایا تھا اور یہ بھی کہ یہ دارا ایرانی کا بنایا ہوا ہے۔ بعض اسے بنی اسرائیل کی تعمیر کہتے تھے۔

اس میں تو اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ کس کی تعمیر تھی۔ ایک روایت کو سب سچ مانتے تھے۔ کہتے تھے کہ صدیاں گزریں یہاں فارس کا ایک بادشاہ آیا تھا۔ یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ یہاں اس نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے اندر اپنے لیے ایک خوش نما محل بنایا مگر اسے آباد کرنے کو اس کی بیوی نہیں تھی۔ اسے کسی گڈریے کی بیٹی پسند آ گئی۔ اس لڑکی کا منگیتر بھی تھا۔ بادشاہ نے لڑکی کے ماں باپ کو بے بہا دولت دی اور ان سے لڑکی لے لی۔ منگیتر نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اس قلعے میں کبھی آباد نہیں ہو سکے گا۔ بادشاہ نے اسے قلعے میں لے جا کر قتل کر دیا اور لاش اندر ہی کہیں دفن کر دی۔ لڑکی نے بادشاہ سے کہا کہ اس نے اس کا جسم خرید لیا ہے، اس کی روح آزاد ہو گئی ہے۔ پہلے روز ہی بادشاہ جب گڈریے کی بیٹی کو شاہانہ لباس پہنا کر محل میں داخل ہوتو فرش بیٹھ گیا اور دیواروں کے ساتھ چھت نیچے آ رہی۔ بادشاہ اور لڑکی ملبے میں دفن ہو گئے۔ بادشاہ کی فوج ملبہ ہٹانے لگی تو ملبے میں سے دو ناگ نکلے۔ فوج نے انہیں برچھیوں، تیروں اور تلواروں سے مارنے کی کوشش کی لیکن ناگوں کو برچھی لگتی تھی نہ تلوار۔ تیر بھی ان کے قریب جا کر رُخ بدل لیتے تھے۔ فوج ڈر کر بھاگ گئی۔ یہ بھی مشہور تھا کہ اب بھی رات کو قلعے کے قریب سے گزرو تو ایک لڑکی گڈریوں کے لباس میں بھیڑ بکریاں چراتی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی ایک جوان آدمی بھی نظر آتا ہے۔ بہرحال سب مانتے تھے کہ اب قلعے میں جن اور پریاں رہتی ہیں۔

جن دنوں سلطان ایوبی خلیفہ اور اُمراء کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا، دمشق میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ ناگوں والے قلعے میں ایک بزرگ نمودار ہوا ہے جو دعا کرتا ہے تو سب روگ دور ہو جاتے ہیں اور وہ آنے والے وقت کی خبریں بھی دیتا ہے۔ شہر میں کسی نے اس کی کرامات سنائی تھیں جو فوراً مشہور ہو گئیں۔ بعض نے اسے امام مہدی بھی کہا تھا۔ لوگ وہاں جانے کو بے چین ہونے لگے، لیکن ڈرتے تھے کہ یہ گڈریے کی بیٹی اور اس کی منگیتر یا فارس کے بادشاہ کی بدروح ہی نہ ہو اور یہ جنوں اور بھوتوں کا فریب بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے ذرا دُور کھڑے ہو کر قلعے کو دیکھا تھا۔ تین چار آدمیوں نے بتایا کہ انہوں نے سیاہ داڑھی اور سفید چغے والے ایک آدمی کو قلعے سے باہر آتے اور فوراً ہی اندر جاتے دیکھا تھا۔ لوگوں کو اس بزرگ کی کرامات تو سنائی دیتی تھیں، مگر ایسا کوئی آدمی نہیں ملتا تھا جس نے یہ کہا ہو کہ وہ قلعے کے اندر گیا اور اس کے لیے بزرگ نے دعا کی تھی۔

ایک روز سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا ایک سپاہی ڈیوٹی کا وقت پورا کر کے کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ وہ وجیہہ اور خوبرو جوان تھا۔ محافظ دستے کے تمام جوان ایسے ہی تھے۔ سامنے سے نورانی چہرے والا ایک آدمی آ رہا تھا جس کی سیاہ

داڑھی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ اس کا چغہ سفید تھا اور سر پر نہایت دلکش عمامہ۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ محافظ سپاہی کے سامنے آ کر وہ رُک گیا۔ سپاہی کی ٹھوڑی کو تھام کر ذرا اوپر اُٹھایا اور دھیمی آواز میں کہا...... مجھے غلطی نہیں لگ سکتی۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو دوست؟''

''بغداد کا''...... سپاہی نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا...... ''آپ مجھے پہچانتے ہیں؟''

''ہاں دوست! میں تمہیں پہچانتا ہوں''...... سیاہ داڑھی والے نے حیرت کے لہجے میں کہا...... ''مگر تم شاید اپنے آپ کو نہیں پہچانتے''۔

سپاہی اس کی حیرت پر حیران ہوا اور اس کے بولنے کے انداز سے متاثر بھی ہوا، اگر اس آدمی کا چہرہ ایسا نورانی، اس کی داڑھی اتنی اچھی اور چغہ اتنا سفید نہ ہوتا تو سپاہی اسے کوئی دیوانہ یا مجذوب سمجھ کر ٹال دیتا، لیکن اس شخص کی آنکھوں، حال حلیے اور سراپا نے اسے رُکے رہنے پر مجبور کر دیا۔

''اپنے پردادا کو جانتے ہو، کون تھا اور کیا تھا؟''...... اس شخص نے سپاہی سے پوچھا۔

''نہیں''...... سپاہی نے جواب دیا۔

''اور دادا کو؟''

''نہیں''

''تمہارا باپ زندہ ہے؟''

''نہیں''...... سپاہی نے جواب دیا...... ''میں دودھ پینے کی عمر میں تھا، جب وہ مر گیا تھا''۔

''ان میں بادشاہ کون تھا؟''...... سیاہ داڑھی والے نے پوچھا...... ''پردادا؟ دادا؟ یا باپ؟''

''کوئی بھی نہیں''...... سپاہی نے جواب دیا...... ''میں کسی شاہی خاندان کا فرد نہیں ہوں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے محافظ دستے کا سپاہی ہوں۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری شکل و صورت شاید آپ کے کسی پرانے دوست سے ملتی جلتی ہے''۔

اس شخص نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہ ہو۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی دائیں ہتھیلی کی لکیروں کو غور سے دیکھنے لگا، پھر اس کی آنکھوں میں چہرہ اس کے قریب کر کے جھانکا اور بڑی سنجیدہ اور کسی قدر حیرت زدہ آواز میں بولا...... ''مجھے یہ تخت کس کا نظر آ رہا ہے۔ یہ تاج کس کا نظر آ رہا ہے! تمہاری آنکھوں میں وہ جاہ و جلال محفوظ ہے جو تم نے نہیں دیکھا۔ تمہارے دادا کے محافظ دستے میں چالیس جوان تم جیسے تھے۔ آج تم اُس انسان کے محافظ دستے کے سپاہی ہو جو تمہارے دادا کے تخت پر بیٹھا ہے۔ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ تم شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو؟ میرا علم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میری آنکھیں غلط نہیں دیکھ سکتیں...... تم نے شادی کر لی ہے؟''

''نہیں!''...... سپاہی نے مرعوب ہو کر جواب دیا...... ''اپنے خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ منگنی ہو گئی ہے''۔

''نہیں ہو گی''...... اس شخص نے کہا...... ''یہ شادی نہیں ہو گی''۔

''کیوں؟''...... سپاہی نے گھبرا کر پوچھا۔

''تمہاری روح کا ملاپ کہیں اور ہے''...... سیاہ داڑھی والے نے کہا...... ''مگر وہ کہیں اور قید ہے...... سن دوست! تم مظلوم ہو، کسی کے فریب کا شکار ہو۔ تم گمراہ ہو، تمہارے خزانے پر سانپ بیٹھا ہے۔ وہ شہزادی ہے جو تمہاری را

دیکھ رہی ہے، تمہیں کوئی بتادے کہ وہ کہاں ہے تو تم جان کی بازی لگا کر اسے آزاد کرالو گے''۔ وہ چل پڑا۔

سپاہی نے اس کے پیچھے جا کر اسے روکا اور کہا..... ''مجھے بتا کر جاؤ کہ آپ نے میرے ہاتھ اور میری آنکھوں میں کیا دیکھا ہے۔ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ مجھے گمراہ اور پریشان کر چلے ہیں''۔

''میں کچھ بھی نہیں'' اس شخص نے جواب دیا..... ''جو کچھ ہے وہ میرے اللہ کی ذات ہے۔ تین چار بڑی پاک روحیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ یہ خدا کے اُن برگزیدہ لوگوں کی روحیں ہیں جو ماضی کو جانتے اور مستقبل کو پہچانتے تھے۔ میں کچھ ورد وظیفے کیا کرتا ہوں۔ ایک رات مجھے اشارہ ملا کہ ناگوں والے قلعے میں چلے جاؤ، تمہیں کوئی ملنے کو بے تاب ہے۔ وہی ورد وظیفے کرنا۔ میں وہاں جانے سے ڈرتا تھا لیکن اشارہ خدا کا ہو تو ڈر کیسا! میں چلا گیا اور پہلی رات ہی وظیفے کے دوران مجھے یہ روحیں مل گئیں۔ انہوں نے مجھے یہ طاقت دے دی کہ انسان کا چہرہ اور آنکھیں دیکھ کر اس کے دادا، پردادا تک کی تصویریں نظر آجاتی ہیں مگر یہ کیفیت مجھ پر کبھی کبھی طاری ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھا تو میں اس عالم میں تھا۔ کان میں ایک روح کی سرگوشی سنائی دی۔ اُس جوان کو دیکھو، شہزادہ ہے مگر اپنی لوحِ تقدیر سے بے خبر ہے اور سپاہیوں کے لباس میں دوسروں کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتا رہتا ہے''..... یہ کیفیت گزر گئی ہے۔ اب تم مجھے صرف سپاہی نظر آتے ہو''۔

یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ ہر کوئی خزانے اور جاہ و حشمت کے خواب دیکھتا ہے۔ یہ سپاہی تھا۔ اسے خزانے اور شہزادی کا اشارہ ملا تو سیاہ ریش کی منت کی کہ اسے اس کے متعلق کچھ اور بتائے۔ سیاہ ریش نے مُسکرا کر کہا.....

''میرے پاس نجوم کا علم نہیں، غیب دان بھی نہیں ہوں۔ اللہ اللہ کرنے والا درویش ہوں۔ کوشش کروں گا کہ تمہیں کچھ بتا سکوں، لیکن جہاں تمہیں بلاؤں گا، وہاں تم آؤ گے نہیں''۔

''جہاں آپ کہیں گے، آجاؤں گا''

''ناگوں والے قلعے میں آجاؤ گے؟''

''ضرور آؤں گا''

''آج رات''.....سیاہ داڑھی والے نے کہا..... ''غسل کر کے ذہن کو دُنیا کے خیالوں سے خالی کر کے آجانا اور یاد رکھو، کسی سے ذکر نہ کرنا۔ کسی کو نہ بتانا کہ میں تمہیں ملا تھا اور تم رات کہیں جا رہے ہو یا نہیں..... چوری چوری آنا''۔

☆

اگر خزانے کا، شہزادی اور تخت و تاج کا خیال نہ ہوتا تو یہ سپاہی کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہوتا، رات کے وقت ناگوں کے قلعے میں نہ جاتا۔ سلطان ایوبی کے مکان کے پچھلے دروازے پر اس کا پہرہ رات کے آخری پہر تھا۔ اس وقت سے پہلے وہ گھوم پھر سکتا تھا۔ وہ جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو خوف نے اس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا..... ''میں آگیا ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟''..... اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک مشعل کہیں سے آئی اور اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دل پر خوف کا شکنجہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ مشعل ایک آدمی نے اُٹھا رکھی تھی۔ اس نے قریب آکر سپاہی سے پوچھا..... ''تم ہی ہو جسے حضرت نے آج راستے میں کہیں دیکھا تھا؟''..... سپاہی نے بتایا کہ وہی ہے تو مشعل بردار نے کہا..... ''میرے پیچھے آؤ''۔

''تمہیں جو کچھ نظر آرہا ہوں، وہی ہوں''..... اسے جواب ملا..... ''دل سے خوف نکال دو۔ ذہن سے ہر خیال نکال دو۔ خاموشی سے چلتے آؤ''..... مشعل بردار چلتا اور بولتا جا رہا تھا۔ ''حضرت سے کوئی سوال نہ پوچھنا، وہ جیسے حکم دیں ویسے کرنا''۔

تاریک غلام گردشوں اور چھتوں سے ڈھکے کئی ایک راستوں سے گزر کر مشعل بردار ایک دروازے کے آگے رُک گیا اور بلند آواز سے بولا ...... "یا حضرت! اجازت ہو تو اسے پیش کروں، جسے آپ نے بلایا ہے" ...... اندر سے جانے کیا جواب آیا۔ مشعل بردار ایک طرف ہٹ گیا اور سپاہی کو اشارہ کیا کہ اندر چلا جائے۔ سپاہی اندر آ گیا تو اس قدر ہیبت ناک سمندر میں ایسے خوش نما سامان سے آراستہ کمرے کو دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا اور ڈرا بھی۔ یہ انسانوں کی نظر نہ آنے والی مخلوق کا مسکن ہو سکتا تھا۔ قالین بچھا ہوا تھا جس پر گاؤ تکیے سے پیٹھ لگائے سیاہ ریش بیٹھا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے تسبیح کر رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے سپاہی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔ کمرے میں خوشبو تھی۔

سیاہ داڑھی والے حضرت نے آنکھیں کھولیں۔ سپاہی کو دیکھا اور تسبیح اس کی گود میں پھینک کر کہا۔ "گلے میں ڈال لو" ...... سپاہی نے تسبیح کو چوما اور گلے میں ڈال لی۔ کمرے میں ایک قندیل جل رہی تھی۔ حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو دوسرے کمرے سے جس کا دروازہ اس کمرے میں کھلتا تھا، ایک لڑکی نکلی۔ اس کے بال کھلے ہوئے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے اتنی خوب صورت لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوش نما پیالہ تھا جو اُس نے سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ سیاہ داڑھی والا اُٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سپاہی پیالہ ہاتھ میں لیے کبھی لڑکی کو اور کبھی پیالے کو دیکھتا تھا۔ لڑکی نے اسے کہا۔ "حضرت کچھ دیر بعد آئیں گے، یہ پی لو" ...... لڑکی کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں اپنائیت اور بے تکلفی تھی۔ سپاہی نے پیالہ ہونٹوں سے لگایا اور ایک گھونٹ پی کر لڑکی کو دیکھا۔

"مجھے تم جیسا خوب صورت جوان کبھی کبھی نظر آتا ہے" ...... لڑکی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا ......

"پیو۔ میں یہ شربت بڑے پیار سے لائی ہوں۔ حضرت نے کہا تھا کہ آج تمہاری پسند کا ایک نوجوان آ رہا ہے، جسے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے"۔

سپاہی نے دو تین گھونٹ شربت پی لیا۔ اس کے بعد شربت گھونٹ گھونٹ اس کے حلق سے اترتا رہا اور لڑکی اس کے قریب ہوتی گئی اور پھر سپاہی نے یوں محسوس کیا جیسے لڑکی اپنے طلسماتی حسن اور سحر آگیں جسم کے ساتھ شربت کی طرح اس کے حلق میں اُتر گئی اور رگ رگ میں سما گئی ہو۔ سیاہ ریش حضرت آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا ایک گولہ تھا جس کا سائز ناشپاتی جتنا تھا۔ اس نے گولہ سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا ...... "اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور اس میں سے قندیل کی لو کو دیکھو اور دیکھتے رہو"۔

سپاہی نے شیشے کے گولے میں سے قندیل کو دیکھا تو اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے کئی رنگ شعلوں کی طرح تھرکتے نظر آنے لگے۔ لڑکی کے ریشمی بال اس کے گالوں کو چھو رہے تھے اور لڑکی نے اس طرح اسے اپنی بازوؤں کے گھیرے میں لے رکھا تھا کہ وہ لڑکی کے جسم کی حرارت اور خوشبو کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ایک سریلی اور پُراسرار آواز پڑنے لگی ...... "مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے، مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے" ...... ذرا سی دیر اس کا یہ احساس زندہ رہا کہ یہ آواز سیاہ داڑھی والے کی ہے۔ پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر وہ اس دُنیا کا حصہ بن گیا جو اسے شیشے میں نظر آنے لگی تھی۔ اسے تخت سلیمان نظر آ رہا تھا جس پر نورانی چہرے والا ایک بادشاہ بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے چار پانچ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ وہ اتنی خوب صورت تھیں کہ وہ پریاں ہو سکتی تھیں۔

"ہاں، ہاں" سپاہی نے کہا ...... "مجھے تخت سلیمان نظر آ رہا ہے"۔

لڑکی کے بکھرے ہوئے بال اس کے اوپر پھیل گئے۔ سپاہی کو شیشے میں سے نظر آتے ہوئے تخت کے قریب

کھڑے ایک آدمی کی آواز سنائی دی...... ''یہ بادشاہ تمہارا دادا ہے جو ہفت اقلیم کا بادشاہ ہے۔ شاہ سلیمان کی پریاں اور جنات اس دربار میں سجدے کرتے ہیں۔ اپنے دادا کو پہچانو۔ یہ تمہارا ورثہ ہے۔ تخت جا رہا ہے''۔

سپاہی نے ہڑبڑا کر کہا...... ''وہ تخت لے جا رہے ہیں۔ یہ دیو ہیں۔ بہت بڑے بڑے، بہت ڈراؤنے۔ انہوں نے تخت اٹھا لیا ہے''۔

اور شیشے کے گولے میں کئی رنگوں کے شعلے رہ گئے جو تھرک رہے تھے جیسے وجد میں آئے ہوئے رقص کر رہے ہوں۔ سپاہی نے محسوس کیا جیسے کوئی چیز اس کی ناک کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ شیشے کا گولہ اس کی آنکھوں کے آگے سے خود ہی ہٹ گیا اور اُس پر غنودگی طاری ہوگئی۔ وہ اس وقت اپنے آپ میں آیا جب لڑکی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو قالین پر پڑے پایا۔ لڑکی کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور لڑکی اس کے پاس نیم دراز تھی، سپاہی اُٹھ بیٹھا۔ وہ حیران تھا اور پریشان بھی۔ اس کے منہ سے پہلی بات یہ نکلی...... ''وہ کہتے تھے کہ تخت تمہارے دادا کا ہے اور یہ تمہارا ورثہ ہے''۔

''حضرت نے بھی یہی فرمایا ہے''۔ لڑکی نے بڑی پیاری آواز میں کہا۔

''حضرت کہاں ہیں؟'' سپاہی نے کہا۔

''وہ اب نہیں مل سکیں گے''۔ لڑکی نے جواب دیا...... ''تم نے کہا تھا کہ رات کے آخری پہر تمہارا پہرہ ہے، اس لیے میں نے تمہیں جگا دیا ہے۔ رات آدھی گزر گئی ہے، تم اب چلے جاؤ''۔

وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ اس نے خواب دیکھا تھا یا یہ حقیقت تھی۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ یہ خواب نہیں تھا۔ یہ حضرت کی خصوصی کرامات تھی۔ ان کے لیے حکم ہے کہ وہ اس قسم کا کوئی راز اپنے پاس نہ رکھیں۔ یہ اُس تک پہنچا دیں جس کا یہ راز ہے، مگر یہ کیفیت حضرت پر کسی کسی وقت طاری ہوتی ہے۔ اب معلوم نہیں کب ہو۔ سپاہی نے لڑکی کی منت سماجت شروع کر دی۔ لڑکی نے اُسے کہا۔ ''تم میرے دِل میں اُتر گئے ہو۔ میں نے اپنی روح تمہارے حوالے کر دی ہے۔ تمہارے لیے اپنی جان بھی قربان کر دوں گی۔ میں تمہیں کبھی جانے نہ دوں لیکن تمہارے فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ اب چلے جاؤ۔ کل رات آ جانا، میں حضرت سے درخواست کروں گی کہ وہ تمہارا راز تمہیں دے دیں''۔

وہ جب قلعے سے نکلا تو اس کے قدم اُٹھ نہیں رہے تھے۔ اس کے ذہن پر اپنے دادا کا تختِ سلیمان غالب تھا اور دِل پر لڑکی کا قبضہ تھا۔ تاریک رات میں قلعے کے کھنڈرات سے محل کی طرح خوش نما نظر آ رہے تھے۔ وہ مسرور بھی تھا۔ دِل میں کوئی خوف اور کوئی پریشانی نہیں تھی۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی تمام تر توجہ فوج کی ٹریننگ اور منصوبہ بندی پر مرکوز تھی۔ اُس نے اپنے لیے اور مرکزی کمان کے اعلیٰ فوجی حکام کے لیے آرام حرام کر رکھا تھا۔ انٹیلی جنس کا انچارج حسن بن عبداللہ جہاں اپنے کاموں میں مصروف تھا، وہاں اسے یہ بھی فکر تھا کہ سلطان ایوبی اپنی حفاظت کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باڈی گارڈ کے کمانڈر نے حسن بن عبداللہ سے کئی بار شکایت کی تھی کہ سلطان اسے بتائے بغیر پچھلے دروازے سے نکل جاتے ہیں اور وہ ان کے خالی کمرے کا پہرہ اس خیال سے دیتا رہتا ہے کہ سلطان اندر ہے۔ کمانڈر سلطان ایوبی کے ساتھ اپنے دو چار گارڈ سائے کی طرح لگائے رکھنا چاہتا تھا۔ کمانڈر کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اب فدائی پوری تیاری سے سلطان ایوبی کو قتل کرنے آ رہے ہیں۔

اس اطلاع نے کمانڈر کواور زیادہ پریشان کر دیا تھا، مگر سلطان ایوبی کی بے پروائی کا یہ عالم تھا کہ حسن بن عبداللہ نے اُسے کہا کہ وہ باڈی گارڈز کے بغیر باہر نہ نکل جایا کریں تو سلطان ایوبی نے مُسکرا کر اس کے گال پر تھپکی دی اور کہا۔۔۔۔ ''ہم سب کی جان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ محافظوں کی موجودگی میں مجھ پر چار قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اللہ کو منظور تھا کہ میں زندہ رہوں، میں اللہ کی راہ پر چل رہا ہوں، اگر اس کی ذاتِ باری مجھے اس سے سبکدوش کرنا چاہے گی تو اس کی رضا کو نہ میں روک سکوں گا، نہ میرے محافظ۔''

''پھر بھی سلطانِ محترم!'' حسن بن عبداللہ نے کہا۔۔۔۔ ''میرے اور محافظ دستے کے فرائض ایسے ہیں کہ آپ کے عقیدوں اور جذبے سے میں متاثر نہیں ہو سکتا۔ مجھے فدائیوں کے متعلق جو اطلاعیں مل رہی ہیں، ان کے پیشِ نظر مجھے رات کو بھی آپ کے سرہانے کھڑا رہنا چاہیے''۔

''میں تمہارے اور محافظوں کے فرائض کا احترام کرتا ہوں حسن!'' سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔۔ ''مگر میں محافظوں کے ساتھ باہر نکلتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ جیسے مجھے اپنی قوم پر بھروسہ نہیں۔ عموماً حکمران اپنی قوم سے ڈرا کرتے ہیں، وہ دیانت دار اور مخلص نہیں ہوتے''۔

''ڈر قوم کا نہیں''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔۔۔۔ ''میں فدائیوں کی بات کر رہا ہوں''۔

''میں احتیاط کروں گا''۔ سلطان ایوبی نے ہنس کر کہا۔

ناگوں والے قلعے سے آکر محافظ سپاہی اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ اس نے وہ دن اس ذہنی کیفیت میں گزارا کہ وہ تصوروں میں تختِ سلیمان اور لڑکی کو دیکھتا رہا۔ شام گہری ہوتے ہی وہ قلعے کی طرف چل پڑا۔ اس کے دِل پر کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر اندھیرے میں کچھ دور اندر چلا گیا اور رُک گیا۔ اس نے گزشتہ رات کی طرح پکارا۔۔۔۔ ''میں آ گیا ہوں، کیا میں آگے آ سکتا ہوں؟''۔۔۔۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ مشعل کی روشنی نظر آنے لگی اور مشعل اس سے کچھ دور آ کر رُک گئی۔ مشعل بردار نے کہا۔۔۔۔ ''حضرت کے قدموں میں سجدہ ضرور کرنا۔ آج کسی سے ملنا نہیں چاہتے، تم آ جاؤ''۔

گزشتہ رات کی طرح وہ غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتا مشعل بردار کے ساتھ حضرت کے دروازے پر رُکا۔ حضرت نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ سپاہی نے اس کے قدموں میں جا سر رکھا اور التجا کی۔۔۔۔ ''یا حضرت! مجھے میرا راز دے دو۔ میں کون ہوں؟ مجھے آپ کیا دکھائیں گے؟''

سیاہ ریش حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو وہی لڑکی دوسرے کمرے سے آئی۔ وہ سپاہی کو دیکھ کر مُسکرائی۔ سپاہی اُسے اپنے پاس بٹھانے کو بے تاب ہو گیا۔ سیاہ ریش نے لڑکی سے کہا۔۔۔۔ ''یہ آج پھر آ گیا ہے۔ کیا میں یہاں تماشہ دکھانے کے لیے بیٹھا ہوں؟''

''اس گناہگار کو بخش دیں یا حضرت!'' لڑکی نے کہا۔۔۔۔ ''بڑی دُور سے اُمید لے کر آیا ہے''۔

تھوڑی دیر بعد کل والا شیشہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لڑکی نے اس سے پہلے اسے شربت پلایا تھا اور اس کے پیچھے بیٹھ کر اس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگائی اور بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے جیسے ماں نے اپنے بچے کو گود میں لے رکھا ہو۔ سپاہی کو سیاہ ریش حضرت کی سُریلی آواز سنائی دینے لگی۔۔۔۔ ''مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آ رہا ہے۔ مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آ رہا ہے''۔۔۔۔ یہ آواز دبتی چلی گئی جیسے بولنے والا دُور ہی دُور ہوتا جا رہا ہو۔

''اوہ!''۔۔۔۔ سپاہی نے چونک کر کہا۔۔۔۔ ''ایسا محل اس دُنیا کے کسی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا''۔

''میں اس محل میں پیدا ہوا تھا''۔ اُسے کسی کی آواز سنائی دینے لگی جو یہی الفاظ دہرا رہی تھی۔ ''میں اس محل میں پیدا ہوا تھا''...... پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر اس نے یوں محسوس کیا جیسے اس کے وجود کے اندر یہی ایک آواز گونجنے لگی ہے۔ ''میں اس محل میں پیدا ہوا تھا''۔ پھر وہ آوازوں سے لاتعلق ہو گیا۔ اسے ایک محل نظر آرہا تھا اور وہ خود اس کے باہر ایک باغ میں گھوم پھر رہا تھا۔ اب یہ اسے شیشے کے گولے میں نظر نہیں آرہا تھا، بلکہ یہ محل حقیقت بن گیا تھا جس کی ہر چیز کو، باغ کو، پودوں اور پھولوں کو ہاتھ لگا کر محسوس کر سکتا تھا اور سونگھ سکتا تھا۔ وہ وہاں سپاہی نہیں شہزادہ تھا۔

یہ محل فضا میں تحلیل ہو گیا اور سپاہی نے بہت دیر بعد اپنے آپ کو لڑکی کی آغوش میں پایا۔ اس نے لڑکی سے بہت کچھ پوچھا۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ حضرت کہہ گئے ہیں کہ یہ شخص شہزادہ تھا اور یہ اب بھی شہزادہ بن سکتا ہے۔ حضرت یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سپاہی کے تخت وتاج پر کس کا قبضہ ہے۔ لڑکی نے اُسے کہا...... ''حضرت کہہ گئے ہیں کہ تم اگر سات آٹھ روز یہیں رہو تو وہ سب کچھ معلوم کر سکیں گے اور تمہیں سب کچھ دکھا دیں گے''۔

☆

اگلی رات وہ پھر قلعے کے اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس نے چار روز کی چھٹی لے لی تھی۔ اُسے لڑکی نے اسی پیالے میں شربت پلایا اور اس کے ہاتھ میں شیشے کا گولہ دے دیا گیا۔ اس نے کسی کے بتائے بغیر گولہ اپنی آنکھوں کے آگے رکھ لیا اور قندیل کی لو کو دیکھتا رہا۔ اسے اس میں رنگا رنگ شعلے ناچتے نظر آئے۔ سیاہ ریش نے اپنے طلسماتی انداز سے کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے وہ دو بار اس عمل سے گزر چکا تھا۔ دونوں بار ایسے ہوا تھا کہ اسے شیشے کے گولے میں تختِ سلیمان اور اگلی رات شاہ سلیمان کا محل نظر آیا تھا مگر اس کے بعد گولہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تھا۔ اسے جب گولے میں کوئی منظر نظر آنے لگتا تھا تو سیاہ ریش یا لڑکی سپاہی کے ہاتھ سے گولہ لے کر الگ رکھ دیتی تھی۔ اب تیسری رات بھی یہی ہوا۔ سیاہ ریش اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُر اثر لہجے میں جو دھیما دھیما سا تھا کہہ رہا تھا...... ''یہ پھول ہیں، یہ باغ ہیں، میں باغ میں موجود ہوں''...... وہ یہی الفاظ دُہرا رہا تھا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ لگی بیٹھی، اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

سپاہی کو ایک باغ نظر آ گیا۔ زمین اونچی نیچی تھی اور ہریالی سے ڈھکی ہوئی۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول تھے اور ان کی مہک نشہ طاری کرتی تھی۔ سپاہی نے باغ میں ایک ایسی لڑکی کو ٹہلتے اور گنگناتے دیکھا جو اس لڑکی سے بہت ہی زیادہ خوب صورت تھی جو اس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ اس کا لباس ایک ہی رنگ کا تھا اور یہ رنگ ان رنگوں میں سے نہیں تھا جو وہ اس دنیا میں دیکھا کرتا تھا۔ سپاہی اب ناگوں والے قلعے کے کمرے میں نہیں تھا۔ سیاہ ریش حضرت اور اس کے ساتھ کی لڑکی سے وہ بے خبر اور لاتعلق ہو چکا تھا۔ وہ قلعے سے نکل ہی گیا تھا۔ اس نے باغ میں لڑکی کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑا۔ لڑکی بھی دوڑی اور اس کے گلے کا ہار بن گئی۔ لڑکی کے جسم سے پھولوں کی مہک اُٹھ رہی تھی۔ سپاہی شاہ سلیمان کے خاندان کا شہزادہ تھا۔ وہ دونوں باغ کے اس گوشے میں چلے گئے جو ایک غار کی مانند تھا لیکن یہ غار رنگا رنگ بیلوں اور ان کے پھولوں نے بنا رکھا تھا۔ اس کے فرش پر مخمل جیسی گھاس تھی۔

لڑکی نے پھولوں کے اس غار کے ایک کونے سے ایک خوش نما صراحی اُٹھائی اور پیالہ بھر کر سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ میٹھی شراب تھی۔ سپاہی پر لڑکی کے حسن اور محبت کا نشہ تو پہلے ہی طاری تھا۔ شراب کے نشے نے اُسے اس سے زیادہ حسین اور طلسماتی دُنیا میں پہنچا دیا اور پھر لڑکی نے اسے کہا کہ وہ ابھی آتی ہے۔ وہ چلی گئی۔ سپاہی کو اس کی چیخیں

سنائی دیں۔ وہ باہر کو دوڑا۔ اسے لڑکی کہیں نظر نہ آئی۔ وہ دوڑتا ہی رہا۔ اسے لڑکی کی دلدوز چیخیں سنائی دیتی رہیں، مگر وہ سپاہی کو کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے غصے سے پاگل ہو کر تلوار نکال لی اور لڑکی کی تلاش میں پاگلا ہوتا رہا۔ آخر اسے ایک بڑھیا ملی۔ اس نے اسے بتایا کہ لڑکی اب تمہیں نہیں مل سکے گی۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے، وہ تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ تم اب اسے کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے، اب اس تخت پر بیٹھے گا جس پر تمہیں بیٹھنا تھا۔ اس کے پیچھے مت بھاگو۔ زندہ رہو اور کبھی موقع پا کر اُسے قتل کر دینا۔ لڑکی تمہاری یاد میں ... کان ہوتی رہے گی۔

''وہ کون تھا جو اس لڑکی کو لے گیا ہے؟'' سپاہی جب ناگوں والے قلعے کے اس کمرے میں لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا...... ''اور میں نے یہ کیا دیکھا ہے!''

''تم نے اپنی گزری ہوئی زندگی دیکھی ہے'' ۔سیاہ ریش نے اسے بتایا...... ''میں تمہیں واپس لے آیا ہوں''

''میں وہاں سے واپس نہیں آنا چاہتا'' ۔سپاہی نے بے تابی اور بے چینی سے کہا...... ''مجھے وہیں بھیج دو'' ۔

''کیا کرو گے وہاں جا کر؟'' سیاہ ریش نے اُس سے پوچھا...... ''جس کی خاطر جانا چاہتے ہو وہ تو کسی اور کے قبضے میں ہے۔ اسے جب تک قتل نہیں کرو گے، وہ تمہیں نہیں مل سکے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی کو قتل کرو اور میں یہ بھی جانتا ہوں تم اس انسان کو قتل کر بھی نہیں سکو گے'' ۔

''یا حضرت!'' سپاہی نے کہا...... ''اگر قتل کرنے سے مجھے میرا ورثہ اور میری بیوی مل سکتی ہے تو میں سلطان صلاح الدین ایوبی سے بھی اونچے رتبے کے آدمی کو قتل کر دوں گا'' ۔

''پھر یہ خون میری گردن پر ہوگا میرے دوست!''...... درویش نے کہا۔

سپاہی اس کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے پاؤں پر سر رگڑنے لگا۔ وہ ''یا حضرت، یا حضرت'' کا ورد کیے جا رہا تھا اور وہ رونے بھی لگا تھا۔

سیاہ ریش حضرت نے اُسے پھر اُسی دُنیا میں پہنچا دیا جہاں تخت سلیمانی تھا۔ محل اور باغ تھا۔ اس کے کانوں میں آوازیں پڑتی رہیں...... ''یہ ہے تمہارے دادا کا قاتل، تمہارے باپ کا قاتل، تمہارے تخت و تاج کا غاصب اور اس لڑکی کو جو تمہیں چاہتی ہے، اسی کی قید میں ہے۔''

''نہیں، نہیں'' ۔سپاہی نے گھبرا کر کہا...... ''یہ نہیں ہو سکتا، یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے'' ۔

''یہی تمہاری قسمت کا قاتل ہے'' ۔اس کے کانوں میں آوازیں پڑ رہی تھیں۔ ''یہ تمہارا سلطان نہیں ہو سکتا۔ یہ کرد ہے، تم عرب ہو۔ کہو...... ''صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے...... اب راز کھل گیا ہے۔ انتقام لو، غیرت مند مرد انتقام لیا کرتے ہیں'' ۔

اور سپاہی اس طلسماتی ماحول میں گھومتے پھرتے یہی ورد کرتا رہا...... ''صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے۔ میری محبت کا قاتل ہے۔ میری قسمت کا قاتل ہے'' ۔

پھر یوں ہوا کہ اس کی نظروں کے آگے صرف صلاح الدین ایوبی رہ گیا۔ وہ اسے چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ سپاہی ہاتھ میں خنجر لیے اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا مگر قتل کا موقع نہیں ملتا تھا۔ سپاہی کو لڑکی نظر آ گئی۔ وہ پنجرے میں بند تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پنجرے کے پاس کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لڑکی سپاہی کو اُداس اور مظلوم نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر سفاکی اور بربریت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ سپاہی کی زبان خاموش ہوتی تھی تو اسے ف

سے سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں...... ''صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل......''

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے کمرے میں اپنے مشیروں اور اعلیٰ فوجی حکام سے جنگ کی باتیں کر رہا تھا۔ جاسوس جونئی اطلاعیں لائے تھے، جن کے مطابق اپنے پلان پر نظر ثانی کر رہا تھا اور اُس وقت یہی محافظ سپاہی باہر پہرے پر کھڑا تھا جسے سیاہ ریش بزرگ نے نئی دُنیا دکھائی تھی۔ مشیر وغیرہ بہت دیر بعد کمرے سے نکلے اور سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا۔ سپاہی کمرے میں چلا گیا اور اس نے تلوار سونت کر کہا...... ''تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو''...... سلطان ایوبی نے چونک کر اسے دیکھا...... ''اُسے آزاد کر دو، وہ میری ہے''...... اور اس کے ساتھ ہی اس نے قہر اور غضب سے سلطان ایوبی پر تلوار کا وار کیا۔ سلطان خالی ہاتھ تھا۔ وہ پھرتی سے وار بچا گیا۔ اس نے باڈی گارڈز کے کمانڈر کو آواز دی اور لپک کر اپنی تلوار اُٹھالی۔ سپاہی نے اور زیادہ غضب ناک ہو کر اس پر حملہ کیا۔ اگر اس کے مقابلے کا تیغ زن سلطان ایوبی نہ ہوتا تو اس تجربہ کار سپاہی کا وار خالی نہ جاتا۔ سلطان ایوبی نے اس کے وار صرف روکے اور وار ایک بھی نہ کیا اور جب کمانڈر دوڑتا اندر آیا تو سلطان ایوبی نے اُسے کہا...... ''اس پر وار نہ کرنا، زندہ پکڑو''۔

سپاہی نے گھوم کر کمانڈر پر وار کیا۔ اتنے میں تین چار باڈی گارڈز اندر آگئے۔ سپاہی کے قہر کا یہ عالم تھا کہ اس نے تلوار کے وار پہ وار کر کے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ وہ چونکہ سلطان ایوبی کو قتل کرنا چاہتا تھا، اس لیے وہ اسی کی طرف لپکتا اور للکارتا تھا...... ''تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو، میرے تخت و تاج کے غاصب ہو''...... آخر اس کو پکڑ لیا گیا۔ اس سے تلوار چھین لی گئی۔

''زندہ باد میرے محافظ''...... سلطان ایوبی نے غصے کا اظہار کرنے کی بجائے اسے خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا...... ''سلطنتِ اسلامیہ کو تم جیسے تیغ زنوں کی ضرورت ہے''...... باڈی گارڈ کمانڈر اور دوسرے سپاہی حیران تھے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے کمانڈر سے کہا...... ''طبیب کو اور حسن بن عبداللہ کو فوراً بلاؤ''۔

سپاہی کو چار باڈی گارڈز نے جکڑ رکھا تھا اور وہ چلا رہا تھا...... ''یہ میری محبت کا قاتل ہے، یہ میری قسمت کا قاتل ہے''۔

ایک باڈی گارڈز نے اس کے منہ ہاتھ رکھا، لیکن سلطان ایوبی نے کہا...... ''اسے بولنے دو، ہاتھ ہٹالو''۔ اس نے سپاہی سے کہا...... ''بولو میرے دوست! بتاؤ تم مجھے کیوں قتل کرنے لگے تھے؟''

''اسے آزاد کر دو''۔ سپاہی نے چلا کر کہا...... ''تم نے اُسے پنجرے میں بند کر رکھا ہے۔ حضرت نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں قتل نہیں کر سکوں گا۔ آؤ، میرا مقابلہ کرو۔ بزدلوں کی طرح اپنے آدمیوں کو اپنی جان بچانے کے لیے تم نے بلا لیا ہے، تلوار نکالو، میری تلوار مجھے دو، میدان میں آؤ''۔

سلطان ایوبی اُسے بڑی غور سے دیکھتا رہا۔ باڈی گارڈ سلطان ایوبی کے اس حکم کا انتظار کر رہے تھے کہ اس سپاہی کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ اس کا جرم معمولی نہیں تھا۔ اس نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اگر سلطان ایوبی بے خبری میں بیٹھا ہوتا یا وہ اس محافظ کو اندر آتے دیکھ نہ لیتا تو اس کا قتل ہو جانا یقینی تھا، مگر سلطان ایوبی نے اسے قید میں ڈالنے کا حکم نہ دیا۔ محافظ ہذیانی کیفیت میں بول رہا تھا...... اتنے میں طبیب آ گیا اور اس سے ذرا بعد حسن بن عبداللہ آ گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

''اُسے لے جائیں''۔ سلطان ایوبی نے طبیب سے کہا...... ''یہ غالباً اچانک پاگل ہو گیا ہے''۔

''یہ آج ہی چار روز چھٹی کاٹ کر آیا ہے''۔ باڈی گارڈ کمانڈر نے کہا۔ ''جب سے آیا ہے، خاموش ہے''۔

اسے گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ طبیب بھی ساتھ ہی چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو بتایا کہ اس سپاہی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے اس شک کا اظہار کیا کہ یہ فدائی ہوگا۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ سپاہی کسی وجہ سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ حسن بن عبداللہ کو سلطان ایوبی نے کہا کہ اس کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی جائے۔

☆

بہت دیر بعد طبیب سلطان ایوبی کے پاس آیا اور انکشاف کیا کہ اس سپاہی کو کئی روز مسلسل نشے کی حالت میں رکھا گیا ہے اور اس پر عمل تنویم (ہپناٹزم) کیا گیا ہے۔ طبیب نے اس کی سانس سونگھ کر معلوم کر لیا تھا کہ اسے نشہ آور چیزیں کھلائی یا پلائی گئی ہیں۔ اس نے سلطان ایوبی کو بتایا...... ''یہ عمل طب کے لیے کوئی عجوبہ نہیں۔ اس کا موجد حسن بن صباح ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک نشہ آور شربت تیار کیا تھا جس میں یہ اثر تھا کہ جو پی لے اُسے نہایت حسین اور دل نشیں مناظر نظر آتے تھے۔ اس کیفیت میں اس کے کان میں جو بات ڈالی جائے وہ اسی کو حقیقی روپ میں دیکھنے لگتا تھا جو دراصل تصور ہوتا تھا۔ حسن بن صباح نے اسی نشے اور عملِ تنویم کی بنیادوں پر ایک جنت بنائی تھی جس میں داخل ہونے والے وہاں سے نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ منہ میں مٹی اور کنکریاں ڈال کر سمجھتے تھے کہ مرغن کھانے کھا رہے ہیں۔ کانٹوں پر چلتے تو سمجھتے تھے کہ مخمل پر چل رہے ہیں۔ حسن بن صباح تو مر گیا، اس کا یہ شربت اور عمل پیچھے رہ گیا۔ اس کا گروہ قاتلوں کا گروہ بن گیا۔ اپنے مقاصد کے لیے یہ گروہ حسین لڑکیوں اور اس شربت کا استعمال کرتا ہے۔ اس سپاہی کو آپ کے قتل کے لیے اس عمل کا شکار بنایا گیا ہے''۔

طبیب نے یہ تشخیص کر کے سپاہی کو دوائیاں پلا دی تھیں، جنہوں نے اس کی ہذیانی کیفیت پر قابو پا لیا تھا اور وہ گہری نیند سو گیا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے پہلے ہی طبیب سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ سپاہی اپنی حقیقی حالت میں نہیں، وہ سراغ رساں تھا۔ اس نے باڈی گارڈوں سے معلوم کر لیا کہ یہ سپاہی چار روز کی چھٹی پر گیا تھا لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے چھٹی کہاں گزاری ہے۔ شہر میں ناگوں والے قلعے کے متعلق جو باتیں مشہور ہوگئی تھیں وہ حسن بن عبداللہ تک اس کے جاسوسوں کے ذریعے پہنچی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ قلعے میں ایک بزرگ نمودار ہوا ہے جو غیب کا حال بتاتا اور مُرادیں پوری کرتا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اس قسم کے بزرگوں اور پیروں پیغمبروں کی آمد و رفت لگی رہتی تھی۔ مجذوب اور دیوانے آدمی کو بھی لوگ برگزیدہ انسان کہہ کر ان سے مرادیں پوری کرانے لگتے تھے۔ حسن بن عبداللہ کو ایک جاسوس نے بتایا کہ اس نے ایک سیاہ ریش آدمی کو دو بار قلعے کے اندر جاتے دیکھا ہے۔

قلعے کے اردگرد گھومنے پھرنے والوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو ایک آدمی نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور سفید چغے والا ایک آدمی قلعے کے اندر آتا جاتا دیکھا گیا ہے۔ ایسی چند اور شہادتیں حاصل کر کے حسن بن عبداللہ نے سورج غروب ہونے سے پہلے فوج کے ایک دستے سے چھاپہ مارا۔ مشعلیں ساتھ تھیں۔ قلعہ اندر سے کچھ پیچیدہ سا تھا۔ گری ہوئی دیواروں اور چھتوں کا ملبہ بھی تھا۔ کئی کمرے سلامت تھے۔ فوجیوں کو ہر طرف پھیلا دیا گیا۔ کسی گوشے سے شور اُٹھا۔ کچھ سپاہی اُدھر دوڑے گئے، وہاں دو سپاہی پڑے تڑپ رہے تھے، اُن کے سینوں میں تیر اُترے ہوئے تھے، کہیں سے تین چار تیر آئے تین چار سپاہی اور گر پڑے۔ بعض سپاہی اس ڈر سے پیچھے ہٹ آئے کہ یہاں کوئی انسان نہیں ہوسکتا، یہ جن بھوت ہوں گے۔ حسن بن عبداللہ حقیقت پسند انسان تھا۔ اس نے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں بتایا کہ یہ تیر انسانوں کے چلائے

ہوئے ہیں۔اس نے گھیرے کی ترتیب بدل دی اور گھیرا تنگ کرنے لگا، وہاں کوئی انسان نظر نہیں آرہا تھا، کہیں سے دو چار تیر آتے اور دو چار سپاہی زخمی ہو جاتے تھے۔

حسن بن عبداللہ نے فوج کا ایک اور دستہ منگوالیا۔رات گہری ہوگئی تھی۔بے شمار مشعلیں منگوالی گئیں۔ایک دستے کا کمانڈر اُس کمرے تک پہنچ گیا جہاں سپاہی آتا رہا تھا۔اس ذرا سے کھنڈر میں ایسے سجے سجائے کمرے کو دیکھ کر سپاہی ڈر گئے۔یہ جنوں کا ہی مسکن ہو سکتا تھا۔حسن بن عبداللہ کو بلایا گیا۔اس نے اندر جا کر سامان دیکھا تو اس پر راز کھلنے لگے۔اتنے میں چند ایک سپاہیوں نے سیاہ ریش والے آدمی کو کہیں سے پکڑ لیا۔اس کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ان کے بعد چھ اور آدمی کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے پکڑے گئے۔ان کے پاس کمانیں اور تیر تھے۔سیاہ ریش نے خدا کا برگزیدہ انسان اور تنہائی میں چلہ کاٹنے والا تارک الدنیا بننے کی بہت کوشش کی، لیکن اتنی حسین اور جوان لڑکی اور تیر و کمان سے مسلح افراد اور ان کا فوج کے ساتھ مقابلہ اسے جھٹلا رہا تھا۔اس کے سامان پر قبضہ کر لیا گیا اور ان سب کو لے گئے۔

تین چار مرتبان، صراحیاں اور پیالے بھی برآمد ہوئے تھے۔یہ چیزیں رات کو طبیب کو دے دی گئیں۔اس نے مرتبانوں اور صراحیوں کو سُونگھ کر ہی بتا دیا کہ ان میں وہ شربت ہے جو حسن بن صباح کی ایجاد تھا..... ان تمام آدمیوں اور لڑکی کو قید خانے میں لے گئے۔

☆

صبح طلوع ہو رہی تھی۔جب لڑکی نے اذیتوں کے پہلے مرحلے میں ہی بتا دیا کہ یہ گروہ فدائیوں کا ہے اور یہ لوگ نیا حلف لے کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کر کے لوٹیں گے، ورنہ مر جائیں گے۔لڑکی نے بتایا کہ اس محافظ سپاہی کو سیاہ ریش نے پھانسا تھا اور اسے نشہ پلا کر اُس پر عمل تنویم کیا جاتا تھا۔سپاہی کے ذہن میں اس نشے اور عمل کے ذریعے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایسی نفرت پیدا کی گئی کہ وہ سلطان کو قتل کرنے کے لیے چل پڑا۔ان لوگوں کو توقع تھی کہ سلطان ایوبی اس سپاہی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا، اس لیے وہ اطمینان سے قلعے میں بیٹھے رہے۔سیاہ ریش جاسوسی کے لیے گیا تھا، لیکن اُسے کچھ پتا نہیں چل سکا، نہ اسے وہ سپاہی کہیں نظر آیا۔شام کے وقت اچانک فوج آگئی۔

سیاہ ریش بڑا سخت جان نکلا۔اس نے صاف کہہ دیا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔وہ اس کھنڈر میں ایک وظیفے کا چلہ کرنے آیا تھا۔اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پہلے انکار کیا لیکن حسن بن عبداللہ نے جب انہیں تہہ خانے میں لے جا کر اذیت رسانی کے عمل میں ڈالا تو انہوں نے باری باری اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔سیاہ ریش کو جب ان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو اس کے لیے انکار کی کوئی صورت نہ رہی۔اس نے جب اپنے ساتھیوں کی حالت دیکھی تو اُس پر لرزہ طاری ہو گیا۔اسے کہا گیا کہ وہ تمام تر واقعات پوری تفصیل سے سنا دے تو اُسے باعزت طریقے سے رکھا جائے گا، ورنہ اُسے مسلسل اذیتوں میں ڈال کر مرنے بھی نہیں دیا جائے گا اور زندہ رہنے کے قابل بھی نہیں رہنے دیا جائے گا۔اس نے تہہ خانے میں اذیت رسانی کا سامان اور طریقے دیکھے تو وہ سب کچھ بتانے پر رضامند ہو گیا۔

اُس کے بیان کے مطابق وہ فدائی قاتلوں کے گروہ کا آدمی تھا۔فدائیوں نے سرغنہ شیخ سنان کا وہ خصوصی تجربہ کار قاتل تھا، لیکن وہ اپنے ہاتھوں قتل نہیں کرتا تھا۔اُس کا طریقۂ کار اسی قسم کا تھا جو اس نے اس واردات میں استعمال کیا تھا۔یہ حسن بن صباح کی ایجاد تھی۔اگر اس فرقے کے متعلق کتابیں پڑھی جائیں تو ان میں اس طریقے کی تفصیلات واضح ہو جاتی ہیں۔تمام مصنفین نے رائے دی ہے کہ حسن بن صباح کو خدا نے غیر معمولی عقل عطا کی تھی جو اس نے شیطانی کاموں

میں استعمال کی۔ اس سپاہی کو جس طرح سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کیا گیا، وہ اس فرقے کا ایک عام طریقہ قتل تھا۔ اس سپاہی کی مثال سے اس انوکھے طریقہ قتل کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا جائے تو کسی کو یوں اپنا آلۂ کار بنانا حیران کن نہیں لگتا۔ اس سپاہی کے لاشعور پر قبضہ کر کے اس پر سلطان ایوبی کے خلاف نفرت ڈالی گئی، پھر اسے جذبہ انتقام میں بدلا گیا۔

سیاہ داڑھی والے نے بتایا کہ چونکہ سلطان ایوبی پر پہلے چار قاتلانہ حملے ناکام ہو چکے تھے۔ اس لیے اس شخص کو بھیجا گیا تھا کہ وہ اپنا خصوصی طریقہ استعمال کرے۔ سلطان ایوبی پر پہلے چار حملے براہِ راست کیے گئے تھے۔ یہ دیکھ لیا گیا تھا کہ سلطان ایوبی کو سیدھے طریقے سے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ سیاہ ریش (جس کا نام وقائع نگاروں کے ہاں محفوظ نہیں) اپنے گروہ کے چھ تجربہ کار آدمیوں اور ایک لڑکی کو دمشق لے گیا۔ اس نے ناگوں والے ویران قلعے کو اپنا مسکن بنایا۔ اس میں یہ گروہ رات کے اندھیرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے اپنا سامان بھی رات کو وہاں پہنچایا۔ اس گروہ کے آدمیوں نے شہر میں یہ افواہ پھیلائی کہ قلعے میں ایک درویش نمودار ہوا ہے جس کے ہاتھ میں غیبی طاقت ہے اور وہ مستقبل کی باتیں بتاتا ہے۔ ان افواہوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگ قلعے میں آئیں اور سیاہ ریش کو غیب سے نمودار ہونے والا درویش یا پیغمبر تسلیم کر لیں۔ اپنی یہ حیثیت منوا کر وہ کسی ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کو قبضے میں لے کر سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا، مگر خلاف توقع لوگ قلعہ میں نہ آئے جس کی وجہ یہ تھی کہ قلعے کے متعلق بڑی ہی ڈراؤنی روایات مشہور تھیں۔ ان میں یہ روایت سب سے زیادہ خطرناک تھی کہ دونوں ناگوں کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے اور اب انسانوں کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں اور کوئی ان کے قریب جائے تو اُسے نگل جاتے ہیں۔

گروہ کا سرغنہ منجھا ہوا قاتل تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سکیم آئی کہ سلطان ایوبی کے دستے کے کسی سپاہی کو استعمال کیا جائے۔ چنانچہ وہ کئی روز یہ دیکھتا رہا کہ محافظ دستے کے سپاہی کہاں رہتے ہیں اور ان کی ڈیوٹی کس طرح لگتی ہے۔ سلطان ایوبی کے دفتر تک اور گھر تک نہ پہنچ سکا کیونکہ ان دونوں جگہوں کے قریب کوئی شہری یا فوجی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ ممنوعہ علاقہ تھا۔ تاہم اس استاد نے اس محافظ سپاہی کو دیکھ لیا اور کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کے دفتر کے محافظوں میں سے ہے، یعنی یہ آسانی سے سلطان ایوبی تک پہنچ سکتا تھا۔ اُس نے اس سپاہی پر نظر رکھی۔ اُس وقت سیاہ ریش کا حلیہ کچھ اور تھا۔ ایک روز یہ سپاہی اسے باہر جاتا نظر آ گیا۔ سیاہ ریش نے اسے راستے میں روک لیا اور اس کے ساتھ ایسی باتیں کیں جنہیں کوئی انسان خواہ وہ کتنی ہی مضبوط شخصیت کا ہو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کے لیے جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا اور جو اداکاری کی گئی، وہ انسانی فطرت پر طلسماتی اثر کرتی ہے۔ یہ سپاہی معمولی سے ذہن کا پسماندہ آدمی تھا، جال میں آ گیا اور رات کو قلعے میں پہنچ گیا۔

قلعے کے ایک کمرے میں جو اہتمام کیا گیا تھا وہ پتھروں کو موم کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایک تو کمرے کی سجاوٹ تھی اور بیش قیمت قالین۔ دوسرے یہ لڑکی تھی جس کے حسن میں اور جسمانی ساخت میں جادو تھا۔ اس کا لباس ایسا تھا جس میں وہ نیم عریاں تھی اور اس کے کھلے ہوئے ریشمی بالوں کا تاثر نشہ طاری کرتا تھا۔ سیاہ ریش کے کہنے کے مطابق یہ لڑکی اس کا لباس اور انداز زاہدوں اور پرہیزگاروں میں بھی حیوانی جذبہ بیدار کر دیتا ہے۔ تیسری اور اصل چیز وہ شربت تھا جو یہ لوگ اپنے شکار کو پلاتے تھے۔ شیشے کا گولا فریب نظر پیدا کرنے کے لیے تھا۔ اس سپاہی کے ذہن میں یہ ڈالا گیا کہ وہ شاہی خاندان کا فرد ہے اور اس کا خاندان تخت سلیمان کا وارث ہے۔ تخت سلیمان کا وجود تھا یا نہیں، دلچسپ کہانیوں میں اس

بہت ذکر آتا ہے اور ایسے انداز سے آتا ہے کہ یہ ایک حسین اور پُراسرار تصور کی طرح لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہو جاتا ہے۔
یہ سپاہی جب اس کمرے میں داخل ہوا تو کمرے کی زیبائش اور قیمتی سامان نے اسے متاثر کیا۔ سیاہ ریش مراقبے کی حالت میں تھا۔ اس کا بھی اثر تھا۔ ان نے جب اتنی حسین لڑکی دیکھی تو مرعوب ہو گیا۔ لڑکی نے اسے جو شربت پلایا، اس میں نشہ تھا۔ اس نشے کا اثر یہ تھا کہ انسان حقیقی دُنیا سے لاتعلق ہو کر حسین تصورات کی دُنیا میں چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اس پر عملِ تنویم کیا جاتا یعنی اسے ہپناٹائز کر لیا جاتا اور اس کے ذہن میں اپنے مطلب کے تصورات ڈالے جاتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا جو گولہ دیا جاتا تھا، اس میں سے قندیل کی لَو کے کئی رنگ نظر آتے تھے۔ جو کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ شیشے کی ساخت ایسی تھی کہ اس میں سے گزرتی روشنی اپنے ساتوں رنگوں میں نظر آتی تھی۔ ان رنگوں کا ذہن پر اثر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انتہائی حسین لڑکی سپاہی کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتی اور باتوں میں یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ اسے دِل و جان سے چاہتی ہے۔ سیاہ ریش سریلی اور پُراسرار آواز میں بولنے لگتا تھا۔ اس کے الفاظ سپاہی کے کان میں پڑتے اور اس کے ذہن میں مطلوبہ تصور آراستہ کرتے تھے۔ سیاہ ریش بھانپ لیتا تھا کہ سپاہی اپنے آپ میں نہیں رہا۔ اس وقت وہ اس کے ہاتھ سے شیشے کا گولہ لے کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتا اور اسے ہپناٹائز کر لیتا تھا۔

سپاہی جسے اپنی آواز سمجھتا تھا وہ سیاہ ریش کی آواز ہوتی تھی، پھر وہ اُس مرحلے میں داخل ہو جاتا تھا، جہاں وہ اپنے تصور کو حقیقی سمجھ کر اس کا حصہ بن جاتا تھا۔ کمزور شخصیت کے سپاہی نے یہ اثرات قبول کر لیے۔ سیاہ ریش اسے حقیقی دُنیا میں واپس لے آیا۔ اس مقصد کے لیے اسے کچھ سونگھایا جاتا تھا۔ سیاہ ریش دوسرے کمرے میں چلا جاتا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ اکیلی رہ جاتی۔ وہ سپاہی کے اعصاب اور دماغ پر غالب آ جاتی۔ اس مقصد کے لیے وہ ایسی حرکات اور ایسی باتیں کرتی تھی جس کے اثر سے کم از کم یہ سپاہی بچ نہیں سکتا تھا۔ سپاہی کو صرف تختِ سلیمان دکھا کر رخصت کر دیا گیا اور اس کے ذہن میں ڈال دیا گیا کہ راز ابھی باقی ہے۔ سپاہی کے دِل میں تجسس پیدا ہو گیا۔ دوسری بار اس پر یہی عمل کیا گیا اور اسے کچھ اور دکھا دیا گیا۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سپاہی پوری طرح اُن کے جال میں آ گیا اور وہ اس کے ذہن پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ اب ان کی منت سماجت کرتا تھا کہ اسے سارا راز بتایا جائے۔ اسے کہا گیا کہ وہ کئی روز ان کے پاس رہے۔ اس نے چھٹی لے لی۔ وہ یہی چاہتے تھے۔

ان چار دنوں اور چار راتوں کے عرصے میں اسے مسلسل نشے اور ہپناٹزم کے زیرِ اثر رکھا گیا اور اس کے ذہن لاشعور میں صلاح الدین ایوبی کا تصور پیدا کر کے یہ بات ڈال دی گئی کہ سلطان ایوبی سپاہی کے دادا اور باپ کا قاتل ہے اور اس کے تخت پر بھی اس نے قبضہ کر رکھا ہے۔ سپاہی کو ایک حسین لڑکی کا تصور دکھایا گیا، پھر یہ دکھایا گیا کہ سلطان ایوبی نے اس لڑکی کو پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ چار روز بعد اسے اسی حالت میں قلعے سے نکال دیا گیا، وہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ اسے جوں ہی موقع ملا، اس نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔

☆

سپاہی بے ہوش پڑا تھا۔ طبیب نے اس کے ذہن سے نشہ آور شربت کا اثر زائل کرنے کے لیے دوائی دی تھی۔ وہ حقیقت اور تصورات کے درمیان بھٹک رہا تھا۔ معلوم نہیں اس کے اعصاب پر کیسے کیسے اثرات تھے کہ اثرات اُترتے ہی اعصاب جواب دے گئے۔ طبیب نے اسے ہوش میں لانے کے کچھ اور طریقے اختیار کیے اور دو روز بعد سپاہی نے آنکھ کھولی۔ وہ اس طرح اُٹھا جیسے گہری نیند سو گیا تھا اور خواب دیکھتا رہا تھا۔ اپنے اِرد گرد کھڑے آدمیوں کو حیرت سے دیکھنے

لگا۔ طبیب نے اُسے پوچھا کہ وہ کہاں تھا؟...... اس نے کہا کہ وہ سویا ہوا تھا۔ بہت دیر بعد وہ اپنے آپ میں آیا تو وہ زیادہ کچھ نہ بتا سکا۔ اس نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور چغے والا ایک آدمی اسے قلعے میں لے گیا تھا، وہاں اس نے کچھ اور باتیں بھی بتائیں لیکن اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ اس نے تختِ سلیمانی وغیرہ دیکھا ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے سلطان ایوبی پر تلوار سے حملہ کیا تھا۔

یہ یقین کرنے کے لیے کہ سپاہی دھوکہ نہیں دے رہا، اسے سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے فوجیوں کی طرح سلطان کو سلام کیا۔ سلطان ایوبی نے اس کے ساتھ شفقت اور پیار سے بات کی مگر وہ حیران تھا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے اور یہ کیا کر رہے ہیں۔ آخر اسے بتایا گیا کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ چلا اُٹھا...... ''یہ جھوٹ ہے۔ میں اپنے سلطان پر حملہ نہیں کر سکتا''...... سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ بے گناہ ہے۔ اسے یاد ہی نہیں کرایا جائے کہ اس نے کیا کیا ہے۔

......۞......

صلیب کے سائے میں

قتل کا یہ طریقہ صلاح الدین ایوبی کے فوجی حاکموں وغیرہ کے لیے بڑا ہی عجیب تھا کہ سلطان ایوبی پر جان قربان کرنے والے ایک محافظ کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے کر سلطان ایوبی پر ہی قاتلانہ حملہ کرایا۔ اللہ نے کرم کیا کہ سلطان ایوبی بال بال بچ گیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے جو کانفرنس بلائی اس میں دمشق کی انتظامیہ اور فوج کو حکام بلائے گئے تھے۔ ان سب کے مزاج اکھڑے ہوئے تھے۔ سب غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ سب الصالح اور اس کے اُمراء اور وزراء سے بہت جلد انتقام لینے کو بے تاب ہوئے جا رہے تھے جنہوں نے سلطان ایوبی کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ سلطان نے انہیں قاتلانہ حملے پر غور و خوض کرنے کے لئے بلایا ہے لیکن سلطان آیا تو اس نے اس واقعہ کا ذکر ہی نہ کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اسے اس وقت تک جاسوسوں نے دشمن کی سرگرمیوں کی جو اطلاعات دی تھی۔ وہ ان کے مطابق اپنے پلان کی تبدیلی کے متعلق سب کو آگاہ کر رہا تھا۔ اس کا رویہ اور انداز سرد سا تھا۔

جونہی اس نے اپنا لیکچر ختم کیا۔ سب بھڑک اٹھے۔ وہ انتقام کی باتیں کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے بے نیازی سے مسکرا کر وہی بات کہی جو وہ پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔ ''اشتعال، غصے اور جذبانیت سے بچو۔ دشمن آپ کو مشتعل کر کے ایسی کاروائی پر مجبور کرنا چاہتا ہے جس میں عقل کی بجائے جذبات اور غصہ ہو۔ میرا تمام تر منصوبہ ایک قسم کی انتقامی کاروائی ہے لیکن انتقام اپنی ذات کا نہیں اپنے مذہب کا۔ میری جان اور میری ذات اور تم میں سے ہر کسی کی جان اور ذات کی اس سے بڑھ کر کوئی اہمیت نہیں کہ تم اسلام اور سلطنت اسلامیہ کے پاسبان ہو۔ تم سب کو جانیں قربان کرنی ہیں۔ خواہ میدان جنگ میں مارے جاؤ خواہ دھوکے میں دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔ حکمران اور مجاہد میں یہی فرق ہے۔ حکمران اپنی حکومت کی اور اپنی ذات کی حفاظت کرتا ہے اور مجاہد اپنے ملک و ملت پر قربان ہوتا ہے الصالح اور اس کے امیر وزیر اپنی بادشاہی کی حفاظت کر رہے ہیں۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی ہے اس لیے وہ ناکام ہوں گے۔''

اس نے اپنی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ ایسے تمام کھنڈروں اور پرانی عمارتوں کو جن کا کوئی مصرف نہیں مسمار کرا دے۔ اس نے یہ ہدایات بھی جاری کیں کہ مسجدوں میں اس موضوع پر خطبے دیئے جائیں کہ دونوں جہاں کا حاکم خدا ہے اور غیب کا حال اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ خدا کا کوئی بندہ خدا اور بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ خدا ہر کسی کی سنتا ہے اور کسی انسان کے آگے سجدہ ناجائز ہی نہیں گناہ ہے۔ توہم پرستی سے لوگوں کو بچاؤ۔ اس نے کہا ''اپنے سپاہیوں کو سمجھاؤ کہ جس طرح میدان جنگ میں اپنے جسم کو دشمن کی تلوار سے بچاتے ہو، وار روکتے ہو، اس طرح ذہن اور دل کو بھی دشمن کے وار سے بچاؤ۔ یہ وار تلوار کا نہیں زبان کا ہوتا ہے۔ جسم کے زخم مل جاتے ہیں۔ جسم زخمی ہو کر بھی لڑتا رہتا ہے۔ مگر ذہن اور دل پر زخم آ جائے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے۔ تم نے نشے کا اثر دیکھ لیا ہے۔ میرے اپنے محافظ نے مجھ پر ہی حملہ کر دیا۔ جب نشہ اترا تو وہ مان نہیں رہا تھا کہ اس نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ اس نشے میں

ایک خوبصورت لڑکی کا نشہ بھی شامل تھا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ یہ حالت صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں تم اپنا غلام اور مویشی بنا لیتے ہو۔ ان میں ذمہ داری کا اور مسلمان کی عظمت کا احساس بیدار کرو۔ ان پر ذمہ داریوں اور قومی وقار کا نشہ طاری کردو۔ ملک و ملت کا وقار اور اس وقار کا دفاع ان کے ایمان میں شامل کردو، پھر ان پر کوئی اور نشہ طاری نہیں ہو سکے گا۔''

سلطان ایوبی نے حملے کا جو پلان بنایا تھا اس کے مطابق قلعہ بہ قلعہ آگے بڑھنا تھا۔ مضبوط اور مشہور قلعے حمص، اور حماۃ کے تھے۔ حلب شہر الگ تھا۔ اس کے دفاعی انتظامات مضبوط تھے اور شہر سے کچھ دور قلعہ تھا جسے قلعہ حلب کہا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ کئی اور قلعہ بندیاں تھیں جن میں زیادہ تر پہاڑی اور دشوار گزار علاقے میں تھیں۔ سب سے بڑی دشواری اس علاقے کی سردی تھی۔ پہاڑیوں پر برف باری بھی ہوتی تھی جو سردی میں اضافہ کردیتی تھی۔ چونکہ وہاں سردیوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی اس لیے مخالفین نے اپنی فوج جو مختلف امراء کے زیر کمان تھی قلعہ بند کردی تھی۔ اس کے صلیبی مشیروں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا۔ ادھر سلطان ایوبی نے سردیوں میں ہی لڑنے کا تہیہ کرلیا تھا۔ اسے جاسوس مسلسل خبریں دے رہے تھے۔

ان خبروں میں ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ حلب کی مسجدوں میں امام اور خطیب لوگوں کو اس موضوع پر وعظ اور خطبے دے رہے ہیں کہ صلاہ الدین ایوبی وہ گناہگار انسان ہے جس نے بادشاہی کے لالچ اور نشے میں اور جنگی طاقت کے گھمنڈ میں خلیفہ کا نام خطبے سے نکال دیا ہے۔ سلطان ایوبی کو عیاش اور بدکار کہا جا رہا تھا، اور یہ بھی کہ خطبے میں خلفیہ کا نام نہ لیا جائے تو خطبہ مکمل نہیں ہوتا اور نامکمل خطبہ گناہ ہے۔ سراؤں، مسافر خانوں اور بازاروں میں بھی یہی الفاظ سنے اور سنائے جا رہے تھے کہ صلاح الدین ایوبی عیاش اور بدکار ہے اور نام کا مسلمان۔ اس کے ساتھ ہی جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق لوگوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی جنون پیدا کیا جا رہا تھا۔ الصالح کی فوج تھوڑی تھی۔ آدھی فوج سپہ سالار توفیق جواد کے زیر کمان سلطان ایوبی کے ساتھ مل گئی تھی۔ لہٰذا الصالح کے مفاد پرست مسلمان امراء اور حکمران شہریوں کو لڑنے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ ان منصوبوں میں صلیبیوں نے اس طرح جان ڈال دی تھی کہ جن علاقوں پر ان کا قبضہ تھا وہاں کے صلیبی باشندوں کی خاصی تعداد کو حلب موصل اور دیگر قصبوں اور دیہات میں ان ہدایات کے ساتھ آباد کردا تھا کہ وہ وہاں کے مسلمان کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکاتے اور اکساتے رہیں۔

جاسوسوں نے بتایا تھا کہ حلب میں شہریوں نے جنگی تربیت کا انتظام کرلیا ہے۔ ہر کوئی ہتھیاروں کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ جنگی جنون کے ساتھ لوگوں پر اضطراری اور ہیجانی کیفیت بھی طاری ہوئی جا رہی تھی۔ البتہ پرانی عمر کے مسلمان بہت ہی پریشان تھے اور کہتے تھے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے کہ مسلمان مسلمان سے ٹکرائے گا مگر ان کی آواز صلاح الدین ایوبی کے خلاف نعروں اور بہتان تراشی کے شوروغوغا میں دبتی جا رہی تھی۔ یہ آواز صلیبیوں کے عزائم کے خلاف تھی اس لئے انہوں نے اسے دبانے کا خاص اہتمام کیا تھا۔ یہ سارا منصوبہ دراصل تھا ہی صلیبیوں کا۔ کئی ایک مسجدوں سے پرانے اماموں اور خطیبوں کو نکال دیا گیا تھا کیونکہ وہ منبر پر کھڑے ہوکر مسلمان کو مسلمان کے خلاف بھڑکانے کا گناہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الصالح نے تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو زرو جواہرات اور بے انداز خزانہ اس کام کی اجرت کے لیے بھیج دیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ جنگ کی صورت میں وہ اسے جنگی مدد دے گا۔ ریمانڈ نے یہ اُجرت وصول کر کے اپنے چند ایک فوجی کمانڈر مشیروں کی حیثیت سے حلب بھیج دیئے تھے۔ ان میں انٹیلی جنس کا ایک ماہر بھی تھا جو تخریب کاری میں بھی مہارت رکھتا تھا ان مشیروں نے آتے ہی حلب میں مسلمان فوجوں کی مشترکہ ہائی کمانڈ بنا دی تھی۔ فوجیں مختلف قلعوں میں تھیں۔ ان فوجوں کے کمانڈروں میں سیف الدین والی موصل، ایک قلعہ دار گمشتگین

جیسے گورنر کا درجہ حاصل تھا۔ سلطان الملک الصالح اور عزالدین قابل ذکر ہیں۔ ریمانڈ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جنگ کی صورت میں وہ مصر سے صلاح الدین ایوبی کی کمک اور رسد کو روکے رکھے گا اور وہ جہاں کہیں محاصرہ کرے گا صلیبی فوج باہر سے حملہ کر کے محاصرہ توڑ دے گی۔

☆

دمشق میں سلطان ایوبی دوسرے تیسرے دن تمام کمانڈروں کی کانفرنس بلاتا تھا۔ فوجوں کی ٹریننگ خود بھی دیکھتا اور کمانڈروں سے رپورٹیں بھی لیتا تھا۔ راتوں کو کپڑوں کے بغیر ٹریننگ دے کر اس نے اپنی فوج کو سردیوں میں لڑنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ قریب چٹانیں تھیں اس نے صحرا میں بھاگنے دوڑنے والے گھوڑوں کو چٹانوں پر چڑھنے اور اترنے کا عادی بنا دیا تھا۔ ادھر حلب میں بھی دو تین کانفرنسیں ہو چکی تھیں۔ وہاں کے کمانڈروں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج رات کو جنگی مشقیں کرتی ہے لیکن انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ایوبی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہمارے سامنے آئے گا تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ ان کمانڈروں میں کوئی ایک بھی انٹیلی جنس کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا تھا۔ یہ اہتمام بھی صلیبیوں نے کیا تھا کہ دمشق میں جاسوس بھیجے تھے۔ اور شیخ سنان نے فدائی قاتل اور تخریب کار بھیجے تھے، مگر ریمانڈ نے اپنا ایک ماہر بھیج دیا تو اس نے اس اطلاع پر توجہ دی کہ سلطان ایوبی راتوں کو کیوں جنگی مشقیں کرا رہا ہے اس نے حلب کے کمانڈروں کی کانفرنس میں بھی یہ مسئلہ پیش نہیں کیا تھا۔ وہ ابھی اس کی وجہ معلوم نہیں کر سکا تھا۔

سلطان ایوبی نے تو حلب اور موصل وغیرہ میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا۔ ان کی زمین دوز مرکزی کمانڈ حلب میں تھی اور کمانڈر ایک عالم فاضل کے بہروپ میں تھا جو تمام جاسوسوں سے خبریں لیتا اور دمشق بھیجنے کا انتظام کرتا تھا۔ وہ اپنے جاسوسوں کی حفاظت کا اور انہیں خطرے کے وقت روپوش کرنا کا بندوبست بھی کرتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہنے میں وہ پیش پیش تھا۔ جہاں لوگ اس کا احترام کرتے تھے۔ وہاں امیر، وزیر، اور اونچی حیثیت کے شہری بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے جاسوسوں کا گروہ ہر ضروری جگہ موجود تھا۔ الملک الصالح کے محل کے باڈی گارڈز میں بھی جاسوس موجود تھے۔ دو جاسوس خصوصی پہرہ داروں کی حیثیت سے خلیفہ کی مرکزی کمانڈ کی اس عمارت تک بھی پہنچ گئے تھے جہاں ان کی جنگی کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ صلیبی جاسوسوں کے کمانڈر نے آتے ہی ایک تو اس پر توجہ دی کہ دمشق میں جاسوسی کے نظام کو مضبوط اور کارگر بنایا جائے اور حلب میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس ہیں ان کا سراغ لگایا جائے۔

سلطان ایوبی کے ان دو جاسوسوں میں جو حلب کی ہائی کمانڈ کے پہرہ داروں میں شامل ہو گئے تھے ایک خلت م کا جاسوس تھا۔ ایک عمارت کے کئی چھوٹے کمرے تھے اور اس میں ایک ہال تھا جو ضیافتوں، ناچ گانے اور دربار منعقد کرنے کے کام آتا تھا۔ خوب سجا ہوا تھا۔ جب سے حلب کے امیروں وزیروں نے صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھا تھا اس ہال کو اور زیادہ سجا دیا گیا تھا۔ ناچ گانے کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ ناچنے والیاں جو رکھی گئی تھیں وہ چنی ہوئی خوبصورت، جوان اور فن کی ماہر تھیں۔ ان رقاصاؤں میں صلیبیوں نے اپنی لڑکیوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ یہ پیشہ ور لڑکیاں تھیں الصالح کے امیروں وزیروں کو انگلیوں پر نچاتی رہتی تھیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ اس کے خصوصی درباریوں، امراء اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں پر نظر رکھیں اور بھانپتی رہیں کہ ان میں کوئی سلطان ایوبی کا وفادار تو نہیں۔ اس کے علاوہ یہ لڑکیاں ان حکام وغیرہ کے دلوں میں صلیبیوں کی محبت اور صلیب کی وفاداری پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

کبھی کبھی اس ہال میں ضیافت ہوتی تھی جس میں شراب کے مٹکے خالی ہوتے، رقص ہوتا اور جب شراب اپنا

رنگ دکھاتی تو بدکاری انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔ اس بڑے کمرے میں جنگی کانفرنسیں بھی ہوتی تھیں۔ اس کے بڑے دروازے پر باڈی گارڈز کے دو پہریدار کمر سے تلواریں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیے مستعد کھڑے رہتے تھے۔ تین چار گھنٹوں بعد پہریدار بدلتے تھے۔ خلت سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اسکے ساتھ ایک اور پہریدار بھی جاسوس تھا۔ ان دونوں کا پہرہ اکٹھا لگا کرتا تھا۔ انہوں نے یہاں سے بہت سی معلومات حاصل کیں اور دمشق بھیجی تھیں۔ ایک شام ایک نئی رقاصہ آئی۔ اس شام ہال میں ضیافت تھی۔ مہمان بھی آ رہے تھے۔ ناچنے گانے والیاں اور دوسری لڑکیاں بھی آ رہی تھیں۔ خلت اور اس کا ساتھی ان سب کو جانتے پہچانتے تھے۔ دور دور کے قلعہ دار بھی آئے ہوئے تھے۔ مہمانوں میں ایک آدمی نیا تھا۔ یہ ریمانڈ کا بھیجا ہوا جاسوس کا کمانڈر تھا۔ خلت نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ کون ہے۔ اسے اب اس کی سرگرمیاں دیکھنی تھیں۔

اس کے علاوہ اس نے ایک اور نیا چہرہ دیکھا۔ یہ ایک لڑکی تھی جسے وہ تین چار دنوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ نئی آئی تھی خلت اپنے ساتھی کے ساتھ ڈیوٹی ختم کر کے جا رہا تھا کہ یہ لڑکی سامنے آ گئی۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ چہرہ اسے جانا پہچانا لگا مگر وہ سمجھا کہ چہروں میں مشابہت بھی ہوتی ہے۔ اس نے توجہ ہٹا لی لیکن اس لڑکی نے اسے کچھ زیادہ ہی غور سے دیکھا اور اسے دیکھتی آگے نکل گئی۔ خلت نے گھوم کر دیکھا تو لڑکی رک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے دن بھی ایسے ہی ہوا۔ خلت نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ رقاصہ ہے۔ وہ کوئی شہزادی معلوم ہوتی تھی خلت سپاہی تھا۔ اس کا ایسی لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ شہزادی قسم کی رقاصہ تو امیروں کی ملکیت تھی۔ البتہ خلت کو ایک اور لڑکی یاد آ گئی تھی جس کی شکل وصورت اس رقاصہ سے ملتی جلتی تھی۔

☆

وہ گیارہ بارہ سال پہلے کی بات تھی جس کی یاد بھی خلت کے ذہن سے محو ہوتی جا رہی تھی۔ اس وقت خلت سترہ اٹھارہ سال کا نوجوان تھا۔ وہ دمشق سے تھوڑی ہی دور ایک گاؤں میں رہتا تھا اور اپنے باپ کے ساتھ کھیتی باڑی کیا کرتا تھا۔ وہ خوبرو بھی تھا اور اس کی طبیعت بہت شگفتہ تھی۔ ہنسی مذاق زیادہ کرتا تھا اور حاضر جواب بھی تھا۔ اسی لئے گاؤں میں بچے سے بوڑھے تک اسے سب بہت چاہتے تھے۔ ہجرت کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا تھا جن علاقوں پر صلیبی قابض تھے وہاں سے مسلمان کنبے صلیبیوں کے جوروستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کی حکمرانی کے علاقوں میں آتے رہتے تھے۔ مقامی لوگ ان کی مدد امداد کرتے اور انہیں آباد کر لیتے تھے۔ ایسا ہی ایک کنبہ کہیں سے ہجرت کر کے خلت کے گاؤں میں آ گیا۔ اس میں حمیرہ نام کی ایک بچی تھی جس کی عمر اس وقت گیارہ بارہ سال تھی۔ خوبصورت بچی تھی۔

گاؤں والوں نے اس کنبے کو آباد کر لیا اور کھیتی باڑی کے لیے زمین اور سامان بھی مہیا کر دیا۔ حمیرہ کے بہن بھائی چھوٹے تھے۔ کام کرنے کے قابل صرف باپ تھا۔ خلت نے اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ حمیرہ کو خلت کی باتیں اچھی لگتی تھیں اور خلت کو یہ بچی اچھی لگتی تھی۔ وہ خلت کے گھر آ جایا کرتی۔ گھر ہو یا کھیت حمیرہ اس سے کہانیاں ضرور سنتی تھی۔ خلت دلچسپ قصے گھڑ لیا کرتا تھا۔ دو چار ماہ بعد حمیرہ کے باپ نے کھیتی باڑی میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ دمشق قریب تھا وہ شہر میں چلا جاتا اور شام کو واپس آتا تھا۔ ایک سال گزرا تو اس نے کھیتی باڑی ختم کر دی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے کون سا ذریعہ معاش اختیار کر لیا ہے۔ البتہ اس کنبے کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

حمیرہ خلت میں گھل مل گئی تھی۔ وہ کھیتوں میں کام کرنے جاتا تو حمیرہ وہاں چلی جاتی۔ گھر میں ہوتا تو وہاں آتی۔ اب وہ تیرہ سال کی ہو گئی تھی اور اچھا برا سمجھنے لگی تھی۔ ایک روز خلت نے اس سے پوچھا کہ اس کا باپ کیا کام کرتا ہے۔ حمیرہ نے بتایا کہ اسے یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور پیسے کہاں سے لاتا ہے۔ اسے صرف یہ پتا ہے کہ اس کا باپ اچ

آدمی نہیں۔ وہ شہر سے کوئی نشہ کر کے آتا ہے۔ حمیرہ نے ایک نئی بات بتائی۔ اس نے کہا..... ''یہ شخص میرا باپ نہیں ہے۔ میرے ماں باپ مر گئے تھے۔ میں پانچ چھ سال کی تھی۔ اس نے مجھے سنبھال لیا اور اپنے گھر لے آیا۔ پھر میں اسی کو اپنا باپ کہنے لگی۔ میرے ساتھ یہ اپنی بیٹیوں جیسا سلوک کرتا ہے، مگر اچھا آدمی نہیں۔''

ڈیڑھ دو سال گزر گئے۔ خلت میں حمیرہ کی بچپنے کی دلچسپی محبت میں بدل گئی۔ شباب نے حمیرہ کے چہرے پر بڑا ہی دلکش نکھار پیدا کر دیا تھا اور قد بھی بڑھ کر جاذب نظر ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ خلت سے ملی۔ بہت پریشان تھی۔ اس نے خلت کو بتایا کہ اسے شک ہے کہ اس کا باپ اسے شادی کے بہانے کسی اجنبی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ یہ شک اسے اس طرح ہوا تھا کہ اس کے باپ کے ساتھ ایک آدمی آیا تھا۔ باپ نے اس آدمی کی بہت خاطر تواضع کی تھی اور کچھ دیر بعد حمیرہ کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اس اجنبی نے حمیرہ کو بڑی غور سے دیکھا تھا۔ حمیرہ نے باپ سے پوچھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے تو باپ نے کوئی ایسا بہانہ پیش کیا تھا جس نے حمیرہ کے دل میں شک پیدا کر دیا تھا۔ حمیرہ نے خلت سے کہا کہ وہ اس کے سوا کسی اور کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ خلت نے اسے کہا وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بات کر کے اس کے ساتھ شادی کی کوشش کرے گا۔

یہ تو الگ بات ہے کہ حمیرہ جسے باپ کہتی تھی وہ اس کا باپ نہیں تھا، لہٰذا اس شخص کو حمیرہ کے مستقبل کے متعلق کوئی فکر نہیں تھا، لیکن اس دور میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بہت سی رقم لے کر لڑکیوں کو کسی کے ساتھ بیاہ دینے کا رواج عام تھا۔ امیر کبیر لوگوں نے حرم بنا رکھے تھے جن کے لیے وہ نئی سے نئی لڑکیاں خریدتے رہتے تھے۔ اگر حمیرہ کو اس کا باپ فروخت کر رہا تھا تو یہ کوئی جرم یا کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا۔ خلت امیر ماں باپ کا بیٹا نہیں تھا۔ وہ یہی کر سکتا تھا کہ حمیرہ کو بھگا لے جائے اور کہیں غائب ہو جائے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے۔ حمیرہ کے ساتھ اسے محبت اتنی زیادہ تھی کہ وہ آسانی سے اس سے نظریں نہیں پھیر سکتا تھا۔

اس نے سوچنے میں زیادہ ہی وقت صرف کر دیا۔ تیسرے دن وہ کھیتوں میں تھا کہ حمیرہ اسے پکارتی اور دوڑتی آ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ تین آدمی اس کے پیچھے دوڑے آ رہے تھے جن میں ایک حمیرہ کا باپ تھا۔ دوسرے دونوں کو وہ نہیں پہچانتا تھا۔ گاؤں کے بہت سے آدمی باہر آ گئے تھے مگر وہ سب تماشائی تھے وہ اس لئے حمیرہ کی مدد کو آگے نہیں آتے تھے کہ اس کے پیچھے بھاگنے والوں میں اس کا باپ بھی تھا۔ حمیرہ خلت کے پیچھے ہو گئی۔ اس نے روتے ہوئے اسے بتایا کہ دو آدمی اسے اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں اور اس کے باپ نے ان کے ساتھ سودا کر لیا ہے۔

حمیرہ کے باپ نے خلت کے پیچھے سے حمیرہ کو پکڑنے کی کوشش کی تو خلت نے اسے دھکا دے کر کہا۔

''خبردار، اسے ہاتھ نہ لگانا۔ پہلے میرے ساتھ بات کرو۔''

''یہ میری بیٹی ہے۔''----باپ نے کہا----''تم کون ہو مجھے روکنے والے؟''

''یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔'' خلت نے کہا۔

دوسرے دو آدمی حمیرہ کی طرف بڑھے۔ ایک نے تلوار نکال لی تھی۔ خلت کے ہاتھ میں کدال کی قسم کی کوئی چیز تھا۔ اس نے گھما کر ماری تو یہ ہتھیار تلوار والے کے سر پر پڑا۔ اس کی تلوار گر پڑی، پھر وہ خود بھی چکرا کر گرا۔ خلت نے تلوار اٹھالی۔ دوسرے آدمی نے بھی تلوار نکال لی۔ خلت کو تیغ زنی کی کوئی مشق نہیں تھی، پھر بھی اس نے وار روکے۔ دوسرا تیغ زن معلوم ہوتا تھا۔ خلت کو لڑنے کا زیادہ موقعہ نہ ملا۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز پڑی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ گر پڑا...... اس کے ہوش ٹھکانے آئے تو وہ اپنے گھر میں تھا۔ وہ جوش میں آ کر اٹھا لیکن اس کے باپ

اور دو تین آدمیوں نے اسے جکڑ لیا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ بہت دیر سے بیہوش پڑا ہے اور حمیرہ اس گاؤں سے رخصت ہو چکی ہے۔ خلت چلانے لگا کہ لڑکی کو فروخت کیا جا رہا ہے، مگر اسے بتایا گیا کہ اس کا نکاح پڑھا کر رخصت کر دیا گیا ہے۔

خلت کے سر کی حالت یہ تھی کہ وہ اٹھتا تھا تو اس کا سر چکرا جاتا تھا۔ اسے شدید چوٹ آئی تھی۔ بڑوں نے اسے نصیحت کی کہ حمیرہ کے معاملے میں اس کا بولنا جائز نہیں کیونکہ اگر بیچا بھی گیا ہے تو اس کا باقاعدہ نکاح کیا گیا ہے۔ بہر حال خلت کے لئے یہ حادثہ تھا۔ وہ جب ٹھیک ہو کر باہر نکلا تو حمیرہ کا باپ اپنے سارے کنبے کے ساتھ گاؤں سے ہمیشہ کے لیے جا چکا تھا۔

☆

خلت پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ اسے حمیرہ کی محبت اور انتقام کا جذبہ پریشان رکھتا تھا۔ کام کاج سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ وہ کبھی کبھی دمشق چلا جاتا اور حمیرہ کے باپ کو ڈھونڈتا رہتا۔ ماں باپ نے اسے اچھی اچھی لڑکیاں دکھائیں۔ لیکن اس نے کسی کو بھی قبول نہ کیا اس کے دل و دماغ پر حمیرہ غالب رہی...... ڈیڑھ ایک سال تک اس کی یہی حالت رہی۔ ایک روز دمشق میں گھومتے پھرتے اسے پتا چلا کہ فوج کی بھرتی ہو رہی ہے۔ اس نے اس خیال سے کہ اس بہانے وہ گاؤں سے دور رہے گا فوج میں بھرتی ہو جانا بہتر سمجھا اور بھرتی ہو گیا۔ اسے ٹریننگ دی گئی۔ گھوڑ سواری سکھائی گئی۔ تیر اندازی اور مختلف ہتھیاروں کا استعمال سکھایا گیا۔ اس کے ذہن کو مصروفیت مل گئی تو اس کے دل سے حمیرہ کا دکھ کم ہونے لگا۔ اپنے جیسے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ رہتے، گپ شپ لگاتے اور ہنستے کھیلتے اس کے دل کی زندگی عود کر آئی اور وہ ایک بار پھر شگفتہ مزاج جوان بن گیا۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب صلاح الدین ایوبی کا نام ابھی مشہور نہیں ہوا تھا۔ لوگ ابھی نور الدین زنگی کو جانتے تھے۔ اسے ایک بار جنگ میں جانے کا موقعہ ملا۔ یہ ایک خونریز لڑائی تھی۔ اس نے پہلی بار اپنے دشمن کو دیکھا۔ اس نے وہ لٹے پٹے مسلمان کنبے دیکھے جو صلیبیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ صلیبی بہت سی مسلمان لڑکیوں کو اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ سن کر اس کے اندر قومی جذبہ اور اسلام کی لگن بیدار ہو گئی۔ اس جذبے اور لگن نے جنون کی صورت اختیار کر لی اور اس جنون نے اسے ان سپاہیوں کی صف میں کھڑا کر دیا جو تنخواہ اور مال غنیمت کی خاطر نہیں اللہ کے نام پر لڑا اور جانیں قربان کیا کرتے ہیں۔

تین چار سال بعد جب صلاح الدین ایوبی کو مصر کا امیر بنا کر قاہرہ بھیجا گا تو صلیبیوں نے سوڈانیوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے سمندر کی طرف سے مصر پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی نے نور الدین زنگی سے کمک مانگی۔ زنگی نے اپنے منتخب دستے قاہرہ روانہ کر دیئے۔ ان میں خلت بھی تھا اس کا شمار ان ذہین عسکریوں میں ہوتا تھا جو تلوار کے ساتھ دماغ بھی استعمال کرتے تھے اسے پچاس سپاہیوں کے ایک جیش کا کماندار بنا دیا گیا۔ مصر میں اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا کہ وہ لڑاکا (کمانڈو) جاسوسوں کا انتخاب کرے تو خلت کو حاضر دماغی، ذہانت، جسم اور زبان کی مستعدی اور پھرتی، جسم اور شکل و صورت کی دلکشی کی بدولت لڑاکا جاسوسوں میں لے لیا گیا۔ اسے کمانڈو اور گوریلا قسم کے شبخون مارنے کے لیے چند بار بھیجا گیا تھا لیکن جاسوسی کے لیے ملک سے باہر نہ بھیجا گیا۔ ملک کے اندر جاسوسوں کی سراغرسانی، تعاقب اور گرفتاری کے لیے اسے استعمال کیا جاتا رہا۔ جاسوسوں کو وہ خوب پہچانتا تھا۔

اب ۱۱۷۴ء میں جب سلطان ایوبی نور الدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سوار لے کر دمشق پر قبضہ کرنے اور الملک الصالح کی معزولی کی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے اپنے جاسوسوں کو پہلے ہی دمشق بھیج دیا تھا جو مختلف بہروپ دھار کر دمشق میں داخل ہوئے اور پھیل گئے تھے اور جب دمشق پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو گیا اور الصالح، اس کے امیر وزیر اور

کے باڈی گارڈز دمشق سے بھاگے تو علی بن سفیان کے معاون حسن بن عبد اللہ نے جو جاسوسوں کے ساتھ دمشق گیا تھا، کئی ایک جاسوس دمشق سے اس طرف روانہ کیے جس طرف الصالح اور اس کے باڈی گارڈز دستے گئے تھے۔ ان جاسوسوں کو خصوصی ہدایات اور مختلف مشن دیئے گئے تھے۔ خلت کو بھی ان کے ساتھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا۔

حلب میں پہنچے تو وہاں افراتفری کا عالم تھا۔ الصالح کے حواریوں کو فوری طور پر فوج کی ضرورت تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ سلطان ایوبی ان کا تعاقب کرے گا اور حملہ کرے گا۔ اس صورت حال میں انہیں جیسا کیسا سپاہی ملا انہوں نے رکھ لیا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے اپنے آپ کو اس کی فوج کے سپاہی ظاہر کیا جو دمشق سے بھاگ آئے تھے۔ کمانڈروں میں سے کسی کو ہوش نہیں تھی کہ چھان بین کرتے کہ کوئی مشکوک افراد فوج میں نہ آگئے ہوں۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے کئی اہم جگہیں سنبھال لیں اور حلب میں زمین دوز اڈہ بھی قائم کرلیا۔ خلت چونکہ خوبرو اور تنومند جوان تھا اور زبان کی چاشنی سے بھی مالا مال تھا اس لیے اسے قصر سلطنت کے محافظوں کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔

☆

اسلام کا عسکری جذبہ اس کی روح میں اتر گیا تھا۔ اس نے حمیرہ کو بھی یاد نہیں کیا تھا۔ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملتی تھی، مگر اس نئی رقاصہ نے اسے حمیرہ یاد دلا دی۔ حمیرہ سے جدا ہوئے سات آٹھ سال گزر گئے تھے۔ اس وقت حمیرہ پندرہ سولہ سال کی تھی۔ یہ رقاصہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کے چہرے پر حمیرہ والی معصومیت اور سادگی نہیں تھی۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اتنا سا ہی تھا کہ سینے کا تھوڑا سا حصہ اور ستر ڈھانپا ہوا تھا۔ آدھے سے زیادہ جسم عریاں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ یہ رقاصہ حمیرہ ہو۔ تیسری بار رقاصہ اس کے قریب سے گزری تو بھی خلت نے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ رقاصہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب کے وہ رک گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' رقاصہ نے پوچھا۔

خلت نے اپنا وہ فرضی نام بتایا جو اس نے وہاں لکھو رکھا تھا، اور پوچھا ---- ''آپ نے نام کیوں پوچھا ہے؟''

''تم مجھے گھور گھور کر دیکھا کرتے ہو اس لیے نام پوچھ رہی ہوں۔'' حمیرہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں شریف عورتوں والی ذراسی بھی جھلک نہیں تھی۔ کہنے لگی ---- ''تم سپاہی ہو۔ اپنے کام پر توجہ رکھا کرو۔''

خلت کو کوفت ہوئی لیکن اسے خوشی بھی ہوئی کہ یہ حمیرہ نہیں۔ حمیرہ تو بھولی بھالی لڑکی تھی۔

اسی شام ہال میں ضیافت تھی۔ ریمانڈ کے جاسوسوں کا کمانڈر تین چار روز پہلے آیا تھا۔ اس کا نام ونڈسر تھا۔ یہ ضیافت اسی کے اعزاز میں دی جا رہی تھی۔ خلت نے معلوم کرلیا تھا کہ یہ جاسوسی کا ماہر ہے اور جاسوسی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے آیا ہے۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ ہال میں مہمان آرہے تھے۔ کھانے چنے جا رہے تھے اور شراب کے دور چل رہے تھے۔ ابھی ونڈسر نہیں آیا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی کی ڈیوٹی ہال کے دروازے پر تھی۔ کچھ دیر بعد ونڈسر آگیا۔ اس نے دونوں پہرہ داروں کو غور سے دیکھا پھر اس نے خلت کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

''تم خلیفہ کے محافظ دستے میں کب آئے ہو؟'' ونڈسر نے خلت کی زبان میں پوچھا۔

''یہاں آکر مجھے محافظ دستے میں لیا گیا ہے۔'' خلت نے جواب دیا..... ''اس سے پہلے میں دمشق کی فوج میں تھا۔''

''تم مصر بھی گئے تھے؟'' ونڈسر نے پوچھا۔

''نہیں!''

ونڈسر نے دوسرے پہرہ دار سے خلت کے متعلق پوچھا۔ ''تم اسے کب سے جانتے ہو؟''

''ہم دونوں دمشق کی فوج میں اکٹھے رہے ہیں'' ...... اس نے جواب دیا ...... ''ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''اور میں شاید تم دونوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔'' ونڈسر نے مسکرا کر کہا ...... ''ذرا میرے ساتھ آؤ۔''

وہ انہیں پہرے سے ہٹا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ گھاگ سراغرساں اور جاسوس تھا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے باڈی گارڈز کی خفیہ چھان بین شروع کر دی تھی۔ خلت کو دیکھتے ہی اسے کچھ یاد آ گیا تھا اور اس نے جب اس کے ساتھی کو دیکھا تو اس کا شک پکا ہو گیا۔ شک غلط بھی نہیں تھا۔ خلت اور اس کا ساتھی تین چار سال سے انٹیلی جنس میں تھے اور وہ اکٹھے رہتے تھے۔ ان کی جوڑی پکی ہو گئی تھی۔ ونڈسر انہیں اپنے کمرے میں لے گیا جو اسی عمارت میں بڑے ہال سے تھوڑی ہی دور تھا۔ کمرے میں لے جا کر اس نے مشعل کی روشنی میں دونوں کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

''اگر تم مجھے یقین دلا دو کہ تم یہاں کے وفادار ہو اور صلاح الدین ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہو تو میں تمہیں چھوڑ ہی نہیں دوں گا بلکہ ایسے کام پر لگاؤں گا جہاں عیش کرو گے۔'' ونڈسر نے کہا۔ ''جھوٹ نہ بولنا۔ پچھتاؤ گے۔''

''ہم یہیں کے وفادار ہیں۔'' خلت نے کہا۔

''تم نے وفاداری کب سے بدلی ہے؟'' ونڈسر نے پوچھا ''اور کیوں بدلی ہے؟''

''خدا اور رسولؐ کے بعد خلیفہ کا رتبہ ہے۔'' خلت نے کہا۔ ''صلاح الدین ایوبی کا کوئی رتبہ نہیں۔''

''مصر سے کب آئے ہو؟'' ونڈسر نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔ ''تم شاید مجھے نہیں جانتے میں بھی تمہاری طرح جاسوس ہوں۔ نام شاید بھول جاؤں چہرے نہیں بھولا کرتا۔ علی بن سفیان کہاں ہے؟ مصر میں یا دمشق میں؟''

''ہم اسے نہیں جانتے۔'' خلت کے ساتھی نے جواب دیا۔ ''ہم سیدھے سادے سپاہی ہیں۔''

ونڈسر نے دروازے میں جا کر دیکھا اور کسی ملازم کو آواز دی۔ ملازم آیا تو اس نے کسی لڑکی کا نام لے کر ملازم سے کہا کہ اسے بلا لاؤ۔ وہ لڑکی قریب ہی کسی کمرے میں تھی۔ ذرا سی دیر میں ایک بڑی ہی حسین لڑکی آ گئی۔ خلت کو معلوم تھا کہ یہ صلیبی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ نئی رقاصہ تھی جسے دیکھ خلت کو حمیرہ یاد آ جایا کرتی تھی۔ ونڈسر نے صلیبی لڑکی سے عربی زبان میں بات کی اس سے ہنس کر پوچھا کہ اس رقاصہ کو کیوں ساتھ لے آئی ہو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ میرے کمرے میں تیار ہو کر آ گئی تھی اور میں تیار ہو رہی تھی۔ آپ کا بلاوا آیا تو سمجھی کہ آپ نے مجھے ضیافت میں ساتھ چلنے کے لیے بلایا ہے۔ میں اسے بھی ساتھ لے آئی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' ...... ونڈسر نے کہا ...... ''اچھا ہوا یہ بھی آ گئی ہے۔ تماشہ دیکھ لے گی۔'' اس نے صلیبی لڑکی سے کہا۔ ''میں نے تمہیں کسی اور کام کے لیے بلایا ہے۔'' دونوں پہرہ داروں کی طرف اشارہ کر کے اس نے لڑکی سے کہا ...... ''ان دونوں کے چہروں کو دیکھو۔ شاید تمہیں کچھ یاد آ جائے۔''

لڑکی نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ ماتھے پر شکن ڈال کر سوچا۔ پھر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے خلت اور اس کے ساتھی سے پوچھا ...... ''تم کس وقت ہوش میں آئے تھے؟''

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر لڑکی کو دیکھا۔ خلت حاضر دماغ تھا۔ وہ جان گیا کہ انہیں پہچان لیا گیا ہے۔ وہ بچنے کے طریقے سوچنے لگا۔ یہ اب عقل اور ہوش کا کھیل تھا۔ اس نے بھولا بن کر کہا ...... ''میں سمجھ نہیں سکتا کہ

پہرے سے ہٹا کر آپ نے ہمارے ساتھ کیوں مذاق شروع کر دیا ہے۔ ہمارے کمانڈر نے دیکھ لیا تو ہمیں سزا دے گا۔''

''تم پہرہ دار نہیں ہو۔'' ونڈسر نے کہا...... ''تم دونوں کو وہاں کھڑا کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ وہاں کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ وہاں تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔'' اس نے خلت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا...... ''یہاں آ کر اپنا حلیہ ذرا سا تو بدل لیا ہوتا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان جاسوسی کے ماہر ہیں۔ لیکن ہم بھی اناڑی نہیں۔ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ فوراً بتادو کہ تم دونوں مصر سے آئے ہوئے جاسوس ہو۔ تمہارے ساتھ میری اور اس (صلیبی) لڑکی کی ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔ تم مجھے نہیں پہچان سکے کیونکہ میں بگاڑے ہوئے حلیے میں تھا۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے کیونکہ تم آج بھی اسی حلیے میں ہو جس میں اڑھائی سال پہلے تھے۔ ذرا ذہن پر زور دو۔ تمہیں یاد آ جائے گا۔ مصر کے شمال میں تم دونوں ایک قافلے کے ساتھ چل پڑے تھے کیونکہ تمہیں شک تھا کہ یہ قافلہ مشکوک ہے۔ تم نے ایک قافلے کے ساتھ سفر کیا تھا۔ ایک رات بھی قافلے کے ساتھ گزاری تھی، مگر تمہاری بدقسمتی کہ تمہاری جب آنکھ کھلی تو تم صحرا میں اکیلے پڑے تھے۔ قافلہ بہت دور نکل گیا تھا۔

☆

ونڈسر نے انہیں یاد دلایا......

خلت اور اس کا یہی ساتھی جاسوسوں کی سراغرسانی کی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ اڑھائی تین سال پہلے کا واقعہ ہے...... سوڈانیوں کو شکست تو دی جا چکی تھی۔ لیکن وہ صلیبیوں کی مدد سے مصر پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مصر کے اندر صلیبی جاسوس اور تخریب کار سرگرم تھے۔ ان کی سراغرسانی کے لیے علی بن سفیان کا جاسوسی کا نظام کام کر رہا تھا۔ سرحدوں پر گشتی دستے بھی تھے۔ مصر کے اپنے جاسوس مسافروں وغیرہ کے بھیس میں سرحدی علاقوں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ایک بار خلت اپنے اس ساتھی کے ساتھ مصر کے شمال میں گشت پر تھا۔ دونوں اونٹوں پر سوار تھے اور دونوں غریب سے صحرائی مسافروں کے بھیس میں تھے۔ انہیں ایک قافلہ جاتا نظر آیا جس میں بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ قافلے والوں میں بوڑھے بھی تھے، جوان بھی تھے، بچے اور عورتیں بھی تھیں۔

خلت اور اس کا ساتھی جاسوس تھے۔ وہ قافلے کو روک کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہیں ہدایت یہ تھی کہ آتے جاتے قافلوں کو دیکھیں اور ذرا سا بھی شک ہو تو قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع دیں۔ یہ چوکی والوں کا فرض تھا کہ قافلے کو روک کر چھان بین کریں اور سامان کی تلاشی بھی لیں۔ سرحدی دستے فوجی طاقت کے زور پر یہ کام کر سکتے تھے۔ دو جاسوسوں سے اتنی زیادہ تعداد کا قافلہ نہیں رک سکتا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے ہدایات اور ٹریننگ کے مطابق قافلے والوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مسافر ہیں اور آگے جا رہے ہیں۔ اس زمانے میں یہی طریقہ تھا کہ مسافر اکٹھے چلا کرتے تھے کیونکہ سفر بہت طویل اور لوٹ مار کا خطرہ زیادہ تھا۔ قافلے والوں نے ان دونوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

ان دونوں نے گپ شپ کے انداز سے معلوم کرنا شروع کر دیا کہ یہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگلی سرحدی چوکی کہاں ہے، مگر انہوں نے دیکھا کہ قافلہ ایسی سمت کو جا رہا تھا جس طرف کوئی چوکی نہیں تھی۔ وہ علاقہ ہی ایسا تھا کہ گشتی پہرے اور چوکی سے بچ کر نکلا جا سکتا تھا۔ اونٹوں پر جو سامان لدا ہوا تھا وہ بھی مشکوک سا معلوم ہوتا تھا۔ پتا نہیں چلتا تھا کہ ان بڑے بڑے مشکوں اور لپیٹے ہوئے خیموں وغیرہ میں کیا ہے۔ بہرحال سامان معمولی نہیں تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی صحرائی خانہ بدوشوں کے انداز سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قافلے میں چار جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ ان کے لباس تو خانہ بدوشوں بلکہ بدوؤں کی طرح تھے۔ ان کے بالوں کا انداز بھی بتاتا تھا کہ

تہذیب وتمدن سے دور رہنے والی لڑکیاں ہیں لیکن ان کے چہروں اور آنکھوں کے رنگ اور خدوخال کی دلکشی بتا رہی تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے اور یہ بہروپ ہے۔

قافلے میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کا رنگ گورا تھا اور چہرے پر جھریاں مگر اس کے دانت بتاتے تھے کہ اس کی عمر اتنی زیادہ نہیں جتنی چہرہ بتا رہا تھا۔ اس بوڑھے نے خلت اور اس کے ساتھی کو اپنے ساتھ کرلیا اور بڑے پیارے انداز سے ان سے پوچھنے لگا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ خلت اپنے متعلق غلط باتیں بتاتا رہا اور اس سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے اور سامان کیا ہے۔ وہ بوڑھا اتنی اچھی باتیں کرتا تھا کہ خلت اور اس کا ساتھی اس کی باتوں میں الجھ گئے۔ چلتے چلتے شام ہوگئی پھر رات گہری ہوگئی اور قافلہ چلتا رہا۔ خلت نے قافلے کا رخ بدلنے کے لیے بوڑھے سے کہا کہ فلاں طرف سے چلیں تو منزل قریب آجائے گی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قافلے کو چوکی کے قریب سے گزارا جائے۔ صاف پتا چل رہا تھا کہ قافلہ چوکی سے بچنے کی کوشش میں ہے۔

شکوک پختہ ہوتے گئے۔ کچھ اور آگے گئے تو پڑاؤ کرنے کے لیے نہایت موزوں جگہ آگئی۔ قافلہ رک گیا اور پڑاؤ کرلیا گیا۔ خلت اور اس کا ساتھی ذرا الگ ہٹ کر بیٹھے اور سوچنے لگے کہ سب سو جائیں تو سامان کی تلاشی لیں یا ان دونوں میں سے ایک خاموشی سے نکل جائے اور کسی قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع کردے، تاکہ قافلے پر چھاپہ مارا جائے مگر خطرہ یہ تھا کہ قافلے والوں کو شک ہو جائے گا اور وہ پیچھے رہنے والے اکیلے جاسوس کو قتل کرکے یا اغوا کرکے تیز رفتاری سے غائب ہو جائیں گے۔ انہوں نے سونے کی نہیں بلکہ جاگتے رہنے کی کوشش کی۔ قافلے والے کھا پی کر سو گئے۔

اتنے میں دو لڑکیاں جو قافلے کے ساتھ تھیں اس طرح ان کے پاس آئیں جیسے چوری چھپے آئی ہوں۔ وہ اس علاقے کی صحرائی زبان بول رہی تھیں۔ انہوں نے خلت اور اس کے ساتھی سے کہا کہ اگر وہ انہیں راز کی ایک بات بتائیں تو کیا وہ ان کی مدد کریں گے؟...... ''راز'' ایک ایسا لفظ تھا جس نے صلاح الدین ایوبی کے ان دونوں جاسوسوں کو چونکا دیا۔ وہ راز حاصل کرنے کے لیے ہی ریگزاروں میں مارے مارے پھر رہے تھے اور اس قافلے کے ساتھ وہ راز کی خاطر ہی چلے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ قافلہ بردہ فروشوں کا ہے اور یہ چاروں لڑکیاں اغوا کرکے لائی جا رہی ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور ان لوگوں سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔

باتوں باتوں میں ایک لڑکی خلت کو الگ لے گئی۔ لڑکی کی باتوں میں سادگی بھی تھی اور جاذبیت بھی۔ اس نے خلت سے کہا کہ وہ اگر اسے اپنے ساتھ لے جائے تو اس کے ساتھ شادی کرے گی اور ساری عمر اس کی وفادار رہے گی۔ اس نے کچھ ایسی باتیں بھی کیں جیسے وہ خلت کو دل دے بیٹھی ہو۔ اس نے محبت اور مظلومیت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ خلت اس کی اور باقی لڑکیوں کی رہائی کے متعلق سوچنے لگا۔ دوسری لڑکی خلت کے ساتھی کے ساتھ الگ بیٹھی تھی اور وہ بھی اس قسم کی باتیں کر رہی تھی۔ کسی عورت کا محض عورت ہونا اس کی قوت ہوتی ہے اور جب عورت خوبصورت اور جوان ہو اور وہ مظلوم بھی ہو تو مرد پگھل جاتے ہیں۔ یہ کیفیت ان دونوں مردوں کی ہوگئی۔ دونوں میں جوانی کا جوش تھا۔ ان میں غیرت بھی تھی اور اپنی فوج کا یہ اصول بھی کہ عورت کی پاسبانی کرنی ہے، خواہ وہ اپنی ہو خواہ کسی اور کی۔

دونوں لڑکیوں نے الگ الگ، ان دونوں مصری جاسوسوں کو خوش کرنے کے لیے انہیں کوئی بڑی ہی لذیذ چیز کھانے کو دی۔ ایک لڑکی دبے پاؤں گئی اور چھوٹا سا ایک مشکیزہ اٹھا لائی۔ اس میں سے اس نے دونوں کو کچھ پلایا جو کوئی شربت تھا۔ اس کا ذائقہ اتنا اچھا تھا کہ دونوں خاصا زیادہ پی گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کی آنکھ لگ گئی اور جب ان

آنکھ کھلی تو اگلے دن کا سورج افق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا۔ وہ ساری رات اور سارا دن سوئے رہے۔ ریگزار کی جھلسا دینے والی تپش بھی انہیں نہیں جگا سکی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ وہاں قافلہ بھی نہیں تھا اور ان دونوں کے اونٹ بھی نہیں تھے اور وہ اس جگہ بھی نہیں تھے جہاں انہوں نے رات پڑاؤ کیا تھا۔ یہ کوئی اور جگہ تھی۔ اردگرد مٹی اور ریت کے ٹیلے تھے۔ دونوں دوڑتے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر چڑھے۔ ادھر ادھر دیکھا۔ انہیں ٹیلوں کی چوٹیوں اور ان سے دور صحرا کی ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆

''وہ بوڑھا آدمی میں تھا جس کے ساتھ تم سفر کے دوران باتیں کرتے رہے تھے''...... ریمانڈ کے جاسوسوں کے کمانڈر رونڈسر نے انہیں کہا...... ''میں تمہاری باتوں سے جان گیا تھا کہ تم جاسوس ہو اور معلوم کرنا چاہتے ہو کہ ہم کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔''

''وہ تم نہیں تھے''...... خلت نے کہا...... ''وہ تو کوئی بوڑھا آدمی تھا۔''

''وہ میرا بہروپ تھا''...... ونڈسر نے کہا...... ''مجھے خوشی ہے کہ تم مان گئے ہو کہ تم دونوں جاسوس تھے، اور اب بھی جاسوس ہو اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہیں بے ہوش کرنے والی لڑکیوں میں سے ایک یہ تھی۔''

''ہم اب جاسوس نہیں ہیں''...... خلت نے کہا...... ''اب ہم خلیفہ کے وفادار ہیں۔''

''تم بکواس کرتے ہو''...... ونڈسر نے کہا...... ''علی بن سفیان کی میں نے ہمیشہ تعریف کی ہے، مگر تمہاری تربیت مکمل نہیں۔ تم نے ابھی تک اپنے آپ کو چھپانا اور اپنا حلیہ بدلنا نہیں سیکھا۔''

ونڈسر نے انہیں بتایا کہ وہ جنگی سامان اور بہت سی رقم سوڈان لے جا رہے تھے۔ قافلے میں جو افراد صحرائی لباس میں تھے، وہ فوجی مشیر تھے۔ وہ سب صلیبی تھے اور سوڈان جا رہے تھے۔ انہوں نے ہی سوڈانی فوج تیار کی اور صلاح الدین ایوبی کے بھائی تقی الدین کو ایسی بری شکست دی تھی کہ وہ اپنی آدھی فوج وہیں چھوڑ آیا تھا۔ اگر صلاح الدین ایوبی عقل استعمال نہ کرتا تو تقی الدین باقی فوج وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ان لڑکیوں نے بھی تمہاری شکست میں بر[illegible] تھا۔ ونڈسر نے انہیں بتایا کہ ان کی ملاقات جب مصر کے شمال میں ہوئی تھی تو رات پڑاؤ کے دوران ان میں سے کوئی بھی نہیں سویا تھا اور ان دونوں لڑکیوں کو اسی مقصد کے لیے خلت اور اس کے ساتھی کے پاس بھیجا گیا تھا کہ انہیں باتوں میں الجھا کے بیہوش کر دیں۔ ان کی ترکیب کامیاب رہی۔ ان کے بیہوش ہوتے ہی قافلہ روانہ ہو گیا۔

خلت کو وہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا اور یہ واقعہ اس کے دل میں کانٹے کی طرح اتر ہوا تھا۔ اتنے خطرناک جاسوسوں کا قافلہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ اس خلش کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اس نے اس واقعہ کی رپورٹ اپنے ہیڈ کوارٹر کو دی ہی نہیں تھی کیونکہ اسے دشمن کے جاسوس دھوکہ دے گئے تھے۔ اس میں اس کی اور اس کے ساتھی کی بے عزتی تھی۔ انہیں دو لڑکیاں بے وقوف بنا گئی تھیں۔ اب ان میں سے ایک لڑکی اور ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ خلت اپنے ساتھی سمیت اس کا قیدی تھا۔ اب وہ ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یہاں سے نکلنے یا مر جانے کو فیصلہ کر لیا۔

''میری ایک پیش کش قبول کر لو''...... ونڈسر نے انہیں کہا...... ''میں تم پر ایسا رحم کر رہا ہوں جو میں نے کبھی کسی پر نہیں کیا۔ تم دونوں میرے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔ جتنی اجرت مانگو گے دوں گا۔ کہو گے تو دمشق بھیج دوں گا اور اگر قاہرہ جانا ہو تو وہاں بھیج دوں گا۔ وہاں تم دونوں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بنے رہنا ہے لیکن کام ہمارے لیے کرنا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ ہمارے جو جاسوس وہاں کام کر رہے ہیں ان کی مدد کرو۔ اگر کوئی ان کی نشاندہی کر دے تو انہیں قبل از وقت خبردار

کر کے ادھر ادھر کر دینا''...... وہ بولتا جا رہا تھا اور یہ دونوں خاموشی سے سن رہے تھے۔ اسے توقع تھی کہ یہ دونوں مان جائیں گے۔ اس نے کہا...... ''یہ پیشکش قبول کرنے سے پہلے میری یہ شرط ہے کہ یہاں تمہارے جتنے جاسوس ہیں وہ پکڑوا دو۔ یہ بتا دو کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔''

''ہمیں تمہاری پیشکش کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں'' ...... خلت نے کہا...... ''ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہاں کوئی جاسوس ہے یا نہیں۔''

''تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں تمہارے جسموں کی کیا حالت بنا دوں گا'' ...... وِنڈسر نے کہا...... ''اگر تمہیں یہ توقع ہے کہ تمہیں فوراً قتل کر دیا جائے گا تو تمہاری یہ توقع پوری نہیں ہوگی۔ میں تمہیں جس تنور میں پھینکوں گا اس میں سے اتنی جلد نجات حاصل نہیں کر سکو گے'' ...... اس نے مسکرا کر کہا...... ''کیا تم مجھ سے منوا لو گے کہ تم جاسوس نہیں ہو؟ کیا میں ابھی شک میں ہوں؟ تم میں اتنی عقل نہیں کہ مجھے دھوکہ دے سکو۔ تم میں اتنی عقل ہوتی تو اس لڑکی کے ہاتھوں بیوقوف نہ بنتے۔ اس نے تمہیں اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جال میں پھانس لیا تھا۔''

''سنو میرے صلیبی دوست'' ...... خلت کھری باتوں پر آ گیا۔ بولا...... ''ہم دونوں جاسوس ہیں مگر یہ جھوٹ ہے کہ میں یا میرا یہ رفیق لڑکیوں کے حسن کے فریب میں آ گیا تھا۔ میں پتھر ہوں لیکن مجھ میں ایک کمزوری ہے۔ بہت عرصہ گزرا پندرہ سولہ سال کی عمر کی ایک لڑکی میرے سامنے فروخت ہوگئی تھی۔ میں نے اسے بچانے کی کوشش میں ایک آدمی کی تلوار چھین لی تھی...... اور ایک کو زخمی بھی کر دیا تھا۔ وہ تین تھے اور میں اکیلا۔ انہوں نے مجھ گرا لیا۔ اگر میں بیہوش نہ ہو جاتا تو اس لڑکی کو بچا لیتا۔ وہ اسے لے گئے اور مجھے لوگ بیہوشی کی حالت میں اٹھا کر گھر لے گئے۔''

''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟'' ...... وِنڈسر نے پوچھا۔

''دمشق سمجھ لو'' ...... خلت نے جواب دیا...... ''میں اب کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے میں وہاں کا رہنے والا ہوں اور میرا ساتھی بغدادی ہے۔ میں یہ باتیں تمہارے ڈر سے نہیں بتا رہا۔ تم مجھے اتنی آسانی سے نہیں سکو گے۔ ہمت ہے تو ہمارے ہاتھوں سے برچھیاں لے لو۔ ہم سے تلوار لو۔ جس تنور کا تم ذکر کرتے ہو، اس میں ہماری لاشیں جائیں گی۔''

وِنڈسر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ صلیبی لڑکی نے ہنس کر کہا...... ''انہیں خوش فہمی مروائے گی'' ...... اور رقاصہ خلت کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں اس لڑکی کو نہیں بچا سکا تھا'' ...... خلت نے کہا...... ''اس لڑکی کی یاد کانٹا بن کر میرے دل میں اتر گئی۔ اس رات جب ہم دونوں تمہارے قافلے کے ساتھ تھے تو تمہاری دو لڑکیوں نے مجھے کہا کہ انہیں بیچنے لیے اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے وہ لڑکی آ گئی جسے میں بچا نہیں سکا تھا۔ میں نے ان دو لڑکیوں کے چہروں پر اسی لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ میرے دل میں جو کانٹا تھا اس نے میری عقل پر پردہ ڈال دیا۔ اگر مجھے وہ لڑکی یاد نہ آتی تو میں کبھی بیوقوف نہ بنتا۔''

نئی رقاصہ کا جسم بڑی زور سے کانپا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

''اور اب تو موت بھی مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتی'' ...... خلت نے کہا...... ''اور تمہارا کوئی لالچ مجھے اپنے فرض سے گمراہ نہیں کر سکتا۔''

ادھر ضیافت کے ہال میں ونڈسر کا انتظار ہو رہا تھا جنہیں پتا چل چکا تھا کہ کوئی نئی رقاصہ آئی ہے وہ رقاصہ کے انتظار میں تھے۔ یہ تو کسی نے بھی نہ دیکھا کہ دروازے کے باہر جو دو سنتری مستعد کھڑے رہتے تھے وہ کہاں چلے گئے ہیں۔

برچھیاں اور تلواریں ابھی تک خلت اور اس کے ساتھی کے پاس تھیں۔ ونڈسر نے جب دیکھا کہ وہ اس کی پیشکش ٹھکرا چکے ہیں اور دونوں اپنے عقیدے اور فرض کے پکے معلوم ہوتے ہیں تو اس نے انہیں کہا کہ ہتھیار اس کے حوالے کر دیں۔ دونوں نے صاف انکار کر دیا۔ ونڈسر ان سے زبردستی ہتھیار لینے کے لیے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ باڈی گارڈز کو بلانا چاہتا ہوگا۔ خلت نے تیزی سے دروازہ بند کر دیا اور زنجیر چڑھا کر برچھی کی نوک ونڈسر کی طرف کر کے کہا..... ''جہاں ہو وہیں کھڑے رہو''..... اس نے آگے بڑھ کر برچھی کی نوک ونڈسر کی شاہ رگ پر رکھ دی۔

خلت کے ساتھی نے اپنی برچھی کی نوک صلیبی لڑکی کی شہ رگ پر رکھی۔ ونڈسر اور لڑکی پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار کے ساتھ جا لگے۔ خلت اور اس کے ساتھی نے دونوں کو وہیں دبا لیا۔ خلت نے نئی رقاصہ سے کہا..... ''تم ان کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ۔ اگر تم نے شور مچایا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔''

''اگر تم خلت ہو تو میرا نام حمیرہ ہے''..... نئی رقاصہ نے کہا..... ''میں نے تمہیں پہلے دن ہی پہچان لیا تھا۔ اور تم مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔''

تھوڑی دیر پہلے خلت نے اپنے نام کے سوا باقی نشانیاں بتا دی تھیں۔ حمیرہ جب سے یہاں آئی تھی وہ خلت کو دیکھ رہی تھی مگر خلت کی طرح وہ بھی شک میں تھی۔ وہ بھی یہی سوچتی تھی کہ انسانوں کی صورتیں ایک جیسی بھی ہو سکتی ہیں۔

''کیا تم بھی جاسوس ہو؟'' خلت نے پوچھا۔

''نہیں''..... حمیرہ نے جواب دیا..... ''میں صرف رقاصہ ہوں مجھ پر کوئی شک نہ کرنا خلت۔ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ساتھ جاؤں گی مرنا ہے تو تمہارے ساتھ مروں گی۔''

☆

الصالح ضیافت میں آ گیا۔ اس کے تمام امرا وزرا، اور دوسرے مہمان بھی آ گئے۔ ان میں صلیبی فوج کے افسر بھی تھے جو مشیروں کی حیثیت سے یہاں آئے تھے۔ ان کا انداز بادشاہوں جیسا تھا۔ ان میں ریمنڈ کا فوجی نمائندہ بھی تھا۔ وہ سب ونڈسر کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ ابھی تک غیر حاضر تھا۔ تمام صلیبی لڑکیاں ہال میں پہنچ گئی تھیں۔ صرف ایک نہیں تھی۔ ناچنے والیاں بھی آ گئی تھیں، نئی رقاصہ غیر حاضر تھی۔ الصالح کے آ جانے سے سب کی بیتابی بڑھ گئی۔ ایک ملازم سے کہا گیا کہ وہ ونڈسر اور دونوں لڑکیوں سے کہے کہ سب آ گئے ہیں۔

''انہیں باندھ کر یہیں پھینک چلتے ہیں''..... خلت کے ساتھی نے کہا۔

''کیا تم سانپوں کو زندہ رکھنا چاہتے ہو؟''..... خلت نے کہا اور برچھی جس کی نوک ونڈسر کی شہ رگ کو چھو رہی تھی پوری طاقت سے دبائی۔ ونڈسر کا سر دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ برچھی کی انی اس کی شہ رگ میں داخل ہو کر پیچھے کو نکل گئی۔ ونڈسر کا ہلکا سا خراٹا سنائی دیا۔

اس کے فوراً بعد ایسا ہی ایک خراٹا صلیبی لڑکی کے منہ سے نکلا۔ اس کی شہ رگ کو چیرتی ہوئی برچھی کی انی خلت کے ساتھی نے پار کر دی تھی۔ دونوں نے برچھیاں نکالیں۔ ونڈسر اور لڑکی گر کر تڑپنے لگے۔ خلت اور اس کے ساتھی نے دونوں کے دلوں پر برچھیاں رکھ کر اوپر سے پورا وزن ڈالا۔ دونوں کے دل چر گئے۔ اور وہ ٹھنڈے ہو گئے۔ دونوں کی

لاشوں کو پلنگ کے نیچے پھینک دیا گیا۔ یہ کمرہ ونڈسر کا تھا۔ دیوار کے ساتھ اس کا چغہ لٹک رہا تھا جس کے ساتھ سر کو ڈھانپنے والا حصہ بھی تھا۔ حمیرہ نے خود ہی یہ چغہ پہن لیا اور سر بھی ڈھانپ لیا۔ وہیں سے کپڑے اٹھا کر اس نے رقص والا گھگھرا اتار دیا اور مردانہ لباس کمر سے نیچے تک چڑھا لیا۔ پاپوش بھی بدل لئے اور چہرہ بھی چھپا لیا۔ اسے اب ایک نظر میں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ لڑکی ہے۔

خلت نے دروازہ کھولا۔ باہر دیکھا برآمدے میں ملازموں کی آمد و رفت اور بھاگ دوڑ تھی۔ وہ تینوں باہر نکلے۔ دروازہ بند کیا اور ایک طرف چل پڑے۔ فوراً بعد وہ اندھیرے میں ہو گئے۔ ادھر ایک گھاٹی تھی۔ اس سے اترے اور خطرے کے علاقے سے نکل گئے۔ خلت اور اس کے ساتھی کو معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ ان کا کمانڈر ایک عالم فاضل کے روپ میں جہاں رہتا تھا وہاں چھپنے کی جگہ بھی تھی اور وہاں نکلنے کا بندوبست بھی ہو سکتا تھا۔ اس وقت شہر سے نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ گھوڑے بھی نہیں تھے۔ انہیں حلب سے فرار ہو کر دمشق پہنچنا تھا۔ انہیں یہ اندازہ بھی تھا کہ قتل کا پتا چلتے ہی شہر میں کیا اودھم برپا ہو گا۔

قتل کا انکشاف ہوتے زیادہ دیر نہیں لگی۔ کسی نے ونڈسر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ پلنگ کے نیچے سے جو خون بہ رہا تھا وہ فرش پر پھیلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ ہنگامہ بپا ہو گیا۔ وہاں ایک نہیں دو لاشیں تھیں دونوں کے زخم ایک جیسے تھے۔ فوری طور پر پہریداروں کا خیال آیا۔ ان کی موجودگی میں بیک وقت دو قتل کون کر سکتا تھا؟ جن سنتریوں کی ڈیوٹی تھی انہیں بلایا گیا۔ دونوں غائب تھے۔ اس عمارت میں کسی کا بغیر اجازت داخلہ ممنوع تھا۔ یہاں چیدہ چیدہ لوگ جو حاکم یا معزز شہری تھے آ سکتے تھے۔ ان کی بھی چیکنگ ہوتی تھی۔ باڈی گارڈز کے کمانڈر کے لئے مصیبت کھڑی ہو گئی۔ یہ قتل پیشہ وروں کا کام تھا یا سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا، اور یہ کام فدائی قاتلوں کا بھی ہو سکتا تھا۔ کسی نے کہا کہ کرائے کے یہ قاتل کسی سے بھی اجرت لے کر قتل کر سکتے ہیں۔

دروازے کے دونوں سنتری نہ ملے تو یہ شک پختہ ہو گیا کہ وہ سلطان ایوبی کے آدمی ہوں گے اور انہوں نے ونڈسر کو اس وجہ سے قتل کیا ہے کہ وہ جاسوسوں کا سربراہ بن کے آیا تھا۔ رات دیر تک خلت اور اس کا ساتھی نہ ملے تو شہر میں ان کی تلاش شروع ہو گئی۔ یہ انکشاف بہت دیر بعد ہوا کہ نئی رقاصہ بھی غائب ہے۔ شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی۔

خلت، اس کا ساتھی اور حمیرہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو اپنا کارنامہ سنایا تو اس نے انہیں چھپا لیا اور کہا کہ وہ باہر کے حالات کے مطابق انہیں بتائے گا کہ وہ کب یہاں سے نکلیں۔ اس پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسے لوگ عالم اور برگزیدہ انسان سمجھتے تھے۔ اداکاری میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس نے اپنے جو دو شاگرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے وہ بھی جاسوس تھے۔ حلب سے دمشق تک وہی اطلاعات پہنچاتے تھے۔ اس نے دونوں شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ باہر کی خبر رکھیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

حمیرہ نے اس ''عالم'' کے سامنے خلت کو سنایا کہ اس پر کیا گزری تھی۔ وہ واقعہ تو سات آٹھ سال پرانا ہو چکا تھا۔ اس نے سنایا کہ خلت جب حمیرہ کو اس کے باپ (جو دراصل اس کا باپ نہیں تھا) اور ان دو آدمیوں سے بچانے کے لیے لڑا تھا تو حمیرہ کے باپ نے پیچھے سے کدال خلت کے سر پر ماری تھی۔ اس سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ تینوں حمیرہ کو گھر لے گئے۔ ایک نکاح خوان کو بلایا جس نے اس سے پوچھے بغیر نکاح پڑھ دیا اور وہ دونوں آدمی حمیرہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک رات وہ دمشق میں ٹھہرے پھر اسے ان علاقوں میں لے گئے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ اسے ناچ کی

تربیت دی جانے لگی۔ ابتدا میں اس نے مزاحمت کی مگر اس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ بیہوش ہو جاتی تھی۔ اس دوران اسے خوراک نہایت اچھی دی جاتی تھی۔ اسے کوئی بڑا ہی لذیذ شربت پلایا جاتا تھا جس کے اثر سے وہ ہنسنے اور ناچنے لگتی تھی۔
تشدد اور نشے سے اسے رقاصہ بنالیا گیا۔ بہت اونچے درجے کے لوگ اسے داد دینے لگے۔ وہ ایسے قیمتی تحفے لاتے تھے کہ وہ دنگ رہ جاتی تھی۔ اسے یروشلم بھی لے جایا گیا تھا جہاں دو آدمیوں نے اس کے مالکوں سے کہا تھا کہ وہ منہ مانگی قیمت لے لیں اور یہ لڑکی انہیں دے دیں۔ انہوں نے صاف بتا دیا تھا کہ وہ اسے جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے مالکوں نے سودا قبول نہیں کیا تھا۔ اسے اغوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی جو ناکام بنادی گئی تھی۔ اب اسے حلب میں کسی اور امیر کی فرمائش پر بلایا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ پہلے دن اس نے خلت کو دیکھا تو اس نے بلاشک وشبہ دل سے کہا تھا کہ یہ خلت ہے لیکن یہ شک بھی ہوتا تھا کہ ہوسکتا ہے یہ خلت کی شکل وصورت کا کوئی اور آدمی ہو۔ وہ اسے غور سے دیکھتی تھی۔ آخر یہ اتفاق ہوا کہ ونڈسر نے خلت اور اس کے ساتھی کو پہچان لیا۔ ونڈسر نے اپنی لڑکی کو بلایا تو حمیرہ بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ خلت نے جب اپنے متعلق چند ایک باتیں بتائیں تو حمیرہ کے شکوک رفع ہو گئے۔
اس نے کہا "میں اس ذلیل زندگی کی عادی ہوگئی تھی۔ میرے دل میں جذبات مر گئے تھے۔ میں ایک پتھر کی طرح ادھر ادھر لڑھکتی پھر رہی تھی، لیکن خلت کو دیکھا تو میرے سارے جذبات زندہ ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ خلت ہی ہے مگر اس کی صورت نے مجھے وہ وقت یاد دلا دیا جب میرے دل میں اس کی محبت تھی اور اس کے بچوں کی ماں بننے کی خواہش۔ میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ کسی وقت اس سے پوچھوں گی کہ تم خلت ہو؟ اگر یہ خلت نکلا تو اسے کہوں گی کہ آؤ بھاگ چلیں اور صحرا کے خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔"
اسے خلت تو مل گیا اور وہ اس کے ساتھ بھاگ بھی آئی لیکن حلب سے بچ کر نکلنا ایک مسئلہ تھا۔

☆

خلیفہ کی ضیافت اور رقص کی محفل ویران ہو چکی تھی۔ وہاں ونڈسر کا انتظار ہو رہا تھا مگر ونڈسر کی لاش پہنچی۔ وہاں صلیبی فوج کے جو اعلیٰ افسر تھے وہ سخت غصے میں تھے۔ ریمانڈ کا فوجی نمائندہ تو سب سے زیادہ بھڑکا ہوا تھا۔ ونڈسر بہت قیمتی افسر تھا۔ فوجی نمائندہ الملک الصالح اور اس کے امرا اور اس کے فوجی کمانڈروں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتا تھا اور سب اس سے دبک رہے تھے۔ ان کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ صلیبی افسروں کو فرشتے سمجھے بیٹھے تھے۔ انہی کی مدد سے وہ جنگ کی تیاری کررہے تھے، لہذا ان کی خوشامد کو وہ ضروری سمجھتے تھے۔ فوجی نمائندہ جو کچھ کہتا تھا سب اس کے آگے سر جھکا لیتے اور ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ اس نے کہا...... "قاتل رات ہی رات شہر سے نہیں نکل سکتے۔ صبح سویرے حلب کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی جائے۔ یہاں کی ساری فوج کو اس پر لگا دو۔ فوج لوگوں کے جاگنے سے پہلے گھروں میں داخل ہو جائے۔ یہاں کے باشندوں کو اتنا پریشان کیا جائے کہ وہ قاتلوں کو خود ہی ہمارے حوالے کر دیں۔"
"ایسا ہی ہوگا"...... ایک مسلمان امیر نے کہا...... "ہم فوج کو ابھی حکم دے دیتے ہیں کہ سحر کے اندھیرے میں شہر میں پھیل جائے۔"
"ایسا نہیں ہوگا"...... یہ آواز ایک مسلمان قلعہ دار کی تھی اس نے ایک بار پھر گرج کر کہا...... "ایسا نہیں ہوگا۔ تلاشی صرف اس گھر کی لی جائے گی جس پر پختہ شک اور کوئی واضح شہادت ہوگی۔"
اتنے سارے اعلیٰ حکام کے ہجوم پر اس گرجدار آواز نے سناٹا طاری کر دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ ریمانڈ کے فوجی

نمائندے کے حکم کو کوئی مسلمان ایسے جوش سے ٹوکے گا۔ سب نے دیکھا کہ یہ کون ہے، وہ حماۃ کا قلعہ دار تھا جس کا نام جوردیک تھا (تاریخ میں اس کا نام جوردیک ہی لکھا گیا ہے۔ پورے نام کا علم نہیں ہو سکا۔ اس کے متعلق تاریخ اتنا ہی بتاتی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست تھا) لیکن وقائع نگاروں کے مطابق اس واقعہ تک وہ صلاح الدین ایوبی کے مخالف کیمپ میں تھا اور الصالح کے وفاداروں میں سے تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ صرف اس ضیافت میں ہی شریک نہیں تھا بلکہ جنگی کانفرنسوں میں شریک ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کا جو منصوبہ بنا تھا۔ وہ اس میں بھی شریک تھا۔

اس نے جب ایک صلیبی کے منہ سے یہ الفاظ سنے کہ حلب کے ہر گھر کی تلاشی لی جائے گی تو اس میں اسلامی وقار بیدار ہو گیا۔ اس نے کہا..... ''یہاں مسلمان گھرانے ہیں جن میں پردہ نشین خواتین بھی ہیں۔ ہم ان کی بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔ شریف گھرانوں میں فوجی داخل نہیں ہوں گے۔''

''قاتل اسی شہر کے تھے''..... ایک صلیبی افسر نے کہا..... ''ہم تمام شہریوں سے انتقام لیں گے۔ ونڈسر جیسا قابل افسر قتل ہو گیا ہے۔ ہمیں کسی کی عزت اور کسی کے پردے کی پروا نہیں۔''

''اور مجھے تمہارے ایک افسر کے قتل کی پروا نہیں''..... جوردیک نے قہر سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''جوردیک! خاموش رہو!'' نو عمر اور ناتجربہ کار سلطان نے حکم کے لہجے میں کہا..... ''یہ لوگ اتنی دور سے ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔ کیا تم مہمان نوازی کے آداب سے ناواقف ہو؟ احسان فراموش نہ بنو۔ ہمیں قاتل کو پکڑنا ہے۔'' خلیفہ کی تائید میں کئی آوازیں سنائی دیں۔

''''میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہو سکتا ہوں، اور ہوں بھی''..... جوردیک نے کہا..... ''لیکن اپنی قوم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ محترم سلطان! اگر آپ نے شہریوں کو پریشان کیا تو سب آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ آپ صلاح الدین ایوبی کے خلاف جو محاذ بنا رہے ہیں وہ کمزور ہو جائے گا۔''

''ہم نے قوم کی کبھی پروا نہیں کی''..... ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے کہا..... ''ہم قاتلوں کو ڈھونڈیں گے۔ وہ کسی گھر میں ہی ہوں گے۔ ہم انہیں باہر نکال لیں گے۔ یہ قتل صلاح الدین ایوبی نے کرایا ہے۔''

''میرے دوست!''..... جوردیک نے کہا..... ''تمہارے ایک افسر کا قتل کوئی بڑی بات نہیں۔ تم صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کتنی بار کوشش کر چکے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اسے قتل نہیں کر سکے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ دشمن ایک دوسرے کو ہر جائز ناجائز طریقے سے مارنے اور مروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر تمہارے ونڈسر کو ایوبی نے قتل کرایا ہے تو فرق صرف یہ پڑا ہے کہ تم اسے قتل کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور وہ تمہارے ایک اہم افسر کو قتل کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تم اس کے کئی ایک اہم افسروں کو قتل کرا چکے ہو۔ اس نے شہریوں کو کبھی پریشان نہیں کیا۔''

تمام مسلمان امراء اور حکام جوردیک کے خلاف بولنے لگے۔ وہ صلیبیوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن جوردیک نے سب کا مقابلہ کیا اور اسی بات پر ڈٹا رہا کہ شہر کے کسی گھر کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔

''تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ تم بھی اس قتل میں شریک ہو؟'' ایک صلیبی مشیر نے کہا..... ''مجھے شک ہے کہ تم صلاح الدین ایوبی کے دوست ہو۔''

''اگر حلب کے مسلمان گھرانوں کو پریشان کیا گیا تو میں کسی کے بھی قتل میں شریک ہو سکتا ہوں۔'' جوردیک نے کہا..... ''اور میں ایوبی کا دوست بھی ہو سکتا ہوں۔''

''ہم جب تک یہاں ہیں ہمارا حکم چلے گا۔'' صلیبی نمائندے نے کہا۔

''تم یہاں اجرت پر آئے ہو۔'' جوردیک نے کہا...... ''یہاں ہمارا حکم چلے گا۔ ہم مسلمان ہیں۔ حالات ہمیں آپس میں لڑا رہے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم کی کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم بلا اجرت آئے ہو تو میں تمہاری مدد سے دستبردار ہوتا ہوں۔ میں قلعہ داری کے عہدے سے بھی دستبردار ہوتا ہوں اور میں تم سب کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ میری قوم کے کسی ایک بھی بے گناہ فرد کو تکلیف دی گئی تو میں انتقام لوں گا۔''

کسی کے اشارے پر دو آدمی جوردیک کو باہر لے گئے۔ اس کی غیر حاضری میں صلیبی نمائندے نے سب سے کہا کہ حالات ایسے ہیں کہ قلعہ دار کو ناراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شخص اتنی دلیری سے باتیں کر رہا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے قلعے میں جو فوج ہے وہ اس کی مرید ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ صورت حال اچھی نہیں۔ آپس میں صلاح مشورہ کر کے جوردیک کو اندر بلایا گیا اور اسے بتایا گیا کہ شہریوں کو پریشان نہیں کیا جائے گا مگر قاتلوں کو تلاش ضرور کیا جائے گا۔ جوردیک نے کہا کہ وہ دو تین چار دن وہیں رہے گا۔

☆

تین چار دنوں بعد جوردیک حلب سے روانہ ہوا۔ وہ اپنے قلعے حماۃ کو جا رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں قاتلوں کی تلاش اور سراغرسانی ہوتی رہی۔ اس کی خواہش کے مطابق کسی گھر کی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔ وہ مطمئن ہو کر جا رہا تھا، مگر صلیبیوں کو اس کے متعلق اطمینان نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دس بارہ محافظ تھے۔ جوردیک سمیت سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ راستے میں ٹیلوں اور چٹانوں کا علاقہ آتا تھا۔ جوردیک اس علاقے میں داخل ہوا تو بیک وقت کہیں سے دو تیر آئے۔ دونوں اس کے گھوڑے کے سر میں پیوست ہو گئے۔ تیر اندازوں نے تیر جوردیک پر چلائے ہوں گے۔ گھوڑا بے لگام ہو کر دوڑ پڑا۔ دو تیر اور آئے۔ وہ بھی گھوڑے کو لگے۔ اب کے نشانہ خطا ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ گھوڑا بدک کر ادھر ادھر دوڑ رہا تھا۔

جوردیک شاہسوار تھا۔ وہ دوڑتے گھوڑے سے کود کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس کے محافظ ادھر ادھر بکھر گئے۔ وہ تیر اندازوں کے تعاقب میں گئے تھے۔ علاقہ ایسا تھا کہ کسی کو پکڑنا آسان نہیں تھا۔ جوردیک سمجھ گیا کہ یہ کرائے کے قاتل ہیں جنہیں صلیبیوں نے اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ انہیں یہ شک تھا کہ جوردیک سلطان ایوبی کا دوست ہے۔ وہ جنگجو تھا۔ چٹان کی اوٹ سے نکل کر اوپر چلا گیا۔ اسے صرف چٹانیں نظر آئیں یا اپنے محافظ جو ادھر ادھر تیر اندازوں کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

''ادھر آ جاؤ'' کسی نے چلا کر کہا...... ''ادھر آ جاؤ۔ پکڑ لیے ہیں۔''

محافظ ادھر کو بھاگے۔ محافظوں نے تین آدمیوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ تینوں نقاب پوش تھے مگر ان کے پاس کمانیں نہیں تھیں۔ ترکش بھی کسی کے پاس نہیں تھی۔ ان کے ساتھ گھوڑے تھے۔ انہیں اس حالت میں پکڑا گیا تھا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ تینوں نے چہرے چھپا رکھے تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں انہیں پکڑ کر جوردیک کے پاس لے گئے۔

''تمہاری کمانیں اور ترکش کہاں ہیں؟'' جوردیک نے ان سے پوچھا۔

''ہمارے پاس صرف تلواریں ہیں۔'' ایک نے جواب دیا۔

''سنو بھائیو!'' جوردیک نے بڑے تحمل سے کہا...... ''تمہارے چاروں تیر خطا گئے۔ تم مجھے قتل نہیں کر سکے۔ تم

پکڑے بھی گئے ہو۔تم ہار گئے ہو۔اب جھوٹ سے بچو۔''

''کیسے تیر؟''ایک نے حیرت زدہ ہو کر کہا......''ہم نے کسی پر تیر نہیں چلائے۔ہم مسافر ہیں۔ذرا آرام کرنے کے لیے رکے تھے۔اب جا رہے تھے کہ ان لوگوں نے پکڑ لیا۔''

جورد یک ہنس پڑا اور جواب دینے والے نقاب پوش سے کہنے لگا......''میں تمہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔اگر ایسا ہوتا تو اب تک میں تم تینوں کی گردنیں اڑا چکا ہوتا۔تم کرائے کے قاتل ہو۔صرف یہ بتا دو کہ میرے قتل کے لیے تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ صاف صاف بتا دو اور جاؤ۔''

دو نقاب پوشوں نے قسمیں کھائیں۔تیسرا خاموش رہا۔

''اپنے آپ کو عذاب میں نہ ڈالو''جورد یک نے کہا......''کسی کے لیے اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔فوراً ہی آزاد کر دوں گا۔''

نقاب پوشوں نے پھر پس و پیش کی۔

''ان کے نقاب اتار دو''جورد یک نے اپنے محافظوں سے کہا......ان سے تلواریں لے لو۔''

دو نقاب پوشوں نے نیاموں سے تلواریں نکال لیں اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گئے۔تیسرا نقاب پوش ان دونوں کے پیچھے ہو گیا۔اس کے پاس تلوار نہیں تھی۔جورد یک نے قہقہہ لگا کر کہا......''کیا تم اتنے سارے محافظوں کا مقابلہ کرسکو گے جبکہ تمہارے تیسرے ساتھی کے پاس تلوار ہی نہیں ہے؟ میں تمہیں ایک اور موقع دیتا ہوں۔میں نے ابھی اپنے محافظوں کو حکم نہیں دیا کہ وہ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں''......محافظوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

''اور میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں کہ ہم میں سے کسی نے تیر نہیں چلائے''ایک نقاب پوش نے کہا۔

محافظوں کا کمانڈر ان تینوں کے پیچھے کھڑا تھا۔اسے جانے کس طرح کچھ شک ہوا۔اس نے اس تیسرے نقاب پوش جس کے پاس تلوار نہیں تھی کا چغہ اوپر سے کھینچا تو اس کے سر کا حصہ پیچھے کو ہو گیا۔اس نے اس کا نقاب بھی نوچ لیا،اور جب چہرہ بے نقاب ہوا تو سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔جورد یک نے کہا کہ اسے اس کے پاس لایا جائے۔دونوں نقاب پوشوں نے حیران کن پھرتی سے پیچھے کو مڑ کر لڑکی کو پکڑنے والے محافظ کے سینے پر تلواریں رکھ دیں۔ایک نے للکار کر کہا......''جب تک ہمیں پوری بات نہیں بتاؤ گے اور ہماری نہیں سنو گے اس لڑکی کو ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔ہم جانتے ہیں ہمیں تمہارے ہاتھوں مرنا ہے لیکن ہم ان میں سے آدھے محافظوں کو مار کر مریں گے۔تمہیں یہ لڑکی زندہ نہیں مل سکتی۔''

جورد یک ایک ٹھنڈے مزاج کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔اس نے محافظوں کو پیچھے ہٹا دیا اور نقاب پوشوں سے کہا......''تم مجھ سے اور کیا بات سننا چاہتے ہو؟ بات اتنی سی ہے کہ تم کرائے کے قاتل ہو اور یہ لڑکی تمہیں انعام کے طور پر ملی ہے۔''

''دونوں باتیں غلط ہیں۔''ایک نقاب پوش نے کہا......''ایک صلیبی حاکم اور ایک جاسوس صلیبی لڑکی کو قتل کرنا گناہ نہیں [illegible] ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم فرار میں پکڑے گئے ہیں لیکن ہم خوش ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔یہ لڑکی مسلمان ہے مظلوم ہے اسے ہم صلیبیوں کے پنجے سے چھڑا کر لا رہے ہیں اور دمشق جا رہے ہیں۔''

''کیا وِنڈسر اور صلیبی لڑکی کو تم نے قتل کیا ہے؟''جورد یک نے پوچھا۔

''ہاں!''ایک نقاب پوش نے جواب دیا''ہم نے ان دونوں کو قتل کیا ہے۔''

''اور کیا تم نے مجھ پر اس لیے تیر چلائے ہیں کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں۔''جورد یک نے پوچھا

''ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا نام جورد یک ہے اور تم حماۃ کے قلعہ دار ہو۔'' نقاب پوش نے کہا..... ''اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کے دشمن ہو لیکن تمہیں قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے اس کی مدد سے ہم بہت جلد تم سے ہتھیار ڈلوا کر تمہیں تمہاری فوج سمیت اپنا قیدی بنالیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن صباح اور شیخ سنان نہیں۔ وہ للکار کر لڑا کرتا ہے چوروں کی طرح قتل نہیں کرایا کرتا۔ وِنڈسر اور لڑکی کا قتل ہمارا ذاتی فعل تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ وہ قتل کر دیئے جائیں۔ ہم نے قتل کا ارتکاب کیا۔ یہ سلطان ایوبی کا حکم اور منشا نہیں تھا''..... اس نے جورد یک کے گھوڑے کی طرف دیکھا جو کچھ دور مرا پڑا تھا۔ دو تیر اس کی پیشانی میں اور دو پہلو میں اترے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے کہا..... ''گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کسی کو تیر و کمان دو۔ تم گھوڑا دوڑاؤ جس طرح بھی دوڑا سکتے ہو دوڑاؤ۔ دائیں بائیں ہوتے جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر تم پر تیر چلائے گا۔ اگر پہلا تیر خطا جائے تو تیر انداز کی گردن اڑا دینا۔ یہ تیر ہمارے چلائے ہوئے نہیں تھے۔ جو تمہاری بجائے تمہارے گھوڑے کو لگے۔''

''تم معمولی سپاہی نہیں لگتے؟'' جورد یک نے کہا'' کیا تم سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی ہو؟''

''اور تم کون ہو؟'' نقاب پوش نے کہا..... ''کیا تم صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی نہیں ہو؟ کیا تم اسلام کے سپاہی نہیں ہو؟..... تم اپنی اصلیت کو بھول گئے ہو۔ قلعہ داری کے عہدے نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ تم نے اس سے زیادہ رتبہ حاصل کرنے کے لیے کافروں سے دوستانہ گانٹھ لیا ہے۔''

''تم درخت سے ٹوٹی ہوئی وہ ٹہنی ہو جس کی قسمت میں سوکھ کر تنکا تنکا ہو جانا لکھ دیا گیا ہے'' دوسرے نقاب پوش نے کہا..... ''تم اتنے اہم انسان نہیں ہو کہ سلطان ایوبی تمہارے قتل کی ضرورت محسوس کرے۔ تم اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے زندہ رہو گے۔ تم مرو گے تو صلیبیوں کے ہاتھوں مرو گے۔''

''تم حلب شراب پینے اور عیش کرنے گئے تھے۔'' پہلے نقاب پوش نے کہا..... ''تم اس لڑکی کے ناچ سے لطف اندوز ہونے گئے تھے۔''

''میں مسلمان لڑکی ہوں۔'' لڑکی بولی..... ''مجھے صلیبیوں کی محفلوں میں نچایا گیا اور وہ میرے جسم کے ساتھ کھیلتے رہے۔ ذرا سی دیر کے لیے تصور کرو کہ میں تمہاری بیٹی ہوں۔ میں نے وہاں مسلمانوں کی بیٹیوں کو ننگا ناچتے دیکھا ہے۔ تم اتنے بے غیرت ہو گئے ہو کہ اپنی بیٹیوں کی آبروریزی بھی تم میں غیرت بیدار نہیں کر سکتی۔ میں صلیبیوں میں سات آٹھ سال گزار کر آئی ہوں۔ میں نے ان صلیبی حاکموں کے ساتھ بھی وقت گزارا ہے جنہیں تم نے اپنا دوست بنا کر یہاں بلایا ہے۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں وہ دوستی کا فریب دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔''

جورد یک پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اس کے محافظ حیران تھے کہ اتنا خود سر اور دلیر قلعہ دار ان تینوں کی اتنی سخت باتیں برداشت کر رہا ہے۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ اسے وہ جھڑپ یاد آ رہی تھی جو اس نے ریمانڈ کے فوجی نمائندے سے اس مسئلے پر کی تھی کہ حلب کے باشندوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے گی۔ اسے یہ خیال آیا کہ اس پر تیر چلانے والے صلیبیوں کے آدمی ہوں گے۔ اس نے نرم سے لہجے میں نقاب پوشوں سے کہا..... ''میں تمہیں اپنے قلعے میں لے جانا چاہتا ہوں''

''قیدی بنا کر؟''

''نہیں!'' جورد یک نے یہ کہہ کر سب کو حیران کر دیا..... ''مہمان بنا کر۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ اپنی تلواریں اپنے پاس رکھو۔''

سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ جورد یک کا گھوڑا مر چکا تھا۔ اس نے ایک محافظ کا گھوڑا لے لیا اور یہ قافلہ چل پڑا۔

☆

وہ چٹانی علاقے سے نکلنے والے تھے کہ سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے۔ سب نے اپنے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں اور نظر آ گیا کہ دو گھوڑسوار پوری رفتار سے حلب کی سمت بھاگے جا رہے تھے۔ ان کی کمانیں اور ترکش صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ یقیناً یہاں سے بھاگے تھے۔

''یہ ہو سکتے ہیں تمہارے قاتل!'' ایک نقاب پوش نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ دوسرے نقاب پوش نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں۔ لڑکی وہیں رہی۔

تمام محافظوں نے گھوڑے تعاقب میں ڈال دیئے۔ ان میں سب سے زیادہ تیز گھوڑے نقاب پوشوں کے تھے۔ آگے کچھ علاقہ ریت کی ڈھیریوں اور گھاٹیوں کا تھا۔ بھاگنے والے سواروں نے گھوڑے موڑے۔ نقاب پوش تجربہ کار سوار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کا رخ موڑ کر فاصلہ کم کر لیا۔ بھاگنے والوں نے کندھوں سے کمانیں اتار لیں اور ان میں ایک ایک تیر ڈال لیا۔ گھوڑوں کے رخ بدل کر انہوں نے تعاقب کرنے والوں پر تیر چلائے۔ تیر خطا گئے مگر تعاقب میں خطرہ پیدا کر گئے۔ نقاب پوش پہنچ گئے۔ فاصلہ چند گز رہ گیا تو بھاگنے والوں نے تیر چلانے کی کوشش کی مگر نقاب پوشوں نے انہیں مہلت نہ دی۔ ایک نے بھاگنے والے گھوڑے کے پچھلے حصے میں تلوار دی۔ گھورا بے قابو ہو گیا۔ دوسرے نے دوسرے بھاگنے والے پر تلوار کا وار کیا تو اس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ دوسرے کا گھوڑا زخمی ہو کر بے لگام ہو گیا تھا۔ اسے محافظوں نے پکڑ لیا۔

انہیں جب جورد یک کے سامنے لے جایا گیا تو اصل صورت واضح ہو گئی۔ نقاب پوشوں نے نقاب اتار دیئے اور انہوں نے بتایا دیا کہ وہ سلطان ایوبی کے جاسوس ہیں۔ ان میں ایک خلت تھا اور دوسرا اس کا ساتھی اور جو بھاگتے ہوئے پکڑے گئے تھے وہ مسلمان ہی تھے لیکن جورد یک کو قتل کرنے آئے تھے۔ ان میں سے جس کا بازو کٹ گیا تھا، اسے بڑی بے رحمی سے کچھ دور پھینک دیا گیا۔ دوسرے سے کہا گیا کہ وہ زندہ واپس جانا چاہتا ہے تو بتا دے کہ اسے کس نے بھیجا تھا، ورنہ اس کا بھی بازو کاٹ کر یہیں پھینک دیا جائے گا۔ اس نے بتایا کہ ان دونوں کو ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے دو مسلمان امرا کی موجودگی میں کہا تھا کہ فلاں دن اور فلاں وقت جورد یک حلب سے روانہ ہو رہا ہے اور وہ فلاں وقت چٹانی علاقے میں سے گزرے گا۔ ان دونوں کو بے تحاشہ انعام پیش کیا گیا تھا۔ انہیں جورد یک کے قتل کی یہ ترکیب بتائی گئی تھی کہ چٹانی علاقے میں چھپ جائیں اور جورد یک کو تیروں کا نشانہ بنا کر بھاگ آئیں۔

مقررہ وقت پر دونوں اس علاقے میں پہنچ گئے اور گزرنے والے راستے کو دیکھ کر ایک بلند چٹان پر چھپ گئے۔ بہت سے انتظار کے بعد جورد یک آ گیا۔ دو محافظ گھوڑسوار آگے تھے۔ ایک اس کے دائیں اور دوسرا بائیں۔ باقی پیچھے تھے۔ تیر اندازوں نے نشانے تو ٹھیک لیے تھے لیکن پہلو والا محافظ آگے آ جاتا تھا۔ جورد یک اور قریب آیا تو تیر چلاتے وقت آگے والا محافظ آگے آ گیا۔ تیر چلا دیئے گئے لیکن نشانہ ذرا نیچے ہو گیا تھا۔ دونوں تیر گھوڑے کی پیشانی میں لگے۔ دوسرے دو تیر اس لیے خطا گئے کہ گھوڑا دو تیر کھا کر بدک گیا تھا اور جب تیر چلائے گئے تو وہ بہت زور سے اچھل پڑا تھا۔ اس سے تیر جورد یک کو لگنے کی بجائے گھوڑے کے پہلو میں لگے۔

وہاں چھپنے کی جگہیں بہت تھیں اور موزوں بھی تھیں۔ انہوں نے گھوڑے ایسی ہی ایک جگہ چھپا دیئے تھے اور ان

کے منہ باندھ دیئے تھے تاکہ ہنہنا نہ سکیں۔ تیرانداز بھاگ کر کہیں چھپ گئے۔ انہوں نے محافظوں کو دیکھا جو بکھر کر انہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ چھپ کر انہیں دیکھتے رہے پھر ایک طرف سے شور اٹھا کہ ادھر آ جاؤ، پکڑ لیے ہیں۔ تیراندازوں نے دیکھا کہ محافظ تین نقاب پوشوں کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ تیرانداز بہت خوش ہوئے کہ ان کی جان بچ گئی، مگر وہ ابھی وہاں سے بھاگنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ابھی پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ ایک محافظ ایک چٹان پر کھڑا رہا۔ اسے وہاں دیکھ بھال کے لیے کھڑا کیا گیا تھا۔ بہت دیر بعد اس محافظ کو وہاں سے بلایا گیا۔ دونوں تیرانداز اپنے گھوڑوں کے پاس گئے۔ ان کے منہ کھولے اور سوار ہو کر فرار ہوئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جوردیک اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑا ہے۔

اس تیرانداز کو جوردیک نے اپنے ساتھ لے لیا اور سب حماۃ کی سمت روانہ ہو گئے۔ دوسرا تیرانداز کٹے ہوئے بازو سے خون بہہ جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکا تھا۔ راستے میں خلت نے اسے حمیرہ کے متعلق ساری بات سنائی اور یہ بھی سنایا کہ اس نے ونڈسر کو کس طرح قتل کیا تھا۔ جوردیک کے لیے حیران کن یہ تھا کہ وہ حلب سے نکل کر کس طرح آئے۔ خلت نے اسے بتایا کہ وہاں ان کا ایک کمانڈر بھی تھا جس کا وہ نام اور حلیہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کپڑے وغیرہ لپیٹ کر نوزائیدہ بچے کے قد بت کی شکل بنا دی اور اس پر کفن چڑھا دیا۔ چار پانچ جاسوسوں نے ادھر ادھر بتایا کہ فلاں (جاسوس) کا بچہ مر گیا ہے کفن میں لپٹے ہوئے کپڑوں کو کمانڈر نے ہاتھوں پر اٹھایا۔ خلت، اس کا ساتھی، حمیرہ (مردانہ لباس میں) اور چار پانچ آدمی جنازے کی شکل میں ساتھ چل پڑے۔ قبرستان شہر سے باہر تھا۔ وہاں تین گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ گھوڑے ایک ایسا جاسوس لایا تھا جو حلب کی فوج میں تھا۔ یہ چرائے ہوئے گھوڑے تھے "جنازہ" فوجیوں کے سامنے سے گزرا اور قبرستان میں گیا۔ وہاں قبر کھودی گئی۔ جنازہ پڑھا گیا خلت، اس کا ساتھی اور حمیرہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور نکل گئے۔

قلعے میں جوردیک کا قافلہ رات کو پہنچا۔ خلت وغیرہ کو اس نے باعزت مہمانوں کی طرح رکھا۔ اس نے خلت سے پوچھا...... "مجھے اب اپنا دوست سمجھو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کیا کر رہا ہے تمہیں ضرور معلوم ہوگا۔ اس نے صالح کا تعاقب کیوں نہیں کیا تھا؟"

"میں اگر سلطان کا منصوبہ جانتا بھی ہوں تو آپ کو نہیں بتاؤں گا۔" خلت نے جواب دیا "اور میں آپ کو یہ بھی نہیں بتاؤں گا کہ میں نے حلب سے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری ذاتی دشمنی تھی۔" جوردیک نے کہا...... "پھر میں اس کے خلاف ہو گیا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی تھی، میں غلطی پر تھا۔ مجھے اس غلطی کا احساس دشمن نے دلایا ہے۔ میں نے صلیبیوں کی نیت معلوم کر لی ہے۔ ایک طرف وہ میری فوج اور میرے قلعے کو استعمال کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف انہوں نے مجھے قتل کرانے کی کوشش کی۔ مجھے نورالدین زنگی مرحوم اور صلاح الدین ایوبی کی باتیں اور اصول یاد آ گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ جنگ ہلال اور صلیب کی ہے۔ یہ کسی عیسائی بادشاہ کی کسی مسلمان بادشاہ کے خلاف جنگ نہیں۔ ایوبی کہا کرتا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے صلیبی اسے ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ غیر مسلم خواہ کسی بھی مذہب کا ہو مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے تو اس میں دشمنی کا زہر ملا ہوا ہوگا۔ نورالدین زنگی بھی اسی اصول کا پابند تھا۔ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ جس روز مسلمان کسی غیر مسلم سے دوستی کریں گے، اس روز اسلام کا خاتمہ شروع ہو جائے گا۔"

"تو کیا آپ صلاح الدین ایوبی کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں؟" خلت نے پوچھا اور یہ بھی کہا...... "میں

ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ معمولی سا سپاہی ہوں۔ مجھے ایسی جرات نہیں کرنی چاہئے۔ کہ ایک قلعہ دار سے یہ پوچھوں کہ وہ کیا سوچ رہا ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں، لیکن مسلمان کی حیثیت سے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ کوئی مسلمان گمراہ ہو جائے تو اسے اتنا کہہ سکوں کہ تم گمراہ ہو گئے ہو۔''

''ہاں!'' جورد یک نے کہا..... ''تمہیں یہ حق حاصل ہے۔ میں تمہیں ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔ یہ سلطان ایوبی کے کانوں میں ڈال دینا۔ میں تحریری پیغام نہیں دینا چاہتا ہوں۔ میں اپنا کوئی ایلچی بھی نہیں بھیجنا چاہتا۔ تم ایوبی سے کہنا کہ حماۃ کے قلعے کو اپنا سمجھو مگر اپنے کسی معتمد سالار کو بھی پتا نہ چلنے دینا کہ میں نے یہ پیشکش کی ہے۔ یہ ایک بڑا ہی نازک راز ہے۔ اسے کہنا کہ صلیبی دوستی کے پردے میں ہمارے علاقوں میں قدم جماتے جا رہے ہیں۔ تم سردیوں کے بعد شا حملہ کرو، مگر یہ خیال رکھنا کہ ادھر سے تم پر پہلے ہی حملہ نہ ہو جائے۔ اگر تم نے پیش قدمی کی تو حماۃ کے راستے سے آنا۔ میں انشاءاللہ پرانی دوستی کا حق ادا کروں گا۔''

دوسرے دن جورد یک نے خلت، اس کے ساتھی اور حمیرہ کو رخصت کر دیا۔

☆

صلیبی انٹیلی جنس کے کمانڈر رونڈسر کا قتل بے شک اتفاقیہ تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے دو جاسوسوں کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ وہ ان کے ہاتھوں قتل ہو گیا، لیکن یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس کے قتل سے سلطان ایوبی کو فائدہ پہنچا کہ اس کے دشمن کی انٹیلی جنس جو پہلے ہی کمزور تھی منظم نہ ہو سکی۔ اس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی زیادہ منظم اور ذہین تھا۔ اس کے جاسوس صرف جاسوس نہیں تھے جو پکڑے جائیں، تو خاموشی اختیار کر لیں۔ اس نے جاسوسوں کو بڑی ہی سخت کمانڈو ٹریننگ دے رکھی تھی تا کہ وہ پکڑے جانے کی صورت میں لڑ کر نکلیں اور جسے قتل کرنا ضروری ہو اسے قتل بھی کریں اور ان کے جسم اتنے سخت ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اذیت بھوک، پیاس اور تھکن برداشت کر سکیں۔ یہ خوبیاں خلت اور اس کے ساتھیوں میں بھی تھیں۔ انہوں نے نہ صرف صلیبیوں کے اتنے اہم افسر کو مار کر دشمن کو اندھا کر دیا بلکہ جورد یک جیسے سخت مزاج قلعہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ اسے سلطان ایوبی کا حامی بنا آئے۔

خلت نے سلطان ایوبی کو جب جورد یک کا پیغام دیا تو سلطان کو یوں سکون سا محسوس ہوا جیسے صحرا میں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا بھولے بھٹکے سے آ گیا ہو۔ اسے ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے۔ اپنے بھی دشمن پرائے بھی دشمن۔ جورد یک کے پیغام نے اسے سکون تو دیا لیکن وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا۔ یہ دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے پلان میں کوئی ردوبدل نہ کیا۔ اتنا ہی پیش نظر رکھا کہ حماۃ سے حمایت کی توقع ہے۔

اب دشمن کے کیمپ (حلب) سے جو اطلاعیں آ رہی تھیں ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہاں کے کمانڈروں اور مشیروں کو یہی توقع تھی کہ سردیوں میں جنگ کا امکان نہیں۔ ایک اطلاع یہ بھی ملی کہ صلیبی بظاہر سب کے دوست بنے ہوئے ہیں مگر وہ در پردہ بڑے بڑے امراء کو ایک دوسرے کے خلاف اکسا رہے ہیں۔ یہ تو سلطان ایوبی کو معلوم ہی تھا کہ الصالح کے تمام حواری ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ اکٹھے صرف اس لئے ہوئے ہیں کہ سلطان ایوبی کو وہ اپنا مشترکہ دشمن بنا بیٹھے تھے، اور اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی انہیں عیش و عشرت کی اور من مانی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ انہیں سلطان ایوبی کا یہ مشن بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ سلطنت اسلامیہ کی توسیع اور استحکام کو جنون یا صحیح الفاظ میں ایمان بنا لیا جائے۔ وہ ان حکمرانوں میں سے نہیں تھا جو آرام اور سکون سے حکومت

کرنے کی خاطر دشمن کو دوست بنالیا کرتے تھے۔

اسے جنگی نوعیت کی جن معلومات کی ضرورت تھی وہ اس نے حاصل کر لی تھیں۔اس کی فوج سردی میں لڑنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔اب رات کی ٹریننگ میں کوئی سپاہی بیمار نہیں ہوتا تھا۔۱۱۷۴ء کا دسمبر شروع ہو چکا تھا۔سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کی آخری کانفرنس بلائی۔اس میں مرکزی کمان کے تمام افسر شامل تھے اور دستوں کے کمانڈروں کو بھی بلایا گیا تھا۔سلطان ایوبی نے انہیں پہلا حکم یہ دیا کہ اس لمحے سے فوج کی نقل وحرکت کے متعلق کوئی بات وہ کتنی ہی بے ضرر کیوں نہ ہو باہر کے کسی آدمی کے ساتھ نہیں کی جائے گی جو عسکری اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں وہ گھروں میں بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔فوج کے کوچ کا وقت آ گیا ہے۔یہ ظاہر کیا جائے گا کہ فوج روزمرہ کی طرح تربیت اور مشق کے لیے جارہی ہے۔

ان ہدایات کے بعد اس نے کہا...... ''ہمارے عیش پرست اور ایمان فروش بھائی اسلام کی تاریخ کو اس موڑ پر لے آئے ہیں جہاں تمہارا اپنے ہی عزیزوں کے خلاف لڑنا تم پر فرض ہوگیا ہے۔کیا کسی نے کبھی یہ بھی سوچا تھا کہ میں اپنے پیرومرشد نورالدین زنگی مرحوم کے بیٹے کے خلاف لڑوں گا؟ مگر صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ بیٹے کی ماں بھی مجھ پر لعنت بھیج رہی ہے کہ اس کا مرتد بیٹا ابھی زندہ کیوں ہے۔میرے رفیقو! تم جس فوج سے لڑنے جارہے ہو،اس میں تمہارے چچازاد بھائی بھی ہوں گے،ماموں زاد اور خالہ زاد بھی ہوں گے۔مجھے دو بھائی ایسے بھی اپنی فوج میں نظر آئے ہیں جن کا ایک بھائی ایمان فروشوں کی فوج میں ہے۔اگر تم خون کے رشتوں کو دل میں جگہ دو گے تو اسلام کے ساتھ جو تمہارا رشتہ ہے وہ ٹوٹتا ہے۔کوچ سے پہلے تمہیں عہد کرنا ہوگا کہ تم یہ نہیں دیکھو گے کہ تمہارا مدمقابل کون ہے۔تمہاری نظریں اپنے علم پر رہیں گی۔دل میں یہ حقیقت بٹھا لو کہ تمہارے سامنے تمہارے کلمہ گو بھائی ہیں مگر ان کی پیٹھ پر صلیبی ہیں۔میں اس بھائی کو بھائی نہیں سمجھتا جو اپنے مذہب کے دشمن کو دوست سمجھتا ہے۔''

ایک وقائع نگار کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ اس لکچر کے دوران صلاح الدین ایوبی کی آواز بھرآ گئی۔اس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔یہ دیکھنا کسی کے لیے مشکل نہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔وہ کچھ دیر سر جھکا کر خاموش بیٹھا رہا۔کانفرنس کے شرکاء پر سکوت طاری ہوگیا۔سلطان ایوبی نے سر اٹھایا اور دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے گڑگڑایا...... ''خدائے عزوجل میں تیرے نام کی خاطر، تیرے رسولؐ کی ناموس کی خاطر اپنے بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھا رہا ہوں۔اگر یہ گناہ ہے تو مجھے بخش دینا میرے خدا! مجھے تیری راہنمائی کی ضرورت ہے۔مجھے اشارہ دو۔میں گمراہ ہوں۔گنہگار ہوں''...... اس نے سر پھر جھکا لیا اور جانے اسے اپنی ذات سے کوئی اشارہ ملا یا خدا نے اسے کوئی اشارہ دے دیا،اس نے گرجدار آواز میں کہا...... ''ہمیں قبلہ اول کو آزاد کرانا ہے۔تمہیں بیت المقدس پکار رہا ہے۔میرے راستے میں میرا باپ آیا تو اسے بھی قتل کردوں گا۔میرے بچے راستے میں حائل ہوئے انہیں بھی قتل کردوں گا۔''

اس کا چہرہ دمکنے لگا۔جذباتیت کا غلبہ ختم ہو چکا تھا۔وہ پھر وہی صلاح الدین بن گیا جو صرف حقائق کے متعلق عسکری بات کیا کرتا تھا۔اس نے کمانڈروں کو بتایا کہ دو روز بعد رات کو کوچ ہوگا۔اس نے پلان کے مطابق فوجوں کی جو تقسیم کی تھی وہ سب کو بتائی اور ہر حصے کے کمانڈر کو کوچ کا وقت بتایا۔ہراول کے کمانڈر کو ضروری ہدایات دیں۔چھاپہ مار (کمانڈو) جیشوں کی تقسیم بتائی۔پہلوؤں پر جن دستوں کو رکھنا تھا ان کے کمانڈروں کو کوچ کا انداز، راستہ اور وقت بتایا اور اس نے سب کو یہ بھی بتایا کہ اس کا اپنا ہیڈکوارٹر گھومتا پھرتا رہے گا۔اس سے پہلے اس نے مصر کے راستے پر متحرک رہنے کے لیے چھاپہ مار دستے بھیج دیئے تھے اور مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اس نے اپنی انٹیلی جنس کی بہت سی نفری

ان علاقوں میں بھیج دی تھی جہاں ریمانڈ کی فوج کے آنے کی توقع تھی۔

رسد کے متعلق اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کم و بیش ایک سال تک مصر سے رسد اور کمک منگوانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسلحہ اور جانوروں کا سٹاک بھی اس نے دمشق میں جمع کر لیا تھا۔ اس نے گھوڑ سوار چھاپہ ماروں کو مصر کے راستے کے اردگرد کے علاقوں میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ ریمانڈ کی فوج ادھر آئے تو اس پر شبخون مارنے ہیں اور اگر ضرورت محسوس ہو تو فوراً اطلاع دیں تاکہ صلیبیوں کو گھیرے میں لینے کا انتظام کیا جائے۔

☆

۶/۷ دسمبر ۱۱۷۴ء کی رات کو ہراول دستے نے دمشق سے کوچ کیا۔ وہ رات بہت ہی سرد تھی۔ یخ جھکڑ چل رہے تھے جو جسم کو کاٹتے تھے۔ سپاہی اور گھوڑے ان جھکڑوں کے عادی ہو چکے تھے۔ ہراول کے کمانڈر کو بتا دیا گیا تھا کہ دیکھ بھال (ریکی) کا جیش پہلے روانہ ہو چکا ہے۔ اس کے سپاہی وردی میں نہیں تھے۔ وہ مسافروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں یہ ہدایت دی تھی کہ تیز رفتار قاصد پیچھے آ کر ہراول کے کمانڈر کو آگے کی اطلاعیں دیتے رہیں۔ ہراول کو حماۃ کے قلعے تک جانا تھا جہاں قلعہ دار جوردیک تھا۔ کمانڈر کو سلطان ایوبی نے بتایا تھا کہ حماۃ کا قلعہ بغیر لڑے ملنے کا امکان ہے لیکن وہ کسی دھوکے میں نہ آئے۔ وہ قلعے سے موزوں فاصلے پر رک جائے اور دیکھے کہ قلعے والوں کا رویہ کیا ہے۔ اگر جوردیک صلح کرنا چاہے تو اسے قلعے سے باہر بلایا جائے اور سلطان ایوبی کے آنے تک اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔

سلطان ایوبی نے دیواریں توڑنے والے تجربہ کار آدمیوں کی ایک جماعت کو آگے بھیج دیا تھا۔ ہراول کی روانگی سے تین چار گھنٹوں بعد دو زیادہ نفری کے دستے اس طرح روانہ کیے گئے کہ ایک کو ہراول کے دائیں اور دوسرے کو بائیں رہنا تھا۔ ان کے لیے ہدایت یہ تھی کہ اگر حماۃ کے قلعے سے ہراول کا مقابلہ ہو جائے تو یہ دونوں دستے دونوں طرف سے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیں اور اس پر اس قدر تیر برسائیں کہ دیوار توڑنے والی جماعت دیوار تک پہنچ جائے۔

ان دونوں حصوں کے درمیان سلطان ایوبی جا رہا تھا۔ ہراول اور دونوں پہلوؤں کے دستے سلطان ایوبی کی فوج کا چوتھا حصہ تھے۔ اس نے باقی تمام فوج پیچھے رکھی تھی۔ اس نے کم سے کم نفری سے دشمن سے جھڑپ لینے کا پلان بنایا تھا۔ رسد کے لیے اس نے چھاپہ مار دستے پھیلا دیئے تھے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے دستے حماۃ سے بہت آگے بھی بھیج دیئے تھے تاکہ حماۃ سے کوئی قاصد حلب تک نہ جا سکے، اور اگر کہیں سے کمک آ جائے تو چھاپہ مار اسے شبخونوں سے پریشان کرتے رہیں اور پیش قدمی روکے رکھیں۔

اگلا دن گزر گیا۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ جب ہراول کے دستے حماۃ سے دو تین میل دور تک پہنچ چکے تھے۔ ۸ دسمبر ۱۱۷۴ء کی صبح طلوع ہوئی تو قلعے پر کھڑے سنتریوں کو کہر اور دھند میں ایسے سائے سے نظر آئے جیسے بہت سے انسان اور گھوڑے ہوں۔ کوئی قافلہ ہو سکتا تھا۔ جوں جوں سورج اوپر اٹھتا گیا دھند چھٹتی گئی اور سائے نکھرتے گئے۔ سنتریوں نے دیکھا کہ یہ فوج ہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ قلعے کے دائیں اور بائیں بھی فوج موجود ہے جو انہیں نظر نہیں آ سکتی تھی۔ نقارہ بجا دیا گیا۔ ایک کمانڈر دوڑتا اوپر آیا۔ اس نے فوج دیکھی تو دوڑتا گیا اور قلعہ دار جوردیک کو اطلاع دی۔

"گھبراؤ نہیں"۔ جوردیک نے کمانڈر سے کہا..... "یہ کسی حملہ آور کی فوج نہیں ہو سکتی۔ صلیبی مجھے قتل نہیں کر سکے انہوں نے کوئی اور سازش کی ہوگی۔ انہوں نے الصالح سے یہ حکم لے لیا ہوگا کہ حماۃ کا قلعہ مجھ سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ یہ فوج قلعے کے لیے آئی ہوگی۔ تم باہر جاؤ اور دیکھو کہ یہ کس کا دستہ ہے اور یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔"

کمانڈر گھوڑے پر سوار باہر نکلا اور سلطان ایوبی کے ہراول دستے کی طرف گیا۔ اس نے علم دیکھا تو یہ سلطان ایوبی کا تھا۔ وہ ذرا پیچھے ہی رک گیا۔ ہراول دستے کا کمانڈر اس تک گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ دونوں نور الدین زنگی کی فوج میں اکٹھے رہ چکے تھے۔

''ایسا بھی ہونا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں گے''...... ہراول دستے کے کمانڈر نے اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر کہا...... ''زنگی زندہ تھا تو ہم دوست اور رفیق تھے وہ مر گیا تو ہم دشمن بن گئے۔''

''تم کیوں آئے ہو؟'' قلعے کے کمانڈر نے پوچھا۔

''تم قلعے کو نہیں بچا سکو گے''...... ہراول کے کمانڈر نے کہا...... ''میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ قلعہ دار سے کہو کہ قلعہ ہمارے حوالے کر دے اور خون خرابہ نہ ہونے دے ہم تمہیں زیادہ مہلت نہیں دیں گے۔ تھوڑی دیر میں قلعہ محاصرے میں آ چکا ہوگا۔ تمہاری کمک وغیرہ کے راستے بند کیے جا چکے ہیں۔ ہتھیار ڈال دو۔''

قلعے کا کمانڈر کوئی جواب دیئے بغیر واپس چلا گیا اور جوردیک کو بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے اور وہ ہتھیار ڈالنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ دستے اس کے ہیں ...... جوردیک نے چلا کر کہا...... ''قلعے سے جھنڈا اتار لو۔ سفید جھنڈا چڑھا دو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی آیا ہے۔''

وہ دوڑتا باہر نکلا گھوڑے پر بیٹھا اور قلعے سے نکل گیا۔ ہراول دستے کے کمانڈر کے پاس پہنچا۔ سلطان ایوبی بہت پیچھے تھا۔ جوردیک ایک راہنما اور اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر سلطان ایوبی کے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی نے جوردیک کو گلے لگا لیا جوردیک نے اس سے معافی مانگی۔ کچھ جذباتی باتیں کیں اور قلعہ اپنی فوج سمیت سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ سلطان ایوبی اپنی مرکزی کمان کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا تو اس نے سفید جھنڈے کی جگہ اپنا جھنڈا چڑھانے کا حکم دیا۔ جوردیک نے قلعے میں مقیم فوج کے چھوٹے بڑے کمانڈروں کو سلطان ایوبی کے سامنے بلایا اور کہا کہ تم سے ہتھیار نہیں ڈلوائے گئے۔ تمہیں کسی نے شکست نہیں دی۔ اپنے سپاہیوں سے بھی کہہ دو کہ اپنے آپ کو شکست خوردہ نہ سمجھیں۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ اب ہم صلیبیوں اور ان کے دوستوں کے خلاف لڑیں گے۔

سلطان ایوبی جس مہم پر نکلا تھا، اس کی پہلی منزل اسے کسی کاوش کے بغیر مل گئی۔ وہ خدا کے حضور سجدے میں گر گیا۔ اس کے بعد اس نے جوردیک کے ساتھ آگے کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ مشکل ایک ہی تھی کہ جوردیک کے دستوں کو سردی میں لڑنے کی مشق نہیں کرائی گئی تھی۔ تاہم اس قلعے کو اڈہ (بیس) بنا لیا گیا۔ جوردیک کے دستوں کو ایسے طریقے سے تقسیم کیا گیا جس سے یہ دشواری ختم ہو گئی کہ وہ سردی میں نہیں لڑ سکیں گے، مگر سپاہیوں کو پتا چلا تو انہوں نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ آگے جائیں گے اور لڑیں گے۔

آگے حمص کا قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے کوچ کا وقت ایسا رکھا کہ حمص تک رات کو پہنچا جائے۔ اس نے اسی ہراول کو آگے بھیجا لیکن اب کے اس نے ڈیپلائے میں کچھ ردوبدل کر دیا کیونکہ حمص میں اسے کوئی توقع نہیں تھی کہ قلعہ بغیر لڑے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس نے دیکھ بھال کے لیے ایک پارٹی آگے بھیج دی تھی جس نے راستے میں اطلاع دی تھی کہ قلعے کا محل وقوع کیا ہے اور گردوپیش کے احوال وکوائف کیا ہیں۔ سلطان ایوبی نے چند دستے اس طرف بھیج دیئے، جدھر سے مدد وغیرہ آنے کی توقع تھی۔ اس نے اپنی رسد حماۃ کے قلعے میں جمع کر لی اور رسد آگے لے جانے کے راستے کو

کئی گشتی پارٹیوں اور چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ کر لیا۔ اس کے ساتھ حماۃ کا ایک دستہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی کی کوشش یہ تھی کہ حلب تک اس کے حملے کی خبر نہ پہنچے تا کہ وہ دشمن کو بے خبری میں جا دبوچے۔ اس نے اس کا انتظام کر دیا تھا۔ اپنے آدمی حلب کے راستے پر پھیلا دیئے تھے جن کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ کسی بھاگے ہوئے فوجی کو یا کسی ایسے غیر فوجی کو جسے یہ معلوم ہو کہ حملہ شروع ہو چکا ہے، روک لیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ قلعہ دار اور اس کے کمانڈر ایک وسیع کمرے میں شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ انہوں نے دو ناچنے والیاں بلا رکھی تھیں۔ کمرے میں طبل و سارنگ اور رقص و سرود کا پُر رونق ہنگامہ بپا تھا۔ سپاہی بے فکری کی نیند سو گئے تھے اور جو ڈیوٹی پر تھے وہ سردی سے بچنے کے لیے کسی نہ کسی اوٹ میں کھڑے تھے۔ رات یخ تھی۔ کمانڈروں نے سب کو بتا رکھا تھا کہ سردیوں کے موسم میں جنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔

''ہم اسی لیے نور الدین زنگی کے مرنے کی دعائیں کرتے تھے کہ اسی دنیا میں جنت دیکھ لیں'' ..... قلعہ دار نے شراب کا پیالہ اوپر کر کے کہا ..... ''اب صلاح الدین ایوبی آیا ہے، خدا اسے بھی جلدی اٹھا لے گا۔''

''اسے ہم اٹھائیں گے'' ..... ایک کمانڈر نے کہا ..... ''ذرا موسم کھل جانے دو۔''

''قلعے کی دیوار پر کھڑے ایک سنتری نے اپنے ساتھی سے کہا ..... ''وہ دیکھو۔ آگ جل رہی ہے۔''

''جلنے دو'' ..... اس کے ساتھی نے کہا ..... ''کوئی قافلہ ہو گا۔''

اتنے میں آگ کے تین چار گولے ہوا میں بلند ہوئے جو قلعے کی طرف آئے اور ان دونوں سنتریوں کے اوپر سے گزر کر قلعے کے اندر جا گرے۔ ان کے پیچھے اور گولے آئے یہ شعلوں کے گولے تھے۔ پھر کئی اور گولے آئے۔ ان میں سے کچھ سامان پر پڑے اور آگ لگ گئی۔ نقارے اور گھڑیال بج اٹھے۔ قلعہ دار کی محفل میں اودھم بپا ہو گیا۔ سب دوڑتے قلعے کی دیوار پر گئے۔ ان پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دروازے کے سنتریوں نے شور بپا کر دیا کہ دروازہ جل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے حملہ آور دستے نے دروازے پر آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگا دی تھی۔ چیخ چلا کر قلعے کے اندر کی فوج کو بیدار کیا گیا۔ قلعے سے بھی مزاحمت شروع ہو گئی لیکن باہر سے اتنے تیر آ رہے تھے کہ سر اٹھانا محال ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی کی منجنیقوں نے قلعے کو جہنم بنا دیا تھا قلعے کے کماندار چلا چلا کر اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ سپاہی اندھا دھند تیر چلا رہے تھے۔

''ہتھیار ڈال دو'' ..... سلطان ایوبی کی طرف سے کوئی للکار رہا تھا ..... ہتھیار ڈال دو۔ تمہیں کہیں سے بھی مدد نہیں مل سکتی۔ جانیں بچاؤ'' ..... یہ اعلان بھی کیا گیا ..... ''سلطان صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دو۔ کسی کو جنگی قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ اطاعت قبول کر لو۔ ہماری فوج میں شامل ہو جاؤ۔''

رات بھر اعلان ہوتے رہے اور تیروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہا۔ صبح کی روشنی پھیلی تو قلعہ دار نے باہر کا منظر اور قلعے کی دیوار پر اپنے سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر سفید جھنڈا چڑھانے کا حکم دے دیا۔ یہ قلعہ بھی سر کر لیا گیا۔ قلعہ دار اور کمانڈروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی قلعے میں گیا تو قلعہ دار اور کمانڈروں سے اتنا ہی کہا ..... ''خدا تمہیں معاف کرے'' اور حکم دیا کہ ان سب کو ان کے سپاہیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا جائے۔ سلطان ایوبی انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ان کی وفاداری ابھی مشکوک تھی۔ اس قلعے میں اسلحہ اور رسد کا خاصا ذخیرہ تھا۔ وہاں شراب بھی تھی اور دو ناچنے والیاں بھی۔ شراب باہر انڈیل دی گئی اور ناچنے والیوں کو بھی ان کے آدمیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے حمص کے قلعے کو دوسرا اڈہ بنا لیا اور حماۃ کے قلعہ کا ایک دستہ وہاں لگا دیا۔

اگلا قلعہ حلب کا تھا جو حلب شہر سے ذرا ہی دور تھا وہاں بھی وہی ہوا جو حمص میں ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کا حملہ ناگہانی تھا۔ اس نے قلعے والوں کو بے خبری میں جالیا تھا۔ اس کے سپاہیوں کا مورال دو قلعے سر کو لینے سے اور زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔ انہوں نے حلب کا قلعہ بھی سر کر لیا اور اس کے دستوں کو کمانڈروں سمیت دمشق بھیج دیا گیا مگر اس مرحلے پر آ کر راز داری ختم ہو گئی۔ ہتھیار ڈالنے والے سپاہیوں میں سے کوئی فرار ہو گیا یا کسی اور نے حلب اطلاع دے دی کہ سلطان ایوبی نے حماۃ، حمص اور حلب کے قلعے لے لیے ہیں اور وہ حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا راز داری والا حربہ بیکار ہو چکا ہے۔ اس نے پیش قدمی کی رفتار بھی ختم کر دی جس کی وجہ یہ تھی کہ جو دستے حمص اور حلب کے قلعوں کو محاصرے میں لے کر راتوں کو لڑے تھے، انہیں آرام کے لیے پیچھے بھیجنا اور ان کی جگہ تازہ دم دستے آگے لانا ضروری تھا۔ اسے اب فوج کو بدلی ہوئی ترتیب میں آگے بڑھانا تھا، کیونکہ حلب شہر کی لڑائی قلعے کے محاصرے سے مختلف تھی۔ نئی ترتیب میں بھی کچھ وقت لگ گیا۔ سلطان ایوبی بہت محتاط تھا کیونکہ اصل لڑائی تو اب آ رہی تھی اور صلیبی فوج کے آنے کا امکان بھی تھا۔

☆

حلب اطلاع جلدی پہنچ گئی تھی۔ صلیبی مشیر وہاں موجود تھے۔ پہلے تو وہ اس پر حیران ہوئے کہ سلطان ایوبی نے سردیوں میں حملہ کیا ہے۔ پھر وہ خوش ہوئے کہ اس کی فوج صحرائی جنگوں کی عادی ہے۔ وہ ان چٹانی علاقوں میں لڑ نہیں سکے گی۔ انہیں یہ احساس تھا کہ حلب کی فوج بھی اس علاقے میں نہیں لڑ سکے گی۔ انہوں نے دو ترکیبیں سوچیں۔ ایک یہ کہ سلطان ایوبی کو اپنی پسند کے میدان میں لڑائیں اور دوسری یہ کہ یہاں صلیبیوں کی وہ فوج لائی جائے جو یورپ سے آئی ہے۔ ریمانڈ کی فوج میں ایسے سپاہیوں کی اکثریت تھی۔ چنانچہ فوری طور پر ریمانڈ کو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے اطلاع بھیج دی گئی کہ سلطان ایوبی حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسے عقب سے گھیرے میں لیا جائے۔

وقت حاصل کرنے کے انہوں نے یہ انتظام کیا کہ سلطان ایوبی کو حلب کے محاصرے میں زیادہ سے زیادہ دیر تک الجھائے رکھا جائے تاکہ ریمانڈ کو اپنی فوج لانے کے لیے وقت مل جائے۔ صلیبی مشیروں نے راز داری پر پوری توجہ دی۔ انہیں معلوم تھا کہ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوس موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ فوراً اعلان کر دیا گیا کہ شہر سے باہر کوئی نکلے گا تو اسے خبردار کیے بغیر تیر مار دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی مسجدوں میں اعلان کیا گیا کہ سلطان ایوبی جنگی طاقت اور بادشاہی کے نشے میں حملہ آور ہوا ہے۔ صلیبی ذہنی تخریب کاری کے ماہر تھے۔ انہوں نے پروپیگنڈے کی نئی مہم چلا دی۔ گھر گھر، گلی گلی، مسجد مسجد اس قسم کی افواہیں پھیلا دیں کہ سلطان ایوبی کی فوج جس شہر کو فتح کرتی ہے، وہاں کی تمام لڑکیوں کو جمع کر کے آبروریزی کرتی ہے۔ شہر کو لوٹ کر آگ لگا دیتی ہے اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور وہ نیا مذہب لا رہا ہے جو کفر ہے، ایسی بہت سی افواہیں پھیلائی گئیں۔ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا عمل تو چھ مہینوں سے جاری تھا۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی جنون پیدا کر دیا گیا تھا۔ آخر کار ان تازہ افواہوں نے لوگوں کو آگ بگولا کر دیا اور وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شہر کی ناکہ بندی نے سلطان ایوبی کے جاسوسوں کو بیکار کر دیا۔ انہوں نے شہر کے باشندوں میں جو قہر اور غضب دیکھا، اس کے سامنے وہ بھی بے بس ہو گئے۔ ایک جاسوس شہر سے نکلنے کی کوشش میں مارا گیا۔ وہ سلطان ایوبی کو اطلاع دینا چاہتا تھا کہ شہر کی کیفیت کیا ہے اور وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر نہ آئے۔ جاسوس نے سرپٹ گھوڑا بھگایا مگر دو تیروں نے گرا دیا۔ جاسوسوں کے کمانڈر نے (جو عالم کے بہروپ میں تھا) شہریوں میں صلیبی پروپیگنڈے کے خلاف مہم چلائی

مگر اس کے آدمیوں نے جہاں بھی بات کی، ...کی کھائی۔

الصالح نے صلیبی مشیروں کے مشورے پر والئی موصل سیف الدین کو بھی اطلاع بھیج دی کہ مدد کے لیے آئے۔ حسن بن صباح کے فدائیوں کے پیرومُرشد شیخ سنان کو اطلاع بھیج گئی کہ وہ جو اُجرت مانگے گا، اُسے دی جائے گی۔ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرا دے، خواہ اُس کے کتنے ہی آدمی کیوں نہ مارے جائیں۔ شیخ سنان کا ایک حملہ ناکام ہو چکا تھا جو اُس نے سلطان ایوبی کے ایک محافظ پر نشہ طاری کر کے اس سے کرایا تھا۔ اب اس نے ان فدائیوں کو بلایا جو زندگی اور موت کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ وہ برائے نام انسان تھے، مر جانا اور کسی کو مار دینا اُن کے لیے کوئی مطلب نہیں رکھتا تھا۔ ان میں مفرور قاتل بھی تھے۔ شیخ سنان نے انہیں کہا کہ انہیں منہ مانگی اُجرت ملے گی وہ سلطان ایوبی کو قتل کر دیں۔ ان میں سے نو آدمی تیار ہو گئے۔

الصالح کے حامیوں میں سب سے زیادہ کینہ پرور اور شیطان فطرت آدمی گمشتگین تھا جسے گورنر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے خلاف تھا مگر وہ دوست کسی کا بھی نہیں تھا۔ الصالح کو خوش کرنے کے لیے اس نے اس کی حمایت کی اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی کا اظہار اس طرح کیا کہ اس کے قلعے میں بہت سے صلیبی جنگی قیدی تھے، ان سب کو رہا کر دیا۔

اب حلب کی اس اطلاع پر کہ سلطان ایوبی کی فوج آ گئی ہے، اس نے اپنی فوج بھیج دی اور خود بھی لڑنے کا وعدہ کیا۔

یہ ایک طوفان تھا جو سلطان ایوبی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے زیادہ دشمنوں کے مقابلے میں اس کی نفری تھوڑی تھی اور اب اُس کے جاسوس بے کار ہو جانے کی وجہ سے اسے پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ دشمن کے کیمپ میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ حلب والوں کو بے خبری میں جا لے گا۔ تاہم وہ معمولی قسم کا جنگجو نہیں تھا۔ اس نے عقب اور پہلوؤں کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے دیکھ بھال کے دستے آگے چلے گئے۔ آگے علاقہ چٹانی، پتھریلا اور نشیب و فراز کا تھا اور راستے میں ایک درمیانہ سا دریا بھی تھا۔

☆

جنوری ۱۱۷۵ء کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ سردی اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے فوج کی ایک چوتھائی نفری حملے کے لیے منتخب کی۔ محفوظہ میں اس نے زیادہ دستے رکھے۔ اس نے جب پیش قدمی کی تو دیکھ بھال کرنے والے دستوں نے اطلاع دی کہ دریا کے اُس طرف ایک وسیع و عریض نشیب ہے، وہاں دشمن کی فوج تیاری کی حالت میں موجود ہے، یہی وہ مقام تھا، جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں دریا میں پانی گہرا نہیں تھا۔ اس مقام پر پاٹ پھیل جانے سے پانی اور بھی کم تھا۔ گھوڑے اور انسان آسانی سے گزر سکتے تھے۔ یہیں دشمن نے اپنی فوج پھیلا رکھی تھی۔ سلطان ایوبی کو بتایا گیا کہ رات کو اس فوج کے چند ایک سنتری بیدار ہوتے ہیں اور دن کے دوران گشتی پارٹیاں ہر طرف گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔

اس اطلاع سے شک ہوا کہ حلب والوں کو اُس کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ انہیں بے خبری میں نہیں لے سکے گا۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے اس مقام سے دور کے علاقے میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ دریا کسی اور جگہ سے عبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نشیب میں دشمن کی فوج کو دھوکہ دے کہ حملہ اور پیش قدمی اسی طرف سے ہوگی۔ اُس نے اسی رات چھاپہ مار روانہ کر دیئے۔ اس کا اپنا ہیڈ کوارٹر وہاں سے پانچ چھ میل دُور تھا۔ دریا کے کنارے دشمن کی جو فوج تھی وہ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ اتنی یخ راتوں کو حملہ نہیں ہو سکتا۔

نصف شب کے قریب سپاہی خیموں میں دبکے پڑے تھے۔ کمانڈر بے خبر سو رہے تھے۔ صرف سنتری جاگ

رہے تھے۔ایک سنتری سردی میں ٹھٹھرا کھڑا تھا۔ پیچھے سے کسی نے اس کی گردن دبوچ لی، کسی اور نے اسے اُٹھایا۔ یہ سلطان ایوبی کے دو چھاپہ مار تھے، وہ سنتری کو اُٹھا کر لے آئے اور اس سے پوچھا کہ گھوڑے کہاں بندھے ہوئے ہیں۔اس کے سینے پر دو تلواروں کی نوکیں رکھی ہوئی تھیں۔سنتری کو معلوم تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے سپاہی ہیں۔اس نے ان سے التجا کی کہ میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں۔ یہ بادشاہوں کے جھگڑے ہیں، ہم ایک دوسرے کا خون کیوں بہائیں۔اس نے بتایا کہ گھوڑے ایک جگہ نہیں بندھے ہوئے۔ چونکہ فوج تیاری کی حالت میں ہے۔اس لیے گھوڑے، سواروں کے خیمے کے ساتھ دو دو تین تین کر کے بندھے ہوئے ہیں۔ چھاپہ مار اُسے اس کے کیمپ کے قریب لے گئے اور پوچھا کہ دستوں کے کمانڈر کہاں کہاں ہیں۔اس نے اندازہ کر کے ان خیموں کی سمتیں بتا دیں۔

اُسے ساتھ ہی پیچھے لے آئے اور اُسے کہا کہ یہاں کھڑے رہو اور تماشہ دیکھو، وہاں چھوٹے سائز کی ایک منجنیق رکھی تھی۔اس میں چھاپہ ماروں نے ایک ہانڈی سی رکھی۔ چار آدمیوں نے اُسے پیچھے کھینچا اور چھوڑ دیا۔ ہانڈی غلیلے کی طرح اُڑ گئی۔دوسری ہانڈی کسی اور طرف پھینکی گئی پھر دو اور پھینکی گئیں۔ یہ سب دشمن کے کیمپ میں گریں۔سنتریوں نے ''کون ہے، کون ہے'' کی صدائیں لگائیں۔کہیں سے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر آئے جو زمین پر لگے۔ ہانڈیاں وہیں گر کر ٹوٹی تھیں۔اُن کے اندر سے سیال مادہ نکل کر بکھر گیا تھا۔ یہ آتش گیر تھا۔تیروں کے فلیتوں نے اُسے آگ لگا دی۔دو خیموں کو بھی آگ لگ گئی۔زمین شعلے اُگل رہی تھی۔کیمپ میں بھگدڑ مچ گئی۔گھوڑے رسیاں تڑانے لگے۔سپاہی اُٹھ کر ادھر اُدھر دوڑے تو چھاپہ ماروں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ یہ خیمہ گاہ ایک میل سے زیادہ لمبے چوڑے علاقے میں تھی۔ بیشتر اس کے کمانڈر جوابی کارروائی کرتے چھاپہ مار تباہی مچا کر غائب ہو چکے تھے۔

سحر ابھی نیم تاریک تھی۔کیمپ کی حالت خاصی بُری تھی۔ آگ نے بھی نقصان کیا تھا، لیکن چھاپہ ماروں کے تیروں سے اور بدکے ہوئے گھوڑوں تلے آ کر بہت سے سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔سحر تک انہیں اُٹھاتے اور سنبھالتے رہے۔اچانک ایک طرف سے کسی نے چلا کر کہا...... ''ہوشیار، ہوشیار''...... ایک بار پھر قیامت آ گئی، مگر اب کے چھاپہ مار نہیں تھے۔ یہ سلطان ایوبی کے ایک دستے کا باقاعدہ حملہ تھا۔دشمن اس جگہ ہر لمحہ تیاری کی حالت میں رہتا تھا، لیکن رات کو چھاپہ مار اُس کی حالت ایسی بدل آئے تھے کہ تیاری ختم ہو گئی تھی۔دشمن کے سپاہیوں نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی دشمن اُن کے پاؤں جم نہ سکے۔سلطان ایوبی ان کا دم خم پہلے ہی ختم کرا چکا تھا، پھر بھی دونوں فریقوں کا خاصا نقصان ہوا۔ دشمن کے سپاہی پسپا ہونے لگے۔کمانڈروں نے انہیں بہت للکارا مگر دوسری طرف کی للکار اُن کے لڑنے کے جذبے کو تباہ کر رہی تھی۔سلطان ایوبی کے سپاہی اُن پر چلا رہے تھے...... ''تم کافروں کے دوست ہو، خدا ہمارے ساتھ ہے۔اپنا حشر دیکھو، تم پر خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے''۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے نہایت معمولی سے سپاہی کے ذہن میں بھی اُتار دیا تھا کہ تم حق پر ہو اور کفار کے دوست مرتد ہیں۔اس کے مقابلے میں خلیفہ کی فوج کے پاس ایسا کوئی مقصد اور کوئی نعرہ نہیں تھا۔

دشمن کے سپاہی بکھر گئے۔ بہت سے پسپا ہو کر دریا پار کر گئے اور کچھ اِدھر اُدھر وادیوں اور نشیبی جگہوں میں جا چھپے۔سلطان ایوبی نے حملہ آور دستے کے کمانڈر کو حکم دے رکھا تھا کہ دشمن کی پسپائی کی صورت میں اپنا کوئی دستہ جیش کوئی بھی دریا پار نہ کرے۔اس نے اس کیمپ پر حملہ کر کے دراصل دشمن کو دھوکہ دیا تھا۔وہ تعاقب نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ آگے اصلی جائزے اور مشاہدے کے بغیر کبھی پیش قدمی نہیں کرتا تھا۔وہ دریا کہیں دُور سے پار کرنا چاہتا تھا، لیکن دشمن نے

یہیں سے اُسے راستہ دے دیا تو اس نے یہیں سے دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ خود آگے گیا۔ اس کے سپاہی اِدھر اُدھر چھپے ہوئے دشمن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کر رہے تھے۔ ہتھیار ڈالنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس نے ایک بلند چٹان پر جا کر میدانِ جنگ کا منظر دیکھا تو خوشی کی بجائے اس کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔

''یہ نظارہ دیکھ کر خدا بھی رو رہا ہو گا''۔ سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے نائبین سے کہا..... ''دونوں طرف کس کا خون بہہ گیا ہے؟..... مسلمان کا۔ یہ ہے اسلام کے زوال کی نشانی۔ اگر مسلمان ہوش میں نہ آئے تو کفار انہیں اسی طرح لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔ میرے رفیقو! مجھے کوئی یقین دلا دے کہ میں حق پر نہیں تو میں اپنی تلوار الصالح کے قدموں میں رکھ دوں گا''۔

''آپ حق پر ہیں، سلطانِ محترم!'' کسی نے کہا..... ''ہم حق پر ہیں۔ دل سے اب وسوسے نکال دیں''۔

حلب شہر میں ہر آدمی آگ کا شعلہ بنا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے دستے دریا پار کر گئے تھے۔ حلب سامنے نظر آ رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کو دیکھا۔ اس کی وسعت، ساخت اور دفاعی انتظامات دیکھے اور جائزہ لیا کہ محاصرہ کیا جائے یا سیدھا حملہ کر کے شہر کے اندر لڑا جائے۔ اُسے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ شہر کے اندر کی جذباتی کیفیت کیا ہے۔ اُسے توقع تھی کہ شہری چونکہ مسلمان ہیں، اس لیے وہ دونوں مسلمان فوجوں کی جنگ کے خلاف ہوں گے۔ غالباً اسی توقع نے اُس سے وہ کارروائی کرائی جس نے اُسے پریشان کر دیا۔ اس نے نفری سے نیم محاصرے کی ترتیب میں اپنے دستے آگے بڑھائے۔ لڑائی کی ابتدا تیروں کے تبادلے سے ہوئی، لیکن کچھ ہی دیر بعد اس نے محسوس کیا جیسے اس کے دستے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ حلب کے دفاع میں لڑنے والوں کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف سے کم و بیش دو سو گھوڑسوار نکلے۔ انہوں نے سلطان ایوبی کے ایک دستے کے ایک پہلو پر حملہ کر دیا۔ یہ بڑا ہی تیز اور دلیرانہ حملہ تھا جو پیادہ دستے پر کیا گیا تھا۔

اُس کے سواروں نے جوابی بلہ بول کر اپنے پیادہ دستے کو بچانے کی نہایت اچھی کوشش کی لیکن گھوڑوں کے تصادم میں اپنے ہی پیادے کچلے گئے۔ پھر یوں ہونے لگا کہ شہر سے ایک جیش پیادہ یا سوار نکلتا۔ ان کے پیچھے سے شہر کی منڈیروں اور بلند جگہوں سے تیروں کی بوچھاڑیں آتیں اور حملہ کرنے والے جیش سلطان ایوبی کی صفوں میں گھس جاتے۔ حلب کا یہ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا۔

اس کیفیت میں سلطان ایوبی کے دو تین جاسوس باہر نکل آئے اور سلطان ایوبی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُس تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ شہریوں کو کس طرح اس کے خلاف بھڑکایا گیا ہے اور شہر کے دفاع میں لڑنے والے اتنے فوجی نہیں جتنے شہری ہیں۔ سلطان ایوبی کو یہ تو پہلے ہی معلوم تھا کہ حلب کے باشندوں پر اس کے خلاف جنگی جنون طاری کیا جا رہا ہے، لیکن اُسے اندازہ نہیں تھا کہ شہری اس پاگل پن سے لڑیں گے۔ وہ اُن کی دلیری پر عش عش کر اُٹھا، لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنے لگا — یہ ہے مسلمان کی شان، ان کا عسکری جذبہ دیکھو، کفار مسلمان کے اسی جذبے کو ختم کر رہے ہیں''۔

سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ اُس کسی نائب نے مشورہ دیا کہ شہر پر منجنیقوں سے آگ پھینکی جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ شہریوں کے گھر تباہ ہو جائیں گے۔ ان کی عورتیں اور بچے مارے جائیں گے۔ اسی لیے میں نے تباہ کار چھاپہ ماروں کو نہیں بھیجا۔ اگر یہ شہر صلیبیوں کا ہوتا تو اب تک شعلوں کی لپیٹ میں ہوتا اور میرے چھاپہ ماروں کی زد میں ہوتا جو مسلمان میدانِ جنگ میں آ کر لڑتے اور مرتے ہیں انہیں میں روک نہیں سکتا اور جو گھروں میں بیٹھے ہیں، انہیں مارنا نہیں چاہتا۔ اُس نے چند اور دستے آگے بلا کر شہر کو مکمل محاصرے میں

لے لیا اور حکم دیا کہ دفاع میں لڑا جائے۔ حملہ ہو تو روکا جائے، حملہ نہ کیا جائے اور محاصرہ مضبوط رکھا جائے۔ نفری کی بھی کمی تھی اور شہر کو تباہی سے بچانے کا خیال بھی تھا۔

جنوری ۱۱۷۵ء کا پورا مہینہ محاصرہ جاری رہا۔ حلب کی فوج اور شہریوں نے محاصرہ توڑنے کے لیے حملے کیے، لیکن اب وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کی ترتیب اور سکیم بدل دی تھی۔ یکم فروری ۱۱۷۵ء کی صبح سلطان کو اطلاع ملی کہ تریپولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ حماۃ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اُسے ریمانڈ کی فوج کی نفری (پیادہ اور سوار) کی اطلاع بھی دی گئی۔ سلطان ایوبی کو پہلے ہی توقع تھی کہ یہ صورت بھی پیدا ہوگی۔ اس کے لیے وہ تیار تھا۔ اس نے اس کے لیے دستے محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ایسی جگہ رکھے ہوئے تھے جہاں سے وہ ریمانڈ کے استقبال کے لیے بروقت پہنچ سکتے تھے۔ اس نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنے قاصد کو اس پیغام کے ساتھ اُن دستوں کی طرف دوڑایا کہ جس قدر جلدی ہو سکے الرستان کے علاقے میں پہنچ کر بلندیوں پر تیر انداز بٹھا دو۔ سوار دستے پیچھے رکھو۔ میں آ رہا ہوں۔ اگر صلیبی فوج مجھ سے پہلے آجائے تو سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ گھات لگانا اور شب خون مارنا۔

الرستان ایک پہاڑی سلسلے کا نام تھا۔ ریمانڈ کو اس میں سے گزر کر آنا تھا۔ ریمانڈ کی پیش قدمی کا راستہ اس کے پلان کے مطابق موزوں تھا۔ وہ حماۃ تک پہنچ کر سلطان ایوبی کے عقب کے لیے اور رسد وغیرہ کے راستوں کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ پھر صورت یہ ہو جاتی کہ سلطان ایوبی حلب کی فوج اور ریمانڈ کی فوج (جو یقیناً برتر اور زیادہ تھی) کے درمیان پس جاتا۔ اُس نے دوسرا قدم یہ کیا کہ حلب کا محاصرہ اُٹھا دیا اور اس نے ان دستوں کو کسی اور سمت روانہ کر دیا۔ خود الرستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں کی چوٹیوں پر برف پڑی ہوئی تھی۔ ریمانڈ خوش تھا کہ اس موسم میں سلطان ایوبی کے صحرائی سپاہی اس کے یورپی اور اسی علاقے کے رہنے والے عیسائی سپاہیوں سے نہیں لڑ سکیں گے، مگر وہ آگے آیا تو برف پوش پہاڑی سلسلہ کوہ سے اُس پر تیر برسنے لگے۔ یہ اُس کے لیے بلائے ناگہانی تھی۔

اس نے لڑے بغیر اپنی فوج پیچھے ہٹالی۔ اسے ہر جگہ گھات کا خطرہ تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے لڑنے کے انداز سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے بہت پیچھے ہٹ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ اپنے راستے پر نظر ثانی کرنا چاہتا تھا۔ موسم بگڑ گیا۔ بارشیں شروع ہو گئیں۔ سات آٹھ دنوں میں گھوڑوں کا خشک چارہ ختم ہو گیا۔ اناج کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے رسد کا انتظام نہایت اچھا رکھا تھا۔ وہاں تک اُسے باقاعدگی سے رسد پہنچ رہی تھی، مگر کئی دن پیچھے سے نہ رسد آئی، نہ کوئی اطلاع۔ اس نے قاصد بھیجا جو واپس آ گیا اور پیغام لایا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ ریمانڈ بہت حیران ہوا کہ سلطان ایوبی اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گیا؟...... اس نے اپنے دو افسروں کو پیچھے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔

یہ دو افسر تین چار روز بعد واپس آئے۔ انہوں نے تصدیق کی کہ سلطان ایوبی نے رسد کا راستہ روک لیا ہے اور یہ بھی کہ اس نے حلب کا محاصرہ اُٹھا لیا ہے۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا فرض ادا ہو گیا ہے۔'' ریمانڈ نے کہا...... ''فوج کو واپس تریپولی لے چلو''۔

☆

یہ اطلاع سلطان ایوبی کے لیے حیران کن تھی کہ ریمانڈ لڑے بغیر واپس کوچ کر گیا ہے۔ ریمانڈ نے واپسی کا جو راستہ اختیار کیا تھا، وہ دشوار گزار تھا لیکن وہ اس راستے سے نہیں جانا چاہتا تھا، جس سے آیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی سے لڑنے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ لڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ سلطان ایوبی نے اسے زنے

کی پوزیشن میں نہیں رہنے دیا تھا، وہ اسی سے گھبرا گیا تھا کہ مسلمان فوج اتنی سردی میں ایسی خوبی سے لڑ رہی ہے جیسے صحرا میں لڑتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی اُس کے عقب میں اور رسد کے راستے میں جا بیٹھا تھا۔ تیسری اور سب سے بڑی وجہ کچھ اور تھی جس کا انکشاف بعد میں ہوا۔ وہ دراصل الصالح اور اُس کے اُمراء کو دھوکہ دے گیا تھا۔ اس نے بے بہا خزانے کی شکل میں اُجرت لے لی تھی۔ اُسے اب لڑنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس کا یہ مقصد (جو صلیبیوں کا بنیادی مقصد تھا) پورا ہو چکا تھا کہ مسلمان آپس میں ٹکرا جائیں۔ صلیبی مسلمان قوم کی فوج کو دو حصوں میں کاٹ چکے تھے اور ان دونوں حصوں میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔

اس کی نیت کا پتا اُس وقت چلا جب تریپولی سے اس کا ایلچی الصالح کے نام یہ پیغام لے کر آیا۔ ''میں نے وعدہ کیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو محاصرے میں لیا تو میں محاصرہ توڑ دوں گا۔ مجھے جونہی اطلاع ملی کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے، میں فوج لے کر آپ کی مدد کو آ گیا۔ صلاح الدین ایوبی نے فوراً حلب کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ میں نے وعدہ پورا کر دیا ہے، لہٰذا ہمارا وہ فوجی معاہدہ ختم ہو گیا ہے جس کے تحت آپ نے مجھے سونا وغیرہ بھیجا تھا اور اس کے عوض میں نے آپ کو محاصرے سے بچایا۔ میرے فوجی نمائندے اور مشیروں کو فوراً واپس بھیج دیا جائے''۔

حلب والے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ صلیبی انہیں ڈنک مار گئے تھے۔ دو مورخوں نے لکھا ہے کہ ریمانڈ کو یہ خطرہ بھی نظر آنے لگا تھا کہ سلطان ایوبی اس کے دارالحکومت تریپولی پر حملہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی راجدھانی کا دفاع مضبوط کرنا شروع کر دیا۔

الصالح ابھی ناتجربہ کار تھا۔ اس کے ایک دو مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ سلطان ایوبی سے صلح کر لے، مگر سیف الدین اور گمشتگین وغیرہ نے اُسے مدد کا یقین دلا کر سمجھوتے اور صلح پر آمادہ نہ ہونے دیا۔ انہیں میں سے کسی نے اُسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی چند روز کا مہمان ہے۔ نو فدائی آ چکے ہیں، وہ مذہبی پیشواؤں اور صوفیوں کے بہروپ میں صلاح الدین ایوبی کے پاس یہ درخواست لے کے جا رہے ہیں کہ وہ آپس میں نہ لڑیں اور صلح کر لیں۔ سلطان ایوبی اُن کے احترام کے لیے انہیں اپنے پاس بٹھائے گا۔ اکیلے اُن کی بات سنے گا اور فدائی اسے نہایت اطمینان سے قتل کر کے نکل جائیں گے۔

انہوں نے الصالح کو یہ خبر سنا کر جھانسہ نہیں دیا تھا کہ جس وقت سلطان ایوبی الرستان کے سلسلۂ کوہ میں بیٹھا اپنے اگلے حملے کا پلان بنا رہا تھا تو پیشہ ور فدائی قاتل یہ سوچ رہے تھے کہ اسے کہاں قتل کیا جائے۔

جب خدا زمین پر اتر آیا

مصر میں جہاں آج اسوان ڈیم ہے، آٹھ سو سال پہلے وہاں ایک خونریز معرکہ لڑا گیا تھا۔ مؤرخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی اس لڑائی کا ذکر کیا ہی نہیں، اگر کیا ہے تو اتنا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک جرنیل باغی ہوگیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی ڈائری میں اس جرنیل کا نام بھی لکھا ہے۔ نام القنص تھا، جس کا تلفظ القند ہے۔ وہ مصری مسلمان تھا۔ اس کی ماں سوڈانی تھی۔ شاید یہ سوڈانی خون تھا جس نے اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔ اس دور کے وقائع نگاروں اور کاتبوں کی جو غیر مطبوعہ تحریریں ملی ہیں، ان سے اس بغاوت کا پس منظر خاصی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔

یہ ۱۱۷۴ء کے آخر اور ۱۱۷۵ء کے اوائل کا عرصہ تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ اس سے پہلے پوری تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی وفات کے فوراً بعد شام کے حالات اس صورت میں بگڑ گئے تھے کہ مفاد پرست امراء نے زنگی مرحوم کے گیارہ سالہ بیٹے کو سلطنت کی گدی پر بٹھا دیا اور صلیبیوں سے گٹھ جوڑ کر کے خود مختاری کے راستے پر چل پڑے تھے۔ سلطنت اسلامیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر صلیبیوں کے پیٹ میں جا رہی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق پہنچا۔ تھوڑی سی معرکہ آرائی اور دمشق کے شہریوں کے تعاون سے اس نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ اور اس کے حواری امراء اور جرنیل حلب کو بھاگ گئے جہاں انہوں نے صلیبیوں سے جنگی مدد حاصل کی۔ صلیبیوں نے دکا جہانسہ دے کر مسلمان فوج کو مسلمان فوج سے ٹکرا دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حمص اور حماۃ کے قلعے سر کر لیے۔ حلب کے محاصرے میں اسے غیر متوقع مزاحمت کا سامنا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ نے حملہ کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو حلب کا محاصرہ اٹھا کر پیچھے آنا پڑا تاکہ صلیبی فوج کو راستے میں روکا جا سکے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے دستوں کی برق رفتاری نے اس کی چال کو کامیاب کیا اور ریمانڈ لڑائی سے منہ پھیر گیا۔ مگر یہاں لڑائی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اصل جنگ تو یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی الرستان سلسلہ کوہ میں اپنی فوج کو پھیلائے ہوئے تھا۔ اس کا مقابلہ تین دشمنوں کے ساتھ تھا۔ ایک الصالح اور اس کے حواری امراء کی فوج تھی، دوسرے صلیبی فوج اور تیسرا موسم۔ یہ جنوری فروری ۱۱۷۵ء کے دن تھے جب پہاڑیوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یخ جھکڑ چلتے تھے اور وادیاں ٹھٹھر رہی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں اس طرح الجھ گیا تھا جیسے زنجیروں میں جکڑا گیا ہو۔

مصر کے متعلق وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہاں کی فوج کی کمان وہ اپنے بھائی العادل کے سپرد کر آیا تھا۔ اس فوج میں سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے کمک بھی منگوالی تھی۔ مصر پر سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا اور جنوب سے سوڈانیوں کے حملے کا خطرہ تو تھا لیکن زیادہ خطرہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کی زمین دوز تخریب کاری کا تھا جو مصر میں جاری تھی۔ دشمن کی

جاسوسی اور تخریب کاری کو بہت حد تک دبایا جا چکا تھا مگر یہ کہنا غلط تھا کہ دشمن اس زمین دوز میدان سے بھاگ گیا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہی خطروں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی انٹیلی جنس کے ماہر سربراہ علی بن سفیان کو قاہرہ میں رہنے دیا تھا۔ اس نے العادل کو بھی اس ضمن میں بہت سی ہدایات دے دی تھیں، مگر جو جگہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری سے خالی ہوگئی تھی۔ اسے العادل اور علی بن سفیان مل کر بھی پُر نہیں کر سکتے تھے۔

مصر کی سرحدوں اور ساحل کی دیکھ بھال کے لیے سرحدی دستوں کی چوکیاں اور ان کے پہرے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے العادل کے متعلق یہ حکم دے دیا تھا کہ سوڈانی سرحد پر ذرا سی بھی گڑبڑ کریں تو شدید جنگی نوعیت کی جوابی کارروائی کرو اور سوڈان کے اندر جا کر لڑو...... مگر ایک ضرورت ایسی تھی جس کی طرف کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ یہ تھی سرحدی دستوں کی بدلی۔ ان دستوں میں بیشتر سپاہی اور بعض کمانڈر ایسے تھے جو دو سال سے زیادہ عرصہ سے سرحد کی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ وہ سپاہی تھے جنہوں نے دشمن سے معرکے لڑے تھے، لہٰذا ان کے دلوں میں دشمن کیخلاف نفرت بھری ہوئی تھی۔ سوڈانیوں کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ ان سے پہلے جو دستے سرحد پر تھے وہ اچھے ثابت نہیں ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں مصر کی منڈی سے اناج اور دیگر ضروری اشیاء سمگل ہو کر سوڈان چلی جاتی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے محاذ سے واپس آ کر ان دستوں کو بدل دیا اور وہ دستے بھیجے تھے جو محاذ سے آئے تھے۔ ان دستوں نے سرحد پر پہنچ کر اودھم بپا کر دیا تھا۔ گشتی پہرے والوں کو کوئی چیز ہلتی نظر آتی تھی تو اسے جا دبوچتے تھے۔ وہ تیز رفتار تھے اور ان کی نظریں عقابی تھیں۔ انہوں نے سرحد صحیح معنوں میں سربمہر اور مقفل کر دی تھی۔

یہ دو اڑھائی سال پہلے کی بات تھی۔ ابتداء میں ان دستوں میں جوش اور جذبہ تھا اور کرنے کو ایک کام بھی تھا جو ایک مہم تھی۔ وہ جانفشانی سے اس میں مگن رہے۔ چند مہینوں میں ہی انہوں نے یہ مہم سر کر لی اور فارغ ہوگئے۔ یہ فراغت ان کے جذبے کو دیمک کی طرح کھانے لگی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی ہر پہلو، ہر گوشے اور ہر عنصر پر نظر رکھتا تھا، لیکن سرحدی دستوں کی بدلی اتنی معمولی سی بات تھی جس پر وہ ذاتی توجہ نہ دے سکا۔ سرحدی دستوں کا شعبہ الگ تھا جس کا کمانڈر سالار (جرنیل) کے عہدے کا ایک فرد تھا اور یہ القند تھا۔ یہ اس کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ سال میں تین بار نہیں تو دو بار سرحدی دستوں کی بدلی کرتا رہتا۔ اس نے یہ بے حد ضروری کارروائی نہ کی۔ اس کوتاہی کے اثرات سامنے آنے لگے۔

سپاہی ایک ہی قسم کے ماحول اور فضا میں اور ایک ہی قسم کی زمین پر رہتے اور پہرے دیتے اکتاہٹ محسوس کرنے لگے۔ سوڈان خاموش تھا۔ سمگلنگ بند ہو چکی تھی۔ فراغت اور کاہلی سپاہیوں کی نفسیات پر تخریبی اثرات ڈال رہی تھی۔ ان کے لیے کام بھی نہیں تھا اور ان کے لیے تفریح بھی کوئی نہیں تھی۔ موسم میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ ریت کا سمندر اور ریت کے ٹیلے ایک ہی جیسے تھے جیسے صدیوں سے چلے آ رہے تھے۔ آسمان کا رنگ ایک ہی جیسا رہتا تھا۔ اس کیفیت اور سپاہیوں کی اکتاہٹ کا پہلا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ وہ گشتی پہرے پر جاتے تو راہ جاتے مسافروں سے یہ پوچھنے کی بجائے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں اور ان کے پاس کیا ہے، وہ انہیں روک کر ان سے گپ شپ لگاتے اور ان سے اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھتے۔ یہ دل بہلانے کا ایک ذریعہ تھا۔

جن چوکیوں کی ذمہ داری کے علاقے میں کوئی گاؤں تھا سپاہی وہاں چلے جاتے اور گپ بازی سے دل بہلاتے۔ سرحد کے رکھوالوں کا یہ انداز ملک کے لیے خطرناک تھا۔ مگر وہ سپاہی تھے اور اکتائے ہوئے بھی تھے۔ انسانی فطرت کا تقاضہ تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں سے تسکین حاصل کرتے۔ وہاں آتے جاتے مسافر تھے، رات بھر کے لیے پڑاؤ کر

والے قافلے تھے یا کہیں کوئی آباد گاؤں تھا۔ وہ ہر کسی کے ساتھ گھل مل گئے۔ مصر کے سرحدی لوگوں پر ان کا جو ڈر تھا وہ دور ہو گیا۔ ان کے کمانڈر بھی سپاہیوں جیسے ہی انسان تھے۔ وہ بھی وقت گزارنے کے اور تفریح کے ذرائع ڈھونڈنے لگے تھے۔

☆

جب سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق کے لیے روانہ ہونے لگا تو اتنی عجلت میں تھا کہ سرحدوں کے متعلق تمام تر ہدایات دینے کے باوجود اس کے ذہن میں یہ نہ آئی کہ پرانے دستوں کی بدلی کے احکام بھی دے دیتا۔ اسے غالباً اطمینان ہو گا کہ ان کا کمانڈر، القند، تمام تر ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جانے کے بعد العادل نے فوجوں کی کمان لی تو اس نے القند سے پوچھا کہ سرحد پر جو دستے ہیں وہ کب سے اس ڈیوٹی پر ہیں۔ القند نے جواب دیا کہ وہ بہت عرصے سے وہیں ہیں۔

''کیا سرحد پر مزید دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟'' العادل نے پوچھا...... ''اور کیا پرانے دستوں کو قاہرہ بلا کر نئے دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟''

''نہیں۔'' القند نے جواب دیا...... ''یہی وہ دستے ہیں جنہوں نے ملک سے اناج، مویشی اور ہتھیار وغیرہ کے چوری چھپے باہر جانے کو روکا تھا۔ وہ اب سرحد اور ارد گرد کے علاقوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ اب دور سے مشتبہ انسان کی بو سونگھ کر اسے پکڑ لیتے ہیں۔ ان کی جگہ اگر نئے دستے بھیجے گئے تو پرانے دستوں جیسا تجربہ حاصل کرتے انہیں ایک سال سے زیادہ عرصہ چاہیے۔ ہمیں ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔''

العادل اس جواب سے مطمئن ہو گیا تھا۔ اسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ یہی القند رات کو اپنے گھر میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔ ''یہ سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں۔ میری یہ کوشش کامیاب ہے کہ میں نے ان کی بدلی نہیں ہونے دی۔ انہوں نے سرحد کے لوگوں کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ ان کے پیٹ تو بھرے رہتے ہیں، کھانے پینے کی انہیں کوئی شکایت نہیں، میں ان کے لیے ضرورت سے زیادہ خوراک بھیجتا ہوں لیکن ان کی حالت بھوکے بھیڑیوں کی سی ہو گئی ہے۔ کوئی قافلہ گزرتا ہے تو وہ قافلے والوں کی عورتوں کو منہ کھول کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اب ہم اپنا کام کر سکتے ہیں۔''

وہ جس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا وہ کوئی سوڈانی تھا جو اس کے ہاں مہمان کے روپ میں آیا ہوا تھا۔ وہ سوڈان سے اس کے لیے تحفے لایا تھا اور ان تحفوں کے ساتھ ایک پیغام بھی تھا۔ اس نے القند کو بتایا تھا کہ سوڈانی تیار ہیں مگر نفری ابھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی۔ یہ آدمی پیغام لے کر آیا تھا کہ اس نفری کو کسی طرح مصر میں داخل کر کے چھپا لیا جائے۔ اس کے لیے پہلی مشکل یہ تھی کہ انہیں سرحد پار کس طرح کرائی جائے۔ اسی کے جواب میں القند نے کہا تھا کہ مصر کے سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں...... القند ان چند ایک سالاروں میں سے تھا جن پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھروسہ تھا۔ القند نے کبھی شک بھی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ مصر کی امارت کا وفادار نہیں۔ علی بن سفیان تک کو اس نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کا یہ کارنامہ کہ اس نے دو اڑھائی سال پہلے سمگلنگ روک دی اور سرحدیں سربمہر کر دی تھیں۔ اسے بہت فائدہ دے رہا تھا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ وہ سرحدوں کا بھیدی بن چکا ہے۔

اب سلطان صلاح الدین ایوبی مصر سے چلا گیا تو القند نے العادل کو یقین دلا دیا کہ وہ سوڈان کی طرف سے بے فکر ہو جائے۔ سوڈان کا کوئی پرندہ بھی مصر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی یقین وہ علی بن سفیان کو بھی دلاتا رہا اور سوڈان میں حبشیوں

کی ایک فوج مصر پر اس انداز سے حملہ کرنے کے لیے تیار ہوتی رہی کہ حبشی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مصر میں داخل ہوں گے، چوری چھپے قاہرہ کے قریب جائیں گے۔ اور ایک رات حملہ کر کے رات ہی رات مصر کی امارات کو قبضے میں لے لیں گے۔

☆

دریائے نیل سوڈان سے گزرتا مصر میں داخل ہوتا ہے۔ آگے مصر کے علاقے میں ایک وسیع جھیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے آگے ایسے علاقے میں داخل ہوتا ہے جو پہاڑی ہے۔ اس سے آگے آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اس کے قریب اسوان ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں اسوان کے گردونواح کی جغرافیائی کیفیت کچھ اور تھی۔ دور دور تک چٹانیں اور پہاڑیاں تھیں۔ ان پر فرعونوں کی خصوصی نظر کرم رہی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر بت بنائے تھے۔ ان میں سب سے بڑے بت ابوسمبل کے تھے۔ بعض چٹانوں کی چوٹیاں تراش کر کسی معبد کے گنبد کی شکل کی یا کسی فرعون کا چہرہ بنا دی گئی تھیں۔ پہاڑیوں کے دامن میں غاریں بنائی گئی تھیں جو اندر سے وسیع و عریض تھیں۔ کچھ ایسی تھیں جن کے اندر کمرے، سرنگوں جیسے راستے اور بھول بھلیاں سی بنا دی گئی تھیں۔

کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ فرعونوں نے یہ پراسراری دنیا کیوں آباد کی تھی۔ یہ بت تراشتے اور غاریں کھود کر اندر کمرے وغیرہ بناتے تین نسلیں ختم ہو گئی ہوں گی۔ فرعون اس دور کے "خدا" تھے۔ رعایا کا کام صرف یہ تھا کہ ان کے آگے سجدے کرے اور ان کا ہر حکم بجا لائے۔ یہ پہاڑ اسی مظلوم اور فاقہ کش رعایا سے کٹوائے گئے تھے۔ آج وہاں کوئی بت نہیں، کوئی غار نہیں، کوئی پہاڑ نہیں۔ وہاں اسوان ڈیم کی میل ہا میل وسیع جھیل ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر سے پہلے ابوسمبل کے اتنے بڑے بڑے بت جو بجائے خود پہاڑ تھے مشینری سے وہاں سے اٹھائے گئے اور فرعونوں کے دور کی یادگاروں کے طور پر کہیں محفوظ کر لیے گئے ہیں ڈائنامیٹ سے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے زمین بوس کر دیا گیا تھا۔ اگر فرعون انسان کے ہاتھوں پہاڑوں کو یوں اڑاتا اور زمین سے ملتا دیکھتے تو خدائی کے دعوے سے دستبردار ہو جاتے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور میں اس علاقے کے خدوخال کچھ اور تھے۔ ان پہاڑوں کی وادیوں اور غاروں میں ساری دنیا کی فوج کو چھپایا جا سکتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ذاتی طور پر سرحد کے اس علاقے پر زیادہ توجہ دی تھی جہاں سے دریائے نیل مصر میں داخل ہوتا تھا۔ سوڈانی کشتیوں کے ذریعے مصر میں داخل ہو سکتے تھے۔ اس دریائی راستے پر نظر رکھنے کے لیے ایک چوکی قائم کی گئی تھی جو دریا سے دور تھی۔ چوکی سے دریا نظر نہیں آتا تھا، اور دریا سے چوکی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ فاصلہ دانستہ رکھا گیا تھا تاکہ دریا سے چوری چھپے گزرنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ انہیں دیکھنے اور پکڑنے والا کوئی نہیں۔ دریا پر گشتی پہرے کے ذریعے نظر رکھی جاتی تھی۔ دو گھوڑ سوار ہر وقت گشت پر رہتے تھے اور ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔

مصر سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری کے دنوں کا واقعہ ہے کہ دن کے وقت دریا کی دیکھ بھال والی سرحدی چوکی کے دو گھوڑ سوار گشت پر نکلے اور معمول کے مطابق دور تک نکل گئے۔ ایک جگہ دریا کے کنارے سبزہ زار تھا۔ سایہ دار درخت تھے اور یہ جگہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ گشت والے سنتری اس جگہ آکر آرام کیا کرتے تھے۔ ایک عرصے سے انہوں نے کسی سوڈانی کو دریا سے آتے نہیں دیکھا تھا۔ ابتداء میں انہوں نے بہت سے آدمی پکڑے تھے جن میں بعض تخریب کار اور جاسوس تھے۔ اس کے بعد یہ دریائی راستہ ویران ہو گیا تھا۔ اب سنتری صرف ڈیوٹی پوری کرنے آتے اور چوکی کی نظروں سے اوجھل ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

ان دو سواروں کا بھی یہ معمول تھا۔ اس معمول سے اب وہ تنگ آ گئے تھے۔ دریا کے کنارے اتنی سرسبز جگہ

بھی انہیں اچھی نہیں لگتی تھی۔ ہر روز دریا کو دیکھ دیکھ کر وہ اس کے حسن سے اکتا گئے تھے۔ یہاں انہیں باہر کی دنیا کی اگر کوئی چیز نظر آتی بھی تھی تو وہ صحرائی لومڑی تھی جو دریا سے پانی پیتی اور سنتریوں کو دیکھ کر بھاگ جاتی تھی، یا ماہی گیروں کی ایک آدھ کشتی نظر آتی تھی۔ وہ ماہی گیروں سے پوچھتے کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ پوچھنا بھی چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد ماہی گیروں نے بھی وہاں جانا چھوڑ دیا تھا...... اس روز وہ سنتری گشت کے علاقے میں گئے تو وہ اکتائی ہوئی سی باتیں کررہے تھے۔ جن کا لب لباب یہ تھا کہ ان کے ساتھی قاہرہ، سکندریہ اور دوسرے شہروں میں عیش کررہے ہیں اور وہ اس جنگل بیابان میں بڑے ہیں۔ ان کے لب ولہجے میں احتجاج تھا اور بے اطمینانی بھی۔

وہ اس سرسبز جگہ سے کچھ دور تھے تو انہیں وہاں چار پانچ اونٹ بندھے ہوئے نظر آئے۔ آٹھ دس آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور چار آدمی دریا میں نہا رہے تھے۔ دونوں سوار آگے چلے گئے مگر رک گئے۔ وہ کوئی انسان نہیں ہوسکتے تھے۔ انہیں جس چیز نے حیرت سے زیادہ خوف میں مبتلا کردیا تھا وہ یہ تھی کہ دریا میں چار آدمی نہیں بلکہ چار جوان لڑکیاں نہا رہی تھیں۔ انہوں نے ستر باریک کپڑوں سے ڈھانپے ہوئے تھے وہ دریا میں اس جگہ ڈبکیاں لگا رہی تھیں جہاں پانی ان کی کمر تک تھا۔ ان کے جسموں کے رنگ مصریوں کی نسبت زیادہ ستھرے اور جاذب تھے۔ وہ قہقہے لگا رہی تھیں۔ گھوڑ اسوار یہ سمجھ کر ڈر گئے کہ یہ جل پریاں ہیں یا آسمان سے اتاری ہوئی پریاں یا فرعونوں کی شہزادیوں کی بدروحیں وہ دونوں رُکے رہے اور انہیں دیکھتے رہے۔ انہوں نے وہیں سے واپسی کا ارادہ کرلیا لیکن جو آدمی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔

دو آدمی اٹھ کر ان کی طرف آئے۔ لڑکیوں نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ وہ چاروں دریا سے نکل کر کنارے کی خشک اوٹ میں چلی گئیں۔ گھوڑسواروں کا خوف ذرا کم ہوا۔ وہ آخر فوجی تھے۔ قریب جا کر انہوں نے ان دو آدمیوں سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کررہے ہیں دونوں آدمیوں نے جھک کر سلام کیا۔ وہ صحرائی لباس میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ قاہرہ کے تاجر ہیں بہت سے سرحدی دیہات میں مال فروخت کرکے واپس جارہے ہیں۔

''قاہرہ جانے کا یہ راستہ تو نہیں۔'' ایک سوار نے کہا۔

''لڑکیوں کا شوق ہے کہ دریا کے کنارے کنارے جائیں گے۔'' ایک نے جواب دیا...... ''ہم اپنے کام سے فارغ ہوگئے ہیں۔ واپسی کی کوئی جلدی نہیں دو تین راتیں یہیں قیام کریں گے......'' اگر آپ کو شک ہو تو چل کر ہمارا سامان دیکھ لیں۔ ہمارے پاس بہت ساری رقم ہے۔ وہ بھی دیکھ لیں، تاکہ آپ کو یقین ہوجائے کہ ہم واقعی مصر کے تاجر ہیں۔''

دونوں گھوڑسوار ان کے ساتھ چل پڑے اور قیام کی جگہ پہنچے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے جھک کر سلام کیا پھر دونوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ وہ ان کا سامان کھول کر دیکھیں گے؟ گھوڑسوار سنتری گھوڑوں سے اتر چکے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ سامان نہیں دیکھیں گے۔ ایک آدمی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کی تعریفیں شروع کردیں۔ پھر انہوں نے ان دونوں کی جوانی، دلیری اور فرض کی تعریفیں کیں۔ انہوں نے ایسی کوئی بات نہ کی جس سے ان دونوں کو کوئی شک ہوتا۔ اس دوران چاروں لڑکیاں کپڑے پہن کر اور بال جھاڑ کر آگئی تھیں لیکن وہ شرمائی شرمائی سی پرے ہٹ کر کھڑی رہیں۔ اس ویرانے میں ان سپاہیوں نے دو اڑھائی سال بعد باہر کے چند آدمیوں کی محفل دیکھی اور انہیں عورت ذات نظر آئی۔ ان لڑکیوں میں انہوں نے عورت کا ہر ایک روپ دیکھا...... ماں، بہن، بیوی اور وہ عورت بھی جو ماں ہوتی ہے نہ بہن نہ بیوی...... دونوں کی نظریں ان لڑکیوں نے گرفتار کرلیں۔ لڑکیاں انہیں دیکھ دیکھ کر شرماتی اور منہ چھپا کر مسکراتی تھیں۔ ان کے شرم وحجاب سے پتا چلتا تھا کہ یہ سب اچھے خاندان کے لوگ ہیں۔

یہ دونوں سرحدی سپاہی ان آدمیوں کی باتوں اور خصوصاً لڑکیوں میں ایسے محو ہوئے کہ اپنی ڈیوٹی بھول گئے۔ سرحدی علاقے میں اتنی مدت سے ... ہنے اور فارغ ہونے کے جو بُرے اثرات تھے، وہ بڑی خطرناک نفسیاتی تشنگی بن کر ان پر غالب آ گئے۔ ایک آدمی دریا کے کنارے برچھی لیے کھڑا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ وہ پانی پر دانے سے پھینکتا تھا۔ مچھلیاں اوپر آ جاتی تھیں۔ وہ اوپر سے برچھی مارتا تو ایک مچھلی برچھی کی اَنی میں پروئی ہوئی باہر آ جاتی۔ وہ بہت سی مچھلیاں پکڑ چکا تھا۔ کسی نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ مچھلیاں بھونیں۔ چاروں لڑکیاں دوڑی گئیں۔ انہوں نے آگ جلائی اور مچھلیوں کو کاٹ کر آگ پر رکھ دیا۔

☆

گھوڑ سوار سرحدی سپاہی اپنے کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ ان کا کھانا اچھا ہوتا تھا مگر ہر روز ایک ہی قسم کا کھانا کھا کر وہ اس کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ دریائے نیل کے کنارے ان کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی اور خشک پکا ہوا گوشت رکھا گیا تو دیکھ کر ہی ان پر نشہ طاری ہو گیا۔ سب مل کر کھانے لگے تو کھانا اور زیادہ لذیذ ہو گیا۔ کھانے کے دوران دونوں نے دیکھا کہ ایک لڑکی ان کے ایک گھوڑے کی گردن اور زین پر ہاتھ پھیرتی اور گھوڑے کو اشتیاق سے دیکھتی تھی۔ لڑکیاں مردوں کے ساتھ کھانے پر نہیں بیٹھی تھیں۔ گھوڑے والا سپاہی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ لڑکی نے ادھر دیکھا تو مسکرا کر اس نے منہ پھیر لیا کیونکہ اس گھوڑے کا سوار اسے دیکھ رہا تھا۔ ان سپاہیوں نے اتنی خوبصورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

ایک بوڑھے نے سپاہیوں سے کہا..... ''ان لڑکیوں نے کبھی گھوڑے کی سواری نہیں کی، اور یہ جو لڑکی گھوڑے کے قریب کھڑی ہے گھوڑ سواری کی شوقین ہے۔ لیکن اسے گھوڑے پر بیٹھنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔''

''ہم ان چاروں کا شوق پورا کر دیں گے''..... ایک سپاہی نے کہا۔

کھانے کے بعد وہ سپاہی اٹھا اور اپنے گھوڑے کے پاس چلا گیا۔ لڑکی جھینپ کر پرے ہو گئی۔ سپاہی نے اسے کہا..... ''آؤ۔ میں تمہیں سواری کراتا ہوں۔ باری باری چاروں کو گھوڑے پر بٹھا دوں گا۔''

کسی نے لڑکی سے کہا..... ''ان سے شرماؤ نہیں۔ یہ تو تمہاری عزت اور ملک کے رکھوالے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو صلیبی اور سوڈانی معلوم نہیں تمہارا کیا حشر کریں۔''

لڑکی جھجکتی شرماتی گھوڑے کے قریب گئی۔ سپاہی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں ڈالا اور اسے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ سپاہی کو کسی نے آواز دی اور کچھ کہا۔ سپاہی اس طرف متوجہ ہوا۔ اچانک گھوڑا دوڑ پڑا۔ لڑکی کی چیخیں سنائی دیں۔ سپاہی نے گھوم کر دیکھا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ اس کے اوپر لڑکی اِدھر اُدھر گرتی اور سنبھلنے کی کوشش کرتی تھی۔ سب نے شور بپا کر دیا کہ گھوڑا بے لگام ہو گیا ہے۔ لڑکی گر کر مر جائے گی۔ سپاہی کے قریب اس کے ساتھی کا گھوڑا کھڑا تھا۔ وہ اچھل کر اس گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑی لگا دی۔ لڑکی والا گھوڑا ایک چٹان سے گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی نے اپنے گھوڑے کی رفتار انتہا تک پہنچا دی۔ اسے معلوم تھا کہ لڑکی گری اور اس کا پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا تو اس کی ہڈیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی اور گھوڑا اسے گھسیٹ گھسیٹ کر ہڈیوں سے گوشت اتار دے گا۔

سپاہی نے گھوڑا چٹان سے موڑا۔ آگے کھلی وادی تھی۔ لڑکی کو گھوڑا اٹھائے دوڑا جا رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر گھوڑا مڑا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی کو لڑکی کی چیخیں اور گھوڑے کے ٹاپو سنائی دے رہے تھے۔ وہ آگے جا کر مڑا۔

اسے گھوڑا نظر نہ آیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اسے اب کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ نہ گھوڑے کے ٹاپوں نہ لڑکی کی چیخیں۔ وہ سمجھا گھوڑا کسی کھڈ میں جا گرا ہے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ کچھ اور آگے گیا تو ایک اوٹ سے اسے لڑکی کی آواز سنائی دی...... ''اِدھر...... جلدی سے میرے پاس آجاؤ۔''

سپاہی نے اُدھر دیکھا تو اس پر خوف طاری ہو گیا۔ گھوڑا کھڑا تھا اور لڑکی اطمینان سے اس پر سوار تھی۔ اس کے چہرے پر ڈر یا گھبراہٹ نہیں بلکہ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سپاہی نے ایک بار تو ارادہ کر لیا کہ گھوڑے کو ایڑ لگائے اور بھاگ جائے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی شر شرار یا بدروح ہے اور اسے دھوکے سے اس ڈھکی چھپی جگہ لے آئی ہے۔ اور اب اس کا خون پی جائے گی لیکن وہ جیسے جکڑ لیا گیا ہو۔ لڑکی کی مسکراہٹ اور اس کے سراپا میں کوئی ایسی قوت تھی جس نے سپاہی کے گھوڑے کا رخ لڑکی کی طرف کر دیا۔

''تم سپاہی ہو، مرد ہو۔'' لڑکی نے اسے کہا...... ''مجھ سے ڈر رہے ہو؟''...... وہ اس کے قریب گیا تو لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... ''گھوڑا بے لگام نہیں ہوا تھا۔ میں نے اسے خود ایڑ لگائی اور بھگایا تھا، اور چیخیں مار کر یہ ظاہر کیا تھا کہ گھوڑا بے لگام ہو گیا ہے اور میں گر پڑوں گی۔ مجھے امید تھی کہ تم میرے پیچھے آؤ گے۔ میں اناڑی نہیں شاہسوار ہوں۔''

''تم نے یہ دھوکہ کیوں دیا ہے؟'' سپاہی نے پوچھا۔

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔'' لڑکی نے کہا...... ''میں یہ باتیں سب کے سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ تم نے ان آدمیوں میں ایک بوڑھا دیکھا ہے۔ وہ میرا خاوند ہے۔ اس کی عمر دیکھو اور میری جوانی دیکھو۔ میرے ساتھ جو لڑکیاں ہیں، ان میں سے ایک میری طرح ایک بوڑھے آدمی کی بیوی بنا دی گئی ہے۔ تم جانتے ہو کہ لڑکی کو جس کے ساتھ باندھ دو وہ بول نہیں سکتی۔ یہ بوڑھا مجھے خوش کرنے کے لیے اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ یہ سب تاجر ہیں۔ ہمیں بھی اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔''

''دوسری دو لڑکیاں کون ہیں؟'' سپاہی نے پوچھا۔

''وہ دونوں شادی شدہ ہیں۔''...... لڑکی نے جواب دیا...... ''ان کے خاوند جوان ہیں وہ انہیں سیر سپاٹے کے لیے ساتھ لاتے ہیں۔ تم میری مدد کرو۔''

''اگر یہ لوگ تمہیں اغوا کر کے لائے ہوتے تو میں ان سب کو چوکی لے جاتا''...... سپاہی نے کہا...... ''تم اس کی بیوی ہو۔''

''میں نے اسے اپنا خاوند تسلیم نہیں کیا''...... لڑکی نے کہا...... ''تمہیں دیکھا ہے تو میرے دل میں اس بوڑھے کی نفرت اور زیادہ گہری ہو گئی ہے''...... اس نے جذباتی لہجے میں کہا...... ''تمہیں پہلی نظر میں دیکھ کر میرے دل سے آواز آئی کہ یہ ہے تمہارا خاوند۔ خدا نے تمہیں اس خوبرو جوان کے لیے پیدا کیا ہے۔''

''میں اتنا خوبصورت نہیں جتنا تم نے کہا ہے''...... سپاہی نے کہا...... ''تم مجھے کیوں دھوکہ دے رہی ہو؟ تمہارے دل میں کیا ہے؟''

''خدا جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے''...... لڑکی نے مایوس سے لہجے میں کہا...... ''وہی تمہارے دل میں رحم ڈالے گا۔ اگر تم میرے دل کی آواز کو دھوکہ سمجھتے ہو تو میں اپنے خاوند کے پاس نہیں جاؤں گی۔ گھوڑے کو ایڑ لگاؤں گی اور سیدھی دریا میں گھوڑے سمیت کود جاؤں گی۔ خدا سے جا کر کہوں گی کہ تم میرے قاتل ہو۔''

وہ ایک تشنہ سپاہی تھا۔ سرحد کی ڈیوٹی سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان یا العادل

نہیں تھا۔ وہ سپاہی تھا، جوان تھا اور یہی اس کی شخصیت تھی۔ لڑکی کے حسن و شباب اور اس کے انداز اور اس کی باتوں نے اسے موم کر دیا۔ البتہ اس احساس کا اس نے اظہار کر دیا..... ''میں کمتر سپاہی ہوں اور تم شہزادیوں سے کم نہیں۔ تم محمل سے نکل کر میرے ساتھ اس ریت پر اور ان چٹانوں میں زندہ نہیں رہ سکو گی۔''

''اگر خواہش محمل اور دولت کی ہوتی تو اس بوڑھے خاوند سے بہتر میرے لیے کوئی خاوند نہیں ہو سکتا تھا'' لڑکی نے کہا..... ''اس نے اپنی دولت میرے قدموں میں ڈال رکھی ہے۔ لیکن میں کسی سپاہی کی بیوی بننا چاہتی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی ہے۔ دو بڑے بھائی بھی سپاہی ہیں۔ وہ دمشق اور شام کے محاذ پر سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں ہیں۔ مجھے اس بوڑھے کے حوالے میری ماں نے کیا ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ میری خوا— رتی میری بدنصیبی کا باعث بنی ہے۔ میں شاہسوار ہوں۔ یہ میرے خاوند کو معلوم نہیں۔ ہمارے خاندان کی دولت یہی عسکری روایات ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہ خواہش کی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہو جاؤں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی سپاہی کے ساتھ شادی کر لوں۔ تم ریت اور چٹانوں کی باتیں نہ کرو۔ میں اس ریت کی پیداوار ہوں اور جب میرا خون اسی ریت میں جذب ہو جائے گا تو میری روح مطمئن ہو کر خدا کے حضور جائے گی۔''

''میں تمہاری مدد کس طرح کر سکتا ہوں۔؟''

''آؤ'' لڑکی نے کہا..... ''آہستہ آہستہ واپس چلتے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے پیچھے آ رہے ہوں گے۔ راستے میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے کیا سوچا ہے''..... وہ چل پڑے۔ لڑکی نے کہا..... ''میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ یہ جرم ہوگا۔ میرا خاوند قاضی کے پاس چلا جائے گا۔ ہم دونوں سزا پائیں گے۔ پہلے اس خاوند سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے ایسے طریقے سے قتل کیا جائے کہ یہ قتل نہ لگے۔ قتل تم نہیں کرو گے، میں کروں گی۔ ہو سکتا ہے اسے شراب میں کچھ ملا کر پلا دوں اور رات کو دریا کے کنارے لے جا کر دھکا دے دوں اور کہوں کہ وہ نشے میں دریا میں اتر گیا تھا۔ اس کے لیے دو چار روز انتظار کرنا پڑے گا۔ میں اسے یہیں رکھوں گی۔''

''تمہارے پاس کوئی زہر ہے؟''..... سپاہی نے پوچھا۔

لڑکی نے قہقہہ لگایا اور کہا..... ''تم بدھو سپاہی ہو۔ میں قاہرہ کے دور اوپر کے علاقے کی رہنے والی ہوں جس میں سے یہ دریا گزرتا ہے۔ ہماری خوراک مچھلی ہے۔ مچھلی کا پتہ زہر سے بھرا ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہم یہاں بھی مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ میں مچھلی کا پتہ الگ کر کے چھپا لوں گی اور اس میں سے چند قطرے بوڑھے کی شراب میں ملا دوں گی، پھر اسے سیر کے بہانے دریا کے کنارے لے جاؤں گی۔''

''پھر میں تمہیں کس طرح لے جاؤں گا؟''

''وہ مر گیا تو میں آزاد ہوں گی۔'' لڑکی نے جواب دیا..... ''میں سب سے کہہ دوں گی کہ تم میں سے کوئی بھی میرا وارث نہیں جو مجھے اپنی مرضی کی شادی سے روکے۔ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم مجھے اپنے گھر بھیج دینا..... اور سنو۔ تم مجھے ملتے رہنا۔ اب چلے جاؤ گے تو پھر کب آؤ گے؟''

''میں صرف گشت پر آ سکتا ہوں..... '' سپاہی نے جواب دیا..... ''چوکی دور ہے۔ گشت کے بغیر ہم گھوڑا استعمال نہیں کر سکتے۔ میری گشت اسی ساتھی کے ساتھ کل رات کے دوسرے پہر ہوگی۔ میں یہیں آ جاؤں گا۔''

''ذرا دور رہنا''..... لڑکی نے کہا..... ''میں تمہیں راستے میں ملوں گی۔ کہیں چھپ کر بیٹھ جائیں گے۔'' لڑکی

نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔سپاہی نے اس کی طرف دیکھا تو لڑکی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔سپاہی کے تمام شکوک رفع ہو گئے۔اس نے لڑکی کا ہاتھ دل پر رکھ کر دبایا۔

☆

وہ جب اس جگہ پہنچے جہاں سے لڑکی کا گھوڑا چٹان کی اوٹ میں ہو گیا تھا، انہیں تمام آدمی نظر آئے۔وہ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔انہیں دیکھ کر وہ ان کی طرف دوڑ پڑے۔دونوں گھوڑوں سے اترے۔لڑکی کا بوڑھا خاوند سپاہی کے ساتھ لپٹ گیا۔اس کی آواز کانپ رہی تھی۔دوسرے آدمیوں نے بھی والہانہ انداز سے اس کا شکریہ ادا کیا۔لڑکی نے انہیں جھوٹ موٹ کی کہانی سنا دی اور کہا کہ اس سپاہی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچایا ہے، ورنہ گھوڑا اسے کسی پتھریلے کھڈ میں گرا کر مار دیتا۔

دونوں سپاہی چوکی کو واپس روانہ ہوئے۔راستے میں اس سپاہی نے اپنے ساتھی کو بتایا کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے۔اس کے ساتھ کے دل میں رشک سا پیدا ہوا لیکن اس نے بتایا کہ اس کی غیر حاضری میں ایک لڑکی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی تھی۔یہ سپاہی اپنے ساتھی کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر پیدل پہنچنا ممکن نہیں تھا۔باقی آدمی پیچھے کھڑے رہے۔وہ بہت آگے چلا گیا۔دو لڑکیاں بھی آگے گئیں جن میں سے ایک اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔باتوں باتوں میں لڑکی نے اس سپاہی کے ساتھ محبت کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ اسے پھر کب ملے گا۔اس نے لڑکی کو بتایا کہ وہ کل رات کے دوسرے پہر گشت پر آئے گا۔اس لڑکی نے اسے بتایا کہ اسے ایک بوڑھے کے ساتھ بیاہ دیا گیا ہے۔اور وہ اس کے ساتھ بھاگنا چاہتی ہے۔

دونوں کی کہانی ایک جیسی تھی۔انہوں نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کر دیا کہ وہ لڑکیوں کو کس طرح اپنے ساتھ لے جائیں گے۔وہ دونوں اس پر بھی غور کرنے لگے کہ اگر لڑکیاں اپنے خاوندوں کو قتل نہ کر سکیں تو وہ خود انہیں قتل کریں اور کس طرح کریں گے...... دونوں سپاہی بڑے ہی حسین تصورات میں خمار کی کیفیت میں اپنی چوکی پر پہنچے۔انہوں نے اپنے کمانڈر کو رپورٹ دی کہ فلاں جگہ قاہرہ کے تاجروں کا قافلہ رکا ہوا ہے جس کے سامان کی تلاشی لی گئی ہے۔اور ہر طرح اطمینان کر لیا گیا ہے۔کہ وہ مشتبہ اور مشکوک لوگ نہیں۔ان سپاہیوں نے لڑکیوں کا ذکر بھی کیا۔چوکی کے کمانڈر نے رپورٹ کے پہلے حصے کو توجہ سے نہیں سنا تھا۔جب لڑکیوں کا ذکر آیا تو اس نے دلچسپی لینی شروع کر دی۔لڑکیوں کی تعداد، عمر، شکل وصورت، قدبت، رنگ روپ، غرض اس نے کوئی بات نہ رہنے دی۔سپاہیوں نے اس کے اس رویے کو محسوس کیا اور خاموش رہے۔

چوکی میں ایک اور چوکی کا سپاہی بیٹھا تھا۔وہ چوکی وہاں سے آٹھ دس میل دور تھی۔اس کے کمانڈر نے اس سپاہی کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا کہ آج شام کے بعد میری چوکی میں آنا، ضروری کام ہے۔کمانڈر نے یہ پیغام لانے والے سپاہی کو یہ کہہ کر روک لیا تھا کہ اکٹھے چلیں گے۔

سورج غروب ہوتے ہی کمانڈر سپاہی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔دوسری چوکی پر پہنچا تو شام گہری ہو چکی تھی۔یہ چوکی ہری بھری جگہ تھی۔وہاں اس شام کچھ اور ہی رونق تھی۔چوکی کے تمام سپاہی جو ڈیوٹی پر نہیں تھے، چوکی کے باہر گول دائرے میں بیٹھے تھے۔مشعلیں جل رہی تھیں۔چوکی کا کمانڈر وہاں نہیں تھا۔اس کے خیمے میں گئے۔وہاں دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔اور تین صحرائی آدمی بھی تھے۔ان کے قریب ساز اور دف پڑے تھے۔مہمان کمانڈر کے آتے ہی کھانا چنا گیا۔سب کھا چکے تو چوکی کے کمانڈر کے کہنے پر سازندے اور لڑکیاں باہر چلی گئیں۔دوسری چوکی کے کمانڈر نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور باہر کیا ہو رہا ہے۔

''یہ لڑکیاں ناچنے والی ہیں۔'' کمانڈر نے جواب دیا.....''اور ان کے ساتھ سازندے ہیں۔ یہاں سے گزر رہے تھے۔ پانی پینے کے لیے رُکے تو میں نے انہیں بٹھالیا۔ لڑکیاں اچھی لگیں۔ میں نے انہیں کھانا بھی کھلایا۔ یہ کہیں جا رہے تھے۔ میرے کہنے پر رُک گئے۔ آج رات انہیں یہیں رکھوں گا۔''

''مجھے یہ سلسلہ اچھا نہیں لگا۔'' دوسرے کمانڈر نے کہا.....''سرحد پر آ کر یہ عیاشی سپاہیوں کو خراب کرے گی۔''

''اس کے بغیر سپاہی زیادہ خراب ہو رہے ہیں۔'' میزبان کمانڈر نے کہا.....''ایک ہمارے وہ ساتھی ہیں جو شہروں میں عیش کر رہے ہیں۔ ایک ہم ہیں جو معلوم نہیں کب سے یہاں بُوگیر کتوں کی طرح آوارہ پھر رہے ہیں۔ کیا تمہیں سپاہیوں نے کبھی پریشان نہیں کیا کہ ان کی جگہ دوسرے دستے لائے جائیں؟''

''میری چوکی میں تو دو سپاہی آپس میں لڑ بھی چکے ہیں۔'' مہمان کمانڈر نے کہا.....''اب تو سپاہیوں کو معمولی سی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔''

☆

سپاہی انہیں چیخ چیخ کر داد دے رہے تھے۔ تین چار سپاہیوں نے لڑکیوں کی طرف پیسے پھینکے جو لڑکیوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ وہ وطن کے محافظوں سے پیسے نہیں لیں گی۔ ان کے سازندوں نے بھی سپاہیوں سے کہا کہ اگر وہ ناچ گانے سے خوش ہوتے ہیں تو انہیں جب بھی بلایا جائے گا وہ بلا اُجرت آ جایا کریں گے.....ان تماشائیوں میں دو کمانڈر تھے۔ ان کے عہدے کوئی زیادہ اونچے تو نہیں تھے پھر بھی وہ ذمہ دار افراد تھے اور وہ دونوں اپنی ذمہ داریوں کو بھول چکے تھے۔ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش نہ کی کہ ناچنے گانے والی یہ پارٹی آئی کہاں سے ہے اور جا کہاں رہی ہے۔ اور جو کچھ سازندوں نے اپنے متعلق بتایا ہے، وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ تماشائیوں میں مصر کے صحرائی لباس میں جو چند ایک آدمی آ بیٹھے ہیں وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں.....اور ان کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ چوکی کے چار سپاہی گشتی پہرے سے جلدی واپس آ گئے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے چار سپاہی پہرے کے لیے گئے ہی نہیں۔

چوکی سے کچھ دُور رات کی طرح سیاہ چہروں والے کم و بیش پچاس آدمی ایک دوسرے کے پیچھے سوڈان کی طرف سے آ رہے تھے۔ دو آدمی ان سے بہت آگے تھے۔ پیچھے والے تھوڑا سا چل کر رُک جاتے تھے۔ آگے والے دو آدمی اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھتے، رات کی آوازوں کو سننے کی کوشش کرتے اور گیدڑوں کی طرح بولتے، پیچھے والے اس آواز پر آگے چل پڑتے۔ دُور چوکی سے سازوں کے دھیمے دھیمے نغمے سرحد کی خاموش فضا میں بکھر رہے تھے.....آگے چٹانی علاقہ آ گیا۔ سیاہ چہروں والے کالے کالے سائے چٹانوں میں غائب ہو گئے۔ ان کے پاس برچھیاں تھیں، تلواریں اور خنجر بھی تھے۔ اور ہر ایک نے چار چار پانچ پانچ کمانیں اور تیروں کا وزنی خزانہ اٹھا رکھا تھا۔

ان کے استقبال کے لیے وہاں تین چار آدمی موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے آنے والی پارٹی کے سردار سے ہنس کر کہا.....''لڑکیوں نے کام کر دیا ہے۔''

''ہاں!''.....سردار نے کہا.....''ہم ان کے سازوں کے نغمے سنتے آئے ہیں۔ میں نے دس بارہ آدمی وہاں تماشائیوں کے بھیس میں بھیج دیئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آ کر اطلاع دی تھی کہ محفل گرم ہو گئی ہے اور راستہ صاف ہے۔ گشتی سنتری بھی ناچ گانے میں چلے گئے ہیں۔''

''نیل سے بھی اچھی اطلاع ملی ہے''.....استقبال کرنے والوں میں سے ایک نے کہا.....''ان لوگوں نے

لڑکیوں سے صحیح کام لیا ہے۔ دو سپاہیوں کو جو کل رات اس طرف پہرے پر ہوں گے، پھانس لیا گیا ہے۔ میں نے اطلاع بھیج دی ہے۔ کل رات کم از کم تین بڑی کشتیاں آجائیں گی۔''

وہ آگے چل پڑے۔ چٹانیں اونچی ہوتی گئیں۔ آگے پہاڑیاں آگئیں۔ سردار رُک گیا اور اس نے ساری پارٹی کو بھی روک دیا۔ اس نے استقبال کرنے والوں سے سرگوشی میں کہا...... ''یہ نہ بھولنا کہ یہ سب حبشی ہیں۔ ان کا مذہب عجیب وغریب ہے اور ان کی عادتیں اور رسومات تمہیں حیران کر دیں گی۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ یہ جیسی کیسی مضحکہ خیز حرکت کریں اسے احترام کی نگاہ سے دیکھنا۔ ہم انہیں مذہب کے نام پر لائے ہیں۔ انہیں جھانسہ دیا ہے کہ انہیں اس جگہ لے جا رہے ہیں جہاں خدا رہتا ہے۔ وہ خدا جو ریت کو پیاسا رکھتا، سورج کو آگ دیتا اور آسمان سے بجلی اور پانی برساتا ہے۔ ایک مشکل پیش آئے گی۔ یہ لوگ جنگ سے پہلے انسانی قربانی دینے کے قائل ہیں۔

یہ ان کا سردار بتائے گا کہ قربانی مرد کی دینی ہے یا عورت کی یا ایک مرد اور ایک عورت کی۔ اگر ہم نے ان کی یہ رسم پوری کر دی تو پھر انہیں لڑائی میں دیکھنا، قاہرہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی یہ فوج ان کے سامنے ایک دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکے گی۔''

سردار نے سب سے کہا...... ''سجدے میں گر پڑو۔ تم خدا کے گھر میں آگئے ہو''...... سب سجدے میں گر پڑے۔ سردار کے کہنے پر اٹھے اور سردار کے پیچھے چل پڑے۔

یہ سوڈانی حبشی تھے جنہیں مصر میں داخل کیا جا رہا تھا۔ انہیں چھپانے کے لیے اس پہاڑی خطے کا انتخاب کیا گیا تھا۔ فرعونوں کے وقتوں کی غار جو دراصل زمین دوز عمارتیں تھیں، بہت بڑی فوج کو گھوڑوں اور اونٹوں سمیت چھپا سکتی تھیں۔ سوڈان میں خونخوار حبشیوں کو ان کے مذہب اور توہم پرستی کے ذریعے اکٹھا کر کے فوجوں کے خلاف لڑنے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ لڑنے کے تو وہ ماہر تھے۔ ان کے قبیلوں کی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ تیر اندازی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کے وہ ماہر تھے۔ سوڈان کے حکمرانوں نے صلیبیوں سے معاہدہ کر کے بہت سے صلیبی فوجی افسروں کو بلا لیا تھا۔ وہ ان حبشیوں کو منظم اور باقاعدہ کمانڈ کے تحت لڑنے کی ٹریننگ دے رہے تھے اس سے پہلے سوڈانی فوج دو بار شکست کھا چکی تھی۔ تیسری جنگ اس وقت ہوئی تھی جب سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ سوڈانیوں نے یہ حملہ ناکام کر کے تقی الدین کی فوج کو بُری طرح بکھیر دیا تھا۔ تقی الدین سلطان صلاح الدین ایوبی کی مدد سے اپنی بچی کھچی فوج واپس لے آیا تھا۔ اس میں سوڈانیوں کی ناکامی یہ تھی کہ انہوں نے تقی الدین کا تعاقب نہ کیا اور مصر پر حملہ نہ کیا۔ اگر سوڈانی تعاقب کرتے تو تقی الدین کی فوج اتنی تھکی ہاری تھی کہ مصر کو سوڈانیوں سے بچا نہ سکتی۔

ان ناکامیوں کو دیکھتے ہوئے صلیبیوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا طریقہ جنگ آزمانے کی سکیم بنائی تھی۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کم سے کم نفری سے زیادہ سے زیادہ فوج پر شب خون قسم کا حملہ کرتا اور جم کر لڑنے کی بجائے اپنے دستوں کو گھما پھرا کر لڑاتا اور بڑی سے بڑی گٹھی ہوئی فوج کو بکھیر دیتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس قسم کے حملے کے لیے بڑی ہی سخت ٹریننگ اور خاص قسم کے سپاہیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام قسم کی فوج صرف ہجوم کی صورت میں لڑ سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے حبشی قبائل میں جنگی جنون پیدا کر کے تھوڑی سی فوج تیار کر لی تھی اور انہیں شب خون کی ٹریننگ دی تھی۔ وہ قاہرہ والوں کو بے خبری میں دبوچ لینا چاہتے تھے۔ اب سلطان صلاح الدین ایوبی مصر میں نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری میں وہ میدان مار لیں گے۔

انہیں اس حملے کی کمان کے لیے ایک ایسے جرنیل کی ضرورت تھی جو مصر کی فوج کا ہوتا کہ وقت اور قوت کم سے کم صرف ہو اور حملہ صحیح ٹھکانوں پر ہو۔ ان کی یہ ضرورت سلطان صلاح الدین ایوبی کے سالار القند نے پوری کر دی تھی۔ سوڈان کے حبشیوں کی فوج کو چھپانے کے انتظامات القند نے ہی کیے تھے۔ اس نے مصری فوج کے چار پانچ جونیئر کمانڈر بھی اپنے ساتھ ملا لیے تھے۔ جاسوسوں کے ذریعے اس کا رابطہ سوڈان کے ساتھ تھا۔ اب یہ فوج مصر میں داخل ہو رہی تھی۔

☆

رات گئے تک چوکی پر ناچ گانا ہوتا رہا۔ دوسری چوکی کا کمانڈر وہاں سے اپنی چوکی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے اس چوکی کے کمانڈر سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے کہے کہ کل رات اس کی چوکی پر آئیں۔ سازندے مان گئے۔ انہیں اور جانا ہی کہاں تھا۔ وہ تو سوڈانیوں بلکہ القند کے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔ یہ تو انہوں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ کسی کے بلاوے پر اس کے گاؤں جا رہے تھے ان کے ذمے یہی کام تھا کہ ان دو چوکیوں پر پانی پینے کے بہانے رکیں اور ایسی باتیں کریں کہ چوکیوں کے کمانڈران کے جال میں آ جائیں۔ ناچنے والی لڑکیاں دل کش تھیں۔ کمانڈر ان کے جال میں آ گیا۔ اس نے دریا والی چوکی کے کمانڈر کو بھی بلا لیا...... اور پچاس حبشی سرحد پار کر کے پہاڑیوں کے پیٹ میں غائب ہو گئے۔

اگلی رات دونوں رقاصائیں دریا والی چوکی پر جا پہنچیں۔ اور وہاں بھی رونق پیدا کی گئی جو اس چوکی پر کی گئی تھی۔ رات کے دوسرے پہر دریا کے ساتھ ساتھ گشت کرنے والے دو سپاہی واپس آ گئے۔ ان کی جگہ دوسرے دو سپاہی روانہ ہونے لگے۔ انہیں ساتھیوں نے کہا کہ وہ یہ رونق چھوڑ کر نہ جائیں۔ کمانڈر اس وقت لڑکیوں اور ان کے رقص میں مست ہے، لیکن وہ دونوں یہ کہہ کر چل پڑے کہ وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرنا چاہتے۔ یہ وہی دو سپاہی تھے جنہیں دو لڑکیوں نے محبت کا اظہار کر کے کہا تھا کہ وہ اپنے بوڑھے خاوندوں سے نجات حاصل کر کے ان کے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔ انہیں فرض کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا ان لڑکیوں کے پاس پہنچنے کا اشتیاق تھا۔ لڑکیوں نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ملیں گی۔

اس سے پہلے وہ آہستہ آہستہ چلتے، رکتے اور چلتے تھے مگر اس رات چوکی سے ذرا دور ہوتے ہی انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ ایک جگہ گھوڑے روک کر اترے اور آہستہ آہستہ چلتے الگ الگ ہو گئے۔ دونوں لڑکیاں مختلف جگہوں پر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ دونوں کو دریا سے دور چٹانوں میں لے گئیں۔ دونوں نے ان پر اپنے حسن و جوانی اور محبت کا طلسم طاری کر دیا اور خاوندوں کے قتل کی سکیمیں بنتی رہیں۔ دونوں نے کہا کہ وہ اپنے خاوندوں کو شراب میں خواب آور سفوف پلا کر سلا آئی ہیں۔ دونوں سپاہی، ایک چٹان کے اس طرف دوسرا کہیں اور، صرف فرض کو ہی نہیں گرد و پیش کو اور دنیا کو بھی فراموش کئے بیٹھے تھے۔

اس جگہ سے تھوڑی دور آگے جہاں ان سپاہیوں نے تاجروں کے قافلے کو بیٹھے دیکھا تھا۔ دریا کے کنارے چار سائے اِدھر اُدھر حرکت کر رہے تھے۔ دریا کی ہلکی ہلکی لہریں جلترنگ بجا رہی تھیں۔ یہ آدمی پانی کی سطح پر تاریکی میں دور دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بے چین ہوئے جا رہے تھے۔ ایک نے کہا...... ''انہیں اس وقت تک آ جانا چاہیے تھا'' ...... دوسرے نے کہا...... ''انہیں اطلاع تو دے دی گئی تھی۔'' ایک نے آنکھیں سکیڑ کر کہا...... ''وہ بادبان معلوم ہوتے ہیں'' ...... اس نے ایک دیا جلا کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں ہلانا شروع کر دیا۔ دریا میں دور دو دیئے جلتے نظر آئے اور بجھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک بادبانی کشتی کنارے کے ساتھ آ لگی۔ کنارے پر کھڑے ایک آدمی نے کہا...... ''کسی کی اونچی آواز نہ نکلے'' ...... مکمل خاموشی سے سیاہ کالے حبشی کشتی سے کنارے پر کودنے لگے۔ اس کے پہلو میں ایک اور کشتی

آ رکی۔اس میں سے بھی حبشی اترے۔ یہ بہت بڑی کشتیاں تھیں۔ان میں سے کم وبیش دوسو حبشی اترے۔ پھران میں سے سامان اترنے لگا۔ یہ سب جنگی سامان تھا۔ جونہی کشتیاں خالی ہوئیں ملاحوں سے کہا گیا کہ بہت تیزی سے کشتیاں واپس لے جائیں۔ملاحوں نے بادبانوں کے رسے کھینچے، رخ بدلے اور کشتیاں ساحل سے ہٹ کر اندھیرے میں غائب ہوگئیں ......اور حبشیوں کی یہ کھیپ بھی چٹانوں میں سے ہوتی ہوئی پہاڑیوں میں گئی اور غائب ہوگئی۔

☆

یہ دونوں سپاہی واپس آئے تو چوکی پر ناچ گانے کی محفل ختم ہوگئی تھی۔ سپاہی اپنے اپنے خیموں کو جارہے تھے۔ ناچنے گانے والوں کے لیے کمانڈر نے الگ خیمہ کھڑا کر دیا تھا۔اسے ایک لڑکی کچھ زیادہ ہی اچھی لگی۔ وہ چہرے مہرے سے معصوم سی لگتی تھی۔ کمانڈر نے یہ سوچ کر کہ یہ پیشہ ور لوگ ہیں۔ سازندوں سے کہا کہ اس لڑکی کو وہ اس کے خیمے میں بھیج دیں۔ یہ لوگ دراصل جاسوس اور تخریب کار تھے۔ان کا مشن ہی یہی تھا کہ ان دو چوکیوں کو اپنے جال میں الجھائے رکھیں اور ان کے کمانڈروں کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کریں تاکہ سوڈان سے حبشی فوج مصر میں داخل ہوتی رہے۔اس کمانڈر نے لڑکی کو اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس کی خواہش فوراً پوری کردی گئی۔ رقاصہ اس کے ساتھ خیمے میں چلی گئی۔

کمانڈر ادھیڑ عمر تھا اور لڑکی نوجوان۔ خیمے میں جاکر لڑکی کی شوخی ختم ہوگئی۔ وہ تو ناچنے کودنے والی اور بڑی ہی پیاری مسکراہٹ سے تماشائیوں کا دل بہلانے والی رقاصہ تھی۔ باہر کی مشعلیں بجھ چکی تھیں۔ خیمے میں دیا جل رہا تھا۔لڑکی ایک طرف بیٹھ کر کمانڈر کو گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''میں نے کبھی شراب نہیں پی'' ......کمانڈر نے کہا۔

''میرے باپ نے بھی کبھی شراب نہیں پی تھی'' ......رقاصہ نے کہا......''تم نے شراب کا نام کیوں لیا ہے؟ میں نے تو نہیں کہا تھا کہ شراب پیو۔تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارے پاس شراب بھی ہوگی اور میں لاکر تمہیں پلاؤں گی۔''

''کہتے ہیں شراب کے بغیر عورت اور عورت کے بغیر شراب بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے'' ......کمانڈر نے مسکرا کر کہا......''میں شراب کے ذائقے سے واقف نہیں اور میں غیر عورت کی چاشنی سے بھی آشنا نہیں۔''

''پھر تم اناڑی گنہگار ہو'' ......رقاصہ نے سنجیدگی سے کہا......''میں تم سے کوئی نقد اُجرت نہیں لوں گی۔ میری ایک بات مان لو تو میں اسی کو ساری رات تمہارے ساتھ ساتھ گزارنے کی اُجرت سمجھوں گی...... بات یہ ہے کہ گناہ میں وہ چاشنی نہیں جو گناہ نہ کرنے میں ہے۔تم مرد ہو۔اس تنہائی میں جب ایک جوان لڑکی تمہارے پاس ہے تمہیں میری یہ بات عجیب لگے گی۔تم میری بات مانو گے نہیں۔ ذرا غور کرو۔تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے آج پہلی بار گناہ کا ارادہ کیا ہے۔ رات اتنی سرد ہے مگر تمہارے ماتھے پر مجھے پسینے کے قطرے سے نظر آرہے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' ......ادھیڑ عمر کمانڈر نے کہا......''ہمیں جب فوجی تربیت دی گئی تھی تو گناہوں سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے۔ جنگی اور جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت بھی شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی ایک سو سپاہیوں سے ایک ہزار صلیبیوں کو خون میں نہلا دیتا ہے۔''

''لیکن ایک کمزور سی لڑکی نے تم سے ہتھیار ڈلوا لیے ہیں'' ......رقاصہ نے کہا......''تم اتنی لمبی روحانی اور اخلاقی تربیت سے دستبردار ہوگئے ہو۔''

کمانڈر پریشان ہوگیا۔اس نے بے اختیار سا ہو کر کہا......''مجھے بالکل اُمید نہیں تھی کہ تم یہاں آکر اس قسم کی

باتیں کروگی۔ میں نے سوچا تھا کہ تنہائی میں آ کر تم شوخ اداؤں اور ناز و انداز سے مجھے دیوانہ بنا دو گی۔ تمہارے ہونٹوں کی وہ مسکراہٹ کہاں ہے جس نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ تمہارے آدمیوں سے تمہاری بھیک مانگوں؟ میں تمہارے عوض عربی نسل کے دو گھوڑے دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''اپنی تلوار بھی دو گے؟''...... لڑکی نے گردن کو خم دے کر پوچھا...... ''اپنی برچھی، اپنی ڈھال اور اپنا خنجر بھی دے دو گے؟''

''ہاں!''...... لیکن وہ چپ ہو گیا۔ بے چینی کے عالم میں بولا...... ''نہیں۔ سپاہی اپنے ہتھیار سے دست بردار نہیں ہوا کرتا''...... وہ خیمے میں تیز تیز قدم اٹھا کر ذرا سی دیر ٹہلا اور اچانک غصے میں پوچھا...... ''ایک رقاصہ کے منہ سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہیں۔ کیا تم مجھ سے بچنا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کوشش میں ہو کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤں؟''

''ہاں!''...... رقاصہ نے کہا...... ''میں تم سے اپنا جسم بچانا چاہتی ہوں۔''

''کیا تم اپنے جسم کو پاک سمجھتی ہو؟''

''نہیں''...... رقاصہ نے کہا...... ''میں اپنے جسم کو ناپاک سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی''......

کمانڈر کی عقل میں یہ بات نہ پڑی۔ وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے رقاصہ کو دیکھنے لگا۔ رقاصہ نے کہا...... ''کوئی بیٹی اپنے باپ کے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔''

''اوہ!''...... کمانڈر نے آہ بھر کر کہا...... ''میں بوڑھا ہوں۔ تم جوان ہو''...... وہ بیٹھ گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔

رقاصہ نے آگے بڑھ کر اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر اس کا سر اوپر اٹھایا اور کہا...... ''اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ نہیں چلی۔ تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دے رہی۔ اگر تم صرف مرد کے روپ میں رہنا پسند کرتے ہو تو میں رقاصہ اور فاحشہ بنی رہوں گی۔ پھر میں کہوں گی کہ ایک اور مرد سے واسطہ پڑا تھا جس پر خدا نے لعنت بھیجی تھی۔ میں تمہیں باپ کے روپ میں دیکھ رہی ہوں۔ میری ایک دو باتیں سن لو پھر جو جی میں آئے کرنا۔ میں پتھر بن جاؤں گی۔ تم اس کے ساتھ کھیلتے رہنا...... تمہاری بیٹی ہے؟''

''ایک ہے''...... کمانڈر نے جواب دیا۔

''اس کی عمر کتنی ہے؟''

''بارہ سال۔''

''اگر تم مر جاؤ اور تمہاری بیوی غربت سے تنگ آ کر تمہاری بیٹی کو ناچنے گانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو تمہاری روح کا کیا حشر ہو گا؟...... ان صحراؤں میں اور ان پہاڑوں میں بھٹکتی اور چیختی نہ رہے گی؟''

کمانڈر نے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے کئی اور قطرے پھوٹ آئے۔ رقاصہ نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔

''ذرا تصور میں لاؤ''...... رقاصہ نے کہا...... ''تم مر گئے ہو اور تمہاری بیٹی ایک گناہگار مرد کے ساتھ خیمے میں بیٹھی ہے، اور وہ مرد اسے کہہ رہا ہے کہ شراب لاؤ، شراب کے بغیر عورت بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے۔''

کمانڈر کے ہونٹ تھر کے۔ اس نے اچانک گرج کر کہا...... ''نکل جاؤ یہاں سے، فاحشہ، بدکار!''

لڑکی نے آہ بھری اور کہا...... ''اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ مجھے تمہارے خیمے میں دیکھ کر مجھے بھی اور تمہیں بھی قتل

کر دیتا"......اس کے آنسو نکل آئے۔ کمانڈر اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا تھا۔ رقاصہ نے اس کی ذہنی کیفیت اور غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا......"میں تمہیں بوڑھا جان کر تم سے نفرت نہیں کر رہی۔ میں نے تو ایسے ضعیف العمر آدمیوں کے خیموں میں بھی راتیں گزاری ہیں جنہیں عمر نے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا وہ دولت سے اپنی لاشوں میں جان ڈالنا چاہتے تھے...... میں نے تمہیں اتنا بوڑھا نہیں سمجھا۔ بات اتنی سی ہے کہ تمہاری شکل وصورت میرے باپ، سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ میں رقاصہ سے بیٹی بن گئی اور میں نے جو باتیں تمہیں کہی ہیں یہ میرے دماغ میں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ میں صرف ناچنا اور انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ تم ذرا سوچو تو سہی، مجھ جیسی فاحشہ رقاصہ کے دماغ میں اتنی باتیں اور ایسی باتیں کیوں آگئی ہیں جنہوں نے صرف تمہیں نہیں مجھے بھی حیران کر دیا ہے؟"

کمانڈر نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا غصہ بجھ گیا تھا۔ رقاصہ نے کہا......"مجھے اپنے ماں باپ کا چہرہ اور جسم اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے اس کے جسم کی بو بھی یاد ہے۔ تمہاری بیٹی کی عمر بارہ سال ہے میری عمر نو دس سال تھی جب وہ مر گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مصری فوج میں سپاہی تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ میری ماں جوان تھی اور بہت غریب۔ اس نے مجھے ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرے سامنے رقم لی تھی۔ اور اس آدمی نے میری ماں سے کہا تھا کہ اس کی شادی ایک بڑے اچھے آدمی سے کرا دے گا۔ میں رو پڑی تو ماں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا چچا ہے اور یہ تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جا رہا ہے...... میں بارہ سال سے اپنے باپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ انہی وعدوں پر مجھے ناچ سکھایا گیا کہ کہ مجھے باپ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ تو ذرا بڑی ہوئی تو میں نے حقیقت کو قبول کیا کہ میرا باپ تو مر چکا ہے۔ اس وقت تک رقص میری عادت بن چکا تھا۔ مجھے کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ میں نے باپ کے نام پر رقص کی تربیت لی تھی۔ میرے استاد اور میرے آقا میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ بہت اچھے اچھے کھانے کھلاتے تھے۔ پھر میں جوان ہوگئی تو مجھے اپنی قیمت کا اندازہ ہوا۔ اس قیمت نے میرے جذبات مار دیئے اور میں خوبصورت پتھر بن گئی۔ مگر تمہیں دیکھ کر مرے ہوئے جذبات جاگ اٹھے ہیں۔"

اس کے آنسو نکل آئے۔ آہ لے کر کہنے لگی......"یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے باپ کی روح اسی خیمے کے اردگرد گھوم پھر رہی ہے۔ اس خیمے میں آنے سے پہلے میں نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ کبھی یوں لگتا ہے، جیسے میرا وجود میرے باپ کی روح ہے جو بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

"تم اگر قیمتی رقاصہ تھی تو ان صحراؤں میں کیا لینے آئی ہو؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"میں اُجرت پر آئی ہوں۔" رقاصہ نے جواب دیا......"میں ان لوگوں کو نہیں جانتی۔ دوسری رقاصہ کو بھی میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ سرحد پر جانا ہے اور وہاں جو چوکی والے خواہش کریں، انہیں بلا اُجرت ناچ گانے سے خوش کرنا ہے۔ مجھے اُجرت کی اتنی خوشی نہیں تھی جتنی اس کی کہ مصر کی عزت کی حفاظت کرنے والے مجاہدوں کا دل بہلانے جا رہی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی تھا۔ میں دل کو دھوکہ دیتی ہوں کہ میرے رقص سے میرے مجاہد باپ کی روح بھی بہل جاتی ہوگی...... میں ایک دھوکہ ہوں۔ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی، لیکن میں وطن کے مجاہدوں کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ پچھلی چوکی والے کمانڈر نے مجھے اپنے خیمے میں بلایا تھا۔ میں نے انکار کر دیا تھا۔ تمہارے پاس صرف اس لیے آگئی ہوں کہ تمہارے چہرے مہرے اور قد کاٹھ میں مجھے اپنا باپ نظر آیا تھا۔"

رقاصہ اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔ کمانڈر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگایا پھر چوما۔ کمانڈر

نے دوسرا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا اور پوچھا......"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرے آقا مجھ برق کہتے ہیں۔" رقاصہ نے جواب دیا......"باپ مجھے زہرہ کہا کرتا تھا۔"

"جاؤ زہرہ!" کمانڈر نے ایسے پیار سے کہا جس میں شفقت تھی۔"اپنے خیمے میں چلی جاؤ۔"

☆

رات گزرتی جارہی تھی۔ سازندوں میں سے دو اپنے خیموں میں جاگ رہے تھے۔ دوسری رقاصہ اور باقی سازندے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ جاگنے والوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا......"ہمارا طریقہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ہم ان لڑکیوں کو یہ کہہ کر ساتھ لے آئے ہیں کہ ناچ گانے سے فوجیوں کا دل بہلانے جارہے ہیں۔ ضرورت یہ تھی کہ ان لڑکیوں کو بتادیتے کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے۔"

"کسی رقاصہ پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔"......دوسرے نے کہا......"یہ لڑکی جو کمانڈر کے خیمے میں ہے، جذبات میں آکر الگ تھلگ انعام لے کر اسے بتاسکتی ہے کہ ہم سرحدی چوکیوں کے لیے دھوکہ اور فریب بن کر آئے ہیں۔ ہمیں اپنا راز کسی رقاصہ کو نہیں دینا چاہیے۔ ان دونوں کو اپنی اُجرت سے غرض ہے۔ ہم انہیں منہ مانگی اُجرت دے چکے ہیں۔ ہمارا کام ہوگیا ہے۔"

"اگر ہم نے اسے بتادیا ہوتا کہ ہمارا مقصد کیا ہے تو یہ لڑکی اس کمانڈر کو اچھی طرح اندھا کرلیتی۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اسے اس حد تک پھانس لیتی کہ اسی کی مدد سے ہم حبشیوں کو اندر لے آتے۔"

"ہمارے استاد ہم سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔ یہ لڑکیاں ہمارے ہتھیار ہیں۔ ہتھیاروں کو کبھی کسی نے ہمراز نہیں بنایا۔"

کمانڈر کے خیمے میں یہ حالت تھی کہ کمانڈر اس اطمینان کے ساتھ سو گیا تھا کہ رقاصہ نے اسے گناہ سے صاف بچالیا اور اس کے سینے میں باپ کو بیدار کردیا تھا۔ رقاصہ اسے بہت دیر دیکھتی رہی۔ کمانڈر کا چہرہ جب رقاصہ کے آنسوؤں میں چھپ گیا تو وہ خیمے سے نکل گئی۔ اپنے خیمے میں گئی اور سوگئی۔ رات کی ایک ہی ساعت رہتی تھی۔ جو گزر گئی۔ ناچنے گانے والے جاگے تو سورج اوپر آ گیا تھا۔ لڑکیوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے سازندے انہیں اپنے ساتھ لے جانے لگے تو کمانڈر باہر کھڑا تھا۔ زہرہ دوڑ کر اس تک گئی اور کہا......"میرے سر پر ہاتھ رکھو۔" کمانڈر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو زہرہ نے اسے کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا اور وہ بھیگی آنکھوں سے اس سے رخصت ہوئی۔

وہ دریا کی طرف چلے گئے۔ کہیں سے دو شتر سوار آئے۔ وہ اونٹوں سے اترے۔ اونٹوں کو بٹھایا۔ دونوں لڑکیوں کو سوار کیا اور چل پڑے۔ یہ شتر سوار اسی گروہ کے افراد تھے جو قریب ہی کہیں ان کے انتظار میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ گروہ اس جگہ پہنچا جہاں تاجروں کا قافلہ چار لڑکیوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو یوں ملے جیسے اجنبی ہوں۔ لڑکیاں ناچنے والی لڑکیوں کو مردوں سے الگ دریا کے کنارے لے گئیں۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ انہیں مردوں سے الگ کردیا جائے۔ چاروں لڑکیوں نے زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ کو اپنے متعلق بتایا کہ وہ ان آدمیوں کی بہو بیٹیاں ہیں اور سیر کے لیے ان کے ساتھ آئی ہیں۔

اُدھر مردوں کی منڈلی میں اصل مشن پر گفتگو ہورہی تھی۔ سازندوں نے اپنی دو راتوں کی کارگزاری سنائی۔ دوسرے گروہ نے انہیں بتایا کہ ان کے دو راتوں کے ناچ گانے سے کم وبیش ایک سو حبشی اندر آگئے ہیں۔ اور ان لڑکیوں نے دو سپاہیوں کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس سے دو سو سے زائد حبشی آگئے ہیں......اپنی اپنی کارگزاری سنانے کے بعد

انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ناچ گانے سے حبشیوں کی زیادہ تعداد اندر نہیں آسکتی۔ دریا کا راستہ زیادہ بہتر ہے۔ کشتیوں میں زیادہ آدمی اندر آسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے طے کیا کہ لڑکیاں ان دو سپاہیوں کے علاوہ دو یا چار اور گشتی سنتریوں کے ساتھ یہی کھیل کھیلیں تا کہ ہر رات کشتیاں آسکیں۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ کو یہیں کہیں قریب رکھا جائے لیکن اس راز میں شامل نہ کیا جائے۔

سازندوں نے بعد میں زہرہ اور اس کی ساتھی سے کہا کہ ان کا کام ختم ہو چکا ہے۔ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے اس لیے چند دن یہیں فارغ گزارے جائیں۔ انہوں نے لڑکیوں کو ایسے انداز سے اُکسایا کہ وہ رُک گئیں۔ دوسرے گروہ کی لڑکیوں نے انہیں اپنے ساتھ بے تکلف کر لیا لیکن ان کے قیام کی جگہ ذرا دور بنائی ...... اس رات زہرہ سو نہ سکی۔ اسے کمانڈر یاد آرہا تھا۔ اس کی شخصیت زہرہ کے دل میں اتر گئی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ کمانڈر میں اسے اپنے باپ کی تصویر نظر آرہی تھی اور دوسرے اس لیے کہ یہ پہلا مرد تھا جس نے اسے کھلونا سمجھنے کی بجائے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور تیسرے اس لیے کہ کمانڈر نے اسے زہرہ کہا برق نہیں کہا تھا۔

اس کی ساتھی رقاصہ سو گئی تھی اور اس کے گروہ کے سازندے بھی سو گئے تھے۔ وہ اٹھی اور خیمے سے باہر نکل گئی۔ اس نے راستہ دیکھا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چوکی کی طرف چل پڑے۔ وہ اتنی تیز اور اتنا زیادہ چلنے کی عادی نہیں تھی لیکن اس کے جذبات اسے قوت دے رہے تھے۔ وہ چوکی تک پہنچ گئی۔ کمانڈر کے خیمے سے وہ واقف تھی۔ وہ خیمے میں چلی گئی۔ کمانڈر گہری نیند سویا ہوا تھا ...... اس کی آنکھ کھل گئی۔ اندھیرے میں اس نے وہ ہاتھ پکڑ لیا جو کوئی اس کے منہ پر پھیر رہا تھا۔ ہاتھ چھوٹا سا تھا جو مردانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر پوچھا ...... ''کون ہو؟''

''زہرہ۔''

وہ اٹھ بیٹھا۔ زہرہ نے کہا ...... ''تمہیں دیکھنے آئی ہوں ...... سو جاؤ۔ میں جا رہی ہوں۔''

کمانڈر نے دیا جلایا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ زہرہ نے بتایا تو کمانڈر باہر نکلا۔ دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ کو باہر جا کر ایک گھوڑے پر اسے سوار کرایا۔ دوسرے پر خود سوار ہوا اور گھوڑے چل پڑے۔ راستے میں زہرہ جذباتی باتیں کرتی رہی اور کمانڈر شفقت اور پیار سے سنتا رہا۔ اپنے ٹھکانے سے کچھ دور ہی تھے کہ زہرہ نے اسے روک کر واپس چلے جانے کو کہا۔ کمانڈر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور واپس آ گیا۔

زہرہ جب اپنے ٹھکانے پر پہنچی تو اس کے ساتھ کا ایک آدمی جاگ رہا تھا۔ اس نے زہرہ سے پوچھا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ زہرہ نے بتایا کہ وہ ویسے ہی گھومنے پھرنے نکل گئی تھی۔ اس آدمی نے کریدنا شروع کر دیا۔ اسے شک تھا۔ زہرہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کہاں گئی تھی۔

''تم ہماری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتی۔'' اس آدمی نے حکم دیا۔

''میں تمہاری زرخرید نہیں ہوں۔'' زہرہ نے کہا ...... ''میں نے جو اُجرت لی تھی اس کے عوض کام پورا کر چکی ہوں۔ میں کسی کے حکم کی پابند نہیں۔''

''تم اپنے مالکوں کے پاس شاید زندہ نہیں پہنچنا چاہتی۔'' اس آدمی نے کہا ...... ''اب ہم سے پوچھے بغیر کہیں جا کے دیکھو۔''

☆

دونوں سپاہی اپنی گشت کے دوران دریا کے کنارے جاتے رہے۔ دونوں لڑکیاں انہیں الگ الگ لے جاتیں اور اس دوران حبشیوں سے لدی ہوئی دو بادبانی کشتیاں تاریکی میں کنارے آلگتیں اور حبشیوں کو پہاڑیوں میں اگل کر تاریکی میں غائب ہو جاتیں۔ ان چار لڑکیوں نے دو اور سپاہیوں کو "بوڑھے خاوندوں کی نوجوان بیویاں" بن کر اور ان کے ساتھ بھاگ جانے کا جھانسہ دے کر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ پہاڑی خطے میں اتنے زیادہ حبشی جمع ہو چکے تھے جو رات کے وقت سرحدی چوکیوں پر حملہ کر کے وہاں کی نفری کو سوتے میں آسانی سے ختم کر سکتے تھے لیکن ان کے کمانڈروں نے عقل کی بات سوچی تھی۔ سرحدی چوکیوں پر حملے کی خبر قاہرہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قاہرہ سے فوج آجاتی اور صلیبیوں کی یہ سکیم تباہ ہو جاتی کہ قاہرہ پر اچانک اور بے خبری میں حملہ کریں گے۔

پہاڑیوں میں حبشیوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جارہی تھی اور سوڈان میں صلیبی مشیروں نے وہ صلیبی کمانڈر جنہیں قاہرہ پر حملہ کرنا تھا مقرر کر دیئے۔ انہیں چند دنوں بعد مصر کی سرحد میں داخل ہو کر ان پہاڑیوں میں آنا اور حملے کی تیاری کرنی تھی۔ سالار القند ابھی تک قاہرہ میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اس کی کسی حرکت سے کسی کو شک نہیں ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑی غداری کا مرتکب ہونے والا ہے۔ اسے رات کو گھر میں پوری رپورٹ مل جاتی تھی کہ کتنے حبشی گزشتہ رات آچکے ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہو گئی ہے۔ حملے کی قیادت اسی کو کرنی تھی۔ اس نے پلان تیار کر لیا تھا۔

حبشی ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے اپنے مذہب کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ پہلے وہ آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ انسان کی قربانی دی جائے۔ القند نے وہاں جو آدمی بھیج رکھے تھے، انہوں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی لیکن حبشی اپنے ساتھ جو مذہبی پیشوا لائے تھے وہ ٹلتے نظر نہیں آتے تھے۔ حبشیوں نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا تھا کہ انسان کی قربانی دو، ورنہ وہ واپس چلے جائیں گے۔ مذہبی پیشواؤں سے کہا گیا کہ وہ انہی حبشیوں میں سے کسی کو پکڑ کر ذبح کر دیں لیکن وہ کہتے تھے کہ یہ قربانی قبول نہیں ہوتی۔ قربانی کے لیے اسی خطے کا انسان ہونا چاہیے۔ جس پر حملہ کرنا ہے، لڑنے والے لوگ اپنی قربانی نہیں دیا کرتے۔

آخر انہیں کہا گیا کہ حملے سے ایک دن پہلے مصر کا ایک آدمی ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ حبشیوں کے پروہت نے کہا..... "ہمیں وہ انسان ابھی چاہیے۔ ہم بہت دنوں تک اسے خاص غذا دے کر پالیں گے۔ اس پر اپنا خاص عمل کریں گے۔ اپنی عبادت بھی کریں گے..... اور ابھی ہمیں یہ حساب بھی کرنا ہے کہ قربانی مرد کی دینی ہے یا عورت کی یا دونوں کی۔"

اسی رات القند کو اطلاع دی گئی کہ حبشی قربانی کے لیے انسان مانگتے ہیں۔ القند نے کہا..... "تو اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ کوئی آدمی پکڑو اور ان کے حوالے کر دو۔"

"لیکن وہ ابھی بتائیں گے کہ انہیں ایک آدمی چاہیے یا ایک عورت یا دونوں۔"

"ان کا جو بھی مطالبہ ہے پورا کرو" ..... القند نے کہا..... "چند دنوں بعد جب ہم قاہرہ پر حملہ کریں گے تو معلوم نہیں قاہرہ کے کتنے لوگ ہمارے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ دو کو اگر پہلے ہی مار دو گے تو کیا قیامت آجائے گی۔"

القند گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اتنے میں ایک صلیبی اندر آیا۔ اس نے مصری لباس پہن رکھا تھا۔ اندر آتے ہی اس نے مصنوعی داڑھی اتار کر رکھ دی۔ اس نے القند سے پوچھا کہ کیوں پریشان نظر آتا ہے۔

"حبشی اپنی رسم پوری کرنا چاہتے ہیں۔" القند نے جواب دیا۔ "وہ ابھی سے انسانی قربانی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"

"تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

''میں سوچ رہا ہوں کہ حملے سے ایک دن پہلے ایک آدمی ان کے حوالے کر دیں گے۔'' القند نے جواب دیا۔

''نہیں۔'' صلیبی نے کہا..... ''وہ ابھی قربانی دینا چاہتے ہیں تو ابھی ان کی رسم پوری کرنے کا انتظام کریں۔ آپ سوڈان نہیں گئے۔ ہم ان کے مذہب سے ساتھ کھیل کر انہیں یہاں لا رہے ہیں۔ آپ شاید انسانوں کو استعمال کرنا نہیں جانتے۔ آپ کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے صرف لڑنا سکھایا ہے۔ انسانوں کو تلوار کے بغیر مارنا ہم صلیبیوں سے سیکھیں۔ دوسروں کے مذہب کو استعمال کریں۔ ان پر انہی کے مذہب کا جنون غالب کر کے ان کی عقل کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ ان کی بے ہودہ اور بے معنی رسموں کی مخالفت کرنے کی بجائے ان کی پیروی کرو بلکہ اپنے ہاتھوں یہ رسمیں ادا کراؤ۔ عام انسان کا ذہن مذہب اور توہم پرستی سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے جتنے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملایا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف استعمال کیا ہے۔ وہ مذہب اور توہم پرستی کے ہتھیاروں سے کیا ہے۔ مسلمان مذہب کے نام پر جلدی ہمارے جال میں آتا ہے۔ یہ حبشی تو جنگلی ہیں۔ انہیں ہم ایک سال سے زیادہ عرصے سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ سوڈان سے روانگی سے پہلے ہم نے دو سوڈانیوں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا اور بتایا تھا کہ یہ مصری ہیں۔ انہوں نے انہیں ذبح کیا تب وہ مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔''

''ان سے پوچھو کہ انہیں قربانی کے لیے مرد چاہیے یا عورت۔'' القند نے پوچھا۔

''اور آپ کا وہاں چلنا بہت ضروری ہے۔'' صلیبی نے کہا۔ ''لیکن آپ کو میں کسی اور طریقے سے ان کے سامنے لیجاؤں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان حبشیوں سے بڑھ کر آپ کو کوئی اور وحشی اور خونخوار جنگجو نہیں ملے گا۔ اس وقت ان کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔ اگر ہم نے ان پر ان کے مذہب کا بھوت سوار کیے رکھا اور انہیں یہ یقین دلائے رکھا کہ یہ ہماری نہیں ان کی اپنی جنگ ہے تو ان میں سے صرف ایک ہزار اس تمام فوج کو جو قاہرہ میں ہے کٹی لاشوں میں بدل دیں گے۔ ہم نے انہیں یہ بتایا ہے کہ ہم انہیں ان کے خدا کے گھر لیجا رہے ہیں اور یہ کہ ان کے خدا کی زمین پر ان کے دشمن نے قبضہ کر رکھا ہے۔''

''میں چلوں گا۔'' القند نے کہا۔

القند مصر پر سوڈانیوں کی حکومت چاہتا تھا کچھ عرصے پہلے وہ کسی غدار سے اس خواہش کا اظہار کر بیٹھا، تو اس نے اس کی خواہش کو عزم بنا دیا اور اس کی ملاقات صلیبیوں سے کرا دی تھی۔ صلیبیوں نے اس کے ساتھ یہ سودا طے کیا تھا کہ مصر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ اسے دے دیا جائے گا اور باقی نصف سوڈان کو جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ حبشیوں کی فوج کا اہتمام صلیبیوں نے کیا تھا مؤرخوں نے القند کی بغاوت کو تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ اس دور کی عظیم شخصیت قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی ڈائری بعنوان ''سوانح صلاح الدین سلطان..... یوسف پر کیا افتاد پڑی؟'' میں تفصیل سے لکھا ہے کہ القند نے صلیبیوں اور سوڈانی لیڈروں کی مدد سے تہذیب و تمدن سے دور جانوروں اور درندوں کی سی زندگی بسر کرنے والے حبشیوں پر ان کے مذہب کا بھوت سوار کر کے ان پر جنگی جنون طاری کیا اور القند خود ان کا پیر و مرشد بنا۔ حبشیوں کو بتایا گیا کہ یہ ان کے خدا کا وہ ایلچی ہے جو صدیوں سے خدا کے پاس گیا ہوا تھا (سلطان یوسف سے مراد سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ اس مجاہد اعظم کا پورا نام یوسف صلاح الدین تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد اسے پیار اور شفقت سے یوسف کہا کرتا تھا۔)

وہ رات تاریک تھی۔ مصر کا آسمان آئینے کی طرح شفاف تھا۔ ستارے ہیروں اور سچے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ قاہرہ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چند دنوں بعد ان پر کیا قیامت ٹوٹنے والی

ہے۔ مصر کے سرحدی دستے بھی سوئے ہوئے تھے۔ صرف گشتی سنتری جاگ رہے تھے لیکن وہ صرف جاگ رہے تھے۔ بیدار نہیں تھے۔ دریائے نیل کے ساتھ کی چوکی جو دریائی راستہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی اور اس سے چند میل دور دوسری چوکی جو پہاڑیوں کے علاقے کو سربمہر رکھنے کے لیے قائم کی گئی تھی، کے گشتی سنتری چار لڑکیوں کے حسین اور رومانی جال میں الجھے ہوئے تھے۔ لڑکیاں انہیں الگ الگ لے گئی تھیں۔ اس رات یہ گروہ بہت زیادہ چوکنا تھا۔

زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ اس گروہ سے کچھ دور خیمے میں سوئی ہوئی تھیں۔ سازندے بظاہر سوئے ہوئے تھے لیکن وہ بیدار تھے انہیں بتا دیا گیا تھا کہ آج رات بہت اہم ہے اور وہ بیدار رہیں۔ ان دونوں گروہوں کے لیے یہ حکم تھا کہ کوئی باہر کا آدمی دریا کے کنارے اور اس پہاڑی سلسلے کے قریب نہ آئے۔ کوئی آئے تو اسے پکڑ کر اندر لے آؤ۔

کچھ دیر بعد ایک سازندہ اٹھا۔ پہلے وہ باہر گھوما پھرا پھر اس نے اس چھوٹے خیمے میں جھانکا جس میں دونوں لڑکیاں سوئی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اندر جا کر ٹٹولا۔ اسے کچھ شک ہوا۔ دیا جلا کے دیکھا تو زہرہ غائب تھی۔ دوسری گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ سازندے نے سے نہ جگایا۔ اسے معلوم تھا کہ زہرہ کہاں گئی ہے۔ وہ چوکی کے کمانڈر کے پاس ہی جا سکتی تھی۔ اس میں خطرہ یہ تھا کہ کمانڈر اس کے ساتھ آ گیا، تو اپنے سنتریوں کو غائب پا کر انہیں ڈھونڈے گا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دریا کے کنارے اس جگہ بھی پہنچ جائے۔ جس جگہ کو اس رات باہر کی دنیا سے چھپا کر رکھنا تھا...... سازندے نے اپنے دو ساتھیوں کو جگایا اور انہیں بتایا کہ ان کی ایک لڑکی غائب ہے۔ وہ چوکی پر ہی گئی ہوگی۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دریا سے دور گھات لگائی جائے اور اگر کمانڈر لڑکی کے ساتھ واپس آ رہا ہو تو دونوں کو پکڑا کر اپنے کمانڈر کے حوالے کر دیا جائے، اور اگر ضرورت پڑے تو دونوں کو قتل کر کے لاشیں دریا میں پھینک دی جائیں۔

پہاڑیوں کے اندر کی دنیا جاگ رہی تھی۔ یہ وسیع و عریض علاقہ تھا جہاں کوئی نہیں جاتا تھا۔ ایک اس لیے کہ یہ جگہ دور دراز اور راستوں سے ہٹ کر تھی اور دوسرا اس لیے مشہور تھا کہ اندر فرعونوں کی بھی بدروحیں رہتی ہیں، اور ان کی بھی جو فرعونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ بدروحیں آپس میں لڑتی رہتی ہیں اور اگر کوئی انسان اس علاقے میں چلا جائے تو اس کے جسم کا گوشت غائب ہو جاتا ہے اور پیچھے ہڈیوں کا پنجر رہ جاتا ہے...... یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس پہاڑی خطے کے وسط میں فرعونوں کے بہت بڑے بڑے بت پہاڑیوں کو تراش کر بنائے گئے تھے۔ پہاڑیوں کو اندر سے کھوکھلا کر کے اندر محل جیسے کمرے اور غلام گردشیں بنائی گئی تھیں۔

اس رات ان زمین دوز محلات میں روشنی ہی روشنی تھی۔ ہزاروں حبشی باہر اس میدان میں جمع تھے، جسے ہر طرف سے پہاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔ حبشیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اونچی بات نہ کریں۔ انہیں ان کا خدا دکھایا جانے والا ہے۔ حبشیوں پر خوف اور عقیدت مندی کے جذبات سوار تھے۔ ڈر کے مارے وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ وہ ان پہاڑیوں اور چٹانوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جس پہاڑی کی طرح وہ منہ کر کے بیٹھے ہیں اس کی نصف بلندی پر ایک بہت بڑا بت ہے۔ یہ ابوسمبل کا بت تھا جس کے متعلق ان حبشیوں کو بتایا گیا تھا کہ ان کے خدا کا بت ہے اور ایک رات یہ خدا ایک انسان کے روپ میں ان کے سامنے آئے گا۔

اچانک ایسی گرج دار آواز آئی جیسے گھٹائیں گرجی ہوں۔ حبشی پہلے ہی خاموش تھے۔ اس گرج نے ان کی سانسیں بھی روک دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ایک آواز سنائی دی...... ''خدا جاگ رہا ہے۔ سامنے پہاڑی پر دیکھو...... اوپر دیکھو'' ...... یہ آواز بڑی بلند تھی جو پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گونج بن کر کچھ دیر سنائی دیتی رہی۔ فضا میں

دو شرارے اڑتے نظر آئے جو سامنے والی پہاڑی کی طرف گئے اور پہاڑی سے جہاں ٹکرائے وہاں سے ایک شعلہ اٹھا۔ ابو سمبل کا بت اس شعلے کے پیچھے اور کچھ اوپر تھا شعلے کی ناچتی تھرکتی ہوئی روشنی بت کے مہیب چہرے پر پڑی تو ایسے نظر آنے لگا جیسے بت آنکھیں جھپک رہا ہو۔ اس کا منہ کھلتا اور بند ہوتا نظر آتا تھا اور یوں بھی لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ دائیں بائیں ہل رہا ہو۔

حبشیوں کا یہ سیاہ کالا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ انکے مذہبی پیشوا سجدے سے اٹھے۔ سب نے بازو پھیلا دیئے۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے بت سے بڑی ہی بلند آواز سے کہا...... "آگ اور پانی کے خدا ریگستانوں کو جلانے اور دریاؤں کو پانی دینے والے خدا! ہم نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ ہمیں بتا کہ ہم تیرے قدموں میں کتنے انسان قربان کریں۔ مرد لائیں یا عورت۔"

" ایک مرد ایک عورت۔" پہاڑیوں میں سے آواز آئی...... "تم نے ابھی مجھے نہیں دیکھا۔ میں انسان کے روپ میں تمہارے سامنے آ رہا ہوں۔ اگر تم نے میرے دشمنوں کا خون نہ بہایا تو تم سب کو ان پہاڑیوں کے پتھروں کی طرح پتھر بنا دوں گا۔ پھر تم دھوپ میں ہمیشہ جلتے رہو گے۔ تم میں سے جو لڑائی سے بھاگے گا اسے صحرائی ریت چوس لے گی...... انتظار کرو۔ میرا انتظار کرو۔

خاموشی اور گہری ہوگئی۔ شعلہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ پہاڑیوں میں سے حبشیوں کے مذہبی ترانے کی آواز آنے لگی۔ یہ ان کا وہ گیت تھا جو مذہبی تہواروں پر عبادت کے دوران گایا کرتے تھے۔ بہت سے آدمی مل کر گا رہے تھے اور ساتھ دف بج رہے تھے۔ نیچے بیٹھے ہوئے ہزاروں حبشیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں گا رہا تھا۔ یہ غیب کی آواز معلوم ہوتی تھی۔

☆

زہرہ چوکی کے کمانڈر کے خیمے میں تھی۔ اس کی باتیں پہلے سے زیادہ جذباتی ہوگئی تھیں۔ اس نے کمانڈر سے کہا...... "اگر میں تمہیں نہ دیکھتی تو باقی عمر ناچتے اور دوسروں کا دل بہلاتے گزار دیتی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے یاد آ گیا ہے کہ میں بیٹی ہوں رقاصہ اور فاحشہ نہیں۔ یا تم اپنے آپ کو مار لو، تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ میرا باپ مر گیا ہے یا مجھے قتل کر دو۔ اگر یہ نہیں کر سکتے تو مجھے پناہ میں لے لو۔ اپنے گھر بھیج دو۔ آج مجھے واپس نہ جانے دو۔"

"تم آج چلی جاؤ" کمانڈر نے جواب دیا...... "میں تمہیں چوکی میں نہیں رکھ سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے گھر بھیجنے کا انتظام کر دوں گا...... اور اگر تم یہاں سے چلی گئی تو مجھے قاہرہ میں اپنا ٹھکانہ بتا دو۔ وہاں آ کر تمہیں لے جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد کمانڈر نے دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ سے کہا کہ چلو چلیں۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔ راستے میں زہرہ نے کمانڈر سے پوچھا...... "رات کو کشتیاں یہاں کیوں آیا کرتی ہیں؟"

"کشتیاں؟" کمانڈر نے حیران سا ہو کر پوچھا...... "کدھر سے آتی ہیں؟"

"اُدھر سے۔" اس نے سوڈان کی طرف اشارہ کر کے کہا...... "مجھے اب رات کو نیند کم آتی ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کر خیمے سے باہر بیٹھ جاتی ہوں۔ میں نے دو راتیں دیکھا ہے۔ ایک رات تین اور ایک رات دو بادبانی کشتیاں آئیں۔ ان کے سفید بادبان اندھیرے میں بھی نظر آتے تھے۔ آگے جا کر کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اس طرح کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جیسے ان سے بہت سے لوگ اتر رہے ہوں۔ مجھے کچھ دور درختوں کے پیچھے سائے سے جاتے اور پہاڑیوں میں غائب ہوتے نظر آئے۔"

''تم نے ہمارے دو سپاہیوں کو کبھی نہیں دیکھا؟'' کمانڈر نے پوچھا...... ''دو گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ انہیں دریا کے کنارے موجود رہنا چاہیے۔''

''نہیں۔'' زہرہ نے جواب دیا...... ''میں نے کبھی کوئی سپاہی نہیں دیکھا۔ دن کے دوران سپاہی آتے ہیں۔ آگے ایک قافلہ اترا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ ایک روز میں نے ایک سپاہی کو ایک لڑکی کے ساتھ بے تکلفی سے چٹانوں کے پیچھے جاتے دیکھا تھا۔''

زہرہ کو تو علم ہی نہیں تھا کہ سرحدوں پر کیا ہوتا ہے اور کیا ہو سکتا ہے اور سرحدی دستوں کے فرائض کیا ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رات کو یا دن کو سوڈان کی طرف سے کشتیوں کو آنا چاہیے۔ یا نہیں۔ اس نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا لیکن کمانڈر کے لیے یہ اہم خبر تھی۔ زہرہ اگر صحیح کہہ رہی تھی۔ تو وہ اسے راز کی بات بتا رہی تھی۔ وہ بے شک اس ڈیوٹی اور سرحدی ماحول سے اکتا گیا تھا مگر زہرہ کی باتوں نے اسے بیدار کر دیا۔ اس نے زہرہ سے کہا...... ''آؤ، آج دریا کے کنارے چلتے ہیں''...... اس نے گھوڑے کا رخ موڑ دیا۔

وہ دریا تک پہنچے اور کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کمانڈر کی نظریں دریا پر تیر رہی تھیں۔ کچھ وقت گزرا تو اسے دریا میں دور ایک لو نظر آئی جو دیئے کی معلوم ہوتی تھی۔ پھر ایک اور لو نظر آئی اور پھر دونوں روشنیاں بجھ گئیں۔ ادھر کنارے پر بھی ایک دیا جلا اور بجھ گیا۔ کمانڈر نے ان گشتی سنتریوں کو آواز دی جنہیں وہاں گشت پر ہونا چاہیے تھا۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور بلند آواز سے پکارا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور زور سے پکارا۔ اسے اب دریا میں دو کشتیوں کے بادبان دکھائی دیئے۔ وہ پریشان ہو گیا۔ وہ زہرہ کی موجودگی کو بھول گیا اور گھوڑے کو کنارے کے ساتھ آگے چلا دیا۔ زہرہ بھی اسے کے پیچھے گئی۔ کمانڈر سنتریوں کو پکار رہا تھا۔

سنتریوں کو اس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ چٹانوں کی اوٹ میں ''بوڑھے خاوندوں کی نوجوان بیویوں'' کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کی آواز پہچان لی اور وہاں سے اٹھے۔ وہ جب وہاں جا کر اکٹھے ہوئے جہاں وہ اپنے گھوڑے باندھ گئے تھے تو دیکھا کہ دونوں گھوڑے غائب ہیں۔ وہ وہیں رک رہے۔ انہیں دور دو گھوڑے جاتے دکھائی دیئے۔

کمانڈر آگے جا رہا تھا۔ زہرہ کا گھوڑا اس کے پہلو میں تھا۔ انہیں آواز سنائی دی...... ''تم جنہیں پکار رہے ہو وہ بہت دور آگے گئے ہیں۔''

''تم کون ہو؟''...... کمانڈر نے پوچھا۔ ''آگے آؤ۔''

''ہم مسافر ہیں''...... اسے جواب ملا اور دو گھوڑے کمانڈر کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر ایک اور آواز آئی...... آگے چلیں ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔''

کمانڈر نے تلوار نکال لی۔ رات کے وقت مسافروں کا گھوڑوں پر سوار ہونا اور اس علاقے میں ہونا مشکوک تھا۔ وہ دونوں ان کے قریب آ گئے۔ ایک نے کمانڈر سے کہا...... ''ادھر دیکھو۔ وہ آ رہے ہیں۔'' جونہی کمانڈر نے ادھر دیکھا کسی آدمی نے ایک بازو کمانڈر کی گردن کے گرد لپیٹ کر بازو کا شکنجہ تنگ کر دیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی تلوار والی کلائی پکڑ لی۔ دوسرے نے لڑکی کو دبوچ لیا۔ کمانڈر کو جس نے پکڑ رکھا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑی لگا دی۔ گھوڑا تیز چلا تو کمانڈر اپنے گھوڑے سے گرنے لگا۔ اندھیرے سے دو اور آدمی دوڑے آئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بے بس کر لیا۔

یہ سازندے تھے جو دراصل تربیت یافتہ چھاپہ مار سپاہی تھے۔ ان میں سے دو تین زہرہ کے پیچھے گئے تھے اور انہیں راستے میں دیکھ کر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے تعاقب میں آرہے تھے۔ سنتریوں کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آنے والے ان کے ساتھی تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا...... ''انہیں زندہ لے چلو یہی حکم ملا تھا کہ کوئی مشتبہ آدمی نظر آئے تو اسے زندہ لے آؤ۔''

کمانڈر اور زہرہ کو جب پہاڑیوں کی طرف لے جایا جارہا تھا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ کشتیوں میں سے حبشی سامان اتار رہے تھے۔ یہ جنگی سامان اور رسد تھی۔

☆

پہاڑیوں میں دُور اندر ہزاروں حبشیوں کا ہجوم ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ شعلہ کبھی کا بجھ چکا تھا۔ مذہبی گیت کی آوازیں سنائی دے رہی تھی۔ حبشیوں پر طلسم طاری تھا۔ ان کی جذباتی کیفیت کچھ اور ہوئی جارہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو ان حبشیوں سے برتر سمجھنے لگے تھے جو سوڈان میں رہ گئے تھے...... گیت گانے والے خاموش ہو گئے۔ اچانک سامنے پہاڑی پر چمک نظر آئی تھی جیسے بجلی چمکی ہو۔ چمک پھر پیدا ہوئی جو مستقل روشنی بن گئی۔ یہ روشنی ابوسمبل کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ روشنی کہاں سے آرہی ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے ابوسمبل کا چہرہ اپنی روشنی سے روشن ہو گیا ہو۔

روشنی بجھ گئی۔ ذرا سی دیر بعد روشنی پھر نظر آئی۔ سب نے دیکھا کہ ابوسمبل کے پہاڑ جیسے بت کی گود میں سے ایک آدمی اترا اور آگے چل پڑا۔ بت کے پیچھے سے چار آدمی نمودار ہوئے۔ سب ایک ایک سفید چادر میں ملبوس تھے۔ جنہوں نے کندھوں سے پاؤں تک جسم کو ڈھانپ رکھے تھے۔ جو آدمی بت کی گود سے آیا تھا وہ کوئی بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سر پر تاج تھا اور تاج پر ایک مصنوعی سانپ کے پھن کا سایہ تھا۔ اس کا چغہ لال رنگ کا تھا۔ روشنی جو معلوم نہیں کہاں سے آرہی تھی۔ اس آدمی پر پڑ رہی تھی۔ اس کے چغے پر ستارے تھے جو روشنی میں چمکتے اور ٹمٹماتے تھے اس کے ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں ننگی تلوار تھی، تلوار بھی چمکتی تھی۔ سفید چادروں والے آدمی اس کے پیچھے آئے۔

وہ ڈھلان سے اتر رہے تھے اور روشنی ان کے ساتھ ساتھ آرہی تھی۔ اگلا آدمی جو بادشاہ لگتا تھا رُک گیا۔ پیچھے والے چاروں آدمیوں نے اکٹھے بڑی ہی بلند آواز سے کہا...... ''خدا زمین پر اتر آیا ہے۔ سجدہ کرو۔ اٹھو اور غور سے دیکھو'' ...... سارا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ سب نے سر اٹھائے اور ''خدا'' کو دیکھا۔ اس وقت ''خدا'' نے تلوار اوپر اٹھالی تھی۔ وہ ڈھلان سے اترنے لگا۔ سناٹا ایسا طاری ہو گیا جیسے وہاں ایک بھی انسان نہ ہو۔ وہ اترتے اترتے ایسی جگہ آن کھڑا ہوا جو بلند تھی اور ہجوم کے قریب بھی تھی، یہ جگہ چوڑی تھی۔ روشنی صرف اس پر اور ان چار آدمیوں پر پڑ رہی تھی جو اس کے ساتھ تھے۔ اچانک اس روشنی میں چار لڑکیاں داخل ہوئیں۔ ان کے لباس اتنے سے ہی تھے کہ صرف ستر ڈھانپے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں کے رنگ گورے تھے۔ ان کی پیٹھوں پر کندھوں سے ذرا نیچے پرندوں کی طرح پَر پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے بال کھلے تھے۔ وہ یوں حرکت کرتی تھیں جیسے اڑ رہی ہوں۔ وہ رقص کی اداؤں سے اس بادشاہ (حبشیوں کے ''خدا'') کے اردگرد گھوم کر وہیں کہیں غائب ہو گئیں شاید چٹان کے پیچھے اتر گئی تھیں۔

اس وقت چار آدمی کمانڈر اور زہرہ کو وہاں ایک غار میں لے گئے اور ایک کمرے میں داخل کر دیا۔ ایک آدمی باہر چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ اسے بتا دیا گیا کہ یہ چوکی کا کمانڈر ہے اور یہ رقاصہ ہے اور انہیں دریا کے کنارے سے اس وقت پکڑا گیا ہے جب کشتیاں سامان اور مزید حبشیوں کو اتار رہی تھیں۔

''تم انہیں بڑے اچھے وقت لائے ہو۔'' اس نے کہا...... ''یہ بدبخت حبشی انسانی قربانی مانگ رہے تھے۔ ہم نے القند کے کہنے پر خدا کی آواز میں اعلان کر دیا تھا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی قربانی دی جائے گی ہمیں کہیں سے ایک مرد اور ایک عورت کو اغوا کر کے ان کے حوالے کرنا تھا۔ تم نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ ہر کام پوری کامیابی سے ہو رہا ہے۔ قربانی کے لیے اپنے آپ ہی دو انسان آ گئے ہیں۔''

''حبشیوں نے خدا دیکھ لیا ہے؟'' ایک نے پوچھا۔

''اگر تم ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے کیسی استادی سے انہیں خدا دکھایا ہے۔'' اس نے جواب دیا...... ''بت کی سامنے والی پہاڑی سے جلتے ہوئے فلیتے والے دو تیر چلائے گئے۔ تیر اندازوں نے اندھیرے میں ایسا نشانہ باندھا کہ صحیح جگہ پر تیر گرے۔ ہم نے تیل اور مادہ زیادہ جگہ پھیلا تھا۔ پہلے ہی دو تیروں نے اسے آگ لگا دی۔ اینڈرسن تجربہ کار آدمی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ شعلے میں بت ہنستا، مسکراتا اور جھپکتا نظر آئیگا۔ یہ شعلے کا کرشمہ تھا کہ خود ہمیں یقین ہونے لگا تھا کہ بت نہ صرف آنکھوں اور ہونٹوں کو حرکت دے رہا ہے بلکہ اس کا چہرہ دائیں بائیں حرکت کر رہا ہے۔

''اور حبشیوں کا ردعمل کیا تھا؟''

''سجدے میں گر پڑے تھے۔'' اس نے جواب دیا...... ''ہمارے آدمیوں کی آوازیں بڑی گونج دار تھیں۔ پہاڑیوں میں ان کی گونج کچھ دیر تک سنائی دیتی رہی۔ میں اندھیرے میں دیکھ نہیں سکا۔ مجھے یقین ہے کہ حبشی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ القند کا ناٹک تو بہت ہی کامیاب رہا۔ شعلہ بجھا تو ہم نے اسے پوشاک پہنا کر بت کی گود میں بٹھا دیا اور چار آدمی پہلے ہی وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ بت پر سامنے کی پہاڑی سے روشنی پھینکنے کا سلسلہ بھی کامیاب رہا۔ ساتھ والی پہاڑی پر جو آگ جلائی گئی تھی وہ نیچے کسی کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس کے قریب بڑا آئینہ رکھ کر بت پر عکس پھینکا تو یوں لگتا تھا جیسے یہ بت کے چہرے کا نور ہے۔ اس میں سے القند 'خدا' بن کر اترا تو ہماری لڑکیوں نے سب کو یقین دلا دیا کہ یہ خدا ہے اور وہ پریاں ہیں۔ ہم کسی قدم پر ناکام نہیں ہوئے اب القند کو اندر بٹھا کر تمام حبشیوں کو ان کے سامنے سے گزارا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا 'خدا' جو جنگ میں تمہارے ساتھ ہوگا۔

''ان دونوں (کمانڈر اور زہرہ) کو آج ہی قربان کر دیں گے۔''

''اس کا فیصلہ حبشی کریں گے۔ وہ شاید انہیں تین چار روز پالیں پوسیں گے اور اپنی کچھ رسمیں ادا کریں گے۔''

انہیں کسی کی آواز سنائی دی...... ''مجھے معلوم نہیں تھا کہ لڑنے والے سالار کو یہ سوانگ بھی بھرنا پڑے گا''...... تین چار آدمیوں کی ہنسی سنائی دی۔ کسی اور نے کہا...... ''اس کے بغیر ان حبشیوں کو لڑانا آسان نہیں تھا۔ بہرحال آپ کو اس سوانگ کی بہت زیادہ قیمت مل رہی ہے...... ''پورا مصر۔''

یہ القند اور اس کے ساتھیوں کی آوازیں تھیں۔ وہ قریب آئے تو ان دونوں نے بتایا کہ ایک مرد اور ایک عورت اتفاق سے ہاتھ آ گئی ہے۔ انہیں حبشیوں کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ القند نے یہ پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ وہ سر سے تاج اتار کر اس کمرے میں چلا گیا جہاں کمانڈر اور زہرہ کو رکھا گیا تھا۔ القند کمانڈر کو نہ پہچان سکا۔ کمانڈر نے اسے پہچان لیا۔ کمانڈر کے کانوں میں وہ باتیں بھی پڑ گئی تھیں جو باہر ایک آدمی دوسرے کو سنا رہا تھا اس نے اس کے منہ سے کئی بار القند کا نام سنا تھا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ اسے اور زہرہ کو قربان کیا جائے گا۔ القند اس کے سامنے آیا تو اسے اس پر حیرت نہ ہوئی کہ اس کا سالار یہاں کیسے آ گیا ہے۔

القند یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ ان دونوں کو حبشیوں کے مذہبی پیشواؤں کے حوالے کر دو۔

☆

تین چار روز بعد قاہرہ میں العادل نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا۔۔۔۔۔ ''تین چار دنوں سے سالار القند نہیں مل رہا۔ میں اسے جب بھی بلاتا ہوں جواب آتا ہے کہ وہ نہیں ہے۔ اس کے گھر سے بھی یہی جواب ملا ہے۔ وہ کہاں جا سکتا ہے؟''

''اگر سرحدی دستوں کے معائنے کے لیے سرحد کے دورے پر جاتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا''۔۔۔۔۔ علی بن سفیان نے جواب دیا۔۔۔۔۔ ''فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آتا ہے کہ اسے تخریب کاروں نے اغوا یا قتل کر دیا ہوگا۔''

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تخریب کاروں سے ہی جا ملا ہو''۔۔۔۔۔ العادل نے کہا۔

''کبھی ایسا شک ہوا نہیں تھا''۔۔۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا۔۔۔۔۔ ''میں اس کے گھر سے پتہ کراتا ہوں۔''

وہ خود اس کے گھر چلا گیا القند کے بارہ باڈی گارڈ موجود تھے۔ ان کے کمانڈر سے پوچھا کہ سالار القند کہاں ہیں؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کسی بھی باڈی گارڈ کو معلوم نہیں تھا۔ ملازمہ کو باہر بلا کر کہا گیا کہ القند کی بیویوں سے پوچھے کہ القند کہاں گیا ہے۔ ملازمہ اسے اندر لے گئی۔ الگ کمرے میں بٹھایا۔ وہ بوڑھی عورت تھی۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا۔ ''اس گھر سے آپ کو پتا نہیں چلے گا کہ سالار القند کہاں چلے گئے ہیں۔ میں ایک عرصے سے یہاں جو کچھ دیکھ رہی ہوں۔ وہ بتا دیتی ہوں لیکن میری جان کی حفاظت آپ کے ذمے ہوگی۔ اگر میں مر گئی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ خاوند مدت ہوئی مر گیا تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا وہ سوڈان کی لڑائی میں شہید ہو گیا ہے۔ میں نے یہاں نوکری کر لی ہے۔ یہ لوگ مجھے غریب اور سیدھی سادی عورت سمجھتے رہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ شہید کی ماں اس ملک اور اس مذہب کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی جس کی خاطر اس نے اپنا بیٹا شہید کرایا ہو۔۔۔۔۔ اس گھر میں مشکوک سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک رات آدمی کو اندر آتے دیکھا۔ وہ عربی لباس میں تھا اور اس کی داڑھی تھی۔ مجھے اندر بلا کر کہا گیا کہ میں شراب لانے کا انتظام کروں۔ شراب ایک نئی بیگم پلایا کرتی ہے جو مصری یا عربی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے دیکھا کہ داڑھی والا مہمان داڑھی اتار رہا تھا، اس کی داڑھی اور مونچھیں مصنوعی تھیں۔ اس سے پہلے بھی یہاں ایسے لوگ آتے رہے ہیں جن پر مجھے شک ہے کہ یہ نیک نیت لوگ نہیں۔ میرے کانوں میں اس قسم کے الفاظ بھی پڑے ہیں۔۔۔۔۔ آدھا مصر سوڈان کا۔۔۔۔۔ مصر کی امارت۔۔۔۔۔ ایک ہی رات میں کام ہو جائے گا۔۔۔۔۔ سالار رات کو نکلے تھے۔ ان کے ساتھ دو اجنبی صورت آدمی تھے میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ سالار نے محافظوں کے کمانڈر سے کچھ باتیں کی تھیں۔؟''

بوڑھی ملازمہ نے کچھ اور باتیں بتا کر علی بن سفیان پر یہ ثابت کر دیا کہ سالار القند نہ اغوا کیا گیا ہے نہ قتل اور نہ ہی وہ کسی سرکاری ڈیوٹی پر گیا ہے۔ مصر میں تخریب کاری اور غداری اتنی زیادہ ہوئی تھی اور ہو رہی تھی کہ کسی شریف انسان پر بھی شک نہ کرنا بہت بڑی لغزش تھی۔ القند نے کبھی شک پیدا نہیں ہونے دیا تھا لیکن علی بن سفیان بال کی کھال اتارنے والا سراغرساں تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ کسی سالار کے رُتبے کے آدمی کے گھر کی تلاشی کسی شہادت [illegible]

تھا۔ اس کے لیے مصر کے قائمقام سپریم کمانڈر العادل کی اجازت کی ضرورت تھی۔ اس نے [illegible] معلوم نہیں۔

اپنے محافظ کو بھیج کر اپنے شعبے کے تین چار سراغرساں بلا لیے اور انہیں القند کے مکان [illegible] نہ کرے۔ اس کے متعلق جو کچھ انہیں ہدایت دی کہ کوئی مرد یا عورت مکان سے باہر آئے تو چوری چھپے اس کا تعا[illegible]

باہر آ کر اس نے باڈی گارڈ کے کمانڈر کو حکم دیا کہ اپنے اور تمام محافظوں [illegible] قند کہاں گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ سوڈان

ساتھ چلو۔ بارہ آدمیوں کی گارد کو نہتہ کر کے علی بن سفیان اپنے ساتھ لے گیا اور العادل کو تفصیل رپورٹ دی۔ العادل نے اسے القند کے گھر پر چھاپہ مارنے کی اجازت دے دی..... وقت ضائع کیے بغیر سپاہیوں کی ایک ٹولی لائی گئی۔ اِدھر القند کے گھر میں کوئی اور ہی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ علی بن سفیان جب وہاں سے نکلا تھا تو القند کی ایک بیوی جو جوان تھی ملازمہ کو اپنے کمرے میں لے گئی اور اس سے پوچھا کہ علی بن سفیان نے اس سے کیا پوچھا اور اس نے کیا بتایا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ وہ سالار کے متعلق پوچھ رہا تھا اور میں نے بتایا تھا کہ میں غریب سی ملازمہ ہوں مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔

''تمہیں بہت کچھ معلوم ہے''..... بیگم نے اسے کہا..... ''اور تم نے بہت کچھ بتایا ہے۔''

بڑھیا اپنی بات پر قائم رہی۔ بیگم نے ایک ملازم کو بلایا اور اسے ساری بات بتا کر کہا..... ''اس نامراد بڑھیا کی زبان کھولو۔ کہتی ہے میں نے کچھ نہیں بتایا۔''

ملازم نے بڑھیا کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور ایسا جھٹکا دیا کہ وہ چکرا کر گری۔ ملازم نے اس کی شہ رگ پر پاؤں رکھ کر دبایا۔ بڑھیا کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ ملازم نے دانت پیس کر کہا..... ''بتا اسے کیا بتایا ہے''..... اس نے پاؤں اٹھالیا۔

بڑھیا میں اٹھنے کی ہمت کم ہی رہ گئی تھی۔ وہ خاموش رہی۔ ملازم نے اس کی پسلیوں میں لات ماری۔ بڑھیا تڑپنے لگی۔ اس کے بعد ملازم نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر ادھ موا کر دیا۔ تب اس نے کہا..... ''جان سے مار ڈالو۔ اپنے شہید بیٹے کی روح کے ساتھ غداری نہیں کروں گی۔ تم غدار ہو۔ تم ایمان فروش کی بدکار بیوی ہو۔''

☆

کوشش نہ کرے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں بتائے گا تو اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ اس نے یہ کہہ کر وہ حکم کا پابند اور انعام و اکرام کا طلبگار تھا، علی بن سفیان کو بتایا کہ القند کا مسلسل رابطہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ تھا اور وہ انہی کے ساتھ گیا ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک گھریلو ملازم کو ایک سالار کے خفیہ پلان کا علم ہوتا۔ ملازم نے بتایا کہ القند نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ بہت دنوں کے بعد آئے گا اور جب تک ممکن ہو سکا اس کی غیر حاضری کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرتے رہیں۔ ملازم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ القند گیا کہاں ہے۔

نئی بیگم کو علی بن سفیان نے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ اپنے مخصوص تہہ خانے میں بھیج دیا اور خود کچھ اور تفتیش کر کے اور القند کے گھر پر پہرہ لگا کر اپنے دفتر میں چلا گیا جہاں القند کے باڈی گارڈ نہتے بیٹھے تھے۔ ان سب کو علی بن سفیان نے کہا..... ''تم مصر اور شام کی متحدہ سلطنت کے فوجی ہو کچھ چھپاؤ گے تو اس کی سزا موت ہے اور اگر تم نے حکم کی پابندی کرتے ہوئے سالار القند کی سرگرمیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے تو شاید میں تمہیں کوئی سزا نہ دوں گا۔''

گارد کا کمانڈر بول پڑا۔ اس نے جو بیان دیا، اس سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ القند کے پاس صلیبی اور سوڈانی [illegible] بھی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ انہیں بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ القند گیا کہاں ہے۔

[illegible]ن اتار کر اس کمرے میں [illegible]ب علی بن سفیان تہہ خانے میں گیا القند کی نئی بیگم تنگ سی ایک کوٹھڑی میں بند تھی۔ اسے [illegible] لیا۔ کمانڈر کے کانوں میں وہ با[illegible] کوٹھڑی میں ایک ایسے قیدی کو ڈال دیا گیا تھا جو مسلسل اذیتوں سے تڑپتا اور کراہتا تھا۔ [illegible] نام سنا تھا اور اسے یہ بھی معلوم ہوگیا [illegible] کی نشاندہی نہیں کرتا تھا۔ نئی بیگم دو پہر سے اس کے ساتھ بند تھی اور اسے تڑپتا دیکھ رہی ہوئی کہ اس کا سالار یہاں کیسے آگیا [illegible]ادی تھی۔ تہہ خانے اور کوٹھڑی کی صرف بدبو ہی اسے پاگل کرنے کو کافی تھی۔ اس

آدمی کی حالت دیکھ دیکھ کر اس کا خون خشک ہو گیا تھا۔

علی بن سفیان جب اس کے سامنے گیا تو لڑکی چیخنے چلانے لگی اسے باہر نکال کر علی بن سفیان ایک اور کوٹھڑی کے سامنے لے گیا۔ سلاخوں کے پیچھے تنگ سی کوٹھڑی میں ایک سیاہ کالا حبشی بند تھا۔ ہیبت ناک شکل اور جسم بھینسے جیسا۔ اس نے سرحدی دستے کے ایک کمانڈر کو قتل کیا تھا۔ علی بن سفیان نے لڑکی سے کہا کہ باقی رات اسے اس کے ساتھ بند کیا جائے گا۔ لڑکی چیخ کر علی بن سفیان کے پاؤں گر پڑی۔

''پوچھو مجھ سے کیا پوچھتے ہو!''...... اس نے علی بن سفیان کی ٹانگوں سے لپٹ کر کہا۔

''القند کہاں گیا ہے؟ کیوں گیا ہے؟ اس کے ارادے کیا ہیں؟''...... علی بن سفیان نے پوچھا......

''اور اسے تہہ خانے میں لے جا کر ختم کر دو'' ...... بیگم نے کہا...... ''رات کو لاش غائب کر دینا۔ ہمارے سر سے ابھی خطرہ ٹلا نہیں۔ وہ ہمارے محافظ کو نہتہ کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس بد بخت بڑھیا کو بہت کچھ معلوم ہے۔ اس راز سمیت زمین میں دبا دو۔''

بڑھیا فرش پر پڑی تھی۔ اس پر نیم غشی کی کیفیت طاری تھی۔ ملازم نے اسے ہلکی سی گٹھڑی کی طرح اٹھا کر کندھے پر ڈال دیا۔ کمرے سے نکل کر وہ برآمدے میں جا رہا تھا کہ آواز آئی ...... ''رک جاؤ''...... اس نے گھوم کر دیکھا۔ سپاہی دوڑے آ رہے تھے۔ علی بن سفیان کے حکم پر وہ سب بکھر کر کمروں اور برآمدوں وغیرہ میں پھیل گئے۔ ملازم بھاگ نہ سکا۔ اس کے کندھے پر بڑھیا کو اتارا گیا۔ بڑھیا کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ علی بن سفیان کو دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے کہا...... ''اس سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ تم آئے تو میرے شک پختہ ہو گیا کہ یہ تو گڑ بڑ ہے''...... اس کی آواز اکھڑ رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے بتایا کہ نئی بیگم اور اس کے اس ملازم نے اس سے یہ اگلوانے کے لیے کہ اس نے علی بن سفیان کو کیا بتایا ہے اسے بہت مارا ہے۔

علی بن سفیان نے ایک سپاہی سے کہا کہ بڑھیا کو فوراً طبیب کے پاس لے جاؤ...... بڑھیا نے روک دیا اور کہا ''مجھے کہیں نہ بھیجو۔ میں اپنے شہید بیٹے کے پاس جا رہی ہوں۔ مجھے نہ روکو''...... اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔

القند کے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا گیا تہہ خانے میں گئے تو یہ اسلحہ خانہ بنا ہوا تھا۔ گھر سے سونے کے ٹکڑوں اور نقدی کے انبار برآمد ہوئے۔ ایک مہر بھی برآمد ہوئی جس پر القند کا پورا نام اور اس کے ساتھ ''سلطان مصر'' کندہ تھا۔ القند کو اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ اس نے اپنے نام کی مہر بھی بنوالی تھی۔ اس مہر نے شکوک کو یقین میں بدل دیا۔ القند کے گھر میں چھ بیویاں تھیں اور شراب کا ذخیرہ بھی تھا۔ القند کے متعلق مشہور تھا کہ شراب نہیں پیتا۔ اب اس کے گھر سے پتا چلا کہ رات کو پیا کرتا تھا۔ علی بن سفیان نے اس کی تمام بیویوں سے پوچھ گچھ کی تو اور کارآمد معلومات حاصل ہوئیں۔ اہم شہادت نئی بیگم کی تھی جس نے ملازم کے ہاتھوں بڑھیا کو مروا دیا تھا۔ باقی تمام بیویوں نے کہا کہ سارا راز نئی بیگم کے سینے میں ہے۔ اس کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی زبان مصری نہیں، سوڈانی ہے اور جب باہر کے آدمی آتے ہیں تو صرف یہی لڑکی ان میں اٹھتی بیٹھتی اور ان کے ساتھ شراب پیتی ہے۔ ان بیویوں کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ انہیں اور کچھ بھی معلوم نہیں۔

نئی بیگم کو الگ کر لیا گیا۔ علی بن سفیان نے کہا کہ وہ اب کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کے متعلق جو کچھ جانتی ہو بتا دو۔''

نازک سی لڑکی نے سب کچھ ہی بتا دیا۔ اسے بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ القند کہاں گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ سوڈان

سے حبشیوں کی فوج لائی جارہی ہے جو کسی رات قاہرہ پر حملہ کرکے سارے مصر پر قابض ہو جائے گی یہ لڑکی چونکہ شراب پلانے کا فرض ادا کرتی تھی، اس لیے القند کے گھر میں آئے ہوئے صلیبی اور سوڈانی مہمان اسے اپنا سمجھ کر اس کے سامنے بھی باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ لڑکی سوڈان کے کسی بڑے آدمی کی بیٹی تھی۔ اسے القند کے لیے تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ القند نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ لڑکی بہت ہوشیار اور تیز تھی وہ سوڈان کے مقصد کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس کے بتانے کے مطابق یہ سونا اور نقدی جو اس کے گھر سے برآمد ہوئی تھی، سوڈان سے آئی تھی۔ یہ جنگ کے اخراجات کے لیے اور مصری کی فوج سے غدار خریدنے کے لیے تھی۔ اس لڑکی کو اس مقام کا علم نہیں تھا جہاں حبشیوں کی بہت سی فوج آچکی تھی، اس نے بتایا کہ فوج کہیں دریا کے کنارے ہے اور اس کا حملہ شب خون کی قسم کا ہوگا۔

جس قدر معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں کر لی گئیں۔ علی بن سفیان نے العادل کو تفصیلی رپورٹ دی اور تجویز پیش کی کہ دو دو چار چار سپاہی دیکھ بھال کے لیے ہر طرف پھیلا دیئے جائیں جو یہ دیکھیں کہ سوڈانی فوج کا اجتماع کہاں ہے اور یہ بھی معلوم کیا جائے کہ حبشیوں کی فوج اگر واقعی اندر آگئی ہے تو کدھر سے آئی ہے۔ اس نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع نہ دی جائے کیونکہ وہ سوائے پریشان ہونے کے کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ العادل سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ حالات زیادہ بگڑ سکتے ہیں۔ اس صورت میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی ضرورت پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مکمل رپورٹ لکھ کر ایک سینئر کمانڈر کو چار محافظوں کے ساتھ دی گئی اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ ہر چوکی پر گھوڑے تبدیل کریں اور کہیں رکیں نہیں۔

☆

میدان جنگ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ہیڈ کوارٹر کسی ایک جگہ نہیں رہتا تھا۔ وہ دن کو کہیں اور رات کو کہیں اور ہوتا اور خود گھومتا پھرتا رہتا تھا لیکن اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اس تک پہنچتے وقت دقت نہیں ہوتی تھی۔ جگہ جگہ راہنما موجود تھے۔ جنہیں خبر پہنچا دی جاتی تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کہاں ہے۔ یہ ایک راز ہوتا تھا، اس لیے راہنما ذہین قسم کے افراد ہوتے تھے۔ جس دن تین دنوں کی مسافت کے بعد پیغام لے جانے والا کمانڈر چار محافظوں کے ساتھ دمشق پہنچا اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی الرستان کے سلسلہ کوہ میں تھا۔ سردی کا عروج تھا۔ کمانڈر اور اس کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ بھوک، نیند اور مسلسل سواری سے ان کے چہرے لاشوں کی طرح سوکھ گئے تھے۔ زبانیں باہر نکلی ہوئیں اور سر ڈول رہے تھے۔ پھر بھی وہ فوراً روانہ ہونے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ انہیں زبردستی کھلایا پلایا گیا اور وہ الرستان کے لیے روانہ ہو گئے۔

تریپولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ الملک الصالح کی مدد کے لیے آیا اور بغیر لڑے واپس چلا گیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے آگے گھات لگائی اور عقب سے اس کی رسد روک لی تھی۔ عقب میں بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج دیکھ کر ریمانڈ اپنی فوج کو کسی اور طرف سے نکال کر لے گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس کا تعاقب مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس سے وقت اور طاقت ضائع ہوتی تھی۔ اس نے زیادہ نفری کے چھاپہ مار دستے ریمانڈ کی رسد کو پکڑ لانے یا دوسری صورت میں تباہ کر دینے کے لیے بھیج دیئے۔ موسم سرما کی بارشیں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ صلیبیوں کی رسد کا قافلہ بہت ہی بڑا تھا۔ رات کے وقت رسد کے محافظ گھوڑا گاڑیوں کے نیچے اور خیموں میں پڑے تھے۔ انہیں رسد واپس لے جانی تھی۔ اگلی صبح انہیں کوچ کرنا تھا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دن کے وقت پہاڑیوں اور چٹانوں کی اوٹ سے چند

آنکھیں انہیں دیکھتی رہی تھیں۔ انہیں غالباً توقع تھی کہ اتنی سردی میں اور بارش کے دوران ان پر کوئی حملہ نہیں کرنے آئے گا۔

رات کو اچانک ان کے کیمپ کے ایک طرف شور اٹھا۔ شعلے بھی اٹھے۔ خیمے جل رہے تھے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ ماروں کا شب خون تھا۔ انہوں نے پہلے چھوٹی منجنیقوں سے آتش گیر مادے کی ہانڈیاں پھینکیں، پھر جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے تھے۔ شعلوں کی روشنی میں انہوں نے حملہ کر دیا۔ برچھیوں اور تلواروں سے بہت سے صلیبیوں کو ختم کر کے چھاپہ مار پہاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ کچھ دیر تک قریبی چٹانوں سے رسد کے کیمپ پر تیر برستے رہے۔ اس کے بعد چھاپہ ماروں کی دوسری پارٹی نے حملہ کیا۔ صبح تک ڈیڑھ دو میل علاقے میں پھیلے ہوئے کیمپ میں رسد رہ گئی تھی یا لاشیں یا ایسے زخمی جو چلنے کے قابل نہیں تھے۔ بہت سے گھوڑوں کو صلیبی بھگا لے گئے تھے۔ بہت سے پیچھے بھی رہ گئے تھے چھاپہ ماروں کے شب خونوں کے درمیانی وقفے میں صلیبی کچھ گھوڑا گاڑیاں نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جو رسد اور گھوڑے رہ گئے وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج نے قبضے میں لے لیے۔

حلب کا محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس اہم شہر کو ایک بار پھر محاصرے میں لینے کی سکیم بنا رہا تھا۔ دن کے وقت جب چھاپہ ماروں کا کمانڈر سلطان صلاح الدین ایوبی کے شبخونوں کی رپورٹ دے رہا تھا۔ دربان خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ قاہرہ سے ایک کماندار ایک پیغام لایا ہے۔ پیغام قاصد لایا لے جایا کرتے تھے۔ کماندار کا نام سن کر سلطان صلاح الدین ایوبی دوڑ کر باہر آیا اور اس کے منہ سے نکلا ''خیریت؟...... تم کیوں آئے ہو؟''

''پیغام اہم ہے''...... کمانڈر نے کہا...... ''خدائے ذوالجلال سے خیریت کی امید رکھنی چاہیے۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے پیغام لیا اور کمانڈر کو اندر لے گیا۔ اس نے پیغام پڑھا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔

''ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سوڈانیوں کی فوج مصر میں داخل ہو کر کہاں خیمہ زن ہوئی ہے؟''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

''دیکھ بھال کے دستے بھیج دیئے گئے ہیں''...... کماندار نے جواب دیا۔

''مجھے توقع تھی کہ میری غیر حاضری میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہو گی''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا...... ''میرے بھائی (العادل) سے کہنا کہ گھبرائے نہیں۔ قاہرہ کے دفاع کو مضبوط کر لے لیکن صرف دفاعی لڑائی نہ لڑے۔ زیادہ تر دستے اپنے پاس رکھے اور ان میں سے جوابی حملے کے لیے تجربہ کار دستے الگ کر لے لیکن انہیں شہر میں ہی رہنے دے۔ فوج کی کوئی نقل و حرکت نہ کرے تاکہ دشمن کو یہ امید رہے کہ وہ تمہیں بے خبری میں لے لے گا۔ ظاہر یہ کرتے رہنا کہ قاہرہ کی فوج کو علم نہیں کہ قاہرہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ شہر کو محاصرے میں نہ آنے دینا۔ اس سے پہلے ہی جوابی حملہ کر دینا۔ کوشش یہ کرو کہ دشمن کے حملے سے پہلے ہی ڈھونڈ لو۔ اگر پتا چل جائے کہ وہ کہاں ہے تو زیادہ نفری سے حملہ نہ کرنا۔ شب خون مارنا۔ سرحدی دستوں کی نفری زیادہ کر دو تاکہ دشمن بھاگ کر نہ جا سکے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی فوج سرحد پار کس طرح کر آئی ہے۔ کسی نہ کسی سرحدی چوکی کی مدد یا کوتاہی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ دشمن رسد اور کمک کے بغیر نہیں لڑ سکے گے سرحد کو مضبوطی سے بند کر دینا۔ لڑائی کو طول دینا تاکہ دشمن بھوک سے مرے۔ میں تمہیں عملاً بتا چکا ہوں کہ دشمن کو بکھیر کر کس طرح لڑایا جاتا ہے۔ زیادہ نفری کے خلاف زیادہ نفری سے آمنے سامنے آ کر لڑنا قطعاً ضروری نہیں......

''مجھے توقع نہیں تھی کہ القند بھی غدار نکلے گا۔ پھر بھی میں حیران نہیں۔ ایمان کی نیلامی میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

بادشاہی کا صرف تصور ہی انسان کو ایمان سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اقتدار کا نشہ قرآن کو بند کر کے الگ رکھ دیتا ہے۔ مجھے افسوس القند پر نہیں، میں اسلام کے مستقبل کے متعلق پریشان ہوں۔ ہمارے بھائی صلیبیوں کے ہاتھوں فروخت ہوتے جا رہے ہیں۔ ادھر میرے بھائی میرے خلاف لڑ رہے ہیں۔ میرا پیرو مرشد نورالدین زنگی اس دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ کل پرسوں ہم بھی اٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ یہی سوال مجھے پریشان رکھتا ہے۔ کوشش کرنا کہ جب تک زندہ رہو اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے باخبر رکھنا''

اس نے پیغام لانے والے کمانڈر کو بہت سی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

مصری فوج کے چند ایک دستوں کو دو دو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر کے بھیج دیا گیا کہ وہ گھوم پھر کر دشمن کے اجتماع کو ڈھونڈیں۔ اس دوران اس سرحدی چوکی سے جس کا کمانڈر زہرہ کے ساتھ لاپتہ ہوگیا تھا، ایک سپاہی نے قاہرہ آ کر رپورٹ دی کہ چوکی کا کمانڈر چند دنوں سے لاپتہ ہے۔ سپاہی نے یہ نہ بتایا کہ ان کی چوکی پر ناچ گانا ہوا تھا اور ایک رقاصہ کمانڈر کے خیمے میں گئی تھی۔ اس اطلاع سے شک ہوا کہ وہ دشمن کے ساتھ مل گیا ہے اور اسی کی مدد سے دشمن اندر آیا ہے۔ علی بن سفیان نے رائے دی کہ چونکہ وہ چوکی دریائی راستے کی نگرانی کے لیے ہے، اس لیے دشمن دریا کے راستے آیا ہوگا۔ فیصلہ ہوا کہ کسی ذہین کمانڈر کو اس چوکی پر محافظوں کے ایک دستے کے ساتھ بھیجا جائے۔

چوکی کا کمانڈر اور زہرہ حبشیوں کے قبضے میں تھے لیکن قید ہوتے ہوئے بھی وہ قیدی نہیں تھے۔ انہیں جو لباس پہنایا گیا تھا وہ پرندوں کے رنگ برنگ پروں کا بنا ہوا تھا۔ جس کمرے میں انہیں رکھا گیا تھا، اسے پروں اور پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ انہیں خاص قسم کی غذا کھلائی جا رہی تھی۔ حبشیوں کے مذہبی پیشوا ان کے آگے سجدے کرتے اور کچھ بڑبڑا کر چلے جاتے تھے۔ کسی طور کو ان کے قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک بار انہیں درختوں کی مضبوط ٹہنیوں اور پتوں کی بنی ہوئی پالکیوں پر اٹھا کر دریا میں نہلانے کے لیے لے جایا گیا تھا۔ دونوں کو معلوم تھا کہ انہیں ذبح کیا جائے گا۔ رات کو وہ تنہا ہوتے تھے لیکن باہر آٹھ دس حبشی موجود رہتے تھے۔ کمانڈر نے کئی بار اٹھ کر دیکھا تھا کہ فرار کی کوئی صورت بن سکتی ہے یا نہیں۔ فرار ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

ایک رات حبشیوں کے دو مذہبی پیشوا آئے۔ کمانڈر اور زہرہ سوئے ہوئے تھے۔ انہیں جگایا گیا۔ وہ سمجھے کہ ان کی موت آن پہنچی ہے۔ مذہبی پیشواؤں نے ان کے آگے سجدہ کیا اور دونوں کو باہر لے گئے۔ باہر پالکیاں رکھی تھیں۔ ایک پر کمانڈر اور دوسرے پر زہرہ کو بٹھایا گیا۔ دو دو حبشیوں نے ایک ایک پالکی اٹھالی۔ مذہبی پیشوا آگے آگے چل پڑے۔ وہ دونوں مل کر کچھ گنگنانے لگے۔ پالکیوں کے پیچھے دو اور حبشی تھے جن کے پاس برچھیاں تھیں۔ وہ محافظ تھے۔ کمانڈر اور زہرہ خاموش تھے۔ پہاڑیوں سے نکل کر وہ لوگ دریا کی طرف چل پڑے۔ کمانڈر نے دیکھا کہ چاند افق سے نکل رہا تھا۔ اس سے اس نے اندازہ کیا کہ رات آدھی گزر گئی ہے۔ اس وقت سے پہلے چاند نہیں ہوتا تھا۔

دریا کے کنارے لے جا کر پالکیاں اتاری گئیں۔ مذہبی پیشوا آگے بڑھ کر کمانڈر اور زہرہ کا لباس اُتارنے لگے۔ چاند کی روشنی میں کمانڈر نے دیکھا کہ برچھیوں والے دونوں محافظ اور پالکیاں اٹھانے والے دونوں حبشی ان کی طرف پیٹھ کر کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے شاید یہی حکم تھا۔ کمانڈر نے چیتے کی طرح جست لگائی اور ایک حبشی سے برچھی چھین لی۔ وہ تجربہ کار سپاہی تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر دوسرے حبشی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ اس حبشی کی

برچھی گر پڑی۔ کمانڈر نے چلا کر کہا..... ''زہرہ بھاگ کر آؤ۔ یہ برچھی اٹھالو''

زہرہ دوڑی۔ کمانڈر نے گری ہوئی برچھی کو ٹھڈا مارا تو وہ زہرہ تک پہنچ گئی۔ کمانڈر نے کہا..... ''اب مرد بن جاؤ''..... حبشیوں نے خالی ہاتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ برچھیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مذہبی پیشوا بھاگ اٹھے۔ کمانڈر نے انہیں دور نہیں جانے دیا۔ زہرہ بھی ادھر کو ہی دوڑ پڑی۔ دونوں پیشوا ختم ہو گئے۔ باقی بھی مرنے سے پہلے زور زور سے کراہ اور چلا رہے تھے۔ کمانڈر کی برچھی نے سب کو خاموش کر دیا اور وہ چوکی طرف دوڑ پڑے۔ بہت آگے گئے تو انہیں دو گشتی سنتری گھوڑوں پر سوار آتے نظر آئے۔ کمانڈر نے انہیں پکار کر کہا کہ جلدی آگے آؤ۔

سنتریوں نے اپنے کمانڈر کو پہچان لیا۔ کمانڈر نے انہیں کہا ..... ''گھوڑے ہمیں دو۔ ہم قاہرہ جا رہے ہیں۔ تم دونوں واپس چوکی میں چلے جاؤ۔ اگر کوئی ہماری تلاش میں آئے تو کہنا کہ تم نے ہمیں نہیں دیکھا''

سپاہی پیدل واپس چلے گئے۔ کمانڈر نے زہرہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر زہرہ سے کہا کہ اگر تم نے کبھی گھوڑ سواری نہیں کی تو گھبرانا نہیں۔ گھوڑا تمہیں گرائے گا نہیں۔ ڈرنا مت۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگا اور اس کے ساتھ ہی زہرہ نے ڈر کے مارے چیخنا شروع کر دیا۔ کما[illegible] لیا اور زہرہ کو اپنے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور دوسرے گھوڑے کی باگیں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر زہرہ سے کہا کہ وہ اس کی کمر کے گرد بازو ڈال لے۔

گھوڑا پھر دوڑ پڑا۔ کمانڈر خطے سے دور ہٹ کر اور چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ اسے سمت اور راستے کا علم تھا۔ وہ ابھی دو میل بھی نہیں گیا ہو گا کہ ایک طرف سے اسے آواز سنائی دی..... ''ٹھہر جاؤ کون ہو؟''..... کمانڈر رکا نہیں۔ بیک وقت چار گھوڑے اس کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ کمانڈر نے اپنے گھوڑے کی رفتار اور تیز کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا گھوڑا تھک گیا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ دوسرے گھوڑے کو اپنے پہلو میں کر کے اس پر سوار ہو جائے وہ گھوڑا بغیر وزن کے بھاگ رہا تھا۔ اس لیے زیادہ تھکا ہوا نہیں تھا، مگر زہرہ کے ساتھ بھاگتے گھوڑے سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہونا ممکن نہیں تھا۔ چاند اوپر آ گیا تھا جس سے دُور تک نظر آ سکتا تھا۔ چاروں گھوڑے بہت قریب آ گئے تھے۔

دو تیر آئے جو کمانڈر کے قریب سے گزر گئے۔ ان کے ساتھ آواز آئی..... ''اگر نہ رکے تو اب تیر کھوپڑی میں اتر جائیں گے۔''

کمانڈر کو معلوم تھا کہ وہ رُکا تو بھی موت ہے۔ یہ لوگ حبشیوں کے حوالے کر کے آج ہی رات ذبح کر دیں گے بھاگتے رہنے میں بچ نکلنے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھما گھما کر دوڑانا شروع کر دیا تاکہ تیر نشانے پر نہ آئیں۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ اس کے تعاقب میں آنے والے سیدھے آ رہے تھے۔ جس سے فاصلہ کم ہو گیا اور وہ گھیرے میں آ گیا۔ اس کے جسم پر پروں کا لباس تھا جس سے وہ پرندہ لگتا تھا۔ یہی حالت زہرہ کی تھی کمانڈر نے ان چاروں کو دیکھا تو اسے شک ہوا۔ ان میں سے ایک نے پوچھا..... ''تم کون ہو؟'' ''یہ لڑکی کون ہے؟''..... دوسرے نے کہا..... ''پوچھتے کیا ہو، سوڈانی ہے یہ۔ دیکھو تو انہوں نے بہن کیا رکھا ہے۔''

کمانڈر ہنس پڑا اور بولا..... ''میرے دوستو، میں تمہاری فوج کا ایک کماندار ہوں''..... اس نے زہرہ کا تعارف کرایا اور ساری واردات سنا دی۔

یہ چار سوار دیکھ بھال کے کسی دستے کے تھے۔ وہ یہی دیکھتے پھر رہے تھے کہ سوڈان کی فوج کہاں ہے اور کہیں

ہے بھی یا نہیں۔ وہ کمانڈر اور زہرہ کو ساتھ لے کر قاہرہ کی سمت چل پڑے۔

☆

بڑی ہی لمبی مسافت طے کر کے وہ اگلی رات قاہرہ پہنچے۔ انہیں سب سے پہلے علی بن سفیان کے پاس لے جایا گیا اور رات کو ہی العادل کو جگا کر بتایا گیا کہ چار ہزار سے زیادہ حبشی فوج فلاں جگہ چھپی ہوئی ہے۔ اور اس کی قیادت سالار القند کر رہا ہے۔ العادل نے اسی وقت اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے طریقہ جنگ کے مطابق اس نے ہراول میں سوار دستے رکھے، جن کی نفری خاصی تھوڑی تھی۔ دو حصے پہلوؤں میں پیچھے رکھے۔ درمیان میں اپنا مین کوارٹر اور اپنے پیچھے زیادہ سے زیادہ دستے ریزرو میں رکھے۔ اسے معلوم تھا کہ وہ خطہ پہاڑی ہے۔ اس نے فوج کو قلعے کا محاصرہ کرنے کی تربیت میں رکھا اور کمانڈروں کو وہ جگہ سمجھا کر محاصرے کی ہی ہدایات دیں۔ پہاڑوں پر چڑھنے کے لیے اس نے چھاپہ مار دستے الگ کر لیے جنہیں اس نے اپنی کمان میں رکھا۔

اُدھر صبح کے وقت کسی نے دیکھا کہ مذہبی پیشواؤں اور چار حبشیوں کی لاشیں دریا کے کنارے پڑی ہیں۔ القند اور اس کے صلیبی مشیروں کو اطلاع دی گئی۔ کسی حبشی کو پتا نہ چلنے دیا گیا۔ القند کو یہ بھی بتایا گیا کہ جس مرد اور عورت کو قربانی کے لیے رکھا گیا تھا وہ لاپتہ ہیں۔ تب القند نے پوچھا کہ وہ آدمی کون تھا۔ اسے جب بتایا گیا کہ وہ اس قریبی چوکی کا کمانڈر تھا تو وہ چونکا۔ اسے یاد آ گیا کہ اس کمانڈر نے اسے دیکھا تھا۔

''وہ سیدھا قاہرہ گیا ہوگا'' القند نے کہا...... ''اسے چوکی میں جا کر دیکھنا اور پکڑنا بیکار ہے۔ اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہم قاہرہ پر بے خبری میں ہلہ بولنا چاہتے تھے لیکن ہم نے وقت ضائع کیا۔ اب ہم بے خبری میں مارے جائیں گے۔ میں اپنی فوج کو جانتا ہوں۔ خبر ملتے ہی اڑ کر پہنچے گی...... اور ایک کام فوراً کرو۔ حبشیوں کی لاشیں دریا میں بہا دو۔ اگر ان حبشیوں کو پتا چل گیا کہ ان کے مذہبی پیشوا اور ان کے محافظ مارے گئے اور جنہیں قربان کرنا تھا وہ بھاگ گئے ہیں تو یہ ہجوم قاہرہ کی بجائے خرطوم کی طرف چل پڑے گا۔

فوراً ہی اعلان کر دیا گیا کہ دریا کے کنارے قربانی دے دی گئی ہے۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ میرے دشمنوں پر فوراً حملہ کر دو...... ان کے جو کمانڈر مقرر کیے گئے تھے انہوں نے حبشیوں کو تعداد کے مطابق الگ الگ کر دیا تیر انداز الگ ہو گئے۔ جنگی سکیم کے مطابق انہیں ترتیب میں کر لیا گیا۔ انہیں پہاڑیوں کے اندر سے نکال کر دریا کے کنارے اس جگہ کے قریب سے گزارا گیا جہاں حبشیوں کا خون بکھرا ہوا تھا اور پالکیاں پڑی تھیں۔ وہاں ایک آدمی کھڑا اعلان کر رہا تھا...... ''یہ خون اس مرد اور عورت کا ہے جنہیں قربان کیا گیا ہے۔''

یہ فوج دریا کے کنارے قاہرہ کی سمت روانہ ہوئی۔ حبشی جنگی ترانہ گاتے جا رہے تھے۔ دن چلتے گزر گیا رات آئی تو پڑاؤ کیا گیا۔ اگلی صبح پھر کوچ ہوئی۔ پہاڑی خطہ بہت پیچھے رہ گیا۔ یہ دن بھی گزر گیا۔ اور ایک اور رات آئی۔ حبشیوں کو پڑاؤ کرنے کو کہا گیا۔ وہ کھا پی کر صحرا میں بکھر گئے اور بے سدھ سو گئے...... آدھی رات کے وقت ان کے پچھلے حصے پر العادل کے ایک چھاپہ مار گروہ نے شب خون مارا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے اور غائب ہو گئے۔ حبشیوں میں ہڑبونگ مچ گئی بہت دیر بعد ایسا ہی ایک اور ہلہ آیا جو بہت سے حبشیوں کو روندتا کچلتا نکل گیا۔ القند سب سے آگے تھا۔ اسے اطلاع ملی تو اس نے اگلے روز کی پیشقدمی روک دی۔

''یہ شب خون بتاتے ہیں کہ ہم مصری فوج کی نظر میں آ گئے ہیں۔'' اس نے صلیبی اور سوڈانی کمانڈروں سے

کہا...... ''یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا خصوصی طریقہ جنگ ہے۔ ہم اب آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تم ہزار جتن کرو مصری فوج سے تم کھلے صحرا میں لڑ نہیں سکتے اور اب تم بھاگ بھی نہیں سکتے۔ اب پیچھے چلو اور پہاڑیوں میں لڑو۔ ہمارا تمام تر منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ قاہرہ والے نہ صرف بیدار ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے فوج بھیج دی ہے۔''

''کیا ہم صحرا میں مصری فوج کو ڈھونڈ کر اس سے لڑ نہیں سکتے؟'' ایک صلیبی نے کہا۔

''اگر تم لوگ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کو سامنے لا کر لڑا سکتے تو آج مصر تمہارا ہوتا۔'' القند نے کہا...... ''میں اس فوج کا سالار ہوں۔ تم مجھ سے بہتر نہیں سمجھتے کہ اس فوج سے کیسے لڑنا ہے۔''

☆

سحر کے وقت حبشیوں کی فوج واپس چل پڑی۔ ہر طرف حبشیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ القند ٹھیک کہتا تھا کہ اس کی فوج مصری فوج کی نظر میں آ گئی ہے۔ مصری فوج کا دیکھ بھال کا انتظام القند کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ وہ حبشیوں کی فوج کو پیچھے لے چلا تو العادل فوراً سمجھ گیا کہ القند پہاڑیوں میں لڑنا چاہتا ہے۔ اس نے اسی وقت سوار تیر انداز دستے دُور کے راستے سے پہاڑی خطے کی طرف روانہ کر دیئے۔ پیادہ دستے بھی بھیجے گئے اور اس نے زیادہ تر دستے اپنے پاس روکے رکھے۔ ان دستوں کے ساتھ وہ حبشی فوج سے بہت فاصلہ رکھ کر پیچھے پیچھے چل پڑا۔

راستے میں رات آئی۔ حبشیوں کا پڑاؤ ہوا۔ رات کو العادل کے چھاپہ مار دستے حرکت میں آئے۔ حبشیوں کے ایک جیش کو بیدار رکھا گیا تھا۔ یہ تیر انداز تھے۔ انہوں نے بہت تیر چلائے جن سے کچھ سوار چھاپہ مار شہید ہوئے لیکن وہ جو نقصان کر گئے وہ بہت زیادہ تھا۔ سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ حبشیوں کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو گیا تھا۔ وہ کچھ اور سوچ کر آئے تھے۔ وہ آمنے سامنے لڑنے کے عادی تھے مگر یہاں دشمن انہیں نظر ہی نہیں آتا تھا وہ تباہی بپا کر جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

اگلے دن حبشیوں نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھیں اور پیچھے کو چل پڑے...... سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ جب وہ پہاڑی خطے میں داخل ہوئے لیکن اب انہیں پہلے کی طرح ایک جگہ جمع نہیں کرنا تھا، بلکہ پہاڑیوں کے اوپر، نیچے اور وادیوں میں لڑنے کی ترتیب میں رکھنا تھا ان کی آدھی نفری پہاڑیوں میں پہنچ چکی تھی۔ جب ان پر بلندیوں سے تیر برسنے لگے۔ العادل کے برق رفتار دستے پہلے ہی وہاں پہنچ کر مورچہ بند ہو گئے تھے۔ حبشیوں کے کمانڈروں نے چیخ چلا کر انہیں اوٹ میں کیا اور تیر اندازی کا حکم دیا۔ باقی نصف فوج ابھی باہر تھی۔ اسے پیچھے ہٹایا گیا۔ القند نے اس نفری کو پہاڑیوں پر چڑھا کر آگے جانے اور اوپر سے تیر چلانے کی چال چلی مگر حبشی ابھی پہاڑوں پر چڑھنے ہی والے تھے کہ ادھر سے العادل کی فوج جو ان کے عقب میں جا رہی تھی پہنچ گئی۔

حبشیوں کی خاصی نفری بلندیوں پر جانے میں کامیاب ہو گئی۔ جہاں سے حبشیوں نے نہایت کارگر تیر اندازی کی۔ العادل کو نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر اس کی سکیم اچھی تھی۔ اس نے ادھر سے دستے پیچھے ہٹا لیے۔ اس کی پہلی ہدایات کے مطابق دوسری طرف سے تیر انداز اور دیگر دستے پہاڑی خطے کی بلندیوں پر جا رہے تھے۔ سوار دستوں میں ایک کو دریا کے کنارے بھیج دیا گیا۔

اسوان کے اس سلسلہ کوہ میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ وادیوں پر تیر برس رہے تھے۔ پھر سوار دستوں کو وادیوں میں ہلہ بولنے کا حکم ملا۔ رات کو حبشی تو دبک گئے لیکن العادل نے منجنیقوں کے دستوں کو حکم دیا کہ وہ جگہ جگہ آتش گیر مادے کی

ہانڈیاں پھینک کر آگ کے گولے پھینکیں۔ تھوڑی دیر بعد پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر آگ کے شعلے اٹھے اور ہر طرف روشنی ہوگئی۔ اس روشنی میں رات کو بھی معرکہ جاری رہا۔ صبح کے وقت حبشی خاموش ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ زمین دوز محلات میں چلے گئے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔

دن کے وقت القند کی لاش مل گئی۔ وہ کسی کے تیر سے یا تلوار سے نہیں اپنی تلوار سے مرا تھا۔ اس کی اپنی تلوار اس کے دل کے مقام پر اتری ہوئی تھی۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ چند ایک صلیبی اور سوڈانی کمانڈر زندہ پکڑے گئے اور حبشی جنگی قیدیوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

العادل نے وہیں سے قاصد کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام کامیابی کا پیغام دے کر روانہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ بہت جلدی سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچو۔ وہ بہت پریشان ہوں گے۔

......۞......

یہ چراغ لہو مانگتے ہیں

عالم اسلام کے اسی خطے میں جہاں آج شامی مسلمان لبنانی صلیبیوں کے ساتھ مل کر فلسطینی حریت پسندوں کو پوری جنگی قوت سے سے کچل رہے ہیں، وہیں آٹھ سو سال پہلے بہت سے مسلمان امراء، اور حاکم اور مسلمان زنگی مرحوم کا نوعمر بیٹا صلیبیوں سے مدد لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا تھا۔ اس وقت فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا اور سلطان صلاح الدین ایوبی قبلۂ اول کے اس خطے کو کفار سے آزاد کرانے کا عزم لے کر نکلا تھا۔ صلیبی اس سے فلسطین کو نہیں بچا سکتے تھے مگر مسلمان ہی اس کے راستے میں حائل ہو گئے۔ آج بھی فلسطین پر کفار کا قبضہ ہے اور فلسطینی حریت پسند جو قبلۂ اول کو آزاد کرانے کے لیے اٹھے تھے، شامی مسلمانوں کی توپوں اور ٹینکوں سے بھسم کیے جا رہے ہیں۔

مارچ ۱۱۷۵ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی اسی خطے کے الرستان سلسلۂ کوہ میں کسی جگہ اپنے کوارٹر میں بیٹھا اپنے مشیروں اور کمانڈروں کے ساتھ اگلے اقدام کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس نے حلب کا محاصرہ اس لیے اٹھا لیا تھا کہ ملک الصالح نے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کے ساتھ جو جنگی معاہدہ کیا تھا، اس کے مطابق ریمانڈر سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے آ گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بروقت محاصرہ اٹھا لیا اور ایسی چال چلی کہ ریمانڈ کی فوج کے عقب میں چلا گیا اور ریمانڈ نے لڑے بغیر بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔ حلب مسلمانوں کا شہر تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن مسلمان امراء اور الملک الصالح کا جنگی مرکز بن گیا تھا۔ حلب کے مسلمانوں نے خلیفہ اور امراء کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا۔

وہ حلب پر ایک بار پھر حملہ کر کے غداروں اور ایمان فروشوں کے اس مرکز کو ختم کرنے کی سکیم بنا رہا تھا کہ اسے مصر سے اطلاع ملی کہ مصر میں اس کے ایک جرنیل القند نے صلیبیوں کی مدد سے سوڈانی حبشیوں کی فوج اس مقصد کے لیے تیار کر لی ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصر پر حملہ کیا جائے اور مصر کی امارت سلطان صلاح الدین ایوبی سے چھین لی جائے لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل نے حبشیوں کو اسوان کے مقام پر شکست دی اور القند نے خود کشی کر لی۔ اس کی اطلاع ابھی سلطان صلاح الدین ایوبی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے وہ الرستان میں پریشان بیٹھا تھا۔

عظمت اسلام کا یہ پاسبان ہر طرف سے خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ کئی ایک مسلمان امراء کی فوجیں اس کے خلاف متحد تھیں اور صلیبیوں کا خطرہ الگ تھا۔ ان سب کے مقابلے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ اس نے ایسا اقدام کر دکھایا تھا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس کے دشمنوں کو یہ توقع تھی کہ اس پہاڑی خطے میں سردیوں میں کوئی جنگ کی سوچ ہی نہیں سکتا۔ پہاڑیاں جو بلند تھیں وہاں برف بھی پڑتی تھی۔ سلطان صلاح الدین

ایوبی نے اپنی فوج کو ٹریننگ دے کر اس وقت حملہ کیا جب سردی عروج پر تھی۔ اس دلیرانہ اور غیر متوقع اقدام سے اس نے قلیل فوج سے سب کو خوفزدہ کر دیا اور ایسی پوزیشن حاصل کر لی کہ دشمن کی کسی بھی فوج کو اپنی پسند کی جگہ گھسیٹ کر لڑا سکتا تھا۔ اس کی فوج اتنی تھوڑی تھی کہ اسے کبھی کبھی ناکامی کا خطرہ بھی محسوس ہونے لگتا تھا لیکن سبھی اس سے ڈر رہے تھے۔ اسے یہ ڈر تھا کہ ریمانڈ سکیم اور راستہ بدل کر اس پر حملہ کرے گا لیکن ریماڈ کی حالت یہ تھی کہ اس نے اپنے علاقے تریپولی کا دفاع اس ڈر سے مضبوط کر لیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی حملہ کرے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس طرح اسے بھگایا تھا اس سے سلطان صلاح الدین ایوبی اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتا تھا کہ صلیبیوں کا تعاقب کرتا مگر فوج کی قلت نے اسے آگے نہ جانے دیا اور بڑی وجہ یہ تھی کہ مصر میں القند کی بغاوت نے اسے روک دیا تھا۔ اسے خطرہ نظر آ رہا تھا کہ مصر کے حالات بگڑ جائیں گے۔ اس صورت میں اسے مصر چلے جانا تھا۔ وہ اس صورت حال سے ڈرتا تھا۔ اگر اسے مصر جانا پڑتا تو مسلمان امراء عالم اسلام کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے۔ اس کا دار و مدار اس پر تھا کہ مصر سے اسے کیا اطلاع ملتی ہے۔

اپنے مشیروں اور کمانڈروں سے وہ مصر کے متعلق ہی پریشانی کا اظہار کر رہا تھا جب اسے اطلاع ملی کہ قاہرہ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بادشاہوں کی طرح یہ نہ کہا کہ اسے اندر بھیج دو۔ وہ اٹھا اور دوڑتا خیمے سے باہر نکل گیا۔ قاصد اتنے لمبے سفر کی تھکن سے چور گھوڑے سے اتر کر خیمے کی طرف آ رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھبراہٹ کے لہجے میں پوچھا...... ''کوئی اچھی خبر لائے ہو؟''

''بہت اچھی سلطان عالی مقام!'' ...... اس نے جواب دیا...... ''محترم العادل نے حبشیوں کے لشکر کو اسوان کی پہاڑیوں میں ایسی شکست دی ہے کہ اب سوڈان کی طرف سے لمبے عرصے تک کوئی خطرہ نہیں رہا۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ خیمے سے دوسرے لوگ بھی باہر آ گئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں یہ خوشخبری سنائی اور قاصد کو خیمے میں لے گیا۔ اس کے لیے کھانا وہیں لانے کو کہا اور اس سے اسوان کے معرکے کی تفصیل سن کر پوچھا۔ ''اپنی فوج کی شہادت کتنی ہے؟''

''تین سو ستائیس شہید۔'' قاصد نے جواب دیا...... ''پانچ سو سے کچھ زیادہ زخمی دشمن کا تمام تر جنگی سامان ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ ایک ہزار دو سو دس حبشی قیدی پکڑے ہیں۔ صلیبی اور سوڈانی سردار اور کمانڈر جو قید کیے گئے ہیں الگ ہیں۔'' قاصد نے پوچھا...... ''محترم العادل نے پوچھا ہے کہ قیدیوں کے متعلق کیا حکم ہے؟''

''صلیبی اور سوڈانی سالاروں اور کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دو۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا...... ''اور وہ جو ایک ہزار اور کچھ حبشی قیدی ہیں انہیں اسوان کی پہاڑیوں میں لے جاؤ۔ وہ جن غاروں میں چھپے تھے وہ ان سے پتھروں سے بھرواؤ۔ وہاں فرعونوں کے جو زمین دوز محل ہیں انہیں بھی پتھروں سے بھروا دو۔ یہ کام ان حبشیوں سے کرواؤ۔ اگر پہاڑ کھودنے پڑیں تو ان حبشیوں سے کھدواؤ۔ وہاں کوئی غار اور پہاڑیوں کے اندر کوئی محل نہ رہے۔ العادل سے کہنا کہ قیدیوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرنا۔ روزانہ ان سے اتنا کام لینا جتنا ایک انسان کر سکتا ہے۔ کوئی قیدی بھوکا اور پیاسا نہ رہے اور کسی پر صرف اس لیے تشدد نہ ہو کہ وہ قیدی ہے۔ وہیں اسوان کے قریب کھلا قید خانہ بنا لو اور کھانے کا انتظام وہیں کرو۔ اس کام میں کئی سال لگیں گے۔ اگر تمہارے سامنے کوئی اور کام ہو تو وہ ان قیدیوں سے کراؤ، اور اگر سوڈانی اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کریں تو مجھے اطلاع دینا۔ میں خود ان کے ساتھ سودا کروں گا۔''

اس پیغام کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصد سے کہا۔'' العادل سے کہنا کہ مجھے کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اپنی ضرورت کا بھی خیال رکھنا۔ بھرتی اور تیز کر دو۔ جنگی مشقیں ہر وقت جاری رکھو۔ جاسوسی کا جال اور زیادہ پھیلا دو۔ اگر القند جیسا قابل اعتماد سالار غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے تو تم بھی غدار ہو سکتے ہو اور میں بھی۔ اب کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ علی بن سفیان سے کہنا کہ اور تیز اور چوکنا ہو جائے۔''

☆

''مصر سے کمک آنے تک میں کوئی جارحانہ کارروائی نہ کروں تو بہتر ہوگا۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصد کو واپس روانہ کر کے اپنے سالاروں وغیرہ سے کہا۔'' ابھی ہم ان کامیابیوں کے دفاع میں رہیں گے جو ہم حاصل کر چکے ہیں۔ اپنی موجودہ صورت حال پر ایک نظر ڈالو۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا اپنا بھائی ہے۔ تمہارے طاقتور دشمن تین ہیں۔ حلب میں الملک بیٹھا ہے۔ دوسرا اس کا قلعہ دار گمشتگین ہے جو حران میں فوج تیار کیے ہوئے ہے، اور تیسرا سیف الدین ہے جو موصل کا حاکم ہے۔ یہ تینوں فوجیں اکٹھی ہو گئیں تو ہمارے لیے ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوگا۔ ریمانڈ کو تم نے پسپا کر دیا ہے لیکن وہ اس انتظار میں ہے کہ مسلمان فوجیں آپس میں الجھ جائیں تو وہ ہمارے عقب میں آ جائے۔ میں محصور ہو کر بھی لڑ سکتا ہوں لیکن لڑنا چاہوں گا نہیں۔''

''کیا ایک کوشش اور نہ کی جائے کہ ملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کو اسلام اور قرآن کا واسطہ دے کر راہ راست پر لایا جائے؟'' ایک سالار نے کہا۔

''نہیں۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔'' جو لوگ اپنے دل اور دماغ حق کی آواز کے لیے سر بمہر کر لیا کرتے ہیں، وہ خدا کے قہر اور عذاب کے بغیر اپنے دل اور دماغ نہیں کھولا کرتے۔ کیا میں کوشش کر نہیں چکا؟ اس کے جواب میں مجھے دھمکیاں ملیں۔ اگر اب میں صلح اور سمجھوتے کے لیے ایلچی بھیجوں گا تو وہ لوگ کہیں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی لڑنے سے گھبراتا اور ڈرتا ہے۔ اب میں ان پر خدا کا وہ عذاب اور قہر بن کر گرنا چاہتا ہوں جو ان کے دل اور دماغ کی مہریں توڑ دے گا۔ یہ قہر تم ہو اور تمہاری فوج۔'' اس نے آہ بھری اور کہا۔'' تم نے حلب کا محاصرہ کیا تو حلب کے مسلمان جس دلیری سے لڑے، وہ تم کبھی نہیں بھولو گے۔ وہ بے شک ہمارے خلاف لڑے لیکن میں ان کی تعریف کرتا ہوں۔ ایسی بے جگری سے صرف مسلمان لڑ سکتا ہے۔ کاش یہ جذبہ اور یہ طاقت اسلام کے لیے استعمال ہوتی۔ تم جانتے ہو کہ میں بادشاہ نہیں بننا چاہتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ عالم اسلام متحد ہو اور یہ قوت جو بکھر گئی ہے مرکوز ہو کر صلیبی عزائم کے خلاف استعمال ہو اور فلسطین آزاد کرا کے ہم سلطنت اسلامیہ کی توسیع کریں۔''

''ہم مایوس نہیں۔'' ایک سالار نے کہا۔'' نئی بھرتی آ رہی ہے۔ اس علاقے جوان خاصی تعداد میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ مصر سے بھی کمک آ رہی ہے۔ ہم آپ کی ہر توقع پوری کریں گے۔''

''لیکن میں کب تک زندہ رہوں گا۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔'' تم کب تک زندہ رہو گے؟ ابلیسی قوتیں زور پکڑ رہی ہیں۔ ان کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ میرے وہ عزیز دوست جن پر مجھے بھروسہ اور اعتماد تھا صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیلے اور میرے ہاتھوں قتل ہوئے۔ القند تمہارے ساتھ کا معتمد سالار تھا۔ کیا تم سن کر حیران نہیں ہوئے کہ القند نے سوڈان سے حبشیوں کی فوج بلائی اور مصر پر قابض ہونے کی کوشش کی؟ اس نے مجھ پر یہ کرم کیا ہے کہ شکست کھا کر اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لی ہے۔ میں نے اسے سزائے موت نہیں دی۔ حکومت کا نشہ، دولت اور عورت اچھے اچھے

انسانوں کو اندھا کر دیتی ہیں۔ ایمان میں کیا رکھا ہے؟ ایمان سونے کی طرح چمکتا نہیں، عورت کی طرح عیاشی کا ذریعہ نہیں بنتا اور ایمان بادشاہ اور فرعون نہیں بننے دیتا۔ ایک بار روح کے دروازے بند کر لو تو ایمان بیکار شے بن جاتا ہے، پھر عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں......

''سپین سے تمہارا پرچم کیوں اترا؟ تاریخ کہتی ہے کہ یہ کفار کی سازش کا نتیجہ تھا مگر ان کی سازشیں کیوں کامیاب ہوئیں؟ کیونکہ خود مسلمانوں نے اپنے آپ کو کفار کا آلۂ کار بنایا اور اجرت وصول کی۔ سپین ان کا تھا جنہوں نے سمندر پار جا کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں تا کہ واپسی کا خیال ہی دل سے نکل جائے۔ سپین کی قیمت وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ قیمت دی تھی۔ سپین شہیدوں کا تھا۔ یہ ہوتا آیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہی ہوتا چلا جائے گا کہ خون کے نذرانے دے کر ملک حاصل کرنے والے دنیا سے اٹھ جاتے ہیں تو وہ لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں جن کے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا۔ انہیں چونکہ ملک مفت ہاتھ آ جاتا ہے اس لیے اسے وہ عیاشی کا ذریعہ بناتے ہیں اور اپنے تخت و تاج کی سلامتی کے لیے دین و ایمان والوں اور دل میں قوم کا درد رکھنے والوں کی زبانیں بند کرتے اور ان کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ انہیں افلاس اور فاقوں کی چکی میں پیس کر ان کے جذبوں کو ختم کر دیتے ہیں......

''سپین میں یہی ہوا۔ کفار نے ہمارے بادشاہوں کو زور جواہرات اور یورپ کی حسین لڑکیوں سے اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہیں انہی کی فوج کے خلاف کیا۔ مجاہدین کو مجرم بنایا اور سپین کی اسلامی مملکت کو دیمک کھا گئی۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروانوں نے لہو کے چراغ جلا کر آدھی دنیا کو حق کی آواز سے منور کیا۔ کہاں ہیں وہ چراغ؟ ایک ایک کر کے بجھتے جا رہے ہیں یہ چراغ لہو مانگتے ہیں مگر لہو دینے والے صلیبیوں کی شراب اور عورت کے طلسم میں گم ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ سلطنت مفت ہاتھ آئی ہے۔ وہ ان شہیدوں کو بھول چکے ہیں جن کے خون کے عوض خدا نے قوم کو یہ سلطنت عطا کی تھی اور خدا نے یہ سلطنت بادشاہیاں قائم کرنے اور عیاشی کے لیے عطا نہیں کی تھی، بلکہ اس لیے کہ اسے مرکز بنا کر اسلام کا نور ساری دنیا میں پھیلایا جائے اور بنی نوع انسان کو شر کی قوتوں سے نجات دلائی جائے مگر شر کا جادو چل گیا اور آج جب قبلۂ اول پر کفار کا قبضہ ہے، ہم ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔''

''کافر سے پہلے غدار کا قتل ضروری ہے''۔ ایک مشیر نے کہا۔ ''اگر ہم حق پر ہیں تو ہم ناکام نہیں ہوں گے۔''

''مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ خطہ خون میں ہی ڈوبا رہے گا''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''حکومت شاید مسلمانوں کی ہی رہے مگر ان کے دلوں پر صلیبیوں کی حکمرانی ہو گی۔''

☆

جنگی نقطۂ نگاہ سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو ایسی پوزیشنوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ کسی بھی ایسے قلعے پر جو وہ فتح کر چکا تھا دشمن براہ راست حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان قلعوں میں اس نے مختصر سی نفری رکھی تھی کیونکہ وہ قلعہ بند ہو کر لڑنے کا قائل نہیں تھا۔ پہاڑی علاقے میں اس نے تمام راستوں اور وادیوں کی بلندیوں پر تیر انداز بٹھا دیئے تھے۔ جو راستے تنگ تھے ان کے اوپر پہاڑیوں پر اس نے بہت بڑے بڑے پتھر رکھ کر کچھ آدمی بٹھا دیئے تھے، تا کہ دشمن گزرے تو اوپر سے پتھر لڑھکا دیئے جائیں۔ دمشق سے آنے والے راستے کو اس نے کمانڈو قسم کے گشتی دستوں سے محفوظ کر رکھا تھا تا کہ رسد دشمن سے محفوظ رہے۔ ایک جگہ ایسی تھی جسے ''حماۃ کے سینگ'' کہا جاتا تھا۔ یہ ایک وسیع وادی تھی جس میں ایک ٹیکری جو خاصی بلند تھی آگے جا کر سینگوں کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے

پھندے کی حیثیت دے رکھی تھی۔اس نے اپنے سالاروں کو تیکنیکی لحاظ سے سمجھا دیا تھا کہ دشمن باہر آ کر لڑا تو اسے اس وادی میں گھسیٹ کر لڑایا جائے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے تمام علاقے میں ایسی جگہوں پر پوزیشنیں قائم کر لی تھیں جن سے وہ دشمن کو کسی بھی جگہ لانے پر مجبور کر سکتا تھا۔اس اہتمام کے علاوہ اس کے چھاپہ مار جوان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں دور دور تک گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ جاسوسی (انٹیلی جنس) کا نظام ایسا تھا کہ دشمن کے قلعوں کے اندر بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس موجود تھے جو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔اسے یہاں تک معلوم ہو گیا تھا کہ سلطانی کے نام نہاد دعویدار الملک الصالح نے اپنے گورنر (حران کے قلعہ دار) گمشتگین کو اور موصل کے حاکم سیف الدین کو مدد کے لیے بلایا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کچھ شرائط کے بدلے مدد یں گے، صرف بلاوے پر نہیں جائیں گے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مسلمان حکمران اور امراء بظاہر اتحادی ہیں لیکن ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں۔ ہر ایک اپنی جنگ لڑ کر زیادہ سے زیادہ علاقے پر قابض ہونے کی فکر میں ہے اور صلیبی انہیں مدد کم اور شہ زیادہ دے رہے ہیں اور ان کی باہمی چپقلش کو ہوا بھی دے رہے ہیں۔

''شمس الدین اور شاد بخت کی کوئی اطلاع نہیں آئی؟'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے حسن بن عبداللہ سے پوچھا۔

''کوئی تازہ اطلاع نہیں۔'' حسن بن عبداللہ نے جواب دیا۔'' وہ بڑی کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ گمشتگین نے کوئی بھی قدم اٹھایا یہ دونوں سالار اپنا پورا کام کریں گے۔ان کا پیغام بھی یہی تھا کہ حالات کے مطابق وہ کارروائی کریں گے۔''

حسن بن عبداللہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ وہ علی بن سفیان کا نائب تھا۔علی بن سفیان مصر میں تھا کیونکہ دشمن کی جاسوسی اور تخریب کاری کا زیادہ خطرہ مصر میں تھا۔سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن عبد اللہ کے ساتھ باہر ٹہل رہا تھا۔اس نے شمس الدین اور شاد بخت کا نام لیا تھا۔ یہ دونوں گمشتگین کے جرنیل تھے۔ گمشتگین کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ شیطان فطرت مسلمان تھا۔عہدے اور رتبے کے لحاظ سے وہ گورنر تھا اور حران کے قلعے میں مقیم تھا۔اس قلعے میں اور باہر اس نے خاصی فوج جمع کر رکھی تھی۔ وہ خلافت کے تحت تھا اور خلیفہ کے احکام کا پابند، لیکن اس نے ذاتی سیاست بازی اور چالبازیوں سے فوجی اور سیاسی لحاظ سے ایسی پوزیشن حاصل کر لی تھی جہاں وہ کسی کو پلے نہیں باندھتا تھا۔اس نے صلیبیوں کے ساتھ در پردہ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے قلعے میں نورالدین زنگی کے پکڑے ہوئے صلیبی قیدی تھے جن میں کمانڈر بھی تھے۔ زنگی فوت ہو گیا تو گمشتگین نے کسی کے حکم کے بغیر تمام قیدی رہا کر دیئے۔اس نے یہ اقدام صلیبیوں کی خوشنودی کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ اب صلیبیوں کے خلاف نہیں بلکہ ان سے مدد حاصل کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اس کے دو سالار تھے جو ذہانت اور جنگی اہلیت کی بدولت اس کے معتمد تھے۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ایک کا نام شمس الدین علی اور دوسرے کا شاد بخت علی تھا۔ یہ دونوں ہندوستانی مسلمان تھے۔عراق کے اس وقت کے ایک مؤرخ کمال الدین نے عربی میں ''تاریخ حلب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔اس نے ان کا اتنا ہی ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں بھائی تھے اور نورالدین زنگی کی زندگی میں ہندوستان سے اس کے پاس آئے تھے۔ زنگی نے انہیں فوج میں اچھا رتبہ دے کر حران بھیج دیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے بھی ان کا اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے۔عرب میں چونکہ نام کے ساتھ باپ کا نام بھی لکھا اور بولا جاتا ہے اس لیے ان دونوں بھائیوں کے نام تحریروں میں اس طرح آتے ہیں۔ ''شمس

الدین علی بن الضیا اور شاد بخت علی بن الضیا۔" یہ اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ ضیا کون تھا۔ تاریخ میں ان دونوں کا نام آنے کا باعث ایک واقعہ ہے جسے اس دور کے وقائع نگاروں نے قلمبند کیا ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ گمشتگین من مانی کا قائل تھا۔ حران میں عملاً اسی کی حکومت تھی۔ اس نے اپنے ایک خوشامدی اور بدطینت افسر ان بن الخاشب ابوالفضل کو قاضی کا رتبہ دے دیا تھا۔ اسلام کے قاضی انصاف اور دانش کی وجہ سے مشہور تھے لیکن ابوالفضل بے انصافی اور گمشتگین کی خوشنودی کی وجہ سے مشہور ہوا۔ اس کی بے انصافی کے قصے شمس اور شاد بخت تک بھی پہنچتے رہتے تھے لیکن وہ خاموشی اختیار کیے رکھتے تھے۔ وہ فوج کے جرنیل تھے قاضی کے فیصلوں اور شہری امور کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ طبعاً بھی وہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ یہ مشہور تھا کہ گمشتگین پر ان کا بہت اثر ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ انہوں نے گمشتگین پر اپنا اثر پیدا کر رکھا تھا۔

ان دنوں جب سلطان صلاح الدین ایوبی نور الدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سواروں کے ساتھ آیا اور شام اور مصر کی وحدت کا اعلان کیا تھا، اس نے اپنے بہت سے جاسوس ان اسلامی علاقوں میں بھیج دیئے تھے جو خلافت کے تحت ہوتے ہوئے ذاتی ریاستوں کی صورت اختیار کر گئے تھے (ان جاسوسوں کے چند ایک کارنامے سنائے جا چکے ہیں) ان میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا انطانون نام کا ایک ترک جاسوس حران چلا گیا۔ وہ خوبرو اور وجیہہ جوان تھا۔ ترکی کے علاوہ عربی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اس نے گمشتگین تک رسائی حاصل کر لی اور یہ کہانی سنائی کہ اس کا خاندان یروشلم میں آباد ہے جو اس وقت صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ اس نے بتایا کہ صلیبی وہاں مسلمانوں پر بے رحمی سے ظلم و تشدد کرتے ہیں اور بلاوجہ جسے چاہتے ہیں بیگار پر لگا دیتے ہیں۔ انہوں نے اس کی دو جوان بہنوں کو اغوا کر لیا اور اس کے بھائیوں اور باپ کو بیگار کے لیے پکڑ لیا ہے۔ وہ فرار ہو کر یہاں تک پہنچا ہے اور صلیبیوں سے انتقام لینے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

اس نے اپنا حال حلیہ بگاڑ رکھا تھا اور پتا چلتا تھا کہ وہ یروشلم سے پیدل آیا ہے اور بھوک اور تھکن نے اسے ادھ موا کر رکھا ہے۔ گمشتگین نے اسے فوجی نظروں سے دیکھا تو اس کا قد بت اسے پسند آیا۔ اس سے پوچھا کہ وہ گھوڑ سواری اور تیز اندازی جانتا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ اسے ذرا آرام اور کھانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد دکھائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ گمشتگین نے اسے کھلا پلا کر سلا دیا۔ وہ بہت دیر بعد اٹھا تو اسے گمشتگین کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ایک گھوڑا منگوایا گیا۔ باہر لے جا کر ایک باڈی گارڈ کی کمان اور ایک تیر اسے دے کر کہا گیا کہ خود ہی کہیں نشانے پر تیر چلا کر دکھاؤ پھر گھوڑا دوڑاؤ۔

قریب ایک درخت تھا جس پر پرندے بیٹھے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا پرندہ ایک چڑیا تھی۔ اس نے اس کا نشانہ لیا اور تیر چلایا۔ تیر چڑیا کے جسم میں اتر کر اسے اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ اس نے ایک اور تیر مانگا جو لے کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور کہا کہ وہ قریب آئے تو کوئی چیز اوپر پھینکی جائے۔ وہاں گمشتگین کے باڈی گارڈ کھڑے تھے۔ ایک دوڑ گیا اور اپنے کھانے کی پلیٹ اٹھا لایا جو مٹی کی تھی۔ انطانون گھوڑے کو دور لے گیا۔ وہاں سے موڑ کر ایڑی لگائی تو گھوڑا سرپٹ دوڑا۔ انطانون نے کمان میں تیر ڈالا۔ ایک باڈی گارڈ نے پلیٹ ہوا میں اچھالی۔ انطانون دوڑتے گھوڑے سے تیر چلایا اور پلیٹ کے ٹکڑے ہوا میں بکھیر دیئے۔ اس نے گھوڑا موڑ کر سواری کے کچھ اور کرتب دکھائے۔ یہ تو کسی کو بھی نہ معلوم تھا کہ وہ تجربہ کار جاسوس اور چھاپہ مار (کمانڈو) ہے اور اسے ہر ایک ہتھیار کے استعمال اور گھوڑ سواری کا ماہر بنایا گیا ہے۔

اس کے قد بت، گٹھے ہوئے جسم، گورے چٹے رنگ اور کرتب دیکھ کر گمشتگین بہت متاثر ہوا اور اسے اپنے باڈی گارڈز میں رکھ لیا۔ دو باڈی گارڈز گمشتگین کے گھر بھی ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انطانون گھر کی ڈیوٹی پر گیا جہاں اسے آٹھ دن اور آٹھ راتیں رہنا تھا۔ مسلمان حکمرانوں کی طرح گمشتگین کا حرم بھی بارونق تھا۔ اس میں بارہ چودہ لڑکیاں تھیں۔ انطانون نے پہلے دن جا کر گھر کے تمام دروازوں اور کونوں کھدروں کو دیکھا۔ اس نے وہاں کے تمام ملازم مردوں اور عورتوں سے کہا کہ وہ چونکہ گھر کی حفاظت کے لیے آیا ہے اس لیے سارے گھر سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس نے کمرے تک دیکھ ڈالے۔ وہ بہت چالاک تھا۔ باتوں کا جادو چلانا جانتا تھا۔ حرم میں جانے کی اسے جرات نہ ہوئی۔ ایک جوان لڑکی اسے برآمدے میں مل گئی۔ یہ بھی حرم کی ملکیت تھی۔ اس نے انطانون سے شہزادیوں والے رعب سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟

''محافظ ہوں۔'' اس نے گردن تان کر جواب دیا۔ ''دیکھ رہا ہوں کہ اس محفل جیسے مکان میں آنے اور جانے کے راستے کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے علاوہ یہاں کون رہتا ہے۔''

''محافظ تو پہلے بھی یہاں رہتے ہیں۔ کبھی کوئی اندر نہیں آیا۔'' لڑکی نے کہا۔ ''یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں۔''

''یہ میرا فرض ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اگر حرم سے کوئی ایک بھی حسینہ غائب ہوگئی تو محترم قلعہ دار اس کی جگہ میری بہن کو اٹھا لائیں گے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی بہن کی حفاظت کے لیے آئے ہو۔'' لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''اگر میں اس کی حفاظت کر سکتا تو آج ایک لڑکی سے یہ نہ کہلواتا کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔'' اس نے چہرے پر اداسی کا تاثر پیدا کر کے کہا۔ ''میں اپنی بہن کی حفاظت نہیں کر سکا تھا اس لیے آپ کی حفاظت میں پوری پوری احتیاط کر رہا ہوں۔ اس نے آہ بھر کر کہا۔ ''وہ بھی آپ جیسی تھی۔ بالکل آپ جیسی...... مجھے روکنے کی کوشش نہ کریں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔''

اس نے اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا وہ نشانے پر لگا۔ اس نے عورت کی جذباتیت پر تیر چلایا تھا۔ وہ بھی جوان لڑکی تھی۔ پوچھے بغیر نہ رہ سکی کہ وہ اپنی بہن کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا تو کیا ہوا تھا؟ کیا اس کی بہن اغوا ہوگئی تھی؟

''اگر اغوا کرنے والے مسلمان ہوتے یا وہ خود کسی مسلمان کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔'' اس نے کہا۔ ''دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ کوئی اس سے شادی کر لے گا یا اسے کسی مسلمان امیر کے حرم میں دے دیا جائے گا۔ اسے صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ ایک نہیں دو بہنوں کو۔ میں ان کی حفاظت نہیں کر سکا۔''

لڑکی نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے اور کس طرح اغوا ہوئی ہیں۔ اس نے وہی یروشلم والی کہانی سنا دی اور اپنے فرار کی کہانی ایسی سنسنی خیز بنا کر سنائی کہ لڑکی کا چہرہ بتاتا تھا جیسے یہ تیر اس کے دل میں اتر گیا ہے۔ اس نے کہا '' میں وہاں سے پیدل یہ ارادہ لے کر آیا ہوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر صرف اپنی بہنوں کا ہی نہیں ان تمام بہنوں کا انتقام لوں گا جنہیں صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ قلعہ دار نے مجھے اپنے محافظ دستے میں رکھ لیا ہے۔'' اس نے اور بھی بہت سی جذباتی باتیں کیں جو لڑکی کے دل میں اترتی گئیں۔

انطانون اچھی طرح جانتا تھا کہ حرم کی لڑکیوں کے جذبات نازک ہوتے ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے وہ کمزور ہوتی ہیں۔ وجہ صاف ہے۔ ایک آدمی کی ایک درجن یا اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوں تو کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ آدمی اسی کو

چاہتا ہے اور جب بیویاں بغیر نکاح کے حرم میں قید رکھی ہوئی ہوں تو انہیں محبت کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ جوان لڑکی کے کچھ جذبات بھی ہوتے ہیں۔ حرم کی جوان لڑکی یہ بھی جانتی ہے کہ چند سال بعد اس کی قدر و قیمت ختم ہو جائے گی۔ انطانون کو معلوم تھا کہ حرم کی لڑکیوں نے اپنے خوابوں اور رومانوں کو دبا کر رکھا ہوتا ہے اور وہ چوری چھپے اپنے خاوند یا آقا کے کسی جوان دوست یا کسی جوان اور خوبرو ملازم کے ساتھ عشق و محبت کا نشہ پورا کر لیتی ہیں۔

انطانون کے سامنے چونکہ یہی لڑکی اتفاق سے آ گئی تھی اس لیے اس نے اسی کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی۔ اپنے جاسوسی کے مقاصد کے لیے اسے حرم کی ایک لڑکی کے دوستانے کی ضرورت تھی۔ اسے ٹریننگ میں بتایا گیا تھا کہ گمشتگین جیسے عیاش گورنر اور امراء رقص اور شراب کی محفلیں جماتے ہیں جن میں حرم کی لڑکیاں بھی شریک ہوتی ہیں۔ شراب اور عورت کے نشے میں ان لوگوں کی زبانیں بے قابو ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا راز انہی محفلوں اور ضیافتوں میں بے نقاب ہوتے ہیں۔ انطانون اور اس کے ساتھی جاسوس علی بن سفیان کے تربیت یافتہ تھے اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں بے دریغ مالی اور دیگر مراعات دے رکھی تھیں۔ کوئی جاسوس دشمن کے علاقے میں پکڑا یا مارا جاتا تو سلطان صلاح الدین ایوبی اس کے خاندان کو اتنا زیادہ مستقل وظیفہ دیا کرتا تھا کہ مالی لحاظ سے اس خاندان کو کسی کی محتاجی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

انطانون نے اس لڑکی پر ایسا اثر پیدا کر دیا جو اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ اسے امید نظر آنے لگی کہ یہ لڑکی اس کے جال میں آ جائے گی۔ وہ وہاں سے ہٹنے لگا تو لڑکی نے اسے دبی زبان میں کہا:

''پچھلی طرف ایک باغیچہ ہے۔ رات کے دوسرے پہر وہاں بھی آ کر دیکھ لینا۔ مکان میں کوئی ادھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے۔'' لڑکی کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی اس نے دل کی بات کہہ دی۔

☆

باڈی گارڈز کے فرائض میں رات کو پہرہ دینا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بڑے دروازے کے سامنے نہایت اچھے لباس میں چمکتی ہوئی برچھیاں تھامے نمائش کے لیے موجود رہتے تھے۔ اور جب باڈی گارڈز اپنے آقا کے ساتھ ہوتے وہ اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ ان کا اصل کام میدان جنگ میں سامنے آتا تھا جب وہ اپنے آقا کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ انطانون رات کے دوسرے پہر باغیچے میں چلا گیا اور ٹہلتا رہا۔ یہ مکان محل جیسا تھا۔ اندر سے گانے بجانے اور ناچنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ انطانون نے ان مہمانوں کو بڑے غور سے دیکھا تھا جو آئے تھے۔ ان میں دو تین صلیبی بھی تھے۔ وہ باغیچے میں کچھ دیر ٹہلا تو پچھلے دروازے سے لڑکی نکلی اور اس کے پاس آ گئی۔

''آپ کیوں آئی ہیں؟'' انطانون نے انجان بن کر پوچھا۔

''اور تم کیوں آئے ہو؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''آپ کا حکم بجا لانے ......'' انطانون نے جواب دیا۔ ''آپ نے حکم دیا تھا کہ رات کے دوسرے پہر باغیچے میں آ کر دیکھ لینا۔ کوئی ادھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے......'' اس نے پوچھا۔ ''آپ اتنی گرما گرم محفل چھوڑ کر باہر کیوں آ گئی ہیں......''

''وہاں دم گھٹتا ہے......'' لڑکی نے جواب دیا...... ''شراب کی بو سے متلی آنے لگتی ہے۔''

''آپ شراب کی عادی نہیں؟''

''نہیں۔'' لڑکی نے جواب دیا'' ......میں یہاں کی کسی بھی چیز کی عادی نہیں ہو سکی...... بیٹھ جاؤ۔'' اس نے باغیچے کے ایک بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں مالکہ کی برابری کی جرات نہیں کر سکتا''......انطانون نے کہا......''کسی نے دیکھ لیا تو......''

''دیکھنے والے شراب میں بدمست ہیں''......لڑکی نے کہا......''بیٹھو اور اپنی بہنوں کی باتیں سناؤ''......

انطانون نے اپنے فن کے کمالات دکھانے شروع کر دیئے اور لڑکی اس کے قریب ہوتی گئی۔ وہ بات کو بہنوں سے پھیر کر اپنے آپ پر لے آئی۔ اس میں جو جھجک تھی وہ انطانون نے ختم کر دی۔ یہ انطانون تھا جس نے کہا کہ اسے اب چلے جانا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ قلعہ دار لڑکی کی تلاش کے لیے نوکروں کو دوڑا دے اور وہ پکڑی جائے۔ لڑکی نے کہا کہ اس کی غیر حاضری کو کوئی بھی محسوس نہیں کرے گا۔ وہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ انطانون نے اگلی رات پھر ملنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ لڑکی نے اسے اپنے متعلق جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ اسے شراب سے نفرت ہے۔ اسے جس طرح عیاشی کا ذریعہ بنایا گیا ہے اس سے بھی اسے نفرت ہے۔ وہ حلب کی رہنے والی تھی۔ اس کے باپ کے ایک دوست نے اسے گمشتگین کے لیے منتخب کیا اور برائے نام نکاح پڑھا کر باپ نے اسے رخصت کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی پیار کی پیاسی تھی۔

دوسری رات ان کی وہیں ملاقات ہوئی۔ لڑکی انطانون کے انتظار میں بے حال ہو گئی تھی۔ وہ آیا تو لڑکی نے اسے پہلی بات یہ کہی۔ ''اگر تم مجھے ایک خوبصورت لڑکی سمجھ کر کسی اور نیت سے آئے ہو تو واپس چلے جاؤ۔ مجھے تم سے ایسی کوئی غرض نہیں۔''

''جس روز میں نے بدنیتی کا اظہار کیا اس روز میرے منہ پر تھوک کر اندر چلی جانا'' انطانون نے کہا......''میں تمہیں اپنی بہنوں جیسی پاکیزہ لڑکی سمجھتا ہوں۔''

''لیکن مجھے ابھی بہن نہ کہنا'' لڑکی نے سنجیدگی کو مسکراہٹ میں بدل کر کہا۔ ''معلوم نہیں میں کس وقت کیا فیصلہ کر بیٹھوں۔''

''یعنی تم میرے ساتھ کہیں بھاگ چلنے کا فیصلہ کرو گی؟''

''یہ تم پر منحصر ہے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''ساری عمر چوری چھپے ملتے تو نہیں گزرے گی۔ تم یہاں آٹھ یا دس دنوں کے لیے آئے ہو۔ چلے جاؤ گے تو میں تمہاری صورت کو بھی ترستی رہوں گی۔''

اس رات وہ ایک دوسرے کے دل میں اتر گئے۔ اگلے دن لڑکی اتنی بے قابو ہوئی کہ اس نے انطانون کو دن کے وقت اپنے کمرے بلا لیا۔ اس دن گمشتگین حران سے کہیں باہر چلا گیا تھا۔ یہ ملاقات دونوں کے لیے خطرناک تھی۔ لڑکی جذبات کے جادو میں بھول گئی تھی کہ ان محلات میں سازشیں بھی ہوتی ہیں اور حرم کی لڑکیاں ایک دوسرے کو خاوند کی نظروں میں گرانے کے موقعے ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ انطانون کی شخصیت اور اس کی باتوں کے طلسم نے اسے اندھا کر دیا تھا۔ یہ محبت کی تشنگی کا نتیجہ تھا۔ انطانون نے اسے شک نہ ہونے دیا کہ اسے اس کے جسم کے ساتھ کوئی دل چسپی ہے۔ وہ لڑکی کے لیے سراپا خلوص اور پیار بن گیا تھا۔ وہ جب اس کے کمرے سے نکلا تو لڑکی کی یہ کیفیت تھی جیسے اس کے ساتھ ہی نکل جائے گی۔ رات کے دوسرے پہر انہیں پھر ملنا تھا۔

وہ جب وہاں سے نکلا تو حرم کی ایک اور لڑکی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس لڑکی نے اسے کمرے میں جاتے بھی دیکھا تھا۔

☆

گمشتگین رات کو بھی غیر حاضر تھا۔ لڑکی باغیچے میں چلی گئی۔ انطانون بھی آ گیا۔ اب ان کے درمیان نہ

کوئی حجاب رہا تھا اور نہ کوئی پردہ۔ لڑکی نے اسے کہا۔ ''تم نے کہا تھا کہ تم اپنی بہنوں کا انتقام لینے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونے آئے تھے پھر تم اس فوج میں کیوں بھرتی ہو گئے۔؟''

''کیا یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج نہیں؟'' انطانون نے ایسے پوچھا جیسے اسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ اسلامی فوج ہے اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے؟''

''یہ فوج اسلامی ہے لیکن اسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔'' لڑکی نے کہا۔

''یہ تو بہت بری بات ہے۔'' انطانون نے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے ایسی فوج میں رہنا چاہے جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو رہی ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یروشلم میں اور ان تمام علاقوں میں جہاں صلیبیوں کا قبضہ ہے مسلمان سلطان صلاح الدین ایوبی کو امام مہدی بھی کہتے ہیں۔ وہ صلیبیوں کے مظالم سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ مسجدوں میں امام بھی کہتے ہیں کہ یہ قوم کو گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ دمشق سے امام مہدی صلاح الدین ایوبی کے روپ میں نجات دلانے آ رہے ہیں..... مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟''

''اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے ساتھ لو۔ یہاں سے نکلو'' لڑکی نے کہا۔ ''میں تمہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تک پہنچا دوں گی۔ تمہیں اس فوج میں نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہوں گی کہ تم مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔''

''کیا تم اپنے خاوند سے اس لیے بھاگنا چاہتی ہو کہ اس نے تمہیں زرخرید لونڈی بنا رکھا ہے یا وہ بوڑھا ہے یا اس لیے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہے؟''

''مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''وجوہات تم نے خود ہی بتا دی ہیں۔ اس نے مجھے لونڈیوں کی طرح حرم میں قید کر رکھا ہے۔ وہ بوڑھا بھی ہے اور نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ اس کے حرم میں آنے سے پہلے جوانی کی امنگوں کے ساتھ میرے دل میں ایک اور جذبہ بھی تھا جو مجھے مجبور کرتا تھا کہ میں شادی نہ کروں اور نور الدین زنگی کے پاس جا کر کہوں کہ مجھے کوئی سا جنگی فرض سونپ دیں۔ میں صلیب کے خلاف لڑنا چاہتی تھی۔ میں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا نام سن رکھا تھا۔ میں نے تیر اندازی سیکھی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کی بھی مشق کی مگر میرے جذبے کو اس بدبخت کے حرم میں قید کر کے اسے شراب سے مار دیا گیا۔ سچ پوچھو تو میں اس قلعے میں آئی تو خوش ہوئی تھی کہ ایک جنگجو کی بیوی بن کے آئی ہوں اور یہ جنگجو صلیبیوں کے خلاف لڑے گا لیکن سلطان نور الدین زنگی کی وفات کے فوراً بعد اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔''

''یہ ابھی تک سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آیا ہے یا نہیں؟'' انطانون نے پوچھا۔

''مقابلے میں آنے کو تیار ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''لیکن یہ بہت گہرا آدمی ہے۔ خلیفہ الملک الصالح اور اس کے درباری امراء کا دوست ہے۔ وہ سب سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ گمشتگین نے انہیں وعدہ دے رکھا ہے کہ وہ انہیں اپنی فوج دے گا مگر یہ صلیبیوں کے ساتھ یارانہ گانٹھ کر آزادانہ طور پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسے امید ہے کہ وہ بہت سے علاقے پر قبضہ کر لے گا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ حران اور مفتوحہ علاقوں کا بادشاہ بن جائے گا۔''

''تم نے اس کی ساتھ کبھی اس مسئلے پر بات کی ہے؟''

''کی تھی۔'' لڑکی نے جواب دیا۔'' اس نے میرے دل میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں ڈالنے کی کوشش کی۔ میں سلطان سلاح الدین ایوبی کو اپنا پیر اور پیغمبر مانتی ہوں۔ گمشتگین کی کسی بات نے بھی مجھ پر اثر نہ کیا تو اس نے میرے ساتھ تعلق توڑ لیا۔ مجھے مارتا پیٹتا بھی رہا۔ اس کے بعد اس نے مجھے کہا کہ تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے علاقے میں چلی جاؤ۔ تم بہت خوبصورت ہو اور نوجوان بھی ہو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے تین چار سالاروں کو اپنے جال میں پھانس کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دو۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تمہارے ساتھ دو بہت ہوشیار اور بہت خوبصورت صلیبی لڑکیاں ہوں گی۔ تم تینوں مل کر پہاڑوں کو بھی اپنا مرید بنا سکتی ہو۔ اس نے مجھے طریقے بتائے اور کہا کہ میں جا کر جاسوسی بھی کروں، اور اگر میں اس کے یہ سارے کام کر دوں تو وہ میرے خاندان کو بے انداز زر وجواہرات دے گا اور مجھے آزاد کر کے میری پسند کے آدمی کے ساتھ میری شادی کر دے گا۔ میں نے کوئی بھی شرط نہ مانی۔''

''تم مان لیتی''...... انطانون نے کہا۔'' یہاں سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاتی''......

''اس مردود نے اور اس کے صلیبی دوستوں نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ ان کے دشمنوں کے علاقے میں جا کر کوئی لڑکی یا جاسوس غداری کرے تو اسے اغوا کر کے لے آتے ہیں یا وہیں قتل کر دیتے ہیں۔ ان کا تعلق حسن بن صباح کے قاتل فدائیوں کے ساتھ بھی ہے۔ میری روح مر گئی تھی۔ یہ جسم رہ گیا تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ ایسا ہی کروں جیسے تم نے کہا ہے لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔ تمہیں دیکھا اور تم میرے قریب آئے تو میری روح جاگ اٹھی۔ میں تمہارا احسان ساری عمر نہیں بھولوں گی کہ تم نے مجھے اپنے دل میں بٹھایا لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ آؤ یہاں سے نکل چلیں۔

''تم یہیں، اسی قلعے میں صلیب کے خلاف اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمنوں کے خلاف لڑ سکتی ہو''......

''وہ کیسے؟''

''جس طرح تمہارا آقا گمشتگین تمہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے علاقے میں جاسوسی کے لیے بھیجنا چاہتا ہے۔ اسی طرح سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی جاسوسوں کی ضرورت ہے جو یہاں رہ کر اسے ان لوگوں کے ارادوں اور دوسرے رازوں سے آگاہ کرتے رہیں۔''

''تمہیں کیسے پتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو جاسوسوں کی ضرورت ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''میں خود سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔'' انطانون نے کہا۔ لڑکی اس طرح چونکی جیسے اسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔'' کیوں؟ تم حیران کیوں ہو گئی ہو؟ یہ سچ ہے۔ میں یروشلم سے نہیں، قاہرہ سے آیا ہوں۔ میری کوئی بہن اغوا نہیں ہوئی۔''

''تم نے جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں یہ بھی جھوٹ ہوگا کہ تم نے مجھے دلی محبت دی ہے۔'' لڑکی نے کہا۔'' تمہارا پیار اور تمہارے وعدے بھی جھوٹے ہوں گے۔''

''میری محبت کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے۔'' انطانون نے کہا۔'' یوں سمجھو کہ میں نے اپنی زندگی تمہارے قدموں میں رکھ دی ہے۔ تم گمشتگین کو میری اصلیت بتا کر مجھے مروا سکتی ہو۔ کوئی جاسوس اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتا۔ مجھے تمہارے جذبے اور تمہاری محبت نے اتنا مجبور کیا کہ میں نے اپنا آپ تم پر ظاہر کر دیا ہے۔ محبت کا دوسرا ثبوت اس وقت دوں گا جب یہاں سے اپنا کام کر کے واپس جاؤں گا۔ میں اکیلا نہیں جاؤں گا، تم میرے ساتھ ہو گی، لیکن ایک بات صاف صاف سن لو۔ اگر تمہاری محبت اور میرا فرض اکٹھے میرے سامنے آ گئے اور خدا نے میرا امتحان

لینا چاہا کہ میں کسے پسند کرتا ہوں تو میں فرض کا انتخاب کروں گا۔ تمہاری محبت کو قربان کر دوں گا۔ دھوکہ نہیں دوں گا۔ تم نہیں جانتی کہ جاسوس سے اس کا فرض کیسی کیسی قربانیاں مانگتا ہے۔ سپاہی میدان جنگ میں لڑتا اور مرتا ہے۔ اس کے دوست اس کی لاش گھر لے جاتے ہیں اور بڑی عزت سے دفن کرتے ہیں۔ جاسوس مارا نہیں پکڑا جاتا ہے۔ دشمن اسے قید خانے میں لے جا کر ایسی ایسی اذیتیں دیتا ہے جو تم سن کر ہی بے ہوش ہو جاؤ۔ جاسوس مرتا بھی نہیں زندہ بھی نہیں رہتا۔ جاسوس کے لیے فولاد جیسے مضبوط ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ایسا ہی ایمان لے کر آیا ہوں۔ تم سے محبت کی ہے تو فولاد کی طرح مضبوط رہوں گا مگر ایمان کا حکم نہیں ٹال سکوں گا۔''

لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور چوم کر اپنے منہ پر پھیرا۔ اس نے کہا۔'' تم مجھے بھی اتنا ہی مضبوط پاؤ گے۔ بتاؤ میں کیا کروں۔''

انطانون نے اسے بتانا شروع کر دیا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے لیے ضروری ہدایت یہ تھی کہ وہ گانے بجانے اور پینے پلانے کی ان محفلوں سے غیر حاضر نہ ہوا کرے جس میں صلیبی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اگر اسے شراب کے دو گھونٹ پینے پڑیں تو پی لیا کرے، وران لوگوں میں گھل مل کر ان کی باتیں سنے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہے اور ان سالاروں کے سینوں سے یہ راز نکلوائے کہ ان کے جنگی ارادے کیا ہیں۔ صلیبیوں کی باتیں غور سے سنے۔ انطانون نے اس سے ان دو سالاروں کے متعلق پوچھا جن کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔

''شمس الدین علی اور شاد بخت کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' گمشتگین ان کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ وہ اکثر یہاں آتے ہیں۔ راگ رنگ میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن شراب نہیں پیتے۔''

''تم ان کے قریب ہو جاؤ۔'' انطانون نے کہا۔'' باتوں باتوں میں ان سے پوچھنا۔'' کیا الرستان میں برف پگھل رہی ہے؟''......وہ تم سے پوچھیں گے۔' کیا تم الرستان جا رہی ہو؟'' تم مسکرا کر کہنا......' ارادہ تو یہی ہے۔' اس کے بعد وہ تمہارے ساتھ کچھ باتیں کریں گے اور شاید یہ بھی پوچھیں کہ ادھر سے کون آیا ہے۔ تم بتا دینا کہ وہ تمہیں مل جائے گا۔''

''میں کچھ بھی نہیں۔'' لڑکی نے کہا۔

''سب سمجھ جاؤ گی۔'' انطانون نے کہا۔'' فاطمہ! میں تمہیں کبھی ان جھمیلوں میں نہ ڈالتا لیکن فرض کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی عزیز ترین شے کو بھی اپنے فرض پر قربان کر دیں۔ تم مجھے قربان کر دو، میں تمہیں قربان کر دوں۔ گھبرا نہ جانا فاطمہ! آنے والا وقت معلوم نہیں ہمارے لیے کیسے کیسے مصائب اور کیسی کیسی آزمائشیں لا رہا ہے۔ اگر ہم دونوں قید خانے کے جہنم میں چلے گئے یا مارے بھی گئے تو ہمارا خون ضائع نہیں ہوگا۔ خدائے ذوالجلال ہمیں فراموش نہیں کرے گا۔ اسلام کی عظمت کی پاسبانی خون دیے بغیر نہیں ہو سکتی۔''

''تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔'' فاطمہ نے کہا......'' تم نے میرے اس جذبے کو بھی زندہ کر دیا ہے جو میں سمجھتی تھی کہ مر گیا ہے۔''

☆

انطانون چلا گیا۔ فاطمہ اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو فاطمہ نے محسوس کیا کہ وہ اکیلی نہیں۔ اس کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ اس نے بدک کر دیکھا۔ حرم کی ہی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ بھی فاطمہ کی ہی طرح جوان اور خوبصورت تھی۔ اس نے کہا......'' فاطمہ! اس محبت کا انجام سوچ لو۔ تم آزاد نہیں ہو۔ میرے جذبات بھی تم جیسے ہیں۔

میں بھی پنجرہ توڑ کر اڑ جانا چاہتی ہوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ ہماری قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہمیں مل گیا ہے۔ دل کو کچل ڈالو۔ اگر دل کی تسکین کا سامان کرنا ہی ہے تو اور بہت ہیں۔ اپنے محافظ کو اتنا بڑا درجہ نہ دو۔''

''کون محافظ؟'' فاطمہ نے حیران سا ہو کے پوچھا۔''تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''میں نے ابھی وہ نہیں کہا جو میں نے سنا ہے۔'' دوسری لڑکی نے کہا...... ''مجھ سے اب کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ تم نے اس کے ساتھ جو سودا کیا ہے وہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور فاطمہ وہیں کھڑی اندھیرے خلاؤں میں گھورتی رہی۔

اسے یاد آ گیا کہ انطانون اسے کہہ گیا تھا کہ اپنا کام آج ہی سے شروع کر دو۔ اسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اس نے انطانون سے کہا تھا کہ تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔ اس نے دل ہی دل میں اس لڑکی پر لعنت بھیجی اور اپنے آپ سے کہا کہ حرم میں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی لڑکی کسی لڑکی کو ہمدردی سے کچھ سمجھاتی ہے اور بعض آقا کی نظر میں ایک دوسری کو گرانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اسے اب ایک سہارا اور قومی جذبے کی تسکین کا ذریعہ مل گیا تھا، مگر وہ ناتجربہ کار تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ حرم میں کچھ بھی کسی سے چھپایا نہیں جا سکتا اور یہ بھی کہ اس ماحول میں اخلاق اور کردار ناپید ہے اور یہاں کسی بھی وقت کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔ گناہوں کی اس پراسرار دنیا میں وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہی تھی۔

دو تین روز بعد اس کی ملاقات شمس الدین اور شاد بخت سے ہوگئی۔ اس رات بھی گمشتگین نے بزم عیش و طرب منعقد کی تھی۔ اپنے سالاروں، صلیبی مشیروں اور اعلیٰ افسروں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے وہ انہیں خوب عیش کراتا تھا۔ ان دو تین دنوں کی ملاقاتوں میں انطانون نے فاطمہ کو ٹریننگ دے دی تھی۔ فاطمہ اس ضیافت میں خوب دل چسپی لے رہی تھی۔ گمشتگین حیران ہوتا ہوگا اور خوش بھی کہ اس لڑکی میں تبدیلی آ گئی ہے۔ وہ ہر کسی کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ وہ شمس الدین کے پاس جا رکی اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے اس نے کہا...... ''کیا الرستان میں برف پگھل رہی ہے؟''

سالار شمس الدین چونک اٹھا۔ گمشتگین جیسے چالاک اور سخت مزاج قلعہ دار کے حرم کی کسی لڑکی کی زبان سے ایسے الفاظ نکلنے کی اسے توقع نہیں تھی کیونکہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کے خفیہ الفاظ تھے جو بول کر جاسوس ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ ان الفاظ سے جاسوسوں کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ شمس الدین کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس قلعے میں کوئی جاسوس قید نہیں تھا جس نے یہ الفاظ بتا دیئے ہوں۔ اس نے کوڈ کا اگلا مکالمہ بولا...... ''کیا تم الرستان جا رہی ہو؟''

''فاطمہ نے مسکرا کر کہا۔'' ارادہ تو یہی ہے۔''

شمس الدین باتیں کرتے کرتے فاطمہ کو الگ لے گیا۔ دوسرے لوگ شراب اور رقص میں محو تھے۔ شمس الدین نے اس سے پوچھا۔''تم جانتی ہو میں سالار ہوں۔''

''میں کچھ اور بھی جانتی ہوں۔'' فاطمہ کی مسکراہٹ میں طنز نہیں اپنائیت اور ایک مطلب تھا۔

''کون آیا ہے؟'' شمس الدین نے رازداری سے پوچھا۔

''وہ آپ کو مل جائے گا۔'' فاطمہ نے جواب دیا۔

''تم جانتی ہو کہ مجھے دھوکہ دے کر تمہارا انجام کیا ہوگا؟''

''دھوکہ نہیں۔'' فاطمہ نے جواب دیا۔'' آپ ٹہلتے ٹہلتے بڑے دروازے تک چلے جائیں۔ وہاں دو محافظ کھڑے ہیں۔ پوچھنا کہ یروشلم سے کون آیا ہے۔''

شمس الدین دروازے پر چلا گیا۔ وہاں دو محافظ کھڑے تھے جنہیں وہ جانتا تھا۔ اس نے پوچھا۔'' تم میں سے یروشلم سے کون آیا ہے؟'' انطانون نے آگے بڑھ کر بتایا کہ وہ یروشلم سے آیا ہے۔ شمس الدین نے پوچھا۔'' تم اگر الرستان کی طرف سے آئے ہو تو وہاں برف پگھل رہی ہوگی۔''

''کیا آپ الرستان جا رہے ہیں؟'' انطانون نے پوچھا۔

''ارادہ تو یہی ہے۔'' شمس الدین نے مسکرا کر کہا۔

جب اسے یقین ہو گیا کہ انطانون واقعی جاسوس ہے تو اس نے پوچھا۔'' وہ لڑکی دھوکہ تو نہیں دے رہی؟''

''نہیں۔'' انطانون نے جواب دیا۔'' ملاقات کا موقعہ دیں۔ ساری بات بتاؤں گا۔''

☆

ملاقات کا موقع پیدا کر لیا گیا۔ شمس الدین آخر سالار تھا۔ وہ موقع پیدا کر سکتا تھا۔ اس نے انطانون سے پوچھا کہ اس نے فاطمہ کو کس طرح اپنے جال میں پھانسا ہے اور اسے وہ کس طرح اتنا قابلِ اعتماد سمجھتا ہے کہ اسے خفیہ (کوڈ) الفاظ تک بتا دیئے ہیں۔ انطانون نے اسے شروع سے آخر تک سنا دیا کہ یہ لڑکی کس طرح اسے ملی اور ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں۔

''میں ایک خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔'' شمس الدین نے کہا'' تم جوان ہو، خوبرو اور تنومند ہو۔ لڑکی جوان ہے اور اس کی خوبصورتی غیر معمولی ہے۔ جذبات فرض پر غالب آنے کے امکانات مجھے صاف نظر آ رہے ہیں۔ تمہارا دن کے دوران اس کے کمرے میں جانا جذبات کے تحت تھا۔ تم نے احتیاط نہیں کی۔ لڑکی میں محبت اور خلوص کی تشنگی ہے۔ تم نے اسے محبت بھی دی خلوص بھی دیا ہے۔ ایسی لڑکیوں کے جذبات نازک اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تم اپنے فرض کو رومانی جذبات کے غلبے سے تباہ کر دو گے۔ جوانی اور تشنگی مل کر بارود بن جاتی ہیں...... کیا تم مجھے یقین دلا سکتے ہو کہ تمہارے دل میں اس لڑکی کی محبت پیدا نہیں ہوگی؟ میں تمہارے ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔''

''میں نے اسے اپنے کام کے لیے گرویدہ بنایا ہے۔'' انطانون نے کہا...... ''لیکن میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ لڑکی میرے دل میں اتر گئی ہے۔ میں آپ کو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ یہ محبت میرے فرض پر غالب نہیں آئے گی۔''

پھر ان کے درمیان اپنے کام کی کچھ باتیں ہوئیں اور شمس الدین نے اسے کچھ ہدلیات دے کر رخصت کر دیا۔

اسی روز شمس الدین نے اپنے بھائی شاد بخت کو بتایا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہاں ایک اور آدمی بھیج دیا ہے۔ جس کا نام انطانون ہے اور وہ محافظ دستے میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ان دونوں بھائیوں کے دو ذاتی محافظ، ان کے اردلی اور دو ملازم بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے لڑاکا جاسوس تھے۔ شمس الدین اور اس کے بھائی نے انہیں بھی بتایا کہ ان کا ایک اور ساتھی آ گیا ہے جس نے یہاں آ کر اپنے آپ کو ایک خطرے میں ڈال دیا ہے۔ یہ اس کا کارنامہ ہے کہ اس نے قلعہ دار کی ذاتی رہائش گاہ میں سے ایک مچھلی پکڑ لی ہے مگر اس میں خطرہ بھی ہے۔ شمس الدین نے اپنے آدمیوں کو یہ خطرہ تفصیل سے بتایا اور کہا...... ''ابھی تک حران میں ہمارا کوئی جاسوس نہیں پکڑا گیا۔ مجھے ڈر ہے کہ انطانون پکڑا جائے گا۔ ہم اس پر نظر رکھیں گے، تاہم تم سب کو تیار رہنا ہوگا۔ اگر وہ پکڑا گیا تو ہماری بے عزتی ہوگی۔ یہ ڈر بھی ہے کہ اذیتوں سے

گھبرا کر وہ ہم سب کی نشاندہی کر دے۔ لیکن مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیال آتا ہے وہ کہیں گے کہ دو سالار اور چھ لڑاکا جاسوس ایک آدمی کی حفاظت نہ کر سکے۔"

"آپ اور ہم موجود تھے تو ایک اور آدمی کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟" ایک نے پوچھا۔

یہی ضرورت تھی جو اس نے پوری کر لی ہے۔" شمس الدین نے جواب دیا...... "گمشتگین کے حرم تک رسائی ضروری تھی۔ تم ان بحثوں میں نہ پڑو۔ میں جانتا ہوں یہ حسن بن عبداللہ کا فیصلہ ہے جو صحیح ہے۔ میں تمہیں اس کے خطروں سے آگاہ کر رہا ہوں۔ تیار رہنا ہوسکتا ہے اس لڑکی کو اغوا کر کے غائب کرنا پڑے۔ اس کے لیے بھی تیار رہو۔"

"ہم تیار ہیں۔" سب نے کہا...... "لیکن ہمیں بروقت اطلاع ملنی چاہیے۔"

"یہ ممکن نہیں کہ اطلاع بروقت ملے۔" شمس الدین نے کہا...... "ہوسکتا ہے مجھے بھی اس وقت پتا چلے جب انطانون شکنجے میں جکڑا ہوا ہو اور اس کی ہڈیاں توڑی جا رہی ہوں۔"

"کیا تم دونوں بھائی پسند کرو گے کہ ہم کسی سے مدد لیے بغیر اپنی جنگ آزاد سے لڑیں؟" گمشتگین سالار شمس الدین اور شاد بخت سے پوچھ رہا تھا۔ "آپ دونوں جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہم کئی ایک لوگ ہیں۔ ہم سب نے بظاہر متحدہ محاذ بنا رکھا ہے لیکن ہم دل سے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ الملک الصالح بچہ ہے۔ وہ جن امراء کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر الصالح کو باہر پھینک دیں گے اور خودمختار حاکم بن جائیں گے۔ موصل کا حاکم سیف الدین بھی ہمارا دوست ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن۔ لیکن وہ بھی اپنی ریاست الگ بنانا چاہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے حران کے گرد و نواح سے کافی فوج تیار کر لی ہے۔ میں نے صلیبی حکمران ریجنالڈ کو اور اس کے تمام جنگی قیدیوں کو اس معاہدے کے تحت آزاد کر دیا تھا کہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آؤں تو صلیبی اگر میری مدد براہ راست نہ کریں تو عقب سے یا پہلو سے سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں یا اسے حملے کا دھوکہ دے کر اس کی توجہ مجھ سے ہٹا دیں۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ایک وسیع و عریض علاقہ آپ کی عملداری میں ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دے سکیں گے۔ وہ صلیبیوں کو پسپا کر سکتا ہے۔ صلیبی اس کی جنگی چالوں سے واقف نہیں۔ ہم واقف ہیں کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ اگر اس کی فوج بے جگری سے لڑ سکتی ہے تو ہم اس سے زیادہ بہادری کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی پہلی بار حلب میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ حلب والوں نے اس کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔"

شمس الدین اور شاد بخت نے اسے بالکل نہ کہا کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے اور صلیبی جو ہم سب کے دشمن ہیں ہمیں مدد کا دھوکا دیں گے مدد نہیں دیں گے۔ ان دونوں بھائیوں نے اسے یہ بھی یاد نہ دلایا کہ الملک الصالح نے صلیبی حکمران ریمانڈ کو سونے کی شکل میں معاوضہ دیا اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگ کی صورت میں ریمانڈ اس پر عقب سے حملہ کرے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ فوج لے کر آ گیا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی کے صرف چھاپہ مار دستوں نے اسے روک دیا اور ریمانڈ لڑے بغیر واپس چلا گیا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے گمشتگین کے ساتھ کسی بھی نکتے پر بحث نہ کی۔ اس کی تائید کی اور اسے مشورہ دیا کہ اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی الرستان کی پہاڑیوں میں بیٹھا ہے۔ اس سلسلہ کوہ "حماۃ کے سینگ" نام کی جو وادی ہے اسے میدان جنگ بنایا جائے تو سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دی جا سکتی ہے۔ انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ اپنی

جنگ آزادی سے لڑی جائے اور صلیبیوں سے مدد لی جائے۔

''مجھے کچھ ایسی اطلاعیں مل رہی ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہمارے درمیان موجود ہیں اور وہ ہر ایک خبر اسے پہنچا رہے ہیں۔'' گمشتگین نے کہا..... ''آپ دونوں محتاط اور چوکنے رہیں اور چھان بین کریں۔''

''کہنے کی ضرورت نہیں۔'' سالار شاد بخت نے کہا..... ''ہم جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا نظام جاسوسی بہت مضبوط اور تیز ہے ہم نے یہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں جو ہمیں مشتبہ اور مشکوک افراد سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔''

''میں اس معاملے میں بہت سخت ہوں۔'' گمشتگین نے کہا..... ''اگر مجھے اپنے بیٹے کے متعلق بھی شک ہوا کہ جاسوس ہے تو میں اسے بھی شکنجے میں ڈال دوں گا۔ ذرہ بھر رحم نہیں کروں گا۔''

گمشتگین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ جن دو سالاروں سے اتنے نازک مشورے لے رہا ہے وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہیں۔ یہ دونوں بھائی تو بہت ہی خطرناک جاسوس تھے۔ کیونکہ وہ دونوں اس کی فوج کے جرنیل تھے اور فوجوں کی کمان انہی کے پاس تھی۔ گمشتگین سے فارغ ہو کر وہ جب اکیلے بیٹھے تو انہوں نے آپس میں یہ سکیم بنائی کہ وہ جب فوج لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جائیں گے تو اسے اپنی پیش قدمی کے متعلق پہلے اطلاع دے دیں گے۔ وہ ان کی فوج کو گھیرے میں لے لے گا اور ہتھیار ڈال دیئے جائیں گے۔ دونوں بھائی دیر تک سکیم بناتے اور ہر پہلو پر غور کرتے رہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ گمشتگین کب حملہ کرنا چاہتا ہے۔ انہیں اسے اس پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ جلدی حملہ کرے۔

☆

انطانون اب گمشتگین کی رہائش گاہ کی ڈیوٹی سے ہٹ گیا تھا کیونکہ اس کی ڈیوٹی کے آٹھ دن پورے ہو چکے تھے۔ فاطمہ نے اسے کام کی کچھ باتیں بتائی تھیں۔ اب اس کا فاطمہ سے ملنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ہر لمحے اسے ملنے کے لیے بیتاب رہتا تھا جس کی ایک وجہ تو اپنے فرض کی ادائیگی تھی اور دوسری وجہ جذباتی اور رومانی تھی۔ فاطمہ نے ایک خادمہ کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ایک شام اس خادمہ کے ذریعے فاطمہ نے انطانون کو اطلاع بھجوائی کہ رات اسی وقت وہ باغیچے میں آ جائے۔ بڑے دروازے سے اندر جانا ناممکن تھا۔ باغیچے کے پیچھے اونچی دیوار تھی۔ فاطمہ نے کہلا بھیجا تھا کہ دیوار کے باہر رسہ لٹک رہا ہوگا۔ اس رات وہاں بہت بڑی ضیافت تھی۔ گمشتگین نے ایسے تمام بڑے بڑے لوگوں کو مدعو کیا تھا، جو جنگ میں اس کے مددگار ہو سکتے تھے۔ ان میں صلیبی کمانڈر بھی تھے اور چند ایک مسلمان فوجی افسر بھی جو موصل سے چوری چھپے آئے تھے۔ گمشتگین نے ایسے غیر فوجی آدمیوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ جن کے پاس بے انداز دولت تھی۔ اب سب مہمانوں سے وہ جنگ کے لیے مدد لینا چاہتا تھا۔ ان میں شمس الدین اور شاد بخت بھی تھے اور ان میں گمشتگین کا قاضی ابن الخاشب ابوالفضل بھی تھا۔

یہ اجتماع فاطمہ کے لیے بہت اچھا تھا۔ اسے اس کی اہمیت کا علم ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے مزاج کے خلاف اپنا بناؤ سنگار ایسے طریقے سے کیا تھا جس میں مردوں کے لیے بے پناہ کشش تھی۔ اس کی جوانی اور خوبصورتی کی کشش الگ تھی۔ وہ پھدکتی پھر رہی تھی۔ ہر مہمان کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی تھی۔ اسے جہاں بھی کوئی صلیبی اور اپنی فوج کا کوئی اعلیٰ افسر باتیں کرتا نظر آتا وہاں اس طرح پیٹھ کر کے کھڑی ہو جاتی کہ انہیں شک نہ ہوتا۔ وہ ان کی طرف کان لگا دیتی۔ وہ شمس الدین اور شاد بخت کے پاس بھی گئی۔ دونوں نے اسے کہا کہ وہ بہت محتاط رہے اور اس کے کان میں کوئی راز کی بات

ے تو انہیں بتا دے۔ انطانون سے زیادہ ملاقاتیں نہ کرے لیکن اس نے یہ راز ان سے چھپائے رکھا کہ اس نے آج رات انطانون کو بلا رکھا ہے اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس سے باغیچے میں ملنے جائے گی پھر واپس آ کر اپنا کام کرے گی۔ اس نے شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی خادمہ سے رسہ دیوار کے اوپر بندھوا کر پچھلی طرف لٹکوا دیا تھا۔ دیوار کی اندر کی طرف ایک درخت تھا۔ انطانون کو باہر سے رسے کے ذریعے اوپر آنا اور اسی رسے کو اندر کی طرف لٹکا کر درخت کی اوٹ میں اترنا تھا۔

اس ضیافت میں باہر سے نہایت اعلیٰ درجے کی ناچنے والیاں بلائی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ لڑکیوں جیسے خوبصورت نوعمر لڑکے بھی بلائے گئے تھے۔ جو نیم عریاں ہو کر خاص قسم کا رقص کرتے تھے۔ حرم کی ساری لڑکیاں گمشتگین کی اس ہدایت یا حکم کے ساتھ موجود تھیں کہ مہمانوں کو پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کریں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ شراب کے مٹکوں کے منہ کھول دیئے گئے تھے۔ فاطمہ بھی اس میں آزاد تھی کہ کہ مہمانوں میں سے کسے ملتی ہے اور اس کے ساتھ کیسی باتیں اور حرکتیں کرتی ہے۔

محفل کی رونق اور سازوں کے ہنگامے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور فاطمہ بے چین ہوتی جا رہی تھی کیونکہ انطانون کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ ایک صلیبی کمانڈر کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ یہ صلیبی روانی سے عربی زبان بولتا تھا۔ فاطمہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کر رہی تھی۔ تاکہ یہ صلیبی اپنے دل کی باتیں اگل دے۔ ایسا ہی ہوا۔ وہ فاطمہ کو بتانے لگا کہ وہ کس طرح سلطان صلاح الدین ایوبی کو ختم کریں گے۔ ان باتوں کے دوران اس نے فاطمہ کے ساتھ بے تکلفی پیدا کر لی۔ فاطمہ نے مزاحمت نہ کی۔ اسے کچھ قیمتی راز حاصل ہو رہے تھے۔ صلیبی اسے باتوں میں لگائے محفل سے پرے لے گیا۔ چلتے چلتے وہ اندر والے باغیچے میں چلے گئے۔ وہاں روشنی نہیں تھی۔ وہاں جا کر فاطمہ نے محسوس کیا کہ انطانون آ گیا ہو گا اور اس کے انتظار میں پریشان ہو رہا ہو گا۔ اس نے صلیبی سے کہا کہ آؤ واپس چلیں لیکن صلیبی ابھی واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ فاطمہ کوئی جھوٹ موٹ وجہ بتائے بغیر بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔ مگر بھاگنے کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ بھاگنے کی بظاہر وجہ بھی کوئی نہیں تھی۔

صلیبی نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھاس پر بٹھا لیا اور اس کے حسن کی تعریفیں شروع کر دیں۔ فاطمہ نے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔ صلیبی نشے میں بھی تھا۔ اس نے دست درازی کی تو فاطمہ نے ہنس کر کہا..... ''یہ سوچ لو کہ میں کس کی بیوی ہوں۔''

''اسی کی اجازت سے یہ جرأت کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور فاطمہ کو اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ کہنے لگا..... ''تم جسے اپنا خاوند کہہ رہی ہو وہ تمہارا خاوند نہیں ہے۔''، صلیبی نے کہا..... ''اس حقیقت سے تم بھی واقف ہو۔ اگر وہ تمہارا خاوند ہوتا ہے تو اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے اور بادشاہ بننے کے لیے اپنی تمام بیویاں آج رات کے لیے ہم پر حلال کر دی ہیں۔''

''وہ بے غیرت ہے۔'' فاطمہ نے غصے کو ہنسی میں دبا کر کہا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ صلیبی جو کچھ کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے۔

''جو آدمی اپنا ایمان بیچ ڈالتا ہے وہ اپنی بیوی، اپنی بہن اور اپنی بیٹی کی عزت سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے۔ تم بیوقوف لڑکی ہو۔ عیش و عشرت سے کیوں بیزار ہو؟ کہتی ہو میں شراب بھی نہیں پیتی۔''

فاطمہ کو دو باتیں پریشان کر رہی تھیں۔ پہلی یہ کہ انطانون آ گیا ہو گا اور دوسری یہ کہ گمشتگین اگر غیرت مند

ہوتا تو وہ دوڑتی اس کے پاس جاتی اور اسے بتاتی کہ یہ آدمی مجھ سے دست درازی کرتا ہے۔ مگر وہاں صورت یہ پیدا کر دی گئی تھی کہ کسی مہمان کو خصوصاً کسی صلیبی کمانڈر کو ناراض کرنا گمشتگین کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ وہ اپنی بیویوں کی عصمت کے عوض سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگ مدد لے رہا تھا۔ فاطمہ جال میں الجھ کے رہ گئی۔ وہ اس صلیبی کے منہ پر تھوک نہیں سکتی تھی اور اسے دھتکار بھی نہیں سکتی تھی۔ ان مجبوریوں کے باوجود اپنی عزت سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کیا کرے۔

اس نے اسے ذرا سلجھے ہوئے طریقے سے ٹالنے کی کوشش کی جو محض بے کار ثابت ہوئی۔ اسے بڑی شدت سے خیال آیا کہ انطانون آ گیا ہوگا۔ وہ پیچ و تاب کھانے لگی۔ اس ذہنی کیفیت میں صلیبی نے ایک بیہودہ حرکت کی۔ فاطمہ بھڑک اٹھی۔ وہ گھاس پر بیٹھے تھے۔ اس نے صلیبی کو بڑے زور سے دھکا دیا۔ وہ پیٹھ کے بل گرا۔ عورت میں غیرت بیدار ہو جائے تو وہ چٹان کو بھی دھکہ دے کر گرا سکتی ہے۔ یہ صلیبی تو نشے میں تھا۔ اس نے اسے فاطمہ کا مذاق سمجھا اور قہقہہ لگایا۔ قریب ہی مٹی کا ایک بڑا گملا رکھا تھا۔ فاطمہ کو غصے نے پاگل کر دیا۔ اس نے گملا اٹھایا۔ یہ بہت وزنی تھا۔ گملا اوپر کو اٹھا کر اس نے صلیبی کے منہ پر دے مارا۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا قہقہے لگا رہا تھا۔ گملا اس کی پیشانی پر گرا اور اس کے قہقہے خاموش ہو گئے۔ فاطمہ نے گملا پھر اٹھایا۔ صلیبی بے ہوش ہو کر پہلو کے بل ہو گیا تھا۔ فاطمہ نے گملا اپنے سر سے اوپر لے جا کر اس کے سر پر پھینکا اور وہاں سے غلام گردش میں چلی گئی۔ کسی کمرے میں داخل ہوئی اور اندھیرے میں پچھلے باغیچے میں چلی گئی۔

محفل پر شراب کا نشہ طاری ہو چکا تھا۔ رقص عروج پر تھا۔ شرابیوں کی ہاؤ ہو نے اس قلعہ نما محل کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ کسی کو ہوش نہ تھا کہ کون زندہ ہے اور کون قتل ہو گیا ہے۔ اس ہنگامے سے لاتعلق ہو کر فاطمہ پچھلے باغیچے میں گئی۔ انطانون کی محبت کے جوش اور نشے میں اسے ابھی یہ احساس نہیں تھا کہ وہ ایک انسان کو قتل کر آئی ہے اور مقتول صلیبی ہے۔ وہ انطانون کو فخر سے سنانا چاہتی تھی کہ اس نے اپنی عزت کی حفاظت میں ایک صلیبی کو قتل کر دیا ہے، مگر انطانون وہاں نہیں تھا۔ فاطمہ کا دل اس خیال سے ڈوبنے لگا کہ وہ آ کر چلا گیا ہے۔ اس نے درخت کے پیچھے جا کر دیکھا کہ رسہ باہر ہے یا اندر۔ رسہ اندر تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انطانون آیا ہے۔ اسی لیے رسہ اندر ہے۔ مگر وہ کہاں ہے؟ واپس گیا ہوتا تو رسہ باہر کو ہوتا۔

وہ وہاں کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اسے اندھیرے میں ایک سایہ سا حرکت کرتا نظر آیا۔ اس نے غور سے دیکھا۔ اس کی خادمہ معلوم ہوتی تھی۔ فاطمہ نے اسے آہستہ سے آواز دی۔ وہ خادمہ ہی تھی۔ فاطمہ کی طرف دوڑی گئی۔ اس نے فاطمہ سے کہا..... ''اسے یہاں نہ ڈھونڈو۔ وہ آیا تھا۔ میں اس کے انتظار میں چھپ کر کھڑی تھی۔ میں نے اسے دیوار پر دیکھا۔ اس نے رسہ اندر پھینکا اور اترنے لگا۔ ادھر سے دو آدمی آتے نظر آئے۔ اس وقت وہ رسے سے اتر رہا تھا۔ دونوں آدمی قریب آ گئے۔ میں اسے خبردار نہ کر سکی۔ وہ دونوں درخت کے تنے سے لگ گئے۔ وہ جونہی اترا ان دونوں نے اسے ایسا جکڑا کہ وہ ان سے آزاد نہ ہو سکا۔ میں آپ کو ڈھونڈتی رہی لیکن میں مہمانوں میں نہیں جا سکتی تھی۔''

فاطمہ کو چکر آ گیا اور جب اسے یہ خیال آیا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ یہ الف لیلیٰ کی پراسرار اور طلسماتی دنیا تھی جسے فاطمہ جیسی لڑکی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اسے حرم کی ایک لڑکی نے خبردار بھی کیا تھا کہ وہ ایک محافظ سپاہی کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل کر غلطی کر رہی ہے۔ اسے اب یہ مسئلہ پریشان کرنے لگا کہ انطانون کو کس نے گرفتار کرایا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو پہلے سے معلوم ہوگا کہ وہ آ رہا ہے۔ اب فاطمہ کو یہ خدشہ نظر آنے لگا کہ اسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔ اسے اپنی خادمہ پر بھی شک تھا۔ وہ بھی تو مخبری کر سکتی تھی۔

وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ خادمہ کو ساتھ لے کر اس نے اوپر سے رسہ کھلوایا اور اسے کہا کہ اسے کہیں چھپا دے۔ وہ خود انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں سالار شمس الدین اور شاد بخت کی طرف دوڑ گئی۔ رقص اور شراب کی محفل گرم تھی۔ فاطمہ کو شاد بخت نظر آ گیا۔ اسے محفل کے انداز سے معلوم ہوا کہ صلیبی کے قتل کا کسی کو پتا نہیں چلا، وہ خراماں خراماں شاد بخت تک گئی اور اسے اشارے سے بلایا۔ الگ جا کر اسے بتایا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے۔ اس نے قتل کی وجہ بھی بتائی۔

شاد بخت نے یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہ فاطمہ کو کسی نہ کسی نے اس صلیبی کے ساتھ ادھر جاتے دیکھا ہوگا جہاں اس کی لاش پڑی ہے اور اس کے پکڑے جانے کا امکان بڑا واضح ہے، اس نے کہا...... ''تمہیں اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ تم اگر گرفتار ہو گئی تو میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ گمشتگین تم جیسی خوبصورت لڑکی کا قید خانے میں کیا حال کرائے گا۔ اگر اس کا باپ مارا جاتا تو وہ پروا نہ کرتا۔ وہ ایک صلیبی کمانڈر کے قتل کا بڑا بھیانک انتقام لے گا۔''

''میں کہاں جاؤں؟'' فاطمہ نے پوچھا۔

''تھوڑی دیر یہیں گھومو پھرو'' ...... شاد بخت نے کہا...... ''میرا بھائی شمس الدین آ جائے تو اس سے بات کروں گا۔''

''وہ کہاں چلے گئے ہیں؟'' فاطمہ نے خوف سے کانپتی آواز میں پوچھا۔

''کچھ دیر گزری انہیں اطلاع ملی تھی کہ پچھواڑے کی دیوار سے رسے سے پھلانگ کر ایک آدمی اندر آ گیا تھا۔ معلوم نہیں وہ کون ہے اور کس ارادے سے اندر آیا تھا۔ شمس الدین اسے دیکھنے اور اسے قید خانے میں ڈالنے یا جو بھی کارروائی مناسب سمجھے گا کرنے کے لیے گیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر تک نہ آیا تو میں خود چلا جاؤں گا۔ دل مضبوط رکھنا۔ ہم تمہیں چھپا لیں گے۔''

فاطمہ کے ذہن میں خیال آیا کہ پکڑا جانے والا انطانون ہی ہوگا۔ اسے اطمینان سا ہوا کہ انطانون کو سالار شمس الدین کے حوالے کیا گیا ہے اور وہ اسے بچانے کی کوشش کرے گا۔

وہ انطانون ہی تھا۔ اسے دو سپاہیوں نے پکڑا تھا۔ چونکہ یہ شمس الدین کے شعبے کی ذمہ داری تھی کہ اس قسم کے مجرموں سے پوچھ گچھ کر کے کارروائی کرے اس لئے اسی کو اطلاع دی گئی کہ ایک آدمی دیوار پھلانگ کر اندر آتے پکڑا گیا ہے۔ شمس الدین محفل سے اٹھ کر باہر گیا تو سپاہیوں نے انطانون کو پکڑ رکھا تھا۔ شمس الدین نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اس مجرم کو نہیں جانتا اس سے پوچھا...... ''تم تو شاید محافظ دستے کے جوان ہو۔ دیوار کیوں پھلانگی ہے؟ سچ سچ بتا دو ورنہ سزائے موت سے کم سزا نہیں دوں گا۔''

انطانون خاموش رہا۔ شمس الدین کو اس خیال سے غصہ آ رہا تھا کہ اسے اس نے کہا بھی تھا کہ محتاط رہے اور فرض پر جذبات کو غالب نہ آنے دے۔ اس نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا۔ ایک طرف تو اس نے فن کا یہ کمال دکھایا تھا کہ ایک ہی کوشش میں محافظ دستے میں بھی شریک ہو گیا اور فوراً بعد اس نے حرم تک رسائی حاصل کر لی مگر دوسری طرف اس نے ایسی حماقت کی کہ ایک ہی ہلے میں پکڑا گیا۔ جاسوس کی حیثیت سے یہ اس کا جرم تھا لیکن اس کی سزا اسے یہاں نہیں دی جا سکتی تھی، یہاں سے اسے بچانا اور نکالنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فاطمہ کو بھی وہاں سے نکالنا ضروری تھا کیونکہ اس انکشاف کا بھی خطرہ تھا کہ انطانون کو فاطمہ نے بلایا تھا اور رسہ لٹکانے کا انتظام اسی نے کیا تھا۔

شمس الدین نے دونوں سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر کہا کہ اسے وہاں لے جائیں اور وہ اسے قید خانے میں لے جانے کا انتظام کرنے جا رہا ہے۔ سپاہی اسے لے گئے تو شمس الدین کسی اور طرف چلا گیا۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ کو

بلایا۔ جو وہیں کہیں موجود تھا۔ باڈی گارڈ چلا گیا۔ اس کے بعد شمس الدین اندر چلا گیا اور اپنے بھائی شاد بخت کو اپنے پاس بلایا۔ رقص ہو رہا تھا۔ مہمان عش عش کر رہے تھے۔ شراب بہہ رہی تھی۔ مشعلوں کے شعلوں اور فانوس کی رنگ برنگی روشنیوں نے ناچنے والیوں کے رنگا رنگ لباسوں سے مل کر ایسی رونق پیدا کر رکھی تھی جس میں الف لیلیٰ کا طلسم تھا۔ سب مدہوش اور مخمور ہوئے جا رہے تھے۔ صلیبی کی لاش ابھی وہیں پڑی تھی۔ اس طلسماتی ماحول اور فضا میں شمس الدین اور شاد بخت کے درمیان انطانون اور فاطمہ کے متعلق باتیں ہوئیں۔ شاد بخت نے شمس الدین کو بتایا کہ فاطمہ ایک صلیبی کو قتل کر چکی ہے۔

انہوں نے فاطمہ کو اپنے پاس بلایا اور اسے اپنے کمرے میں جا کر لباس اور حلیہ بدل کر وہاں سے نکلنے کی ترکیب اچھی طرح سمجھا دی۔ وہ خراماں خراماں وہاں سے غائب ہو گئی۔

کچھ دیر بعد دربان نے اندر آ کر شمس الدین کو اطلاع دی کہ باہر فلاں کمانڈر کھڑا ہے۔ شمس الدین باہر گیا۔ ایک کمانڈر گھبرایا ہوا کھڑا تھا۔ اس نے رپورٹ دی۔ ''انطانون نام کے جس محافظ کو دیوار پھلانگتے پکڑا گیا تھا، وہ فرار ہو گیا ہے۔''

''کیا وہ دو سپاہی مر گئے تھے جن کے حوالے میں انہیں کر کے آیا تھا؟''...... شمس الدین نے گرج کر پوچھا۔

''معلوم ہوتا ہے یہ اکیلے انطانون کا نہیں ایک سے زیادہ آدمیوں کا کام ہے''...... کمانڈر نے بتایا۔ ''دونوں سپاہی وہاں بے ہوش پڑے ہیں۔ ان کے سروں پر ضربوں کے نشان ہیں۔''

شمس الدین نے موقعہ واردات پر جا کر دیکھا۔ دونوں سپاہی ہوش میں آ چکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یہاں کھڑے تھے۔ اندھیرے میں پیچھے سے ان کے سروں پر کسی نے ایک ایک ضرب لگائی اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ شمس الدین نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اس وقت ایک عورت جس نے سر سے پاؤں تک برقعے کی طرز کا سیاہ ریشمی لبادہ لے رکھا تھا اور اس میں سے اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، گمشتگین کی رہائش گاہ کے بڑے دروازے سے نکلی اور جانے کہاں چلی گئی۔ اس رات مہمانوں کا آنا جانا تو جاری تھا۔ دربان اور محافظوں نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ یہ کون ہے جو مستور ہو کر جا رہی ہے۔

آدھی رات کے بعد جب مہمان رخصت ہوئے تو قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ گھوڑے اور بگھیاں گزرنے لگیں۔ انہی میں ایک گھوڑ سوار گزرا جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا اس کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر وہی مستور عورت تھی جو گمشتگین کے گھر سے اکیلی نکلی تھی۔ یہ انتظام شمس الدین اور شاد بخت نے کیا تھا۔ اس نے ان دو سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر کہا کہ انطانون کو وہاں لے جا کر میرا انتظار کریں۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا تھا کہ وہ انطانون کو آزاد کرائیں اور اس کے گھر میں چھپا دیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شمس الدین اور شاد بخت کے باڈی گارڈ، دو اردلی اور دو ملازم سلطان صلاح الدین ایوبی کے کمانڈو جاسوس تھے۔ انہوں نے بروقت حرکت کی اور انطانون کو چھڑا کر لے گئے۔ اُدھر سے فاطمہ بھی کامیابی سے نکل گئی اور شمس الدین کے گھر پہنچ گئی۔ وہاں انتظامات مکمل تھے۔ جب مہمان نکلے تو انہیں گھوڑے دے کر وہاں سے نکال دیا گیا۔

یہ رات تو رقص اور شراب کی مدہوشی میں گزر گئی۔ اگلی صبح صلیبی کی لاش دیکھی گئی اور گمشتگین کو یہ اطلاع بھی ملی کہ اس کا ایک محافظ اور اس کے حرم کی ایک لڑکی لاپتہ ہے۔ اس نے یہ حکم دے دیا کہ جن دو سپاہیوں کی حراست سے انطانون بھاگا ہے ان دونوں کو عمر بھر کے لیے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

☆

انطانون اور فاطمہ کا فرار سب کو بھول ہی گیا کیونکہ گمشتگین کے صلیبی دوستوں نے اپنے ایک کمانڈر کے قتل پر اودھم بپا کر دیا تھا۔ انہیں دراصل اپنے کمانڈر کے مارنے جانے پر اتنا افسوس نہیں تھا جتنا انہوں نے غل غپاڑہ مچایا تھا۔ وہ دراصل گمشتگین کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کر کے اس سے کچھ اور مراعات لینا چاہتے تھے۔ اور یہ شہ دینا چاہتے تھے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دے۔ صلیبی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے حرموں میں ایسے ڈرامے کھیلے ہی جاتے رہتے ہیں جن میں لڑکیاں اغوا بھی ہوتی ہیں، از خود بھی غائب ہوتی ہیں اور وہاں پر اسرار قتل بھی ہوتے ہیں، لیکن وہ گمشتگین کو مجبور کر دینا چاہتے تھے کہ سر ان کے قدموں میں رکھ دے۔ جن سے مدد مانگی جاتی ہے وہ اپنی ہر شرط منواتے اور غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صلیبیوں کی تو نیت ہی کچھ اور تھی۔

یہ صورت حال چھپائی نہ جا سکی۔ حلب تک اس کی خبر پہنچ گئی۔ وہاں کے درباری امراء جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے تھے۔ گمشتگین کو بھی اپنا اتحادی بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے الملک الصالح کی طرف سے گمشتگین کی طرف ایک ایلچی بھیجا۔ اس کے ساتھ رواج کے مطابق بیش قیمت تحائف تھے۔ ان تحائف میں دو جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ گمشتگین آرام کر رہا تھا۔ ایلچی اور لڑکیوں کو شمس الدین کے پاس لے گئے۔ کیونکہ گمشتگین کے بعد وہی سالار تھا جو سرکاری اُمور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اپنے گھر میں لڑکیوں کو الگ بٹھا کر اس نے ایلچی سے پوچھا کہ وہ کیا پیغام لایا ہے۔ اس نے جو طویل پیغام دیا وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ صلیبی فوج لے کر آیا تھا۔ جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی نے محاصرہ اٹھا دیا مگر ریمانڈر بغیر لڑے فوج واپس لے گیا۔ صلیبی آئندہ بھی ہمیں دھوکہ دیں گے۔ ہم اگر الگ الگ ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے تو ہم سب شکست کھائیں گے۔ ہمیں متحد ہو جانا چاہئے تا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکیں۔

اس پیغام کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کا ایک منصوبہ تھا جو کچھ اس طرح تھا کہ الرستان کی پہاڑیوں کی برف پگھل رہی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بلندیوں پر نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ وہاں پگھلتی برف کا پانی ان کے لیے رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ ہمارے لیے یہ موقع اچھا ہے۔ ہم سب اپنی فوجوں کو اکٹھا کر لیں تو سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کو گھیرے میں لے کر اسے شکست دے سکتے ہیں۔ اس منصوبے میں یہ بھی تھا کہ صلیبی حکمران ریجنالڈ کو اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ (گمشتگین) اسے اپنا منصوبہ بتائیں اور اسے اپنا معاہدہ یاد دلائیں جس کے تحت اسے جنگی قید سے رہا کیا گیا تھا۔

شمس الدین نے یہ پیغام شاد بخت کو سنایا۔ دونوں بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور سوچنے لگے کہ یہ پیغام گمشتگین تک نہ پہنچنے پائے۔ وہ دونوں اس کوشش میں تھے کہ گمشتگین اکیلا سلطان صلاح الدین ایوبی سے لڑے کیونکہ اس طرح اس کی شکست کا امکان تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس فوج تھوڑی ہے۔ اس سے وہ اکیلے اکیلے غدار حکمران کو آسانی سے ختم کر سکتا تھا...... یہ دونوں بھائی اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے پوری پوری احتیاط کرتے تھے مگر اس موقع پر ان پر جذبات کا غلبہ ہو گیا۔ جذبات کو مشتعل ان لڑکیوں نے کیا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے لڑکیوں سے ان کا مذہب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں۔ عمر کے لحاظ سے وہ نوجوان تھیں۔ شمس الدین اور شاد بخت نے افسوس سا محسوس کیا کہ ایک تو مسلمانوں نے اپنے آپ میں یہ کمزوری پیدا کر لی ہے کہ خوبصورت لڑکی کے عوض اپنا ایمان تک الگ پھینک دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن مسلمان لڑکیوں کو شریف گھرانوں میں آباد ہونا ہوتا

ہے انہیں لالچی والدین امراء کے حرموں میں دے دیتے ہیں۔

''تم کہاں کی رہنے والی ہو اور ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگی ہو؟''......شاد بخت نے پوچھا۔''تمہارے باپ زندہ ہیں؟ بھائی نہیں ہیں؟''......

لڑکیوں نے انہیں جو جواب دیا اس سے دونوں بھائیوں کے جذبات بھڑا اٹھے۔ جن علاقوں پر صلیبی قابض تھے وہاں کے مسلمانوں کا جینا حرام ہو رہا تھا۔ کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ پہلے بھی سنایا جا چکا ہے۔ کہ وہاں کے مسلمان باشندے قافلوں کی صورت میں نقل مکانی کرتے تھے۔ ان کے ساتھ تاجر بھی چل پڑتے تھے۔ اس طرح ہر قافلے کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی تھیں اور مال و دولت بھی۔ صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنے کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ یہ تو یورپی مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ بعض صلیبی حکمران جو مشرق وسطیٰ میں کسی نہ کسی علاقے پر قابض تھے، ان قافلوں کو اپنی فوج کے ہاتھوں لٹواتے تھے۔ لوٹنے والے کمسن لڑکیوں، جانوروں اور مال و دولت کو اڑا لے جاتے تھے۔ لڑکیوں کو وہ منڈی میں نیلام کرتے یا مسلمان امراء کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ ان میں کچھ لڑکیاں صلیبی اپنے لیے رکھ لیتے اور انہیں جاسوسی اور اخلاقی تخریب کاری کے لیے تیار کرتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

ان دونوں لڑکیوں کو ایک قافلے سے چھینا گیا تھا۔ اس وقت دونوں تیرہ چودہ سال کی تھیں۔ وہ فلسطین کے کسی مقبوضہ علاقے سے اپنے کنبوں کے ساتھ کسی محفوظ علاقے کو جا رہی تھیں۔ یہ بہت بڑا قافلہ تھا جس پر صلیبی ڈاکوؤں نے رات کے وقت حملہ کیا اور بہت سی لڑکیوں کو اٹھا لے گئے۔ یہ دونوں چونکہ غیر معمولی طور پر خوبصورت تھیں اس لیے انہیں الگ کر کے ان کی خصوصی پرورش اور تربیت شروع کر دی گئی۔ ان پر غیر انسانی تشدد کیا گیا پھر ان کے ساتھ ایسا اچھا سلوک ہونے لگا جیسے وہ شہزادیاں ہوں۔ انہیں فی الواقع شہزادیاں بنایا گیا۔ شراب پلائی گئی اور نہایت خوبی سے ان کے ذہنوں کو صلیبیوں نے اپنے رنگ میں ڈھال لیا۔ چار پانچ سال بعد جب سلطان نورالدین زنگی فوت ہو گیا تو صلیبیوں کی طرف سے ان دونوں لڑکیوں کو تحفے کے طور پر دمشق بھیجا گیا۔ انہیں صلیبیوں کا ایک مسلمان ایلچی ساتھ لایا تھا۔ یہ صلیبیوں کی خیرسگالی کا تحفہ تھا۔ وہ الملک الصالح اور اس کے امراء کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف اور اپنے حق میں کرنا چاہتے تھے۔

ان لڑکیوں نے بتایا۔ ''ہمارے ذہنوں سے مذہب اور کردار نکال دیا گیا تھا۔ ہم خوبصورت کھلونے بن گئی تھیں۔ لیکن ہمیں جب دمشق بھیجا گیا تو ہمارے ذہنوں میں اپنا مذہب اور کردار بیدار ہو گیا۔ ہمارے خون میں جو اسلامی اثرات تھے وہ اُمڈ کر ہماری روحوں پر چھا گئے۔ ہمیں اپنے ماں باپ اور بہن بھائی تو نہیں مل سکتے تھے۔ ہم نے ان مسلمان حاکموں اور بادشاہوں کو اپنے باپ اور بھائی سمجھ لیا لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ہمیں بیٹی اور بہن نہیں سمجھا۔ صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہو کر ہمیں اتنا دکھ نہیں ہوا تھا، جتنا مسلمان بھائیوں کے پاس آ کر ہوا۔ کیونکہ صلیبیوں سے ہمیں ایسے سلوک کی توقع تھی۔ ہم نے ہر اس مسلمان حاکم کے پاؤں پکڑے جن کے حوالے ہمیں کیا گیا۔ ہاتھ جوڑے، اسلام خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دیئے کہ ہم ان کی بیٹیاں ہیں، مظلوم ہیں، ان کی عزت ہیں مگر ان کی آنکھوں پر شراب اور شیطان نے صلیب اور ستارے میں کوئی فرق نہیں رہنے دیا تھا......

''ہمارے اندر انتقام کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق میں آیا تو ہم بہت خوش ہوئیں۔ صلیبیوں کے علاقوں میں مسلمان سلطان صلاح الدین ایوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اسے وہ امام مہدی بھی سمجھتے ہیں۔ وہ دمشق میں آیا تو ہم نے تہیہ کر لیا کہ اس کے پاس چلی جائیں گی اور اسے کہیں گی کہ ہمیں اپنی فوج میں رکھ لے

کوئی سا کام ہمیں دے دیں۔ مگر ہمیں وہاں سے زبردستی بھگا کر حلب لے آئے۔ اب انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ ہم آپ سے بھی توقع نہیں رکھتیں کہ آپ ہمیں بیٹیاں سمجھیں گے۔ ہم اتنا ضرور کہیں گی کہ ہماری عصمت تو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے اسلام ہاتھ سے نہ جائے۔ ہم صلیبیوں کے ہاں رہیں تو وہاں بھی سلطان صلاح الدین ایوبی اور اسلام کے خلاف منصوبے بنتے دیکھے۔ مسلمانوں کے پاس رہیں تو وہاں بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہی باتیں سنیں۔ آپ ہمیں آزمائیں۔ ہم نے سنا ہے کہ صلیبی لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے آتی ہیں۔ آپ ہمیں اسلام کے دفاع اور فروغ لیے اور صلیبیوں کی شکست کے لیے کچھ کرنے کا موقع دیں۔''

ان لڑکیوں کی یہ روائیداد ایسی تھی جس نے شمس الدین اور شاد بخت کو شدید جذباتی جھٹکہ دیا۔ انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ انہیں اب کسی عیش پرست حکمران کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

☆

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باڈی گارڈ نے اندر آکر انہیں طلاع دی کہ قاضی صاحب آئے ہیں۔ دونوں بھائی ملاقات والے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں حران کا قاضی ابن الخاشب ابوالفضل بیٹھا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس نے کہا..... ''سنا ہے حلب سے ایلچی آیا ہے اور پیغام کے ساتھ تحفے بھی لایا ہے۔''

''ہاں!''..... شاد بخت نے کہا۔ ''قلعہ دار سوئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایلچی کو اپنے پاس روک لیا ہے.....''

''میں وہ دو تحفے دیکھنے آیا ہوں''..... ابن الخاشب نے آنکھ مار کر کہا۔ ''ان کی ایک جھلک دکھادو''......

دونوں بھائی جانتے تھے کہ یہ قاضی کس قماش کا انسان ہے۔ وہ گمشتگین پر چھایا ہوا تھا۔ شمس الدین نے دونوں لڑکیوں کو اس کمرے میں بلایا۔ قاضی نے انہیں دیکھا تو اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ اس کے منہ سے حیرت زدہ سرگوشی نکلی۔ ''آفرین..... ایسا حسن؟''

شمس الدین نے لڑکیوں کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ قاضی نے کہا ''انہیں میرے حوالے کردو۔ میں خود قلعہ دار کے سامنے لے جاؤں گا۔'' اس کی آنکھوں سے شیطان جھانک رہا تھا۔

''آپ قاضی ہیں''..... شمس الدین نے اسے کہا۔ ''قوم کی نظروں میں آپ کا مقام گمشتگین سے زیادہ بلند ہے۔ آپ کے ہاتھ میں عدل اور انصاف ہے۔''

قاضی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ''تم فوجی احمق ہوتے ہو۔ تم شہری امور کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ قاضی مر گئے ہیں جن کے ہاتھ میں اللہ کا قانون اور عدل وانصاف ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنے حکمران سے نہیں خدا سے ڈرا کرتے تھے بلکہ حکمران بھی ان کے ڈر سے کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتے تھے۔ اب حکمران اسے قاضی بناتے ہیں جو ان کی بے انصافیوں کو جائز قرار دے اور جو قانون کو نہیں حکمرانوں کو خوش رکھیں۔ میں اپنے خدا کا نہیں اپنے حکمران کا قاضی ہوں۔''

''اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کفار تمہارے دلوں پر قابض ہوگئے ہیں۔'' شاد بخت نے کہا۔ ''ایمان فروش حکمران کا قاضی بھی ایمان فروش ہوتا ہے۔ تم جیسے قاضیوں اور منصفوں نے امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تک پہنچا دیا ہے یہاں ہمارے امراء اور حکمران اپنی ہی بیٹیوں کی عصمتوں سے کھیل رہے ہیں۔ یہ آپ کی مسلمان بچیاں ہیں جنہیں آپ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔''

قاضی پر شیطان کا اتنا غلبہ تھا کہ اس نے شمس الدین اور شاد بخت کی باتوں کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی اور

ہنس کر کہا۔ ''ہندی مسلمان مردہ دل ہوتے ہیں۔ تم ہندوستان سے یہاں کیوں چلے آئے تھے؟''

غور سے سنو میرے دوست!''...... شمس الدین نے کہا۔ ''میں تمہاری عزت صرف اس لیے کرتا رہا کہ تم قاضی ہو، ورنہ تمہاری اصلیت اتنی سی ہے کہ تم میرے ماتحت کمانڈر تھے۔ تم نے خوشامد اور چاپلوسی سے یہ مقام حاصل کرلیا ہے میں تمہاری غیرت کو بیدار کرنے کے لیے تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم ہندوستان سے کیوں آئے تھے چھ سو سال گزرے، محمد بن قاسم نام کا ایک نوجوان جرنیل ایک لڑکی کی پکار اور فریاد پر اس سرزمین سے جاکر ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ تم جانتے ہو ہندوستان کتنی دور ہے۔ تم اندازہ کرسکتے ہو کہ اس لڑکے نے فوج کسی طرح وہاں پہنچائی ہوگی۔ تم خود فوجی ہو۔ اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ اس نے مرکز سے اتنی دور جاکر رسد اور کمک کے بغیر جنگ کس طرح لڑی ہوگی۔ جذبات سے نکل کر اس کے عملی پہلو پر غور کرو......

''اس نے ایسی مشکلات میں فتح حاصل کی جن میں شکست کے امکانات زیادہ تھے۔ اس نے صرف فتح حاصل نہیں کی ہندوستانیوں کے دلوں پر قبضہ کیا اور کسی ظلم و تشدد کے بغیر اس کفرستان میں اسلام پھیلایا۔ پھر وہ نہ رہے جنہوں نے اتنی دور جاکر ایک لڑکی کی عصمت کا انتقام لیا۔ اور اسلام کا نور پھیلایا تھا، دنیا سے اٹھ گئے اور وہ ملک ان بادشاہوں کے ہاتھ آیا جو مجاہدین کے قافلے میں تھے ہی نہیں۔ انہیں وہ ملک مفت مل گیا۔ انہوں نے وہاں وہی حرکتیں شروع کردیں جو آج یہاں ہورہی ہیں۔ ہندو اسی طرح مسلمانوں پر غالب آتے گئے جس طرح یہاں صلیبی غالب آرہے ہیں سلطنت اسلامیہ سکڑنے لگی۔ اور جب ہم جوان ہوئے تو اس سلطنت کی جڑیں بھی خشک ہوچکی تھیں جسے محمد بن قاسم اور ان کے غازیوں نے خون سے سینچا تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے عرب سے رشتہ توڑ لیا۔ ہم دونوں بھائی جن کے خاندان کو عسکری روایات سے پہچانا جاتا تھا وہاں سے مایوس ہوکر یہاں آگئے۔ ہم ہندی مسلمانوں کے ایلچی بن کر آئے تھے۔ ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے آئے تھے......

''سلطان نورالدین زنگی سے ملے تو اس نے بتایا کہ وہ ہندوستان کا رخ کس طرح کرسکتا ہے۔ عرب کی سرزمین غداروں سے بھری پڑی ہے۔ زنگی مرحوم دُور کے کسی محاذ پر اس لیے نہیں جاتا تھا کہ اس کی غیر حاضری میں ادھر بغاوت ہوجائے گی جس سے صلیبی فائدہ اٹھائیں گے۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے کردار پر غالب آگیا اور یہاں صلیبی غالب آگیا۔ زنگی نے ہمیں اپنی فوج میں رکھ لیا اور جب گمشتگین سیف الدین اور عزالدین وغیرہ نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ گٹھ جوڑ شروع کردیا تو سلطان زنگی مرحوم نے ہم دونوں کو گمشتگین کی فوج میں اس مقصد کے لیے بھیج دیا کہ ہم اس پر نظر رکھیں کہ اس کی خفیہ سرگرمیاں کیا ہیں۔''

''یعنی تم دونوں جاسوس ہو۔'' قاضی ابن الخاشب نے طنزیہ کہا۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو'' ...... شمس الدین نے کہا...... ''تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے مسلمان امراء اس مجاہد کے خلاف لڑ رہے ہیں جو اسلام کو صلیب کے عزائم سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ آج کا ایلچی بہت خطرناک پیغام لایا ہے''...... اس نے پیغام سنا کر کہا...... ''گمشتگین پر تمہارا اثر ہے۔ تم اسے روک سکتے ہو۔ تم اگر ہمارا ساتھ دو تو گمشتگین کو اس پر قائل کریں کہ وہ غداروں کے ساتھ اتحاد کرنے کی بجائے، سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ مل جائے۔ ورنہ اسے ایسی شکست ہوگی جو اسے ساری عمر قید خانے میں بند رکھے گی۔''

''اس سے پہلے میں تم دونوں کو قید خانے میں بند کرواتا ہوں''...... ابن الخاشب نے کہا...... ''دونوں لڑ

میرے حوالے کر دو۔''

وہ اٹھ کر اس کمرے کی طرف جانے لگا۔ جس میں لڑکیاں تھیں۔ شاد بخت نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ اس نے شاد بخت کو دھکا دیا۔ شاد بخت نے اسے منہ پر اتنی زور سے گھونسہ مارا کہ وہ پیچھے کو گرا۔ شمس الدین وہاں کھڑا تھا۔ اس نے اپنا ایک پاؤں اس کی شہ رگ پر رکھ دبایا اور ایسا دبایا کہ تڑپ کر بے حس ہو گیا۔ دیکھا، وہ مر چکا تھا۔ ان بھائیوں کا ارادہ قتل کا تھا یا نہیں، وہ مر گیا۔ انہوں نے سوچا کہ اب پکڑے تو جانا ہی ہے۔ انہوں نے اپنے دونوں اردلیوں کو بلایا۔ انہیں چار گھوڑے تیار کرنے کو کہا۔ گھوڑے تیار ہو گئے تو انہوں نے دو گھوڑوں پر دونوں لڑکیوں کو بٹھایا۔ اردلیوں کو تلواریں اور تیر و کمان دے کر دوسرے گھوڑوں پر سوار ہونے کو کہا۔ وہ اور شاد بخت ان کے ساتھ گئے اور قلعے کا دروازہ کھلوا کر ان چاروں کو بھاگ جانے کو کہا۔ انہیں انہوں نے یہ ہدایت دی تھی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تک پہنچ جائیں۔ انہوں نے ان اردلیوں کو تفصیل سے بتا دیا تھا کہ گمشتگین کا منصوبہ کیا ہے۔

چاروں گھوڑے باہر نکلتے ہی سرپٹ دوڑے پڑے۔ دونوں بھائیوں کو بھی نکل جانا چاہیے تھا۔ معلوم نہیں کیا سوچ کر وہ واپس آئے۔ گمشتگین جاگ کر آ چکا تھا۔ اس نے ایلچی کو دیکھا تو اس نے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس نے بتا دیا مگر وہاں لڑکیاں نہیں تھیں جو وہ تحفے کے طور پر لایا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے کہا کہ لڑکیاں جا چکی ہیں کیونکہ مسلمان تھیں۔ ہم نے انہیں وہاں بھیج دیا ہے جہاں ان کی عزت محفوظ رہے گی۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ قاضی کی لاش اندر پڑی ہے۔

گمشتگین نے لاش دیکھی۔ ایلچی دوسرے کمرے میں ان دونوں بھائیوں کی وہ باتیں سن رہا تھا جو وہ قاضی ابن الخاشب سے کر رہے تھے۔ گمشتگین جل اٹھا۔ اس نے سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت علی کو قید خانے میں ڈال دیا۔

حران کے قلعے سے دور چار گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نہایت قیمتی راز سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے لے جا رہے تھے، اور اس وقت الرستان کی پہاڑیوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن عبداللہ سے پوچھ رہا تھا کہ ان دونوں بھائیوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی؟

جب سلطان ایوبی پریشان ہو گیا

سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو جب قاضی ابن الخاشب کے قتل اور تحفے کے طور پر آئی ہوئی دولڑکیوں کو قلعے سے بھگا دینے کے جرم میں قید خانے ڈالا جا رہا تھا۔ اُس وقت ایسا ہی ایک ایلچی جو اس قلعے میں آیا تھا، موصل میں غازی سیف الدین کے پاس پہنچا۔ غازی سیف الدین خلافت کے تحت موصل اور اُس کے گردونواح کے علاقے کا گورنر مقرر کیا گیا، لیکن نورالدین زنگی کی وفات کے بعد اُس نے اپنے آپ کو والئی موصل کہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خاندان کا ہی فرد تھا مگر کردار اور ذہنیت کے لحاظ سے سلطان ایوبی کے اُلٹ تھا۔ موصل اسلامی سلطنت کا حصہ تھا مگر سیف الدین وہاں کا آزاد حکمران بن گیا تھا اور سلطان ایوبی کے مخالفانہ محاذ میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس کا بھائی عزالدین تجربہ کار جرنیل تھا۔ فوج کی اعلیٰ کمانڈ اسی کے پاس تھی۔ سیف الدین چونکہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا، اس لیے اُس کی عادات بادشاہوں جیسی تھیں۔ اُس نے حرم میں ملک ملک کی لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھر رکھی تھی۔ اُس کا دوسرا شوق پرندے رکھنے کا تھا، جس طرح اُس نے حرم میں ایک سے ایک خوب صورت لڑکی رکھی ہوئی تھی، اسی طرح اُس نے رنگ برنگے پرندے بھی پنجروں میں بند کر رکھے تھے۔ اُس کی ذاتی دلچسپیاں حرم اور پرندوں کے ساتھ تھیں۔

اُسے اپنے بھائی عزالدین کی عسکری اہلیت پر اعتماد تھا اور اُسے توقع تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو شکست دے کر اپنی ریاست الگ بنائے رکھے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے حران کے قلعہ دار گمشتگین کی طرح اور نام نہاد سلطان الملک الصالح کی طرح اپنے پاس صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے، جنہوں نے اُسے اُمید دلا رکھی تھی کہ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کی صورت میں صلیبی اُسے جنگی مدد دیں گے۔ اس طرح سلطان ایوبی کے لیے صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی تین فوجیں اُس کے خلاف لڑنے کو تیار اور پابرکاب تھیں۔ ایک حلب میں، دوسری حران میں اور تیسری موصل میں۔ یہ تو بڑے بڑے مسلمان حکمران اور اُمراء تھے۔ چھوٹے چھوٹے شیخ اور چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے نواب جن کی تعداد کا علم نہیں، ان تین بڑے حکمرانوں کے حامی، مدد اور معاون تھے۔ انہوں نے ان تینوں کو فوجی اور مالی مدد دینے کا وعدہ کر رکھا تھا اور مدد دے بھی رہے تھے۔ انہیں کہا گیا تھا کہ اگر سلطان ایوبی چھا گیا تو جس طرح اُس نے شام اور مصر کا الحاق کر کے ایک سلطنت بنالی ہے، اسی طرح وہ ہر ایک مسلمان ریاست کو اپنی سلطنت میں مدغم کر کے سب کو غلام بنالے گا۔

وہ بظاہر متحد تھے، لیکن اندر سے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک دوسرے سے کمزور رہیں۔ ان کی حالت چھوٹی بڑی مچھلیوں کی مانند تھی۔ ہر چھوٹی مچھلی بڑی مچھلی سے خائف تھی اور خواہش مند کہ وہ بھی بڑی مچھلی بن جائے۔ سلطان ایوبی اپنے انٹیلی جنس کے نظام کے ذریعے اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے مخالفین میں نفاق ہے، تاہم وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ ہر لمحہ اس حقیقت کو سامنے رکھتا تھا کہ تین بڑی فوجیں اُس کے خلاف محاذ آرا ہیں۔ فوج آخر فوج ہوتی ہے۔ بھیڑ بکریوں کا ریوڑ نہیں ہوتی۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ تینوں افواج کے کمانڈر اور جوان مسلمان

ہیں اور فنِ سپاہ گری اور شجاعت جو مسلمان کے حصے میں آئی ہے، وہ خدا نے کسی اور قوم کو عطا نہیں کی۔ صلیبی چار پانچ گنا طاقتور لشکر لے کے آئے تو مسلمان سپاہ نے قلیل تعداد میں اُنہیں شکست دی اور ان احوال وکوائف میں بھی شکست دی کہ صلیبیوں کا اسلحہ برتر تھا اور فوجیں زرہ پوش تھیں۔ گھوڑوں کو پیشانیاں اور پچھلے حصے بھی زرہ پوش تھے۔

سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان فوج مسلمان فوج کے مقابلے میں آئی تھی۔ حلب کی مسلمان فوج اور وہاں کے شہریوں نے جس بے جگری سے حلب کا دفاع کیا تھا، اس سے سلطان ایوبی کے پاؤں اُکھڑنے لگے تھے۔ وہ اس معرکے کو ذہن سے اُتار نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر فوج کشی کر رہا ہے۔ یہ الزام عائد کرنے والے اُسی عباسی خلافت کے حامی تھے جسے اُس نے مصر میں معزول کیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ مسلمان حکمران اور اُمراء سلطان ایوبی کے اس عزم کے راستے میں آ گئے تھے کہ وہ فلسطین کو آزاد کرائے گا۔ اُسے یہ خیال چین نہیں لینے دیتا تھا کہ قبلۂ اول پر کفار کا قبضہ رہے اور وہ یہودیوں کے عزائم سے بھی بے خبر نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی یہ دعویٰ لیے پھرتے ہیں کہ فلسطین اُن کا وطن ہے اور قبلۂ اوّل مسلمانوں کی نہیں، یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔ یہودی فوج لے کر سامنے نہیں آ رہے تھے، وہ صلیبیوں کو مالی امداد دے رہے تھے اور انہوں نے جو سب سے زیادہ خطرناک مدد صلیبیوں کو دے رکھی تھی، وہ غیر معمولی طور پر خوب صورت، جوان اور نہایت ہوشیار اور چالاک لڑکیوں کی صورت میں تھی۔ ان لڑکیوں کو جاسوسی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کی کردار کشی کے لیے بھی۔

سلطان ایوبی کو یہ حقیقت اور زیادہ پریشان کرتی تھی کہ صلیبی فوجیں بھی موجود ہیں، جن کے اعلیٰ کمانڈر اور حکمران اُس کے مسلمان مخالفین کو شہ دے رہے ہیں۔ ان حالات میں سلطان ایوبی چوکنا تھا۔ وہ اپنی فوج کو نہایت اچھے طریقے سے ڈیپلائے کیے ہوئے تھا اور اُس نے انٹیلی جنس کے نظام کو دشمنوں کے علاقے میں بھیج رکھا تھا۔ اُس کا جو جنگی پلان تھا، اس میں اُس نے زیادہ تر بھروسہ چھاپہ مار (کمانڈو) ٹولیوں اور جاسوسوں پر کیا تھا۔

☆

مُوصل میں بھی حلب کا ایلچی پہنچا۔ الملک الصالح اور اُس کے درباری اُمراء نے والیٔ مُوصل کے لیے پیغام کے ساتھ جو تحفے تھے، اُن میں اُسی طرح کی دو لڑکیاں تھیں جس طرح حران کے قلعہ دار گمشتگین کو بھیجی گئی تھیں۔ حران میں تو دو ہندوستانی جرنیلوں، شمس الدین اور شاد بخت نے اِن لڑکیوں کو فرار کرا دیا، قاضی کو قتل کیا اور قید خانے میں بند ہو گئے تھے لیکن موصل میں جو لڑکیاں گئیں، انہیں وہاں کے والی سیف الدین نے بسر وچشم قبول کیا۔ اُس کے حرم میں یہ نہایت دل نشیں اضافہ تھا۔ حلب کے ایلچی نے وہی پیغام دیا جو گمشتگین کو دیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ صلیبی حلب والوں کو مدد کے معاملے میں دھوکہ دے چکے ہیں، اس لیے اُن پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور اُن کی دوستی سے ہمیں دستبردار بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اُن کی مدد حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم آپس میں متحد ہو کر سلطان ایوبی پر حملہ کر دیں۔ وہ الرستان کے سلسلۂ کوہ میں قرونِ حماۃ (حماۃ کے سینگ) کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ ہم حملہ کریں گے تو صلیبی اُس پر عقب سے حملہ کر دیں گے۔

اس پیغام میں ایک پلان بھی تھا جس میں کچھ اس قسم کی وضاحت کی گئی تھی کہ وہاں برف پگھل رہی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق سلطان ایوبی کی مورچہ بندیاں برف کے بہتے پانی کی وجہ سے تہس نہس ہو گئی ہیں۔ ہم تین فوجوں سے اُسے انہی وادیوں میں محاصرے میں لے کر آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔ پیغام میں کہا گیا تھا کہ گمشتگین کو بھی پیغام بھیجا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ متحدہ محاذ میں اپنی فوج کو شامل کر دے گا۔ آپ (سیف الدین)

بھی مزید وقت ضائع کیے بغیر اپنی فوج کو مشترکہ کمان میں لے آئیں، تا کہ صلاح الدین ایوبی کو فیصلہ کن شکست دی جائے۔

سیف الدین نے پیغام ملتے ہی اپنے بھائی عزالدین کو، دو سینئر جرنیلوں کو اور موصل کے ایک نامی گرامی خطیب ابن المخدوم ککبوری کو بلایا۔ سب آ گئے تو اُس نے ایلچی کا یہ پیغام سب کو سنا کر کہا...... ''آپ سب میرے اس فیصلے اور ارادے سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں صلاح الدین ایوبی کی اطاعت قبول نہیں کروں گا۔ میری رگوں میں بھی وہی خون ہے جو اُس کی رگوں میں ہے۔ آپ لوگ مجھے یہ مشورہ دیں کہ میں فوری طور پر اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے دوں یا نہیں۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ ہماری فوج ظاہری طور پر مشترکہ کمان میں رہے، لیکن آپ لوگ اُسے الگ تھلگ لڑائیں، تا کہ جو علاقہ ہماری فوج فتح کرے، اُس کا مالک میرے سوا اور کوئی نہ بن سکے''۔

ایک سالار نے کہا...... ''آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے ارادے اتنے بلند ہیں جو کسی اور کے نہیں ہو سکتے''۔

''صلاح الدین ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے ہمیں نہیں''۔ دوسرے سالار نے کہا...... ''آپ اپنی فوج متحدہ محاذ میں شامل کر دیں، لیکن کمان اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ ہم اپنی فوج کو اس طرح لڑائیں گے کہ ہماری کامیابیاں حلب اور حران کی فوج سے الگ تھلگ نظر آئیں گی''۔

''ہم آپ کے حکم پر جانیں قربان کر دیں گے، شہنشاہِ موصل!'' پہلے سالار نے کہا...... ''ہم آپ کو اُس سلطنتِ اسلامیہ کا شہنشاہ بنائیں گے جس کے خواب صلاح الدین ایوبی دیکھ رہا ہے''۔

''صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھوں گا''۔ دوسرے نے کہا...... ''اُس کی فوج الرستان کی وادیوں سے زندہ نہیں نکل سکے گی۔ آپ فوری طور پر کوچ کا حکم دیں۔ فوج تیار ہے''۔

دونوں سالار ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنی وفاداری اور ایثار کا اظہار کر رہے تھے۔ عزالدین خاموش بیٹھا، اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا اور خطیب ابن المخدوم کبھی اِن سالاروں کو اور کبھی سیف الدین کو دیکھتا اور سر جھکا لیتا تھا۔

''عزالدین تمہارا کیا خیال ہے؟'' سیف الدین نے اپنے بھائی سے پوچھا۔

''مجھے آپ کے اس فیصلے سے اتفاق ہے کہ ہمیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے''۔ عزالدین نے کہا...... ''لیکن ہمارے سالاروں کو اس قسم کی جذباتی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ جیسی ان دونوں نے کی ہیں۔ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے، ہمیں نہیں۔ ایوبی کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ میں یہ کہوں گا کہ جس نے کم تعداد میں صلیبیوں کی کئی گنا زیادہ فوج کو شکست دی ہے، وہ آپ کو بھی شکست دے سکتا ہے، جس نے صحرائی فوج برفانی وادیوں میں لڑا کر چار قلعے فتح کر لیے اور ریمانڈ کی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کیا ہے، وہ برف پگھل جانے کے بعد زیادہ اچھی طرح لڑے گا، ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ دشمن کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ آپ یہ سوچیں کہ وہ حالات کیسے ہیں جن میں آپ کو لڑنا ہے۔ اُس میدان کی بات کریں جہاں آپ لڑیں گے اور اُس دشمن کی فوج کی بات کریں جو آپ کے مقابل ہے''۔

عزالدین نے سلطان ایوبی کی فوج کی خوبیاں بیان کیں، پھر سلطان ایوبی کے لڑنے کے طریقے بیان کیے اور جس میدان میں لڑائی متوقع تھی، اُس کے کوائف پر روشنی ڈال کر کہا...... ''برف پگھل رہی ہے اور بہار کی بارشیں اس سال تاخیر سے برس رہی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج خیموں میں ہے لیکن گھوڑوں کو خیموں میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس وقت

اس کی فوج کے جانور درختوں کے نیچے یا کھوہوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ گھوڑے اور اونٹ اس حالت میں زیادہ دیر تندرست نہیں رہ سکتے۔ یہ توقع بھی رکھنی چاہیے کہ ایوبی کے سپاہی پہاڑی علاقے سے اُکتا چکے ہوں گے۔ یہ بھی پیشِ نظر رکھ لیں کہ ہم نے اپنی فوج حلب اور حران کی فوج سے ملادی تو ایوبی محاصرے میں لیا جاسکے گا لیکن یہ بھی نہ بھولیں کہ مسلمان سپاہی جب مسلمان سپاہی کے آمنے سامنے آئے گا تو اسلام کا ابدی رشتہ انہیں گتھم گتھا کرنے کی بجائے انہیں بغل گیر بھی کرسکتا ہے۔ تلواریں جو وہ ایک دوسرے کے خلاف نکالیں گے، جھک بھی سکتی ہیں اور خون بہائے بغیر نیاموں میں واپس جاسکتی ہیں''۔

''عزالدین!'' سیف الدین نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا...... ''تم صرف فوجی ہو، تم صرف خون، تلوار اور نیام کی باتیں سوچ سکتے ہو۔ یہ چالیں مجھ سے سیکھو کہ مسلمان سپاہی کو مسلمان سپاہی کے خلاف کس طرح لڑایا جاسکتا ہے۔ پرسوں ماہِ رمضان شروع ہو رہا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نماز روزے کا جس قدر خود پابند ہے۔ اتنی ہی پابندی اپنی فوج سے کراتا ہے۔ اُس کی تمام فوج روزے سے ہوگی۔ ہم اپنی فوج سے کہہ دیں گے کہ جنگ میں روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ محترم خطیب تمہارے پاس بیٹھے ہیں۔ میں ان کی جانب سے اعلان کرادوں گا کہ جنگ میں روزے معاف ہیں۔ ہم حملہ دوپہر کے بعد کریں گے۔ علی الصبح حملہ کیا تو ایوبی کے سپاہی تر و تازہ ہوں گے۔ دوپہر کے بعد ہما رے سپاہیوں کے پیٹ میں کھانا ہوگا اور صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بھوکے اور پیاسے ہوں گے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ فیصلہ غلط تو نہیں کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے''۔

''آپ کا یہ فیصلہ برحق ہے''۔ ایک سالار نے کہا۔

''آپ کے فیصلے کو ہم عملی شکل دے کر ثابت کریں گے کہ یہ فیصلہ ہر لحاظ سے صحیح ہے''۔ دوسرے سالار نے کہا۔

''آپ کے فیصلے کے خلاف میں نے کوئی بات نہیں کی''۔ عزالدین نے کہا...... ''ایک مشورہ اور دوں گا۔ مجھے آپ محفوظہ میں رکھیں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں بعد میں حملہ کروں گا۔ پہلے تصادم کی کمان آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں''۔

''ایسا ہی ہوگا''۔ سیف الدین نے کہا...... ''فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرلو اور فوری تیاری کا حکم دے دو۔ محفوظہ میں جو حصہ رکھنا چاہتے ہو، اُسے اپنے پاس رکھو''۔

☆

وہاں خطیب ابن المخدوم بھی موجود تھا۔ سیف الدین نے اُس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا...... ''قابلِ صد احترام خطیب! آپ نے کئی بار قرآن سے فال نکال کر مجھے خطروں سے آگاہ کیا ہے۔ آپ نے میری کامیابی اور سلامتی کے وظیفے کیے اور خدا کے حضور میرے لیے دعا بھی کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سے بڑھ کر میں کسی کو برگزیدہ نہیں سمجھتا۔ اگر کسی انسان کے آگے سجدے کی اجازت ہوتی تو میں آپ کے آگے سجدہ کرتا۔ اب میں ایسی مہم پر جارہا ہوں جس کی کامیابی مخدوش ہے۔ میں ایک طاقتور دشمن کے مقابلے میں جارہا ہوں۔ جنگ میں فتح ہوتی ہے یا شکست۔ مجھے قرآن سے فال نکال کر بتائیے کہ میری قسمت میں فتح لکھی ہے یا شکست''۔

''امیر محترم!'' خطیب اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا...... ''یہ صحیح ہے کہ آپ نے کئی بار مجھ سے قرآن میں سے فال نکلوائی ہے۔ سلطان نورالدین زنگی مرحوم و مغفور کی زندگی میں آپ ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ کے تعاقب میں گئے تھے تو میں نے قرآن میں سے فال نکال کر آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور آپ کامیاب لوٹے تھے۔ صلیبیوں کے خلاف آپ جب بھی گئے، میں نے فال نکالی اور آپ کو خطروں سے خبردار کیا اور کامیابی کی خبر دی۔ اللہ کا شکر کہ میری نکالی ہوئی ہر فال

صحیح نکالی ہے، مگر......" خطیب نے پہلے عزالدین کی طرف پھر دونوں سالاروں کو دیکھا اور کہا......" مگر موصل کے امیر! اب بغیر فال نکالے میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ جس مہم پر آپ فوج لے جا رہے ہیں۔اس میں آپ کامیاب لوٹیں گے یا ناکام"۔

"جلدی بتائیے، میرے محترم اُستاد!" سیف الدین نے بے تاب ہو کر کہا۔

"آپ کو ایسی بُری شکست ہو گی جس میں آپ وقت پر نہ بھاگے تو آپ ہلاک ہو جائیں گے"۔خطیب نے کہا...... "اس مہم پر نہ خود جائیں نہ اپنے بھائی کو بھیجیں نہ اپنی فوج کو بھیجیں"۔

سیف الدین کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ گھبرایا ہے یا ڈرا ہوا ہے۔عزالدین اور سالاروں پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔خطیب سیف الدین پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"آپ نے قرآن تو کھولا نہیں"۔سیف الدین نے کہا...... "قرآن کے بغیر آپ نے فال کیسے نکالی؟ میں کیسے مان لوں کہ آپ نے مجھے جو بُری خبر سنائی ہے، وہ صحیح ہے؟"۔

"سنو موصل کے امیر!" خطیب ابن المخدوم نے کہا...... "میں آج آپ کو بتایا ہوں کہ قرآن سے جو فالیں نکال کر میں آپ کو کامیابی کے مُژدے سناتا رہا، اُن کا قرآن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔قرآن کسی جادوگر کی لکھی ہوئی کتاب نہیں۔قرآن صرف یہ فال بتاتا ہے کہ جو اس مقدس کتاب میں احکاماتِ خداوندی تحریر ہیں، ان پر جو عمل نہیں کرے گا، وہ ناکام اور نامراد رہے گا۔اس سے پہلے آپ صلیب کے پرستاروں کے خلاف لڑنے گئے تو آپ کے کہنے پر میں نے قرآن کی فال آپ کو بتائی کہ آپ کامیاب لوٹیں گے۔اس کے بعد آپ جس مہم پر بھی گئے، میں نے آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور کہا کہ یہ قرآن کی فال ہے۔ ہر فال نیک تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کی ہر مہم اور ہر کام خدا کے حکم کے عین مطابق تھا، مگر یہ مہم جس پر آپ جا رہے ہیں، خدائی احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔آپ کفار کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔اُن سے مدد مانگ کر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس پر فدا ہونے والوں کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں"۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس پر فدا ہونے آیا ہے؟"۔سیف الدین نے بھڑک کر کہا...... "میں کہتا ہوں، وہ ایک وسیع سلطنت کی سلطانی کا خواب دیکھ کر آیا ہے۔ہم اُس کا یہ خواب پورا نہیں ہونے دیں گے۔اُسے موت یہاں لے آئی ہے۔اُسے موت کے حوالے کر کے ہم صلیب کے پرستاروں کو ختم کریں گے"۔

آپ مجھے کھوکھلے لفظوں کا فریب دے سکتے ہیں، خدا کو نہیں"۔خطیب نے کہا...... "خدا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم سب نے اپنے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔فتح اُس کی ہے جس نے اپنے نفس پر فتح پالی۔میں آج آخری پیشین گوئی کر رہا ہوں۔شکست آپ کا مقدر ہو چکی ہے۔اگر آپ اسلام کے پرچم تلے چلے جائیں اور اللہ کی راہ میں قتال اور جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں تو آپ کے مقدر کا لکھا ٹل سکتا ہے"۔

"محترم خطیب!" عزالدین بول پڑا...... "آپ اپنے مذہب اور اپنی مسجد سے سروکار رکھیں۔جنگی امور اور سلطنتوں کے معاملات کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔آپ ہمارا دل اور ہمارا جذبہ توڑنے کی کوشش نہ کریں۔ہم اُن عناصر سے مالا مال ہیں، جن سے جنگ جیتی جا سکتی ہے"۔

"اگر آپ جنگ کو مذہب اور مسجد سے الگ کر کے لڑیں گے تو نہ آپ کا دل ساتھ دے گا نہ جذبہ"۔خطیب نے کہا...... "آپ نے صحیح فرمایا کہ میں جنگی امور سمجھنے سے قاصر ہوں لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ جنگ صرف ہتھیاروں اور

گھوڑوں سے نہیں جیتی جاسکتی اور جنگ اُس عسکری قابلیت سے بھی نہیں جیتی جاسکتی جس پر آپ کو ناز ہے اور جس کے بھروسے پر آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہورہے ہیں۔ ایک عنصر اور بھی ہے جو فتح کو شکست میں بدل دیا کرتا ہے''۔

سب نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے کہا..... ''جس قوم کا حکمران خوشامد پسند ہو جائے وہ اپنے ساتھ قوم اور ملک کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ وہ حکومت کے امور خوشامدیوں اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں کے حوالے کر دے تو وہ ایک آزاد اور خوددار قوم کو بھوکی، ننگی اور غلام رعایا میں بدل دیتے ہیں اور جب یہ حکمران فوج کی کمان خوشامدی سالاروں کو دے دیتے ہیں تو ملک کو دشمن کھا جاتا ہے۔ خوشامدی سالار اپنے ماتحتوں سے خوشامد کرواتے ہیں، پھر اُن کا مقصد قوم اور ملک کے لیے لڑنا نہیں، بلکہ حکمران کی خوشنودی حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ میں نے آپ کے اس دربار میں دیکھا ہے کہ دونوں سالاروں نے آپ کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اور ایسی جذباتی باتیں کیں ہیں جو جنگجو نہیں کیا کرتے۔ دونوں نے آپ کے فیصلے اور ارادے کی تعریف تو کر دی ہے لیکن آپ کو خطروں سے خبردار نہیں کیا۔ انہوں نے آپ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ صلیبی تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ مسجد اقصیٰ پر کفار کا قبضہ ہے۔ لہٰذا ان حالات میں بہتر یہ ہوگا کہ آپ، گمشتگین اور حلب کے اُمراء وغیرہ صلاح الدین ایوبی کے پاس جائیں اور اگر آپ ہی سچے ہیں تو اُسے جھوٹا اور سلطانی کا لالچی ثابت کریں......

''مگر آپ کے سالاروں نے آپ کو ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا۔ آپ کے سالاروں نے آپ کو یہ بھی نہیں بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے الرستان کے پہاڑی علاقے کو اڈہ بنا کر اپنے دستے دُور دُور تک اس طرح پھیلا دیئے ہیں کہ آپ اُسے محاصرے میں لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ آپ اُس کے چھاپہ ماروں سے اچھی طرح واقف ہیں، لیکن آپ کے سالاورں نے آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ پہلو آپ کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کہ ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار آپ کے سینے سے راز نکال کر لے جاسکتے ہیں اور آپ کے حرم کی لڑکیوں کو اُٹھا کر لے جاسکتے ہیں۔ آپ کی فوج یہاں سے کوچ کرے گی تو صلاح الدین ایوبی کو آپ کی فوج کی رفتار، تعداد اور کوچ کی سمت کا علم ہو جائے گا''۔

''سلطانِ موصل!'' ایک سالار نے غصے میں آ کر کہا..... ''کیا ہم اپنی توہین برداشت کرتے رہیں؟ مسجد میں دن رات بیٹھ کر اللہ ہو، اللہ ہو کا ورد کرنے والا ہمارا اُستاد بننے کی جسارت کر رہا ہے۔ یہ آپ کے فیصلے کی مخالفت کر کے ہمارے سامنے آپ کی توہین کر رہا ہے''۔

''مجھے سن لینے دو''۔ سیف الدین نے کہا..... ''میں محترم خطیب کو ابھی تک احترام کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں''۔

''بولیے محترم خطیب!'' عزالدین نے طنزیہ کہا..... ''اس کے بعد آپ کو یہ بتانا ہوگا کہ آپ کی وفاداریاں کس کے ساتھ ہیں۔ ہمارے ساتھ یا صلاح الدین ایوبی کے ساتھ''۔

''میری وفاداریاں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں''۔ خطیب نے عزالدین سے کہا..... ''میں آپ کی تعریف اتنی سی کروں گا کہ آپ نے اپنے بھائی کو دو چار باتیں تو حقیقت کے رنگ میں بتائی ہیں۔ باقی آپ نے بھی دماغ اور آنکھیں بند کر کے بات کی ہے۔ عمادالدین بھی تو آپ کا بھائی ہے کبھی سوچا آپ نے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست کیوں ہے اور آپ کی حمایت کے لیے کیوں نہیں آتا؟''

''آپ ہمارے خاندانی معاملات میں دخل نہ دیں''۔ عزالدین نے کہا..... ''آپ دراصل ہم پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور ہم سب کو اُس کے آگے سجدے کرنے چاہئیں۔ آپ کو

صرف یہ کہا گیا تھا کہ قرآن سے فال نکال کر بتائیں کہ ہماری یہ مہم کامیاب رہے گی یا ناکام"۔

"قرآن اپنا حکم صادر کر چکا ہے"۔ خطیب نے آواز میں جوش پیدا کرتے ہوئے کہا..... "اب میں آپ کے سامنے حقیقت پوری طرح بے نقاب کرتا ہوں۔ صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر نہیں، وہ ایک طوفان ہے، ایک سیلاب ہے جو کفر کو گھاس کی سوکھی ہوئی پتیوں کی طرح بہالے جانے کے لیے دمشق سے اُٹھا ہے۔ آپ سب درخت سے ٹوٹ کر گری ہوئی ٹہنیاں ہیں، آپ کے پتے مرجھا رہے ہیں جو جھڑ کر اس طوفان کے ساتھ غائب ہو جائیں گے۔ ایوبی نے آپ پر چڑھائی نہیں کی۔ آپ اس کے راستے میں آ گئے ہیں۔ آپ کا حشر وہی ہوگا جو سیلاب کے راستے میں آنے والوں کا ہوتا ہے"۔

"خطیب!" سیف الدین نے گرج کر کہا..... "میرے دل سے اپنا احترام نہ نکالو"۔

"تم!..... سیف الدین!....." خطیب نے بارعب آواز میں کہا..... "تم زمین کے اس ذرا سے خطے کے بادشاہ ہو۔ ذرا اُس کی ذات سے جو دونوں جہان کا بادشاہ ہے۔ میرا احترام نہ کرو۔ میرے منہ پر تھوک دو مگر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے نہ ہو تو۔ تم پر بادشاہی کا نشہ طاری ہے۔ اِن بے وقار سالاروں نے اور تمہاری حکومت کے عہدے داروں نے تمہیں خوش رکھنے کے لیے تمہیں بادشاہ بنا ڈالا ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ یہ محض خوشامد ہے اور تم بادشاہ نہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ بے وقار خوشامدی تمہارے دشمن ہیں، اپنی قوم کے اور اپنے ملک کے دشمن ہیں۔ تم پر زوال آئے گا تو یہ تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے اور اُس کے پاپوش چاٹیں گے جو تمہاری گدی پر بیٹھے گا۔ مجھے غصے سے نہ دیکھ سیف الدین۔ اپنا گھر دوزخ میں نہ بنا۔ تاریخ سے عبرت حاصل کر۔ ان غلاموں کی ذہنیت والوں نے ایک سے ایک جابر بادشاہ کو گدا کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ افسوس اس پر ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت بھی اس تباہی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ تیرے جیسے بادشاہ اُمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاریخ کی نظروں سے اوجھل کر کے ہی دم لیں گے"۔

"لے جاؤ اُسے یہاں سے"۔ سیف الدین غصے سے کانپتی آواز میں گرجا..... "اُس وہاں بند کر دو جہاں سے اس کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے"۔

ایک سالار کے پکارنے پر دو باڈی گارڈ اندر آئے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ خطیب کو قید خانے میں لے جائیں۔ اُسے جب دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لے جا رہے تھے تو سیف الدین کو اُس کی آوازیں سنائی دیتی رہیں..... "بادشاہی کا لالچ مذہب سے بیگانہ کرتا ہے۔ خوشامد پسند حکمران ملک اور قوم کو بیچ کھاتا ہے۔ کافر کی دوستی دشمنی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ فلسطین ہمارا ہے، فلسطین میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ تمہیں کافر اس لیے آپس میں لڑا رہا ہے کہ فلسطین پر اس کا قبضہ رہے۔ آپس میں لڑتے رہو گے تو قبلۂ اوّل تم پر لعنت بھیجتا رہے گا"۔

خطیب الحمد وم کو گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اور وہ بلند آواز سے بولتا جا رہا تھا۔ بہت سے فوجی باہر نکل آئے اور آن کی آن میں یہ خبر تمام تر موصل میں پھیل گئی..... "خطیب الحمد وم پاگل ہو گیا ہے..... خطیب کو قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے"..... یہ آوازیں شہر میں گھومتے پھرتے خطیب کے گھر کے دروازے میں داخل ہو گئیں۔ اس گھر میں خطیب کی نوجوان بیٹی تھی۔ اس گھر میں یہی دو افراد تھے۔ یہ لڑکی اور اُس کا باپ خطیب۔ خطیب کی یہ واحد اولاد تھی۔ اُس کی بیوی عرصہ گزرا مر گئی تھی۔ خطیب نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ وہ اس بیٹی کے سہارے جی رہا تھا اور بیٹی اُس کی خاطر زندہ تھی۔

بہت سی عورتیں اُس کے گھر میں چلی گئیں۔ یہ گھر سب کے لیے بڑا قابلِ احترام تھا کیونکہ یہ خطیب کا گھر تھا۔

عورتوں نے لڑکی سے پوچھا کہ اُس کے باپ کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا واقعی وہ پاگل ہو گیا ہے؟

''ایسا ہونا ہی تھا''۔لڑکی نے کہا..... ''ایسا ہونا ہی تھا''..... اُس کے انداز میں ٹھہراؤ سا تھا۔ افسوس اور گھبراہٹ نہیں تھی۔ اس کے بعد اُس کے پاس جو بھی عورت آئی لڑکی نے یہی کہا..... ''ایسا ہونا ہی تھا''۔

''موصل میں خطیب کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حران میں دو سالاروں شمس الدین اور شاد بخت کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ گمشتگین کو پہلی بار پتا چلا کہ اُس کے یہ دونوں سالار دراصل صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہیں اور جاسوس ہیں۔ ان دونوں کو قید خانے میں ڈال کر گمشتگین رات کے وقت قید خانے میں گیا۔ شمس الدین اور شاد بخت کو اُن کی کال کوٹھریوں سے نکلوا کر انہیں اُس جگہ لے گیا جہاں قیدیوں سے راز اُگلوانے کے لیے کئی ایک وحشیانہ طریقے اختیار کیے جاتے تھے، وہاں دو آدمی اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ چھت کے ساتھ بندھی ہوئی رسیوں سے اُن کی کلائیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اُن کے پاؤں زمین سے کوئی دو فٹ اوپر تھے اور ٹخنوں کے ساتھ کم و بیش دس دس سیر وزن کے لوہے کے ٹھوس گولے بندھے ہوئے تھے۔ موسم سرد ہونے کے باوجود ان کے جسموں سے پسینہ اس طرح پھوٹ رہا تھا جیسے اُن پر پانی انڈیلا گیا ہو۔ اُن کے بازو کندھوں سے الگ ہوئے جا رہے تھے، وہاں خون کی بدبو تھی اور گلی سڑی لاشوں کا تعفن بھی۔

''انہیں دیکھ لو''۔ گمشتگین نے دونوں بھائیوں سے کہا..... ''اس قید خانے میں آنے تک تم میری فوجوں کے مالک تھے۔ شہزادے تھے۔ اب تم بے کار جذبات میں اُلجھ کر اس دوزخ میں آ گئے ہو۔ تم غدار ہو۔ تم میری آستین میں سانپوں کی طرح پلتے رہے ہو۔ میں تمہیں اب بھی بخش دینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ جن لڑکیوں کو تم نے یہاں سے بھگایا اور جو دو آدمی اُن کے ساتھ گئے ہیں، وہ کہاں گئے ہیں اور یہاں سے کیا کیا راز لے کر گئے ہیں''..... شمس الدین اور شاد بخت مُسکرا دیئے اور خاموش رہے۔ گمشتگین نے کہا..... ''وہ صلاح الدین ایوبی کے پاس گئے ہیں۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟'' دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ گمشتگین نے کہا..... ''اِن دونوں کو دیکھ لو۔ یہ تو جوان ہیں، اس لیے ابھی برداشت کر رہے ہیں۔ تم دونوں کو میں نے ان کی طرح لٹکا کر پاؤں کے ساتھ وزن باندھ دیا تو تم تھوڑی سی دیر میں اپنا سینہ کھول کر میرے سامنے رکھ دو گے۔ اس کے بغیر ہی مجھے سب کو بتا دو''۔

''وہ کوئی راز نہیں لے گئے''..... شمس الدین نے کہا..... ''یہاں کوئی راز نہیں۔ تمہارے متعلق سلطان ایوبی اچھی طرح جانتا ہے کہ تم صلیبیوں کی مدد سے اُس کے خلاف لڑنے کی تیاری میں ہو۔ ایوبی پوری تیاری کر کے تمہاری سرکوبی کے لیے آیا ہے۔ یہاں سے کوئی کیا راز لے جائے گا۔ راز صرف یہ فاش ہوا ہے کہ ہم دونوں بھائی تمہاری فوج کے سالار تھے، تم ہمیں معتمد سمجھتے رہے لیکن ہم دراصل سلطان ایوبی کے آدمی ہیں''۔

''میں دوسرا راز بھی تمہیں بتا دیتا ہوں''..... شمس الدین کے بھائی شاد بخت نے کہا..... ''یہ اتفاق ایسا ہو گیا ہے کہ دو مسلمان لڑکیاں تمہارے پاس تحفے کے طور پر آ گئیں۔ ہمیں پتا چل گیا کہ وہ مظلوم ہیں اور مسلمان ہیں۔ تمہارا بنایا ہوا قاضی ابوالخاشب تم سے پہلے ان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ہم نے لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھ کر بھگا دیا اور ابوالخاشب نے ہمارے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ہم نے اُسے قتل کر دیا اور تمہیں پتا چل گیا۔ تم نے ہمیں قید کر دیا۔ اگر ہم قید نہ ہوتے تو ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہمیں بھیجو گے تو ہم پوری فوج کو سلطان ایوبی کے گھیرے میں لے جا کر ہتھیار ڈال دیں گے۔ ہماری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی''۔

''ہم پھر بھی کامیاب ہیں''...... شمس الدین نے کہا...... ''تم ہمیں سزائے موت دے دو، ہمیں چھت سے لٹکا کر ہمارے پاؤں کے ساتھ بیس بیس سیر وزن باندھ دو، ہمارے بازو کندھوں سے الگ کر دو، ہمیں اذیت کا کچھ احساس نہیں ہوگا۔ اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے تیر پھول بن جاتے ہیں۔ جسم فنا ہو جاتے ہیں، روحیں نہیں مرا کرتیں۔ اللہ کی راہ میں قربان ہونے والوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کو عزیز ہوتی ہیں''۔

''مجھے وعظ نہ سناؤ''...... گمشتگین نے کہا...... ''مجھے وہ راز بتاؤ غدارو، جو تم نے صلاح الدین ایوبی کو بھیجا ہے''۔

''تم ہمیں غدار کہتے ہو؟...... شمس الدین نے کہا...... ''یہی راز ہے جسے تم چھپانا چاہتے ہو کہ غدار کون ہے۔ تم یہ راز آنے والی نسلوں سے اور تاریخ سے بھی نہیں چھپا سکو گے کہ تم غدار ہو۔ تاریخ پکار پکار کر کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کو صلیبیوں سے آزاد کرانے کے لیے نکلا تھا مگر گمشتگین نام کا ایک مسلمان قلعہ دار اُس کے راستے میں حائل ہو گیا تھا''۔

''تم اگر اتنے پکے مسلمان ہوتے تو ہندوستان ہندوؤں کے حوالے کر کے نورالدین زنگی کے پاس نہ بھاگے آتے''...... گمشتگین نے طنزیہ کہا...... ''تم غلام ملک سے آئے ہو''۔

''ہندوستان کو ہم نے ہندوؤں کے حوالے نہیں کیا تھا''...... شاد بخت نے جواب دیا...... ''وہاں بھی تم جیسے مسلمان موجود تھے، جنہوں نے ہندوؤں سے دوستی کی اور تمہاری طرح اپنی ذاتی بادشاہی کے خواب دیکھے۔ بادشاہی کا نشہ انہیں لے بیٹھا اور ہندو سارے ملک پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اگر ملک کی قسمت سالاروں کے ہاتھ میں ہوتی تو آج ہندوستان عرب کی سرزمین کے ساتھ ملا ہوا تھا، مگر وہاں کی فوج کو بادشاہوں نے اپنا غلام بنا لیا تھا''۔

''میں تمہیں دو دن اور سوچنے کا موقع دیتا ہوں''...... گمشتگین نے کہا...... ''اگر میرے سوالوں کے جواب مجھے دے دو گے تو ہو سکتا ہے تمہیں اس جہنم سے نکال کر تمہارے گھروں میں تمہیں نظر بند کر دوں۔ اگر مجھے مایوس کرو گے تو میں تمہیں سزائے موت نہیں دوں گا۔ انہی کال کوٹھڑیوں میں پڑے گلتے سڑتے رہو گے، سوچ لو''...... اور وہ حکم دے کر انہیں کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جائے، چلا گیا۔

☆

گمشتگین نے اپنے قلعے میں صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ان پر واضح کر دیا کہ ان کا ایک ساتھی جو قتل ہو گیا ہے وہ کسی سازش کا شکار نہیں ہوا، بلکہ وہ حرم کی ایک لڑکی کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ گمشتگین نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس نے اپنے دو سالاروں کو قاضی کے قتل اور غداری کے جرم میں قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اُس نے ان سے مشورہ لیا کہ وہ فوری طور پر سلطان ایوبی کے خلاف فوج بھیجنا چاہتا ہے۔

''مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں سالاروں نے کیسے کیسے راز صلاح الدین ایوبی کو بھیج دیئے ہیں''۔ گمشتگین نے کہا...... ''پیشتر اس کے کہ وہ ان رازوں سے فائدہ اُٹھائے، ہمیں حملہ کر دینا چاہیے۔ اس صورت میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی''۔

صلیبی مشیروں نے مدد کا وعدہ کیا اور کہا کہ وہ اپنے ایک آدمی کو آج ہی رات صلیبیوں کے کیمپ کو روانہ کر دیتے ہیں۔ اُسی رات ایک صلیبی روانہ ہو گیا۔

موصل میں خطیب المخدوم قید خانے کی ایک کوٹھری میں بند تھا اور اُس کی نوجوان بیٹی جس کا نام صاعقہ تھا، گھر میں اکیلی بیٹھی تھی۔ دن بھر عورتیں اس کے پاس جاتی رہی تھیں اور صاعقہ سب سے یہی کہتی رہتی تھی...... ''ایسا ہی ہونا

تھا''......عورتوں نے غور نہیں کیا تھا کہ اس سے اُس کا مطلب کیا ہے۔ دو جوان لڑکیوں نے اُس کے ان الفاظ اور انداز کو نظر انداز نہ کیا۔ انہیں کچھ شک ہوا۔ رات جب صاعقہ گھر میں اکیلی تھی۔ یہ دونوں لڑکیاں اُس کے گھر میں داخل ہوئیں۔ صاعقہ انہیں اچھی طرح نہیں جانتی تھی۔

''تم سارا دن یہ کیوں کہتی رہی ہو کہ ایسا ہونا ہی تھا؟''......ایک لڑکی نے پوچھا۔

''خدا کو ایسے ہی منظور تھا''......صاعقہ نے جواب دیا......''اس کے سوا میں اور کیا کہہ سکتی ہوں''۔

کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ آخر دوسری لڑکی نے کہا......''اگر اس سے تمہارا مطلب کچھ اور ہے تو صاف بتا دو۔ ہوسکتا ہے کہ ہم کچھ مدد کر سکیں''۔

''خدا کے سوا میری کوئی مدد نہیں کر سکتا''......صاعقہ نے کہا......''میرے والد محترم نے کوئی اخلاقی جرم نہیں کیا۔ انہوں نے امیر موصل کو کوئی کھری بات کہہ دی ہوگی۔ وہ ہمیشہ حق بات کہا کرتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتی ہوں کہ ایسا ہونا ہی تھا، کیونکہ وہ خوشامد کرنے والے انسان نہیں''۔

''یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا ہے''......دوسری لڑکی نے کہا......''ہم یہ کہنا چاہتی ہیں کہ انہوں نے صلاح الدین ایوبی کی حمایت میں کوئی بات کہہ دی ہوگی۔ یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو کہ وہ موصل کے والی کے حامی تھے یا صلاح الدین ایوبی کے''۔

''تم جسے سچا سمجھتی ہو، وہ اُسی کے حامی تھے''......صاعقہ نے مُسکرا کر پوچھا......''تم کس کی حامی ہو؟''۔

''صلاح الدین ایوبی کی''......دونوں لڑکیوں نے جواب دیا۔

''وہ بھی ایوبی کے حامی تھے''......صاعقہ نے جواب دیا......''سیف الدین کو پتا چل گیا ہوگا''۔

وہ زبانی حمایت کرتے تھے یا عملاً بھی؟''......ایک لڑکی نے پوچھا۔

''کیا تم جاسوسی کرنے آئی ہو؟''......صاعقہ بھڑک کر بولی......''کیا موصل کا نوجوان خون بھی کفار کا حامی ہوگیا ہے؟''

''ہاں!''......ایک لڑکی نے جواب دیا......''ہم دونوں جاسوسی کرنے آئی ہیں اور تمہیں یہ یقین دلانے آئی ہیں کہ موصل کا نوجوان خون کفار کا حامی نہیں، بلکہ کفار کے پاؤں تلے سے عرب کی زمین نکالنے کے لیے بے تاب ہے اور اس عزم پر عمل کر کے دکھانے کو اُبل رہا ہے۔ تم ہماری ذہانت کا اندازہ اس سے کرو کہ تمہارے ان الفاظ کو کہ ایسا ہونا ہی تھا، ہمارے سوا کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ ہم سمجھ گئی تھیں کہ تمہارے والد محترم سلطان ایوبی کے حامی ہوں گے اور اُن کی سرگرمیوں کا علم والئ موصل کو ہو گیا ہوگا''۔

کچھ دیر کے تبادلۂ خیالات اور بحث کے بعد صاعقہ کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں لڑکیاں اُسے دھوکہ نہیں دے رہیں۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہیں اور وہ کر کیا سکتی ہیں۔

''سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ محترم خطیب کو قید خانے پریشان تو نہیں کیا جا رہا؟''......ایک لڑکی نے کہا......''اگر پریشان کیا جا رہا ہے تو انہیں قید خانے سے غائب کرنے کا انتظار کیا جائے گا''۔

''یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ قید خانے میں اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے''۔ صاعقہ نے پوچھا۔

''ہم اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش کریں گی''......دوسری لڑکی نے کہا......''تم والئ موصل کے پاس جا،

اور اپنے والد سے ملنے کی عرض کرو۔ اگر اُس نے اجازت نہ دی تو ہم کچھ کریں گی''۔

''میں کل صبح جاؤں گی......'' صاعقہ نے کہا...... ''اور یہ بھی پوچھوں گی کہ میرے باپ کا جرم کیا ہے؟''

لڑکیاں جانے کے لیے اُٹھیں تو خیال آ گیا کہ صاعقہ گھر میں اکیلی ہے۔ انہوں نے اُسے کہا کہ وہ رات اُ کے ساتھ گزاریں گی لیکن صاعقہ تنہائی میں کوئی ڈر یا خطرہ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ لڑکیوں نے اپنے گھر والوں کو جا کر بتایا وہ صاعقہ کے پاس رہیں گی، کیونکہ وہ اکیلی ہے۔ وہ اُس کے پاس چلی گئیں...... سردیوں کا موسم تھا۔ وہ کمرے میں سوئیں۔ آدھی رات کے وقت ایک لڑکی بیت الخلاء میں جانے کے لیے باہر نکلی تو صحن سے آگے جو برآمدہ تھا، وہاں اُ ایک سیاہ سایہ حرکت کرتا نظر آیا اور وہ کہیں غائب ہو گیا۔ لڑکی ڈری نہیں، وہ کمرے میں چلی گئی۔ اپنی سہیلی کو جگایا اور اُ بتایا، دونوں کے پاس خنجر تھے، خنجر ہاتھ میں لے کر وہ برآمدے میں گئیں، اِدھر اُدھر دیکھا، انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

وہ صحن میں آئیں۔ انہوں نے صاعقہ کو نہیں جگایا تھا، لیکن صاعقہ کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں سہیلیوں کو کمرے غیر حاضر دیکھ کر وہ باہر چلی گئی۔ سہیلیوں کو پکارا۔ وہ آئیں تو انہوں نے اُسے بتایا کہ برآمدے میں ایک سایہ حرکت کر رہا کسی انسان کا معلوم ہوتا تھا۔

''چلو چل کر سو جاؤ''...... صاعقہ نے اُن سے کہا...... ''تم جب بھی باہر نکلو گی، تمہیں ایک سایہ ہلتا جلتا نظر آ گا، آگے جا کر کسی سائے کو خنجر نہ مار دینا''۔

''یہ سائے کیسے ہیں؟''...... ایک لڑکی نے پوچھا...... ''انسان نہیں یہ؟''

''یہ جو کچھ بھی ہیں، مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں''...... صاعقہ نے کہا...... ''تم بھی ان سے نہ ڈرو''۔

مگر اب دونوں لڑکیاں ڈرنے لگی تھیں۔ وہ صرف انسانوں سے نہیں ڈرتی تھیں۔ یہ سائے صاعقہ کے کہنے مطابق انسانوں کے نہیں تو پھر یہ جن ہی ہو سکتے تھے۔ صاعقہ نے کہا...... ''یہ میرے والد محترم کے عقیدت مندوں سائے ہیں۔ انہیں جن ہی سمجھ لو۔ میں ان کے قریب کبھی نہیں گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ میری حفاظت کے لیے یہاں گھو پھرتے رہتے ہیں''۔

''محترم خطیب برگزیدہ شخصیت ہیں''...... ایک لڑکی نے کہا...... ''اُن کے عقیدت مند جن بھی ہوں گے''۔

''کچھ ایسی ہی بات ہے''...... صاعقہ نے کہا...... ''اِن سے ڈرنا نہیں اور ان کے قریب بھی نہ جانا''۔

☆

اُس رات خطیب کوٹھری میں بند تھا۔ اُسے ابھی کچھ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ا سنتری اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرا۔ خطیب نے اُسے روک کر کہا...... ''مجھے قرآن کی ضرورت ہے۔ قید خانے قرآن تو ضرور ہو گا''۔

''یہاں؟...... قرآن؟''...... سنتری نے طنزیہ لہجے میں کہا...... ''یہاں قرآن پاک پڑھنے والے نہیں کرتے۔ یہ جہنم ہے۔ یہاں گناہگار آتے ہیں۔ سو جاؤ''...... سنتری آگے چلا گیا۔

خطیب حافظ قرآن نہیں تھا۔ اُسے بہت سی صورتیں اور آیتیں یاد تھیں۔ اُس نے سورۂ الرحمٰن کی تلاوت بلند آ سے شروع کر دی۔ ایک تو سورۂ الرحمٰن کا اپنا تاثر ہے جو پہاڑوں کا بھی جگر چاک کر ڈالتا ہے، اس کے ساتھ خطیب المخدوم کی سریلی آواز کا سحر انگیز سوز۔ قید خانے کے مقید ماحول پر جیسے وجد طاری ہو گیا ہو۔ اُس نے یہ سورۂ مبارکہ ختم

سے محسوس ہوا کہ وہ اکیلا نہیں۔ دروازے کی طرف دیکھا۔ وردی میں جیل کا کوئی عہدے دار کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''تم کون ہو؟''...... عہدے دار نے خطیب سے پوچھا...... ''میں چھ سال سے اس قید خانے میں نوکری کر رہا ہوں۔ قرآن کی آواز پہلی بار سنی ہے اور ایسی آواز بھی پہلی بار سنی ہے جو میرے دِل میں اُتر گئی ہے۔ میں نے قرآن نہیں پڑھا، حالانکہ یہ میری مادری زبان میں لکھا گیا ہے''۔

''میں موصل کا خطیب ہوں''...... خطیب نے جواب دیا۔

''اور آپ کا جرم؟''...... عہدے دار نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

''صرف یہ کہ میں قرآن کی زبان میں بات کیا کرتا ہوں''...... خطیب نے جواب دیا...... ''میرا جرم یہ ہے کہ میں نے اپنے بادشاہ کا حکم نہ مانا اور قرآن کے حکم کو مقدم جانا''۔

''پھر پڑھو''...... عہدے دار نے التجا کے لہجے میں کہا...... میرے اندر ایک زہر ہے جو قرآن کے الفاظ نے اور آپ کی آواز نے نکالنا شروع کر دیا ہے۔ میں آپ کو حکم نہیں دے رہا، التجا ہے''۔

خطیب نے پہلے سے زیادہ وجد آفریں آواز میں سورۂ الرحمٰن پڑھی۔ عہدے دار کوٹھڑی کی موٹی موٹی سلاخوں کو پکڑے کھڑا رہا اور اُس کے آنسو بہتے رہے۔ خطیب خاموش ہوا تو عہدے دار نے آنکھیں بند کر کے دھیمی آواز میں سورۂ رحمٰن کی بعض آیات دہرانی شروع کر دیں۔

''اگر آپ کی آواز میں یہ جادو ہے تو آپ کے معتقدوں میں جنّات بھی ہوں گے''...... عہدے دار نے کہا...... میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ قرآن سے فال نکالی جاتی ہے۔ کوئی سوال پوچھو تو جنات قرآن کے الفاظ میں جواب دیتے ہیں''۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارا سوال کیا ہے!''...... خطیب نے کہا...... ''قرآن صرف ایمان والوں کو مژدہ بنایا گیا ہے''۔

''اور جس کا ایمان پختہ نہ ہو؟''

''اُس کے سینے میں ایمان کی قندیل روشن کرتا ہے''...... خطیب نے کہا...... ''تمہارا سوال کیا ہے؟''

''میری ایک آرزو ہے''۔ عہدے دار نے کہا...... ''میرے سینے میں آگ جل رہی ہے۔ معلوم نہیں، یہ ایمان کی آگ کا شعلہ ہے یا یہ آگ انتقام کی ہے۔ میں اُس فوج میں شامل ہونا چاہتا ہوں جو یروشلم کو فتح کرے گی۔ مجھے انتقام لینا ہے''۔

''اگر یروشلم کی فتح کو تم ایمان کہو تو وہاں جلدی پہنچو گے''...... خطیب نے کہا...... ''انتقام ذاتی فعل ہے، ایمان حکم ہے...... تم انتقام کیوں کہہ رہے ہو؟ اور یروشلم کیوں کہہ رہے ہو؟ بیت المقدس کہو''۔

''میں نے کسی قیدی کے ساتھ ایسی باتیں کبھی نہیں کی تھیں''...... عہدے دار نے کہا...... ''آپ خطیب ہیں۔ آپ کے سامنے میں اپنا دِل کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔ میری روح کو تسکین کی ضرورت ہے۔ میں بیت المقدس کا رہنے والا ہوں۔ وہاں صلیبیوں کی حکمرانی ہے۔ مسلمانوں کو وہاں بھیڑ بکریاں اور جانور سمجھا جاتا ہے۔ صلیبی جس مسلمان کو چاہیں قتل کر دیں، جسے چاہیں قید خانے میں ڈال دیں۔ بیگار کا رواج تو عام ہے، جس گھر میں لڑکی جوان ہو، اُن کا دم تو خشک رہتا ہے۔ وہاں کے مسلمان سلطان ایوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ سات سال گزرے، ایک روز ایک صلیبی نے مجھے پکڑ لیا اور

ساتھ لے گیا۔ اس کا کوئی سامان اُٹھا کر اُس کے گھر تک لے جانا تھا۔ اُس نے مجھے سامان اُٹھانے کو کہا تو میں نے انکار کر دیا۔ اُس نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر کہا کہ مسلمان ہو کر تم میرا حکم نہ ماننے کی جرأت کر رہے ہو؟ میں نے اُس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ وہ گرا تو میں نے اس کے سر کے بال مٹھی میں لے کر اُسے اُٹھایا اور دوسرا گھونسہ مار کر اُسے پھر گرا دیا......

''اتنے میں مجھے پیچھے سے کسی نے جکڑ لیا، پھر صلیبیوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ سپاہی بھی آ گئے اور مجھے بیگار کیمپ میں لے گئے۔ میں نے وہاں تین دن گزارے اور تیسری رات میں نے ایک سنتری کو پیچھے سے دبوچا اور اُسی کے خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر کے بھاگ نکلا۔ میں گھر پہنچا تا کہ رات ہی رات سارے کنبے کو بیت المقدس سے بھگا لے جاؤں ورنہ سب کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا، مگر میرا گھر کھنڈر بن چکا تھا۔ اندر گیا تو گھر جلا ہوا تھا۔ میں نے ایک مسلمان پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ڈرتا ڈرتا باہر آیا۔ میں نے پوچھا کہ میرے گھر والے کہاں بھاگ گئے ہیں؟ اُس نے یہ سنا کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکال دی کہ گھر کے مردوں کو صلیبی پکڑ کر لے گئے ہیں اور میری دونوں کنواری بہنوں کو صلیبی فوجی لے گئے تھے۔ پھر انہوں نے گھر کو آگ لگا دی......

''میرے دل پر جو گزری اُس کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے بہنیں واپس نہیں مل سکتیں اور میں یہاں رُکا رہا تو پکڑا جاؤں گا اور صلیبی مجھے قتل کر دیں گے یا قید خانے میں بند کر کے ساری عمر اذیتیں دیتے رہیں گے۔ میں کسی مسلمان کے گھر چھپنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وہ پورا گھرانہ مارا جاتا۔ میں رات کو ہی بیت المقدس سے نکل آیا۔ خون کھول رہا تھا، مگر میں بے بس تھا۔ میں نے اس طرف کا رُخ کر لیا۔ صبح طلوع ہوئی تو میں نے ایک صلیبی کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار میرے راستے پر سامنے سے آ رہا تھا۔ وہ سپاہی نہیں تھا۔ میں نے اُسے روک لیا اور اُسے باتوں میں اُلجھا کر گھوڑے سے اُتار لیا۔ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں دوسرا زمین پر تھا کہ میں نے پیچھے سے اُس کی گردن اپنے بازو کے گھیرے میں لے لی۔ اس کے کمر بند کے ساتھ چھوٹی تلوار تھی۔ وہ کھینچ لی اور اُسے قتل کر دیا۔ اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی......

''یہ دوسرا صلیبی تھا جسے میں نے قتل کیا۔ اس سے پہلے میں ایک سنتری کو قتل کر آیا تھا، لیکن میرے دل کو اطمینان نہ ہوا۔ میں تمام صلیبیوں کو قتل کرنے کے لیے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنے دن اور کتنی راتیں سفر کیا اور کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ مجھے بھوک محسوس نہ ہوئی، پیاس کا احساس تک نہ رہا۔ بہنیں یاد آتی تھیں اور میں گھوڑا روک کر صلیبی سے چھینی ہوئی تلوار ہاتھ میں لے کر بیت المقدس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ میرا جسم کانپنے لگ جاتا تھا۔ میں نے کئی بار خدا کو پکارا اور خدا سے پوچھا کہ اُس نے مجھے کون سے گناہ کی سزا دی ہے، اگر میں گناہ گار تھا تو سزا مجھے ملنی چاہیے تھی، میری بہنیں اور میرا کمسن چھوٹا بھائی بے گناہ تھے۔ مجھے خدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے سجدے میں گر کر خدا کو پکارا اور مایوس ہوا۔ میں نے خدا سے یہ التجا بھی کی کہ مجھے سکون مل جائے یا میرے اندر انتقام کی آگ بجھ جائے۔ میرا احساس مردہ ہو جائے......

''میں موصل کے ایک گاؤں میں پہنچ گیا، جہاں یہ خطرہ نہیں تھا کہ صلیبی مجھے پکڑ لیں گے، لیکن میرے دل کو بے رحم کے ہاتھوں نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ میں ہر لمحہ بے قرار اور بے چین رہتا تھا۔ میں مسجد میں چلا گیا۔ امام سے کہا کہ مجھے دکھا دے کہ خدا کہاں ملے گا، میری روح کو سکون کہاں ملے گا۔ اُس نے میری کوئی مدد نہ کی۔ میں وہاں سے ایک اور گاؤں چلا گیا۔ پھر وہاں سے بھی چلا گیا۔ اس کے بعد یہی یاد آتا ہے کہ میں مسجدوں میں خدا کو ڈھونڈتا پھرتا رہا۔ اماموں سے روحانی سکون مانگتا رہا، مگر کسی نے میری دستگیری نہ کی۔ مجھے کسی نے خدا کا اتا پتہ نہ بتایا، کسی نے کوئی طریقہ نہ بتایا۔

سے میں خدا سے ہمکلام ہوسکوں اور اُس سے روحانی سکون مانگ سکوں۔ راتوں کو اکثر بہنوں کو خواب میں دیکھتا تھا۔ وہ روتی نظر آتی تھیں۔ مجھے اُن کی سسکیاں اور ہچکیاں اُس وقت بھی سنائی دیتی تھیں جب جاگ اُٹھتا تھا۔ روز بروز میرے اندر یہ احساس پیدا ہوتا گیا کہ میری بہنیں مجھ پر لعنت بھیج رہی ہیں......

''کسی نے بتایا کہ صلیبیوں سے انتقام لینا ہے تو فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ سلطان نورالدین زنگی فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہا ہے۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں اور صلیبیوں کی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ ہمیں بیت المقدس میں معلوم ہو جاتا تھا کہ کون سی جنگ میں کسے شکست ہوئی ہے۔ بیت المقدس میں صلیبی جب وہاں کے مسلمان باشندوں پر ظلم وستم اچانک زیادہ کر دیتے تھے تو ہم سمجھ جاتے تھے کہ کسی میدان میں انہیں شکست ہوئی ہے، جس کا انتقام وہ یہاں کے نہتے اور بے بس مسلمانوں سے لے رہے ہیں۔ پھر ہمیں وہاں صلاح الدین ایوبی کا نام سنائی دینے لگا۔ یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ وہاں کے صلیبی باشندے اس نام سے ڈرتے تھے اور اُس سے نفرت کرتے تھے۔ یہ بھی پتا چلا کہ صلاح الدین ایوبی طوفان کی طرح آ رہا ہے، مگر وہ نہ آیا۔ اس کی بجائے میں یہاں سینے میں ایک گہرا زخم لے کر آ گیا۔ میں فوج میں بھرتی ہو گیا، لیکن محاذ پر بھیجنے کی بجائے مجھے اس قید خانے میں بھیج دیا گیا، یہاں مجھے ترقی بھی مل گئی......

''یہاں میں نے انسانوں پر ظلم ہوتے دیکھا، اس سے میں کانپ کانپ اُٹھتا تھا۔ یہاں انسانوں کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں۔ بیت المقدس میں صلیبی مسلمانوں کا یہی حشر کرتے تھے، یہاں مسلمانوں کو مسلمانوں پر وہی ظلم کرتے دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہاں بے گناہوں کو بھی لایا اور اذیت میں ڈالا جاتا ہے۔ اُن کا گناہ وہی ہے جو آپ نے کیا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کو یہاں لا کر کیوں بند کیا گیا ہے۔ یہ کام مجھے بھی کرنا پڑا۔ میں نے بھی انسانوں کو ایسی ایسی اذیتیں دیں جو آپ کو سناؤں تو آپ بے ہوش ہو جائیں۔ میرے ساتھی پوری طرح وحشی درندے بن گئے ہیں۔ ان میں انسانیت صرف اتنی سی رہ گئی ہے کہ وہ انسانوں کی طرح چلتے پھرتے اور باتیں کرتے ہیں۔ میں ان سے اس لحاظ سے مختلف ہوں کہ میں چوری چھپے قیدیوں کے ساتھ ہمدردی کی دو چار باتیں کر لیتا ہوں۔ ان سے پوچھتا ہوں کہ اُن کا جرم کیا ہے، مگر ہمدردی کے اس جذبے نے میری روح سے بوجھ اُتارنے کی بجائے، نہ جانے کیسا بوجھ ڈال دیا ہے۔ مجھے سکون نہیں ملتا۔ مجھے خدا نظر نہیں آتا، میری آنکھوں کے سامنے سے میری بہنیں ہٹتی نہیں۔ میں پھر یہی محسوس کرتا ہوں کہ جب تک صلیبیوں سے انتقام نہیں لوں گا، میں اسی طرح بے چین رہوں گا......

''آج آپ کی آواز میں قرآن کے یہ الفاظ سنے...... ''گناہگار اپنے چہروں ہی سے پہچان لیے جائیں گے، پھر وہ بالوں اور پاؤں سے پکڑے لیے جائیں گے......تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے'' تو معلوم نہیں میرے دل میں کیا ہلچل بپا ہو گئی ہے۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا ہے جیسے وہ راز انہی لفظوں میں ہے جو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں'' ......اُس نے سلاخوں میں سے ہاتھ اندر کر کے خطیب ابن المخدوم کا چغہ پکڑ لیا اور بے تاب ہو کر بولا ...... ''مجھے بتاؤ یہ راز کیا ہے۔ کیا میرے دماغ پر خون سوار ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں انتقام کس طرح لوں گا؟ میں پاگل تو نہیں ہو جاؤں گا؟ اگر خدا ہے تو اُس سے پوچھ کر مجھے بتاؤ کہ میرے سوالوں کا جواب کیا ہے؟''

''تمہارے دماغ پر خون سوار ہے''۔ خطیب نے کہا۔ ''تم نے خدا کی آواز سن لی ہے۔ میری آواز میں خدا بول رہا تھا۔ تم انتقام لینے کو بے تاب ہو لیکن یہاں تم اسی طرح بے حال اور بے چین رہو گے۔ تم جس فوج کے ملازم ہو، وہ بھی

بیت المقدس نہیں جائے گی''۔

''کیوں؟''

''کیونکہ یہ فوج پہلے سلطان ایوبی کو شکست دے گی''۔ خطیب نے جواب دیا۔ ''پھر سلطان ایوبی کو قتل کیا جائے گا اور پھر صلیبیوں کے ساتھ دوستی کی جائے گی''۔

عہدے دار کی آنکھیں کھلتی گئیں۔ خطیب اُسے بتاتا رہا کہ مسلمان حکمران کیا کر رہے ہیں۔ عہدے دار نے کہا۔ ''میں کچھ عرصے سے اس قسم کی باتیں سن رہا تھا لیکن یقین نہیں آتا تھا۔ میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ہمارے حکمران قوم کی اُن بیٹیوں کو بھول جائیں گے جو صلیبیوں کی بربریت کا نشانہ بنی ہیں اور جنہیں انہوں نے اغوا کر کے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے''۔

''وہ بھول چکے ہیں''۔ خطیب نے کہا۔ ''وہ اس حد تک بھول چکے ہیں کہ اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں انہیں تحفوں کے طور پر پیش کی جاتی ہیں اور یہ انہیں اپنے حرموں کی زینت بناتے ہیں۔ اس لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے ہیں کیونکہ وہ قرآن کے احکام کا پابند ہے اور قوم کی عصمت کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اُس کا کوئی گھر ہے یا نہیں۔ اُس کی عمر صحراؤں اور پہاڑوں میں گزر رہی ہے۔ میرا بھی جرم یہی ہے کہ میں نے والیٔ موصل کو قرآن کے احکام یاد دلا دیئے تھے اور اُسے کہا تھا کہ ایک مردِ مجاہد کے خلاف لڑو گے تو شکست کھاؤ گے۔ قرآن کے جن مقدس الفاظ نے ابھی ابھی تم پر جادو کیا ہے، میں نے یہی الفاظ موصل کے بادشاہ سیف الدین کو یاد دلائے تھے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ تم جیسے گناہگار چہروں سے پہچانے جائیں گے اور بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔ میں نے اُسے قرآن کا یہ حکم بھی سنایا تھا کہ تم دماغ سے بادشاہی کا نشہ نہیں اُتارو گے تو دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں گھومو پھرو گے، مگر اُس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے نفس کا حکم مانا۔ اُس نے مجھے قید خانے میں بند کرا دیا''۔

''آپ کو یہاں بہت تکلیف ہوگی''۔ عہدے دار نے کہا۔ ''میں جو خدمت کر سکا، کروں گا''۔

''یہ دنیاوی اور جسمانی اذیتیں مجھے کوئی تکلیف نہیں دے سکتیں''۔ خطیب نے کہا۔ ''تم نے میری آواز میں جو سوز اور تاثر محسوس کیا ہے، وہ میری روح کی آواز تھی۔ دُنیا کے اس جہنم میں مطمئن ہوں۔ میری آواز اللہ کی آواز ہے۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ ہاں، ایک غم ہے جو مجھے پریشان کرتا ہے۔ میری جوان بیٹی ہے اور یہ میری واحد اولاد ہے۔ میری بیوی مدت ہوئی مر گئی تھی۔ میں نے اس بچی کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔ ہم ایک دوسرے کی خاطر زندہ ہیں، وہ گھر میں اکیلی ہے''۔

''میں اُس کی حفاظت کروں گا''۔ عہدے دار نے کہا۔

''سب کی حفاظت کرنے والا خدا ہے''۔ خطیب نے کہا۔ ''میں تمہیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیتا ہوں۔ میری بیٹی صاعقہ سے کہہ دینا کہ ثابت قدم رہے اور میرے متعلق کوئی فکر نہ کرے۔ اگر یہاں قرآن پڑھنے کی اجازت ہو تو میری بیٹی سے میرا قرآن لے آنا''۔

عہدے دار علی الصبح خطیب کے گھر چلا گیا اور اُس کی بیٹی کو تسلی دی کہ اپنے باپ کے متعلق وہ پریشان نہ ہو۔ اُس نے صاعقہ کو بتایا کہ وہ اُس کے باپ سے بہت متاثر ہوا ہے، اُس کی جو مدد وہ کر سکتا ہے کرے گا، لیکن اوپر کے حکم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ قید خانے کا ادنیٰ ملازم ہے۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ محترم خطیب کا قرآن دے دے۔ لڑکی نے قرآن دینے سے پہلے عہدے دار کے ساتھ بہت باتیں کر کے یقین کر لیا کہ وہ تہہ دل سے اور جذبے کے تحت اُس

کے باپ کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ وہ جذباتی لگتا تھا۔ اُس نے جب یہ کہا کہ وہ اُس کی خاطر اور اُس کے باپ کی خاطر جان پر بھی کھیل جائے گا تو صاعقہ نے اُسے کہا۔ ''آپ کو یہ تو معلوم ہوگیا ہے کہ میرے والد کو کس جرم میں قید کیا گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ سیف الدین انہیں اذیت خانے میں ڈال دے گا تا کہ اُن کے دل سے صلاح الدین ایوبی کی حمایت نکل جائے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ آپ انہیں قید خانے سے فرار ہونے میں مدد دیں؟ ہم دونوں مُوصل سے غائب ہو جائیں گے''۔

عہدے دار مسکرایا اور بولا۔ ''جو اللہ کو منظور ہوگا، میں نے تمہارے والد کی آواز میں اللہ کی آواز سنی ہے اور اُن کی آنکھوں میں ایمان کا نور دیکھا ہے۔ اللہ کی آواز اور ایمان کے نور کو کوئی انسان قید خانے میں محبوس نہیں کر سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس آواز اور اس نور کو آزاد کرانے کا نیک کام خدا نے میری قسمت میں لکھ دیا ہو اور اُس کے عوض میرے سینے کی آگ سرد ہو جائے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں کیا کروں گا، کیونکہ تم عورت ذات ہو اور نوجوان ہو۔ شاید راز کو راز نہ رکھ سکو''۔

''میں والد محترم کے لیے قرآن لے آتی ہوں''۔ وہ اندر چلی گئی اور بہت دیر بعد آئی۔ اُس کے ہاتھ میں قرآن تھا جو عہدے دار کو دے کر اُس نے کہا۔ ''میں والیٔ موصل کے پاس جا رہی ہوں کہ وہ مجھے اپنے باپ سے ملنے کی اجازت دے دے''۔

''ہاں!'' عہدے دار نے کہا۔ ''ملاقات کا یہی طریقہ ہے''.... اور وہ قرآن لے کر چلا گیا۔

☆

صاعقہ تیار ہو کر سیف الدین کے دربار میں چلی گئی۔ اُسے باہر روک دیا گیا۔ سیف الدین، صلاح الدین ایوبی نہیں تھا کہ ہر کسی کو ملنے کی کھلی اجازت تھی۔ سیف الدین تو بادشاہ تھا اور اُس کے طور طریقے شاہانہ تھے۔ اُسے شراب بھی پینی ہوتی تھی، حرم کے لیے بھی وقت نکالنا ہوتا تھا۔ رقص کی محفلیں بھی منعقد کرنی ہوتی تھیں اور جو وقت بچتا تھا، وہ اپنی بادشاہی کو سلطان ایوبی سے بچانے کے منصوبے بناتے صرف ہوتا تھا۔ اُسے اپنی رعایا کا کوئی علم نہ تھا۔ حکومت کے نشئی رعایا کو استعمال کیا کرتے ہیں، اُن کے نیک و بد کی انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ رعایا کے پیٹ میں صرف اتنا سا اناج جانے دیتے ہیں جس سے رعایا صرف زندہ رہے اور اُن کے آگے سجدہ ریز رہے۔

صاعقہ اُسی رعایا کی ایک لڑکی تھی۔ دربان نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو اُس نے بتایا کہ وہ موصل کے خطیب ابن المخدوم ککبوری کی بیٹی ہے۔ دوسروں کی طرح دربان کو بھی یہ معلوم تھا کہ خطیب اچانک پاگل ہوگیا ہے اور اُسے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ خطیب کا احترام ہر کسی کے دِل میں تھا اور اُس کے پاگل ہو جانے کی وجہ سے سب کے دلوں میں ہمدردی بھی پیدا ہوگئی تھی۔ دربان نے کسی سے کہہ کر سیف الدین سے اجازت لے لی کہ صاعقہ کو اُس کے پاس بھیجا جائے۔

صاعقہ جب سیف الدین کے سامنے گئی تو وہ اس لڑکی کی خوب صورتی دیکھ کر چونک اُٹھا۔ وہ لڑکیوں کا شکاری تھا۔ اُس نے صاعقہ کو دلچسپی سے اپنے پاس بٹھایا۔ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ لڑکی اپنے باپ کی رہائی کی درخواست لے کر آئی ہے۔

''سنو لڑکی!'' اُس نے صاعقہ کی بات سنے بغیر کہا۔ ''میں جانتا ہوں تم کیوں آئی ہو لیکن میں نے بہت مجبور ہو کر تمہارے باپ کو قید میں ڈالا ہے، اگر اُسے ایک دو دنوں بعد ہی رہا کرنا ہوتا تو میں اُسے گرفتار ہی نہ کرتا۔ میں اُسے رہا نہیں کرسکوں گا''۔

''اُن کا جرم کیا ہے؟'' صاعقہ نے پوچھا۔

''غداری''۔ سیف الدین نے جواب دیا۔

''کیا انہوں نے آپ کے خلاف صلیبیوں کے حق میں غداری کی ہے؟''

''ریاست کا دشمن صلیبی ہو یا مسلمان''۔ سیف الدین نے جواب دیا۔ ''اُس کے ساتھ مل کر ریاست کو نقصان پہنچانا جرم ہے۔ کیا تمہارا باپ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں تھا؟''

''مجھے کچھ علم نہیں''۔ صائقہ نے جواب دیا۔ ''میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہونا جرم نہیں''

''یہی بات تمہارا باپ بھی نہیں سمجھ سکتا''۔ سیف الدین نے کہا۔ ''میں حیران ہوں کہ بہت سے لوگ صلاح الدین ایوبی کو فرشتہ سمجھتے ہیں۔ وہ عورت کے معاملے میں درندہ ہے۔ دمشق اور قاہرہ میں اُس نے اپنا حرم تم جیسی سینکڑوں لڑکیوں سے بھر رکھا ہے، ہر لڑکی تین چار مہینوں بعد اپنے سالاروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اُس کی فوج جہاں حملہ کرتی ہے، وہاں نہ مسلمان گھرانہ دیکھتی ہے، نہ غیر مسلم۔ ہر گھر کو لوٹتی اور ہر لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ تم جیسی حسین لڑکی اُس سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ میرا فرض ہے کہ تمہاری عزت کی حفاظت کروں، خواہ مجھے تمہیں اپنے گھر میں رکھنا پڑے''۔

''میری حفاظت خدا کرے گا''۔ صائقہ نے کہا۔ ''میں صرف یہ التجا کرنے آئی ہوں کہ مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے اپنے باپ سے ملنے کی اجازت دی جائے''۔

''جب تک قاضی اُسے سزا نہیں دیتا، اجازت نہیں دی جاسکتی''۔

''سزا کیا ہوگی؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''موت''

صائقہ کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے لڑکی کو اور زیادہ خوف زدہ کرنے کے لیے کہا۔ ''لیکن یہ موت اتنی آسان نہیں ہوگی کہ تلوار سے سر تن سے جُدا کر دیا جائے گا۔ اُسے آہستہ آہستہ اذیتیں دے دے کر مارا جائے گا۔ پہلے اُس کی آنکھیں نکالی جائیں گی، پھر اُس کا ایک ایک دانت زنبور سے کھینچ کر نکالا جائے گا، پھر اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں کاٹی جائیں گی اور پھر وہ زندہ ہی ہوگا تو اُس کی کھال اُتاری جائے گی''۔

لڑکی کا جسم بڑی زور سے کانپا۔ اُس نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیے اور اُس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''کیا آپ ان پر یہ رحم نہیں کر سکتے کہ اُن کا سر تلوار سے کاٹ دیا جائے؟ اگر انہیں سزائے موت ہی دینی ہے تو ایک ثانیے میں انہیں کیوں نہیں ختم کر دیتے؟''

''اگر تمہیں اپنی قیامت خیز جوانی پر رحم آجائے تو میں تمہارے باپ پر رحم کر سکتا ہوں''۔

صائقہ نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو سیف الدین نے کہا۔ ''باپ کے مر جانے کے بعد تم ایک عام سی اور غریب سی لڑکی بن کے رہ جاؤ گی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم میرے عقد میں آجاؤ جس سے تمہارے باپ کو بھی فائدہ پہنچے گا اور تمہاری حیثیت موصل کی ملکہ کی ہو جائے گی؟''۔

''اگر میرے باپ نے مجھے خودداری کی تعلیم نہ دی ہوتی تو ملکہ بننا تو بہت بڑی بات ہے، میں آپ کے ساتھ ایک رات گزارنے پر بھی فخر محسوس کرتی''۔ صائقہ نے کہا۔ ''میرا باپ میری عصمت کی حفاظت میں اپنی کھال ہنستے کھیلتے اُتروا لے گا۔ یہ سودا میرے باپ کے ساتھ کریں۔ اُس سے پوچھیں کہ تم جلاد کے پاس جانا چاہتے ہو یا اپنی بیٹی کو میرے پاس بھیجنا چاہتے ہو۔ میرا باپ یقیناً یہ کہے گا..... ''مجھے جلاد کے حوالے کر دو''..... میں صرف یہ درخواست لے کر آئی تھی کہ

تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے اپنے باپ سے ملنے دیا جائے۔ اب میں اپنی درخواست میں یہ اضافہ کرتی ہوں کہ اس کے لیے میں کوئی سودا قبول نہیں کروں گی''۔

''کیا تمہارا یہ فیصلہ ہے کہ تم میرے پاس نہیں آؤ گی؟'' سیف الدین نے پوچھا۔

''اٹل فیصلہ''۔ صائقہ نے جواب دیا۔ ''آپ موصل کے مالک ہیں۔ مجھے زبردستی اپنے حرم میں داخل کر لیں''۔

''میں نے ایسا جرم کبھی نہیں کیا''۔ سیف الدین نے کہا۔

صائقہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے دراصل ملاقات کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ تو یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اس کے باپ کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔ وہ اُسے قید خانے کے ایک عہدے دار سے معلوم ہو گیا تھا اور اُسے یہ اُمید بھی تھی کہ یہ عہدے دار اُس کے باپ کو فرار میں مدد دے گا۔ اُس نے سیف الدین کو سلام کیا اور چل پڑی۔ سیف الدین نے اُسے جاتے دیکھا تو بولا۔ ''ٹھہرو، یہ نہ کہنا کہ والیٔ موصل نے ایک لڑکی کی تمنا پوری نہیں کی تھی۔ تم آج رات اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے لیے جا سکتی ہو۔ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا، وہ تمہیں اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا، تم جتنی دیر چاہو اپنے باپ سے باتیں کر سکتی ہو''۔

صائقہ شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔ سیف الدین کے پیچھے ایک باڈی گارڈ کھڑا تھا۔ صائقہ چلی گئی تو سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا۔ ''اتنا خوب صورت پرندہ پنجرے میں آنا چاہیے۔ میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کہا تھا کہ اُس کے باپ کو کس طرح اذیتیں دے کر مارا جائے گا مگر لڑکی دل گردے کی پکی معلوم ہوتی ہے۔ جانتے ہو میں نے اُسے کیوں کہا ہے کہ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا، وہ تمہیں قید خانے میں باپ سے ملاقات کرانے لے جائے گا؟''

''کیا میں ابھی تک آپ کے اشارے سمجھنے کے قابل نہیں ہوا؟'' باڈی گارڈ نے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ ''وہ آدمی میں ہی ہوں گا جو اسے شام کے بعد گھر سے قید خانے لے جانے کے بہانے لے جاؤں گا''۔

''اور تم جانتے ہو کہ اسے کہاں لے جانا ہے؟'' سیف الدین نے پوچھا۔ ''اسے یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے اسے اغوا کرایا ہے''۔

''سب جانتا ہوں''۔ باڈی گارڈ نے کہا..... ''یہ کام پہلی بار تو نہیں کر رہا۔ میں اسے بن بھول بھلیوں سے گزار کر اور اس کی جو حالت کر کے آپ کے پاس پہنچاؤں گا، اس سے وہ یہ سمجھے گی کہ دُنیا میں آپ واحد انسان ہیں جو اس کے مونس و غم خوار ہیں۔ آگے آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے پرندے کو پنجرے میں کس طرح بند کرتے ہیں''۔

سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ کے کان میں کچھ کہا۔ باڈی گارڈ کی آنکھوں میں شیطان مُسکرانے لگا۔

☆

قید خانے کا جو عہدے دار صائقہ کے پاس آیا اور اُسے تسلی دے کر اور قرآن لے کر چلا گیا تھا، رات کی ڈیوٹی پر تھا۔ شام کے بعد وہ قید خانے میں داخل ہوا۔ دن کی ڈیوٹی والے کو رخصت کیا اور خطیب ابن المخدوم کی کوٹھڑی کے سامنے کھڑا ہوا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس نے قرآن خطیب کو دے کر کہا..... ''اپنی بیٹی کے متعلق آپ کوئی غم نہ کریں۔ وہ ہر لحاظ سے مطمئن ہے، محفوظ ہے اور خیریت سے ہے۔ اُس نے مجھے ایک بات کہی ہے۔ دُعا کریں کہ اللہ مجھے بچی کی تمنا پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے''۔

''وہ کیا بات ہے؟'' خطیب نے پوچھا۔

عہدے دار نے اِدھر اُدھر دیکھا اور منہ سلاخوں کے ساتھ لگا کر کہا..... ''فرار..... آپ میں اتنی ہمت ہے؟..... میں مدد کروں گا''۔

''جس کام میں اللہ کی خوشنودی شامل ہو، اُس کے لیے اللہ ہمت بھی دے دیتا ہے۔'' خطیب نے کہا، ''لیکن میں تمہاری مدد سے فرار نہیں ہوں گا۔ اس کی بجائے یہاں مر جانا پسند کروں گا''۔

''کیوں؟'' عہدے دار نے حیران ہو کر پوچھا..... ''کیا آپ مجھے گناہگار سمجھ کر میری مدد قبول نہیں کرنا چاہتے؟''

''نہیں''۔ خطیب نے جواب دیا۔ ''میں تمہاری مدد اس لیے قبول نہیں کرنا چاہتا کہ تم گناہگار نہیں ہو۔ میں تو تمہاری مدد سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ تم پیچھے رہ جاؤ گے اور پکڑے جاؤ گے۔ میرے جرم کی اور تمہاری نیکی کی سزا تمہیں ملے گی جو بہت ہی بھیانک ہوگی''۔

''میں بھی آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا''۔ عہدے دار نے کہا..... ''آپ کی کل رات کی باتوں نے یہاں سے میرا دِل اچاٹ کر دیا ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جا رہا ہوں۔ میں چونکہ قیدی نہیں، اس لیے آسانی سے فرار ہو سکتا ہوں، لیکن اب آپ کو ساتھ لے کے جاؤں گا۔ میرا اس دُنیا میں کوئی نہیں۔ ویسے بھی میرے دِل میں آگ ہے جو گزشتہ رات آپ کو دکھائی تھی، اسی آگ کو سرد کرنا ہے''۔

''ہاں''۔ خطیب نے کہا..... ''میں اس صورت میں تمہاری مدد قبول کر سکتا ہوں''۔

''آپ کی بیٹی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ والیٔ موصل کے پاس جا رہی ہے۔'' عہدے دار نے کہا..... ''وہ آپ سے ملاقات کی اجازت مانگے گی''۔

''نہیں''۔ خطیب نے گھبرا کر کہا..... ''اُسے سیف الدین جیسے شیطان فطرت انسان کے پاس نہیں جانا چاہیے، تم اُسے کہو کہ وہاں نہ جائے''۔

''میں تو صبح جا سکوں گا''۔ عہدے دار نے کہا۔

عہدے دار کوٹھڑی سے ہٹ کر چلا گیا۔ خطیب نے قرآن کو چوما، پھر سینے سے لگا کر اپنے آپ سے کہا..... ''اب میں اس کال کوٹھڑی میں تنہا نہیں ہوں''۔ اُس نے غلاف اُتارا اور دیئے کی روشنی میں بیٹھ کر قرآن کھولا۔ ورق اُلٹتے اُلٹتے قرآن میں سے ایک کاغذ نکلا۔ اُس کی بیٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا..... ''خدا ساتھ ہے، جنات موجود ہیں، پیغمبر برحق ہے۔ پیغمبر کا فرمان سنیں۔ ایمان تروتازہ ہے''۔ خطیب کے چہرے پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کاغذ کا یہ ٹکڑا دیئے کی لو پر رکھا اور جلا ڈالا۔ وہ پیغام سمجھ گیا تھا۔ پیغمبر سے اُس کی مراد قید خانے کا یہ عہدے دار تھا۔ وہ کہنا یہ چاہتی تھی کہ یہ آدمی سچا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بات (فرار) پر عمل کریں۔ ''جنات موجود ہیں'' سے مراد یہ تھی کہ صائقہ کی حفاظت کے لیے آدمی موجود ہیں۔

جس وقت خطیب یہ پیغام جلا رہا تھا، اُس وقت اُس کے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی۔ صائقہ نے دروازہ کھولا۔ اُس کے ہاتھ میں قندیل تھی۔ باہر جو آدمی کھڑا تھا، اُسے اس نے پہچان لیا۔ وہ سیف الدین کا باڈی گارڈ تھا جو صائقہ کی ملاقات کے وقت وہاں موجود تھا۔ اُس نے صائقہ سے کہا کہ وہ اُسے باپ کی ملاقات کے لیے قید خانے لے جانے آیا ہے اور وہ اُسے گھر واپس بھی لائے گا۔

صائقہ تیار تھی۔ چلنے لگے تو باڈی گارڈ نے صائقہ سے کہا..... ''باپ کے ساتھ صرف خیر خیریت اور گھر کی باتیں کرنے کی اجازت ہوگی۔ کوٹھڑی کی سلاخوں سے تمہیں تین قدم دُور کھڑا کیا جائے گا۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا جو والیٔ موصل

غازی سیف الدین کے وقار کے خلاف ہو"۔

☆

باڈی گارڈ آگے آگے جا رہا تھا۔ صاعقہ اُس سے دو تین قدم پیچھے تھی۔ دونوں خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔ رات تاریک تھی۔ وہ اندھیری گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے۔ وہ ایک گلی کا موڑ مڑے تو باڈی گارڈ رُک گیا۔ اُس نے پیچھے دیکھا۔ صاعقہ نے پوچھا..... "کیا بات ہے؟"

"تم نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ نہیں سنی تھی؟" باڈی گارڈ نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں"۔ صاعقہ نے کہا..... "میں ہی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہی ہوں"۔

"میں نے کوئی اور آواز سنی تھی۔" باڈی گارڈ نے زیرِ لب کہا اور آگے چل پڑا۔

"اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟" صاعقہ نے پوچھا..... کوئی اگر پیچھے سے آتا ہے تو آتا رہے"۔

باڈی گارڈ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ گلی ختم ہو گئی۔ اس سے آگے آبادی نہیں تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کھنڈر بھی تھے۔ قید خانہ اُسی طرف آبادی سے کچھ دُور تھا۔ دونوں کھنڈوں سے بچتے جا رہے تھے، وہاں جھاڑیاں اور درخت تھے۔ باڈی گارڈ ایک بار پھر رُک گیا اور پیچھے کو دیکھا۔ اُسے پیچھے آہٹ سنائی دی تھی۔ اُس نے تلوار نکال لی اور پیچھے کو گیا۔ دو تین جھاڑیوں کے اِردگرد گھوم کر دیکھا، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"اب تم نے پیچھے کسی کے پاؤں کی آواز سنی ہوگی"۔ باڈی گارڈ نے صاعقہ سے کہا۔ "یہ آواز بڑی صاف تھی"۔

صاعقہ نے یہ آہٹ سنی تھی، لیکن اُس نے جھوٹ بولا۔ کہنے لگی..... "تمہارے کان بجتے ہیں۔ اگر یہ کسی کی آہٹ تھی ہی تو خرگوش یا کسی ایسے ہی جنگلی جانور کی ہوگی۔ تم اِن آہٹوں سے کیوں ڈرتے ہو؟"

"میں تمہیں جو بات کہنے سے جھجکتا تھا وہ اب کہہ دیتا ہوں۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا..... "تم بہت ہی خوب صورت اور جوان لڑکی ہو۔ تمہیں اپنی قیمت کا اندازہ نہیں۔ تمہیں کسی نے اغوا کر کے کسی امیر یا حاکم کے پاس بیچ ڈالا تو وہ مالا مال ہو جائے گا۔ تم میری ذمہ داری میں ہو۔ کسی نے تمہیں مجھ سے چھین لیا تو والیٔ موصل میرا سر تن سے جُدا کر دے گا۔ تم میرے ساتھ چلو، میرے پیچھے نہ رہو"۔

صاعقہ اُس کے ساتھ ہو گئی۔ کچھ آگے جا کر پگڈنڈی شروع ہوتی تھی۔ وہ وہاں تک چلے گئے اور پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ تھوڑا آگے اس پگڈنڈی سے ایک اور راستہ نکلتا تھا جو کسی اور طرف جاتا تھا۔ باڈی گارڈ صاعقہ کو اس راستے پر لے گیا۔ چند ہی قدم آگے گئے ہوں گے کہ انہیں کسی کے دوڑتے قدموں کی صاف آواز سنائی دی جو فوراً ہی خاموش ہو گئی۔ کوئی پیچھے سے دوڑتا آیا اور دائیں کو چلا گیا۔ باڈی گارڈ نے ایک سایہ ایک درخت کے پیچھے غائب ہوتا دیکھ لیا تھا۔ وہ تلوار سونت کر اُس درخت کی طرف دوڑا۔ پیچھے اُسے صاعقہ کی گھٹی ہوئی چیخ سنائی دی۔ کسی نے صاعقہ کے اوپر بوری کی طرح کا تھیلا ڈال دیا اور اس سے پہلے اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔ باڈی گارڈ کو اندھیرے میں اتنا ہی نظر آیا کہ جہاں صاعقہ اکیلی تھی، وہاں دو سائے اُچھل کود رہے ہیں۔

وہ اُس کی طرف دوڑنے ہی لگا تھا کہ عقب سے کسی نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اُس کے بھی منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا اور اُوپر بوری کی طرح کا تھیلا اُس پر چڑھا دیا گیا۔ وہ تنومند جنگجو تھا، لیکن اُسے جکڑنے والے تعداد میں زیادہ تھے اور وہ بھی طاقتور اور اپنے فن کے استاد تھے۔ اُدھر صاعقہ کو دوہرا کر کے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا گیا۔ اِدھر

باڈی گارڈ کو اسی طرح تھیلے میں بند کر دیا گیا۔ انہیں پکڑنے والے انہیں اُٹھا کر چل پڑے۔ آگے جا کر ایک ایک تھیلا پیٹھ پر اُٹھالیا۔ اندھیرے میں پاس سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ دو انسانوں کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ وہ ایک اندھیری گلی میں چلے گئے اور کچھ دُور جا کر ایک تنگ و تاریک مکان میں داخل ہو گئے۔

اندر جا کر وہ صاعقہ کو ایک کمرے میں اور باڈی گارڈ کو دوسرے کمرے میں لے گئے۔ الگ الگ کمروں میں تھیلوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ صاعقہ تھیلے سے نکلی تو اُس کے منہ میں سے کپڑا نکال دیا گیا۔ کمرے میں دیا جل رہا تھا۔ صاعقہ کو دو آدمی کھڑے نظر آئے۔ اُس نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا...... "تم نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟"

"محفوظ طریقہ یہی تھا"۔ کمرے میں کھڑے دو آدمیوں میں سے ایک نے جواب دیا...... "راستے میں کوئی بھی تمہیں ہمارے ساتھ چلتا دیکھ سکتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ تمہیں بھی چھپا کر لایا جائے"۔

"مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم یہ طریقہ اختیار کرو گے"۔ صاعقہ نے پوچھا...... "میں تو یہ سمجھی تھی کہ یہ تم نہیں ہو، کوئی ڈاکو ہیں اور مجھے سچ مچ اغوا کیا جا رہا ہے"۔

"ہمارے طریقے کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں"۔ دوسرے آدمی نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھے کہیں اور لے جا رہا تھا؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"یہ یقین تو ہمیں اُسی وقت ہو گیا تھا جب تم اُس کے ساتھ گھر سے نکلی تھیں"۔ ایک آدمی نے جواب دیا...... "اگر وہ تمہیں واقعی قید خانے میں لے جا رہا تھا تو چھوٹا اور سیدھا راستہ دوسری طرف تھا۔ وہ کھنڈناؤں کے ویرانے میں تمہیں لے گیا اور پگڈنڈی سے ہٹ کر ایک اور راستے پر چل پڑا۔ ہمیں پختہ یقین ہو گیا کہ وہ تمہیں کہیں اور لے جا رہا ہے"۔

"اُس نے کئی بار تمہارے قدموں کی آہٹ سنی تھی"۔ صاعقہ نے کہا...... "ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہیے"۔

"اندھیرے میں فاصلے کا اندازہ نہیں ہوتا تھا"۔ اُسے بتایا گیا۔ "ہم تم دونوں کے تعاقب میں دُور نہیں تھے، دُور تک نظر نہیں آتا تھا، اس لیے تمہارے قریب رہنا ضروری تھا"۔

صاعقہ کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ باڈی گارڈ کے ہاتھوں لاپتہ اور ذلیل و خوار ہونے سے بال بال بچ گئی تھی۔ دوسرے کمرے میں باڈی گارڈ کو تھیلے میں سے نکال کر اُس کے منہ سے کپڑا نکالا گیا۔ اُس کے سامنے تین نقاب پوش کھڑے تھے۔ اُس کی تلوار انہی نقاب پوشوں کے پاس تھی۔

"کون ہو تم؟" اُس نے بڑے رعب سے نقاب پوشوں سے کہا...... "میں والیٔ موصل کا خصوصی محافظ ہوں۔ تم سب کو سزائے موت دلاؤں گا۔ مجھے جانے دو"۔

"والیٔ موصل کی حفاظت اب خدا ہی کرے تو کرے"...... ایک نقاب پوش نے کہا...... "تم اپنی حفاظت کی فکر کرو۔ اس لڑکی کو تم کہاں لے جا رہے تھے؟"

"قید خانے میں اُس کے باپ سے ملاقات کرانے لے جا رہا تھا"۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا...... "یاد رکھو جس لڑکی کو تم نے اغوا کیا ہے، اسے تم ہضم نہیں کر سکو گے۔ یہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی ہے اور والیٔ موصل غازی سیف الدین نے اپنا خصوصی محافظ اس کے لیے بھیجا تھا۔ اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ لڑکی لاپتہ ہو گئی تو والیٔ موصل شہر کے گھر گھر کی تلاشی لے گا۔ تم شہر سے نکل نہیں سکو گے۔ تھوڑی دیر بعد غازی سیف الدین کو پتا چل جائے گا کہ اُس کا محافظ اور خطیب کی بیٹی لاپتہ ہیں۔ شہر کی ناکہ بندی فوراً کر دی جائے گی۔ لڑکی کہاں ہے؟"

''سنو دوست!'' ایک نقاب پوش نے کہا..... ''لڑکی یہیں ہے۔اسے اغوا نہیں کیا گیا۔اسے اغوا ہونے سے بچایا گیا ہے۔ہم جانتے ہیں کہ والیٔ موصل سیف الدین کے لیے یہ لڑکی اہم ہے اور وہ اس کی تلاش میں اپنی پوری فوج لگا دے گا کیونکہ لڑکی خوب صورت اور نوجوان ہے اور اس کا باپ قید خانے میں بند ہے۔وہ سیف الدین کو دھتکار آئی تھی۔ پھر اُس نے لڑکی کو ملاقات کے لیے اجازت دے دی اور کہا کہ اُسے ایک آدمی اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا۔ ملاقات کا وقت رات کا رکھا گیا۔تم بتا سکتے ہو کہ ملاقات دن کو کیوں نہ کرائی گئی؟ لڑکی نے ہمیں بتایا۔ ہم نے اس کی حفاظت کا انتظام کر لیا۔تم اسے گھر سے ہی غلط راستے پر لے چلے تو ہم تمہارے تعاقب میں چل پڑے۔تم نے دو تین بار رُک کر پیچھے دیکھا تھا۔وہ ہم ہی تھے۔تم نے جنہیں جھاڑیوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی، وہ بھی ہم ہی تھے۔ہم تو دن کی روشنی میں بھی کسی کو نظر نہیں آتے''۔

''تم نے اس لڑکی پر ظلم کیا ہے''۔باڈی گارڈ نے کہا..... ''میں اسے اس کے باپ کے پاس لے جا رہا تھا''۔

''تم اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے''۔ایک نقاب پوش نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر رکھ کر ذرا سی دبائی اور کہا..... ''تم اسے سیف الدین کے لیے لے جا رہے تھے۔ہم جانتے ہیں تمہارا والیٔ موصل کتنا بے رحم دل ہے جس نے خطیب تک کو قید کرنے سے گریز نہ کیا اور اب اُس کی بیٹی کو ملاقات کی اجازت دے رہا ہے۔تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محترم خطیب کا جرم ہے مگر تم یہ نہیں جانتے کہ یہ عالم موصل میں تنہا نہیں۔وہ قید خانے میں ہے اور اُس کی بیٹی تنہا نہیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ہم سیف الدین کا تختہ اُلٹ دیں گے۔اُس کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ہم اُسے کسی بھی وقت قتل کر سکتے ہیں، لیکن صلاح الدین ایوبی نے ہمیں سختی سے حکم دے رکھا ہے کہ کسی کو حسن بن صباح کے فدائیوں کی طرح قتل نہ کرنا۔ہم میدان میں للکارتے اور قتل کرتے ہیں''۔

''تم صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہو؟'' باڈی گارڈ نے پوچھا۔

''ہاں!'' نقاب پوش نے جواب دیا..... ''ہم جانباز دستے کے سپاہی ہیں''..... اُس نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر اور زیادہ دبائی تو باڈی گارڈ کی پیٹھ دیوار کے ساتھ جا لگی۔نقاب پوش نے کہا..... ''تم سیف الدین کے خصوصی محافظ ہو اور ہر وقت اُس کے ساتھ رہتے ہو۔تم اُس کے راز دان ہو۔لڑکیاں اغوا کر کے اُسے دیتے ہو۔پوری تفصیل سے بتاؤ کہ سلطان ایوبی کے خلاف اُس کے ارادے کیا ہیں۔اگر بتانے سے انکار کرو گے یا کہو گے کہ تمہیں کچھ علم نہیں تو تمہارا حال وہی کیا جائے گا جو سیف الدین قید خانے میں اپنے مخالفین کا کرتا ہے''۔

''اگر تم سپاہی ہو تو اچھی طرح جانتے ہو گے کہ حاکم اور بادشاہ کے سامنے ایک محافظ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی''۔باڈی گارڈ نے جواب دیا..... ''میں اُس کے ارادوں کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں''۔

ایک نقاب پوش نے اُس کا سر ننگا کر کے اُس کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور جھٹکا دے کر اُسے ایک طرف جھکا دیا۔دوسرے نے اسے ٹانگوں سے گھسیٹ کر گرا دیا۔ایک نقاب پوش اُس کے پیٹ پر کھڑا ہو گیا۔وہ دو تین بار اُس کے پیٹ پر اُچھلا تو باڈی گارڈ کے دانت بجنے لگے۔پھر اُسے مختلف اذیتوں کا ذرا ذرا ذائقہ چکھایا گیا اور اُسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔

''مجھے اُٹھنے دو''۔اُس نے کراہتے ہوئے کہا۔

''اُسے اٹھایا گیا۔اُس نے کہا.....''سیف الدین سلطان ایوبی کے خلاف لڑنا چاہتا ہے''۔

''یہ کوئی راز نہیں''۔ ایک نقاب پوش نے کہا۔ ''ہمیں بتاؤ وہ کب اور کس طرح لڑنا چاہتا ہے۔ کیا وہ حلب اور حرن کی فوجوں کے ساتھ اپنی فوج شامل کرے گا یا الگ لڑے گا''۔

''فوج دوسری فوجوں میں شامل کرے گا''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا...... ''لیکن ایسی چال چلے گا کہ اُس کی فوج کی فتح الگ تھلگ نظر آئے۔ حلب اور حرن والوں پر اُسے بھروسہ نہیں''۔

''اپنے سالاروں کو اُس نے کیا ہدایات دی ہیں''۔ ایک نقاب پوش نے پوچھا۔

''اُس کا منصوبہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو پہاڑی علاقے میں محصور کر لیا جائے''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

''فوج کس راستے سے جائے گی؟''

''قرونِ حماۃ کی طرف سے''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

''صلیبی کتنی مدد دے رہے ہیں؟''

''صلیبیوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے''۔ باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ ''لیکن سیف الدین انہیں بھی دھوکہ دے گا۔ صلیبی فوج کے چند ایک کمانڈر موصل کی فوج کو تربیت دے رہے ہیں''۔

یہ نقاب پوش اور وہ دو آدمی جو دوسرے کمرے میں صاعقہ کے ساتھ تھے، سلطان ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس تھے۔ ان کا رابطہ خطیب ابن المخدوم کے ساتھ تھا، بلکہ خطیب اُن کا نگران اور سربراہ تھا۔ یہ گروہ سلطان ایوبی کے لیے آنکھوں اور کانوں کا کام کرتا تھا۔ موصل سے جو بھی اطلاع وہ حاصل کرتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جنگی ہیڈ کوارٹر کو بھیج دیتے تھے۔ موصل میں وہ مختلف کام دھندا، ملازمت اور دکان داری کرتے تھے۔ خطیب قید ہو گیا تو یہ رات کو باری باری خطیب کے گھر کا پہرہ دیتے تھے۔ اُس لڑکیوں نے جو صائقہ کے گھر اُسے تنہا سمجھ کر سونے آئی تھیں، انہی کے سائے حرکت کرتے دیکھے تھے۔ صائقہ نے اِن لڑکیوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ سائے سے انسان ہیں۔ اُس نے ایسا تاثر دیا تھا جیسے یہ جنات ہیں۔ ان آدمیوں کو معلوم تھا کہ صائقہ سیف الدین کے پاس باپ سے ملاقات کی اجازت لینے گئی ہے۔ واپس آکر اُس نے ان میں سے ایک آدمی کو بتا دیا تھا کہ رات کو ایک آدمی اُسے قید خانے میں لے جانے کے لیے آئے گا۔ اُس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سیف الدین نے اُس کے ساتھ ناروا باتیں کیں اور اُسے اپنے عقد میں لینے کی پیش کش کی تھی۔

اس آدمی نے اپنے گروہ کو بتایا۔ یہ سب بہت ذہین تھے۔ انہیں شک ہوا کہ صائقہ کو کسی اور طرف لے جا کر اُسے غائب کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سورج غروب ہونے کے بعد پانچ آدمی صائقہ کے گھر میں جا کر چھپ گئے تھے۔ صائقہ باڈی گارڈ کے ساتھ گئی تو یہ آدمی اُن کے تعاقب میں چل پڑے۔ آگے جا کر اُن کا شک صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے کامیابی سے صائقہ کو بچا لیا اور باڈی گارڈ کو بھی پکڑ لائے جو سیف الدین کا راز دان تھا۔ انہوں نے فوجی اہمیت کے بہت سے راز اُگلوا لیے۔ ان میں یہ راز اہم تھا کہ سیف الدین کے بھائی عز الدین نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو اپنی کمان میں رکھا ہے۔ یہ حصہ محفوظہ کے طور پر استعمال ہوگا، یعنی اُسے بعد میں ضرورت کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ پہلے حملے کی قیادت سیف الدین کو کرنی تھی۔ دوسری اہم بات جو معلوم ہوئی، وہ یہ تھی کہ حلب سے گمشتگین اور سیف الدین کے ہاں ایلچی یہ پیغام لے کر گئے ہیں کہ تینوں فوجوں کو مشترکہ کمان میں رکھا جائے اور صلیبیوں کی مدد پر زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے۔ باقی معلومات بھی اہم تھیں۔

باڈی گارڈ نے یہ معلومات اُگل کر کہا کہ اُسے رہا کر دیا جائے۔ نقاب پوشوں نے اُسے رہائی کے وعدے پر ٹال

دیا۔ صائقہ کو اسی کمرے میں رہنے دیا گیا۔ اُسے اُس کے گھر رکھنا مناسب نہیں تھا۔ باڈی گارڈ کو اس مکان کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

☆

حرن اور حلب سے تقریباً پچاس میل دُور صلیبی فوج کا جنگی ہیڈ کوارٹر تھا جہاں زیادہ سرگرمیاں جاسوسی کے متعلق تھیں، وہاں جو صلیبی حکمران اور کمانڈر تھے۔ وہ سلطان ایوبی کے خلاف کھلی جنگ لڑنے کی بجائے اُس کے مسلمان مخالفین کو متحد کر کے اُس کے خلاف لڑانے کی سکیمیں بنا رہے تھے اور اُن پر عمل بھی کر رہے تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے بڑے بڑے امراء کو اپنے فوجی مشیر دے رکھے تھے جو انہیں جنگی مشورے دینے کے علاوہ فوجوں کو جنگی تربیت بھی دیتے تھے۔ اپنی اصل نیت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے وہ مسلمان اُمراء کو عیش و عشرت کا سامان بھی مہیا کرتے رہتے تھے۔ اُن کے جاسوس بھی اِن اُمراء کے درباروں میں موجود رہتے اور اپنے ہیڈ کوارٹر کو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔

حرن سے گمشتگین کا ایک صلیبی مشیر اپنے اس جنگی ہیڈ کوارٹر میں پہنچا۔ اُس وقت صلیبیوں کے دو مشہور جنگجو حکمران ریمانڈ اور ریجنالٹ وہاں موجود تھے۔ ریمانڈ وہ حکمران تھا جسے حال ہی میں سلطان ایوبی نے ایک بروقت اور برق رفتار چال چل کر بھگا دیا تھا اور ریجنالٹ وہ مشہور صلیبی حکمران تھا جسے نور الدین زنگی نے ایک معرکے میں جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ اُسے اور دیگر صلیبی قیدیوں کو حرن میں گمشتگین کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اُس وقت گمشتگین خلافت بغداد کا ایک قلعہ دار تھا۔ زنگی فوت ہو گیا تو اس قلعہ دار نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی گہری کرنے کے لیے ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو تمام صلیبی قیدیوں سمیت رہا کر دیا...... نور الدین زنگی نے کہا تھا کہ ریجنالٹ کے عوض وہ صلیبیوں سے اپنی شرطیں منوائے گا۔ زنگی مر گیا تو اُمراء نے عیاشی اور حکومت کے نشے میں اُس کے تمام تر منصوبے اُلٹ کر دیئے اور صلیبی سلطنتِ اسلامیہ کی بنیادوں پر اُترنا شروع ہو گئے۔

حرن سے صلیبی مشیر جو دراصل جاسوس تھا۔ ریمانڈ اور ریجنالٹ کے پاس پہنچا اور حرن کے تازہ واقعات کی تفصیلی رپورٹ دی۔ اُس نے کہا۔ ''حلب سے الملک الصالح نے گمشتگین اور سیف الدین کو تحفوں کے ساتھ پیغام بھیجے ہیں کہ وہ اپنی فوجیں اُس کی فوج کے ساتھ مشترکہ کمان میں دے دیں۔ وہاں یہ عجیب یہ واقعہ ہوا ہے کہ گمشتگین کے دو سالاروں نے حرن کے قاضی کو قتل کر دیا اور دو لڑکیوں کو جو حلب سے الملک الصالح نے پیغام کے ساتھ تحفے کے طور پر بھیجی تھیں، بھگا دیا۔ پھر انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے حامی ہیں اور وہ اُسی کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ یہ دونوں سالار سگے بھائی ہیں اور ہندوستان سے آئے ہیں۔ دونوں کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اس سے ایک ہی روز پہلے ہمارا ایک ساتھی مشیر گمشتگین کے گھر میں ایک دعوت کے دوران پُراسرار طریقے سے قتل ہو گیا ہے۔ اگلے دِل معلوم ہوا کہ گمشتگین کے حرم کی ایک لڑکی اور اُس کا ایک باڈی گارڈ لاپتہ ہیں''۔

صلیبیوں کی اس کانفرنس میں قہقہہ بلند ہوا اور کچھ دیر تک سب ہنستے رہے۔ ریمانڈ نے کہا۔ ''یہ مسلمان قوم اس قدر جنسیت پسند ہو گئی ہے کہ اس کے حکمران، اُمراء اور وزراء جنگ اور سیاست کے فیصلے بھی جنسی لذت پرستی سے مغلوب ہو کر کرتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ گمشتگین جیسے جابر اور جنگجو قلعہ دار کی فوج کی اعلیٰ کمان جن دو سالاروں کے پاس تھی وہ دونوں اُس کے دشمن صلاح الدین ایوبی کے کیمپ کے سالار تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں نے تحفے میں آئی ہوئی لڑکیوں کی خاطر قاضی کو قتل کیا ہو گا اور لڑکیوں کو صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دیا ہو گا اور خود قید ہو گئے۔ گمشتگین

کے حرم کی جو لڑکی لاپتہ ہوگئی ہے، وہ اُس محافظ نے بھگائی ہوگی اور ہمارا آدمی معلوم نہیں کس چکر میں قتل ہوگیا۔ مسلمان اُمراء، قلعہ داروں اور حاکموں کے حرموں کی مقید دُنیا بڑی ہی پُراسرار دُنیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ قوم عیش و عشرت اور لذت پرستی سے تباہ ہوگی''۔

''میں دو باتیں کہوں گا''۔ ایک اور صلیبی نے کہا۔ یہ صلیبی اپنی افواج کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس نے کہا۔ ''آپ نے کہا ہے کہ تحفے میں آئی ہوئی لڑکیاں حرن سے بھگا کر صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دی گئی ہوں گی۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ میں جاسوسی کا ماہر ہوں۔ دشمن کے فوجی راز حاصل کرنے کے علاوہ میرے شعبے کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن کے فوجی قائدین اور دیگر اعلیٰ حکام کے ذاتی کردار اور جنگی چالوں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرے اور اپنی فوج کو آگاہ کرے۔ میں آپ کو پورے وثوق سے بتاتا ہوں کہ عورت اور شراب کے معاملے میں صلاح الدین ایوبی پتھر ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ آپ اُسے زہر دے کر نہیں مار سکتے، نہ اُسے کسی حسین لڑکی کے جال میں پھانس کر فدائیوں سے قتل کرا سکتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا اٹل اصول ہے کہ جو انسان ذہنی عیاشی کا عادی نہ ہو، اُس کا عزم پختہ ہوتا ہے اور جو مہم ہاتھ میں لیتا ہے، اُسے سر کر کے ہی دم لیتا ہے۔ آپ کے دشمن صلاح الدین ایوبی میں یہی خوبی ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ اُس کا دماغ پورا کام کرتا ہے اور وہ ایسی ایسی چالیں چلتا ہے جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی اور آپ کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں، جہاں تک میں نے اُس کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی ضروریات سے بے نیاز ہے۔ اُس نے یہی خوبی اپنی فوج میں پیدا کر رکھی ہے، ورنہ صحرا میں لڑنے والے سپاہی برف پوش وادیوں میں اور پہاڑوں پر اس یخ موسم میں کبھی نہ لڑ سکتے۔ جب تک آپ اپنے ہاں بھی یہی خوبی پیدا نہیں کریں گے، اپنے اس دشمن کو جسے آپ صلاح الدین ایوبی کہتے ہیں، کبھی شکست نہیں دے سکتے.....

''اور دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے مسلمان اُمراء، وزراء اور حکمرانوں میں جو زن پرستی پیدا ہوگئی ہے، وہ میرے شعبے کا کمال ہے۔ یہودی دانشوروں نے ایک صدی سے زیادہ عرصے سے مسلمانوں کی کردار کشی کی مہم چلا رکھی ہے۔ یہ دراصل ان کی کامیابی ہے کہ ہم نے لڑکیوں اور زر و جواہرات کے ذریعے مسلمان سربراہوں کا کردار ختم کیا ہے۔ ہم تو انہیں اخلاقی لحاظ سے تباہ کرنے کے لیے حسین اور تیز طرار لڑکیاں باقاعدہ تربیت کے ساتھ اُن کے ہاں تحفے کے طور پر بھیجتے ہیں۔ ان بدبختوں نے آپس میں بھی لڑکیوں کو بطور تحفہ بھیجنا شروع کر دیا ہے۔ ان کے ہاں قومی کردار ختم ہو چکا ہے۔ یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان تفرقہ اور بادشاہی کا لالچ پیدا کر دیا ہے''۔

''اس قوم کو ہم اسی طرح ختم کریں گے''۔ ریجنالٹ نے کہا..... ''اور یہ قوم اپنے کردار کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی خوش ہو رہا ہوگا کہ اس نے ہمارے بھائی ریمانڈ کو پسپا کر دیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ ریمانڈ میدانِ جنگ سے پسپا ہوا ہے۔ یہ تو اُس کی قوم کے سینے میں گھس گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم میدان میں ہی لڑیں، ہم کسی دوسرے محاذ پر بھی لڑ سکتے ہیں''۔

''اس مہم کو مزید تیز کرنے کی ضرورت ہے''۔ اُس مشیر نے کہا جو حرن سے گیا تھا۔ ''میں نے آپ کو گمشتگین کے اندرونِ خانہ کے واقعات سنائے ہیں۔ اِن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور تخریب کار صرف موجود ہی نہیں بلکہ گمشتگین کے گھر کے اندر اور اُس کی اعلیٰ کمان میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ہمیں اُن کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہیے''۔

''ہمیں کیا ضرورت ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین اور الملک الصالح اور اُن کے متحدہ محاذ کے دوسرے اُمراء وغیرہ کو صلاح الدین ایوبی کی جاسوسی اور تباہ کاری سے بچائیں''۔ ایک صلیبی کمانڈر نے کہا..... ہم تو ان کی تباہی کے عمل کو تیز کریں گے۔ یہ تباہی ہمارے ہاتھوں ہو یا اُن کے اپنے ہی کسی بھائی کے ہاتھوں۔ کیا آپ ان مسلمانوں کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں، سچے دِل سے اپنا دوست سمجھ بیٹھے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سچے صلیبی نہیں۔ آپ شاید ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ہماری دشمنی نور الدین زنگی کے ساتھ نہیں تھی، نہ ہی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی کبھی میرے سامنے آ گیا تو میں اُس کا احترام کروں گا۔ وہ جنگجو ہے، میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے، تیغ زن ہے، ہماری دشمنی اس مذہب کے خلاف ہے، جسے اسلام کہتے ہیں۔ ہم ہر اُس آدمی کے خلاف لڑیں گے جو اس مذہب کا دفاع کرے گا اور جو اسے فروغ دے گا۔ ہمارے اور صلاح الدین ایوبی کے مرنے کے بعد یہ جنگ ختم نہیں ہو جائے گی۔ اسی لیے ہم مسلمانوں میں ایسی بُری عادتیں پیدا کر رہے ہیں جو ان کی آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوں گی۔ ہم ایسے طریقے اختیار کر رہے ہیں کہ مسلمان اپنی روایات کو بھول جائیں اور ہماری پیدا کردہ خوبیوں کے دلدادہ ہو جائیں''۔

''ہمیں ان کے اصل تہذیب و تمدن کو بگاڑنا ہے''۔ ریمانڈ نے کہا۔ ''ہم اُس دور میں زندہ نہیں ہوں گے۔ ہم دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ ہم نے کردار کی تباہ کاری کی مہم جاری رکھی تو وہ دور آئے گا کہ اسلام اگر زندہ رہا تو یہ اسلام کی بدروح ہوگی، جو بھٹکتی پھرے گی۔ مسلمان نام کے مسلمان ہوں گے۔ ان کی کوئی آزاد اسلامی مملکت رہ بھی گئی تو وہ گناہوں اور بدی کا گھر ہوگی۔ یہودی اور عیسائی دانشوروں نے اس قوم میں بدی کی محبت پیدا کر دی ہے''۔

''بہرحال اب ضرورت یہ ہے کہ وہ لوگ ہماری مدد کی توقع لیے بیٹھے ہیں''، صلیبی مشیر نے کہا۔ ''گمشتگین نے مجھے اسی لیے بھیجا ہے''۔

بہت دیر اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ فوجوں کی صورت میں انہیں کوئی مدد نہ دی جائے، مدد کا جھانسہ دیا جائے۔ انہیں یہ یقین دلایا جائے کہ وہ صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر کے اُسے الرستان کے اندر ہی لڑاتے رہیں اور ہم اپنی فوجیں اُس کے کسی نازک مقام پر لے جا کر اُسے مجبور کر دیں گے کہ وہ الرستان سے پسپا ہو جائے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حلب، حرن اور موصل کی فوجوں کے لیے اس مشیر کے ہمراہ کمانوں اور تیروں کا اور آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھیج دیا جائے۔ اس کے علاوہ پانچ سو گھوڑے بھی بھیج دیئے جائیں، لیکن یہ خیال رکھا جائے کہ زیادہ تعداد ایسے گھوڑوں کی ہو جو ہماری فوج کے کام کے نہیں رہے۔ بظاہر تندرست ہوں۔

''اور آئندہ یوں کیا جائے کہ ان اُمراء وغیرہ کو تھوڑا تھوڑا اسلحہ دیا جاتا رہے''۔ ریجنالٹ نے کہا''۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں عیاشی کی طرف مائل کیا جائے۔ انہیں یہ تاثر دیا جائے کہ انہیں جب کبھی اسلحہ اور گھوڑوں کی ضرورت ہوگی، وہ ہم پوری کر دیں گے۔ اس طرح وہ خود اپنی ضرورت پوری کرنے سے غافل ہو جائیں گے اور ہمارے محتاج رہیں گے۔ اس مدد سے اور اپنے مشیروں کی وساطت سے ہم اُن کے دلوں اور دماغوں پر غالب آ جائیں گے''۔

''انتہائی ضروری بات تو رہ گئی ہے''۔ ایک کمانڈر نے کہا۔ ''شیخ سنان کے بھیجے ہوئے نو فدائی چلے گئے ہیں۔ اب کے اُمید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں گے۔ وہ حلف اُٹھا کر گئے ہیں، اس میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ جان پر کھیل کر اُسے قتل کریں گے، ورنہ وہ زندہ واپس نہیں آئیں گے''۔

اُسی روز پانچ سو گھوڑے، ہزار ہا کمانیں اور لکھوکھہا تیر اور آتش گیر مادے کے سربمہر مٹکے حلب کو اس پیغام کے

ساتھ روانہ کر دیئے گئے کہ اس ٹھوس مدد کا سلسلہ جاری رہے گا اور صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کر دیا جائے''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس سب سے پہلے انطانون اور فاطمہ پہنچے۔ فاطمہ گمشتگین کے حرم کی وہ لڑکی تھی جس نے ایک صلیبی مشیر کو قتل کیا اور انطانون نام کے محافظ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ انطانون سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس تھا جو جذبات سے مغلوب ہو گیا تھا، اسی لیے وہ گرفتار ہوا تھا۔ یہ تو سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کی بدولت تھا کہ اُسے دھوکے سے بھگا دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ تھا جو انطانون اور فاطمہ کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ انطانونی نے اپنی واردات من و عن سنادی جو سلطان ایوبی کو پسند نہ آئی لیکن اُسے اس لیے معاف کر دیا گیا کہ وہ کامیابی سے گمشتگین کے محافظ دستے میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس نے دوسرا کارنامہ یہ کیا تھا کہ اُس نے فاطمہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے حرم تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ سلطان ایوبی نے انطانون کے متعلق حکم دیا کہ اسے فوج میں بھیج دیا جائے، کیونکہ جاسوسی کے نازک کام کے لیے اس کے جذبات پختہ نہیں ہیں۔ فاطمہ کو دمشق بھیج دینے کا حکم دیا گیا۔

''میں انطانون کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں''۔ فاطمہ نے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''لیکن شادی دمشق میں ہوگی۔ میدانِ جنگ شہادت کے لیے ہے، شادی کے لیے نہیں''۔

''سلطانِ محترم!'' انطانون نے کہا۔ ''میں نے آپ کو ناراض کیا ہے۔ میں اپنے لیے یہ سزا تجویز کرتا ہوں کہ میں جب تک سلطان کو خوش نہ کر لوں، میں شادی نہیں کروں گا''۔ اُس نے فاطمہ سے کہا۔ ''تم سلطان کے حکم کے مطابق دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہارے رہنے کا بہت اچھا انتظام ہے۔ تمہاری شادی میرے ساتھ ہی ہوگی''۔ اُس نے سلطان ایوبی سے کہا۔ ''میری یہ عرض مانی جائے کہ میں آپ کے کسی چھاپہ مار دستے میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے شب خون مارنے کی تربیت حاصل کر رکھی ہے''۔

اُسے ایک چھاپہ مار دستے میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

دوسرے دن جب فاطمہ دمشق بھیجا جانے لگا تو وہ لڑکیاں پہنچ گئیں جو الملک الصالح نے گمشتگین کو تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ اُن کے ساتھ سالار شمس الدین اور شاد بخت کے بھیجے ہوئے دو آدمی تھے۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ حرن میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دونوں سالاروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ لڑکیوں نے سلطان ایوبی کو اپنی کہانی سنائی۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ فلسطین کے مسلمان آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں؟'' ایک لڑکی نے کہا۔ ''وہاں کی لڑکیاں آپ کے گیت گاتی ہیں۔ مسجدوں میں آپ کی فتح کی دعائیں مانگی جاتی ہیں''۔ اُس نے پوری تفصیل سے سنایا کہ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے اور اُن کے لیے دُنیا جہنم بنا ڈالی ہے۔

''وہاں ہماری بچیوں کی نہیں، ہماری عظمت کی عصمت دری ہو رہی ہے''۔ دوسری لڑکی نے کہا۔ ''میں تو یہ کہوں گی کہ قوم کی عظمت کی عصمت دری ہمارے اپنے حکمران کر رہے ہیں۔ ہمیں اُن کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔ ہم نے انہیں خدا کے واسطے دیئے اور بتایا کہ ہم اُن کی بیٹیاں ہیں مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ انہوں نے ہمیں ایک دوسرے کی

طرف تحفے کے طور پر بھیجنا شروع کر دیا''۔

''فلسطین کے راستے میں بھی وہی حائل ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔''میں گھر سے فلسطین پہنچنے کے لیے ہی نکلا تھا مگر میرے بھائی میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔تم اب محفوظ ہو۔ایک لڑکی پہلے بھی یہاں آئی ہے۔اُسے دمشق بھیجا جا رہا ہے، تم بھی اُسی کے ساتھ دمشق جا رہی ہو''۔

''ہم اپنی عصمت کا انتقام لینا چاہتی ہیں''۔ایک لڑکی نے کہا۔''ہمیں یہیں رکھا جائے اور ہمیں کوئی فرض سونپا جائے۔ہم اب کسی حرم میں یا کسی گھر میں قید نہیں ہونا چاہتیں''۔

''ابھی ہم زندہ ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔''تم دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہیں کوئی قید نہیں کرے گا، وہاں لڑکیاں کئی اور طریقوں سے ہماری مدد کر رہی ہیں، وہاں تمہیں کوئی فرض سونپ دیا جائے گا''۔

لڑکیوں کو رخصت کر کے سلطان ایوبی بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔اُس وقت حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔سلطان ایوبی نے کہا۔''مصر سے ابھی کمک نہیں پہنچی۔اگر تینوں فوجیں ہم پر حملے کے لیے آ گئیں تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کو معلوم نہیں کہ میرے پاس فوج کم ہے اور میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں۔اگر اُن کی جگہ میں ہوتا تو میں فوراً حملہ کر دیتا اور دشمن کی کمک اور رسد کا راستہ میں روک لیتا''۔

''مصر سے کمک آ ہی رہی ہو گی''۔حسن بن عبداللہ نے کہا۔''محترم العادل ایسے تو نہیں کہ وقت ضائع کریں گے۔مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دشمن نے ہماری کمک کا راستہ روکا ہوا نہیں''۔

تمام مورخ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر سلطان ایوبی بڑی نازک اور پُر خطر صورتِ حال میں تھا۔وہ مصر سے کمک کا انتظار کر رہا تھا۔اگر اس وقت الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی مشترکہ فوج اُس پر حملہ کر دیتی تو اسے آسانی سے شکست دی جا سکتی تھی، کیونکہ اُس کے پاس فوج تھوڑی تھی۔پہاڑی علاقے میں وہ صحرا کی چالیں نہیں چل سکتا تھا،لیکن اُس کے دشمن نہ جانے کیا سوچتے رہے۔صلیبی اُس پر حملہ کرنے کی بجائے مسلمان اُمراء کو اس کے خلاف لڑانا چاہتے تھے۔انہوں نے بھی نہ دیکھا کہ سلطان ایوبی مجبوری کی حالت میں بیٹھا اللہ سے دُعائیں مانگ رہا ہے کہ اس حالت میں دشمن اُس پر ہلہ نہ بول دے۔وہ تو اس قابل بھی نہیں تھا کہ پانی کی اُس ندی کی حفاظت کر سکتا جس سے اُس کی فوج کے گھوڑے اور اونٹ پانی پیتے تھے۔صلیبی یا اُس کے مسلمان دشمن اگر عقل سے کام لیتے تو چھاپہ ماروں کے ذریعے اُس کی کمک اور رسد کا راستہ روک سکتے تھے یا کمک کی رفتار سست کر سکتے تھے۔سلطان ایوبی نے اُس راستے کو گشتی چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ رکھا ہوا تھا۔

قاضی بہاؤالدین شداد جو اُس وقت کا عینی شاہد اور مبصر ہے، اپنی یادداشتوں ''سلطان یوسف (صلاح الدین ایوبی) پر کیا افتاد پڑی'' میں لکھتا ہے۔''اگر خدا انہیں (دشمنوں) کو فتح دینا چاہتا تو وہ سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر دیتے، مگر خدا جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے، وہ ذلیل ہو کے رہتا ہے۔(قرآن ۸/۴۳)۔انہوں نے سلطان ایوبی کو اتنا وقت دے دیا کہ مصر سے کمک پہنچ گئی۔سلطان نے اسے اپنی فوج میں مدغم کر کے اپنی مورچہ بندی کو نئی ترتیب دے لی اور حملے سے پہلے اُس نے تمام تر گھوڑوں کو پانی بھی پلایا اور پانی کا ذخیرہ بھی کر لیا''۔

سلطان ایوبی کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔اُس نے جہاں جہاں اپنی مختصر سی فوج مورچہ بند کر رکھی تھی، وہاں جاتا، غور کرتا اور اپنی سکیم کے مطابق یقین کر لیتا تھا کہ اُس کے یہ تھوڑے سے سپاہی دشمن کا حملہ روک لیں گے۔قرونِ حماۃ میں جہاں ایک پہاڑی سینگوں کی طرح دو حصوں میں بٹ جاتی تھی، اُس نے دشمن کے لیے پھندا تیار

رکھا ہوا تھا، مگر اُس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس جگہ اتنی تھوڑی نفری سے وہ صرف دفاعی جنگ لڑ سکتا تھا۔ جوابی حملہ جو جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے جاسوسوں نے اُسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ صلیبی کوشش کریں گے کہ مسلمان اُمراء کو سلطان ایوبی کے خلاف اس طرح لڑایا جائے کہ جنگ طول پکڑ جائے تاکہ سلطان ایوبی پہاڑی علاقے سے باہر نہ نکل سکے اور محصور ہو کر دفاعی جنگ لڑتا لڑتا ختم ہو جائے۔

اُس کے جاسوس اُسے یہ نہیں بتا سکے تھے کہ نو فدائی اُسے قتل کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ اُس کی نظر اپنی جان پر نہیں میدانِ جنگ پر تھی۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور تک آدمی پھیلا رکھے تھے۔

اس سے دوسرے ہی دن حرن سے سلطان ایوبی کا ایک جاسوس آیا جس نے اطلاع دی کہ سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے قاضی ابن الخاشب کو قتل کر دیا ہے۔ جاسوس کو قتل کی وجہ کا علم نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ اُس نے بہت سی اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ گمشتگین کی فوج کی کمان اِن دونوں کے ہاتھ ہوگی اور اُن کی فوج لڑے بغیر تتر بتر کر دی جائے گی۔ جاسوس نے یہ اطلاع بھی دی کہ اب میدانِ جنگ میں فوج کی کمان گمشتگین خود کرے گا اور یہ بھی کہ وہ اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے رہا ہے۔

''حسن بن عبداللہ!'' سلطان ایوبی نے کہا۔ ''یہ دونوں بھائی زیادہ دن قید میں نہ رہیں۔ اس آدمی (جاسوس) سے معلوم کرو کہ حرن میں اپنے کتنے آدمی ہیں اور کیا وہ ان دونوں سالاروں کو قید خانے سے فرار کرا سکتے ہیں؟ ۔ مجھے ڈر ہے کہ ان دونوں کو گمشتگین قتل کرا دے گا۔ اُسے پتا چل گیا ہوگا کہ یہ دونوں سالار میرے جاسوس ہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا کہ حرن کو جا کر محاصرے میں لوں اور قلعہ سر کر کے انہیں رہا کرواؤں۔ پیشتر اس کے کہ گمشتگین کوئی اوچھا فیصلہ کر بیٹھے، انہیں اُس کے قید خانے سے آزاد کراؤ۔ میں دو سالاروں کے لیے اپنے دو سو چھاپہ ماروں کو مروانے کے لیے تیار ہوں۔ حرن میں اپنے آدمیوں کی کمی ہو تو یہاں سے چھاپہ مار بھیجو''۔

''بندوبست ہو جائے گا''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔

☆

حلب چونکہ سلطان ایوبی کے مخالفین کا مرکز بن گیا تھا، اس لیے صلیبیوں نے جو تیر و کمان، آتش گیر مادے کے مٹکے اور گھوڑے مدد کے طور پر بھیجے تھے، وہ حلب لے جائے گئے۔ حلب والوں میں صلیبیوں نے یہ خوبی بھی دیکھی تھی کہ انہوں نے سلطان ایوبی کے محاصرے کا مقابلہ بڑے ہی بے جگری سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ حلب سلطنت کی گدی بھی بن گیا تھا۔ صلیبی مشیروں نے موصل میں سیف الدین کو اور حرن میں گمشتگین کو پیغام بھیجے کہ اُن کی مشترکہ فوج کے لیے مدد آ گئی ہے اور وہ فوراً حلب میں آ جائیں۔ مورخین کے مطابق اُن کی ملاقات حلب شہر سے باہر ایک ہرے بھرے مقام پر ہوئی جہاں تینوں میں ایسا معاہدہ ہوا جو تحریر میں نہ لایا گیا۔ معاہدے کو آخری شکل صلیبی مشیروں نے دی۔

اُس وقت موصل کے قید خانے میں خطیب ابن المخدوم حسب معمول دیئے کی روشنی میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا۔ اُس کی بیٹی صاعقہ اُسی مکان کے ایک کمرے میں تھی جہاں اُسے تھیلے میں ڈال کر لے جایا گیا تھا۔ جس باڈی گارڈ کو اُس کے ساتھ پکڑا گیا تھا، وہ دوسرے کمرے میں بند تھا۔ اس مکان میں اُن کے صرف دو آدمی تھے جو صاعقہ اور باڈی گارڈ کو اُٹھا لائے تھے۔ اُن کے باقی ساتھی قید خانے کی دیوار کے ساتھ باہر کی طرف لگے کھڑے تھے۔ دیوار کا بالائی حصہ قلعے

کی دیوار کی طرح تھا، جس میں مورچے سے بنے ہوئے تھے۔ دیوار پر سنتری گھوم پھر رہے تھے۔ اُن کی تعداد زیادہ نہیں تھی، وہ عہدے دار جس نے خطیب کو فرار کرانے کا وعدہ کیا تھا، دیوار پر چلا گیا۔ وہ سنتریوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ اُس نے اُس دیوار والے سنتری کو جس کے نیچے آدمی کھڑے تھے، بلایا اور اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔

اُس نے کوئی اشارہ کیا۔ نیچے چھپے ہوئے آدمیوں نے رسہ اوپر پھینکا۔ رسّے کا سرا ایک مضبوط ڈنڈے کے درمیان میں بندھا ہوا تھا اور ڈنڈے پر کپڑے لپیٹ دئیے گئے تھے تاکہ اوپر دیوار پر گر کر زیادہ آواز نہ پیدا کرے۔ ڈنڈا اوپر جا کر اٹک گیا۔ ایک تو اندھیرا تھا، دوسرے عہدے دار سنتری کو دُور لے گیا تھا۔ چار آدمی رسّے کے ذریعے اُوپر چڑھ گئے۔ یہی رسہ اُوپر کھینچ کر اندر کی طرف نیچے گرا دیا گیا۔ چاروں نے خنجر نکال کر اپنے اپنے منہ میں پکڑ لیے اور رسے سے نیچے اُتر گئے۔ انہیں عہدے دار نے اندر کا نقشہ سمجھا رکھا تھا۔ اندر کچھ روشنی تھی۔ کہیں کہیں مشعلیں جل رہی تھیں۔ کوٹھڑی کی ایک قطار کے آگے برآمدہ تھا جس میں ایک سنتری ٹہل رہا تھا۔ یہ چاروں چھپ گئے۔ سنتری اُن کی طرف آیا تو ایک آدمی نے کہا۔ ''اِدھر آنا بھائی''۔ وہ جونہی اُدھر گیا، دو آدمیوں کی گرفت میں آ گیا۔ دل پر خنجر کے دو وار کام کر گئے۔

چاروں آدمی چھپ چھپ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک خاصا آگے تھا۔ باقی تین بکھر کر چھپتے چھپاتے اُس کے پیچھے جا رہے تھے۔ قید خانے کے اُس حصے میں پہنچ گئے جو گولائی میں تھا۔ خطیب کی کوٹھڑی اسی حصے میں تھی۔ آگے جانے والا آدمی اس کوٹھڑی تک پہنچ گیا۔ خطیب نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اُس نے قرآن بند کیا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف آیا۔ اُس آدمی کے ہاتھ میں بڑی سی ایک چابی تھی۔ یہ عہدے دار نے ایک لوہار سے بنوائی تھی۔ اُسے قید خانے کی چابیوں سے پوری طرح واقفیت تھی۔ اُس آدمی نے تالے میں چابی لگائی تو تالا کھل گیا۔ دوسرے لمحے خطیب کوٹھڑی سے باہر تھا۔ وہ واپس چل پڑے۔

دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور یہ آواز...... ''ٹھہر جا، کون ہے؟''...... اِدھر سے اُسے کہا گیا...... ''بھاگ کے آؤ دوست''۔ یہ آواز اندھیرے سے اُبھری تھی۔ وہ جوں ہی اس جگہ پہنچا ایک خنجر اُس کے دِل میں اُتر گیا۔ وہ آگے کو جھکا تو اُس کی پیٹھ کی طرف سے ایک اور خنجر اُس کے دل تک جا پہنچا۔ خطیب کو رسّے تک لے آئے۔ سب سے پہلے ایک آدمی اوپر چڑھا، پھر خطیب اوپر آیا۔ عہدے دار نے سنتری کو ابھی تک کہیں دُور باتوں میں اُلجھا رکھا تھا۔ وہ سب اُوپر آئے پھر رسہ کھینچ کر باہر کی طرف پھینکا اور سب نیچے اُتر گئے۔ عہدے دار کو قید خانے کے باہر سے ایک گیدڑ کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے سنتری کو دوسری طرف بھیج دیا اور خود وہاں آیا جہاں رسہ لٹک رہا تھا۔ وہ تیزی سے رسہ اُتر گیا۔

یہ سب اُس مکان میں چلے گئے جہاں صائقہ اور باڈی گارڈ تھے۔ اپنے باپ کو دیکھ کر صائقہ کے جذبات بے قابو ہو گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو مُوصل سے میلوں دُور چار گھوڑے جا رہے تھے۔ ایک پر خطیب سوار تھا، دوسرے پر صائقہ، تیسرے پر قید خانے کا عہدے دار اور چوتھے پر ایک اور آدمی۔ یہ آدمی سلطان ایوبی کے جاسوسوں میں سے تھا۔ وہ باڈی گارڈ کو پکڑ کر لانے والی پارٹی میں بھی تھا۔ اُسی نے باڈی گارڈ سے بڑے قیمتی راز اُگلوائے تھے۔ وہ جب مُوصل سے بہت دُور پہنچ گئے تھے، اُس وقت باڈی گارڈ کی لاش اُسی مکان میں کہیں دفن کی جا چکی تھی۔ رات کو جب یہ پارٹی فرار ہوئی تھی، باڈی گارڈ کو قتل کر دیا گیا تھا۔

اس وقت قید خانے میں بھی قیامت بپا ہو چکی تھی۔ اندر دو سنتریوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ خطیب غائب تھا۔ عہدے دار کا بھی کسی کو علم نہ تھا کہ کہاں چلا گیا ہے اور دیوار کے ساتھ باہر کی طرف ایک رسہ لٹک رہا تھا۔ والیٔ موصل کے

ہاں تو ایک روز پہلے سے ہی یہ قیامت بپا ہو چکی تھی کہ سیف الدین نے یہ حکم دے دیا تھا کہ اُس کا باڈی گارڈ صاعقہ کو قید خانے کے بہانے کسی اور جگہ لے جانے اور اُس تک پہنچانے کے لیے گیا تھا، لیکن لڑکی اتنی خوب صورت تھی کہ باڈی گارڈ کی نیت خراب ہوگئی اور وہ اُسے کہیں بھگا لے گیا۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ باڈی گارڈ کو لڑکی سمیت پکڑ لیا گیا ہے۔

☆

حرن کے قید خانے میں سالار شمس الدین اور شاد بخت قید تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ انہیں وہاں سے نکالنے کا بندوبست کیا جائے، لیکن انہوں نے حرن میں اپنا جو گروہ تیار کر رکھتا تھا، وہ پہلے ہی بندوبست کر چکا تھا۔ ان سالاروں نے فوج اور انتظامیہ کی ہر سطح پر ایک ایک دو آدمی داخل کر رکھے تھے۔ سالاروں کے فرار میں دشواری یہ تھی کہ انہیں قید خانے کے تہ خانے میں رکھا گیا تھا۔ وہاں سے نکالنے کے لیے کوئی خصوصی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ خدا نے اُن کی مدد کی۔ گمشتگین کو حلب سے بلاوا آ گیا اور وہ اپنے اعلیٰ حکام، مشیروں اور محافظوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گا۔ شمس الدین اور شاد بخت کی گرفتاری کے متعلق صرف گمشتگین کے قریبی حلقوں کو علم تھا۔ قاضی کے قتل کو بھی شہرت نہیں دی گئی تھی۔ فوج تک کو ابھی معلوم نہ تھا کہ اُن کے دو اعلیٰ کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔

گمشتگین کے جانے کے ایک روز بعد قید خانے کے داروغہ نے دیکھا کہ تین گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے آ رہے ہیں۔ وہ گرد سے باہر آئے تو اُس نے دیکھا کہ ان کے ساتھ دو گھوڑے خالی ہیں۔ دن کا وقت تھا۔ گھوڑے قید خانے کے دروازے پر آ کر رُک گئے۔ ایک سوار نے حرن کی فوج کا جھنڈا ابھی اُٹھا رکھا تھا۔ یہ جھنڈا میدانِ جنگ میں سالارِ اعلیٰ کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان سواروں میں ایک کمان دار تھا اور دوسرے دو سوار سپاہی تھے۔ وہ محافظ دستے کے معلوم ہوتے تھے۔ قید خانے کا داروغہ جو بڑے دروازے کی سلاخوں میں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کمان دار کو جانتا تھا، وہ باہر آ گیا۔ کمان دار سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں؟۔

''بادشاہوں کے حکم نرالے ہوتے ہیں''...... کمان دار نے کہا...... ''شراب کے نشے میں ان سالاروں کو قید میں ڈال دیا جن کے بغیر فوج ایک قدم نہیں چل سکتی۔ اب حکم ملا ہے کہ دونوں کو قید خانے سے نکالا جائے''۔

''آپ دونوں سالاروں کو لینے آئے ہیں؟''...... داروغہ نے پوچھا۔

''ہاں!'' کمان دار نے کہا...... انہیں جلدی لے جانا ہے''۔

''آپ کے پاس قلعہ دار امیر گمشتگین کا تحریری حکم نامہ ہے؟''...... داروغہ نے کہا...... ''وہ تو کہیں باہر چلے گئے ہیں''۔

''میں وہیں سے آیا ہوں''...... کمان دار نے کہا...... ''میں رات کو ہی آ گیا تھا۔ انہیں اب تحریری حکم نامہ جاری کرنے کا ہوش نہیں رہا۔ ہماری فوج حلب اور موصل کی فوجوں کے ساتھ مل کر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے جا رہی ہے۔ اگر ہم نے وقت ضائع کر دیا تو ایوبی حملہ کر دے گا۔ خطرہ بڑھ گیا ہے۔ گمشتگین اسی سلسلے میں حلب گیا ہے۔ اُسے جو خطرہ نظر آ رہا ہے، اس نے اُس کے ہوش ٹھکانے کر دیئے ہیں۔ اسے احساس ہو گیا ہے کہ ان دو سالاروں کے بغیر وہ لڑ نہیں سکے گا۔ اس نے مجھے حلب کے راستے پر واپس دوڑا دیا کہ اُن دونوں کو ان کے جھنڈے کے ساتھ پورے اعزاز سے لاؤ۔ اسی حکم کے تحت ہم اُن کا جھنڈا اور گھوڑے لائے ہیں''۔

داروغہ اسے اندر لے گیا۔ دونوں سپاہی بھی ساتھ چلے گئے۔ وہ تہ خانے میں گئے۔ سالار دو مختلف کوٹھڑیوں میں بند

تھے۔ پہلے ایک سالار کو نکالا گیا۔ کمان دار نے اُسے فوجی انداز سے سلام کر کے کہا..... ''امیر حرن گمشتگین نے آپ کی رہائی کا حکم بھیجا ہے۔ آپ کا گھوڑا اور آپ کا ذاتی محافظ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ کے لیے حکم ہے کہ تیار ہو کر فوراً حلب پہنچیں۔

''معلوم ہوتا ہے، شراب کا نشہ اُتر گیا ہے''..... سالار نے کہا۔

''میری حیثیت ایسی نہیں کہ آپ کی رائے کی تائید یا تردید کر سکوں''..... کمان دار نے کہا..... ''میرا کام حکم پہنچانے اور آپ کے ساتھ جانے تک محدود ہے''۔

داروغہ نے اُن کی باتیں غور سے سنیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی گڑبڑ نہیں، لیکن دوسرے سالار کو نکالنے لگے تو داروغہ کو شک ہو گیا۔ اس سالار نے کمان دار کو دیکھا تو جذبات سے مغلوب ہو کر بولا..... ''تم آ گئے؟ سب ٹھیک ہے؟''..... اُس نے داروغہ کی موجودگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ داروغہ اناڑی نہیں تھا۔ اُس کی عمر قید خانے میں گزری تھی۔ اُس نے کوٹھڑی کا تالا کھول دیا تھا۔ دروازہ کھلنا باقی تھا۔ اس نے تالا پھر چڑھا دیا اور بولا۔ ''تحریری حکم نامے کے بغیر میں انہیں رہا نہیں کروں گا''۔

کمان دار نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس سے چابی چھین لی۔ دو سپاہی جو سالاروں کے باڈی گارڈ بن کے آئے تھے، داروغہ کی پیٹھ کے ساتھ لگ گئے۔ دونوں نے خنجر نکال کر ان کی نوکیں اُس کی پیٹھ پر رکھ دیں۔ کمان دار نے اُسے سرگوشی میں کہا..... ''تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جانبازوں کے قبضے میں ہو۔ تم جانتے ہو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار کیا کیا کرتے ہیں۔ اونچی آواز نہ نکلے''۔

کمان دار نے دروازہ کھولا۔ داروغہ کو دھکیل کر اس طرح کوٹھڑی میں لے گئے کہ قریب سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی جرم ہو رہا ہے۔ اندر لے جا کر اُسے سلاخوں والے دروازے سے پرے کر لیا گیا۔ ایک سپاہی نے بڑی تیزی سے ایک رسی جو بمشکل پون گز لمبی تھی، اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر رسی کو مروڑا اور دو تین جھٹکے دیئے۔ داروغہ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ ٹھنڈا ہو گیا تو اُسے پتھر کے اُس چوڑے بنچ پر ڈال دیا گیا جس پر قیدی سویا کرتے تھے۔ لاش پر کمبل ڈال دیا گیا۔ اس سالار نے بے موقع جذباتی ہو کر یہ مشکل پیدا کر دی تھی۔

ان لوگوں نے باہر نکل کر دروازے پر تالا چڑھا دیا اور چابی اپنے ساتھ لے گئے۔ باہر کے دروازے کی چابیاں داروغہ کے پاس تھیں۔ وہ بھی اس سے چھین لی گئی تھیں۔ یہ پارٹی وہاں سے چلی۔ تہ خانے سے اوپر آئی تو نیچے کے سنتری نے جا کر خالی کوٹھڑیوں کو دیکھنا چاہا۔ وہ دُور سے دیکھ رہا تھا کہ قید خانے کا داروغہ دو قیدیوں کو رہا کر رہا تھا۔ سنتری یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس نے دونوں قیدی سالاروں کو باہر جاتے دیکھا ہے، لیکن ایک کوٹھڑی میں ایک قیدی پڑا ہے۔ اس پر چونکہ کمبل پڑا تھا، اس لیے وہ پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دوسری کوٹھڑی خالی تھی۔ اس نے کمبل میں لپٹے ہوئے قیدی کو آوازیں دیں مگر وہ نہ بولا۔ دروازہ مقفل تھا۔ سنتری نے سلاخوں میں سے برچھی اندر کی۔ اس کی نوک قیدی تک پہنچ گئی۔ اس نے نوک قیدی کو چبھوئی۔ وہ پھر بھی نہ اُٹھا۔ برچھی سے اُس نے کمبل ہٹا کر اُس کا چہرہ ننگا کر دیا۔ یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ وہ تو قید خانے کا داروغہ تھا۔ آنکھوں اور چہرے سے صاف پتا چلتا تھا کہ وہ مرا ہوا ہے۔

اُس نے وہیں سے چلانا شروع کر دیا..... ''خبردار، خبردار، قیدی نکل گئے''..... وہ اُوپر کو دوڑا۔ اُس کی پکار پر نقارہ بجنے لگا۔ یہ الارم تھا۔ اُس وقت فرار ہونے والی پارٹی بڑے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ سنتری دوڑا آ رہا تھا۔ بڑے گیٹ کی چابیاں کمان دار کے پاس تھیں۔ انہوں نے قدم تیز کر دیئے اور اندرونی تالے کو چابی لگائی۔ سنتری نے دُور سے کہا..... ''انہیں روک لو۔ داروغہ کوٹھڑی میں مرے ہوئے ہیں''۔

نقارے کی آواز پر قید خانے کے تمام سنتری اپنی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے۔ باہر کی گارد دوڑی آئی۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ چونکہ یہ خطرے کا الارم تھا۔ اس لیے باہر سے آنے والی گارد کی نفری ٹریننگ کے مطابق بہت تیزی سے دروازے میں داخل ہوئی۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہوا کرتا تھا کہ قیدوں نے بغاوت کر دی ہوگی یا کہیں آگ لگ گئی ہوگی۔ وہ سنتری جو چیختا چلاتا آرہا تھا، باہر سے آنے والے والی گارد کے سیلاب میں گم ہو گیا۔ اس ہڑبونگ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فرار ہونے والے باہر نکل گئے۔ گھوڑے باہر کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے، لیکن گھوڑے گھوم کر چلے تو کسی نے انہیں للکارا...... ''رُک جاؤ، مارے جاؤ گے'' ......انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ پیچھے سے ایک ہی بار تیروں کی بوچھاڑ آئی۔ دو تیر کمان دار کی پیٹھ میں اُتر گئے۔ اور ایک تیر ایک سالار کے گھوڑے کے پچھلے حصے میں لگا۔ کمان دار نے جسم میں دو تیر لے کر بھی اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ سالار شمس الدین کا گھوڑا تیر کھا کر بدکا۔ شمس الدین نے اُسے سنبھالنے کی کوشش کی اور اُسے کمان دار کے گھوڑے کے قریب لے جا کر اُس کے گھوڑے پر کود گیا۔ کمانڈ آگے کو جھک گیا۔ شمس الدین نے اس کے ہاتھ سے باگیں لے لیں۔ پیچھے سے اور تیر آئے، لیکن گھوڑوں کی رفتار اچھی تھی، زد سے نکل گئے۔

انہوں نے پیچھے دیکھا۔ قید خانہ دُور رہ گیا تھا، لیکن دس بارہ گھوڑ سوار اُن کے تعاقب میں گھوڑے دوڑا چکے تھے۔ آگے علاقہ کھلا تھا۔ آبادی دوسری طرف تھی۔ فرار ہونے والے والوں نے گھوڑوں کو انتہائی رفتار پر ڈال دیا۔ ان کے پاس ہتھیاروں کی کمی تھی۔ دونوں سالار نہتے تھے۔ کمان دار شہید ہو رہا تھا۔ وہ مقابلہ کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔ آگے چٹانیں اور ٹیلے آ گئے۔ ایک سالار نے کہا...... ''بکھر جاؤ۔ اکیلے اکیلے ہو جاؤ'' ......وہ منجھے ہوئے سوار تھے۔ تعاقب کرنے والے ابھی دُور تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ فرار ہونے والے ایک دوسرے سے دُور دُور ہو کر چٹانوں میں غائب ہو گئے ہیں۔ وہ سست پڑ گئے اور نکلنے والے نکل گئے۔

......۞......

گناہوں کا کفارہ

اس وقت حلب کے باہر تینوں مسلمان امراء کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی برخاست ہوئی۔ انہوں نے سلطان پر حملے کا پلان بنا لیا تھا۔ زیادہ تر عقل صلیبی مشیروں کی استعمال کی گئی تھی۔ انہوں نے یہ بھی طے کیا تھا کہ تینوں فوجوں کی ترتیب کیا ہوگی۔ حملے کے لیے گمشتگین کی فوج کو آگے رکھنا تھا۔ اس کے پہلوؤں کی حفاظت کی ذمہ داری حلب کی فوج کی تھی اور پہلے حملے کے بعد دوسرا حملہ جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے جوابی حملے کو روکنے کے لیے کرنا تھا، سیف الدین کے سپرد کیا گیا تھا۔ سیف الدین نے اس متحدہ محاذ کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ اپنی فوج کا ایک حصہ اپنے بھائی عزالدین مسعود کی کمان میں چھوڑ آیا تھا۔ مشترکہ کمان کو اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ محفوظہ ہے جسے وہ ہنگامی حالات میں استعمال کرے گا، مگر اپنے بھائی کو اس نے کہا تھا کہ وہ حلب اور حرن کی فوجوں کی کیفیت دیکھ کر آگے آئے۔ اگر جنگ کی حالت ہمارے خلاف ہوگئی تو محفوظہ کو موصل کے دفاع میں استعمال کیا جائے اور اگر جوابی حملے میں شریک ہونا ہی پڑا تو یہ شرکت ایسی ہو کہ موصل کا اور اپنے مفاد کا زیادہ خیال رکھا جائے۔

ماہ رمضان شروع ہو چکا تھا۔ ان تینوں فوجوں میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ جنگ کے دوران روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ تین چار روز بعد تینوں افواج اپنے اپنے شہر سے کوچ کر گئیں۔ انہیں رون حماۃ کے قریب آ کر اکٹھے ہونا اور حملے کی ترتیب میں آنا تھا۔

اس کوچ سے دو روز پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی مورچہ بندی دیکھ رہا تھا جب اسے اطلاع ملی کہ حرن سے دو سالار مفرور ہو کر آئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک لاش ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہاں جا کر وہ گھوڑے سے کود کر اترا اور دونوں سالاروں کو گلے لگایا۔ پھر دونوں سپاہیوں سے گلے ملا۔ یہ دونوں اس کے نامور چھاپہ مار جاسوس تھے۔ کماندار بھی اس کا جاسوس تھا اور ایک عرصے سے گمشتگین کی فوج میں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے لاش کے گالوں کا بوسہ لیا اور حکم دیا کہ لاش دمشق بھیج دی جائے اور شہیدوں کے قبرستان میں دفن کی جائے۔

''آپ یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے ہیں؟''...... سالار شمس الدین نے اپنی بپتا سنانے سے پہلے جنگی باتیں شروع کر دیں۔

''میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا کہ گذشتہ رات اطلاع ملی ہے کہ کمک آج رات پہنچ جائے گی۔ اسے قاہرہ سے آنا تھا، اس لیے اتنے دن لگ گئے ہیں۔''

سلطان ایوبی نے دونوں بھائیوں کو تفصیل سے بتایا کہ اس کی نفری کتنی ہے اور اسے اس نے کس طرح ڈیپلائے کر رکھا ہے۔ اسی وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے تمام دستوں کے کمانڈروں کو بلایا اور شمس الدین اور شاد بخت سے ملایا۔ پرانے افسر دونوں کو جانتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے دونوں سے کہا کہ وہ اس کے کمانڈروں کو

بتائیں کہ جو افواج حملہ کرنے آ رہی ہیں ان کی جنگی اہلیت کیسی اور جذباتی کیفیت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فوج بہر حال فوج ہوتی ہے۔ دشمن کو اناڑی اور کمزور سمجھنا ایک جنگی لغزش تصور کی جاتی ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ یہ مسلمان افواج ہیں جن کے سپاہی پیٹھ دکھانے کے عادی نہیں۔ سپاہیوں میں عسکری روح موجود ہے۔ وہ پورے جوش وخروش سے لڑیں گے۔ ان کے ذہنوں میں یہ ڈالا گیا ہے کہ آپ لوگ درندے، وحشی اور عورتوں کے شکاری ہیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی سلطنت کو وسعت دینے آیا ہے۔ صلیبیوں نے ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت بھر رکھی ہے۔

سالاروں نے بتایا کہ جہاں تک ان کی قیادت کا تعلق ہے، وہ قابل تعریف نہیں۔ ان میں کوئی بھی سلطان صلاح الدین ایوبی نہیں...... سیف الدین اور گمشتگین اپنے ذاتی مفاد کے لیے لڑنے آ رہے ہیں۔ دونوں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ لائیں گے۔ ہماری جگہ گمشتگین اپنی فوج کی کمان خود کرے گا۔ یہ قیادت فوج کو طریقے سے لڑا نہیں سکے گی۔ پھر بھی آپ کو محتاط ہو کر لڑنا پڑے گا۔ وہ آپ کو ان پہاڑیوں میں محاصرے میں لینا چاہتے ہیں۔ تینوں فوجوں کی کمان مشترک ہو گئی ہے۔ لیکن وہ دل سے متحد نہیں۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خطیب ابن المخدوم، صاعقہ، قید خانے کا عہدیدار اور ایک جاسوس پہنچ گئے۔ وہ راستہ بھول گئے تھے اس لیے دیر سے پہنچے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ خطیب اس کا حامی ہے اور وہ موصل میں اس کے جاسوسوں کی راہنمائی اور نگرانی کرتا رہا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے بھی اجلاس میں شامل کر لیا اور اسے کہا کہ وہ موصل کی فوج کے متعلق کچھ بتائے۔

''وہ امیر اپنی فوج کو کس طرح لڑائے گا جو شراب اور عورت کا رسیا ہو اور قرآن سے فال نکال کر فیصلے کرتا ہو''.... خطیب نے کہا...... ''جس کے سینے میں ایمان ہی نہیں وہ میدان جنگ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں قرآن سے فال نکال کر بتاؤں کہ سلطان سلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگ میں اسے فتح ہوگی یا شکست۔ میں نے اسے بتایا کہ چونکہ اس کا یہ اقدام قرآنی احکام کے خلاف ہے اس لیے اسے شکست ہوگی۔ اس نے مجھے قید میں ڈال دیا۔ وہ قرآن کو جادو کی کتاب سمجھتا ہے۔ میں آپ کو قرآن کی کرامات سناتا ہوں۔ میرا فرار قرآن کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ سیف الدین نے میری بیٹی کو اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن میری بیٹی بال بال بچ گئی۔ میں آپ سب کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ اگر آپ قرآنی احکام کے پابند رہے اور جنگ کو قومی اور مذہبی سطح پر رہنے دیا تو فتح آپ کی ہوگی۔ یہ جنگ کا مذہبی پہلو ہے۔ فنی پہلو کے متعلق میں یہ مشورہ دوں گا کہ چھاپہ ماروں کو زیادہ استعمال کریں۔ آپ کا تو طریقہ ہی یہی ہے لیکن ان مسلمان بھائیوں کے خلاف یہ طریقہ زیادہ استعمال کریں۔ انہیں راتوں کو بھی چین نہ لینے دیں۔''

خطیب کو جس عہدیدار نے فرار کرایا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔ اس کی درخواست پر اسے فوج میں شامل کر لیا گیا اور خطیب کو اس کی بیٹی صاعقہ کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے ساتھ رکھا۔

☆

حلب، حرن اور موصل کی افواج کوچ کرتی آ رہی تھی۔ ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے مصر سے جو کمک آ رہی تھی وہ قریب آ گئی تھی۔ تاریخ یہ دیکھ رہی تھی کہ سلطان ایوبی تک دشمن کی فوج پہلے پہنچتی ہے یا کمک۔ وہ بہت پریشان تھا۔ وہ محاصرے سے ڈرتا تھا۔ کمک کے بغیر محاصرہ توڑنا آسان نہیں تھا۔ اس نے دماغی قوت کا آخری ذرہ بھی اس مسئلے پر

صرف کر ڈالا کہ وہ محاصرے میں آ گیا تو اتنی تھوڑی نفری سے محاصرہ کس طرح توڑے گا۔ وہ اس قدر پریشان ہو گیا کہ اس نے اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں سے بھی اس کا اظہار کر دیا۔ اس نے کہا...... ''چھاپہ ماردستوں کو مکمل طور پر اپنے قابو میں اور اپنی نظر میں رکھنا۔ کمک کا کچھ پتا نہیں۔ محاصرے کا خطرہ ہے۔ محاصرہ صرف چھاپہ مار ہی توڑ سکیں گے۔''

''اللہ کو جو منظور ہو گا وہ ہو کر رہے گا'' ......ایک سالار نے کہا...... ''یہ قلعہ تو نہیں جس میں محصور ہو کر ہم لڑ نہیں سکیں گے۔ ان چٹانوں پر ہم گھوم پھر کر لڑیں گے۔''

اس رات بھی وہ اچھی طرح سو نہ سکا۔ اس کے خیمے میں قندیل جلتی رہی۔ اس نے میدان جنگ اور اس علاقے کا جو نقشہ بنایا تھا اسی کو دیکھتا اور اس پر نشان لگاتا رہا۔ اگر اسے کوئی غیر فوجی دیکھتا تو یہی کہتا کہ وہ شطرنج کھیلنے کی مشق کر رہا ہے۔ سحری کھانے کے لیے جب نقارے بجے اور اس کی فوج جاگ اٹھی تو اس کی بھی آنکھ کھلی۔ اسے دو خبریں اکٹھی ملیں۔ ایک یہ کہ کمک پہنچ گئی ہے اور دوسری یہ کہ دشمن کی افواج آٹھ دس کوس تک آ گئی ہیں اور شاید کل ہمارے سر پر آ جائیں گی۔ یہ دیکھ بھال کی کسی پارٹی کا کمانڈر تھا۔ اس نے بتایا کہ دشمن کی پیش قدمی تین حصوں میں ہو رہی ہے۔ ایک حصہ آگے ہے دوسرا پیچھے اور تیسرا اس سے پیچھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو معلومات لینی تھیں لے لیں۔ اس نے یہ اطلاعیں لانے والوں کو بھیج دیا اور دربان سے کہا کہ وہ چھاپہ ماردستوں کے کمانڈر اور کمک کے اعلیٰ کمانڈروں کو فوراً بلا لائے اور انہیں کہے کہ وہ سحری اس کے ساتھ کھائیں۔ اس نے جلدی جلدی وضو کیا اور کمک آ جانے پر شکرانے کے نفل پڑھے، پھر خدا سے کامیابی کی التجا کی......

تھوڑی ہی دیر میں چھاپہ ماروں کا کمانڈر آ گیا اور اس کے بعد کمک کے چار کمانڈر آ گئے۔ سحری کا کھانا بھی آ گیا۔ کمک اس کی توقع سے کم تھی لیکن ان حالات میں یہی کافی تھی۔ العادل نے اسلحہ جو بھیجا تھا اس سے سلطان صلاح الدین ایوبی مطمئن ہو گیا۔ اسلحہ میں چھوٹی اور بڑی منجنیقیں زیادہ تھیں اور آتش گیر مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ کمک نفری کے لحاظ سے تھوڑی تھی لیکن یہ نفری چونکہ تجربہ کار تھی اس لیے کارگر تصور کی جاتی تھی۔ البتہ یہ دشواری نظر آ رہی تھی کہ اس فوج اور گھوڑوں کو پہاڑی لڑائی کا تجربہ نہیں تھا۔ اتنے میں انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ بھی آ گیا۔ اس نے بتایا کہ حلب سے اپنا ایک جاسوس آیا ہے جس نے یہ معلومات دی ہیں کہ صلیبیوں نے اس مشترکہ لشکر کو تیروں اور کمانوں کا ذخیرہ، آتش گیر مادے کے مٹکے اور پانچ سو گھوڑے بھیجے ہیں، جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ وہ پیش قدمی کے بعد آیا ہے، اس لیے اس نے دیکھا ہے کہ یہ مٹکے اونٹوں پر لاد کر لائے گئے ہیں۔ یہ قافلہ الگ تھلگ فوج کے ساتھ ہے۔ منجنیقیں بھی ساتھ ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن منجنیقوں سے آگ کے گولے پھینکے گا اور فلیتے والے آتشیں تیر چلائے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے چھاپہ ماردستوں کے اعلیٰ کمانڈر سے کہا...... ''تمہیں سب کچھ بتایا جا چکا ہے۔ اپنا کام تم جانتے ہو۔ اب پہلے منصوبے میں یہ ترمیم کر لو کہ جب تک دشمن حملہ نہ کرے اس پر کہیں بھی شب خون نہ مارنا۔ اطلاع کے مطابق وہ سیدھا قرون حماۃ کی طرف آ رہا ہے۔ شب خون مارو گے تو اس کی رفتار سست ہو جائے گی۔ حملے کے بعد تمہیں معلوم ہے کہ میں جوابی حملہ نہیں کروں گا۔ دشمن کو میرے حملے کی توقع ہو گی اور میں حملہ سامنے سے نہیں عقب سے کروں گا۔ تمہارا کام اس وقت شروع ہو گا جب دشمن عقب کے حملے سے گھبرا کر ادھر ادھر نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ان پہاڑیوں میں سے دشمن کا ایک بھی سپاہی نکل کر نہ جائے۔ زیادہ سے زیادہ قیدی پکڑو۔ وہ مسلمان سپاہی ہیں۔ تمہاری قید میں آئیں گے تو حق اور باطل کو سمجھ جائیں گے۔ یہی میرا منشا ہے۔ ہمارے مقابلے میں آ کر ہمارے تیروں سے اور ہماری

تلواروں سے جو مرتا ہے اسے مرنے سے میں روک نہیں سکتا......

''تمہارے سامنے یہ اطلاع آئی ہے کہ دشمن آتش گیر مادے کے مٹکے لا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ صحیح حالت میں ہمارے قبضے میں آ جائیں لیکن ان سے تم ایک فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اپنے کسی دستے کے دس بارہ منتخب چھاپہ ماروں کو یہ کام سونپو کہ وہ حملے کے دوران شب خون مار کر ان مٹکوں کو توڑ دیں اور آگ لگا دیں۔ دن کے وقت وہ دیکھ لیں کہ مٹکوں کا قافلہ کہاں ہے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ دشمن ابھی ندی تک نہیں پہنچا۔ گھوڑوں کو پانی پلا لو اور مشکیزے بھر لو۔ موسم سرد ہے اور یہ صحرا نہیں، پیاس سے کوئی مرے گا نہیں پھر بھی یہ جنگ ہے اور پیاس پریشان کرے گی۔''

اسے رخصت کر کے اس نے کمک کے کمانڈروں سے کہا...... ''تم لوگ صرف یہ ذہن میں رکھنا کہ یہ مصر کا صحرا نہیں پہاڑی علاقہ ہے اور ٹھنڈ ہے۔ دھوپ نکلے گی اور بھاگو دوڑو گے تو گرمی آ جائے گی۔ یہاں تمہیں ضرب لگاؤ اور کسی اور طرف نکل جاؤ کا موقعہ ضرور ملے گا۔ تمہیں اس کی تربیت دی گئی ہے لیکن یہاں خیال رکھنا کہ تمہارے لیے زمین محدود ہے۔ صحرا میں تو کئی کئی کوس کا چکر کاٹ کر دشمن کے اوپر آ سکتے ہو اور تمہیں اپنی چال دہرانے کے لیے لامحدود میدان مل سکتا ہے۔ یہاں میں نے دشمن کو جس جگہ گھسیٹ کر لانے کا بندوبست کیا ہے۔ وہ میدان ہی ہے لیکن محدود ہے۔ وقت نہیں کہ تمہیں چٹانوں اور ٹیکریوں سے متعارف کرایا جائے، اس لیے اپنی عقل استعمال کرنا۔ تیر اندازوں کو چٹانوں پر رکھنا۔ گھوڑوں کو ٹیکریوں پر نہ لے جانا، جلدی تھک جائیں گے۔ ہمارے گھوڑے کچھ عادی ہو گئے ہیں۔''

اس نے کمک کو محفوظہ کے طور پر رکھ لیا اور کمانڈروں کو اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں کے سپرد کر دیا۔ ان سالاروں کو جنگ کا پلان دیا جا چکا تھا۔

وادیوں میں صبح کی اذان کی کئی مقدس آوازیں گونج رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے غسل کیا۔ اپنی تلوار نیام سے نکالی۔ اس کی چمک اور دھار دیکھی اور جذبات اچانک ابل پڑے۔ اس نے تلوار دونوں ہاتھوں پر رکھی، قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے۔ آنکھیں بند کر کے اس نے خدا کو پکارا...... ''خدائے عزوجل! تیری خوشنودی اس میں ہے کہ مجھے شکست دے تو میں اس ذلت کے لیے تیار ہوں۔ فتح دے تو تیری ذات باری کا شکر ادا کروں گا۔ آج میں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ اگر یہ گناہ ہے تو مجھے اشارہ دے کہ میں اپنی تلوار اپنے پیٹ میں اتار دوں میں ان بچیوں کی روح کی پکار پر آیا ہوں جن کی عصمتیں صرف اس لیے لٹ گئی ہیں کہ وہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے تھیں۔ مجھے تیرے وہ بے بس بندے پکار رہے ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ میں تیرے عظیم مذہب کی عظمت اور عصمت کی حفاظت کے لیے صحراؤں، جنگلوں اور پہاڑیوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقبول! میرے سچے رب ذوالجلال! میں آپ کے قبلہ اول کو آزاد کرانے چلا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میرے راستے میں آ گئی ہے۔ مجھے اشارہ دو کہ ان کا خون بہانا مجھ پر حلال ہے یا نہیں۔ میں گمراہ تو نہیں ہو گیا؟ مجھے اپنے نور کی روشنی دکھاؤ، اگر میں حق پر ہوں تو ہمت و استقلال عطا فرماؤ۔''

اس نے سر جھکا لیا اور بہت دیر اسی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اچانک تلوار نیام میں ڈال لی اور باہر نکل گیا۔ اس کے قدموں میں کچھ اور ہی شان تھی۔ وہ اس جگہ چلا جا رہا تھا جہاں اس کے مرکز اور اعلیٰ کمان کے کمانڈر اور دیگر افراد باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ جماعت کھڑی ہو رہی تھی۔ وہ پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے ایک طرف اس

کا باورچی اور دوسری طرف اس کے کسی کمانڈار کا اردلی کھڑا تھا۔

☆

نماز سے فارغ ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی قرون حماۃ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اسے باری باری چار قاصد ملے اور زبانی پیغام دیے۔ یہ دیکھ بھال کی پارٹیوں کے قاصد تھے جو حرن، حلب اور موصل کی مشترکہ فوجوں کی نقل وحرکت اور سرگرمیوں کی خبریں لائے تھے۔ یہ سلسلہ دن رات چلتا رہتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصدوں کو رخصت کر دیا اس کے ساتھ سالار شمس الدین تھا۔ اس کے بھائی سالار رشاد بخت کو اس نے کسی اور طرف متعین کر دیا تھا۔

''دشمن کے متعلق جو خبریں مل رہی ہیں ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟'' شمس الدین نے پوچھا...... ''کیا ہم اتنی تھوڑی فوج سے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کر سکیں گے؟''

''میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ دشمن کتنا لشکر لایا ہے اور میرے پاس کیا ہے۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے جواب دیا۔ ''میں پریشان اس پر ہوں کہ دشمن حملہ کیوں نہیں کرتا۔ میرے ان مسلمان بھائیوں کے پاس صلیبی جاسوس ہیں۔ کیا صلیبی اتنے اناڑی ہو گئے ہیں کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مصر سے میری کمک آ رہی ہے اور میں کمک کے بغیر لڑ نہیں سکتا؟ اگر دشمن سرگرم ہوتا تو میرے تمام مسئلے حل ہو جاتے۔ دشمن کا یوں آ کے بیٹھ جانا اور مجھے اتنا وقت دے دینا کہ میں کمک حاصل کر لوں، اسے ٹھکانے بھی لگا لوں، تمام تر فوج کے گھوڑوں کو پانی پلا کر پانی کا ذخیرہ بھی کر لوں، میرے لیے پریشان کن ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ دشمن کوئی ایسی چال چلے گا جو کبھی میرے دماغ میں نہیں آئی۔ یہ لوگ کھیل تماشے کے لیے تو نہیں آئے۔''

''جہاں تک میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔'' شمس الدین نے کہا۔ ''ان کے پیش نظر کوئی ایسی چال نہیں۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔ خدا نے ان کے دماغوں پر مہر ثبت کر دی ہے کیونکہ وہ باطل کی انگیخت اور مدد سے حق کے خلاف لڑنے آئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ میں کسی گہری اور خطرناک چال کا خدشہ محسوس نہیں کر رہا۔''

''شمس بھائی!'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''مجھے بھی اللہ پر ہی بھروسہ ہے لیکن میں جذبات اور فلسفے کی بجائے حقیقت کو دیکھا کرتا ہوں۔ حق پر باطل نے بھی کئی بار فتح پائی ہے کیونکہ حق والے اللہ کے بھروسے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھ گئے تھے۔ حق خون اور جان کی قربانی مانگتا ہے۔ اگر ہم یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں تو حق کی فتح ہو گی۔ باطل میں جو قوت ہے اس کا مقابلہ ہمیں میدان میں کرنا ہے۔ ہمیں حقائق پر نظر رکھنی ہے۔ اپنی پوری صلاحیتیں اور جسم کی تمام تر طاقت استعمال کرنی ہے۔ اس کے بعد کے نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔ اپنے آپ کو خوش فہمیوں میں مبتلا نہ کرو۔''

وہ گھوڑے سے اترا۔ سالار شمس الدین، دو اور مشیر اور محافظ جو اس کے ساتھ تھے۔ گھوڑوں سے اترے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، شمس الدین اور دونوں مشیروں کو ایک بلند چٹان پر لے گیا۔ ان کے سامنے چٹانوں میں گھرا ہوا وسیع میدان تھا جو سینگوں کی شکل کی چٹانوں سے آگے پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس طرف جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کھڑا تھا دو چٹانیں آگے پیچھے تھیں۔ ان کے درمیان وادی یا گلی تھی جو میدان میں کھلتی تھیں۔ یہ گھوم پھر کر اس طرف باہر نکل جاتی تھی۔ میدان میں چٹانوں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں چھوٹے بڑے خیمے کھڑے تھے۔ ایک طرف اس فوج کے گھوڑے بندھے تھے جو خیموں میں تھی۔ سپاہی گھوم پھر رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو دھوپ میں لیٹے ہوئے یا سوئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان پر ایک بہت بڑا لشکر کسی بھی وقت حملہ کرنے کے لیے ان کے سر پر بیٹھا ہے۔ اگر وہ جنگی تیاری میں ہوتے تو ان کے خیمے کھڑے رہنے کی بجائے لپٹے ہوئے کہیں اور رکھے ہوئے ہوتے اور

ان کے گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہوتیں۔

''ان دستوں کے سالاروں اور کمانڈروں کو میں نے جو ہدایات دی ہیں وہ تم تینوں ایک بار پھر سن لو''......سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔''ہوسکتا ہے میں تم سے پہلے مارا جاؤں اور جنگ شروع ہوتے ہی مارا جاؤں۔ میرے بعد میدان کی ذمہ داریاں تم سنبھالو گے۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ خیمے لگے رہنے دو۔ گھوڑے زینوں کے بغیر بندھے رہنے دو۔ فراغت کی حالت میں گھومو پھرو اور ادھر ادھر بیٹھے اور لیٹے رہو، لیکن خیموں میں اپنے ہتھیار اور گھوڑوں کی زینیں تیار رکھو۔ دشمن کے جاسوس تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ تاثر دو کہ تمہیں دشمن کی کچھ خبر نہیں۔ جب دشمن کا لشکر آئے تو گھبراہٹ کا مظاہرہ کرو۔ ہتھیار اٹھا لو۔ خیمے پھر بھی کھڑے رہنے دینا۔ آگے بڑھ کر مقابلہ نہ کرنا۔ دشمن اوپر چڑھ آئے تو لڑتے ہوئے اتنی تیزی سے پیچھے ہٹنا کہ دشمن کے حملہ آور دستے تمہارے ساتھ ہی ان چٹانوں کے گھیرے میں آجائیں۔ دشمن کو پسپائی کا تاثر دو۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دو متوازی چٹانوں کے درمیان گلی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔''میں نے ان دستوں کو بتا دیا ہے کہ اس گلی میں آکر پیچھے کو نکل جائیں۔ انہیں جہاں اکٹھا ہونا ہے وہ جگہ بھی انہیں بتا دی ہے۔'' اس نے وہ جگہ اپنے رفیقوں کو بتا کر کہا۔''ان دستوں کو دشمنوں کے عقب میں جانا ہوگا۔ ان چٹانوں پر میں نے دشمن کے استقبال کا جو بندوبست کر رکھا ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! ہمیں یہاں کوئی علاقہ اور کوئی قلعہ فتح نہیں کرنا۔ ہمیں دشمن کو بے بس اور بے کار کرنا ہے تاکہ وہ ہمارے راستے سے ہٹ جائے، مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کو دشمن کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر حالات کا تقاضا یہی ہے میں انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے احکام جاری کر دیے ہیں کہ زیادہ افراد کو زندہ پکڑو اور جنگی قیدی بناؤ۔ میں انہیں تلوار سے زیر کر کے اخلاق سے ذہن نشین کراؤں گا کہ تم مسلمان سپاہی ہو اور تمہارے بادشاہ تمہارے مذہب کے دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔''

''کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں خانہ جنگی کرا دو'' سالار شمس الدین نے کہا......''صلیبیوں نے کامیابی سے یہ حربہ استعمال کیا ہے۔''

''مسلمان قوم کی مثال بارود کی سی ہے۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا......''یہ قوم جذباتی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ بارود کے اس ڈھیر میں کہیں سے بھی چنگاری آن گرے یہ دھماکے سے پھٹ جاتا ہے۔ یہ چنگاری مسجد کے امام سے ملے یا عیش پرست حکمران سے یا دشمن ہمارے ہی بھائیوں کے ہاتھوں یہ چنگاری پھینکے، جذبات بارود کی طرح پھٹتے ہیں۔ اگر قوم کی یہ کمزوری جڑ پکڑ گئی تو قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔ قوم اگر زندہ رہی تو کفار اسے دھڑوں میں تقسیم کر کے لڑاتے رہیں گے اور قوم کے سربراہ حکمرانی کے نشے اور لالچ میں آپس میں لڑتے رہیں گے۔ یہ جو تین فوجیں اپنی ہی قوم کے خلاف یلغار کر کے آئی ہیں، ان کے سربراہ اکٹھے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکہ فریب دے کر سلطنت اسلامیہ کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے دماغوں سے بادشاہی کا کیڑا نکال کر قوم کو راہ راست پر لانے کی فکر میں ہوں۔ میرے پیش نظر اسلام کا تحفظ اور فروغ ہے۔''

☆

قرون حماۃ سے تھوڑی ہی دور حرن کا قلعہ دار گمشتگین جس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اپنے سالاروں اور چھوٹے بڑے کمانڈروں کو اکٹھا کر کے کہہ رہا تھا ''صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کو شکست دے سکتا ہے۔ وہ جب تمہارے سامنے آئے گا تو لومڑی کی ساری چالیں بھول جائے گا۔ وہ ہم میں سے نہیں، وہ کرد ہے۔ تم پکے مسلمان ہو دین

اور پرہیز گار ہو۔ وہ صرف نام کا مسلمان ہے، مکار اور عیار ہے۔ وہ یہاں اپنی سلطنت قائم کر کے اس کا بادشاہ بننے کی کوشش میں ہے۔ میں تمہیں اس کی جنگی کیفیت بھی بتا دیتا ہوں۔ اس کے پاس فوج بہت تھوڑی ہے اور وہ پہاڑیوں میں ڈرا بیٹھا ہے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے جاسوسوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس کی فوج خیموں میں آرام کر رہی ہے اور اس کے گھوڑے بھی تیاری کی حالت میں نہیں۔ اس کی وجوہات دو ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے یقین ہے کہ اسے ہم شکست نہیں دے سکتے۔ دوسری یہ کہ اسے یہ خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے کہ ہم اس پر حملہ نہیں کریں گے۔ وہ شاید صلح کے لیے ہمارے پاس ایلچی بھی بھیجے گا۔ اب ہم اس کے ساتھ کوئی صلح یا سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ وہ اب ہمارا قیدی ہے۔ اگر زندہ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو میں تمہیں اس کی لاش دکھاؤں گا۔ اپنے سپاہیوں سے کہہ دو کہ صلاح الدین ایوبی امام مہدی یا پیغمبر نہیں اور اس کی فوج میں کوئی جن بھوت نہیں۔ ہم اس کی فوج کو بے خبری میں جا پکڑیں گے۔''

اپنے سامعین کو اشتعال دلا کر اور ان کا حوصلہ بڑھا کر اس نے انہیں رخصت کر دیا اور اپنے ان خیموں میں چلا گیا جو اس نے جنگل میں منگل بنا رکھا تھا۔ اس کا اپنا خیمہ بہت بڑا تھا جس کے اندر قالین بچھے ہوئے تھے اور بیش قیمت پلنگ تھا۔ شراب کی صراحی اور نہایت دلکش پیالے رکھے تھے۔ اندر سے خیمہ کسی محل کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ارد گرد کئی اور خیمے تھے جو فوجی خیموں سے مختلف اور خوبصورت تھے۔ ان میں حرم کی لڑکیاں اور ناچنے گانے والیاں رہتی تھیں۔ خیموں سے دور دور پہرہ دار کھڑے تھے۔ گمشتگین کے خیمے کے باہر نو آدمی اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر گمشتگین تیز چل پڑا اور قریب جا کر انہیں اندر چلنے کو کہا۔ اندر جاتے ہی لڑکیوں کی ایک قطار ہاتھوں میں طشتریاں اٹھائے خیمے میں داخل ہوئی۔ کھانا چن دیا گیا اور شراب کی صراحیاں بھی آ گئیں۔ گمشتگین ان نو آدمیوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گیا۔

یہ نو آدمی کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے بھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہاتھوں میں لے کر خونخوار درندوں کی طرح کھانے شروع کر دیے۔ ساتھ ساتھ وہ شراب پانی کی طرح پی رہے تھے۔ ان کی آنکھیں لال سرخ تھیں جن سے وہ وحشی اور خونخوار لگتے تھے۔ تین چار خوبصورت لڑکیاں ان کے پیالے شراب سے بھرتی جا رہی تھیں اور یہ وحشی کبھی کسی لڑکی کے بکھرے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرتے کبھی ان کے عریاں بازوؤں کو پکڑ کر ان پر اپنے گال رگڑتے۔ کھانا اور چھیڑ خانی چلتی رہی۔ گمشتگین ان کی حرکتیں اور کھانے کا انداز دیکھ کر مسکراتا رہا مگر اس کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ زبردستی مسکرا رہا ہے۔ اور اسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر گمشتگین نے لڑکیوں کو باہر بھیج دیا اور ان نو آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ لگا کر کہا..... ''اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں صلاح الدین کی طرف رخصت کروں۔ اب کے وار خالی نہیں جانا چاہیے۔''

''اگر آپ ہمیں روک نہ لیتے تو اب تک آپ یہ خوشخبری سن چکے ہوتے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے اور قاتل معلوم نہیں کون تھے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

یہ حسن بن صباح کے وہی نو فدائی تھے جنہیں ان کے مرشد شیخ سنان نے تریپولی سے سلطان صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ یہ منتخب افراد تھے جو بظاہر انسان تھے لیکن خصلت کے درندے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے خون کے دس دس قطرے نکال کر مقدس پیالے میں گرائے، ان پر شراب اور حشیش ڈالی اور تینوں میں ملا کر ہر ایک نے ایک ایک گھونٹ پیا اور اپنے مخصوص الفاظ میں حلف اٹھایا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو قتل کریں گے یا زندہ نہیں رہیں گے۔ شیخ سنان نے انہیں تارک الدنیا صوفیوں کے لباس میں ہاتھوں میں تسبیحیں اور گلے میں

قرآن لٹکا کر اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی تک رسائی حاصل کریں اور اس کے سا
یہ مسئلہ رکھیں کہ مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے، اور وہ ثالث بن کر آپس میں ٹکرانے والے مسلمان امراء کا صلح نا
کرائیں گے۔ اس طرح تنہائی میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں گے۔

شیخ سنان نے طریقہ اچھا سوچا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی مذہبی پیشواؤں کو احترام سے اپنے پاس بٹھا
اور ان کی بات توجہ سے سننے کا عادی تھا۔ اس کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ وہ چاہتا ہی یہی تھا کہ کوئی درمیان میں آ کر مخالفی
کے ساتھ اس کا سمجھوتہ کرا دے تا کہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل نہ ہو ورنہ صلیبیوں کو جنگی تیاریوں کا اور حملہ کر کے بہ
بڑی کامیابی حاصل کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اس نے حلب وغیرہ میں اپنے ایلچی بھیجے بھی تھے، جو توہین آمیز جوا
لائے تھے۔ اب ''نوصوفی منش'' چغوں میں خنجر اور تلواریں چھپائے اس کی خواہش پوری کرنے کا دھوکہ لے کر آ رہے تھ
وہ اسے آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ تریپولی سے وہ روانہ ہوئے اور حرن پہنچے تھے۔ گمشتگین کو اس کے صلیبی مشیرو
نے بتایا تھا کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے جا رہے ہیں اس نے ان سے قتل کا طریقہ سنا تو اسے مسترد کر کے
انہیں اپنے پاس شاہی مہمانوں کی حیثیت سے روک لیا اور صلیبی مشیروں سے کہا تھا کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حمل
کرنے جا رہا ہے۔ ان نو فدائیوں کو اپنے ساتھ لے جائے گا اور موزوں موقعے پر اور کسی بہتر طریقے سے سلطان صلا
الدین ایوبی کو قتل کرائے گا۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ محاذ پر لے آیا تھا۔

اب نے میدان جنگ میں ان کے لیے موقع پیدا کر لیا اور ان کا بہروپ بھی تیار کر لیا تھا۔ اس نے کھانے سے
فارغ ہو کر انہیں کہا...... ''آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے قتل کا کیا طریقہ سوچا ہے۔ تم ن
صوفیوں کا جو روپ دھارا ہے وہ شک پیدا کر سکتا ہے۔ ایوبی کی نظر بڑی گہری ہے۔ اس پر پہلے چار پانچ قاتلانہ حمل
ہو چکے ہیں۔ وہ اور زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ دو بڑے ہی تجربہ کار سراغرساں ہیں، ایک علی بن سفیان اور دوس
حسن بن عبداللہ۔ وہ ایک نظر میں انسان کو بھانپ لیتے ہیں۔ ہمارے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق اس وقت حسن بن
عبداللہ اس کے ساتھ ہے اور علی بن سفیان قاہرہ میں ہے۔ صلاح الدین ایوبی سے کوئی اجنبی ملنے جاتا ہے تو دو تین سالا
اور حسن بن عبداللہ اس کی بڑی گہری چھان بین کرتے ہیں۔ انہیں شک ہو تو اس کی تلاشی بھی لیتے ہیں......

''ایوبی یا حسن بن عبداللہ کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ چپقلش تو کئی مہینوں سے چل رہی ہے، تمہیں صلح نامے کا خیال
آج کیسے آیا ہے ایوبی یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ تم کہاں کے مذہبی پیشوا ہوا اور وہ کوئی ایسا سوال پوچھ سکتا ہے جس کا تم لوگ
جواب نہ دے سکو یا ایسا جواب دو جو تمہیں بے نقاب کر دے۔ وہ خود عالم ہے، مذہب اور تاریخ کا اس کا گہرا مطالعہ ہے
اس کے علاوہ تمہارے چہروں پر داڑھیوں کے سوا صوفیوں والی کوئی نشان نظر نہیں آتے۔ تم میں سے چار کی داڑھیاں ابھ
چھوٹی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ایک مہینے سے بڑھائی گئی ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں حشیش اور شراب کا نشہ چڑھا ہوا ہے
مجھے ان چہروں پر پاکیزگی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔''

ان نو میں سے کسی نے بھی برا نہ مانا۔ ان کے سرغنہ نے کہا...... ''مجھے آپ کی ہر ایک بات سے اتفاق ہے۔ ا
صلاح الدین ایوبی نے ہمیں صوفی یا امام سمجھ کر عزت سے اپنے خیمے میں بٹھا لیا اور کچھ کھانے پینے کے لیے ہمارے آ
رکھ دیا تو میرے یہ دوست ٹوٹ پڑیں گے۔ ہم میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ امام اور خطیب کھاتے کس طرح ہیں۔ آپ
کیا طریقہ سوچا ہے؟''

''نہایت سہل اور بے خطر۔'' گمشتگین نے کہا۔''میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے رضا کار محافظ بنا کر قرون حماۃ بھیج رہا ہوں۔ اس کے محافظ گہری چھان بین کے بعد منتخب کیے جاتے ہیں۔ ان کے خاندانوں کی بھی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ تم جاتے ہی اس کے محافظ دستے میں شامل ہو جاؤ گے۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے جو مجھے امید ہے کامیاب ہو گا۔ جاسوسوں نے بتایا کہ دمشق کے لوگوں میں ہمارے خلاف اور صلاح الدین ایوبی کے حق میں اتنا جوش وخروش اور جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ رضا کارانہ طور پر محاذ پر آ رہے ہیں۔ وہاں جسے دیکھو تیغ زنی اور تیر اندازی کی مشق کر رہا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایوبی ان رضا کاروں کو باقاعدہ فوج میں تو نہیں رکھتا۔ دوسرے کاموں کے لیے رکھ لیتا ہے۔ میں اس فضا سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔''

اس نے الگ رکھا ہوا لکڑی کا ایک بکس کھولا۔ اس میں کپڑے تھے۔ اس نے فدائیوں سے کہا۔''تم سب یہ لباس پہن کر صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ یہ اس کے محافظ دستے کا مخصوص لباس ہے۔ تم میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایوبی کا جھنڈا ہو گا۔ باقی آٹھ کی برچھیوں کے ساتھ اس کی فوج کی جھنڈیاں ہوں گی۔ تم سیدھے ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ تمہیں روک لیا جائے گا۔ اس تک نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ تم جوش اور جذبات سے کہنا کہ ہم رضا کار ہیں اور دمشق سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ یہ بھی کہنا کہ ہم نے بڑی محبت سے محافظ دستے کا لباس سلوایا اور دل میں سلطان کی عقیدت لے کر آئے ہیں۔ ہمیں سلطان کے اردگرد پہرے پر لگایا جائے یا ہمیں جانباز دستے میں شامل کر دیا جائے ہم واپس نہیں جائیں گے...... تمہیں صلاح الدین ایوبی تک جانے نہیں دیں گے تم ضد کرنا اور کہنا کہ ہم اتنی دور سے عقیدت اور جذبات سے آئے ہیں، ہم سلطان سے ملے بغیر نہیں جائیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ جذبے کی بہت قدر کرتا ہے، تم سے ملے گا ضرور۔ برچھیاں تمہارے ہاتھوں میں ہوں گی۔ اگر وہ باہر ہوا تو گھوڑوں سے اترنا نہیں۔ قریب جا کر گھوڑوں کو ایڑ لگا دینا اور اس کا جسم برچھیوں سے چھلنی کر کے نکلنے کی کوشش کرنا۔ تم سب نے جان کی بازی لگانے کا حلف اٹھایا ہے، لیکن مجھے امید ہے تم سب نکل آؤ گے، مجھے پوری توقع ہے کہ اپنے سلطان کو زخمی حالت میں دیکھ کر محافظوں میں افراتفری مچ جائے گی۔ پیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پائیں کہ یہ ہوا کیا ہے تم ان کے تیروں کی زد سے نکل آؤ گے۔ میں تمہیں عرب کی اس نسل کے گھوڑے دے رہا ہوں جن کے تعاقب میں ہوا بھی نہیں پہنچ سکتی۔''

''طریقہ بہت اچھا ہے۔'' فدائی قاتلوں کے سرغنہ نے کہا۔''ہمارے وہ ساتھی بدبخت، اناڑی اور بزدل تھے جو اسے سوتے وقت بھی قتل نہ کر سکے۔ اسی کے ہاتھوں مارے گئے اور جو زندہ رہے وہ پکڑے گئے۔ اب ہم جا رہے ہیں۔ اگر اس کا سر کاٹ کر نہ لا سکے تو آپ یہ خبر ضرور سنیں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے۔''

''اور اگر ہم اسے قتل کر آئے تو؟'' ایک فدائی نے حرم کی لڑکیوں کے خیموں کی طرف اشارہ کر کے اور شیطانی مسکراہٹ سے کہا۔

گمشتگین شیطان کی مسکراہٹوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے ایسی ہی مسکراہٹ سے کہا۔''تم میں سے جو زندہ آئیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کر کے آئیں گے انہیں میں ایک ایک خیمے میں داخل کر دوں گا۔ تمہیں جو انعام صلیبی دیں گے اس سے اتنے زیادہ زر و جواہرات میں دوں گا جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے اور تم میں سے جو آدمی صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اسے اس کی پسند کی دو لڑکیاں ہمیشہ کے لیے دوں گا۔''

فدائیوں نے وحشیوں کی طرح چیخ چیخ کر قہقہے لگانے شروع کر دیے۔ گمشتگین نے بڑی مشکل سے انہیں

خاموش کیا اور کہا..... ''آؤ، تمہیں وہ راستہ بتادوں جو دمشق سے قرون کی طرف آتا ہے۔ تم یہاں سے دور کا چکر کاٹ کر دمشق کے راستے پر پہنچو گے لیکن خیال رکھنا کہ راستے میں کوئی بھی پوچھے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو تو یہی بتانا کہ تم دمشق سے آئے ہو اور محاذ پر جا رہے ہو۔ راستے میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ملیں گے۔ تمہیں آج ہی رات روانہ ہونا ہے۔''

''آج ہی رات؟'' ایک فدائی نے پوچھا۔ ''کل دن کو نہ جائیں؟''

''اتنا وقت نہیں''..... گمشتگین نے جواب دیا۔ تمہارا چکر بہت لمبا ہے۔ دو دنوں بعد منزل پر پہنچو گے گھوڑوں کو آرام دیتے جانا ورنہ تھک ہوئے گھوڑوں سے وہاں سے بھاگ نکلنا دشوار ہو جائے گا۔''

گمشتگین نے بکس سے کپڑے نکال کر انہیں کہا کہ یہیں پہن لو۔ اس نے دربان سے کہا کہ وہ نو گھوڑے لے آؤ جو میں نے الگ کروا رکھے ہیں۔

آدھی رات کے بعد نو گھوڑ سوار گمشتگین کے کیمپ سے دور اس سمت جا رہے تھے جدھر دمشق سے قرون حماۃ کو راستہ جاتا تھا۔ اگلے گھوڑ سوار کے پاس سلطان صلاح الدین ایوبی کا جھنڈا تھا اور باقی آٹھ کی برچھیوں کی انیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بندھی تھیں۔

☆

اسی روز جس وقت گمشتگین اپنے سالاروں اور کمانڈروں کو اشتعال انگیز تقریر سے جوش دلا رہا تھا، سیف الدین اور حلب کی فوجیں بھی ایسی ہی اشتعال انگیز تقریریں سن رہی تھیں۔ حلب کا ایک سالار گھوڑے پر سوار اپنی فوج سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ وہی صلاح الدین ہے جس نے حلب کا محاصرہ کیا تھا۔ تم نے اسی صلاح الدین کو اس کی اسی فوج کو حلب سے بھگایا تھا۔ رب کعبہ کی قسم! یہ روایت جھوٹی ہے کہ صلاح الدین جس قلعے اور جس شہر کو محاصرے میں لیتا ہے اسے فتح کر کے دم لیتا ہے۔ وہ حلب کے محاصرے میں کیوں کامیاب نہیں ہوا تھا؟ اس نے محاصرہ اٹھا کیوں لیا تھا؟ صرف اس لیے کہ تم شیر ہو۔ تم جان پر کھیل جانے والے سرفروش ہو۔ تم نے شہر سے نکل نکل کر اس پر جو حملے کیے تھے انہیں وہ برداشت نہیں کر سکا۔ فتح اس کی ہوتی ہے جس پر خدا خوش ہوتا ہے۔ خدائے ذوالجلال کی خوشنودی تمہیں حاصل ہے۔ صلاح الدین ایوبی پر خدا کیوں خوش ہوگا۔ وہ لیٹرا ہے۔ اس نے دمشق پر قبضہ کیا اور اس شہر کے لوگوں کی اس نے جو حالت کی ہے وہ وہاں جا کر دیکھو کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہی۔ ہمیں دمشق چھوڑ کر حلب آنا پڑا۔ ہمیں وہاں واپس جانا ہے۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی سے انتقام لینا ہے..... اور اللہ کے سپاہیو! یہ نہ سوچنا کہ تم مسلمان ہو کر مسلمان فوج کے خلاف لڑنے جا رہے ہو۔ وہ مسلمان کافر سے بدتر ہے جو مسلمانوں کے شہروں کو فتح کرتا پھر رہا ہے۔ تم پر ایسے مسلمان کا قتل خدا نے فرض کر دیا ہے.....

''خلافت کے محافظو! تمہارے دشمن صلیبی نہیں صلاح الدین ایوبی اور اس کی فوج ہے۔ صلیبیوں کو دشمن اس شخص نے بنایا ہے۔ نورالدین زنگی نے قوم پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ صلاح الدین کو مصر کی امارت دے دی ورنہ یہ شخص چھوٹے سے ایک جیش کی کمان کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔ میں اسے اپنی فوج میں سپاہی کی حیثیت سے بھی نہ رکھوں۔ آج اس شخص کی موت اسے ان چٹانوں میں لے آئی ہے۔ اب اس کے سامنے تمہاری تلواریں، تمہاری برچھیاں اور تمہارے گھوڑے ہوں گے اور اس کے پیچھے چٹانیں اور پہاڑیں ہوں گی۔ تم اسے اور اس کی فوج کو پیس کر رکھ دو گے۔ تمہیں حلب کی توہین اور بربادی کا انتقام لینا ہے۔ اگر تم نے صلاح الدین کو یہاں، انہی پہاڑیوں میں ختم نہ کیا تو وہ سیدھا

حلب پر آئے گا۔ اس کی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری بہنیں اور بیٹیاں اس کے سالاروں کے حرم کی زینت بنیں گی۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو نورالدین زنگی کا بیٹا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ سیف الدین والی موصل جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ گمشتگین جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اگر اتنے امراء جھوٹے نہیں ہیں تو اکیلا صلاح الدین ایوبی جھوٹا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تین فوجیں اسے کچلنے کے لیے آئی ہیں۔ تم سب سچے ہو۔ غیرت اور حمیت والے ہو۔ ثابت کردو کہ غیرت اور حمیت کی خاطر تم اپنے بھائی کا بھی خون بہا سکتے ہو۔''

فوج بظاہر خاموشی سے سن رہی تھی لیکن اس کے اندر اشتعال نے طوفان بپا کر رکھا تھا۔ سالار نے حقائق پر پردہ ڈال کر فوج کے جذبات کو مشتعل کردیا اور فوج نعرے لگانے لگی۔ ''ہم غلام نہیں بنیں گے۔ صلاح الدین ایوبی زندہ نہیں رہے گا۔'' ایک شور تھا جو زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔

سیف الدین کے کیمپ کی بھی کیفیت جذباتی تھی۔ وہ بھی اپنی فوج کے جذبات کو بھڑکا رہا تھا۔ اس نے سپاہیوں کے لیے یہ سہولت بھی پیدا کردی تھی کہ دو علماء سے یہ فتویٰ لے لیا تھا کہ میدان جنگ میں روزہ فرض نہیں۔ تمام فوج خوش تھی۔ سیف الدین نے کہا کہ ہم اس وقت حملہ کریں گے۔ جب صلاح الدین ایوبی کی فوج کا دم خم ٹوٹ چکا ہوا۔ پھر ہماری منزل دمشق ہوگی۔ دمشق میں بے انداز دولت ہے جو تمہاری ہوگی۔

☆

ادھر لشکروں اور فوجوں کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں چھ چھ، آٹھ آٹھ، دس دس چھاپہ ماروں کے حساب سے سکیمیں بن رہی تھیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج سے کوئی خطاب نہیں کیا، کوئی جوشیلی تقریر نہیں کی۔ اس کی نظر اس زمین پر تھی جس پر اسے لڑنا تھا۔ اس زمین کے خدوخال سے وہ زیادہ سے زیادہ جنگی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے جو بھی بات کی اپنے سینئر اور جونیئر کمانڈروں سے کی اور وہ بھی حقیقت کی بات کی۔ کبھی کبھی وہ اس وجہ سے جذباتی ہو جاتا تھا کہ اس کے مسلمان بھائی فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے ہیں اور مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ اس کا اس کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ صلح اور امن کے لیے ایلچی بھیج کر اپنی توہین کرا چکا تھا۔ اب وہ تصادم کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اس نے مصر سے آئی ہو کمک کو اپنی سکیم کے مطابق تقسیم کردیا تھا اور دشمن کے انتظار میں بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے مشیروں سے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا کہ دشمن شاید یہ چاہتا ہے کہ پہاڑیوں سے نکل کر اس پر حملہ کیا جائے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی چٹانوں سے نکلنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ دشمن کو پہل کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے چھاپہ ماروں سے دشمن کے کیمپوں میں تباہی مچا سکتا تھا۔ یہ اس کا خصوصی طریقہ جنگ تھا لیکن اس نے چھاپہ ماروں کو بھی استعمال نہ کیا۔ وہ دشمن کی چال اور حرکت دیکھ رہا تھا۔

دمشق میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے اپنا ایک اور محاذ کھول رکھا تھا۔ جب سے سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق سے نکلا تھا۔ اس عظیم عورت نے لڑکیوں کی ایک رضا کار فوج تیار کرنی شروع کردی تھی۔ لڑکیوں کو زخمیوں کو میدان جنگ سے اٹھانے، خون روکنے اور ابتدائی مرہم پٹی کی تربیت دی جاتی تھی لیکن زنگی کی بیوہ انہیں تیغ زنی، تیزہ بازی اور تیر اندازی کی تربیت بھی دے رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے چند ایک تجربہ کار مرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی محاذ پر عورت کی موجودگی کو پسند نہیں کرتا، اور یہ تو سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ لڑکیوں کو فوج میں شامل کرے گا۔ اس کے باوجود زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رہی تھی۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کی

ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو مرہم پٹی وغیرہ کی تربیت کے لیے بھیجا کرے۔ لوگ اپنی بیٹیوں کو تربیت کے لیے بھیج کر فخر محسوس کرتے تھے۔ دس بارہ سال کی عمر کے بچے اپنے طور پر لکڑی کی تلواریں بنا کر تیغ زنی کرتے رہتے تھے۔

زنگی کی بیوہ کی فوج میں چار لڑکیوں کا اضافہ ہوا۔ ان میں ایک تو فاطمہ تھی جسے سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک چھاپہ مار جاسوس حرن سے بلکہ گمشتگین کے حرم سے نکال لایا تھا۔ دوسری موصل کے خطیب ابن المخدوم کی بیٹی منصورہ تھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ اسے اپنے باپ کے ساتھ کس طرح موصل سے نکالا گیا تھا۔ باقی دو وہ لڑکیاں تھیں جنہیں حلب سے گمشتگین کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ انہیں سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت نے حرن کے قاضی کو قتل کر کے وہاں سے نکالا تھا۔ یہ حمیرہ اور سحر تھیں۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس محاذ پر پہنچی تھیں جہاں سے انہیں دمشق بھیج دیا گیا تھا۔ ایسی بے ٹھکانہ لڑکیوں کو نورالدین زنگی کی بیوی کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ یہ چاروں اس کے پاس پہنچیں تو انہوں نے وہاں لڑکیوں کو تربیت حاصل کرتے دیکھا۔ یہی ان کی خواہش تھی جو فوری طور پر پوری ہو گئی۔

انہوں نے زنگی کی بیوہ کو اپنی اپنی آپ بیتی سنائی۔ وہ انہیں ان لڑکیوں کے سامنے لے گئی اور انہیں کہا کہ وہ تمام لڑکیوں کو تفصیل سے سنائیں کہ دشمن کے قبضے میں ان پر کیا گزری ہے۔ چاروں نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ خطیب کی بیٹی منصورہ ذہنی طور پر زیادہ مستعد اور ہوشیار تھی۔ اس نے لڑکیوں سے کہا۔ ”عورت قوم کی آبرو ہوتی ہے۔ دشمن جب کسی شہر پر قبضہ کرتا ہے تو اس کی فوج سب سے پہلے عورتوں پر ہلہ بولتی ہے۔ تم نے ان دو لڑکیوں (حمیرہ اور سحر) سے سن لیا ہے کہ جو علاقے صلیبیوں کے قبضے میں ہیں وہاں صلیبی مسلمانوں کے ساتھ کتنا ہولناک سلوک کر رہے ہیں۔ وہاں کسی مسلمان لڑکی کی عزت محفوظ نہیں۔ خدانخواستہ دمشق بھی ان کے قبضے میں آ گیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہو گا۔ اگر ہم نے خون کی قربانی دینے سے گریز کیا تو صلیبی ہمارے آقا بن کر رہیں گے۔ انہوں نے ہمارے بہت سے امراء کو خرید لیا ہے۔ اب صلیبی بھی تمہارے دشمن اور مسلمان امراء بھی تمہارے دشمن ہیں۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتی ہو تو انتقام کے جذبے کو زندہ و پائندہ رکھو۔ میرے محترم والد کہا کرتے ہیں کہ جو قوم ان معصوموں کو فراموش کر دیتی ہے جو کفار کی بربریت کا شکار ہوئے تھے وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی......

”میری بہنو! میں محترم سلطان صلاح الدین ایوبی کی مرید ہوں۔ ان کے نام پر سولی چڑھنے کو تیار ہوں لیکن مجھے ان کا یہ اصول پسند نہیں کہ عورت محاذ پر نہ جائے۔ انہوں نے جو سوچا ہے ٹھیک ہی سوچا ہے لیکن عورت کو کمزور سمجھا جا رہا ہے۔ نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو حرموں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ ہمیں مرد کی تفریح کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح قوم کی آدھی قوت بیکار ہو کر رہ گئی ہے۔ دشمن لشکر لے کر آتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہماری فوج آدھی بھی نہیں ہوتی۔ ہم مردوں کے دوش بدوش لڑیں گی اور فوج کی کمی پوری کریں گی۔ میں موصل میں جاسوسوں کے گروہ میں رہی ہوں۔ میں اس محاذ پر لڑ کر آئی ہوں۔ یہ میرے والد کی غلطی تھی کہ انہوں نے جذبات میں آ کر والی موصل پر اپنے اصل خیالات کا اظہار کر دیا۔ اگر وہ نہ پکڑے جاتے تو وہاں ارادے کچھ اور تھے۔ ہم وہاں تباہ کاری نہ کر سکے اور ہمیں وہاں سے نکلنا پڑا۔“

ان چاروں لڑکیوں کی آپ بیتی اور منصورہ کی باتوں نے لڑکیوں کے جذبے کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ ان میں سے چار سو لڑکیاں تربیت حاصل کر کے تیار ہو چکی تھیں۔ انہیں محاذ کے لیے روانہ کیا جانے لگا۔ چاروں لڑکیوں نے چند دنوں میں کچھ تربیت حاصل کر لی تھی۔ انہیں روک لیا گیا لیکن ان میں انتقام کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ اسی جیش کے ساتھ محاذ پر جانے کی ضد کرنے لگیں۔ فاطمہ، حمیرہ اور سحر کی ضد اتنی سخت تھی کہ تینوں رو پڑیں۔ ان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

زنگی کی بیوہ نے انہیں بھی چار سو کے اس جیش میں شامل کر لیا۔ ان کے ساتھ ایک سو مردوں کو بھیجا گیا۔ یہ رضا کار تھے۔ انہوں نے لڑنے کی تربیت حاصل کر لی تھی۔ ان کا کمانڈر حجاج ابو وقاص تھا۔

نور الدین زنگی کی بیوہ نے حجاج وقاص کو ایک تحریری پیغام دے کر کہا۔ ''یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو دے دینا۔ میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تم انہیں یہ بتانا کہ یہ لڑکیاں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ تم ایک بار پھر سن لو۔ ان لڑکیوں اور رضا کار محافظوں کو اپنے ساتھ رکھنا۔ انہیں شب کو شب خون مارنے کی تربیت دی گئی ہے اور لڑکیاں بھی لڑ سکتی ہیں۔ زخمیوں کو سنبھالنے کے بہانے تم سب لڑو گے۔ فوج کے سامنے رکاوٹ نہ بن جانا۔ جہاں موقع ملے دشمن کو کمزور کرو۔ میں نے لڑکیوں کو بتا دیا ہے کہ دشمن کے ہاتھ زندہ نہ آئیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہوا تو وہ اپنی تلوار سے اپنے آپ کو ختم کر دیں گی۔''

چار سو لڑکیوں اور ایک سو رضا کار مردوں کا یہ دستہ گھوڑوں پر سوار دمشق سے روانہ ہوا تو سارا شہر اُمڈ کر باہر آ گیا۔ لوگوں نے جانے والوں پر پھول برسائے۔ اس قسم کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ ''واپس نہ آنا۔ آگے جانا..... صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ دمشق کی تمام عورتیں آئی گی..... اللہ تمہیں فتح دے گا..... اسلام کا کوئی دشمن زندہ نہ رہے''..... شہر کے بہت سے آدمی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار دور تک اس جیش کے ساتھ گئے۔

☆

رمضان کا مہینہ تھا۔ راستے میں ایک رات پڑاؤ کرنا تھا۔ افطاری کے وقت سے کچھ دیر پہلے یہ قافلہ ایک جگہ رک گیا۔ لڑکیاں کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں اور مرد خیمے نصب کرنے لگے۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ راتیں سرد ہو جاتی تھیں۔ گھوڑوں کے اس قافلے کے ساتھ اونٹ بھی تھے جن پر خیمے لدے ہوئے تھے لیکن خیموں میں برچھیاں، تلواریں اور تیر و کمان لپٹے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے بارہ گھوڑ سوار آ گئے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار تھے، جو دمشق سے محاذ پر جانے والے راستے کی حفاظت میں گھوم پھر کر کر رہے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں اور رضا کاروں کے قافلے کو دیکھ لیا تھا۔

ان آٹھ سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر میر کارواں حجاج ابو وقاص آگے بڑھا۔ چھاپہ ماروں کا کمانڈر انطانون تھا۔ اس نے ابو وقاص سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ ابو وقاص نے اسے مکمل جواب دیا اور اسے مطمئن کر دیا۔ چھاپہ ماروں کو دیکھ کر بہت سی لڑکیاں دوڑی گئیں اور ان کے لوگوں جمع ہو گئیں۔ سب کا یہی ایک سوال تھا کہ محاذ کی کیا خبر ہے۔ انطانون نے انہیں بتایا کہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی، اور کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کس وقت شروع ہو جائے۔

انطانون بولتے بولتے چپ ہو گیا اور اس کی نظریں لڑکی پر جم گئیں۔ اس نے حیران سا ہو کر پوچھا..... ''فاطمہ! تم کیسے آ گئی ہو؟''

فاطمہ بے تابی سے آگے بڑھی اور انطانون کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انطانون نے فاطمہ کو گمشتگین کے حرم سے نکالا تھا۔ ابو وقاص نے انطانون سے کہا کہ وہ افطار ان کے ساتھ کریں اور کھانا بھی انہی کے ساتھ کھائیں۔ سب بکھر گئے ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ انطانون اور فاطمہ نے اتنا سا موقع پیدا کر لیا کہ انطانون نے اسے رات کو ملنے کی ایک جگہ بتا دی۔ دمشق سے دور اس ویرانے میں اذان کی صدائے مقدس گونجی۔ سب نے روزہ افطار کیا۔ نماز پڑھی اور کھانا کھایا۔ سب دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ جنہیں سونا تھا وہ سو گئے۔ لڑکیوں نے ٹولیوں میں بٹ کر گیت گانے شروع کر دیے۔

چھاپہ ماروں نے ان سے کچھ دور اپنا ڈیرہ جمالیا۔ انطانون اپنی پارٹی کو یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ ادھر ادھر دیکھ بھال کرنے جا رہا ہے۔
فاطمہ چپکے سے لڑکیوں میں سے غائب ہوگئی۔ وہ خیمہ گاہ سے دور ایک جگہ کھڑی انطانون کا انتظار کر رہی تھی۔
انطانون بھی آ گیا۔ فاطمہ کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات حرن میں ہوئی تھی۔ اس وقت انطانون سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔ اس نے اس لڑکی کو صرف اس لیے پھانسا تھا کہ وہ حرن کے حکمران اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن گمشتگین کے حرم کی لڑکی تھی۔ اس وہ اپنی جاسوسی کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ فاطمہ نے ایک صلیبی مشیر کو قتل کر دیا اور انطانون گرفتار ہو کر فرار ہوا اور فاطمہ کو ساتھ لے آیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے فاطمہ کو دمشق بھیج دیا اور انطانون اپنی درخواست پر چھاپہ مار دستے میں شامل ہوگیا۔ اب اتنے دنوں بعد فاطمہ اسے اچانک مل گئی تو انطانون نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ اس لڑکی کے بغیر اس کی زندگی روکھی پھیکی ہوگئی ہے اور یہ لڑکی اس کے دل میں اتر گئی ہے۔ یہ تعلق صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ لڑکی کو جاسوسی کے لیے استعمال کرنا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت فاطمہ کی تھی۔
ان کی ملاقات جذباتی تھی۔ وہ اپنے اپنے قابو میں نہیں رہے تھے لیکن انطانون نے اس کی بازوؤں سے نکل کر کہا۔۔۔۔ ''فاطمہ! ہمارا فرض ابھی پورا نہیں ہوا۔ میں حرن میں بھی اپنا فرض پورا نہیں کر سکا تھا۔ تمہیں وہاں سے نکال لانا کوئی کارنامہ نہیں تھا اور یہ میرے فرائض میں شامل بھی نہیں تھا۔ میں سلطان کے آگے شرمسار ہوں اور میں اپنی قوم کے آگے بھی شرمسار ہوں۔ میں چھاپہ مار دستے میں اسے لیے شامل ہوا ہوں کہ فرض پورا نہ کر سکنے کے گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں۔ سلطان محترم نے مجھ پر ذمہ دار عائد کر دی ہے کہ ان سات چھاپہ ماروں کی کمان اور قیادت مجھے دے دی ہے۔ اب ایک بار پھر میرے راستے میں نہ آ جانا۔ مجھے تم سے محبت ہے لیکن مجھے پہلے فرض ادا کرنے دو۔''
''میں بھی فرض ادا کرنے آئی ہوں۔'' فاطمہ نے کہا۔ ''میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی ہوں۔''
''ناممکن ہے۔'' انطانون نے کہا۔ ''محترم سلطان عورت کو محاذ سے بہت دور رکھتا ہے۔ وہ شاید تم سب کو واپس بھیج دے گا۔''
''میں واپس نہیں جاؤں گی۔'' فاطمہ نے غصے سے کہا۔ ''میں ثابت کر دوں گی کہ عورت حرم کے لیے نہیں جہاد کے لیے پیدا کی گئی ہے۔۔۔۔ انطانون، میری یہ خواہش پوری کرو کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مجھے مردانہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ رکھو۔''
''ایسا ہو نہیں سکتا۔'' انطانون کے کہا۔ ''اگر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ بھی لوں تو میری توجہ تم پر لگی رہے گی۔ میں کام نہیں کر سکوں گا، اور اگر میں پکڑا گیا تو مجھے اس جرم میں قید خانے میں ڈال دیں گے کہ میں نے ایک لڑکی اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ میری اور تمہاری نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو یہ جرم معمولی نہیں۔۔۔۔ فاطمہ! جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ تم جدھر جا رہی ہو جاؤ۔ ہوسکتا ہے سلطان تم سب کو زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے اپنے ساتھ رکھ لے۔''
''تم پھر مل سکو گے!'' فاطمہ نے پوچھا۔
''شاید کہیں زندہ یا مردہ مل جاؤں۔'' انطانون نے جواب دیا۔ ''چھاپہ مار اپنے متعلق بتا نہیں سکتا کہ وہ کس وقت کہاں ہوگا اور اس کی لاش کہاں سے ملے گی۔ چھاپہ ماروں کی لاشیں ملا نہیں کرتیں۔ وہ دشمن کی جمعیت میں جا کر مرا کرتے ہیں۔ زندہ رہا تو سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔''
''ہوسکتا ہے تم زخمی ہو جاؤ تو میں ہی تمہاری مرہم پٹی کروں۔'' فاطمہ نے کہا۔
''چھاپہ ماروں کی مرہم پٹی دشمن کیا کرتا ہے۔'' انطانون نے جواب دیا۔ ''فاطمہ جذبات میں نہ آؤ۔''

جذبات کو بھی اور ایک دوسرے کو بھی قربان کرنا پڑے گا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ تم جیسی لڑکیاں حرموں میں نہ جائیں اور وہ صلیبیوں کے وحشی پن سے بچی رہیں تو میرا خیال دل سے نکال دو۔ میدان جنگ میں تمہیں جو فرض سونپا جائے صرف اسے دل میں رکھنا۔ تم گمشتگین کو قتل نہیں کر سکو گی۔ یہ ارادہ بھی دل سے نکال دو۔"

وہ بوجھل دل سے جدا ہوئے۔ فاطمہ پر انطانون کی کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ اس کے دل سے گمشتگین کے قتل کا ارادہ بھی نہ نکلا۔ اور انطانون کی محبت بھی نہ نکلی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کی سرگرمیاں دو ہی تھیں۔ میدان جنگ کا نقشہ دیکھتا اور اس کی لکیروں میں کھویا رہتا یا گھوڑے پر سوار اپنی فوج کی مورچہ بندیاں دیکھتا رہتا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے یا موزوں وقت تک کے لیے دفاعی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ اصل جنگ قرون کے اندر لڑنا چاہتا تھا جس کی اس نے سکیم بنا رکھی تھی لیکن ایک پہلو اسے پریشان کر رہا تھا۔ بائیں پہلو پر تو چٹانیں اور ان کے پیچھے پہاڑیاں تھیں لیکن دائیں پہلو پر چٹانیں زیادہ نہیں تھیں۔ ان کے پیچھے کچھ میدان تھا۔ دشمن اس طرف پیش قدمی کر کے یا ہلہ بول کر آگے نکل سکتا تھا۔ اس سے سلطان ایوبی کا سارا پلان تباہ ہونے کا خطرہ تھا۔ اس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ اس میدان میں سواروں اور پیادوں کی دیوار کھڑی کر سکتا۔ قریبی چٹان پر اس نے تیر انداز بٹھا دیے تھے لیکن یہ انتظام کافی نہیں تھا۔ میدان کے لیے اس نے دو دستے سوار اور پیادہ تیار کر لیے تھے لیکن انہیں ابھی چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو یہ میدان پریشان کر رہا تھا۔ ان دستوں کے علاوہ اس نے ایک منتخب دستہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

وہ ایک چٹان پر کھڑا ادھر دیکھ رہا تھا کہ دور افق سے اسے گرد اٹھتی نظر آئی۔ ایسی گرد فوجی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ وہ کوئی سوار فوج آرہی تھی۔ گرد کے پھیلاؤ سے پتا چلتا تھا کہ گھوڑے ایک صف میں نہیں چار چار یا چھ چھ کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے آرہے ہیں۔ دشمن کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا۔ "کیا اس راستے پر اپنا ایک بھی آدمی نہیں تھا؟ تیاری کا حکم دو۔"

تیاری کے نقارے بج اٹھے۔ فوج کو جس طرح دفاع کے لیے تیاری کی مشق کرائی گئی تھی وہ اسی طرح تیار ہوگئی۔ ذرا سی دیر بعد گھوڑے نظر آنے لگے۔ ان کی چال دشمن والی یا حملے والی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ دو چار سوار دوڑاؤ، دیکھو یہ کون لوگ ہیں...... سوار دوڑا دیے گئے اور جب وہ واپس آئے تو دور سے چلانے لگے۔ "دمشق سے رضا کار آئے ہیں۔ ساتھ عورتوں کی فوج ہے۔"

"عورتوں کی فوج؟" سلطان ایوبی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "عورتوں کی فوج؟" اس نے ذرا توقف سے سکون کی آہ لے کر کہا۔ "یہ فوج میری بیوہ بہن نے تیار کر کے بھیجی ہوگی۔ زنگی مرحوم کی بیوہ ہی یہ کام کر سکتی ہے"...... سلطان ایوبی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ وہ اتنا کبھی نہیں ہنسا تھا۔ ہنستے ہنستے وہ سنجیدہ ہوگیا۔ اور اپنے پاس کھڑے سالاروں سے کہنے لگا۔ "میری قوم کی بچیاں تمہیں فتح یاب کر کے دم لیں گی۔ ہم کیوں نہ مر مٹیں ان بچیوں کی آبرو پر...... لیکن میں انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اگر ایک بھی لڑکی دشمن کے ہاتھ چڑھ گئی تو میں۔

وہ چٹان سے اتر کر آگے چلا گیا۔ لڑکیوں اور رضا کاروں کی فوج قریب آگئی۔ اس کا کمانڈر ابو وقاص گھوڑے سے اتر کر سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ سلام کے بعد نور الدین زنگی کی بیوہ کا تحریری پیغام دیا۔ اس نے لکھا تھا...... "میرے

بھائی! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میرا شوہر زندہ ہوتا تو تم اتنے سارے دشمنوں کے سامنے اکیلے نہ ہوتے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ جو مجھ سے ہوسکتا تھا وہ پیش کررہی ہوں۔ ان لڑکیوں کو میں نے زخمیوں کو سنبھالنے اور زخموں کی مرہم پٹی کی تربیت دلائی ہے۔ دوائیوں کا ذخیرہ بھی بھیج رہی ہوں۔ ایک سو رضا کار بھی ساتھ ہیں...... بوڑھے فوجیوں نے انہیں جنگی تربیت دی ہے۔ تقریباً تمام کو شبخون مارنے کی مشق بھی کرائی ہے۔ یہ سب جوش اور جذبے والے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ ان لڑکیوں کو تم محاذ پر رکھنا پسند نہیں کرو گے۔ میں تمہارے خیالات سے آگاہ ہوں، لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم نے انہیں واپس بھیج دیا تو دمشق والوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نہیں جانتے کہ اس شہر میں لوگوں میں کیا جذبہ ہے۔ مرد تو محاذ پر جانے کو تیار ہیں، عورتیں بھی تمہاری قیادت میں لڑنے کو بیتاب ہیں۔ اس جیش کو سارے شہر نے عقیدت اور ولولے سے رخصت کیا ہے۔ یہاں تو بچے بھی فوجی تربیت حاصل کررہے ہیں۔ تمہیں فوج کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔''

پیغام پڑھ کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ تھیں تو لڑکیاں لیکن گھوڑوں پر وہ سپاہی لگتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو گھوڑوں سے اتار کر اپنے سامنے کھڑا کرلیا۔ اس نے کہا۔ ''میں تم سب کو میدان جنگ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تمہارے جذبے کا صلہ میں نہیں دے سکتا، خدا دے گا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لڑکیوں کو محاذ پر بلاؤں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ تاریخ کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی بیٹیوں کو لڑایا تھا۔ میں تمہارے جذبات کو مجروح بھی نہیں کرسکتا۔ تمہیں اپنے پاس رکھنے سے پہلے میں تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں کہ سوچ لو۔ تم میں اپنے کوئی ایک لڑکی ہے جو اپنی مرضی سے نہیں آئی تو وہ الگ ہوجائے، اور وہ لڑکیاں بھی الگ ہوجائیں جن کے دل میں ذرا بھی شک اور خوف ہے۔''

کوئی ایک بھی لڑکی الگ نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''میں تمہیں پیچھے محفوظ جگہ رکھوں گا۔ جنگ کے دوران تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا۔ پھر بھی یہ علاقہ ایسا ہے کہ تم دشمن کی زد میں آسکتی ہو۔ ہوسکتا ہے تم میں سے کئی تیروں سے ماری جائیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دشمن کے ہاتھ چڑھ جائے۔ یہ بھی سن لو کہ برچھی اور تلوار کا زخم بہت گہرا اور بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے۔''

ایک لڑکی کی آواز بلند ہوئی۔ ''آپ تاریخ سے ڈرتے ہیں اور ہم بھی تاریخ سے ڈرتی ہیں۔ ہم واپس چلی گئیں تو تاریخ کہے گی کہ قوم کی بیٹیوں نے صلاح الدین ایوبی کو تنہا چھوڑ دیا اور گھروں میں بیٹھی رہی تھیں۔''

ایک اور لڑکی نے کہا۔ ''خدا صلاح الدین کی تلوار میں اور زیادہ قوت دے۔ ہم حرموں کے لیے پیدا نہیں ہوئیں۔''

تیسری لڑکی نے کہا۔ ''تین چاند پہلے میرا بیاہ ہوا تھا۔ اگر آپ نے مجھے واپس بھیج دیا تو میں اپنے خاوند کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گی۔''

''تمہارا خاوند خود کیوں نہیں آیا؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔ ''اس نے اپنی دلہن کو کیوں بھیج دیا ہے۔''

''وہ آپ کی فوج میں ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

پھر تمام لڑکیوں نے چلانا شروع کردیا۔ اس کے سوا کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے جوش اور جذبے کا مظاہرہ کررہی ہیں۔ یہ شور ذرا تھما تو کسی لڑکی کی آواز سنائی دی...... ''محترم سلطان! ہمیں لڑنے کا موقع دیں ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔''

''یہ بھول جاؤ کہ میں تمہیں لڑائی میں شریک ہونے دوں گا۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔ ''تمہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کردوں گا۔''

اس نے اسی روز لڑکیوں کو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کردیا۔ ہر ٹولی کے ساتھ ایک ایک رضا کار لگا دیا گیا۔ رضا

کاروں کے متعلق کہا گیا تھا کہ انہیں جنگی ٹریننگ دی گئی ہے لیکن سلطان ایوبی نے انہیں زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیا کیونکہ وہ باقاعدہ فوج کے سپاہی نہیں تھے۔ انہیں فوج کے ساتھ مل کر لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ لڑکیوں اور رضا کاروں کی خیمہ گاہ قرون سے دور بنائی گئی۔ انہیں سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا جو زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتے تھے۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں اور رضا کاروں کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔

☆

فاطمہ، منصورہ، حمیرا اور سحر ایک ٹولی میں آ گئیں۔ ان کا ایک ٹولی میں اکٹھا ہو جانا قدرتی امر تھا کیونکہ وہ اکٹھی دمشق پہنچیں اور ان کے دلوں میں ایک ہی جیسی خواہش اور ولولہ تھا۔ ان کے ساتھ آذر بن عباس نام کا ایک رضا کار تھا۔ اس کا چھوٹا سا خیمہ الگ تھا اور اس کے قریب ہی چاروں لڑکیوں کے لیے بڑا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ ان لڑکیوں میں خطیب کی بیٹی منصورہ، جسمانی اور دماغی لحاظ سے تیز اور ہوشیار تھی۔ شام سے کچھ دیر پہلے اس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی رضا کار آذر ایک چٹان پر چڑھتا جا رہا ہے۔ وہ اوپر چلا گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ منصورہ بھی اوپر چلی گئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وادیوں میں اور ڈھلانوں پر سپاہی نظر آ رہے تھے۔ آذر نے منصورہ سے کہا۔ ''آؤ آگے چلیں۔'' وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ آذر قدرتی مناظر اور پہاڑی علاقے کی تعریفیں کرتا رہا۔

آذر خوبرو جوان تھا۔ اس کی باتوں میں زندہ دلی اور چاشنی تھی۔ اس نے منصورہ کے ساتھ بڑی شگفتہ سی باتیں شروع کر دیں۔ منصورہ نے بھی اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے واپس آئے۔ اتنے سے وقت میں آذر منصورہ کے دل میں اتر چکا تھا۔ افطاری کے بعد لڑکیاں اپنے خیمے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ فوج کے کسی کمانڈر نے خیمے میں جھانک کر دیکھا اور لڑکیوں سے پوچھا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں؟ لڑکیوں نے آرام اور اطمینان کا اظہار کیا تو کمانڈر خیمے سے ہٹ گیا۔ باہر آذر کھڑا تھا۔ اس نے کمانڈر کو باتوں میں لگا لیا۔ وہ بہت دیر باہر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ منصورہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ آذر نے کمانڈر سے پوچھا کہ اتنی تھوڑی فوج سے وہ تین فوجوں کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔

''دشمن کے لیے پھندا تیار ہے۔'' کمانڈر نے کہا۔ ''جنگ اس میدان میں نہیں ہوگی جہاں دشمن ہوگا ہے۔ ہم اسے اس جگہ گھسیٹ لائیں گے جہاں ہم نے وسیع پیمانے پر گھات تیار رکھی ہوئی ہے۔'' اس کمانڈر نے آذر کی جذباتی اور جوشیلی باتوں سے متاثر ہو کر تفصیل سے بتا دیا کہ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو کس طرح تقسیم کیا ہے اور وہ کیا کرے گا۔ مصر کی کمک کے متعلق بھی تفصیل بتا دی۔

اسی رات کا واقعہ ہے۔ آدھی رات کے لگ بھگ منصورہ کی آنکھ کھل گئی۔ اسے آذر بن عباس کے خیمے سے باتیں سنائی دیں۔ وہ سمجھی کہ آذر کا کوئی دوست ہوگا لیکن اسے یہ الفاظ سنائی دیے۔ ''تم ابھی نکل جاؤ۔ کچھ باتیں تم نے خود معلوم کر لی ہیں۔ باقی میں نے بتا دی ہیں۔ میرے لیے یہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ اب راستہ سمجھ لو۔'' اس آدمی نے آذر کو بتایا کہ وہ کس طرف سے نکلے۔ اسے سارا راستہ سمجھا کر کہا۔ ''تم پیدل جا رہے ہو۔ پیدل ہی جانا چاہیے۔ صبح سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کل ہی اندھا دھند حملہ کریں۔ پھندا تیار ہے اور مضبوط ہے۔ قرون کے اندر نہ آئیں۔ خدا حافظ!''

منصورہ کو اس آدمی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چلا گیا تھا۔ منصورہ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ آذر اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف چل پڑا۔ منصورہ نے اپنے خیمے کی کسی لڑکی کو جگائے بغیر اپنے

سامان سے خنجر نکالا اور باہر نکل گئی۔

☆

آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے جن کی وجہ سے چاندنی بہت ہی دھندلی تھی۔ منصورہ کو آذر سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ کچھ فاصلہ رکھ کر اور اوٹ میں ہو ہو کر اس نے آذر کا تعاقب کیا۔ آذر ایک چٹان کے دامن میں ہو گیا۔ اور چلتا گیا۔ منصورہ بھی اسی راستے پر ہو گئی۔ راستے میں کوئی سنتری یا کوئی اور فوجی ادھر ادھر آتا جاتا نظر نہ آیا۔ اس لیے منصورہ سمجھ گئی کہ لڑکیوں اور رضا کاروں کے خیمے اگلے مورچوں سے بہت پیچھے لگائے گئے ہیں اور اس سے پیچھے کوئی فوج نہیں۔ منصورہ کو معلوم نہیں تھا۔ وہاں کئی جگہوں پر فوج موجود تھی لیکن جو آدمی آذر کے پاس آیا تھا وہ اسے ایسا راستہ بتا گیا تھا جو اسے فوج کی نظر سے بچا سکتا تھا۔ وہ ایک کٹی ہوئی چٹان کے اندر چلا گیا۔ منصورہ رکی۔ ذرا دیر بعد وہ بھی چٹان کے کٹاؤ میں داخل ہو گئی۔

آگے وادی تھی جس میں درخت بھی تھے۔ آذر کسی درخت کے پیچھے رک جاتا، ادھر ادھر دیکھتا اور چل پڑتا۔ منصورہ کے بھی چلنے، رکنے اور چھپنے کا انداز یہی تھا۔ کچھ دور اونچی پہاڑی کا دامن آ گیا۔ منصورہ بھی اس میں داخل ہوئی تو یخ ہوا کے تیز و تند جھونکے نے اس کے پاؤں اکھاڑ دیے اور اس کا جسم سن ہونے لگا۔ آذر نے کسی شک کی بنا پر پیچھے دیکھا اور رک گیا۔ منصورہ بڑے سے ایک پتھر کے پیچھے بیٹھ گئی۔ آذر آگے کو چل پڑا۔ منصورہ اٹھی اور جس طرف پہاڑی کا سایہ تھا طرف ہو گئی۔

درے سے باہر نکلے تو کھلا میدان تھا۔ آذر تیز چل پڑا۔ منصورہ نے بھی رفتار تیز کر دی وہ عورت تھی، بہت سا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ ٹھنڈ بھی تھی اور نیچے پتھر تھے۔ وہ تھک گئی یہ تو اس کا جذبہ تھا جو اسے تعاقب میں چلائے جا رہا تھا۔ اب وہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس تعاقب میں انجام کیا ہوگا۔ اگر آذر دوڑ پڑا تو وہ اس تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ جس شک پر اس کے تعاقب میں گئی تھی وہ یقین میں بدل چکا تھا۔ آذر دشمن کی طرف جا رہا تھا۔ منصورہ نے تعاقب کا یہ پہلو تو سوچا ہی نہیں تھا کہ اسے پکڑے یا پکڑوائے گی کیسے۔ اب تو وہ بہت تیز چل پڑا تھا۔ اگر اسے پکڑنا ہی تھا تو یہ دوبدو مقابلہ تھا۔ منصورہ کے پاس خنجر تھا۔ اس نے خنجر زنی کی تربیت موصل میں اپنے باپ سے لی تھی لیکن وہ صرف تربیت تھی۔ دشمن سے کبھی مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ یہ دشمن تنومند مرد تھا۔ کیا منصورہ اسے زیر کر کے پکڑ سکے گی؟

وہ سوچتی گئی اور تیز چلتی گئی۔ آذر اچانک رک گیا اور اس نے پیچھے دیکھا۔ منصورہ کے قریب ایک درخت تھا وہ پھرتی سے درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ درخت کیساتھ جگہ ذرا بلند تھی اور وہاں پتھر تھے۔ منصورہ کا پاؤں پتھروں پر پھسلا اور وہ گر پڑی۔ رات کے سکوت میں پتھروں کی آواز بہت اونچی سنائی دی۔ آذر پیچھے کو آیا۔ منصورہ نے اسے آتے دیکھ لیا۔ وہ اٹھی نہیں، درخت کے پیچھے بیٹھ گئی اور آذر کو دیکھتی رہی۔ اس نے خنجر نکال لیا۔ آذر درخت کے بالکل قریب آ گیا تو منصورہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ آذر درخت سے ذرا آگے ہوا تو منصورہ نے اس کے پاؤں پر جھپٹا مارا اور اس کے دونوں ٹخنے پکڑ لیے۔ وہ اب پیٹ کے بل تھی۔ اس نے پوری طاقت سے آذر کے ٹخنے پیچھے کو کھینچے۔ وہ منہ کے بل گرا۔ دوسرے لمحے منصورہ اس کی پیٹ پر گھٹنے رکھ چکی تھی اور اس کے خنجر کی نوک آذر کی گردن پر تھی۔ یہ عمل دو تین سیکنڈ میں مکمل ہو گیا۔

ایک لڑکی ایک ہٹے کٹے جوان کو اپنے گھٹنوں اور جسم کے تمام تر وزن سے بے بس نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن گردن پر خنجر کی نوک نے آذر کو حرکت نہ کرنے دی۔ اس کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے جا پڑی تھی۔

''کون ہو تم؟'' آذر نے پیٹ کے بل بے بس پڑے ہوئے پوچھا۔

''جس کے ہاتھ سے تم بچ کر نہیں سکو گے۔'' منصورہ نے جواب دیا۔

''تم عورت ہو؟''

''ہاں!'' منصورہ نے جواب دیا۔ ''میں عورت ہوں جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرا نام منصورہ ہے۔''

''اوہ، پاگل لڑکی!'' آذر نے ہنس کر کہا۔ ''تم نے کیا مذاق کیا ہے؟ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ہٹو، اترو، اپنا خنجر ہٹالو، میری کھال میں اتر رہا ہے۔''

''یہ مذاق نہیں آذر...... تم کہاں جارہے ہو؟''

''خدا کی قسم میں کسی اور لڑکی کے پیچھے تو نہیں جارہا۔'' آذر نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ ''تم سے زیادہ اچھی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ میں تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا۔''

''مجھے نہیں تم میری قوم کو دھوکہ دینے جارہے تھے۔ منصورہ نے کہا۔ تم مجھے سب سے زیادہ اچھی لڑکی سمجھتے تھے اور میں نے تمہیں سب سے زیادہ اچھا مرد سمجھا تھا مگر اب نہ میں تمہارے لیے اچھی ہوں نہ تم میرے لیے اچھے ہو۔ فرض نے جذبات پر مہر ثبت کردی ہے۔ تم اپنا فرض ادا کرنے چلے تھے، میں اپنا فرض ادا کررہی ہوں۔ اگر تم میرے خاوند ہوتے، میرے جسم اور روح کے مالک اور میرے بچوں کے باپ ہوتے تو بھی میرا خنجر تمہاری گردن پر ہوتا۔''

''تم نے مجھے کیا سمجھ کر گرالیا ہے؟'' آذر نے پوچھا۔

''نام کا مسلمان اور صلیبیوں کا جاسوس۔'' منصورہ نے کہا۔ ''تم صلیبیوں کے دوستوں کو بتانے جارہے ہو کہ احتیاط سے حملہ کرنا اور قردن لے اندر نہ آنا۔''

''تم گنوار لڑکی کیا جانو جاسوس کسے کہتے ہیں''...... آذر نے کہا۔ ''میں دشمن کو دیکھنے جارہا تھا۔''

''میں جانتی ہوں جاسوس کیسے ہوتے ہیں۔ منصورہ نے کہا۔ ''میں بہت بڑے جاسوس کی بیٹی ہوں۔ ابن الخدوم ککبوری کا نام کبھی سنا ہے؟ وہ موصل کے خطیب تھے۔ میں ان کے گروہ کی جاسوس ہوں۔ میں نے اپنے باپ کو موصل کے قید خانے کے تہہ خانے سے نکلوکر فرار کرایا اور خود ان کے ساتھ موصل سے فرار ہوکر آئی ہوں۔ تم اناڑی جاسوس ہو۔ تجربہ کار جاسوس دور جاکر باتیں کیا کرتے ہیں۔ کسی کے خیمے کے پاس کھڑے ہوکر راز کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تم رضا کار بن کرآئے تھے۔ یہاں کیا کررہے ہو؟''

''میرے اوپر سے اٹھو''...... آذر نے کہا۔ ''خنجر ہٹاؤ، میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''تمہاری زبان آزاد ہے''...... منصورہ نے کہا۔ ''کہو، ضروری بات کہو، میں سن رہی ہوں۔''

آذر خاموش ہو گیا۔ اس کا جسم بے حس ہوگیا۔ اس نے ماتھا زمین سے لگادیا۔ منصورہ کے سامنے اب یہ مسئلہ آگیا کہ اسے باندھے کیسے اور وہاں سے کس طرح لے جائے اگر اسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ اسے زندہ ایوبی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ چونکہ وہ خود جاسوسوں کے گروہ کے ساتھ رہ چکی تھی، اس لیے جانتی تھی کہ جاسوس کو زندہ پکڑا جاتا ہے۔ اسے یہ خیال آیا کہ اردگرد کہیں اپنے سپاہی ہوں گے۔ اس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔ ''کوئی ہے تو پہنچو۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ۔'' پھر اس نے کہا ''آہو۔ ہا آہو'' کی آوازیں بلند کیں۔

آذر جو بے حس ہوگیا تھا اچانک اتنی زور سے اچھلا کہ منصورہ جو اس کی پیٹ پر گھٹنے دبا کر بیٹھی ہوئی تھی لڑھک کر ایک طرف جا پڑی۔ آذر تلوار کی طرف لپکا۔ منصورہ نے بجلی کی تیزی سے اٹھ کر آذر کو پیچھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ آگے کو گرا۔ منصورہ نے تلوار اٹھالی۔ آذر دوڑ پڑا۔ اس کے لیے مقابلہ کرنے کی بجائے نکل بھاگنا زیادہ ضروری تھا۔

منصورہ شور مچاتی اس کے پیچھے دوڑی۔ اس کے پاؤں میں بلا کی تیزی آگئی تھی۔ دور کہیں گشتی سنتری گشت کر رہے تھے۔ انہیں منصورہ کا واویلا سنائی دیا تو دوڑے آئے۔ آگے ندی تھی۔ آذر کو رکنا پڑا۔ منصورہ پہنچ گئی۔ اور دونوں سنتری بھی پہنچ گئے۔ آذر نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ منصورہ چلائی۔ ''جانے نہ دینا جاسوس ہے۔ زندہ پکڑو۔''

سنتری بھی ندی میں کود گئے اور آذر کو پکڑا گیا۔ اسے باہر لائے لیکن ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی اور گڑبڑ ہے۔ ان کے پوچھنے پر منصورہ نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور محاذ پر کس طرح پہنچی ہے اور یہ آدمی رضا کار بن کے آیا ہے لیکن مشتبہ ہے۔ اسے سلطان صلاح الدین کے پاس لے چلو۔

''سنو میرے دوستو!'' آذر نے سنتریوں سے کہا۔ ''تمہیں یہاں کیا ملتا ہے؟ چند سکوں اور دو وقت کی روٹی کی خاطر مرنے آئے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ شہزادے بنادوں گا۔ اس جیسی لڑکیوں کے ساتھ شادی کراؤں گا۔ دولت سے مالا مال کردوں گا۔''

''ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں گے''۔۔۔۔ ایک سنتری نے کہا۔ ''پہلے تم ہمارے ساتھ چلو۔ تم بھی چلو لڑکی۔۔۔۔۔ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ یہ جاسوس ہے یا تم بھی جاسوس ہو یا دونو ادھر بدمعاشی کے لیے آئے تھے۔''

☆

سلطان ایوبی کے خیمے سے تھوڑی ہی دور حسن بن عبداللہ کا خیمہ تھا۔ سنتری، آذر اور منصورہ کو اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر انہیں حسن بن عبداللہ کے پاس لے گیا۔ اسے جگایا اور آذر کو اس کے حوالے کر دیا۔ منصورہ نے حسن بن عبداللہ کو تمام تر واردات سنائی۔ تعاقب کی تفصیل بھی سنائی۔ حسن بن عبداللہ نے منصورہ کو غور سے دیکھا کر پوچھا۔ ''تمہارا چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں۔ تم شاید موصل سے فرار ہو کر آئی تھیں۔ تمہارے ساتھ موصل کے خطیب ابن المخدوم بھی تھے؟''

''میں ان کی بیٹی ہوں۔'' منصورہ نے کہا۔

''تم نے میری حیرت ختم کر دی ہے۔'' حسن بن عبداللہ نے کہا۔ ''ہماری لڑکیاں تم سے زیادہ دلیر ہو سکتی ہیں لیکن یہ ذہانت کم ہی پائی جاتی ہے جس کا مظاہرہ تم نے کیا ہے۔''

''مجھے محترم والد نے تربیت دی ہے۔'' منصورہ نے کہا۔ ''میرے کانوں میں صرف دو جملے پڑے اور میں سمجھ گئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔''

آذر کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اس سے کاغذ برآمد ہوئے۔ ان پر نشان لگے ہوئے تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی پوزیشنیں ظاہر کرتے تھے۔ کاغذوں پر ٹیڑھی میڑھی لکیریں تھیں۔ یہ قرون حماۃ کا خاکہ تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ سلطان ایوبی کا مکمل دفاعی پلان دشمن کے پاس جا رہا تھا۔

''آذر بھائی!'' حسن بن عبداللہ نے آذر کو کاغذات دکھاتے ہوئے کہا۔ ''ان کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ گئی ہے تو بتادو، پھر میں تمہیں آزاد کردوں گا۔ اگر بے گناہ ہو تو بولو۔ مجھے یقین دلاؤ۔۔۔۔ تم مسلمان ہو؟''

''خدائے ذوالجلال کی قسم!''

حسن بن عبداللہ نے اس کے منہ پر سیدھا گھونسا اس قدر زور سے مارا کہ آذر کئی قدم پیچھے پیٹھ کے بل گرا۔ حسن نے دھیمی مگر قہر آلود آواز میں کہا۔ ''جاسوسی کافروں کی کرتے ہو اور قسم ہمارے خدا کی کھاتے ہو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ تم جاسوس ہو یا نہیں۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہاں تمہارے جتنے ساتھی ہیں ان کے نام بتادو اور بتاؤ کہ وہ کہاں کہاں ہیں

''میں مسلمان ہوں''...... آذر نے التجا کی۔''سب کچھ بتادوں گا۔ مجھے بخش دو۔ میں اگلی صف میں لڑوں گا''......

''پہلے میرے سوال کا جواب دو''...... حسن بن عبداللہ نے کہا۔''اب تم مجھ پر اپنی کوئی شرط نہیں ٹھونس سکتے''......

وہ ہٹ کا پکا معلوم ہوتا تھا۔ بولا ''میں اکیلا ہوں۔''

''اس لڑکی نے تمہارے خیمے میں جس دوسرے آدمی کی باتیں سنی تھیں وہ کون تھا؟''

''میں نے اسے پہچانا نہیں تھا''...... آذر نے جواب دیا۔''وہ اندھیرے میں آیا اور اندھیرے میں چلا گیا تھا''......

حسن بن عبداللہ نے اپنے دو آدمیوں کو بلایا اور کہا......''اسے لے جاؤ اور پوچھو کہ اس کے ساتھ کون ہیں اور کہاں ہیں''......اس نے منصورہ سے کہا۔''تم جا کر سو جاؤ۔ فجر کی نماز کے بعد تمہیں بلائیں گے۔''

☆

سلطان ایوبی جب فجر کی نماز پڑھ کر آیا تو حسن بن عبداللہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی نے رات ایک جاسوس پکڑا ہے۔ اس نے سارا واقعہ سنایا تو سلطان ایوبی نے کہا۔''اسلام کی بیٹیوں کا یہی کردار تھا۔ اگر ہم نے اپنے کلمہ گو دشمنوں کو خون سے لکھا ہوا سبق نہ پڑھایا تو وہ قوم کی بیٹیوں کا کردار ختم کر دیں گے...... وہ جاسوس کہاں ہے؟''

''ابھی آپ اسے نہ دیکھیں''...... حسن بن عبداللہ نے کہا۔''میں اس کا سینہ خالی کرلوں تو اسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ خوبرو جوان ہے۔ اپنے آپ کو دمشق کا باشندہ کہتا ہے۔ یہاں رضا کار بن کے آیا تھا۔''

اس وقت آذر ایک درخت کے ٹہن کے ساتھ الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس کا سر زمین پر گز ڈیڑھ گز اوپر تھا نیچے انگارے دہک رہے تھے۔ ایک سپاہی تھوڑی تھوڑی دیر بعد آگ میں کچھ پھینکتا تھا جس کے دھوئیں سے آذر تڑپتا اور کھانستا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے اسے نیچے اتروایا۔ اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ سارا خون چہرے پر آ گیا تھا۔ وہ کھڑا نہ رہ سکا۔ تھوڑی دیر غشی کی حالت میں زمین پر پڑا رہا۔ اس کے منہ میں پانی ٹپکایا گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو حسن بن عبداللہ نے کہا۔''یہ بسم اللہ ہے۔ نہیں بولو گے تو تمہارا ایک ایک جوڑ الگ کیا جائے گا۔''

اس نے پانی مانگا۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔''دودھ پلاؤں گا۔ میرے سوال کا جوب دو۔''اور اس نے ایک سپاہی سے کہا۔''دودھ لے آؤ، ایک گھوڑا اور ایک رسہ بھی لے آؤ۔ رسہ اس کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دو۔''

آذر نے دو نام بتا دیئے۔ یہ دونوں رضا کار تھے۔ ان میں رات والا آدمی بھی تھا۔ اس نے دمشق کے اڈے کی بھی نشان دہی کر دی۔ حسن بن عبداللہ نے اسی وقت دونوں رضا کاروں کو پکڑنے کا حکم دے دیا اور آذر کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''دمشق کا۔''

''کس کے بیٹے ہو؟''

آذر نے ایک جاگیردار کا نام بتایا۔

''میں شاید اسے جانتا ہوں۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''وہ دمشق میں ہے۔؟''

''جب الملک الصالح کی فوج دمشق سے بھاگی تھی تو وہ بھی حلب چلا گیا تھا۔''

''اور تمہیں جاسوسی کے لیے پیچھے چھوڑ گیا تھا''......سلطان ایوبی نے کہا۔

''میں خود ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔'' آذر نے کہا۔''میرے باپ نے ایک آدمی کے ہاتھ حلب سے پیغام بھیجا تھا کہ میں جاسوسی کروں۔ مجھے پوری ہدایات ملی تھیں۔''اس نے ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی سے التجا کی۔''میں مسلمان ہوں، مجھے باپ نے گمراہ کیا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ میں اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔''

''اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''میں اللہ کے قانون میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا مسلمان مرد ہے جس کے ہاتھ سے ایک عورت نے تلوار گرائی اور اسے پکڑ لیا ہے......تم نے یہاں کیا کیا دیکھا ہے؟''

''میں نے یہاں بہت کچھ دیکھ لیا تھا......'' آذر نے کہا۔''باقی معلومات میرے ان دو ساتھیوں نے دی تھیں جو یہاں پہلے سے موجود تھے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ دیکھوں کہ منجنیقیں اور تیر انداز کہاں ہیں۔ میں نے یہ دیکھ لیے تھے۔''

''تم سے پہلے تمہارا کوئی ساتھی یہ معلومات لے کر یہاں سے گیا ہے؟''......سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''نہیں''......آذر نے جواب دیا۔''ہم تینوں کے سوا یہاں اور کوئی نہیں''......

''تمہیں احساس ہے کہ تم کتنے خوبرو اور وجیہہ جوان ہو؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔''اور کیا تم جانتے ہو کہ ایک لڑکی نے تمہیں کس طرح گرا لیا تھا؟''

''اگر وہ پیچھے سے میرے دونوں ٹخنے نہ پکڑ لیتی تو میں نہ گرتا۔''

''تم پھر بھی گر پڑتے''......سلطان ایوبی نے کہا۔''جن کا ایمان فروخت ہو چکا ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے گرا کرتے ہیں اور وہ تمہاری طرح منہ کے بل گرا کرتے ہیں۔ تم حق والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہوتے تو دس کا فر مل کر بھی تمہیں نہ گرا سکتے۔ اصل قوت بازو اور تلوار کی نہیں ایمان کی ہوتی ہے۔''

''مجھے ایک موقع دیں۔'' آذر نے کہا۔

''اس کا فیصلہ دمشق کا قاضی کرے گا۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''میں تمہارے ساتھ یہ باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ تم مسلمان کے بیٹے ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر تم ادھر چلے گئے۔ میں جانتا ہوں دمشق کی دو چار لڑکیاں تمہاری محبت کا دم بھرتی ہوں گی۔ چہرے اور جسم کے لحاظ سے تم اس قابل ہو کہ لڑکیاں تمہیں پسند کریں لیکن اب وہ لڑکیاں تمہارے منہ پر تھوکیں گی۔ خدا نے بھی تم سے نظریں پھیر لی ہیں......میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ دمشق کے محترم قاضی تمہیں کیا سزا دیں گے۔ اگر وہ سزائے موت دیں تو جتنی دیر زندہ رہو اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا۔ کم از کم مرنے سے پہلے مسلمان ہو جانا۔''

''میرے باپ کو کون سزا دے گا؟''......آذر نے غصے سے کہا۔''اس گناہ کی ترغیب مجھے باپ نے دی تھی۔ اسی نے میرے دل میں دولت کا لالچ ڈالا تھا۔ اسی نے میرے دل سے ایمان نکالا تھا۔''

''اللہ کا قانون اسے نہیں بخشے گا۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔''دولت کا نشہ عارضی ہوتا ہے۔ ایمان کی قوت مر کر بھی ختم نہیں ہوتی۔''

''میری ایک عرض سن لیں۔'' آذر نے کہا۔''میرا باپ کوئی دولت مند انسان نہیں تھا۔ دولت کا پرستار تھا۔ میری دو بہنیں جوان ہوئیں تو اس نے دونوں کو دو امراء کے حوالے کر دیا اور دربار میں جگہ حاصل کر لی۔ اس نے اپنی بیٹیوں

کی بہت زیادہ قیمت وصول کی۔ پھر وہ مخبری اور غیبت کرنے لگا۔ مجھے بھی اسی نے اسی کام پر لگالیا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کر دیا۔ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد میرے باپ نے اور زیادہ اونچی حیثیت حاصل کر لی۔ وہ اب تجربہ کار سازشی اور جوڑ توڑ کا ماہر ہو گیا تھا۔ اس وقت تک وہ خاصی جاگیر حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی فوج آئی تو الملک الصالح اور اس کے درباری امراء اور جاگیردار دمشق سے بھاگ گئے۔ ان میں میرا باپ بھی تھا۔ میں کسی ارادے کے بغیر ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد حلب سے ایک آدمی آیا۔ وہ میرے باپ کا یہ پیغام لایا کہ میں جاسوسی کا کام شروع کر دوں۔ وہ آدمی مجھے دمشق میں ہی اس اڈے پر لے گیا جس کی میں نے نشاندہی کی ہے۔ وہاں مجھے بہت سی رقم دی گئی اور دو تین دنوں میں بتا دیا گیا کہ مجھے کیا کرنا اور کس طرح کرنا ہے۔ میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ خوب عیش و عشرت کی۔ ایک روز ہمارے سرغنہ نے ہمیں کہا کہ محاذ پر رضا کار جا رہے ہیں، تین چار آدمی ان میں شامل ہو جاؤ۔ ہم تین آدمی شامل ہو گئے۔ دو پہلے ہی یہاں آ گئے تھے۔ پھر مجھے حکم ملا کہ میں بھی یہاں آؤں اور آپ کی فوج کی ساری کیفیت دیکھ کر تمام معلومات مشترکہ کمان تک پہنچاؤں۔ میں آ گیا۔ میرے ساتھی یہاں کا نقشہ تیار کر چکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ آپ اپنے دشمن کی فوج کو اس جگہ لا کر لڑانا چاہتے ہیں جو چٹانوں میں گھری ہوئی ہے۔ میں نے چٹانوں پر چھپے ہوئے آپ کے تیرانداز اور منجنیقیں بھی دیکھ لی تھیں۔"

اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کہا۔ "میں پکڑا گیا ہوں تو محسوس کیا ہے کہ میں گناہ کر رہا تھا۔ آپ کی باتوں نے میرے اندر ایمان کی حرارت بیدار کر دی ہے۔ اگر میرا باپ اپنی بیٹیوں کو بیچ کر دولت مند نہ بنتا تو میرا ایمان قائم رہتا۔ یہ گناہ میرے باپ کا ہے۔ سلطان! آپ کا اقبال بلند ہو۔ مجھے گناہ کا کفارا ادا کرنے کا موقع دو۔"

سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو اشارہ کیا تو آذر کو خیمے سے باہر لے گئے۔

☆

اسی روز آذر کو دمشق کو روانہ کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ دو محافظ تھے۔ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ آذر کے ہاتھ رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے وہ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ رات کے لیے رکنا تھا۔ راستے میں دونوں محافظ اس سے سنتے رہے تھے کہ اس کا جرم کیا ہے۔ آذر نے ان کے ساتھ جذباتی سی باتیں کر کے انہیں متاثر کر لیا تھا۔ شام کے وقت آذر نے انہیں کہا کہ تھوڑی سی دیر کے لیے وہ اس کے ہاتھ کھول دیں۔ محافظوں نے اس خیال سے اس کے ہاتھ کھول دیے کہ یہ نہتہ ہے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ انہوں نے دوسری احتیاط یہ کی کہ اسے گھوڑے سے اتار لیا۔ وہ پیدل تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ بیٹھ گئے اور ان کے پاس کھانے کے لیے جو کچھ تھا کھانے لگے۔

آذر نے موقع دیکھ لیا اور اچانک اٹھ کر بہت ہی تیزی سے دوڑا۔ گھوڑے قریب ہی کھڑے تھے۔ آذر ایک ثانیے میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ محافظ پہنچ تو گئے لیکن آذر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر رخ ان کی طرف کر دیا۔ وہ دونوں ادھر ادھر ہو گئے اور اپنے گھوڑوں تک بروقت نہ پہنچ سکے۔ جتنی دیر میں وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اتنی دیر میں آذر بہت سا فاصلہ حاصل کر چکا تھا۔ محافظوں نے گھوڑے بھگائے لیکن اب تعاقب بے سود تھا۔ شام گہری ہونے لگی تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کہیں کہیں ٹیلے اور چٹانیں بھی تھیں۔ محافظ دور تک گئے مگر آذر غائب ہو چکا تھا۔

دوسرے دن دونوں محافظ سر جھکائے ہوئے، شکست خوردہ اور بری طرح تھکے ہوئے حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچے۔ ایک نے کہا۔ "ہمیں گرفتار کر لیں۔ قیدی بھاگ گیا ہے۔" انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ قیدی کے کہنے پر انہوں نے اس

کے ہاتھ کھول دیئے تھے۔ حسن بن عبداللہ نے انہیں حراست میں لے لیا لیکن گھبراہٹ سے اس کا پسینہ نکل آیا کیونکہ آذر معمولی قسم کا قیدی نہیں تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا سارا پلان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ فتح وشکست کا دارومدار اس پلان پر تھا۔ حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی کو بتانے سے ڈر رہا تھا کہ پکڑا ہوا جاسوس ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اپنے سارے منصوبے بیکار ہو گئے ہیں۔ چھپانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو جب حسن بن عبداللہ نے بتایا کہ قیدی بھاگ گیا ہے تو سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا کتنی ہی دیر اس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ سلطان اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا۔ اس دور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے۔ ''صلاح الدین ایوبی انتہائی خطرناک صورت حال میں بھی نہیں گھبراتا تھا لیکن اس جاسوس کے بھاگ جانے کی خبر سن کر اس کے چہرے سے خون غائب اور آنکھیں بے نور ہو گئیں...... خیمے میں ٹہلتے ٹہلتے ہوا رک گیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''خدائے ذوالجلال! کیا یہ اشارہ ہے کہ میں یہاں سے واپس چلا جاؤں؟ کیا میری ذات باری نے میرے گناہ بخشے نہیں؟ میں نے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا، پھر اس کی آواز رندھیا گئی۔ اسے شاید غیب کا کوئی اشارہ مل جایا کرتا تھا جو اس موقعے پر بھی ملا۔ اس نے حسن بن عبداللہ سے کہا ان دونوں سپاہیوں کو زیادہ سزا نہ دینا۔ سزا سے بچنے کے لیے وہ مفرور ہو سکتے تھے لیکن وہ تمہارے پاس آ گئے۔ انہیں غلطی کی سزا ضرور دینا، نیک نیتی اور سچ بولنے کا صلہ بھی ضرور دینا...... سالاروں کو بلاؤ، اس کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔''

تین سالار آ گئے۔ سلطان ایوبی نے ان سے کہا۔ ''وہ جاسوس بھاگ گیا ہے جس کے پاس دفاعی منصوبہ تھا۔ اس نے جو نقشے بنائے تھے وہ ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ اس نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ لیا تھا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم دشمن کو کہاں لاکر لڑانا چاہتے ہیں۔ بھاگنے والے کے دو ساتھی ابھی ہمارے پاس ہیں۔ حسن بن عبداللہ انہیں ابھی یہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اب ہمارے لیے صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ہم نے دشمن کے لیے جو پھندا تیار کیا تھا۔ وہ بیکار ہو گیا ہے۔ وہ اب قرون کے اندر نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں محاصرے میں لے لیں اور ہماری رسد کا راستہ روک لے۔ مجھے مشورہ دو کہ ہم اپنا منصوبہ بدل دیں یا اسی پر قائم رہیں۔''

تینوں سالاروں نے اپنے اپنے مشورے دیئے جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ صرف اس بات پر تینوں متفق تھے کہ پلان بدل دیا جائے...... سلطان ایوبی نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ پلان بدلنے کے لیے وقت چاہیے۔ خطرہ یہ ہے کہ اس دوران دشمن نے حملہ کر دیا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ کھلی جنگ لڑنے کے لیے فوج کم تھی۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ پلان میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس کی بجائے چھاپہ ماروں کو حکم دیا گیا کہ وہ وسیع پیمانے پر شب خون ماریں اور وہ دشمن کی مشترکہ کمان کے مرکز اور تینوں فوجوں کے مرکزوں پر زیادہ شب خون ماریں۔ رسد کے راستے کو اور زیادہ محفوظ کر لیا جائے۔ اس نے چھاپہ ماروں کے سالار سے کہا کہ وہ اپنے اس دستے کو لے آئے جسے مٹکے توڑنے کا کام سونپا گیا ہے۔

سالار نئے احکام لے کر چلے گئے۔ سلطان ایوبی نے یہ احکام خود اعتمادی سے دیے تھے، لیکن وہ بہت پریشان تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ بھاگنے والے جاسوس نے اس کا سارا پلان تباہ کر دیا ہے اور اب معلوم نہیں کیا ہوگا۔

کچھ دیر بعد بارہ چھاپہ ماروں کا ایک جیش اس کے سامنے لایا گیا۔ صلیبیوں نے حلب والوں کو آتش گیر مادے کے جو مٹکے بھیجے تھے وہ میدان جنگ میں لائے گئے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے یہ ذخیرہ دیکھ لیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب دشمن حملہ کرے تو یہ ذخیرہ تباہ کر دیا جائے۔ اس کے لیے بارہ جانباز اور جنونی قسم کے چھاپہ مار منتخب کیے گئے اور انہیں

سلطان ایوبی کے سامنے لایا گیا۔ اس نے دیکھا اور ایک چھاپہ مار کو دیکھ کر مسکرایا۔ بولا "انطانون! تم اس جیش میں آ گئے ہو۔؟"

"مجھے اسی جیش میں آنا چاہیے تھا۔" انطانون نے کہا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اپنے گناہ کا کفارادا کروں گا۔"

"میرے عزیز دستو!" سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے کہا۔ "تم نے کہاں کہاں قربانیاں نہیں دیں لیکن اب مذہب اور ملت کی آبرو تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے۔ تم جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے ہو۔ تمہیں ہدف بتا دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اسے تباہ کر دیا تو آنے والی نسلیں بھی تمہیں یاد رکھیں گی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی فوج تھوڑی ہے اور دشمن کے تین لشکر ہیں۔ ان سے اپنی فوج کو تم بچا سکتے ہو۔"

"ہم مذہب اور ملت کو مایوس نہیں کریں گے۔" چھاپہ ماروں کے کمانڈر نے کہا۔

انہیں چند اور ہدایات دے کر رخصت کر دیا گیا۔

☆

اگلی صبح ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی ابھی اپنے خیمے میں تھا۔ سوار نے اطلاع دی کہ دشمن آ رہا ہے۔ فاصلہ ایک میل رہ گیا تھا۔ رخ قرون کی طرف تھا۔ اتنے میں ایک اور سوار آ گیا۔ اس نے اطلاع دی کہ دائیں طرف سے بھی دشمن کی فوج آ رہی ہے۔ اس فوج کے رخ سے سلطان ایوبی نے اندازہ لگایا کہ دائیں پہلو پر آ رہی ہے۔ اس پہلو کے متعلق سلطان ایوبی کو پریشان تھی۔ وہ اب اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس کے اعصاب پر آذر جاسوس سوار تھا جو نہایت قیمتی راز لے کر چلا گیا تھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ یہ جاسوس گزشتہ رات پہنچا ہوگا اور اس کی معلومات پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی نے تیاری کا حکم دے دیا۔ اس کے قاصد ادھر ادھر دوڑ پڑے۔ قرون کے درمیان خیمے لگے رہے۔ سپاہی خیموں میں رہے یا ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہے تاکہ دشمن یہ سمجھے کہ وہ تیار نہیں چٹانوں پر تیر انداز تیار ہو گئے۔

دشمن کی رفتار تیز تھی۔ اس کے ہراول نے دیکھا کہ خیمے ابھی تک کھڑے ہیں تو ہراول نے اس خیال سے کہ انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو بے خبری میں آ لیا ہے پیچھے خبر دے دی کہ رفتار تیز کرو۔ سلطان ایوبی ایک بلند چٹان پر چلا گیا جہاں سے سارا منظر اور دائیں طرف کا میدان بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ گمشتگین کی فوج سیدھی قرون کی طرف آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی کے سپاہیوں نے ہدایات کے مطابق اپنے گھوڑوں پر زینیں اس وقت ڈالیں جب دشمن بالکل قریب آ گیا تھا۔ پیادوں نے آگے بڑھ کر چند ایک تیر چلائے۔ ادھر سے للکار سنائی دینے لگی...... کچل دو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ صلاح الدین ایوبی کو زندہ پکڑو۔ سر کاٹ لو۔"

سلطان ایوبی کے سوار آگے بڑھے مگر پیچھے کو آ گئے۔ پیادوں اور سواروں نے حملے کی اگلی صف کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے پیچھے ہٹتے آئے، حتیٰ کہ تمام حملہ آور دستے قرون کے اندر اسی پھندے میں آ گئے جہاں انہیں سلطان ایوبی لانا چاہتا تھا۔ چٹانوں میں گھرا ہوا یہ میدان ڈیڑھ میل کے لگ بھگ وسیع اور عریض تھا۔ جونہی دشمن اندر آیا دونوں طرف کی چٹانوں سے اس پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دشمن کے گھوڑے تیر کھا کر بدکتے، منہ زور ہوتے اور اپنے ہی پیادوں کو کچلتے پھرتے تھے۔ دشمن کے کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہاں خیموں میں جو فوج تھی وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آگے چٹانوں میں ایک کٹاؤ ہے جو ایک وادی میں چلا جاتا ہے اور سلطان ایوبی فوج اس میں لاپتہ ہوتی جا رہی ہے میدان میں خیمے کھڑے تھے جن کی رسیاں رکاوٹ پیدا کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فلیتوں والے آتشیں تیر آنے لگے جو خیموں پر جلائے جارہے تھے۔ انہوں نے خیموں کو آگ لگا دی اور میدان جنگ سے شعلے اٹھنے لگے۔ دشمن کے کمانڈروں کے لیے بڑی مشکل پیدا ہوگئی۔ ان کی جمعیت بکھر گئی تھی۔ دستے گڈمڈ ہو گئے تھے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کا، زخمیوں کی چیخ و پکار کا اور کمانڈروں کے واویلے اور للکار کا اتنا زیادہ شور تھا کہ آوازوں کو الگ کر کے سمجھنا ناممکن تھا۔ کم و بیش دو گھنٹے دشمن کے سپاہی افراتفری کی کیفیت میں اور ان کے کماندر انہیں سنبھا لنے کی کوشش میں سلطان ایوبی کے تیراندازوں سے زخمی اور ہلاک ہوتے رہے۔ وہ بھی آخر مسلمان سپاہی تھے۔ عسکری جذبہ انہیں پسپا نہیں ہونے دے رہا تھا۔ ان میں سے کئی ایک ان چٹانوں پر چڑھنے لگے جہاں سے تیر آرہے تھے۔ یہ ان کی دلیری کا مظاہرہ تھا لیکن اوپر سے آئے ہوئے تیر انہیں پتھروں کی طرح لڑھکا رہے تھے۔

بہت ہی مشکل سے دشمن کے دستوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا گیا۔ انہیں پیچھے ہی ہٹنا تھا۔ مگر پیچھے ہٹے تو انہیں پتا چلا کہ عقب میں سلطان ایوبی کی فوج کھڑی ہے۔ اعلان ہونے لگے۔ ''ہتھیار ڈال دو۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہم تمہیں ہلاک نہیں کریں گے۔'' ان اعلانات کے ساتھ ساتھ گھوڑے بڑھتے اور پھیلتے آرہے تھے۔ گمشتگین کے گرے ہوئے سپاہیوں میں اب لڑنے کا دم خم نہیں رہا تھا۔ ان میں سے آدھے مارے گئے یا زخمی ہو گئے تھے، جو زندہ تھے ان پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ کچھ اور توقع لے کر آئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ بڑی سہل فتح ہوگی۔ مگر ان کے لیے میدان جنگ جہنم بن گیا۔ انہوں نے ہتھیار پھینکنے شروع کر دیئے۔

☆

سلطان ایوبی کی یہ چال تو کامیاب رہی لیکن دوسری طرف دشمن نے اس کے لیے مشکل پیدا کر دی۔ یہ دائیں پہلو کا وہی میدان تھا جس کے متعلق اسے شروع سے ہی فکر تھا۔ اس طرف سے صحرائی آندھی کی طرح دشمن کی فوج آرہی تھی۔ اس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کے مختصر سے دو دستے تھے۔ حملہ آوروں کے جھنڈے نظر آنے لگے۔ یہ حلب کی فوج تھی۔ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے اس فوج کے جوہر دیکھے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ یہ فوج گمشتگین اور سیف الدین کی فوج سے مختلف ہے۔ فنی مہارت اور شجاعت کے لحاظ سے یہ فوج یقیناً برتر تھی۔ سلطان نے اپنے آپ کو کبھی خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ فوراً جان گیا کہ اس کے یہ دستے اس فوج کو نہیں روک سکیں گے۔ وہ اپنے ریزرو کو ابھی استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دماغ کو حاضر رکھا۔ اپنے پاس کھڑے سالاروں کو اس نے کوئی ہدایات دے کر بھیج دیا۔

اس نے ریزرو ٹرو پس کے علاوہ منتخب سواروں کا ایک دستہ اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس طرف والی چٹان پر جو تیر انداز تھے ان کے کمانڈر کو حکم بھیجا کہ قرون سے ہٹ کر منہ پیچھے کر لیں اور اسی پوزیشن سے نئے حملہ آوروں کو نشانہ بنائیں۔ اس نے اپنے منتخب سواروں کے کمانڈر کو حکم دیا کہ دستہ میدان میں لاؤ، میں خود کمان کروں گا۔ نہایت تھوڑے وقت میں وہ چٹان سے اترا۔ اس کا دستہ تیار تھا۔ وہ بھی میدان میں آ گیا۔ سلطان ایوبی میدان جنگ میں اپنا جھنڈا نہیں لہرایا کرتا تھا تاکہ دشمن کو پتا نہ چل سکے کہ وہ کہاں ہے لیکن اس موقع پر اس نے بلند آواز سے کہا...... ''میرا جھنڈا اونچا رکھو'' ...... قاضی بہاؤالدین شداد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ ''اس معرکے میں اپنا جھنڈا چڑھا کر صلاح الدین ایوبی اپنے دستوں کو بتانا چاہتا تھا کہ ان کی کمان اور قیادت سلطان خود کر رہا ہے اور وہ حلب کے حملہ آوروں کو بھی بتانا چاہتا تھا کہ ان کا مقابلہ صلاح الدین کے ساتھ ہے۔''

سلطان ایوبی نے اشارے اور الفاظ مقرر کر رکھے تھے۔ اس نے نہایت تیزی سے سواروں کو اس ترتیب میں کر

لیا کہ دو گھوڑے آگے، چار پیچھے، ان کے پیچھے چھ، ان کے پیچھے آٹھ اور باقی تمام آٹھ آٹھ کی ترتیب میں رہے لیکن اس نے ترتیب کہیں کھڑے ہو کر نہیں بنائی بلکہ تین چار صفوں میں دوڑتے گھوڑ سواروں کو اس ترتیب میں ہونے کا حکم دیا تھا۔ سامنے سے دشمن صف در صف پھیلا ہوا آرہا تھا۔ قریب جا کر سلطان ایوبی کے سوار اس ترتیب میں ہو گئے۔ تصادم اس طرح ہوا کہ یہ گھوڑ سوار ایک کیل کی طرح دشمن کے لشکر میں داخل ہو گئے۔ سلطان ایوبی اس ترتیب کے درمیان میں تھا۔ دشمن کے گھوڑ سوار دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ راستے میں جو آیا اسے برچھیوں سے مجروح کرتے گئے۔

دشمن کے سواروں کے پیچھے پیادہ دستے تھے۔ سلطان ایوبی نے دور آگے جا کر سواروں کو پیچھے موڑا، اور فوراً صفوں کو ترتیب میں لا کر پوری رفتار سے پیادہ دستوں پر حملہ کیا۔ پیادوں نے مقابلہ تو بہت کیا لیکن گھوڑے اور سوار انہیں روندتے اور کاٹتے آگے نکل گئے۔ سلطان ایوبی کے پیادہ دستے سامنے تھے۔ انہوں نے دشمن کے سواروں کا مقابلہ کیا۔ عقب سے سلطان ایوبی نے ہلہ بول دیا۔ قریبی چٹانوں سے تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن حلب کی فوج کا حوصلہ نہ ٹوٹا۔ سلطان الدین ایوبی نے اپنی کمان نہ بکھرنے دی۔ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا اور بڑا ہی شدید تھا۔ تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگر سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان خود نہ لیتا تو اس کا سارا پلان اس پہلو سے تباہ ہو جاتا۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے مؤرخین سے کچھ اختلاف کیا ہے۔ اس کی یادداشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ آور فوج حلب کی نہیں موصل کی تھی۔ اور اس کی کمان سالار مظفر الدین بن زین الدین کر رہا تھا، اور یہ کمان اتنی دانشمندانہ تھی کہ مظفر الدین نے سلطان ایوبی کے اس پہلو کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ قیادت کی دانشمندی کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مظفر الدین سلطان ایوبی کے ساتھ سالار رہ چکا تھا اور اس نے یہ فن سلطان ایوبی سے ہی سیکھا تھا۔ نفری زیادہ ہونے کے علاوہ مظفر الدین کو یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصدوں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے جیش کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھا۔ اس نے ایسی چال چلی کہ دشمن کو اس چٹان کے قریب لے گیا جس پر تیر انداز تیار تھے۔ انہوں نے بہت کام کیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی نفری میں اتنی کمی محسوس کی کہ اسے ابتدائی پلان بدلنا پڑا۔ اس نے ٹروپس کو بھی بلانے کا فیصلہ کر لیا لیکن عین اس وقت ایک قاصد نے اسے بتایا کہ ایک طرف سے اپنے چار پانچ سو سوار آرہے ہیں۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا کہ وہ کون سا دستہ ہے اور کیوں آیا ہے؟ وہ میدان جنگ میں ڈسپلن کا زیادہ پابند ہو جاتا تھا، حالانکہ اسے اس میدان میں کمک کی شدید ضرورت تھی، لیکن اس کی اجازت اور ہدایت کے بغیر کسی کی حرکت اسے پسند نہ آئی، اس نے قاصد کو دوڑایا کہ خبر لائے کہ یہ سوار کون ہیں۔

قاصد جو خبر لایا اس نے سلطان ایوبی کو سن کر دیا۔ خبر یہ تھی کہ یہ چار سو لڑکیاں اور ایک سو رضا کار ہیں۔ ان کی قیادت حجاج ابو وقاص کر رہا ہے اور وہ سالار شمس الدین کی اجازت سے آئے ہیں۔ سلطان ایوبی انہیں روک سکتا تھا لیکن جس انداز سے یہ پانچ سو گھوڑ سوار آئے اس سے سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ کمان واقعی شمس الدین کر رہا ہے۔ یہ سوار دشمن کو چٹان کی طرف دھکیل رہے تھے۔ اس معرکے میں پیادے گھوڑوں تلے کچلے جا رہے تھے۔ دشمن کی پیش قدمی روک لی گئی تھی۔ وہ آگے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے وہیں الجھا لیا گیا۔

مسلمان، مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا تھا۔ اللہ اکبر کے نعرے اللہ اکبر کے نعروں سے ٹکرا رہے تھے۔ زمین کانپ رہی تھی۔ آسمان خاموش تھا۔ صلیبی تماشہ دیکھ رہے تھے۔ تاریخ دم بخود تھی۔ لڑکیاں اپنے بھائیوں اور باپوں کے دوش

بدوش بھائیوں اور باپوں کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ لہولہان جنگ ہو رہی تھیں۔ قوم کی عظمت گھوڑوں کے سموں تلے روندی جا رہی تھی۔ اور خدا دیکھ رہا تھا۔

دن بھر کے معرکے کا یہ انجام ہوا کہ دشمن کا حوصلہ ختم ہو گیا۔ اس کے سپاہیوں نے ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ وہ نیم محاصرے میں آ گئے تھے۔ سالار نکل گئے۔ رات زخمیوں کے واویلے سے لرزتی رہی۔ دن بھر کی تھکی ہوئی لڑکیاں رات کو زخمیوں کو اٹھاتی رہیں۔ صبح ہوئی تو اس میدان کا منظر بھیانک اور ہولناک تھا۔ دور دور تک لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ گھوڑے مرے پڑے تھے۔ جنگی قیدیوں کو دور پرے لے گئے تھے۔ ان لاشوں میں لڑکیوں کو جو لاشیں تھیں وہ اٹھالی گئی تھیں۔

''بادشاہی کا نشہ انسان کو اس سطح پر بھی لے آتا ہے جہاں ایک انسان اپنی قوم کو دو دھڑوں میں کاٹ کر انہیں آپس میں لڑا دیتا ہے۔'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے میدان جنگ کا منظر دیکھ کر کہا۔ ''اپنے بھائی اپنی بہنوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ اگر ہم نے بادشاہی کے رجحان کو ختم نہ کیا تو کفار اس قوم کو قوم کے سربراہوں کے ہاتھوں آپس میں لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔''

☆

قرون حماۃ اور اس کے پہلو کا معرکہ ختم ہو گیا تھا، جنگ ابھی جاری تھی۔ معرکے کی رات بارہ چھاپہ مار حلب کی فوج کے اس ذخیرے تک پہنچ چکے تھے جہاں آتش گیر مادے کے مٹکے رکھے تھے۔ رات کے وقت مٹکے کھول کر اس سے کپڑے بھگوئے جا رہے تھے جن کے گولے بنا کر منجنیقوں سے پھینکنے تھے۔ ہانڈیاں بھی بھر کر سربمہر کی جا رہی تھیں۔ ابھی ایک فوج ریزرو میں تھی۔ اسے اطلاع مل گئی تھی کہ دونوں فوجوں کے حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ فوج آخری حملے کے لیے تیار ہو رہی تھی حملے کی کامیابی کے لیے آگ پھینکنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بارہ چھاپہ ماروں نے اپنا ہدف دیکھ لیا۔ ان میں سے چار پانچ کے پاس کمانیں تھیں اور فلیتے والے تیر بھی تھے۔ وہ گھوڑوں سے اتر کر آگے چلے گئے۔ فلیتے جلا کر انہوں نے تیر چلا دیئے۔ یکلخت شعلے بلند ہوئے اور وہاں ہڑبونگ بپا ہو گئی۔

چھاپہ ماروں کو بتایا گیا تھا کہ مٹکے بے شمار ہیں۔ وہاں بھگدڑ مچی تو چھاپہ ماروں نے ہلہ بول دیا۔ شعلوں سے وہاں بہت روشنی ہو گئی تھی۔ چھاپہ ماروں کو محفوظ مٹکے بھی نظر آ گئے۔ انہوں نے اپنی برچھیوں کے ساتھ ہتھوڑیوں کی طرح لوہے کے ٹکڑے باندھ رکھے تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے انہوں نے مٹکے توڑنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے ایک نے آگ لگانے کا انتظام کر دیا۔ دشمن نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ بارہ جانباز سینکڑوں کے نرغے میں لڑ رہے تھے۔ شعلے ہر طرف پھیل گئے تھے۔ سارے کیمپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر بھاگنے لگے۔

جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی وہاں ایک چٹان پر کھڑے کسی آدمی نے چلا کر کہا۔ ''آسمان جل رہا ہے۔ خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے۔''

سلطان صلاح الدین ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ایک چٹان پر جا چڑھا۔ اسے دشمن کے کیمپ کی طرف آسمان لال سرخ ہوتا نظر آیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''آفرین۔ آفرین۔ اللہ تمہیں صلہ دے۔''

موصل کی فوج فوری طور پر جوابی حملے کے قابل نہ رہی۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے تین راتیں گمشتگین سیف الدین اور الملک الصالح کے کیمپوں میں اتنی تباہی مچائی کہ ان کے مرکز بھی ہل گئے۔ آخر

انہوں نے کسی اور طرف سے حملے کا فیصلہ کر کے کوچ کا حکم دیا۔ تب انہیں پتا چلا کہ ان کے عقب میں سلطان ایوبی کی فوج آچکی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنی مخصوص چالوں سے دشمن کو بے حال کر دیا۔ وہ مارتا بھی نہیں تھا چھوڑتا بھی نہیں تھا۔ یہ جنگ ''ضرب لگاؤ اور بھاگو'' کے اصول پر لڑی جا رہی تھی۔ دشمن کی فوج بکھرتی جا رہی تھی۔ اور اس کے سپاہی بکھر بکھر کر ہتھیار ڈالتے جا رہے تھے۔ یہی سلطان ایوبی کا مقصد تھا۔

۱۹ رمضان المبارک ۵۷۰ھ (۱۳ اپریل ۱۱۷۵ء) کی صبح سحری سے فارغ ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے پلان کی آخری کڑی پر عمل کیا جس کی ہدایات وہ ایک روز پہلے جاری کر چکا تھا۔ اس نے کھلا حملہ کر دیا۔ کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں تک جا پہنچا جہاں گمشتگین اور سیف الدین کی خیمہ گاہیں تھیں مگر وہ دونوں غائب تھے۔ وہ ایسی بزدلی سے بھاگے کہ اپنی ذاتی خیمہ گاہیں جن سے جنگل میں منگل بنا ہوا تھا جوں کی توں چھوڑ گئے۔ حرم کی لڑکیاں، ناچنے گانے والیاں اور ان کے سازندے وہیں تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج گئی تو لڑکیاں خوف سے ادھر ادھر بھاگنے لگیں۔ انہیں پکڑ کر سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے ان تمام کو رہا کر کے دمشق بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ دلچسپ خیمہ گاہ والی موصل سیف الدین کی تھی۔ وہاں لڑکیوں کے علاوہ خوشنما پنجرے بھی تھے جن میں رنگ برنگے پرندے بند تھے۔

اس رات سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے ایک اور لڑکی لائی گئی جو دشمن کے اس کیمپ میں لاشوں کو پہچانتی پھر رہی تھی جس پر سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شب خون مارا اور آتش گیر مادے کے مٹکے تباہ کیے تھے۔
سلطان صلاح الدین ایوبی نے اسے پہچان لیا اور کہا۔ ''تم میرے ایک جاسوس انطانون کے ساتھ حرن سے آئی تھیں۔''

''جی ہاں!'' اس نے کہا۔ ''میرا نام فاطمہ ہے۔ میں لڑکیوں کی فوج کے ساتھ دمشق سے آئی ہوں۔'' وہ زخمی بھی تھی۔ کہنے لگی۔ ''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ انطانون یہاں شبخون مارنے آیا تھا۔ اس کی لاش ڈھونڈ رہی ہوں۔''

''نہ ڈھونڈو۔'' سلطان ایوبی نے کہا۔

''وہ بھی کہتا تھا کہ چھاپہ ماروں کی لاشیں نہیں ملا کرتیں۔'' فاطمہ نے اداس لہجے میں کہا۔ ''اس نے مجھے کہا تھا کہ آؤ ایک دوسرے کو فرض پر قربان کر دیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس نے گناہ کا کفارا ادا کر دیا ہے۔ میرا فرض ابھی باقی ہے۔ میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی تھی۔''

اس لڑکی کی جذباتی حالت دیکھ کر کوئی بھی اپنے آنسو نہ روک سکا...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''دمشق سے جو لڑکیاں آئی ہیں ان سب کو واپس بھیج دو۔ انہوں نے دشمن کو شکست دینے میں میری بہت مدد کی ہے۔ اس وقت میں ہی جانتا ہوں کہ مجھے مدد کی کتنی ضرورت تھی۔ یہ لڑکیاں جیسے غیب سے آئی تھیں، لیکن میں انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔''

لڑکیوں کے احتجاج اور غصے کے باوجود انہیں دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان ایوبی اب کہیں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے دشمن کو جو شکست فاش دی تھی۔ اس سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے حکم دے دیا کہ تمام فوج کو حلب کی سمت کوچ کے لیے تیار کیا جائے۔ اپنے سالاروں کو وہ اگلے پلان کے متعلق بتا رہا تھا ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں برچھی تھی اور برچھی میں کوئی چیز اڑی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کے باڈی گارڈوں نے اسے روک لیا۔ سلطان ایوبی نے دیکھا کہ سوار نے کسی انسان کا سر برچھی میں اڑسا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی نے

اسے آگے آنے کی اجازت دے دی۔

وہ آذر بن عباس تھا۔ وہی جاسوس جو دمشق جاتے ہوئے محافظوں کی حراست سے بھاگ گیا تھا اس نے گھوڑے سے اتر کر برچھی سے سر اتارا اور سلطان ایوبی کے قدموں میں پھینک کر کہا۔ ''میں آپ کا مفرور قیدی ہوں۔ میں نے کہا تھا مجھے بخش دیں، میں گناہوں کا کفارا ادا کروں گا۔ آپ نے میری عرض نہ مانی۔ میں نے راستے میں سوچا کہ مجھے جاسوس، باپ نے بنایا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کیا ہے۔ میں صرف اس کام کے لیے بھاگا تھا۔ میں حلب گیا۔ اپنے باپ کو قتل کیا اور اس کا سر کاٹ کر لے آیا ہوں۔ اگر اس سے میرے گناہوں کا کفارا ادا نہیں ہوتا تو مجھے پھر قید کر لیں اور اسی طرح میرا سر کاٹ کر پھینک دیں۔''

سلطان ایوبی نے اسے حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا اور کہا۔ ''اسے اگر قابل اعتماد سمجھا جا سکتا ہے تو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اس نے میرے ایک سوال کا جوب دے دیا ہے۔ میں آج تک سوچتا رہا ہوں کہ دشمن کا جاسوس پوری معلومات لے گیا تھا، پھر بھی دشمن میرے پھندے میں آ گیا۔ اب معلوم ہوا ہے یہ خبر دینے نہیں بلکہ اپنے باپ کو قتل کرنے گیا تھا۔''

اس سے اگلے دن سلطان ایوبی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ باہر بہت سے آدمیوں کی باتوں سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ باہر کوئی جھگڑا ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے دربان کو اندر بلا کر پوچھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ دربان نے بتایا کہ نو آدمی آپ کے محافظ دستے کی وردیاں پہنے اور آپ کا جھنڈا اٹھائے آئے ہیں۔ کہتے ہیں وہ دمشق سے آئے ہیں۔ یہ رضا کارانہ آپ کے محافظ دستے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں روکا تو کہتے ہیں کہ وہ اتنی دور سے عقیدت اور جذبے سے آئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

یہ شیخ سنان اور گمشتگین کے بھیجے ہوئے فدائی قاتل (حشیشین) تھے۔ ان کی چال کامیاب ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے دربان سے کہہ دیا کہ انہیں اندر بھیجو۔ ان سے برچھیاں باہر رکھوالی گئیں۔ وہ خیمے میں گئے اور فوراً ہی انہوں نے خنجر اور تلواریں نکال لیں۔ سلطان ایوبی کے دو محافظ بھی ان کے ساتھ آ گئے تھے۔ ایک فدائی نے سلطان ایوبی پر حملہ کیا۔ سلطان نے پھرتی سے حملہ روک لیا اور اپنی تلوار اٹھالی۔ پہلے ہی وار سے ان نے حملہ آور کا پیٹ چاک کر دیا۔ خیمے میں جگہ تھوڑی تھی۔ دوسرے فدائیوں نے بھی سلطان ایوبی پر حملے کئے۔ دونوں محافظوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ باہر سے دوسرے محافظ بھی آ گئے۔ خیمے کے اندر تلواریں اور خنجر ٹکرانے لگے۔ باڈی گارڈوں نے قاتلوں کو اپنے ساتھ الجھالیا۔ وہ خیمے سے باہر آ گئے۔ سلطان ایوبی کی لمبی تلوار نے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ فدائیوں میں سے پانچ چھ مارے گئے۔ باقی بھاگنے لگے۔ انہیں زندہ پکڑ لیا گیا۔ خیمے کے اندر سے ایک فدائی نکلا۔ اس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی کی ادھر پیٹھ تھی۔ زخمی فدائی نے پیچھے سے سلطان پر حملہ کیا۔ ایک باڈی گارڈ نے بروقت دیکھ لیا۔ وہ چلایا۔ ''سلطان نیچے'' اور حملہ آور کی طرف دوڑا۔ سلطان ایوبی فوراً بیٹھ گیا۔ قاتل کی تلوار ہوا کو کاٹتی سلطان کے اوپر سے گزر گئی۔ باڈی گارڈ نے فدائی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ وہ تو پہلے ہی زخموں سے مر رہا تھا۔ وہ گرا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی اس حملے سے بھی بال بال بچ گیا۔

بعض یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی پر یہ قاتلانہ حملہ کرنے والے اس کے اپنے باڈی گارڈ تھے جو ایک عرصے سے اس کے ساتھ تھے، لیکن اس دور کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ بہاؤ الدین

شداد نے اور ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ یہ شیخ سنان کے بھیجے ہوئے فدائی تھے جو حلف اٹھا کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کر دیں گے۔ ورنہ زندہ نہیں لوٹیں گے۔ وہ سلطان ایوبی کو تو قتل نہ کر سکے۔ البتہ ان میں سے زندہ کوئی بھی نہ لوٹا۔ جو زندہ رہے انہیں سزائے موت دے دی گئی۔

......۞......

قوم کی نظروں سے دور

کسی سپاہی کی بہادری کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک سالار کھانے کے بعد کی محفل میں کسی معرکے کی باتیں کر رہا تھا۔ ایک سپاہی کی بہادری کا ذکر آ گیا۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''لیکن تاریخ میں نام آئے گا تو وہ آپ کا اور میرا ہو گا۔ تاریخ لکھنے والوں کی یہ بے انصافی ہے کہ وہ بادشاہوں، سلطانوں اور سالاروں سے نیچے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن فتح کا سہرا ہمیشہ سپاہیوں کے سر ہوتا ہے۔ ہمارے چھاپہ مار جانباز دشمن کے پاس جا کر اس کے دوست بن جائیں۔ تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ معرکوں میں سپاہی لڑنے کی بجائے اپنی جان کی فکر زیادہ کریں تو آپ فتح کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ تاریخ میں ہمارے ان سپاہیوں کا ذکر ضرور آئے جو اکیلے اکیلے دس دس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ یہ سپاہی جب کبھی ہاریں گے تو میری اور آپ کی نالائقی کی وجہ سے ہاریں گے یا انہیں وہ غدار اور ایمان فروش شکست دیں گے جو ہماری صفوں میں موجود ہیں۔''

''خدا نے ہمیں کس گناہ کی سزا دی ہے کہ ہم میں غدار پیدا کر دیے ہیں''...... محفل میں کسی نے جھنجھلا کر کہا۔

''میں عالم نہیں کہ اس سوال کا جواب دے سکوں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''شاید خدائے ذوالجلال نے غداروں کی صورت میں ہم پر یہ خطرہ مستقل طور پر سوار کر دیا ہے۔ کہ ہم ہر لمحہ چوکس اور چوکنے رہیں اور ایک کے بعد دوسری فتح حاصل کرتے کرتے مغرور نہ ہو جائیں...... خدا کی باتیں خدا ہی جانے میں ڈرتا ہوں کہ ایمان فروشی کسی دور میں اسلام کے وقار کو لے ڈوبے گی۔ آپ صلیبیوں کے اس عزم سے بے خبر تو نہیں کہ ان کی جنگ آپ کے نہیں اسلام کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک صلیب زندہ ہے چاند ستارے کے پرچم کے خلاف برسرِپیکار رہے گی۔ وہ اپنی آنے والی نسلوں کے لیے یہی عزم ورثے کے طور پر چھوڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے ان سپاہیوں کے کارنامے قلمبند کر لیں جو شمالی مصر کے صحراؤں میں بھی لڑے اور حماۃ کی برف پوش وادیوں میں بھی۔ ان چھاپہ ماروں کے بھی تذکرے قلمبند کر لیں جو دشمن کی صفوں کے عقب میں چلے جاتے ہیں اور اتنی تباہی مچاتے ہیں جو پوری فوج بھی نہیں مچا سکتی۔ ان میں سے کتنے زندہ واپس آتے ہیں؟...... دس میں سے ایک۔ وہ بھی زخمی۔''

''ہاں سلطان محترم!''...... سالار نے کہا...... ''یہ ایک قیمتی ورثہ ہے جو ہم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑیں گے۔ قومیں شجاعت کی روایات سے زندہ رہتی ہیں۔''

''تم شاید نہیں جانتے کہ ہمارے بعض سپاہی ملک سے دور، قوم کی نظروں سے دور ایسی جنگ لڑتے ہیں جن کا انہیں ہماری طرف سے حکم ہی نہیں ملتا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''ان لوگوں پر اپنے مذہب کے وقار کا جنون سوار ہوتا ہے۔ ان کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی، کوئی ذات نہیں ہوتی۔ وہ دشمن کے قبضے میں ہوتے ہیں تو بھی سرکش اور آزاد رہتے

ہیں۔قوم کو جب فتح حاصل ہوتی ہے تو قوم ان سے ناواقف رہتی ہے جو پردوں کے پیچھے عجیب وغریب طریقوں سے جنگ لڑتے اور قوم کا نام روشن کرتے ہیں۔''

اس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے ہی چند ایک سپاہیوں کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر سلطان ایوبی کر رہا تھا۔ایک کا نام عمر درویش تھا۔وہ سوڈانی مسلمان تھا۔اس سلسلے کی کہانیوں میں جو آپ کو سنائی جا چکی ہیں آپ نے پڑھا ہوگا کہ سلطان ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر فوج کشی کی تھی مگر دشمن کے دھوکے میں آ کر سوڈان کے صحرا میں اتنی دور نکل گیا جہاں تک رسد کا سلسلہ قائم رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔دشمن نے رسد کے راستے روک لیے اور تقی الدین کی فوج کو صحرا میں بکھیر کر جمعیت اور مرکزیت ختم کر دی تھی۔اسلامی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔پیش قدمی کی تو امید ہی ختم ہو گئی تھی۔پسپائی بھی ممکن نہیں رہی تھی۔جنگی قیدی بہت ہوئے تھے۔جن میں تقی الدین کے دو تین نائب سالار اور کماندار بھی تھے۔

ان قیدیوں میں مصریوں اور بغدادیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ان میں کچھ سوڈانی مسلمان بھی تھے۔سلطان ایوبی نے اپنی جنگی سوجھ بوجھ اور غیر معمولی فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے تقی الدین کی بکھری ہوئی فوج کو سوڈان سے نکالا تھا۔اس کے بعد اس نے سوڈانیوں کے پاس اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے تھے کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔سوڈانیوں نے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کا کوئی قیدی سلطان ایوبی کی فوج کے پاس نہیں تھا۔سوڈانیوں نے جنگی قیدیوں کے عوض مصر کے کچھ علاقے کا مطالبہ کیا تھا۔سلطان ایوبی نے جواب دیا تھا...... ''تم مجھے،میری بیوی اور میرے بچوں کو سولی پر کھڑا کر دو،میں تمہیں سلطنت اسلامیہ کی ایک انچ جگہ نہیں دوں گا۔میرے سپاہی غیرت والے ہیں۔اپنی قوم کے وقار کے لیے جانیں قربان کرنا جانتے ہیں۔''

اس کے بعد سوڈانی حکومت نے مصر پر حبشیوں سے حملہ کرایا تھا جن میں سے کوئی ایک بھی واپس نہیں جا سکا تھا۔جو زندہ رہے وہ قید میں ڈال دیئے گئے تھے۔توقع تھی کہ سوڈانی ان کی رہائی کا مطالبہ کریں گے لیکن انہوں نے کوئی ایلچی نہ بھیجا۔وہ ان حبشیوں کو دھوکے میں مصر میں لائے تھے۔یہ ان کی باقاعدہ فوج نہیں تھی۔سلطان ایوبی نے ان حبشی قیدیوں کی مزدور فوج بنالی تھی۔مصر میں ان سے کھدائی،بار برداری اور اس قسم کے دوسرے کام لیے جاتے تھے۔

سوڈان والے سلطان ایوبی کی فوج کے جنگی قیدیوں کو دراصل اس وجہ سے نہیں چھوڑ رہے تھے کہ انہیں وہ سوڈانی فوج میں شامل ہو جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر تھے...... وہی سوڈانیوں کو سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔یہ منصوبہ انہی کا تھا کہ مصری فوج کے قیدیوں کو بہلا پھسلا کر سوڈانی فوج میں شامل کر لیا جائے۔تاریخ اور اس دور کی تحریریں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے کتنے مسلمان سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا۔البتہ یہ شہادت مل گئی تھی کہ سوڈانیوں کا پیار اور محبت کا اور اچھے سلوک کا حربہ جس پر بھی ناکام ثابت ہوا اسے انہوں نے بے رحمی سے اذیتیں دیں اور تڑپا تڑپا کر مارا۔

ان قیدیوں میں اسحاق نام کا ایک عہدیدار تھا جو سلطان ایوبی کی فوج کے کسی دستے کا کمانڈر تھا۔وہ سوڈان کا رہنے والا تھا اور نوجوانی میں مصری فوج میں شامل ہوا تھا۔سوڈان کے ایک پہاڑی علاقے میں وہاں کے مسلمان آباد تھے جن کی تعداد چار پانچ ہزار کے درمیان تھی۔ان کے مختلف قبیلے تھے لیکن اسلام نے ان میں اتحاد پیدا کر رکھا تھا۔تمام قبیلوں کے سرداروں نے ایک کمیٹی سی بنا رکھی تھی۔تمام قبیلے اس کے احکام اور فیصلوں کی پابندی کرتے تھے۔ان لوگوں نے روایت بنا رکھی تھی کہ مصری فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے۔سوڈانی فوج میں شمولیت سے گریز کرتے تھے۔وہ جنگجو بھی تھے اور خونخوار

بھی۔ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ سوڈانی فوج اور حکومت نے انہیں بہت لالچ دیئے تھے۔ انہیں جنگ کے ذریعے ختم کرنے کی دھمکی بھی دی تھی لیکن ان مسلمان قبائل کو پہاڑیوں کا فائدہ حاصل تھا۔ دوبار ان پر سوڈانی فوج نے حملہ کیا لیکن مسلمان تیر اندازوں نے چٹانوں کی چوٹیوں سے وہ تیر برسائے کہ سوڈانیوں کے گھوڑے تیر کھا کر اپنے پیادہ سپاہیوں کو کچلتے بھاگ گئے۔

☆

تقی الدین کی جنگی لغزش سے سوڈان والوں کے ہاتھوں جہاں مصر کی بہت سی فوج قیدی ہوگئی تھی وہاں ایک کمانڈر اسحاق بھی تھا۔ اپنے قبیلوں پر اس کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ جنگی قید میں سوڈانیوں نے اسے کہا کہ اگر وہ اپنے مسلمان قبیلوں کو سوڈان کی فوج میں شامل ہونے پر راضی کرلے تو اسے نہ صرف رہا کر دیا جائے گا بلکہ جس پہاڑی علاقے میں مسلمان آباد ہیں، اس تمام علاقے کی الگ ریاست بنا کر اسے اس کا امیر یا سلطان بنا دیا جائے گا۔

''میں اس ریاست کا پہلے ہی سلطان ہوں''...... اسحاق نے جواب دیا...... ''یہ ہماری آزادی ریاست ہے۔''

''وہ سوڈان کا علاقہ ہے''...... اسے کہا گیا...... ''ہم کسی بھی روز وہاں کے لوگوں کو قید کرلیں گے یا تباہ کر دیں گے۔''

''تم پہلے اس علاقے پر قبضہ کرو''...... اسحاق نے کہا...... ''وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرو۔ تم انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کرسکو گے۔ اس علاقے میں اپنا جھنڈا لے جا کر دکھا دو، پھر میں انہیں تمہاری فوج میں شامل ہونے پر راضی کرلوں گا۔''

اسحاق کو قید خانے میں رکھنے کی بجائے ایک خوشنما کمرے میں رکھا گیا جو کسی شہزادے کا محل معلوم ہوتا تھا۔ ایک سوڈانی سالار نے اسے اس کمرے میں داخل کر کے اپنی تلوار دونوں ہاتھوں میں لے کر اور دو زانو ہو کر اسے پیش کی اور کہا...... ''ہم آپ جیسے جنگجو کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ آپ ہمارے قیدی نہیں مہمان ہیں۔''

''میں آپ کی تلوار قبول نہیں کروں گا''...... اسحاق نے کہا...... ''میں مہمان نہیں قیدی ہوں۔ میں نے شکست کھائی ہے۔ میں آپ سے تلوار اسی طرح لوں گا جس طرح آپ نے مجھ سے لی ہے۔ تلوار، تلوار کے زور سے لی جاتی ہے۔''

''مگر ہم آپ کے دشمن نہیں''...... سوڈانی سالار نے کہا۔

''میں آپ کا دشمن ہوں''...... اسحاق نے مسکرا کر کہا...... ''تلواروں کا تبادلہ اتنے خوبصورت کمرے میں نہیں میدان جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اتنی عزت کی۔''

''ہم اس سے زیادہ عزت کریں گے''...... سالار نے کہا...... ''آپ کی مسند خرطوم کے تخت کے ساتھ رکھی جائے گی۔''

''اور روز محشر میری مسند دوزخ کے تہہ خانے میں رکھی جائے گی''...... اسحاق نے کہا...... ''کیونکہ میں نے دنیا میں مسند تخت کے ساتھ رکھی تھی۔''

''میں دنیا کی بات کر رہا ہوں۔''

''مگر مسلمان آخرت کی بات کیا کرتا ہے۔ جب ہم سب اپنے اعمال نامے خدا کے حضور پیش کریں گے''...... اسحاق نے کہا...... ''مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کے بعد کون آئے گا اور کیا تحفہ لائے گا۔''

سوڈانی سالار نے مسکرا کہا...... ''اب کوئی بھی آئے مجھے کیا۔ میں سپاہی ہوں۔ آپ بھی سپاہی ہیں۔ میں نے آپ کی سپاہیانہ شان کو خراج عقیدت پیش کیا تھا۔ آپ نے میرا دل توڑ دیا۔''

''آپ نے میری سپاہیانہ شان دیکھی ہی کب ہے؟''......اسحاق نے کہا......''مجھے تو لڑنے کا موقعہ ملا ہی نہیں۔ میرا دستہ صحرا کے ایک ایسے حصے میں جا پھنسا جہاں پانی کی بوند نظر نہیں آتی تھی۔ تین چار دنوں میں صحرا نے میرے پیادوں، سواروں اور گھوڑوں کو ہڈیوں میں بدل دیا۔ سپاہی اور سوار زبانیں باہر نکالے پانی ڈھونڈنے لگے۔ آپ کے ایک دستے نے حملہ کر دیا اور ہم پکڑے گئے۔ ہمیں صحرا نے شکست دی ہے۔ آپ نے میری تلوار کے جوہر کہاں دیکھے ہیں کہ مجھے خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔''

''مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ بہادر ہیں''......سالار نے کہا۔

''سنی سنائی پر یقین نہ کریں''......اسحاق نے کہا......''کل صبح ایک تلوار مجھے دیں، ایک آپ لیں اور میرے مقابلے میں آئیں۔ مجھے امید ہے کہ میں آپ کی تلوار قبول کر لوں گا مگر اس وقت آپ زندہ نہیں ہوں گے۔''

سالار کچھ اور کہنے لگا تھا کہ اسحاق نے کہا......''غور سے سن لو محترم سالار! مجھے تم لوگ کل جو قید خانے میں ڈال دو گے، ابھی ڈال دو۔ میں اتنی خوبصورت قید میں محو ہو کر اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔

''قید خانے کی غلاظت کی بجائے آپ اس دل نشیں ماحول میں بہتر طریقے سے سوچ سکیں گے''......سالار نے کہا......''میں امید رکھوں گا کہ آپ کے سامنے جو شرط پیش کی گئی ہے، اس پر آپ غور کریں گے۔ مجھے ایک سپاہی بھائی سمجھ کر میرا یہ مشورہ قبول کر لیں کہ اپنا مستقبل تاریک نہ کریں۔ خدا نے آپ کی قسمت میں بادشاہی لکھ دی ہے۔ اس پر لکیر نہ پھیریں۔''

''میرے خدا نے میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں''......اسحاق نے کہا......''اور تمہارے خدا نے جو کچھ لکھا ہے میں اسے بھی جانتا ہوں......تم جاؤ۔ مجھے سوچنے دو''۔

سالار چلا گیا تو کھانا آ گیا۔ کھانا لانے والی تین لڑکیاں تھیں۔ جوان اور بہت ہی خوبصورت۔ وہ نیم عریاں بھی تھیں۔ کھانے کی اقسام ایسی جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھیں۔ کھانے کے ساتھ خوشنما صراحیوں میں شراب بھی تھی۔ اسحاق نے ضرورت کے مطابق کھایا اور پانی پی لیا۔ دستر خوان سمیٹ لیا گیا اور ایک لڑکی اس کے پاس آ گئی۔ اسحاق اسے دیکھتا رہا اور اس کی ہنسی نکل گئی جس میں طنز تھی۔

''کیا آپ نے مجھے پسند نہیں کیا؟''......لڑکی نے پوچھا۔

''میں نے تم جیسی بدصورت لڑکی پہلی بار دیکھی ہے''۔ اسحاق نے کہا۔

لڑکی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ تو بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اسحاق نے اس کی حیرت بھانپتے ہوئے کہا......''حسن حیاء میں ہوتا ہے۔ عورت عریاں ہو جائے تو اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ عریانی نے تمہارا طلسم توڑ دیا ہے۔ میں اب تمہارے قبضے میں نہیں آسکوں گا۔''

''کیا آپ نے مجھے دیکھ کر بھی میری ضرورت محسوس نہیں کی؟''......لڑکی نے پوچھا۔

''میرے جسم کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں''......اسحاق نے کہا......''میری روح کی ایک ضرورت ہے جو تم پوری نہیں کر سکو گی۔ تم جاؤ۔''

''لیکن میرے لیے حکم ہے کہ آپ کے پاس رہوں''......لڑکی نے کہا......''اگر میں نے حکم کے خلاف کوئی کام کیا تو مجھے سزا کے طور پر وحشی حبشیوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔''

''دیکھو لڑکی!''......اسحاق نے کہا......''میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ کچھ اور ہے۔ میں تمہیں اس کمرے میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر تم اس کمرے میں رات بسر کرنے کا حکم لے کے آئی ہو تو یہیں رہو اور میں باہر سو جاؤں گا۔''

''یہ بھی میرا جرم ہوگا''......لڑکی نے کہا......''آپ مجھے اس کمرے میں رہنے دیں۔ مجھ پر رحم کریں''......لڑکی نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص پتھر ہے۔ اس نے اسحاق کی منت سماجت شروع کر دی۔

''تمہارا کام کیا ہے؟''......اسحاق نے پوچھا......''کس مقصد کے لیے تمہیں میرے پاس بھیجا گیا ہے؟ مجھے اپنا مقصد بتا دو تو اس کمرے میں رہنے دوں گا۔''

''میرا کام یہ ہے کہ آپ جیسے مردوں کو موم کروں''......لڑکی نے جواب دیا......''آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ میں نے مذہب کے شیدائیوں کو اپنا گرویدہ بنایا اور انہیں سوڈان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔'' لڑکی نے پوچھا......''کیا واقعی آپ نے مجھے بدصورت سمجھا ہے یا مذاق کیا تھا؟''

''تم جسے خوشبو کہتی ہو وہ میرے لیے بدبو ہے''......اسحاق نے کہا......''میری نظر میں تم واقعی بدصورت ہو...... جہاں سونا چاہتی ہو سو جاؤ۔ پلنگ پر سو جاؤ، میں فرش پر سو جاؤں گا۔''

لڑکی فرش پر لیٹ گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟''......اسحاق نے پوچھا۔

''آشی۔''

''اور تمہارا مذہب؟''

''میرا کوئی مذہب نہیں۔''

''تمہارے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟''

''معلوم نہیں''......لڑکی نے کہا۔

اسحاق پر نیند کا غلبہ ہونے لگا اور ذرا سی دیر میں اس کے خراٹے سنائی دینے لگے۔

☆

''اس شخص کے ساتھ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں''......اس لڑکی نے کہا جس نے رات اسحاق کو اپنا نام آشی بتایا تھا۔ اس کے سامنے سوڈانی فوج کے اعلیٰ افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ آشی نے کہا......''اس شخص کے اندر جذبات نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیسے کیسے پتھر موم کیے ہیں مگر اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔''

''معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی کوتاہی کی ہے''......ایک افسر نے کہا۔

لڑکی نے پوری تفصیل سنائی کہ اس نے اسحاق کو کیسے کیسے طریقوں سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی مگر وہ ہنس پڑتا تھا یا اسے خاموشی سے دیکھتا رہتا تھا۔ ذرا دیر بعد سو جاتا تھا۔

چار پانچ دن سوڈانی حکام اسحاق کو اپنی بات پر لانے کی کوشش کرتے رہے۔ راتوں کو اس پر بڑے بڑے حسین طلسم طاری کرنے کے جتن کیے گئے مگر اسحاق نے بات یہیں پر ختم کی کہ میں مصر کی فوج کے ایک دستے کا کماندار ہوں، مسلمان ہوں اور قیدی ہوں۔

آخر اسے محل سے نکال کر قید خانے میں لے گئے اور ایک تنگ سی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ سلاخوں والے

دروازے پر قفل چڑھا دیا گیا۔ کوٹھڑی میں ایسی بدبو تھی کہ دماغ پھٹا جاتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ایک سپاہی دیا لے آیا جو اس نے سلاخوں میں اسحاق کو دے دیا۔ اسحاق نے دیا فرش پر رکھا تو اسے کوٹھڑی میں ایک لاش پڑی نظر آئی جو خراب ہو رہی تھی۔ لاش کا منہ کھلا ہوا اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ لاش سوج گئی تھی۔ اسحاق نے قید خانے کے سپاہی کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ یہ کس کی لاش ہے۔

''تمہارا ہی کوئی دوست ہوگا۔'' سپاہی نے جواب دیا..... ''کوئی مصری تھا۔ جنگ میں پکڑا گیا تھا۔ اسے بہت اذیتیں دی گئی تھیں۔ پانچ چھ دن ہوئے کوٹھڑی میں مر گیا۔''

''لاش یہاں کیوں پڑی ہے؟'' اسحاق نے پوچھا۔

''تمہارے لیے۔'' سپاہی نے طنزیہ کہا..... ''اسے اٹھا لیا تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔'' سپاہی ہنستا ہوا چلا گیا۔

اسحاق نے دیا اوپر کر کے لاش کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کپڑوں سے اس نے پہچان لیا کہ مصری فوج کا آدمی تھا۔ اسحاق نے کوٹھڑی میں جو بدبو محسوس کی تھی وہ غائب ہو گی۔ اس نے سوجی ہوئی لاش کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور کہا..... ''تمہارا جسم گل جائے گا، مگر روح تازہ رہے گی۔ تم نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ تم مجھ سے برتر ہو۔ تم زندہ ہو۔ زندہ رہو گے۔ سپاہی ٹھیک کہہ گیا ہے۔ تم نہ ہوتے تو میں اکیلا رہ جاتا۔''

وہ بہت دیر اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور لاش کے پاس لیٹ گیا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح اسے جگایا گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہی سوڈانی سالار کھڑا تھا جس نے اسے تلوار پیش کی تھی۔ سالار نے کہا..... ''کسی چیز کی ضرورت ہو تو حاضر کروں۔''

''میں نے تمہارے لہجے کو پہچان لیا ہے۔'' اسحاق نے کہا..... ''میں ہارا ہوا ہوں۔ تم مجھے طعنہ دے سکتے ہو۔ اگر تم واقعی میری کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہو تو میدان جنگ سے تمہیں مصر کے پرچم بھی ملے ہوں گے۔ ایک پرچم لا دو۔ میں اس لاش پر ڈالنا چاہتا ہوں۔''

سالار نے قہقہہ لگا کر کہا..... ''کیا تمہارے پرچم کو ہم نے سینے سے لگا رکھا ہوگا؟ ہم نے مصر کے کسی جھنڈے کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کیا۔'' اس نے سپاہی سے کہا..... ''اسے باہر نکالو اور نیچے لے چلو۔ لاش یہیں رہنے دو۔''

اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں لے گئے۔ وہاں ایسی بدبو تھی جیسے بے شمار لاشیں پڑی ہوں۔

سوڈانی سالار آگے آگے تھا۔ ایک جگہ چھ سات مصری الٹے لٹکے ہوئے تھے اور ان کے بازوؤں کے ساتھ وزن بندھا ہوا تھا۔ آگے ایک آدمی کو بہت بڑی صلیب کے ساتھ اس طرح لٹکایا ہوا تھا کہ اس کی ہتھیلیوں میں ایک ایک کیل گڑھا ہوا تھا۔ خون ٹپک رہا تھا۔ ایک جگہ ایک چوڑا اور بہت بڑا پہیہ تھا۔ اس پر ایک آدمی پیٹھ کے بل اس طرح بندھا تھا کہ ٹخنوں سے زنجیریں بندھی تھیں جو فرش میں ٹھونکی ہوئی تھیں۔ بازو اوپر کر کے پہیے کے ساتھ بندھے تھے۔ ایک آدمی پہیے کو ذرا سا چلاتا تو اس آدمی کے بازو اور ٹانگیں اوپر اور نیچے کو کھینچی جاتی تھیں۔ وہ درد سے چیختا تھا۔

اسحاق کو تہہ خانے میں گھما پھرا کر دکھایا گیا کہ یہاں کیسی کیسی اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ جگہ جگہ خون تھا۔ بعض قیدی قے کرتے تھے۔ اور چند ایک بے ہوش پڑے تھے۔ اذیت کا ہر ایک طریقہ دکھا کر سوڈانی سالار نے اسحاق سے پوچھا..... ''آپ کو جو طریقہ پسند ہو وہ بتا دیں۔ ہم آپ کو وہاں لے چلتے ہیں۔ اگر آپ اس کے بغیر ہی ہماری بات مان جائیں تو آپ کا ہی بھلا ہوگا۔''

''جہاں جی چاہے لے چلو۔ ... سے غداری نہیں کروں گا۔'' اسحاق نے کہا۔

''میں ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ ہم تم سے کیا کروانا چاہتے ہیں۔'' سالار نے کہا..... ''تمہیں کہا گیا تھا کہ تمام مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں لے آؤ اس کے عوض تمہیں رہا بھی کیا جائے گا اور مسلمان قبیلوں کے علاقے کا امیر بنا دیا جائے گا۔ اب تم اپنا یہ حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ہماری شرط یہی ہے مگر تمہیں یہ انعام دیا جائے گا کہ کوئی اذیت نہیں دی جائے گی اور تمہیں سوڈانی فوج میں اچھا عہدہ دیا جائے گا۔''

''عہدے کی بجائے مجھے کسی بھی اذیت میں ڈال دو۔'' اسحاق نے کہا۔

اسے اس طرح الٹا لٹکا دیا گیا کہ ٹخنوں سے زنجیریں ڈال کر چھت سے باندھ دیا گیا۔ سالار نے سپاہیوں سے کہا..... ''شام تک اسے یہیں رہنے دو۔ شام کے وقت اسے لاش والی کوٹھڑی میں پھینک دینا۔ مجھے امید ہے کہ اس کا دماغ صاف ہو جائے گا۔''

☆

شام تک وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ہوش میں آیا تو وہ لاش کے پاس پڑا تھا۔ ایک کونے میں تھوڑا سا پانی اور کچھ کھانا رکھا تھا۔ اس نے پانی پیا اور کھانا کھا لیا۔ اس نے لاش سے کہا..... ''میں تمہاری روح کے ساتھ دھوکا نہیں کروں گا۔ میں جلدی تمہارے پاس آ رہا ہوں۔''..... باتیں کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

آدھی رات کے وقت اسے پھر جگا لیا گیا اور پہیے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ سوڈانی سالار موجود تھا۔ اس نے کہا..... ''ہزاروں مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ تم اسلام کے لیے قربانی دے رہے ہو لیکن صلاح الدین ایوبی اپنی بادشاہی کو آدھی دنیا پر پھیلانے کے لیے تم جیسے پاگلوں کو مروا رہا ہے۔ وہ بدبخت شراب بھی پیتا ہے اور اس نے پریوں جیسی لڑکیوں سے حرم بھر رکھا ہے اور تم ہو کہ اس کے نام پر مرتے ہو۔''

''سالار محترم!''..... اسحاق نے کہا..... ''میں تمہیں اپنے مذہب کے امیر اور سلطان کے خلاف جھوٹ بولنے سے روک نہیں سکتا، اور تم مجھے اپنے عقیدے پر جان قربان کرنے سے روک نہیں سکتے۔ میری قوم کے کسی بھی قبیلے کا کوئی ایک بھی مسلمان تمہاری فوج میں شامل نہیں ہوگا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا۔''

''تم شاید نہیں جانتے کہ عرب میں مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔'' سوڈانی سالار نے کہا..... ''صلیبی فلسطین میں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ تمام امیروں اور مسلمان حکمرانوں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔''

''انہوں نے کر دی ہوگی۔'' اسحاق نے کہا..... ''میں نہیں کروں گا۔ جنہوں نے بغاوت کی ہے وہ اس دنیا میں بھی سزا بھگتیں گے، اگلے جہان میں بھی..... تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرو اور کسی دوسرے سوڈانی مسلمان کو پکڑو۔ شاید وہ تمہارا کام کر دے۔''

''ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم صرف اشارہ کر دو تو تمام مسلمان ہمارے ساتھ ہوں گے۔'' سالار نے کہا..... ''ہم تم سے یہ کام مفت نہیں کرانا چاہتے۔ تمہاری قسمت بدل دیں گے۔''

''میں آخری بار کہتا ہوں کہ میں اپنی قوم کو نہیں بیچوں گا نہیں''..... اسحاق نے کہا۔

وہ پہیے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ نیچے ٹخنے فرش کے ساتھ، اوپر کلائیاں پہیے کے ساتھ۔ تین چار حبشی اس لیے کھمبے کے ساتھ کھڑے تھے جسے دھکیلنے سے پہیہ حرکت میں آتا تھا۔ سوڈانی سالار نے اشارہ کیا تو حبشیوں نے کھمبے کو ایک

قدم دھکیلا۔ رہٹ کی طرح پہیہ چلا۔ اسحاق کا جسم اوپر اور نیچے کو کھنچنے لگا۔ اس کے بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہونے لگیں۔ اس کے جسم سے پسینہ اس طرح پھوٹا جیسے کسی نے اس پر پانی انڈیل دیا ہو۔

''اب سوچو اور جواب دو۔'' اس کے کانوں میں سوڈانی سالار کی آواز پڑی۔

''ایمان نہیں بیچوں گا'' اسحاق نے کراہتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اس کی کھال پھٹنے لگی۔

''اب اچھی طرح سوچ سکو گے۔''

''میری لاش بھی یہی جواب دے گی۔ اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔'' اسحاق نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے منہ سے نکالے۔

''اسے کچھ دیر یہیں رہنے دو۔'' سالار نے حکم دیا...... ''مان جائے گا''

اسحاق نے قرآن کی آیات کا ورد شروع کر دیا۔ سالار چلا گیا۔ اسحاق کے جسم کے جوڑ کھل رہے تھے۔ کھال جیسے اتاری جا رہی تھی۔ اس کا منہ آسمان کی طرف تھا۔ اس نے تصور میں خدا کو اپنے سامنے دیکھا اور کہا۔ ''خداوند دو عالم! میں گناہگار ہوں تو مجھے اور زیادہ سزا دو۔ میں آپ کی راہ میں سچا ہوں تو مجھے سکون عطا کرو۔ میں آپ کے حضور شرمسار نہیں ہونا چاہتا...... اس نے آنکھیں بند کر کے آیات کا ورد شروع کر دیا۔

''تم چیختے کیوں نہیں؟'' اس کے پاس قید خانے کا جو سپاہی کھڑا تھا اس نے کہا...... ''زور زور سے چیخو۔ اس سے تکلیف ذرا کم ہو جاتی ہے۔''

''میں تکلیف میں نہیں ہوں۔'' اسحاق نے کہا...... ''پہیہ اور آگے کر دو''

قید خانے کے سپاہی درندے تھے۔ اس سپاہی نے حبشیوں سے کہا کہ پہیہ ذرا اور چلائیں۔ حبشیوں نے دھکہ لگایا تو پہیہ اور آگے چلا گیا۔ اسحاق کے جسم سے کڑاک کڑاک کی آوازیں نکلیں۔ ایک اور سپاہی دوڑتا آیا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا...... ''تمہیں کس نے کہا ہے کہ پہیہ چلاؤ۔ یہ مر جائے گا۔ اسے ابھی زندہ رکھنا ہے'' ...... پہیہ ذرا پیچھے کر دیا گیا۔

''یہ کہتا ہے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔'' سپاہی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''تم ہوش میں ہو؟'' سپاہی نے اسحاق سے پوچھا...... ''تم کیا بول رہے ہو؟''

''بے ہوشی میں بول رہا ہے۔'' دوسرے نے کہا...... ''تم نے چکر جہاں تک پہنچا دیا تھا وہاں انسان مر جاتا ہے۔ یہ ہوش میں نہیں ہو سکتا۔''

''میں ہوش میں ہوں دوستو!'' اسحاق کی نحیف آواز سنائی دی...... ''میں اپنے خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔''

دونوں سپاہیوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ ایک نے کہا...... ''یہ اتنا طاقتور تو نہیں لگتا۔ اس حالت میں تو بھینسوں جیسے وحشی حبشی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی عالم ہوگا۔ اس کے پاس خدا کی طاقت ہے۔''

''ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔'' اسحاق نے کہا...... ''میرے پاس خدا کی طاقت ہے۔ میں خدا کا کلام پڑھ رہا ہوں۔ پہیے کو پورا چکر دے کر دیکھو۔ میرا جسم دو حصوں میں کٹ جائے گا۔ دونوں حصوں سے یہی آواز آئے گی جو تم سن رہے ہو۔''

وہ گنوار سپاہی تھے۔ تو ہم پرستی ان کا مذہب تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھے۔ پیروں فقیروں اور مجذوبوں کو خدا سمجھتے

تھے۔ بتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اس پہیے کو (جسے چکر شکنجہ کہتے تھے) وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے ساتھ بندھا ہوا انسان پہیے کی ذرا سی حرکت پر چیخ اٹھتا اور ہر بات مان لیتا تھا۔ ذرا مزید حرکت سے بے ہوش ہوتا اور کچھ دیر بعد مر جاتا تھا لیکن اسحاق پہیے کے آخر نشان تک زندہ ہی رہا، ہوش میں رہا۔ سپاہی جان گئے کہ یہ آدمی عام قسم کا انسان نہیں۔

تم آسمانوں کا حال جانتے ہو؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

''میرا خدا جانتا ہے۔'' اسحاق نے جواب دیا۔

''تمہارا خدا کہاں ہے۔''

''میرے دل میں۔'' اسحاق نے جواب دیا..... ''وہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتا۔''

''ہم غریب لوگ ہیں۔'' ایک سپاہی نے کہا..... ''یہاں تم جیسے انسانوں کی ہڈیاں توڑ کر بال بچوں کو روٹی کھلاتے ہیں۔ تم ہماری قسمت بدل سکتے ہو؟''

''باہر جا کر۔'' اسحاق نے کہا..... ''میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں وہ تمہیں بتا دوں گا۔ تمہاری قسمت بدل جائے گی۔''

''ہم پہیہ نیچے کر دیتے ہیں۔'' ایک سپاہی نے کہا..... ''سالار کو آتا دیکھیں گے تو اوپر کر دیں گے۔''

''نہیں!'' اسحاق نے کہا..... ''میں تمہیں یہ بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ یہی میری طاقت ہے۔ اسے ہم ایمان کہتے ہیں۔''

''ہم تمہاری مدد کریں گے۔'' ایک سپاہی نے کہا..... ''جب کہو گے جو کہو گے ہم کریں گے۔ اگر ہو سکا تو تمہیں قید خانے سے نکال دیں گے۔''

☆

سالار آ گیا۔

''کیوں بھائی؟'' اس نے اسحاق سے پوچھا..... ''ہوش میں ہو؟''

''میرے اللہ نے مجھے بے ہوش نہیں ہونے دیا۔'' اسحاق نے جواب دیا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اسحاق نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اس کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا ہے اور اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اس نے کراہتی ہوئی آواز میں کلام پاک کا ورد اور زیادہ بلند آواز سے شروع کر دیا۔ پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اس کے جسم سے ایسی آوازیں آئیں جیسے جوڑ ٹوٹ رہے ہوں۔

''خوش نہ ہو کہ ہم تمہیں جان سے مار دیں گے۔'' سوڈانی سالار نے کہا..... ''تم زندہ رہو گے اور تمہارے ساتھ ہر روز یہی سلوک ہوگا۔ تمہاری جان لے کر تمہیں اذیت سے آزاد نہیں کرنا چاہتے۔''

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ورد جاری رکھا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ ذرا نیچے کر دیا گیا۔ سالار کے ساتھ فوج کا ایک اور افسر تھا۔ سالار اسے الگ لے گیا اور کہا..... ''بہت سخت جان معلوم ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں یہ بے ہوش بھی نہیں ہوا۔ ہم نے زیادتی کی تو مر جائے گا۔ اسے ابھی زندہ رکھنا ہے۔ میں نے ایک اور طریقہ سوچا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کی ایک بیٹی کی عمر چودہ پندرہ سال ہے اور اس کی بیوی بھی ہے۔ ان دونوں کو یہ دھوکہ دے کر یہاں بلایا جائے کہ یہ شخص قید خانے میں ہے اور مر رہا ہے۔ تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اسے دیکھ جاؤ، اور اگر یہ مر گیا تو اس کی لاش لے جاؤ۔''

دوسرے افسر نے کہا..... ''دھوکے سے ہی بلانا پڑے گا۔ ورنہ وہاں کے مسلمان ہمارے کسی آدمی کو اپنے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔''

''ان دونوں کو بلا کر اس کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کر دیں گے۔'' سالار نے کہا..... ''پھر اسے کہیں گے کہ ہماری شرط مان لو ورنہ تمہاری کمسن بیٹی اور بیوی کو تمہارے سامنے بے آبرو کیا جائے گا۔''

دونوں سپاہی جو سالار کی غیر حاضری میں اسحاق کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے قریب کھڑے سن رہے تھے۔ سالار نے انہی میں سے ایک کو بھیج کر فوج کے کمانڈر کو بلایا۔ اسے اسحاق کے گاؤں کا راستہ بتا کر پیغام دیا اور یہ بھی بڑی اچھی طرح سمجھا دیا کہ مقصد کیا ہے۔ اسے کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ہی احترام سے بات کرے اور صلاح الدین ایوبی کی تعریفیں بھی کرے ورنہ مسلمان اسے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔

کمانڈر اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اسحاق کو چکر شکنجے سے اتار کر اسی کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا جس میں کسی مصری سپاہی کی لاش گل سڑ رہی تھی۔ اسحاق سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ سارے جسم سے درد کی بے رحم ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر اس نے دھیان خدا کی طرف لگا رکھا تھا۔ اتنے شدید درد کے باوجود وہ اپنے آپ میں سکون محسوس کر رہا تھا۔ اس کی روح میں کوئی درد نہیں تھا۔ جسمانی درد کے احساس سے وہ بے نیاز ہو چکا تھا لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ اسے ایسی ذلت میں ڈالنے کا اہتمام ہو رہا ہے جو اس کی روح کو لہولہان کر دے گا۔ اس کی کمسن بیٹی اور جوان بیوی کو قید خانے میں لانے کے لیے ایک آدمی چلا گیا تھا۔

وہاں سے اس کا گاؤں جو پہاڑی علاقے میں تھا گھوڑے پر پورے دن کی مسافت جتنا دور تھا۔ صبح ابھی ابھی طلوع ہوئی۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی افسر کے ساتھ چلا گیا۔ قید خانے میں دونوں سپاہیوں کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی۔ دن بھر کے لیے دوسرے سپاہی آ رہے تھے۔ ان دونوں سپاہیوں نے آپس میں بات کی اور ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ اسحاق کو برگزیدہ انسان سمجھ رہے تھے جس کا تعلق براہ راست کسی غیبی قوت کے ساتھ تھا۔ یہ ان کی برداشت سے باہر تھا کہ اس برگزیدہ شخص کی بیٹی اور بیوی کو قید خانے میں بلا کر ذلیل کیا جائے۔ ایک سپاہی نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا کہ اس شخص کی بیٹی اور بیوی کی توہین کی گئی تو سب پر قہر نازل ہو گا۔ ان دونوں کو یہ لالچ بھی تھا کہ باہر جا کر اسحاق ان کی قسمت بدل دے گا۔

ایک سپاہی نے کہا کہ وہ اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو یہاں تک نہیں آنے دے گا۔

☆

شام ہو چکی تھی جب پیغام لے جانے والا سوڈانی کمانڈر مسلمانوں کے پہاڑی علاقے میں داخل ہوا۔ پہلے گاؤں میں جا کر اس نے پوچھا کہ اسحاق نام کے ایک سوڈانی مسلمان کا گاؤں کہاں ہے جو مصر کی فوج میں عہدیدار ہے۔ اسحاق کا تمام علاقے پر اثر و رسوخ تھا۔ اسے ہر کوئی جانتا تھا۔ کمانڈر نے بتایا کہ وہ زخمی حالت میں جنگی قیدی ہوا تھا۔ دوسرے قیدیوں کی طرح اسے بھی قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ اس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اسے اس کی بیٹی اور بیوی سے ملایا جائے میں ان دونوں کو لینے آیا ہوں۔

ایک آدمی ان کے ساتھ ہو گیا۔ وادیوں سے گذرتے، کچھ وقت بعد دونوں اسحاق کے گاؤں میں داخل ہوئے۔ پھر اس کے گھر جا پہنچے۔ اس کے بوڑھے باپ سے ملاقات ہوئی۔ سوڈانی کمانڈر نے جھک کر مصافحہ کیا اور نہایت اچھے انداز سے کہا۔ ''آپ کا بیٹا اتنا بہادر ہے کہ ہمارے سالار بھی اسے سلام کرتے ہیں۔ وہ بہادری سے لڑا مگر ریگستان نے اسے پیاسا رکھ کر بے حال کر دیا۔ وہ زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ اس کا علاج اس طرح کیا جا رہا ہے جس طرح سوڈانی

سالاروں اور حکمرانوں کا کیا جاتا ہے۔ اتنے اچھے علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہوا۔ اسے بچانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اپنی بیٹی کو اور اپنی بیوی کو آخر بار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم لوگ اس کی اتنی زیادہ عزت کرتے ہو تو اسے میرے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہمارے جراح اور طبیب اسے ٹھیک کر لیں۔"

"فرمانروائے سوڈان نے کہا ہے کہ وہ ہمارا مہمان ہے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "مہمان کو بیماری کی حالت میں رخصت کرنا میزبان کی بے عزتی ہے۔ صحت یاب ہوتے ہی اسے باعزت طریقے سے رخصت کر دیا جائے گا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی بیٹی اور بیوی اس کے پاس رہیں اور اس کی تیمارداری کریں؟" بوڑھے باپ نے پوچھا۔

"اگر یہ دونوں وہاں رہنا چاہیں تو انہیں عزت سے رکھا جائے گا۔" کمانڈر نے کہا..... "ہمارے ہاں بہادروں کی عزت کی جاتی ہے۔ ہمارے مذہب الگ ہیں لیکن ہم اور آپ سوڈانی ہیں۔ ہم زمین کا احترام کرتے ہیں۔ اگر اسحاق صلاح الدین ایوبی کا سپاہی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم بھائی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کو ہم بہت بڑا جنگجو مانتے ہیں۔ اس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا دیا ہے۔"

"پھر تم اسے دشمن کیوں سمجھتے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "تم صلیبیوں کو دوست کیوں سمجھتے ہو؟"

"محترم بزرگ!" کمانڈر نے کہا۔ "اگر میں باتیں کرنے بیٹھ گیا تو یہ میرے فرض میں کوتاہی ہوگی۔ مجھے آپ کی بچی اور آپ کی بہو کو صبح سے پہلے آپ کے بیٹے تک پہنچانا ہے۔ آپ کے بیٹے کی خواہش کی تکمیل ہمارا فرض ہے..... کیا آپ کی بیٹی اور بہو میرے ساتھ ابھی چلنے کو تیار ہیں؟"

پردے کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "ہم تیار ہیں۔"

"کوئی مرد ساتھ نہیں جا سکتا؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "میں بھی تو اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سفر لمبا ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "آپ اتنی لمبی گھوڑ سواری برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجھے جو حکم ملا ہے وہ بیٹی اور بیوی کو لانے کا ہے۔"

قید خانے کا سپاہی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر گیا۔ بہت جلدی میں اسے نے کپڑے بدلے۔ سر کو اس طرح ڈھانپا کہ چہرہ بھی چھپ گیا۔ اس نے گھوڑے کے لیے چارہ اور پانی گھوڑے کے ساتھ باندھا اور کسی کو بتائے بغیر کہ کہاں جا رہا ہے روانہ ہو گیا۔ اس نے وہ راستہ معلوم کر لیا تھا جو اسحاق کے گاؤں کو جاتا تھا۔ سالار جب پیغام لے جانے والے کمانڈر کو راستہ سمجھا رہا تھا یہ سپاہی پاس کھڑا سن رہا تھا۔ اس کے دل میں عقیدت تھی۔ آبادی سے نکل کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کمانڈر اس سے بہت پہلے نکل گیا تھا اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اسے سے پہلے اسحاق کے گھر پہنچ جاتا۔ سورج بہت اوپر آ چکا تھا۔

☆

اسحاق کے باپ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ اس نے دونوں تیار کیے۔ اسحاق کی بیٹی اور بیوی جلدی میں تیار ہو کر سوار ہو گئیں۔ گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی وہاں آ گئے تھے۔ سب سوڈانی کمانڈر کی باتوں میں آ گئے اور انہوں نے اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو کمانڈر کے ساتھ رخصت کر دیا۔ رات کا سفر تھا۔ راستے میں کہیں رکنا نہیں تھا۔ دونوں مستورات

کے دلوں میں اسحاق کے متعلق جو جذبات تھے ان سے ان کی نیند اڑ گئی۔ ان کے لیے گھوڑے کی سواری کوئی نئی یا مشکل بات نہیں تھی۔ یہاں کے مسلمان اپنے بچوں کو گھوڑسواری اور تیراندازی بچپن میں ہی سکھا دیا کرتے تھے۔

تینوں گھوڑے پہاڑی علاقے سے نکل گئے۔ کمانڈر خوش تھا کہ اس نے کامیابی سے دونوں مستورات کو جال میں پھانس لیا تھا۔ اسحاق اس کوٹھڑی میں بیٹھا تھا جس میں گلی سڑی لاش پڑی تھی۔ یہ لاش اسے پریشان کرنے کے لیے وہاں رکھی گئی تھی لیکن اسحاق نے اپنے آپ کو جسمانی احساسات سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ لاش کے ساتھ اس طرح باتیں کرتا تھا جیسے وہ زندہ ہو۔ اسے بدبو کا ذرہ بھر احساس نہیں تھا۔ وہ اب جسم نہیں روح بن گیا تھا۔ سارا دن اسے کوٹھڑی سے باہر نہ نکالا گیا۔ شام کے بعد بھی اسے کسی نے نہ چھیڑا۔ وہ حیران بھی ہوا کہ اسے کیوں آرام دیا جا رہا ہے۔ شاید سوڈانی سالار اس سے مایوس ہو گیا تھا؟

''کمانڈر دونوں مستورات کے ساتھ پہاڑی علاقے سے نکل کر صحرا میں جا رہا تھا۔ وہ ان دونوں کو اسحاق کی بہت اچھی اچھی باتیں سنا رہا تھا۔ دونوں پوری دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔'' اپنی بیٹی اور بیوی کی بے عزتی کون برداشت کر سکتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کمانڈر ان دونوں کو لے آئے گا۔ میں اسحاق سے کہوں گا کہ جب تک تم مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر کے سوڈان کا وفادار نہیں بنا دیتے تمہاری بیٹی اور بیوی کو آزاد نہیں کیا جائے گا۔''

''صبح تک ہمارے کمانڈر کو آ جانا چاہیے۔'' سالار کے ساتھی نے کہا۔

''ہو سکتا ہے ذرا پہلے آ جائے۔'' سالار نے کہا۔ ''آدمی ہوشیار ہے۔''

قید خانے کا جو سپاہی کمانڈر کے پیچھے روانہ ہوا تھا ریتلے ٹیلوں کے علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ اس نے آدھے سے زیادہ راستہ طے کر لیا تھا۔ اس رات چاند نہیں تھا۔ صحرا کی فضا رات کو شفاف ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی بھی مسافروں کو راستہ دکھا دیتی ہے۔ سپاہی کو رات کی خاموشی میں کسی کی باتیں سنائی دیں۔ بولنے والا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ ٹیلے گونج پیدا کر رہے تھے۔ سپاہی ایک ٹیلے کی اوٹ میں رک گیا۔ باتیں بلند ہوتی گئیں اور گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹیں بھی سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی سی دیر بعد سپاہی نے ٹیلے کی اوٹ سے تین گھوڑے گذرتے دیکھے۔ اس نے تلوار نکال لی اس وقت بھی کمانڈر اسحاق کی باتیں کر رہا تھا۔ سپاہی کو یقین ہو گیا کہ یہ کمانڈر ہے اور اس کے ساتھ اسحاق کی بیٹی اور بیوی ہے۔

اس نے گھوڑ باہر نکالا اور ان کے پیچھے گیا۔ اس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز نے کمانڈر کو چونکا دیا۔ وہ تلوار سونت کر پیچھے کو مڑا لیکن سپاہی گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔ اس نے دوڑتے گھوڑے سے کمانڈر پر ایسا وار کیا کہ اس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ گھوڑا روک کر وہ پیچھے مڑا۔ کمانڈر لڑنے کی حالت میں نہیں تھا۔ اس نے رحم کے لیے پکارا لیکن سپاہی نے اس کی گردن پر وار کر کے اسے گھوڑے سے لڑھکا دیا۔

دونوں مستورات سن ہو گئیں۔ اسحاق کی بیوی نے اپنی بیٹی سے کہا۔ ''بھاگو۔ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں۔''

انہوں نے گھوڑے موڑے۔ سپاہی نے اپنا گھوڑا ان کے راستے میں کر لیا اور کہا۔ ''یہاں کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ مجھ سے نہ ڈرو۔ میں نے تمہیں ایک ڈاکو سے بچایا ہے۔ میرے ساتھ اپنے گاؤں میں چلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا۔ تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ میں اکیلا ہوں۔''

وہ دونوں حیران و پریشان تھیں کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ سپاہی نے کمانڈر کے گھوڑے سے لگام اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دی اور گھوڑے کو بھی ساتھ لے چلا۔ راستے میں اس نے دونوں کو بتایا کہ اسحاق قید خانے میں بند

ہے۔اسے کہا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر دے۔اسحاق نہیں مان رہا۔سپاہی نے ان دونوں کو یہ نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔اس نے کہا کہ تم دونوں کو اس کے سامنے عریانی کی حالت میں کھڑا کر کے اور تم دونوں کی بے عزتی کی دھمکی دے کر اسحاق کو اپنی بات پر لانے کے لیے بلایا گیا ہے۔یہ آدمی جسے میں نے قتل کیا ہے تم دونوں کو اسی نیت سے لے جانے آیا تھا۔میں اس کے پیچھے چل پڑا۔میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔''

''تم کون ہو؟'' اسحاق کی بیوی نے پوچھا۔''مسلمان ہو؟''

''میں قید خانے کا سپاہی ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔''میں مسلمان نہیں ہوں۔''

''پھر تمہیں ہمارے ساتھ کیسے ہمدردی پیدا ہو گئی۔؟''

''میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر ہوتے ہیں۔'' سپاہی نے کہا۔''تمہارا خاوند پیغمبر معلوم ہوتا ہے۔''

اسحاق کی بیوی نے اس سے پوچھا کہ وہ اس کے خاوند کو کیوں پیغمبر سمجھتا ہے۔سپاہی نے اصل بات نہ بتائی اور کہا..... ''اب تو میں اسے سچا پیغمبر سمجھتا ہوں۔وہ قید خانے میں قید ہے۔مسلمان ہے۔میں مسلمان نہیں ہوں۔اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کی بیٹی اور بیوی کو بے عزت کرنے کا انتظام کر دیا ہے۔میرے دل میں خیال آ گیا کہ میں تم دونوں کی عزت کی حفاظت کروں گا۔میں نے ایسا کام کیا ہے جو میری ہمت سے باہر تھا۔یہ اسی کی غیبی قوت ہے۔میں اسے پیغمبر سمجھتا ہوں۔

☆

سحر کے وقت اسحاق کے گھر کے سامنے چار گھوڑے رکے۔دروازے پر دستک ہوئی۔اسحاق کا باپ اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو ان کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔اندر جا کر سپاہی نے اسے تمام حالات اور واقعات سنا دیئے لیکن اسے بھی نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔

اسحاق کے باپ نے اسی وقت اپنے قبیلے کے لوگوں کو اطلاع دے دی۔لوگ جمع ہو گئے۔سپاہی نے انہیں بتایا کہ اسحاق کو اس شرط پر رہائی دینے کا وعدہ کیا جا رہا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو سوڈان کی فوج میں شامل کر دے۔اور تمام مسلمان سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔سپاہیوں نے بتایا کہ اسحاق کہتا ہے کہ مجھے جان سے مار دو میں اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔

تمام لوگ بھڑک اٹھے۔سوڈان کو بھلا برا کہنے لگے۔کسی نے کہا..... ''یہاں صلاح الدین ایوبی آئے گا۔یہ خدا کی زمین ہے۔''

''ہم قید خانے پر حملہ کر کے اسحاق کو رہا کرائیں گے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

''تمہارے لیے یہ کام آسان نہیں'' سپاہی نے کہا۔''تہہ خانے میں سے تم کسی کو نکال نہیں سکتے۔''

''تم قید خانے کے سپاہی ہو۔'' اسحاق کے باپ نے کہا۔''تم ہماری مدد کر سکتے ہو۔''

''میں غریب اور ادنیٰ سپاہی ہوں۔'' اس نے کہا۔''میں آپ کے بیٹے کو پیغمبر سمجھتا ہوں۔میں نے اسے کہا تھا کہ میری قسمت بدل دو۔اس نے کہا تھا کہ باہر آ کر بدل دوں گا۔جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے میں اس کا مرید ہوتا جا رہا ہوں۔یہ سب لوگ اس پر جانیں قربان کرنے پر تیار ہیں۔کیا میری زندگی بھی ایسی ہو سکتی ہے جیسی تمہاری ہے؟''

''مسلمان ہو جاؤ اور یہیں رہو۔'' اسحاق کے باپ نے اسے کہا۔''ہم لوگ جنت میں رہتے ہیں۔یہاں پانی کے چشمے ہیں اور ہرے بھرے درخت ہیں۔یہاں کی زمین اتنا اناج دیتی ہے کہ جو کاشت کاری نہیں کرتا وہ بھی بھوکا نہیں

رہتا۔ یہ ہمارے اللہ کی شان ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ اور اپنی قسمت بدل لو۔ ہم لوگ آزاد ہیں۔ یہ پہاڑیاں ہمارا قلعہ ہیں۔ جو ہمارے اللہ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔''

سپاہی نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسحاق کے باپ نے اسے حلقہ بگوش اسلام کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔

صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سوڈانی سالار بے تابی سے کمانڈر کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ سورج اوپر اٹھتا گیا اور سالار بے چین ہوتا گیا۔ وہ سمجھا کہ کمانڈر راستہ بھول گیا ہوگا۔ اس نے ایک اور عہدیدار کو بلایا اور اسے وہی باتیں بتا کر جو اس نے پہلے کمانڈر کو بتائی تھیں روانہ کر دیا۔

اسحاق کوٹھڑی میں بند رہا۔ یہ دن بھی کوٹھڑی میں گزر گیا۔ اس کی کوٹھڑی میں پڑی ہوئی لاش پھٹنے لگی تھی۔ قید خانے کے سنتری جو انسانوں کے جسم توڑنے اور تہہ خانے کی بدبو کے عادی تھے وہ بھی اسحاق کی کوٹھڑی کے قریب آنے سے گریز کرنے لگے۔ بڑی ہی بری بدبو تھی۔ ایک سنتری نے ناک پر ہاتھ رکھ کر اسحاق سے پوچھا۔ ''او مردود! تم اس بدبو کو کس طرح برداشت کر رہے ہو؟ یہ لوگ جو کچھ تم سے منوانا چاہتے ہیں مان جاؤ اور یہاں سے رہائی لو۔ اس مرداری بدبو سے پاگل ہو جاؤ گے۔''

''مجھے کوئی بدبو محسوس نہیں ہو رہی۔'' اسحاق نے کہا۔ ''یہ مردار نہیں شہید ہے۔ میں رات کو اس کے ساتھ لگ کر سوتا ہوں۔''

''تم پاگل ہو چکے ہو۔'' سنتری نے کہا۔ ''لاش کی بدبو کا یہی اثر ہوتا ہے۔''

اسحاق کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے لاش کے پاس بیٹھ کر قرآن کی ایک آیت کا ورد شروع کر دیا۔

☆

یہ رات بھی گذر گئی۔ صبح کے دھندلکے میں جس دوسرے کمانڈر کو سالار نے بھیجا تھا واپس آ گیا۔ ایک تو مسلسل اتنے طویل سفر سے اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ دیکھ آیا تھا اسے بیان کرنے سے اس کی زبان ہکلا رہی تھی۔ اس نے سالار کو بتایا کہ راستے میں کچھ علاقہ ریتلے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا ہے۔ ایک جگہ گدھ مردار کھا رہے تھے۔ اس نے ایک جگہ تلوار پڑی دیکھی۔ جوتے اور کپڑے بھی دیکھے۔ اس نے گدھوں کو اڑایا تو پتا چلا کہ وہ کسی انسان کو کھا رہے تھے۔ چہرہ بھی خراب ہو چکا تھا۔ اسے جو چیزیں مثلاً خنجر، چمڑے کا کمر بند وغیرہ ملیں وہ اٹھا کر لے گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ سوڈانی کمانڈر کی لاش تھی۔

اس نے آگے جا کر زمین دیکھی۔ گھوڑوں کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ کمانڈر پہاڑی علاقے تک گیا۔ گھوڑوں کے نشان وہاں تک گئے تھے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کمانڈر مستورات کو ساتھ لایا تھا یا نہیں اور اسے کس نے قتل کیا ہے۔ سوڈانی سالار نے کہا کہ معلوم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے اس علاقے میں سوڈانیوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے انہی مسلمانوں میں سے تھے۔ ان جاسوسوں کا وہاں اور کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ صرف مخبری کرتے تھے۔ اسحاق کے متعلق بھی لوگوں نے بتایا تھا کہ اس علاقے پر اسی کا اثر و رسوخ ہے۔

ہوا بھی ایسے ہی۔ شام کے بعد جو جاسوس پہنچ گئے۔ انہوں نے سالار کو پوری خبر سنائی کہ کمانڈر، اسحاق کی بیوی بیٹی کو لے گیا تھا اور قید خانے کے ایک سپاہی نے اسے راستے میں قتل کر دیا اور مستورات کو واپس لے گیا ہے۔ انہوں سپاہی کا نام بھی بتایا۔ سالار نے یہ مسئلہ سوڈان کے حکمران کے آگے رکھا۔ اس نے صلیبی مشیروں کو بتایا۔ ان صلیبیوں

نے مشورہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ مسلمانوں پر فوج کشی کی حماقت نہ کر بیٹھنا۔ انہیں کسی اچھے طریقے سے دوست بنانے کی کوشش کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی کرو کہ اس سپاہی کو خفیہ طریقے سے قتل کرا دو تا کہ مسلمانوں کو پتا چل جائے کہ ہمارے ہاتھ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر اسحاق تمہاری شرط تسلیم نہیں کرتا تو کسی اور سوڈانی مسلمان قیدی کو قائل کرو۔ اسحاق پر تشدد جاری رکھو۔

اسحاق کو ایک بار پھر تشدد کے شکنجے میں جکڑ لیا گیا۔ اب تو سالار اس سے اپنے کمانڈر کے قتل کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ اسے اتنی درندگی کا تختۂ مشق بنا دیا گیا جتنا انسانی تصور سے باہر تھا۔ رات کے وقت وہ بیہوش ہو گیا اور اسے کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ ہوش میں آیا تو کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسحاق نے اپنا ہاتھ ایک طرف کیا تو ہاتھ کسی کے جسم پر لگا۔ اسے یاد آ گیا کہ یہ وہی لاش ہے جو پہلے دن سے اس کے ساتھ پڑی ہے مگر اسے ایسے لگا جیسے لاش سانس لے رہی ہو۔ یہ اس کے دماغ کی خرابی ہی ہو سکتی تھی۔ اس کے جسم کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

لاش نے حرکت کی۔ اسحاق نے چونک کر دیکھا۔ چہرے پر نظر ڈالی۔ یہ لاش نہیں تھی۔ کوئی زندہ انسان تھا اور یہ کوٹھڑی کوئی اور تھی۔ دوسرا آدمی بھی شاید بے ہوش تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسحاق بڑی مشکل سے اٹھا اور پوچھا۔ ''تم کون ہو؟''

''عمرو درویش۔'' اس آدمی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

''اوہ..... عمرو درویش؟'' اسحاق نے حیران ہو کر کہا۔ ''میں اسحاق ہوں۔''

وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ عمرو درویش بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا وہ بھی انہی مسلمان قبیلوں میں سے تھا جو سوڈانی ہوتے ہوئے سوڈان کی فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے۔ عمرو درویش بھی جنگی قیدی ہو گیا تھا۔ اسحاق کا نام سن کر اٹھ بیٹھا۔

''تمہیں کیا کہتے ہیں؟'' اسحاق نے پوچھا۔

''کہتے ہیں کہ عالم کے روپ میں اپنے علاقے میں جاؤ۔'' عمرو درویش نے جواب دیا۔ ''اور لوگوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف دشمنی پیدا کرو۔ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں شہزادوں کی طرح رکھیں گے اور جس لڑکی کو پسند کرو گے۔ وہ تمہارے ساتھ رہے گی۔'' عمرو نے پوچھا۔ ''تم سے کیا منوانا چاہتے ہیں؟''

''کہتے ہیں اپنے تمام قبیلوں کو سوڈان کا وفادار بنا دو۔'' اسحاق نے جواب دیا۔ ''اس کے عوض مجھے مسلمانوں کے علاقے کا امیر بنانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی الگ فوج بنانا چاہتے ہیں۔''

''مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تمہیں بہت تکلیفیں دے رہے ہیں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''معلوم نہیں ہمیں ایک ہی کوٹھڑی میں کیوں بند کر دیا ہے..... شاید اس میں کوئی بہتری ہو گی۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھے مل جاؤ۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے تمہیں تم سے اجازت لینا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا تم مل گئے۔''

''کیا طریقہ سوچا ہے؟''

''تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''ہم اذیتیں کب تک برداشت کریں گے۔ آج نہیں تو کل مر جائیں گے۔ یہاں اور کئی سوڈانی مسلمان قید ہیں۔ کوئی نہ کوئی ان کے جال میں آ جائے گا۔

میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے چند ایک ساتھیوں کو یہ ورغلا کر ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیں گے۔ایک صورت یہ ہے کہ تم ان کی شرط مان لو۔اس بہانے آزاد ہو جاؤ اور اپنے علاقے میں جا کر کچھ بھی نہ کرو۔رات کے اندھیرے میں مصر کو نکل جاؤ۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔دوسری صورت یہ ہے کہ میں ان کی بات مان لوں۔یہ مجھے جو سبق پڑھانا چاہتے ہیں وہ پڑھ لوں۔ان کا بتایا ہوا بہروپ دھار لوں اور اپنے تمام قبیلوں کو خبردار کر دوں کہ وہ سوڈانیوں کے کسی چکر میں نہ آئیں۔اگر میں ان کا ساتھی بن گیا تو میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سوڈانی ہمارے علاقے پر حملہ کر دیں۔'' اسحاق نے کہا۔''ہمارے لوگ اتنی جلدی ہتھیار ڈالنے والے تو نہیں لیکن فوج اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی۔فوج آخر فوج ہے۔''

''ہمیں قربانی دینی پڑے گی۔'' عمرو درویش نے کہا۔''ہم مصر سے چھاپہ ماروں کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ فی الحال ضرورت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک آدمی باہر نکل جائے۔اگر ہم دونوں اکٹھے ان کی شرط مان کر نکل جائیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔''

''میں یہیں رہوں گا۔'' اسحاق نے کہا۔''تم انہیں دھوکہ دو۔اگر ہم نے اکٹھے ان کی بات مان لی تو انہیں شک ہوگا۔یہ سمجھ جائیں گے کہ ہم نے رات ایک کوٹھڑی میں رہ کر کوئی منصوبہ تیار کیا ہے۔میں سختیاں برداشت کرتا رہوں گا۔ تم نکل جاؤ۔''

☆

صبح طلوع ہوتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ایک سپاہی نے اسحاق کو برچھی چبھوئی اور اسے اٹھا کر دھکے دیتا اپنے ساتھ لے گیا۔کوٹھڑی کا دروازہ پھر بند ہو گیا۔تھوڑی دیر بعد سوڈانی فوج کا ایک عہدیدار آیا۔اس نے سلاخوں میں سے عمرو درویش سے پوچھا۔''اگر تم نے آج انکار کیا تو تصور نہیں کر سکتے کہ تمہارے جسم کا کیا حال ہوگا۔ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے۔تم اس دنیا میں دوزخ دیکھ لو گے۔ہر روز مرو گے اور ہر روز جیو گے۔''

''مجھے کسی اچھی جگہ لے چلو۔'' عمرو درویش نے کہا'میرے جسم کو ذرا سا سکون آنے دو۔یہاں میں کچھ بھی نہیں سوچ سکتا۔''

''میں تمہیں جنت میں بٹھا سکتا ہوں۔'' سوڈانی عہدیدار نے کہا۔''تمہیں جنت کی پریوں میں بٹھا دوں گا اور اگر وہاں بھی تم نے انکار کیا تو جتنے دن زندہ رہو گے پچھتاتے رہو گے۔ہمیں رو رو کر کہو گے کہ میں نے تمہاری شرط مان لی ہے تو بھی ہم تم پر اعتبار نہیں کریں گے۔''

وہ کراہ رہا تھا۔اس کی آنکھیں پوری طرح کھلتی نہیں تھیں۔اس نے سرگوشی سی کی۔''ایسا نہیں ہوگا۔مجھے کہیں لے چلو اور بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

اسے اسی وقت لے گئے اور ویسے ہی خوشنما کمرے میں جا رکھا جیسا اسحاق کو دیا گیا تھا۔تھوڑی دیر بعد ایک طبیب آ گیا۔اس نے اس کے جسم کا معائنہ کر کے اسے دوائیں پلائیں۔اسے اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا گیا۔اس دوران اسی سوڈانی سالار نے جو اسحاق کا جسم توڑتا رہتا تھا عمرو درویش سے پوچھا۔''کیا تم نے ہماری ہر بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے؟''

عمرو درویش نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا۔کھانا کھاتے ہی وہ لیٹا اور گہری نیند سو گیا۔اس کی جب آنکھ کھلی تو رات بھی گذر چکی تھی۔اور اگلا دن گذر گیا تھا۔وہ بہت دنوں سے قید خانے کے تہہ خانے میں اذیتیں برداشت کر رہا تھا۔

جسم بہت حد تک سوکھ گیا تھا۔ ہڈیاں دکھ رہی تھیں۔ اتنے نرم و گداز بستر پر اتنی لمبی نیند سے اس کے جسم میں صحت کے آثار نظر آنے لگے۔ اسے دوائیاں دی گئیں۔ اور اسے بادشاہوں والا کھانا کھلایا گیا تھا۔ اس کی آنکھ کھلی تو اس کے سامنے ایک لڑکی کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے بال ریشمی تھے اور کھلے ہوئے۔ اس کے کندھے، بازو اور سینے کا کچھ حصہ عریاں تھا۔ عمرو درویش فوجی تھا۔ جنگلوں میں پیدا ہوا اور فوج میں اس کی عمر میدان جنگ میں گذر رہی تھی۔ اس لڑکی کو اس نے خواب سمجھا لیکن لڑکی نے آگے ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اسے یقین آیا کہ یہ خواب نہیں۔

لڑکی باہر چلی گئی اور طبیب کو بلا لائی۔ طبیب نے اسے دیکھا اور دوائی پلا کر چلا گیا۔ فوراً بعد دو صلیبی آگئے۔ وہ سوڈانی زبان روانی سے بولتے تھے۔ تخریب کاری کے ماہر معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو اس مہم کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے علاقے میں جا کر یہ نہیں بتائے گا کہ وہ قید میں رہا ہے بلکہ یہ بتائے گا کہ میدان جنگ میں اسے ایک بزرگ ملے تھے جنہوں نے اسے کہا تھا کہ مصری فوج کا سوڈان پر حملہ مصر کے لیے مہنگا ثابت ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ سوڈان کا ساتھ دیں ورنہ تباہ ہو جائیں گے...... صلیبیوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجذوب عالم کے بھیس میں مسلمانوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی اور مصر کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرے گا۔

عمرو درویش خندہ پیشانی سے رضا مند ہو گیا۔ اسی وقت اس کی ٹریننگ اور ریہرسل شروع ہو گئی۔ شام کے بعد اس کے آگے لڑکیوں نے کھانا چنا۔ شراب بھی رکھی گئی جو اس نے قبول نہ کی۔ کھانے کے بعد جب لڑکیاں دسترخوان سمیٹ کر لے گئیں تو ایک اور لڑکی شب خوابی کے لباس میں آگئی۔ اس کا جسم نیم عریاں اور چال ڈھال اشتعال انگیز تھی۔

''تم کیوں آئی ہو؟'' عمرو درویش نے لڑکی سے پوچھا۔

''آپ کے لیے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ ''میں آپ کے پاس رہوں گی۔''

''تمہارا نام کیا ہے۔؟''

''آشی!'' لڑکی نے جواب دیا اور اس کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''آشی!'' عمرو درویش نے کہا۔ ''مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ تم چلی جاؤ۔''

''میں حکم لے کر آئی ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔''

''مجھ سے یہ لوگ جو بات منوانا چاہتے تھے وہ میں نے مان لی ہے۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''اب مجھے تم جیسے حسین فریب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔''

''میں جانتی ہوں۔'' آشی نے کہا۔ ''آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ میں انعام کے طور پر آئی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔ سپاہی جب میدان جنگ سے آتے ہیں تو ان کی روح عورت کی طلب گار ہوتی ہے۔''

''میں ہارا ہوا سپاہی ہوں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''میری روح مر گئی ہے۔ مجھے اپنے جسم سے نفرت ہو گئی ہے۔ مجھے اس کی کسی بھی ضرورت کا احساس نہیں رہا۔ قید خانے میں ابلے ہوئے پتے کھاتا رہا تو بھی مطمئن رہا۔ یہاں اتنے اچھے کھانے کھائے ہیں تو بھی مطمئن ہوں لیکن خوش نہیں ہوں۔ میں شکست خوردہ ہوں۔''

لڑکی ہنس پڑی جیسے کسی نے جل ترنگ چھیڑ دیا ہو۔ ''شراب کے دو چار گھونٹ آپ کو مسرتوں سے مالا مال کر دیں گے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''حلق سے اتر جائے تو مجھے دیکھنا۔ مجھ میں آپ کو پھولوں کا حسن نظر آئے گا۔''

''میری مجبوری یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''ہم عصمتوں سے کھیلا نہیں کرتے، عصمتوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔''

''صرف مسلمان لڑکیوں کی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہو گے۔'' لڑکی نے کہا۔ ''میں مسلمان نہیں۔''

''اور تم عصمت والی بھی نہیں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''پھر بھی میرا فرض ہے کہ تمہاری عصمت کا خیال رکھوں۔ لڑکی مسلمان ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتی ہو، اپنی قوم کی ہو یا اپنے دشمن کی، مسلمان اگر ایمان کا پکا ہے تو اس کی عصمت کی حفاظت کرے گا۔ تم تمام رات میرے پاس بیٹھی رہو، صبح سب کو بتاتی پھرو گی کہ رات ایک پتھر کے پاس بیٹھ کر گذاری ہے۔''

''کیا میں خوبصورت نہیں؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''تم جیسی بھی ہو میرے کسی کام کی نہیں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''میں تمہارے کام آسکتا ہوں۔ اگر تم اس ذلیل زندگی سے آزاد ہونا چاہو تو میں تمہیں جان پر کھیل کر یہاں سے نکال لے جاؤں گا اور کسی شریف گھرانے میں آباد کر دوں گا۔''

''آپ سے پہلے بھی ایک یہاں آیا تھا۔'' آشی نے کہا۔ ''وہ بھی آپ کی طرح باتیں کرتا تھا۔ وہ بھی سوڈانی مسلمان تھا۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی کہ چونکہ آپ مسلمان ہیں اس لیے آپ عورت میں دلچسپی نہیں لیتے۔ میں نے مصر کے کئی مسلمان دیکھے ہیں۔ وہ عورت کو دیکھ کر بھوکے درندے بن جاتے ہیں۔ میں تین ایسے مصری مسلمان بتا سکتی ہوں جنہیں میں نے اور شراب کی اس صراحی نے غدار بنایا ہے۔ وہ کیسے مسلمان ہیں؟''

''وہ ایمان فروش ہیں۔'' عمر درویش نے کہا۔ ''تم باتیں کر رہی ہو میں تمہارے چہرے پر اور تمہاری آنکھوں میں تمہاری ماں اور تمہارے باپ کی جھلک دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ کہاں ہیں؟ زندہ ہیں؟''

''معلوم نہیں۔'' آشی نے کہا۔ ''آپ سے پہلے جو یہاں آیا تھا اس نے بھی یہی پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔'' وہ اسحاق کی بات کر رہی تھی۔ اسحاق کو جب اس کمرے میں لایا گیا تھا تو اسی لڑکی کو اس کے کمرے میں بھیجا گیا تھا۔ اس نے عمر درویش سے کہا۔ ''اس سوڈانی مسلمان نے مجھ سے میرے ماں باپ کے متعلق پوچھ کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ایسا سوال مجھ سے کبھی کسی نے نہیں پوچھا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے پوچھا تو میں رات بھر سوچتی رہی کہ میرے ماں باپ کون تھے اور کیسے تھے۔ تھے ضرور۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا اور ذہن کے اندھیرے میں غائب ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ان کی یاد سے دور رکھنے کی کوشش شروع کر دی مگر میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ آج آپ نے ان کی یاد پھر تازہ کر دی ہے۔ میں جب محسوس ہی نہیں کرتی تھی کہ میرے ماں باپ ہوں گے تو میں خوش رہتی تھی۔ آپ سے پہلے آنے والے سوڈانی مسلمان نے میرے اندر ایسے جذبات بیدار کر دیئے ہیں کہ میری خوشی پر اب اداسی کا آسیب سوار رہنے لگا ہے۔''

''تمہارا کوئی بھائی بھی تھا؟''

''کچھ بھی یاد نہیں۔'' آشی نے کہا۔ ''میں خون کے رشتوں کو سمجھتی ہی نہیں کہ کیا ہوتے ہیں۔''

''تمہیں نیند آرہی ہو تو سو جاؤ۔'' عمر درویش نے کہا۔

''آپ کو نیند آرہی ہو تو میں خاموش ہو جاتی ہوں۔'' آشی نے کہا۔ ''جی چاہتا ہے کہ آپ میرے ساتھ باتیں

کرتے رہیں۔ مجھے آپ جیسے آدمی اچھے لگتے ہیں۔ میں جس آدمی کے ساتھ کچھ وقت گذارتی ہوں اس سے مجھے نفرت سی ہو جاتی ہے۔ مجھے مسکرانا پڑتا ہے۔ وہ سوڈانی مسلمان جو آپ سے پہلے یہاں آیا تھا، مجھے ساری عمر یاد رہے گا جسے اس کمرے میں لایا گیا تھا۔ آپ دوسرے آدمی ہیں جن کی میں ہمیشہ قدر کروں گی۔ آپ نے میرے اندر روح اور جذبات کو بیدار کر دیا ہے۔ آپ مجھے شاید روح کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے مجھے جسم کی بھوکی نظروں سے دیکھتے ہیں۔''

میں تمہیں آبرو باختہ لڑکی سمجھتا تھا لیکن تم عقل اور فراست کی باتیں کرتی ہو۔'' عمرو درویش نے کہا۔

''میں حسین اور ایتھاز ہر ہوں۔'' آشی نے کہا۔ ''پتھروں کو موم کرنے مجھے تربیت دی گئی ہے۔ میں کوئی سیدھی سادی لڑکی نہیں۔ جابر حکمران کی تلوار اپنے قدموں میں رکھوا سکتی ہوں۔ اور عالموں کے منہ پھیر سکتی ہوں مگر اپنے آپ کو وہ موم سمجھنے لگی ہوں جو ذرا سی حرارت سے پگھل جاتا ہے کسی پتھر کو نہیں پگھلا سکتا۔''

''یہ میری باتوں کا اثر نہیں۔'' عمرو درویش نے کہا۔ ''یہ میرے ایمان کی حرارت ہے جس نے تمہیں پگھلا دیا ہے۔ میں نے تمہارے اندر خون کے رشتے بیدار کر دیئے ہیں۔ تم انسان ہو۔ تم کسی کی بیٹی ہو۔ تم کسی کی بہن ہو۔ تم کسی قوم کی آبرو ہو۔ میں تمہیں ہر رنگ میں دیکھ رہا ہوں۔''

رات گذرتی جا رہی تھی۔ نیند کا خمار اور عمرو درویش کی باتیں آشی پر غالب آتی جا رہی تھیں۔ نیند سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں لڑھک گئی...... اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو پلنگ پر اور عمرو درویش کو فرش پر سوتے دیکھا۔ اس نے عمرو درویش کو جگایا نہیں۔ اسے دیکھتی رہی۔ اس کے سینے میں ہلچل بپا ہوگئی۔ اس نے اپنے گالوں پر اپنے آنسوؤں کی نمی محسوس کی اور حیران ہوئی کہ اس کے جسم میں آنسو بھی ہیں۔ اس کے آنسو کبھی نہیں نکلے تھے۔ اس نے عمرو درویش کے پاس دوزانو ہو کر اس کا ہاتھ اٹھایا اور آنکھوں سے لگایا۔

عمرو درویش کی آنکھ کھل گئی۔ آشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی۔ اس نے اسے یہ بھی نہ کہا کہ تمہیں فرش پر نہیں سونا چاہیے تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پانی تھا جس سے عمرو درویش نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ آشی کمرے سے چلی گئی۔

☆

ناشتے کے بعد سوڈانی سالار دو صلیبیوں کے ساتھ آ گیا۔

''میری ایک بات غور سے سن لیں۔'' عمرو درویش نے سالار سے کہا۔ ''مجھے کسی بھی وقت اسحاق کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ آپ اسے پریشان کرنا چھوڑ دیں۔ اسے کسی کھلی اور آرام دہ کوٹھڑی میں رکھیں۔ اسے تہہ خانے سے نکال کر اوپر لے آئیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ مجھے جب اس کی ضرورت ہوئی تو میں اسے منا لوں گا۔ اسے دھوکہ بھی دے لوں گا۔ اگر وہ نہ مانا تو آپ اس کے ساتھ جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔''

سوڈانی سالار نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ صلیبی مشیروں نے عمرو درویش کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔ اس نے خوبی سے نقل کی۔ انہوں نے اسے جو باتیں بتائیں وہ بھی اس نے زبانی یاد کرنی شروع کر دیں...... چار پانچ روز اس کی تربیت ہوتی رہی۔ دن کے دوران صلیبی اس کے ساتھ ہوتے تھے اور رات کو آشی اس کے پاس ہوتی تھی۔ یہ لڑکی اس کی مرید بن گئی تھی۔ اس کمرے میں جا کر وہ اپنے آپ کو پاکیزہ لڑکی سمجھنے لگتی تھی۔

چھٹے ساتویں روز عمرو درویش ایک درویش کے روپ میں اپنے علاقے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسے

درویشوں اور مجذوب عالموں کے کپڑے پہنائے گئے۔ آشی نے اسے کہا تھا کہ وہ جب اپنی مہم پر روانہ ہو تو اسے بھی ساتھ لیتا چلے۔ اس کی خواہش پر عمرو درویش نے سوڈانی سالار سے کہا کہ وہ اس لڑکی کو انعام کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ لڑکی اسے دے دی گئی۔ اسے مستور کرنے کے لیے لڑکی کو برقعہ نما لبادہ دے دیا گیا۔ تین اونٹ دیئے گئے۔ ایک پر عمرو درویش سوار ہوا، دوسرے پر آشی اور تیسرے پر ایک خیمہ اور کھانے پینے کا سامان لاد دیا گیا۔ سوڈانی سالار نے عمرو درویش کو دو باتیں بتائیں۔ ایک یہ کہ اسحاق کو تہہ خانے سے نکال کر اوپر کھلے کمرے میں بھجوا دیا گیا ہے۔ اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے علاقے میں اپنے آدمی موجود ہیں جو اسے خود ہی ملیں گے اور اس کی مدد کریں گے۔

عمرو درویش آشی کو ساتھ لے کر ایک خطرناک مہم پر روانہ ہو گیا۔

سوڈانی سالار اس کے روانہ ہوتے ہی اپنے کمرے میں گیا۔ وہاں چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب سوڈانی مسلمان تھے اور مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے۔ انہیں سوڈان کی حکومت سے بہت انعام و اکرام ملتا تھا۔ اپنے علاقے میں وہ پکے مسلمان بنے رہتے تھے۔

''وہ جا چکا ہے۔'' سالار نے انہیں کہا۔ ''تم دوسرے راستے سے روانہ ہو جاؤ۔ اکیلے اکیلے جانا۔ اپنے علاقے میں پہنچ جاؤ اور اس پر نظر رکھو جہاں تمہیں شک ہو کہ یہ شخص دھوکہ دے رہا ہے۔ اسے ایسے طریقے سے قتل کر دو جس سے کسی کو پتا نہ چلے۔ میں اور آدمی بھیج رہا ہوں۔ انہیں اپنے گھروں میں رکھ لینا۔''

یہ سب ایک دوسرے کے بعد روانہ ہو گئے۔ سوڈانی سالار نے دو اور آدمی بلائے۔ وہ صرف سوڈانی تھے، مسلمان نہیں تھے۔ ان سے سالار نے کہا۔ ''ان مسلمانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اپنے علاقے میں جا کر سب اکیلا نہ کریں۔ یہ چھ آدمی ہمارے ہی ہیں لیکن یہ نہ بھولنا کہ مسلمان ہیں۔ وہاں جا کر ان کی نیت بدل سکتی ہے۔ اگر عمرو درویش ٹھیک رہا تو تمہیں آتش گیر مادے کی ضرورت ہوگی۔ یہ ان آدمیوں نے گھروں میں چھپا رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اسے کب اور کہاں استعمال کرنا ہے۔

یہ دونوں بھی روانہ ہو گئے۔

وہ سپاہی جس نے اسحاق کی بیٹی اور اس کی بیوی کو بچایا اور کمانڈر کو قتل کیا تھا اسحاق کے گھر رہتا تھا جس روز عمرو درویش روانہ ہوا اس روز سپاہی کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ ایک تیر آیا جو اس کے جسم کو چھوتا ہوا ایک درخت میں جا لگا۔ سپاہی دوڑ پڑا اور اسحاق کے گھر جا پہنچا۔ اس نے اسحاق کے باپ کو بتایا کہ اس پر کسی نے تیر چلایا ہے۔ کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ تیر کس نے چلایا ہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ سوڈانیوں نے اسے قتل کرنے کی پہلی کوشش کی ہے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے محکمہ جاسوسی و سراغرسانی (انٹیلی جنس) کا سربراہ علی بن سفیان قاہرہ میں تھا۔ اس وقت سلطان ایوبی صلیبیوں کے دوست مسلمان امراء سیف الدین گمشتگین کو اور الملک الصالح کی فوج کو شکست دے کر ان مخالفین کے مرکزی شہر حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے یہ مسلمان مخالفین ایسی افراتفری اور بوکھلاہٹ میں بھاگے تھے کہ کہیں بھی قدم جما نہ سکے۔ راستے میں تین چار اہم مقام تھے جہاں وہ رک جاتے اور اپنی بکھری ہوئی فوج کو اکٹھا کر لیتے تو صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے پسپائی کے ایسے راستے اختیار کیے جو جنگی لحاظ سے ان کے لیے مزید نقصان کا باعث بنے۔ سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی اور ان اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اس کی

منزل حلب تھی۔

اسے کچھ علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات کیسی کیسی کروٹیں لے رہے ہیں۔ قاصد اسے رپورٹیں دیتے رہتے تھے جن سے پتا چلتا تھا کہ طرح طرح کی سازشیں سر اٹھا رہی ہیں۔ وہ میدان جنگ میں کبھی پریشان نہیں ہوا تھا، سازشیں اسے پریشان کر دیا کرتی تھیں، اور یہ حقیقت اس کے لیے زہر کی طرح تلخ تھی کہ ان سازشوں اور تخریب کاری کے ہدایت کار صلیبی اور آلہ کار مسلمان تھے۔ علی بن سفیان اس کا دست راست تھا بلکہ اس کی آنکھیں اور کان تھا۔ اسے سلطان ایوبی نے مصر سے غیر حاضری کے دوران مصر میں ہی رہنے دیا تھا اور اپنے ساتھ اس کے معاون حسن بن عبد اللہ کو رکھا۔ مصر کی حکومت سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے حوالے تھی۔ اپنے بھائی کی غیر حاضر میں العادل راتوں کو سوتا بھی کم تھا۔ علی بن سفیان کو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس طرح مصر کا امن وامان اور اس خطے میں اسلام کی آبرو کا تحفظ ان دونوں کی ذمہ داری تھی۔

انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر میں تخریب کاری بڑھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ دو چار ماہ پہلے العادل نے سوڈانیوں کے ایک عجیب وغریب اور بڑے ہی خطرناک حملے کو غیر معمولی کامیابی سے تباہ کر دیا تھا لیکن سوڈانیوں کے عزائم میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، کیونکہ ان کا یہ حملہ جو ناکام ہوا تھا باقاعدہ فوج کا حملہ نہیں تھا۔ سوڈان کی باقاعدہ فوج نقصان کے بغیر تیار کھڑی تھی۔ اس فوج کو صلیبی تربیت دے رہے تھے اور بعض دستوں کی کمان بھی صلیبیوں کے ہاتھ میں تھی۔

سوڈان کے خطرے کی پیش بندی یوں کی گئی تھی کہ سرحد پر سرحدی دستوں کی نفری میں اضافہ کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ علی بن سفیان نے اپنے شعبے کے بے شمار آدمیوں کو سرحد پر پھیلا دیا تھا۔ یہ سب جاسوس اور مخبر تھے۔ وہ صحرائی مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بھیس میں سرحد پر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ان کا رابطہ سرحدی چوکیوں کے ساتھ تھا۔ ان چوکیوں پر ان کے لیے گھوڑے تیار رہتے تھے۔ سرحدی دستوں کے گشتی سنتری بھی ان کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ ایک انتظام اور بھی تھا۔ علی بن سفیان کے چند ایک ماہر جاسوس تاجروں کے بہروپ میں سوڈان کے ساتھ غیر قانونی تجارت کرتے تھے جسے آج کل سمگلنگ کہا جاتا ہے۔ انہیں مال دے کر سرحد پار کرا دی جاتی تھی۔ یہ لوگ سوڈان جا کر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مصر کے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آئے ہیں۔ سوڈان میں بعض اجناس کی قلت تھی جس میں اناج خاص طور پر قلیل تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہدایت کے تحت مصر میں زیادہ اناج اگایا جاتا تھا جس کا کچھ حصہ جاسوسی کے سلسلے کی سمگلنگ کے لیے الگ کر لیا جاتا تھا۔

سوڈان کے جو تاجر مصری ''تاجروں'' کے ساتھ کاروبار کرتے تھے ان میں زیادہ تر جاسوس تھے جو مصر کے لیے کام کرتے تھے۔ انہیں جاسوس مصری جاسوسوں (تاجروں کے روپ میں) نے بنایا تھا۔ جاسوسی کا یہ طریقہ کامیاب ہوا تو سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ سوڈان کو اناج اور زیادہ سستا دو تا کہ یہ سلسلہ سارے سوڈان میں جال کی طرح پھیل جائے۔ چنانچہ جال پھیلا دیا گیا اور سوڈانی فوج اور حکومت کی ہر ایک نقل وحرکت قاہرہ میں نظر آنے لگی۔ علی بن سفیان نے سرحد کے ساتھ اپنے دو تین ہنگامی مرکز بنا دیئے تھے۔ جونہی کوئی خبر ادھر سے آتی سرحد کے کسی مرکز کو دے دی جاتی۔ جہاں سے برق رفتار گھوڑوں کے ذریعے قاہرہ پہنچا دی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے جو سوار رکھے گئے تھے وہ مسلسل تمام دن اور رات بغیر آرام کیے سواری کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ سوڈان میں ایک وسیع پہاڑی علاقہ ہے جس میں صرف مسلمان آباد

ہیں اوران مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد مصری فوج میں ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ مسلمان سوڈانی فوج میں بھرتی ہونا پسند نہیں کرتے۔ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دور امارت سے کچھ پہلے مصری فوج میں سوڈانی حبشی اور سوڈانی مسلمان ہوا کرتے تھے۔ ان کا کمانڈر بھی سوڈانی تھا۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ اس کمانڈر کا نام ناجی تھا۔ ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے اس سلسلے کی پہلی کہانی میں اسی فوج اور اس کے سالار اعلیٰ ناجی کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی سے پہلے ناجی مصر کا مختار کل تھا حالانکہ یہاں خلافت کی گدی بھی تھی اور یہ باقاعدہ امارت تھی۔ کیا خلیفہ اور کیا امیر صحیح معنوں میں بادشاہ تھے۔ صلیبیوں نے مصر کو سلطنت اسلامیہ سے کاٹنے کے لیے یہاں تخریب کاری اور سازشوں کے اڈے قائم کر لیے تھے۔ ناجی ان کا اتحادی بن گیا تھا۔ اس نے مصر کی سوڈانی فوج کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی۔

سلطان ایوبی نے مصر کی امارت سنبھالی تو اس کی پہلی ٹکر ناجی سے ہوئی۔ سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی مرحوم سے منتخب اور جانباز دستوں کی کمک منگوا کر مصر کی پچاس ہزار سوڈانی فوج توڑ دی۔ اس کے بعض سالاروں کو قید میں ڈال دیا اور نئی فوج تیار کر لی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ سوڈان کی اس معزول فوج کے جو لوگ حلف وفاداری کے ساتھ خلوص نیت سے مصری فوج میں شامل ہونا چاہیں انہیں بھرتی کر لیا جائے۔ سوڈان کے وہ تمام مسلمان جو اس فوج میں تھے واپس آ گئے۔ وہ جان گئے تھے کہ انہیں غیر مسلم سازش کا آلہ کار بنایا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے جب صلیبیوں کے خلاف دو تین معرکے لڑے اور سلطان ایوبی کو انہوں نے قریب سے دیکھا تو ان کا ایمان تازہ ہو گیا۔ فوجی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں دین وایمان اور ملی وقار کے وعظ بھی سنائے جاتے اور انہیں بتایا جاتا تھا کہ ان کا دشمن، ان کے مذہب کا دشمن ہے۔ جس کی نظر میں اسلام کی بیٹیوں کی کوئی عزت اور عصمت نہیں۔ اب سلطان ایوبی کی جو فوج عرب میں لڑ رہی تھی۔ اس میں خاصی نفری سوڈانی مسلمانوں کی تھی۔

قاہرہ کی انٹیلی جنس اس صورت حال سے بے خبر تھی کہ سوڈان کی حکومت وہاں کے مسلمانوں کو کئی ایک طریقوں سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ مصری فوج میں جانے کی بجائے سوڈان کی فوج میں بھرتی ہوں۔ سوڈانیوں نے مسلمانوں پر تشدد کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے نتیجے میں سوڈان کا ایک اعلیٰ فوجی افسر خفیہ طریقے سے قتل ہو گیا تھا سوڈان نے اس علاقے میں باقاعدہ فوج بھیجی تھی۔ مسلمانوں نے اسے پہاڑیوں اور وادیوں میں بکھیر کر مار ڈالا یا بھگا دیا تھا۔ مسلمانوں کو علاقے کا فائدہ حاصل تھا۔ چٹانیں اور پہاڑیاں انہیں آڑ مہیا کرتی اور تحفظ دیتی تھیں۔ یہ مسلمان جنگجو بھی تھے۔

سلطان ایوبی نے ان کے ساتھ علی بن سفیان کے شعبے کی وساطت سے رابطہ قائم رکھا ہوا تھا۔ مصری ''تاجروں'' کے قافلوں کے ذریعے ان مسلمانوں کو اتنا اسلحہ دے دیا تھا جس سے وہ سال بھر کے محاصرے میں لڑ سکتے تھے۔ انہیں چھوٹی منجنیقیں اور آتش گیر مادہ بھی پہنچا دیا گیا تھا۔ جو لوگوں نے گھروں میں چھپا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کے منصوبے میں یہ شامل تھا کہ جنگی کارروائی سے یا دیگر ذرائع سے اس علاقے کو مصر میں شامل کرنا ہے تاکہ یہ مسلمان صحیح معنوں میں آزاد ہو جائیں۔ یہ علاقہ سرحد سے آدھے دن کی مسافت پر تھا۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے۔ جو محض مخبر نہیں تھے تجربہ کار لڑاکے اور چھاپہ مار (کمانڈو) تھے۔

یہ مسلمان عسکری نوعیت کا خزانہ اور بڑی کارآمد جنگی قوت تھے حالانکہ اس کی تعداد بمشکل پانچ ہزار تھی۔ انہیں چھوڑ کر سوڈان کے پاس حبشی رہ جاتے تھے جن کے ہاں کوئی عسکری تاریخ اور جنگی روایت نہیں تھی۔ وہ ملازموں کی حیثیت

سے لڑتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا رویہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگیں تو شیر ہو جاتے تھے اور اگر دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو محتاط ہو کر لڑتے اور پیچھے ہٹنے لگتے تھے۔ ان کی ٹریننگ کے لیے صلیبی پہنچ گئے تھے یا مصری فوج کے دو تین غدار سالار زر و جواہرات کے لالچ میں سوڈان چلے گئے تھے۔ صلیبیوں اور ان کے مصری سالاروں کی بدولت سوڈان کی فوج میں کچھ اہلیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سوڈانی حکومت مصر پر کھلا حملہ کرنے سے گھبراتی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ صلیبی مشیر جانتے تھے کہ پچاس ہزار حبشیوں کی نسبت پانچ ہزار مسلمان کافی ہیں۔

☆

علی بن سفیان کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے سوڈانی علاقے میں یہ واقعہ ہوا ہے کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے کماندار کو قتل کر دیا اور مسلمانوں کے علاقے میں پناہ لے لی ہے۔ یہ خبر لانے والے جاسوس نے علی بن سفیان کو پورا واقعہ سنایا۔ اس نے اس سپاہی سے تصدیق کر لی تھی۔ سپاہی سے اس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا۔ کہ اسحاق نام کا کماندار قید خانے میں زندہ ہے اور اسے اس مقصد کے لیے تیار کرنے کے لیے قید خانے میں اذیتوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا دے۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ اس علاقے پر اسحاق کا اثر و رسوخ ہے۔

''یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسحاق کو قید خانے سے رہا کرایا جائے۔'' علی بن سفیان نے جاسوس سے پوری رپورٹ لے کر مصر کے قائم مقام امیر العادل سے کہا..... ''آپ جانتے ہیں کہ قید خانوں میں کیسا کیسا تشدد کیا جاتا ہے۔ ہم بھی تشدد کرتے ہیں۔ پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسحاق سوڈانیوں کے رنگ میں رنگا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دو تین اور مسلمان کماندار قید خانے میں ہیں۔ سب پر تشدد کیا جا رہا ہے میں تو یہاں تک مشورہ دینے کو تیار ہوں کہ اپنے کچھ چھاپہ مار مسلمانوں کے علاقے میں بھیج دیئے جائیں۔ میں یہ خدشہ دیکھ رہا ہوں کہ اپنے کماندار کے قتل کا انتقام لینے کے لیے سوڈانی فوج مسلمانوں پر حملہ کر دے گی۔''

''دوسرے ملک میں چھاپہ مار بھیجنے کے لیے ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا پڑے گا'' العادل نے کہا..... ''اس کا نتیجہ کھلی جنگ بھی ہو سکتا ہے۔''

ہمارے پاس غور کرنے کے لیے وقت نہیں'' علی بن سفیان نے کہا۔ ''ہمیں فوری طور پر کارروائیں کرنی پڑیں گی۔ کسی ذہین قاصد کو پیغام دے کر محترم سلطان کی طرف بھیجا جائے اور ان سے حکم لیا جائے اور دوسری یہ کہ میں خود سوڈان میں داخل ہو کر مسلمانوں کے علاقے میں چلا جاؤں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ صحیح خاکہ صرف میری آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں فوج حملہ نہ کرے۔ وہاں صلیبی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو توہم پرستی میں مبتلا کر کے ان کے نظریات اور عقیدوں کا رخ پھیر سکتے ہیں۔ مسجدوں میں اپنے مولوی بھیج کر لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسی چالیں مصر کے اندر آ کر بھی کر چکے ہیں۔ مجھے یہی ڈر ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے اور ملی جذبے پر حملہ ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری قوم میں یہ خامی ہے کہ دشمن کی جذباتی اور ہیجانی باتوں میں جلدی آ جاتی ہے۔ دشمن دیکھ چکا ہے کہ مسلمان کو میدان جنگ میں مارنا آسان نہیں۔ عقیدوں اور نظریوں کی معرکہ آرائی میں دشمن ایسے ہتھیار استعمال کرتا ہے کہ مسلمان ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں چلا جاؤں اور آپ ابھی ایک قاصد سلطان محترم کی طرف روانہ کر دیں۔''

''آپ کی غیر حاضری میں آپ کی ذمہ داریاں کون سنبھالے گا؟''

''غیاث بلبیس۔'' علی بن سفیان نے جواب دیا۔ ''اس کے ساتھ میرا ایک معاون زاہدین رہے گا۔ آپ کو میری غیر حاضری محسوس نہیں ہوگی۔''

''بہت بری طرح محسوس ہوگی۔'' العادل نے کہا...... ''آپ دشمن کے ملک میں جا رہے ہیں۔ اگر واپس نہ آسکے تو مصر اندھا اور بہرہ ہو جائے گا۔''

''میں نہ ہوا تو قوم مر نہیں جائے گی'' علی بن سفیان نے مسکرا کر کہا...... ''افراد قوموں کی خاطر مرتے رہیں تو قومیں زندہ رہتی ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی یہ سوچ لیں کہ وہ مارے گئے تو قوم تباہ ہو جائے گی تو وہ گھر بیٹھ جائیں اور سلطنت اسلامیہ پر صلیبی ہاتھ صاف کر جائیں۔ مجھے سلطان کا یہ اصول بہت پسند ہے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ دشمن کا انتظار گھر بیٹھ کر نہ کرو۔ اس پر نظر رکھو۔ وہ تیاری کی حالت میں ہو تو اس کے پہلو یا عقب میں چلے جاؤ۔ میں اسی اصول پر سوڈان جا رہا ہوں۔ دشمن نے مسلمانوں کے علاقے میں کامیابی حاصل کر لی تو ہم اپنے کون سے کارنامے پر فخر کریں گے۔''

''آپ چلے جائیں۔'' العادل نے کہا...... ''یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ احتیاط لازمی ہے۔ میں سلطان کے نام پیغام لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔''

علی بن سفیان سوڈان میں داخل ہونے کی تیاری کرنے چلا گیا۔ العادل نے کاتب کو بلایا اور سلطان ایوبی کے نام پیغام لکھوانے لگا۔ اس نے سوڈان سے مسلمانوں کے علاقے کی اطلاع تفصیل سے لکھوائی۔ یہ بھی لکھوایا کہ یہ پیغام آپ تک پہنچنے سے پہلے علی بن سفیان سوڈان میں جا چکا ہوگا۔ العادل نے علی بن سفیان کے مشورے بھی لکھوائے اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے۔

قاصد کو پیغام دے کر العادل نے اسے کہا کہ اسے ہر چوکی سے گھوڑ بدلنا ہے۔ اور گھوڑے کی رفتار کسی بھی حالت میں سست نہیں ہوگی۔ کھانا پینا دوڑتے گھوڑے پر ہوگا۔ اگر راستے میں دشمن کے چھاپہ ماروں کا خطرہ ہوا تو قاصد پیغام ضائع کر دے گا۔ ان ہدایات کے ساتھ قاصد کو روانہ کر دیا گیا۔

☆

عمرو درویش شہر سے بہت دور نکل گیا تھا۔ اس کے اردگرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ عمرو رات کے قیام کے لیے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا تھا۔ دور اسے درخت نظر آئے جہاں پانی بھی ہو سکتا تھا لیکن اس کے پاس پانی کا ذخیرہ موجود تھا۔ اونٹوں کو پانی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نخلستان سے دور قیام کرنا چاہتا تھا تاکہ صحرائی ڈاکوؤں سے بچا رہے۔ اس کے ساتھ آشی تھی جو سیاہ برقعے میں مستور تھی۔ یہ قیمتی لڑکی تھی۔ کسی ڈاکو کی نظر پڑ جانے سے اس کا بچنا ناممکن تھا...... اسے ایک جگہ نظر آگئی۔ اس نے اونٹ روکے اور وہیں خیمہ گاڑ لیا۔

اسے دو شتر سوار اپنی طرف آتے نظر آئے۔ آشی کو اس نے خیمے میں بھیج کر پردے گرا دیئے اور خود باہر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چغے میں تلوار چھپی ہوئی تھی۔ خنجر بھی تھا اور خیمے میں دو کمانیں اور بہت سے تیر بھی تھے۔ شتر سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ یہ ڈاکو ہوئے تو کیا وہ ان کا مقابلہ کر سکے گا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ آشی صرف دل بہلانے والی لڑکی نہیں، وہ لڑ بھی سکتی ہے۔ تیر اندازی بھی اسے تربیت حاصل تھی۔ وہ صلیبیوں کی تیار کی ہوئی تخریب کار لڑکی تھی۔ شتر سوار آرہے تھے۔ عمرو درویش نے منہ انہی کی طرف رکھا اور آشی سے کہا...... ''کمان میں تیر ڈال لو۔ اگر یہ ڈاکو نکلے تو

پردے کے پیچھے سے تیر چلا دینا۔"

شتر سوار خیمے کے قریب آکر رکے۔ایک نے اونٹ کی پیٹھ سے ہی پوچھا۔"تم کون ہو؟ کہاں جارہے ہو؟"

عمر و درویش نے ہاتھ آسمان کی طرف کر کے جھومتی ہوئی آواز میں کہا......"جس کے سینے میں آسمان کا پیغام ہوا س کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ میں کون ہوں؟...... مجھے بھی معلوم نہیں۔کبھی کچھ ہوا کرتا تھا۔آسمان سے ایک پیغام آیا۔ میرے سینے میں اتر گیا۔ذہن سے یہ نکل گیا کہ میں کون ہوں۔میں کہاں جارہا ہوں؟......میرے سینے میں جو روشنی اتر آئی ہے، وہ بتا سکتی ہے۔اس میں میرے ارادوں کا کوئی دخل نہیں۔میں آگے جارہا تھا۔صبح کو شاید پیچھے چل پڑوں۔"

دونوں اونٹوں سے اتر آئے۔ایک نے کہا......"آپ تو کوئی پیر پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ہم دونوں مسلمان ہیں۔کیا آپ غیب کی خبر دے سکتے ہیں، ہم گناہگاروں کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں؟"

"میں بھی مسلمان ہوں۔"عمر و درویش نے وجد کی سی کیفیت میں کہا......"تم بھی مسلمان ہو۔مجھے تمہاری تباہی نظر آرہی ہے۔میں بھی تمہاری طرح پوچھتا پھرتا تھا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔کسی کو معلوم نہیں تھا۔خون میں ڈوبی ہوئی لاشوں میں مجھے سبز رنگ کا ایک چغہ اور اس میں سفید داڑھی والا ایک انسان کھڑا نظر آیا۔اس نے مجھے لاشوں سے اٹھایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔پھر وہ لاشوں کے خون میں غائب ہوگیا......تم پہاڑیوں میں رہتے ہو تو صحراؤں میں چلے جاؤ۔مصر کا نام دل سے اتار دو وہ فرعونوں کا ملک ہے۔وہاں جو بادشاہ آتا ہے اسے مصر کی مٹی اور وہاں کی ہوا فرعون بنا دیتی ہے۔"

"اب تو وہاں کا بادشاہ صلاح الدین ایوبی ہے۔"ایک شتر سوار نے کہا......"وہ پکا مسلمان ہے۔"

"اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے۔"عمر و درویش نے ایسے لہجے میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو......"وہی تمہاری تباہی لارہا ہے۔تم جس مٹی سے پیدا ہوئے وہ اس کی عزت پر خون بہاؤ۔تم سوڈان کے بیٹے ہو۔"

"مگر سوڈان کا بادشاہ کافر ہے۔"شتر سوار نے کہا۔

"وہ مسلمان ہو جائے گا"عمر و درویش نے کہا......"وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔اس کی فوج کافروں کی فوج ہے اس لیے وہ اسلام کا نام نہیں لیتا۔تم سب جاؤ۔تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔اسے بتاؤ کہ تم اس کے محافظ ہو۔تم سوڈان کے محافظ ہو۔"

اس نے بلند آواز سے کہا۔"جاؤ۔اٹھو یہاں سے چلے جاؤ۔"

دونوں اونٹوں پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔کچھ دور جا کر ایک سوار نے دوسرے سے کہا۔"دھوکہ نہیں دے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"دوسرے نے کہا۔"پکا معلوم ہوتا ہے۔سبق بھولا نہیں۔"

"آشی جیسا خوبصورت انعام ہمیں مل جائے تو ہم اپنے ماں باپ کے بھی خلاف ہو جائیں۔"شتر سوار نے کہا۔

"واپس چلتے ہیں"......دوسرے نے کہا......"بتائیں گے کہ سب ٹھیک ہے......لڑکی شاید خیمے میں ہوگی"

"آدمی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔اس نے لڑکی کو چھپا دیا تھا"......اس نے کہا......"میرا خیال ہے انہیں کسی حفاظت کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں ہونی چاہیے"......دوسرے نے کہا......"سپاہی ہے۔اس کے پاس ہتھیار بھی ہیں، تیر و کمان بھی لڑکی بھی ہوشیار ہے۔"

یہ دونوں سوڈانی جاسوس تھے جنہیں یہ معلوم کرنے کے لیے عمرو درویش کے پیچھے بھیجا گیا تھا کہ یہ کام سکیم کے مطابق کر رہا ہے یا نہیں۔ عمرو درویش نے بڑی اچھی اداکاری کی تھی جس سے یہ دونوں مطمئن ہو کر چلے گئے۔

''یہ ڈاکو نہیں تھے''...... عمرو درویش نے خیمے میں جا کر آشی سے کہا...... ''چلے گئے ہیں۔''

''یہ ڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک تھے''...... آشی نے کہا...... ''تم نے نہیں بڑے اچھے طریقے سے ٹالا ہے''...... پھر بولی...... ''جنہوں نے تمہیں ادھر بھیجا ہے ان کے جاسوس تھے''...... آشی نے کہا...... ''یہ تمہیں دیکھنے آئے تھے کہ تم انہیں دھوکہ تو نہیں دے رہے۔''

''تم انہیں جانتی ہو؟''

''میں انہی کے درخت کی ایک ٹہنی ہوں''...... آشی نے کہا...... ''ان سے کٹ کر گر پڑی تو سوکھ جاؤں گی۔''

''مجھے تم سے بھی محتاط رہنا پڑے گا۔''

لڑکی ہنس پڑی اور بولی...... ''تم نے خود ہی مجھے انعام کے طور پر مانگا تھا۔''

☆

رات وہ خیمے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ آشی کی آنکھ کھل گئی۔ باہر بھیڑیئے غرا رہے تھے۔ اونٹ ڈر کر اٹھ کھڑے ہوئے اور عجیب طریقے سے بولنے لگے۔ آشی نے عمرو درویش کو جگایا اور اسے بتایا کہ وہ خوف کے مارے مر رہی ہے۔ عمرو درویش نے باہر کی آوازیں سنیں تو آشی سے کہا...... ''یہ بھیڑیئے ہیں۔ قریب نہیں آئیں گے۔ اونٹ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ڈر نہیں۔ بھیڑیئے ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔''

اچانک بھیڑیئے آپس میں لڑ پڑے۔ ایسی خوفناک آوازیں تھیں کہ آشی چیخ مار کر عمرو درویش پر جا پڑی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے آشی کو اس طرح اپنی آغوش اور بازوؤں کی پناہ میں لے لیا جس طرح ماں ڈرے ہوئے بچے کو چھپا لیا کرتی ہے۔ لڑکی کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ بھیڑیئے لڑتے لڑتے دور چلے گئے تھے۔

عمرو درویش لڑکی کو پرے کرنے لگا اور کہا...... ''وہ چلے گئے ہیں۔ سو جاؤ۔''

''نہیں''...... آشی نے اس کی آغوش سے سر نہ اٹھایا۔ دھیمی سی آواز میں بولی...... ''ذرا دیر اور یہیں پڑے رہنے دو۔''

عمرو درویش کو یہ صورت پسند نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اسے اپنے حسین جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اور زیادہ پتھر بن گیا۔ لڑکی کا جسم بڑا ہی گداز اور بال بہت ہی ملائم تھے۔ اس نے اتنی حسین لڑکی کو کبھی چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اب محسوس کرنے لگا کہ لڑکی اسی طرح اس کی آغوش میں پڑی رہی تو وہ اس انگیخت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ وہ آخر انسان تھا اور تنومند مرد تھا۔ اس نے اپنے نفس کا مقابلہ شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے سر اٹھایا۔ تاریکی میں اس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس نے ہاتھوں سے عمرو درویش کا چہرہ ٹٹول کر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور کہا۔ ''تم نے ایک رات مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ کون ہیں اور کہاں ہیں۔ یہی سوال تمہارے دوسرے ساتھی نے جو تم سے پہلے اس کمرے میں آیا تھا مجھ سے پوچھا تھا۔ مجھے ان کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا مگر یہ سوال مجھے پریشان کرتا رہا اور بہت ہی پرانی یادیں بیدار کرتا رہا۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا لیکن ذہن کے اندھیرے میں گم ہو جاتا تھا۔ آج یاد آ گیا ہے۔ تم نے مجھے اپنے بازوؤں میں لے کر مجھے اپنی

آغوش میں چھپالیا تو میرے ذہن میں روشنی سی چمکی۔ اس نے مجھے بہت ہی پرانا وقت دکھادیا۔ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ مجھے باپ نے اسی طرح سینے سے لگا کر مجھے اپنے بازوؤں میں چھپالیا تھا۔''

وہ چپ ہوگئی۔ وہ یادوں کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اچانک بچوں کی سی شوخی سے بولی......

''ہاں وہ میرا باپ تھا۔ ایسا ہی ریگستان تھا۔ معلوم نہیں رات تھی یا دن تھا۔ ہم ایک قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ بہت سے گھوڑ سوار آئے اور قافلے پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے پاس تلواریں اور برچھیاں تھیں۔ یہ ڈراؤنا سا خواب ہے۔ جو آج تمہاری آغوش اور بازوؤں کی گرمی سے ذہن میں زندہ ہوگیا ہے۔ مجھے باپ نے تمہاری طرح پناہ میں لے لیا تھا...... یہ بھی یاد آ گیا ہے۔ میرے باپ کے بازو ڈھیلے پڑ گئے تھے اور وہ پیچھے کو گر پڑا تھا۔ اس نے ایک بار پھر مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ماں بھی یاد آ گئی ہے۔ وہ میرے اوپر گری تھی شاید مجھے بچانے کے لیے گری تھی...... پھر یاد آتا ہے کہ وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ مجھے خون بھی یاد آتا ہے۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھالیا تھا اور کسی نے کہا تھا...... ''خالص ہیرا ہے۔ جوان ہوئی تو دیکھنا...... مجھے اپنی چیخیں بھی یاد آ گئی ہیں۔ میں آج رات کی طرح چیخی تھی۔''

''دماغ پر زیادہ زور نہ دو'' ...... عمر درویش نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا...... ''میں ساری کہانی بوجھ گیا ہوں۔ تم مسلمان کی اولاد ہو۔ تم عرب یا فلسطین کی رہنے والی ہو۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اب بھی جو علاقے ان کے قبضے میں ہیں، وہاں وہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ وہ زر و جواہرات اور تم جیسی خوبصورت بچیوں کو لے جاتے ہیں۔ میں جان گیا ہوں تم یہاں تک کیسے پہنچی ہو۔''

''میں جب کچھ سوچنے سمجھنے لگی تو میں نے اپنے جیسی بہت سی بچیوں کو دیکھا'' ...... آشی نے کہا...... ''ہمیں بہت اچھا کھانا اور بہت خوبصورت کپڑے پہنائے جاتے تھے۔ گورے گورے آدمی اور عورتیں ہم سے بہت پیار کرتی۔

......۞......

طور کا جلوہ

عمرو درویش جب خیمہ اکھاڑ کر سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کو روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا تو وہ اس حسین جمیل لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جو اس کی ہمسفر تھی۔ لڑکی مسلمان تھی۔ اس کی حیثیت کی وجہ سے عمرو درویش اسے صلیبیوں کا آلۂ کار بنے رہنے سے باز رکھنا چاہتا تھا مگر وہ چار پانچ سال کی عمر میں صلیبیوں کے ہاتھ لگی تھی۔ انہوں نے بیس سال کا عرصہ صرف کر کے اس پر جو رنگ چڑھا دیا تھا وہ اتارنا آسان نہیں تھا۔ بیشک لڑکی نے اپنے ذہن میں اس حقیقت کو خود ہی دریافت کر لیا تھا کہ وہ مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہے اور اس نے اپنے دل میں صلیبی آقاؤں کے خلاف نفرت پیدا کر کے عمرو درویش سے کہا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گی مگر عمرو درویش سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔

رات ایک ہی خیمے میں گزار کر صبح لڑکی نے عمرو درویش سے پوچھا..... ''مجھے شک ہے کہ تم مجھے ابھی تک اپنا دشمن سمجھ رہے ہو۔''

''عورت کے جال میں الجھ کر مسلمان قوم نے بہت نقصان اٹھایا ہے آشی!'' ..... عمرو درویش نے جواب دیا..... ''تم بہت ہی خوبصورت ہو۔ تمہاری تربیت ایسی کی گئی ہے کہ تمہاری چال ڈھال بول چال اور انداز حیوان بیدار کر دیتا ہے۔ میں جوان ہوں۔ کئی سال میدان جنگ میں اور کچھ عرصہ سوڈان کے قید خانے میں جنگی قیدی کی حیثیت سے گزارا ہے۔ اتنی لمبی مدت گھر کی چار دیواری نہیں دیکھی۔ رات خیمے میں تم میرے ساتھ تنہا تھیں۔ میں رات بھر خدائے ذوالجلال سے مدد مانگتا رہا کہ میں حیوانیت کا مقابلہ کر سکوں۔ میں کامیاب رہا۔ خداوند دو عالم نے میری بہت مدد کی۔ پھر میں یہ سوچتا رہا کہ تمہیں اپنا دشمن سمجھوں یا دوست۔ میں اب بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میں ابھی تمہارا یہ شک رفع نہیں کر سکتا کہ تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ تمہیں ثابت کرنا ہے کہ تم قابل اعتماد ہو۔''

''میں تمہیں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم نے میرے سینے میں ایمان کی شمع روشن کر دی ہے'' ..... آشی نے کہا..... ''اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم اگر اس مہم میں جس پر تمہیں سوڈانیوں نے بھیجا ہے۔ سوڈانیوں کو دھوکہ دینا چاہو گے تو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ میری جان بھی چلی جائے تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ یہ میں نے ہی تمہیں بتایا تھا کہ یہ جو دو آدمی تمہارے مرید بن کر گئے ہیں دراصل سوڈانیوں کے جاسوس ہیں۔''

''مجھے سوچنے دو آشی!'' ..... عمرو درویش نے کہا..... ''میں جان گیا ہوں کہ میرے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ میں تمہیں بھی اسی جال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔ تم ابھی اسی طرح کرنا جس طرح تمہیں بتایا گیا ہے۔ میں بھی اسی سبق اور ہدایت پر عمل کروں گا جو مجھے دی گئی ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں مگر میں اس مہم سے انحراف بھی نہیں کر سکتا۔ میں انحراف کا نتیجہ جانتا ہوں کیا ہوگا۔ دو تین تیروں کے رخ ہر لمحہ میری طرف رہتے ہیں۔ میں انہیں اس وقت دیکھ سکوں گا جب یہ میرے سینے میں اتر جائیں گے۔''

''میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی''......آشی نے کہا......''میں ثابت کروں گی کہ میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے۔''

وہ اونٹوں پر سوار مسلمانوں کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ تیسرے اونٹ پر ان کا خیمہ اور دیگر سامان لدا ہوا تھا، آشی جو نیم عریاں رہتی تھی، سیاہ کپڑوں میں ملبوس اور اس کا چہرہ مستور تھا۔ دیکھنے والا کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ آبرو باختہ لڑکی صلیبیوں کا ایک خوبصورت تیر ہے۔ جو پتھر جیسے انسان کے دل میں اتر جائے تو وہ موم ہو کر صلیبیوں کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ دور ایک گھوڑ سوار اسی سمت جا رہا تھا جدھر یہ دونوں جا رہے تھے۔ عمرو درویش نے اس سوار کو کئی بار دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سوڈانیوں کے ان جاسوسوں میں سے ہی ہوگا جو اس کے ساتھ سائے کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ یہ شک اسے پریشان کر رہا تھا کہ یہ صحرائی رہزنوں کا کوئی آدمی ہوا تو وہ کیا کرے گا۔

''آشی!''......اس نے اپنی ہمسفر سے کہا......''اس سوار کو دیکھ رہی ہو جو افق پر جا رہا ہے؟''

''بہت دیر سے دیکھ رہی ہوں۔''

''اگر یہ رہزنوں کے گروہ کا ہوا تو کیا ہم مقابلہ کر سکیں گے؟''

''ہمارے پاس ہتھیار ہیں''......آشی نے دلیرانہ جواب دیا......''رات کو سوتے وقت ہم پر آ پڑے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ دن کے وقت ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ تمہارے ساتھ میں ہی ایک دولت ہوں۔ وہ مجھے زندہ نہیں لے جا سکیں گے۔''

صحرا کے ان خطروں میں وہ چلتے گئے۔ سورج اوپر آ کر مغرب کی طرف نیچے جاتا رہا اور انہیں پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ بلند پہاڑیاں تو دور تھیں، یہ علاقہ جہاں سے شروع ہوتا تھا وہ جگہ دور نہیں تھی۔ اونٹ چلتے گئے اور وہ علاقہ آ گیا جہاں عمرو درویش کو اپنی مہم کا آغاز کرنا تھا۔ مسلمان کا پہلا گاؤں تھوڑی ہی دور تھا۔ عمرو درویش خود بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ گھوڑ سوار جو دور دور جا رہا تھا، رخ بدل کر ادھر آ گیا اور ان سے آن ملا۔

''تمہارا قیام اس جگہ ہوگا''......گھوڑ سوار نے عمرو درویش سے کہا......''تم مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں جانتا ہوں''......اسے دیکھ کر آشی نے چہرے سے نقاب اٹھا دیا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔ سوار نے اس سے پوچھا......''سفر اچھا گزرا؟''

''بہت اچھا''......آشی نے بیباک مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''تم دونوں گھبرانا نہیں''......سوار نے کہا......''تمہارے سفر کے دوران تمہاری حفاظت کا ایسا انتظام ساتھ ساتھ رہا ہے۔ جسے تم دونوں دیکھ نہیں سکے، ورنہ اتنی خوبصورت لڑکی یہاں تک نہ پہنچ سکتی۔''

''تم کون ہو؟''......عمرو درویش نے اس سے پوچھا۔

''سوڈانی مسلمان''......سوار نے جواب دیا۔ اس نے کہا......''اب یہ نہ سوچو کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں تم بھی میری طرح اسی علاقے کے مسلمان ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہاں ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو یہاں کے مسلمان ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے''......سوار نے آگے ہو کر رازداری سے کہا......''اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کام میں کوئی گڑبڑ کی تو بغیر اطلاع قتل ہو جاؤ گے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے یہاں تمہیں کیا کرنا ہے۔ آج رات تم آرام کرو گے۔ کل تمہارے پاس یہاں کے لوگ آنے لگیں گے۔ آشی کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔''

عمرو درویش کو سب کچھ معلوم تھا۔ اسے اس علاقے کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پھیلانی تھی اور مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا کر انہیں اس سوڈانی فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار کرنا تھا جسے مصر پر حملہ اور قبضہ کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ وہ اس وقت فلسطین میں برسر پیکار تھا۔ صلیبیوں کا یہ منصوبہ تھا کہ سوڈانی فوج کو تیار کر کے مصر پر حملہ کیا جائے مگر سوڈانی مسلمانوں کے جنگجو قبیلے سوڈان کے باشندے ہونے کے باوجود صلاح الدین ایوبی کے معتقد اور مرید تھے۔ عمرو درویش ان کے عقیدوں کو تہس نہس کرنے آیا تھا۔

سورج غروب ہو گیا تھا۔ جب عمرو درویش نے اس سوار کی مدد سے خیمہ گاڑ لیا۔ سوار نے جانے سے پہلے کہا۔ ''کل شاید مجھے تمہارے ساتھ الگ بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ لوگ صبح سویرے یہاں آ جائیں گے''...... اس نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا...... ''شام کو دھندلاہٹ میں بھی وہ اوپر تمہیں چھاتے کی طرح درخت نظر آتا ہوگا اسے یاد رکھنا۔ کل رات تمہیں ادھر مشعل کا اشارہ کرنا ہے۔ کل جو کپڑا تمہیں استعمال کرنا ہے اسے صبح تیار کر لینا...... میں جا رہا ہوں۔ اب ذرا ذرا سی حرکت میں بھی احتیاط کرنا۔''

وہ لڑکی کو اشارے سے باہر لے گیا اور اسے کہا...... ''تمہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں کے مسلمان وحشی ہیں۔ ہم تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں لیکن تمہیں اپنی حفاظت خود زیادہ کرنی ہوگی۔ اس آدمی کو اپنے قبضے میں رکھنا۔'' اس نے لڑکی کے شانوں پر بکھرے ہوئے بالوں کو چھیڑ کر اور ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لا کر کہا۔ ''ان حسین زنجیروں میں تو تم شیر کو بھی جکڑ سکتی ہو۔''

''تم بھی تو یہیں کے مسلمان ہو''...... آشی نے طنزیہ کہا...... ''تم وحشی نہیں ہو؟''

''تمہیں دیکھ کر کون وحشی نہیں ہو جاتا''...... اس نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

یہ سوار ان مسلمانوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان بیچ ڈالا تھا۔ اور دشمن کے اس زمین دوز حملے کی قیادت کر رہا تھا جو سیدھے مسلمانوں کے عقیدے پر کیا جا رہا تھا۔ وہ اسی علاقے کے کسی گوشے کا رہنے والا تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ قوم کی آستین کا سانپ ہے۔ اس حملے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ یہ آٹھ دس مسلمانوں کا گروہ تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ایک گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک اور آدمی مل گیا۔ وہ اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

''سب ٹھیک ہے؟''...... اس نے سوار سے پوچھا۔

''ہے تو سب ٹھیک''...... سوار نے جواب دیا...... ''کسی بھی وقت معاملہ چوپٹ ہو سکتا ہے۔ اگر صلیبیوں نے مجھے پکے سبق پڑھائے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ لڑکی کے تیور بدلے ہوئے لگتے ہیں۔ وہ کچھ بجھی بجھی اور خاموش خاموش نظر آتی ہے۔''

''آشی تو کہتے ہیں بہت ہوشیار اور تیز لڑکی ہے۔''

''شاید سفر کی تھکن سے تیزی ماند پڑ گئی ہو''...... سوار نے کہا...... ''عمرو درویش بھی تو وحشی ہے۔''

وہ باتیں کرتے گاؤں میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سوار اور ساتھی ان کے پاس رک گئے بتایا کہ وہ سفر میں ہیں اور اپنے گاؤں کو جا رہے ہیں۔ اپنے گاؤں کا نام بھی بتایا اور حیرت زدہ لہجے میں کہا...... ''یہاں سے تھوڑی دور ایک بزرگ اترا ہوا ہے۔ صرف خدا کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ دن کے وقت بھی دائیں اور

بائیں دو مشعلیں جلا کر رکھتا ہے۔ہم اسے دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔زبانی پڑھتا ہے۔اس نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ہم نے اسے بلایا۔وہ نہیں بولا۔اس کے خیمے کے قریب سے زمین سے دھوئیں کا بادل اٹھا بادل اوپر جا کر غائب ہو گیا اور اس میں سے ایک لڑکی نکلی۔جس کے حسن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ہم ڈر گئے کیونکہ لڑکی انسان نہیں جن معلوم ہوتی تھی اس نے بزرگ کے آگے سجدہ کیا۔سجدہ سے اٹھ کر کان بزرگ کے منہ سے ساتھ لگایا۔بزرگ کے ہونٹ ہلے۔لڑکی ہمارے سامنے آن کھڑی ہوئی......

''ہم ڈر کر بھاگنے لگے لیکن زمین نے ہمیں پکڑ لیا۔شاید لڑکی کی آنکھوں نے ہمیں جکڑ لیا۔اس نے ہمیں کہا......یہ خدا کا ایلچی ہے۔تم سب کے لیے پیغام لایا ہے۔اسے پریشان نہ کرو۔یہ اس وقت خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔کل آؤ۔اگر اس نے تم پر کرم کیا تو تم سب کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔میں ابھی ابھی کوہ طور سے آئی ہوں۔اس نے بلایا تھا۔اس نے میرے کان میں کہا ہے کہ ان سے کہو کہ تمہاری تقدیر بدل دوں گا۔بے صبر ہو جاؤ گے تو کہیں اور چلا جاؤں گا،......ہم لڑکی کے ساتھ بات نہیں کر سکے۔ہمارے جسم پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ہم کچھ بھی نہیں بول سکے بزرگ کی طرف دیکھا تو اس کے سر پر نور کا ہالہ تھا۔ہم وہاں سے چلے آئے۔''

ان کا لہجہ سنسنی خیز تھا۔صاف پتا چلتا تھا کہ ان پر حیرت اور خوف طاری ہے۔انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ حیرت انگیز بات جذبات کو ہلا دیتی ہے۔سنسنی سرور دیتی ہے۔یہی حال ان دو سننے والوں کا ہوا۔انہوں نے دو گھروں کے دروازوں پر دستک دے کر دو تین آدمیوں کا بلا لیا اور جو انہوں نے سنا تھا وہ انہیں سنا دیا۔سوار اور اس کے ساتھی نے دل پسند اور لذیذ سے اضافے بھی کر دیئے۔لڑکی کا حسن ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ سننے والے خدا اور قرآن کی بجائے اور اس بزرگ کی بجائے اپنے دماغوں پر لڑکی کو سوار کرنے لگے۔ان آدمیوں نے سوار اور اس کے ساتھی کو مہمان ٹھہرا لیا۔دوسرے گھروں کے آدمی بھی آ گئے۔

☆

ابھی سورج نہیں نکلا تھا جب اس گاؤں کے تمام آدمی سوار اور اس کے ساتھی کی راہنمائی میں اس جگہ کو روانہ ہو گئے جہاں عمرو درویش اور آشی نے خیمہ لگا رکھا تھا۔خیمے کے سامنے چھوٹے سے قالین پر عمرو درویش آلتی پالتی مارے بیٹھا، آنکھیں بند کیے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ایک ڈنڈا اس کے دائیں طرف اور ایک بائیں طرف زمین پر گڑھا ہوا تھا۔ان کے اوپر والے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپٹے ہوئے تھے جو جل رہے تھے۔یہ مشعلیں تھیں۔جب گاؤں والے وہاں پہنچے تو عمرو درویش سے آٹھ دس قدم دور تین آدمی کھڑے تھے۔گاؤں کے لوگ آئے تو ان تینوں کے پاس رک گئے۔

ان تین میں سے ایک نے کہا......''میں آگے جا کر بزرگ سے بات کرتا ہوں''......وہ تین چار قدم آگے گیا تو یوں پیچھے کو پیٹھ کے بل گرا جیسے آگے سے اسے کسی نے دھکا دیا ہو۔وہ اٹھ کر لوگوں میں جا کھڑا ہوا۔خوف سے وہ کانپ رہا تھا اس نے خوفزدہ آواز میں کہا......''آگے نہ جانا۔مجھے کسی نے آگے سے دھکا دیا ہے۔یہ کوئی جن تھا جو مجھے نظر نہیں آیا۔''

دوسرے دو نے کہا......''ہم آگے جاتے ہیں۔تم ڈر کر گر پڑے تھے۔''......وہ دونوں اکٹھے آگے گئے۔تین چار قدم گئے تو دونوں پہلے آدمی کی طرف پیٹھ کے بل گرے۔جلدی سے اٹھے۔لوگ ڈر گئے۔سب کو یقین ہو گیا کہ اس بزرگ نے پہرے پر جنات کھڑے کر رکھے ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔

خیمے سے ایک لڑکی نکلی یہ آشی تھی۔ اس نے سیاہ ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ ٹھوڑی اور منہ باریک پردے میں تھے۔ آنکھیں ننگی تھیں۔ سر سیاہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بال شانوں سے ہوتے ہوئے سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ تھی مستور لیکن لباس ایسا تھا کہ نیم عریاں لگتی تھی۔ اس پہاڑی علاقے کے لوگوں نے اس قسم کی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اسے جنات میں سے سمجھ رہے تھے۔ اس کی چال بھی نرالی اور دل کش تھی۔ آشی نے عمرو درویش کے آگے سجدہ کیا۔ سجدے سے اٹھ کر کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ اس کے ہونٹ ہلے آشی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم لوگ وہیں کھڑے رہو''...... آشی نے لوگوں سے کہا...... ''کوئی آدمی آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔ خدا کے ایلچی نے پوچھا ہے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تم وہیں کھڑے کھڑے بات کر سکتے ہو۔''

ان تین آدمیوں میں سے جو آگے گئے اور گر پڑے تھے۔ ایک آدمی بلند آواز سے بولا...... ''اے خدا کی طرف سے آنے والے! کیا تو آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے؟''

''پوچھ کیا پوچھتا ہے؟''...... عمرو درویش نے مخموری آواز میں کہا۔

کیا ہم اس خطے کو اسلام کی ریاست بنا سکیں گے جو سوڈان کی غلام نہ ہو؟''...... اس آدمی نے پوچھا۔

عمرو درویش نے غصے سے زمین پر ہاتھ مارا۔ آشی دوڑ کر اس کے پاس جا بیٹھی اور کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ عمرو درویش کے ہونٹ ہلے۔ آشی اٹھ کر لوگوں سے مخاطب ہوئی۔

''خدا کے ایلچی نے کہا ہے کہ آگ لگ جائے تو اس خطے کو تم اسلامی ریاست بنا لو گے جو سوڈان کی غلام نہیں ہوگی''...... آشی نے کہا...... ''کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر انڈیل دو۔''

عمرو درویش سے ذرا پرے ایک کپڑا اس طرح پڑا تھا جس طرح کسی نے لباس اتار کر گٹھڑی کی صورت رکھ دیا ہو۔ انہی تین آدمیوں میں سے جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے، ایک آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں چمڑے کا چھوٹا سا مشکیزہ تھا۔ اس نے کہا...... ''میرے پاس پانی ہے۔ میں سفر میں ہوں اس لیے پانی ساتھ رکھا ہے''...... اس نے آگے جا کر مشکیزے کا منہ کھولا اور کپڑے پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا۔

آشی نے زمین سے مشعل اکھاڑ کر عمرو درویش کے ہاتھ میں دے دی۔ عمرو درویش نے آسمان کی طرف منہ کر کے ہونٹ ہلائے جیسے سرگوشی کی ہو، پھر اس نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے ساتھ لگا دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ پانی سے بھیگا ہوا کپڑا جل اٹھے گا مگر ہوا یوں کہ جوں ہی مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب گیا تو کپڑا بھڑک اٹھا اور تمام تر کپڑا ایک شعلہ بن گیا۔ کئی ایک آدمیوں کے منہ سے حیرت زدہ آوازیں نکلیں۔...... ''اللہ''...... ان کی نظروں کے سامنے پانی جل رہا تھا۔

''خدا کے اشارے کو سمجھ لو''...... عمرو درویش نے کہا...... ''اور مجھے غور سے دیکھو میں کون ہوں۔ میں تم میں سے ہوں''...... اس نے اپنے گاؤں کا نام لے کر کہا...... ''میں اسی علاقے کا رہنا والے ہاشم درویش کا بیٹا ہوں۔ میں نبی نہیں۔ میں پیغمبر نہیں۔ خدا اپنا آخری نبی بھیج چکا ہے۔''...... اس نے اپنی انگلیاں چوم کر اور آنکھوں سے لگا کر کہا...... ''میں بھی تمہاری طرح خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پروانہ ہوں۔ مجھے خدا نے روشنی دکھائی اور حکم دیا ہے کہ یہ روشنی ان کے پاس لے جاؤ جو اندھیرے میں ہیں۔''

وہ ایسے لہجے میں بول رہا تھا جیسے اس پر وجد کی کیفیت طاری ہو۔ اس نے کہا...... ''میرے گاؤں میں جا کر

پوچھو۔ میں صلاح الدین ایوبی کا کماندار ہوں ۔ میں اس فوج کے ساتھ تھا جس نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔اس فوج کا حملہ ناکام ہو۔ہم سب کو افسوس ہوا۔تم سب کو افسوس ہوا ہوگا لیکن خدائے ذوالجلال نے مجھے مصر کی فوج کی لاشوں سے اٹھایا۔ اور مجھے اشارہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کیوں شکست ہوئی ۔ میرا افسوس خوشی میں بدل گیا۔میں نے ایک درخت کی شاخوں میں خدا کا نور دیکھا۔ یہ ایک روشنی تھی جیسے ایک ستارہ آسمان سے اتر کر درخت کی شاخوں میں اٹک گیا ہوں۔ اس ستارے میں سے آواز آئی...... ''آگے دیکھ، پیچھے دیکھ، دائیں دیکھ، بائیں دیکھ......

''میں نے ہر طرف دیکھا۔آواز آئی......'کوئی انسان تجھے زندہ نظر آتا ہے؟'...... مجھے ہر طرف لاشیں نظر آئیں۔ یہ سب میرے ساتھیوں کی لاشیں تھیں۔ حالت سب کی بہت بری تھی۔ زخمی بہت کم تھے۔زیادہ۔ پیاس سے مرے تھے۔ یہ سب لڑے تھے۔ستارے کی روشنی سے آواز آئی......' کیا تو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہاری تلواریں کند ہو گئی تھیں؟...... کیا تو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے تیروں کی کوئی رفتار ہی نہیں تھی؟ تو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے؟......'

''تب مجھے یاد آیا کہ میں نے سب کچھ دیکھا تھا جو روشنی کی صدا نے مجھے بتایا تھا۔میری تلوار کی کاٹ اتنی بھی نہیں رہی تھی کہ خراش بھی ڈال سکتی۔ میں نے اپنے تیر دیکھے تھے جو ہوا میں یوں جاتے تھے جیسے ہوا کے جھونکوں سے گھاس کے خشک تنکے اڑ رہے ہوں۔ ہمارے گھوڑے چلتے نہیں تھے۔ریگزار نے سورج کی ساری آگ لے لی اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھسم کر دیا۔ میں بھی جلی ہوئی لاش تھا۔ستارے سے ایک شرارہ آیا۔میری آنکھوں میں اترا اور میرے وجود میں اتر گیا۔آواز آئی......''ہم نے تجھے دوسری زندگی عطا کی۔ہم سے پوچھ ہم نے یہ کرم کیوں کیا؟''...... میں نے پوچھا۔ آواز نے جواب دیا......''ہمیں مسلمانوں سے محبت ہے۔ مسلمان میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے حضور رکوع و سجود کرتے ہیں ۔ جن کی یہ لاشیں ہیں ، انہیں ہم نے عبرت کا سامان بنایا ہے کہ یہ بھٹک گئے تھے،اور جو بھٹک رہے ہیں انہیں ہم سیدھا راستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہم نے تجھے منتخب کیا ہے کہ تو ہر صبح قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ جا ہم نے تجھے روشنی دی ہے۔ یہ میرے مسلمان بندوں کو دکھا''......

''میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ میں نے کہا......''اے میرے رب کے نور! مجھے پوری بات بتا اور بتا کہ میری بات کون مانے گا۔ کس طرح مانے گا۔ مجھے بتا کہ ہماری تلواریں کند کیوں ہو گئی تھیں؟ تیروں کی رفتار کہاں گئی تھی؟ روشنی کی آواز نے کہا......'وہ تلوار کند ہو جاتی ہے جس کا وار اپنی ماں پر کیا جاتا ہے۔وہ تیر کھجور کا سوکھا پتا بن جاتا ہے جو اپنی ماں کے سینے پر چلایا جاتا ہے۔تو نہیں جانتا کہ ماں کون ہے۔وہ سرزمین جس نے تجھے جنم دیا ہے اور جس کی مٹی میں تو کھیل کر جوان ہوا ہے تیری ماں ہے۔ جا،سوڈان کے مسلمانوں سے کہہ کر سوڈان کی زمین تمہاری ماں ہے۔اس سے محبت کرو۔اس کی مٹی میں جنت ہے۔اس جنت کو فتح کرنے کے لیے باہر کا کوئی مسلمان بھی آئے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔تو نے دوزخ دیکھ لیا ہے۔ جا،اپنے کلمہ گو سوڈانی بھائیوں کو بتا کہ تمہاری ماں، تمہاری جنت اور تمہارا کعبہ سوڈان ہے۔''

''اے برگزیدہ ہستی کہ جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے''......ایک آدمی نے کہا......''کیا تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم سوڈان کے اس بادشاہ کے وفادار ہو جائیں جو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا؟''...... یہ آدمی ان تینوں میں سے ایک تھا جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے۔

''خدا کی آواز نے کہا ہے کہ یہ بادشاہ جو کافر ہے مسلمان ہو جائے گا''......عمرو درویش نے جھومتی ہوئی اثر انگیز

آواز میں کہا...... ''وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اس کی فوج کافروں کی ہے اس لیے وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ، تلواریں، برچھیاں، تیروکمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اسے بتاؤ کہ تم اس کے محافظ ہو۔ تم سوڈان کے بیٹے ہو...... میں نے خدا سے کہا کہ میری زبان سے یہ بات کوئی نہیں مانے گا۔ میرے مسلمان بھائی مجھے قتل کر دیں گے۔ خدا کی آواز جو درخت کے پتوں میں اٹکی ہوئی روشنی سے آ رہی تھی، نے کہا...... ''ہمارے سوا پانی کو کون آگ لگا سکتا ہے۔ جا، ہم نے یہ طاقت تجھے اس شہادت کے لیے دے دی کہ لوگ تیری آواز کو ہماری آواز سمجھیں۔ کوئی انسان پانی کو آگ نہیں لگا سکتا'...... پھر روشنی سے آواز آئی...... ''اگر تیری آواز کو لوگ پھر بھی باطل جانیں تو انہیں رات کو اپنے پاس بلا۔ میں انہیں وہی جلوہ دکھاؤں گا جو موسیٰ کو طور پر دکھایا تھا'......

''کیا تم طور کا جلوہ دیکھ کر حق کی آواز کو مانو گے؟''...... عمرو درویش نے پوچھا۔

''ہاں، اے خدا کے ایلچی!''...... ان تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا...... ''اگر تو ہمیں طور کا جلوہ دکھا دے تو ہم تیری آواز کو خدا کی آواز مان لیں گے۔''

''جاؤ''...... عمرو درویش نے زمین پر غصے سے ہاتھ مار کر کہا...... ''چلے جاؤ۔ اس وقت آنا جب سورج اپنے شعلے پہاڑوں کے پیچھے لے جائے گا اور آسمان پر ستاروں کی قندیلیں روشن ہو جائیں گی۔ جاؤ۔''

☆

لوگ جب واپس گئے تو ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں تھا۔ جاتے جاتے وہ چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں ہو گئے۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں ابھر آئیں۔ عقیدے دب گئے۔ جذبے سرد ہو گئے۔ جذبات بھڑک اٹھے۔ یہ سیدھے سادے پسماندہ لوگ تھے۔ سنسنی خیزی نے ان کی عقل کا رخ پھیر دیا۔ عمرو درویش کے الفاظ میں کچھ اثر تھا یا نہیں، لوگوں نے اس اثر کو قبول کیا جو اس کی آواز میں اور اس کے بولنے کے انداز میں تھا۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی نے شک کا اظہار کیا تو کسی نہ کسی نے کہہ دیا...... ''کیا تم پانی کو آگ لگا سکتے ہو؟''...... ابھی رات کو طور کا جلوہ دیکھنا باقی تھا۔ یہ لوگ آتشی کو جن سمجھ رہے تھے جس کا انہوں نے صاف الفاظ میں اظہار کیا۔

یہ وہ مسلمان تھے جنہوں نے سوڈان کی غیر مسلم شہنشاہی کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ سوڈان کی فوجوں کو انہوں نے اس پہاڑی خطے میں بے بس کر کے پسپا کر دیا تھا۔ وہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستار اور صلاح الدین ایوبی کے شیدائی تھے۔ سوڈان کے باشندے ہوتے ہوئے وہ اپنے کوہستانی خطے کو آزاد اسلامی ریاست کہتے تھے، مگر الفاظ کی سنسنی، اور چاشنی اور وجد آفرینی نے انہیں راہ سے بے راہ کر دیا اور ان کی سوچیں بھٹکنے لگیں۔ جنہوں نے فوجوں کو پسپا کیا تھا ان کے عقیدے پر صرف ایک انسان نے دلکش وار کیا تو ان کے ہتھیار گر پڑے۔ یہ لوگ جدھر گئے افواہیں پھیلاتے گئے۔ انہوں نے جو دیکھا اور جو سنا تھا اسے اور زیادہ دلنشیں بنانے کے لیے اضافے کرتے گئے۔

''مجھے یہ خدشہ پریشان کر رہا ہے کہ سوڈانی مسلمان سنسنی خیز توہمات کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے''...... یہ آواز سلطان صلاح الدین ایوبی کی تھی جو سوڈان سے دور، بہت ہی دور فلسطین کی دہلیز پر ایک چٹان کے دامن میں اپنے مشیروں اور سالاروں کے درمیان بیٹھا تھا۔ العادل کا بھیجا ہوا قاصد اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے العادل کا پیغام پڑھ لیا تھا۔ مصر کی انٹیلی جنس (شعبہ جاسوسی اور سراغرسانی) نے سوڈانی مسلمانوں کے متعلق پوری اطلاع مصر کے قائم مقام امیر العادل کو دی تھی جو العادل نے سلطان ایوبی کے نام ایک پیغام میں لکھ بھیجی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ علی بن سفیان

تاجروں کے بھیس میں سوڈان جا رہا ہے۔ پیغام میں العادل نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی خطے میں اپنے چھاپہ مار بھیجے جائیں یا نہیں۔ اس نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہم چھاپہ مار چوری چھپے بھیجیں گے۔ اگر سوڈانی حکومت کو پتا چل گیا تو کھلی جنگ ہو سکتی ہے جب کہ ہماری زیادہ تر فوج عرب میں لڑ رہی ہے۔ پیغام میں تفصیل سے لکھا گیا تھا کہ سوڈانی حکومت مسلمانوں کو اپنا وفادار بنانے کے لیے ہمارے جنگی قیدیوں کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھ کر اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں اور مشیروں کو سنایا اور کہا..... ''سوڈان کے یہ مسلمان سوڈان کی فوج کے لیے قہر الٰہی ہیں۔ تم سب دیکھ رہے ہو کہ ان میں سے جتنے ہماری فوج میں ہیں، وہ کس بے جگری اور جذبے سے لڑتے ہیں مگر دشمن جب انہیں طلسماتی الفاظ میں الجھاتا اور ذہن کو خیالی عیاشی کی طرف مائل کرتا ہے تو وہ ریت کے بت بن جاتے ہیں۔ العادل نے لکھا تو نہیں کہ صلیبی سوڈان کے مسلمان علاقے میں کردار کشی اور ذہنی تخریب کاری کر رہے ہیں لیکن تم سب صلیبیوں کو جانتے ہو۔ وہ اس فن کے ماہر ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر موجود ہیں۔ وہ ذہنی تخریب کاری ضرور کریں گے۔''

سلطان ایوبی نے العادل کے قاصد کو کھانے اور آرام کے لیے بھیج دیا اور کاتب کو بلا کر پیغام کا جواب لکھوانے لگا۔ اس نے لکھوایا:

''میرے عزیز بھائی۔ العادل!

خدائے عزوجل تمہارا حامی و ناصر ہو۔ تمہارے پیغام نے سوڈان کے مسلمانوں کے متعلق صورت حال واضح کر دی ہے۔ تمہیں حیران نہیں ہونا چاہئے۔ تم جانتے ہو کہ کفار اسلام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ وہ ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈہ استعمال کر رہے ہیں۔ میں اس اقدام کی تعریف کرتا ہوں کہ علی بن سفیان سوڈان چلا گیا ہے اور تم نے اسے جانے کی اجازت دی ہے۔ اللہ علی بن سفیان کی مدد کرے۔ وہ نہایت ہوشیار اور مستعد سراغرساں ہے۔ پتھروں کے اندر سے بھید بھی نکال لاتا ہے۔ وہ واپس آ کر تمہیں بتائے گا کہ وہاں کی صورت حال کیا ہے اور اس کے مطابق کیا کارروائی کرنی چاہیے......

''تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سوڈان کے مسلمانوں کو چھاپہ ماروں کی مدد دی جائے یا نہیں۔ تم نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا ہے کہ چھاپہ مار بھیجے تو سوڈانی جوابی کارروائی کریں گے جو کھلی جنگ کی بھی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ تم نے اچھا کیا ہے کہ میری اجازت ضروری سمجھی ہے، لیکن میں تمہیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کبھی حالات ہنگامی ہو جائیں تو میری اجازت لینے میں وقت ضائع نہ کرنا۔ تمہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر کے مسلمانوں کے ہاں پناہ لی اور اسلام قبول کر لیا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈانی ہمارے قیدیوں کو ہمارے خلاف تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور ہمارے اسحاق نامی ایک کماندار کی بیوی اور بیٹی تک کو انہوں نے دھوکے سے اغوا کرنے کی کوشش کی ہے تو تمہیں سمجھ جانا چاہئے تھا کہ سوڈانی مسلمانوں میں کچھ غدار بھی ہیں۔ ان حالات میں تمہیں فوری طور پر چھاپہ ماروں کی کچھ نفری تاجروں اور مسافروں کے بھیس میں سوڈانی سرحد میں داخل کر دینی چاہئے تھی۔ تاہم علی بن سفیان کا چلے جانا قابل تعریف ہے......

''میرے عزیز بھائی! یہ الگ مسئلہ ہے کہ ہمارے پاس فوج تھوڑی ہے اور ہم دوسرا محاذ کھولنے کے قابل نہیں لیکن قرآن کے اس فرمان سے گریز نہ کرو کہ کسی بھی خطے میں مسلمانوں پر کفار ظلم و تشدد کر رہے ہوں یا انہیں لالچ سے یا

دھوکے سے عقیدوں سے گمراہ کررہے ہوں اور ان کا قومی وقار اور دین وایمان خطرے میں ڈال دیا گیا ہو تو تمام دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سلطنت اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ اسلام کے تحفظ کے لیے ہم کسی بھی ملک کی سرحد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے سوڈانی مسلمانوں کو اپنے چھاپہ مار دے رکھے ہیں جو ان کے ساتھ کاشت کاروں کے روپ میں رہتے ہیں۔ ہم سوڈانی مسلمانوں کو جنگی سامان بھی دے چکے ہیں۔ اگر تم ضرورت محسوس کرو تو انہیں اور زیادہ مدد دو......

''اگر سوڈانی اپنی سرحد بند کرنے کے لیے مصر پر فوج کشی کریں تو گھبرانہ جانا۔ تم تھوڑی سی فوج سے کئی گناہ فوج کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ تم ان کا ایک حملہ تباہ کر چکے ہو۔ دوسرا بھی تباہ کرلو گے۔ سامنے کی ٹکر نہ لینا، دشمن کو وہاں گھسیٹ لینا جہاں تم کم تعداد سے زیادہ نقصان کر سکو چھاپہ ماروں کا استعمال زیادہ کرنا اور دشمن کی رسد کاٹنے کا انتظام کرنا۔ تمہاری آدھی جنگ علی بن سفیان کے جاسوس جیت لیں گے۔ لیکن مجھے توقع نہیں کہ سوڈانی حملے کی حماقت کریں گے۔ اگر ان کے صلیبی مشیروں نے عقل سے کام لیا تو وہ حملے کی بجائے اپنے پہاڑی علاقے کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔ اگر مسلمان ان کے وفادار ہو گئے اور انکی فوج میں شامل ہو گئے تو وہ ہر خطرہ مول لے سکتے ہیں، اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ مسلمان انکی ذہنی تخریب کاری کا شکار نہ ہوں......

''میں وہی بات دہراؤں گا جو سو بار کہہ چکا ہوں۔ مسلمان میدان جنگ میں شکست دیا کرتا ہے، شکست کھایا نہیں کرتا، مگر اس کے جذبات ... جب حیوانی جذبہ بیدار کر دیا جاتا ہے تو وہ تلوار اتار پھینکتا ہے۔ ملت اسلامیہ کو جب بھی زوال آیا اسی جذبے کی بدولت آئے گا۔ ہمارا دشمن ہماری قوم میں یہی آگ بھڑکا رہا ہے۔ اس طرح ہم بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ ایک زمین کے اوپر دوسرا زمین کے نیچے۔ ہمارا دشمن ہمیں زہر میں بجھے ہوئے تیروں سے نہیں مار سکا، وہ اب ہمیں زبان کی مٹھاس اور الفاظ کے جادو سے بیکار اور مفلوج کر رہا ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک محاذ ہے۔ ہوشیار رہنا میرے عزیز بھائی!......

''یہاں کے حالات سازگار ہیں۔ دشمن بری طرح بکھرا ہوا ہے۔ میں اسے مرکزیت اور اجتماع کی مہلت نہیں دوں گا۔ اللہ کی مدد ملتی رہی تو میں حلب لے لوں گا۔ مقابلہ شاید اب بھی سخت ہو لیکن میں نے کچھ اور انتظامات کر لیے ہیں۔ صلیبی ابھی سامنے نہیں آئے۔ شاید ابھی سامنے آئیں گے بھی نہیں۔ وہ بھائیوں کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اگر ان کا دشمن آپس میں ہی لڑ لڑ کر مر جائے تو انہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے......

''اللہ تمہاری مدد کرے۔ مجھے امید ہے کہ تم گھبراؤ گے نہیں۔ خدا حافظ۔''

☆

جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ پیغام قاصد کو دے کر روانہ کیا اس وقت عمرو درویش کے خیمے میں وہ تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو لوگوں کے ہجوم میں آگے ہو کر عمرو درویش کی طرف بڑھے تھے مگر اس طرح پیچھے کو گر پڑے تھے جیسے کسی نے انہیں آگے سے دھکا دیا ہو۔ لوگ چلے گئے۔ عمرو درویش باہر سے اٹھ کر خیمے کے اندر چلا گیا تھا اور یہ تین آدمی کچھ دور تک لوگوں کے ساتھ گئے اور ان کی نظر بچا کر ایک ایک کر کے واپس آئے اور عمرو درویش کے خیمے میں چلے گئے تھے۔ یہ اسی کے گروہ کے آدمی تھے اور وہ اسی علاقے کے مسلمان تھے۔ سوڈانی حکومت سے انہیں بہت انعام ملتا تھا۔

''میرا خیال تھا کہ کپڑا نہیں جلے گا۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''اس کے نیچے آتش گیر سیال کم رکھا گیا اور اوپر

پانی زیادہ انڈیل دیا گیا تھا۔"

"تمہیں ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ یہ تیل پانی پر ڈال دیا جائے تو بھی جل اٹھتا ہے۔" اس آدمی نے کہا جس نے کپڑے پر مشکیزے سے پانی چھڑکا تھا۔ "ہم پہلے آزما چکے تھے۔"

"لوگوں پر اس کا اثر کیا ہوا ہے؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہم کچھ دور تک ان کے ساتھ گئے تھے۔" ایک نے جواب دیا..... "وہ پانی کو آگ لگانے کو تمہارا معجزہ سمجھتے ہیں۔ کوئی یقین نہیں کرتا کہ دنیا کا کوئی انسان پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔ تم نے جس انداز سے باتیں کی ہیں وہ ان کے دلوں میں اتر گئیں ہیں۔ خدا کی قسم!....."

"نہ دوست!" عمرو درویش نے اسے ٹوک دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولا..... "خدا کی قسم نہ کھاؤ۔ ہم اس حق سے محروم ہو گئے ہیں کہ اس سچے خدا کی قسم کھائیں جس کے احکام کی ہم خلاف ورزی کر رہے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے ابھی تمہارے دل میں سچا خدا موجود ہے۔" ایک آدمی نے کہا..... "عمرو درویش! تم اپنا خدا اور اپنا ایمان فروخت کر آئے ہو۔"

دوسرے آدمی نے پاس بیٹھی ہوئی آشی کی ران پر ہاتھ پھیر کر کہا..... "اور قیمت دیکھ کیسی ملی ہے۔ یہ صلیب کے بادشاہوں کا ہیرا ہے جو سوڈان کے حاکموں نے تمہیں دے دیا ہے۔"

عمرو درویش نے آشی کی طرف دیکھا تو آشی نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں۔ اس کے ماتھے پر شکن بھی پیدا ہوئے۔ عمرو درویش اس اشارے کو سمجھ گیا اور ہنس کر بولا..... "مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ میں اتنی زیادہ قیمت کے قابل نہیں تھا..... جانے دو ان باتوں کو۔ آنے والی رات کی باتیں کرو۔"

"سب انتظام تیار ہے۔" ایک آدمی نے کہا..... "تم نے ہمارا کمال دیکھ لیا ہے۔ دیکھا ہم کس طرح پیچھے کو گرے تھے؟ اور تم اس کی بھی تعریف کرو کہ ہم نے کسی اور کو بولنے نہیں دیا۔"

"رات کو تم طور کا جلوہ دکھاؤ گے۔" ایک اور آدمی نے کہا..... "یاد کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ ہمارے آدمی تیار ہیں۔"

"ہمیں چلے جانا چاہیے۔" تیسرے آدمی نے کہا..... "اب خیمے سے باہر نہ نکلنا۔"

وہ تینوں چلے گئے۔

☆

سورج غروب ہوتے ہی لوگ آنا شروع ہو گئے۔ دن کے وقت جو لوگ عمرو درویش کی باتیں سن گئے اور پانی کو آگ لگنے کا معجزہ دیکھ گئے تھے انہوں نے جہاں تک وہ پہنچ سکے "خدا کے ایلچی" کی تشہیر کر دی تھی کہ آج رات کو عمرو درویش کوہ طور کا وہی جلوہ دکھائے گا جو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا۔ سوڈان کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے افواہیں پھیلانے کا کام جانفشانی سے کیا۔ اس کے نتیجے میں شام کے بعد عمرو درویش کے خیمے کے سامنے لوگوں کا ہجوم دن کی نسبت زیادہ تھا۔ خیمے کے عقب میں اور دائیں بائیں کسی کو کھڑا ہونے کی اجازت نہ تھی۔

عمرو درویش ابھی خیمے میں تھا۔ باہر دو مشعلیں جل رہی تھیں جن کے ڈنڈے زمین میں گڑھے ہوئے تھے۔ لوگ "خدا کے ایلچی" کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ خیمے کے پردے کو جنبش ہوئی۔ آشی سامنے آئی۔ اس کا لباس سیاہ تھا۔ یہ ایک فراک سا تھا جو کندھوں سے پاؤں تک تھا۔ اس پر ابرق کے ذرے چپکے ہوئے تھے جو مشعلوں کی روشنی

میں ستاروں کی طرح ٹمٹماتے اور چمکتے تھے۔ آشی کے سر پر ریشم کا باریک رومال تھا۔ اس کے بال اسی ریشم جیسے تھے جو شانوں پر اس انداز سے پڑے ہوئے تھے کہ عریاں شانوں کی سپیدی ان میں ستاروں کی طرح نظر آتی تھی۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی، اس کا بناؤ سنگھار اور سج دھج ایسی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا اور جو حیوانی جذبے کو اکساتی تھی۔

پہاڑیوں اور جنگلوں میں رہنے والے ان لوگوں کے لیے یہ لڑکی، اس کی چال اور اس کا لباس عجوبے سے کم نہ تھا۔ ان کی نظریں گرفتار ہو گئیں اور ان پر سحر طاری ہو گیا۔ آشی کے ایک ہاتھ میں گز ڈیڑھ گز لمبے اور اس سے آدھے چوڑے قالین کا ایک ٹکڑا تھا جو اس نے دونوں مشعلوں کے درمیان بچھا دیا۔ اس نے دونوں بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ خیمے کا پردہ ہٹا اور عمرو درویش مستانہ چال چلتا قالین پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بھی آشی کی طرح بازو دائیں بائیں پھیلائے، آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ بڑبڑانے لگا۔

''اے خدا کی برگزیدہ ہستی جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے، ہم تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں۔'' یہ ان تین آدمیوں سے ایک تھا جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ اس نے کہا۔۔۔۔۔ ''تیری دن کی باتیں ہمارے دلوں میں اتر گئی ہیں مگر ایک شک ہے۔ ہمیں طور کا جلوہ دکھا جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔''

''مصر فرعونوں کا ملک ہے۔'' عمرو درویش نے بلند آواز سے کہا۔۔۔۔۔ ''فرعون مر گئے مگر خدا نے مصر کی بادشاہی جس کو بھی دی وہ فرعون بنا۔ یہ مصر کی زمین کی، مصر کے پانی کی اور مصر کی ہوا کی تاثیر ہے۔ جو کلمہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے تھے وہ بھی فرعون بنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعونوں کی 'خدائی' کو للکارا اور نیل کے پانی کو کاٹ کر دکھا دیا۔ اب مصر ایک بار پھر فرعونوں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ وہاں شراب کی نہریں بہتی ہیں اور پردہ نشین کنواریوں کی عصمتوں سے کھیلا جاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمارے اس خطے کو یہ سعادت بخشی ہے کہ مصر کو فرعون سے آزاد کراؤ۔ خداوند دو عالم نے تمہیں کوہ طور کا جلوہ بخشا ہے۔

عمرو درویش نے بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر جوشیلی آواز میں کہا۔۔۔۔۔ ''اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو اپنا وہی نور دکھا جو تو نے موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا۔''

اس نے لپک کر ایک مشعل زمین سے اکھاڑی۔ رات تاریک ہو چکی تھی۔ پہاڑ چٹانیں اور درخت اندھیرے کی سیاہی میں روپوش ہو گئے۔ روشنی صرف ان دو مشعلوں کے شعلوں کی تھی جس میں عمرو درویش اور آشی نظر آ رہے تھے۔ عمرو درویش نے مشعل اوپر کی اور ایک سمت اشارہ کر کے کہا۔۔۔۔۔ ''ادھر دیکھو۔ ادھر ایک پہاڑی ہے۔ تم اس پہاڑی کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا جلوہ دیکھو۔''

اس نے مشعل اور زیادہ اوپر کر کے دائیں بائیں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی سامنے پہاڑی سے ایک شعلہ اٹھا اور ذرا سی دیر میں کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ حیرت زدگی نے ان کی زبانیں گنگ کر دیں۔

''اگر تم نے خدا کے اس جلوے کو بھی اپنے دلوں میں نہ اتارا تو یہ شعلہ جو تم نے دیکھا ہے تمہارے اس سرسبز علاقے کو ریگزار بنا دے گا۔'' عمرو درویش نے کہا۔۔۔۔۔ ''میں اسے روک نہیں سکوں گا۔ اسے تم نے دعوت دی ہے۔''

عمرو درویش اپنے خیمے میں چلا گیا۔ آشی نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ چلے جائیں۔ لوگ وہاں سے جانے لگے تو ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے۔ ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ وہ جب خیمے سے دور نکل گئے تو ایک آدمی جو ان کے ساتھ تھا، دوڑ کر آگے ہوا اور سب کی طرف منہ کر کے رک گیا۔ سب نے دیکھا۔ وہ ایک

گاؤں کی مسجد کا پیش امام تھا۔

''ذرا رک جاؤ'' امام نے بازو پھیلا کر کہا۔ سب رک گئے تو اس نے کہا..... ''اپنے ایمان کو قابو میں رکھو، مسلمانو! یہ جادوگری ہے۔ جو تم دیکھ آئے ہو یہ شعبدہ بازی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بعد نہ کوئی پیغمبر آیا ہے، نہ آئے گا۔ خدا ایسے گناہگاروں کو جلوے اور نور نہیں دکھایا کرتا جو اپنے ساتھ بے حیا لڑکیاں لیے پھرتے ہیں۔''

''یہ لڑکی نہیں جن ہے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

''جنات انسانوں کے روپ میں نہیں آسکتے۔'' امام نے کہا..... ''جنات کسی انسان کے غلام نہیں ہوسکتے۔ مسلمانو! اپنے عقیدے کی حفاظت کرو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فرعون نہیں، وہ خدا کا سچا بندہ ہے۔ اس نے پیغمبر کا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تمہارے مذہب کا پاسبان اور صلیب کا دشمن ہے۔''

''محترم امام!'' ایک آدمی نے کہا..... ''کیا آپ پانی کو آگ لگا سکتے ہیں؟''

''اس کی نہ سنو۔'' ایک اور نے کہا..... ''یہ اپنی امامت قائم رکھنا چاہتا ہے۔''

''ہم نے جو دیکھا ہے وہ آپ دکھا دیں۔'' ایک اور نے کہا..... ''پھر ہم آپ کی اطاعت قبول کرلیں گے۔''

''میرے ساتھ اس پہاڑی پر چلو جہاں سے شعلہ اٹھا تھا۔'' امام نے کہا..... ''میں تمہیں دکھا دوں گا کہ یہ کیا شعبدہ ہے۔ اگر میں غلط ہوا تو مجھے اسی جگہ قتل کر دینا جہاں شعلہ بھڑکا تھا۔''

''ہم خدا کے کاموں میں دخل دینے کی جرأت نہیں کریں گے۔'' ایک آدمی نے کہا۔

دو تین آدمی بیک وقت بول پڑے۔ وہ بھی امام کے خلاف بول رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ایسا اشتعال دلایا کہ سب چل پڑے اور امام کو دھکے دیتے آگے چلے گئے۔ امام اکیلا کھڑا رہا۔

☆

کچھ دیر وہاں کھڑے رہ کر امام اس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس پر شعلہ اٹھا تھا۔ وہ بہت ہی تیز چلا جارہا تھا۔ ایک پتھریلے ویرانے سے گزر کر چٹان کے دامن میں پہنچا تو دو آدمی اس سے کچھ دور پیچھے چلے جارہے تھے۔ امام چٹان کے ساتھ ساتھ چلا جارہا تھا۔ پیچھے جانے والے دونوں اور تیز ہوگئے۔ ان کی قدموں کی آہٹیں سن کر امام رک گیا۔ وہ دونوں اس کے قریب جارکے۔ ان کے چہرے کپڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ امام نے ان سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان میں سے ایک امام کے پیچھے چلا گیا۔ امام اس کی طرف مڑا تو دوسرے نے امام کی گردن کے گرد اپنا بازو لپیٹ لیا۔ امام نے کمر بند سے خنجر نکالا مگر اس کا خنجر والا ہاتھ ایک آدمی کے ہاتھ کے شکنجے میں آگیا۔ اس کی گردن دوسرے آدمی کے بازو کے شکنجے میں تھی جو اتنا تنگ اور سخت ہوگیا تھا کہ اس کا سانس رک رہا تھا۔

اس نے آزاد ہونے کی آخری کوشش کی۔ وہ پوری طاقت سے اچھلا۔ دونوں پاؤں جوڑ کر سامنے والے کے پیٹ میں مارے۔ اسے پیچھے سے ایک آدمی نے جکڑ رکھا تھا۔ سامنے والا امام کی لاتوں سے پیچھے کو گرا اور اس کے پیچھے والا دھکہ برداشت نہ کرسکا۔ وہ بھی پیچھے کو گرا اور امام کی گردن پر اس کے بازو کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ امام نے ایک اور جھٹکا دیا اور آزاد ہوگیا۔ وہ اب ایک خونریز لڑائی کے لیے تیار ہوکر اٹھا لیکن وہ دونوں آدمی بھاگ گئے۔ ان کے بھاگنے کی وجہ صرف یہ ہوسکتی تھی کہ وہ دونوں اسی علاقے کے مسلمان تھے۔ انہیں پہچانے جانے کا خطرہ تھا۔ امام نے انہیں پکارا، للکارا لیکن غائب ہوگئے تھے۔ امام نے آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے واپس چلا گیا۔

عمرو درویش کے خیمے میں وہی تین آدمی بیٹھے تھے جو دن کے وقت بھی اس کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو بتایا کہ لوگ وہی تاثر لے کر گئے ہیں جو ان پر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ کل رات اسے آگے ایک اور گاؤں کے قریب جانا ہے اور "طور کا جلوہ" ایک اور پہاڑی پر دکھانا ہے تینوں چلے گئے۔ آشی عمرو درویش کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔

"کیا تم اپنی کامیابی پر خوش ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"آشی!" عمرو درویش نے آہ لے کر کہا..... "میں تمہیں اس قسم کے سوالوں کا جواب دینے سے ڈرتا ہوں۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہوں؟" آشی نے کہا..... "تم نے میرے اندر ایمان بیدار کیا ہے اور اب تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔"

"میں اعتبار تمہارے عمل پر کروں گا۔" عمرو درویش نے کہا..... "تمہارے الفاظ پر نہیں۔"

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔" آشی نے کہا..... "جو کہو گے کروں گی۔"

"ابھی یہی کرتی رہو جو کر رہی ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔ "وقت آنے پر تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہیں یہ بتانے کا وقت ہی نہ ملے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" آشی نے کہا..... "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جہاں تم نے ذرا سی مشکوک حرکت کی یہ جاسوس تمہیں غائب یا قتل کر دیں گے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دو کہ تمہارا ارادہ کیا ہے تو میں تمہیں بروقت خبردار کر سکوں گی۔ مجھے تو وہ بہر حال اپنے گروہ کا فرد سمجھتے ہیں۔

آشی کے انداز میں کچھ ایسی سادگی اور خلوص تھا۔ جس سے عمرو درویش قائل ہو گیا کہ یہ لڑکی اسے دھوکہ نہیں دے گی۔ اس نے کہا..... "تمہارے کمالات دیکھتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ تم مجھے دھوکہ دو گی۔"

"کمالات میں تو تم بھی کم نہیں ہو۔" آشی نے کہا..... "اسی لیے تو میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم نے اپنی قوم کو دھوکہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔"

"میں تمہیں اپنا ارادہ بتا دیتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا..... "اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور مجھے فریب دیا تو تم زندہ نہیں رہو گی۔ میں قتل ہو جانے سے نہیں ڈرتا اور قتل کرنے سے بھی نہیں ڈروں گا۔ میں نے راستے میں تمہیں بتایا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے امید تھی کہ میں یہاں اپنے علاقے میں آ کر اپنے خفیہ مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو جاؤں گا مگر یہاں آ کر دیکھا ہے کہ سوڈانیوں نے مجھے جاسوسوں کے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مجھے دوسرا غم یہ ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی قوم کی پیٹھ میں خنجر اتار دیا ہے۔ میں اپنے اصل مقصد کی خاطر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ رہا ہوں مگر میری کارستانی جسے میرا کمال کہتی ہو میری قوم کے مذہبی عقیدے کو زہر کی طرح مار رہی ہے۔ میں نے اگر یہ سوانگ جاری رکھا تو یہ مسلمان سوڈانیوں کی غلامی کی زنجیروں میں بندھ جائیں گے اور ان کا قومی وقار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"میں اسحاق کے گاؤں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا..... "تم اسحاق کو جانتی ہو نا۔ وہی کمانڈار جو جنگی قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں پڑا ہے۔ اسے اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے تمہیں بھی ایک رات اس کے پاس

بھیجا گیا تھا۔"

"اس شخص کو تو میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی۔" آشی نے کہا۔ "اس کی بھی اتنی ہی مرید ہوں جتنی تمہاری ہوں۔"

"میں اس کے گھر تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا...... "پھر میں اپنے گاؤں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ یہاں آکر غائب ہو جاؤں گا اور یہاں کے لوگوں کو بتاؤں گا کہ وہ سوڈانیوں کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔"

"معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں بنایا تھا۔" آشی نے کہا...... "ہمیں جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے۔اس کا ہمیں بڑا واضح منصوبہ دیا جاتا ہے۔"

"میں قید خانے میں ظالمانہ اذیتیں سہہ سہہ کر نکلا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا..... "اتنی ہی عقل رہی گئی تھی۔کہ قید خانے سے نکلنے کا یہ طریقہ سوچ لیا تھا۔ یہاں آکر حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ اپنے مقصد کی کامیابی ناممکن نظر آتی ہے۔"

"اب مجھے بھی سوچنے دو۔" آشی نے کہا...... "اگر ہم خدا کی راہ میں ثابت قدم رہے تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گے۔کل ہم آگے جا رہے ہیں۔کوئی صورت نکل آئے گی۔"

"ضرورت یہ ہے کہ ہمیں یہاں کے کسی عقل مند آدمی کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے۔"

☆

اسی علاقے میں عمرو درویش کے خیمے سے دو اڑھائی میل دور مصری تاجروں کا ایک قافلہ آیا۔چار آدمی اور چھ اونٹ تھے۔قافلے کا سردار لمبی داڑھی والا ایک بزرگ سیرت انسان تھا جس نے ایک آنکھ پر سبز رنگ کے کپڑے کا ٹکڑا لٹکا رکھا تھا جیسے اس کی یہ آنکھ خراب ہو۔یہ قافلہ دو راتیں پہلے سوڈان کی سرحد میں داخل ہوا تھا۔پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے مصر سے سوڈان میں اناج سمگل کرنے کی درپردہ اجازت دے رکھی تھی۔دوسری اجناس بھی سمگل کی جاتی تھیں۔سوڈان میں ان اشیاء کی قلت تھی۔مصر کے یہ سمگلر دراصل سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے آدمی تھے۔انہیں مصر کے سرحدی دستے نہیں روکتے تھے اور سوڈان کی سرحد کے پہرہ دار بھی انہیں نظر انداز کر دیتے تھے۔

یہ قافلہ بھی بلا روک ٹوک سرحد پار کر کے سوڈان میں داخل ہو گیا۔لیکن رات کی تاریکی کی وجہ سے سوڈان کے سرحدی پہرہ دار یہ نہ دیکھ سکے کہ چار تاجروں اور چھ اونٹوں کا یہ قافلہ سوڈان کے کسی شہر کی طرف جانے کی بجائے اس پہاڑی علاقے کی سمت چلا گیا ہے جہاں مسلمان آباد تھے۔ادھر تاجروں کے کسی قافلے کو جانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ سوڈان کی حکومت مسلمانوں کو اناج اور دیگر اجناس سے اور تجارت سے محروم رکھنا چاہتی تھی۔یہ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔صبح ہوئی تو اونٹوں کو ٹیلوں کے علاقے میں چھپا دیا گیا۔سرحد دور پیچھے رہ گئی تھی۔ان لوگوں نے سارا دن وہیں چھپ کر گزارا۔

رات تاریک ہوئی تو قافلہ پھر چل پڑا،اور آدھی رات کے وقت پہاڑی علاقے میں داخل ہو گیا۔یہی قافلے کی منزل تھی۔سحر کے وقت قافلہ ایک گاؤں میں داخل ہوا۔میر کارواں ایک مکان کے سامنے رکا اور دروازے پر دستک دی۔کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ایک آدمی ہاتھ میں دیا لیے باہر آیا۔میر کارواں نے اس کے کان میں کچھ کہا۔دروازہ کھولنے والے نے کہا...... "خوش آمدید...... تم سب فوراً اندر چلو۔اونٹوں کو ہم سنبھال لیں گے۔"

چاروں تاجر اندر چلے گئے۔میزبان نے اپنے گھر والوں کو اور پڑوس کے دو تین آدمیوں کو جگایا۔سب نے

اونٹوں کو مختلف گھروں کے اونٹوں میں بانٹ کر باندھ دیا۔ سامان اتار کر میزبان کے گھر میں رکھ دیا گیا۔ میر کارواں نے کہا کہ سامان فوراً کھولو اور غائب کر دو۔ سب نے سامان کھولا تو اس میں اناج کی بجائے تیروں کا ذخیرہ تھا۔ کمانیں، تلواریں اور خنجر تھے اور تین چار بوریوں میں آتش گیر مادے سے بھری ہوئی ہانڈیاں تھیں۔ یہ سامان غائب کر دیا گیا۔

''کیا میں اپنے آپ میں آ جاؤں؟'' میر کارواں نے پوچھا...... ''تنگ آ گیا ہوں۔''

''کوئی خطرہ نہیں۔'' میزبان نے کہا...... ''سب اپنے لوگ ہیں۔''

میر کارواں نے لمبی داڑھی اتار دی اور آنکھ سے سبز کپڑا بھی اتار دیا۔ یہ داڑھی نقلی تھی۔ اس کی اصلی داڑھی چھوٹی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی۔ سامان ادھر ادھر چھپا کر جب آدمی مہمانوں کے پاس آئے تو ایک آدمی میر کارواں کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ میر کارواں مسکرایا اور پوچھا...... ''پہچانا نہیں تھا مجھے؟''

''اوہ میرے دوست علی بن سفیان!'' اس آدمی نے کہا...... ''خدا کی قسم میں نے نہیں پہچانا تھا۔'' اس نے آہ بھر کر کہا...... ''ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ خود آ گئے ہیں۔ یہاں کے حالات ٹھیک نہیں۔''

''مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر دیا ہے۔'' علی بن سفیان نے کہا...... ''اور مجھے یہ بھی پتا چلا ہے کہ سوڈانی ہمارے جنگی قیدیوں کو ہمارے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

لمبی داڑھی اور آنکھ پر سبز پٹی اور تاجروں کے چغے کے روپ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ماہر جاسوس اور سراغرساں علی بن سفیان تھا جو یہاں کے حالات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اسے جاسوسوں نے قاہرہ جا کر جو خبریں دی تھیں۔ وہ ان کی روشنی میں باتیں کر رہا تھا، اور وہ جس گھر میں بیٹھا تھا، وہ اس کے بھیجے ہوئے جاسوسوں کا مرکز تھا۔ اس کا میزبان سوڈانی باشندہ تھا۔ یہ سب لوگ سلطان ایوبی کے پرستار تھے۔ ان لوگوں نے علی بن سفیان کو ایک نئی بات سنائی۔

''افواہ پھیل رہی ہے کہ خدا کا کوئی ایلچی آیا ہے جو پانی کو آگ لگاتا ہے''...... میزبان نے علی بن سفیان کو بتایا۔ ''اور وہ لوگوں کو اس قسم کی باتیں کہتا ہے کہ خدا نے مجھے یہ پیغام دے کر مردوں میں سے اٹھایا ہے کہ مسلمانوں سے کہو کہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں کیونکہ یہ زمین تمہاری ماں ہے''...... اس نے عمرو درویش کے متعلق ساری باتیں سنا دیں لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش رات کو طور کا جلوہ دکھا کر لوگوں کے دلوں میں بے حد خطرناک شکوک پیدا کر چکا ہے۔

''مجھے یہی ڈر تھا کہ دشمن عقیدوں پر حملہ کرے گا''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''اسی لیے میں خود آیا ہوں۔ صلیبی تخریب کاری کے ماہر ہیں اور ہماری قوم جذباتی ہے۔ صلیبی الفاظ کا بڑا ہی دلفریب جال تان دیتے ہیں۔ ہمارے بھائی کچے ہوئے اس کے حسین تاروں میں الجھ جاتے ہیں...... مجھے فوری طور پر اس فتنے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ملنی چاہئیں۔ میرا خیال ہے کہ عمرو درویش کو میں جانتا ہوں۔ ہماری فوج کے ایک دستے کا کماندار تھا۔''

اس علاقے میں مصری جاسوس چھاپہ مار بھی تھے۔ علی بن سفیان نے میزبان سے کہا کہ وہ چند ایک آدمیوں کو بلانے کا انتظام کرے تا کہ اس تخریب کاری پر جوابی حملہ کیا جا سکے۔

☆

سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جاسوسوں کو بلانے کے لیے آدمی دوڑا دیئے گئے۔ وہ گئے ہی تھے کہ ایک گھوڑا جو سرپٹ دوڑتا آ رہا تھا اس مکان کے سامنے آ رکا۔ سوار اتر کر اندر آیا تو سب احترام کے لیے اٹھے۔ یہ امام تھا، اور یہ وہی

امام تھا جس نے عمرو درویش کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لوگ اسے دھکے دیتے چلے گئے تھے، پھر رات کو اس پر دونا معلوم آدمیوں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ امام وہیں سے واپس آ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں نے اس گاؤں اور اس گھر کو جاسوسی اور دیگر سرگرمیوں کا خفیہ مرکز بنا رکھا ہے۔ امام اپنے گھر گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ یہ امام اس پر یقین رکھتا تھا کہ عمرو درویش شعبدہ باز ہے۔ وہ اس گاؤں میں رپوٹ دینے اور شعبدہ بازی کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے دلینے آیا تھا آگے علی بن سفیان بیٹھا تھا۔

امام علی بن سفیان سے واقف نہیں تھا۔ تعارف کرایا گیا تو امام نے تفصیل سے سنایا کہ عمرو درویش نے کیا شعبدہ دکھایا ہے اور مسلمان تماشائیوں نے اس کا کس طرح اثر قبول کیا ہے۔

''اگر ہم نے یہ سلسلہ نہ روکا تو مسلمان اپنے عقیدوں سے منحرف ہو جائیں گے۔''...... نے کہا...... ''یہ شخص جو اپنا نام عمرو درویش بتاتا ہے آج رات اگلے گاؤں کو جا رہا ہے۔ وہیں شعبدہ دکھائے گا۔''

انہوں نے تھوڑی دیر اس مسئلے پر غور کیا۔ ایک طریقہ یہ سوچا گیا کہ عمرو درویش کو قتل کر دیا جائے۔ علی بن سفیان نے اتفاق نہ کیا۔ اس نے اس قسم کا اظہار کیا کہ اسے یقین ہے کہ عمرو درویش کو قتل کیے بغیر راہ راست پر لایا جا سکے گا اور اسی کی زبان سے کہلوا لیا جائے گا کہ اس نے جو تجربے دکھائے ہیں وہ شعبدہ بازی تھی۔ قتل کے خلاف دلائل دیتے ہوئے اس نے کہا کہ اس طرح لوگ اسے اور زیادہ برحق ماننے لگیں گے۔

علی بن سفیان کے ساتھ تاجروں کے بھیس میں جو تین آدمی آئے تھے وہ مصری فوج کے غیر معمولی طور پر ذہین، اپنے فن کے ماہر اور تجربہ کار لڑا کا جاسوس تھے۔ علی بن سفیان نے انہیں تاجروں کے بھیس میں ساتھ لیا۔ خود لمبی داڑھی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی کا بہروپ چڑھایا۔ گھوڑے منگوائے۔ چند اور آدمیوں سے کہا کہ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ اس نے سب کو ہدایات دیں اور امام کے ساتھ اس سمت روانہ ہو گیا جہاں عمرو درویش کو خیمہ زن ہونا تھا۔

''عمرو درویش صبح طلوع ہوتے ہی اگلے مقام کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی اس علاقے کے لوگوں کے لباس میں اس کی حفاظت کے لیے جا رہے تھے۔ اس کی تشہیر دور دور تک ہو گئی تھی...... وہ ایک اور گاؤں سے کچھ دور رک گیا اور خیمہ گاڑ دیا۔ تھوڑی سی دیر میں وہ اور آشی تیار ہو گئے تھے۔ خیمے کے سامنے دو مشعلیں جلا کر گاڑ دی گئیں۔ اس کے ساتھیوں نے گاؤں والوں کو جا بتایا کہ انہوں نے خدا کے جس ایلچی کے معجزے سنے ہیں وہ ان کے گاؤں کے باہر خیمہ زن ہے۔ لوگ دوڑے گئے۔ جن لوگوں نے ایک روز پہلے عمرو درویش کو دیکھا تھا۔ وہ بھی دور کا فاصلہ طے کر کے آ گئے۔

عمرو درویش دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹے سے قالین پر بیٹھ گیا۔ آشی اپنے اسی بھڑکیلے لباس اور طلسماتی بناؤ سنگھار سے آراستہ تھی۔ عمرو درویش کے سامنے کپڑا لپٹا پڑا تھا۔ اس نے وہی اداکاری شروع کر دی جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک آدمی نے وہی سوال پوچھا جو پہلے پوچھا گیا تھا۔ عمرو درویش نے وہی باتیں اسی انداز سے دہرا کر کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالا جائے۔ علی بن سفیان اپنی پارٹی کے ساتھ پہنچ چکا تھا اور اس نے عمرو درویش کو پہچان لیا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ شخص مصری فوج کے ایک دستے کا کمانڈر ہے۔

علی بن سفیان کو بتا دیا گیا تھا کہ عمرو درویش پانی کو آگ لگاتا ہے۔ علی بن سفیان کو ایک شک تھا۔ یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پانی کو آگ لگ سکتی ہے۔ اس کے دماغ میں جو شک پیدا ہوا تھا، اس کے مطابق وہ چھوٹے سے مشکیزے میں

نی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جوں ہی عمرو درویش نے کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اسے کپڑے پر ڈالے تو ایک آدمی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے پاس مشکیزہ تھا۔ اس نے کچھ پانی کپڑے پر انڈیل دیا۔

علی بن سفیان آگے بڑھا اور مشعل زمین سے اکھاڑ کر لوگوں سے کہا...... ''تم میں سے کوئی آدمی آگے آئے۔'' ایک آدمی جو علی بن سفیان کے ساتھ آیا تھا آگے گیا۔ علی بن سفیان نے مشعل اس کے ہاتھ میں دے کر کہا...... ''اس کپڑے پر شعلہ رکھو'' ......وہ آدمی ہچکچایا۔ علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا...... ''تم میں سے کوئی بھی آدمی اس پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔''

اس آدمی نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑے سے شعلہ بھڑک کر اٹھا۔ ایک آدمی جو عمرو درویش کا ساتھی تھا۔ بولا...... ''تم کوئی شعبدہ باز ہو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ تم پر خدا کی اس برگزیدہ شخصیت کا قہر نازل ہوگا۔''

عمرو درویش خاموشی سے اور حیرت سے علی بن سفیان کو دیکھ کر رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا کمربند کھول کر عمرو درویش کے آگے رکھ دیا اور اس پر پانی انڈیل کر کہا...... ''اگر تم خدا کے ایلچی ہو تو اس کپڑے کو آگ لگاؤ'' ......اس نے مشعل عمرو درویش کے آگے کر دی مگر عمرو درویش اس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

لوگوں نے آپس میں کھسر پھسر شروع کر دی۔ علی بن سفیان کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے عمرو درویش کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ امام کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔ عمرو درویش کے آدمیوں نے اس کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف سے بولنے والے جاسوس تھے۔ یہ بھی جنگ تھی۔ حق اور باطل معرکہ آراء تھے۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو ادھر الجھا ہوا دیکھا تو عمرو درویش کے سامنے بیٹھ گیا۔

''عمرو درویش!'' ......اس نے دھیمی آواز میں کہا...... ''ایمان کی کتنی قیمت ملی ہے؟''

''تم کون ہو؟'' ......عمرو درویش نے پوچھا۔

''بہت دور سے آیا ہوں'' ......علی بن سفیان نے کہا...... ''تمہاری شہرت سرحد پار سنی تھی اور تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔'' عمرو درویش نے بے چینی سے ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا...... ''میں تم پر کس طرح اعتبار کر لوں؟''

''میری داڑھی پر ہاتھ پھیرو'' ......علی بن سفیان نے کہا...... ''مصنوعی ہے۔ ایمان کی جو قیمت وصول کی ہے۔ اس سے دگنی دوں گا۔ یہ شعبدہ بازی ختم کرو۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔''

''میں قاتلوں کے گھیرے میں ہوں'' ......عمرو درویش نے کہا۔

''میری نہیں مانو گے تو بھی قتل ہو جاؤ گے'' ......علی بن سفیان نے کہا...... ''تم جانتے ہو کہ یہاں ہمارے بہت سے آدمی موجود ہیں...... تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟''

''مجھے معلوم نہیں'' ......عمرو درویش نے کہا اور پوچھا...... ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''بتا نہیں سکتا'' ......علی بن سفیان نے کہا...... ''میں جو پوچھتا ہوں وہ بتاؤ...... طور کا جلوہ کیا ہے؟'' صاف بتا دو۔ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔''

''جب اٹھو گے تو اپنے دائیں طرف دیکھنا'' ......عمرو درویش نے کہا...... ''اونچی پہاڑی کے آگے ایک اونچی چٹان ہے۔ ایک بہت بڑا درخت ہے۔ شام سے ذرا بعد وہاں اپنے آدمی چھپا دینا۔ جس طرح پانی کو آگ لگنے کا بھید جان گئے ہو، طور کا جلوہ بھی جان جاؤ گے۔ مجھے موقع دو کہ یہ تماشا دکھاؤں۔ تم وہاں سے شعلہ نہ اٹھنے دینا۔ میرے فرار کا اور

میری حفاظت کا فرض تم پورا کرو گے۔ بس میری شعبدہ بازی یہی ہوگی کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ مجھے اسحاق کو قید خانے سے آزاد کرانا ہے...... اٹھو اور اعلان کرو کہ رات کو طور کا جلوہ دکھاؤں گا۔''

علی بن سفیان کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو وہ عمرو درویش کی یہ ادھوری سی بات نہ سمجھ سکتا۔ علی بن سفیان اسی میدان کا کھلاڑی تھا۔ وہ اشارے سمجھ لیتا تھا۔ اس نے اٹھ کر اعلان کیا...... ''خدا کا یہ برگزیدہ انسان رات کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں نے اس کی بات سمجھ لی ہے۔ تم سب چلے جاؤ۔ شام کے بعد آنا۔''

علی بن سفیان اٹھ کر چلا گیا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھا کہ عمرو درویش کے ساتھ اس کی کیا باتیں ہوئی ہیں۔ اس نے بلند آواز سے کہا...... ''اس برگزیدہ ہستی کے سینے میں ایک پیغام اور ایک راز ہے۔ میں نے اپنا شک رفع کرلیا ہے۔ رات کو اس کا معجزہ ضرور دیکھنا۔''

عمرو درویش کے آدمی اس کے پاس جا بیٹھے اور پوچھا کہ اس آدمی کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں۔ عمرو درویش نے جواب دیا...... ''میں نے اسے قائل کرلیا ہے۔''

''لیکن یہ ہے کون؟'' ...... ایک آدمی نے کہا...... ''اسے ضرور پتا چل گیا ہے کہ کپڑے میں آتش گیر سیال ہے جو جل اٹھتا ہے۔''

''تم کیوں فکر کرتے ہو؟'' ...... عمرو درویش نے مسکرا کر کہا...... ''میں آج رات اس کے شکوک رفع کردوں گا۔''

''اگر یہ یہ رات کو آیا تو اسے ہم قتل کردیں گے'' ...... دوسرے آدمی نے کہا۔

''ابھی نہیں'' ...... عمرو درویش نے کہا...... ''کہیں ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ اگر یہ رات کو میرے پاس آیا تو میں اس خیمے میں بٹھالوں گا۔ تم اسے باندھ کر اٹھالے جانا۔''

''ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں'' ...... تیسرے آدمی نے کہا...... ''اسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔''

دو آدمی اٹھے اور ان لوگوں سے جا ملے جو واپس جا رہے تھے۔ ان دونوں نے علی بن سفیان کو ڈھونڈا مگر وہ ان میں نہیں تھا۔ لوگوں سے پوچھا تو کوئی بھی نہ بتا سکا کہ وہ آدمی کہاں ہے جس کی داڑھی لمبی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی بندھی تھی۔ علی بن سفیان گھوڑے پر سوار ہو کر دور نکل گیا تھا۔

☆

عمرو درویش خیمے میں آشی کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو آشی نے اس سے پوچھا...... ''یہ آدمی کون تھا؟ اس نے تمہارے ساتھ اس طرح باتیں کی تھیں جیسے وہ تم سے اور تمہارے بہروپ سے واقف ہے۔''

''سنو آشی!'' ...... عمرو درویش نے کہا...... ''آج رات کچھ ہونے والا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ کیا ہوگا۔ اس آدمی کو میں پہچان نہیں سکا۔ اس نے بتایا بھی نہیں کہ وہ کون ہے لیکن یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ مجھے امید نہیں کہ آج رات ہم فرار ہوسکیں، اور یہ توقع بھی ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا آج رات تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے۔ اگر تم نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تم میرے ہاتھوں قتل ہوگی۔''

''اگر تم مجھے کچھ اور بھی بتا دو کہ کیا ہوگا اور مجھے کیا کرنا ہے تو شاید میں زیادہ اچھے طریقے سے تمہاری مدد کرسکوں گی۔'' آشی نے کہا...... ''میں تمہاری خاطر قتل ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن اس سے تمہارا مقصد پورا نہ ہوا تو میری جان رائیگاں جائے گی۔''

''تمہیں یہ کرنا ہے''...... عمرو درویش نے کہا...... ''کہ اپنے آدمیوں کی باتوں میں نہ آنا۔ کوشش کرنا کہ ان کا ارادہ قبل از وقت معلوم کرلو اور مجھے خبردار کردو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ آج رات کیا ہوگا تم تیار رہنا۔''

''تم کئی بار کہہ چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں''...... آشی نے کہا...... ''لیکن میں نے تمہیں ایک بار بھی نہیں کہا کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ اگر تم یہاں سے آزاد ہو گئے تو کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟''

''تم واپس جانا پسند نہیں کرو گی؟''

''نہیں''...... آشی نے رنجیدہ مگر پرعزم لہجے میں کہا...... ''مرجانا پسند کروں گی۔''

''تم شہزادی ہو آشی!''...... عمرو درویش نے کہا۔''میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ چلو گی تو تمہارا مستقبل کیا ہوگا۔ تم ان جنگلوں میں رہنا یقیناً پسند نہیں کرو گی۔ میں تمہیں قاہرہ لے جاؤں گا۔ وہاں تمہارے متعلق سوچنے کے لیے بڑے اچھے دماغ موجود ہیں۔''

''تم مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھو گے؟''...... آشی نے پوچھا...... ''مجھے اپنی بیوی نہیں بناؤ گے؟''

''اگر یہ شرط ہے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا''...... عمرو درویش نے کہا...... ''لوگ کہیں گے کہ میں نے اپنا فرض تمہیں حاصل کرنے کے لیے ادا کیا ہے۔ میرا گھر جہاں میری ایک بیوی موجود ہے تمہارے قابل نہیں۔ آشی! میں سپاہی ہوں۔ میرا گھر میدان جنگ ہے۔ مجھے اپنی بیوی کی صورت دیکھے تین سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ تم اگر اس لیے میری بیوی بننا چاہتی ہو کہ میں تمہاری پسند کا مرد ہوں تو تم مایوس ہو گی۔ تمہاری محبت اور تمہاری دعائیں اس تیر کو نہیں روک سکیں گے جسے میرے سینے سے پار ہونا ہے...... تم مجھے اپنی خواہش بتا دو۔''

''میں ذلت اور خواری کی اس زندگی سے آزاد ہونا چاہتی ہوں''...... آشی نے کہا...... ''مجھے تمہاری مدد اور سہارے کی ضرورت ہے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔''

''اگر زندہ رہا تو تمہیں پوری مدد اور سہارا دوں گا۔''

''آخر وہ گیا کہاں؟''...... یہ آواز ان جاسوسوں میں سے ایک کی تھی جو عمرو درویش کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عمرو درویش کے خیمے سے کہیں دور کھڑے علی بن سفیان کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اس نے کہا...... ''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عمرو درویش اس کے دل کو اپنے قبضے میں لینے کی بجائے اپنا دل اس کے قبضے میں دے چکا ہوں۔ ہمیں اب بہت ہی محتاط ہونا پڑے گا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ عمرو درویش پر بھروسہ نہ کرنا۔''

''وہ لمبی داڑھی والا آدمی آگ کا بھید جان گیا ہے''...... دوسرے نے کہا...... ''اب یہ دیکھنا ہے کہ عمرو درویش نے اس بھید پر پردہ ڈالا ہے یا اس آدمی پر۔''

''آشی کسی مرض کی دوا ہے؟''...... تیسرے نے کہا...... ''کیا وہ عمرو درویش کے دل کا حال معلوم نہیں کرسکتی؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ لڑکی بھی عمرو درویش کی سازش میں شریک ہو گئی ہو۔''

''اگر کوئی سازش ہے اور آشی اس میں شریک ہے تو اس کے متعلق حکم صاف ہے کہ قتل کردو۔'' ایک نے کہا۔

کیا تم اتنی قیمتی چیز کو یوں ضائع کردو گے؟''...... دوسرے نے کہا...... ''اسے اڑا لے جائیں گے اور کسی دولت والے کو منہ مانگے داموں یہ ہیرا دے دیں گے۔ وہاں یہ بتائیں گے کہ آشی کو قتل کر کے دفن کردیا ہے۔''

تینوں نے ایک دوسرے کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ان میں اتفاق رائے ہو گیا ہو۔ ایک نے کہا...... ''آج

رات ہمیں 'طور کا جلوہ' دکھانا ہے۔ دیکھ لیں گے کہ عمرو درویش یا اس کی نیت کیا ہے۔ رات کو ہم میں سے ایک کو آشی کے ساتھ رہنا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکی ہاتھ سے نکل جائے۔''

انہوں نے طے کرلیا کہ رات عمرو درویش اور آشی کے ساتھ کون ہوگا۔

☆

''چار آدمی کافی ہوں گے......'' علی بن سفیان نے کہا...... ''میں عمرو درویش کے ساتھ ہوں گا۔ تم سب نے ان تین چار آدمیوں کو پہچان لیا ہے جو عمرو درویش کی حمایت میں بول رہے تھے۔ یہ تمہارے علاقے کے وہ مسلمان ہیں جو سوڈانیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ عمرو درویش نے مجھے انہی کے متعلق بتایا ہے کہ وہ قاتلوں کے گھیرے میں ہے۔ انہیں نظر میں رکھنا۔ ضرورت پڑے تو ختم کر دینا لیکن زندہ پکڑنا بہتر ہوگا۔

اس وقت علی بن سفیان ایک مسجد میں بیٹھا تھا۔ امام اسی مسجد کا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا۔ اس نے مسجد میں ہی رات کے لیے اپنے آدمیوں کو مختلف کام بانٹ دیئے اور کہا...... ''مجھے جو شک تھا وہ صحیح ثابت ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ رات کو بھی مجھے کامیابی ہوگی۔''

سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے اس پہاڑی پر جو عمرو درویش نے علی بن سفیان کو دکھائی تھی۔ ایک آدمی چڑھ رہا تھا۔ وہ اس احتیاط کے ساتھ چڑھ رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ دوسری طرف سے دو آدمی اسی کی طرح جھکے اوپر جا رہے تھے اور ایک اور آدمی کسی اور طرف سے اوپر جا رہا تھا۔ یہ آدمی جب اوپر چلا گیا تو رینگ کر ایک بہت بڑے درخت تک پہنچا۔ ادھر ادھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ دو آدمی ایک بہت بڑے پتھر کے عقب میں بیٹھ گئے۔ یہ جگہ درخت سے دور نہیں تھی۔ چوتھا آدمی بھی اوپر چلا گیا اور ایک موزوں جگہ چھپ گیا۔ جو آدمی درخت پر چڑھا تھا۔ وہ اوپر ایک موٹے ٹہن پر اس طرح بیٹھ گیا کہ ٹانگیں اوپر کر کے سکیٹر لیں۔ شاخیں اور پتے اتنے گھنے تھے کہ یہ آدمی نیچے سے نظر نہیں آسکتا تھا۔ وہ آہستہ سے ایک پرندے کی طرح بولا۔ اسے پرندے کی آواز میں تین ساتھیوں کا جواب ملا۔

سورج پہاڑ کے عقب میں اتر گیا تھا اور تین آدمی اکٹھے پہاڑی پڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے پاس آگ جلانے کا سامان اور مٹی کے برتن میں آتش گیر مادہ تھا۔ اس کے پاس لمبے خنجر بھی تھے۔ شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ان تین آدمیوں کا انداز ایسا تھا جیسے انہیں کسی بھی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ ان کی باتیں ان چار آدمیوں کو سنائی دینے لگیں جو پہلے سے وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ پوری طرح چھپ گئے۔ وہاں سے دور نیچے عمرو درویش کا خیمہ تھا جو شام کے اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ خیمے کے باہر گاڑھی ہوئی دو مشعلوں کے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔

''خدا کا ایلچی تیار ہو گیا ہے۔'' ان تین آدمیوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا جو بعد میں اوپر آئے تھے...... ''سامان کھول کر تیار کرلو''...... ''آج میرا دل کسی اور طریقے سے دھڑک رہا ہے''...... دوسرے نے کہا...... ''اس کے اندر کوئی وہم بیٹھ گیا ہے۔ کیا تم محسوس نہیں کر رہے کہ آج کچھ گڑبڑ ہے؟''

''میں بھی کچھ گڑبڑ اس آدمی کی وجہ سے محسوس کر رہا ہوں جس نے ایک آنکھ پر سبز پٹی باندھ رکھی تھی''...... ان میں سے ایک نے کہا...... ''گھبراؤ نہیں۔ ہم طور کا جلوہ دکھا کر سب کے وہم دور کر دیں گے۔ اگر لوگ مان گئے تو اس ایک آدمی کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ تم اپنا کام کرو۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اندھیرا گہرا ہو رہا ہے۔''

ایک آدمی نے مٹی کے برتن کا منہ کھول کر تیل کی طرح کا سیال زمین پر انڈیل دیا۔ جگہ چونکہ پتھریلی تھی اس لیے

یہ مادہ جذب نہ ہوسکا۔ اس سے ذرا دور ہٹ کر ایک آدمی نے چھوٹا سا دیا جلا کر بڑے پتھروں کے درمیان رکھ دیا تاکہ دور سے اس کی لو نظر نہ آسکے۔ اس کی روشنی میں یہ تینوں آدمی نظر آرہے تھے۔

''اب ادھر مشعل پر نظر رکھو'' ...... ایک نے کہا ...... ''جوں ہی مشعل اوپر نیچے حرکت کرے دیا تیل پر پھینک دو۔ لوگوں کو طور کا جلوہ نظر آجائے گا۔''

یہ اہتمام اس بڑے درخت کے نیچے کیا گیا تھا جس پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ نیچے تینوں آدمی اکٹھے کھڑے ہوگئے۔ اس نے جھینگر کی آواز پیدا کی۔ ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے سے بھی جھینگر کی آواز سنائی دی۔ تینوں آدمی بے پرواہ ہو کے کھڑے رہے۔ اچانک اوپر سے ایک آدمی ان تینوں میں سے ایک آدمی کے کندھوں پر گرا۔ نیچے والا آدمی اوپر والے کے نیچے آگیا۔ دوسرے دو بری طرح گھبرا گئے اور ادھر ادھر ہوئے۔ ذرا سی دیر میں تین آدمی مختلف اوٹوں سے اٹھے اور ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔ انہیں خنجر نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے جو آدمی اوپر والے کے نیچے پڑا تھا وہ قوی ہیکل تھا۔ اس نے اوپر والے کو لڑھکا دیا۔ علی بن سفیان نے کہا تھا کہ انہیں زندہ پکڑنا ہے مگر اس آدمی کو ہلاک کرنا ضروری ہوگیا۔ جو آدمی اس کے اوپر گرا تھا اس نے خنجر نکالا اور اس قوی ہیکل آدمی کے دل میں اتار دیا۔ دوسرے دو آدمیوں کو ان رسیوں سے باندھ دیا گیا جو اسی مقصد کے لیے ساتھ لے جائی گئی تھیں۔

☆

عمرو درویش کے خیمے کے باہر لوگ جمع ہوگئے تھے۔ ان میں علی بن سفیان بھی تھا اور اس کے ساتھ مصری فوج کے چھاپہ مار بھی خاصی تعداد میں تھے جو اس علاقے میں مختلف بہروپوں میں رہتے تھے۔ انہیں دن کے دوران اکٹھا کر لیا گیا اور بتا دیا گیا تھا کہ ان کا مشن کیا ہے۔ ان میں چند ایک گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے پاس ہتھیار بھی تھے.... لوگوں میں عمرو درویش پر نظر رکھنے والے اور اس کی مدد کرنے والے سوڈانی جاسوس بھی تھے۔ ان کی تعداد پانچ چھ سے زیادہ نہیں تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں پہچان رکھا تھا۔ وہ بھی مرنے مارنے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے مدمقابل کتنے آدمی ہیں۔

آشی اپنے مخصوص طلسماتی لباس اور حلیے میں باہر نکلی۔ اس نے اداکاری کی۔ دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹا سا قالین بچھایا۔ عمرو درویش خیمے سے نکلا اور مستانہ چال چلتا قالین پر آن کھڑا ہوا۔ دونوں بازو پھیلا کر آسمان کی طرف کیے اور منہ اوپر کر کے کچھ بڑبڑانے لگا۔ آشی نے اس کے آگے سجدہ کیا پھر اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔

''اے خدا کے مقدس ایلچی! جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے'' ...... آشی نے کہا ...... ''انسانوں کا یہ گروہ طور کا وہ جلوہ دیکھنے آیا ہے جو خدائے ذوالجلال نے موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا، اور جنات بھی جن سے میں ہوں طور کا جلوہ دیکھنے آئے ہوئے ہیں۔''

''کیا ان سب کو شک ہے کہ میں خدا کا جو پیغام لایا ہوں وہ برحق نہیں؟'' ...... عمرو درویش نے پوچھا۔

''اگر گستاخی ہو تو مجھے بخش دینا اے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر!'' ایک آدمی نے کہا ...... ''طور کا جلوہ دکھا کر ہم گناہ گاروں کے دلوں سے سارے شک نکال دے۔''

علی بن سفیان نے اس آدمی کو دیکھا۔ اسے وہ پہچانتا تھا۔ وہ عمرو درویش کے ساتھ کا آدمی تھا۔

''ہاں مقدس ہستی! ...... علی بن سفیان نے آگے آ کر کہا ...... ''ہم شک میں ہیں۔ ہمیں طور کا جلوہ دکھا اور اگر یہ

لڑکی جنات میں سے ہے تو اسے کہہ کہ تھوڑی سی دیر کے لیے غائب ہو جائے، پھر ہمارے شک ختم ہو جائیں گے۔''

عمرو درویش نے درخت والی پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا..... ''ادر دیکھو۔ اندھیرے میں تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا''..... اس نے زمین سے ایک مشعل اکھاڑی اور بلند کی۔ اس نے اونچی آواز میں کہا..... ''خدائے ذوالجلال! تیرے سادہ اور جاہل بندے شکوک کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں وہی جلوہ دکھا جو تو نے موسیٰ علیہ السلام کو دکھایا تھا اور جس سے فرعونوں کے نشیمن کو جلایا تھا۔''

اس نے مشعل دائیں بائیں لہرائی پھر اوپر کر کے نیچے کی مگر پہاڑی پر کوئی شعلہ نمودار نہ ہوا۔ عمرو درویش نے ایک بار پھر مشعل کو اوپر سے نیچے کو لہرایا مگر پہاڑی پر چھوٹا سا شرارہ بھی نہ چمکا۔ پہاڑی پر عمرو درویش کا ایک آدمی مرا پڑا تھا اور دو رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ علی بن سفیان کے چار آدمیوں کے قبضے میں تھے۔ انہیں وہاں سے عمرو درویش کی مشعل کی حرکت نظر آ رہی تھی۔ کسی نے کہا..... ''آج کسی کو طور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا''..... سب نے قہقہہ لگایا۔

''آج طور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا''..... علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا۔ وہ عمرو درویش سے مخاطب ہوا۔

''عمرو درویش! اگر تو آج پہاڑی سے شعلہ اٹھا دے تو میں خدا کی بجائے تمہاری عبادت کروں گا۔''

ایک آدمی نے خنجر نکالا اور علی بن سفیان کی پیٹھ کی طرف سے آگے کیا۔ وہ دو چار قدم آگے گیا ہوگا کہ پیچھے سے ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپٹ گیا۔ کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ ایک آدمی خیمے کے عقب سے خیمے کے اندر چلا گیا ہے۔ اس نے خیمے میں سے آشی کو پکارا۔ آشی اندر گئی۔

''فوراً نکلو''..... اس آدمی نے آشی سے کہا..... ''ہمارا راز فاش ہو چکا ہے۔ یہ آدمی جس نے کہا ہے کہ آج طور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا یہاں کا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ مصر سے آیا ہے۔ ہمارا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے۔ یہاں کے مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ عمرو درویش کو قتل کر دیں۔ ہم تو نکل جائیں گے، تم ان کے ہاتھ آ گئیں تو تمہارے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کریں گے۔''

''میں نہیں جاؤں گی''..... آشی نے مسکرا کر کہا..... ''مجھے ان وحشیوں اور جنگلیوں سے کوئی خطرہ نہیں۔''

''کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟''

''میں پاگل تھی''..... آشی نے کہا..... ''اب دماغ درست ہو گیا ہے۔ اب وہاں جاؤں گی جہاں عمرو درویش کہے گا۔''

باہر علی بن سفیان اور امام لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ انہیں وہاں لے جائیں گے جہاں سے طور کا جلوہ نظر آتا تھا۔ وہاں انہیں دکھایا جائے گا کہ انہوں نے ایک رات پہلے جو جلوہ دیکھا تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ علی بن سفیان کے چھاپہ ماروں نے لوگوں میں سے تین آدمیوں کو اس طرح پکڑ لیا تھا کہ کسی کو پتا نہ چل سکا۔ ان کے پہلوؤں کے ساتھ خنجروں کی نوکیں لگا کر انہیں الگ اندھیرے میں لے گئے اور ان پر قابو پا لیا گیا تھا۔ عمرو درویش ابھی وہیں کھڑا تھا۔

☆

خیمے کے اندر ایک سوڈانی جاسوس آشی کو بچانے کے لیے اسے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، مگر آشی جانے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ آدمی حیران تھا کہ لڑکی انکار کیوں کر رہی ہے۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ آشی نے کہا..... ''تم بھی مسلمان ہو، میں بھی مسلمان ہوں۔ میں اب اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔''

باہر غل غپاڑہ بڑھتا جارہا تھا۔ اس آدمی نے لمبا خنجر نکال لیا اور آشی کو قتل کی دھمکی دے کر ساتھ چلنے کو کہا...... آشی نے تلوار ایسی جگہ رکھی ہوئی تھی۔ جہاں سے فوراً نکالی جاسکتی تھی۔ عمرو درویش نے اسے کہہ رکھا تھا کہ ہتھیار ہر لمحہ تیار رہنے چاہئیں۔ آشی نے لپک کر تلوار کھینچ لی اور کہا...... ''ہم دونوں میں سے کوئی بھی باہر نہیں جائے گا۔''

ایک مرد کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا کہ اسے ایک عورت للکارے۔ وہ جان گیا کہ یہ معاملہ گڑبڑ ہے اور اتنی قیمتی لڑکی ہاتھ سے جارہی ہے۔ اس قتل کر دینا یا اڑا لے جانا ضروری ہوگیا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ آشی تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتی ہے یا نہیں۔ وہ خنجر سے اس پر حملہ آور ہوا۔ آشی نے اس کے خنجر پر تلوار ماری۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن خیمے سے ٹکرا کر اس کے قریب گرا۔ اس نے خنجر اٹھالیا۔ آشی نے اس پر تلوار کا وار کیا۔ وہ تجربہ کار تیغ زن تھا۔ وار بچا گیا۔ آشی نے کہا...... ''میرا استاد بھی وہی ہے جس نے تمہیں تیغ زنی سکھائی ہے۔''

اس نے آشی کا ایک اور وار اس طرح روکا کہ ایک طرف ہوا اور آشی کے سنبھلنے تک اس کے اوپر آگیا۔ اس نے آشی کی کلائی پکڑلی اور بولا...... ''میں تمہیں قتل نہیں کروں گا آشی! ہوش میں آؤ'' ...... آشی نے اس کی ناک پر ٹکر ماری۔ وہ پیچھے ہٹا تو وار اس کے خنجر پر کر کے خنجر پھر گرادیا۔ وہ وار بچانے کے لیے پیچھے ہٹا تو خیمے نے اسے روک لیا۔ اب تلوار کی نوک اس کی شہہ رگ پر تھی۔ آشی نے کہا...... ''میں مسلمان باپ کی بیٹی ہوں'' ...... اس نے نوک اس آدمی کی شہ رگ میں دبائی اور بولی...... ''بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ پیچھے کرلو۔ میری طاقت میرا ایمان ہے۔ میں اب کھلونا نہیں۔''

باہر اب یہ عالم تھا کہ ایک مشعل علی بن سفیان نے اٹھالی تھی اور دوسری امام نے۔ چار پانچ چھاپہ ماروں نے عمرو درویش کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اسے انہوں نے مجرم کی حیثیت سے حراست میں نہیں لیا تھا بلکہ حفاظت کے لیے اسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ جو سوڈانی جاسوس اس کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ اسے قتل کر سکتے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے اب کوئی بھی آزاد نہیں تھا۔ یہ ہدایت علی بن سفیان نے دی تھی کہ جوں ہی ہنگامہ شروع ہو عمرو درویش کو پناہ میں لے لیا جائے۔

عمرو درویش نے ایک چھاپہ مار سے کہا...... ''خیمے میں لڑکی ہے، اسے بھی ساتھ لے چلنا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔''

خیمے میں گئے تو وہاں کچھ اور ہی منظر تھا۔ آشی نے تلوار کی نوک پر ایک آدمی کو بٹھا رکھا تھا۔ اس آدمی کو پکڑ لیا گیا۔

عمرو درویش سے علی بن سفیان نے کہا...... ''مجھے یقین ہے کہ میرے آدمی اس پہاڑی پر پہنچ گئے ہیں، اسی لیے وہاں سے شعلہ نہیں اٹھا۔ ''بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو ابھی وہاں لے جا کر دکھایا جائے کہ شعلہ کیسے پیدا کیا جاتا ہے تاکہ جو اس شعبدہ بازی کے جھانسے میں آگئے ہیں، ان کے ذہن صاف ہو جائیں۔''

''ایک مسئلہ اور ہے جس کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے'' ...... عمرو درویش نے کہا...... ''اسحاق کو قید خانے سے رہا کرانا ہے۔ اس علاقے میں سوڈانیوں کے بہت سے جاسوس ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں کے حالات کی اچانک اور غیر متوقعہ تبدیلی دیکھ کر حکومت اور فوج کو اطلاع دے دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں ڈال کر اسے اذیت رسانی سے مار دیا جائے گا۔ میں سوڈانی سالار کو یہ دھوکہ دے کر آیا تھا کہ میں یہاں کے مسلمانوں کے ذہن بدل دوں گا۔ میں نے قید خانے میں اسحاق کے ساتھ بات کر لی تھی اور اسے بتادیا تھا کہ میں سوڈانیوں کی بات مان لیتا ہوں، اور اپنے علاقے میں جا کر چند دن ان کی مرضی کے مطابق کام کروں گا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہاں آکر لوگوں کو در پردہ بتادوں گا کہ میرا اصل مقصد کیا ہے۔ میرا ارادہ یہ بھی تھا کہ قاہرہ بھی اطلاع بھجوادوں گا اور اسحاق کو فرار

کرانے کی بھی کوئی صورت پیدا کروں گا......

''یہاں آیا تو مجھے پتا چلا کہ بہت سے سوڈانی جاسوس جو اسی علاقے کے مسلمان ہیں میرے اردگرد پھر رہے ہیں اور میں آزاد نہیں ہوں۔ اتفاق سے یہ لڑکی مسلمان نکلی''......اس نے آشی کے ماضی کے متعلق سب کو تفصیل سنائی اور کہا......''مجھے امید نہیں تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیابی ہو جاؤں گا۔ میں بہت پریشان ہوں۔ ہمارے مسلمان بھائی اس قدر سادہ اور جذباتی ہیں کہ میری باتوں اور شعبدہ بازیوں کے قائل ہوتے گئے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں ۔میں ہر لمحہ سوڈانی جاسوسوں کی نظر میں رہتا تھا۔خدا نے میری نیت کی قدر کی اور آپ کو بھیج دیا''

اس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ اس نے کیا سوچا ہے۔علی بن سفیان نے اس کی سکیم پر غور کیا۔کچھ ردوبدل کی اور اسے کہا کہ وہ دو چھاپہ ماروں اور آشی کے ساتھ اسی وقت روانہ ہو جائے اور اسحاق کو رہا کرائے۔علی بن سفیان نے اسے بتایا کہ وہ لوگوں کو اس پہاڑی پر لے جائے گا اور انہیں بتائے گا کہ طور کے جلوے کی حقیقت کیا تھی۔

عمر درویش، دو چھاپہ مار اور آشی اسی وقت گھوڑوں پر روانہ ہو گئے۔

☆

وہ خیمے کی پچھلی جانب سے چپکے سے نکل گئے تھے۔علی بن سفیان خیمے سے باہر نکلا۔لوگ پریشانی اور حیرت کے عالم میں باہر ٹولیوں میں کھڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا......''اگر تم طور کے جلوے کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ آؤ۔تم سب جانتے ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیغمبری اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔اس کے بعد خدا نے نہ کسی کو کبھی جلوہ یا معجزہ دکھایا ہے نہ دکھائے گا۔اس آدمی کو تمہارے عقیدے خراب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔تم نے غور نہیں کیا کہ یہ شخص تمہیں صرف یہ بات کہتا رہا ہے کہ سوڈان کی فوج کو تم نے اس علاقے سے ہمیشہ دور رکھا ہے۔اب سوڈانیوں نے تمہارے دلوں پر قبضہ کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا ہے......

''غیور مسلمانو! دشمن جب اس قسم کے اوچھے حربوں پر اتر آتا ہے تو یہ اس حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ میدان میں تمہارے مقابلے میں آنے سے ڈرتا ہے۔تم حق پر ہو۔ یہ خطہ تمہارا ہے۔ یہاں اسلام کی حکومت ہو گی۔ کفار تمہارے دلوں سے قوم اور مذہب کا احساس ختم کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔آج تمہیں طور کے جلوے دکھائے جا رہے ہیں۔کل تمہیں صلیبی لڑکیوں کے جلوے دکھا کر تم میں بے حیائی پیدا کی جائے گی۔تمہیں انسان سے حیوان بنایا جائے گا پھر تم محسوس بھی نہیں کرو گے کہ تم عزت، غیرت اور وقار سے محروم ہو گئے ہو۔تم کفار کے غلام ہو گے۔سوڈان کا بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔وہ کافر ہے۔اسلام کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیٹیاں کفار کی بیٹیوں کی طرح مردوں کے ساتھ شراب پئیں اور بدکاری کریں؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسجدیں ویران ہو جائیں اور قرآن کے ورق زمین پر روندے جائیں؟''

''رب کعبہ کی قسم! ہم ایسا نہیں چاہتے''......ایک آواز آئی......''اسے ہمارے سامنے لاؤ۔جو اپنے آپ کو خدا کا ایلچی کہتا ہے۔''

''وہ بے قصور ہے''......علی بن سفیان نے کہا......''وہ تم میں سے ہی ہے۔وہ اب اصلی روپ میں تمہارے سامنے آئے گا اور تمہیں بتائے گا کہ کفار کس طرح تمہاری جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ابھی تم میری باتیں سنو۔تم مسلمان ہو۔خدا نے تمہیں برتری اور فوقیت عطا فرمائی ہے۔کفار تمہیں خدا کی عطا کی ہوئی عظمت سے بیگانہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''تم کون ہو؟''......کسی نے بلند آواز سے کہا......''تمہاری باتوں میں دانائی ہے۔کیا تم ہمیں دکھا سکتے ہو کہ یہ سب کیا تھا جو ہمیں دکھایا گیا ہے؟''

''میں تمہیں دکھاتا ہوں''......علی بن سفیان نے کہا......''خیمے میں سے ایک برتن اٹھالایا جس میں تیل کی قسم کا آتش گیر سیال تھا۔اس نے یہ تیل ایک کپڑے پر ڈال کر زمین پر رکھ دیا۔اس پر پانی ڈالا۔مشعل اٹھا کر اس کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑا بھڑک کر شعلہ بن گیا۔اس نے سب کو بتایا کہ جس کپڑے پر پانی ڈال کر عمرو درویش آگ لگاتا تھا وہ بھی اسی تیل سے بھیگا ہوا ہوتا تھا۔

''اب میں تمہیں وہ آدمی دکھاتا ہوں جو اس کے ساتھی تھے''......علی بن سفیان نے کہا۔اس نے کسی کو آواز دے کر کہا......''انہیں سامنے لے آؤ''

لوگوں کے ہجوم سے کچھ دور اندھیرے میں وہ آدمی پکڑے کھڑے تھے جو عمرو درویش کے سوانگ میں شامل تھے۔انہیں چھاپہ ماروں نے نرغے میں لے رکھا تھا۔اچانک شور اٹھا۔گھوڑا دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔کسی نے بلند آواز سے کہا......''ایک بھاگ گیا''......ایک جاسوس نکل گیا۔دوسروں کو سامنے لایا گیا۔مشعل اوپر کر کے ان کے چہرے سب کو دکھائے گئے۔

''یہ مسلمان ہیں''......علی بن سفیان نے کہا......''اسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔یہ ایمان فروش ہیں''......علی بن سفیان نے تفصیل سے بتایا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔

''انہیں قتل کر دو''......کئی آوازیں اٹھیں......''سنگسار کر دو''......لوگ ان کی طرف بڑھے۔مشعلوں کی روشنی میں تلواریں چمکیں......''رک جاؤ''......علی بن سفیان نے درمیان میں آکر کہا......''خدا کا قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو۔ان کی سزا تمہارے بزرگ مقرر کریں گے۔انہیں حراست میں لے لو......اور میرے ساتھ آؤ''

سارے لوگ علی بن سفیان کے پیچھے چل پڑے۔وہ انہیں اس پہاڑی کی طرف لے جا رہا تھا جہاں اس کے چھاپہ ماروں نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا اور دو کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا۔

☆

اس وقت عمرو درویش، آشی اور دو چھاپہ مار دور نکل گئے تھے۔وہ سوڈان کے دارالحکومت کی طرف جا رہے تھے۔

''دوستو!''......عمرو درویش نے دوڑتے گھوڑے سے کہا......''ہمیں بہت جلدی پہنچنا ہے......آشی! اگر تم سواری سے تھک جاؤ تو میرے پیچھے بیٹھ جانا۔سفر بڑا ہی لمبا اور وقت بہت ہی تھوڑا ہے۔مجھے ڈر ہے۔کہ کوئی جاسوس ہم سے پہلے نہ پہنچ جائے۔''

جاسوس بھی دارالحکومت کو روانہ ہو گیا تھا۔یہ وہی تھا جو علی بن سفیان کے آدمیوں کی حراست سے بھاگا تھا۔وہ ایک وادی میں چلا گیا تھا کیونکہ اسے تعاقب کا ڈر تھا۔وہ وادی سے نکلا اور اس نے دارالحکومت کا رخ کرتے بہت دور کا چکر کاٹا۔اتنے وقت میں عمرو درویش بہت دور نکل گیا تھا۔جاسوس کو یہ خبر دینی تھی کہ عمرو درویش کا راز بے نقاب ہو گیا ہے۔اسے عمرو درویش پر شک کا اظہار بھی کرنا تھا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرو درویش کو ایک بار پھر قید خانے میں بند ہونا تھا۔عمرو درویش اس سے پہلے پہنچ کر سوڈانی سالار کو دھوکہ دینا اور اسحاق کو رہا کرانا چاہتا تھا۔آشی کو اس سکیم کا علم تھا اور وہ گواہ کی حیثیت سے ساتھ جا رہی تھی۔

لوگ مشعلوں کی روشنی میں پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔علی بن سفیان آگے آگے تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر اس کے آدمیوں نے دو جاسوسوں کو باندھ رکھا تھا۔ انہیں مشعلیں اوپر آتی نظر آ رہی تھیں۔ایک آدمی نے دیا اوپر کر دیا تھا کہ آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں کہاں آنا ہے۔

''ہمارے ساتھ چلو''......رسیوں سے بندھے ہوئے ایک آدمی نے کہا......''جو مانگو گے ملے گا ہمیں چھوڑ دو''۔

''کیا تم ہر مسلمان کو ایمان فروش سمجھتے ہو؟''......اسے جواب ملا......''دنیا کی دولت اور دوزخ کی آگ میں کوئی فرق نہیں۔تم اپنی قوم کو دھوکہ دے رہے تھے''۔

''وہ آ رہے ہیں''......دوسرے قیدی نے کہا......''وہ ہمیں سنگسار کر دیں گے۔یہ بڑی اذیت ناک موت ہوگی ......کہو کیا لیتے ہو۔ہم دوسری طرف سے بھاگ چلتے ہیں۔سونا دیں گے''۔

جوں جوں مشعلیں اوپر آ رہی تھیں، دونوں قیدیوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ایک نے کہا......''تمہارے پاس تلواریں ہیں۔ان سے ہماری گردنیں کاٹ دو۔ہمیں ان لوگوں سے بچاؤ''۔

''اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگو''

مشعلیں ان کے سر پر آن رکیں۔علی بن سفیان نے لوگوں کو دور دور کھڑا کر دیا۔لوگ دو آدمیوں کو رسوں میں بندھا دیکھ کر حیران ہونے لگے۔

''یہ ہیں طور کا جلوہ دکھانے والے''......علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا اور زمین پر دیکھا۔وہاں آتش گیر سیال گرا ہوا تھا۔ذرا پرے برتن پڑا تھا۔اس نے کہا......''اس برتن میں وہی تیل تھا جو میں نے کپڑے پر ڈال کر دکھایا تھا۔یہ تیل یہاں گرایا گیا ہے۔میں نے چار آدمی شام کے وقت یہاں چھپا دیئے تھے۔عمر درویش کی مشعل کے اشارے پر ان دونوں نے اس دیئے سے اس تیل کو آگ لگانی تھی اور یہ طور کا جلوہ تھا جو تم لوگ نہ دیکھ سکے کیوں کہ میرے آدمیوں نے انہیں لگانے سے پہلے ہی پکڑ لیا تھا''

''یہ تین تھے''......ایک آدمی نے کہا۔''تیسرے نے ہمارا مقابلہ کیا۔اس کی لاش درخت کے ساتھ پڑی ہے''

علی بن سفیان نے مشعل کا شعلہ تیل پر رکھا تو تیل جل اٹھا۔شعلہ اوپر تک آیا اور آہستہ آہستہ بجھنے لگا۔علی بن سفیان نے کہا......''کیا اس کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ خدا سے تمہارا رشتہ توڑ کر تمہیں آتش پرست بنایا جا رہا تھا''......اس نے ان دو آدمیوں سے جو رسیوں سے بندھے ہوئے تھے پوچھا......''کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟''

''مجھے بخشش دو''......ایک نے خوفزدہ آواز میں کہا......''تم نے جو کہا سچ کہا ہے''۔

''کیا تم اسی علاقے کے مسلمان نہیں ہو؟''

''ہاں!''......دونوں نے سر ہلائے۔

''کیا تمہیں صلیبیوں اور سوڈانی کفار نے اس کام کی تربیت نہیں دی؟''

''انہوں نے ہی دی ہے''۔

''اور تم اپنی قوم کو دھوکہ دینے اور اپنے مذہب کو تباہ کرنے کا انعام نہیں لیتے؟''

''ہاں!''......ایک نے جواب دیا......''ہم اس کا انعام لیتے ہیں''۔

''ہمیں بخش دو''......دوسرے نے کہا......''ہم اپنی قوم کے لیے جانیں قربان کر دیں گے''۔

پیچھے سے ایک جوشیلے مسلمان نے اتنی تیزی سے تلوار کے دو وار کیے کہ دونوں کے سر جسموں سے جدا ہو کر گر پڑے۔

''اگر میں قاتل ہوں تو مجھے قتل کر دیا جائے''......تلوار چلانے والے نے تلوار لوگوں کے آگے پھینک کر کہا۔

''خدا کی قسم، یہ شخص قاتل نہیں ہے''......امام نے کہا۔

''یہ قتل جائز تھا''......ایک شور اٹھا۔

☆

عمر درویش نے سحر کے آغاز میں گھوڑے روکے۔ چھاپہ ماروں اور آشی سے کہا کہ ذرا آرام کر لیں...... گھوڑوں کو بھی آرام دینا ضروری تھا۔ دارالحکومت کی طرف جانے والا جاسوس آدمی رات تک چلا اور ایک جگہ آرام کرنے رک گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ عمر درویش آگے آگے جا رہا ہے۔ وہ لیٹا اور سو گیا۔ صبح طلوع ہوتے ہی عمر درویش نے اپنے قافلے کو گھوڑوں پر سوار کیا اور روانہ ہو گیا۔ وہ فوجی تھا۔ چھاپہ مار بھی سختیاں برداشت کرنے کے عادی تھے۔ آشی لڑکی تھی جو محلات میں رہنے کی عادی تھی۔ اسے ٹریننگ تو ملی تھی لیکن اس کی زندگی عیش و عشرت میں گزر رہی تھی۔

''آشی!''......عمر درویش نے اسے دوڑتے گھوڑے سے کہا......''تمہارا چہرہ اتر گیا ہے۔ تم شب بیداری کی بھی عادی نہیں۔ میرے گھوڑے پر آ جاؤ''

آشی مسکرائی اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ عمر درویش نے اسے ایک بار پھر کہا کہ وہ اپنا گھوڑا چھوڑ دے۔ آشی نے انکار میں سر ہلایا۔ گھوڑے دوڑے جا رہے تھے۔ کچھ دور آگے جا کر ایک چھاپہ مار نے عمر درویش سے کہا......''لڑکی اونگھ رہی ہے گر پڑے گی۔''

عمر درویش نے اپنا گھوڑا آشی کے قریب کیا اور باگیں کھینچ لیں۔ آشی بیدار ہو گئی۔ عمر درویش نے اسے کہا کہ وہ اس کے آگے سوار ہو جائے۔

''میں سہارا لینا نہیں چاہتی''......آشی نے کہا......''سہارا دوں گی۔ مجھے اپنا عہد پورا کرنا ہے۔ مجھے اپنے ماں باپ کے قتل کا اور اپنی عصمت کا انتقام لینا ہے۔ میں جاگنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

گھوڑے چلے۔ بہت آگے جا کر آشی نیند پر قابو نہ پا سکی۔ عمر درویش اس کے قریب تھا۔ اگر وہ دیکھ نہ لیتا تو آشی گر پڑتی۔ اس نے گھوڑے روک کر آشی سے کوئی بات کیے بغیر اسے کمر سے پکڑا اور اپنے گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا۔ ایک چھاپہ مار نے آشی کے گھوڑے کی باگیں اپنی زین کے ساتھ باندھ لیں اور گھوڑے دوڑ پڑے۔ آشی نے سر عمر درویش کے سینے پر پھینک دیا اور گہری نیند سو گئی۔ اس کے کھلے بال عمر درویش کے چہرے پر پڑنے لگے۔ ایسے ملائم اور ریشمی بالوں کے لمس سے وہ آشنا نہیں تھا مگر ان بالوں نے اس پر وہ اثر نہ کیا جو ایک جوان مرد پر ہونا چاہئے تھا۔ اسے آشی کی باتیں یاد آ گئیں:

''تمہاری آغوش میں مجھے اپنے ماں باپ کی آغوش کا سرور آیا تھا''......آشی نے اسے اسی صحرا میں چند راتیں پہلے کہا تھا......''مجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ میرے بھی ماں باپ تھے۔ تم نے میرا ماضی میرے آگے رکھ دیا ہے''......پھر عمر درویش کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہوا کے زناٹوں سے اسے آشی کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہوں......''مجھے اپنے سینے اور اپنے بازوؤں کی پناہ میں لیے رکھو۔ میں مسلمان کی بچی ہوں۔ مجھے صلیبیوں کے حوالے نہ کر دینا......خون

خون...... مجھے خون نظر آ رہا ہے۔ یہ میرے باپ کا خون ہے۔ یہ میری ماں کا خون ہے۔ دونوں خون مل کر بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گئے ہیں...... عمرو درویش...... تمہاری رگوں میں ہاشم درویش کا خون دوڑ رہا ہے۔ تمہیں اس لہو کا خراج وصول کرنا ہے جو بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گیا تھا۔ تمہیں فلسطین کی آبرو پکار رہی ہے۔ قبلۂ اول کو دل سے اتار نہ دینا ہاشم کے بیٹے!''

چھاپہ ماروں نے دیکھا کہ عمرو درویش نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ چھاپہ ماروں کو بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کرنی پڑی۔ آشی کے بال اور زیادہ بکھر کر ہوا کے زناٹوں سے اس کے چہرے پر اڑنے لگے۔

''عمرو درویش!''...... ایک چھاپہ مار نے گھوڑا اس کے قریب کر کے کہا...... ''گھوڑے کسی چوکی سے بدلنے کی تو امید نہیں، گھوڑے کو اس طرح نہ مارو۔ ذرا آہستہ...... ذرا آہستہ''۔

عمرو درویش نے چھاپہ مار کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ذرا کم کر دی اور بولا...... ''خدائے ذوالجلال ہمارے ساتھ ہے۔ گھوڑے تھکیں گے نہیں''۔

اس کی آواز سے آشی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھبرا کر پوچھا...... ''میں کتنی دیر سوئی رہی؟ میرا گھوڑا کہاں ہے؟''

''تم تو سو گئی تھی۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''لیکن میرے ایمان کی جو رگ سوئی ہوئی تھی وہ جاگ اٹھی ہے۔...... اٹھو۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم شام تک منزل پر پہنچ جائیں گے۔''

☆

علی بن سفیان اسی گاؤں میں چلا گیا تھا جسے مسلمانوں نے اپنی زمین دوز سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ اس نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کے سپرد یہ کام کیا کہ تمام علاقے میں پھیل کر عمرو درویش کی شعبدہ بازیوں کی حقیقت بتا دیں۔ اس نے وہاں کے لیڈروں کو بتایا کہ وہ لوگوں کو تیار کر لیں۔ یہ علاقہ بہر حال سوڈان کا تھا۔ جہاں مسلمانوں کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوڈانی فوج حملہ کرنے کا حق رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے علاقے میں اپنا قانون رائج کر رکھا تھا۔ انہوں نے جن جاسوسوں کو گرفتار کیا تھا انہیں اپنے بنائے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ انہیں سزا دینی تھی جو سوڈانی قانون کے مطابق جرم تھا۔ ان مجرموں نے جو کچھ کیا سوڈانی حکومت کی بہتری کے لیے کیا تھا۔ علی بن سفیان نے خطرہ مول لیا تھا۔ اس نے چھاپہ ماروں کی دو پارٹیاں تیار کر لیں۔

قید خانے میں اسحاق کو ایک اچھے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ اسے نہایت اچھا کھانا باعزت طریقے سے دیا جاتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیوں ہو رہا ہے۔ عمرو درویش اسے اپنی پوری سکیم بتا کر گیا تھا۔ اسحاق تنہائی میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ اسے دو خطرے نظر آ رہے تھے۔ ایک یہ کہ عمرو درویش نے قید خانے کی اذیتوں سے تنگ آ کر سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا ہو گا۔ دوسرا خطرہ یہ کہ عمرو درویش کہیں اپنے ہی منصوبے کی نذر نہ ہو گیا ہو۔ اسحاق اپنے فرار کے متعلق بھی سوچتا رہتا تھا لیکن اسے کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ سوڈانیوں کے لیے وہ قیمتی قیدی تھا جس پر انہوں نے اضافی پہرے لگا رکھے تھے۔ جب سے عمرو درویش اس سے الگ ہوا تھا اسے کسی نے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی قوم کو سوڈان کا وفادار بنائے...... سوڈانی سالار جو اس کے پیچھے پڑا رہتا تھا اس کے سامنے بھی نہیں آیا تھا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ چار گھوڑے سوڈان کے دارالحکومت میں داخل ہوئے اور سیدھے فوج کے مرکز کے

سامنے جا رکے۔ عمرو درویش کو معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا اور کسے ملنا ہے۔ اسے ذہنی تخریب کاری کی تربیت یہیں سے ملی تھی۔ اس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو اس سوڈانی سالار کا نام بتایا جس نے اسے اس کام کے لیے تیار کیا تھا۔ اسے فوراً سالار کے گھر پہنچا دیا گیا۔

''ناکام لوٹے ہو یا کوئی اچھی خبر لائے ہو؟'' سوڈانی سالار نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''اچھی خبر اس سے سنیں'' ...... عمرو درویش نے آشی کی طرف اشارہ کر کے کہا ...... ''آپ مجھ پر شاید اعتبار نہ کریں۔''

آشی تھکن سے چور پلنگ پر گر پڑی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس نے عمرو درویش سے کہا ...... ''انہیں ساری بات خود ہی بتاؤ اور ذرا جلدی کرو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔''

''ہماری مہم اتنی جلدی کامیاب ہوئی ہے جس کی مجھے بالکل امید نہیں تھی۔'' عمرو درویش نے کہا اور پوری تفصیل سے سنایا کہ اس نے کس طرح پانی کو آگ لگائی اور طور کے جلوے دکھائے ہیں۔

''اور اس کے بولنے کا جو انداز تھا اس نے مجھے تو حیران ہی کر دیا تھا'' آشی نے عمرو درویش کے متعلق کہا۔ ''لوگ اس کے شعبدوں سے اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنے اس کی زبان سے۔''

''کیا آپ کو ابھی تک کوئی بتانے نہیں آیا کہ وہاں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے؟'' ...... عمرو درویش نے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں آیا'' ...... سوڈانی سالار نے کہا ...... ''میں تم دونوں کے متعلق پریشان تھا۔''

عمرو درویش کو یہ سن کر اطمینان ہوا کہ یہاں ابھی تک کوئی جاسوس نہیں پہنچا۔ جاسوس جو مسلمانوں کی حراست سے فرار ہو کر آ رہا تھا ابھی دور تھا۔ اس کی رفتار وہ نہیں تھی جو عمرو درویش کی تھی۔ اس رفتار سے اسے صبح کے وقت پہنچنا تھا۔ عمرو درویش کا دھوکہ اسی جاسوس کی غیر حاضری میں ہی چل سکتا تھا۔ اس کے پہنچتے ہی اصل صورت حال کو بے نقاب ہوتے ہی عمرو درویش کو قید خانے میں بند ہونا تھا۔

''اب مجھے اسحاق کی ضرورت ہے۔'' عمرو درویش نے کہا ...... ''میں آدھے سے زیادہ مسلمانوں کے ذہن صاف کر چکا ہوں۔ میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت اور دشمنی پیدا کر دی ہے۔ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی فرعونوں کا جانشین ہے۔ اب مسلمانوں کو اپنا کوئی قائد کہہ دے کہ ہمیں سوڈان کا وفادار ہونا چاہیے۔ اس علاقے کی تمام تر آبادی آپ کی ہوگی۔ میں نے وہاں معلوم کیا ہے، اور میں خود بھی جانتا ہوں کہ یہ قائد اسحاق کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسے وہاں کے مسلمان پیر اور پیغمبر مانتے ہیں۔''

''مگر اسحاق سے منوائے کون؟'' سوڈانی سالار نے کہا ...... میں اسے اس خطے کی امارت کے لالچ دے چکا ہوں۔ اسے ایسی ایسی اذیتیں دی ہیں جو گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آشی بھی ناکام ہو چکی ہے۔''

''اب مجھے کوشش کرنے دیں۔'' عمرو درویش نے کہا ...... ''اسے قید خانے سے نکال کر اسی کمرے میں بھیج دیں جہاں آپ نے اسے ایک بار رکھا تھا اور مجھے بھی رکھا تھا۔ آپ اس کے دشمن ہیں۔ میں اس کا ساتھی ہوں۔''

''کیا وہاں آشی کو ایک بار پھر آزماؤ گے؟'' سوڈانی سالار نے پوچھا۔

''نہیں۔'' عمرو درویش نے جواب دیا ...... ''میں اب اپنی زبان کا جادو آزماؤں گا۔ اسے اگر ابھی اس کمرے

میں لے جائیں تو مجھے امید ہے کہ صبح تک میں اسے اپنے جال میں پھانس لوں گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ اس علاقے سے میری غیر حاضری لمبی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں مصری جاسوس بھی ہیں۔ میں نے وہاں جو جادو چلایا ہے اسے مصری جاسوس میری غیر حاضری میں بیکار کر سکتے ہیں۔''

سوڈانی سالار نے ان دو چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا جو عمرو درویش کے ساتھ تھے۔ اس نے بتایا کہ یہ اس کے محافظ اور مرید ہیں، اور یہ اس کے ساتھ رضا کارانہ طور پر آئے ہیں۔

☆

وہ ایک عمارت کا خوشنما کمرہ تھا جس میں اسحاق کو لایا گیا۔ سالار خود اسحاق کو قید خانے میں سے لانے کے لیے گیا تھا۔ اس نے اسحاق سے کہا..... ''میں تمہارے قومی جذبے اور ایمان کا قائل ہو گیا ہوں۔ تمہارا ایک دوست عمرو درویش تم سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ملاقات اچھے ماحول میں ہو۔''

''مجھے قید خانے سے زیادہ غلیظ اور جہنمی ماحول اور تمہارے محلات سے زیادہ دلفریب ماحول اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکتے۔''..... اسحاق نے کہا..... ''مجھے تہہ خانے میں لے چلو یا بالا خانے میں، میں اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔''

سوڈانی سالار ہنس پڑا اور اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں عمرو درویش اس کے انتظار میں موجود تھا۔ سوڈانی سالار بھی کمرے میں رہا۔

''تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے ان کافروں کے ہاتھ اپنا ایمان بیچ ڈالا ہے۔'' اسحاق نے عمرو درویش سے کہا..... ''تمہارے چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے۔ کہ تم بہت دنوں سے قید خانے سے باہر گھوم پھر رہے ہو۔ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟''

''میں تمہارے چہرے پر بھی یہی رونق اور آنکھوں میں یہی چمک دیکھنا چاہتا ہوں جو تم میرے چہرے پر اور آنکھوں میں دیکھ رہے ہو۔'' عمرو درویش نے کہا..... ''ذرا مجھے مہلت دو۔ ذرا سی دیر کے لیے اپنا دل اور اپنا ذہن مجھے دے دو۔ تحمل اور اطمینان سے میری بات سنو۔''

سوڈانی سالار پاس کھڑا تھا۔ وہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسحاق اس کا نہایت اہم قیدی تھا، اور عمرو درویش بھی قیدی ہی تھا۔ یہ عمرو درویش کا دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ ان دونوں کو ایک ایسے کمرے میں آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا جو قید خانے کا کمرہ نہیں تھا۔ اس نے چار سنتریوں کا انتظام کر دیا تھا۔ دو کمرے کے سامنے کھڑے تھے اور دو پچھلے دروازے کے سامنے۔ برچھیوں اور تلواروں کے علاوہ انہیں تیر و کمان بھی دیے گئے تھے۔ تاکہ فرار کی کوشش کامیابی نہ ہو سکے۔ عمرو درویش چاہتا تھا کہ سالار وہاں سے چلا جائے مگر سالار وہاں سے ٹلتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں عمرو درویش اسحاق کو بتا نہیں سکتا تھا کہ اس کا منصوبہ کیا ہے۔

آشی کو سوڈانی سالار نے نہانے دھونے اور آرام کے لیے اسی عمارت کے ایک کمرے میں بھیج دیا تھا۔ وہ سوڈانی سالار کو اس کمرے سے لے جا سکتی تھی مگر اس کے ادھر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سوڈانی سالار الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ جاسوس جو صحیح صورت حال بتانے آ رہا تھا شہر سے تھوڑی ہی دور رہ گیا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ عمرو درویش کے دونوں چھاپہ مار اسی عمارت کے ایک برآمدے میں عمرو درویش کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آشی باہر آئی۔ وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر آئی تھی۔ اس کا حسن نکھر آیا تھا۔ چہرے سے سفر کی تھکن بھی ڈھل گئی تھی۔ وہ چھاپہ ماروں

کے پاس جارکی۔

''سالار چلا گیا؟'' آشی نے ان سے پوچھا۔

''نہیں۔'' ایک چھاپہ مار نے جواب دیا۔ ''وہ اندر ہے۔''

''اسے چلے جانا چاہیے۔'' آشی نے کہا اور وہ اس کمرے کی طرف چل پڑی۔

عمرو درویش نے اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اسے امید کی کرن نظر آئی۔ سوڈانی سالار نے اسے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ آ گئی جو اس جیسے مردوں کے ہونٹوں پر آشی جیسی دلکش لڑکی کو دیکھ کر آیا کرتی ہے۔ آشی ٹہلتے ٹہلتے سالار کے پیچھے چلی گئی۔ اس نے عمرو درویش کو گہری نظروں سے دیکھا۔ عمرو درویش کو موقع مل گیا۔ اس نے آشی کو اشارہ کیا کہ سالار کو یہاں سے غائب کرو۔

''اسحاق بھائی!'' عمرو درویش نے پوچھا...... ''کیا ہم سوڈان کے بیٹے نہیں ہیں؟''

''میں سب سے پہلے اسلام کا بیٹا ہوں۔'' اسحاق نے جواب دیا۔ ''اور میں اب بھی مصری فوج کا کماندار اور سلطان صلاح الدین کا وفادار ہوں۔ اگر سوڈان کی زمین میری ماں ہے تو میں اپنی ماں کو اسلام کے دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ عمرو درویش! میں تمہاری طرح اسلام کی عظمت اور اپنی غیرت کو فروخت نہیں کر سکتا۔''

آشی نے پیچھے سے سوڈانی سالار کے کندھوں پر دونوں بازو رکھے اور منہ اس کے کان سے لگا کر کہا...... ''چند دنوں میں آپ کا دل مر گیا ہے؟''

سوڈانی سالار نے گھوم کر دیکھا تو آشی کے گال اور بکھرے ہوئے بال سالار کے گالوں سے ٹکرا گئے۔ آشی مسکرا رہی تھی۔ اس نے مخمور اور تشنہ لہجے میں کہا...... ''میں اتنی خطرناک اور تھکا دینے والی مہم سے واپس آئی ہوں۔ کل پھر انہی جنگلیوں کے پاس چلی جاؤں گی جن کے پاس پینے کو پانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں تو شراب کی بو کو بھی ترس گئی ہوں۔''

''اوہ!'' سوڈانی سالار نے چونک کر کہا...... ''میں تو اس قصے میں تمہیں بھول ہی گیا تھا۔ میں کسی سے کہہ دیتا ہوں۔ تم اسی کمرے میں چلو۔''

''اونہہ!'' آشی نے کہا...... ''اکیلے کیا خاک مزہ آئے گا؟ آپ بھی چلیئے۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ دونوں طرف سنتری کھڑے ہیں۔ کچھ دیر بعد یہیں آ جانا۔''

آشی اس فن کی استاد تھی۔ بچپن سے اب تک اسے مردوں کو اپنے جال میں پھانسنے اور انگلیوں پر نچانے کی تربیت دی گئی تھی۔ اس نے یہی فن اپنے آقاؤں اور استادوں کے خلاف آزمانا شروع کر دیا۔ سوڈانی سالار اس کی مسکراہٹ کے فریب میں آ گیا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ باہر جا کر اس نے ایک ملازم کو شراب لانے کو کہا اور آشی کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ آشی نے اسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور ذرا سی دیر میں بوڑھے سالار پر جوان لڑکی کا طلسم طاری ہو گیا۔ اتنے میں شراب آ گئی۔ آشی نے سالار کو جام پہ جام پلانے شروع کر دیئے۔

☆

''نیت صاف ہو تو خدا بھی مدد کرتا ہے۔'' عمرو درویش نے اسحاق سے کہا...... ''میں نے جو سوچا تھا وہ ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے عملی شکل میں آ گیا ہے۔ ساری بات شہر سے نکل کر سناؤں گا۔ دو چھاپہ مار ساتھ لایا ہوں۔ دو سنتری ادھر کھڑے ہیں دو ادھر۔ ہمیں صرف اس طرف کے سنتریوں کو ختم کرنا ہے جس طرف سے نکلنا ہے۔ چار گھوڑے تیار ہیں۔

چار گھوڑے سنتریوں کے تیار کھڑے ہیں تا کہ فرار کی صورت میں وہ ہمارا تعاقب کر سکیں۔ اپنے ہاں مصر کے کچھ لوگ آئے ہیں۔ ایک آدمی بہت ہی دانشمند معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ قاہرہ اطلاع پہنچ گئی ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ سالار کو لڑکی لے گئی ہے۔ میں ذرا باہر جائزہ لے لوں۔ لڑکی کو بھی ساتھ لے جانا ہے۔''

''کیوں؟'' اسحاق نے پوچھا...... ''اس بدکار کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے۔''

''باہر چل کر بتاؤں گا۔'' عمرو درویش نے کہا...... ''یہ کوئی ایسا ویسا تعلق نہیں۔ لڑکی مسلمان ہے۔''

عمرو درویش باہر نکلا۔ سنتریوں نے اسے سوڈانی سالار کے ساتھ اس کمرے میں آتے دیکھا تھا، اس لیے انہوں نے اس احترام کی نظروں سے دیکھا وہ اپنے چھاپہ ماروں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ سنتریوں کو سنبھالنے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر اس نے اس کمرے کا دروازہ آہستہ سے ذرا سا کھولا۔ سالار کے ہوش شراب میں ڈوب چکے تھے۔ اس نے جھوم کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''میں دیکھتی ہوں۔'' آشی نے کہا...... ''ہوا سے دروازہ کھل گیا ہے۔'' اس نے سالار کو سہارا دے کر پلنگ پر لٹا دیا۔ سالار نے بازو پھیلا کر لڑکھڑاتی آواز میں کہا...... ''تم بھی آؤ۔ نشے کو دگنا کر دو۔''

آشی باہر نکل آئی اور آواز پیدا کیے بغیر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ عمرو درویش اور آشی نے دونوں چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور اسحاق والے کمرے کی طرف گئے۔ سوڈانی جاسوس شہر میں داخل ہو چکا تھا اور وہ جاسوسی کے مرکز کی طرف جا رہا تھا۔ عمرو درویش نے دونوں سنتریوں سے کہا...... ''دونوں اندر چلو اور قیدی کو قید خانے میں لے جاؤ۔ سالار نے حکم دیا ہے کہ ہاتھ باندھ کر لے جانا۔''

دونوں سنتری اکٹھے اندر گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ دونوں چھاپہ مار بیک وقت ان پر جھپٹے۔ دونوں کی گردنیں ایک ایک چھاپہ مار کے بازو کے شکنجے میں آ گئیں۔ چھاپہ ماروں نے خنجر پہلے ہی نکال لیے تھے۔ انہوں نے سنتریوں کے دلوں پر وار کیے اور انہیں ختم کر دیا۔ سوڈانی جاسوس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا اور ایک نائب سالار کو صحیح رپورٹ دے رہا تھا۔ عمرو درویش نے اسحاق سے کہا...... ''فوراً نکلو''...... باہر چار گھوڑے عمرو درویش کے کھڑے تھے اور چار سنتریوں کے۔ دوسری طرف کے سنتریوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

یہ سب گھوڑوں پر بیٹھے۔ رات نے فرار پر پردہ ڈالے رکھا۔ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ فرار ہونے والوں نے گھوڑوں کو فوراً ایڑ نہ لگائی۔ آشی بھی ان کے ساتھ تھی۔ سوڈانی جاسوس نے اپنی رپورٹ دی تو نائب سالار اسے سوڈانی سالار کے پاس لے گیا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ دونوں ادھر آئے تو راستے میں انہوں نے پانچ گھوڑ سوار جاتے دیکھے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب سے گزر گئے۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی کسی کو پہچان نہ سکا۔

نائب سالار نے اس برآمدے میں جا کر ادھر ادھر دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے دو سنتری کھڑے تھے۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو اسے دونوں سنتریوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں۔ خون بہہ بہہ کر ہر طرف پھیل گیا تھا۔ نائب سالار نے اندر جا کر دوسرا دروازہ کھولا۔ ادھر دو سنتری آرام سے کھڑے تھے۔ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایک کمرے میں سالار پلنگ پر پڑا نشے میں بدمست آشی کو پکار رہا تھا۔ نائب سالار نے اسے بلایا اور اٹھایا۔ آشی نے اسے بہت ہی زیادہ پلا دی تھی۔ اسے جب بتایا گیا کہ دو سنتری کمرے میں مرے پڑے ہیں تو ذرا ہوش میں آیا۔ جب وہ بات سننے اور سمجھنے کی حالت میں آیا اس وقت عمرو درویش، اسحاق، دو چھاپہ مار اور آشی شہر سے بہت دور نکل گئے تھے۔ تعاقب بیکار تھا۔ صبح کے

وقت اسے صحیح صورت حال کا علم ہوا۔

☆

اگلی رات آدھی گزر گئی تھی جب عمرو درویش اپنے قافلے کے ساتھ اپنے پہاڑی علاقے میں داخل ہوا۔علی بن سفیان ان کے انتظار میں بے تاب ہورہا تھا۔ضروری یہ تھا کہ اسحاق اور عمرو درویش کو فوراً مصر بھیج دیا جائے لیکن ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ انہیں اس علاقے میں گھمایا پھرایا جائے تاکہ جن لوگوں نے سوڈانیوں کی شعبدہ بازیاں دیکھی ہیں انہیں اصل حقیقت معلوم ہوجائے۔البتہ فوری طور پر یہ انتظام کردیا گیا کہ کچھ آدمیوں کو دیکھ بھال کے لیے مقرر کردیا گیا تاکہ سوڈانی فوج حملہ کرے تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔دوسری ضرورت یہ تھی کہ مصری فوج کے کچھ اور چھاپہ مار اس علاقے میں بلا لیے جائیں جو سوڈانی فوج کے حملے کی صورت میں عقب سے شبخون ماریں اور فوج کو اس علاقے سے دور رکھیں۔

اس طرح عمرو درویش، علی بن سفیان اور اس کے چھاپہ ماروں نے وہ معرکہ جیت لیا جو کمانڈروں، بادشاہوں اور قوم کی نظروں سے اوجھل رہ کر لڑا گیا تھا۔یہ ایک انفرادی جنگ تھی جو ایمان اور قومی جذبے کی قوت سے لڑی گئی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس درپردہ جنگ پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھی تھی۔اس کا انٹیلی جنس کا نظام بہت ہوشیار تھا۔

☆

اس وقت جب سوڈانی مسلمانوں نے یہ معرکہ جیت لیا تھا، سلطان ایوبی مسلمان امرا...... گمشتگین، سیف الدین اور الملک الصالح...... کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے کر ان کے تعاقب میں جارہا تھا۔اس نے چند ایک اہم مقامات اور چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا۔وہ حلب کی طرف بڑھ رہا تھا جو ایک اہم شہر اور الملک الصالح کی فوج کا مرکز تھا۔سلطان ایوبی اس شہر کو محاصرے میں لے کر محاصرہ اٹھا چکا تھا۔وہاں کے مسلمانوں نے اس کا مقابلہ ایسی بےجگری سے کیا تھا کہ سلطان ایوبی عش عش کر اٹھا تھا۔محاصرہ اٹھانے کی وجہ اس سے پہلے سنائی جاچکی ہے۔
اس کے بعد مسلمان افواج کی آپس میں جو جنگ ہوئی اس کی تفصیلات بھی سنائی جاچکی ہے۔سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان فوجوں کو بے تحاشہ نقصان پہنچا کر اس طرح پسپا کیا کہ فوجیں بکھر گئیں۔سلطان ایوبی نے تعاقب جاری رکھا۔ اس کی زیادہ تر توجہ حلب کی فوج پر تھی کیونکہ یہ بہادری سے لڑنے والی فوج تھی۔یہ حلب کی سمت پسپا ہورہی تھی۔سلطان ایوبی اسے راستے میں ہی تباہ کردینا چاہتا تھا۔کیونکہ وہ حلب پر قبضہ کرنے کو پیش قدمی کررہا تھا۔اس نے تعاقب کا انداز یہ نہ رکھا کہ اپنی فوج کو اس کے پیچھے ڈال دیا بلکہ اس نے اپنے برق رفتار دستے کسی دوسرے راستے سے آگے بھیج دیئے اور کچھ چھاپہ مار دونوں پہلوؤں پر بھیج دیئے۔
حلب کی فوج افراتفری کے عالم میں حلب کو جارہی تھی۔آگے جاکر اس کے کمانڈروں نے دیکھا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔حلب کی فوج رک گئی۔اس کے سپاہیوں میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ان کا سازوسامان بھی کم رہ گیا تھا۔رسد اور خوراک بھی کم تھی۔یہ فوج رکی تو پہلوؤں پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شب خون اور چھاپے مارنے شروع کردیئے۔سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اعلان کرنے شروع کردیئے...."حلب والو ہتھیار ڈال دو۔"

سلطان ایوبی محاذ سے پیچھے تھا۔اسے اطلاعیں مل رہی تھیں کہ حلب کی فوج ہتھیار ڈالنے کی حالت میں آرہی

ہے۔ اس نے کہا...... ''اگر یہ فوج صلیبیوں کی ہوتی تو میں اس کے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ چھوڑتا مگر یہ میرے اپنے بھائیوں کی فوج ہے۔ یہ لوگ ہتھیار ڈال دیں گے تو میں انہیں بخشش دوں گا۔ مجھے خوشی پھر بھی نہیں ہوگی۔ مرنے کے بعد میری روح بھی بے چین رہے گی کہ میرے دور میں مسلمانوں کو تلواریں آپس میں ٹکرائی تھیں۔ اگر ہمارے یہ بھائی اب بھی دوست اور دشمن کی پہچان کر لیں تو اس شرم ناک غلطی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔''

دوسرے ہی دن خدا نے سلطان ایوبی کی دعا سن لی۔ اس نے دو گھوڑ سوار اپنی طرف آتے دیکھے۔ ان میں سے ایک نے سفید جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ ان کے دائیں بائیں سلطان ایوبی کی اپنی فوج کے دو کماندار تھے۔ قریب آ کر گھوڑے رک گئے۔ ایک کماندار نے گھوڑے سے اتر کر سلام کیا اور کہا...... ''حلب کے حاکم الملک الصالح نے صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ دو ایلچی جنگ بندی اور صلح کا پیغام لائے ہیں۔''

ایک ایلچی نے پیغام سلطان ایوبی کے ہاتھ میں دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام پڑھ کر کہا...... ''الملک الصالح سے کہنا صلاح الدین ایوبی نے جب جنگ سے پہلے صلح کا پیغام بھیجا تھا تو تم نے فرعونوں کی طرح میرے ایلچی کی بے عزتی کر کے میرا پیغام ٹھکرا دیا تھا۔ آج خدائے عزوجل نے مجھے یہ طاقت بخشی اور تجھے یہ ذلت دی کہ میں تمہاری فوج کو اس طرح پیس سکتا ہوں جس طرح دو پتھروں کے درمیان والے پیسے جاتے ہیں لیکن میرے دشمن تم نہیں۔ تم اس باپ کے بیٹے ہو جس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا رکھا تھا، اور تم صلیبیوں سے دوستی گانٹھ کر اپنے باپ کی فوج کے خلاف لڑنے آئے تھے...... اسے کہنا کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دعا کر کہ اللہ بھی تمہیں معاف کر دے۔''

سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح کی پیش کش منظور کر لی۔ الملک الصالح کو اس شرط پر اپنی فوج حلب کو لے جانے کی اجازت دے دی کہ جب اس کی فوج حلب آئے تو حلب کی فوج کوئی مزاحمت نہ کرے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ ہوا۔ الملک الصالح اپنی فوج نکال کر لے گیا۔ سیف الدین بھی پسپا ہو کر موصل چلا گیا تھا اور گمشتگین نے اپنے قلعے حرن میں جانے کی بجائے حلب کا رخ کیا۔ سلطان ایوبی اپنی فوج کو اور آگے لے گیا اور ایک مقام ترکمان کو عارضی کیمپ بنا لیا۔ ایک روز حلب کا ایک قاصد اس کے پاس آیا اور الملک الصالح کا ایک پیغام سلطان ایوبی کو دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام کھول کر پڑھا تو چونک اٹھا کیونکہ یہ پیغام اس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین کے نام تھا۔ الملک الصالح نے سیف الدین کو لکھا تھا:

''آپ کا خط مل گیا ہے جس میں آپ نے اس پر خفگی کا اظہار کیا ہے کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لی ہے۔ بے شک میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن میرے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ میری فوج اس کی فوج کے گھیرے میں آ گئی تھی۔ میرے سپاہی تھکے ہوئے، ڈرے ہوئے اور زخمی تھے۔ میرے سالاروں نے مجھے مشورہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا جائے اور اپنی فوج کو اس کے چنگل سے نکالا جائے۔ میں نے یہی بہتر جانا اور صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام دے دیا......

''محترم غازی سیف الدین! آپ مطمئن رہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے صلح کی ہے ورنہ میرے پاس آج ایک بھی سپاہی نہ ہوتا۔ میں اب حلب میں اپنی فوج کی تنظیم نو کر رہا ہوں۔ نئی بھرتی شروع کرا دی ہے میں نے صلاح الدین ایوبی کی یہ شرط تسلیم کر لی ہے۔ کہ اس کی فوج حلب میں آئے گی تو ہماری فوج مزاحمت نہیں کرے گی، لیکن وہ جب یہاں آئے گا تو اس کی فوج کو ایسی مزاحمت ملے گی جو اس کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔ آپ اپنی فوج کو از سر نو تیار

کرلیں۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا اور اس کی طاقت کو ختم کرنا ہے۔''

اس پیغام میں اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ مؤرخوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ الملک الصالح نے سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا تھا اور اس پر بھی کہ الملک الصالح نے سیف الدین کے خط کے جواب میں جو جواب لکھا غلطی سے سلطان ایوبی کو مل گیا تھا یا یہ قاصد سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ قاصد کی غلطی تھی۔ دو نے لکھا ہے کہ پیغام سربمہر کیا گیا تو باہر غلطی سے سلطان ایوبی کا نام لکھ دیا گیا تھا۔ مسلمان مؤرخ جن میں سراج الدین خاص طور قابل ذکر ہے لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی ایسا باکمال تھا کہ الملک الصالح کا قاصد اس کا جاسوس تھا۔ وہ الملک الصالح کا اتنا اہم پیغام سلطان ایوبی کے پاس لے آیا۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس پیغام نے سلطان ایوبی کو اس قدر پریشان کیا کہ کئی گھنٹے اس نے کسی کے ساتھ بات بھی نہ کی۔ خیمے میں اکیلا پڑا رہا۔ البتہ اسے یہ خوشی ضرور ہوئی کہ اسے دشمن کے عزائم کا علم ہوگیا۔ اس نے حکم دیا کہ الجزیرہ، دیار اور بقر سے فوراً لوگوں کو بھرتی کیا جائے۔ اس نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ایک اور خونریز جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔

......۞......

عنایت اللہ کی دیگر کتب

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد) سیٹ	1500	لہو جو ہم بہا کے آئے	160
فردوس ابلیس (دو جلد)	900	چمن چمن کے پاپی	150
اور نیل بہتا رہا (دو جلد)	800	فتح گڑھ سے فرار	140
ایک اور بت شکن پیدا ہوا (دو جلد)	850	اُستانی اور ٹیکسی ڈرائیور	160
خاکی وردی لال لہو	800	نا قابل فراموش	180
شمشیر بے نیام (دو جلد)	700	میں گناہگار تو نہیں	180
حجاز کی آندھی	400	پاکستان......ایک پیاز دو روٹیاں	180
ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ	220	جب میں تحفہ بنی	180
دمشق کے قید خانے میں	200	میں کسی کی بیٹی نہیں	180
ستارہ جو ٹوٹ گیا	300	سزا اُس گناہ کی	180
اندلس کی ناگن	240	چھوٹی بہن کا پگلا بھائی	180
میں کسی کی بیٹی نہیں	180	دمشق کے قید خانے میں	250
بی آر بی بہتی رہے گی	170	اُلجھے راستے	180
ہماری شکست کی کہانی	170	پیاسی رُوحیں	200
لاہور کی دہلیز پر	160	پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت	200
پرچم اڑتا رہا	170	جوانی کے جنگل میں	200
دو پلوں کی کہانی	160	ایوبی، غزنوی اور محمد بن قاسم	250
ہیرے کا جگر	160	بھٹکے ہوؤں کی داستان	180
بدر سے باٹا پور تک	160	منزل اور مسافر (اوّل، دوم)	200
طاہرہ	180		

عنایت اللہ کی بہترین کتابیں

Marfat.com

داستان ایمان فروشوں کی

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

جلد چہارم، پنجم

التمش

مکتبہ داستان

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد چہارم، پنجم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

حکایت پبلشرز
26-پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔
فون: 37356541

نام کتاب .... داستان ایمان فروشوں کی
(جلد چہارم، پنجم)

مصنف .... التمش

ناشر .... وقاص شاہد
مکتبہ داستان، لاہور

مطبع .... زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور

سن اشاعت .... جون 2013ء

قیمت .... 600 روپے

ملنے کے پتے

حکایت پبلشرز

26- پٹیالہ گراؤنڈ میکلوڈ روڈ، لاہور۔
فون: 37356541-37321898

علم و عرفان پبلشرز

40۔ اُردو بازار، لاہور۔ فون نمبر: 37352332-37232336

ویلکم بک پورٹ

اُردو بازار، کراچی

اشرف بک ایجنسی

کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر

کمیٹی چوک، راولپنڈی

جہانگیر بکس

بوہڑ گیٹ، ملتان

خزینہ علم و ادب

الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

فہرست

تعارف

''داستان ایمان فروشوں کی'' کا چوتھا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے، اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں، جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیتی ہے۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلم کاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعہ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشوونما کے لیے ''حکایت'' میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم تین حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ چوتھا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے، ان میں سنسنی بھی ہے، سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی، مگر

ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی، جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغ رسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ''داستان ایمان فروشوں کی'' کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ (مرحوم)
مدیر ''حکایت'' لاہور
یکم جنوری ۱۹۷۹ء

راہِ حق کے مُسافر

بادشاہ ایک جھونپڑے میں چھپا ہوا تھا۔ یہ واقعہ اپریل ۱۱۷۵ء (رمضان المبارک ۵۷۰ھ) کا ہے، جب تین مسلمان حکمران..... نورالدین زنگی کا بیٹا الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین غازی..... سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آئے تھے۔ اُن کی پشت پناہی صلیبی کر رہے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں گھوڑے، اونٹ، آتش گیر سیال کے مٹکے اور دیگر اسلحہ دیا تھا۔ صلیبیوں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو میدانِ جنگ میں ہی شکست دیں۔ اصل مقصد شکست دینا اور سرزمینِ عرب پر قبضہ کر کے اسلام کو ختم کرنا تھا۔ فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی دو تین کمزوریاں بھانپ لی تھیں۔ یہ تھیں اقتدار کی ہوس، زر، زن اور عیش پرستی۔ صلیبی یورپ سے یہ توقع لے کر آئے تھے کہ وہ اپنے برتر اسلحہ، فوجوں کی افراط اور بحری جنگی قوت سے مسلمانوں کو تھوڑے سے عرصے میں ختم کر کے قبلۂ اوّل اور خانہ کعبہ پر قابض ہو جائیں گے اور اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

مذہب کوئی درخت نہیں جسے جڑوں سے کاٹ دیا جائے تو سوکھ کر ختم ہو جائے گا۔ مذہب کسی ایک کتاب یا کتابوں کے انبار کا نام نہیں جسے جلا دیا جائے تو مذہب جل کر راکھ ہو جائے گا۔ مذہب، عقائد اور نظریات کا نام ہے جو انسان کے ذہن و دل میں محفوظ ہوتے ہیں اور انسان کو اپنا پابند کیے رکھتے ہیں۔ انسانوں کو قتل کر دینے سے عقائد اور نظریات ختم نہیں ہو جاتے۔ کسی مذہب کو ختم کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ ذہنوں اور دلوں میں تعیش پسندی اور لذت پرستی ڈال دی جائے۔ عقائد اور نظریات کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی ہے اور انسان آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہودیوں اور صلیبیوں نے مسلمانوں کے لیے یہی جال تیار کیا۔ سرزمین عرب اور مصر میں لا کر بچھایا تو مسلمان اُمراء اس میں آنے لگے۔ ملت اسلامیہ کی بدبختی ہے کہ مسلمان اقتدار اور عورت کی خاطر عقیدے قربان کر دیا کرتا ہے۔

نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے دور میں یہ بیٹھا زہر مسلمان حکمرانوں اور اُمراء کی رگوں میں اُتر چکا تھا اور صلیبی فلسطین پر قابض ہو چکے تھے۔ متعدد مسلمان ریاستیں ایسی تھیں جن پر صلیبیوں کا قبضہ تو نہیں تھا لیکن ریاستوں کے اُمراء کے دلوں پر انہیں کا قبضہ تھا۔ صلیبی اور یہودی، مسلمانوں کی کردارکشی میں اس حد تک کامیاب ہو چکے تھے کہ کسی بھی مسلمان سالار کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ سلطنت اسلامیہ کا وفادار ہے۔ زنگی اور ایوبی کے لیے یہ غدار بہت بڑا مسئلہ بن گئے تھے۔ ۱۱۷۵ء۔ ۱۱۷۴ء میں سلطان ایوبی اور فلسطین کے درمیان کلمہ گو بھائی حائل ہو گئے تھے۔ صلیبی دُور بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ سلطان ایوبی ہر میدان میں صلیبیوں کو شکست پہ شکست دیتا چلا آ رہا تھا مگر صلیبیوں نے مسلمان اُمراء کو ہی اُس کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اس کا بے حد تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ نورالدین زنگی کا اپنا بیٹا الملک الصالح اسماعیل اُس کی وفات کے بعد سلطان ایوبی کے مخالف کیمپ میں چلا گیا۔

وہ بادشاہ جو اپریل ۱۱۷۵ء میں ایک جھونپڑے میں بیٹھا تھا، الملک الصالح کا اتحادی سیف الدین غازی تھا۔

ان کا تیسرا اتحادی گمشتگین تھا۔ آپ اس معرکے کی تفصیل پڑھ چکے ہیں جس میں سلطان ایوبی نے ان تینوں کی متحدہ فوج کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ تینوں اپنی اپنی فوج کے مرکز (ہیڈکوارٹر) کے خیمے ساز و سامان سمیت چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اُن کے جو جنگی قیدی سلطان ایوبی کی فوج نے پکڑے تھے، انہیں مسلمان سمجھ کر رہا کر دیا گیا تھا۔ یہ سلطان ایوبی کی قوم پرستی اور کشادہ ظرفی تھی جو اُسے مہنگی پڑی۔ یہ قیدی واپس گئے تو انہیں فوج میں لے کر چند دنوں میں بکھری ہوئی فوجیں منظم کر لی گئیں۔ یہ تو چند دنوں بعد کی بات ہے۔ میدانِ جنگ سے الملک الصالح، سیف الدین غازی اور گمشتگین کا بھاگنا بڑا عجیب تھا۔ انہیں ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا۔ گمشتگین حرن کا قلعہ دار تھا جو بغداد کی خلافت کے تحت تھا لیکن جنگ سے پہلے اُس نے خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ بھاگا تو حرن جانے کی بجائے حلب چلا گیا جسے الملک الصالح نے اپنا دارالخلافہ بنا رکھا تھا۔ وہ اس خوف سے حرن نہیں گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی تعاقب میں آ کر اُسے پکڑ لے گا۔

سیف الدین ایک اور شہر موصل اور اس کے مضافات کا حکمران امیر تھا۔ وہ حکمران ہی نہیں، سالار بھی تھا۔ میدانِ جنگ کے داؤ پیچ سے واقف تھا، جنگجو تھا مگر اُس نے اپنا ایمان بیچ ڈالا تھا جو مومن کی تلوار بھی ہوتا ہے، ڈھال بھی۔ وہ میدانِ جنگ میں بھی حرم کی چیدہ چیدہ لڑکیوں اور ناچنے والیوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ شراب کے مٹکوں کے علاوہ خوب صورت پرندے بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ عیش و عشرت کا یہ سارا سامان وہیں چھوڑ کر بھاگا تھا۔ اُس کے ساتھ بھاگنے والوں میں اُس کا نائب سالار اور ایک کمان دار بھی تھا۔ اُسے موصل جانا تھا لیکن سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دشمن کے عقب میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے دشمن کی بکھری ہوئی فوج کے لیے پسپائی محال کر دی تھی۔

سیف الدین اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے شاید چھاپہ ماروں کی کوئی پارٹی دیکھ لی تھی جس سے بچنے کے لیے وہ موصل کے راستے سے بھٹک گئے۔ یہ علاقہ اُس دور میں عجیب تھا۔ ریگستان بھی تھا، چٹانی بھی اور کہیں سرسبز بھی۔ وہاں اُنہیں چھپنے کی جگہیں ملتی رہیں۔ وہ موصل سے تھوڑی ہی دور تھے۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ انہیں چاندنی رات میں کچھ مکان نظر آئے۔ سیف الدین نے پہلے ہی مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک سفید ریش بوڑھا باہر آیا۔ اُس کے سامنے تین گھوڑ سوار کھڑے تھے جو اِس قدر بُری طرح ہانپ رہے تھے کہ بوڑھے نے پوچھا...... ''معلوم ہوتا ہے تم بھی موصل کی فوج کے سپاہی ہو اور بھاگ کر آئے ہو۔ میں دو دنوں سے سپاہیوں کو گزرتے دیکھ رہا ہوں۔ وہ پانی پینے کے لیے رُکتے ہیں اور موصل کو چلے جاتے ہیں''۔

''یہاں سے موصل کتنی دُور ہے؟'' سیف الدین نے پوچھا۔

''اگر تمہارے گھوڑوں میں دم ہے تو سحری تک پہنچ سکتے ہو''۔ بوڑھے نے کہا...... ''یہ گاؤں موصل کا ہی ہے''۔

''اگر تمہارے پاس جگہ ہو تو کیا ہم رات تمہارے ہاں گزار سکتے ہیں؟'' سیف الدین نے پوچھا۔

''جگہ دِل میں ہوا کرتی ہے''۔ بوڑھے نے جواب دیا۔ ''گھوڑوں سے اُترو اور اندر چلو''۔

☆

ایک کمرے میں وہ تینوں مشعل کی روشنی میں بیٹھے تو بوڑھے نے اُن کے لباس غور سے دیکھے۔

''ہمیں پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟'' سیف الدین نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں دیکھتا ہوں کہ تم سپاہی نہیں ہو؟'' بوڑھے نے کہا...... ''تمہارا رُتبہ سالاری تک ہو سکتا ہے''۔

''یہ والیٔ موصل سیف الدین غازی ہیں''۔ نائب سالار نے کہا ..... ''تم نے کسی معمولی آدمی کو پناہ نہیں دی، تمہیں اس کا انعام ملے گا۔ میں نائب سالار ہوں اور یہ کمان دار ہیں''۔

''ایک بات غور سے سن لو میرے بزرگ!'' سیف الدین نے کہا..... ''ہو سکتا ہے ہمیں تمہارے گھر زیادہ دن رُکنا پڑے۔ ہم دن کے وقت باہر نہیں نکلیں گے، کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم یہاں ہیں۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو تمہیں سزا ملے گی اور اگر تم نے یہ راز چھپائے رکھا تو انعام ملے گا جو مانگو گے، ملے گا''۔

''میں نے والیٔ موصل کو پناہ نہیں دی''۔ بوڑھے نے کہا..... ''آپ بھولے بھٹکے، مصیبت کے مارے میرے ہاں آئے ہیں۔ جتنے دن رہیں گے، خدمت کروں گا۔ اگر آپ چھپ کر رہنے کے خواہش مند ہیں تو چھپائے رکھوں گا اور مجھے آپ کے ساتھ اس لیے بھی دلچسپی ہے کہ میرا بیٹا آپ کی فوج میں سپاہی ہے''۔

''ہم اُسے ترقی دیں گے''۔ نائب سالار نے کہا۔

''اگر آپ اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں تو میرے لیے یہ بہت بڑا انعام ہوگا''۔ بوڑھے نے کہا۔

''ہاں''۔ سیف الدین نے کہا..... ''ہم اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں گے، ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا بیٹا زندہ رہے''۔

''میں نے اُس کی زندگی کی آرزو کبھی نہیں کی''۔ بوڑھے نے کہا..... ''میں نے اُسے اپنی قوم کی فوج میں بھیج کر خدا کے سپرد کر دیا تھا۔ میں بھی سپاہی تھا۔ آپ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے جب میں فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ اللہ آپ کے والد مرحوم قطب الدین کو جنت عطا فرمائے۔ میں اُن کے دور میں سپاہی تھا۔ ہم نے کفار کے خلاف معرکے لڑے ہیں مگر میرے بیٹے کو آپ اپنے بھائیوں کے خلاف لڑانے لے گئے ہیں۔ میں اُس کی شہادت کا آرزومند تھا، موت کا نہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی نام کا مسلمان ہے''۔ سیف الدین نے کہا..... ''اس کے خلاف جنگ جائز ہے، بلکہ فرض ہے''۔

''محترم بزرگ!'' نائب سالار نے کہا..... ''اِن باتوں کو آپ نہیں سمجھ سکتے، ہم بہتر جانتے ہیں کہ کون مسلمان اور کون کافر ہے''۔

''میرے بیٹو!'' بوڑھے نے کہا..... ''عبرت حاصل کرو، میری عمر پچھتر سال ہوگئی ہے۔ میرا باپ نوے برس کی عمر میں مرا تھا اور اُس کا باپ پچاس برس کی عمر میں میدانِ جنگ میں شہید ہوا تھا۔ دادا نے اپنے وقتوں کے قصے کہانیاں میرے باپ کو سنائے تھے۔ میرے باپ نے وہ میرے سینے میں ڈال دیئے تھے۔ اس طرح میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ بادشاہی کی ہوس نے جسے بھی بھائی سے لڑایا وہ ایک نہ ایک دن بھاگ کر کسی غریب کے جھونپڑے میں جا چھپا۔ جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں اُن کا بھی یہی انجام ہوا تھا۔ تمہاری تین فوجوں کو صلاح الدین ایوبی کی ایک فوج نے پسپا کیا ہے اور جس حالت میں پسپا کیا ہے وہ دو دنوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ دس فوجیں ہوتیں تو وہ بھی اسی طرح بھاگتیں جو حق پر ہوتے ہیں وہ فتح حاصل کرتے ہیں اور جب انہیں شکست ہوتی ہے تو وہ بھاگتے نہیں، اُن کی لاشیں میدانِ جنگ سے اُٹھائی جاتی ہیں۔ وہ چھپتے نہیں''۔

''تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے ہو''۔ سیف الدین نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصے کی جھلک تھی۔ ''ہمیں تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے''۔

''میں آپ کا حامی ہوں''۔ بوڑھے نے کہا..... ''میں اسلام کا حامی ہوں۔ میں اپنے تجربے کی روشنی میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے بھائیوں کے دشمن کو دوست سمجھا اور یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ آپ کے مذہب کا دشمن ہے۔ آپ کی شکست کا سبب یہی ہے۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں، اگر صلاح الدین ایوبی کی فوج یہاں اچانک آ گئی تو آپ کو چھپائے رکھوں گا، دھوکہ نہیں دوں گا''۔

اتنے میں ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کھانا لے کر کمرے میں آئی۔ اُس کے پیچھے ایک جوان عورت آئی۔ اُس کے ہاتھ میں بھی کھانا تھا۔ سیف الدین کی نظریں لڑکی پر جم گئیں۔ وہ کھانا رکھ کر چلی گئیں تو سیف الدین نے بوڑھے سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔

''چھوٹی میری بیٹی ہے''۔ بوڑھے نے جواب دیا..... ''اور بڑی میری بہو۔ میرے اُس بیٹے کی بیوی جو آپ کی فوج میں ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری بہو بیوہ ہو گئی ہے''۔

''اگر تمہارا بیٹا مارا گیا تو میں تمہیں بے انداز رقم دوں گا''۔ سیف الدین نے کہا..... ''اور اپنی بیٹی کے متعلق تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کسی جھونپڑے میں کسی سپاہی کی دلہن بن کر نہیں جائے گی۔ ہم نے اسے اپنی زوجیت کے لیے پسند کر لیا ہے''۔

''میں نے نہ اپنا بیٹا بیچا ہے، نہ بیٹی کو بیچوں گا''۔ بوڑھے نے کہا..... ''جھونپڑے میں پل کر جوان ہونے والی بیٹی کسی سپاہی کے جھونپڑے میں ہی اچھی لگتی ہے۔ میں آپ سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے لالچ نہ دیں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ میزبانی کا ہر فرض ادا کروں گا''۔

''تم سو جاؤ''۔ سیف الدین نے بوڑھے سے کہا..... ''ہمیں تم پر بھروسہ ہے اور خوشی ہے کہ ہماری ریاست میں تم جیسے صاف گو اور بااصول بزرگ موجود ہیں''۔

بوڑھا چلا گیا تو سیف الدین نے اپنے ساتھیوں سے کہا..... ''اس قسم کے انسان دھوکہ نہیں دیا کرتے..... تم نے اس کی بیٹی کو غور سے دیکھا تھا؟''

''اچھا موتی ہے''۔ نائب سالار نے کہا۔

''حالات ذرا بہتر ہو لیں تو یہ موتی اپنی جھولی میں ہو گا''۔ سیف الدین نے مُسکرا کر کہا، پھر چونک کر اپنے نائب سالار سے کہنے لگا..... ''تم موصل کی خبر لو، فوج کو یکجا کرو، صلاح الدین ایوبی کی سرگرمیاں بھانپو اور مجھے بہت جلدی بتاؤ کہ میں موصل آ جاؤں یا کچھ دیر رُکا رہوں..... اور تم.....'' اُس نے کمان دار سے کہا..... ''حلب والوں کو بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔ خود جاؤ یا کسی کو بھیجو''۔

دونوں روانہ ہو گئے۔ سیف الدین جو شراب میں بدمست ہو کر حسین سے حسین تر لڑکیوں سے دِل بہلا کر محل میں سونے کا عادی تھا، ایک کچے سے مکان کے فرش پر سو گیا۔

☆

اس سے ایک روز پہلے کا واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ سے ایک سپاہی بھاگا ہوا موصل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا تھا، رُکتا تھا اور آہستہ آہستہ چلانے لگتا تھا۔ کبھی گھوڑا روک کر گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتا تھا۔ وہ عام راستے سے کچھ ہٹ کر جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے اور اُس کا ذہن اُس کے قابو میں نہیں۔ ایک جگہ اُس نے

گھوڑا روکا، اُترا اور قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو زاروقطار رو پڑا، وہاں سے وہ اُٹھا نہیں۔ سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔

یہ فوجیں جب سلطان ایوبی سے شکست کھا کر بکھری اور پسپا ہوئی تھیں، سلطان ایوبی کے کئی ایک جاسوس اُن میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا طریقہ تھا کہ دشمن جب پسپا ہوتا تھا تو کچھ جاسوس بھاگے ہوئے سپاہیوں یا جنگ کی زد میں آئے ہوئے گاؤں کے مہاجرین کے بہروپ میں دشمن کے علاقے میں چلے جاتے اور دشمن کی تنظیم نو، عزائم اور دیگر کوائف دیکھ کر اطلاعیں فراہم کرتے تھے۔ دمشق سے جب الملک الصالح اپنی فوج کے ساتھ بھاگا تھا تو بھی جاسوسوں کی خاصی تعداد فوج اور بھاگے ہوئے شہریوں کے ساتھ چلی گئی تھی۔ جیسا کہ پہلے وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی آدھی جنگ جاسوسی کے نظام سے جیت لیا کرتا تھا۔ جاسوسی کے لیے جن آدمیوں کو منتخب کیا جاتا، وہ غیر معمولی طور پر ذہین، ٹھنڈے مزاج والے، فیصلے کی اہلیت اور خوداعتمادی رکھنے والے لڑاکے اور پھرتیلے ہوتے تھے۔

اپریل ۱۱۷۵ء میں سلطان ایوبی نے اپنے مسلمان دشمنوں کی متحدہ فوج کو شکست دی تو اُس کی انٹیلی جنس کے سربراہ، حسن بن عبداللہ نے اُن جاسوسوں کو جو اس کام کے لیے تربیت یافتہ تھے، دشمن کی بکھری ہوئی فوج میں شامل ہو کر حلب، موصل اور حرن تک جانے اور دشمن کے آئندہ عزائم معلوم کرنے کو بھیج دیا۔ اُن میں بعض دشمن کی فوج کے لباس میں تھے اور بعض دیہاتی لباس میں۔ اُن کا جانا بہت ہی ضروری تھا، کیونکہ یہ خطرہ ہر لحہ موجود تھا کہ دشمن تنظیم نو (ری گروپنگ) کر کے جوابی حملہ کرے گا۔ سلطان ایوبی نے دشمن کو جو نقصان پہنچایا تھا، اس سے اُسے اندازہ تھا کہ دشمن ری گروپنگ میں خاصے دن صرف کرے گا۔ دشمن کی تین فوجیں تھیں۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے تینوں دشمن دِلی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک کی خواہش یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو شکست دے کر سلطنت اسلامیہ کا مختارِ کُل اور شہنشاہ بن جائے۔ وہ ایک دوسرے کے بھی خلاف تھے مگر فی الحال صورت یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو اپنا مشترک دشمن سمجھتے تھے۔ اِس لیے یہ امکان موجود تھا کہ وہ تینوں فوجوں کو ایک فوج کی صورت میں منظم کر لیں گے اور جوابی حملہ کریں گے۔

سلطان ایوبی یہ بھی جانتا تھا کہ عیاشیوں کے دلدادہ میدانِ جنگ میں نہیں ٹھہر سکتے، لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے دشمنوں کو صلیبیوں کی مدد اور پشت پناہی حاصل ہے اور اُن کے پاس صلیبی مشیر بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان سالاروں میں دو تین ایسے تھے جو قیادت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اِن میں مظفر الدین ابنِ زین الدین خاص طور پر قابلِ ذکر تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا، اس لیے سلطان ایوبی کے داؤ پیچ کو خوب سمجھتا تھا۔ صلیبی مشیروں اور مظفر الدین جیسے سالاروں نے سلطان ایوبی کو بہت چوکس کر دیا تھا۔

اُسے جو عنصر زیادہ پریشان کر رہا تھا وہ اُس کی اپنی فوج کی کیفیت تھی جو تسلی بخش کہلائی جا سکتی تھی لیکن یہ خطرہ تھا کہ وہ فوری طور پر دوسری جنگ نہیں لڑ سکے گا۔ جانی نقصان کم نہ تھا۔ دشمن کو شکست تو دے دی گئی تھی مگر کچھ قیمت بھی دینی پڑی تھی جو تھوڑی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی کے لیے ایک مشکل یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مستقر سے دُور تھا۔ رسد اس کے ساتھ تھی لیکن طویل جنگ کی صورت میں رسد کی کیفیت مخدوش ہو سکتی تھی۔ اُس نے قریبی آبادیوں سے بھرتی شروع کرا دی تھی۔ لوگ بھرتی ہو رہے تھے۔ اِن میں زیادہ تر تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری سے واقف تھے، لیکن فوج کی صورت میں لڑانے کے لیے ٹریننگ کی ضرورت تھی۔ ٹریننگ شروع کر دی گئی تھی اور اُس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی تاکہ کام کے علاقوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ اُسے بعض مقامات مزاحمت کے بغیر مل گئے اور وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں

دُور دُور تک سبزہ ہی سبزہ تھا اور پانی کی افراط تھی۔ فوج اور جانور تھک کر چور ہو چکے تھے۔ جانوروں کی یہ حالت تھی کہ اتنا زیادہ سبزہ اور پانی دیکھ کر وہ بھول ہی گئے کہ اُن کا استعمال اور فرائض کیا ہیں۔

سلطان ایوبی نے وہیں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ دیکھ بھال کے دستے موزوں جگہوں پر بھیج دیئے۔ جاسوس پہلے ہی چلے گئے تھے۔ اُسے حکم دینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ نظام ایک مشین کی طرح از خود چلتا تھا۔ یہ مقام جہاں سلطان ایوبی نے قیام کیا تھا ترکمان کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا پورا نام حباب الترکمان (ترکمان کا کنوآں) تھا۔

''بھرتی اور تیز کردو''۔ سلطان ایوبی نے اپنی مرکزی کمان کی پہلی کانفرنس میں کہا...... ''اجتماعی طور پر لڑنے کی تربیت اور زیادہ تیز کردو۔ خدا نے تم پر کرم کیا ہے کہ تمہیں بڑا ہی احمق دشمن دیا ہے۔ اگر ان لوگوں میں کچھ سوجھ بوجھ ہوتی تو وہ پسپا ہو کر اس جگہ اکٹھے ہو جاتے۔ جنگی جانوروں اور سپاہیوں کے لیے یہ مقام جنت سے کم نہیں۔ یہاں تمہارے جانور اتنا چارہ کھالیں گے کہ دس روز بغیر چارے کے لڑسکیں گے...... میرے دوستو! دشمن کو حقیر نہ سمجھنا۔ فوج کو آرام دو لیکن تیاری کی حالت میں رہنا۔ طبیبوں سے کہو کہ راتوں کو نہ سوئیں، زخمیوں کو بہت جلد صحت یاب کریں اور بیماروں کو دن رات نگرانی میں رکھیں ...... اور یاد رکھو، ہمارا مقصد اپنے بھائیوں کو قتل کرنا یا انہیں بُرا بھلا کہنا اور دھتکارنا نہیں۔ ہماری منزل فلسطین ہے، اگر آپس میں دست و گریبان ہوتے رہے تو صلیبی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نظر فلسطین پر رکھو اور راستے میں جو رکاوٹ آئے، اسے روندتے چلے جاؤ''۔

اسی مقام پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو الملک الصالح کی طرف سے صلح کا پیغام ملا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ پچھلی قسط میں کیا گیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح نامہ قبول کرلیا تھا۔ اس سے اُسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اُس کے دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اپنے بھائیوں کو دشمن نہیں سمجھتا عالی ظرفی کا یہ مظاہرہ کیا تھا کہ اُس نے دشمن کے جو جنگی قیدی پکڑے تھے، انہیں مختصر سا وعظ دے کر رہا کر دیا تھا۔ الملک الصالح کے صلح نامے پر اپنی مہر ثبت کرنے سے پہلے بھی اُس نے کوئی کڑی شرط نہ رکھی، کیونکہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ تمہارا دشمن میں نہیں ہوں، صلیبی ہیں۔

اس پیغام نے اُسے جو اطمینان دیا تھا، وہ تین چار دنوں سے زیادہ نہ رہا، کیونکہ اُسے الملک الصالح کا ایک اور پیغام ملا۔ اُس نے کھول کر دیکھا تو یہ اُس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین غازی کے نام تھا جو غلطی سے قاصد سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا۔ (پچھلی قسط میں اس پیغام کا بھی تفصیلی ذکر کیا گیا ہے) اس پیغام سے یہ ظاہر ہوا کہ سیف الدین غازی (سلطان ایوبی کا دشمن نمبر دو) نے الملک الصالح کو لکھا تھا کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر کے غلطی کی ہے اور اپنے اتحادیوں کو دھوکہ دیا ہے۔ سیف الدین کے اُس پیغام کے جواب میں الملک الصالح نے اُسے لکھا تھا کہ تم لوگ بے فکر رہو، میں نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا ہے تا کہ وہ اس حالت میں ہم پر نہ آدھمکے، جبکہ ہماری فوجیں فوری طور پر مقابلے کے لیے تیار نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کی نظر حلب پر ہے۔ اُس کی فوج بھی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے اُسے صلح کا جھانسہ دیا ہے۔ تم لوگ اپنی اپنی فوج کو منظم کرو۔ صلیبی مشیر میری فوج کو تیزی سے منظم اور تیار کر رہے ہیں۔ تم مجھ سے اتفاق کرو گے کہ ہم ابھی لڑنے کے قابل نہیں۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الملک الصالح نورالدین زنگی کا بیٹا تھا جس کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ نورالدین زنگی فوت ہو گیا تو انتظامیہ اور فوج کے مفاد پرست حکامِ بالا نے الملک الصالح کو نورالدین زنگی کا جانشین بنا کر اُسے سلطان

کا خطاب دے دیا، پھر اُسے اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنالیا۔ سلطنت اسلامیہ بکھرنے لگی۔ سلطان ایوبی مصر سے دمشق گیا۔ الملک الصالح اور اس کے حواری دمشق کی فوج کے کچھ حصے کے ساتھ بھاگ کر حلب چلے گئے اور اس شہر کو دارالسلطنت بنا لیا۔ الملک الصالح کو حواری استعمال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ انہیں لوگوں نے صلیبی مشیروں کے مشورے سے دیا تھا مگر پیغام سیف الدین کے پاس جانے کی بجائے سلطان صلاح الدین کے ہاتھ آ گیا۔ یہ اُس دور کی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ قاصد یہ پیغام غلطی سے سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا، لیکن مسلمان مورخین نے جن میں سراج الدین قابلِ ذکر ہے، وثوق سے لکھا ہے کہ قاصد سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔

سلطان ایوبی کو اس پیغام نے پریشان کر دیا لیکن اُس نے پریشانی سے متاثر ہو کر فوری طور پر کوچ اور حملے کا حکم نہ دیا۔ دشمن کی طرح اُسے بھی اپنی فوج کی کیفیت کو بہتر بنانے کی ضرورت تھی۔ اُس کے پیشِ نظر سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اُس کا دشمن اپنے مستقر کے قریب تھا اور وہ خود مستقر سے بہت دُور۔ رسد کا راستہ طویل اور غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اندھا دھند پیش قدمی کا قائل نہ تھا۔ جاسوسوں کی مستند رپورٹوں کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اس کی بجائے وہ دشمن کو آگے آنے کی مہلت دیتا تھا۔ چنانچہ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ کچھ اور جاسوس دشمن کے علاقے میں بھیج دے جو بہت جلدی معلومات حاصل کر کے بھیجیں۔ اس کے علاوہ اُس نے کچھ اور ضروری انتظامات کیے۔ اُس نے اپنی مرکزی کمان سے کہا کہ وہ حملہ نہیں کرے گا، بلکہ دشمن کو حملے کی مہلت دے گا تا کہ وہ اپنے اڈے سے دُور نکل آئے۔ اِن ہدایات کے بعد وہ دُور دُور کی زمین کا جائزہ لینے لگا جہاں اُسے دشمن کو لڑانا تھا۔

☆

ذکر اُس سپاہی کا ہو رہا تھا جو میدانِ جنگ سے بھاگ کر موصل کی سمت جا رہا تھا۔ وہ موصل یعنی سیف الدین غازی کی فوج کا سپاہی تھا۔ اس فوج کا بہت سارا حصہ تو اجتماعی طور پر پسپا ہوا تھا جو سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تھے، وہ بکھر کر اکیلے اکیلے بھاگے تھے۔ یہ سپاہی اکیلے بھاگنے والوں میں سے تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں تھا۔ اُس نے ایک جگہ گھوڑا روکا، نماز پڑھی اور دعا کرتے رو پڑا۔ پھر وہ اُٹھا نہیں، سر ہاتھ[illegible]ں لے کر بیٹھا رہا۔ ایک گھوڑ سوار اُس کے قریب جا رُکا۔ سپاہی عالم خیال میں ایسا محو تھا کہ گھوڑے کے قدموں کی آہٹ بھی اُسے بیدار نہ کر سکی۔ سوار گھوڑے سے اُترا اور سپاہی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تب اُس نے بدک کر اوپر دیکھا۔

''یہ تو میں بتا سکتا ہوں کہ تم میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر آئے ہو'' ۔ سوار نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ اگر زخمی ہو تو میں کچھ مدد کروں؟''

''میرے جسم پر کوئی زخم نہیں۔'' سپاہی نے جواب دیا اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا..... ''میرے دِل میں گہرا زخم آیا ہے''۔

یہ گھوڑ سوار جو اُس کے پاس آ بیٹھا تھا، سلطان ایوبی کے اُن جاسوسوں میں سے تھا جنہیں دشمن کی پسپائی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دشمن کے علاقوں میں جانے کو بھیجا گیا تھا۔ اُس کا نام داؤد تھا۔ ٹریننگ کے مطابق وہ اس سپاہی کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ اُسے وہ استعمال کر سکتا تھا۔ اپنی ذہانت سے وہ سمجھ گیا کہ یہ سپاہی جذباتی لحاظ سے اُکھڑا ہوا ہے اور یہ شکست کی دہشت کا اثر ہے۔ اُس نے سپاہی کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ سپاہی کے دل میں جو غبار تھا وہ باہر آ گیا۔

''سپاہ گری میرا خاندانی پیشہ ہے'' ۔ سپاہی نے کہا..... ''میرا باپ سپاہی تھا، دادا بھی سپاہی تھا۔ سپاہ گری ہمارا ذریعۂ معاش بھی ہے اور ہماری رُوح کی غذا بھی۔ میں اللہ کا سپاہی ہوں۔ اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے لڑتا ہوں۔

ہے معلوم تھا کہ صلیبی ہمارے مذہب کے بدترین دشمن ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارا قبلۂ اوّل صلیبیوں کے قبضے میں
ہے۔ میرے باپ نے مجھے دوستی اور دشمنی کی تاریخ زبانی سنائی تھی۔ میں اسلامی جذبے سے فوج میں شامل ہوا تھا۔ تھوڑا
رصہ گزرا ہمیں بتایا جانے لگا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کا دوست ہے اور بدکار آدمی ہے۔ اس سے پہلے ہم سنتے تھے
کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف لڑ رہا ہے اور صلیبی اُس سے ڈرتے ہیں اور وہ صلیبیوں سے قبلۂ اوّل آزاد کرائے
گا۔ ہماری فوج کے امام نے بھی ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت بُری بُری باتیں بتائیں......

''ہم اپنی ریاست کے والی سیف الدین غازی کو سچا سمجھتے رہے۔ ایک روز ہماری فوج کو کوچ کا حکم ملا۔ ہم
ادھر آئے تو جنگ ہوئی۔ جنگ کے دوران ہمیں پتہ چلا کہ ہم مسلمان فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کی
فوج تھی۔ اس فوج کے سپاہی نعرے لگا رہے تھے...... ''حق کے خلاف نہ لڑو مسلمانو۔ تمہارے دشمن صلیبی ہیں، ہم نہیں،
ہمارا ساتھ دو، قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ، عیاش حکمرانوں کے لیے نہ لڑو۔ میں نے اُس فوج کے جھنڈے دیکھے جن پر کلمۂ طیبہ لکھا
ہوا تھا...... میرے دوست! میں نے اُن سپاہیوں کو جس طرح لڑتے دیکھا، اُس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اللّٰہ اُن کے
ساتھ ہے، ہمارے ساتھ نہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ تیر کدھر سے آ رہے ہیں اور شعلے کہاں سے اُٹھ رہے ہیں......

''ایک جگہ چٹان پھٹی ہوئی تھی۔ میرے دل پر موت کا نہیں، خدا کا خوف ایسا طاری ہوا کہ میرے بازوؤں میں
طاقت نہ رہی کہ تلوار کا وزن اُٹھا سکتے۔ گھوڑے کی باگیں کھینچنے کی ہمت نہ رہی۔ میں نے گھوڑا پھٹی ہوئی چٹان کے اندر کر
لیا۔ میں بزدل نہیں ہوں مگر میرا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ باہر تلواریں ٹکرا رہی تھیں، گھوڑوں کا شور تھا اور مجھے نعرے سنائی
دے رہے تھے...... ''رمضان شریف میں بھائیوں کے خلاف نہ لڑو'' ...... مجھے یاد آیا کہ ہمیں حکم ملا تھا کہ جنگ میں روزے
معاف ہوتے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ صلاح الدین ایوبی کے سپاہی روزے سے تھے۔ میں اُس وقت تک اُن میں سے تین
سپاہیوں کو قتل کر چکا تھا۔ اُن کا خون میری تلوار پر جم گیا تھا۔ سپاہی اپنی تلوار پر خون دیکھ کر خوش ہوا کرتا ہے مگر میں اپنی تلوار کو
دیکھنے سے گھبرا رہا تھا کیونکہ میری تلوار کے ساتھ میرے بھائیوں کا خون تھا......

''مجھ میں اب وہاں سے باہر نکلنے اور لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں وہیں دبکا رہا۔ صلاح الدین ایوبی کے ایک
سوار نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے للکارا۔ اُس نے برچھی مجھ پر سیدھی کی۔ میں نے خون آلود تلوار اُس کے گھوڑے کے قدموں
میں پھینک دی اور کہا...... ''میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں، نہیں لڑوں گا'' ...... گھمسان کی جنگ کچھ دُور تھی۔ یہ سوار شاید
چھاپہ مار تھا اور چھپے ہوئے سپاہیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ آگے آ گیا اور مجھ سے پوچھا...... ''تمہیں احساس ہو گیا ہے کہ تم خدا
کے سچے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہو؟'' ...... میں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا اور کہا کہ یہ گناہ مجھ سے کرایا گیا ہے۔ مجھے گمراہ
کیا گیا ہے۔ اُس نے مجھ سے برچھی لے لی۔ تلوار تو میں پہلے ہی پھینک چکا تھا۔ اُس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا......
''خدا سے اپنے گناہ کی بخشش مانگو اور اُدھر کو نکل جاؤ۔ پیچھے نہ دیکھنا۔ میں اللّٰہ کے حکم سے تمہاری جان بخشی کرتا ہوں'' ......

''میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میدانِ جنگ میں دشمن جان بخشی نہیں کیا کرتا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ
لگائی اور جو راستہ اُس نے بتایا تھا، گھوڑا اُس پر ڈال دیا۔ وہ محفوظ راستہ تھا۔ میں میدانِ جنگ سے دُور نکل آیا۔ رات کو میں
ایک جگہ رُکا اور سو گیا۔ خواب میں مجھے وہ تین سپاہی نظر آئے، جنہیں میں نے جنگ میں قتل کیا تھا۔ اُن کے جسموں سے
خون بہہ رہا تھا۔ وہ میرے اِردگرد آہستہ آہستہ گھوم رہے تھے۔ اُن کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہہ رہے
تھے۔ خاموش تھے۔ میرے دل پر ایسا خوف طاری ہو رہا تھا جس سے جسم سے جان نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے بچوں کی طرح

چیخنا شروع کر دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ اتنی ٹھنڈی رات میں بھی میرے جسم سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ خوف سے مرا جا رہا تھا۔ میں نفل پڑھنے لگا اور روتا رہا......

''میں تین چار دنوں سے بھٹک رہا ہوں۔ رات کو میں سو نہیں سکتا۔ دن کو کہیں چین نہیں آتا۔ رات کو خواب میں اُن تین سپاہیوں کو دیکھتا ہوں جو میری تلوار سے قتل ہوئے ہیں اور دن کے وقت اِن ویرانوں میں وہ مجھے اپنے اردگرد گھومتے محسوس ہوتے ہیں، نظر نہیں آتے۔ اگر وہ سوار جس نے مجھے چٹان میں چھپا ہوا دیکھ لیا تھا، مجھے قتل کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ اُس نے میری جان بخشی کر کے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اپنے آپ کو ختم کر لیتا۔ میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین مجاہدوں کو قتل کیا ہے''۔

''تم زندہ رہو گے''۔ داؤ نے اُسے کہا...... ''یہ خدا کی رضا ہے کہ تم مرو گے نہیں۔ میدانِ جنگ سے تم زندہ نکل آئے ہو، تمہارے پاس خودکشی کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے تم سے کوئی نیکی کا کام کرانے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ خدا نے تمہیں موقع دیا ہے کہ گناہ کا کفارہ ادا کر دو''۔

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کے متعلق مجھے جو بُری بُری باتیں بتائی گئی تھیں وہ سچی ہیں یا جھوٹی؟''

''بالکل جھوٹی''۔ داؤد نے جواب دیا...... ''بات صرف یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کو یہاں سے نکال کر خدا کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے اور سیف الدین اور اُس کے دوست اپنی اپنی بادشاہی کے خواہش مند ہیں۔ انہوں نے صلیب کے پجاریوں کے ساتھ گہری دوستی کر لی ہے اور اُن کی مدد سے یہ سب صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے آئے تھے''...... داؤد نے اُسے پوری تفصیل سے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی کیا ہے اور کیا ارادے رکھتا ہے۔ موصل کے حکمران سیف الدین کے متعلق اُسے بتایا کہ وہ اتنا عیاش ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی عیاشی کا سامان ساتھ لے گیا تھا۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ میں صلاح الدین ایوبی کے ان تین سپاہیوں کے خون کا خراج کس طرح ادا کر سکتا ہوں''۔ سپاہی نے داؤد سے پوچھا...... ''اگر یہ بوجھ میرے دِل سے نہ اُترا تو میں بہت بُری موت مروں گا۔ اگر مجھے کہو تو میں والی موصل سیف الدین کو قتل کر دوں''۔

''ایسی بھی کوئی ضرورت نہیں''۔ داؤ نے کہا...... ''تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟''

''تم کون ہو؟'' سپاہی نے پوچھا...... ''میں نے یہ تو تم سے پوچھا ہی نہیں کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو، کہاں جا رہے ہو؟...... میرا نام حارث ہے''۔

''میں موصل جا رہا ہوں''۔ داؤد نے جھوٹ بولا...... ''وہیں کا رہنے والا ہوں۔ جنگ کی وجہ سے میں راستے سے دُور جا رہا ہوں۔ اگر تمہارا گاؤں راستے میں پڑتا ہے تو وہاں رُکوں گا''۔

''میرا گاؤں دُور نہیں''۔ سپاہی حارث نے کہا...... ''تم میرے گھر نہیں رُکو گے تو زبردستی روکوں گا۔ تم نے میری زخمی رُوح کو سکون دیا ہے۔ میں نے اتنی اچھی باتیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ میں گھر ہی جاؤں گا۔ موصل کی فوج میں اب کبھی نہیں جاؤں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم مجھے نجات کا راستہ دکھا سکو گے''۔

☆

والی موصل سیف الدین غازی بوڑھے کے کچے سے مکان میں فرش پر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ وہ کئی راتیں جاگا تھا۔ آج رات وہ اتنی گہری نیند سویا کہ مکان کے باہر والے دروازے پر دستک ہوئی تو اُس کی آنکھ نہ کھلی۔ رات آدھی گزر

گئی تھی۔ سفید ریش بوڑھے کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کی بیٹی اور بہو بھی جاگ اُٹھیں۔ بوڑھے نے اُکتائے ہوئے لہجے میں کہا...... ''معلوم ہوتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا بھگایا ہوا موصل کا کوئی اور کمان دار یا سپاہی آیا ہے۔ راستے میں گھر نہیں ہونا چاہیے''۔

اُس نے دروازہ کھولا تو باہر دو گھوڑے کھڑے تھے۔ سوار اُتر آئے تھے۔ حارث نے سلام کیا تو بوڑھا اُس کے ساتھ لپٹ گیا مگر اُس نے محبت کی بے تابی کا اظہار الفاظ میں نہ کیا۔ ''میرے عزیز بیٹے! مجھے خوشی ہے کہ حرام موت سے بچ آئے ہو، ورنہ جب تک میں زندہ رہتا لوگوں سے یہی سنتا رہتا کہ تمہارا بیٹا اسلامی فوج کے خلاف لڑا تھا''...... اُس نے اپنے بیٹے کے ساتھ داؤد کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

داؤد کچھ کہنے لگا تھا۔ بوڑھے نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ دی، پھر سرگوشی میں کہا...... ''تمہارا بادشاہ اور سالارِ اعلیٰ سیف الدین غازی اندر سویا ہوا ہے۔ گھوڑے خاموشی سے دوسری طرف لے جا کر باندھ دو اور اندر آ جاؤ''۔

''سیف الدین غازی؟'' حارث نے حیرت سے کہا...... ''یہاں کیسے آ گیا ہے؟''

''شکست کھا کر''۔ بوڑھے نے سرگوشیوں میں جواب دیا...... ''اندر چلو''۔

گھوڑے دوسری طرف سے اندر لے جا کر باندھ دیئے گئے۔ داؤد اور حارث کو بوڑھا اندر لے گیا۔ حارث ہی اُس کا وہ سپاہی بیٹا تھا جس کے متعلق اُس نے سیف الدین کو بتایا تھا۔ حارث داؤد کو اُس کمرے میں لے گیا جہاں اُس کی بیوی اور جوان بہن تھی۔ اُس نے باپ سے کہا...... ''اس کا نام داؤد ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی دوست نہیں ہو سکتا''۔

''کیا تم بھی بھاگ کر آئے ہو؟'' بوڑھے نے داؤد سے پوچھا۔

''میں فوجی نہیں ہوں''۔ داؤد نے جواب دیا...... ''موصل جا رہا ہوں، جنگ نے مجھے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ حارث مل گیا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا''۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ والیٔ موصل ہمارے گھر میں کیسے آیا ہے؟'' حارث نے اپنے باپ سے پوچھا۔

سفید ریش باپ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح آیا ہے۔ ''آج ہی رات آیا ہے''۔ اُس نے کہا...... ''اُس کے ساتھ ایک نائب سالار اور کمان دار تھا۔ ان دونوں کو اُس نے کہیں بھیج دیا ہے۔ میرے کانوں میں اُس کے یہ الفاظ پڑے تھے کہ فوج کو یکجا کرو اور مجھے بتاؤ کہ میں موصل آ جاؤں یا ابھی چھپا رہوں...... میں اُس وقت دروازے کے قریب تھا''۔

''کیا آپ نے اُس کی باتوں سے محسوس کیا ہے کہ یہ موصل کی فوج کو یکجا کر کے فوری طور پر لڑنا چاہتا ہے''۔ داؤد نے پوچھا۔

بوڑھے نے جواب دیا...... ''ابھی تو وہ اتنا ڈرا ہوا ہے کہ مجھے کہتا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دوں کہ یہ یہاں ہے''۔ ''میں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ارادہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کا ضرور ہے۔ اپنے کمان دار کو اُس نے موصل کی بجائے کسی اور طرف بھیجا ہے''۔

''میں اسے قتل کروں گا''۔ حارث نے کہا...... ''اس نے مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑایا ہے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگانے والوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا ہے۔ مجھے پاگل کیا ہے''۔ وہ غصے سے بے قابو ہو کر اُٹھا۔ دیوار کے ساتھ اُس کے باپ کی تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ لے لی۔

باپ نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ داؤد نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔ حارث بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ باپ نے اُسے

کہا کہ پہلے میری بات سن لو۔ داؤد نے بھی اُسے روکا اور کہا کہ ایسے فیصلے کرنے سے پہلے سوچ لینا اچھا ہوتا ہے۔ ہم اسے قتل کر کے ہی چین کا سانس لیں گے لیکن پہلے آپس میں صلاح مشورہ کر لیں۔ حارث مان تو گیا لیکن پھنکار رہا تھا۔ غصے کی شدت سے اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

''اسے قتل کرنا کوئی مشکل کام نہیں''۔ بوڑھے نے اپنے بپھرے ہوئے بیٹے کو بٹھا کر کہا..... ''وہ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ اسے تو میرے یہ ناتواں بازو بھی قتل کر سکتے ہیں۔ اس کی لاش کو چھپایا بھی جا سکتا ہے مگر اس کے جو دو ساتھی چلے گئے ہیں، وہ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔ وہ ہمیں شک میں پکڑ لیں گے۔ تمہاری جوان بیوی اور جوان بہن کے ساتھ بہت بُرا سلوک کریں گے۔ اگر ہم انہیں بتائیں گے کہ والی موصل چلا گیا ہے تو وہ نہیں مانیں گے، کیونکہ اس نے انہیں کہا ہے کہ وہ یہیں واپس آئیں''۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیف الدین کو سچا سمجھتے ہیں''۔ حارث نے کہا..... ''آپ مسلمان کے خلاف مسلمان کی لڑائی کو بھی جائز سمجھتے ہیں''۔

''یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں اسے اپنے گھر میں قتل نہیں کرنا چاہتا''۔ بوڑھے نے کہا۔ ''میں نے اسے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ میں اسے سچا نہیں سمجھتا۔ اس نے مجھے کہا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے ہو۔ اس نے مجھے یہ لالچ بھی دیا ہے کہ اگر تمہارا بیٹا جنگ میں مارا گیا تو اس کے عوض بہت رقم دوں گا۔ میں نے اُسے کہا ہے کہ اپنے بیٹے کی شہادت کا خواہش مند ہوں، حرام موت یا رقم کا نہیں۔ سیف الدین میرے خیالات جان گیا ہے۔ اگر ہم نے اسے قتل کر کے لاش غائب کر دی تو اس کا نائب سالار فوراً مجھے پکڑے گا اور کہے گا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی ہو، اس لیے تم نے والی موصل کو قتل کر دیا ہے''۔

''داؤد بھائی!'' حارث نے داؤد سے پوچھا..... ''تم بتاؤ میں کیا کروں۔ تم نے میری جذباتی حالت دیکھی تھی۔ تم نے کہا تھا کہ خدا نے مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر نیکی کا اور کام کیا ہو سکتا ہے کہ حکمران کو قتل کر دوں جس نے ہزاروں مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ تم دانش مند انسان ہو''۔

''اس ایک آدمی کو قتل کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا''۔ داؤد نے کہا..... ''اس کے دوست بھی ہیں جو حلب میں ہیں اور حرن میں بھی۔ ان کے بہت سے سالار ہیں اور ان کی تین فوجیں ہیں۔ اکیلے سیف الدین کے قتل سے یہ سب صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار نہیں ڈال دیں گے۔ ہتھیار ڈلوانے کا طریقہ اور ہوتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان سب کو میدانِ جنگ میں ایسا بے بس کر دیا جائے کہ یہ ہتھیار ڈال دیں اور صلاح الدین ایوبی کی شرائط ماننے پر مجبور ہو جائیں''۔

''یہ کام صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟'' حارث نے کہا..... ''میرے سینے میں جو آگ بھڑک رہی ہے، وہ کس طرح سرد ہوگی؟ مجھے خدا تین مجاہدین اسلام کا خون کیونکر بخشے گا؟''

داؤد بہت خوش تھا کہ اُسے موالی موصل یہیں مل گیا ہے۔ وہ حارث اور اُس کے باپ کو یہ بتانے سے جھجک رہا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ جاسوس کو جذبات میں آ کر اپنا پردہ نہیں اُٹھانا چاہیے، مگر پردہ اپنے اُوپر ڈالے رکھنے سے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے تو یہ سوچ لیا تھا کہ سیف الدین جہاں بھی جائے گا وہ اس کا تعاقب کرے گا اور اُس کی سرگرمیوں کو غور سے دیکھے گا، لیکن اتنے دن حارث کے گھر میں ٹھہرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ اسے باپ بیٹے کے تعاون کی ضرورت تھی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ اعتماد میں لے یا نہ لے، اُس نے اُن کے ساتھ اپنے انداز سے باتیں شروع کر دیں۔ اُس نے دیکھا کہ

حارث تو سیف الدین کو قتل کرنے پر تُلا ہی ہوا تھا۔ اُس کا باپ بھی صلاح الدین ایوبی کے اس دشمن کا نام حقارت سے لیتا تھا۔

''اگر میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں جس سے سیف الدین آئندہ اُٹھنے کے قابل نہ رہے تو کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟'' داؤد نے اُن سے پوچھا۔

''میرے بیٹے کی طرح تم جذبات سے نہیں سوچ رہے تو میں تمہارا ساتھ دوں گا'' ۔حارث کے باپ نے کہا۔

''اور میں قتل سے ہٹ کر اور کچھ نہیں سنوں گا'' ۔حارث نے کہا

''اگر تم اپنی عقل اور اپنے جذبات کی لگام میرے ہاتھ میں دے دو تو تمہارے ہاتھوں ایسا کام کراؤں گا جو تمہاری روح کو سکون اور چین سے مالا مال کر دے گا'' ۔داؤد نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ حارث کی بیوی اور بہن ذرا الگ ہٹ کر بیٹھی سن رہی تھیں۔ داؤد نے انہیں بھی غور سے دیکھا اور کہا...... ''مجھے قرآن دو'' ۔

حارث کی بہن نے اُٹھ کر قرآن اُٹھایا۔ آنکھوں سے لگایا، چوما اور داؤد کو دے دیا۔ داؤد نے بھی قرآن پاک کو آنکھوں سے لگایا، چوما اور قرآن کھولا۔ اُس نے ایک جگہ اُنگلی رکھی اور پڑھا:

''شیطان نے اُن کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور خدا کی یاد اُن کے ذہنوں سے نکل گئی ہے۔ یہ جماعت شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اُٹھانے والا ہے، جو لوگ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل و خوار ہوں گے'' ۔

یہ اٹھائیسویں پارے کی اٹھارہویں اور انیسویں آیات (سورۃ الحشر) تھیں جو قرآن کھلتے ہی سامنے آ گئیں۔ داؤد نے کہا...... ''یہ اللہ پاک کا کلام ہے۔ میں نے مرضی سے یہ صفحہ نہیں کھولا۔ یہ الفاظ اپنے آپ میرے سامنے آئے ہیں۔ یہ خدا کا فرمان ہے اور یہ خدا کی بشارت ہے۔ قرآن پاک نے ہم سب کو بتا دیا ہے کہ یہ جماعت شیطانون کا لشکر ہے، لیکن میں اپنے پیر استاد کا سبق تمہیں پڑھانا چاہتا ہوں۔ بے شک قرآن پاک نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ ذلیل و خوار ہوں گے، لیکن وہ اُس وقت تک ذلیل و خوار نہیں ہوں گے جب تک ہم کوشش کر کے اُن کی ذلت و خواری کا سامان پیدا نہیں کریں گے۔ یہ ہم سب پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم انہیں ذلیل و خوار کریں'' ۔

اُس نے قرآن پاک دونوں ہاتھوں پر رکھ کر آگے کیا اور سب سے کہا...... ''سب اپنا اپنا دایاں ہاتھ خدا کے اس پاک کلام پر رکھو اور کہو تم راز سے پردہ نہیں اُٹھاؤ گے اور دشمن کو شکست دینے میں اپنی جانیں قربان کر دو گے'' ۔

سب نے جن میں دونوں خواتین بھی شامل تھیں، قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے'۔ داؤد نے کہا...... ''خداوند تعالیٰ نے قرآن پاک تمہاری زبان میں اُتارا ہے۔ تم اس مقدس کتاب کا ایک ایک لفظ سمجھتے ہو، اگر تم نے اس قسم سے انحراف کیا تو اس کی سزا قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہے۔ تم بھی اسی ذلت و رسوائی میں پھینک دیئے جاؤ گے جو شیطان کے لشکر کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے؟''

''تم کون ہو؟'' بوڑھے نے حیرت زدہ آواز میں داؤد سے پوچھا...... ''تم کسی بہت بڑے عالم کے مرید معلوم ہوتے ہو'' ۔

''میرے پاس کوئی علم نہیں'' ۔ داؤد نے کہا...... ''میرے پاس عمل ہے۔ میں قرآن کی روشنی میں جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آیا ہوں۔ یہ سبق مجھے کسی عالم نہیں، صلاح الدین ایوبی نے دیا ہے۔ میں موصل کا نہیں، دمشق کا باشندہ ہوں، اور میں سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ یہ ہے وہ راز جس کی تم سب نے قسم کھائی ہے کہ اس سے پردہ نہیں اُٹھاؤ

گے۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ جو میں کہوں گا، وہ کرو گے''۔

''ہم قسم کھا چکے ہیں''۔ بوڑھے نے کہا...... ''تم اپنا مقصد اور مُدعا بیان کرو''۔

''مجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہے''۔ داؤد نے کہا...... ''میں جس کے سینے سے راز نکال کر سلطان صلاح الدین ایوبی تک پہنچانا چاہتا ہوں، وہ مجھے اسی چھت کے نیچے مل گیا ہے جس کے نیچے میں بیٹھا ہوں۔ خدائے ذوالجلال نے مجھے فرشتوں کی راہنمائی دی اور یہاں پہنچا دیا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ سیف الدین اور اس کے دوستوں کے ارادے اور سرگرمیاں کیا ہیں، اگر یہ لوگ جنگ کی تیاریاں کریں تو انہیں تیاری سے پہلے یا تیاری کی حالت میں ختم کیا جاسکتا ہے۔ ان کے ارادے قبل از وقت معلوم کرنا ضروری ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی تیار نہ ہو اور یہ لوگ اچانک حملہ کر دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا''۔

''کیا مجھے اجازت ہوگی کہ اپنی فوجوں کو دھوکے میں مسلمانوں کے خلاف لڑانے والوں کو قتل کر دوں؟''۔ حارث نے پوچھا۔

''یہ میں بتاؤں گا''۔ داؤد نے جواب دیا...... ''بعض حالات میں قتل نہ کرنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ تمہیں ہر قدم ٹھنڈے مزاج سے اُٹھانا ہوگا۔ ہمیں سیف الدین پر نظر رکھنی ہے اور اس کا تعاقب کرنا ہے۔ جس طرح یہ یہاں آ کر چھپ گیا ہے، اسی طرح میں اور حارث چھپے رہیں گے اور دیکھتے رہیں گے کہ یہ کیا کرتا ہے''۔

☆

سیف الدین اسی مکان کے ایک کمرے میں گہری نیند سویا رہا۔ صبح طلوع ہوئی۔ بوڑھے نے جھانک کر دیکھا۔ وہ سویا ہوا تھا۔ سورج خاصا اُوپر آ گیا تھا، جب اُس کی آنکھ کھلی۔ حارث کی بہن اور بیوی نے اُس کے آگے ناشتہ رکھا۔ اس نے حارث کی بہن کو غور سے دیکھا اور کہا...... ''تم ہماری جو خدمت کر رہی ہو، اس کا ہم اتنا صلہ دیں گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ ہم تمہیں اپنے محل میں رکھیں گے''۔

''اگر ہم آپ کو اسی جھونپڑے میں رکھیں تو کیا آپ خوش نہیں رہیں گے؟'' لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

''ہم تو صحرا میں بھی رہ سکتے ہیں''...... سیف الدین نے کہا...... ''لیکن تم پھولوں کے ساتھ سجا کر رکھنے والی چیز ہو''۔

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے نصیب میں محل میں دوبارہ جانا لکھا ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''ایسی بات تم نے کیوں کہی ہے؟''

''آپ کی حالت دیکھ کر''...... لڑکی نے کہا...... ''بادشاہ کا جھونپڑے میں چھپنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی سلطنت چھن گئی ہے اور اُس کی فوج ساتھ چھوڑ گئی ہے''۔

''فوج نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا''...... سیف الدین نے کہا...... ''میں ذرا آرام کے لیے یہاں رُک گیا ہوں۔ محل صرف میرے نصیب میں نہیں، تمہارے نصیب میں بھی لکھا ہوا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟''

حارث کی بیوی کمرے سے نکل گئی تھی۔ بہن سیف الدین کے پاس بیٹھ گئی اور کہنے لگی ...... ''اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو صلاح الدین ایوبی کو شکست دیئے بغیر محل کا نام نہ لیتی، اگر آپ نے مجھے پسند کیا ہے تو میں آپ کو بتاتی ہوں کہ مجھے آپ کا بھاگنا اور چھپنا بالکل پسند نہیں۔ جنگجو بادشاہوں کی طرح باہر نکلیں۔ اپنی فوج کو اکٹھا کریں اور سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں''۔

لڑکی بھولی بھالی شکل کی تھی۔ اُس کی سادگی میں حسن تھا۔ سیف الدین اُسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایسی مُسکراہٹ تھی جس میں شیطانیت بھی تھی اور محبت بھی۔

''میں شہزادی نہیں ہوں''...... لڑکی نے کہا...... ''ان چٹانوں اور صحراؤں میں پیدا ہوئی اور یہیں جوان ہوئی ہوں۔ میں سپاہی کی اولاد اور سپاہی کی بہن ہوں۔ آپ کے ساتھ محل میں نہیں، میدانِ جنگ میں جاؤں گی۔ میرے ساتھ آپ تیغ زنی کا مقابلہ کریں گے؟ چٹانوں کے اوپر نیچے میرے ساتھ گھوڑا دوڑائیں گے؟''

''تم صرف خوب صورت ہی نہیں، جنگجو بھی ہو''...... سیف الدین نے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ''ایسے پیارے بال میں نے پہلی بار دیکھے ہیں''۔

لڑکی نے اُس کا ہاتھ آہستہ سے پرے کر دیا اور کہا...... ''بال نہیں بازو۔ ابھی آپ کو میرے بالوں کی نہیں میرے بازوؤں کی ضرورت ہے۔ مجھے بتائیں آپ کا ارادہ کیا ہے؟''

''تمہارا باپ خطرناک آدمی ہے''...... سیف الدین نے کہا...... ''وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہے اور مجھے شاید پسند نہیں کرتا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے دھوکہ دے گا''۔

لڑکی الہڑسی ہنسی ہنس پڑی اور بولی...... ''وہ بوڑھا آدمی ہے۔ معلوم نہیں، آپ کے ساتھ اُس نے کیا باتیں کی ہیں۔ ہمارے سامنے رات سے وہ آپ کی تعریفیں کر رہا ہے۔ اُس نے صلاح الدین ایوبی کا صرف نام سنا ہے۔ اُس کے متعلق اور کچھ نہیں جانتا۔ اس سے آپ نہ ڈریں۔ ضعیف آدمی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ مجھے آزمائیں''۔

سیف الدین نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔ کہنے لگی...... ''میں آپ کو اپنے جسم سے محروم نہیں کروں گی۔ اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دوں گی، لیکن اُس وقت جب آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر آئیں گے۔ آپ اس وقت مشکل میں ہیں۔ مجھ سے دُور رہیں۔ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا ارادہ کیا ہے؟''۔

سیف الدین عیاش اور زن پرست انسان تھا۔ جوان اور خوب صورت لڑکی اس کے لیے عجوبہ نہیں تھی لیکن اس لڑکی میں اُس نے یہ عجیب بات دیکھی کہ وہ اس کے آگے جھجک نہیں رہی تھی۔ اس کے آگے تو ہر لڑکی سدھائے ہوئے جانور کی طرح اشاروں پر ناچا کرتی تھی۔ اس لڑکی نے اُس پر ایسا وار کیا کہ اس کی غیرت بھڑک اُٹھی۔

''سنو لڑکی!''...... اُس نے کہا...... ''تم نے میری مردانگی کا امتحان لینا چاہا ہے۔ میں اب اُس وقت تمہارے جسم کو ہاتھ لگاؤں گا جس وقت میرے ہاتھ میں صلاح الدین ایوبی کی تلوار ہوگی اور میں اُسی کے گھوڑے پر سوار ہوں گا۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرے پاس آجاؤ گی''۔

''مجھے اپنے ساتھ میدانِ جنگ میں لے چلیں''...... لڑکی نے کہا۔

''نہیں''...... سیف الدین نے کہا...... ''مجھے ابھی فوج تیار کرنی ہے۔ میں نے ایک آدمی کو موصل بھیج دیا ہے۔ میں نے انہیں کہلا بھیجا ہے کہ فوجیں اکٹھی کرو اور فوراً صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دو، تاکہ وہ ہمارے شہروں کا محاصرہ کرنے آگے نہ آ سکے۔ آج شام تک میرے دونوں آدمی واپس آجائیں گے تو معلوم ہوگا کہ حلب اور حرن کی فوجیں کس حالت میں ہیں۔ ہم شکست تسلیم نہیں کر رہے۔ جوابی حملہ کریں گے اور فوراً کریں گے''۔

سیف الدین کی شخصیت یہی کچھ تھی۔ زن پرستی اور ایمان فروشی نے اُس کا کردار اتنا کھوکھلا کر دیا تھا کہ اُس نے ایک الہڑ اور سیدھی سادی لڑکی سے متاثر ہو کر اُسے راز کی بھی ایک دو باتیں بتا دیں۔ لڑکی نے اُس کا ہاتھ چوم لیا اور

کمرے سے نکل گئی۔

☆

''اُس کے ساتھ جو دو آدمی آئے تھے، اُن میں سے ایک کو اُس نے موصل بھیجا ہے اور دوسرے کو حلب''...... حارث کی بہن اپنے باپ کو، حارث اور داؤد کو بتا رہی تھی...... ''اُس کا ارادہ یہ ہے کہ تینوں فوجوں کو اکٹھا کر کے صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کیا جائے تا کہ وہ آگے آ کر ان کے شہروں کو محاصرے میں نہ لے سکے۔ اس کے جو دو آدمی گئے ہوئے ہیں، وہ آ کر اسے بتائیں گے کہ فوجیں لڑنے کے حالت میں ہیں یا نہیں''...... سیف الدین نے اُسے جو کچھ بتایا تھا وہ اُس نے اپنے باپ، بھائی اور داؤد کو بتا دیا۔

یہ لڑکی جس کا نام فوزی تھا، کوئی ایسی چالاک اور ہوشیار لڑکی نہیں تھی۔ اُسے خدا نے ذہانت اور جذبہ عطا کیا تھا۔ داؤد نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سیف الدین کے دل سے راز نکالے۔ فوزی کو اُس نے طریقہ بھی بتایا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ شخص عیاش اور بدکار ہے۔ اس لیے اُس کے جال سے بچ کر رہنا۔ فوزی نے یہ کام خوش اسلوبی سے کر لیا۔ اُس نے سیف الدین سے جو باتیں کہلوائی تھیں، ان سے داؤد کو یہ پتہ چل گیا کہ سیف الدین کا پیچھا کرنا ضروری ہے۔

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے بوڑھے کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دروازے پر دستک سنی اور گھوڑے کو ہنہناتے بھی سنا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا، باہر سیف الدین کا نائب سالار کھڑا تھا۔ بوڑھا اُس کا گھوڑا دوسری طرف لے گیا اور نائب سالار اندر چلا گیا۔ بوڑھے نے جا کر نائب سالار سے کھانے کے متعلق پوچھا، اُس نے انکار کر دیا۔ بوڑھے نے غلاموں کی طرح اُن سے سلوک کیا۔ سیف الدین نے اُسے کہا کہ وہ جا کر سو جائے۔ بوڑھا رعایا کی طرح کے آداب سے وہاں سے نکلا۔ اُس نے داؤد کو جگایا اور دونوں نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔

''گمشتگین کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ حلب میں الملک الصالح کے ساتھ ہے''...... نائب سالار کہہ رہا تھا...... ''میں نے موصل میں جو حالات دیکھے ہیں وہ کوئی ایسے بُرے نہیں کہ ہم لڑ ہی نہ سکیں۔ صلاح الدین ایوبی ترکمان رُک گیا ہے۔ صلیبیوں کے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہ الجزیرہ، دیار اور بقر اور ارد گرد کے علاقوں سے لوگوں کو فوج میں بھرتی کر رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پیش قدمی ضرور کرے گا، جو طوفانی ہوگی۔ اس کی فوج کی خیمہ گاہ بتا رہی ہے کہ وہ وہاں زیادہ دن قیام کرے گا۔ وہ غالباً اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ ہم لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ ہماری جو فوج موصل پہنچی ہے، اس کی نفری ایک تہائی سے کچھ زیادہ کم ہے۔ یہ سپاہی مارے گئے ہیں اور ان میں لاپتہ بھی شامل ہیں''۔

''تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اسی فوج سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں؟''...... سیف الدین نے پوچھا۔

''صرف ہماری فوج حملے کے لیے کافی نہیں''...... نائب سالار نے جواب دیا...... ''الملک الصالح اور گمشتگین کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ ہمارے مشیروں (صلیبیوں) نے بھی یہی مشورہ دیا ہے''۔

''تم نے انہیں بتا دیا ہے کہ میں کہاں ہوں؟''...... سیف الدین نے پوچھا۔

''میں نے یہ جگہ نہیں بتائی''...... نائب سالار نے جواب دیا...... ''انہیں یہ بتایا ہے کہ آپ ترکمان کے مضافات میں گھوم پھر رہے ہیں اور صلاح الدین ایوبی کی نقل و حمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، تا کہ اگلے معرکے کا منصوبہ تیار کیا جا سکے...... میرا خیال ہے کہ تین چار روز بعد آپ کو موصل چلے جانا چاہیے''۔

''مجھے حلب کی خبر معلوم کر لینے دو''......سیف الدین نے کہا......''وہ (کمان دار) کل شام تک واپس آ جائے گا۔تم جانتے ہو کہ گمشتگین شیطان کی فطرت کا انسان ہے۔اسے اپنے قلعے (حرن) میں چلے جانا چاہیے تھا۔حلب میں وہ کیا کر رہا ہے؟ میں موصل جانے سے پہلے حلب جاؤں گا۔گمشتگین بے شک ہمارا اتحادی ہے مگر میں اُسے اپنا دوست نہیں کہہ سکتا۔مجھے الملک الصالح کے سالاروں کو اس پر بھی قائل کرنا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ستانے سے فائدہ اُٹھائیں اور وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دیں۔میں اب یہ مشورہ بھی دوں گا کہ تینوں فوجیں ایک مرکزی کمان کے ماتحت ہونی چاہئیں اور ان کا ایک سالارِ اعلیٰ ہونا چاہیے۔ہم نے صرف اس لیے شکست کھائی ہے کہ ہماری فوجوں کی کمان الگ الگ تھی۔ہمیں ایک دوسرے کے منصوبے اور چالوں کا علم ہی نہیں تھا، ورنہ مظفر الدین نے صلاح الدین ایوبی کے پہلو پر جو حملہ کیا تھا وہ کبھی ناکام نہ ہوتا''۔

''مرکزی کمان آپ کے پاس ہونی چاہیے''......نائب سالار نے کہا۔

''اور ہمیں اپنے دوستوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے''......سیف الدین نے کہا اور پوچھا......''صلیبی ہمیں مدد دیں گے؟''

''وہ اپنی فوج تو نہیں دیں گے''......نائب سالار نے جواب دیا......''اونٹ، گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ دیں گے''......نائب سالار نے پوچھا......''یہاں آپ نے کوئی خطرہ تو محسوس نہیں کیا؟''

''نہیں''......سیف الدین نے کہا......''بوڑھا قابلِ اعتماد معلوم ہوتا ہے۔اس کی بیٹی جال میں آ گئی ہے لیکن جذباتی اور جوشیلی ہے۔کہتی ہے پہلے صلاح الدین ایوبی کو شکست دو، اُس کی تلوار لاؤ، اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ اور میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی''۔

نائب سالار نے قہقہہ لگایا۔حارث، اُس کا باپ اور داؤد دروازے کے ساتھ کان لگائے سن رہے تھے۔سیف الدین اور اُس کے نائب سالار کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ اس گھر میں صرف ایک بوڑھا اور دو لڑکیاں ہی نہیں، دو جوان مجاہد بھی ہیں جو کسی بھی موزوں موقعے پر اُسے قتل کر دیں گے۔سیف الدین کو ذرا سا بھی شک نہیں ہوا تھا کہ اُس نے فوزی کو اپنے جال میں نہیں پھانسا، بلکہ خود اُس کے جال میں آ گیا ہے۔

☆

داؤد اور حارث اندر رہے۔سیف الدین اور اُس کا نائب سالار ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں بند رہے۔دن کے دوران فوزی تین چار بار اس کمرے میں گئی، وہ چونکہ اس سے دو ہاتھ دُور رہتی تھی، اس لیے سیف الدین اس کی طرف اور زیادہ کھچا آتا تھا۔فوزی سے اُس نے پوچھا......''تمہارا بھائی میری فوج میں سپاہی ہے، میں اُسے جیش کا کمان دار بنا دوں گا''۔

''ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں''......فوزی نے کہا......''اگر وہ زندہ نہ ہوا تو ہم بے آسرا ہو جائیں گے''۔

''اِس صورت میں تمہارے باپ کو اور تمہارے بھائی کی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا''......سیف الدین نے کہا۔

فوزی کا باپ بھی سیف الدین کے پاس جاتا رہا۔اُس نے عملی طور پر سیف الدین کو یقین دلا دیا کہ وہ اس کا وفادار ہے۔

رات کو پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ بوڑھے نے دروازہ کھولا باہر سیف الدین کا وہ کمان دار کھڑا تھا جسے اُس نے حلب روانہ کیا تھا۔ بوڑھے نے اُسے سیف الدین کے کمرے میں بھیج دیا اور اُس کا گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر کمان دار سے کھانے کے متعلق پوچھنے گیا۔ کمان دار بہت تیز آیا تھا، کہیں رُکا نہیں تھا، اس لیے راستے میں کچھ کھا نہیں سکا تھا۔ بوڑھا اندر کھانا لینے کے لیے گیا تو فوزی نے کہا کہ وہ کھانا لے جائے گی اور باتیں سنے گی۔

وہ کھانا لے کر گئی تو کمان دار بولتے بولتے چپ ہوگیا۔ سیف الدین نے کہا...... ''تم بات کرو، یہ اپنی بچی ہے''۔

فوزی کمان دار کے آگے کھانا رکھ کر سیف الدین کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اس کے اتنی قریب بیٹھی تھی۔ سیف الدین نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فوزی نے ہاتھ چھڑایا نہیں، ورنہ صلیبیوں کا یہ دوست ہاتھ سے نکل جاتا۔

''حلب کی فوج کا جذبہ قابلِ تعریف ہے''۔ کمان دار نے بات شروع کی۔ فوزی نے سیف الدین کی اُنگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو اُنگلیوں سے مسلنا اور اس کے ہیرے کو بچوں کے سے اشتیاق سے دیکھنا شروع کر دیا جیسے اُسے کمان کی باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ ہو، لیکن اُس کے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔ کمان دار کہہ رہا تھا۔ ''الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام بھیجا ہے''۔

''صلح کا پیغام!'' سیف الدین نے بدک کر پوچھا۔

''جی ہاں، صلح کا پیغام'' ...... کمان دار نے کہا...... ''لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے۔ اس کے صلیبی دوست اُس کی فوج کے سامان کا نقصان پورا کر رہے ہیں اور اُسے اُکسا رہے ہیں کہ وہ موصل اور حرن کی فوجوں کو مشترکہ کمان میں لا کر صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کرے۔ اگر صلاح الدین ایوبی کی فوج نے ستا لیا اور اس نے اسی علاقے سے لوگوں کو بھرتی کر کے نفری پوری کر لی تو پھر اُسے روکنا محال ہو جائے گا۔ جاسوس خبر لائے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی نے ترکمان کے سبزہ زار میں لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ کر لیا ہے اور پیش قدمی کی تیاریاں بہت تیزی سے کر رہا ہے۔ الملک الصالح کے سالار بھی یہی کہتے ہیں کہ ترکمان کے مقام پر صلاح الدین ایوبی پر فوری حملہ ہونا چاہیے......

''میں نے حلب کی فوج کے ایک صلیبی مشیر کے ساتھ بات کرنے کا موقع پیدا کر لیا تھا۔ میں نے انجان بن کر اُسے کہا کہ ہم فوری حملے کے قابل نہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ تمہاری بہت بڑی جنگی لغزش ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی پر حملے کا مقصد یہ نہیں ہوگا کہ اُسے شکست دی جائے۔ مقصد یہ ہوگا کہ اُسے تیاری کی مہلت نہ دی جائے۔ اُسے ترکمان کے علاقے میں پریشان رکھا جائے اور ایسی لڑائی لڑی جائے جو طویل ہو، جنگ نہ ہو، معرکے لڑے جائیں۔ یہ معرکے صلاح الدین ایوبی کے انداز کے ہی ہوں، یعنی ضرب لگاؤ اور بھاگو، شب خون مارو اور کوشش کرو کہ ترکمان کے سبزہ زار سے جہاں پانی کی بھی بہتات ہے، صلاح الدین ایوبی کو پیچھے ہٹا دیا جائے تاکہ اس کی فوج کو چارہ اور پانی نہ مل سکے''۔

''بہت اچھی ترکیب ہے'' ...... سیف الدین نے کہا...... ''ایسی جنگ میرا شیر، سالار مظفر الدین لڑ سکتا ہے۔ وہ بہت عرصہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ رہا ہے میں کوشش کروں گا کہ تینوں فوجوں کی مشترکہ کمان مجھے مل جائے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو صحرائی لومڑی کی طرح دھوکے دے دے کر ماروں گا''۔

فوزی نے سیف الدین کی تلوار لے لی اور اُسے نیام سے نکال کر دیکھنے لگی۔ وہ بالکل بھولی بنی ہوئی تھی۔

''میں نے کوشش کی تھی کہ الملک الصالح کے ساتھ میری ملاقات ہو جائے'' ...... کمان دار نے کہا...... ''لیکن سالاروں اور دوسرے حکام نے اُسے ایسا گھیرا ہوا ہے کہ میں اُسے مل نہ سکا۔ یہ باتیں اُس کے سالاروں سے معلوم کی ہیں''۔

''تمہیں آج پھر حلب جانا ہوگا''...... سیف الدین نے کہا...... ''الملک الصالح کو یہ پیغام دینا کہ تم نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کر کے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ تم نے اُس کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ اُس کے ہاتھ مضبوط کر دیئے ہیں۔ وہ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں بخشے گا۔ تم ابھی بہت چھوٹے ہو، گھبرا گئے ہو، یا تمہارے سالاروں نے لڑائی سے بچنے کے لیے تمہیں مشورہ دیا ہے''...... سیف الدین نے اس موضوع کا طویل پیغام دیا اور کمان دار سے کہا...... ''تمہیں سحر کی تاریکی میں نکل جانا چاہیے۔ دن کے وقت تمہیں اس گاؤں میں کوئی نہ دیکھے''۔

یہ تھا، وہ پیغام جس کا ذکر تاریخ میں آیا ہے۔ کمان دار کچھ دیر آرام کر کے حلب کو روانہ ہوگیا۔

☆

فوزی نے جو کچھ سنا تھا، وہ داؤد کو بتا دیا۔ یہ معلومات بھی کام کی تھیں۔ حارث اور اُس کا باپ گہری نیند سو گئے۔ داؤد کسی کام سے باہر نکلا۔ فوزی بھی دبے پاؤں نکل آئی۔ داؤد اپنے گھوڑے کے پاس جا رُکا۔ فوزی بھی وہیں چلی گئی۔

''مجھے اس سے کوئی بڑا کام بتاؤ''...... فوزی نے کہا...... ''میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہوں''۔

''میرے لیے نہیں، اپنی قوم کے لیے اور اپنے مذہب کے لیے جان دینا''...... داؤد نے کہا...... ''تم جو کام کر رہی ہو، وہ بہت بڑا ہے۔ ہم جو جاسوس ہیں، اسی کام میں اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے ہیں۔ یہ کام میرا تھا جو میں تم سے کرا رہا ہوں۔ میں نے تمہیں خطرے میں ڈال دیا ہے''۔

''خطرہ کیسا؟''

''تم اتنی چالاک لڑکی نہیں ہو فوزی''...... داؤد نے کہا...... ''سیف الدین بادشاہ ہے، وہ اس جھونپڑے میں بھی بادشاہ ہے''۔

''تو کیا بادشاہ مجھے کھا جائے گا؟''...... فوزی نے کہا...... ''میں چالاک تو نہیں، سیدھی سادی بھی نہیں ہوں''۔

''تم نے بادشاہی کی چمک دیکھی تو تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں گی''...... داؤد نے کہا...... ''ان لوگوں نے اسی چمک سے اندھا ہو کر ایمان بیچا ہے اور اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہیں تم بھی اس جال میں نہ آ جاؤ''۔

''تم کہاں کے رہنے والے ہو؟''

''میں کہیں کا بھی رہنے والا نہیں''...... داؤد نے جواب دیا...... ''میں جاسوس اور چھاپہ مار ہوں۔ جہاں دشمن کے ہاتھ چڑھ گیا، وہیں مارا جاؤں گا اور جہاں بھی مارا جاؤں گا، وہ میرا وطن ہوگیا۔ شہید کا لہو جس زمین پر گرتا ہے وہ زمین سلطنت اسلامیہ کی ہو جاتی ہے۔ اُس زمین کو کفر سے پاک کرنا ہر مسلمان کا فرض بن جاتا ہے۔ ہماری ماؤں اور بہنوں نے ہمیں جوان کیا اور خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے دلوں پر پتھر رکھ لیے ہیں اور اس خواہش سے دست بردار ہوگئی ہیں کہ ہم انہیں کبھی ملیں گے''۔

''تمہارے دل میں اپنے گھر جانے کی، اپنی ماں کو دیکھنے کی، بہن سے ملنے کی خواہش تو ہوگی''...... فوزی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''انسان خواہشوں کا غلام ہو جائے تو فرض دھرے رہ جاتے ہیں''...... داؤد نے کہا...... ''جان سے پہلے جذبات قربان کرنے پڑتے ہیں۔ تمہیں بھی یہ قربانی دینی ہوگی''۔

فوزی اس کے قریب ہوگئی اور بولی...... ''مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟''

''نہیں'' ......داؤد نے کہا۔

''کچھ دن میرے پاس رہ سکتے ہو؟'' ......فوزی نے پوچھا۔

''میرے فرض نے ضرورت سمجھی تو رہوں گا'' ......داؤد نے کہا...... ''مجھے اپنے پاس رکھ کر کیا کرو گی؟''

''تم مجھے اچھے لگتے ہو نا'' ......فوزی نے کہا...... ''تم جب سے آئے ہو، تمہاری باتیں سن رہی ہوں، ایسی باتیں میں نے کبھی نہیں سنی تھیں۔ میرے دِل میں آتی ہے کہ تمہارے ساتھ رہوں اور......''

''مجھے زنجیر نہ ڈالو فوزی'' ......داؤد نے کہا...... ''اپنے آپ کو بھی جذبات کی زنجیر سے آزاد رکھو۔ ہمارے سامنے بڑے کٹھن راستے ہیں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ ضرور تھامیں گے، اکٹھے چلیں گے مگر ایک دوسرے کے قیدی نہیں بنیں گے'' ......اُس نے ذرا دیر سوچ کر کہا...... ''فوزی تم زیادہ دُور تک میرا ساتھ نہیں دے سکو گی۔ مجھے تمہاری عصمت بھی عزیز ہے۔ کام جو مردوں کا ہے، وہ مرد ہی کریں گے''۔

فوزی نے آہ لی اور اُداس سی ہو گئی۔ اس نے داؤد کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور گھوم کر وہاں سے ہٹنے لگی۔ داؤد نے لپک کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے قریب کر کے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ فوزی اس کے ساتھ لگ گئی اور جذبات سے کانپتی آواز میں بولی...... ''جو کام مردوں کا ہے، وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ میری عصمت کوئی ایسا کچا دھاگا نہیں کہ ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ جائے گا۔ میں تمہیں اپنی عصمت پیش نہیں کر رہی۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو، تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ تم نے مجھے جو راستہ دکھایا ہے، وہ میرے دِل کو بہت اچھا لگا ہے۔ میں تمہارے قریب اس لیے ہو گئی ہوں کہ شاید تمہیں میرے وجود سے اپنی ماں کی اور بہن کی بو باس مل جائے۔ تم بہت تھکے ہوئے ہو نا داؤد! مجھے میرے بھائی کی بیوی نے بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ مرد جب تھکا ہوا گھر آتا ہے تو عورت کے سوا اس کی تھکن اور کوئی دُور نہیں کر سکتا۔ عورت نہ ہو تو مرد کی رُوح مرجھا جاتی ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ تمہاری روح مرجھا گئی تو...... تو کیا ہو گا داؤد؟''

داؤد ہنس پڑا اور اس کے گال تھپکا کر بولا۔ ''تمہاری اِن بھولی بھالی باتوں نے میری روح کو تر و تازہ کر دیا ہے''۔

''تمہیں میری کوئی بات بُری تو نہیں لگی؟'' ......فوزی نے پوچھا...... ''میرے بھائی کو تو نہیں بتاؤ گے کہ میں تمہارے پاس آئی تھی؟''۔

''نہیں'' ......داؤد نے کہا...... ''تمہارے بھائی کو کچھ نہیں بتاؤں گا اور تمہاری کوئی بات بھی مجھے بُری نہیں لگی''۔

''ہماری منزل ایک ہے داؤد'' ......فوزی نے کہا...... ''مجھے معلوم نہیں کہ دل کی بات کس طرح کہی جاتی ہے''۔

''تم نے دل کی بات کہہ دی ہے فوزی!'' ......داؤد نے کہا...... ''اور میں نے سمجھ لی ہے۔ تم نے ٹھیک کہا ہے کہ ہماری منزل ایک ہے، مگر یہ نہ بھولنا کہ راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پُل نہیں۔ اگر تم ہمیشہ کے لیے میری ہو جانا چاہتی ہو تو ہمارا نکاح لہو کی تحریر ہو گی، پھر ہماری لاشیں ایک دوسری سے دُور بھی ہوئیں تو ہم اکٹھے ہو جائیں گے۔ راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوتی ہیں اور باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔ ان کی خوشی میں سارا آسمان ستاروں کی چراغاں کیا کرتا ہے''۔

فوزی جب وہاں سے چلی تو اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ اس مُسکراہٹ میں مسرت کا تاثر کم اور ایسا تاثر زیادہ تھا جس میں عزم تھا اور کچھ کر گزرنے کا اِرادہ۔

☆

دو دنوں کے بعد کمان دار واپس آ گیا جو الملک الصالح کے نام سیف الدین کا پیغام لے کر گیا تھا۔ اس کی ملاقات الملک الصالح سے نہیں ہو سکی تھی، پیغام اُس تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ پیغام کا تحریری جواب دے گا۔ کمان دار وہاں بتا آیا تھا کہ سیف الدین کہاں ہے اور جس گھر میں وہ بیٹھا ہے، اس کی نشانیاں کیا ہیں...... سیف الدین اپنے پیغام کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ جواب نہ آیا اور وہ پریشان ہونے لگا...... تیسرے چوتھے دن وہ بہت ہی بے چین ہو گیا۔

''کیوں نہ میں خود ہی حلب چلا جاؤں'' ...... اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا...... ''اگر حلب کی فوج نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح اور جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا ہے تو ہمیں اپنے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ گمشتگین (والی حرن) کا کچھ بھروسہ نہیں۔ ہم تنہا تو نہیں لڑ سکتے۔ ہمیں صلیبیوں کے ساتھ مل کر کوئی اور منصوبہ بنانا پڑے گا''۔

''کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ الملک الصالح صلح کا معاہدہ توڑ دے؟'' ...... نائب سالار نے پوچھا۔

''یہ ممکن ہے'' ...... کمان دار نے کہا...... ''میں نے اُس کے جن سالاروں اور کمان داروں سے بات کی ہے، وہ کہتے تھے کہ الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے، اگر اُس نے دھوکہ نہیں دیا تو بھی زیادہ تر سالار اور دوسرے حکام اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتے۔ مشیر (صلیبی) تو فوری حملے کے حق میں ہیں''۔

''آپ کو حلب چلے جانا چاہیے'' ...... نائب سالار نے اُسے کہا...... ''اور میں موصل چلا جاتا ہوں''۔

''تم ایک بار پھر حلب چلے جاؤ'' ...... سیف الدین نے کمان دار سے کہا...... ''الملک الصالح کو بتا دو کہ میں آ رہا ہوں۔ تم روانہ ہو جاؤ گے تو اگلی رات میں بھی روانہ ہو جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے ملنا نہ چاہے۔ شہر سے باہر المبارک نام کے جو چشمے ہیں، میں وہاں قیام کروں گا۔ الملک الصالح سے کہنا کہ مجھے وہاں ملے۔ اگر وہ نہ ملنا چاہے تو مجھے المبارک آ کر بتا دینا''۔

''کیا آپ کا اکیلے جانا مناسب ہے؟'' ...... نائب سالار نے پوچھا۔

''اِن علاقوں میں کوئی خطرہ تو نہیں'' ...... سیف الدین نے کہا...... ''میں رات کو جاؤں گا، کسی کو کیا خبر کہ والی موصل جا رہا ہے''۔

''صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں اور چھاپہ ماروں کا کوئی بھروسہ نہیں'' ...... نائب سالار نے کہا...... ''اُن سے ہماری کوئی جگہ محفوظ نہیں''۔

''مجھے جانا ضرور ہے'' ...... سیف الدین نے کہا...... ''خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ آج تم موصل کو روانہ ہو جاؤ۔ میں کل رات حلب کو روانہ ہو جاؤں گا''۔

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں، اُس وقت داؤد اور حارث کے کان دروازے کی درز کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ دونوں وہاں سے ہٹ گئے اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ داؤد گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اُسے سیف الدین کا تعاقب کرنا تھا لیکن کس طرح؟ سوچ سوچ کر اُس کے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔

''ہم سیف الدین کے محافظ بنیں گے اور اُس کے ساتھ حلب جائیں گے'' ...... داؤد نے حارث سے کہا...... ''ہم اچانک اُس کے سامنے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اُس کی فوج کے سپاہی ہیں''۔

''اگر اُس نے کہہ دیا کہ دونوں موصل چلے جاؤ تو کیا کرو گے؟'' ...... حارث نے پوچھا۔

''میں اپنا جادو چلانے کی کوشش کروں گا'' ...... داؤد نے کہا

''اگر یہ بھی ناکام ہو گیا تو؟''

''پھر یہ بھی حلب نہیں جائے گا''..... داؤد نے کہا..... ''الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کر لی ہے تو سیف الدین اُس معاہدے کو منسوخ کرانے کے لیے حلب نہیں پہنچ سکے گا''..... اُس نے حارث کو سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

اُسی رات سیف الدین بند کمرے میں اپنے نائب سالار اور کمان دار کے پاس بیٹھا انہیں آخری ہدایات دے رہا تھا۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ پہلے کمان دار وہاں سے نکلا، حارث کے باپ نے اُسے گھوڑا کھول دیا تھا، کچھ دیر بعد نائب سالار بھی چلا گیا۔ سیف الدین اکیلا رہ گیا۔ وہ لیٹ گیا۔ اچانک کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا، وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ دیکھا فوزی سراپا مسرت اور خوشی بنی ہوئی تھی۔ وہ دوڑتی آئی اور اُس کے پاس بیٹھ کر اس نے سیف الدین کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''میرا بھائی آ گیا ہے''..... فوزی نے خوشی سے دیوانہ ہوتے ہوئے کہا۔ ''اُس کے ساتھ اُس کا ایک دوست ہے''۔

''تم نے انہیں بتایا ہے کہ میں یہاں ہوں؟''..... سیف الدین نے پوچھا

''ہاں!''..... فوزی نے کہا..... ''میں نے بتا دیا ہے اور وہ اتنے خوش ہیں کہ آپ سے ملنے کی اجازت مانگتے ہیں''۔

''انہیں لے آؤ''۔

☆

داؤد اور حارث سیف الدین کے سامنے گئے۔ فوجی انداز سے سلام کیا اور سیف الدین کے اشارے سے اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے کپڑوں، اور چہروں پر گرد ڈال لی تھی اور سانسیں اس طرح لے رہے تھے جیسے بہت تھکے ہوئے ہوں۔ سیف الدین نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون سے دستے میں تھے۔ حارث چونکہ اُس کی فوج کا سپاہی تھا، اس لیے ان سوالوں کا جواب اُسی نے دیا۔ داؤد کو تو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

''تم اتنے دن کہاں رہے ہو؟''..... سیف الدین نے پوچھا۔

''ہمیں بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری فوج کس طرح پسپا ہوئی''..... داؤد نے کہا..... ''ہمیں بھی پسپا ہونا تھا لیکن میں اسے ساتھ لے کر ایک چٹان پر چھپ گیا اور یہ دیکھنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تعاقب میں آتی ہے یا کہیں پڑاؤ کرتی ہے۔ میں نے جاسوسی شروع کر دی۔ آپ کو شاید یاد ہو گا کہ آپ نے صلیبی مشیروں سے چھاپہ مار جیش تیار کرائے تھے۔ میں بھی ایک جیش میں تھا۔ میں نے گہری دلچسپی سے تربیت حاصل کی تھی۔ جنگ میں یہ تربیت بہت کام آئی۔ جنگ ختم ہو گئی تو میں نے اس تربیت سے فائدہ اُٹھایا اور سوچا کہ میں اگر بھاگوں تو اپنی فوج کے لیے دشمن کے کچھ راز بھی لیتا چلوں۔ یہ (حارث) مل گیا۔ اسے میں نے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج پیش قدمی کرتی رہی اور ہم دیکھتے رہے۔ اگر ہمارے ساتھ سات آٹھ سپاہی ہوتے تو ہم شب خون مار مار کر اس فوج کا بہت نقصان کرتے.....

''ہم نے صلاح الدین ایوبی کی فوج کو ترکمان کے علاقے میں پڑاؤ کرتے دیکھا ہے۔ فوج نے خیمے جس طرح گاڑے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے جیسے فوج وہاں لمبے عرصے کے لیے ٹھہرے گی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ہماری فوجیں گھبرا کر بھاگ آئی ہیں۔ اس سے پوچھیں، ہم نے دشمن کی فوج کی جولاشیں دیکھی ہیں، اُن کی تعداد چند سو نہیں چند ہزار ہے اور زخمیوں کا تو کوئی حساب نہیں۔ ہم نے رات کو اُن کی خیمہ گاہ کے قریب جا کر دیکھا ہے۔ اللہ توبہ، زخمیوں کا کراہنا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آدھی فوج زخمی ہے۔ امیر محترم! اللہ آپ کا اقبال بلند کرے۔ آپ بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ ہم آپ کے غلام ہیں جو حکم دیں گے، بجا لائیں گے۔ میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج لڑ نے

کے قابل نہیں۔ اگر آپ اپنی فوج فوراً اکٹھی کر کے حملہ کر دیں تو صلاح الدین ایوبی کو آپ دمشق پہنچا سکتے ہیں''۔

سیف الدین داؤد کی رپورٹ دلچسپی سے سن رہا تھا۔ وہ شکست خوردہ تھا، اس لیے وہ ایسی باتیں سننے کو ترس رہا تھا، جو اُسے یہ تسکین دیں کہ اُسے شکست نہیں ہوئی اور وہ بھاگا نہیں، بلکہ اس کی فوج اور اس کے اتحادی گھبرا کر بھاگے تھے۔ داؤد اُس کی یہ نفسیاتی ضرورت پوری کر رہا تھا۔ یہ اُس کی کمزوری تھی جس کے اثر سے داؤد کی باتیں اُسے ذہنی سکون دے رہی تھیں۔

''ہم موصل جا رہے تھے''...... داؤد نے کہا...... ''اس (حارث) کا گاؤں راستے میں پڑتا تھا۔ یہ کہنے لگا کہ گھر والوں سے ملتے چلیں۔ ہم یہاں آئے تو اس کے محترم والد نے بتایا کہ آپ یہاں ہیں۔ یقین نہ آیا۔ آپ کو یہاں دیکھ کر بھی ہمیں یقین نہیں آ رہا کہ آپ یہاں ہیں۔ ہم یہ باتیں آپ تک پہنچانا چاہتے تھے، خدا نے ہم پر بڑا ہی کرم کیا ہے''۔

''ہم تمہاری باتیں سن کر بہت خوش ہوئے ہیں''...... سیف الدین نے بادشاہوں کی طرح کہا...... ''تمہیں اس بہادری کا انعام ملے گا''۔

''ہمارے لیے اس سے بڑا اور انعام کیا ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی برابری میں بیٹھے آپ کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں''...... حارث نے کہا...... ''ہم آپ کے لیے جانیں دے کر اپنی روحوں کو خوش کرنے کو بے تاب ہیں''۔

''معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟''...... داؤد نے پوچھا۔

''وہ دونوں چلے گئے ہیں''...... سیف الدین نے کہا...... ''میں بھی چلا جاؤں گا''۔

''ہم پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ آپ یہاں کیوں رُکے ہوئے ہیں''...... حارث نے کہا...... ''اور اب کہاں جا رہے ہیں۔ میں آپ سے بہت شرمسار ہوں کہ آپ کو میرے گھر والوں نے اس گندے سے کمرے میں رکھا اور فرش پر بٹھا رکھا ہے''۔

''میری خواہش یہی تھی''...... سیف الدین نے کہا...... ''میں یہیں چند دن گزارنا چاہتا تھا۔ تم کسی کو نہ بتانا کہ میں یہاں ہوں''۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''...... داؤد نے پوچھا۔

''میں حلب جاؤں گا''...... سیف الدین نے جواب دیا...... ''وہاں سے موصل چلا جاؤں گا''۔

''لیکن آپ اکیلے ہیں''...... داؤد بولا...... ''آپ کے ساتھ کوئی محافظ نہیں''۔

''اس علاقے میں کوئی خطرہ نہیں''...... سیف الدین نے کہا...... ''اکیلا چلا جاؤں گا''۔

''گستاخی کی معافی چاہتا ہوں''...... داؤد نے کہا...... ''اس علاقے کو دشمن سے خالی نہ سمجھیں۔ جو میں جانتا ہوں، وہ آپ نہیں جانتے۔ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار گھوم پھر رہے ہیں۔ کسی نے آپ کو پہچان لیا تو ہم دونوں ساری عمر پچھتاتے رہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ کیوں نہ چلے گئے۔ اتفاق سے ہم آ گئے ہیں۔ ہمارے پاس گھوڑے ہیں، ہتھیار ہیں، ہم آپ کے ساتھ چلیں گے، ویسے بھی کوئی حکمران محافظوں کے بغیر کہیں جاتا اچھا نہیں لگتا''۔

سیف الدین کو محافظوں کی ضرورت تھی۔ وہ تو پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ داؤد نے اُسے اور ڈرا دیا۔ اُس نے انہیں کہ وہ اپنے کپڑے صاف کر لیں اور اگلی رات چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ اندر چلے گئے اور سیف الدین فوزی انتظار کرنے لگا، لیکن فوزی اُس کے کمرے میں نہ گئی۔ دن کو داؤد اور حارث اس کے لیے کھانا لے گئے۔ اُس کے پا

بیٹھے رہے اور دن گزر گیا۔

☆

جس وقت یہ تین مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے، وہاں سے کچھ دُور صلیبی کمانڈروں اور حکمرانوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وہ الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج کی شکست پر غور کر رہے تھے۔ ان میں تقریباً سب سلطان ایوبی کے مقابلے میں آ کر شکست کھا چکے تھے۔

''ان تین مسلمان فوجوں کی شکست دراصل ہماری شکست ہے''...... ریمانڈ نے کہا...... ''جہاں تک میں جانتا ہوں، صلاح الدین ایوبی کی فوج کی نفری زیادہ نہیں تھی''۔

''مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں''...... ایک مشہور فرانسیسی بادشاہ رینالٹ نے کہا...... ''ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ مسلمان آپس میں ٹکرائیں تو اُن میں سے کسی فریق کو فتح یا شکست ہو۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہے اور ایک فریق ہمارے ہاتھ میں کھیلتا رہے۔ ہمارا بدترین اور خطرناک دشمن صلاح الدین ایوبی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے مسلمان بھائی اس کے راستے میں حائل رہیں اور اُس کی طاقت ضائع کرتے رہیں۔ اگر اُس کے مسلمان حریفوں کی طاقت ضائع ہو رہی ہے تو ہوتی رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر اُس کے حریف ہمارے خلاف متحد ہو جائیں''۔

''میں آپ کو مسلمان علاقوں اور حکمرانوں کی پوری کیفیت سناتا ہوں جو ہمارے مشیروں نے بھیجی ہیں''...... ایک کمانڈر نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی کی دشمن تینوں فوجوں کی جذباتی حالت یہ ہے کہ سپاہیوں میں لڑنے کا جذبہ خطرناک حد تک کم ہو گیا ہے۔ اُن کا جانی نقصان بھی بہت ہوا اور وہ بے شمار اسلحہ اور سامان پھینک آئے ہیں۔ وہ فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ ہم نے انہیں جو مشیر دے رکھے ہیں، انہوں نے مسلمان حکمرانوں کو بڑی مشکل سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی حباب الترکمان کے خوب صورت علاقے میں خیمہ زن ہے۔ وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کر رہا۔ ہمارے مشیر پوری کوشش کر رہے ہیں کہ حلب، حرن اور موصل کی فوجیں خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہوں، حملہ کر دیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں جا لیں گی۔ اُسے مارنے کا یہی ایک طریقہ ہے''۔

''اور یہ طریقہ شاید کامیاب نہ ہو''...... آگسٹس نے کہا...... ''کیونکہ ایوبی بے خبر کبھی نہیں بیٹھا۔ اُس کا جاسوسی کا نظام ہر لحہ بیدار اور سرگرم رہتا ہے۔ اُسے آنے والے واقعات اور حملوں کی اطلاع دو دن پہلے مل جاتی ہے۔ ہمارے جو مشیر مسلمانوں کے ساتھ ہیں، انہیں سختی سے ہدایت دو کہ اپنے جاسوسوں کو اور زیادہ تیز کر دیں اور اُن کی تعداد بھی بڑھا دیں۔ انہیں یہ کام دیں کہ تمام علاقوں میں گھومتے پھرتے رہیں اور ایوبی کے جاسوسوں کو پکڑیں۔ جب مسلمان فوجیں حملے کے لیے کوچ کریں تو جاسوس اور چھاپہ مار دُور دُور بکھر جائیں۔ جہاں کوئی مشکوک آدمی اِدھر اُدھر جاتا نظر آئے تو اُسے پکڑ لیں...... مسافروں کو بھی روک لیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایوبی کو حملے کی خبر اُس وقت ہو جب اُس کے مسلمان بھائیوں کے گھوڑے اُس کی خیمہ گاہ میں داخل ہو کر اُس کی فوج کا کشت و خون شروع کر دیں''۔

''یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ صلاح الدین ایوبی اُن علاقوں سے جو اُس کے قبضے میں ہیں، فوج کے لیے بھرتی کر رہا ہے اور لوگ بھرتی ہو رہے ہیں''...... ایک اور کمانڈر نے کہا...... ''یہ سلسلہ رُکنا چاہیے۔ اُس کا ایک طریقہ تو یہ ہے جو ہم نے اختیار کر رہے ہیں کہ اس پر جلدی حملہ کرایا جائے تا کہ اُسے تیاری کی مہلت نہ ملے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان

علاقوں میں اخلاقی تخریب کاری کی وہی مہم چلائی جائے جو ہم نے مصر میں چلائی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے بہت سے آدمی اور کئی ایک کارآمد اور قیمتی لڑکیاں پکڑی گئیں اور ماری گئی ہیں، لیکن یہ قربانی تو دینی ہی پڑے گی۔ ہم بھی تو مرتے ہیں۔ صلیب کی خاطر ہمیں خود بھی مرنا ہے اور اپنی اولاد کو بھی مروانا ہے۔ مسلمانوں کے ذہنوں پر حملہ ضروری ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ہم صلاح الدین ایوبی کو اس خطے سے بے دخل نہیں کر سکے۔ اُس نے مصر میں پاؤں جما لیے ہیں اور یہاں بھی آ گیا ہے۔ اُس کی کامیابی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ میدان جنگ کا استاد ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ انتظامیہ کا ماہر ہے اور تیسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُس نے اپنے سپاہیوں میں قومیت اور مذہب کا جنون پیدا کر رکھا ہے۔ ہمارے خلاف لڑنے کو وہ مذہبی عقیدہ سمجھتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کے چھاپہ مار بھیڑیوں کی طرح ہماری فوج پر شب خون مارتے ہیں۔ اس جنون اور اس عقیدے کو تباہ کرنا ضروری ہے''۔

''ہم نے ہمیشہ انسان کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا ہے جسے فرار اور لذت پرستی کہتے ہیں''...... شاہ آگسٹس نے کہا...... ''جن مسلمانوں کے پاس دولت ہے، وہ حکمران بننا چاہتے ہیں۔ ہم نے اُن کی اسی کمزوری کو استعمال کیا ہے۔ ہمیں کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ایک اور مہم شروع کرنی ہے۔ یہ ہے ایوبی کے خلاف نفرت کی مہم۔ اس کے خلاف انتہائی گھٹیا باتیں مشہور کر دو، لیکن یہ کام تم نہیں کرو گے بلکہ مسلمانوں کی زبانیں استعمال کی جائیں گے۔ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو بدنام کرنے کے لیے اپنے کردار اور اخلاق کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اپنے مفاد کو سامنے رکھنے چاہیے۔ تمہارا دشمن حیثیت، رُتبے اور شہرت کے لحاظ سے جس قدر بلند ہو، اُس پر اتنے ہی گھٹیا اور پست الزام عائد کرو۔ سو میں سے پانچ آدمی تو تمہاری بات مان جائیں گے''۔

''اس دوران اپنی جنگی تیاریاں جاری رکھو''...... ایک کمانڈر نے کہا...... ''ہمیں بہت وقت مل گیا ہے۔ آپ نے بہت کامیابی سے مسلمانوں میں حکومت پرستی کا مرض پیدا کر کے انہیں آپس میں ٹکرایا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں میں اپنے دوست پیدا نہ کرتے تو آج صلاح الدین ایوبی فلسطین میں ہوتا۔ ہم نے اُسی کی قوم اُس کے راستے میں کھڑی کر دی ہے''۔

''میں حیران ہوں''...... ریمانڈ نے کہا...... ''کہ یہی مسلمان سپاہی ایوبی کی فوج میں ہیں۔ وہ ہمارے دس دس سپاہیوں پر بھاری ہوتے ہیں مگر یہی مسلمان سپاہی ایوبی کے حریفوں کی فوج میں تھے اور ایسی بُری شکست کھا گئے کہ بکھرے ہوئے بھاگے''۔

''یہ عقیدے اور نظریے کا کرشمہ ہے جسے مسلمان ایمان کہتے ہیں''...... رینالٹ نے کہا...... ''جو سپاہی یا سالار اپنا ایمان نیلام کر دیتا ہے۔ اس میں لڑنے کا جذبہ نہیں رہتا۔ اُسے زندگی اور اُجرت عزیز ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم نے کردار کشی کو ضروری سمجھا ہے۔ ان لوگوں میں جنسیت اور نشے کی عادت پیدا کرو، پھر تمہیں سپاہی اور گھوڑے مروانے کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔

اس کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ حلب میں تینوں مسلمان فوجوں کو یکجا کر کے ایک کمان میں رکھا جائے، انہیں واجبی سی مدد دی جائے۔ انہیں ایک محاذ پر رکھا جائے لیکن ان تینوں میں تفرقہ بھی پیدا کیا جائے۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ حارث کے گاؤں پر نیند کا غلبہ تھا۔ اُس کے گھر سے تین گھوڑے نکلے۔ ایک سیف الدین سوار ہوا۔ دوسرے پر حارث اور تیسرے پر داؤد۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جو انہوں نے فوجی انداز سے عمودی پکڑ رکھی تھیں۔ انہیں الوداع کہنے کے لیے حارث کا باپ، بہن اور بیوی دروازے کے باہر کھڑی

تھیں۔حارث کے ہاتھ میں مشعل تھی۔سیف الدین فوزی پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور فوزی داؤد کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔اُس نے سیف الدین کی اور اپنے بھائی کی بھی موجودگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔''خدا حافظ، خدا حافظ'' کی آوازیں سنائی دیں اور تینوں سوار چل پڑے۔

گھوڑے تاریکی میں روپوش ہو گئے۔فوزی اُن کے ٹاپ سنتی رہی۔جوں جوں ٹاپ دھیمے ہوتے گئے۔فوزی کے کانوں میں داؤد کی آواز بلند ہوتی گئی......''راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوا کرتی ہیں، اُن کی باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں''۔

وہ جب اندر جا کر سونے کے لیے لیٹی تو بھی اُس کے گرد داؤد کے یہی الفاظ گونج رہے تھے۔اچانک یہ سوال اس کے ذہن میں آیا......''کیا میں داؤد کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں؟''......وہ شرمسار ہوگئی، پھر اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔اُسے داؤد کے یہ الفاظ یاد آئے......''راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پُل نہیں''......اُس کے ذہن میں خون موجیں مارنے لگا۔شادی ایک بے کار سا خیال بن کر ذہن سے نکل گیا۔

سیف الدین اور اُس کے محافظوں نے رات سفر میں گزار دی۔صبح طلوع ہوئی تو سیف الدین آگے آگے جا رہا تھا۔داؤد اور حارث اتنا پیچھے تھے کہ اُن کی باتیں سیف الدین کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔گھوڑوں کے قدموں کی بھی آوازیں تھیں۔

''معلوم نہیں، تم مجھے کیوں روک رہے ہو؟''......حارث نے جھنجھلا کر داؤد سے کہا......''یہاں ہم اسے قتل کر کے لاش کہیں دبا دیں تو کسی کو ہم پر قتل کا شک نہیں ہو سکتا''۔

''اسے زندہ رکھ کر ہم اس کی پوری فوج کو قتل کرا سکیں گے''......داؤد نے کہا......''یہ مر گیا تو اس کی فوج کی کمان کوئی اور لے لے گا۔مجھے راز معلوم کرنا ہے، تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو''۔

دوپہر سے کچھ پہلے انہیں حلب کے مینار نظر آنے لگے۔اس سے الگ ہٹ کر المبارک کا سبزہ زار تھا، جہاں قدرتی چشمے تھے۔اس جگہ کے قریب پہنچے تو سیف الدین کا وہ کمان دار جو الملک الصالح کے لیے اُس کی ملاقات کا پیغام لایا تھا۔دوڑتا آیا، اُس نے بتایا کہ الملک الصالح انتظار کر رہا ہے۔المبارک کے سبزہ زار میں داخل ہوئے تو الملک الصالح کے دو سالار استقبال کے لیے کھڑے تھے۔اُس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُس کے لیے چشمے کے کنارے خیمہ نصب کیا جائے۔وہ اسی جگہ قیام کرنا چاہتا تھا۔تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ اُس نے شہر میں الملک الصالح کے محل میں جانا کیوں پسند نہیں کیا تھا۔اُس نے داؤد اور حارث کو اپنے ساتھ رکھا۔اُس کے لیے نہایت خوش نما اور کشادہ خیمہ نصب کر دیا گیا۔ملازم بھی آ گئے اور خیمے نے وہاں محل کا منظر بنا دیا۔الملک الصالح نے اُسے قلعے میں رات کے کھانے پر مدعو کیا اور وہیں ملاقات طے ہوئی۔

☆

شام کو سیف الدین اور الملک الصالح کی ملاقات ہوئی۔قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں ''سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی'' (سلطان ایوبی کا پورا نام یوسف صلاح الدین ایوبی تھا) میں اس ملاقات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے......''آخر کار یہ طے پایا کہ الملک الصالح اور سیف الدین والیٔ موصل کی ملاقات ہوگی۔ملاقات قلعے میں ہوئی جہاں الملک الصالح نے سیف الدین کا استقبال کیا۔سیف الدین نے کمسن شہزادے (الملک الصالح) کو گلے سے لگا لیا اور رو ملاقات کے بعد سیف الدین اپنے خیمے میں چلا گیا جو چشمہ المبارک کے پاس تھا۔وہاں اُس نے بہت دن قیام کیا''۔

دو وقائع نگاروں نے جو کوائف قلمبند کیے تھے، وہ اس طرح ہیں کہ سیف الدین نے الملک الصالح سے کہا کہ اُس نے اس کے پیغام کا جواب نہیں دیا۔ الملک الصالح حیران ہوا۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے دوسرے ہی دن تحریری جواب بھیج دیا تھا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ آپ فکر نہ کریں، صلح کا معاہدہ محض دھوکہ ہے جو وقت حاصل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کو دیا گیا ہے۔

''مجھے آپ کا کوئی پیغام نہیں ملا''...... سیف الدین نے کہا...... ''میں تو اس پر پریشان تھا کہ آپ نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے غلطی کی ہے اور ہمیں دھوکہ دیا ہے''۔

الملک الصالح کے ساتھ اس کے دو سالار بھی تھے۔ انہوں نے اسی وقت اُس آدمی کو بلایا جسے پیغام دیا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ قاصد کون تھا۔ قاصد کو بلانے گئے تو معلوم ہوا کہ جس روز وہ پیغام لے کر گیا تھا، اُس روز کے بعد کسی کو نظر نہیں آیا۔ اس اطلاع پر بھاگ دوڑ شروع ہوگئی۔ قاصد کا کچھ پتہ نہ چلا۔ کسی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ وہ کہیں اکیلا رہتا تھا، وہاں اُس کا سامان پڑا تھا، وہ خود نہیں تھا...... یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا اہم پیغام صلاح الدین ایوبی تک پہنچا دیا گیا ہے۔

یہ معاملہ الملک الصالح کے صلیبی مشیروں تک پہنچا تو انہوں نے یہ فیصلہ دیا...... ''قاصد صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا یا سیف الدین کی طرف جاتے ہوئے قاصد ایوبی کے جاسوسوں یا چھاپہ ماروں کے ہتھے چڑھ گیا، انہوں نے اُسے قتل کر دیا ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صلاح الدین ایوبی نے جنگی تیاریاں تیز کر دی ہوں گی۔ یہ بھی ہوسکتا کہ وہ حملے میں پہل کر دے۔ اس کا یہ علاج ہے کہ تینوں فوجوں کو فوراً اکٹھا کیا جائے اور ایوبی پر حملہ کر دیا جائے''۔

صلیبی یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ جاری رہے۔ ایک ہی دن میں موصل اور حرن پیغام بھیج دیے گئے کہ افواج جس حالت میں ہیں، حلب پہنچیں۔ حرن کے امیر گمشتگین نے کچھ پس و پیش کی لیکن سب کے درمیان بیٹھ کر وہ کھلی مخالفت نہ کر سکا۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ تینوں افواج ایک ہائی کمانڈ کے تحت ہوں گی اور سپریم کمانڈر سیف الدین ہوگا۔ گمشتگین نے اپنی فوج شامل تو کر دی لیکن خود حلب میں رہنا پسند کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سیف الدین کے ماتحت نہیں رہنا چاہتا۔

دو تین دنوں میں تینوں فوجیں حلب میں جمع ہوگئیں۔ صلیبیوں نے اسلحہ اور سامان بھیج دیا تھا۔ انہوں نے مزید سامان کا وعدہ کیا اور افواج کو کوچ کرا دیا۔ حملے کا پلان عجلت میں بنایا گیا تھا۔ کوچ کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نقل و حرکت رات کو کی گئی۔ دن کو پڑاؤ کرنا تھا۔ اس کے علاوہ یہ انتظام بھی کیا گیا کہ چھاپہ ماروں کی خاصی تعداد کوچ کے راستے دائیں بائیں اس ہدایت کے ساتھ پھیلا دی گئی کہ کوئی مسافر بھی نظر آئے تو اُسے پکڑ کر حلب بھیج دو، تاکہ فوج کا کوچ خفیہ رہے۔

کوچ سے پہلے سیف الدین نے داؤد اور حارث کو بلایا۔ انہیں شاباش دی اور کہا کہ انہوں نے مشکل کے وقت میں اُس کا ساتھ دیا ہے۔ جنگ کے بعد انہیں ترقی ملے گی اور انعام بھی۔ اُس نے حارث سے کہا...... ''تمہاری بہن کا میرے سر پر ایک قرض ہے۔ میں اُس کے سامنے اُس وقت جاؤں گا جب میں یہ قرض ادا کرنے کے قابل ہوں گا''۔ حارث کو حیرت میں دیکھ کر اس نے کہا...... فوزی نے کہا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار لے کر اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ گے تو میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی...... حارث! میں اگر فاتح واپس آیا تو تمہاری بہن موصل کی ملکہ ہوگی''۔

''انشاء اللہ''۔ حارث نے کہا...... ''ہم آپ کو فاتح لائیں گے، کیا تینوں فوجیں اکٹھی جا رہی ہیں؟''

"ہاں!" سیف الدین نے جواب دیا..... "اور میں تینوں کا سالارِ اعلیٰ ہوں گا"۔

"زندہ باد"۔ داؤد نے کہا..... "اب بھاگنے کی باری صلاح الدین ایوبی کی ہے"۔

داؤد اور حارث نے غلامانہ انداز سے جوشیلی باتیں کر کے اور فوزی کا نام بھی بار بار لے کر اُس سے پلان کا خاکہ بھی معلوم کر لیا اور نقل و حرکت کا انداز بھی پوچھ لیا۔

"تم دونوں اپنی فوج میں چلے جاؤ"۔ سیف الدین نے کہا..... "میرا محافظ دستہ آگیا ہے۔ میں تم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا"۔

☆

تینوں فوجوں کا کوچ رات کو ہوا۔ داؤد اور حارث موصل کی ایک فوج کے جیش میں شامل ہو گئے تھے۔ حارث کو تو کئی سپاہی جانتے تھے، کیونکہ وہ اسی فوج کا تھا۔ داؤد کے متعلق حارث نے بتایا کہ والیٔ موصل کا بھیجا ہوا آدمی ہے۔ کوچ کی حالت میں کسی نے داؤد کے متعلق چھان بین نہ کی۔ رات کو تینوں فوجیں تین کالموں میں چلتی رہیں۔ آدھی رات کے بعد علاقہ چٹانی آگیا، جہاں کئی جگہوں پر کالم کی ترتیب گڈمڈ ہو گئی۔ داؤد نے حارث سے کہا..... "یہاں سے نکلو، موقعہ اچھا ہے"۔

رات کے اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دونوں نے گھوڑے آہستہ آہستہ ایک طرف کرنے شروع کر دیئے اور فوج سے دُور ہٹتے گئے۔ داؤد کی سکیم یہ تھی کہ دُور جا کر گھوڑے سرپٹ دوڑا دیں گے۔ دن کو تینوں افواج پڑاؤ کریں گی اور وہ دونوں ترکمان پہنچ جائیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو حملے کی خبر دے دیں گے۔ اس طرح اُسے حملے کی اطلاع ایک دن پہلے مل جائے گی اور وہ دشمن کے استقبال کا انتظام کر لے گا۔ داؤد کو اپنی سکیم کی کامیابی پر مکمل اعتماد تھا مگر اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اردگرد کے علاقے میں چھاپہ مار اور جاسوس پھیلا دیئے گئے ہیں۔

وہ دونوں دور دائیں طرف نکل گئے۔ جب دیکھا کہ فوج سے وہ بہت دُور محفوظ فاصلے پر آگئے ہیں تو انہوں نے ترکمان کا رُخ کر لیا لیکن گھوڑے دوڑائے نہیں، رفتار ذرا سی تیز کر دی۔ وہ گھوڑوں کو تھکانے سے بھی گریز کر رہے تھے کیونکہ انہیں منزل تک رُکے بغیر پہنچنا تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ صبح کا اُجالا نکھرنے لگا تو داؤد گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر اُس طرف دیکھنے لگا جدھر افواج جا رہی تھیں۔ اُسے دُور گرد کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ افواج سے بہت دُور ہیں مگر یہ اُس کی غلطی تھی۔ اُسے کوئی دیکھ رہا تھا۔ نیچے آکر گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ یہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کا علاقہ تھا۔ وہ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ آگے موڑ تھا۔ وہ موڑ پر پہنچے تو آگے سے چار گھوڑ سوار آگئے۔ چاروں نے برچھیاں اُن کی طرف کر دیں اور رُک گئے۔

"گھوڑوں سے اُترو"۔ گھوڑ سوار نے رعب سے کہا۔

"ہم مسافر ہیں"۔ داؤد نے کہا۔

"مسافر موصل کی فوج کی وردی میں نہیں ہوا کرتے"۔ گھوڑ سوار نے کہا..... "مسافروں کے پاس یہ ہتھیار نہیں ہوا کرتے جو تم نے اُٹھا رکھے ہیں..... تم جو کوئی بھی ہو تمہیں ہمارے ساتھ حلب چلنا ہوگا۔ ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ گھوڑے موڑو"۔

یہ حلب کے چھاپہ مار تھے جو مشکوک آدمیوں کو پکڑ کر حلب لے جانے کو تمام علاقے میں پھیلا دیئے گئے تھے۔ سواروں نے ان دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔ داؤد نے حارث سے آہستہ سے کہا..... "وقت آگیا ہے بھائی"......

حارث نے اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑے نے اگلی دونوں ٹانگیں اُٹھا دیں۔ حارث نے ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے جست لگائی۔ حارث نے سامنے والے گھوڑ سوار کے سینے میں برچھی اُتار دی لیکن اُس کے بائیں جو سوار تھا اُس کی برچھی حارث کے کندھے میں اُتر گئی۔ داؤد تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہیں سے گھمایا اور ایک اور سوار کو بے خبری میں لے لیا۔ وہ چار تھے اور یہ دو۔ یہ جگہ گھوڑوں کی لڑائی کے لیے موزوں نہیں تھی۔ دونوں طرف ٹیلے تھے۔ تھوڑی دیر گھوڑے کودتے پھلانگتے رہے۔ برچھیاں ٹکراتی رہیں۔ حارث گھوڑے سے گر پڑا۔ داؤد کو بھی زخم آئے تھے جن میں دو تین گہرے تھے، لیکن اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔

آخر چاروں سوار مارے گئے یا شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ داؤد بھی شدید زخمی تھا۔ اُس نے دیکھا کہ معرکہ ختم ہو گیا ہے تو اُس نے حارث کے گاؤں کا رُخ کر لیا۔ حارث کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مر گیا ہے اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ خود بھی مر جائے گا، لیکن وہ سلطان ایوبی کو حملے سے قبل از وقت خبردار کرنے کے لیے زندہ رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کا خون اتنا زیادہ بہہ گیا تھا کہ اُس کی زین اور گھوڑے کی پیٹھ بھی لال ہو گئی تھی۔ اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ترکمان دُور ہے اور حارث کا گاؤں قدرے کم دُور۔ اُس کی نظر حارث کے باپ پر تھی۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ زندہ پہنچ گیا تو بوڑھے سے کہے گا کہ اپنے شہید بیٹے کی روح کی تسکین کے لیے ترکمان پہنچو اور سلطان ایوبی کو خبردار کر دو۔

اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا جتنا زیادہ ہلتا تھا، داؤد کے جسم سے خون اتنا ہی زیادہ نکلتا تھا۔ پیاس سے اُس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیر چھانے لگا۔ وہ سر کو جھٹک جھٹک کر راستہ دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس نے آیتہ کریمہ کا ورد شروع کر دیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے کہتا..... ''زمین و آسمان کے مالک! تجھے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ، مجھے تھوڑی سی زندگی عطا کر دے''..... اُس کے نیچے گھوڑا بڑی اچھی چال دوڑتا جا رہا تھا مگر داؤد کے زخم کھلتے جا رہے تھے اور وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کے جوڑ بھی الگ ہو رہے ہوں۔ ایک بار تو اُس کا سر ایسا ڈولا کہ وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔ وہ چونک کر سنبھل گیا۔

☆

وہ ایک بار پھر گھوڑے سے گرنے لگا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر سنبھل نہ سکا۔ اُسے اپنے پاؤں کے نیچے زمین محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا تھا۔ وہ ذرا سا اپنے آپ میں آیا تو اُسے پتہ چلا کہ یہ رات کا اندھیرا ہے اور اُسے کسی نے تھام رکھا ہے۔ اُسے وہ دشمن سمجھ کر آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا تو اُس کے کانوں میں ایک نسوانی آواز پڑی..... ''داؤد! تم گھر میں ہو، گھبراؤ نہیں''..... اُس نے آواز پہچان لی۔ یہ فوزی کی آواز تھی۔ وہ غشی کی حالت میں منزل پر پہنچ گیا تھا۔ آیتہ کریمہ نے اُسے روح کی روشنی عطا کی تھی۔

''بابا کہاں ہیں؟'' اُس نے اندر جا کر پوچھا۔

''وہ باہر چلے گئے ہیں''..... فوزی نے کہا..... ''وہ کل یا پرسوں آئیں گے''۔

فوزی اور اُس کی بھابی اُس کے زخم دھونے لگیں تو اُس نے پانی مانگا۔ پانی پی کر اُس نے کہا..... ''فوزی! تم نے کہا تھا کہ مردوں کے کام عورتیں بھی کر لیا کرتی ہیں''..... وہ رُک رُک کر بڑی مشکل سے بول رہا تھا..... ''میرے زخم نہ دھوؤ۔ بے کار ہے، میرے اندر خون نہیں رہا..... میں ٹھیک ہوتا تو برداشت نہ کرتا کہ تمہیں اس گھر سے باہر جانے دیتا مگر یہاں مسئلہ میری اور تیری ذات کا نہیں۔ یہ ایک امانت کا مسئلہ ہے۔ یہ ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس

کا مسئلہ ہے'‘...... اُس نے فوزی کو ترکمان کا راستہ سمجھایا اور اُسے پیغام دیا کہ حلب، حرن اور موصل کی فوجیں کس طرح مشترکہ کمان میں حملے کے لیے آرہی ہیں، کدھر سے آرہی ہیں اور اُن کا پلان کیا ہے۔ اُس نے فوزی کو بتایا کہ اُس کا بھائی اس فرض کی ادائیگی میں شہید ہو گیا ہے۔

فوزی تیار ہوگئی اور اُس کے ساتھ حارث کی بیوی بھی تیار ہوگئی۔ ایک گھوڑا گھر میں تھا، دوسرا داؤد کا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابھی داؤد کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے سے گھبرا رہی تھیں۔

''فوزی!'' داؤد نے نحیف آواز میں کہا...... ''میرے قریب آؤ'' ...... وہ اُس کے قریب آئی تو اُس نے لڑکی کا ہاتھ تھام کر اور مُسکرا کر کہا...... ''راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوا کرتی ہیں، اُن کی باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔ ہماری شادی کی خوشی میں آسمان پر ستاروں کی چراغاں ہوگی'' ...... اور اُس کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔ فوزی نے اُسے بلایا مگر اُس کی بارات کہکشاں کے راستے چل پڑی تھیں۔

فوزی کو داؤد سب کچھ بتا کر شہید ہوا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابھی نے گھر اللہ کے حوالے کیا۔ گھوڑے پر زین ڈالی اور اُس پر فوزی کی بھابھی سوار ہوگئی۔ فوزی نے داؤد کے گھوڑے کو پانی پلایا اور سوار ہوگئی۔ زین پر خون کی تہہ جمی ہوئی تھی ...... دونوں گھوڑے گاؤں سے نکل گئے۔ دونوں لڑکیاں اللہ کے بھروسے پر جا رہی تھیں۔ اس راستے سے وہ واقف نہیں تھیں۔ داؤد نے فوزی کو ایک ستارہ سمجھا دیا تھا۔ وہ اس ستارے کی راہنمائی میں چلتی گئیں۔

اُدھر تینوں افواج دن بھر قیام کر کے رات کو چل پڑی تھیں۔ ترکمان زیادہ دُور نہیں تھا۔ سلطان ایوبی ترکمان میں آنے والے طوفان سے بے خبر تھا۔ اُس نے دیکھ بھال کا انتظام کر رکھا تھا مگر اُس کے دشمن نے بھی اب کے اچھے انتظامات کیے تھے۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں کو بتا دیا تھا کہ ترکمان کے قریب انہیں سلطان ایوبی کے ایسے آدمی ملیں گے جو دیہاتی لباس میں یا خانہ بدوشوں کے بھیس میں ہوں گے اور وہ دیکھ بھال کر رہے ہوں گے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کا اس طوفان سے بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کا بے خبری میں دبوچے جانا یقینی تھا۔ اپنے سالاروں سے وہ کہہ رہا تھا کہ حلب، حرن اور موصل والے اتنی جلدی حملہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے، حالانکہ اُسے سیف الدین کی طرف الملک الصالح کا بھیجا ہوا پیغام مل گیا تھا۔

فوزی اور اُس کی بھابھی پر جیسے دیوانگی طاری تھی۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ مستورات ہیں اور اُن کے راستے میں کیسے کیسے خطرے ہیں۔ رات انہوں نے گھوڑوں پر گزار دی۔ صبح کا نور پھیلنے لگا تو وہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ فوزی نے ایک چٹان کے سہارے ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ اُس کا سر ڈھلک گیا تھا۔ فوزی نے اپنی بھابھی سے کہا کہ کوئی زخمی معلوم ہوتا ہے، لیکن رُکیں گے نہیں۔ معلوم نہیں کون ہے۔ انہیں اُس کے قریب سے گزرنا تھا۔ وہ آدمی اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گھوڑے قریب گئے تو فوزی نے چیخ کر کہا...... ''حارث'' ...... اور وہ گھوڑے سے کود گئی۔

وہ حارث تھا۔ وہ شہید نہیں ہوا تھا لیکن اُس کا زندہ رہنا بھی معجزہ تھا۔ اُس کے جسم پر برچھیوں کے بہت سے زخم تھے۔ لڑکیوں نے گھوڑے کے ساتھ پانی کے چھوٹے چھوٹے مشکیزے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے حارث کو پانی پلایا۔ اُسے ذرا سا ہوش آیا تو اُس نے پوچھا...... ''میں گھر میں ہوں؟ داؤد کہاں ہے؟''

فوزی نے اُسے ساری بات بتا دی اور بتایا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اور کدھر جا رہی ہیں۔ حارث نے کہا......

''مجھے گھوڑے پر ڈال لو اور ترکمان کی طرف گھوڑے دوڑا دو''۔

دونوں لڑکیوں نے اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ فوزی اُس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ حارث روح کی قوت سے زندہ تھا، ورنہ اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہیں بچا تھا۔ یہ فرض کی لگن کا کرشمہ تھا۔ فوزی نے اُس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا رکھی تھی اور اُسے ایک بازو سے پکڑا ہوا تھا۔ وہ سرگوشیوں میں فوزی کو راستہ بتا رہا تھا۔

سلطان ایوبی کی دشمن افواج سیف الدین کی کمان میں ترکمان کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ اِدھر فوزی، حارث اور حارث کی بیوی ایک محفوظ سمت سے ترکمان کی طرف جا رہی تھیں۔ اُفق سے آسمان گہرا بادامی ہوتا جا رہا تھا اور یہ رنگ اوپر ہی اوپر اُٹھتا جا رہا تھا۔ فوزی کی بھابھی نے اُفق کی طرف دیکھا تو اُس نے گھبرا کر چلا کر کہا...... ''فوزی، اُدھر دیکھو''...... حارث نے سرگوشی کی...... ''کیا ہے فوزی؟''

''آندھی'' فوزی نے کہا اور اس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔

اس خطے کے لوگ ان آندھیوں سے واقف تھے۔ یہ علاقہ بے شک چٹانی تھا لیکن کچھ حصے ریتلے تھے اور اردگرد ریگزار تھا۔ آندھی جب آتی تھی چٹانوں کو ریت میں دفن کر جاتی تھی۔ انسانوں اور جانوروں کے لیے یہ قیامت ہوتی تھی، لیکن یہ جو آندھی آ رہی تھی وہ اس خطے کی چند ایک بھیانک آندھیوں میں سے ایک تھی اور اس آندھی نے تاریخی حیثیت حاصل کر لی۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب ''گوریلا وار فیئر'' میں چند ایک یورپی مورخوں اور مسلمان وقائع نگاروں کے حوالے دے کر لکھا ہے...... ''جس روز الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج سلطان صلاح الدین ایوبی پر بے خبری میں حملہ کرنے کے لیے ترکمان کے قریب پہنچ گئیں تو ایسی آندھی آئی کہ اپنی ناک سے ایک بالشت آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ اس آندھی میں اُس پر ایک اور طوفان آ رہا ہے''۔

تاریخ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ متحدہ افواج نے سلطان ایوبی پر حملہ کرنے میں تاخیر کر دی جو سالارِ اعلیٰ کی لغزش تھی، لیکن راہِ حق کے مسافروں کی مدد خدا کیا کرتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ خدائے ذوالجلال نے دو مسلمان لڑکیوں کے جذبہ حریت کی لاج رکھ لی تھی۔ ایک بہن اپنے زخمی بھائی کو سینے سے لگائے مجاہدین اسلام کو کفر کی یلغار سے خبردار کرنے کو دوڑی جا رہی تھی، اُسے کوئی غم نہ تھا کہ اُس کا بھائی مر رہا ہے۔

آندھی اتنی تیزی سے آئی کہ کسی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا۔ متحدہ افواج چٹانوں کی اوٹ میں بکھر کر پناہ گزین ہوئیں۔ گھوڑے اور اونٹ بے لگام ہو گئے۔ کمانڈروں کو اطمینان تھا کہ آندھی گزر جائے گی اور فوجوں کو منظم کر لیا جائے گا، مگر آندھی کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔

☆

سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کی بھی حالت بہت بُری تھی، خیمے اُڑ رہے تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں اور اونٹوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ ریت کی بوچھاڑوں کے ساتھ کنکریاں اور ریزے جسموں میں داخل ہوتے محسوس ہوتے تھے۔ چیخیں ایسی، جیسے بدروحیں اور چڑیلیں چیخ رہی ہوں۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا مگر پتہ چلتا تھا کہ سورج کو بھی آندھی اُڑا لے گئی ہے۔ کمانڈر چلاتے پھر رہے تھے۔ سپاہی اُڑتے خیموں کو سنبھالتے، گرتے اور اُٹھتے تھے۔

تین چار سپاہی ایک چٹان کی اوٹ میں دبکے بیٹھے تھے۔ ایک گھوڑا جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا، اُن پر چڑھ گیا۔ سپاہیوں نے اِدھر اُدھر گرتے چلا چلا کر کہا...... ''گھوڑا روکو بدبخت۔ کہیں اوٹ میں ہو جاؤ''...... گھوڑا رُکا تو ایک سپاہی نے

اپنے ساتھیوں سے کہا..... ''کچھ اور نہ کہنا، عورت ہے''..... ایک اور نے کہا..... ''یہ دو عورتیں ہیں''۔

وہ فوزی اور اُس کی بھانجی تھیں۔ سپاہیوں نے یہ سمجھ کر آندھی میں راستہ بھول کر اِدھر آنکلی ہیں، اُن کے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور انہیں چٹان کی اوٹ میں کرنے لگے۔

''ہمیں سلطان ایوبی تک پہنچاؤ''۔ فوزی نے آندھی کی چیخوں میں چلا کر کہا..... ''سلطان صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟ ہم بہت ضروری پیغام لے کر آئی ہیں، ورنہ سب مارے جاؤ گے''۔

سپاہیوں نے گھوڑے پر ایک لہولہان زخمی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑیں اور بڑی ہی مشکل سے سلطان ایوبی کے خیمے تک پہنچے مگر وہاں کوئی خیمہ نہیں تھا۔ خیمہ اُڑ گیا تھا۔ ایک کمانڈر نے دیکھ لیا اور لڑکیوں کو سلطان ایوبی تک لے گیا۔ سلطان ایک عمودی چٹان کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔ اُس کی حفاظت کے لیے قناتیں تان دی گئی تھیں۔ لڑکیوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی تیزی سے اُٹھا۔ سب سے پہلے حارث کو گھوڑے سے اُتارا گیا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ لڑکیاں گھوڑوں سے اُتریں اور تیزی سے بولتے ہوئے فوزی نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ متحدہ فوج حملے کے لیے آ گئی ہے۔ حارث نے سرگوشیوں میں ضروری باتیں بتائیں اور وہ بولتے بولتے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

اس سے کچھ دیر بعد آندھی کا زور تھمنے لگا۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور حکم دیا کہ خیمے سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔ سپاہیوں کو جیشوں اور دستوں میں اکٹھا کرو۔ چھاپہ مار دستے فوراً بلاؤ۔ اُس نے سالاروں کو بتایا کہ کیا ہونے والا ہے اور رات کے اندر اندر کیا کیا نقل و حرکت کرنی ہے۔

آندھی کا زور کچھ اور کم ہو گیا لیکن رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ سیف الدین کی متحدہ افواج اپنے آپ کو سنبھالنے میں مصروف ہو گئیں۔ بہت سے سپاہی سو گئے۔ رات کا حملہ اس بدنظمی کی وجہ سے ملتوی کر دیا گیا۔ جانور بھی اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد افواج پر نیند کا غلبہ طاری ہو گیا۔ سلطان ایوبی کا کیمپ جاگ رہا تھا اور وہاں بے پناہ سرگرمی تھی۔ سیف الدین کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے دائیں اور بائیں سے دو تین میل دُور اُس فوج کا حصہ گزرتا جا رہا ہے جسے وہ بے خبری میں تباہ کرنے آیا تھا۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔ متحدہ افواج بُری طرح بکھری ہوئی تھیں۔ رسد اُڑ گئی تھیں۔ بعض گھوڑوں نے منہ زور ہو کر سپاہیوں کو کچل ڈالا تھا۔ افواج کو عجلت سے منظم کیا گیا۔ آدھے سے زیادہ دن اسی میں گزر گیا۔ سیف الدین نے تینوں افواج کے سالاروں کو حکم دیا کہ چونکہ سلطان ایوبی بے خبر ہے، اس لیے سامنے سے کھلا حملہ کر دیا جائے۔

دن کے پچھلے پہر حملہ کیا گیا۔ دائیں بائیں چٹانیں اور سرسبز ٹیلے تھے۔ ان سے حملہ آوروں پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ سامنے سے آگ کے گولے آنے لگے۔ آتش گیر مادے کی ہانڈیاں گرتی اور پھٹتی تھیں۔ سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر جب منجنیقوں کے پھینکے ہوئے آگ کے گولے گرتے تھے تو زمین مہیب شعلے اُگلتی تھی۔ حملہ رُک گیا۔ سیف الدین نے افواج کو پیچھے ہٹا لیا اور حملے کی ترتیب اور سکیم بدل دی مگر اُس کی افواج پیچھے ہٹیں تو عقب سے اُن پر ایسا شدید اور تیز حملہ ہوا کہ افواج کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ حملہ سلطان ایوبی کے اپنے مخصوص سٹائل کا تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد تھوڑی تھی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ سواروں کی برچھیاں اور تلواریں چلیں اور وہ غائب ہو گئے۔

ایسے ہی حملے پہلوؤں پر ہوئے۔ سیف الدین کی مرکزی کمان ختم ہو گئی۔ رات آئی۔ حملے رات کو بھی جاری

رہے۔ سیف الدین اور پیچھے ہٹا تو اُس پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار رات بھر سرگرم رہے۔ صبح ابھی دُھندلی تھی، جب سلطان ایوبی نے ایک چٹان پر چڑھ کر میدانِ جنگ کی کیفیت دیکھی۔ اُس کے سامنے اب جنگ کا آخری مرحلہ تھا۔ اُس نے قاصد کو اپنے ریزرو دستوں کے کمانڈر کی طرف دوڑا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سرپٹ دوڑتے گھوڑوں نے زمین ہلا ڈالی۔ پیادہ دستے دائیں اور بائیں سے نکلے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان پھٹنے لگا۔

سیف الدین کی افواج اس قابل نہیں رہی تھیں کہ اس حملے کی تاب لا سکیں۔ گھیرا ابھی تھا اور گھیرا مکمل تھا۔ سامنے سے شدید حملہ آ گیا۔ سیف الدین کی افواج کا جذبہ تو ختم ہو چکا تھا، خود سیف الدین دِل چھوڑ بیٹھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کمان اُس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور افواج لڑنے کے قابل نہیں رہیں۔ سوار زخمی سپاہیوں کو روند رہے تھے۔ آخر انہوں نے فرداً فرداً ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کی وہ فوج جو سیف الدین کے عقب میں تھی، آگے آ رہی تھی۔ دائیں بائیں سے چھاپہ مار ہلے پہ ہلہ بول رہے تھے۔ سیف الدین کی افواج شکنجے میں پس گئیں۔

سیف الدین کے مرکز تک پہنچے تو وہاں شراب کی صراحیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، وہاں سے جو قیدی پکڑے گئے، انہوں نے بتایا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ آخری بار ایک چٹان کی اوٹ میں دیکھا گیا تھا، پھر نظر نہیں آیا۔ اُسے سلطان ایوبی کے حکم سے بہت تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ وہ نکل گیا تھا۔ اپنی افواج کو سلطان ایوبی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہ بھاگ گیا تھا۔

رات ایک خیمے میں جو ترکمان کے سبزہ زار میں خاص طور پر نصب کیا گیا تھا فوزی اپنے بھائی کی لاش کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی...... ''میں نے خون کی ندی پار کر لی ہے جس پر کوئی پُل نہیں ہوتا۔ حارث! میں نے تمہارا فرض ادا کر دیا ہے''۔

سلطان ایوبی اُس خیمے میں داخل ہوا تو فوزی نے پوچھا...... ''سلطان! کیا خبر ہے؟ میرے بھائی کا خون رائیگاں تو نہیں گیا؟''

''اللہ نے دشمن کو شکست دی ہے، تم فاتح ہو، میری بچی! تم......'' اور سلطان ایوبی کی آواز رقت میں دب گئی۔ اُس کے آنسو بہہ نکلے۔

......❁......

جانباز، جنات اور جذبات

ترکمان کا معرکہ ختم ہو چکا تھا یا سلطان صلاح الدین ایوبی کے کم از کم اُن نائب سالاروں اور کمانڈروں کی نگاہ میں یہ معرکہ ختم ہو چکا تھا، جنہوں نے الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی متحدہ افواج کو اُن کی توقعات کے خلاف بے ترتیب اور بزدلانہ پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی کے فاتح کمانڈروں کے سامنے دشمن کی لاشیں پڑی تھیں، زخمی تڑپ رہے تھے، منہ زور گھوڑے اور زخمی گھوڑے اور اونٹ زخمیوں اور لاشوں کو کچل رہے تھے۔ دشمن کے جو سپاہی بھاگ نہیں سکے تھے، وہ ہتھیار پھینک کر الگ جمع ہوتے جا رہے تھے۔ بے انداز تلواریں، ڈھالیں، برچھیاں، کمانیں، تیروں سے بھرے ہوئے ترکش، خیمے، فوجیوں کا ذاتی سامان جس میں نقدی اور قیمتی اشیاء بھی تھیں، دُور دُور تک بکھری ہوئی تھیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اُس مقام پر کھڑا تھا جو اُس کے دشمن اتحادیوں کے سپریم کمانڈر سیف الدین غازی کا ہیڈ کوارٹر اور اس کی رہائش گاہ تھی۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سیف الدین اپنی افواج کو بکھرتا اور سلطان ایوبی کی فوج کو یقینی فتح کی طرف بڑھتا دیکھ کر کسی کو بتائے بغیر بھاگ گیا تھا۔ اُس کا فرار خفیہ تھا اور شرمناک بھی۔ اُس کے ساتھ اُس کے حرم کی منتخب لڑکیاں تھیں، ناچنے گانے والیاں اور اُن کے سازندے تھے۔ سونے کے سکوں اور دیگر نقدی کی بوریاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ رقم افواج کی تنخواہ تھی اور یہ سلطان ایوبی کے آدمیوں کو خریدنے کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی۔ سیف الدین کی یہ رہائش گاہ دلکش کپڑوں کے خیموں، قناتوں اور شامیانوں سے بنی تھی۔ یہ کپڑے کی دیواروں اور چھتوں کا محل تھا۔ اُس دور کے جنگجو حکمران ایسے محل اور تمام تر آسائشیں اور عشرت کا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ سیف الدین بھی انہیں حکمرانوں میں سے تھا۔ اُس نے شراب کی صراحیاں، رنگا رنگ پیالے اور مٹکے بھی ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

سلطان ایوبی کپڑوں کے اس دلفریب محل کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظر پلنگ پر پڑی، وہاں تلوار پڑی تھی۔ سیف الدین ایسا بوکھلا کر بھاگا تھا کہ تلوار ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے تلوار اُٹھالی۔ نیام سے نکالی۔ تلوار چمک رہی تھی۔ سلطان ایوبی اس تلوار کو دیکھتا رہا۔ اپنے ساتھ کھڑے دو سالاروں کی طرف دیکھ کر اس نے کہا..... ''مسلمان کی تلوار پر جب عورت اور شراب کا سایہ پڑ جاتا ہے تو یہ لوہے کا بے کار ٹکڑا بن جاتی ہے۔ اس تلوار کو فلسطین فتح کرنا تھا مگر صلیب نے اسے اپنے گناہوں میں ڈبو کر اپنی طرح لکڑی کا ڈنڈا بنا ڈالا ہے جو تلوار شراب سے بھیگ جائے وہ لہو کے رنگ سے محروم رہتی ہے۔''

اس سے ملحق ایک وسیع اور خوشنما خیمے میں جوان، حسین اور نیم عریاں لڑکیاں ڈری سہی ہوئی بیٹھی تھیں۔ انہیں اپنا انجام کچھ اور نظر آ رہا تھا۔ فاتح فوج کے قبضے میں آ کر وہ جانتی تھیں کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ایسی دلکش لڑکیوں کو دیکھ کر کون درندہ نہیں بن جاتا، لیکن انہیں جب سلطان ایوبی کا یہ حکم سنایا گیا کہ وہ آزاد ہیں اور وہ جہاں جانا چاہیں، بتا دیں تاکہ وہاں تک انہیں حفاظت اور باعزت سے بھیجا جا سکے تو وہ اور زیادہ خوف زدہ ہو گئیں۔ انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا گیا۔ سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں عورت کے وجود کو برداشت نہیں کیا کرتا تھا۔ اُن لڑکیوں سے پوچھا گیا کہ اُن کی تعداد

کتنی تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان میں سے دو لاپتہ ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھی اور وہی دو سیف الدین پر چھائی رہتی تھیں۔ یہی کہا جاسکتا تھا کہ وہ سیف الدین کے ساتھ بھاگ گئی ہیں۔

اُس دور کی جنگوں میں عموماً یوں ہوتا تھا کہ جنگ ختم ہوتے ہی فاتح فوج مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ زیادہ تر فوجی شکست خوردہ فوج کے اعلیٰ کمانڈر کی رہائش گاہ یعنی مرکز پر دھاوا بولتے تھے، کیونکہ وہاں خزانہ، شراب اور عورتیں ہوتی تھیں۔ ایک طوفانی ہڑبونگ اور بعض اوقات دنگا فساد برپا ہو جاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے احکام سخت تھے۔ کسی افسر کو بھی اُس کا عہدہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اجازت نہیں تھی کہ مالِ غنیمت کو ہاتھ لگائے۔ مالِ غنیمت سمیٹنے اور ایک جگہ جمع کرنے کا کام کسی ایک دستے کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اُس کی تقسیم سلطان ایوبی خود کرتا تھا۔ ترکمان کے معرکے کے بعد سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نہ دیا۔ اُس نے اپنے اور دشمن کے زخمیوں کو اُٹھانے، مرہم پٹی کرنے اور جنگی قیدیوں کو الگ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں نظم ونسق اور ڈسپلن کی سختی سے پابندی کراتا تھا۔ اس معرکے میں دشمن بے ترتیبی سے بھاگا تھا۔ سلطان ایوبی کے بعض دستوں نے تعاقب بھی کیا تھا لیکن اُس کی ٹریننگ ایسی تھی کہ تعاقب میں بھی دستے اور جیش ترتیب میں اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے۔ سلطان ایوبی نے تعاقب رُکوا دیا اور دائیں اور بائیں پہلو کو اسی طرح تیار رکھا تھا جس طرح جنگ سے پہلے تھے۔ حملے میں اُس نے دوسرے دستے، چھاپہ مار اور ریزرو کی کچھ نفری استعمال کی تھی۔ معرکہ ختم ہونے کے بعد بھی اُس نے پہلوؤں کے دستوں کو سمیٹا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے محفوظہ (سٹرائیک فورس) کو فوراً واپس بلا کر اُسے اپنی کمان میں لے لیا تھا۔

''دشمن کے ساز وسامان اور جانوروں وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟'' ایک سالار نے سلطان ایوبی سے پوچھا اور کہا..... ''لڑائی ہمارے حق میں ختم ہو چکی ہے''۔

''میں ابھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ میرے سبق اتنی جلدی بھول نہ جایا کرو۔ ہم نے دشمن کی مرکزیت اور جمعیت کو بکھیرا ہے۔ کیا ہمارے کسی دستے نے اس کے پہلوؤں پر حملہ کیا تھا؟..... نہیں کیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ اس کے دونوں نہیں تو ایک پہلو محفوظ ہے۔ وہ آخر تین فوجیں تھیں۔ اُن کے سالار ایمان فروش ہو سکتے ہیں، ایسے اناڑی نہیں ہو سکتے کہ اُن کے جو دستے لڑائی میں شامل نہیں ہوئے، انہیں وہ جوابی حملے کے لیے استعمال نہ کریں۔ ہو سکتا ہے اُن کا محفوظہ بھی محفوظ ہو اور تیار ہو''۔

''اُن کی مرکزی کمان ختم ہو چکی ہے سلطان محترم!'' سالار نے کہا..... ''انہیں حکم دینے والا کوئی نہیں رہا''۔

''صلیبیوں کا خطرہ بھی ہے'' سلطان ایوبی نے کہا..... ''گو مجھے کسی طرف سے بھی اطلاع نہیں ملی کہ صلیبی فوج کہیں قرب وجوار میں موجود ہے لیکن یہ علاقہ چٹانی ہے۔ یہاں ٹیلے اور وسیع نشیب بھی ہیں۔ بعض جگہوں پر جنگل بھی ہیں اور کچھ حصہ ریگستانی بھی ہے۔ نظر دُور تک نہیں دیکھ سکتی۔ دشمن اور سانپ پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مرتے مرتے ڈنک مار دیتا ہے۔ مجھے سیف الدین کے سالار مظفر الدین کی کوئی خبر نہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ مظفر الدین اتنی آسانی سے بھاگنے والا سالار نہیں۔ میں اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔ دستوں کو یکجا کرلو..... مظفر الدین اگر میرے سبق بھول نہیں گیا تو وہ مجھ پر ایک جوابی حملہ تو ضرور کرے گا''۔

☆

سلطان ایوبی کا خطرہ بے بنیاد نہیں تھا۔ آپ نے قرونِ حماۃ کی جنگ میں سیف الدین کے ایک سالار مظفر الدین بن زین الدین کا ذکر پڑھا ہے۔ مظفر الدین سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا اور اُس کی مرکزی کمان میں اُس کے ساتھ بھی رہا تھا۔ اس لیے اُسے اچھی طرح علم تھا کہ سلطان ایوبی جنگی منصوبہ کن عناصر کو سامنے رکھ کر تیار کرتا اور میدانِ جنگ میں اس میں کس طرح ردّ و بدل کرتا ہے۔ مظفر الدین کچھ تو ذہنی لحاظ سے پیدائشی جنگجو تھا، زیادہ تر تربیت سلطان ایوبی سے حاصل کی، اس لیے اس میں وہ جوہر تھے جو اُسے میدانِ جنگ سے منہ نہیں موڑنے دیتے تھے۔ وہ سیف الدین کا قریبی رشتہ دار (غالباً چچازاد بھائی) تھا۔ جب سلطان ایوبی مصر سے دمشق آیا اور مسلمان اُمراء اُس کے خلاف صف آرا ہو گئے تو مظفر الدین سلطان ایوبی کو بتائے بغیر اس کی فوج سے نکل کر اس کے دشمن کے کیمپ میں چلا گیا تھا۔

ترکمان کے اس معرکے سے پہلے قرونِ حماۃ کے معرکے میں مظفر الدین نے سلطان ایوبی کے پہلو پر ایسا شدید حملہ کیا تھا جس کا مقابلہ سلطان ایوبی نے پہلو کے دستوں کی قیادت اپنے ہاتھ لے کر کیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی تحریر کے مطابق، اگر سلطان ایوبی خود قیادت نہ کرتا تو مظفر الدین جنگ کا پانسہ پلٹ دیتا۔ سلطان ایوبی مظفر الدین کو فنِ حرب و ضرب کا استاد مانتا تھا۔ اب ترکمان میں اُسے جاسوسوں نے اس کے متحدہ دشمنوں کی افواج کے متعلق جو معلومات دی تھیں، اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ مظفر الدین بھی اِن افواج کے ساتھ ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ وہ قلب میں ہے، دائیں ہے، بائیں ہے یا وہ محفوظہ کا سالار ہے۔ سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی قیدیوں سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔ انہوں نے یہ تصدیق تو کر دی تھی کہ مظفر الدین لشکر کے ساتھ ہے، مگر یہ کسی کو علم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔

''ہو سکتا ہے قیدیوں نے اس پر پردہ ڈال لیا ہو کہ مظفر الدین کہاں ہے''۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا..... ''میں تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ لڑے بغیر بھاگ گیا ہوگا۔ وہ میرا شاگرد ہے۔ میں اس کی جنگی اہلیت سے بھی واقف ہوں اور اُس کی فطرت سے بھی۔ وہ حملہ کرے گا، اگر اُسے یقین ہوا کہ وہ شکست کھا جائے گا پھر بھی وہ حملہ کرے گا۔ اُسے حملہ کرنا چاہیے، ورنہ مجھے مایوسی ہوگی''۔

''صلاح الدین ایوبی یہ نہ کہے کہ مظفر الدین بھی بھاگ گیا ہے''۔ یہ آواز سیف الدین کے سالار مظفر الدین کی تھی جو ترکمان کے میدانِ جنگ سے دواڑھائی میل دُور سنائی دے رہی تھی..... ''میں لڑے بغیر واپس نہیں جاؤں گا''۔

اُس وقت جب سلطان ایوبی سیف الدین کے رہائشی خیموں میں کھڑا تھا، سیف الدین کا کوئی کمانڈر یہ پیغام لے کر مظفر الدین کے پاس پہنچا تھا کہ سلطان ایوبی کو کسی طرح قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ اُس پر حملہ آرہا ہے، اس لیے ہم دھوکے میں آ گئے۔ اب یہاں لڑنا بے کار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بھی واپس چلے جاؤ اور اپنے دستوں کو کسی اور بہتر جگہ لڑانے کے لیے بچا کر لے جاؤ۔ سیف الدین نے اُس پیغام میں اپنے متعلق بتایا تھا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر میدانِ جنگ سے جا رہا ہے۔

''ہم آپ کا ہر حکم بجا لائیں گے''۔ مظفر الدین کے ایک نائب سالار نے اُسے کہا..... ''لیکن اس حالت میں جبکہ ہماری فوج کے لڑنے والے حصے مارے گئے، زخمی یا قیدی ہو گئے یا بھاگ گئے ہیں۔ اس تھوڑی سی فوج سے جوابی حملہ کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا''۔

''میں اِن دستوں کو ناکافی نہیں سمجھتا جو میرے پاس ہیں''۔ مظفر الدین نے کہا..... ''یہ اُس فوج کا ایک چوتھائی ہیں جو ہم ساتھ لائے تھے۔ سلطان ایوبی اس سے بھی کم نفری سے لڑتا اور کامیاب ہوا کرتا ہے۔ میں اُس کے پہلو پر حملہ کروں گا۔ میں اَب اُسے وہ چال نہیں چلنے دوں گا جو اُس نے قرونِ حماۃ میں چلی تھی۔ تم سب حملے کے لیے تیار رہو''۔

''عالی مقام سیف الدین غازی والیٔ موصل تین فوجوں کی نفری سے ہار گئے ہیں''۔ نائب سالار نے کہا......
''میں اپنے مشورے کو دہراؤں گا کہ اس تھوڑی سی نفری سے حملہ کرنا اسے مروانے والی بات ہے''۔
''میدانِ جنگ میں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ رکھنے والوں کے پاس تین کی بجائے دس فوجیں ہوں تو بھی اُن کا انجام یہی ہوتا ہے جو والیٔ موصل سیف الدین کا ہوا ہے۔''مظفر الدین نے کہا...... ''میں بھی شراب پیتا ہوں لیکن یہاں پانی بھی نہ ملے تو میں پرواہ نہیں کرتا۔ سلطان ایوبی مجھے ایمان فروش اور غدار کہتا ہے لیکن میں اس لیے اُس سے لڑنے سے منہ نہیں موڑوں گا کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ دو سالاروں کی ٹکر ہوگی۔ یہ دو پہلوانوں کا دنگل ہوگا۔ یہ تیغ زنوں کا مقابلہ ہوگا...... اپنے دستوں کو تیار کرو اور یاد رکھو، صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کی نظریں زمین کے نیچے بھی دیکھ سکتی ہیں۔ اپنے دستوں کو آج رات اور پرے لے چلو اور ہر طرف دُور دُور تک اپنے آدمی چھوڑ دو۔ وہ جسے مشکوک حالت میں گھومتا پھرتا دیکھیں، اُسے پکڑ لیں''۔
اُس نے ایک جگہ منتخب کر لی تھی جہاں دستوں کو چھپایا جا سکتا تھا۔ حملے کے لیے اُس نے کوئی دن اور وقت مقرر نہ کیا۔ اپنے نائب سالاروں سے کہا...... ''سلطان ایوبی میں لومڑی کی چالاکی اور خرگوش کی پھرتی ہے۔ مجھے میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس نے ابھی مالِ غنیمت سمیٹا نہیں اور اُس نے اپنی فوج کے پہلوؤں کو بھی نہیں سمیٹا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پیش قدمی نہیں کرے گا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمارے جوابی حملے کا خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ کس انداز سے سوچا کرتا ہے۔ میں اُسے یہ دھوکہ دوں گا کہ ہم سب بھاگ گئے ہیں اور اب حملے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ یہ عقل اور فہم و فراست کی جنگ ہوگی۔ وہ دو دنوں سے زیادہ انتظار نہیں کرے گا۔ اس کی طرح میں بھی اپنے جاسوسوں کو اس کی نقل و حمل دیکھنے کے لیے استعمال کروں گا۔ جونہی وہ مالِ غنیمت سمیٹنے لگے گا اور اس کی توجہ دائیں بائیں سے ہٹ جائے گی۔ ہم اس کے پہلو پر حملہ کر دیں گے''۔
یہی وہ خطرہ تھا جسے سلطان ایوبی محسوس کر رہا تھا۔

☆

سیف الدین کے لشکر پر جس طرح سلطان ایوبی نے بے خبری میں اس کی توقعات اور اس کے خوابوں کے خلاف حملہ کیا تھا، اس کی تفصیلات پچھلی نشست میں سنائی جا چکی ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ایک تو اپنے دستے سیف الدین کی فوج کے دائیں بائیں سے اس کے عقب میں بھیج دیئے تھے، ان کے علاوہ اس نے اپنے چھاپہ مار بھی روانہ کر دیئے تھے۔ یہ اس کی کمانڈو فورس تھی جس کے ہر کمانڈر اور سپاہی میں غیر معمولی ذہانت، دلیری اور پھرتی تھی اور یہ تربیت یافتہ جاسوس بھی تھے۔ اس فورس نے چار چار سے لے کر بارہ بارہ کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دشمن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اُن میں ایک ٹولی بارہ سپاہیوں کی تھی جس کے صرف تین سپاہی اور ٹولی کا کمانڈر الناصر زندہ تھے۔
الناصر اپنی ٹولی کے ساتھ ترکمان کے معرکے سے ہی سیف الدین کی متحدہ فوج کے دُور پیچھے چلا گیا تھا۔ اس کا نشانہ عموماً دشمن کی رسد ہوتی تھی۔ اب کے بھی وہ اپنی ٹولی کو گھوڑوں پر لے گیا تھا۔ اُس کے پاس فیتے والے (آتشیں) تیر تھے۔ تھوڑا سا آتش گیر مادہ تھا۔ برچھیاں، تلواریں اور خنجر تھے۔ رسد بہت دور تھی۔ الناصر کو زمین نے یہ سہولتیں مہیا کی تھی کہ یہ میدان یا ریگزار نہیں بلکہ دُور دُور تک چٹانیں، ٹیلے اور نشیبی علاقے تھے جن میں چھپنا آسان تھا۔ دن کے دوران ہدف کے قریب گھوڑے چھپائے جا سکتے تھے۔ اتحادیوں کی افواج کی رسد جس میں فوج کے لیے اناج اور جانوروں کے لیے

خشک گھاس اور دانہ وغیرہ تھا، پیچھے آ رہا تھا۔ اس سامان میں تیر و کمان اور برچھیاں وغیرہ بھی تھیں۔ الناصر نے پہلی ہی رات رسد پر کامیاب چھاپہ مارا تھا۔ بہت سی رسد آتشیں تیروں سے جل گئی تھی۔

دن کو وہ اپنی ٹولی کے ساتھ ایک جگہ چھپا رہا تھا مگر سویا نہیں تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ دشمن کے فوجی کھڈنالوں میں اور ٹیلوں کی اوٹ میں اُس کی پارٹی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُس نے اپنے سپاہیوں کو اِدھر اُدھر موزوں بلندیوں پر بٹھا دیا تھا۔ اُنہوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔ دشمن کے فوجی دُور سے ہی واپس چلے گئے تھے۔ سورج غروب ہونے کے بعد اس نے چھپ کر رسد کا قافلہ دیکھا۔ قافلے نے پڑاؤ ڈال دیا تھا مگر اس رات شب خون آسان نظر نہیں آتا تھا۔ دشمن نے اِرد گرد گشتی پہرے کا بڑا سخت انتظام کر دیا تھا۔ یہ پہرہ پیدل بھی تھا اور گھوڑ سوار بھی۔ اس کے باوجود الناصر نے شب خون کا ارادہ کر لیا۔ دشمن کی ابھی بہت سی رسد باقی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کا ایک تباہ کن طریقہ کار تھا۔ دشمن کی رسد کو چھاپہ ماروں سے تباہ کرا دیا کرتا تھا۔ اس کے لیے اُس نے ایسے فوجی تیار کر رکھے تھے جو جذبے کے لحاظ سے جنونی اور خبطی تھے۔ اُن کی دلیری غیر معمولی اور ذہانت اوسط درجہ سپاہیوں سے خاصی زیادہ تھی۔ ان جانبازوں کی دیانت داری کا یہ عالم تھا کہ اتنی دُور جا کر بھی جہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ فرض شناسی کا جانبازانہ مظاہرہ کرتے تھے۔

الناصر نے رات کو گھوڑے وہیں بندھے رہنے دیئے جہاں دن کو چھپائے تھے۔ اپنی پارٹی کو پیدل لے گیا۔ ایک جگہ سے وہ دشمن کی رسد کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔ اس نے سامان کے انباروں پر آتش گیر مادہ چھڑک کر آگ لگا دی۔ اپنی ٹولی کو بکھیر دیا۔ سپاہیوں نے شعلوں کی روشنی میں بھاگتے دوڑتے سپاہیوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ دشمن کے فوجی انہیں تلاش کرنے لگے۔ چھاپہ مار کب تک چھپ سکتے تھے۔ ایک ایک کر کے پکڑے اور مارے گئے۔ ان میں سے وہی تین زندہ رہے جو الناصر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بہت تباہی مچائی تھی۔ رسد کے ساتھ جو پہرہ دار اور دیگر لوگ تھے، اُنہوں نے ان سب کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ الناصر نے اپنے تین ساتھیوں کو الگ نہ ہونے دیا۔ وہ شعلوں سے دُور ہٹ کر اندھیرے میں گھوڑا گاڑیوں اور خیموں کی اوٹ میں چھپتے، اپنے قریب سے گزرتے سپاہیوں سے بچتے کسی اور ہی سمت کو نکل گئے۔

الناصر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اُسے کوئی ستارہ نظر نہ آیا۔ چھاپہ ماروں کو ستاروں سے سمت معلوم کرنے کی ٹریننگ دی جاتی تھی مگر اُس رات آسمان گرد و غبار کی طرح کے بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ الناصر رسد کے پڑاؤ سے دُور نکل گیا۔ اُسے دشمن کی جلتی ہوئی رسد اور ساز و سامان کے شعلوں کی سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے باقی نو سپاہی زندہ ہیں یا شہید ہو چکے ہیں۔ اُس نے دل ہی دل میں اُن کی سلامتی کے لیے دُعا کی اور اپنے تین ساتھیوں کو ساتھ لیے اندازے کے مطابق اُس طرف چل پڑا جہاں اُس کی ٹولی کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ وہ رات بھر چلتا رہا۔ دشمن کی رسد کے شعلے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ فضا میں شعلوں کی جو سرخی نظر آتی تھی، وہ بھی غائب ہو گئی۔ اگر یہ سرخی نظر آتی رہتی تو وہ اپنے ٹھکانے تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ بھی نہ رہی اور وہ اندھادھند چلتا گیا۔

زمین کے خدوخال بدل گئے تھے۔ درخت تو کوئی تھا نہیں۔ اُس نے پاؤں تلے سخت زمین کی بجائے ریت محسوس کی۔ ٹیلے اور چٹانیں بھی نہیں تھیں۔ ریت نے اُس کے اور اس کے ساتھیوں کے پاؤں وزنی کر دیئے۔ پانی اور کھانے کی اشیاء گھوڑوں کے ساتھ تھیلوں میں بندھی تھیں اور گھوڑے نہ جانے کہاں تھے۔ اس نے پیاس محسوس کی۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اس کے تینوں ساتھی بھی پیاس کی شکایت کر چکے تھے۔ ان سب کی رفتار بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ الناصر نے وہیں رُک جانا اور آرام کر لینا مناسب سمجھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس اُمید پر چلتے رہنے کا مشورہ دیا کہ کہیں پانی مل

جائے گا۔اس خطے میں پانی کی قلت تو نہیں تھی لیکن وہ اس خطے کے اُس حصے میں جا نکلے تھے جو ریگزار تھا۔وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔وہ کچھ دیر اور چلے اور تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

☆

الناصر کی آنکھ کھلی تو اُس کے تینوں سپاہی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔سورج اُفق سے اُٹھ آیا تھا۔الناصر نے چاروں طرف دیکھا۔وہ ریت کے سمندر میں کھڑا تھا۔اس کا دل ڈوبنے لگا۔وہ تو صحراؤں میں جنا پلا اور صحراؤں میں اُس نے لڑائیاں لڑی تھیں۔وہ ریگزار سے ڈرنے والا نہیں تھا۔اُس کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اُسے توقع نہیں تھی کہ یہاں ریگستان ہوگا۔گھبراہٹ کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُفق تک پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔پیاس سے وہ حلق میں جلن اور چبھن محسوس کر رہا تھا۔اپنے ساتھیوں کی حالت کا وہ اندازہ کر سکتا تھا۔اُس نے سورج کے مطابق اُس سمت دیکھا جدھر ترکمان تھا۔اُسے پہاڑیوں کی ٹیڑھی سی لکیر نظر آئی۔وہ سیدھا اُس سمت نہیں جا سکتا تھا کیونکہ راستے میں دشمن کی فوج تھی۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔وہ اُٹھے تو اُن کے چہروں پر بھی گھبراہٹ اور تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔

''ہم دو دن اور بھوکے اور پیاسے رہ سکتے ہیں''۔اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا....''اور ان دو دنوں میں ہم اگر منزل تک نہ پہنچ سکے تو پانی تک ضرور پہنچ جائیں گے''۔

تینوں نے اپنے اپنے خیال اور اندازے کا اظہار کیا مگر وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔اگر اُن کے پاس گھوڑے ہوتے تو مشکل ذرا آسان ہو جاتی۔نیند نے اُن کے جسموں کو کچھ تازگی دے دی تھی۔

''ساتھیو!'' الناصر نے کہا....''خدائے ذوالجلال نے ہمیں جس امتحان میں ڈال دیا ہے،اس میں پورا اُترنا اور کوئی گلہ شکوہ نہ کرنا ہمارا فرض ہے''۔

''یہاں رُکے رہنا تو کوئی علاج نہیں''....ایک ساتھی نے کہا....''پیشتر اس کے کہ سورج ہمارے سروں پر آ کر ہمیں جلانے لگے،چل پڑو،اللہ تعالیٰ راستہ دکھائے گا''۔

وہ چل پڑے۔سمت کا انہوں نے محض اندازہ کیا تھا۔انہیں دُور کا چکر بھی کاٹنا تھا۔سورج اوپر آتا رہا۔ریت گرم ہوتی گئی اور تھوڑی دُور یوں نظر آتا جیسے یہ ریت نہیں پانی ہو۔زمین سے لرزتا ہوا دھواں سا اوپر کو اُٹھ رہا تھا۔وہ چاروں صحرا کے قہر سے واقف تھے اور عادی بھی۔انہیں سراب بھی نظر آنے لگے مگر صحرا کے اس دھوکے سے واقف ہونے کی بدولت انہوں نے ہر سراب کو نظر انداز کیا۔

''ساتھیو!'' الناصر نے کہا....''ہم ڈاکو نہیں ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں سزا نہیں دے گا۔اگر ہم مر گئے تو یہ موت نہیں شہادت ہوگی۔دِل میں خدا کو یاد کرتے چلو''۔

''اگر کوئی ایسا مسافر مل گیا جس کے پاس پانی ہوا تو میں ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہیں کروں گا''....ایک سپاہی نے کہا۔

سب ہنس پڑے اور سب نے محسوس کیا کہ ہنسنے کے لیے بھی انہیں طاقت صرف کرنی پڑی تھی....پھر سورج اُن کے سروں پر آ گیا۔اوپر سے سورج اور نیچے سے ریت ان سب کو جلانے لگی۔الناصر ایک جنگی ترانہ گنگنانے لگا۔ترانہ ختم ہو گیا تو انہوں نے ایک آواز اور ایک لَے میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه'' کا مترنم ورد شروع کر دیا۔ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ریت کے چمکتے ہوئے ذرّے اُن کے نقوش کو مٹاتے جا رہے تھے۔

سورج دوسری سمت نیچے اُترنے لگا۔چاروں کی آواز دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔قدم وزنی اور رفتار گھٹ گئی تھی۔

ہونٹ خشک ہوگئے اور منہ بند نہیں ہوتے تھے۔ اُن کے سائے جب دوسری طرف بڑھنے لگے تو اُن کا ایک ساتھی خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد دوسرے کی بھی زبان جواب دے گئی۔ النّاصر اور اس کا تیسرا ساتھی سرگوشیوں میں ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا وِرد کر رہے تھے۔ کچھ دُور گئے تو سرگوشیاں بھی خاموش ہوگئیں۔

''ساتھیو!''......النّاصر نے جسم کی بچی کھچی طاقت صرف کر کے کہا......''حوصلہ نہ ہارنا۔ ہمارے جسموں میں ایمان کی بہت نمی ہے۔ ہم ایمان کی طاقت سے زندہ رہیں گے''۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے چہرے کو باری باری دیکھا، وہاں خون کا نام ونشان نہیں تھا۔ سب کی آنکھیں اندر کو چلی گئیں تھیں۔

سورج غروب ہوگیا۔ جوں جوں شام تاریک ہوتی گئی، ریت ٹھنڈی ہوتی گئی۔ النّاصر نے ساتھیوں کو رُکنے نہیں دیا۔ خنکی میں ذرا تیز چلا جاسکتا تھا۔ اگر وہ کوئی عام مسافر ہوتے تو کبھی کے گر چکے ہوتے۔ وہ فوجی اور چھاپہ مار تھے۔ اُن کے جسم عام انسانوں کی نسبت کہیں زیادہ صعوبتیں برداشت کر سکتے تھے۔ وہ چلتے گئے اور کچھ فاصلہ طے کر النّاصر نے انہیں رُکنے اور سو جانے کو کہا۔

☆

صبح کاذب کے قریب النّاصر جاگا۔ آسمان صاف تھا۔ ستاروں کو دیکھ کر اُس نے اندازہ کیا کہ رات کتنی رہتی ہے۔ ایک ستارے کو دیکھ کر اس نے سمت طے کی اور اپنے ساتھیوں کو جگا کر انہیں ساتھ لیا اور سب چل پڑے۔ ان کی رفتار اچھی تھی مگر پیاس انہیں بولنے نہیں دے رہی تھی۔

''یہ ریگستان اتنا وسیع نہیں ہوسکتا''۔ النّاصر نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے......''آج ختم ہو جائے گا، ہم آج پانی تک پہنچ جائیں گے۔

پانی جو دن کو سراب تھا، اندھیرے میں اُمید بن گیا اور وہ اس اُمید کی طاقت پر چلتے گئے۔ صبح کا اُجالا سپید ہوا پھر اُفق سے سورج اُبھرا۔ ان جانباز مسافروں کو سب سے پہلا صدمہ یہ ہوا کہ پانی کی اُمید دم توڑ گئی۔ ریت تو نہیں تھی، زمین سخت تھی۔ اس میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ پھٹی پھٹی زمین تھی، پاؤں کی جہاں ٹھوکر لگتی تھی۔ وہاں سے ریت اور مٹی اُڑتی تھی۔ آٹھ دس میل دُور زمین سے اُبھرے ہوئے ستون اور مینار سے نظر آتے تھے۔ یہ مٹی کے ٹیلے اور ریتلی چٹانوں کی چوٹیاں تھیں۔ درخت ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ زمین کی حالت بتاتی تھی کہ صدیوں سے پیاسی ہے اور یہ کسی انسان کا خون پینے سے گریز نہیں کرے گی۔

النّاصر نے اپنے ساتھیوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ اس سے اُسے اندازہ ہوگیا کہ اس کے اپنے چہرے کی حالت کیسی ہے۔ اس کے ایک ساتھی کی زبان کچھ باہر نکل آئی تھی۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سوجن تھی۔ یہ علامتیں خوفناک تھیں۔ صحرا نے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی کے اس جانباز کا خون پیاسی زمین کی بھینٹ چڑھنے لگا تھا۔ دوسرے دو سپاہیوں کی ظاہری حالت یہ تو نہیں تھی لیکن صاف نظر آرہا تھا کہ میناروں جیسے ٹیلوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ النّاصر ان کا کمانڈر تھا۔ اپنی ذمہ داری کا اُسے اتنا زیادہ احساس تھا کہ اُس کا دماغ اُس کے قابو میں تھا۔ اُس کی جسمانی حالت اپنے ساتھیوں سے بہتر نہیں تھی۔ اس نے بولنے کی کوشش کی۔ یہ اُس کی قوتِ ارادی تھی کہ اُس کے منہ سے چند الفاظ نکل آئے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی مگر یہ ایک ناکام کوشش تھی۔

جوں جوں سورج اُوپر اُٹھتا آرہا تھا، زمین کے غیر مرئی شعلے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ ان چاروں کی رفتار کا

اب یہ حال تھا کہ وہ قدم اُٹھاتے نہیں، پاؤں گھسیٹتے تھے، جس سپاہی کی زبان باہر نکل آئی تھی اس کی برچھی اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر اُس نے کمر بند سے تلوار کھولی اور پھینک دی۔ اُس نے یہ حرکات بے خیالی میں کی تھیں۔ اُس کے ہاتھ اپنے آپ کام کر رہے تھے اور وہ ناک کی سیدھ میں چلا جا رہا تھا۔ یہ صحرا کا ایک ظالمانہ اثر ہوتا ہے کہ بھٹکا ہوا پیاسا مسافر نیند میں مختلف حرکات کرنے کے انداز سے اپنے جسم سے بوجھ پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔ مختلف اشیاء پھینکنے کے بعد وہ اپنے جوتے بھی اُتار پھینکتا ہے۔ وہ کہیں رُکتا نہیں، چلتا جاتا اور چیزیں پھینکتا جاتا ہے۔ صحرائی مسافر جب جگہ جگہ ایسی اشیاء پڑی دیکھتے ہیں تو وہ اس توقع پر آگے بڑھتے ہیں کہ کچھ ہی دُور آگے ایک لاش پڑی ہوگی یا اُس بدنصیب کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوگا جو راستے میں اپنی آخری متاع بکھیرتا گیا ہے۔

صحرا نے الناصر کے ایک ساتھی کو اس مرحلے میں داخل کر دیا تھا جہاں وہ دُنیا کی اشیاء اور اپنے فرائض سے دستبردار ہو رہا تھا۔ الناصر نے اُس کی برچھی اور تلوار اُٹھالی اور اس سپاہی سے بڑے پیار سے کہا...... ''اتنی جلدی نہ ہارو میرے عزیز دوست! اللہ کا سپاہی مر جاتا ہے، ہتھیار نہیں پھینکا کرتا۔ اپنی عزت اور عظمت کو ریت میں نہ پھینکو''۔

اُس کے ساتھی نے اُسے دیکھا۔ الناصر اُسے دیکھتا رہا۔ سپاہی نے اچانک قہقہہ لگایا اور سامنے دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ بڑی جاندار آواز میں بولا...... ''پانی...... وہ دیکھو...... باغ...... پانی مل گیا''...... اور وہ آگے کو دوڑ پڑا۔

وہاں پانی تھا نہ پانی کا سراب۔ وہ زمین ایسی تھی جہاں سراب نظر نہیں آیا کرتے۔ سراب ریت کی چمک کا ہوتا ہے۔ اُس پر صحرا کا دوسرا ظالمانہ اثر ہونے لگا تھا۔ یہ تھے واہمے اور ایسے تصورات جو حقیقی روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ پانی کی جھیلیں اور باغ نظر آتے ہیں۔ عمارتیں دکھائی دیتی ہیں۔ یوں بھی نظر آتا ہے جیسے ایک دو میل دور شہر ہے۔ قافلے جاتے یا اپنی طرف آتے دکھائی دیتے ہیں۔ ناچنے اور گانے والیاں بھی نظر آتی ہیں...... اس بے رحم ویرانے نے الناصر کے ایک ساتھی کو فریب دینے شروع کر دیئے تھے۔ صحرا اُس کی جان سے کھیلنے لگا تھا۔ یہ شاید صحرا کی رحم دلی بھی ہے کہ کسی مسافر کی جان لینے سے پہلے اُسے بڑے ہی حسین اور دلفریب تصوروں میں اُلجھا دیتا ہے تا کہ مرنے والا اذیت سے محفوظ رہے۔

الناصر کا ساتھی آگے کو دوڑ پڑا۔ وہی سپاہی جو قدم گھسیٹ رہا تھا، تازہ دم آدمی کی طرح دوڑ رہا تھا مگر یہ دوڑ اُس چراغ کی مانند تھی جو بجھنے سے پہلے آخری بار ٹمٹمایا ہو۔ الناصر اُس کے پیچھے دوڑا اور اُسے پکڑ لیا۔ اس کے دوسرے دو ساتھیوں میں ابھی کچھ دم باقی تھا۔ وہ بھی دوڑے اور اپنے ساتھی پر قابو پالیا۔ وہ اُن سے آزاد ہونے کو تڑپ رہا تھا اور چلا رہا تھا۔ ''چلو جھیل تک چلو، وہ دیکھو، کتنے غزال جھیل سے پانی پی رہے ہیں''۔

ساتھیوں نے اُسے پکڑے رکھا اور وہ آہستہ آہستہ، قدم گھسیٹتے چلتے گئے۔ الناصر نے وہ کپڑا جو اُس کے سر پر رکھا تھا، اُس کے چہرے پر بھی ڈال دیا تا کہ وہ کچھ دیکھ ہی نہ سکے۔

☆

سورج سر کے عین اوپر آ گیا تھا جب ایک اور سپاہی نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا...... باغ میں رقاصہ ناچ رہی ہے۔ لعنت بھیجو پانی پر، چلو ناچ دیکھیں، حُسن دیکھو...... چلو دوستو، وہاں پانی مل جائے گا۔ لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ میں سب کو جانتا ہوں...... چلو...... چلو''۔ اور وہ دوڑ پڑا۔

جس سپاہی کو پہلے واہمہ نظر آیا تھا، وہ کچھ دیر خاموش رہا تھا، اس لیے ساتھیوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کو دوڑتا دیکھ کر اُس کے پیچھے دوڑ پڑا اور چلانے لگا...... ''رقاصہ بہت خوب صورت ہے۔ میں نے اُسے قاہرہ میں

دیکھا تھا۔ وہ مجھے جانتی ہے۔ میں اس کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اُس کے ساتھ شربت پیوں گا"۔

النّاصر کا سر ڈول گیا۔ وہ صحرا کی صعوبتیں برداشت کر سکتا تھا، اپنے ساتھیوں کی یہ حالت اُس کی برداشت سے باہر تھی۔ انہیں سنبھالنا اُس کے بس سے باہر ہوا جا رہا تھا۔ اُس کی اپنی جسمانی حالت بھی دگرگوں ہو گئی تھی۔ اُس کے ساتھ اب ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا جس کا دماغ ابھی ٹھکانے تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ بے شک ختم ہو چکا تھا۔

اُن کے جو دو ساتھی باغ اور رقص کے واہمے کے پیچھے دوڑے تھے، چند قدم دوڑ کر گر پڑے۔ انہیں گرنا ہی تھا۔ اُن کے جسموں میں رہا ہی کیا تھا۔ النّاصر اور اُس کے ساتھی نے انہیں بٹھا کر اپنے سہارے لے لیا اور اُن پر کپڑوں کا سایہ کر دیا۔ اُن کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور سر ڈول رہے تھے۔

"تم اللہ کے سپاہی ہو"۔ النّاصر نے دھیمی سی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "تم قبلۂ اوّل اور خانہ کعبہ کے پاسبان ہو۔ تم نے اسلام کے دشمنوں کی کمر توڑ دی ہے۔ تم سے کفار ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ تم شعلوں کو روندنے والے مردِ مومن ہو۔ اس صحرا کو، پیاس کو اور سورج کے قہر کو تم کیا سمجھتے ہو، تم پر اللہ کی رحمت برس رہی ہے۔ تمہیں فرشتے بہشت کی ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں...... تمہارا جسم پیاسا ہے، روح پیاسی نہیں۔ ایمان والے پانی کی ٹھنڈک سے نہیں، ایمان کی حرارت سے زندہ رہتے ہیں"۔

دونوں نے آنکھیں کھول دیں اور النّاصر کو دیکھا۔ النّاصر نے مُسکرانے کی کوشش کی۔ اُس نے جذبات کے غلبے سے جو باتیں کہی تھیں، وہ اثر کر گئیں۔ دونوں سپاہی تصوروں اور واہموں کی دُنیا سے نکل کر حقیقت میں آ گئے۔ وہ اُٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چل پڑے۔

صبح روانگی کے وقت انہیں ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے جو ستون اور مینار نظر آئے تھے، وہ قریب آ گئے تھے۔ اب وہ بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے۔ اُمید رکھی جا سکتی تھی کہ وہاں پانی ہوگا۔ وہاں نشیب اور کھڈ نالے بھی ہو سکتے تھے۔ النّاصر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ پانی کے قریب آ گئے ہیں اور آج شام سے پہلے پانی مل جائے گا، مگر وہ زمین اور وہ ماحول ایسی اور اتنی گرم حقیقت تھی کہ پانی کی اُمید شبنم کے قطرے کی طرح اُڑ گئی۔ وہ ٹیلوں اور ٹیکریوں کے اور قریب چلے گئے۔ اچانک ایک سپاہی دوڑ اُٹھا۔ وہ نعرے لگا رہا تھا...... "میرا گاؤں آ گیا ہے۔ میں سب کے لیے کھانا پکوانے جا رہا ہوں۔ کنوئیں سے میرے گاؤں کی لڑکیاں پانی نکال رہی ہیں"۔

اُس کے پیچھے دوسرا سپاہی دوڑ پڑا اور چلّانے لگا...... "مرغابیاں...... مرغابیاں"...... وہ دوڑتے دوڑتے منہ کے بل گرا اور ہاتھ سے مٹی اور ریت اُٹھا کر منہ میں ڈال لی۔

النّاصر اور اُس کا تیسرا ساتھی دوڑے۔ اُس کے منہ سے مٹی نکالی۔ کپڑے سے منہ صاف کیا اور اُسے اُٹھایا، مگر وہ چلنے کے قابل نہیں تھا۔ دوسرا سپاہی بھی گر پڑا تھا اور پیٹ کے بل رینگتے ہوئے کہہ رہا تھا...... "کنوئیں سے پانی پی لوں پھر تمہارے لیے کھانا پکواؤں گا"۔

النّاصر نے اپنے ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ "اے خدائے ذوالجلال! ہم تیرے نام پر لڑنے اور مرنے آئے تھے، کوئی گناہ نہیں کیا۔ کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا، اگر کفار سے لڑنا گناہ ہے تو ہمیں بخش دے، بخش دے صحراؤں کو آگ لگانے والے خدا! میری جان لے لے۔ میرے خون کو پانی بنا دے۔ میرے ساتھی پی کر زندہ رہیں۔ انہوں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قبلۂ اوّل کے غاصبوں کے خلاف لڑائی لڑی ہے۔ میرے خون کو پانی بنا اور انہیں پلا دے"۔

اُس کے ساتھی آہستہ آہستہ اُٹھے اور ہاتھ آگے کو پھیلا کر یوں چلنے لگے جیسے انہیں کچھ نظر آ رہا ہو، جس تک وہ پہنچنا چاہتے ہوں۔ الناصر اور اُس کے ساتھی نے جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا، اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو وہ بھی قدم گھسیٹنے لگے۔ اُس وقت الناصر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آیا اور چھٹ گیا، جیسے سیاہ گھٹا کا ٹکڑا چاند کے آگے سے گزر گیا ہو۔ اندھیرا گزر جانے کے بعد اُسے محسوس ہوا جیسے اُسے سبزہ زار سا نظر آیا ہو مگر اس کے سامنے ٹیلوں اور چٹانوں کے مینار اور ستون تھے۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے سبزہ دیکھا، ضرور تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ صحرا اُسے بھی فریب دینے لگا ہے۔

☆

وہ ٹیلوں کے اندر جا رہے تھے۔ یہ ٹیلے چوڑے تھے۔ کوئی اونچا تھا۔ کہیں کہیں کوئی ریتلی چٹان بھی نظر آتی تھی۔
وہ اور آگے گئے تو کسی ندی یا دریا کا خشک پاٹ آ گیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ صدیوں سے یہاں سے پانی نہیں گزرا۔
الناصر آگے آگے اور اُس کے ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ الناصر چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا، مگر اُسے جو کچھ دکھائی دیا تھا، وہ بدستور نظر آتا رہا...... خشک پاٹ کے بائیں کنارے پر ریتلی چٹان تھی جو اوپر جا کر آگے کو جھک آئی تھی۔ شاید ایک دو صدیاں پہلے اس کے دامن سے پانی ٹکراتا رہا تھا۔ وہاں سے یہ پانی کی ماری ہوئی تھی۔ اُس کی شکل برآمدے کی سی بنی ہوئی تھی۔ چھت خاصی اونچی تھی اور وہاں سایہ تھا۔ اس سائے میں دو گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے قریب دو جوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اُن کے رنگ گورے اور نقش و نگار بہت دلکش تھے۔
الناصر نے اُن سے دُور رُک کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا...... ''تمہیں بھی وہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے نظر آ رہے ہیں؟''
اُس کے وہ دو ساتھی جو واہموں اور تصوروں کا شکار ہو چکے تھے، خاموش رہے۔ ایک نے کہا...... ''دُھند ہے، کچھ بھی نظر نہیں آ رہا......'' اور وہ گر پڑا۔
اُس کا وہ ساتھی جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا، سرگوشی میں بولا...... ''میں انہیں دیکھ رہا ہوں''۔
''اللہ ہم پر رحم کرے''۔ الناصر نے کہا...... ''ہم دونوں کے بھی دماغ ماؤف ہو گئے ہیں۔ ہمیں بھی وہ چیزیں نظر آنے لگی ہیں جو حقیقت میں نہیں ہیں۔ جہنم کے اس ویرانے میں اتنی خوب صورت لڑکیاں نہیں آسکتیں''۔
''اگر ان کا لباس صحرائی خانہ بدوشوں جیسا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ تصور نہیں، حقیقت ہے''...... اُس کے ساتھی نے کہا...... ''آگے چلو سائے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ لڑکیاں نہیں، ہمارے ذہنوں کا فتور ہے''۔
''مگر میں ہوش میں ہوں''...... الناصر نے کہا...... ''میں تمہیں پہچان رہا ہوں، تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔ میرا دماغ میرے قابو میں ہے''۔
''میں بھی ہوش میں ہوں''...... اس کے ساتھی نے کہا...... ''اگر ہم حقیقت میں لڑکیاں دیکھ رہے ہیں تو جنات ہوں گے''۔
لڑکیاں اس طرح بے حس و حرکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھیں، جیسے بت ہوں۔ الناصر دلیر آدمی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھا۔ لڑکیاں غائب نہ ہوئیں۔ وہ اُن سے چار پانچ قدم دُور تھا۔ جب ایک لڑکی نے جو دوسری سے عمر میں کچھ بڑی لگتی تھی، دایاں بازو الناصر کی طرف کیا۔ لڑکی کی مٹھی بند تھی۔ اُس نے شہادت کی اُنگلی اور درمیانی اُنگلی آگے کو کر دی۔ الناصر رُک گیا۔ اُس نے اتنی خوب صورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ سر کی اوڑھنی سے اُن کے جو بال شانوں

پر پڑے نظر آتے تھے، وہ باریک ریشم کے تار لگتے تھے۔ دونوں لڑکیوں کی آنکھوں کا رنگ بھی دلکش اور عجیب تھا۔ آنکھیں ہیروں کی طرح چمکتی تھیں۔

''تم سپاہی ہو''...... بڑی لڑکی نے کہا...... ''کس کے سپاہی ہو؟''

''سب کچھ بتاؤں گا''...... الناصر نے کہا...... ''مجھے یہ بتادو کہ تم صحرا کا دھوکہ ہو یا جنات کی مخلوق میں سے ہو''۔

''ہم جو کچھ بھی ہیں، تم بتاؤ کون ہو اور ادھر کیا کرنے آئے ہو''...... لڑکی نے پوچھا...... ''ہم صحرا کا فریب نہیں۔ تم ہمیں دیکھ رہے ہو، ہم تمہیں دیکھ رہی ہیں''۔

''ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار سپاہی ہیں''...... الناصر نے کہا...... ''راستہ بھول کر ادھر آ نکلے ہیں، اگر تم جنات میں سے ہو تو تمہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واسطہ، میرے ان ساتھیوں کو پانی پلا دو اور اس کے عوض میری جان لے لو، یہ میری ذمہ داری میں ہیں''۔

''اپنے ہتھیار ہمارے آگے پھینک دو''...... لڑکی نے اپنا بازو نیچے کرتے ہوئے کہا...... ''حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام پر مانگی ہوئی چیز سے ہم انکار نہیں کرسکتے۔ اپنے ساتھیوں کو سائے میں لے آؤ''۔

الناصر نے اپنے وجود میں ایک لہر دوڑتی محسوس کی، جیسے سر سے داخل ہوئی اور پاؤں سے نکل گئی ہو۔ وہ انسانوں کا مقابلہ کرنے والا جانباز تھا۔ اُس کے شب خون اُس کے ساتھیوں کو حیران کردیا کرتے تھے، مگر ان لڑکیوں کے آگے وہ بزدل بن گیا۔ اُس کے دل پر ایسے خوف کی گرفت تھی جو اُس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جنات کی کہانیاں سنتا رہا تھا، جنات سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اُسے ہر لحہ توقع تھی کہ یہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے غائب ہو جائیں گے یا شکلیں بدل لیں گے۔ ان کے خلاف وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ بے بس اور مجبور ہوگیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ سائے میں چلیں۔ اُن میں سے ایک تو بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے گھسیٹ کر سائے میں لے گئے۔

''اپنے متعلق بتاؤ تم کیا کرکے آئے ہو؟''...... لڑکی نے پوچھا۔

''پانی پلاؤ''...... الناصر نے التجا کی...... سنا ہے جنات ہر چیز حاضر کردیا کرتے ہیں''۔

''گھوڑوں کے ساتھ مشکیزے ہیں''...... لڑکی نے کہا...... ''ایک کھول لو''۔

الناصر نے ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا مشکیزہ کھولا۔ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے بے ہوش ساتھی کے منہ میں پانی ٹپکایا۔ اُس نے آنکھ کھولی اور اُٹھ بیٹھا۔ الناصر نے مشکیزہ اُس کے منہ سے لگا دیا، لیکن اُسے زیادہ پانی نہ پینے دیا۔ باری باری سب نے پانی پی لیا۔ الناصر کا دماغ صاف ہوگیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ لڑکیاں تصور یا واہمہ ہوتا تو دماغ میں جان آجانے سے یہ واہمہ غائب ہو جاتا لیکن لڑکیاں وہاں موجود تھیں اور سب سے بڑی حقیقت یہ تھی کہ اُس نے پانی پیا تھا۔ اگر پانی محض تصور ہوتا تو اس سے اُس کے جسم میں تازگی نہ آتی۔ اس نے لڑکیوں کو ایک بار پھر دیکھا اور بڑی غور سے دیکھا۔ اب وہ اُسے اور زیادہ حسین نظر آئیں، وہ یقیناً انسان نہیں تھیں۔

الناصر کی ذہنی، جذباتی اور جسمانی کیفیت یہ تھی کہ اُسے اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے سوچنے کے قابل نہیں رہا۔ اُس کے ساتھیوں کے چہروں پر زندگی عود کر آئی تھی۔ یہ اس تھوڑے سے پانی کا کرشمہ تھا جو اُن کے جسموں میں گیا تھا مگر الناصر کی طرح اُن پر بھی خوف طاری ہوگیا تھا۔ لڑکیاں انہیں خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ باہر کی دُنیا جل رہی تھی۔ زمین ایسے شعلے اُگل رہی تھی جو محسوس ہوتے تھے، نظر نہیں آتے تھے، لیکن جہاں یہ لوگ

بیٹھے تھے، وہ ان شعلوں سے محفوظ تھے۔ اوپر ریتلی چٹان کی چھت تھی اور جگہ خاصی کشادہ تھی۔

بڑی لڑکی نے بازو الناصر کی طرف بڑھایا۔ درمیانی اُنگلی اور شہادت کی اُنگلی آگے کر کے بازو کو گھوڑوں کی طرف گھما کر کہا...... ''وہ تھیلا کھول لاؤ اور اپنے ساتھیوں کو دو''۔

الناصر ایسے انداز سے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا چمڑے کا تھیلا کھول لایا جیسے اُس نے یہ حرکت کسی جادو کے زیر اثر کی ہو۔ اُس نے تھیلا کھولا تو اس میں کھجوروں کے علاوہ کھانے کی کچھ ایسی چیزیں پڑی تھیں جو صرف امیر لوگ کھایا کرتے تھے۔ خشک گوشت بھی تھا جو کھانے کے قابل تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو دیکھا۔ بڑی لڑکی نے کہا......

''کھاؤ''...... الناصر نے یہ چیزیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ ان سب کے پیٹ پیٹھ سے لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانا مقدار کے لحاظ سے تھوڑا تھا جو بظاہر ایک آدمی کے لیے کافی تھا، لیکن چاروں سیر ہو گئے۔ انہیں ماحول نکھرا ہوا دکھائی دینے لگا۔ لڑکیوں کا حسن پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش اور پُراسرار ہو گیا۔

''تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟''...... الناصر نے بڑی لڑکی سے کہا...... ''جن اور انسان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تم آگ ہو، ہم مٹی اور پانی ہیں۔ ہم سب کا خالق خدا ہے۔ ہمیں اپنے خالق کی مخلوق سمجھ کر ہم پر رحم کرو۔ ہمیں ترکمان کے راستے پر ڈال دو۔ تم چاہو تو پلک جھپکتے ہمیں ترکمان پہنچا سکتے ہو''۔

''تم کہیں شب خون مارنے گئے تھے؟''...... بڑی لڑکی نے پوچھا...... ''صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار بھی جن ہوتے ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ تم کہاں گئے تھے اور کیا کر کے آئے ہو''۔

الناصر نے اُسے اپنی تمام کارگزاری سنا دی۔ اُس کی ٹولی نے جس دلیری سے شب خون مارے اور جو نقصان کیا تھا، وہ پوری تفصیل سے سنایا، پھر یہ بتایا کہ وہ کس طرح واپسی کے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

''تم اپنے سپاہیوں سے بہتر سپاہی معلوم ہوتے ہو''...... لڑکی نے کہا...... ''کیا تمہاری فوج کا ہر ایک سپاہی یہ کام کر سکتا ہے، جو تم نے کیا ہے؟''

''نہیں'' الناصر نے جواب دیا...... ''ہم چاروں کو تم انسان نہ سمجھو۔ ہمیں استادوں نے جو تربیت دی ہے، وہ ہر ایک سپاہی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم صحرائی ہرن کی طرح دوڑ سکتے ہیں۔ عقاب کی طرح ہماری آنکھیں بہت دُور تک دیکھ سکتی ہیں اور ہم چیتے کی طرح حملہ کرتے ہیں۔ ہم میں سے کسی نے بھی چیتا نہیں دیکھا۔ استادوں نے بتایا تھا کہ چیتا کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح حملہ کرتا ہے۔ اس جسمانی پھرتی کے علاوہ ہمارے دماغ دوسرے سپاہیوں کی نسبت زیادہ اچھی طرح سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں استادوں نے یہ ہنر بھی سکھایا ہے کہ دشمن کے ملک میں جا کر فوجی راز کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہم بھیس بدل لیتے ہیں، آواز بدل لیتے ہیں، اندھے بن سکتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو ہم آنسو بہا سکتے ہیں اور جب پکڑے جانے کا خطرہ ہو تو ہم اپنی زندگی سے دستبردار ہو کر لڑتے اور نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم قید نہیں ہوتے، شہید ہوا کرتے ہیں''۔

''اگر ہم جن نہ ہوتی تو تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے؟''...... لڑکی نے پوچھا۔

''تم یقین نہیں کرو گی''...... الناصر نے کہا...... ''ہم وہ پتھر ہیں جنہیں عورت کا حسن توڑ نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہو جائے کہ تم انسان ہو اور پتہ چل جائے کہ راستہ سے بھٹک گئی ہو تو تم دونوں کو اپنی پناہ میں لے لوں گا اور اپنے ایمان کی طرح قیمتی سمجھوں گا، مگر تم انسان نہیں ہو، تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم انسان نہیں ہو۔ تم جیسی لڑکیاں اس جہنم میں نہیں آ سکتیں۔ اب میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ ہمیں پناہ میں لے لو''۔

''ہم انسانوں کی مخلوق سے نہیں''......لڑکی نے کہا......''ہمیں معلوم تھا کہ تم کیا کر رہے ہو، ہمیں معلوم تھا کہ تم راستے سے بھٹک گئے ہو، اگر تم گناہگار ہوتے تو جس صحرا سے تم گزر کر آئے ہو، وہ تمہارا خون پی جاتا اور تمہارے جسم کے گوشت کو ریت بنا کر تمہاری ہڈیاں ننگی کر دیتا۔ اس صحرا نے بھٹکے ہوئے گناہگاروں کو کبھی نہیں بخشا۔ ہم دونوں تمہارے ساتھ تھیں۔ تمہیں جو صعوبتیں برداشت کرنی پڑی ہیں، وہ اس لیے تم پر ڈالی گئی ہیں کہ تم خدا کو بھول نہ سکو اور تمہارے دل سے گناہ کا خیال اور ارادہ نکل جائے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہم جیسی خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر تم بھوک اور پیاس کو بھول جاؤ گے اور تمہارے دل پر شیطان کا قبضہ ہو جائے گا''۔

''تم ہمارے ساتھ ساتھ کیوں رہیں؟''......الناصر نے پوچھا۔

''ہمیں اُس نے بھیجا ہے جو صحراؤں میں راستہ بھول جانے والے نیک بندوں کو راہ دکھاتا ہے''......بڑی لڑکی نے کہا......''تم پر خدا نے جو رحمت نازل کی ہے، اُس کا تم حساب نہیں کر سکتے۔ اُس نے ہمیں کہا تھا کہ مرد نزع کے عالم میں بھی شیطان کے اثر سے آزاد نہیں ہوتا۔ اِس ناپاک قبضے سے آزاد کرانے کے لیے خدا نے تمہیں عذاب میں ڈالا ہے، پھر ہمیں حکم ملا کہ اِن کے سامنے آ جاؤ اور انہیں پناہ میں لے لو......ہم جانتے تھے کہ تم نے دشمن کو کس طرح اور کتنا نقصان پہنچایا ہے''۔

''پھر مجھ سے کیوں پوچھا تھا؟''......الناصر نے پوچھا۔

''یہ دیکھنے کے لیے کہ تم کتنا جھوٹ اور کتنا سچ بولتے ہو''......لڑکی نے کہا......''تم سچے ہو''۔

''ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے''......الناصر نے کہا......''شب خون مارنے والے خدا کو گواہ بنایا کرتے ہیں۔ اپنی فوج اور اپنے سالاروں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ہم اس حقیقت کو دل میں بٹھا لیتے ہیں کہ ہمیں خدا دیکھ رہا ہے۔ ہم خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے''......الناصر خاموش ہو گیا اور پوچھا......''تم نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی''۔

''جو ہمیں حکم ملا ہے، اُس کے خلاف ہم کچھ نہیں کر سکتے''......لڑکی نے جواب دیا......''ہمارا سلوک بُرا نہیں ہو گا......ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم اب بول نہیں سکتے۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں مگر تمہارے دلوں میں جو خوف ہے، وہ تمہیں سونے نہیں دے رہا۔ دل سے خوف نکال دو اور سو جاؤ''۔

''پھر کیا ہو گا؟''......الناصر نے پوچھا۔

''جو اللہ کا حکم ہو گا''......لڑکی نے جواب دیا......''ہم تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر بھاگنے کی کوشش کرو گے تو ان ریتلے ستونوں کی طرح ستون بن جاؤ گے۔ تمہیں دُور سے یہ ستون نظر آئے ہوں گے۔ ان کے اوپر کوئی چھت نہیں۔ یہ مینار لگتے ہیں، اصل میں انسان ہیں......انسان تھے۔ ہمیں حکم نہیں کہ تمہیں دکھاؤں، اگر حکم ہوتا تو کسی بھی مینار پر تم تلوار کی ضرب لگاتے تو اس میں سے خون پھوٹتا''۔

الناصر اور اُس کے ساتھیوں کی آنکھیں خوف سے باہر آنے لگیں۔ اُن کی سانسیں رُک گئیں۔

''یہ روئے زمین کا جہنم ہے''......لڑکی نے کہا......اِدھر وہی آتا ہے جو راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے اور وہ کہ جو بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے اور کسی کو نظر نہیں آیا کرتا، انہیں غزال جیسے خوب صورت جانوروں یا ہم جیسی خوب صورت لڑکیوں کے روپ میں آ کر انہیں راہ پر ڈالتا، پانی پلاتا اور انہیں اس دوزخ کی اذیت سے بچا لیتا ہے مگر انسان گناہوں کا اتنا شیدائی ہے کہ غزال کو دیکھتا ہے تو اُس پر تیر چلاتا ہے کہ اُسے مارے اور اُس کا گوشت کھائے اور جب ہم

جیسی عورت کو دیکھتا ہے تو اُسے تنہا اور مجبور سمجھ کر اُسے عیش و عشرت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اُس کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ وہ لڑکی سے کہتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ، تمہارے ساتھ شادی کروں گا، تم میرے حرم کی ملکہ ہوگی...... ریت اور مٹی کے یہ بے ڈھنگ اور لمبوترے مینار ایسے ہی آدمی تھے، تم ان میں شامل نہیں ہو گے...... سو جاؤ۔ اگر ہمیں دیکھ کر تمہارے دل میں گناہ انگڑائی لے تو اسے بھی سلا دینا، ورنہ تمہارا انجام یہی ہوگا جو تم دیکھ رہے ہو۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جس لذت کی وہ پیداوار ہے، اسی لذت کا شیدائی ہو کر تباہ ہوتا ہے اور بُرے بُرے انجام کو پہنچتا ہے۔ انسان کی اِس کمزوری نے قوموں کے نام و نشان مٹا دیئے ہیں''۔

لڑکی کے بولنے کے انداز میں جادو کا سا اثر تھا۔ یہ کسی پہلو اس دنیا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس کے سینے میں ایک مقدس پیغام تھا۔ الناصر اور اُس کے ساتھیوں پر تقدس طاری ہو گیا اور وہ خود فراموشی کے عالم میں سنتے رہے، پھر وہ اونگھنے لگے اور ایک ایک کر کے لڑھک گئے۔ چاروں گہری نیند سو گئے تو بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی کی طرف دیکھا۔ دونوں مُسکرائیں اور انہوں نے سکون کی لمبی آہ بھری۔

☆

الناصر کو کچھ خبر نہیں تھی کہ جس طرح اُس کا مشن کامیاب ہو چکا ہے اُسی طرح اُس کی فوج ایک ہی ہلے میں اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اتحادی فوج کو سلطان ایوبی بکھیر کر بھگا چکا تھا۔ اتحادی فوج کا سالارِ اعلیٰ سیف الدین میدانِ جنگ سے لاپتہ ہو چکا تھا اور اب سلطان ایوبی سیف الدین کے ایک سالار مظفر الدین کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر مظفر الدین میدانِ جنگ میں ہوا تو وہ جوابی حملہ ضرور کرے گا۔ سلطان ایوبی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ مظفر الدین وہیں تھا۔ اُس کے پاس اس فوج کا چوتھائی حصہ تھا جو سلطان ایوبی کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ چکی تھی۔ اس چوتھائی حصے کو جنگ میں شریک ہونے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ یہ شکست خوردہ فوج کا محفوظہ تھا جو محفوظ تھا اور سلطان ایوبی اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا، یہ اس کی چھٹی حس تھی جو اُسے بتا رہی تھی کہ خطرہ ابھی موجود ہے۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کو میدانِ جنگ کے اردگرد دُور دُور تک پھیلا دیا تھا تا کہ کسی بھی جگہ کوئی فوج ہو اُس کی اطلاع فوراً پہنچائیں۔

وہاں ہر فوجی کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ سیف الدین کی فوج مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے اور یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس فوج کا کوئی سپاہی یا افسر زندہ موجود ہوگا۔ ان میں سے جو زندہ موجود تھے، وہ سلطان ایوبی کی فوج کی حراست میں جنگی قیدی تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ خطہ ایسا تھا کہ جس کے خدوخال کئی کئی دستوں کو ایک ایک نشیب میں، چٹانوں کے جھرمٹ میں یا جنگل میں چھپا سکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسی نظام کو یہی دشواری پیش آ رہی تھی، حالانکہ یہ وہ نظام تھا جو دشمن کے پیٹ میں جا کر راز نکال لایا کرتا تھا۔

مظفر الدین نے میدانِ جنگ سے دو اڑھائی میل دُور ایسی جگہ اپنے دستے چھپا رکھے تھے جو اس خطے کا نشیبی علاقہ تھا، وہاں جنگل بھی تھا اور اردگرد چٹانیں بھی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھا سلطان ایوبی پر حملے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اس کا ایک نائب سالار خیمے میں داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔

''کوئی نئی خبر ہے؟''...... مظفر الدین نے پوچھا۔

''صلاح الدین ایوبی کی فوج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی''...... نائب سالار نے کہا...... ''تفصیل اس سے سن لو، یہ سب کچھ دیکھ آیا ہے''۔

یہ آدمی جاسوس تھا۔ اُس نے کہا..... ''صلاح الدین ایوبی کی فوج نے ابھی ہماری اس فوج کا سامان نہیں اُٹھایا جو بھاگ گئی ہے۔ زخمیوں کو اُٹھا لے گئے ہیں۔ لاشیں بھی اُٹھالی گئی ہیں، ہماری لاشوں کو بھی وہ اپنی لاشوں کے ساتھ الگ الگ قبروں میں دفن کر رہے ہیں''۔

''مجھے اُن کی خبر سناؤ جو ابھی زندہ ہیں''..... مظفرالدین نے کہا..... ''مرنے والوں کو قبروں میں اُترنا ہے، وہ اُتر رہے ہیں۔ کیا ایوبی نے اپنی فوج میں کوئی ردّوبدل کیا ہے؟ اُس کا دایاں بازو وہیں ہے یا اِدھر اُدھر ہو گیا ہے؟''

''قابلِ صد احترام سالار!''..... جاسوس نے کہا..... ''میں سپاہی نہیں، کمان دار ہوں، میں جو خبر دے رہا ہوں، وہ کچھ سوچ اور کچھ سمجھ کر دے رہا ہوں۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ کو خوش کروں اور آپ کی خفگی سے ڈروں۔ میرا مقصد بالکل آپ ہی کی طرح یہی ہے کہ سلطان ایوبی کی فتح کو شکست میں بدلا جائے۔ آپ کچھ جلدی میں معلوم ہوتے ہیں، جلدی ضرور کریں، جلد بازی سے بچیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں، مجھے کہنے دیں۔ مجھے پابند نہ کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی نظر سلطان ایوبی کے دائیں پہلو پر ہے کیونکہ یہی ہدف آپ کی آسان زد اور رسائی میں ہے، مگر میں نے اُس کی فوج کے دوسرے حصوں کو بھی پیش نظر رکھ کر دیکھا ہے کہ ہم اُس کے دائیں پہلو پر حملہ کریں گے تو سلطان ایوبی فوج کے دوسرے حصوں کو کس طرح استعمال کرے گا''۔

''وہ ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا''..... مظفرالدین نے کہا..... ''گھیرا وسیع رکھے گا۔ ہمیں گھمائے پھرائے گا اور گھیرا تنگ کرتا جائے گا۔ میں اُس کی چالوں کے متعلق پیش گوئی کر سکتا ہوں''۔

''صلاح الدین ایوبی نے محفوظہ کے اُن دستوں کو جن سے اُس نے ہمارے قلب پر حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی ہے پھر سے سمیٹ لیا اور اگلے دستوں سے ایک کوس پیچھے تیار رکھا ہوا ہے۔ آپ ٹھیک سمجھے ہیں کہ سلطان ایوبی ہمارے حملہ آور دستوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا۔ میں قبروں کا جو ذکر کر رہا تھا، وہ بے معنی نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کا دایاں بازو جس جگہ ہے اُس سے ڈیڑھ ایک کوس پیچھے ہماری اور ایوبی کی فوج کی لاشوں کے لیے قبریں کھودی گئی ہیں۔ اُن کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ یہ ڈیڑھ ہزار گڑھے ہیں۔ آپ قبر کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی سے واقف ہیں۔ آپ ایسی سمت سے حملہ کریں کہ ایوبی کے دستے پیچھے ہٹیں۔ آپ انہیں قبروں کے قریب لے جائیں۔ دست بدست لڑنے کی بجائے تیروں کا اندھا دُھند استعمال کریں اور انہیں مجبور کر دیں کہ قبروں پر چلے جائیں۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ گھوڑے کھلی ہوئی قبروں میں کس طرح گریں گے۔ ان میں سے جن قبروں میں لاشیں اُتار کر ان پر ڈھیریاں بنا دی گئی ہیں، وہ بھی اُن کے لیے رکاوٹ بنیں گی''۔

''ایوبی کے دائیں بازو کی قوت کتنی اور کس قسم کی ہے؟''..... مظفرالدین نے پوچھا۔

''کم از کم ایک ہزار سوار اور ڈیڑھ ہزار پیادے ہیں''..... جاسوس کمان دار نے جواب دیا..... ''یہ دستے تیاری کی حالت میں ہیں۔ آپ انہیں بے خبری میں نہیں لے سکتے''..... اُس نے اس نقشے پر جو مظفرالدین کے آگے پڑا تھا، ایک جگہ اُنگلی رکھ کر کہا..... ''یہ ہے دشمن (ایوبی) کا دایاں بازو۔ میرے اندازے کے مطابق اُس کا پھیلاؤ آٹھ سو قدم ہے۔ اُس کے سامنے کی زمین گڑھوں والی ہے۔ نیچی نیچی گول گول ٹیکریاں بھی ہیں۔ اُس کے دائیں کا علاقہ صاف ہے۔ حملے کے لیے یہ راستہ موزوں نظر آتا ہے مگر حملہ سامنے سے کیا جائے۔ دشمن پیچھے ہٹے گا''۔

''میرا حملہ سامنے کے بے کار راستے سے بھی ہوگا، دائیں جانب سے صاف راستے سے بھی''..... مظفرالدین

نے کہا...... ''میں قبروں کے گڑھوں اور ڈھیریوں کو استعمال کروں گا''...... اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا...... ''کوئی بھی آدمی کہیں بھی نظر آئے اسے پکڑ لو۔ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔ اِدھر سے کوئی مسافر نہیں گزرے گا۔ اِدھر سے وہی گزرے گا جو جاسوس ہوگا''۔

☆

دو مسافروں کو شاید معلوم نہیں تھا کہ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔ ایک اونٹ پر سوار تھا۔ وہ بوڑھا تھا۔ اُس کی داڑھی سفید تھی۔ اونٹ پر کچھ سامان بھی لدا ہوا تھا۔ دوسرے نے اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ وہ دونوں دیہاتی لباس میں تھے۔ وہ اُس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں سے مظفر الدین کے چھپے ہوئے دستے نظر آ رہے تھے۔ ایک فوجی نے انہیں پکارا۔ وہ نہ رُکے۔ اُن کی رفتار تیز ہو گئی۔ ایک گھوڑ سوار ان کے پیچھے گیا تو وہ رُک گیا۔ سوار نے انہیں ساتھ چلنے کو کہا۔

''ہم مسافر ہیں''...... جوان آدمی نے کہا...... ''آپ کا کیا بگاڑ ہے؟ ہمیں جانے دیں''

''حکم ہے کہ یہاں سے جو گزرے اُسے روک لیا جائے''...... گھوڑ سوار نے کہا اور اُنہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

اُنہیں ایک خیمے کے سامنے جا کھڑا کیا اور خیمے میں اطلاع دی گئی۔ ایک کمان دار باہر آیا۔ اس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے جو جواب دیا، اس سے کمان دار مطمئن ہو گیا، لیکن اس نے انہیں بتایا کہ انہیں آگے نہیں جانے دیا جائے گا۔ انہیں عزت سے رکھا جائے گا، قید میں نہیں۔ اُن کے اس سوال کا جواب نہ دیا جا سکا کہ انہیں کب تک یہاں رکھا جائے گا۔ یہ پہلے مسافر تھے جنہیں مظفر الدین کے حکم کے مطابق روکا گیا تھا۔ انہیں دو سپاہیوں کے حوالے کر کے کہا گیا کہ وہ اُن کے خیمے میں رہیں گے۔ ان کی کسی نے نہ کی۔

اُنہیں جس خیمے میں رکھا گیا، وہاں یہی دو سپاہی رہتے تھے۔ رات کو سپاہی سو گئے۔ سفید ریش بوڑھا جاگ رہا تھا۔ خیمے میں اندھیرا تھا۔ بوڑھے نے خراٹوں سے اندازہ کیا کہ دونوں سپاہی سو گئے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھی کو ٹھوکر ماری۔ دونوں لیٹے لیٹے سرکنے لگے۔ جب خیمے کے دروازے تک پہنچے تو باہر کو سرک گئے۔ باہر خاموشی تھی۔ خیمے سے کچھ دُور جا کر بوڑھے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ اس سے الگ ہو جائے اور کسی اور سمت سے خیمہ گاہ سے باہر نکلے۔ دونوں الگ ہو گئے، اُن کی یہ توقع پوری نہ ہوئی کہ وہاں سارا کیمپ سویا ہوا ہوگا۔ سنتری جاگ رہے تھے۔ ایک سنتری نے اندھیرے میں سائے کو حرکت کرتے دیکھا تو اُسے بلانے کی بجائے اُس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ بوڑھا تھا۔ اُس نے سنتری کو دیکھ لیا اور وہ کہیں چھپ گیا۔ سنتری آیا۔ اُسے ڈھونڈنے لگا وہاں کچھ سامان پڑا تھا۔ اس ڈھیر میں کہیں چھپا رہا، پھر اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہاں سے دبے پاؤں نکل گیا۔ بالکل اسی طرح ایک اور سنتری نے اُس کے ساتھی کو دیکھ لیا۔ مظفر الدین نے جاسوسوں پر نظر رکھنے اور انہیں پکڑنے کے بڑے ہی سخت احکام دے رکھے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بہت تیز اور ہوشیار ہیں۔ چنانچہ مظفر الدین نے اُس کے جاسوسوں کو پکڑنے کے لیے خاص قسم کی ہدایات دی تھیں، انہی ہدایات کے مطابق سنتری بوڑھے اور اُس کے ساتھی کو پکارتے نہیں تھے، اُن کا تعاقب کر رہے تھے۔

بوڑھے کا ساتھی بھی چھپ گیا۔ اِدھر بوڑھا بھی ایک سنتری کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بوڑھا اور ایک جگہ چھپا۔ سنتری اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔ سنتری غلط فہمی میں آگے نکل گیا۔ بوڑھے نے خنجر نکال لیا۔ اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس سنتری سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے خنجر سے ہلاک کر دے گا۔ بوڑھا اُٹھا۔ ابھی دیکھ ہی رہا تھا

کہ کدھر کو نکلے کہ اچانک ایک آدمی اُس کے قریب آ رُکا۔ بوڑھے نے ذرّہ بھر توقف نہ کیا۔ خنجر اُس آدمی کے دِل میں اُتار دیا۔ فوراً بعد دوسرا وار کیا۔ اُس آدمی کے منہ سے آواز نکلی اور خاموش ہوگئی۔ وہ آدمی گر پڑا۔

بوڑھا وہاں سے بھاگنے کی راہ دیکھ رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ بوڑھے نے جسم کو اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ اُسے دبوچنے والا اس سے الگ ہو کر گرا۔ وہ تیز بھاگا مگر کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اُس نے جسے گرایا تھا وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ تیز دوڑا اور بوڑھے کو پیچھے سے پکڑ لیا، ساتھ ہی اُس نے شور مچا دیا۔ مشعلیں جل اُٹھیں۔ تین چار سنتری دوڑے آئے۔ انہوں نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ یہ تو کوئی سفید ریش بزرگ ہے مگر ان سب سے آزاد ہونے کے لیے ایسی پھرتی اور ایسی طاقت کا مظاہرہ کر رہا تھا جو اس عمر میں کم ہی کسی انسان میں ہوتی ہے۔ وہ اکیلا تھا۔ سنتری زیادہ تھے۔ وہ ان سے آزاد نہ ہو سکا مگر اس کوشش میں اُس کی سفید داڑھی اُتر کر گر پڑی۔ سب نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی سیاہ داڑھی تھی جو سلیقے سے تراشی ہوئی تھی اور وہ ایک جوان آدمی تھا۔ سفید داڑھی مصنوعی تھی۔

اُسے پکڑ کر اُس جگہ لے گئے جہاں اُس نے ایک سنتری کو خنجر کے دو وار کر کے مار ڈالا تھا۔ مشعل کی روشنی میں سب نے دیکھا کہ وہ کوئی سنتری نہیں بلکہ اسی آدمی کا ساتھی تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اُس آدمی نے جو سفید داڑھی لگا کر بوڑھا بنا ہوا تھا، اپنے ہی ساتھی کو سنتری سمجھ کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ دونوں ساتھی الگ الگ ہو کر کیمپ سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر سنتریوں نے انہیں دیکھ لیا۔ یہ دونوں تعاقب سے بچنے کی کوشش میں اکٹھے ہو گئے۔ سفید داڑھی والے نے اُسے سنتری سمجھا اور نہایت عجلت میں اُسے خنجر سے مار ڈالا۔ لاش کی تلاشی لی گئی۔ اس کے کپڑوں کے اندر سے خنجر برآمد ہوا۔ اُن کے اونٹ پر جو سامان تھا، وہ کھول کر دیکھا گیا تو کوئی سامان نہیں تھا۔ بوریوں میں گھاس پھونس بھر کر سامان کا دھوکہ دیا گیا تھا۔

اس آدمی کو ایک نائب سالار کے خیمے میں لے گئے۔ نائب سالار جاگ اُٹھا۔ اُس نے اس آدمی سے بہت کچھ پوچھا لیکن اُس نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اس کی سفید داڑھی جو اُس کے چہرے سے اُتری تھی، نائب سالار کو دکھائی گئی۔ اس کے متعلق بھی اُس نے خاموشی اختیار کی مگر یہ ایسے ثبوت تھے جنہیں وہ جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ تسلیم کر لے کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور اُس کا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ اُس نے یہ الزام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اُسے مارا پیٹا گیا۔ بہت پریشان کیا گیا لیکن اُس نے اعتراف نہ کیا کہ وہ جاسوس ہے۔ رات گزر گئی۔

صبح اُسے مظفر الدین کے سامنے لے جایا گیا اور اُسے رات کا واقعہ سنایا گیا۔ اُس کی مصنوعی داڑھی اور اس کے اونٹ کا سامان بھی مظفر الدین کے آگے رکھا گیا۔

''علی بن سفیان کے شاگرد ہو یا حسن بن عبداللہ کے؟''...... مظفر الدین نے اس سے پوچھا۔ (علی بن سفیان سلطان ایوبی کی ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ اور حسن بن عبداللہ اس کا نائب تھا)۔

''میں ان دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتا''...... ملزم نے جواب دیا۔

''میں جانتا ہوں ان دونوں کو''...... مظفر الدین نے کہا...... ''میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا شاگرد ہوں، اُستاد اپنے شاگرد کو دھوکہ نہیں دے سکتا''۔

''میرا آپ کے ساتھ اور سلطان ایوبی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں''...... ملزم نے جواب دیا۔

''سنو میرے بدقسمت دوست!''...... مظفر الدین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کروں گا۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تم نالائق اور نکمے ہو۔ تم نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ پکڑا جانا

کوئی عیب نہیں۔ تمہاری بدقسمتی کہ تمہارا ساتھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہارا کوئی ساتھی یہاں سے ہو گیا ہے اور وہ ایوبی کو اطلاع دے چکا ہے کہ اس جگہ فوج ہے؟ اور یہ بتا دو کہ اس وقت تمہاری فوج کی ترتیب کیا ہے اور دستے کہاں کہاں ہیں۔ ان سوالوں کا جواب دو اور میں تمہارے ساتھ قرآن کے نام پر وعدہ کرتا ہوں کہ جنگ ختم ہوتے ہی تمہیں رہا کر دوں گا۔ اُس وقت تک پوری عزت سے تمہیں اپنے پاس رکھوں گا''۔

''مجھے آپ کی قسم پر اعتبار نہیں''...... ملزم نے کہا...... ''کیونکہ آپ قرآن سے منحرف ہو چکے ہیں''۔

''کیا میں مسلمان نہیں؟''...... مظفر الدین نے تحمل سے کہا۔

''آپ یقیناً مسلمان ہیں''...... ملزم نے جواب دیا...... ''لیکن آپ قرآن کے نہیں صلیب کے وفادار ہیں''۔

''میں اپنی توہین اس شرط پر برداشت کر لوں گا کہ میں نے جو پوچھا ہے، وہ مجھے بتا دو''...... مظفر الدین نے کہا...... ''تمہاری جان میرے ہاتھ میں ہے''۔

''آپ خدا کے ہاتھ سے میری جان چھین نہیں سکتے''...... ملزم نے کہا...... ''آپ ہماری فوج میں رہ چکے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی اپنی جان خدا کے سپرد کر چکا ہے۔ میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں اپنی فوج کا جاسوس ہوں اور میرا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ میں آپ کے کسی اور سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ میں زندہ ہوں، میری کھال اُتارنی شروع کر دیں۔ میرے منہ سے اپنے سوالوں کا جواب نہیں سن سکو گے...... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ شکست آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے''۔

''اس کے ٹخنوں میں رسی ڈالو اور اُس درخت کے ساتھ اُلٹا لٹکا دو''...... مظفر الدین نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔

☆

''وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے''...... حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی سے کہہ رہا تھا...... ''اُن کے پکڑے جانے کا تو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہمارے جاسوسوں کو یہاں پکڑنے والا کون ہے۔ انہیں بہت دُور بھی نہیں جانا تھا''۔

''ہو سکتا ہے، وہ پکڑے گئے ہوں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''وہ جو صبح کے گئے ہوئے شام کے بعد تک نہیں آئے، وہ پکڑے گئے ہوں گے۔ اُن کا نہ آنا ظاہر کرتا ہے کہ یہاں پکڑنے والے موجود ہیں۔ آج رات کچھ آدمی اور بھیج دو اور ذرا دُور کے علاقے کی دیکھ بھال کراؤ''۔

وہ انہی دونوں جاسوسوں کے متعلق بات کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے ہمیشہ اپنے جاسوسی کے نظام پر بھروسہ کیا اور دشمن کو اسی نظام کی راہنمائی میں ناکوں چنے چبوائے تھے مگر اب اس کا یہ نظام اس کے لیے بے کار ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا مدِ مقابل اس کا شاگرد مظفر الدین تھا۔ گذشتہ رات سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کی لاش ترکمان سے کچھ دُور ویرانے میں پڑی ملی تھی۔ اُس کے پہلو میں تیر اُترا ہوا تھا۔ مظفر الدین نے اپنے نائب سالاروں سے کہا تھا...... ''اگر تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کے خلاف اقدام کر سکو تو وہ اندھا اور بہرہ ہو جائے۔ پھر تم اسے شکست دینے کی سوچ سکتے ہو''...... اب سلطان ایوبی کے دو اور جاسوس لاپتہ ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی ان دونوں واقعات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے حکم پر حسن بن عبداللہ نے چھ چھاپہ مار جاسوس روانہ کر دیئے۔

صبح کی اذان کی پہلی اللہ اکبر گونجی تو سلطان ایوبی کی آنکھ کھلی...... وہ خیمے سے باہر نکلا تو اُس کے خادم نے مشعل

جلا کر اُس کے خیمے کے آگے رکھ دی۔ اُدھر سے ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی کے سامنے رُک کر وہ گھوڑے سے اُترا اور کہا۔ ''سلطان کا اقبال بلند ہو۔ اپنے دائیں پہلو کے علاقے کے سامنے کسی فوج کی حرکت سنی گئی ہے۔ دیکھ بھال کے لیے دو آدمی آگے گئے تھے۔ انہوں نے تصدیق کی ہے کہ فوج آ رہی ہے''۔

سلطان ایوبی نے مرکزی کمان کے سالاروں کے نام لے کر کہا کہ انہیں فوراً بلاؤ۔ وہ زمین پر بیٹھ گیا اور تیمم کیا۔ اُس کے پاس وضو کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہیں قبلہ رُو ہو کر اُس نے مصلےٰ بچھائے بغیر نماز پڑھی۔ مختصر الفاظ میں دعا مانگی اور اپنا گھوڑا منگوایا۔

''یہ مظفر الدین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا''...... سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا...... ''یہ صلیبی نہیں ہو سکتے۔ اُن کے آنے کی سمت یہ نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے کہ دشمن ہمارے دائیں پہلو کے دستوں کے سامنے اور دائیں سے آ رہا ہے تو خیال رکھنا، یہ دو طرفہ حملہ ہوگا۔ اپنے کسی دستے کو پیچھے نہ ہٹنے دینا۔ پیچھے ڈیڑھ ہزار قبروں کے گڑھے ہیں۔ تمام لاشوں کو ابھی دفن نہیں کیا گیا۔ یہ گڑھے ہمارے سواروں کی قبریں بن جائیں گے''۔

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ہوا۔ اُس کے محافظ دستے کے بارہ محافظ اُس کے پیچھے چل پڑے۔ وہ سوار تھے۔ اُس نے آدھی درجن تیز رفتار سوار قاصد بھی ساتھ لے لیے تھے اور ساتھ دو سالار بھی تھے۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور ایک ایسی چٹان پر جا چڑھا، جہاں سے وہ اپنے دائیں بازو کے سامنے کا علاقہ اور اپنے دستوں کو دیکھ سکتا تھا۔ صبح کا دھندلکا چھٹنے لگا تھا۔ وہ چٹان سے اُترا اور دائیں بازو کے دستوں کے کمان داروں کو بلا کر حکم دیا کہ سواروں کو گھوڑوں پر سوار کر دو اور پیادہ دستوں کے تیر اندازوں کو سامنے والے علاقے کے کھڈوں میں اور بلندیوں کے پیچھے مورچہ بند ہونے کو دوڑا دو۔

''اب سے دائیں پہلو کے دستوں کی اعلیٰ کمان میرے پاس ہوگی''...... اُس نے کمان داروں اور نائب سالاروں سے کہا...... ''اپنے قاصد اپنے ساتھ رکھ لو اور میرے ساتھ رابطہ رکھو''۔

سلطان ایوبی کی ٹریننگ میں نقل و حرکت کی برق رفتاری پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ کسی چال کے حکم کی تعمیل حیران کن رفتار سے ہوتی تھی۔ مظفر الدین کی فوج ابھی اتنی قریب نہیں آئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دستوں کی حرکات دیکھ سکتی۔

☆

مظفر الدین نے گھوڑ سواروں سے حملہ کیا، جوں ہی اُس کا پہلا سوار دستہ سلطان ایوبی کے دستوں کے سامنے والے علاقے میں آیا اُس کی ترتیب خراب ہوگئی، کیونکہ وہاں کھڈ اور ڈھیروں کی طرح ٹیکریاں تھیں۔ ان کھڈوں میں سلطان ایوبی کے تیر انداز بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے قریب سے اور اپنے اوپر سے گزرتے اور سرپٹ دوڑتے گھوڑوں پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ سوار گرنے لگے، جس گھوڑے کو تیر لگتا تھا وہ بے لگام ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگتا تھا۔ یہ تو ہر معرکے میں ہوتا تھا۔ مظفر الدین کے لیے یہ صورتِ حال عجیب نہیں تھی۔ البتہ اُسے یہ پریشانی ہوئی کہ اُس کی توقع کے خلاف سلطان ایوبی کے دائیں بازو کے دستے بیدار تھے اور مقابلے کے لیے تیار۔ اس یلغار میں سلطان ایوبی کے بے شمار تیر انداز کچلے گئے۔ اس قربانی سے سلطان ایوبی نے یہ فائدہ حاصل کیا کہ مظفر الدین کے حملے کی شدت ختم ہوگئی۔ اب سلطان ایوبی جم کر لڑ سکتا تھا۔ مظفر الدین یہ جو توقع لے کر حملہ آور ہوا تھا کہ وہ اچانک آ پڑے گا اور سلطان ایوبی کو وہ اپنی چالوں کا پابند کر کے اُسے میدانِ جنگ میں اپنی پسند کے مطابق لڑاتا رہے گا، اُس کی یہ توقع ختم ہوگئی تھی۔

سلطان ایوبی اپنی چالیں چلنے کے لیے آزاد تھا۔ اُس کے چند ایک تیر اندازوں نے مظفر الدین کے گھوڑوں

کے قدموں میں بیٹھ کر جانیں قربان کر دی تھیں، لیکن اپنے سلطان کو وہ بڑا ہی قیمتی جنگی فائدہ دے گئے تھے۔ مظفر الدین کا حملہ آور دستہ کئی ایک گھوڑے اور اُن کے سوار مروا کر آگے نکل آیا۔ آگے سلطان ایوبی خود تھا۔ اُس نے حملہ آوروں کا پھیلاؤ دیکھا تو اُس کے مطابق اپنے سواروں کو ایک حکم دے دیا۔ حملہ آور قریب آئے تو سلطان ایوبی کے بائیں سواروں نے گھوڑے بائیں کو موڑے اور ایڑ لگا دی۔ دائیں کے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ حملہ آوروں کے سامنے کوئی مزاحمت نہ رہی۔ مزاحمت کرنے والے دائیں اور بائیں بھاگ گئے تھے۔

حملہ آوروں کے کچھ گھوڑے دائیں کو مڑے کچھ بائیں کو۔ زیادہ تر ناک کی سیدھ میں چلے آئے۔ سلطان ایوبی کے دائیں بائیں کو بھاگنے والے سواروں نے اندر کو گھوڑے موڑے۔ اب حملہ آوروں کے گھوڑوں کے پہلو اُن کے سامنے تھے۔ انہوں نے ایڑ لگا دی...... دونوں طرف سے سواروں نے ہلہ بولا تو اُن کی برچھیوں کا کوئی وار خالی نہ گیا۔ حملہ آور تو آگے کو دوڑے جا رہے تھے۔ وہ اپنے پہلوؤں کی حفاظت کرنے کے قابل ہی نہیں تھے۔ اُن کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ آگے کو نکل جائیں۔ آگے ڈیڑھ ہزار قبریں تھیں۔ حملہ آور کے پیچھے سلطان ایوبی کے سوار آ رہے تھے۔ صورت تعاقب کی بن گئی تھی۔ حملہ آوروں کے گھوڑے کھلی قبروں سے گزرنے لگے۔

مظفر الدین گھبرا جانے والا سالار نہیں تھا۔ اُس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرایا تھا۔ اِس سے اُس نے میدانِ جنگ کا ذائقہ چکھ لیا اور صورتِ حال معلوم کر لی۔ اُس نے فوراً سواروں کی دوسری موج چھوڑ دی۔ سلطان ایوبی کے سواروں نے گھوڑے روک لیے تھے، کیونکہ وہ قبروں سے دُور رہنا چاہتے تھے۔ وہ اگلے حکم کی تعمیل کرنے ہی لگے تھے کہ مظفر الدین کے سواروں کا دوسرا دستہ اُن کے سر پر آ گیا۔ انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ یہ عقبی حملہ تھا۔ اس میں سلطان ایوبی کے سواروں کا بہت جانی نقصان ہوا۔ کئی سوار آگے کو بھاگے اور اُن کے گھوڑے قبروں میں گرے۔ اُس کے ساتھ ہی مظفر الدین نے دائیں طرف سے بھی حملہ کر دیا۔

سلطان ایوبی کے لیے صورتِ حال پریشان کن ہو گئی۔ اس نے قاصد کو اس حکم کے ساتھ دوڑایا کہ محفوظہ عقب سے حملہ کرے۔ سلطان ایوبی نے دائیں بازو کے دستوں کو جس طرح تقسیم کیا تھا، وہ بے کار ہو گئی۔ مظفر الدین اُسی کے اصولوں پر لڑ رہا تھا۔ مظفر الدین کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے پاس کمک نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے قاصدوں کے ذریعے اپنے دستوں کے کمانڈروں سے رابطہ رکھ کر انہیں دائیں بائیں بکھیرنا شروع کر دیا اور جب عقب سے اُس کے محفوظہ نے حملہ کیا تو مظفر الدین کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کا اپنا مرکز خطرے میں پڑ گیا، لیکن اُس نے نکل بھاگنے کی نہ سوچی۔

مورخوں کے مطابق دن کے پچھلے پہر تک دونوں فوجوں نے جو معرکہ لڑا وہ بڑا ہی خون ریز اور بڑا ہی سخت تھا۔ کمان سلطان ایوبی کے ہاتھ میں تھی، ورنہ صورتِ حال کچھ اور ہوتی۔ جہاں تک لڑنے کے جذبے کا اور جنگی قابلیت کا تعلق تھا، مظفر الدین نے سلطان ایوبی کی زبان سے داد و تحسین کے کلمے کہلوا لیے تھے۔ اُسے شکست اس لیے ہوئی کہ اس کے پاس یہی کچھ تھا جو اُس نے آخری بازی پر لگا دیا تھا۔ وہ بازی ہار گیا۔ معرکے کے آخری مرحلے میں سلطان ایوبی نے ریزرو سوار دستے سے ہلہ بولا۔ مظفر الدین کی پوزیشن بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس نے پسپائی میں خیریت سمجھی۔ سلطان ایوبی نے بہت سے قیدی پکڑے، جن میں مظفر الدین کا ایک مشیر فخر الدین بھی تھا۔ یہ کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا، سیف الدین کا وزیر تھا۔ ترکمان کے معرکے میں جب سیف الدین بھاگا تو فخر الدین مظفر الدین کے پاس چلا گیا تھا اور اُس کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ سلطان ایوبی پر حملہ کرے۔

یہ معرکہ شوال ۵۷۱ (اپریل ۱۱۷۶ء) میں لڑا گیا تھا۔ بے شک مظفر الدین کو شکست ہوئی تھی اور سلطان ایوبی کے مسلمان دشمنوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی مگر سلطان ایوبی کا اتنا زیادہ نقصان ہوا تھا کہ اگلے دو ماہ تک وہ ترکمان سے ہلنے کے قابل نہ رہا۔ اُس کا دایاں بازو ختم ہو گیا تھا جیسے اس کا اپنا بازو مفلوج ہو گیا ہو۔ اُس کے پاس نئی بھرتی آ رہی تھی، لیکن وہ رنگروٹوں کے ساتھ پیش قدمی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اُسی روز دمشق اور مصر قاصد دوڑا دیئے کہ کمک بھیجو۔ اگر اُس کا اتنا زیادہ نقصان نہ ہوتا تو وہ آگے جا کر حلب، موصل اور حرن وغیرہ پر یلغار کرتا اور اپنے ان مسلمان دشمنوں کو جو فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے تھے، راہِ راست پر لے آتا یا ختم کر دیتا۔

''یہ میری فتح نہیں''...... سلطان ایوبی نے اس معرکے کے بعد اپنے سالاروں سے کہا...... ''یہ صلیبیوں کی فتح ہے۔ وہ ہمیں کمزور کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میری پیش قدمی کی رفتار سست کر کے فلسطین پر اپنے قبضے کے عرصے کو کچھ اور طویل کر لیا ہے۔ ہمارے یہ مسلمان بھائی کب سمجھیں گے کہ کفار ان کے دوست نہیں ہو سکتے اور اُن کی دوستی میں بھی دشمنی ہوتی ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ تاریخ لکھنے والے ہماری آنے والی نسلوں کو کن الفاظ میں سنائیں گے کہ ہم آپس میں لڑے تھے''۔

اُسے ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے بھائی جو اُس سے شکست کھا کر بھاگ گئے ہیں، اُس کے قتل کا ایک اور منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اس کا تیسرا دشمن گمشتگین، حشیشین کے سردار شیخ سنان کے ہاں گیا ہوا تھا۔ اُس وقت شیخ سنان عصیات نام کے ایک قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے یہ قلعہ صلیبیوں نے دیا تھا جس میں اس نے اپنی فوج رکھی ہوئی تھی۔ اس قلعے میں اس کے پیشہ ور قاتلوں کا گروہ بھی تھا۔

☆

عصیات اور ترکمان کے درمیان اس جہنم نما علاقے میں جہاں سلطان ایوبی کے چار چھاپہ مار بھولے بھٹکے پہنچ گئے تھے۔ سورج اُفق کے قریب چلا گیا تھا۔ چھاپہ ماروں کے کمانڈر الناصر کی آنکھ کھلی۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ دونوں لڑکیاں جاگ رہی تھی۔ الناصر کے دل پر گھبراہٹ ہوگئی۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے اُس کے ساتھ ایسی باتیں کی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کے ساتھیوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کریں گی، پھر بھی الناصر ڈر گیا۔

''انہیں جگاؤ''...... بڑی لڑکی نے کہا...... ''ہمیں دُور جانا ہے''۔

''ہمیں راستے پر ڈال کر جاؤ گی؟''...... الناصر نے پوچھا۔

''تم سب ہمارے ساتھ چلو گے''...... لڑکی نے جواب دیا...... ''ہمارے بغیر تم منزل تک نہیں پہنچ سکو گے''۔

الناصر نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی سے کچھ کہا۔ وہ اُٹھی اور دوسرے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے سے کچھ نکالا۔ پانی کا مشکیزہ کھولا۔ مشکیزے کا منہ کھول کر اُس نے تھیلے میں سے جو چیز نکالی تھی، وہ مشکیزے میں ڈال دی۔ اُسے ہلایا اور مشکیزہ الناصر کو دے کر کہا...... ''پانی پی لو۔ منزل تک شاید پانی نہ ملے۔

الناصر اور اُس کے ساتھیوں نے پانی پی لیا۔ بڑی لڑکی نے چاروں کو کچھ کھانے کو دیا۔ کچھ دیر گزر گئی تو لڑکی نے تھیلے اور مشکیزے گھوڑے کی زینوں کے ساتھ باندھ دیئے۔ سورج نیچے جا رہا تھا۔

''تم نے اس جگہ کو جہنم کہا تھا''...... الناصر نے بلند آواز سے کہا...... ''یہاں تو سبزہ زار ہے۔ تم نے ہمیں اتنی جلدی یہاں کس طرح پہنچا دیا ہے؟''

اُس کے تینوں ساتھی حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

''کیا تم تینوں کو بھی سبزہ زار نظر آ رہا ہے؟''...... بڑی لڑکی نے پوچھا۔

''ہم سبزہ زار میں بیٹھے ہیں''......ایک نے کہا۔

''کیا تم ہماری جان تو نہیں لے لو گی؟''......دوسرے نے کہا......''تم جنات میں سے ہو''۔

''نہیں''......لڑکی نے مُسکرا کر کہا......''ہم تمہیں اس سے زیادہ حسین خطے میں لے جا رہے ہیں''۔

بڑی لڑکی نے الناصر اور اُس کے ایک ساتھی کو پہلو بہ پہلو بٹھا کر دونوں کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیئے اور بولی......''میری آنکھوں میں دیکھو''۔

دوسری لڑکی نے الناصر کے دوسرے دو ساتھیوں کو اسی طرح آمنے سامنے بٹھا کر اپنے بازو اُن کے گرد ڈالے اور انہیں اپنی آنکھوں میں دیکھنے کو کہا...... چاروں چھاپہ ماروں کے کانوں میں بڑی لڑکی کے مترنم آواز داخل ہو رہی تھی...... ''یہ تمہاری بہشت ہے۔ ان پھولوں کے رنگ دیکھو، ان کی مہک سونگھو، ان میں جو پرندے اُڑ رہے ہیں، وہ دیکھو، کتنے خوب صورت ہیں۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ تمہارے پاؤں تلے مخمل جیسی گھاس ہے۔ چشمے دیکھو۔ اُن کا شفاف پانی میٹھا ہے......''

لڑکی کی آواز جادو کی طرح ان چاروں کی عقل پر اور آنکھوں پر اور تمام حسوں پر غالب آتی جا رہی تھی۔ الناصر نے بعد میں حسن بن عبداللہ کو جو بیان دیا تھا، اس میں اس نے بتایا کہ لڑکیوں کی آنکھوں میں دیکھ کر انہیں پانی کے شفاف چشمے نظر آنے لگے۔ ان کے ریشم جیسے بال جو اُن کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے، کسی بڑے ہی دل کش پودے کی پھول دار بیلیں بن گئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک باغ میں پایا جس کے حسن کو اور جس کے پھولوں کے رنگوں کو بیان نہیں کر سکتا، وہاں ریت اور مٹی کے لمبے لمبے ٹیلے نہیں تھے، ریگزار نہیں تھا۔ ہرے بھرے درخت اور پودے تھے اور نیچے مخمل جیسی گھاس کا فرش تھا۔ رنگ برنگے پرندے پھُدک اور چہچہا رہے تھے......اور وہ اس بہشت میں چلے جا رہے تھے۔

☆

وہ چاروں مخمل جیسی جس گھاس پر چلے جا رہے تھے، وہ درحقیقت ریت تھی۔ کہیں کہیں زمین سخت بھی تھی اور وہ چاروں ایک گیت گنگناتے جا رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں اُن سے چند قدم پیچھے گھوڑوں پر جا رہی تھیں۔ اُن کا رُخ ترکمان کی طرف نہیں تھا جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی اور جوان چاروں چھاپہ ماروں کی منزل تھی بلکہ اُن کا رُخ عصیات کے قلعے کی طرف تھا جہاں حشیشین کا سردار شیخ سنان رہتا تھا۔ الناصر اور اس کے ساتھیوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ اُن کا یہ احساس مردہ ہو چکا تھا کہ وہ جا نہیں رہے، انہیں لے جایا جا رہا ہے۔ اُن کے پیچھے پیچھے جاتی لڑکیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ یہ باتیں چھاپہ ماروں کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔

''تم کہتی ہو کہ رات کہیں قیام نہیں کریں گی''...... چھوٹی لڑکی نے بڑی سے کہا......''کیا یہ چاروں رات بھر پیدل چل سکیں گے؟''

''تم نے پانی میں انہیں حشیش کی جو مقدار پلائی ہے، اس کا اثر کل شام تک رہے گا''...... بڑی لڑکی نے کہا......''اور میں نے انہیں جو کھلایا ہے، وہ تم نے دیکھا ہے۔ ان سے تم بے فکر ہو جاؤ۔ مجھے اُمید ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے ہم عصیات پہنچ جائیں گے''۔

''میں تو انہیں دیکھ کر ڈر گئی تھی''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''یہ تمہارا کمال ہے کہ تم نے ان پر قابو پالیا اور ان پر

یہ ظاہر کیا کہ ہم جنات ہیں۔ یہ مسلمان جنات کے وجود کو مانتے ہیں''۔

''یہ عقل کا کھیل تھا''...... بڑی لڑکی نے کہا......''میں نے ان کی ذہنی حالت پر قبضہ کیا تھا۔ ان کے چہرے اور ان کی چال ڈھال دیکھ کر میں سمجھ گئی تھی کہ صلاح الدین ایوبی کے فوجی ہیں اور راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ میں یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ ہمیں دیکھ کر یہ چاروں ڈر گئے ہیں، اگر ہم ڈر جاتیں اور عورتوں کی طرح بزدلی کا مظاہرہ کرتیں تو یہ چاروں ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے جو تم ساری عمر نہ بھول سکتی۔ اس ویرانے میں کسی کو ہم جیسی لڑکیاں مل جائیں تو وہ انہیں بہنیں اور بیٹیاں نہیں سمجھا کرتا۔ میں نے ان کی جسمانی حالت دیکھی، پھر میں نے مسلمانوں کی یہ کمزوری سامنے رکھی کہ جنات کے معاملے میں یہ قوم توہم پرست ہے۔ میں نے اپنے آپ کو جن بنالیا۔ اس جہنم میں ہم جیسی لڑکیوں کی موجودگی کو ان کی عقل تسلیم نہیں کرسکتی تھی۔ ہمیں وہ تصور سمجھ سکتے تھے یا جنات۔ میں نے ان سے جس انداز سے بات کی، اس سے انہیں یقین ہوگیا کہ ہم جنات ہیں۔ میں اس قوم کی جذباتی کمزوریوں سے واقف ہوں۔ تمہیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ذرا جلدی سیکھ لو۔ ہم نے سیف الدین جیسے چالاک آدمی کو اپنے اشاروں پر نچا دیا ہے۔ یہ تو سپاہی ہیں''۔

''معلوم نہیں، میں کیوں اس فن میں کامیاب نہیں ہو رہی''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''میرا دل ساتھ نہیں دیتا۔ کوشش کرتی ہوں کہ تم جیسے کمالات دکھا سکوں، لیکن دل سے آواز آتی ہے کہ یہ فریب ہے''۔

''پھر تم ان مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہو گی''...... بڑی لڑکی نے کہا......''تم پہلی بار باہر نکلی ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم کامیاب نہیں ہوئی۔ تم صرف داشتہ بنی رہی۔ اس طرح تم صلیب کی کوئی خدمت نہیں کرسکتی۔ تم اپنے جسم کو وقت سے بہت پہلے بوڑھا کرلو گی اور یہ مرد تمہیں اُٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ مسلمان اُمراء اور حکمرانوں کے لیے تفریح کا سامان بنیں۔ ہمیں ایک جادو بن کر اُن کی عقل پر غالب آنا ہے۔ ان چاروں فوجیوں میں تم نے توہم پرستی کی جو کمزوری دیکھی ہے۔ وہ ہمارے صلیبی استادوں اور یہودیوں نے پیدا کی ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے انہیں کتنی جلدی اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ میں نے ان چاروں سے ایک بات کہی تھی۔ یہ مجھے میرے استاد نے بتائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ انسان ایک لذت کی پیداوار ہے اور وہ ہمیشہ اس لذت کا خواہاں رہتا ہے۔ اس خواہش کو دبانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں لذت پرستی اُبھاری جائے، کیونکہ یہی انسان کی وہ کمزوری ہے جو اسے تباہی تک پہنچاتی ہے۔ تمہیں وہ رات یاد نہیں جب سیف الدین نے ہماری موجودگی میں اپنے ایک سالار سے کہا تھا کہ وہ اس پر غور کرنا چاہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی سے صلح کرلی جائے۔ میں نے اسی رات اس کے دماغ سے یہ خیال نکال دیا تھا''۔

''عصیات پہنچ لیں تو یہ استادی مجھ میں بھی پیدا کرو''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''مجھے اس کام سے نفرت سی ہوتی جارہی ہے۔ میں ان مسلمان حاکموں کا کھلونا بنی رہی ہوں۔ تم دامن بچالیتی رہی۔ میں نہیں بچا سکی۔ کبھی کبھی کہیں بھاگ جانے کا ارادہ دل میں تڑپتا ہے مگر کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور کوئی پناہ نہیں ملتی''۔

''سب کچھ سیکھ جاؤ گی''...... بڑی لڑکی نے کہا......''تمہیں میرے ساتھ تربیت کے لیے ہی بھیجا گیا تھا۔ میں نے تمہاری کمزوریاں دیکھ لی ہیں۔ یہ دور ہو جائیں گی''۔

الناصر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا جارہا تھا۔ لڑکیوں نے گھوڑے اُن سے آگے کرلیے تاکہ یہ چاروں راستے سے ہٹ نہ جائیں۔ وہ ایک آواز میں گیت گاتے جارہے تھے۔ ریت، مٹی اور پتھر اُن کے لیے گھاس بنے ہوئے تھے۔

''انہیں کسی دوسری طرف روانہ کردینا تھا''...... چھوٹی لڑکی نے کہا......''انہیں عصیات لے جا کر کیا کرو گی؟''

''اپنے پیر استاد شیخ سنان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا''...... بڑی لڑکی نے جواب دیا......''یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار ہیں اور جاسوس بھی۔ مجھے خاص طور پر بتایا گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک جاسوس پکڑ کر اُس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لے تو سمجھو کہ تم نے اُس کی فوج کے ایک ہزار سپاہی بے کار کر دیئے ہیں۔ ایوبی نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کو جو تربیت دے رکھی ہے۔اس سے وہ اوسط درجہ انسانوں سے بہت اوپر چلے گئے ہیں۔جسمانی لحاظ سے ان میں غیر معمولی پھرتی اور قوتِ برداشت ہوتی ہے اور ذہنی لحاظ سے یہ اپنے فرض کے دیوانے ہوتے ہیں۔ان چاروں نے جو شب خون مارے اور اس تھکن کے بعد صحرا میں جو مصیبت، بھوک اور پیاس برداشت کی ہے، وہ کوئی اور انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ ہماری فوج میں یہ جذبہ نہیں ہے۔ان چاروں کو میں شیخ سنان کے حوالے کروں گی۔اس کے آدمی جو اس فن کے ماہر ہیں، ان چاروں کے اسی جذبے اور جسمانی خوبیوں کو اپنی طرف منتقل کر لیں گے۔تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کی کئی کوششیں ہو چکی ہیں مگر کامیاب ایک بھی نہیں ہوئی۔ان چاروں کو حشیش اور استادی کے ذریعے ایوبی کے قتل کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔یہ اُس کے اپنے چھاپہ مار ہیں، اُس تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں''۔

''کیا صلاح الدین ایوبی پر اس طرح قابو نہیں پایا جا سکتا جس طرح سیف الدین، گمشتگین وغیرہ کو اپنے قبضے میں لیا گیا ہے؟''......چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں''۔ بڑی لڑکی نے جواب دیا......''جو انسان لذت سے دست بردار ہو کر ایک مقدس مقصد کو دل میں بٹھائے، اُسے ہم جیسی حسین لڑکیاں اور سونے کے انبار راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔ایوبی ایک بیوی کا قائل ہے۔نور الدین زنگی میں بھی یہی خرابی تھی کہ سلطان ہو کر بھی اُس نے گھر میں ایک ہی بیوی رکھی اور مرتے دم تک اُس کا وفادار رہا۔یہی خرابی صلاح الدین ایوبی میں ہے۔کوشش کی جا چکی ہے۔اس پتھر کو موم نہیں کیا جا سکا۔فلسطین پر قبضہ برقرار رکھنے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے کہ ایوبی قتل کرا دیا جائے''۔

''مجھے ایسے آدمی اچھے لگتے ہیں جو ایک عورت کے وفادار رہتے ہیں''۔چھوٹی لڑکی نے کہا۔''میں صلیب کی پرستار ہوں اور صلیب کا مقصد سمجھنے کے باوجود کبھی کبھی سوچا کرتی ہوں کہ میں کسی ایک آدمی کے دل میں اُتر جاؤں اور وہ میرے جسم اور میری روح کا حصہ بن جائے''۔

''جذبات سے نکلو''۔ بڑی لڑکی نے اُسے ڈانٹ کر کہا......''اپنے اُس عظیم مقصد کو سامنے رکھو جو تمہیں صلیب نے دیا ہے۔اپنے حلف کو یاد کرو جو تم نے صلیب ہاتھ میں لے کر اُٹھایا تھا۔میں جانتی ہوں تم جوان ہو اور جذبات پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا، لیکن صلیب ہم سے یہ قربانی مانگ رہی ہے''۔

پُر اسرار قافلہ چلتا رہا۔الناصر اور اُس کے ساتھی لڑکیوں کے گھوڑوں کے پیچھے پیچھے گاتے، گنگناتے اور قہقہے لگاتے جا رہے تھے۔جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی، اُن کی منزل قریب آتی جا رہی تھی۔

☆

یہ لڑکیاں کون تھیں؟

یہ اُسی قبیل کی لڑکیاں تھیں جن کے متعدد قصے آپ پڑھ چکے ہیں۔صلیبی اور یہودی غیر معمولی طور پر حسین اور دلکش بچیوں کو استادوں کے حوالے کر کے انہیں خصوصی تربیت دیتے تھے۔انہیں ذہنی تخریب کاری، کردار کشی اور اپنے دشمن کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے ڈھنگ سکھاتے تھے۔انہیں سراپا لذت بنا دیا جاتا تھا۔لڑکپن میں انہیں یہ ٹریننگ

دی جاتی تھی کہ اپنے دشمن کی سوچوں پر کس طرح قبضہ کیا جاتا ہے۔ ان لڑکیوں میں شوخی اور بے حیائی پیدا کی جاتی تھی۔ انہیں جذبات سے عاری کر دیا جاتا تھا۔ یہودی چونکہ مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے، اس لیے وہ اپنی بچیاں صلیبیوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ صلیبی اپنی لڑکیوں کو بھی استعمال کرتے تھے اور اُن علاقوں میں جن پر اُن کا قبضہ تھا، مسلمانوں کے قافلوں پر حملے کرتے اور کوئی خوبصورت بچی مل جائے تو اُسے اُٹھا لے جاتے تھے، اُسے اپنے مقاصد کے لیے تیار کر لیتے تھے۔

یہ دو لڑکیاں کچھ عرصہ پہلے تحفے کے طور پر صلیبیوں نے والیٔ موصل سیف الدین کو بھیجی تھیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ سیف الدین سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن تھا۔ ان دونوں لڑکیوں کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا کہ ایک تو جاسوسی کرتی رہیں اور دوسرا یہ کہ سیف الدین کو کبھی یہ نہ سوچنے دیں کہ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لے۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ سلطان ایوبی کے خلاف جو مسلمان اُمراء متحد ہو گئے تھے، انہیں اندر سے ایک دوسرے کے خلاف رکھا جائے۔ یہ کام صرف ان دو لڑکیوں کے ہی ذمے نہیں تھا، وہاں صلیبیوں کی پوری مشینری در پردہ کام کر رہی تھی۔ انہوں نے چند ایک مسلمانوں کا ایمان خرید لیا تھا۔ یہ مسلمان اُن کے لیے کام کر رہے تھے۔

سیف الدین اتحادی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن کر ترکمان کے مقام پر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے گیا تو بادشاہوں کے دستور کے مطابق اپنے حرم کی چیدہ چیدہ لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھی میدانِ جنگ میں ساتھ لے گیا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں بھی اُس کے ساتھ گئیں۔ انہیں وہ مسلمان اور معصوم سمجھتا تھا مگر بڑی لڑکی اس کے اعصاب پر آسیب کی طرح غالب آ گئی تھی۔ حرم کی باقی لڑکیوں کو اُس نے اپنا غلام بنا لیا تھا۔

سیف الدین نے جنگل میں جا منگل بنایا۔ وہاں آندھی آئی جس کی آپ تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ اس آندھی میں فوزی نام کی ایک لڑکی اپنے بھائی کی لاش گھوڑے پر ڈالے، سلطان ایوبی تک پہنچی اور اُسے بتایا کہ تین اتحادی افواج اُس پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ چکی ہیں۔ سلطان ایوبی نے تیزی سے حرکت کی اور سیف الدین کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سیف الدین کا لشکر بے خبری میں مارا گیا، وہاں معرکہ جو لڑا گیا وہ یک طرفہ تھا۔ میدانِ جنگ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ تھا۔ سیف الدین اتحادی افواج کی کمان نہ سنبھال سکا۔ صاف نظر آنے لگا کہ وہ بھاگ جائے گا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں اُس کے ساتھ تھیں۔ وہ اکیلی نہیں تھیں۔ صلیبیوں کے چند ایک مسلمان ایجنٹ سیف الدین کی فوج میں اچھے عہدوں پر تھے۔ لڑکیوں کا اُن کے ساتھ رابطہ تھا۔ لڑکیاں انہیں اطلاعیں اور خبریں دیتی تھیں اور وہ انہیں صلیبیوں تک پہنچا دیتے تھے۔

انہوں نے دیکھا کہ جنگ کی صورتِ حال ایسی ہو گئی ہے کہ اتحادیوں کے سامنے پسپائی کے سوا کوئی راستہ نہیں تو ان دونوں لڑکیوں کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا۔ صلیبیوں کی یہ لڑکیاں بہت قیمتی تھیں۔ سیف الدین میدانِ جنگ میں بھاگا، دوڑا پھر رہا تھا۔ حرم کی لڑکیاں اُس کی رہائش گاہ میں ایک خیمے میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں الگ کھڑی تھیں۔ اُن کے آدمی آ گئے، انہیں دو گھوڑے دیئے۔ گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ پانی کے چار چھوٹے مشکیزے اور دو تین تھیلوں میں کھانے کا سامان باندھ دیا۔ خنجر بھی دیئے لیکن اُن کا نہایت کارگر ہتھیار حشیش تھی اور اسی قسم کا ایک اور نشہ جس کا کوئی ذائقہ نہیں تھا، کسی کو دھوکے میں پلایا جاتا تو اُسے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ پانی یا شربت میں اُسے کچھ اور پلا دیا گیا ہے۔ یہ دونوں نشہ آور اشیاء انہیں اس لیے ساتھ باندھ دی گئی تھیں کہ انہیں کسی مرد کے ساتھ کے بغیر سفر کرنا تھا۔ راستے میں اگر وہ کسی کے ہتھے چڑھ جائیں تو اُسے دھوکے میں یہ نشہ پلا کر بیکار کرنا تھا۔

رات کے وقت جب میدانِ جنگ میں کشت و خون ہو رہا تھا۔ یہ دونوں لڑکیوں کو گھوڑوں پر بٹھا کر دو آدمی ساتھ

گئے۔ ترکمان سے بہت دُور تک یہ آدمی ساتھ رہے، پھر لڑکیوں کو راستہ سمجھا کر واپس آگئے۔ لڑکیوں کی منزل عصیات کا قلعہ تھا۔ بڑی لڑکی ذہین، تجربہ کار اور دلیر تھی، وہ چھوٹی لڑکی کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئی۔ صبح تک وہ سرسبز علاقے سے دُور نکل گئی تھیں اور اُس علاقے میں داخل ہوگئیں جو اس خطے کا جہنم تھا۔ لڑکیوں کو معلوم تھا کہ اس مقام پر آکر خشک پاٹ کے اندر اندر جانا ہے۔ علاقہ ڈراؤنا تھا اور تنور کی طرح گرم تھا۔ سورج سر پر آیا تو انہیں چٹان نظر آئی جو نیچے سے اندر کو گئی ہوئی تھی۔ وہ اس کے نیچے رُک گئیں۔ کھانا کھا کر انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔ اتنے میں انہیں الناصر اور اُس کے تین ساتھی آتے دکھائی دیئے۔

انہیں دیکھ کر بڑی لڑکی سمجھ گئی کہ یہ آدمی کس جسمانی اور ذہنی کیفیت میں ہیں۔ اپنی تربیت کے مطابق اُس نے کامیاب اداکاری کی جس سے الناصر ان دونوں کو واہمہ یا جن سمجھ بیٹھا۔ لڑکی کی اداکاری کامیاب تھی۔ اُس نے انہیں پہلے تو پانی اور کھانا دیا پھر انہیں حشیش اور دوسرا نشہ پلا دیا۔ اُس نے اور اُس کے ساتھ کی لڑکی نے انہیں نشہ پلا کر پھولوں، سبزہ زار، پرندوں اور مخمل جیسی گھاس کی جو باتیں کی تھیں، وہ اِن چاروں کے ذہن میں بہشت کا تصور پیدا کرنے کی کوشش تھی۔ یہ حسن بن صباح کا طریقہ تھا کہ لوگوں کو حشیش پلا کر اُن کے ذہنوں میں بڑے حسین تصورات پیدا کیا کرتا اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اب ایک سو سال بعد شیخ سنان اُس کا جانشین تھا۔ یہ گروہ اب حشیشین یا فدائی کہلاتا تھا۔ بڑی لڑکی کو اس کام کی تربیت حاصل تھی۔ اسے یوں کہہ لیں کہ حشیش اور باتوں کی مدد سے اپنے شکار یا معمول کو ہپناٹائز کر لیا جاتا تھا۔ جتنی دیر حشیش کا نشہ رہتا وہ آدمی اُسی تصور کو حقیقت سمجھتا رہتا تھا جو اُس کے ذہن میں پیدا کیا جاتا تھا۔

الناصر اور اس کے ساتھیوں کو اُس لڑکی نے اپنے قبضے میں لے کر ایک مقصد تو یہ حاصل کرنا چاہا تھا کہ یہ چاروں اُن پر دست درازی نہ کریں یا انہیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ دوسرا مقصد اُس وقت اُس کے سامنے آیا تھا جب اُسے پتہ چلا کہ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے اُن چھاپہ مار جاسوسوں میں سے ہیں جن کی اُس نے بہت شہرت سنی اور جن سے اُسے ڈرایا بھی گیا تھا۔ اُس کے تخریب کار ذہن نے سوچ لیا کہ اِن آدمیوں کو شیخ سنان کے حوالے کیا جائے، یہ اُس کے کام آسکتے تھے۔ اُن دنوں سلطان ایوبی کو قتل کرنے کا ایک منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ اسی مقصد کے لیے حرن کا خودمختار حکمران گمشتگین قلعہ عصیات میں شیخ سنان کے پاس گیا ہوا تھا۔

☆

ترکمان میں مظفرالدین کے حملے کو ناکام کر کے سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا کہ اب جنگ ختم ہوئی ہے۔ اُس نے مالِ غنیمت سمیٹنے کا حکم دے دیا۔ مالِ غنیمت بے انداز تھا۔ غازی سیف الدین کے رہائشی کیمپ سے بے انداز سونا اور نقدی ملی تھی۔ دشمن کی لاشوں سے بھی نقدی اور انگوٹھیوں وغیرہ کی شکل میں سونا ملا۔ دیگر سازوسامان اور اسلحہ کا کوئی شمار نہ تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کے کام کا سامان فوج میں تقسیم کیا۔ دوسرا حصہ دمشق اور اُن علاقوں کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا جو مصر اور شام کی سلطنت (وحدت) میں آچکے تھے۔ تیسرا حصہ مدرسہ نظام الملک کو دے دیا۔ ایک یورپی مورخ لین پول کے مطابق ایوبی نے اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ مورخ لکھتا ہے کہ تاریخ میں واضح شہادت ملتی ہے کہ سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔

دوسرا مسئلہ جنگی قیدیوں کا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں اکٹھا کر کے کہا کہ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ تمہاری شکست کی وجہ یہی ہے۔ تمہارے حکمران تمہارے مذہب کے بدترین دشمن کے ساتھ دوستی کر کے اُس کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ تمہاری دُنیا بھی خراب ہوئی اور عاقبت بھی۔ اپنے گناہ بخشوانے کا

یہی ایک طریقہ ہے کہ اسلام کے سپاہی بن جاؤ اور اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ...... سلطان ایوبی کی یہ تقریر جوشیلی اور جذباتی تھی۔ جنگی قیدیوں میں بہت سے نعرے لگانے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے پیش کر دیا۔ اس طرح سلطان ایوبی کی فوج میں تربیت یافتہ سپاہیوں اور عہدے داروں کا اضافہ ہو گیا۔ اس کے باوجود سلطان ایوبی نے پیش قدمی ملتوی کر دی۔ فوج کی تنظیم نو کی ضرورت تھی۔ اُس نے دمشق اور قاہرہ سے کمک بھی منگوا بھیجی تھی۔ زخمیوں کے علاج کا اُس نے وہیں انتظام کر دیا تھا۔ دراصل مظفرالدین کے تصادم نے اُس کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب کر دی تھی۔

☆

عصیات کا قلعہ آج کے لبنان کی سرحد کے اندر تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید کی تحریر کے مطابق قلعہ عصیات حسن بن صباح کے فرشتے حشیشین کا مرکز اور مستقر تھا۔ اس قلعے میں شیخ سنان کی حکمرانی تھی جو حسن بن صباح کا جانشین تھا۔ اس قلعے میں اُس نے کچھ فوج بھی رکھی ہوئی تھی۔ عصیات ذرا بڑا قلعہ تھا۔ اس سے دُور دُور تین چار چھوٹے قلعے بھی تھے جو شیخ سنان کے حشیشین کے پاس تھے۔ انہیں یہ قلعے صلیبیوں نے دے رکھے تھے۔ صلیبیوں کی کوشش یہ تھی کہ حشیشین کو مسلمان قائدین کے قتل کے لیے اور مسلمان قوم کی کردار کشی کے لیے استعمال کی جائے، لیکن حشیشین جو اسلام کا ایک فرقہ بن کر اُبھرنا چاہتے تھے کرائے کے قاتل بن کے رہ گئے تھے۔ انہوں نے صلیبی لیڈروں کو بھی قتل کیا تھا۔ انہیں نقدی دے کر کوئی بھی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کے دور میں صلیبیوں نے انہیں اتنی مراعات دیں کہ انہیں قلعے تک دے دیئے۔ وہ اُن کے ہاتھوں نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کوشش کرتے رہے۔

نورالدین زنگی کی موت کے متعلق میجر جنرل محمد اکبر خان رنگروٹ نے بعض مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حشیشین کی کارستانی تھی۔ اُسے دھوکے میں کچھ کھلا دیا گیا تھا جس سے وہ چند دنوں بعد فوت ہو گیا۔ اب صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کے منصوبے بن رہے تھے۔ حشیشین صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔

اُس صبح سورج ابھی نہیں نکلا تھا، جب الناصر اور اُس کے تین ساتھی دو صلیبی لڑکیوں کے ساتھ عصیات کے قلعے کے دروازے پر جا رُکے۔ بڑی لڑکی نے کوئی خفیہ الفاظ بولے۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کا دروازہ کھل گیا اور یہ قافلہ اندر چلا گیا۔ الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو کسی کے حوالے کر کے لڑکیاں شیخ سنان کے پاس چلی گئیں۔ وہ ہر پہلو سے بادشاہ تھا۔ اُس کا انداز اور اُس کی شان و شوکت بادشاہوں جیسی تھی۔ اُسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ اُسے جب بڑی لڑکی بتا رہی تھی کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور اُن کے دوست سیف الدین پر کیا بیتی ہے، شیخ سنان کی نظریں چھوٹی لڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔

''یہاں آؤ''۔ شیخ سنان نے بڑی لڑکی سے توجہ ہٹا کر چھوٹی کو اپنے پاس بلایا اور کہا...... ''تم ضرورت سے زیادہ خوب صورت ہو۔ میرے پاس بیٹھو''...... لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور اُنگلیاں اُس کے بالوں میں پھیرنے لگا۔ بولا...... ''تم بہت تھکی ہوئی، آج میرے پاس آرام کرنا''۔

اس لڑکی نے شیخ سنان کو پہلی بار دیکھا تھا۔ لڑکی نے اُسے گھور کر دیکھا جیسے بوڑھے کی یہ حرکت اُسے پسند نہ آئی ہو۔ وہ سرک کر اُس سے دُور ہٹ گئی۔ شیخ سنان نے اُسے پھر بازو سے پکڑا اور اس طرح جھٹکا دے کر اپنے قریب کر لیا جیسے لڑکی نے پرے سرک کر اُس کی توہین کر دی ہو۔ اُس نے بڑی لڑکی سے کہا...... ''اسے ہمارے متعلق کسی نے نہیں بتایا کہ ہم کون ہیں اور ہماری توہین کتنا بڑا جرم ہے؟''

''میں آپ کی لونڈی نہیں''۔ چھوٹی لڑکی بھڑک کر بولی...... ''میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ جو مجھے گھسیٹ

کر اپنے ساتھ لگا لے، میں اپنا آپ اُسی کے حوالے کر دوں"۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی...... "میں صلیب کی غلام ہوں، حشیشین کی خریدی ہوئی لونڈی نہیں"۔

بڑی لڑکی نے اُسے ڈانٹ دیا اور خاموش رہنے کو کہا، مگر وہ خاموش نہ ہوئی۔ وہ کہنے لگی...... "مجھے مسلمانوں کے حرم میں اس شخص نے نہیں دیکھا۔ میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ میں نے تمہارے ساتھ سیف الدین اور اُس کے مشیروں کی عقل پر پردہ ڈالے رکھا ہے، لیکن میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ اس بوڑھے کے کمرے میں رہوں"۔

"اگر تم اتنی خوب صورت نہ ہوتی تو ہم تمہاری یہ گستاخی کبھی معاف نہ کرتے"۔ شیخ سنان نے کہا اور بڑی لڑکی کو ہدایات دینے کے انداز سے کہنے لگا...... "اسے لے جاؤ اور اسے عصیات کے قلعے کے آداب سکھاؤ"۔

بڑی لڑکی اُسے باہر چھوڑ آئی۔ اُس نے شیخ سنان سے کہا...... "آپ کی ناراضگی بجا ہے لیکن ہم اپنے اوپر والوں کی اجازت کے بغیر ہر کسی کا حکم نہیں مان سکتیں۔ میں چونکہ آپ کو جانتی ہوں، اس قلعے میں پہلے بھی آ چکی ہوں۔ اب آپ کے کام کے چار آدمی پھانس لائی ہوں۔ آپ کو اس طرف توجہ دینی چاہیے"...... اُس نے شیخ سنان کو الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق پوری تفصیل سنائی۔

"میں ان آدمیوں سے پورا کام لوں گا"...... شیخ سنان نے کہا...... "لیکن میں اس لڑکی کو اپنے کمرے میں ضرور رکھوں گا"۔

"یہ کام مجھ پر چھوڑیں"۔ لڑکی نے کہا...... "وہ کہیں بھاگ تو نہیں چلی۔ کیوں نہ میں اسے آمادہ کر لوں کہ وہ ہنسی خوشی آپ کے پاس آئے۔ آ جائے گی"۔

☆

الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو شیخ سنان کے دو آدمی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ بے شک نشے میں تھے لیکن ساری رات پیدل چلتے رہے تھے۔ انہیں ایک کمرے میں لے گئے۔ وہ پلنگوں پر گرے اور سو گئے۔ اُدھر لڑکیاں بھی رات بھر کی جاگی ہوئی تھی، وہ بھی اُس کے کمرے میں جا کر سو گئیں جو انہیں دیا گیا تھا...... دوپہر کے بعد الناصر کی آنکھ کھلی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے۔ اس نے گرد و پیش کو پہچاننے کی کوشش کی۔ یہ ایک کمرہ تھا۔ اس میں پلنگ تھے اور پلنگوں پر اُس کے تین ساتھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اُسے سبزہ زار، پھولوں والے پودے، رنگ برنگے پرندے اور مخمل کی طرح کی گھاس یاد آئی۔ لڑکیاں یاد آئیں۔ صحرا اور صحرا کا بے رحم سفر یاد آیا۔ اسے وہ خواب سمجھنے لگا۔ صحرا کا سفر اُسے حقیقت کی طرح یاد تھا۔ لڑکیوں سے ملاقات اور اُس کے بعد کے واقعات اُسے خواب یاد آ رہے لگے، مگر وہ اب کہاں ہیں؟ یہ سوال اُسے مضطرب کرنے لگا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو نہ جگایا۔ اُٹھا اور دروازے میں جا کھڑا ہوا۔ یہ کوئی قلعہ تھا۔ اُسے سپاہی آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ وہ کس فوج کے تھے؟ یہ کون سا قلعہ تھا؟ اُس نے کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ یہ قلعہ دشمن کا ہو سکتا تھا تو کیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قید ہو گیا ہے؟ لیکن یہ کمرہ قید خانے کا نہیں تھا۔ وہ جاسوس اور چھاپہ مار تھا۔ اُس نے کسی سے پوچھے بغیر یہ معمہ اپنی عقل سے حل کرنے کا ارادہ کیا۔ اُسے کوئی خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ دروازے سے ہٹ کر وہ پلنگ پر جا بیٹھا۔ باہر اُسے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے لگا۔ دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔

"ابھی سوئے ہوئے ہیں"۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔

''سویا رہنے دو''۔ دوسرے نے کہا...... ''معلوم ہوتا ہے، انہیں کچھ زیادہ پلا دی گئی ہے...... ان کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟''

''دو صلیبی لڑکیاں انہیں پھانس کر لائی ہیں''۔ پہلے نے جواب دیا...... ''یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس ہیں۔ بہت دلیر اور عقل مند بتائے جاتے ہیں۔ انہیں تیار کرنا ہے''۔

وہ دونوں چلے گئے۔ الناصر کے جسم کا رواں رواں بیدار ہو گیا۔ اُسے یقین ہونے لگا کہ وہ بہت بڑے دھوکے کا شکار ہو گیا ہے۔ اُسے اب یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ کون سا قلعہ ہے۔ کس علاقے میں ہے اور اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو کس مقصد کے لیے تیار کیا جائے گا۔ وہ اس تلخ حقیقت کو جان گیا تھا کہ کسی قلعے سے فرار ہونا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہوتا ہے۔

لڑکیوں کے کمرے میں یہ کیفیت تھی کہ چھوٹی لڑکی تھوڑی سی دیر سو کر جاگ اُٹھی تھی اور کھڑکی کھول کر اس میں بیٹھی تھی۔ اُس نے سفر کے دوران بڑی لڑکی کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ وہ نوجوان تھی۔ ابھی پختہ کار نہیں ہوئی تھی۔ اپنے جیسی دوسری لڑکیوں کی طرح وہ ابھی اپنے جذبات کو دبا نہیں سکی تھی۔ اُسے پہلی بار باہر بھیجا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ یہ بڑی لڑکی تھی جو تجربہ کار تھی۔ اُس نے بھی دیکھا تھا کہ چھوٹی لڑکی اس زندگی میں کامیاب نہیں ہو رہی۔ اُسے مردوں کو اُنگلیوں پر نچانے کا فن نہیں آیا تھا۔ اُس نے دراصل اس فن کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ بوڑھے بوڑھے سالاروں نے اور سیف الدین نے اُسے کھلونا بنائے رکھا تھا۔ اب وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر آئی اور اتنی کٹھن اور صبر آزما مسافت طے کی، رات بھر سفر کیا مگر آتے ہی شیخ سنان جیسے بوڑھے نے اُسے کہہ دیا کہ میرے کمرے میں رہو۔

بے شک اُسے بچپن سے اس غلیظ طرزِ زندگی کی تربیت دی گئی تھی، لیکن جوانی میں آ کر اس کے اپنے جذبات کا سرچشمہ پھوٹا تو اتنے لمبے عرصے کی تربیت کے اثرات ڈھل گئے۔ جن انسانوں کو اُسے پھانسنے اور صلیب کے جال میں اُلجھائے رکھنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اِن انسانوں سے اُسے نفرت ہو گئی اور اپنے پیشے کو وہ حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ کھڑکی کے سامنے بیٹھی بڑے ہی تلخ خیالوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اُسے نہ کوئی پناہ دکھائی دے رہی تھی، نہ کوئی راہِ فرار۔

بڑی لڑکی جاگ اُٹھی۔ اپنی ساتھی کو کھڑکی میں بیٹھا دیکھ کر اُس کے پاس جا بیٹھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولی ...... ''ابتدا میں جذبات کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ کر رہی ہیں، یہ اپنی عیاشی کے لیے نہیں، صلیب کی حکمرانی کے قیام کے لیے کر رہی ہیں۔ اپنے سامنے یہ مقصد رکھو کہ اسلام کا نام و نشان مٹانا ہے۔ ہمارے سپاہی اپنے محاذ پر لڑتے ہیں، ہمیں اپنے محاذ پر لڑنا ہے۔ اپنے ذہن کو وسعت دو۔ اپنے جسم سے دستبردار ہو جاؤ۔ تمہاری روح پاک ہے''۔

''مسلمان اپنی لڑکیوں کو اس طرح استعمال کیوں نہیں کرتے جس طرح ہمیں کیا جا رہا ہے؟'' چھوٹی لڑکی نے پوچھا...... ''ہمارے بادشاہ اور ان کی فوجیں مسلمانوں کی طرح کیوں نہیں لڑتیں؟ چوروں کی طرح مسلمانوں کو قتل کیوں کرایا جاتا ہے؟ صلاح الدین ایوبی کے ان چار چھاپہ ماروں کی طرح صلیب کی فوج کیوں ایسے چھاپہ مار تیار نہیں کرتی؟ صرف اس لیے کہ ہماری قوم میں بزدلی ہے۔ چوری چھپے وار کرنے والے بزدل ہوا کرتے ہیں''۔

بڑی لڑکی ہڑبڑا اُٹھی اور بولی...... ''ایسی باتیں کسی اور کے سامنے نہ کر بیٹھنا، ورنہ قتل ہو جاؤ گی۔ اس وقت ہم شیخ سنان کے پاس ہیں۔ اس سے ہمیں بہت بڑا کام لینا ہے۔ اسے ناراض نہ کرو''۔

''مجھے اس شخص سے نفرت ہو گئی ہے''۔ چھوٹی لڑکی نے کہا...... ''یہ کسی ملک کا بادشاہ نہیں۔ کرائے کے قاتلوں کا

سرغنہ ہے۔ میں اسے اس قابل نہیں سمجھتی کہ میرے جسم کو ہاتھ بھی لگائے"۔

بڑی لڑکی نے اُسے بہت دیر کی بحث کے بعد اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ شیخ سنان کے ساتھ اچھی طرح باتیں کرے۔ اس نے چھوٹی کو یقین دلایا کہ وہ شیخ کو اُس کا لالچ اور وعدہ دیئے رکھے گی۔ اُس نے چھوٹی لڑکی سے کہا...... "تم نے میرے کمالات دیکھے نہیں؟ میں اِن بادشاہوں کو مٹھی میں لے کر انہیں گمراہ کرنا جانتی ہوں۔ شیخ سنان کو تو میں کچھ بھی نہیں سمجھتی"۔

"کیا تم ایسی صورت پیدا کرسکتی ہو کہ ہم یہاں سے جلدی نکل جائیں؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"کوشش کروں گی"۔ بڑی لڑکی نے جواب دیا۔ "پہلے تو اپنے متعلق یہ اطلاع بھجوانی ہے کہ ہم یہاں ہیں"۔

اتنے میں دو آدمی کمرے میں آئے۔ انہوں نے لڑکیوں سے اِن چار آدمیوں کے متعلق پوچھا۔ بڑی لڑکی نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہیں اور انہیں کس طرح اور کیوں لایا گیا ہے۔

"وہ کس حال میں ہیں؟" بڑی لڑکی نے پوچھا۔

"ابھی سوئے ہوئے ہیں"۔ ایک آدمی نے جواب دیا۔

"انہیں قید میں ڈال دو گے؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"قید میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔ اُس آدمی نے جواب دیا۔ "یہاں سے بھاگ کر کہاں جائیں گے"۔

"کیا ہم انہیں دیکھ سکتی ہیں؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں"۔ اُسے جواب ملا...... "وہ تمہارا شکار ہے۔ انہیں دیکھو، بلکہ ضرورت بھی یہی ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں اپنے جال میں لیے رکھو"۔

کچھ دیر بعد چھوٹی لڑکی بڑی کے روکنے کے باوجود اُس کمرے میں چلی گئی جہاں الناصر اور اُس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے۔ الناصر دراصل جاگ رہا تھا۔ چھوٹی لڑکی کو دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا اور پوچھا...... "ہمیں کہاں لے آئی ہو؟ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو، کیا ہوا اور یہ کون سی جگہ ہے؟"

چھوٹی لڑکی نے الناصر کو بڑی غور سے دیکھا۔ اُس کے ذہن میں بگولا سا اُٹھا۔ یہ جذبات کا بگولا تھا۔ اُس نے سرگوشی میں الناصر سے پوچھا...... "فرار ہونا چاہتے ہو؟"

"میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں"...... الناصر نے جواب دیا...... "مجھے جو کچھ کرنا ہوگا، وہ کر کے دکھاؤں گا"۔

لڑکی اُس کے قریب آ گئی۔ دھیمی آواز میں بولی...... "میں جن نہیں انسان ہوں، مجھ پر بھروسہ کرو"۔

الناصر نے اُسے قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ لڑکی اُس کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی۔

......۞......

لڑکی نے اپنی لاش دیکھی

جنات کی دہشت الناصر کے دل ودماغ پر بدستور طاری تھی۔ عرب کا یہ خوبرو جوان سلطان صلاح الدین ایوبی کے اُن چھاپہ ماروں میں سے تھا جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا کرتے تھے۔ صلیبیوں کا یہ کہنا تھا کہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں سے موت بھی ڈرتی ہے۔ صحراؤں کی صعوبتوں کو، دریاؤں کی تندی کو اور سنگلاخ دیواروں کو خاطر میں نہ لانے والے یہ جانباز آگ میں بھی کود جایا کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ دشمن کی رسد وغیرہ کو آگ لگا کر ان میں سے بعض شعلوں کی لپیٹ میں آکر زندہ جل جایا کرتے تھے، مگر جنات اور بھوت پریت ایسی مخلوق تھی جس سے یہ سرفروش ڈر جایا کرتے تھے۔ اِن میں سے کسی نے کبھی جن اور بھوت نہیں دیکھے تھے، صرف کہانیاں اور روائتیں سنی تھیں جنہیں وہ سو فیصد سچ مانتے تھے اور دِل پر جنات کا خوف طاری کیے رکھتے تھے۔

اگر الناصر قلعہ عصیات تک اپنی مرضی سے اور ہوش میں سفر کرتا تو وہ اتنا ڈرا ہوا نہ ہوتا، اگر اُسے قیدی بنا کر لایا جاتا تو بھی وہ نڈر رہتا اور فرار کی ترکیبیں سوچتا، لیکن اُسے حشیش کے نشے میں اور اُس کے ذہن میں غیر حقیقی تصورات ڈال کر لایا گیا تھا۔ اب نشہ اُتر چکا تھا۔ اس نشے میں وہ سبزہ زار اور باغات میں سے گزر کر آیا تھا۔ اُسے یاد آنے لگا کہ زمین کے اس خطے میں کہیں کہیں سبزہ اور باغ ہوسکتا ہے۔ میلوں وسیع علاقہ ایسا جنت نما نہیں ہوسکتا۔ اب اُس کے پلنگ پر وہ لڑکی آبیٹھی تھی جسے وہ جن سمجھتا تھا۔ لڑکی اُس کے تصوروں سے زیادہ خوب صورت تھی۔ الناصر اُسے انسان تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے کہا کہ وہ اُس پر بھروسہ کرے تو وہ اور زیادہ ڈر گیا۔ اُس نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ جنات بڑے دلکش دھوکے دے کر مارا کرتے ہیں۔ اُسے یہ قلعہ جنات یا بدروحوں کا مسکن معلوم ہونے لگا۔ اُس کے ساتھی ابھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

اُس نے دِل کو حوصلہ دے کر لڑکی سے پوچھا...... ''میں تم پر کیوں بھروسہ کروں؟ تم مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہوگئی ہو؟ ہمیں یہاں کیوں لے آئی ہو؟ یہ جگہ کیا ہے؟''

''اگر تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرو گے تو تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا'' ۔ لڑکی نے جواب دیا...... ''تم بھول جاؤ گے کہ تم کون تھے۔ تمہارے ہاتھ تمہارے اپنے بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہوں گے اور تم اُس خون کو پھول سمجھ کر خوش ہو گے۔ میں ابھی تمہیں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی کہ میں تم پر اتنی مہربان کیوں ہوگئی ہوں۔ یہ جگہ ایک قلعہ ہے، جس کا نام عصیات ہے۔ یہ فدائیوں کا قلعہ ہے۔ یہاں فدائیوں کا پیغمبر شیخ سنان رہتا ہے۔ فدائیوں کو تم جانتے ہو؟''

''ہاں جانتا ہوں'' ۔ الناصر نے جواب دیا...... ''بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور اب یہ بھی جان گیا ہوں کہ تم کون ہو، تم بھی فدائی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ فدائیوں کے پاس تم جیسی خوب صورت لڑکیاں ہوتی ہیں'' ۔

''میرا ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں'' ۔ لڑکی نے جواب دیا...... ''میرا نام لوا ہے'' ۔

''تمہارے ساتھ ایک اور لڑکی تھی'' ۔

''اُس کا نام تھیریسیا ہے''۔لزانے جواب دیا...... ''وہ یہیں ہے۔تمہیں یہاں تک حشیش کے نشے میں لایا گیا ہے''۔
وہ اس سے زیادہ نہ بول سکی، کیونکہ کمرے کے دروازے میں اچانک تھیریسیا آن کھڑی ہوئی تھی۔تھریسیا نے لزا کو سر کے اشارے سے باہر بلایا۔لزا باہر نکل گئی۔

''یہاں کیا کر رہی ہو؟'' تھیریسیا نے پوچھا...... ''اُس شخص کے اتنی قریب بیٹھ کر تمہیں خیال نہ آیا کہ مسلمان قابلِ نفرت ہوتے ہیں؟ کیا تم غداری کے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتی ہو؟''

لزا کا ذہن خالی ہو گیا۔اُس کی زبان پر کوئی جواب نہ آیا۔وہ جذباتی لحاظ سے اپنے پیشے یعنی مسلمان اُمراء کی کردار کشی سے متنفر ہو گئی تھی۔یہ نفرت اس حد تک پہنچ گئی تھی جہاں انسان اپنے ردِعمل میں بے قابو ہو جاتا ہے اور وہ انتقام کی راہ اختیار کر لیتا ہے یا فرار کی۔

''میں بھی جوان لڑکی ہوں'' ۔تھیریسیا نے اُسے کہا...... ''مجھے بھی یہ مسلمان چھاپہ مار جس کا نام الناصر ہے، اچھا لگتا ہے۔یہ دل کش جوان ہے، اگر تم یہ کہو کہ یہ تمہارے دل میں اُتر گیا ہے تو میں حیران نہیں ہوں گی۔ مجھے یہ احساس بھی ہے کہ تمہارے دل میں ان بوڑھے مسلمان اُمراء اور اُن کے سالاروں کے خلاف نفرت بھر گئی ہے، جن کے ہاتھوں میں تم کھلونہ بنی رہی ہو، مگر اپنے فرائض کو سامنے رکھو، صلیب کی عظمت کو سامنے رکھو، یہ مسلمان تمہارے دشمن ہیں''۔

''نہیں تھیریسیا'' ۔لزانے پریشان لہجے میں کہا...... ''مجھے اس کے ساتھ وہ دلچسپی نہیں جو تم سمجھ رہی ہو''۔

''پھر اس کے پاس کیوں آ بیٹھی تھیں؟''

''میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی'' ۔لزانے اُکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا...... ''معلوم نہیں، ذہن میں کیا آیا تھا کہ میں اس کے پاس آ بیٹھی''۔

''اس کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں؟''

''کوئی خاص بات نہیں ہوئی'' ۔لزانے کہا۔

''تم اپنے فرض میں کوتاہی کر رہی ہو'' ۔تھیریسیا نے کہا...... ''یہ غداری بھی ہے، جس کی سزا موت ہے''۔

''لیکن سن لو تھریسیا!'' لزانے کہا...... ''میں اس بوڑھے شیخ سنان کے پاس اکیلی نہیں جاؤں گی، اگر اُس نے زبردستی کی تو اُسے یا اپنے آپ کو ختم کر لوں گی''۔

تھیریسیا تو پتھر بن چکی تھی۔وہ خوب صورت پتھر تھی جس کا رنگ اور جس کی چمک ہر کسی کے دِل کو بھاتی ہے اور جسے ہر کوئی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے، لیکن پتھر کی اپنی کوئی پسند یا ناپسند نہیں ہوتی۔لزا بھی اُس مقام سے بہت دُور تھی جہاں عورت اپنے جذبات اور اپنی محبت اور نفرت سے دست بردار ہو جایا کرتی ہے۔تھریسیا نے اُسے کہا...... ''مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی زیادہ جذباتی ہو جاؤ گی، ورنہ ہم یہاں نہ آتیں۔مگر یہی ایک قلعہ تھا جو قریب تھا۔تریپولی تک ہمارا پہنچنا ممکن نہیں تھا۔میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ شیخ سنان سے تمہیں بچانے کی پوری کوشش کروں گی اور یہاں سے جلدی نکلنے کی بھی کوئی صورت پیدا کر لوں گی۔تم اپنے قیدی میں اتنی دلچسپی کا مظاہرہ نہ کرو''۔

''سچ بتا دوں تھیریسیا'' ۔لزانے کہا...... ''میں ان چھاپہ ماروں کو یہاں سے فرار کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہوں۔تم نہ خود یہاں سے نکل سکو گی، نہ مجھے نکال سکو گی۔یہ چھاپہ مار ہیں جن کی بہادری کی میں نے حیران کن کہانیاں سن رکھی ہیں۔انہیں اگر ذرا سا بھی موقعہ فراہم کیا گیا تو یہ فرار ہو جائیں گے اور مجھے اور تمہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔اس

کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں"۔

"میں ان کی استادی اور بہادری کو مانتی ہوں" تھیریسیا نے کہا..... "لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ ہم دونوں یا تم اکیلی ان کے ساتھ نکل گئی تو یہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے، ہمیں ہماری منزل پر نہیں پہنچائیں گے۔ جھوٹے سہارے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرو..... اور سنو!" تھیریسیا نے کہا "سنبھالو اور پیرٹے بدل لو۔ آج رات کے کھانے پر شیخ سنان نے ہمیں مدعو کیا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ اُس کے ساتھ تمہارا سلوک اور رویہ کیسا ہوگا۔ اُس پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم اُسے ناپسند نہیں کرتیں اور اُس سے بھاگنے کی بھی نہیں سوچو گی۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ حرن کا خود مختار مسلمان حاکم گمشتگین بھی آیا ہوا ہے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ گمشتگین صلاح الدین ایوبی کا سب سے بڑا دشمن ہے، اُسے اپنا دوست سمجھنا۔ ہم نے بڑی مشکل سے ان مسلمان حکمرانوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑا رہے ہیں"۔

☆

لزا کو جب تھیریسیا اپنے ساتھ لے گئی تو الناصر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اُسے کسی حد تک یقین آ گیا تھا کہ لڑکیاں جنات نہیں لیکن لزا کا اُس پر مہربان ہو جانا اُسے پریشان کرنے لگا۔ لزا نے اُسے بتا دیا تھا کہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو حشیش کے نشے میں یہاں تک لایا گیا ہے۔ اس سے وہ سمجھ گیا کہ یہ لڑکیاں فدائیوں کے گروہ کی ہو سکتی ہیں۔ اُسے یہ شک بھی ہونے لگا کہ اُسے حشیش کے علاوہ اس نوجوان اور خوب صورت لڑکی کے ذریعے اپنے ہاتھ میں لینے اور اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وہ چونکہ چھاپہ مار تھا جسے دشمن کے علاقوں میں جانا ہوتا تھا، اس لیے اُسے فدائیوں اور اُن کے طور طریقوں کے متعلق اور حشیش کے اثرات کے متعلق خاص طور پر بتایا گیا اور خبردار کیا گیا تھا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ جاگ کر وہ بھی اسی طرح حیران ہوئے جس طرح الناصر ہوا تھا۔ وہ تینوں الناصر کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔

"دوستو!" الناصر نے انہیں کہا..... "ہم فدائیوں کے جال میں آ گئے ہیں۔ اس قلعے کا نام عصیات ہے۔ یہاں فدائی اور اُن کی فوج رہتی ہے۔ یہ لڑکیاں جنات نہیں ہیں۔ میں ابھی بتا نہیں سکتا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ہمیں احتیاط کرنی پڑے گی۔ تم سب جانتے ہو کہ فدائی کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اگر مجھے اس کمرے سے باہر نکلنے کا موقع ملا تو قلعے سے فرار کی کوئی ترکیب سوچ لوں گا۔ تم خاموش رہنا۔ یہ لوگ کچھ پوچھیں تو انہیں بہت تھوڑا جواب دینا۔ ان شیطانوں سے بچنا آسان نہیں ہوتا"۔

"کیا یہ ہمیں قید میں ڈال دیں گے؟" الناصر کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

"اگر قید میں ڈال دیں تو ہمیں خوش ہونا چاہیے"۔ الناصر نے جواب دیا..... "مگر یہ لوگ حشیش اور لڑکیوں کے ذریعے ہمارے ذہن اس طرح بدل دیں گے کہ ہمیں یاد ہی نہیں رہے گا کہ ہم کون تھے اور ہمارا مذہب کیا تھا"۔

"مجھے فرار کے سوا کوئی اور ذریعۂ نجات نظر نہیں آتا"..... الناصر کے ایک ساتھی نے کہا۔

"ہم مر جانا پسند کریں گے، ایمان خراب نہیں ہونے دیں گے"۔ ایک اور نے کہا۔

"ہوشیار رہنا"۔ الناصر نے کہا..... "اللہ پر چھوڑو۔ ہم اتنی جلدی اُن کے قبضے میں نہیں آئیں گے"۔

شام گہری ہونے لگی تھی۔ ایک آدمی دو جلتی قندیلیں کمرے میں رکھ گیا۔ اُس نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔

انہیں بھوک نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان کے کمرے سے دور قلعے کے ایک حصے میں سنان کا محل تھا جہاں عورت اور شراب کی رونق تھی۔ سنان کے خصوصی کمرے میں کھانے چنے ہوئے تھے۔ شراب کی صراحیاں رکھی تھیں۔ رنگا رنگ کھانوں کی مہک سے درو دیوار مخمور ہوئے جا رہے تھے۔ کھانے پر شیخ سنان بیٹھا تھا۔ اُس کے ایک طرف تھیریسیا اور دوسری طرف لزا بیٹھی تھی اور اُن کے سامنے گمشتگین بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

گمشتگین کے متعلق کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ وہ حرن نام کے ایک قلعے کا گورنر (قلعہ دار) تھا۔ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد اُس نے خود مختاری کا اعلان کر کے حرن قلعے اور گردو نواح کے علاقے کو اپنی ریاست بنا لیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے مسلمان دشمنوں (الملک الصالح اور سیف الدین) کا اتحادی تھا۔ اُس نے بھی اپنی فوج متحدہ فوج میں شامل کی تھی جسے سلطان ایوبی نے شکست فاش دی تھی۔ گمشتگین خود اپنی فوج کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ تینوں افواج کا سپریم کمانڈر سیف الدین تھا۔ گمشتگین نے اپنے اتحادیوں کی طرح صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رکھا تھا۔ صلیبیوں نے انہیں فوج کی صورت میں تو ابھی کوئی مدد نہیں دی تھی۔ اپنے مشیر، جاسوس اور تخریب کار دے رکھے تھے اور انہیں اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اعلیٰ قسم کی شراب، حسین لڑکیاں اور رقم دیتے رہتے تھے۔

گمشتگین کو خدا نے سازشی ذہن دیا تھا۔ اپنے دشمن پر وہ زمین کے نیچے سے وار کرتا تھا اور اپنے دوستوں کے خلاف بھی دل میں دشمنی رکھتا تھا۔ اُسے پیار صرف اقتدار سے تھا۔ وہ اپنی ریاست کا مطلق العنان بادشاہ بن کر ریاست میں توسیع کرنے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ اُسے جو کوئی دوستانہ مدد دیتا تھا، اُسے بھی وہ شکی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے قتل کی کوششوں میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اقتدار پسند حکمران کا تختہ صرف فوج اُلٹ سکتی ہے۔ سلطان ایوبی ہی ایک سالار تھا جس کے دل میں قومی جذبہ موجزن تھا۔ اُس کی جنگی قابلیت کے ساتھ اُس کا ایمان اُس کی قوت تھا۔ گمشتگین اُس کی اسی قوت سے ڈرتا تھا۔ اب جبکہ اُس نے اپنی فوج سیف الدین کی کمان میں دے کر ترکمان روانہ کر دی تھی، وہ کسی کو بتائے بغیر شیخ سنان کے پاس قلعہ عصیات میں آ گیا تھا۔ وہ یہی مشن لے کے آیا تھا کہ سلطان ایوبی کے قتل کا کوئی ایسا انتظام کیا جائے جو پہلی قاتلانہ کوشش کی طرح ناکام نہ ہو۔

عصیات میں وہ الناصر اور تھیریسیا کے پہنچنے سے ایک روز پہلے آیا تھا۔ اُسے ابھی معلوم نہیں تھا کہ سیف الدین کی زیر کمان اُس کی فوج کا سلطان ایوبی کے ہاتھوں کیا حشر ہوا ہے۔ وہ افواج کو روانہ کر کے اپنے سازشی دورے پر نکل گیا اور عصیات جا پہنچا تھا۔

☆

''گمشتگین بھائی!'' شیخ سنان نے اُسے کھانے کے دوران کہا...... ''تمہارے دوست تو ترکمان سے بھاگ گئے ہیں''۔ اُس نے تھیریسیا سے کہا...... ''انہیں میدانِ جنگ کی تفصیل سناؤ''۔

گمشتگین کو اس خبر سے اتنا صدمہ ہوا کہ وہ کچھ بھی نہ بولا۔ اُس کا رنگ اُڑ گیا اور وہ صدمے اور حیرت سے تھیریسیا کی طرف دیکھنے لگا۔ تھیریسیا نے اُسے بتایا کہ سلطان ایوبی نے قلیل سی نفری سے کس طرح متحدہ افواج پر حملہ کیا اور بھگایا ہے۔ سیف الدین کے متعلق تھیریسیا نے بتایا کہ اُس کے وہاں سے روانہ ہونے تک سیف الدین میدانِ جنگ سے لاپتہ تھا۔ گمشتگین خاموشی سے سنتا رہا۔

''مجھے میرے دوستوں نے ذلیل کیا ہے''۔ گمشتگین نے غصے سے کہا...... ''میں سیف الدین کو ہتھیوں

فوجوں کی کمان دینے کے حق میں نہیں تھا مگر میری کسی نے نہ سنی۔ معلوم نہیں میری فوج کس حالت میں ہوگی''۔

''بہت بُری حالت میں''۔ تھیریسیا نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ ماروں نے آپ کی فوجوں کو اطمینان اور خیریت سے پسپا بھی نہیں ہونے دیا''۔

''سنان بھائی! تم جانتے ہو، میں یہاں کیوں آیا ہوں''۔ گمشتگین نے کہا۔

''صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے''۔ سنان نے کہا۔

''ہاں!'' گمشتگین نے کہا...... ''آپ جو مانگیں گے، پیش کروں گا، ایوبی کو قتل کراؤ''۔

''میں نے صلیبیوں اور سیف الدین کے کہنے پر ایوبی کے قتل کے لیے چار فدائی بھیج رکھے ہیں''۔ سنان نے کہا...... ''لیکن مجھے اُمید نہیں کہ وہ اُسے قتل کر سکیں''۔

''مجھ سے الگ اپنا انعام لو''۔ گمشتگین نے کہا...... ''نئے آدمی دو، لیکن یہ آدمی مجھے دے دو۔ یہ کام میں خود کراؤں گا''۔

''یہ آخری چار فدائی ہیں جو میں نے بھیجے ہیں''۔ شیخ سنان نے کہا...... ''میرے پاس قاتلوں کی کمی نہیں، لیکن میں صلاح الدین ایوبی کے قتل سے دست بردار ہوتا ہوں''۔

''کیوں؟'' گمشتگین نے حیران ہو کر پوچھا...... ''ایوبی نے تمہیں کوئی قلعہ دے دیا ہے؟''

''نہیں''۔ سنان نے جواب دیا...... ''اس شخص کے قتل کے لیے میں اپنے بڑے ہی قیمتی فدائی ضائع کر چکا ہوں۔ میرے فدائیوں نے اُس پر سوتے میں خنجروں سے حملہ کیا مگر وہ خود قتل ہو گئے۔ ایک بار اُس پر تیر چلائے گئے، وہ بھی خطا ہو گئے۔ میں تو اب یہ سمجھ بیٹھا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اس میں کوئی ایسی قوت ہے کہ اس پر نہ خنجر اثر کرتا ہے، نہ تیر۔ میرے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ ایوبی پر جب قاتلانہ حملہ ہوتا ہے تو حملے کو ناکام کر کے وہ گھبرانے یا غصے میں آنے کی بجائے مُسکراتا ہے اور فوراً بھول جاتا ہے کہ کیا ہوا تھا''۔

''مجھے اپنی اُجرت بتاؤ سنان!'' گمشتگین نے جھنجھلا کر کہا...... ''میں ایوبی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم نے اناڑی قاتل بھیجے ہوں گے''۔

''وہ سب اُستاد تھے''۔ شیخ سنان نے کہا...... ''اُن سے کبھی کوئی بچ کر نہیں گیا تھا۔ وہ موت سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ میرے پاس اُن کے بھی استاد موجود ہیں۔ یہ ایسے طریقوں سے قتل کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی سراغ نہیں ملتا، لیکن گمشتگین! میں اپنے قیمتی فدائیوں کو یوں ضائع نہیں کروں گا...... تم تین فوجوں سے ایوبی کو نہیں مار سکتے، میرے تین چار آدمی اُسے کس طرح قتل کر سکتے ہیں؟''

''تم ایوبی کے قتل سے جو ڈر گئے ہو، اس کی وجہ کچھ اور ہوگی''۔

''اور وجہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں''۔ سنان نے کہا...... ''حسن بن صباح نے تو پیغمبر بننا چاہا تھا لیکن اُس کے مرنے کے بعد ہمارا فرقہ پیشہ ور قاتل بن گیا۔ میں پیشہ ور قاتل ہوں گمشتگین! ایوبی مجھے تمہارے قتل کے لیے اُجرت دے گا تو میں تمہیں بھی قتل کرا دوں گا''۔

''لیکن صلاح الدین بزدلوں کی طرح کسی کو قتل نہیں کراتا''۔ لزا نے کہا...... ''یہی وجہ ہے کہ وہ بزدلوں کے ہاتھوں قتل نہیں ہوتا''۔

''اوہ!'' سنان نے لڑکا کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر پیار سے کہا..... ''تم نے اسی عمر میں جان لیا ہے کہ جو بزدل نہیں ہوتے، اُن کا بزدل کچھ نہیں بگاڑ سکتے''۔ اُس نے گمشتگین سے کہا۔ ''تم سیف الدین اور الملک الصالح اور صلیبی صرف اس لیے ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہو کہ صلاح الدین کے دشمن ہو، ورنہ تمہاری آپس میں کوئی دوستی نہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ ایوبی کو قتل کر کے تم کیا حاصل کر سکو گے؟ وہ مر گیا تو آپس میں لڑو گے..... غور سے سنو گمشتگین! ایوبی کے قتل کے بعد تمہیں اُس سلطنت سے بالشت بھر زمین بھی نہیں ملے گی جو ایوبی نے قائم کر لی ہے۔ اُس کے بھائی اور اُس کے سالار متحد ہیں۔ تم اگر کسی کو قتل کرانا ہی چاہتے ہو تو سیف الدین کو قتل کرا دو اور موصل پر قبضہ کر لو۔ اُسے تم خود قتل کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں اپنا دوست اور اتحادی سمجھتا ہے۔ اُسے زہر دلا سکتے ہو۔ اُس پر حملہ کرا سکتے ہو''۔

گمشتگین گہری سوچ میں کھو گیا، پھر بولا..... ''ہاں! سیف الدین کو قتل کرا دو۔ بتاؤ کیا مانگتے ہو''۔

''حرن کا قلعہ''۔ شیخ سنان نے کہا۔

''تمہارا دماغ ٹھکانے ہے سنان؟'' گمشتگین نے کہا..... زر و جواہرات کی صورت میں اپنی قیمت بتاؤ''۔

''زر و جواہرات کے عوض تمہیں چار آدمی دیتا ہوں''..... سنان نے کہا..... ''لیکن یہ میرے فدائی نہیں ہیں، یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار ہیں۔ انہیں یہ دونوں لڑکیاں حشیش کے نشے میں ساتھ لائی ہیں۔ میں انہیں کسی کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسے تجربہ کار آدمی ملتے ہی کہاں ہیں۔ اتفاق سے آ گئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ حشیش اور میری پریاں انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر ایسا قاتل بنا لیں گی کہ اپنے ماں باپ کا بھی خون بہا آئیں گے۔ میں تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ ان کو لے جاؤ۔ تھوڑے دن انہیں اپنی جنت دکھاؤ۔ انہیں اپنے حرم کے شہزادے بنا دو۔ انہیں بتائے بغیر حشیش دو، پھر انہیں شراب کا عادی بنا دو۔ تمہارے اشاروں پر ناچیں گے''۔

''صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار اتنے کچے نہیں ہوتے، جتنا تم سمجھ رہے ہو''۔ گمشتگین نے کہا۔

''تم جانتے ہو گمشتگین، ہم فدائی کہلاتے ہیں۔ انسان کے ذہن کے ساتھ کھیلتے ہیں''۔ شیخ سنان نے کہا..... ''ہم اپنے شکار کے ذہن میں دل فریب تصور ڈال کر اُس کی یہ حالت کر دیتے ہیں کہ وہ تصور کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔ کسی انسان کے ذہن میں عورت کا حسین تصور پیدا کر دو اور اس کے ساتھ اُسے نشہ دیے جاؤ تو وہ اس تصور کا غلام ہو جاتا ہے۔ انسان کو عورت کے تصوروں میں کھوئے رہنے کا عادی بنا دو، پھر تم اُس کا کردار اور اُس کا ایمان بڑے ہی کم داموں خرید سکتے ہو..... تم ان چاروں کو لے جاؤ۔ یہ نہ سوچو کہ انہیں تم اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکو گے''۔ سنان نے مُسکرا کر کہا..... ''اپنے آپ پر نظر ڈالو۔ عورت، شراب اور عیش پرستی تمہیں کہاں سے کہاں لے آئی ہے۔ مسلمان ہو کر تم مسلمانوں کے دشمن بنے ہو''۔

شیخ سنان نے اُسے اپنی قیمت بتائی۔ سودا طے ہو گیا کہ گمشتگین الناصر اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ حرن لے جائے گا۔ سنان نے اُسے بتایا کہ وہ ان چاروں کو قید خانے میں نہ ڈال دے، بلکہ انہیں شہزادے بنا کر رکھے۔

گمشتگین نے یہ ہدایات سنیں اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ایک دو دنوں میں وہ ان چھاپہ ماروں کو لے جائے گا۔

☆

گمشتگین وہاں سے نکلا تو شیخ سنان کا ایک آدمی اندر آیا۔ اُس نے پوچھا کہ آج جو چار آدمی لائے گئے ہیں، اُن کے متعلق کیا حکم ہے۔

''حرن کا والی گمشتگین آیا ہوا ہے''۔ سنان نے کہا..... ''وہ انہیں ساتھ لے جا رہا ہے۔ اُن کے کھانے اور آرام وغیرہ کا انتظام کر دو۔ ہم اُنہیں نہیں رکھنا چاہتے۔ انہیں یہ نہ بتانا کہ انہیں کہاں بھیجا جا رہا ہے''۔

یہ آدمی چلا گیا۔ اُس نے الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے کھانا بھجوایا۔ الناصر نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اُسے شک تھا کہ کھانے میں حشیش ڈالی گئی ہے۔ بہت ہی مشکل سے اُسے یقین دلایا گیا کہ کھانے میں کچھ نہیں ملایا گیا۔ الناصر اور اُس کے ساتھی بھوک سے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔ اپنے سامنے اتنا اچھا کھانا دیکھ کر انہوں نے کھانے کا خطرہ مول لے لیا۔

شیخ سنان نے تھیریسیا سے کہا کہ وہ چلی جائے اور لزا کو اُس کے پاس چھوڑ جائے۔ تھیریسیا نے کہا کہ وہ تین چار دن مسلسل سفر میں رہی ہیں، اس لیے آرام کریں گے۔ سنان میں انسانیت کم اور درندگی زیادہ تھی۔ اُس نے لزا کے ساتھ پہلے تو چھیڑ چھاڑ کی جو لزا تھیریسیا کے کہنے کے مطابق برداشت کرتی رہی اور اُس سے گلو خلاصی کرانے کے لیے بہانے بھی تراشتی رہی۔ سنان نے دست درازی شروع کر دی۔ لزا کا مزاج بگڑنے لگا۔ اچانک دروازہ کھلا۔ دربان نے کسی کی آمد کی اطلاع دی۔ سنان نے غصے سے کہا..... ''اس وقت کوئی اندر نہیں آ سکتا''..... مگر اندر آنے والے نے اُس کے حکم کی پرواہ نہ کی۔ وہ دربان کو ایک طرف کر کے اندر آ گیا۔

وہ ایک صلیبی تھا جو اُسی وقت قلعے میں پہنچا تھا۔ سنان اُسے جانتا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی سنان نے اُس کا نام لیا اور خوشی کا اظہار کیا لیکن یہ بھی کہا..... ''تم آرام کرو، صبح ملیں گے''۔

''میں شاید صبح ہی آپ کے پاس آ جاتا''۔ صلیبی نے کہا..... ''لیکن یہاں آتے ہی پتہ چلا ہے کہ یہ لڑکیاں آئی ہیں، مجھے اِن سے بہت کچھ پوچھنا ہے۔ میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں''۔

سنان نے تھیریسیا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا..... ''اسے لے جاؤ''..... اور اُس نے لزا کو اپنی طرف گھسیٹ کر کہا..... ''اسے میں یہیں رکھوں گا''۔

''شیخ سنان!'' صلیبی نے قدرے دبدبے سے کہا..... ''میں دونوں کو لے جا رہا ہوں۔ تم جانتے ہو میں کس کام سے آیا ہوں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ان لڑکیوں کے کیا فرائض ہیں۔ تمہاری بغل میں بیٹھنا اِن کے فرائض میں شامل نہیں''۔ اِس نے لڑکیوں سے کہا..... ''دونوں میرے ساتھ آؤ''۔

دونوں اُچک کر اُٹھیں اور صلیبی کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

''کیا تم میرے ساتھ دشمنی کا خطرہ مول لینا چاہتے ہو؟'' شیخ سنان نے کہا..... ''تم میرے قلعے میں ہو۔ میں تمہیں مہمان سے قیدی بھی بنا سکتا ہوں اور تم کوشش کر رہے ہو کہ تمہیں مہمان سے قیدی بنا دیا جائے۔'' اُس نے گرج کر کہا..... ''اِس لڑکی کو میرے پاس چھوڑ کر باہر نکل جاؤ''۔

''سنان!'' صلیبی نے طنزیہ لہجے میں کہا..... ''کیا تم بھول گئے ہو کہ یہ قلعہ تمہیں ہم نے دیا ہے؟ کیا تمہارے ذہن سے یہ حقیقت بھی اُڑ گئی ہے کہ ہم تمہاری پیٹھ پر ہاتھ نہ رکھیں تو تم اور تمہارے فدائی کرائے کے قاتلوں کے سوا کچھ بھی نہیں رہیں گے؟''

شیخ سنان پر صرف شراب کا نشہ طاری نہیں تھا، وہ اس قلعے کا بادشاہ تھا اور وہ کسی بھی بادشاہ کو کسی بھی وقت ایسے طریقے سے قتل کرا سکتا تھا کہ کسی کو شک تک نہ ہوتا کہ قاتل سنان یا اس کا کوئی فدائی ہے۔ اُس نے صلیبی افسر بھی قتل کرائے تھے۔ یہ صلیبیوں کی آپس کی عداوت کا نتیجہ تھا۔ اُن کا کوئی جرنیل یا کوئی اور فوجی یا غیر فوجی افسر اپنے کسی حریف افسر کو قتل

کرانے کی ضرورت کبھی محسوس کرتا تو اس مقصد کے لیے وہ سنان کی خدمت حاصل کیا کرتا تھا۔ عصیات کے قلعے میں رہتے تو انسان تھے لیکن یہ بدروحوں کا قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے تہہ خانوں میں انسان گم ہو جاتے تھے۔ فدائی پاگل لگتے تھے۔ کسی کو قتل کرنا اُن کے لیے منہ کا نوالہ ڈال لینے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے محل کا یہ حسن تھا کہ چھتوں اور دیواروں میں رنگارنگ شیشوں کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ فانوسوں کی روشنی سے ان سے رنگارنگ شعاعیں نکلتی تھیں۔ یہاں انسان بھول جاتا تھا کہ اس جنت کے اردگرد بے رحم اور تپتے ہوئے ٹیلے ہیں۔

اس ماحول اور اس حیثیت میں شیخ سنان اپنے آپ کو دیوتا سمجھتا تھا۔ اُس میں حیوانیت اور درندگی زیادہ تھی۔ لزا جیسی لڑکی سے وہ دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے صلیبی سے کہا...... ''میں تمہیں سوچنے کی مہلت دوں گا۔ اس قلعے میں خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے بھی گم کر دیئے جاتے ہیں۔ خدا کو بھی پتہ نہیں چلتا۔ میں اس لڑکی کو قلعے سے باہر نہیں جانے دوں گا۔ تم نے مزاحمت کی تو تم بھی قلعے سے باہر نہیں جا سکو گے''۔

''میرا ایک ساتھی آگے چلا گیا ہے''۔ صلیبی نے کہا...... ''وہ وہاں بتا دے گا کہ میں یہاں ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں یہاں دو تین روز کے قیام کے لیے آیا ہوں، پھر مجھے کہیں اور جانا ہے۔ ہم اُس معاہدے کے تحت تمہارے ہاں قیام کرتے ہیں جس کے تحت تمہیں یہ قلعہ دیا گیا تھا۔ یہ ہماری پناہ گاہ ہے اور ہمارا عارضی پڑاؤ بھی۔ تم ہماری ہڈیاں غائب کر دو تو بھی تم سے پوچھا جائے گا کہ ہمارا ایک آدمی اور دو لڑکیاں کہاں ہیں''۔ صلیبی نے کچھ سوچا اور کہا...... ''اگر تم صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دو تو اس جیسی ایک درجن لڑکیاں تمہارے حوالے کر دیں گے مگر تم ہماری رقم اور سونا ہضم کرتے رہے، ایوبی کو قتل نہ کر سکے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے چار فدائی ایوبی کے قتل کے لیے بھیج رکھے ہیں، لیکن یہ صرف افواہ معلوم ہوتی ہے۔ ایوبی ابھی تک زندہ ہے اور فاتح ہے''۔

''یہ افواہ نہیں''۔ سنان نے نشے اور غصے سے لرزتے ہوئے کہا...... ''میں نے چار آدمی بھیج رکھے ہیں۔ چند دنوں میں تم خبر سنو گے کہ صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے''۔

''پھر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ہمارے حکمرانوں سے جو انعام و اکرام ملا ہے، اس کے علاوہ میں تمہیں اس (لزا) جیسی دو لڑکیاں اپنی طرف سے دوں گا''۔

''وہ دیکھا جائے گا''...... سنان نے کہا...... ''میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ اس لڑکی کو تم میری خواب گاہ سے باہر لے جا سکتے ہو، اسے قلعے سے باہر نہیں لے جا سکو گے۔ جاؤ، انہیں لے جاؤ۔ میں نے قلعے میں صلیبیوں کے لیے جو کمرے الگ کر رکھے ہیں، وہاں چلے جاؤ، کھاؤ، پیو، عیش کرو اور مجھے سوچ کر جواب دو کہ یہ لڑکی میرے حوالے کرو گے یا نہیں''۔

صلیبی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لیے باہر نکل گیا۔ یہ صلیبی جاسوسی اور تخریب کاری کے محکمے کا افسر تھا۔ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں گھومتا پھرتا رہا تھا اور اب واپس اپنے علاقے میں جا رہا تھا۔ عصیات کے قلعے میں صلیبیوں کے لیے عارضی قیام کا انتظام کیا گیا تھا جو صلیبی جب چاہتا، اس قلعے میں آ سکتا تھا۔ تھیریسیا بھی اسی سہولت کے تحت لزا اور الناصر کے ساتھیوں کو یہاں لائی تھی اور یہ صلیبی بھی ذرا آرام کے لیے یہاں آیا تھا۔ ایک دو روز بعد اُسے آگے چلے جانا تھا۔ قلعے میں آتے ہی اُسے کسی نے بتایا کہ دو صلیبی لڑکیاں آئی ہیں جو اِس وقت شیخ سنان کے پاس ہیں۔ وہ انہیں دیکھنے کے لیے اندر چلا گیا اور سنان کے ساتھ گرما گرمی کے بعد دونوں لڑکیوں کو وہاں سے لے آیا۔

اُس کے جانے کے بعد شیخ سنان نے اپنے خاص آدمی کو بلا کر کہا...... ''یہ صلیبی اور یہ دونوں لڑکیاں ہماری قیدی

نہیں ہیں لیکن انہیں ان کی مرضی سے قلعے سے نکلنے نہ دیا جائے۔ انہیں اس حق سے محروم کر دیا جائے کہ جب چاہیں قلعے میں آجائیں، جب چاہیں نکل جائیں۔ ان پر نظر بھی رکھنا...... اور گمشتگین جب چاہے اُن چار قیدیوں کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے، جنہیں آج یہ لڑکیاں باہر سے لائی ہیں''۔

صلیبی کو بتایا گیا کہ حرن کا والی، گمشتگین بھی آیا ہوا ہے اور وہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا انتظام کرتا پھر رہا ہے۔ اُسے الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق بتایا گیا۔ صلیبی لڑکیوں کو قلعے کے اُس حصے میں لے گیا، جہاں عارضی طور پر آنے والے صلیبیوں کے لیے کمرے مخصوص کیے گئے تھے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے سیف الدین کے سالار مظفر الدین کا حملہ جس طرح پسپا اور اس کی فوج کو جس طرح تہس نہس کیا تھا، وہ پوری تفصیل سے سنایا جاچکا ہے۔ مظفر الدین میدانِ جنگ سے غائب ہوگیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج نے جو قیدی پکڑے ان میں سیف الدین کا ایک مشیر فخر الدین بھی تھا جو موصل میں اُس کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ سلطان ایوبی فخر الدین کو جنگی قیدیوں سے الگ کر کے اپنے خیمے میں لے گیا اور اُسے اُسی عزت و احترام سے رکھا جس کا وہ حق دار تھا۔ مالِ غنیمت تقسیم کر کے سلطان ایوبی نے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ پیش قدمی یعنی بھاگتے دشمن کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ بعض مورخین نے سلطان ایوبی کے اس فیصلے کو، اس کی جنگی لغزش کہا ہے لیکن تاریخ اسلام کا یہ مجاہد بہت دُور کی سوچا کرتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ دشمن کی فوج کا تعاقب کرتا تو اُس کی فوج کو وہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سلطان ایوبی کے مسلمان دشمن اُس کے قدموں میں گر پڑتے۔

تعاقب نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مظفر الدین کے ساتھ اس نے جو معرکہ لڑا تھا، اس میں اُسے فتح بہت مہنگی پڑی تھی۔ اُس کی فوج کا جانی نقصان بہت ہوا تھا۔ زخمیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لیے وہ پیش قدمی کے قابل نہیں تھا۔ اگر وہ پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کرتا تو وہ اپنے محفوظہ کو استعمال کر سکتا تھا، لیکن اس نے ایسا فیصلہ نہ کیا جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا اور زیادہ خون بہے۔ وہ اپنی قوم کو مزید خون ریزی سے بچانا چاہتا تھا۔

سلطان ایوبی اُس جگہ کھڑا تھا، جہاں سیف الدین کی ذاتی خیمہ گاہ تھی۔ اس میں سے جو کچھ برآمد ہوا، وہ بیان کیا جاچکا ہے۔ سیف الدین کا اپنا خیمہ بذاتِ خود بہت قیمتی تھا۔ یہ ریشمی کپڑوں کا محل تھا۔ قناتیں اور شامیانے ریشمی تھے، پردے ریشمی تھے، اس کے اندر کھڑے ہو کر شیش محل کا گماں ہوتا تھا۔ سیف الدین کا ایک بھتیجا، عزالدین فرخ شاہ سلطان ایوبی کی فوج میں سالار تھا۔ یہ عجیب جنگ تھی اور عجیب دشمنی کہ بھتیجا چچا کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک فوجی تھے جو اپنے خون کے رشتوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے سیف الدین کی یہ خیمہ گاہ دیکھی تو اُس نے اس کے بھتیجے عزالدین کو بلایا اور مُسکرا کر کہا...... ''اپنے چچا کی جائیداد کے وارث تم ہو، میں اس کا خیمہ تمہیں پیش کرتا ہوں۔ یہ سمیٹ لو''۔

سلطان ایوبی نے مُسکرا کر اُسے خیمہ پیش کیا تھا مگر عزالدین کے آنسو نکل آئے۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں اس واقعہ کا ذکر جذباتی انداز میں کیا ہے۔ اس کے مطابق، سلطان ایوبی نے عزالدین کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہا...... ''عزالدین! تمہارے جذبات کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں، لیکن قرآن کا حکم مانو۔ اگر میرا بیٹا، شرک کا اور جہاد کے راستے میں فسق و فجور کا مرتکب ہوگا تو میری تلوار اس کا سر قلم کرنے سے گریز نہیں کرے گی۔ تم اپنے شکست خوردہ چچا کا خیمہ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو لے آئے ہو، میں اپنے شکست خوردہ بیٹے کا کٹا ہوا سر دیکھ کر بھی آنسو نہیں بہاؤں گا''۔

سلطان ایوبی نے اس مقام سے ذرا آگے جا کر لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ اس کا نام ''کوہِ سلطان'' مشہور ہوگیا۔ تاریخ میں بھی کوہِ سلطان آیا ہے۔ وہاں سے حلب پندرہ میل دُور تھا۔ حلب کے متعلق پہلے تفصیل سے سنایا جاچکا ہے۔ الملک الصالح نے اس شہر کو اپنا دارالحکومت اور مستقر بنالیا تھا اور اب یہ متحدہ افواج کا ہیڈکوارٹر بن گیا تھا۔ یہ بھی سنایا جاچکا ہے کہ اس شہر کا دفاع اتنا مضبوط اور یہاں کے لوگ (جو سب مسلمان تھے) اتنے دلیر اور جنگجو تھے کہ سلطان ایوبی کا محاصرہ ناکام ہوگیا تھا۔ اب سلطان ایوبی ایک بار پھر اس اہم شہر کو محاصرے میں لینا اور اُس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن اب کے وہ اپنا اڈہ مضبوط کر کے آگے بڑھنے کی سکیم بنا رہا تھا۔

راستے میں دو قلعے تھے۔ ایک کا نام منبج اور دوسرے کا بوزا تھا۔ بعض تاریخوں میں منبج کو ممبس بھی لکھا گیا ہے۔ ان دونوں قلعوں کے اُمراء خودمختار مسلمان تھے۔ ایسے کئی اور قلعے اور کئی جاگیریں تھیں جن پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی۔ اس طرح سلطنت اسلامیہ قلعوں، جاگیروں اور ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی بکھرے ہوئے ان ذرّوں کو یکجا کر کے ایک سلطنت بنانا اور اسے ایک خلافت کے تحت لانا چاہتا تھا۔ دشواری یہ تھی کہ یہ اُمراء اور جاگیردار اپنی الگ الگ حیثیت قائم رکھنے کے لیے خواہش مند تھے۔ وہ اپنی بقاء کے لیے صلیبیوں تک سے مدد لے لیا کرتے تھے۔

سلطان ایوبی نے ایک پیغام بُوزا کے امیر کے نام لکھا اور دوسرا منبج کے امیر کے نام۔ بوزا کو عزالدین کو روانہ کیا اور منبج کو سیف الدین کے مشیر فخر الدین کو۔ فخر الدین جنگی قیدی تھا لیکن سلطان ایوبی نے عزت واحترام سے اُس کا دِل جیت لیا تھا اور فخر الدین نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ سلطان ایوبی نے جب اُسے اپنا خاص ایلچی بنا کر منبج جانے کو کہا اور اسے یہ اختیارات بھی دیئے کہ وہ اس کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ قلعہ حاصل کرنے کی بات چیت کرے تو فخر الدین نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

''کیا آپ مسلمان نہیں ہیں؟''...... سلطان ایوبی نے اسے کہا...... ''آپ نے مجھے یوں حیرت سے دیکھا ہے، جیسے میں کسی کافر کو اپنا ایلچی اور نمائندہ بنا کر بھیج رہا ہوں۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں یا اپنے ایمان پر اعتماد نہیں؟...... میں منبج کا قلعہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کے امیر کو میرا پیغام پہنچادیں اور اسے قائل کریں کہ خون خرابے کے بغیر قلعہ ہمیں دے دے اور اپنی فوج ہماری فوج میں شامل کر دے''۔

عزالدین اور فخر الدین روانہ ہوگئے۔

☆

بوزا کے امیر نے عزالدین کا استقبال تپاک سے کیا۔ سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ اس میں لکھا تھا...... ''میرے عزیز بھائی! ہم ایک خدا اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک قرآن کے پرستار ہیں مگر ہم سب اس طرح بکھر گئے ہیں جس طرح ایک جسم کے اعضا ریگزار کی ریت پر بکھرے پڑے ہوں۔ کیا یہ جسم حرکت کر سکتا ہے؟ کسی کام آسکتا ہے؟ اس جسم کا فائدہ صلیبیوں کو پہنچ رہا ہے جو کٹے ہوئے اعضا کو گِدھوں کی طرح کھا رہے ہیں۔ ہمیں ایک اُمت کی صورت متحد ہونا ہے، ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں آپ کو ایک اُمت کی صورت میں متحد ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ اپنی موجودہ حیثیت پر غور کریں۔ آپ اپنی امارات کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے دشمن کے آگے بھی ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ میں آپ تک قرآن کا فرمان پہنچا رہا ہوں۔ اسے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ پہلی ضرورت یہ ہے کہ اپنا قلعہ سلطنتِ اسلامیہ کی ملکیت میں دے دیں اور میری اطاعت قبول کر لیں۔ اس صورت میں آپ کی فوج میری فوج میں

مدغم ہو جائے گی۔ آپ قلعہ دار ہوں گے اور قلعے پر سلطنتِ اسلامیہ کا جھنڈا لہرائے گا۔ اگر آپ کو یہ صورت قبول نہ ہو تو میری فوج کے محاصرے میں لڑنے کی تیاری کر لیں اور اپنے سامنے حلب، موصل اور حرن کی متحدہ فوج کی بربادی اور پسپائی رکھیں، آپ کو فیصلہ کرنے میں سہولت ہوگی۔ میری پیش کش قبول کر لیں اور مجھ سے بہتر سلوک کی توقع رکھیں۔ میری آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں، احکامِ خداوندی کے تحت کر رہا ہوں''۔

بوزا کے امیر نے یہ پیغام پڑھا تو عزالدین کی طرف دیکھا۔ ''عزالدین نے کہا...... ''آپ کا قلعہ مضبوط نہیں اور آپ کی فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس فوج کو ہمارے ہاتھوں نہ مروائیں''۔

بوزا کے امیر نے پیش کش قبول کر لی اور سلطان ایوبی کے نام تحریری پیغام دیا کہ وہ آئے اور قلعہ لے لے۔

منبج کے امیر نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ فخر الدین نے اس سے پیغام لکھوالیا اور واپس چلا گیا۔

سلطان ایوبی خود دونوں قلعوں میں گیا۔ وہاں جو فوجیں تھیں، انہیں قلعے سے نکال کر اپنی فوج میں شامل کر لیا اور اپنے دستے قلعوں میں بھیج دیئے۔ دونوں قلعوں میں اس نے رسد وغیرہ رکھ دی لیکن فوج کو قلعہ بند نہ کیا۔ حلب کے قریب اعزاز نام کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس قلعے کے دفاعی انتظامات حلب والوں نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ اس کے قلعہ دار یا امیر نے اپنی وفاداری حلب یعنی الملک الصالح کو دے رکھی تھی۔ سلطان ایوبی حلب کا محاصرہ کرنے سے پہلے اس قلعے کو بھی لڑے بغیر لینا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک سالار الحمیری کو تحریری پیغام کے ساتھ اعزاز کو روانہ کیا۔

اعزاز کے امیر نے سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ اس پیغام کے بھی الفاظ وہی تھی جو بوزا اور منبج کے امراء کو لکھے گئے تھے۔ اعزاز کے امیر نے پیغام الحمیری کی طرف پھینک کر کہا...... ''تمہارا سلطان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر ساری دُنیا کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اُسے کہنا کہ تم نے حلب کا محاصرہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ اب اعزاز کا محاصرہ کر کے دیکھو''۔

''کیا آپ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون بہانا پسند کریں گے؟''...... الحمیری نے کہا...... ''کیا آپ پسند کریں گے کہ ہم آپس میں لڑیں اور صلیبی ہمارا تماشہ دیکھیں؟''۔

''اپنے سلطان سے کہو کہ جا کر صلیبیوں سے لڑے''...... اعزاز کے امیر نے کہا۔

''کیا آپ صلیبیوں سے نہیں لڑیں گے؟''...... الحمیری نے پوچھا...... ''کیا آپ انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتے؟''

''اس وقت ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جس نے ہمیں للکارا ہے''...... امیر نے کہا...... ''وہ ہم سے یہ قلعہ بزورِ شمشیر لینا چاہتا ہے''۔

الحمیری اسے قائل نہ کر سکا۔ اُس نے الحمیری کی ذرہ بھر عزت نہ کی اور اسے چلے جانے کو کہا۔

☆

عصیات کے قلعے میں صلیبی گمشتگین کے پاس بیٹھا تھا۔ تھیریسیا اور لزا بھی اس کے ساتھ تھیں۔ گمشتگین اور صلیبی کی پہلے سے جان پہچان تھی۔ صلیبی نے کہا...... ''سنا ہے آپ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کراتے سیف الدین کے قتل کا ارادہ کر بیٹھے ہیں''۔

''کیا آپ نے سنا نہیں کہ سیف الدین نے کیسی بزدلی اور جنگی نااہلی کا مظاہرہ کیا ہے؟''...... گمشتگین نے کہا...... ''یہ لڑکیاں بتاتی ہیں کہ اس نے ہماری تینوں فوجوں کا ایسا بُرا حال کرا لیا ہے کہ اب ہم بڑے لمبے عرصے کے

لیے لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ میں بکھری ہوئی فوجوں کو اکٹھا کر کے ایوبی کو حلب سے دُور روکنا چاہتا ہوں، اگر سیف الدین زندہ رہا تو وہ خفت مٹانے کے لیے ایک بار پھر کمان لینے کی ضد کرے گا اور ہمیں ایک اور شکست ہوگی۔ کیوں نہ اُسے ٹھکانے لگا دیا جائے"۔

"سیف الدین اتنی اہم شخصیت نہیں، جتنا آپ سمجھ رہے ہیں"...... صلیبی نے کہا...... "جو ہم جانتے ہیں، وہ آپ نہیں جانتے۔ ہم آپ کے ہر ایک دوست اور ہر ایک دشمن کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں، اسی لیے ہم نے آپ کو اپنے مشیر اور اپنے جاسوس دے رکھے ہیں۔ میں جو ایوبی کے علاقوں میں بھیس بدل بدل کر اور اپنے آپ کو خطروں میں ڈال کر مارا مارا پھر رہا ہوں، وہ صرف آپ کی بقا اور آپ کی ریاست کی توسیع کے لیے ہے۔ میں جو حالات دیکھ آیا ہوں، اُن کا تقاضا صرف یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کیا جائے۔ نور الدین زنگی مر گیا تو آپ سب آزاد ہو گئے۔ آپ قلعہ دار سے خود مختار حکمران بن گئے۔ ایوبی مر گیا تو آپ اس سے دُگنے علاقے کے حکمران بن جائیں گے جو آپ کے پاس ہے۔ جنگ و جدل کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے گا۔ میں ترپولی جا رہا ہوں۔ آپ کی فوج نے گھوڑوں اور اونٹوں کا جو نقصان اُٹھایا ہے، وہ میں بہت جلدی پورا کر دوں گا۔ ہتھیار بھی بھجواؤں گا۔ ہمت نہ ہاریں۔ ایوبی مر گیا تو ہم آپ کو اتنی مدد دیں گے کہ آپ سیف الدین، الملک الصالح اور دوسرے تمام خود مختار اُمراء پر چھا جائیں گے اور آپ کو وہی حیثیت حاصل ہو جائے گی جو آج صلاح الدین ایوبی کو حاصل ہے"۔

اقتدار کی ہوس اور عیش پرستی نے گمشتگین کی عقل پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ اُس کی عقل میں اتنی سی بات نہیں آرہی تھی کہ یہ صلیبی اپنی قوم کا نمائندہ ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اور کر رہا ہے، وہ اپنے قومی مقاصد کی خاطر کہہ اور کر رہا ہے۔ یہ بہت بڑا جاسوس اور تخریب کار تھا جو یہ دیکھتا پھر رہا تھا کہ سلطان ایوبی کے طوفان کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ میدان میں شکست کھا کر صلیبیوں نے یہی طریقہ بہتر جانا تھا کہ سلطان ایوبی کو قتل کرا دیا جائے اور مسلمان حکمرانوں کو ایک دوسرے کا بھی دوست نہ رہنے دیا جائے، تاکہ سلطان ایوبی کے مرنے کے بعد یہ آپس میں لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں اور صلیبیوں کو جنگ و جدل کے بعد دُنیائے عرب کی حکمرانی مل جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے مسلمان اُمرا کے دماغوں میں زر پرستی اور بادشاہی کا کیڑا ڈال دیا تھا۔

"صلاح الدین ایوبی کے قتل سے تو شیخ سنان بھی دست بردار ہو گیا ہے"...... گمشتگین نے کہا...... "وہ کہتا ہے کہ اُس نے چار اور فدائی بھیج رکھے ہیں لیکن وہ پُر امید نظر نہیں آتا"۔

"اتنے زیادہ قاتلانہ حملے ناکام ہونے کے بعد سنان کو ایوبی کے قتل سے دست بردار ہی ہو جانا چاہیے"...... صلیبی نے کہا...... "ان حملوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فدائی حشیش کے نشے میں جاتے ہیں۔ ایوبی کو صرف وہ آدمی قتل کر سکتا ہے جو ہوش میں ہو اور دل کی گہرائیوں سے محسوس کرے کہ اُسے صلاح الدین ایوبی کو اپنے ذاتی یا قومی جذبے سے قتل کرنا ہے۔ آپ شاید انسانی فطرت کو نہیں سمجھتے۔ ایوبی پر جو قاتلانہ حملہ کرنے جاتا ہے، اس پر نشے کا اثر ہوتا ہے۔ جوں ہی آگے سے مزاحمت ہوتی ہے، نشہ اُتر جاتا ہے اور حملہ آور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بجائے آپ کسی کو جذبات سے اندھا کر کے اور اُس کے دل میں ایوبی کی نفرت پیدا کر کے اس کے قتل کے لیے بھیجیں تو وہ اُسے قتل کر کے ہی رہے گا"۔

"شیخ سنان نے مجھے صلاح الدین ایوبی کے چار چھاپہ مار دیئے ہیں"...... گمشتگین نے کہا...... "اور کہا

ہے کہ انہیں تیار کر کے اُن سے سیف الدین کو قتل کراؤں۔ یہ چھاپہ مار سیف الدین کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اس لیے یہ اُسے قتل کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ میں انہیں موقع فراہم کروں گا۔ سیف الدین کو موت کے جال میں لانا میرا کام ہے''۔

''کیوں نہ انہی کو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے تیار کیا جائے؟''...... صلیبی نے کہا...... ''لیکن انہیں حشیش یا کوئی اور نشہ نہ دیا جائے۔ ان پر جذباتیت کا نشہ طاری کیا جا سکتا ہے''۔

''ایسا نشہ آپ ہی طاری کر سکتے ہیں''...... گمشتگین نے کہا۔

صلیبی نے تھیریسیا اور لزا کی طرف دیکھا اور مُسکرایا۔ لزا نے کہا...... ''میں چھاپہ ماروں کے کمانڈر کو تیار کر سکتی ہوں جس کا نام الناصر ہے۔ باقی تین کو آپ سنبھالیں''۔

''تم الناصر کو سنبھالو''...... صلیبی نے کہا...... ''دوسروں کو ابھی اِن کے حال پر چھوڑ دو، جہاں تک میں انسانی فطرت کو سمجھتا ہوں، الناصر خود ہی اپنے ساتھیوں کو سنبھال لے گا''...... اُس نے پوچھا...... ''وہ ہیں کہاں؟ انہیں اس جگہ لے آؤ۔ الناصر کو الگ کمرہ دو اور اُس کے ساتھیوں کو الگ کمرے میں رکھو...... اور تم سب محتاط رہنا۔ سنان نے اس لڑکی پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ یہ لڑکی اُسے اتنی پسند آئی ہے کہ اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اُس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ یہ لڑکی (لزا) اس کے حوالے کر دوں، ورنہ میں اُس کا مہمان نہیں قیدی ہوں گا۔ اُس نے مجھے سوچنے کی مہلت دی ہے۔''

''اس کے متعلق آپ پریشان نہ ہوں''...... گمشتگین نے کہا...... ''میں ان چار چھاپہ ماروں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ آپ بھی اور یہ لڑکیاں بھی میرے ساتھ چلیں گی''۔

☆

الناصر اور اُس کے تینوں ساتھیوں کو اُن کمروں میں سے ایک میں لے گئے جو صلیبی فوج کے افسروں کے لیے مخصوص تھا۔ الناصر کو الگ کمرہ دیا گیا جو اُس نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے جدا نہیں ہوگا۔ اُسے تھیریسیا اور لزا اپنے جال میں پھانسنے کے لیے الگ رکھنا چاہتی تھیں۔

''تم ان کے کمانڈر ہو''...... صلیبی نے اُسے کہا...... ''تمہیں اپنے ماتحتوں سے الگ رہنا چاہیے''۔

''ہمارے ہاں اونچ نیچ کا رواج نہیں''...... الناصر نے کہا...... ''ہمارا سلطان اپنی فوج کے ساتھ رہتا ہے۔ میں معمولی سا کمان دار ہوں، اپنے ساتھیوں سے الگ رہ کر تکبر کا گناہ نہیں کروں گا''۔

''ہم تمہاری تعظیم کرنا چاہتے ہیں''...... صلیبی نے کہا...... ''اپنے ہاں جا کر جو جی میں آئے کرنا۔ یہاں تمہیں تمہارے ماتحتوں کے ساتھ رکھ کر ہم تمہاری توہین نہیں کرنا چاہتے''۔

''ہمارے چھاپہ مار کمان دار اپنے سپاہیوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور اُن کے ساتھ مرتے ہیں''...... الناصر نے کہا...... ''ہم موت کی منزل کے ہم سفر ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوا کرتے۔ اگر ہم آپ کے مہمان ہوتے تو شاید میں آپ کی بات مان جاتا۔ ہم آپ کے قیدی ہیں۔ ہماری قسمت ایک ہے جو اذیت اور صعوبت ایک کو ملے گی، اس سے ہم سب حصہ وصول کریں گے۔ ایک ساتھی کو زندہ رکھنے کے لیے ہم تین ساتھی اپنی جانیں قربان کر دیں گے''۔

''کیا تم ہماری قید سے فرار ہونے کی کوشش کرو گے؟''...... گمشتگین نے مُسکرا کر پوچھا۔

''ہم آزاد ہونے کی کوشش ضرور کریں گے۔ یہ ہمارے فرائض میں شامل ہے''...... الناصر نے کہا...... ''مر کر آزاد ہو جائیں یا تم سب کو مار کر۔ ہمیں قید میں رکھنا ہے تو ہمیں زنجیریں ڈال دو، دھوکے نہ دو۔ ہم میدان کے مرد ہیں۔ ہم

سیف الدین اور گمشتگین جیسے ایمان فروش نہیں ہیں''۔

''میں گمشتگین ہوں''...... گمشتگین نے کہا...... ''حرن کا خودمختار حکمران۔ تم نے مجھے ایمان فروش کہا ہے''۔

''میں آپ کو ایک بار پھر ایمان فروش کہتا ہوں''۔ الناصر نے کہا...... ''میں آپ کو غدار بھی کہتا ہوں''۔

''لیکن اب میں ایمان فروش ہوں نہ غدار''...... گمشتگین نے الناصر کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹ بولا...... ''دیکھ لو، جنگ ترکمان میں لڑی جا رہی ہے اور میں یہاں ہوں۔ اگر میں تمہارا دشمن ہوتا تو تمہیں اس طرح آزاد نہ رہنے دیتا جس طرح اب ہو۔ سیف الدین اور الصالح سے الگ ہو چکا ہوں۔ تمہیں عزت اور تعظیم سے اس قلعے سے لے جا رہا ہوں اور عزت سے رخصت کروں گا۔ تم تو معمولی سے کمان دار لیکن تمہارے سینے میں صلاح الدین ایوبی کی عظمت اور جذبہ ہے''۔

''لیکن میں اپنے ساتھیوں سے الگ نہیں رہوں گا''...... الناصر نے کہا...... ''مجھ سے یہ گناہ نہ کرائیں''۔

''نہ سہی''...... صلیبی نے کہا...... ''اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہو''۔

اُس وقت اُس کے ساتھی ایک کشادہ اور خوش نما کمرے میں تھے جہاں نرم و گداز بستر بچھے ہوئے تھے۔ وہاں ایک خادم بھی تھا جس سے ان تینوں نے پوچھا تھا کہ یہ قلعے کا کون سا حصہ ہے اور یہاں کیا ہوتا ہے۔ خادم نے انہیں بتایا کہ یہ مہمانوں کے کمرے ہیں۔ یہاں صرف وہ مہمان رکھے جاتے ہیں جو اونچے رُتبے کے باعزت لوگ ہوتے ہیں۔ یہ تینوں چھاپہ مار دیکھ رہے تھے کہ اُن کے ساتھ قیدیوں والا سلوک نہیں ہو رہا۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ ایسے نرم بستروں پر انہیں فوراً نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گئے۔

☆

صلیبی اور گمشتگین نے الناصر کو بہت دیر اپنے ساتھ رکھا، اُس کے ساتھ عزت سے پیش آتے ہوئے ایسی باتیں کرتے رہے جن سے الناصر کے جذبے کی تیزی اور تندی کچھ کم ہو گئی۔ یہ اِن دونوں کی کامیابی کا پہلا قدم تھا۔ لزا اس کمرے سے نکل گئی تھی۔ الناصر اُس وقت اس کمرے سے نکلا جب اس کے ساتھی گہری نیند سو گئے تھے۔ وہ برآمدے میں جا رہا تھا۔ ایک نسوانی آواز نے اُسے سرگوشی میں پکارا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ وہ رُک گیا۔ ایک تاریک سایہ آگے آیا۔ یہ لزا تھی جس نے الناصر کا بازو پکڑ کر کہا...... ''اب تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں جن نہیں انسان ہوں؟''

''مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا ہو رہا ہے''...... الناصر نے جھنجھلاہٹ سے کہا...... ''میں قیدی ہوں اور میری یوں عزت کی جا رہی ہے، جیسے میں شہزادہ ہوں''۔

''تمہاری حیرت بجا ہے''...... لزا نے کہا...... ''ذرا سمجھنے کی کوشش کرو، گمشتگین نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اُس نے صلاح الدین ایوبی کی دشمنی ترک کر دی ہے۔ اب وہ ایوبی کے کسی فوجی کو جنگی قیدی نہیں سمجھتا۔ تم اور تمہارے ساتھی خوش قسمت ہیں کہ تم یہاں آئے ہو اور گمشتگین یہاں تھا۔ دوسری وجہ میری ذات ہے۔ تم میری حیثیت اور رُتبے کو نہیں جانتے۔ میں تمہاری نظر میں بدکار لڑکی ہوں جو حکمرانوں اور اعلیٰ حکام کی تفریح کا ذریعہ بنتی ہوں۔ یہ سب غلط ہے اور تمہارا وہم ہے۔'' لزا نے اسے بازو سے پکڑا اور کہا...... ''آؤ یہاں سے دُور جا بیٹھیں۔ آ جاؤ۔ میں تمہارے وہم دُور کرنا چاہتی ہوں، پھر تم آزاد ہو۔ میرے متعلق جو رائے قائم کرنا چاہو کر لینا''۔

قلعے کا یہ حصہ خوش نما تھا۔ کھلا میدان تھا جس کے وسط میں چٹانیں تھیں۔ ان کے اردگرد سبزہ تھا۔ سبزے میں پھول دار پودے اور درخت تھے۔ قلعہ بہت وسیع و عریض تھا۔ لزا الناصر کو باتوں میں اُلجھا کر کمروں سے دُور چٹان کے

دامن میں لے گئی، جہاں پھولوں کی مہک تھی۔ وہ جب اُدھر جا رہے تھے، اُس وقت صلیبی اور تھریسیا ایک دیوار کے ساتھ کھڑے چھپ کر دیکھ رہے تھے۔

''لزا اسے قابو میں لے لے گی''...... صلیبی نے کہا

''لڑکی جذباتی ہے''...... تھیریسیا نے کہا...... ''اپنے فرائض سے گھبرا کر اسی کے پاس جا بیٹھی تھی۔ اتنی پکی بھی نہیں''۔

''اس عمر میں اسے باہر کی ڈیوٹی پر نہیں بھیجنا چاہیے تھا''...... صلیبی نے کہا...... ''ہم ساتھ ہیں کوئی گڑ بڑ نہیں کرے گی''۔

لزا الناصر سے کہہ رہی تھی...... ''تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں تم پر اتنی مہربان کیوں ہو گئی ہوں۔ تم نے مجھے اپنا دشمن سمجھ کر یہ بات پوچھی تھی۔ میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتی کہ دشمنی تمہارے اور میرے بادشاہوں کے درمیان ہے۔ میری اور تمہاری کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟''۔

''اور دوستی بھی کیا ہو سکتی ہے؟''...... الناصر نے پوچھا۔

لزا نے گہری آہ بھری اور بازو الناصر کے کندھوں پر رکھ کر کہا...... ''تم پتھر ہو۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے دل ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں۔ مذہب کو ذرا دیر کے لیے الگ رکھ دو۔ اپنے آپ کو مسلمان اور مجھے عیسائی نہ سمجھو۔ ہم دونوں انسان ہیں۔ ہمارے سینوں میں دل ہیں۔ کیا تمہارے دل میں کوئی خواہش، کوئی پسند اور کسی چیز سے پیار نہیں ہے؟ ہے، ضرور ہے۔ تم مرد ہو۔ تم اپنے دِل پر قابو پا سکتے ہو۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ میرا دل بے قابو ہو گیا ہے۔ تم میرے دِل میں آ گئے ہو۔ ہم تمہیں نشے کی حالت میں قلعے میں لائیں تو شیخ سنان نے حکم دے دیا کہ ان چاروں کو تہ خانے میں بند کر دو۔ اگر تمہیں وہاں لے جاتے تو وہاں سے لاش بن کر نکلتے۔ میں تم جیسے خوب صورت جوان کا یہ انجام برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے شیخ سنان سے کہا کہ یہ تمہارے نہیں ہمارے قیدی ہیں اور یہ ہماری تحویل میں رہیں گے۔ اس بوڑھے کے ساتھ مجھے اور تھیریسیا کو بہت دیر جھک جھک کرنی پڑی۔ اُس نے ایک شرط بتائی، کہنے لگا...... ''تم انہیں تہ خانے سے بچانا چاہتی ہو تو میری خواب گاہ میں آ جاؤ''...... میرے دل میں اس بوڑھے کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ میں نے پس و پیش کی تو اُس نے کہا...... ''یہ چاروں تہ خانے میں جائیں گے یا تم میری خواب گاہ میں آؤ گی''...... مجھے بڑی شدت سے محسوس ہوا کہ میں تمہیں آج سے نہیں، بچپن سے چاہتی ہوں اور میں تمہاری خاطر اپنا جسم، اپنی جان اور اپنی آبرو قربان کر دینے کی ہمت رکھتی ہوں''۔

''کیا تم نے اپنی آبرو قربان کر دی ہے؟''...... الناصر نے تڑپ کر پوچھا۔

''نہیں''...... لزا نے کہا...... ''میں نے اُسے وعدے پر ٹالا ہے۔ اُس نے مجھے یہ کہہ کر مہلت دے دی ہے کہ ہم قلعے میں آزاد رہیں گے لیکن ہم اس کے قیدی ہوں گے''۔

''میں تمہاری آبرو کی حفاظت کروں گا''...... الناصر نے کہا۔

''کیا تم نے میری محبت کو قبول کر لیا ہے؟''...... لزا نے بھولے بھالے لہجے میں پوچھا۔

الناصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ تو اُسے ٹریننگ میں بتایا گیا تھا کہ صلیبی لڑکیاں حسن و جوانی اور حسین فریب کا جال کس طرح بچھایا کرتی ہیں لیکن یہ زبانی ہدایات تھیں جن کی حیثیت وعظ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں تھی۔ اُسے ایسے جال سے بچنے کی عملی ٹریننگ نہیں دی گئی تھی، نہ دی جا سکتی تھی۔ اب ایک صلیبی لڑکی نے جال بچھایا تو انسانی فطرت کی کمزوریاں الناصر کی ذات سے اُبھر آئیں اور اس کی عقل و دانش پر غالب آنے لگیں۔ وہ ریگزاروں اور بیابانوں میں موت کے ساتھ

کھیلنے والا انسان تھا۔ اس کے احساسات ریت میں دبے رہتے تھے۔ اس نے لزا جیسی دلکش لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جہاں تک دیکھنے کا تعلق تھا، لزا کے حسن اور طلسماتی اثر والے تبسم نے اس پر کچھ اثر نہیں کیا تھا مگر اب لزا کے کھلے بکھرے ہوئے ریشم جیسے ملائم بال اُس کے ایک گال سے کبھی اس کے بازو سے مس کر جاتے تھے۔ اس کے وجود میں لہر سی دوڑ جاتی اور وہ ہر بار اپنے جسم کے اندر لرزہ سا محسوس کرتا تھا۔

کئی بار ایسے ہوا تھا کہ دشمن کے تیر اس کے جسم کو چھوتے ہوئے گزر گئے تھے۔ برچھیوں نے انہوں نے اس کی کھال چیر دی تھی۔ وہ کبھی ذرا نہیں تھا۔ جسم کو چھو کر گزرتے تیروں اور برچھیوں نے اس کے جسم پر ایک ثانیے کے لیے بھی لرزہ طاری نہیں کیا تھا۔ موت کئی بار اس کے ساتھ لگ کر گزر گئی تھی۔ اس کے احساسات میں ذرا سی بھی ہلچل پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں لگائی ہوئی آگ کے شعلوں میں سے بھی گزرا تھا مگر کمزور سی ایک لڑکی کے بالوں کے لمس سے اس کے وجود میں بھونچال آ گیا۔ اُس نے اس لمس سے بچنے کی ویسی کوشش نہ کی جیسی وہ تیروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے کیا کرتا تھا اور جب لزا اُس کے اور زیادہ قریب ہو گئی تو الناصر نے محسوس کیا کہ لڑکی ابھی اس سے دُور ہے۔

لزا کو ٹریننگ دی گئی تھی کہ اپنے شکار کو کس طرح ہپناٹائز کیا جا سکتا ہے۔ اُس نے کر لیا۔ الناصر کو ایسی پیاس محسوس ہونے لگی جو صحرا کی پیاس سے بہت مختلف تھی۔ پانی اس پیاس کو نہیں بجھا سکتا تھا۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی، الناصر کی اصلیت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے تو الناصر کا جسم کانپا تھا پھر اُس کا ایمان لرز گیا۔ جذبے کی بنیادیں ہل گئیں اور جذبات کے جھکڑ اور زیادہ تند ہو گئے۔

''ہاں!''...... الناصر نے مخمور آواز میں کہا۔ ''میں نے تمہاری محبت کو قبول کر لیا ہے لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟ کیا تم مجھے یہ کہو گی کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟ اپنا مذہب چھوڑ دوں اور تم میرے ساتھ شادی کر لو گی؟''

''میں نے ایسی کوئی بات نہیں سوچی''...... لزا نے کہا...... ''اگر تم نے میرا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے مجھے اپنی رفیقہ بنانا چاہتے ہو تو میں اپنا مذہب چھوڑ دوں گی۔ تم مجھ سے قربانی مانگو، لیکن مجھے وہ محبت دو جو ناپاک نہ ہو۔ عارضی محبت تو میں سے جہاں سے چاہوں حاصل کر سکتی ہوں۔ تمہیں میری رُوح نے چاہا ہے''۔

الناصر پر طلسم طاری ہو چکا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ الناصر وہاں سے اُٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ لزا نے اُسے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں چلا جائے۔ پکڑے جانے کی صورت میں انجام اچھا نہیں ہوگا۔

☆

الناصر کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ وہ لیٹ گیا، لیکن اُسے نیند نہ آئی۔ لزا اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو تھیریسیا کی آنکھ کھل گئی۔

''اتنی دیر؟''...... تھیریسیا نے کہا۔

''تو کیا پتھر ایک پھونک سے موم ہو جایا کرتے ہیں؟''...... لزا نے کہا

''پتھر زیادہ سخت تو نہیں؟''

''مجھے ناکامی کی توقع تو نہیں تھی''...... لزا نے جواب دیا...... ''لیکن مجھے ترکش کا آخری تیر بھی چلانا پڑا۔ وہ پوری طرح میرا غلام ہو گیا ہے''۔

''یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں کہ خود ہی کہیں موم نہ ہو جانا''...... تھیریسیا نے کہا۔

''آدمی خوب صورت ہے''.....لزا نے کہا اور ہنس پڑی۔ کہنے لگی.....''مجھے اتنا بھی بھولا بھالا نہ سمجھو، لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ مجھے اس قسم کے بھولے مرد اچھے لگتے ہیں جن کے کردار میں کوئی فریب نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے یہ آدمی اس لیے مجھے اچھا لگا ہے کہ میں سیف الدین جیسے بوڑھے اور عیاش مردوں کے ساتھ رہ کر اُن سے متنفر ہوگئی ہوں''۔

''الناصر سے بھی متنفر ہی رہنا''.....تھیریسیا نے کہا۔ ''محبت کے جھانسے کو اور زیادہ طلسماتی بنالینا۔ یاد رکھنا کہ اس کے ہاتھوں ہمیں صلیبی کے سب سے بڑے دشمن صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانا ہے''۔

تھیریسیا نے اُسے کچھ اور ہدایات دیں۔ ایک دو نئے طریقے بتائے اور دونوں سو گئیں۔ الناصر ابھی تک جاگ رہا تھا۔ تنہائی میں اُس نے لزا کی باتوں اور اظہارِ محبت پر غور کیا تو اس کا ذہن تقسیم ہوگیا۔ اسے اپنی ٹریننگ یاد آئی جس میں اُسے صلیبی لڑکیوں کے جادو بھرے جھانسوں کے متعلق بتایا گیا تھا۔ لزا اُسے حسین فریب نظر آنے لگی لیکن اُس کے ذہن میں یہ خیال بھی غالب آجاتا تھا کہ یہ فریب نہیں۔ جہاں تک جسم اور چہرے مہرے کا تعلق تھا، الناصر میں بہت کشش اور جاذبیت تھی۔ اپنے ان اوصاف سے وہ خود بھی آگاہ تھا۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں بھی الناصر کو وہم اور وسوسوں اور خوش فہمیوں میں مبتلا کررہی تھی۔ وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُسے ایک آدمی نے جگایا اور کہا کہ اُسے تھیریسیا نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ وہ چلا گیا۔ اس کمرے میں تھیریسیا اکیلی تھی۔

''بیٹھو الناصر!''.....تھیریسیا نے کہا.....''میں تمہارے ساتھ بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں''۔ الناصر اس کے سامنے بیٹھ گیا تو تھیریسیا نے کہا.....''میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ رات لزا تمہیں باہر لے گئی یا تم اُسے لے گئے تھے۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ یہ لڑکی بہت بھولی اور معصوم ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہیں پسند کرتی ہے، لیکن میں اُسے اور تمہیں اجازت نہیں دے سکتی کہ اس طرح رات رات بھر باہر بیٹھے رہو۔ لزا کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کرو''۔

''میں نے ایسی کوشش نہیں کی''.....الناصر نے کہا.....''ہم دونوں باتیں کرتے کرتے ذرا دور نکل گئے تھے''۔

''میں لزا کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ تمہاری محبت میں ایسی پاگل نہ بنے کہ اُسے کسی کا ہوش ہی نہ رہے''..... تھیریسیا نے کہا.....''میں تم سے اُمید رکھوں گی کہ اُس کی کم عمری اور جذباتیت سے فائدہ نہ اُٹھاؤ''۔

''لزا تمہاری طرح شہزادی ہے''.....الناصر نے کہا.....''اور میں تمہارا قیدی ہوں۔ میں ایک حقیر انسان ہوں۔ لزا کا مذہب کچھ اور ہے اور میرا کچھ اور۔ شہزادی اور قیدی میں اتنی محبت نہیں ہوسکتی''۔

''تم عورت کی فطرت سے شاید واقف نہیں''.....تھیریسیا نے کہا.....شہزادی اپنے قیدی کو دل دے بیٹھے تو اُسے شہزادہ سمجھ کر اپنے آپ کو اس کا قیدی بنالیا کرتی ہے۔ محبت مذہب کی زنجیریں توڑ دیا کرتی ہے۔ میں اس کے ساتھ بات کرچکی ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ میرا جینا اور میرا مرنا الناصر کے لیے ہیں۔ وہ کہے گا کہ اپنا مذہب چھوڑ دو تو میں گلے سے صلیب اُتار کر پھینک دوں گی۔ تم نہیں جانتے الناصر لزا نے صرف تمہاری خاطر شیخ سنان کو ناراض کردیا ہے۔ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قید میں ڈال دینا چاہتا ہے لیکن لزا نے اس کے ساتھ دشمنی مول لے کر تمہیں اپنے ساتھ رکھا ہے۔ سنان نے لزا کو جو شرط بتائی ہے وہ صرف اُس لڑکی کے لیے قابلِ قبول ہوسکتی ہے جسے کسی کی محبت نے اندھا کر رکھا ہو۔ اگر ہم اس قلعے سے جلدی نہ نکل سکے تو لزا یہ شرط مان لے گی''۔

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گا''.....الناصر نے کہا.....''میں لزا کی آبرو کی خاطر کٹ مروں گا''۔

''کیا تمہارے دِل میں لزا کی اتنی ہی محبت ہے جتنی اُس کے دل میں ہے؟''۔

''اگر وہ لڑکی ہو کر میری محبت کا اعتراف کرتی ہے اور اس کے اظہار سے نہیں ڈرتی تو میں انکار کیوں کروں؟ میں مرد ہوں۔ میرے دل میں لزا کی محبت ہے''۔

''میں تم سے صرف یہ التجا کرتی ہوں کہ اُسے دھوکہ نہ دینا''...... تھیریسیا نے کہا...... ''تم ہمارے قیدی نہیں ہو، گمشتگین تمہیں اپنا مہمان سمجھ رہا ہے''۔

الناصر کا ذہن جو لزا کے متعلق دو حصوں میں بٹ گیا تھا، صاف ہو گیا۔ اُس پر لزا کی محبت کا نشہ طاری ہو گیا اور وہ اُسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ اس نے تھیریسیا سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ تھیریسیا نے اُسے بتایا کہ وہ رات بھر جاگتی رہی ہے، دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی ہے۔ تھیریسیا کا تیر نشانے پر لگا۔ اُس نے لزا کے طلسم کو الناصر کی عقل پر پوری طرح طاری کر دیا...... یہی اس کا مقصد تھا۔ یہ لڑکیاں انتہا درجے کی چالاک تھیں۔ یہی ان کی تربیت تھی۔ وہ انسانی کمزوریوں کے ساتھ کھیلنا خوب جانتی تھیں۔ الناصر وہاں سے اُٹھا تو وہ ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں گیا تو ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ اُس نے جھوٹ بولا اور انہیں تسلی دی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اپنے فرض سے پرے ہٹنے لگا تھا۔

☆

صلیبی گمشتگین کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ گمشتگین اُسے کہہ رہا تھا کہ وہ الناصر اور اس کے ساتھیوں کو ایک دو دنوں میں حرن لے جانا چاہتا ہے۔ اتنے میں تھیریسیا آگئی۔ اُس نے ان دونوں سے کہا...... ''اِن چھاپہ ماروں کا کمانڈر ہمارے جال میں آگیا ہے''...... اس نے بتایا کہ کس طرح الناصر کے دِل پر لزا کا قبضہ مکمل اور پختہ کر دیا ہے۔ اس نے کہا...... ''اس آدمی کو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آدمی کتنے وقت میں اپنی اصلیت کو بھول کر اپنے سلطان کے قتل کے لیے تیار ہوتا ہے''۔

''میں ان چاروں کو ایک دو دنوں میں حرن لے جانا چاہتا ہوں''...... گمشتگین نے کہا...... ''کیا تم دونوں یا اکیلی لزا میرے ساتھ چلے گی اور میرے ساتھ رہے گی؟ قتل کے لیے الناصر کو لزا ہی تیار کرے گی''۔

''میں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں''...... صلیبی نے کہا...... ''میں زیادہ دن رُک نہیں سکتا۔ مجھے اپنے حکمرانوں کو جلدی یہ اطلاع دینی ہے کہ حلب، موصل اور حرن کی فوجیں بالکل بے کار ہیں اور اُن فوجیوں کے سالار سوائے بھاگنے کے اور کچھ نہیں جانتے ہیں۔ میں انہیں صورتِ حال سے آگاہ کر کے صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنے کا مشورہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری طرف سے آپ لوگوں کو جو مدد ملتی ہے، وہ بند کر دی جائے''۔

''ایسا نہ کہو''...... گمشتگین نے منت سماجت کے لہجے میں کہا...... ''مجھے ایک موقعہ دو۔ میں ایوبی کو قتل کرا دوں گا پھر دیکھنا میں کس طرح فاتح بن کر دمشق میں داخل ہوتا ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں یا صرف لزا مجھے دے دو۔ اس نے چھاپہ ماروں کے کمان دار پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ اسے تیار کر لے گی۔ الناصر صلاح الدین ایوبی کے پاس بلا روک ٹوک جا سکتا ہے، کیونکہ یہ اُس کا چھاپہ مار ہے۔ وہ ایوبی کو آسانی سے قتل کر سکتا ہے اور یہ بھی تو سوچو، لزا کو آپ لے گئے تو الناصر میرے کسی کام کا نہیں رہے گا''۔

کچھ مباحثے کے بعد صلیبی نے کہا...... ''حرن جانے کی بجائے ہم یہیں رُکے رہتے ہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں الناصر کو تیار کر لیں گی اور ہو سکتا ہے کہ اس کے تینوں ساتھیوں کو بھی تیار کیا جا سکے۔ ان کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کی

نفرت پیدا کرنی ہے''۔

''الناصر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ بہت کچا آدمی ہے''...... تھیریسیا نے کہا..... ''لزا اس کی عقل پر قابض ہو چکی ہے۔ دو تین ملاقاتوں کے بعد وہ لزا کے اشاروں پر ناچنے لگے گا''۔

''آج ان چاروں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ''۔

کھانے کا وقت ہوا تو الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو بھی کھانے کے کمرے میں بلا لیا گیا۔ اُن کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی پیدا کر لی گئی۔ کھانا ابھی رکھا نہیں گیا تھا کہ شیخ سنان کے ایک خادم نے آ کر صلیبی سے کہا کہ اُسے سنان نے بلایا ہے۔ صلیبی چلا گیا۔

''اس لڑکی کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے؟''...... شیخ سنان نے پوچھا۔

''میں جب جاؤں گا تو اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا''...... صلیبی نے جواب دیا۔

''تمہارے جانے تک لڑکی میرے پاس رہے گی''...... سنان نے کہا۔

''میں آج ہی چلا جاؤں گا''۔

''جاؤ''...... شیخ سنان نے کہا...... ''اور لڑکی کو یہیں چھوڑ جاؤ۔ تم اسے قلعے سے باہر نہیں لے جا سکو گے''۔

''سنان!''...... صلیبی نے کہا...... ''اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مجھے للکارنے کی جرأت نہ کرو''۔

''معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ ابھی ٹھکانے نہیں آیا''...... شیخ سنان نے کہا...... ''آج رات لڑکی کو تم خود میرے پاس لے آنا، خود جاؤ یار ہو، اگر تم رات لڑکی کو نہ لائے تو تم تہہ خانے میں اور لڑکی میرے پاس ہو گی۔ جاؤ، ٹھنڈے دل سے سوچ لو''۔

☆

صلیبی کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔ سب بے تابی سے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ پھنکار رہا تھا۔ کہنے لگا...... ''سنو دوستو! شیخ سنان نے مجھے للکار کر کہا ہے کہ آج رات لزا اُس کے پاس ہو گی۔ اس نے مجھے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لزا کو میں خود اُس کے پاس لے جاؤں اور اگر میں نہ لے گیا تو وہ مجھے تہہ خانے میں ڈال دے گا اور لزا کو لے جائے گا''۔

''آپ اگر تہہ خانے میں چلے گئے تو کیا ہم مر جائیں گے؟''...... الناصر نے کہا...... ''وہ لزا کو نہیں لے جا سکے گا''۔

''لیکن یہ لڑکی تمہاری کیا لگتی ہے الناصر؟''...... اس کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

''تم اپنے آپ کو ہمارا قیدی نہ سمجھو''...... گمشتگین نے کہا...... ''یہ مصیبت ہم سب کے لیے آ رہی ہے''۔

''تم ہمارے نہیں، شیخ سنان کے قیدی ہو''...... صلیبی نے کہا...... ''تم ہمارا ساتھ دو۔ ہم باہر جا کر تمہیں آزاد کر دیں گے۔ اب یہاں سے نکلنے کی سوچو''۔

''مجھے شیخ سنان نے اجازت دے رکھی ہے کہ ان چاروں کو اپنے ساتھ لے جاؤں''...... گمشتگین نے کہا...... ''میں انہیں آج لے جا رہا ہوں۔ جلدی جلدی کھانا کھا لو۔ مجھے شام سے بہت پہلے روانہ ہونا ہے''۔

گمشتگین کا دماغ بہت تیز تھا۔ اس نے کھانے کے دوران سب کو بتا دیا کہ اُس نے کیا سوچا ہے۔ کھانا کھا کر اُس نے اپنے خادموں اور باڈی گارڈوں کو بلایا اور کہا کہ وہ فوراً قلعے سے روانہ ہو رہا ہے۔ سامان فوراً باندھ لیا جائے۔ اسی وقت اس کا قافلہ تیار ہونے لگا۔ اُس کے اپنے گھوڑے کے علاوہ چار گھوڑے باڈی گارڈوں کے تھے۔ چار اونٹ تھے جن پر کھانے پینے کے سامان کے علاوہ خیمے لادے گئے۔ سفر لمبا تھا۔ اس لیے خیمے ساتھ رکھے گئے تھے۔ انہیں ان کے

بانسوں پر لپیٹا گیا تھا۔

گمشتگین شیخ سنان کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ وہ جا رہا ہے اور چاروں چھاپہ ماروں کو بھی ساتھ لے جا رہا ہے۔ اُن کے متعلق سودا طے ہو چکا تھا۔ گمشتگین نے زروجواہرات کی صورت میں قیمت ادا کر دی تھی۔

''مجھے اُمید ہے کہ میں نے صلیبیوں کے کہنے پر جو چار آدمی بھیج رکھے ہیں وہ صلاح الدین ایوبی کا کام تمام کر کے ہی آئیں''...... شیخ سنان نے کہا...... ''تم سیف الدین کو ان چھاپہ ماروں سے قتل کراؤ۔ تم لوگ لڑ نہیں سکتے۔ اپنے دشمنوں کو چوری چھپے قتل کراؤ...... تمہارا صلیبی دوست اور اُس کی پریاں کہاں ہیں؟''

''اپنے کمرے میں ہیں''...... گمشتگین نے کہا۔

''اُس نے چھوٹی لڑکی کے متعلق کوئی بات تو نہیں کی؟''۔

''اُسے کہہ رہا تھا کہ آج رات شیخ سنان کے پاس چلی جانا''...... گمشتگین نے جواب دیا...... ''وہ آپ سے بہت ڈرا ہوا معلوم ہوتا تھا''۔

''یہاں بڑے بڑے جابر آدمی ڈر جاتے ہیں''...... شیخ سنان نے کہا...... ''کمبخت لڑکی کو مجھ سے یوں چھپا رہا تھا جیسے وہ اس کی اپنی بیٹی ہے''۔

گمشتگین اس سے رخصت ہوا۔ اس کا قافلہ تیار کھڑا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ دو گمشتگین کے آگے ہو گئے اور دو اُس کے پیچھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ گھوڑوں کے پیچھے الناصر اور اس کے ساتھی اور اُن کے پیچھے سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ قلعے کا دروازہ کھلا۔ قافلہ باہر نکل گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔

☆

قافلہ قلعے سے دُور ہی دُور ہوتا گیا اور سورج اُفق کے عقب میں چھپنے لگا۔ سورج نے غروب ہو کر قافلے اور قلعے کو چھپا لیا۔ قلعے میں قندیلیں اور فانوس جل اُٹھے۔ شام پوری طرح تاریک ہو گئی تو شیخ سنان نے اپنے دربان سے پوچھا...... ''وہ صلیبی لڑکی کو لے کر نہیں آیا؟''...... اُسے نفی میں جواب ملا۔ اس نے تین چار بار پوچھا تو بھی اُسے نفی میں جواب ملا۔ اس نے اپنے خصوصی خادم کو بلا کر کہا...... ''اُس صلیبی سے جا کر کہو کہ چھوٹی لڑکی کو لے کر جلدی آئے''۔

خادم اُن کمروں میں گیا جہاں صلیبی ٹھہرا کرتے تھے، وہاں کوئی نہیں تھا۔ لڑکیاں بھی نہیں تھیں۔ تمام کمرے خالی تھے۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قلعے کے باغ میں گھوم پھر کر دیکھا۔ چٹان کے اِردگرد گھوم کر دیکھا۔ وہاں سے بھی مایوس لوٹا اور شیخ سنان سے کہا کہ صلیبی اور لڑکیاں نہیں ملیں۔ سنان نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ اپنی فوج کے کمانڈر کو بلا کر حکم دیا کہ قلعے کے کونوں کھدروں کی تلاشی لو اور صلیبی کو برآمد کرو۔ فوج میں کھلبلی مچ گئی جسے دیکھو بھاگ دوڑ رہا تھا۔ قلعے میں ہر طرف قندیلیں اور مشعلیں متحرک نظر آتی تھیں۔ صلیبی کہیں سے بھی نہ ملا۔ شیخ سنان نے ان آدھ درجن پہرہ داروں کو بلایا جو دروازے پر ڈیوٹی پر تھے۔ ان سے پوچھا کہ گمشتگین کے قافلے کے علاوہ کس کے لیے دروازہ کھولا گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ حکم کے بغیر کسی کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا اور گمشتگین کے علاوہ کسی اور کے لیے کھولا ہی نہیں گیا۔ انہوں نے گمشتگین کے قافلے کی تفصیل بھی بتائی۔ اس قافلے کے ساتھ صلیبی اور لڑکیاں نہیں تھیں۔

شیخ سنان اپنے کمرے میں پھنکار رہا تھا۔ رات کا پہلا پہر گزر گیا تھا۔ گمشتگین کا قافلہ چلا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنا گھوڑا روک کر شتربانوں سے کہا...... اونٹوں کو بٹھا دو اور انہیں باہر نکالو، مر ہی نہ جائیں''۔

اونٹوں کو بٹھا کر ان پر لدے ہوئے خیمے اُتارے گئے، خیمے کھولے گئے تو ان میں سے صلیبی، تھیریسیا اور لزا نکلیں۔ وہ پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ گمشتگین انہیں خیموں میں لپیٹ کر قلعہ عصیات سے نکال لایا تھا۔ وہ قلعے سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ فدائیوں سے ایسی توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ تعاقب میں آئیں گے۔ یہ فرقہ جنگجو نہیں تھا۔ کسی کے ساتھ آمنے سامنے کی لڑائی کا خطرہ مول نہیں لیا کرتا تھا، پھر بھی گمشتگین نے قافلے کو قیام نہ کرنے دیا۔ لڑکیوں کو اونٹوں پر سوار کر دیا گیا۔ صلیبی چھاپہ ماروں کے ساتھ پیدل چل پڑا۔ اس کا گھوڑا اور لڑکیوں کے گھوڑے قلعے میں رہ گئے تھے۔ صلیبی اس خطے کی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اُس نے الناصر کے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ ان باتوں میں دوستی اور پیار کا رنگ غالب تھا۔ الناصر کے دل سے خطرے نکل گئے۔ وہ تو لزا کے قریب ہونا چاہتا تھا۔

لزا کے قریب ہونے کا موقعہ آدھی رات کے بعد ملا جب ایک جگہ قافلے کو قیام کے لیے روکا گیا۔ گمشتگین کے لیے خیمہ کھڑا کر دیا گیا۔ باقی سب کے لیے الگ الگ خیمے نصب کیے گئے۔ چھاپہ مار اور باڈی گارڈز وغیرہ کھلے آسمان تلے لیٹ گئے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ فوراً ہی سو گئے۔ الناصر کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ سوچ رہا کہ لزا کو خیمے سے جگا لائے یا وہ خود آجائے گی۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ چھاپہ مار ہے اور اُس کی فوج کہیں لڑ رہی ہے۔ اُسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ اُسے اپنی فوج میں جانا ہے اور فرار کا یہ موقعہ نہایت اچھا ہے، جب سب بے ہوشی کی نیند سو گئے ہیں، گھوڑے بھی ہیں، ہتھیار بھی ہیں اور خورد ونوش کا سامان بھی ہے۔ اُس کے ساتھی اسی پر بھروسہ کیے سو گئے تھے۔ وہ اپنے کمانڈر کی ہدایات کے پابند تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کا کمانڈر اپنی عقل، اپنا ایمان اور اپنا جذبہ ایک نوجوان لڑکی کے سپرد کر چکا ہے۔ عورت اپنی تمام تر تباہ کاری کے ساتھ اس کے اعصاب پر سوار ہو چکی تھی۔

اُسے ایک سایہ چلتا نظر آیا جو کسی مرد کا نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کر بیٹھا، پاؤں پر سرکا اور سوئے ہوئے ساتھیوں سے دُور ہٹ گیا۔ سایہ اُدھر ہی آرہا تھا۔ ذرا دیر بعد دو سائے ایک دوسرے میں جذب ہو گئے۔ لزا الناصر کو سوئے ہوئے قافلے سے کچھ دُور ایک ٹیلے کی اوٹ میں لے گئی۔ اُس رات وہ پہلے سے زیادہ جذباتی معلوم ہوتی تھی۔ الناصر کی جذباتی کیفیت میں دیوانگی آگئی تھی۔ لزا جذباتیت کا اظہار زبان سے کم اور حرکات سے زیادہ کر رہی تھی۔ اس نے اچانک پرے ہٹ کر کہا..... "الناصر! ایک بات بتاؤ۔ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی عورت داخل ہوئی ہے؟"۔

"ماں اور بہن کے سوا، میں نے کسی عورت کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا"..... الناصر نے جواب دیا..... "تم نے میری زندگی دیکھ لی ہے۔ میں نوجوانی میں نورالدین زنگی کی فوج میں شامل ہو گیا تھا، جہاں تک یادیں پیچھے جاتی ہیں، میں اپنے آپ کو میدانِ جنگ میں، ریگستان میں، اپنے ساتھیوں سے دُور دشمن کے علاقوں میں خون بہاتا اور بھیڑیوں کی طرح شکار کی تلاش میں پھرتا دیکھتا ہوں۔ میں جہاں بھی ہوتا ہوں، اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتا۔ میرا فرض میرا ایمان ہے"..... وہ چونک اُٹھا۔ ذرا سی دیر کچھ سوچ کر اس نے پوچھا..... "لزا، تم نے شاید میرے ایمان کی بنیاد ہلا دی ہے۔ مجھے بتاؤ تم لوگ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کہاں لے جارہے ہو"۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے دل میں میری محبت ہے یا مجھے دیکھ کر تم حیوان بن جاتے ہو؟"..... لزا نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں پیار اور مذاق کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ اُس کا انداز گذشتہ رات کی نسبت بدلا ہوا تھا۔

"تم نے مجھے کہا تھا کہ محبت کو ناپاک نہ کرنا"..... الناصر نے کہا..... "میں تم پر ثابت کروں گا کہ میں حیوان نہیں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری قوم میں ایک سے ایک بڑھ کر خوبرو، جنگجو، تنومند اور اونچے رُتبے والا مرد موجود ہے۔ تم کسی

بادشاہ کے سامنے چلی جاؤ تو وہ تخت سے اُتر کر تمہارا استقبال کرے گا، پھر تم نے مجھ میں کیا دیکھا ہے؟''

لزا نے کوئی جواب نہ دیا۔ الناصر نے اس کے کندے پر ہاتھ رکھ کر کہا..... ''مجھے جواب دو لزا'' ..... لزا نے سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔ الناصر کو اس کی سسکیاں سنائی دیں۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اُس نے بار بار اس سے پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ وہ روتی رہی۔ الناصر نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا تو لزا نے سر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔ الناصر سمجھ نہ سکا کہ جس طرح اُس کی اپنی ذات سے انسانی فطرت کی بنیادی کمزوری ابھر کر اُس کی عقل پر غالب آ گئی تھی، اسی طرح لزا بھی ایک کمزوری کی گرفت میں آ گئی تھی۔ یہ وہ کمزوری تھی جو ملکہ کو اپنے غلام کے آگے جھکا دیتی ہے اور جو دولت کے انبار کو پتھروں کا ڈھیر سمجھ کر اپنے دِل کی تسکین کے لیے کسی کٹیا میں جا بیٹھتی ہے۔ لزا محبت کی پیاسی تھی۔ وہ محبت جو روح کو مطمئن کر دے۔ اسے جسمانی محبت ملی تھی اور اُن مردوں سے ملی تھی جن سے اُسے نفرت تھی۔ اُس نے عصیات کے قلعے کی طرف جاتے ہوئے اور قلعے میں پہنچ کر بھی تھیریسیا کے آگے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا تھا۔ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر الناصر کے پاس جا بیٹھی تھی اور اُسے کہا تھا..... ''مجھ پر بھروسہ کرنا'' ..... اُس وقت اُس کے دل میں کوئی فریب کاری نہیں تھی۔ یہ اُس کے دِل کی آواز تھی۔ وہ اپنی روح کی راہنمائی میں الناصر کے پاس چلی گئی تھی۔ اگر اُسے تھیریسیا وہاں سے اُٹھا نہ لے جاتی تو لزا نہ جانے الناصر سے اور کیا کچھ کہتی۔

پھر اُسے الناصر کو پھانسنے کو کہا گیا۔ اس نے یہ کمال بھی کر دکھایا۔ مگر اُس کا دِل ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ یہ اُس کا فرض تھا جو اُس نے ادا کیا تھا۔ وہ اپنے دل اور فرض کے درمیان بھٹک گئی تھی۔ الناصر کو معلوم نہیں تھا کہ تھوڑی دیر پہلے جب قافلہ رُکا تو خیمے نصب کیے جا رہے تھے تو گمشتگین نے لزا کے کان میں کہا تھا..... ''سب سو جائیں تو میرے خیمے میں آ جانا، تمہاری قوم کی بھیجی ہوئی بہترین شراب پیش کروں گا۔ تمہیں بڑی استادی سے شیخ سنان سے بچا کر لایا ہوں''۔

لزا نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے ہٹی تو صلیبی نے اُسے کہا..... ''خدا نے تمہیں اس بوڑھے درندے سے بچا لیا ہے۔ تھیریسیا سو جائے تو میرے خیمے میں آ جانا۔ جشن منائیں گے''۔

لزا کو اپنی خوب صورتی اور اپنے جسم سے نفرت ہونے لگی۔ وہ اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔ تھیریسیا سو گئی۔ لزا کی آنکھ نہ لگی۔ وہ اُٹھی اور دبے پاؤں الناصر کی طرف چل پڑی۔ الناصر اسی کے خیال اور انتظار میں جاگ رہا تھا۔

وہ الناصر کو کوئی جواب دینے ہی لگی تھی کہ الناصر نے چونک کر کہا..... سنو، تمہیں کوئی آہٹ سنائی دے رہی ہے؟..... گھوڑے آ رہے ہیں''۔

''دھمک بڑی صاف ہے'' ..... لزا نے کہا..... ''سب کو جگا دیں۔ شیخ سنان نے ہمارے تعاقب میں سپاہی بھیجے ہوں گے''۔

الناصر دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اُسے بہت سے مشعلیں نظر آئیں جو گھوڑوں کی چال کے ساتھ اوپر نیچے، اوپر نیچے ہو رہی تھیں۔ گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ الناصر دوڑتا نیچے آیا، لزا کو اپنے ساتھ لیا اور سوئے ہوئے قافلے کی طرف دوڑا۔ سب کو جگا دیا۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور ٹیلے کے قریب لے گیا۔ لزا کو اپنے ساتھ رکھا۔ سب کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں۔ گمشتگین کے باڈی گارڈ اور شتربان بھی برچھیوں اور تلواروں سے مسلح ہو کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

☆

وہ پندرہ سولہ سوار تھے۔ چھ سات کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک نے للکار کر کہا..... ''دونوں لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو۔ شیخ سنان نے کہا ہے کہ دونوں لڑکیاں دے دو گے تو خیریت سے جاسکو گے''۔

الناصر تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ اُس نے اپنے چھاپہ مار پہلے ہی گھیرے سے دُور کر چھپا لیے تھے۔ اس نے اشارہ کیا اور وہ تین چھاپہ ماروں کے ساتھ ان سواروں پر ٹوٹ پڑا جو اُس کے سامنے تھے۔ چھاپہ ماروں نے پیچھے سے برچھیاں اُن کے جسموں میں داخل کر دیں..... سوار گرے تو الناصر نے اپنے ساتھیوں سے بلند آواز سے کہا..... ''اِن کے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ''..... ایک گھوڑا اُس نے پکڑ لیا۔ اُس پر سوار ہوا تو اپنے پیچھے لزا کو بٹھا لیا۔ اُسے کہا کہ بازو مضبوطی سے اس کی کمر کے گرد لپیٹ لے۔

سنان کے فدائیوں نے ہلہ بول دیا۔ انہوں نے مشعلیں پھینک دی تھیں۔ یہ جلتی رہیں۔ الناصر اور اس کے چھاپہ ماروں نے بہت مقابلہ کیا۔ ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز آئی جو دُور ہٹتی گئی۔ وہ گمشتگین تھا جو جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ فدائیوں نے الناصر کے گھوڑے پر لڑکی دیکھ لی تھی۔ اُسے وہ زندہ پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تین تین چار چار گھوڑے اُسے گھیرے میں لیتے اور سوار برچھیوں سے اس کے گھوڑے کو زخمی کرنے کے لیے برچھیوں کے وار کرتے تھے۔ الناصر تجربہ کار لڑاکا سوار تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو بچائے رکھا اور دو فدائی گرا لیے۔ اُسے دوڑتا گھوڑا یکلخت روکنا اور تیزی سے موڑنا پڑتا تھا۔ لزا کے پاؤں رکابوں میں نہیں تھے۔ ایک بار الناصر کو گھوڑا تیز رفتار پر ہی موڑنا پڑا۔ لزا سنبھل نہ سکی اور گر پڑی۔

فدائی گھوڑوں سے کود آئے۔ لزا الناصر کی طرف دوڑی لیکن دو فدائیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ الناصر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برچھی تانی۔ فدائیوں نے لزا کو آگے کر دیا۔ الناصر کو اپنے ساتھیوں کے متعلق کچھ علم نہیں تھا۔ اُسے بھاگتے دوڑتے گھوڑوں کی اور برچھیاں اور تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تین چار فدائیوں میں اکیلا تھا۔ اُس کا ہر وار خالی جا رہا تھا کیونکہ وہ اُن کے قریب آتا تھا تو فدائی لزا کو آگے کر دیتے تھے۔ آخر وہ بھی گھوڑے سے کود گیا۔ بے جگری سے لڑا۔ زخمی ہوا اور اُس نے دو فدائیوں کو گرا لیا۔ اس دوران لزا چیختی رہی..... ''الناصر نکل جاؤ۔ میرے لیے نہ مرو۔ نکل جاؤ۔ تم اکیلے ہو''..... لیکن وہ دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔ اُس نے ایک بار چلّا کر کہا..... ''خاموش رہو لزا۔ یہ تمہیں نہیں لے جاسکیں گے''۔

الناصر نے یہ کر کے بھی دکھا دیا کہ فدائی لزا کو نہ لے جاسکے۔ اُس نے فدائیوں کو بُری طرح زخمی کر کے پھینک دیا۔ اس معرکے میں وہ قیام گاہ سے دُور ہٹ گئے تھے۔ الناصر نے ایک گھوڑا پکڑا۔ لزا کو اس پر سوار کیا۔ خود اُس کے پیچھے سوار ہوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی لیکن بھاگا نہیں۔ معرکہ خاموش ہو گیا تھا۔ اُس نے جا کر دیکھا۔ وہاں صرف لاشیں تھیں اور دو تین فدائی زخموں سے تڑپ رہے تھے۔ اُس کے تینوں ساتھی مارے گئے تھے۔ صلیبی بھی مرا پڑا تھا۔ تھیریسیا لاپتہ تھی۔ الناصر نے زیادہ انتظار نہ کیا۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ قطبی ستارے کا اندازہ کیا اور گھوڑے کو اُس رُخ پر ڈال دیا۔ بہت دُور جا کر اس نے گھوڑا روک لیا۔

''اب بتاؤ تم کہاں جانا چاہتی ہو''..... اس نے لزا سے پوچھا..... ''میں تمہیں صرف اس لیے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا کہ تم تنہا رہ گئی ہو اور مجبور ہو۔ کہو تو تمہیں تمہارے علاقے میں لے چلتا ہوں۔ قید ہو گیا تو پروا نہیں کروں گا۔ تم امانت ہو''۔

''اپنے ساتھ لے چلو''..... لزا نے کہا..... ''الناصر! مجھے اپنی پناہ میں لے لو''۔

گھوڑا رات بھر چلتا رہا۔ صبح طلوع ہوئی تو الناصر نے علاقہ پہچان لیا۔ یہیں کہیں اُس نے ایک بار اپنے جیش کے ساتھ شب خون مارا تھا، وہاں مٹی کے ٹیلے اور بھربھری چٹانیں تھیں۔ چلتے چلتے وہ ایک چشمے تک پہنچ گئے۔ یہ ایک چٹان کے دامن میں تھا۔ الناصر نے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ دونوں نے گھوڑے سے اُتر کر پانی پیا۔ گھوڑے کو پانی پلایا۔ الناصر نے زخم دیکھے، کوئی زخم گہرا نہیں تھا۔ خون رُک گیا تھا۔ اُس نے اس ڈر سے زخم نہ دھوئے کہ خون جاری ہو جائے گا۔ لزا ٹہلتی ٹہلتی ایک طرف نکل گئی۔ الناصر اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے چٹان کے دوسری طرف گیا۔ لزا بیٹھی ہوئی تھی۔ الناصر کی طرف اس کی پیٹھ تھی، وہاں ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں جو انسانوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ کھوپڑیاں تھیں، پسلیوں کے پنجر تھے، ہاتھوں، ٹانگوں اور بازوؤں کی ہڈیاں بھی تھیں۔ ان کے درمیان تلواریں اور برچھیاں پڑی تھیں۔

لزا ایک کھوپڑی کو سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ کسی عورت کی کھوپڑی معلوم ہوتی تھی۔ چہرے پر کہیں کہیں کھال تھی۔ سر کے لمبے لمبے بال کچھ سر کے ساتھ تھے۔ باقی اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ سینے کا پنجرہ کھال کے بغیر تھا۔ پسلیوں میں ایک خنجر اُترا ہوا تھا۔ گلے کی ہڈی پر سونے کا ہار پڑا تھا۔ اس پنجرے کے اِردگرد چیتھڑے پڑے تھے جو ریشمی کپڑے کے تھے...... الناصر آہستہ آہستہ چلتا لزا کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ لزا کھوپڑی میں کھوگئی تھی۔ اچانک اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے اور بڑی ہی زور سے چیخ ماری۔ وہ تیزی سے اُٹھ کر گھومی۔ الناصر نے اُسے بازوؤں میں لے کر سینے سے لگالیا۔ لزا نے اپنا چہرہ الناصر کے سینے میں چھپالیا۔ اُس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ الناصر اُسے چشمے تک لے گیا۔

☆

جب وہ اپنے آپ میں آئی تو الناصر نے اُس سے پوچھا کہ اس نے چیخ کیوں ماری تھی؟

''مجھے اپنا انجام نظر آ گیا تھا''۔ لزا نے اداس لہجے میں کہا...... ''تم نے وہ خشک لاش دیکھی ہوگی۔ کسی عورت کی ہے۔ یہ کوئی مجھ جیسی ہوگی۔ اُس نے میری طرح حسن کے جادو چلائے ہوں گے۔ ہر کسی کے لیے سہانا فریب بنی رہی ہوگی اور کہتی ہوگی کہ اُس کے حسن کو زوال نہیں اور وہ سدا جوان اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ تم نے اُس کی پسلیوں کے پنجرے میں خنجر پھنسا ہوا دیکھا ہے؟ گلے میں ہار دیکھا ہے؟ یہ ہار اور یہ خنجر جو کہانی سناتے ہیں، وہ میری کہانی ہے اور دوسری جو کھوپڑیاں بکھری پڑی ہیں اور اُن کے ساتھ جو تلواریں اور برچھیاں پڑی ہیں وہ سو بار سنی ہوئی کہانی سناتی ہیں۔ میں نے یہ بھی توجہ سے نہیں سنی تھی۔ آج اس عورت کی کھوپڑی دیکھی تو مجھے یوں نظر آیا جیسے یہ میری اپنی کھوپڑی ہو۔ اس خشک کھوپڑی پر گوشت چڑھ گیا تو میرا چہرہ بن گیا۔ میں نے ایک گِدھ کو دیکھا جو میرے چہرے سے آنکھیں نکال رہا تھا۔ ایک بھیڑیے کو دیکھا جو میرے گلابی گالوں کو نوچ رہا تھا۔ ان مردار خوروں نے میرا چہرہ کھالیا اور پیچھے کھوپڑی رہ گئی۔ مجھے ایسے نظر آیا جیسے کھوپڑی کے جبڑے اور خوفناک دانت ہل رہے ہوں۔ مجھے آواز سنائی دی...... ''یہ ہے تمہارا انجام''...... اور میرے دل کو کسی خوفناک چیز نے دانتوں میں جکڑ لیا''۔

''کچھ دنوں بعد وہاں جا کر دیکھنا، جہاں ہم پر فدائیوں نے حملہ کیا تھا''...... الناصر نے کہا...... ''وہاں بھی تمہیں یہی منظر نظر آئے گا۔ لاشوں کے پنجر، کھوپڑیاں، تلواریں اور برچھیاں اور شاید ان سے کچھ دور تھیریسیا کی کھوپڑی بھی پڑی مل جائے۔ اُس کے سینے میں بھی خنجر اُترا ہوا ہوگا۔ وہ سب عورت کے لیے مرے ہیں۔ یہ سب بھی عورت کے لیے مرے ہیں''۔

''اگر میں نے اپنی روش نہ چھوڑی تو ایک روز صحرا میں گِدھ اور بھیڑیے میرے اس جسم کا گوشت نوچ رہے ہوں گے جس پر مجھے ناز ہے اور جسے حاصل کرنے کے لیے کوئی جان پیش کرتا ہے، کوئی دولت''...... لزا نے کہا...... ''مگر انسان عبرت حاصل نہیں کرتا۔ اُن کی تباہی اور بربادی نہیں دیکھتا جو اُس سے پہلے اس زمین پر اپنے اوپر حسن، دولت اور

جسمانی طاقت کا نشہ طاری کر کے تکبر اور غرور سے چلتے پھرتے تھے...... میں نے اپنے آپ کو پہچان لیا ہے۔ اپنی اصلیت جان لی ہے۔ تم بھی سن لو الناصر! خدا نے تمہیں مردوں کی طاقت اور مردانہ حسن دیا ہے۔ تمہیں جو عورت دیکھے گی، وہ تمہارے قریب آنے کی خواہش کرے گی، دیکھ لو۔ تم بھی جا کر اپنا انجام دیکھ لو"۔

وہ ایسے انداز سے بول رہی تھی جیسے اُس پر آسیب کا اثر ہو۔ اُس کی شوخیاں اور فریب کاریاں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ کسی تارک الدنیا فقیر کے لہجے میں بول رہی تھی۔

"میں تمہیں اپنی اصلیت بتا دوں؟" اس نے الناصر سے پوچھا...... "میں تمہیں دکھا دوں کہ میری پسلیوں کے پنجرے میں کیا ہے؟"۔ اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور چپ ہو گئی۔ اُس کا ہاتھ سونے کے اس ہار پر جا لگا تھا جس میں جواہرات بھی تھے۔ اُس نے ہار کو مٹھی میں لیا۔ زور سے جھٹکا دیا۔ ہار ٹوٹ کر اُس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اُس نے ہار چشمے میں پھینک دیا۔ انگلیوں سے انگوٹھیاں اُتاریں جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی چشمے میں پھینک دیئے۔ کہنے لگی......

"میں ایک فریب ہوں الناصر! میں نے تمہیں بھی فریب دیا تھا...... میرے دل میں تمہاری محبت بھی پیدا ہو گئی تھی مگر اس پر میرے فرض کی بدذوق کا بھی اثر تھا۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ فدائیوں نے ہم پر حملہ کر دیا اور یہ اور زیادہ اچھا ہوا کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنی کھوپڑی دیکھ لی، ورنہ میں بتا نہیں سکتی کہ جہاں ہم تمہیں لے جا رہے تھے، وہاں تم پر کیا روپ چڑھا دیا جاتا، میری محبت کا کیا حشر ہوتا۔ تم ایک بہت بڑے فریب کا شکار ہونے جا رہے تھے۔ میں اب جھوٹ نہیں بولوں گی۔ تمہیں اس مقصد کے لیے لے جایا جا رہا تھا کہ میں اپنی خوب صورتی اور محبت کے جھانسے سے تمہاری عقل پر قبضہ کر لوں اور تمہارے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل کرایا جائے۔ گمشتگین قلعۂ عصیات میں اس لیے گیا تھا کہ شیخ سنان اسے صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے کرائے کے قاتل دے دے۔ سنان نے بتایا کہ اُس نے چار فدائی بھیج رکھے ہیں۔ اگر یہ بھی ناکام ہو گئے تو وہ آئندہ اس کام کے لیے کوئی فدائی نہیں بھیجے گا کیونکہ وہ بہت سے کارآمد فدائی ضائع کر چکا ہے۔ آخر یہ سودا طے ہوا کہ گمشتگین تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جائے اور سیف الدین کے قتل کے لیے تیار کرے۔ اتنے میں ہمارا افسر آ گیا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایوبی کا قتل ضروری ہے"۔

"یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے سائے کو بھی میلی نگاہ سے دیکھوں"...... الناصر نے کہا...... "دُنیا کی کوئی طاقت مجھے اتنا بے عقل نہیں بنا سکتی"۔

لزا ہنس پڑی، کہنے لگی...... "میں نے دل سے اپنے فرائض کو قبول نہیں کیا، ورنہ ہم فولاد کو بھی پانی بنا دیا کرتی ہیں"۔

اُس نے الناصر کو تفصیل سے بتایا کہ اس کے فرائض اور جذبات میں کتنا تضاد ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ سیف الدین کے پاس رہی ہے۔ اس نے پوچھا...... "کیا تم مجھ جیسی ناپاک لڑکی کو قبول کر لو گے؟۔ میں سچے دِل سے اسلام قبول کر لوں گی"۔

"اگر تم نے سچے دِل سے توبہ کر لی ہے تو میرے لیے یہ گناہ ہو گا کہ میں تمہیں قبول نہ کروں"۔ الناصر نے کہا...... "لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کی اجازت کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ دِل سے بوجھ اُتار دو۔ اگر تم پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہو تو ایسی زندگی تمہیں صرف ہمارے مذہب میں ملے گی"۔ اُس نے پوچھا...... "کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو فدائی ہمارے سلطان کے قتل کے لیے گئے ہیں وہ کس بھیس میں گئے ہیں اور قاتلانہ حملہ کس طرح کریں گے؟"

"کچھ علم نہیں"۔ لزا نے جواب دیا...... "میرے سامنے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہوئی کہ چار فدائی بھیجے گئے ہیں"۔

"ہمیں اُڑ کر ترکمان پہنچنا ہو گا"۔ الناصر نے کہا...... مجھے سلطان اور اُس کے محافظوں کو خبردار کرنا ہے"۔

اس نے لزا کو اپنے آگے گھوڑے پر بٹھالیا اور ایڑ لگا دی۔ اتنی حسین لڑکی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اُس کے ریشم جیسے بال اس کے گالوں میں لہرا رہے تھے مگر اس کے ذہن میں سلطان ایوبی سما گیا تھا۔ فرض نے اُس کے جذبات کو سُلا دیا تھا۔ مقصد نے اُسے مردِ میدان اور انسانِ کامل بنا دیا تھا...... اور لزا کی تو جیسے روح ہی بدل گئی تھی۔ وہ اس قوی اور تنو مند جوان کے قبضے میں اور اُس کے رحم و کرم پر تھی لیکن اُسے جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ مرد ہے اور یہ ایک نوجوان لڑکی۔ اگر کوئی واعظ برسوں واعظ سناتا رہتا تو لزا پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ الناصر نے خاموش زبان سے یہ حقیقت اُس کے دِل میں اُتار دی کہ وہ پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے تو ایسی زندگی اُسے اسلام میں ملے گی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو قلعہ اعزاز کے قلعہ دار کا جواب آگ بگولہ کیے ہوئے تھا۔ اُسے یہ قلعہ سر کرنا تھا اور فوراً بعد حلب کو محاصرے میں لے کر یہ شہر لینا تھا۔ اُسے بوزا اور منبج کے دو قلعے لڑے بغیر مل گئے تھے۔ ان میں جو دستے تھے انہیں اُس نے اپنی فوج میں شامل کر کے اُن کی جگہ اپنے دستے بھیج دیئے تھے اور وہ اعزاز اور حلب کی طرف پیش قدمی کی سکیم بنا رہا تھا۔ اس نے حسبِ معمول دیکھ بھال کے لیے اپنے فوجی اس علاقے میں بھیج رکھے تھے جہاں اُسے آگے بڑھنا اور محاصرہ کرنا تھا۔ جاسوسوں نے اُسے حلب اور اعزاز کے دفاعی انتظامات بتا دیئے تھے۔ سلطان ایوبی خود بھی آگے چلا جاتا تھا اور اپنی آنکھوں زمین کے خدوخال اور دیگر جنگی کوائف کا جائزہ لیتا تھا۔ ایسے دوروں کے دوران وہ اپنا جھنڈا ساتھ نہیں رکھتا تھا اور اپنے محافظوں (باڈی گارڈز) کو بھی ساتھ نہیں لے جاتا تھا، تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے کہ یہ صلاح الدین ایوبی ہے۔ وہ گھوڑا بھی کسی دوسرے کا استعمال کرتا تھا۔ اس کے گھوڑے کو جس کے سفید رنگ پر کہیں کہیں گہرے لال دھبے تھے، دشمن کے سالار پہچانتے تھے۔

اُسے کہا گیا تھا کہ وہ محافظوں کے بغیر اتنی دُور نہ نکل جایا کرے لیکن اُس نے اپنی حفاظت کی کبھی پروا نہیں کی تھی۔ اب تو اُس پر جنون سا طاری تھا۔ وہ اپنے مسلمان دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا چکا تھا۔ اُن کے تابوت میں آخری کیل گاڑنی رہ گئی تھی۔ وہ علاقہ ایسا تھا کہ چٹانیں اور ٹیلے بھی تھے اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی۔ کچھ حصے میں گہرے کھڈ بھی تھے۔ ایسے علاقے میں سلطان ایوبی کا محافظوں کے بغیر گھومنا پھرنا خطرناک تھا۔

''سلطانِ محترم!'' اُس کی انٹیلی جنس کے سربراہ حسن بن عبداللہ نے ایک روز اُسے جھنجھلا کر کہا۔ ''خدانخواستہ آپ پر قاتلانہ حملہ کامیاب ہو گیا تو سلطنتِ اسلامیہ آپ جیسا کوئی دوسرا پاسبان پیدا نہیں کر سکے گی۔ ہم قوم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ آنے والی نسلیں ہماری قبروں پر لعنت بھیجیں گے کہ ہم آپ کی حفاظت نہ کر سکے تھے''۔

''اگر خدا کو یہی منظور ہے کہ مجھے کسی فدائی یا صلیبی کے ہاتھوں قتل ہونا ہے تو میں ایسی موت کو کیسے روک سکتا ہوں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''بادشاہ جب اپنی جان کی حفاظت میں مگن ہو جاتے ہیں تو وہ ملک اور قوم کی آبرو کی حفاظت کے قابل نہیں رہتے۔ اگر مجھے قتل ہونا ہے تو مجھے اپنا فرض جلدی جلدی ادا کر لینے دو۔ مجھے محافظوں کا قیدی نہ بناؤ۔ مجھ پر بادشاہی کا نشہ طاری نہ کرو۔ تم جانتے ہو، مجھ پر کتنے قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر بار بچالیا ہے۔ اب بھی بچالے گا''۔

اُس کا ذاتی عملہ اس کی سلامتی کے لیے پریشان رہتا تھا۔ پچھلی کہانیوں میں وہ تمام قاتلانہ حملے بیان کیے گئے ہیں جو اُس پر ہوئے تھے۔ ہر حملے کے وقت وہ اکیلا تھا لیکن اُس کا محافظ دستہ قریب ہی تھا جو ہر بار وہاں پہنچ گیا۔ اب سلطان ایوبی نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ وہ اپنے ذاتی عملے اور محافظوں کو کسی جگہ کھڑا کر کے خود ٹیلوں اور چٹانوں میں غائب ہو جاتا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ محافظ دستے کے چند ایک آدمی دُور دُور رہ کر سلطان ایوبی پر نظر رکھتے تھے۔ یہ کسی کو

بھی معلوم نہیں تھا کہ بہت دنوں سے چار آدمی ویرانوں میں گھوم پھر رہے ہیں اور وہ سلطان ایوبی پر نظر رکھتے ہیں۔

یہی وہ چار فدائی تھے جن کے متعلق قلعہ عصیات میں شیخ سنان نے گمشتگین کو بتایا تھا کہ سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان چاروں نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان ایوبی، محافظوں کے بغیر گھومتا پھرتا رہتا ہے، چنانچہ انہوں نے یہ منصوبہ ترک کر دیا تھا کہ جنگ زدہ علاقے کے پناہ گزینوں کے روپ میں سلطان ایوبی کے پاس جائیں گے اور اُسے قتل کر دیں گے۔ سلطان ایوبی انہیں بڑا اچھا موقعہ دے رہا تھا۔ ان چار فدائیوں کی سکیم اچھی تھی۔ اُن کی کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ تیر و کمان نہیں لائے تھے، کیونکہ پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر اُن کے پاس ایک بھی کمان ہوتی تو وہ کسی بھی جگہ چھپ کر سلطان ایوبی کو نشانہ بنا سکتے تھے، وہاں چھپنے کی جگہیں بہت تھیں۔ آسانی سے فرار ہوا جا سکتا تھا۔ ان کے پاس لمبے خنجر تھے۔

اُدھر سے الناصر لزا کو گھوڑے پر بٹھائے تیزی سے آ رہا تھا۔ لزا نے اُسے بتا دیا تھا کہ چار فدائی سلطان ایوبی کے قتل کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ الناصر بہت جلدی سلطان ایوبی تک پہنچنا اور اُسے خبردار کرنا چاہتا تھا مگر سفر لمبا تھا اور گھوڑے پر دو سواروں کا بوجھ تھا۔ گھوڑا اتنی لمبی مسافت دوڑتے ہوئے طے نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے راستے میں گھوڑے کو آرام دیا۔ پانی پلایا اور پھر چل پڑا۔ اِدھر سلطان ایوبی اپنی حفاظت سے بالکل ہی بے نیاز ہو گیا تھا اور چار فدائی چھپ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ اس علاقے میں کوئی فوج نہیں تھی۔ کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ فدائی جنگل کے درندوں کی طرح شکار کی تلاش میں رہتے اور رات وہیں گزار لیتے تھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ الناصر اور لزا کا گھوڑا چلتا رہا۔ اس کی چال بتا رہی تھی کہ اس کی رفتار کم ہو گی، بڑھے گی نہیں۔ الناصر نے بوجھ کم کرنے کے لیے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور لگام پکڑ کر پیدل چلنے لگا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ لزا نے الناصر سے تین چار بار کہا کہ وہ اور زیادہ سواری نہیں کر سکتی۔ اُس کی ہڈیاں بھی دُکھنے لگی تھیں۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی لیکن الناصر جو خود تھکن، پیاس اور بھوک سے بے حال ہوا جا رہا تھا، نہ رُکا۔ اُس نے لزا سے کہا..... ''تمہاری اور میری جان سے سلطان صلاح الدین ایوبی بہت زیادہ قیمتی ہے، اگر میں رُک گیا اور سلطان ایوبی قتل ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میں اپنے سلطان کا قاتل ہوں''۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔ الناصر اب قدم گھسیٹ رہا تھا۔ لزا گھوڑے پر سر رکھے سوئی ہوئی تھی۔ گھوڑا معمولی سی چال چل رہا تھا۔ ایک جگہ پانی اور گھاس دیکھ کر گھوڑا رُک گیا۔ لزا نے نیند سے چونک کر کہا..... ''خدا کے لیے اسے مت گھسیٹو۔ اُسے ذرا کھا پی لینے دو''..... گھوڑے نے پانی پی لیا تو الناصر اُس کی لگام پکڑ کر چل پڑا۔ گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ الناصر بھی تھک ہار کر سوار ہو گیا۔ لزا کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اُس کے منہ سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ الناصر کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ سلطان ایوبی کہاں ہو گا۔ وہ ترکمان کو جا رہا تھا۔ سلطان ایوبی آگے چلا گیا تھا جسے بعد میں کوہِ سلطان کا نام دیا گیا تھا، مگر وہ اب وہاں بھی نہیں تھا۔ اس مقام سے بھی آگے چلا گیا تھا۔ الناصر کو ترکمان اور کوہِ سلطان کی چٹانیں نظر آنے لگی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرف سے جائے۔ سورج بہت اوپر آ گیا تھا۔

اُس وقت سلطان ایوبی ایک چٹانی ویرانے میں اپنے عملے کے ساتھ وہاں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے عملے کو ایک جگہ رکنے کو کہا اور اکیلا ہی ایک طرف نکل گیا۔ اُس کے ذہن میں شاید اپنی فوج کی پیش قدمی کی کوئی سکیم تھی۔ گھوڑے سے اُتر کر وہ ایک چٹان پر چڑھ گیا۔ چاروں فدائی اس چٹان سے تھوڑی ہی دُور ایک جگہ چھپ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر اُوپر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔

''نیچے آنے دو''۔ایک فدائی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔
''اُس کے محافظ قریب ہی کہیں چھپے ہوئے ہوں گے''۔دوسرے نے کہا۔
''آج بچ کر نہ جائے''۔ایک اور بولا۔
''صرف ایک آدمی آگے جائے گا''۔چوتھے نے کہا......''وار پیچھے سے کرنا۔ضرورت پڑی تو باقی آگے جائیں گے''۔
سلطان ایوبی چٹان سے اُترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر کسی اور طرف چلا گیا۔فدائی اُس کے پیچھے پیچھے گئے۔حملے کے لیے یہ جگہ موزوں نہیں تھی۔الناصرابھی بہت دُور تھا۔سلطان ایوبی ایک بار پھر گھوڑے سے اُترا۔ایک اور چٹان پر چڑھا۔تھوڑی دیر بعد وہاں سے اُترا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر پیدل چل پڑا۔فدائی اس سے ذرا ہی دُور چھپے ہوئے تھے۔سلطان ایوبی ایک جگہ سے گھوم گیا۔آگے میدان تھا۔وہ گھوڑے پر سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اُسے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ایک فدائی ایک فٹ لمبا خنجر ہاتھ میں لیے،اُس سے دو تین قدم دُور رہ گیا تھا۔سلطان ایوبی نے دیکھ لیا۔
سلطان ایوبی نے اپنا خنجر نکالا۔فدائی نے وار کر دیا۔سلطان ایوبی نے اس کی خنجر والی کلائی کے آگے اپنی کلائی رکھ کر وار روکنے کی کوشش کی مگر فدائی تنومند تھا۔وار بڑی ہی طاقت سے کیا گیا تھا۔سلطان ایوبی نے وار کیا جو فدائی بچا گیا۔چٹان کی اوٹ سے ایک اور فدائی نکلا۔اس نے بھی وار کیا جو سلطان ایوبی نے بچا تو لیا لیکن اُس کے کولہے کی کھال کو چیر گیا۔سلطان ایوبی گھوڑے کے اوٹ میں ہو گیا۔ایک فدائی اُدھر آیا تو سلطان ایوبی نے بائیں ہاتھ کا گھونسہ اُس کے منہ پر مارا۔وہ پیچھے کو گرنے لگا تو سلطان ایوبی نے خنجر اس کے دِل کے مقام پر اُتار کر زور سے ایک طرف کو جھٹکا دیا۔یہ فدائی ختم ہو گیا۔
دوسرے نے اُس کے پیچھے سے وار کیا لیکن سلطان ایوبی بروقت سنبھل گیا۔فدائی کے خنجر کی نوک سلطان ایوبی کے ایک بازو میں لگی۔یہ زخم بھی گہرا نہیں تھا۔باقی دو فدائی بھی سامنے آگئے۔سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے جو آنِ واحد میں سلطان ایوبی کے قریب آگئے۔فدائی بھاگے۔ایک کو تو سواروں نے گھوڑں تلے کچل ڈالا،دوسرے کو مار ڈالا۔سلطان ایوبی کی پکار پر آخری فدائی کو زندہ پکڑ لیا گیا۔اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس حملے سے بھی بچا لیا۔اُس پر جس وقت حملہ ہوا اُس کا عملہ اس سے ساتھ آٹھ سو گز دُور ایک بلندی پر کھڑا تھا۔اتفاق سے اُن میں سے کسی نے دیکھ لیا،ورنہ یہ حملہ ناکام ہونے والا نہیں تھا۔
یہ قاتلانہ حملہ مئی ۱۱۷۶ء (ذی القعد ۵۷۱ہجری) کا ہے۔اس کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی ڈائری میں اتنا ہی لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی قلعہ اعزاز کے محاصرے کے لیے جا رہا تھا کہ چار فدائیوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسے بچا لیا۔میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے متعدد حوالوں سے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی قلعہ اعزاز کے محاصرے کے دوران دن کے وقت اپنے ایک سالار جاوالاسدی کے خیمے میں سویا ہوا تھا۔جب ایک فدائی نے خیمے میں جا کر اس پر خنجر سے وار کیا۔اتفاق سے سلطان ایوبی کے سر پر وہ مخصوص پگڑی تھی جو وہ میدانِ جنگ میں پہنا کرتا تھا۔اُسے تربوش کہتے تھے۔حملہ آور کا خنجر تربوش میں لگا اور سلطان ایوبی جاگ اُٹھا۔فوراً ہی چار پانچ فدائی اندر آگئے اور اُن کے ساتھ ہی سلطان ایوبی کے باڈی گارڈ بھی اندر آگئے جنہوں نے فدائیوں کو ہلاک کر ڈالا۔
جنرل موصوف نے لکھا ہے کہ یہ فدائی کچھ عرصے سے دھوکے میں سلطان ایوبی کے محافظ دستے میں شامل ہو گئے تھے۔
یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ حملہ آور سلطان ایوبی کے اپنے باڈی گارڈ تھے۔ان مورخین نے سلطان ایوبی کے خلاف یہ شہادت مہیا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی فوج میں بالکل مقبول نہیں تھا،یہاں تک کہ اس کے باڈی گارڈ تک

اس کے وفادار نہیں تھے۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں سے یہی کہانی سامنے آتی ہے جو سنائی گئی ہے۔ فدائی نہ اُس کے محافظ دستے میں تھے نہ کسی دھوکے سے حملہ آور ہوئے تھے۔ انہیں سلطان ایوبی اکیلا مل گیا تھا۔

جو فدائی پکڑا گیا تھا، اس نے بیان دیا کہ وہ چاروں قلعۂ عصیات سے آئے ہیں۔ اُسے حسن بن عبداللہ کے حوالہ کر دیا گیا جس نے اس سے قلعۂ عصیات کے متعلق تمام تر معلومات لے لیں۔ یہ بھی پوچھ لیا کہ اندر کتنی فوج ہے اور اس کے لڑنے کی اہلیت کیسی ہے۔ یہ معلومات سلطان ایوبی کو دی گئیں۔

''کل رات کے آخری پہر ہم عصیات کی طرف کوچ کریں گے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ اُس نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں کو بلایا اور کہا...... ''فدائیوں کا یہ اڈہ اُکھاڑنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس پر فوراً قبضہ کرنا ہے۔ فوج کا تیسرا حصہ کافی ہوگا''۔ اُس نے بتایا کہ کتنی نفری جائے گی اور اس کی ترتیب کیا ہوگی۔

اُس شام سلطان ایوبی کو اطلاع دی گئی کہ الناصر نام کا ایک چھاپہ مار واپس آیا ہے۔ حسن بن عبداللہ الناصر سے ساری رپورٹ لے چکا تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے سامنے پیش کرنا ضروری تھا۔ الناصر کو بڑی ہی بُری حالت میں پیش کیا گیا۔ مسلسل سفر، بھوک اور پیاس نے اُسے اَدھ مؤا کر دیا تھا۔ اُس کے ساتھ لزا تھی۔ اُس کا رنگ اُڑا ہوا اور جسمانی حالت دگرگوں تھی۔ الناصر نے سلطان ایوبی کو پوری تفصیل سے سنایا کہ اس پر کیا گذری ہے۔ اُس نے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھی۔ لزا کے متعلق بھی سب کچھ بتایا۔ سلطان ایوبی نے لزا سے پوچھا کہ وہ اپنے متعلق فیصلے میں آزاد ہے۔ لزا شاید اپنے آپ کو قیدی سمجھ رہی تھی اور اُسے بہت بُرے سلوک کی توقع تھی، لیکن یہاں معاملہ اُلٹ تھا۔ اس نے الناصر کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ اُسے بتایا گیا کہ اُسے دمشق بھیج دیا جائے گا جہاں وہ نورالدین زنگی کی بیوہ کی تحویل میں رہے گی اور الناصر اُسے کچھ عرصے کے بعد ملے گا۔ دراصل اس قسم کی لڑکیوں کو اُن کی جذباتی باتوں سے متاثر ہو کر قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دمشق میں انہیں عزت اور آرام سے رکھا جاتا تھا اور اُن کی خفیہ نگرانی کی جاتی تھی۔

الناصر کو زخموں کے علاج اور آرام کے لیے پچھلے کیمپ میں بھیج دیا گیا۔

☆

شیخ سنان کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ گمشتگین اُسے دھوکہ دے گیا تھا۔ اُس نے گمشتگین کے قافلے کے تعاقب میں جو آدمی بھیجے تھے، اُن میں سے صرف دو واپس آئے تھے۔ وہ تھیریسا کو اُٹھا لائے تھے۔ لزا کو الناصر بچا لے گیا تھا۔ شیخ سنان تھیریسا سے انتقام لے رہا تھا۔ اسے اُس نے قید میں ڈال رکھا تھا۔ تھی تو وہ بھی بہت ہی خوب صورت لڑکی، لیکن شیخ سنان کی نظر لزا پر تھی۔

دن کا پچھلا پہر تھا۔ عصیات کے قلعے کی دیواروں پر کھڑے سنتریوں نے دُور گرد کے بادل اُٹھتے دیکھے، گرد آگے ہی آگے آ رہی تھی۔ سنتری دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ گرد میں سینکڑوں گھوڑے نظر آنے لگے، پھر پیادہ فوج نظر آئی۔ سنتریوں نے نقارے بجا دیئے۔ کمانڈروں نے اوپر جا کر دیکھا۔ شیخ سنان کو اطلاع دی۔ وہ بھی سامنے والی دیوار پر چڑھ گیا۔ اس وقت فوج قلعے کے قریب آ کر محاصرے کی ترتیب میں ہو رہی تھی۔ شیخ سنان نے مقابلے کا حکم دے دیا۔ قلعے کی دیواروں پر تیر انداز پہنچ گئے لیکن انہوں نے کوئی تیر نہ چلایا کیونکہ وہ باہر کی فوج کا رویہ دیکھنا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو قلعے کے اندر کی معلومات مل چکی تھیں۔ الناصر اس کے ساتھ تھا۔ دو منجنیقیں نصب کر دی گئیں۔ الناصر نے انہیں بتایا کہ شیخ سنان کا محل کہاں ہے اور کتنی دُور ہے۔ اس کی راہنمائی میں منجنیقوں نے پہلے بڑے پتھر پھینکے جو ٹھکانے پر پڑے۔ سنان کے محل کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔

قلعے سے تیروں کا مینہ برس پڑا۔ سلطان ایوبی کے حکم سے منجنیقوں سے آتش گیر مادے کی سربمہر ہانڈیاں اندر پھینکی گئیں۔ یہ سنان کے محل کے قریب گر کر ٹوٹیں۔ سیال مادہ دُور دُور تک پھیل گیا۔ اسے آگ لگانے کے لیے فیتے والے آتشیں تیر چلائے گئے لیکن آتش گیر سیال پر نہ گرے۔ تیر ٹھکانے پر پھینکنا آسان نہیں تھا۔ انہیں قلعے کی دیوار کے اوپر سے اندر جانا تھا۔ اتفاق سے قریب کہیں آگ جل رہی تھی۔ ایک ہانڈی اس کے اتنا قریب پھٹی کہ آگ نے اس کے مادہ کو شعلہ بنا دیا۔ دوسرے ہی لمحے سنان کا محل شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا، وہاں بے شمار آتش گیر مادہ گرا اور بہہ بہہ کر پھیل گیا تھا۔

شیخ سنان پر شعلوں نے دہشت طاری کر دی۔ اس کی فوج صلیبیوں اور مسلمانوں کی لڑاکا فوج نہیں تھی۔ یہ نشے اور کاہلی کی ماری ہوئی فوج تھی۔ سنان نے حقیقت کو تسلیم کر لیا اور اس نے قلعے پر سفید جھنڈا چڑھا دیا۔ سلطان ایوبی نے جنگ بندی کا حکم دے دیا اور کہا کہ شیخ سنان سے کہو کہ باہر آئے۔ ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

ذرا دیر بعد قلعے کا دروازہ کھلا اور شیخ سنان دو تین سالاروں کے ساتھ باہر آیا۔ سلطان ایوبی اُس کے استقبال کے لیے آگے نہیں بڑھا، اُس کی نگاہ میں سنان مجرم تھا۔ وہ جب سلطان ایوبی کے سامنے آیا تو سلطان نے اُسے اور اُس کے سالاروں کو اتنا بھی نہ کہا کہ بیٹھ جاؤ۔

''سنان!'' سلطان ایوبی نے کہا۔ ''کیا چاہتے ہو؟''

''جان کی امان''۔ شیخ سنان نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔

''اور قلعہ؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہوگا''۔

''اپنی فوج کے ساتھ قلعے سے فوراً نکل جاؤ''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم کوئی سامان اپنے ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔ اپنی فوج کو سمیٹو۔ کسی کمان دار اور کسی سپاہی کے پاس کوئی اسلحہ نہ ہو۔ یہاں سے خالی ہاتھ نکلو۔ تہہ خانے میں جو قیدی ہیں، انہیں وہیں رہنے دو اور یاد رکھو، سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں نہ ٹھہرنا۔ صلیبیوں کے پاس جا کر دم لینا۔ تم نے اب کے جو چار فدائی میرے قتل کے لیے بھیجے تھے، وہ بھی مارے گئے ہیں۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ سفید جھنڈا تم نے چڑھایا ہے۔ میں قرآن کے فرمان کا پابند ہوں۔ میں کہہ نہیں سکتا، خدا تمہیں معاف کرے گا یا نہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنا چھوڑ دو، ورنہ میں تمہیں اور تمہارے فرقے کو بحیرۂ روم میں ڈبو کر دم لوں گا''۔

جب سورج غروب ہو رہا تھا، دُور اُفق پر انسانوں کی لمبی قطار سر جھکائے چلی جا رہی تھی۔ شیخ سنان اسی قطار میں تھا۔ اس قطار میں اُس کے سپاہی اور اس کے سالار بھی تھے اور اس قطار میں اُس کے پیشہ ور قاتل بھی تھے۔ وہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جا سکے تھے۔ اُن کے گھوڑے اور اونٹ قلعے میں رکھ لیے گئے۔ سورج غروب ہونے تک سلطان ایوبی کی فوج قلعے پر قبضہ مکمل کر چکی تھی۔ تہہ خانے سے قیدیوں کو نکال لیا گیا تھا۔ قلعے سے جو زر و جواہرات برآمد ہوئے تھے، ان کا کوئی شمار نہ تھا۔

☆

سلطان ایوبی نے قلعہ ایک سالار کے حوالے کیا اور رات کو ہی کوہ سلطان کو روانہ ہو گیا۔ وہ اب زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چند ہی دنوں میں اُس نے پیش قدمی کی اور اعزاز کے قلعے کا جا محاصرہ کیا۔ حلب والوں نے اس قلعے کو دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم کر رکھا تھا۔ یہ دراصل حلب کا دفاع تھا۔ اس میں جو فوج تھی، وہ تازہ دم تھی۔ میدانِ جنگ میں نہیں گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو ایسی خوش فہمی نہیں تھی کہ وہ اس قلعے کو فوراً سر کر لے گا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ عقب سے حلب کی فوج

حملہ کر دے گی۔ اس خطرے کو روکنے کا انتظام کرلیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ حلب کی فوج ترکمان کی لڑائی سے نقصان اُٹھا کر آئی تھی۔ اس کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو چکا تھا۔

قلعہ اعزاز کے دفاع میں لڑنے والوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ تمام دن اور ساری رات انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو قلعے کے قریب نہ آنے دیا۔ دیواریں توڑنے والی پارٹیوں نے بہت کوشش کی کہ کسی جگہ سے دیوار کے قریب چلے جائیں اور دیوار توڑ سکیں لیکن تیر اندازوں نے انہیں قریب نہ آنے دیا۔ اگلے دن بڑی منجنیقوں سے قلعے کے دروازے پر وزنی پتھر مارے گئے۔ آتش گیر مادہ کی ہانڈیاں بھی دروازے پر پھینک کر آتشیں تیر چلائے گئے۔ شعلوں نے دروازے کو چاٹنا شروع کر دیا۔ اوپر سے اعزاز کے تیر اندازوں نے منجنیقیں چلانے والوں پر بہت تیر برسائے۔ یہ تیر بڑی کمانوں سے پھینکے جا رہے تھے، اس لیے دُور تک آجاتے تھے۔ ان سے منجنیقوں کے کئی آدمی زخمی اور شہید ہوئے لیکن اس قربانی کے بغیر قلعہ سر کرنا ممکن نہیں تھا۔ ایک شہید ہوتا تو دوسرا اُس کی جگہ لے لیتا تھا۔

دروازہ جل رہا تھا اور اس پر لگاتار پتھر پڑ رہے تھے۔ بہت دیر بعد پتھر دروازے میں سے اندر جانے لگے۔ شعلوں نے لکڑی کو کھالیا تھا۔ لوہے کا فریم باقی تھا جو پتھروں سے ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ رات کو شعلے بجھ گئے، دروازے کا آہنی ڈھانچہ رہ گیا۔ اس میں سے پیادے گزر سکتے تھے، گھوڑے گزارنا مشکل تھا۔ یہاں جانبازی کی ضرورت تھی۔ پیادہ دستوں کو حکم دیا گیا کہ دروازے کے ڈھانچے میں سے گزر کر اندر جائیں۔ یہ سلطان ایوبی کے ''کریک ٹروپس'' تھے۔ انہوں نے ہلہ بول دیا۔ اعزاز کے سپاہیوں نے ان دستوں کا یہ حشر کیا کہ آگے جو گئے تھے، انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔ پیچھے والے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے اوپر سے اندر گئے۔

یہ معرکہ بڑا ہی خون ریز تھا۔ اس سے یہ فائدہ اُٹھایا گیا کہ دروازے کا آہنی ڈھانچہ توڑ لیا گیا جو پیادے زندہ تھے وہ اندر جا کر بکھر گئے اور خوب لڑے۔ پھر گھوڑ سواروں کو اندر جانے کا حکم ملا...... سلطان ایوبی نے قلعے کے اندر آتش زنی کا حکم دے دیا۔ ایک دستہ جگہ جگہ آگ لگانے لگا۔ اعزاز کی فوج ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ یہ قلعہ حلب سے نظر آتا تھا۔ رات کو حلب والوں نے دیکھا کہ جہاں قلعہ ہے وہاں سے آسمان سرخ ہو رہا ہے۔ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ یہ اطلاع تو حلب میں پہنچ چکی تھی کہ سلطان ایوبی نے اعزاز کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ حلب کی ہائی کمانڈ نے اس امکان پر بھی غور کیا تھا کہ سلطان ایوبی پر عقب سے حملہ کیا جائے مگر سالاروں نے بتایا کہ فوج لڑنے کے قابل نہیں۔

اُس وقت سیف الدین حلب میں ہی تھا اور گمشتگین بھی وہیں چلا گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اعزاز اور حلب کے دفاع کے سلسلے میں ترش کلامی ہوئی جو اس حد تک بڑھی کہ گمشتگین نے سیف الدین کو قتل کی دھمکی دے دی۔ سیف الدین نے اتحاد توڑ دیا۔ اس کی جو بچی کھچی فوج تھی وہ حلب سے نکال لے گیا۔ یہ لوگ دراصل ایک دوسرے کے بھی دشمن تھے۔ الملک الصالح کی عمر اب تیرہ برس سے کچھ اوپر ہو گئی تھی۔ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اُس نے گمشتگین کا رویہ دیکھا تو اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا یہ دوست سازشی ہے۔ اس نے گمشتگین کو قید خانے میں ڈال دیا۔ تاریخ میں تحریر ہے کہ گمشتگین نے ان حالات میں کہ حلب اور اعزاز محاصرے میں تھے، الملک الصالح کے خلاف کوئی نئی سازش تیار کی تھی جس کا انکشاف ہو گیا اور اُسے قید میں ڈال کر دو تین روز بعد قتل کر دیا گیا۔

آخر اعزاز کے محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی کو اُس کی بہت بڑی قیمت دینی پڑی۔ اس کے جن دستوں نے قلعے کے اندر معرکہ لڑا تھا اُن کی نفری آدھی رہ گئی تھی۔ اعزاز والوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ بزدل نہیں۔ سلطان

ایوبی نے فوراً حلب کو محاصرے میں لے لیا۔ حلب قریب ہی تھا۔ حلب کے اندر جذبے کی یہ کیفیت تھی کہ رات اعزاز کے شعلوں نے انہیں دہشت زدہ کر دیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اُن کی فوج میں اتنا دم نہیں رہا کہ شہر کا دفاع کر سکے۔ انہی شہریوں نے کچھ عرصے پہلے سلطان ایوبی کے چھکے چھڑا دیئے تھے اور اُسے محاصرہ اُٹھانا پڑا تھا مگر اب یہ شہر جیسے مر ہی گیا تھا۔

☆

محاصرے کے دوسرے دن الملک الصالح کا ایک ایلچی سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ وہ جو پیغام لایا وہ صلح کی پیش کش نہیں تھی۔ یہ ایک ایسا جذباتی پیغام تھا جس نے سلطان ایوبی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ پیغام یہ تھا کہ نور الدین زنگی مرحوم کی بچی سلطان ایوبی سے ملنا چاہتی ہے۔ اس بچی کا نام شمس النساء تھا۔ یہ الملک الصالح کی چھوٹی بہن تھی۔ عمر دس گیارہ سال تھی۔ الملک الصالح جب دمشق سے حلب گیا تو اپنی بہن کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اُن کی ماں رضیع خاتون بنت معین الدین (بیوہ نور الدین زنگی) دمشق میں ہی رہی تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی حامی تھی۔

سلطان ایوبی نے حلب کے ایلچی کو جواب دیا کہ بچی کو لے آئے۔

بچی آ گئی۔ اُس کے ساتھ الملک الصالح کے دو سالار تھے۔ سلطان ایوبی نے بچی کو سینے سے لگا لیا اور وہ بہت رویا۔ بچی کے ہاتھ میں الملک الصالح کا تحریری پیغام تھا جس میں اُس نے شکست قبول کر لی تھی اور سلطان ایوبی کو سلطان تسلیم کر لیا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی اطاعت بھی قبول کر لی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ گمشتگین کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اس لیے حرن بھی سلطان ایوبی کی ملکیت تصور کیا جائے۔

''تم لوگ بچی کو کیوں ساتھ لائے ہو؟'' سلطان ایوبی نے سالاروں سے پوچھا...... ''یہ پیغام تم خود نہیں لا سکتے تھے؟''

جواب سالاروں کو دینا چاہیے تھا لیکن انہوں نے بچی کی طرف دیکھا۔ بچی نے سلطان ایوبی سے کہا......

''ماموں جان! مجھے بھائی صالح نے بھیجا ہے۔ آپ اعزاز کا قلعہ ہمیں دے دیں اور ہمیں حلب میں رہنے دیں۔ ہم آئندہ آپ سے لڑائی نہیں کریں گے''۔

سلطان ایوبی نے بچی کے ساتھ آئے ہوئے سالاروں کو غضب ناک نظروں سے دیکھا۔ وہ شرط منوانے کے لیے زنگی مرحوم کی بچی کو ساتھ لائے تھے۔

''میں اعزاز کا قلعہ اور حلب تمہیں دیتا ہوں شمس النساء''۔ سلطان ایوبی نے بچی کو گلے لگا کر کہا اور حکم جاری کر دیا کہ اعزاز کے قلعے سے اپنی فوج نکال لی جائے اور حلب کا محاصرہ اُٹھا لیا جائے۔ اُس نے حلب کے سالاروں سے کہا...... ''میں نے اعزاز اور حلب اس معصوم بچی کو دیا ہے۔ تم بزدل، بے غیرت اور ایمان فروش اس قابل بھی نہیں کہ تمہیں فوج میں رہنے دیا جائے''۔

۲۴ جون ۱۱۷۶ء (۱۴ ذی الحج ۵۷۱ ہجری) معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ سلطان ایوبی نے اعزاز اور حلب کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا اور الملک الصالح کو نیم خودمختاری کی حیثیت دے دی۔ اس کے فوراً بعد سیف الدین نے بھی سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی...... اور مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں کا دَور ختم ہو گیا، مگر قوم میں غدار اور ایمان فروش بدستور سرگرم رہے۔

رات، روح اور روشنی

قبرستان بہت ہی وسیع تھا۔ تمام قبریں ابھی تازہ تھیں۔ مٹی کی ڈھیریاں بے ترتیب تھیں۔ کوئی اونچی کوئی نیچی۔ بعض قبریں ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ میدانِ جنگ کی قبریں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ حماۃ سے حلب تک ایسے تین قبرستان تیار ہو گئے تھے۔ یہ سرسبز اور شاداب خطہ اُداس ہو گیا تھا۔ اس کی فضا خون کی بو سے بوجھل ہو گئی تھی۔ جہاں پرندے چہچہاتے تھے، وہاں گِدھ منڈلا رہے تھے۔

ایسا ایک قبرستان حلب کے مضافاتی قلعہ اعزاز کے قریب تھا۔ قبروں کی مٹی ابھی نمناک تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوجوں کا امام چند ایک فوجیوں کے ساتھ وہاں کھڑا فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ اُس نے جب منہ پر ہاتھ پھیرے تو آنسو اس کی داڑھی تک پہنچ چکے تھے۔

''یہ خطہ اب بانجھ ہو جائے گا۔ یہاں اب کوئی پتا ہرا نہیں ہوگا''..... اُس نے کہا..... ''یہاں ایک ہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت کرنے والے، ایک ہی کلمہ اور ایک ہی قرآن پڑھنے والے ایک دوسرے کے قاتل ہو گئے تھے جس زمین پر بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون گرتا ہے، وہ زمین سوکھ جاتی ہے۔ یہاں تکبیر کے نعرے ٹکرائے تھے۔ یہ سب مسلمان تھے۔ ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حق کے نام پر جانیں قربان کرنے والے شہید ہوئے اور باطل کے ساتھی اس رُتبے سے محروم رہے۔ یہ سب روزِ محشر اکٹھے اُٹھائے جائیں گے۔ خدائے ذوالجلال انہیں یہ تو ضرور کہیں گے کہ خون جو تم نے ایک دوسرے کا بہایا ہے، اتنا تم مل کر اسلام کے دشمن کا بہاتے تو فلسطین ہی نہیں، سپین بھی ایک بار پھر تمہارا ہوتا''۔

گھوڑوں کے قدموں کی ہنگامہ خیز آوازیں سنائی دیں۔ امام کے ساتھ کھڑے کسی فوجی نے کہا..... ''سلطان آرہے ہیں''..... امام نے گھوم کر دیکھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی آرہا تھا۔ اُس کے ساتھ سالار اور محافظ دستے کے چھ سوار تھے۔ قبرستان کے قریب آ کر سلطان ایوبی نے گھوڑا روکا، اُترا اور امام کے قریب آ کر فاتحہ پڑھ کر اس نے امام سے ہاتھ ملایا۔

''سلطانِ محترم!''..... امام نے سلطان ایوبی سے کہا..... ''یہ صحیح ہے کہ یہ بھی مسلمان تھے جو ہمارے خلاف لڑے، لیکن میں انہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھی جائے۔ انہیں شہیدوں کے ساتھ دفن نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے مجاہدین حق کی خاطر لڑ رہے تھے۔ انہیں آپ نے دشمن کے مقتولین کے ساتھ دفن کرا دیا ہے''۔

''میں انہیں بھی شہید سمجھتا ہوں جو باطل کی خاطر ہمارے خلاف لڑے تھے''..... سلطان ایوبی نے کہا..... ''یہ اپنے حکمرانوں کی فریب کاری کے شہید ہیں۔ ہم نے اپنے سپاہیوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا تھا۔ ان کے خلاف لڑنے والے سپاہیوں کو ان کے بادشاہوں نے جذباتی نعرے اور جھوٹا پیغام دے کر ان کے دلوں میں باطل کو حق بتا کر بٹھا دیا۔ ان کے اماموں نے انعام و اکرام لے کر سپاہیوں کو گمراہ کیا اور اللہ اکبر کے نعرے لگا کر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کرائی۔ میں ان کی لاشوں کو ایک ہی گڑھے میں دبا کر یا کہیں پھینک کر ان کی توہین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہمارے دشمن مسلمانوں کے جن سپاہیوں کو احساس ہو گیا تھا کہ انہیں گمراہ کیا گیا ہے وہ ہمارے ساتھ ہیں اور یہ جو مر گئے ہیں، ان تک روشنی نہیں پہنچی تھی کیونکہ بادشاہی کے دلدادہ حکمرانوں نے اُن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی"۔

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ مسلمان اُمراء سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہو گئے تھے۔ وہ خلافت سے آزاد ہو کر خودمختار حکمران بننا چاہتے تھے۔ ان میں ایک نورالدین زنگی مرحوم کا بیٹا الملک الصالح تھا، دوسرا موصل کا امیر سیف الدین غازی اور تیسرا گمشتگین جو حرن کا قلعہ دار تھا، لیکن اس نے خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ ان تینوں نے اپنی فوجوں کی متحدہ ہائی کمان بنالی اور سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ صلیبی ان کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ صلیبیوں کو ان کے ساتھ صرف یہ دلچسپی تھی کہ مسلمان آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جائیں یا اتنے کمزور ہو جائیں کہ اُن (صلیبیوں) کے خلاف لڑنے کے قابل نہ رہیں۔ حکمرانی کے نشے، صلیبیوں کی دی ہوئی مالی اور جنگی امداد، شراب اور یہودیوں کی حسین و جمیل لڑکیوں نے ان اُمراء کو ایسا اندھا کیا کہ وہ سلطان ایوبی کے راستے میں اُس وقت حائل ہو گئے جب نورالدین زنگی فوت ہو چکا تھا اور سلطان ایوبی مصر سے یہ عزم لے کر آیا تھا کہ صلیبیوں کو عالمِ اسلام سے بے دخل کر کے قبلۂ اوّل کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لے گا۔

ڈیڑھ سال تک حماۃ سے حلب تک کے اس سرسبز خطے میں مسلمان مسلمان کا خون بہاتا رہا۔ آخر فتح حق کی ہوئی۔ سلطان ایوبی نے فتح پائی۔ اُس کے دشمنوں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی لیکن سلطان ایوبی کے چہرے پر مسرت کی ہلکی سی بھی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ قوم کی عسکری قوت کا بیشتر حصہ تباہ ہو چکا تھا۔ اس لحاظ سے یہ صلیبیوں کی فتح اور مسلمانوں کی شکست تھی۔ صلیبی اپنے عزائم میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی اب کئی برسوں تک بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے قابل نہیں رہا تھا۔

جون ۱۱۷۶ء کے اُس روز جب سلطان ایوبی قلعہ اعزاز کے قریب وسیع قبرستان میں اپنے امام کے پاس کھڑا تھا تو (اُس دور کے وقائع نگاروں کے مطابق) اُس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ اُس نے امام سے کہا..... "ہر نماز کے بعد دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے جن کی آنکھوں پر کفر کی پٹی باندھ کر اپنے بھائیوں کے خلاف لڑایا گیا تھا"..... سلطان گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس نے قبرستان پر نگاہ ڈالی..... "خدا کو اتنے زیادہ خون کا حساب کون دے گا؟ یہ گناہ میرے حساب میں نہ لکھ دیا جائے"۔

اپنے سالاروں کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا..... "ہماری قوم خودکشی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ کفار اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت اور جذبے سے اس قدر خائف ہیں کہ اس قوت کو دل کش حربوں سے کمزور کر رہے ہیں۔ اُن کے پاس یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے۔ ہمارے بعض بھائیوں نے اُن کے اس ذریعے کو قبول کر لیا ہے اور تاریخ میں خانہ جنگی کا باب کھول دیا ہے۔ اگر ہم نے اس باب کو یہیں بند نہ کیا تو میں مستقبل کو جہاں تک دیکھ سکتا ہوں، مجھے اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ جنگی سے خودکشی کرتی نظر آتی ہے۔ کفار آج کے دور کی طرح مالی اور جنگی امداد دے دے کر اُمت کو آپس میں لڑاتے رہیں گے۔ چند ایک افراد پر جب تخت و تاج کے حصول کا جنون سوار ہوتا ہے تو وہ قوم کو آلۂ کار بنا کر قوم کو لے ڈوبتے ہیں۔ بادشاہی کے یہ بھوکے لوگ قوم کا خون اسی طرح بہاتے رہیں گے۔ یہ اتنا وسیع قبرستان دیکھو۔ قبریں گنو تو گن نہیں سکو گے۔ ہم پیچھے جو لاشیں دفن کر آئے ہیں، اُن کا بھی شمار نہیں۔ میں اتنے خون کا حساب کس سے لوں؟ خدا کو میں کیا جواب دوں گا؟"۔

''خانہ جنگی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے''......ایک سالار نے کہا۔''اب آگے کی سوچیں۔ ہمیں بیت المقدس پکار رہا ہے۔قبلۂ اوّل ہماری راہ دیکھ رہا ہے''۔

''اور مجھے مصر پکار رہا ہے''......سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑا چلا دیا اور کہنے لگا......''وہاں سے بڑی تشویش ناک خبریں آ رہی ہیں، وہاں میرا قائم مقام میرا بھائی ہے۔ وہ مجھے پریشانی سے بچانے کے لیے حالات کی سنگینی مجھ سے چھپا رہا ہے۔ علی بن سفیان اور کوتوال غیاث بلبیس بھی مجھے تفصیل سے کوئی بات نہیں بتا رہے۔ صرف اتنی خبر بھیجتے ہیں کہ دشمن کی زمین دوز تخریبی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ان کا سدِ باب کیا جا رہا ہے۔ پرسوں کے قاصد نے بتایا ہے کہ قاہرہ میں تخریب کاری زور پکڑتی جا رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے شیخ سنان کو ہم نے عصیات سے بے دخل کر دیا ہے مگر اُس کا قاتل گروہ قاہرہ میں سرگرم ہے۔ دو کمان دار ایسے طریقے سے قتل ہو گئے ہیں کہ ان کے جسموں پر زخم اور چوٹ کا کوئی نشان نہیں۔ مرنے کے بعد لاشوں کی حالت سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ زہر دیا گیا تھا۔ یہ حشیشین کا خاص طریقہ ہے''۔

''تو کیا آپ فوج کو یہیں رہنے دیں گے یا ساتھ لے جائیں گے؟''......ایک سالار نے کہا۔

''اس کے متعلق میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا''......سلطان ایوبی نے کہا......''شاید کچھ نفری لے جاؤں۔ فوج کی ضرورت یہاں زیادہ ہے۔ صلیبیوں نے مصر میں تخریب کاری اسی لیے تیز کر دی ہے کہ میں فلسطین کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے مصر چلا جاؤں۔ میں اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دوں گا، البتہ میرا مصر جانا ضروری ہے''۔

☆

سلطان ایوبی کے خدشے بے بنیاد نہیں تھے۔ صلیبیوں کی ذہنیت اور عزائم کو اُس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اُس وقت جب وہ قبرستان سے فاتحہ پڑھ کر اپنے جنگی ہیڈ کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ شیخ سنان تریپولی پہنچ چکا تھا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حسن بن صباح کے بعد اس فرقے کے جس پیر و مرشد نے شہرت حاصل کی، وہ شیخ سنان تھا۔ یہ شخص حشیشین (فدائیوں) کا سربراہ تھا۔ سلطان ایوبی اور صلیبیوں کی جنگوں کے دوران فدائیوں کا قاتل گروہ شیخ سنان کی زیرِ قیادت بہت ہی زیادہ سرگرم ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی پر متعدد بار قاتلانہ حملے کیے گئے اور ہر حملے کا انجام یہ ہوا کہ قاتل مارے گئے اور جو بچے وہ پکڑے گئے۔ صلیبیوں نے شیخ سنان کو عصیات نام کا ایک قلعہ دے رکھا تھا جو مئی ۱۱۷۶ء میں سلطان ایوبی نے محاصرے میں لے کر شیخ سنان سے ہتھیار ڈلوائے اور اس سے قلعہ خالی کرا کے اسے بخش دیا تھا۔ اس محاصرے کی تفصیلات سنائی جا چکی ہیں۔

شیخ سنان جون ۱۱۷۶ء کے ایک روز تریپولی (لبنان) پہنچا۔ اس کے ساتھ اس کے فدائی اور فوج تھی۔ کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں نہتہ کر کے رخصت کیا تھا۔ تریپولی اور گرد و نواح کا وسیع علاقہ ایک صلیبی کمانڈر کے قبضے میں تھا۔ شیخ سنان اس کے پاس پہنچا اور پناہ مانگی۔ دو روز بعد ریمانڈ نے اِدھر اُدھر سے دوسرے صلیبی بادشاہوں اور کمانڈروں کو تریپولی بلایا تا کہ سلطان ایوبی کے خلاف آئندہ لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ماہر ڈائریکٹر جرمن نژاد ہرمن بھی اس کانفرنس میں موجود تھا۔

''آپ مجھے اس بنا پر نہیں کوس سکتے کہ میں صلاح الدین ایوبی سے شکست کھا کر آیا ہوں''......شیخ سنان نے صلیبیوں کی اس کانفرنس میں کہا......''آپ جانتے ہیں کہ ہم فوج کی طرح نہیں لڑ سکتے۔ سلطان ایوبی کا مقابلہ تمہاری فوج بھی نہیں کر سکتی، میرے فدائی اس کے محاصرے میں کیسے لڑ سکتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ آپ ایوبی کے دشمن مسلمان اُمراء کو اپنی فوجیں دیں۔ وہ سب مل کر اُس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے''۔

''شیخ سنان!'' ...... ریمانڈ نے کہا ...... ''یہ ہم تک رہنے دیں کہ ایوبی کے خلاف ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اس کے قتل کے لیے جو چار آدمی بھیجے تھے، وہ بھی ناکام ہوگئے ہیں۔ مارے گئے ہیں اور پکڑے گئے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی پر آپ کا ایک بھی قاتلانہ حملہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے بے کار آدمی بھیجتے رہے ہیں جن کے مر جانے یا گرفتار ہو جانے سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم آپ کو جو مراعات اور رقم دیتے رہے ہے، وہ ضائع ہوگئی ہے۔''

''صرف ایک صلاح الدین کے قتل نہ ہونے سے آپ کی رقم ضائع نہیں ہوئی'' ...... شیخ سنان نے کہا ...... ''میں نے مصر میں صلاح الدین ایوبی کی حکومت کے جو دو حاکم قتل کرائے ہیں، انہیں اپنی رقم کے حساب میں رکھیں۔ آپ کے تین طاقتور مخالف سوڈان میں تھے۔ انہیں میں نے قبروں میں اُتارا اور وہاں آپ کا راستہ صاف کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے مخالف مسلمان اُمراء میں سے جو حلب میں الملک الصالح کے ساتھ تھے، دو صلاح الدین کے حامی ہوگئے تھے۔ آپ کے اشارے پر میں نے انہیں قتل کرایا ہے اور اب مصر میں حاکموں کے خفیہ قتل کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، وہ کس نے شروع کیا ہے؟ کیا آپ اسے بھی ناکام کہیں گے؟''

''ایوبی کب قتل ہوگا؟'' ...... فرانسیسی صلیبی گے آف نوریئان نے میز پر مکّہ مار کر پوچھا ...... ''صلاح الدین ایوبی کے قتل کی بات کرو۔ آپ نے نورالدین زنگی کی جو زہر دیا تھا، وہ صلاح الدین ایوبی کو کب دو گے؟''

''جس روز اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں گے جیسے نورالدین زنگی کے وقت پیدا ہوئے تھے'' ...... شیخ سنان نے کہا ...... ''زنگی زلزلے کی تباہ کاری کے متاثرین کی امداد کے لیے اکیلا بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔ نہ اُسے ہوش تھا، نہ اُس کے عملے کو کہ اس کے لیے جو کھانا پکتا ہے وہ کون پکاتا ہے اور کوئی اس کی نگرانی بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اس موقعے سے میرے اُن آدمیوں نے جو میں نے آپ کے کہنے پر اُس کے قتل کے لیے بھیج رکھے تھے، فائدہ اُٹھایا اور اُس کے کھانے میں وہ زہر ملا دیا جو گلے کی بیماری بن گیا اور وہ تین چار دنوں بعد مر گیا۔ اس کے طبیب آج بھی کہتے ہیں کہ نورالدین زنگی خناق سے مرا ہے مگر صلاح الدین ایوبی کے کھانے تک پہنچنا ممکن نہیں''۔

''کیا آپ اُس باورچی کو خرید نہیں سکتے جو اُس کا کھانا پکاتا ہے؟'' ...... ایک اعلیٰ کمانڈر نے پوچھا۔

''اس کا جواب ہمارا دوست ہرمن دے سکتا ہے'' ...... شیخ سنان نے کہا اور ہرمن کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

پچھلی کہانیوں میں ہرمن کا ذکر چند بار آیا ہے۔ وہ جرمنی کا رہنے والا تھا۔ علی بن سفیان کی طرح جاسوسی اور سراغ رسانی کا ماہر تھا۔ تخریب کاری اور کردار کشی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ مصر میں سلطان ایوبی کے خلاف جو سازشیں اور وسیع پیمانے پر ایک بغاوت جو ہوئی تھی وہ اُسی نے کرائی تھی۔ سلطان ایوبی کے ان دو چار اعلیٰ حکام کو بھی ہرمن نے اُس کے خلاف کر دیا تھا جو سلطان ایوبی کے معتمد تھے۔ وہ مسلمان حکام اور عوام کی نفسیات اور کمزوریوں کو خوب سمجھتا تھا اور انہیں استعمال کرنے کا فن جانتا تھا۔ اُسے ایک صلیبی بادشاہ فلپ آگسٹس اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ سوڈان، مصر اور عرب کے ہر حصے کی زبان مقامی لب و لہجے سے بول سکتا تھا۔

''شیخ سنان ٹھیک کہتے ہیں'' ...... ہرمن نے کہا ...... ''اس سوال کا جواب مجھے دینا چاہیے کہ صلاح الدین ایوبی کے باورچی کو کیوں نہیں خریدا جا سکتا۔ اگر صلاح الدین پر ہوتا تو وہ اب تک زہر سے مارا جا چکا ہوتا۔ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اُس کے کھانے کی کسی نے نگرانی کی ہے یا نہیں۔ اس نے اپنی جان کو خدا کے سپرد کر رکھا ہے۔ اس عقیدے کا وہ

پکا ہے کہ اُس کی موت کا جو دن مقرر ہے، اُس روز اُسے اپنی جان خدا کے حضور پیش کرنی ہے اور اُسے کوئی انسان روک نہیں سکتا۔ اُس کے محافظ دستے کا کمانڈر، خفیہ محکمے کا ایک ذمہ دار آدمی اور اُس کا ایک معتمد خاص اس کا کھانا کھا کر دیکھتے ہیں، بعض اوقات طبیب آ جاتا ہے اور وہ بھی کھانا دیکھتا ہے۔ اس اتنی کڑی نگرانی کے علاوہ دوسری دشواری یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے باورچی اور دیگر تمام ملازم اس کے مرید ہیں۔ اُن کے دلوں میں اُس کی اندھی عقیدت ہے۔ ایوبی انہیں اپنے نوکر نہیں سمجھتا۔ اُن کے ساتھ دوستوں اور بھائیوں جیسا سلوک کرتا ہے۔ پوری طرح جائزہ لیا جا چکا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے اس ذاتی حلقے میں سے کسی کو خریدنا، اس حلقے میں اپنا کوئی آدمی داخل کرنا ممکن نہیں۔ اُس کے پاس افراد ایسے ہیں جو اس کے گرد حصار کھینچے ہوئے ہیں۔ یہ ہیں علی بن سفیان، غیاث بلبیس، حسن بن عبداللہ اور زاہدان۔ یہ سب اتنے ماہر سراغ رساں ہیں کہ ان کی نظریں انسان کے ضمیر اور روح کو بھی دیکھ لیتی ہیں''۔

''اسلام کا خاتمہ''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ ہمیں اسلام کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہ ایسا مذہب ہے جو انسان کی روح کو قبضے میں لے لیتا ہے، جس کسی نے اسلام کو اپنی روح میں اُتار لیا، اُسے دُنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ آپ سب نے دیکھ لیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے گرد جن مسلمانوں کا گھیرا ہے، وہ مذہب کے اتنے پکے ہیں کہ تم زر و جواہرات سے اور اتنی خوب صورت لڑکیوں سے اُن کا گھیرا نہیں توڑ سکتے۔ وہ مسلمان کچے ایمان کے ہیں جنہیں تم خرید لیتے ہو۔ انہوں نے اسلام کو اپنی روح میں نہیں اُترنے دیا۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہمارے کتنے بڑے بڑے لشکروں کو صلاح الدین ایوبی کے کتنے تھوڑے سپاہیوں نے کتنا کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ جہاں ہمارے گھوڑے تھکن اور پیاس سے رہ جاتے ہیں، وہاں صلاح الدین ایوبی کے سپاہی تھکن اور پیاس سے بے نیاز رہتے ہیں۔ اس قوت کو یہ لوگ ایمان کہتے ہیں۔ ہمیں اُن کا ایمان کمزور کرنا ہے ہرمن! اُن کے ایک دو اُمراء یا اعلیٰ حکام کو ہاتھ میں لینا بے شک ضروری ہے۔ اس سے آپ نے بہت فائدہ اُٹھایا ہے، لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے اس قوم کے دِل میں اپنے مذہب کے خلاف بیزاری پیدا ہو جائے۔ پختہ عمر کے آدمیوں کے نظریات بدلنا آسان نہیں ہوتا، ان کی نسل کو بچپن اور لڑکپن میں اپنا نشانہ بنا لو۔ کچے ذہن کو تم اپنے سانچے میں ڈھال سکتے ہو۔ ان کے حیوانی جذبے کو بھڑکاؤ''۔

''یہودی یہ کام کر رہے ہیں''...... ہرمن نے کہا...... ''اور اس محاذ پر میں جو کچھ کر رہا ہوں، اس کے نتائج آہستہ آہستہ سامنے آ رہے ہیں۔ ایک دن یا چند ایک دنوں میں آپ کسی کے نظریات اور عقیدے نہیں بدل سکتے۔ اس عمل میں وقت لگتا ہے۔ ایک دَور گزر جاتا ہے''۔

''یہ عمل جاری رہنا چاہیے''...... فلپ آگسٹس نے کہا...... ''میں یہ توقع نہیں رکھوں گا کہ نتائج ہماری زندگی میں سامنے آئیں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ ہم نے کردار کشی کا یہ عمل جاری رکھا تو وہ وقت آئے گا کہ مسلمان برائے نام مسلمان رہ جائیں گے۔ ان کے ہاں مذہبی فرائض محض رسمی بن جائیں گے اور ان پر ہمارا رنگ چڑھ جائے گا۔ ان کی سوچوں پر صلیب غالب آ جائے گی''۔

''شیخ سنان!''۔ ریمانڈ نے شیخ سنان سے کہا۔ ''اگر آپ ہم سے عصیات کے قلعے کے بدلے ایک اور قلعے کا مطالبہ کریں گے تو ہم ابھی یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکیں گے۔ ہمارا معاہدہ قائم رہے گا۔ قلعے کے سوا دوسری تمام مراعات آپ کو حاصل رہیں گی۔ اگر آپ ان مراعات اور مالی وظیفوں کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو قاہرہ میں اور خصوصاً تمام تر مصر میں صلاح الدین ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کی اہم شخصیتوں کا قتل جاری رکھیں اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کی بھی کوششیں جاری رکھیں''۔

''صلاح الدین ایوبی کے قتل کے متعلق میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ میں اس میں اور کوئی آدمی ضائع نہیں کروں گا''..... شیخ سنان نے کہا..... ''اس شخص کا قتل ممکن نظر نہیں آتا۔ میں بڑے قیمتی فدائی ضائع کر چکا ہوں۔ مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ میں نے اس کے آگے ہتھیار ڈالے تو مجھے یہ توقع تھی کہ میں نے اُس پر جتنے قاتلانہ حملے کرائے ہیں، اُن کا انتقام لینے کے لیے وہ مجھے اور میرے چیدہ چیدہ فدائیوں کو قتل کر دے گا، لیکن اُس نے میری اور میرے آدمیوں کی جان بخشی کر دی۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ وہ ہمیں دھوکہ دے رہا ہے جونہی ہم پیٹھ پھیریں گے، وہ ہم پر تیروں کا مینہ برسا دے گا یا ہم پر گھوڑے دوڑا دے گا۔ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں اپنے تمام آدمیوں اور پوری فوج کے ساتھ آپ کے سامنے زندہ موجود ہوں۔ آپ مجھے مراعات سے محروم کر دیں، میں صلاح الدین ایوبی کے قتل سے دست بردار ہو گیا ہوں۔ البتہ قاہرہ میں میرے آدمیوں کی کارگزاری سے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی''۔

''قاہرہ میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کو قاہرہ جانے پر مجبور کر دیں گے''۔ ہرمن نے کہا..... ''بہت جلد سوڈانی مصر کی سرحدی چوکیوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ مصر پر کوئی بڑا حملہ نہیں کیا جائے گا، حملے کا دھوکہ دیا جائے گا تاکہ صلاح الدین ایوبی شام سے مصر چلا جائے''۔

ہرمن جاسوسی اور سراغ رسانی کا ماہر تھا لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کانفرنس میں جو خاص ملازم شراب اور کھانے کی چیزیں لا اور لے جا رہے تھے، ان میں وکٹر نام کا ایک فرانسیسی سلطان ایوبی کا جاسوس تھا اور انہی خاص ملازموں میں راشد چنگیز نام کا ایک ترک مسلمان بھی تھا جس نے اپنے آپ کو یونان کا عیسائی ظاہر کر کے یہ نوکری حاصل کی تھی۔ یہ بھی سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ ہرمن نے ان خاص ملازموں کو جو کانفرنسوں اور کمانڈروں کی محفلوں اور دعوتوں میں حاضر رہتے اور کھانا کھلاتے تھے، گہری چھان بین کے بعد اس ملازمت کے لیے منتخب کیا تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے جاسوسوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ اُسے صلیبیوں کے دُور اندر کی باتوں کا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ اب شیخ سنان کی اس کانفرنس کی تمام باتیں اُس کے دو جاسوسوں نے سن لی تھیں، جنہیں چند دنوں تک سلطان ایوبی تک پہنچ جانا تھا۔

☆

اُن دنوں قاہرہ میں زمیں دوز تخریب کاری بڑھ گئی تھی۔ مصر کی فوج کے نائب سالار سے ایک درجہ کم عہدے کا ایک کماندار شہر کے باہر مردہ پایا گیا۔ وہ شام کے بعد گھر سے نکلا تھا۔ ساری رات گھر نہ آیا۔ صبح اس کی لاش دیکھی گئی۔ اس کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا، کوئی چوٹ نہیں تھی۔ سراغ رسانوں نے جائے واردات پر ایک تو مرنے والے کے نقوش پا دیکھے اور دو نقوش کسی اور کے تھے۔ اس کماندار کے چال چلن کی سب تعریف کرتے تھے۔ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا غلط یا مشکوک قسم کے لوگوں کے ساتھ نہیں تھا۔ اُس کی ایک ہی بیوی تھی جو اس سے ہر لحاظ سے مطمئن تھی۔ اس کی موت کا باعث معلوم کرنے کی بہت کوشش کی گئی، اگر یہ قتل تھا تو قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

تین چار دنوں بعد اسی عہدے کا ایک اور فوجی کماندار بالکل اسی طرح ایک صبح اپنے کمرے میں مُردہ پایا گیا۔ وہ فوجی بارکوں کے ایک کمرے میں رہتا تھا۔ اس کے متعلق بھی رپورٹیں بالکل صاف تھیں۔ اُس کے دوستوں کے حلقے میں اپنے ہی دستے کے کچھ آدمی تھے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ اس کا لڑائی جھگڑا نہیں تھا۔ قتل کی بظاہر وجہ کوئی نہیں تھی۔ اُسے قتل کہا ہی نہیں جا سکتا تھا، کیونکہ جسم پر زخم یا چوٹ کا کوئی ہلکا سا بھی نشان نہیں تھا۔ یہ لاش سرکاری طبیب نے دیکھی۔ لاش کے ہونٹوں کے کونوں پر ذرا ذرا سی جھاگ تھی۔ اُس نے یہ جھاگ لکڑی کے ایک لمبوترے ٹکڑے کے سرے پر لگا لی۔ اُس

نے ایک کتا منگوایا اور یہ جھاگ گوشت کے ایک ٹکڑے پر لگا کر ٹکڑا کتے کو کھلا دیا۔

اُس نے کتے کو اپنے گھر لے کر جا کر باندھ دیا اور اُسے دیکھتا رہا۔ کتے نے کوئی غیر معمولی حرکت نہ کی، اُسے جو کھانے کو دیا گیا وہ کھاتا رہا۔ طبیب ساری رات جاگ کر کتے کو دیکھتا رہا۔ آدھی رات کے بعد کتا اُٹھا اور جہاں تک رسی اجازت دیتی تھی، وہ بڑے آرام سے ٹہلتا رہا۔ وہ بہت دیر ٹہل کر رُکا اور گر پڑا۔ طبیب نے دیکھا، کتا مر چکا تھا۔ طبیب نے رپورٹ دی کہ دونوں کمان داروں کو ایسا زہر دیا گیا ہے جس سے کوئی تلخی نہیں ہوتی۔ انسان نہایت اطمینان سے مر جاتا ہے۔

سراغ رسانوں نے دونوں کمان داروں کے متعلق گہری تفتیش کی، یہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی گئی کہ زندگی کے آخری روز وہ کس کس سے ملے، کہاں گئے اور انہوں نے کس کے ساتھ کچھ کھایا پیا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ شادی شدہ کمان دار کی بیوی سے بھی پوچھ گچھ کی گئی لیکن اس پر شک کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ دونوں کمان داروں میں مشترکہ وصف یہ تھا کہ پکے مسلمان تھے۔ میدانِ جنگ میں اُن کی کمانڈ اور دلیری کی تعریف سلطان ایوبی نے بھی کی تھی۔ دونوں سرحدی دستوں کے کمانڈر رہ چکے تھے اور انہوں نے کئی ایک سوڈانیوں کو سرحد پار کرتے گرفتار کیا تھا۔ سوڈانیوں نے انہیں بہت رشوت پیش کی تھی جو انہوں نے قبول نہیں کی تھی۔ اب دونوں کو نائب سالاری کی ترقی ملنے والی تھی۔ وہ اس قابل تھے کہ کسی بھی جگہ حملے کی قیادت آزادانہ کر سکیں۔

علی بن سفیان نے رائے دی کہ قتل کی یہ دونوں وارداتیں صلیبی تخریب کاروں کی ہیں اور قاتل فدائی ہیں۔ اس نے کہا کہ دشمن نے اب اہم شخصیتوں کے قتل کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ تمام کمان داروں اور حکام کو خبردار کر دیا گیا کہ کسی اجنبی یا مشکوک آدمی کے ہاتھ سے کوئی چیز نہ کھائیں اور ایسے آدمیوں پر نظر رکھ کر انہیں پکڑنے کی کوشش کریں جو دوستی لگانے اور کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کرنے کی کوشش کریں۔ سراغ رساں مصروف ہو گئے۔

دوسرے کمان دار کے قتل کے سات آٹھ روز بعد ایک رات فوج کے خیموں کو آگ لگ گئی۔ ہزاروں خیمے ایک جگہ لپٹے پڑے تھے۔ ان کے انباروں کے اوپر چھپر تھے۔ وہاں پہرہ بھی تھا پھر بھی آگ لگ گئی۔ یہ آگ تخریب کاری کا نتیجہ تھی، وہاں اتفاقیہ آگ لگنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ ان چھپروں کے قریب آگ جلانے کی ممانعت تھی۔ اس کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ پُراسرار سے کچھ اور واقعات ہوئے تھے۔ سرحدی دستوں کو اور زیادہ چوکس کر دیا گیا تھا۔ سوڈان کی طرف سرحد کے اندر چوری چھپے آنے والوں کی تعداد اور رفتار بڑھ گئی تھی۔ اس کا اندازہ ان لوگوں کی گرفتاریوں سے ہوتا تھا۔

☆

علی بن سفیان نے اپنی انٹیلی جنس کو اور زیادہ پھیلا دیا اور پہلے سے زیادہ ہوشیار کر دیا تھا۔ قاہرہ سے کچھ دُور دریائے نیل کے کنارے پہاڑی علاقہ تھا۔ اُس کے اندر کہیں فرعونوں کے زمانے کے کھنڈر تھے۔ اس سے پہلے ایسے واقعات ہوئے تھے کہ صلیبی اور سوڈانی تخریب کاروں نے ایسے کھنڈروں کو خفیہ اڈوں کے طور پر استعمال کیا تھا۔ مصر میں ایسے کھنڈروں کی تعداد کچھ کم نہیں تھی۔ اس پہاڑی علاقے کو نظر میں رکھنے کے لیے علی بن سفیان نے اپنے جاسوسوں کو خصوصی ہدایات کے ساتھ مقرر کر رکھا تھا۔ اب کے صلیبی تخریب کاروں نے یہ کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کہ انہوں نے دو تین مہینوں کے عرصے میں علی بن سفیان کے چھ سات جاسوس جو قاہرہ میں مختلف جگہوں پر مختلف بہروپوں میں رہتے تھے، غائب کر دیئے تھے۔

یہ وہ جاسوس تھے جو صلیبیوں کے جاسوسوں کو پکڑنے کے ماہر تھے، لیکن وہ خود پکڑے گئے یا مارے گئے۔ خطرہ

یہ تھا کہ وہ پکڑے گئے تو صلیبی انہیں حشیشین کے حوالے کر کے انہیں مصر کی ہی حکومت اور فوج کے خلاف استعمال کریں گے۔ اصل خطرہ تو یہ تھا کہ دشمن کے جاسوسوں نے قاہرہ کے جاسوسوں کو پہچان لیا تھا۔ جاسوسی اور سراغ رسانی کی اس جنگ میں دشمن جیت رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اب ذرا اونچے عہدوں کے ایسے جاسوس جو اپنے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان میں ایک مہدی الحسن تھا جو یروشلم اور ترپیولی تک بڑی کامیاب جاسوسی کرتا آیا تھا۔ وہ بہت دلیر اور دانش مند جاسوس تھا۔

علی بن سفیان نے یہ پہاڑی علاقہ اُسے دے رکھا تھا۔ اس علاقے کے اندر صرف ایک راستہ تھا۔ پیچھے دریا اور باقی ہر طرف پہاڑیاں اور چٹانیں بھی تھیں۔ اندرونی علاقے میں سبزہ اور درخت تھے، کہیں کہیں پانی کی جھیلیں بھی تھیں۔ اطلاع ملی تھی کہ اس کے اندر مشکوک سے آدمی آتے جاتے دیکھے گئے ہیں۔ فرعونوں کی کسی عمارت کے کھنڈر سامنے نظر نہیں آتے تھے۔ کسی نے کبھی دیکھے بھی نہیں تھے، لیکن یہ یقین ضرور تھا کہ اس کوہسار کے اندر فرعونوں نے کچھ نہ کچھ بنایا ضرور تھا جو اب تک موجود ہے۔ بہر حال یہ جگہ ایسی تھی جو تخریب کاروں کا خفیہ اڈہ بننے کے لیے موزوں تھی۔

مہدی الحسن وہاں ایک دو اونٹ اور چند ایک بھیڑ بکریاں لے جا کر صحرائی خانہ بدوش یا گڈریئے کے بہروپ میں جایا کرتا تھا۔ اس کے جانور اِدھر اُدھر چرتے چگتے رہتے اور وہ گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ اُس نے کچھ دُور اندر تک علاقہ دیکھا تھا، وہاں اُسے کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ بہت آگے جا کر ایک پہاڑی ایسی تھی جس کے دامن سے بیس پچیس فٹ اوپر ایک قدرتی سرنگ کا دہانہ تھا۔ مہدی الحسن اس سرنگ کے اندر گیا تھا۔ یہ اتنی اونچی اور فراخ تھی کہ اس میں سے اونٹ گزر سکتا تھا۔ یہ پہاڑی کی طرف تک چلی گئی تھی۔ مہدی الحسن دوسری طرف گیا، وہاں تنگ سی ایک وادی تھی جہاں کوئی اڈہ نہیں ہوسکتا تھا۔ سرنگ بہت لمبی تھی۔ اُس کے اندر دائیں بائیں دیواروں میں غاریں سی بنی ہوئی تھیں۔ اتنے بڑے بڑے پتھر بھی تھے کہ ایک پتھر کے پیچھے آدمی بیٹھ کر چھپ سکتا تھا۔

اس مصری جاسوس نے علی بن سفیان کو رپورٹ دی تھی کہ وہ جہاں تک جاسکا ہے، اُسے کوئی مشکوک جگہ نظر نہیں آئی اور اتنے دن اُسے کوئی ایک بھی آدمی اندر جاتا یا باہر آتا دکھائی نہیں دیا۔ علی بن سفیان نے اُسے کہا کہ وہ سارا دن وہیں گزارا کرے اور وہ زیادہ اندر تک نہ جایا کرے، کیونکہ پکڑے یا مارے جانے کا خطرہ تھا۔ علی بن سفیان نے اُسے یہ بھی کہا کہ کبھی کبھی وہ اونٹ پر سوار ہو کر رات کو بھی چلا جایا کرے، اگر کوئی آدمی اُسے مل جائے تو اُسے بتائے کہ وہ قاہرہ جا رہا ہے۔ اپنے آپ کو کسان ظاہر کرے۔ اِس ہدایت کے تحت مہدی الحسن رات کو بھی وہاں گیا تھا۔ ایک رات اسے کسی کے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی جنگلی جانور بھی ہوسکتا تھا اور یہ کوئی انسان بھی ہوسکتا تھا۔ مہدی الحسن آگے نہ گیا، کچھ دیر وہاں رُکا رہا، پھر واپس آ گیا۔

☆

وہ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے دو تین اونٹ اور بھیڑ بکریاں لے کر وہاں چلا گیا۔ انہیں کھلا چھوڑ کر خود اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا، وہاں سبزہ تھا۔ جھاڑیاں اور گھاس تھی اور جنگلی پودے بھی۔ کچھ آگے جا کر اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جو زمین پر جھکا ہوا تھا۔ اُس نے قیمتی چغہ پہن رکھا تھا اور اس کی لمبی داڑھی تھی۔ سر پر عمامہ بھی قیمتی تھی۔ مہدی الحسن آہستہ آہستہ اس کی طرف چلنے لگا۔ جھکے ہوئے آدمی نے اس کی طرف دیکھا۔ مہدی الحسن نے اپنی چال ڈھال میں جاہلانہ پن نمایاں رکھا اور آہستہ آہستہ اس آدمی کے قریب جا کھڑا ہوا۔

چغہ والے کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا جس میں ہرے پتے بھرے ہوئے تھے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں

ایک پودے کی ہری شاخ تھی۔

''آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟''...... مہدی الحسن نے گنواروں کے سے لہجے میں احمقوں کی طرح ہنس کر پوچھا...... ''کوئی چیز گم ہوگئی ہے؟ میں بھی تلاش کروں؟''

''میں حکیم ہوں''...... اس آدمی نے کہا...... ''جڑی بوٹیاں ڈھونڈ رہا ہوں۔ ان کی دوائیاں بناؤں گا''۔

مہدی الحسن نے اُس کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ قاہرہ کا حکیم تھا اور خاصی شہرت رکھتا تھا۔ مہدی الحسن نے اس کے اس جواب کو غلط نہ سمجھا کہ وہ جڑی بوٹیاں ڈھونڈ رہا ہے۔ اس علاقے میں جڑی بوٹیاں موجود تھیں۔ حکیم نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں سے تھوڑی ہی دُور اپنے ایک کنبے کے ساتھ خیمے میں رہتا ہے اور یہاں جانوروں کو چرانے اور پانی پلانے لایا ہے۔

''ان بوٹیوں سے آپ کس مرض کی دوائیاں بنائیں گے؟''...... مہدی الحسن نے پوچھا۔

''تم کسی مرض کو نہیں سمجھ سکتے''...... حکیم نے جواب دیا...... ''بعض مرض ایسے ہوتے ہیں کہ مریض کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اُسے کیا ہے''۔

یہ حکیم مشہور تھا۔ دُور دُور سے اس کے پاس مریض آتے تھے۔ اتفاق سے مہدی الحسن کو یہاں مل گیا۔ یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ انسان پر مرض کا وہم بھی طاری ہو جاتا ہے اور انسان بڑی لمبی عمر کا اور ایسی جسمانی طاقت کا متمنی رہتا ہے جو کبھی کم نہ ہو۔ مہدی الحسن کو شاید معمولی سی کوئی تکلیف تھی۔ اُس نے اس کا ذکر حکیم سے کیا۔ اُس نے نبض پر ہاتھ رکھا، پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور یوں چونکا جیسے اُسے ان آنکھوں میں کوئی عجیب چیز نظر آئی ہو۔ اس نے مہدی الحسن کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ حکیم کے چہرے پر حیرت کا تاثر تھا۔

''تم میرے دواخانے میں آسکتے ہو؟''...... حکیم نے پوچھا...... ''شہر میں آجاؤ''۔

''میں بہت غریب آدمی ہوں''...... مہدی الحسن نے کہا...... ''آپ کو پیسے کہاں سے دوں گا''۔

''تم ابھی میرے ساتھ چلو''...... حکیم نے کہا...... ''میرا اونٹ اُدھر چر رہا ہے، تمہارے پاس بھی اونٹ ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں۔ امیر لوگ بہت پیسے دے جاتے ہیں۔ غریبوں کا علاج مفت کرتا ہوں۔ تمہاری بیماری اس وقت تو معمولی ہے، لیکن یہ اچانک بڑھ جائے گی۔ مجھے کوئی اور شک بھی ہے''۔

مہدی الحسن دراصل ڈیوٹی پر تھا۔ معمولی سے مرض کی خاطر وہ ڈیوٹی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے حکیم سے کہا کہ وہ شام کو اُس کے دواخانے میں آئے گا۔ اُسے راستہ اور جگہ بتا دے۔ مہدی الحسن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اُس کا دواخانہ کہاں ہے۔ وہ انجان بنا رہا اور حکیم نے اُسے سمجھا دیا کہ دواخان کہاں ہے۔

☆

مہدی الحسن شام کے بعد اسی بہروپ میں حکیم کے دواخانے میں چلا گیا۔ اُس نے اونٹ ساتھ رکھا تھا تاکہ حکیم کو شک نہ ہو۔ اُسے خود حکیم پر کوئی شک نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حکیم جڑی بوٹیاں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اسے فی الواقع خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جسے وہ معمولی سی تکلیف سمجھتا ہے، وہ خطرناک بیماری بن سکتی ہے۔ حکیم نے اُسے اچھی طرح دیکھا اور کہا...... ''میں دوائی دے دیتا ہوں، اگر اس سے افاقہ نہ ہو تو وہ کوئی اور بندوبست کرے گا، کیونکہ اُسے کوئی اور شک ہے''۔

''مہدی الحسن نے پوچھا کہ اور کیا شک ہے؟''

''اللہ نہ کرے، میرا شک درست ہو''...... حکیم نے کہا...... ''تم خوب صورت ہو، صحرا میں گھومتے پھرتے رہتے ہو، جس جگہ تم مجھے ملے تھے، وہ جگہ ٹھیک نہیں، وہاں بدروحیں رہتی ہیں۔ ان میں بعض فرعونوں کے وقتوں کی بڑی حسین لڑکیوں کی بدروحیں ہیں۔ انہیں فرعونوں نے زبردستی اپنے پاس رکھا اور عیاشی کا ذریعہ بنایا تھا، پھر انہیں مروا ڈالا تھا کیونکہ اس کی جگہ انہیں دوسری لڑکیاں مل گئی تھیں۔ روح بوڑھی نہیں ہوتی، ہمیشہ جوان رہتی ہے۔ جن لڑکیوں کو قتل کیا گیا تھا، اُن کی روحیں اس سرسبز خطے میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ مجھے شک ہے کہ تمہاری شکل وصورت فرعونوں کے دَور کے کسی ایسے جوان سے ملتی جلتی ہے جسے اُس دور کی کوئی لڑکی چاہتی تھی مگر وہ کسی فرعون کا شکار ہوگئی۔ تم اس جگہ جاتے رہتے ہو۔ اس لڑکی کی بدروح نے تمہیں دیکھ لیا ہے اور تمہاری روح کے ساتھ دِل بہلا رہی ہے''۔

''یہ مجھے نقصان تو نہیں پہنچائے گی؟''...... مہدی الحسن نے حکیم کی بات سے متاثر ہوکر پوچھا...... ''بدروح کی دوستی اچھی تو نہیں ہوتی۔ کیا آپ اس بدروح سے نجات دلا سکتے ہیں؟''۔

''میرا شک غلط ہوسکتا ہے''...... حکیم نے کہا...... ''پہلے دوائی دوں گا۔ افاقہ نہ ہوا تو بدروح کا کچھ کروں گا۔ میرے پاس اس کا بھی علاج ہے۔ تعویذ دوں گا، عمل کروں گا، ضرورت پڑی تو اس بدروح کے ساتھ تمہاری ملاقات کرا دوں گا۔ بدروح سے نجات حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ بدروح کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی''۔

مہدی الحسن قابل اور ذہین جاسوس تھا لیکن وہ عالم فاضل نہیں تھا۔ اپنی قوم کے ہر فرد کی طرح جنات، چڑیلوں اور بدروحوں کے وجود پر یقین رکھتا تھا۔ اُس نے ان کی جو کہانیاں اور روائتیں سنی تھیں، انہیں سچ مانتا تھا۔ حکیم کا ایک ایک لفظ اُس کے دِل میں اُتر گیا اور اُس پر بدروح کا خوف طاری ہوگیا۔ وہ حکیم کے پاس جاسوسی کے لیے نہیں علاج کے لیے ہی گیا تھا۔ حکیم نے اُسے تسلی دی کہ وہ کوئی فکر نہ کرے، لیکن وہ فکرمند ہوگیا۔ حکیم نے اُسے دوائی کی صرف ایک خوراک دی اور کہا کہ رات سونے سے پہلے کھالے۔

اُس نے سونے سے پہلے یہ دوائی کھالی۔ اُسے فوراً نیند آ گئی۔ اس سے پہلے اُس کی اتنی جلدی آنکھ کبھی نہیں لگی تھی۔ صبح آنکھ کھلی تو اُس نے محسوس کیا کہ اس کی طبیعت غیر معمولی طور پر ہشاش بشاش ہے۔ وہ سب سے پہلے علی بن سفیان کے پاس گیا۔ اُسے یہ نہ بتایا کہ اُس نے اس پہاڑی علاقے میں حکیم کو جڑی بوٹیاں تلاش کرتے دیکھا تھا۔ یہ بتانے والی بات نہیں تھی کیونکہ حکیم کوئی مشکوک انسان نہیں تھا۔ وہ قاہرہ کا اتنا مشہور اور قابل حکیم تھا کہ فوج اور حکومت کے بڑے بڑے افسر بھی اُس کے پاس علاج کے لیے جاتے تھے۔ اُس کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ تعویذ بھی دیتا اور جنات وغیرہ کو بھی قبضے میں رکھتا ہے۔ علی بن سفیان نے مہدی الحسن سے کہا کہ وہ اُسی جگہ جائے، اُسے وہاں کوئی نہ کوئی مشکوک انسان ضرور نظر آئے گا۔ علی بن سفیان دراصل تخریب کاروں کے ایک اڈے کی تلاش میں تھا۔

مہدی الحسن اُس طرف جاتے حکیم کے پاس چلا گیا۔ وہ گڈریوں کے لباس میں تھا۔ اُس نے حکیم سے کہا کہ وہ صبح سویرے اتنی دُور سے یہ بتانے آیا ہے کہ رات اُسے بہت گہری نیند آئی ہے اور اب وہ اتنا ہشاش بشاش ہے، جتنا وہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

''اگر شام تک تم اسی حالت میں رہے تو بدروح نہیں ہوسکتی''...... حکیم نے کہا...... ''شام کو پھر آجانا''۔

مہدی اونٹ پر سوار ہوا اور اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہوگیا۔

☆

اس سرسبز جگہ وہ بہت دنوں سے جا رہا تھا اور سارا سارا دن وہاں رہتا تھا۔ رات کو بھی وہاں گیا تھا مگر اب حکیم سے ملاقات کے بعد اسے اس جگہ سے ڈر محسوس ہونے لگا۔ حکیم نے اُسے بتایا تھا کہ بدروح نقصان نہیں پہنچائے گی، کیونکہ وہ محبت کی خاطر اس کی روح کے پاس آتی ہے، پھر بھی اَن دیکھی پُراسرار مخلوق کا ڈر قدرتی تھا۔ اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اس کے گرد بدروحیں منڈلا رہی ہوں۔ وہ دلیر آدمی تھا۔ ڈر کو دِل سے نکالنے سے کوشش کرنے لگا اور اس بدروح کو تصور میں لانے لگا جس کا ذکر حکیم نے کیا تھا۔ اس تصور نے اُسے تسکین دی اور وہ اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔

اچانک اُس نے محسوس کیا کہ اس کی طبیعت جو اتنی زیادہ ہشاش بشاش تھی، بجھ رہی ہے اور دِل پر گھبراہٹ طاری ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن گھبراہٹ بڑھتی گئی اور اُس نے حکیم کو اپنی جو تکالیف بتائی تھی وہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوگئی۔ اُس نے اُسی وقت حکیم کے پاس جانا چاہا لیکن ڈیوٹی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ برداشت کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اس کی طبیعت گھبراہٹ سے آزاد ہونے لگی اور آہستہ آہستہ اُس حالت میں آگئی جس میں کل دوائی کھانے سے پہلے تھی۔ اسے یقین ہوگیا کہ یہ بدروح کا اثر ہے۔

دن گزر گیا۔ اُس نے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو اکٹھا کیا اور انہیں وہاں لے گیا، جہاں روزانہ لے جاتا تھا۔ اونٹ پر سوار ہو کر وہ شہر میں حکیم کے پاس چلا گیا۔ اسے اپنی طبیعت کی یہ تبدیلی بتائی۔ حکیم نے بدروح کے شک کا اظہار کیا لیکن ایک روز اور دوائی کھانے کو کہا۔ اُس نے دوائی دے دی جو مہدی الحسن نے رات سونے سے پہلے کھالی۔ گذشتہ رات کی طرح اسے نیند آئی اور صبح طبیعت شگفتہ تھی۔ وہ روزمرہ کی طرح علی بن سفیان کے پاس گیا اور وہاں سے اپنی ڈیوٹی کی جگہ پر چلا گیا۔

اس کی جسمانی حالت اچھی رہی، ذہنی حالت یہ تھی کہ بدروح کا خیال غالب تھا۔ آدھا دن گزرا تو اس کی شگفتگی کم ہونے لگی جو آہستہ آہستہ ختم ہوگئی اور اس کی جگہ گھبراہٹ اور اُداسی آگئی۔ اس نے دھیان اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کی اور ٹہلنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ طبیعت ٹھکانے آگئی۔ اُس کے کانوں میں ایسی آواز پڑی جیسے دُور کہیں کوئی عورت رو رہی ہو۔ رونے کی آواز بلند ہوئی پھر مدھم ہوتے ہوتے خاموش ہوگئی۔ مہدی الحسن جہاں تھا، وہیں رہا۔ یہ کوئی بدروح رو رہی تھی اور یہ وہی بدروح ہوسکتی تھی جس کا ذکر حکیم نے کیا تھا۔ مہدی الحسن کے دِل پر خوف طاری ہوا جس پر اُس نے قابو پالیا۔ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ بدروح سے بات کرے لیکن حکیم نے اُسے بتایا نہیں تھا کہ بدروح کے ساتھ بات کرنی چاہیے یا نہیں، اگر وہ کسی اور جگہ اور مختلف ماحول میں کسی عورت کے رونے کی آواز سنتا تو دوڑ کر مدد کو پہنچتا لیکن یہاں کسی جیتی جاگتی عورت کا کوئی کام نہیں تھا۔ یہ فرعونوں کے دور کی کسی لڑکی کی بدروح تھی۔

شام کو وہ کل کی طرح حکیم کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اُس کی حالت کیا ہوئی اور اُس نے کیسی آوازیں سنی ہیں۔ حکیم گہری سوچوں میں کھو گیا اور بولا ...... ''میرا شک یقین میں بدل گیا ہے۔ یہ بدروح ہے، گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی ایک تعویذ دوں گا پھر بدروح سے پوچھوں گا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ اس کے مطابق کچھ اور کروں گا، لیکن تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ یہ بدروح تمہارے ساتھ محبت کرتی ہے، اس لیے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم اُس جگہ جاتے رہنا۔ اگر تم نے اس بدروح سے بھاگنے کی کوشش کی تو نقصان کا خطرہ ہے''۔

حکیم نے اُسے ایک تعویذ دے دیا جو اُس نے اپنے بازو کے ساتھ باندھ لیا۔

''میں رات کو اپنا عمل کروں گا''۔ حکیم نے کہا...... ''کل صبح میرے پاس آنا تمہیں بتاؤں گا کہ بدروح کیا ہے۔ تم نے رونے کی جو آوازیں سنی ہیں وہ اسی بدروح کی ہیں۔ یہ بدروح شیطان نہیں، پھر بھی کوشش کروں گا کہ تمہیں اس سے

نجات مل جائے"۔

مہدی الحسن دل پر تذبذب اور ہیجان لے کر چلا گیا۔

☆

اگلے روز مہدی الحسن کو علی بن سفیان کی طرف سے کچھ اور ہدایات ملیں۔ وہ بھاگم بھاگ حکیم کے پاس گیا۔ حکیم جیسے اُسی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسے اندر لے گیا۔

"وہ تمہارے ساتھ صرف ایک ملاقات کرنا چاہتی ہے"۔ حکیم نے کہا..... "وہ تمہارے سامنے آئے گی۔ اپنا آپ دکھائے گی۔ تم اُسے دیکھ سکو گے۔ ہوسکتا ہے پہلے روز وہ تمہارے سامنے آئے اور غائب ہو جائے۔ وہ دوسری دُنیا کی مخلوق ہے۔ شاید اس دنیا کے انسانوں کے قریب آنے سے گریز کرے۔ اگر اُس نے ایسا ہی کیا تو تمہیں اگلے روز پھر جانا پڑے گا"۔

"کہاں؟"

"وہیں، جہاں تم ہر روز جاتے ہو"۔ حکیم نے کہا..... "جہاں تم نے مجھے دیکھا تھا تم وہاں رات کو جاؤ گے"۔

"آپ بھی ساتھ ہوں گے؟"

"نہیں"۔ حکیم نے کہا..... "اُس جہان میں گئی ہوئی روح صرف اُسے نظر آتی ہے جسے وہ چاہتی ہے، اور اگر کوئی گناہگار بدروح کسی انسان پر نظر رکھ لے تو اُسے فوراً مار ڈالتی ہے۔ یہ بدروح جو تمہیں ملنا چاہتی ہے، کسی کو پریشان کرنے والی نہیں۔ اُس کے رونے کو سمجھو۔ وہ مظلوم ہے۔ محبت کی پیاسی ہے۔ میں نے رات جب اُسے حاضر کیا تو وہ زار و قطار روئی اور اُس نے میری منت کی کہ اس شخص کو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بھیج دو، پھر ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی"۔

اگر یہ باتیں کوئی اور کر رہا ہوتا تو مہدی الحسن پر اتنا زیادہ اثر نہ ہوتا جتنا اُس نے قبول کیا۔ یہ باتیں اُس حکیم کے زبان سے نکل رہی تھیں جس سے مہدی الحسن کے بڑے حاکم بھی متاثر تھے..... وہ حکیم بھی تھا اور عالم بھی۔ اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جو سننے والے کی روح میں اُتر جاتا تھا۔ اُس نے مہدی الحسن کو یقین دلایا کہ رات کو اس بدروح کی ملاقات سے اُس پر کوئی خوف طاری نہیں ہوگا اور اُسے نقصان کی بجائے شاید کچھ فائدہ بھی ملے۔

"ایک احتیاط بھی ضروری ہے"۔ حکیم نے اُسے کہا..... "کسی کے ساتھ اس بدروح کے متعلق یا اُس کی ملاقات کے متعلق کوئی بات نہ کرنا، اگر تم نے یہ راز فاش کر دیا تو نقصان کا خطرہ ہے۔ تم اپنی دُنیا کے انسانوں کو دھوکہ دے سکتے ہو، عالمِ غیب میں گئی ہو روح کا راز فاش کرو گے تو میں بتا نہیں سکتا کہ تمہارے جسم کے کون سے دو اعضاء ہمیشہ کے لیے بے کار ہو جائیں گے۔ دونوں ٹانگیں سوکھ جائیں گی یا دونوں بازو یا دونوں آنکھیں بینائی سے محروم ہو جائیں گی۔ اب میں تمہیں جو بات بتانے لگا ہوں، یہ بھی ایک راز ہے۔ یہ راز تمہیں اس لیے دے رہا ہوں کہ تم عبرت حاصل کر سکو۔ یہاں کی فوج کے دو اعلیٰ رتبے کے کمان دار رات کے وقت مارے گئے ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس طرح مرے ہیں۔ مجھے دو تین بدروحوں نے بتایا ہے کہ انہیں بدروحوں نے مارا ہے۔ انہوں نے بدروحوں کے راز فاش کر دیئے تھے"۔

"وہ کس طرح؟" مہدی الحسن گنوار گڈریا اور صحرائی خانہ بدوش بنا ہوا تھا لیکن وہ دراصل جاسوس تھا۔ وہ ان دو کمان داروں کی موت کا سراغ لینا چاہتا تھا۔ اُس نے حکیم سے تفصیل پوچھی۔

"میں ایسی راز کی بات کسی کو بتا نہیں سکتا"۔ حکیم نے کہا..... "جتنی اجازت تھی، اتنی بتا دی ہے۔ تم بالکل خاموش رہنا۔ اپنے اس راز کے ساتھ واسطہ رکھو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ یہ بھی نہ سوچنا کہ میں تمہاری ذات میں کسی لالچ

اور کسی اُجرت کے بغیر اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہوں۔ میں ان روحوں اور بدروحوں کی خواہشات کا پابند ہوں۔ اگر میں انہیں ناراض کر دوں تو میرا علم بے کار ہو جائے اور بدروحیں میرا بھی وہی حشر کر دیں جو وہ اپنے دشمنوں کا کرتی ہیں۔ اس روح نے جو تمہیں دیکھ کر روتی ہے، مجھے کہا ہے کہ میں اس کے ساتھ تمہاری تھوڑی سی دیر کی ملاقات کرادوں تو میرا فرض ہے کہ اس کی خواہش پوری کروں''۔

''اگر میں اس سے نہ ملوں تو کیا ہوگا؟''

''وہ بدروح بن کر تمہاری روح پر اپنا سایہ کرے گی''۔ حکیم نے جواب دیا۔ ''تم نے مجھے اپنی جو تکلیف بتائی تھی، وہ کوئی جسمانی تکلیف نہیں۔ یہ روحانی عارضہ ہے۔ اس نے تم پر ابھی اپنا پورا اثر نہیں ڈالا تھا۔ تم کوئی نیک انسان ہو۔ تمہاری نیکی تمہارے کام آئی ہے۔ تم نے میرے ساتھ اس تکلیف کا ذکر کر دیا۔ خدائے ذوالجلال جس پر رحمت فرمانا چاہتے ہیں، اس کے لیے وہ کسی انسان کو سبب بنا دیتے ہیں۔ یہ کرشمہ اللہ کی ذات کا ہے کہ تم نے مجھے وہاں دیکھ لیا اور ہم دونوں ملے۔ اس رحمت سے ڈرو نہیں۔ اگر تم اس بدروح کی ملاقات کی خواہش کر دو گے تو وہ اس دُنیا میں تمہیں بہت فائدہ دے گی۔ ایک فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ نہایت خوب صورت لڑکی کے روپ میں گوشت پوست کا زندہ جسم بن کر تمہیں جب چاہو گے ملا کرے گی۔ تم اُسے بیوی بنا کر گھر رکھ سکتے ہو اور اگر وہ زیادہ مہربان ہوگئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں کسی فرعون کے مدفون خزانے کا بھید بتا دے اور ایسا ذریعہ پیدا کر دے کہ تم یہ خزانہ نکال کر اس بدروح کو ساتھ لے کر مصر سے کہیں دُور چلے جاؤ اور کسی خطے کے بادشاہ بن جاؤ''۔

''ملاقات کب ہوگی؟''

''آج رات چلے جاؤ''۔ حکیم نے کہا۔

حکیم نے اُسے ایک اور تعویذ دیا اور اُسے بہت سی ہدایات دیں۔ خطروں سے بھی آگاہ کیا اور فائدے بھی بتائے اور زور دے کر کہا کہ ڈرنا نہیں۔ وہاں پہنچنے کا وقت بھی بتایا جو رات تاریک ہو جانے کے کچھ دیر بعد کا تھا۔ مہدی الحسن عجیب وغریب سے تاثرات لے کر وہاں سے اُٹھا اور اپنی روزمرہ کی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ دن وہاں گزارا اور سورج غروب ہونے سے بہت پہلے واپس چلا گیا۔

☆

رات تاریک ہوئی تو وہ پھر وہاں موجود تھا مگر اب ڈیوٹی پر نہیں، بدروح کی ملاقات کے لیے گیا تھا۔ ایسی تاریک تنہائی اور ایسے سنسان ماحول میں اُسے خوف زدہ ہونا چاہیے تھا لیکن حکیم کی باتیں اُسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ اُس نے بازو کے ساتھ دو تعویذ باندھ رکھے تھے اور وہ اپنے طور پر کوئی وِرد بھی کر رہا تھا۔ وہ اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے حکیم نے بتائی تھی۔ یہ پہاڑیوں کے اندر تھی۔ درخت بھوتوں کی طرح نظر آرہے تھے۔ ماحول اس قدر خاموش تھا کہ مہدی الحسن کو اپنے دل کی دھڑکن بھی سنائی دے رہی تھی۔

اُسے رونے کی وہی آواز سنائی دی جو اُس نے دن کو سنی تھی۔ وہ اس آواز کی طرف چل پڑا۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ وہ ذرا سا چل کر رُک گیا۔ اب کے رونے کی آواز اس کے عقب سے آنے لگی۔ یہ بھی دُور تھی۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اس جگہ سے وہ واقف تھا، اس لیے آسانی سے چلا جا رہا تھا۔ یہ آواز بھی خاموش ہوگئی۔

مہدی الحسن نے بلند آواز سے کہا...... ''مجھے اپنا آپ دکھاؤ گی یا اسی طرح ڈراتی رہو گی؟''

اُسے اپنے یہی الفاظ صاف سنائی دیئے۔ اگر اُسے یہ علم نہ ہوتا کہ یہ اُس کی اپنی صدائے بازگشت ہے تو وہ ڈر کے مارے بھاگ جاتا۔ یہ صحرائی پہاڑیاں تھیں جو دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان میں زیادہ تر عمودی اور کچھ ڈھلانی تھیں۔ مہدی الحسن کو اپنی آواز تین چار بار سنائی دی۔ اُس کی آواز ماحول اور فضا میں گھومتی اور تیرتی محسوس ہوتی تھی۔

اس آواز کی گونج تاریک فضا میں تحلیل ہوگئی تو اُسے ایک نسوانی آواز سنائی دی...... ''مجھ سے ڈرو نہیں، آگے آؤ''...... یہ آواز دُور سے آئی تھی۔ یہ اُسے کئی بار سنائی دی اور آہستہ آہستہ ختم ہوگئی۔

آواز پھر آئی...... ''اب بے وفائی نہ کرنا، میں دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں''۔

مہدی الحسن کو یہ الفاظ کئی بار سنائی دیئے، پھر مہدی الحسن کی آواز اُبھری اور بار بار سنائی دینے کے بعد خاموش ہوگئی۔ اس طرح دونوں طرف سے آوازیں اُبھرتی، بھٹکتی اور گونجتی رہیں۔ بدروح کی آواز میں التجا تھی جس سے مہدی الحسن کا خوف دُور ہوگیا۔ وہ ان پہاڑیوں میں اندر تک چلا گیا۔ اُسے سامنے روشنی کی چمک دکھائی دی جو آسمانی بجلی کی طرح چمکی اور بجھ گئی۔ اس چمک میں اُس نے دیکھ لیا کہ وہ کہاں ہے۔ اُسے اس چمک میں اُس سرنگ کا دہانہ نظر آیا تھا جس میں گزر کر وہ ایک بار دوسری طرف گیا تھا۔ وہ وہیں رُک گیا۔

کچھ دیر بعد روشنی پھر چمکی اور اس میں اُسے سرنگ کے دہانے میں کوئی انسان کھڑا نظر آیا۔ روشنی جانے کہاں سے آرہی تھی۔ یہ اتنی لمبی چوڑی تھی کہ دہانے میں کھڑا انسان صاف نظر آتا تھا۔ وہ اس سے کم وبیش پچاس قدم دُور تھا۔ اُس نے غور دیکھا۔ چہرہ بڑی ہی خوب صورت لڑکی کا تھا۔ صرف چہرہ نظر آتا تھا۔ باقی سارا جسم سفید کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ مہدی الحسن ڈرنے لگا۔ اُسے نسوانی آواز سنائی دی...... ''مجھ سے ڈرو نہیں۔ دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں''۔

وہ آگے بڑھا۔ چند قدم چلا ہوگا کہ کفن سے ایک بازو باہر آیا جو مہدی الحسن کی طرف بڑھا۔ ہاتھ کی ہتھیلی اس طرح آگے ہوئی جیسے اشارہ کیا ہو کہ آگے نہ آنا۔ مہدی الحسن وہیں رُک گیا۔ روشنی بجھ گئی۔ وہ اس انتظار میں کھڑا رہا کہ روشنی ایک بار پھر چمکے گی اور اُسے کفن میں لپٹی ہوئی یہ لڑکی نظر آئے گی مگر اُسے آواز سنائی دی۔ ''تم پر اعتبار کون کرے، چلے جاؤ، چلے جاؤ''۔

''مجھ پر اعتبار کرو''۔ مہدی الحسن نے کہا اور آگے کو دوڑا۔ وہ پکارتا جا رہا تھا۔ ''میں تمہاری خاطر آیا ہوں۔ میرے قریب آؤ''۔

وہ سرنگ کے دہانے میں جا رُکا۔ اُسے سرنگ کے اندر سے آواز سنائی دی...... ''کل آنا، چلے جاؤ، تم فانی دُنیا کے انسان ہو، تمہارے وعدے بھی فانی ہیں''۔

مہدی الحسن سرنگ کے اندر چلا گیا اور آگے ہی آگے چلتا گیا۔ اُسے سرنگ کا دوسرا دہانہ دکھائی دیا۔ سرنگ کے اندر کی نسبت باہر تاریکی کم تھی۔ اس لیے سرنگ کا دہانہ نظر آرہا تھا۔ سرمئی سی اس روشنی میں ایک لمبوترا سا سایہ دکھائی دیا جو فوراً غائب ہوگیا۔ یہ کفن میں لپٹی ہوئی لڑکی جیسا تھا۔ مہدی الحسن دوڑ پڑا۔ ٹھوکر کھا کر گرا اور اُٹھ کر پھر دوڑا۔ اگلے دہانے میں جا کر اُس نے آوازیں دیں مگر اُسے اپنی ہی پکار کی صدائے بازگشت کے سوا کوئی جواب نہ ملا۔ رونے کی آواز بھی نہ اُبھری۔ بدروح نے بھی اُسے نہ پکارا۔ وہ مایوس ہو کر واپس چل پڑا۔ ابھی وہ سرنگ کے وسط ہی میں تھا کہ اُسے سرنگ کے سامنے والے دہانے میں روشنی دکھائی دی، مگر اس روشنی میں کفن میں لپٹی ہوئی لاش نہیں تھی۔

روشنی بجھ گئی۔ مہدی الحسن سرنگ سے نکل گیا۔ اُسے سامنے اور ذرا بائیں کو بلندی پر روشنی کا دھوکہ ہوا مگر وہ کسی اور طرح کی روشنی تھی جیسے کسی نے کھڈ میں چٹان کے پیچھے آگ جلا رکھی ہو۔ مہدی الحسن نے کچھ سوچا اور اُدھر کو چل پڑا جدھر سے

آیا تھا۔ وہ اس پہاڑی علاقے سے نکل گیا۔ اُس کا اونٹ باہر بندھا تھا۔ وہ اونٹ پر سوار ہوا اور قاہرہ کی سمت روانہ ہوگیا۔ اس کی ذہنی کیفیت ایسی تھی جس میں ڈر اور خوف نہیں بلکہ اضطراب اور ہیجان تھا۔ وہ ان دو روشنیوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ایک وہ جس میں اُسے کفن میں لپٹی ہوئی لاش نظر آئی تھی اور دوسری وہ جو اُسے بلندی پر دکھائی دی تھی۔ بلندی والی روشنی آگ کی تھی۔

وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ رات بہت گزر گئی تھی پھر بھی اُسے نیند نہ آئی۔ بار بار کفن میں لپٹی ہوئی لڑکی کا چہرہ اُس کے سامنے آتا تھا اور یہ ارادہ اُسے تڑپا دیتا کہ وہ رات وہیں گزارے اور اس لڑکی کو قریب سے دیکھ کر لوٹے۔

☆

عادت کے مطابق وہ صبح وقت پر اُٹھا۔ مشین کی طرح روزمرہ کے کام کیے۔ علی بن سفیان کے پاس جا کر نئی ہدایات لیں جن میں ایک یہ تھی کہ اس علاقے میں اس کی ڈیوٹی ختم کر دی گئی تھی۔ اُسے شہر کے باہر کسی اور جگہ جانے کو کہا گیا۔

''مجھے ابھی وہیں جانے دیں جہاں اتنے دنوں سے جا رہا ہوں''۔ مہدی الحسن نے کہا ..... ''مجھے توقع ہے کہ ان پہاڑیوں میں مجھے کچھ مل جائے گا۔ میں دو تین روز بعد آپ کو بتا سکوں گا کہ یہ علاقہ صاف ہے یا نہیں''۔

علی بن سفیان اس کے مشوروں کو نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ وہ کوئی عام قسم کا جاسوس نہیں تھا۔ اس شعبے کا عہدے دار تھا اور تجربے کے لحاظ سے وہ قابلِ اعتماد تھا۔ کچھ دیر کی بحث اور غور و خوض کے بعد علی بن سفیان نے اپنے اسی علاقے میں جانے کی اجازت دے دی۔ مہدی الحسن بدروح سے ملے بغیر اس علاقے کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اُس نے فرض پر اپنی ذاتی خواہش کو ترجیح دی تھی۔ علی بن سفیان کو ذرا سا بھی شک ہوتا کہ وہ کسی اور چکر میں اپنی ڈیوٹی بدلنے سے گریز کر رہا ہے تو اُسے کبھی نہ جانے دیتا۔ ایک تجربہ کار جاسوس اور سراغ رساں اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال رہا تھا جس میں اس کی جان ضائع ہو سکتی تھی۔

مہدی الحسن حکیم کے پاس گیا اور اُسے رات کی واردات سنائی۔ حکیم نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بُڑبُڑاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولیں اور مہدی الحسن کی آنکھوں میں جھانکا۔

''آج رات پھر جاؤ''۔ حکیم نے اُسے کہا..... ''اُس پاک جہان کی مخلوق اس ناپاک دُنیا کے کسی انسان کے قریب آنے سے ڈرتی ہے۔ تم کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا۔ شاید آج بھی ذرا سی دیر نظر آ کر وہ غائب ہو جائے، تم بے صبر نہ ہو جانا۔ وہ تمہیں ملنے کو بے تاب ہے، ضرور ملے گی۔ اگر اس ملاقات میں تمہارا فائدہ نہ ہوتا تو میں تمہیں وہاں نہ بھیجتا۔ تمہاری جان کو بھی کوئی خطرہ نہیں''۔

مہدی الحسن چلا گیا۔ اُس علاقے میں گھوما پھرا۔ سرنگ کے اندر گیا۔ دوسری طرف گیا۔ سرنگ کے دہانے سے نیچے اُتر گیا۔ اُسے زمین پر کپڑے کی ایک پٹی پڑی نظر آئی۔ اُس نے اُٹھا لی۔ یہ نصف انچ چوڑی اور کوئی نصف گز لمبی ہوگی۔ اسے وہ دیکھتا رہا اور اپنے پاس رکھ لی۔ وہ پھر سرنگ میں داخل ہوا اور باہر آ گیا۔ اُس نے اُس بلندی کی طرف دیکھا جہاں رات اُسے آگ کا دھوکہ ہوا تھا۔ اُدھر ڈھلان تھی۔ وہ سرنگ سے نکل کر ڈھلان پر چڑھنے لگا۔ اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی..... ''اوپر نہ جانا، جس کے لیے تم آئے ہو وہ تمہیں رات کو ملے گی'' ..... یہ آواز گونج بن کر بار بار سنائی دینے لگی۔

''ہماری دُنیا میں آ کر کھوج نہ لگاؤ''۔ وہی آواز پھر سنائی دی۔

مہدی الحسن رُک گیا۔ اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے یہ آواز اُس کے اِردگرد گھوم رہی ہے۔ وہ اوپر نہ گیا۔ حیرت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اس نے سوچا کہ وہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے یہاں کی کوئی بدروح اُسے نقصان

پہنچادے۔ وہ اس جگہ سے باہر چلا گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اس جگہ کی حقیقت کیا ہے۔ دن اسی سوچ میں گزر گیا اور وہ رات کو یہیں واپس آنے کے لیے چلا گیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد جب وہ اس پہاڑی خطے میں جانے لگا تو وہی بھیس بدلا جس میں وہ وہاں جایا کرتا تھا۔ دن کے وقت جب وہ ڈیوٹی پر جاتا تھا تو اپنا لمبا خنجر ساتھ لے جاتا تھا۔ حکیم نے اُسے بڑی سختی سے کہا تھا کہ وہ رات کو جب بدروح سے ملنے جائے تو اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائے۔ گزشتہ رات وہ خنجر اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اب شام کو وہ بدروح کی ملاقات کے لیے جارہا تھا۔ اُس نے گڈریوں کا بھیس بدل لیا۔ خنجر دیوار کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ اُس نے خنجر کو دیکھا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔ ہدایت کے مطابق اُسے خنجر ساتھ نہیں لے جانا تھا لیکن اُس نے گہری سوچ سے بیدار ہو کر خنجر دیوار سے اُتار لیا۔ اپنے کپڑوں کے اندر کمر کے ساتھ باندھ لیا اور باہر نکل گیا۔

اُس جگہ پہنچ کر اُس نے اونٹ کو بٹھا دیا اور اُس جگہ چلا گیا جہاں سے سرنگ کا دہانہ نظر آتا تھا۔ اُسے اپنے عقب میں کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو فوراً خاموش ہوگئی۔ اُس کے فوراً بعد اوپر سے پتھر لڑھکنے کی آواز آئی جو ایسی بلند تو نہیں تھی، لیکن ایسے سکوت اور ایسی وادیوں میں جو عمودی پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھیں، یہ آواز لڑھکتے پتھر ساکن ہو جانے کے بعد بھی سنائی دیتی رہی، پھر گونج بن کر فضا میں تیرنے لگی، جیسے کوئی سسکیاں اور ہچکیاں لے رہا ہو۔ ذرا اور وقت گزار تو مہدی الحسن کو رونے کی آوازیں سنائی دیں۔

''میرے سامنے آؤ''۔ مہدی الحسن نے بلند آواز سے کہا...... ''میری دُنیا ناپاک ہے، میں ناپاک نہیں ہوں''۔

''تم مجھے پھر چھوڑ کر چلے جاؤ گے''۔ یہ نسوانی آواز کہیں قریب سے آئی۔

مہدی الحسن کی آواز اور یہ نسوانی آواز یوں بار بار سنائی دینے لگی جیسے ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑ رہی ہوں۔ روشنی چمکی اور بجھ گئی جس سے مہدی الحسن کو سرنگ کا دہانہ نظر آیا۔ وہ دبے پاؤں تیز قدم آگے چلا گیا اور سرنگ کے دہانے سے ذرا نیچے ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپ گیا۔ اُس نے اُدھر اوپر دیکھا جہاں گزشتہ رات اُسے آگ کا دھوکہ ہوا تھا۔ وہ دھوکہ آج بھی موجود تھا۔ سرنگ کا دہانہ ذرا بلند تھا۔ وہ پیٹ کے بل سرکتا اوپر چلا گیا اور وہ چند لمحوں بعد دہانے کے اندر تھا۔ وہاں سے اُس نے چھپ کر اُدھر اوپر دیکھا جدھر اُسے آگ کا دھوکہ نظر آیا تھا۔ اب چونکہ وہ خود بھی بلندی پر تھا، اس لیے اُسے وہاں آگ کی ایسی روشنی دکھائی دی جس کا شعلہ کہیں چھپا ہوا تھا۔

اُسے سرنگ کے اندر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی...... ''دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ آگے آؤ''۔

مہدی الحسن سرنگ کی دیوار کے ساتھ ساتھ اور اندر کو چل پڑا۔ اُسے خیال آیا کہ حکیم نے اُسے کہا تھا کہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جانا، ورنہ اس لڑکی کی روح سامنے نہیں آئے گی۔ اُس کے پاس ڈیڑھ فٹ لمبا خنجر تھا اور بدروح بول رہی تھی۔ وہ اور آگے چلا گیا اور سرنگ کے وسط میں پہنچ گیا۔ سرنگ فراخ تھی۔ اُسے کوئی آتا محسوس ہوا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اس کے قریب سے کوئی گزرنے لگا۔ اتنے گھپ اندھیرے میں بھی اُس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ وہی لڑکی ہے اور یہ کفن میں لپٹی ہوئی ہے۔ لڑکی رُک گئی اور اس نے رونے کی آواز نکالی۔ مہدی الحسن نے یہ آواز پہلے کئی بار سنی تھی۔ اُس کا دِل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔

کفن میں لپٹی ہوئی لاش آگے کو سرکی۔ عین اُس وقت دہانے پر روشنی چمکی اور بجھ گئی۔ مہدی الحسن اُٹھا اور بجلی کی تیزی سے پیچھے سے لاش کو دبوچ لیا۔ لاش کی آواز سنائی دی...... ''او بدبخت، تمہیں کس وقت مذاق سوجھا ہے۔ چھوڑو

مجھے، شکار انتظار میں کھڑا ہے''۔

مہدی الحسن نے جس شک میں جان کی بازی لگا کر اُسے پکڑا تھا، وہ شک صحیح ثابت ہوا۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ یہ بدروح ہوئی تو اُس کے ہاتھ نہیں آئے گی اور اُس کی جان نکال لے گی اور اگر یہ کوئی دھوکہ ہوا تو اُسے بڑا موٹا شکار مل جائے گا۔

کفن میں لپٹی ہوئی اس عورت کی آواز سنتے ہی مہدی الحسن سرگوشی میں بولا ...... ''اونچی آواز نکالی تو خنجر ایک پہلو میں گھونپ کر دوسرے پہلو سے نکال دوں گا''۔

''میں تمہارا دل اور کلیجہ منہ کے راستے نکال کر کھا جاؤں گی''۔ عورت نے کہا ...... ''میں روح ہوں''۔

مہدی الحسن نے اُسے ایک بازو سے دبوچ رکھا اور دوسرے ہاتھ سے خنجر نکال کر اُس کی نوک عورت کے پہلو میں رکھ دی۔ سرنگ کے سامنے والے دہانے پر ایک بار پھر روشنی چمکی۔ مہدی الحسن کا اُدھر جانا پُر خطر تھا۔

''میں اسی لیے تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی کہ تم فریبی اور فانی دُنیا کے انسان ہو''۔ عورت نے رُندھی ہوئی اور اثر انگیز آواز میں کہا ...... ''دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں''۔

''تمہارا انتظار ختم ہوگیا ہے''۔ مہدی الحسن نے کہا ...... ''اب تم روحوں کی پاک دُنیا میں واپس نہیں جاؤ گی۔ تم اب میری ناپاک دُنیا کی عورت ہو''۔

''میں عورت نہیں''۔ اس نے کہا ...... ''میں جوان لڑکی ہوں۔ میں حسین لڑکی ہوں۔ میں اونچا نہیں بولوں گی۔ میری بات غور سے سن لو۔ میں جانتی ہوں تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔ تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ میں نے تمہیں حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا اور یہ طریقہ اختیار کیا ہے''۔

''تو چلو میرے ساتھ''۔ مہدی الحسن نے کہا۔

''نہیں''۔ لڑکی نے کہا ...... ''تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارے ساتھ گئی تو ہم دونوں بھوکے مریں گے۔ تم میرے ساتھ آئے تو فرعونوں کا خزانہ ہمارا ہوگا۔ پھر تمہیں ویرانوں میں بھٹکتے پھرنے اور تھوڑی سی تنخواہ کے عوض جاسوسی کرتے پھرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''خزانہ نکال رہے ہیں''۔ لڑکی نے کہا ...... ''میں بہت سے آدمیوں کے ساتھ ہوں''۔

''وہ سب کہاں ہیں؟''

''میرے ساتھ چلو، سب تمہارا استقبال کریں گے''۔ لڑکی نے کہا ...... ''مجھے روشنی میں دیکھو گے تو خزانوں کو اور اپنی دُنیا کو بھول جاؤ گے''۔

مہدی الحسن جو خوشبو اس لڑکی کے جسم سے سونگھ رہا تھا، وہ اُس پر خمار طاری کر رہی تھی۔ اُس نے اِس لڑکی کو جب اپنے بازوؤں میں دبوچا تھا تو اُس نے محسوس کرلیا تھا کہ یہ جسم ایمان خریدنے کا اثر رکھتا ہے۔ لڑکی کی آواز میں ترنم تھا۔ اس پر نشہ طاری ہو چکا تھا۔ اُس لمحے سرنگ کے دہانے پر روشنی پھر چمکی۔ مہدی الحسن بیدار ہوگیا۔ اُس نے لڑکی سے یہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کہ اُس کے آدمی سرنگ کے پیچھے بھی ہیں یا نہیں۔ سامنے کے دہانے کی طرف وہ نہیں جانا چاہتا تھا، کیونکہ اُدھر کے متعلق اُسے یقین تھا کہ اُدھر آدمی ہوں گے اور روشنی کا انتظام تو اُدھر تھا ہی۔

''اُٹھو''۔ اس نے لڑکی کو اُٹھایا اور کہا ...... ''کفن اُتار دو''۔

لڑکی نے کفن اُتار دیا۔ مہدی الحسن نے کفن سے لمبی اور چوڑی پٹیاں پھاڑیں۔ ایک سے لڑکی کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیئے۔ دوسری پٹی سے اُس کی ٹانگیں ٹخنوں کے قریب سے باندھیں۔ تیسری پٹی اُس کے منہ پر باندھ کر اُسے کندھے پر ڈال لیا۔ خنجر ہاتھ میں رکھا اور وہ سرنگ کے پچھلے دہانے کی طرف چل پڑا۔ اُسے وہاں سے بہت جلدی نکلنا تھا۔

☆

گزشتہ رات جب مہدی الحسن یہاں آیا تھا تو وہ بدروح سے ہی ملنے آیا تھا۔ سرنگ کے دہانے پر وہ روشنی کی چمک میں اُسے نظر آئی اور غائب ہوگئی تھی۔ مہدی نے دہانے پر جا کر ایک تو دہانے کے سامنے بلندی پر روشنی سی دیکھی تھی اور پھر وہ سرنگ کے اندر گیا تو اس نے دوسرے دہانے میں سے ایک سایہ سا باہر جاتے دیکھا تھا۔ دن کے وقت وہ پھر سرنگ میں سے گزر کر دوسری طرف گیا تو اُسے کپڑے کی ایک باریک سی پٹی زمین پر پڑی نظر آئی تھی۔ اُسے پٹی دیکھتے ہی یاد آ گیا کہ میت پر کفن ایسی ہی پٹیوں سے باندھا جاتا ہے۔ وہ چونکہ علی بن سفیان کا تربیت یافتہ جاسوس تھا، اس لیے وہ ذرا ذرا سی چیزوں اور لطیف سے اشاروں کو بہت اہمیت دے رہا تھا۔ وہ جب آج رات بدروح کی ملاقات کے لیے چلا تھا تو اُس نے حکیم کے منع کرنے کے باوجود خنجر ساتھ لے لیا تھا۔ یہ آزمائش کا ایک طریقہ تھا۔ خنجر کے باوجود بدروح آ گئی۔

اس نے دلیری یہ کی کہ آج دہانے پر روشنی نظر آتے ہی وہ دہانے میں چلا گیا اور وہاں سے اس نے بلندی پر دیکھا۔ وہاں آگ کا چھپا ہوا شعلہ تھا۔ دہانے پر چمک وہیں سے آتی تھی۔ مہدی الحسن کو دو واقعات یاد آ گئے۔ صلیبیوں کے ایجنٹوں نے مصر کے ایسے ہی پہاڑی علاقوں میں مصر کے دیہاتیوں کو توہمات میں اُلجھانے اور انہیں اثر میں لینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ ایک پہاڑی پر بڑے شعلے والی مشعل جلا کر چھپا رکھی تھی۔ اس کے سامنے لکڑی کا ایسا تختہ رکھتے تھے جس پر براق چپکا ہوا تھا۔ دوسرے واقعہ میں چمکیلی دھات کی چادر استعمال کی گئی تھی۔ ابرق یا دھات کی چمک سامنے والی پہاڑی پر پڑتی تھی۔ مشعل اور چادر کے درمیان ایک اور تختہ رکھتے تو چمک بجھ جاتی تھی۔ یہ مشعل اور چمکیلی چادر ایسی جگہ رکھی جاتی جہاں سے یہ لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں۔

ان دونوں وارداتوں میں صلیبی ایجنٹ پکڑے گئے اور ان کا یہ طریقہ بے نقاب ہو گیا تھا، ورنہ سیدھے سادے لوگ اسے غیب کی چمک سمجھتے تھے۔ ان دونوں وارداتوں پر چھاپہ مارنے والوں میں مہدی الحسن بھی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ سرنگ کے بالکل بالمقابل پہاڑی پر جو آگ کا دھوکہ سا ہوتا ہے، وہ مشعل چھپی ہوئی ہے اور سرنگ کے دہانے پر اسی کی چمک پھینکی جاتی ہے۔

اُسے ٹریننگ کے دوران بتایا گیا تھا کہ جو انسان مر جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس دُنیا سے تعلق توڑ جاتا ہے۔ خدا اُس کی روح کو یوں بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیتا کہ وہ انسانوں کے پیچھے دوڑتی پھرے۔ جو مر جاتے ہیں وہ نہ جسمانی طور پر واپس آتے ہیں، نہ روح یا بدروح کی شکل میں۔ مہدی الحسن کو ٹریننگ میں یہ اٹل حقیقت ذہن نشین کرائی گئی تھی کہ انسان کو خدا نے اتنی زیادہ جسمانی اور روحانی قوت عطا کی ہے جو پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے۔ ایمان جتنا مضبوط ہوگا، یہ قوت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ جنات اور بھوت اور چڑیلیں انسان کے اپنے ذہن کی تخلیق ہیں۔ صلیبی ہمارا ایمان کمزور کرنے کے لیے ہم پر واہمے اور توہمات طاری کر رہے ہیں۔

یہ سبق قوم کے ہر فرد کو ملنا چاہیے تھا لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ سلطان ایوبی نے لڑاکا جاسوسوں (کمانڈوز) کے جو دستے تیار کیے تھے، انہیں بڑی کاوش سے ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ ایمان کی قوت کیا ہوتی ہے۔ انہیں توہمات سے دُور رکھا گیا تھا۔ انہیں عملی سبق بھی دیئے گئے تھے۔

"صلیبیوں نے تمہارے سامنے حضرت عیسیٰ کو زمین پر اُتارا تھا"۔ مہدی الحسن کو علی بن سفیان کا ایک سبق یاد آ گیا تھا۔ "تمہارے سامنے خدا کو بھی انہوں نے زمین پر اُتارا تھا۔ وہ بدروحوں کو بھی لائے۔ تم نے یہ فریب کاری اپنی آنکھوں دیکھی تھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ یہ فریب کاری کیسی کاریگری سے کی جارہی تھی۔ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ شعبدہ بازی تھی۔ یہ اسلامی نظریات کو مجروح اور مسخ کرنے کی کوششیں تھیں جو تم نے ناکام کیں۔ خدا پہلے ہی زمین پر موجود ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ کوئی پیغمبر واپس نہیں آئے گا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمیں اپنا نور دکھا دیا ہے۔ صلیبی اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلمان کے سینے میں اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قرآن کا یہ نور بجھ جائے"۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج اور خصوصاً اپنے جانباز دستوں کے دلوں میں یہ اصول پیوست کر رکھا تھا..... "اللہ کے نام پر تم جو بھی خطرہ مول لو گے، وہ تمہارے لیے خطرہ نہیں رہے گا، کیونکہ تمہیں خدا کی خوشنودی اور مدد حاصل ہوگی۔ اگر آج تم توہم پرستی کا شکار ہو گئے تو تمہاری اگلی نسل کا ایمان اتنا کمزور ہوگا کہ وہ کفر کے آگے ہتھیار ڈال دے گی"۔

ایسے ہی کچھ اور سبق تھے جو مہدی الحسن کو یاد آ گئے تھے۔ اُسے اپنی اہمیت کا بھی احساس ہو گیا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ معمولی عہدے یا درجے کا جاسوس نہیں تھا۔ اس کی قابلیت اور تجربہ بھی غیر معمولی تھا۔ دشمن کے تخریب کار اُسے قتل کر سکتے تھے۔ اسی علاقے میں اُسے دُور سے تیر مار سکتے تھے، لیکن اُس کے پائے کے جاسوسوں کو دشمن زندہ پکڑنے یا اپنے جال میں پھانس کر اس پر اپنا طلسم طاری کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ صلیبیوں اور حشیشین کے پاس ایسے طریقے تھے جن سے وہ کسی بھی انسان کے ذہن پر قبضہ کر کے اسے اپنے حق میں استعمال کر سکتے تھے۔ مہدی الحسن اُن کے کام کا انسان تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ انہوں نے صرف اس کو پکڑنے کے لیے اس پہاڑی علاقے میں یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ اس علاقے میں کسی جگہ انہوں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ مہدی الحسن کو انہوں نے گڈریے کے روپ میں بھی پہچان لیا تھا۔ چنانچہ اسے پھانسنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔

☆

مہدی الحسن لڑکی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے کندھے پر اُٹھائے سرنگ کے دوسرے دہانے کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے سارے سبق یاد آ گئے تھے اور اس کے گرد سلطان ایوبی کی آواز گونج رہی تھی ..... "جس طرح ایک غدار پوری قوم کو ذلت و رسوائی میں ڈال سکتا ہے، اسی طرح ایک حریت پسند جانباز پوری قوم کو بڑے سے بڑے خطرے سے بچا سکتا ہے"۔

مہدی الحسن کے دل میں یہ احساس ایک بڑا ہی مضبوط جذبہ بن کر بیدار ہو گیا کہ اس کی قوم جو گہری نیند سو رہی ہے، وہ اُسی کے بھروسے پر سو رہی ہے۔ وہ جاسوسوں کی زمین دوز جنگ کا جانباز تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ قوم بہت بڑے لشکر کا اور گھوڑ سواروں کے طوفان کا اور تیروں کی بوچھاڑوں کا مقابلہ کر سکتی ہے لیکن دشمنوں کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کا مقابلہ صرف ایک یا دو جاسوس ہی کر سکتے ہیں۔ مہدی الحسن مصر اور اپنی قوم کا واحد پاسبان اور سلامتی کا ضامن بن گیا مگر ایک سوال اسے پریشان کر رہا تھا..... "کیا حکیم بھی دشمن کے تخریب کاروں کے گروہ کا فرد ہے؟"

اُس کا ذہن تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اتنا عالم، معزز اور صاحبِ حیثیت طبیب جس کی عزت حکام بالا بھی کرتے تھے، دشمن کا ساتھی ہو سکتا ہے۔ اُسے یاد آیا کہ اُسے جو سبق دیئے گئے تھے اور اس کے اپنے جو تجربے اور مشاہدے تھے، اُن سے اُس پر یہ حقیقت واضح ہوئی تھی کہ ایمان فروشی کا عہدے اور رُتبے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اُس نے دیکھا یہ تھا کہ ایمان کا سودا عموماً اونچے رُتبے کے لوگ کرتے ہیں اور زیادہ بڑا بننے کے لالچ میں آ کر بعض انسان ایمان گروی رکھ دیتے ہیں۔

اُس کے سامنے اب مسئلہ یہ تھا کہ لڑکی کو ساتھ لے کر وہ کس طرف سے باہر نکلے اور اپنے اونٹ تک پہنچے۔ لڑکی سے وہ اس لیے راہنمائی نہیں لینا چاہتا تھا کہ وہ اُسے غلط راستے پر ڈال کر کسی اور جال میں پھانس سکتی تھی۔ وہ جس راستے سے آیا تھا، اُس راستے کو وہ اب مسدود سمجھتا تھا۔ روشنی پھینکنے والوں نے دہانے پر دو تین بار روشنی پھینکی تھی مگر لڑکی کو مہدی الحسن نے سرنگ میں دبوچ رکھا تھا۔ لڑکی کی وہ آواز بھی بند ہوگئی تھی جو مہدی الحسن کو بدروح کا تاثر دیتی تھی۔ ان حالات میں اُسے یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ اُدھر اس گروہ کے آدمی نیچے اُتر آئے ہوں گے۔ سرنگ کی دوسری طرف اُسے معلوم نہیں تھا کہ کسی طرف سے باہر جانے کا راستہ ہے یا نہیں۔

وہ لڑکی کو اُٹھائے سرنگ سے باہر نکل گیا۔ ایک طرف دہانے سے کچھ دُور جا کر اُس نے لڑکی کو زمین پر بٹھا دیا اور اُس کے منہ سے پٹی کھول کر کہا...... ''کیا تم بتاؤ گی کہ میں کس طرف سے جاؤں، جدھر تمہارا کوئی آدمی نہ ہو؟''

''اگر تم اکیلے جاؤ تو بتا سکتی ہوں''۔

''تم میرے ساتھ چلو گی''۔ مہدی الحسن نے کہا...... ''مجھے پھانسے کی کوشش کرو گی تو میں اپنے آپ کو زندہ نہیں رہنے دوں گا، نہ تمہیں زندہ چھوڑوں گا''۔

''میں تمہیں وہ راز بتا دوں جو تم جاننا چاہتے ہو تو اکیلے چلے جاؤ گے؟''

''میں وہ راز جان چکا ہوں''۔ مہدی الحسن نے کہا...... ''مجھے راستہ بتاؤ''۔

''مجھے صرف ایک بار روشنی میں دیکھ لو''۔ لڑکی نے کہا...... ''پھر مجھے اپنا سمجھنا، ایک بار میرے ساتھ چلے چلو، میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہی''۔

لڑکی نے مہدی الحسن کی مردانگی کو بھڑکانے کے جتن کیے۔ زر و جواہرات کے لالچ بھی دیئے مگر اُسے راستہ نہ بتایا۔ مہدی الحسن نے پٹی سے اُس کا منہ بند کر دیا اور خود ہی ایک محفوظ راستہ سوچ لیا۔ یہ راستہ پہاڑیوں کے اوپر تھا۔ اُس نے لڑکی کو وہیں بیٹھے رہنے دیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ نیچے کسی کی آواز سن کر وہ وہیں دبک گیا۔ کوئی مرد اس لڑکی کو پکار رہا تھا۔ مہدی الحسن آہستہ آہستہ نیچے آگیا اور لڑکی کے قریب ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس آدمی نے لڑکی کو شاید دیکھ لیا تھا۔

''تم بولتی کیوں نہیں؟''...... اُس آدمی نے پوچھا اور اوپر آنے لگا۔ لڑکی کا منہ بند تھا۔ وہ آدمی اس کے قریب آبیٹھا اور بولا...... ''کیا ہوا ہے تمہیں؟ اُدھر نہیں گئی؟''

مہدی الحسن اُس کے عقب میں تھا۔ فاصلہ دو چار قدم تھا۔ اُس نے اُٹھ کر اُس آدمی کی پیٹھ میں خنجر کا بھرپور وار کیا۔ فوراً بعد دوسرا وار کیا۔ جوان آدمی کے دونوں وار دُور تک اُتر گئے۔ اس آدمی کی آواز بھی نہ نکلی۔ مہدی الحسن نے اُسے گھسیٹ کر اُس پتھر کے نیچے پھینک دیا جس کے پیچھے وہ چھپا تھا۔ اُس نے لڑکی کو کندھے پر ڈالا اور پہاڑی پر چڑھ گیا۔ یہ کوئی اونچی پہاڑی نہیں تھی۔ اوپر سے چوڑی تھی۔ وہ اس پر چلنے لگا۔ اس کے لیے آسان طریقہ یہ تھا کہ رات بھر کہیں چھپا رہتا اور دن کی روشنی میں نکل جاتا، لیکن اُس کی کوشش یہ تھی کہ بہت جلد قاہرہ پہنچ جائے، تاکہ حکیم کی گرفتاری اور اس علاقے کو محاصرے میں لینے کا انتظام صبح سے پہلے ہو جائے۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا جہاں مشعل کی روشنی تھی۔ اب چونکہ وہ خود بلندی پر تھا، اس لیے اُسے بالمقابل بلندی پر مشعل صاف نظر آرہی تھی۔ ایک آدمی دونوں ہاتھوں میں آئینے کی طرح چمکتی چادر (دھات کی یا ابرق کی) اُٹھائے اِدھر اُدھر عکس مار رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ مہدی الحسن کے لیے اوپر اوٹ تھی۔ وہ اس کی مدد سے روشنی سے بچتا

آگے ہی آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ مشعل اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

☆

اسی پہاڑی خطے میں دُور اندر جہاں تک کوئی مسافر اور کوئی گڈریا نہیں پہنچ سکتا تھا، ایک پہاڑی کے دامن میں غار کا تنگ سا دہانہ تھا۔ اس کے پیچھے غار اتنا وسیع تھا جو غار نہیں بلکہ بہت ہی کشادہ کمرہ تھا۔ اس میں بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ دو لڑکیاں بھی تھیں۔

''اب تک اُسے واپس آ جانا چاہیے تھے''...... ایک آدمی نے کہا۔

''آ جائے گی'' ایک اور نے کہا...... ''یہاں کون سا خطرہ ہے۔ آج وہ اُسے لے کے ہی آئے گی''۔

''آدمی کام کا ہے''...... ایک نے کہا...... ''کمبخت بہت تجربہ کار ہے۔ ہم اسے تیار کر لیں گے''۔

اتنے میں ایک آدمی دوڑتا اندر آیا اور بولا ...... ''گوپل مرا پڑا ہے اور لڑکی کا کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ کہاں ہے۔ گوپل کو خنجروں سے ہلاک کیا گیا ہے''۔

''وہ (مہدی الحسن) کہاں ہے؟''...... کسی نے پوچھا۔

''کہیں نظر نہیں آ رہا''...... اُسے جواب ملا...... ''اُس کا اونٹ یہیں ہے، وہ خود کہیں نظر نہیں آ رہا''۔

سب باہر کو دو مشعلیں اُٹھا کر دوڑ پڑے اور سرنگ کے دہانے تک گئے۔ وہاں اُن کے ساتھی کی لاش پڑی تھی۔ سرنگ میں جا کر دیکھا۔ لڑکی کا کفن پڑا تھا۔ اُس کے لیڈر نے سب سے کہا کہ دو آدمی باہر چلے جاؤ، اگر باہر سے کوئی خطرہ آئے تو اطلاع دو، اگر وہ نظر آئے تو اُسے پکڑ لو۔ مقابلہ کرے تو مار ڈالو اور باقی آدمی پھیل جاؤ۔ وہ یہیں کہیں ہوگا۔ اگر وہ صبح تک نہ ملے تو یہاں سے نکلو۔

اُس وقت مہدی الحسن لڑکی کو کندھے پر اُٹھائے ایک مشکل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ سرنگ والی پہاڑی سے دُور نکل گیا تھا۔ آگے پہاڑی دیوار کی طرح ہوگئی تھی۔ نہ دائیں ڈھلان تھی نہ بائیں۔ اور یہ بلند تھی۔ یہ بالکل دیوار تھی جس پر بیک وقت دونوں پاؤں نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ وہ اس پر اس طرح بیٹھ گیا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں، وہ آگے کو سرکنے لگا۔ لڑکی کو کندھے پر سنبھالنا اور توازن قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ لڑکی نے اُس کے توازن کو بگاڑنے کے لیے تڑپنا شروع کر دیا۔ مہدی الحسن کو معلوم تھا کہ یہاں سے گرا تو ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس سے اُس نے اندازہ لگایا کہ یہاں جو بھید ہے وہ اتنا قیمتی اور نازک ہے کہ یہ لڑکی اسے چھپائے رکھنے کی خاطر مہدی الحسن کو اپنے ساتھ گرا کر خود بھی مرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ دیوار ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور لڑکی اس سے سنبھل نہیں رہی تھی۔ اُدھر لڑکی کے گروہ کے آدمی تلاش اور تعاقب میں پھیل گئے تھے۔ اُن کے لیے یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ تخریب کاری کے اڈے کا پکڑے جانا اُن کی شکست تھی اور ان میں سے جنہیں پکڑے جانا تھا، اُن کے لیے بڑی ہی اذیت ناک موت تھی۔ مہدی الحسن نے لڑکی کے گرد بازو اس قدر زور سے لپیٹ لیا کہ اُس کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں۔ وہ تو اپنی روح کی بھی طاقت استعمال کر رہا تھا۔ آخر یہی طاقت اسے دیوار سے گزار لے گئی۔ آگے وہ چوٹی آئی وہ خاصی چوڑی تھی۔ مہدی الحسن نے لڑکی کو زمین پر پٹخ دیا اور غضب ناک آواز میں بولا...... ''کیا تم میرا راستہ روک لو گی؟''...... اُس نے لڑکی کو اپنے غصے کا ذائقہ چکھانے کے لیے دو چار قدم پیٹھ کے بل گھسیٹا اور کہا۔ ''میرے لیے کوئی مشکل پیدا کی تو میں تمہیں اسی طرح گھسیٹ کر ساتھ لے جاؤں گا۔ مرتی ہو تو مر جاؤ''۔

اُسے دُور نیچے ایک مشعل دکھائی دی۔ وہ بہت تھک گیا تھا اور وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ خطرے سے نکل آیا ہے

مگر اس جگہ سے نکلنا ابھی ٹیڑھا مسئلہ بنا ہوا تھا۔ اسے بہت جلدی قاہرہ پہنچنا تھا۔ اُس نے لڑکی کے پاؤں کھول دیئے۔ ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے رہنے دیئے۔ اُسے آگے کرلیا اور خنجر کی نوک اس کی پیٹھ کے ساتھ لگا کر کہا...... ''چلو، میرے کہے بغیر دائیں بائیں نہ گھومنا''۔

☆

تعاقب میں جو آدمی نکلے تھے، وہ سرنگ میں اور اُس کے اِردگرد وادیوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ دو آدمی اُس جگہ جا کھڑے ہوئے جہاں سے مہدی الحسن اندر آتا جاتا تھا۔ مہدی الحسن ڈھلانیں اُترتا اور چڑھائیاں چڑھتا ایک ایسی چٹان پر جا پہنچا۔ جہاں آگے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کا بھیدی تھا۔ اُسے اتنا تجربہ تھا کہ اندھیرے میں بھی اجنبی زمین کے خدوخال بھانپ لیا کرتا تھا۔ اُسے یہ سمجھنے میں کچھ دیر لگی کہ نیچے دریا ہے اور یہ دریائے نیل ہے۔ اُس نے لڑکی کے ہاتھ بھی کھول دیئے اور منہ سے بھی پٹی اُتار دی۔ چٹان کی ڈھلان کھڑی تھی۔ لڑکی سے کہا کہ بیٹھو اور نیچے کو سرکو۔

دونوں سرک کر نیچے گئے، پانی کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔ چٹان کی ڈھلان ختم ہو چکی تھی۔ وہ ابھی دریا کی سطح سے بلند تھے۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ دریا میں کودو۔ لڑکی بولی...... ''میں تیرنا نہیں جانتی''۔

مہدی الحسن نے خنجر نیام میں ڈالا اور لڑکی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا جیسے بغل گیر ہوا جاتا ہے۔ اس نے لڑکی کو مضبوط گرفت میں لیے ہوئے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ دریا کا رُخ قاہرہ کی طرف تھا۔ لڑکی کو اُس نے دانستہ چھوڑ دیا۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکی تیر رہی ہے۔

''مجھے معلوم تھا کہ تم تیر سکتی ہو''...... مہدی الحسن نے کہا...... ''تمہیں ہر ڈھنگ سکھا کر ہمارے ملک میں بھیجا جاتا ہے۔ زیادہ زور نہ لگاؤ، دریا اُدھر ہی جا رہا ہے، جدھر ہم جا رہے ہیں''۔

اُن کے ایک طرف چٹانیں اور پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ انہیں تلاش کرنے والے اس کوہسار کے دوسری طرف بھاگ دوڑ رہے تھے۔ لڑکی نے تیرتے تیرتے ایک بار پھر کوشش کی کہ مہدی الحسن کو اپنے جواں جسم کا اسیر بنا لے لیکن اُس نے کوئی اثر نہ لیا۔ بہت دُور آگے جا کر جب مہدی الحسن نے دیکھا کہ وہ خطرے کے علاقے سے دُور آ گیا ہے، منہ میں دو انگلیاں ڈال کر خاص انداز سے سیٹیاں بجائیں۔ وہ تیرتا بھی گیا اور وقفے وقفے سے سیٹیاں بھی بجاتا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے دُور سے ایسی ہی سیٹی سنائی دی، پھر سیٹیوں کا تبادلہ ہوا، ایک کشتی اُن کے قریب آ گئی۔

مہدی الحسن کو معلوم تھا کہ جس طرح سرحد پر گشتی سنتری گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اسی طرح دریا میں بھی گشتی پہرہ ہوتا ہے۔ خطرے کے وقت ایک دوسرے کو بلانے کے لیے وہ منہ سے اسی طرح سیٹی بجایا کرتے تھے۔ یہ کشتی گشتی سنتریوں کی تھی۔ مہدی الحسن نے اپنا تعارف کرایا۔ سنتریوں نے اُسے اور لڑکی کو کشتی میں بٹھا لیا۔

☆

علی بن سفیان گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اُسے ملازم نے جگایا اور بتایا کہ مہدی الحسن نام کا ایک آدمی ایک لڑکی کو ساتھ لے کے آیا ہے۔ مہدی الحسن کا نام ہی کافی تھا۔ علی بن سفیان اُچک کر اُٹھا اور باہر کو دوڑا۔ مہدی الحسن اور لڑکی کے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دونوں کو کمرے میں بٹھایا۔ قندیل جل رہی تھی۔ مہدی الحسن نے پہلی بار لڑکی کا چہرہ دیکھا اور سوچا کہ لڑکی نے ٹھیک کہا تھا کہ مجھے روشنی میں دیکھو گے تو سب کچھ بھول جاؤ گے''۔

مہدی الحسن نے حکیم کا نام لے کر کہا...... ''اُس کے گھر پر فوراً چھاپہ ماریں''۔

''مہدی!''.....علی بن سفیان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا..... ''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''کیا ایمان فروشی کوئی نئی خبر ہے؟''.....مہدی الحسن نے کہا اور لڑکی سے پوچھا..... ''حکیم تمہارا ساتھی ہے نا؟ یہاں جھوٹ بولوگی تو انجام بڑا ہی بھیانک ہوگا''۔

لڑکی نے سر جھکا لیا۔ علی بن سفیان نے اُس کے بھیگے ہوئے سر ہاتھ رکھ کر کہا..... ''یہاں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جو تم سوچ رہی ہو۔ تمہارے حسن اور جوانی کے لیے ہم پتھر ہیں اور جب ہم بس بے عورت کی عزت کرنے پر آتے ہیں تو ہم ریشم کی طرح ملائم اور نرم ہیں..... حکیم تمہارا ساتھی ہے؟''

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔

مہدی الحسن نے نہایت مختصر طور پر سنایا کہ وہ کیا دیکھ کر آیا ہے اور حکیم نے اُسے بدروح کا کس طرح جھانسہ دیا تھا۔

علی بن سفیان نے ملازم اور اپنے محافظوں کو بلایا اور انہیں مختلف کمان داروں کی طرف پیغامات دے کر دوڑا دیا۔ کوتوال غیاث بلبیس کو بھی بلوا لیا۔ اُس نے اس قسم کے ہنگامی حالات کے لیے زیادہ نفری کا ایک دستہ تیار کر رکھا تھا جو چند منٹوں میں کارروائی کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ مہدی الحسن کی رپورٹ پر یہ دستہ فوراً تیار ہو گیا۔ علی بن سفیان نے غیاث بلبیس کے سپرد یہ کام کیا کہ حکیم کے گھر چھاپہ مارے اور اُسے گرفتار کر کے اُس کے مکان اور دواخانے کو سربمہر کر دے۔ اُس نے خود سواروں کو ساتھ لیا۔ ایک گھوڑے پر مہدی الحسن کو دوسرے پر لڑکی کو بٹھایا اور واردات والے علاقے کو روانہ ہو گیا۔

وہ جگہ بہت دُور نہیں تھی۔ لڑکی کے گروہ کے آدمی اُس وقت تک تلاش سے مایوس ہو چکے تھے۔ انہوں نے تھک ہار کر فیصلہ کیا کہ وہاں سے نکل بھاگیں۔ انہیں خدشہ یہ تھا کہ لڑکی اگر قاہرہ پہنچ گئی تو وہ نشاندہی کر دے گی۔ گروہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ آدمی کہتے تھے کہ مہدی الحسن کا اونٹ یہیں ہے۔ وہ اگر نکل گیا ہے تو اتنی جلدی قاہرہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی کشمکش میں انہوں نے وہاں سے بھاگنے میں وقت ضائع کر دیا۔ آخر وہ اپنا سامان سمیٹ کر غار نما کمرے سے نکلے مگر انہیں گھوڑوں کے قدموں کے دھماکے سنائی دینے لگے۔ باہر نکلنے کا راستہ بند ہو چکا تھا۔

علی بن سفیان کے سواروں نے مشعلیں جلالیں اور وادیوں میں پھیل گئے۔ لڑکی کو ساتھ رکھا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا گروہ کہاں رہتا ہے۔ وہاں گئے تو غار کے اندر سے چار پانچ آدمی پکڑے گئے۔ اندر مختلف قسم کے سامان کے انبار تھے، جن میں آتش گیر مادہ، تیر و کمان اور خنجر تھے اور ایک مضبوط بکس میں سونے اور چاندی کے وہ سکے تھے جو مصر میں رائج تھے۔ ان آدمیوں میں صرف ایک صلیبی تھا، باقی قاہرہ کے مسلمان تھے۔ اُن کی نشاندہی پر گروہ کے دوسرے افراد کی تلاش شروع ہوئی۔ ساری رات اور اگلا پورا دن تلاش جاری رہی جس کے نتیجے میں باقی افراد بھی پکڑے گئے جن میں دو ایسی ہی لڑکیاں تھیں جیسی مہدی الحسن نے پکڑی تھی۔

☆

اُدھر قاہرہ میں حکیم کے گھر کو گھیرے میں لے کر اُس کے دروازے پر دستک دی گئی تو دروازہ ایک ملازم نے کھولا۔ غیاث بلبیس اپنے چند ایک آدمیوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اُس کے آدمی کمروں میں گھس گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ حکیم کے سونے کا کمرہ اندر سے بند تھا۔ دروازہ ایک نیم برہنہ لڑکی نے کھولا۔ حکیم پلنگ پر نیم برہنہ پڑا تھا۔ پلنگ کے قریب صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ حکیم نشے کی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے مریض اور معتقد تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ حکیم اس حالت تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ لڑکی اُس کی بیوی نہیں تھی اور وہ مسلمان بھی نہیں تھی۔ یہ

صلیبیوں کا بھیجا ہوا تحفہ تھا اور اُس کے گھر سے جو دولت برآمد ہوئی، وہ یقیناً حکمت کی آمدنی نہیں تھی۔

حکیم اُس وقت ہوش میں آیا جب وہ قید خانے کے تہہ خانے میں بندھا ہوا تھا۔ غیاث بلبیس کو اطلاع دی گئی کہ حکیم بیدار ہو گیا ہے۔ وہ حکیم کے پاس گیا اور اُسے کہا کہ وہ اب کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ ذرا سی پس و پیش کے بعد اُس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اُس نے دو نائب سالاروں کے نام لے کر بتایا کہ وہ مصر میں سلطان ایوبی کا تخت اُلٹنا چاہتے تھے۔ یہ گروہ صلیبیوں نے تیار کیا تھا۔ حکیم کو یہ لڑکی تحفے کے طور پر اور بے اندازہ رقم دے کر اس گروہ میں شامل کیا گیا تھا۔ اُس کی یہ شرط بھی مان لی گئی تھی کہ نئی حکومت میں اُسے وزارت کے درجے کا عہدہ دیا جائے گا۔ حکیم چونکہ بڑے بڑے افسروں میں بھی مقبول تھا اور وہ قابل حکیم بھی تھا، اس لیے اُسے کی ہر بات برحق مانی جاتی تھی۔ اس مقبولیت اور اثر و رسوخ سے یہ فائدہ اُٹھاتا رہتا کہ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پھیلاتا رہا۔

قاہرہ میں جو تخریب کاری کے واقعات ہوئے تھے، ان میں حکیم ذمہ داری سے ملوث تھا۔ اُس نے اپنی حیثیت اور مقبولیت سے یہ فائدہ بھی اُٹھایا کہ علی بن سفیان کے بعض جاسوسوں کو پہچان لیا تھا۔ اُن میں مہدی الحسن بھی تھا جو اُس پہاڑی علاقے میں جانے لگا جس میں تخریب کاروں کا اڈہ تھا۔ پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ حکیم نے اُسے دیکھ لیا۔ اتفاق سے حکیم نے مہدی الحسن کے متعلق بھی معلوم کر رکھا تھا کہ قابل اور جرأت مند جاسوس ہے۔ حکیم نے فیصلہ کیا کہ اتنے تجربہ کار آدمی قتل کرنے کی بجائے ایسے طریقے سے اپنے جال میں پھانسا جائے کہ وہ اس گروہ کے لیے کام کرے۔ گروہ کے پاس ایسے طریقے موجود تھے۔ وہ چند ایک مصری جاسوسوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر استعمال کر رہے تھے۔ علی بن سفیان کا شعبہ انہیں اپنے دیانت دار جاسوس سمجھتا تھا۔

حکیم نے مہدی الحسن کو پھانسنے کا یہ طریقہ اختیار کیا جو سنایا جا چکا ہے۔ اُسے پورا یقین تھا کہ مہدی الحسن اتنی حسین ''بدروح'' کے جھانسے میں آ جائے گا۔ آگے حشیشین اور صلیبی ماہرین اس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا اور جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ وہ کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ یہ ایک عام طریقہ تھا۔ یہ طریقہ اور یہ شعبدہ بازی صرف اُن پر کامیاب نہیں ہوتی تھی جن کا ایمان مضبوط ہوتا تھا۔ مہدی الحسن انہی ایمان والوں میں سے نکلا۔

جو دو کمان دار پُراسرار طور پر مر گئے تھے، اُن کے متعلق حکیم نے بتایا کہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ دونوں کو حکیم نے وہ زہر دیا تھا جس سے ذرّہ بھر تلخی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ انسان اپنے اندر کوئی تکلیف یا تبدیلی محسوس نہیں کرتا تھا اور بارہ گھنٹوں بعد اچانک مر جاتا تھا۔ ان دونوں کو قتل کرنے کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ سلطان ایوبی اور اس کی حکومت کے وفادار تھے۔ دین دار مسلمان تھے۔ انہیں خریدنے کی کوشش کی گئی تھی مگر وہ ایمان بیچنے کی بجائے ایمان خریدنے والوں کے لیے خطرہ بن گئے تھے۔ حکیم پہلے ان میں سے ایک کو اس طرح ملا جیسے اتفاقیہ آمنا سامنا ہو گیا ہو۔ باتوں باتوں میں حکیم نے اُسے کسی بیماری کے وہم میں مبتلا کیا اور دوائی خانے میں بلا کر اُسے دوائی کے بہانے زہر دے دیا، جو حشیشین کی ایجاد تھا۔ چند دنوں بعد دوسرے کمان دار کے ساتھ بھی حکیم نے ایسی ہی ''اتفاقیہ'' ملاقات کی اور اُسے بھی کسی خفیہ بیماری کے وہم میں ڈال کر زہر دے دیا۔

حکیم نے یہ انکشافات ازخود ہی نہیں کر دیئے تھے۔ اُس کی زبان تہہ خانے کی اذیتوں نے کھلوائی تھی۔ اُس نے بتایا کہ فوج میں ایک طرف تو بے اطمینانی پھیلائی جا رہی ہے اور دوسری طرف اس میں نشے اور جنسی لذّت پرستی کی عادت پیدا کی جا رہی ہے۔ فوجی افسروں کو حکومت کے خلاف کیا جا رہا ہے اور جو مضبوط جذبے والے ہیں، انہیں پُراسرار طریقے سے قتل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ سوڈان کی فوج عنقریب مصر کی سرحدوں پر مصر کی سرحدی چوکیوں پر حملوں کا سلسلہ شروع

کرنے والی ہے۔اس سلسلے کی نگرانی اور قیادت صلیبی کریں گے۔سرحدی دیہات کے لوگوں کو سوڈانی اپنے زیر اثر لیں گے۔

علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے مصر کے قائم مقام امیر العادل کو ان گرفتاریوں، تفتیش اور انکشافات سے باخبر رکھا لیکن اور کسی کو اس راز میں شریک نہیں کیا گیا۔حکیم اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے جن نائب سالاروں اور دیگر عہدوں کے افراد کے نام بتائے تھے، انہیں گرفتار کرنا ضروری تھا لیکن العادل (سلطان ایوبی کا بھائی) گھبرا گیا۔اُس نے اس راز کو راز ہی رکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ صورت اتنی نازک ہے کہ اسے سلطان ایوبی خود ہی آ کر سنبھالے تو بہتر ہے۔معاملہ بڑا ہی نازک تھا۔اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سلطان ایوبی کے پاس خود جائے اور اُسے مصر آنے کو کہے یا اس سے ہدایات لے لے۔

العادل کی روانگی خفیہ رکھی گئی۔تمام مشتبہ نائب سالاروں وغیرہ کے ساتھ ایک ایک جاسوس سائے کی طرح لگا دیا گیا۔

☆

''میں کوئی نئی خبر نہیں سن رہا''۔شام میں حلب کے قریب اپنے ہیڈ کوارٹر میں العادل سے ساری بات سن کر سلطان ایوبی نے کہا......''میں کہہ نہیں سکتا کہ قوم میں ایمان فروشی کا جو مرض پیدا ہو گیا ہے، اس کا یہ علاج ہوگا۔میری نظریں بیت المقدس پر نہیں یورپ پر لگی ہوئی ہیں مگر میرے ایمان فروش بھائی مجھے مصر سے نہیں نکلنے دے رہے......تم یہ محاذ سنبھالو، میں دمشق جاتا ہوں، وہاں سے مصر چلا جاؤں گا''۔

سلطان ایوبی نے العادل کو محاذ کی تمام تر صورتِ حال بتائی، ہدایات دیں اور کہا کہ اپنے جاسوس اتنی دُور تک گئے ہوئے ہیں کہ صلیبیوں نے اگر حملہ کیا تو تمہیں کم از کم دو تین روز پہلے اطلاع مل جائے گی۔چھاپہ مار جیش ہر وقت تیاری کی حالت میں رہتے ہیں۔میں نے انہیں حملے کے ممکنہ راستوں کے اِردگرد چھپا رکھا ہے، تازہ اطلاعات یہ ہیں کہ صلیبی حملہ نہیں کریں گے۔اگر میری غیر حاضری سے وہ فائدہ اُٹھانے کی سوچ لیں تو گھبرانا نہیں۔قلعہ بند ہو کر نہ لڑنا۔دشمن کو آگے آنے دینا۔پہلا وار دشمن کو کرنے دینا۔بے شک پیچھے ہٹ جانا، زمین موزوں ہے۔بلندیوں پر قبضہ رکھنا۔

''اور خاص طور پر یاد رکھو''......سلطان ایوبی نے کہا......''الملک الصالح، سیف الدین اور جن اُمراء نے ہماری اطاعت قبول کی ہے، صلیبیوں کے حملے کی صورت میں ان پر اعتبار نہ کرنا۔ان کے ذہنوں سے بادشاہی کی خواہش نکلی نہیں۔معاہدے کے مطابق وہ کوئی فوج نہیں رکھ سکتے۔میں نے ان کے اندر تک جاسوس بھیج دیئے ہیں اور میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے اصول کے خلاف یہ انتظام کر دیا کہ ہمارے یہ مسلمان بھائی ذرا سی بھی مخالفانہ حرکت کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے''۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں ربیع الاوّل ۵۷۲ ہجری (ستمبر ۱۱۷۶ء) کا مہینہ لکھا ہے جب سلطان ایوبی العادل کو محاذ پر چھوڑ کر دمشق گیا۔اُس کا ایک اور بھائی شمس الدولہ طوران شاہ یمن سے واپس آ چکا تھا۔یمن میں بھی صلیبی اثرات پیدا ہو گئے تھے اور وہاں کے مسلمان سلطنتِ اسلامیہ کے خلاف باغی ہو رہے تھے۔سلطان ایوبی نے وہاں شمس الدولہ کو بھیجا تھا جو کامیاب لوٹا تھا۔سلطان ایوبی نے اُسے دمشق کا گورنر مقرر کیا اور اکتوبر ۱۱۷۶ء میں مصر کو روانہ ہو گیا۔

قاہرہ پہنچتے ہی اُس نے تمام مشتبہ افراد کو کسی کے عہدے کا لحاظ کیے بغیر گرفتار کرنے کا حکم دیا۔اُن کی گرفتاری کے اگلے روز اُس نے وہ تمام سونا اور خزانہ پریڈ کے میدان میں رکھوایا جو غار سے برآمد ہوا تھا۔اُس وقت تک جتنی صلیبی لڑکیاں پکڑی جا چکی تھی اور اب جو پکڑی گئیں تھیں، انہیں خزانے کے انبار کے قریب کھڑا کیا گیا۔اِن میں حکیم بھی تھا، نائب سالار بھی تھے اور کمان دار بھی۔سب زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔مصر میں جتنی فوج تھی، اُسے ان کے قریب سے گزار کر میدان میں کھڑا کیا گیا۔

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار آیا اور فوج کے سامنے رُکا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہیں حکومت کے خلاف اُکسایا جا رہا ہے''۔ سلطان ایوبی نے بلند اور گرج دار آواز میں کہا..... ''اگر تم میں سے کوئی مجھے یقین دلا دے کہ اسلام کی عظمت اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی خاطر تمہیں میرے خلاف اور میری حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے اور وہ قبلۂ اوّل کو کفار سے آزاد کرانے کا عزم رکھتا ہے اور وہ سپین پر حملہ کر کے اس ملک کو ایک بار پھر سلطنتِ اسلامیہ کا عزم کیے ہوئے ہے تو وہ سامنے آئے، میری تلوار لے لے اور میرے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ میں اُس کے حق میں سلطانی سے دست بردار ہوتا ہوں''۔

ہر طرف سناٹا طاری ہو گیا۔

سلطان ایوبی پیچھے کو مڑا اور ملزموں سے کہا..... ''میری جگہ لینے والا تم میں ہے۔ وہ کون ہے؟ آگے آئے۔ ربِّ کعبہ کی قسم! میں سچے دِل سے اپنی حکومت اُس کے حوالے کر دوں گا اور خود اس کے حکم کا پابند رہوں گا''۔

خاموشی۔ گہرا سکوت۔

''اللہ کے شیرو!'' سلطان ایوبی فوج سے مخاطب ہوا۔ ''تمہیں بغاوت پر نہ اسلام کی عظمت کے لیے اُکسایا جا رہا، نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامِ مقدس کی خاطر۔ تمہیں جو خزانہ دکھایا گیا ہے اور جو لڑکیاں تمہارے سامنے کھڑی ہیں، یہ وہ انعام ہیں جو اِن لوگوں کو دیا گیا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی قیمت ہے۔ میں اِن سب سے کہتا ہوں کہ آگے آئیں اور کہیں کہ میں نے جو کہا ہے، یہ جھوٹ ہے''۔

کوئی آگے نہ آیا۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اُترا اور ملزموں سے حکیم کو بازو سے پکڑا۔ اُسے اپنے گھوڑے کے قریب لے جا کر کہا..... ''میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور کہو کہ ایوبی جھوٹ بول رہا ہے''۔

حکیم گھوڑے پر سوار ہو گیا مگر اُس نے سر جھکا لیا۔

''کہو سلطان جھوٹ بول رہا ہے''۔ سلطان ایوبی نے غضب ناک آواز میں کہا۔

حکیم نے سر اُٹھایا اور بلند آواز سے کہا..... ''سلطان ایوبی نے جو کہا ہے، سچ کہا ہے''۔ اور وہ گھوڑے سے کود آیا۔

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کو پہلی بار غصے میں دیکھا گیا۔ حکیم گھوڑے سے اُتر کر سر جھکائے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے تلوار نکالی اور ایک ہی وار میں حکیم کا سر تن سے جدا کر دیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑی ہی بلند آواز سے چلایا..... ''اللہ کے سپاہیو! عظمتِ اسلام کے پاسبانو! اگر میں نے بے انصافی کی ہے تو یہ لو، میری تلوار سے میری گردن اُڑا دو''..... اُس نے اپنی تلوار برچھی کی طرح فوج کی طرف پھینکی۔ تلوار کی نوک زمین میں گڑ گئی اور تلوار جھولنے لگی۔

سب سے آگے والا سالار گھوڑے سے کود کر اُترا۔ تلوار زمین سے اُکھاڑ کر اور دونوں ہاتھوں میں رکھ کر سلطان ایوبی کو پیش کی اور کہا۔ ''سلطان! اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں''..... فوج میں اتنا شور اُٹھا کہ سالار کی آواز دب گئی۔ فوج ملزم کے خلاف بھڑک اُٹھی تھی۔ سلطان ایوبی نے ہاتھ اوپر کر کے فوج کو خاموش کیا اور تخریب کاروں کے جرائم سنائے۔

اُسی روز سلطان ایوبی نے سوڈان کو اپنا ایلچی اس تحریری پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ اگر سوڈان کی فوج نے مصر کی سرحد پر ذرا سی بھی بدامنی پیدا کی تو اسے مصر پر حملہ تصور کیا جائے گا اور اس کے جواب میں ہم سوڈان پر حملہ کرنے میں حق بجانب اور آزاد ہوں گے اور ہم سوڈان پر اسلامی پرچم لہرا کر دم لیں گے۔

......❁......

ایک منزل کے مسافر

خون جو سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار سے ٹپک رہا تھا، وہ صاف کیے بغیر اُس نے تلوار نیام میں ڈال لی۔ یہ خون اُس غدار حکیم تھا جو صلیبیوں کا جاسوس اور تخریب کار بنا ہوا تھا۔

فوری طور پر جنہیں غداری اور دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا، وہ پا بجولاں قید خانے کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے سالاروں، نائب سالاروں، فوج اور شہری انتظامیہ کے اعلیٰ حکام کے اجلاس میں بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ وہ بہت کچھ کہہ چکا تھا اور بہت کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ اجلاس کے حاضرین اُس کی جذباتی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ سلطان ایوبی سے نظریں ملانے سے بھی ڈرتے تھے۔

''سلطانِ عالی مقام!'' ایک سالار نے کہا..... ''ہم صلیبیوں کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے''۔

سلطان ایوبی نے بڑی تیزی سے نیام سے تلوار نکالی۔ تلوار خون آلود تھی۔ اُس نے تلوار حاضرین کے آگے کر کے کہا..... ''یہ خون کس کا ہے؟..... یہ تم سب کا خون ہے۔ یہ میرا خون ہے۔ یہ ہمارے اُس بھائی کا خون ہے جو ہمارے ساتھ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ اُس کے گھر میں قرآن بھی ہے۔ اگر یہ خون غدار ہو سکتا ہے تو صلیبیوں کی ہر سازش کامیاب ہوگی..... صلیبیوں کی یہ سازش کامیاب ہو چکی ہے۔ وہ اسلام کی اُن افواج کو جنہیں متحد ہو کر فلسطین کو صلیبی استبداد سے آزاد کرانا تھا، آپس میں لڑا کر ہمیں اتنا کمزور کر چکے ہیں کہ ہم ایک لمبے عرصے تک فلسطین کی طرف کوچ کرنے سے معذور ہو گئے ہیں۔ ہماری منزل بیت المقدس تھی۔ ہمیں آج قاہرہ میں نہیں یروشلم میں ہونا چاہیے تھا مگر اسلام کی جنگی طاقت تباہ ہو گئی ہے''۔

سلطان ایوبی نے تلوار اپنے دربان کی طرف پھینکی، پھر نیام بھی اُتار کر اُسے دی اور کہا..... ''اگر یہ خون کسی کافر کا ہوتا تو میں نیام صاف نہ کراتا۔ یہ ایک غدار کا خون ہے۔ نیام میں اُس کی بو بھی نہ رہے''..... دربان تلوار اور نیام صاف کرنے کے لیے باہر گیا۔ سلطان ایوبی نے اجلاس کے حاضرین سے کہا..... ''صلیبیوں کی سازش کامیاب ہو چکی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں حلب سے آگے نہ جا سکوں۔ دیکھ لو، میں آگے جانے کی بجائے قاہرہ میں آ گیا ہوں۔ اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو۔ اب صلیبی آگے بڑھیں گے۔ ہم جب آپس میں لڑ رہے تھے، وہ ہمیں فیصلہ کن شکست دینے کی تیاریاں کر رہے تھے''۔

''ہم نے مسلمانوں کو لڑا کر صلاح الدین ایوبی کا رُخ پھیر دیا ہے''۔ یہ تریپولی (لبنان) کا صلیبی حکمران ریمانڈ کہہ رہا تھا۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں خبر پہنچا دی تھی کہ سلطان ایوبی حلب سے مصر چلا گیا ہے اور اس کی جگہ اُس کا بھائی العادل محاذ پر آیا ہے۔ یہ خبر یروشلم تک پہنچ گئی تھی۔ یہ خبر عکرہ تک بھی پہنچ گئی تھی جہاں صلیبِ اعظم تھی اور جہاں بڑا پادری بھی تھا جسے صلیبِ اعظم کا محافظ کہتے تھے۔ وہ فوراً تریپولی جمع ہو گئے تھے۔ اُن کے ہاں بھی ایسی ہی کانفرنس ہو رہی تھی جیسی سلطان ایوبی نے بلا رکھی تھی۔

''ایوبی یروشلم کو فتح کرنے نکلا تھا''۔ ریمانڈ کہہ رہا تھا...... ''ہم نے ایک بھی تیر چلائے بغیر اُسے مصر کی طرف پسپا کر دیا ہے۔ اُس کے ہاتھوں اُن مسلمان اُمراء اور حکمرانوں کو بے کار کر دیا ہے جو کسی بھی وقت ہمارے خلاف ایوبی کی قوت بن سکتے تھے۔ ہم اس سے بڑی اور کیا کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے''۔

''یہ کامیابی اتنی بڑی نہیں ہے جتنی آپ نے کہا ہے''...... ایک صلیبی حکمران بالڈون نے کہا...... ''ہم نے حملے کے لیے زمین ہموار کی ہے۔ اصل کام تو حملہ ہے۔ اس کی کامیابی کو ہم بہت بڑی کامیابی کہیں گے۔ فوجیں فوراً جمع کرو اور پیش قدمی کرو اور سلطان ایوبی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ دو''۔

''اگر ہم نے اپنے آپ کو بہت جلدی نہ سنبھالا تو میں بتا نہیں سکتا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے''۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور دیگر حکام سے کہا...... ''آج ہی سے نئی بھرتی شروع کر دو۔ سوار زیادہ ہونے چاہئیں۔ سوڈان کے اُن جوانوں کو بھی بھرتی کرو جنہیں سات سال ہوئے بغاوت کے جرم میں فوج سے نکال کر قابلِ کاشت زمینوں پر آباد کیا گیا تھا۔ انہوں نے مصر میں اتنی خوشحالی دیکھی ہے کہ اب دھوکہ نہیں دیں گے۔ ایسے جوان جو گھوڑ سواری اور تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں، انہیں جنگی تربیت دو۔ میں بہت جلدی مصر سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ اگر صلیبیوں کا دماغ خراب ہو گیا ہو تو دُنیائے عرب اُن کی دستبرد سے بچ جائے گی اور اگر اُن کا دماغ ٹھکانے ہے تو انہیں میری غیر حاضری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔ وہ اناڑی نہیں۔ میرے لیے یہ حالات انہوں نے کسی مقصد کے تحت پیدا کیے تھے جن سے مجبور ہو کر میں مصر آ گیا ہوں۔ وہ ہم سے بیت المقدس کو صرف اسی صورت میں بچا سکتے ہیں کہ مقبوضہ علاقوں سے نکل کر ہمارے علاقوں میں آ کر لڑیں۔ اس جنگ کے لیے مجھے بہت سی فوج کی ضرورت ہے''۔

''میں اس وقت دو سو پچاس نائٹ (زرہ پوش سردار) میدان میں لا سکتا ہوں''۔ ترپولی کی کانفرنس میں ایک مشہور صلیبی حکمران رینالٹ آف حومین نے کہا...... ''اس حملے کی قیادت میری فوج کرے گی۔ میں نے اس کا پلان بھی تیار کر لیا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی کی طرح چوروں والی جنگ نہیں لڑیں گے۔ ہم طوفان اور سیلاب کی مانند پیش قدمی کریں گے۔ ہم سب اپنی فوجوں کو اکٹھا کر کے کوچ کریں گے تو آپ خود محسوس کریں گے کہ انسانوں اور گھوڑں کا یہ طوفان دنیائے عرب کو خس و خاشاک کی طرح اُڑاتا مصر کو بھی روند جائے گا اور اس کا زور سوڈان میں جا کر تھمے گا''۔

''اگر صلیبی متحد ہو کر آئیں تو عرب کی سرزمین ہم سب سے اتنا خون مانگے گی جس میں ریگزار کے ذرّے تیریں گے''۔ سلطان ایوبی قاہرہ میں کہہ رہا تھا...... ''اب کے ہم سروں سے کفن باندھ کر جائیں گے۔ میرے رفیقو! میری ایک حس مجھے بتا رہی ہے کہ ہمیں پوری تیاری سے اور پوری طرح سنبھل کر میدان میں اُترنا پڑے گا''۔

''ایوبی کو مصر میں اُلجھائے رکھنے کے لیے ہمیں تخریب کاری تیز کرنی ہوگی''۔ ریمانڈ نے کہا اور صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے استاد ہرمن سے کہا...... ''ہرمن! مصر پر اپنی گرفت اور سخت کر دو۔ مجھے توقع یہ ہے کہ ایوبی چین سے بیٹھنے والا آدمی نہیں۔ اُس کی فوج کا جانی نقصان بہت ہو چکا ہے۔ وہ فوری طور پر نئی بھرتی کرے گا...... کوشش کرو کہ اُسے بھرتی نہ ملے۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو مصر کی فوج کے ذخیرے تباہ کراتے رہو۔ وہاں کی فوج پر نظر رکھو اور وہاں کے جاسوسوں سے کہو کہ صلاح الدین ایوبی کی ایک ایک حرکت کی اطلاع فوراً پہنچاتے رہیں''۔

''اور ہرمن!'' ایک صلیبی کمانڈر نے کہا...... ''مصر کی خبر ملے نہ ملے، زیادہ ضروری یہ ہے کہ یہاں کی خبر باہر نہ جانے پائے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ایوبی جس طرح میدانِ جنگ میں ہمارے لیے مصیبت بن جاتا ہے، وہ جاسوسی کے

میدان میں بھی ہم سے ہوشیار ہے۔ ہمارے درمیان اُس کے جاسوس موجود ہیں۔ یہاں کی مسلمان آبادی پر گہری نظر رکھو۔ کسی پر ذرا سا شک ہو، اُسے قید کر دو، قتل کرو، تمہیں پورے اختیارات دیئے جاتے ہیں''۔

''میں کسی کے دِل میں نہیں اُتر سکتا''۔ سلطان ایوبی کہہ رہا تھا۔ ''ایمان فروشوں کے سروں پر سینگ نہیں ہوتے۔ میں علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کو اجازت دیتا ہوں کہ جس پر شک ہو کہ وہ صلیبیوں کا جاسوس ہے، اسے قتل کر دو۔ اگر اُس پر رحم کرنا چاہو تو اُسے قید میں ڈال دو۔ میں ان حالات میں جب صلیبی متحد ہو کر آتے نظر آرہے ہیں، کسی کو بخش نہیں سکتا۔ میں اب تحقیقات اور عدل و انصاف کے طور طریقے بھی بدل دینا چاہتا ہوں...... ''او علی بن سفیان!'' اُس نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ سے کہا...... ''مجھے یقین ہے کہ تم نے مقبوضہ علاقوں میں اپنا جال بچھا رکھا ہے۔ صلیبیوں کے ہاں اپنے کچھ اور آدمی بھیج دو اور وہاں کے جاسوسوں سے کہو کہ کوئی خبر اور اطلاع زیادہ دیر تک اپنے پاس نہ رکھیں۔ خطرہ مول لیں اور تیز کی رفتار سے قاہرہ خبریں پہنچائیں۔ مجھے اندھا نہ کر دینا علی بن سفیان! اور کوشش کرو کہ یہاں سے کوئی خبر باہر نہ جا سکے''۔

- ''اگر ہماری افواج کی کمان مشترکہ ہو تو ہم زیادہ بہتر اور موثر طریقے سے لڑ سکیں گے''...... ریمانڈ نے کہا۔

''میں اتحاد پر زور دوں گا، مشترکہ کمان پر نہیں''۔ رینالٹ نے کہا...... ''مشترکہ کمان کے کچھ نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں ہمیں ایک دوسرے سے باخبر رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔ ہم پیش قدمی کے لیے علاقے تقسیم کر لیں گے۔ احتیاط صرف یہ کی جائے کہ ہماری نقل و حرکت راز میں رہے''۔

☆

دونوں طرف جنگی تیاریوں کا ہنگامہ تھا۔ صلیبی اب کے سلطان ایوبی کو فیصلہ کن شکست دینے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی زخم خوردہ تھا۔ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ صلیبیوں کی شہ پر تین مسلمان اُمراء سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ اڑھائی تین سال مسلمان فوجیں ایک دوسرے کا خون بہاتی رہیں۔ سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان افواج کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے ہتھیار ڈلوائے اور انہوں نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر اس فتح کو سلطان ایوبی اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدترین شکست کہتا تھا کیونکہ صلیبیوں کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔ اس خانہ جنگی میں اللہ کے وہ ہزار ہا سپاہی مارے گئے یا عمر بھر کے لیے اپاہج ہو گئے جنہیں فلسطین کو صلیب سے پاک کرنا تھا۔

اس دوران صلیبیوں نے فوج میں اضافہ کر لیا تھا، فوج کو آرام بھی دے لیا تھا اور جنگی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ اُن کا یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں تھا کہ وہ طوفان کی طرح آئیں گے اور دُنیائے عرب کو خس و خاشاک کی طرح اُڑا لے جائیں گے۔ اُن کے مقابلے میں سلطان ایوبی کی فوج کے تجربہ کار سپاہی اور کمان دار شہید ہو چکے تھے اور وہ نئی بھرتی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ رنگروٹوں کو لڑانا بہت بڑا خطرہ تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُسے مصر میں بھی فوج کی زیادہ نفری رکھنی تھی کیونکہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے اندر تخریب کاری اور غداری بھی زیادہ تھی۔

صلیبی طوفان کی طرح آنے کے پلان بنا رہے تھے اور سلطان ایوبی اپنے طریقۂ جنگ سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے طے کر رکھا تھا کہ وہ شب خون مارنے اور ''ضرب لگاؤ اور بھاگو'' کے اصول پر لڑے گا۔ اب کے صلیبیوں نے اپنا پلان تیار کرنے کی سوچی تھی جس میں سلطان ایوبی کا کمانڈو آپریشن کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ اُس کی فوج کو گھیرے میں لے کر آمنے سامنے کی جنگ لڑانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ دونوں طرف یہ کوشش ہو رہی تھی کہ اپنی اپنی جنگی تیاریوں، منصوبوں اور نقل و حمل کو راز میں رکھیں اور ایک دوسرے کے راز معلوم کریں۔ اس مقصد کے لیے دونوں کے ہاں ایک

دوسرے کے جاسوس موجود تھے۔

صلیبی کمانڈروں وغیرہ کو یہ تو معلوم تھا کہ اُن کے درمیان سلطان ایوبی کے جاسوس موجود ہیں لیکن ریمانڈ والی تریپولی اور دیگر صلیبی حکمرانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُن کی کانفرنس میں دو مسلمان جاسوس موجود ہیں۔ پہلے بھی اِن کا ذکر آچکا ہے۔ ایک مسلمان راشد چنگیز تھا اور دوسرا فرانسیسی عیسائی وکٹر تھا۔ یہ اعلیٰ قسم کے ملازم تھے جو صلیبی بادشاہوں، اور اعلیٰ کمانڈروں کی دعوتوں وغیرہ میں شراب اور کھانے وغیرہ کی سروس کی نگرانی کرتے تھے۔ راشد چنگیز نے اپنا نام عیسائیوں جیسا ظاہر کر رکھا تھا۔ ترک ہونے کی وجہ سے اُس کا رنگ یورپی باشندوں جیسا تھا۔ وہ بہت ہوشیار اور چرب زبان تھا۔ وکٹر کے متعلق تو کسی کو شبہ ہی نہیں تھا کہ وہ عیسائی ہے۔ وہ فرانس کا رہنے والا تھا لیکن اپنے آپ کو اُس نے یونانی عیسائی بتایا تھا۔

صلیبیوں کی اِس کانفرنس میں بھی دونوں اپنی مخصوص وردی پہنے موجود تھے کیونکہ صلیبی شراب کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ یہ دونوں شراب پیش کر رہے تھے اور اُن کی باتیں غور سے سن رہے تھے۔ یہ باتیں بہت ہی قیمتی تھیں جو انہیں قاہرہ پہنچانی تھیں مگر یہ ابھی مکمل نہیں تھیں۔ وہ صلیبیوں کا پورا پلان معلوم کر کے قاہرہ پہنچانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان کو اپنے اِن دونوں جاسوسوں پر مکمل اعتماد تھا، حالانکہ وکٹر عیسائی تھا۔ صلیبیوں کو یہی خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو اُن کے پلان اور نقل و حرکت کا علم ہو گیا تو وہ جگہ جگہ گھات لگا کر تھوڑی تھوڑی نفری سے اُن کے طوفانی لشکر کو تباہ کر دے گا۔ چنانچہ وہاں سلطان کے جاسوسوں کو سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے کے بڑے ہی سخت احکام جاری کر دیئے گئے۔

☆

مصر میں بھرتی کی مہم شروع ہو گئی۔ دو تین فوجی دستے ترتیب دیئے گئے جو اُن علاقوں کے دوروں پر نکل گئے جن سے بھرتی مل سکتی تھی۔ فوجی جاہ و جلال اور جنگی مظاہروں اور کھیل تماشوں کا انتظام کیا گیا۔ مسجدوں کے اماموں کے لیے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے سلطان ایوبی کا یہ پیغام بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو جہاد کی اہمیت بتائیں اور انہیں یہ بتائیں کہ کفار پوری طاقت کے ساتھ عالمِ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور یہ بھی کہ قبلۂ اوّل کفار کے قبضے میں ہے۔ اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو گیا ہے۔ اماموں سے کہا گیا کہ وہ جوانوں کو مصر کی فوج میں بھرتی ہونے کی تلقین کریں۔

مذہب اور قوم کے وقار کے جذبے سے جواں سال آدمی بھرتی ہونے لگے۔ اُن کے ذہنوں میں مقصد واضح تھا مگر بہت سے جوان مالِ غنیمت کے لالچ سے بھرتی ہوئے۔ یہ دیہاتی علاقوں کے لوگ تھے۔ اُن کے کانوں تک اماموں کی آواز نہیں پہنچی تھی۔ اُن تک فوجی افسر پہنچے جنہوں نے سلطان ایوبی کے اس حکم کی تعمیل کی خاطر کہ بھرتی بہت جلدی کرو، لوگوں کو جہاد کے وعظ سنانے کی بجائے یہ کہا کہ صلیبیوں کے شہر فتح کیے جائیں گے جہاں اتنی دولت ہے کہ وہ سمیٹ نہیں سکیں گے۔ چنانچہ وہ دلوں میں جہاد کا جذبہ لے کر بھرتی ہونے کی بجائے مالِ غنیمت کا لالچ لے کر ہنسی خوشی بھرتی ہوئے۔ ان اناڑی اور کم فہم فوجی افسروں نے سلطان ایوبی کی توقع کے خلاف بے شمار جوانوں کو بھرتی کر لیا مگر اُسے یہ نہ بتایا کہ انہوں نے مقصد پورا نہیں کیا حکم کی تعمیل کی ہے۔ میدانِ جنگ میں جا کر یہ سپاہی سلطان ایوبی کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ مسئلہ بن گئے۔

اُدھر تریپولی سے کچھ دُور صلیبی فوج ایک میدان میں اکٹھی ہونے لگی۔ فلسطین کے دوسرے مقبوضہ شہروں میں ایلچی بھیج دیئے گئے کہ وہ صلیبی فوج کو تیار کریں۔ تریپولی میں سب سے زیادہ سرگرمی ہونین کے حکمران رینالٹ کی تھی۔ اُس کی فوج خاصی زیادہ تھی جس میں اڑھائی سو نائٹ تھے۔ نائٹ ایک اعزاز تھا جو غیر معمولی طور پر ذہین، دلیر اور قیادت کے ماہر فوجی افسر کو دیا جاتا تھا۔ اُسے خاص قسم کی زرہ بکتر دی جاتی، سلسلے کی ایک کہانی ''اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے''

میں اس صلیبی بادشاہ کا نام اور واقعہ پڑھا ہوگا۔ ۱۱۷۴ء کے اوائل میں صلیبیوں نے سمندر سے سکندریہ پر حملہ کیا تھا لیکن سلطان ایوبی کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے حملے کی خبر قبل از وقت مل گئی تھی۔ اُس نے حملے کے استقبال کا ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ بُری طرح تباہ ہوا اور یہ بیڑہ فوج کو ساحل پر نہیں اُتار سکا تھا۔

اس حملے کی دوسری کڑی خشکی کے راستے حملہ کرنا تھا جس کی قیادت رینالٹ کر رہا تھا چونکہ مسلمان جاسوس صلیبیوں کا پورا پلان لے آئے تھے، اس لیے خشکی پر نورالدین زنگی نے اپنی فوج کی گھات لگا رکھی تھی۔ عقب اور پہلوؤں سے بھی حملوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ رینالٹ اس پھندے میں آ گیا۔ اُس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ گھات سے نکلنے کی کوشش کی مگر ایک رات نورالدین زنگی کے چھاپہ ماروں نے رینالٹ کے ہیڈ کوارٹر پر شب خون مارا اور رینالٹ کو پکڑ لیا۔ صلیبیوں کا نہ صرف حملہ ناکام رہا بلکہ انہیں کمر توڑ شکست ہوئی۔ جانی اور مالی نقصان کے علاوہ سب سے بڑا نقصان تو یہ تھا کہ اُن کا رینالٹ جیسا جنگجو بادشاہ قیدی ہو گیا تھا۔

نورالدین زنگی کے لیے یہ بڑا ہی قیمتی قیدی تھا۔ اُس کی رہائی کے لیے وہ صلیبیوں سے بڑی ہی کڑی شرائط منوانا چاہتا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ دو ماہ بعد زنگی فوت ہو گیا۔ اُس کے اعلیٰ حکام اور سالاروں نے زنگی کے گیارہ سالہ بیٹے الملک الصالح کو سلطنت کی گدی پر بٹھا دیا، کیونکہ اُسے وہ اپنا کٹھ پتلی بنا کر من مانی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اُسے شکست دینے کے لیے صلیبیوں کے ساتھ دوستی کر لی۔ اس دوستی کا انہوں نے پہلا معاوضہ یہ دیا کہ رینالٹ جیسے قیمتی قیدی کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا اور اُس کے ساتھ دوسرے تمام قیدیوں کو بھی رہا کر دیا، وہیں سے سلطان ایوبی کی مسلسل معرکہ آرائی اپنے پیر اُستاد اور عزیز دوست نورالدین زنگی کے بیٹے سے شروع ہو گئی۔ دوسرے امراء خلافت سے آزاد ہو گئے اور سب نے سلطان ایوبی کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیا تھا۔ اس کا اور جو نقصان ہوا سو ہوا، ایک نقصان اب سامنے آیا کہ رینالٹ جسے ان غدار مسلمانوں نے خیر سگالی کے طور پر یا صلیبیوں کی دوستی حاصل کرنے کے لیے رہا کر دیا تھا وہ ایک جنگی قوت بن کر سلطان ایوبی کے خلاف نہیں، بلکہ عالمِ اسلام کو تہ تیغ کرنے کے لیے فیصلہ کن حملے کے لیے آ رہا تھا۔

الملک الصالح نے رینالٹ کے ساتھ جو جنگی قیدی رہا کیے تھے، وہ بھی اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن کر آ رہے تھے۔ رینالٹ اپنی شکست اور ذلت کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ صلیبیوں کی اس کانفرنس میں اُس نے اس تجویز کی مخالفت کی کہ تمام صلیبی افواج مشترکہ کمان کے تحت ہوں۔ اس مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ آزاد ہو کر اپنے عزائم کے مطابق جنگ لڑنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ صلیبیوں میں یہ کمزوری تھی کہ وہ متحد نہیں ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے لیکن ہر ایک کے دل میں یہ ہوتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ علاقے فتح کر کے ان کا بادشاہ بن جائے۔ متعدد مورخین نے لکھا ہے کہ صلیبیوں کو اس کمزوری نے دُنیائے عرب میں نقصان پہنچایا اور وہ اتنی زیادہ اور اتنی برتر جنگی طاقت کے باوجود نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کی صفوں میں غدار نہ ہوتے تو وہ صلیبیوں کو دُنیائے عرب سے بے دخل کر کے یورپ کے لیے خطرہ بن جاتا۔

''اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دینا چاہتے ہیں تو ہم سب اپنی اپنی فوج کو مشترکہ کمان کے سپرد کر دیتے ہیں''...... ریمانڈ آف تریپولی نے کہا...... ''ورنہ ہم بکھر کر ناکام بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ حملے کی قیادت رینالٹ کی فوج کرے، یہ فیصلہ مشترکہ کمان کو کرنا چاہیے''۔

''میں آپ سے الگ نہیں ہوں گا''...... رینالٹ نے کہا......''لیکن میں کسی مشترکہ کمان کا پابند نہیں رہوں گا۔ مجھے اپنی شکست کا انتقام لینا ہے۔نورالدین زنگی تو مر چکا ہے، میں صلاح الدین ایوبی کو اسی طرح قید میں آپ سب کے سامنے لاؤں گا جس طرح زنگی مجھے قید کر کے دمشق لے گیا تھا، ورنہ تاریخ ہمیشہ مجھ پر لعنت بھیجتی رہے گی۔ میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ جس وقت زنگی نے مجھ پر شب خون مار کر میرے دستوں کو بکھیر دیا اور اُن سے ہتھیار ڈلوا لیے تھے، اُس وقت آپ میں سے کس نے زنگی پر جوابی حملہ کیا تھا؟ کون میری مدد کو پہنچا تھا؟......کوئی نہیں۔اب مجھے پابند نہ کریں۔ میں نے اسی روز کے لیے فوج کو تیار کیا تھا۔میرے انتقام کا دن آ گیا ہے۔میری فوج آپ کی کسی بھی فوج کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ جسے بھی میری مدد کی ضرورت ہوگی، اُسے خطرہ مول لے کر بھی مدد دوں گا لیکن میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے پابند نہ کریں''۔

''نہیں کریں گے''...... بالڈون نے کہا......''ہماری آج کی کانفرنس ابتدائی بات چیت تک محدود رہے گی۔اس میں ہم نے یہ طے کرلیا ہے کہ ہماری زمین دوز کوششوں سے مسلمانوں کی خانہ جنگی نے انہیں کمزور کر دیا ہے اور صلاح الدین ایوبی اِدھر آنے کی بجائے مصر چلا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں برق رفتار اور طوفانی قسم کا حملہ کرنا ہے۔ہم نے آج اس حملے کا فیصلہ کرلیا ہے۔اب دو چار دن ہم سب فرداً فرداً سوچ لیں۔ہم میں سے جو بھی غیر حاضر ہیں، انہیں بھی بلالیں اور ایک دن مقرر کر کے حملے کا پلان تیار کرلیں۔ ہماری فوجیں تیار ہیں۔ان دوران ہرمن اپنے شعبۂ جاسوسی کو اتنا زیادہ سرگرم کردے کہ زمین کی تہوں میں سے بھی صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کو نکال کر قید کردے اور یہاں کے مسلمانوں پر کڑی نظر رکھے۔ ہر مسلمان گھرانے اور ہر مسلمان فرد کی روزمرہ حرکات کو بھی دیکھے۔ ہماری افواج کا اجتماع یہیں شروع ہوگیا جسے چھپایا نہیں جاسکتا۔یہ انتظام ہرمن کو کرنا ہے کہ کوئی آدمی یا عورت اس جگہ سے باہر جائے تو یہ یقین کرلیا جائے کہ وہ جاسوس نہیں''۔

''ایسا ہی ہوگا''...... ہرمن نے کہا......''یہاں سے کوئی پرندہ بھی باہر نہیں جائے گا''۔

☆

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ اس کانفرنس میں شراب پلانے والے خادموں (مردوں اور لڑکیوں) کے نگران اور انچارج دو آدمی تھے جو صلیبیوں کی کانفرنسوں اور دعوتوں وغیرہ میں بڑی دلکش وردی میں حاضر رہتے تھے۔یہ قابلِ اعتماد آدمی تھے۔انہیں گہری چھان بین کے بعد ملازم رکھا گیا تھا مگر یہ دونوں سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس تھے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ہوشیار اور ذہین تھے، ورنہ ہرمن جیسے استاد جاسوس اور سراغ رساں کی نظروں اور عقل کو دھوکہ دینا ممکن نہیں تھا۔دونوں خوبرو جوان اور دراز قد تھے۔وکٹر کو اپنا نام بدلنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تھا ہی عیسائی۔ راشد چنگیز جو ترک تھا اپنا نام عیسائیوں جیسا رکھے ہوئے تھا۔یہ دونوں اس کانفرنس میں بھی موجود تھے۔آدھی رات کے قریب کانفرنس برخاست ہوئی اور وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے۔

''ہم دونوں میں سے کوئی بھی نوکری سے غیر حاضر نہیں ہوسکتا''......وکٹر نے کہا......''یہ خبر کسی اور کے ذریعے قاہرہ بھیجنی پڑے گی۔ایسا کون ہوسکتا ہے؟''

''امام سے بات کریں گے''......راشد چنگیز نے کہا......''وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا آدمی بہتر ہے۔قاہرہ تک تیز رفتاری سے پہنچنے کے لیے کسی خاص آدمی کی ضرورت ہوگی مگر ان کا پورا منصوبہ معلوم ہوجائے تو قاہرہ کو اطلاع دیں گے۔ادھوری اطلاع پر سلطان ایوبی کوئی غلط چال نہ چل بیٹھے''۔

''امام کو اتنی سی اطلاع دینا تو ضروری ہے کہ صلیبی بہت بڑے حملے کا فیصلہ کر چکے ہیں''..... وِکٹر نے کہا..... ''تاکہ سلطان اپنی فوج کو تیار کر سکے اور اپنے نقصانات جلدی جلدی پورے کر لے..... اور سنو!''..... اُس نے چنگیز سے کہا..... ''جس وقت یہ لوگ حملے کی باتیں کر رہے تھے تو میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ تم شراب کا پیالہ ریمانڈ کے آگے رکھتے رکھتے رُک گئے تھے اور صاف پتہ چلتا تھا کہ تم اُن کی باتیں غور سے سن رہے ہو۔ میں نے تمہارا چہرہ دیکھا تھا۔ اس پر مجھے نمایاں چمک نظر آئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ اتنا قیمتی راز مل جانے سے ہیجان اور خوشی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہرمن بھی وہیں موجود ہوتا ہے۔ ہرمن علی بن سفیان کے پائے کا جاسوس ہے۔ میں نے تمہیں دیکھ کر فوراً ہرمن کی طرف دیکھا تھا۔ مجھے شک ہوتا ہے جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا تھا۔ محتاط رہو میرے بھائی! ہم دشمن کے پیٹ میں زندگی بسر کر رہے ہیں''۔

''ہرمن کے لیے ہم اجنبی نہیں''..... راشد چنگیز نے کہا..... ''ہمارے متعلق وہ شکوک رفع کر چکا ہے۔ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں''۔

''ڈرنے کی نہیں محتاط ہونے کی ضرورت ہے''..... وِکٹر نے کہا..... ''تم نے آج وہ ہدایات سن لی ہیں جو ہرمن کو ملی ہیں۔ وہ اب ہر کسی کو شک کی نگاہوں سے دیکھیں گے..... اور اب تم یوں کرو، مسجد میں چلے جاؤ۔ سب سو گئے ہیں۔ امام کو بتا آؤ کہ آج صلیبیوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اگر قاہرہ کو کوئی جانے والا ہو تو اس فیصلے کی اطلاع علی بن سفیان کو دے دے اور اگر اُدھر سے کوئی آئے تو ہم سے ملے بغیر واپس نہ جائے''۔

شہر کی ایک مسجد کا امام سلطان ایوبی کے لیے جاسوسی کرتا تھا۔ یہ مسجد جاسوسی کا خفیہ اڈہ بنی ہوئی تھی۔ مسلمان جاسوس مسجد میں جا کر امام کو خبریں پہنچاتے اور اس سے ہدایات لیتے تھے۔ وکٹر کبھی مسجد میں نہیں گیا تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ اُسے نماز نہیں آتی اور مسجد کے آداب سے بھی واقف نہیں۔ اس لیے اُسے ڈر تھا کہ مسجد میں کوئی ایسا مسلمان اُسے پکڑوا دے گا جو صلیبیوں کا جاسوس ہوگا۔ یہ غلط بھی نہیں تھا۔ صلیبیوں کے مخبروں میں مسلمان بھی تھے جو مسجدوں میں جانے والے نمازیوں پر بھی نظر رکھتے اور اُن کی باتیں غور سے سنتے تھے۔ وہ اکثر مسلمانوں کو گرفتار کراتے رہتے تھے۔ راشد چنگیز نے چونکہ اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کر رکھا تھا، اس لیے وہ دن کے دوران مسجد میں نہیں جاتا تھا۔ صلیبی کمانڈروں وغیرہ کی شبینہ دعوتوں سے فارغ ہو کر اگر ضرورت پڑے تو آدھی رات کے بعد امام کے گھر جاتا تھا جو مسجد کے بالکل ساتھ ملا ہوا تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد کے صحن میں کھلتا تھا۔

☆

راشد چنگیز نے کپڑے بدلے۔ چغہ اور عمامہ پہنا۔ مصنوعی داڑھی چہرے پر باندھی اور کمرے سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ حکم کے مطابق اُسے داڑھی اُسترے سے صاف کرانی پڑتی تھی۔ اپنے مشن پر جانے کے لیے اُس نے ایسی مصنوعی داڑھی بنا رکھی تھی جو فوراً لگائی اور اُتاری جا سکتی تھی۔ اُن دنوں وہاں رات کو بھی رونق رہتی تھی۔ ریمانڈ کی فوج کے علاوہ رینالٹ بھی اپنے بہت سے افسروں (نائٹوں) کے ساتھ وہاں گیا ہوا تھا۔ اُس کے چند ایک دستے بھی تھے۔ یہ فوجی افسر اور دیگر صلیبی کمان دار، راتیں عیش و عشرت میں گزارتے تھے۔ پیشہ ور عورتوں کی چہل پہل لگی رہتی تھی۔ اعلیٰ حکام کی بیویاں اور داشتہ عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ وہاں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سی عورت کس کی بیوی ہے۔ عورتوں کی عارضی اور مستقل خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔

راشد چنگیز اپنے کمرے سے نکلا تو اُسے چھپ کر جانے میں بہت دشواری ہوئی۔ کمروں اور خیموں کے اندر تو طوفانِ بدتمیزی بپا تھا ہی، باہر بھی کہیں کہیں اُسے کوئی بدمست جوڑ نظر آ جاتا تھا جس سے بچ کر اُسے راستہ بدلنا پڑتا۔ آخر وہ خطرے کے علاقے سے نکل گیا اور شہر کی گلیوں میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ گیا۔ وہ جب اِدھر اُدھر دیکھ کر مسجد میں داخل ہونے لگا تو اُس نے دبے دبے قدموں کی آہٹ سنی جو گلی میں اُٹھی اور موڑ پر خاموش ہو گئی۔ راشد چنگیز نے اس پر غور کیا لیکن یہ سمجھ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ کتا ہو گا اور یہ آہٹ وہم بھی ہو سکتی تھی۔ وہ مسجد کے صحن میں گیا اور امام کے دروازے پر مخصوص دستک دی۔ دروازہ کھلا۔ راشد چنگیز اندر چلا گیا اور امام کو ساری رپورٹ دے دی۔

''صلیبیوں کی زیادہ تر فوج یہاں جمع ہو گی''...... چنگیز نے کہا...... ''یہ رینالٹ کی فوج ہو گی۔ یہاں کی فوج تو پہلے ہی یہاں موجود ہے۔ قاہرہ تک اس فوج کے کوچ اور عزائم کی اطلاع تو پہنچ ہی جائے گی، اگر ہم کوشش کریں تو اس فوج کو کوچ سے پہلے کچھ نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اور اس کے کوچ کو التوا میں ڈال سکتے ہیں''۔

''تمہارا مطلب یہ ہے کہ چھاپہ ماروں سے کہا جائے کہ وہ فوج کی رسد کو نذرِ آتش کر دیں''...... امام نے کہا......

''میں یہ کام کرا سکتا ہوں لیکن کراؤں گا نہیں۔ تم نے ایسے کئی واقعات سنے ہوں گے کہ جس مقبوضہ شہر میں ہمارے چھاپہ ماروں نے صلیبی فوج کو نقصان پہنچایا وہاں کے مسلمان باشندوں کے لیے زندگی دوزخ سے بدتر بنا دی گئی۔ گھر گھر تلاشی ہوئی۔ ہماری مستورات کی بے عزتی ہوئی۔ ہماری جوان بیٹیوں کو صلیبی پکڑ کر لے۔ قید اور قتل کا ظالمانہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے سلطان ایوبی تک یہ مسئلہ پہنچایا تھا۔ سلطانِ محترم نے میری توقع کے بالکل مطابق جواب بھیجا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ مسلمان باشندوں کی عزت، جان اور مال کی خاطر کسی شہر میں خفیہ تباہ کاری نہ کی جائے۔ دشمن کی رسد کو اس کی فوج کے ساتھ آنے دیا جائے۔ اسے میرے چھاپہ مار میدانِ جنگ میں نہیں آنے دیں گے''۔

''میں آپ کو مکمل اطلاع دو چار دنوں میں دے سکوں گا''...... چنگیز نے کہا...... ''اب آپ اور زیادہ محتاط ہو جائیں۔ یہاں کے سراغ رساں غیر معمولی طور پر سرگرم ہو گئے ہیں۔ وہ اب یہاں کے جانوروں اور پرندوں کو بھی شکی نگاہوں سے دیکھیں گے''۔

یہ طے کر کے کہ ایک آدمی کو صبح قاہرہ روانہ کر دیں گے، چنگیز مسجد سے نکلا۔ وہ چوری چھپے نہیں چل رہا تھا تاکہ کوئی شک نہ کرے۔ وہ گلی کا موڑ مڑا تو اُسے پھر کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ گلی تاریک تھی۔ اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اب کے یہ وہم نہیں تھا۔ وہ آگے چل پڑا۔ اپنے ٹھکانے کے قریب جا کر اُس نے مصنوعی داڑھی اُتار کر کپڑوں میں چھپا لی۔ اُس کے کپڑے ایسے تھے جو کوئی شک پیدا نہیں کرتے تھے، کیونکہ ایسے کپڑے عیسائی بھی پہنتے تھے۔

اب وکٹر اور چنگیز کی کوشش یہ تھی کہ یہ معلوم کریں کہ صلیبی فوج کہاں کہاں حملہ کرے گی اور اس کے کوچ کا پروگرام کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرنے کے انتظامات شروع ہو گئے تھے۔ قاصدوں کی بھاگ دوڑ بھی شروع ہو گئی تھی۔ یہ دونوں جاسوس اس سرگرمی سے بظاہر لاتعلق ہو کر اس کی ہر ایک تفصیل معلوم کرنے میں مصروف تھے۔ ریمانڈ کی حیثیت میزبان کی تھی کیونکہ یہ اُس کا دارالحکومت تھا۔ اُس نے ایک رات تمام صلیبی حکمرانوں، اعلیٰ کمانڈروں اور دیگر اعلیٰ حکام کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ یہ رات وکٹر اور چنگیز کے لیے غیر معمولی مصروفیت کی رات تھی۔ چونکہ مہمانوں میں بادشاہ بھی تھے، اس لیے انہیں شراب وغیرہ پیش کرنے میں زیادہ مستعد رہنا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ مستعدی کی ضرورت اُس وقت

ہوتی ہے، جب تک مہمان ہوش میں رہتے ہیں۔ شراب میں بدمست ہو کر جب وہ بداخلاقی کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں تو ملازموں کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

اس ضیافت میں جتنے مرد تھے، اتنی ہی عورتیں تھیں۔ ان میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں، جوان عورتیں بھی اور وہ بھی جو بڑھاپے کو جوانی کا دھوکہ دے رہی تھیں۔ وکٹر اور چنگیز کھانا اور شراب وغیرہ لانے والے ملازموں کی نگرانی کرتے اور بھاگتے دوڑتے رہے۔ ایک جوان یورپی عورت نے چنگیز سے دو تین بار شراب مانگی۔ چنگیز نے ہر بار کسی ملازم یا ملازمہ کو بلا کر کہا کہ اسے شراب دے۔ اُس وقت مہمان ریمانڈ کے محل کے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ عورت بہت خوب صورت تھی۔ اس نے دیکھا کہ چنگیز ہر ملازم سے کہہ کر شراب منگواتا تو اُس نے مُسکرا کر کہا...... ''میں تمہارے ہاتھ سے تھوڑی سی پینا چاہتی ہوں۔ تم نوکروں کو حکم دے کر اِدھر اُدھر ہو جاتے ہو''۔

''میں لا دیتا ہوں''...... چنگیز نے نوکروں کے سے لہجے میں کہا۔

''یہاں نہیں''...... عورت نے کہا...... ''میں باہر باغ میں جا رہی ہوں، وہاں لانا''۔

چنگیز شراب کی ایک خوش نما صراحی لے کے اُس جگہ چلا گیا جہاں وہ عورت جا بیٹھی تھی۔ یہ محل کا باغ تھا، وہاں بھی مہمان بکھرے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک عورت اور ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا۔ صرف یہ عورت اکیلی تھی اور چنگیز ذرا حیران بھی ہوا کہ ایسی جوان اور خوب صورت عورت اکیلی کیوں ہے۔ اس پر تو مہمانوں کو مکھیوں کی طرح بھنبھنانا چاہیے تھا۔ وہ اس کے پیالے میں شراب ڈالنے لگا تو عورت نے پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے یورپ کے کسی گاؤں کا نام لیا اور بتایا کہ وہ لڑکپن سے شاہ ریمانڈ کے شاہی سٹاف میں ہے۔

''تم تھوڑی سی دیر میرے پاس رُک سکو گے؟''...... عورت نے پوچھا اور پیالہ اُس کی طرف بڑھا کر کہا...... ''لو، میرے پیالے میں تم پیو پھر میں پیوں گی''...... اس کی آواز میں التجا اور تشنگی تھی۔

''آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں نوکر ہوں''...... چنگیز نے کہا...... ''آپ شاہی خاندان کی خاتون ہیں۔ میں اس وقت نوکری کے فرائض ادا کر رہا ہوں''۔

''اِس وقت مجھے اپنا نوکر سمجھو''...... عورت نے اس کی کلائی پکڑ لی اور پیاسی مُسکراہٹ سے کہا...... ''تم شہزادے ہو۔ یہ تو دِل بتایا کرتا ہے کہ کون کیا ہے''۔

''آپ اکیلی کیوں ہیں؟''...... چنگیز نے پوچھا۔

''کیونکہ میرے جذبات مجھے اجازت نہیں دیتے کہ جس سے مجھے نفرت ہو، اُس کے ساتھ ہنسوں کھیلوں''...... اُس نے جواب دیا...... ''جو مجھے اچھا لگتا ہے، اُسے اپنے پاس بلا لیا ہے۔ تم نے میرے ہاتھ سے پیالہ لیا نہیں''۔

''کسی نے دیکھ لیا تو مجھے سولی پر کھڑا کر دیا جائے گا''...... چنگیز نے کہا۔

''اگر تم نے میرے پیالے سے ایک گھونٹ نہ پیا تو میں تمہیں سُولی پر کھڑا کر دوں گی''...... عورت نے کہا...... وہ مُسکرا رہی تھی۔ اُس نے اور آگے ہو کر دھیمی آواز میں کہا...... ''پاگل، تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں اِدھر بلایا ہے۔ مجھے ٹالنے کی نہ سوچنا''۔

''میں شراب نہیں پیوں گا''...... چنگیز نے کہا۔

''نہ پیو''۔ عورت نے کہا...... ''مگر میں جب بھی اور جہاں بھی تمہیں بلاؤں تمہیں آنا پڑے گا''۔

راشد چنگیز فہم وفراست کا مالک اور تجربہ کار انسان تھا، وہ اس پر ذرہ بھر حیران نہ ہوا کہ ایک اونچے طبقے کی حسین وجمیل عورت اس کی دوستی کی خواہش کا اظہار کر رہی ہے۔ اُسے یہ خیال بھی آیا کہ یہ کسی بوڑھے جرنیل کی جوان بیوی ہوگی یا یہ کسی ایسے خاوند کی بیوی ہوگی جو اس وقت کسی اور کی بیوی کے ساتھ مگن ہوگا۔ ایک وجہ تو صاف تھی۔ چنگیز خوبرو آدمی تھا، جس کے قد بت میں بڑی کشش تھی۔ یہ پہلا موقعہ نہیں تھا کہ کسی عورت نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہو۔ صلیبی حکمرانوں اور اعلیٰ افسروں کو دعوتوں میں شراب پیش کرنے والی لڑکیاں خاص طور پر حسین اور دلکش تھیں۔ ان میں سے دو چنگیز کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کر چکی تھیں، لیکن چنگیز نے اپنے کردار کو اُن سے بچائے رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُسے جو فرض دے کر بھیجا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے کردار کے قلعے کو مسمار نہ ہونے دے۔

علی بن سفیان نے اُسے ٹریننگ کے دوران ذہن نشین کرایا تھا کہ ذہن عیاشی کی طرف مائل ہو جائے تو فرائض ذہن سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اُس کے ذہن میں عورت کو ایک ایسے زہر کی مانند بٹھایا گیا تھا جو ایمان کھا جاتا ہے۔ ریمانڈ آف ترپولی کے محل میں اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ جس ملازم یا ملازمہ کو چاہے، نوکری سے نکلوا سکتا تھا۔ اُس کی اپنی حیثیت کا اثر تو جادو کا سا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صلیبیوں کا کوئی کردار نہیں۔ ان کی عورتیں بے حیائی اور بداخلاقی کو قابلِ فخر سمجھتی ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر چنگیز کے لیے یہ عورت اور اُس کی یہ بے تکلفی عجوبہ نہیں تھی۔

وہ چونکہ خصوصی قابلیت کا جاسوس تھا، اس لیے اس نے فوراً سوچ لیا کہ وہ اس عورت کو یہ بتائے بغیر کہ وہ جاسوس ہے، اُسے جاسوسی کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اس عورت نے اُسے یہ جو کہا تھا کہ جہاں بھی تمہیں بلاؤں، تمہیں آنا پڑے گا، اسی میں حکم یا دھمکی نہیں بلکہ دوستانہ بے تکلفی تھی اور اُس کے لہجے میں جو تاثر تھا، اسے چنگیز بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ عورت کی مُسکراہٹ کے جواب میں وہ بھی مُسکرایا۔ اس مُسکراہٹ سے اُس نے شکاری کو اُس کے بچھائے ہوئے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔

''اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟''......اُس نے کہا......''میری ڈیوٹی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ آپ مہمانوں میں چلی جائیں''......اُس نے ذرا جھجک کر پوچھا......''آپ کس کی بیوی ہیں؟''

''بیوی نہیں داشتہ''۔ عورت نے کہا اور ایک اعلیٰ کمانڈر کا نام لے کر کہنے لگی......''کمبخت کے پاس بے شمار دولت ہے، یہاں آ کر اُسے ایک اور مل گئی ہے۔ مجھے بھی آزاد نہیں کرتا۔ مجھ پر ان جذبات کا نشہ طاری رہتا ہے جو اپنے دل کی پسند اور ناپسند کے پابند ہوتے ہیں یا شاید دِل اُن کا پابند ہوتا ہے۔ یہ وہ جذبات ہیں جو یہ نہیں دیکھتے کہ جو انسان دِل پر قابض ہو گیا ہے، وہ بادشاہ ہے یا غلام۔ مجھے تمہاری حیثیت سے کوئی غرض نہیں۔ مجھ سے دُور نہ بھاگنا۔ یہ ظلم ہوگا۔ تم پہلے انسان ہو جسے میرے دِل نے پسند کیا ہے۔ میں جسمانی آلودگی کی پیاسی نہیں۔ میری روح پیاسی ہے۔ اس کی پیاس تمہاری آنکھوں کے چشمے بجھا سکتے ہیں......اب جاؤ، کل رات میں تمہیں خود ڈھونڈ لوں گی''۔

☆

جس وقت چنگیز اس عورت کے ساتھ باغ میں تھا، وِکٹر مہمانوں میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس کے کان اُن چند ایک صلیبیوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے جنہیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ پیش قدمی کس طرف کی جائے، حملہ کہاں کیا جائے۔ اُسے کام کی کچھ باتیں معلوم ہوئیں لیکن یہ ابھی تجویزیں اور مشورے تھے۔ راشد چنگیز بھی مہمانوں میں چلا گیا اور رینالٹ کے اردگرد گھومنے لگا۔ رینالٹ اپنے ساتھیوں سے اپنا وہی عزم دُہرا رہا تھا جس کا اُس نے کانفرنس میں اظہار کیا تھا۔ اُس کے

پاس اتنی زیادہ جنگی طاقت تھی جس کے زور پر وہ بڑے اونچے دعوے کر رہا تھا۔

رات گزر گئی۔ اگلے دن چنگیز کے پاس ایک آدمی آیا جو اس کے گروہ کا جاسوس تھا۔ اس نے اسے پیغام دیا کہ آدمی رات کے لگ بھگ امام کے پاس جائے۔ کوئی ضروری بات کرنی تھی...... دن گزرا۔ رات آئی۔ چنگیز اور وکٹر ریمانڈ کے کھانے کے کمرے میں اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔ رات بہت دیر فارغ ہوئے۔ چنگیز نے ابھی وکٹر کو نہیں بتایا تھا کہ ایک عورت اُس کی دوستی کی خواہاں ہے۔ فارغ ہو کر اُس نے وکٹر کو بتایا کہ وہ کپڑے بدل کر امام کے ہاں جا رہا ہے۔ وکٹر نے اُسے چند ایک باتیں بتائیں جو امام کو بتانے والی تھیں۔

چنگیز نے کپڑے بدلے اور مصنوعی داڑھی چہرے پر باندھ کر چہرہ عمامے میں چھپا لیا۔ وہ کمرے سے نکل کر اندھیرے میں چلا گیا۔ اُس عمارت سے کچھ دُور سرسبز میدان تھا جس میں درختوں کی بہتات تھی۔ پھول دار پودے بھی تھے اور اس کے اِردگرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ اُسے اس قدرتی باغ میں سے گزر کر جانا تھا۔ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ کسی درخت کے پیچھے سے ایک سایہ نمودار ہوا اور اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ چنگیز نے پہلا کام یہ کیا کہ مصنوعی داڑھی اُتار کر چغے کی جیب میں ڈال لی۔ اُسے خطرہ تھا کہ اس جگہ وہی آدمی آسکتا ہے جو اس جگہ ملازم ہوگا اور وہ اُسے پہچانتا ہوگا۔ اس نے رفتار سست کر لی اور آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔

سایہ دائیں طرف سے آ رہا تھا اور جب قریب آیا تو بولا...... ''میں نے کہا تھا نا کہ تمہیں خود ڈھونڈ لوں گی''...... اور اُس کے ساتھ نسوانی ہنسی سنائی دی۔ یہ وہی عورت تھی۔

''محل کی گھٹن نے دماغ خراب کر دیا ہے''...... چنگیز نے کہا...... ''ہوا خوری کے لیے اِدھر نکل آیا ہوں''۔

''میں تمہارے کمرے میں آ رہی تھی''...... عورت نے کہا...... ''اِدھر آتے دیکھا تو تمہارے پیچھے آنے کی بجائے اس طرف سے آئی تا کہ کوئی دیکھ نہ لے...... بیٹھو گے یا ٹہلو گے؟ میں صراحی اور دو پیالے اپنے ساتھ لے آئی ہوں''...... وہ ہنس پڑی۔

راشد چنگیز نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ رہتی کہاں ہے اور اتنی رات گئے کہاں سے آ ٹپکی ہے اور کیا جس کی وہ داشتہ ہے، وہ اُسے ڈھونڈے گا نہیں؟ وہ اسی قدر سمجھ سکا کہ یہ عورت جذبات سے مغلوب ہے اور خطرے مول لے رہی ہے۔ چنگیز نے اس سے راز لینے کے ارادے سے کہا...... ''تم اپنے کمانڈر آقا سے نجات چاہتی ہو۔ یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ لڑائی پر چلا جائے مگر ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ وہ کون سی فوج میں ہے؟''

''وہ بالڈون کی فوج کی ہائی کمان کا جرنیل ہے''...... عورت نے جواب دیا...... شاید لڑائی پر چلا جائے مگر وہ مجھے اور دوسری لڑکی کو بھی ساتھ لے جائے گا''۔

''لڑائی کا کوئی امکان ہے؟''...... چنگیز نے پوچھا...... ''وہ یہاں کیوں آیا ہے؟''

''یہاں اُسے بالڈون نے اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ لڑائی کا امکان پیدا کیا جائے''۔ عورت نے جواب دیا۔

''صلاح الدین ایوبی کی فوج کہاں ہے؟''...... چنگیز نے پوچھا۔

''میں نے کبھی توجہ نہیں دی''...... اُس نے جواب دیا...... ''تم چاہو تو پوچھ کر بتا دوں گی''۔

راشد چنگیز نے اس سے کچھ اور باتیں پوچھیں۔ اس عورت کو جو کچھ معلوم تھا اس نے بتایا اور جو معلوم نہیں تھا، اس کے متعلق کہا کہ پوچھ کر بتا دے گی۔

''کوئی لڑے کوئی مرے تمہیں اس سے کیا؟''......عورت نے جذباتی لہجے میں کہا......''اگر اُس نے مجھے میدانِ جانے میں جانے کو کہا تو میں نہیں جاؤں گی۔ میں اس کی بیوی تو نہیں۔ میں نہ اپنے موجودہ آقا کی غلام ہوں، نہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری دشمنی ہے۔ مجھے اتنا ذلیل کیا گیا ہے کہ میں ان سب کو جو اپنے آپ کو صلیب کے محافظ کہتے ہیں، زہر دے کر مار دینا چاہتی ہوں''......اُس نے چنگیز کو بٹھا لیا۔ دونوں پیالے زمین پر رکھ کر ان میں شراب انڈیلی اور ایک پیالہ چنگیز کی طرف بڑھا کر بولی......''ایسی تنہائی اور ایسی تاریک رات کے رومان کو لڑائی کی باتوں سے تباہ نہ کرو، پیو''۔

چنگیز کے لیے مشکل پیدا ہو گئی۔ وہ ڈیڑھ سال سے ان شرابیوں میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں انہیں شراب پلاتا تھا لیکن اُس نے خود کبھی نہیں پی تھی۔ اس گناہگار ماحول میں جہاں اُسے گناہوں کی بڑی ہی دلکش دعوتیں ملتی ہیں، اُس نے اپنے ایمان کو داغ دار نہیں ہونے دیا تھا۔ اب اُسے ایک ایسی عورت مل گئی جس کی وساطت سے وہ اپنا فرض بہتر طریقے سے ادا کر سکتا تھا لیکن یہ عورت اُسے شراب پیش کر رہی تھی۔ خطرہ تھا کہ اس نے اس جذباتی عورت کی پیش کش ٹھکرائی تو وہ اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اُس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ فرض کی ادائیگی کی خاطر وہ شراب کے دو گھونٹ پیے یا اتنی قیمتی عورت کو ضائع کر دے۔

''مجھے شراب پسند نہیں''۔ اُس نے کہا۔

''خدا نے تمہیں مردانہ حسن اور شجاعت کا بڑا ہی دلکش مجسمہ بنایا ہے''......عورت نے کہا......''لیکن شراب قبول نہ کر کے تم ثابت کر رہے ہو کہ تم پتھر کا بے جان مجسمہ ہو''۔

کچھ دیر انکار اور اصرار کا تصادم جاری رہا۔ چنگیز نے اس حسین عورت کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے اس کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا، پھر پیالہ منہ سے لگا لیا۔ عورت نے اُس کے پیالے میں اور شراب ڈال دی۔ چنگیز نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا اور آہستہ آہستہ پیالہ خالی کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ محسوس کرنے لگا جیسے اس کے خیالات اور نظریات کی دُنیا میں بھونچال آ گیا ہو۔ اُس کے اِردگرد دیواریں گر پڑیں اور وہ آزادی کے احساس سے لطف اندوز ہونے لگا جیسے کال کوٹھڑی سے رہا کر دیا گیا ہو۔

وہ نسوانی جسم کے لمس سے آشنا نہیں تھا۔ اُس نے شادی بھی نہیں کی تھی۔ جاسوسی کے لیے اُسے جو منتخب کیا گیا تھا، اُس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ غیر شادی شدہ تھا اور پیچھے کا اُسے کوئی غم نہیں تھا مگر اس صورتِ حال میں جب ایک دِل کش عورت اُسے شراب پلا کر اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تھی، اُس کا شادی شدہ نہ ہونا اس کی بہت بڑی کمزوری بن گئی تھی۔ یہ عورت اُسے گناہ کی دعوت نہیں دے رہی تھی۔ اُس سے اُس محبت کی بھیک مانگ رہی تھی جو روح کو مسرور اور مخمور کر دیا کرتی ہے۔ چنگیز کی فطرت میں چونکہ گناہ کا عنصر نہیں تھا، اس لیے اُس کے ذہن میں کوئی بے ہودہ ارادہ نہ آیا مگر اس صلیبی عورت کے ریشمی بالوں کے لمس نے، اس کی پیاسی پیاسی اور جذباتی باتوں نے اور اُس کے سڈول بازوؤں نے اور اُس کے نرم و گداز گالوں نے اُسے وہ راشد چنگیز بھی نہیں رہنے دیا تھا جو شراب کے چند گھونٹ حلق سے اُترنے سے پہلے تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔

وہ جب جُدا ہونے کے لیے اُٹھے تو عورت نے اُس سے پوچھا......''تم نے مجھ سے لڑائی کے متعلق کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ مجھے سب کچھ معلوم نہیں۔ اگر تم اپنے تمام سوالوں کا جواب چاہتے ہو تو میں کل رات جواب فراہم کر دوں گی''۔

اچانک چنگیز کے اندر وہ چنگیز بیدار ہو گیا جو سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اُسے اپنے فرائض یاد آ گئے اور اُسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اس پر شراب اور ایک حسین عورت کا نشہ طاری ہے اور اُسے بہت محتاط ہونا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے عورت

سے کہا...... ''مجھے بھی تمہاری طرح لڑائی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ میں آرام اور سکون کی زندگی کا شیدائی ہوں۔ اگر میرے سوالوں کا جواب لاسکو تو مجھے یہ پتہ چل جائے گا کہ ہماری فوج جدھر حملہ کرنے جارہی ہے اُدھر مجھے بھی جانا پڑے گا اور وہ جگہ اور علاقہ کون سا ہوگا۔ شراب ساتھ جائے گی، ملازم ساتھ جائیں گے۔ اس لیے مجھے بھی ساتھ جانا پڑے گا''۔

☆

واپس آکر اُس نے اُسی وقت وکٹر کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اُسے رنج اس بات کا ہو رہا تھا کہ وہ امام سے ملنے جا رہا تھا مگر راستے میں اس عورت نے روک لیا اور اُسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ صلیبیوں کی اس عیاش دُنیا میں صبح سویرے جاگنے کا کوئی بھی عادی نہیں تھا۔ چنگیز امام کے پاس جاسکتا تھا مگر منہ میں شراب کی بو لیے ہوئے وہ مسجد میں جانے سے ڈر رہا تھا۔ اُس کے دِل پر یہ بوجھ بھی سوار ہوگیا کہ شراب نوشی بہت بڑا گناہ ہے جس کا وہ ارتکاب کر چکا ہے۔ اس کے باوجود اُسے جب اس عورت کا خیال آیا تو اُس میں اُسے کوئی عیب نظر نہ آیا بلکہ اُس پر اس کی محبت کا خمار از سرِ نو سوار ہوگیا۔ عورت کے خیال کے ساتھ کوئی گناہ وابستہ نہیں تھا۔ یہ پاک محبت کا سرور تھا جس سے وہ دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا...... وہ لیٹ گیا اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُسے وکٹر نے جگایا۔ سورج اوپر اُٹھ آیا تھا۔ وکٹر نے پہلی بات یہ پوچھی...... ''امام سے مل آئے تھے؟ کیا بات تھی؟''

''نہیں''۔ چنگیز نے وکٹر کو حیران کر دیا...... ''میں مسجد تک نہیں جاسکا''...... اُس نے وکٹر کو تمام تر واقعہ سنا دیا اور کہا...... ''اگر میں شراب پیے ہوئے نہ ہوتا تو میں اس عورت سے جُدا ہونے کے بعد بھی جاسکتا تھا''۔

''پھر تم کوشش کرو کہ آئندہ شراب نہ پیٔو''۔ وکٹر نے اُسے کہا...... ''اگر اس عورت کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اُس کے کہنے پر دو گھونٹ پی ہی لیے تھے تو تمہیں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ امام تمہارے انتظار میں پریشان ہو رہا ہوگا۔ دن کے وقت جانا ٹھیک نہیں۔ آج رات ضرور جانا''۔ وکٹر نے اُس سے پوچھا۔ ''تم اناڑی نہیں ہو چنگیز! خود سمجھ سکتے ہو کہ اس عورت کی نیت کیا ہے اور کیا وہ تمہارے ساتھ دلی محبت کرتی ہے؟ تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہی یا تمہیں جسمانی جذبے کی تسکین کا ذریعہ بنانا چاہتی ہوگی۔ یہ تو اُس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ تم جاسوس ہو۔ میں تمہیں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ عورت کے جادو نے فرعونوں جیسے بادشاہوں کو تخت سے اُٹھا کر کوڑے کرکٹ میں گم کر دیا ہے۔ خود اپنی قوم کو دیکھ لو۔ صلیبیوں کی بھیجی ہوئی دلکش لڑکیوں نے مصر میں بغاوت تک کرائی ہے۔ سلطان ایوبی کے قابلِ اعتماد سالاروں کو غدار بنالیا ہے''۔

''میں اتنا کچا تو نہیں وکٹر بھائی!'' چنگیز نے کہا...... ''یہ عورت مظلوم نظر آتی ہے۔ وہ بے شک داشتہ ہے، لیکن شہزادی ہے، عصمت فروش نہیں۔ عیش وعشرت اور مادی آسائشوں کے لحاظ میں اُسے شہزادی کہتا ہوں لیکن جذباتی لحاظ سے وہ مظلوم ہے۔ وہ پاک محبت کی پیاسی ہے۔ میں نے اس کے جسم کے ساتھ دلچسپی کا اظہار کیا ہے، نہ کروں گا، لیکن اُس کی محبت کو میں ٹھکرا کر اُسے مزید مظلوم نہیں بنانا چاہتا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں اُسی کا ہو کے رہ جاؤں گا۔ اُسے وہ محبت بھی دوں گا جس کی اُسے ضرورت ہے اور اُس سے وہ راز بھی لے لوں گا جس کی مجھے ضرورت ہے''۔

''تم دِل سے اُسے چاہنے لگے ہو؟''

''ہاں وکٹر!'' چنگیز نے جواب دیا...... ''میں تم سے کچھ چھپاؤں گا نہیں۔ وہ میرے دِل میں اُتر گئی ہے''۔

''دِل میں اُتر جانے والیاں پاؤں کی زنجیریں بھی بن جایا کرتی ہیں چنگیز!'' وکٹر نے کہا...... ''میں اس کے سوا

اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ سب سے مقدم اور مقدس فرض ہے۔ فرض اور محبت کے درمیان، نشے اور ہوش کے درمیان، ایمان اور سفلی جذبات کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہوتی جسے پھلانگنا دشوار ہو، بال جیسی باریک ایک لکیر ہوتی ہے جو ذرا سی لغزش سے نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے اور انسان اِدھر سے اُدھر چلا جاتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے راز لیتے لیتے تم اپنے آپ کو اُس کے آگے بے نقاب کر دو''۔

راشد چنگیز نے قہقہہ لگایا اور وِکٹر کی ران پر ہاتھ مار کر بولا...... ''ایسا نہیں ہوگا میرے دوست، ایسا نہیں ہوگا''۔

''اور یاد رکھو''۔ وِکٹر نے کہا...... ''شراب کا تعلق شیطان کے ساتھ ہے جو صفات شیطان میں ہیں، وہ شراب میں ہیں۔ اس کا عادی نہ ہو جانا۔ اس عورت کو خوش کرنے کے لیے اتنی سی پی لینا جس سے تمہاری عقل ٹھکانے رہے''۔

''امام تک یہ پیغام پہنچانا ضروری ہے کہ میں رات کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکا، آج رات آؤں گا''۔ چنگیز نے کہا۔

''بازار چلے جاؤ''۔ وِکٹر نے کہا۔

اُن کے دو چار ساتھی بازار میں دکان دار تھے۔ معمولی سی پیغام رسانی ان کی معرفت ہو سکتی تھی۔ اہم اور نازک راز انہیں نہیں دیئے جاتے تھے۔ وِکٹر خود ہی بازار چلا گیا اور ایسے ایک آدمی سے مل کر آ گیا۔

☆

اگلی رات چنگیز اپنے کام سے جلدی فارغ ہو گیا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے وردی اُتاری، دوسرے کپڑے پہنے اور مصنوعی داڑھی کپڑوں میں چھپا لی۔ اُسے ڈر تھا کہ وہ عورت اُسے اچانک مل گئی تو داڑھی کا راز فاش ہو جائے گا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ امام سے مل کر واپس اُسی جگہ آ جائے گا جہاں عورت سے ملنا تھا۔ وہ اُسی راستے سے گیا۔ یہی راستہ محفوظ تھا اور چھوٹا بھی تھا۔ وہ اُس جگہ داخل ہو گیا جہاں سبزہ، پودے اور درخت تھے۔ وسط میں گیا تو اُسے مانوس سایہ ایک طرف سے آتا نظر آیا۔ چنگیز بھاگ نہیں سکتا تھا۔ سایہ قریب سے نمودار ہوا تھا۔ فوراً ہی اُس کے سامنے آ گیا اور بولا...... ''آج تم جلدی آ گئے ہو، میری محبت کا اثر ہے''۔

''اور تم یہاں اتنی جلدی کیوں آن کھڑی ہوئی تھی؟'' چنگیز نے پوچھا...... ''فوج نے ابھی آدھی رات کا گھڑیال تو نہیں بجایا''۔

''میرا دل کہہ رہا تھا تم گھڑیال کی آواز سے پہلے آ جاؤ گے''...... عورت نے کہا۔

''لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی آ جاؤ گی''۔ چنگیز نے کہا...... ''میں کسی کام سے جا رہا تھا۔ واپس یہیں آنا تھا''۔

''اگر کام ضروری ہے تو جاؤ''۔ عورت نے کہا...... ''میں ساری رات تمہارا انتظار یہیں کروں گی''۔

''اب تو میں یہاں سے ہل بھی نہیں سکوں گا''۔ چنگیز نے اُسے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔

عورت کے کھلے ہوئے بالوں کی مہک اور کپڑوں پر لگے ہوئے عطر نے اُسے دیوانہ بنا ڈالا، لیکن اپنے آپ کو اس حد تک ہوش مند اور چوکنا رکھا کہ امام کے پاس جانا ملتوی کر دیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ عورت آخری صلیبی ہے۔ اس کے دل میں اپنے آقا کے خلاف نفرت ہو سکتی ہے، اپنی قوم اور صلیب کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ چنگیز یہ خدشہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ امام کی طرف گیا تو یہ عورت کسی اور شک کی بنا پر اُس کے پیچھے نہ چل پڑے۔ چنانچہ اُس نے محبت کی شدت کا اظہار کر کے آگے

جانا منسوخ کر دیا۔

عورت نے پیالے زمین پر رکھے اور صراحی سے ان میں شراب ڈال کر ایک پیالہ چنگیز کو دینے لگی۔ چنگیز شراب نہیں پینا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک بہانہ سوچ لیا۔

''تم اگر زہر کا پیالہ دو گی تو وہ بھی پی لوں گا''۔ چنگیز جذبات سے جھومتے ہوئے بولا...... ''شراب نہیں پیوں گا''۔

''عیسائی ہوتے ہوئے شراب سے کیوں نفرت کرتے ہو؟''

''شراب کا نشہ تمہارے حسن اور تمہاری محبت کے نشے پر غالب آجاتا ہے''۔ چنگیز نے کہا...... ''جس طرح تمہارے دل نے زر و دولت اور عیش و عشرت کو قبول نہیں کیا، کیونکہ اُن کی مسرت مصنوعی اور جسمانی ہے، اسی طرح میرا دل شراب کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کا نشہ مصنوعی ہے۔ مجھ پر اپنا خمار طاری کرو''۔

عورت نے اُس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور اس پر اپنا خمار طاری کر دیا۔ اس سے پہلے چنگیز نے اس کے ساتھ جو باتیں کی تھیں، ان میں بناوٹ اور جھوٹ تھا، اب اس کی عقل پر اور اس کے جذبات پر یہ عورت غالب آگئی۔ اسی لذت آگیں خمار میں اُس نے خود پیالہ اُٹھایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

''اور ڈالو''۔ اُس نے کہا۔

عورت نے اب اُس کا پیالہ بھر دیا، جو وہ آہستہ آہستہ پینے لگا، پھر وہ اُس عورت میں گم ہو گیا۔

''ہم کب تک چوری چھپے ملتے رہیں گے؟'' عورت نے کہا۔ ''ذرا غور کرو میں کیسی اذیت میں مبتلا ہوں۔ میرے جسم کا مالک کوئی اور ہے اور دل کے مالک تم ہو۔ تمہاری محبت نے اُس کی نفرت کو اور زیادہ کر دیا ہے۔ میں اب اُسے برداشت نہیں کر سکتی۔ آؤ، یہاں سے بھاگ چلیں''۔

''کہاں جائیں گے؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''دُنیا بہت وسیع ہے''۔ عورت نے جواب دیا۔ ''یہاں سے مجھے نکالو۔ میرے جذبات کی جوانی کو ایک بوڑھا کچل اور مسل رہا ہے''۔

''چلے چلیں گے''۔ چنگیز نے کہا...... ''تھوڑے دن ٹھہر جاؤ...... میرے سوالوں کا جواب لائی ہو؟''

''ہاں!'' عورت نے کہا...... ''ہماری فوجیں جمع ہو رہی ہیں......'' اُس نے تفصیل سے بتایا کہ کس کس کی فوج کہاں کہاں اجتماع کرے گی اور اُن کا ارادہ کیا ہے لیکن ابھی آخری پلان کا اُسے علم نہیں ہو سکا تھا۔ چنگیز اس سے کرید کرید کر پوچھتا رہا۔

وہ جب وہاں سے اُٹھے تو ایک دوسرے کے دل میں پوری طرح سما چکے تھے۔

☆

''میں امام تک تو نہیں پہنچ سکا لیکن اس عورت سے کچھ نئی معلومات لے آیا ہوں''۔ چنگیز نے وِکٹر کو بتایا کہ ''وہ میرے جال میں آگئی ہے اور میرے ہاتھ میں کھیلتی رہے گی''۔

''میرا خیال ہے کہ تم بھی اُس کے جال میں آگئے ہو''۔ وِکٹر نے کہا...... ''تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ اُس کا تیر تمہارے دل میں اُتر گیا ہے''۔

''میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ وہ میرے دل میں اُتر گئی ہے''۔ چنگیز نے کہا...... ''اب تو اُس نے یہ بھی کہہ دیا

ہے کہ وہ میرے ساتھ بھاگ چلے گی، لیکن میں نے اُسے کہا ہے کہ کچھ دن انتظار کرے۔ میں اُسے یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ صلیبیوں کا منصوبہ معلوم ہو جائے تو یہ راز میں خود قاہرہ لے جاؤں گا اور اس عورت کو بھی ساتھ لے جاؤں گا"۔

"اُسے کب بتاؤ گے کہ تم مسلمان ہو اور یہاں جاسوسی کے لیے آئے تھے؟"

"مصر کی سرحد میں داخل ہو کر"۔ چنگیز نے جواب دیا...... "یہاں اُسے تھوڑے ہی بتادوں گا"۔

چنگیز محبت کے نشے میں سرشار تھا۔ وہ صلیبیوں کا راز معلوم کرنے کے لیے جس قدر بے تاب تھا، اُس سے زیادہ بے چین اس عورت سے ملنے کے لیے تھا۔ وہ خود محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سوچنے کے انداز میں اور اس کی روزمرہ حرکات و سکنات میں تبدیلی آگئی ہے۔ پہلی بار اُس نے شراب پی لی تھی تو اگلے روز وہ پچھتاوے سے پریشان رہا تھا، مگر گزشتہ رات اُس نے اپنی مرضی سے شراب کا پیالہ اُٹھالیا تھا اور اب وہ پچھتاوے سے آزاد تھا۔ یہ بہت بڑی تبدیلی تھی۔

اُس شام اُسے اچانک بتایا گیا کہ چند ایک صلیبی حکمران اور اُن کے اعلیٰ کمانڈر آرہے ہیں۔ ریمانڈ میزبان تھا۔ اُس نے شراب کی محفل کا اہتمام کیا تھا۔ رات جب مہمان آئے تو یہ ہجوم نہیں تھا۔ چند ایک خصوصی مہمان تھے جو اس امر کا ثبوت تھا کہ یہ دعوت کم اور اجلاس زیادہ ہے۔ وِکٹر اور چنگیز خاص طور پر سرگرم اور مستعد تھے۔ اس دعوت کے لیے انہوں نے کھانا پیش کرنے کے ملازموں کا باقاعدہ انتخاب کیا تھا۔ اس محفل میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن بھی موجود تھا...... شراب کا دور چلنے لگا اور حملے کی باتیں ہونے لگیں۔ اب کے جو باتیں ہو رہی تھیں، وہ تجاویز نہیں بلکہ فیصلہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان میں پلان کا خاکہ بھی تھا اور ان باتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ کوچ جلدی کیا جائے گا۔

ہرمن سے اس کے محکمے کی سرگرمیوں کے متعلق پوچھا گیا۔ اُس نے بتایا کہ جہاں جہاں صلیبی فوج ہے، وہاں محکمے کو سرگرم کر دیا گیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کا سراغ لگا کر انہیں پکڑا جائے۔ تریپولی میں جہاں صلیبی فوج کا سب سے بڑا اجتماع ہو رہا تھا۔ جاسوسوں کو پکڑنے کے خصوصی انتظامات کر دیئے گئے اور ہرمن نے بتایا کہ یہاں جاسوسوں کے ایک گروہ کا سراغ ملا ہے۔ اُس گروہ کو بے کار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہرمن نے کہا......"صرف ایک آدمی پکڑا گیا تو اُس کے ذریعے پورے گروہ کا سراغ مل جائے گا۔ قاہرہ کے جاسوسوں کو ہدایات بھیج دی گئی ہیں۔ اُدھر سے کل ہی ایک آدمی آیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے بھرتی اور ٹریننگ تیز کر دی ہے اور وہ یروشلم کی طرف پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہے"۔

صلیبیوں کے اجلاس میں چنگیز اور وِکٹر کو اتنی معلومات حاصل ہو گئیں کہ اگر یہی قاہرہ پہنچا دی جائیں تو سلطان ایوبی کے لیے کافی تھیں۔ اُسے یہ اطلاع بہت جلدی ملنی چاہیے تھی کہ صلیبی عنقریب پیش قدمی کر رہے ہیں اور اُن کا رُخ حرن اور حلب کی طرف ہے۔

محفل برخاست ہوئی۔ چنگیز اور وِکٹر آدھی رات کے بعد فارغ ہوئے۔ چنگیز کو امام کے پاس جانا تھا۔ اُس نے ہر رات کی طرح کپڑے بدلے اور مصنوعی داڑھی کپڑوں میں چھپالی۔ آج رات چونکہ بہت دیر ہوگئی تھی، اس لیے اُسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ عورت اسے راستے میں مل جائے گی۔ وہ اطمینان سے باہر نکل گیا۔

☆

اُس کی توقع غلط ثابت ہوئی۔ وہ اُس سرسبز جگہ سے گزر رہا تھا کہ عورت نے اُسے روک لیا۔ چنگیز نے یہ بھی نہ

سوچا، نہ اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں رہتی ہے اور اُسے کہاں سے دیکھ لیتی ہے۔ وہ تو معلوم ہوتا تھا جیسے اُسی جگہ کہیں رہتی تھی جہاں اُسے چنگیز کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی اور وہ باہر آجاتی ہو۔ چنگیز نے اس پر غور نہ کیا۔ اُسے دراصل غور کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔ عورت اس کے ذہن اور دِل پر غالب آجاتی تھی اور وہ سب کچھ بھول جاتا تھا۔ آج رات بھی وہ امام کے پاس نہیں جاسکتا تھا مگر اس کا اُسے افسوس نہ ہوا۔ عورت نے اُسے جذبات میں اُلجھالیا تھا۔ آج وہ مظلومیت کا اظہار ایسی دیوانگی سے کر رہی تھی جس سے چنگیز کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

''مجھے پناہ میں لے لو''۔ عورت نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا...... ''دیکھنے والے مجھے شہزادی اور ملکہ سمجھتے ہیں مگر میری زندگی ایسا جہنم ہے جسے تم قریب سے دیکھو تو سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھو۔ میں مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہوں۔ میری خوب صورتی نے مجھے ایسی اذیت میں ڈالا ہے جو بڑھتی جارہی ہے۔ ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ پندرہ سال کی عمر میں میرے باپ نے مجھے ایک عربی تاجر کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ میرا باپ غریب آدمی نہیں تھا۔ ہم چھ بہنیں تھیں۔ اُس کے دِل میں پیسے کا پیار تھا۔ بیٹیوں کو وہ بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ میری دو بڑی بہنیں باپ کے سلوک سے تنگ آکر اپنے چاہنے والوں کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ مجھے اُس نے بیچ ڈالا......

''ایک سال بعد اس تاجر نے مجھے تحفے کے طور پر ایک صلیبی افسر کے حوالے کر دیا۔ تھوڑے عرصے بعد وہ لڑائی میں مارا گیا۔ میں بھاگ گئی مگر جاتی کہاں۔ ایک عیسائی نے مجھے پناہ دی مگر اُس نے میرے جسم کو کمائی کا ذریعہ بنالیا۔ میں کوئی سستی سی طوائف نہیں تھی۔ وہ مجھے صلیبی فوج کے بہت اُونچے رُتبے کے افسروں کو چند دنوں کے لیے داشتہ کے طور پر دیتا تھا۔ اس آدمی نے اور اُن صلیبیوں نے جن کے ہاں مجھے بھیجا جاتا تھا، مجھے زیورات سے لاد دیا اور مجھے ہر وہ آسائش دی جو محل میں کسی شہزادی کو ملتی ہے۔ اس لحاظ سے میں مطمئن اور مسرور تھی مگر مجھے روحانی مسرت نہیں ملتی تھی۔ اسی پیشے میں میرا میل جول فوجی افسروں کے ساتھ بڑھ گیا۔ میں تجربہ کار ہوچکی تھی۔ میری رسائی حکمرانوں اور سب سے بڑے عہدوں کے کمانڈروں تک ہوگئی۔ انہوں نے مجھے جاسوسی کی تربیت دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ ایک بار مجھے بغداد میں بھیجا گیا تھا، وہاں نورالدین زنگی کے ایک سالار کو اُس کے خلاف کرنا تھا۔ میں نے یہ کام خوش اسلوبی سے کرلیا تھا......

''میں اگر اپنے جاسوسی کے کارنامے تمہیں سنانے لگوں تو تم حیران رہ جاؤ گے اور شاید یقین بھی نہ کرو۔ ایسے قصے بڑے لمبے ہیں۔ اسی دوران اس کمانڈر نے مجھے داشتہ رکھ لیا۔ یہ بوڑھا آدمی ہے۔ مجھے بہت عیش کراتا ہے۔ مجھے بڑے فخر سے اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ وہ شاید لوگوں کو یہ دھوکا دینا چاہتا ہے کہ وہ بوڑھا نہیں اور وہ مجھ جیسی جوان عورت کو خوش و خرم رکھ سکتا ہے۔ یہ میری ہر فرمائش پوری کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ عکرہ میں تھی، وہاں اتفاق سے ایک مسلمان جاسوس سے ملاقات ہوگئی، وہ دمشق سے آیا تھا''۔

''اُس کا نام کیا تھا؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''نام بتادوں گی تو تمہارے کس کام آئے گا''۔ عورت نے کہا...... ''تم اُسے جانتے تو نہیں۔ میری بات سنو۔ تمہاری محبت نے میری زبان کی زنجیریں توڑ دیں اور میرے دِل کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ میں تمہارے آگے ایسا راز فاش کر رہی ہوں جو مجھے قید خانے میں بھجوا سکتا ہے جہاں انسانی درندے مجھے اذیت ناک طریقوں سے ہلاک کریں گے، لیکن میں تمہارے ہاتھ سے مرنا پسند کروں گی...... میں کہہ رہی تھی کہ دمشق کا جاسوس پکڑا گیا اور اُسے تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔ میں بہت بڑے افسر کی چہیتی داشتہ تھی۔ میں اُس جاسوس کا تماشہ دیکھنے تہہ خانے میں چلی گئی، اُسے ایسی

ظالمانہ اذیتیں دی جارہی تھی کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ اُس سے پوچھ رہے تھے کہ اُس کے دوسرے ساتھی کہاں اور اُس نے اب تک کون سا راز معلوم کیا ہے......

''اُس کی پیٹھ سے خون بہہ رہا تھا اور اُس کا چہرہ نیلا ہو گیا تھا، پھر بھی وہ کہہ رہا تھا۔''میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ اپنے کسی ساتھی کے ساتھ غداری نہیں کروں گا''...... میری رگ رگ بیدار ہو گئی۔ میری رگوں میں بھی مسلمان باپ کا خون دوڑ رہا تھا۔ میرے اندر ایک انقلاب زلزلے کی طرح آیا اور میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس مسلمان کو اس تہہ خانے سے نکالوں گی۔ میں نے اپنے آقا کا عہدہ، حسن کا فریب اور تین چار ٹکڑے سونا استعمال کیا اور ایک صبح میرے آقا نے مجھے یہ خبر سنائی کہ تہہ خانے سے مسلمان جاسوس فرار ہو گیا ہے۔ اس بوڑھے کو معلوم نہیں تھا کہ وہ تہہ خانے سے فرار نہیں ہوا تھا۔ میں نے اُسے وہاں سے نکلوا کر اوپر کے حصے میں منتقل کرا دیا تھا، جس وقت میرا آقا مجھے اس کے فرار کی خبر سنا رہا تھا، اُس وقت مفرور جاسوس اسی شہر میں موجود تھا۔ میں نے اپنے ایک مسلمان ملازم سے اس کے چھپنے کا بندوبست کرا لیا تھا......

''وہ بھی تمہاری طرح خوب صورت جوان تھا۔ تہہ خانے میں اُسے لاش بنا دیا گیا تھا۔ میں نے اُسے طاقت کی دوائیں اور غذائیں دیں۔ میں رات کو چوری چھپے اُس کے پاس جایا کرتی تھی۔ اُس نے میری ذات میں ایمان بیدار کر دیا۔ میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ میں مسلمان کی بیٹی ہوں۔ یہ آپ بیتی اُسے بھی سنائی تھی جو تمہیں سنا چکی ہوں۔ اُس نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلی چلو۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے جاسوسی کے ڈھنگ سکھا دو، میں اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اس نے مجھے عکرہ کے تین آدمیوں کے نام پتے بتائے، پھر اُن کے ساتھ ملاقات کا انتظام بھی کر دیا۔ یہ جاسوس تندرست ہو گیا تو میں نے اُسے شہر سے نکلوا دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں چوری چھپے اُس کے ساتھیوں سے ملتی رہی۔ وہ مجھے جاسوسی کے سبق دیتے رہے، پھر میں عملی طور پر اُن کے لیے کام کرنے لگی......

''ایک تو میں اتنے اونچے رتبے کے فوجی افسر کی داشتہ تھی، دوسرے میری خوب صورتی اور جوانی کی بدولت دوسرے افسر میری دوستی کے خواہش مند تھے۔ میں عصمت کا موتی تو گنوا ہی چکی تھی۔ بے حیائی اور شوخی میری عادت بن گئی تھی۔ گناہگاروں کے ساتھ زندگی بسر کر کے میں فریب کار بھی ہو گئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کو خوب اُنگلیوں پر نچایا، انہیں بڑے حسین جھانسے دیئے اور بڑے قیمتی راز مسلمانوں کو دیتی رہی۔ یہ جاسوس مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کے متعلق باتیں سنایا کرتے تھے۔ میں اُسے فرشتہ سمجھتی ہوں۔ میرے دل میں یہی ایک خواہش ہے کہ اپنی قوم کے لیے کچھ کرتی رہوں اور ایک بار سلطان ایوبی کی زیارت کروں۔ میں اسی کو حج سمجھوں گی......

''اب میں اس کمانڈر کے ساتھ یہاں آ گئی ہوں۔ صلیبی بڑی ہی زیادہ طاقت سے مسلمانوں پر فوج کشی کر رہے ہیں۔ مجھے اُن کے تمام راز معلوم ہو چکے ہیں۔ اب مجھے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ایوبی کا جاسوس ہو''۔

''تم نے اتنی دلیری سے یہ راز کیوں فاش کر دیا ہے؟''چنگیز نے اُس سے پوچھا۔''تم اگر واقعی جاسوس ہو تو بالکل اناڑی ہو۔ تم نے میری محبت پر اعتماد کیا ہے، اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں تمہاری نسبت صلیب سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور میری وفاداری صلیب کے ساتھ ہیں تو کیا کرو گی؟ عقل مند جاسوس اپنے فرض پر اپنے بچوں کی محبت کو بھی قربان کر دیا کرتے ہیں''۔

''میں تمہیں حقیقت بتا دوں تو تم مان جاؤ گے کہ میں اناڑی نہیں ہوں''۔ عورت نے کہا......''میں نے یقین کر لیا تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو، تم مسلمان ہو اور مصر کے جاسوس ہو''۔

راشد چنگیز چونکا جیسے اس عورت نے اُسے ڈس لیا ہو۔ شراب کا نشہ اور رومان انگیز جذبات کا خمار یوں اُتر گیا جیسے کمان سے تیر نکل گیا ہو۔ اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اُس نے محسوس کیا جیسے اس کی زبان اکڑ گئی ہو۔

اُسے عورت کی دبی دبی ہنسی سنائی دی۔ عورت نے کہا...... ''کہو، میں اناڑی ہوں؟''

چنگیز کے لیے جواب دینا محال ہو گیا۔ اگر یہ عورت واقعی مسلمان تھی تو کیا چنگیز کو اُس پر اپنا آپ ظاہر کر دینا چاہیے تھا؟ طریقہ یہ تھا کہ ایک گروہ کے جاسوس اپنے ہی ملک کے جاسوسوں کے دوسرے گروہ سے بھی بیگانہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنگیز کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ عورت کس پائے کی جاسوس ہے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ دوغلا کھیل کھیل رہی ہو۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلطان ایوبی نے سختی سے حکم دے رکھا ہے کہ کسی عورت کو کہیں جاسوسی کے لیے نہ بھیجا جائے۔ اگر یہ عورت جاسوسی کر رہی تھی تو اپنے طور پر کر رہی ہوگی۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتی تھی کہ جاسوسوں کو معلومات پہنچا دیتی تھی۔ ایسی عورت پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا۔

''خاموش کیوں ہو گئے ہو؟'' عورت نے پوچھا...... ''کہہ دو میں نے غلط کہا ہے''۔

''تم نے بالکل غلط کہا ہے''...... راشد نے جواب دیا...... ''اور تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے''۔

''کیسی مشکل؟''

''یہ کہ میں تمہیں گرفتار کرا دوں یا محبت کی خاطر خاموش رہوں''۔ چنگیز نے کہا...... ''میں عیسائی ہوں اور پکا صلیبی ہوں''۔

وہ زمین پر بیٹھے تھے۔ عورت نے اپنے زانوں کے نیچے سے کچھ نکالا اور یہ چنگیز کی گود میں رکھ کر کہا...... ''یہ رہی تمہاری مصنوعی داڑھی۔ کل جب تم میرے پاس تھے تب یہ تمہارے چغے کی جیب سے نکال لی تھی، اور پھر جیب میں ہی ڈال دی تھی، آج بھی نکال لی ہے''۔

چنگیز اُس کے حسن اور اُس کی محبت اور شراب کے نشے میں ایسا گم ہو جاتا تھا کہ اُسے ہوش نہیں رہتی تھی۔

''میں نے ایک رات یہ داڑھی تمہارے چہرے پر دیکھی تھی''۔ عورت نے کہا...... ''تم اس داڑھی میں کمرے سے نکلے تھے۔ میں نے تمہیں راستے میں روک لیا اور جب تم نے مجھے بازوؤں میں لیا تھا، میں نے تمہارے چغے کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالا، میرے ایک ہاتھ نے داڑھی محسوس کر لی''۔

''مصنوعی داڑھی سے تم نے کیسے یقین کر لیا کہ میں جاسوس ہوں؟''

''تم جس انداز سے مجھ سے فوجوں کی آمد و رفت کی باتیں پوچھتے رہے ہو، یہ انداز جاسوسوں کا ہے''۔ عورت نے کہا...... ''تم نے مجھے جن سوالوں کے جواب لانے کو کہا تھا، وہ کوئی اور نہیں پوچھ سکتا۔ کسی عام آدمی کے ذہن میں ایسے سوال آتے ہی نہیں اور شراب سے انکار صرف مسلمان کر سکتا ہے۔'' وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ بازو چنگیز کے گلے میں ڈال کر اور گال اُس کے گال سے لگا کر بولی...... ''تم مجھ سے ڈر رہے ہو، کیا تمہارا دِل مان نہیں رہا کہ میں مسلمان ہوں؟ میں تمہیں اپنا دِل کس طرح دکھاؤں۔ ہم دونوں ایک منزل کے مسافر ہیں۔ میں نے تمہیں سلطان ایوبی کا جاسوس سمجھ کر دِل میں نہیں بٹھایا تھا، تم مجھے معلوم نہیں کیوں اچھے لگے تھے۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے ہم آسمانوں میں بھی اکٹھے تھے، زمین پر بھی اکٹھے ہو گئے ہیں اور ہم اکٹھے اُٹھائے جائیں گے...... کہو تو میں تمہارے جاسوس ہونے کے کئی اور ثبوت پیش کر دوں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی اور میں نے یہ ارادہ بھی کیا ہے کہ ہم دونوں بہت قیمتی راز اپنے ساتھ لے کر یہاں سے اکٹھے نکلیں گے، اگر یہ راز قاہرہ بروقت

نہ پہنچا تو حرن، حلب، حماۃ، دمشق اور بغداد تو صلیبیوں کے سیلاب میں ڈوب ہی جائیں گے۔ مصر کو بچانا بھی ممکن نہیں رہے گا۔ سلطان ایوبی بالکل بے خبر ہے۔ وقت ضائع نہ کرو۔ میں یہاں سے اکیلی نہیں نکل سکتی۔ تمہارا ساتھ ضروری ہے۔ میں تمہیں ساتھ لے کر سیر کے بہانے شہر سے نکل سکتی ہوں۔ تم میرے محافظ ہوگے اور کوئی بھی ہم پر شک نہیں کرے گا''۔

راشد چنگیز پر خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ عورت نے اُس کے پیالے میں شراب انڈیلی اور پیالہ اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے مخمور انداز اور جذباتی لہجے میں کہا..... ''تم گھبرا گئے ہو۔ پی لو۔ یہ شراب کا آخری پیالہ ہے۔ اس کے بعد ہم اس سے توبہ کرلیں گے''۔ اُس نے چنگیز پر اپنے ریشمی بالوں کا سایہ کرلیا اور پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ بالوں کے ملائم لمس اور مہک نے نسوانی جسم کے مس اور حرارت نے اور شراب نے چنگیز کی زبان سے کہلوا لیا..... ''تم واقعی جاسوس ہو، ورنہ ڈیڑھ سال جاسوسوں کے سب سے بڑے استاد ہرمن کے سائے میں رہ کر بھی وہ مجھے نہیں پہچان سکا۔ میں تمہاری ذہانت کا مرید ہوگیا ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ تم میرے ساتھ قاہرہ چلو گی''۔

''بہت دیر ہوگئی ہے''۔ عورت نے کہا..... ''کل یہیں ملنا، میں تمہیں وہ باتیں بتاؤں گی جو تم کسی بھی طرح معلوم نہیں کرسکتے''۔

☆

رات کا آخری پہر تھا جب راشد چنگیز اپنے کمرے میں پہنچا۔ اُس نے وِکٹر کو بھی جگایا نہیں تھا۔ صبح اُسے رات کی روئیداد سنایا کرتا تھا لیکن اُس رات اُس پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ وہ بہت ہی خوش تھا جو عورت اُسے دِل دے بیٹھی تھی، وہ مسلمان تھی اور تجربہ کار جاسوس بھی۔ یہ خوشی کیا کم تھی کہ وہ بہت ہی خوب صورت عورت کے ساتھ تریپولی سے نکل رہا تھا۔ اس نے اُسی وقت وِکٹر کے کمرے میں جا کر اُسے جگایا اور بتایا کہ یہ عورت تو اپنی جاسوس ہے۔ اُس نے وِکٹر کو اس عورت کی ساری کہانی سنادی۔

''تم نے اُسے بتادیا ہے کہ تم جاسوس ہو؟'' وِکٹر نے پوچھا۔

''ہاں!'' چنگیز نے جواب دیا..... ''مجھے بتا ہی دینا چاہیے تھا''۔

''میرے متعلق بھی بتادیا ہے؟''

''نہیں!'' چنگیز نے جواب دیا..... ''تمہارے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی''۔ وکٹر کو خاموش دیکھ کر اُس نے کہا..... ''تم سمجھ رہے ہو کہ میں نے غلطی کی ہے۔ میں اناڑی تو نہیں وِکٹر!''

''تم نے یہ بھی اچھا کیا ہے کہ میرا ذکر نہیں کیا''۔ وکٹر نے کہا..... ''اور تم یہ دعویٰ بھی نہ کرو کہ تم اناڑی نہیں ہو''۔

''کیا میں نے غلطی کی ہے؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے تم نے بہت اچھا کیا ہو''۔ وِکٹر نے کہا..... ''اگر یہ غلطی ہے تو یہ کوئی معمولی سی غلطی نہیں۔ تم شاید یہ بھول گئے تھے کہ صرف ایک جاسوس اپنی فوج کی فتح کا باعث بن سکتا ہے اور شکست کا بھی۔ تم جانتے ہو کہ سلطان ایوبی صلیبیوں کی ان تیاریوں سے بے خبر ہے۔ اگر ہم پکڑے گئے اور یہ راز ہمارے ساتھ قید خانے میں چلا گیا یا جلاد کی نذر ہوگیا تو سلطان ایوبی، جو آج تک ہر میدان کا فاتح کہلاتا آیا ہے، تاریخ میں شکست خوردہ کے خطاب سے بھی یاد کیا جائے گا''۔

''نہیں!'' چنگیز نے وثوق اور خود اعتمادی سے کہا..... ''وہ مجھے دھوکہ نہیں دے گی۔ وہ مسلمان ہے۔ میں رات کو اُسے ملنے جاؤں گا۔ وہ پورا راز اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ اب ہمیں اپنے امام کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ راز

خود قاہرہ لے جاؤں گا۔ میرے دل کی شہزادی میرے ساتھ ہوگی...... ہاں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ میری غیر حاضری سے یہاں کسی کو یہ شک نہ ہو کہ میں کوئی فوجی راز لے کر بھاگا ہوں۔ یہ عورت بھی میرے ساتھ لاپتہ ہوگی۔ تم یہ مشہور کر دینا کہ تم نے مجھے اور اُسے چوری چھپے ملتے دیکھا ہے اور میں اس عورت کو بھگا کر یروشلم کی سمت نکل گیا ہوں''۔

وِکٹر گہری سوچ میں کھو گیا اور راشد چنگیز نشے میں جھومتا رہا۔

جس وقت چنگیز وِکٹر کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اُس وقت تھوڑی ہی دُور افسروں کے رہائشی کمروں میں سے ایک میں یہ عورت داخل ہوئی جو چنگیز پر مرمٹی تھی۔ کمرے میں رہنے والا سویا ہوا تھا۔ اُس عورت نے بے تکلفی سے اُس کا ایک ٹخنہ پکڑا اور زور سے جھٹکا دیا۔ وہ آدمی ہڑبڑا کر اُٹھا۔ عورت نے ہنس کر کہا...... ''اُٹھو، اُٹھو۔ شکار مار لیا ہے''۔ اس آدمی نے قندیل جلائی اور اس عورت کو اپنے بازوؤں میں لے کر بستر پر گرا لیا۔ کچھ دیر بے حیائی کے ننگے مظاہرے ہوئے پھر اُس صراحی میں جس میں یہ عورت چنگیز کے لیے شراب لے گئی تھی جو شراب بچی تھی۔ وہ اُس آدمی نے پیالوں میں انڈیلی۔ دونوں نے پیالے خالی کیے۔

''اب کہو کیا خبر لائی ہو''۔

''وہ جاسوس ہے''۔ عورت نے کہا...... ''اور مسلمان ہے''۔

''ہرمن کا شک صحیح ثابت ہوا ہے''۔

''بالکل صحیح''۔ عورت نے کہا...... ''شراب کا اور میرا جادو کام کر گیا ہے، ورنہ ہرمن جیسا ماہر سراغ رساں بھی اُسے نہ پکڑ سکتا۔ اگر اُس کی مصنوعی داڑھی میرے ہاتھ نہ آجاتی تو شاید میں بھی ناکام رہتی۔ مجھے شک تو وہیں سے ہو گیا تھا جب اُس نے پہلے روز شراب پینے سے انکار کر دیا تھا۔ میں جان گئی کہ یہ مسلمان ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں پاک محبت کے لیے ترس رہی ہوں تو اُس نے مجھے پاک محبت دی، ورنہ ہمارے لوگ عورت کو دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے اُس کے کپڑے اُتارتے ہیں''۔

''محبت پاک ہو یا ناپاک، عورت کا جسم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے''۔ اس آدمی نے کہا...... ''یہ کمزوری ہر انسان میں موجود ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہارا حسن اس آدمی کو بے نقاب کر دے گا۔ عورت مجسم طور پر پاس ہو یا عورت کا صرف تصور ہو، انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا''۔

یہ آدمی صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا افسر تھا اور ہرمن کا نائب۔ ہرمن کو کسی طرح شک ہو گیا تھا کہ راشد چنگیز جاسوس ہے۔ ایک تو وہ تجربہ کار تھا، دوسرے اُسے حکم ملا تھا کہ جس پر ذرا سا بھی شک ہو کہ جاسوس ہے، اُسے پکڑ لو۔ چنانچہ اُس نے بڑے سخت انتظامات کر دیئے تھے۔ راشد چنگیز کو شاید انہوں نے رات کو مسجد میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ ہرمن نے اپنے نائب سے کہا کہ چنگیز کو کسی عورت کے جال میں لا کر دیکھو کہ یہ آدمی صاف ہے یا مشتبہ۔ اس محکمے کے پاس اس مقصد کے لیے ایک سے ایک کا یاں عورت موجود تھی۔ اس عورت کو منتخب کیا گیا اور اُسے چنگیز کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ یہ عورت اپنے فن کی ماہر تھی۔ اُس نے یہ ڈرامہ کھیلا جو سنایا گیا ہے۔ چنگیز نے کبھی بھی نہ سوچا کہ ہر رات وہ کمرے سے نکل کر امام کے پاس جا رہا ہوتا ہے تو یہ عورت راستے میں مل جاتی ہے، یہ آتی کہاں سے ہے اور اُسے کس طرح پتہ چل جاتا ہے کہ چنگیز جا رہا ہے۔ وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

''میں نے اُسے اپنی دردناک کہانی جو تم نے بتائی تھی، سنائی تو وہ جذباتی ہو گیا''۔ عورت نے ہرمن کے نائب کو...... ''وہ فوراً قائل ہو گیا کہ میں مسلمان ہوں اور میں واقعی صلاح الدین ایوبی کے لیے جاسوسی کر رہی ہوں''۔

''مسلمان جذباتی قوم ہے''۔ ہرمن کے نائب نے کہا..... ''بلکہ یہ عجیب وغریب قوم ہے۔ مسلمان مذہب کے نام پر ایسی ایسی قربانیاں دے گزرتے ہیں جو کوئی اور قوم نہیں دے سکتی۔ میدانِ جنگ میں ایک مسلمان دس سے لے کر پندرہ صلیبی سپاہیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اسے وہ ایمان کی قوت کہتے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کی اس روحانی قوت کا قائل ہو گیا ہوں۔ آٹھ آٹھ یا دس دس چھاپہ ماروں کا ہمارے عقب میں چلے جانا، شب خون مارنا، ہماری رسد کو نذرِ آتش کر کے غائب ہو جانا، گھیرے سے نکل جانا، نہ نکل سکیں تو اپنی لگائی ہوئی آگ میں زندہ جل جانا، کوئی معمولی بہادری نہیں۔ اسے مافوق الفطرت کہا جا سکتا ہے۔ میں تو اسے معجزہ کہا کرتا ہوں......

''مسلمانوں کی اس قوت کو کمزور کرنے کے لیے ہمارے اُن دانش وروں نے جو انسانی فطرت کی کمزور رگوں کو سمجھتے ہیں، ایسے طریقے وضع کیے ہیں جن سے مسلمانوں کے مذہبی جنون کو ان کی کمزوری بنا دیا گیا ہے۔ یہودیوں نے اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے۔ ہم نے یہ کامیابی چند ایک یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے عالموں اور اماموں کے بہروپ میں بھیج کر حاصل کی ہے۔ مسلمان علاقوں کی کئی مسجدوں کے امام اصل میں یہودی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے قرآن اور حدیث کی ایسی تفسیریں مقبولِ عام کر دی ہیں جن میں مسلمان غلط عقائد کے پیروکار ہوتے جا رہے ہیں۔ انہیں اب مذہب کے نام پر اپنے بھائیوں کے خلاف لڑایا جا سکتا ہے اور ہم نے لڑا کر دکھا بھی دیا ہے......

''ہم نے مسلمانوں میں جنسی جنون بھی پیدا کر دیا ہے۔ اب جس مسلمان کے ہاں دولت اور اقتدار آتا ہے، وہ سب سے پہلے حرم بناتا اور اسے حسین اور جوان لڑکیوں سے بھرتا ہے۔ یہ زن پرستی نیچے تک چلی گئی ہے۔ ہم نے کئی طریقوں سے مسلمانوں کے بیٹوں میں تصور پرستی اور ذہنی عیاشی کا رجحان پیدا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان جذباتی ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ اس مسلمان جاسوس کے جذبات کو تم نے چھیڑا تو وہ تمہارے جال میں پھنس گیا۔ جذباتیت بہت بڑی کمزوری ہے۔ ہرمن کہا کرتا ہے کہ مستقبل قریب میں یہ قوم تصوروں کی غلام ہو جائے گی اور حقیقت سے دُور ہٹ جائے گی، پھر ہمیں جنگ و جدل کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مسلمان ذہنی طور پر ہمارے غلام ہو جائیں گے۔ وہ اپنی روایات کو ترک کر کے ہمارے تہذیب وتمدن کو اپنانے میں فخر محسوس کریں گے''۔

''مجھے نیند آرہی ہے''۔ عورت نے اُکتا کر کہا..... ''میں نے تمہیں ایک شکار دے دیا ہے۔ ابھی اسے گرفتار کر لو''۔

''نہیں''۔ انٹیلی جنس کے اس نائب نے کہا..... ''ابھی تمہارا کام ختم نہیں ہوا، اگر اسے گرفتار کرنا ہوتا تو اس کے ساتھ یہ ناٹک کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں اتنی زحمت نہ دی جاتی۔ ہم تو کسی کو بھی محض شک میں گرفتار کر سکتے ہیں مگر اسے ابھی گرفتار نہیں کریں گے۔ اس سے اس کے اُن تمام ساتھیوں کا سراغ لینا ہے جو تریپولی میں جاسوسی کر رہے ہیں۔ ان میں تباہ کار چھاپہ مار بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس سے دوسرے شہروں کے جاسوسوں کی بھی نشاندہی کرائی جا سکے۔ تم اسے پھر مل رہی ہو۔ اسے کہنا کہ تم نے تمام تر راز معلوم کر لیا ہے، اب چند ایک دوسرے جاسوسوں کی بھی ضرورت ہے۔ اسے یہ بھی کہنا کہ ایک جگہ صلیبیوں نے بے انداز آتش گیر مادہ اور قیمتی سامان جمع کر رکھا ہے جو حملے میں ساتھ جائے گا۔ اسے تباہ کرنا ہے، اس لیے یہاں کے زمین دوز چھاپہ ماروں سے میری ملاقات کراؤ''۔

''میں سمجھ گئی ہوں''۔ عورت نے کہا..... ''لیکن یہ بھی امکان ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے پردہ نہ اُٹھائے''۔

ہرمن کے نائب نے عورت کے بالوں پر، عریاں کندھوں پر اور اُس کے سینے پر ہاتھ پھیر کر کہا..... ''کیا تمہارے یہ ہتھیار بے کار ہو گئے ہیں؟ اُس نے اپنا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے۔ اُس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ تمہیں

اب اندر جا کر کونے کھدرے کی تلاشی لینی ہے۔ تم یہ کام بھی کر سکو گی۔ میں صبح ہرمن کو تفصیل سے بتا دوں گا کہ تم نے یہ کارنامہ کر دکھایا ہے"۔

☆

شام کے کھانے پر جب چنگیز اور وکٹر اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہے تھے، ہرمن آ گیا۔ اُس نے چنگیز کے ساتھ دوستانہ انداز سے ہاتھ ملایا اور کہا..... "تمہیں معلوم ہے کہ ہماری افواج تاریخ کی سب سے بڑی مہم پر جا رہی ہیں۔ ہم تمہیں بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بہت دُور کی سیر کرائیں گے۔ وکٹر بھی ساتھ ہو گا، چونکہ دو تین بادشاہ ساتھ ہوں گے، اس لیے تم دونوں کا ساتھ جانا ضروری ہے"۔

"میں ضرور چلوں گا"۔ چنگیز نے کہا۔

ہرمن کو رپورٹ مل چکی تھی کہ راشد چنگیز جاسوس ہے اور آج رات اس کے محکمے کی ایک جواں سال اور دلنشیں عورت جس نے اسے بے نقاب کیا ہے، اس سے اس کے گروہ کے دیگر افراد کے نام اور پتے بھی حاصل کر لے گی۔ ہرمن نے اس عورت کو نئی ہدایات دی تھیں اور نائب سے کہا تھا کہ چنگیز کے گروہ کا انکشاف ہونے تک یہ عورت اسے اکیلے ملتی رہے اور اتنی ہوشیار رہے کہ چنگیز کو شک نہ ہو۔

چنگیز کا دھیان اپنے کام میں تھا ہی نہیں۔ وہ لمحے گن گن کر گزار رہا تھا۔ اتنی بڑی کامیابی اُس نے کبھی بھی حاصل نہیں کی تھی کہ اتنا عظیم راز اُسے ملا ہو اور اتنی حسین لڑکی اس پر مرمٹی ہو۔ اُس رات کو تریپولی میں وہ آخری رات سمجھ رہا تھا۔ مکمل راز لے کر اس عورت کے ساتھ اُسے اگلے روز تریپولی سے نکل جانا تھا..... وہ آخر فارغ ہو گیا اور اپنے کمرے میں گیا۔ وکٹر بھی اس کے ساتھ تھا۔ اُس نے کپڑے بدلے۔ مصنوعی داڑھی نہ لی۔ خنجر چغے کے اندر چھپا لیا۔

"میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اس عورت اور شراب کے نشے سے آزاد ہو کر اور دماغ کو حاضر رکھ کر بات کرنا"۔ وکٹر نے اسے کہا..... "مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ تم اس عورت کو پوری چھان بین کیے بغیر اسے اپنے سارے راز دے دو گے"۔

"سنو وکٹر!" چنگیز نے عجیب سے لہجے میں کہا..... "میں اس عورت کے خلاف کوئی بات نہیں سنوں گا۔ میں نے اس کے ساتھ بڑی لمبی ملاقاتیں کی ہیں۔ اس کی پوری کہانی سنی ہے۔ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ میں بہتر سمجھتا ہوں۔ مجھے پاگل نہ سمجھو۔ یہ میری پہلی اور آخری محبت ہے"۔

وکٹر چپ رہا۔ اُس نے چنگیز کے لہجے سے جان لیا تھا کہ وہ اپنے آپ میں نہیں۔ اُسے یہ احساس تو تھا کہ چنگیز کی شکل و صورت اور قد بت میں اتنی کشش ہے کہ اس عورت سے کہیں زیادہ خوب صورت اونچے طبقے کی عورتیں بھی اُسے نظر بھر کر دیکھتی ہیں لیکن اس عورت کے متعلق اُسے وہم سا ہو چلا تھا کہ چنگیز کو دھوکہ دے رہی ہے اور اگر وہ دھوکہ نہیں دے رہی تو چنگیز اُسے اپنی اصلیت بتا کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال رہا ہے، اگر یہ عورت مسلمان جاسوس ہی ہے تو اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اُسے سرکاری طور پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ وکٹر کو اطمینان محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

چنگیز چلا گیا۔ وکٹر گہری سوچ میں کھو گیا۔ چنگیز کے جانے کے بعد وہ سو جایا کرتا تھا، مگر اُس رات اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں جا کر وہ لیٹنے کی بجائے بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

☆

عورت اُسی جگہ چنگیز کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اُس کے قریب زمین پر شراب کی صراحی اور دو پیالے پڑے تھے۔ اندھیرے میں چنگیز کو سائے کی طرح آتا دیکھ کر وہ دوڑ پڑی اور اُس کے ساتھ لپٹ گئی جیسے بچہ ماں کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔ اُس نے ایسے والہانہ پن اور خود سپردگی کا مظاہرہ کیا جس نے چنگیز کی عقل پر خمار طاری کر دیا اور اُس کے جذبات بیدار ہو گئے۔ اس کایاں عورت نے اپنے حسن و جوانی کے وہ سارے ہتھیار استعمال کیے جن پر ہرمن کے نائب نے ہاتھ پھیر کر کہا تھا کہ تمہارے یہ ہتھیار بے کار تو نہیں ہو گئے۔

''تم مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہے؟'' اُس نے چنگیز سے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا..... ''تمہاری محبت نے مجھے ایسا بے بس اور مجبور کر دیا ہے کہ میں نے اپنا اتنا نازک راز تمہیں دے دیا ہے''۔

عورت اُس کی کمر کے گرد ایک بازو لپیٹے اسے وہاں لے گئی جہاں صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ اُسے وہاں بٹھایا اور پیالوں میں شراب ڈال کر بولی..... ''فتح کی خوشی میں ایک جام'' ..... چنگیز اس قدر مسرور تھا کہ اُس نے فوراً پیالہ لے لیا اور پی گیا۔ عورت نے اُس کے پیالے میں اور شراب ڈال دی۔ چنگیز نے وہ بھی پی لی۔ اُن سے آٹھ دس قدم دُور ایک درخت تھا۔ کوئی پیچھے سے رینگتا ہوا آیا اور اُس درخت کے تنے کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ رات خاموش تھی۔ درخت کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے آدمی کو چنگیز اور عورت کی سرگوشیاں بھی سنائی دے رہی تھیں، مگر وہ سرگوشیوں میں نہیں ذرا اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

''اب بتاؤ کیا خبر لائی ہو'' ۔ چنگیز نے عورت سے پوچھا۔

''ایسی خبر لائی ہوں جو سلطان ایوبی نے کبھی خواب میں نہیں سنی ہوگی'' ۔ عورت نے کہا..... ''میں صلیبیوں کی موت کا پروانہ لائی ہوں'' ..... اُس نے چنگیز کو صلیبیوں کا پلان اور پیش قدمی کا راستہ بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کہاں حملہ کریں گے۔ اُس نے صلیبی فوج کی رسد کا راستہ بھی بتایا اور یہ بھی کہ کوچ کب ہوگا۔

''ہمیں یہاں سے جلدی نکل جانا چاہیے'' ۔ چنگیز نے کہا..... ''کل رات نکل چلیں؟''

''نہیں!'' ۔ عورت نے کہا..... ''ہمیں جس راز کی ضرورت تھی، وہ مل گیا ہے، لیکن میرے دِل میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی ہے، میں اسے سرد کر کے جاؤں گی۔ صلیبیوں نے اپنی فوج کے لیے بے انداز رسد جمع کر لی ہے۔ خیموں اور ہتھیاروں کا کوئی حساب نہیں۔ آتش گیر سیال کے مٹکے بھی ہیں۔ اناج کے انبار ہیں۔ یہ ذخیرہ دُور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اسے تباہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ پہرے کا اتنا ہی انتظام ہے کہ سات آٹھ سپاہی رات کو گشت کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ صلیبیوں نے یہ ذخیرہ تین چار مہینوں میں جمع کیا ہے، اگر ہم نے اسے نذرِ آتش کر دیا تو ان کا حملہ تین چار مہینوں کے لیے رُک جائے گا۔ اس عرصے میں سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی تیاریاں مکمل کر لے گا۔ تم ہرمن کو جانتے ہو۔ میں نے اُس کے دل سے بھی راز نکال لیے ہیں۔ اُس نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی نئی بھرتی کر رہا ہے اور اُس کی پہلی فوج اپنے ہی بھائیوں کے خلاف لڑ کر اتنا جانی نقصان اُٹھا چکی ہے کہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ یہ بدبخت صلیبی سلطان ایوبی کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ صلیبیوں کا کوچ التوا میں ڈالا جائے۔ اس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ان کی رسد جلا دی جائے۔ ان کے جو ہزاروں گھوڑے ہیں، انہیں ہلاک کرنے کا انتظام بھی ہو سکتا ہے''۔

''رسد کو آگ کون لگائے گا؟'' چنگیز نے پوچھا۔

''یہ تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں تمہارے کتنے آدمی موجود ہیں'' ۔ عورت نے کہا..... ''اِن میں چھاپہ مار بھی ہوں گے۔ یہ کام اُن کے سپرد کیا جائے، یہاں تمہارے کتنے چھاپہ مار موجود ہیں؟''

''سلطان ایوبی نے حکم دے رکھا ہے کہ دشمن کے مقبوضہ علاقوں میں تباہ کاری نہ کی جائے کیونکہ چھاپہ مار تو تباہ کاری کرنے کے بعد اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں، سزا بے گناہ مسلمان باشندوں کو ملتی ہے''۔ چنگیز نے کہا...... ''صلیبی ان کے گھروں میں گھس کر ان کی مستورات کو بھی پریشان کرتے ہیں، اس لیے ہم نے چھاپہ ماروں کو واپس بھیج دیا تھا۔ یہاں جاسوس ہیں، وہ تخریب کاری بھی کر سکتے ہیں۔ وہ یہاں کے چند ایک جوانوں کا تیار کر سکتے ہیں''۔

''انہیں کسی جگہ اکٹھا کرنے کا انتظام ہو سکتا ہے؟'' عورت نے پوچھا اور چنگیز کے پیالے میں شراب ڈال کر اپنے ہاتھوں پیالہ اُس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔

''ہم نے ایک مسجد کو خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے''۔ چنگیز نے شراب کا پیالہ پی کر کہا۔ اُس نے مسجد کا محلِ وقوع بتا دیا اور کہا...... ''اس مسجد کا امام ہماری جماعت کا امیر ہے۔ بہت قابل اور دلیر انسان ہے۔ میں آج رات ہی اُسے بتا دوں گا۔ وہ کل ان جوانوں کو مسجد میں اکٹھا کر لے گا۔ وہ سب نماز پڑھنے کے بہانے آئیں گے''۔

''صرف ایک قابل اور دلیر آدمی سے کام نہیں چلے گا''۔ عورت نے کہا...... ''امام کے ساتھ تم ہو گے اور تین چار اور ذہین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، تا کہ اس تباہ کاری کا منصوبہ دانش مندی سے بنے۔ یہ ذخیرہ اُس وقت تباہ کیا جائے گا، جب ہم دونوں یہاں سے نکل جائیں گے، ورنہ شہر کی ناکہ بندی ہو جائے گی''۔

''صرف امام نہیں''۔ چنگیز نے کہا...... ''یہاں ہمارا ایک سے ایک بڑھ کر قابل آدمی موجود ہے''۔ اُس نے چند ایک آدمیوں کے نام بتا دیئے اور کہا...... ''میں ان سب کو مسجد میں بلا سکتا ہوں''۔

یہ عورت چنگیز سے یہی راز لینا چاہتی تھی۔ اُس نے اس گروہ کے متعلق کچھ اور باتیں پوچھیں جو چنگیز نے بتا دیں اور کہا...... ''اس محل میں، مَیں اکیلا نہیں۔ میرے ساتھ وِکٹر نام کا جو آدمی ہے، وہ بھی ہمارے گروہ میں ہے''۔

''وِکٹر بھی؟'' عورت نے چونک کر کہا۔

''ہاں!'' چنگیز نے کہا...... ''کیا تم ہماری استادی کی تعریف نہیں کرو گی کہ ہم نے ایک عیسائی کو بھی اپنا جاسوس بنا رکھا ہے؟''

عورت کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی...... ''کل دن کو میں تمہارے کمرے میں آؤں گی۔ مجھے وہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا''۔

☆

عورت جانے کے لیے اُٹھی۔ درخت کی اوٹ میں چھپے ہوئے آدمی نے حرکت کی۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے کمر بند سے خنجر نکالا اور آٹھ دس قدم کا فاصلہ دو چھلانگوں میں طے کر کے عورت کو پیچھے سے ایک بازو سے جکڑ لیا۔ اُس کا خنجر والا ہاتھ اوپر اُٹھا، تیزی سے نیچے آیا اور خنجر عورت کے سینے میں اُتر گیا۔ عورت کی ہلکی سی چیخ سنائی دی اور یہ آواز...... ''میرے سینے میں خنجر اُتر گیا ہے''۔

چنگیز نے خنجر نکالا اور اُس آدمی کو للکار کر اُس پر حملہ کیا۔ اُس آدمی نے گھوم کر عورت کو آگے کر دیا اور کہا...... ''میں وِکٹر ہوں چنگیز! اس بدبخت کو زندہ نہیں رہنا چاہیے''...... عورت سسک رہی تھی۔ وِکٹر نے اُسے پیچھے سے ایک بازو میں دبوچ رکھا تھا۔

''تم ذلیل عیسائی!'' چنگیز شراب کے نشے میں کہہ رہا تھا...... ''سانپ کے بچے نکلے؟''...... وہ گھوم کر اس پر حملہ

کرنے لگا۔

وِکٹر نے عورت کو آگے کر دیا اور اُسے ڈھال بنا کر بولا...... ''ہوش میں آؤ چنگیز! تم نے اسے سب کچھ بتا کر سارا کھیل برباد کر دیا ہے، اگر یہ زندہ رہی تو کل ہم سب گرفتار ہو جائیں گے''۔

چنگیز بپھرے ہوئے چیتے کی طرح اُس کے اِرد گرد گھوم اور پھنکار رہا تھا۔ لڑکی ابھی ہوش میں تھی۔ کراہتے ہوئے بولی...... ''چنگیز! میرے خون کا انتقام تمہارے سر ہے۔ عیسائی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ میں اب زندہ نہیں رہوں گی۔ یہ ہمارا نہیں، صلیبیوں کا جاسوس ہے''۔

چنگیز نے جست لگا کر وِکٹر پر حملہ کیا۔ وِکٹر نے بار بار اُسے کہا کہ وہ دھوکے میں آ گیا ہے اور اس عورت کو قتل کر کے لاش دُور پھینک آئیں گے، مگر چنگیز اب جاسوس نہیں، وہ مرد بن چکا تھا جس کی محبوبہ کو ایک اور مرد نے پکڑ رکھا تھا اور اُس کے سینے میں خنجر بھی اُتار چکا تھا۔ اُس نے سامنے سے عورت کو اتنی زور سے دھکہ دیا کہ وِکٹر پیچھے کو گرا اور عورت اُس کے اوپر گری۔ چنگیز نے وِکٹر پر خنجر کا وار کیا۔ وہ ہوشیار اور پھرتیلا تھا۔ ایک طرف ہو گیا اور اُٹھا۔ چنگیز نے اُس پر ایک اور وار کیا۔ خنجر اُس کے کندھے میں لگا۔

وِکٹر نے سنبھل کر جوابی حملہ کیا۔ چنگیز کا بھی زندہ رہنا خطرناک تھا۔ وِکٹر کا خنجر چنگیز کے پیٹ میں لگا۔ چنگیز نے خنجر کھا کر وار کیا جو وِکٹر کے بازو کو چیر گیا۔ اُس نے چنگیز کے سینے میں خنجر مارا۔ چنگیز شراب کے نشے میں پاؤں پر کھڑا رہنے کے قابل نہیں تھا۔ وِکٹر نے ایک اور وار اُس کے سینے پر ہی کیا اور چنگیز گر پڑا۔ اُس نے عورت کے دل پر ہاتھ رکھا۔ دِل خاموش تھا۔ وہ مر چکی تھی۔ چنگیز بھی آخری سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں نہیں تھا۔

وِکٹر کے کندھے اور بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ اُس نے عورت کے کپڑے پھاڑے اور بازو پر باندھ لیے۔ کندھے کے زخم میں کپڑا ٹھونس دیا تاکہ خون بند ہو جائے۔ وہ چل پڑا۔ اُس نے رفتار تیز کر لی۔ زخموں پر کپڑا باندھ لینے کے باوجود خون نہ رُکا۔ اُس نے پرواہ نہ کی اور چلتا گیا۔ وہ ایک گلی میں داخل ہو گیا اور دو ایک موڑ مڑ کر وہ ایک فراخ گلی میں چلا گیا۔ تریپولی پر گہری نیند طاری تھی۔ گلیاں سنسان تھیں۔ تمام گھروں کے دروازے بند تھے۔ صرف ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ خدا کے گھر کا دروازہ تھا۔ یہ مسجد تھی۔ وہ اس مسجد میں پہلی بار آیا تھا۔ چنگیز نے اُسے بتا رکھا تھا کہ کبھی اس مسجد میں جانے کی ضرورت پڑے تو مسجد کے صحن میں چلے جانا۔ بائیں دیوار میں ایک دروازہ ہے جو امام کے گھر کا ہے۔ وِکٹر نے یہ مسجد باہر سے دیکھی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کے تریپولی میں موجود جاسوسوں کا خفیہ ہیڈ کوارٹر تھا اور مسجد کا امام مسجد کا ہی نہیں جاسوسوں کے اس گروہ کا بھی امام تھا۔ وِکٹر نے کھلے دروازے میں داخل ہو کر جوتے اُتار دیئے۔

☆

رات آدھی گزر چکی تھی۔ امام گہری نیند سویا ہوا تھا۔ دروازے کی دستک نے اُسے جگا دیا۔ اُس نے دانستہ توقف کیا۔ وہ دستک ایک بار پھر سننے کے انتظار میں تھا۔ دستک پھر ہوئی۔ یہ جاسوسوں کی مخصوص دستک تھی۔ پھر بھی اُس نے لمبا خنجر ہاتھ میں لیا اور دروازہ کھولا۔ دھیمی آواز میں کہا...... ''چنگیز؟''

''وِکٹر''۔ وِکٹر نے جواب دیا...... ''اندر چلیں''

''خون کی بو کہاں سے آ رہی ہے؟'' امام نے اندھیرے میں وِکٹر کا بازو تھام کر پوچھا۔

''یہ میرا خون ہے''۔ وِکٹر نے جواب دیا۔

امام اُسے گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ دیا جلایا تو اُسے نظر آیا کہ وکٹر کے کپڑے خون سے لال اور تر ہو رہے تھے۔ وکٹر کے ساتھ اُس کا وہی تعارف تھا جو چنگیز نے غائبانہ کرا رکھا تھا۔ امام نے اُسے دُور سے دیکھا تھا۔ وِکٹر کو وہ پس منظر میں رکھتے تھے جس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ عیسائی تھا بلکہ یہ کہ اُسے انہوں نے اندر کی اطلاعات فراہم کرنے کا کام سونپ رکھا تھا۔ یہ جاسوسی کا ایک طریقہ اور اُن کی اپنی تنظیم تھی۔ اس لحاظ سے امام اور وکٹر ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں تھے۔

''تم آئے ہو'' ۔امام نے پوچھا...... ''چنگیز کیوں نہیں آیا؟''

''وہ اب کبھی نہیں آسکے گا''۔

''کیوں؟'' امام نے گھبرا کر پوچھا...... ''پکڑا گیا ہے؟''

''اُسے اُس کے گناہوں نے پکڑا ہے'' ۔وِکٹر نے جواب دیا۔ ''اور میرے خنجر نے اُسے سزائے موت دے دی ہے۔ آپ میرا خون نہیں دیکھ رہے؟ کیا آپ میرا خون بند کرنے کا بندوبست کر سکتے ہیں؟ آپ گھبرائیں نہیں، خدا کا شکر ادا کریں کہ چنگیز زندہ نہیں، ورنہ ہم میں سے ہر کوئی قید خانے کی اذیتوں سے مارا جاتا''۔

امام نے بہت تیزی سے دوائیاں نکالیں۔ پانی لایا اور اُس کے زخم دھونے لگا۔ وِکٹر کو کپڑے بدلنے کو کہا۔

''نہیں'' ۔وِکٹر نے جواب دیا۔ ''میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں انہی کپڑوں میں واپس جاؤں گا۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ میرا عزیز دوست اور بڑے ہی خطرناک سفر کا ساتھی میرے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے۔ میں آپ سب کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ میں اپنی گردن جلاد کے آگے جھکا کر آپ سب کو صاف بچا لوں گا''۔

امام اُس کے زخم صاف کر کے اُن پر سفوف چھڑک رہا تھا اور وِکٹر اُسے سارا واقعہ سنا رہا تھا۔ اُس نے ہر ایک تفصیل سنا کر کہا...... ''مجھے شک ہو گیا تھا کہ یہ عورت فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں نے وہ بوڑھا کمانڈر کبھی نہیں دیکھا تھا جس کی وہ اپنے آپ کو داشتہ بتاتی تھی۔ اُس کا ہر رات چنگیز کے راستے میں آ جانا ایک ثبوت تھا کہ وہ قریب ہی کہیں ہوتی ہے اور چنگیز پر نظر رکھتی ہے۔ میں نے چنگیز سے جب بھی کہا کہ وہ زیادہ احتیاط کرے، وہ غصے میں آ گیا۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ شراب بھی پینے لگا تھا۔ مجھے شک ہے کہ شراب میں اُسے حشیش ملا کر پلائی جاتی تھی، ورنہ چنگیز جیسا سخت آدمی اور ایمان کا پکا اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے اس فریب میں نہ آتا۔ بڑی خوب صورت لڑکیاں اُسے اپنی محبت میں گرفتار کرنے کی کوشش کر چکی تھیں۔ وہ ہنس کر ٹال دیا کرتا تھا۔ اس عورت نے اُسے اپنے حسن اور حشیش کی آمیزش والی شراب کے طلسم میں جسمانی نہیں ذہنی طور پر گرفتار کر لیا تھا......

''اُس نے جب یہ بتایا کہ اُس نے عورت کو بتا دیا ہے کہ وہ جاسوس ہے تو میرا دِل کانپ اُٹھا۔ مجھے جیسے عالمِ غیب سے اشارہ مل رہا تھا کہ چنگیز نے اتنی بڑی لغزش کی ہے، جس کی سزا صرف اُس کی نہیں ہم سب کی موت ہے اور اُس کی یہ لغزش شام اور مصر کی آزادی کی موت کا بھی باعث بن سکتی ہے۔ میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کی عقل پر عورت نے جو طلسم طاری کر دیا تھا، وہ اُسے ہم سے اور اپنے فرائض سے اور اپنے ایمان سے بھی بہت دور لے گیا تھا۔ میں نے اُسی وقت ارادہ کر لیا تھا کہ اب یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ اس عورت کو قتل کر دیا جائے اور اگر چنگیز کا رویہ نہ بدلے تو اُسے بھی ختم کر دیا جائے۔ ملک اور قوم کو خطرے سے بچانے کے لیے ایک آدمی کا قتل کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ یہ تو جاسوسی کا اصول ہے کہ گروہ کے کسی آدمی پر غداری کا شک ہو یا اُس کی وساطت سے راز فاش ہونے کا خطرہ ہو تو اُسے ختم کر دیا جائے۔ میں نے پھر بھی اس کے قتل سے گریز کیا مگر وہ مجھے قتل کرنے کے لیے پاگل ہو گیا تھا''۔

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم نے اُسے غلط فہمی میں قتل کر دیا ہو''...... امام نے کہا...... ''ہو سکتا ہے کہ لڑکی مسلمان ہی ہو اور وہ سچے دِل سے ہمارے لیے کام کر رہی ہو''۔

''ہو سکتا ہے''۔ وِکٹر نے کہا...... ''لیکن میں نے ثبوت دیکھ لیا تھا۔ میں نے چنگیز کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے اس عورت کو اُس عمارت سے نکلتے اور واپس جاتے دیکھا تھا جہاں ہرمن کے شعبے کی لڑکیاں رہتی ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ یہ عورت کسی کمانڈر کی داشتہ نہیں۔ وہ اس عمارت میں رہتی ہے۔ آج رات میں چنگیز کے پیچھے چلا گیا اور جہاں وہ اس عورت کے ساتھ بیٹھا، وہاں سے چند قدم دُور میں ایک درخت کے پیچھے بیٹھ گیا۔ عورت نے جس انداز سے چنگیز سے راز کی باتیں پوچھیں اور جو باتیں پوچھیں وہ اس شک کو یقین میں بدلنے کے لیے کافی تھیں کہ یہ عورت صلیبیوں کی جاسوس ہے۔ اُس نے تریپولی میں ہمارے چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا اور چنگیز کو بتایا کہ صلیبی فوج کے لیے رسد وغیرہ کا بے انداز ذخیرہ رکھا گیا ہے جس میں آتش گیر سیال کے بے شمار مٹکے ہیں۔ میں بھی جاسوس ہوں۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ یہاں کہیں بھی اتنا ذخیرہ نہیں رکھا گیا، اُس نے جو جگہ بتائی تھی، وہاں کچھ بھی نہیں۔ آپ خود کل جا کے دیکھ لینا......

''چنگیز نے اُس کے آگے ہماری ساری جماعت کی نشاندہی کر دی اور اُس نے میرا نام لے کر مجھے بھی بے نقاب کر دیا۔ میں اتنی اہم جگہ پر ہوں جہاں مجھے راز کی گہری باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس عورت نے میرا نام سنا تو وہ اپنی حیرت کو چھپا نہ سکی۔ وہ بہت دیر خاموش رہی۔ پھر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمارا اتنا خطرناک راز یہ عورت لے جا رہی تھی اور یہ راز سیدھا ہرمن کے پاس جا رہا تھا۔ اُس کے نتائج کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اُٹھ کر عورت کو پکڑ لیا اور خنجر اُس کے سینے میں گھونپ دیا۔ چنگیز مجھ پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ اُسے بہت سمجھایا۔ حقیقت بتائی مگر شراب نے اُسے حیوان بنا رکھا تھا۔ میں نے اس کے خنجر سے زخم کھا کر بھی اُسے سمجھایا مگر وہ سوچنے سمجھنے کی حالت میں تھا ہی نہیں۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ زندہ رہا تو میں اُسے قابو میں نہیں لا سکوں گا اور ہمارا اصل مقصد بُری طرح ختم ہو جائے گا۔ میں نے اُسے بھی ختم کر دیا''۔

''تم نے اچھا کیا ہے''۔ امام نے کہا...... ''میں تمہارا فیصلہ قبول کرتا ہوں۔ تم اب تریپولی سے نکل جاؤ۔ میں انتظام کر دیتا ہوں''۔

''نہیں''۔ وِکٹر نے کہا...... ''صبح چنگیز اور عورت کی لاشیں سب دیکھ لیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہرمن کو معلوم ہو چکا ہے کہ چنگیز جاسوس تھا۔ اسی نے اس عورت کو اس کے پیچھے ڈالا تھا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ ان دونوں کو مسلمان جاسوسوں نے قتل کیا ہے، پھر یہاں کے مسلمانوں کے لیے قیامت آ جائے گی۔ پہلے ہی احکام مل چکے ہیں کہ کسی پر جاسوسی کا شک ہو تو اُسے قید یا قتل کر دیا جائے۔ اب تو یوں سمجھو کہ یہاں کے ہر مسلمان گھرانے پر ہرمن نے ایک ایک جاسوس مقرر کر دیا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں...... میں واپس اپنی جگہ جا رہا ہوں۔ میں یہ قتل اپنے ذمے لوں گا اور وجہ یہ بتاؤں گا کہ میں اور چنگیز رقیب تھے''۔

''ہم تم سے اتنی قربانی نہیں لیں گے''۔ امام نے کہا...... ''میں تمہارے ساتھ ایک آدمی کو بھیجوں گا جو تمہیں قاہرہ چھوڑ آئے گا''۔

''میں اپنی جان کی قربانی دینا چاہتا ہوں''۔ وِکٹر نے کہا۔ ''مجھے وہ وقت یاد ہے جب میرے شہر میں صلیبی فوج کے دو افسروں نے میری بہن پر ہاتھ ڈالا تھا۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ میری بہن کو اُٹھا کر لے چلیں۔ کوئی عیسائی میری مدد کو نہیں آیا۔ تین مسلمان جوانوں نے ان سپاہیوں کا مقابلہ کیا تھا، تینوں زخمی ہو گئے تھے لیکن انہوں نے میری

بہن کو بچالیا تھا۔ وہ تو بالائی افسر اچھا تھا جس نے میری شکایت سن لی تھی ورنہ میری بہن بھی نہ رہتی اور تینوں مسلمانوں کو بھی قتل کرا دیا جاتا۔ اسی واقعہ نے مجھے مسلمانوں کا جاسوس بنایا تھا۔ میں آپ کی قوم کو اس احسان کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ میں اپنی جان جلاد کے حوالے کر کے تریپولی کے مسلمانوں کی جان اور عزت بچاؤں گا''۔

اُس نے امام کو بتایا...... ''صلیبیوں نے فوجیں جمع کرنی شروع کر دی ہیں اور اُن کا رُخ حلب کی طرف ہوگا۔ وہ سب سے پہلے شام کو تہہ تیغ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابھی یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ کب کوچ کریں گے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ ان کی ساری فوج ایک ہی علاقے پر حملہ کرے گی یا آگے جا کر تقسیم ہو جائے گی اور ایک ہی وقت کئی مقامات پر حملے کرے گی۔ سلطان ایوبی تک یہ اطلاع بہت جلدی پہنچ جانی چاہیے تاکہ وہ مصر میں نہ بیٹھا رہے''...... وِکٹر کو جو کچھ معلوم ہوسکا تھا، وہ اُس نے امام کو بتا دیا۔

وہ اُٹھا اور امام کے روکنے پر بھی نہ رُکا۔ کہنے لگا...... ''آپ بالکل مطمئن رہیں۔ آپ کو کوئی نہیں پکڑ سکے گا'' اور وہ باہر نکل گیا۔

☆

وہ شہر سے بھی نکل گیا۔ اُس کے زخموں سے خون بند ہو چکا تھا۔ امام نے دونوں زخموں پر پٹیاں باندھ دی تھیں۔ اُس نے اِس خیال سے دونوں پٹیاں اُتار کر پھینک دیں کہ جن کے پاس وہ جا رہا تھا، وہ یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ مرہم پٹی کس سے کرائی ہے۔ زخموں سے پھر خون رِسنے لگا۔ وہ اُس جگہ گیا جہاں چنگیز اور عورت کی لاشیں پڑی تھیں۔ رات کے پچھلے پہر کا چاند اوپر اُٹھ آیا تھا۔ وِکٹر کو شراب کی صراحی اور دو پیالے پڑے نظر آئے۔ اُس نے عورت کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ موت بھی اُس کے چہرے کا حسن نہیں بگاڑ سکی تھی۔ اُس کے کھلے ہوئے ریشمی ملائم بال اُس کے سینے پر بکھر گئے تھے۔ وِکٹر نے شراب کی صراحی کو دیکھا اور زیر لب کہا...... ''انسان نے اپنی تباہی کے کیسے کیسے ذریعے اختیار کیے ہیں''۔

اُس نے چنگیز کو دیکھا اور اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ چنگیز کا جسم برف کی طرح سرد ہو چکا تھا۔ وکٹر نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... ''تم اچھی طرح جانتے تھے کہ عورت مرد کی کتنی بڑی کمزوری ہے اور شراب نے بادشاہوں کے تختے اُلٹ دیئے ہیں۔ تم نے اس کمزوری کو اپنے اندر ڈال لیا...... میں بھی آ رہا ہوں میرے دوست! جلاّد مجھے جلدی ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا۔ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ میں آ رہا ہوں دوست، میں آ رہا ہوں''۔

وہ اُٹھا اور بہت تیز قدم اُٹھاتا ہوا اُس عمارت کی طرف چل پڑا جس میں افسر رہتے تھے۔ اُس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے نیام سے خنجر نکالا۔ اُس پر خون جم گیا تھا۔ اُس نے اسے اپنے خون سے تر کیا اور خنجر ہاتھ میں رکھا۔ خون زیادہ نکل جانے سے وہ کمزوری محسوس کرنے لگا تھا...... اُس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ اُسے معلوم تھا کہ جس کے پاس اُسے جانا ہے، اُس کی رہائش یہی ہے۔ کچھ دیر بعد ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔ وِکٹر نے افسر کا نام لے کر کہا کہ اُسے جگاؤ اور بتاؤ کہ ایک قاتل آیا ہے۔ ملازم اندر کو دوڑا۔

اندر سے گالیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ افسر گالیاں بکتا آیا۔ دروازے پر آ کر قہر بھری آواز میں پوچھا...... ''کون ہو تم، کسے قتل کر کے آئے ہو؟'' ملازم قندیل اُٹھائے دوڑا آیا۔ افسر نے روشنی میں وِکٹر کو دیکھ کر پوچھا...... ''تم؟ کسی سے لڑائی ہو گئی تھی؟''

''میں دو انسانوں کے قتل کا اقبال کرنے آیا ہوں''۔ وکٹر نے کہا...... ''مجھے گرفتار کر لیں''۔

افسر نے اُس کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مار کر کہا...... ''قتل کا تمہیں یہی وقت ملا تھا؟ دن کو کیوں نہ قتل کیا؟ میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں جو اس وقت تمہیں گرفتار کروں گا؟ اتنی گہری نیند سے مجھے جگا دیا ہے''۔ اس نے اپنے ملازم سے کہا...... ''اوئے، لے جاؤ اسے، قید خانے میں بند کر دو''۔

''ملازم وکٹر کو بازو سے پکڑ کر چل پڑا تو افسر نے گرج کر کہا...... ''اوئے، رُک جاؤ۔ جنگلی کہیں کے۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ راستے میں تمہیں بھی قتل کر دے گا۔ اندر لاؤ اسے، اس نے کیا کیا ہے؟''۔

''میں نے ایک آدمی اور ایک عورت کا قتل کیا ہے جناب!'' وکٹر بلند آواز سے بولا۔

''قتل کیا ہے؟''...... افسر نے حیرت اور گھبراہٹ سے پوچھا...... ''قتل کیا ہے؟...... اگر مسلمان قتل کیا ہے تو جاؤ اپنی مرہم پٹی کراؤ۔ تم اُسے قتل نہ کرتے تو وہ تمہیں قتل کر دیتا۔ اگر کسی صلیبی کو قتل کیا ہے تو تمہیں بھی قتل ہونا چاہیے۔ اندر آ کر بتاؤ''۔

''آپ نے میرے ساتھ ایک بڑا ہی خوبرو آدمی دیکھا ہوگا''...... وکٹر نے اندر جا کر کہا۔ اُس نے چنگیز کا وہ عیسائی نام بتایا جس سے وہ جانا پہچانا جاتا تھا۔ کہنے لگا...... ''میری دوستی ایک عورت کے ساتھ تھی۔ میرے اس ساتھی نے اس عورت کو ورغلایا اور میرے اور اُس کے تعلقات توڑ ڈالے۔ اس عورت کے ساتھ دوستی کر لی اور اس سے میری بے عزتی کرائی۔ میں اس عورت کی دوستی سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اِن دونوں نے مجھے بہت مشتعل کیا۔ میں نے آج رات انہیں اکٹھے بیٹھے دیکھ لیا۔ میں دراصل انہیں دیکھنے ہی گیا تھا۔ انہیں میں نے ایسی حالت میں دیکھا جو میری برداشت سے باہر تھی۔ میں نے عورت پر حملہ کیا اور اُسے خنجر سے مار ڈالا، پھر اپنے رقیب کے ساتھ خنجر بازی ہوئی۔ مجھے یہ دو زخم آئے ہیں۔ اُسے بھی دو ہی زخم آئے ہیں مگر مہلک ثابت ہوئے ہیں، کہیں بھاگ جانے کی بجائے آپ کے پاس آ گیا ہوں''۔

افسر نے کہا...... ''عورت کے لیے قتل ہونا یا قتل کرنا عقل مندی تو نہیں''۔

یہ افسر بالکل سنجیدہ نہیں لگتا تھا۔ وہ شاید وکٹر کو چھوڑ دیتا مگر صبح ہوتے ہی لاشیں دیکھی گئیں۔ ہرمن اور اُس کے نائب کو پتہ چلا تو دونوں غصے سے پاگل ہونے لگے۔ مقتولہ اُن کی بڑی قیمتی اور کار آمد مخبر اور جاسوس تھی اور چنگیز اس عورت کا شکار تھا جس سے اس گروہ کا سراغ لگانا تھا۔ یہ گروہ محفوظ ہو گیا تھا۔ وکٹر کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ کسی نے اُسے کی مرہم پٹی کی نہ سوچی۔ ہرمن نے اُسے پیٹنا شروع کر دیا جس سے وکٹر بے ہوش ہو گیا۔ اُس کے بعد وہ کبھی بھی ہوش میں نہ آیا۔ دوسرے دن بے ہوشی کی حالت میں اُسے جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔ جلاد کے کلہاڑے نے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

اُس کے سر اور دھڑ کو جب ایک گڑھے میں پھینکا جا رہا تھا، اُس وقت امام کا روانہ کیا ہوا ایک جاسوس تریپولی سے دُور نکل گیا تھا۔ اُسے اونٹ پر بھیجا گیا تھا کیونکہ قاہرہ تک کا سفر بڑا ہی لمبا اور بڑا ہی کٹھن تھا، جسے صرف اونٹ برداشت کر سکتا تھا۔

☆

۵۷۲ ہجری (۱۱۷۷عیسوی) کے اوائل کا ایک مہینہ تھا۔ قاہرہ کے فوجی علاقے میں غیر معمولی رونق اور چہل پہل تھی۔ کسی میدان میں گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے اور کہیں پیادہ سپاہیوں کو ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ شتر سواروں کی رونق الگ تھی۔ قاہرہ سے دُور پہاڑی علاقے میں منظر ایسا تھا جیسے جنگ لڑی جا رہی ہو۔ یہ سلطان ایوبی کی فوج کی جنگی مشق تھی۔ ایک وادی میں آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگائی گئی تھی جو بیس پچیس گز تک پھیلی ہوئی تھی۔ سوار گھوڑے دوڑاتے ان شعلوں میں سے گزر رہے تھے۔ ایک جنگی مشق دُور ریگستان میں ہو رہی تھی۔ کسی سپاہی کو پانی اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

یہ بڑی ہی سخت ٹریننگ تھی جو نئے رنگروٹوں کو دی جا رہی تھی۔ بھرتی ابھی جاری تھی۔ فوج کے تمام سالار اور دیگر افسر اس ٹریننگ میں مصروف تھے۔ سلطان ایوبی سلطنت کے دوسرے مسائل اور امور کی طرف رات کو توجہ دیتا تھا۔ اُس کا دن ٹریننگ کی نگرانی کرتے اور سالاروں کو ہدایات دیتے گزرتا تھا۔ اُس نے سب سے کہہ دیا تھا کہ اگر صلیبیوں نے شام پر فوج کشی نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے لڑائی سے توبہ کر لی ہے یا ان کی عقل جواب دے گئی ہے مگر ان دونوں میں سے ایک بھی بات صحیح نہیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔

''اس وقت تک کسی نہ کسی مقبوضہ علاقے سے اپنے کسی آدمی کو آنا چاہیے تھے''...... سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے ایک سالار سے کہا۔ وہ ایک چٹان پر کھڑا جنگی مشق دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا...... ''صلیبی آئیں گے ضرور۔ یہ مجھے کوئی جاسوس ہی بتا سکتا ہے کہ وہ کدھر سے آئیں گے، کہاں آئیں گے اور اُن کی نفری کتنی ہوگی''۔

وہ چٹان سے اُتر کر کسی اور طرف جانے لگا تو اُسے دُور سے گرد اُڑتی نظر آئی جو ایک یا دو گھوڑوں کی تھی۔ سلطان رُک گیا۔ گرد قریب آئی تو اُس میں سے دو گھوڑے برآمد ہوئے۔ ایک پر علی بن سفیان سوار تھا اور دوسرے کو سلطان پہچان نہ سکا۔ وہ تریپولی سے امام کا بھیجا ہوا جاسوس تھا جو وہاں سے اونٹ پر روانہ ہوا تھا۔ بہت دنوں بعد قاہرہ پہنچا تھا۔ علی بن سفیان نے اس سے رپورٹ لی اور اُسے گھوڑے دے کر ساتھ لے آیا تا کہ رپورٹ سلطان ایوبی کو فوراً دے دی جائے۔

جاسوس نے سلطان ایوبی کو بتایا...... ''صلیبی ایک برق رفتار اور طوفانی حملے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ فوجوں کا اجتماع شروع ہو گیا ہے۔ سب سے زیادہ فوج حونین کے شاہ رینالٹ کی ہے، وہ اس طوفانی یلغار کی قیادت کرنا چاہتا ہے''۔

''وہی رینالٹ جسے نورالدین زنگی نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا تھا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اسے وہ اپنی شرائط پر رہا کرنا چاہتے تھے، مگر زنگی کی بے وقت موت رینالٹ کی رہائی کا باعث بنی۔ اقتدار اور زر و جواہرات کے لالچی اُمراء نے نورالدین زنگی کے کمسن بیٹے کو کٹھ پتلی بنایا اور رینالٹ کو رہا کر دیا۔ آج وہ رینالٹ اسلام کا خاتمہ کرنے آ رہا ہے...... ہاں! تم آگے سناؤ۔ انہیں یلغار کرنی چاہیے تھی، اور کون ہوگا؟''

''تریپولی کا ریمانڈ ہوگا۔ زیادہ تر افواج کا اجتماع وہیں ہو رہا ہے اور حملے کی تفصیلات وہیں طے ہو رہی ہیں۔ تیسرا بالڈوین ہوگا۔ اُس کی فوج بھی کم نہیں۔ یہ معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ صلیبی فوج کب کوچ کرے گی۔ حملہ شام پر ہوگا۔ حلب، حرن اور حماۃ کے نام سنے گئے ہیں۔ کوچ جلدی ہوگا''۔

''علی بن سفیان!''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''مجھے تریپولی سے آخری اطلاعات کا انتظار رہے گا''۔

''ان اطلاعات کا انتظار نہ کریں جن کی آپ توقع لگائے بیٹھے ہیں۔'' علی بن سفیان کی بجائے جاسوس نے جواب دیا...... ''صلیبیوں کے عسکری ایوان میں ہمارے آدمی تھے۔ دونوں مارے گئے ہیں''...... اُس نے راشد چنگیز اور وکٹر کا واقعہ سنا دیا۔ سلطان ایوبی کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ جاسوس نے کہا...... ''رینالٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ اُس کی فوج میں اڑھائی سو نائٹ ہوں گے۔ اپنے ان دونوں جاسوسوں نے مرنے سے پہلے امام کو بتایا تھا کہ صلیبی آپ کو چھاپہ مار اور شب خون مارنے کا طریقہ استعمال کرنے کی مہلت نہیں دیں گے۔ انہوں نے کچھ ایسی چالیں سوچ لی ہیں جن سے وہ آپ کو مجبور کر دیں گے کہ آپ پوری فوج کو سامنے لا کر لڑیں۔ انہیں آپ کی اس کمزوری کا علم ہے کہ آپ کے پاس فوج کی کمی ہے۔ اسی کے پیشِ نظر وہ بہت زیادہ فوج لا رہے ہیں، تا کہ آپ گھوم پھر کر نہ لڑ سکیں''۔

جاسوس کی یہ اطلاع ملنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی باہر کم نظر آنے لگا۔ وہ کمرے میں بند رہنے لگا۔

کاغذ پر ممکنہ میدانِ جنگ کا نقشہ بنا کر اس پر پیش قدمی اور دیگر چالوں کی لکیریں کھینچتا رہتا۔ کبھی اچانک اپنے سالاروں کو بلا کر اُن کے ساتھ بحث میں اُلجھ جاتا اور انہیں موقع دیتا کہ وہ بھی رائے دیں اور چالیں سوچیں۔ ان سالاروں میں ایک عیسیٰ الہکاری تھا جو ایک قابل سالار ہونے کے علاوہ عالم اور قانون دان بھی تھا۔ اُسے بعض مورخوں نے سلطان ایوبی کا دستِ راست بھی کہا ہے۔

ایک روز سلطان ایوبی نے خلاف توقع کوچ کا حکم دے دیا۔ اس نے فوج کا خاصا حصہ سوڈان کی سرحد کے ساتھ خیمہ زن کر دیا کیونکہ اُدھر سے بھی حملے کا خطرہ تھا۔ اُس کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہی تھی کہ وہ پیش قدمی کرتا تھا تو اُس کے عقب میں بھی دشمن ہوتا تھا۔ صلیبیوں کے لیے وہ مصر کی ساری فوج نہیں لے جا سکتا تھا۔ اُس نے کوچ کیا تو مورخوں کے اعداد و شمار کے مطابق، اس کے پاس جو فوج تھی، وہ ایک ہزار پیادہ تھی۔ یہ سب مملوک تھے (مملوک آزاد کیے ہوئے غلاموں کو کہا جاتا تھا) یہ لڑاکے اور جنگجو تھے۔ ان کے علاوہ آٹھ ہزار گھوڑ سوار تھے جن میں مصری بھی تھے اور وہ سوڈانی بھی جنہیں ۱۱۶۹ء میں سلطان ایوبی نے بغاوت کے جرم میں فوج سے نکال کر انہیں زرخیز زمینوں پر آباد کر دیا تھا۔ اب وہ مصر کے وفادار تھے۔ ان پر اعتماد کیا جا سکتا تھا مگر یہ ایک ہزار مملوک اور آٹھ ہزار سوار نئے نئے فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی جنگ دیکھی ہی نہیں تھی۔ اُن کی ٹریننگ بمشکل مکمل ہوئی تھی۔

سلطان ایوبی اپنی فوج اپنے بھائی العادل کی زیر کمان حلب کے مضافات میں چھوڑ آیا تھا۔ اُسے کسی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ صلیبی اتنی جلدی شام تک نہیں پہنچیں گے۔ اُس نے کوچ بہت تیز کرایا اور حلب جا پہنچا۔ وہاں اُسے پتہ چلا کہ صلیبیوں نے حرن کے قلعے کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ آپ نے حرن کا مکمل ذکر پچھلی کہانیوں میں پڑھا ہے۔ سلطان ایوبی نے محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج کو محاصرے میں لے لیا۔ اُس کی یہ چال ایسی اچانک تھی کہ صلیبی جم کر لڑ نہ سکے۔ سلطان ایوبی نے بہت سے قیدی پکڑے اور صلیبیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اُس نے پیش قدمی جاری رکھی اور دو اہم مقامات، لڈیا اور رملہ پر قبضہ کر لیا۔

یہ فتوحات قدرے آسان تھیں۔ مصر سے آئے ہوئے نئے سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ سمجھے کہ جنگ اسی طرح ہوتی ہے جس میں فتح ہماری ہی ہوتی ہے۔ اس سے نئے سپاہی غیر محتاط ہو گئے۔ صلیبیوں نے غالباً دانستہ پسپا ہو کر سلطان ایوبی کو دھوکہ دیا تھا۔ انہوں نے تھوڑی سی فوج کی نمائش کی تھی۔ یہ فرنگی (فرینکس) تھے۔ رینالٹ اور بالڈون کی فوجیں ابھی سامنے نہیں آئی تھیں۔ وہ اسی علاقے میں موجود تھے۔ اب صلیبیوں نے ایسے سخت اقدامات کیے تھے کہ سلطان ایوبی کے جاسوس دشمن کے علاقے سے نکل ہی نہ سکے۔ تریپولی کے جاسوس کے بعد اُدھر سے کوئی آ ہی نہ سکا۔

رملہ کے قریب ایک ندی تھی جس کا پانی تو گہرا نہیں تھا، ندی گہرائی میں تھی اور چوڑی بھی۔ عیسیٰ الہکاری نے رملہ کو فتح کر کے اپنے دستوں کو رملہ کے اردگرد پھیلا دیا۔ اچانک ندی کے کنارے کی اوٹ میں صلیبیوں کی فوج یوں نکلی جیسے سیلاب کناروں سے باہر آ گیا ہو۔ یہ فوج جانے کب سے وہاں چھپی بیٹھی تھی۔ عیسیٰ الہکاری کے دستے بے خبری میں مارے گئے۔ وہ بکھرے ہوئے بھی تھے۔ مقابلہ نہ کر سکے۔ تریپولی کے جاسوس کی یہ اطلاع صحیح ثابت ہوئی کہ صلیبی ایسی چالیں چلیں گے جن سے سلطان ایوبی اپنے مخصوص طریقہ جنگ سے لڑنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اُس وقت کے ایک وقائع نگار ابنِ اسیر نے لکھا ہے۔ ''فرنگی اس طرح ندی سے نکلے جیسے انسانوں اور گھوڑوں کا سیلاب کناروں سے باہر آ کر آبادیوں کو اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا ہو۔ سلطان ایوبی کی فوج بے خبری میں مکمل گھیرے

میں آگئی''۔

مشہور مورخ جیمز نے لکھا ہے...... ''شاہ بالڈون صلاح الدین ایوبی سے پہلے اپنی فوج رملہ کے مضافات میں لے آیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج نے رملہ کا شہر فتح کرلیا اور اس کے ہراوّل کے ایک سالار رایولن نے شہر کو آگ لگا دی تھی۔ صلیبیوں (فرنگیوں) کی گھات کامیاب رہی۔ ایوبی گھیرے میں آگیا۔ اُس کے دستے بکھر گئے۔ اس نے کئی دستے یکجا کر لیے اور اپنی مخصوص چال کے مطابق جوابی حملہ کیا مگر میدان صلیبیوں کے ہاتھ میں تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا حملہ نہ صرف ناکام رہا بلکہ اُس کے لیے پسپائی بھی ناممکن ہوگئی۔

نئے رنگروٹ جو چند ایک مقامات آسانی سے فتح کر کے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہیں کوئی شکست دے ہی نہیں سکتا۔ وہ ایسے بھاگے کہ انہوں نے مصر کا رُخ کرلیا۔ بھاگنے والوں میں اُن کی تعداد زیادہ تھی جنہیں بعض غیر محتاط فوجی افسروں نے مالِ غنیمت کا لالچ دے کر بھرتی کیا تھا۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ سب ناتجربہ کار تھے۔ سلطان ایوبی اس کیفیت میں رہ گیا تھا کہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر میدانِ کارزار سے نکلا اور اپنی جان بچائی۔

قاضی بہاؤالدین شداد جو اس جنگ کا عینی شاہد ہے، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے...... ''سلطان ایوبی نے مجھے اس شکست کی وجہ ان الفاظ میں بتائی تھی...... ''صلیبیوں نے میری چال چل کر میری فوج کو اُس وقت جنگ میں گھسیٹ لیا جب میں اسے جنگی ترتیب میں نہیں لا سکا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ میری فوج کے پہلوؤں پر جو دستے تھے، وہ جگہ آپس میں بدل رہے تھے۔ یہ بہت بڑی نقل و حرکت تھی۔ صلیبیوں نے اس کیفیت میں حملہ کر دیا۔ اُن کا حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ میرے نئے سپاہی اور سوار گھبرا کر پیچھے کو بھاگ اُٹھے اور انہوں نے مصر کا رُخ کرلیا۔ وہ راستے سے بھٹک گئے اور دُور دُور بکھر گئے۔ میں انہیں یکجا نہ کرسکا۔ دشمن نے میری فوج سے بہت سے جنگی قیدی پکڑے۔ ان میں عیسیٰ الہکاری بھی تھا''...... سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو مروانے کی بجائے حکم دے دیا کہ اپنے اپنے طور پر میدانِ جنگ سے نکلو اور قاہرہ پہنچنے کی کوشش کرو''۔

سلطان ایوبی نے صلیبیوں کو ساٹھ ہزار دینار زرِ فدیہ ادا کر کے عیسیٰ الہکاری کو رہا کرالیا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید اُبوحدید نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے اپنے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کو اس جنگ اور اپنی شکست کا حال لکھا تھا جس میں اُس نے عربی کا ایک شعر بھی لکھا تھا۔ اُس کے معنی یہ ہیں۔

''میں نے تمہیں اُس وقت یاد کیا جب صلیبی برچھیاں چل رہی تھیں۔ دشمن کی سیدھی اور گندمی رنگ کی برچھیاں ہمارے جسموں میں داخل ہو کر ہمارا خون پی رہی تھیں''۔

یہ معرکہ جمادی الاوّل ۵۷۳ ہجری (اکتوبر ۱۱۷۷ء) میں لڑا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس حالت میں قاہرہ پہنچا کہ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی فوج نہیں تھی۔ اُس کا محافظ دستہ بھی ساتھ نہیں تھا۔ اُس نے قاہرہ پہنچتے ہی مزید بھرتی کا حکم دیا۔ شام کے محاذ پر وہ اپنے بھائی العادل اور بڑے قابل سالاروں کو حماۃ کے علاقے میں چھوڑ آیا تھا۔

......❁......

جب فرض نے محبت کا خون کیا

آج وہ رملہ اسرائیلیوں کے قبضے میں ہے جہاں آٹھ سو سال پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں سے شکست کھائی تھی۔ رملہ جو بیت المقدس سے دس میل دور شمال میں واقع ہے، اُردن کے علاقے میں ہے۔ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلیوں نے اُردن کے اس تمام علاقے پر قبضہ کر لیا تھا جو دریائے اُردن کے مغربی کنارے پر اسرائیل کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ دس برس گزر گئے ہیں، اسرائیلیوں نے یہ علاقہ خالی کرنے کی بجائے اس پر مکمل قبضہ کر لیا ہے اور کہا ہے کہ دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں یہاں سے نکال نہیں سکتی۔ انہوں نے رملہ کو (اور اس تمام مقبوضہ علاقے کو) اُس وقت بھی قتل گاہ بنایا تھا جب انہوں نے اس پر قبضہ کیا تھا، یہ آج بھی قتل گاہ ہے۔ گزشتہ ایک سال سے رملہ میں جو مسلمان رہ گئے، وہ اسرائیل حکومت کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں اور اسرائیلی انہیں ظلم و تشدد اور رائفلوں کی گولیوں سے خاموش کر رہے ہیں۔

اسرائیلیوں کی ہٹ دھرمی اور عربوں کے آپس میں اختلاف بتا رہے ہیں کہ اسرائیلی اس علاقے کو نہیں چھوڑیں گے۔ دس برس تو گزر گئے ہیں لیکن آٹھ سو سال پہلے جب یہ علاقہ اور یہی رملہ صلیبیوں کے قبضے میں آیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی ایک دن بھی چین سے نہیں بیٹھا تھا۔ وہ میدانِ جنگ سے بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلا تھا۔ اس کی فوج ایسی بُری طرح بھاگی کہ بکھر کر مصر کا رُخ کر لیا۔ فوج کی خاصی نفری صلیبیوں کی قیدی ہو گئی اور کچھ نفری قاہرہ تک بے سروسامانی کی حالت میں پا پیادہ جاتے صحرا اور سفر کی صعوبتوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ایسی شکست حوصلے اور جذبے توڑ دیا کرتی ہے۔ سنبھلتے سنبھلتے مدتیں گزر جاتی ہیں لیکن سلطان ایوبی مصر جا کر نہ صرف سنبھلا بلکہ اُس علاقے میں واپس گیا جہاں سے شکست کھا کر بھاگا تھا اور اُس نے صلیبیوں کے لیے قیامت بپا کر دی۔

رملہ آج پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہا ہے۔

سلطان ایوبی کے سامنے صرف یہ مسئلہ نہیں تھا کہ شکست کا انتقام لینا ہے اور صلیبیوں کی پیش قدمی کو روکنا ہے، اُسے بہت سے خطروں نے گھیر رکھا تھا۔ اُس کی صفوں میں غداروں کی کمی نہیں تھی۔ سوڈان کی طرف سے حملے کا خطرہ بڑھ گیا تھا۔ سوڈانیوں کو معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے پاس فوج نہیں رہی اور جو ہے وہ شکست خوردہ اور زخم خوردہ ہے۔ یہ خطرہ تو سب سے بڑا تھا کہ صلیبیوں کے پاس فوج دس گنا زیادہ تھی اور اس فوج کے حوصلے کو رملہ کی فتح نے مضبوط کر دیا تھا۔ ایک یہ خطرہ بھی تھا کہ جو مسلمان اُمراء سلطان ایوبی کے مخالف تھے، وہ اس کی شکست سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ وہ ایک بار پھر متحد ہو کر سلطان ایوبی کی اُس فوج کے لیے مصیبت بن سکتے تھے جسے وہ محاذ پر چھوڑ آیا تھا۔ اس فوج کا سالارِ اعلیٰ اس کا اپنا بھائی العادل تھا جس پر سلطان ایوبی کو مکمل اعتماد تھا۔

اور ایک خطرہ صلیبی جاسوسوں کا بھی تھا۔ پسپائی کے وقت صلیبیوں کے جاسوسوں کا بھی مصری فوج کے بھیس میں مصر پہنچ جانا آسان تھا۔ یہ جاسوس مصر میں افواہیں پھیلا کر قوم کی حوصلہ شکنی کر سکتے تھے۔

اس شکست کے بعد العادل قرونِ حماۃ تک پیچھے ہٹ آیا تھا۔ اس داستان کی پچھلی اقساط میں آپ نے حماۃ کی جنگ کی تفصیل پڑھی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنے مخالف مسلمان امراء کو شکست دی تھی۔ حماۃ کا قلعہ بھی تھا۔ صلیبی سلطان کو شکست دے کر حماۃ کی طرف بڑھے۔ العادل خود بھی قابل سالار تھا اور اُس کے ساتھ جو سالار تھے وہ مردانِ حُر تھے۔ ان کا دین و ایمان سلطان ایوبی کی طرح پختہ تھا۔ العادل اپنے بھائی سلطان ایوبی کا شاگرد تھا۔ جنگی چالوں کی مہارت اسی سے سیکھی تھی۔ اُسے اندازہ تھا کہ صلیبی اتنی بڑی اور اتنی آسان فتح کے بعد رملہ میں ہی خیمہ زن نہیں ہو جائیں گے۔ اُس نے کسی بہروپ میں اپنے جاسوس پیچھے چھوڑے اور خود فوج کے ساتھ حماۃ کا رُخ کیا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ سلطان ایوبی مصر چلا گیا ہے۔

اُس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی کہ صلیبیوں کی فوج حماۃ کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔ العادل نے اپنی فوج کی کیفیت دیکھی۔ اچھی نہیں تھی۔ سپاہیوں کا حوصلہ مجروح ہو گیا تھا۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی بھی کمی ہو گئی تھی۔ رسد کی کیفیت بھی تسلی بخش نہیں تھی۔ البتہ وہ فوج کو بڑی اچھی جگہ لے آیا تھا جہاں سبزہ، پانی اور علاقہ پہاڑی تھا۔ العادل نے فوج کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ اُس نے دیکھا کہ اونٹوں کی خاصی تعداد زخمی ہے۔ اُس نے ان اونٹوں کو ذبح کرا دیا اور فوج سے کہہ دیا کہ پیٹ بھر کر گوشت کھاؤ۔ اس طرح اُس نے رات کو ایک وسیع وادی میں جشن کا منظر بنا دیا۔ شام کو ہی اُس نے حلب اور دمشق کو اس پیغام کے ساتھ قاصد دوڑا دیئے تھے کہ جس قدر رسد، جانور اور اسلحہ بھیج سکتے ہو، بھیجو۔

رات جب سپاہی اونٹ کا گوشت کھا کر سیر ہو چکے تو العادل ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس کے دائیں بائیں دو مشعل بردار کھڑے تھے۔ اُس نے انتہائی بلند آواز میں کہا..... ''اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدو! اس حقیقت کو قبول کرو کہ ہم شکست کھا کر آئے ہیں۔ کیا تم اس حالت میں اپنی ماؤں، اپنی بہنوں، اپنی بیویوں اور اپنی بچیوں کے سامنے جاؤ گے اور انہیں یہ بتاؤ گے کہ ہم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکروں سے شکست کھا کر آئے ہیں؟ کیا تمہاری مائیں تمہیں دودھ کی دھاریں بخش دیں گی؟ وہ گھروں میں بیٹھی اس خبر کا انتظار کر رہی ہیں کہ ہم نے قبلہء اوّل کو کفار کے قبضے سے آزاد کرا لیا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ جن علاقوں میں کفار قابض ہیں، وہاں وہ مسلمان عورتوں کو بے آبرو کر رہے ہیں۔ ذرا سوچو کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کو کیا جواب دو گے؟ تم میں سے جو یہاں سے پیچھے جانا چاہتے ہیں، الگ کھڑے ہو جائیں۔ میں انہیں نہیں روکوں گا۔ انہیں گھروں کو جانے کی اجازت ہے''۔

العادل خاموش ہو گیا۔ فوج پر بھی خاموشی طاری تھی۔ کوئی ایک بھی سپاہی الگ نہ ہوا۔

''سالارِ اعلیٰ ہمیں اپنا مقصد بتائیں''..... کسی سپاہی کی آواز گرجی..... ''آپ کو کس نے بتایا ہے کہ ہم گھروں کو جانا چاہتے ہیں؟''

''اگر میں پسپائی میں مارا گیا تو یہ میری وصیت ہے کہ میری لاش دفن نہ کی جائے''..... ایک اور آواز گرجی۔ ''گدھوں اور بھیڑیوں کے لیے پھینک دی جائے''۔

پھر کئی آوازیں سنائی دیں۔ ہر آواز میں جذبے کا جوش تھا۔ العادل کا سینہ پھیل گیا۔ اُس نے کہا..... ''دشمن تمہارے پیچھے آ رہا ہے۔ تمہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رملہ کی فتح اُس کی آخری فتح ہے..... آج کی رات اور کل کا دن مکمل آرام کرو۔ کل رات تمہیں بتا دیا جائے گا کہ ہم کیا کریں گے''۔

العادل نے فوج سے فارغ ہو کر اپنے سالاروں اور کمان داروں کو اپنے خیمے میں بلا لیا اور انہیں ہدایات دیں کہ

کل رات وہ اپنے دستوں کو کہاں کہاں لے جائیں گے۔ حماۃ کا قلعہ قریب ہی تھا۔

صلیبی بہت تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ یہ بالڈون کی فوج تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ آگے حماۃ کا قلعہ ہے اور العادل کی فوج اسی قلعے میں ہوگی۔ اُسے جاسوسوں کے ذریعے یہ بھی معلوم تھا کہ جو فوج حماۃ کی طرف پسپا ہوگئی ہے اس کا کمانڈر العادل ہے اور العادل سلطان ایوبی کا بھائی ہے۔ یہ تو معمولی سا فوجی بھی سمجھ سکتا تھا کہ تھکی ہوئی اور شکست خوردہ فوج اپنے قریبی قلعے میں ہی جائے گی۔ چنانچہ صلیبی بادشاہ بالڈون نے برق رفتار پیش قدمی کر کے حماۃ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے، ورنہ قلعے کو زمین سے ملا دیا جائے گا۔ وہ اس خیال میں تھا کہ العادل کی فوج لڑنے کی حالت میں نہیں۔ اعلان کے جواب میں قلعے کی دیوار سے تیروں کی بوچھاڑیں آئیں۔

بالڈون نے ایک بار پھر اعلان کرایا کہ یہ خون خرابہ بے مقصد ہوگا۔ تم لڑ نہیں سکو گے۔ قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی قیدی کے ساتھ ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا...... قلعے کے اوپر سے آواز آئی۔ ''اتنی دُور رہو جہاں تک ہمارے تیر نہ پہنچ سکیں۔ قلعہ تمہیں دینے کی بجائے اسے ہم خود زمین سے ملا دیں گے۔ ہمارا خون بے مقصد نہیں بہے گا۔ تم بے مقصد موت مرو گے''۔

قلعے کی دیواروں پر جو کھڑے تھے، انہیں صلیبیوں کی فوج یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے سمندر کی موجیں ہر طرف سے قلعے کو نرغے میں لیے ہوئے ہوں۔ اس کے مقابلے میں قلعے میں جو فوج تھی، وہ نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اس قلیل فوج کے کمانڈر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ صلیبیوں نے اگلی کارروائی صبح تک ملتوی کر دی۔ اُن کی فوج تیز رفتار پیش قدمی کر کے آئی تھی۔ بہت تھکی ہوئی تھی۔ یہ تعاقب تھا۔ بالڈون اس کوشش میں تھا کہ العادل کو کہیں آرام کرنے اور اپنی فوج کو از سرِ نو منظم کرنے کی مہلت نہ دے۔ وہ العادل کو زندہ پکڑنا چاہتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا بھائی ہونے کی وجہ سے العادل بڑا ہی قیمتی قیدی تھا۔ اُس کے عوض صلیبی سلطان ایوبی سے کڑی شرطیں منوا سکتے تھے۔ کوئی علاقہ لے سکتے تھے۔ بالڈون کو پوری توقع تھی کہ وہ قلعہ، قلعے کی فوج اور العادل سمیت لے سکے گا۔

☆

بالڈون نے اپنی فوج کو قلعے سے اتنی دور پیچھے ہٹا لیا تھا جہاں تک قلعے والوں کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اُسے ایسا خطرہ تو تھا ہی نہیں کہ باہر سے کوئی فوج اُس پر حملہ کر دے گی۔ سلطان ایوبی بھی وہاں نہیں تھا۔ اُس کی فوج بھی نہیں تھی۔ بالڈون کو حماۃ کا قلعہ اپنے قدموں میں پڑا نظر آ رہا تھا۔ شام کے فوراً بعد وہ اپنے کمانڈروں کو اگلے روز کے احکامات دے کر اپنی ذاتی خیمہ گاہ میں چلا گیا تھا جو فوج سے کچھ دور پیچھے تھی۔ اُس دور کے جنگجو بادشاہوں کی خیمہ گاہیں شیش محل سے کم نہیں ہوتی تھیں۔ بالڈون تو فاتح تھا۔ تین چار صلیبی لڑکیاں اُس کے ساتھ تھیں اور چار وہ مسلمان لڑکیاں تھیں جنہیں صلیبی کمانڈروں نے مفتوحہ علاقے سے پکڑا اور بالڈون کو بطور تحفہ پیش کی تھیں۔ یہ لڑکیاں عرب کے حسن کا شاہکار تھیں۔

صلیبی لڑکیوں نے انہیں ذہن نشین کرا دیا تھا کہ ان کا رونا اور آزاد ہونے کے لیے تڑپنا بے کار ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ خوش قسمت ہیں جو صلیب کے بادشاہ کے حصے میں آئی ہیں، جو لڑکیاں صلیبی فوجیوں کے قبضے میں آ گئی ہیں، ان کا حشر دیکھ کر زمین اور آسمان کانپتے ہیں...... ''تمہیں آخر کسی مسلمان امیر یا حاکم کے حرم میں جانا تھا جہاں تم قیدی ہوتیں۔ دو چار سال بعد جب تمہاری نوجوانی کی کشش ماند پڑنے لگتی تو تمہیں کسی سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا۔ تم اگر اپنی فوج کے ہاتھ چڑھ جاتیں تو تمہارے مسلمان بھائی تمہارا وہی حشر کرتے جو ہماری فوج کرتی ہے۔ عورت کا کوئی مذہب

نہیں ہوتا، اُسے جس کے ساتھ بیاہ دیا جائے یا وہ جس کے قبضے میں آجائے، وہی انسان اُس کا خدا اور اُس کا مذہب بن جاتا ہے۔ پھر کیوں نہ تم اس انسان کے پاس رہو جو میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے۔ ایک ملک کا بادشاہ ہے اور دِل کا بھی بادشاہ ہے۔''

پہلے روز لڑکیاں تڑپی تھیں۔ اُن پر تشدد نہ کیا گیا، انہیں کوئی دھمکی نہ دی گئی۔ بالڈوِن نے جب دیکھا کہ یہ نوجوان ہیں اور خوب صورت بھی ہیں تو اُس نے اپنی ہائی کمانڈ کے جرنیلوں سے کہا تھا کہ ان لڑکیوں کو ٹریننگ دے کر بہتر طریقے سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ایسی قیمتی لڑکیوں کو عیاشی کا ذریعہ بنا کر ضائع نہیں کرنا چاہیے، چنانچہ اُس نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا تھا مگر اُس سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ انہیں بیٹیاں بنا کر رکھے گا۔ اُس نے اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی توقع تھی لیکن انہیں اپنی قوم کی شہزادیوں جیسی اہمیت دی، انہیں سبز باغ دکھائے اور باتوں باتوں میں انہیں آسمان تک پہنچا دیا۔

''ہمیں اپنی عصمت کی قربانی دینی ہی پڑے گی''...... ان میں سے ایک لڑکی نے اُس وقت کہا جب چاروں کو تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تھا...... ''ہمیں فرار ہونا چاہیے''۔

''اور انتقام لینا چاہیے''۔ دوسری نے کہا۔

''لیکن یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم ان پر یہ ظاہر نہ کریں کہ ہم نے ان کی غلامی دِلی طور پر قبول کر لی ہے''...... پہلی لڑکی نے کہا...... ''ہمیں اپنا اعتماد پیدا کرنا ہے''۔

''میرے والد سلطان ایوبی کی فوج میں ہیں''...... ایک اور لڑکی نے کہا...... ''آج کل مصر میں ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ کافروں کی لڑکیاں اپنی قوم اور اپنی صلیب کی خاطر اپنی عزت کی قیمت دے کر ہمارے بڑے بڑے حاکموں کو صلیب کی وفادار بنا لیتی ہیں، کسی کو قتل کرنا ہو تو قتل کرا دیتی ہیں۔ ہماری فوج کے راز معلوم کر کے اپنے حاکموں تک پہنچاتی ہیں''۔

''میں جانتی ہوں''...... ایک اور لڑکی بولی...... ''اُن کی لڑکیاں وہی کام کرتی ہیں جو ہمارے مرد جاسوس دشمن کے ملک میں جا کر کرتے ہیں''۔ وہ چپ ہو گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر رازداری سے بولی...... ''اگر ہم انہیں کہہ دیں کہ ہم اُن کا مذہب قبول کرتی ہیں تو ایسا موقع پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم اس بادشاہ کو قتل کر دیں''۔

''اور کچھ نہ ہوا تو فرار کا موقع پیدا کیا جاسکتا ہے''...... ایک لڑکی نے کہا۔

جس رات بالڈون کی فوج نے حماۃ کے قلعے کو محاصرے میں لے رکھا تھا، اس سے دو راتیں پہلے لڑکیوں نے پیش قدمی کے دوران صلیبی لڑکیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان کی باتیں سمجھ گئی ہیں اور وہ کسی وقت بھی مذہب تبدیل کر لیں گی۔ بالڈوِن کو بتایا گیا تو اُس نے چاروں لڑکیوں کو بیش قیمت ہار پیش کیے اور چاروں کے گلے میں چھوٹی چھوٹی صلیبیں لٹکا دیں، مگر اس نے صلیبی لڑکیوں کو الگ کر کے کہا...... ''میں ان چاروں میں سے کسی کے ہاتھ سے کچھ کھاؤں، پیوں گا نہیں۔ ہو سکتا ہے انہوں نے ڈر کی وجہ سے مذہب تبدیل کیا ہو۔ زبان سے مذہب تبدیل کیا جاسکتا ہے، دِل کی تبدیلی آسان نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو۔ مسلمانوں کو خریدنا کوئی مشکل نہیں، لیکن مسلمانوں پر بھروسہ کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں جو مسلمان ایمان کے پکے ہیں، وہ ایسی ایسی قربانی دے ڈالتے ہیں جس کا ہماری قوم تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ لڑکیاں کہیں بھاگ کر نہیں جاسکتیں لیکن ان پر نظر رکھنا کہ یہ مجھ پر وار نہ کر جائیں''۔

☆

محاصرے کی پہلی رات یہ چاروں لڑکیاں الگ خیمے میں سوئی ہوئی تھیں۔ بالڈوِن بھی اُن کے ساتھ ہنس کھیل کر

سو گیا تھا۔ تمام چھوٹے بڑے کمانڈر بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ فوج کو بھی ہوش نہیں تھی۔ صرف سنتری اور بالڈون کے باڈی گارڈ کے چار پانچ سپاہی جاگ رہے تھے۔ قرونِ حماۃ کی ایک وادی قلعے کی طرف نکلتی تھی۔ آگے قلعے تک میدان تھا۔ اس وادی سے کم وبیش ایک ہزار پیادہ سپاہی دبے پاؤں نکلے۔ ان کے کمانڈر نے انہیں ٹولیوں میں بانٹ کر پھیلا دیا۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ بالڈون کی فوج کے خیمے دُور نہیں تھے۔

یہ پیادہ سپاہی العادل کے تھے۔ العادل قلعے میں نہیں تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ صلیبی قلعے کا محاصرہ کریں گے، چنانچہ اُس نے اپنے تمام دستے حماۃ کی پہاڑیوں میں چھپا لیے تھے۔ اس نے قلعے میں اطلاع بھجوائی تھی کہ محاصرے سے گھبرائیں نہیں۔ العادل نے قلعہ دار کو اپنی سکیم بتا دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قلعہ دار صلیبیوں کی للکار کا جواب پوری دلیری سے اور تیروں کی بوچھاڑ سے دے رہا تھا۔ قلعہ دار العادل کا ماموں شہاب الدین الحارمی تھا۔ رات کو العادل کے ایک ہزار پیادوں نے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اور پھیل کر شب خون کے انداز کا حملہ کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے خیمے کی رسیاں کاٹیں اور اوپر سے صلیبیوں کو برچھیوں سے چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ خیموں کے نیچے پھنسے ہوئے سپاہی کیا مزاحمت کر سکتے تھے۔

یہ جم کر لڑنے والا معرکہ نہیں تھا۔ یہ سلطان ایوبی کا مخصوص طریقہ جنگ تھا...... ''ضرب لگاؤ اور بھاگو''..... اتنی بڑی فوج کے خلاف ایک ہزار سپاہی جم کر لڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ ٹولیوں کو مختلف کام دیئے گئے تھے۔ دو تین ٹولیوں نے صلیبیوں کے گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں کے رسے کھول دیئے۔ یہ ایک ہزار سپاہی بگولے کی طرح آئے اور دائیں بائیں کو نکل گئے۔ صلیبیوں کی فوج میں ایسا شور اُٹھا کہ ایسی ہڑبونگ مچی کہ زمین و آسمان کانپنے لگے۔

بالڈون کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کے کمانڈر بھی جاگ اُٹھے۔ خیمے سے باہر جا کر بالڈون نے دیکھا کہ کہیں آگ لگی ہوئی ہے۔ العادل کے سپاہیوں نے خیموں کو آگ لگا دی تھی۔ حملے کے وقت انہوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے تھے۔ یہ نعرے مسلمان لڑکیوں نے بھی سنے تھے۔ وہ سمجھ گئیں کہ یہ مسلمان فوج کا حملہ ہے۔ ایک لڑکی نے کہا کہ بھاگ چلو لیکن دو لڑکیاں جوش میں آ گئیں۔ وہ بالڈون کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئیں، وہاں مشعلیں جلا دی گئیں۔ بالڈون کے باڈی گارڈ اس کے اِردگرد گھوڑوں پر سوار کھڑے ہو گئے۔

اتنے میں زمین بڑی زور سے ہلنے لگی اور ہزاروں گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ یہ العادل کے سوار تھے جن کی تعداد مسلمان مورخ دو ہزار بتاتے ہیں اور یورپی مورخ چار ہزار سے زیادہ۔ ان گھوڑ سواروں نے پھیل کر بڑا ہی شدید اور خون ریز حملہ بولا۔ صلیبی مقابلے کی حالت میں نہیں تھے۔ انہیں ابھی معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور حملہ آور کہاں سے آئے ہیں۔ اُن کے نعروں سے ثبوت ملتا تھا کہ مسلمان ہیں۔ العادل کے سوار صلیبیوں کے محاصرے کو توڑتے ہوئے اور راستے میں جو آیا اُسے گھوڑوں تلے روندتے یا تلواروں اور برچھیوں کا نشانہ بناتے ہوئے قلعے کی طرف نکل گئے۔ کمانڈروں کی پکار پر انہوں نے گھوڑے پیچھے کو موڑے اور ایڑ لگا دی۔ وہ ایک بار پھر افراتفری میں بھاگتے دوڑتے صلیبیوں میں سے گزرے۔

قلعے کی دوسری طرف جو صلیبی فوج تھی، اُس پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ اس حصے نے اِدھر کا شوروغوغا اور گھوڑوں کی قیامت خیز آوازیں سنیں تو اُن میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ اِدھر کے صلیبی سپاہی اُدھر کو بھاگے۔ اُن کے ہزار ہا گھوڑے، اونٹ اور خچریں کھول دی گئی تھیں۔ انہوں نے بھاگ دوڑ کر سپاہیوں کو کچلنا اور خوف زدہ کرنا شروع کر دیا۔ بالڈون کی فوج کا وہ حصہ بھاگ اُٹھا۔

اِدھر چاروں مسلمان لڑکیاں لاپتہ ہوگئیں۔ ان میں سے ایک اس کوشش میں تھی کہ مسلمان سپاہیوں کو بتائے کہ بالڈون یہاں ہے مگر وہاں سب سوار تھے اور سرپٹ گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ وہ صلیبیوں کی فوج سے دُور نکل گئی۔ دو تین سواروں کے ساتھ چیختی چلاتی دوڑی مگر وہاں اس قدر شور تھا کہ کسی نے اُس کی آواز نہ سنی، کوئی اُس کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ وہ دُور پیچھے نکل گئی۔ ایک سوار نے گھوڑا روک لیا۔ لڑکی نے اُسے ہانپتی کانپتی آواز میں بتایا کہ وہ مسلمان ہے اور اُس جیسی تین اور مسلمان لڑکیاں صلیبی بادشاہ کے قبضے میں ہیں۔ بالڈون کی خیمہ گاہ جو اُس کا جنگی ہیڈکوارٹر بھی تھا، فوج سے الگ اور دُور تھی۔ لڑکی کی آواز پر جس سوار نے گھوڑا روکا تھا، وہ کوئی کمان دار تھا۔ اُس نے لڑکی کو گھوڑے پر بٹھایا اور پیچھے لے گیا۔

وہاں العادل کا ایک سالار تھا جس نے لڑکی کی پوری بات سنی۔ لڑکی نے بالڈون کے ہیڈکوارٹر کی نشاندہی کی۔ سالار نے وہاں شب خون مارنے اور بالڈون کو پکڑنے کے لیے دو جیش تیار کیے اور خود اُن کی قیادت کی۔ اُس نے سرپٹ گھوڑے دوڑا کر بالڈون کی خیمہ گاہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اُن کے ساتھ جلتی ہوئی مشعلیں بھی تھیں۔ سالار نے بالڈون کو للکارا۔ خیموں کو آگ لگانے کی دھمکی دی۔ اُن میں ملازم، صلیبی اور تین مسلمان لڑکیاں اور چند ایک سپاہی تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا۔ بالڈون کے متعلق پوچھا گیا مگر کوئی نہ بتا سکا کہ وہ کہاں ہے۔

اُس وقت بالڈون گھبراہٹ کے عالم میں آگے چلا گیا تھا۔ اُسے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ مسلمان فوج کا شب خون ہے، لیکن وہاں اس قدر بھگدڑ تھی اور اتنے زیادہ گھوڑے دوڑ رہے تھے اور زخمی ایسی بُری طرح چیخ رہے تھے کہ صورتِ حال پر قابو پانا بالڈون کے بس کا روگ نہیں تھا۔ وہ واپس اپنی خیمہ گاہ کو چل پڑا۔ اُس کے ساتھ باڈی گارڈز بھی تھے۔ وہ خیمہ گاہ سے ابھی کچھ دُور ہی تھا کہ اُدھر سے ایک سوار گھوڑا دوڑاتا آیا۔ گھوڑا اُس کے سامنے روک کر بالڈون سے کہا کہ وہ کہیں چلا جائے اپنی خیمہ گاہ میں نہ جائے، کیونکہ وہاں مسلمان فوج پہنچ چکی ہے۔ بالڈون نے وہیں سے گھوڑے کا رُخ پھیر لیا۔

رات بھر العادل نے "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کی کارروائی جاری رکھی۔ جب صبح طلوع ہوئی تو حماۃ کے قلعے کے اردگرد صلیبیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان میں زخمی بھی کراہ رہے تھے اور ان میں العادل کے شہیدوں کی لاشیں بھی تھیں۔ خچریں، گھوڑے اور اونٹ دُور دُور بکھرے ہوئے چر رہے تھے۔ وہاں بالڈون تھا نہ اُس کی فوج۔ صلیبی اپنی رسد بھی پھینک گئے تھے۔ العادل نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ دشمن کا سامان اکٹھا کرے اور اُس کے جانوروں کو پکڑے۔

☆

العادل کا یہ حملہ دلیری، جذبے، فنِ حرب وضرب کے لحاظ سے قابلِ تعریف حملہ تھا مگر جنگی نقطہ نگاہ سے اس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا جاسکا۔ ضرورت یہ تھی کہ افراتفری میں بھاگتے ہوئے صلیبیوں کا تعاقب کر کے ان کی جنگی قوت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا جاتا، پھر پیش قدمی کر کے اُس علاقے میں داخل ہوا جاتا جو صلیبیوں نے فتح کر لیا تھا۔ قیدی پکڑے جاتے جنہیں اپنے قیدی چھڑانے کے لیے استعمال کیا جاسکتا، مگر العادل کے لیے ممکن نہ تھا کہ کامیاب شب خون سے کوئی بڑی کامیابی حاصل کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے پاس فوج کی کمی تھی۔ وہ تعاقب کے قابل نہیں تھا۔ شب خون اور چھاپہ مارنے سے دشمن کو پریشان اور ادھ مُوا کیا جاتا ہے۔ اُسے شکست دے کر علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے پوری فوج حملہ کرتی ہے۔ العادل نے ایک کام تو کر لیا تھا لیکن اگلے مرحلے کے لیے اُس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

البتہ اُس نے یہ کامیابی حاصل کر لی کہ اُس نے اس قلیل فوج کے جذبے پر رملہ کی شکست کا جو بُرا اثر پڑا تھا، وہ صاف ہوگیا اور سپاہیوں کے جذبے تروتازہ ہوگئے۔ اُن کے دلوں میں یہ اعتماد بحال ہوگیا کہ صلیبی اُن سے برتر نہیں اور وہ

کسی بھی میدان میں صلیبیوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ضرورت فوج میں اضافے کی تھی۔یہ کامیابی بھی حاصل کی گئی کہ حماۃ کے قلعے کو بچا لیا گیا، ورنہ صلیبیوں کو ایک قلعہ بند اڈہ مل جاتا۔

العادل اپنے ہیڈ کوارٹر میں دانت پیس رہا تھا۔اس کے سالاروں کی جذباتی حالت اس سے زیادہ مشتعل تھی۔ اگر اُن کے پاس فوج ہوتی تو وہ اس شب خون کے بعد بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتے اور بالڈوِن اپنی فوج کو زندہ نہ لے جا سکتا۔العادلؒ نے کاتب کو بلایا اور اپنے بڑے بھائی سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام خط لکھوانے لگا۔

''برادر بزرگوار، سلطانِ مصر و شام!

''اللہ آپ کو سلطنتِ اسلامیہ کے وقار کی خاطر عمر طویل عطا فرمائے۔میں اس اُمید پر خط لکھ رہا ہوں کہ آپ بخیر و عافیت قاہرہ پہنچ چکے ہوں گے۔کسی نے اطلاع دی تھی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں، پھر معلوم ہوا کہ زخمی ہوئے ہیں۔میں اور میرے سالار فکر مند رہے۔آپ نے دانش مندی کی جو راستے سے قاصد بھیج کر ہمیں بتا دیا کہ آپ زندہ و سلامت ہیں اور قاہرہ جا رہے ہیں۔مجھے توقع ہے کہ آپ نے رملہ کی شکست کو دل پر بار نہیں بنایا ہوگا۔ہم انشاءاللہ شکست کا انتقام لیں گے۔کھوئے ہوئے علاقے واپس لیں گے اور بیت المقدس سے بھی آگے جائیں گے......

''آپ شکست کے اسباب پر غور کر رہے ہوں گے۔میں اس کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں کروں گا۔ہمیں شکست کے راستے پر اپنے بھائیوں نے اُسی روز ڈال دیا تھا جس روز ہمارے خلاف صف آراء ہوئے تھے۔جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو اُن کے دشمن ہمدردی کے پردے میں انہیں ایک دوسرے کے خلاف مشتعل کرتے ہیں۔ہمارے بھائیوں کو بادشاہی کے نشے نے اندھا کیا۔وہ دولت جس کی ضرورت سلطنتِ اسلامیہ کو تھی، خانہ جنگی میں ضائع ہوئی۔ ہماری فوج کی بہترین اور تجربہ کار نفری تباہ ہوگئی۔اُن کی فوج جو اسی خلافت کی فوج تھی جس کے ہم ہیں، صرف اس لیے ضائع ہوگئی کہ چند ایک افراد نے تخت و تاج کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے، جس قوم کے سربراہوں میں تخت و تاج کا لالچ پیدا ہوگا، اُس کو وہ اپنے اپنے عزائم کے مطابق دھڑوں میں تقسیم کر کے آپس میں ضرور لڑائیں گے۔ہمیں اس طرف بھی توجہ دینی پڑے گی کہ قوم دھڑوں اور گروہوں میں تقسیم نہ ہونے پائے۔مذہبی فرقہ بندیاں ہی کیا کم تھیں کہ سلطانی کے حصول کے لیے قوم گروہوں میں تقسیم ہونے لگی ہے۔ہمیں شکست تک اسی فرقہ بندی نے پہنچایا ہے مگر اس کی سزا آج سالاروں اور سپاہیوں کو مل رہی ہے۔ہماری بہترین فوج خانہ جنگی میں ضائع ہوئی۔اس کمی کو ہم نے نئی بھرتی سے پورا کیا اور شکست کھائی۔میدانِ جنگ سے بے ترتیب بھاگنے والے تمام نئے سپاہی تھے......

''میں نے اور میرے سالاروں نے رملہ کی شکست کے فوراً بعد ثابت کر دیا ہے کہ فوج نہیں ہاری۔میرے پاس وہی پیادہ اور سوار نفری تھی جو آپ نے میری کمان میں دی تھی۔آپ نے مجھے محفوظہ (ریزرو) میں رکھا مگر میدانِ جنگ کی کیفیت اس قدر تیزی سے بدل گئی کہ مجھ تک آپ کا کوئی حکم نہ پہنچ سکا۔یہ بھی پتہ نہ چلا کہ آگے کیا ہو رہا ہے اور میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔پسپا ہونے والے ایک کمان دار نے جو دائیں پہلو پر تھا، مجھے بڑی ہی تشویش ناک اطلاع دی اور مشورہ دیا کہ میں اپنے دستے استعمال نہ کروں اور حملے کی لغزش نہ کروں۔میں نے یہی بہتر سمجھا کہ کم از کم ان دستوں کو جو معرکے میں ابھی شریک ہی نہیں ہوئے، بچا لوں۔میں نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا اور عقل سے کام لیا۔میں نے حماۃ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا......

''میرے دستوں کا جذبہ کسی حد تک مجروح ہو گیا تھا۔میں دُعا کرتا رہا کہ دشمن میرے سامنے آئے اور میں اپنے

دستوں کے جذبے میں جان ڈالوں۔ میں نے مخبر پیچھے چھوڑ دیئے تھے۔ حماۃ کے کوہستان میں مجھے مخبروں نے یہ قیمتی خبریں دیں کہ بالڈون میرے تعاقب میں آرہا ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں اپنی تمام تر فوج حماۃ کے قلعے کو محاصرے میں لینے کو آیا کہ میں قلعے میں ہوں گا لیکن میں نے آپ کے طریقۂ جنگ کے عین مطابق کوہستان کے اندر دستے چھپا دیئے تھے اور قلعہ دار کو صورتِ حال اور اپنی متوقع چال کے متعلق تفصیلاً بتا دیا تھا۔ میری توقع اللہ نے پوری کی۔ بالڈون کی فوج پر جس کی قوت ہم سے دس گنا زیادہ تھی، میرے جانباز جیشوں نے بڑا ہی دلیرانہ اور کامیاب شب خون مارا یہ آپ کی اُس فوج کا شب خون تھا جس کے متعلق تاریخ کہے گی کہ اس نے شکست کھائی تھی۔ میری خواہش ہے کہ یہ شب خون تحریر میں لا کر کاغذات میں رکھ لیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں شکست کے بعد قوم مر ہی جاتی ہے.....

"اگر آپ وہ منظر دیکھتے جو اگلے روز کے سورج نے ہمیں دکھایا تو آپ شکست کے صدمے کو بھول جاتے۔ مجھے افسوس ہے کہ بالڈون میرے پھندے سے نکل گیا۔ اُسے پکڑا نہیں جا سکا۔ میں اس وقت ایک ٹیکری پر کھڑا کاتب سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ مجھے حماۃ کا قلعہ نظر آرہا ہے۔ اس پر وحدتِ مصر و شام کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ قلعے کے اردگرد صلیبیوں کی لاشوں کے علاوہ کچھ اور دکھائی دیتا ہے تو وہ ہزاروں گدھ ہیں جو لاشوں کو کھا رہے ہیں۔ آسمان سے گدھ اُتر رہے ہیں۔ کہیں کہیں سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔ یہ آگ گذشتہ رات میرے چھاپہ ماروں نے لگائی تھی۔ بالڈون کی فوج جس افراتفری میں بھاگی ہے، اس سے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ بالڈون جوابی حملہ نہیں کر سکے گا۔ تاہم میں اس کے لیے تیار ہوں.....

"اگر میرے پاس اتنے ہی دستے اور ہوتے جتنے اب ہیں تو میں صلیبیوں کا تعاقب کرتا اور شکست کو فتح میں بدل دیتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے سالاروں، کمان داروں اور تمام تر سپاہ کا لڑنے کا جذبہ تر و تازہ ہو گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ آرام سے نہیں بیٹھے ہوں گے۔ فوج کے لیے بھرتی اور نئی تنظیم میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ آپ اطمینان سے تیاری کریں، میں چھاپہ مار جنگ جاری رکھوں گا۔ دشمن کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنے نہیں دوں گا۔ اس طرح میں کسی علاقے پر قبضہ تو نہیں کر سکوں گا، البتہ آپ کو تیاری کا وقت مل جائے گا۔ میں نے دمشق بھائی شمس الدولہ کو پیغام بھیج دیا ہے کہ مجھے چند ایک دستے اور دیگر سامان بھیجے۔ حلب، الملک الصالح کو بھی پیغام بھیج دیا ہے کہ معاہدے کے مطابق مجھے مدد دے۔ میں آپ کو اللہ کے بھروسے پر تسلی دے رہا ہوں کہ میرے متعلق فکر نہ کریں۔ میں اور میرے سالار آپ کی خیریت اور سرگرمیوں کے متعلق جاننے کو بے تاب ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اُسی کی ذاتِ باری سے مدد مانگتے ہیں اور ہم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

الملک العادل"

العادل نے خط پڑھوا کر سنا۔ اس پر دستخط کیے اور قاصد کو دے کر قاہرہ کو روانہ کر دیا۔

☆

قاہرہ کی فضا پر مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں پہنچ چکا تھا۔ شہر میں اور شہر کے مضافات میں بھی ایک آواز اُبھرتی سنائی دیتی تھی، شکست، شکست، شکست...... شکوک اور شبہات بھی اُبھرنے لگے تھے۔ شکست جیسے حادثات اور ایسے واقعات جن کے متعلق لوگوں کو کچھ پتہ نہ چل سکے، ایسی فضا پیدا کر دیتے ہیں جس سے افواہیں پھوٹتی، پھلتی، پھولتی اور پھیلتی ہیں۔ یہ عمل قاہرہ کے اندر بھی اور اردگرد بھی شروع ہو گیا تھا، وہاں دشمن کے تخریب کار جاسوس بھی موجود تھے، جو یورپ کے باشندے نہیں مصر کے رہنے والے مسلمان تھے۔ اس کی انہیں اُجرت ملتی تھی کہ

لوگوں میں یہ مشہور کریں کہ صلیبیوں کے پاس اتنی جنگی قوت ہے جس کے سامنے دُنیا کی کوئی فوج نہیں ٹھہر سکتی۔ سلطان ایوبی کی ہاری ہوئی فوج کے خلاف یہ مشہور کیا جانے لگا کہ بے کار اور عیاش فوج ہے۔ جہاں جاتی ہے، لوٹ مار کرتی اور مسلمان خواتین کی آبروریزی سے بھی گریز نہیں کرتی۔ سلطان ایوبی کی جنگی اہلیت کے خلاف بھی باتیں شروع ہو گئیں۔

لوگ جس قدر رسید ھے سادھے ہوتے ہیں، اتنے ہی زیادہ افواہوں اور جذباتی باتوں کو مانتے ہیں۔ مصریوں نے دہشت کو بھی قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ زیادہ تر دہشت وہ سپاہی پھیلاتے تھے جو اکیلے یا دو دو چار چار کی ٹولیوں میں مصر کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ دیہات کے رہنے والے تھے، جنہیں بھرتی کر کے اور تھوڑی سی ٹریننگ دے کر میدانِ جنگ میں لے جایا گیا تھا۔ العادل نے ٹھیک لکھا تھا کہ بادشاہی کے لالچی مسلمان اُمراء اپنی اور سلطان ایوبی کی فوج کو خانہ جنگی میں ضائع نہ کرا دیتے تو نئی بھرتی کو میدانِ جنگ میں لے جانے کا خطرہ مول نہ لیا جاتا۔ ایک غلطی بھرتی کرنے والے چند ایک حکام نے کی تھی جو یہ تھی کہ فوج میں کشش پیدا کرنے کے لیے انہوں نے بھرتی ہونے والوں کو مالِ غنیمت کا لالچ دیا تھا، جبکہ ضرورت یہ تھی کہ انہیں جہاد کے فضائل اور اغراض و مقاصد بتائے جاتے اور بتایا جاتا کہ اُن کا دشمن کون ہے، کیسا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔

یہ سپاہی پاپیادہ بھی آ رہے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر بھی آ رہے تھے۔ جب کوئی سپاہی کسی آبادی میں داخل ہوتا تھا، لوگ اُسے گھیر لیتے، کھلاتے پلاتے اور میدان جنگ کی باتیں پوچھتے تھے۔ یہ گنوار سپاہی شکست کی خفت مٹانے کے لیے اپنے کمانڈروں کو نااہل اور عیاش ثابت کرتے اور صلیبی فوج کے متعلق دہشت ناک باتیں سناتے تھے۔ بعض کی باتوں سے پتہ چلتا تھا جیسے صلیبیوں کے پاس کوئی مافوق الفطرت قوت ہے جس کے زور پر وہ جدھر جاتے ہیں، صفایا کرتے جاتے ہیں۔

ایسے مورخوں کی تعداد زیادہ تو نہیں لیکن دو تین نے جن میں ارنول قابلِ ذکر ہے لکھا ہے کہ صلیبی ایک خفیہ ہتھیار لائے تھے اور یہی اُن کی فتح کا باعث بنا تھا۔ تاریخ کی مختلف تحریروں میں اس خفیہ ہتھیار کا آگے چل کر کوئی ذکر نہیں ملتا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی ڈائری میں جو عینی شہادت ہے، ایسے کسی ہتھیار کا ذکر نہیں۔ اُس دور کے دیگر وقائع نگاروں اور کاتبوں کی تحریریں بھی اس پُراسرار ہتھیار کے متعلق خاموش ہیں۔ غالباً یہ ہتھیار اُس پروپیگنڈے کا ایک خیالی ہتھیار تھا جسے مصر (اور دیگر مسلمان علاقوں) میں صلیبیوں کی دہشت پھیلانے کے لیے کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کے بہت زیادہ ذکر سے مورخوں نے اسے حقیقی سمجھ لیا ہو۔

یہ خفیہ ہتھیار دراصل پروپیگنڈہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کی نظروں میں فوج کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے، تاکہ سلطان ایوبی کی فوج قوم کے تعاون اور نئی بھرتی سے محروم ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں پر صلیبیوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ تیسرا یہ کہ سلطان ایوبی کے خلاف عدمِ اعتماد کی فضا پیدا ہو جائے۔ چوتھا یہ کہ کچھ اور لوگ سلطانی کے دعوے دار بن جائیں اور ایک بار پھر خانہ جنگی شروع کرائی جائے۔

سلطان ایوبی دشمن کے اس ہتھیار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے قاہرہ پہنچتے ہی اپنی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر علی بن سفیان، کوتوال غیاث بلبیس اور ان دونوں کے نائبین کو بلا کر پوری وضاحت سے بتا دیا تھا کہ اب وہ دشمن کے اس زمین دوز حملے کو روکنے کے لیے سخت اقدامات کریں اور اپنے جاسوسوں اور مخبروں کو زیرِ زمین کر کے سرگرم کر دیں...... مگر لوگ جاننا چاہتے تھے کہ اس شکست کے اسباب کیا ہیں اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔

☆

رملہ سے قاہرہ تک کی مسافت بڑی ہی لمبی تھی اور سفر بھیانک اور کٹھن تھا۔ راستے میں پہاڑی علاقے بھی تھے، مٹی اور ریت کے ٹیلوں کی بھول بھلیاں بھی اور صحرا بھی تھا جو بھولے بھٹکے مسافروں کا خون چوس لیا کرتا ہے۔ سلطان ایوبی کے وہ سپاہی جو میدانِ جنگ سے مصر کو چل پڑے تھے، وہ اس لمبی اور بھیانک مسافت میں بکھر گئے تھے۔ ان کی واپسی کا منظر ہیبت ناک تھا۔ ان میں جو ریگزار کے سفر سے آشنا نہیں تھے، وہ جہاں گرتے، وہاں سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اُن کی لاشیں صرف ایک روز سالم نظر آتی تھیں۔ اگلے روز صحرائی لومڑیاں اور بھیڑیئے ان کی ہڈیاں بکھیر دیتے تھے۔ ٹولیوں میں آنے والے اس انجام سے بچے رہتے تھے اور جو اونٹوں، خچروں اور گھوڑوں پر سوار تھے، اُن کے زندہ واپس آجانے کے امکانات زیادہ تھے۔

ایسی ہی ایک ٹولی چلی آرہی تھی۔ یہ سب سپاہی تھے اور وہ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ راستے میں اُن کے اکیلے دکیلے ساتھی اُن کے ساتھ ملتے گئے اور یہ ٹولی تیس چالیس افراد کا قافلہ بن گیا۔ وہ اُس بھیانک ریگزار میں سے گزر رہے تھے جو آج صحرائے سینائی کہلاتا ہے۔ اکٹھے ہونے کی وجہ سے اُن کا حوصلہ قائم تھا مگر اُفق تک پانی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ دُور دُور میدانِ جنگ سے زندہ نکلے ہوئے فوجی، ایک ایک دو دو قدم گھسیٹتے جاتے نظر آتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے، سوائے اس کے کہ کوئی مر جاتا تو اس کا کوئی ساتھی اُسے ریت میں دفن کر دیتا تھا۔

سواروں کا یہ قافلہ چلا آرہا تھا۔ آگے وہ علاقہ آگیا جہاں مٹی کے اونچے نیچے ٹیلے دیواروں، ستونوں اور مکانوں کی طرح کھڑے تھے۔ کسی نے دُور سے ایک ٹیلے پر ایک آدمی کا سر اور کندھے دیکھے اور وہ غائب ہو گیا۔ دیکھنے والے نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس جگہ چل کر رُک جائیں گے، وہاں کوئی اور بھی ہے۔ پانی نہ ملا تو سایہ مل جائے گا۔ قافلے میں اکثریت اُن آدمیوں کی تھی جن کے دماغ تھکن اور پیاس سے ماؤف ہوئے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ جنگ کی باتیں کرتے رہے تھے مگر اب اُس کے منہ سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ ان کے جانوروں میں ابھی جان تھی اور وہ اچھی طرح چلے جا رہے تھے۔

ایک میل دُور کے ٹیلے سو کوس کی مسافت بن گئی۔ قافلہ وہاں پہنچ گیا اور دو ٹیلوں کے درمیان سے اندر چلا گیا۔ اندر ٹیلوں کا سایہ تھا۔ سب جانوروں سے اُترے۔ جانوروں کو سائے میں چھوڑ کر سب ایک عمودی ٹیلے کے سائے میں بیٹھ گئے۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ایک ٹیلے کی اوٹ سے ایک آدمی سامنے آیا اور بت بن کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ ایک لمبا اور سفید چغہ تھا جو کندھوں سے ٹخنوں تک چلا گیا تھا۔ اس کی داڑھی سیاہ تھی، لمبی نہیں تھی۔ خوبی سے تراشی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں عصا تھا جو عموماً عالم، فاضل یا خطیب ہاتھ میں رکھتے تھے۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ کسی نے آہستہ سے کہا...... ''حضرت خضر علیہ السلام ہیں''۔

''یہ اس زمین کا انسان نہیں''...... ایک اور نے سرگوشی کی۔

قافلے والوں کو ڈر محسوس ہونے لگا۔ وہ تو پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ اس پُر اسرار آدمی نے اُن کے ڈر میں اضافہ کر دیا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اُس سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں۔ ایسے ظالم صحرا میں اس حیثیت کے کسی آدمی کی موجودگی حیران کن تھی۔ وہ کوئی فوجی ہوتا تو سپاہیوں کے اس قافلے میں سے کوئی بھی نہ ڈرتا...... اُن کے ڈر میں اُس وقت دہشت آ گئی، جب اس آدمی کے پہلو میں ایک عورت اسطرح آن کھڑی ہوئی جیسے اس آدمی کے جسم سے نمودار ہوئی ہو۔ وہ اس کے پیچھے سے سامنے ہوئی اور اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی تھی۔ فوراً بعد اسی طرح ایک اور عورت اُس کے دوسرے پہلو میں نمودار ہوئی۔ دونوں عورتیں سر سے پاؤں تک مستور تھیں، ان کی آنکھوں کے سامنے جالی کی طرح باریک کپڑا تھا۔ برقعہ نما لبادے سے اُن کے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔

''تم پر اللہ کی رحمت ہو''...... اس آدمی نے کہا...... ''کیا میں آگے آ کر بتا سکتا ہوں کہ ہم کون ہیں؟''

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر اس شخص اور عورتوں کی طرف دیکھا۔ کسی نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا...... ''آپ ہمارے پاس آئیں اور بتائیں کہ آپ کون ہیں اور ہمیں آپ جو حکم دیں گے، ہم اس کی تعمیل کریں گے''۔

وہ ایسی چال چلتا اُن تک پہنچا جو عام انسان کی چال نہیں تھی۔ اُس کے چلنے میں اور سراپا میں جلال سا تھا۔ دونوں مستورات اُس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ سب احترام سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ احترام میں ڈر بھی شامل تھا۔ وہ ٹیلے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مستورات بھی اُس کے پاس گئیں۔ جالی میں سے اُن کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خوب صورت عورتیں ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان آنکھوں کا سامنا کر سکتا۔ سفید پوش شخص اور ان مستورات کے کپڑوں پر گرد تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفر میں ہیں۔

☆

''میں بھی وہیں سے آیا ہوں جہاں سے تم آ رہے ہو''...... سیاہ ریش نے بھاگے ہوئے مصری سپاہیوں سے کہا...... ''فرق یہ ہے کہ تم جہاں جا رہے ہو، وہ تمہارا گھر ہے اور جہاں سے آیا ہوں وہ میرا گھر تھا''...... اُس کے لہجے میں سنجیدگی اور اداسی تھی۔

''ہم کس طرح یقین کریں کہ آپ انسان ہیں''...... ایک سپاہی نے پوچھا...... ''ہم آپ کو آسمان کی مخلوق سمجھ رہے ہیں''۔

''میں انسان ہوں''...... سیاہ ریش بزرگ نے جواب دیا...... ''اور یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔ میں بھی تمہاری طرح رملہ سے بھاگ کر آ رہا ہوں۔ اگر میرا پیرومرشد مجھ پر کرم نہ کرتا تو صلیبی مجھے قتل کر دیتے اور میری ان دونوں بیٹیوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ یہ میرے مرشد کے مزار کی برکت ہے۔ میں رملہ کا رہنے والا ہوں۔ لڑکپن سے مذہب کا علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ میں نے مسجدوں میں اماموں کی بہت خدمت کی اور اُن سے علم حاصل کیا ہے۔ خدا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذہب کے پرستاروں پر بہت کرم نوازی کرتا ہے۔ ایک رات مجھے خواب میں اشارہ ملا کہ بغداد چلے جاؤ اور وہاں کے خطیب کی شاگردی میں بیٹھ جاؤ......

''میں پیدل چل پڑا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ماں باپ بہت غریب تھے۔ چھوٹا سا مشکیزہ بھی میرے نصیب میں نہیں تھا کہ میں راستے کے لیے پانی ساتھ لے جاتا۔ علم کا عشق مجھے گھر سے نکال لے گیا۔ سب نے کہا یہ لڑکا راستے میں مر جائے گا۔ میری ماں بہت روئی تھی اور میرا باپ بھی بہت رویا تھا مگر میں چل پڑا۔ دن کے وقت پیاس اور بھوک میری جان نکال لیتی تھی۔ شام کے بعد جب میں اس اُمید پر کہیں گر پڑتا تھا کہ مر جاؤں گا، میرے قریب پانی کا ایک پیالہ اور کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ رکھا ہوتا تھا۔ پہلی بار میں بہت ڈرا تھا۔ میں اسے جنات کا دھوکہ سمجھتا تھا، لیکن رات کو خواب میں اشارہ ملا کہ یہ کسی مرشد کی کرامت ہے۔ مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ وہ مرشد کون ہے اور کہاں ہے۔ میں کھا پی کر گہری نیند سو گیا۔ صبح اُٹھا تو وہاں پیالہ بھی نہیں تھا اور جس چنگیر میں روٹیاں تھیں، وہ بھی نہیں تھی......

''بغداد پہنچنے تک راستے میں دو نئے چاند طلوع ہوئے۔ بہت لمبا سفر تھا۔ ہر رات مجھے پیالے میں پانی اور چنگیر میں کھانا ملتا رہا۔ بغداد میں جامع مسجد کے خطیب نے مجھے دیکھا تو میری عرض سنے بغیر بولے کہ میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ وہ مجھے اپنے حجرے میں لے گئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایک چنگیر پڑی تھی اور اس میں ایک پیالہ رکھا

تھا۔ خطیب نے پوچھا کہ تمہیں ہر رات کھانا اور پانی ملتا رہا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ملتا رہا ہے مگر حیران و پریشان ہوں کہ یہ چنگیر اور پیالہ مجھ تک ہر رات کون لے جاتا اور واپس لاتا رہا تو وہ بولے کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرنا چاہی تھی تو دریائے نیل کو حکم دیا تھا کہ راستہ دے دو۔ دریا کا آگے کا پانی آگے اور پیچھے کا پانی پیچھے رہ گیا اور خشکی کی اس گلی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نکل آئے تھے اور جب فرعون اُن کے تعاقب میں اس گلی میں داخل ہوا تو دریا کے دونوں حصے آپس میں مل گئے اور دریا اُسی طرح قہر سے بہنے لگا جیسے بہتا تھا۔ فرعون غرق ہو گیا......

''خطیب مکرم نے کہا کہ ہم اُس کی ذات کے تابع ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا اور جو ہمیں باری باری اس دُنیا سے اُٹھاتا ہے۔ اس کا جو بندہ اس کے علم کے عشق سے دیوانہ ہوتا ہے جیسے تم ہوئے۔ اُسے وہ صحراؤں میں پیاسا نہیں مرنے دیتا اور دریاؤں میں ڈوبنے نہیں دیتا۔ اُس کی ذاتِ باری نے مجھے اشارہ دیا کہ ہم نے اپنے ایک بندے کے لیے مہینوں کے فاصلے اور ان فاصلوں کی صعوبتیں مٹا دی ہیں۔ تمہارے سینے میں جو علم ہے وہ اس لڑکے کے سینے میں منتقل کر دو اور ہم نے تمہاری خدمت کے لیے جو دو جنات مقرر کر رکھے ہیں انہیں کہو کہ اس لڑکے کو راستے میں پانی اور کھانا پہنچاتے رہیں...... میں نے خدائے ذوالجلال کے حکم کی تعمیل کی۔ ہر رات تمہارے لیے یہاں سے کھانا اور پانی جاتا رہا ہے۔ حیران نہ ہو لڑکے! پریشان بھی نہ ہو۔ بہت کم خوش نصیبوں کے دِلوں میں علم کا چراغ روشن ہوتا ہے۔ جس کی خواہش تم لے کر آئے ہو۔ ارادہ نیک ہو، دِل میں اللہ کی خوشنودی کی خواہش ہو تو جن وانس غلام ہو جاتے ہیں''۔

''کیا جنات آپ کے غلام ہیں؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

''وہ نہیں''۔ اُس نے جواب دیا...... ''میں اُن کا غلام ہوں، کوئی کسی کو غلام نہیں بنا سکتا۔ ہم سب ایک خدا کے ایک جیسے بندے ہیں۔ اونچا اور نیچا، امیری اور غریبی سے نہیں ہوتا، ایمان کی پختگی اور کمزوری سے انسانوں کی درجہ بندی ہوتی ہے''۔

اُس کی باتوں میں ایسا تاثر تھا جس نے سب کے دلوں کو موہ لیا اور سب دم بخود ہو کر سن رہے تھے۔ اُس نے کہا...... ''بغداد کے خطیب نے میری روح کو علم سے روشن کر دیا۔ انہوں نے میری شادی بھی کرائی۔ وہیں میری یہ دونوں بچیاں پیدا ہوئیں۔ میں نے بہت چلّے کیے اور قدرت کے کارخانے کے دو تین راز پا لیے۔ تب ایک رات میرے خطیب استاد نے کہا کہ اب جا اور اُن کی خدمت کر جو علم اپنے ساتھ قبروں میں لیے ابدی نیند سو رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے واپس اپنے گھر رملہ چلے جانے کا حکم دیا۔ دو اونٹ دئیے۔ زادِ راہ دیا اور کہا کہ گناہ کا کبھی خیال بھی دِل میں نہ آنے دینا۔ رملہ پہنچو گے تو ایک رات تم اپنے ارادے کے بغیر اُٹھ کر چل پڑو گے۔ شاید تمہیں بہت دُور جانا نہیں پڑے گا۔ تمہارے قدم اپنے آپ رُک جائیں گے۔ وہ ایک مقدس جگہ ہو گی۔ اس جگہ کو اپنا آستانہ بنا لیا، مگر مجھے ایک وقت جو ابھی مستقبل تاریکیوں میں چھپا ہوا ہے نظر آ رہا ہے گناہ ہوں گے اور تمہیں دوسروں کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ شاید تمہیں ہجرت کرنی پڑے......

''میں جب اپنی بیوی اور ان دو بچیوں کے ساتھ سفر میں تھا تو آفتاب کی تمازت میرے کنبے کے لیے خنک ہو گئی تھی۔ ہمیں اُس جگہ سے بھی پانی مل جاتا تھا جہاں کی ریت کے ذرے پانی کی ایک بوند کو ترستے، جلتے انگاروں کے شرارے بن کر اُڑتے رہتے ہیں۔ میں رملہ پہنچا تو میرے والدین مر چکے تھے۔ میری بیوی نے اُجڑے ہوئے گھر کو آباد کیا...... میں علم و دانش کے سمندر میں غوطے لگاتا رہا۔ میری بچیاں بڑی ہو گئیں اور اُن کی ماں کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔ بچیوں نے گھر سنبھال لیا اور ایک رات جب میں گہری نیند سویا ہوا تھا، میری آنکھ اس طرح کھل گئی جیسے کسی نے جگایا ہو......

''میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ بغداد کے خطیب کی برسوں پرانی بات یاد آئی کہ تم اپنے آپ جاگ اُٹھو گے اور ا

کے بغیر چل پڑو گے۔ ایسے ہی ہوا۔ میرے ذہن میں کوئی ارادہ، کوئی خیال نہیں تھا۔ میں گھر سے نکل گیا۔ آبادی سے بھی نکل گیا۔ کہیں کہیں ایسا لگتا تھا جیسے کوئی میرے آگے آگے جا رہا ہو۔ معلوم نہیں یہ احساس تھا یا حقیقت۔ میں چلتا گیا، معلوم نہیں تم نے وہ جگہ دیکھی ہے یا نہیں، جہاں گہرائی ہے اور گہرائی میں ندی بہتی ہے۔ صلیبیوں کی فوج اسی گہرائی میں چھپی ہوئی تھی۔ میں نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو زمین کی آخری تہہ میں چھپا ہوا دشمن بھی نظر آتا ہے مگر وہاں اس کی آنکھوں پر خدا نے ایسی پٹی باندھی کہ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ خود کہاں ہے۔ صلیبی فوج تمہاری فوج کو پھندے میں لا کر گہرائی سے نکلی اور حملہ کیا اور تمہارا جو حال ہوا، وہ تم جانتے ہو......

''اس جنگ سے برسوں پہلے میں رات کو اپنے آپ یا غیب کی قوت کے زیرِ اثر اس گہرائی میں پہنچ گیا اور ایک جگہ میرے قدم رُک گئے۔ چاندنی رات تھی۔ مجھے ایک قبر نظر آئی جس کے اِردگرد پتھروں کی دو ہاتھ اونچی دیوار تھی۔ میں نے آزمانے کے لیے قدم کسی اور سمت کو اُٹھائے لیکن میں قبر کی طرف گھوم گیا اور پتھروں کی دیوار میں اندر جانے کو جو راستہ بنا ہوا تھا، اس میں داخل ہو گیا۔ میرے ہاتھ اپنے آپ فاتحہ کے لیے اُٹھے۔ مجھے ایسے لگا جیسے وہاں چاندنی زیادہ سفید تھی۔ میرے ذہن میں اپنے آپ خیال آیا کہ خطیب مکرم نے اسی جگہ کی نشاندہی کی تھی۔ میں قبر کے پاس بیٹھ گیا اور قبر پر ہاتھ رکھ کر عرض کی مجھ غلام کے لیے کیا حکم ہے۔ مجھے اس کے جواب میں کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اپنے آپ ہی خیال آیا کہ مجھے جو فیض ملے گا، اسی سے ملے گا...... میں نے رات وہیں گزار دی۔ صبح کے وقت ندی میں جا کر وضو کیا اور قبر پر نماز پڑھی۔ وہاں سے جب رخصت ہوا تو مجھ پر خمار سا طاری تھا، جیسے میں نے خزانہ پا لیا ہو......

''اس کے بعد مجھے اس قبر سے اسی طرح اشارے ملنے لگے کہ کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ میرے دل میں کوئی بات آتی جو میرا یقین بن جاتی تھی۔ میں نے قبر کی دیواریں اونچی کر کے اوپر گنبد بنوا دیا۔ میں دُور دُور تک گیا۔ حلب اور موصل کے علاوہ بیت المقدس تک گیا۔ اب کچھ عرصے سے مجھے اس مزار سے جو اشارے مل رہے تھے، وہ اچھے نہیں تھے۔ یہ جس برگزیدہ انسان کا مزار ہے، اُس کی روح تڑپتی محسوس ہوتی تھی۔ قبر پر میں نے سبز چادر ڈالی تھی، ایک رات چادر پھڑ پھڑائی۔ میں ڈر گیا اور میں نے چادر پر ہاتھ پھیر کر کہا...... ''مرشد! میرے لیے کیا حکم ہے؟''......

''مزار کے اندر مجھے آواز سنائی دی...... ''تو دیکھ نہیں رہا کہ مسلمان شراب پی رہے ہیں؟ اس سے پہلے میں نے آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ میں مسلمانوں کو شراب کی تباہ کاریوں سے خبردار کروں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی، لیکن شراب پینے والے اُمراء اور حاکم تھے جن کے کانوں تک میری آواز نہ پہنچ سکی۔ پھر ایک رات قبر کی چادر نے پھڑ پھڑا کر مجھے بتایا کہ مصر سے آئی فوج مسلمانوں کی آبادیوں میں مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہے جو صلیبی فوج کیا کرتی ہے۔ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج دمشق میں بھی تھی اور دمشق سے حلب تک اور وہاں سے رملہ تک جگہ جگہ موجود تھی۔ اس فوج کے کمان داروں نے جس مسلمان گھرانے میں کوئی قیمتی چیز اور رقم دیکھی، اُٹھا لے گئے۔ انہوں نے پردہ نشین خواتین پر دست درازیاں کیں۔ اُن کی دیکھا دیکھی سپاہیوں نے بھی لوٹ مار اور آبروریزی شروع کر دی۔ یہاں تک پتہ چلا کہ سالاروں اور کمان داروں نے مسلمان لڑکیاں اغوا کر کے اپنے خیموں میں رکھی ہوئی ہیں۔ مزار سے مجھے حکم ملتا تھا کہ میں سلطان ایوبی کے پاس جاؤں اور اُسے بتاؤں کہ یہ فوج خلافتِ بغداد کی ہے۔ مصر کے فرعونوں کی نہیں۔ اگر فوج نے یہ گناہ جاری رکھے تو اس کا حشر فرعونِ موسیٰ جیسا ہوگا......

''اُس وقت سلطان ایوبی حلب کے قریب خیمہ زن تھا۔ میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے اُسے ملنے گیا تو اُس

کے محافظوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم سلطان سے کیوں ملنا چاہتے ہو تو میں نے بتایا کہ میں رملہ سے آیا ہوں اور ایک پیغام لایا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ پیغام کس کی طرف سے ہے۔ میں نے بتایا کہ جس نے پیغام دیا ہے، وہ زندہ نہیں۔ محافظوں نے قہقہہ لگایا اور اُن کے کمان دار نے بلند آواز سے کہا کہ آؤ تمہیں ایک پاگل دکھاؤں۔ کہتا ہے قبر سے سلطان ایوبی کے لیے پیغام لایا ہوں۔ ایک نے کہا کہ یہ شیخ سنان کا بھیجا ہوا فدائی ہے۔ سلطان کو قتل کرنے آیا ہے۔ اسے پکڑ لو۔ کسی نے کہا کہ صلیبیوں کا جاسوس ہے، اسے قتل کر دو۔ میں نے گرفتاری سے بچنے کے لیے یہ ظاہر کیا کہ میں پاگل ہوں۔ میں وہاں سے بھاگ آیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سلطان کے محافظوں کے ایک خیمے میں دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں''۔

''ہم نے اپنی فوج کے ساتھ کوئی عورت نہیں دیکھی''۔ ایک سپاہی نے کہا۔

''کیا تم اُس وقت سے فوج کے ساتھ ہو، جب یہ دمشق گئی تھی؟'' سیاہ ریش نے کہا۔

''ہم سب پہلی بار ادھر آئے ہیں''۔ سپاہی نے جواب دیا۔ ''ہم فوج میں اتنے پرانے نہیں ہیں''۔

''میں پرانی فوج کی بات کر رہا ہوں''۔ اس نے کہا۔ ''اس فوج کے کمان داروں اور سپاہیوں کو سزا مل چکی ہے۔ تم نئے تھے، تم نے ابھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا، اسی لیے تم زندہ سلامت واپس آ گئے ہو، جنہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے گھر لوٹے تھے اور پردہ دار خواتین پر دست درازی کی تھی، وہ مارے گئے ہیں جو زیادہ گناہگار تھے، ان میں سے کسی کی ٹانگیں کٹیں اور کسی کے بازو۔ وہ زندہ تھے تو گِدھ اُن کی آنکھیں نکال رہے تھے اور جو ان سے بھی زیادہ گناہگار تھے وہ صلیبیوں کی قید میں چلے گئے ہیں جو اُن کے لیے جہنم سے کم نہیں ہوگی، اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والی اذیتیں ہیں۔ وہ بھوکے پیاسے تڑپتے رہیں گے مگر مریں گے نہیں۔ مرنے کی دُعائیں مانگیں گے۔ اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی''۔

''کیا ہماری شکست کی وجہ یہی ہے؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

''مجھے دو سال پہلے اشارہ مل گیا تھا کہ یہ فوج تباہ ہوگی''۔ اُس نے کہا...... ''اور یہ فوج کفار کو موقع دے گی کہ وہ اسلام کی تذلیل کریں۔ اب یہ فوج اللہ کی درگاہ سے دھتکاری گئی ہے''۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' کسی نے پوچھا۔

''میں تمہاری طرح اللہ کے قہر سے جو صلیبی فوج کی صورت میں نازل ہوا ہے، بھاگ کر آیا ہوں''۔ سیاہ ریش نے جواب دیا۔ ''صلیبی فوج طوفان کی طرح آئی۔ تمہاری فوج اسے روک نہ سکی۔ اگر صرف میری اپنی جان ہوتی تو میں اپنے مرشد کے مزار پر جان قربان کر دیتا لیکن اپنی جوان بیٹیوں کی آبرو کو میں قربان نہیں کر سکتا تھا۔ صلیبی دو چیزوں کو نہیں چھوڑتے۔ رقم اور خوب صورت مستورات۔ مجھے مزار سے حکم ملا کہ اپنی بیٹیوں کو ساتھ لو اور مصر کی طرف نکل جاؤ۔ میں نے عرض کی کہ میں زندہ کی طرح پہنچوں گا۔ مزار سے آواز آئی کہ تم نے ہماری جو خدمت کی ہے، اس کے عوض تم خیریت سے قاہرہ پہنچ جاؤ گے لیکن وہاں خاموش نہ بیٹھنا۔ ہر کسی کو بتانا کہ گناہ کرو گے تو تمہیں ایسی ہی سزا ملے گی جیسی تمہاری فوج نے بھگتی ہے۔ مجھے مزار نے بہت کچھ بتایا ہے جو میں مصر چل کر بتاؤں گا...... تم ایک دوسرے کو دیکھو۔ تمہارے چہرے لاشوں جیسے ہو گئے ہیں، تمہارے جسموں میں جان نہیں رہی۔ مجھے دیکھو میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ پیدل آ رہا ہوں۔ میرے پاس کچھ کھانے کے لیے بھی نہیں، کچھ پینے کے لیے بھی نہیں''۔

''کیا آپ ہمیں مصر تک اپنی طرح لے جا سکتے ہیں؟'' ایک سپاہی نے پوچھا۔

''اگر تم یہ وعدہ کرو کہ دلوں سے گناہ کا خیال نکال دو گے''۔ اُس نے جواب دیا...... ''اور یہ وعدہ بھی کرو کہ میں

جس مقصد کے لیے مصر جارہا ہوں، اس میں میرا ساتھ دو گے"۔

"ہم سچے دل سے وعدہ کرتے ہیں"۔ بہت سی آوازیں سنائی دیں۔"ہمیں اپنا مقصد بتائیں ہم جب تک زندہ ہیں، آپ کا ساتھ دیں گے"۔

"میں صرف اپنی اور اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے رملہ سے نہیں بھاگا"۔ اُس نے کہا......"مجھے مزار نے حکم دیا ہے کہ مصر جا کر لوگوں کو بتاؤں کہ تم فرعونوں کی سرزمین کی پیداوار ہو۔ اس مٹی میں گناہوں کی تاثیر ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں نیلام ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے ادبی مصر میں ہوئی تھی۔ مصر میں پیغمبروں کے قبیلے فرعونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اے مصر والو! اس مٹی کی تاثیر سے اور اس کی فضا کے اثر سے بچو اور خدا کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو۔ تمہاری تباہی اور سزا شروع ہو چکی ہے۔ میں یہ پیغام مصر والوں کے لیے لے جارہا ہوں۔ تم اگر یہ پیغام سارے ملک میں پھیلانے میں میری مدد کرو گے تو تمہاری دُنیا بھی بہشت بنی رہے گی اور آخرت میں بھی تمہارے لیے بہشت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے"۔

☆

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رملہ کی طرف سے آنے والے دو تین سپاہی قریب سے گزرے۔ سیاہ ریش نے کہا کہ انہیں روک لو۔ یہ رات تک زندہ نہیں رہیں گے۔ انہیں روک لیا گیا۔ وہ سسکیوں کی طرح پانی مانگ رہے تھے۔ سیاہ ریش نے انہیں کہا......"پانی رات کو ملے گا۔ اُس وقت تک اُس خدا کو یاد کرو جس نے تمہیں رملہ سے زندہ نکالا اور نئی زندگی دی ہے"۔

کچھ دیر بعد دو آدمی گھوڑوں پر سوار اِدھر سے گزرے۔ وہ فوجی نہیں تھے۔ انہوں نے اس قافلے کو دیکھا، پھر سیاہ ریش کو دیکھا۔ انہوں نے گھوڑے روک لیے، کود کر اُترے، گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر دوڑے آئے۔ دونوں نے سیاہ ریش کے سامنے سجدہ کیا، پھر اُس کے ہاتھ چومے اور پوچھا......"یا مرشد! آپ کہاں؟" اس کا جواب سن کر ان دونوں نے سپاہیوں کو بتایا کہ وہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ اللہ کی بھیجی ہوئی بزرگ و برتر شخصیت کا ساتھ انہیں میسر آیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سیاہ ریش نے ایک سال پہلے بتا دیا تھا کہ مصر کی گناہگار فوج اس مزار کے علاقے میں آ گئی تو تباہ ہو جائے گی۔

"اِدھر اُدھر دیکھو"۔ سیاہ ریش نے سب سے کہا......"جہاں کہیں کوئی بھولا بھٹکا مصر کی طرف جاتا نظر آئے، اُسے یہاں لے آؤ۔ رات کو یہاں کوئی بھوکا اور پیاسا نہیں رہے گا"۔

گزرنے کا یہی ایک راستہ تھا۔ باقی تمام علاقہ ٹیلوں کا تھا اور یہ وسیع علاقہ تھا۔ اس کے اندر جانا بے کار تھا۔ باہر سے ہی پتہ چل رہا تھا کہ یہاں پانی کا نام و نشان نہیں۔ سب کو موت نظر آرہی تھی۔ مصر کی سرحد ابھی بہت دُور تھی۔ یہ لوگ سہارے ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ سیاہ ریش کے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ اس کی ہر ایک بات اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی مگر پیاس کی شدت سے دو تین سپاہی غشی کی حالت میں چلے گئے تھے۔ سیاہ ریش انہیں تسلیاں دے رہا تھا۔

سورج غروب ہو گیا پھر رات تاریک ہو گئی۔ بہت دیر بعد جب صحرا خاموش تھا، ٹیلوں کے اندر سے ایک پرندے کی آواز سنائی دی۔ سب چونک اُٹھے۔ ایسے جہنم میں جہاں پانی کا تصور بھی نہیں تھا اور موت سر پر منڈلا رہی تھی وہاں پرندے کی آواز غیر قدرتی تھی۔ یہ پرندہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ سب کی سانسیں رُک گئیں۔ یہ کوئی بدروح ہو سکتی تھی۔

"اللہ تیرا شکر"۔ سیاہ ریش نے سکون کی آہ لے کر کہا......"میری دُعا قبول ہو گئی ہے"۔ اُس نے اپنے سامنے

بیٹھے ہوئے دو سپاہیوں سے کہا..... ''تم دونوں اُس طرف جاؤ۔ چالیس قدم گنو، وہاں سے دائیں کو مُڑ جاؤ۔ چالیس قدم گنو، وہاں سے بائیں کو مُڑ جاؤ۔ آگے کہیں آگ جلتی نظر آئے گی۔ اس کی روشنی میں تمہیں پانی نظر آئے گا۔ شاید کھانے کے لیے بھی کچھ ہو۔ جو کچھ وہاں پڑا ہو، اُٹھا لانا۔ یہ آواز پرندے کی نہیں غیب کا اشارہ ہے''۔

''میں نہیں جاؤں گا''۔ ایک سپاہی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ ''میں جنات کی جگہ نہیں جاؤں گا''۔

وہ دو آدمی اُٹھ کھڑے ہوئے جو بعد میں گھوڑوں پر سوار آئے تھے اور سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا تھا۔ ایک نے سپاہیوں سے کہا..... ''مت ڈرو، جنات تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں حکم ملا ہوا ہے کہ یہ بزرگ جہاں جائیں انہیں کھانا اور پانی پہنچاتا رہے گا۔ ہم ان کے معجزوں سے واقف ہیں..... دو تین آدمی ہمارے ساتھ چلو''۔

وہ دو تین سپاہیوں کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ سیاہ ریش کے کہنے کے مطابق انہوں نے قدم گنے اور مُڑے۔ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزرے تو انہیں ایک جگہ آگ جلتی نظر آئی۔ سب کلمہ طیبہ کا وِرد کرتے آگے بڑھے۔ آگ کی روشنی میں پانی سے بھرے ہوئے چار پانچ مشکیزے پڑے تھے اور کپڑے کے ایک تھیلے میں کھجوریں بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے مشکیزے اور تھیلا اُٹھایا اور سیاہ ریش کے آگے یہ سامان جا رکھا۔ اُس نے سب میں تھوڑی تھوڑی کھجوریں تقسیم کیں اور دو مشکیزے اُن کے حوالے کر کے کہا کہ ضرورت سے زیادہ پانی نہ پئیں، پانی بچانے کی کوشش کریں..... اس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہ رہی کہ سیاہ ریش کوئی عام قسم کا درویش نہیں، اللہ کے مصاحبوں میں سے ہے۔ اُس نے سب کو تیمم کرایا اور با جماعت نماز پڑھائی۔ پھر سب سو گئے۔ ابھی سحر تاریک تھی جب اُس نے سب کو جگا دیا اور قافلہ مصر کو روانہ ہو گیا۔ سیاہ ریش کو ایک اونٹ پر اور اُس کی بیٹیوں کو دوسرے اونٹ پر سوار کرا دیا گیا تھا..... راستے میں انہیں تین چار سپاہی ملے جو مصر کو جا رہے تھے۔ سیاہ ریش نے انہیں پانی پلایا، کھجوریں کھلائیں اور دو شتر سواروں کے پیچھے انہیں سوار کرا دیا۔ اس قافلے سے دائیں طرف دُور ایک اور قافلہ جا رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ انہیں بھی ساتھ ملا لیا جائے۔ سیاہ ریش نے کہا کہ وہ ہماری طرح بھاگے ہوئے لوگ معلوم نہیں ہوتے، اُن کا اور ہمارا کوئی ساتھ نہیں۔

☆

بہت دنوں بعد سپاہیوں کا یہ قافلہ سیاہ ریش کی قیادت میں مصر کی سرحد میں داخل ہوا۔ وہ دو آدمی جنہوں نے سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا تھا۔ راستے میں سپاہیوں کو سیاہ ریش کے معجزے سناتے گئے تھے۔ اُنہوں نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ اسے جو کوئی اپنے گاؤں میں رکھ لے گا، اُسے رزق کی کوئی کمی نہیں ہوگی اور خدا اُس پر ہمیشہ مہربان رہے گا۔ ایک ہی گاؤں کے تین چار سپاہی اُسے وہاں رکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سیاہ ریش سے کہا گیا کہ وہ اُن کے گاؤں چلے۔ اُس نے کچھ باتیں پوچھیں اور اُن کے گاؤں جانے پر آمادہ ہو گیا۔

یہ ایک بڑا گاؤں تھا جو قاہرہ سے دُور نہیں تھا۔ قافلہ جب اس گاؤں میں داخل ہوا تو سپاہیوں کو دیکھ کر گاؤں کے لوگ اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کے جانوروں کے آگے چارہ ڈالا۔ قافلے والوں کو کھانا اور پانی دیا اور اُن سے محاذ کی باتیں سننے بیٹھ گئے۔ انہیں سیاہ ریش کے متعلق بتایا گیا کہ خدا کے مصاحبوں میں سے ہے اور اسے خدا جنات کے ہاتھوں رزق پہنچاتا ہے۔ لوگوں کو اُس کی مختصر سی داستانِ حیات بھی سنائی گئی۔

''محاذ کا راز مجھ سے پوچھو''۔ سیاہ ریش نے کہا..... ''یہ سپاہی ہیں۔ یہ صرف لڑتے ہیں۔ انہیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ انہیں لڑانے والوں کی نیت کیا ہے۔ اِن چند ایک سپاہیوں نے جنہیں میں صحرا کی آگ سے زندہ نکال لایا ہوں، اُس

فوج کے گناہوں کی سزا بھگتی ہے جو ان سے بہت پہلے ملک شام کو گئی تھی۔ اُس فوج نے ہر میدان میں فتح حاصل کی۔ وہاں کی وادیاں اور وہاں کے صحرا، سلطان ایوبی زندہ باد، کے نعروں سے گونجتے لرزتے رہے۔ اس فوج نے ہر جگہ زروجواہرات اور عورتیں دیکھیں۔ وہاں کی عورتیں مصر کی عورتوں سے زیادہ خوب صورت ہیں۔ فتح کے نشے نے اُس فوج میں فرعونیت پیدا کر دی۔ دماغوں میں صرف مالِ غنیمت رہ گیا، پھر اُس فوج کے سالاروں، کمان داروں اور سپاہیوں نے قوم کی عزت اور غیرت کو خیر باد کہا اور مسلمانوں کے گھروں میں بھی لوٹ مار شروع کر دی، جہاں کوئی خوب صورت عورت اور جوان لڑکی نظر آئی، اُسے بے آبرو اور اغوا کیا۔ یہ سب مسلمان مستورات تھیں۔ انہیں خیموں میں رکھا گیا"۔

"کیا سلطان صلاح الدین ایوبی اندھا تھا؟" کسی نے قہر آلود آواز میں پوچھا..... "وہ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ اُس کی سپاہ کیا کر رہی ہے؟"

"خدا جب سزا دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اماموں، عالموں اور حکمرانوں کی عقل پر بھی پردہ ڈال دیتا ہے"۔ سیاہ ریش نے کہا..... "سلطان صلاح الدین ایوبی خود فتح کے نشے سے بدمست ہو گیا تھا۔ وہ شاید خدا کے وجود کو اور اُس کی لاٹھی کو بھول گیا تھا۔ اُس کے گرد اُس کے محافظوں اور عیاش سالاروں نے ایسا گھیرا ڈال رکھا تھا کہ کسی مظلوم کی فریاد اُس تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی، جو بادشاہ فریادیوں کے لیے انصاف کے دروازے اور اپنے کان بند کر لیتا ہے، وہ اللہ کی بخشش سے محروم ہو جاتا ہے۔ مجھے دو سال سے اشارے مل رہے تھے کہ یہ فوج اعمالِ بد سے باز نہ آئی تو تباہ ہو گی۔ مجھے راتوں کو غیب کی آوازیں سنائی دیتی رہیں مگر جن کے لیے آوازیں آتی تھیں، اُن کے کان بند تھے.....

"پھر خدا نے یوں کیا کہ اُن کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی جو میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے اور جسے صلیب کے کفار میدانِ جنگ کا دیوتا کہتے ہیں، عقل کا ایسا اندھا ہوا کہ ساری چالیں بھول گیا۔ اُس کی چال دشمن چل گیا اور اُسے ایسی شکست ہوئی کہ تن تنہا مصر پہنچا"۔

"ہم صلیبیوں سے شکست کا انتقام لیں گے"۔ ایک جوشیلے دیہاتی نے کہا..... "ہم اپنے بیٹوں کو قربان کر دیں گے"۔

"فتح اور شکست خدا کے اختیار میں ہے"۔ سیاہ ریش نے کہا..... "اُس کی ذات نے حکم شکست کا دیا ہو تو بندوں کا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ میں بھی اسی لیے یہاں آیا ہوں کہ مصر کے بچے بچے کو شکست کا انتقام لینے کے لیے تیار کروں لیکن سزا کا وقت ابھی ختم نہیں ہوگا، تم اگر اپنے بیٹوں کو فوراً فوج میں بھرتی کرا کے محاذ پر بھیج دو گے تو وہ مریں گے اور شکست کھائیں گے۔ ہر عمل کے لیے ایک وقت مقرر ہے، وہ وقت ابھی دُور ہے، جب شکست کو فتح میں بدل دو گے۔ سب سے پہلے خدا کو یاد کرو۔ اُس سے اپنے اُن بیٹوں کے گناہوں کی بخشش مانگو جنہیں تم نے ملک شام میں بھیجا تھا"۔

☆

"شکست کی ذمہ داری میرے سر پر ڈالو"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ وہ اپنے سالاروں، نائب سالاروں، کمان داروں اور شہری انتظامیہ کے حکام سے خطاب کر رہا تھا..... "شکست کے اسباب بڑے واضح ہیں۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نئی بھرتی لے کر گیا۔ میں زیادہ انتظار کرتا اور مصر میں بیٹھا رہتا تو دشمن سارے شام میں پھیل جاتا۔ میں نے فوج کی جس کمی کو نئے سپاہیوں سے پورا کیا ہے، اس کے متعلق تم جانتے ہو کہ اس کا ذمہ دار کون ہے، لیکن میں اب اس بحث میں وقت ضائع نہیں کروں گا کہ اس کا ذمہ دار فلاں ہے اور وہ گناہ فلاں نے کیا ہے۔ اگر جرم عائد کرنے ہیں تو مجھ پر کرو۔ فوج کو میں نے لڑایا ہے، اگر چالیں غلط تھیں تو میری تھیں۔ اس کا کفارہ مجھے ادا کرنا ہے اور میں کروں گا۔ فتح اور شکست ہر مصر کے کا

انجام ہوتا ہے۔ آج ہم اُس انجام سے دوچار ہوئے ہیں جس کے لیے تم ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔ اسی لیے تم سب کے چہروں پر اُداسی اور آنکھوں میں بے چینی ہے۔ اگر تم مجھے شکست کی سزا دینا چاہتے ہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ میرے کانوں میں یہ آوازیں بھی پہنچ رہی ہیں کہ میری فوج شام میں جا کر آبرو ریزی، لوٹ مار اور شراب خوری کی عادی ہوگئی تھی۔ مجھے یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ میں نے خلیفہ بغداد پر دہشت طاری کرنے کے لیے دانستہ شکست کھائی ہے اور میں شکست کو فتح میں بدل کر خلیفہ کو اپنا مرید بنانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے فرعون تک کہا جا رہا ہے۔ میں کسی بھی الزام کا جواب نہیں دوں گا۔ ان الزامات کا جواب میری زبان نہیں میری تلوار دے گی۔ میں الفاظ سے نہیں عمل سے ثابت کروں گا کہ یہ کس کے گناہ تھے، جن کی سزا مجھے اور میرے مجاہدین کو ملی ہے''۔

اتنے میں دربان نے اطلاع دی کہ حماۃ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے فوراً اندر بلایا۔ گرد وغبار سے اَٹے ہوئے اور تھکن سے چور قاصد نے سلطان ایوبی کو العادل کا پیغام دیا۔ پیغام کھول کر پڑھا تو سلطان ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس نے پیغام ایک سالار کے ہاتھ میں دے کر کہا...... ''یہ پڑھ کر سب کو سناؤ''۔

جوں جوں سالار پیغام پڑھتا جا رہا تھا، سب کی آنکھوں میں چمک آتی جا رہی تھی۔ سسکیوں کی طرح تین چار سرگوشیاں سنائی دیں...... ''زندہ باد، زندہ باد''۔

''یہ گناہگاروں کا کارنامہ ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم میں سے جو قاہرہ میں تھے، نہیں جانتے کہ العادل کے پاس کتنی فوج ہے۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ بالڈون کے پاس دس گنا زیادہ فوج تھی۔ اُس کے سوار زرہ پوش ہیں۔ اُس کے پیادے لوہے کے خود پہنتے ہیں۔ کیا العادل کے مجاہدین نے ثابت نہیں کر دیا کہ ہم شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں؟ کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ سر پکڑ کر بیٹھ جاؤں؟ اگلی جنگ کی تیاری کرو۔ مجھے فوج کی بھرتی دو۔ تمہیں قبلۂ اوّل پکار رہا ہے۔ میں دشمن کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور کوئی معاہدہ نہیں کروں گا''۔

العادل کے پیغام نے جہاں سلطان ایوبی کو حوصلہ دیا، وہاں تمام سالاروں وغیرہ کے بھی مجروح حوصلے تروتازہ ہوگئے۔ اُن میں سے بعض کے دلوں میں سلطان ایوبی اور اُس کی فوج کے خلاف شکوک پیدا ہوگئے تھے، وہ صاف ہونے لگے۔ العادل نے اسی ایک معرکے پر اکتفا نہیں کیا۔ اُس نے اپنے دستوں کو تیس سے چالیس کی نفری کے جیشوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں اُس علاقے میں لے گیا جہاں بالڈون کی فوج خیمہ زن ہوگئی تھی۔ العادل نے اپنے جیشوں کے کمان داروں کو شب خون مارنے اور غائب ہو جانے کی ہدایات دیں۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن کو پریشان رکھا جائے تاکہ وہ پیش قدمی بھی نہ کر سکے اور آرام سے بیٹھ بھی نہ سکے۔

بالڈون پہلے ہی نقصان اُٹھا چکا تھا۔ وہ اس ارادے سے اتنی زیادہ فوج لے کر آیا تھا کہ دمشق تک کے علاقے پر قبضہ کر لے گا۔ اب اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ ہر رات خیمہ گاہ کے کسی نہ کسی حصے پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی یا حملہ ہوتا تھا۔ فوج کے بیدار ہونے تک حملہ آور دُور نکل گئے ہوتے تھے۔ بالڈون نے فوج کو تمام تر علاقے میں دُور دُور پھیلا دیا۔ العادل کے چھاپہ ماروں کو پکڑنے کے لیے اُس نے بھی ٹولیاں تیار کیں، جو رات کو گشت پر رہتی تھیں مگر ہر صبح بالڈون کو یہ خبر سننی پڑتی تھی کہ آج فلاں کیمپ پر حملہ ہوا ہے یا فلاں ٹولی ماری گئی ہے۔ وہ علاقہ پہاڑی تھا۔ اس سے العادل کے چھاپہ مار جیش خوب فائدہ اُٹھا رہے تھے مگر یہ فائدہ العادل کو بہت مہنگا پڑ رہا تھا۔ چھاپہ مار اتنی دلیری سے شب خون مارتے تھے کہ دشمن کے کیمپ کے اندر چلے جاتے اور اُن میں سے چند ایک جانیں قربان کر دیتے تھے۔

اس طریقۂ جنگ اور اس قربانی سے العادل کوئی علاقہ فتح نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دشمن کو وہاں سے پیچھے بھی نہیں ہٹا سکتا تھا لیکن یہ فائدہ کچھ کم نہ تھا کہ صلیبیوں کی اتنی بڑی فوج پیش قدمی کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اگر بالڈوِن پیش قدمی کرتا تو آمنے سامنے جنگ میں العادل اتنی قلیل فوج سے اُس کے سامنے دو گھنٹے بھی نہ ٹھہر سکتا۔ اُس نے بالڈوِن کے کیمپ میں کام کرنے والے مقامی لوگوں میں اپنے جاسوس بھی چھوڑ رکھے تھے۔ وہ دشمن کی ذرا ذرا سی حرکت کی اطلاع العادل کو دے دیتے تھے۔ ایک بار ان جاسوسوں میں نے ایک نے صلیبیوں کے اُس خشک گھاس کے پہاڑ جیسے انبار کو آگ لگا دی تھی جو انہوں نے گھوڑوں کے لیے جمع کر رکھا تھا۔

العادل کو اطلاع مل چکی تھی کہ دمشق سے تھوڑی سی کمک آرہی ہے۔ حلب سے کمک ملنے کی توقع نہیں تھی۔ الملک الصالح نے پیغام کا جواب دیا تھا کہ صلیبی (فرینکس جنہیں فرنگی کہا جاتا تھا) قلعہ حرن کو محاصرے میں لینا چاہتے ہیں، اگر انہوں نے ایسا ہی کیا تو اُن پر حلب کی فوج سے حملہ کیا جائے گا۔

☆

چند ایک یورپی مورخین نے صلیبی جنگوں کے اِس دور کے متعلق لکھا ہے کہ رملہ کی شکست کے بعد اسلامی فوج کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے جو دستے بچ گئے تھے، انہوں نے لوٹ مار کو پیشہ بنا لیا۔ وہ صلیبیوں کے فوجی قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوٹ مار خود صلیبی کرتے تھے۔ زیادہ تر مورخ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس سلسلے کی کہانیوں میں مورخوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ صلیبی فوج مقبوضہ علاقوں میں مسلمان قافلوں کو لوٹ لیا کرتی تھی اور یہ لوٹ مار اس طرح کی جاتی تھی جیسے یہ کوئی فوجی ڈیوٹی ہو، جن مسلمان دستوں کے متعلق چند ایک مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ لوٹ مار کرنے لگے تھے، وہ العادل کے چھاپہ مار جیش تھے جنہوں نے شاہ بالڈوِن کی اتنی بڑی فوج کو گوریلا آپریشن سے ایک ہی علاقے میں اُلجھا لیا تھا۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ شب خون (گوریلا آپریشن) العادل کو مہنگا پڑ رہا تھا لیکن اُس کے ٹروپس کا جذبہ ایسا تھا کہ کوئی سپاہی منہ نہیں پھیرتا تھا۔ اکثر جیش مسلسل وادیوں وغیرہ میں ہی گھومتے اور بھٹکتے رہتے تھے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی اپنے اڈے پر واپس نہیں آتے تھے۔ اسد الاسدی کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق وہ چیتوں کی طرح شکار کی تلاش میں رہتے تھے اور جب شکار پر جھپٹتے تھے تو انہیں اپنی جانیں چلی جانے کا کوئی غم نہیں ہوتا تھا۔ وہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش میں شہید اور شدید زخمی ہو جاتے تھے۔ اُن کی راتیں دشت و بیاباں میں گزرتیں اور وہ من پسند کھانوں سے اپنے آپ کو محروم رکھتے تھے۔

مگر قاہرہ میں یہ پروپیگنڈہ بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا کہ اپنی فوج بدکار اور عیاش ہو گئی ہے اور رملہ کی شکست اسی کی سزا ہے۔ قاہرہ کی انٹیلی جنس کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ پروپیگنڈہ کہاں سے اُٹھ رہا ہے۔ کیا یہ نئے سپاہیوں کی غیر محتاط باتوں کا نتیجہ ہے یا دشمن کے باقاعدہ ایجنٹ سرگرم ہیں؟ یہ بھی دیکھا گیا کہ لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے ہچکچاتے تھے۔ اس شکست سے پہلے مصریوں کا رویہ یہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے اپنے مخبروں اور جاسوسوں کا جال بچھا دیا مگر اس کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ لوگ فوج کو بدنام کر رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کے خلاف بھی باتیں سنی سنائی جانے لگی تھیں۔

وہ سیاہ ریش سفید پوش جو دو بیٹیوں کے ساتھ ایک گاؤں میں ٹھہرا تھا، وہیں کا ہو کے رہ گیا۔ گاؤں والوں نے اُسے ایک مکان دے دیا تھا۔ اُس نے کھلی محفل میں بیٹھنے اور باتیں کرنے سے پرہیز شروع کر دیا تھا کہ اُسے مصریوں کے

گناہ معاف کرانے کے لیے تین ماہ کا چلّہ کرتا ہے۔ وہ اب مکان سے باہر تھوڑی سی دیر کے لیے نکلتا، خاموش رہتا، حاضرین کو ہاتھ لہرا کر سلام کرتا اور اندر چلا جاتا تھا۔ اُس کے خاص مصاحبوں میں وہی سپاہی تھے جو اُس کے ساتھ آئے تھے اور دو وہ آدمی تھے جنہوں نے ٹیلوں کے علاقوں میں اُس کے آگے سجدہ کیا تھا۔ ان سب نے اُس کی اتنی تشہیر کر دی تھی کہ دُور کے لوگ بھی اُس کی جھلک دیکھنے کو پہنچ جاتے تھے۔

☆

ایک شام علی بن سفیان کا ایک جاسوس اپنی خفیہ ڈیوٹی پر قاہرہ کے مضافات میں کسی بہروپ میں گھوم پھر رہا تھا۔ شام ہوگئی۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد میں چلا گیا۔ نماز کے بعد امام نے دُعا مانگی۔ دُعا ختم ہوئی تو ایک نمازی نے رملہ کی شکست کی بات شروع کر دی۔ اُس نے سلطان ایوبی کی فوج کے خلاف وہی باتیں کیں جو سیاہ ریش نے کی تھیں۔ اِس نمازی نے سیاہ ریش کا حوالہ اس طرح دیا کہ وہ غیب دان ہے اور جنات اُسے رزق پہنچاتے ہیں۔ اُس نے سفر کی پوری روئیداد سنائی اور بتایا کہ کس طرح غیب سے انہیں پانی اور کھجوریں ملی تھیں۔ تمام نمازی انہماک سے اُس کی باتیں سنتے رہے۔ اُس نے بات ختم کی تو نمازیوں نے اُس سے اس قسم کی باتیں پوچھنی شروع کر دیں...... ''وہ مرادیں پوری کرتا ہے؟...... لاعلاج مریضوں کو شفا دیتا ہے؟...... آنے والے وقت کا حال بتاتا ہے؟...... اولاد دیتا ہے؟''

سنانے والے نے انہیں بتایا کہ ابھی وہ سب کو یہی ایک بات بتاتا ہے کہ سلطان ایوبی اور اُس کی فوج میں فرعونوں والی خصلتیں پیدا ہوگئی تھیں اور شکست کی وجہ یہی ہے اور وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ نہ خود فوج میں بھرتی ہونا، نہ کسی کو ہونے دینا، ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے، کیونکہ گناہوں کی سزا کا ابھی وقت پورا نہیں ہوا اور یہ بھی کہ وہ تین ماہ کا چلّہ کر رہا ہے۔ اُس کے بعد وہ بتائے گا کہ مصر والوں کے گناہ بخشے گئے ہیں یا نہیں۔

یہ آدمی مسجد سے نکل کر گاؤں سے باہر کو چل پڑا۔ علی بن سفیان کا جاسوس اُس کے پیچھے گیا اور اُس سے پوچھا کہ وہ اس عالم سے کس طرح مل سکتا ہے۔ اُس نے اپنا مدعا یوں بیان کیا...... ''میں فوج میں ہوں۔ تمہاری باتیں سن کر میرے دِل میں یہ ڈر پیدا ہوگیا ہے کہ اپنی فوج کے گناہوں کی سزا مجھے بھی ملے گی۔ میں بھی دمشق اور حلب کے محاذوں پر گیا تھا۔ میں نے بھی وہی گناہ کیے ہیں جن کا ذکر تم کر رہے ہیں۔ مجھے اس عالم بزرگ کے پاس لے چلو۔ اگر وہ کہے گا کہ فوج سے بھاگ جاؤ تو بھاگ جاؤں گا۔ وہ جو خدمت کہے گا، کروں گا۔ میں خدا کے قہر سے ڈرتا ہوں'' ...... اُس نے اتنی منت سماجت کی کہ اُس کے آنسو نکل آئے۔

''میرے ساتھ چلو'' ۔ اُس آدمی نے کہا...... ''لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا کہ تم اُس کے پاس گئے تھے۔ وہ آج کل چلّے میں ہے، کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا۔ وہ جو پوچھے صرف اُس کا جواب دینا، فالتو بات نہ کرنا''۔

''تم اسی گاؤں کے رہنے والے ہو؟'' ۔ جاسوس نے پوچھا...... ''تم نے بتایا تھا کہ تم رملہ کے محاذ سے آئے ہوئے سپاہی ہو''۔

''اسی لیے تو میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بزرگ خدا کے مصاحبوں میں سے ہے'' ۔ سپاہی نے کہا...... ''میں نے میدانِ جنگ کا قہر دیکھا ہے اور میں نے سفر کا قہر بھی دیکھا ہے لیکن اس بزرگ نے ریگزار کو گلزار بنا دیا تھا۔ میں اب فوج میں واپس نہیں جا رہا''۔

گاؤں دُور نہیں تھا۔ وہ باتیں کرتے پہنچ گئے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ سپاہی نے جاسوس کو اندھیرے میں کھڑا

رہنے کو کہا اور اُس مکان میں چلا گیا جہاں سیاہ ریش سفید پوش رہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ سپاہی نے کہا کہ وہ پیچھے والے دروازے سے اندر چلا جائے۔ وہ خود اُس کے آگے آگے چل پڑا اور دونوں دروازے میں داخل ہو گئے۔ ڈیوڑھی سے گزرے، صحن سے گزرے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ صحن میں روشنی تھی دونوں لڑکیاں جنہیں سیاہ ریش نے اپنی بیٹیاں بتایا تھا، ایک اور کمرے میں تھی۔ انہیں جب صحن میں قدموں کی آہٹ سنائی دی تو دونوں نے دریچے کا کواڑ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ ایک لڑکی اتنی چونکی کہ اُس کے منہ سے ''اوہ'' نکل گئی۔

''کیا ہوا؟'' دوسری لڑکی نے پوچھا...... ''کون ہے یہ؟''

''شاید مجھے دھوکہ ہوا ہو'' ۔ اُس نے جواب دیا...... ''میں نے اس شخص کو کہیں پہلے بھی دیکھا ہے...... اور وہ گہری سوچ میں کھو گئی۔

جاسوس نے کمرے میں جا کر سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا۔ اُس کے پاؤں پر ماتھا رگڑا۔ وہ فرش پر دری بچھا کر بیٹھا ہوا تھا۔ جاسوس نے گڑگڑا کر التجا کی کہ اُسے گناہوں کی بخشش دلائی جائے۔ اُس نے وہی باتیں کیں جو وہ سپاہی کے ساتھ کر چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سیاہ ریش نے اپنی تسبیح اُس کے سر پر پھیری، اور مُسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''اس سے میری تسکین نہیں ہوگی'' ۔ جاسوس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا...... ''اپنی زبان سے مجھے تسکین دیں۔ مجھے کوئی حکم دیں جو میں بجالاؤں۔ مجھے حکم دیں کہ میرا جو ایک ہی بچہ ہے، اُسے آپ کے قدموں میں ذبح کر دوں۔ مجھے حکم دیں کہ سلطان ایوبی کو قتل کر دو تو میں آپ کا یہ حکم بھی بجالاؤں گا۔ کچھ بولیں۔ کچھ کہیں پھر دیکھیں میں کیا کرتا ہوں'' ۔

ایک اور آدمی اندر آ گیا تھا اور وہ جاسوس کی باتیں غور سے سن رہا تھا اور اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے جاسوس سے کہا...... ''تم اتنے بیزار اور بے تاب کیوں ہوئے جا رہے ہو؟ تم اب مُرشد کے سائے میں آ گئے ہو'' ۔

''میرے گناہ اتنے گھناؤنے ہیں جو مجھے راتوں کو سونے بھی نہیں دیتے'' ۔ جاسوس نے کہا...... ''میں نے حماۃ کے قریب ایک گاؤں میں ایک مسلمان گھرانے کی لڑکی کو اغوا کرنے کے لیے لڑکی کے جوان بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ اگر میں فوج میں نہ ہوتا تو مجھے جلاد کے حوالے کر دیا جاتا لیکن مجھے کسی نے پوچھا تک نہیں'' ۔

سیاہ ریش نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ اُس نے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھائے پھر جاسوس کی طرف اشارہ کیا۔ ذرا دیر بعد وہ مُسکرایا اور اُس نے آنکھوں کھول دیں۔ جاسوس سے کہا...... ''بہت مشکل سے تمہارے ساتھ بات کرنے کی اجازت لی ہے۔ غور سے سنو۔ ہم تمہارے گناہ بخشوا دیں گے۔ تم کل پھر یہاں آؤ۔ کسی کے ساتھ ذکر نہ کرنا، ورنہ تمہارے خاندان کا انجام بہت خوفناک ہوگا۔ یہ آدمی (سپاہی) تمہیں گاؤں سے باہر ملے گا اور میرے پاس لے آئے گا۔ تمہارے ماتھے پر لکھا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے جائیں گے بلکہ تمہیں اور تمہارے خاندان کو اتنا رزق حلال ملے گا جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ اب چلے جاؤ، کل آ جانا'' ۔

سیاہ ریش پھر مراقبے میں چلا گیا۔ سپاہی نے اور دوسرے آدمی نے جاسوس کو اُٹھایا اور صحن میں لے جا کر اُسے سیاہ ریش کی ایسی معجزہ نما باتیں سنائی جنہوں نے جاسوس کو مسحور کر لیا۔ دونوں لڑکیاں دریچے کے کواڑ کی اوٹ سے اُسے دیکھ رہی تھیں، جو لڑکی اُسے پہلی بار دیکھ کر چونکی تھی، اُس نے دوسری لڑکی سے کہا...... ''اِسے میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ یہ دھوکہ نہیں، وہی ہے، وہی ہے'' ۔

☆

''یہ وہی معلوم ہوتا ہے جو ہم پہلے بھی پکڑ چکے ہیں''۔ یہ جاسوس اپنے محکمے کے حاکم اعلیٰ علی بن سفیان کو بتا رہا تھا.....''وہی مراقبہ، چلّہ، جنات اور لوگوں کے جذبات کو قبضے میں لے کر اُن پر اپنا جادو چلانا۔ اپنی فوج کا جو سپاہی مجھے اُس کے پاس لے گیا تھا۔ وہ صرف فوج کے خلاف باتیں کرتا تھا۔ وہ اس قسم کی باتیں مسجد میں نمازیوں کے ساتھ کر رہا تھا۔ اُس نے میرے ساتھ جو باتیں کیں، اُن سے پتہ چلتا تھا کہ اُس کے اور بھی کئی ساتھی ہیں اور وہ مسجدوں میں جا کر نمازیوں کو فوج کے خلاف اُکساتے ہیں۔ محاذ کی جھوٹی باتیں سناتے ہیں اور زور اس پر دیتے ہیں کہ فوج میں بھرتی ہونا گناہ ہے''۔

''انہیں ایسی باتیں مسجدوں میں ہی کرنی چاہئیں''۔ علی بن سفیان نے کہا.....''مسجد میں کہی ہوئی بات کو لوگ وحی کا درجہ دیتے ہیں۔ لوگ جذبات کے غلام ہیں۔ اُسی کو مُرشد مان لیتے ہیں جو اُن کے جذبات کو پہلے بھڑکائے پھر الفاظ میں اُن کی تسکین کر دے.....تم کل پھر وہاں جاؤ۔ مجھے وہ گاؤں اور مکان سمجھا دو۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر زیادہ سے زیادہ معلومات لانے کی کوشش کرنا۔ تمہاری لائی ہوئی اطلاع کے بعد ہم وہاں چھاپہ ماریں گے''۔

''مجھے ڈر ہے کہ چھاپے سے وہاں کے لوگ مشتعل ہو جائیں گے'' جاسوس نے کہا.....''سپاہی نے بتایا تھا کہ گاؤں کا بچہ بچہ اُس کا مرید ہو چکا ہے اور دُور دُور سے لوگ اُس کی زیارت کے لیے آتے ہیں''۔

''ہمیں لوگوں کے ساتھ نہیں چلنا'' علی بن سفیان نے کہا.....''لوگوں کے جذبات کا خیال صرف وہ حکمران رکھا کرتے ہیں جو اُن پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حکمران لوگوں کے جذبات سے کھیلا کرتے ہیں، تاکہ رعایا خوش رہے اور اُس کے آگے سجدے کرے۔ ہمیں سلطنتِ اسلامیہ اور انہیں لوگوں کے وقار کا تحفظ کرنا ہے۔ ہم ان لوگوں کو حقیقت دکھائیں گے۔ ہم انہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کا غلام اور مرید نہیں بنانا چاہتے۔ ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے پاسبان تم بھی اتنے ہی ہو جتنا تمہارا سلطان ہے۔ ہم انہیں اسلام کا دشمن دکھائیں گے۔ ہم قوم پر جذبات پرستی کا نشہ طاری کر کے اُسے سلانا نہیں چاہتے، قوم کو حقائق کے جھٹکے دے کر جگانا ہے.....تم جا کر وہ بھی دیکھو جو تمہیں ابھی نظر نہیں آیا''۔

جاسوس کے وہاں جانے کا وقت رات کا تھا۔ علی بن سفیان نے بھیس بدلا اور اُس گاؤں میں چلا گیا۔ اُس نے مکان بھی دیکھ لیا اور اُس نے لوگوں کی عقیدت مندی کی بے تابیاں بھی دیکھ لیں۔ لوگوں کی باتیں بھی سنیں۔ فوج کے خلاف طوفان اُٹھایا جا رہا تھا۔ علی بن سفیان نے مکان کے پچھواڑے کو دُور سے دیکھا۔ وہاں چھوٹا سا ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ وہاں درخت تھا اور دائیں بائیں دو مکانوں کے پچھواڑے تھے۔ اُس طرف کوئی انسان نہیں تھا۔ ہجوم مکان کے سامنے تھا۔ دروازہ کھلا اور ایک سفید ریش آدمی پرانے سے چغے میں ملبوس دروازے سے نکلا۔ علی بن سفیان اوٹ میں ہو گیا۔ اُس نے کھلے ہوئے دروازے میں ایک خوب صورت اور جوان لڑکی کو کھڑے دیکھا۔ لڑکی نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

سفید ریش آدمی ہاتھ میں لاٹھی لیے جھکا جھکا گاؤں سے نکل گیا۔ علی بن سفیان اُسے دیکھتا رہا۔ دُور جا کر وہ رُک گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک طرف سے ایک گھوڑ سوار آیا۔ سفید ریش آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور قاہرہ کی طرف چلا گیا۔ جو آدمی گھوڑا لایا تھا، وہ گاؤں کی طرف چلا گیا۔ علی بن سفیان اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور سفید ریش سوار کے پیچھے گیا مگر فاصلہ رکھا۔ سفید ریش نے کئی بار پیچھے دیکھا۔ علی بن سفیان اُس کے پیچھے جاتا رہا۔ آگے جا کر سفید ریش نے قاہرہ کے راستے کی بجائے گھوڑا دوسرے راستے پر ڈال دیا۔ رفتار معمولی تھی۔ علی بن سفیان نے بھی گھوڑا اُسی راستے پر ڈال دیا۔

قاہرہ شہر نظر آ رہا تھا۔ دُور نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر ایک ایک دو دو جھونپڑے یا خیمے نصب تھے۔ کہیں خانہ بدوشوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ سفید ریش سوار نے کئی راستے بدلے اور وہ پیچھے دیکھتا رہا۔ علی بن سفیان اُس کے پیچھے رہا۔ سفید

ریش کی بے چینی صاف ظاہر ہونے لگی تھی۔ آخر اُس نے قاہرہ کا رُخ کر لیا اور گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر لی۔ علی بن سفیان نے بھی باگوں کو جھٹکا دیا۔ ہلکی سی ایڑ لگائی اور گھوڑے کی چال بدل کر تیز ہوگئی۔ فاصلہ پندرہ بیس قدم رہ گیا۔ وہ اب شہر میں تقریباً داخل ہو چکے تھے۔ سفید ریش سوار نے گھوڑا روک لیا اور علی بن سفیان کے راستے میں ہو گیا۔ علی بن سفیان نے بھی گھوڑا اُس کے قریب جا کر روکا۔

''تم کوئی رہزن معلوم ہوتے ہو''۔ سفید ریش سوار نے کہا اور خنجر نکال لیا۔ بولا ...... ''میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو''۔

علی بن سفیان نے دیکھا کہ اُس کی سفید داڑھی سے اُس کی عمر ستر برس سے اوپر لگتی تھی مگر چہرہ، آنکھیں اور دانت بتاتے تھے کہ چالیس سے بہت کم ہے۔ علی بن سفیان بھی بہروپ میں تھا۔ اُس نے اپنے کمر بند سے سوا گز لمبی تلوار لٹکا رکھی تھی جو اُس کے چغے میں چھپی ہوئی تھی۔ اُس نے بجلی چمکنے جیسی پھرتی سے تلوار نکال لی۔

''داڑھی اُتار دو''۔ اُس نے سفید ریش کے پہلو میں تلوار رکھ کر کہا...... ''اور میرے آگے آگے چل پڑو''۔ سفید ریش کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ علی بن سفیان نے تلوار کی نوک اس کی کنپٹی پر رکھ کر داڑھی میں اُلجھائی اور جھٹکا دیا، وہاں سے داڑھی چہرے سے الگ ہوگئی۔ آدھا چہرہ ننگا ہو گیا۔ علی بن سفیان نے اپنی داڑھی اُتار دی اور بولا ...... ''ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں، چلو چلیں''۔

وہ شہری انتظامیہ کا کوئی اعلیٰ حاکم تو نہیں تھا لیکن چھوٹا اور غیر اہم بھی نہیں تھا۔ مصر کا رہنے والا تھا۔ اس کے متعلق علی بن سفیان تک یہ اطلاعیں پہنچی تھیں کہ معزول کی ہوئی عباسی خلافت کا زمین دوز کارندہ ہے۔ اس خلافت کو جس کی گدی قاہرہ میں تھی، سلطان ایوبی نے سات آٹھ سال پہلے ختم کر دیا تھا۔ خلیفہ العاضد تھا جس نے حشیشین، صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی مرحوم کے ساتھ بات کر کے اس خلافت کو معزول کیا اور امارتِ مصر کو خلافتِ بغداد کے تحت کر دیا تھا۔ معزول شدہ خلافت عباسیہ کے پیروکار ابھی تک زمین دوز کارروائیوں میں مصروف تھے۔ رملہ کی شکست اُن کے لیے زریں موقع تھا، چنانچہ سلطان ایوبی اور اُس کی فوج کو بدکار، عیاش، لٹیری اور شکست کا ذمہ دار ثابت کرنے کی مہم میں عباسی خفیہ طریقوں سے سرگرم ہو گئے تھے۔

علی بن سفیان نے اس آدمی کو حراست میں لے لیا اور اپنے اُس قید خانے میں جا بند کیا، جہاں وہ ملزموں سے ابتدائی تفتیش کیا کرتا تھا۔

☆

علی بن سفیان کا جاسوس رات کو سیاہ ریش بزرگ کے بتائے ہوئے وقت پر گاؤں کے باہر جا کھڑا ہوا۔ گزشتہ رات والا سپاہی اُسے لینے آ گیا۔ سپاہی نے اُسے کوئی نئی ہدایات دیں اور ساتھ لے گیا۔ وہ پچھلے دروازے سے اندر گیا مگر جاسوس کو گزشتہ رات والے کمرے کی بجائے ایک اور کمرے میں لے گئے۔ اُسے کمرے میں سیاہ ریش بزرگ نظر نہ آیا، وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دروازہ بند ہوا تو اُس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ سپاہی بھی باہر نکل گیا تھا۔ اُس نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو اُسے پتہ چلا کہ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے۔ اس کمرے کی نہ کوئی کھڑکی تھی، نہ روشن دان۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے پہچان لیا گیا ہے اور اُسے پکڑ لیا گیا ہے۔ فرار ممکن نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے۔

خاصی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ان لڑکیوں میں سے ایک اندر آئی، جنہیں سیاہ ریش اپنی بیٹیاں بتایا تھا۔ وہ اب مستور نہیں تھی لیکن یورپی لڑکیوں کی طرح عریاں بھی نہیں تھی۔ اس کا لباس عرب کی مسلمان لڑکیوں جیسا تھا۔ نقش و نگار

عرب اور یورپ کے ملے جلے تھے۔ وہ اندر آئی تو باہر سے کسی نے دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی۔ کمرے میں قندیل جل رہی تھی۔ جاسوس نے لڑکی کو دیکھا تو اُس کی آنکھیں جیسے حیرت سے ساکن ہو گئی ہوں۔ لڑکی مُسکرا رہی تھی۔

''پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟''.....لڑکی نے کہا.....''اتنی جلدی بھول گئے؟ تم میرے شہر سے بچ کر نکل آئے تھے، مگر اپنے شہر میں آ کر میرے قیدی بن گئے۔ اب نہیں نکل سکو گے''۔

جاسوس نے لمبی آہ بھری جس میں سکون بھی تھا، اضطراب بھی۔ اُسے تین سال پہلے کے وہ دن یاد آ گئے جب اُسے جاسوسی کے لیے عکرہ بھیجا گیا تھا۔ عکرہ صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ وہاں اُن کا بڑا پادری رہتا تھا جسے صلیبِ اعظم کا محافظ کہتے تھے۔ صلیبی بادشاہ جو اپنی فوجیں عرب علاقوں میں قبضہ کرنے کی غرض سے لے کر آتے۔ عکرہ ضرور جاتے اور صلیبِ اعظم کے محافظ کو سلام کرتے تھے۔ اس لیے جنگی لحاظ سے یہ اہم جگہ تھی۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کے بہروپ میں وہاں ایک خفیہ اڈہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ ان میں سے تین چار پکڑے گئے اور دو شہید ہو گئے تو وہاں کے زمیں دوز کمانڈر نے مزید جاسوس مانگے تھے۔ ان میں اسے بھی بھیجا گیا تھا جو اب مصر میں ایک کمرے میں بند تھا۔

اُس کا رنگ اچھا، قد بُت اور زیادہ اچھا اور چہرہ دل کش تھا۔ دماغی لحاظ سے وہ تیز اور ہوشیار تھا۔ وہ گھوڑے کی سواری کا اتنا ماہر تھا کہ فوجی نمائشوں اور میلوں میں حیران کر دینے والے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ اداکاری میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے سیاہ ریش کے سامنے اپنے آنسو نکال لیے تھے۔ وہ عیسائی نام سے عکرہ میں داخل ہوا تھا اور اُس نے وہاں کوئی اپنی دردناک کہانی سنائی تھی اور بتایا تھا کہ وہ حلب کی مسلمان فوج میں نئے سپاہیوں کو گھوڑ سواری اور رسالے کی لڑائی کی ٹریننگ دیا کرتا تھا لیکن مسلمانوں نے اُس کی نوجوان بہن کو اغوا کر کے اُسے فوج سے نکال دیا۔

اُس کی اداکاری سے متاثر ہو کر اُسے سواری کی ٹریننگ دینے کے لیے رکھ لیا گیا لیکن اس کے شاگرد فوجی نہیں تھے بلکہ جوان لڑکیاں تھیں اور بڑے بڑے فوجی افسروں کے لڑکے۔ اُسے پتہ چلا کہ اِن لڑکیوں کو مسلمان علاقوں میں جاسوسی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ پھر مرد بھی اس کے حوالے کیے جانے لگے۔ یہ سب صلیبی جاسوس تھے۔ وہ اِن میں گھل مل گیا تھا اور اُن سے اُسے بڑی قیمتی معلومات مل جاتی تھیں۔

یہ لڑکی جو اب قاہرہ کے مضافات کے ایک گاؤں میں اُسے کہہ رہی تھی کہ اب نہیں نکل سکو گے، عکرہ میں اُس کی شاگرد تھی وہ جاسوسی کا تجربہ رکھتی تھی، گھوڑ سواری نہیں جانتی تھی۔ علی بن سفیان کا یہ جاسوس اُسے اچھا لگنے لگا تھا، پھر استادی شاگردی بڑے گہرے لگاؤ کی صورت اختیار کر گئی۔ لڑکی نے یہاں تک ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس آدمی کی خاطر جاسوسی جیسا ذلیل پیشہ ترک کر دے گی اور اس کی بیوی بن کر باعزت زندگی گزارنے لگے گی۔ اس مسلمان جاسوس نے محبت کا جواب محبت سے دیا تھا لیکن اپنے فرض کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ لڑکی نے اپنے کام میں دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس آدمی کی ہو کے رہ گئی تھی۔

ایک روز عکرہ میں دو مسلمان جاسوس پکڑے گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے گروہ کے اِن تمام آدمیوں کی نشاندہی کر دی جنہیں وہ جانتا تھا۔ ان میں یہ جاسوس بھی تھا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ اسی لڑکی نے اس سے پوچھا.....''تم جاسوس تو نہیں ہو سکتے۔ تم مسلمان تو نہیں؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ یہاں کا جاسوسی کا محکمہ تمہارے متعلق تفتیش کر رہا ہے اور تم پر نظر رکھی جا رہی ہے''۔

وہ ہنس پڑا اور الزام کی تردید کی، مگر بے چین ہو گیا۔ رات کو وہ اپنے زمیں دوز کمانڈر سے ملا۔ کمانڈر نے اسے بتایا کہ گروہ کے بہت سے آدمیوں کی نشاندہی ہو گئی ہے اور بہتر ہے کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ وہ کمانڈر کے گھر سے نکلا تو

اُسے پتہ چل گیا کہ دو آدمی اُس کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ یہ تعاقب تھا۔ وہ چلتا گیا اور اصطبل میں گیا۔ ایک گھوڑے پر زین کسی تو دونوں آدمی آگئے۔ اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جارہا ہے۔ وہ پھرتیلا اور ہوشیار تھا۔ کود کر گھوڑے پر سوار ہوا اور ایڑ لگادی۔ ایک آدمی اُس کے گھوڑے تلے کچلا گیا...... وہ عکرہ سے نکل آیا۔

☆

''میں نے تمہیں پہچان لیا ہے'' ...... اُس نے لڑکی سے کہا۔ وہ ایک دوسرے کو تین سال بعد دیکھ رہے تھے۔ اُس نے کہا...... ''مجھے حیران نہیں ہونا چاہیے تھا، تم آخر جاسوس ہو''۔

''تین سال پہلے میں نے تمہاری محبت کے دھوکے میں آکر جاسوسی چھوڑ دینے کا عہد کیا تھا'' ...... لڑکی نے کہا...... ''تم اگر مجھے بتادیتے کہ تم مسلمان ہو اور جاسوس ہو تو بھی میں تمہیں دھوکہ نہ دیتی، شاید تمہارے ساتھ آجاتی۔ تمہارے بھاگ آنے کے بعد جب مجھے پتہ چلا تھا کہ تم مسلمان جاسوس تھے تو مجھے دُکھ نہیں ہوا تھا۔ تمہارے کھو جانے کا بہت غم تھا''۔

''کیا اب تمہارے دِل میں میری محبت نہیں؟'' ...... جاسوس نے پوچھا...... ''تم اب میرے ملک میں ہو، میرے ساتھ آؤ، یہاں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا''۔

''محبت اب بھی ہے'' ...... لڑکی نے کہا...... ''مگر اس پر فرض غالب آگیا ہے۔ یہ تمہارا جرم ہے۔ میں نے تو تمہاری محبت کی خاطر جاسوسی چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا تھا مگر تم نے میرے ارادوں کو کچل ڈالا اور جاسوسی کی غلاظت میں مجھے ڈبو آئے۔ تین سال گزر گئے ہیں۔ اتنی لمبی مدت میں، مَیں اپنے آپ کو بُری طرح ناپاک کر چکی ہوں۔ اسلام کے خلاف نفرت میری روح میں اُتر گئی ہے۔ اب نہیں۔ اب تم میرے قیدی ہو۔ میں اپنے گروہ کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ میں جس آدمی کے ساتھ آئی ہوں، اُسے میں نے ہی بتایا تھا کہ تم جاسوس ہو۔ میں نے اُسے عکرہ کی ساری بات سنادی تھی۔ اگر میں تمہیں صحن میں سے گزرتے اتفاق سے نہ دیکھ لیتی تو ہم سب گرفتار ہو چکے ہوتے۔ تمہیں میں نے پکڑوایا ہے''۔

''یہ آدمی جو غیب دان اور مُرشد بنا ہوا ہے، مسلمان ہے یا صلیبی؟'' ...... جاسوس نے پوچھا۔

''اب پوچھ کر کیا کرو گے؟'' ...... لڑکی نے پوچھا۔

''جاسوسی ایک عادت بن گئی ہے'' ...... جاسوس نے کہا...... ''مرنے سے پہلے جاننا چاہتا ہوں۔ اب یہ راز باہر تو نہیں لے جاسکوں گا''۔

''یہ مسلمان ہے'' ...... لڑکی نے کہا...... ''مسلمانوں کی کمزوریوں سے واقف ہے۔ اُستادوں کا اُستاد ہے''۔

کمرے کا دروازہ کھلا۔ یہ سیاہ ریش ایک آدمی کے ساتھ اندر آیا۔ لڑکی سے بولا...... ''اگر تمہاری بات پوری ہوگئی ہے تو باہر نکل جاؤ'' ...... لڑکی جاسوس کو گہری نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئی۔ سیاہ ریش نے جاسوس سے پوچھا...... ''مجھے صرف یہ بتادو کہ میرا راز کس کس کو معلوم ہے۔ کیا تم نے علی بن سفیان کو بتا دیا ہے کہ میں مشکوک آدمی ہوں؟''

''نہیں'' ...... جاسوس نے جواب دیا...... ''میں جاسوس ضرور ہوں۔ جاسوسی کے خیال سے یہاں نہیں آیا تھا''۔

سیاہ ریش کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک (ہنٹر) تھا۔ اُس نے پوری طاقت سے جاسوس کو مارا اور کہا...... ''میں سچی بات سننا چاہتا ہوں''۔

دروازہ زور سے کھلا۔ وہی لڑکی اندر آئی۔ اُس نے سیاہ ریش کے دونوں بازو پکڑ کر التجا کی...... ''اسے مارو مت سب کچھ بتادے گا''۔

''میں کچھ نہیں بتاؤں گا''۔ جاسوس نے کہا۔

''سیاہ ریش نے چابک گھمایا تو لڑکی دوڑ کر جاسوس کے آگے ہوگئی۔ چلا کر بولی...... ''مارو نہیں، اس کے جسم کی چوٹ میرے دل کا زخم بن جائے گی''۔

''تم اسے بچانا چاہتی ہو؟''...... دوسرے آدمی نے گرج کر پوچھا۔

''نہیں''...... لڑکی نے روتے ہوئے کہا............ ''یہ کچھ نہ بتائے تو تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سرتن سے جدا کردو۔ اذیت دے کر نہ مارو''۔

لڑکی کو گھسیٹ کر باہر لے گئے پھر جاسوس پر تشدد شروع ہوگیا۔ اُسے رات بھر سونے نہ دیا گیا۔ اس سے بہت کچھ پوچھا جا رہا تھا۔ اُسے بہت کچھ بتایا جا رہا تھا مگر وہ بُت بنا چوٹ پر چوٹ کھا رہا تھا۔ سحر کا وقت تھا۔ لڑکی پھر اس کمرے میں آگئی۔ اُس وقت جاسوس نیم غشی کی حالت میں تھا۔ وہ فرش پر پڑا تھا۔ اب اُسے تلوار کی نوک جگہ جگہ چبھوئی جا رہی تھی۔ لڑکی اُس کے اوپر لیٹ گئی اور چیخنے لگی...... ''یہ میں برداشت نہیں کرسکتی۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔ اس کی اذیت میری اذیت ہے۔ یہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے، میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ اسے جان سے مار دو، اذیت نہ دو''۔

جاسوس نے نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنے اوپر پڑی لڑکی کو بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور مری ہوئی آواز میں بولا...... ''تم چلی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنے فرض سے بھٹک جاؤں۔ یہ اذیتیں میرے فرض کا حصہ ہیں۔ تم اپنے مذہب پر قربان ہو جاؤ، مجھے اپنے مذہب پر قربان ہو جانے دو''۔

لڑکی پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ اُسے ایک بار پھر گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ سیاہ ریش نے حکم کے لہجے میں کہا...... ''اس بدبخت لڑکی کو کسی کمرے میں بند کردو''۔

☆

دن آدھا گزر چکا تھا۔ علی بن سفیان اس جاسوس کے انتظار میں بیزار ہوا جا رہا تھا۔ ایک روز پہلے اس نے جس آدمی کو سفید داڑھی کے بہروپ میں پکڑا تھا، اُسے بھی گزشتہ رات قید خانے میں ایسی ہی اذیتیں دے کر اُس سے کہلوا لیا گیا تھا کہ یہ سیاہ ریش کون ہے اور اس کی اصلیت اور اس کا مشن کیا ہے۔ دن کے پچھلے پہر علی بن سفیان نے اس شک کی بناء پر کہ اس کا جاسوس پکڑا نہ گیا ہو، فوج کا ایک چھاپہ مار جیش تیار کیا۔ اس مکان کے متعلق پتہ چل ہی چکا تھا کہ تخریب کار جاسوسوں کا اڈہ بن گیا ہے۔

چھاپہ مار اس قدر تیزی سے آئے کہ گاؤں میں کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ وہ گھوڑوں سے اُتر کر بندروں کی طرح مکان کی دیواریں پھلانگ گئے۔ دروازے توڑ دیے گئے۔ اندر جتنے آدمی تھے، انہیں پکڑ لیا گیا۔ علی بن سفیان کے جاسوس کی اب یہ حالت تھی کہ بے ہوش پڑا تھا اور اس پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ ایک کمرے میں اُسے چاہنے والی لڑکی فرش پر پڑی تھی۔ ایک خنجر اُس کے دل میں اُترا ہوا تھا۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی...... ''میں نے خودکشی کی ہے''...... اور وہ مرگئی۔

سیاہ ریش کو اس ہجوم کے سامنے کھڑا کیا گیا جو گاؤں کے اندر اور باہر جمع تھا اور اُسے کہا گیا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور وہ کس مقصد کے تحت فوج اور سلطان کو بدنام کر رہا تھا۔ اُس نے بتا دیا۔ ایک لڑکی مر چکی تھی۔ دوسری کو لوگوں کے سامنے کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ لڑکی مسلمان نہیں صلیبی ہے۔ یہ بھی سب کو بتایا گیا کہ ٹیلوں کے علاقے

میں آگ کے قریب جو پانی اور کھجوریں پڑی تھیں۔ وہ اس کے گروہ کے آدمیوں نے رکھی تھیں۔ یہ گروہ اُس سے دُور دُور سفر کرتا تھا۔

علی بن سفیان نے اپنے تہہ خانے میں اس آدمی اور اس کے گروہ سے جو باتیں اُگلوائیں، اُن سے پتہ چلا کہ اُس نے محاذ سے بھاگے ہوئے نئے فوجیوں کو اپنے اثر میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے آدمی بھی تھے۔ یہ تمام لوگ مسجدوں میں اور اُن جگہوں پر جہاں لوگ اکٹھے ہوتے تھے، مصری فوج کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ قوم اور فوج کے درمیان شکوک اور نفرت کی دیوار کھڑی کی جائے۔ اس سے صلیبی بہت فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اس مہم میں مصر کی انتظامیہ کے چند ایک حاکم بھی شامل تھے اور معزول شدہ عباسی خلافت کے خفیہ پیروکار بھی۔ مختصر یہ کہ دشمن تو اس مہم میں شریک تھا ہی، خود وہ مسلمان بھی اس میں شامل ہو گئے تھے جن کا کوئی نہ کوئی مفاد وابستہ تھا۔

''جب کبھی فوج اور قوم میں نفرت پیدا ہوگئی، سمجھ لو سلطنتِ اسلامیہ کا زوال شروع ہو گیا''...... سلطان ایوبی نے کہا۔ اُس نے حکم دیا...... ''تمام مسجدوں کے اماموں کو رملہ کی شکست کے اصل اسباب بتانے کا انتظام کرو اور امام ساری قوم کو بتائیں۔ اگر کسی کو ذمہ داریاں اور الزامات عائد کرنے سے تسکین ہوتی ہے تو ساری ذمہ داری مجھ پر ڈالو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سُولی پر جان دے کر قوم کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا تھا۔ میں فلسطین کے میدانِ جنگ میں جان دے کر اپنی قوم کے ہر اُس فرد کے گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا جو تخت و تاج کے نشے میں میری فوج اور مقبوضہ فلسطین کے راستے میں حائل ہو رہا ہے اور میرے خون کے قطروں سے آواز آئے گی کہ شکست کی ذمہ داری فوج نہیں تھی اور میرے کسی فوج نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا''۔

......۞......

تصادم رُوح بدرُوح کا

حمص پُرسکون قصبہ تھا۔ یہ حلب کے شمال میں آج کے شام اور لبنان کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ پُرسکون اس لیے تھا کہ ابھی جنگ کی لپیٹ میں نہیں آیا تھا۔ اس کے مضافات سے کبھی کبھی صلیبی فوج گزرا کرتی تھی۔ اس کے قریب سے ایک چھوٹا سا دریا گزرتا تھا، اس لیے حمص فوجوں کی عام گزرگاہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس قصبے میں مسلمانوں کی آبادی اتنی زیادہ تھی کہ اسے مسلمانوں کی بستی کہا جاتا تھا۔ چند ایک گھرانے عیسائیوں کے بھی تھے اور چند ایک یہودیوں کے بھی۔ تجارت عیسائیوں اور یہودیوں کے قبضے میں تھی۔ یہ لوگ دُور کے علاقوں میں کاروبار کے سلسلے میں جاتے رہتے تھے، اس لیے وہ باہر کی دُنیا کی جو خبریں لاتے تھے، انہیں سچ سمجھا جاتا تھا۔ وہ صلیبی اور اسلامی فوجوں کی جنگ کی خبریں لایا کرتے تھے۔ اِن خبروں میں مسلمانوں کی شکست کا ذکر زیادہ ہوتا تھا۔ صلیبی فوج کے متعلق وہ ڈراؤنی باتیں سنایا کرتے تھے۔

اُن کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ حمص کے مسلمانوں پر صلیبی فوج کی دہشت طاری رہے اور کم از کم اس بستی کا کوئی مسلمان اسلامی فوج میں نہ جائے لیکن اِس کا اثر اُلٹا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں نے ڈرنے کی بجائے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ انہیں ان تیاریوں سے کوئی حاکم نہیں روک نہیں سکتا تھا۔ یہاں صلیبیوں کی حکمرانی نہیں تھی۔ حمص کے مسلمان گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیغ زنی اور تیر اندازی کی مشق کرتے رہتے تھے۔ یہ تربیت لڑکیوں کو بھی دی جاتی تھی۔ ان کا قائد بڑی مسجد کا خطیب تھا جس کا علم اور عمل جہاد پر مرکوز تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو بتا رکھا تھا کہ قبلۂ اوّل کو آزاد کرانا ہے اور صلیبیوں کو عرب کی سرزمین سے بے دخل کرنا ہے۔

''.....اور یہ جنگ کیوں لڑی جا رہی ہے؟'' خطیب اپنے خطبوں میں اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دہراتا رہتا تھا..... ''صلیبی عرب پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہی قائم کرنے کی کوشش میں ہیں اور ہم یہاں اللہ کی بادشاہی قائم کرنے کے لیے جان و مال کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ انہوں نے عرب کو میدانِ جنگ صرف اس لیے بنایا ہے کہ خدائے ذوالجلال کا عظیم پیغام عرب کو عطا ہوا ہے اور اس پیغام نے ہم عربوں پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ ہم یہ پیغام جو ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غارِ حرا میں عطا ہوا تھا، تمام تر بنی نوعِ انسان تک پہنچائیں۔ طارق بن زیادہ نے بحیرۂ روم کے مصر والے ساحل پر کھڑے ہو کر خدائے عزوجل سے کہا تھا..... ''اگر تیری ذاتِ باری مجھے ہمت و استقلال عطا فرمائے تو میں تیرا نام سمندر پار لے جاؤں'' ......اور اس کے سینے سے جذبۂ ایمان کا شعلہ جو اُٹھا تو اُس نے گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ اُس کی فوج کشتیوں میں یورپ کے ساحل پر اُتری۔ زیاد کے بیٹے طارق نے حکم دیا..... ''کشتیوں کو آگ لگا دو، ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے'' .....

''مگر آج صلیبی اس عزم کے ساتھ اللہ کی اس سرزمین پر آئے ہیں کہ وہ واپس نہیں جائیں گے۔ انہوں نے اس سرزمین کو تہِ تیغ کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ خدا کے اس عظیم پیغام کو جو ساری دُنیا میں پھیلانے کے لیے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا تھا، یہیں ختم کر دیا جائے۔ یاد رکھو مسلمانو! اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو پتھروں کو موم کر دیتا ہے۔ ہمارے مذہب کے بنیادی اصول انسانوں کی روح میں اُتر جاتے ہیں کیونکہ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ حقوق العباد ایک ایسا اصول ہے جو صرف اسلام نے انسان کو دیا ہے۔ اسلام ایک نظریہ ہے صرف عقیدہ نہیں۔ صلیب کے علمبردار جانتے ہیں کہ اسلام کو فروغ کا موقع ملا تو کرۂ ارض پر پرچم رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس سائے تلے آجائے گا اور صلیب کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اسی لیے صلیبی اپنی تمام تر جنگی قوت لے کر یہاں آگئے ہیں۔ وہ علم و فضل کے اس سرچشمے کو بند کرنے آئے ہیں......

''یہودیوں کے ساتھ اُن کا سودا ہوا ہے کہ وہ بیت المقدس کو فتح کر کے اُن کے حوالے کر دیں گے تاکہ یہودی مسجدِ اقصیٰ کو جو ہمارا قبلۂ اوّل ہے، ہیکل سلیمانی بنالیں۔ یہ یہودیوں کا ایک پرانا خواب ہے جسے وہ عملی شکل میں لانے کو بے تاب ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی بیٹیاں اور اپنی دولت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے۔ ان دونوں چیزوں نے ہماری صفوں میں غدار پیدا کر دیے ہیں۔ تم سب تک صلاح الدین ایوبی کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اسے اپنے دلوں پر نقش کر لو۔ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاسبان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو اور قوم کو یہ بتا رکھا ہے کہ یہ دو فوجوں کی نہیں، دو مذہبوں کی جنگ ہے۔ یہ قبلۂ اوّل اور ہیکل سلیمانی کی جنگ ہے۔ اگر ہم نے آج باطل کو ہمیشہ کے لیے ختم نہ کیا تو ایک روز باطل ہمارے مذہب کو ختم کر دے گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی اور تاریخ دیکھے گی کہ فلسطین پر یہودی قابض ہیں اور مسجد اقصیٰ ہیکل سلیمانی میں تبدیل ہو رہی ہے......

''حمص کے مسلمانو! تم صلاح الدین ایوبی کی فوج کے سپاہی نہیں ہو مگر اللہ کے سپاہی ہو۔ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ اپنے وطن اور اپنے مذہب کے دفاع کے لیے گھوڑے اور اسلحہ تیار رکھو اور جہاد کی تیاری میں مصروف رہو...... اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے مذہب کا دشمن صرف میدانِ جنگ میں تمہارے خلاف نہیں لڑتا۔ اُس کا ایک محاذ اور بھی ہے۔ وہ افواہوں کے ذریعے تم پر اپنی فوج کی دہشت اور اسلامی فوج کے خلاف وسوسے پیدا کرتا ہے۔ سرکردہ افراد کو حسین لڑکیوں اور سونے کی چمک دمک سے اپنا گرویدہ بناتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کی بہت بڑی کمزوری ہیں۔ ان میں جب شراب شامل ہو جاتی ہے تو مسلمان اپنا ایمان اپنے ایمان کے دشمن کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ ایسا ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ صلیبی ہمیں خانہ جنگی میں اُلجھا کر ہماری جنگی قوت کو کمزور کر چکے ہیں۔ یہ گناہ اُن چند ایک اُمراء کا تھا جو صلیبیوں کے بڑے ہی دلکش جال میں آگئے تھے مگر اُن کے گناہوں کی سزا قوم اور فوج کو اور سلطنتِ اسلامیہ کو ملی......

''خانہ جنگی کرانے والے قوم اور فوج کو جذبات میں اُلجھا کر بھڑکاتے اور مرواتے ہیں اور خود اپنے محلات میں اُن حرموں میں بدمست رہتے ہیں جنہیں صلیبیوں اور یہودیوں نے اپنی لڑکیوں سے رونق دی ہے۔ یاد رکھو، یہ ساری چٹانیں سونا بن جائیں اور تمہارے قدموں میں رکھ دی جائیں تو بھی یہ جہاد کا صلہ اور انعام نہیں بن سکتیں۔ جہاد کا انعام روح کو ملا کرتا ہے۔ روح زر وجواہرات سے خوش نہیں ہوا کرتی۔ جہاد کا انعام خدا کا پاس ہے۔ تم اللہ کی راہ میں جان دے دو گے تو بھی زندہ رہو گے۔ یہ جسم کی ہی لعنت ہے، جس نے جسمانی لذت کو شعار بنایا۔ اُس نے اپنے بھائی کا گلا کاٹ اور مُرتد کہلایا۔ قرآن پاک تمہیں روحانی لذت سے سرشار کرتا ہے''۔

اور اس طرح اس خطیب نے حمص کے مسلمانوں کو روحانی لذت سے سرشار کر رکھا تھا۔ جنگی تربیت اُسی کی نگرانی اور اُسی کی ہدایات کے تحت ہوتی تھی۔ وہ خود تیغ اور خنجر زنی کا ماہر تھا۔ حمص میں اس تربیت سے رونق رہتی تھی۔

میں تین مسجدیں تھیں، جہاں جہاد کی باتیں ہوتی تھیں مگر وہاں جو صلیبی اور یہودی رہتے تھے، وہ مسلمانوں کے ہمدرد بن کر حوصلہ شکن خبریں سناتے رہتے تھے۔ مسلمان اپنے خطیب اور اماموں سے ان خبروں کے متعلق پوچھتے اور بے قرار ہوتے رہتے تھے۔ خطیب نے حمص کے ایک جواں سال آدمی، تبریز کو اس مقصد کے لیے دمشق بھیج رکھا تھا کہ وہاں سے صحیح صورتِ حاصل معلوم کر کے آئے۔

☆

تبریز صحیح صورتِ حال معلوم کر کے حمص کو واپس جا رہا تھا۔ اُسے دمشق تک جانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ راستے میں ہی اُس کا کام ہو گیا تھا۔ اُس نے حماۃ سے بہت دُور صلیبی فوج دیکھی تھی جو ایک جگہ پڑاؤ کیے ہوئے تھی۔ اُس نے دُور سے جھنڈوں سے پہچان لیا تھا کہ یہ صلیبی فوج ہے۔ پھر اُسے دو شتر سوار ملے تھے جو مسلمان تھے۔ انہوں نے بھی اُسے بتایا تھا کہ یہ صلیبیوں کی فوج ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ فوج مسلمانوں کے ہاتھوں بہت زیادہ نقصان اُٹھا کر آئی ہے۔ تبریز نے انہیں بتایا کہ وہ حمص سے یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ صلیبی فوج کہاں تک پہنچی ہے اور عرب کے کتنے علاقے فتح کر چکی ہے۔

''وہ پہاڑیاں تمہیں نظر آ رہی ہیں''۔ شتر سواروں نے اُسے بتایا تھا..... ''یہی راستہ تمہیں ان پہاڑیوں کے اندر لے جائے گا۔ اپنی فوج وہیں ہے۔ دمشق بہت دُور ہے۔ تم اپنی فوج کے کسی بھی آدمی سے پوچھ لینا، تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ رملہ میں لڑائی ہوئی تھی جس میں مسلمان نقصان اُٹھا کر اِدھر اُدھر ہو گئے تھے، پھر صلیبیوں سے حماۃ کے قلعے کے قریب لڑائی ہوئی تھی جس میں صلیبی نقصان اُٹھا کر بھاگے..... تم آگے چلے جاؤ لیکن کسی صلیبی سپاہی کے قریب نہ جانا۔ اُسے جونہی پتہ چلا تم مسلمان ہو، وہ تمہیں قتل کر دے گا''۔

سورج غروب ہونے کو تھا، جب وہ حماۃ کی پہاڑیوں سے گزر رہا تھا۔ ایک فراخ وادی تھی۔ آگے سے چند ایک سوار آ رہے تھے۔ تبریز راستے سے ہٹا نہیں۔ ایک سوار گھوڑا دوڑاتا آیا اور اُسے غصے سے کہا کہ وہ راستے سے دُور ہٹ جائے۔ ''سالارِ اعلیٰ آ رہے ہیں''..... تبریز ذرا سا الگ ہٹ گیا۔ سوار اُسے اور پرے ہٹا رہا تھا۔ سالارِ اعلیٰ اور اُس کے ساتھ کے سوار تیزی سے آ رہے تھے۔ سالارِ اعلیٰ، سلطان ایوبی کا بھائی العادل تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا محافظ ایک مسافر کے ساتھ بہت غصے سے بول رہا ہے اور مسافر شاید راستے سے ہٹ نہیں رہا۔ العادل قریب آ کر رُک گیا۔ تبریز کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور محافظ کے ساتھ کیوں جھگڑ رہا ہے۔

تبریز نے جواب دیا کہ وہ حمص سے یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کس حال میں ہے اور صلیبی فوج کو کتنی کچھ کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ اُسے نے یہ بھی بتایا کہ حمص کے مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف رہتے ہیں اور وہ سلطان ایوبی کی فوج کا انتظار کر رہے ہیں..... ''ہماری بہنیں بھی جنگ کے لیے تیار ہیں اور ہمارے بچے اور بوڑھے بھی''۔

علی بن سفیان کا نائب حسن بن عبداللہ جو انٹیلی جنس کا ذمہ دار تھا، العادل کے ساتھ تھا۔ وہ تبریز کو بڑی غور سے دیکھ رہا تھا۔ تبریز جاسوس ہو سکتا تھا۔ اُس کی سادگی بتا رہی تھی کہ وہ جاسوس نہیں، لیکن شک لازمی تھا۔ جاسوس ظاہری طور پر اس سے زیادہ گنوار اور سادہ لگتے ہیں۔

''تمہارے خطیب کا نام کیا ہے؟'' حسن بن عبداللہ نے پوچھا۔

تبریز نے نام بتایا۔ اُس وقت کی جو غیر مطبوعہ تحریریں موجود ہیں، ان میں یہ نام صاف نہیں۔ اس لیے اُسے ہم خطیب کہیں گے۔ حسن بن عبداللہ نے العادل سے کہا کہ وہ اپنا آدمی ہے اور اس آدمی (تبریز) کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا کام جان فشانی سے کر رہا ہے، تبریز کے خلاف جو شک پیدا ہو گیا تھا، وہ رفع ہو گیا۔ العادل کے حکم کے مطابق اُسے مہمان کی حیثیت سے خیمہ گاہ میں بھیج دیا گیا، جہاں اُس کی خاطر و مدارت کی گئی۔

رات حسن بن عبداللہ نے اُسے اپنے خیمے میں بلایا اور خطیب کے نام یہ پیغام دیا..... ''حالات دشوار ہیں لیکن اتنے نہیں جتنے آپ کو وہاں صلیبی بتا رہے ہیں۔ لوگوں سے کہو کہ سچ اُسے سمجھیں جو اُن کی آنکھوں کے سامنے ہو اور جو انہیں مسجد میں بتایا جائے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں اور خبروں کو سچ نہ سمجھیں۔ آپ لوگ بڑے خطرناک علاقے میں ہیں۔ اپنی بستی کے صلیبیوں اور یہودیوں پر نظر رکھیں اور یہ بھی خیال رکھیں کہ وہ آپ کی سرگرمیوں پر نظر نہ ڈال سکیں، جنہیں آخر دم تک چھپائے رکھنا ہے۔''

حسن بن عبداللہ نے تبریز کو ایسا پیغام دیا جو حمص کے مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھا لیکن اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سی سرگرمیاں ہیں جنہیں آخر دم تک چھپائے رکھنا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ حمص کے مسلمانوں کو سلطان ایوبی کے حکم کے تحت جنگی تربیت دی جا رہی تھی۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ جب کبھی ضرورت پڑے، وہ صلیبی فوج پر عقب سے شب خون ماریں۔ ظاہری طور پر اُن کے وفادار رہیں۔ اس مقصد کے لیے حمص میں تین چار تجربہ کار چھاپہ مار بھیج دیئے گئے تھے جو وہاں اپنے مطلب کی ٹریننگ دے رہے تھے۔ خطیب اُن کا کمانڈر تھا۔ اُن کے ساتھ ابھی باقاعدہ رابطہ نہیں رکھا گیا تھا، کیونکہ ابھی اُن لوگوں کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسری صبح تبریز حمص کو روانہ ہو گیا۔

☆

وہ زمانہ قافلوں کی صورت میں چلنے کا تھا۔ لوگ اکیلے اکیلے بھی سفر کرتے تھے۔ ایسے اکیلے مسافروں کو جہاں چند آدمی سفر میں نظر آتے تھے، وہ اُن سے جا ملتے اور اس طرح قافلے بنتے اور بڑے ہوتے جاتے تھے۔ تبریز آیا اکیلا تھا۔ واپس جا رہا تھا کہ اُسے مختصر سا ایک قافلہ مل گیا جو حمص کی سمت جا رہا تھا۔ اس میں حمص کے یہودی تاجر بھی تھے۔ دو عیسائی کنبے اونٹوں پر سوار تھے اور کچھ لوگ پیدل جا رہے تھے۔ تبریز اس قافلے میں شامل ہو گیا۔ قافلہ چلتا گیا۔ راستہ لمبا تھا۔ دو راتیں قیام کرنا پڑا۔ تیسرا دن سفر کا آخری دن تھا۔ آدھی رات سے پہلے قافلے کو حمص پہنچ جانا تھا۔ آگے ایک دریا تھا۔ جو بہت بڑا نہیں تھا۔ اس کی گہرائی زیادہ سے زیادہ کمر تک رہتی تھی۔ لوگ اس میں آسانی سے گزر جایا کرتے تھے۔

سفر کے آخری روز کا سورج سر پر آیا تو اُفق سے سیاہ گھٹا اُٹھتی نظر آئی۔ قافلہ اور تیز چلنے لگا تا کہ بارش سے پہلے منزل تک پہنچ جائے یا چٹانی علاقے میں پہنچ کر چھپنے کی جگہ ڈھونڈ لی جائے اور اگر ممکن ہو تو طغیانی آنے سے پہلے ہی دریا پار کر لیا جائے۔ یہ اُن لوگوں کی حماقت تھی۔ گھٹا کی رفتار قافلے کی نسبت زیادہ تھی اور گھٹا جانے کہاں سے برستی آ رہی تھی۔ وہ تمام علاقہ چٹانی اور پہاڑی تھا۔ قافلہ دریا کے قریب پہنچا تو گھٹا دُنیا کو تاریک کر چکی تھی اور مینہ ایسا موسلا دھار برسنے لگا تھا کہ آنکھیں کھول کر چلنا ممکن نہ رہا۔ ایک بوڑھے عیسائی نے کہا کہ دریا چڑھ رہا ہے، ابھی گزر سکتے ہیں، فوراً پار ہو جاؤ۔

اس بوڑھے کے ساتھ والے اونٹ پر ایک جوان اور خوب صورت عیسائی لڑکی سوار تھی۔ قافلہ دریا کے کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ اس کا پانی مٹیالا ہو گیا تھا اور اس کی روانی میں طغیانی والا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ گہرائی میں کوئی اضافہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ بارش بہت تیز تھی۔ گھٹا نے گہری شام کا منظر بنا رکھا تھا۔ سورج غروب ہونے کو ہی تھا۔ ایک آدمی نے گھوڑا دریا

میں ڈال دیا۔ چند قدم آگے جا کر اُس نے چلا کر کہا..... ''آ جاؤ، پیدل چلنے والے بھی آ جاؤ، پانی گہرا نہیں''۔

یہ کسی نے بھی نہ دیکھا کہ شدید اور خطرناک طغیانی کا ریلا آ رہا ہے۔ اوپر کی طرف بہت مینہ برسا تھا اور وہ پہاڑی علاقہ تھا جس کی طغیانی بہت ہی تیز ہوا کرتی تھی۔ اونٹ اور گھوڑے شاید اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے۔ یہی جانور بڑے آرام اور اطمینان سے دریا میں سے گزر جایا کرتے تھے مگر بارش میں وہ دریا میں بدک رہے تھے، حالانکہ پانی گہرا نہیں تھا۔ اچانک دریا بپھر گیا۔ اونچی اونچی لہریں کسی کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر آ گئیں۔ دریا کے کنارے ڈوب گئے۔ پانی گہرا ہو گیا۔ پیدل چلنے والے ڈوبنے لگے تو وہ تیرنے لگے۔ اونٹوں نے واویلا بپا کر دیا۔ قافلہ دریا میں بکھر گیا۔ دوسرا کنارہ دور تو نہیں تھا لیکن طغیانی جو بڑھتی جا رہی تھی، آگے جانے ہی نہیں دے رہی تھی، پھر قافلے والوں کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔

عیسائی لڑکی کی چیخ سنائی دی۔ تبریز کہیں قریب تھا۔ اُس نے چیخ سن لی اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ اونٹ جس پر عیسائی لڑکی سوار تھی، طغیانی کا مقابلہ نہ کر سکا اور اُس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ طغیانی نے اُسے گرا دیا۔ اُس کی پیٹھ پر بیٹھی لڑکی دریا میں جا پڑی۔ طغیانی کا یہ عالم تھا کہ کبھی لہریں اُوپر کو اُٹھتی اور گرتی تھیں اور کبھی بھنور بن جاتی تھیں۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ کسی کو کسی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اگر تبریز قریب نہ ہوتا تو لڑکی کی چیخ کوئی بھی نہ سن سکتا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور گھوڑا سیدھا تو نہیں جا رہا تھا لیکن طغیانی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ تبریز نے لڑکی کو پانی میں گرتے دیکھا تو اُس نے گھوڑے کو دریا کے رُخ میں ڈال دیا لیکن گھوڑا اتنی تیزی سے تیر نہیں سکتا تھا۔

تبریز گھوڑے سے کود گیا اور بہت تیزی سے تیرتا لڑکی کے پیچھے گیا۔ ایک لہر نے لڑکی کو اُوپر اُٹھایا اور تبریز نے دیکھ لیا۔ طغیانی کا زور بھی تھا اور تبریز کے جوان بازوؤں کی قوت بھی تھی کہ اُس نے تھوڑی ہی دُور لڑکی کو جا پکڑا۔ وہ ابھی ڈوبی نہیں تھی لیکن وہ تیر بھی نہیں رہی تھی۔ تبریز کے لیے اُسے سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا۔ اسی کوشش میں پانی انہیں بہت آگے لے گیا۔ تبریز نے اُسے اپنے اوپر ڈالا اور کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ لڑکی دوبارہ اُس کی پیٹھ سے لڑھک گئی۔ وہ ہوش میں نہیں تھی، اگر تبریز کے جسم میں طاقت اور دِل میں بے خوفی نہ ہوتی تو وہ لڑکی کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرتا۔ طغیانی کا زور اور اُس کا شور حوصلے پست کر رہا تھا۔

جس جگہ سے قافلہ دریا میں اُترا تھا، وہاں سے کم و بیش دو میل دُور تبریز لڑکی کو سنبھالے کنارے سے جا لگا، وہاں چٹانیں تھیں۔ بارش ابھی تھمی نہیں تھی۔ تبریز نے لڑکی کو ایک چپٹی چٹان پر لٹایا۔ وہ زندہ تھی، ہوش میں نہیں تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بے ہوش کو کس طرح ہوش میں لایا جاتا ہے۔ وہ لڑکی کو دیکھتا رہا۔ لڑکی بے ہوشی میں از خود ہی پیٹ کے بل ہو گئی۔ پیٹ پر زور پڑا تو منہ سے دریا کا پانی نکلنے لگا۔ تبریز نے اُس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر دبایا تو بہت سا پانی منہ کے راستے باہر نکل آیا۔ اُس نے اور زور سے دبایا۔ پہلوؤں سے بھی پیٹ کو دبایا۔ اس سے لڑکی کا پیٹ پانی سے خالی ہو گیا۔

گھٹا چھٹنے لگی۔ بارش کا زور کم ہو گیا اور کچھ روشنی بھی ہو گئی۔ تبریز نے لڑکی کو سیدھا کیا۔ لڑکی نے ذرا سی آنکھ کھولی اور بند کر لی۔ تبریز کا جسم شل ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنا گھوڑا دریا میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ دریا سے نکل گیا ہو گا۔ تبریز کو معلوم نہیں تھا کہ گھوڑے کا انجام کیا ہوا۔ تبریز کی تھکن کم ہو گئی تھی۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ اُسے خیال آیا کہ رات آ رہی ہے اور پناہ ڈھونڈنا ضروری ہے۔ اُسے اُمید تھی کہ یہ چٹانی علاقہ ہے، اس میں کہیں نہ کہیں کھوہ یا غار مل جائے گی۔ لمبی مسافت کے مسافر مٹی کے ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں میں غاریں بنائے رکھتے تھے جو دوسرے مسافروں کے بھی کام آتی تھیں۔

☆

اُس نے لڑکی کو پیٹھ پر ڈالا اور دو چٹانوں کے درمیان چل پڑا۔ پناہ ملنے کا اُسے یقین نہیں تھا، اُمید تھی۔ وہ دل میں خدا سے مدد مانگتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے، وہ ایک کشادہ سی جگہ جا پہنچا جہاں ایک چٹان کے ساتھ اُسے تین چار اونٹ کھڑے نظر آئے۔ یہ کسی مسافر کے نہیں ہو سکتے تھے، کیونکہ اُن پر زینیں وغیرہ نہیں تھیں۔ اونٹوں تک گیا تو اُسے آوازیں سنائی دیں۔ اُدھر دیکھا تو چٹان میں اُسے ایک فراخ اور اونچا دہانہ نظر آیا۔ اس میں تیرہ چودہ سال عمر کے دو لڑکے کھڑے تھے۔ وہ دونوں بارش میں دوڑے آئے۔

''تم دریا سے نکل کر آئے ہو؟'' ایک لڑکے نے پوچھا...... ''وہاں آ جاؤ، بہت اچھی جگہ ہے''۔

وہ جگہ واقعی بہت اچھی تھی۔ چٹان بھربھری تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ مسافروں نے یا قریب کہیں رہنے والے گڈریوں نے اسے کاٹ کاٹ کر کمرہ بنا دیا ہے۔ یہ ایک کشادہ گُف تھی۔ اندر سے بالکل خشک تھی۔ لڑکوں نے وہاں آگ بھی جلا رکھی تھی۔ تبریز نے لڑکی کو فرش پر ڈال دیا۔ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ ایک طرف خشک گھاس اور درختوں کی خشک ٹہنیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' تبریز نے لڑکوں سے پوچھا۔

''ہمارا گھر دریا کے پار ہے''۔ ایک لڑکے نے جواب دیا...... ''ہم کبھی کبھی اونٹوں کو اِدھر لے آتے ہیں۔ گھاس تو اُدھر بھی بہت ہے لیکن ہم یہاں کھیلنے کے لیے آتے ہیں اور اونٹوں کو بھی چرنے چگنے کے لیے ساتھ لے آتے ہیں۔ ایک جگہ سے دریا چوڑا ہے، وہاں پانی ہمارے گھٹنوں تک ہوتا ہے۔ آج بھی ہم آ گئے اور بارش شروع ہو گئی۔ یہیں آگ جلا کر کھیلتے رہے''۔

''گھر کس طرح جاؤ گے؟'' تبریز نے پوچھا...... ''دریا چڑھا ہوا ہے''۔

''اس دریا کا زور زیادہ دیر نہیں رہتا''۔ ایک لڑکے نے بڑے اطمینان سے کہا...... ''ہم جہاں سے گزرتے ہیں، وہاں طغیانی میں خطرہ نہیں ہوتا۔ پانی پھیل جاتا ہے''۔

بارش تھم گئی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ لڑکے اپنے اونٹوں کو لے کر چلے گئے۔ تبریز نے اُن سے مدد نہ مانگی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ لڑکی کو اُٹھا کر اُن کے گاؤں چلا جائے۔ لڑکوں کے جانے کے بعد اُس نے آگ پر خشک ٹہنیاں پھینکیں۔ شعلے اُٹھا تو اُس نے اپنا کرتہ اُتارا جو گلے سے ٹخنوں تک لمبا تھا، اُسے آگ پر خشک کرنے لگا۔ وہ دِل میں شکر ادا کر رہا تھا۔ خدا نے اُسے ایسی طوفانی بارش میں ان لڑکوں کو آگ جلانے کے لیے بھیج دیا تھا۔ اس دوران لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کے چہرے پر خوف کا تاثر نظر آیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر تبریز کو دیکھا تو اُس کا منہ دہشت سے کھل گیا۔ تبریز نے اپنا چغہ نما کرتہ اُتار رکھا تھا اور طغیانی کے مٹیالے اور گدلے پانی نے اُس کے بالوں اور چہرے کو خوفناک بنا رکھا تھا۔

''ڈرو نہیں''۔ تبریز نے کہا...... ''مجھے پہچانتی نہیں ہو؟ میں تمہارا ہم سفر تھا''۔

''مگر تم مسلمان ہو''۔ لڑکی اُٹھ بیٹھی اور بولی...... ''مجھے تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے جانے دو''۔

''جاؤ'' تبریز نے کہا۔ ''چلی جاؤ''۔

وہ اُٹھی۔ اُس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ گُف کے باہر ایک قدم رکھا تو باہر تاریک رات کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اندر آگ کی روشنی تھی۔ اُس نے گھوم کر تبریز کو دیکھا جو ٹہنیوں کی آگ کی روشنی میں پُراسرار سا انسان نظر آ رہا تھا۔ وہ لڑکی کو دیکھتا رہا۔ لڑکی پاؤں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ ایک دو قدم آگے آ کر گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گئی اور بے بسی سے تبریز کو دیکھنے لگی۔

''تمہاری نسبت مجھے وہ گھوڑا زیادہ عزیز تھا جسے میں نے دریا میں چھوڑا اور تمہیں ڈوبنے سے بچایا''......تبریز نے کہا۔

''میری قیمت بیس گھوڑوں سے زیادہ ہے''۔لڑکی نے نقاہت زدہ آواز میں کہا......''تم نے مجھ جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ مجھے ذلیل وخوار کر کے بیچ ڈالو گے۔ تمہیں کون روک سکتا ہے''۔

''مجھے خدا روک سکتا ہے''۔تبریز نے کہا......''اور خدا نے مجھے روک رکھا ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے کہ میں نے تمہیں اس طغیانی سے بچایا ہے، جس میں اونٹ اوندھا ہو گیا تھا۔ پھر یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمیں سر پر یہ چھت اور جلتی ہوئی آگ مل گئی۔ میں نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ خدا صرف اُن کی مدد کرتا ہے جن کی نیت صاف ہوتی ہے۔ یہ آگ دو لڑکے جلا گئے ہیں، وہ فرشتے تھے۔ میں اپنے مذہب کی روشنی میں بات کر رہا ہوں۔ تم اس لیے ڈرتی ہو کہ تمہارا مذہب باطل ہے اور تم اس لیے ڈرتی ہو کہ تمہاری نگاہ اپنے جسم پر ہے جو بہت دل کش ہے اور تمہاری نظر میں اپنا چہرہ ہے جو بہت حسین ہے۔ میری نگاہ میری اپنی روح پر ہے جو تمہارے جسم سے زیادہ دل کش اور تمہارے چہرے سے زیادہ حسین ہے۔ میں جانتا ہوں تھوڑی دیر بعد تم مجھے اپنا جسم پیش کر کے کہو گی کہ مجھے منزل پر پہنچا دو۔ کان کھول کر سن لو، میں اپنی روح کو ناپاک نہیں ہونے دوں گا۔ میرے دل میں یہ خرافات ڈالنے کی کوشش نہ کرو کہ میں نے تم جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی ہوگی''۔

تبریز کے بولنے کے انداز میں کوئی ایسا تاثر تھا جس نے لڑکی کے ہونٹ سی دیئے اور وہ حیرت اور خوف سے بھری ہوئی آنکھوں سے تبریز کو دیکھ رہی تھی۔ تبریز کی باتوں میں جو خلوص اور عزم تھا، وہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

''آگ کے قریب سرک آؤ''۔تبریز نے کہا......''وہ کرتہ آگ پر خشک کر رہا تھا۔لڑکی یوں سرک کر آگ کے قریب ہو گئی جیسے اُس میں حکم عدولی کی جرأت نہیں تھی۔ تبریز نے کرتے کا ایک سرا اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا......

''اسے پکڑو اور آگ کے اوپر رکھو''۔اُس نے کرتے کو دوسری طرف سے پکڑے رکھا اور دونوں کرتے کو آگ پر ہلانے جلانے لگے۔لڑکی کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔''کرتہ خشک ہو جائے تو تم پہن لینا، پھر تمہارے کپڑے خشک کر لیں گے''۔

''نہیں''۔لڑکی نے گھبرا کر کہا......''میں اپنے کپڑے نہیں اُتاروں گی''۔

''تم اپنی کھال بھی اُتار کر آگ پر رکھ دو گی''۔تبریز نے کہا۔''میرے فرض کے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرو لڑکی! میں تم پر ثابت کروں گا کہ وحشی مسلمان ہوتے ہیں یا عیسائی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کتنی پاک دامن ہو۔ تم میری پناہ میں ہو۔ میں تمہیں کوئی سخت بات نہیں کر سکتا۔ تم عورت ہو۔ میرا مذہب حکم دیتا ہے کہ مجبور عورت پر ہاتھ نہ اُٹھاؤ''۔

''تم نے مجھے کس طرح طغیانی سے نکالا تھا؟''لڑکی نے پوچھا......''کیا باقی لوگ پار ہو گئے تھے؟''

تبریز نے اُسے تفصیل سے بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ اُسے باقی لوگوں کے متعلق بالکل معلوم نہیں۔ لڑکی کا ڈر دُور نہ ہوا، کچھ کم ہو گیا تھا اور اُس کی جسمانی حالت بھی اچھی ہوتی جا رہی تھی۔ تبریز کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ حمص جا رہی ہے۔ وہ دونوں اُس علاقے سے نقل مکانی کر کے آ رہے تھے جو مسلمانوں کی حکمرانی میں تھا۔ حمص میں اُن کے رشتہ دار رہتے تھے۔ لڑکی اپنے باپ کے لیے پریشان تھی۔

☆

قافلہ طغیانی میں سے نکل گیا تھا۔ کوئی کہیں جا کنارے لگا، کوئی کہیں جا لگا۔ وہ ایک دوسرے کو پکارتے اکٹھے ہونے لگے۔ لڑکی اور تبریز ان میں نہیں تھے۔ وہ اونٹ بھی لاپتہ تھا جس پر لڑکی سوار تھی اور تبریز کا گھوڑا کنارے لگ گیا تھا۔

وہ دُور کھڑا تھا۔ قافلے کا ایک آدمی اُسے پکڑ لایا اور سب نے یقین سے کہہ دیا کہ حمص کا اتنا خوب صورت جوان جو راستے میں قافلے سے ملا تھا، گھوڑے سے گر کر ڈوب گیا ہے۔ تبریز کا تو کسی کو دُکھ نہیں تھا، لڑکی کے غم میں اس کا بوڑھا باپ، دو عیسائی اور ایک یہودی نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ وہ آگے جانے کی بجائے دریا کے کنارے دُور تک جانے کی سوچ رہے تھے۔ قافلے کے کچھ اور لوگ کہتے تھے کہ بے کار ہیں، وہ ڈوب گئی ہوگی۔ وہ چاروں سوار ہوئے اور دریا کے ساتھ چل پڑے۔ اُس وقت تبریز لڑکی کو طغیانی سے نکال چکا تھا اور اُسے چپٹی چٹان پر لٹا کر اُس کا پیٹ پانی سے خالی کر رہا تھا، وہاں دریا کا موڑ تھا۔ چٹانیں بھی تھیں۔ اس لیے لڑکی کی تلاش میں آنے والے تبریز اور لڑکی کو دیکھ نہ سکے۔ وہ جب اس جگہ آئے، اُس وقت تبریز لڑکی کو پیٹھ پر اُٹھائے چٹانوں کے اندر چلا گیا تھا۔ تلاش کرنے والے آگے نکل گئے۔ وہ پھر واپس نہیں آئے۔ سورج غروب ہوگیا تو حمص کے راستے پر ہو لیے۔

''اتنی قیمتی لڑکی ضائع کرنے پر انہوں نے ہمیں سزائے موت نہ دی تو ہم سمجھیں گے کہ وہ بہت ہی رحم دل ہوگئے ہیں''۔ بوڑھے نے کہا..... ''کیا جواب دو گے کہ وہ کس طرح ڈوبی؟''

''کہہ دیں گے طغیانی میں اُس نے من مانی کی''۔ یہودی نے کہا..... ''کہتی تھی کہ الگ اونٹ پر دریا پار کروں گی۔ اُس نے ضد کی اور طغیانی کا زور اُسے ہم سے دُور لے گیا..... وہ دریا سے نکل آتی تو ہمیں مل جاتی۔ مرگئی ہے''۔

''جو جی میں آئے کہو''۔ ایک عیسائی نے کہا..... ''ہماری یہ کوتاہی بخش بھی دی جائے تو کیا تم سب کو افسوس نہیں کہ اتنی کارآمد لڑکی ضائع ہوگئی ہے؟ دوسری لڑکی لاتے ایک مہینے سے زیادہ عرصہ لگے گا''۔

''میں نے کئی بار مشورہ دیا تھا کہ اس کام کے لیے دو لڑکیوں کی ضرورت ہے''۔ بوڑھے نے کہا..... ''حمص کے مسلمان جوش سے پھٹے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ جو جنگی تربیت حاصل کر رہے ہیں وہ کوئی جذباتی یا وقتی جوش نہیں۔ میں نے اُن کی تربیت بہت غور سے دیکھی ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ شب خون اور چھاپے مارنے کی باقاعدہ تربیت ہے۔ میں نے اُس کے چاروں اُستاد دیکھے ہیں۔ وہ قاہرہ سے بھیجے گئے ہیں یا دمشق سے اور وہ ماہر چھاپہ مار معلوم ہوتے ہیں''۔

''اگر یہ لوگ ہماری حکمرانی میں ہوتے تو ہم دیکھتے کہ یہ کس طرح جنگی تربیت لیتے ہیں''..... ایک عیسائی نے کہا۔

''تم کیا سمجھتے ہو، یہاں یہ اپنی تربیت مکمل کر لیں گے؟''..... یہودی نے کہا۔ ''ہم انہیں آپس میں ٹکرا دیں گے''۔

''اسی مقصد کے لیے میں اس لڑکی کو دمشق سے لا رہا تھا''۔ بوڑھے نے کہا..... ''حمص میں فساد پیدا کرنے کا کام مجھے سونپا گیا تھا۔ میں نے اس لڑکی کا نام لیا تھا۔ انہوں نے مجھے ہی حکم دیا کہ لڑکی کے باپ بن جاؤ اور حمص لے جاؤ۔ کوئی پوچھے تو بتاؤ کہ نقل مکانی کر رہا ہوں''۔

رات کے اندھیرے میں وہ چلتے جا رہے تھے اور اپنی اُس خفیہ مہم کے متعلق باتیں کرتے جا رہے تھے، جس کے لیے انہیں حمص جانا تھا۔ بوڑھا صلیبیوں کا تجربہ کار جاسوس تھا اور نفسیاتی تخریب کاری کا ماہر۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا..... ''مسلمان تو ہر جگہ جنگی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ دمشق میں نورالدین زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو باقاعدہ جنگی تربیت دے رہی ہے۔ بستی بستی یہ جوش دیکھنے میں آیا ہے مگر حمص اور اس کے گرد و نواح کے علاقے کو ایسی اہمیت حاصل ہے کہ یہاں مسلمانوں کے چھاپہ ماروں کو اڈہ نہیں ملنا چاہیے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ صلاح الدین ایوبی کا ایک خفیہ منصوبہ ہے۔ اسے کامیاب نہیں ہونا چاہیے''۔

''حمص سرحد پر ہے''۔ یہودی نے کہا...... ''اگر مسلمانوں نے یہاں اڈہ بنالیا تو ہمارے لیے خطرناک ہوگا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہاں کے مسلمانوں کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دیا جائے اور اُن کے دِلوں پر قبضہ کر لیا جائے''۔

''یہ ممکن نظر نہیں آتا''۔ بوڑھے نے کہا...... ''مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے آدمیوں نے بہت افواہیں پھیلائی ہیں مگر مسلمان ان پر کان نہیں دھرتے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اُن کے خطیب کا اُن پر بہت اثر ہے اور یہ بھی پتہ چلا ہے کہ جنگی تربیت اُسی کی ہدایات کے مطابق ہو رہی ہے۔ مجھے حمص نہیں جانا چاہیے تھا کیونکہ ہم لڑکی گم کر بیٹھے ہیں۔ میں اب اس لیے وہاں تک جانا چاہتا ہوں کہ خطیب کو دیکھوں کہ وہ کون ہے اور کیا وہ عالم ہے یا کوئی فوجی کمان دار۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ میں لیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مجھے اور تم سب کو حمص کے عیسائی اور یہودی گھرانوں میں سے ایک یا دو لڑکیوں کا انتخاب کرنا ہے جو اس مہم میں ہماری مدد کر سکیں۔ تم جانتے ہو لڑکیوں کو کیا کرنا ہے''۔

''میں نے تمہیں یہ دمشق میں بھی بتایا تھا کہ یہاں کے مسلمان ایمان کے پکے ہیں۔'' ایک عیسائی نے کہا...... ''ابھی تک ہم کسی ایک کو بھی نہیں خرید سکے''۔

''میں ساری عمر اس دریا پر لعنت بھیجتا رہوں گا جس نے ہمیں وِیرا سے محروم کر دیا ہے''۔

☆

''میرا نام وِیرا ہے''۔ لڑکی نے تبریز کے پوچھنے پر بتایا...... ''ہم غریب لوگ ہیں۔ مسلمانوں نے دمشق میں ہمارا جینا محال کر دیا تھا۔ خدا غریب کی بیٹی کو حسن نہ دے۔ بڑے بڑے امیر مجھے خریدنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک نے تو مجھے اغوا کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ میرا باپ مجھے قاضی کے پاس لے گیا۔ اُس نے ہماری فریاد سن لی اور میری حفاظت کا انتظام کر دیا مگر وہاں حکومت مسلمانوں کی تھی۔ ہم ڈرتے رہے۔ میرے باپ نے یہی بہتر سمجھا کہ دمشق سے نکل ہی جائیں۔ حمص میں ہمارے رشتے دار ہیں۔ اب ہم اُن کے پاس جا رہے تھے۔ معلوم نہیں میرا باپ زندہ ہوگا یا نہیں...... کیا تم ایک مظلوم اور مجبور لڑکی پر رحم نہیں کرو گے؟''

''رات گزرتی جا رہی تھی۔ بوڑھا عیسائی جسے وِیرا اپنا باپ کہتی تھی، اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت دُور نکل گیا تھا۔

''میرا جامہ خشک ہو گیا ہے''۔ تبریز نے کُرتہ اُس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا...... ''میں باہر نکل جاتا ہوں۔ اُٹھو، اپنے کپڑے اُتارو اور یہ پہن لو۔ تمہیں سر سے پاؤں تک ڈھانپ لے گا، پھر اپنے کپڑے خشک کر کے پہن لینا''۔

''میں تمہارے ہاتھ میں مجبور ہوں''۔ وِیرا رندھی ہوئی آواز میں بولی...... ''میرے ساتھ اُس درندے کا سا سلوک نہ کرو جو شکار کو مارنے سے پہلے اُس کے ساتھ کھیلتا ہے''۔

''میں کہہ رہا ہوں یہ بھیگے ہوئے کپڑے اُتار دو''۔ تبریز نے غصے سے کہا اور باہر کو چل پڑا۔

وِیرا نے اُسے باہر جاتے اور ایک طرف ہوتے دیکھا۔ وہ اوٹ میں ہو گیا جہاں سے وِیرا کو نظر نہیں آتا تھا۔ وِیرا نے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ وہ غار کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔ آگ اتنی زیادہ تھی کہ روشنی تبریز کی پیٹھ پر پڑ رہی تھی۔ وِیرا نے اپنے فراک کے اندر ہاتھ ڈالا۔ اُس نے اندر کمر کے گرد کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اُس نے کپڑے میں خنجر اُڑسا ہوا تھا۔ وِیرا نے خنجر نکال لیا اور دبے پاؤں آگے بڑھی۔ تبریز بے خبر کھڑا تھا۔ وِیرا اُس سے ایک قدم دُور رہ گئی تو اُس نے خنجر دائیں طرف کر کے پہلو میں گھونپنے کو وار کیا۔ تبریز بجلی کی تیزی سے گھوما اور لڑکی کے دائیں ہاتھ کی کلائی اتنی زور سے مروڑی کہ لڑکی گھوم گئی اور اُس کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔

تبریز کے بچنے کا باعث یہ تھا کہ وہ جہاں کھڑا تھا، وہاں سے چند ہی قدم آگے ایک اور چٹان تھی۔ آگ تبریز کے پیچھے تھی۔ تبریز کو سامنے والی چٹان پر اپنا سایہ نظر آیا۔ اُس نے پیچھے نہ دیکھا، کیونکہ سائے کا دایاں بازو دائیں کو پھیلا تو اُسے خنجر کا سایہ صاف نظر آ گیا۔ وِیرا پہلو میں وار کر کے پیٹ چاک کرنا چاہتی تھی۔ سائے کی حرکت دیکھ کر تبریز پیچھے گھوما اور لڑکی کی کلائی پکڑ لی۔ خنجر گرا تو اُس نے ویرا کی کلائی چھوڑ کر خنجر اُٹھا لیا۔ اُس نے نوک لڑکی کی طرف کی تو وہ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور ہاتھ جوڑ کر التجا کی...... ''جو کہو گے مانوں گی، مجھے قتل نہ کرنا''۔

''میں اس کے سوا تمہیں کچھ نہیں کہوں گا کہ یہ کپڑے اُتار دو اور میرا کُرتہ پہن لو''...... تبریز نے حکم کے لہجے میں کہا...... ''تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکتیں۔ میری آنکھیں آگے ہیں، کھوپڑی کے پیچھے نہیں، یہ میری روح کی آنکھیں ہیں جن سے میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا...... کیا میں اپنے سامنے تمہارے کپڑے نہیں اُتروا سکتا؟ میں تمہیں کپڑوں کے بغیر نہیں دیکھنا چاہتا''۔

وہ ایک دفعہ پھر وہیں جا کھڑا ہوا۔ وِیرا گُپھ کے ایک کونے میں چلی گئی۔ اُس نے بڑی تیزی سے اپنا فراک اُتارا، پھر زیر جامہ بھی اُتار دیا اور تبریز کا کُرتہ پہن لیا جس میں وہ گردن سے پاؤں تک مستور ہو گئی۔ اس نے تبریز کو آواز دے کر کہا...... ''آ جاؤ''۔

تبریز اندر آ گیا۔ وِیرا کا فراک اُٹھا کر ایک طرف سے اُس کے ہاتھ میں دیا اور آگ پر خشک کرنے لگا۔ وِیرا اُسے کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔ تبریز نے اُس سے کوئی بات نہ کی۔ وِیرا کو اُس کی خاموشی پریشان کر رہی تھی۔ اس کا دِل مان نہیں رہا تھا کہ یہ جوان آدمی اُسے بخش دے گا۔ اب تو خنجر بھی اس جوان کے پاس تھا...... وہ خاموشی سے کپڑے خشک کرتے رہے۔ جب خشک ہو گئے تو تبریز لڑکی کو یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ یہ پہن لو۔ لڑکی نے ایک بار پھر ڈرتے ڈرتے کپڑے بدلے اور تبریز کو اندر بلا لیا۔

''یہ خنجر اپنے پاس رکھو''...... تبریز نے خنجر اُس کی طرف پھینک کر کہا...... ''اور سو جاؤ، صبح روانہ ہوں گے''۔

''تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو''...... وِیرا نے کہا...... ''یا تم بے حس اور مُردہ انسان ہو''۔

''یہ مجھے تمہاری فوج کے سامنے ثابت کرنا ہے کہ میں بے حس اور مُردہ نہیں۔ میرے دِل میں تمہارے خلاف کوئی دشمنی نہیں۔ میں تمہارے اُن بادشاہوں کا دشمن ہوں جو میرے وطن پر قبضہ کرنے آئے ہیں اور جو ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض ہو چکے ہیں''۔

''تمہیں غلط باتیں بتا کر بھڑکایا جا رہا ہے''...... وِیرا نے کہا...... ''تم کچھ نہ جاننے والے دیہاتی ہو، جسے تم قبلۂ اوّل کہتے ہو، وہ دراصل یہودیوں کا معبد ہے۔ وہ ہیکل سلیمانی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اپنی سلطنت کو بہت دُور تک پھیلانا چاہتا ہے۔ تم جیسے سیدھے سادے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے کے لیے وہ کہہ رہا ہے کہ وہ قبلۂ اوّل ہے اور وہ مسجد ہے''۔

''ہم اپنے خطیب کے سوا کسی کی بات نہیں سنا کرتے''...... تبریز نے کہا...... ''تم سو جاؤ، میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا''۔

''مجھے نیند نہیں آئے گی''...... وِیرا نے کہا...... ''میں تم سے ڈرتی ہوں، باتیں کرتے رہو...... تمہارا خطیب حمص کا رہنے والا ہے یا کہیں باہر سے آیا ہے''۔

''حمص کا رہنے والا ہے''...... تبریز نے جواب دیا اور اپنا کُرتہ پہن کر لیٹ گیا۔

ویرا کو جاسوسی اور کردار کشی کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ دمشق میں اُسے اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا اور اب اسی مقصد کے لیے اُسے حمص لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے حمص کے خطیب اور وہاں کے مسلمانوں کے متعلق تبریز سے معلومات لینے کے لیے بہت باتیں کیں لیکن تبریز نے کوئی دلچسپی نہ لی اور بے رُخی کا اظہار کرتا رہا۔ ویرا کا جسم ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اس کوشش میں تھی کہ اُسے نیند نہ آئے مگر اُس کی آنکھ لگ گئی۔

☆

ویرا کی آنکھ کھلی تو وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ باہر صبح کا دھندلکا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا تبریز سجدے میں پڑا تھا۔ وہ سجدے سے اُٹھا، پھر سجدہ کیا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ صبح کی نماز پڑھ رہا تھا۔ ویرا نے اپنے لباس کا جائزہ لیا۔ اُسے رات نیند نے نہ سونے کے ارادے کے باوجود دبوچ لیا تھا۔ آنکھ کھلی تو وہ تبریز سے ڈر گئی لیکن وہ جس حالت میں سوئی تھی، اُسی حالت میں جاگی اور اُس نے تبریز کو خدا کے حضور سجدے میں پڑے دیکھا۔ اُسے وہ خواب سمجھنے لگی۔ مسلمان کے متعلق اُس کی رائے یہ تھی کہ وحشی قوم ہے لیکن تبریز جیسا تنومند جوان اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ جس لڑکی نے نازو انداز سے سرکردہ مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا، اُس کے لیے تبریز خواب کی دُنیا کا ہی آدمی ہو سکتا تھا۔

ویرا پاک دامن نہیں تھی۔ بچپن سے اُسے ابلیسیت کی تربیت دی گئی تھی۔ اس کے حسن اور جسم کی کشش کو جادو اثر بنانے کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ جوان ہونے تک بدی اس کی فطرت میں شامل ہو چکی تھی مگر انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ برسوں کی مسلسل عرق ریزی کے بغیر اس کی اصلیت بدل نہیں سکتی، اس پر بہروپ چڑھایا جا سکتا ہے۔ ویرا کو طغیانی نے جو پٹخنیاں دی تھیں اور جس طرح موت کے منہ میں پھینکا تھا، اس سے اس کے جذبات اس پر غالب آ گئے۔ وہ طغیانی سے تو زندہ و سلامت نکل آئی تھی مگر اس کی دہشت سے ابھی تک نہیں نکلی تھی۔ اُس کے ساتھ اُس پر تبریز کی دہشت گردی طاری ہو گئی تھی۔ اس مسلمان جوان سے اسے اور کوئی ڈر نہیں تھا۔ خوف یہ تھا کہ یہ کوئی خانہ بدوش یا بدو ہوا تو اُسے کسی کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ وہ بِک جانے کے بعد کی اذیت ناک زندگی سے ڈر رہی تھی۔

رات گزر گئی۔ تبریز نے اُس کے اتنے دِل کش جسم کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ وہ بے ہوشی کی نیند سو گئی تو بھی تبریز اُس سے دُور رہا۔ صبح طلوع ہوئی تو اُس کی تھکن ختم ہو چکی تھی اور تبریز کا خوف بھی۔ رات تک وہ اُسے گنوار، بے حس اور مُردہ سمجھتی رہی تھی۔ اب وہ اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ تبریز کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ ویرا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ شخص براہِ راست خدا سے ہم کلام ہو۔ اُسے تبریز کے یہ الفاظ یاد آنے لگے کہ خدا صرف اُن کی مدد کرتا ہے جن کی نیت اور روح پاک ہوتی ہے۔ تب اُسے خیال آیا کہ اس کی اپنی نیت پاک نہیں۔ وہ تبریز کی قوم کے لیے ایک حسین دھوکہ بنی ہوئی ہے۔ اُس لڑکی نے رات کو یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنا آپ تبریز کے حوالے کر کے اُسے کہے گی کہ اس کے عوض حمص پہنچا دو۔

اور روح؟...... ویرا کو زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ اس کا جسم روح سے محروم ہے اور اگر روح ہے بھی تو وہ کردار کی غلاظت میں دب گئی، لیکن روح مرا نہیں کرتی۔ ویرا پر جو گزری تھی، اس سے اُس کی روح بیدار ہو گئی تھی جو اُسے شرم سار کر رہی تھی۔ اُسے تبریز کی شکل و صورت بدلی ہوئی نظر آنے لگی۔ اُس کی نگاہ میں وہ فرشتہ بن گیا جو خدا سے ہم کلام تھا۔ لڑکی کے آنسو نکل آئے تھے۔ جوں جوں آنسو بہتے گئے، اُسے ایسے لگا جیسے اس کا وجود تبریز کے وجود میں سماتا جا رہا ہو۔

تبریز نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ وہ شاید بھول گیا تھا کہ اس کھُف میں کوئی اور بھی ہے، یا یہ کہ لڑکی گہری نیند سوئی ہے۔ اس نے بلند آواز سے کہا...... "خدائے عزّوجل! مجھے گناہوں سے دامن پاک رکھنے کی ہمت عطا فرما۔ میری

روح کو اتنی پاکیزگی عطا فرما کہ تیری اتنی خوب صورت امانت کو خیانت کے بغیر منزل تک پہنچا سکوں۔ تیرا یہ بندہ کمزور اور ناتوں ہے۔ مجھے شیطان کا مقابلہ کرنے کی ہمت اور جرأت عطا فرما''۔

تبریز فرشتہ نہیں تھا۔ وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ منہ پر پھیرے اور گھوم کر دیکھا۔ وِیرا اسے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے رخساروں پر آنسو بہے جا رہے تھے۔ تبریز اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ لڑکی نے کوئی حرکت نہ کی۔

''باہر جاؤ''...... تبریز نے اُسے کہا...... ''اُس طرف صاف پانی کا چشمہ ہے، منہ دھو آؤ''...... اُس نے اپنے سر پر لپیٹا ہوا موٹے کپڑے کا گز بھر لمبا چوڑا رومال اُتار کر اُسے دیتے ہوئے کہا...... ''منہ اچھی طرح دھوؤ اور بالوں کو بھی جھاڑ پونچھ لو۔ میں تمہیں اُسی روپ میں تمہارے رشتے داروں کے حوالے کرنا چاہتا ہوں جس طرح تم طغیانی میں گرنے سے پہلے تھیں''۔

وِیرا اُس کے ہاتھ سے رومال لے کر ایسے انداز سے باہر نکل گئی جیسے گونگا اور بہرہ بچہ کسی کے اشارے پر چل پڑا ہو۔ تبریز کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا، وہ گھوڑے کے ساتھ بندھا تھا۔ اب کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ وِیرا کے انتظار میں بیٹھ گیا۔

☆

وِیرا منہ سر دھو کر واپس آئی تو تبریز کو یوں دھچکا سا لگا جیسے کسی نے اُسے کانٹا چبھو دیا ہو۔ اس سے پہلے وِیرا کے بال مٹی سے اَٹے ہوئے اور جُڑے ہوئے تھے۔ چہرے کا بھی یہی حال تھا۔ اب بال اور چہرہ دُھل گئے تو تبریز جیسے اُسے پہچان ہی نہ سکا۔ وہ ایسے طلسماتی بالوں کو کبھی تصور میں بھی نہیں لا سکا تھا۔ دُور دراز رہنے والے دیہاتی نے ایسا حسن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چہرہ اتنا ملائم اور آنکھوں میں ایسی دِل کشی اُسے حیران کر رہی تھی۔ تبریز اُس تبریز کے ہاتھ سے نکلنے لگا جو کچھ دیر پہلے خدا کے حضور کھڑا تھا، اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا...... ''کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ ہمیں خالی پیٹ سفر کرنا پڑے گا، چلو''۔

وہ اُٹھنے لگا تو وِیرا نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا...... ''ذرا دیر بیٹھو۔ میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں، کچھ جاننا چاہتی ہوں''...... تبریز رات بھر اس لڑکی کے لیے دہشت بنا رہا تھا، اب اس کی ذہنی کیفیت یہ تھی جیسے یہ لڑکی اُس پر غالب آ گئی ہو۔ کچھ کہے بغیر اُٹھتے اُٹھتے بیٹھ گیا...... ''تم جب خدا کے ساتھ باتیں کر رہے تھے تو خدا تمہیں نظر آ رہا تھا؟''

''خدا ہمیں نظر نہیں آیا کرتا''...... تبریز نے کہا...... ''میں عالم نہیں، اس لیے بتا نہیں سکتا کہ خدا نظر آئے بغیر کس طرح اپنی موجودگی کا احساس دِلاتا ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ خدا میری باتیں، میری دُعائیں سن لیتا ہے''۔

''تمہیں یقین ہے کہ یہ خدا تھا جس نے تمہیں اپنی قوت دی کہ تم نے مجھے طغیانی سے نکال لیا؟'' وِیرا نے پوچھا۔

''ہمیں خطیب نے بتایا ہے کہ روح پاک ہو تو خدا ہر مشکل میں مدد دیتا ہے''...... تبریز نے جواب دیا...... ''اگر میں اس ارادے سے تمہیں بچانے کی کوشش کرتا کہ تم بہت خوب صورت ہو اور تمہیں بچا کر کہیں لے بھاگوں گا تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈوب جاتا''۔

''مگر میری روح پاک نہیں ہے''...... وِیرا نے دُکھیارے سے لہجے میں کہا...... ''خدا نے میری مدد کیوں کی؟ مجھے ڈوبنے سے کیوں بچایا ہے؟''

''حمص چل کے خطیب سے پوچھیں گے''...... تبریز نے کہا...... ''مجھ میں اتنی عقل نہیں''۔

''اور تم نے میرے جسم سے کیوں بے رُخی کی؟''...... ویرا نے اُس سے پوچھا۔

''اگر میں ایسا کرتا جیسے تمہیں ڈر تھا تو میں تمہارے خنجر سے نہ بچ سکتا''...... تبریز نے جواب دیا...... ''تم خدا کی امانت ہو، اور''...... وہ چپ ہو گیا۔ ذرا دیر بعد بے اختیار بولا...... ''تم بہت ہی خوب صورت ہو ویرا! آؤ چلیں''...... وہ بے قرار سا ہو کر اُٹھنے لگا۔ ویرا نے اُسے اُٹھنے نہ دیا۔ تبریز نے کہا...... ''مجھے اپنے قریب زیادہ دیر نہ بیٹھنے دو۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں نہ ڈالو لڑکی! مجھے خدا کے حضور سرخرو ہونے دو''۔

''تمہیں اپنے خدا کی قسم!''...... ویرا نے کہا...... ''مجھے بھی خدا کے حضور سرخرو ہونے کے قابل بناؤ، تم اپنے جیسے انسانوں سے بہت اونچے ہو، تم خدا کے ایلچی ہو''۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟''۔

''میں گناہگار ہوں''...... ویرا نے جواب دیا...... ''خدا مجھ سے ناراض ہے۔ جب اونٹ نے مجھے طغیانی میں گرا دیا تھا تو بھی مجھے خدا یاد نہیں آیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ جو کچھ ہے وہ جسم ہے اور مجھے اپنے جسم کو بچانا چاہیے۔ تم مجھے طغیانی سے نکال کر یہاں لے آئے تو بھی میرے سامنے یہی مسئلہ آ گیا کہ مجھے تم سے اپنا جسم بچانا ہے۔ اپنے جسم کو بچانے کے لیے ہی میں نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔ میں طغیانی سے بھی بچ گئی۔ تم سے بھی بچ گئی لیکن تمہاری عبادت اور دعا نے مجھے بتایا کہ مجھے بچانے والی قوت کوئی اور تھی۔ مجھے بتاؤ وہ قوت کیا ہے؟ کہاں ہے؟''

''یہ خدا کی قدرت ہے''...... تبریز نے جواب دیا...... ''یہ روح کی پاکیزگی کا کرشمہ ہے''۔

''میری ساری زندگی ایک گناہ ہے''۔

''مجھے صاف لفظوں میں بتاؤ''...... تبریز نے پوچھا...... ''تم رقاصہ ہو؟ امیروں وزیروں کے پاس رہتی ہو؟ میں نے سنا ہے کہ ایسی لڑکیاں بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔ میں نے ایسی خوب صورت لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی''۔

ویرا خاموش رہی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ وہ سرک کر تبریز کے قریب ہو گئی۔ تبریز پرے سرک گیا۔ ویرا نے کہا...... ''مجھے ڈر آتا ہے۔ طغیانی کی دہشت مجھے ابھی تک ڈرا رہی ہے۔ مجھے اپنے قریب رکھو''۔

''نہیں''...... تبریز نے عجیب سے مُسکراہٹ سے کہا...... ''میرے اتنا قریب نہ آؤ، میں بھٹک جاؤں گا''۔

''دیکھ لیا، میں کتنی گناہگار ہوں؟''...... ویرا نے کہا...... ''تم اس لیے مجھ سے دُور رہنا چاہتے ہو کہ بھٹک نہ جاؤ۔ میں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے''...... اُس نے دیکھ لیا کہ تبریز کے پاس مذہبی جذبات ہیں اور جذبہ بھی، لیکن اس کی سوچ میں گہرائی نہیں ہے۔ اگر اُسے کسی سانچے میں ڈھالا جائے تو ڈھل جائے گا۔ ویرا نے اُس کے ساتھ کھل کر باتیں شروع کر دیں۔ کہنے لگی...... ''اگر میں تمہیں کہوں کہ آؤ ہم ساری عمر کے سفر میں اکٹھے رہیں تو کیا جواب دو گے؟''

تبریز نے اس کے چہرے کو دیکھا، ذرا سا مُسکرایا اور سنجیدہ ہو گیا۔ بولا...... ''آؤ چلیں۔ سورج نکل آیا ہے، سفر مشکل ہو جائے گا''۔

ویرا اپنی ذات میں ایک انقلاب محسوس کر رہی تھی جسے وہ اچھی طرح سمجھ نہ سکی۔ وہ اُس کے ساتھ اُٹھ کر چل پڑی۔ وہ راستے کو کم اور تبریز کو زیادہ دیکھ رہی تھی۔ گذشتہ رات وہ تبریز کو قتل کر کے حمص کو بھاگ جانے کی فکر میں تھی، لیکن وہ اب تیز چلنے سے گریز کر رہی تھی۔ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تبریز کے ساتھ رہنے کی خواہش لیے ہوئے تھی۔ ایک بار اُس نے تبریز کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا...... ''آہستہ چلو''۔

''ہمیں آہستہ نہیں چلنا چاہیے''...... تبریز نے کہا...... ''ورنہ ایک اور رات آجائے گی''۔

''آنے دو''۔ وِیرا نے کہا...... ''میں تیز نہیں چل سکتی''۔

''جہاں رہ جاؤ گی، وہاں تمہیں اُٹھالوں گا''...... تبریز نے کہا...... ''آہستہ نہ چلو''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل نے صلیبی بادشاہ بالڈوِن کو حماۃ کے قلعے کے باہر بہت بڑی شکست دی تھی جس سے بوکھلا کر بالڈوِن کی فوج بکھر کر پسپا ہوئی تھی۔ اس معرکے کی تفصیل سنائی جا چکی ہے۔ اس صلیبی بادشاہ نے بڑی مشکل سے اپنی بکھری ہوئی فوج کو یکجا کیا تھا۔ تب اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کا کتنا جانی نقصان ہوا ہے۔ اُس کے پاس نصف سے کچھ زیادہ فوج رہ گئی تھی۔ وہ تو دمشق تک کے علاقے میں قبضہ کرنے آیا تھا۔ اُس کی فوج العادل کے چھاپہ مار حملے میں مری تھی اور جب صلیبی بھاگے تو ان میں سے بہت سے وادیوں اور ویرانوں میں بھٹک گئے تھے۔ ان میں سے کئی ایک کو مسلمان گڈریوں، خانہ بدوشوں اور دیہاتیوں نے مار ڈالا اور ان کے ہتھیاروں اور گھوڑوں پر قبضہ کر لیا تھا۔

جب بالڈوِن نے بچی کھچی فوج کو حماۃ سے دُور ایک جگہ جمع کر لیا تو اُسے بتایا گیا کہ فوج کے وہ سپاہی اور عہدے دار جو اکیلے اکیلے آرہے تھے، مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں۔ بالڈوِن شکست سے بوکھلایا ہوا تھا، اس اطلاع سے اُس کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ جہاں کہیں مسلمانوں کا کوئی گاؤں نظر آئے، اسے لوٹ لو۔ جوان لڑکیاں اُٹھا لاؤ اور گاؤں کو آگ لگا دو۔ چنانچہ یہ فوج جب نفری اور دیگر نقصان پورا کرنے اور حملے کی ازسرِ نو تیاری کرنے کے لیے پیچھے جا رہی تھی، مسلمانوں کے گاؤں تباہ کرتی گئی۔

اب یہ فوج حمص سے چھ سات میل دور خیمہ زن تھی۔ بالڈوِن اس کوشش میں تھا کہ کوئی صلیبی حکمران اُس کے ساتھ تعاون کرے اور اپنی فوج اسے دے دے، جس سے وہ العادل سے شکست کا انتقام لے سکے اور دمشق تک اپنی حکمرانی جسے وہ صلیب کی حکمرانی کہتا تھا، قائم کرنے کا عزم پورا کر سکے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک اور صلیبی بادشاہ ریجنالٹ آف شاتون کے ہاں گیا ہوا تھا۔

وِیرا کی تلاش سے مایوس ہو کر بوڑھا عیسائی اور اُس کے ساتھی رات بھر چلتے رہے اور صبح حمص پہنچے۔ قافلے کے دوسرے لوگ بھی پہنچ گئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی حمص کا نہیں تھا، انہیں آگے جانا تھا۔ تبریز کا گھوڑا اُن کے ساتھ تھا۔ انہوں نے گھوڑا ایک مسجد کے امام کے حوالے کر کے بتایا کہ اس کا مالک حمص کا رہنے والا تھا۔ وہ طغیانی میں گھوڑے سے گر کر ڈوب گیا تھا اور گھوڑا باہر آگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑا پہچان لیا گیا۔ جب گھوڑا تبریز کے گھر پہنچا تو وہاں کہرام بپا ہو گیا۔

وہاں ایک یہودی تاجر کا گھر تھا۔ یہ ایک دولت مند یہودی تھا۔ وہ جو اپنے آپ کو وِیرا کا باپ کہتا تھا، اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس یہودی کے گھر میں بیٹھا تھا۔ وہ بتا چکا تھا کہ وِیرا ڈوب گئی ہے۔ سب افسوس کا اظہار کر رہے تھے لیکن اُن کا مسئلہ افسوس کرنے سے حل نہیں ہو سکتا تھا۔ بوڑھے نے یہودی میزبان سے پوچھا کہ حمص کے مسلمانوں کی سرگرمیاں اور عزائم کیا ہیں۔

''بہت خطرناک''...... میزبان نے جواب دیا...... ''انہیں باقاعدہ ٹریننگ دی جا رہی ہے اور یہ قصبہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنتا جا رہا ہے۔ خطیب صرف خطیب نہیں فوج کا کمان دار اور اُستاد معلوم ہوتا ہے''۔

''اگر اسے قتل کرا دیا جائے تو کیا فائدہ ہوگا؟''...... بوڑھے عیسائی نے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں''...... یہودی تاجر نے جواب دیا...... ''اس کا نقصان یہ ہوگا کہ مسلمان ہم پر شک کرکے ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ یہ قصبہ ان کی سلطنت میں ہے''۔

''یہاں جو عیسائی اور یہودی گھرانے ہیں، کیا اُن کی لڑکیاں کچھ نہیں کرسکتیں؟''...... بوڑھے نے پوچھا۔

''آپ جانتے ہیں کہ اس کام کے لیے کتنی ٹریننگ اور تجربے کی ضرورت ہوتی ہے''...... میزبان نے جواب دیا...... ''ہماری لڑکیوں میں کوئی ایک بھی اتنی چالاک نہیں''۔

''اور آپ ضروری سمجھتے ہیں کہ یہاں کے مسلمان جنگی ٹریننگ حاصل نہ کریں؟''...... بوڑھے نے پوچھا۔

''آپ کیا حکم لے کر آئے ہیں؟''...... میزبان نے پوچھا۔

''حکم تو بڑا صاف ہے''...... بوڑھے نے کہا...... ''ان مسلمانوں کو آپس میں ٹکرانا اور انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف کرنا ہے۔ وِیرا کے لیے یہ کام مشکل نہیں تھا۔ اس کے بغیر یہ مہم ممکن نہیں رہی۔ ہمیں دو لڑکیاں یہاں لانی پڑیں گی''۔

''وقت کم ہے''...... میزبان نے کہا...... ''آپ جانتے ہیں کہ رملہ کی لڑائی کو کتنے مہینے گزر چکے ہیں جس میں صلاح الدین ایوبی کو شکست ہوئی تھی۔ آپ اگر حقیقت کو قبول کریں تو یہ شکست صلاح الدین ایوبی کے عزم اور جذبے کا کچھ نہیں بگاڑ سکی۔ وہ سنبھل چکا ہے اور اس نے فوج تیار کر لی ہے۔ قاہرہ سے جاسوس جو خبریں بھیج رہے ہیں، وہ اچھی نہیں۔ صلاح الدین ایوبی قاہرہ سے کوچ کرنے والا ہے۔ ابھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کس طرف کوچ کرے گا اور کہاں حملہ کرے گا۔ اِدھر اُس کے بھائی العادل کو دمشق سے کمک مل گئی ہے۔ اس نے شاہ بالڈوِن کو ایسی شکست دی ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی شاہ بالڈوِن سنبھل نہیں سکا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی شب خون اور چھاپوں کی جنگ لڑتا ہے۔ ہماری فوجوں کی رسد اُس سے محفوظ نہیں رہتی۔ اگر حمص کے مسلمانوں نے اسے چھاپہ ماروں کے لیے اڈہ مہیا کر دیا تو یہ لوگ ہماری رسد اور آگے جانے والی کمک کے لیے مصیبت بن جائیں گے......

''ان حالات میں آپ کا یہ طریقۂ کار بالکل بے کار ثابت ہوگا کہ تربیت یافتہ لڑکیوں کو یہاں لاکر مسلمانوں میں رقابت پیدا کی جائے اور اُن کی کردار کشی کی جائے۔ اس کے لیے حالات اور مقامات مختلف ہوتے ہیں۔ میں آپ کے اُن افسروں پر حیران ہوں جنہوں نے ایک لڑکی یہاں بھیجی تھی''۔

''پھر کیا کیا جائے؟''

''صفایا''...... میزبان نے اپنے ہاتھ کو تلوار کی طرح دائیں بائیں جنبش دے کر کہا...... ''پورے قصبے کو آبادی سمیت ختم کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں ہم بھی یہاں نہیں رہ سکیں گے۔ ہم اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو یہاں سے پہلے نکال دیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ صلیبی بادشاہ ہمیں کسی دوسری جگہ آباد کرنے میں مدد دیں گے اور ہمارا مالی نقصان پورا کر دیں گے۔ میں یہودی ہوں۔ میں ہیکل سلیمانی کی خاطر اپنا گھر تباہ کرانے میں تیار ہوں''۔

''لیکن اس قصبے کی تباہی کا انتظام کیا ہوگا؟''...... بوڑھے نے پوچھا...... ''اس کے لیے فوج کی ضرورت ہے''۔

''فوج موجود ہے''...... یہودی نے کہا...... ''شاہ بالڈوِن کی فوج پانچ چھ میل دُور خیمہ زن ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ اس فوج نے پسپائی کے راستے میں آنے والی تمام مسلمان بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اس سے حمص بھی تباہ کرایا جاسکتا ہے۔ میں آج ہی روانہ ہو جاؤں گا اور شاہ بالڈوِن کو بتاؤں گا کہ ہمارا قصبہ اس کی فوج کے لیے کس قدر خطرناک ہے''۔

''مقصد یہ نہیں کہ قصبہ تباہ کرایا جائے''...... بوڑھے نے کہا...... ''بلکہ یہ یہاں کے کسی مسلمان کو زندہ نہ

رہنے دیا جائے''۔

''اور لڑکیوں کو فوج اُٹھا لے جائے''۔

سب متفق ہو گئے اور فیصلہ ہوا کہ میزبان یہودی اُسی رات شاہ بالڈون کی خیمہ گاہ کو روانہ ہو جائے۔ وہ باہر نکلے تو انہیں ایک گھوڑ اسوار قصبے میں داخل ہوتا نظر آیا۔ وہ کوئی اجنبی تھا۔ خطیب کا گھر نظر آ رہا تھا۔ یہ سوار خطیب کے گھر کے سامنے گھوڑے سے اُترا۔ دروازے پر دستک دی۔ خطیب باہر آیا۔ اجنبی سے ہاتھ ملایا اور اسے اندر لے گیا۔

''یہ سوار دمشق یا قاہرہ کا قاصد ہے''...... میزبان یہودی نے کہا۔

☆

عشاء کی نماز کے بعد نمازی چلے گئے۔ پانچ چھ آدمی خطیب کے پاس بیٹھے رہے۔ ان میں یہ اجنبی گھوڑ سوار بھی تھا۔ خطیب نے کسی سے کہا کہ مسجد کا دروازہ اندر سے بند کر دیا جائے۔

''میرے دوستو!''...... خطیب نے کہا...... ''ہمارا یہ دوست الملک العادل کی طرف سے خبر لایا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلد قاہرہ سے کوچ کرنے والے ہیں۔ آپ سب فوجی ہیں اور شب خون کے اُستاد ہیں۔ آپ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔ تربیت اور مشق تیز کر دو۔ العادل نے یہ اطلاع بھیجی ہے کہ صلیبی بادشاہ بالڈون کی فوج جو حماۃ سے بھاگی تھی، ہمارے قریب کہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ہمیں اس پر نظر رکھنی ہے اور اس کی نقل و حرکت کی اطلاع العادل تک پہنچانی ہے۔ انہوں نے یہ حکم بھی بھیجا ہے کہ اگر ہم ضروری سمجھیں تو صلیبیوں کی اس فوج پر شب خون ماریں یا چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں تاکہ یہ فوج چین سے نہ بیٹھ سکے......

''اس کے ساتھ ہی العادل نے یہ بھی کہا کہ اس فوج نے مسلمانوں کے بہت سے گاؤں تباہ کر دیئے ہیں۔ چونکہ العادل کے پاس فوج کی کمی تھی، اس لیے صلیبی فوج کا تعاقب نہ کیا جا سکا۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر بالڈون کی فوج اور پیچھے اپنے علاقے میں چلی جاتی ہے تو اُسے نہ چھیڑا جائے، کیونکہ خطرہ ہے کہ وہ حمص کو تباہ کر دے گی۔ ہمیں تربیت اور مشق تیز کرنے کو کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے سلطان ایوبی کسی طرف حملہ کریں تو بالڈون اُن پر عقب یا پہلو سے حملہ کر دے۔ اس صورت میں ہمیں بالڈون کے عقب پر شب خون مارنے ہیں اور اُسے یہیں اُلجھائے رکھنا ہے''۔

خطیب نے ایک آدمی کو یہ کام سونپا کہ وہ اس فوج کو دیکھ آئے۔

اُس وقت تبریز اور وِیرا اس حالت میں قصبے میں داخل ہوئے کہ وِیرا تبریز کی پیٹھ پر تھی۔ راستے میں پانی تو مل گیا تھا لیکن کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا۔ وِیرا صلیبیوں کی شہزادی تھی۔ وہ پیدل سفر کی عادی نہیں تھی۔ تبریز رات کے لیے کہیں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے وِیرا کو پیٹھ پر اُٹھا لیا اور باقی سفر اسی طرح طے کیا۔ اُس نے لڑکی کو اپنے گھر کے سامنے اُتارا اور اُسے اندر لے گیا۔ اس کے گھر والوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ تبریز زندہ ہے۔ اس کا گھوڑا پہلے ہی گھر پہنچ چکا تھا۔ اُس نے گھر والوں کو بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے۔

وِیرا کو معلوم تھا کہ اس کی منزل یہودی تاجر کا گھر ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے گھر فوراً جانا چاہتی ہے۔ شاید اس کا باپ زندہ آ گیا ہو۔ تبریز اس کے ساتھ گیا۔ اُسے یہودی تاجر کا گھر معلوم تھا۔ راستے میں اندھیرا تھا۔ وِیرا اچانک رُک گئی اور تبریز سے لپٹ گئی۔ کبھی چہرہ اُس کے سینے پر رگڑتی اور کبھی اُس سے الگ ہو کر اُس کے ہاتھ چومتی اور آنکھوں سے لگاتی۔

''ہماری منزل جدا ہیں''...... وِیرا نے جذبات اور رقت سے بوجھل آواز میں کہا...... ''مگر ہم کسی دوراہے پر پھر

ملیں گے۔ میں اپنی روح سے بیگانہ تھی، وہ مل گئی ہے اور میں نہیں جانتی تھی محبت کیا ہے؟ وہ تم نے دے دی ہے۔ دل میں تمہاری یاد لے کے جارہی ہوں۔ تم مجھے بھول جاؤ گے''۔

''نہیں وِیرا''...... تبریز کی جذباتی کیفیت وِیرا سے زیادہ متزلزل تھی۔ کہنے لگا...... ''میں تمہیں بھول نہیں سکوں گا۔ میں نے تمہیں راستے میں کہا تھا کہ اب تک ایک باطل مذہب کی پجاری رہی ہو، باقی عمر اسلام کے سائے میں گزارو۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ میرے دِل میں اب کوئی لڑکی نہیں سما سکے گی۔ تم اب اسی قصبے میں رہو گی۔ ہم ملا کریں گے لیکن وہاں جہاں کوئی دیکھ نہ سکے''۔

تبریز نے امانت میں خیانت نہیں کی تھی۔ دورانِ سفر یہ لڑکی اُس کی مرید ہوگئی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ لڑکی تبریز کے دِل میں اُتر گئی۔ اب وہ دِل پر پتھر رکھ کر اسے یہودی کے حوالے کرنے جارہا تھا...... وہ جب اُسے یہودی کے گھر لے گیا تو وہاں اُسے بوڑھا عیسائی ملا۔ اُس نے وِیرا کو گلے لگالیا۔ یہودی تاجر گھر نہیں تھا۔ وہ فیصلے کے تحت شاہ بالڈوِن کی خیمہ گاہ کو روانہ ہوگیا تھا۔ تبریز بوڑھے کے اصرار کے باوجود وہاں رُکا نہیں۔ وہاں سے وہ مسجد چلا گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے دستک دی، دروازہ کھلا تو وہ اندر چلا گیا۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک سال کے اندر اپنی فوج تیار کرلی تھی۔ اس نے مزید انتظار نہ کیا، جس رات حمص کا ایک یہودی تاجر شاہ بالڈوِن سے یہ کہنے جارہا تھا کہ وہ اپنی فوج سے حمص کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کردے، اُس رات سلطان ایوبی کی فوج قاہرہ سے نکل گئی تھی۔ اس کی منزل دمشق تھی۔ کوچ بہت تیز تھا۔ سلطان ایوبی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس دور کے وقائع نگاروں کے مطابق، سلطان ایوبی دمشق قیام کرکے وہاں کے حالات، غداریوں اور سازشوں کا جائزہ لے کر اور ان کا سدِّ باب کرکے العادل سے ملنا چاہتا تھا اور وہاں سے اُسے جنگی کارروائی کا آغاز کرنا تھا مگر راستے میں ہی اُس نے راستہ بدل دیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُسے عزالدین کا ایک ایلچی راستے میں ملا۔ وہ سلطان ایوبی کے نام قاہرہ پیغام لے کر جارہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی وہاں سے کوچ کر آیا ہے۔ آدھے راستے میں اس نے ایک فوج آتی دیکھی۔ جھنڈوں سے پہچانا گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ وہ قلب میں چلا گیا جہاں سلطان ایوبی تھا۔ ایلچی نے اُسے عزالدین کا پیغام دیا۔ عزالدین نورالدین زنگی مرحوم کے مشیروں میں سے تھا، جسے امیر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ مردِ مومن تھا۔ اس لیے زنگی کا منظورِ نظر تھا۔ زنگی نے وفات سے پہلے اسے حلب کے صوبے میں قاراحصار کے نام کا قلعہ دے کر اُس کا امیر بنادیا تھا۔ خاصا علاقہ اس قلعے کے تحت آتا تھا۔ اس سے ملحق ابن لاعون کی ریاست تھی جو صلیبیوں کے ساتھ صلیبی اور مسلمانوں کے ساتھ مسلمان بن جاتا تھا۔ اُس نے صلیبیوں کی شہہ پر عزالدین کے علاقے میں سرحدی جھڑپوں کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ عزالدین اکیلا اُس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ حلب اور موصل والوں سے مدد نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ جب سے حلب اور موصل کے حکمرانوں الملک الصالح اور سیف الدین وغیرہ نے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ قائم کیا تھا عزالدین نے اُن کے ساتھ تعلقات توڑ لیے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو جو پیغام بھیجا، وہ یوں تھا...... ''قابلِ احترام سلطان صلاح الدین ایوبی بن نجم ایوب سلطان مصر و شام! آپ پر اور سلطنتِ اسلامیہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میری وفاداری کے متعلق آپ کو شک نہیں ہوگا۔ میں نے تل خالد کی طرف سے صلیبیوں کا راستہ روک رکھا ہے۔ تمام تر علاقہ اور پیش قدمی کے راستے میں میرے چھاپہ ماروں

کی نظر میں رہتے ہیں۔ صلیبیوں نے مجھے راستے سے ہٹانے کے لیے ابن لاعون کے ساتھ گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میری سرحد اس علاقے سے ملتی ہے جو دراصل آرمینیوں کا علاقہ ہے۔ ان آرمینیوں نے میری سرحدی چوکیوں پر حملے شروع کردیئے ہیں۔ آپ آگاہ ہوں گے میرے پاس فوج کی کمی ہے۔ صلیبیوں اور آرمینیوں نے میرے پاس دو بار ایلچی قیمتی تحائف کے ساتھ بھیجے تھے۔ وہ مجھے دعوت دے رہے ہیں کہ میں اُن کا اتحادی بن جاؤں اور آپ کے خلاف لڑوں۔ انکار کی صورت میں انہوں نے مجھے حملے کی دھمکی دی ہے......

''میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنی زمین کے تحفظ کے لیے یہ دعوت قبول کرلیتا۔ یہ جگہ اتنی دُور ہے کہ وقت پڑے تو مدد کو آنے والے بروقت نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے باوجود میں نے اُس کی دعوت کی بجائے اُن کی دھمکی قبول کی ہے اور میں نے یہ اقدام اللہ کے بھروسے پر کیا ہے۔ میں اپنا قلعہ اور اپنا علاقہ اور اس کے ساتھ اپنی جان قربان کردوں گا، صلیبیوں کے ساتھ اتحاد نہیں کروں گا۔ میں نورالدین زنگی مرحوم کی روح کے آگے جواب دہ ہوں اور میں اُن لاکھوں شہیدوں کے آگے جواب دہ ہوں جو قبلۂ اوّل کے نام پر قربان ہوچکے ہیں...... مجھے معلوم نہیں کہ آپ کا آئندہ اقدام کیا ہوگا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ رملہ کے حادثے کے بعد آپ تنظیم نو اور دیگر تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ محترم الملک العادل میری مدد کو آنے کے قابل نہیں۔ میں آپ کو اپنے احوال سے خبردار رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے علاقے اور قارا حصار سے دست بردار ہوکر اپنی فوج آپ کے پاس لے آؤں۔ دوسری صورت میں مجھے ہدایت دیں کہ میں کیا کروں۔ میں کسی قیمت پر صلیبیوں اور آرمینیوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کروں گا''۔

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھا۔ اُسی وقت اپنے سالاروں اور مشیروں کو بلایا۔ پیغام انہیں پڑھ کر سنایا اور یہ حکم دے کر سب کو حیران کردیا کہ کوچ کا راستہ بدل دو۔ ہم ابن لاعون کے علاقے پر یلغار کریں گے۔ سلطان ایوبی ڈکٹیٹروں کی طرح حکم نہیں دیا کرتا تھا اور وہ جذبات سے مغلوب ہوکر بھی کوئی جنگی کارروائی نہیں کیا کرتا تھا مگر اس حکم کے پیچھے جنگی فہم و فراست کے ساتھ جذبات بھی کارفرما تھے۔

''قارا حصار میرے محترم استاد نورالدین زنگی مرحوم کی نشانی ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور عزالدین کے الفاظ میں مجھے زنگی مرحوم کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں اس شخص کو تنہا نہیں رہنے دوں گا جو ہمارے مقصد اور عزم کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرتا ہے''۔

''سلطانِ محترم!'' ایک سالار نے کہا...... ''ہم حقائق کو سامنے رکھیں تو کسی بہتر فیصلے پر پہنچ سکیں گے''۔

''حقائق یہ ہیں کہ ہمیں پہلے دمشق جاکر وہاں کے حالات کا جائزہ لینا تھا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اب اگر ہم دمشق چلے گئے تو ابن لاعون تل خالد پر حملہ کردے گا اور عزالدین اُس کے آگے نہیں ٹھہر سکے گا۔ آگے حلب ہے۔ تم سب الملک الصالح اور اُس کے مشیروں کو اچھی طرح جانتے ہو۔ بے شک وہ اس معاہدے کا پابند ہے جو اُس نے ہمارے ساتھ کر رکھا ہے، لیکن معاہدہ لوہے کی دیوار نہیں ہوتی کہ ٹوٹ نہ سکے۔ وہ فوراً صلیبیوں کے ساتھ سمجھوتہ کرکے ایک بار پھر ہمارے خلاف لڑنے کو آجائے گا۔ میں صلیبیوں کو حلب نہیں لینے دوں گا اور عزالدین کو میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا''۔

کچھ دیر عملی پہلوؤں پر بحث مباحثہ ہوا اور طے ہوا کہ تل خالد کی سمت کوچ ہوگا۔ سلطان ایوبی نے عزالدین کے ایلچی کو زبانی پیغام دیا جس میں کہا کہ عزالدین ابنِ لاعون سے ملے اور اُسے دوستی کا دھوکہ دے لیکن اُسے اپنے علاقے میں دخل انداز نہ ہونے دے۔ اُس کے ساتھ دوستی کی شرائط پر بات چیت کرتا رہے اور اُسے یہاں تک دھوکہ دے کہ وہ اپنی

فوج اُس کے حوالے کردے گا۔ سلطان ایوبی نے ایلچی کو بتا دیا کہ اُس نے اپنی فوج کو تل خالد کی طرف تیز کوچ کا حکم دے دیا ہے۔ ایلچی روانہ ہو گیا۔

☆

صلیبی جاسوس سلطان ایوبی کی نقل و حرکت دیکھ رہے تھے اور صلیبیوں تک خبریں پہنچا رہے تھے، جن کے مطابق انہوں نے اپنے قلعوں اور اپنے علاقوں کا دفاع مضبوط کر لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سلطان ایوبی کے اقدامات کے متعلق کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ صلیبیوں کے مشترکہ ہیڈ کوارٹر میں جب جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج دمشق کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسری سمت جا رہی ہے تو اُن کے جرنیلوں نے کہا کہ ایوبی اپنے آزمائے ہوئے میدانوں میں لڑنا چاہتا ہے۔

حمص کا یہودی تاجر جو حمص کو تباہ کرانے کے لیے شاہ بالڈون کے پاس گیا تھا، واپس آ گیا تھا۔ اُسے بالڈون نہیں ملا تھا۔ وہ اپنے صلیبی دوستوں سے مدد مانگنے گیا تھا۔ اُس کے جرنیلوں نے یہودی سے کہا تھا کہ وہ شاہ بالڈون کے حکم کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتے، کریں گے ضرور۔ یہودی حمص واپس آیا تو اُسے بتایا گیا کہ وِیرا زندہ آ گئی ہے اور اسے تبریز نام کا ایک مسلمان لایا ہے۔ تبریز کو عیسائیوں اور یہودیوں نے نقد انعام پیش کیا تھا جو اُس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا تھا کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

اب یہودی تاجر وِیرا کو بے کار سمجھتا تھا کیونکہ قصبے کو تباہ کرانے کا انتظام ہو چکا تھا۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ وِیرا کو واپس ہیڈ کوارٹر میں بھیج دیا جائے، لیکن وِیرا چالاک لڑکی تھی۔ اُس نے کہا کہ وہ خطیب کے اعصاب پر غالب آ جائے گی اور مسلمانوں کو جنگی تربیت دینے والوں کے درمیان رقابت کی دشمنی پیدا کر دے گی۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ یہاں کے مسلمانوں کے عزائم معلوم کرنے کے لیے بھی اُس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اُسے حمص ہی میں رہنے دیا گیا لیکن کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ صرف تبریز کی خاطر وہاں کچھ دن اور رُکنا چاہتی ہے۔

وہ تبریز سے ملتی رہی۔ رات کو وہ قصبے سے دُور نکل جاتے اور بہت دیر وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ اس صلیبی لڑکی کے مقابلے میں تبریز کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ وہ تو اُمراء، وزراء اور بادشاہوں کے محلات میں رہنے والی لڑکی تھی۔ دمشق میں اُس نے انتظامیہ کے دو اُمراء کو اپنے قدموں میں بٹھا لیا تھا اور اُن کے ہاتھوں ایسی سازش تیار کرا دی تھی جس کی اطلاع پر سلطان ایوبی دمشق جا رہا تھا مگر طغیانی کی دہشت اور تبریز کے کردار نے اُسے ایسا جھٹکا دیا تھا کہ اُس کی ذات میں روح اور جذبات بیدار ہو گئے تھے۔ وہ تبریز کی پوجا کرنے لگی تھی اور تبریز اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔

''تبریز ایک بات بتاؤ''۔ ایک رات وِیرا نے اُس سے پوچھا..... ''خطیب اور دوسرے چند ایک آدمی جو تمہیں جنگی تربیت دیتے ہیں، وہ کہاں سے آئے ہیں؟''

تبریز جواب دینے لگا تو وِیرا بول اُٹھی..... ''رہنے دو، جانے دو تبریز! ہمیں اس سے کیا، کوئی کچھ کرتا پھرے۔ ہم اتنی خوب صورت رات کو جنگ کی باتوں سے کیوں مکدر کریں''۔

اس طرح وہ دو حصوں میں کٹ گئی تھی۔ تبریز کے ساتھ ہوتی تو وہ معصوم اور پاک لڑکی ہوتی تھی۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے ایک ہی بار تبریز سے خطیب اور دوسرے استادوں کے متعلق پوچھا لیکن اُسے اس نے دھوکہ سمجھا اور تبریز کو جواب دینے سے روک دیا۔ یہی وِیرا جب یہودی تاجر کے گھر میں بیٹھی ہوتی تو مسلمانوں کی تباہی

کی باتیں کرتی تھی۔

☆

ڈیڑھ دو مہینے گزر گئے تھے۔ ایک شام وِیرا تبریز کے گھر چلی گئی اور اُس کی ماں کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اُس نے تبریز کو اشارہ کیا جسے وہ سمجھتا تھا۔ وہ چلی گئی۔ شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی تبریز اُس جگہ پہنچ گیا، جہاں وہ ملا کرتے تھے۔ وِیرا آ گئی تھی۔ تبریز کو قصبے سے دُور لے گئی۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ تبریز کے پوچھنے پر بھی اُس نے نہ بتایا کہ اُس کی گھبراہٹ کی وجہ کیا ہے۔ انہیں آوازیں سنائی دیں۔ کوئی وِیرا کو پکار رہا تھا۔ تبریز نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ وِیرا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کہ اُس کے آدمی اُسے تلاش کر رہے ہیں...... ''چلو اور دُور نکل چلیں''...... وِیرا نے کہا اور اُسے اور دُور لے گئی۔ اُسے ابھی تک کوئی پکار رہا تھا۔

''اِن آوازوں کو مت سنو تبریز!'' وِیرا نے کہا...... ''میں جب تمہارے پاس ہوتی ہوں تو میں اپنے کسی آدمی کی آواز نہیں سننا چاہتی''۔

آگے چٹانیں تھیں۔ وِیرا تبریز کو چٹانوں کے پیچھے لے گئی۔ تبریز حیران سا ہو کے اُس کے ساتھ چلتا رہا، اور وہ ایک جگہ رُک گئے، وہاں کسی کی آواز نہیں پہنچتی تھی...... تبریز چونک اُٹھا اور بولا...... ''شور سا سنائی دیتا ہے۔ تم بھی سننے کی کوشش کرو۔ ایسے لگتا ہے جیسے چیخ و پکار ہو رہی ہے اور گھوڑے دوڑ رہے ہیں''۔

''تمہارے کان بج رہے ہیں''۔ وِیرا نے ہنس کر کہا...... ''ہوا کے تیز جھونکے چٹانوں سے ٹکرا کر گزر رہے ہیں۔ یہ ان کی آوازیں ہیں''۔

وِیرا نے اُسے اپنے بازوؤں اور ریشمی بالوں میں گرفتار کر کے اُس کی آنکھوں، کانوں اور عقل پر قبضہ کر لیا۔ تبریز مان گیا کہ یہ آوازیں ہوا کی ہیں جو بہت دُور کے شور کی طرح سنائی دیتی ہیں مگر اُسے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ آوازیں اُس کی اپنی بستی کے لوگوں کی ہیں اور وہاں قیامت بپا ہو چکی ہے جو یہودی تاجر بپا کرانا چاہتا تھا۔ وِیرا کو معلوم تھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ آوازیں تبریز کے کانوں تک پہنچیں۔

یہ انتظام اس طرح ہوا تھا کہ یہودی تاجر ایک بار پھر بالڈوِن سے ملنے گیا تھا۔ اُسے بالڈوِن مل گیا تھا۔ یہودی نے اُسے بتایا کہ حمص کے مسلمان کیا کر رہے ہیں اور وہ کس طرح صلیبی فوج کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ بالڈوِن کا یہ من پسند شکار تھا۔ اُس نے یہودی کو بتایا کہ وہ کسی رات چپکے سے حمص پر حملہ کرائے گا۔ اس نے یہودی سے یہ بھی کہا کہ عیسائی اور یہودی اُس رات حملے سے پہلے قصبے سے نکلیں، اگر وہ دن کے دوران نکلے تو مسلمانوں کو شک ہوگا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

یہودی نے واپس آ کر جب اپنے آدمیوں کو یہ سکیم بتائی تو وِیرا نے کہا کہ وہ تبریز اور اس کے کنبے کو بچانا چاہتی ہے۔

''اسے ہم صلیب سے غداری کہیں گے''۔ بوڑھے عیسائی نے کہا۔

''سانپ کے بچوں کو بچانا کہاں کی عقل مندی ہے؟'' یہودی تاجر نے کہا۔

''یہاں مسلمانوں کے دو گھر ایسے ہیں جن کے ساتھ میرے دِلی تعلقات ہیں''۔ وہاں کے رہنے والے ایک عیسائی نے کہا۔ ''لیکن میں انہیں بچانے کی نہیں سوچ رہا، ہمیں مسلمان کا خون چاہیے۔ مسلمان میرا ذاتی دوست ہو سکتا ہے، میرے مذہب کا وہ دشمن ہی ہوگا''۔

''میں اُسے زندہ رکھنا چاہتی ہوں جس نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا''۔ وِیرا نے غصے سے کہا۔

''ہم نے اُسے اتنا انعام پیش کیا تھا جو اُس نے کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہوگا۔'' یہودی تاجر نے کہا۔ ''اُس نے کہا کہ اُس نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ ہم نے اُسے انعام پیش کر کے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب وہ ہمارا دشمن اور ہم اُس کے دشمن ہیں''۔

''میں اُسے دشمن نہیں سمجھتی''۔ وِیرا نے جھنجلا کر کہا..... ''یہ صرف ایک مرد ملا ہے جس نے میرے جسم پر ذرّہ بھر توجہ نہیں دی۔ تم سب گنہگار ہو، تم میں کون ہے جس کی نیت میرے حق میں صاف ہے۔ میری آنکھوں میں اپنے چہرے دیکھو''۔

''تم صرف تبریز کو بچالو''۔ یہودی تاجر نے کہا..... ''لیکن اُسے کیسے بچاؤ گی؟ اگر تم نے اُسے بتایا کہ کیا ہونیوالا ہے تو وہ ساری آبادی کو نہیں بتا دے گا؟ اور اگر تم اس کے پورے کنبے کو گھر سے نکل جانے کو کہو گی تو وہ وجہ نہیں پوچھیں گے؟ تم کیا بتاؤ گی؟ تم ایک مسلمان کو نیکی کا صلہ دیتے دیتے، ان تمام مسلمانوں کو چوکنا کر دو گی جو ہمارے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں''۔

''مجھے اناڑی نہ سمجھو''۔ وِیرا نے کہا..... ''میں صلیب کو دھوکہ نہیں دوں گی''۔

حملے کی شام وِیرا تبریز کے گھر گئی اور اُسے باہر لے گئی۔ اُس کے آدمیوں کو معلوم تھا کہ رات کو وہ اکثر کہاں چلی جاتی ہے۔ اُس نے انہیں بتا رکھا تھا کہ تبریز کو محبت کا دھوکہ دے کر وہ اس سے بھید لیتی ہے۔ وہ اُسے باہر لے گئی تو قصبے سے عیسائی اور یہودی دبے پاؤں نکلنے لگے۔ انہوں نے وِیرا کی تلاش میں ایک آدمی بھیجا جو اُسے پکارتا رہا، لیکن وِیرا تبریز کو دُور ہی دُور لے جاتی رہی۔ وہ اُسے اتنی دُور لے جانا چاہتی تھی جہاں سے اُسے قصبے کا شور نہ سنائی دے۔ وِیرا کی تلاش میں جو آدمی گیا تھا وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

☆

قصبے پر نیند کا غلبہ طاری ہو چکا تھا۔ صلیبی فوج کے پیادے دبے پاؤں قریب آگئے تھے۔ ان کی تعداد قصبے کی آبادی سے کئی گنا زیادہ تھی۔ پیادہ فوج بالکل قریب آگئی تو عقب سے گھوڑ سوار بھی آگئے۔ مسلمان گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ فوج نے طغیانی کی طرح یلغار کر دی۔ فوجیوں نے مشعلیں جلائی تھیں۔ دو تین جھونپڑوں کو آگ لگا دی گئی تاکہ روشنی ہو جائے۔ صلیبی سپاہی دیواریں پھلانگ کر گھروں میں داخل ہوئے۔ زیادہ تر مسلمان جاگنے سے پہلے ہی مارے گئے۔ جو بروقت جاگ اُٹھے اور ہتھیار اُٹھا سکے، انہوں نے مقابلہ کیا۔ بعض لڑکیوں نے خودکشی کر لی۔ صلیبی گھوڑ سواروں نے قصبے کو گھیر رکھا تھا۔ کسی کو باہر کو بھاگتا دیکھتے تھے تو اُسے برچھی یا تلوار کا شکار کر لیتے تھے۔

یہ تھی وہ چیخ و پکار اور شور جو چٹانوں میں بیٹھے ہوئے تبریز نے سنا تھا۔ اُس کا گھر تباہ ہو چکا تھا۔ بچہ بچہ کٹ گیا تھا۔ شاہ بالڈون نے مسلمانوں کی اس بستی سے بھی اپنی شکست کا انتقام لے لیا تھا۔

''تم آج مجھے اتنی دُور کیوں لے آئی ہو؟'' تبریز نے پوچھا اور کہا..... ''تم آج بولتی کیوں نہیں؟ گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟''

''اس لیے کہ تم میرا ساتھ نہیں دو گے''۔ وِیرا بہت ہوشیار لڑکی تھی۔ کہنے لگی..... ''میں تمہیں کہیں اور لے جا رہی ہوں..... '' اُسے خاموش دیکھ کر بولی۔ ''کل واپس آجائیں گے''۔

''کہاں؟''

''کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟'' وِیرا نے اُسے بازوؤں میں لے کر اُس کا چہرہ اتنا قریب کر لیا کہ اُس کے

بکھرے ہوئے ریشمی بال تبریز کے گالوں کو چھونے لگے۔ یہ وہی بال تھے، جنہیں ٹف میں دُھلا ہوا دیکھ کر تبریز نے اپنی ذات میں عجیب سا لرزہ محسوس کیا تھا۔ اب تو وِیرا کی محبت اُس کے دِل میں دُور تک اُتر گئی تھی۔ اُس پر خمار سا طاری ہو گیا......

''ہم کب تک چوروں کی طرح ملتے رہیں گے؟ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگر تمہارے دِل میں میری محبت ہے تو مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھو کہ میں تمہیں کہاں لے جا رہی ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ ہم وہاں چلیں گے جہاں ہمارے درمیان مذہب کی دیواریں حائل نہیں ہوں گی، تم مرد ہو، مجھے دیکھو، کمزور سی عورت ہو کر تمہاری محبت کی خاطر کتنا بڑا خطرہ مول لے رہی ہوں''۔

کمزور دراصل تبریز تھا۔ وِیرا اُس کی عقل پر غالب آ گئی تھی۔ وہ اس کوشش میں تھی کہ تبریز اپنے قصبے میں واپس نہ جائے۔ وہ جانتی تھی کہ وہاں اُسے اپنے گھر کے جلے ہوئے کھنڈر اور گھر والوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں گی، پھر وہ پاگل ہو جائے گا۔ ہو سکتا تھا وِیرا کو کسی شک کی بنا پر قتل ہی کر دے۔ وِیرا کے دماغ میں کچھ اور آ گیا تھا۔ اُس نے محبت کی خاطر اور طغیانی سے بچانے اور اُسے باعزت حمص لانے کے صلے میں صلیبیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا تھا اور اب اپنے گھر کی بربادی دیکھنے کی اذیت سے بچانا چاہتی تھی۔ اُس نے تبریز کو اُٹھا لیا اور چل پڑی۔ تبریز اُس کے ساتھ یوں جا رہا تھا جیسے ہپناٹائز کر لیا گیا ہو۔

صبح طلوع ہوئی تو حمص جلے ہوئے کھنڈروں میں تبدیل ہو چکا تھا، وہاں کوئی مسلمان زندہ نہیں رہا تھا۔ بڑی مسجد کے مینار کھڑے تھے۔ خطیب اور اس کے ساتھی مقابلے کے بغیر شہید ہو گئے تھے۔ اس وقت وِیرا تبریز کو ساتھ لیے صلیبی فوج کی خیمہ گاہ تک پہنچ چکی تھی۔ تبریز کا دماغ بیدار ہو گیا۔ اُس نے وِیرا سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا لینے آئی ہے۔ وِیرا نے اُس کے وسوسے اپنی زبان کے کمان سے رفع کر دیئے۔ اُسے ایک طرف کھڑا کر کے اُس نے ایک کمان دار سے بات کی۔ کمان دار نے اُسے کوئی راستہ سمجھایا۔ وِیرا تبریز کو ساتھ لیے اُدھر چلی گئی۔

وہ جہاں پہنچے وہ شاہ بالڈوِن کی ذاتی خیمہ گاہ تھی جس پر محل کا گمان ہوتا تھا۔ محافظوں نے بہت کچھ پوچھ کر وِیرا کو بالڈوِن کے خیمے میں جانے دیا۔ کچھ دیر بعد تبریز کو اندر بلایا گیا۔ بالڈوِن نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا...... ''یہ لڑکی تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔ اس نے ایسی خواہش کا اظہار کیا ہے جسے ہم رد نہیں کر سکتے۔ تمہیں کسی قسم کا شک یا ڈر نہیں ہونا چاہیے''۔

''میں اپنا مذہب تبدیل نہیں کروں گا''۔ تبریز نے کہا۔

''تمہیں مذہب تبدیل کرنے کو کس نے کہا ہے''۔ وِیرا نے کہا۔

''پھر کیا ہو گا؟'' تبریز نے پوچھا۔ ''میں یہاں رہ کر کیا کروں گا؟ مجھے واپس جانا ہے''۔

''تبریز!'' وِیرا نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور کہا...... ''میں نے تمہیں کیا کہا تھا۔ مجھے بھی وہیں جانا ہے جہاں تمہیں جانا ہے''۔

تبریز کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

☆

عزالدین کا ایلچی سلطان صلاح الدین ایوبی کا جواب لے کر کبھی کا عزالدین کے پاس پہنچ چکا تھا۔ سلطان ایوبی کی ہدایت کے مطابق عزالدین نے ابن لاعون سے ایک ملاقات کر لی تھی اور اُسے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ دوستی کر لے گا اور سلطان ایوبی کو دھوکہ دے گا۔ اُس نے ابن لاعون کو ایسے سبز باغ دکھائے تھے کہ وہ پوری طرح اُس

کے جھانسے میں آ گیا تھا۔ اس کے بعد ابن لاعون اُسے ملنے قارا حصار آیا تھا۔ قارا حصار زرخیز اور سرسبز علاقہ تھا جسے دیکھ کر ابن لاعون کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔

اس سے چند ہی روز بعد سلطان ایوبی اپنی فوج کے ساتھ قارا حصار کے قریب جا کر خیمہ زن ہوا۔ اس کی فوج تھکی ہوئی تھی لیکن وہ آرام میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ حملے میں تاخیر ہو گئی تو ابن لاعون کو فوج کی آمد کی خبر مل جائے گی۔ اُسے توقع تھی کہ ابن لاعون کے ساتھ بڑا سخت مقابلہ ہو گا۔ اس خطرے کے پیش نظر اُس نے حلب کی فوج کو بھی بلا لیا تھا۔ یہ اُس معاہدے کے تحت تھا جو سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اُس کے ساتھ کیا تھا۔

آدھی رات سے کچھ دیر بعد سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو یلغار کے لیے کوچ کا حکم دیا۔ انٹیلی جنس رپورٹوں سے معلوم ہو گیا تھا کہ آرمینیوں کی چوکیاں کہاں کہاں ہیں اور ان میں کتنی کتنی نفری ہے۔ نفری جتنی بھی تھی وہ بے خبر پڑی تھی۔ عزالدین کی طرف سے تو اُنہیں حملے کا خطرہ ہی نہیں تھا اور سلطان ایوبی کا وہاں اتنی خاموشی سے پہنچ جانا، اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی یلغار سہ طرفی تھی۔ ہر حملہ آور کالم کے ساتھ عزالدین کے مہیا کیے ہوئے گائیڈ تھے۔ سلطان اُس کالم کے ساتھ تھا جس نے نہر الاسود (دریائے سیاہ) کی طرف سے حملہ کیا تھا۔

یہ دریا ابن لاعون کے ملک کی سرحد تھا۔ اس پر کشتیوں کا پُل بنا ہوا تھا۔ دریا کے کنارے آرمینیوں کا قلعہ مخاضتہ الاحزان تھا۔ ابن لاعون اسی قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے سر کرنے سے تمام تر علاقہ فتح ہو سکتا تھا۔ اسی لیے سلطان ایوبی اپنی فوج کے اس کالم کے ساتھ رہا۔ اس کی قیادت سلطان ایوبی کا بھتیجا فرخ شاہ کر رہا تھا جو غیر معمولی طور پر بہادر اور حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ دوسرے دو کالموں نے چوکیوں پر حملے کر کے دشمن کی فوج کو ہلاک یا قید کر لیا اور چوکیوں کو آگ لگا دی۔ دہشت پھیلانے کے لیے بعض بستیوں کو بھی آگ لگا دی گئی۔

ابن لاعون کی آنکھ اُس وقت کھلی جب سلطان ایوبی کے جانباز کمندیں پھینک کر قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے تھے اور منجنیقوں سے وزنی پتھر پھینک کر قلعے کا دروازہ توڑا جا چکا تھا۔ قلعے میں فوج سوئی ہوئی تھی۔ ابن لاعون دوڑ کر قلعے کے ایک مینار پر گیا۔ دُور اُسے آگ کے شعلے نظر آئے۔ وہ ابھی سوچ بھی نہ پایا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور وہ کیا کرے کہ سلطان ایوبی کا ایک جانباز جیش اُس پر ٹوٹ پڑا۔ اُس کے محافظوں نے مقابلہ خوب کیا لیکن مارے گئے اور ابن لاعون کو قید کر لیا گیا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب ابن لاعون کو سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ سلطان ایوبی حکم دے چکا تھا کہ قلعے کو مسمار کر دیا جائے۔ اس کی فوج اس کام کے لیے کافی نہیں تھی۔ عزالدین بھی سلطان ایوبی کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی کے کہنے پر ابن لاعون کے ہر طرف قاصد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ تمام فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب آ جائے..... فوج کے آنے تک سلطان ایوبی نے عزالدین کے کہنے پر ابن لاعون کے ساتھ صلح کی شرائط طے کر لیں۔ ان میں ایک یہ تھی کہ ابن لاعون اپنی آدھی فوج سلطان ایوبی کے حوالے کر دے۔ دوسری یہ کہ ابن لاعون کی فوج کی حد مقرر کر دی گئی۔ تیسری یہ کہ ابن لاعون سالانہ جزیہ دیتا رہے..... اور ایسی چند اور شرائط تھیں جنہوں نے ابن لاعون کو برائے نام حکمران رہنے دیا۔

جب ابن لاعون کی فوج ہتھیار ڈال کر قلعے کے قریب اکٹھی ہو گئی تو سلطان ایوبی نے اس فوج کو حکم دیا کہ قلعے کو اس طرح مسمار کر دے کہ اس کا یہاں نشان بھی نہ رہے۔ شکست خوردہ فوج نے اُسی وقت قلعہ مسمار کرنا شروع کر دیا اور سلطان ایوبی اپنی فوج کو مصافہ نام کے ایک گاؤں کے قریب لے گیا۔ اُس نے حلب کی فوج واپس بھیج دی اور اپنی فوج کو

آرام کی لمبی مہلت دی۔ ابن لاعون کو جو آدھی فوج اُس نے لے لی تھی، وہ عزالدین کو دے دی، مگر سلطان ایوبی کو معلوم نہ تھا کہ اُس کی فوج کی خیمہ گاہ جس سلسلۂ کوہستان کے دامن میں ہے، اس کے اندر اور اس کی بلندیوں پر بالڈون کی فوج آچکی ہے اور وہ عقاب کی طرح اس پر جھپٹنے کو پر تول رہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اس علاقے میں دیکھ بھال کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کیونکہ اُسے کسی فوج کا خطرہ نہیں تھا۔

تقریباً تمام مورخوں کی تحریروں سے حیرت کا اظہار ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی نے عزالدین کے پیغام پر کیوں اپنا اتنا بڑا پلان تبدیل کر کے ابن لاعون جیسے غیر اہم حکمران پر فوج کشی کی جس میں اُس نے بے شک فتح حاصل کی لیکن جو وقت اور جو فوج ضائع ہوئی، اُس کی قیمت زیادہ تھی۔ ارنول نام کا مورخ لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی اِردگرد کے خطروں کو کم کرنا چاہتا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگار جن میں اسد الاسدی قابل ذکر ہے، لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی عزالدین کا پیغام پڑھ کر جذبات کے غلبے میں آ گیا تھا۔ بہر حال جنگ کے ماہرین نے سلطان ایوبی کے اس حملے کو سراہا نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ قریب ہی کہیں شاہ بالڈون کی فوج ہے جو سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر سکتی تھی جب وہ ایک ہی رات میں حاصل کی ہوئی فتح کے مابعد کے انتظامات میں مصروف تھا۔ مؤرخ اس پر بھی حیران ہیں کہ بالڈون نے اپنی فوج کو اُس وقت پہاڑی علاقے میں جنگی ترتیب میں پھیلا دیا تھا، جب سلطان ایوبی کی فوج پہاڑیوں کے دامن میں خیمے گاڑ رہی تھی۔ شاہ بالڈون نے حملے میں تاخیر کی۔ کسی بھی مورخ کو معلوم نہیں کہ یہ اس کی شاہانہ حماقت تھی یا کوئی مجبوری، اگر وہ اُسی وقت حملہ کرتا تو سلطان ایوبی کی حالت وہی ہوتی جو رملہ میں ہوئی تھی۔ شکست اور پسپائی!

☆

سلطان ایوبی کو وہاں خیمہ زن ہونے کے بعد بھی پتہ نہ چلا کہ شاہ بالڈون اس کے سر پر بیٹھا دانت تیز کر رہا ہے۔ بلندیوں سے بالڈون کے دیکھ بھال والے آدمی سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کو دیکھتے رہتے اور بالڈون کو بتاتے رہتے تھے۔ یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ سلطان ایوبی کا جاسوسی اور دیکھ بھال کا نظام ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

تبریز بھی اس فوج کے ساتھ تھا۔ وِیرا نے ابھی تک اُسے بتایا نہیں تھا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ کیوں لے آئی ہے۔ وہ شاید اُسے عیسائی بنا کر جاسوس بنانا چاہتی تھی۔ اُس میں دونوں باتیں تھیں۔ صلیب کی وفاداری بھی اور تبریز کی محبت بھی۔ شاہ بالڈون کو تبریز کے ساتھ کوئی دلچسپی تھی یا نہیں اُسے وِیرا کے ساتھ گہری دلچسپی تھی کیونکہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ ایک روز وِیرا نے بالڈون سے کہا تھا کہ وہ اُسے اُس کے ہیڈ کوارٹر میں بھیج دے جو عکرہ میں تھا۔ بالڈون نے اُسے روک گیا تھا۔

یہ اُس جگہ کی باتیں ہیں جو حمص کے قریب تھی۔ ایک روز بالڈون کو جاسوسوں نے اطلاع دی کہ سلطان ایوبی کی فوج تَل خالد کو جا رہی ہے۔ بالڈون کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان ایوبی ابن لاعون پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ وہ اس علاقے سے واقف تھا۔ اُس نے فوراً اپنی فوج کو مصافہ کی پہاڑیوں کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اُس کا پلان یہ تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو اِن پہاڑیوں میں گھسیٹ کر لڑائے گا۔ اس پلان کے مطابق اُس نے پہاڑیوں کی موزوں بلندیوں اور ڈھکی چھپی جگہوں میں اپنی فوج کو پھیلا دیا۔ یہ بہت بڑے پیمانے کی گھات تھی۔

اُس نے جب حمص کے قریب کی خیمہ گاہ سے کوچ کا حکم دیا تھا تو وِیرا نے اُسے کہا کہ وہ اُس کے پاس پناہ لینے آئی تھی۔ تبریز کے متعلق اُس نے بالڈون کو ساری کہانی سنا کر بتایا تھا کہ وہ اُسے کیوں ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہے۔ اب جبکہ بالڈون لڑنے کے لیے جا رہا تھا، وِیرا اور تبریز کا اُس کے ساتھ رہنے کا کوئی مقصد نہیں تھا مگر بالڈون نے وِیرا کو نہ جانے دیا۔

''میرے ہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں''۔ بالڈون نے کہا...... ''مگر تم پہلی لڑکی ہو جس نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم میرے پاس ہوتی ہو تو مجھے روحانی سکون محسوس ہوتا ہے۔ تم کچھ عرصہ اور میرے ساتھ رہو''۔

ویرا اپنے بادشاہوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بالڈون کی نیت کو سمجھنا، اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ اُس نے صاف الفاظ میں اُسے کہہ دیا...... ''اگر بات روحانی سکون کی ہے تو مجھے یہ سکون اس مسلمان سے ملتا ہے، جس کا سارا کنبہ قتل کرا کے میں اُسے ساتھ ساتھ لیے پھرتی ہوں۔ میں بتا نہیں سکتی کہ میں نے اسے اس کے کنبے کے قتل سے بے خبر رکھنے کا جو گناہ کیا ہے، اس کا کفارہ میرا ضمیر مجھ سے کس طرح ادا کرائے گا''۔

''تمہاری بھی روح ہے؟'' بالڈون نے طنزیہ کہا...... ''تمہارا ضمیر ہے؟ راتیں مسلمان اُمراء کے ساتھ گزارنے والی گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی بھی سوچ سکتی ہے؟''

''آپ کے سامنے میں صرف جسم ہوں، دلکش جسم''...... ویرا نے کہا۔ ''اور جب میں تبریز کے پاس ہوتی ہوں تو روح ہوتی ہوں، پیار کی پیاسی روح''۔

بالڈون بادشاہ تھا۔ اُس نے بادشاہوں کی طرح حکم دیا...... ''تم میرے ساتھ رہو گی''...... اس نے دربان کو بلا کر کہا...... اس مسلمان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دو جو ہماری خیمہ گاہ میں رہتا ہے''۔

اور جب بالڈون مصافہ کی پہاڑیوں میں پہنچا، تب تبریز زنجیروں میں بندھا ہوا قیدی تھا اور ویرا ایسی قیدی جسے زنجیر نہیں ڈالی گئی تھی، وہ محافظوں کے پہرے میں تھی۔ یہاں آ کر بالڈون اپنی فوج کے ڈیپلائے میں مصروف ہو گیا۔ فارغ ہوا تو اُس نے ویرا کو تڑپانا شروع کر دیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ تبریز کو اپنے سامنے بلا لیتا۔ ویرا کو سامنے کھڑا کر لیتا اور حکم دیتا کہ تبریز کو کوڑے مارے جائیں۔ کوڑے تبریز کی پیٹھ پر پڑتے تو چیخیں ویرا کی نکل جاتی تھیں۔ بالڈون ویرا سے کہتا...... ''تم اپنے آپ کو مجھ سے بچا نہیں سکتیں، میں تمہیں اس زبان درازی کی سزا دے رہا ہوں جو تم نے میرے ساتھ کی تھی''۔

تبریز تو جیسے گونگا اور بہرہ ہو گیا تھا۔ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ اُسے یہ سزا ویرا دلا رہی ہے۔ ویرا کی چیخوں اور آہ و زاری سے وہ سمجھ گیا کہ ویرا بھی مظلوم ہے۔ تبریز برداشت کرتا مگر ایک روز ویرا کی برداشت ٹوٹ گئی۔ وہ بالڈون کے پاس چلی گئی۔ اُس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ جب تک کہیں گے اور جس طرح کہیں گے، آپ کے ساتھ رہوں گی۔ تبریز کو چھوڑ دیں۔ بالڈون کے حکم سے تبریز کی زنجیریں کھول دی گئیں اور اُس کی مرہم پٹی کا انتظام کر دیا گیا۔ ویرا شاہ بالڈون کی تنہائی کی رونق بن گئی۔

چند دنوں بعد بالڈون نے رات، شراب اور ویرا کے حسن سے بدمست ہو کر اُسے کہا...... ''اگر میں صلاح الدین ایوبی کو تبریز کی طرح زنجیروں میں باندھ کر تمہارے سامنے کھڑا کر دوں تو مان جاؤ گی کہ میں اتنا بوڑھا نہیں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو؟''۔

''میں صلاح الدین ایوبی سے کہوں گی کہ میں ملکۂ بالڈون ہوں''...... ویرا نے کہا...... ''اپنی تلوار میرے قدموں میں رکھ دو''۔

''دو روز بعد میں تمہیں یہ کر کے دکھا دوں گا، جو میں نے کہا ہے''...... بالڈون نے کہا۔

''ممکن نظر نہیں آتا''...... ویرا نے کہا

''تم نے دیکھا نہیں کہ صلاح الدین ایوبی نے میرے قدموں میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے؟''...... بالڈون نے

کہا......''پرسوں صبح کی تاریکی میں ہم اُس پر حملہ کریں گے۔ پیشتر اس کے کہ اسے معلوم ہو کہ یہ کیا ہوا ہے، وہ میرا قیدی ہوگا۔ اُسے میری موجودگی کا علم نہیں''۔

☆

تبریز آزاد تھا۔ اس کے متعلق بالڈوِن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ چلا جائے، رہے یا کیا کرے۔ وہ شاہی مہمان بنا ہوا تھا۔ صبح طلوع ہوئی تو وِیرا تبریز کے خیمے میں گئی۔ تبریز بے تابی سے اُسے ملا اور اس پر برسا۔

''زیادہ باتوں کا وقت نہیں'' ......وِیرا نے اُسے کہا......''میں آج تمہارے احسان کا صلہ اور تمہاری محبت کا جواب دینا چاہتی ہوں۔ میں جو کہتی ہوں وہ کرنا۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں۔ تمہارا حمص تباہ ہو چکا ہے۔ وہاں نہ جانا، وہاں کھنڈر ہوں گے اور تمہیں وہاں اپنے گھر والوں کی ہڈیاں ملیں گی'' ......اُس نے تبریز کو اس تباہی کی اور تبریز کو بچانے کی تفصیل سنا کر کہا...... ''تمہیں بالڈوِن کی فوج سے انتقام لینا ہے۔ آج رات اس طرح پہاڑی علاقے سے نکل جاؤں کہ تمہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔ صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ صلیبی فوج تمہارے سر پر بیٹھی ہے اور پرسوں تم پر حملہ کرے گی'' ......وِیرا نے اُسے بالڈوِن کے حملے کا سارا پلان بتا دیا اور کہا......''اب میری طرف نہ دیکھو، ورنہ یہاں سے ہل نہیں سکو گے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہماری منزلیں جدا جدا ہیں۔ آج ہم دونوں نے اپنی اپنی منزل پا لی ہے''۔

اگر وِیرا اُسے حمص کی تباہی اور قتلِ عام کی کہانی نہ سناتی تو تبریز وہاں سے اتنی جلدی نہ چلتا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لے کر وِیرا سے جُدا ہوا......شام تاریک ہوتے ہی وہ چپکے سے نکلا اور بچتا بچاتا نکل آیا۔ سلطان ایوبی کی فوج کی خیمہ گاہ میں آیا اور کہا کہ وہ سلطان کے پاس جانا چاہتا ہے۔ اسے وہاں پہنچا دیا گیا۔ سلطان ایوبی نے اُس کی ساری داستان تحمل سے سنی اور اُس سے بالڈوِن کی فوج اور اُس کے پلان کے متعلق پوری اطلاع لی۔ اس نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلایا اور ضروری احکام دیئے۔

شاہ بالڈوِن نے تیسری رات کے آخری پہر سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ پر حملہ کیا، مگر وہ صرف خیمے تھے، فوج نہیں تھی۔ اچانک فضا میں فلیتے والے تیروں کے شرارے اُڑے اور خیموں پر گرے۔ خیمے جن کے اندر خشک گھاس اور اس پر آتش گیر سیال چھڑکا ہوا تھا۔ مہیب شعلے بن گئے۔ بالڈوِن نے یہ حالت دیکھی تو اُس نے اپنے مزید دستوں کو حملے کے لیے بھیجا۔ اُن پر دائیں اور بائیں سے تیروں کی بوچھاڑیں پڑیں۔ صبح ہوگئی، بالڈوِن کی اس فوج پر جو وادیوں میں چھپی ہوئی تھی، حملہ ہو گیا۔ تب بالڈوِن کو احساس ہوا کہ اُس نے سلطان ایوبی کو بے خبری میں نہیں لیا بلکہ وہ خود سلطان ایوبی کی گھات میں آگیا ہے۔

بالڈوِن ایک بلندی پر جا کھڑا ہوا اور اپنی فوج کا حشر دیکھنے لگا۔ عقب سے اُس پر تیر آئے مگر وہ اس کے دو محافظوں کو لگے۔ وہ بھاگ کر نیچے اُترا تو آگے سے سلطان ایوبی کے سپاہی آگئے۔ بالڈوِن ایک تنگ سے راستے سے نکل بھاگا۔

اکتوبر ۱۱۷۹ء (۵۷۵ ہجری) کے اس معرکے میں بالڈوِن قیدی ہوتے ہوتے بچا۔ سلطان ایوبی نے رملہ کی شکست کا انتقام لے لیا جس سے اس کی فوج کا حوصلہ بلند اور خود اعتمادی بحال ہوگئی......اور وِیرا اور تبریز تاریخ کی تاریکیوں میں روپوش ہوگئے۔

......❁......

جب بیٹا مر رہا تھا

رضیع خاتون کو خادمہ نے اطلاع دی کہ اُسے اُس کی بیٹی شمس النساء ملنے آئی ہے۔ رضیع خاتون کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ پھر ان آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ماں بیٹی اُس وقت جدا ہوئی تھیں، جب بیٹی کی عمر نو سال تھی۔ اب بیٹی پندرہ سال کی ہو چکی تھی۔ ماں کو دوڑ کر باہر نکل جانا اور اپنی بچھڑی ہوئی بیٹی کو سینے سے لگا لینا چاہیے تھا مگر ماں نے غصے سے پوچھا...... ''وہ کیوں آئی ہے؟''۔

''آپ سے ملنے آئی ہے خاتون!''...... خادمہ نے کہا...... ''شاید آپ کے پاس واپس آ گئی ہے''۔

ماں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ خادمہ منتظر کھڑی تھی۔ ماں نے کہا...... ''اُسے کہو واپس چلی جائے، اپنے غدار بھائی کے پاس جائے۔ میرے سامنے آنے کی جرأت نہ کرے''۔

''یہ تو اُس وقت بچی تھی جب آپ کا بیٹا اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا''...... خادمہ نے کہا۔ ''معصوم بچی کو کیا معلوم تھا کہ بھائی اسے کہاں لے جا رہا ہے''۔

''میں جانتی ہوں، اسے بھائی نے بھیجا ہے''...... رضیع خاتون نے کہا...... ''اور میں یہ بھی جانتی ہوں، کیوں بھیجا ہے۔ میرا بیٹا غدار اور بے غیرت ہے...... میں بیٹی سے نہیں ملوں گی''۔

رضیع خاتون نور الدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ آپ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ اسلام کی عظمت کا پاسبان نور الدین زنگی فوت ہو گیا تو اس کے اُمراء، وزراء اور بعض فوجی حکام نے من مانی کرنے کے لیے اس کے بیٹے الملک الصالح کو سلطان بنا دیا تھا۔ الصالح کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ شمس النساء اس کی چھوٹی بہن تھی۔ عمر آٹھ نو سال تھی۔ زنگی مرحوم کی سلطنت کے تحت بعض اُمراء اور قلعہ داروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور وہ بغداد کی خلافت تک سے آزاد ہو گئے۔ ان سب نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی مصر میں تھا۔ زنگی مرحوم اور سلطان ایوبی کے خلاف ان اُمراء وغیرہ کو یہ شکایت تھی کہ ان دونوں نے عیش و عشرت ممنوع قرار دے رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے جینے کا مقصد صرف یہ بنا رکھا تھا کہ صلیبیوں کے عزائم کو تہس نہس کریں گے، فلسطین کو آزاد کرائیں گے اور سلطنتِ اسلامیہ کو وسعت دیں گے۔

باغی اُمراء پر صلیبیوں کے اثرات بھی تھے۔ اسی لیے وہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ صلیبیوں کی بھیجی ہوئی لڑکیوں اور زر و جواہرات نے ان کا ایمان خرید لیا تھا۔ نور الدین زنگی تو فوت ہو ہی گیا تھا، اب یہ لوگ سلطان ایوبی کو شکست دے کر اس کی حکمرانی کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ زنگی مرحوم کی آدھی فوج باغی کر لی گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ صرف سات سو سواروں کے ساتھ دمشق میں داخل ہوا۔ شہریوں نے اس کا استقبال کیا۔ شہر کے قاضی نے اسے شہر کی چابی دے دی، مگر فوج کا جو حصہ باغی تھا، وہ لڑا۔ یہ خانہ جنگی تھی۔ نور الدین زنگی کی بیوہ سلطان ایوبی کی حامی

تھی۔ وہ اپنے خاوند کے مقاصد کی تکمیل چاہتی تھی۔

ایک ہی رات میں باغی فوج کو شکست ہوئی۔ رات ہی رات الملک الصالح، اُس کے حاشیہ بردار اُمراء، دو تین سالار اور باغی فوج دمشق سے بھاگ کر حلب چلے گئے۔ الملک الصالح اپنی بہن شمس النساء کو بھی ساتھ لے گیا۔ جن اُمراء اور قلعہ داروں نے خودمختاری کا اعلان کیا، ان میں حرن کا قلعہ دار گمشتگین اور موصل کا امیر سیف الدین غازی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ الملک الصالح نے حلب کو اپنا دارالحکومت بنالیا، پھر یہ شہر اس کی فوج، گمشتگین اور سیف الدین کی افواج کا مشترکہ ہیڈکوارٹر بن گیا۔ ان سب کے پاس صلیبی مشیر آ گئے۔ ان کے ساتھ شراب اور لڑکیاں بھی آئیں جو صرف خوب صورت ہی نہیں تھی بلکہ جاسوسی اور ذہنی تخریب کاری کی ماہر تھیں۔ صلیبیوں نے انہیں برائے نام جنگی مدد بھی دی اور اپنی پراپیگنڈہ مشینری کو اس طرح استعمال کیا کہ ان کے دلوں میں سلطان ایوبی کی مخالفت پختہ ہوگئی۔

نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون دمشق میں رہی جہاں اُس نے لڑکیوں کو فوجی ٹریننگ دینے کا انتظام کرلیا اور اُس نے جہاں ضرورت پڑی، ان لڑکیوں کو استعمال کیا۔ وہ جوانی کی عمر میں تھی۔ اُس کا خاوند مر چکا تھا، اُس کے دو ہی بچے تھے۔ دونوں اس سے چھن گئے۔ وہ معصوم بچے تھے۔ ماں نے سینے پر سل رکھ لی اور اپنے آپ کو یہ یقین دلالیا کہ اس کے بچے بھی مر گئے ہیں مگر کبھی کبھی ماممتا اُبھر آتی تھی اور اُس کے آنسو نکل آتے۔ سلطان ایوبی نے اپنے جاسوس حلب، حرن اور موصل میں بھیج دیئے تھے۔ وہ بڑی خطرناک اطلاعیں بھیج رہے تھے۔ وہاں صلیبیوں کی زیرنگرانی زور وشور سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں ہورہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے مصر سے فوج بلالی۔ دمشق کی فوج کا بڑا حصہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے پہلے تو تمام باغی اُمراء کو پیغام بھیجے کہ وہ عظمتِ اسلام کی خاطر صلیبیوں کے ہاتھوں میں نہ کھیلیں اور اُس کا ساتھ دیں تاکہ صلیبیوں کو عالمِ اسلام سے بے دخل کر کے یورپ پر چڑھائی کی جائے مگر اُن ایمان فروشوں نے سلطان ایوبی کے ایلچیوں کا مذاق اُڑایا اور جواب دیئے بغیر واپس بھیج دیا۔ گمشتگین نے جو قلعہ دار سے خودمختار حاکم بن گیا تھا، سلطان ایوبی کے دو ایلچیوں کو قید میں ڈال دیا۔

سلطان ایوبی نے پیش قدمی کی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ دمشق سے دُور تک اُسے رخصت کرنے گھوڑے پر سوار اُس کے ساتھ گئی اور بوقت رخصت کہا...... ''اگر میرا بیٹا تمہارے تیر اور تلوار کی زد میں آئے تو بھول جانا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ وہ غدار ہے۔ اُس کی لاش ملے تو دفن نہ کرنا۔ گِدھوں اور گیدڑوں کے آگے پھینک دینا''...... ماں کی آنکھیں خشک تھیں لیکن سلطان ایوبی کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے۔ رضیع خاتون اُس سے چھوٹی تھی۔ اُس نے سلطان ایوبی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما اور کہا...... ''اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے''...... وہ بہت دیر تک فوج کو جاتے دیکھتی رہی تھی۔

یہاں سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا طویل اور خون میں ڈوبا ہوا دور شروع ہوگیا۔ آپ ان تمام لڑائیوں کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں جو سلطان ایوبی کو مسلمان اُمراء کے خلاف لڑنی پڑیں۔ صلیبیوں نے یہ پلان بنایا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی بجائے انہیں آپس میں لڑایا جائے اور ان کے اتحاد کے ساتھ ساتھ ان کی جنگی طاقت کو بھی ختم کیا جائے۔ اس دوران انہوں نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے سلطان ایوبی پر قاتلانہ حملے بھی کرائے۔ اللہ نے ہر بار سلام کی عظمت کے اس پاسبان کو بچالیا۔ مسلمان تین چار سال آپس میں لڑلڑ کر مرتے رہے۔ سلطان ایوبی کو خدائے والجلال نے ہر میدان میں فتح عطا فرمائی۔ ایک لڑائی میں زنگی کی بیوہ کی بھیجی ہوئی سینکڑوں لڑکیوں نے بھی معرکہ لڑا اور معرکے کا پانسہ پلٹ دیا تھا مگر سلطان ایوبی نے سختی سے حکم دے دیا کہ آئندہ کوئی عورت میدان جنگ میں نہ آئے۔

آخری معرکے میں سلطان ایوبی حلب تک جا پہنچا اور حلب کا دفاعی قلعہ اعزاز لے لیا۔ الملک الصالح نے اپنی بہن شمس النساء کو اپنے ایلچیوں کے ساتھ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے معاہدے کے لیے بھیجا اور بہن سے یہ بھی کہلوایا کہ اعزاز کا قلعہ انہیں واپس دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے بچی کو گلے لگا لیا۔ الملک الصالح کی پیش کش منظور کر لی۔ اعزاز کا قلعہ بچی کو دے دیا۔ چند اور شرائط طے کر کے الملک الصالح کو حلب کا نیم خودمختار حکمران رہنے دیا۔ ان شرائط میں یہ بھی تھا کہ سلطان ایوبی کو جب فوج کی ضرورت پڑے گی، الملک الصالح اسے فوج دے گا۔ یہ صلح کا معاہدہ تھا۔ گمشتگین کو الملک الصالح نے اپنے خلاف سازش کے جرم میں مروا دیا تھا۔ باقی اُمراء نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی۔

پچھلی قسط میں آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے قارا حصار کے حکمران ابن الاعون کو شکست دی۔ اس جنگ میں معاہدے کے مطابق حلب سے بھی فوج بھیجی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے ایک صلیبی بادشاہ بالڈون کو جو سلطان ایوبی پر حملہ کرنے آیا تھا، بہت ہی بُری شکست دی۔ بالڈون قید ہوتے ہوتے بچا اور اُس کی فوج کا انجام بہت ہی بُرا ہوا۔ اب سلطان ایوبی انہی علاقوں میں کہیں خیمہ زن تھا اور صلیبی اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اُس کی اگلی پیش قدمی کس طرف ہوگی۔

☆

نومبر ۱۱۸۱ء (رجب ۵۷۷ ہجری) کا واقعہ ہے کہ الملک الصالح کی چھوٹی بہن شمس النساء حلب سے دمشق اپنی ماں کو ملنے آئی۔ وہ ماں سے جدا ہوئی تو اس کی عمر آٹھ نو سال تھی۔ اب وہ پندرہ سولہ سال کی جوان لڑکی تھی۔ الملک الصالح سترہ اٹھارہ سال کا جوان ہو گیا تھا۔ شمس النساء کے ساتھ محافظ بھی تھے۔ خادمہ نے نورالدین زنگی کی بیوہ کو بتایا کہ اُس کی بیٹی آئی ہے۔ اُس نے بیٹی سے ملنے سے انکار کر دیا۔ خادمہ بھی عورت تھی۔ اُس نے رضیع خاتون کو قائل کرنے کے لیے ممتا کا واسطہ دیا اور کہا..... ''وہ اتنی دُور سے اتنے عرصے بعد آئی ہے، اسے اندر بلا کر کہہ دیں کہ وہ چلی جائے''۔

''ممتا مر چکی ہے''..... رضیع خاتون نے کہا۔

اتنے میں کمرے میں ایک نوجوان لڑکی داخل ہوئی۔ اس کے چہرے، بالوں اور کپڑوں پر گرد کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ لمبے سفر سے آئی ہے۔ رضیع خاتون نے حیران ہو کر اُسے دیکھا اور پوچھا..... ''تم کون ہو؟''

لڑکی خاموش کھڑی رہی۔ خادمہ ایک طرف ہٹ گئی۔ رضیع خاتون آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ اُس کے بازو اپنے آپ ہی پھیلتے جا رہے تھے۔ اس کے منہ سے سرگوشی نکلی..... ''تم میری بچی ہو۔ شمس النساء، میری شمسی''..... وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی..... ''تم اتنی بڑی ہو گئی ہو''..... شمس النساء دروازے کے پاس خاموش کھڑی رہی۔

رضیع خاتون اپنی بیٹی سے دو تین قدم دُور رہ گئی تو رُک گئی۔ اس کے پھیلے ہوئے بازو اُس کے پہلوؤں میں گر پڑے۔ اُس کے ہونٹوں سے مُسکراہٹ غائب ہو گئی۔ دو تین قدم آگے جانے کی بجائے وہ دو تین قدم پیچھے ہٹ آئی۔ اُس کے دانت جو مُسکرائے تھے، غصے سے پسنے لگے۔ ممتا جو اپنے آپ بیدار ہو گئی تھی، اپنے آپ بجھ گئی۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟''..... ماں نے دبی ہوئی مگر قہر بھری آواز میں پوچھا۔

''ماں!''..... شمس النساء نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور بازو پھیلا کر آگے بڑھی..... ''میں آپ سے ملنے آئی ہوں، میں نے بارہ روز کی مسافت تین دنوں میں طے کی ہے''۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟''..... ماں نے بلند آواز سے پوچھا اور کہا..... ''دُور کھڑی رہو۔ میں صلیبیوں کے

سائے میں پلی ہوئی لڑکی کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی''۔

''ماں! میری بات سن لو''...... بیٹی نے منت کی...... ''میرے اوپر جو گرد پڑی ہے، اسے دیکھو''۔

''اس گرد سے مجھے مجاہدینِ اسلام کے خون کی بو آ رہی ہے''...... ماں نے کہا...... ''یہ اُن مجاہدین کا خون ہے جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ یہ خانہ جنگی کا خون ہے''۔

''ماں!''...... شمس النساء دوڑ کر آگے آئی اور ماں کے قدموں میں گر پڑی۔ رو رو کر کہنے لگی...... ''بھائی الملک الصالح مر رہا ہے۔ شاید مر چکا ہو۔ وہ آپ کو بلا رہا ہے۔ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اُس نے مجھے بھیجا ہے۔ اُس نے کہا کہ ماں کو لے آؤ، میں اُس سے دودھ کی دھاریں اور گناہ بخشواؤں گا''۔

''میں اُسے دودھ کی دھاریں بخش سکتی ہوں''...... ماں نے کہا...... ''اُسے وہ خون کون بخشے گا جو اُس نے مسلمان کی اولاد ہو کر مسلمانوں کا بہایا ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی غداری کا گناہ نہیں بخش سکتی''۔

''ماں! وہ آپ کا اکلوتا بیٹا ہے''...... شمس النساء نے کہا۔ ''وہ آپ کے عظیم شوہر کی نشانی ہے''۔

''اُس نے باپ کی عظمت کو صلیبیوں کے قدموں تک پھینک دیا ہے''...... ماں نے کہا۔

''وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر چکا ہے''...... شمس النساء نے کہا...... ''اُن کی اب آپس میں کبھی لڑائی نہیں ہوگی''۔

''کیا تم مجھے حلفیہ بتا سکتی ہو کہ اُس کے ہاں کوئی صلیبی موجود نہیں؟''...... ماں نے گرج کر بیٹی سے پوچھا...... ''کیا اُس کے حرم میں کوئی صلیبی اور یہودی لڑکی نہیں؟ وہ اب اٹھارہ سال کا جوان ہوگا، اُس کے نیچے اب گھوڑا بھی محسوس کرتا ہوگا کہ پیٹھ پر کوئی مرد سوار ہے۔ مجھے یقین دلا دو کہ میرے بیٹے کے دربار سے صلیب کے مکروہ سائے اُٹھ گئے ہیں تو تم نے بارہ روز کی جو مسافت تین دنوں میں طے کی ہے، وہ میں ڈیڑھ دن میں طے کر کے اپنے بیمار بیٹے کے پاس پہنچوں گی''۔

''وہ اب کسی لڑکی کو دیکھنے کے بھی قابل نہیں رہا ماں!''بیٹی نے کہا۔ ''اُس کی زندگی کے لیے دعا کرو''۔

''میں دعا نہیں کروں گی''...... ماں نے کہا...... ''اور میں بد دعا بھی نہیں دوں گی''...... اُس کی آواز کو جذبات نے دبا لیا۔ وہ رقت میں دبی ہوئی آواز میں بولی...... ''ماں بد دعا نہیں دیا کرتی لیکن ماں کی آہوں کو خدائے ذوالجلال نظر انداز بھی نہیں کیا کرتے۔ میں روزِ محشر اُن ہزاروں شہیدوں کی ماؤں، بیویوں اور بیٹیوں کے آگے شرمسار بھی نہیں ہونا چاہتی، جو میرے بیٹے کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں۔ میں ان شہیدوں کی مقدس روحوں کو اپنی مامتا کے خون کا خراج دوں گی''۔

''وہ اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہا ہے ماں!''...... بیٹی نے روتے اور چلاتے ہوئے کہا۔

''یہ بھی مجھے فریب نظر آتا ہے''...... ماں نے کہا...... ''مجھے معلوم ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حلب کو تہہ تیغ کر لیا تو اُس نے تمہیں صلاح الدین ایوبی کے پاس اعزاز کے قلعے کی بھیک مانگنے کو بھیجا تھا۔ اس عظیم سلطان نے تمہیں اپنی بچی سمجھ کر قلعہ تمہیں بخش دیا تھا۔ الصالح خود سلطان کے سامنے کیوں نہیں آیا تھا؟ اُس نے شکست کھائی تھی تو اُسے اپنے گناہوں سے شرمسار ہونا چاہیے تھا۔ اُسے خود آ کر اپنی تلوار ایوبی کے قدموں میں رکھ دینی چاہیے تھی۔ ایوبی اُس کا دشمن نہیں تھا۔ اُسے وہ ماموں جان کہا کرتا تھا، مگر اپنا ایمان نیلام کر دینے والوں میں اپنے گناہوں کا سامنا کرنے کی جراٴت نہیں ہوتی۔ وہ بزدل اور فریب کار ہو جاتے ہیں۔ عیار اور مکار ہو جاتے ہیں''۔

''پتھر دل نہ بنو ماں!''...... شمس النساء نے کہا۔

''ہر وہ شہید جو اس خانہ جنگی میں شہید ہوا ہے، اُس کی ماں نے دِل پر پتھر رکھا ہوا ہے''...... ماں نے کہا...... ''وہ کسی کو بتاتے ہوئے شرمسار ہوتی ہے کہ انہوں نے جو بیٹے اسلام کے دشمنوں کے خلاف لڑنے کے لیے بھیجے تھے، وہ آپس میں لڑ کر مارے گئے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟...... میرا بیٹا!''

''وہ اُس وقت بہت چھوٹا تھا ماں!''

''تو میرے پاس رہتا''...... ماں نے کہا...... ''اُس کا شعور جب بیدار ہو گیا تھا تو میرے پاس آ جاتا۔ حلب سلطان ایوبی کے حوالے کر دیتا...... تم چلی جاؤ۔ تم جلدی چلی جاؤ۔ اگر اسلام کی مائیں جذبات میں اُلجھ گئیں تو اللہ کی راہ میں کوئی بیٹا شہید نہیں ہوگا۔ میں ماں کو مار چکی ہوں۔ ماں شہید ہو چکی ہے''۔

''مائیں اپنی بیٹیوں کو یوں رخصت کیا کرتی ہیں ماں؟''

''تو میرے پاس رہو''...... ماں نے کہا...... ''اگر اس شرط پر کہ میرے سامنے بھائی کا کبھی نام نہیں لوگی''۔

''ماں! یہ ممکن نہیں''...... بیٹی نے کہا...... ''جس بھائی نے مجھے پالا پوسا ہے، اُس کا نام میں کیوں نہیں لوں گی''۔

''تو اُسی کے پاس چلی جاؤ''...... ماں نے کہا...... ''تم صلیبیوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئی ہو، یہاں کی بیٹیوں کو دیکھو۔ اسلام کے نام پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔ میں جب انہیں جنگی تربیت دیتی اور انہیں ڈانٹتی اور جھڑکتی ہوں تو ڈرتی ہوں کہ اُن میں سے کوئی مجھے یہ نہ کہہ بیٹھے کہ ذرا اپنی بیٹی کی بھی خبر لو...... کیا تم اس غلیظ حقیقت کو جھٹلا سکتی ہو کہ میرا بیٹا صلیبیوں کے ساتھ بیٹھ کر شراب پیتا ہے اور اُس کے حرم میں صلیبی اور یہودی لڑکیاں ہیں؟''

شمس النساء کا سر جھک گیا۔ وہ انکار نہ کر سکی۔

''اپنی ماں کے گھر کا کھانا قبول کر لو اور جاؤ''...... ماں نے کہا...... ''اگر میرا بیٹا زندہ ہوا تو اُسے کہنا کہ ماں نے تمہیں دودھ کی دھاریں بخش دی ہیں مگر شہیدوں کا خون نہیں بخشا۔ اُسے کہنا کہ تمہارے سینے میں صلیبیوں کا تیر اُتر گیا ہوتا اور تم سلطنتِ اسلامیہ کے جھنڈے کے سائے میں گر کر جان دیتے تو تمہاری ماں اُڑ کر پہنچتی اور تمہاری لاش کو سینے سے لگا کر دمشق لاتی اور فخر سے کہتی کہ یہ ہے میرے شہید بیٹے کا مزار...... اب میں کیا کہوں؟ ماں کا فخر بیٹے نے چھین لیا ہے''۔

شمس النساء کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اُس نے سر اُٹھایا تو اُس کے رخساروں پر گرد کی جو تہہ جمی ہوئی تھی، اس میں سے آنسوؤں نے ندی کی طرح راستہ بنا لیا تھا۔ اس نے دو زانو ہو کر ماں کے کُرتے کا دامن پکڑا، چوما، آنکھوں سے لگایا اور اُٹھ کر کہا...... ''وہ میرا بھائی ہے۔ بچپن کا ساتھی ہے۔ شاید زندہ نہ رہے۔ میں اُس کے پاس ضرور جاؤں گی۔ طبیبوں نے کہہ دیا ہے کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں اُس کے کفن دفن کے بعد آپ کے قدموں میں آ بیٹھوں گی''۔

''کس لیے؟''...... ماں نے طنزیہ پوچھا۔

''اُس بچے کو جنم دینے کے لیے جو اللہ کی راہ میں شہید ہوگا''...... بیٹی نے کہا...... ''آپ کے بیٹے کے عوض میں آپ کو ایک بچہ دوں گی جس کی قبر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر آپ فخر سے کہہ سکیں گی کہ یہ میرے شہید بیٹے کا مزار ہے...... میں آؤں گی ماں، میں آؤں گی۔ میری شادی کا انتظام کر رکھنا۔ میں آنکھیں بند کر کے آئی تھی، آنکھیں کھول کر جا رہی ہوں۔ مجھے اجازت دو کہ بھائی کو اپنے ہاتھوں کفن پہنا سکوں...... الوداع ماں! الوداع''۔

لڑکی جو دبے پاؤں، آہستہ آہستہ چلتی اندر آئی تھی، سینہ پھیلا کر، گردن تان کر لمبے لمبے ڈگ بھرتی کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون اُسے دیکھتی رہی۔ دروازہ بند ہوا تو اُس نے بازو پھیلا دیئے اور وہ دروازے تک گئی۔ اُس کے منہ

سے چیخ نکلی...... ''میری بچی!''...... اُس نے دروازہ ذرا سا کھولا۔ باہر سے اُسے اپنی بچی کی آواز سنائی دی جو بڑی ہی گرج دار تھی...... ''بن آذر! تمام سواروں کو جلدی بلاؤ، حلب کو واپسی کے لیے، فوراً''۔

ذرا سی دیر بعد ماں نے ذرا سے کھلے ہوئے کواڑ میں سے دیکھا۔ اُس کی بیٹی گھوڑے پر سوار آٹھ سواروں کے آگے چلی جا رہی تھی جو اُس کے حکم پر تیز ہو گئے۔ رضیع خاتون نے کواڑ بند کر دیا اور اُس کی ہچکی بندھ گئی۔ خادمہ اندر آئی تو رضیع خاتون نے روتے ہوئے کہا...... ''وہ بھوکی چلی گئی ہے''۔

☆

یہ نومبر ۱۱۸۱ء کا واقعہ ہے جب ماں بیٹی کی ملاقات ہوئی تھی۔ دو سال پہلے کا واقعہ ہے جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ابن لاعون کو ایسی شکست دی کہ اُس کا قلعہ اُسی کی فوج کے جنگی قیدیوں سے اس طرح مسمار کرا دیا تھا کہ اس کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ اس کا ملبہ دریا میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ بالڈون کو شکست دی تھی۔ یہ دراصل ایک مسلمان جاسوس کا کارنامہ تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو بروقت اطلاع دے دی تھی کہ فوج فلاں پہاڑی مقام پر گھات میں بیٹھی ہے۔ آپ نے ان دونوں جنگوں کی تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھی ہیں۔

یہ بالڈون کی دوسری پسپائی اور پٹائی تھی۔ اس سے پہلے وہ سلطان ایوبی کے بھائی العادل سے ایسی ہی شکست کھا چکا تھا۔ اب سلطان ایوبی نے اُسے اُٹھنے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا لیکن وہاں وہ اکیلا صلیبی بادشاہ نہیں تھا۔ عالمِ اسلام میں کئی صلیبی افواج موجود تھیں۔ اُن کے حکمران دِل سے ایک دوسرے کے خلاف تھے لیکن اُن کا دشمن مشترک تھا، اس لیے وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ہر ایک کے دِل میں یہی تھا کہ وہ اکیلا زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قابض ہو جائے۔ اسی مقصد کے تحت بالڈون نے اکیلے العادل اور اس کے بعد سلطان ایوبی سے جنگیں لڑی تھیں۔ اُس کے پاس فوج اور وسائل کی کمی نہیں تھی۔ اُس کا اسلحہ بھی برتر تھا اور اس کے جانور بھی بہتر تھے لیکن ہار گیا۔

کچھ عرصہ تو اُسے بکھری ہوئی فوج اکٹھی کرنے میں لگ گیا۔ اس دوران اُسے اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی ابن لاعون کو بھی شکست دے کر اس کی بادشاہی اور جنگی طاقت کمزور کر آیا ہے۔ ابن لاعون آرمینی تھا۔ آرمینی صلیبیوں کے دوست تھے۔ ان کی شکست صلیبیوں کے لیے اچھی خاصی چوٹ تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اطلاع ملی کہ ابن لاعون کی سلطنت تل خالد اور اس کے قلعے قارا حصار پر حملے میں سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ الملک الصالح کی فوج کے دستے بھی تھے تو وہ بے چین ہو گیا۔ یہ تو اُسے اور دوسرے صلیبی حکمرانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے الملک الصالح کو شکست دے کر اپنا خود مختار امیر بنا لیا ہے مگر انہیں یہ توقع تھی کہ الصالح اس معاہدے پر عمل نہیں کرے گا۔ یہ الصالح کی خصلت تھی۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے تابع ہو گیا تھا مگر اُس نے صلیبیوں کے ساتھ مراسم نہیں توڑے تھے۔ اب بالڈون کو پتہ چلا کہ الصالح نے سلطان ایوبی کو فوج دی تھی تو وہ یروشلم چلا گیا جہاں صلیبی بادشاہوں کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا۔ دوسرا ہیڈ کوارٹر عکرہ تھا۔

''کیا آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان پھر متحد ہو رہے ہیں؟''...... بالڈون نے صلیبی حکمرانوں اور جرنیلوں کی کانفرنس میں کہا...... ''الملک الصالح کو آپ لوگ اپنا اتحادی سمجھتے رہے اور اُس نے اپنی فوج صلاح الدین ایوبی کو دے دی تھی''۔

''ابن لاعون کی شکست ہماری شکست ہے''...... فلپس آگسٹس نے کہا...... ''اگر آپ گھات میں بیٹھنے کی بجائے ابن لاعون کی مدد کو پہنچتے، صلاح الدین ایوبی پر عقب سے حملہ کر دیتے تو شکست اس کی ہوتی''۔

''جس طرح آپ میں سے کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ صلاح الدین ایوبی نے پیش قدمی کا رُخ بدل کر تل خالد کا

رُخ کرلیا ہے، اسی طرح مجھے بھی معلوم نہ ہوسکا''۔

''یہ آپ کے نظامِ جاسوسی کی کوتاہی ہے''...... گے آف لوزینان نے کہا...... ''ہم بہت دُور تھے۔ دیکھ بھال اور جاسوسی کا انتظام آپ کو کرنا چاہیے تھا۔ آپ قریب تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج آپ کے قریب سے گزر گئی۔ آپ کو پتہ نہ چل سکا۔ آپ گھات میں چھپے رہے''۔

''مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ایک مسلمان جاسوس ہے''...... بالڈون نے کہا...... ''میں اُسے بے ضرر آدمی سمجھتا رہا۔ وہ میرا قیدی تھا مگر بھاگ گیا اور سلطان ایوبی کو گھات کی خبر دے دی...... لیکن اب یہ سوچنا ہے کہ ایوبی اور الصالح کا معاہدہ اور اتحاد کس طرح توڑا جائے''۔

''کیا آپ مسلمانوں کی کمزوریوں کو بھول گئے ہیں یا انہیں نظر انداز کر رہے ہیں؟'' ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا۔ ''اُس وقت الصالح بچہ تھا، جب ہم نے اُس کے مشیروں، امیروں اور سالاروں کو تحفے تحائف اور عیاشی کا سامان دے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اب وہ جوان ہوگیا ہے۔ اسے اب ہاتھ میں لینا زیادہ آسان ہے۔ اپنا حربہ استعمال کریں اور مخصوص تحفہ اپنے ایلچی کے ہمراہ بھیج دیں۔ اگر آپ جنگی قوت سے اُسے ساتھ ملانے کی سوچ رہے ہیں تو یہ خیال ذہن سے نکال دیں۔ سلطان ایوبی کی فوج اس علاقے میں موجود ہے۔ العادل بھی اپنی فوج کے ساتھ یہیں ہے۔ الصالح کے پاس اپنی فوج کے علاوہ حرن اور موصل کی فوج بھی ہے۔ اگر آپ نے حلب پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی تمام افواج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ اگر اُس نے ہم پر فتح حاصل نہ کی تو یہ نقصان ضرور ہوگا کہ الصالح آپ کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔ ہمیں فلسطین کا دفاع کرنا ہے۔ ہم نے اپنی افواج کو مختلف جگہوں پر پھیلا دیا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کدھر کا رُخ کرتا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔ ان حالات میں ہم آپ کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ آپ اپنے طور پر الصالح کو ہاتھ میں لے لیں''۔

☆

۱۱۸۰ء میں والیٔ موصل سیف الدین غازی مر گیا۔ اس کی جگہ عزالدین مسعود نے امارت سنبھال لی۔ اسی سال سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی شمس الدولہ طوران شاہ سکندریہ میں فوت ہوگیا۔ سلطان ایوبی مصر چلا گیا، وہاں کے حالات پھر بگڑنے لگے تھے۔ وہ اپنی فوج اپنے بھائی العادل کی زیرِ کمان پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

پھر ۱۱۸۱ء کا سال آ گیا۔ بالڈون نے اپنی فوج کی کمی پوری کر لی تھی۔ اُسے ٹریننگ بھی دے لی تھی۔ اُس نے اپنی فوج کو سلطان ایوبی کی چالوں کے مطابق جنگی مشقیں بھی کرائی تھیں۔ وہ اگلی جنگ کے لیے تیار تھا لیکن الملک الصالح کو وہ اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا تھا۔

الصالح اب بچہ نہیں، جوان تھا۔ سلطنت کے کاروبار کو وہ سمجھنے لگا تھا۔ اُس کی کمزوری اس کے مشیر اور سالار تھے جو در پردہ صلیبیوں کے حامی تھے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لی تھی، مگر اُس کے دماغ سے ابھی بادشاہی کا خبط نکلا نہیں تھا۔ وہ خود مختار حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ایک روز اُسے اطلاع ملی کہ صلیبی بادشاہ بالڈون کا ایلچی آیا ہے۔ اُس نے فوراً اُسے اندر لانے کی اجازت دے دی۔ یہ ایلچی ذہنی تخریب کاری کا ماہر اور انسانی نفسیات کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ اُس نے الملک الصالح کو بتایا کہ وہ کچھ تحفے بھی لایا ہے۔

تحفوں میں ایک تو بیش قیمت ہیروں اور جواہرات اور سونے کے سکوں کا بکس تھا۔ دو تلواریں تھیں۔ پچاس

اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے اور ایک لڑکی تھی۔ الصالح نے باہر جا کر گھوڑے دیکھے۔ ہیرے اور جواہرات دیکھے لیکن جس تحفے پر اُس کی نظریں جم کر رہ گئیں وہ لڑکی تھی۔ وہ بہت دیر لڑکی کو ہی دیکھتا رہا۔ اُس کی اُٹھتی جوانی کی تمام تر کمزوریاں ایک جادو بن کر اُس کی عقل پر غالب آ گئیں۔ ایلچی نے اُس کے ہاتھ میں بالڈوِن کا پیغام دیا جو عربی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اُس نے کچھ دیر تو پیغام کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ لڑکی اُس کے خوابوں سے زیادہ حسین تھی۔

ایلچی نے پیغام کھول کر اُس کے آگے رکھا۔ اُس نے پڑھا۔ بالڈوِن نے لکھا تھا...... ''عزیز الملک الصالح والیٔ حلب! میں ایلچی اور تحفوں کی بجائے اپنی فوج بھیج سکتا تھا لیکن میں آپ کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ میرے دوست اور میرے بچے ہیں۔ ہم نے آپ کی مدد اُس وقت کی ہے جب آپ بچے تھے اور صلاح الدین ایوبی آپ کی سلطنت پر قابض ہونے کے لیے آ گیا تھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین نے آپ کو دوستی کے دھوکے میں رکھا۔ ہم بھی اس دھوکے کو نہ سمجھ سکے۔ اگر آپ اکیلے ہوتے تو آپ کی فوج کبھی شکست نہ کھاتی۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ گمشتگین کس قدر فریب کار تھا۔ آپ کو اُسے سزائے موت دینی پڑی۔ سیف الدین نے بھی آپ کو ہمیشہ دھوکے میں رکھا۔ وہ حلب پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ یہ ہم تھے جنہوں نے اُسے ان عزائم سے باز رکھا......

''آپ نے آخر صلاح الدین ایوبی سے شکست کھائی جس نے آپ کو اُس کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ آپ اتنے مجبور ہوئے کہ اُسے آپ نے ابن لاعون پر حملہ کرنے کے لیے فوج دے دی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ جیسا غیور جنگجو اپنی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا مگر آپ تنہا تھے۔ میں خود جنگ و جدل میں اُلجھا رہا، ورنہ آپ کی مدد کو پہنچتا۔ اب میں آپ کی طرف توجہ دینے کے قابل ہو گیا ہوں۔ آپ نہ بھولیں کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو ایسی خود مختاری دی ہے جس کا مطلب غلامی ہے۔ وہ آپ کو آہستہ آہستہ غلام بنا رہا ہے۔ اُس نے عز الدین کی مدد کے لیے آرمینیوں کو شکست دی اور اُسے اپنے احسان کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ تمام چھوٹے چھوٹے اُمراء اُس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اب اُس کی نظر آپ کے علاوہ موصل اور حرن پر ہے......

''ذرا غور کریں کہ وہ مصر سے ہمارے خلاف لڑنے کے لیے فوج لایا تھا لیکن اُس نے تل خالد پر جا حملہ کیا اور آپ سے بھی فوج لے لی۔ اب وہ پھر مصر چلا گیا ہے۔ اُس کے جانے کا جو مقصد ہے، وہ ہمارے جاسوس ہمیں بتا چکے ہیں۔ وہ بے بہا خزانہ لے کر گیا ہے جو وہ قاہرہ اپنے خزانے میں رکھ کر واپس آئے گا۔ اُس نے آپ کو کیا دیا آپ کی فوج کو اُس نے مالِ غنیمت میں کتنا حصہ دیا ہے؟ اُس نے یروشلم کی طرف پیش قدمی کیوں نہیں کی؟ کیا آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ آرمینیوں کی کتنی لڑکیاں وہ اپنے ساتھ لے گیا ہے؟......

''اِن سوالوں کو اپنے ذہن میں اُلٹ پلٹ کریں۔ آپ پر صلاح الدین ایوبی کے کردار اور اُس کی نیت کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی۔ آپ کے ساتھ ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ ہم اس خطے میں امن و امان قائم کرنے آئے ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سلطان ایوبی یہاں سے ہمیں بے دخل کر کے یورپ پر حملہ کرنے اور اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی سوچ رہا ہے۔ آپ کو اور دوسرے اُمراء کو وہ اپنی تھیلی کے سکے سمجھتا ہے۔ اگر آپ نے اپنے دفاع کا انتظام نہ کیا تو آپ کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ ہم یہاں یورپ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو مجھے جواب دیں۔ میں اپنے مشیر بھیجوں گا جو آپ کی مالی اور جنگی ضرورت کا جائزہ لے کر مجھے بتائیں گے۔ میں نے جو گھوڑے بھیجے ہیں، یہ تحفہ ہے۔ میں آپ کی فوج کے لیے ایسے سینکڑوں گھوڑے بھیج سکتا ہوں۔ یورپ سے ہم نے جدید ہتھیار منگوائے ہیں۔ وہ

بھی آپ کو دیئے جائیں گے۔ آپ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ نہ توڑیں، در پردہ معاہدہ توڑ دیں اور اپنے دفاع کی تیاری کریں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں''۔

الملک الصالح کے نوجوان اعصاب پر یہودیوں کی اتنی حسین اور دل کش لڑکی نے پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا۔ پیغام کے الفاظ جادو کی طرح اُس کے دل میں اُترتے گئے۔ اس نے ایلچی کے آرام اور خوراک کا ایسا انتظام کرنے کا حکم دیا جیسے بالڈون خود آ گیا ہو۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو لڑکی کے حوالے کر دیا۔ اُس نے اس سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں بھی دیکھی تھی، لیکن اس لڑکی کا جو انداز تھا اور اُس کی جو مسکراہٹ تھی، اس نے اُس کے حسن میں طلسماتی اثر پیدا کر رکھا تھا۔ الصالح اندھا ہو گیا۔

رات کو لڑکی اُس کی خواب گاہ میں آئی تو اُس کے ہاتھ میں صراحی اور پیالے تھے۔ یہ بھی تحفہ تھا۔ لڑکی نے اُسے بتایا کہ یہ فرانس کی شراب ہے جو صرف بادشاہوں کے لیے تیار کی جاتی ہے۔

''آپ کے حرم میں تو کچھ بھی نہیں''۔ لڑکی نے اُسے کہا...... ''کیا آپ ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ آپ کا حرم آباد ہو؟''

''میرے حرم کے لیے تم اکیلی کافی ہو''۔ الملک الصالح نے مخمور آواز میں کہا۔

''میں اپنے جیسی لڑکیوں سے آپ کا حرم بھر دوں گی''۔ لڑکی نے شراب کا پیالہ اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا...... ''کیا یہ صحیح ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی ایک ہی بیوی ہے اور وہ کسی کو حرم میں عورتیں رکھنے کی اجازت نہیں دیتا؟''

''ہاں!'' الصالح نے جواب دیا...... ''یہ صحیح ہے۔ وہ شراب کی بھی اجازت نہیں دیتا''۔

''آپ کو معلوم نہیں کہ اُس کا اپنا ایک خفیہ حرم ہے، جس میں غیر معمولی طور پر حسین لڑکیاں ہیں۔ ان میں مسلمان بھی ہیں، یہودی بھی اور عیسائی بھی ہیں''۔

فانوس کی رنگین اور ہلکی ہلکی روشنی اور فرانس کی شراب کے نشے میں یہ لڑکی طلسم بن کر اُس پر چھاتی چلی گئی اور ذرا سی دیر بعد وہ لڑکی کے ریشمی بالوں کی زنجیروں میں جکڑا گیا...... گناہ کی رات کی کوکھ سے سحر نے جنم لیا تو الصالح نے لڑکی سے کہا...... ''یہاں میری ایک بہن بھی ہے۔ تم اُس کے سامنے نہ آنا۔ وہ ابھی پسند نہیں کرتی کہ میں شادی کے بغیر کسی لڑکی کے قریب جاؤں۔ میں کسی وقت اُسے بتاؤں گا کہ تم مسلمان ہو اور میرے ساتھ شادی کرنے آئی ہو''۔

''اپنی بہن کو آزاد کیوں نہیں کرتے؟'' لڑکی نے کہا...... ''اسے مردوں میں اُٹھنے بیٹھنے دیں۔ وہ شہزادی ہے۔ آپ بادشاہ ہیں۔ صلاح الدین ایوبی آپ کی یہ حیثیت ختم کر رہا ہے۔ ہم آپ کی بہن کو الگ سلطنت دے کر سلطانہ بنا دیں گے''۔

الملک الصالح تصوروں میں بادشاہ بن گیا۔

☆

''کیا خبر لائے ہو؟'' بالڈون نے شراب کے نشے میں بدمست لہجے میں اپنے ایلچی سے پوچھا۔

''کیا میں کبھی ناکام بھی لوٹا ہوں؟'' ایلچی نے جواب دیا۔ اُس نے الملک الصالح کے محل میں چار روز قیام کیا تھا اور بڑی لمبی مسافت طے کر کے ابھی ابھی واپس آیا تھا۔ اُس نے کہا...... ''مسلمانوں پر فوج کشی کر کے آپ اتنی جانیں ضائع کرتے اور اتنے زیادہ گھوڑے مرواتے ہیں۔ مسلمانوں کے حکمرانوں سے صرف ایک لڑکی ہتھیار ڈلوا سکتی ہے''۔

''صرف لڑکی نہیں''۔ بالڈون نے کہا...... ''مسلمان کو اگر لڑکی کا صرف تصور دے دو تو وہ اپنے نیک و بد کو بھول

کر اسی تصور کا ہو جاتا ہے...... کہو، تم کیا کر کے آئے ہو؟''

''اُس نے تحریری جواب نہیں دیا''۔ ایلچی نے کہا...... ''کہتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ہر طرف گھومتے پھرتے رہتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پیغام پکڑا جائے۔ اُس نے آپ کی ہر بات مان لی ہے۔ وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں، البتہ گھبرایا ہوا تھا اور اپنے آپ کو ایوبی کے مقابلے میں تنہا سمجھتا تھا۔ آپ کے پیغام نے اُسے بہت حوصلہ دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ آپ اپنے مشیر بھیج دیں لیکن عربی تاجروں کے لباس میں ہوں اور یہاں ہر کسی کو یہی بتائیں کہ وہ شاہی سطح پر تجارت کی بات چیت کرنے آئے ہیں''۔

''وہ کسی شک میں تو نہیں؟'' بالڈون نے پوچھا۔

''آپ نے اُسے یہودیوں کا جو تحفہ بھیجا ہے، اُس نے کسی شک کی گنجائش نہیں رہنے دی''۔ ایلچی نے جواب دیا...... ''میں نے وہاں چار روز قیام کیا ہے۔ اس دوران میں اُس کے سالاروں سے ملتا رہا ہوں اور اُس کے دوسرے حاکموں سے بھی ملا ہوں۔ ان میں بہت سے ایسے ملے ہیں جو ایوبی کے حق میں ہیں۔ میں نے ان میں سے دو کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور انہیں وعدے دیئے ہیں۔ چوری چھپے انہیں تحفے بھی دیئے ہیں، وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بھی موجود ہیں۔ اس لیے کسی بات کو مخفی رکھنا ممکن نہیں۔ تاہم الملک الصالح کو اپنے ہاتھ میں سمجھئے۔ میں نے لڑکی کو ان دو جرنیلوں سے متعارف کروایا ہے جنہیں میں نے ہاتھ میں لیا ہے۔ وہ اپنا کام کرتی رہے گی۔ آپ اپنے آدمی جلدی روانہ کر دیں''۔

یہ ایلچی صرف ایلچی نہیں تھا۔ بتایا جا چکا ہے کہ انسانی نفسیات سے کھیلنے والا اُستاد تھا۔ اُس نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی اپنے افسروں کو اور اپنی قوم کو نصیحت اور وعظ کرتا رہتا ہے کہ بادشاہی کے خواب، دولت اور عورت ایسی بدعتیں ہیں جو انسان کے ایمان کو ختم کر دیتی ہیں۔ اُسے معلوم نہیں کہ جب یہ تینوں بدعتیں کسی عالم فاضل کے سامنے آ جائیں تو اُس کے بھی ایمان کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں۔ یہ انسانی کمزوریاں ہیں۔ اُن کے سامنے وعظ بے کار ہو جاتے ہیں''۔

بالڈون نے اُسی وقت تین مشیر تیار کر لیے۔

☆

تجارتی سامان سے لدے ہوئے بہت سے اونٹوں کا ایک قافلہ حلب میں الصالح کے محل سے ذرا ہی دور رُکا۔ اس کے ساتھ کئی ایک آدمی تھے۔ ان میں سے تین آدمی جو عربی لباس میں تھے، محل کی طرف چل پڑے۔ دربانوں نے انہیں روک لیا۔ تاجر الملک الصالح سے ملنا چاہتے تھے۔ کہتے تھے کہ وہ ہیرے اور کچھ اور بیش قیمت سامان لائے ہیں جو بادشاہ خریدتے ہیں اور وہ حلب کے ساتھ تجارت کرنے کی بات چیت کریں گے۔ محافظوں کے کمانڈر ابن خطیب نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ان کی باتوں میں دلچسپی لے کر انہیں بے تکلفی سے بولنے کا موقع دیا۔ وہ اُن کی آنکھوں کا سبز اور نیلا رنگ اور چہرے کی رنگت کو غور سے دیکھتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ تجارت کی بات چیت براہِ راست بادشاہ کے ساتھ کبھی بھی نہیں ہوئی۔ وہ انہیں الگ لے گیا۔

آپ اپنا اصل مقصد بتائیں''۔ ابن خطیب نے پوچھا۔

''ہم اپنا مقصد بتا چکے ہیں''۔

''یروشلم سے آئے ہو یا عکرہ سے؟'' ابنِ خطیب نے پوچھا۔

''ہم تاجر ہیں''۔ ایک نے جواب دیا...... ''ہم ہر ملک میں جاتے ہیں، یروشلم اور عکرہ بھی جاتے ہیں، تم کس

شک میں ہو؟''

''شک میں نہیں''۔ ابنِ خطیب نے کہا...... ''مجھے یقین ہے۔ میں آپ تینوں کو جانتا ہوں۔ آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں آپ کا آدمی ہوں۔ میرا نام ابنِ خطیب ہے لیکن میرا نام کچھ اور ہے۔ ہرمن اچھی طرح جانتا ہے''۔

ہرمن صلیبیوں کے جاسوسی اور سراغ رسانی کے نظام کا سربراہ اور اس فن کا ماہر تھا۔ ابنِ خطیب نے کوئی خفیہ لفظ بولا جو صلیبیوں کے جاسوس ایک دوسرے کی شناخت کے لیے بولا کرتے تھے۔ تاجر جو دراصل بالڈون کے بھیجے ہوئے مشیر تھے، مُسکرائے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ الملک الصالح کے ہاں صلیبی جاسوس موجود ہیں۔ ابنِ خطیب نے انہیں یقین دلا دیا کہ وہ انہی کا جاسوس ہے۔

''آپ اسی مقصد کے لیے آئے ہیں؟'' ابنِ خطیب نے پوچھا...... ''مجھ سے نہ چھپائیں، ورنہ آپ کو اندر نہیں جانے دیا جائے گا''۔

''ہاں!'' ایک صلیبی نے کہا...... ''اسی مقصد کے لیے...... اور ہمیں یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس محل میں موجود ہیں؟''

''موجود ہیں لیکن اُن پر ہماری نظر ہے''۔ ابنِ خطیب نے کہا...... ''اُن سے ہم آپ کو چھپائے رکھیں گے لیکن مجھے آپ کے مقصد سے پوری واقفیت ہونی چاہیے''۔

ان تینوں نے اپنے خفیہ الفاظ اور طریقوں سے یقین کر لیا کہ ابنِ خطیب انہی کا آدمی ہے۔ انہوں نے اُسے اپنا مقصد بتا دیا۔ ابنِ خطیب نے اندر جا کر الملک الصالح کو اطلاع دی کہ تاجر شرفِ ملاقات چاہتے ہیں۔

''تم محافظ دستے کے نئے کمان دار ہو؟'' الملک الصالح نے پوچھا۔

''جی حضور!'' اُس نے جواب دیا۔

''کہاں کے رہنے والے ہو؟''

اُس نے کسی گاؤں کا نام لیا تو الملک الصالح نے کہا...... ''ہم ہر وقت ہر کسی سے نہیں مل سکتے۔ آئندہ خیال رکھنا، ان تینوں کو اندر بھیج دو''۔

اُس نے باہر جا کر تینوں کو اندر جانے کو کہا اور آنکھ مار کر ہدایت کی کہ بہت سنبھل کر بات کریں۔

☆

رات عشاء کی نماز کے بعد ابنِ خطیب جامع مسجد کے امام کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ دو اور آدمی بھی تھے۔

''اب اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ الملک الصالح ایک بار پھر صلیبیوں کے جال میں آ رہا ہے''...... ابنِ خطیب نے کہا...... ''میں نے آپ کو پہلے ایلچی اور تحفوں کی اطلاع دی تھی۔ وہ صلیبیوں کی طرف سے آئے تھے اور ساتھ ایک بڑی ہی خوب صورت لڑکی تھی۔ آج پتہ چل گیا ہے کہ وہ ایلچی بالڈون کی طرف سے آیا تھا۔ آج تین تاجر الملک الصالح سے تجارت کی بات چیت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے دو سال بیت المقدس میں صلیبیوں کے درمیان رہ کر جاسوسی کی ہے۔ ان تینوں کے چہرے اور زبان کا لہجہ بتاتا تھا کہ انہوں نے جو عربی لباس پہن رکھا ہے، یہ بہروپ ہے۔ میں نے اُس کا جاسوس بن کر اُن کا اصل روپ دیکھ لیا ہے۔ بیت المقدس کی جاسوسی نے آج مجھے بہت فائدہ دیا ہے۔ میں اُن کے خفیہ (کوڈ) الفاظ جانتا ہوں اور خفیہ اشارے بھی۔ محترم علی بن سفیان کی تربیت

کی برکت آج دیکھی ہے"۔

ابنِ خطیب سلطان ایوبی کا جاسوس تھا جو تھوڑا ہی عرصہ گزرا حلب میں آیا اور الملک الصالح کے ایک ایسے نائب سالار کی کوشش سے محافظ دستے کا کمانڈر بنا دیا گیا جو سلطان ایوبی کا حامی تھا۔ ابنِ خطیب علی بن سفیان کا خصوصی طور پر ذہین اور بے خوف جاسوس تھا۔ وہ دو سال بیت المقدس میں صلیبی بادشاہوں اور جرنیلوں کے ہیڈ کوارٹر میں رہا اور اس نے کامیاب جاسوسی کی تھی۔ جامع مسجد کا امام ان تمام تر جاسوسوں کا کمانڈر تھا جو سلطان ایوبی نے حلب میں بھیج رکھے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد جسے کوئی رپورٹ دینی ہوتی، وہ مسجد میں جا کر امام کو دیتا تھا۔ امام اپنے طور پر تصدیق کر کے رپورٹ سلطان ایوبی تک پہنچا دیتا تھا۔ ابنِ خطیب بڑی ہی قیمتی رپورٹ لایا تھا۔

اتنے میں ایک ادھیڑ عمر عورت آ گئی۔ وہ سر سے پاؤں تک سیاہ برقع نما کپڑے میں مستور تھی۔ اندر آ کر اُس نے چہرہ بے نقاب کیا۔ اسے دیکھ کر سب ہنس پڑے۔ وہ الملک الصالح کی خادمہ تھی۔ یہ اُس کی خواب گاہ کی دیکھ بھال کرتی اور اُس کی درپردہ زندگی کی راز دان تھی۔ وہ اُسی روز امام کو رپورٹ دے چکی تھی کہ صلیبیوں کی طرف سے الملک الصالح کے پاس ایک لڑکی آئی ہے جو شکل وصورت، جسم، رنگ، ناز و ادا اور زبان کی چاشنی کے لحاظ سے سرتاپا ایسا جادو ہے جس سے کوئی زاہد اور پرہیز گار بھی نہیں بچ سکتا۔ وہ امام کو بتا چکی تھی کہ الصالح کا باقاعدہ حرم نہیں لیکن اُس کی راتیں عورت کے بغیر نہیں گزرتیں۔ عورت اس کی کمزوری بن گئی ہے۔

''...... مگر اس لڑکی نے جو مجھے یہودی معلوم ہوتی ہے، الصالح کو اپنا غلام بلکہ قیدی بنا لیا ہے"۔ خادمہ نے کہا۔ ''وہ اتنا پاگل ہو گیا ہے کہ مجھ سے باچھیں کھلا کر پوچھتا ہے، یہ لڑکی تمہیں پسند ہے؟ میں اس کے ساتھ شادی کر لوں؟...... میں نے ایک بار اسے کہا کہ اپنی بہن سے پوچھ لیں۔ اُس نے مجھے سختی سے کہا کہ اس کی بہن کے ساتھ ذکر نہ کروں"۔

خادمہ بھی جاسوس تھی۔ اُس نے تفصیل سے بتایا کہ الملک الصالح پوری طرح اس لڑکی کے جال میں آ گیا ہے۔ اب کوئی اور لڑکی اس کی خواب گاہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔

''اب سوچنا یہ ہے کہ اسی وقت سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی جائے یا دیکھ لیا جائے کہ صلیبی کیا کرتے ہیں یا الصالح سے کیا کرواتے ہیں"۔ امام نے کہا...... ''میری رائے ہے کہ الصالح کوئی ٹھوس کارروائی کر لے جو معاہدے کے خلاف ہو تو سلطان کو اطلاع دی جائے"۔

''سلطان مصر چلے گئے ہیں"۔ ایک اور نے کہا جو بوڑھا تھا اور دانش مند معلوم ہوتا تھا...... ''اِدھر العادل ہیں۔ وہ سلطان سے حکم منگوائے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اتنے عرصے میں یہاں کے حالات ایسے ہو سکتے ہیں جو شاید قابو سے نکل جائیں۔ کیوں نہ کوئی ایسی کارروائی سوچی جائے جو اس سلسلے کو یہیں پر ختم کر دے"۔

''میں آپ کو ایک مشورہ دیتی ہوں"۔ خادمہ نے کہا۔ ''الصالح کی توجہ صرف لڑکی پر ہے، وہ بھلا بُرا سوچنے کے بھی قابل نہیں رہا۔ یہ لڑکی دن کے وقت بھی اُسے شراب میں مدہوش رکھتی ہے۔ بدبخت پہلے بھی پیتا تھا لیکن صرف رات کو پیتا تھا اور اتنی زیادہ اُس نے کبھی نہیں پی تھی۔ نشے کی حالت میں وہ اپنی بہن کے سامنے نہیں ہوتا تھا۔ اُسے دن کو ملتا تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ جب پوچھتی ہے تو میں کہہ دیتی ہوں کہ سلطنت کے کام ایسے ہیں کہ الصالح کو فرصت نہیں...... میرا مشورہ یہ ہے کہ لڑکی کو غائب کر دیا جائے تو الصالح کے ہوش ٹھکانے نہیں رہیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ سوچ بھی نہیں سکے گا کہ صلیبیوں سے کوئی بات کرے یا نہ کرے"۔

اس کارروائی پر بحث مباحثہ ہوتا رہا۔ ابنِ خطیب نے کہا کہ وہ تاجروں کو بھی غائب کر سکتا ہے۔ یہ فیصلہ ہوا کہ موقعہ دیکھ کر پہلے لڑکی کو غائب کیا جائے مگر یہ کام آسان نہیں تھا، بلکہ ناممکن تھا۔ تاہم انہوں نے اسی کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔

☆

یہ نومبر ۱۱۸۱ء کے دن تھے۔ اونٹوں کا قافلہ باہر رُکا رہا۔ لوگ خرید و فروخت کرتے رہے۔ تینوں صلیبی مشیر عربی تاجروں کے بھیس میں الصالح سے ملتے ملاتے رہے۔ وہ اپنی شرائط خفیہ طور پر طے کر رہے تھے۔ ۱۶/۱۷ نومبر (۸/۷ رجب ۵۷۷ ہجری) کی رات الصالح نے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا جس کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن در پردہ اس ضیافت کی تقریب یہ تھی کہ صلیبی مشیروں کے ساتھ الصالح نے خفیہ معاہدہ کر لیا تھا جس کا علم صرف دو سالاروں کو تھا۔ رات کی ضیافت میں سینکڑوں مہمان تھے۔ ان میں صلیبی مشیر بھی تھے جو ابھی تک عربی تاجروں کے لباس میں تھے۔ اُن کے قافلے کے شتربان بھی اس میں مدعو تھے لیکن وہ شتربانوں کی حیثیت سے ضیافت میں نہیں آئے تھے۔ ان میں دراصل شتربان کوئی بھی نہیں تھا۔ ان میں بعض جاسوس تھے اور باقی صلیبی فوج کے افسر۔ ضیافت میں یہودی لڑکی بھی تھی اور الصالح کی بہن بھی مگر اسے انتظامات کی دیکھ بھال سونپی گئی تھی۔

اُس رات محافظ دستے کی پابندیاں بھی کم ہو گئی تھیں۔ مہمانوں کا ریلا چلا آ رہا تھا۔ کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کم از کم الصالح کو خطرہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ سالم بکرے روسٹ کیے گئے تھے۔ وسیع میدان میں قناتیں اور شامیانے لگائے گئے تھے۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی، ضیافت کا رنگ نکھرتا آ رہا تھا۔ ہر طرف مہمانوں کی چہل پہل تھی۔

یہودی لڑکی ادھر اُدھر پھدکتی پھر رہی تھی۔ وہ کسی سے مل کر آ رہی تھی کہ اسے خادمہ نے روک لیا اور کسی سالار کا نام لے کر کہا کہ وہ کسی ضروری بات کے لیے بلا رہا ہے۔ لڑکی کو معلوم تھا کہ وہ اُس کا اپنا آدمی ہے۔ وہ اُدھر چلی گئی اور پھر واپس نہیں آئی۔ الصالح کو ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ لڑکی غائب ہو گئی ہے۔ ابنِ خطیب اُس رات ڈیوٹی پر نہیں تھا۔ اُس نے تین تاجروں میں سے ایک کے ساتھ بات کرنے کا موقع پیدا کر لیا اور کہا...... "آپ تینوں یہاں سے نکلیں، ورنہ مارے جائیں گے۔ بہت بڑا خطرہ ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی اطلاع ملی ہے کہ مہمانوں کے بھیس میں یہاں موجود ہیں"...... اُس نے اسے ایک جگہ بتا کر کہا کہ تینوں وہاں آ جائیں۔ آگے انہیں لے جا کر چھپانے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔

"اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہی ہے"۔ صلیبی نے کہا۔ "ہمارا کام ہو چکا ہے"۔

"پھر جلدی نکلیں"۔ ابنِ خطیب نے کہا...... "ورنہ صبح تک آپ کی لاشیں یہاں سے نکلیں گی"۔

اس صلیبی نے یہ بات اپنے ساتھیوں کے کانوں میں جا ڈالی اور وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح نکلے کہ کسی کو شک نہ ہو۔ اگر وہ محل کے اندر ہوتے تو نکلتے دیکھے جا سکتے تھے۔ وہ میدان تھا۔ اندھیرے راستے سے گئے۔ آگے ابنِ خطیب تین گھوڑوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ خود بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ ضیافت میں رقص و سرور اور مہمانوں کا اتنا شور تھا کہ کسی کو چار گھوڑوں کے قدموں کی آواز نہ سنائی دی اور الصالح کو علم ہی نہ ہو سکا کہ اُس کے خصوصی مہمان فرضی خطرے سے بھاگ کر حقیقی خطرے میں چلے گئے ہیں۔

☆

آبادی سے دُور ایک جھونپڑا نما مکان تھا۔ تینوں صلیبی اس میں بیٹھے تھے۔ ابنِ خطیب خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ ان کی جانیں بچ گئی ہیں۔ انہوں نے اپنے شتربانوں کے متعلق فکر کا اظہار کیا۔ ابنِ خطیب نے انہیں تسلی دی کہ سب کو نکال

لیا جائے گا۔ اُس نے ان سے پوچھا کہ وہ اُسے بتا کر جائیں کہ کیا معاملہ طے ہوا ہے تاکہ وہ اس کے مطابق چوکنا رہے۔ انہوں نے اسے بتایا کہ الصالح کو در پردہ جنگی سامان اور گھوڑے دیں گے۔ اس کی فوج کو ٹریننگ دیں گے۔ جاسوس دیں گے اور جب وہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑے گا تو صلیبی فوج سلطان ایوبی پر عقب سے حملہ کرے گی۔ مختصر یہ کہ الصالح سلطان ایوبی کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دے گا، لیکن اُس وقت توڑے گا جب صلیبی اُسے اشارہ دیں گے۔

''اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے؟'' ایک صلیبی نے پوچھا۔

''ہاں!'' ابنِ خطیب نے کہا..... ''آپ کی روانگی کا وقت آ گیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ''۔

ابنِ خطیب نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہ دوسرا دروازہ تھا۔ اُس نے تینوں سے کہا کہ چلو۔ وہ کمرہ تاریک تھا۔ تینوں اس کمرے میں گئے تو پیچھے سے ایک کی گردن کے گرد ایک بازو لپٹ گیا اور ایک ایک خنجر ہر ایک کے دِل میں اُتر گیا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک گہرا گڑھا پہلے ہی کھود لیا گیا تھا۔ تینوں کو اس میں پھینک دیا گیا۔

اسی کمرے کے ایک کونے میں یہودی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو اندھیرے میں کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا تھا۔ اُسے بھی ضیافت سے خادمہ کے ذریعے بلا کر کامیابی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ کمرے میں ابنِ خطیب کے علاوہ پانچ آدمی تھے۔ انہوں نے لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے اور منہ سے کپڑا نکال دیا۔ لڑکی اپنے صلیبیوں کا حشر دیکھ چکی تھی۔ اس نے کہا کہ مجھے دوسرے کمرے میں لے چلو۔ اسے وہاں لے گئے۔ وہاں ایک دیا جل رہا تھا۔

''کیا تم نے مجھ سے زیادہ خوب صورت لڑکی کبھی دیکھی ہے؟'' لڑکی نے پوچھا

''کیا تم نے ہم سے زیادہ ایمان والے کبھی دیکھے ہیں؟'' ابنِ خطیب نے کہا..... ''ہم تمہیں اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ تم الصالح کی طرح ہمارے ایمان بھی خرید سکو''۔

''میں اپنی جان کی بخشش مانگ رہی ہوں'' ۔ لڑکی نے کہا..... ''مجھے تم لوگ پسند نہیں کرتے تو بتاؤ کتنا سونا مانگتے ہو۔ صبح تمہارے قدموں میں رکھ دوں گی، پھر میں یہاں سے یروشلم چلی جاؤں گی''۔

ابنِ خطیب نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ اُس نے دو ساتھیوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات دیکھے۔ ابنِ خطیب نے بڑی تیزی سے خنجر نکالا اور لڑکی کے دِل میں اُتار دیا۔ وہ گری تو اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دوسرے کمرے میں لے گیا اور گڑھے میں پھینک دیا۔ سب نے مل کر گڑھا مٹی سے بھر دیا۔

امام کو رات کو ہی اطلاع دے دی گئی کہ کام مکمل کر دیا گیا ہے۔ اِدھر الصالح تینوں صلیبیوں اور لڑکی کے متعلق کہہ رہا تھا کہ بہت دیر سے نظر نہیں آئے..... آدھی رات کے کچھ دیر بعد جب آخری مہمان بھی رخصت ہو گیا تو وہ اپنے ہم رازوں سے یہی پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ وہ کبھی بھی نہ ملے۔ وہ لڑکی کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ اُس نے خادمہ کی جان کھالی۔ باقی رات نہ خود سویا، نہ اُس نے اپنی ذاتی ملازموں کو سونے دیا۔ خادمہ نے امام سے کہا تھا کہ لڑکی کے بغیر وہ ہوش کھو بیٹھے گا۔ اس کی رائے صحیح ثابت ہوئی۔ وہ تو پاگل ہوا جا رہا تھا۔

☆

صبح اُس کی حالت پاگلوں سے بھی بدتر تھی۔ اُس نے اپنے دو ہمراز سالاروں کو اپنے سامنے کھڑا کر رکھا تھا۔ انہوں نے ابنِ خطیب کو بلا لیا اور پوچھا کہ اُس نے ایک لڑکی اور عربی تاجروں کو باہر جاتے تو نہیں دیکھا؟

''میں نے انہیں دیکھا تھا'' ۔ ابنِ خطیب نے کہا۔ ''میں اپنے دستے کے ساتھ باہر مستعد کھڑا تھا۔ آدھی رات سے پہلے تینوں تاجر باہر آئے۔ اُن کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ وہ چلے گئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ مجھے دوڑتے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ میں نے انہیں واپس آتے نہیں دیکھا''۔

وہ سالار بھی جو سلطان ایوبی کا حامی تھا، آ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ صلیبی اور لڑکی کہاں ہیں۔ اُس نے الصالح کو صلیبیوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اس نے کہا...... ''وہ اتنی خوب صورت لڑکی کو آپ کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ انہوں نے آپ کو دھوکہ دے کر آپ سے کوئی بڑا ہی نازک راز حاصل کر لیا ہے۔ یہ شاید آپ کو بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا راز ہو گا''۔

الصالح پر خاموشی طاری ہو گئی۔ اُسے غالباً یہ احساس ہو گیا تھا کہ لڑکی اسے دن کے وقت بھی شراب میں بے ہوش رکھتی رہی ہے۔ اس حالت میں معلوم نہیں، وہ اس سے کیا کچھ کہلواتی رہی ہے۔ اُسے شدید صدمہ ہوا، وہ رات بھر سویا بھی نہیں تھا۔ بہت دنوں سے وہ دن رات شراب پیتا رہا تھا۔ اُس کے اثرات کے علاوہ غصہ اور پچھتاوا بھی تھا۔ اُس نے غصے سے حکم دیا...... ''وہ جو اُن کے ساتھ قافلہ آیا تھا، ان سب کو قید میں ڈال کر مار ڈالو۔ اُن کے اونٹوں اور سامان کو سرکاری ملکیت میں لے لو''۔

اُسی شام الصالح کو پیٹ میں درد کی ٹیس اُٹھی۔ طبیب نے دوائی دی لیکن مرض بڑھتا گیا اور رات کو درد پیٹ سے ناف تک پھیل گئی۔ ۹ رجب ۵۷۷ ہجری یعنی اگلے روز اُس کی حالت طبیبوں کے بس سے باہر ہو گئی۔ طبیب ہر لمحہ اُس کے پاس موجود رہنے لگے، مگر افاقہ ہونے کی بجائے درد بڑھتا گیا۔ رات بھی ایسے ہی گزری۔ دوسرے دن اس پر غشی طاری ہونے لگی۔ طبیبوں نے اُسے تو نہ بتایا، سالاروں وغیرہ کو بتا دیا کہ الصالح کا جانبر ہونا مشکل ہے۔ جامع مسجد کے امام کو بلا لیا گیا۔ اس نے سرہانے بیٹھ کر قرآن خوانی شروع کر دی۔ رات کو الصالح نے آنکھ کھولی۔ امام کو دیکھا اور مری ہوئی آواز میں کہا...... ''اگر قرآن برحق ہے تو اس کی برکت سے مجھے صحت یاب کرو''۔

''میں یہ کہنے سے نہیں ڈروں گا کہ آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں''...... امام نے کہا...... ''قرآن کی برکت اُن کے لیے ہے جو اس کے ہر فرمان پر عمل کرتے ہیں...... خدا سے گناہوں کی بخشش مانگیں۔ اپنی ماں سے گناہوں کی معافی مانگیں''۔

اُس وقت اس کی بہن شمس النساء پاس کھڑی رو رہی تھی۔ الصالح کے منہ سے نکلا...... ''ماں...... میری ماں کو بلاؤ۔ اسے کہو کہ تمہارا گناہگار بیٹا مر رہا ہے۔ آ کر دودھ کی دھاریں اور گناہ بخش دو''۔

امام نے شمس النساء کی طرف دیکھا۔ اُس نے بھائی کے ماتھے پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہا...... ''ابھی دمشق کے لیے روانہ ہو جاتی ہوں۔ ماں کو لے کر آؤں گی''...... وہ تیز تیز قدم اُٹھاتی باہر نکل گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے محافظوں کے ساتھ دمشق کے راستے پر جا رہی تھی۔

قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے۔ ''۱۳ رجب کے روز الصالح کی حالت اتنی بگڑی کہ قلعے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ الصالح نے ذرا ہوش میں آ کر عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ عزالدین سیف الدین کے مرنے کے بعد موصل کا والی بنا تھا۔ وہ موصل میں تھا۔ اب اُسے حلب کا والی بھی بنا دیا۔ الصالح نے تمام اُمراء اور سالاروں کو بلا کر کہا کہ وہ حلف اُٹھائیں کہ عزالدین کو اپنا والی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے وفادار رہیں گے۔ سب نے حلف اُٹھایا۔ ۲۵ رجب ۵۷۷ ہجری الملک الصالح غشی کے عالم میں فوت ہو گیا۔ موصل کو قاصد دوڑایا گیا کہ عزالدین کو کہہ کر بلا

لائے کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے"۔

☆

جس وقت شمس النساء دمشق میں اپنی ماں کے قدموں میں بیٹھی ماں سے کہہ رہی تھی کہ اُس کا اکلوتا بیٹا مر رہا ہے اور دودھ کی دھاریں بخشوانے کے لیے اُسے بلا رہا ہے اور ماں نے کہا تھا کہ میں دودھ کی دھاریں بخش دوں گی، اس کے گناہ اللہ بخشے گا، اُس وقت الصالح فوت ہو چکا تھا۔ شمس النساء حلب واپس گئی تو اس کے اکلوتے بھائی کا جنازہ قلعے سے نکل رہا تھا۔

عزالدین کو قاصد نے الصالح کی موت کا پیغام دیا تو وہ اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ راستہ چھوٹا کرنے کے لیے وہ کسی اور راستے سے جا رہا تھا۔ راستے میں اُس کا گزر سلطان ایوبی کے بھائی العادل کی فوج کی خیمہ گاہ سے ہوا۔ وہ العادل سے ملنے رُک گیا۔ العادل کو معلوم نہیں تھا کہ الصالح مر گیا ہے۔ عزالدین نے اُسے یہ خبر سنائی اور یہ بھی کہ اسے حلب کا والی مقرر کیا گیا ہے۔

العادل نے اسے کہا..... "تم آئندہ خانہ جنگی کو روک سکتے ہو اور حلب کو دمشق سے ملا سکتے ہو۔ غدار مر گیا ہے، تم تو ایمان فروش نہیں"۔

عزالدین گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ وقت بعد اُس نے العادل سے کہا..... "ہاں! میں حلب اور دمشق کو ایسے رشتے میں جکڑ سکتا ہوں جو کبھی نہیں ٹوٹے گا، لیکن..... لیکن اسے مضبوط بنانے کے لیے تم ایک کام بلکہ میری خواہش پوری کر سکتے ہو..... میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اگر وہ عظیم عورت مان جائے تو....."

"میں آج ہی دمشق چلا جاؤں گا"۔ العادل نے کہا۔ "مجھے اُمید ہے، وہ مان جائے گی"۔

العادل دمشق گیا۔ رضیع خاتون کو یہ خبر سنائی کہ اُس کا بیٹا مر گیا ہے۔

"اللہ اُس کے گناہ معاف کرے"۔ ماں نے کہا۔

کچھ دیر بعد العادل نے کہا کہ الصالح عزالدین کو اپنا جانشین مقرر کر گیا ہے اور عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔ رضیع خاتون نے انکار کر دیا۔

"یہ شادی آپ کی اور عزالدین کی نہیں ہوگی"۔ العادل نے کہا..... "یہ دمشق اور حلب کی شادی ہوگی۔ اس سے آئندہ خانہ جنگی رُک جائے گی اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مستحکم ہو سکے گا"۔

"عظمتِ اسلام کے لیے میں ہر قربانی کے لیے تیار ہوں"۔ رضیع خاتون نے کہا۔ "میری ذاتی خواہشیں مر چکی ہیں"۔

۵ شوال (۱۱ فروری ۱۱۸۲ء) عزالدین اور رضیع خاتون کی شادی ہوگئی۔

سانپ اور صلیبی لڑکی

سانپ ڈیڑھ بالشت لمبا ہوگا مگر اس نے اسحاق داویشکی کے اتنے قوی ہیکل گھوڑے کو اوندھا کر دیا۔ منزل ابھی بہت دُور تھی۔ صحرائے سینا ابھی آدھا باقی تھا۔ اسحاق داویشکی ترکی کا رہنے والا تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ تنومند تھا، خوبرو تھا، چہرے کی رنگت میں کشش تھی۔ اُس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ مسلمان ہے یا صلیبی۔ وہ جتنا تنومند اور خوبرو تھا، اُس سے کہیں زیادہ دماغی لحاظ سے چست اور چالاک تھا۔ وہ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہوا تھا جب اُس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اُس نے فوجی ملازمت کو ذریعۂ معاش نہیں سمجھا تھا۔ وہ مردِ مومن کی صحیح تصویر تھا۔ صلیب کے پجاریوں کے عزائم سے آگاہ ہو کر اسلام کی پاسبانی کے لیے دمشق آیا اور فوج میں شامل ہو گیا تھا۔ جب سلطان ایوبی کو مصر کی امارت سونپی گئی تو اسحاق کو مصر بھیج دیا گیا تھا۔ وہ بڑے فخر سے اپنے آپ کو ترک کہلاتا تھا۔

ترکی کے بے شمار باشندے سلطان ایوبی کی فوج میں تھے۔ سلطان ایوبی کو اُن پر بھروسہ اور اعتماد تھا۔ اس نے جب کمانڈو فورس بنائی تو اس کے لیے زیادہ تر نفری ترکوں کی تیار کی۔ اسی فورس میں سے جاسوس بھی منتخب کیے گئے تھے۔ ان میں اسحاق ترک بھی تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور دلیر چھاپہ مار تھا۔ اسے کمان دار بنا دیا گیا تھا، پھر اُسے صلیبیوں کے علاقوں میں جاسوسی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ فرض کا شیدائی تھا۔ جان کی بازی لگا کر زمین کی تہوں سے بھی راز نکال لیا کرتا تھا، مگر اب صحرائے سینا میں ذرا جتنے سانپ نے اُسے بڑے ہی کڑے امتحان میں ڈال دیا۔ وہ اُن مسلمان علاقوں میں تھا جن پر صلیبیوں نے قبضہ کر رکھا تھا، وہاں سے حلب چلا گیا اور اب وہ ایک نہایت اہم اطلاع لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی قاہرہ میں تھا۔ اسحاق ترک کو بہت جلدی پہنچنا تھا۔ راستے میں وہ کم سے کم آرام کر رہا تھا۔

وہ سرسبز علاقوں سے نکل گیا تھا۔ آگے ریت کا وہ سمندر تھا جس سے کوئی بھٹکا ہوا مسافر کبھی زندہ نکل کر نہیں گیا۔ صحرا انسان اور حیوان کا دشمن ہے۔ اسحاق ترک ریگزار کا بھیدی تھا...... سرسبز علاقے سے اُس نے پانی گھوڑے کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ اُسے راستے کا بھی علم تھا جہاں ایک دو جگہ پانی مل جاتا تھا۔ اس صحرا میں اس نے لڑائیاں بھی لڑی تھیں۔ حلب سے آتے ہوئے جب وہ اس میں داخل ہوا تھا تو اُسے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ صلیبیوں اور صحراؤں سے وہ کبھی نہیں ڈرا تھا۔ اسی جنگ و جدل اور مسافت کو وہ زندگی سمجھتا تھا۔ یہ اس کا عقیدہ تھا کہ خدا کی خوشنودی اسی جہاد میں ہے۔

وہ صحرائی ٹیلوں میں گھوڑے کو ذرا آرام دینے کے لیے رُک گیا۔ دوپہر کا سورج کچھ آگے نکل گیا تھا۔ اسحاق ترک ایک ٹیلے کے سائے میں لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ گھوڑا بڑی زور سے ہنہنایا۔ اسحاق کی آنکھ کھل گئی۔ گھوڑا تھوڑی سی جگہ میں چکر میں [illegible] رہا تھا لیکن زیادہ نہ دوڑ سکا، رُک گیا اور اس کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اسحاق ترک نے دیکھا کہ جہاں وہ سویا تھا، اس سے [illegible] پانچ قدم دُور ڈیڑھ بالشت لمبا سانپ جس کا رنگ سیاہ اور اس پر سفید اور گول دھبے تھے، تڑپ رہا تھا۔ دُم کی طرف سے اُس کا آدھا جسم کچلا ہوا تھا۔ گھوڑا وہیں کھڑا تھا۔ اسحاق سمجھ گیا کہ سانپ کاٹنے سے پہلے یا بعد

گھوڑے کے پاؤں کے نیچے آیا ہے۔ وہ اب چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اسحاق ترک نے اُس کا سر اپنے پاؤں تلے مسل ڈالا۔

گھوڑے کے زندہ رہنے کی اُمید ختم ہو گئی تھی۔ صحرا کا بچھو اور یہ سانپ اتنے زہریلے ہوتے ہیں کہ جسے ڈس لیں اسے پانی پینے کی مہلت نہیں ملتی۔ صحراؤں کے مسافر جلا دینے والے سورج سے اور لوٹ کر قتل کر دینے والے ڈاکوؤں سے اتنا نہیں ڈرتے، جتنا اس سانپ اور بچھو سے ڈرتے ہیں۔ یہ سانپ میدانی اور پہاڑی علاقوں کے سانپوں کی طرح آگے کو نہیں رینگتا بلکہ پہلو کی طرف عجیب سی چال سے رینگتا ہے۔ اسحاق نے اپنے گھوڑے کو مایوسی سے دیکھا۔ گھوڑا بڑی زور سے کانپا۔ اُس کا منہ کھل گیا تھا۔ گھوڑے کی ٹانگیں دوہری ہوئیں پھر اُس کا پیٹ زمین سے لگا اور وہ ایک پہلو پر گر پڑا۔ اسحاق ترک اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اعلیٰ نسل کا جنگی گھوڑا تھا جو لق و دق صحرا، بھوک اور پیاس کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ یہ تو ایک نقصان تھا کہ ایسا اعلیٰ گھوڑا ضائع ہو گیا تھا، مگر اُس وقت نقصان یہ ہوا کہ اسحاق ترک کو پیدل قاہرہ تک پہنچنا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے یہ راز جو وہ سینے میں لے کے جا رہا تھا، فوراً سلطان ایوبی تک نہ پہنچایا تو بہت بڑے جنگی نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔

اُس نے گھوڑے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی نظر گھوڑے کے ایک پاؤں پر پڑی۔ کھر کے ذرا اوپر خون کے چند قطرے جمے ہوئے تھے۔ یہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ گھوڑا مر چکا تھا۔ اسحاق نے گھوڑے کی زین سے کھجوروں کا تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ کھولا اور چل پڑا۔ اس نے مرے ہوئے سانپ کو دیکھا اور نفرت سے کہا......
''سانپ اور صلیبی کی فطرت ایک سی ہے''۔

☆

وہ ریتلے ٹیلوں کے علاقے سے نکل گیا۔ سورج اُفق سے کچھ دُور رہ گیا تھا۔ اس کا قہر عروج پر تھا۔ وہ اپریل ۱۱۸۲ء کے دن تھے جو دُنیا کے لیے بہار کے دن تھے مگر صحراؤں میں کبھی بہار نہیں آتی۔ اسحاق ترک کے سامنے اُفق تک پھیلا ہوا ریت کا سمندر تھا جس میں چھوٹی چھوٹی خشک جھاڑیاں تھیں۔ ریت اس طرح جھلس رہی تھی جیسے ایک آدھ میل آگے پانی ہی پانی ہو اور اس میں سے شفاف بھاپ اُٹھ رہی ہو۔ اسحاق ابھی تازہ دم تھا۔ وہ کھجوروں کے تھیلے، مشکیزے، تلوار اور خنجر کا بوجھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اُس کی چال میں جان تھی اور قاہرہ بہت جلدی پہنچنے کے عزم میں ابھی کوئی لرزہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ چلتا گیا اور سورج غروب ہو گیا۔

وہ ذرا سی دیر کے لیے رُکا۔ چند ایک کھجوریں کھائیں، پانی پیا اور چند منٹ لیٹ کر اُٹھ بیٹھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ بڑی ہی قیمتی اطلاع سلطان ایوبی کے لیے لے جا رہا ہے۔ اسے کچھ کھانے اور پینے کی جیسے ضرورت ہی نہیں تھی۔ اُس کی روح سیر تھی۔ فرض کے شیدائی جب فرض ادا کر لیں تو اُن کی روحیں مسرور ہو جاتی ہیں۔ اسحاق ترک بھی روحانی مسرت سے سرشار تھا۔ وہ اُٹھا۔ ستاروں کو دیکھا۔ سمت کا تعین کیا اور چل پڑا۔ صحرا کی رات اتنی خنک ہوتی ہے جتنا دن گرم اور جھلسا دینے والا ہے۔ رات کو چلنا آسان ہوتا ہے۔ وہ چلتا گیا۔ اس نے چلتے چلتے بہت کچھ سوچا۔ یہ بھی سوچا کہ وہ اتنی لمبی مسافت اتنے کم عرصے میں طے نہیں کر سکے گا۔ اس کا یہی ایک علاج تھا کہ کوئی اکیلا دکیلا گھوڑ سوار یا شتر سوار مل گیا تو اس سے گھوڑا یا اونٹ چھین لے گا اور اگر کوئی قافلہ رُکا ہوا نظر آ گیا تو گھوڑا یا اونٹ چوری کر لے گا۔ اسی توقع پر چلتا گیا۔

رات گزرتی جا رہی تھی۔ اُس کے پاؤں تلے سے ریگزار پیچھے ہٹتا جا رہا تھا اور اُسے تھکن کا احساس بھی ہونے لگا تھا لیکن اُسے ٹریننگ ایسی ملی تھی کہ تھکن، نیند، بھوک اور پیاس کو کئی روز تک برداشت کر سکتا تھا۔ تھکن کے پہلے احساس کو

اس نے ایک جنگی ترانے کے حوالے کر دیا۔ وہ بلند آواز سے ترانہ گانے لگا...... رات کے آخری پہر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑا سا پانی پیا اور وہیں سو گیا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا جب اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے بھوک کے احساس کو دبا لیا۔ پانی بھی نہ پیا۔ منزل ابھی بہت دُور تھی۔ کھجوریں اور پانی بچانے کی ضرورت شدید تھی۔ وہ اُٹھا اور چل پڑا۔

اُسے صحرا کا ایک اور خطرہ دُور سے ہی نظر آنے لگا۔ یہ ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جو دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ان کی بلندی بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ ان میں کوئی اجنبی داخل ہو جائے تو باہر نکل نہیں سکتا۔ یہ بھول بھلیاں بنی ہوتی ہیں۔ بعض مسافر ایک ہی ٹیکری کے اِرد گرد گھومتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہی کہ وہ سفر طے کر رہے ہیں۔ صحراؤں کے بھیدی بھی ان سے ڈرتے ہیں۔ اسحاق ترک کو پہلا احساس یہ ہوا کہ یہ ٹیکریاں اس کے راستے میں نہیں آنی چاہئیں تھیں۔ اس سوال نے اُسے پریشان کر دیا۔ کیا وہ اُس راستے سے بھٹک گیا ہے جس سے وہ واقف تھا؟ وہ اب اِدھر اُدھر کہیں نہیں جا سکتا تھا اسے انہی میں سے گزرنا تھا۔ وہ بڑھتا گیا اور ٹیکریوں میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک سورج اوپر آچکا تھا اور صحرا تپنے لگا تھا۔ وہ ٹیکریوں میں گھومتا، موڑ مڑتا گیا۔ ریت اس کے پاؤں جکڑنے کی کوشش کر رہی تھی، وہاں کی ریتلی زمین بتا رہی تھی کہ اسحاق سے پہلے یہاں سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا۔ اسحاق چلتا گیا۔ سورج سر پر آگیا تو بھی وہ ریت کی انہی ڈھیروں میں گھومتا مڑتا جا رہا تھا۔ وہ ایک اور موڑ مڑا تو ٹھٹھک کر رُک گیا۔ اُس نے زمین پر اپنے ہی پاؤں کے نشان دیکھے جو ایک اور ٹیکری کے گرد مُڑ گئے تھے۔ تب اُسے احساس ہوا کہ وہ صحرا کے بے حد خطرناک دھوکے میں آگیا ہے۔ وہ ساتھ والی ٹیکری پر چڑھ گیا۔ ہر سُو نگاہ دوڑائی۔ اسے یوں نظر آیا جیسے ساری دُنیا ریت کے گول گول اونچے ڈھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سورج کی آگ اور ریت کی گرمی نے اُس کے جسم کی نمی چوسنی شروع کر دی تھی۔ ریت نے اُس کے پاؤں جکڑ جکڑ کر من من وزنی کر دیئے تھے۔ اس نے پانی پیا اور سمت کا اندازہ کر کے نیچے اُترا۔ اب اُسے دماغ حاضر رکھنا تھا۔ ہر موڑ ذہن میں محفوظ رکھنا تھا۔ وہ ٹریننگ کے مطابق چل پڑا۔ اب وہ جن دو ڈھیری نما ٹیکریوں کے درمیان سے گزرتا انہیں ذہن میں نقش کر لیتا۔ آگے چلتا، پیچھے دیکھتا مگر صحرا کے ظالم اثرات اس کے دماغ کو ماؤف کرنے لگے تھے۔ اس میں برداشت کی قوت اوسط درجہ انسانوں سے زیادہ تھی، ورنہ وہ کبھی نہ اُٹھنے کے لیے گر پڑتا۔

سورج اُفق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا جب وہ صحرا کے اس دھوکے سے نکل گیا مگر اُس کی ٹانگوں میں جسم کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہیں رہی تھی۔ یہ فرض کی لگن تھی جو اسے چلائے جا رہی تھی۔ اُس نے آگے دیکھا تو اُسے ایک قطار میں کئی گھوڑے اُس کا راستہ کاٹ کر جاتے نظر آئے۔ گھوڑوں پر سوار بھی تھے۔ اُس نے سواروں کو پکارا، پھر اور زیادہ اونچی آواز سے پکارا۔ کسی بھی سوار نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ گھوڑے دائرے میں چلنے لگے۔ اسحاق ترک رُک گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے سر کو زور زور سے جھٹکے دیئے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ گھوڑے نہیں واہمہ ہے اور یہ سراب ہے جو صحرا کا ایک خطرناک دھوکہ ہوتا ہے۔ اُس کا ذہن صاف ہوا تو گھوڑے غائب ہو گئے۔ جھلستی ریت اور اس کی بھاپ نما چمک دُور تک دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ وہ اب قدم گھسیٹ رہا تھا۔

☆

اُسے دن اور رات کا بھی احساس نہ رہا۔ ایک جگہ اُس کا پاؤں پھسلا تو وہ گر پڑا اور لڑھکتا ہوا دُور نیچے چلا گیا۔ اس سے وہ ذرا سا بیدار ہوا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ نادانستہ مٹی کی ایک ٹیکری پر چڑھ گیا تھا اور وہاں سے گرا تو نیچے آپڑا

تھا۔ اُس نے پانی کی شدید ضرورت محسوس کی۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور ہونٹ خشک لکڑی کی طرح اکڑ گئے تھے مگر اس کے پاس نہ پانی کا مشکیزہ تھا، نہ کھجوروں کا تھیلا۔ اس نے اُٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دونوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وہ مایوسی اور بے بسی کے عالم میں چلا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے ہر سُو سفید سفید اور شفاف شفاف سے شعلے نظر آئے جو اُس سے کچھ دُور دُور گول دائرے کی شکل میں اسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ اب لاشعوری طور پر یا نیم غشی کی کیفیت میں چل رہا تھا۔

وہ رُک گیا۔ اُسے دو آدمی اور ایک عورت کھڑی نظر آئی۔ تینوں اُسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے عقب میں تھوڑی دُور کھجور کے درخت بھی اُسے دکھائی دیئے۔ اُن کے قریب ٹیلے تھے۔ اسحاق ترک نے اسے بھی واہمہ اور سراب سمجھا۔ اُس پر جو مایوسی طاری ہوگئی تھی اس میں اضافہ ہوگیا جس سے اُس کے جسم میں اگر کچھ سکت رہ گئی تھی، وہ بھی نہ رہی۔ اس نے اِن آدمیوں اور عورت کو آواز دینے کو بے کار سمجھا۔ سراب اور واہمے بولا نہیں کرتے۔ مسافروں کو اپنی طرف گھسیٹتے اور پیچھے ہٹتے جاتے ہیں، حتیٰ کہ انسان ہار کر گر پڑتا ہے اور ریت اُس کا گوشت پوست چوس کر اسے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیتی ہے۔ اسحاق ترک میں اتنی سی زندگی رہ گئی تھی کہ اُس نے ان آدمیوں اور عورت کو واہمہ سمجھا مگر اُس نے چلنے کے لیے قدم اُٹھایا تو اُس کی ٹانگیں دوہری ہوگئیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے صحرا، سراب اور واہمہ گھپ تاریکی میں چھپ گئے۔

اُسے باتیں سنائی دیں۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آرہا تھا۔ باتیں صاف ہونے لگیں۔ وہ ریت پر گرا تھا۔ ریت آگ پر رکھی ہوئی لوہے کی چادر کی طرح تپ رہی تھی لیکن ہوش میں آتے وہ خنکی محسوس کر رہا تھا۔

''وہیں مرنے دیا ہوتا''...... اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی...... ''اُٹھاؤ اور اسے باہر پھینک دو۔ کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہے''۔

''یہ کوئی عام مسافر نہیں لگتا''۔ ایک اور مردانہ آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

''ذرا اسے ہوش میں آنے دو''...... یہ آواز کسی عورت کی تھی۔ ''مجھے شک ہے۔ یہ بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا...... ''قاہرہ کتنی دُور ہے؟ سلطان...... سلطان صلاح الدین ایوبی! ہوشیار ہو کر قاہرہ سے نکلنا۔ بڑی قیمتی خبر لایا ہوں''...... شک رفع کر لینا چاہیے''۔

اسحاق ترک اسے بھی واہمہ یا خواب سمجھنے لگا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ آوازیں اُنہی دو آدمیوں اور عورت کی ہیں جنہیں اُس نے صحرا میں اپنے سامنے کھڑے دیکھا تھا۔ انہیں اس نے واہمہ سمجھا تھا لیکن یہ انسان حقیقی تھے۔ واہمہ نہیں تھے۔

''تم اس کے پاس بیٹھو''...... ایک آدمی نے کہا...... ''اگر ہوش میں آگیا تو اسے پانی پلا دینا اور کھانے کے لیے بھی کچھ دے دینا، پھر ہمیں بتانا کہ یہ کون ہے''...... آدمی باہر نکل گئے۔

اسحاق نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ اس کے کانوں میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز پڑی۔ وہ یکلخت بیدار ہوگیا اور اُٹھ بیٹھا۔ اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا...... ''یہ گھوڑا مجھے دے دو''۔

''لو تھوڑا سا پانی پی لو''...... ایک نسوانی آواز نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کے ہونٹوں کی طرف ایک پیالہ بڑھ رہا تھا۔ عورت نے کہا...... ''تھوڑا پینا، ایک ہی بار سارا نہ پی لینا، مر جاؤ گے''۔

اُسے پانی کی ہی ضرورت تھی۔ اُس نے یہ دیکھنے سے پہلے کہ پانی پلانے والی کون ہے، پیالہ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہونٹوں سے لگا کر دو تین گھونٹ پیئے۔ پیالہ ہونٹوں سے الگ کر کے بولا...... ''میں جانتا ہوں کہ اس حالت میں زیادہ پانی نہیں پینا چاہیے''۔

اُس نے عورت کو دیکھا۔ وہ جوان لڑکی تھی۔ اس کا لباس اسی علاقے کا صحرائی خانہ بدوشوں کی طرح تھا لیکن اس کے نقش و نگار اور رنگ روپ سے دھوکہ ہوتا تھا کہ وہ خانہ بدوش نہیں۔ اس کے سر پر لپٹے ہوئے رومال میں سے جو بال نظر آ رہے تھے، وہ بھی خانہ بدوش لڑکیوں جیسے نہیں تھے لیکن اس علاقے میں کوئی امیر کبیر لڑکی تو نہیں آ سکتی تھی، خانہ بدوش ہی ہو سکتی تھی۔

''تم کسی قافلے کے ساتھ ہو؟'' ...... اسحاق نے لڑکی سے پوچھا۔

''یہ تاجروں کا قافلہ ہے'' ...... لڑکی نے جواب دیا اور پوچھا ...... ''تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟''

اسحاق ترک نے جواب دینے کی بجائے پانی کا پیالہ منہ سے لگا لیا۔ پانی کی نمی نے اُس میں سوچنے کی قوت کچھ بحال کر دی تھی۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور اسے اپنا آپ کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔

''میں بھی تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ تھا'' ...... اس نے سوچ کر جواب دیا ...... ''یہاں سے بہت دُور ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ جو کچھ تھا، لے گئے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی لے گئے۔ میں وہاں سے بھاگا اور بھٹک گیا''۔

''میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں'' ...... لڑکی نے کہا اور باہر نکل گئی۔

وہ ایک خیمے میں تھا جس میں دِیا جل رہا تھا۔ اُس نے خیمے سے ذرا چھپ کر باہر دیکھا۔ چاندنی رات تھی۔ اُسے باہر تین چار آدمی اِدھر اُدھر پھرتے دکھائی دیئے۔ اسے لڑکی کی ہنسی سنائی دی۔ پھر اُس نے لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ لڑکی نے اُس کے آگے کھانا رکھا جو وہ کھانے لگا۔

''تم اب قاہرہ جا رہے ہو؟'' ...... لڑکی نے پوچھا

''نہیں'' ...... اسحاق ترک نے جھوٹ بولا ...... ''سکندریہ جا رہا ہوں''

''سلطان صلاح الدین ایوبی تو قاہرہ میں ہے'' ...... لڑکی نے مُسکرا کر کہا۔ ''سکندریہ جا کر کیا کرو گے؟''

''میرا سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' ...... اسحاق نے حیرت سے کہا۔

''ہمارا تو ہے'' ...... لڑکی نے کہا ...... ''وہ ہمارا سلطان ہے، ہم مسلمان ہیں، ہم اُس کے حکم پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں''۔

''لیکن مجھ سے تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں ہے؟'' ...... اسحاق ترک نے پوچھا۔

''سنو'' ...... لڑکی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا ...... ''تمہیں گھوڑا چاہیے۔ تم سلطان کے پاس جا رہے ہو، ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں گھوڑا دیں گے۔ تم بہت جلدی سلطان تک پہنچ جاؤ گے''۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''یہ مت پوچھو'' ...... لڑکی نے کہا ...... ''تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو، ہمیں اپنا فرض ادا کرنے دو۔ ہم تمہیں گھوڑا دے کر سمجھیں گے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے''۔

لڑکی کا انداز ایسا تھا کہ اسحاق پسیج گیا۔ اس نے کہا ...... ''ہاں، مجھے بہت جلدی سلطان کے پاس پہنچنا ہے''۔

''کوئی بہت ضروری خبر ہے؟''

''مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھو'' ...... اسحاق نے جواب دیا ...... ''تمہیں ان کے ساتھ دلچسپی نہیں ہونی چاہیے''۔

''میں تمہارے لیے گھوڑے کا انتظام کرتی ہوں'' ...... لڑکی نے اُٹھتے ہوئے کہا ...... ''آرام کر لو۔ رات ابھی

شروع ہوئی ہے۔ آخری پہر روانہ ہونا''۔

لڑکی خیمے سے نکل گئی۔ اسحاق ترک کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ وہ فوراً سو گیا۔

☆

''کون کہتا تھا اسے وہیں پڑا رہنے دیتے؟''..... لڑکی نے خیمے سے باہر جا کر اپنے آدمیوں سے کہا..... ''مجھے استاد مانتے ہو؟ یہ ایوبی کا جاسوس ہے۔ کہتا ہے مجھے ایک گھوڑا دے دو، سلطان کے پاس جلدی پہنچنا ہے۔ وہ جب بے ہوشی میں بڑبڑا رہا تھا تو میں نے کان لگا کر سنا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا نام لے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ بڑی قیمتی خبر لایا ہوں''...... لڑکی نے اسحاق ترک کے ساتھ جو باتیں کیں اور جو اُس سے کہلوائی تھیں، سب کو سنا دیں۔

یہ تاجروں کا قافلہ نہیں تھا۔ یہ سب صلیبی جاسوس اور تخریب کار تھے جو مصر میں کچھ عرصہ اپنی زمین دوز کارروائیاں کر کے واپس اپنے یا کسی اور مسلمان علاقے کو جا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے۔ ان دس بارہ آدمیوں کے ساتھ دو جوان لڑکیاں تھیں۔ ان کا استعمال اور رول وہی تھا جو آپ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ دونوں خوب صورت اور تربیت یافتہ تھیں۔ یہ گروہ تاجروں کے بھیس میں جا رہا تھا۔ ان کے پاس اونٹ بھی تھے اور گھوڑے بھی۔ سفر کے دوران یہاں پانی اور سایہ دیکھ کر رُک گئے تھے۔ شام سے کچھ دیر پہلے انہوں نے دُور سے اسحاق ترک کو آتے دیکھا۔ دو صلیبی اور ایک لڑکی اس کی طرف چل پڑے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس آدمی کو اپنے کیمپ سے دُور رکھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ آدمی بہت بُری حالت میں چلا آ رہا ہے اور یہ زیادہ دیر چل نہیں سکے گا۔

اسحاق ترک نے انہیں دیکھا تو اسے سراب اور واہمہ سمجھا۔ پھر وہ گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ یہ دونوں صلیبی اور لڑکی اُس تک پہنچے۔ سب سے پہلے لڑکی نے کہا تھا کہ یہ کوئی عام قسم کا مسافر نہیں۔ دونوں آدمیوں نے رائے دی کہ یہ کوئی اناڑی مسافر ہے، ورنہ اس حال کو نہ پہنچتا۔ تاہم اسحاق کی شکل وصورت اور جسم سے شک ہوتا تھا کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ کچھ از راہِ مذاق اور کچھ شک کی بنا پر وہ اسے اپنے کیمپ میں اُٹھا لے گئے اور ایک خیمے میں لٹا دیا۔ اس کے منہ میں پانی اور شہد ٹپکاتے رہے۔ اس دوران اسحاق ترک بڑبڑاتا رہا۔ اس پر غشی طاری تھی۔ غشی اور نیند میں ذہن لاشعور بیدار ہوتا ہے۔ جاسوس کو یہ خاص طور پر بتایا جاتا تھا کہ وہ دشمن کے علاقے میں بے ہوش ہونے سے بچیں۔ بے ہوشی میں انسان کی زبان سے بعض اوقات سینے کے راز نکل آتے ہیں۔ اسحاق کو صحرا نے بے بس اور بے ہوش کر دیا تھا، ورنہ اُس میں حیران کن قوتِ برداشت اور قوتِ مدافعت تھی۔ اگر بے ہوشی میں اس کی زبان بند رہتی تو اس کا اصل روپ بے نقاب نہ ہوتا۔

اسحاق ہوش میں آیا تو اس قدر ذہین اور چالاک ہوتے ہوئے بھی ایک لڑکی کے جال میں آ گیا۔ یہ لڑکی کی استادی تھی۔ وہ بھی تربیت یافتہ تھی اور وہ حسین لڑکی تھی۔ اُس کی زبان پر یقین کرتے ہوئے وہ اُسے مسلمان سمجھ بیٹھا۔ لڑکی نے باہر جا کر اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس کا شک صحیح نکلا ہے اور یہ خوبرو شخص سلطان ایوبی کا جاسوس ہے۔

''موٹا شکار ہے''..... اس گروہ کے سربراہ نے کہا..... ''اب اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کیا راز اپنے ساتھ لے جا رہا ہے اور یہ راز کہاں سے لایا ہے''۔

''اگر اُس نے یہ بتا دیا کہ وہ راز کہاں سے لایا ہے تو اس سے یہ بھی پوچھیں گے کہ وہاں اس کے ساتھی کون کون ہے''..... ایک آدمی نے کہا۔

''لیکن اس پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ ہم کون ہیں''..... سربراہ نے کہا..... ''میں صلاح الدین ایوبی کے

جاسوسوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ موت قبول کر لیتے ہیں، کوئی راز نہیں دیتے۔ خاصی استادی سے بات کرنی ہوگی''۔

''میں ان مسلمانوں کو زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں''۔ لڑکی نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا...... ''راز تو راز، یہ اپنے خنجر سے اپنا دل نکال کر میرے قدموں میں رکھ دے گا''۔

''تم اُن مسلمانوں کو جانتی ہو جن پر حکمرانی اور دولت کا نشہ سوار ہوتا ہے''۔ ایک اور صلیبی نے کہا۔ ''تمہارا پالا کبھی کسی غریب مسلمان اور سپاہی سے نہیں پڑا۔ وہ مسلمان دولت اور رُتبے کے شیدائی ہوتے ہیں جنہیں تم گمراہ کر لیتی ہو۔ جن مسلمانوں کے پاس دولت کی بجائے ایمان ہے، کبھی اُن کے قریب جا کر دیکھنا''۔

اُن کے پاس ایک اور صلیبی لڑکی بیٹھی تھی جس نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ سربراہ نے اُس کی طرف دیکھا اور قدرے طنزیہ لہجے میں اُسے کہا...... ''کیا تم اس مسلمان کے سینے سے راز نکال سکتی ہو، باربرا؟'' لڑکی نے اُسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھا۔ سربراہ نے کہا...... ''تم نے قاہرہ میں ہمیں بہت خراب کیا تھا۔ میرنیا کی اُستادی دیکھو اور اس سے کچھ سیکھو۔ میں تمہیں اور کوئی موقع نہیں دوں گا۔ ذرا میرنیا کی عقل پر غور کرو۔ ہم سب اس آدمی کو بھٹکا ہوا کوئی مسافر اور بے کار آدمی سمجھتے تھے لیکن اس نے اسے پہچان لیا کہ یہ موٹا شکار ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں اسی لیے مصر سے نکال کر لے جا رہا ہوں کہ تم صلیب کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچاتی ہو''۔

''تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا''۔ ایک اور صلیبی نے کہا...... ''تمہیں اس پیشے سے محروم کر دیا جائے گا جس میں تمہیں شہزادیوں کی طرح رکھا جاتا ہے۔ اس سے نکال دیا گیا تو کسی کی داشتہ بن کر رہنے یا عصمت فروشی کے سوا تمہارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا''۔

''اونہہ!'' دوسری لڑکی جس کا نام میرنیا تھا نفرت سے بولی...... ''یہ تو ہے اسی قابل''۔

باربرا نے میرنیا کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ غصے سے لال ہو گیا لیکن خاموش رہی۔ وہ بھی میرنیا کی طرح خوب صورت تھی لیکن جب سے مصر گئی تھی، اُس کی استادی ماند پڑ گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا سربراہ بھی مصر میں تھا اور زمین دوز کارروائیاں کر رہا تھا۔ یہ لوگ کسی جگہ آپس میں ملا کرتے تھے۔ سربراہ رُتبے والا افسر تھا اور خوبرو بھی تھا۔ وہ باربرا کو پسند کرتا تھا اور اُس نے باربرا کے ساتھ شادی کرنے کا وعدہ بھی کر رکھا تھا۔ سربراہ جس جاسوس کی سفارش کر دے اُسے ترقی اور انعام دلا دیا کرتا تھا۔ باربرا بہت خوش تھی مگر میرنیا نے سربراہ پر اپنا جادو چلا لیا۔ اس لڑکی نے اپنی فن کاری سے سربراہ کو باربرا کے خلاف بدظن کر دیا اور اس کے ساتھ محبت کا کھیل کھیلنے لگی۔ باربرا بجھ کے رہ گئی۔ جاسوسی اور تخریب کاری سے اس کی طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔ ایسے موقعے بھی آئے کہ وہ شک میں پکڑی جانے لگی تھی لیکن بچ گئی۔

اُسے سلطان ایوبی کے فوج کے کسی بڑے اہم حاکم کے ساتھ لگایا گیا تھا لیکن وہ مطلوبہ کام نہ کر سکی۔ سربراہ کو معلوم ہو گیا کہ اُس کے دل میں میرنیا کے خلاف رقابت پیدا ہو گئی ہے۔ اُس نے بہتر سمجھا کہ پورے گروہ کو واپس لے جائے اور اس کی جگہ نیا گروہ بھیجا جائے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ باربرا میرنیا سے جلنے لگی تھی۔ سربراہ اس کا دشمن بن گیا تھا۔ میرنیا اُس کے ساتھ طنز اور نفرت سے بات کرتی تھی۔ اُسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ اب میرنیا نے اُسے کہا کہ یہ تو ہے ہی اسی قابل تو اُس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی۔

''اس آدمی کے سینے سے صرف میں راز نکال سکتی ہوں''۔ میرنیا نے کہا۔ ''یہ باربرا کے بس کا روگ نہیں''۔

باربرا غصے سے اُٹھی اور اپنے خیمے میں چلی گئی۔

☆

''یہ آدمی رات کو کہیں بھاگ کے نہیں جاسکتا''۔ سربراہ نے کہا..... ''ابھی اس کے پاس بھاگنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ پھر بھی احتیاط لازمی ہے۔ اسے بے ہوش کر دینا چاہیے''۔

تھوڑی دیر بعد میرنیا اُس خیمے میں داخل ہوئی جس میں اسحاق ترک سویا ہوا تھ۔ دِیا جل رہا تھا۔ میرنیا کے ہاتھ میں ایک رومال تھا جو بے ہوش کرنے والی دوائی میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں اسحاق کے پاس گئی اور بیٹھ گئی۔ اس نے رومال اسحاق کی ناک پر رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد رومال ہٹایا اور باہر نکل گئی۔ اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر کہنے لگی..... ''کل سورج نکلنے کے بعد ذرا ہوش میں آئے گا''۔

''اطمینان سے سو جاؤ''۔ سربراہ نے کہا..... ''کل ہم صلاح الدین ایوبی کے اس جاسوس کو اس کی خواہش کے مطابق گھوڑا ضرور دیں گے لیکن وہ اس گھوڑے پر قاہرہ نہیں، بیروت جائے گا۔ یہ ہمارا اہم سفر ہوگا''۔

سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کو پکڑ لینا اُن کے لیے بہت بڑی کامیابی تھی۔ وہ شراب پینے اور خوشیاں منانے لگے۔ میرنیا اُچھل کود رہی تھی مگر باربرا جیسے اس جشن سے لاتعلق تھی۔ اسی لیے وہ اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔ بہت دیر بعد سب ایک ایک کر کے اپنے اپنے خیمے میں چلے گئے۔ باربرا بھی جا چکی تھی۔ اُس ٹولے کا سربراہ میرنیا کو اپنے ساتھ وہاں سے دُور لے گیا۔ باربرا خیمے میں تنہا لیٹی اُداسیوں اور ناکامیوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اُس کے دِل میں انتقام کی آگ سلگنے لگی تھی۔ باہر کے جشنِ شراب نوشی کا شور اس آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ جب شور ختم ہوا تو وہ اور زیادہ بے چین ہوگئی۔ اُس نے خیمے کا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ اُسے اپنا سربراہ اور میرنیا ٹیلے کی طرف جاتے نظر آئے۔ چاندنی رات میں وہ کچھ دُور تک نظر آئے اور غائب ہو گئے۔

باربرا کے کانوں میں میرنیا کے یہ الفاظ گونج رہے تھے..... ''صرف میں اس کے سینے سے راز نکال سکتی ہوں''..... باربرا کے دماغ میں یہ سوچ آئی کہ وہ میرنیا کو ناکام کرسکتی ہے۔ اس کا یہ طریقہ ہوسکتا تھا کہ وہ اسحاق ترک کو بتا دے کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں تا کہ وہ اپنا اصل روپ چھپا لے۔ اُس نے یہ بھی سوچا کہ وہ اسحاق کو وہاں سے بھگا دے۔ یہ سب انتقامی سوچیں تھیں۔ وہ سب کے سو جانے کا انتظار کرتی رہی۔ اُسے نیند آرہی تھی۔ اُس کے خیمے کا پردہ اُٹھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ کون ہے۔ اُسے سرگوشی سنائی دی..... ''باربرا''۔

''چلے جاؤ مارٹن''۔ باربرا نے غم و غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا..... ''چلے جاؤ یہاں سے''۔

مارٹن جانے کی بجائے خیمے کے اندر چلا گیا اور باربرا کے پاس جا بیٹھا۔ بولا..... ''تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہمارا یہ لیڈر میرنیا کے ساتھ دِل سے محبت کرتا ہے؟ اور کیا وہ تمہیں دل سے چاہتا رہا ہے؟ یہ سب بدمعاشی ہے باربرا۔ تم دِل پر بوجھ ڈال کر اپنے فرائض سے لاپرواہ ہوگئی ہو۔ اگر سچی محبت کی خواہش مند ہو تو وہ میرے دِل میں ہے۔ میں نے تمہیں کب دھوکا دیا ہے؟''

''تم سراپا دھوکا ہو''۔ باربرا نے جل کر کہا..... ''ہم سب دھوکہ ہیں۔ میں اپنے فرائض سے لاپرواہ نہیں ہوئی، میرا دِل تو دُنیا سے بھی اُچاٹ ہوگیا ہے۔ ہم سب کو بچپن سے فریب کاری کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہم مسلمانوں کو فریب دے کر انہیں صلیب کے مقابلے میں بے کار کر دیں مگر ہم ایک دوسرے کو بھی فریب دیتے ہیں۔ ہم صلیب کو گلے میں لٹکا کر بدکاری کرتے تھے، ایک دوسرے کو دھوکے دیتے ہیں۔ مسلمان ہم سے زیادہ عقل مند ہیں کہ وہ

جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے اپنی لڑکیوں کو استعمال نہیں کرتے۔ ہمارے لیڈر نے پہلے مجھے محبت کا جھانسہ دیا۔ میرنیا چونکہ زیادہ ہوشیار ہے۔ اس لیے اُس نے لیڈر پر قبضہ کرلیا۔ تم نے مجھ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا سارا گروہ بے کار واپس جا رہا ہے۔ اگر تمہارے ساتھ ہم دو لڑکیاں نہ ہوتی تو تم مرد اپنا کام خوش اسلوبی سے کرتے۔ عورت کا وجود مردوں کے درمیان دشمنی پیدا کرتا ہے"۔

"اسی لیے ہم مسلمانوں کے درمیان اپنی تربیت یافتہ عورتوں کو چھوڑ دیتے ہیں"۔ مارٹن نے کہا..... "اُن کے درمیان دشمنی پیدا کرنا ہی ہمارا مقصد ہے۔ ہم یہ اس لیے کرتے ہیں کہ اسلام کو زوال آئے اور صلیب کی حکمرانی قائم ہو"۔ اُس نے جھنجلا کر باربرا کو اپنی طرف گھسیٹ کر کہا..... "اتنی پیاری رات کو ایسی خشک باتوں سے بے مزہ نہ کرو باربرا۔ آؤ باہر چلیں۔ دیکھو چاندنی کتنی حسین ہے"۔

"میرا دل ٹوٹ چکا ہے"۔ باربرا نے کہا..... "میں ناکام ہو چکی ہوں۔ میرے دِل میں نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ تم جاؤ"۔

"ایک روز تم میرے قدموں میں آ بیٹھو گی اور کہو گی، مارٹن! مجھے بچاؤ۔ دیکھو یہ لوگ مجھے کتوں کے حوالے کر رہے ہیں۔ اس وقت میں تمہاری مدد نہیں کر سکوں گا"۔

"میں اب بھی کتوں کے حوالے ہوں"۔ باربرا نے حقارت سے کہا..... "میں تم سے کبھی مدد نہیں مانگوں گی۔ یہاں سے چلے جاؤ"۔

"مارٹن غصے سے اُٹھا اور باہر نکل گیا۔ وہ خیمے کا پردہ ہٹا کر اُسے دیکھتی رہی اور انتظار کرتی رہی کہ مارٹن سو جائے۔ اُسے معلوم تھا کہ سربراہ اور میرنیا بہت دیر سے آئیں گے..... کچھ دیر بعد وہ خیمے سے نکلی۔ وہ اُٹھی نہیں، پاؤں پر بیٹھے بیٹھے ایک طرف کو سرکتی گئی۔ آگے ذرا گہرائی تھی۔ اس میں اُتر گئی، وہاں سے جھک کر چلتی چشمے کے پیچھے گئی اور دُور کا چکر کاٹ کر اُس خیمے کے قریب پہنچ گئی جس میں اسحاق ترک بے ہوش پڑا تھا۔ باربرا کو معلوم نہیں تھا کہ اُسے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرکتی خیمے کے اندر چلی گئی۔ دیا جل رہا تھا۔ اُس نے اسحاق کو ہلایا مگر وہ نہ جاگا۔ اُس کے سر کو پکڑ کر جھنجوڑا، اُسے بلایا۔ اسحاق ترک پر کچھ اثر نہ ہوا۔

"اُٹھو بدبخت"۔ اُس نے اسحاق کے منہ پر تھپڑ مار کر کہا..... "تم دھوکے میں آ گئے ہو۔ ہم سب جاسوس ہیں۔ تم قاہرہ نہیں پہنچ سکو گے، بیروت کے قید خانے کے تہہ خانے میں اذیت ناک موت مرو گے"۔

اسحاق بے ہوش پڑا رہا جیسے مر گیا ہو۔ باربرا کو خیمے کے باہر ہلکی ہلکی ہنسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں، مگر وہ گھبرائی نہیں۔ وہ تربیت یافتہ تھی۔ آوازیں قریب آ گئیں تو بھی وہ اسحاق کے پاس بیٹھی رہی۔ آوازیں خیمے تک پہنچ گئیں۔ ان میں ایک آواز میرنیا کی تھی، وہ سربراہ کے ساتھ اپنے قیدی کو دیکھنے آئی تھی۔

"ہم سب مسلمان ہیں"۔ باربرا نے اسحاق سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا..... "ہم تمہیں ایسا گھوڑا دیں گے تو تمہیں دو دنوں میں قاہرہ پہنچا دے گا"۔

"باربرا!" اُسے اپنے سربراہ کی آواز سنائی دی۔ اُس نے گھوم کے دیکھا، خیمے میں سربراہ اور میرنیا کھڑے تھے۔ سربراہ نے کہا..... "تم اپنا فرض ابھی ادا نہیں کر سکو گی۔ اسے بے ہوش کر دیا گیا ہے"۔

"یہ میرا شکار ہے باربرا!" میرنیا نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا..... "یہ صرف مجھے معلوم ہے کہ اس کے سینے سے

میں کیسے راز نکال سکتی ہوں''۔

''سربراہ اور میرینا ہنس پڑے۔ باربرا اس طنزیہ ہنسی کو سمجھ گئی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے بولی...... ''میں نے کوئی غلطی تو نہیں کی، اپنا فرض ادا کر رہی ہوں''۔

''جاؤ سو جاؤ''۔ سربراہ نے اسے کہا۔

وہ اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ سربراہ نے اسحاق کی نبض پر ہاتھ رکھا، پھر میرینا کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ اسحاق ترک سلطان ایوبی کے لیے بڑی ہی اہم اطلاع لیے گہری بے ہوشی میں پڑا رہا۔

☆

''علی بن سفیان!'' قاہرہ میں سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا...... ''اُدھر سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ کوئی ہلچل نہیں۔ میں تسلیم نہیں کر سکتا''۔

''اور میں یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہاں کوئی تبدیلی یا ہلچل ہو تو ہم تک اطلاع نہ پہنچے''...... علی بن سفیان نے کہا...... ''وہاں ہمارے جو آدمی ہیں وہ معمولی سوجھ بوجھ والے نہیں۔ اسحاق ترک کو آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ زمین کا سینہ چیر کر راز اور خبریں لانے والا آدمی ہے۔ باقی بھی اُسی جیسے ہوشیار اور عقل والے ہیں''۔

''صلیبی اُن واقعات سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے جو اُس طرف رونما ہوئے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''بالڈون اپنے فرنگی لشکر کے ساتھ حلب اور موصل کے اِردگرد موجود ہے''۔

''مگر الملک الصالح مر گیا ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''اب حلب کا حکمران عزالدین ہے۔ وہ صلیبیوں کے ہاتھ آنے والا نہیں''۔

''علی!'' سلطان ایوبی نے قدرے حیرت سے کہا...... ''تم بھی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو رہے ہو؟ تم شاید اس خیال سے عزالدین کو پکا مسلمان سمجھتے ہو کہ میں اُسے اپنا دوست سمجھتا ہوں اور میں نے اُس کی مدد کے لیے اپنا منصوبہ بدل کر تل خالد پر حملہ کیا اور آرمینیوں سے ہتھیار ڈلوائے تھے مگر میں اپنے مسلمان حکمرانوں اور اُمراء پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ عزالدین ہمارا اتحادی ہو سکتا ہے، اُس کے اُمراء، وزراء میں صلیبیوں کے بہی خواہ موجود ہیں۔ علی! تم نے دیکھا نہیں کہ مومن قسم کے حکمران بھی اپنے وزیروں اور مشیروں کے خوشامدانہ مشوروں کے جال میں آ کر مومن رہتے ہوئے بھی وطن اور قوم کو غلط فیصلوں سے تباہی کی کھائیوں میں پھینک دیتے ہیں؟ میں مشیروں کے خلاف نہیں۔ یہ قرآن پاک کا حکم ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے دیا تھا کہ فیصلے سے پہلے مشورہ کر لیا کرو، مگر حکمران میں اتنی عقل ہونی چاہیے کہ مشورہ دینے والوں کی نیت اور کردار کو سمجھے۔ خوشامد حکمرانی کے نشے کو اور تیز کرتی ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ حکمران خوشامد کی سریلی لوریوں سے میٹھی نیند سو جاتا ہے۔ سوئے ہوئے ذہن والا حکمران کتنا ہی غازی اور زاہد کیوں نہ ہو قوم اور وطن کو لے ڈوبتا ہے۔ یہی خطرہ مجھے عزالدین کی طرف سے نظر آ رہا ہے''۔

''میں اس توقع پر بات کر رہا ہوں کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے''۔ علی بن سفیان نے کہا...... ''آپ تک یہ اطلاع پہنچ چکی ہے کہ محترمہ رضیع خاتون نے یہ شادی صرف اس لیے قبول کی کہ حلب اور موصل کی امارتیں اور اُن کی فوجیں ہمارا ہی اتحادی رہیں۔ اس خاتون کو شادی کی اور کیا ضرورت ہو سکتی تھی؟''

''اس کے باوجود مجھے شک ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اور میرے شک کی وجہ یہ ہے کہ عزالدین صلیبیوں

کے خطرے کی براہِ راست زد میں ہے۔ وہ اپنے تحفظ کے لیے بھی صلیبیوں کا درپردہ اتحادی بن سکتا ہے۔ مجھے وہاں کی اطلاع جلدی ملنی چاہیے۔ تم میری آنکھیں اور کان ہو علی! میں نے اندھیرے میں کبھی پیش قدمی نہیں کی"۔

"کچھ دن اور انتظار کر لیا جائے"۔ علی بن سفیان نے مشورہ دیا۔

"میں زیادہ دیر انتظار نہیں کروں گا"۔ سلطان ایوبی نے کہا..... "تم جانتے ہو میں نے فوج کو تیاری کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ تمہارے سامنے کی بات ہے کہ میں دن رات فوج کی جنگی مشقیں کرا رہا ہوں۔ راز کی یہ بات بھی سن لو کہ میں حلب اور موصل کی طرف نہیں جاؤں گا۔ میرا ہدف اب بیروت ہوگا۔ میں اب دفاعی جنگ نہیں لڑوں گا۔ حلب وغیرہ کے علاقوں میں اپنی فوج لے جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ان علاقوں کے دفاع کے لیے جا رہا ہوں۔ اب میرا انداز جارحانہ ہوگا۔ بیروت فرنگیوں کا دل ہے۔ ٹانگوں اور بازوؤں پر وار کرنے کی بجائے، کیوں نہ ہم دشمن کے دل پر ایک ہی وار کر کے ختم کر دیں۔ اب میں قوم اور فوج کو جارحیت کی تربیت دے رہا ہوں۔ اپنے علاقوں میں لڑتے رہنے سے ہم بیت المقدس تک کبھی نہیں پہنچ سکتے...... معلوم کرو علی! معلوم کرو۔ وہاں سے ابھی تک کوئی اطلاع کیوں نہیں آئی۔ مجھے دو راز درکار ہیں۔ ایک یہ کہ بیروت میں فرنگی فوج کی سرگرمیاں کیا ہیں اور حلب میں عزالدین کی نیت کیا ہے۔ کیا ہم ایک اور خانہ جنگی کی طرف تو نہیں بڑھ رہے؟"

"بیروت میں اسحاق متحرک ہے"۔ علی بن سفیان نے کہا..... "وہ خود نہ آیا تو کسی اور کو بھیج دے گا"۔ علی بن سفیان نے کہا..... "میں یہاں سے کسی کو روانہ کر دیتا ہوں"۔

"میں زیادہ دن انتظار نہیں کر سکتا علی!" سلطان ایوبی نے کہا..... "یہاں سے کسی کو روانہ کرو گے۔ وہ جائے گا۔ وہاں کے حالات معلوم کرے گا اور واپس آئے گا۔ اس میں کم از کم تین مہینے لگ جائیں گے۔ چند دنوں تک فوج کو کوچ کا حکم دے دوں گا"۔

"تو آپ اندھیرے میں پیش قدمی کریں گے؟" علی نے پوچھا۔

"چھاپہ ماروں کو ہراول سے بہت آگے اور پھیلا کر رکھوں گا"۔ ایوبی نے کہا..... "میں اللہ کے حکم سے اللہ کی سرزمین کی آبرو کی خاطر جا رہا ہوں۔ میں اپنی سلامتی کے لیے مصر میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتا"۔

یہ اپریل ۱۱۸۲ء کے دن تھے جب سلطان ایوبی اور علی بن سفیان اپنے اُن جاسوسوں میں سے کسی کا انتظار بے تابی سے کر رہے تھے جو انہوں نے صلیبیوں کے مقبوضہ مسلمان علاقوں اور حلب وغیرہ میں بھیج رکھے تھے۔ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ اس سے دو ماہ قبل نورالدین زنگی مرحوم کا بیٹا الملک الصالح جو والیٔ حلب بن کر سلطان ایوبی کے خلاف ہو گیا تھا، مر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور اُس کا اتحادی رہنے کے معاہدے کے باوجود وہ درپردہ صلیبیوں کا حواری رہا تھا۔ اُس کی موت صلیبیوں اور سلطان ایوبی کے لیے بہت اہم واقعہ تھا۔ الملک الصالح نے مرنے سے پہلے عزالدین مسعود کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بھی اہم تھا اور سب سے زیادہ اہم واقعہ یہ ہوا تھا کہ عزالدین کی خواہش کی مطابق نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ (الملک الصالح کی ماں) رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون شادی کی خاطر شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے اُس تک عزالدین کا پیغام لے کر اُسے کہا تھا کہ یہ شادی دمشق اور حلب کی ہوگی، اس سے آئندہ خانہ جنگی کا خطرہ ختم ہو جائے گا اور صلیبیوں کے خلاف محاذ مضبوط کیا جا سکے گا۔ رضیع خاتون یہ کہہ کر رضامند ہو گئی تھی کہ میری خواہشیں مر چکی ہیں۔ میں عظمتِ اسلام کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔

اُس نے قربانی دے دی اور عزالدین کے ساتھ شادی کر لی۔ حلب اور موصل کی امارتوں پر بڑی مدت سے صلیبیوں کے اثرات کام کر رہے تھے جس کے نتیجے میں یہ امارتیں سلطان ایوبی کے خلاف متحد ہوگئیں اور تین سال مسلمانوں میں خانہ جنگی ہوتی رہی تھی۔ آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔ اب رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تو صلیبیوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ رضیع خاتون صلیبیوں کے سب سے بڑے دشمن زنگی کی بیوہ ہے۔ اس لیے وہ حلب اور موصل اور دیگر مسلمان علاقوں سے صلیب کے اثرات ختم کر دے گی۔ اِدھر مصر میں سلطان ایوبی کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ صلیبی جنگی کارروائی کریں گے۔ سلطان نے یہ بھی سوچا تھا کہ عرب سے اس کی غیر حاضری سے صلیبی فائدہ اُٹھائیں گے۔

سلطان ایوبی نے حالات کا اور آنے والے حالات کا بھی جائزہ لیا اور یہ فیصلہ کیا کہ پیشتر اس کے کہ صلیبی پیش قدمی کر کے حلب اور موصل کا محاصرہ کر لیں، وہ مصر سے برق رفتار پیش قدمی کرے اور بیروت کو محاصرے میں لے لے۔ یہ بڑا ہی خطرناک اور نازک فیصلہ تھا۔ بیروت کو محاصرے میں لینے کے لیے اُسے فوج دشمن کے علاقے میں سے گزار کر لے جانی تھی۔ راستے میں ہی تصادم کا خطرہ تھا۔ بہر حال سلطان ایوبی نے تمام خطروں کا جائزہ لے لیا تھا اور ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے جاسوسوں کی اطلاعات کے بغیر کم ہی کبھی پیش قدمی کی تھی لیکن اب حالات کا تقاضا کچھ اور تھا۔ اُسے سب سے زیادہ ضرورت اس اطلاع کی تھی کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور کیا رضیع خاتون کا وہاں کوئی اثر پڑ رہا ہے یا نہیں۔

علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے جاسوس اناڑی نہیں تھے۔ راز حاصل کرنے اور قاہرہ تک پہنچانے کے لیے وہ جان کی بازی لگا دیا کرتے تھے۔ انہیں یہ سبق ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ آدھی جنگ جاسوس جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی جیت لیا کرتے ہیں اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس کی کوتاہی یا غلط اطلاع اپنی پوری فوج کو مروا سکتی ہے اور یہ بھی کہ صرف ایک جاسوس دشمن کی فوج سے ہتھیار ڈلوا سکتا ہے۔ علی بن سفیان کو اسحاق ترک پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ یہ بھروسہ بجا تھا۔ اسحاق بڑے ہی اہم راز لے کر قاہرہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کو خبردار کرنے آ رہا تھا کہ بالڈوِن فرنگی لشکر بیروت کے اِرد گرد دُور دُور تک پھیل گیا ہے اور عزالدین صلیبیوں کی طرف جھک رہا ہے۔ اس لیے سلطان کہیں بیروت کی طرف فوج نہ لے جائے اور اگر اُدھر کو ہی پیش قدمی کا ارادہ ہو تو اسحاق سلطان کو فرنگیوں کی فوج کے پھیلاؤ اور پوزیشنوں کا نقشہ بتانے آ رہا تھا...... مگر وہ راستے میں ہی صلیبی جاسوسوں کے گروہ کے جال میں پھنس گیا۔

☆

''آخر وہ اطلاع کیا ہے جو تم سلطان صلاح الدین ایوبی تک لے جا رہے ہو؟''...... صلیبی جاسوسوں کے اس گروہ کے سربراہ نے اسحاق ترک سے پوچھا اور کہا...... ''ہم بھی مسلمان ہیں۔ سلطان کے وفادار اور شیدائی ہیں۔ تمہارے لیے گھوڑا تیار کھڑا ہے۔ کھانے پینے کا سامان گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے''۔

''اللہ ہمارے سلطان کو ایسے وفاداروں اور شیدائیوں سے محفوظ رکھے''۔ اسحاق نے کہا...... ''میں نے اس لڑکی کو کہا تھا کہ آدھی رات کے کچھ دیر بعد مجھے جگا دینا۔ میں فوراً روانہ ہونا چاہتا ہوں مگر تم نے مجھے جگایا نہیں۔ آدھا دن گزر گیا ہے۔ وقت الگ ضائع ہوا اور اب میں روانہ ہوا تو گھوڑا اتنا سفر طے نہیں کر سکے گا، جتنا رات کو کر سکتا''۔

''تم بہت تھکے ہوئے تھے''۔ میرنیا نے پیار سے کہا...... ''تم ایسی گہری نیند سوئے ہوئے تھے کہ تمہیں جگانا ظلم سمجھا۔ گھوڑا اتنا اچھا ہے کہ جو وقت ضائع ہوا ہے، گھوڑا اسے پورا کر دے گا''۔

اسحاق ترک کو ابھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ جسے وہ تھکن کے بعد کی گہری نیند سمجھتا رہا ہے، وہ کسی دوائی کے اثر کی

کرتا۔ہم جو پوچھتے ہیں، اس کا نام نہیں لینے دیتا''۔

''اسے کوئی شک تو نہیں ہوا؟''

''ابھی نہیں''۔میرینا نے جواب دیا۔''لیکن وہ بتائے گا کچھ بھی نہیں''۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ناکام ہوگئی ہو''۔

''انہیں معلوم نہیں تھا کہ بار برا نے ان سے انتقام لیا ہے اور اُس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ میرینا کوئی جادوگرنی نہیں جو ناممکن کام بھی کر دکھائے گی۔وہ تو یہ بھی سوچ رہی تھی کہ سلطان ایوبی کے اس جاسوس کو وہاں سے بھاگ جانے میں مدد دے لیکن یہ ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

اسحاق پھر خیمے سے نکل گیا۔اس نے میرینا اور اس کے سربراہ کو دیکھ لیا۔وہ دُور کھڑے باتیں کر رہے تھے۔وہ اُن کی طرف دوڑا گیا اور پوچھا کہ گھوڑا کہاں ہے۔

''کہیں بھی نہیں''۔سربراہ نے بالکل ہی بدلے ہوئے لہجے میں کہا......''تم کہیں بھی نہیں جا سکو گے''۔

اسحاق نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھا، وہاں نہ تلوار تھی، نہ خنجر۔اُس نے ان لوگوں کی اصلیت جان لینے کے باوجود کہا......''میں حیران ہوں کہ تم مسلمان ہوتے ہوئے میرے راستے میں آرہے ہو''۔

''اگر ہم سے عزت کرانا چاہتے ہو تو بتا دو کہ اپنے سلطان کے لیے کیا پیغام لے کر جا رہے ہو''۔سربراہ نے پوچھا

''صرف اتنا سا پیغام ہے کہ ہمارے ایک امیر عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ کے ساتھ شادی کر لی ہے''۔ اسحاق نے کہا۔

''یہ خبر پرانی ہوگئی ہے''۔سربراہ نے کہا......''تمہارا سلطان دو ماہ گزرے، یہ خبر سن چکا ہے اور وہ اپنی فوج کو شام میں لڑانے کے لیے تیار کر رہا ہے۔صحیح بات بتاؤ''۔

''کیا تم صحیح بات بتا دیا کرتے ہو؟''اسحاق ترک نے پوچھا۔

''تمہیں صحیح بات بتانی ہوگی''۔سربراہ نے کہا......''اور تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔تم نہتے ہو۔نہتے نہ بھی ہوتے تو اتنے آدمیوں سے لڑ نہ سکتے......سنو دوست! میں تمہارے زندہ رہنے اور شہزادوں کی طرح زندہ رہنے کی ایک صورت پیدا کر سکتا ہوں۔میری تجویز منظور کر لو۔ہمارے ساتھ چلو۔ہمارے لیے یہی کام کرو جو صلاح الدین ایوبی کے لیے کر رہے ہو اور زر و جواہرات میں کھیلو''۔اس نے میرینا کی طرف اشارہ کر کے کہا......''اس قسم کی لڑکیاں تمہاری خدمت کے لیے حاضر رہا کریں گی۔کیوں صحراؤں میں مارے مارے پھر رہے ہو''۔

''میں صلیب کے لیے کام کروں؟''

''نہیں کرو گے تو ہمارے کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند رہو گے''۔سربراہ نے کہا......''وہ ایسا جہنم ہوگا کہ نہ مرو گے، نہ زندہ رہو گے۔تم اس سزا کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔تصور بھی ہولناک ہے۔سوچ لو اور ہمارے ساتھ چلو۔تم واپس تو جا نہیں سکو گے''۔

''تم مجھ پر اعتماد کس طرح کرو گے؟''اسحاق ترک نے کہا......''میں تمہارے گروہ میں شامل ہو جاؤں تو تم مجھے میرے ہی علاقے میں بھیجو گے۔تم کس طرح یقین کرو گے کہ میں اپنے ہی علاقے میں نہیں رہ جاؤں گا اور تمہیں دھوکا نہیں دوں گا؟''

"ہمارے پاس اس کا انتظام ہے"۔ صلیبی سربراہ نے کہا..... "تم اپنے علاقے کی بات کرتے ہو۔ ہم تمہیں تمہارے گھر کے تہہ خانے سے بھی نکال لائیں گے۔ تمہارا خیال کیا ہے کہ تمہارے ملک میں ہمارے جتنے جاسوس ہیں، ان میں تمہارے ملک کا کوئی باشندہ نہیں؟ دس جاسوسوں کے ایک گروہ میں صرف دو آدمی ہمارے اور دس تمہارے اپنے بھائی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ہمیں دھوکہ دینے کی جرأت نہیں کرتا۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسی جرأت کرنے والے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم صرف اُسے قتل نہیں کرتے، سب سے پہلے اس کے بیوی بچوں کو ایک ایک کر کے قتل کرتے اور ہر لاش اُس کے سامنے رکھ دیتے ہیں اور جو ہمارے وفادار رہتے ہیں، اُن کے لیے یہ دُنیا بہشت بنی رہتی ہے۔ ان میں سے جو پکڑا جاتا ہے، اُس کے گھر والوں کے گھر جا کر وہاں ہم نقدی کے انبار لگا دیتے ہیں"۔

"مجھے سوچنے دو"۔ اسحاق نے کہا..... "یہاں سے کب روانگی ہوگی؟"

"آج ہی"۔ سربراہ نے کہا..... "آدھی رات کے بعد، تم سوچ لو۔ یہ بھی سوچ لینا کہ انکار کے بعد تم آزاد نہیں ہوسکو گے"۔

"میں جانتا ہوں"

"اور تمہیں یہ بھی بتانا پڑے گا کہ کیا راز لے کے جا رہے ہو"۔ سربراہ نے کہا۔

"بتا دوں گا"۔ اسحاق نے جواب دیا..... "میرا ذہن بہت حد تک آمادہ ہو گیا ہے"۔

"جاؤ، ابھی آرام کرو"۔ سربراہ نے کہا۔

اسحاق ترک خیمے کی طرف چل پڑا۔

☆

دو ماہ پہلے کا ذکر ہے کہ عزالدین نے نورالدین زنگی کی بیوہ رضیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی تو رضیع خاتون کو اس شادی کی صرف یہ خوشی تھی کہ وہ عزالدین کو اپنے زیر اثر رکھے گی اور حلب کی افواج سلطان ایوبی کی افواج کی اتحادی بن جائیں گی۔ خانہ جنگی میں مسلمانوں کی فوجوں کی بڑی ہی کارآمد نفری ماری گئی تھی۔ اتنی زیادہ جنگی قوت ضائع ہوئی جو صلیبیوں کو سرزمینِ عرب سے نکال سکتی تھی اور فلسطین کو آزاد کرایا جا سکتا تھا۔ رضیع خاتون کو توقع تھی کہ عزالدین اُسے اپنا مشیر بنائے گا مگر شادی کے پہلے روز جب رضیع خاتون نے اُس کے ساتھ اس قسم کی باتیں کیں تو اس نے دیکھا کہ عزالدین کوئی دلچسپی نہیں لے رہا۔ اس کے انداز میں اُکتاہٹ تھی۔ وہ اس کمرے میں سویا بھی نہیں، محل کے کسی اور کمرے میں چلا گیا۔

رضیع خاتون نے اُس کا یہ رویہ اس لیے برداشت کر لیا کہ اُس نے امارت کو ابھی ابھی ہاتھ میں لیا ہے، اس لیے مصروف ہوگا اور اُس کا ذہن امارت کے جھمیلوں میں اُلجھا ہوا گا۔ وہ خود امارت کے مسئلوں میں، خصوصاً فوج کے معاملات میں دلچسپی لینا اور کام کرنا چاہتی تھی۔ نورالدین زنگی کی زندگی میں اُس نے بہت کام کیے تھے۔ اُس نے دمشق کی جوان لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رکھی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں مجاہدہ تھی، اس لیے وہ سلطان ایوبی کی مرید تھی۔

صبح ہوئی تو وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ ٹہلتی ٹہلتی محل کے اندر اندر کچھ دُور چلی گئی۔ بہت بڑا محل تھا۔ اُسے دُور ایک باغیچہ نظر آیا۔ اس میں پانچ چھ جوان لڑکیاں ہنس کھیل رہی تھی۔ وہ ابھی اُن سے دُور تھی۔ ایک ادھیڑ عورت جس کا چہرہ کرخت سا تھا، دوڑی آئی اور رضیع خاتون سے کہنے لگی..... "آپ اپنے کمرے میں چلی جائیں۔

"کیوں؟"

داستان ایمان فروشوں کی

(جلد پنجم)

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں

عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

واحد تقسیم کار:

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

فون:37352332،37232336

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

فہرست

تعارف

''داستان ایمان فروشوں کی'' کا آخری حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے، اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلم کاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سُود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشوونما کے لیے ''حکایت'' میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم چار حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ آخری حصہ پیشِ خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے، سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کو بعد میں خبر ہوئی، ورنہ آپ کو پہلے ہی خبردار کر دیا جاتا کہ شادی کی اس پیش کش کو قبول نہ کریں''۔

''اور میں یہ کس طرح یقین کر لوں کہ تم میری ہمدرد ہو اور میرے ہی خلاف جاسوسی نہیں کر رہی؟''...... رضیع خاتون نے پوچھا۔

خادمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ رضیع خاتون کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی...... ''اگر میں کوئی امیر کبیر عورت ہوتی، کسی محل کی شہزادی ہوتی، کسی شہزادے کی بیوی ہوتی اور میری حیثیت آپ جتنی ہوتی تو آپ مجھ سے ایسا سوال کبھی نہ پوچھتیں۔ آپ ہر جھوٹ کو سچ مان کر دھوکے کا شکار ہو جاتیں، میری حیثیت ایسی ہے کہ میرا سچ بھی جھوٹ لگتا ہے۔ کیا آپ کو ابھی تجربہ نہیں ہوا کہ صداقت اور جذبہ صرف غریبوں کے دلوں میں رہ گیا ہے؟ آپ کو آنے والے حالات بتائیں گے کہ آپ کو کس پر اعتبار کرنا چاہیے۔ ایک غریب خادمہ پر یا حلب کے بادشاہ پر جو آپ کا خاوند ہے۔ آپ مجھ پر اعتبار کرنے کا خطرہ مول لے لیں، اور دُعا کریں اللہ آپ کی اور ہماری مدد کرے''۔

خادمہ کمرے سے نکل گئی۔ رضیع خاتون اُلجھے اُلجھے خیالوں میں بھٹکتی رہ گئی۔ وہ کمرہ جس کی سجاوٹ اور جس کا سامان شاہانہ تھا، اُسے جہنم کی طرح نظر آنے لگا۔

☆

دو تین روز رضیع خاتون کو عزالدین نظر نہ آیا۔ اُسے کمرے میں کھانا وغیرہ پہنچایا جاتا رہا۔ خادمائیں اُس کی حاضری میں کھڑی رہیں۔ اس کے آرام اور دیگر ضروریات کا خیال اس طرح رکھا جاتا جیسے وہ کوئی ملکہ ہو مگر یہ شہنشاہی اُسے ذہنی اذیت دے رہی تھی۔ وہ ایک سلطان کی بیوہ تھی۔ اس کی زندگی میں بھی اُس نے اپنے آپ کو کبھی ملکہ یا شہزادی نہیں سمجھا تھا۔ اُس کی صرف یہ خواہش تھی کہ مردوں کے دوش بدوش میدان جنگ میں جائے، صحراؤں میں لڑے اور اُسے شہیدوں میں سے اُٹھایا جائے۔

ایک روز عزالدین اس کے کمرے میں آ گیا اور مصروفیت کی بناء پر اتنے دن نہ آ سکنے کی معذرت کی۔

''میں نے آپ کو غیر حاضری کی شکایت تو نہیں کی''۔ رضیع خاتون نے کہا...... ''میں دُلہن بن کے نہیں آئی۔ میرے دل میں ایسی بھی کوئی خواہش نہیں کہ آپ ہر وقت میرے ساتھ رہیں یا ہر رات میرے ساتھ گزاریں۔ میری آدھی سے زیادہ ازدواجی زندگی تنہائی میں گزری ہے۔ نورالدین زنگی مرحوم محاذ پر رہتے تھے اور میں اُن کے نہیں اُن کی لاش کے انتظار میں رہتی تھی۔ محاذ پر نہ ہوں تو سلطنت کے کاموں اور فوج کی تربیت میں مصروف رہتے تھے، لیکن وہاں میں بھی مصروف رہتی تھی۔ سلطنت کے بعض کاموں کی نگرانی اور شہیدوں کے گھروں کی دیکھ بھال میرے سپرد تھی۔ میں جوان لڑکیوں کو زخمیوں کی مرہم پٹی، تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری کی تربیت دیتی تھی۔ وہاں میں ایک کمرے میں قید نہیں تھی جس طرح یہاں بند کر دی گئی ہوں۔ یہ قید مجھے پسند نہیں''۔

''میں یہ نہیں کہتا کہ نورالدین زنگی مرحوم نے سلطنت کے کئی کام اپنی بیوی کے سپرد کر کے اچھا نہیں کیا تھا''۔ عزالدین نے کہا...... ''لیکن میں کسی سے یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ حلب کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں ایک عورت کا ہاتھ ہے۔ تم میری بیوی ہو۔ تم پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جس کا تعلق ازدواجی زندگی سے نہیں''۔

چونکہ رضیع خاتون کو عزالدین کی نیت کا پتہ خادمہ سے چل چکا تھا، اس لیے اس نے اپنے اس دوسرے خاوند کو ایسی باتوں سے اپنے آپ کو اس خود فریبی سے جتلانہ کیا کہ وہ پیار کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ ایک ہی بار، آج ہی، اُس کی نیت کو

بے نقاب کرنے کا ارادہ کیے ہوئی تھی۔ وہ کم عمر لڑکی نہیں، پختہ کار عورت تھی۔

''مگر جس طرح مجھے اس کمرے میں قید کر دیا گیا ہے، یہ مجھے پسند نہیں''۔ رضیع خاتون نے کہا..... ''میں آپ کے حرم کی کوئی زرخرید لڑکی نہیں''۔

''رضیع خاتون!'' عزالدین نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہا..... ''تمہیں وہ ازدواجی زندگی ذہن سے اُتارنی ہوگی جو تم نے زنگی مرحوم کے ساتھ گزاری ہے۔ انہوں نے تمہیں جو آزادی دے رکھی تھی، وہ مجھے پسند نہیں اور یہ کسی بھی خاوند کو پسند نہیں آسکتی..... کیا تم باہر گھومنا پھرنا چاہتی ہو؟ چار گھوڑوں کی بگھی موجود ہے، جب چاہو باہر جاسکتی ہو''۔

''جسے محل کے اندر گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں، اُسے باہر جانے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟'' رضیع خاتون نے پوچھا..... ''کیا واقعی آپ نے حکم دیا ہے کہ میں محل کے اندر کہیں نہیں جاسکتی''۔

''میں نے یہ حکم تمہاری سلامتی کے لیے دیا ہے''۔ عزالدین نے جواب دیا..... ''تم جانتی ہو کہ حلب اور دمشق میں کیسی خون ریزی خانہ جنگی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی نے تمہارے بیٹے کو شکست دے کر اُسے اطاعت کا معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا مگر یہاں کے لوگوں کے دلوں سے وہ دشمنی نکلی نہیں۔ محل کے اندر ایسے افراد موجود ہیں جو تمہیں اور سلطان ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ سلطان ایوبی کی فوج کے ہاتھوں اُن کے گھر تباہ ہوئے اور اُن کے جوان بیٹے مارے گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کی حامی ہو اور دمشق پر تم نے قبضہ کرایا تھا۔ اِن میں سے کوئی بھی تمہیں قتل یا اغوا کر سکتا ہے''۔

''وہ آپ کو بھی قتل کر سکتے ہیں کیونکہ آپ صلاح الدین ایوبی کے دوست اور اتحادی ہیں''..... رضیع خاتون نے کہا..... ''تو کیا ہمارا یہ فرض نہیں کہ اس قسم کے افراد کو جو اتحادِ اسلامی کے خلاف ہیں پکڑا جائے؟ کیا آپ کے پاس ایسے جاسوس اور مخبر نہیں ہیں جو تخریبی عناصر کا سراغ لگا کر انہیں پکڑوا سکیں؟''

''میں تمام انتظامات کر رہا ہوں''۔ عزالدین نے ایسے لہجے میں کہا جو اُکھڑا اُکھڑا سا تھا جیسے اس کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا..... ''میں تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا''۔

''کیا یہ خطرہ محل کے صرف اندر ہے؟''۔ رضیع خاتون نے پوچھا..... ''آپ نے مجھے چار گھوڑوں کی بگھی پر جہاں میں چاہوں باہر گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیا باہر مجھے کوئی قتل یا اغوا نہیں کر سکے گا؟''..... عزالدین کچھ جواب دینے ہی لگا تھا کہ رضیع خاتون نے اسے بولنے نہ دیا اور کہا..... ''میں نے آپ کے ساتھ شادی صرف اس لیے کی ہے کہ نور الدین زنگی مرحوم اپنا جو مقصد اُدھورا چھوڑ کر فوت ہو گئے ہیں، وہ آپ، سلطان صلاح الدین ایوبی اور میں مل کر پورا کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اگر ابھی تک آپ کے زیرِ سایہ ایسے عناصر پرورش پا رہے ہیں جو ایک اور خانہ جنگی کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں تو ان کا خاتمہ کیا جائے اور قوم میں اتحاد پیدا کر کے صلیبیوں کو اس سرزمین سے بے دخل کیا جائے''۔

''کیا تمہیں یہ شک ہے کہ میں سلطان ایوبی کا اتحادی نہیں؟''

''کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ اس محل پر صلیبیوں کے وہ اثرات جو میرے بیٹے نے پیدا کیے تھے، ختم ہو گئے ہیں؟'' رضیع خاتون نے پوچھا..... ''کیا آپ کے تمام اُمراء اور سالار بغداد کی خلافت کے وفادار ہیں؟''

''تم یہاں سفیر بن کے آئی ہو یا میری بیوی؟'' عزالدین نے قدرے طنز سے کہا۔

''میں جو ارادے لے کے آئی ہوں، وہ بتا چکی ہوں''۔ عزالدین نے کہا..... ''میں اپنے بطن سے آپ کے بچے پیدا کرنے اور صرف بیوی بن کے اس کمرے میں بند رہنے کے لیے نہیں آئی۔ میں محل میں گھوم پھر کر یہ معلوم کرنا

شمس النساء جب اس کمرے سے نکلی تو اُس کی ذات اور اُس کے خیالات میں انقلاب آچکا تھا۔ وہ اس کمرے میں داخل ہوئی تھی تو بے پروا اور کھلنڈری سی لڑکی تھی۔ جب کمرے سے نکلی تو اللہ کی راہ میں قربان ہونے والی مجاہدہ تھی۔

☆

''آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میری ماں جھگڑالو اور وہمی ہے؟'' شمس النساء نے عزالدین سے کہا...... ''آپ جانتے ہیں کہ اُن کی زندگی کیسی گزری ہے۔ وہ آپ کو بھی میرے باپ نور الدین زنگی مرحوم جیسا نامور جنگجو اور مجاہدِ اسلام بنانا چاہتی ہیں''۔

''وہ میرے کاموں میں دخل دینا چاہتی ہے''۔ عزالدین نے کہا...... ''اُسے یہ وہم ہے کہ میں صلیبیوں کا دوست ہوں''۔

''میں نے انہیں روک دیا ہے''۔ شمس النساء نے کہا...... ''اور اُن کا یہ وہم بھی دُور کر دیا ہے کہ آپ صلیبیوں کے دوست ہیں۔ انہیں غلط نہ سمجھیں۔ ان پر غیر ضروری پابندیاں عائد نہ کریں''۔

''میں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی۔'' عزالدین نے کہا...... ''بگھی ہر وقت موجود ہے۔ اپنی ماں کو جب چاہو سیر کرانے لے جایا کرو''۔

ان کے درمیان اسی موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ عزالدین نے شمس النساء کی باتوں کو سچ مان لیا۔ یہ باتیں عزالدین کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ شمس النساء وہاں سے نکلی تو باہر عامر بن عثمان کھڑا تھا۔ اُس کی عمر ابھی تیس برس نہیں ہوئی تھی۔ وجیہہ اور بڑا ہی پُرکشش جوان تھا۔ تیر اندازی اور تیغ زنی میں اس کا مقابلہ کوئی کم ہی کر سکتا تھا۔ دماغ کا بھی تیز تھا۔ وہ الملک الصالح کے خصوصی محافظ دستے کا کمان دار تھا۔ اسی عمر میں اسے جسمانی اور ذہنی چستی کی بدولت اتنا بڑا عہدہ اور اتنی نازک ذمہ داری دے دی گئی تھی۔ اس کی رہائش محل کے اندر ہی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے سے وہ شمس النساء میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ شمس النساء کو پہلے ہی وہ اچھا لگتا تھا۔ اس لڑکی میں کھلنڈرا پن سا تھا۔ اُسے باپ کی عظمت اور عزم سے کسی نے بھی آگاہ نہیں کیا تھا۔ اُسے محل میں بے ضرر سمجھا جاتا تھا۔ اس کا بھائی مر گیا تو عزالدین نے بھی اُسے بھولی بھالی اور کھلنڈری لڑکی سمجھ کر آزادی دیئے رکھی۔ اسی لیے وہ عامر بن عثمان سے ملتی ملاتی رہی۔

اب وہ جوان ہو گئی تھی۔ عمر سولہ برس تھی۔ اُس دور میں لڑکیاں قد کاٹھ کے لحاظ سے عمر سے زیادہ جوان لگتیں اور بعض اسی عمر میں ایک دو بچوں کی مائیں بن جایا کرتی تھیں۔ شمس النساء تو حکمران خاندان کی شہزادی تھی۔ اپنے قدرتی حسن سے کچھ زیادہ ہی حسین لگتی تھی۔ عامر بن عثمان میں اُس کی جو دلچسپی تھی، اس کا رنگ بدل چکا تھا۔ کبھی وہ اُسے چھیڑ کر بھاگ جایا کرتی تھی مگر اب اُسے دیکھ کر شرما جاتی اور اُسے چوری چھپے ملا کرتی تھی۔ یہ پاک محبت تھی جس کی شدت نے انہیں روح کی گہرائیوں تک ایک دوسرے کا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ انہوں نے شادی کے عہد و پیمان کر رکھے تھے۔ مشکل یہ تھی کہ عامر بن عثمان شمس النساء کے خاندان کا ادنیٰ ملازم تھا۔ وہ اس لڑکی کے رشتے کی توقع رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ پھر بھی اُس نے گھر والوں کا طے کیا ہوا رشتہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

شمس النساء عزالدین کے دفتر سے نکلی تو عامر باہر کھڑا تھا۔ شمس النساء اسے دیکھ کر مُسکرائی اور اشارہ کر کے چلی گئی۔ عامر اس اشارے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے سر ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ضرور آؤں گا۔

☆

جگہ پودوں اور درختوں میں ڈھکی چھپی تھی۔ اوپر رات کی تاریکی نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ عامر بن عثمان اور شمس النساء محل کی رونق اور ہما ہمی سے بے نیاز اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے پُر شباب جذبات پر والہانہ محبت کا نشہ طاری تھا۔

''میں آج اپنی ماں سے ملی ہوں''۔ شمس النساء نے بتایا...... ''اور اب اُنہی کے ساتھ رہا کروں گی''۔

''تمہاری ماں بھی شاہی خاندان کی خاتون ہیں''۔ عامر نے کہا...... ''وہ تمہیں کسی شہزادے کے ساتھ ہی بیاہنا پسند کریں گی''۔

''نہیں!'' شمس النساء نے کہا...... ''وہ شاہی خاندان کی ضرور ہیں لیکن اُس خیمے میں رہنا پسند کرتی ہیں جو محاذ کے بالکل قریب ہو۔ وہ مجھے بھی سپاہی بنانا چاہتی ہیں''۔

''کیا یہ اُمید رکھی جا سکتی ہے کہ تم ان سے میرے متعلق بات کرو اور وہ مان جائیں؟''۔ عامر نے پوچھا

''اگر میں نے اُن کی وہ اُمیدیں پوری کر دیں جو انہوں نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہیں تو میں اُن سے اپنی ہر خواہش منوا سکتی ہوں''۔ شمس النساء نے جواب دیا...... ''تمہیں بھی اُن کی اُمید پوری کرنی ہوگی''۔

''انہوں نے میرا نام لیا تھا؟''

''نہیں''۔ شمس النساء نے جواب دیا...... ''انہوں نے مجھے اپنا مقصد بتایا ہے جس کی تکمیل کے لیے انہیں میرے تعاون کی ضرورت ہے اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تمہیں یہ مقصد اور اپنے فرائض بتاؤں میں تم سے حلف لینا چاہتی ہوں کہ تم مدد کرو یا نہ کرو، اس مقصد کو اور میری سرگرمیوں کو راز میں رکھو گے''۔

''اور اگر میں حلف نہ دوں تو؟'' عامر نے ہنستے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''شمس النساء پرے ہٹ گئی۔ عامر پر سنجیدگی طاری ہوگئی۔ شمس النساء نے کہا...... ''میں نے پہلے بھی وعدہ کیا ہے آج جیسی قسم کھو گے کھا کر اپنا وعدہ دہراؤں گی کہ میری شادی ہوگی تو تمہارے ساتھ ہوگی لیکن اس سے پہلے ہمیں وہ کام کرنا ہوگا جو ماں نے مجھے بتایا ہے''۔

''عامر بن عثمان کو حیرت اس پر ہوئی کہ شمس النساء کو اُس نے ایسی سنجیدگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ چونکا اور بولا...... ''کیا تمہارے دل میں میری اتنی سی محبت رہ گئی ہے کہ تم مجھ سے حلف لینا ضروری سمجھتی ہو؟''

''کام کچھ ایسا ہی ہے کہ حلف ضروری ہے''۔ شمس النساء نے جواب دیا...... ''میں تو اپنی ماں کا حکم مانتے ہوئے جان بھی دے دوں گی۔ تم شاید ساتھ نہ دے سکو''۔

''میں تمہاری محبت کی خاطر جان دے دوں گا''۔

''نہیں''۔ شمس النساء نے کہا...... ''محبت کی خاطر نہیں، اسلام کی عظمت کی خاطر۔ اس اسلام کی خاطر نہیں جو اس محل کے اندر ہم دیکھ رہے ہیں۔ میں اُس اسلام کی بات کر رہی ہوں جس کی خاطر میرے محترم والد نے کفار سے لڑتے عمر گزاری ہے اور جس کی خاطر صلاح الدین ایوبی لڑ رہا ہے''۔

''میں قرآن کے نام پر حلف دیتا ہوں کہ مجھے جو فرض سونپا جائے گا، جان کی بازی لگا کر پورا کروں گا''۔ عامر بن عثمان نے شمس النساء کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... اگر میں نے اس حلف کی خلاف ورزی کی تو مجھے جان سے مار دیا جائے اور میری لاش کتوں اور گیدڑوں کے آگے پھینک دی جائے...... اب بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟''

''جاسوسی''۔ شمس النساء نے کہا...... ''سلطان صلاح الدین ایوبی مصر میں ہیں۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ

اب اس کی اور اس کے مشیروں کی باتیں غور سے سنا کروں گا اور تمہیں بتاتا رہوں گا''۔

''یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ یہاں صلیبیوں کے جاسوس موجود اور سرگرم ہیں'' ۔شمس النساء نے کہا...... ''اور یہاں ہمارے جاسوس بھی کام کر رہے ہیں۔ کسی روز اُن سے تمہاری ملاقات کراؤں گی۔ شمس النساء نے مُسکرا کر پوچھا۔ ''تمہاری سوڈانی پری کس حال میں ہے؟ اب بھی ملتی ہے؟''

''ملتی ہے''۔ عامر بن عثمان نے جواب دیا...... ''گھسیٹتی ہے، پرسوں ملی تو رو بھی پڑی تھی۔ کہتی ہے، ایک بار میرے کمرے میں آ جاؤ۔ شمی! میں اس لڑکی سے ڈرتا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ اس کے حسن میں جادو ہے۔ اس کے طلسم میں آیا ہوا انسان نکل نہیں سکتا۔ میں اس سے اس لیے نہیں ڈرتا ہوں کہ وہ بہت حسین ہے، مجھ پر مرتی ہے اور میں اُس کے جال میں پھنس جاؤں گا۔ ڈر یہ ہے وہ والی حلب عزالدین کے حرم کا ہیرا ہے۔ اس کا نام انوشی ہے، لیکن محل کے اندرونی حلقوں کے افراد اسے سوڈانی پری کہتے ہیں۔ اگر عزالدین یا اُس کے کسی امیر وزیر کو پتہ چل گیا کہ یہ لڑکی مجھے چاہتی ہے تو لڑکی سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ سزا مجھے ملے گی۔ مجھے تہہ خانے میں باندھ کر ایسی اذیتیں دی جائیں گی کہ تم سنو تو مر جاؤ۔ مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ میں نے اُسے مایوس کیے رکھا تو وہ مجھ پر دست درازی یا بد نیتی کا الزام عائد کر کے مجھے قید میں ڈلوا دے گی''۔

''اُسے ابھی تک یہ تو معلوم نہیں ہوا کہ تم مجھے چاہتے ہو اور ہماری ملاقاتیں ہوتی ہیں؟'' شمس النساء نے پوچھا۔

''جس روز اُسے پتہ چل گیا وہ ہم دونوں کی زندگی کا آخری دِن ہوگا''۔ عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ ''تمہیں شاید بخش دیا جائے، مجھے کوئی نہیں بخشے گا''۔

انوشی دراصل صلیبیوں کا بھیجا ہوا تحفہ تھا۔ حلب میں یہ لڑکی آئی تو الملک الصالح بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔ عزالدین نے آ کر حلب کی حکومت سنبھالی تو حکام نے انوشی اس کی خدمت میں پیش کی۔ اس کے ساتھ عزالدین نے رضیع خاتون کے ساتھ شادی کر لی۔ یہ اُس دور کے حکمرانوں کا دستور تھا کہ بیویاں الگ رکھتے تھے اور حرم میں بغیر شادی کے لڑکیاں الگ رکھتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمان اُمراء، وزراء کی اس تباہ کن عادت کو اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے انہیں اپنی لڑکیاں تحفے کے طور پر پیش کرنی شروع کر دی تھیں۔ پھر اِن لڑکیوں میں انہوں نے جاسوسی کے فن کی تربیت یافتہ لڑکیاں بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ انہیں رقابت اور فتنہ فساد پیدا کرنے کی بھی تربیت دی گئی تھی۔

انوشی ایسی ہی تربیت یافتہ لڑکی تھی۔ وہ عزالدین کے محل کی ضیافتوں میں شراب پلاتی تھی، پیتی بھی تھی۔ اُس نے حلب کے دو ایسے حاکموں کو اپنے حسن اور فریب کے جال میں پھانس لیا تھا جو حلب کی قسمت بنا بھی سکتے تھے، بگاڑ بھی سکتے تھے۔ وہ عزالدین کے تو اعصاب پر غالب آ گئی تھی۔ وہ سراپا بدی تھی اور مجسم دعوتِ گناہ۔ عامر بن عثمان عزالدین کے قریب رہتا تھا کیونکہ وہ خصوصی محافظ دستے کا کماندار تھا۔ اُس نے عزالدین کی حفاظت کے لیے محافظ دستے کے علاوہ پردہ انتظامات بھی کر رکھے تھے۔ اس کی نظریں عقاب کی طرح تیز اور دُور بین تھیں...... انوشی نے اُسے دیکھا تو یہ خوبرو جوان اُسے بہت اچھا لگا۔ اُس نے عامر پر ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے، لیکن عامر اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ عامر کو معلوم تھا کہ حرم کے اس ہیرے کے ساتھ صرف بات کرتے بھی پکڑا گیا تو انجام ہولناک ہوگا۔ انوشی دوسرے تیسرے روز عامر بن عثمان سے ملتی اور والہانہ محبت کا اظہار کرتی تھی۔ عامر اُسے ٹال دیا کرتا تھا۔

''میں اس محل کا ملازم ہوں''۔ عامر نے ایک روز اسے کہا تھا۔ ''اگر تمہارے دِل میں میری سچی محبت ہے تو مجھ پر رحم کرو اور مجھ سے دُور رہو''۔

''تمہاری طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا''۔ انوشی نے اُسے کہا..... ''ایک بار میرے کمرے میں آجاؤ''۔

''اسی دوران عامر اور شمس النساء کی چوری چھپے ملاقاتیں ہو رہی تھیں۔

☆

قاضی بہاؤالدین شداد جو اُس دور کا عینی شاہد ہے، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے''..... عزالدین نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ موصل اور شام کی امارتوں کو اپنے ماتحت متحد نہیں رکھ سکے گا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے بہت ڈرتا تھا۔ اس کے ماتحت جو امیر اور وزیر تھے، وہ عزالدین سے اتنی زیادہ رقموں کا مطالبہ کرنے لگے جو وہ نہیں دے سکتا تھا، کیونکہ خزانے میں اتنی سکت نہیں تھی اور وسائل بھی محدود تھے''۔

اپنی یادداشتوں میں آگے چل کر قاضی بہاؤالدین شداد نے لکھا ہے کہ عزالدین کو یہ خطرہ تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو حلب کے ساتھ دل چسپی ہے، اس لیے وہ حلب پر ضرور قبضہ کرے گا۔ عزالدین سلطان ایوبی کے خلاف آمنے سامنے کی جنگ لڑنے سے گریز کرتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک بڑے ہی قابل اور دلیر سالار مظفر الدین ککبوری سے مشورہ کیا جو سات تہوں میں چھپا ہوا ایک راز تھا۔ موصل کا والی عزالدین کا بھائی عمادالدین تھا جو کھلم کھلا سلطان ایوبی کے خلاف تھا۔ حلب اور موصل میں یہ انقلاب آیا کہ عزالدین نے موصل کی حکمرانی سنبھال لی اور عمادالدین حلب آکر والی حلب بن گیا۔ امارتوں یا سلطنتوں کا یہ تبادلہ دونوں کے باشندوں کے لیے ایک معمہ تھا۔

متعدد مورخین نے اس تبادلے پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ہر ایک نے مختلف رائے دی ہے۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے کچھ بھید بے نقاب ہوتے ہیں۔ عزالدین جب موصل کے قلعے میں گیا تو رضیع خاتون اور اس کی بیٹی شمس النساء اس کے ساتھ تھیں۔ اس کا ذاتی محافظ دستہ بھی ساتھ تھا جس کا کماندار عامر بن عثمان تھا۔ یہ بہت ہی بڑا قافلہ تھا۔ کئی اونٹوں پر پالکیاں تھیں جن کے پردے گرے ہوئے تھے۔ رضیع خاتون اور شمس النساء کا اونٹ سب سے آگے تھا۔ رضیع خاتون کی خادمہ بھی ساتھ تھی۔ رات کو راستے میں ایک جگہ قیام بھی کرنا تھا۔

عزالدین کو موصل پہنچنے کی جلدی تھی، اس لیے اس نے قافلے کا سربراہ مقرر کیا اور خود قیام کیے بغیر اپنے چند ایک محافظوں اور دو تین مشیروں کے ساتھ سفر جاری کیا۔ عامر بن عثمان کو قافلے کے ساتھ رہنے دیا گیا۔ سورج غروب ہوتے ہی خیمے نصب کر دیئے گئے۔ رضیع خاتون کا خیمہ اُن خیموں سے بہت دور نصب کیا گیا جن میں رات حرم کی لڑکیوں کو رہنا تھا۔ عزالدین نے خاص طور پر حکم دیا تھا کہ رضیع خاتون اور شمس النساء کو حرم کے خیموں سے دُور رکھا جائے۔ قیام کی جگہ سرسبز اور چٹانی تھی۔ چٹانوں پر بھی سبزہ تھا۔ ہری بھری جھاڑیوں کی بہتات تھی۔

رات کو عامر بن عثمان مشعلوں کی روشنی میں حفاظتی انتظامات دیکھتا پھر رہا تھا۔ اُن دنوں وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کہیں بھی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔ سلطان ایوبی مصر میں تھا اور صلیبی کہیں دُور بیٹھے سلطان ایوبی کی اگلی چال کے انتظار میں تیاریاں کر رہے تھے۔ پھر بھی عامر کا یہ فرض تھا کہ خیمہ گاہ اور جانوروں کے اِرد گرد گشت کا انتظام کرتا۔ وہ حرم کے خیموں سے ذرا دُور گھوم کر گزر رہا تھا۔ اس وقت وہ اکیلا تھا۔ خیموں سے کچھ اور دُور گیا تو اُسے اپنے سامنے ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔ اُس نے قریب جا کر گھوڑا روک لیا۔

''میں نے تمہیں اندھیرے میں اتنی دُور سے پہچان لیا ہے، تم قریب آکر بھی مجھے نہیں پہچانتے''۔

یہ انوشی کی آواز تھی۔ عامر بن عثمان نے آواز پہچان کر کہا۔'' مجھے ابھی بہت کام کرنا ہے۔ اتنی وسیع خیمہ گاہ اور

اتنے سارے جانوروں کی حفاظت کا انتظام میرے ذمے ہے۔ مجھے مت روکو''۔

انوشی اس کے گھوڑے کے آگے آ کر لگام پکڑ چکی تھی۔ بولی۔ ''گھوڑے سے اُتر عامر! جن کا تمہیں ڈر تھا، وہ موصل چلے گئے ہیں۔ اُتر آؤ''۔

عامر گھوڑے سے اُترا۔ انوشی نے اسے بازو سے پکڑا اور ذرا پرے چٹان کی اوٹ میں بٹھا لیا۔ عامر نے سدھائے ہوئے جانور کی طرح کوئی مزاحمت نہ کی۔

''عامر!'' انوشی نے جذباتی سے لہجے میں کہا..... ''تم مجھے بدکار اور شیطان لڑکی سمجھ کر مجھ سے بھاگتے پھر رہے ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم میری اصلیت سے اچھی طرح واقف ہو۔ تم اپنے آپ کو زاہد اور پارسا سمجھتے ہو اور تمہیں جوانی اور اتنے دل کش جسم پر بھی ناز ہے۔ تم نے ابھی اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کسی بھی روز تمہارا جسم خون میں ڈوبی ہوئی لاش بن جائے گا۔ یہ جنگ وجدل کا دَور ہے۔ ایک وہ ہیں جو میدانِ جنگ میں کٹتے اور مرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو قلعے اور محل کے اندر ہی خفیہ طریقے سے قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ تمہارا انعام ایسا ہی ہوسکتا ہے۔ اپنے مردانہ حسن اور جسم کی دِل کشی کو دائمی نہ سمجھو''۔

''کیا تم مجھے قتل کی دھمکی دے رہی ہو؟''

''نہیں!'' انوشی نے جواب دیا۔ ''میں تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ تمہیں اگر یہ خیال ہے کہ میں تمہاری خوب صورتی اور تمہارے جسم پر مرتی ہوں تو یہ خیال دِل سے نکال دو۔ میں جسمانی تعیش کا مجسم ذریعہ ہوں، مگر میں جسمانی لذت سے بیزار ہوں۔ انسان کتنا ہی پتھر کیوں نہ بن جائے، دِل کو بھی پتھر ہی کیوں نہ سمجھ لے، دِل پتھر نہیں بن سکتا۔ روح مرجھا جاتی ہے، مرتی نہیں۔ دِل اور روح کو وہ محبت زندہ رکھتی ہے جس کا تعلق جسم کے ساتھ نہیں ہوتا۔ مجھے اور زیادہ غور سے دیکھو۔ میرا حسن اور اس کا طلسم دیکھو۔ میں گناہ کرتی ہوں اور دوسروں کو گناہوں کی ترغیب دیتی ہوں۔ مجھے لوگ شہزادی نہیں پری کہتے ہیں۔ تمہارے بادشاہ اور اُمراء میرے قدموں میں ایمان اور اپنا سر رکھ دیتے ہیں مگر میں ایک ایسی تشنگی سے دوچار رہی جسے میں کبھی بھی نہ سمجھ سکی۔ تمہیں دیکھا تو تم مجھے اچھے لگے۔ میں پہلی بار جب تمہارے قریب آئی تو میری نیت صاف نہیں تھی۔ تم نے جب مجھے ٹال دیا اور اس کے بعد بڑے اچھے لفظوں میں دھتکار دیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ تشنگی کیا ہے جو مجھے پریشان کیے ہوئے تھی۔ میں تمہیں دِل کی گہرائیوں سے چاہنے لگی۔ یہ تمہاری صورت کا نہیں، سیرت کا اثر تھا اور یہ اثر ایسا تھا جس نے میرے دِل میں ان سب کے خلاف نفرت پیدا کی، جو مجھے عیاشی کا کھلونا سمجھتے ہیں اور جو اپنا ایمان اور اپنا قومی وقار میرے ہاتھ سے لیے ہوئے شراب کے پیالے میں ڈبو دیتے ہیں''۔

وہ جذبات سے مخمور آواز سے بول رہی تھی اور عامر بن عثمان اس ذہنی کیفیت سے سن رہا تھا کہ دِل میں یہ ڈر تھا کہ کسی نے دیکھ لیا تو وہ مارا جائے گا۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ شمس النساء اُس کی تلاش میں اِدھر آنکلی تو اُس کی محبت کا خون ہو جائے گا۔ وہ صرف سن رہا تھا۔ اتنی حسین لڑکی کی ایسی جذباتی باتیں اس کے دِل پر کوئی اثر نہیں کر رہی تھیں۔

''کیا تم ڈرتے ہو یا تمہارا دِل مردہ ہو گیا ہے؟'' انوشی نے اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر کہا..... ''اگر میرا دِل مُردہ نہیں ہوا تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ تمہارا دِل مر گیا ہے''۔ اس نے کان عامر کے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ اُس کے معطر اور ریشم جیسے بکھرے بال عامر کے جواں سال گال سے چھونے لگے۔ وہ آخر جوان تھا۔ اس کی ذات میں ہلچل سی بپا ہوئی۔ اُسے انوشی کی ہنسی کا ترنم سنائی دیا۔ ہنس کر بولی..... ''دِل زندہ ہے، دھڑک رہا ہے..... میں تم سے کیا مانگتی ہوں؟ کچھ بھی نہیں۔ تم مجھ سے مانگو۔ ہیرے، جواہرات، سونے کے سکے۔ کہو کیا چاہیے''۔

''مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے، سوڈانی پری''۔

''مجھے انوشی کہو''۔ لڑکی نے کہا...... ''سوڈانی پری کہنے والے محبت سے عاری ہیں۔ گناہگار ہیں۔ تم ان سب سے بلند ہو، پاک ہو۔ مجھ سے خزانے لے لو، اِن کے عوض مجھے محبت دے دو''...... اُس نے اپنا گال عامر کے گال کے ساتھ لگا دیا۔ عامر تڑپ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی حالت اب اُس پرندے کی سی تھی جسے پنجرے میں بند کر لیا گیا ہو۔ وہ تڑپنے اور پھڑکنے لگا۔

''معلوم ہوتا ہے تمہارے دِل میں کسی اور کی محبت ہے''۔ انوشی نے کہا...... ''میرے طلسم میں کبھی کوئی یوں تڑپا نہیں۔ مجھے کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں''...... اُس نے دانت پیس کر کہا۔ ''تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ ایک گناہگار لڑکی تم سے پاک محبت کی بھیک مانگتی ہے اور ہو سکتا ہے، وہ گناہوں سے توبہ کر کے تمہارے قدموں میں سجدہ ریز ہو جائے۔ بدبخت انسان! یہ بھی سوچ لو کہ تم اس لڑکی کو دھتکار رہے ہو جس نے حکومتوں کے تختے اُلٹ دیئے ہیں اور جو بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون بہا دیتی ہے۔ تم میرے سامنے ایک کیڑے سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتے''۔

''پھر مجھے مسل ڈالو''۔ عامر نے کہا...... ''میں تمہارے قابل نہیں''...... وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تم سے کچھ نہیں مانگتی عامر!'' انوشی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا ''صرف یہ کرو کہ میرے پاس بیٹھے رہا کرو۔ مجھے پناہ میں لے لیا کرو''۔

''عامر اس سے ہٹ کر اپنے گھوڑے کے پاس گیا۔ انوشی وہیں کھڑی رہی۔ عامر گھوڑے پر سوار ہوا اور کچھ کہے بغیر چلا گیا۔

☆

عامر بن عثمان کا گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ عامر کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس کی ناک میں انوشی کے بالوں کی خوشبو تروتازہ تھی۔ وہ گالوں پر انوشی کے بالوں کے لمس کا گداز محسوس کر رہا تھا۔ وہ اس حسین جال سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اگر انوشی ایک بار پھر ایسی ہی تاریکی اور تنہائی میں اُسے ملی تو اُس کی قسمیں ٹوٹ جائیں گی، پھر وہ کہیں کا نہیں رہے گا۔ اُس نے اپنے خیالوں کا رُخ شمس النساء کی طرف پھیر دیا۔ تب اُسے یاد آیا کہ شام خیمے نصب کرتے وہ ذرا سی دیر شمس النساء کے پاس رُکا تھا اور انہوں نے ملنے کا وقت اور جگہ طے کی تھی۔ اُسے یاد آ گیا کہ وہ اُسی جگہ کی طرف جا رہا تھا، راستے میں انوشی نے روک لیا۔ اُس نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ اسے اندھیرے میں انوشی نظر نہ آئی۔ وہ ایک ٹیکری سے مُڑ کر اُس جگہ پہنچا جہاں شمس النساء کو آنا تھا۔ عامر نے جس طرح انوشی کا سایہ دیکھا، اسی طرح اُسے شمس النساء کا سایہ نظر آیا جو گھوڑے کی طرف بڑھا۔ وہ گھوڑے سے اُترا۔

''کہاں رہے؟'' شمس النساء نے اس سے پوچھا...... ''بہت دیر سے انتظار کر رہی ہوں''۔

''میرے کام سے تم آگاہ ہو''۔ عامر نے جھوٹ بولا...... ''اِدھر آ رہا تھا کہ ایک جگہ کام سے رُکنا پڑا اور اتنی دیر ہو گئی''۔

''اپنے آدمیوں کا بھی خیال رکھنا'' شمس النساء نے کہا...... ''وہ سب بہت ہوشیار ہیں۔ کسی کو اُن پر شک نہیں ہوگا''۔

شمس النساء اُن ''اپنے آدمیوں'' کا ذکر کر رہی تھی جو حلب کے اندر سلطان ایوبی اور رضیع خاتون کے لیے جاسوسی اور مخبری کرتے تھے۔ ان میں جو محل کے اندر ملازم تھے وہ اسی حیثیت سے ساتھ جا رہے تھے اور جو شہر میں کوئی کام کاج کرتے تھے، انہیں عارضی مزدوروں کے بہروپ میں راستے میں خیمے لگانے اور اُکھاڑنے اور دیگر کاموں کے لیے

ساتھ لے لیا گیا تھا۔ ان کے متعلق یہ طے کیا گیا تھا کہ موصل شہر میں مختلف کاموں پر لگا دیا جائے گا۔ رضیع خاتون کی خادمہ نے یہ تمام آدمی شمس النساء اور عامر بن عثمان کو دکھا دیئے تھے۔

''آؤ، کچھ دیر بیٹھ جائیں''۔ شمس النساء نے اپنا بازو عامر بن عثمان کی کمر کے گرد لپیٹ کر کہا۔

عامر نے اپنا بازو شمس النساء کی کمر کے گرد لپیٹا۔ شمس النساء اس کے ساتھ لگ گئی۔ ایک قدم اُٹھایا اور رُک گئی۔ اُس نے ناک عامر کے سینے سے لگا کر سونگھا اور اس سے الگ ہٹ کر بولی۔ ''تم کہاں تھے؟ کس کے پاس تھے''۔

''میں جانوروں کو دیکھ کر آ رہا ہوں''۔ عامر نے جواب دیا۔

''جانور عطر کب سے لگانے لگے ہیں؟'' شمس النساء نے دبے دبے غصے سے کہا...... ''تم نے کبھی عطر نہیں لگایا''۔ عامر چپ رہا۔ شمس النساء نے کہا...... ''تمہیں وہ خوب صورت ڈائن مل گئی ہوگی۔ تم اس کے جال میں آ گئے ہو''۔

''ابھی نہیں آیا شمسی!'' عامر نے کہا...... ''وہ مجھے راستے میں مل گئی تھی۔ میں تمہیں بتانا نہیں چاہتا تھا۔ تمہیں کسی وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ میں اتنا کچا آدمی نہیں ہوں۔ تم نے میرے سینے سے جو خوشبو سونگھی ہے، یہ اُسی کی ہے لیکن تم میرے سینے کے اندر دیکھنے اور سونگھنے کی کوشش کرو''۔ عامر کے لہجے میں گھبراہٹ کا ہلکا ہلکا لرزہ تھا۔ کہنے لگا...... ''میں بہت پریشان ہوں شمسی! میں کوئی امیر یا حاکم یا سالار نہیں، ادنیٰ ملازم ہوں۔ انوشی مجھے آسانی سے انتقام کا نشانہ بنا سکتی ہے''۔

''معلوم ہوتا ہے کہ آج اُس نے تمہیں کچھ زیادہ ہی پریشان کیا ہے''۔ شمس النساء نے کہا۔

''بہت زیادہ''۔ عامر بن عثمان نے جواب دیا۔ ''آج اُس نے اپنا دل کھول کر میرے آگے رکھ دیا ہے۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ گناہگار اور بدکار ہے۔ اس نے مجھ پر واضح کر دیا ہے کہ وہ یہاں بدکاری پھیلانے اور بھائی کو بھائی سے لڑانے آئی ہے۔ اس نے مجھ سے پاک محبت کی التجا کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے عوض جتنی دولت مانگو گے، دوں گی۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کے بازوؤں سے رہائی حاصل کی ہے۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ شمسی میں کیا کروں۔ وہ دُنیا کی ساری دولت میرے قدموں میں رکھ دے تو بھی میں تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا''۔

''پھر اُسے دھوکہ دو''۔ شمس النساء نے کہا۔ ''اُسے وہی محبت دو جو وہ مانگتی ہے۔ اس کے عوض اس سے وہ راز لو جو ہم مانگتے ہیں۔ اس نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اُسے کس مقصد کے لیے یہاں بھیجا گیا ہے۔ تم تجربہ کار اور دانش مند ہو۔ یہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اُسے صاف کہہ دو کہ تمہیں اندر کے رازوں کی ضرورت ہے یا اسے بتائے بغیر اُس سے راز اُگلواتے رہو''۔

''میں یہ سوچ چکا ہوں''۔ عامر نے کہا...... ''مگر ڈرتا ہوں کہ تم ایک نہ ایک دن میرے خلاف غلط فہمی میں مبتلا ہو جاؤ گی''۔

''میں تمہیں اور اپنی محبت کو خدا کے سپرد کرتی ہوں''۔ شمس النساء نے کہا...... ''ماں ہر روز مجھے جو باتیں بتاتی ہے، وہ میری روح میں اُتر گئی ہیں۔ میری محبت مر نہیں سکتی۔ میں اسے اس عظیم مقصد پر قربان کر سکتی ہوں جو مجھے ماں نے دیا ہے۔ اپنے اللہ اور اپنے حلف کو یاد رکھو گے تو کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوگی''۔ اس نے پوچھا۔ ''کیا اُسے معلوم ہو گیا ہے کہ تم مجھے ملتے ہو؟''۔

''اُس نے ذکر نہیں کیا''۔ عامر نے جواب دیا...... ''اُسے یقیناً معلوم نہیں''۔

''کام کی ایک بات سن لو''۔ شمس النساء نے کہا...... ''حلب سے روانگی سے کچھ دیر پہلے قاہرہ سے ایک آدمی یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ عزالدین کی نیت کیا ہے اور صلیبیوں کے منصوبے کیا ہیں۔ اُسے کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا جا سکا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی بہت جلدی قاہرہ سے فوج کے ساتھ روانہ ہونے کو تیار بیٹھے ہیں۔ اس آدمی نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی اس وجہ سے جلدی کوچ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبی فوج نے موصل، حلب اور دمشق کی طرف پیش قدمی کر دی تو قاہرہ سے فوج کو بروقت یہاں پہنچانا ممکن نہیں ہوگا۔ خطرہ یہ ہے کہ سلطان اپنی فوج لے آئیں اور صلیبیوں کی چال کچھ اور ہو تو سلطان کی فوج نقصان اُٹھا سکتی ہے۔ ہمیں بہت جلد اپنے مسلمان اُمراء اور صلیبیوں کے عزائم معلوم کرنے ہیں''۔

''میں نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جاسوس آسمان سے تارے بھی توڑ لاتے ہیں''۔ عامر بن عثمان نے کہا..... ''کیا صلیبی علاقوں میں اس کا کوئی آدمی نہیں؟''

''ماں نے مجھے بتایا ہے کہ اسحاق ترک ایک بڑا ہی قابل اور ہوشیار آدمی ہے''۔ شمس النساء نے جواب دیا۔ ''وہ بیروت گیا ہوا ہے۔ صحیح خبر تو وہی لائے گا لیکن اس کی طرف سے کوئی اطلاع قاہرہ نہیں پہنچی...... دیکھو عامر! فوجوں کی نقل و حرکت ہوتی ہے تو یہ راز بے نقاب ہو جاتے ہیں مگر یہاں کوئی ایسی ہلچل نظر نہیں آتی جو راز ہے، وہ عزالدین اور عمادالدین کے سینے میں ہے۔ یہ اندرونی حلقوں سے مل سکتا ہے اور تمہیں یہ راز انوشی دے سکتی ہے۔

''مگر وہ جو قیمت مانگتی ہے، وہ میں نہیں دے سکوں گا''۔ عامر نے کہا۔

''تمہیں یہ قیمت دینی پڑے گی''۔ شمس النساء نے کہا۔ ''میں یہ قیمت دینے کو تیار ہوں۔ میں اپنے بھائی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ مذہب اور اُمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے لیے ہماری آپس کی محبت اور دلوں کی خواہشیں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ ہمیں ان شہیدوں کا قرض ادا کرنا ہے جو اسلام کے نام پر اپنی دلہنوں کو نوجوانی میں بیوہ کر گئے ہیں..... عامر! کچھ نہ سوچو۔ قربان ہو جاؤ''۔

☆

اُس وقت اسحاق ترک بیروت میں تھا۔ بیروت صلیبی حکمران بالڈوِن کے فرنگی لشکر کی بہت بڑی چھاؤنی بنا ہوا تھا۔ اس سلسلے کی پچھلی اقساط میں سنایا جا چکا ہے کہ بالڈوِن کو ایک شکست سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے دی تھی اور تھوڑے ہی عرصے بعد اُس نے سلطان ایوبی کی فوج کو گھات میں لینے کی کوشش کی تو خود سلطان ایوبی کی گھات میں آ گیا تھا۔ وہ گرفتار ہوتے ہوتے بچا اور دونوں بار اُس کی فوج تتر بتر ہو کر پسپا ہوئی۔ وہ تو جیسے راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ان دونوں پسپائیوں کا انتقام لینے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اُس نے الملک الصالح کو اپنا اتحادی بنا لیا تھا، مگر اس کا اتحادی مر گیا۔ اب وہ عزالدین اور عمادالدین کو سلطان ایوبی کے خلاف اپنے محاذ میں شامل کر رہا تھا۔ اُس نے قاہرہ میں جاسوس بھیج رکھے تھے جو سلطان ایوبی کے ارادوں کا پتہ چلا رہے تھے۔

اسحاق ترک بیروت پہنچ چکا تھا اور بالڈوِن کی ہائی کمانڈ تک پہنچنے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا، وہاں جس سے ملتا، اپنے آپ کو کسی مسلمان علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی بتایا۔ اس طرح اس نے بہت سے لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔ وہ چونکہ ترکی کا باشندہ تھا۔ اس لیے سفید فام تھا۔ خوبرو اور تنومند بھی تھا۔ گھوڑسواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور تیغ زنی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اُس کے بازو لمبے اور ان میں طاقت تھی۔ دماغ بھی تیز اور باریک بین تھا۔ دوسروں کا دل موہنے کے لیے، بھڑکانے کے لیے ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لینے کے لیے وہ مناسب ڈھونگ رچانے کے فن کا ماہر تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ میری اصل قوت میرا ایمان اور کردار ہے۔

اُن دنوں بیروت میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہاں کے لوگوں کو فوج میں بھرتی

کرنے کے لیے فوجی میلے ہو رہے تھے جن میں فوجی کرتب دکھاتے اور تیغ زنی وغیرہ کے مقابلے کرتے تھے۔ ایک روز اسحاق ترک ایسے ہی ایک مقابلے کا تماشہ دیکھنے جا پہنچا۔ یہ صلیبیوں کا ایک پرانا کھیل تھا۔ دو گھوڑ سوار ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تانے ایک دوسرے کی طرف گھوڑے سرپٹ دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گھوڑے سے گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر کوئی پہلی بار نہ گرے تو ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف گھوڑے دوڑاتے اور ایک دوسرے کو برچھی سے گرانے کے لیے وار کرتے تھے۔ سوار زرہ بکتر پہنے ہوتے تھے۔

یہ مقابلہ ہوتا رہا۔ سوار گرتے رہے۔ دوسروں کو مقابلے کے لیے للکارتے رہے۔ ایک سوار نے کئی سواروں کو گرایا۔ اُس نے کسی اور کو للکارا تو کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ اسحاق ترک صحرائی لباس میں تھا۔ وہ میدان میں آ گیا۔ مقابلہ کرنے والے سوار فوجی تھے اور زرہ پوش۔ اسحاق کو عام لباس میں میدان میں اُترتے دیکھ کر تماشائیوں نے قہقہہ لگایا۔ وہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر وغیرہ بھی تھے۔ وہ بھی خوب ہنسے۔ جس گھوڑ سوار نے سب کو للکارا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار میدان میں گھوڑے کو اِدھر اُدھر بھگا رہا تھا۔ وہ صلیبی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ اُس نے ازراہِ مذاق گھوڑے کا رُخ اسحاق کی طرف کیا اور قریب آ کر برچھی اسحاق کو ماری۔ اسحاق وار بچا گیا۔ تماشائیوں نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ پھر شور اٹھا۔ ''پاگل۔ پاگل۔ یہ کوئی پاگل ہے۔ اسے جان سے مار ڈالو''۔

گھوڑ سوار کمانڈر نے گھوڑا پیچھے کو موڑا۔ اس کے ساتھی کمانڈوں میں سے کسی نے اسے کہا.... ''اب کے اسے برچھی میں اڑس کر ساتھ لے جاؤ۔ زندہ نہ رہے''.... کسی اور نے چلّا کر کہا.... ''یہ تمہاری توہین ہے۔ ایک پاگل دیہاتی نے تمہیں للکارا ہے''۔

گھوڑ سوار نے ایڑ لگائی۔ اسحاق نہتہ تھا۔ گھوڑے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے چغہ اُتار پھینکا اور برچھی کا وار بچانے کے لیے تیار ہو گیا۔ گھوڑ سوار ذرا سا جھکا برچھی ہاتھ میں تولی۔ قریب آ کر اس نے اسحاق پر وار کیا۔ اسحاق کچھ دُور تک گھوڑے کے ساتھ اس طرح دوڑتا گیا جیسے برچھی اس کے جسم میں اُتر گئی ہو اور وہ اُس کے ساتھ گھسیٹتا جا رہا ہو۔ تماشائیوں نے داد و تحسین کا شور بپا کر دیا لیکن یہ دیکھ کر سب پر سناٹا طاری ہو گیا کہ اسحاق ترک دوڑتے دوڑتے سوار کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ برچھی کو اس نے پکڑ رکھا تھا۔ سوار نے بھی برچھی کو پکڑ رکھا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو گھمایا۔ گھوڑا ایک چکر میں دوڑنے لگا۔ اسحاق اس سے برچھی چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

اُس نے برچھی چھین لی اور دوڑتے گھوڑے سے کود کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے برچھی لہرا کر للکارا۔ ''مجھے ایک گھوڑا دے دو۔ کوئی میرے مقابلے میں آ جائے۔ زرہ بکتر کے بغیر مقابلہ کروں گا''۔

گھوڑ سوار کمانڈر گھوڑے سے اُتر کر اسحاق کے پاس آیا۔ اُس نے بازو پھیلا رکھے تھے۔ اسحاق نے برچھی زمین میں گاڑ دی۔ صلیبی سوار نے اُسے گلے لگا لیا۔ اسحاق نے کہا کہ مقابلہ کروں گا، مجھے گھوڑا دے دو''.... اسے ایک گھوڑا اور ایک برچھی دے دی گئی۔ وہ اسی کمانڈر کے مقابلے میں آیا۔ تماشائی دم بخود تھے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ بدقسمت دیہاتی زرہ بکتر کے بغیر برچھی سے بہت بُری موت مرے گا۔ دونوں گھوڑے دُور آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اشارے پر گھوڑے دوڑے۔ کمانڈر نے برچھی اسحاق کے پیٹ کے سیدھ میں رکھی ہوئی تھی۔ اسحاق نے اپنے جسم کو ذرا موڑ کر کمانڈر کا وار خطا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی برچھی کمانڈر کے پیٹ میں لگی۔ کمانڈر گھوڑے کی دوسری طرف گر پڑا۔ اس نے غلطی یہ کی کہ اس طرف والا پاؤں رکاب سے نکالنا بھول گیا۔ گھوڑا اسے گھسیٹنے لگا۔

اس مقابلے میں کسی تماشائی کو کسی سوار کی مدد کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوار مر بھی جایا کرتے تھے۔ کمانڈر کو گھوڑا گھسیٹ رہا تھا۔ اسحاق نے گھوم کر دیکھا تو اُس نے اپنے گھوڑے کو گھمایا، ایڑ لگائی اور کمانڈر کے گھوڑے کے پہلو میں آ کر اپنے گھوڑے سے کود کر اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا، لگام کھینچی اور گھوڑے کو روک لیا۔ کمانڈر نے چونکہ زرہ بکتر پہن رکھی تھی، اس لیے اس کا جسم زمین کی رگڑ سے محفوظ رہا، ورنہ اس کی کھال اُتر جاتی۔

کمانڈر نے اُسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اسحاق ترک نے بتایا کہ وہ مسلمانوں کے علاقے سے بھاگا ہوا عیسائی ہے۔ وہ اپنے آپ کو عام قسم کا عیسائی تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ ایسی گھوڑسواری اور ایسی نیزہ بازی کا ماہر کوئی فوج ہو سکتا تھا یا کوئی اونچے خاندان کا فرد۔ اس نے کمانڈر کو بتایا کہ مسلمان اسے زبردستی فوج میں بھرتی کرنا چاہتے تھے، اس لیے وہ وہاں سے بھاگ آیا۔

کمانڈر اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔

یہ کمانڈر بالڈون کی فوج کا نائٹ تھا۔ نائٹ صلیبی فوج کا بہت بڑا اعزاز اور رتبہ ہوتا تھا جو اُس کمانڈر کو دیا جاتا تھا جو ذاتی طور پر نڈر اور ماہر جنگجو ہو اور اجتماعی طور پر بہت بڑے دستے کو جنگی اہلیت سے لڑا سکے۔ اس اعزاز کے لیے جو اصاف دیکھے جاتے تھے، وہ کسی کسی میں پائے جاتے تھے۔ یہ اعزاز جسے ملتا اُسے سر سے پاؤں تک زرہ بکتر ملا کرتی تھی۔ صلیبیوں کے نائٹ جنگی قابلیت اور بے خوفی کی بدولت آج تک مشہور ہیں۔ اُن کا اتنا رتبہ ہوتا تھا کہ اُن کے مشوروں سے بادشاہ اپنے فیصلے بدل دیا کرتے تھے۔

اسحاق ترک نے زرہ بکتر کے بغیر اس نائٹ کو پچھاڑ دیا اور اُسے گھوڑے کے پاؤں تلے آنے سے بچا بھی لیا تو نائٹ اس کی قدر و قیمت سمجھ گیا۔ اُسے اپنے گھر لے جا کر نائٹ نے اُسے شراب پیش کی۔ مسلمان جاسوسوں کے لیے یہ ایک مشکل پیدا ہو جایا کرتی تھی کہ دشمن کے علاقے میں وہ عیسائیت کا بہروپ دھار لیتے اور اونچے حلقوں میں بھی پہنچ جایا کرتے تھے مگر وہاں شراب پانی کی طرح پی پلائی جاتی تھی۔ مسلمان شراب پینے سے گریز کرتے تھے۔ بہانے تراشتے تھے۔ بعض جاسوس شراب کے سلسلے میں شک میں پکڑے بھی گئے تھے۔ علماء ایسا فتویٰ دینے سے ہچکچاتے تھے کہ ان حالات میں شراب جائز ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے یہ ہدایت جاری کی تھی کہ شراب پینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ مذہب میں حرام ہونے کے علاوہ یہ خطرہ تھا کہ شراب نوشی عادت بن جاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ جس نے شراب کبھی نہ پی ہو وہ ہوش کھو کر اپنی اصلیت بے نقاب کر سکتا ہے۔ البتہ سلطان ایوبی نے کہا تھا کہ دشمن کے ملک میں شراب سے گریز کی کوشش کرو۔ اگر فرض کا تقاضا یہی ہو کہ شراب پی لو تو اتنی پی لی جائے جو بدمست نہ کرے۔

یہی مشکل اسحاق ترک کے سامنے آ گئی۔ وہ ایمان کا پکا تھا۔ اس نے پینے سے انکار کر دیا اور کہا۔ ''میری قوت آپ نے دیکھ لی ہے۔ اس کا راز صرف یہ ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ میرے اُستاد نے مجھے کہا تھا کہ تمہارے جسم میں شراب چلی گئی تو تمہارے نیچے جو گھوڑا ہوگا، وہ محسوس کرے گا کہ اس کی پیٹھ پر ایک کمزور انسان بیٹھا ہے۔ پھر گھوڑا بھی حکم نہیں مانے گا''...... اسحاق نے گردن سے لٹکتے دھاگے کو کھینچا۔ اُس کے کُرتے کے اندر سے چھوٹی سی صلیب باہر آ گئی۔ اسحاق نے کہا...... ''میں نے اپنی طاقت کو اس صلیب کے تحفظ کے لیے صرف کرنے کے لیے صلیب ہاتھ میں رکھ کر قسم کھائی تھی کہ شراب نہیں پیوں گا، بدکاری نہیں کروں گا...... میری قسم نہ توڑیں''

''تم کہاں رہتے ہو؟'' نائٹ نے پوچھا...... ''گھر والے تمہارے ساتھ آئے ہیں؟''

''نہیں''۔ اسحاق نے جواب دیا..... ''میں گھر والوں سے یہ کہہ کر بھاگا تھا کہ اپنے کسی علاقے میں کوئی تسلی بخش ٹھکانہ بن گیا تو انہیں یہاں لے آؤں گا''۔

''تمہارا ٹھکانہ بن گیا ہے''۔ نائٹ نے کہا..... ''میں تمہیں اپنی باقاعدہ فوج میں نہیں لے رہا۔ تم میرے ذاتی محافظ ہوگے۔ ہر کمانڈر کے ساتھ دو چار محافظ ہوتے ہیں لیکن میں تم جیسے اوصاف کے آدمیوں کا قدر دان ہوں۔ میری پسند کا صرف ایک محافظ میرے پاس ہے۔ تم دوسرے ہوگے۔ تمہاری رہائش کا انتظام کر دیا جائے گا''۔

وہ زمانہ جنگجوؤں کا تھا۔ اسحاق جیسے طاقتور اور دلیر آدمیوں کی خوب قدر ہوتی تھی۔ نائٹ نے اُس کی رہائش کا انتظام کر دیا۔ اس کے لیے عربی گھوڑے اور دیگر سامان کا بندوبست کیا اور اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔ اسحاق ترک کو خدا نے دماغی صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ انہیں بروئے کار لاتے ہوئے وہ دو دنوں میں اس صلیبی نائٹ کا معتمد بن گیا۔

''میری صرف ایک خواہش ہے''۔ اس نے نائٹ سے کہا..... ''جس طرح مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہمارے قبضے میں آ گیا ہے، اُن کے خانہ کعبہ پر بھی ہمارا قبضہ ہو جائے۔ اسلام تھوڑے سے عرصے میں ہمیشہ کے لیے مر جائے گا۔ اگر ساری دُنیا پر نہیں تو دنیائے عرب پر صلیب کی مقدس حکمرانی ہو جانی چاہیے''۔

''تم خواب دیکھ رہے ہو میرے دوست!'' نائٹ نے کہا۔ ''مسلمانوں کو اتنی جلدی شکست دینا آسان نہیں۔ اگر ہم نے مسلمانوں کے کعبے کی طرف پیش قدمی کی تو ساری دُنیا کے مسلمان اکٹھے ہو جائیں گے۔ انہیں چھوڑو، ہم ابھی تک اکیلے صلاح الدین ایوبی کو شکست نہیں دے سکے''۔

''آپ لوگ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے وہموں کا شکار ہو گئے ہیں''..... اسحاق نے ترک نے کہا..... ''مسلمانوں میں اتحاد نہیں رہا۔ صلاح الدین ایوبی اپنے مسلمان دشمنوں میں اکیلا رہ گیا ہے۔ کیا حلب اور موصل کے نئے حکمران، عزالدین اور عمادالدین آپ کے حمایتی نہیں؟ وہ آپ کی مدد کے محتاج اور منتظر ہیں۔ آپ کے جاسوسوں نے مسلمانوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ میں آپ کو وہاں کی صحیح تصویر بتاتا ہوں''..... اس نے الفاظ میں ایسی تصویر پیش کی جس سے نائٹ کی باچھیں کھل گئیں۔ اسحاق نے ایسے مشورے دیئے جو کوئی جرنیل ہی دے سکتا تھا۔ نائٹ کی آنکھیں کھل گئیں۔

''تم مجھے حیران کر دینے کی حد تک ذہین ہو''۔ نائٹ نے کہا..... ''ہم کچھ ایسے ہی منصوبے بنا رہے ہیں جو تمہاری خواہشوں اور عزائم کے مطابق ہیں''۔

''میرے اس مشورے کو ذرا اہمیت دیں کہ صلاح الدین ایوبی کی طرح چھاپہ مار جیش تیار کریں''۔ اسحاق نے کہا..... ''ایک جیش میرے حوالے کر دیں۔ میں مسلمان علاقوں اور ان کی نازک رگوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔ مجھے دور اندر تک وہ جگہیں معلوم ہیں جہاں وہ رسد وغیرہ کے ذخیرے رکھتے ہیں۔ اِدھر جنگ ہوئی تو اُدھر اُن کا کوئی ذخیرہ نہیں رہنے دوں گا''۔

''ایسا ہی ہوگا''۔ نائٹ نے کہا..... ''ہم تمہیں موقعہ دیں گے''۔

☆

''میں نے تمہیں شمس النساء کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا''۔ انوشی عامر بن عثمان سے کہہ رہی تھی۔ وہ موصل میں تھے۔ عامر نے اُسے محبت کا جھانسہ دے دیا تھا۔ انوشی آدھی رات کے بعد اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔ کہنے لگی..... ''شمس النساء مجھ سے زیادہ خوب صورت تو نہیں''۔

''اُس کا نام نہ لو''۔ عامر نے اُکتاہٹ سے کہا..... ''وہ شہزادی ہے، مجھے اپنا نوکر سمجھتی ہے اور حکم چلاتی ہے۔

میں کبھی اس کے پاس کھڑا ہوتا ہوں تو یہ حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔تم سے بھی میں اسی لیے ڈرتا رہتا تھا۔تمہیں بھی میں شہزادی سمجھتا رہا لیکن تم نے میرا ڈر دُور کر دیا ہے۔ پھر بھی کبھی کبھی ڈر آ ہی جاتا ہے کہ تم مجھے کسی دھوکے میں مبتلا کر رہی ہو۔ یہ نہ بھی ہوا تو اپنا یہ انجام مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ بڑوں نے مجھے تمہارے ساتھ دیکھ لیا تو مجھے تہہ خانے میں بند کر دیں گے''۔

''اگر تمہیں کسی نے تہہ خانے میں بند کیا تو میرے اشارے پر موصل کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی''۔انوشی نے کہا اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ پیار سے بولی...... ''تمہارا یہ ڈر بجا ہے کہ میں تمہیں کوئی دھوکہ دے رہی ہوں۔میرا وجود ایک دلکش دھوکہ ہے لیکن تم مجھے انسان کے روپ میں دیکھو۔ مجھے اپنی عبادت کرنے دو''۔

انوشی پر بے خودی سی طاری ہوگئی۔ عامر بن عثمان کی اُنگلیاں اس کے بالوں میں رینگ رہی تھیں۔رات گزرتی جا رہی تھی۔انوشی کے لہجے اور انداز میں خمار آ گیا تھا۔ عامر بن عثمان کے لیے یہ بڑا ہی سخت امتحان تھا۔وہ جوان تھا، تنومند تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا۔کئی بار اس کے جذبات اپنے قابو سے نکل چلے تھے۔اُس نے دِل ہی دِل میں دھیان خدا کی طرف کر دیا اور خدا سے التجائیں کرنے لگا کہ اس کی ذاتِ باری اسے جبر اور ہمت واستقلال عطا فرمائے''۔

رات تھوڑی سی رہ گئی تھی جب انوشی اس کے کمرے سے نکلی۔ پھر ایسی تین چار راتیں آئیں۔انوشی اُس کے وجود میں جذب ہو چکی تھی۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ عامر حیوان نہیں انسان ہے مگر عامر کی ذات میں جو زلزلے بپا ہو رہے تھے،ان سے انوشی واقف نہیں تھی۔

''مجھے ان مسلمان حکمرانوں سے نفرت ہوگئی ہے''۔ایک رات عامر نے انوشی سے کہا...... ''میں نے صلیبی حکمران نہیں دیکھے۔ ہمارے حکمرانوں سے تو اچھے ہوں گے''۔اُس نے رازداری سے پوچھا...... ''کیا یہ ممکن نہیں کہ صلیبی آکر ان علاقوں پر قبضہ کر لیں؟''

انوشی بہت ہی چالاک لڑکی تھی۔ بچپن سے استادوں کے ہاتھوں میں کھیلی تھی۔اُس کا حسن قلعوں کی دیواریں توڑ دیتا تھا۔جابر حکمرانوں کو وہ اپنا غلام بنا لیا کرتی تھی،مگر وہ انسانی فطرت کی کمزوریوں اور فطری تقاضوں اور مطالبوں سے آزاد نہیں تھی۔کوئی بھی انسان خواہ وہ اوصاف اور عادات کے لحاظ سے درندہ ہی کیوں نہ بن جائے،اس فطرت کی زنجیروں سے آزاد نہیں ہوسکتا جو خدا نے بنائی ہے۔انوشی اپنی تشنگی عامر بن عثمان کو بتا چکی تھی۔ یہ اس کی دُکھتی رگ تھی جو اُس نے عامر کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ سچے پیار کی تشنگی اور عامر کے وجود نے اس کا ڈنگ مار دیا تھا۔وہ شراب کے نشے کو جانتی تھی،محبت کے خمار سے واقف نہیں تھی۔ یہ خمار جب طاری ہوا تو عامر نے صلیبی حکمرانوں کے حق میں بات کر دی تو انوشی کی تمام تر تربیت بے کار ہوگئی۔اس نے عامر کے ساتھ ایسی باتیں شروع کر دیں جو جاسوس اور تخریب کار نہیں کیا کرتے۔

عامر کا مقصد پورا ہو گیا۔اس نے بچ بچ کر سوال پوچھنے شروع کر دیئے۔اگر اس وقت انوشی کو اس کے صلیبی استاد یا عزالدین اور اس کے وہ دو اعلیٰ حاکم دیکھتے جو اُسے گوہرِ نایاب سمجھتے تھے تو یقین نہ کرتے کہ یہ وہ لڑکی ہے جسے وہ سوڈانی پری کہا کرتے تھے۔ وہ معصوم سی بچی بنی ہوئی تھی اور اسے ذرہ بھر احساس نہیں تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی بجائے صلیب کو دیمک کی طرح کھا رہی ہے۔عامر بن عثمان اس کی فطرت کے تقاضے پورے کر رہا تھا۔

انوشی جب اُس رات عامر کے کمرے سے نکلی تو رات کا آخری پہر تھا۔وہ بڑے اہم راز عامر کے سینے میں ڈال گئی تھی۔

☆

بہت دِن گزر گئے تھے۔ بیروت میں اسحاق ترک اپنے صلیبی نائٹ کا ذاتی محافظ ہی نہیں، اس کا ہم راز دوست اور قابلِ اعتماد ساتھی بن چکا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ بالڈوِن سے فرنگی لشکر کے ایک بڑے دستے کا یہ کمانڈر صلیب کا اتنا خیر خواہ نہیں جتنا اپنی اس خواہش اور عزم کا غلام ہے کہ وہ اگلی جنگ میں بڑھ چڑھ کر کامیابی حاصل کرے اور شاہ بالڈوِن سے عرب کا کوئی ٹکڑا انعام کے طور پر حاصل کر لے۔ اس کے دماغ پر خود مختار حکمرانی سوار تھی اور اس کی سوچیں اسی خواہش کے تابع تھیں۔ اسحاق ترک اپنے استاد علی بن سفیان کی تربیت کے مطابق اس کی نفسیات سے کھیلنے لگا۔ جس طرح انوشی جیسی خطرناک لڑکی فطرتِ انسانی کی کمزوریوں اور تقاضوں کے سامنے بے بس ہو گئی تھی، اسی طرح صلیبیوں کا یہ نائٹ اپنے نظریے سے ہٹ کر اور اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر یہ سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کر رہا تھا کہ جس اجنبی کو اس نے اپنا دوست بنا لیا ہے، وہ صرف اس کی نہیں، اس کے بادشاہ اور اس کی صلیب کی شکست کا پیامبر ہے۔

ایک روز نائٹ اسحاق ترک کو بیروت سے دُور لے گیا۔ اسحاق کو پتہ چلا کہ نائٹ کا دستہ رات کو بڑی جلدی میں کوچ کر گیا ہے۔ نائٹ اس دستے کو مختلف جگہوں پر تقسیم کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ اسحاق محافظ کے طور پر اس کے ساتھ تھا۔ دستے تک پہنچے تو دیکھا کہ خیمے نہیں لگائے گئے تھے۔ اس میں گھوڑ سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ نائٹ نے اپنے ماتحت کمانڈروں کو بلا کر مختلف جگہیں بتائیں اور حکم دیا کہ ان جگہوں پر وہ خیمے گاڑ لیں اور تیاری کی حالت میں رہیں۔ اسحاق پاس کھڑا یہ احکام سن رہا تھا۔

''ہوسکتا ہے تمہیں ایک مہینے تک تیاری کی حالت میں رہنا پڑے''۔ نائٹ نے اپنے چھوٹے کمانڈروں سے کہا..... ''لیکن اُکتا نہ جانا۔ ہمیں کل قاہرہ سے آئے ہوئے ایک جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے بیروت کو محاصرے میں لے کر اس شہر پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ہمیں توقع تھی کہ وہ اب بھی دمشق کی طرف سے آئے گا اور سب سے پہلے اپنے مسلمان اُمراء کو جن میں حلب، موصل اور حرن کے اُمراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اپنے ساتھ ملائے گا، اُس کے بعد وہ ہمیں للکارے گا، مگر اب یہ قابلِ اعتماد اطلاع ملی ہے کہ وہ سب سے پہلے ہمارے دِل پر وار کرے گا اور اس کے بعد اپنے ان اُمراء سے جنہیں ہم نے اپنا در پردہ دوست بنا رکھا ہے، نپٹے گا۔ اگر ہمیں یہ اطلاع نہ ملتی تو ہم بیروت کے اندر اس کے محاصرے میں آ جاتے۔ تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہیں یہ معلوم نہیں کہ صلاح الدین ایوبی محاصرے کا ماہر ہے۔ اس کے محاصرے میں آئی ہوئی فوج کے پاس صرف یہ چال رہ جاتی ہے کہ ہتھیار ڈال دے۔ صلیب کی برکت سے ہمیں پہلے ہی اشارہ مل گیا ہے''۔

اسحاق سن رہا تھا۔ اُس نے اپنے کپڑوں کے اندر پسینے کی نمی محسوس کی۔ اسے یہ سن کر غصہ آنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کے اندرونی حلقے میں بھی صلیبیوں کے جاسوس موجود ہیں جنہوں نے اتنی خطرناک اطلاع یہاں پہنچا دی ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمان ایمان فروشی پر فوراً اُتر آتے ہیں۔ سلطان ایوبی کے ہم راز حلقے میں کوئی صلیبی تو نہیں جا سکتا۔ اب یہ ذمہ داری اسحاق ترک بڑی شدت سے محسوس کرنے لگا کہ وہ قاہرہ پہنچے اور علی بن سفیان کو بتائے کہ اگر سلطان نے واقعی بیروت پر فوج کشی کا فیصلہ کر لیا ہے تو سیدھا بیروت نہ جائے۔

''اس اطلاع سے ہم یہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں کہ جس طرح ہمارا دستہ اس علاقے میں گھات کی صورت میں بھیجا گیا ہے، اسی طرح چند اور دستے جن میں گھوڑ سوار زیادہ ہیں، بیروت کے اِرد گرد اور دُور دُور بھیج دیئے گئے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا استقبال وہ دستے کریں گے جو بیروت میں تیار ہوں گے۔ وہ اُس کی فوج کو یہ تاثر دے کر اُلجھائیں گے کہ

اس نے بیروت کو اچانک آ دبوچا ہے۔ وہ جب محاصرے کو تنگ کر رہا ہوگا ہم عقب سے اس پر حملہ کر دیں گے۔ پھر وہ بیروت کے اندر والی ہماری فوج اور ہمارے باہر والے دستوں میں آ کر ہمیشہ کے لیے پس جائے گا''۔

''جناب!'' ایک پرانی عمر کے کمانڈر نے کہا..... ''یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کس طرف سے آئے گا؟''

''ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا''۔ نائٹ نے جواب دیا ''ممکن یہ نظر آتا ہے کہ وہ ہمارے علاقوں میں سے گزر کر آنے کا خطرہ مول لے گا۔ شاہ بالڈون نے ہدایت جاری کی ہے کہ راستے میں اُس کے ساتھ جھڑپ نہ کی جائے۔ اُسے دُور اندر تک اور بیروت تک آنے دیا جائے۔ یہاں ہم اُس کی فوج کو رسد سے محروم کر کے ماریں گے''۔

''اور آپ کو یہ تو معلوم ہوگا کہ بیروت سمندر پر واقع ہے''۔ اسی کمانڈر نے کہا..... ''وہ اپنی بحری قوت بھی استعمال کر سکتا ہے''۔

''وہ بحری قوت استعمال کرے گا''۔ نائٹ نے کہا ''اس کی بہت سی فوج بحری جہازوں سے آ رہی ہے۔ ہم نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔ ہم سمندر میں اس کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ اُس کی فوج کو اُترنے کا موقع دیں گے۔ اس طرح ہم اُس کے جہازوں کو تباہ کرنے یا انہیں بھاگنے کا موقع دینے کی بجائے جہازوں پر قبضہ کریں گے..... میرے دوستو! تم جانتے ہو کہ فوج کو راز کی ایسی باتیں نہیں بتائی جاتیں، کیونکہ جس طرح ہمارے جاسوس مسلمان علاقوں میں موجود ہیں، اسی طرح ہمارے علاقوں میں مسلمان جاسوس سرگرم ہیں۔ سپاہیوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات صلاح الدین ایوبی کے کانوں تک پہنچ سکتی ہے مگر بعض حالات میں اپنے کمانڈروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آنے والے حالات کیسے ہوں گے اور ان کا پس منظر کیا ہے۔ یہ احتیاط کریں کہ سپاہیوں کو پتہ نہ چلنے پائے کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے، ورنہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گا''۔

''کیا آپ کو مسلمان اُمراء کی نیت کا علم ہے؟'' ایک اور کمانڈر نے پوچھا..... ''ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر حملہ کر دیں''۔

''ان کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں''۔ نائٹ نے کہا ''حلب کا والی عزالدین موصل میں آ گیا ہے اور موصل کا امیر عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ یہ تبادلہ ہماری کارستانی سے ہوا ہے، وہاں کے حالات ہمارے قبضے میں ہیں۔ البتہ یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کوئی حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دے یا اُسے رسد دینے سے انکار کر دے۔ بہر حال یہ یقین ہے کہ اپنے مسلمان اُمراء کی طرف سے صلاح الدین ایوبی کو تعاون نہیں ملے گا''۔

☆

رات کو اسحاق ترک نے نائٹ کے ساتھ سلطان ایوبی کے متوقع حملے اور بیروت کے محاصرے پر تبادلۂ خیال اور خوشی کا اظہار کیا کہ اُسے اپنی خواہش کی تکمیل کا موقع مل جائے گا۔ اُس نے کچھ اور ضروری باتیں معلوم کر لیں۔ اس کے سامنے اب یہ مسئلہ تھا کہ وہاں سے نکلے اور قاہرہ پہنچے۔ وہ آسانی سے فرار ہو سکتا تھا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ غائب ہو جانے سے نائٹ کو شک ہو جائے گا کہ یہ جاسوس تھا جو سب کچھ دیکھ کر چلا ہے، لہٰذا وہ اپنی سکیم میں رد و بدل کر لیں گے۔ وہ نائٹ کو بتا کر جانے کی سوچنے لگا۔ اُسے ایک بہانہ مل گیا جو یہ تھا کہ وہ اپنے گھر کے تمام افراد کو مسلمان علاقے میں چھوڑ آیا ہے، اب چونکہ اس کا ٹھکانہ بن گیا ہے، اس لیے وہ انہیں وہاں سے نکالنا چاہتا ہے، ورنہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔

یہ بہانہ پیش کر کے اس نے نائٹ سے کہا..... ''ایک آدھ مہینے بعد ہم جنگ میں اُلجھ جائیں گے پھر نہ جانے کب فرصت ملے۔ انہیں ابھی لے آؤں تو بہتر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں جنگ میں مارا جاؤں۔ مرنے سے پہلے انہیں

یہاں لانا چاہتا ہوں تاکہ میرے بعد میری بہنیں مسلمانوں کے ہاتھوں خراب نہ ہوتی پھریں''۔

بہانہ معقول تھا۔ نائٹ نے اُسے جو گھوڑا دے رکھا تھا، وہی اس کے پاس رہنے دیا اور کہا...... ''ابھی روانہ ہو جاؤ اور جس قدر جلدی آسکو، واپس آؤ''۔

اسحاق ترک اس صلیبی نائٹ سے زیادہ جلدی میں تھا۔ اُسے بہت جلدی قاہرہ پہنچنا تھا لیکن اس سے پہلے حلب اور موصل جانا ضروری تھا کیونکہ اُس کے کانوں میں وہاں کے حکمرانوں اور اُمراء کے متعلق کچھ باتیں پڑی تھیں۔ اسے یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ سلطان ایوبی جب ان علاقوں میں فوج لائے گا تو موصل کے حکمرانوں اور سالاروں کا رویہ کیا ہوگا۔ اسے معلوم تھا کہ حلب میں اُس کے ساتھی جاسوس کون کون ہیں اور وہ کہاں مل سکتے ہیں، مگر نائٹ کی زبان سے اس نے سنا تھا کہ عزالدین موصل اور عمادالدین حلب چلا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوسکتا تھا کہ رضیع خاتون بھی موصل میں ہوگی اور اگر وہ موصل میں ہے تو اُس کی خادمہ بھی ساتھ ہوگی۔ محل کے اندر کی دُنیا سے رابطہ اس خادمہ کے ذریعے ہوسکتا تھا۔ بہر حال اُسے وہاں کے حالات کا اور حالات کی خبر دینے والے خفیہ ساتھیوں کا کچھ پتہ نہ تھا، سوائے دو کے جو موصل میں تھے۔

وہ اُسی رات روانہ ہوگیا۔ گھوڑا اچھا تھا۔ اسحاق ماہر سوار تھا۔ مہینوں کی مسافت دنوں میں طے کرنے کا اُسے تجربہ تھا۔ وہ فاصلہ طے کرتا اور خدا سے یہی دُعائیں مانگتا جا رہا تھا کہ اُس کے قاہرہ پہنچنے سے پہلے سلطان ایوبی کوچ نہ کر چکا ہو۔ گھوڑا دوڑ سے تھک گیا تو اسحاق نے اسے روکا نہیں۔ گھوڑا اپنی سہولت کی چال آہستہ آہستہ چلتا گیا۔ اسحاق نے آگے جھک کر پیٹ زین کے ساتھ لگا لیا اور چلتے گھوڑے پر سو گیا۔ سحر کی تاریکی میں اُس کی آنکھ کھلی۔ اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کی راہنمائی کرنے والا ستارہ چمک رہا تھا۔ گھوڑا صحیح سمت جا رہا تھا۔ صبح کی روشنی میں ایک جگہ گھوڑے کو پانی پلایا اور کچھ کھلا کر اُس نے خود بھی ذرا آرام کیا، گھوڑے کو بھی آرام دیا اور چل پڑا۔

یہ دن بھی گزر گیا۔ رات آئی اور گزر گئی۔ صلیبی نائٹ کے دیئے ہوئے عربی گھوڑے نے اسحاق کا خوب ساتھ دیا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر تھی، جب اُسے موصل کے میناروں کے کلس نظر آنے لگے۔ اسحاق ترک اس شہر سے اچھی طرح واقف تھا اور اسے اپنے دو ساتھی جاسوسوں کے ٹھکانوں کا بھی علم تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ اسے کچھ بتا سکیں گے یا حلب کا راستہ دکھا دیں گے۔

☆

عزالدین کو اطمینان ہوگیا کہ رضیع خاتون اُس کی زوجیت میں خوش ہے اور اب وہ اُس کے کاموں کے متعلق کوئی بات نہیں کرتی، نہ کچھ پوچھتی ہے۔ رضیع خاتون نے اُس سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اُس نے عمادالدین کے ساتھ امارتوں کا تبادلہ کیوں کرلیا ہے۔ رضیع خاتون نے جس مقصد کے لیے عزالدین کے ساتھ شادی کی تھی وہ تو پورا نہ ہوسکا، تاہم وہ اس پہلو سے مطمئن ہوگئی کہ وہ اس پُراسرار دُنیا کے اندر آ گئی ہے اور سلطان ایوبی نے یہاں جاسوسی کا جو جال بچھا رکھا ہے، اسے وہ مضبوط اور کارآمد بنا رہی ہے۔ شمس النساء کو اُس نے تربیت دے لی تھی اور اُس کی یہ بیٹی لڑکپن کے کھلنڈرے جذبات سے نکل کر مجاہدہ بن گئی تھی۔ اس لڑکی نے عزالدین کے ذاتی محافظ عامر بن عثمان کو مخبر اور جاسوس بنا دیا تھا۔ اس کے لیے اس نے قربانی دی تھی کہ اُسے ایسی چالاک لڑکی کے حوالے کر دیا تھا جو عامر کو اس سے ہمیشہ کے لیے چھین سکتی تھی۔

عامر بن عثمان نے انوشی کے سینے سے جتنے راز نکالے تھے، وہ شمس النساء کے ذریعے رضیع خاتون تک پہنچا دیئے۔ نہایت اہم راز تھے جو قاہرہ تک پہنچانے تھے۔ حلب سے سلطان ایوبی کے جو جاسوس آئے تھے۔ اُن کے

کمان دار سے پوچھا گیا تھا کہ قاہرہ جانے والا کوئی آدمی تیار کرو۔ اس نے کہا تھا کہ اسحاق ترک بیروت سے آجائے گا، وہاں کی جب تک خبر نہیں ملے گی۔ قاہرہ کے لیے اطلاع نامکمل رہے گی۔ علی بن سفیان سے سلطان ایوبی بار بار کہہ رہا تھا کہ صلیبیوں کے آئندہ اقدام کے متعلق معلومات حاصل کرو۔

انوشی نے عامر بن عثمان کو جو باتیں بتائی تھیں وہ غلط نہیں ہوسکتی تھیں۔ وہ عزالدین اور اُس کے خصوصی مشیروں پر اتنی غالب آئی ہوئی تھی کہ وہ اس لڑکی کی موجودگی میں انتہائی نازک باتیں کرتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ اُسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں وہ قابلِ نفرت انسان سمجھتی تھی۔ وہ تو اپنا فرض ادا کر رہی تھی۔ اسے ابھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ جس عامر کو وہ دل و جان سے چاہتی ہے، وہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ عامر کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنی دلچسپی کی خاطر ایسی باتیں پوچھ رہا ہو۔

عزالدین نے رضیع خاتون کی سیر کے لیے بگھی وقف کر رکھی تھی۔ ایک شام رضیع خاتون شمس النساء کے ساتھ باہر نکل گئی۔ شہر کے قریب ہی سبزہ زار تھا جس میں ایک چشمہ بھی تھا، یہ جگہ اتنی خوب صورت تھی کہ صرف شاہی خاندان کے لیے وقف کر دی گئی تھی۔ رضیع خاتون کے ساتھ اس کی خادمہ بھی تھی اور محافظ کے طور پر عامر بن عثمان بھی ساتھ تھا۔ عزالدین کو عامر پر بھروسہ تھا اور اُس نے عامر کو حکم دے رکھا تھا کہ رضیع خاتون جب بھی سیر کے لیے باہر جائے تو عامر ساتھ ہو۔ اس جگہ پہنچ کر بگھی کو دُور کھڑا کر دیا گیا۔ رضیع خاتون اور شمس النساء چشمے کی طرف چلی گئیں۔ عامر بن عثمان بھی ساتھ رہا۔ یہ صرف سیر نہیں تھی بلکہ سیر کے بہانے عامر سے معلوم کرنا تھا کہ اُسے اور کیا کچھ معلوم ہوا ہے۔

اس وقت اسحاق ترک موصل میں اپنے ایک ساتھی کے پاس پہنچ چکا تھا اور یہ ساتھی اُسے بتا رہا تھا کہ رضیع خاتون بھی ان کے گروہ میں شامل ہوگئی ہے بلکہ سرپرستی کر رہی ہے۔ اس دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں تو ان کا ایک ساتھی اور آ گیا۔ اُس نے اسحاق کو بتایا کہ رضیع خاتون کی خادمہ اس وقت چشمے پر گئی ہے۔ بہتر ہے اسحاق اسے وہاں ملے۔ اسحاق نے اپنے ان ساتھیوں کو بتایا تھا کہ وہ بہت جلدی میں ہے اور کام کی کوئی بات معلوم ہو سکے تو وہ رات رُکنے کی بجائے فوراً قاہرہ کو روانہ ہو جائے۔ اسی لیے اُسے بتایا گیا تھا کہ خادمہ چشمے پر ملے گی۔ اس آدمی نے رضیع خاتون کی سواری اُدھر جاتے دیکھی تھی۔ اسحاق کو یہ تو بتا ہی دیا گیا تھا کہ رضیع خاتون بھی اُن کے ساتھ ہے۔ لہٰذا یہ اُمید رکھی ہے کہ اس کے ساتھ بھی ملاقات ہو جائے۔

عامر بن عثمان چشمے کے کنارے رضیع خاتون اور شمس النساء کو بتا رہا تھا کہ انوشی کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبیوں کے خلاف جنگ کی صورت میں عزالدین سلطان ایوبی کو دوستی کے دھوکے میں رکھے گا۔ اگر سلطان رسد مانگے گا تو رسد بروقت پوری نہیں بھیجے گا۔ اگر سلطان نے فوج مانگی تو یہ بہانہ پیش کیا جائے گا کہ اس کے تعلقات عمادالدین کے ساتھ اچھے نہیں رہے اور عمادالدین موصل پر حملے کے لیے آرمینیوں کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے اس لیے فوج قلعے میں موجود رہنی چاہیے۔ عامر نے بتایا کہ عمادالدین کا رویہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ ان حالات سے سلطان ایوبی کا باخبر ہونا ضروری تھا، کیونکہ وہ ان دونوں کو اپنا اتحادی سمجھتا تھا۔

خادمہ اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھی۔ اُسے کسی کے گانے کی آواز سنائی دی..... ''ریگزاروں کے راہی راہوں سے بھٹکیں، ستاروں کو دیکھیں'' ..... سیرگاہ کے قریب سے کوئی گاتا ہوا گزر رہا تھا۔ خادمہ کے کان کھڑے ہوگئے۔ یہ جاسوسوں کے اس گروہ کے خفیہ الفاظ تھے جو ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے ترنم میں اس طرح استعمال کیا کرتے تھے جیسے کوئی مسافر اپنا دل بہلانے کے لیے گنگناتا جا رہا ہو۔ خادمہ پودوں کی اوٹ میں آگے چلی گئی۔ اس نے اسحاق ترک کو پہچان لیا

اُسے روکا۔ اسحاق نے اسے کہا کہ وقت نہیں ہے۔ خادمہ نے کہا کہ اسی طرح ٹہلتے رہو اور وہ رضیع خاتون کے پاس گئی۔

☆

سورج غروب ہو چکا تھا۔ سیر گاہ پر تاریکی چھا رہی تھی۔ اسحاق ترک ایک ایسی جگہ رضیع خاتون، شمس النساء اور عامر عثمان کے پاس بیٹھا تھا جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رضیع خاتون اُسے حلب اور موصل کے تمام اسرار اور دھوکے بتا چکی تھی۔ اُس نے اسحاق سے کہا..... ''صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ میں نے نورالدین زنگی کا مقام عزالدین کو دیا تھا۔ میں نے اس اُمید پر اپنے دِل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ عزالدین کو زنگی مرحوم کا صحیح جانشین بنا دوں گی اور یہ زنگی کی طرح تمہارا دایاں بازو بنے گا مگر شادی کے بعد راز کھلا کہ میں نے عمر بھر کی ایک بھیانک غلطی کی ہے۔ مجھے قید کر لیا گیا ہے۔ اب دمشق کی لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔ بیروت کے علاقے میں تمہارا جس طرح استقبال ہوگا، وہ تم اسحاق سے سن لوگے۔ تم ہی فیصلہ کر سکتے ہو کہ ان حالات میں جبکہ بیروت کو محاصرے میں لینے کا تمہارا منصوبہ پہلے ہی بیروت پہنچ گیا ہے، تم بیروت ہی جاؤ گے یا اپنا منصوبہ بدل دو گے۔ اس سوال کا جواب علی بن سفیان دے سکتا ہے کہ یہ راز بیروت کس نے پہنچایا۔ ہماری قوم میں ایمان کا نیلام عام ہو گیا ہے۔ عرب کے اُمراء کی عیاشیوں کا یہی عالم رہا تو وہ قبلۂ اوّل کی طرح خانہ کعبہ بھی بیچ کھائیں گے۔ عیاشی اور حکمرانی مل کر ملکوں کو ٹکڑوں میں کاٹتی اور قوم کا نام ونشان مٹا دیتی ہیں..... عزالدین اور عمادالدین پر بھی بھروسہ نہ کرنا۔ یہ تمہیں مدد نہیں مدد کا دھوکہ دیں گے۔ بیروت کی بجائے حلب اور موصل کو محاصرے میں لے کر ان ایمان فروش حکمرانوں سے ہتھیار ڈلوالو اور یہ اہم علاقے اپنی عملداری میں لے لو تو یہ اسلام کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ پر ایک نظر ڈالو۔ ہمارے بادشاہوں نے ہمیشہ ملکوں کے سودے کیے ہیں اور ان سودوں پر اسلام کے سپاہی نے لکیر پھیر دی اور قوم کی لاج رکھی ہے۔ دشمن کو صرف سپاہی دیکھتا ہے اور دشمن کے ہاتھوں صرف سپاہی کٹتا اور مرتا ہے، اس لیے وطن اور قوم کی قدر و قیمت صرف سپاہی جانتا ہے.....

''جب یہ عیاش حکمران دشمن کی بھیجی ہوئی شراب، حسین لڑکیوں اور دولت کے نشے میں بدمست پڑے ہوتے ہیں، اُس وقت اللہ کے سپاہی ریگزاروں، کوہستانوں اور سمندروں میں کٹ رہے ہوتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی! تمہاری عمر بھی صحراؤں میں لڑتے گزر رہی ہے، میرا پہلا خاوند بھی ساری عمر دین کے دشمن سے لڑتا رہا، مگر جب تم ایمان فروش حکمرانوں کے خلاف اُٹھتے ہو تو وہ تمہیں اپنی قوم کا قاتل اور غدار کہتے ہیں۔ ان فتوؤں کی پروا نہ کرو۔ یہ سب صلیبیوں اور یہودیوں کے فتوے ہیں جو ہمارے اپنے بھائی تمہارے خلاف داغ رہے ہیں۔ آؤ، طوفان کی طرح آؤ۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارے لیے زمین ہموار کر رہی ہوں۔ یہاں کا بچہ بچہ تمہارے ساتھ ہوگا..... باقی خبریں اسحاق سے سن لینا''۔

اسحاق ترک کو تمام تر معلومات دے دی گئیں۔ وہ اُٹھا اور پودوں کو روندتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس نے کچھ ایسا محسوس کیا جیسے اُس نے کسی کے قدموں کی ہلکی سی آہٹ سنی ہو۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے یہ شک بھی ہوا جیسے اُسے کچھ دُور ایک سایہ جاتا اور پودوں میں غائب ہوتا نظر آیا ہو۔ اُس نے زیادہ توجہ نہ دی۔ اس کے ذہن پر یہ مسئلہ سوار تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے وہ قاہرہ پہنچے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی فوج کے ساتھ کوچ کر چکا ہو۔ اسے اس کامیابی کی بہت خوشی تھی کہ اُسے ہر جگہ سے نہایت کارآمد معلومات مل گئی تھیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ بہت جلدی میں کھانا کھایا اور روانہ ہو گیا۔ اُسے اپنا سفر اس وجہ سے لمبا کرنا پڑا کہ حلب میں اپنے کمان دار سے ملنا ضروری تھا۔

حلب پہنچا۔ کمان دار سے ملا۔ اس نے اسحاق کو تازہ دم نہایت اچھی نسل کا گھوڑا دیا۔ پانی کے چھوٹے مشکیزے

اور کھانے کی چیزوں سے تھیلا بھر کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ اسحاق قاہرہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

☆

اُس رات کا ذکر ہے جس رات اسحاق سیر گاہ میں رضیع خاتون سے ملا تھا کہ انوشی طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے عزالدین اور اس کے قریبی ہم رازوں کی محفل میں نہ گئی۔ عزالدین اس کی مزاج پُرسی کے لیے گیا تو انوشی کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ وہ بات کرتی تو زبان ہکلاتی تھی۔ عزالدین نے اپنے طبیب کو بلایا۔ طبیعت نے دوا دی جو انوشی نے یہ کہہ کر رکھ لی کہ کھا لے گی۔ اُس نے کہا کہ وہ آرام کرنا چاہتی ہے۔ یہ شب بیداری اور زیادہ شراب پی لینے کے اثرات ہیں۔ عزالدین اور طبیب چلے گئے۔ انوشی دروازہ اندر سے بند کر کے لیٹنے کی بجائے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ وہ بہت بے چین تھی۔ اس نے کئی بار کھڑکی کا پردہ اُٹھا کر باہر دیکھا اور کمرے میں کبھی ٹہلتی، کبھی رُکتی اور پھر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھتی۔

اس نے اپنے زیورات والا خوش نما بکس کھولا۔ اس میں سے ایک انگوٹھی نکالی۔ اس کے نگینے والی جگہ ڈبیا کی شکل کی تھی۔ خوش نما اور وزنی انگوٹھی تھی۔ اس نے اس پر جڑی ہوئی چھوٹی سی ڈبیا کو جو انگوٹھی کا حصہ تھی، کھولا۔ اس میں سفید سفوف بھرا ہوا تھا۔ اس نے سفوف کو ذرا سی دیر دیکھا اور ڈبیا بند کر کے انگوٹھی اپنی اُنگلی میں ڈال لی۔ اس سے اُسے کچھ سکون محسوس ہوا جیسے اس نے اپنی بے چینی اور اُداسی کا ذریعہ پیدا کر لیا ہو۔

رات آدھی گزر گئی تھی۔ اس کی ذاتی خادمہ اس کے کمرے کے قریب ایک کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ انوشی نے اُسے کہہ دیا تھا کہ آج رات اُسے اس کی ضرورت نہیں۔ آدھی رات کے بعد وہ خادمہ کے کمرے میں گئی اور اسے جگا کر کہا کہ عامر بن عثمان کو بلاؤ۔ اس کی خادمہ اس کی اور عامر کی ملاقاتوں کی رازدان تھی۔ وہ گئی اور عامر بن عثمان کو بلا لائی۔ انوشی نے خادمہ سے کہا کہ وہ کمرے کے باہر بیٹھی رہے۔

''عامر!'' انوشی ایسے لہجے میں بولی جس سے عامر واقف نہیں تھا...... ''آج شام وہ کون تھا جو سیر گاہ میں تم سب کے ساتھ بیٹھا تھا؟''

''کوئی بھی نہیں''۔ عامر نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا...... ''میرے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ میں تو خاتون کی سواری کے ساتھ محافظ بن کے جاتا ہوں اور اُن سے دُور رہتا ہوں''۔

''عامر!'' انوشی نے بالکل ہی بدلے ہوئے لہجے میں کہا...... ''مجھ سے زمین کی تہوں کے راز پوچھ لو۔ میں نے تمہیں دِل کی گہرائیوں سے چاہا ہے مگر تم نے مجھے کوئی سیدھی سادی صحرائی لڑکی سمجھ لیا۔ تم، رضیع خاتون، شمس النساء اور ان کی خادمہ اکٹھے بیٹھے تھے اور ایک اجنبی تمہارے درمیان بیٹھا تھا۔ راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں۔ ثبوت چاہتے ہو؟ میں نقاب اوڑھ کر اور مستور ہو کر وہاں گئی تھی۔ تم سب سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے، پھر وہ اجنبی وہاں سے اُٹھا اور چلا گیا۔ میں وہاں سے آ گئی''۔

اسحاق تُرک جب ان لوگوں سے اُٹھ کر جا رہا تھا تو اس نے کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ سنی تھی اور کچھ دُور ایک سایہ سا بھی دیکھا تھا۔ یہ انوشی تھی جو چوری چھپے رضیع خاتون، شمس النساء اور عامر بن عثمان کے پیچھے گئی تھی۔

عامر بن عثمان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس نے کوئی بے معنی سی بات کی۔ انوشی استاد تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ اس کے شکوک بے بنیاد نہیں۔ اس نے کہا...... ''اگر شمس النساء اکیلی ہوتی تو میں سمجھتی کہ اس شہزادی نے تمہیں گھیر رکھا ہے مگر یہ معاملہ کچھ اور ہے...... مجھے بتاؤ کہ تم مجھ سے یہ راز کی باتیں کیوں پوچھتے رہے ہو؟''

''ویسے ہی''۔ عامر نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا......''ان باتوں کے ساتھ میری کیا دِل چسپی ہو سکتی ہے۔ میں صرف اس سے لطف اُٹھاتا تھا کہ ہم بادشاہوں کو کیا سمجھتے ہیں اور یہ اندر سے کیا ہیں؟''

''عامر!'' انوشی نے قہر بھری آواز میں کہا......''تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔ میرے اشارے پر اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بج سکتی ہے۔ مجھے میرے پیاسے جذبات نے دھوکہ دیا اور میں تمہاری محبت کے نشے میں اپنے فرائض فراموش کر بیٹھی اور تم اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ پھر بھی میرے دِل میں تمہاری محبت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ تم میرے کمرے میں زندہ اور سلامت ہو۔ میں اگر چاہتی تو اس وقت تم قید خانے کی اُس کوٹھڑی میں بے ہوش پڑے ہوتے جہاں اذیتوں کے بعد غداروں اور جاسوسوں کو ڈال دیا جاتا ہے۔ میں نے تمہیں اس جہنم سے بچالیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم نے میرے سینے سے راز نکال کر اس اجنبی کو دیئے ہیں اور وہ قاہرہ چلا گیا ہے۔ میرا خلوص اور میری محبت دیکھو کہ میں نے اس آدمی کو نکل جانے کی مہلت دی۔ میں اُسے اُسی وقت پکڑوا سکتی تھی مگر تمہاری محبت نے میرا زہر چوس لیا ہے''......اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''میں جوا تنا دل نشیں دھوکہ ہوں، دھوکے کا شکار ہو گئی ہوں۔ تم جیت گئے۔ سچ کہہ دو عامر، سچ کہہ دو''۔

''ہاں انوشی!'' عامر نے کہا......''تم نے اپنا فرض ادا کیا ہے، میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ تم مجھے قید خانے میں بند کرا دو''۔

''انوشی کے آنسو بہہ نکلے تھے لیکن اُس نے قہقہہ لگایا اور کہا۔''بس اتنی سی بات پوچھنی تھی جو تم نے بتا دی ہے۔ تمہیں کوئی قید میں نہیں ڈال سکتا۔ اب میں بھی اس خوش نما پنجرے سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ تم شراب نہیں پیتے۔ میں تمہیں بادشاہوں کا شربت پلاؤں گی''۔

وہ اُٹھی اور اُس میز کے پاس جا کھڑی ہوئی جس پر صراحی رکھی تھی۔ اس کی پیٹھ عامر کی طرف تھی۔ انوشی نے دو پیالے اپنے سامنے رکھے۔ ناخن سے انگوٹھی کے ساتھ جڑی ہوئی ڈبیہ کھولی۔ اس میں جو سفوف تھا، وہ کچھ ایک پیالے میں اور باقی دوسرے پیالے میں ڈال دیا۔ عامر نہ دیکھ سکا۔ انوشی نے دونوں پیالوں میں صراحی سے مشروب ڈالا۔ ایک پیالہ عامر کو دے دیا، ایک اپنے ہاتھ میں رکھا۔

''سونگھ لو''۔ انوشی نے کہا......''یہ شراب نہیں شربت ہے۔ یہ میری محبت کا جام ہے۔ پی لو''۔ اس نے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ عامر نے بھی پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ دونوں نے پیالے خالی کر دیئے۔ انوشی نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور دونوں پیالے پرے پھینک کر بازو عامر کے گلے میں ڈال دیئے۔ اپنے رخسار اس کے گالوں سے رگڑتی ہوئی بولی......''اب ہم آزاد ہیں''۔

انوشی اُچک کر عامر سے الگ ہو گئی اور بولی۔''تم بھی غنودگی محسوس کر رہے ہو؟''

''ہاں!'' عامر نے جواب دیا......''میں گہری نیند سے اُٹھ کر آیا ہوں۔ نیند پریشان کر رہی ہے''۔

''اب ہم دونوں اتنی گہری نیند سوئیں گے کہ ہمیں کوئی جگا نہیں سکے گا''۔ انوشی نے ایسی آواز میں کہا جس میں غنودگی کا نمایاں اثر تھا۔ کہنے لگی۔''میں تم سے زیادہ تھکی ہوئی ہوں۔ گناہوں نے تھکا دیا ہے''......اس کا سر ڈولنے لگا۔ اُس نے سنبھل کر کہا......''زیادہ باتوں کا وقت نہیں عامر! تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ اب ہم اگلے جہان میں اکٹھے اُٹھائے جائیں گے۔ میں اپنا فرض ادا کر چکی ہوں، تم اپنا فرض ادا کر چکے ہو۔ میں نے اس شربت میں وہ زہر ملایا تھا جو مجھ جیسی لڑکیوں کو دے کر پردیس بھیجا جاتا ہے۔ یہ ضرورت کے وقت کے لیے دیا جاتا ہے۔ اس سے کوئی تکلیف اور تلخی محسوس نہیں

ہوتی۔ بڑی میٹھی غنودگی میں انسان ہمیشہ کی نیند سو جاتا ہے۔ میں اس لیے زندہ نہیں رہنا چاہتی کہ زندہ رہی تو تمہیں سزا دلا دوں گی۔ تمہیں اس لیے زندہ نہیں رہنے دیا کہ کوئی اور لڑکی یہ نہ کہے کہ عامر کو اُس سے محبت ہے"۔

عامر بن عثمان لیٹ گیا تھا، جیسے وہ انوشی کی باتیں سن ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں۔ انوشی کا سر ڈول رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے تک گئی۔ خادمہ دروازے کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔ اُسے اندر بلا کر کہا......

''ہم دونوں نے زہر پی لیا ہے۔ سب کو بتا دینا کہ ہم نے خود زہر پیا ہے۔ کسی اور نے نہیں پلایا۔ کوئی صلیبی ملے تو اُسے بتا دینا کہ سوڈان کی پری اپنا فرض ادا کر کے مری ہے"۔

اُس کی آواز دب گئی۔ وہ گرتی گرتی عامر تک پہنچی۔ خادمہ دوڑتی باہر نکلی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے میں کئی لوگ آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ عامر بن عثمان پلنگ پر چت پڑا ہے اور انوشی اس کے ساتھ لگی اس طرح لیٹی ہوئی ہے کہ اس کا سر عامر کے سینے پر اور اس کا ایک ہاتھ عامر کے سر پر تھا جس کی انگلیاں بالوں میں اُلجھی ہوئی تھیں۔ دونوں مرے ہوئے تھے۔

☆

اُس وقت اسحاق ترک موصل سے جا چکا تھا۔ انوشی نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اجنبی سلطان ایوبی کا جاسوس ہو سکتا ہے، اُس کا تعاقب نہ کیا، نہ گرفتار کرانے کی سوچی۔ اُس نے زندگی کی یہ چند ہی ساعتیں روحانی سکون پایا تھا جو اُس نے عامر کے ساتھ پیار کے دھوکے میں گزاری تھیں۔ اس نے اس پیار کا صلہ یہ دیا کہ اسحاق کو جانے دیا۔

اسحاق ترک قاہرہ سے ابھی کئی دنوں کی مسافت جتنا دُور تھا کہ اس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس لیا۔ اس حادثے کی تفصیلات اس کہانی کی پچھلی قسط میں سنائی جا چکی ہیں۔ مندرجہ بالا واقعات اس حادثے سے پہلے کے ہیں، یہ واضح کرنے کے لیے سنانا ضروری تھے کہ اسحاق ترک کتنی اہم اطلاعات لے کر قاہرہ جا رہا تھا۔ اسلام کی عزت اور بے عزتی کا دارومدار اس پر تھا کہ یہ اکیلا مجاہد اتنے وسیع اور ایسے ظالم صحرا سے گزر کر قاہرہ بروقت پہنچتا ہے یا نہیں، مگر اُس کے گھوڑے کو سانپ نے ڈس کر مار دیا اور یہ سوار صحرا کے مظالم سے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو وہ صلیبیوں کے خیمے میں پڑا تھا جہاں دو صلیبی لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک کا نام میرنیا اور دوسری کا باربرا تھا۔ یہ تفصیلات پچھلی قسط میں پڑھ لیں تاکہ وہ واقعات ایک بار پھر آپ کے ذہن میں تازہ ہو جائیں۔

اسحاق ترک بے ہوشی میں بڑبڑاتا رہا تھا جس سے صلیبیوں کی اس ٹولی پر ظاہر ہو گیا کہ یہ مسلمان جاسوس ہے اور کوئی اہم خبر لے کر قاہرہ لے جا رہا ہے۔ دونوں لڑکیوں، میرنیا اور باربرا کی آپس میں رقابت تھی۔ دونوں اپنے کمانڈر کو چاہتی تھیں اور کمانڈر باربرا کو محبت کا دھوکہ دے کر میرنیا کے ساتھ گہری دوستی لگائے ہوئے تھا۔ باربرا نے انتقام لینے کے لیے اسحاق کو چوری چھپے بتا دیا کہ وہ صلیبی جاسوسوں کے جال میں آ گیا ہے۔ اسحاق اس جال میں ایسی بُری طرح آیا کہ اُس نے اعتراف کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور حلب سے آیا ہے۔ صلیبیوں کے سربراہ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا خبر لے جا رہا ہے؟ اسحاق نے بتایا کہ خبر صرف اتنی سی ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ صلیبی سربراہ نے کہا کہ یہ خبر پرانی ہو گئی ہے اور اب سلطان ایوبی شام کی طرف پیش قدمی کرنے والا ہے۔

اس صلیبی نے اسحاق ترک سے کہا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے اور یہ بھی بتائے کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا تھا اور بیروت میں جو مسلمان جاسوس ہیں، وہ کون کون ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور اگر وہ نہیں بتائے گا تو اُسے صلیبی علاقے میں جا کر کسی قید خانے کے تہہ خانے میں بند کر دیا جائے گا۔ اسحاق نے یہ سوچ کر ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ ان کی

حراست سے فرار کی کوشش کرے گا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ صلیبیوں کے لیے جاسوسی کرے گا۔ اس سے یہ بھی پوچھا جا رہا تھا کہ وہ کیا راز لے کے جا رہا ہے۔ اس نے چند ایک باتیں گھڑ لیں جو زیادہ تر شام کے مسلمان اُمراء سے تعلق رکھتی تھیں۔ بیروت کے متعلق اس نے بے خبری کا اظہار کر دیا اور یہ بھی کہا کہ اُسے بیروت کے راستے کا بھی علم نہیں۔

جیسا کہ پچھلی قسط میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی پارٹی تھی۔ اس کے ساتھ ان کے محافظ بھی تھے اور دو لڑکیاں۔ اس پارٹی کی نفری آٹھ نو تھی۔ یہ قاہرہ سے بیروت کو واپس جا رہے تھے۔ ان کے سربراہ نے اسحاق کو بتایا تھا کہ وہ رات کو روانہ ہو رہے ہیں۔ اسحاق نے جب یہ سنا کہ وہ بیروت جا رہے ہیں تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ وہاں اُس کی ملاقات اپنے نائٹ سے بھی ہو سکتی تھی لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا، اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ اُسے سلطان ایوبی کو بالڈوِن کی فوج کا ڈیپلائے بتانا تھا اور اُسے خبردار کرنا تھا کہ وہ بیروت کا محاصرہ ترک کر دے۔ اس کے بعد اسحاق جان دینے کے لیے تیار تھا مگر وہ قیدی بن چکا تھا اور نہتہ تھا۔

رات کو اس قافلے نے وہاں سے کوچ کیا۔ اسحاق کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ کر ایک اونٹ پر سوار کر دیا گیا تھا۔ اس اونٹ پر سامان بھی لدا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کا یہ جاسوس بیروت سے قاہرہ کو روانہ ہوا تھا مگر قاہرہ پہنچے بغیر بیروت کو واپس جا رہا تھا۔ مسافت بڑی ہی لمبی تھی۔ اسحاق ترک اس اُمید پر جا رہا تھا کہ فرار کی کوئی صورت پیدا کر لے گا۔

☆

''میں اب ایک دِن بھی انتظار نہیں کر سکتا''۔ صلاح الدین ایوبی اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا ... ''فوج تیاری کی حالت میں ہے۔ اس حالت میں فوج کو زیادہ عرصہ رکھنا مناسب نہیں ہوتا۔ سپاہیوں کے اعصاب تھک جاتے ہیں۔ یہ کیفیت جنگ کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں صلیبیوں کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینا چاہتا ہوں۔ ہم جب بھی لڑے اپنے علاقوں میں لڑے ہیں اور اسی پہ خوش ہوئے کہ ہم نے دشمن کو پسپا کر دیا ہے۔ دشمن ہماری ہی زمین پر حملہ آور ہوا اور پسپا ہو کر ہماری ہی زمین پر رہا۔ اب میرا ہر اقدام جارحانہ ہوگا۔ فرنگی فوج بیروت میں ہے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اگر بالڈوِن نے کوئی نقل و حرکت کی ہوتی تو اطلاع آ جاتی۔ میرا قیاس یہ ہے کہ وہ اور دوسرے صلیبی ہمارے مسلمان اُمراء کو اپنا حمایتی اور ہمارا دشمن بنانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ وہ ایک بار پھر ہمیں خانہ جنگی میں اُلجھائیں گے۔ وہ زمین دوز کارروائیوں میں لگے رہیں۔ ہم بیروت کو محاصرے میں لیں گے اور اللہ کی مدد شاملِ حال رہی تو یہ عظیم شہر ہمارے قبضے میں آ جائے گا''۔

سالاروں کے اس اجلاس میں سلطان ایوبی کی بحریہ کا امیر البحر بھی موجود تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے اس کا نام حسام الدین لولوع لکھا ہے۔ یہ بحری جنگ کا ماہر اور غیر معمولی طور پر قابل امیر البحر مانا جاتا تھا۔ بیروت چونکہ بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع تھا، اس لیے سلطان ایوبی محاصرہ مکمل کرنے کے لیے سمندر کی طرف سے بھی فوج بھیجنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

''جن دستوں کو بحری جہازوں سے جانا اور ساحل پر اُترنا ہے، وہ سکندریہ پہنچ چکے ہیں۔ حسام الدین کو ہدایات دی جا چکی ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''سمندر سے جانے والے دستے جلدی منزل پر پہنچ جائیں گے، اس لیے یہ کچھ دن بعد روانہ ہوں گے، تاکہ خشکی والے دستے پہنچ جائیں، سمندری دستے ساحل پر اُتریں گے۔ تیز رفتار قاصد ہمیں اُترنے کی اطلاع دیں گے۔ شہر پر اُن کی یلغار طوفانی ہوگی۔ اگر فرنگیوں نے ہتھیار نہ ڈالے تو آپ سب کو اجازت ہوگی کہ شہر کو تباہ و

برباد کردیں۔ عورت، بچے، بوڑھے اور مریض پر ہاتھ نہیں اُٹھایا جائے گا۔ انہیں پناہ میں لیا جائے گا۔ فوجیوں کو ہلاک نہیں، قید کیا جائے گا۔ کسی صورت میں لوٹ مار نہیں ہوگی۔ آپ سب کو اجازت ہوگی کہ ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو موقعہ پر قتل کردیں، خواہ وہ کتنے ہی اونچے عہدے کے عسکری کیوں نہ ہو۔ خشکی کی طرف جانے والے دستوں کی پیش قدمی امن کے انداز سے نہیں، جنگی رفتار سے ہوگی۔ پڑاؤ بغیر خیموں کے ہوں گے۔ کوئی سامان کھولا نہیں جائے گا۔ سب کو پانی محدود مقدار میں ملے گا۔ کھانا پکایا نہیں جائے گا۔ کھجوروں وغیرہ کا ذخیرہ ساتھ جا رہا ہے۔ جانوروں کو پوری خوراک دی جائے گی''۔

سلطان نے چادر جتنے چوڑے کپڑے پر قاہرہ سے بیروت تک کا نقشہ تیار کرا رکھا تھا جو اُس نے دیوار کے ساتھ لٹکایا اور پیش قدمی کے راستے پر اُنگلی چلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہوگا ہمارا پیش قدمی کا راستہ''۔ اجلاس کی خاموشی اور زیادہ گہری ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے سب کے چہروں کو دیکھا اور مُسکرا کر بولا...... ''خاموش کیوں ہو؟ کہتے کیوں نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں میں سے گزر کر جا رہے ہیں...... میرے دوستو! ہم احتیاط کے اصولوں پر جنگ لڑتے رہے ہیں۔ پیش قدمی سے پہلے ہم پہلوؤں کی حفاظت اور پسپائی کا راستہ دیکھتے رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صلیبی فلسطین پر قابض ہیں اور وہ دمشق اور بغداد پر قابض ہو کر مکہ اور مدینہ منورہ کی طرف بڑھنے کے منصوبے بنائے ہوئے ہیں۔ زیاد کا بیٹا طارق سمندر سے دور مصر کے ساحل پر بیٹھا رہتا تو یورپ تک اسلام کا پرچم کبھی نہ پہنچتا۔ قاسم کا بیٹا محمد اس قدر خطرناک اور اس قدر لمبی مسافت طے کر کے ہندوستان پہنچا تھا جس سے تاریخ کے ورق بھی پھڑ پھڑا اُٹھے تھے۔ صلیبی بہت دُور سے ہماری سرزمین میں آئے تھے۔ اگر آپ اسلام کی سربلندی چاہتے ہیں تو ہمیں آگ میں سے گزرنا ہوگا۔ اگر صرف حکومت کرنی ہے تو آؤ مصر اور شام کو ٹکڑوں میں بانٹ لیں اور بادشاہ بن کے بیٹھ جائیں۔ پھر اپنی اپنی بادشاہی کو قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں اور یہودیوں سے مدد لیتے رہیں گے اور اپنا دین وایمان ان کے پاس گروی رکھ دیں گے''۔

''محترم سلطان!'' ایک سالار نے اُٹھ کر کہا...... ''ہم احکام اور ہدایات کے منتظر ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اس سے خوف زدہ نہیں کہ ہم دشمن کے علاقوں سے گزریں گے۔ ہمیں یہ بتایئے کہ ان علاقوں سے گزرتے ہماری ترتیب کیا ہوگی؟ کیا ہر دستہ اپنی حفاظت خود کرے گا؟''

''نہیں!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں انہی ہدایات کی طرف آ رہا تھا۔ ہر دستہ اپنی پیش قدمی جاری رکھے گا۔ دائیں بائیں، آگے اور پیچھے جو کچھ ہوتا رہے، اس کی طرف آپ دھیان نہیں دیں گے۔ رسد اکٹھی نہیں جا رہی۔ اسے کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے تاکہ دشمن اسے تباہ نہ کر سکے۔ ساری فوج کی حفاظت چھاپہ مار جیش کریں گے۔ چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری یہاں موجود ہیں۔ انہیں بہت پہلے ہدایات دے دی گئی تھیں۔ انہوں نے چھاپہ ماروں کو تربیت اور مشق دے لی ہے۔ باقی سب اپنی نظریں بیروت پر رکھیں گے''۔

سلطان ایوبی نے ہر قسم کی ہدایات دے کر کہا...... ''کوچ آج رات کے پہلے پہر ہوگا اور سب سے ضروری احتیاط یہ کرنی ہے کہ اس کمرے سے باہر کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ سپاہیوں اور کمان داروں تک کے کان میں نہ پڑے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں''۔

سلطان ایوبی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ بیروت میں اس کے استقبال کا انتظام کر دیا گیا ہے اور وہ فرنگیوں کو بے خبری میں شاید نہ دبوچ سکے۔

رات کو جب فوج کوچ کر رہی تھی، سلطان ایوبی اپنی ہائی کمان کے سالاروں کے ساتھ راستے میں کھڑا ہر دستے

کی سلامی لے رہا اور دُعائیں دے رہا تھا۔ اُس کے پاس اُس کے ایک بیٹے کا بزرگ اتالیق بھی کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی اساتذہ اور علماء کی بہت قدر کیا کرتا تھا۔ محمد فرید ابوحدید کی تحریر کے مطابق جب فوج کا آخری دستہ بھی چلا گیا تو سلطان ایوبی بھی روانہ ہونے لگا۔ اس کے بیٹے کے اتالیق نے عربی کا ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یوں ہے۔

''آج نجد کے پھول عرار کی خوشبو سے لطف اُٹھالو۔ شام کے بعد یہ پھول نہیں ملا کرتا''

یہ مصری وقائع نگار لکھتا ہے کہ اُس وقت تک سلطان ایوبی کا مزاج ہشاش بشاش تھا مگر یہ شعر سن کر اُس پر اداسی طاری ہوگئی۔ اس نے بوقتِ رخصت اس شعر کو بدشگونی سمجھا۔ وہ فوج کے پیچھے روانہ ہوگیا۔ راستے میں اُس نے اپنے سالاروں سے کہا..... ''اس بزرگ سے مجھے توقع تھی کہ الوداعی کے وقت دُعا دیں گے۔ انہوں نے ایسا شعر سنا دیا ہے جس نے میرے دل پر بوجھ ڈال دیا ہے''...... اور ہوا بھی یہی کہ اس روانگی کے بعد سلطان ایوبی مصر آ ہی نہ سکا۔ اس کی باقی عمر سرزمین عرب پر جنگ وجدل میں ہی گزر گئی۔ مصر والوں کو عرار کا یہ پھول پھر کبھی نظر نہ آیا۔

مصر سے سلطان کی روانگی مئی ۱۱۸۲ء میں ہوئی تھی۔

☆

صحرا کا وہ خطہ بڑا ہی ہولناک تھا جہاں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کا قافلہ داخل ہوگیا تھا۔ اسحاق ترک اُن کا قیدی تھا لیکن اب اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں تھے۔ دو دن اور دو راتیں اُس کے ہاتھ کھانے کے وقت کے سوا ہر وقت بندھے رہتے تھے۔ اُس نے اس پارٹی کے سربراہ سے کہا تھا کہ وہ بھاگ نہیں سکتا۔ بھاگ کر جائے گا کہاں۔ پا پیادہ تو وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ بڑی مشکل سے دو کوس چلے گا اور صحرا اُسے اسی طرح بے ہوش کر کے ختم کر دے گا جس طرح وہ بے ہوش ہو کر پکڑا گیا تھا۔ سربراہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ہاتھ کھول دیئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ اس پر نظر رکھیں۔ اسحاق ترک نے اُن پر اعتماد جمالیا۔ اُس نے سلطان ایوبی اور دوسرے مسلمان حکمرانوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے صلیبی سربراہ کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ ان کا جاسوس بن جائے گا مگر اس سے جب یہ پوچھتے تھے کہ وہ کیا راز لے کر جا رہا تھا تو وہ صحیح جواب نہیں دیتا تھا۔

دو صلیبی لڑکیوں کی رقابت بدستور چل رہی تھی۔ میرنیا اپنے سربراہ کی منظورِ نظر تھی اور باربرا کو سربراہ نے اس حد تک دھتکار دیا تھا کہ اُس کے ساتھ جو بھی بات کرتا طنزیہ انداز سے کرتا تھا۔ باربرا بجھ کے رہ گئی تھی میرنیا اس کوشش میں تھی کہ وہ اسحاق ترک کے سینے سے وہ راز نکال لے جو وہ قاہرہ لے کے جا رہا تھا۔ اس دلکش لڑکی نے راتوں کو اسحاق کے پاس بیٹھ کر اُس کے جذبات کو مشتعل کرنے کا ہر داؤ آزمالیا لیکن اسحاق پتھر کا بُت بنا رہا۔ باربرا کی خواہش یہ تھی کہ اسحاق میرنیا کو کچھ بھی نہ بتائے۔ پارٹی کے سربراہ کے بعد کا رتبہ مارتن نام کے ایک آدمی کا تھا۔ یہ آدمی باربرا کو چاہتا تھا مگر باربرا نے اُسے بُری طرح دھتکار دیا تھا۔ وہ اس لڑکی کو دھمکیاں بھی دے چکا تھا کہ اس نے قاہرہ میں جو غلطیاں کی ہیں، اُن کی سزا دلائے گا۔ یہی دھمکی اُسے سربراہ بھی دے چکا تھا۔ وہ مایوس تو تھی ہی، اب خوف زدہ بھی رہنے لگی تھی۔

باربرا کا خون اُس وقت کھولتا تھا جب میرنیا اُس کے ساتھ طنزیہ بات کرتی تھی۔ ایک روز اس نے باربرا سے کہا ''باربرا! تم اس کام کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری کھوپڑی میں دماغ ہے ہی نہیں۔ تم کسی قحبہ خانے میں ناچنے اور گاہکوں کا دل پرچانے والی عورت ہو۔ میرا کمال دیکھو۔ صحرا میں بھی ایک مسلمان جاسوس پکڑ رہی ہے۔ یہ میرا شکار ہے۔ تم اس کے قریب نہ جانا۔ بیروت میں اس کا مجھے انعام ملے گا''۔

باربرا جل اُٹھی۔اُس رات اُس کا دماغ جیسے جواب دے گیا۔ مارٹن تو اُس کے پیچھے پڑا ہی رہتا تھا۔اُس رات وہ خود مارٹن کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ میرنیا سے انتقام لینا چاہتی ہے۔اُس نے اس خوف کا اظہار بھی کیا کہ بیروت پہنچ کر اُسے سزا ملے گی کیونکہ قاہرہ میں اُس سے اپنی زمین دوز سرگرمیوں میں کوتاہی ہوئی تھی۔وہ اپنے آپ کو بے بس اور تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔وہ مارٹن سے مدد، ہمدردی اور پناہ مانگ رہی تھی۔ مارٹن تو اس کا شیدائی تھا۔اُس نے باربرا سے مدد کا معاوضہ یہ مانگا کہ اُسی کی ہو جائے۔ باربرا کون سی شریف لڑکی تھی۔وہ مان گئی۔ گناہوں میں پلی ہوئی اور گناہوں کی تربیت یافتہ لڑکی کے لیے یہ معاوضہ جو مارٹن نے مانگا تھا کوئی زیادہ نہیں تھا...... مارٹن نے فوراً ایک ترکیب سوچ لی اور باربرا کو بتا دی۔اس پر عمل درآمد کے لیے اگلی رات مقرر کی گئی۔

اگلی رات جہاں قیام کیا گیا، وہ صحرا کا بڑا ہی ہولناک خطہ تھا۔ دُور دُور تک عجیب وغریب شکلوں کے ٹیلے کھڑے تھے۔بعض ستونوں اور میناروں جیسے تھے۔بعض ٹیڑھی ٹیڑھی دیواروں کی طرح اور کچھ جانوروں کی شکلوں کے بھی تھے۔ یہ ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ پانی اور سبزے کا وہاں نام ونشان نہ تھا۔رات کو یہ ٹیلے یوں نظر آتے تھے جیسے دیو کھڑے ہوں۔اس خطے میں قافلہ شام کا اندھیرا پھیل جانے کے بعد رُکا۔ مارٹن نے اندھیرے سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ اپنا گھوڑا اپنے خیمے کے ساتھ باندھا اور زین اُتار کر اس کے قریب رکھ دی۔

اسحاق کے لیے الگ خیمہ تھا جو مارٹن نے اپنے قریب نصب کرایا تھا۔اسحاق کے متعلق اب سربراہ بھی مطمئن ہو گیا تھا۔رات گھوڑوں اور اونٹوں کے اِرد گرد محافظ سوتے تھے۔ایسا امکان نہیں تھا کہ اسحاق گھوڑا کھول لے گا۔کسی کو پتہ چلے بغیر زین کس لے گا اور بھاگ نکلے گا...... قافلے والے تھکے ہوئے تھے۔سب سو گئے۔اسحاق بھی سو گیا۔آدھی رات کو کسی کے آہستہ آہستہ ہلانے پر وہ جاگ اُٹھا اور سرگوشی سنائی دی...... ''اُٹھو، ساتھ والے خیمے کے پاس گھوڑا کھڑا ہے۔ زین پاس پڑی ہے۔دیر نہ کرو، بھاگو''۔

''کون ہو تم!''

''باربرا!'' لڑکی نے جواب دیا...... ''مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ مجھے تم سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔یہ میں ہی تھی جس نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم سب صلیبی جاسوس ہیں اور تمہیں غلط بتایا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔وقت ضائع نہ کرنا۔ سب سوئے ہوئے ہیں۔جلدی اُٹھو۔گھوڑے والے خیمے سے بائیں طرف ہو جانا۔آگے راستہ صاف ہے۔میں اپنے خیمے میں جاتی ہوں''۔

باربرا اپنے خیمے میں چلی گئی، وہاں کمان پڑی تھی۔اُس نے کمان اور تیروں کی ترکش اُٹھائی اور خیمے سے باہر نکل کر اُس راستے کے قریب بیٹھ گئی جو اس نے اسحاق کو فرار کے لیے بتایا تھا۔اسحاق نے بڑی تیزی سے گھوڑے پر زین ڈال کر کس لی۔گھوڑا کھولا اور دبے پاؤں چل پڑا۔ریت پر گھوڑے کے قدموں کی آہٹ نہیں تھی۔سب سوئے ہوئے تھے۔خیمے سے ذرا دُور جا کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔کچھ اور آگے جا کر اُس نے ایڑ لگائی۔صحرا کی خاموش اور خنک رات میں کمان کی ''ٹنگ'' سنائی دی اور ایک تیر اسحاق کی پیٹھ میں اُتر گیا۔فوراً بعد دوسرا تیر آیا اور یہ بھی اُس کی پیٹھ میں لگا۔اس کے ساتھ ایک لڑکی کا شور سنائی دی...... ''بھاگ گیا، بھاگ گیا۔اُٹھو، جاگو''۔

سب جاگ اُٹھے۔مشعلیں جلالی گئیں۔باربرا شور بپا کیے ہوئے تھی کہ قیدی بھاگ گیا ہے۔اس کے ہاتھ میں کمان تھی۔بہت جلدی گھوڑے دوڑا دیئے گئے۔انہیں زیادہ دُور نہ جانا پڑا۔اسحاق کو دو تیروں نے گھوڑے سے گرا دیا تھا اور

گھوڑا کچھ دور کھڑا تھا۔ تیر قریب سے چلائے گئے تھے، اس لیے جسم میں گہرے اُتر گئے تھے۔ اسحاق ابھی ہوش میں تھا۔ اُسے اُٹھا کر لے آئے۔ سر براہ نے اُس سے پوچھا کہ اُسے بھاگنے میں کسی نے مدد دی تھی؟ اس نے جواب دیا..... ''نہیں۔ میں نے گھوڑا اور زین دیکھی۔ سب سو گئے تھے۔ میں بھاگ اُٹھا''..... اُس کے فوراً بعد وہ غشی میں چلا گیا اور غشی ہی میں شہید ہو گیا۔

''میں نے اُسے گھوڑے پر سوار ہوتے اور بھاگتے دیکھا تھا''۔ بار برا نے کہا..... ''اتفاق سے کمان اور ترکش میرے خیمے میں تھی۔ میں نے اُٹھائی اور اُس کے پیچھے دوڑی۔ یکے بعد دیگرے دو تیر چلائے۔ دونوں اُسے لگ گئے، ورنہ یہ نکل گیا تھا''۔

''آج ہی یہ اتفاق کیوں ہوا کہ کمان اور ترکش تمہارے خیمے میں تھی؟'' میرنیا نے بار برا سے پوچھا۔

''اور مارٹن! یہ گھوڑا تمہارا تھا''۔ سر براہ نے کہا..... ''یہ کہاں تھا اور زین کہاں تھی؟''

''یہ گھوڑا قیدی کے خیمے کے قریب بندھا تھا''۔ ایک محافظ نے کہا

''تم میرے اس کارنامے پر مٹی ڈالنا چاہتے ہو؟'' بار برا نے غصے سے کہا..... ''یہ کوئی اہم راز قاہرہ لے جا رہا تھا۔ میں نے اُسے صرف بھاگنے سے نہیں روکا بلکہ ایک راز قاہرہ پہنچنے سے روکا ہے''۔

یہ دراصل مارٹن کا تیار کیا ہوا ڈرامہ تھا کہ اسحاق کو بھاگنے کی سہولت دو اور بار برا گھات میں بیٹھ کر اُس پر تیر چلائے تا کہ یہ کارنامہ بار برا کے کھاتے میں لکھا جائے، مگر اُن کا سر براہ تجربہ کار جاسوس اور سراغ رساں تھا۔ اس نے مارٹن اور بار برا کو گہری نظروں سے دیکھا اور کہا..... ''مارٹن! میں اس پیشے میں تم سے بہت عرصہ پہلے آیا تھا۔ بیروت پہنچنے تک تم اور بار برا کوئی بہتر جواب سوچ لو''۔

یہ ان لوگوں کی ذاتی رقابت اور دوستی دشمنی کی سیاست تھی جس کا شکار سلطان ایوبی کا ایک بڑا ہی قیمتی جاسوس ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی کی پیش قدمی بہت تیز تھی۔ اُس کی فوج آدھی سے زیادہ مسافت طے کر کے اس علاقے میں داخل ہو گئی تھی جس پر صلیبیوں کا سایہ پڑا ہوا تھا۔ اُس جگہ تک فوجیوں کا حلیہ ایک جیسا تھا۔ گرد کی تہوں میں کسی کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا مئی کا مہینہ تھا۔ جب صحرا لوہے کی طرح تپ رہا تھا۔ سب نے منہ سر کپڑوں میں لپیٹ رکھے تھے۔ کوئی بھی اجازت کے بغیر پانی نہیں پی سکتا تھا۔ دستے ترتیب میں نہیں رہے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کے سواروں نے پیادوں کو باری باری گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار کرنا شروع کر دیا۔ فضا جل رہی تھی..... اور ایک گونج دُور دُور تک سنائی دے رہی تھی..... ''لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ''..... کبھی چند سپاہی مل کر کوئی ترانہ گاتے تھے اور فوج جنون اور وجد کی کیفیت میں چلی جا رہی تھی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی فوج کے درمیان جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو بھی پانی پینے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اُس نے گھوڑے سے ذرا اوپر اُٹھ کر دیکھا اور گھوڑے کا رُخ بدل کر ایڑ لگا دی۔ اس کی ہائی کمان کے سالار اور دیگر عملہ جس میں تیز رفتار قاصد تھے، اُس کے پیچھے گئے۔ آگے وہی علاقہ تھا جہاں اسحاق ترک شہید ہوا تھا۔ ڈرؤانی شکلوں کے ٹیلے تھے۔ سلطان ایوبی نے ان ٹیلوں کے درمیان جا کر گھوڑا روک لیا اور چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر صارم سے کہا.....

''صارم دوست! یہاں سے تمہارا کام شروع ہوتا ہے۔ اپنے دستوں کو پھیلا دو۔ ہر جیش دوسرے سے دُور رہے۔ آگے جانے والے جیش فوراً چلے جائیں''۔

''اور باقی فوج اسی طرح چلتی رہے''۔ صارم مصری کے جانے کے بعد سلطان ایوبی نے دوسروں سے کہا.....

''کچھ ہی ہو جائے فوج پیش قدمی جاری رکھے۔ ہم دشمن کے علاقے میں آ گئے ہیں''۔

احکام اور ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے گھوڑا آہستہ آہستہ چلایا۔ اُسے ایک طرف زمین پر ایسے آثار نظر آئے جیسے یہاں کوئی مسافر رُکے ہوں۔ وہیں ایک لاش پڑی نظر آئی جو ریت میں دبی ہوئی تھی، لیکن نظر آتی تھی۔ سلطان رُک گیا۔ لاش کھائی ہوئی تھی۔ ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی نے اس ڈھانچے کو سیدھا کیا۔ پیٹھ پر دو تیر لگے ہوئے تھے۔ چہرے کا گوشت سوکھ گیا تھا۔

''جانے دو''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''کسی قافلے کا مقتول معلوم ہوتا ہے۔ صحرا میں آ کر انسان پاگل ہو جاتے ہیں''۔

سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ اُس کا اپنا قابلِ اعتماد جاسوس اسحاق ترک تھا جو اُسے یہ بتانے آ رہا تھا کہ بیروت نہ جانا۔ صلیبیوں نے وہاں اپنی فوج کو جس طرح پھیلا رکھا تھا، اس کا نقشہ اُس نے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا...... اسحاق کی ہڈیوں کا پنجر اُسے کچھ بھی نہ بتا سکا۔

چھاپہ مار جیش اس طرح پھیل گئے کہ پیش قدمی کرتی ہوئی فوج کے پہلوؤں میں دو تین میل دُور تک چلے گئے۔ چند ایک جیش ہراول سے بھی آگے نکلے گئے اور عقب میں بھی چلے گئے۔ اُن کی جنگ بیروت سے دُور ہی سے شروع ہوگئی۔ اس ڈراؤنے علاقے سے آگے نکل گئے تو رات آ گئی۔ فوج چلتی رہی۔ آدھی رات کے قریب پڑاؤ کا حکم ملا۔ فوج رُک گئی لیکن چھاپہ مار متحرک اور سرگرم رہے۔ اُن کے لیے احکام یہ تھے کہ کوئی مشکوک آدمی نظر آئے اور وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے ہلاک کر دو۔ کوئی قافلہ دیکھو تو اُسے بھی روک لو اور فوج بہت دُور آگے نکل جائے تو اُسے چلنے کی اجازت دو۔

فوج چلتی رہی۔ رُکتی رہی۔ سورج طلوع ہوتا، مجاہدوں کے اس قافلے کو جھلساتا اور غروب ہوتا رہا اور سلطان کو پہلی اطلاع ملی کہ صلیبیوں کی سرحد کی ایک چوکی پر اپنے چھاپہ ماروں نے شب خون مار کر سب کو ختم کر دیا ہے۔ ریگزار ختم ہوتا جا رہا تھا۔ درخت بھی نظر آنے لگے تھے اور کہیں کہیں سبزہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی نظر آنے لگے تھے۔

بیروت میں بالڈون اپنے مختلف فوجی شعبوں سے رپورٹیں لے رہا تھا۔ اُس کے پاس ابھی وہی اطلاع تھی کہ سلطان ایوبی بیروت کا محاصرہ کرے گا۔ اُس نے اس کا انتظام تو کر لیا تھا لیکن اُسے اس سے آگے کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی کہ سلطان ایوبی نے قاہرہ سے کوچ کیا ہے یا نہیں۔ اس دوران جاسوسوں کا یہ قافلہ بھی بیروت پہنچ گیا تھا جس نے اسحاق ترک کو پکڑا اور مارا تھا۔ یہ قافلہ بھی بالڈون کو کوئی خبر نہ دے سکا۔ بالڈون نے دیکھ بھال کے لیے بیس پچیس گھوڑ سواروں کا ایک جیش آگے بھیجا تھا۔ وہ بھی واپس نہیں آیا تھا۔ وہ واپس آ بھی نہیں سکتا تھا۔

گھوڑ سواروں کا جیش بہت دُور نکل گیا تھا۔ اُسے دُور سے گرد اُٹھتی نظر آئی جو کسی قافلے کی نہیں ہو سکتی تھی۔ زمین سے اُٹھتے ہوئے گرد کے یہ بادل فوج کے ہی اڑائے ہوئے ہو سکتے تھے۔ گھوڑ سوار ٹیلوں کے اندر چلے گئے۔ ان کا کمانڈر ایک ٹیلے پر چڑھا اور دیکھنے لگا۔ کہیں سے ایک تیر آیا جو اُس کی گردن کے آر پار ہو گیا۔ دوسرے سوار نیچے تھے۔ اچانک ان پر تیر برسنے لگے۔ ان میں سے چند ایک نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن صارم مصری کے چھاپہ ماروں نے کسی کو زندہ نہ جانے دیا۔ اُن کے ہتھیار اور گھوڑے قبضے میں لے لیے گئے۔

کوئی خبر نہ ملنے کے باوجود بالڈون اور اُس کے جرنیل مطمئن تھے۔ انہوں نے بیروت کو محاصرے سے بچانے کے لیے نہایت کارگر انتظامات کر رکھے تھے۔ وہ اس لیے بھی مطمئن تھے کہ سلطان ایوبی ابھی قاہرہ سے روانہ نہیں ہوا اور

جنگ ابھی بہت دور ہے، لیکن جنگ شروع ہو چکی تھی۔ جوں جوں سلطان ایوبی آگے بڑھتا جا رہا تھا، چھاپہ ماروں کے حملوں اور سرگرمیوں کی اطلاعیں زیادہ آنے لگی تھیں۔ اب تو یہ اطلاعیں بھی آنے لگی تھی کہ اتنے میل دُور دشمن کے ایک دستے کے ساتھ جھڑپ میں اتنے چھاپہ مار شہید اور اتنے زخمی ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی ایسی ہر اطلاع پر ایک ہی جواب دیتا ...... ''شہیدوں کو کہیں دفن کر دو...... زخمیوں کو پیچھے بھیج دو''۔

یہ سلطان ایوبی کی جنگی اہلیت کا کمال تھا کہ وہ اپنی فوج کو ایسے علاقے سے صحیح وسالم لے جا رہا تھا جہاں جگہ جگہ دشمن موجود تھا۔ اُس کے تھوڑی تھوڑی نفری کے چھاپہ مار جیش شب خون مارتے، دشمن کی جمعیت کو بکھیرتے اور بے کار کرتے جا رہے تھے۔ بعض شب خون بڑے پیمانے کی لڑائی کی صورت اختیار کر جاتے تھے، لیکن چھاپہ مار جم کر نہیں لڑتے تھے۔ وہ بھاگتے دوڑتے، وار کرتے اور دشمن کی بڑی سے بڑی جمعیت کو بکھیر دیتے تھے۔ یہ جھڑپیں اور خون خرابہ سلطان ایوبی کی فوج سے دُور دُور ہوتا تھا۔

سکندریہ میں حسام الدین لولوع کا بحری بیڑہ تیار تھا۔ جہازوں میں جانے والی فوج بھی تیار تھی۔ حسام الدین نے سلطان ایوبی کی مسافت اور رفتار کا حساب اندازے سے رکھا ہوا تھا۔ ایک روز اُس نے فوج کو جہازوں میں سوار ہونے کا حکم دیا اور رات کے وقت جہازوں کے لنگر اُٹھا کر بادبان کھول دیئے گئے۔ جہاز سمندر کے سینے پر سرکنے لگے۔ کھلے سمندر میں جا کر حسام الدین نے جہازوں کو دُور دُور پھیلا دیا۔ وہ ماہر امیر البحر تھا۔ اُس کے جہازوں میں جو فوج جا رہی تھی، اُس کے سالار اور نائب سلطان ایوبی کے تربیت یافتہ تھے۔ وہ اندھا دھند نہیں جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے تربیت یافتہ فوجی ماہی گیروں کے بہروپ میں چھوٹی چھوٹی بادبانی کشتیوں میں آگے بھیج دیئے تھے۔

دنوں راتوں کی مسافت طے ہو چکی تھی۔ اُفق پر بیروت اُبھرنے لگا تھا مگر کوئی کشتی واپس نہیں آئی تھی۔ حسام الدین نے جہاز روک دیئے اور دیکھ بھال کے لیے ایک اور کشتی اُتاری۔ رات کو اُس کے رُکے ہوئے جہاز کے قریب سمندر سے کسی نے چلا کر کہا...... ''رسہ پھینکو، رسہ پھینکو''...... رسہ پھینکا گیا۔ ایک بحری سپاہی اوپر آیا جو اَدھ موا ہو چکا تھا۔ وہ اُس کشتی میں تھا جو سمندر میں اُتاری گئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ اُن کی کشتی کو صلیبیوں کی ایک کشتی نے روک لیا تھا۔ اس میں فوجی تھے۔ حسام الدین کے آدمیوں نے کشتی نکالنے کی کوشش کی، تیروں کا تبادلہ ہوا۔ یہ آدمی سمندر میں کود گیا۔ اُس کے ساتھی پکڑے گئے یا مارے گئے۔ اور آدمی یہ خبر لے کر آ گیا کہ آگے دشمن بیدار ہے۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ دیکھ بھال کے لیے پہلے جو آدمی بھیجے گئے تھے، وہ پکڑے گئے ہیں اور امکان یہی نظر آتا ہے کہ ان آدمیوں سے دشمن کو بحری بیڑے کی آمد کا علم ہو گیا ہے۔

بحری بیڑہ بیروت سے اتنی دور تھا کہ سورج غروب ہوتے بادبان کھولے جاتے تو جہاز آدھی رات کو بیروت کے ساحل سے جا لگتے مگر خطرہ یہ تھا کہ ساحل پر صلیبیوں نے آتشیں گولے پھینکنے کے لیے منجنیقیں لگا رکھی ہوں گی، جن سے جہازوں کو بچانا محال ہو جائے گا مگر ان خطروں سے ڈر کر پیچھے رہنا بھی مناسب نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کو سمندر کی طرف سے مدد کی شدید ضرورت ہوگی...... اس اثنا میں ایک کشتی نظر آئی۔ یہ اپنے بحری بیڑے کی تھی۔ اس کے بحری سپاہی دو صلیبیوں کو سمندر سے پکڑ لائے تھے۔ یہ اُسی کشتی میں تھے جس نے حسام الدین کے بیڑے کی کشتی پر حملہ کیا تھا۔ یہ بھی سمندر میں کود گئے تھے اور تیرتے تیرتے اِدھر اُدھر نکل آئے تھے۔ انہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں زندہ پھینک دینے کی دھمکی دی گئی تو انہوں نے بتایا کہ ساحل پر بالڈون کی فوج گھات میں ہے اور جہازوں کو آگ لگانے کے لیے منجنیقیں تیار ہیں۔ ان سپاہیوں سے مزید پوچھ گچھ سے معلوم ہوا کہ بیروت کی فوج اندر کم اور شہر سے دُور دُور زیادہ ہے۔

یہ خبر بڑی خوف ناک تھی۔ امیر البحر حسام الدین اور سالاروں نے باہم غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرنگیوں کو ہماری آمد کا پتہ چل چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ سلطان ایوبی کو علم ہے یا نہیں۔ فیصلہ ہوا کہ سلطان کو خبر کر دی جائے۔ اس وقت اُسے بیروت کے قریب ہونا چاہیے تھا۔ اس فیصلے کے تحت اُسی وقت ایک کشتی اُتاری گئی جس میں دو گھوڑے اور دو قاصد تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ ساحل پر کس جگہ اُتریں اور وہاں سے کس سمت جائیں۔ انہیں بتا دیا گیا کہ وہ سلطان ایوبی کو کیا خبر دیں گے۔

☆

یہ بادبانی کشتی تھی۔ ہوا کا رُخ موافق تھا۔ بیروت سے دُور جنوب کی طرف ساحل سے جا لگی، وہاں چٹانیں تھیں۔ قاصدوں نے گھوڑے اُتارے، ان پر سوار ہوئے اور ہوا ہو گئے۔ کشتی وہیں چٹانوں میں چھپا دی گئی۔

قاصد رات کو پہنچے مگر سلطان ایوبی فرنگیوں کے پھندے میں آ چکا تھا۔ اُس نے بیروت کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ خشکی کی تمام اطراف اُس نے فوج کو پھیلا دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ کے ایک دستے کو جوابی حملے کے لیے استعمال کیا مگر فرنگیوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ اگلے روز محاصرے کے ایک اور حصے پر ایسا حملہ ہوا۔ سلطان ایوبی نے اس کے خلاف بھی محفوظہ کو بھیجا۔ تب سلطان نے محسوس کیا کہ وہ محفوظہ کو استعمال کیے بغیر جنگ جیت لیا کرتا تھا مگر یہاں اُس کے محفوظہ کی آدھی قوت ابتدا میں ہی لڑائی میں جھونکی گئی تھی۔ وہ محاصرے کو کمزور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُسے کچھ شک ہونے لگا۔

اُس کا دیکھ بھال (رَ یکی) اور چھاپہ ماروں کا انتظام نہایت اچھا تھا۔ اُسے اطلاعیں ملنے لگیں کہ عقب میں ہر طرف دشمن موجود ہے۔ ایک چھاپہ مار جیش میں سے صرف ایک سپاہی خون میں ڈوبا ہوا بچ کر آیا۔ وہ صرف یہ بتا کر شہید ہو گیا کہ اُس کا پورا جیش فرنگیوں کے پورے دستے کے گھیرے میں آ گیا تھا۔ کوئی بھی زندہ نہیں رہا، اور یہ کہ ہمارا محاصرہ فرنگیوں کی بہت بڑی فوج کے محاصرے میں ہے۔

اُس کے فوراً بعد سمندری قاصد پہنچ گئے۔ انہوں نے سمندر کی خبر سنائی اور حسام الدین کے لیے حکم مانگا۔

''صلیبیوں کو میں نے اس طرح تیاری کی حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا''۔ سلطان ایوبی نے اپنی ہائی کمان کے سالاروں وغیرہ سے کہا..... ''صاف پتہ چل رہا ہے کہ انہیں قبل از وقت پتہ چل گیا ہے کہ ہم بیروت کے محاصرے کے لیے آ رہے ہیں۔ ہم خود محاصرے میں آ گئے ہیں۔ اپنے مستقر سے اتنی دُور آ کر میں ہاری ہوئی جنگ نہیں لڑ سکتا''۔ اُس نے حسام الدین کے قاصدوں سے کہا..... ''حسام الدین سے کہو کہ بیڑہ واپس لے جائے اور اس میں جو فوج ہے وہ سکندریہ اُتر کر دمشق روانہ ہو جائے''۔

قاصد چلے گئے تو سلطان ایوبی نے موصل کی طرف پسپائی کی ہدایت دینی شروع کر دی، لیکن پسپائی آسان نہیں تھی۔ اس کے لیے بھی چھاپہ ماروں کو استعمال کیا گیا۔ راتوں کو دستے آہستہ آہستہ سمیٹے اور نکالے گئے۔ کچھ جھڑپیں ہوئیں لیکن چھاپہ ماروں اور عقبی دستے (ریئر گارڈ) نے جان اور خون کی قربانیاں دے کر فوج کو وہاں سے نکال لیا۔ فرنگیوں نے تعاقب نہ کیا۔

موصل کے راستے میں سلطان ایوبی کو موصل سے آیا ہوا ایک جاسوس ملا جس نے اُسے اسحاق ترک کی روانگی اور موصل کے والی عزالدین کے عزائم کے متعلق پوری اطلاع دی۔ سلطان غصے سے لال ہو گیا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ موصل کو محاصرے میں لے لیا جائے۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے..... ''سلطان صلاح الدین ایوبی بروز جمعرات گیارہ رجب ۵۷۸ ہجری (۱۰ نومبر ۱۱۸۲ء) موصل کے قریب پہنچا۔ میں اُس وقت موصل میں تھا۔ عزالدین نے مجھے کہا کہ میں خلیفہ کی مدد حاصل کرنے جاؤں۔ میں دجلہ کے ساتھ ساتھ اتنی تیز رفتاری سے گیا کہ دو دنوں اور دو گھنٹوں میں بغداد پہنچ گیا۔ خلیفہ نے مجھے کہا کہ وہ شیخ العلماء سے کہیں گے کہ موصل والوں اور سلطان ایوبی کے درمیان صلح صفائی کرادیں۔ موصل کے والی نے آذربائیجان کے حکمران کو مدد کے لیے کہہ دیا تھا مگر اس حکمران نے جو شرائط پیش کیں، اُن سے بہتر یہ تھا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دے''۔

صلح صفائی کی بات چیت ہونے لگی۔ ۱۶ شعبان ۵۷۸ ہجری (۱۵ دسمبر ۱۱۸۲ء) کے روز سلطان ایوبی نے موصل کا محاصرہ اُٹھالیا اور نصیبہ کے مقام پر فوج کو لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

''بیروت کا محاصرہ صلیبیوں نے نہیں میرے ایمان فروش بھائیوں نے ناکام کیا ہے''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا..... ''میں آپس کے خون خرابے سے بچنا چاہتا تھا مگر یہ ممکن نظر نہیں آتا''۔

......❁......

سُنّت، سارہ اور صلیب

بیروت کے محاصرے کی ناکامی سلطان صلاح الدین ایوبی کی دوسری شکست تھی۔ اس ناکامی میں اس نے کھویا کچھ بھی نہیں تھا مگر پایا بھی کچھ نہیں تھا۔ اس لیے وہ اسے اپنی شکست سمجھتا تھا۔ اگر سلطان ایوبی کی نہیں تو یہ اس کی انٹیلی جنس کی شکست ضرور تھی۔ بیروت والوں کو قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ سلطان ایوبی بیروت کو محاصرے میں لینے آرہا ہے۔ صلیبیوں کو یہ خبر قاہرہ سے ہی ملی ہوئی، حالانکہ سلطان نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں کے سوا کسی کو پتہ نہیں چلنے دیا تھا کہ اس کا ہدف کیا ہے۔

''آپ اسے شکست نہ کہیں''۔ ایک سالار نے سلطان ایوبی کو مایوسی کے عالم میں دیکھ کر کہا۔ ''بیروت وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ وہیں رہے گا۔ ہم اس شہر پر ایک اور حملہ کریں گے''۔

''اتنا بڑا شکار میرے ہاتھ سے نکل گیا''۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ ''میں اسے محاصرے میں لینے اور اس پر قابض ہونے آیا تھا لیکن میں خود محاصرے میں آ گیا اور مجھے محاصرہ اٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔ یہ شکست نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ شکست ہے۔ میرے مشیروں اور سالاروں میں بھی ایمان فروش موجود ہیں''۔

خیمے میں سناٹا طاری ہو گیا۔ اس وقت سلطان ایوبی نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ بہت دن گزر گئے تھے۔ اس کی فوج بہت تھکی ہوئی تھی۔ بہت سی نفری زخمی بھی تھی۔ اس نے قاہرہ سے بیروت تک بہت تیز پیش قدمی کرائی تھی۔ مہینوں کا فاصلہ دنوں میں طے کیا تھا۔ فاصلہ طے کرنے کے فوراً بعد فوج کو صلیبیوں کے محاصرے سے نکلنے کے لیے خون ریز لڑائی لڑنی پڑی، پھر تیز رفتار پسپائی ہوئی۔ سلطان ایوبی نے فوج کو مکمل آرام دینے کے لیے نصیبہ کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ آرام فوج کے لیے تھا، سلطان ایوبی کی تو نیند بھی اڑ گئی تھی۔ دن کو وہ بے چینی سے خیمے میں ٹہلتا یا باہر نکل کر ادھر ادھر گھومتا رہتا تھا۔ اپنے سالاروں کے ساتھ بھی کم ہی بولتا تھا۔ اسی کیفیت میں اسے ایک سالار نے کہا کہ اسے شکست نہ کہیں۔ سلطان ایوبی کا جواب سن کر سالار خاموش ہو گیا۔ سلطان ایوبی اپنے خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ وہاں ایک اور سالار بھی تھا۔ بہت دیر تک دونوں سالار خاموش رہے۔ سلطان ایوبی کے مزاج میں جیسے غصہ تھا ہی نہیں، پھر بھی سالار اس کے ساتھ بات کرتے ڈرتے تھے۔

''تم دونوں کیا سوچ رہے ہو؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ آپ اسی طرح مایوسی اور غصے کی حالت میں رہے تو آپ کے فیصلے مزید نقصان کا باعث بنیں گے''۔ ایک سالار نے کہا۔ ''میں نے آپ کو اس حالت میں رملہ کی شکست کے وقت بھی نہیں دیکھا تھا۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کریں اور اس جذباتی کیفیت سے نکلنے کی کوشش کریں''۔

''اور میں سوچ رہا ہوں کہ کفار ہماری جڑوں میں اتر گئے ہیں''۔ دوسرے سالار نے کہا۔ ''ہم اس وقت اپنی سرزمین پر کھڑے ہیں۔ ہماری جنگ صلیبیوں سے ہے اور ہمارا مقصد فلسطین کی آزادی ہے مگر مسلمان امراء میں سے کوئی

ایک بھی امیر ہمارے پاس نہیں آیا۔عزالدین اور عمادالدین کہاں ہیں؟ کیا انہوں نے ہمارے ساتھ معاہدہ نہیں کیا تھا کہ ضرورت کے وقت ہمیں اپنی فوج دیں گے؟ ان کا یہ سردرد یہ بتاتا ہے کہ وہ ابھی تک صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں تو کیا ہم آپس میں لڑتے رہیں گے؟''

سلطان ایوبی خیمے میں ٹہل رہا تھا۔رُک گیا۔آسمان کی طرف دیکھ کر اُس نے آہ بھری اور کہا ''میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کا زوال شروع ہو گیا ہے۔جب غیر مذہب کے اثرات قبول کیے جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے جو ہم دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔صلیبی اور یہودی مسلمانوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے انسانی فطرت کی سب سے بڑی کمزوری کو استعمال کر رہے ہیں۔یہ کمزوری لالچ ہے۔انسانوں پر حکومت کرنے کا لالچ، بادشاہ اور شہزادہ بننے کا لالچ اور یہ لالچ کہ میں روئی جیسے ملائم قالینوں پر چلوں اور لوگ ننگے پاؤں گرم ریت پر چلیں۔اُن کے پاؤں جلیں تو میرے آگے سجدے کریں۔جب یہ لالچ دل میں اُتر جاتا ہے تو دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔عقل پر ایسا پردہ پڑتا ہے کہ قومی غیرت اور خودداری بے معنی سے جذبے بن جاتے ہیں۔جب کوئی انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ غداری کو قابلِ فخر اقدام سمجھتا ہے۔صلیبیوں نے ہمارے بیشتر اُمراء کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔انہوں نے اپنی تہذیب کی بے حیائی مسلمانوں میں بھی پھیلا دی ہے۔جب تہذیب بدل جاتی ہے تو مذہب ایک کمزور سا خول بن کے رہ جاتا ہے جو اُتار کر پھینکا بھی جا سکتا ہے اور قوم کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے اوپر چڑھایا بھی جا سکتا ہے''۔

دونوں سالار خاموشی سے سن رہے تھے۔سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری ٹھہری آواز میں بول رہا تھا۔وہ چپ ہو گیا، پھر گہرا سانس لے کر بولا...... ''تم محسوس نہیں کر رہے کہ یہ بھی میری شکست ہے کہ میں جو عمل کے میدان کا مرد ہوں، خیمے میں کھڑا عورتوں کی طرح باتیں کر رہا ہوں۔ہمیں اس وقت بیت المقدس میں ہونا چاہیے تھا۔میری پیشانی مسجد اقصیٰ میں سجدے کرنے کو تڑپ رہی ہے۔مجھے اُن شہیدوں کے خون کا خراج ادا کرنا ہے جو فلسطین کی آبرو اور آزادی پر قربان ہو گئے ہیں''...... سلطان ایوبی کی آواز میں یکلخت قہر آ گیا۔اس نے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر سالاروں کے سامنے کھڑے ہو کر کہا...... ''کیا تم اُن بچوں کا سامنا کر سکتے ہو جنہیں میرے حکم اور میرے عزم نے یتیم کیا ہے؟ کیا تم اُن عورتوں کے سامنے جا کر اپنا سر اونچا کر سکتے ہو جن کے خاوند نعرے لگاتے ہمارے ساتھ آئے اور اُن کے لہولہان جسم گھوڑوں کے سُموں سے قیمہ ہو گئے؟ تم اُن خوبرو اور جوان چھاپہ ماروں کو کیسے بھول سکتے ہو جو ہم سے بہت دُور دشمن کے علاقوں میں دُور اندر جا کر شہید ہوئے؟...... میں اُن میں سے کسی کی ماں کے سامنے جانے سے ڈرتا ہوں۔ڈرتا اس لیے ہوں کہ اُس نے یہ کہہ دیا کہ میرا بیٹا واپس کر دیا مجھے قبلۂ اوّل لے چلو جہاں میں اپنے بیٹے کی شہادت پر شکرانے کے نفل پڑھوں تو میں اس ماں کو کیا جواب دوں گا؟

''شہیدوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا محترم سلطان!'' یہ چھاپہ مار دستوں کے سالار صارم مصری کی آواز تھی جو سلطان ایوبی کے خیمے کے دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا۔سلطان ایوبی کی اُدھر پیٹھ تھی۔

''کسی شہید کی ماں اپنے بیٹے کے خون کا حساب نہیں مانگے گی۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والی ماؤں کا دودھ آبِ زم زم جیسا پاک اور مقدس ہے۔اُس دودھ کے پلے ہوئے بیٹے آپ کے حکم سے نہیں اللہ کے حکم سے لڑا کرتے ہیں۔آپ اُن کے خون کا خراج اپنے ذمے نہ لیں۔غداروں کے خون کی بات کریں۔ہماری تلواریں غداروں کے خون کی پیاسی ہیں''۔

''تم نے میرے حوصلے میں جان ڈال دی ہے صارم!'' سلطان ایوبی نے کہا ''میرے یہ دونوں رفیق بھی

مجھے یہی کہہ رہے تھے کہ مایوس اور جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں"۔

''ضرورت ہے بھی کیا!'' صارم مصری نے کہا..... ''شکست شکست ہے مگر دائمی نہیں۔ ہم اسے فتح میں بدل سکتے ہیں اور بدل کر دکھائیں گے''۔

''اگر بات میدانِ جنگ کی ہوتی تو میں ایک بازو کٹوا کر بھی مایوس اور پریشان نہ ہوتا''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''مشکل یہ پیدا ہوگئی ہے کہ دشمن زمین کے نیچے چلا گیا ہے۔ صلیبی اور یہودی ہماری قوم میں ایسے زہریلے اثرات چھوڑ رہے ہیں جو پُرکشش اور طلسماتی ہیں۔ قوم اور فوج کے متعلق مجھے اطمینان ہے۔ سپاہی اور عام آدمی اِن اثرات کو قبول نہیں کرتا۔ انہیں وہ چند ایک افراد قبول کرتے ہیں اور کر چکے ہیں جن کا اثر قوم پر ہے۔ یہ اُمراء اور حاکموں کا طبقہ ہے۔ ان میں بعض مذہبی پیشوا بھی شامل ہیں اور ان میں چند ایک سالار بھی ہیں جو ریاستوں کے حکمران بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یہ ایمان فروشوں کا گروہ ہے جو سیدھے سادے لوگوں کو مذہب کا دھوکہ دے کر اُن میں مذہب کا جنون پیدا کرتے اور انہیں مسلمان بھائیوں کے خلاف اُکساتے، بھڑکاتے اور اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ غیر مذہب کے لوگ مسلمان اُمراء اور اسی سطح کے طبقے کو اپنے زیرِ اثر لیتے ہیں۔ پھر یہ طبقہ لوگوں کو مذہب اور محبت کا دھوکہ دیتا اور انہیں بھوکا اور بے بس رکھتا ہے تاکہ لوگ یہ نہ دیکھ سکیں کہ یہ طبقہ درپردہ کیا کر رہا ہے''۔

''مگر ہم عالم نہیں''۔ ایک سالار نے کہا..... ''ہم خطیب اور مسجدوں کے امام نہیں کہ تلواریں پھینک کر لوگوں کو وعظ اور خطبے سناتے پھریں۔ ہمیں یہ مسئلہ تلوار سے حل کرنا ہوگا۔ ان پتھروں کو گھوڑوں کے سموں تلے روندنا ہوگا''۔

''یہ لوگ قرآن کے منکر ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''قرآن کا حکم بڑا واضح ہے کہ کفار کو دوست مت سمجھو۔ ان کی باتوں میں نہ آؤ۔ تم نہیں جانتے کہ اُن کے دِل ہمارے خلاف کدورتوں سے بھرے ہوئے ہیں''۔

''یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں''۔ صارم مصری نے کہا..... ''قرآن کا اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں''۔

''یہ صورتِ حال بہت نقصان دہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن بھی ہاتھوں میں اُٹھا رکھا ہے اور کفار کے اشاروں پر بھی ناچ رہے ہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''قوم نے ہمیشہ ایسے ہی سربراہوں کے ہاتھوں دھوکہ کھایا ہے جن کے ہاتھ میں قرآن اور دِل میں صلیب ہے۔ یہ لوگ اذان کی آواز پر خاموش ہو جاتے ہیں مگر ان کے دِلوں میں گرجوں کے گھنٹے بجتے ہیں۔ قوم ان کا اصلی روپ نہیں دیکھ سکتی اور ان کے دِل کی آواز نہیں سن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہا چکے ہیں اور دوسری خانہ جنگی کی تلوار ہماری گردن پر لٹک رہی ہے''۔

''ہم اس طوفان کو روک سکیں گے''۔ ایک سالار نے کہا..... ''لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہم اب کوئی معاہدہ اور کوئی صلح نامہ نہ کریں۔ ہمیں اپنے بھائیوں کا خون بہانا پڑے گا اور ہمیں ان کے ہاتھوں مرنا بھی ہوگا''۔

سلطان ایوبی کے چہرے پر اُداسی کا سایہ آ گیا۔ اس کی آنکھیں جیسے اُفق پر کسی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ اس کی نظریں آنے والی صدیوں کا سینہ چاک کر رہی ہیں۔ خیمے میں ایک بار پھر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ تینوں سالار اپنے سلطان کے اس تاثر سے جو اُس پر کبھی کبھی طاری ہوا کرتا تھا، اچھی طرح واقف تھے۔

''میرے عزیز رفیقو!'' سلطان ایوبی نے کہا..... ''مجھے نظر آ رہا ہے کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت آپس میں لڑ لڑ کر ختم ہو جائے گی۔ صلیبی اور یہودی اسے خانہ جنگی میں اُلجھائے رکھیں گے۔ حکمرانی کا لالچ بھائی کو بھائی کا دشمن بنائے گا۔ فلسطین خون سے لال ہوتا رہے گا۔ مسلمان حکمران سلطنتوں میں بٹ کر عیش وعشرت میں پڑے

رہیں گے۔ ہمارا قبلۂ اوّل اُمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو پکارتا رہے گا اور اُس پکار کو کوئی مسلمان نہیں سنے گا۔ اگر کوئی فلسطین کی سرزمین کو آزاد کرانے اُٹھے گا تو وہ کوئی ہم جیسا دیوانہ ہوگا۔ ایسے دیوانوں کو خود اپنے مسلمان حکمران دھوکے دیں گے اور در پردہ دوست بنے رہیں گے۔ تم نے کہا ہے کہ ہم اس طوفان کو روک سکیں گے، مگر ہمارے مرنے کے بعد یہ طوفان پھر اُٹھے گا''۔

''پھر ایک اور صلاح الدین ایوبی پیدا ہوگا''۔ سالار صارم مصری نے کہا..... ''ایک اور نورالدین زنگی پیدا ہوگا۔ مسلمان مائیں مجاہدین کو جنم دیتی رہیں گی''۔

''اور یہ مجاہدین عیاش حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونے بنے رہیں گے''۔ سلطان ایوبی نے طنزیہ لہجے میں کہا..... ''اور وہ وقت بھی آجائے گا جب فوج بھی عیاش سپاہیوں کا گروہ بن جائے گی اور اس کے سالار کفار کے ہاتھوں میں کھیلیں گے''۔ سلطان ایوبی اس انداز سے خاموش ہوگیا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ اُس نے تینوں سالاروں کی طرف باری باری دیکھا اور کہا..... ''مگر ہم یہ باتیں کب تک کرتے رہیں گے؟ ہم چاروں ایک دوسرے کو خطبے سنا رہے ہیں۔ اللہ کے سپاہی خطیب نہیں ہوا کرتے۔ ہمیں عمل کرنا ہے۔ ہم میدانِ عمل کے مرد ہیں۔ صارم! تم نے میری پہلی ہدایت کے مطابق اپنے چھاپہ مار دستوں کو میری بتائی ہوئی جگہوں پر پھیلا رکھا ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ہماری یہ خیمہ گاہ کس خطرے میں ہے''۔

''اچھی طرح جانتا ہوں سلطانِ محترم!'' سالار صارم مصری نے جواب دیا..... ''ہم بیروت کا محاصرہ اُٹھا کر اس طرف آئے تھے تو ہماری توقع کے خلاف صلیبیوں نے ہمارے تعاقب میں فوج نہیں بھیجی تھی، لیکن ہم اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوئے کہ صلیبی ہمیں بخش دیں گے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کھلا حملہ نہیں کریں گے۔ وہ ہم پر ہمارے انداز کے شب خون ماریں گے، بلکہ اُن کے چھاپوں اور شب خونوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ خیمہ گاہ سے بہت دُور سے فرنگیوں اور ہمارے گشتی دستوں کی چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کی خبریں آنے لگی ہیں۔ میں نے چھاپہ مار دستوں کو دُور دُور تک پھیلا رکھا ہے۔ مجھے شک ہے کہ کفار کا اڈہ کہیں باہر نہیں، بلکہ موصل میں ہے اور والیٔ موصل عزالدین انہیں پناہ اور مدد دے رہا ہے''۔

''اگر ایسی بات ہے تو مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''اگر موصل میں ہی صلیبیوں کا خفیہ اڈہ ہوا تو میں اس کا بندوبست کرلوں گا''۔ اُس نے دوسرے دو سالاروں سے کہا..... ''ہمیں مسلمان اُمراء کے اُن قلعوں پر قبضہ کرنا ہوگا جو موصل اور حلب کے درمیان ہیں۔ میں اِن دونوں شہروں کو ایک دوسرے سے کاٹ دینا چاہتا ہوں۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اُن کے قاصدوں کو بھی راستہ نہیں ملے گا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ میری تلوار کسی مسلمان کے خلاف نیام سے نہ نکلے لیکن میں ناکام رہا۔ ان حکمرانوں اور اُمراء کو ختم کروں گا جو صلیبیوں کے دوست ہیں۔ میں خود قوم کی آڑ میں نہیں بیٹھوں گا، نہ قوم کا خون بہنے دوں گا۔ میں اُن اُمراء کو گھٹنوں بٹھاؤں گا جو قوم کو گمراہ کر رہے ہیں''۔

سلطان ایوبی نے نقشہ نکالا اور اپنے سالاروں کو دکھانے لگا۔

☆

بیروت میں بالڈون کے محل میں اُس نے اپنے سالاروں اور تین چار صلیبی حکمرانوں کو مدعو کر رکھا تھا۔ بہت بڑی ضیافت کا اہتمام تھا۔ بے شمار صلیبی مہمانوں میں دو مسلمان بھی شراب کے پیالے اُٹھائے اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ شراب پیش کرنے والی لڑکیاں ایسے باریک ریشمی لباس میں ملبوس تھیں کہ عریاں لگتی تھیں۔ جوں جوں شراب

اثر دکھاتی جا رہی تھی لڑکیوں کے ساتھ مہمانوں کی دست درازی بڑھتی جا رہی تھی اور لڑکیاں پہلے سے زیادہ بے حیا ہوتی جا رہی تھیں۔ ان دو مسلمان مہمانوں کی طرف دوسرے مہمانوں کی نسبت زیادہ توجہ دی جا رہی تھی۔ دو لڑکیاں ان کے اردگرد اٹھکیلیاں کرتی پھر رہی تھیں۔ یہ دونوں مہمان لباس اور شکل وصورت سے کسی شاہی خاندان کے افراد معلوم ہوتے تھے۔

ایک صلیبی آیا۔ دونوں سے کہا کہ انہیں شاہ بالڈون نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ دونوں شراب کے پیالے رکھ کر چلے گئے۔ وہ جس غلام گردش سے گزر کر بالڈون کے کمرے میں گئے۔ اس میں ایک آدمی ہاتھ میں برچھی اٹھائے فوجی انداز سے ٹہل رہا تھا۔ اس کا لباس خاص قسم کا تھا۔ اُس کے پہلو میں جو تلوار لٹک رہی تھی، اس کی نیام پالش سے چمک رہی تھی۔ اُس کے سر پر فولاد کی چمکدار خود تھی۔ محل میں اس لباس میں کئی ایک آدمی سینے تانے اور گردنیں اکڑائے ٹہل رہے تھے۔ یہ محل کے خصوصی ملازم تھے جو سالاروں کے کمروں کے سامنے موجود رہتے اور ضیافتوں میں برآمدوں اور غلام گردشوں میں ٹہلتے رہتے تھے۔ فانوسوں کی روشنی میں اُن کا لباس اور اُن کی چال اچھی لگتی تھی۔ یہ دراصل نمائش کے لیے رکھے گئے تھے اور یہ تربیت یافتہ لڑاکے بھی تھے۔

یہ آدمی جس نے دو مسلمانوں کو بالڈون کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا، گورے رنگ کا تھا۔ وہ رُک کر انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ دونوں بالڈون کے کمرے میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔ اس دروازے کے سامنے اسی آدمی جیسے لباس میں دو آدمی پہرے پر کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے اُسے کہا..... ''ہیلو جیکب، اِدھر کیوں گھومتے پھر رہے ہو؟ اُدھر جاؤ جہاں پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہم تو یہاں سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے''۔

''جیکب نے اُن کے مذاق کا جواب دے کر کہا..... ''یہ دو آدمی جو اندر گئے ہیں مسلمان معلوم ہوتے ہیں۔ کون ہیں یہ؟''

''تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہے؟''

''تم مجھ سے یہ پوچھ رہے ہو کہ اِن سے مجھے کیا دلچسپی ہے؟'' جیکب نے کہا..... ''کیا تم جانتے نہیں کہ مسلمان کے خلاف کتنی نفرت پائی جاتی ہے؟ یہ دونوں کسی جنونی صلیبی یہودی کے ہاتھوں قتل ہو سکتے ہیں۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہمیں دے دی گئی ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ مسلمان ہیں یا مسلمان علاقے کے عیسائی۔''

''یہ مسلمان علاقے کے مسلمان ہیں''۔ اُسے جواب ملا۔ ''یقین سے نہیں کہا جا سکتا، جہاں تک ہم جانتے ہیں، یہ موصل سے آئے ہیں۔ غالباً عزالدین کے ایلچی ہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی کے خلاف مدد مانگنے آئے ہوں گے''۔ جیکب نے کہا..... ''اِن ایلچیوں کو کون بتائے کہ صلاح الدین ایوبی ختم ہو چکا ہے۔ رملہ سے شکست کھا کر بھاگا تو بیروت کو محاصرے میں لینے آ گیا۔ اُس کے بحری بیڑے کو آگے آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ ہماری فوج نے ایوبی کی فوج کا تعاقب نہیں کیا، ورنہ آج ایوبی قید خانے میں ہوتا''۔

''تم اپنا کام کرو دوست!'' ایک پہرے دار نے طنزیہ کہا..... ''سلطان صلاح الدین ایوبی قید ہو گیا تو اُس کی سلطنت تمہیں نہیں ملے گی۔ اگر شاہ بالڈون مارا گیا تو بیروت کی بادشاہی تمہارے نام نہیں لکھی جائے گی''۔

جیکب وہاں سے ہٹ آیا لیکن گھوم گھوم کر بند دروازے کو دیکھتا رہا جس کے پیچھے یہ دونوں مسلمان گم ہو گئے تھے۔

☆

وہ دونوں عزالدین والیٔ موصل کے ہی ایلچی تھے۔ اس سلسلے کی پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی جب بیروت کا محاصرہ اُٹھا کر موصل کی طرف گیا تھا تو عزالدین نے قاضی بہاؤ الدین شداد کو خلیفہ کی طرف اس غرض داشت کے ساتھ دوڑا دیا تھا کہ سلطان ایوبی کے ساتھ اس کی صلح کرا دیں۔ دوسرے لفظوں میں اُس نے یہ درخواست کی تھی کہ اُسے سلطان ایوبی سے بچایا جائے۔ خلیفہ نے یہ کام شیخ العلماء کے سپرد کر دیا اور سلطان ایوبی نے عزالدین کو بخش دیا۔ عزالدین نے بظاہر سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن اُس نے درپردہ دو ایلچیوں کو صلیبی حکمران بالڈوِن کے پاس بھیج دیا تھا۔ یہ دو ایلچی اب بالڈوِن کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

"والیٔ موصل نے کہا ہے کہ آپ نے صلاح الدین ایوبی کا تعاقب نہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے"۔ ایک ایلچی نے بالڈوِن کو بتایا..... "آپ نے اُس کی فوج کو آرام کرنے کا موقعہ دے دیا ہے۔ والیٔ موصل نے کہا ہے کہ میں تحریری پیغام نہیں دے سکتا کیونکہ راستے میں پکڑے جانے کا خطرہ ہے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ دمشق کی طرف پیش قدمی کریں اور اس شہر کو محاصرے میں لے کر اس پر قبضہ کر لیں۔ آپ کی فوج ایسے راستے سے اور اتنی تیزی سے دمشق پہنچے کہ صلاح الدین ایوبی دمشق بروقت نہ پہنچ سکے۔ میں آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی جب آپ کے حملے کی اطلاع پر یہاں سے روانہ ہوگا تو موصل اور حلب کی فوجیں آمنے سامنے آ کر لڑنے کی بجائے اس کی فوج پر شب خون مارتی رہیں گی۔ اس سے اُس کی پیش قدمی بہت سست ہو جائے گی اور آپ دمشق پر آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔ ہمارے علاقوں میں جو چھوٹے موٹے اُمراء ہیں، میں ان سب کو اپنے ساتھ ملا لوں گا۔ آپ ان کے قلعے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی فوج کو موصل کے اندر قیام کی اجازت نہیں دے سکتا، کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ میرا اور آپ کا اتحاد ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو یہ تاثر دے رہا ہوں کہ میں اُس کا دوست ہوں"۔

ایلچی جب یہ پیغام دے رہے تھے، اُس وقت بالڈوِن کے ساتھ اس کے دو جرنیل تھے۔ عزالدین کے ایلچی بھی فوجی مشیر تھے۔ جنگی امور کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ بالڈوِن ان کے ساتھ اس مسئلے پر بحث اور بات چیت کرتا رہا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ مسلمان اُس کے جال میں آ گئے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنی شرطیں عائد کرنی شروع کر دیں۔

"عزالدین کو شاید پوری طرح احساس نہیں کہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں نہیں دبوچا جا سکتا"۔ بالڈوِن نے کہا..... "ہم دمشق کو محاصرے میں لیں گے تو وہ برق رفتار پیش قدمی کر کے ہم پر عقب سے حملہ کر دے گا۔ میں اسے ممکن نہیں سمجھتا کہ ہم دمشق کی طرف پیش قدمی کریں تو صلاح الدین ایوبی کو قبل از وقت خبر نہ ہو۔ وہ عقاب اور گدھ کی طرح بہت دور سے شکار کو دیکھ لیتا ہے اور ایسا جھپٹا مارتا ہے کہ چھپائی بھی محال ہو جاتی ہے۔ ہم ابھی کھلی جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہم اس کے لیے تیاری کر رہے ہیں۔ فوری طور پر ہم نے یہ بندوبست کر دیا ہے کہ چھاپہ مار دستے بھیج دیئے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کی فوج کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ ان دستوں کے لیے ہمیں مستقل اڈے کی ضرورت ہے۔ یہ آپ مہیا کر دیں گے تو ہم صلاح الدین ایوبی کی فوج کو صرف چھاپہ مار دستوں سے ہی بے حال کر سکتے ہیں۔ وہ نہ لڑنے کے قابل رہے گا نہ بھاگ سکے گا۔ آپ ہمارے دستوں کو پناہ، مدد اور خوراک وغیرہ مہیا کرتے رہیں۔ ہم اسلحہ اور سامان بھیجتے رہیں گے۔ آپ حلب کے والی عمادالدین سے بھی کہہ دیں کہ ہم پر بھروسہ رکھے اور ہمارے چھاپہ مار دستوں کو بوقتِ ضرورت پناہ اور مدد دینا رہے۔ دوسرے اُمراء اور قلعہ دار بھی آپ کے ساتھ ہونے چاہئیں۔ ان کا خیال رکھیں کہ ان میں سے کوئی صلاح الدین ایوبی کے پاس جا کر اس کا اتحادی نہ بن جائے"۔

اتحاد کی شرائط طے کر لی گئیں۔ عزالدین نے ان ایلچیوں کو پورا اختیار دے دیا تھا کہ وہ شرائط طے کر کے آئیں اور جو مراعات صلیبیوں کو دینا مناسب سمجھیں، دے آئیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایمان ایک صلیبی حکمران کے ہاں صرف اس لیے گروی رکھ دیا کہ اُن کی حکمرانی محفوظ رہے۔ انہوں نے اپنا کام کر لیا تو ضیافت میں شریک ہونے کے لیے چلے گئے۔ انہیں دراصل شراب اور شراب پلانے والی لڑکیوں کے ساتھ ہی دل چسپی تھی۔

''اِن مسلمان پر زیادہ اعتماد نہ کریں''۔ ایک جرنیل نے بالڈوِن سے کہا..... ''انہوں نے ضرورت محسوس کی تو آپ کو بتائے بغیر صلاح الدین ایوبی کے پاؤں میں جا بیٹھیں گے''۔

''مجھے اپنے چھاپہ ماروں کے لیے ایک اڈہ چاہیے''۔ بالڈوِن نے کہا..... ''موصل میرا اڈہ بن گیا تو میں آہستہ آہستہ پوری فوج وہاں لے جاؤں گا اور عزالدین کو وہاں سے بے دخل کر دوں گا۔ ہم سب کا منصوبہ یہ ہونا چاہیے کہ ان مسلمانوں کو ہم متحد نہ ہونے دیں بلکہ انہیں آپس میں لڑاتے رہیں اور آہستہ آہستہ ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں۔ ہم سب نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمان کو عیش و عشرت اور حکمرانی کا لالچ دے دو تو وہ اپنی خودداری اور اپنا مذہب تمہارے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ عزالدین، عمادالدین اور دوسرے چھوٹے موٹے مسلمان اُمراء صرف اس لیے صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہیں کہ وہ سب خودمختار حکمران بنے رہنا چاہتے ہیں اور عیش و عشرت کی خاطر پُرسکون زندگی کی خواہش رکھتے ہیں، مگر صلاح الدین ایوبی عیش و عشرت اور حکمرانی کا قائل نہیں۔ وہ ان سب کو ایک محاذ پر متحد کر کے فلسطین سے ہمیں بے دخل کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے ہے لیکن جنہیں وہ متحد کرنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ جنگ و جدل سے ڈرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ عزالدین اور اُس کا ٹولہ ہمارے ہاتھ سے نکلے گا نہیں۔ اگر کسی نے نکلنے کی کوشش کی تو اُسے ہمیں حشیشین کے ہاتھوں قتل کرا دیں گے۔

''بالڈوِن نے اپنے جرنیلوں کو چند ایک ہدایات دے کر کہا..... ''عزالدین کے ان دونوں ایلچیوں کی اتنی زیادہ خاطر تواضع کرو کہ ان کی عقل بالکل ہی ماری جائے اور انہیں یاد ہی نہ رہے کہ ان کا مذہب کیا ہے''۔ اس نے جس ہدایت پر سختی سے عمل کرنے کو کہا، وہ یہ تھی کہ اس کمرے میں ان ایلچیوں کے ساتھ جو باتیں ہوئی ہیں وہ کمرے سے باہر نہ جائیں''۔

بالڈوِن نے کہا..... ''صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بیروت میں موجود ہیں''۔

دونوں ایلچی شراب اور لڑکیوں کے نشے میں بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ مہمان اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے شراب پی رہے تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جیکب اِن دو ایلچیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُن میں سے ایک اسے الگ مل گیا۔ جیکب نے فوجی انداز سے اُسے سلام کیا اور پوچھا..... ''آپ غالباً موصل کے مہمان ہیں؟ ہم موصل والوں سے بہت محبت کرتے ہیں''۔

''ہم موصل کے حکمران عزالدین کے ایلچی ہیں''۔ ایلچی نے شراب کے نشے میں بدمست ہنستے ہوئے کہا..... ''ہم یہ معلوم کرنے آئے ہیں کہ بیروت کے صلیبیوں کے دِل میں موصل کے مسلمانوں کی کتنی محبت ہے''..... ایلچی کی جس طرح زبان لڑکھڑا رہی تھی، اسی طرح اُس کی ٹانگیں بھی لڑکھڑا گئیں۔ وہ اتنی زیادہ پی چکا تھا کہ پاؤں پر بھی کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس نے جیکب کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا..... ''شراب کا یہی کمال ہے کہ انسان کے دِل سے مذہب نکل جاتا ہے اور اس کی جگہ محبت آ جاتی ہے۔ مجھے صلیب سے محبت ہے اور مجھے تمہاری اس برچھی سے محبت ہے، جس روز یہ برچھی صلاح الدین ایوبی کے سینے میں اُتر جائے گی، اُس روز میں سالارِ اعظم بن جاؤں گا''۔

جیکب وہاں زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا کیونکہ اس کی ڈیوٹی گھومنے پھرنے کی تھی۔ وہ ایلچی کو جھومتا لڑکھڑاتا چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے دیکھا کہ ایلچی کو دو آدمی تھام کر لے جا رہے تھے۔ وہ ہوش میں نہیں رہا تھا۔

☆

آدھی رات کے قریب جیکب کی ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ ناچ گانا جاری تھا، جیکب اور اُس کے ساتھیوں کی جگہ دوسرے آدمی آ گئے۔ جیکب اپنے کمرے میں گیا۔ وردی اُتاری اور اپنے کپڑے پہن لیے۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ اُسے سو جانا چاہیے تھا لیکن وہ باہر نکل گیا۔ اُس کا رُخ کسی اور طرف تھا لیکن وہ اُس طرف چلا گیا جہاں لڑکیاں رہتی تھیں۔ یہ ایک عمارت تھی جس کا ایک حصہ اتنا خوب صورت تھا جیسے وہاں شہزادیاں رہتی ہوں۔ یہ اُن لڑکیوں کی رہائش گاہ تھی جو جاسوسی کے لیے اور کردار کی تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں اُمراء اور سالاروں اور حکمرانوں کو صلیب کے جال میں پھانسنے کے لیے بھیجی جاتی تھیں۔ انہیں اُن علاقوں میں جو صلیبیوں کے قبضے میں آ گئے تھے، مسلمان جاسوسوں کو پھانسنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اسی عمارت کے دوسرے حصے میں ناچنے اور گانے والی لڑکیاں رہتی تھیں۔ ان کی قدر و قیمت جاسوس لڑکیوں جتنی نہیں تھی جو جسمانی حسن کے لحاظ سے جاسوس لڑکیوں سے کم نہیں تھیں۔ اُن کا کام صرف یہ تھا کہ محل میں ضیافتوں پر ناچا کرتی تھیں۔ باہر کے مہمان آئیں تو ناچ گانا ضرور ہوتا تھا۔ اُس رات موصل کے مسلمان ایلچیوں کے اعزاز میں جو ضیافت دی گئی تھی، اس میں ناچ گانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اُن میں سارہ نہیں تھی۔ سارہ بہت خوب صورت لڑکی تھی۔ اُس کے خدوخال اور اُس کے بالوں اور آنکھوں کا رنگ یورپ کی لڑکیوں جیسا نہیں تھا۔ وہ بیروت کی ہی رہنے والی ہو سکتی تھی، مصر کی بھی اور وہ یونان کی بھی ہو سکتی تھی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا، کہاں کی رہنے والی ہے۔

جیکب کسی اور طرف جا رہا تھا۔ اُسے یاد آ گیا کہ ناچنے گانے والیوں میں اُسے سارہ نظر نہیں آئی تھی۔ اس کی غیر حاضری کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ بیمار ہے یا اس پیشے سے تنگ آ کر بھاگ گئی ہے۔ جیکب کو معلوم تھا کہ سارہ اس پیشے سے خوش نہیں ہے، کیونکہ وہ خود نہیں آئی، لائی گئی ہے۔ جیکب بھی اسی محل کے قریب رہتا تھا اور اس کی ڈیوٹی محل میں ہی ہوتی تھی۔ ایسی ہی ایک ضیافت کے دوران سارہ اتفاق سے جیکب سے ملی تھی۔ سارہ کو سب مغرور لڑکی کہا کرتے تھے، کیونکہ وہ کسی کے ساتھ بولتی نہیں تھی۔ جیکب میں نہ جانے اُسے کیا نظر آیا کہ اُسے وہ پسند کرنے لگی۔ جیکب کو بھی یہ لڑکی اچھی لگنے لگی۔

ایک رات سارہ محل سے فارغ ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے جیکب مل گیا۔ سارہ نے اسے کہا کہ ”میں اکیلی جا رہی ہوں، میرے ساتھ کمرے تک نہیں چلو گے؟“

”اکیلے جاتے ڈر آتا ہے؟“ جیکب نے کہا..... ”یہاں سے تمہیں کوئی اغوا کر کے نہیں لے جا سکتا“۔

”اب میں اغوا نہیں ہو سکتی“۔ سارہ کی مُسکراہٹ بجھ گئی۔ کہنے لگی..... ”اب تو اپنے آپ کو خود ہی اغوا کروں گی..... میرے ساتھ چلو۔ اکیلے جاتے ڈر تو نہیں آتا۔ تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے“۔

سارہ جیسی حسین لڑکی کا جیکب کو پسند کرنا کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ جیکب مردانہ حسن اور وجاہت کا شاہکار تھا۔ چند اور لڑکیوں نے بھی اس کے ساتھ دوستی کی پیش کش کی تھی لیکن جیکب ان سے دُور ہی رہا تھا۔ دور رہنے کی وجہ تھی کہ یہ سب ناپاک اور عصمت بریدہ لڑکیاں تھیں۔ جیکب نے اُن کی پیش کش ٹھکرا کر اپنی قیمت چڑھالی اور اپنی کشش میں اضافہ کر لیا تھا۔ وہاں تو یہ عالم تھا کہ بدکاری کو گناہ کی بجائے تفریح بلکہ جائز تفریح سمجھا جاتا تھا۔ پہلی ملاقات میں جیکب سارہ کو بھی ایسی ہی بدکار

لڑکی سمجھا تھا لیکن سارہ میں سنجیدگی اور متانت سی تھی جو جیکب کو اچھی لگتی تھی۔ سارہ کو جب یہ پتہ چلا کہ جیکب شراب بھی نہیں پیتا تو وہ اُسے زیادہ اچھا لگنے لگا تھا۔ پھر ایک رات سارہ نے اُس کے منہ سے اپنی تعریف کرانے کے لیے پوچھا تھا......"تم نے میرے رقص کی کبھی تعریف نہیں کی۔ دوسرے مجھے راستے میں روک کر میرے فن اور جسم کی تعریف کیا کرتے ہیں؟"

"میری زبان سے تم اپنے فن کی تعریف کبھی نہیں سنو گی"......جیکب نے جواب دیا......"البتہ تمہارے جسم میں جادو کا سا اثر ہے۔ بہت اچھا جسم ہے۔ خدا نے تمہارے چہرے مہرے میں جو کشش پیدا کی ہے۔ وہ خدا کے بندوں کی نظروں کو جکڑ لیتی ہے لیکن یہ جسم ناچتا ہوا اچھا نہیں لگتا، نہ کسی کو انگلیوں پر نچاتا ہوا اچھا لگتا ہے۔ یہ جسم کسی ایک مرد کی ملکیت ہوتا ہے۔ وہ مرد چھ کلمے پڑھ کر اس جسم کو احترام اور پیار کے ساتھ مستور کر کے لے جاتا تو اس جسم پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ تم خدا کی توہین کر رہی ہو"۔

"جیکب؟" سارہ نے اسے حیران سا ہو کے کہا......"تم کون سے چھ کلموں کی بات کر رہے ہو؟ عیسائی اپنی دلہنوں کو مستور کر کے بھی نہیں لے جاتے"۔

جیکب گھبرا گیا، پھر اچانک قہقہہ لگا کر بولا......"میرے دماغ پر مسلمان سوار رہتے ہیں۔ میری اپنی تو شادی ہوئی نہیں، مسلمانوں کی شادیاں دیکھی ہیں"۔

اُس نے وضاحت کی کہ "چھ کلمے" اُس کے منہ سے نکل گئے ہیں مگر سارہ اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی، پھر وہ چپ سی ہو گئی اور خلاؤں میں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی۔ بے تاب سی ہو کر اُس نے جیکب کے بازو پر ہاتھ رکھا اور پوچھا......"تم مسلمان تو نہیں جیکب؟ میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم جاسوس ہو۔ ہو سکتا ہے ملازمت کی خاطر تم نے اپنے آپ کو عیسائی بنا رکھا ہو یا عیسائی مذہب قبول کر لیا ہو"۔

"جیکب مسلمان نہیں ہوا کرتے سارہ!" جیکب نے کہا......"میرا نام گلبرٹ جیکب ہے......تم اتنی پریشان اور اداس کیوں ہو گئی ہو؟ معلوم ہوتا ہے تمہارے دِل میں مسلمان کے خلاف اتنی نفرت ہے کہ تم ان کلموں کا نام بھی نہیں سننا چاہتی"۔

"تمہیں راز کی ایک بات بتاؤں؟" سارہ نے کہا......"شاید تم اچھا نہ جانو مجھے مسلمان اچھے لگتے ہیں۔ اِن کی وجہ شاید یہی ہے کہ وہ چھ کلمے پڑھ کر اپنی دلہنوں کو مستور کر کے لے جاتے ہیں"۔ اس نے آہ بھر کر کہا......"عورت عریاں کر دی جاتی ہے تو اُسے احساس ہوتا ہے کہ مستور ہونے میں جو روحانی اقرار تھا، وہ چھن گیا ہے۔ ناچنے میں بھی لذت نہیں اور اپنے حسن کا جادو طاری کر کے دوسروں کو انگلیوں پر نچانے پر بھی قرار نہیں۔ میں جب تنہائی میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں تو آئینے میں مجھے ایک قابلِ نفرت عورت نظر آتی ہے۔ میں اپنے عکس کو مستور نہیں کر سکتی۔ اس پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ البتہ میری روح پر سیاہ پردہ پڑ گیا ہے"۔

"تم اس پیشے سے اتنی متنفر ہو تو نکل بھاگو یہاں سے؟" جیکب نے کہا۔

"کدھر کو؟" سارہ نے کہا......"یہاں سے بھاگوں گی تو کسی قحبہ خانے والوں کے قبضے میں آ جاؤں گی......کیا تم میرے رقص کو پسند کرتے ہو یا مجھے؟"

"میں اُس سارہ کو پسند کرتا ہوں جو اس پیشے سے نفرت کرتی ہے، اُداس اور پریشان رہتی ہے"۔ جیکب نے کہا......"میں کہہ چکا ہوں کہ تم خدا کی توہین کر رہی ہو"۔

"تم فوج میں کس طرح آ گئے ہو؟" سارہ نے کہا..... "تمہیں کسی دیہاتی گرجے میں پادری ہونا چاہیے تھا... تم ہر روز کتنی شراب پیتے ہو؟"

"اس کی بو سے بھی نفرت ہے"۔

"پھر تم مسلمان ہو"۔ سارہ نے وثوق کے لہجے میں کہا..... "اگر تم نہیں تو تمہارا باپ مسلمان تھا۔ تم عورت کو مستور دیکھنا چاہتے ہو۔ تمہیں رقص پسند نہیں۔ تمہیں شراب کی بو سے بھی نفرت ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ مجھے تو جو کوئی بھی دیکھتا ہے، کھا جانے کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ تم میرے دل کے درد کو سمجھتے ہو نا؟"

"سمجھتا ہوں سارہ!" جیکب نے کہا..... "یہ درد میرے دل نے محسوس کیا تھا"۔

پھر وہ کئی بار ملے۔ سارہ جیکب کے ساتھ دل کی باتیں کیا کرتی تھی۔ اُس نے جیکب سے کئی بار کہا تھا کہ تمہاری چال ڈھال اور تمہارے خیالات مسلمانوں جیسے ہیں۔ جیکب نے کئی بار اُس سے پوچھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اتنا زیادہ پسند کیوں کرتی ہے؟ سارہ نے کبھی کوئی ٹھوس جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ دونوں نے یہ ضرور محسوس کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے ہیں۔

☆

ضیافت کی رات جب جیکب اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر کسی اور طرف جا رہا تھا، وہ سارہ کی رہائش کی طرف چل پڑا۔ ضیافت میں سارہ کی غیر حاضری کی وجہ بیماری ہی ہو سکتی تھی۔ اس عمارت میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ جیکب نے وہاں جانے کا خطرہ اس لیے مول لے لیا کہ تمام لڑکیاں ضیافت میں گئی ہوئی تھیں اور وہاں ملازم عورتیں بھی نہیں تھیں۔ جیکب اندھیرے طرف سے گیا۔ وہ سارہ کا کمرہ جانتا تھا۔ وہ دبے پاؤں کمرے کے دروازے تک پہنچا۔ ہاتھ لگایا تو کواڑ کھل گیا۔ ایک کمرے سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں چھوٹی سی قندیل جل رہی تھی، جس کی مدھم سی روشنی میں اُسے سارہ سوئی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اُسے یہ لڑکی دودھ پیتے بچے کی طرح معصوم لگی۔ اُس کا ہاتھ اپنے ہی بکھرے ہوئے بالوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ کھڑکی کھلی تھی۔ بحیرۂ روم کی ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکوں سے سارہ کے بکھرے ہوئے بال آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ وہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ جیکب نے ہاتھ اُس کی پیشانی پر رکھا۔ پیشانی اتنی ہی گرم تھی جتنی اُس عمر کی سوئی ہوئی لڑکی کی گرم ہونی چاہیے تھی۔ جیکب کو یہ اطمینان ہو گیا کہ سارہ کو بخار نہیں۔

"تم نخلستان کا پھول ہو جو بادشاہوں کی خواب گاہوں میں آ کر مرجھا جاتا ہے"۔ جیکب نے دل ہی دل میں سارہ سے کہا..... "تم صبح کا ستارہ ہو جو سورج کی چمک سے بجھ جاتا ہے اور رات کو پھر چمک اُٹھتا ہے۔ تمہاری زندگی راتوں کے اندھیرے میں بیت رہی ہے۔ تمہاری قسمت اندھیرے میں لکھی گئی تھی..... تم مجھے کیوں اچھی لگتی ہو؟ مجھ سے بار بار کیوں پوچھتی ہو کہ میں نے چھ کلموں کا ذکر کیوں کیا تھا؟ تم کسی مسلمان کی ماں کی کوکھ کی پیداوار تو نہیں؟ تمہاری رگوں میں کسی مسلمان باپ کا خون تو نہیں؟ اس راز سے پردہ کون اُٹھائے گا؟ میں تمہارے لیے راز ہوں، تم میرے لیے راز ہو"۔

جیکب کو یاد آ گیا کہ صلیبی فوجی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ ان کی بچیوں کو اُٹھا لے جاتے ہیں اور انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر جاسوسی اور بے حیائی اور رقص کی تربیت دیتے ہیں۔ سارہ بھی شاید انہی بدنصیب لڑکیوں میں سے ہو گی، ورنہ یہ قوم احساسات اور جذبات کے لحاظ سے مردہ اور بے حیائی میں پوری طرح زندہ ہوتی ہے۔ جیکب بھول گیا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔ کسی مرد کو ان کمروں میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ سارہ اُس کے دل میں ایسی اُتری تھی کہ وہ

خطروں سے بے نیاز ہوگیا تھا۔اُس سے رہا نہ گیا۔اُس نے قندیل بجھا دی اوراس کے ساتھ ہی سارہ کی آنکھ کھل گئی۔

جیکب کواُس کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی...... ''کون ہو؟''

''جیکب''

''اس وقت یہاں کیوں آگئے ہو؟'' سارہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں محبت بھی تھی، ہمدردی بھی۔ ''کسی نے دیکھ لیا تو تم سیدھے قید خانے میں جاؤ گے۔ مجھے باہر بلا لیا ہوتا''۔

''یہ پریشانی مجھے اس خطرے میں لے آئی ہے کہ تم بیمار ہو؟'' جیکب نے اندھیرے میں اُس کے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا...... ''روشنی اس لیے گُل کر دی ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ میں کسی اور نیت سے نہیں آیا سارہ! معلوم نہیں کیا کشش ہے جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ تمہیں بخار تو نہیں؟''

''میری روح علیل ہے''۔ سارہ نے کہا...... ''میں تو جب بھی محفلوں اور ضیافتوں میں ناچتی ہوں، میرا دِل ساتھ نہیں ہوتا۔ میرا جسم ناچتا ہے اور روح مر جاتی ہے، مگر آج جب مجھے کہا گیا کہ موصل سے دو بڑے ہی اہم مہمان آرہے ہیں تو روح کے ساتھ میرا جسم بھی بے جان ہوگیا۔ مجھے متلی آنے لگی اور سر چکرانے لگا۔ مجھے ان بادشاہوں کی جنگوں اور ان کے امن اور دوستی کے معاہدوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیکن میرے کانوں میں جب یہ بات پڑی کہ موصل سے اہم مہمان آرہے ہیں تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے صلیبیوں اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ میرا گہرا تعلق ہے۔ میں ابھی تک یہ نہیں سوچ سکی کہ میرا روحانی تعلق کس کے ساتھ ہے۔ صرف یہ احساس جاگ اُٹھا کہ میں اس محفل میں نہیں ناچ سکوں گی۔ میں موصل کے مہمانوں کا سامنا نہیں کر سکوں گی یا وہ مجھے دیکھ کر وہاں سے بھاگ جائیں گے''۔

''کیوں؟'' جیکب نے پوچھا...... ''موصل والوں کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟''

''میں بتا نہیں سکتی''۔ سارہ نے کہا...... ''میں تو اپنے آپ کو بھی یہ بتانے سے ڈرتی ہوں کہ موصل والوں کے ساتھ میرا کیا تعلق ہے''۔

''سارہ!'' جیکب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا...... ''تم اپنا آپ مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو؟ کیا تمہیں کسی قافلے سے اغوا کیا گیا تھا؟ تم کس باپ کی بیٹی ہو؟''

سارہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ جیکب چونک اُٹھا۔ دونوں نے کھڑکی کی طرف دیکھا جو کھلی ہوئی تھی، وہاں ایک سایہ کھڑا نظر آیا۔ سارہ نے جیکب کے کان میں سرگوشی کی...... ''پلنگ کے نیچے ہو جاؤ''...... جیکب نے اندھیرے سے فائدہ اُٹھایا۔ آہستہ سے سرک کر فرش پر بیٹھا اور آواز پیدا کیے بغیر پلنگ کے نیچے چلا گیا۔ سارہ لیٹ گئی۔

''سارہ!'' کھڑکی کے ساتھ کھڑے سائے کی آواز آئی۔ یہ ایک بوڑھی عورت کی آواز تھی جو بعض راتیں ناچنے گانے والیوں کو دیکھا کرتی تھی کہ کوئی لڑکی غیر حاضر تو نہیں۔

اُس کی آواز پر سارہ نہ بولی۔ عورت نے اُسے ایک اور آواز دی۔ سارہ پھر بھی نہ بولی۔ عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا...... ''سارہ تم سوئی ہوئی نہیں ہو۔ مجھے جواب دو۔ قندیل کیوں بجھی ہوئی ہے؟''

سارہ نے منہ سے ایسی آواز نکالی، جیسے ہڑ بڑا کر جاگ اُٹھی ہو۔ گھبراہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

''کون ہو؟ کیا ہوگیا ہے؟''

''میں اُدھر سے آکر بتاتی ہوں''۔ عورت کا سایہ کھڑکی سے ہٹ گیا۔ وہ دروازے کی طرف سے آنا چاہتی تھی۔

سارہ نے جھک کر جیکب سے کہا..... ''وہ دوسری طرف سے آرہی ہے، باہر آؤ اور کھڑکی سے کود جاؤ''۔

''نہیں سارہ!'' جیکب نے پلنگ کے نیچے سے نکل کر کہا..... ''میں اسے جانتا ہوں، آنے دو اسے۔ میں اس کی مٹھی گرم کردوں گا تو خاموشی سے چلی جائے گی''۔

''یہ خبیث عورت ہے''۔ سارہ نے کہا..... ''یہ درپردہ لڑکیوں کی دلالی کرتی ہے۔ تم فوراً نکلو یہاں سے، ورنہ میرا جھوٹ مجھے مروادے گا۔ میں اسے سنبھال لوں گی''۔

وہ عورت ابھی دروازے تک آئی ہی تھی کہ جیکب کھڑکی سے باہر کود گیا۔ سارہ نے قندیل جلا دی۔ عورت اندر آئی۔ جسم کے لحاظ سے وہ عورت کم اور مرد زیادہ تھی۔ وہ سارہ پر برس پڑی۔ سارہ نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کمرے میں اور کوئی نہیں تھا اور شاید خواب میں بول رہی ہوگی۔ عورت نے اُسے کہا کہ خواب میں عورت کی آواز مرد جیسی بھاری نہیں ہوجایا کرتی۔

''یہ کیا ہے؟'' عورت نے جھک کر پلنگ کے قریب فرش پر گرا ہوا ایک رومال اُٹھایا۔ یہ گز بھر لمبا اور اتنا ہی چوڑا کپڑا تھا جو مرد گرمی سے بچنے کے لیے سر پر ڈال لیا کرتے تھے۔ ''یہ کس کا ہے؟ یہ اُس کا ہے جو تمہارے پاس آیا بیٹھا تھا۔ وہ کون تھا؟ تم نے اُس سے کتنی رقم لی ہے؟''

''میں عصمت فروش نہیں''۔ سارہ نے غصے سے کہا..... ''میں رقاصہ ہوں۔ تم جانتی ہو، میں کسی مرد کو منہ نہیں لگاتی''۔

''سنو سارہ!'' عورت اُس کے پاس بیٹھ گئی اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شفقت سے بولی..... ''یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ تم رقاصہ ہو مگر تم یہ نہیں جانتی کہ رقاصہ فوج کی جرنیل یا شہر کی حاکم نہیں ہوا کرتی۔ میں اتنی سی بات کہہ دوں گی کہ تمہارے پاس رات کو ایک آدمی آیا تھا وہ تمہیں بیروت کے کسی انتہائی گھٹیا قحبہ خانے میں بیچ ڈالیں گے یا تمہیں قید میں ڈال دیں گے۔ اس نشے میں بات نہ کرو کہ تم شاہی رقاصہ ہو۔ یہاں تمہارا کوئی مقام نہیں''۔

''تم مطلب کی بات کرو''۔ سارہ نے کہا..... ''تم مجھ پر جو مہربانی کرنا چاہتی ہو، اُس کا معاوضہ کیا لوگی؟ میں ابھی ادا کردیتی ہوں''۔

''میں تم سے کچھ بھی نہیں لوں گی''۔ عورت نے کہا۔ ''میں کسی اور سے معاوضہ وصول کروں گی۔ تمہاری ہاں کی ضرورت ہے''۔

سارہ اُس کا مطلب سمجھ گئی۔ باہر سے شاہی مہمان آتے ہی رہتے تھے۔ ان میں عیسائی بھی ہوتے تھے، مسلمان بھی۔ شاہی حیثیت کے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے لڑکیاں موجود رہتی تھیں، لیکن اُن کے ساتھ جو عملہ آتا تھا، انہیں اس قسم کی عیاشی مہیا نہیں کی جاتی تھی۔ یہ عورت ان لوگوں سے مل کر اُن کے پاس لڑکیاں بھیجا کرتی اور منہ مانگا معاوضہ وصول کرتی تھی۔ یہ اُس کا خفیہ کاروبار تھا۔ بعض شاہی مہمان ایسے ہوتے تھے جو سرکاری طور پر دی ہوئی لڑکی سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ یہ عورت درپردہ محل کے ایک دو ملازموں کے ذریعے اُن کی یہ ضرورت پوری کرتی اور انعام لیتی تھی۔ سارہ اُس کے ہاتھ کبھی نہیں آئی تھی مگر اب یہ لڑکی اُس کے جال میں آگئی۔ وہ اگر بتاتی کہ اُس کے پاس جیکب آیا تھا اور اُس کے ساتھ اس کا تعلق پاک ہے تو یہ عورت کبھی یقین نہ کرتی اور دوسرا ظلم یہ ہوتا کہ جیکب کو قید میں ڈال کر بڑی ہی ظالمانہ اذیتیں دے دے کر مار دیا جاتا۔

''سارہ!'' عورت نے کہا..... ''اگر اپنے ہولناک انجام سے بچنا چاہتی ہو تو میری بات مان لو۔ باہر سے دو

مہمان آئے ہوئے ہیں۔ بہت دولت مند ہیں۔ پرسوں سے وہ ملازموں سے کہہ رہے ہیں کہ انہیں اچھی قسم کی لڑکیوں کی ضرورت ہے۔ یہ دراصل اُن کی عادت ہے۔ اپنے ہاں حرموں میں بیس بیس تیس تیس لڑکیاں جمع کیے رکھتے ہیں۔ یہاں بھی چاہتے ہیں کہ ان کے کمروں میں لڑکیوں کی چہل پہل لگی رہے۔ کل تم اِن میں سے ایک کے پاس چلی جانا''۔

''کون ہیں وہ؟'' سارہ نے پوچھا...... ''اگر مسلمان ہیں تو میں اُن کے پاس نہیں جاؤں گی''۔

''تو قید خانے میں جاؤ'' عورت نے کہا...... ''ہوش میں آؤ۔ اپنے آپ کو دیکھو۔ تم کیا ہو۔ اپنے پیشے کو دیکھو۔ شریف بننے کی کوشش نہ کرو۔ وہ دل کھول کر انعام دیں گے جس میں تمہارا حصہ بھی ہوگا''۔

''اور پکڑے گئے تو؟''

''میں پکڑنے والوں کا منہ بند رکھا کرتی ہوں'' ۔عورت نے کہا...... ''کل رات تیار رہنا۔ اب تم سے بالکل نہیں پوچھوں گی کہ ابھی ابھی تمہارے پاس کون آیا تھا''۔

عورت چلی گئی۔ سارہ کے آنسو بہنے لگے۔

جیکب بھاگنے والا آدمی نہیں تھا لیکن وہ اِس ڈر سے نکل گیا کہ سارہ کی مصیبت آ جائے گی۔ اُسے اُمید تھی کہ سارہ اسی غلیظ دُنیا کی لڑکی ہے، وہ اس عورت کو سنبھال لے گی۔ وہ شہر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن پر سارہ چھائی ہوئی تھی۔ سارہ سے اُسے دِلی محبت ہو گئی تھی اور سارہ اس کے لیے معمہ بھی بن گئی۔ اُسے رہ رہ کر یہی خیال آ رہا تھا کہ سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے...... وہ چلتے چلتے شہر کی تنگ و تاریک گلیوں میں داخل ہو گیا۔ گلیوں کے موڑ مڑتا ایک مکان کے سامنے رُکا اور دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔

''کون؟''

''حسن!'' جیکب نے جواب دیا۔

''اتنی رات گئے؟'' دروازہ کھولنے والے نے پوچھا۔ ''فوراً اندر آ جاؤ۔ کسی نے دیکھا تو نہیں؟''

''نہیں'' ۔جیکب نے جواب دیا...... ''کافروں کی ضیافت سے ابھی فارغ ہوا ہوں۔ ایک ضروری اطلاع لایا ہوں''۔

وہ اندر چلا گیا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اب وہ جیکب نہیں بلکہ حسن الادریس تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔ اس نے ایک سال پہلے اپنے آپ کو ایک عیسائی ظاہر کر کے اور نام گلبرٹ جیکب بنا کر صلیبی فوج میں ملازمت کر لی تھی۔ گورے رنگ کا جوان تھا۔ ٹریننگ کے مطابق وہ اداکاری اور چرب زبانی کا ماہر تھا۔ اس کی شکل وصورت اور دراز قد کی بدولت اُسے محل کی خصوصی ڈیوٹی کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا۔ یہاں سے وہ قاہرہ کو خبریں بھیجتا رہتا تھا۔ اس کے گروہ کا لیڈر حاتم اس مکان میں رہتا تھا جس میں وہ داخل ہو گیا تھا۔

''موصل کے دو ایلچی بالڈون کے پاس آئے ہیں'' ۔حسن نے اپنے لیڈر کو بتایا...... ''میں نے یہ یقین کر لیا ہے کہ یہ دونوں موصل سے آئے ہیں اور دونوں مسلمان ہیں۔ انہیں بالڈون اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ والیٔ موصل عزالدین کا کوئی پیغام لے کر آئے ہیں''۔

''اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف معاہدے کا پیغام ہوگا'' ۔لیڈر نے کہا...... ''یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کے درمیان کیا طے پایا ہے؟ سلطان ابھی تک اس دھوکے میں ہیں کہ عزالدین اور عمادالدین ہمارے دوست ہیں یا کم از کم ہمارے خلاف لڑیں گے نہیں''۔

''اُن کی بات چیت بند کمرے میں ہوئی ہے'' ۔ حسن نے کہا..... ''میرا خیال ہے کہ جو کچھ طے ہونا تھا، ہو چکا ہے۔ میں نے ان میں سے ایک کے ساتھ بات کی تھی۔ وہ بہت خوش نظر آتا تھا۔ بد بخت نے شراب اس قدر پی لی تھی کہ اس نے نشے میں مجھے بڑا صاف اشارہ دے دیا کہ وہ دونوں مسلمان ہیں اور موصل سے آئے ہیں۔ مجھے کہتا تھا کہ وہ ہماری یعنی صلیبیوں کی میت دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکا اور گر پڑا''۔

''ہم سلطان کو صرف یہ اطلاع بھجوائیں کہ بیروت میں موصل کے دو آدمی آئے تھے، کافی نہیں'' ۔ حاتم نے کہا..... ''ہم اپنے سلطان سے بہت شرمسار ہیں کہ اُن تک ہماری یہ اطلاع نہ پہنچ سکی کہ وہ بیروت کو محاصرے میں لینے کا منصوبہ ترک کر دیں، کیونکہ بالڈون کو اس منصوبے کی اطلاع قاہرہ سے مل گئی ہے''۔

''اس میں ہمارا کوئی قصور نہ تھا'' ۔ حسن نے کہا۔ ''اسحاق ترک بروقت روانہ ہو گیا تھا۔ وہ دھوکہ دینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ راستے میں صحرا کا شکار ہو گیا یا پکڑا گیا ہے''۔

''بیروت کے محاصرے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا جو نقصان ہوا ہے۔ ہمیں اس کا ازالہ کرنا ہے'' ۔ حاتم نے کہا..... ''ان کے لیے یہ خبر بہت اہم ہے کہ موصل والے بیروت والوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر رہے ہیں لیکن ہمیں پوری اطلاع دینی چاہیے کہ معاہدے میں کیا کیا شرائط طے ہوئیں اور کیا منصوبہ بنا ہے۔ اس وقت سلطان بہت بڑے خطرے میں بیٹھے ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ دوستوں کے درمیان محفوظ ہیں لیکن وہ دراصل دشمنوں کے گھیرے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں'' ۔ حاتم نے حسن سے پوچھا..... ''محل میں تم کوئی ایسا ذریعہ پیدا نہیں کر سکتے جو اندر کی باتیں بتا سکے؟''۔

''باتیں بند کمرے میں ہوئی ہیں'' ۔ حسن نے جواب دیا..... ''بالڈون یا اس کے مشیروں اور سالاروں سے تو پوچھا نہیں جا سکتا۔ ان دونوں آدمیوں کے سینے سے راز نکالنے کی کوشش کی جا سکتی ہے جو موصل سے آئے ہیں۔ میں ذریعہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر نہ ہوا تو دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔ یہ جب واپس جائیں گے تو انہیں راستے سے اغوا کر لیا جائے گا یا ضرورت پڑی تو ختم کر دیا جائے گا''۔

''انہیں ختم کرنے سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوگا'' ۔ حاتم نے کہا..... ''ہمیں بالڈون اور عزالدین کے منصوبے کی ضرورت ہے''۔

''میری کوشش یہی ہوگی'' ۔ حسن نے کہا..... ''اگر منصوبہ نہ ملا تو ان دونوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچا دیا جائے گا''۔

''اگر انہیں قتل کرنا ہوا تو وہ میں یہیں کرا سکتا ہوں'' ۔ حاتم نے کہا..... ''جس قدر جلدی ہو سکے، مجھے بتاؤ کہ تم مطلوبہ معلومات حاصل کر سکتے ہو یا نہیں۔ میں صبح ایک آدمی کو سلطان کو یہ خبر دینے کے لیے روانہ کر دوں گا کہ بالڈون کے پاس عزالدین کے ایلچی آئے ہیں اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہو گیا ہے، تاکہ سلطان اس خوش فہمی میں نہ پڑے رہیں کہ عزالدین اُن کا دوست ہے۔ تم بہت تھوڑے وقت میں مکمل اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کرو''۔

''میری کامیابی کے لیے دُعا کریں'' ۔ حسن اُٹھا اور باہر نکل گیا۔

☆

''صلیبی چھاپہ ماروں کو زندہ پکڑنے کی کوشش کرو'' ۔ سالار صارم مصری نے اپنے چھاپہ مار دستوں کے کمانداروں کو ہدایات دے رکھی تھیں..... ''لیکن اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالو جہاں حملہ کرو، وہاں کاری ضرب لگاؤ اور نکلنے کی

کوشش کرو اور جب تم پر حملہ ہو تو جم کر لڑو اور دشمن کو نکلنے نہ دو۔ یہ اتنی زیادہ فوج تمہارے بھروسے پر آرام کی نیند سوتی ہے اور اتنی زیادہ رسد تمہاری ذمہ داری پر پڑی ہے''۔

چھاپہ ماروں کو اپنی ذمہ داری کا پورا پورا احساس تھا۔ سلطان ایوبی نے خیمہ گاہ سے دُور چٹانوں اور بلند جگہوں پر بیس سے چالیس نفری کی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں جن کے ذمے دیکھ بھال اور خیمہ گاہ کی حفاظت تھی۔ ایسی ہی ایک چوکی جو پہاڑیوں میں گھری ہوئی ایک چٹان پر تھی دشمن کے تیروں کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے اونچی پہاڑیاں تھیں اور ایک وادی۔ اس وادی میں سے فوج گزر سکتی تھی۔ اس ڈھکی چھپی گزرگاہ پر نظر رکھنے کے لیے یہ چوکی قائم کی گئی تھی، وہاں دو سوار گھوڑوں کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے، وہاں روزمرہ کا معمول بن گیا تھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد تین چار تیر آتے اور ایک دو سپاہیوں کو ختم کر دیتے۔ ایک شام ایک گھوڑے کو بیک وقت تین تیر لگے اور گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ تیر قریب کی پہاڑی سے آتے تھے۔ اس کے فوراً بعد اندھیرا چھا جاتا تھا، اس لیے تیر چلانے والوں کو ڈھونڈا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک روز شام سے پہلے چوکی کے دو سپاہی پہاڑی پر کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ دو تیر آئے، دونوں اِن دو سپاہیوں کی پیٹھوں میں لگے۔ دونوں شہید ہو گئے۔ صبح اُن کی اَدھ کھائی لاشیں اُٹھائی گئیں۔ رات کو بھیڑیئے لاشوں کو کھاتے رہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ صلیبی چھاپہ ماروں کا کام ہے۔ اگلے روز دس سپاہیوں کا ایک گشتی جیش علاقے کی تلاشی کے لیے بھیجا گیا۔ پہاڑی علاقے میں جا کر چار چار افراد میں تقسیم ہو کر بکھر گیا۔ ایک جگہ دس بارہ سال کی عمر کا ایک بچہ نظر آیا۔ وہ سپاہیوں کو دیکھ کر دوڑ پڑا۔ اور ایک بلند چٹان کے دامن میں غائب ہو گیا۔ وہ گڈریا ہو سکتا تھا لیکن وہاں کوئی بھیڑ بکری اور کوئی اونٹ نہیں تھا۔ سپاہی وہاں تک گئے تو انہیں چٹان میں تنگ سا ایک دہانہ نظر آیا جو کسی غار کا تھا۔ بچہ اِسی میں چلا گیا ہوگا۔

سپاہیوں نے دہانے کے ساتھ کان لگائے تو اندر سے انہیں باتوں کی دھیمی دھیمی آواز سنائی دی۔ کسی بچے کا غار میں چھپ جانا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ یہ سپاہی اس بچے سے صلیبی چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بہت پکارا لیکن غار میں خاموشی چھا گئی۔ سپاہیوں نے دھمکی دی کہ جو کوئی اندر ہے، باہر آ جائے، ورنہ ہم اندر آ کر سب کو قتل کر دیں گے۔ اندر سے ایک جوان عورت نکلی۔ وہ اس علاقے کی زبان میں سپاہیوں کو کوسنے لگی۔ پھر رو پڑی اور کہا کہ مجھے قتل کر دو، میرے بچوں کو بخش دو۔ اُس کے دو بچے تھے۔ ایک دس بارہ سال کا جو باہر سے دوڑا تھا اور دوسرا چند مہینوں کا تھا جو اس عورت نے اندر سلایا ہوا تھا۔

سپاہیوں نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان سپاہی ہیں مگر عورت انہیں گالیاں دینے لگیں اور منت سماجت بھی کرنے لگی۔ اس نے بتایا کہ دو روز ہوئے اس کے گاؤں میں پندرہ سولہ صلیبی سپاہی آئے اور گاؤں پر قبضہ کر لیا...... انہوں نے تمام گھروں کی تلاشی لی۔ اس عورت کے خاوند کو قتل کر دیا۔ قتل اس طرح کیا کہ انہوں نے گاؤں کے تمام بچوں، جوانوں، بوڑھوں اور تمام عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے کہا کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ اس گاؤں میں سپاہی رہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اور گھوڑوں کی خوراک کی ذمہ داری گاؤں پر ڈال دی۔ ان کے کمان دار نے تلوار نکالی۔ اس عورت کا خاوند سب سے آگے کھڑا تھا۔ کمان دار نے خاوند کو بازو سے پکڑ کر آگے کیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اُس نے گاؤں والوں سے کہا کہ کسی نے اُن کے حکم کی نافرمانی کی تو اُسے ایسی سزا ملے گی۔

ان سپاہیوں نے اپنے لیے تین جھونپڑے خالی کرا لیے اور گاؤں کی عورتوں کو بلا کر اُن سے خدمت خاطر کرانے

لگے۔ یہ عورت رات کو موقعہ پا کر وہاں سے بھاگ آئی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ سپاہی ابھی تک گاؤں میں موجود ہیں یا نہیں۔ یہ گاؤں وہاں سے تھوڑی ہی دُور تھا۔ سپاہی عورت کو وہیں چھوڑ کر گاؤں کی طرف گئے۔ پہاڑی سلسلہ کمل جاتا تھا، وہاں وسیع میدان تھا جس میں پندرہ بیس جھونپڑوں کا ایک گاؤں تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا گشتی جیش گھوڑوں پر سوار تھا۔ انہوں نے گاؤں پر یلغار کرنے کے لیے گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُس وقت صلیبی سپاہی جو گاؤں پر قابض تھے، گاؤں میں موجود تھے۔ انہوں نے شاید پہرہ کھڑا کر رکھا تھا۔ گھوڑ سوار ابھی گاؤں سے کچھ دُور ہی تھے کہ تمام صلیبی سپاہی باہر آ گئے۔ اُن کے آگے چند ایک بچے اور بہت سی عورتیں تھیں۔ انہوں نے بچوں اور عورتوں کو ایک جگہ اکٹھے کر کے کھڑا کر دیا اور خود ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے کر اُن کے گرد نیم دائرے میں کھڑے ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کے سواروں سے مخاطب ہو کر چلا کر کہا...... ''اگر تم آگے آؤ گے تو ہم اِن بچوں اور عورتوں کو قتل کر دیں گے''۔

سوار بیس پچیس قدم دُور رُک گئے۔ وہ مسلمان بچوں اور عورتوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں قتل نہیں کرانا چاہتے ہیں۔

''بزدلو!''...... سلطان ایوبی کے چھاپہ مار جیش کے کمان دار نے کہا...... ''صلیب کی خاطر لڑنے آئے ہو تو مردوں کی طرح سامنے آ کر لڑو۔ عورتوں اور بچوں کی ڈھال کے پیچھے کیوں کھڑے ہو''۔

''تم سب واپس چلے جاؤ''...... صلیبی کمان دار نے کہا...... ''ہم گاؤں سے چلے جائیں گے''۔

جن بچوں اور عورتوں کو صلیبی سپاہیوں نے یرغمال بنا رکھا تھا، ان میں سے ایک عورت نے سلطان ایوبی کے سپاہیوں سے بلند آواز سے کہا...... ''اسلام کے سپاہیو! رُک کیوں گئے ہو۔ ہمیں اپنے گھوڑوں تلے روند ڈالو۔ ان کافروں میں سے کسی کو زندہ نہ جانے دو۔ ہم اپنے بچوں سمیت مرنے کو تیار ہیں''۔

صلیبی کمان دار نے تلوار کا بھرپور وار کیا۔ اس عورت کا سر اس کے جسم سے کٹ کر گر پڑا۔ سلطان ایوبی کے گشتی جیش نے اپنے سپاہیوں کو تیر و کمان نکالنے کا حکم دیا۔ پلک جھپکتے انہوں نے کمانیں کندھوں سے اُتاریں، آگے کیں اور ترکشوں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔ تمام صلیبی سپاہی بچوں اور عورتوں کے پیچھے بیٹھ گئے۔

''جھوٹے مذہب کے پجاریو!''...... مسلمان کمان دار نے کہا...... ''سپاہی بچوں اور عورتوں کی پیٹھ پیچھے نہیں چھپا کرتے''

صلیبی ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ وہ شاید بھول گئے تھے کہ گاؤں میں مرد بھی ہیں۔ ان مردوں کو صلیبیوں نے بہت خوف زدہ کر رکھا تھا۔ وہ بھی اپنے بچوں اور عورتوں کے قتل سے ڈرتے تھے۔ اتنے میں ایک عورت نے للکار کر کہا...... ''یہ کافر تو بزدل ہیں، تم ہمارے خون سے کیوں ڈرتے ہو''...... اس نے اپنے سامنے کھڑے تین چار سال کے بچے کو اُٹھایا اور اُسے آگے زمین پر پھینک کر کہا...... ''میں اپنے اس بچے کی قربانی خوشی سے دیتی ہوں۔ ہلہ بولو۔ دس کافروں کی جان لینے کے لیے میں اپنا بچہ قربان کرتی ہوں''۔

''ایک صلیبی تلوار سونتے اس عورت کو قتل کرنے کو اُٹھا مگر اسے اتنی مہلت نہ ملی۔ ان کے عقب سے گاؤں کے تمام آدمی برچھیاں، لاٹھیاں اور جو ہاتھ لگا اُٹھائے صلیبی سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ صلیبی بچوں اور عورتوں کے پیچھے تیروں سے بچنے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جب مقابلے کے اُٹھے، مسلمان سپاہیوں نے ہلہ بول دیا۔ ان میں سے دو تین سپاہی چلا رہے تھے۔ ''عورتیں نکل بھاگیں، بچوں کو ایک طرف کر لو''۔

ان کے گھوڑے صحرائی آندھی کی طرح آ رہے تھے۔ عورتوں نے بچوں کو اُٹھایا اور نکل بھاگیں۔ گاؤں کے آدمی

گھوڑوں سے بچنے لگے۔ ذرا سی دیر میں دو صلیبیوں کے سوا باقی تمام کو مار ڈالا گیا۔ گاؤں والوں نے اُن کی لاشوں کا قیمہ بنا دیا۔ وہ دو زندہ صلیبیوں کو بھی اپنے ہاتھوں مارنا چاہتے تھے لیکن مسلمان جیش کے کمان دار نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھایا کہ ان دونوں سے ان کے باقی ساتھیوں کا سراغ لگایا جائے گا۔

ان دونوں کو سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ اپنے چھاپہ ماردستوں کے متعلق سب کچھ بتا دیں۔ وہ سپاہی تھے۔ انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔ یہ بالڈون کی فوج کے چھاپہ مار تھے۔ کم وبیش ایک ہزار چھاپہ مار سلطان ایوبی کی فوج اور رسد کو نقصان پہنچانے کے لیے بیروت سے بھیجے گئے تھے۔ ان کا ابھی کوئی مستقل اڈہ نہیں بنا تھا۔ وہ تمام علاقے میں پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گاؤں پر قبضہ کر کے وہیں سے خوراک وغیرہ حاصل کریں اور سلطان ایوبی کی فوج کے لیے مصیبت بنے رہیں۔

انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے ان کی باتیں سنیں اور حکم دیا...... ''ان دونوں کو دُور لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ یہ قاتل اور لٹیرے ہیں''...... اس نے اپنے سالاروں سے کہا...... ''اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبی چھاپہ ماروں کو موصل میں یا کسی اور قلعے میں رہنے کی اجازت نہیں ملی ورنہ گاؤں کو اڈے نہ بناتے''۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا...... ''ایسے ہر ایک گاؤں میں تھوڑی تھوڑی نفری بھیج دو۔ سپاہیوں کو سختی سے کہنا کہ گاؤں میں کسی کو پریشان نہ کریں۔ اپنی اور گھوڑوں کی خوراک فوج کی رسد سے لیں۔ کسی گاؤں سے اناج کا ایک دانہ اور چارے کا ایک تنکا بھی نہ لیا جائے''۔

☆

حسن حاتم کو رپورٹ دے کر واپس آیا تو وہ باقی رات سو نہ سکا۔ اُس کے ذہن پر سارہ سوار تھی۔ اُسے دن کو ہی پتہ چل سکتا تھا کہ سارہ کو اس عورت نے پکڑ لیا تھا۔ اس کی اسے کوئی سزا تو نہیں ملی؟ حسن کو معلوم تھا کہ وہ عورت کون ہے لیکن اس عورت سے مل کر وہ سارہ کی سفارش نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ رات سارہ کے کمرے میں وہی تھا۔ حسن یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ موصل کے ایلچیوں سے کس طرح معلوم کرے کہ بالڈون کے ساتھ انہوں نے کیا معاہدے طے کیا ہے۔ یہ راز انہی سے لیا جا سکتا تھا۔ اس اجلاس میں کوئی ملازم اندر نہیں تھا جس سے حسن کچھ معلوم کر لیتا۔ وہ جس قدر ذہن پر زور دے کر اس مسئلے کا حل ڈھونڈتا تھا، سارہ اتنی ہی زیادہ اُس کے ذہن پر غالب آتی جا رہی تھی۔

''سارہ!''...... اُس کے منہ سے سرگوشی نکل گئی جو غیر ارادی تھی۔ اس سے وہ چونک اُٹھا۔ اسے کچھ ایسا اطمینان ہونے لگا جیسے اسے مسئلے کا حل مل گیا ہو اور سارہ اس مسئلے کو حل کر دے گی۔ اسے یہ سوال پریشان کرنے لگا...... ''کیا سارہ کسی مسلمان باپ کی بیٹی ہے؟''...... اور دوسرا سوال یہ کہ اسے اگر اپنا بچپن یاد آ جائے تو کیا وہ اس کا مسئلہ حل کر سکتی ہے؟ اس کا یہی ایک ذریعہ تھا کہ سارہ موصل کے کسی ایک ایلچی کو اپنا گرویدہ بنا لے اور اُس پر شراب اور اپنے حسن کا طلسم طاری کر کے اس کے سینے سے راز نکال لے مگر سوال یہ تھا کہ سارہ مان جائے گی؟ کہیں اسے ہی نہ پکڑوا دے۔

جاسوسوں کو خطرے مول لینے پڑتے تھے۔ ان کی کوشش تو یہی ہوتی تھی کہ پکڑے نہ جائیں لیکن وہ ڈر سے دبک کے بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے کہ وہ پکڑے یا مارے جائیں گے۔ حسن کو اپنی نوبان کے فن کا کمال دکھانا تھا۔ اسے سارہ کی باتیں یاد آ رہی تھیں جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو پسند کرتی ہے۔ حسن کو یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ سارہ کو شک ہو گیا ہے کہ وہ (حسن) مسلمان ہے۔ حسن کا دماغ سوچ سوچ کر تھک گیا۔ اسے دور سے صبح کی اذان کی آواز سنائی

دینے لگی۔ اُس کے دماغ پر اسلام اور خدا کا تقدس طاری ہوگیا۔ اس کی مدد خدا ہی کر سکتا تھا۔ اس نے اُٹھ کر وضو کیا اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ صلیبیوں کی اس دُنیا میں وہ مسلمان نہیں عیسائی تھا۔ حسن الادریس نہیں گلبرٹ جیکب تھا۔ وہ چھوٹے سے کمرے میں اکیلا رہتا تھا جہاں اُس نے حضرت عیسیٰ کا بت صلیب کے ساتھ لٹکا ہوا لٹکا رکھا تھا۔ دیوار کے ساتھ کسی مصور کی بنائی ہوئی مریم کی تصویر آویزاں کر رکھی تھی۔ قریب ہی صلیب لٹک رہی تھی۔ اُس نے یہ بُت، تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے رکھ دیں۔ دروازے کے اندر والی زنجیر چڑھا کر قبلہ رُو ہوا اور نماز پڑھنے لگا۔ وہ ہر روز اسی طرح چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا مگر اس کی جذباتی حالت کبھی ایسی نہیں ہوئی تھی جیسی اس صبح کی نماز میں ہوئی۔ اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس کے منہ سے یہ الفاظ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن'' (تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) بلند آواز سے نکل گئے تھے۔ اُسے پہلی بار محسوس ہوا۔ جیسے خدا اُس کے سامنے کھڑا ہے اور اتنی قریب کھڑا ہے کہ وہ خدا کو چھو سکے گا۔ اس نے نماز ختم کر کے دو نفل پڑھے اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اُس کی زبان سے الفاظ اس کے سوچے بغیر پھسلنے لگے...... ''قبلۂ اوّل کے خدا! آج تیرا نام لینے والے، تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے مسلمان اُن انسانوں کے ڈر سے تیری مسجدِ اقصیٰ میں تیرے حضور سجدہ کرنے سے ڈرتے ہیں جو تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکر ہیں۔ آج تیرا قبلۂ اوّل ویران ہو گیا ہے۔ جو زمین تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں سے مقدس اور مبارک ہوئی تھی، اس پر آج صلیب کا سیاہ سایہ پڑ گیا ہے جس بنی اسرائیل کو تیری ذلت نے دھتکار دیا تھا، وہ آج تیرے قبلۂ اوّل کو ہیکل سلیمانی کہہ رہی ہے......

''میرے خدا! اپنی عظمت کا پتہ دے۔ مجھے بتا تو عظیم ہے یا خدائے یہووہ۔ مجھے بتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرے پاس ہیں، یا صلیبیوں کی صلیب پر لٹک رہے ہیں۔ اپنی عظمت کا پتہ دے۔ قرآن کی عظمت کا پتہ دے۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت کا پتہ دے اور مجھے اس کا سبب بتا کہ میں تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تیرے قرآن کی عظمت کا پتہ یہودیوں اور صلیبیوں کو دوں۔ مجھے ہمت عطا فرما کہ میں ان چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر سکوں جو سلطان صلاح الدین ایوبی اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل ہو گئی ہیں۔ مجھے روشنی دکھا کہ میں ان اندھیروں میں اپنے فرض کی منزل دیکھ سکوں۔ مجھے اتنے سخت امتحان میں ڈال کہ میری جان تیرے نام پر قربان ہو جائے لیکن وعدہ فرما کہ میری جان رائیگاں نہیں جائے گی۔ تجھے تیرے نام پر قربان ہونے والے شہیدوں کے یتیم بچوں کی قسم! مجھے ہمت اور روشنی عطا فرما کہ میں ان یتیموں کے باپوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لے سکوں......

...... ''تجھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کی اُن بیٹیوں کی قسم جن کی عصمتیں مسجد اقصیٰ کی آبرو کی خاطر لٹ گئی ہیں۔ مجھے جرأت عطا فرما کہ کفر کے ہر قلعے کو مسمار کر سکوں۔ اپنے غازی بندوں کو، اپنے حجازی بندوں کو ہمت اور ہدایت عطا فرما کہ وہ اپنی غیرت کا انتقام لیں اور آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ ہم بے غیرت تھے۔ آج بت بھی تیرے نام پر ہنس رہے ہیں تو میرا خون کھول رہا ہے۔ مجھے وہ شجاعت عطا کر کہ میں پتھر کے ان بتوں کا مذاق اُڑا سکوں۔ میرے خدا! اگر تو یہ نہیں کر سکتا تو میرے خون کو سرد کر دے۔ مجھے ایسا بے غیرت بنا دے کہ مجھے یاد ہی نہ رہے کہ غیرت کس چیز کا نام ہے۔ میری بینائی واپس لے لے کہ میں اسلام کی بیٹیوں کو بے حیا اور بے آبرو ہوتا نہ دیکھ سکوں۔ میرے کان بند کر دے کہ میں مظلوم نہ سن سکوں ان مسلمانوں کی فریادیں نہ سن سکوں جو فلسطین میں صلیبیوں اور یہودیوں کے غلام ہو گئے ہیں''۔

حسن کی آواز بلند ہو گئی...... ''تو کہاں ہے؟...... تو ہے کہ نہیں؟...... بول میرے خدا! مجھے زبان دینے والے

خدا! خود بھی بول۔ مجھے بتا سنت برحق یا صلیب، یا مجھے فیصلہ کرنے دے کہ سچا کون ہے! سنت یا صلیب۔ قرآن تیری آواز ہے یا کسی بندے کی؟"

بڑی ہی ہولناک گڑگڑاہٹ سنائی دی جیسے چھت ہل رہی ہو۔ اس کے فوراً بعد رعد اتنی زور سے کڑکی کہ حسن کا کمرہ ہل گیا۔ کمرے کی درازوں میں سے حسن کو بجلی کی چمک دکھائی دی۔ اُس نے اور زیادہ بلند آواز سے کہا..... "اس بجلی سے مجھے بھسم کردے یا اپنی مسجدِ اقصیٰ کو۔ مسافر نہ رہیں، منزل نہ رہے۔ بجلیاں ان پر بھی گرا جن کے سہاگ تیرے نام پر اُجڑ گئے ہیں۔ اپنے نام پر یتیم ہونے والوں پر بجلیاں گرا۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں پر بجلیاں گرا تاکہ کسی کی فریادیں تیرے کانوں تک نہ پہنچ سکیں"۔

رعد پھر کڑکی اور اس کے بعد گھٹائیں گرجنے لگیں۔ بیروت کا ساحل قریب ہی تھا۔ اُن دنوں سمندر خاموش ہوا کرتا تھا مگر سمندر جوش میں آگیا۔ اس کی لہروں کی مہیب آواز حسن کو یوں سنائی دینے لگی جیسے بحیرۂ روم کی غصے میں آئی ہوئی موجیں اُس کے کمرے کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہوں۔ گھٹاؤں کی گرج، رعد کی کڑک اور سمندر کا جوش مل جل کر قیامت کا شور بن گئے۔ حسن کی آواز اور زیادہ بلند ہوگئی۔

"ایسے ہی طوفان میرے اندر اُٹھا کہ میں کفر کے ہر نشان کو اُڑاتا اور بہاتا لے جاؤں۔ میرے خون کے قطرے بہادے لیکن مسجدِ اقصیٰ کے صحن میں۔ میں شرمسار ہوں کہ قبلۂ اوّل کا پاسبان صلاح الدین ایوبی یہاں تیرا لشکر لے کر آیا تو میں اُسے خبردار نہ کرسکا کہ بیروت سے دُور رہے کہ یہاں کفار کا پھندا تیار ہے۔ یہ میری مجبوری تھی۔ یہ میرا گناہ تھا۔ مجھے جرأت اور شجاعت عطا کر کہ میں گناہ کا کفارہ ادا کرسکوں، ورنہ یہ بت میری روح کو بھی طعنے دیتے رہیں گے کہ تیرا تو خدا ہی کوئی نہیں۔ مجھے اِن بتوں کے آگے شرمسار نہ کر، مجھے شہیدوں کی روحوں کے آگے شرمسار نہ کر، اگر میری دعا قبول نہ ہوئی تو روزِ قیامت میرے مُردے میں جان نہ ڈالنا، ورنہ میں تیرا گریبان پکڑلوں گا اور تیری مخلوق سے کہوں گا کہ یہ ہے وہ خدا جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاج نہیں رکھی، اُس خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیواؤں کو اتنا مجبور اور بے بس کیا کہ قبلۂ اوّل ویران ہوگیا اور اس پر صلیب اور یہودہ کے سیاہ سائے پڑ گئے"۔

رعد زور سے کڑکی حسن کے کمرے کی چھت، دروازے اور کھڑکی کے کواڑ بڑی زور سے کھڑکے اور چھت پر یوں آوازیں آنے لگیں جیسے گھوڑے دوڑ رہے ہوں۔ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی تھی۔ طوفانِ باد و باراں زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا حسن کے دِل پر ایسی گرفت آگئی جس میں خوف بھی تھا اور جذبات کی شدت بھی۔ کبھی اُسے ایسے لگتا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ اُس نے خدا سے اس طرح کبھی باتیں نہیں کی تھیں۔ وہ چھپ کر نماز پڑھا کرتا تھا اور مختصر الفاظ میں دُعا مانگ کر حسن سے جیکب بن جایا کرتا تھا۔

اُس رات، جب وہ حاتم کو رپورٹ دے کر آیا تھا، اُس کی جذباتی کیفیت کچھ اور تھی۔ اس پر نیند کا اثر بھی تھا۔ اُس کے سامنے مسئلہ ایسا آگیا تھا کہ وہ سوچ سوچ کر دیوانہ ہونے لگا تھا۔ اس کے لیے آسان راستہ یہ تھا کہ جس مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ اسے ذہن سے اُتار دے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان اور اس کے لیڈر حاتم کو کیا خبر تھی کہ عزالدین کے ایلچی بالڈون کے پاس آئے ہیں اور کوئی معاہدہ ہو رہا ہے۔ وہ خاموش رہتا۔ اس کے گھر میں اس کے ماں باپ کو اس کی تنخواہ اور غیر ممالک میں جاسوسی کے فالتو پیسے باقاعدہ پہنچ رہے تھے۔ بیروت میں اُسے اچھی پوزیشن اور عیش و عشرت کا سامان حاصل تھا، مگر وہ ایمان والا مردِ مومن تھا۔ اپنے فرائض کو نماز روزے کی طرح متبرک سمجھتا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ

قوم کا ہر فرد یہ سمجھ لے کہ یہ کام کوئی اور کرے گا تو یہ رویہ سیدھا شکست، قوم کی تباہی اور کفار کی فتح کی طرف لے جاتا ہے۔

☆

رات بھر جاگے ہوئے جوان اور توانا حسن کو نیند نے مصلّے پر ہی دبوچ لیا۔ اس جذباتی کیفیت میں اُسے نیند نہیں چاہیے تھی لیکن اُس سوچ نے کچھ ایسا قرار اور سکون محسوس کیا کہ روح نے جسم اور دماغ کو سلا دیا۔ وہ وہیں اوندھا ہو گیا۔ اسے اتنی مہلت نہ ملی کہ مصلّی چھپا کر اور حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کا بت، مریم کی تصویر اور صلیب پلنگ کے نیچے سے اُٹھا کر اپنی اپنی جگہ رکھ دیتا۔ دروازہ کھول دیتا اور جیکب کے بہروپ میں پلنگ پر سو جاتا۔ وہ خوابوں کی دُنیا میں پہنچ گیا۔ اُس نے مسجد اقصیٰ دیکھی۔ یہ مسجد اُس نے ایک بار دیکھی تھی جب وہ بیت المقدس میں جاسوسی کے ایک مشن پر گیا تھا۔ یہ مسجد ویران تھی۔ اُس کے کھلے ہوئے دروازے اپنے نمازیوں کی راہ دیکھ رہے تھے مگر مسلمان چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں یا گھروں میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ صلیبیوں اور یہودیوں کے بچوں نے مسجدِ اقصیٰ کے صحن کو کھیل کا میدان بنایا ہوا تھا جہاں بے شمار بچے جوتوں سمیت کھیل رہے تھے۔ صلیبیوں نے وہاں کے مسلمانوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔ حسن مسجدِ اقصیٰ کے مقدس مقام اور مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جب وہاں گیا تھا تو اُس کا نام ریلف نکلسن تھا۔

اب وہ بیروت میں خواب میں مسجدِ اقصیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے گنبد پر بے شمار کبوتر بیٹھے تھے۔ کبوتر یک بارگی اڑے اور تمام کبوتر فضا میں جا کر شرارے بن گئے۔ یہ شرارے مسجد اقصیٰ کے اردگرد گرنے لگے۔ مسجد کے اندر سے صلیبیوں اور یہودیوں کا ایک ہجوم نکلا۔ ان سب کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ سب اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ وہ سب چیخ اور چلا رہے تھے مگر کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ فضا سے برستے ہوئے شرارے رنگ برنگ کے پرندے بن گئے، اور ایک ایک کر کے مسجدِ اقصیٰ کے سبز گنبد پر بیٹھنے لگے۔ اب مسجد میں نہ کوئی صلیبی تھا نہ یہودی۔ حسن آہستہ آہستہ مسجد کی طرف چلا۔ آسمان نیلا تھا۔ دن کی روشنی بھی نیلی تھی۔ مسجد کے دروازے میں ایسی چمک دکھائی دی جیسے بہت بڑے آئینے پر سورج کی کرنیں پڑی ہوں۔

حسن کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اُس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ چمک یا نور کا یہ گولا وہاں نہیں تھا۔ وہاں سارہ کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ حسن حیرت زدہ ہو کے رُک گیا۔ سارہ پاؤں سے سر تک چاند کی طرح سفید لبادے میں ملبوس تھی۔ اُس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ نظر آ رہے تھے۔ اُس کی مُسکراہٹ سے اُس کے دانت اتنے زیادہ سفید نظر آ رہے تھے جتنی سفیدی اس زمین کے لوگوں نے کبھی نہیں دیکھی۔ سارہ نے بازو پھیلا دیئے۔ اس کے ہونٹ ہلے نہیں تھے، لیکن حسن کو اس کی مترنم آواز سنائی دی...... "آ جاؤ، مسجدِ اقصیٰ ہماری ہے۔ اس مسجد میں جو کافر داخل ہو گا اُس پر آسمان آگ برسائے گا اور جو مسلمان اس مسجد کے تقدس کو بھول گئے ہیں، ان پر بھی آگ برسے گی۔ میں نے اس کے صحن کو زم زم کے پانی سے دھو دیا ہے۔ میرے گناہ دُھل گئے ہیں آؤ......آؤ"۔

حسن کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے پھر آنکھیں موند لیں۔ وہ اس خواب سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا مگر موندھی ہوئی آنکھوں میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ وہ اب حقیقت کی دُنیا میں لوٹ آیا تھا۔ چھت پر اور اِدھر اُدھر موسلا دھار بارش کا قیامت خیز شور اور جھکڑ کی چیخیں تھیں۔ اس میں سمندر کی بھی آواز تھی جو پہلے سے زیادہ غصے میں آ گیا تھا۔ باد و باراں اور بحیرۂ روم کے اس ہنگامے میں حسن کو ایسے لگا جیسے کسی نے اُس کے دروازے پر دستک دی ہو۔ یہ اس کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ وہ وہم سے ہی بیدار ہو گیا۔ اُس نے صلیب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بت اور مریم کی تصویر اُٹھا کر سب کو اپنی اپنی جگہ لٹکا دیا۔ اس دوران دروازے پر دستک بڑی صاف ہوئی۔ حسن نے مصلّی لپیٹ کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور دروازہ کھولا۔

دروازے میں سارہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ باد و باراں کا یہ سماں کہ برآمدے سے پرے کچھ اور نظر نہیں آتا تھا۔ سارہ کے کپڑوں اور بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"تم اس طوفان میں میرے پاس آئی ہو؟"...... حسن نے اُسے بازو سے پکڑ کر اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں جیکب!"...... سارہ نے جواب دیا...... "میں کسی اور پاس گئی تھی۔ وہ ملا نہیں۔ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ رات بھر سب شراب پیتے اور بے ہودگی کرتے رہے ہیں۔ اب شام کو ہی جاگیں گے۔ میں نے انتظار کیا لیکن مایوس ہو کر اِدھر آگئی۔ یہ طوفان آگے نہیں جانے دے رہا تھا۔ دن کے وقت تو تمہارے پاس آنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا"۔

حسن نے ایک کپڑا اُٹھایا جو اُس نے سارہ کے سر پر ڈال دیا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے بال اس کپڑے سے خشک کرنے لگا۔ سارہ کو یہ بے تکلفی بہت پسند آئی۔ حسن نے اس کا چہرہ بھی پونچھ دیا۔ پھر ایک چادر اُسے دے کر کہا...... "میں منہ اُدھر پھیر لیتا ہوں تم بھیگے ہوئے کپڑے اُتار کر چادر لپیٹ لو"۔

سارہ نے جب بھیگے ہوئے کپڑے اُتارے تو وہ سوچنے لگی کہ اس شخص کو اتنی زیادہ روحانی محبت ہے کہ اُس کے جسم کی دل کشی کے ساتھ اسے کوئی دل چسپی نہیں، یا اُس کا دل بالکل ہی مردہ ہے...... سارہ نے جب اُسے کہا کہ میں نے کپڑے بدل لیے ہیں تو حسن نے منہ پھیرا اور اُس کے کپڑے برآمدے میں جا کر نچوڑ لایا۔

"اب بتاؤ تم کہاں گئی تھی"...... حسن نے پوچھا...... "اور رات میرے بعد کیا ہوا تھا؟ وہ عورت اندر آگئی تھی؟"

"اسی سلسلے میں اِدھر آئی تھی"...... سارہ نے کہا اور اُسے بتایا کہ رات کو اس عورت نے اُس کے کمرے میں آ کر معافی کی کیا شرط پیش کی ہے۔ اُس نے کہا...... "میں نے یہ نہیں بتایا کہ تم میرے کمرے میں آئے تھے۔ میں نے صرف اس لیے اس کی شرط مان لی کہ تمہارا نام لیا تو میرے ساتھ تمہیں بھی سزا ملے گی اور تم جانتے ہو کہ یہ سزا کیسی بھیانک ہوگی۔ تم شاید حیران ہو گئے ہو گے کہ میں کوئی پاک صاف لڑکی نہیں، پھر بھی میں موصل کے مہمانوں یا کسی اور کی خواب گاہ میں جانے کو پسند نہیں کرتی۔ میں رقاصہ ضرور ہوں لیکن میں یوں کھلونا نہیں بننا چاہتی جس طرح یہ بڑھیا مجھے بنانا چاہتی ہے۔ میری اپنی بھی کوئی پسند اور ناپسند ہے۔ میں نے بہت گناہ کیے ہیں لیکن کسی کی آمدنی کا اور کسی اور کے گناہوں کا ذریعہ نہیں بنوں گی۔ اس عورت نے کہا ہے کہ وہ مجھے اس چوری چھپے کے کاروبار میں سے معاوضہ دے گی۔ وہ مجھے معاوضوں کی بھوکی سمجھتی ہے۔ میں نے اسے کہہ دیا کہ میں اس کی خواہش کے مطابق آج رات موصل کے ایک مہمان کے پاس چلی جاؤں گی لیکن میں اب کوشش کر رہی ہوں کہ حاکموں کو بتادوں کہ اس عورت نے درپردہ کیا کاروبار شروع کر رکھا ہے"۔

"اور وہ کہہ دے گی کہ رات تمہارے کمرے میں آدمی جاتے ہیں"۔ حسن نے کہا۔

"کہتی رہے"۔ سارہ نے کہا...... "میں تو اب سزا لینے کو بھی تیار ہوں اور خودکشی کے لیے بھی تیار ہوں۔ میں اس عورت کو بے نقاب کر کے رہوں گی۔ میں رقاصہ ہوں۔ میں عصمت فروشی نہیں کروں گی"۔

"میں سامنے آ کر یہ کیوں نہ کہہ دوں کہ تمہارے کمرے میں میں گیا تھا"۔ حسن نے کہا...... "میں کہوں گا کہ میرا تمہارے ساتھ جسمانی نہیں، جذباتی تعلق ہے"۔

"اگر یہ کہنا ہوتا تو میں خود کہہ دیتی کہ میرے کمرے میں جیکب آیا تھا"۔ سارہ نے کہا...... "مگر ایسا کہا تو تمہیں گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا دوڑا دینے کے برابر ہے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا تمہارا جذباتی تعلق ہے۔ یہ لوگ کبھی جذبات سے واقف نہیں۔ ان کے ہاں سب کچھ جسمانی ہے...... تم البرتو کو جانتے ہو، اٹلی کا رہنے والا ہے۔ نیک اور رحم دل افسر ہے۔ بالڈون کا

پر اُس کا خاصا اثر ہے۔ صرف ایک بڑا افسر ہے جو مجھ جیسی لڑکیوں کو صاف ستھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ میں اُسے رات کی بات سناؤں گی اور اپنی عزت بچانے کی کوشش کروں گی۔ اگر میری یہ کوشش ناکام رہی تو میں سمندر میں کود جاؤں گی۔ اگر سمندر نے میری لاش اُگل دی تو تم بھی دیکھ لینا، ورنہ الوداع۔ بحیرۂ روم کی مچھلیاں کھاؤ گے تو شاید اُن میں تم میرے جسم کی بو سونگھ سکو گے''۔

''سارہ!'' حسن نے کہا...... ''تم عیسائی نہیں ہو۔ تمہارے ساتھ رہنے والی کوئی ایک بھی لڑکی نہیں جو جسمانی عیاشی اور معاوضے کو تمہاری طرح ٹھکرا دے۔ تم نے آج تک میرے ساتھ جو باتیں کی ہیں، ان سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تمہاری رگوں میں مسلمان کا خون ہے۔ اس خون میں اب اُبال آیا ہے جب تم صلیبیوں کی گناہوں کی دلدل میں پھنس گئی ہو۔ کہو، میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟''۔

سارہ نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ لی اور بولی...... ''سنو جیکب!......''

''میں جیکب نہیں سارہ!'' حسن نے کہا...... ''میرا نام حسن الادریس ہے اور ملک شام کا رہنے والا ہوں۔ یہاں میرا نام گلبرٹ جیکب ہے''

''جاسوس ہو؟''

''کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے''۔ حسن نے کہا...... ''جاسوسی ہی وجہ نہیں۔ جس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کی رُوح میں اُتر گئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں مسلمان کی اولاد ہیں''۔ اُس نے تکیے کے نیچے سے مصلّٰی نکالا اور دیوار میں سے ایک پتھر ہٹا کر اس کے پیچھے سے قرآن کا ایک چھوٹا سا نسخہ نکالا۔ سارہ کو دکھا کر کہا...... ''میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ بت، یہ تصویر اور یہ صلیب دھوکہ ہے''۔

''اگر میں کسی سے کہہ دوں کہ تم عیسائی نہیں، مسلمان ہو تو کیا کرو گے؟'' سارہ نے ہنس کر کہ...... ''تم جاسوس نہیں ہو سکتے۔ جاسوس اپنا آپ اس طرح ظاہر نہیں کیا کرتے''۔

''کہہ دو''۔ حسن نے کہا...... ''میں تمہاری نظروں کے سامنے اس طوفانِ باد و باراں میں غائب ہو جاؤں گا۔ جاسوس میری طرح اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتے اور جب ظاہر ہوتے ہیں تو اتنی آسانی سے ہاتھ بھی نہیں آتے، جتنا تم سمجھتی ہو...... لیکن سارہ! مجھے یقین ہے کہ تم کسی سے نہیں کہو گی''۔

حسن نے آگے بڑھ کر سارہ کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بالکل قریب کر لیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمی مگر پُر اثر آواز میں کہا...... ''تم کسی سے نہیں کہو گی کہ یہ شخص جیکب نہیں حسن ہے۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ ہماری رگوں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شیدائیوں کا خون ہے۔ یہ خون سفید نہیں ہو سکتا۔ یہ خون اپنے قطروں کو دھوکہ نہیں دے سکتا''...... سارہ کی آنکھوں کو حسن کی آنکھوں نے جکڑ لیا۔ وہ محسوس کرنے لگی جیسے یہ خوبرو جوان بڑے ہی حسین آسیب کی طرح اُس کے دماغ پر اور اس کے دِل پر غالب آ گیا ہو۔ حسن کہہ رہا تھا...... ''تم رقص کے لیے نہیں مسجد اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرانے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ خدا نے مجھے خواب میں بشارت دے دی ہے۔ اب یہ نہ کہنا کہ تم مسلمان نہیں۔ تم کہہ ہی نہیں سکو گی۔ بولو سارہ! میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے، تم مجھے اپنا راز دے دو۔ مجھے تمہارے جسم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تمہاری روح کو پاک دیکھنا چاہتا ہوں''۔

سارہ پر حسن طلسم بن کر طاری ہو چکا تھا۔ سارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آہستہ سے بولی...... ''ہاں حسن، میں مسلمان ہوں۔ میں اپنے باپ کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہوں۔ میں سارہ نہیں سائرہ ہوں''۔

''گناہ کسی کے بھی تھے''۔ حسن نے کہا..... ''میں نے آج تک تمہاری زبان سے جو باتیں سنی ہیں اور جس انداز سے تم نے یہ باتیں کی ہیں، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ گناہ تمہارے دِل اور روح میں چُبھ رہے ہیں۔ تم صلیبیوں کے خلاف نفرت کا اور مسلمانوں کی پسندیدگی کا اظہار کرتی رہی ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چبھن تمہیں بے چین رکھتی ہے۔''

''جب سے تم نے میری رُوح کو پاک پیار سے آشنا کیا ہے، مجھے عیش و عشرت کی یہ زندگی جہنم سے زیادہ آتشیں اور اذیت ناک محسوس ہونے لگی ہے۔ میں گناہوں میں پلی، بڑھی اور گناہوں میں جوان ہوئی۔ گناہوں کا حسن اب زہریلا ناگ بن گیا ہے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی''۔

''اپنی جان لینا بھی گناہ ہے''۔ حسن نے کہا..... ''اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ گناہوں کا کفارہ ادا کردو، سب بے قراریاں روحانی سکون میں بدل جائیں گی''۔

''کیا کروں؟'' سارہ نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا..... ''نماز پڑھا کروں؟ تارک الدنیا ہو جاؤں؟ بتاؤ کیا کروں؟''

''جاسوسی''۔ حسن نے جواب دیا..... ''صرف ایک بار۔ پہلی اور آخری بار..... لیکن تم اُس وقت تک جاسوسی نہیں کرسکو گی جب تک یہ نہ سمجھ لو کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ انسان اپنے مقصد کی عظمت سے عظیم بنا کرتے ہیں۔ جانتی ہو نور الدین زنگی کا مقصد کیا تھا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد کیا ہے؟ یہ تو بہت بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ میں اُن کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، لیکن تم نے میری ذات میں اور میری آنکھوں میں ایسا تاثر دیکھا ہوگا جس نے تم سے سچ بات کہلوا لی ہے۔ یہ دراصل میری ذات کا اثر نہیں یہ میرے مقصد کی عظمت ہے جو مجھے ایمان سے زیادہ عزیز ہے۔ مقصد کی ہی عظمت ہے اور اسی کا تقدس ہے کہ تمہارا یہ حسن اور تمہارے جسم کی یہ کشش جو عبادت گزاروں کو چونکا دیتی ہے، مجھ پر اثر نہیں کرسکی۔ کیوں نہیں کرسکی؟ صرف اس لیے کہ میں انسانوں اور اشیاء کو روح کی نظروں سے دیکھا کرتا ہوں''۔

''میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا مقصد اچھی طرح جانتی ہوں''۔ سارہ نے کہا..... ''میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی حکمران مسلمان اُمراء اور حکمرانوں کو مدد اور عیاشی کا سامان دے کر انہیں سلطان ایوبی کے خلاف لڑا رہے ہیں..... اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ صلیبی عالمِ اسلام کو صلیب کے سائے میں لانا چاہتے ہیں۔ حسن! میں نے یہ مقصد یہاں آکر پہچانا ہے، ورنہ میں بھی صلیب کے سیلاب میں بہہ گئی تھی۔ یہ سیلاب مجھے یہاں تک لے آیا ہے۔ یہ بھی سناؤں گی کہ کیسے۔ کچھ دنوں سے مسجدِ اقصیٰ میرے دِل پر غالب آگئی ہے۔ دو راتیں گزریں، میں نے خواب میں مسجدِ اقصیٰ دیکھی ہے۔ میں نے ابھی تک یہ مسجد نہیں دیکھی۔ مجھے معلوم نہیں یہ کیسی ہے۔ خواب میں یہ مسجد دیکھی اور اُس کے اندر گئی۔ مسجد خالی اور ویران تھی۔ مجھے ایک گونج دار آواز سنائی دی..... ''یہ تیرے خدا کا گھر ہے، اسے آباد کرو''..... میں دیکھ رہی ہوں کہ آواز کہاں سے آئی ہے لیکن آنکھ کھل گئی۔ یہ آواز میرے دِل میں اُتر گئی ہے..... کیا اسے میں اپنا مقصد بنا سکتی ہوں؟''

''یہ ہر مسلمان کا فرض ہے''۔ حسن نے کہا..... ''لیکن اس کے لیے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں بیروت میں ہر لمحہ موت کا انتظار کرتا ہوں۔ میں جس روز پکڑا گیا، وہ زندگی کا آخری دن ہوگا''۔

''میں قربانی دینے کو تیار ہوں''۔ سارہ نے کہا..... ''مجھے میرا فرض بتاؤ''

''تمہیں اس بوڑھی اور بھدّی عورت نے موصل کے جس ایلچی کی تفریح کے لیے جانے کو کہا ہے، تم اُس کے پاس چلی جاؤ''..... حسن نے کہا

سارہ نے اُسے اتنی زیادہ حیرت سے دیکھا کہ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔

''ہاں سارہ!'' حسن نے کہا..... ''تمہیں یہ قربانی دینی ہوگی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی عورت کو جاسوسی کے لیے نہیں بھیجا کرتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ایک عورت کی عصمت بچانے کے لیے میں ایک مضبوط قلعہ دشمن کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ ہم عصمتوں کے محافظ ہیں، مگر سارہ! تم یہاں موجود ہو۔ ہمیں جو فرض ادا کرنا ہے، وہ صرف تمہارے ذریعے ہوسکتا ہے۔ تمہارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہوگی کہ کسی کی تفریح کا سامان بنو۔ میں تمہیں ایک دو طریقے بتاؤں گا جن سے تم ان بوڑھے مسلمانوں کے سینوں سے راز بھی نکال سکو گی اور اپنی عزت بھی بچالو گی۔ تمہارا مقصد بڑا پاک اور بلند ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا''۔

''مجھے بتاؤ کرنا کیا ہے''۔ سارہ نے کہا..... ''میں بے آبرو لڑکی ہوں۔ اگر خدا بھی مجھ سے یہی قربانی لے کر خوش ہوسکتا ہے تو میں یہ قربانی دینے کو تیار ہوں''۔

''یہ دونوں ایلچی موصل کے حکمران عزالدین کی طرف سے آئے ہیں''۔ حسن نے اُسے بتایا..... ''مجھے یقین ہے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف بالڈون سے مدد لینے آئے ہیں۔ اس وقت ہماری فوج نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ سلطان کو یہ خوش فہمی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے درمیان خیمہ زن ہیں مگر وہ اپنے مسلمان دشمنوں کے نرغے میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر کے سلطان کو خبردار کرنا ہے کہ صلیبی کیسا جنگی اقدام کریں گے اور موصل اور حلب اور دیگر چھوٹی چھوٹی مسلمان امارتوں کا رویہ کیا ہوگا۔ کیا وہ صلیبیوں کے اتحادی بن جائیں گے؟'' حسن نے اُسے بڑی لمبی تفصیل سے اس کا کام سمجھا دیا اور یہ بھی بتایا کہ صلیبی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جا کر کس طرح مسلمان اُمراء سالاروں اور دیگر حکام پر اپنی پُرکشش نسوانیت کا جادو طاری کر کے راز لے آتی ہیں۔ حسن نے کہا..... ''تمہیں خودکشی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ میں تمہیں پاک اور پُرمسرت زندگی میں داخل کر رہا ہوں۔ تم مظلوم لڑکی ہو۔ تمہیں غالباً بچپن میں صلیبیوں نے کسی قافلے سے اغوا کیا تھا۔ انہی نے تمہیں گناہوں کی زندگی میں داخل کیا ہے''۔

''نہیں حسن!'' سارہ نے کہا..... ''میں نے اپنے آپ کو خود ہی اغوا کیا تھا۔ یہ کہانی پھر کبھی سناؤں گی۔ مجھے ابھی یہ کام کرنے دو۔ دُعا کرو اللہ مجھے سرخرو کرے اور میں گناہوں کا کفارہ ادا کرسکوں'۔

بارش تھم گئی تو سارہ اپنے کپڑے پہن کر حسن کے کمرے سے نکلی۔ وہ جب اُس عمارت میں داخل ہوئی جہاں اُس کا کمرہ تھا تو اُسے وہ عورت مل گئی جوان سب لڑکیوں کی کمانڈر تھی۔ اس نے سارہ کو دیکھا اور مُسکرا کر کہا..... ''رات کو تیار رہنا۔ میرے آدمی نے موصل کے ایک ایلچی کے ساتھ بات کر لی ہے۔ آج رات نہ کہیں ناچ گانا ہوگا نہ کوئی ضیافت۔ میں تمہیں اُس کے کمرے میں چھوڑ آؤں گی''۔

''میں تیار رہوں گی''۔ سارہ نے کہا۔

☆

موصل کے دونوں ایلچیوں کی حالت بھوکے بھیڑیوں جیسی تھی۔ وہ یہاں عزالدین کا اور اپنا ایمان فروخت کرنے آئے تھے۔ وہ اپنی غداری کو کامیاب بنانے کے لیے اس صلیبی بادشاہ سے مدد لینے آئے تھے۔ یہ بادشاہ اپنے مفاد کی خاطر اور مسلمانوں کے حکمرانوں کو آپس میں لڑانے کی خاطر انہیں شہ، پشت پناہی اور مدد دے رہا تھا۔ ان مسلمان ایلچیوں کے پاس نہ ایمان رہا تھا، نہ ذاتی وقار اور نہ قومی وقار۔ اُن کی دلچسپی اب اس میں رہ گئی تھی کہ شاہ بالڈون انہیں زیادہ سے زیادہ عیاشی کرائے اور انعام واکرام دے۔ ان دونوں کو بیروت کے گردونواح اور سمندر کی سیر کرانے کے لیے

روک لیا گیا تھا۔اس دوران ناچنے گانے والی لڑکیوں کی کمانڈر نے اپنے ایک آدمی کو اُن کے پاس بھیجا تھا۔اس آدمی نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ایسی لڑکیاں لا دے گا جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ان دونوں کو باچھیں کھل گئیں اور معاوضہ طے ہوگیا۔ان میں سے ایک کے پاس سارہ کو بھیجنے کے لیے تیار کیا گیا۔

رات سارہ کو سیاہ لبادے میں چھپا کر ایک ایلچی کے کمرے تک پہنچایا گیا۔ایلچی جو والی موصل عزالدین کا فوجی مشیر تھا، پچاس سال سے اوپر کی عمر کا آدمی تھا۔گزشتہ رات اُس نے اس قدر شراب پی لی تھی کہ بے ہوش ہوگیا تھا لیکن آج رات وہ اپنے کمرے میں آہستہ آہستہ پی رہا تھا۔وہ ایک رقاصہ کا انتظار بے تابی سے کر رہا تھا جس کے حُسن کے اُسے افسانے سنائے گئے تھے۔اُس کا دروازہ کھلا۔ایک لڑکی سر سے پاؤں تک سیاہ لبادے میں مستور اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔دروازہ بند ہوگیا۔ایلچی اُس کی طرف لپکا اور اُس کا چہرہ بے نقاب ہونے سے پہلے ہی بڑے فحش الفاظ کہہ کر اس سے لپٹ گیا۔وہ اپنی عمر کو بھی بھول گیا۔

سارہ نے اُس کے بازوؤں سے آزاد ہو کر سیاہ لبادے کو اُتار کر پرے پھینک دیا۔اُس نے ایلچی کی طرف دیکھا تو حیرت سے اُس کا منہ کھل گیا۔وہ پیچھے ہٹنے لگی حتیٰ کہ اس کی پیٹھ دیوار سے جا لگی۔اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ڈھانپ لیے۔ایلچی نے سارہ کا چہرہ دیکھا تو اُسے ہچکی سی آئی اور اُس کے منہ سے سرگوشی نکلی...... ''سارہ؟''

سارہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی جیسے اُس کی زبان بند ہوگئی ہو۔ایلچی نے گھبرائی ہوئی اور حیرت زدہ آواز میں ایک بار پھر پوچھا۔''سارہ؟ تم سارہ ہو؟''......وہ کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بولا ''نہیں مجھے غلطی لگی ہے۔تمہاری شکل میری ایک بیٹی سے بالکل ملتی جلتی ہے۔اُس کا نام سارہ ہے''۔

''وہ سارہ میں ہی ہوں جو آپ کی بیٹی ہے''۔سارہ کی زبان اچانک کھل گئی۔اُس نے نفرت سے دانت پیس کر کہا...... ''میں ہی آپ کی بیٹی ہوں۔محلات میں دوسروں کی بیٹیوں کو نچانے والے کی بیٹی بھی ناچ سکتی ہے۔میں ایک بے غیرت باپ کی بے غیرت بیٹی ہوں''۔

ایلچی لڑکھڑایا اور پلنگ پر گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گیا۔اب اس کی زبان بند ہوگئی تھی۔سارہ اسی کی بیٹی تھی۔باپ بیٹی کو جدا ہوئے دو سال گزر گئے تھے۔

''ایمان فروشوں کی بیٹیاں عصمت فروش ہوا کرتی ہیں''۔سارہ آگے بڑھی اور باپ کے سامنے رُک کر نفرت سے دانت پیسنے لگی۔اُس نے کہا...... ''آج اپنی غیرت اور اپنی عزت کا انجام دیکھ۔تو اپنی بیٹی کی عصمت کا گاہک ہے۔تیری بیٹی تیری خواب گاہ میں رات گزارنے آئی ہے''......سارہ نے تیر کی تیزی سے ایک ہاتھ آگے کیا اور کہا...... ''لا، میری اُجرت نکال۔میں رات تیرے ساتھ بسر کرنے آئی ہوں''۔

''تو...... تو......'' اُس کے باپ کی زبان لڑکھڑا کر ہکلانے لگی......''تو گھر سے بھاگ آئی تھیں۔میں بے غیرت نہیں ہو تو بے غیرت ہے''۔

''جو باپ اپنی جوان بیٹی کے سامنے بیٹی کی عمر کی لڑکیوں کے ساتھ بے حیائی کی حرکتیں کرتا ہے اور اپنی بیٹی جیسی لڑکیوں کو نچاتا اور شراب کے نشے میں بدمست ہو کر ان کے ساتھ بیٹی کے سامنے دست درازی کرتا ہے، اُس باپ کی بیٹی غیرت والی نہیں بن سکتی۔وہ بھی رقاصہ اور طوائف بنتی ہے۔باپ اُس کی شادی کر دے تو وہ اپنے خاوند کو دھوکے دیتی اور پردہ کئی خاوند بنائے رکھتی ہے۔سن میرے باپ! تجھے تیرا ماضی اور اپنا حال بتاتی ہوں۔میں نے تیرے گھر میں دمشق

میں ہوش سنبھالا تو تجھے عورتوں سے درپردہ عیش کرتے دیکھا۔ نورالدین زنگی مر گئے تو تُو الملک الصالح کے ساتھ حلب کو بھاگ گیا۔ تُو مجھے اور میری ماں کو بھی ساتھ لے آیا۔ حلب میں تُو شراب بھی پینے لگا۔ تب میں لڑکپن میں تھی۔ تیرے پاس گورے چٹے صلیبی آنے لگے۔ انہوں نے تجھے دولت دی۔ بڑی خوب صورت لڑکیاں دیں اور تُو کھلے عام شراب پینے لگا۔ تیرے گھر میں شراب کی محفلیں جمنے لگیں۔ لڑکیاں ناچنے لگیں۔ صلیبیوں نے میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی تو تُو خوش ہوا......

''پھر الملک الصالح مر گیا۔ تیرے پاس صلیبی پہلے سے زیادہ آنے لگے۔ تُو پہلے سے زیادہ عیاش ہو گیا۔ عزالدین نے تجھے بہت بڑا عہدہ اور رُتبہ دے دیا۔ میں تیری چہیتی رقاصہ لڑکیوں میں اُٹھنے بیٹھنے لگی۔ اُن سے میں نے رقص سیکھا۔ تجھے پتہ چلا تو تُو خوش ہوا۔ صلیبیوں نے مجھے دیکھا تو انہوں نے تیرے سامنے مجھے اپنے سینوں سے لگایا۔ تُو نے بُرا کیوں نہ منایا؟ صرف اس لیے کہ وہ میرے بدلے تجھے یورپ کی ایک لڑکی دے دیتے تھے تُو نے اپنا ایمان بیچ ڈالا۔ صلاح الدین ایوبی کے خلاف سازشیں کیں۔ تیرا کردار ختم ہو گیا تو یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ اپنی بیٹی کو بھی تُو نے اپنی راہ پر ڈال دیا ہے۔ پھر ایک صلیبی نے مجھے سبز باغ دکھائے اور میں تیرے گھر کو خیرباد کہہ کر اپنے خیالوں میں جنت کو روانہ ہو گئی۔ مجھ سے یہ مت پوچھ کہ میں جس طرح آج رات تیری خواب گاہ میں آئی ہوں، اس طرح کتنی خواب گاہوں کی رونق بنی ہوں۔ اُس صلیبی نے مجھے محبت کا فریب دے کر مجھے بیچ ڈالا۔ میں تجھ جیسے بے شمار دولت مندوں کی تفریح کا ذریعہ بن کر بیروت پہنچی، جہاں مجھے شاہی رقاصہ کی حیثیت سے رکھ لیا گیا۔ آج اپنا باپ میری عصمت کا گاہک ہے''۔

ایلچی نے سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔

''آج تُو اپنے ایمان کی قیمت وصول کرنے آیا ہے''۔ سارہ نے حقارت آمیز لہجے میں کہا ..... ''تُو فلسطین اور قبلۂ اوّل کا سودا کرنے آیا ہے۔ اپنی بیٹی کی قیمت دینے آیا ہے''۔ سارہ کی آواز بھرا گئی۔ اُس نے کہا..... ''یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔ میں باپ کے گناہوں کی سزا بھگت کر اس دُنیا سے جارہی ہوں''۔

اُس کے باپ نے آہستہ آہستہ سر اُٹھایا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ بہہ کر اس کے گالوں کو تر کر رہے تھے۔ اُس نے اُٹھ کر دیوار سے لٹکتی ہوئی تلوار اُتاری۔ نیام سے نکالی اور تلوار سارہ کے آگے کر کے کہا..... ''یہ لو۔ اپنے ہاتھوں مجھے ختم کردو۔ شاید میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے''۔

سارہ نے اُس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور کہا..... ''آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت اس مقام پر آ پہنچی ہے جہاں ایک باپ اپنی بیٹی کے ہاتھ میں تلوار دے کر یہ کہنے کی بجائے کہ جا بیٹی قبلۂ اوّل کو اس تلوار سے آزاد اور آباد کر، یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے اس تلوار سے قتل کر کے میرے گناہوں کا کفارہ ادا کر دے''۔ اپنے باپ کی جذباتی حالت اور شرمساری کے آنسو دیکھ کر سارہ کا لہجہ بدل گیا۔ باپ کا احترام لَوٹ آیا۔ اُس نے کہا..... ''مر کر ہی گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زندہ رہو اور دشمن کو قتل کرو۔ میں آپ کو بتاؤں؟''

باپ نے شکست خوردگی کے انداز سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

''شاہ بالڈون کے ساتھ آپ نے جو معاہدہ کیا ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو شکست دینے کے لیے جو منصوبہ تیار اور طے کیا ہے، وہ مجھے بتا دیں''۔ سارہ نے کہا..... ''میں یہ سلطان تک پہنچا دوں گی۔ اس سے بڑی نیکی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ کے سارے گناہ بخشے جائیں گے''..... باپ خاموشی سے سن رہا تھا۔ سارہ نے کہا..... ''ہم دونوں کی نجات اس میں ہے کہ ہم دونوں یہاں سے فرار ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ جائیں اور آپ اسے ساری

بات اپنی زبانی سنا دیں"۔ "میں تیار ہوں"۔ باپ نے کہا..... "لیکن ہم یہاں سے نکلیں گے کیسے؟"

"انتظام ہو جائے گا"۔ سارہ نے کہا۔

باپ نے بیٹی کو گلے لگا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے اپنے گناہوں نے اس سے ہتھیار ڈلوا لیے تھے۔

☆

لڑکیوں کی کمانڈر عورت بہت خوش تھی کہ اُسے بڑا موٹا گاہک مل گیا ہے۔ وہ اطمینان سے سو گئی۔ اُسے معلوم تھا کہ سارہ صبح واپس آئے گی مگر سارہ حسن الادریس کے کمرے میں تھی۔ اُس نے جب حسن کو بتایا کہ اس کا گاہک اس کا باپ تھا تو حسن کو چکر آ گیا تھا۔ سارہ نے حسن کو سنایا کہ اُس کے باپ نے گھر کا ماحول کس قدر گناہ آلود بنا رکھا تھا اور وہ کس طرح انہی گناہوں کی شیدائی ہو کر ایک صلیبی کے ساتھ گھر سے بھاگی اور کس طرح اس مقام تک پہنچی تھی۔ سارہ نے اُسے بتایا کہ اُس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس جانے کو تیار ہے۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ تمہارا مقصد پاک ہے"۔ حسن نے کہا..... "مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہاری آبرو کی حفاظت کرے گا۔ خدا نے میری اُمید پوری کر دی ہے..... اب میں تمہارے باپ سے ملوں گا اور اُسے کہوں گا کہ تیار رہنا"۔

دن کو حسن سارہ کے باپ سے ملا۔ بچ بچ کر بات کی۔ اس کی غیرت کو جھنجوڑا اور جب دیکھا کہ وہ بہت ہی نادم ہے تو حسن نے اُسے وہاں سے نکلنے کا سہل طریقہ بتایا۔ اس کے ساتھ ساری بات طے کر کے وہ سارہ سے اُس محفوظ جگہ ملا جہاں وہ کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔ سارہ کے باپ نے اپنے میزبانوں سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اکیلے ذرا سیر کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اُسے گھوڑا دے دیا گیا۔ وہ اپنے ساتھی ایلچی کو یہ بتا کر چلا گیا کہ شام تک لوٹ آئے گا۔ وہ شہر سے نکلا تو ایک جگہ حسن گھوڑے پر سوار اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ایک اور جگہ سارہ چھپی ہوئی تھی۔ اُسے باپ نے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا اور وہ نصیبہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

وہ بچ بچ اور چھپ چھپ کر چلتے رہے۔ بہت دُور نکل گئے تو انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ سفر بہت لمبا تھا جو انہوں نے ایک رات اور ایک دن میں طے کر لیا۔ بیروت کے سراغ رسانوں کے لیے شاہ بالڈون قہر بنا ہوا تھا۔ موصل کا ایک ایلچی لا پتہ ہو گیا تھا۔ ایک شاہی رقاصہ جو شاہ بالڈون کو ذاتی طور پر اچھی لگتی تھی، غائب تھی اور گلبرٹ جیکب نام کا ایک خصوصی باڈی گارڈ بھی لا پتہ تھا۔ تینوں کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ لڑکیوں کی کمانڈر عورت کی زبان بند تھی۔ وہ کسی کو بتاتے سے ڈرتی تھی کہ اُس نے سارہ کو گم شدہ ایلچی کے کمرے میں بھیجا تھا۔ بیروت میں صرف ایک آدمی کو معلوم تھا کہ یہ تینوں کہاں ہیں۔ اس آدمی کا نام حاتم تھا مگر حاتم گمنام سا نعل ساز تھا۔ اُسے وہی لوگ جانتے تھے جو اُس سے گھوڑوں کو نعل لگوایا کرتے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ غریب سا نعل ساز سلطان ایوبی کے اُس جاسوس گروہ کا لیڈر ہے جو بیروت کے اندر سرگرم ہے۔ سراغ رساں اپنے قیافوں اور قیاس آرائیوں سے باؤلے ہوئے جا رہے تھے۔

حسن الادریس، سارہ اور اس کا باپ سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ سلطان ایوبی عادت کے مطابق خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ سارہ کا باپ اُسے بتا چکا تھا کہ بالڈون کے ساتھ اُس نے کیا منصوبہ تیار کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلا لیا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتانے لگا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے اور ان کے خلاف وہ کیا کارروائی کرنا چاہتا ہے۔

چلے قافلے حجاز کے

اس خبر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو حیران نہ کیا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں، عماد الدین اور عزالدین نے صلیبیوں کے ساتھ اس کے خلاف درپردہ گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔ یہ تو جیسے اُس دور میں رسم بن گئی تھی کہ چھوٹے بڑے مسلمان اُمراء صلیبیوں کے ساتھ درپردہ دوستانہ گانٹھنے لگے تھے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سلطان ایوبی ان سب کو ایک خلافت کے تحت لاکر انہیں ایک متحد قوم بنانا چاہتا تھا مگر یہ اُمراء اپنی الگ الگ ریاستیں برقرار رکھ کران کے حکمران بنے رہنے کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ ان کا یہ مقصد صلیبیوں کی دوستی سے پورا ہوسکتا ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ان سب میں اہم حکمران عزالدین اور عماد الدین تھے۔ ان کی ریاستیں، حلب اور موصل، محل وقوع، وسعت، دفاعی استحکام وغیرہ کے لحاظ سے جنگی اہمیت کی حامل تھیں۔ صلیبی اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کے یہ دونوں مقام اُن کے قبضے میں آجائیں یا یہ سلطان ایوبی کے قبضے میں نہ چلے جائیں، کیونکہ ان پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہوجانے سے افواج اور رسد وغیرہ کے لیے دو ایسے اڈے مل جاتے تھے جہاں سے وہ آسانی سے بیت المقدس پر فوج کشی کرسکتا تھا۔

''ربِّ کعبہ کی قسم! مَیں حلب اور موصل پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا'' ۔سلطان ایوبی نے متعدد بار کہا تھا..... ''میں کسی مسلمان ریاست میں سے اپنی فوجیں گزارنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میرا مدعا یہ ہے کہ یہ اُمراء یہ حکمران صلیبیوں کے خلاف متحد ہوجائیں۔ خلافتِ بغداد کے وفادار ہوجائیں جو قرآن کا حکم ہے۔ میں انہیں اپنے زیرِ نگین نہیں کروں گا۔ میں خلیفہ نہیں ہوں۔ میں تو خود خلیفہ کا پیروکار اور خادم ہوں'' ۔

خلافت کے تحت آجانے سے ان لوگوں کو یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ اُن کی عیاشیاں بند ہوجائیں گی اور صلیبیوں کی طرف سے انہیں لڑکیوں اور شراب کے جو تحفے ملتے تھے، وہ بند ہوجائیں گے۔ وہ حکومت، دُنیا کی جھوٹی شان وشوکت اور عیش وعشرت کے عادی ہوگئے تھے۔ اُن کی نظروں میں سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔

۱۱۸۳ء کے اوائل میں سلطان صلاح الدین ایوبی نصیبہ کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنی تھی مگر اُسے مسلمان اُمراء کی نیت میں فتور نظر آرہا تھا۔ وہ اب یہ معلوم کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ حلب اور موصل کے والیان کی درپردہ سرگرمیاں کیا ہیں اور صلیبی کیا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

اُسے اپنے جاسوس حسن الادریس نے بیروت سے آکر پوری اطلاع دے دی۔ اس جاسوس نے دوسرا کارنامہ یہ کر دکھایا کہ عزالدین کے ایک فوجی مشیر اور اُس کی بیٹی جو گھر سے بھاگ کر بیروت میں صلیبیوں کے پاس رقاصہ تھی، اپنے ساتھ لے آیا۔ حسن الادریس سلطان ایوبی کے پاس آیا اور بتایا کہ عزالدین نے بیروت دو ایلچی صلیبیوں کے پاس جنگی امداد کے لیے بھیجے ہیں۔ سلطان اس اطلاع پر حیران ہوا، البتہ یہ اطلاع اس کے لیے اہم تھی۔ اُس نے اُسی وقت

سالاروں کو بلالیا اور نقشہ سامنے رکھ کر انہیں بتایا کہ صلیبیوں کا منصوبہ کیا ہے۔

عزالدین کا جو ایلچی بیروت صلیبیوں سے مدد لینے گیا تھا، اس کا نام احتشام الدین تھا۔ اب سلطان ایوبی کے پاس اس کی حیثیت ایک قیدی کی تھی لیکن سلطان ایوبی نے احترام سے اسے اپنے سالاروں کے ساتھ بٹھایا۔ احتشام الدین کو تقریباً ہر ایک سالار جانتا تھا۔ کوئی اسے حقارت سے گھور رہا تھا اور کسی کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے کہ وہ اُن کے درمیان بیٹھا ہے اور قید ہے۔ سلطان ایوبی نے حسن الادریس کی رپورٹ سن لی تھی۔

''مجھے اُمید ہے کہ ہمارا دوست احتشام الدین آپ کو خود ہی بتائے گا کہ عزالدین اور عمادالدین کی نیت کیا ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں احتشام الدین پر الزام عائد نہیں کرتا کہ یہ ہمارے خلاف لڑنے کے لیے صلیبیوں سے جنگی امداد لینے گیا تھا۔ اسے والیٔ موصل عزالدین نے بھیجا تھا۔ یہ عزالدین کا ملازم ہے''۔

''سلطانِ محترم!'' ایک سالار نے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے یہ کہنے سے نہیں روکیں گے کہ احتشام الدین اپنے حکمران کا معمولی سا ملازم نہیں۔ یہ اُس کا فوجی مشیر ہے۔ یہ سالار ہے۔ اسے اپنے حکمران کو ایسا مشورہ نہیں دینا چاہیے تھا کہ صلیبیوں سے مدد حاصل کی جائے''۔

''مجھے حکم دیا گیا تھا''۔ احتشام الدین نے جواب دیا...... ''اگر میں حکم عدولی کرتا تو......''

''تو آپ کو جلاد کے حوالے کر دیا جاتا''...... ایک نائب سالار نے کہا...... ''آپ نے موت کے ڈر سے اپنے بادشاہ کا ایسا حکم مانا جو آپ کی اپنی قوم اور اپنے مذہب کی ذلت کا باعث ہے۔ کیا ہم اپنے گھروں سے دُور، اپنی اولاد سے بے خبر، اپنے آپ سے بے نیاز یہاں اپنی عمریں لمبی کرنے بیٹھے ہیں؟ ایک مدت سے ہم ان چٹانوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور رات اس پتھریلی زمین پر سوتے ہیں۔ جبکہ آپ حلب کے محل میں شہزادوں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ شراب پیتے ہیں۔ ناچنے والی حسین یہودی، صلیبی اور مسلمان لڑکیاں آپ کا دِل بہلاتی ہیں اور آپ نرم بستر پر سوتے ہیں، جن پر مخمل کے پلنگ پوش بچھے ہیں۔ ہم یہاں مرنے آئے ہیں۔ ہمارے رفیقوں کی لاشیں جانے کہاں کہاں گم ہو گئی ہیں۔ ہمارے سپاہیوں کی ہڈیاں سارے علاقے میں بکھر گئی ہیں۔ تم کسی شہید کی کوئی ہڈی دیکھو گے تو کہو گے یہ کسی جانور کی ہڈی ہے۔ عیش و عشرت نے تمہاری نظروں میں شہیدوں کو شراب میں ڈبو دیا ہے۔ دوست اور دشمن کو ایک کر دیا ہے۔ ہم مرنے آئے ہیں تو تمہیں جینے کا کیا حق ہے؟''

''احترام!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''احتشام الدین نے میرے پاس آ کر گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، اگر اسے طعنے دینے ہوتے تو میں بھی دے سکتا تھا''۔

''سلطانِ ذی شان!'' ایک اور سالار نے کہا۔

''خدا کے لیے مجھے صرف سلطان کہو''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''مجھے شان و شوکت سے دُور رہنے دو۔ مجھے بادشاہ بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں سپاہی ہوں، مجھے سپاہی رہنے دو...... کہو، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میں احتشام الدین کو اور اپنے ان تمام ہتھیار بند بھائیوں کو جو یہاں موجود ہیں، یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جو سالار اپنے حکمران کا اتنا غلام ہو جاتا کہ اُسے خوش کرنے کے لیے اُس کا غلط حکم بھی مان لیتا ہے، وہ اپنی قوم کی عزت کا قاتل ہوتا ہے۔ قوم کی عزت کے محافظ ہم ہیں۔ سلطنت کا مالک بادشاہ یا سلطان نہیں قوم ہوتی ہے۔ آج ہم جس دور میں سے گزر رہے ہیں، یہ سپاہی کا دور ہے، یہ جہاد کا دور ہے۔ اگر خلیفہ اور سلطان سلطنت کا کاروبار دیانت داری سے نہیں چلائیں گے

تو اللہ کے سپاہیوں پر بھی سلطان بننے کا نشہ طاری ہو جائے گا تو لا الہ الا اللہ کی لاشوں پر گرجوں کے گھنٹے بجیں گے"۔

"اسلام پر جو بھی دور آئے گا وہ اللہ کے سپاہی کا دور ہوگا"۔سلطان ایوبی نے کہا..... "جب تک اسلام زندہ ہے، کفار اسلام کے دشمن ہی رہیں گے۔آج ہمارے سالاروں کے دلوں میں جاہ وحشمت کی جو خواہش پیدا ہوگئی ہے، وہ کسی بھی وقت اسلام کو لے ڈوبے گی۔ مجھے نظر آرہا ہے کہ اسلام زندہ رہے گا مگر اس شیر کی طرح زندہ رہے گا جسے سدھا لیا گیا ہو اور اُسے فراموش کرا دیا گیا ہو کہ وہ بادشاہ ہے۔یہ شیر بکریوں سے بھی ڈرتا رہے گا۔مسلمان کفار کی انگلیوں پر ناچیں گے۔اللہ کا سپاہی موجود ہوگا مگر اس کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہوگی۔اگر تلوار ہوگی تو وہ کسی صلیبی کی دی ہوئی ہوگی جسے وہ نیام سے باہر نکالنے کے لیے صلیبی سے اجازت لے گا"۔سلطان ایوبی بولتے بولتے چپ ہو گیا۔اس نے نظریں گھما کر سب کو دیکھا اور بولا..... "میں بھی باتوں میں اُلجھ گیا ہوں۔میرے رفیقو! ہمیں کام کرنا ہے۔اگر ہم اس بحث میں پڑ گئے کہ یہ گناہ کس کا ہے اور وہ خطا کس کی ہے اور کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے تو ہم صرف باتیں ہی کرتے رہیں گے..... احتشام الدین تمہیں بتائے گا کہ حلب اور موصل کے حکمرانوں نے صلیبیوں کے ساتھ کیا طے کیا ہے اور ہمیں کس قسم کے دشمن سے کس قسم کی لڑائی لڑنی پڑے گی"۔

☆

احتشام الدین اُٹھا اور سب کے سامنے جا کھڑا ہوا۔سب کو نظریں گھما کر دیکھا اور بولا..... "میرے دوستو! میں تمہاری نظروں میں حقارت اور قہر دیکھ رہا ہوں۔تمہیں حق پہنچتا ہے کہ میرے لیے سزائے موت تجویز کرو، مگر میں تمہارے لیے عبرت کا سامان ہوں۔یہ درست ہے کہ میں نے والی موصل عزالدین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا ایمان فروخت کیا اور اس کا ایلچی بن کر بیروت گیا اور صلیبیوں سے مدد مانگی، مگر یہ بھی درست ہے کہ جس طلسم نے میری عقل اور میرے ایمان کو اپنے قبضے میں لیا، اس سے تم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔کیا تم میں سے سالار اور حاکم غداری کا جرم کرتے نہیں پکڑے گئے؟ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جن پر سلطان کو اتنا اعتماد تھا جتنا انہیں اپنی ذات پر ہے مگر وہ ایمان فروش نکلے۔میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسانی فطرت میں ایک ایسی کمزوری ہے جو انسان کو عیش وعشرت میں ڈال دیتی ہے اور جہاں کے روز وشب میں حکومت اور معاشرے میں گناہ کی ترغیب دینے والی باتیں ہوں، وہاں زاہد بھی عیش پسند اور گناہگار بن جاتے ہیں۔ہر کوئی امیر اور سلطان بننے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ہر کسی کی ذات کا قلعہ مسمار ہو جاتا ہے۔

"اگر تم مجھے گناہگار سمجھتے ہو تو میری تلوار سے میرا سرتن سے جدا کر دو، اگر مجھے توبہ کا موقع دیتے ہو تو میں عظمت اسلام کی پاسبانی اور سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع کے لیے تمہاری بہت مدد کر سکتا ہوں"۔

"صلیبی شاید تم سے آمنے سامنے کی ٹکر نہیں لیں گے"۔احتشام الدین نے کہا..... "انہوں نے ہمیں ہماری اپنی تلواروں سے مروانے کا انتظام کر لیا ہے۔انہیں اپنی فوجیں مروانے کی ضرورت نہیں رہی۔وہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے کے لیے انہیں مدد اور شہ دے رہے ہیں۔یہ چھوٹی بڑی مسلمان امارتیں اور ریاستیں جو دراصل خلافتِ بغداد کے صوبے ہیں، سب درپردہ صلیبیوں کے غلام بن گئے ہیں، تاکہ خود مختار رہیں۔اپنے مرکز سے کٹ کر خود مختاری اسی صورت میں حاصل کی جا سکتی ہے کہ دشمن کی مدد لو اور اپنے بھائی کو دشمن کہو۔خانہ جنگی میں صرف ایک فریق سچا اور محبِ وطن ہوتا ہے۔دوسرا فریق دشمن کا دوست ہوتا ہے۔دشمن اُسے خلوص سے مدد نہیں دیتا بلکہ اپنے فائدے اور اپنے عزائم کی تسکین کے لیے مدد دیتا ہے.....

''صلیبی ہمارے مخالف دھڑے کو مدد دے رہے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ موصل کو اپنے چھاپہ مار دستوں کا اڈہ بنا رہے ہیں۔ وہ کچھ عرصے تک چھاپوں اور شب خونوں کی جنگ لڑیں گے۔ رفتہ رفتہ وہ حلب کو اور دیگر تمام مسلمان ریاستوں کو اپنے اڈے بنالیں گے جو آپ کے خلاف استعمال ہوں گے۔ میں جب بیروت میں تھا تو مجھے پتہ چلا تھا کہ صلیبی موصل سے کچھ دُور پہاڑی علاقے میں بے شمار اسلحہ اور سامان چھپا کر رکھیں گے۔ اس میں آتش گیر مادہ بہت زیادہ ہوگا۔ اسے وہ اپنے چھاپہ ماروں کے لیے استعمال کریں گے اور بعد میں کھلی جنگ میں بھی۔ وہ کھلی جنگ اسی صورت میں لڑیں گے جب بہت سی مسلمان امارتوں میں اپنے اڈے بنا کر مستحکم کر چکے ہوں گے۔ میں ابھی یہ معلوم نہیں کر سکا کہ وہ اسلحہ اور آتش گیر مادہ کس مقام پر رکھیں گے۔ یہ معلوم کرنا آپ کے جاسوسوں کا کام ہے''۔

سلطان ایوبی نے سالاروں کو بھیج دیا، سوائے حسن بن عبداللہ کے جو جاسوسی اور سراغ رسانی کے محکمے کا سربراہ تھا اور سالار صارم مصری کو بھی سلطان ایوبی نے اپنے پاس روک لیا۔ یہ چھاپہ مار دستوں کا سالار تھا۔

''میرا قیاس صحیح نکلا ہے''۔ سلطان ایوبی نے ان دونوں سے کہا...... ''مجھے معلوم تھا کہ صلیبی موصل اور حلب کو در پردہ طریقوں سے اپنے اڈے بنانے کی کوشش کریں گے اور ہمارے مسلمان بھائی ان کے ساتھ پورا تعاون کریں گے۔ تم نے احتشام الدین کی زبانی سن لیا ہے کہ بالڈون اور دوسرے صلیبی موصل سے کچھ دُور کہیں جنگی سامان اور آتش گیر سیال کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ جس طرح ہمیں رسد کے ذخیرے کی ضرورت ہے، اسی طرح صلیبیوں کو بھی ضرورت ہے۔ ہم میں سے جس کا ذخیرہ ختم یا تباہ ہوگیا، وہ آدھی جنگ ہار جائے گا۔ ہمارے کچھ دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر موصل اور حلب کے درمیان بیٹھے ہیں۔ انہیں میں نے عزالدین اور عمادالدین کا آپس کا رابطہ توڑنے کے لیے بٹھایا ہے۔ اب بیروت اور ان دونوں جگہوں کے راستے روکنے ہیں۔ یہ مہم ذرا مشکل اور خطرناک ہوگی کیونکہ چھاپہ ماروں کو اپنے مستقر سے دُور جانا ہوگا''۔

''یہ مجھے دیکھنا ہے کہ یہ مہم مشکل ہے یا آسان''۔ صارم مصری نے کہا...... ''اور یہ میرا فرض ہے کہ مشکل کو آسان کروں۔ آپ حکم دیں''۔

''کوئی قافلہ نظر آئے، اُسے روک لو''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''تلاشی لو، مزاحمت ہو تو پورا معرکہ لڑو۔ کوشش کرو کہ قیدی زیادہ ہوں''۔ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا...... ''اور حسن! تم مجھے یہ کام کر کے دکھاؤ کہ معلوم کرو کہ صلیبی اسلحہ اور آتش گیر سیال کا ذخیرہ کہاں جمع کر رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ ذخیرہ کر بھی چکے ہوں۔ اگر تم جگہ معلوم کر سکو تو میں اس کی تباہی کا انتظام کر دوں گا''۔

''یہ انتظام انشاءاللہ میرا ہوگا''۔ صارم مصری نے کہا۔

''یہ ذہن میں رکھو کہ کچھ عرصے تک ہماری جنگ آنکھ مچولی جیسی ہوگی''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''صلیبی کھلی جنگ لڑنے کی بجائے شب خونوں اور تخریب کاری کی جنگ لڑیں گے۔ وہ شاید مجھے مشتعل کرنے کی کوشش کریں گے کہ میں اُن پر کھلا حملہ کروں۔ میں ایسی حماقت نہیں کروں گا۔ مجھے کئی جگہوں پر گھات لگائیں گے۔ میں سب سے پہلے اپنے ان اُمراء کو ساتھ ملاؤں گا جو صلیبیوں کے دوست بنتے جا رہے ہیں۔ میں اُن سے تعاون کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں اَب تلوار کی نوک پر اُن سے تعاون لوں گا۔ میں اُن میں سے کسی کا بھی خون بہانے سے دریغ نہیں کروں گا۔ یہ برائے نام مسلمان ہیں۔ مسلمان کے خلاف کافر کے ساتھ دوستی کرنے والا مسلمان بھی کافر ہوتا ہے۔ مجھے اب پروا نہیں کہ تاریخ مجھے کیا کہے

گی۔ اگر مجھے آج کوئی کہے کہ آنے والی نسلیں مجھے اپنے بھائیوں کا قاتل اور خانہ جنگی کا مجرم کہیں گی تو بھی میں اپنے ارادوں سے باز نہیں آؤں گا۔ میں تاریخ اور آنے والی نسلوں کے آگے نہیں، خدا کے آگے جواب دہ ہوں۔ خدا کے سوا نیت کو اور کوئی نہیں جانتا۔ میرے اور فلسطین کے درمیان اگر میرے بیٹے حائل ہوں گے تو میں انہیں بھی قتل کردوں گا۔ اگر ہم نے آج قبلۂ اوّل کو صلیبیوں سے آزاد نہ کرایا تو ہمارے بعد صلیبی اور یہودی خانہ کعبہ پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ مجھے اپنے اُمراء اور حکمرانوں کے تیور اور طور طریقے بتا رہے ہیں کہ وہ بادشاہ بنیں گے اور اُن کی اولاد بھی بادشاہ ہوگی اور یہ لوگ فلسطین کو یہودیوں کے تسلط میں دے دیں گے۔ تلوار کے سوا میرے پاس اب کوئی علاج نہیں رہا''۔

''ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں''۔ صارم مصری نے کہا..... ''اگر آپ میری رائے لیں تو میں یہی کہوں گا کہ مرکز سے خودمختاری یا نیم خودمختاری مانگنے والوں کو غداری کی سزا ملنی چاہیے''۔

''اور میں انہیں سزا دوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے صارم مصری اور حسن بن عبداللہ کو جنگی نوعیت کی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

وہ دونوں چلے گئے تو سلطان ایوبی ایک اور مسئلے پر غور کرنے لگا۔ اُس نے جب نے بیروت سے محاصرہ اُٹھایا تھا اور وہ نصیبہ کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوگیا تھا، اُس سے کچھ عرصے پہلے اُسے بحیرۂ قلزم کے مشرقی علاقے کے متعلق یہ اطلاعیں ملی تھیں کہ صلیبی فوج دستے اس علاقے میں قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ صلیبی صرف مسلمان قافلوں کو لوٹتے تھے۔ مال و دولت کے علاوہ وہ اونٹ اور گھوڑے لے جاتے اور کمسن اور نوجوان لڑکیوں کو بھی اُٹھا لے جاتے تھے۔ زیادہ تر رہزنی اُن دنوں ہوتی تھی جن دنوں مصر کے حاجیوں کے قافلے جاتے اور آتے تھے۔ ان ڈاکوؤں کو فوجی پیمانے پر ہی روکا جا سکتا تھا، لیکن سلطان ایوبی کے پاس اتنی فوج نہیں تھی۔ اس کے علاوہ اُس کے دماغ میں فلسطین اور وہ مسلمان اُمراء سوار تھے جو صلیبیوں کے ساتھ درپردہ صلح اور مدد کے معاہدے کر رہے تھے۔ اس لیے سلطان ایوبی ادھر توجہ نہیں دے سکا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ بیروت کے محاصرے میں سلطان ایوبی نے بحری بیڑہ بھی استعمال کیا تھا جس کا امیر البحر حسام الدین لولو تھا۔ محاصرہ ابتداء میں ہی ناکام ہوگیا تو سلطان ایوبی نے حسام الدین کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ بیڑہ سکندریہ لے جائے۔ اس کے فوراً بعد قاہرہ سے سلطان ایوبی کو پیغام ملا کہ صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنا باقاعدہ پیشہ بنالیا ہے اور اب کوئی قافلہ منزل تک پہنچتا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے قاہرہ کو جواب دینے کی بجائے سکندریہ امیر البحر حسام الدین کو حکم بھیجا کہ وہ اپنے بیڑے کے اُس حصے کی جا کر کمان لے لے جو بحیرۂ قلزم میں ہے۔

سلطان ایوبی کا حکم یہ تھا..... ''بحیرۂ قلزم میں تمہارا مقابلہ دشمن کے بحری بیڑے سے نہیں ہوگا، بلکہ تم خشکی پر گھات لگا کر اُن ڈاکوؤں کو پکڑو گے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ ڈاکو صلیبی فوجی ہیں جو باقاعدہ منصوبے اور اوپر والوں کے احکام کے تحت لوٹ مار کر رہے ہیں۔ یہ صحرا میں نہیں رہتے۔ سمندر کے کنارے رہتے ہیں۔ تم فوج کا ایک منتخب دستہ لے جاؤ اور سمندر میں گھومتے پھرتے رہو، جہاں تمہیں ڈاکوؤں کا شبہ ہو وہاں سپاہیوں کو کشتیوں سے اُتار کر خشکی پر بھیجو اور ڈاکوؤں کا خاتمہ کر دو۔ میرے اگلے حکم تک تم قلزم میں ہی رہو گے''۔

حسام الدین حکم ملتے ہی بحیرۂ قلزم میں چلا گیا۔ اُس دور میں بحیرۂ روم اور قلزم کو ملانے کے لیے نہر سویز نہیں تھی۔ بحیرۂ قلزم میں سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی جہاز اور کشتیاں رکھی ہوئی تھی۔ اگر آپ مشرق وسطیٰ کا نقشہ دیکھیں تو

آپ کو بحیرۂ قلزم اور اس کے اوپر خلیج سویز نظر آئے گی۔ اس سمندر کے مغربی کنارے پر مصر اور مشرقی کنارے پر سعودی عرب ہے۔ شمال میں صحرائے سینائی اور خلیج عقبہ ہے۔ بعض قافلے جو مصر سے حج کے لیے جاتے تھے، وہ اونٹوں اور گھوڑوں سمیت کشتیوں کے ذریعے خلیج سویز عبور کرتے تھے۔ اکثر قافلے خشکی پر ہی جاتے تھے اور بحیرۂ قلزم کے ساتھ ساتھ سفر کرتے تھے، کیونکہ سمندر کے قریب گرمی میں کمی رہتی تھی۔

حسام الدین نے وہاں جاتے ہی ساحل کے ساتھ ساتھ خشکی پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے اور چند ایک ڈاکوؤں کو پکڑ کر وہیں قتل کر دیا لیکن اُسے ان میں صلیبی افواج کا کوئی ایک بھی سپاہی نہ ملا۔

☆

حسام الدین کو ایک روز اطلاع ملی کہ مصر سے ایک بہت بڑا قافلہ حجاز کے لیے روانہ ہوگیا ہے۔ اُس وقت قافلے کو صحرائے عرب میں ہونا چاہیے تھا۔ حسام الدین نے تین چار سپاہیوں کو خانہ بدوشوں کے لباس میں گشت کے لیے بھیجا مگر انہیں کہیں قافلہ نظر نہ آیا۔ یہ ایک بدقسمت قافلہ تھا جو ساحل سے دُور دُور جا رہا تھا۔ ایک رات قافلے نے ایک جگہ قیام کیا۔ اس میں تاجر بھی تھے اور حجاج بھی۔ کئی ایک پورے پورے کنبوں کو ساتھ لیے جا رہے تھے۔ ان میں بچے بھی تھے، بوڑھے بھی اور چند ایک کمسن اور نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ اونٹوں اور گھوڑوں کی تعداد خاصی تھی اور افراد کم و بیش چھ سو تھے۔ یہ سب کھا پی کر سو گئے تھے۔

قافلہ سحر کی تاریکی میں جاگا۔ کسی نے اذان دی۔ سب نے تیمم کر کے باجماعت نماز پڑھی اور جب روانگی کی تیاری ہونے لگی تو کہیں سے بلند للکار سنائی دی...... ''سامان مت باندھو۔ سب ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔ کسی نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو وہ زندہ نہیں رہے گا''۔

قافلے میں کئی ایک گھبرائی ہوئی آوازیں سنائی دیں...... ''ڈاکو، ڈاکو''

صبح کی روشنی صاف ہوگئی۔ قافلے والوں نے دیکھا۔ اِن کے اِرد گرد صحرائی لباس میں ملبوس سینکڑوں آدمی کھڑے تھے۔ ان میں بعض گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور بعض کے پاس تلواریں تھیں۔ اُن کے سر اور چہرے صافوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ قافلے کی تعداد زیادہ تھی، اس لیے یہ عارضی قیام گاہ وسیع تھی۔ ڈاکوؤں نے گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ قافلے والے مسلمان تھے۔ خاموشی سے ہتھیار ڈال دینا اُن کا اصول نہیں تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ قافلوں پر حملے ہوا کرتے ہیں، اس لیے وہ مسلح تھے اور لڑنے کے لیے تیار تھے۔

''عورتوں اور بچوں کو درمیان میں ایک جگہ کرلو''۔ کسی نے آہستہ سے کہا اور یہ ہدایت کانوں کان بکھرے ہوئے قافلے تک پہنچ گئی۔

عورتیں اور بچے قیام گاہ کے وسط کو جانے لگے۔ ڈاکو آگے بڑھنے لگے۔ قافلے میں سے تلواریں نکل آئیں۔ کچھ برچھیاں بھی تھیں۔ ڈاکوؤں نے ہلّہ بول دیا۔ اس کے بعد گھوڑوں کے دوڑنے کا، للکار کا اور تلواریں ٹکرانے کا شور تھا جس میں عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دیتیں اور شور میں ڈوب جاتی تھیں۔ ڈاکوؤں میں سے زیادہ تر گھوڑوں پر سوار تھے، اس لیے پلّہ انہی کا بھاری تھا اور وہ تربیت یافتہ اور تجربہ کار فوجی تھے۔ قافلے والے بھی جم کر مقابلہ کر رہے تھے اور نعرے بھی لگا رہے تھے۔ ایک آواز بار بار سنائی دیتی تھی...... ''لڑکیوں کو درمیان میں رکھنا...... ''لڑکیوں کو آنچ نہ ہونے دینا''۔

ایک لڑکی کی بلند آواز سنائی دی...... ''ہمارا غم نہ کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں''۔

قافلے والوں کو اگر گھوڑوں پر سوار ہونے کا موقعہ مل جاتا تو وہ زیادہ بہتر طریقے سے لڑ سکتے ،مگر اُن کے گھوڑے ابھی زینوں کے بغیر بندھے ہوئے تھے۔ وہ صلیبیوں کے گھوڑوں تلے روندے جارہے تھے۔ اِن میں بے بعض گر بھی رہے تھے۔ زیادہ تر نقصان قافلے والوں کا ہو رہا تھا۔ اس وجہ یہ بھی تھی کہ وہ عورتوں اور بچوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ وہ گھوم پھر کر نہیں لڑ سکتے تھے۔ معرکہ پھیلتا بھی جارہا تھا۔ قافلے میں سات آٹھ جوان لڑکیاں تھیں۔ ان میں سکندریہ کی رہنے والی ایک رقاصہ بھی تھی جس کا نام رعدی تھا۔ وہ اپنے پیشے سے اسی عمر میں متنفر ہوگئی اور حج کے لیے جارہی تھی۔ اس کے ساتھ وہ آدمی تھا جس سے اُسے محبت ہوگئی تھی۔ وہ اسی کے سہارے اپنے آقاؤں سے بھاگ آئی تھی۔ انہوں نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ مکہ معظمہ جا کر شادی اور پھر حج کریں گے۔

رعدی رقاصہ تھی، اس لیے اس کا جسم پھرتیلا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اُس آدمی کے ساتھ رہی جس کے ساتھ وہ حج کو جارہی تھی۔ اس آدمی کے پاس تلوار نہیں تھی جو اُس زمانے میں لوگ لباس کا حصہ سمجھ کر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس کی بجائے اس کے پاس خنجر تھا۔ اُس نے رعدی کو اپنے ساتھ رکھا اور اس کا چہرہ اور سر اس طرح کپڑے میں لپیٹ دیا کہ پتہ نہ چلے کہ یہ لڑکی ہے۔ اس آدمی نے ایک ڈاکو کو جو گھوڑے پر سوار نہیں تھا، پیچھے سے پیٹھ پر خنجر مارا۔ خنجر اتنا گہرا اُترا کہ فوراً باہر نکل نہ سکا۔ ڈاکو نے گھوم کر اس آدمی کے پہلو میں برچھی کی طرح تلوار گھونپ دی، پھر دونوں گر پڑے۔

اس ڈاکو کی پیٹھ کے ساتھ تیروں سے بھری ہوئی ترکش بندھی ہوئی تھی اور اُس کے کندھے اور گردن میں کمان بھی لٹک رہی تھی۔ رعدی نے اس کی کمان اور ترکش اُتار لی۔ یہ تینوں قیام گاہ کے کنارے پر تھے۔ قریب ہی کچھ سامان پڑا تھا جس میں خیمے بھی تھے۔ رعدی سامان اور خیموں کے ڈھیر میں چھپ گئی۔ صلیبی ڈاکوؤں کے گھوڑے دوڑتے ہوئے اس کے سامنے سے گزرتے تھے۔ رعدی کی کمان سے تیر نکلتا اور گھوڑ سوار اوندھا ہو جاتا۔ اس طرح اُس نے کچھ سواروں کو گرا لیا اور اُس کے بعض تیر گھوڑوں کو لگے جو بے قابو ہو کر اور زیادہ تباہی مچانے لگے۔

رعدی کو کوئی بھی نہ دیکھ سکا مگر اُس نے ایک سوار پر تیر چلایا جو سوار کی بجائے گھوڑے کی گردن میں اُتر گیا۔ گھوڑا بے قابو ہو کر گھوما اور دُور کا چکر کاٹ کر سامان اور خیموں کے اُسی ڈھیر پر آ گیا جس میں رعدی چھپی ہوئی تھی۔ گھوڑا سامان کے ساتھ ٹکرایا اور ڈھیر پر گر پڑا۔ سوار دُور جا پڑا۔ ڈھیر سے ایک چیخ سنائی دی۔ گھوڑا رعدی کے اوپر گرا تھا لیکن وہ ابھی مرا نہیں تھا۔ اس کی گردن میں تیر اُترا ہوا تھا۔ وہ فوراً اُٹھا اور اندھا دُھند بھاگ گیا۔ سوار اُٹھا تو اسے لپٹے ہوئے خیموں میں ایک سر نظر آیا جو کسی عورت کا تھا۔ سوار نے خیمے ہٹا کر دیکھا۔ اُسے ایک بڑی ہی خوب صورت لڑکی نظر آئی۔ وہ اُٹھنے کے قابل نہیں تھی اور وہ بے ہوش بھی نہیں تھی۔ صلیبی نے اُسے اُٹھایا تو وہ کراہنے لگی۔

دو روز بعد حسام الدین ایک بحری جہاز میں اپنے کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ بری فوج کے دستے کا کمانڈر دروازہ کھول کر اندر آیا۔ اُس کے ساتھ ایک آدمی تھا جس کا چہرہ اُترا ہوا اور لاش کی طرح سفید تھا۔

''صلیبی ڈاکوؤں نے بہت بڑے قافلے کو لُوٹ لیا ہے''۔ دستے کے کمانڈر نے حسام الدین سے کہا... ''یہ آدمی اُن کی قید سے بھاگ آیا ہے۔ باقی اس سے سن لیں''۔

''اس آدمی نے تفصیل سے بتایا کہ قافلے پر کس طرح حملہ ہوا تھا.... ''ہم نے بہت مقابلہ کیا لیکن ہمارے گھوڑے زینوں کے بغیر ابھی بندھے ہوئے تھے، ورنہ ہم گھوڑ سواروں کو کامیاب نہ ہونے دیتے۔ قافلے کے تھوڑے سے آدمی زندہ ہیں جو ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تک انہیں قتل کیا جا چکا ہوگا۔ میں بھی انہی قیدیوں میں

تھا۔ہم تو مرد تھے،شرمناک صورت یہ پیدا ہوگئی ہے کہ پانچ جوان لڑکیاں اور دس کمسن لڑکیاں اُن کے قبضے میں ہیں۔ قافلے میں بڑا قیمتی سامان تھا۔نقدی ہر ایک پاس تھی۔نوے گھوڑے اور تقریباً ڈیڑھ سو اونٹ ہیں''۔

''وہ اب کہاں ہیں؟''

''وہاں ڈراؤنے ڈراؤنے سے سیدھے کھڑے ٹیلے ہیں''۔اُس نے جواب دیا...... ''ٹیلوں میں ڈاکوؤں نے کمروں جیسے غار بنا رکھے ہیں۔اُن کے پاس پانی کا ذخیرہ ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُن کا مستقل اڈہ ہے۔ویرانے میں ہوتے ہوئے یہ جگہ ویران نہیں لگتی''۔اس نے جو جگہ بتائی وہ سمندر سے بیس میل دُور تھی۔اُس نے کہا...... ''کچھ ڈاکو بھی ہماری تلواروں اور برچھیوں سے مرے ہیں لیکن زیادہ نقصان ہمارا ہوا ہے۔ہم جو زندہ رہ گئے ہیں،انہیں وہ اپنے ساتھ لے آئے۔شام تک وہ ہمارے تمام اونٹ،گھوڑے اور سارا سامان اُٹھا کر اپنے ٹیلوں والے اڈے پر لے آئے۔رات کو انہوں نے شراب پی اور ہمارا سامان کھول کھول کر دیکھنے لگے۔ان کا ایک سردار بھی ہے۔لڑکیاں اس کے حوالے کر دی گئی تھیں۔میں نے پھر لڑکیوں کو نہیں دیکھا۔وہ ہم سے سامان اُٹھوا کر ایک وسیع غار میں رکھوا رہے تھے۔بہت سی مشعلیں جل رہی تھیں۔میرے زیادہ تر ساتھی زخمی تھے۔میں نے انہیں بتایا کہ میں بھاگنے کی کوشش کرتا ہوں۔ان میں سے کسی نے بتایا کہ اگر خیریت سے نکل جاؤ تو سمندر تک پہنچنے کی کوشش کرنا،وہاں اپنی فوج کی گشتی کشتی مل جائے گی۔اس میں اپنے عسکری ہوں گے۔انہیں بتانا کہ ہم پر کیا مصیبت ٹوٹی ہے......

''مجھے یاد آ گیا کہ ہم مصر کی سرحد سے نکل رہے تھے تو وہاں اپنے عسکری ملے تھے۔انہوں نے ہمیں کہا تھا کہ راستے میں کوئی مشکل پیش آ جائے تو ساحل پر چلے جانا،وہاں سے تمہیں فوج کی مدد مل جائے گی...... ڈاکو شراب میں بدمست ہوئے جا رہے تھے۔ہم سامان اُٹھا اُٹھا کر غار میں رکھ رہے تھے۔مجھے اندھیرے میں بھاگنے کا موقعہ مل گیا۔ان ٹیلوں میں سے نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔دو بار میں گھوم پھر کر وہیں پہنچ گیا جہاں سے بھاگا تھا۔میں نے اللہ کو یاد کیا اور قرآن کی جو آیات یاد تھیں،وہ پڑھنے لگا اور آدھی رات کے بعد ٹیلوں کی گلیوں سے نکل آیا۔سمندر کی سمت کا خیال نہ رہا۔میں اندھا دُھند چلتا رہا اور صبح ہونے تک اتنی دُور آ گیا جہاں ڈاکو دیکھ نہیں سکتے تھے۔سارا دن اللہ کو یاد کرتا رہا۔پانی کا یہ چھوٹا مشکیزہ ساتھ تھا۔تھوڑی سی کھجوریں بھی تھیں۔انہوں نے مجھے زندہ رکھا......

''تھکن سے چلا نہ گیا تو دوپہر کے وقت ایک ریتلے ٹیلے کے دامن میں گر پڑا۔ٹیلے کے سائے میں نیند آ گئی۔ سورج غروب ہوا تو آنکھ کھلی۔ستارے روشن ہوئے تو سمت کا اندازہ ہوا،بہت دیر بعد ہوا میں سمندر کی بو محسوس ہونے لگی۔ میں ہوا کے مخالف چلتا چلا آیا اور شاید سحر کا وقت تھا جب میں ساحل پر آ گیا اور جسم نے جواب دے دیا۔میں گرا اور نہ جانے بے ہوش ہو گیا یا سو گیا۔کسی نے مجھے جگایا۔سورج بہت اوپر آ گیا تھا۔مجھے جگانے والا کوئی عسکری تھا۔ساحل کے ساتھ مجھے ایک کشتی نظر آئی۔اس میں بھی عسکری تھے۔وہ سب میرے پاس آئے۔میں نے انہیں یہی قصہ سنایا جو آپ کو سنا رہا ہوں۔انہوں نے مجھے کشتی میں بٹھا لیا،کھلایا پلایا اور مجھے یہاں لے آئے۔یہاں ان (کمانڈر) کے حوالے کر دیا۔یہ مجھے آپ کے پاس لے آئے''۔

''ہماری راہنمائی کے لیے تم ہمارے ساتھ چلو گے''۔حسام الدین نے کہا...... ''لیکن تمہاری حالت ایسی بُری ہے کہ فوراً ہمارے ساتھ نہیں چل سکو گے۔تھکن نے تمہیں لاش بنا دیا ہے''۔

''میں فوراً آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں''۔اس آدمی نے کہا...... ''میں آرام کس طرح کر سکتا ہوں،جب

مسلمان لڑکیاں ڈاکوؤں کے قبضے میں ہیں، اگر اس سفر میں مجھے تھکن سے مرنا ہے تو میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے قرآن کی آیات نے اُس جہنم سے نکالا ہے، مجھ پر قرآن کا فرض عائد ہوتا ہے کہ اِن معصوم بچیوں کو ظالموں کے چُنگل سے چھڑاؤں۔ میں اس فرض پر جان دینا چاہتا ہوں"۔

''ڈاکوؤں کی تعداد کتنی ہے؟''

''پانچ سو سے زیادہ ہوگی''۔ اس نے جواب دیا

''پانچ سو آدمی کافی ہوں گے؟'' حسام الدین نے بڑی دستے کے کمانڈر سے پوچھا...... ''مجھے ساتھ ہونا چاہیے''۔

''کافی ہوں گے''۔ کمانڈر نے جواب دیا...... ''ان میں کم از کم ایک سو سوار اور باقی پیادے ہوں گے۔ ہمیں چھاپہ مارنا ہے، اس لیے ہدف تک خاموشی برقرار رکھنی ہوگی۔ گھوڑے جتنے زیادہ ہوں گے، اتنا ہی شور کا خطرہ ہوگا۔ اس شخص سے اُس جگہ کی مزید تفصیل پوچھ لیتے ہیں اور ابھی روانہ ہو جائیں گے۔ یہ چونکہ بھٹکتا اور گرتا پڑتا آیا ہے، اس لیے اتنی دیر سے پہنچا ہے۔ میں نے سمت کا اندازہ کر لیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم شام کے چلے آدھی رات کے قریب ہدف پر پہنچ جائیں گے''۔

''چھوٹی منجنیقیں ساتھ لے لینا''۔ حسام الدین نے کہا...... ''ہانڈیاں (آتش گیر سیال والی) اور فلیتے والے تیر بھی ساتھ ہوں...... اور اسے شام تک مکمل آرام کرنے دو...... سب کو بتا دینا کہ مقابلہ ڈاکوؤں سے نہیں، صلیب کے تجربہ کار فوجیوں کے ساتھ ہے''۔

''بڑی فوج کا کمانڈر اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔

☆

صحرا کا وہ خطہ جہاں صلیبی ڈاکوؤں نے اپنا اڈا بنا رکھا تھا، قلعے سے کم نہ تھا۔ بلکہ اس لحاظ سے قلعے سے زیادہ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھا کہ وہاں ٹیلوں نے بھول بھلیوں جیسی گلیاں بنا رکھی تھیں جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مڑ جاتیں یا شاخوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں۔ اس خطے کے درمیان ایک وسیع میدان تھا۔ اِس کے اِرد گرد ٹیلوں میں صلیبیوں نے اونچے اور لمبے چوڑے کمرے کھود رکھے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے رہنے کی جگہ الگ تھی۔ حسام الدین کا بڑی فوج کا دستہ پوری خاموشی سے آدھی رات سے پہلے اس خطے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ صلیبیوں نے پکڑے جانے کا خطرہ غالباً کبھی بھی نہیں محسوس کیا تھا، ورنہ وہ اِدھر اُدھر پہرے کا انتظام کرتے۔

حسام الدین نے گھوڑوں کو پیچھے رکھا تاکہ ان کے ہنہنانے کی آواز دشمن تک نہ پہنچے۔ دستے کا کمانڈر چار سپاہیوں کو ساتھ لے کر ٹیلوں کی ایک گلی میں چلا گیا۔ گھومتا مڑتا بہت آگے گیا تو اُسے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ گھوڑوں کی ان رات کی آوازوں سے واقف تھا۔ ایک جگہ وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا۔ وہ شب خون کا ماہر تھا اور اُسے چھپے ہوئے ہدف پر پہنچنے کا تجربہ تھا۔ وہ ٹیلے کے اوپر گیا۔ اوپر چوڑائی تھی، وہاں سے اُترنا پڑا، پھر ایک اور بلندی پر چڑھا۔ اُسے آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو ہلڑ بازی کی طرح تھیں۔ وہاں سے بھی اُسے اُترنا پڑا۔ وہ ایک گلی میں جا رہا تھا کہ قریب ہی اُسے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور سب اپنے ہتھیار تان کر ٹیلے کے ساتھ ہو گئے۔ آگے موڑ تھا۔

دو آدمی باتیں کرتے موڑ مڑے۔ وہ شراب پیے ہوئے تھے جو اُن کے لہجے سے ظاہر تھا۔ سپاہیوں سے دو چار قدم آگے گئے تو پیچھے سے سپاہیوں نے تلواریں ان کے پہلوؤں سے لگا دیں۔ کمانڈر نے اُن کی زبان میں جو فلسطینی، عربی اور

عبرانی کی آمیزش تھی کہا کہ آواز نکالی تو مارے جاؤ گے۔ انہیں وہاں سے دُور لے گئے۔ انہوں نے جان کے خوف سے بتا دیا کہ اُن کے ساتھی کہاں ہیں اور اُن تک کون سا راستہ جاتا ہے۔ مسلمان کمانڈر، اُن میں سے ایک کو اپنے ساتھ بلندی پر لے گیا جہاں سے وہ میدان نظر آتا تھا، جہاں اس کے ساتھی جشن منا رہے تھے۔ کمانڈر نے اوپر سے دیکھا اور وہ حیران رہ گیا۔ اس بے رحم صحرا میں جو جہنم سے کم نہ تھا، ان صلیبیوں نے جنت کا منظر بنا رکھا تھا، جہاں مسافر پیاسے مر جاتے تھے، وہاں یہ لوگ شراب پی رہے تھے۔ ان میں سے کچھ اِدھر اُدھر بے سُدھ پڑے تھے۔ بعض ٹولیوں میں بیٹھے گا رہے تھے یا ہلڑ بازی میں مصروف تھے۔ ایک جگہ ایک لڑکی ناچ رہی تھی۔ مشعلیں اس طرح جل رہی تھیں کہ اُن کے ڈنڈے عموی ٹیلوں میں گاڑے ہوئے تھے۔

''بہت سے اندر ہیں''..... صلیبی قیدی نے کمانڈر کو بتایا..... ''وہ شراب سے بے ہوش پڑے ہوں گے۔ ایسا جشن صرف اُس وقت منایا جاتا ہے جب کوئی بہت بڑا قافلہ لوٹا جاتا ہے۔ تین چار راتیں جشن منایا جاتا ہے''۔

''تعداد کتنی ہے؟''

''چھ سو کے قریب ہوگی''..... اُس نے جواب دیا..... ''کمانڈر ایک نائٹ ہے۔ وہ اس وقت لڑکیوں کے درمیان بدمست پڑا ہوگا''۔

کمانڈر نے بلندی سے میدان کا جائزہ لیا۔ اُسے مشعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آرہا تھا۔ وہ اُس نے دیکھ لیا۔ جو نظر نہیں آتا تھا وہ اسے صلیبی قیدی نے بتا دیا۔ وہ ایسے راستے معلوم کر رہا تھا جن کی ناکہ بندی کی جا سکے۔ اس نے اپنے قیدی کو ساتھ لیا اور وہاں سے اُتر آیا۔ دوسرے قیدی اور اپنے ساتھیوں کو بھی ساتھ لے کر وہ حسام الدین کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ کس قسم کی کارروائی کرنی ہے۔

☆

میدان میں مشعلوں کی روشنی میں ہلڑ بازی کرنے والے صلیبیوں کی تعداد کم ہوگئی تھی۔ اب ان میں سے چند ایک ہی جاگ رہے تھے۔ حسام الدین نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ ڈاکوؤں کو زندہ باہر لانا۔ کمانڈر نے اس پر اعتراض کیا اور کہا..... ''میں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔ میں ان کی لاشیں یہیں گلنے سڑنے کے لیے اور صحرائی لومڑیوں کے لیے پڑی رہنے دوں گا۔ آپ انہیں زندہ قیدی بنا کر ان کے حکمران کے ساتھ کوئی سودا کرنا چاہتے ہیں''۔

''نہیں''..... حسام الدین نے کہا..... ''مجھے بھی انتقام لینا ہے۔ مجھے اپنے اُن مسلمان قیدیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جنہیں صلیب کے ایک جنگجو بادشاہ ارناط نے نکرہ لے جا کر قتل کیا تھا۔ جنگی قیدیوں کو قتل نہیں کیا جاتا مگر ارناط نے ہمارے تمام قیدیوں کو پہلے بھوکا رکھا۔ ان سے مشقت کرائی پھر انہیں قطار میں کھڑا کر کے قتل کیا تھا۔ اس واقعہ کو سات سال گزر گئے ہیں۔ میں اسے ساری عمر نہیں بھول سکتا۔ آج انتقام کا موقعہ ملا ہے۔ میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ یہ صلیبی ڈاکو ہمارے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ انہیں زندہ لاؤ لیکن میں انہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ میں انہیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح صلیبیوں نے ہمارے قیدی قتل کیے تھے''۔

حسام الدین کے سپاہی تین راستوں سے میدان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے جلتی ہوئی مشعلوں سے اپنی مشعلیں جلالیں، جو صلیبی جاگ رہے تھے، انہوں نے نشے کی حالت میں گالیاں دیں۔ وہ لڑنے کی حالت میں نہیں تھے۔ حملہ آور سپاہیوں نے انہیں زندہ پکڑنے کی بجائے تلواروں سے ختم کر دیا، جو سوئے ہوئے تھے وہ شور وغل سے جاگ

اُٹھے۔ پیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، وہ برچھیوں کی انیوں پر دھر لیے گئے۔ انہیں ہتھیار اُٹھانے کی مہلت نہ ملی۔ غار نما کمروں میں سے چند ایک برچھیاں اور تلواریں لے کر نکلے لیکن کچھ مارے گئے، باقی ہتھیار پھینک کر الگ کھڑے ہو گئے۔ اُن کا نائٹ اس حالت میں مدہوش پڑا تھا کہ اس کے جسم پر کوئی کپڑا نہ تھا۔ وہ گالیاں بکنے لگا۔ مسلمان سپاہیوں کو وہ اپنے سپاہی سمجھ رہا تھا۔ اس کے کمرے سے تین مسلمان لڑکیاں برآمد ہوئیں۔

دوسرے کمروں سے بھی چند ایک لڑکیاں نکلیں۔ یہ سب مسلمان تھیں۔ اُن کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ مسلمان سپاہیوں کو شاید ڈاکوؤں کا کوئی دوسرا گروہ سمجھ رہی تھیں، اسی لیے وہ دہشت سے دبکی ہوئی تھی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ مسلمان سپاہی ہیں تو لڑکیاں پاگلوں کی سی حرکتیں کرنے لگی۔ وہ روتی تھیں اور کبھی صلیبیوں کو دانت پیس پیس کر گالیاں دیتیں اور کبھی مسلمان سپاہیوں کو کوسنے لگتیں۔ انہوں نے انہیں بے غیرت اور بزدل کہا اور ان میں سے بعض بار بار کہتی تھیں..... ''اگر تم مسلمان ہو تو ان کافروں کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ کیا ہم تمہاری بہنیں اور بیٹیاں نہیں؟ کیا ہماری عصمتیں تمہاری بیٹیوں کی عصمتوں جیسی نہیں؟''

اُس وقت حسام الدین اور برّی دستے کا کمانڈر کمروں کی تلاشی لے رہے تھے۔ باہر اب کوئی لڑائی نہیں ہو رہی تھی۔ صلیبیوں کو ایک جگہ بٹھا دیا۔ ان کے گرد مسلح سپاہی کھڑے تھے، جن میں بہت سے سپاہیوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔

☆

صبح جب صلیبیوں کا نشہ اُترا تو وہ سمندر کے کنارے بیٹھے تھے۔ لڑکیوں کو حسام الدین نے اپنے بحری جہاز میں رکھا۔ قیدیوں کی تعداد کم وبیش پانچ سو تھی۔ باقی مارے گئے تھے۔ انہوں نے ٹیلوں کے اندر جو سامان اور رقم جمع کر رکھی تھی، وہ قیدیوں سے اُٹھوا کر ساحل پر لائی گئی۔ ان قیدیوں کے کمانڈر سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان سے یہ انکشاف ہوا کہ یہ ایک مشہور صلیبی بادشاہ ریناالڈ ڈی شائٹون کی فوج کا دستہ تھا۔ مسلمان قافلوں کو لوٹنے کے لیے اتنی نفری کا ایک دستہ یہاں موجود رہتا تھا۔ کچھ عرصے بعد دوسرا دستہ بھیج دیا جاتا تھا۔ سامان جو لوٹا جاتا، اس میں سے کچھ حصہ سپاہیوں کو ملتا اور باقی سب اپنے بادشاہ کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اونٹ اور گھوڑے بھی سرکاری ملکیت میں چلے جاتے تھے۔

لڑکیوں کے متعلق یہ احکام تھے کہ کمسن بچیاں جو غیر معمولی طور پر خوب صورت ہوتی تھیں، وہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹروں میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں انہیں ٹریننگ دے کر جوانی کی عمر میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ جوان لڑکیوں میں کوئی بہت ہی خوب صورت ہو تو اُسے بھی ہیڈ کوارٹروں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ باقی لڑکیوں کو یہ صلیبی سپاہی اور کمانڈر اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔

''اس قافلے کے ساتھ بھی بچیاں ہوں گی''..... حسام الدین نے پوچھا۔

''بارہ چودہ تھیں''..... صلیبی کمانڈر نے بتایا..... ''صرف ایک بھیجی گئی ہے''۔

''اور باقی؟''

''قتل ہو چکی ہیں''

''اور قافلے کے جن آدمیوں کو ساتھ لائے تھے؟''

''انہیں سامان اُٹھانے کے لیے لائے تھے، پھر انہیں قتل کر دیا تھا''

اُس نے جوان لڑکیوں کے متعلق بتایا کہ ان میں ایک رقاصہ تھی۔ بہت خوب صورت تھی۔ اس کا جسم، حُسن اور اُس کا رقص ہماری اس ضرورت کے مطابق تھا جس کے لیے ہم لڑکیاں حاصل کرتے ہیں۔ اس رقاصہ کو اُسی شام بھیج دیا گیا تھا۔ فوراً بھیجنے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ ایسی قیمتی اور دِل کش لڑکی کا سپاہیوں میں رکھنا خطرناک ہوتا ہے۔ کوئی بھی سپاہی اُسے آزادی کا جھانسہ دے کر بھگا لے جا سکتا ہے۔

''انہوں نے اس قافلے کو قتل کیا ہے جو حج کو جا رہا تھا'' ...... حسام الدین نے کمانڈر سے کہا...... ''قافلہ حجاز تک نہ پہنچ سکا۔ ان بدنصیبوں کی بجائے میں ان کے قاتلوں کو حجاز بھیجوں گا اور وہاں انہیں قتل کراؤں گا''۔

''حسام الدین تمام قیدیوں کو اُس جگہ لے گیا جہاں انہوں نے قافلے کو لوٹا اور قتلِ عام کیا تھا، وہاں لومڑیوں، بھیڑیوں اور گیدڑوں کی کھائی ہوئی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ حسام الدین نے قیدیوں سے قبریں کھدوائیں۔ اُس نے سب کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور سب کو دفن کر دیا۔ اس نے قاہرہ سے حکم لیے بغیر ان تمام قیدیوں کو ایک ہی بحری جہاز میں ٹھونسا اور جدہ کی طرف لے گیا، وہاں انہیں اُتارا اور اس پیغام کے ساتھ حجاز روانہ کر دیا کہ انہیں منیٰ کے میدان میں قتل کر دیا جائے۔ پیغام میں اس نے تفصّل سے لکھا کہ ان کا جرم کیا ہے۔

یورپی مورخوں نے صلیبی سپاہیوں اور اُن کے کمانڈر کے قتل کو بہت اچھالا اور غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ انہیں انہوں نے جنگی قیدی کہا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سی جنگ کے جنگی قیدی تھے۔ وہ کسی قلعے میں نہیں تھے۔ مسلمان مورخوں نے اصل واقعہ لکھا ہے۔ ان کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ امیر البحر حسام الدین لولو کا قافلہ تھا جس سے سلطان صلاح الدین ایوبی بالکل بے خبر تھا۔

☆

اس صلیبی ڈاکو دستے کے کمانڈر نے جس رقاصہ کے متعلق بتایا تھا کہ اُسے اُسی شام یہاں سے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ رعدی تھی۔ اُس کے کہنے کے مطابق اُسے اتنی جلدی اس لیے بھیج دیا گیا تھا کہ گھوڑے کے نیچے آ کر اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ کمانڈر نے اس ڈر سے اسے بھیج دیا کہ اس پر یہ الزام عائد نہ ہو سکے کہ اس رقاصہ کو اس کے تشدد نے اس حالت تک پہنچایا ہے۔ یہ کمانڈر جس وقت حسام الدین کو اپنا بیان دے رہا تھا، اُس وقت رقاصہ رعدی چار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ وہاں سے بہت دُور پہنچ چکی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی۔ راستے میں اس نے سپاہیوں سے کئی بار کہا تھا کہ وہ اُسے قاہرہ لے چلیں جہاں وہ انہیں بے شمار رقم دے گی مگر سپاہی نہ مانے۔ آخر ایک سپاہی نے اُسے کہا...... ''تم دیکھ رہی ہو کہ ہم تمہیں شہزادیوں کی طرح ساتھ لے جا رہے ہیں۔ تم اتنی زیادہ خوب صورت ہو اور تمہارے جسم میں ایسا جادو ہے کہ جسے اشارہ کرو، وہ تمہارے قدموں میں جان دے دے گا، لیکن ہم تمہارے جسم سے چار قدم دُور رہتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس امانت ہو اور یہ امانت ہمارے بادشاہ کی ہے جو صلیب کا بادشاہ ہے۔ اگر تمہارا کہا مان لیں یا تمہیں اپنی ملکیت سمجھ لیں تو ہمیں نہ بادشاہ بخشے گا، نہ صلیب''۔

''ہماری منزل کہاں ہے؟'' ...... رعدی نے پوچھا۔

''بہت دُور'' ...... اُسے جواب ملا...... ''سفر کٹھن ہے اور لمبا بھی۔ ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اُس علاقے میں سے بھی گزرنا پڑے گا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے''۔

''رعدی کو یہ چار صلیبی واقعی شہزادیوں کی طرح لے جا رہے تھے۔ ''تم کسی بڑے حاکم کی بیٹی معلوم ہوتی ہو یا

کسی دولت مند تاجر کی بیٹی۔ تم اپنے خاندان کے ساتھ حج کو جا رہی تھی؟''...... ایک صلیبی نے پوچھا۔

''تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ میں رقاصہ ہوں؟''...... رعدی نے جواب دیا...... ''میرا کوئی باپ نہیں، کوئی بھائی نہیں۔ میری ماں اسمٰعیلیہ میں مشہور رقاصہ اور مغنیہ ہے۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ میں اُس کے کس چاہنے والی کی بیٹی ہوں۔ ماں نے بچپن میں ہی مجھے رقص کی تربیت دینی شروع کر دی تھی۔ مجھے رقص اور گانا اچھا لگتا تھا۔ میں سولہ سترہ سال کی ہوئی تو ماں نے مجھے ایک بہت امیر آدمی کے گھر بھیجا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا۔ شراب پئے ہوئے تھا۔ بوڑھے نے مجھے کہا کہ وہ میری محبت میں دیوانہ ہوا جا رہا ہے۔ مجھے اس بوڑھے سے نفرت ہوگئی۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ میرا باپ نہیں ہے۔ اس بوڑھے کو دیکھ کر مجھے اپنے باپ کا خیال آ گیا تھا۔ اس بوڑھے نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر ایسی ذلیل حرکتیں کیں کہ مجھے پتہ چل گیا کہ یہ میرا باپ نہیں، نہ اس کے دل میں میری محبت ہے۔ یہ میرا گاہک ہے......

''میں وہاں سے اکیلی بھاگ گئی۔ ماں کو بتایا تو اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں نہ مانی۔ ماں نے مجھے مارا پیٹا۔ میں نے کہا کہ میں ناچوں گی، گاؤں گی لیکن کسی کے گھر نہیں جاؤں گی۔ ماں نے میری شرط مان لی۔ جن کے پاس دولت تھی، وہ ہمارے گھر آنے لگے۔ میں چونکہ کسی کے گھر نہیں جاتی تھی، اس لیے میری قیمت چڑھ گئی۔ تین سال گزر گئے اور اس دوران میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کوئی میرے حُسن اور میرے رقص کی بجائے میرے ساتھ محبت کرے جس میں عیاشی اور بدمعاشی کا دخل نہ ہو۔ آخر ایک آدمی مجھے مل گیا۔ وہ دو بار میرے ہاں آیا تھا۔ وہ مجھے اچھا لگتا تھا۔ مجھ سے سات آٹھ سال بڑا تھا۔ میری اور اس کی ملاقاتیں باہر ہونے لگیں۔ میں کبھی میں سیر کے بہانے چلی جاتی اور وہ وہاں موجود ہوتا......

''وہ تو شہزادہ تھا۔ شراب پیتا تھا۔ میں نے ایک شام اُسے کہا کہ شراب چھوڑ دو۔ اس نے قسم کھا کہ کہا کہ وہ آئندہ شراب نہیں پیئے گا۔ اس نے وعدہ پورا کر دکھایا۔ ایک روز اُس نے مجھے کہا کہ ناچنا چھوڑ دو۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ میں اس پیشے پر لعنت بھیجوں گی لیکن جب تک اس گھر میں ہوں، یہ ممکن نہیں۔ اُس نے کہا کہ میں عیاش باپ کا عیاش بیٹا ہوں۔ میرے باپ کے حرم میں تم سے چھوٹی عمر کی بھی لڑکیاں ہیں۔ میں اس گھر میں رہ کر نیک نہیں بن سکتا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں ناچنے والی ماں کی ناچنے والی بیٹی ہوں۔ تمہیں اپنے باپ کی عیاشی خراب کر رہی ہے اور مجھے اپنی ماں کا پیشہ خراب کر رہا ہے۔ آؤ، کہیں دُور چلے چلیں اور میاں بیوی کی طرح پاک زندگی بسر کریں۔ وہ مان گیا۔

''وہ مسلمان تھا، میرا کوئی مذہب نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میرا باپ مسلمان تھا، عیسائی یا یہودی تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے مسلمان سمجھو اور بتاؤ کہ مذہب کیا ہے۔ مجھے محبت دو، مجھے پاک زندگی دو۔ اُس نے بہت سوچا اور بولا کہ پاک ہونا ہے تو حجاز چلو۔ میں نے حجاز کی بہت باتیں سُنی تھیں۔ مجھے ایسے گانے بہت پسند آتے تھے جن میں حجاز اور حجاز کے قافلوں کا ذکر ہوتا۔ میں ایک گانا اکیلے میں بھی گنگنایا کرتی تھی ...... ''چلے قافلے حجاز کے''...... اُس نے حجاز کا نام لے کر میری آرزو کو شعلہ بنا دیا۔ میں نے اُسے کہا کہ میں تیار ہوں۔ ہمت کرو، میری آرزو پوری کر دو۔ اُس نے پوچھا۔ تم جانتی ہو کہ میں تمہیں حجاز کیوں لئے جا رہا ہوں؟ میں نے کہا کہ وہ بہت خوب صورت سرزمین ہے۔ اُس نے کہا کہ صرف خوب صورت نہیں، وہ پاک سرزمین ہے، وہاں خانہ کعبہ ہے، وہاں آبِ زم زم ہے اور وہاں جو جاتا ہے، اس کی روح پاک ہو جاتی ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ وہاں ہم حج کعبہ کریں گے اور پاک ہو کر شادی کریں گے پھر وہیں رہیں گے۔

''میں اُس وقت کو بھول نہیں سکتی جب وہ میرے ساتھ یہ باتیں بچوں کی طرح کر رہا تھا اور میں جیسے اُس کی

آنکھوں میں اُتر کر اُس کی روح میں سما گئی تھی۔ میری ذات فنا ہوگئی تھی، میرا وجود اُس کے وجود میں تحلیل ہوگیا تھا اور میں نے اُسے کہا تھا کہ کل چلنا ہے تو ابھی چلو۔ اُس نے کہا کہ قافلے جاتے رہتے ہیں۔ میں معلوم کرلوں گا...... پھر ایک شام اُس نے کہا کہ آج رات یہیں آجانا۔ قافلہ روانہ ہوگیا ہے۔ ہم اس سے جاملیں گے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں گھر چلی گئی تو رات کوئی آنے نہیں دے گا۔ ابھی لے چلو۔ اُس نے کہا آجاؤ۔ میں نے بگھی والے کو کچھ نہ بتایا۔ شام گہری ہوگئی تھی۔ چھپ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔ اُس نے مجھے ایک کھنڈر میں چھپا دیا اور چلا گیا۔ وہ کچھ دیر بعد دو گھوڑے لے کر آگیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ دوسرا گھوڑا خالی تھا۔ دونوں کے ساتھ پانی اور کھانے کا سامان بندھا تھا......

''ہم اگلی شام قافلے سے جاملے اور رات وہاں جا پہنچے جہاں تم نے میرے خواب میری محبت کے لہو میں غرق کر دیئے۔ وہ مارا گیا، میں پکڑی گئی، حجاز کا قافلہ لوٹا گیا اور خانہ کعبہ سے دُور ہی اللہ کے حضور چلا گیا...... خدا نے میرے گناہ بخشے نہیں۔ میرے ماتھے کی قسمت میں کعبہ کا سجدہ نہیں لکھا تھا۔ میرا وجود ناپاک تھا جو اللہ کو پسند نہیں تھا کہ اُس کے کعبے تک پہنچے''۔

''تم مذہب میں پناہ لینا چاہتی ہو تو ہمارے مذہب کو قریب سے دیکھنا''...... ایک سپاہی نے کہا

''تم نے میرا ایک پاک تصور ریزہ ریزہ کردیا ہے''...... رعدی نے کہا...... ''کیا تمہارے مذہب نے یہ حکم دیا ہے، جس کی تم نے تعمیل کی ہے؟ میں جو تصور لے کر نکلی تھی وہ ایسا بھیانک تو نہیں تھا؟''

''یہ ہمارا مذہب نہیں''...... سپاہی نے کہا...... ''یہ اُن انسانوں کا حکم تھا جن کے ہم ملازم ہیں''۔

''تم سے تو میں اچھی ہوں جس کے قدموں میں شہزادے زر و جواہرات کے ساتھ اپنا سر بھی رکھتے تھے''...... رعدی نے کہا...... ''مگر میں صحراؤں کی خاک چھاننے نکل آئی...... حکم وہ مانو جو اپنی روح سے نکلے۔ میں اُس کے مذہب کی مرید ہوں جس نے مجھے پاک محبت دی اور پاکیزہ تصور دیا۔ اس سے میں سمجھی کہ اُس کا مذہب بھی پاک ہوگا۔ وہ مجھے میرے تصوروں کی سرزمین حجاز کی طرف لے جا رہا تھا۔ تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟''

''ہم انسانوں کے حکم کے پابند ہیں''...... سپاہی نے کہا

''میں خدا کے حکم کی پابند ہوں''...... رعدی نے کہا

''خدا نے تمہیں دھتکار دیا ہے''...... ایک اور سپاہی بولا...... ''تم اس وقت ہماری پابند ہو۔ ہم جہاں تمہیں لے جا رہے ہیں وہاں سوچنا کہ خدا کو راضی کس طرح کیا جائے۔ کوئی نیکی کرنا، شاید خدا تمہیں بخش دے''۔

''میں جانتی ہوں، تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو اور کیوں لے جا رہے ہو''...... رعدی نے کہا...... ''میرا وجود سراپا گناہ ہوگیا اور میں کوئی نیکی نہیں کرسکوں گی''۔

''تم کوئی نیکی سوچ بھی نہیں سکتی''...... ایک سپاہی نے کہا...... ''تم گناہ کی پیداوار ہو۔ گناہوں میں تم نے پرورش پائی ہے۔ ایک گناہ گار کے ساتھ گھر سے بھاگ کر جا رہی تھی...... تم نیکی کیا کرو گی؟''

''ان بے گناہوں کے خون کا انتقام لوں گی جنہیں تم نے قتل کیا ہے''...... رعدی نے دانت پیس کر کہا

چاروں سپاہیوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا اور ایک نے کہا...... ''ہم پر تمہارا احترام فرض ہے۔ ہمیں حکم ہی ایسا ملا ہے، ورنہ تم ایسے الفاظ دوبارہ زبان سے نہ نکالتی''۔

رعدی انہیں دیکھتی رہی اور اُس کے دل میں نفرت گہری ہوتی گئی۔

☆

موصل میں ایک درویش کی شہرت آناً فاناً پھیل گئی۔ وہ ایک ضعیف العمر انسان تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ کسی خوش نصیب انسان کے ساتھ ہی بات کرتا ہے اور وہ جس کی بات کرتا ہے۔ اُس کی ہر مراد پوری ہو جاتی ہے۔ کسی نے اُسے شہر کی دیواروں کے باہر ایک جھونپڑہ دے دیا تھا۔ اس کی کرامات سارے شہر میں مشہور ہو گئیں۔ لوگ اُس کے جھونپڑے کے گرد ہجوم کیے رکھتے۔ وہ ذرا سی دیر کے لیے باہر آتا۔ بازو اوپر کر کے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتا۔ ہجوم پر خاموشی طاری ہو جاتی۔ وہ اشاروں میں انہیں تسلی دیتا اور جھونپڑے میں چلا جاتا۔ اس کے ساتھ چار پانچ خوبرو آدمی تھے جن کے چہرے سفید اور گلابی تھے اور وہ سر سے پاؤں تک سبز لبادوں میں ملبوس تھے۔

پھر یہ مشہور ہو گیا کہ درویش موصل والوں کے لیے خوش خبری لایا ہے۔ شہر میں اجنبی سے کچھ لوگ نظر آتے تھے۔ وہ لوگوں کو درویش کے متعلق کچھ ایسی باتیں سناتے تھے جو ہر کسی کے دِل میں اُتر جاتی تھیں۔ ہر کسی کو اپنی اپنی مراد پوری ہوتی نظر آتی تھی۔ چند دنوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ درویش امام مہدی ہے۔ بعض اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہنے لگے، پھر ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ درویش والیٔ موصل عزالدین کی بگھی پر محل کو جا رہا تھا۔ عزالدین کے محافظوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ محل میں چلا گیا۔ کئی گھنٹوں بعد وہاں سے نکلا اور شاہی بگھی پر چلا گیا۔ لوگ جب اس کے جھونپڑے کو گئے تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ درویش کو بگھی کہیں دُور لے گئی تھی۔ شام کو بگھی واپس آئی۔ اس میں بگھی بان اور دو محافظ تھے۔ لوگوں نے بگھی روک لی اور محافظوں سے پوچھا کہ درویش کہاں چلا گیا ہے۔

''ہمیں کچھ علم نہیں، وہ کہاں ہے؟''...... ایک محافظ نے لوگوں کو بتایا...... ''اُس نے پہاڑیوں کے قریب بگھی رکوائی اور ہمیں کہا کہ تم چلے جاؤ۔ ہم نے اُس کے ساتھ ایک آدمی سے پوچھا کہ درویش کہاں جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ان پہاڑیوں میں سے کسی کی چوٹی پر بیٹھے گا۔ اُسے اُفق سے ایک نشانی نظر آئے گی۔ درویش پہاڑی کی چوٹی سے اُتر آئے گا اور والیٔ موصل کو بتائے گا کہ وہ کیا کرے، پھر موصل کی فوج جدھر جائے گی، اُدھر پہاڑ اُسے راستہ دے دیں گے، صحرا سرسبز ہو جائیں گے۔ دشمن کی فوجیں اندھی ہو جائیں گی اور والیٔ موصل جہاں تک پہنچ سکے گا وہاں تک اس کی حکمرانی ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی عزالدین کے آگے ہتھیار ڈال دے گا۔ صلیبی اُس کے غلام ہو جائیں گے اور موصل کے لوگ آدھی دُنیا کے بادشاہ ہوں گے۔ سونے چاندی میں کھیلیں گے...... ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے گا''۔

موصل کے کچھ دُور کوہستانی علاقہ تھا، وہاں کوئی آبادی نہیں تھی، جہاں کہیں پہاڑوں میں گھرا ہوا میدان تھا، وہاں دو چار جھونپڑے نظر آتے تھے۔ علاقہ ہرا بھرا تھا۔ گڈریے مویشی لے کے وہاں جاتے تھے۔ ایک روز گڈریوں کو اُدھر جانے سے روک دیا گیا۔ لوگوں کو دُور سے گزرنے کی اجازت تھی۔ موصل کی فوج کے سنتری گشت کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ باہر کے اجنبی لوگ بھی تھے۔ کوہستان کا ایک وسیع علاقہ تھا جس کے قریب جانے سے لوگوں کو منع کر دیا گیا۔ ان پابندیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ خطہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ اس کے متعلق عجیب و غریب باتیں سننے میں آنے لگیں۔ یہ تو ایک دِن میں ہر کسی کی زبان پر چڑھ گیا کہ درویش کو آسمان سے ایک نشانی نظر آئے گی پھر آدھی دُنیا پر موصل والوں کی بادشاہی ہوگی۔

☆

صرف ایک چار دیواری تھی جس کے اندر چار آدمی بیٹھے کچھ اور قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ایک حسن الادریس بھی تھا۔ پچھلی قسط میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حسن الادریس سلطان ایوبی کا جاسوس تھا جو بیروت سے نہایت قیمتی خبر لایا تھا اور اس خبر کے ساتھ والیٔ موصل عزالدین کے ایلچی احتشام الدین اور اس کی رقاصہ بیٹی سائرہ کو بھی

سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا۔ یہ ایک بے مثال کامیابی تھی۔ اسلام کی تاریخ پر اس جاسوس نے بہت بڑا احسان کیا تھا۔
احتشام الدین نے سلطان ایوبی کو بتایا تھا کہ صلیبی موصل کے قریب پہاڑیوں کی کھوہ میں اسلحہ اور آتش گیر سیال اور رسد کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کریں گے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کوہستان کو اپنی فوج کا اڈہ بنائیں گے۔ موصل کو تو وہ اپنے چھاپہ ماروں کا اڈہ بنا رہے تھے۔ اس حقیقت کو سلطان ایوبی اور سالار سمجھ سکتے تھے کہ جس فوج کا اڈہ اور رسد قریب ہو، وہ آدھی جنگ جیت لیتی ہے۔ صلیبی فوج کو یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ انہوں نے جب کبھی پیش قدمی کی یا حملہ کیا، سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے عقب میں جا کر اُن کی رسد تباہ کر دی یا رسد اور فوج کے درمیان حائل ہو کر رسد روک لی۔ آگے سلطان ایوبی نے یہ انتظام کر رکھا ہوتا تھا کہ پانی جہاں کہیں ہوتا تھا، وہاں قبضہ کر لیتا تھا۔ جہاں کہیں گھاس اور چارہ ہوتا وہاں بھی وہ قبضہ کر لیتا یا گھاس وغیرہ کٹوا لیتا یا تباہ کر دیتا تاکہ صلیبیوں کے گھوڑوں اور اونٹوں کو چارہ نہ مل سکے، اس کے علاوہ وہ بلندیوں پر اپنے تیراندازوں کی ٹولیاں بٹھا دیتا تھا۔
آپ پڑھ چکے ہیں کہ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا تھا کہ وہ معلوم کرے کہ صلیبی کس مقام پر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ اس نے چھاپہ مار دستوں کے سالار صارم مصری سے کہا تھا کہ جب ذخیرے کا مقام معلوم ہو جائے تو اسے تباہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ سلطان ایوبی کی دُوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ صلیبی اب مکمل تیاری کر کے کھلی جنگ لڑیں گے۔ اس سے پہلے وہ صلیبی علاقوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔
اُسے جب احتشام الدین کی زبانی صلیبیوں کے عزائم کی اطلاع ملی تو اس نے یہ منصوبہ بنایا کہ صلیبیوں کو کہیں بھی قدم نہ جمانے دیئے جائیں۔ اس نے ایک حکم یہ دیا کہ معلوم کرو کہ صلیبی کوہستان میں کہاں ذخیرہ جمع کر رہے ہیں اور دوسرا حکم یہ دیا کہ سنجار کی طرف پیش قدمی کرو اور قلعے کو محاصرے میں لے لو۔ سنجار موصل سے کچھ دُور ایک اہم قلعہ اور جنگی اہمیت کا ایک قصبہ تھا۔ اس کا امیر شرف الدین بن قطب الدین تھا۔ سنجار کو اپنے قبضے میں لینے کا اقدام سلطان ایوبی کے اُس منصوبے کی کڑی تھی جس کے متعلق اس نے کہا تھا کہ وہ اب کسی سے تعاون کی بھیک نہیں مانگے گا بلکہ تلوار کی نوک پر تعاون حاصل کرے گا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے مسلمان اُمراء خود مختار حکمران رہنا چاہتے ہیں، اس لیے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر رہے ہیں۔ سنجار کے امیر شرف الدین کے متعلق سلطان ایوبی کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ والیٔ موصل عزالدین کا دوست ہے اور اس دوستی کی بنیاد یہی ہے کہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ مضبوط کیا جائے۔
حسن بن عبداللہ نے اپنے جاسوسوں کا جائزہ لیا۔ موصل میں اُس کے جاسوس موجود تھے لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ کسی زیادہ ذہین اور جرأت مند جاسوس کو اُن کے پاس بھیجا جائے کیونکہ اسے خیال تھا کہ صلیبیوں کا ذخیرہ معلوم کرنا مشکل کام ہو سکتا ہے۔ حسن الادریس نے اپنی خدمات پیش کیں۔ حسن بن عبداللہ اسے نہیں بھیجنا چاہتا تھا کیونکہ وہ لمبے عرصے تک بیروت رہا تھا، اس لیے اسے پہچانا جا سکتا تھا۔ حسن الادریس بھیس اور اپنا لب و لہجہ بدلنے کا ماہر تھا۔ اس نے حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ اگر بیروت چلا جائے تو ایسا بہروپ دھارے گا کہ جو اسے پہچانتے ہیں، وہ بھی نہیں پہچان سکیں گے۔ موصل میں تو اُسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ آخر اسی کو روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور سلطان ایوبی نے خود اسے کچھ ہدایات دیں۔
''میرے عزیز دوست!''...... سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ سینے پر رکھ کر حسن الادریس سے کہا۔ ''تاریخ میں نام سلطان ایوبی کا آئے گا۔ شکست کھاؤں گا تو تاریخ مجھے شرمسار کرے گی اور فتح حاصل کر کے مروں گا لوگ میری قبر پر پھول چڑھائیں گے اور آنے والی نسلیں مجھے خراج تحسین پیش کریں گی۔ یہ بہت بڑی بے انصافی ہوگی۔ فتح کا سہرا تمہارے سر

ہوگا، تمہارے ان ساتھیوں کے سر ہوگا جو دشمن کے اندر جا کر خبر لاتے اور میری فتح کا باعث بنتے ہیں۔ خدا اس حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ تمہارے سر پر سہرا خدا اپنے ہاتھوں باندھے گا۔ میں شکست کھاؤں گا تو یہ میری اپنی غلطی ہوگی کہ میں نے تمہاری اطلاع کے مطابق عمل نہ کیا اور میں فتح حاصل کروں گا تو یہ تمہاری فتح ہوگی کیونکہ میری آنکھیں اور میرے کان تم ہو۔ میری روح تمہاری قبر پر پھول چڑھاتی رہے گی۔ عظیم تم ہو اور تمہارے جاسوس ساتھی۔ میری کوئی عظمت نہیں۔ میں پوری فوج لے کر سنجار جا رہا ہوں۔ تم اکیلے جا رہے ہو۔ میں جو فتح پوری فوج کے ساتھ حاصل کروں گا، وہ تم اکیلے کرلو گے۔ جاؤ میرے دوست! خدا حافظ''۔

جب حسن الادریس ایک غریب مسافر کے بھیس میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر نصیبہ کی خیمہ گاہ سے نکلا، اُس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ دُور نکل گیا تو اسے بے شمار گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دینے لگے۔ وہ رُک گیا۔ اُسے معلوم تھا یہ گھوڑے کس کے ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی سنجار کو محاصرے میں لینے جا رہا تھا۔ اُس نے نصیبہ سے اپنا کیمپ اکھاڑا نہیں تھا۔ اپنا ہیڈ کوارٹر اور کچھ عملہ وہیں رہنے دیا اور اپنے محفوظہ (ریزرو ٹروپس) کو بھی تیاری کی حالت میں نصیبہ چھوڑ گیا تھا۔

☆

''تم یہاں یہ معلوم کرنے آئے ہو کہ صلیبی پہاڑوں میں اپنا ذخیرہ کہاں رکھیں گے''..... موصل کے جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا..... ''اور ہم یہاں یہ معلوم کرنے کی سوچ رہے ہیں کہ یہ درویش کون ہے جو انہی پہاڑوں میں کہیں جا بیٹھا ہے۔ کوئی اُسے امام مہدی کہتا ہے اور کوئی عیسیٰ''..... اُس نے حسن الادریس کو پوری تفصیل سے بتایا کہ اس درویش کو شہر میں اور اِردگرد کے علاقے میں کیسی شہرت حاصل ہوئی ہے..... ''اُن پہاڑیوں کے قریب سے گزرنے کی بھی اجازت نہیں۔ کچھ تو اپنی فوج کے سنتری ہیں اور کچھ اجنبی سے آدمی ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔ درویش کسی پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھا ہے۔ اُسے خدا آسمان سے کوئی اشارہ دے گا۔ رات کو لوگ اپنی چھتوں پر کھڑے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی ستارہ ٹوٹتا ہے تو وہ چلّا اُٹھتے ہیں، وہ رہا اشارہ۔ لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھولتے جا رہے ہیں''۔

یہ چاروں جاسوس تھے۔ انہیں خصوصی ٹریننگ دی گئی تھی جس میں یہ تعلیم بھی شامل تھی کہ توہم پرستی حرام ہے اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو کچھ ہے وہ انسان خود ہے۔ جہاں موصل کے ہر باشندے کے دماغ پر یہ درویش غالب آگیا تھا، وہاں یہ چار جاسوس درویش کی حقیقت معلوم کرنے کی فکر میں تھے۔

''میرے دوستو! میری بات ہنسی میں نہ ٹال دو تو کہوں''۔ حسن الادریس نے کہا۔ ''جہاں درویش ہے وہاں صلیبیوں کا ذخیرہ ہے اور یہ کوئی معمولی ذخیرہ ہوتا تو اس علاقے کے لوگوں کے لیے ممنوع قرار دے کر درویش کا ڈھونگ نہ رچایا جاتا۔ تم جانتے ہو کہ اتنے وسیع علاقے کے اِردگرد پوری فوج کا پہرہ کھڑا کر دو تو بھی کوئی نہ کوئی اندر چلا ہی جاتا ہے، لیکن صرف یہ کہہ دینا کہ یہاں خدا کا بھیجا ہوا ایک درویش بیٹھا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ اس علاقے میں کوئی آئے تو کوئی اُدھر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کرتا''۔

''یہ اعلان میں کہا گیا ہے کہ جس نے اس علاقے میں جانے کی اور درویش کو دیکھنے کی کوشش کی تو وہ کوڑھی ہو جائے گا اور اس کے بچے اندھے ہو جائیں گے''..... حسن الادریس کے ایک اور ساتھی نے کہا..... ''تم نے یہ بتا کر کہ صلیبی وہاں کچھ رکھیں گے، ہمارا آدھا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ درویش صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ ہے یا یہ معلوم کرنا ہے کہ انہوں نے وہاں کیا ذخیرہ کیا ہے؟

''درویش کو ذخیرے کے ساتھ تباہ کرنا ہے''۔ حسن الادریس نے کہا۔

''اور لوگوں کو اس وہم سے بچانا ہے جو ان پر طاری کر دیا گیا ہے''۔ جاسوسوں کے کمانڈر نے کہا..... ''صلیبیوں کی عقل کی تعریف کرو۔ وہ اس جگہ ایک درویش کو بٹھا کر اپنے ذخیرے کو لوگوں کی نظروں سے دُور رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ موصل کی فوج اور لوگوں کو اور والیٔ موصل کو بھی خدا کے اشارے کا جھانسہ دے کر جنگی تیاریوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ فوج بھی اور لوگ بھی خدا کے اُس اشارے کے انتظار میں بیٹھ گئے ہیں جو درویش کو ملے گا''۔

''والیٔ موصل کا درویش کے متعلق کیا رویہ ہے؟'' حسن الادریس نے پوچھا۔

''درویش اُس کے محل میں اُس کی چھ گھوڑوں کی بگھی پر گیا تھا''..... کمانڈر نے جواب دیا..... ''اور درویش اسی بگھی میں پہاڑیوں میں گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عزالدین بھی اس سازش میں شامل ہے یا وہ اس سازش کا شکار ہے جو کچھ بھی ہے، ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ رضیع خاتون محل میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ محل میں درویش کی حیثیت کیا ہے''۔

انہوں نے اس علاقے اور درویش کی حیثیت معلوم کرنے پر غور کرنا شروع کر دیا۔

☆

سنجار کے قلعے کی دیواروں پر سنتری نیم بیدار تھے۔ وہ زمانہ جنگ و جدل کا تھا مگر سنجار کے امیر شرف الدین بن قطب الدین کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ صلیبیوں کا حاشیہ بردار تھا۔ اس لیے اُن سے اُسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ والیٔ حلب عماد الدین اور والیٔ موصل عزالدین نے اُسے کہا تھا کہ اُسے جب بھی ضرورت پڑی وہ دونوں اس کی مدد کو پہنچیں گے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو اس کی نیت کا علم نہیں۔ وہ شراب اور عورت میں بدمست ہو کر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ صلیبیوں نے اُسے دو بڑی حسین لڑکیاں تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ یہ لڑکیاں اُسے بیداری کے خوابوں میں مگن رکھتی تھیں۔

قلعے کی دیوار کے اوپر سے ایک شرارہ سا گزر گیا۔ اس کے فوراً بعد ایک اور پھر ایک اور..... سنتری پر دہشت طاری ہو گئی۔ یہ شرارے قلعے کے اندر گرے اور بھیانک شعلے بن گئے۔ قریب ہی کوئی سامان پڑا تھا اور اُس کے قریب ایک مکان تھا۔ دونوں کو آگ لگ گئی۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی فوج نے منجنیقوں سے پھینکی تھیں۔ ان کے ساتھ جلتے ہوئے فلیتے بندھے ہوئے تھے۔ ہانڈیاں مٹی کی تھیں جو گر کر ٹوٹیں تو اندر کا سیال پھیل گیا اور جلتے ہوئے فلیتوں نے اُسے آگ لگا دی۔

قلعے میں قیامت بپا ہو گئی۔ قلعے کے اوپر رات روشن ہو گئی۔ ہر کوئی جاگ اُٹھا۔ امیر شرف الدین کو جگایا گیا۔ اُس نے کھڑکی میں سے شعلے دیکھے تو واہی تباہی بکتا باہر آیا۔ کسی وقت شرف الدین مردِ میدان ہوا کرتا تھا مگر صلیبیوں نے اُسے شراب اور لڑکیوں سے اس حال تک پہنچا دیا تھا کہ اُس رات اس کے قدم نہیں اُٹھتے تھے۔ راتوں کو ریگزاروں اور سنگلاخ وادیوں میں بلا تھکے لڑنے والا جنگجو چلنے کے قابل نہیں رہا تھا..... پھر قلعے کا رات کی ڈیوٹی والا کمان دار اوپر سے دوڑا آیا اور شرف الدین کو بتایا کہ قلعہ محاصرے میں ہے۔

''کس بدبخت نے محاصرہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے''۔ کمان دار نے جواب دیا۔ ''وہ باہر سے للکار رہے ہیں کہ قلعے کے دروازے کھول دو، ورنہ ہم قلعے کو جلا کر بھسم کر دیں گے''۔

شرف الدین کا نشہ اُتر گیا..... وہ سوچ میں پڑ گیا۔ بہت دیر بعد بولا..... ''دروازہ کھول دو، ہم خود باہر جائیں گے''۔

کچھ دیر بعد قلعے کا دروازہ کھلا اور شرف الدین باہر نکلا۔ اس کے ساتھ مشعل بردار تھے۔ اُدھر سے سلطان ایوبی نے اپنے ایک سالار سے کہا کہ وہ آگے جا کر شرف الدین کو اس کے پاس لے آئے۔ وہ خود ہی آ رہا تھا۔ اُس کے استقبال کے لیے سلطان ایوبی ایک قدم آگے نہ بڑھا۔ شرف الدین سلطان ایوبی کے سامنے جا کر گھوڑے سے اُترا اور بازو پھیلا کر اس کی طرف دوڑا لیکن سلطان ایوبی نے ایسا سرد رویہ اختیار کیا کہ بددلی سے اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

''شرف الدین!'' سلطان ایوبی نے کہا..... ''اپنی فوج اور جنگی سامان کے سوا قلعے میں سے جو کچھ لے جانا چاہتے ہو، صبح طلوع ہونے سے پہلے نکال کر لے جاؤ، پھر ادھر کا رُخ نہ کرنا''۔ اُس نے اپنے ایک سالار سے کہا..... ''کچھ نفری اپنے ساتھ لے جاؤ اور نظر رکھو کہ قلعے سے فوج اور جنگی سامان باہر نہ جائے۔ فوج کی گنتی کر واور اسے اپنی فوج میں شامل کر لو''۔

''میں آپ کا غلام ہوں سلطان!'' شرف الدین نے کہا۔ قلعہ اور فوج آپ کی ہوگی۔ مجھے قلعے میں رہنے دیں''۔

''قلعے کی ضرورت تھی تو مقابلہ کرتے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''تم جیسے بزدلوں اور ایمان فروشوں کو حق حاصل نہیں کہ اتنے بڑے قلعے کے امیر کہلائیں''۔

''میں اور آپ کا مقابلہ کرتا؟'' شرف الدین نے کہا۔ ''میں نے سنا کہ آپ آئے ہیں تو میں باہر آ گیا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف کیسے لڑ سکتا ہے؟''

''جیسے پہلے لڑ چکا ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''شرف الدین! تم صلیبیوں کے دوست ہو اور نام کے مسلمان۔ ذرا اپنی حالت دیکھو، تم سپاہی سے کیا بن گئے ہو۔ ایمان بیچ کر عیاشی خریدنے والوں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ شراب اور عورت نے تم میں جرأت نہیں رہنے دی۔ تم جھوٹ بھی بولتے ہو۔ اگر تم میں ذرا سی بھی غیرت ہوتی تو اپنا قلعہ یوں لڑے بغیر اور مرے بغیر میرے حوالے نہ کرتے''۔

سلطانِ عالی مقام!'' شرف الدین نے التجا کی۔ ''مجھے قلعے میں رہنے دیجئے''۔

سلطان نے اپنے ایک سالار سے کہا۔ ''اسے قلعے میں لے جاؤ اور قید میں ڈال دو۔ اس کی خواہش پوری کر دو''۔

تین چار آدمی آگے بڑھے تو شرف الدین نے سلطان ایوبی کے قریب ہو کر کہا..... ''میں موصل جانا چاہتا ہوں''۔

''ہاں۔ عزالدین تمہارا دوست ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''اس کے پاس چلے جاؤ''۔

سنجار پر سلطان ایوبی نے قبضہ کر لیا اور تقی الدین کو اس کا قلعہ دار اور امیر مقرر کیا۔

اس سے آگے آمد ایک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے رات باقی حصہ سنجار قلعے میں گزارا اور صبح آمد کی طرف کوچ کر گیا۔ آمد جسے آج کل امیدہ کہا جاتا ہے، دجلہ کے کنارے ایک مشہور قصبہ تھا اور اس کا بھی امیر مسلمان تھا۔ یہ قصبہ ایک قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے محاصرے میں لے لیا، وہاں کی فوج اور شہریوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر آٹھویں روز امیر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی نے وہاں کا جو امیر اور قلعہ دار مقرر کیا، اس کا نام نورالدین تھا جو کرا ارسلان کا بیٹا تھا۔

☆

رعدی چار صلیبیوں کے ساتھ ابھی سفر میں تھی۔ اس کی جسمانی حالت ٹھیک ہو گئی تھی۔ صلیبیوں نے اُس کے آرام کا بہت خیال رکھا تھا لیکن اُس رات کے بعد جب اُس نے انہیں اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی، اُن کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ اُس کے ذہن میں صلیبی کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔ ''تمہیں خدا نے دھتکار دیا ہے۔ کوئی نیکی کرو، خدا تمہیں بخش دے گا''..... اُس کی جسمانی حالت تو ٹھیک تھی لیکن جذباتی حالت بہت بُری تھی۔ وہ جس کے ساتھ حج کو جا رہی تھی، اُس کی یاد اُسے تڑپاتی رہتی

تھی۔ اُس کے ساتھ ہی اس کے تصوروں میں حجاز کے قافلے سوئے منزل چلتے رہتے تھے۔ وہ جب بہت پریشان ہو جاتی تو یہ سوچنے لگتی کہ خدا اُسے اُس کے گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ گناہوں سے بخشش کس طرح مانگی جاتی ہے۔

رعدی اپنے چار محافظوں کے ساتھ منزل کے قریب آ گئی تھی۔ یہ اب موصل کے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ ایک روز انہوں نے ایک شتر سوار دیکھا جس نے انہیں دیکھ کر اونٹ روک لیا تھا۔ اُس نے سر اور چہرہ سیاہ پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ اُس کی نظریں رعدی پر جمی ہوئی تھیں۔ صلیبی سپاہی اپنی فوجی وردی میں نہیں تھے، اس لیے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ صلیبی سپاہی ہیں۔ انہیں ڈاکو یا مسافر کہا جا سکتا تھا۔

''اس شتر سوار کی آنکھیں دیکھی تھیں؟'' ایک صلیبی نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

''بہت غور سے دیکھی تھیں''۔ دوسرے سپاہی نے جواب دیا۔ ''میں ان نظروں کو پہچانتا ہوں۔ اب ہمیں زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔ یہ لڑکی اتنی خوب صورت ہے کہ کسی ڈاکو کی نظر میں آ گئی تو مشکل پیدا ہو جائے گی۔ آگے علاقہ پہاڑی ہے''۔

وہ دن بھر چلتے رہے۔ شام کے بعد دو چٹانوں کے درمیان موزوں جگہ دیکھ کر انہوں نے گھوڑے روک لیے اور کھانے پینے کا اہتمام کرنے لگے۔ کھانے کے بعد وہ بے سدھ ہو گئے۔ صرف ایک سپاہی ہر رات کی طرح جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے کوئی آہٹ سنائی دی۔ یہ کسی گیدڑ وغیرہ کے چلنے سے ڈھلان سے پتھر لڑھکا ہو گا لیکن سپاہی چوکنا ہو گیا۔ اُس نے کان کھڑے کر لیے، آہٹ سنائی دی۔ اُس نے اپنے ایک ساتھی کو جگایا اور اُسے کان میں بتایا کہ اُسے کسی کی آہٹ سنائی دے رہی ہے۔ وہ بھی اُٹھا۔ دونوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے اور ایک ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف کھڑا ہو گیا۔

رات تاریک تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اب کوئی آہٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔ رات کے سکوت میں کے بعد دیگرے دو مرتبہ ''پنگ پنگ'' کی آواز سنائی دی۔ پیشتر اس کے کہ دونوں سپاہی ان آوازوں کی سمت معلوم کر سکتے، ایک ایک تیر دونوں کی پسلیوں میں اُتر گیا۔ اُن کے ساتھی دِن بھر کے تھکے ہوئے گہری نیند سو رہے تھے۔ ان دونوں نے تیر کھا کر انہیں آوازیں دیں تو وہ ہڑبڑا کر اُٹھے، بھاگتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں تو ایک مشعل بھی جل اُٹھی جو اِن دونوں سپاہیوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فوراً بعد وہ سات آٹھ آدمیوں کے محاصرے میں آ گئے۔ ان میں ایک نے چہرہ اور سر پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا۔ یہ وہی معلوم ہوتا تھا جو دِن کے وقت اونٹ پر سوار تھا اور اُس نے رُک کر رعدی کو گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

دونوں سپاہی تھے۔ انہوں نے تلواروں سے مقابلہ کیا لیکن سات آٹھ برچھیوں نے اُن کے جسم چھلنی کر دیئے اور رعدی حملہ آوروں کے قبضے میں آ گئی۔ وہ الگ کھڑی تھی۔ اُس کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ مشعل کے ناچتے ہوئے شعلے میں اُس کا حُسن ایسا پُر اسرار لگ رہا تھا جیسے وہ اس دُنیا کی مخلوق نہ ہو۔

رعدی کو گھوڑے پر سوار کر لیا گیا۔ سیاہ پگڑی والا بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو چلنے لگے۔ اس آدمی نے رعدی سے پوچھا...... ''اپنے متعلق کچھ بتاؤ گی؟''...... رعدی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔

☆

رعدی کو جہاں لے جایا گیا، وہ کوئی محل یا مکان نہیں بلکہ ایک چوکور خیمہ تھا۔ اس کا آدھا حصہ زمین کے اوپر اور باقی نصف زمین میں تھا۔ قناتیں اور اُوپر شامیانہ پھول دار ریشمی کپڑے کا تھا۔ اندر قالین بچھا ہوا اور چوڑا پلنگ تھا۔ فانوس روشن تھے۔ گمان نہیں ہوتا تھا کہ یہ خیمہ ہے۔ شراب کی صراحی بھی رکھی تھی۔ وہاں تین آدمی موجود تھے جن کے متعلق فوراً پتہ چل گیا کہ صلیبی ہیں۔ انہوں نے رعدی کو دیکھا تو وہ خاموشی سے اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگے۔ سیاہ نقاب پوش اُن کے

ساتھ تھا۔اس نے پگڑی کا نقاب اُتار پھینکا اور بولا..... ''ایسا تحفہ پہلے کبھی دیکھا ہے؟..... اور یہ رقاصہ ہے''۔

رعدی خاموش کھڑی رہی۔ فانوس کی روشنی میں اُس کا حُسن اور زیادہ طلسماتی لگتا تھا۔ وہ یہاں بھی خوف زدہ نہیں تھی۔ اُسے پلنگ پر بٹھایا گیا اور پوچھا گیا کہ وہ کون ہے اور کہاں جارہی تھی۔ رعدی نے اپنی زندگی کی کہانی ایک بار پھر سنادی۔ اُس کی کہانی سے وہاں کوئی بھی متاثر نہ ہوا۔ ان لوگوں کے پاس متاثر ہونے والے جذبات کی کمی تھی۔ اس سوال کے جواب میں کہ وہ کہاں جارہی تھی۔ اُس نے کہا..... ''مجھے کسی صلیبی بادشاہ کے پاس لے جایا جارہا تھا''۔

''تو کیا تم نے چار صلیبیوں کو قتل کردیا ہے؟'' ایک آدمی نے غصے سے اُس آدمی سے پوچھا جو رعدی کو لایا تھا۔

''وہ صلیبی نہیں لگتے تھے''۔ اس نے جواب دیا..... ''تم نے مجھے کہا کہ دو تین لڑکیاں لے آؤ تاکہ اس ویرانے میں دِل بہلانے کا کوئی ذریعہ ہو۔ مجھے اتفاق سے یہ نظر آگئی۔ میں نے اُن چاروں کو مشکوک مسلمان سمجھا۔ پیچھا کیا اور انہیں قتل کرکے لڑکی لے آیا''۔

''تمہارے ساتھ کون کون تھا؟''

''صرف دو آدمی تھے۔'' اُس نے جواب دیا..... ''باقی پانچ موصل کے مسلمان تھے جو یہاں پہرے کا کام کرتے ہیں''۔

''اگر یہ راز فاش ہوگیا کہ تم نے اپنے کسی حکمران کا تحفہ اُس کے محافظوں کو قتل کرکے اُڑالیا ہے تو اس کا نتیجہ جانتے ہو کیا ہوگا؟''

''وہ خاموش رہا۔ اچانک ایک آدمی خیمے میں اُترا اور بولا..... ''یہ راز فاش نہیں ہوگا۔ تم ڈرتے ہو کہ ہم جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں، یہ راز فاش کردیں گے۔ ایسا نہیں ہوگا''۔

''یہ کون ہے؟''

''یہ میرا خاص آدمی ہے''۔ سیاہ پگڑی والے نے جواب دیا اور موصل کے کسی بڑے آدمی کا نام لے کر کہا..... ''اُس نے دیا ہے۔ قابلِ اعتماد اور عقل مند ہے''۔

'میں آپ کا ہی آدمی ہے'۔ اس نے کہا..... ''موصل اور اس علاقے کے جو راز آپ کے پاس جاتے ہیں، وہ میرے اور میرے ساتھیوں کے حاصل کیے ہوئے ہوتے ہیں''۔

اُس سے کچھ اور باتیں پوچھی گئیں جن کے جواب میں اُس نے ایسے انداز سے باتیں کیں کہ سب نے اُسے قابلِ اعتماد سمجھ لیا۔ کسی کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہوا کہ یہ صلاح الدین ایوبی کا بڑا ہی خطرناک جاسوس ہے۔ جس کا اصل نام حسن الادریس ہے۔ خدا نے اُس کے چہرے مہرے اور جسم کی ساخت میں ایسی جاذبیت پیدا کی تھی کہ دیکھنے والا اُسے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔ اُس نے اپنی زبان اور لب و لہجے میں ایسا جادو پیدا کرلیا تھا جسے سننے والا مسحور ہوجاتا تھا۔ وہ اداکاری اور لہجہ بدل کر بات کرنے کا ماہر تھا۔ موصل میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے، اُن کا رابطہ حکام کے حلقے تک بھی تھا۔ انہوں نے معلوم کرلیا تھا کہ اس درویش سے والیٔ موصل عزالدین بھی متاثر ہے۔ اُس نے موصل کے ہر باشندے کی طرح تسلیم کرلیا تھا کہ درویش کو آسمان سے اشارہ ملے گا اور اُس کے بعد عزالدین اپنی فوج کو باہر نکالے گا پھر یہ فوج فتح پر فتح حاصل کرتی چلی جائے گی۔

جاسوسوں کو عزالدین کے عقیدے کے متعلق اس کی بیوی رضیع خاتون (بیوہ نورالدین زنگی) نے اطلاع دی تھی۔ اس خاتون کے متعلق آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں۔ وہ سلطان ایوبی کی عقیدت مند تھی۔ محل کی خبریں اسی کے

ذریعے باہر آتی تھیں۔ اُس نے جاسوسوں کو تفصیل سے بتایا تھا کہ عزالدین صلیبیوں کے جال میں بُری طرح پھنس گیا ہے۔ صلیبیوں نے اُس پر جادو سا کر دیا ہے۔ یہ درویش اگر صلیبیوں کا کوئی ڈھونگ نہیں اور درویش ہی ہے تو یہ کوئی پاگل ہے۔ اس کا یہ کہنا ہے کہ خدا اُسے فتح کا اشارہ دے گا، ہمارے اسلامی عقیدے کے منافی ہے۔ اس پیغام کے ساتھ رضیع خاتون نے جاسوسوں سے کہا تھا کہ اس درویش کو بے نقاب کریں اور ممکن ہو تو قتل کر دیں۔ رضیع خاتون نے اس شک کا بھی اظہار کیا کہ صلیبی ان پہاڑیوں کے اندر کچھ اور کر رہے ہیں۔ معلوم کرو کہ یہ کیا ہے اور اس کی اطلاع سلطان ایوبی تک پہنچاؤ۔

☆

حسن الادریس درویش کی پُراسرار دُنیا میں داخل ہو گیا تھا اور اُس نے ان صلیبیوں میں اعتماد حاصل کر لیا تھا جو پہاڑیوں میں رہتے تھے مگر اُسے ایک حد سے آگے پہاڑیوں میں نہیں جانے دیا جاتا تھا جو راز تھا، وہ اس حد سے آگے تھا۔ وہاں پہاڑیاں اونچی تھیں اور ان میں گھری ہوئی چٹانیں تھیں۔ حسن الادریس درویش کو دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ اُسے نظر نہیں آتا تھا۔ وہ کسی سے پوچھتا نہیں تھا، تاکہ اس پر کوئی شک نہ کرے۔ اُس نے اس قدر اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ وہ اُسے رعدی کے اغوا کے لیے بھی ساتھ لے گئے تھے۔

رعدی اس نیم زمین دوز سائبان میں رہنے والے دو تین صلیبیوں کے لیے تفریح کا سامان بن گئی تھی۔ ان میں جواں کا سربراہ تھا، وہ رعدی کو تفریح کے ذریعے سے کچھ زیادہ اہمیت دینے لگا تھا، اس لیے وہ اس لڑکی کو ہر کسی کا کھلونا بننے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ یہ رعدی کے حُسن کا اثر بھی تھا جو بازاری قسم کی ناچنے والیوں کی نسبت پاک اور معصوم لگتا تھا اور یہ اثر اس کی باتوں کا بھی تھا جو ناچنے والیوں جیسی نہیں تھیں۔ ایک رات اس سربراہ نے اُس سے پوچھا..... ''کیا تم میری خوشنودی کے لیے ناچتی ہو اور کیا تم میرے ساتھ راتیں گزارنے میں خوشی محسوس کرتی ہو؟''

''نہ آپ کو خوش ہونا چاہیے، نہ میں خوش ہوں''۔ رعدی نے متانت سے کہا..... ''مجبوری نے مجھے کھلونہ بنا دیا ہے۔ میں دِل کی بات کہنے سے ڈروں گی نہیں۔ مجھے آپ سے نفرت ہے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل شدید حقارت سے کرتی ہوں''۔

''تم جانتی ہو کہ اس بدزبانی کی پاداش میں، میں تمہارا سر تن سے جُدا کر سکتا ہوں؟'' سربراہ نے کہا۔ ''میں تمہارا یہ حسین چہرہ گدھوں کے آگے پھینک سکتا ہوں''۔

''اور یہ میرے لیے بہت بڑا انعام ہوگا''۔ رعدی نے کہا.......... ''میرے لیے یہ بہت سخت سزا ہے کہ میرا سر میرے تن کے ساتھ ہے اور آپ جیسا گدھ میری روح کو کھا رہا ہے۔ آپ اپنے آپ کو جنگجو اور بہادر سمجھتے ہیں۔ ایک بے بس اور مجبور لڑکی کو قید میں رکھ کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ مردانگی اور تلوار کے زور سے آپ مجھے اپنی لونڈی بنانا چاہتے ہیں۔ میرے دِل پر اس طرح حکومت کریں کہ آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیں کہ میں آپ کی خوشنودی کے لیے آپ کا حکم مانتی ہوں؟ بلکہ میں آپ سے پوچھوں کہ میرے رقص اور میرے وجود سے آپ کو مسرت حاصل ہوتی ہے یا نہیں؟''

''اگر میں تمہارے سامنے سونے کی ڈلیاں رکھ دوں تو دِل سے مجھے اپنا آقا تسلیم کر لوگی؟''

''نہیں''۔ رعدی نے جواب دیا..... ''مجھے جس انعام کی ضرورت ہے، وہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ وہ جس کے پاس تھا، وہ مر گیا۔ وہ انسان تھا جسے میرے جسم کے ساتھ کوئی دِلچسپی نہیں تھی..... اور تم؟..... تم گِدھ ہو، گیدڑ ہو، بھیڑیے ہو''۔

''اُس نے تمہیں محبت دی تھی''۔ سربراہ نے کہا..... ''اگر میں تمہیں وہی محبت دے دوں تو؟''

''میں نہیں، میری روح محبت کی پیاسی ہے''۔ اُس نے کہا۔'' سربراہ نے شراب کا پیالہ اُٹھایا۔ منہ سے لگانے لگا

تو رعدی نے پیالہ پکڑ لیا اور اُس کے ہاتھ سے لے کر رکھا نہیں بلکہ پرے پھینک دیا اور کہا..... ''مجھے باتوں پر اُکسایا ہے تو میری باتیں سن لو۔ شراب پی لو گے تو تمہاری عقل اور جذبات پر بھی پردے پڑ جائیں گے۔ تم نے پوچھا ہے کہ تم مجھے وہی محبت دے دو تو میں قبول کر لوں گی؟ مجھے پہلے اپنی محبت دکھاؤ۔ یہ سچی ہوئی تو مجھے اپنے ساتھ جلتے ہوئے صحرا میں لے چلو گے تو ہنسی خوشی چلوں گی۔ تمہارے ساتھ جل کر مر جاؤں گی''۔

سربراہ نے اُسے دیکھا۔ اُس نے اس لڑکی کے جسم کے روئیں روئیں کو دیکھا تھا۔ کئی روز سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بھورے بھورے، بکھرے بکھرے بالوں کے گداز سے بھی لطف اندوز ہوا تھا۔ اُس نے اِن ریشمی بالوں کا سحر اُس وقت بھی دیکھا تھا، جب یہ بال اُس کے عُریاں سینے پر اور عُریاں پیٹھ پر بکھرے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ لڑکی کے جسم سے اتنا ہی واقف ہو گیا تھا جتنا اپنے جسم سے واقف تھا، مگر لڑکی نے نفرت اور حقارت کا اظہار ایسی بے خوفی سے کر دیا اور اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر پرے پھینک دیا تو اس شخص کی مردانگی جواب دے گئی۔ اس نے اپنے آپ میں ایسی بے بسی محسوس کی جیسے یہ لڑکی اس پر طلسم بن کر غالب آگئی ہو۔ یہ مرد کی فطرت ہے کہ دس مردوں کا مقابلہ کر سکتا ہے، درندوں سے بھی لڑ جاتا ہے، مگر ایک عورت جسے وہ پسند کرتا ہے، وہ اُسے کہہ دے کہ مجھے تم سے نفرت ہے تو وہ ریت کی ڈھیری بن جاتا ہے۔ یہی جذباتی حالت اس شخص کی ہوئی جس نے جوانی میدانِ جنگ میں گزاری اور مسلسل موت سے کھیل رہا تھا۔

''میں تمہیں اپنے کسی ساتھی کے ہاتھ کھلونا نہیں بننے دوں گا''۔

''میں حکم کی پابند ہوں''۔ رعدی نے کہا..... ''میں خودکشی نہیں کروں گی۔ یہ بزدلی ہے۔ میں بھاگنے کی بھی کوشش نہیں کروں گی۔ یہ دھوکہ ہے۔ میں خودکشی کر چکی ہوں۔ اپنا من مار دیا ہے''۔

وہ آہستہ آہستہ اُٹھا اور اس طرح قدم پھونک کر رعدی کی طرف بڑھا جیسے اس لڑکی نے اُسے ہپناٹائز کر لیا ہو۔ اُس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اُٹھایا اور رعدی کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر بولا..... ''تم میرے تصوروں سے بھی زیادہ خوب صورت ہو''۔ اُس نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور بولا..... ''میں نے آج پہلی بار محسوس کیا کہ تمہاری آواز میں سوز ہے، تم رقاصہ ہو۔ مغنیہ تو نہیں؟''۔

''میں گاتی بھی ہوں''۔ رعدی نے کہا..... ''لیکن نغمہ وہ سناؤں گی جو مجھے پسند ہوگا، جس میں میرا درد ہوگا''۔

وہ گنگنانے لگی۔ ''چلے قافلے حجاز کے''۔

سائبان کے اندر کے ماحول پر وجد طاری ہو گیا۔ آواز رعدی کے دل سے نکل رہی تھی۔ اس نغمے میں اس کی محبت کے بین تھے۔ دل کی آہیں تھیں۔ آرزوؤں کا سوز تھا اور اُس کے اُن خوابوں کا حسن تھا جو حجاز کے راستے میں شہید ہو گئے تھے۔ رعدی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، اُس کی لے اور پُرسوز ہو گئی..... اور عجیب بات یہ ہوئی کہ صلیبی سربراہ کو ایسی غنودگی آنے لگی جو اُسے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ اُسے ہر رات شراب مدہوش کرتی اور وہ اسی مدہوشی میں سو جایا کرتا تھا۔

وہ گہری نیند سو گیا تو رعدی کی نظر اس خنجر پر پڑی جو پلنگ کے قریب تپائی پر پڑا تھا۔ رعدی نے آہستہ سے خنجر نیام سے نکالا۔ اس کی نوک پر انگلی رکھی اور خنجر مضبوطی سے پکڑ کر سوئے ہوئے صلیبی کے قریب گئی۔ اس نے خنجر کی نوک اُس کی شہ رگ کے قریب کی، پھر دل کے قریب لے گئی۔ ہاتھ اوپر اُٹھایا تو اُسے آواز سنائی دی..... ''شی''..... اُس نے اُدھر دیکھا۔ سائبان کا پردہ اُٹھائے وہی خوبرو آدمی کھڑا تھا جس نے کہا تھا کہ وہ صلیبیوں کا جاسوس ہے۔ وہ حسن الادریس تھا۔

☆

حسن الادریس نے رعدی کو اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ رعدی نے خنجر نیام میں ڈالا اور پردے تک گئی.....

حسن الادریس نے اُسے بازو سے پکڑا اور باہر لے گیا، بولا ...... ''آج رات یہ اکیلا ہے۔ دوسرے بہت دنوں کے لیے چلے گئے ہیں۔ یہ شخص میری ذمہ داری اور حفاظت میں ہے لیکن میں سوئے ہوئے کو قتل نہیں کروں گا۔ اسے جو قتل کرنے آئے گا، وہ میرے ہاتھوں مارا جائے گا...... تم تو اسے کہہ رہی تھی کہ میں خودکشی نہیں کروں گی کہ یہ بزدلی ہے اور میں بھاگوں گی نہیں کہ یہ دھوکہ ہے، مگر سوئے ہوئے کو قتل کرنے لگی تھیں۔ کیا یہ دھوکہ نہیں؟''

''تم اسے بتا دو گے کہ میں نے اس کی شہ رگ اور دل پر خنجر رکھا تھا؟'' اس نے پوچھا اور آہ لے کے بولی ......
''بتا دینا۔ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ اس سے میرا بھلا ہو جائے گا اور وہ تمہیں انعام دے گا، اس سے تمہارا بھلا ہو جائے گا''۔

''مجھے اس شخص سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی تمہارے دل میں ہے''۔ حسن الادریس نے کہا...... ''میں اسے کچھ نہیں بتاؤں گا''۔

''اور مجھ سے اس کا انعام مانگو گے؟'' رعدی نے پوچھا۔ ''بلکہ مجھے انعام کے طور پر مانگو گے؟''

''نہیں''۔ حسن الادریس نے کہا...... ''مجھے کسی انعام کی ضرورت نہیں''...... وہ لڑکی کو ذرا پرے لے گیا اور اپنائیت کے لہجے میں بولا...... ''میں بھی تمہاری طرح حجاز کا مسافر ہوں۔ ہم نے جس رات تمہیں اُن آدمیوں سے چھینا تھا، اس رات تم نے اپنی زندگی کی کہانی سنائی تھی۔ تم نے اپنے جذبات اور اپنی ایک خواہش کا بھی ذکر کیا تھا۔ میں اُس رات سے سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کون سی نیکی بتاؤں جس سے تم خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتی ہو''۔ حسن الادریس کی زبان کے سحر نے رعدی کو مسحور کر لیا۔ وہ بولتا رہا۔ وہ سنتی رہی۔ سلطان ایوبی کے اس جاسوس نے اس حسین لڑکی کے دل پر قبضہ کر لیا...... رعدی وہاں سے اُٹھنے پر آمادہ نہیں تھی...... حسن الادریس نے اُسے جانے پر مجبور کیا تو وہ چلی گئی۔

وہ تین چار راتیں ملے۔ حسن الادریس نے رعدی کو اپنی جذباتی باتوں اور نیک نیتی کے جادو میں گرفتار کر لیا تھا۔ رعدی اس سے حجاز کی باتیں پوچھتی تھی اور وہ جذباتی انداز میں اُسے حجاز کی دل کش باتیں سناتا تھا۔ دن کے وقت حسن الادریس اس کوشش میں لگا رہتا کہ معلوم کر سکے کہ جہاں اُسے نہیں جانے دیا جاتا، وہاں کیا ہے مگر وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکا۔ ایک رات اُس نے لڑکی کو اعتماد میں لے لیا اور کہا کہ ان لوگوں نے ان پہاڑوں میں کیا چھپا رکھا ہے۔ رعدی نے فوراً جواب دیا۔ ''جنگی سامان ہے۔ اس (سربراہ) نے مجھے بتایا تھا۔ کہتا تھا کہ اس میں آگ لگانے والا تیل اتنا زیادہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے شہروں کو جلا کر بھی ختم نہ ہو...... بے شک میں اس شخص کی لونڈی بلکہ داشتہ ہوں، لیکن یہ میرے آگے غلاموں جیسی حرکتیں کرتا ہے''۔

''کیا تم اس سے خوش ہو کہ تم اتنے اونچے رتبے والے صلیبی کی داشتہ ہو اور یہ تمہارا غلام ہے؟''

''نہیں!'' رعدی نے اُداس لہجے میں جواب دیا...... ''میں اپنے جسم کی بات کر رہی ہوں۔ میری روح کبھی خوش نہیں ہوگی۔ مجھے جو حجاز کے راستے سے اغوا کر کے لائے تھے، وہ کہتے تھے کہ خدا تم سے ناراض ہے۔ کوئی ایسی نیکی کرو کہ خدا تمہارے گناہ بخش دے اور وہ جو مجھے حجاز لے جا رہا تھا اور جسے میں نے چاہا تھا، کہتا تھا کہ حج کر کے ہم پاک ہو جائیں گے، پھر وہیں شادی کریں گے۔ میں تو گناہوں میں ڈوبتی چلی جا رہی ہوں۔ میں کیا نیکی کروں گی۔ خدا مجھے سزا دیتا چلا جائے گا''۔

''زم زم کا پانی ہی نہیں، آگ بھی تمہیں پاک کر سکتی ہے''۔ حسن الادریس نے ہنس کر کہا...... ''تم حجاز نہ پہنچ سکی۔ پاسبانِ حجاز کو خوش کر دو تو خدا تمہاری رُوح کو گناہوں سے پاک کر دے گا، تم نجات پا لو گی''۔

''کون ہے پاسبانِ حجاز؟'' رعدی نے حیران ہو کر پوچھا...... ''اور یہ کون سی آگ ہے جو مجھے پاک کر سکتی ہے؟''

''پاسبانِ حجاز، سلطان صلاح الدین ایوبی ہے''۔ حسن الادریس نے کہا...... ''اور آگ یہ ہے جو ان پہاڑوں

میں کنستروں اور مٹکوں میں تیل کی صورت میں بھری پڑی ہے۔ اس سے حجاز تک کو آگ لگائی جائے گی۔ تم کسی طرح مجھے وہاں تک پہنچا دو، جہاں آگ اور جنگ کا سامان بھرا پڑا ہے''۔

رعدی کچھ سمجھ نہ سکی۔ حسن الادریس نے اُسے بڑی لمبی کہانی سنائی۔ ''سلطان ایوبی کا عزم اور اُس کا کردار بتایا۔ صلیبیوں کے عزائم بتائے اور اُسے ایسی باتیں سنائیں کہ اُس کے دِل میں صلیبیوں کی نفرت پیدا ہوگئی اور اسے حق اور باطل کا تضاد معلوم ہوگیا۔

☆

دوسرے دن حسن الادریس نے دیکھا کہ رعدی گھوڑے پر سوار صلیبی سربراہ کے ہمراہ پہاڑیوں کے اُس حصے کی طرف جا رہی تھی جدھر حسن الادریس کو اور صلیبی پہرہ داروں کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی...... رات کو سربراہ رعدی سے دِل بہلا کر گہری نیند سو گیا۔ یہ نیند بہت ہی گہری تھی کیونکہ رعدی نے حسن الادریس کا دیا ہوا چٹکی بھر سفوف اس کے شراب کے پیالے میں ڈال دیا تھا۔ جاسوس بے ہوش کرنے والا سفوف اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ رعدی اُس جگہ پہنچ گئی جہاں حسن الادریس اُس کے انتظار میں کھڑا تھا۔

''وہاں تو بہت بڑا غار ہے''۔ رعدی نے اُسے بتایا...... ''اِن لوگوں نے کھود کھود کر اسے اور زیادہ وسیع کر لیا ہے۔ اتنا چوڑا اور لمبا کہ دہانے سے دوسرا سرا نظر نہیں آتا۔ اندر آگ لگانے والے تیل کے ہزار ہا مٹکے اور کنستر رکھے ہیں۔ ساتھ ہی برچھیاں، تیر و کمان، اناج، خیمے، کپڑے اور بے انداز سامان پڑا ہے...... میں نے اس صلیبی سردار سے بچوں کی طرح کہا کہ میں ان پہاڑیوں کے اندر کی سیر کرنا چاہتی ہوں۔ اُس نے کہا کہ کل دن کو لے چلوں گا۔ تم تو میری ملکہ ہو۔ کسی کو بتانا مت کہ میں تمہیں اُدھر لے گیا تھا۔ وہ مجھے لے گیا''...... رعدی نے اُسے بتایا کہ اس غار میں سامنے دو آدمی پہرے پر کھڑے رہتے ہیں اور غار کا دہانہ کھلا رہتا ہے۔ غار سے سو ڈیڑھ سو گز دُور پہرہ دار دستے کے خیمے ہیں۔ رعدی نے کہا...... ''غار سے ذرا پرے ایک خیمہ ہے جس کے باہر ایک ضعیف آدمی بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ سربراہ نے اُسے پاؤں کی ٹھوکر سے بیدار کر کے کہا...... ''اوئے درویش! کوئی تکلیف تو نہیں؟ کھانا ٹھیک ملتا ہے؟...... بوڑھے نے ضعیف آواز میں پوچھا۔ ''جناب، مجھے کب رہا کرو گے؟ مجھے اب جانے دو''...... سربراہ نے نفرت سے کہا...... ''ابھی انتظار کرو۔ بہت انعام ملے گا''...... یہ شاید وہی درویش ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا''۔

''ہاں!'' حسن الادریس نے کہا...... ''یہ صلیبیوں کا وہی ڈھونگ ہے جس نے موصل کے باشندوں اور اُن کے والی عزالدین کو بھی دیوانہ بنا رکھا ہے...... آؤ رعدی! ہم دونوں مل کر خدا سے تمہارے گناہوں کی بخشش حاصل کریں گے''۔

دونوں چل پڑے۔ مگر چھپ چھپ کر۔ رات کا اندھیرا فائدہ دے رہا تھا۔ وہ چٹانوں کی تنگ گلیوں سے گزرتے، رُکتے، اِدھر اُدھر دیکھتے، کان کھڑے کیے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے، جہاں دو پہرہ دار کھڑے تھے۔ اُن کے قریب ایک مشعل جل رہی تھی جس کا ڈنڈا زمین میں گڑا ہوا تھا۔ حسن الادریس اور رعدی اُن سے پندرہ بیس قدم دُور چھپے رہے۔ دونوں اپنی اپنی جان کی بازی لگانے آئے تھے۔ خدا دیکھ رہا تھا۔ حسن الادریس کھانسا اور رعدی کو ایک طرف کر دیا اور خود بیٹھ گیا۔ ایک سنتری ''کون ہے؟'' پکار کر اِدھر آیا۔ اندھیرے میں اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ حسن الادریس نے پیچھے سے اس کی گردن بازو کے گھیرے میں جکڑ لی اور دوسرے ہاتھ سے خنجر کے تین چار وار اس کے دِل کے مقام پر کیے۔ سنتری گر پڑا۔

حسن الادریس انتظار کرتا رہا۔ دوسرے سنتری نے اپنے ساتھی کو پکارا۔ اُسے جواب نہ ملا تو وہ آہستہ آہستہ اِدھر

آیا۔ وہ جب اپنے مرے ہوئے ساتھی کے قریب پہنچا تو اندھیرے میں اُسے کوئی زمین پر پڑا نظر آیا۔ اُس نے جھک کر دیکھا اور وہ حسن الادریس کے شکنجے میں آ گیا۔ رعدی نے انتظار نہ کیا۔ وہ غار کی طرف دوڑی اور زمین سے مشعل اکھاڑ کر غار کے اندر چلی گئی۔ حسن الادریس نے دوسرے سنتری کو بھی ختم کر دیا۔ پہرے داروں کا دستہ خیموں میں سویا ہوا تھا۔ حسن الادریس نے رعدی کو پکارا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ غار کی طرف دوڑا۔ وہاں مشعل بھی نہیں تھی۔

اتنے میں غار میں ایک شعلہ اُٹھا۔ رعدی دوڑتی باہر آئی۔ اس کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ اس نے غار کے اندر آتش گیر سیال کا ایک مٹکا اوندھا کر کے مشعل سے اُسے آگ لگا دی تھی۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ سیال کس طرح بھڑک کر جل اُٹھتا ہے۔ شعلے نے پھیل کر رعدی کو بھی زد میں لے لیا۔ جب حسن الادریس نے اُسے پکڑا، اُس وقت اُس کا اتنا حسین چہرہ سیاہ ہو چکا تھا اور اس کے ریشم جیسے بال جل چکے تھے۔ حسن الادریس نے اُس کے کپڑوں کی آگ بجھاتے اپنے ہاتھ جلا لیے۔ کپڑوں کی آگ تو بجھ گئی مگر رعدی پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جھلس کر بند ہو گئی تھی۔

حسن الادریس نے اُسے کندھے پر اُٹھایا اور دوڑ پڑا۔ ممنوعہ علاقے سے نکل کر اُسے اگلے علاقے سے پوری واقفیت تھی۔ غار میں رکی ہوئی آگ نے بند کنستروں اور مٹکوں کو اتنی حرارت دے دی کہ ایک مہیب دھماکہ ہوا جس سے زمین زلزلے کی طرح کانپی۔ ہزاروں من بند آتش گیر سیال ایک ہی بار پھٹ گیا تھا۔ اس نے جہاں تباہی کا سارا سامان تباہ کیا، وہاں صلیبیوں کا چھپایا ہوا تمام تر اسلحہ اور دیگر سامان بھی بھسم ہو گیا۔

دھماکے نے موصل شہر کو جگا دیا۔ لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ حسن الادریس شہر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ شہر کے دروازے بند تھے۔ وہ شہر کی بجائے نصیبہ کی طرف چل پڑا۔ وہ خطرے سے نکل گیا تھا۔ اُس نے رعدی کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ بہت دُور جا کر وہ تھک گیا۔ رُکا اور رعدی کو زمین پر لٹا دیا۔ رعدی نے سرگوشی کی..... ''آگ نے مجھے پاک کر دیا ہے''..... وہ ہنسی اور خواب میں بڑبڑانے کے لہجے میں بولی..... ''قافلہ حجاز کو جا رہا ہے۔ وہاں جا کر شادی کریں گے''۔

''رعدی، رعدی''۔ حسن الادریس نے اسے بلایا۔

''خدا نے میرے گناہ بخش دیئے ہیں نا؟'' رعدی نے پوچھا۔ وہ اُٹھ بیٹھی اور بازو آگے کر کے بولی..... ''وہ جا رہے ہیں، دیکھو۔ وہ قافلے حجاز کو جا رہے ہیں۔ میں بھی جا رہی ہوں''۔

وہ ایک طرف گری۔ حسن الادریس نے اُسے بلایا، ہلایا، آخر نبض پر ہاتھ رکھا..... رعدی کی رُوح حجاز کے قافلے کے ساتھ جا چکی تھی۔

حسن الادریس نے خنجر سے قبر کھودی۔ صبح تک وہ دو اڑھائی فٹ گہرا اور رعدی کے قد جتنا لمبا گڑھا کھود سکا۔ اس نے رعدی کو اُس میں لٹایا اور اُوپر مٹی ڈال دی۔

جب کچھ روز بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کو صلیبیوں کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع ملی تو اُس وقت وہ ایک مشہور مقام تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ تل خالد ایک بڑی ریاست تھی جس کا حکمران سوکمان القطبی شاہ ارمن تھا۔ وہ اُس وقت ہرزم کے مقام پر تھا جہاں اُسے والیٔ موصل عزالدین نے ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ ملاقات کا مقصد یہ تھا کہ شاہ ارمن سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے عزالدین کو فوج اور دیگر جنگی مدد دے۔ سلطان ایوبی کو اُس ملاقات کا علم قبل از وقت ہو گیا۔ اُس نے شاہ ارمن کے دارالحکومت تل خالد کو محاصرے میں لینے کے لیے پیش قدمی کر دی۔

دوسرا درویش

صلیبیوں کے لیے یہ چوٹ معمولی نہیں تھی کہ انہوں نے مسلمان کے علاقے موصل کے قریب پہاڑیوں کے غاروں کو وسیع کر کے اتنا زیادہ اسلحہ اور آتش گیر سیال چھپا کر رکھا تھا جس سے وہ سلطنتِ اسلامیہ کی تمام تر قلعہ بندیوں کو کھنڈروں میں بدل سکتے تھے، مگر سلطان ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں نے اُسے اُڑا دیا۔ یہ سامان چونکہ پہاڑی کے اندر وسیع غار میں تھا۔ اس کے دھماکے نے دُور دُور تک زمین یوں ہلا دی تھی جیسے زلزلہ آیا ہو۔ یہ تو کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ تباہی کس طرح بپا کی گئی ہے جس سے صرف صلیبیوں کی ہی نہیں بلکہ صلیبیوں کے سب سے بڑے اتحادی عزالدین کی بھی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ انہوں نے سلطان ایوبی کے خلاف جو درپردہ معاہدہ کر رکھا تھا، اس معاہدے کے پرخچے اُڑ گئے تھے۔ صلیبیوں کو یقین تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا کام ہے۔ انہوں نے سوچا ہی نہیں کہ یہ اتفاقیہ حادثہ بھی ہو سکتا ہے۔

پچھلی قسط میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ صلیبی موصل کے والی عزالدین کو اپنا اتحادی بنا کر موصل کے پہاڑی علاقے کو اپنا فوجی اڈہ اور اسلحہ بارود اور دیگر رسد کا بہت بڑا ذخیرہ بنانا چاہتے تھے مگر رعدی نام کی صرف ایک لڑکی نے اپنے ساتھی حسن الادریس کے تعاون سے اُن کا ذخیرہ تباہ کر دیا۔ اس علاقے سے لوگوں کو دُور رکھنے کے لیے ایک درویش کی نمائش کر کے اُس کی زبانی یہ مشہور کرا دیا گیا تھا کہ یہ درویش اس علاقے کی ایک پہاڑی پر بیٹھے گا اور اسے خدا موصل کی فتح کا اشارہ دے گا پھر موصل یعنی عزالدین کی سلطنت دور دور تک پھیل جائے گی۔ اس درویش کا یہ انجام ہوا کہ اسلحہ اور آتش گیر سیال کی تباہی کے ساتھ ہی تباہ ہو گیا۔

دوسرے دن موصل کے لوگوں پر دہشت طاری تھی۔ انہیں بتانے والا کوئی نہ تھا کہ رات یہ دھماکہ اور زمین کا لرزہ کیسا تھا اور پہاڑیوں میں سے یہ جو سیاہ بادل اُٹھ اُٹھ کر آسمان کو جا رہے ہیں، یہ کیسے ہیں۔ آتش گیر سیال کئی روز جلتا رہا تھا۔ اُس کے ساتھ وسیع غار میں اندر جو سامان رکھا تھا، وہ بھی جل رہا تھا۔ ڈر کے مارے کوئی اُدھر جاتا نہیں تھا۔ سب اُسے درویش کی کرامات یا قہر سمجھ رہے تھے۔ ایسی دہشت زدگی کی اذیت ناک کیفیت میں انہیں ایک صدا سنائی دی...... ''وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنے جہنم میں جل گیا ہے''۔

یہ ایک اور درویش تھا جو سبز قبا میں ملبوس تھا۔ سر کے بال لمبے اور سفید تھے، داڑھی بھی لمبی اور سفید تھی۔ اس کے چہرے پر بڑھاپے کی جھریاں تھیں۔ ایک ہاتھ میں لمبا عصا اور دوسرے میں قرآن تھا۔ یہ اُسی درویش کی مانند تھا جو اُسی کی طرح اچانک نمودار ہوا اور اُس نے اعلان کیا تھا کہ اُسے خدا آسمان سے ایک اشارہ دے گا۔ یہ نیا درویش بھی اچانک نمودار ہوا اور جب وہ بازار میں آیا تو خوف سے کانپتے ہوئے لوگوں نے اُسے روک کر گھیر لیا۔ اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اُس نے رُک کر کہا...... ''وہ جہنم میں جل گیا ہے جو کہتا تھا خدا اشارہ دے گا۔ اس کے انجام سے عبرت حاصل نہ کرنے والو! تم سب اسی جہنم میں، اسی دُنیا میں جلو گے۔ خدا نے تمہیں رات کو بجلی کی کڑک کی آواز سے اشارہ دے دیا ہے۔ وہ سیاہ

دھواں دیکھو۔ اللہ کے قہر سے ڈرو۔ اس کتاب کو مانو جو میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ قرآن پاک ہے''۔

''خدا کے لیے ہمیں کچھ بتا''۔ ایک بوڑھے نے آگے ہو کر پوچھا۔''یہ سب کچھ کیا تھا؟ وہ کون تھا؟ تم کون ہو؟ ہمیں بتا کہ رات زمین کیوں لرزی تھی اور یہ سیاہ دُھواں کیسا ہے؟''

''وہ مجذوب تھا''۔ نئے درویش نے کہا.....''پاگل تھا۔ اُس نے اللہ کے رازوں کی دُنیا میں دخل دیا۔ اللہ کے سوا کوئی اور فتح کا یا کسی خوش خبری کا اشارہ نہیں دے سکتا۔ فتح اور شکست، خوشی اور غم اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو اللہ کا ایلچی کہا اور گناہگار ہوا۔ اُس نے سزا پالی۔ جا کر دیکھو۔ اُس کی ایک ہڈی بھی نظر نہیں آئے گی۔ وہ جس پہاڑ پر بیٹھا تھا، اُس پہاڑ کو بھی سزا ملی۔ وہ سیاہ دھواں دیکھو، پہاڑ ابھی تک جل رہا ہے۔ اُس جھوٹے درویش کو اب بھی سچا مانو گے تو تم بھی جلو گے''۔

''ہمیں بتا سچا کون ہے؟''لوگوں نے پوچھا.....''کیا تو سچا ہے؟''۔

''نہیں''۔ اُس نے جواب دیا اور قرآن بلند کر کے کہا.....''اللہ کا یہ کلام سچا ہے۔ اُس درویش کو بھول جاؤ، اس کتاب کی بات مانو، جو اشارے اللہ نے اس میں دیئے ہیں، وہ کوئی انسان نہیں دے سکتا''۔

وہ آگے چل پڑا۔

☆

وہ دِن بھر موصل میں یہی صدا لگاتا پھرتا رہا.....''وہ جہنم کی آگ میں جل گیا ہے۔ وہ اپنی آگ میں جل گیا ہے'' جہاں اُسے لوگ روک لیتے، وہ اس موضوع پر وعظ دیتا کہ غیب کا حال کوئی انسان نہیں جانتا اور خدا کے اشارے یہی ہیں جو قرآن میں ہیں۔ اُس نے ظہر کی نماز ایک مسجد میں پڑھی، عصر کی کسی دوسری مسجد میں اور مغرب کی ایک اور مسجد میں پڑھی۔ وہ جس مسجد میں گیا، وہاں نمازیوں کے ہجوم جمع ہو گئے۔ اُس نے ہر مسجد میں یہی وعظ دیا کہ برحق صرف قرآن پاک ہے اور اے لوگو! قرآن کے اشاروں پر عمل کرو۔

وہ مغرب کی نماز پڑھ کر نکلا تو رات گہری ہو رہی تھی۔ وہ ایک ویرانے کی طرف چل پڑا۔ لوگ بھی اُس کے پیچھے چل پڑے۔ اُس نے سب کو روک کر کہا.....''اب میرے پیچھے کوئی نہ آئے۔ میں ساری رات ویرانے میں عبادت کروں گا اور تمہارے گناہوں کی بخشش مانگوں گا''۔

اُس نے لوگوں پر ایسا تاثر پیدا کر دیا تھا کہ اُن کے دِلوں میں پہلے درویش کی دہشت نکل گئی تھی۔ اُس نے لوگوں سے وہیں رُکنے کو کہا تو وہ رُک گئے۔ اُس نے کچھ دُعائیہ الفاظ کہے اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ لوگ وہیں کھڑے چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ کسی میں اُس کے پیچھے جانے کی جرأت نظر نہیں آتی تھی مگر ایک آدمی ایسا تھا جو اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے لوگوں کی نظریں بچا کر درویش کے پیچھے جا رہا تھا۔ درویش لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر تیز چلنے لگا تھا۔ اُس کے پیچھے جانے والے آدمی نے بھی قدم تیز کر لیے۔ اس کے قدموں کی آواز پر درویش رُکا اور پیچھے دیکھا۔ وہ آدمی جسے اندھیرے میں درویش سائے کی طرح نظر آ رہا تھا، فوراً رُکا اور بیٹھ گیا۔ درویش کو کچھ بھی نظر نہ آیا تو وہ چل پڑا لیکن وہ بار بار گھوم کر دیکھتا تھا۔

کچھ اور آگے گئے تو یہ آدمی درویش کے قریب پہنچ گیا۔ درویش نے بلند آواز سے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ کسی آیت کا ورد تھا۔ اُس نے قدم سست کر لیے۔ پیچھے والے آدمی نے اپنے کمربند سے خنجر نکالا اور دبے پاؤں فاصلہ طے کیا جو

اُس کے اور درویش کے درمیان رہ گیا تھا۔ اُس نے خنجر والا ہاتھ اوپر کیا۔ وہ پیچھے سے درویش پر وار کر کے اُسے ختم کرنے کو تھا۔ خنجر ابھی اوپر ہی تھا کہ درویش بجلی کی تیزی سے گھوما۔ اُس نے اپنا موٹا عصا اوپر کو گھمایا۔ عصا اُس آدمی کی خنجر والی کلائی پر لگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اس آدمی کے پیٹ میں ایسی لات جمائی کہ وہ آدمی دُہرا ہو گیا۔ درویش کے ایک ہاتھ میں قرآن تھا، اس لیے وہ ایک ہی ہاتھ سے لڑ سکتا تھا۔ اس نے عصا اُس آدمی کے سر پر مارا۔ اُس کا خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

درویش نے خنجر اُٹھا لیا۔ وہ آدمی آہستہ آہستہ اُٹھ رہا تھا۔ درویش نے اُسے کہا...... ''خنجر میرے ہاتھ میں ہے، پیٹ کے بل لیٹے رہو''۔

وہ آدمی پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ درویش نے منہ سے کسی جانور کی آواز نکالی۔ ایسی ہی آواز دُور سے بھی سنائی دی۔ اس نے پھر آواز نکالی۔ اندھیرے میں دوڑتے قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ دو آدمی درویش کے قریب آ رکے۔ درویش نے ہنس کر کہا...... ''اس بدبخت نے وہی حرکت کی ہے جس کا ہمیں پہلے ہی خطرہ تھا۔ مجھے تو اُمید تھی کہ دن کے وقت موصل کے کسی دریچے سے تیر آئے گا اور میرے دل میں اُتر جائے گا لیکن انہوں نے مجھے رات کو اس سے قتل کرانے کی کوشش کی ہے۔ یہ لو اس کا خنجر''...... درویش نے زمین پر لیٹے ہوئے آدمی کو عصا کی ہلکی سی ضرب لگا کر کہا...... ''اُٹھ مردود! تو مسلمان ہے؟''

''ہاں میرے بزرگ!'' اس شخص نے ادب سے کہا...... ''میں مسلمان ہوں''۔

درویش اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے قہقہہ لگایا۔ درویش نے اُسے کہا...... ''مجھے بزرگ نہ کہو دوست! میں تم سے زیادہ جوان ہوں''۔

''تمہارا بہروپ کامیاب رہا ہے''۔ درویش کو اُس کے ایک ساتھی نے کہا۔

اس آدمی کو تینوں اپنے ساتھ دُور ایک خیمے میں لے گئے جس کے قریب چار پانچ اونٹ بندھے تھے۔ اردگرد چٹانیں تھیں۔ اس آدمی کو خیمے میں بٹھایا گیا۔ ایک دیا جل رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ درویش کا چہرہ تو جھریوں بھرا تھا جیسے وہ اسی سال کا بوڑھا ہو لیکن اب اُس کی آواز جوانوں جیسی تھی۔ درویش نے سفید داڑھی اور سر کے لمبے بال اُتار دیئے۔ اُس کے ایک ساتھی نے اسے پانی میں بھیگا ہوا کپڑا دیا جو درویش نے اپنے منہ پر رگڑا۔ بڑھاپے کی جھریاں غائب ہو گئیں۔ ان میں سے جو چہرہ برآمد ہوا، وہ ایک جوان آدمی کا چہرہ تھا، جس پر سلیقے سے تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔

''تم اصل میں کون ہو؟'' حملہ کرنے والے نے اس سے پوچھا۔

''جسے تم قتل کرنے آئے تھے''۔ اُس نے کہا...... ''اب تم بتا دو کہ تمہیں کس نے میرے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ کچھ چھپانے کی کوشش کرو گے تو بہت بُری موت مرو گے''۔

''میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ بھی نہیں''۔ اس آدمی نے جواب دیا...... ''مجھے محل کے ایک حاکم احمد بن عمرو نے کہا تھا کہ شہر میں ایک درویش پھر رہا ہے۔ اُس نے مجھے تمہارا حلیہ اور تمہاری صدائیں بتائی تھیں اور کہا تھا کہ اس درویش کو اندھیرے میں قتل کرنا ہے۔ کسی کو پتہ نہ چلے۔ احمد بن عمرو نے کہا تھا کہ درویش کو قتل کر کے آؤ گے تو دو سو دینا ملیں گے''۔

''کیا احمد بن عمرو مجھے بوڑھا درویش سمجھ رہا تھا؟''۔

''اُس نے بتایا نہیں''۔ اُس آدمی نے جواب دیا...... ''اُس نے یہی کہا تھا کہ درویش کو قتل کرنا ہے''۔

درویش کا بہروپ دھانے والے اُس کے دونوں ساتھی صلاح الدین ایوبی کے زمین دوز گروہ کے آدمی تھے جو

موصل میں کام کر رہے تھے۔ پچھلی کہانی میں جس درویش کا ذکر آیا ہے، اُس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کے گروہ کے ان آدمیوں نے ایک آدمی کو درویش بنایا اور اُسے شہر میں گھمایا تھا۔ لوگ توہم پرست تھے۔ درویشوں کو خدا کی آواز سمجھتے تھے۔ پہلے درویشوں کو صلیبیوں نے اپنے ایک فریب کی کامیابی کے لیے استعمال کیا تھا۔ سلطان ایوبی کے آدمیوں نے اپنے ایک جوان ساتھی کو درویش کے بہروپ میں پیش کر کے لوگوں کو توہم پرستی سے ہٹا کر قرآن کی طرف مائل کرنے کی کامیاب کوشش کی تھی۔

احمد بن عمرو جو موصل میں بن عمرو کے نام سے مشہور تھا، والئی موصل عزالدین کی انتظامیہ کا ایک اعلیٰ حاکم تھا جس کی حیثیت وزیر جتنی تھی۔ اُسے اطلاع ملی کہ ایک درویش شہر میں پہلے درویش کے خلاف صدائیں لگاتا پھر رہا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ سلطان ایوبی کے حامی گروہ کا آدمی ہے، لہٰذا اسے قتل کرنا ضروری ہے، ورنہ لوگوں کو پہلے درویش کی اصلیت کا علم ہو جائے گا اور انہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ پہاڑوں میں کیا جل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے اس آدمی کو قتل کرنے کے لیے محل کے حفاظتی دستے کا ایک سپاہی منتخب کیا گیا اور اُسے دوسو دینار کا لالچ دے کر ''درویش'' کے قتل کے لیے بھیجا گیا۔ کرائے کا یہ قاتل جسے بوڑھا سمجھ رہا تھا، وہ ایک جوان آدمی نکلا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بوڑھے کے بہروپ میں یہ جوان آدمی تجربہ کار لڑاکا جاسوس اور چھاپہ مار ہے۔

بن عمرو کے بھیجے ہوئے اس قاتل کو دیئے کی روشنی میں خیمے میں بٹھا کر بہت کچھ پوچھا گیا، لیکن اس سے کوئی راز معلوم نہ ہو سکا۔ وہ صلیبیوں کے کسی باقاعدہ جاسوس یا تخریب کار گروہ کا آدمی نہیں تھا۔ وہ اُجرت پر صرف قتل کرنے آیا تھا۔ جس آدمی نے درویش کا بہروپ دھارا تھا، اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کر لیا۔ اِن میں سے ایک اُٹھا اور خیمے سے رسّی کا ایک گز بھر لمبا ٹکڑا اُٹھایا۔ وہ کرائے کے اس قاتل کے پیچھے ہوا اور تیزی سے رسّی اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر ایسا پھندا بنایا کہ یہ آدمی تڑپنے لگا اور ذرا سی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا۔

☆

دوسرے دِن احمد بن عمرو والئی موصل عزالدین کے ڈیوڑھی نما کمرے میں اُس کے پاس کھڑا تھا۔ وہ غصے میں تھا اور عزالدین کے چہرے پر پریشانی تھی۔ احمد بن عمرو کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ ان کے سامنے فرش پر ایک لاش پڑی تھی جس کی گردن کے گرد رسّی لپٹی ہوئی تھی اور اس رسّی کے ساتھ یہ کاغذ بندھا ہوا تھا جو عزالدین کے پاس تھا۔ یہ حفاظتی دستے کے اُس سپاہی کی لاش تھی جسے اُس نے نئے درویش کو اندھیرے میں کہیں جا کر قتل کرنے کو بھیجا تھا۔ بن عمرو ساری رات اس سپاہی کا انتظار کرتا رہا تھا۔ صبح اُسے اطلاع ملی کہ اس کے گھر کے سامنے ایک لاش پڑی ہے۔ وہ باہر آیا۔ زمین پر اس کے سپاہی کی لاش پڑی تھی۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ زبان باہر آ گئی تھی۔ گردن کے گرد رسّی تھی اور رسّی کے ساتھ کاغذ بندھا تھا۔

کاغذ پر لکھا تھا۔ ''عزالدین والئی موصل کے نام...... تمہارے ایک حاکم، احمد بن عمرو نے اس آدمی کو میرے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ میں اس کی لاش عزت و احترام سے احمد بن عمرو کی دہلیز پر رکھ چلا ہوں۔ یہ بدنصیب سپاہی مجھے قتل نہیں کر سکتا۔ تم بھی اس طرح کے بدنصیب ہو جو سلطان ایوبی کا ابھی تک کچھ نہیں بگاڑ سکے اور آئندہ بھی کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ کفار کی دوستی سے تم ذلت کے سوا کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔ ہم تمہیں چین سے جینے نہیں دیں گے۔ ایک روز تمہاری لاش بھی تمہارے محل کی دہلیز پر پڑی ہوگی۔ احمد بن عمرو جیسے حاکموں اور مشیروں سے بچو۔ یہ خوشامدی ٹولہ تمہارا کبھی وفادار نہیں ہو سکتا۔ یہی لوگ تمہارے زوال کا باعث بنیں گے۔ ہماری طاقت دیکھو۔ تمہارا فوجی مشیر احتشام الدین بیروت صلیبیوں

کے ساتھ درپردہ معاہدے کے لیے گیا لیکن ہم نے اُسے لا پتہ کر دیا۔ وہ اب سلطان ایوبی کے پاس ہے۔ تمہارے صلیبی دوستوں نے پہاڑیوں کو کھود کر اُن کے اندر جنگی سامان رکھا۔ ہم نے یہ سامان نذرِ آتش کر کے تمہاری ریاست کو زلزلے کا جھٹکا دیا۔ تم نے اپنے ایک سپاہی کو میرے قتل کے لیے بھیجا اور ہم نے تمہارے سپاہی کی لاش تم تک پہنچا دی۔ ہم جنوں اور بھوتوں کی طرح تم پر غالب رہیں گے مگر تم ہمیں دیکھ نہیں سکو گے۔ تمہارا زوال شروع ہو چکا ہے۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لو اور اپنی فوج اس کے حوالے کر دو۔ ہمیں قبلۂ اوّل آزاد کرانا ہے۔ اس دُنیا وی بادشاہی اور جاہ و جلال سے باز آ جاؤ۔ تخت و تاج نے کسی کا کبھی ساتھ نہیں دیا''۔

''احمد بن عمرو نے لاش اپنے گھر کے سامنے سے اُٹھوائی اور عزالدین کے سامنے جا رکھوائی۔ عزالدین نے بھی یہ تحریر پڑھی اور کاغذ بن عمرو کو دے کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ بن عمرو غصے کا اظہار کر رہا تھا لیکن عزالدین کا غصہ سرد پڑ چکا تھا۔

''مجھے اطلاع ملی ہے کہ مسجدوں میں بھی اس نئے درویش کے چرچے ہو رہے ہیں''...... عزالدین نے کہا...... ''اور اب اس تحریر سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ کوئی درویش نہیں، بلکہ صلاح الدین ایوبی کا کوئی آدمی ہے''۔ اُس نے کاغذ مروڑ کر لاش پر پھینک دیا۔

''میں اسے تلاش کر لوں گا''...... بن عمرو نے غصے سے کہا...... ''اور سرِ عام اس کا سر تن سے جُدا کراؤں گا''۔

''ٹھنڈے دل سے سوچو''...... عزالدین نے کہا...... ''اس ایک آدمی کو قتل کر دینے سے تم صلاح الدین ایوبی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہمیں کچھ اور کرنا ہے، کچھ اور سوچنا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ صلیبی صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیتے، مگر معلوم نہیں وہ آگے کیوں نہیں آ رہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں صلاح الدین ایوبی سے براہِ راست ٹکراؤں، پھر وہ میری مدد اس طرح کریں گے کہ اُن کے چھاپہ مار دستے صلاح الدین ایوبی کے پہلوؤں اور عقب پر اور اس کی رسد پر شب خون مارتے رہیں گے۔ اس طرح مجھے میدانِ جنگ میں برتری اور کامیابی حاصل ہو گی''۔

''اور ضرور ہو گی''...... بن عمرو نے فرش پر پاؤں مارتے ہوئے کہا۔

''اس تحریر میں صحیح لکھا ہے کہ تم خوشامدی ہو''...... عزالدین نے کہا...... ''میں ایک اُلجھن میں پڑا ہوا ہوں اور تم خوش کرنے کے لیے بچوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔ کیا تم مجھے کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکتے؟''...... اُس نے تالی بجائی۔ ایک نوجوان خادمہ دوڑی آئی۔ اس نے جھک کر سلام کیا۔ عزالدین نے کہا...... ''دربان سے کہو کہ یہ لاش اُٹھوا لے اور کہیں دفن کر دے''...... یہ کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا جو اس کا خاص کمرہ تھا۔ احمد بن عمرو بھی ساتھ تھا۔ عزالدین پھر ادھر آیا اور خادمہ سے کہا...... ''صراحی اور پیالے لے آؤ۔ دربان سے کہو کسی کو اِدھر نہ آنے دے''۔

☆

خادمہ نے لاش دیکھی تو وہ ڈر گئی۔ اس کی نظر مروڑے ہوئے کاغذ پر پڑی۔ وہ عربی پڑھ سکتی تھی۔ اُس نے تحریر پڑھی اور کاغذ اپنے کپڑوں کے اندر چھپا لیا۔ دوڑ کر باہر گئی۔ دربان سے کہا کہ لاش اُٹھوا کر دفن کرا دے اور صراحی اور دو پیالے سنہری تھال میں رکھ کر عزالدین کے کمرے میں چلی گئی۔

''شاہ آرمینیا نے میرے پیغام کا جواب دے دیا ہے''...... عزالدین بن عمرو سے کہہ رہا تھا...... ''اُس نے مجھے اپنے دارالحکومت تل خالد میں ملنے کی بجائے مجھے ہرزم بلایا ہے۔ وہ تل خالد سے روانہ ہو گیا ہے۔ میں دو روز بعد اُسے ملنے جا رہا ہوں''۔

خادمہ نے پیالوں میں جلدی جلدی شراب ڈالنے کی بجائے کپڑے سے پیالے پونچھنے شروع کر دیئے۔ اُس کے کان عزالدین کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔

''میرا خیال ہے شاہ آرمینیا تل خالد سے ہرزم جانے کی غلطی کر رہا ہے''......بن عمرو نے کہا۔

''کیونکہ صلاح الدین ایوبی تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے''......عزالدین نے کہا......''تمہیں یہ ڈر ہے کہ شاہ آرمینیا کی غیر حاضری میں صلاح الدین ایوبی تل خالد کو محاصرے میں لے لے گا......ایسا نہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو ہم صلاح الدین ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کر دیں گے۔ ہم اس لڑائی کو طول دیں گے اور صلیبیوں کو اطلاع دیں گے کہ وہ بھی صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج پس کے رہ جائے گی''۔

''آپ کب جا رہے ہیں؟''......بن عمرو نے پوچھا۔

''دو روز بعد''......عزالدین نے جواب دیا۔

خادمہ شراب پیش کرنے میں اس سے زیادہ تاخیر نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے پیالوں میں شراب ڈالی اور دونوں کو پیش کی۔ عزالدین نے اُسے کہا کہ وہ چلی جائے۔ وہ ڈیوڑھی نما کمرے میں گئی تو وہاں سے لاش اُٹھائی جا چکی تھی۔ خادمہ ابھی وہاں سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ اُسے ڈیوٹی پر رہنا تھا۔ وہ بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ اچانک اُس کے منہ سے ''ہائے'' نکلی۔ اُس نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لیے اور دوہری ہو گئی۔ دربان اور دوسرے ملازم دوڑے آئے۔ اس نے کراہتے ہوئے بتایا کہ اُسے پیٹ میں اچانک درد اُٹھا ہے۔ اُس کی جگہ فوراً دوسری خادمہ بلا کر وہاں بٹھا دی گئی اور اسے طبیب کے پاس لے گئے۔ طبیب کو اُس نے بتایا کہ اسے پیٹ میں درد ہے۔ اسے دوائی دی گئی۔ اُس نے کہا کہ وہ کام کے قابل نہیں رہی۔

کچھ دیر بعد اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ طبیب نے اُسے دو دنوں کی چھٹی لکھ دی اور اُسے کہا کہ اپنے گھر چلی جائے۔ وہ اپنے گھر کو جانے کی بجائے غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتی عزالدین کی بیوی رضیع خاتون کے کمرے میں چلی گئی۔ رضیع خاتون کے متعلق پہلے تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ تھی۔ عزالدین نے اُس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ رضیع خاتون نے اس اُمید پر شادی قبول کر لی تھی کہ عزالدین کو وہ سلطان ایوبی کا دوست اور اتحادی بنا دے گی اور مسلمان اُمراء اور حکمران متحد ہو کر فلسطین سے صلیبیوں کو نکال دیں گے، مگر عزالدین نے جس نیت سے شادی کی تھی وہ رضیع خاتون کی نیت سے اُلٹ تھی۔ دمشق، بغداد اور ان مقامات کے گرد و نواح کے تمام علاقوں پر رضیع خاتون کا اثر تھا اور رضیع خاتون اپنے مرحوم خاوند نورالدین زنگی کی طرح سلطان ایوبی کی معتقد اور اُس کے نیک عزائم کی حامی تھی۔ اُس نے جوان لڑکیوں کی فوج بنا رکھی تھی۔

عزالدین نے اِس عظیم خاتون کے ساتھ اس نیت سے شادی کی تھی کہ اسے سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کرے اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکا کہ اُسے زوجیت کی قید میں رکھے تا کہ دمشق اور بغداد کے لوگ اس کی قیادت سے محروم ہو جائیں۔ رضیع خاتون نے شادی کے بعد اُس کی نیت پہچان لی تھی۔ پہلے تو اُس نے احتجاج کیا لیکن عورت عقل والی تھی۔ اُس نے عزالدین پر اپنا اعتماد پیدا کر کے جاسوسی شروع کر دی اور شہر میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس تھے، ان کے ساتھ در پردہ رابطہ قائم کر لیا۔ اس کی بیٹی (جو زنگی کی بیٹی تھی) شمس النساء جوان تھی۔ وہ بھی جاسوسی کر رہی تھی۔ ماں بیٹی نے سلطان ایوبی تک بڑے ہی قیمتی راز پہنچائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رضیع خاتون نے عزالدین کے دو سالاروں اور ایک مشیر کو اپنے ہاتھ میں کر لیا تھا۔ عزالدین کو اُس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ اب سلطان ایوبی کے حق میں نہیں رہی یا کم از کم اس

کے خلاف نہیں رہی۔ رضیع خاتون خوب صورت عورت تھی۔ اس نے نسوانیت کی شیرینی اور زبان کی چاشنی سے عزالدین کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی محل کے اندر بھی جاسوسوں کا گروہ بنا لیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی کہ عزالدین کی نوجوان خادمہ اندر آئی۔

''پیٹ درد کا بہانہ کر کے آئی ہوں''...... خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا...... ''طبیب نے آج اور کل کی چھٹی دے دی ہے''...... اُس نے قمیض کے اندر سے وہ کاغذ نکالا جو اُس نے لاش سے اُٹھایا تھا۔ کاغذ رضیع خاتون کو دیا اور اسے بتایا کہ یہ کاغذ ایک سپاہی کی لاش کے ساتھ تھا۔

رضیع خاتون نے تحریر پڑھی اور بولی...... ''آفرین، ہمارے مجاہد کام کر رہے ہیں، تو اُس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کمبختوں نے ہمارے آدمی کو قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ ہمارے اس درویش نے لوگوں کے دلوں سے صلیبیوں کے درویش کی دہشت اور وہم نکال دیا ہے''۔

''یہ تحریر اُسی کی ہے''...... خادمہ نے کہا...... ''میں اُس کا ہاتھ پہچانتی ہوں''۔

رضیع خاتون نے ہنس کر کہا...... ''مجھے معلوم ہے کہ تم اُس کا ہاتھ ہی نہیں، اُس کا دِل بھی پہچانتی ہو، لیکن یہ خیال رکھنا کہ دِلوں کے جال میں نہ اُلجھ جانا۔ فرض پہلے''۔

خادمہ شرما سی گئی۔ کہنے لگی...... ''ابھی تک اپنے جذبات کو فرض کے راستے میں نہیں آنے دیا۔ میں فہد کو بھی یہی کہا کرتی ہوں کہ اُسے مجھ سے دِلی محبت ہے تو اپنے فرض کو جذبات پر حاوی رکھے''۔

فہد وہی جواں سال آدمی تھا جس نے نئے درویش کا روپ دھارا تھا۔ وہ بغداد کا رہنے والا تھا۔ اُس میں جاسوس بننے کی تمام تر خوبیاں موجود تھیں۔ خوبرو جوان تھا۔ دو سال سے موصل میں مقیم تھا اور کامیابی سے جاسوسی کر رہا تھا اور نظریاتی محاذ پر بھی اُس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمایاں کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ اسی سلسلے میں اس کی ملاقات عزالدین کی خادمہ سے ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے دِل میں اُتر گئے تھے۔ خادمہ شہر میں رہتی تھی لیکن اس کا زیادہ وقت محل میں گزرتا تھا۔ جاسوسی کی زمین دوز کارروائیوں کے علاوہ بھی ان دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔

''میں جو خبر لائی ہوں، وہ ابھی بتائی ہی نہیں''...... خادمہ نے رضیع خاتون سے کہا...... ''عزالدین دو روز بعد شاہ آرمینیا سے ملنے ہرزم جا رہے ہیں۔ میں نے شراب پیش کرنے کے دوران اُس سے یہ بات سنی ہے۔ وہ احمد بن عمرو کو بتا رہے تھے کہ شاہ آرمینیا نے انہیں پیغام بھیجا ہے کہ وہ تل خالد سے ہرزم روانہ ہو رہا ہے اور عزالدین اسے وہاں ملیں...... میں رات تک فارغ نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے پیٹ درد کا بہانہ بنایا اور آپ تک پہنچی ہوں''۔

رضیع خاتون نے اپنے زانو پر ہاتھ مار کر کہا...... ''صلاح الدین ایوبی تل خالد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ تل خالد میں اپنے جاسوس ہیں یا نہیں۔ یہ خبر صلاح الدین ایوبی تک پہنچنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ ان دونوں کو ہرزم میں پکڑ لے۔ یہ کام تم ہی کرو۔ فہد یا اس کے کسی اور ساتھی تک پہنچو اور اسے یہ خبر سنا کر میرا پیغام دو کہ صلاح الدین ایوبی ابھی تل خالد کے راستے میں ہوگا، یہ خبر اس تک پہنچا دو۔ ابھی جاؤ''۔

خادمہ چلی گئی۔

☆

کچھ ہی دیر بعد عزالدین رضیع خاتون کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ بڑی صاف تھی۔

رضیع خاتون کو معلوم تھا کہ وہ کیوں پریشان ہے، پھر بھی اس پریشانی کی وجہ پوچھی۔

''میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اور صلیبیوں کی دوستی کے پتھروں میں پس رہا ہوں''..... عزالدین نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میری تمام دلچسپیاں آپ کے ساتھ ہیں''..... رضیع خاتون نے کہا..... ''مگر میں صلاح الدین ایوبی کے حق میں کوئی بات کرتی ہوں تو آپ کو شک ہوتا ہے کہ میں اُس کی حامی اور آپ کے خلاف ہوں۔ آپ کی پریشانی کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کے اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان عداوت پیدا ہوگئی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ آپ نے اُس قوم کو دوست سمجھ لیا ہے جو آپ کی دوست نہیں ہوسکتی ہے، وہ آپ کے مذہب کی دشمن ہی رہے گی۔ صلیبی اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آپ کو دھوکہ دیں گے اور ضرور دیں گے''۔

''تو کیا میں صلاح الدین ایوبی کے قدموں میں جا کر تلوار رکھ دوں؟''..... عزالدین نے طنزیہ لہجے میں پوچھا..... ''اگر میں ایسا کر گزروں تو اپنی فوج کے سامنے کس منہ سے کھڑا ہوں گا''۔

''صلاح الدین ایوبی آپ کو اپنا محکوم نہیں، اپنا اتحادی بنانا چاہتا ہے''..... رضیع خاتون نے کہا۔

''تم اس شخص کی نیت کو نہیں سمجھ سکی''..... عزالدین نے کہا..... ''وہ سلطنتِ اسلامیہ کی بات کرتا ہے مگر اُسے اپنی ذاتی سلطنت بنائے گا''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اس سے لڑیں گے''..... رضیع خاتون نے کہا..... ''اگر آپ کا یہی ارادہ ہے تو پریشان ہونے کی بجائے جنگ کی تیاری کریں۔ فوج میں اضافہ کریں''۔

''میری پریشانی یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے جاسوسوں اور تباہ کاروں کا جال بچھا دیا ہے''..... عزالدین نے کہا..... ''تمہیں معلوم ہے کہ میرا اتنا قابل فوجی مشیر احتشام الدین بیروت بالڈون سے معاہدہ کرنے گیا اور وہاں سے غائب ہوگیا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ہے۔ ہمارے تمام راز اُس کے پاس ہیں۔ میں نے صلیبیوں سے اسلحہ آتش گیر سیال اور دیگر سامان کا ذخیرہ اپنے قریب جمع کرایا تھا۔ وہ تباہ ہوگیا ہے۔ آج میرے حفاظتی دستے کے ایک سپاہی کی لاش میرے پاس آئی ہے''۔

''اُسے کسی نے قتل کیا ہے؟''..... رضیع خاتون نے انجان بن کر پوچھا۔

''ہاں''..... عزالدین نے اصل بات پر پردہ ڈال کر کہا..... ''اُسے کسی نے قتل کر دیا ہے۔ اسے ایک خاص کام کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے قاتل صلاح الدین ایوبی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں''۔

اس لاش کے ساتھ فہد کا لکھا ہوا جو کاغذ تھا وہ رضیع خاتون کے پاس تھا لیکن وہ انجان بنی رہی۔ اُس نے سوچا کہ عزالدین گھبرایا ہوا ہے، اس پر اور زیادہ گھبراہٹ طاری کی جائے۔

''آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ صلاح الدین ایوبی صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑتا''..... رضیع خاتون نے کہا..... ''وہ جب اپنے گھر میں سویا ہوا ہوتا ہے تو اس کے دشمن سمجھتے ہیں جیسے وہ اُن کے سر پر بیٹھا ہے۔ اس وقت وہ تل خالد کی طرف جا رہا ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ موصل میں بیٹھا ہے اور اپنی نگرانی میں تباہی کر رہا ہے۔ صلیبیوں کی فوج کا اندازہ کریں۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج سے دس گنا زیادہ ہے مگر صلیبی آگے بڑھ کر اُس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ صلیبیوں کے مقابلے میں آپ کے پاس جو فوج ہے، وہ آپ جانتے ہیں۔ آپ کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ

آپ کی فوج میں ایسے کمان دار موجود ہیں جو آپ کے وفادار نہیں۔ وہ آپ کو دھوکہ دے سکتے ہیں''۔

عزالدین اور زیادہ گھبرا گیا اور بولا......''میں اس حد تک پہنچ چکا ہوں جہاں سے آسانی سے واپس نہیں آ سکتا۔ میں دو روز بعد کہیں باہر جا رہا ہوں۔ اگر حالات نے ساتھ دیا تو کامیاب ہو جاؤں گا'......وہ چپ ہو کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا......''رضیع! میں نے ایک اُمید تمہارے ساتھ وابستہ کر رکھی ہے''۔

''میں آپ کی ہر اُمید پوری کروں گی'......رضیع خاتون نے کہا......''اگر آپ مجھے صلاح الدین ایوبی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کو کہیں گے تو میں کر گزروں گی۔ میں آپ کے ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں۔ مجھے بتائیں میں آپ کی کون سی اُمید پوری کر سکتی ہوں۔ مجھے کسی کڑی آزمائش میں ڈالیں''۔

''میں باہر جا رہا ہوں'......عزالدین نے کہا......''مجھ سے ابھی یہ نہ پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اُسے ابھی راز میں رکھنا ہے۔ اس کے بعد میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف کوئی کارروائی کروں گا۔ اگر حالات میرے خلاف ہو گئے تو میں تم سے اُمید رکھوں گا کہ تم میری طرف سے سلطان ایوبی کے پاس جاؤ گی اور اس کے ساتھ میرا سمجھوتہ کرا دو گی۔ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت میں اُس کے پاس جاؤں تو وہ مجھے ملنے سے بھی انکار کر دے''۔

رضیع خاتون نے اُسے یہ مشورہ دیا کہ وہ شکست سے پہلے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ سمجھوتہ کر لے۔ اُس نے عزالدین سے یہ بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ اسے خادمہ بتا گئی تھی کہ وہ ہرزم شاہ آرمیدیا سے ملنے جا رہا ہے اور یہ سلطان ایوبی کے خلاف محاذ بن رہا ہے۔ رضیع خاتون کو وہ ابھی نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے، کیونکہ اُسے وہ راز رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی جاسوسہ سے باتیں کر رہا ہے۔ تاہم رضیع خاتون نے اسے یقین دلایا کہ وہ جب بھی کہے گا سلطان ایوبی کے ساتھ اس کا سمجھوتہ کرا دیا جائے گا۔ عزالدین کی گھبراہٹ سے رضیع خاتون کو خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

عزالدین سر جھکائے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ رضیع خاتون کی ذاتی خادمہ جو اسی کی عمر کی تھی، اندر آئی اور رضیع خاتون سے پوچھا کہ والیٔ موصل بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ یہ خادمہ بھی رضیع خاتون کے زمین دوز گروہ کی فرد تھی۔

''ایمان اور کردار سے منحرف ہو کر انسان کی یہی حالت ہوا کرتی ہے''۔ رضیع خاتون نے کہا......''یہ حکمران جو قوم سے الگ ہو کر اپنی اپنی ریاستوں کے بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں، کسی درخت کی اُن ٹہنیوں کی مانند ہیں جو درخت سے الگ ہو گئی ہیں۔ ان کی قسمت میں اب یہی لکھا ہے۔ ان کے پتے جھڑ جائیں گے، بکھر جائیں گے اور یہ ٹہنیاں سوکھ کر مٹی میں مل جائیں گے۔ یہ حکومت کا لالچ ہے جس نے میرے خاوند کو شراب اور عورت کا شیدائی بنایا ہے۔ اس شخص نے صلیبیوں کا میٹھا زہر اپنی رگوں میں انڈیل لیا ہے۔ عزالدین میدانِ جنگ کا بادشاہ تھا۔ اُس کی تلوار سے صلیب کا دل کانپتا تھا لیکن آج اُس کے دل پر خوف طاری ہے۔ اُس شخص کی جرأت جواب دے گئی ہے۔ مجھ سے، ایک عورت سے مدد مانگ رہا ہے۔ بادشاہی کا نشہ، شراب اور عورت انسان کا یہی حشر کیا کرتی ہے۔ اُس کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے۔ جب ایک سالار تخت و تاج کا خواہاں ہو جاتا ہے تو اُس کی پوری فوج دین و ایمان سے دست بردار ہو جاتی ہے، پھر ملک و ملت کا وقار خاک میں ملتا ہے اور دشمن سر پر سوار ہو جاتا ہے''۔

☆

وہ نوجوان خادمہ جو فہد کو یہ پیغام دینے نکلی تھی کہ عزالدین شاہ آرمیدیا سے ملنے ہرزم جا رہا ہے، اس ٹھکانے پر گئی

جہاں فہد کو ہونا چاہیے تھا مگر وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ فہد عموماً شتربانوں کے بھیس میں رہتا تھا۔ وہ دو اونٹ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور تاجروں وغیرہ کا سامان اِدھر اُدھر لے جاتا تھا۔ وہ اُس جگہ گئی جہاں وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہوتا تھا۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا۔ اُس نے ایک شتربان سے پوچھا کہ فہد کہاں ہے۔ شتربان کی حیثیت سے اس کا نام کچھ اور تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ اونٹوں پر سامان لاد کر فلاں جگہ چلا گیا ہے۔ خادمہ اُدھر کو چل پڑی...... اور اُسے پتہ نہ چلا کہ ایک اور آدمی اس کے تعاقب میں آ رہا ہے۔

یہ آدمی تھا تو موصل کا مسلمان لیکن صلیبیوں کا جاسوس تھا اور اس کا تعلق عزالدین کے محل کے عملے سے تھا۔ اس نے خادمہ کو طبیب کے پاس پیٹ کے شدید درد کی حالت میں دیکھا تھا۔ وہ اس لڑکی کو جانتا تھا۔ اُس نے اس لڑکی کو اُس وقت بھی دیکھا تھا جب وہ دوائی لے کر محل سے نکل رہی تھی۔ اُسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ رضیع خاتون سے مل کر آئی ہے۔ اُس نے یہ دیکھا تھا کہ لڑکی اتنی تیز چل رہی تھی جیسے اُسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ یہ آدمی صلیبیوں کا تیار کیا ہوا جاسوس تھا۔ اسے اس لڑکی پر شک ہوا۔ عزالدین کا اپنا جاسوسی کا نظام اتنا اچھا نہیں تھا۔ صلیبیوں نے اُسے بتائے بغیر وہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ اُن کے ذمے دو کام تھے۔ ایک یہ کہ عزالدین پر نظر رکھیں کہ وہ کہیں درپردہ سلطان ایوبی کا دوست تو نہیں بن رہا۔ دوسرا یہ کہ ان افراد کی نشان دہی کریں جو عزالدین کے محل میں اور موصل میں موجود ہیں اور جاسوسی کر رہے ہیں۔

صلیبیوں کے اس جاسوس نے اس لڑکی کا تعاقب شروع کر دیا اور جب دیکھا کہ وہ اور زیادہ تیز چل رہی ہے اور کسی کو ڈھونڈتی پھرتی ہے تو اُس کا شک پختہ ہو گیا۔ اُسے اب یہ دیکھنا تھا کہ وہ کسے ڈھونڈ رہی ہے۔ اگر یہ لڑکی واقعی جاسوس ہے تو اس سے ایک یا ایک سے زیادہ جاسوسوں کو پکڑا جا سکتا تھا۔ لڑکی کو اب ایک شتربان نے بتایا تھا کہ وہ کہاں گیا ہے۔ وہ اس طرف جا رہی تھی اور جاسوس اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

ایک جگہ اونٹوں سے سامان اُتارا جا رہا تھا۔ فہد بھی سامان اُتار رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کو دیکھ لیا۔ قریب سے گزرتے ہوئے لڑکی نے فہد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور آگے نکل گئی۔ فہد کو معلوم تھا کہ وہ کہاں اس کا انتظار کرے گی۔ جاسوس اُس کے پیچھے لگا رہا۔ لڑکی کو معلوم نہ تھا۔ فہد نے جلدی جلدی اپنے اونٹوں سے سامان اُتارا اور لڑکی کے پیچھے گیا۔ اُس نے ایک اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ دوسرے اونٹ کی مہار اس اونٹ کے پیچھے بندھی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ فہد لڑکی کے ساتھ ہو گیا۔ لڑکی رُکی نہیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اپنے دھیان سے جا رہی ہو۔ فہد بھی بظاہر اُس کی طرف توجہ نہیں دے رہا تھا لیکن لڑکی اُسے پیغام دے رہی تھی۔

چند قدموں تک لڑکی نے پیغام سنا دیا اور کہا...... ''یہ کام کر کے آؤ گے تو وہاں ملوں گی جہاں ہم کچھ دیر بیٹھا کرتے ہیں۔ ابھی نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے فرض سے بھٹک جائیں...... تمہیں معلوم ہو گا۔ سلطان کی فوج کہاں ہو گی؟''

''مجھے معلوم ہے''...... فہد نے جواب دیا...... ''میں ابھی روانہ ہو جاؤں گا''۔

''خدا حافظ''...... لڑکی نے کہا

''فی امان اللہ''۔

لڑکی ایک طرف مڑ گئی۔ وہ ایک گلی تھی۔ تب اس نے گھوم کر دیکھا۔ ایک آدمی اُس کے پیچھے آ رہا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ اس آدمی کو اُس نے فہد کی تلاش کے دوران تین چار مرتبہ دیکھا تھا۔ اُسے یہ بھی خیال آیا کہ اس آدمی کو اُس نے محل میں بھی دیکھا ہے۔ ذہن پر زور دیا تو اُسے یاد آیا کہ یہ شخص محل میں ملازم ہے۔ لڑکی کو کچھ شک ہوا۔ اُس نے اُس آدمی کی

نیت معلوم کرنے کے لیے گلیوں کے دو تین موڑ مڑے۔ یہ آدمی اُس کے پیچھے رہا۔لڑکی آبادی سے باہر نکل گئی۔ یہ آدمی بھی باہر نکل گیا۔ کچھ دُور درختوں کا جھنڈ تھا۔لڑکی وہاں بیٹھ گئی۔ یہ آدمی آگے نکل گیا۔ انسے غالباً یہ شک ہوا ہوگا کہ لڑکی کسی کے انتظار میں بیٹھی ہے۔ وہ بہت آگے چلا گیا۔

لڑکی ہوشیار تھی۔ وہ جلدی سے قریب کی جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ وہاں سے سرکتی جھاڑیوں سے نکلی اور ایک گلی میں غائب ہوگئی۔ وہ آدمی دُور جا کر واپس آیا۔ اب اُس نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ لڑکی کے پاس کوئی آدمی بیٹھا ہوگا مگر اُس نے قریب آکر دیکھا، وہاں لڑکی نہیں تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔لڑکی کا نام ونشان نہیں تھا۔

لڑکی اپنے گھر پہنچ چکی تھی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی آرمینیا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا خطرہ مول لے رکھا تھا۔ صلیبی افواج کسی بھی وقت متحد ہو کر اُس پر حملہ کر سکتی تھیں اور وہ اکیلا تھا۔ مسلمان اُمراء اس کے خلاف تھے۔ اپنی اپنی ریاست اور حکمرانی الگ الگ قائم کرنے کے لیے وہ اپنا ایمان صلیبیوں کے ہاتھ بیچ چکے تھے۔ خانہ جنگی تک ہو چکی تھی جو صلیبیوں کی در پردہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اب سلطان ایوبی ان تمام مسلمان اُمراء کو بزورِ شمشیر اپنے محاذ پر متحد کرنے کا عزم لیے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ان میں سے جو میری صفوں میں نہیں آتا، وہ خودمختار بھی نہیں رہے گا۔ اُس نے چند ایک قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور وہاں کے اُمراء اور قلعہ داروں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اب وہ ان حکمرانوں کی طرف بڑھ رہا تھا جو کچھ طاقت رکھتے تھے۔ وہ کمال دلیری سے ان دشمنوں کے درمیان فوج کو گھما پھرا رہا تھا اور یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔

''اگر تمہارے ارادے نیک ہیں تو تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے''...... سلطان ایوبی تل خالد کے راستے میں ایک پڑاؤ کیے پڑا تھا۔ اس نے اپنے خیمے میں سالاروں کو بلا رکھا تھا، کہہ رہا تھا...... ''میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو۔ اگر تم میں سے کوئی میرے اس فیصلے سے متفق نہیں کہ میں صلیبیوں کی طرف سے بے خبر ہو کر غلط سمت کو چل پڑا ہوں تو میں اسے حق بجانب سمجھوں گا۔ میں اُسے یہ نہیں کہوں گا کہ وہ میرا حکم مانے اور میرے غلط فیصلے پر عمل کرے۔ میں اسے یہی کہوں گا کہ وہ میرے مقصد کو سمجھے اور دل سے تمام خوف اور وسوسے نکال دے۔ ہمارے منزل یروشلم ہے۔ بیت المقدس، قبلۂ اوّل...... خدا نے ہمیں اس کڑی آزمائش ڈال دیا ہے کہ ہمارے بھائی ایمان فروش نکلے۔ انہیں قبلۂ اوّل نہیں حکمرانی چاہیے...... یاد رکھو میرے رفیقو! جب تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں یہ تحریر ہوگا کہ ہمارے دور کی فوج بزدل اور نااہل تھی۔ شکست کی لعنت ہمیشہ فوج کے حصے میں آتی ہے۔ حکمران اگر کفار کے در پردہ دوست ہی ہوئے، آنے والی نسلیں فوج پر لعنت بھیجیں گی......

''ہمیں خدا کے حضور بھی جانا ہے۔ خدا نے ہم پر فرض عائد کیا ہے وہ ہمیں پورا کرنا ہے یا اس فرض کی ادائیگی میں جان دینی ہے۔ مرکز سے الگ ہونے والوں کے لیے میرے دل میں کوئی رحم نہیں۔ اگر ہم نے آج الگ الگ ریاستیں بنانے کے رجحان کو نہ روکا تو ایک دن یہی رجحان اسلام کے زوال کا باعث بنے گا۔ کہنے کو یہ اسلامی ملک ہوں گے لیکن اپنی بادشاہیاں اور عیش وعشرت قائم رکھنے کے لیے اپنے طاقتور دشمن کے ساتھ سمجھوتے کرتے اور اپنا ایمان نیلام کرتے پھریں گے۔ اپنے طاقتور دشمن کو خوش کرنے کے لیے در پردہ ایک دوسرے کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہیں گے۔ اُن کا کمزور سا دشمن بھی ان کے لیے طاقتور ہوگا۔ ایک حکمران اپنی پوری رعایا کو بے وقار بنا دے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو آج ہی سمیٹ لیں......

''میں اب یہ باتیں بار باراس لیے کرر ہاہوں کہ اپنا نقطۂ نظر جو وقت کی ایک ضرورت ہے،تمہارے دِلوں پر نقش ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ اپنے کسی ایسے بھائی کو دیکھ کر جو ہمارے مذہب کا دشمن ہو،تمہاری تلوار جھک جائے۔قوم کی مرکزیت اور اتحاد کو ختم کرنے والا بھائی دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے...... میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہم تل خالد کے محاصرے کے لیے جا رہے ہیں اور یہ ہمارا آخری پڑاؤ ہے۔اس کے آگے تل خالد ہے۔محاصرے کے لیے میں تم سب کو بتا چکا ہوں کہ کس کس کے دستے ہوں گے۔محفوظہ میرے ہاتھ میں ہوگا۔چھاپہ مار دستے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اُن راستوں کو زد میں لے لیں گے جن سے صلیبی فوج کے آنے کا خطرہ ہوسکتا ہے یا آرمینیا کی فوج محاصرہ توڑنے کے لیے آسکتی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلیبی حملے کا خطرہ نہیں،پھر بھی احتیاط لازمی ہے......

''ہم آرمینیا پر قبضہ نہیں کرنا چاہتے۔ہمیں شاہ آرمینیا سے اپنی شرائط تسلیم کرانی ہیں۔میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ عزالدین شاہ آرمینیا کی مدد کا طلب گار ہے۔ہمیں آرمینیا پر خطرہ بن کر سوار ہو جانا ہے تاکہ شاہ آرمینیا عزالدین کو مدد نہ دے سکے لیکن میں تمہیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔یہ عین ممکن ہے کہ آرمینیا کی فوج اور شہری ہمارا مقابلہ اتنا سخت کریں کہ ہمیں پسپا ہونا پڑے۔اس صورت میں عزالدین بھی ہم پر حملہ کرسکتا ہے اور حلب کا والی عمادالدین بھی۔ہمیں گرتا دیکھ کر چھوٹے چھوٹے اُمراء بھی ہمیں گھوڑوں تلے روندیں گے۔ان نتائج اور خطروں کو سامنے رکھ کر ہمیں لڑنا ہے۔میں تمہیں نقشہ دکھا چکا ہوں۔کسی کے دِل میں کوئی شک ہو تو رفع کرلو۔یہ محاصرہ اور حملہ ہمیں اتنی بڑی مشکل میں ڈال سکتا ہے کہ ہم شکست بھی کھا سکتے ہیں''۔

☆

رات کا پہلا پہر تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی اس آخری پڑاؤ میں اپنے سالاروں کو اپنی پہلے سے دی ہوئی ہدایات یاد دلا رہا تھا۔اُس کے سامنے نقشہ پڑا تھا۔دربان نے خیمہ میں آکر اس کے کان میں کچھ کہا۔سلطان ایوبی نے اُسے کہا......فوراً اندر بھیج دو''۔

دربان نے خیمے کا پردہ اُٹھایا اور سر سے اشارہ کیا۔فہد خیمے میں داخل ہوا۔اُس نے موصل سے یہاں تک کہیں رُکے بغیر مسافت طے کی تھی۔اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ہونٹ خشک تھے اور آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔جاسوسی اور سراغ رسانی کے محکمے کا سربراہ حسن بن عبداللہ خیمے میں موجود تھا۔

''معلوم ہوتا ہے تم نے آرام کیے بغیر سفر کیا ہے''۔سلطان ایوبی نے فہد سے کہا۔''بیٹھ جاؤ''......دربان کو آواز دے کر اسے کہا......''اُس کے لیے کھانا یہیں لے آؤ''۔

''خبر ایسی تھی کہ آرام کی مہلت حاصل کرنا گناہ معلوم ہوتا تھا''۔فہد نے اُکھڑی ہوئی سانسوں سے کہا......

''میرا گھوڑا شاید زندہ نہ رہ سکے''۔

''کیا خبر ہے؟''

''شاہ آرمینیا اپنے دارالحکومت میں نہیں''۔فہد نے کہا......''وہ ہرزم میں خیمہ زن ہے۔عزالدین اُسے ملنے ہرزم جا رہا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ ہماری فوج کے خلاف معاہدہ ہوگا۔شاہ آرمینیا کے ساتھ اپنی فوج کے بھی دو دستے ہوں گے اور عزالدین بھی اپنی فوج کے دو تین دستے اپنے ساتھ لا رہا ہے''۔

''یہ بادشاہ شاہی شان و شوکت سے ایک جگہ اکٹھے ہو رہے ہیں''۔سلطان ایوبی نے مُسکرا کر کہا،پھر پوچھا......

''موصل میں صلیبیوں کے کیا رنگ ڈھنگ ہیں''۔

''صلیبی ٹھنڈے ٹھنڈے سے معلوم ہوتے ہیں''۔فہد نے جواب دیا...... ''ان کے ذخیرے کی تباہی کی اطلاع آپ کو مل چکی ہے۔ہم نے وہاں کے لوگوں کے دلوں سے پہلے درویش کا وہم اور فریب نکال دیا ہے''۔

''شاہ آرمینیا اور عزالدین کی ہرزم میں ملاقات کے متعلق تمہیں کہاں سے اطلاع ملی ہے؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا...... ''میں کیسے یقین کرلوں کہ یہ اطلاع صحیح ہے؟''

''رضیع خاتون کی اطلاع غلط نہیں ہوسکتی''۔فہد نے کہا

''اللہ اس عظیم خاتون کو اپنی رحمتوں سے نوازے''۔سلطان ایوبی نے کہا اور جذبات کے غلبے سے اُس کی آواز بھرا گئی۔

''رضیع خاتون نے آپ کو سلام کہا ہے''۔فہد نے کہا...... ''اور یہ بھی کہ عزالدین کے پاؤں لڑنے سے پہلے ہی اُکھڑ گئے ہیں۔اُس پر گھبراہٹ طاری ہے اور اگر اُسے ایک ضرب اور پڑی تو وہ گھٹنے ٹیک دے گا''۔

''موصل میں کوئی فوجی ہلچل ہے؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا...... ''کوئی جنگی تیاری؟''

''صلیبی جاسوس اور مشیر سرگرم ہیں''۔فہد نے جواب دیا...... ''کوئی جنگی تیاری نظر نہیں آتی۔عزالدین صلیبیوں سے جس قسم کی اعانت مانگ رہا ہے۔وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔شہر میں ہمارے آدمی پوری کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں اور رضیع خاتون اور اُن کی بیٹی شمس النساء کی کوششوں سے قلعے اور محل کے اندر کا ہر گوشہ اور ہر راز ہماری نظر میں ہے''۔

''صد آفرین میرے دوست!'' سلطان ایوبی نے اُٹھ کر اُس کے گال کو تھپکایا اور کہا...... ''تمہیں معلوم نہیں کہ تم جو اطلاع لائے وہ کتنی کار آمد اور قیمتی ہے۔مجھے اُمید ہے کہ فوجوں کا اب اتنا خون خراب نہیں ہوگا، جتنا محاصرے اور حملے میں ہوتا''۔اُس نے سالاروں سے مخاطب ہو کر کہا...... ''اب ہم تل خالد کا محاصرہ نہیں کریں گے۔فوج اُدھر ہی جائے گی۔چھاپہ ماروں کا صرف ایک دستہ میرے ساتھ ہرزم کی سمت جائے گا''۔

☆

ہرزم ایک خوب صورت جگہ تھی۔ہر طرف سبزہ زار، چشمے اور ہرے بھرے درخت تھے۔ہریالی سے ڈھکی ہوئی چٹانیں بھی تھیں۔اس خطے کو قدرت نے تو حسن دیا ہی تھا، آرمینیا کے بادشاہ نے اُسے آکر جنتِ ارض بنا دیا۔شامیانوں اور قناتوں نے محل کا منظر بنا دیا۔ان کے اندر رنگین روشنیوں والے فانوس لٹکائے گئے تھے۔چھ چھ گھوڑوں کی بگھیاں بھی تھیں اور محافظ دستے کے سوار اور گھوڑے طلسماتی سی شان کے حامل تھے۔رقص و سرور کا خاص انتظام تھا۔آرمینیا کی سب سے زیادہ حسین اور ناچنے والی لڑکیاں ساتھ لائی گئیں تھیں۔حرم کی منتخب لڑکیوں کے خیمے الگ تھے۔شاہ آرمینیا نے مردین کے امیر کو بھی وہاں مدعو کیا تھا۔مردین ہرزم کے قریب ہی ایک علاقہ تھا جس کا امیر قطب الدین غازی تھا۔مردین اس کی جاگیر تھی...... شامیانوں، قناتوں اور خیموں سے کچھ دور شاہ آرمینیا کی دو دستے فوج خیمہ زن تھی۔

شاہ آرمینیا امیر مردین کے ساتھ دو تین روز شکار کھیلتا رہا، پھر ایک روز والیٔ موصل عزالدین آ گیا۔اُس کے ساتھ بھی اپنی فوج کے دو منتخب دستے تھے۔رات کو رقص و سرود کی محفل جمی۔شراب کی صراحیاں خالی ہوئیں، عورت اور شراب نے وہ کیفیت پیدا کر دی کہ یہ مسلمان حکمران، ان کے اُمراء، وزراء اور سالار قبلۂ اوّل کے ساتھ خانہ کعبہ کو بھی بھول گئے۔رات عیش و عشرت میں گزار کر وہ سارا دن گہری نیند میں سوئے رہے۔اس رات جب وہ شراب اور عورت کے نشے

میں مخملیں قالینوں پر رنگین فانوسوں کے نیچے بدمست ہو رہے تھے، اس رات سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں سے دو اڑھائی میل دُور چھاپہ ماروں کے ایک دستے کے ساتھ پتھریلی زمین پر سویا ہوا تھا۔ اُس نے چھوٹا سا سفری خیمہ ساتھ رکھا تھا تاکہ نصب کرنے اور گاڑنے میں زیادہ وقت صرف نہ ہو۔ وہ یہاں سلطان نہیں چھاپہ مار بن کے آیا تھا۔

اس نے خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ہرزم کے اس شاہانہ کیمپ کا جائزہ لینے اور تمام تر ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ ان میں فہد بھی تھا۔ اس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ تین چار جاسوس اپنے اونٹوں کی مہاریں پکڑے کیمپ کے اردگرد گھومتے رہے تھے۔ انہیں کوئی وہاں ہٹ جانے کو کہتا تو وہ ہاتھ پھیلا کر کھانے کی بھیک مانگتے۔ فہد شاہی شامیانوں کے قریب سے گزرا تو اُسے وہ نوجوان خادمہ نظر آئی جس نے اُسے رضیع خاتون کا پیغام دیا تھا۔ فہد نے اسے پہچان لیا۔ یہ لڑکی عزالدین کی خصوصی خادمہ تھی جو یہاں بھی اس کے ساتھ آئی تھی۔

فہد نے بھکاریوں کی طرح صدا لگائی...... ''شہزادی! آپ کا غلام سفر میں ہے۔ کچھ کھانے کو مل جائے''۔

''بھاگ جاؤ یہاں سے'' لڑکی نے دُور سے کہا...... ''ورنہ پکڑے جاؤ گے''۔

''فہد کو موصل میں تو کوئی نہیں پکڑ سکا'' ۔فہد نے اپنی اصلی آواز میں کہا...... ''تم یہاں پکڑوا دو''۔

''اوہ!'' لڑکی اِدھر اُدھر دیکھ کر اس کے قریب آ گئی...... ''تم پہنچ گئے ہو؟ دیکھ لو۔ میری خبر غلط تو نہیں تھی...... لیکن یہاں نہ رُکو۔ چلے جاؤ...... تم رات کہاں ہو گے؟ آج رات شاید میں جلدی فارغ ہو جاؤں۔ مل بیٹھے مدت گزر گئی ہے''۔

''تم نے ہی کہا تھا کہ جذبات پر فرض کو غالب نہ آنے دیا'' ۔فہد نے کہا...... ''ہمارا فرض ابھی ادا نہیں ہوا۔ زندہ رہے تو ملیں گے''۔

''تم نے سب کچھ دیکھ لیا ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔ ''سلطان کہاں ہے؟''

''سلطان جلدی آ جائے گا'' ۔فہد نے جواب دیا۔

''اوئے کون ہے یہ؟'' کسی کی آواز آئی۔ ''ہٹاؤ اس بدبخت کو یہاں سے''۔

لڑکی فہد کو ڈانٹنے لگی اور فہد وہاں سے چلا گیا۔ لڑکی ایک خیمے کی اوٹ سے اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ اس خیال سے اُس کے آنسو نکل آئے کہ فہد کا فرض کیسا اذیت ناک ہے اور کتنا خطرناک ہے۔ وہ اس خوبرو اور تنومند جوان کو دل وجان سے چاہتی تھی مگر وہ چوری چھپے ملتے تھے تو اپنے جذبات کی کم اور فرائض کی باتیں زیادہ کرتے تھے۔ کئی معرکے جو ان کی فوج نے جیتے تھے، وہ فہد اور اس لڑکی جیسے جاسوسوں کی بدولت جیتے تھے۔ یہ دشمن کے گھر میں رہ کر زمین دوز معرکہ لڑتے تھے۔ ان کی جان ہر لمحہ موت کے منہ میں رہتی تھی۔ اس نوجوان اور حسین خادمہ کے جذبات اُبل آئے۔ اگر اس کا فرض راستے میں حائل نہ ہوتا تو وہ فہد کو یوں مارا مارا پھرنے نہ دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ فہد انہی پتھریلی وادیوں میں کہیں سو جاتا ہوگا۔

''ہم خدا کے حضور ملیں گے'' ۔لڑکی نے اپنے آپ سے کہا اور اپنے کام کو چلی گئی۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ آج رات ہرزم کے شاہی کیمپ میں کوئی گانا بجانا نہیں تھا۔ خاموشی طاری تھی۔ شاہ آرمینیا کے شامیانے میں اس کے پاس عزالدین اور امیر مروین قطب الدین غازی بیٹھے تھے۔ عزالدین کہہ رہا تھا...... ''اس میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ صلاح الدین ایوبی اپنی سلطنت وسیع کر رہا ہے۔ اگر ہم اس کے اتحادی بن جائیں تو وہ ہمیں اپنا امیر بنا کر رکھے گا۔ ہم خودمختار نہیں ہوں گے۔ حال ہی میں وہ مسلمان اُمراء کے کئی قلعوں پر قبضہ کر چکا ہے اور اُس کی فوجی طاقت کے خوف سے یہ تمام اُمراء اور قلعہ دار اس کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔ اگر میں نے اُسے نہ روکا تو وہ

صرف موصل پر نہیں، حلب پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرے گا، مگر میں اکیلا اس کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ عمادالدین میرے ساتھ ہے لیکن اس صورت میں کہ صلاح الدین ایوبی اپنی فوج لٹیروں کی طرح لیے دندناتا پھر رہا ہے، عمادالدین کو اپنی فوج حلب سے نہیں نکالنی چاہیے۔ حلب کا دفاع زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہ مقام بہت اہم ہے۔''

''میں جانتا ہوں''۔ شاہ آرمینیا نے کہا...... ''صلیبیوں کی بھی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں''۔

''اسی لیے میں صلیبیوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں کرتا''۔ عزالدین نے کہا...... ''وہ ہم سے مدد کے عوض حلب مانگیں گے''۔

''اور وہ ضرور مانگیں گے''۔ قطب الدین غازی نے کہا...... ''میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ آپ کو آپس میں کوئی معاہدہ کر لینا چاہیے۔ آپ دونوں کی فوجیں مل کر صلاح الدین ایوبی کو شکست دے سکتی ہیں''۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تل خالد کی طرف جا رہی ہے''۔ عزالدین نے کہا۔

''میری اُس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں''۔ شاہ آرمینیا نے کہا...... ''میرا خیال ہے وہ میری سرحدوں سے دُور رہے گا۔ میں نے اُس کی پیش قدمی کی سمت کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہیں اور جا رہا ہے''۔

''مجھے صلیبیوں پر بھروسہ نہیں''۔ عزالدین نے کہا...... ''وہ مجھے ہر طرح کی مدد دیتے ہیں لیکن جنگ صرف سامان اور مشیروں سے نہیں لڑی جا سکتی۔ میں انہیں کہتا ہوں کہ میں صلاح الدین ایوبی کی فوج کو جنگ میں اُلجھا لیتا ہوں اور وہ اس پر حملہ کر دیں۔ میں نے انہیں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ دمشق اور بغداد کو محاصرے میں لے لیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو صلاح الدین ایوبی ہمارے علاقوں سے نکل جائے گا مگر وہ نہ جانے کیا سوچ رہے ہیں''۔

''وہ ہم سب کو اپنا محکوم بنانے کی سوچ رہے ہیں''۔ شاہ آرمینیا نے کہا...... سلطان ایوبی نہ رہا تو صلیبی ہمیں کھا جائیں گے۔ ہمیں ان پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے''۔

''پھر آپ میری مدد کریں''۔ عزالدین نے کہا...... ''میں آگے بڑھ کر صلاح الدین ایوبی سے لڑتا ہوں۔ آپ اس پر حملہ کریں''۔

اس موضوع پر وہ بہت دیر تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخر شاہ آرمینیا نے اس شرط پر عزالدین کی تجویز مان لی کہ اُس کی فوج کے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کی ذمہ داری عزالدین لے۔ عزالدین نے یہ شرط مان لی اور طے ہوا کہ عزالدین سلطان ایوبی کے ساتھ آمنے سامنے کی ٹکر لے گا اور شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کر دے گی۔ عزالدین تجربہ کار جنگجو تھا۔ جنگ لڑنا اور لڑانا جانتا تھا۔ اُس نے وہیں جنگ کی منصوبہ بندی کر لی۔

☆

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے کا ذکر ہے۔ جب عزالدین اور شاہ آرمینیا جنگ کا پلان بنا رہے تھے۔ رات گھوڑوں کے ٹاپوؤں سے لرزنے لگی۔ شاہ آرمینیا نے دربان کو بلا کر غصے سے کہا...... ''یہ جن سواروں کے گھوڑے کھل کر بھاگ رہے ہیں، انہیں صبح یہاں لے آؤ۔ بدبخت بے خبری کی نیند سو جاتے ہیں''۔

مگر یہ گھوڑے اُس کے دستے کے نہیں تھے۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار سوار تھے جن کی تعداد چالیس اور پچاس کے درمیان تھی۔ یہ اُن کا شب خون تھا۔ ذرا سی دیر میں باہر قیامت بپا ہو گئی۔ چھاپہ مار دو حصوں میں تقسیم ہو کر سرپٹ آئے اور گزر گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں جن سے وہ فوج کے خیموں کو جلاتے گزر گئے۔ کئی خیموں کو

آگ لگ گئی تھی۔ سوئے ہوئے سپاہی ہڑبڑا کر اُٹھے۔ فوراً بعد سواروں کی ایک اور موج آئی جو برچھیوں اور تلواروں سے اپنے سامنے آنے والوں کو کاٹتے گزر گئے۔ جلتے ہوئے خیموں نے روشنی کر دی تھی۔ پھر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ ان میں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر بھی تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں اور اونٹوں کا وہ غُل کہ دہشت طاری ہوئی جا رہی تھی۔ زخمیوں کی چیخ و پکار قیامت خیز تھی۔

پھر جانوروں کے رسّے کھل گئے۔ گھوڑے اور اونٹ ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگے۔ اس غل غپاڑے اور چیخ و پکار میں کیمپ کے اِرد گرد سے بلند آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... ''ہتھیار ڈال دو۔ عزالدین ہمارے سامنے آ جاؤ۔ شاہ آرمینیا تل خالد ہمارے محاصرے میں ہے''۔

ان میں سے کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ عزالدین نے اپنے ایک وفادار کمان دار سے کہا کہ وہ اُسے ایک گھوڑا لا دے۔ بڑی مشکل سے اُسے گھوڑا لا کر دیا گیا۔ وہ سوار ہوا اور افراتفری کے اس قیامت خیز عالم میں نکل گیا۔ اس نے اپنے دستوں کی، اپنے ذاتی عملے کی اور اپنے ساتھ جو لڑکیاں لایا تھا، ان کی بھی پرواہ نہ کی۔ جان بچا کر بھاگ گیا۔

اُس دور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی گھیرا تنگ کر کے ان حکمرانوں کو گرفتار کر سکتا تھا لیکن اس نے مصلحتاً ایسا اقدام نہ کیا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ وہ ان حکمرانوں کو اپنا اتحادی بنا کر ان کی فوجوں کو فتح فلسطین کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ وجہ خواہ کچھ ہی تھی۔ فروری ۱۱۸۳ء (۵۷۹ ہجری) کا یہ معرکہ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے اسی طرح لڑایا اور اُس نے آگے بڑھ کر کسی کو گرفتار کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اس شب خون کی نگرانی اس نے خود کی تھی۔

شاہ آرمینیا نے بھاگنے کی بجائے وہیں رُکے رہنا مناسب سمجھا۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو کیمپ میں جلے ہوئے خیموں کی راکھ بکھری ہوئی تھی۔ لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ رہے تھے۔ گھوڑے اور اونٹ اِدھر اُدھر گھوم پھر رہے تھے۔ حملہ آوروں کا کچھ پتہ نہ تھا، کہاں ہیں۔ شاہ آرمینیا جانتا تھا کہ سلطان ایوبی یہیں کہیں قریب ہی ہوگا۔ وہ سوچنے لگا کہ سلطان ایوبی کو کہاں تلاش کرے۔ اتنے میں اُسے دو سوار آتے نظر آئے۔ وہ شاہ آرمینیا کے سامنے آ کر اُترے اور سلام کیا۔ وہ سلطان ایوبی کے فوجی حکام تھے۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلام بھیجا ہے''۔ ایک نے کہا...... ''انہوں نے کہا ہے کہ وہ کسی کو گرفتار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ عزالدین واپس موصل چلا جائے اور آرام سے بیٹھ کر سوچے اور شاہ آرمینیا کے لیے سلطانِ محترم نے پیغام دیا ہے کہ اُن کی فوج تل خالد کے قریب پہنچ گئی ہے۔ آپ کو شام تک وہاں سے اطلاع مل جائے گی۔ آپ کے پہنچنے تک آپ کا دارالحکومت ہمارے قبضے میں ہوگا۔ اگر آپ سلطانِ شام و مصر کی شرائط قبول کر لیں تو تل خالد سے فوج واپس آ سکتی ہے۔ اگر آپ مقابلے کا فیصلہ کرتے ہیں تو نتائج کو پہلے ذہن میں رکھ لیں۔ ہمیں پیغام کا جواب دیں۔ آپ ہمارے محاصرے میں ہیں''۔

''سلطان صلاح الدین ایوبی کو میرا سلام کہو''۔ شاہ آرمینیا نے کہا...... ''میں اپنے ایک وزیر کو شام سے پہلے سلطان کے پاس بھیج رہا ہوں''۔

دونوں سوار چلے گئے۔ شاہ آرمینیا کا یہ وزیر بکتیمور تھا جو اُس کے ساتھ تھا۔ شاہ آرمینیا نے اُسے کہا کہ ہمیں ان لوگوں کے اختلافات اور عداوت میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اُدھر تل خالد محاصرے میں ہے اور ہم یہاں ہیں۔ جاؤ اور صلاح الدین ایوبی سے کہو کہ اپنی فوج واپس بلا لے۔ ہم اُس کے کسی دشمن کے ساتھ کوئی معاہدہ اور کوئی اتحاد نہیں کریں گے''۔

بکتیمور دانش مند وزیر تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے ساتھ بات کی۔ سلطان ایوبی نے بڑی سخت شرائط پیش

کیں اور منوالیں۔ بکتیمور نے تحریری وعدہ دے دیا کہ شاہ آرمینیا کی فوج سلطان ایوبی کے کسی دشمن کی مدد کو نہیں جائے گی۔ سلطان ایوبی نے محاصرہ اُٹھالیا اور شاہِ آرمینیا سے ملے بغیر تل خالد کو روانہ ہو گیا۔

☆

ایک اور اہم مقام دیارِ بکر تھا جو اس زمانے میں عمیدہ کہلاتا تھا۔ اس مقام کو جنگی اہمیت حاصل تھی اور اس کی اہمیت یہ بھی تھی کہ اس کے گردونواح کے علاقے کے لوگ جنگجو اور فن سپہ گری کے ماہر تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج میں بہت سے سپاہی اسی علاقے کے تھے۔ اپنی فوج کی کمی سلطان اسی علاقے سے پوری کیا کرتا تھا۔ یہاں کے لوگ تو سلطان ایوبی کے حامی تھے مگر ان کا حکمران اپنی حکمرانی قائم رکھنے کی خاطر سلطان ایوبی کا مخالف تھا اور مسلمان ہوتے ہوئے صلیبیوں کے ساتھ در پردہ دوستی کی کوشش میں تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو دیارِ بکر کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ یہ برق رفتار پیش قدمی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو اتنا ہی بتایا تھا کہ دیارِ بکر کو محاصرے میں لے کر اُس جگہ پر قبضہ کرنا ہے اور فتح کی صورت میں وہاں کے موجودہ امیر کی کوئی شرط تسلیم نہیں کی جائے گی اور کوئی رحم نہیں کیا جائے گا۔

''میرا خیال ہے کہ ان اُمراء پر ظلم نہ کیا جائے''۔ ایک سالار نے کہا..... ''ان کی افواج کو اپنی فوج میں شامل کر کے انہیں برائے نام امیر رہنے دیا جائے''۔

''میں اب کسی سانپ کو قوم کی آستین میں نہیں پلنے دوں گا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''مجھے اطلاعیں ملی ہیں کہ یہ شخص اپنے علاقے کے لوگوں کو ہماری فوج میں شامل ہونے سے روک رہا ہے اور وہ خلافت کے خلاف کارروائیاں کر رہا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ مرکز سے خود مختاری مانگنے والے یا در پردہ کوششوں سے الگ ہونے والے غدار ہوتے ہیں اور یہ غدار بہت خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ وہ قوم کے دشمن سے مدد لیتے ہیں اور اپنی قوم یعنی خلافت کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ میں اِن لوگوں کا سر کچل دینا چاہتا ہوں تاکہ جب آپ کا اصل دشمن یعنی صلیبی آپ کے سامنے آئیں تو آپ کی پیٹھ پیچھے سے کوئی وار کرنے والا نہ ہو اور کوئی سانپ زمین سے نکل کر آپ کو ڈنک نہ مار سکے۔ دیارِ بکر اللہ کے سپاہیوں کا خطہ ہے۔ ہماری فوج کی ایک چوتھائی نفری اسی خطے کی ہے۔ اگر ہم نے ان جنگجوؤں کے غدار حکمران کو بخش دیا تو اس خطے کے لوگوں کا ایمان بھی تباہ ہو جائے گا اور فنِ سپاہ گری بھی.....

''ساری قوم یا کسی ملک کے تمام لوگ غدار یا بے ایمان نہیں ہوا کرتے۔ حکمران اگر ایمان فروش ہو تو قوم کے جوہر ختم ہو جاتے ہیں۔ اچھی بھلی قومیں بے وقار ہو جاتی ہیں۔ جذبے مر جاتے ہیں اور پھر قومیں آزاد قوموں کی طرح زندہ نہیں رہتیں۔ ہمیں اپنے اس قسم کے حکمرانوں کو ختم کرنا ہے اور سلطنتِ اسلامیہ کا ایک مرکز بنانا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ خلافتِ بغداد مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر خلافت کا حکم چلتا تو ہمیں فوج کشی نہ کرنی پڑتی۔ یہ فوج کا فرض ہے کہ ملک کے اندر انتشار کو اور نااہل اور ایمان فروش حکمران کو ختم کرے۔ میں پھر وہی الفاظ دہراتا ہوں کہ تاریخ یہی کہے گی کہ چھٹی صدی ہجری کی فوج نکمی تھی جس نے نہ خلافت کا وقار بحال کیا نہ دشمن کو نیست و نابود کیا۔

☆

دیارِ بکر کا محاصرہ اتنی تیزی سے ہوا کہ اندر والوں کو مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ سلطان ایوبی نے ہدایت جاری کی تھی کہ شہریوں کا نقصان کم سے کم ہو۔ اندر اپنے جاسوس موجود تھے اور سلطان ایوبی خود بھی شہر سے اور حکمران کے محل اور

ہیڈکوارٹر سے واقف تھا۔ اس لیے منجنیقوں سے جو پتھر اور آتش گیر سیال کی جو ہانڈیاں پھینکی گئیں، وہ سرکاری عمارتوں پر پھینکی گئیں۔ باہر سے اعلان کیے گئے کہ امیر ہتھیار ڈال کر باہر آ جائے لیکن قلعے کی دیواروں پر کھڑے امیر نے جوابی اعلان کرایا کہ ہتھیار نہیں ڈالے جائیں گے۔ لڑو اور شہر لے لو۔

دیارِ بکر کی فوج نے جم کر مقابلہ۔ سلطان ایوبی محاصروں کا ماہر تھا لیکن اُس نے مزاحمت دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ محاصرہ طول پکڑے گا اور اس کے لیے کچھ زیادہ ہی قربانی دینی پڑے گی۔ دیواریں توڑنے والے افرادرات کی تاریکی میں دیوار تک پہنچ گئے لیکن اوپر سے اُن پر آگ پھینکی گئی اور وزنی پتھر بھی پھینکے گئے۔ بڑے دروازے پر منجنیقوں سے آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر فلیتے والے تیر مارے گئے جس سے دروازے کا لکڑی کا حصہ جل گیا مگر اُس کا لوہے کا ڈھانچہ گھنا تھا جس میں سے گزرنا ممکن نہیں تھا تاہم گزرنے کی کوشش کی جاسکتی تھی۔ فضا میں تیر اُڑ رہے تھے۔

سلطان ایوبی حیران تھا کہ اندر والے ایسا سخت مقابلہ کیوں کر رہے ہیں۔ یہ راز بعد میں کھلا تھا کہ امیر دیارِ بکر نے محاصرے کی اطلاع ملتے ہی شہر میں اعلان کرادیا تھا کہ صلیبیوں نے شہر کا محاصرہ کرلیا ہے۔ اس اعلان پر شہر کے لوگ لڑنے اور مرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے اور انہوں نے فوج کے دوش بدوش شہر کی دیوار پر آ کر محاصرہ کرنے والوں پر تیروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔ یہ دیکھا گیا تھا کہ چاروں طرف دیوار پر فوج کے ساتھ شہری بھی تھے۔ شہر کے لوگوں کا حوصلہ بلند تھا لیکن سلطان ایوبی نے شہریوں کو لڑتے دیکھ کر بھی یہ حکم نہ دیا کہ شہر پر بھی آگ برسائی جائے۔

محاصرہ آٹھ روز جاری رہا۔ زیادہ تر نقصان سلطان ایوبی کی فوج کا ہورہا تھا کیونکہ اس کی ٹولیاں آگے بڑھتی اور تیروں کا نشانہ بنتی تھیں۔ پھر ایک معجزہ ہوا۔ شہر کی دیوار سے نعرے گرجنے لگے...... ''یہ صلیبی نہیں ہیں۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ اُن کے جھنڈے دیکھو، مسلمانو! تم آپس میں لڑ رہے ہو''۔ تب سلطان ایوبی کی فوج میں دیارِ بکر کے علاقے کے جو سپاہی اور کمان دار تھے، انہوں نے بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا...... ''ہم تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی ہیں۔ دروازے کھول دو''۔

یہ انکشاف بھی بعد میں ہوا تھا کہ شہر کے اندر سلطان ایوبی کے جو جاسوس اور زمین دوز کارندے تھے، انہوں نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو بتایا تھا کہ محاصرہ کرنے والے صلیبی نہیں، مسلمان ہیں اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ یہ مہم آسان نہیں تھی۔ جاسوس آزادی سے لوگوں کو سرکاری اعلان کے خلاف کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔ اس مہم میں جو جاسوس پکڑے بھی گئے تھے۔ انہوں نے کامیابی حاصل کر لی۔ نویں روز اندر کی فوج اور شہریوں کی سوچ اور جذبہ بدل گیا۔ شہریوں نے حکمران اور اُس کے حاشیہ برداروں کی دھمکیوں اور چیخ وپکار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ جب سلطان ایوبی شہر میں داخل ہوا تو شہر کے لوگوں نے بے تابی سے نعرے لگا لگا کر اُس کا استقبال کیا۔ عورتوں نے منڈیروں اور دریچوں سے اُس پر اور اُس کی فوج پر اپنے دوپٹے اور رومال پھینکے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے دیارِ بکر کے امیر کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا اور یہ شہر نورالدین ابنِ قارا ارسلان اور ایک اور امیر کو دے دیا۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اس کا نام ابنِ نکن لکھا ہے جو نورالدین کے ہی خاندان کا فرد تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں ضروری ہدایات دیں۔ وہاں کی فوج کو اپنی فوج کا حصہ بنایا اور حکم دیا کہ اس علاقے سے مزید فوج تیار کی جائے۔ مئی ۱۱۸۳ء (محرم الحرام ۵۷۹ ہجری) میں سلطان ایوبی نے دیارِ بکر کو اپنی عمل داری میں لیا اور حلب کی سمت کوچ کیا۔ اس کے سب سے بڑے دشمن حلب کا والی عمادالدین اور موصل کا والی عزالدین تھے۔ اب وہ ان کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا۔

......❁......

نہ میں تمہاری، نہ مصر تمہارا

فتح حاصل کر کے کون خوش نہیں ہوتا؟ سلطان صلاح الدین ایوبی کو کسی معرکے، محاصرے یا بڑی جنگ میں فتح ہوتی تھی تو اس کے چہرے پر نورانی سی رونق آ جاتی تھی۔ اس کی فوج جشن مناتی، سپاہی رقص کرتے، گاتے اور راتوں کو سوتے تھے۔ بکرے، دُنبے اور اونٹ ذبح ہوتے۔ سپاہی خود پکاتے اور سلطان ایوبی اُن کے لیے مشروبات کے مٹکے کھول دیا کرتا تھا، مگر ۱۱۸۳ء (۵۷۹ ہجری) کے دوران اُس کے چہرے پر رونق نہیں تھی، نہ ہی اس کی فوج جشن منا رہی تھی، حالانکہ اُس نے ایک سال کے عرصے میں متعدد قلعے سر کر لیے اور شاہ آرمینیا جیسے طاقتور حکمران سے شکست کے عہد نامے پر دستخط کرا کے اُس سے اپنی شرائط منوالی تھیں۔

مورخوں نے اس دور کو سلطان ایوبی کی فتوحات کا دور کہا ہے مگر اس کی جذباتی کیفیت یہ تھی جیسے ہر فتح کے بعد اس کے چہرے پر بڑھاپے کی ایک لکیر کا اضافہ ہو گیا ہو۔ یہ لکیریں بڑھاپے اور اُداسی کی تھیں۔ وہ ان میں سے کسی ایک فتح اور کسی ایک کامیابی پر بھی خوش نہ تھا۔ اُسے جب چھاپہ ماروں کا سالار صارم مصری فاتحانہ انداز سے رپورٹ دیتا تھا کہ گزشتہ رات چھاپہ ماروں نے فلاں جگہ شب خون مار کر دشمن کو اتنا نقصان پہنچایا ہے تو سلطان ایوبی آہستہ سے سر ہلا کر اُسے خراجِ تحسین پیش کرتا اور پھر اس کا سر یوں جھک جاتا تھا جیسے اُس کے ضمیر پر ایسا بوجھ آ پڑا ہو جو اس کی برداشت سے باہر ہو۔

''مجھے مبارک باد اُس روز کہنا جس روز تم صلیبیوں کو شکست دو گے''۔۔۔۔ ایک روز سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا۔ وہ اُسے دیارِ بکر کی فتح کے بعد مبارک باد کہنے آئے تھے۔ اس روز تو اس کی آنکھیں لال ہو گئیں جیسے وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُس نے کہا۔۔۔۔ ''تم محسوس نہیں کر رہے کہ ہم گھروں سے نکلے تھے، صلیبیوں کو شکست دینے اور انہیں اپنی سرزمین سے نکالنے کے لیے مگر اُنگلیوں پر گنو کہ تم کتنے برسوں سے اپنے ہی بھائیوں سے لڑ رہے ہیں اور حساب کرو کہ ہم ایک دوسرے کا کتنا خون بہا چکے ہیں۔ کیا تم اُسے فتح کہتے ہو؟ میں اس خانہ جنگی میں جو بھی فتح حاصل کرتا ہوں، وہ میری اور تمہاری نہیں، وہ صلیبیوں کی فتح ہوتی ہے۔ جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو خوشی اور کامیابی اُن کے دشمن کی ہوتی ہے۔ میں اُسے فتح نہیں کہتا جو ہم نے اپنے بھائیوں پر حاصل کی ہے''۔

''صلیبی کیوں دبک گئے ہیں؟''۔۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔۔۔۔ ''ہم آپ کو ان پر بھی فتح حاصل کر کے دکھا دیں گے''۔

''انہیں وہاں سے نکلنے اور لڑنے کی کیا ضرورت ہے، جہاں وہ دبک کر بیٹھ گئے ہیں''۔۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔۔ ''جنگ کا پہلا اصول کیا ہے؟۔۔۔۔ دشمن کی عسکری قوت کو تباہ کرنا۔ صلیبیوں نے ہماری عسکری قوت کو ہمارے بھائیوں کے ہاتھوں تباہ کرانے کا کامیاب انتظام کر رکھا ہے۔ ہم آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور صلیبی اس صورتِ حال سے اور اس ذقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے ہیں۔ فلسطین پر اُن کا قبضہ مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ حکمرانی سدا اللہ کی ہے مگر حکمرانی کا نشہ جب انسان پر طاری ہوتا ہے تو مذہب اور ملت کا وقار تو دُور کی بات

ہے، وہ اپنی بیٹیوں کو ننگا نچانے لگتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کاری کو وہ جائز اور ضرورت سمجھنے لگتا ہے۔ صلیبی اُمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ریاستوں میں تقسیم کرتے چلے جارہے ہیں اور اللہ کی فوج کو اِن ریاستوں میں تقسیم کر کے اسلام کی عسکری قوت کو پارہ پارہ کررہے ہیں''۔

''ہمیں اِن علاقوں سے فوج کے لیے بہت بھرتی مل رہی ہے''...... ایک سالار نے کہا...... ''بڑے اچھے سپاہی اور سوار بڑی خوشی سے آرہے ہیں''۔

''لیکن مجھے اس کی کوئی خوشی نہیں''...... سلطان ایوبی نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا...... ''یہ لوگ صرف اس لیے ہماری فوج میں بھرتی ہورہے ہیں کہ جس شہر کو فتح کیا جاتا ہے، وہاں ہماری فوج لوٹ مار کرتی ہے اور وہاں سے حسین عورتیں ملتی ہیں''۔

''ہم نے اپنی فوج کو ایسی لوٹ مار اور آبروریزی کی اجازت کبھی نہیں دی''...... ایک اور سالار نے کہا۔

''مگر ہمارا دشمن ہماری فوج کے خلاف یہی مشہور کررہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو لوٹ مار کی اور مفتوح کی جوان لڑکیاں اُٹھا لے جانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ دشمن نے ہماری فوج کے خلاف یہ بے بنیاد باتیں اس لیے مشہور کررکھی ہیں کہ خود مسلمانوں کے دِلوں میں اسلامی فوج کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے اور ہمیں کہیں سے بھی لوگوں کا تعاون نہ ملے، بلکہ ہم جس شہر کا محاصرہ کریں وہاں کے لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہماری اس فوج کے خلاف لڑیں جو اسلامی فوج ہے اور جو ہر لحاظ سے حزب اللہ کہلانے کی حق دار ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! قوم بغیر فوج کے اور فوج قوم کے والہانہ تعاون کے بغیر دشمن کے لیے آسان ہوتی ہے۔ اپنے دشمن کو پہچانو۔ تمہارا دشمن دانش مند ہے۔ اُس نے ہماری قوم اور فوج میں منافرت پیدا کرنے کا بڑا اچھا اہتمام کیا ہے۔ قرآن نے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانے کا حکم صرف قوم یا صرف فوج کو نہیں دیا۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار قوم اور فوج مل کر بنتی ہے۔ اس دیوار میں شگاف ڈالنے کا یہ طریقہ کارگر ہے کہ فوج کو نااہل، بزدل، زانی اور ڈاکو کہہ کر قوم کی نظروں سے گرادیا جائے''۔

''دیارِ بکر کے لوگوں پر تو ایسا کوئی اثر نہیں دیکھا''...... صارم مصری نے کہا...... ''انہیں جونہی پتہ چلا کہ محاصرہ کرنے والے ہم ہیں اور اُن کا حکمران اپنی فوج کو اسلامی فوج کے خلاف لڑا رہا ہے تو لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے تھے''۔

''وہاں ہمارے جاسوس زیادہ تعداد میں تھے''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''وہاں کی تمام بڑی مسجدوں کے امام ہمارے آدمی تھے۔ انہوں نے وہاں کے لوگوں کو صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے وعظ نہیں دیئے۔ اس کے ساتھ وہ لوگوں کو صلیبیوں کے عزائم اور اپنے ایمان فروش اُمراء اور حاکموں کے متعلق بھی بتاتے رہے ہیں اور یہ بھی کہ جب ایک مسلمان دوسرے کا خون بہاتا ہے تو عرشِ معلّٰے لرز جاتا ہے اور خدا اس بستی پر اپنا قہر نازل کرتا ہے جہاں کے مسلمان مسلمانوں کے خلاف لڑتے اور خون بہاتے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم نہیں کہ دیارِ بکر میں صلیبیوں کے جاسوس اور تخریب کار بھی درویشوں، صوفیوں اور عالموں کے بہروپ میں موجود تھے اور نظریاتی تخریب کاری کررہے تھے لیکن ہمارے آدمیوں نے ان میں بعض کو خفیہ طریقوں سے اغوا اور قتل کیا اور اُن کی آواز کو بے کار کردیا، مگر ہم اس وقت جس علاقے میں ہیں، یہاں صلیبیوں کی تخریب کاری کامیاب ہورہی ہے''۔

''یہ جو سپاہی اور سوار لوٹ مار کے لالچ سے بھرتی ہورہے ہیں، کیا یہ پوری فوج کو خراب نہیں کریں گے؟''

سالار نے پوچھا۔

''تم نے دیکھا نہیں کہ انہیں کس قسم کی تربیت دی جا رہی ہے؟''...... سلطان ایوبی نے کہا......''میں نے تمہیں تربیت اور جنگی مشقوں کا جو نیا طریقہ بتایا ہے، وہ انہیں صحیح سوچ پر لے آئے گا۔ میں فوج میں ان کی تقسیم ایسے طریقے سے کر رہا ہوں کہ یہ فوج پر نہیں بلکہ فوج ان پر اثر انداز ہو گی۔ تم بہت جلدی میرا یہ تحریری حکم بھی دیکھ لو گے کہ مفتوحہ علاقے میں اپنا کوئی سپاہی لوٹ مار کرتا یا کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا دیکھا جائے تو اُسے تیر کا نشانہ بنا دیا جائے یا قریب جا کر اس کی گردن اُڑا دی جائے۔ دشمن کے بے بنیاد الزامات کو غلط ثابت کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ فوج اپنے کردار سے مفتوح لوگوں پر اور اپنی قوم پر بھی دل موہ لینے والا اثر پیدا کرے۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبی اور یہودی ہر دور میں اسلام کی فوج اور قوم کے درمیان منافرت پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔ قوم کی کردار کشی الگ اور فوج کی الگ کریں گے اور اس طرح دونوں کا ایمان اور قومی جذبہ برباد کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنائے رکھیں گے۔ یہ کام وہ مسلمانوں کے ہاتھوں کرائیں گے''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی دریائے فرات کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس نے کئی ایک چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے حکمرانوں کو مطیع بنا لیا اور متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ وہ مسلمان حکمران تھے جو در پردہ صلیبیوں کے دوست اور سلطان ایوبی کے مخالف تھے۔ سلطان ایوبی کی منزل بیت المقدس تھی جس پر صلیبیوں نے قبضہ کر کے اسے یروشلم کا نام دے رکھا تھا مگر اپنے مسلمان حکمران اور اُمراء سلطان ایوبی کے راستے میں حائل ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوج کو چند دن آرام دینے کے لیے فرات کے کنارے رُک گیا تھا، وہاں گھوڑوں، خچروں، اونٹوں اور رسد کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی فرات کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ اس کے ساتھ گھوڑ سوار دستوں کا سالار اور چھاپہ مار دستوں کا سالار صارم مصری تھا۔ اُن سے کچھ دُور سفید جُبّے میں ملبوس ایک آدمی کھڑا تھا جس نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا رکھے تھے۔ سلطان ایوبی اُدھر چل پڑا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہاں چار قبریں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے سرہانے ایک ڈنڈا گڑا تھا اور اس کے ساتھ لکڑی کی ایک تختی تھی جس پر لال رنگ سے عربی زبان میں لکھا تھا:

عمر الملوک

اللہ تیری شہادت قبول کرے

نصر الملوک

اس کے ساتھ کی قبر پر بھی ایسی ہی تختی لگی ہوئی تھی جس پر اسی قسم کی لال تحریر تھی!

نصر الملوک

اللہ میری شہادت قبول کرے

سلطان ایوبی نے دونوں تحریریں پڑھیں اور اس آدمی کی طرف دیکھا جو قبروں پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ وہ وضع اور لباس سے عالم فاضل لگتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کی طرف دیکھا تو اُس نے ذرا جھک کر کہا......''میں اس گاؤں کا امام ہوں، جہاں کہیں پتہ چلتا ہے کہ شہید کی قبر ہے وہاں چلا جاتا ہوں اور فاتحہ پڑھتا ہوں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس جگہ شہید کے خون کا قطرہ گرتا ہے وہ جگہ مسجد جتنی مقدس ہو جاتی ہے۔ میں لوگوں کو یہی بتایا کرتا ہوں کہ مجاہد وہ عظیم شخصیت ہے جس کے گھوڑے کے سموں کی اُڑائی ہوئی گرد کا احترام خدا نے بھی کیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو خدائے ذوالجلال نے افضل عبادت کہا ہے''۔

''مگر اللہ کے نام پر جانیں قربان کرنے والے ایسے ہی گمنام لوگ ہوتے ہیں جن کی قبریں آپ دیکھ رہے ہیں۔تاریخ میں اُن کا نہیں میرا نام آئے گا مگر مجھے عظمت دینے والے یہ لوگ تھے''......اُس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور قبروں کی دونوں تختیوں کی تحریروں پر ہاتھ پھیر کر کہا......''یہ الفاظ لال رنگ میں اُنگلی ڈبو کر لکھے گئے ہیں۔لکھنے والا ایک ہی آدمی معلوم ہوتا ہے''۔

''لال رنگ نہیں سلطان محترم!''...... چھاپہ ماروں کے سالار صارمصری نے کہا......''یہ خون ہے۔عمر الملوک کی قبر کی تختی نصر الملوک نے اپنے خون سے لکھی تھی اور اس نے اپنے ہی خون سے اپنی قبر کی بھی تختی لکھی اور شہید ہو گیا تھا۔سولہ سترہ دِن گزرے،رات کو دریا سے ہم نے ایک بہت بڑی کشتی پکڑی تھی،جس میں دشمن کے چھاپہ ماروں کے لیے رسد جا رہی تھی۔آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تھی۔یہ کشتی ہمارے آٹھ چھاپہ ماروں نے پکڑی تھی۔ان میں سے یہ چار شہید ہو گئے تھے۔ہمیں پہلے اطلاع مل گئی تھی کہ ایک بڑی کشتی رات کو گزرے گی جس میں دشمن کی رسد اور اسلحہ ہوگا۔میں نے اپنے آٹھ چھاپہ مار بھیجے۔یہ ایک چھوٹی سی کشتی میں تھے......

''آدھی رات دوسرے کنارے کے ساتھ ساتھ وہ کشتی جا رہی تھی۔ہمیں اطلاع ملی تھیں کہ اس میں چار پانچ آدمی ہوں گے لیکن ہمارے چھاپہ ماروں کی کشتی اُس کے قریب گئی تو اُس میں کم و بیش بیس آدمی تھے۔اس سے پہلے کہ ہمارے یہ چھاپہ مار دشمن کی کشتی میں کود جاتے۔دشمن کے آدمی جو تلواروں سے مسلح تھے،ہماری کشتی میں کود آئے۔ہمارے یہ چھاپہ مار دریائی چھاپوں کا تجربہ رکھتے تھے۔وہ اپنی کشتی سے دریا میں کودے اور دشمن کی کشتی پر چڑھ کر اس کے بادبانوں کے رسّے کاٹ دیئے۔دونوں کشتیوں میں خون ریز معرکہ لڑا گیا۔ہمارے چھاپہ ماروں نے بڑی کشتی سے اپنی کشتی پر تیر پھینکے جس میں دشمن کے آدمی تھے۔بہر حال ہمارے جانباز عقل اور داؤ پیچ سے معرکہ لڑ کر دونوں کشتیاں لے آئے۔دشمن کے آدمی جو مرے نہیں تھے،دریا میں کود کر دوسرے کنارے پر چلے گئے......

''کشتیاں کنارے لگیں۔مجھے اطلاع ملی تو میں انہیں دیکھنے گیا۔صبح طلوع ہو رہی تھی۔ایک کشتی میں عمر الملوک کی اور اس کے دو ساتھیوں کی لاشیں تھیں اور باقی سب زخمی تھے۔نصر الملوک سب سے زیادہ زخمی تھا۔دو گہرے زخم برچھی کے اور تین زخم تلوار کے تھے۔وہ ہوش میں تھا۔مرہم پٹی کے لیے لے گئے تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے ایک تختی دی جائے جو وہ اپنے دوست کی قبر پر لگانا چاہتا ہے۔میں نے ترکھانوں سے اُسے تختی منگوا دی۔اس دوران اُس نے اپنی مرہم پٹی نہ ہونے دی۔تختی آئی تو اس نے اپنے خون میں شہادت کی اُنگلی ڈبو ڈبو کر عمر الملوک کا نام اور یہ تحریر لکھی اور تختی مجھے دے کر کہا کہ یہ عمر کی قبر پر لگا دی جائے۔میں نے یہ تختی ایک ڈنڈے کے ساتھ لگا کر عمر الملوک کی قبر کے سرہانے لگا دی......

''نصر الملوک کے زخموں سے خون نکلتا رہا۔بند نہیں ہو رہا تھا۔تیسرے دِن اُس کی حالت بگڑ گئی۔میں اُسے دیکھنے آیا تو جراح نے مایوسی کا اظہار کیا۔خود نصر الملوک کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکے گا۔اُس نے مجھے کہا کہ اُسے ویسی ہی ایک تختی دی جائے۔میں نے تختی منگوا دی۔اُس نے تختی اپنے پاس رکھ لی۔رات کو مجھے اطلاع ملی کہ نصر شہید ہو گیا ہے۔میں گیا تو اُس کے ایک زخمی ساتھی نے تختی مجھے دی اور بتایا کہ نصر نے اپنے ایک زخم سے پٹی کھول لی۔خون نکل رہا تھا۔اُس نے اپنے خون میں اُنگلی ڈبو ڈبو کر یہ تحریر لکھی......''نصر الملوک...... اللہ میری شہادت قبول کرے''......اُس کے ساتھی نے بتایا کہ نصر نے کہا تھا کہ اُسے اپنے دوست عمر الملوک کے پہلو میں دفن کیا جائے۔اس طرح یہ دونوں تختیاں ایک ہی شہید کے خون سے لکھی گئی ہیں''۔

''یہ دونوں مملوک تھے محترم امام!''...... سلطان ایوبی نے امام سے کہا...... ''آپ جانتے ہوں گے کہ مملوک کس نسل سے ہیں۔ یہ اُن غلاموں کی نسل سے ہیں جنہیں آزاد کرا دیا گیا تھا۔ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا تھا کہ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ ذرا دیکھو، ان غلاموں نے کیسا کارنامہ کر دکھایا ہے۔ یہ آٹھ تھے لیکن بیس آدمیوں سے اتنی بڑی کشتی چھین کر لے آئے ہیں۔ مجھے اپنی فوج میں مملوکوں اور ترکوں پر جتنا بھروسہ ہے اور کسی پر نہیں''۔

''اب انسان پھر انسان کا غلام بنتا جا رہا ہے''...... امام نے کہا...... ''حکمرانی حاصل کرنے کے جتن اسی لیے کیے جاتے ہیں کہ انسانوں کو غلام بنایا جائے لیکن انسان سمجھتا نہیں کہ تخت و تاج نے کسی کے ساتھ کبھی وفا نہیں کی۔ فرعون بھی مٹی میں مل گئے۔ خدا نے ہر اُس انسان کو عبرت ناک سزا دی ہے جس نے تخت و تاج سے پیار کیا اور ہر اُس انسان کا خون بہایا جس سے اُسے اپنی بادشاہی کے لیے خطرے کی بو آئی''۔

سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا کمانڈر ایک آدمی کو ساتھ لیے آ رہا تھا۔ اس آدمی کی حالت بتا رہی تھی کہ بڑے لمبے سفر سے آیا ہے۔ کمانڈر نے قریب آ کر کہا...... ''قاہرہ سے قاصد آیا ہے''۔

''کیا خبر لائے ہو؟''...... سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

''خبر اچھی نہیں''...... قاصد نے کہا اور کمر بند سے ایک کاغذ نکال کر سلطان ایوبی کو دیا۔

سلطان ایوبی اپنے خیمے کو چل پڑا۔

☆

خیمے میں بیٹھ کر اس پیغام کو کھولا۔ یہ اس کے جاسوسی اور سراغ رسانی کے سربراہ علی بن سفیان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لکھا تھا...... ''ہمارا سب سے زیادہ دین دار اور دلیر نائب سالار حبیب القدوس دس دنوں سے لاپتہ ہے۔ صلیبیوں کی تخریب کاری زوروں پر ہے۔ ہم یہاں زمین دوز جنگ لڑ رہے ہیں۔ ایمان فروشوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس مسئلے پر آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم دشمن کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ پریشانی حبیب القدوس نے پیدا کر دی ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا۔ اس کا صرف لاپتہ ہو جانا پریشان کن نہیں۔ ہم ایک اور خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حبیب القدوس کے ماتحت جتنے دستے ہیں، وہ ان میں اتنا ہر دل عزیز ہے کہ سپاہی اس کے اشارے پر جانیں قربان کرتے ہیں۔ اگر وہ خود دشمن سے جا ملا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے دستوں کو جو اس کے زیر اثر ہیں، سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتا ہے۔ میں اُسے تلاش کرنے کی کوششوں سے دستبردار یا مایوس نہیں ہوا۔ میں آپ سے صرف یہ اجازت لینا چاہتا ہوں کہ اگر تلاش کے دوران وہ سامنے آ جائے اور ضرورت محسوس ہو کہ اُسے مار ڈالا جائے تو اُسے مار دیا جائے۔ آپ کے قائم مقام امیر مصر نے اس کی اجازت نہیں دی۔ صرف یہ اجازت دی ہے کہ میں آپ کو براہ راست خط لکھ کر اجازت لے لوں۔ اگر میں اسے تلاش نہ کر سکا تو آپ مجھ سے باز پرس کریں گے اور اگر وہ میرے ہاتھ سے مارا گیا تو بھی آپ پسند نہیں کریں گے۔ اس نائب سالار کا ہمارے دشمن کے پاس رہنا ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ ہے''۔

سلطان ایوبی نے اُسی وقت کاتب کو بلایا اور پیغام کا جواب لکھوانے لگا:

''عزیز علی بن سفیان! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ حبیب القدوس پر مجھے اتنا ہی اعتماد تھا جتنا تم پر ہے، جو انسان اپنا ایمان فروخت کرنے پر آ جائے وہ خدا سے نہیں ڈرتا، وہ مجھ جیسے حقیر انسان کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے مگر

یہ ہیرے اور جواہرات کی طرح چمکتا نہیں۔ اس میں عورت کے حسن و جمال کی کشش نہیں اور ایمان تخت اور تاج بھی نہیں۔ جب انسان پر دُنیا کی لذتوں کا سرور اور زر و جواہرات کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو ایمان سے دست بردار ہونے میں کچھ وقت نہیں لگتا...... حبیب القدوس کو تلاش کرنے کی کوشش کرو، اگر کبھی ضرورت محسوس ہو کہ اُسے قتل کر دیا جائے تو تمہیں میری طرف سے اجازت لیکن یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش کرنا کہ اُسے اغوا تو نہیں کیا گیا؟ حالات تمہاری نظر میں ہیں۔ جو بہتر سمجھو وہ کرو۔ مفاد سلطنت اور مذہب مقدم ہے۔ ایک انسان کی زندگی اور موت اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی، جہاں فوج کی اتنی زیادہ تعداد ماری جا رہی ہے، سپاہی اپنی جانیں دے رہے ہیں وہاں ایک غدار حاکم کو مار دینے سے پہلے اتنا زیادہ نہ سوچو کہ تمہارا قیمتی وقت اس پر صرف ہوتا رہے۔ اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہو۔ ہم سب گناہگار ہیں۔ پاک ذات صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہے۔ تم حق پر ہو تو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

سلطان ایوبی نے پیغام کے نیچے اپنی مہر لگائی اور پیغام قاصد کے حوالے کر دیا اور اُسے کہا کہ وہ رات بھر آرام کر کے علی الصبح روانہ ہو جائے۔

وہ تاریخ اسلام کا پُر آشوب دَور تھا۔ ادھر سرزمین عرب مسلمانوں کے خون سے لال ہو رہی تھی۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں میں غدار اور سازشی پیدا کر کے مسلمانوں کو خانہ جنگی میں اُلجھا دیا تھا۔ اُدھر مصر میں یہی کفار مسلمان حاکموں میں غدار پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کر رہے تھے اور سلطان ایوبی کی فوج پر بڑے ہی شرمناک الزامات کی تشہیر کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ مہم زمین دوز طریقے سے چلا رکھی تھی۔ علی بن سفیان اور قاہرہ کا کوتوال غیاث بلبیس اس مہم کے اثرات زائل کرنے اور مجرموں کو پکڑنے میں سرگرم رہتے تھے۔

ایک نائب سالار کا غائب ہو جانا معمولی واقعہ نہیں تھا مگر اُس کا کچھ بھی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ حبیب القدوس کے متعلق کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ بھی غدآری کا مرتکب ہو سکتا ہے لیکن اس دَور میں غداری ایک عام سی چیز بن کے رہ گئی تھی۔ حبیب القدوس لاپتہ ہوا تو سب نے یہی کہا کہ وہ کوئی فرشتہ تو نہیں تھا۔ اس کی تین بیویاں تھیں اور یہ کوئی معیوب امر نہیں تھا۔ اس کی حیثیت کے حاکموں نے چار چار بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور جو ذرا زندہ دل تھے، ان کے ہاں ایک دو داشتہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ حبیب القدوس کی زندگی میں شراب اور راگ رنگ کا ذرّہ بھر دخل نہ تھا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا اور میدانِ جنگ میں دشمن کے لیے سراپا قہر۔ شجاعت کے علاوہ فنِ حرب و ضرب میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگی منصوبہ بندی ایسی کہ کم سے کم نفری سے کثیر تعداد دشمن کا ستیاناس کر دیتا تھا۔

اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اپنے دستوں میں ہر دل عزیز تھا۔ اس کے ماتحت جو کمان دار اور سپاہی تھے اُن کے لڑنے کا انداز یہ ہوتا تھا جیسے وہ حکم سے نہیں عقیدت سے لڑ رہے ہوں۔ بعض اوقات تو یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دستے اُس کی ذاتی فوج ہیں اور یہ سلطان ایوبی کے حکم سے نہیں، حبیب القدوس کے اشارے پر ہی لڑتے ہیں۔ اُن کی تربیت اس نے اتنی سخت کر رکھی تھی اور انہیں اتنی جنگی مشقیں کراتا تھا کہ آج کی زبان میں یہ "کریک ٹروپس" بن گئے تھے۔ ان کی نفری تین ہزار پیادہ اور دو ہزار سوار تھی۔ تیر اندازی میں اتنے ماہر جیسے اندھیرے میں آواز پر تیر چلائیں تو تیر بولنے والے کے منہ میں لگے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور سراغ رسانی کا ماہر تھا۔ غیاث بلبیس کوتوال تھا اور سول انٹیلی جنس میں مہارت رکھتا تھا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ حبیب القدوس کو دشمن نے اُس کی اسی خوبی کی وجہ سے اپنے جال میں لیا ہے کہ وہ اپنے

پانچ ہزار نفری کے دستوں کو باغی کر سکے گا۔ پانچ ہزار نفری معمولی نفری نہیں تھی۔ ان دستوں کو نہتہ کر دینے کی بھی تجویز پیش ہوئی تھی جو علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ دلیل دے کر مسترد کر دی تھی کہ اس طرح یہ باغی نہ ہوئے تو بھی باغی ہو جائیں گے۔ اس کی بجائے انہوں نے اِن دستوں میں کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے جو بارکوں میں سپاہیوں کی گپ شپ سنتے رہتے تھے۔ کمان داروں پر بھی اُن کی نظر تھی۔

گہری نظر حبیب القدوس کے گھر پر رکھی گئی تھی۔ اس کی تین بیویوں میں ایک کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان تھی اور دو چوبیس پچیس سال کی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ ایک شام اس کے پاس دو آدمی آئے تھے۔ حبیب القدوس اُن کے ساتھ نکل گیا تھا، پھر واپس نہیں آیا۔ ملازموں سے بھی بہت گہری تفتیش کی گئی۔ ان سے بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ بیویوں کے متعلق در پردہ معلوم کیا گیا۔ ان میں کوئی بھی مشکوک نہیں تھی۔ صرف اتنا پتہ چلا کہ چھوٹی عمر کی دو بیویوں میں سے ایک کے ساتھ جس کا نام زہرہ تھا، اُسے سب سے زیادہ پیار تھا۔ یہ اُس کے ایک سوار دستے کے کمان دار کی بیٹی تھی۔

اس کمان دار سے پوچھا گیا کہ اس نے اپنی عمر کے آدمی کو اپنی جوان بیٹی کیوں دی تھی؟ کیا حبیب القدوس نے اُسے ماتحت سمجھ کر مجبور کیا تھا؟

''نہیں''۔ کمان دار نے جواب دیا..... ''نائب سالار حبیب القدوس اسلام اور جہاد کے اتنے ہی متوالے ہیں جتنا میں ہوں۔ میں نے اُن کے ساتھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مومن کی تلوار نیام سے نکل آئے تو نیام میں اس وقت تک نہیں آنی چاہیے جب تک دشمن کا ایک بھی سپاہی سامنے موجود ہے اور وہ کہا کرتے تھے کہ کفر کا فتنہ ختم ہونے تک جہاد جاری رہتا ہے۔ غداروں سے وہ اتنی نفرت کرتے تھے کہ ایک سرحدی لڑائی میں سوڈانیوں نے اچانک حملہ کیا تو ہمارے دو سوار بھاگ اُٹھے۔ نائب سالار نے دیکھ لیا، انہیں پکڑنے کا حکم دیا۔ انہیں پکڑ لائے۔ نائب سالار نے اُن سے کچھ پوچھے اور کہے بغیر دونوں کو انہی کے گھوڑوں کے پیچھے اپنے ہاتھوں سے باندھا اور گھوڑوں پر دو سوار بٹھا کر حکم دیا کہ گھوڑے دوڑاؤ اور رُکو اُس وقت جب گھوڑے خود تھک کر رُک جائیں.....

''جب گھوڑے واپس آئے تو اُن کا پسینہ بہہ رہا تھا اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ ان کے پیچھے بندھے ہوئے سپاہیوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے جسم پر کپڑے نہیں تھے اور اُن کی کھالیں اُتر گئی تھیں۔ جسم پر گوشت بھی پورا نہیں تھا۔ لڑائی اس طرح ختم ہو گئی تھی کہ سوڈانیوں میں سے زیادہ تر مارے گئے، کچھ پکڑے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ حبیب القدوس نے تمام دستوں کو اکٹھا کر کے ان سپاہیوں کی لاشیں دکھائیں اور کہا کہ اللہ کی راہ میں لڑنے سے بھاگنے والوں کی یہ سزا دُنیا وی ہے۔ اگلے جہان اُن کے جسم سالم ہوں گے اور انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا.....

''ہم سب جہاد اور شہادت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ایک روز میری بیٹی میرے ساتھ تھی۔ میں نے اپنی بیٹی کو بھی وہی تربیت دے رکھی ہے جو باپ نے مجھے دی تھی۔ میرا ایک بیٹا اس وقت سلطان کی فوج کے ساتھ شام میں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو بتایا کرتا تھا کہ ہمارے نائب سالار حبیب القدوس سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے مجاہد ہیں۔ میری بیٹی کو اس روز نائب سالار نے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کون ہے۔ میں نے بتایا کہ یہ میری بیٹی ہے اور یہ مجاہدہ ہے۔ بہت دِنوں بعد انہوں نے مجھے کہا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی کی ماں سے بات کی تو اُس نے کہا کہ بیٹی پہلے ہی کہتی ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے جو اسلام کی پاسبانی میں اپنی جان کی بازی لگانے والا ہو۔ اس طرح میں نے بڑی خوشی سے اپنی بیٹی کی شادی نائب سالار سے کر دی اور میری بیٹی نے انہیں دِلی طور پر قبول کر

لیا۔ اب سنا ہے کہ وہ لاپتہ ہیں۔ میں آپ کو یقیناً کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن کے متعلق اگر دِل سے کسی کو رنج ہے تو وہ صرف میری بیٹی ہے۔ وہ اسی کو زیادہ چاہتے تھے۔ باقی دو بیویاں کہتی ہیں کہ یہ مر گیا تو کسی اور کے ساتھ شادی کر لیں گی''۔

☆

''مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اُس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے''...... یہ آواز قاہرہ سے بہت دُور اُن کھنڈروں سے اُبھری تھی جہاں کسی فرعون نے اپنے زمانے میں محل بنایا تھا۔ اُس زمانے میں یہ جگہ بہت خوب صورت اور سرسبز ہوگی۔ علاقہ پہاڑی تھا اور دریائے نیل کے کنارے پر تھا۔ پہاڑیوں پر درخت اور سبزہ تھا اور وہاں دریا کچھ اندر کو آ جاتا تھا۔ کسی فرعون نے یہ محل بنایا تھا۔ سلطان کے دور میں یہ ڈراؤنا کھنڈر بن چکا تھا۔ دیواروں اور ستونوں پر کائی اُگی ہوئی تھی۔ چیلوں جتنے بڑے چمگادڑوں کے سیاہ بادل اس کھنڈر میں سمٹے رہتے تھے۔ کھنڈروں کے برآمدوں اور کمروں میں انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھی۔ اُس دور کے ہتھیار بھی اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ اُدھر اب کوئی نہیں جاتا تھا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ وہاں جنوں، چڑیلوں اور بدروحوں کا بسیرا ہے جو زندہ انسانوں کا شکار کرتی ہیں۔

اس ہولناک کھنڈر میں جس کے میلوں دُور سے بھی کوئی نہیں گزرتا تھا، ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ مجھے اب یقین سا ہونے لگا ہے کہ اس کا دماغ ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔ پھر اُس نے کہا...... ''نہیں آئے گا تو یہاں سے زندہ نہیں نکلے گا''۔

''ہم اُسے اس لیے نہیں لائے کہ یہاں لا کر اُسے قتل کر دیں''...... دوسرے نے کہا...... ''اگر قتل کرنا ہوتا تو اُسے اُس کے گھر سے اُٹھانے اور اتنی دُور لانے کی بجائے وہیں قتل نہ کر دیتے؟ اُسے اس کام کے لیے تیار کرنا ہے جس کے لیے اسے لائے ہیں''۔

''حشیش اپنا کام کر رہی ہے''۔

''تم کسی کو نشہ پلا کر اُس سے ایسی باتیں کرا سکتے ہو جن کا اُس کی عقل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حشیش سے تم کسی کے ایمان اور نظریئے کو نہیں بدل سکتے۔ یہ شخص پانچ ہزار نفری کی جنگی قوت کا حامل ہے۔ ہمیں صرف اُسے نہیں، اُس کی پوری نفری کو اپنے ہاتھ میں لے لینا اور اسے مصری فوج کے خلاف لڑانا ہے، پھر مصر ہمارا ہوگا اور پھر صلاح الدین ایوبی کی حالت اُسی شیر جیسی ہوگی جو بہت سے شکاریوں کے گھیرے میں ہوگا۔ وہ سب کو چیر پھاڑ دینے کو جھپٹے گا مگر اُسے صرف موت ملے گی...... اگر سلطان ایوبی کا یہ نائب سالار حبیب القدوس اپنے دستوں کو اشارہ کر دے تو وہ کچھ سوچے بغیر اُس کا حکم مانیں گے''۔

حبیب القدوس اسی کھنڈر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا جسے صاف کر لیا گیا تھا۔ اُس کے نیچے نرم گدے بچھے ہوئے اور اس کے پیچھے گول تکیے تھے۔ آسائش کا سارا سامان موجود تھا۔ اس کے سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا جس نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال رکھی تھی اور وہ کہہ رہا تھا...... ''مصر میری مملکت ہے۔ صلاح الدین ایوبی عراقی کرد ہے۔ اُس نے میری مملکت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے میری مملکت کی حسین لڑکیوں سے اپنا حرم بھر رکھا ہے۔ میرے پانچ ہزار جانباز پورے مصر پر قبضہ کر لیں گے''۔

حبیب القدوس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی۔ اُس کے چہرے پر رونق تھی۔ وہ بڑبڑانے کے لہجے میں کہنے لگا...... ''میری تلوار کہاں ہے؟ میرا گھوڑا تیار کرو۔ میں صلاح الدین ایوبی کو قتل کروں گا۔ میرے پانچ ہزار جانباز ایک دن میں مصر کی فوج سے ہتھیار ڈلوا لیں گے''۔

''صلیبی میرے دوست ہیں''...... اُس آدمی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کہا...... ''وہ میری مدد کو آئیں گے۔ دوست وہ جو بُرے وقت میں مدد دے''۔

''میری تلوار کہاں ہے؟'' حبیب القدوس ذرا صاف آواز میں بولنے لگا...... ''مصر بہت خوب صورت ہو گیا ہے۔ مصر کی لڑکیاں زیادہ حسین ہو گئی ہیں۔ مصر میرا ہے۔ مصر میرا ہے''۔

ایک لڑکی اندر آئی جس کا لباس ایسا تھا کہ برہنہ لگتی تھی۔ اُس کے بال ملائم اور کھلے ہوئے تھے۔ اس کا جسم ہلکے گلابی رنگ کا اور سڈول تھا۔ وہ حبیب القدوس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اپنا ایک بازو حبیب القدوس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ حبیب القدوس اپنا گال اُس کے ریشمی بالوں سے مَس کرنے لگا۔ اُس نے مخمور لہجے میں کہا...... ''مصر بہت حسین ہو گیا ہے''۔

لڑکی ایک طرف ہٹ گئی اور بولی...... ''لیکن مجھ پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہے''۔

حبیب القدوس نے لپک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور اپنے قریب گھسیٹ کر بولا...... ''تم پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔ تم میری ہو، مصر میرا ہے''۔

''جب تک صلاح الدین ایوبی زندہ ہے یا جب تک مصر پر اُس کی بادشاہی ہے، نہ میں تمہاری ہوں نہ مصر تمہارا ہے''۔

''میں اُسے قتل کر دوں گا''۔ حبیب القدوس نے کہا...... ''میں اُسے قتل کر دوں گا''۔

''رُک جاؤ''۔ ایک سخت غصیلی آواز کمرے میں گونجی۔ یہ ایک صلیبی تھا جو مصری زبان بول رہا تھا۔ یہ وہی تھا جسے کھنڈر میں کسی دوسری جگہ ایک مصری بتا رہا تھا کہ اب یقین ہونے لگا ہے کہ اس شخص (حبیب القدوس) کا دماغ ہمارے قبضے میں آ رہا ہے اور اُس نے کہا تھا کہ اسے حشیش کے نشے کے بغیر اپنے کام میں لانا ہے۔ وہ اس کمرے میں آیا جہاں حبیب القدوس کے دماغ کو حشیش کے نشے کے زیرِ اثر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اُس نے غصے میں کہا...... ''تم حسن بن صباح کے پجاری حشیش اور خفیہ قتل کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ لڑکی کو اس کے پاس رہنے دو اور تم میرے ساتھ آؤ''۔

وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ باہر لے جا کر اُسے کہا...... ''اب اُسے حشیش نہ دینا۔ اس کا نشہ اُتر جانے دو۔ ہمیں اس کے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل نہیں کرانا۔ ہمیں اس کے دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ میں بہت دیر سے پہنچا ورنہ اس کا یہ حال نہ ہونے دیتا۔ ہوش میں رکھ کر اسے صلاح الدین ایوبی کا دشمن بنانا ہے۔ تم لوگوں نے اُسے جس خوبی سے اغوا کیا ہے، اُس کی میں دل سے تعریف کرتا ہوں اور اس کی تمہیں اتنی قیمت دی جا رہی ہے جو پہلے تمہیں کہیں سے نہیں ملی ہوگی مگر تم نے اسے حشیش دے دے کر ہمارا کام مشکل بنا دیا ہے۔ اسے اب وہ سفوف اور شربت دو جس سے نشے کا اثر اُتر جاتا ہے''۔

☆

صلیبیوں کی جاسوسی اور تخریب کاری اور مسلمان نوجوانوں کی کردار کشی کے طریقے اناڑیوں والے نہیں تھے۔ اُن کے اُس فن کے ماہرین انسانی فطرت کی کمزوریوں اور مطالبات سے اچھی طرح واقف تھے۔ اُن کی نظر سلطان ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کے ہر افسر پر تھی۔ اُدھر عرب کے اُمراء، وزراء اور مختلف ریاستوں کے مسلمان حکمرانوں کی خامیوں سے بھی وہ آگاہ تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ حکمران اور حاکم اُن کے زیرِ اثر ہو جائیں اور سلطان ایوبی

کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہودی اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کی صورت میں اُن کی پوری مدد کر رہے تھے۔ ان کفار کے ماہرین نے مسلمان حکمرانوں وغیرہ کو چند ایک زمروں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک زمرے میں انہیں رکھا گیا تھا جو ایک دو خوب صورت اور شوخ لڑکیوں، شراب اور زر و جواہرات کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالتے تھے۔ دوسرے زمرے میں وہ تھے جو اپنی الگ ریاست بنا کر اس کے خودمختار بادشاہ بننے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تیسرے میں وہ تھے جو ملک و ملت کے وفادار اور پکے مسلمان تھے۔ ان میں سے صلیبی یہ دیکھتے تھے کہ کون اثر و رسوخ والا ہے جسے ہاتھ میں لیا جائے تو وہ سلطان ایوبی کی خفیہ پالیسیوں اور پروگراموں سے قبل از وقت اطلاعات دے سکتا ہو اور اُن میں کون ایسا ہے جس کا فوج کے کچھ حصے پر اثر ہو اور وہ اس حصے کو اپنی سلطنت کے خلاف باغی کر سکتا ہو۔ ان پکے دین داروں اور مجاہدوں کو ہاتھ میں لینے کے لیے ان کے پاس کچھ طریقے تھے جن میں ایک اغوا کرنا دراسے اپنا اتحادی بنانا تھا۔ ایک طریقہ قتل کا بھی تھا لیکن قتل کم ہی کرائے جاتے تھے۔ اگر ضرورت پڑے تو قتل حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتلوں سے کرایا جاتا تھا۔

نائب سالار حبیب القدوس ایسا حاکم تھا جس کو قتل کرانے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے ہاتھ میں لینا تھا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ مصری فوج کی پانچ ہزار نفری اس کی مرید تھی۔ صلیبیوں کے مسلمان ایجنٹوں نے انہیں بتایا تھا کہ یہ شخص ایمان نہیں، جان دینے والا ہے اور اس میں اتنا شدید جذبہ اور غیر معمولی اہمیت ہے کہ اگر اسے اپنے انہی دستوں کے ساتھ ایک لاکھ کے لشکر کے خلاف لڑایا جائے تو شام کا سورج اتنی جلدی اُفق میں نہیں گرے گا جتنی جلدی اس کے آگے دشمن کی لاشیں اور ہتھیار گریں گے۔

صلیبیوں نے تجربہ کر لیا تھا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کبھی اس کے پاس کوئی نوجوان اور غیر معمولی طور پر خوب صورت لڑکی ایک نادار، یتیم اور مظلوم لڑکی کے بہروپ میں مدد لینے کے لیے بھیجی۔ کبھی کسی لڑکی کو کسی اور ذاتی کام سے بھیجا۔ ضیافتوں اور کھیل تماشوں میں بڑی بڑی حسین لڑکیاں اُس کے پیچھے ڈالیں مگر وہ اس جال میں نہ آیا، جیسے پتھر ہو۔ مصر میں بغاوت کرانا صلیبیوں کے لیے ضروری ہو گیا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین ایوبی شام اور فلسطین کے علاقوں کے بکھرے ہوئے مسلمان اُمراء کو دلائل سے یا تلوار سے اپنا مطیع بناتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے بعد اسے فلسطین کا رُخ کرنا تھا۔ اُس کی توجہ فلسطین سے ہٹانے کے لیے ایک طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ مصر میں اُس کی جو فوج ہے اُسے بغاوت پر آمادہ کیا جائے۔

اس سے پہلے صلیبی سوڈانیوں کو مصری فوج کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ سوڈانی فوج نے حملہ کیا تھا مگر سوڈانی فوج میں اکثریت وہاں کے حبشیوں کی تھی اور وہ توہم پرست تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہجوم کی صورت بس لڑتے اور ہجوم کی صورت میں بھاگتے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں مصر کے خلاف ہی رکھا، لیکن لڑنے کی نہ سوچی۔ اب بغاوت مصر کی فوج ہی سے کرائی جا سکتی تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جو موزوں سالار دیکھا وہ حبیب القدوس تھا۔ جاسوسوں اور ماہرین نے اس کے اغوا کا فیصلہ کیا اور حسن بن صباح کے فرقے کے فدائیوں کو منہ مانگی اُجرت دے کر اُن سے اغوا کرا لیا۔

اغوا کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ ایک شام دو آدمی اس کے گھر گئے اور کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ وہاں کی مسجد کی چھت بیٹھ گئی ہے اور پوری مسجد از سر نو تعمیر کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رات کو گاؤں کے لوگ جمع ہو رہے ہیں اور وہ بھی چلیں لوگ دل کھول کر مالی مدد دیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایسی جذباتی باتیں کیں کہ وہ اُن کے ساتھ چل پڑا۔ شہر سے باہر

نکل گئے تو چار اور آدمی ملے۔ ان سب نے اُسے جکڑ لیا اور اس کھنڈر میں لے گئے۔ وہاں پہنچتے ہی اُسے دھوکے میں حشیش پلا دی۔ صلیبی جو اس سے بات کرنے اور اسے اپنا ہم خیال بنانے پر مامور تھا، وہ کسی اور کام سے کہیں چلا گیا۔ اُسے اغوا کرنے والے کھنڈر میں موجود رہے۔ کھنڈر کے ایک کمرے میں اس کے لیے آسائش کی ہر چیز پہنچا دی گئی۔ دو لڑکیاں بھی تھیں جو حسین ہونے کے علاوہ دِلوں کو موہ لینے اور پتھر جیسے پختہ کردار کے آدمیوں کو بھی حیران بنا دینے کے فن کی ماہر تھیں۔

ان سب کو معلوم تھا کہ اس نائب سالار کو کیوں اغوا کیا گیا ہے۔ انہوں نے انعام و اکرام کے لالچ میں از خود ہی اس کے ذہن کو اپنے مخصوص طریقے سے اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہ طریقہ حشیش کی ایک خاص قسم سے نشہ طاری کرنے کا تھا جس کے دوران مطلوبہ فرد کے ذہن میں باتوں کے ذریعے نہایت دِل کش تصورات ڈالے جاتے تھے۔ یہ ایک قسم کا ہپناٹائز کرنے کا طریقہ تھا۔ اس میں نیم عُریاں خوب صورت لڑکیاں بھی استعمال کی جاتی تھیں۔ یہ گروہ کئی دنوں سے حبیب القدوس پر یہ طریقہ استعمال کر رہا تھا اور اس نے اُن کے ساتھ مطلب کی باتیں شروع کر دی تھیں جن سے انہیں اُمید بندھ چلی تھی کہ انہوں نے اُس کے دماغ کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔

☆

اُدھر قاہرہ میں مصری فوج اور کوتوالی کے جاسوس اس کی تلاش میں پریشان ہو رہے تھے۔ سب کا یہی خیال تھا کہ وہ سوڈانیوں یا صلیبیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ حبیب القدوس کا اثر اپنے دستوں پر کس قدر زیادہ ہے، اس لیے اس نے مصر کے قائم مقام امیر کی اجازت سے سلطان ایوبی کو اطلاع دے دی تھی۔ توقع یہی تھی کہ وہ اپنے معتمد کمان داروں کو کوئی پیغام بھیجے گا۔ جاسوسوں اور سراغ رسانوں نے ہر طرف نظر رکھی، لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ اس کا پیغام کسی کی طرف نہیں آیا۔ یہ بھی دیکھا جا رہا تھا کہ ان دستوں میں سے کون سا کمان دار غائب ہوتا ہے لیکن اتنے دِنوں میں کوئی بھی غیر حاضر نہ ہوا۔

اتنے میں وہ صلیبی کھنڈرات میں آ گیا جسے حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرنی تھی۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ حشیش رکوائی اور حبیب القدوس کا نشہ اُتارا۔ صلیبی نے پوری رات نشے کے اثرات اُترنے کا انتظار کیا۔ اگلے روز وہ حبیب القدوس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ ابھی سویا ہوا تھا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جب اُس کی نظر صلیبی پر پڑی تو وہ فوراً اُٹھ بیٹھا اور صلیبی کو بڑی غور سے دیکھنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا"۔ صلیبی نے کہا..... "آپ اتنے حیران اور پریشان نہ ہوں۔ یہ بدبخت آپ کو حشیش پلاتے رہے اور آپ کو بڑے خوب صورت خواب دکھاتے رہے ہیں۔ آپ حشیش اور فدائیوں کے اس طریقے سے یقیناً واقف ہوں گے۔ آپ کی توہین کی گئی ہے جس کی میں معافی چاہتا ہوں۔ میں آپ کو کوئی خواب نہیں دکھاؤں گا۔ بڑی خوب صورت حقیقت آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اپنے آپ کو قیدی نہ سمجھیں۔ میں آپ کا رُتبہ اونچا کروں گا، کم نہیں ہونے دوں گا"۔

"یہ لوگ دھوکے میں مجھے یہاں لے آئے تھے"۔ حبیب القدوس نے کہا..... "پھر شاید مجھے کہیں اور لے گئے تھے"۔ اُس نے نگاہیں گھما کر ہر طرف دیکھا اور حیران سا ہو کے بولا..... "وہ کوئی بہت ہی خوب صورت جگہ تھی..... مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"اپنے آپ کو بیدار کریں"۔ صلیبی نے کہا..... "یہ سب حشیش کا اثر تھا۔ آپ پہلے روز سے یہیں ہیں"۔

''مجھے اغوا کیا گیا تھا؟'' حبیب القدوس نے حقیقت کو سمجھتے ہوئے ذرا رُعب سے کہا...... ''تم کون ہو؟''

''میں آپ کا ایک مسلمان بھائی ہوں'' ۔ صلیبی نے کہا...... ''مجھے آپ سے لینا کچھ بھی نہیں، کچھ دینا ہے'' ۔

''اگر میں لینے دینے سے انکار کر دوں تو؟''

''تو زندہ واپس نہیں جا سکیں گے'' ۔ صلیبی نے کہا...... ''آپ قاہرہ سے اتنی دُور ہیں کہ آپ کو میں نے آزاد کر دیا تو آپ راستے میں مر جائیں گے'' ۔

''مجھے وہ موت زیادہ پسند ہوگی'' ۔ حبیب القدوس نے کہا...... ''میں اپنے دشمن کی قید میں نہیں مرنا چاہتا'' ۔

''نہ آپ قید میں ہیں، نہ میں آپ کا دشمن ہوں'' ...... صلیبی نے کہا...... ''ان خبیثوں نے آپ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کر کے آپ کو بدظن کر دیا ہے ۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں'' ۔

''اِن باتوں کے لیے مجھے اغوا کر کے اتنی دُور لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''اگر مَیں یہ باتیں قاہرہ میں آپ کے ساتھ کرتا تو ہم دونوں قید خانے کے تہہ خانے میں ہوتے'' ۔ صلیبی نے کہا...... ''وہاں قدم قدم پر علی بن سفیان اور کوتوال غیاث بلبتیس نے جاسوس کھڑے رکھے ہیں'' ۔

حبیب القدوس کا ذہن صاف ہو چکا تھا ۔ اس کا دماغ سوچنے کے قابل ہو گیا تھا ۔ وہ جان گیا کہ وہ صلیبی تخریب کاروں کے چنگل میں آ گیا ہے ۔ اُس نے پوچھا...... ''تم صلیبیوں کے آدمی ہو یا سوڈانیوں کے؟''

''میں مصر کا آدمی ہوں'' ۔ اس نے جواب دیا...... ''اور آپ بھی مصری ہیں ۔ آپ بغدادی، شامی یا عربی نہیں ۔ مصر مصریوں کا ہے ۔ یہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے خاندان کی جاگیر نہیں ۔ یہ اسلامی ملک ہے ۔ یہاں اللہ کی حکمرانی ہوگی اور اس کا انتظام اور کاروبار مصری مسلمان چلائیں گے ۔ کیا آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ ہم پر حکومت کرنے والے بغداد اور دمشق سے آئے ہیں اور انہوں نے مصر کو شام کے ساتھ ملا کر ایک سلطنت بنا لیا ہے؟''

''تم مجھے مصر کو صلاح الدین ایوبی سے آزاد کرانے پر اُکسا رہے ہو؟''

''میں جانتا ہوں کہ آپ صلاح الدین ایوبی کو پیغمبر نہیں تو پیر و مُرشد ضرور سمجھتے ہیں'' ۔ صلیبی نے کہا...... ''میں اس کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا ۔ ایوبی میں بہت سی خوبیاں ہیں ۔ میں بھی اُسے اتنا ہی پسند کرتا ہوں جتنا آپ کرتے ہیں مگر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا ۔ اس کے بعد مصر اُس کے جس بھائی یا بیٹے کے ہاتھ آئے گا، اس میں صلاح الدین ایوبی کی خوبیاں نہیں ہوں گی ۔ مصر ایک اور فرعون کے قبضے میں آ جائے گا'' ۔

''مجھ سے تم کیا کام لینا چاہتے ہو؟''

''اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آپ کیا کر سکتے ہیں'' ...... صلیبی نے جواب دیا...... ''اگر آپ کے دِل میں شک ہے تو مجھ سے پوچھیں ۔ پہلے اپنا شک رفع کریں ۔ آپ سوچ لیں ۔ آپ ابھی ابھی جاگے ہیں ۔ ان بدبختوں کی دی ہوئی حشیش کا بھی آپ پر اثر ہے ۔ میں آپ کے لیے ناشتہ بھجواتا ہوں ۔ اتنے دِنوں آپ کو کسی نے نہانے نہیں دیا ۔ میں آپ کو ایک چشمے پر لے چلوں گا'' ۔

وہ اُٹھا اور باہر نکل گیا ۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی آیا ۔ اُس نے کہا...... ''میرے ساتھ چلیں ۔ ناشتے سے پہلے نہا لیں'' ۔

☆

کھنڈر سے اُسے کسی ایسے راستے سے نکالا گیا جو پہاڑیوں میں چلا گیا تھا۔ کچھ آگے ایک چشمہ تھا جس کا شفاف پانی چھوٹے سے قدرتی تالاب میں جمع ہو رہا تھا۔ وہ پہاڑیوں سے گھوم کر چشمے کی طرف گئے تو وہاں دو لڑکیاں بالکل ننگی نہا رہی تھی اور ایک دوسری پر ہاتھوں سے پانی پھینک رہی تھی۔ حبیب القدوس رُک گیا اور اُس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ لڑکیاں چیختی بھاگ اُٹھیں۔ اُس ویرانے میں ایسی حسین اور برہنہ لڑکیاں جن اور چڑیلیں لگتی تھیں۔ حبیب القدوس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ کھنڈر ایک پہاڑی کے پیچھے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ جو آدمی آیا تھا وہ اس کے آگے آگے جا رہا تھا۔

حبیب القدوس نے لپک کر ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور بازو کا شکنجہ تنگ کر کے اُس نے دوسرے ہاتھ سے اس کی پیٹ میں پوری طاقت سے تین چار گھونسے مارے۔ یہ آدمی دم گھٹنے سے مر گیا۔ حبیب القدوس نے اُسے گھسیٹ کر ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے پھینک دیا اور خود بھاگ اُٹھا۔ اُس نے ایک پہاڑی میں سے راستہ دیکھ لیا تھا۔ وہاں پہنچا تو ایک آدمی برچھی تانے کھڑا تھا۔ اُس نے اتنا ہی کہا..... ''واپس'' ..... وہ نہتہ تھا، سر جھکا کر پیچھے کو مڑا۔ چند قدم ہی چلا ہوگا کہ صلیبی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ وہ مُسکرا رہا تھا۔

''میں آپ کو دانش مند سمجھتا ہوں'' ۔ صلیبی نے کہا..... ''آپ اس علاقے سے نکل نہیں سکتے۔ احمق نہ بنیں، نہا لیں۔ میرے ساتھ آئیں''۔

وہ جھیل سے نہا کر نکلا اور کپڑے پہنے۔ صلیبی اُسے اپنے ساتھ لے آیا۔ راستے میں اس نے صلیبی سے پوچھا..... ''یہ لڑکیاں تمہارے ساتھ ہیں؟''۔

''اس ویرانے میں ایسی رونق ساتھ رکھنا ضروری ہے'' ۔ صلیبی نے کہا..... ''کیا آپ کی تین بیویاں نہیں؟ ... اگر آپ کو ان کے ساتھ دلچسپی نہیں تو نہ سہی۔ اگر آپ تنہائی یا گھبراہٹ محسوس کریں تو ان لڑکیوں میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں''۔

اتنے میں ایک لڑکی ناشتہ لے کر آئی۔ حبیب القدوس اُسے دیکھتا رہا۔ لڑکی اس کے پاس بیٹھ گئی اور صلیبی باہر نکل گیا۔ لڑکی نے باتوں اور اداؤں سے اُس پر طلسم طاری کر دیا۔ بہت دیر بعد جب صلیبی واپس آیا اور لڑکی چلی گئی تو حبیب القدوس کو افسوس سا ہوا۔

''آپ آزاد مصر کے سالارِ اعلیٰ ہوں گے''..... صلیبی نے اُسے کہا..... ''آپ کے دستوں میں جو تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار ہیں، وہ آپ کے مرید ہیں۔ آپ اُن کی مدد سے مصر کی حکومت پر قبضہ کر سکتے ہیں''۔

''صلاح الدین ایوبی حملہ کرے گا تو کیا میں انہی دستوں سے مصر کو اُس سے بچا لوں گا؟''

''سوڈانی مسلمان جو کبھی مصری فوج میں ہوا کرتے تھے، ہمارے ساتھ ہوں گے''..... صلیبی نے کہا۔ ''صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو مصری ہیں، اُن تک ہم خبر پہنچائیں گے کہ یہ خانہ جنگی نہیں بلکہ مصری مصر کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ آپ اپنے دستوں سے بغاوت کرائیں۔ آپ کو جنگی طاقت دینا ہمارا کام ہے''۔

اس آدمی نے لمبی تفصیل سے اُسے اپنا منصوبہ بتایا۔ حبیب القدوس اب انکار نہیں کر رہا تھا، بلکہ یوں سوال کر رہا تھا جیسے وہ قائل ہو گیا ہو۔

''میں واپس قاہرہ نہیں جاؤں گا تو بغاوت کیسے کراؤں گا؟''..... حبیب القدوس نے پوچھا

''آپ واپس نہیں جائیں گے''...... صلیبی نے کہا...... ''آپ یہیں سے اپنے قابل اعتماد ساتھیوں کو پیغام دیں گے۔ اس کا انتظام ہم کریں گے...... آپ نے ہمارے ایک قیمتی آدمی کو مار ڈالا ہے۔ ہم آپ کو قتل کر سکتے ہیں۔ ہمارے بازو اتنے لمبے ہیں کہ آپ کے خاندان کے بچے بچے کو قتل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں دھوکہ دیا تو ہم ایسا کر کے دکھا بھی دیں گے''۔

''پھر مجھے یہاں لمبے عرصے کے لیے رہنا پڑے گا''...... حبیب القدوس نے کہا۔

''کچھ عرصہ تو لگے گا''۔ صلیبی نے جواب دیا۔

''میری ایک ضرورت پوری کر دو''...... حبیب القدوس نے کہا...... ''تم نے مجھے دو لڑکیاں پیش کی ہیں۔ میں گناہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں اتنی حسین لڑکی میں اُلجھ کر اپنا اصل مقصد بھول جاؤں۔ اس کی بجائے یہ انتظام کر دو کہ میری سب سے چھوٹی بیوی کو جس کا نام زہرہ ہے، یہاں لے آؤ۔ اُسے میں پیغام رسانی کے لیے بھی استعمال کر سکوں گا''۔

''اُسے اغوا کرنا پڑے گا''...... صلیبی نے کہا...... ''اگر اُسے ہم یہ کہیں گے کہ آپ اسے بلا رہے ہیں تو وہ ہم پر اعتبار نہیں کرے گا۔ وہ ہمیں پکڑوا بھی سکتی ہے۔ ہم آپ کو اس کا جو نعم البدل دے رہے ہیں، اُسے آپ قبول کر لیں اور پیغام رسانی کے لیے اپنے کسی آدمی کا اتا پتہ دیں''۔

''پھر مجھ پر اعتماد کرو''۔ حبیب القدوس نے کہا...... ''مجھے قاہرہ پہنچا دو۔ میں ایک ماہ کے اندر بغاوت کر دوں گا''۔

''یہ نہیں ہو سکتا''۔ صلیبی نے کہا...... ''محترم! ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ مصر کے مفاد میں ہے اور اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے۔ میں یا میری تنظیم کا کوئی بھی فرد مصر کا حکمران بننے کا خواب نہیں دیکھ رہا۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں''۔

''میں سمجھ گیا ہوں''۔ حبیب القدوس نے کہا...... ''اور میں سوچ سمجھ کر بات کر رہا ہوں۔ میری بیوی زہرہ تک میرا پیغام پہنچاؤ کہ میرے پاس آ جائے۔ جو کام وہ کر سکتی ہے، وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اس کے آنے کے بعد دیکھوں گا کہ اس منصوبے کو کس طرح کامیاب بنایا جا سکتا ہے''۔

وہ ایک بھکارن تھی جس نے زہرہ کو راستہ میں روک لیا تھا۔ وہ دو تین سے دیکھ رہی تھی کہ زہرہ حبیب القدوس کے گھر سے ہر روز بعد دوپہر اپنے ماں باپ کے گھر جاتی ہے۔ بھکارن نے اُس کے آگے ہاتھ پھیلا کر کہا...... ''نائب سالار حبیب القدوس نے آپ کو بلایا ہے۔ یہ اُن کے ہاتھ تحریر ہے''...... زہرہ نے کاغذ ہاتھ میں لے کر تحریر پڑھی۔ یہ اس کے خاوند کے ہاتھ کی تھی۔ بھکارن نے کہا...... ''وہ جہاں کہیں بھی ہیں، خود گئے ہیں۔ اتنے بڑے آدمی کو کوئی اُٹھا کر نہیں لے جا سکتا۔ وہ صرف آپ کو چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زہرہ کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا...... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ آپ نے مجھے پکڑوانے کی کوشش کی یا کوتوال کو اطلاع دی تو دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ حبیب القدوس کے پاس آپ کا جانا ضروری ہے''۔

''میں تم پر کس طرح اعتبار کر لوں؟'' زہرہ نے پوچھا۔

''میں بھکارن نہیں''۔ عورت نے جواب دیا...... ''یہ میرا بہروپ ہے۔ میں بھی آپ کی طرح شہزادی ہوں۔ ہمارا مقصد نیک اور مقدس ہے۔ آپ دل میں کوئی وہم نہ رکھیں''۔

اس عورت نے اور بھی بہت سی باتیں کیں جن سے زہرہ متاثر ہو گئی۔ اُس نے اس عورت کے کہنے کے مطابق رات کو ایک جگہ چوری چھپے پہنچنے کا وعدہ کر دیا۔ اس نے اس ڈر سے کسی سے ذکر نہ کیا کہ اس عورت نے کہا تھا کہ اس کی اور

اُس کے خاوند کی زندگی اور موت کا اور مصر کی آزادی اور غلامی کا سوال تھا۔

اُسے رات مقرر کی ہوئی جگہ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ دو آدمی جنہیں وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچان نہ سکی، اسی بھکارن کے ساتھ آئے۔ بھکارن کو اُس نے آواز سے پہچانا مگر وہ اب بھکاریوں کے بہروپ میں نہیں تھی۔ وہ کوئی جوان اور خوب صورت عورت تھی۔ اس نے زہرہ سے کہا۔ ''اللہ کے بھروسے پر اُن کے ساتھ چلی جاؤ۔ دِل میں کوئی ڈر نہ رکھنا''...... اُسے ایک گھوڑے پر بٹھایا گیا۔ وہ دونوں بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور زہرہ ایک ایسے سفر روانہ ہوگئی جس کی منزل کا اُسے علم نہ تھا۔ عورت وہیں کھڑی رہی۔ شہر سے دُور جا کر سواروں نے زہرہ سے کہا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنا ضروری ہے۔ زہرہ ان میں اکیلی تھی۔ مزاحمت نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔

دو روز بعد پتہ چلا کہ نائب سالار حبیب القدوس کی چھوٹی بیوی بھی لاپتہ ہوگئی ہے۔ سراغ رسانوں نے ابتدائی تفتیش کی تو وہ ماننے کو تیار نہ ہوئے کہ اُسے اغوا کیا گیا ہے۔ حبیب القدوس کے متعلق ہر کوئی کہہ رہا تھا کہ وہ صلیبیوں یا سوڈانیوں کے پاس چلا گیا ہے۔ اب لوگ یہ بھی کہنے لگے کہ اس کی بیوی بھی اُس کے پاس چلی گئی ہے۔ کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس وقت اور کس طرح گئی ہے۔ اس وقت تک وہ حبیب القدوس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں اُس کمرے میں کھولی گئی تھیں جہاں اس کا خاوند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ پوری رات اور اگلا دِن آدھا دِن سفر میں رہی تھی۔ راستے میں اُسے کھانے پلانے کے دوران آنکھوں سے پٹی کھولی گئی تھی اور اسے ساتھ لے جانے والے آدمیوں نے اُس کے ساتھ کوئی بلاضرورت یا ایسی ویسی بات نہیں کی تھی۔ اُسے انہوں نے یہ یقین بار بار دلایا تھا کہ اُسے ڈرنا نہیں چاہیے۔

حبیب القدوس کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس کے ساتھ صلیبی بھی تھا۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا...... ''یہ ہمارا دوست ہے اور اپنے آپ کو یہاں قیدی نہ سمجھنا۔ تم بہت تھکی ہوئی ہو۔ آج رات آرام کرلو۔ کل صبح تمہیں بتائیں گے کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔ تم اکثر کہا کرتی ہو کہ مردوں کی طرح جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہو۔ میرے اس دوست نے تمہارے لیے بڑا اچھا موقعہ پیدا کردیا ہے''۔

صلیبی انہیں اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

☆

زہرہ ابھی نوجوانی کی عمر میں تھی اور اُس کے حسن میں خاصی کشش تھی۔ جسم چھریرا اور طبیعت میں کچھ شوخی بھی تھی۔ شام سے ذرا پہلے وہ دو لڑکیاں جنہیں حبیب القدوس نے تالاب میں نہاتے دیکھا تھا، اس کے کمرے میں آئیں اور زہرہ کو بے تکلف سہیلیوں کی طرح اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہ تھا تو ہیبت ناک کھنڈر لیکن لڑکیاں جہاں رہتی تھیں وہ کمرہ سجا ہوا اور وہاں رنگین فانوس تھے۔ اس کمرے میں کھنڈر کا گماں نہیں ہوتا تھا۔ زہرہ تھوڑے سے وقت میں اُن میں گھل مل گئی۔ اُن میں سے ایک لڑکی نے اُسے کہا...... ''تمہارے ماں باپ کتنے ظالم ہیں جنہوں نے تم جیسی نوخیز کلی کو اس بوڑھے کے قدموں میں پھینک دیا ہے۔ تمہیں اس نے خریدا تو نہیں تھا؟''

''ہاں!'' زہرہ نے رنجیدہ لہجے میں کہا...... ''اس نے مجھے خریدا تھا۔ میں بھاگ کر کہیں جا بھی تو نہیں سکتی''۔

''اگر کوئی پناہ مل جائے تو بھاگ جاؤ گی؟''

''اگر یہ پناہ میری موجودہ زندگی سے بہتر ہوئی تو میں ضرور بھاگوں گی''...... زہرہ نے کہا اور پوچھا...... ''اس نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟ تم لوگ کون ہو؟ کیا یہ مجھے بیچ رہا ہے؟''

''اگر تم ہمارے پاس آجاؤ تو شہزادی بن کے رہوگی''...... ایک لڑکی نے اُسے کہا......''ہم تمہیں بتادیں گی کہ ہم کون ہیں لیکن اس سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ تم ہمارے ساتھ رہنے کے قابل بھی ہو یا نہیں...... تم ہمارے ساتھ باہر جا کر ہماری طرح کپڑے اُتار کر تالاب میں نہا سکو گی؟''

''اس حیوان سے مجھے آزاد کرا دو تو جو کہو گی، کروں گی''...... زہرہ نے کہا۔

ایک آدمی زہرہ کو کھانے کے لیے بلانے آ گیا۔ اس نے کہا کہ نائب سالار کھانے پر انتظار کر رہے ہیں۔ زہرہ چلی گئی تو وہی صلیبی آ گیا جو حبیب القدوس کے ساتھ بات چیت کرتا رہا تھا۔ لڑکیوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے بتایا......''یہ لڑکی ہمارے کام کی ہے اور وہ اس بوڑھے خاوند سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو اُسے اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے۔ یہ کتنی خوب صورت ہے۔ اس میں شوخی بھی ہے اور اس کا جسم سختی برداشت کر سکتا ہے۔ تربیت کی ضرورت ہے''۔

''لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ شخص تو یہ کہتا تھا کہ اسے اپنی اس بیوی پر اعتماد ہے اور وہی پیغام رسانی کا کام کر سکتی ہے''...... صلیبی نے کہا......''اگر یہ لڑکی اس شخص سے نفرت کرتی ہے تو اسے دھوکہ دے گی اور ہم سب کو پکڑوائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اس معاملے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔ یہ آدمی ہمارے فریب میں آ گیا ہے۔ مجھے مصری مسلمان اور وطن پرست سمجھتا ہے۔ ہمارا کام کرنے کو تیار ہو گیا ہے۔ اگر یہ لڑکی اُسے دھوکہ دینے کی سوچ سکتی ہے تو ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ میں اسے پرکھوں گا۔ تم رات کو تھوڑی دیر کے لیے اسے میرے پاس لے آنا کسی بہانے باہر چلی جانا''۔

کھانے کے کچھ دیر بعد لڑکیاں پھر اُسے ہنسنے کھیلنے اور گپ شپ کے لیے لے آئیں۔ اُسے پہلے سے زیادہ بے تکلف، بلکہ کسی حد تک بے حیا کر لیا۔ صلیبی آ گیا اور لڑکیاں کسی بہانے سے باہر نکل گئیں۔ صلیبی نے زہرہ سے وہی باتیں کیں جو لڑکیاں اس کے ساتھ کر چکی تھیں۔ صلیبی نے اُسے اپنے معیار کے مطابق پرکھا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کرنے لگا تو زہرہ نے اپنا بازو چھڑا کر کہا......''میں ایسی عام اور سستی چیز نہیں کہ ذرا سے اشارے پر آپ کی گود میں گر پڑوں گی''۔

صلیبی کو اس کی یہ بات پسند آئی۔ لڑکی ہر کسی کے ہاتھ آنے والی نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ اُس نے یہ دیکھ لیا کہ زہرہ میں وہ جوہر موجود ہیں جو ان کی جاسوس اور تخریب کار لڑکیوں میں ہوتے تھے۔ ذرا تربیت کی ضرورت تھی۔ اُسے بھی زہرہ نے بتایا کہ اسے اپنے خاوند سے نفرت ہے لیکن وہ چونکہ مجبور ہے اور نفرت کا اظہار نہیں کر سکتی، اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ وہ اسے چاہتی ہے۔

''اب بھی نفرت کا اظہار نہ کرنا''...... صلیبی نے اُسے کہا......''میں تمہیں اس سے آزاد کرا لوں گا اور تم شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کرو گی...... تم یہیں بیٹھو۔ میں تمہاری سہیلیوں کو تمہارے پاس بھیج دیتا ہوں''۔

وہ کمرے سے نکل گیا اور لڑکیوں کے پاس چلا گیا۔ انہیں کہا......''لڑکی کام کی ہے۔ اُسے اپنے سائے میں لے لو۔ حبیب القدوس اسے بُری طرح چاہتا ہے۔ اس لڑکی کو ہم اس بات پر لائیں گے کہ وہ اس کے ساتھ دیوانہ وار محبت کا عملی اظہار کرتی رہے تاکہ وہ اپنے قابلِ اعتماد کمان داروں وغیرہ کے ساتھ اس لڑکی کی معرفت رابطہ قائم کر سکے۔ یہ تمہارا کام ہے کہ لڑکی کو اپنے جال میں لے لو۔ اسے اپنی زندگی کا شاہانہ پہلو دکھاؤ اور تم جانتی ہو کہ اُسے کس طرح اور کس مقصد کے لیے تیار کرنا ہے''۔

☆

زہرہ حبیب القدوس کے ساتھ والہانہ محبت کا اظہار کرتی رہی اور صلیبی اور اس کے ساتھی لڑکیوں کو بتاتی رہی کہ اسے حبیب القدوس سے نفرت ہے۔ دونوں لڑکیوں نے اسے اپنے ساتھ رکھنا اور باہر لے جانا شروع کر دیا۔ اسے چشمے کے تالاب پر لے گئیں تو اس نے بلا جھجک تمام کپڑے اُتار دیئے اور لڑکیوں کے ساتھ پانی میں کھیلنے لگی۔ پھر یہ ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ رات وہ حبیب القدوس کے ساتھ گزارتی تھی۔ دن کا زیادہ تر وقت دونوں لڑکیاں اسے اپنے ساتھ رکھتیں اور کبھی صلیبی بھی اس کے ساتھ دوستانہ باتیں کرتا تھا۔ زہرہ چار پانچ دنوں میں ان لڑکیوں جیسی ہو گئی۔ اس کی شوخیاں بے حیائی کا رنگ اختیار کرنے لگیں اور لڑکیاں آہستہ آہستہ اُسے اپنی پُراسرار زندگی کے متعلق بتانے لگیں۔

اس دوران صلیبی نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کا منصوبہ تیار کر لیا۔ حبیب القدوس نے یہ منصوبہ تیار کرنے میں بہت مدد دی۔ اب صلیبی کو اس پر اعتبار آ گیا تھا۔ اس نے حبیب القدوس کو مصری فوج کے ایک دو اعلیٰ حکام اور دو انتظامیہ کے حاکموں کے نام بتائے جو درپردہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف تھے اور بغاوت کی سوچ رہے تھے۔ انہوں نے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی طرح اسے ہاتھ میں لیا جائے۔ صلیبی نے اسے یہ نہ بتایا کہ وہ صلیبی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مصری وطن پرست ہی بتاتا رہا۔ اس کا مقصد بغاوت کرانا تھا۔

زہرہ ان دونوں لڑکیوں میں اس قدر شیروشکر ہو گئی تھی کہ اب یہ کہنا کہ وہ کسی شریف باپ کی بیٹی یا ایک مسلمان نائب سالار کی بیوی ہے، غلط تھا۔ حبیب القدوس اسے اپنی وفادار بیوی سمجھتا تھا۔ ایک روز اُس نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اس کھنڈر سے اور پہاڑیوں میں گھری ہوئی دُنیا سے تنگ آ گئی ہے۔ لڑکیوں نے اسے کہا کہ وہ اُسے ان پہاڑیوں سے پرے کی دُنیا دکھلائیں گی۔ چنانچہ وہ اسے ایک پہاڑی راستے سے گزارتی ایک جھیل کے کنارے لے گئیں اور اس کے کنارے کنارے جب وہ اور آگے گئی تو اسے دریائے نیل نظر آیا۔ اسی کا پانی پہاڑی کے اندر آ کر جھیل بنا ہوا تھا۔ ایک جگہ پہاڑی کی اوٹ میں ایک کشتی چھپی ہوئی تھی جس میں دو چپو تھے۔ یہ جگہ بہت ہی خوب صورت تھی۔ زہرہ ان لڑکیوں کے ساتھ وہاں ہنستی کھیلتی رہی۔

"یہاں فرعونوں کی شہزادیاں کھیلا کرتی تھیں"...... ایک لڑکی نے کہا

"اور تم دونوں اُن کی بدروحیں لگتی ہو"...... زہرہ نے ہنس کر کہا۔

"تمہارے مقابلے میں ہم دونوں واقعی بدروحیں لگتی ہیں"...... دوسری لڑکی نے کہا۔

"سنو زہرہ!"...... ایک لڑکی نے اس سے کہا...... "تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ تمہارا یہ بوڑھا خاوند یہاں کیوں چھپا بیٹھا ہے اور تمہیں کیوں لایا گیا ہے؟"

"وہ تو پہلے روز ہی اس نے بتا دیا تھا"...... زہرہ نے کہا...... "میں یہ کام کر دوں مگر کہتے ہیں کہ چند دن رُک جاؤ"۔

"اور تم جانتی ہو کہ ہم آزاد مصر کی شہزادیاں ہوں گی؟"

"مجھے اس خاوند سے آزاد کرا دینا تو میں اپنے آپ کو شہزادی سمجھنے لگوں گی"...... زہرہ نے کہا۔

"یہ طے ہو چکا ہے لیکن تمہارے خاوند کو معلوم نہیں"...... لڑکی نے کہا...... "کیا تم اس کام کے لیے تیار ہو جو اس سلسلے میں تمہیں کرنا ہو گا؟"

"وقت آئے گا تو دیکھنا"...... زہرہ نے کہا...... "اگر مجھے یہ کام نہ کرنا ہوتا تو اپنے خاوند کو یہاں قتل کر چکی

ہوتی۔ یہاں اچھا موقعہ تھا"۔

☆

دوسرے دن بھی وہ لڑکیوں کے ساتھ دریا کے کنارے چلی گئی۔ لڑکیاں اُسے جس راستے دریا تک لے جاتی تھیں، وہ ایسا راستہ تھا کہ وہ اکیلی جاتی تو اُسے یہ راستہ کبھی نہ ملتا۔ یہ راستہ قدرتی تھا لیکن خفیہ۔ زہرہ نے انہیں ایک دو بار کہا تھا کہ کشتی پر دریا میں چلیں لیکن لڑکیوں نے اُسے روک دیا تھا۔ حبیب القدوس پر بھی اب پہلے جیسی پابندی نہیں رہی تھی۔ اس نے یقین دلا دیا تھا کہ وہ آزاد مصر کا حامی ہے اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا تختہ اُلٹ کر دم لے گا۔ اب اس کا یہ حال تھا کہ صلیبی اس کے ساتھ اس موضوع پر اتنی باتیں نہیں کرتا تھا جتنی وہ خود کرنے لگا۔ اس شخص میں انقلاب آ گیا تھا۔

ایک دو روز بعد اس کھنڈر میں دو اور آدمی آئے۔ ان میں ایک سوڈانی تھا اور دوسرا مصری۔ انہیں حبیب القدوس سے ملایا گیا۔ وہ ان دونوں کو نہیں جانتا تھا۔ اُن کے پاس مصر، سوڈان اور عرب کے نقشے تھے۔ کچھ اور کاغذات بھی تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کے ساتھ بغاوت کے حقیقی پہلوؤں پر بڑی طویل بات کی۔ حبیب القدوس نے نہ صرف دلچسپی کا اظہار کیا بلکہ انہیں ایسے مشورے دیئے جو اُن کے ذہن میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے حبیب القدوس کو چند اور لوگوں کے نام بتائے جو مصر کی فوج اور انتظامیہ میں تھے اور در پردہ سلطان ایوبی کے خلاف زمین ہموار کر رہے تھے۔ ان دونوں آدمیوں نے یہ بھی بتایا کہ مصر کی سرحد پر مصری فوج کے جو دستے ہیں، انہیں غلط حکام دے کر سرحدی دفاع میں اتنا شگاف پیدا کر لیا جائے گا جس سے سوڈان کی فوج کے کچھ دستے اندر آ کر بغاوت میں جان ڈال سکیں گے۔

''بغاوت کامیاب ہونے کی صورت میں مصر کا امیر کون ہوگا؟''...... حبیب القدوس نے پوچھا۔

''چونکہ تنظیم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سالارِ اعلیٰ آپ ہوں گے، اس لیے سب نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ امیر آپ ہی ہوں گے''...... مصری نے کہا...... ''صلاح الدین ایوبی یقیناً حملہ کرے گا اور جنگ طول پکڑ سکتی ہے، اس لیے آزاد مصر کا پہلا امیر سالار ہی ہونا چاہیے، کیونکہ جنگی حالات میں کسی غیر عسکری کو امارت کی گدی پر بٹھانا مناسب نہیں ہوگا۔ آپ میں جو خوبیاں ہیں وہ اور کسی سالار میں نہیں"۔

حبیب القدوس کا سینہ اور زیادہ پھیل گیا اور اس کی گردن تن گئی۔

''اُمید ہے کہ آپ کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا کہ ضرورت پڑنے پر ہم نے صلیبیوں سے بھی مدد لینے کا انتظام کر لیا ہے''...... سوڈانی نے کہا۔

''انہیں معاوضہ کس شکل میں دیا جائے گا؟''...... حبیب القدوس نے پوچھا۔

''ان کے لیے یہی معاوضہ کافی ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے اور مصر کو آزاد کرائیں گے"۔ مصری نے کہا۔ ''انہیں مصر نہیں چاہیے۔ وہ فلسطین کو ایوبی سے بچانے کی فکر میں ہیں۔ مصر ایوبی کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ اس فوج سے جو مصر میں موجود ہے، محروم ہو جائے گا اور اُسے یہاں سے جو رسد اور دیگر جنگی امداد ملتی ہے، وہ بند ہو جائے گی اور اگر اس نے مصر پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ جو مصری سپاہی ہیں، وہ اپنے مصری بھائیوں کے خلاف نہیں لڑیں گے"۔

حبیب القدوس نے انہیں نہایت اچھی ترکیبیں بتائیں اور یقین دلایا کہ اس کے ماتحت پانچ ہزار نفری کے جو دستے ہیں، وہ اس کے اشارے پر بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اب یہ طے کرنا تھا کہ ان دستوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے کیا کیا طریقے اور ذریعے اختیار کیے جائیں۔

''صورت ایک ہی بہتر ہے کہ میں واپس چلا جاؤں''...... حبیب القدوس نے کہا...... ''مگر مجھے واپس نہیں جانا چاہیے، کیونکہ مجھ سے پوچھا جائے گا کہ میں کہاں رہا۔ مجھے اپنی بیوی نے بتایا ہے کہ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنی مرضی سے دشمن کے پاس چلا گیا ہوں۔ اس شک کی بناء پر وہ مجھے حراست میں لے لیں گے، پھر ہمارا کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔ میں نے دراصل یہ غلطی کی ہے کہ بیوی کو یہاں بلا لیا ہے۔ اُسے اگر واپس بھیجا تو اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں ہوگا۔ مجھے یہیں رہنا چاہیے۔ ذرا مجھے سوچنے دیں کہ میں اپنے کون کون سے کمان دار سے آپ کا رابطہ کراؤں''۔

اب حبیب القدوس کی وفاداری پر کوئی شک نہ رہا۔

☆

''حلب کا محاصرہ کھیل نہیں ہوگا''...... سلطان صلاح الدین ایوبی فرات کے کنارے خیمے میں بیٹھا، اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا...... ''تم سب کو یاد ہوگا کہ ہم نے پہلے بھی ایک بار اس شہر کو محاصرے میں لیا تھا لیکن حلب والے ایسی بے جگری سے لڑے تھے کہ ہمیں محاصرہ اُٹھانا پڑا تھا۔ یہ حلب والوں کی بہادری تھی جس نے ہمیں آنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ حالات نہیں ہیں، پھر بھی ہمیں ہر خطرے کی پیش بندی کر لینی چاہیے۔ یہاں سے فوج میں جو بھرتی لی گئی ہے، اس پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ مصر سے کمک منگوانی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں نائب سالار حبیب القدوس کے دستوں کو بلا لوں''...... یہ کہہ کر سلطان ایوبی خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے دبی دبی سی آواز میں کہا...... ''میں مان نہیں سکتا کہ حبیب القدوس مجھے دھوکہ دے گیا ہے...... وہ آخر کہاں گیا؟...... میں جب مصر سے روانہ ہونے لگا تھا تو اس نے مجھے کہا تھا کہ آپ مصر کا غم دل سے نکال دیں، صلیبیوں یا سوڈانیوں نے آپ کی غیر حاضری میں مصر پر حملہ کیا تو صرف میرے تین ہزار پیادے اور دو ہزار سوار اُن کے حملے کو پسپا کر دیں گے اور اگر کسی نے مصر کے اندر سے سر اُٹھایا تو اس کا سر اُس کے دھڑ کے ساتھ نہیں رہے گا...... ہم اللہ کے سپاہی ہیں لیکن وہ اللہ کا شیر ہے''۔

''معلوم ہوتا ہے اس کی انہی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے دشمن نے اسے غائب کر دیا ہے''...... ایک سالار نے کہا۔

''اس کا آدھی فوج پر بڑا گہرا اثر ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنی ذات میں ایک طاقت ہے۔ دشمن نے ہمیں اس طاقت سے محروم کیا ہے''۔

''اگر وہ نہ ملا تو اُس کے دستوں کو یہاں بلا لوں گا''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''لیکن اتنی جلدی نہیں بلاؤں گا۔ مصر کا دفاع زیادہ ضروری ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ مصر کو باہر سے اتنا زیادہ خطرہ نہیں جتنا اندر سے ہے۔ ایمان فروش ہمارے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فلسطین کو ہم سے بہت دُور کر دیا ہے''۔

اور اس وقت قاہرہ سے دُور پہاڑیوں میں گھرے ہوئے ایک ڈراؤنے کھنڈر میں سلطان ایوبی کا قابلِ اعتماد اور بڑا ہی قابل نائب سالار مصر میں بغاوت کا اہتمام کر چکا تھا۔ کھنڈر میں اس رات جشن منایا جا رہا تھا۔ اگر باہر کے لوگ اس رات کھنڈر میں آتے تو ڈر کر بھاگ جاتے۔ وہ ان چند ایک انسانوں اور اتنی حسین لڑکیوں کو جنات یا بدروحیں سمجھتے۔ صحیح معنوں میں جنگل میں منگل بنا ہوا تھا۔ آٹھ دس آدمی تھے۔ ان میں سے حبیب القدوس صرف اس صلیبی کو جو پہلے دن سے اس کے ساتھ تھا، مصری اور سوڈانی کو جن کے ساتھ اس نے بغاوت کے منصوبے کو آخری شکل دی تھی، جانتا تھا۔ دوسروں کو اس نے پہلی بار دیکھا۔ یہ سب اسی کھنڈر میں حبیب القدوس کے آنے سے پہلے موجود تھے لیکن پہاڑیوں کے اندر اور اوپر چھپ

چھپ کر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ وہ انہی کا ایک ساتھی تھا جسے حبیب القدوس نے فرار کی کوشش میں قتل کر دیا تھا۔ اب پہرے کی ضرورت نہیں تھی۔ حبیب القدوس اُن کا قابلِ اعتماد دوست بن چکا تھا۔ اسے انہوں نے خفیہ طریقوں سے آزما بھی لیا تھا۔

آج رات یہ پورا گروہ جشن میں شامل تھا۔ ضیافت کا ویسا ہی انتظام تھا جیسا کسی محل میں ہوتا ہے۔ شراب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھیں۔ ان کی دونوں لڑکیوں نے رقص بھی کیا تھا۔ حبیب القدوس جشن میں شریک تھا لیکن اس نے شراب پینے سے انکار کر دیا تھا، اُسے مجبور نہ کیا گیا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح شراب پیش کی لیکن خود نہ پی۔ صلیبی نے مصری اور سوڈانی سے کہہ دیا تھا کہ زہرہ کے متعلق محتاط رہیں، ورنہ حبیب القدوس بگڑ جائے گا۔ زہرہ نے دوسری لڑکیوں کی طرح بے حیائی کا مظاہرہ نہ کیا لیکن جشن میں دلچسپی اور جوش وخروش سے حصہ لے رہی تھی۔

آدھی رات تک سب شراب میں مدہوش ہو چکے تھے۔ مصری اور صلیبی دونوں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ بعض تو بے ہوش ہو گئے تھے۔ زہرہ نے حبیب القدوس کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ زہرہ نے اس کمرے میں جا کر جھانکا جہاں مصری اور سوڈانی لڑکیوں کو لے گئے تھے۔ وہ دونوں آدمی اور لڑکیاں برہنہ حالت میں پڑی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی ہوش میں نہیں تھا۔ زہرہ کو معلوم تھا کہ ہتھیار کہاں رکھے ہیں۔ وہ ایک برچھی، ایک تلوار، دو کمانیں اور تیروں سے بھرے دو ترکش اُٹھا لائی۔ حبیب القدوس اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ اس نے زہرہ کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ ایک کمان اور ترکش اپنے کندھوں سے لٹکایا اور دوسری زہرہ کے کندھوں سے لٹکا دی اور برچھی اسی کے پاس رہنے دی۔

''ان سب کو قتل نہ کر دیا جائے؟''...... زہرہ نے حبیب القدوس سے پوچھا۔

''یہاں سے فوراً نکلنا زیادہ ضروری ہے''...... حبیب القدوس نے کہا۔ ''مجھے دریا تک لے چلو''۔

زہرہ نے دریا تک راستہ دیکھ رکھا تھا، اگر پہلے یہ راستہ نہ دیکھا ہوتا تو وہ دونوں وہاں سے کبھی نہ نکل سکتے۔ زہرہ آگے آگے چل پڑی۔ وہ دبے پاؤں جا رہے تھے اور ان کے کان اِدھر اُدھر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ حبیب القدوس نے تلوار اور زہرہ نے برچھی تان رکھی تھی۔ زہرہ حبیب القدوس کو کشتی تک لے گئی جو چھپا کر رکھی گئی تھی۔ دونوں نے کشتی کھولی۔ اس میں بیٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چپو مارنے لگے تاکہ آواز پیدا نہ ہو۔ ہر لحہ ڈر تھا کہ کہیں نہ کہیں سے کوئی آدمی نکل آئے گا یا کہیں سے تیر آئے گا...... کچھ بھی نہ ہوا۔ کشتی پہاڑیوں کے تنگ راستے سے نکل گئی اور دریا کا شور شروع ہو گیا۔

''اللہ کا نام لو اور ایک چپو تم سنبھال لو''۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا...... ''تم جہاد میں حصہ لینے کی خواہش مند رہتی تھی۔ اللہ نے تمہیں موقعہ دے دیا ہے۔ ہم ابھی خطرے سے نکلے نہیں۔ کشتی کو دریا کے درمیان لے چلتے ہیں''۔

ایک چپو زہرہ نے اور دوسرا حبیب القدوس نے لے لیا اور دونوں کشتی کھینے لگے۔ پہاڑیوں کے سیاہ بھوت پیچھے ہٹنے اور چھوٹے ہونے لگے۔

☆

اُن دنوں دریائے نیل کنارے سے کنارے تک بھرا ہوا اور پورے جوبن پر تھا۔ کناروں کے ساتھ ساتھ بہاؤ پُر سکون تھا، درمیان میں بہت تیز اور سرکش لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ حبیب القدوس کو وہاں تک نہیں جانا چاہیے تھا لیکن کنارے کے ساتھ ساتھ جانا بھی پُر خطر تھا۔ جونہی کشتی تیز بہاؤ میں پہنچی، یوں لگا جیسے کسی قوت نے اُسے اپنی طرف گھسیٹ لیا ہو۔ کشتی تیزی سے بہنے، اوپر اُٹھنے اور گرنے لگی۔ حبیب القدوس نے زہرہ سے کہا...... ''گھبرانہ جانا۔ ہم ڈوبیں گے نہیں۔ میں ذرا سمت دیکھ لوں''۔

''آپ میری فکر نہ کریں''...... زہرہ نے کہا...... ''ڈوب گئے تو کیا ہو جائے گا۔ ان کافروں کی قید سے تو نکل آئے ہیں''۔

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑوں کی طرف دیکھا جو ابھی زمین کے اُبھار کی طرح نظر آ رہے تھے، پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور پُر جوش لہجے میں بولا...... ''میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں۔ اس پہاڑی خطے کی صحرا والی طرف اپنے دستوں کو پہاڑی جنگ کی مشق کرا چکا ہوں۔ اِدھر دریا والی طرف سے میں واقف نہیں تھا۔ ہم سیدھے قاہرہ جا رہے ہیں۔ نیل ہمیں بڑی تیزی سے قاہرہ لے جا رہا ہے...... اللہ کا شکر ادا کرو، زہرہ۔ یہ خدائی مدد ہے۔ اللہ نیتوں کو پہچانتا ہے...... لیکن ہمیں قاہرہ سے پہلے ایک اور جگہ رُکنا ہے۔ کچھ دور آگے دریا کا موڑ ہے۔ اس کے قریب ہماری فوج کی ایک چوکی ہے۔ دریائی گشت کے لیے اُن کے پاس کشتیاں ہیں۔ اس چوکی کی نفری سے میں ان سب آدمیوں کو پکڑ سکوں گا، مگر وہ بیدار ہو جائیں گے''۔

''مجھے اُمید ہے کہ کل دوپہر تک ان میں سے کوئی بھی بیدار نہیں ہو سکے گا''...... زہرہ نے کہا...... ''میرے ہاتھ سے انہوں نے شراب خاصی زیادہ پی لی تھی اور میں نے آخری بھری ہوئی صراحی سے انہیں جو ایک ایک پیالہ پلایا تھا، اس میں خاکی سے رنگ کا تھوڑا سا سفوف ملا دیا تھا''۔

''وہ کیا تھا؟''

''ان لڑکیوں پر میں نے جس طرح اعتماد پیدا کر لیا تھا، وہ تو آپ کو ہر رات تنہائی میں بتاتی رہی ہوں''...... زہرہ نے کہا...... ''کل کی بات ہے کہ انہوں نے حشیش دکھائی اور اس کا استعمال سمجھایا، پھر انہوں نے مجھے ایک ڈبیہ کھول کر یہ سفوف دکھایا اور کہا کہ بعض آدمیوں کو بے ہوش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ چٹکی بھر سفوف شربت یا پانی یا کھانے میں ملا دو تو آدمی بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اُسے جہاں جی چاہے، اُٹھا لے جاؤ...... آج رات جب میں شراب کے مٹکے سے آخری صراحی بھرنے گئی تو اس ڈبیہ سے آدھا سفوف اس میں ملا دیا۔ اگر اس کا اثر ویسا ہی ہے جیسا لڑکیوں نے بتایا ہے تو انہیں کل شام تک ہوش میں نہیں آنا چاہیے''۔

حبیب القدوس نے آنکھیں سکیڑ کر پہاڑوں کی طرف دیکھا اور پُر جوش لہجے میں بولا...... ''میں اس جگہ کو پہچانتا ہوں''۔ اُس کے آنسو پھوٹ آئے۔ یہ جذبات کی شدت اور خراجِ تحسین کے آنسو تھے۔ اُس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا...... ''میں نے تمہیں بہت سخت آزمائش میں ڈال دیا تھا زہرہ! میں نے تمہیں جس دُنیا کا بھید لینے کو کہا تھا، وہ گناہوں کی غلیظ مگر بڑی حسین دُنیا ہے۔ تم نے میرے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے''۔

''آپ کے لیے نہیں اسلام کی عظمت کے لیے''...... زہرہ نے کہا...... ''میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ مقدس فرض ادا کرنے کا موقعہ دیا۔ آپ شاید مجھ پر اعتبار نہ کریں۔ گناہوں کی پُر کشش دُنیا میں جا کر بھی اپنا دامن گناہ سے پاک رکھا ہے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ مجھے یہاں لایا گیا تو انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ تنہا رہنے دیا، ورنہ آپ مجھے بتا نہ سکتے کہ یہ لوگ آپ کو بغاوت کرانے کے لیے اغوا کر کے لائے ہیں اور مجھے ان لڑکیوں میں بے حیا اور شوخ لڑکی بن کر یہ ظاہر کرنا ہے کہ مجھے آپ سے نفرت ہے اور میں اس سے بھاگنا چاہتی ہوں۔ آپ نے جب مجھے ان لڑکیوں کی خصلتیں اور ان کے کمالات بتائے اور کہا کہ میں بھی ایسی ہی بن جاؤں تو میں گھبرا گئی تھی، کیونکہ میں تو تصور میں بھی ایسا نہیں کر سکتی لیکن یہ بڑی ہی عجیب بات ہے کہ یہ حرکتیں اور یہ سب باتیں مجھ سے بغیر کوشش کے ہو گئیں اور خدا نے مجھے کامیابی عطا فرمائی۔ اگر یہ لڑکیاں مجھے دریا تک کا راستہ نہ دکھاتیں تو ہم وہاں سے کبھی نہ نکل سکتے...... کیا آپ نے مجھے اسی کام کے لیے یہاں بلایا تھا؟''

''نہیں!''...... حبیب القدوس نے کہا...... ''یہ صورت تمہارے آنے سے از خود پیدا ہوگئی ہے۔ میں نے کچھ اور سوچا تھا۔ تمہیں استعمال اپنی رہائی کے لیے ہی کرنا تھا۔ تمہیں فرضی پیغام رساں بنانا تھا لیکن ان لڑکیوں نے تم میں کسی اور ہی دِل چسپی کا اظہار کیا تو میرے دماغ میں یہ ترکیب آ گئی جس پر تم نے نہایت خوبی سے عمل کیا اور اب ہم آزاد ہیں...... میں نے اِن لوگوں پر اعتماد کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ غیر معمولی طور پر چالاک ہوتے ہیں لیکن ہم لوگ اپنے ہوش میں ایمان قائم رکھیں تو یہ لوگ احمق ہیں۔ میرے ساتھ جس آدمی کو تم نے دیکھا تھا، یہ اپنے آپ کو مصری مسلمان ظاہر کرتا تھا۔ میں پہلے روز ہی جان گیا تھا کہ یہ صلیبی ہے اور میں صلیبیوں کے جال میں آ گیا ہوں''۔

☆

وہ پہاڑی خطہ بہت دُور رہ گیا تھا۔ نیل کے درمیان کی رو بہت ہی تیز ہوگئی اور زیادہ جوش میں آ گئی تھی۔ کشتی اس کے رحم و کرم پر اوپر اُٹھتی گرتی اور اُٹھتی جا رہی تھی۔ چپو بے کار تھے۔ دریا کے جوش اور قہر میں جو اضافہ ہوگیا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ دریا تنگ ہوگیا ہے اور آگے موڑ ہے۔ یہ وہی موڑ تھا جس سے کچھ آگے فوج کی چوکی تھی...... اچانک کشتی رُکی اور گھوم گئی۔ حبیب القدوس نے چپو تھام لیے۔ دریا کا شور بہت بڑھ گیا تھا۔ کشتی ایک چکر میں گھومنے لگی۔ کشتی بھنور میں آ گئی تھی۔ حبیب القدوس نے پوری طاقت سے چپو مارے مگر بھنور کے چکر کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ کشتی قابو میں نہیں رہی تھی۔ اُسے اپنے دونوں مسافروں سمیت دریا کی تہہ میں جانا تھا۔

''زہرہ!''...... حبیب القدوس نے چلا کر کہا...... ''میری پیٹھ پر آ جاؤ''۔

زہرہ اس کی پیٹھ پر سوار ہوگئی اور بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ لیے۔ حبیب القدوس نے اُسے کہا۔ ''مجھے اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لو اور مجھ سے الگ نہ ہونا''...... یہ کہہ کر اس نے چکر میں بھنور کے زور پر تیرتی کشتی سے دریا میں اس طرح چھلانگ لگائی کہ بھنور سے باہر پہنچ جائے۔

وہ زہرہ کے ساتھ پانی کے اندر چلا گیا اور جسم کی تمام تر قوتیں مرکوز کر کے اُبھر آیا۔ وہ بھنور کی زد سے نکل گیا لیکن یہ موڑ تھا اور دونوں طرف چٹانیں تھیں۔ پانی سکڑ گیا تھا اور موجیں زیادہ اونچی اور غضب ناک ہوگئی تھیں۔ زہرہ تیرنا نہیں جانتی تھی۔ اس نے خدا سے مدد مانگنی شروع کر دی۔ حبیب القدوس اس کے بوجھ تلے سیلابی موجوں سے لڑ رہا تھا۔ وہ اُسے چٹان کے ساتھ پٹختی تھیں اور وہ چٹان سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ اپنا اور زہرہ کا منہ پانی سے باہر رکھے لیکن موجیں اُسے بار بار ڈبو کر اوپر سے گزر جاتی تھیں۔

پھر موجیں اُسے موڑ سے نکال لے گئیں اور دریا چوڑا ہوگیا۔ حبیب القدوس کے بازو اور ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔ اس نے طاقت کے آخری ذرے یکجا کیے اور اس تند رَو سے نکلنے کو زور لگایا۔ اس نے محسوس کیا کہ زہرہ کی گرفت ڈھیلی ہوگئی ہے۔ اس نے زہرہ کو پکارا مگر وہ نہ بولی۔ اس کے بازو بالکل ڈھیلے ہو گئے...... حبیب القدوس سمجھ گیا کہ زہرہ کے منہ اور ناک کے راستے پانی اندر چلا گیا ہے۔ اُسے بچانا اور تیرنا بہت مشکل ہوگیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اسے سنبھالا اور زور لگایا تو تند رو سے نکل گیا۔ کنارہ ابھی دور تھا۔ اب تیرنا آسان تھا۔ اس نے مدد کے لیے چلانا شروع کر دیا۔

اُس کا جسم اکڑ چکا تھا اور زہرہ گری جا رہی تھی کہ ایک کشتی اُس کے قریب آئی۔ اُسے آواز سنائی دی...... ''کون ہو؟''...... اُس نے آخری بار بازو مارے اور لپک کر کشتی کا کنارا پکڑ لیا۔ اُس نے کہا...... ''اسے میرے اُوپر سے اُٹھا لو''...... زہرہ کو کشتی والوں نے اوپر گھسیٹ لیا۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ کشتی میں اُس کی فوج کے سپاہی تھے۔ اُن کی چوکی

یہیں تھیں۔ وہ حبیب القدوس کی پکار پر ادھر آئے تھے۔

چوکی میں جا کر اس نے بتایا کہ وہ نائب سالار حبیب القدوس ہے۔ چوکی کے کمان دار نے اُسے پہچان لیا اور بہت حیران ہوا۔ زہرہ بے ہوش پڑی تھی۔ حبیب القدوس نے اُسے پیٹ کے بل لٹا کر پیٹھ اور پہلوؤں پر اپنا وزن ڈالا تو اس کے منہ اور ناک سے بہت پانی نکلا۔ وہ ابھی ہوش میں نہیں آئی تھی۔ حبیب القدوس نے کمان دار سے کہا کہ دو بڑی کشتیوں میں دس دس سپاہی سوار کرو اور پہاڑی خطے تک چلو۔ اس نے بتایا کہ پہاڑیوں کے اندر جو کھنڈر ہے، اس میں دس بارہ صلیبی تخریب کار بے ہوش پڑے ہیں، انہیں لانا ہے اور ہو سکتا ہے وہاں کچھ اور آدمی پہنچ چکے ہوں۔ مجھے خشکی کی طرف سے اندر جانے کے راستے کا علم نہیں۔

''میں ایک راستہ جانتا ہوں''۔ کمان دار نے کہا..... ''خشکی سے آسان رہے گا''۔

☆

بیس گھوڑ سواروں کے آگے حبیب القدوس اور چوکی کا کمان دار تھا۔ صبح کی روشنی ابھی دُھندلی تھی۔ جب وہ پہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ خاموشی کی خاطر انہوں نے گھوڑے باہر ہی رہنے دیئے اور پیدل آگے گئے۔ حبیب القدوس کی جسمانی حالت کو دریا نے چوس لیا تھا۔ پھر بھی چلا جا رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو بے ہوشی کی حالت میں چوکی میں چھوڑ آیا تھا۔ اُس کے لیے زیادہ ضروری تخریب کاروں کی گرفتاری تھی۔ وہ پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان بھول بھلیوں جیسے راستوں سے گزرتے گئے۔ کچھ دیر بعد انہیں کھنڈر نظر آنے لگا۔

سب سے پہلے حبیب القدوس کو صلیبی نظر آیا۔ اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے اور سر ڈول رہا تھا۔ اُسے پکڑا گیا تو وہ کچھ بڑبڑایا۔ سات آٹھ آدمی وہیں بے ہوش پڑے تھے، جہاں رات کو گرے تھے۔ کمرے میں مصری اور سوڈانی اور دونوں لڑکیاں برہنہ اور بے ہوش پڑی تھیں۔ ان سب کو سپاہیوں نے اُٹھالیا۔ اُن کا سامان بھی اُٹھالیا گیا اور ان سب کو گھوڑوں پر ڈال کر چوکی میں لے گئے۔ اُس وقت تک زہرہ ہوش میں آ چکی تھی۔

دن کا پچھلا پہر تھا، جب یہ تخریب کار ہوش میں آنے لگے۔ اس وقت قاہرہ کے راستے میں تھے۔ وہ گھوڑوں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بیس سپاہیوں کی حراست میں تھے۔ حبیب القدوس نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ قافلہ چلتا رہا۔

آدھی رات کے بعد علی بن سفیان کے ملازم نے اُسے جگایا اور کہا کہ امیر بلاتے ہیں۔ وہ فوراً پہنچا۔ وہاں غیاث بلبیس بھی موجود تھا۔ علی بن سفیان یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حبیب القدوس بھی بیٹھا تھا۔ اُس نے اُن تمام فوجی اور غیر فوجی حاکموں کے نام بتائے جو اُسے کھنڈر میں معلوم ہوئے تھے۔ یہ غدار تھے۔ انہیں بغاوت میں شامل ہونا اور کامیاب کرانا تھا۔ قائم مقام امیر کے حکم سے اسی وقت اُن سب کے گھروں پر چھاپے مارے گئے اور سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُن کے گھروں سے جو زر و جواہرات برآمد ہوئے، وہ اُن کے جرم کو ثابت کر رہے تھے۔

☆

اس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی حلب کو محاصرے میں لینے کے لیے اس شہر کے قریب ایک مقام میدانِ الاخدر پر خیمہ زن تھا۔ اُس نے شام اور دوسرے مقامات سے اپنی فوج کے تھوڑے تھوڑے دستے بلا لیے تھے۔ حلب کے متعلق وہ اپنے سالاروں سے کہہ چکا تھا کہ اس شہر کے لوگ اسی طرح بے جگری سے لڑیں گے جس طرح وہ پہلے محاصرے میں لڑے تھے۔ گو اُس کے جاسوسوں نے جو حلب کے اندر تھے، اُسے یہ اطلاع دی تھی کہ اب اتنے برسوں کی خانہ جنگی سے

حلب کے لوگوں کے خیالات بدل گئے ہیں۔ خیالات بدلنے کے سلطان ایوبی نے بھی زمین دوز اہتمام کیا تھا۔ اب وہاں کا حکمران سلطان عمادالدین تھا جسے لوگ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے، پھر بھی سلطان ایوبی کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا۔ اس نے اِدھر اُدھر سے دستے میدان الاخدر میں جمع کر لیے۔

وہ اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دے رہا تھا کہ قاہرہ کا قاصد پہنچا۔ اُس نے جو پیغام دیا، اُسے پڑھ کر اس کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا...... "میرا دِل کہہ رہا تھا کہ حبیب القدوس مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔ اللہ اسلام کی ہر بیٹی کو زہرہ کا جذبہ اور ایمان دے"۔ علی بن سفیان نے اسے نائب سالار حبیب القدوس کی واپسی کی ساری روئیداد لکھی تھی جس میں اس کی بیوی زہرہ کا تفصیلی ذکر تھا۔ اُس نے اسی وقت پیغام کا جواب لکھوایا جس میں ان غداروں کے لیے جو پکڑے گئے تھے، یہ سزا لکھی کہ انہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر گھوڑے شہر میں دوڑائے جائیں اور گھوڑے اس وقت روکے جائیں جب ان غداروں کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہو جائے۔

دو روز بعد سلطان ایوبی نے حلب پر چڑھائی کر دی جو محاصرہ نہیں، یلغار تھی۔ بڑی منجنیقوں سے شہر کے دروازوں پر پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں ماری گئیں۔ شہر کی دیواروں پر اور اندر بھی ہانڈیاں پھینک کر آتشیں تیروں کا مینہ برسا دیا گیا۔ دیواریں توڑنے والے جیش دیواریں توڑنے لگے لیکن شہر والوں اور فوج کی طرف سے مزاحمت میں اتنی شدت نہیں تھی۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ حلب کے حکمران عمادالدین کے اُمراء، وزراء اُس کی خامیوں سے آگاہ تھے۔ اس نے صلیبیوں سے جنگی امداد کے علاوہ سونے کی صورت میں دولت بہت لی تھی۔ اس کے اُمراء و وزراء کی نظر اس پر تھی۔ انہوں نے ایسے مطالبات پیش کیے کہ عمادالدین جو پہلے ہی سلطان ایوبی کی طوفانی یلغار سے خوف زدہ تھا، ان مطالبات سے گھبرا گیا۔

اس نے حلب کے قلعہ دار (گورنر) حسام الدین کو سلطان ایوبی کے پاس اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ اسے موصل کا تھوڑا سا علاقہ دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اس کی یہ شرط مان لی۔ یہ خبر جب شہر کے لوگوں نے سنی تو وہ عمادالدین کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔ عمادالدین نے اعلان کیا کہ یہ خبر صحیح ہے کہ وہ حلب سے دست بردار ہو کر جا رہا ہے اور لوگ اپنا کوئی نمائندہ سلطان ایوبی کے پاس بھیج کر اس کے ساتھ صلح کر لیں یا جو کارروائی وہ کرنا چاہتے ہیں، کریں۔

شہر کے معززین نے عزالدین جردوک النوری اور زین الدین کو اپنی نمائندگی کے لیے سلطان ایوبی کے پاس بھیجا۔ جردوک النوری مملوک تھا۔ وہ ۱۱ جون ۱۱۸۳ء (۱۷ صفر ۵۷۹ ہجری) کے روز سلطان ایوبی کے پاس گئے اور اپنی تمام فوج کو شہر کے باہر بلا کر سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ فوج کے ساتھ حلب کے معززین اور اُمراء، وزراء بھی آئے تھے۔ سلطان ایوبی نے سب کو بیش قیمت لباس پیش کیے۔

چھٹے روز جب سلطان ایوبی اس فتح سے مسرور تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ اس کا بھائی تاج الملوک جو اسی جنگ میں زخمی ہو گیا تھا، چل بسا ہے۔ سلطان ایوبی کی مسرت گہرے غم میں بدل گئی۔ تاج الملوک کے جنازے میں عمادالدین بھی شامل ہوا۔ اس کے بعد عمادالدین حلب سے نکل گیا۔ سلطان ایوبی نے حلب کی حکومت سنبھال لی۔ بہاؤالدین شداد کے بیان کے مطابق اُس نے اپنی تمام فوج کو جو لمبے عرصے سے مسلسل لڑ رہی تھی، رُخصت پر گھروں کو بھیج دیا اور خود حلب کے انتظامی امور میں مصروف ہو گیا۔ اُس کی منزل بیت المقدس تھی۔

......۞......

ایوبی نے قسم کھائی تھی

صلاح الدین ایوبی کے چہرے پر اس روز رونق تھی اور آنکھوں میں وہ چمک جسے اُس کی ہائی کمانڈ کے سالار اور اس کے قریب رہنے والے سول حکام بڑی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس کے چہرے پر ایسی رونق اور آنکھوں میں ایسی چمک اُس وقت آیا کرتی تھی، جب وہ کوئی تاریخی فیصلہ کر چکتا تھا۔ وہ محرم ۵۸۳ ہجری (مارچ ۱۱۸۷ء) کا مہینہ تھا۔ سلطان ایوبی دمشق میں تھا۔ وہ اُن تمام مسلمان اُمراء، حکمرانوں اور قلعے داروں کو اپنا مطیع اور اتحادی بنا چکا تھا جو صلیبیوں کے دوست بن کر اس کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم حلب اور موصل کے والی عزالدین اور عمادالدین تھے۔ اُنہوں نے برسوں پر پھیلی ہوئی خانہ جنگی کے بعد سلطان ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ان کی فوجیں سلطان ایوبی کی مشترکہ کمان کے تحت آ گئی تھیں۔

وہ دمشق اُس وقت گیا تھا جب اس نے یہ عہد پورا کر لیا تھا کہ فلسطین کی طرف پیش قدمی سے پہلے ایمان فروشوں کو گھٹنوں بٹھاؤں گا تاکہ ان میں سے کوئی بھی اس کے اور قبلۂ اوّل کے درمیان حائل نہ ہو سکے۔ ان غداروں کو بزورِ شمشیر راہِ راست پر لا کر سلطان ایوبی نے اپنی زبان سے یہ نہیں کہا تھا کہ فاتح ہوں۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اسلام کی تاریخ کا یہ باب بڑا ہی شرم ناک ہوگا جس میں یہ واقعات بیان کیے جائیں گے کہ صلاح الدین ایوبی کا دور سیاہ دور تھا، جب صلیبی بیت المقدس پر قابض تھے اور مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے۔ البتہ وہ ضرور کہا کرتا تھا کہ غداروں کو اپنا اتحادی بنا کر ہم نے صلیبیوں کے عزائم تباہ کر دیئے ہیں۔

اُس روز دمشق میں اس نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں، مشیروں اور فوج سے تعلق رکھنے والے غیر فوجی حکام کو کانفرنس کے لیے بلایا تو سب نے سلطان کے چہرے پر مخصوص رونق اور آنکھوں میں وہ چمک دیکھی جو کبھی کبھی دیکھنے میں آیا کرتی تھی۔ سب سمجھ گئے کہ ان کے سلطان نے اپنی منزل کو روانہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس میں کسی کو شک نہ تھا کہ اُس کی منزل بیت المقدس ہے۔ اب انہیں اس کی زبان سے یہ سننا تھا کہ کس روز اور کس وقت کوچ ہوگا اور کوچ کس ترتیب سے ہوگا اور راستہ کون سا ہوگا۔

''میرے دوستو! میرے رفیقو!''...... سلطان صلاح الدین ایوبی ٹھہری ہوئی آواز میں اُن سے مخاطب ہوا..... ''آپ سب یقیناً میری تائید کریں گے کہ ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے لیے تیار ہیں۔ آج میں آپ سے جو باتیں کروں گا اور آپ اپنے شکوک رفع کرنے کے لیے مجھ سے جو سوال پوچھیں گے اور جو اعتراض کریں گے وہ ہماری تاریخ ہوگی۔ ہمارے الفاظ اور ہمارے عہد تاریخ کی تحریر بنیں گے اور یہ تحریر ہماری آخری نسل تک جائے گی۔ یہ بھی نہ بھولنا کہ ہم اس دُنیا میں یہ تحریر چھوڑ کر جائیں گے اور خدا کے حضور اپنے اعمال لے کر جائیں گے۔ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کے آگے اور خدائے ذوالجلال کے آگے شرمسار ہونا ہے یا سرخرو۔ فتح کی ضمانت ہم میں سے کوئی بھی

نہیں دے سکتا مگر ہم سب یہ عہد کر سکتے ہیں کہ ہم لڑیں گے، مریں گے، واپس نہیں آئیں گے''۔

سلطان ایوبی نے سب کو دیکھا۔ اس کی نگاہیں سب پر گھومیں۔ اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا ''میں تمہیں خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کروں گا لیکن آپ میں سے کسی کے دِل میں یہ ڈر ہو کہ صلیبیوں کے پاس جتنی فوج ہے ہم اس سے آدھی فوج تیار کر سکے ہیں اور ہم اتنی دُور لڑنے جا رہے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم ہمیشہ تھوڑی سی کم نہیں بلکہ بہت کم تعداد سے کئی گنا زیادہ دشمن سے لڑے اور فتح پائی ہے۔ جنگ تعداد سے نہیں جذبے اور عقل سے لڑی جاتی ہے۔ ایمان مضبوط ہو تو بازو، تلواریں اور دِل بھی مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ہمارے پاس ایمان کی کمی نہیں، عقل کی بھی کمی نہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط رکھیں اور عقل کو استعمال کریں''۔

''ہم میں کوئی ایک بھی نہیں جو اپنی اور دشمن کی فوجی طاقت کا موازنہ نہ کر رہا ہو''...... چھاپہ ماروں کے سالار صارم مصری نے اُٹھ کر کہا اور اپنے ساتھیوں پر نظریں دوڑائیں۔ ہر ایک نے اس کی تائید کی۔ صارم مصری نے کہا۔ ''البتہ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہم بیت المقدس تک کس طرف سے اور کس انداز سے پہنچیں گے۔ احتیاط لازمی ہے۔ ہم تکبر سے گریز اور حقیقت کو تسلیم کریں گے''۔

''میں نے آپ کو یہی بتانے کے لیے بلایا ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نے پیش قدمی اور جنگ کا منصوبہ آپ کے مشوروں سے تیار کیا ہے اور میں نے کئی راتوں کی سوچ کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ ہماری پہلی منزل حطین ہوگی۔ آپ سب حطین کی جنگی اہمیت سے آگاہ ہیں، وہاں مجھے وہ زمین مل جائے گی جہاں میں صلیبیوں کو لڑانا چاہتا ہوں۔ جنگ کا یہ اصول جو میں آپ کو پہلے بھی کئی بار بتا چکا ہوں اپنے ذہن پر نقش کر لو کہ جنگ میں آپ کی بہترین دوست وہ زمین ہے جس پر آپ دشمن کو لا کر لڑاتے ہیں۔ زمین ایسی منتخب کرو جو آپ کو فائدے اور دشمن کو نقصان دے۔ یہ زمین ہمیں حطین کے علاقے میں میسر آئے گی، بشرطیکہ آپ برق رفتاری، رازداری اور پہل کاری سے اس زمین تک پہنچ جائیں اور دشمن کو تمام فائدوں سے محروم کر دیں......

''حطین کے علاقے میں بلندیاں بھی ہیں اور پانی بھی۔ آپ بلندیوں اور پانیوں پر قبضہ کر لیں تو سمجھ لیں کہ آپ آدھی جنگ جیت گئے، لیکن دشمن کو ایسی زمین پر لانا آسان نہیں۔ اگر ہمارے منصوبے کی ایک بھی کڑی پر عمل نہ ہو سکا تو سارا منصوبہ تباہ ہو جائے گا اور تباہی ہمیں وہاں تک لے جائے گی جہاں سے واپسی ناممکن ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ ہم اس ماہ کے وسط تک دمشق سے کوچ کر سکیں گے۔ میں نے حلب اور مصر قاصد بھیج دیئے ہیں۔ انہیں تیز رفتاری سے، کم سے کم پڑاؤ کر کے، فوجیں بھیجنی ہیں جو ہمیں راستے میں ملیں گی۔ ہمیں اپنی تمام فوجوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ باہر سے آنے والی فوج اور یہاں کی فوج کو ملا کر اور اُن کے سالاروں کو مکمل منصوبہ بتا کر فوجوں کی تقسیم کرنی ہے۔ ہماری پیش قدمی فوج کے مختلف حصوں کی پیش قدمی ہوگی۔ ہر حصے کا راستہ الگ ہوگا......

''میں نے رازداری برقرار رکھنے کا انتظام حسب معمول کر دیا ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کو، کسی کماندار اور کسی سپاہی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ ہمارے جاسوس دشمن کے علاقے میں موجود ہیں۔ وہ دشمن کی ذرا ذرا سی حرکت کی اطلاعیں باقاعدگی سے بھیج رہے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ دشمن کے ان جاسوسوں کو اندھا، بہرہ اور گمراہ کر دیا جائے جو ہمارے علاقے میں موجود ہیں۔ حسن بن عبداللہ نے اس کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ ایک بات میں آپ کو ابھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ میرے ساتھ ہوگا جسے میں کرک لے جاؤں گا''۔

سلطان ایوبی اچانک خاموش ہوگیا۔ اس کا سر جھک گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے سر کو جھٹکا دے کر اوپر کیا اور بولا...... ''چار سال گزرے میں نے ایک قسم کھائی تھی۔ مجھے یہ قسم پوری کرنی ہے''۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کی یہ قسم ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس نے کانفرنس میں چار سال پہلے کا یہ واقعہ سب کو یاد دلایا۔ اس سلسلے کی پہلی کہانیوں میں تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ صلیبی حکمران اخلاق اور کردار سے ایسے عاری تھے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے۔ یہ کام ان کی فوج کیا کرتی تھی جن دنوں حاجیوں کے قافلے حجاز کو جاتے اور واپس آتے تھے، ان دنوں صلیبی فوج کے دستے ان قافلوں کو لوٹنے کے لیے راستوں میں گھات لگاتے تھے۔ ایک صلیبی حکمران ارناط جو اُس وقت کرک پر قابض تھا، یہ کام اپنے حکم اور اپنے خاص دستوں سے کرایا کرتا تھا۔ اپنے اس جُرم پر وہ ناز بھی کیا کرتا اور حاجیوں کے قافلے کو لوٹ کر فخر سے اس کا ذکر کیا کرتا تھا جیسے اُس نے مسلمانوں پر بہت بڑی فتح حاصل کی ہو۔ اس کی اس رہزنی کا ذکر صرف مسلمان مورخوں نے ہی نہیں کیا۔ یورپی مورخوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ قافلوں کو لوٹنے کا انتظام کس طرح کیا کرتا تھا۔

۱۱۸۳-۸۴ء میں اُس کے ایک دستے نے حجاز سے مصر کو واپس جانے والے حاجیوں کے ایک قافلے پر حملہ کیا اور لوٹ لیا تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابوحدید نے لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی بیٹی بھی اس قافلے میں تھی، لیکن اور کسی مورخ یا اُس وقت کے وقائع نگار نے یہ نہیں لکھا کہ اس قافلے میں سلطان ایوبی کی بیٹی تھی۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد کی ڈائری مستند دستاویز ہے کیونکہ وہ واقعات کا عینی شاہد ہے۔ البتہ ایک اشارہ ایک وقائع نگار کی تحریر سے ملتا ہے جو اس طرح ہے کہ جب سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ ارناط کی فوج نے مصر کے ایک قافلے کو لوٹ لیا ہے تو سلطان ایوبی کی غضب ناک اور گرج دار آواز سنائی دی تھی...... ''وہ میری بیٹی تھی۔ میں اس کا انتقام لوں گا۔ وہ میری بیٹی تھی''۔

قافلے میں کوئی نوجوان لڑکی تھی جسے صلیبی اُٹھا لے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے اسی وقت قسم کھائی تھی...... ''ارناط کو میں آج سے اپنا ذاتی دشمن سمجھتا ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اس سے اپنے ہاتھوں انتقام لوں گا''۔

سب جانتے ہیں کہ اُن کے سلطان نے اس انداز اور لب و لہجے میں کبھی بات نہیں کی۔ وہ بھڑک کر بات کرنے اور بڑ مارنے کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی ہر بات فیصلہ ہوا کرتی تھی۔ اس نے جب انتقام کی قسم کھائی تو سب سمجھ گئے کہ یہ سلطان کا عزم اور فیصلہ ہے۔ یوں تو ہر صلیبی حکمران اسلام کا دشمن تھا لیکن ارناط اسلام کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتا تھا۔ مسلمان قیدیوں کو سامنے کھڑا کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہ دشنام طرازی کرتا اور کہا کرتا...... ''بلاؤ اپنے رَبِّ کعبہ کو تمہاری مدد کرے۔ پڑھو اپنے رسول کا کلمہ کہ تم آزاد ہو جاؤ''...... اور وہ قہقہے لگایا کرتا تھا۔ اس کی اس عادت سے سلطان ایوبی بھی واقف تھا، اس لیے وہ ارناط کا جب نام لیتا تو نفرت کا بھرپور اظہار کیا کرتا تھا۔

آج چار سال بعد سلطان ایوبی جب صلیبیوں کے خلاف فوج کشی کی ہدایات اپنے سالاروں کو دے رہا تھا تو اس نے یہ سارا واقعہ یاد دلا کر کہا...... ''اس بدبخت کافر (ارناط) سے مجھے اپنے ہاتھوں سے انتقام لینا ہے۔ اللہ مجھے یہ موقعہ اور ہمت عطا فرمائے کہ میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک کا انتقام لے سکوں''...... اس نے سالاروں کو مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا...... ''مجھے اُمید ہے کہ ہم تین ماہ بعد اُس موسم میں حطین کے علاقے میں پہنچیں گے جب سورج کے شعلے پانی کے قطروں کو ریت کے ذرّوں میں بدل دیتے ہیں اور جب ریت کے یہ جلتے ہوئے ذرّے انسانوں کو

بھون ڈالتے ہیں اور جب ریگزار میں سراب اور آسمانوں کو اُٹھنے والے ریت کے بگولوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں صلیبیوں کو اس وقت لڑاؤں گا جب سورج سر پر ہوگا۔ صلیبی لوہے کے خودوں اور زرہ بکتر میں جل جائیں گے۔ لوہے کا جو لباس وہ تیروں، تلواروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے پہنتے ہیں، وہ ہر صلیبی کا اپنا اپنا جہنم بن جائے گا"۔

مورخوں اور جنگ کے یورپی ماہرین اور مبصروں نے سلطان ایوبی کے اس اقدام کی تعریف کی ہے کہ اس نے جنگ کے لیے جس موسم کا انتخاب کیا وہ جون جولائی کے دن تھے جب ریگزار بھٹی سے نکالی ہوئی سل کی طرح گرم ہوتا ہے۔ صلیبی فوجی آہنی چادروں کے لباس میں محفوظ ہوتے تھے۔ ان کے نائٹ (سردار) سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس ہوتے تھے۔ تیر اور تلوار کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تھا مگر سلطان ایوبی نے لوہے کا یہ لباس اُن کی بہت بڑی کمزوری بنا دیا تھا۔ ایک تو وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتا تھا۔ تھوڑی سی نفری سے پہلوؤں پر برق رفتار حملے کرتا اور حملہ آور دستے ضرب لگا کر وہاں رُکتے نہیں تھے۔ اس چال سے صلیبی فوج کو پھیلنا پڑتا اور رفتار تیز کرنی پڑتی لیکن زرہ بکتر کا وزن رفتار اتنی نہیں ہونے دیتا تھا، جتنی سلطان ایوبی کے دستوں کی ہوتی تھی۔

سلطان ایوبی نے زرہ بکتر کا دوسرا توڑ یہ سوچا کہ وہ اُس وقت جنگ شروع کرتا تھا جب سورج سر پر اور ریگستان شعلہ بنا ہوتا تھا۔ زرہ بکتر تنور کی طرح تپ جاتی تھی۔ پیاس سے جسم خشک ہو جاتا تھا اور پانی پر سلطان ایوبی جنگ سے پہلے قبضہ کر لیتا تھا۔ ریگستان کی جھلسا دینے والی تپش اسلامی فوج کے لیے بھی دشواریاں پیدا کرتی تھی، لیکن اس کے لباس ہلکے پھلکے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطان ایوبی کی ٹریننگ بڑی سخت تھی۔ وہ گھوڑوں، اونٹوں اور تمام فوج کو لمبے لمبے عرصے کے لیے ریگستان میں رکھتا اور خود بھی ان کے ساتھ رہتا تھا۔ اس نے فوج کو بھوکا پیاسا رہنے کی ٹریننگ بھی دے رکھی تھی۔ رمضان کے مہینے میں وہ ٹریننگ اور جنگی مشقیں زیادہ کیا کرتا اور کہا کرتا تھا کہ اس مبارک مہینے میں خدائے ذوالجلال اپنے ہاتھوں ہماری تربیت کرتے ہیں۔

جسمانی ٹریننگ کے علاوہ اس نے سپاہیوں کی ذہنی بلکہ روحانی تربیت کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ سپاہیوں کو یہ ذہن نشین کرایا جاتا تھا کہ وہ اللہ کے سپاہی اور دین اسلام کے محافظ ہیں، کسی بادشاہ یا سلطان کی فوج کے ملازم نہیں۔ وہ مالِ غنیمت سپاہیوں میں تقسیم کرتا تھا لیکن انہیں تاثر یہ دیا جاتا تھا کہ جنگ مالِ غنیمت کے لیے نہیں لڑی جاتی اور مالِ غنیمت جہاد کا انعام بھی نہیں۔ انعام اللہ دیتا ہے۔ سب سے بڑی چیز غیرت تھی جو اُس نے ساری فوج میں پیدا کر رکھی تھی۔ وہ سب سے زیادہ ذکر اُن مسلمان لڑکیوں کا کرتا تھا جنہیں صلیبی اُٹھا لے جاتے تھے اور ان خواتین کا بھی جو صلیبیوں کے مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں کی درندگی کا شکار ہو رہی تھیں۔

"قوم کے شہیدوں کو اور قوم کی مظلوم بیٹیوں کو بھول جانے والی قوم کی قسمت میں کفار کی غلامی لکھ دی جاتی ہے"...... یہ الفاظ سلطان ایوبی کی زبان پر رہتے تھے۔ وہ سپاہیوں میں گھومتا پھرتا رہتا تھا، ان کی گپ شپ اور ان کی کھیل کود میں شامل ہو جایا کرتا تھا۔ ان سے وہ کہا کرتا تھا...... "انتقام فوج لیا کرتی ہے۔ اگر فوج نے فرض ادا نہ کیا تو اس کے لیے اس دنیا میں بھی ذلت ہے اور اگلی دُنیا میں بھی۔

☆

سامنے صلیب الصلبوت رکھی تھی اور اس کے پاس اس صلیب کا محافظ کھڑا تھا جو عکرہ کا بڑا پادری تھا۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ وہ اصل صلیب تھی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس چوبی

صلیب پر ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خون کے نشان موجود ہیں۔ اسے صلیبِ اعظم بھی کہتے ہیں۔ اسی لیے عکرہ کا پادری ''محافظ صلیب اعظم'' کہلاتا تھا اور اس کا حکم بادشاہوں کے حکم سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ بادشاہ بھی اس کے حکم کے پابند ہوتے تھے۔ عیسائیوں اور یہودی لڑکیوں کو اسی کی اجازت سے مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، کردار کشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا جو لڑکی اس کام کی ٹریننگ مکمل کر کے باہر بھیج جاتی، اسے صلیب کا محافظِ اعظم اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا کرتا تھا۔

ان لڑکیوں سے صلیب الصلبوت پر ہاتھ رکھوا کر وفاداری کا اور صلیب کو دھوکہ نہ دینے کا حلف لیا جاتا تھا۔ ایسا ہی حلف صلیبی فوج کے ہر افسر اور ہر سپاہی سے بھی لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ایسی ہی ایک چھوٹی سی صلیب اس کے گلے میں لٹکا دی جاتی تھی۔

ناصرہ کے مقام پر صلیبی حکمران جمع تھے۔ ان میں گائی آف لوزیناں، ریمانڈ آف تریپولی، گرینڈ ماسٹر گراؤ، ماؤنٹ فیرت، ہمفرے آف توران، امارلک اور شہزادہ ارناط آف کرک قابلِ ذکر ہیں..... اور وہاں عکرہ کا پادری ''محافظ صلیب اعظم'' بھی موجود تھا۔ ان کے لیے جو شامیانے اور قناتیں لگائی گئی تھیں، وہ کپڑوں کا ایک خوش نما محل تھا۔ محل کی طرح اس کے کمرے، برآمدے اور غلام گردشیں تھیں۔ رنگا رنگ روشنی والے فانوسوں کی روشنی نے اسے مرمر اور خارا محلات سے زیادہ حسین بنا رکھا تھا۔ اس کے اردگرد رہائشی شامیانوں اور قناتوں کے کمرے تھے اور ان کے اِردگرد صلیبی نائٹوں کے خیمے اور ان کی فوج کے منتخب دستے خیمہ زن تھے۔ شراب کے مٹکوں کے ساتھ ان حسین اور دِل کش لڑکیوں کی کچھ تعداد بھی موجود تھی جن کا طلسماتی حسن اور شوخیاں بھائی کو بھائی اور باپ کو بیٹے کا دشمن بنا دیتی تھیں۔

ایک شامیانے تلے جس پر پختہ محل کے کمرے کا گمان ہوتا تھا، صلیب الصلبوت رکھی ہوئی تھی اور اس کے پاس عکرہ کا پادری کھڑا تھا۔ اس کے سامنے صلیبی حکمران اور ان کے جرنیل اور منتخب نائٹ بیٹھے تھے۔ سب کو معلوم تھا کہ یہ ایک تاریخی اجتماع ہے اور تاریخ کا ایک نیا باب لکھا جانے لگا ہے۔ اس باب کا عنوان تھا..... ''صلاح الدین ایوبی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دو''۔

''صلیب کے محافظو!''..... عکرہ کے پادری نے کہا..... ''یہ ہے وہ صلیب جس پر تم سب نے ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھایا تھا۔ آج یہ صلیب تمہارے سامنے اس لیے عکرہ سے لا کر رکھی گئی ہے کہ اس کے ساتھ تم نے جو عہد کیا تھا وہ تمہارے دلوں میں تازہ ہو جائے۔ اب تمہیں ایک خون ریز اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہونا ہے۔ یہ جنگ تمہیں لڑنی ہے۔ تم سب جنگجو ہو، جرنیل ہو، تمہاری عمر میدانِ جنگ میں گزر گئی ہے۔ میں اس میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ میں تمہارے مذہب کا پیشوا ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر دنیائے عرب پر صلیب کی حکمرانی قائم کرنی ہے۔ یروشلم تو ہے ہی ہمارا، یہ مت بھولو کہ مکہ اور مدینہ پر بھی قبضہ کرنا ہے اور اس مقدس صلیب کو مسلمانوں کے خانہ کعبہ کے اوپر رکھنا اور اسے یسوع مسیح کی عبادت گاہ بنانا ہے.....

''یاد رکھو کہ تم مدینہ سے تین میل دُور تک پہنچ گئے تھے مگر مسلمانوں نے تمہیں اس سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ تمہیں بھی اسی جنون سے لڑنا ہے جس جنون سے مسلمان اپنے کعبے کے تحفظ کے لیے لڑے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کی نظریں یروشلم پر لگی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بیت المقدس ہے اور یہاں کا قبلۂ اوّل ہے۔ اگر اس سے یروشلم کو بچانا چاہتے ہو تو نظریں مکہ پر رکھو۔ ذہن میں یہ یاد رکھو کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ

ہے۔ یہ دو مذہبوں کی، دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ جنگ ہم نہ جیت سکے تو ہماری اگلی نسل لڑے گی۔ وہ اسلام کا خاتمہ نہ کر سکی تو اس سے اگلی نسل لڑے گی، تا آنکہ دونوں میں سے ایک مذہب ختم ہو جائے گا۔ خاتمہ اسلام کا ہوگا اور ساری دُنیا پر صلیب کی حکمرانی ہوگی......

''ہم نے مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے دوسرے طریقے بھی اختیار کیے ہیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ تم سب کو یاد ہوگا کہ ہم اس مہم میں کتنی لڑکیاں ضائع کر چکے ہیں۔ ہم بے شمار دولت اور اسلحہ بھی ضائع کر چکے ہیں جو مسلمان اُمراء کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف دیتے رہے۔ ہم نے ان لڑکیوں اور زر و جواہرات سے یہ حاصل کیا ہے کہ مسلمانوں میں شراب اور عیاشی کی عادت پیدا کر دی ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہم چھ سات سال انہیں آپس میں لڑاتے رہے، ان کی اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ ضرور اُٹھایا ہے کہ مسلمانوں کی جنگی قوت خاصی حد تک ضائع کر دی ہے اور سلطان ایوبی کے بہترین اور تجربہ کار سپاہی اور ان کے کمانڈر خانہ جنگی میں مروا دیے ہیں۔ اس خانہ جنگی سے ہم نے یہ فائدہ بھی اُٹھایا ہے کہ سات آٹھ سال صلاح الدین ایوبی کو اس کے اپنے علاقوں سے باہر نہیں نکلنے دیا۔ اس عرصے میں ہم نے جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور یروشلم کا دفاع اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے لیے ان راستوں تک پہنچنا جو یروشلم کو جاتے ہیں۔ ناممکن ہو گیا ہے......

''مگر اس نے وہ کیفیت پھر حاصل کر لی ہے جو اُن کی خانہ جنگی سے پہلے تھی۔ حلب اور موصل کی فوجیں بھی اسے مل گئی ہیں۔ تمام مسلمان اُمراء اس کے حامی ہو گئے ہیں۔ مظفرالدین اور گکبوری جیسے سالار جو اس کے خلاف لڑے اور ہمارے دوست بن گئے تھے، اس کے پاس چلے گئے ہیں۔ غداروں کو اس نے اتنا کمزور اور بے بس کر دیا ہے کہ وہ اب ہمارے کسی کام کے نہیں رہے۔ اب کوئی مسلمان حکمران ایسا نہیں رہا جو صلاح الدین ایوبی پر عقب سے حملہ کرے۔ ہم نے حشیشین کو بھی آزما دیکھا ہے۔ وہ چار پانچ قاتلانہ حملوں میں بھی اُسے قتل نہیں کر سکے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار اور کوئی حل اور راستہ نہیں رہا کہ ہم مل کر سلطان صلاح الدین ایوبی پر یلغار کریں لیکن اپنے جرنیلوں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ حملے میں پہل اُسے کرنے دیں۔ اس کی مجھے دو وجوہات بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی فوجوں کو اتنی دُور نہیں لے جانا چاہیے کہ رسد کے راستے مسدود اور خطرناک ہو جائیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی جس طریقے کی جنگ لڑتا ہے، اس سے ہمیں اپنی فوج دُور دُور تک پھیلانی پڑتی ہے۔ اب جب کہ دشمن کے علاقے میں ہمارا کوئی حامی نہیں رہا، اس لیے ہمیں حملے کا خطرہ سوچ سمجھ کر مول لینا چاہیے......

''ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق صلاح الدین ایوبی یروشلم کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یہ تمہیں دیکھنا ہے کہ اس کی پیش قدمی کا راستہ کون سا ہوگا اور وہ سیدھا یروشلم کی طرف آئے گا یا کیا کرے گا۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہیے کہ ہم اکیلے اکیلے اُس کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ اب تم متحد ہو گئے ہو۔ صلیب اعظم کو یہاں اُٹھا لانے کا مقصد یہ ہے کہ تم سب ایک ہی بار صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھاؤ کہ تم دشمن کے خلاف یک جان ہو کر لڑو گے اور ذاتی رنجشوں اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کر کے متحدہ مفاد کے لیے لڑو گے اور یہ مفاد صلیب اعظم اور یسوع مسیح کے عقیدے کا ہوگا اور تم سب اسلام کے خاتمے کے لیے لڑو گے''۔

سب اُٹھے۔ انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھے اور عکرہ کے پادری نے حلف کے جو الفاظ کہے، وہ سب نے دُہرائے۔

☆

دوسرے دن سب بہت دیر سے جاگے۔ رات جب پادری نے انہیں چھٹی دی تو وہ شراب اور رقص میں مگن ہوگئے۔ وہ اپنی اپنی پسند کی لڑکیاں ساتھ لائے تھے۔ ان کے حسن و جمال، نیم عریاں جسموں، کھلے بکھرے ہوئے ریشمی بالوں، ناز و ادا اور شراب نے اس خطے کو جنتِ ارضی بنائے رکھا۔ دوسرے دن کا سورج طلوع ہو چکا تھا مگر صلیبیوں کے اس شاہانہ کیمپ میں نیند نے موت کا سکوت طاری کر رکھا تھا۔

شہزادہ ارناط کے خیمے سے ایک جواں سال لڑکی نکلی۔ بہت ہی خوب صورت اور لمبے قد کی لڑکی تھی۔ اس کا رنگ دلکش تھا اور اس کی آنکھوں میں سحر تھا لیکن یہ رنگ اور یہ آنکھیں صلیبی یا یہودی لڑکیوں جیسی نہیں تھیں۔ یہ سوڈان، مصر یا دمشق جیسے علاقوں کی پیداوار معلوم ہوتی تھی۔ اس کے حسن کی یہی ضمانت کافی تھی کہ ارناط اسے اپنے ساتھ لایا تھا۔

اسے دیکھ کر ایک بوڑھی خادمہ دوڑتی اس تک پہنچی۔ وہاں جو فوج ان حکمرانوں کے ساتھ گئی تھی۔ اس کی اتنی نفری نہیں تھی جتنی تعداد نوکروں اور نوکرانیوں کی ساتھ تھی۔ اس لڑکی کو ارناط پرنسیس لِلی کہا کرتا تھا۔ وہ شکل و صورت اور قد بت سے شہزادی ہی لگتی تھی۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ صرف میرے لیے ناشتہ جلدی لاؤ اور بگھی تیار کرو، میں اس علاقے کی سیر کو جارہی ہوں۔

ارناط گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اسے جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی، وہاں تو صرف پادری صبح سویرے جاگا اور عبادت کر کے پھر سو گیا تھا۔ لِلی کے لیے کوئی کام نہیں تھا۔ ناشتہ آنے تک وہ تیار ہوگئی اور جب ناشتہ کر چکی تھی تو بگھی آ چکی تھی۔ یہ دو گھوڑوں کی خوب صورت بگھی تھی۔ کرک سے ارناط کے ساتھ وہ اسی بگھی میں آئی تھی۔

بگھی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے بگھی بان سے کہا.... ''یہ علاقہ بہت خوب صورت لگتا ہے۔ مَیں سیر کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ تم اس جگہ سے واقف تو نہیں ہو گے؟''

''اچھی طرح واقف ہوں شہزادی محترمہ!'' بگھی بان نے جواب دیا.... ''اگر آپ سیر کے لیے جانا چاہتی ہیں تو میں کمان اور ترکش لیے چلتا ہوں۔ آپ شکار بھی کھیل سکتی ہیں۔ یہاں ہرن زیادہ تو نہیں لیکن کہیں کہیں نظر آ جاتے ہیں۔ خرگوش عام ہیں۔ پرندے ہیں''۔

لِلی نے مُسکرا کر کہا.... ''کیا تم مجھے تیرانداز سمجھتے ہو؟.... جاؤ، لے آؤ''۔

''کوئی مشکل نہیں''۔ بگھی بان نے کہا.... ''آپ لڑائی پر تو نہیں جا رہیں۔ شکار پر چلایا ہوا تیر خطا ہو گیا تو کیا ہو جائے گا''۔

وہ دوڑتا گیا اور کمان اور ترکش اُٹھایا۔

بگھی خیمہ گاہ سے بہت دُور چلی گئی۔ یہ خطہ سرسبز تھا۔ درخت بھی خاصے تھے اور اونچی نیچی ٹیکریاں تھیں۔ مارچ اپریل کے دن تھے۔ بہار کا موسم تھا۔ اس سے یہ خطہ اور زیادہ خوب صورت ہو گیا تھا۔ بگھی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ ایک جھنڈ کے نیچے لِلی کے کہنے پر بگھی رُک گئی اور وہ اُتری۔ اُس کا بگھی بان سیبل نام کا عیسائی تھا اور انہی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ اُس کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر ہو گی۔ خوبرو اور دراز قد جوان تھا۔ اسی لیے اُسے ارناط نے بگھی کے لیے منتخب کیا تھا۔ لِلی کو بھی یہ آدمی پسند تھا۔ زندہ دل اور فرمانبردار تھا۔ لِلی جب ارناط کے پاس آئی، اس سے ایک سال بعد سیبل اُن کے پاس آیا تھا۔

''مسلمانوں کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟'' لِلی نے بگھی سے اُتر کر پوچھا

''جہاں تک کسی کی فوج پہنچ کر ڈیرے ڈال دے، وہ اُس کی سرحد بن جاتی ہے''۔ بگھی بان نے جواب دیا......
''میں آپ کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ یہاں سے آٹھ دس میل دُور سمندر کی طرح ایک وسیع جھیل ہے جس کا نام گیلیلی ہے۔ اس کے کنارے طبریہ نام کا ایک قصبہ ہے۔ اس سے کچھ اِدھر حطین نام کا ایک مشہور گاؤں ہے۔ اس جھیل سے آگے سے مسلمانوں کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے''۔

''یعنی مسلمانوں کا علاقہ یہاں سے دُور نہیں''۔ لِلی نے کہا...... ''کیا ہم بگھی پر جھیل تک جا سکتے ہیں؟''

''ہم کرک سے بگھی پر آئے ہیں''۔ سیبل نے کہا...... ''جھیل تو یہ قریب ہے۔ یہ دو گھوڑے بغیر تھکے وہاں تک پہنچا سکتے ہیں''۔

لِلی نے بچوں کی طرح اُس سے راستہ پوچھنا شروع کر دیا اور بگھی بان زمین پر لکیریں ڈال کر اُسے راستہ سمجھانے لگا۔

''دمشق کو بھی راستہ جاتا ہوگا؟'' لِلی نے پوچھا۔
بگھی بان نے اُسے دمشق تک کا راستہ سمجھا دیا۔

☆

لِلی نے ترکش سے تیر نکالا اور درختوں میں پرندے دیکھنے لگی۔ اُس نے ایک پرندے پر تیر چلایا جو خطا گیا۔ لِلی نے قہقہہ لگایا۔ بگھی بان نے اُسے شست لینے کا طریقہ سمجھایا۔ اس نے کچھ تیر اِدھر اُدھر چلائے۔

''اور آگے چلو''۔ لِلی نے بگھی میں بیٹھتے ہوئے کہا...... ''اُس جگہ چلو جہاں ہرن ہوں۔ میں ہرن کو تو مار لوں گی''۔

سیبل اُسے ڈیڑھ دو میل دُور لے گیا۔ ایک جگہ بگھی روک کر اس نے کہا کہ تھوڑی دیر انتظار کریں، شاید کوئی ہرن یا خرگوش نظر آ جائے۔ وہ خود ایک طرف کو چل پڑا۔ کوئی بیس قدم دُور ایک درخت تھا۔ سیبل اُس کے ساتھ کندھا لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ شہزادی لِلی کے لیے ہرن یا خرگوش دیکھ رہا تھا۔ لِلی کی طرف اُس کی پیٹھ تھی۔ لِلی نے کمان میں تیر ڈالا اور سیبل کی پیٹھ کا نشانہ لیا۔ اُسے کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ لِلی مذاق کر رہی ہے۔ اُس نے کمان کھینچی۔ اُن کے ہاتھوں میں کمان کانپ رہی تھی۔ ایک آنکھ بند کیے وہ سیبل کی پیٹھ کا نشانہ لیے ہوئے تھی۔

اس نے کمان اور زیادہ کھینچی اور تیر چلا دیا۔ تیر سیبل کے کندھے کے بالکل قریب درخت کے تنے میں لگا۔ سیبل گھبرا کر ہٹا اور مُڑا۔ اُس نے درخت میں اُترے ہوئے تیر کو پھر لِلی کو دیکھا، مگر لِلی ہنس نہیں رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایسی سنجیدگی تھی جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر بھی اُس نے ہنس کر کہا...... ''آپ مجھ پر تیر اندازی کی مشق کر رہی ہیں؟''...... اور وہ لِلی کی طرف چل پڑا۔

لِلی نے ترکش سے ایک اور تیر نکال کر کمان میں ڈال لیا اور بولی...... ''وہیں رُک جاؤ اور اِدھر اُدھر نہ ہونا''۔

سیبل رُک گیا اور لِلی نے کمان سامنے کر کے ایک بار پھر کھینچی۔ سیبل نے چلا کر کہا...... ''شہزادی آپ کیا کر رہی ہیں''۔

شہزادی کی کمان سے تیر نکلا۔ سیبل کی نظریں اُسی پر تھیں۔ وہ بیٹھ گیا اور تیر زنانے سے اُس کے قریب سے گزر گیا۔ سیبل شہزادی کا احترام اور اپنی حیثیت کو بھول گیا۔ لِلی ترکش سے ایک اور تیر نکال رہی تھی۔ سیبل بڑی ہی تیزی سے اس کی طرف دوڑا۔ لِلی اتنی جلدی تیر نکال کر کمان میں نہ ڈال سکی۔ سیبل اس پر لپکا تو لِلی دوڑ کر پرے ہو گئی لیکن سیبل مرد تھا

اور جوان بھی تھا۔ دوڑ کر لِلی تک پہنچا اور اُسے پکڑ لیا۔ اُس سے کمان چھین لی اور اُس کے کندھوں سے ترکش بھی اُتار لی۔

''میں اُن غلاموں میں سے نہیں ہوں جن پر اُن کے آقا ہر طرح کا ظلم کرتے ہیں''۔ سیبل نے کہا اور ایک تیر کمان میں ڈال کر کمان لِلی پر تانی۔ بولا...... ''کیا تم مجھ پر مشق کرنا چاہتی ہو؟ کیا میری خدمات اور فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے؟''

لِلی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہونٹ کانپے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سیبل نے کمان پرے پھینک دی اور آہستہ آہستہ اُس کے قریب گیا۔

''میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا کہ آپ نے مجھ پر تیر کیوں چلائے اور آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں آ گئے ہیں؟'' سیبل نے پوچھا۔

''تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے؟'' لِلی نے ایسے لہجے میں کہا جو کسی شہزادی کا نہیں ایک ڈری ہوئی لڑکی کا لہجہ تھا۔

''میں آپ کی خاطر جان تک دے سکتا ہوں''۔ سیبل نے کہا۔ ''کیسی مدد؟''

''انعام سے مالا مال کر دوں گی''۔ لِلی نے کہا...... ''مجھے انعام کے طور پر مانگو گے تو یہ بھی قبول کروں گی۔ مجھے جھیل گیلیلی سے آگے مسلمانوں کے علاقے میں لے چلو...... دمشق تک چلو۔ وہاں یہ بگھی اور دونوں گھوڑے تمہارے ہوں گے۔ انعام الگ دلواؤں گی''۔

''مجھے شک ہے، آپ کے دماغ پر کوئی اثر ہو گیا ہے''۔ سیبل نے کہا...... ''چلئے، واپس چلیں''۔

''اگر میری بات نہیں مانو گے تو واپس جا کر شہزادہ ارناط سے کہوں گی کہ تم نے یہاں مجھ پر دست درازی کی تھی''۔ لِلی نے اس کی سنی اَن سنی کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہوا، آپ نے بتا دیا''۔ سیبل نے کہا...... ''اب آپ واپس نہیں جائیں گی، نہ میں واپس جا رہا ہوں۔ آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر بگھی میں ڈال لوں گا اور کسی شہر میں جا کر آپ کو بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ ڈالوں گا...... مجھے بتاؤ مسلمانوں کے پاس کیوں جانا چاہتی ہو؟''

تب لِلی کو احساس ہوا کہ وہ ایک جال میں پھنس گئی ہے۔ وہ بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں میں دے کر سسکنے لگی۔ سیبل اسے دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی اس کے لیے اجنبی نہیں تھی لیکن اب وہ اُسے غور سے دیکھنے لگا۔ اُس کے بال، اس کی رنگت اور اُس کی ڈیل ڈول صلیبی لڑکیوں جیسی نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ صلیبیوں کے پاس مسلمانوں کی اغوا کی ہوئی لڑکیاں بھی ہیں۔ یہ بھی شاید مغویہ ہو گی لیکن اُسے تو وہ تین سالوں سے خوش وخرم دیکھ رہا تھا۔ وہ اُس کے پاس بیٹھ گیا۔

''اگر مسلمان ہو تو بتا دو''۔ سیبل نے کہا۔ ''تمہیں شاید اغوا کیا گیا تھا''۔

''اور تم شہزادہ ارناط کو بتا کر انعام لو گے''۔ لِلی نے کہا...... ''اور اُسے بتاؤ گے کہ میں نے بھاگنے کی کوشش کی تھی''...... اُسے سیبل کے گلے میں ایک ڈوری لٹکتی نظر آئی۔ اس نے یہ ڈوری کھینچی تو چھوٹی سی صلیب ڈوری سے بندھی ہوئی باہر آ گئی۔ لِلی نے کہا...... ''اسے ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ کہ مجھے دھوکہ نہیں دو گے، ارناط کو نہیں بتاؤ گے کہ میں نے تم پر تیر کیوں چلائے تھے''۔

سیبل اُس کی اصلیت سمجھ گیا اور بولا۔ ''صلیب پر کھائی ہوئی قسم جھوٹی ہو گی''۔ اُس نے صلیب کی ڈوری گلے سے اُتاری اور صلیب پرے پھینک دی۔ کہنے لگا...... ''مسلمان صلیب پر قسم نہیں کھایا کرتے''۔

لِلی نے چونک کر سیبل کو دیکھا جیسے اُسے سیبل کے الفاظ پر یقین نہ آ رہا ہو۔ اُس نے صلیب کو دیکھا جو پرے

زمین پر پڑی تھی۔ کوئی صلیبی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، صلیب کی توہین نہیں کرتا۔ سیبل کو بہر حال یقین آ گیا تھا کہ لبلی کسی مسلمان کی بیٹی ہے۔

''میں نے تم پر اپنا راز فاش کر دیا ہے'' ۔ سیبل نے کہا...... ''اب تم مجھے بتا دو کہ تمہیں کب اور کہاں سے اغوا کیا گیا تھا''۔

''میں حجِ کعبہ سے اپنے والدین کے ساتھ مصر کو واپس جا رہی تھی''۔ لبلی نے ڈرے ہوئے بچے کی طرح کہا...... ''بہت بڑا قافلہ تھا۔ اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال تھی۔ چار ساڑھے چار سال گزر گئے ہیں۔ کرک کے قریب اِن کافروں نے قافلے پر حملہ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا۔ انہوں نے بہت کشت و خون کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والدین مارے گئے تھے یا زندہ ہیں۔ یہ کافر مجھے اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ شاید میری بدقسمتی تھی کہ میں اتنی خوب صورت تھی کہ والیٔ کرک شہزادہ ارناط نے مجھے پسند کر لیا اور اپنے لیے رکھ لیا۔ اگر میں اتنی خوب صورت نہ ہوتی تو معلوم نہیں کیسے کیسے درندوں کے ہاتھوں اب تک مر چکی ہوتی......

''شہزادہ ارناط کے آگے میں بہت روئی مگر بے کار تھا۔ اس نے کہا کہ میں اپنی بادشاہی چھوڑ دوں گا، تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ پھر اُس نے مجھے شہزادیوں کی طرح رکھا۔ اُس نے میرے ساتھ شادی نہیں کی اور مجھے اپنا مذہب قبول کرنے کو بھی نہیں کہا۔ میں اس کی عیاشی کا ذریعہ بنی رہی۔ اس کے پاس کئی اور جوان لڑکیاں تھیں۔ وہ میری دشمن بن گئیں لیکن ارناط صرف مجھے ساتھ رکھتا اور میری بات مانتا تھا۔ میں نے اپنی اس حالت کو قبول کر لیا۔ میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ عورت کی قسمت یہی ہوتی ہے کہ جس کے قبضے میں آ جائے، اس کی ملکیت اور اسی کی غلام ہوتی ہے''۔

وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ سیبل کو غور سے دیکھ کر بولی...... ''کیا تم یہ ساری باتیں شہزادہ ارناط کو سنا دو گے؟ پھر وہ مجھے کیا سزا دے گا؟''

''اگر میں واقعی سیبل ہوتا تو یہی کرتا جو تمہیں ڈر ہے''۔ بکھی بان نے کہا...... ''میں شامی مسلمان ہوں۔ میرا نام بکر بن محمد ہے''۔

''تم اُن جاسوسوں میں سے تو نہیں جن کے متعلق ارناط کہا کرتا ہے کہ ہمارے ملک میں چھپے ہوئے ہیں؟'' لڑکی نے پوچھا اور بولی...... ''میرا نام کلثوم ہوا کرتا تھا''۔

''میں جو کچھ بھی ہوں''۔ بکر نے جواب دیا۔ ''مسلمان ہوں۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ایک اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکی کی ملاقات کسی ایسے مسلمان سے ہو گئی جو صلیبیوں کے پاس عیسائیوں کے بہروپ میں ملازم تھا۔ ایسے واقعات پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ یہاں تک بھی ہوا ہے کہ بھائی جاسوس بن کر صلیبیوں کے کسی شہر میں گیا تو وہاں اُس کی ملاقات اپنی اس بہن سے ہو گئی جو بہت عرصہ پہلے تمہاری طرح اغوا ہوئی تھی۔ حیران نہ ہو کلثوم! تم حجِ کعبہ سے واپس آ رہی تھیں۔ خدا نے تمہارا حج قبول کر لیا ہے۔ میں عالم فاضل نہیں کہ تمہیں بتاؤں کہ خدا نے تمہیں یہ سزا کیوں دی ہے۔ البتہ اب یوں نظر آتا ہے جیسے خدا نے تم سے کوئی نیکی کا کام کرانے کے لیے اس جہنم میں پھینکا تھا...... تم صرف فرار ہونا چاہتی ہو یا فرار کا کوئی مقصد بھی ہے؟''

''بہت بڑا مقصد''۔ کلثوم نے کہا...... ''تم شاید نہیں جانتے کہ عکرہ کے پادری نے اِن صلیبیوں کو یہاں کیوں بلایا ہے۔ رات ارناط جب اپنے خیمے میں آیا تو وہ نشے میں جھوم رہا تھا۔ اُس نے مجھے بازوؤں پر اُٹھا لیا اور بولا...... ''تم

بہت بڑے ملک کی ملکہ بننے والی ہو۔ صلاح الدین ایوبی چند دنوں کا مہمان ہے۔ وہ ہمارے جال میں آ رہا ہے۔ بہت جلدی آ رہا ہے''...... میں نے خوشی کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ اُن کا منصوبہ کیا ہے۔ اُس نے مجھے پوری تفصیل سے بتا دیا کہ یہاں جتنے صلیبی حکمران آئے ہیں، انہوں نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر اتحاد اور ایک دوسرے سے وفاداری کا حلف اُٹھایا ہے''۔

''کیا یہ صلاح الدین ایوبی کے کسی علاقے پر حملہ کریں گے؟''

''میرے فرار کا مقصد یہی ہے کہ سلطان ایوبی تک یہ خبر پہنچاؤں کہ صلیبیوں کے ارادے اور منصوبے کیا ہیں اور انہوں نے کتنی فوج جمع کر لی ہے اور اسے کہاں کہاں تقسیم کر کے پھیلایا ہے۔ ارناط نے مجھے بتایا ہے کہ یہ لوگ حملہ کرنے نہیں جائیں گے، بلکہ سلطان ایوبی کو حملے کا موقعہ دیں گے تاکہ وہ اپنے مستقر سے دُور آ جائے اور اس کی رسد کے راستے لمبے ہو جائیں۔ ان کا ارادہ یہ بھی ہے کہ اگر سلطان ایوبی نے کچھ عرصے تک حملہ نہ کیا تو یہ لوگ تین اطراف سے پیش قدمی اور یلغار کریں گے''۔

''تمہیں اچانک یہ خیال کیوں آیا ہے کہ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچنی چاہیے؟'' بکر بن محمد نے پوچھا اور اسے بتایا...... ''کلثوم! میں اسی میدان کا مجاہد ہوں۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ تم ارناط کے کہنے پر سلطان ایوبی کو غلط خبر دینے جا رہی ہو تا کہ وہ گمراہ ہو جائے تو اس کا کیا جواب دو گی؟''

''یہ کہ تم کم عقل آدمی ہو''...... کلثوم نے جواب دیا...... ''اگر تم سلطان ایوبی کے جاسوس ہو تو تم بے وقوف جاسوس ہو۔ تم اپنی فوجوں کو صلیبیوں کے ہاتھوں مرواؤ گے۔ اگر ارناط سلطان ایوبی کو گمراہ کرنے کی سوچتا تو وہ کوئی اور ذریعہ اختیار کر سکتا تھا؟ اگر وہ یہ کام مجھ سے ہی کرانا چاہتا تو مجھے رات کو بگھی پر بٹھا کر مسلمانوں کے علاقوں کے قریب نہ چھوڑ آتا...... سنو بکر! غور سے سنو۔ میں نے تم پر پہلا جو تیر چلایا تھا، اس کا ارادہ اچانک بجلی کی طرح میرے دماغ میں آیا تھا۔ میں تو صرف سیر کے لیے نکلی تھی۔ یہ تم تھے جس نے کہا تھا کہ تیر و کمان ساتھ لے چلیں، یہاں شکار ہو گا......

''یہاں آ کر میں نے تم سے مسلمانوں کی سرحد اور دمشق کے جو راستے پوچھے، وہ یہ معلوم کرنے کے لیے پوچھے تھے کہ میں اس سرحد سے کتنی دُور ہوں اور کیا میں آسانی سے وہاں تک پہنچ سکتی ہوں؟ تم نے جب بتایا کہ وہ علاقہ چند میل دور ہے تو میں سوچنے لگی کہ تمہیں کوئی لالچ دے کر ساتھ لے چلوں لیکن تمہیں میں عیسائی سمجھتی رہی اور بالکل اُمید نہیں رکھتی تھی کہ تم میری مدد کرو گے، بلکہ اُمید یہ تھی کہ تم ارناط سے انعام لینے کے لیے اسے بتا دو گے کہ یہ لڑکی مسلمانوں کی جاسوس ہے۔ میرے لیے کوئی راستہ نہیں تھا۔ تم مجھ سے تھوڑی دُور درخت کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے تو میں نے درخت پر ایک پرندے پر تیر چلانے کے لیے تیر کمان میں ڈالا۔ اس وقت میری نظریں تمہاری پیٹھ پر جم گئیں......

''تب مجھے اچانک خیال آیا کہ تم اتنے قریب ہو کہ تیر تمہاری پیٹھ میں گہرا اُتر جائے گا اور مجھے دوسرا تیر چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم مر جاؤ گے تو میں بگھی بھگا کر اس راستے پر ہو لوں گی جو تم نے مجھے سمجھا دیا تھا۔ میں نے کوئی اور خطرہ سوچا ہی نہیں تھا۔ شاید مجھ میں عقل کم اور جذبات زیادہ تھے اور ان جذبات میں انتقام کا جذبہ زیادہ تھا۔ میں نے کانپتے ہاتھوں سے تیر چلا دیا۔ مجھ میں یہ اتنی سی بھی عقل نہ رہی کہ تمہیں کہہ دیتی کہ تیر غلطی سے نکل گیا ہے۔ تم فوراً مان لیتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ میں نے کبھی کمان ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ میں نے یہی راہِ نجات دیکھی کہ تمہیں مار ہی ڈالوں اور مسلمانوں کے علاقے کی طرف بھاگ جاؤں مگر میں کامیاب نہ ہو سکی''۔

''اس سے پہلے تمہیں کبھی بھاگنے کا خیال نہیں آیا تھا؟'' بکر بن محمد نے پوچھا۔

''ابتدا میں بھاگنے کا ہی خیال میرے دماغ پر سوار رہا مگر مجھے حقیقت کو قبول کرنا پڑا کہ میں بھاگ نہیں سکتی''۔
اُس نے جواب دیا...... ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ارناط نے مجھے صحیح معنوں میں شہزادی بنا دیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے کسی لڑکی سے کبھی ایسی محبت نہیں ہوئی تھی، جیسی تم سے ہوئی ہے۔ میں اُس کے ساتھ شراب بھی پیتی رہی۔ اس سے میں بچ نہیں سکتی تھی۔ جسمانی طور پر میں اس زندگی میں تحلیل ہو چکی تھی۔ ایسی شاہانہ زندگی تو میں کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، لیکن تنہائی میں میرا دِل مسلمان ہو جاتا تھا اور یہ خیال مجھے تڑپا دیتا تھا کہ میں حجِ کعبہ سے آئی ہوں۔ کبھی کبھی میں خدا سے گلے شکوے بھی کیا کرتی تھی اور اکثر یوں ہوتا کہ میں خدا کو بھول جاتی تھی......

''اسی دَوران سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ کیا اور آتشیں گولے پھینک کر شہر کا بہت سا حصہ تباہ کر دیا تھا۔ میں تیار ہو گئی تھی کہ اپنی فوج شہر میں داخل ہو جائے گی اور میں ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گی مگر ہوا یوں کہ ایک ماہ بعد سلطان ایوبی نے محاصرہ اُٹھا لیا اور واپس چلا گیا۔ ارناط قہقہے لگاتا میرے پاس آیا اور بولا...... ''میں نے اُسے پھر بے وقوف بنا لیا ہے۔ میں نے اُس کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے کہ آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر ہاتھ نہیں اُٹھاؤں گا اور میں نے اس کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا بھی معاہدہ کر لیا ہے......

''میرے دِل کو بہت صدمہ ہوا۔ سلطان ایوبی کو واپس نہیں جانا چاہیے تھا۔ مجھے رہا کرائے بغیر اسے محاصرہ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا''۔

''سلطان ایوبی کے سامنے اس سے زیادہ بڑی مہم ہے''۔ بکر نے کہا...... ''اُسے بلکہ ہمیں بیت المقدس آزاد کرانا ہے جہاں ہمارا قبلۂ اوّل ہے۔ ہمیں ارضِ فلسطین کو آزاد کرانا ہے جو ہمارے نبیوں اور پیغمبروں کی سرزمین ہے، اگر سلطان ایوبی ایک ایک مسلمان لڑکی کو آزاد کرانے نکل کھڑا ہو تو وہ اپنی منزلِ مقدس سے دُور بھٹکتا اور لڑتا ختم ہو جائے گا...... قومیں اتنے مقدس مقصد کی خاطر اپنے بچوں کو قربان کر دیا کرتی ہیں''۔

''ارناط کی ایک بُری عادت نے مجھے یہ فراموش نہ کرنے دیا کہ میں مسلمان ہوں''۔ کلثوم نے کہا...... ''وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کرتا رہتا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ سلطان ایوبی اپنے قبلۂ اوّل تک پہنچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور ہم اُس کے خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور اپنی عبادت گاہ بنانے کے لیے جا رہے ہیں''۔

صلیبیوں کے ان عزائم کا تذکرہ یورپی مورخوں نے بھی کیا ہے کہ صلیبیوں نے خانہ کعبہ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا روضہ مبارک مسمار کرنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا اور ایک بار وہ مدینہ منورہ سے تین میل دُور تک پہنچ بھی گئے تھے۔ کرک کا جو محاصرہ سلطان ایوبی نے کیا اور ایک ماہ بعد اُٹھا لیا تھا، یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے۔ محاصرہ اُٹھانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ارناط نے جنگ نہ کرنے اور آئندہ حاجیوں کے قافلوں پر حملے نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ وہ تو سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ صلیبی معاہدے توڑنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔ محاصرہ اُٹھانے کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ بیت المقدس کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ارناط نے اس معاہدے کے دو ہی سال بعد حاجیوں کے ایک اور قافلے پر حملہ کیا تھا۔ اس معاہدے کی میعاد ۱۱۸۸ء تک تھی۔ سلطان ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں حطین کی طرف پیش قدمی کی تھی اور اس عہد کے ساتھ وہ دمشق سے نکلا تھا کہ ارناط کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا۔

☆

کلثوم بکر کو بتا رہی تھی...... ''ارناط کے ساتھ میں خوش بھی رہی اور میرے دِل میں انتقام بھی موجود رہا۔ وہ کبھی

بھی مجھے بتایا کرتا تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بھیس بدل کر آ جاتے ہیں اور یہاں کے راز لے جاتے ہیں۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ بڑی ہی حسین صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمانوں کے علاقوں میں مسلمانوں کی طرح کے ناموں سے اونچے رُتبوں اور عہدوں والے حاکموں کو جال میں پھانس لیتی اور انہیں صلیب کے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ ارناط مجھے ان لڑکیوں کی کہانیاں سنایا کرتا تھا۔ یہ سن کر مجھے کئی بار خیال آیا کہ یہ لڑکیاں اپنے مذہب کے لیے اپنی آبرو قربان کر دیتی ہیں۔ عصمت ہی وہ موتی ہے جس کے تحفظ کے لیے عورت جان پر کھیل جاتی ہے لیکن یہ لڑکیاں اتنی بڑی قربانیاں دے ڈالتی ہیں......

''میری آبرو تو لٹ ہی چکی تھی۔ میں نے ارادہ کرلیا کہ اپنے مذہب کے لیے قربانی دوں گی مگر مجھے موقعہ نہیں ملتا تھا۔ اب یہاں آکر ارناط نے مجھے ایسا راز دے دیا ہے جو سلطان ایوبی تک پہنچنا چاہیے۔ شاید خدا نے مجھے اسی نیکی کے لیے اس جہنم میں بھیجا تھا! کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ اس خبر سے سلطان ایوبی کو کوئی فائدہ پہنچے گا؟''

''بہت زیادہ''۔ بکر بن محمد نے کہا...... ''لیکن یہ خبر تم لے کر نہیں جاؤ گی۔ اگر تم یا ہم دونوں یہاں سے غائب ہو گئے تو شہزادہ ارناط فوراً سمجھ لے گا کہ ہم دونوں جاسوس تھے۔ اس طرح یہ اپنے منصوبوں میں ردّ و بدل کر دیں گے اور ہم سلطان ایوبی تک جو خبر پہنچائیں گے، وہ اس کی شکست کا باعث بن سکتی ہے''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتنی اہم خبر سلطان ایوبی تک نہیں پہنچ سکتی''۔ کلثوم نے کہا۔

''پہنچ سکتی ہے اور پہنچائی بھی جائے گی''۔ بکر نے کہا...... ''لیکن کرک واپس جا کر یہ انتظام ہوگا''۔

''تم جاؤ گے؟'' کلثوم نے پوچھا...... ''میں یہاں سے بھاگنا بھی چاہتی ہوں''۔

''میں نہیں جاؤں گا''۔ بکر نے کہا...... ''تم بھی نہیں جاؤ گی۔ کرک میں میرے ساتھی موجود ہیں۔ خبریں لے جانے کا کام اُن کی ذمہ داری ہے۔ میرا کام خبریں حاصل کرنا ہے۔ اب یہ کام تم کرو گی۔ تمہارا کام ختم نہیں ہوا، ابھی شروع ہوا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ سلطان کو کس قسم کی معلومات کی ضرورت ہے۔ یہ معلومات تم مجھے دو گی اور میں انہیں دمشق تک پہنچاؤں گا''۔

''تو مجھے اس جہنم میں ہی رہنا پڑے گا؟'' کلثوم نے اُداس سا ہو کے پوچھا۔

''ہاں''۔ بکر نے جواب دیا۔ ''تمہیں اس جہنم میں اور مجھے موت کے منہ میں موجود رہنا پڑے گا...... کلثوم! تمہیں یہ قربانی دینی پڑے گی۔ سلطان کہا کرتے ہیں کہ ایک جاسوس یا ایک چھاپہ مار اپنی پوری فوج کی فتح یا شکست کا باعث بن سکتا ہے لیکن جاسوس ہر لمحہ موت کے منہ میں کھڑا رہتا ہے۔ جاسوس جب دشمن کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو فوراً قتل نہیں کر دیا جاتا۔ اسے اذیتیں دی جاتی ہیں۔ اس کی کھال آہستہ آہستہ اُتاری جاتی ہے۔ اُسے مرنے نہیں دیا جاتا، اُسے جینے بھی نہیں دیا جاتا لیکن اپنے مذہب اور اپنے وطن کے لیے کسی نہ کسی کو اپنی زندہ کھال اُتروانی ہی پڑتی ہے۔ قوموں کا نام ونشان اس وقت مٹنا شروع ہوتا ہے جب ان میں قربانی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے...... تم نے جہاں چار سال گزار دیئے ہیں، وہاں چار مہینے اور گزار دو۔ تم اب ارناط کو اپنا آقا نہ سمجھو۔ اُس کے ساتھ پہلے سے زیادہ محبت کا اظہار کرو لیکن دل میں یہ سمجھو کہ تم نے ایک ایسے زہریلے ناگ پر قبضہ کر رکھا ہے جو تمہارے ہاتھ سے آزاد ہو گیا تو عالمِ اسلام کو ڈس لے گا''۔

''مجھے بتاؤ''۔ کلثوم نے بے تاب ہو کر کہا...... ''خدا کے لیے مجھے بتاتے رہو کہ میں اپنے خدا کے حضور کس طرح سرخرو ہو سکتی ہوں''۔

بکر نے اُسے بتانا شروع کر دیا۔ اُسے مکمل ہدایات دیں اور کہا..... ''سب کے سامنے یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ میرا اور تمہارا کوئی اور تعلق بھی ہے۔ یہاں ہمارے جاسوسوں کا سراغ لگانے والے صلیبی جاسوس بھیس بدل کر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ صرف ہم دونوں جاسوس نہیں، ہمارے اور بھی بہت سے ساتھی ہیں۔ وہ ہر اُس شہر میں موجود ہیں جہاں صلیبی حکمران اور جرنیل موجود ہیں۔ ان میں ایک سے ایک بہادر اور عقل مند ہے۔ دِل میں خوش فہمی نہ رکھنا کہ ہم دونوں کوئی بہت بڑا کارنامہ کر رہے ہیں۔ خدا پر احسان نہ کرنا۔ یہ ہمارا فرض ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے، خواہ ہمیں کیسی ہی اذیت میں کیوں نہ ڈال دیا جائے''۔

کلثوم جب خیمہ گاہ میں اپنے خیمے کے سامنے بگھی سے اُتری، اُس وقت وہ شہزادی للی تھی اور بکر بن محمد سیبل تھا۔ کلثوم جب بگھی سے اُتر رہی تھی اس وقت سیبل بگھی کے پاس کھڑا غلاموں کی طرح جھکا ہوا تھا۔ خیمے میں گئی تو ارناط ایک نقشے پر جھکا ہوا تھا۔ کلثوم نے اُسے کہا کہ وہ سیر کے لیے نکل گئی اور شکار بھی کھیلا تھا۔

''کیا مارا؟'' ارناط نے نقشے سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں''۔ کلثوم نے جواب دیا..... ''سب تیر خطا ہو گئے لیکن جلدی ہی شکار مارنے کے قابل ہو جاؤں گی''۔ یہ کہہ کر وہ بھی نقشے پر جھک گئی۔ اس نے پوچھا..... ''پیش قدمی کا نقشہ ہے یا دفاع کا؟''

''پیش قدمی صلاح الدین ایوبی کرے گا''۔ ارناط نے بے خیال کے عالم میں کہا..... ''اور دفاع بھی اسی کو کرنا پڑے گا کیونکہ ہم اُسے جال میں لا رہے ہیں۔ اس کا دم خم ختم کر کے ہم پیش قدمی کریں گے۔ ہمیں روکنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تم اپنے خیمے میں جاؤ للی! مجھے بہت کچھ سوچنا ہے۔ آج رات ہماری جو کانفرنس ہوگی، اس میں جنگ کا منصوبہ اور نقشہ بنایا جائے گا۔ مجھے جو مشورے دینے ہیں، ان میں کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے''۔

☆

''اس کا نام کلثوم ہے اور بکر بن محمد اس کے ساتھ ہے۔ وہ ارناط کا بگھی بان ہے''۔ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا نائب سربراہ حسن بن عبداللہ اُسے کرک کے جاسوسوں کی بھیجی ہوئی پوری خبر سنا چکا تھا۔

سلطان ایوبی کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ اس نے کہا..... ''کون بتا سکتا ہے کہ ہماری کتنی بیٹیاں ان کفار کے قبضے میں ہیں اور ان کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ میں ارناط کو نہیں بخشوں گا۔ خیال رکھنا حسن! اس لڑکی کو وہاں سے نکالنا ہے لیکن ابھی نہیں''۔

''کرک میں ہمارے جو آدمی ہیں، وہ اسے موزوں وقت پر نکال لائیں گے''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔

عکرہ کا پادری اور یہ صلیبی اتحادی ناصرہ میں تین روز رہے اور انہوں نے پلان اور نقشہ تیار کر لیا تھا۔ کلثوم نے ارناط سے سب کچھ معلوم کر لیا تھا اور بکر کو بتا دیا۔ صلیبیوں کو بھی سلطان ایوبی کے کئی راز معلوم ہو گئے تھے۔ اُن کے جاسوس، موصل، حلب، دمشق، قاہرہ اور ہر جگہ موجود تھے۔ انہوں نے صلیبیوں کو صحیح اطلاعیں بھیجی تھیں۔ صلیبیوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ مصر سے بھی فوج آ رہی ہے۔ صلیبیوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی بہت جلدی پیش قدمی کرنے والا ہے، لہٰذا انہوں نے دفاع میں لڑنے، پھر سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کا پلان تیار کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے مختلف جگہوں پر فوج خیمہ زن کر دی تھی۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ سلطان ایوبی کدھر سے آئے گا اور میدانِ جنگ کون سا ہوگا۔ اپنے اندازے کے مطابق انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کی نفری، پیادہ اور سوار کا حساب لگا لیا تھا۔

حسن بن عبداللہ نے کرک سے آئے ہوئے اپنے آدمی سے تفصیلی رپورٹ لی۔ اس جاسوس نے کلثوم اور بکر کے متعلق بھی بتایا۔ حسن بن عبداللہ نے یہ رپورٹ سلطان ایوبی کو دی۔

''یہ اطلاع اُن تمام اطلاعوں کی تصدیق کرتی ہے جو ہمیں دوسری جگہوں کے جاسوسوں نے بھیجی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ صلیبی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ اب کرک کی اطلاع نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔ اس میں نئی بات یہ ہے کہ چند ایک صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے اور مجھے اُن کی متحدہ فوج سے لڑنا ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ اطلاع نئی ہے کہ جنگی طاقت کتنی ہے۔ ان کے ساتھ دو ہزار دو سو نائٹ ہوں گے۔ یہ بلاشبہ بہت بڑی طاقت ہے۔ نائٹ سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ملبوس اور محفوظ ہوتا ہے۔ نائٹوں کے گھوڑے عام جنگی گھوڑوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور پھرتیلے ہوتے ہیں۔ میں انہیں گرمیوں کے عروج میں لڑاؤں گا''۔

''اور ان زرہ پوش نائٹوں کے ساتھ آٹھ ہزار سوار ہوں گے''۔ حسن بن عبداللہ نے کہا...... ''پیادہ فوج کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ بتائی گئی ہے۔

''میرے لیے یہ خبر نئی ہے کہ شاہ آرمینیا کی فوج بھی صلیبیوں کے پاس آرہی ہے''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ صلیبیوں کی تیس بتیس ہزار فوج کے علاوہ ہوگی۔ یہ ملا کر دشمن کی نفری چالیس ہزار ہو جائے گی۔ کرک کی اطلاع اور دوسری جگہوں سے آنے والی اطلاعوں سے یہ یقین ہو گیا ہے کہ صلیبی دفاعی جنگ لڑیں گے اور مجھے گھیرے میں لے لیں گے۔ اس کے مطابق میرا یہ فیصلہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ میں حطین کے مضافات میں لڑوں گا۔ اس علاقے سے میں اچھی طرح واقف ہوں''۔

☆

''میرے رفیقو! اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس فرض کی ادائیگی کے لیے نکل کھڑے ہوں جو خدائے ذوالجلال نے ہمیں سونپا ہے''...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے دمشق میں اپنے بڑے کمرے میں سالاروں اور نائب سالاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا...... ''ہم اقتدار کے لیے آپس میں لڑنے اور مرنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے تھے۔ ہم نے آپس میں بہت کشت و خون کر لیا ہے۔ اس دوران دشمن نے ارضِ فلسطین میں اپنے پنجے گہرے اُتار لیے ہیں۔ قوم نے ہمارے ہاتھ میں تلوار دی ہے اور اس اعتماد کے ساتھ دی ہے کہ ہم دشمنانِ دین کا خاتمہ کریں گے اور عرب کی مقدس سرزمین کو کفار کے ناپاک وجود سے پاک کریں گے......

''آپ کئی برسوں سے مسلسل لڑ رہے ہیں، لیکن اصل جنگ اب شروع ہو رہی ہے۔ اپنے ذہنوں میں اس جنگ کے مقصد کو تازہ کر لو۔ یہ فیصلہ کر لو کہ ہمیں ایک آزاد اور باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے اور ہمیں اپنے خدا کے عظیم مذہب کو کفر کے گھناؤنے سائے سے آزاد رکھنا ہے۔ ہمیں سلطنتِ اسلامیہ کو وہاں تک لے جانا ہے، جہاں تک محمد بن قاسم لے گیا تھا اور جہاں تک طارق بن زیاد لے گیا تھا۔ اُن کے بعد آنے والوں کا فرض یہ تھا کہ اللہ کا پیغام وہاں سے بھی آگے لے جاتے، جہاں تک قوم کے یہ بیٹے لے گئے تھے مگر اللہ کی سلطنت ایسی سکڑی کہ ہمارے دین کے دشمن ہمارے گھر میں آن بیٹھے ہیں اور وہ خانہ کعبہ اور روضۂ مبارک کو مسمار کرنے کے منصوبے بنائے ہوئے ہیں۔ کیوں؟...... یہ کیوں کر ممکن ہوا؟...... جہاں بادشاہی کا جنون دماغوں پر قابض ہوتا ہے، وہاں سرحدیں سکڑتی ہیں اور تخت و تاج کی خاطر اُمراء اپنے مذہب اور اپنی غیرت کو بھی ترک کر دیا کرتے ہیں......

''ہمارے زوال کا باعث تخت و تاج کا نشہ اور زر و جواہرات کی محبت ہے۔ کہاں وہ وقت کہ ہم دُنیا پر چھا گئے تھے اور کہاں ہمارا وقت کہ دُنیا ہم پر چھا گئی ہے اور ہم آخرت کو فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ ہم میں دوست اور دشمن کی پہچان نہیں رہی۔ عسکری جذبے پر فانی دُنیا کی جھوٹی لذتوں کا جادو چل گیا ہے۔ یاد رکھو، میرے رفیقو! میں آپ کو کئی بار کہہ چکا ہوں کہ قوم کی قسمت تلوار کی نوک سے لکھی جاتی ہے اور یہ تحریر ان مجاہدوں کی ہوتی ہے جن کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے۔ جب سالار تخت پر بیٹھ کر سر پر تاج رکھ لیتے ہیں تو اُن کے ہاتھوں میں طاقت نہیں رہتی کہ تلوار نیام سے باہر کھینچ سکیں۔ ان کے دلوں میں اپنے عقیدے اور اپنی قوم کے وقار کے تحفظ کا جذبہ نہیں رہتا، پھر مذہب کا استعمال یہی رہ جاتا ہے کہ اپنی رعایا کو مذہب کے نام پر دھوکے دو اور دشمن کے ساتھ در پردہ دوستی کرلو تاکہ آرام سے اللہ کے نیک اور سادہ لوح بندوں پر حکومت کرسکو......

''ہم آج اسلام کی عظمت کی خاطر صرف اس لیے گھروں کو خیر باد کہنے اور دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے قابل ہوئے ہیں کہ ہم نے اقتدار کے پجاریوں کو ختم کردیا ہے۔ ہم نے آستین کے سانپوں کا سر کچل ڈالا ہے۔ اگر ہم ہار گئے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ ہماری نیت میں فتور تھا۔''

سلطان ایوبی ایسی جذباتی اور لمبی تقریر کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن جس مہم کے لیے وہ نکل رہا تھا، اس کے لیے سب کو ذہنی اور روحانی طور پر تیار کرنا ضروری تھا۔ یہ اس کے وفادار اور قابلِ اعتماد سالار اور نائب سالار تھے۔ ان میں مظفر الدین جیسا قابل اور دلیر سالار بھی تھا جو کسی وقت میں اس کا ساتھ چھوڑ کر اس کے مخالف کیمپ میں چلا گیا اور اس کے خلاف لڑا بھی تھا۔ اس کے ساتھ تقی الدین اور افضل الدین، فرخ شاہ اور ملک العادل جیسے سالار بھی تھے جو اس کے اپنے خاندان اور اپنے خون کے رشتے کے تھے۔ سالار ککبوری اس کا دستِ راست تھا۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو فنی، تکنیکی اور جذباتی لحاظ سے کمتر ہوتا، لیکن سلطان ایوبی پہلی بار ارضِ فلسطین میں حملے کے لیے جارہا تھا اور اس کی منزل بیت المقدس تھی۔

یہ مہم آسان نہیں تھی۔ صلیبیوں کی جنگی قوت زیادہ بھی تھی اور برتر بھی۔ صلیبیوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ انہیں دفاع میں اپنی زمین پر لڑنا تھا، جہاں انہیں رسد کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا اور وہ اپنے مستقر کے قریب تھے۔ سلطان ایوبی اپنے مستقر سے دُور جارہا تھا جہاں تک رسد کے راستے مخدوش تھے۔ جنگی فنون کے مطابق زیادہ دشواریاں حملہ آور کو پیش آتی ہیں اور حملہ آور کی نفری دشمن سے اگر سہ گنا نہیں تو دوگنی ضرور ہونی چاہیے مگر سلطان ایوبی کی نفری کم تھی۔ اسے یہی یقین تھا کہ یہ جنگ بہت طول پکڑے گی اور گھروں کو واپس آنا ممکن نہیں ہوگا، اس لیے اس نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے سالاروں کو بتادے کہ وہ طارق بن زیاد کی اس کارروائی کو ذہن میں رکھیں جس میں اُس نے بحیرۂ روم پار کرکے کشتیاں جلا ڈالی تھیں کہ واپسی کا خیال ہی ذہن سے نکل جائے۔

قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں بعنوان ''سلطان (صلاح الدین ایوبی) پر کیا افتا پڑی'' میں لکھا ہے...... ''سلطان کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا نے کفار کے خلاف لڑنے کا جو حکم دیا ہے، یہ اُس کا فرضِ اوّلین ہے جسے دُنیا کے ہر کام اور ہر فرض پر فوقیت حاصل ہے۔ کفار سے لڑنا اور اللہ کی حکمرانی قائم کرنا، اس کا ایسا فرض ہے جو خدا کے حکم سے اسے سونپا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ملکوں کو اللہ کی سلطنت میں شامل کرنا اور بنی نوع انسان کو اطاعتِ الٰہی کی طرف لانا...... اس نے تمام فوجوں کو، جہاں جہاں وہ تھیں، اَلعشترا کے مقام پر جمع ہونے کا جو حکم بھیجا، اس میں اللہ کے حکم کے الفاظ بھی لکھے''۔

☆

سلطان ایوبی کی نظریں مستقبل کی تاریکیوں میں جھانک رہی تھیں۔ اس نے حطین کے مقام کو میدانِ جنگ

بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔ حطین فلسطین کا ایک گمنام سا گاؤں تھا لیکن سلطان ایوبی نے اُسے وہ عظمت بخشی کہ عیسائی دُنیا کے جنگی مبصر آج بھی تجزیے کرتے نظر آتے ہیں کہ صلیبی جنگوں کے اس ہیرو نے کس قسم کی چالوں اور سٹریٹیجی سے اتنے طاقتور اور برتر اسلحہ والے دشمن کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ صلیبیوں کے ایک کے سوا باقی تمام حکمران جنگی قیدی ہو گئے تھے۔

جنگی علوم کی باریکیاں سمجھنے والے مبصروں اور مورخوں نے سلطان ایوبی کی دیگر خوبیوں کے علاوہ اس کے انٹیلی جنس اور کاؤنٹر انٹیلی جنس اور کمانڈو اپریشن کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ یہ ہے بھی حقیقت کہ بکر بن محمد جیسے جاسوس اپنی جانیں موت کے منہ میں رکھ کر اہم معلومات حاصل کر رہے تھے اور سلطان ایوبی تک پہنچا رہے تھے۔ کلثوم جیسی مظلوم لڑکیاں شاہانہ زندگی اور عیش و عشرت کو ٹھکرا کر اپنے طور پر اسلامی فوج کی مدد کر رہی تھیں۔ تاریخ ان گمنام غازیوں اور شہیدوں کے نام بتانے سے قاصر ہیں جنہوں نے پس پردہ اور زمین دوز جہاد کیا اور حطین کو تاریخ اسلام کی عظمت کا نشان بنا دیا۔

سلطان ایوبی ہمیشہ جمعہ کے مبارک دِن لڑائی کے لیے کوچ کیا کرتا تھا کہ یہ قبولیت کا دِن ہے۔ اس مبارک روز ہر مسلمان خدا کے حضور جھکا ہوا ہوتا ہے اور جب سپاہی اپنی قوم کو عبادت میں مصروف چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلتا ہے تو ساری قوم کی دُعائیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں۔ حطین کو کوچ کرنے کے لیے بھی اس نے جمعہ کا دِن منتخب کیا۔ یہ ۱۵ مارچ ۱۱۸۷ء کا دِن تھا۔ اس نے فوج کا صرف ایک حصہ ساتھ لیا اور کرک کے قریب جا کر خیمہ زن ہوا۔

صلیبی جاسوسوں نے فوراً اپنی اتحادی فوج کو خبر پہنچا دی کہ سلطان ایوبی کرک کے قریب خیمہ زن ہو گیا ہے۔ اس سے یہ مطلب لیا گیا کہ وہ کرک کا محاصرہ کرے گا لیکن اس کا مقصد یہ تھا کہ مصر اور شام کے قافلے حج کعبہ سے واپس آ رہے تھے، اِن پر کرک کے قریب ہی حملے ہوا کرتے تھے۔ والئی کرک شہزادہ ارناط اس معاملے میں بڑا ہی بدطینت تھا۔ سلطان ایوبی ان قافلوں کو خیریت سے وہاں سے گزارنے کے لیے اس علاقے میں چلا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صلیبیوں کو دھوکہ دے اور وہ اپنا دفاع پھیلا دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اس نے اپنے سالاروں کو بتا دیا کہ قافلے گزار کر وہ کہاں جائے گا۔

☆

کرک کے محل میں تو جیسے زلزلہ آ گیا تھا۔ شہزادہ ارناط کو نصف شب کے بعد جگا کر بتایا گیا کہ کوئی بہت بڑی فوج شہر سے کچھ دور خیمے گاڑ رہی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھا۔ یہ سلطان ایوبی کے سوا کون ہو سکتا تا۔ کلثوم اس کی خواب گاہ میں تھی۔ وہ ارناط کے ساتھ دوڑتی شہر کے بڑے دروازے کی اوپر والی دیوار پر گئی۔ وہاں سے سینکڑوں مشعلیں نظر آ رہی تھیں۔ زیادہ تر مشعلیں متحرک تھیں۔ خیمے گاڑے جا رہے تھے۔ رات کی خاموشی میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ارناط نے اپنی فوج کو محاصرے میں لڑنے کے لیے دیواروں پر مورچہ بند کر دیا۔ دروازوں پر دفاعی انتظامات مضبوط کر دیئے گئے۔ ارناط بھاگ دوڑ رہا تھا۔ اسے کلثوم کا کوئی خیال نہیں تھا۔ کلثوم واپس گئی تو ارناط کا محافظ دستہ بیدار ہو کر حکم کا منتظر کھڑا تھا اور ایک جگہ وہ شاہی بگھی کھڑی تھی جس پر کلثوم ناصرہ گئی اور سیر کے لیے بھی گئی تھی۔ اس کے پاس بکر بن محمد چاک و چوبند کھڑا تھا، وہاں ہر آدمی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔

کلثوم نے حکم کے لہجے میں بکر سے کہا...... ”سیبل! بگھی اِدھر لاؤ“۔

بکر بگھی لایا تو کلثوم اس میں بیٹھ گئی اور اسے کسی طرف لے گئی۔ ارناط کے حرم کی عورتیں بھی جاگ کر باہر آ گئی تھیں۔ انہوں نے کلثوم کو جو اُن کے لیے پرنسس لِلی تھیں، بگھی بان کو حکم دیتے اور بگھی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا تو اُن میں سے

ایک نے دانت پیس کر کہا....."یہ بد بخت کسی مسلمان کی اولاد اپنے آپ کو ملکہ سمجھنے لگی ہے۔ اُسے ٹھکانے لگانا ہی پڑے گا"۔

"وقت آ گیا ہے"۔ دوسری نے کہا....."صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ بہت خوف ناک ہوتا ہے۔ وہ آگ پھینکے گا، منجنیقوں سے پتھر پھینکے گا۔ اندر بھگڈر اور تباہی مچے گی اور یہ وقت ہوگا، جب ہم اس منہ چڑھی ڈائن کو ٹھکانے لگا دیں گی"۔

"تمہارا چاہنے والا وہ جرنیل بھی تو کچھ نہیں کر سکا"۔ تیسری نے کہا۔

"اور بہت ہیں کچھ کرنے والے"۔ اس نے جواب دیا۔"کل شام تک شہر کی حالت دیکھنا، پھر شہزادہ ارناط کسی اور شہزادی لبلی کو تلاش کرے گا"۔

اُس وقت کلثوم نے بگھی ایک اندھیری جگہ رکوا رکھی تھی۔ بکر بگھی کے ساتھ کھڑا تھا۔ کلثوم اس سے پوچھ رہی تھی....."ہمارے آدمی اندر سے کوئی دروازہ کھولنے کا انتظام کر سکیں گے؟"

کوشش کی جائے گی"۔ بکر نے کہا....."اگر یہ فوج ہماری ہے تو میں حیران ہوں کہ ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی گئی۔ سلطان ایوبی ایسی غلطی نہیں کیا کرتے، مجھے کچھ شک ہے۔ یہ صبح پتہ چلے گا کہ یہ کس کی فوج ہے"۔

"کیا ہم یہاں سے فرار ہو سکیں گے؟" کلثوم نے پوچھا۔

"حالات پر منحصر ہے"۔

"میں اس افراتفری میں ارناط کو آسانی سے قتل کر سکتی ہوں"

"ایسی حرکت نہ کرنا"۔ بکر بن محمد نے کہا....."فوج شہر میں داخل ہوگئی تو ہم نظر رکھیں گے کہ وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے.....کوئی نئی خبر؟

"ارناط سلطان ایوبی کو دیکھ رہا تھا کہ کس طرف پیش قدمی کرتا ہے"۔ کلثوم نے کہا....."اب حالات کچھ اور ہو گئے ہیں۔ پہلے کہتا تھا کہ وہ اپنی فوج کے ساتھ جھیل گیلیلی کو جا رہا ہے"۔

"زیادہ دیر نہ رکو"۔ بکر نے کہا.....چلو واپس چلیں"۔

☆

صبح طلوع ہوئی تو کرک کی دیواروں پر دُور مار کمانوں والے تیر انداز مستعد کھڑے تھے۔ پتھر اور آگ کی ہانڈیاں پھینکنے والی منجنیقیں نصب ہو چکی تھیں۔ فوج تیاری کی حالت میں کھڑی تھی اور شہزادہ ارناط دیوار پر کھڑا سلطان ایوبی کی فوج کو دیکھ رہا تھا۔ یہ یقین ہو گیا کہ یہ سلطان ایوبی کی فوج ہے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ سلطان خود بھی ساتھ ہے، مگر اس فوج میں محاصرے والی کوئی حرکت اور سرگرمی نہیں تھی۔ خیمے لگے ہوئے تھے اور سپاہی روزمرہ معمول میں لگے ہوئے تھے۔

یہ دن گزر گیا، پھر پانچ چھ دن گزر گئے۔ ارناط پر انتظار اور اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ اسے جو نظر نہیں آ رہا تھا، وہ یہ تھا کہ رات کو سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑ سوار چھاپہ مار اُس راستے پر دُور تک پھیلا دیئے تھے جن پر حجاج کے قافلوں کو گزرنا تھا۔ چند دنوں بعد پہلا قافلہ آتا نظر آیا۔ یہ مصر کا قافلہ تھا۔ گھوڑ سوار اس کے ساتھ ہو گئے۔ قافلہ سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کے قریب پہنچا تو سلطان دوڑ کر آگے بڑھا اور حجاج سے مصافحہ کیا۔ اُس نے عقیدت اور احترام سے سب کے ہاتھ چومے اور اپنی خیمہ گاہ میں انہیں آرام اور کھانے کے لیے روکا اور اس کے چھاپہ مار دُور تک حجاج کے ساتھ گئے۔ ایک ہی روز بعد شامی حجاج کا قافلہ بھی آ گیا۔ اس کا بھی سلطان ایوبی نے استقبال کیا۔ کھانا کھلایا اور اپنے حفاظتی انتظامات میں اسے رخصت کیا۔

اتنے دن کرک کے اندر صلیبی فوج تیاری کی حالت میں رہی اور شہر پر خوف طاری رہا۔ سلطان ایوبی کے جاسوس اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ایک صبح ارناط کو اطلاع ملی کہ سلطان ایوبی کی فوج جارہی ہے۔ ارناط اس کے سوا کچھ بھی نہ دیکھ سکا کہ حجاج کے دونوں قافلے سلطان ایوبی کی فوج کی حفاظت میں گزر گئے ہیں۔ سلطان ایوبی کے صرف جاسوسوں کو معلوم تھا کہ اصل قصہ کیا تھا۔ اس نے کوچ سے پہلے انہیں اطلاع بھجوادی تھی کہ فوج کہیں اور جارہی ہے اور وہ (جاسوس) ارناط کی نقل وحرکت کی اطلاعیں دیتے رہیں۔

۲۷ مئی ۱۱۸۷ء (۱۷ ربیع الاوّل) کے روز سلطان ایشترو کے مقام پر جا خیمہ زن ہوا، وہاں مصر اور شام کی فوجیں اس سے جاملیں۔ اُس کا سب سے بڑا بیٹا الملک الافضل جس کی عمر سولہ سال تھی، ایک مشہور سالار مظفر الدین کے ساتھ جاملا۔ اس طرح اس کی ساری فوج جمع ہوگئی۔ اس نے تمام سالاروں، نائب سالاروں کو آخری ہدایات کے لیے جمع کیا اور کہا...... ''میرے رفیقو! اللہ تمہارا مددگار ہو۔ دِلوں سے اپنے عزیزوں اور اپنے گھروں کا خیال نکال دو اور دِلوں میں قبلۂ اوّل کو بسالو اور دِلوں میں خدائے ذوالجلال کا اسم مبارک نقش کرلو جس نے ہمیں یہ سعادت بخشی ہے کہ قبلۂ اوّل کو آزاد کرائیں اور اپنی بیٹیوں کی بے عزتی کا انتقام لیں جو کفار کے ہاتھوں بے آبرو ہوئیں......

''اب ہم جو بات کریں گے، وہ حقیقت کی کریں گے۔ ہماری تعداد دشمن کے مقابلے میں کم ہے اور آپ کا مقابلہ سات صلیبی بادشاہوں کی متحدہ فوج کے ساتھ ہے جس میں دو ہزار دو سو سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں ڈوبے ہوئے نائٹ ہیں۔ ان کی دوسری فوج نیم زرہ پوش ہے۔ اس فوج کو یہ سہولت حاصل ہے کہ اپنے مستقر کے قریب ہے اور یہ سارا علاقہ اس کا اپنا ہے جہاں اُسے رسد کی کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ ہمیں دو جنگیں لڑنی ہیں۔ ایک براہِ راست دشمن کے خلاف اور دوسری اِن دشواریوں کے خلاف جو ہمیں درپیش ہیں۔ یہ دشواریاں دشمن کی طرف منتقل کرنی ہیں''۔

اُس نے نقشہ پھیلا کر اپنی تلوار کی نوک سے سب کو بتایا کہ اس کا میدانِ جنگ کون سا ہوگا۔ جو سالار اس جگہ سے واقف تھے، انہوں نے چونک کر سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ سلطان ایوبی ان کے استعجاب کو سمجھ گیا اور مُسکرایا۔

''یہ حطین کے مضافات کا میدان ہے''۔ اس نے کہا...... ''آپ سوچ رہے ہیں کہ یہ زمین سوکھے ہوئے درخت کی کھال کی طرح خشک، اونچی نیچی اور موسم کی بے رحمی سے کٹی پھٹی ہے اور یہ زمین اتنی پیاسی ہے کہ انسانوں اور ہمارے گھوڑوں کا خون پی جائے گی۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ اس کے اِردگرد اونچی نیچی ٹیکریاں ہیں۔ ہاں، یہ سب بے آب وگیاہ اور پیاسی ہیں۔ یہ لوہے کی طرح تپ رہی ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں جو سوال ہے، وہ میں سمجھتا ہوں، وہ کون سی فوج ہے جو اس جہنم نما علاقے میں لڑے گی؟...... وہ ہماری فوج ہوگی۔ آپ کے ہلکے پھلکے سواروں کے دستے (لائٹ کیولری) یہاں تتلیوں کی طرح اُڑتے پھریں گے اور وہ لوہے کے لباس میں ملبوس نائٹوں اور نیم زرہ پوش صلیبی سواروں کو نچاتے پھریں گے۔ دشمن کے یہ سوار اور پیادے لوہے کی تپش سے، بہت جلدی پیاس سے بے حال ہوجائیں گے اور لوہے کا وزن انہیں اتنی پھرتی سے حرکت نہیں کرنے دے گا، جس تیزی سے ہمارے سوار بھاگیں دوڑیں گے......

''آپ جانتے ہیں کہ میں ہر کارروائی جمعہ کے مبارک روز کیا کرتا ہوں۔ میں اس وقت آگے بڑھوں گا، جب مسجدوں میں قوم خطبہ سن رہی ہوگی۔ یہ وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ میں نے ہر قصبے اور ہر گاؤں میں اطلاع بھجوادی تھی کہ جمعہ کے روز دعاؤں میں اپنے ان مجاہدین کو شامل رکھا کریں جو جمعہ کی نماز سے محروم ہوکر میدانِ جنگ میں زخمی ہوکر گرتے

ہیں۔ اُٹھتے ہیں اور جمعہ نہ پڑھ سکنے کا خراج لہو کے نذرانوں سے ادا کرتے ہیں۔ یہ وہ وقت ہوگا جب سورج سر پر ہوگا اور لوہے کو بھٹی کی طرح گرم کردے گا......

''اور یہ دیکھو۔ یہ گیلیلی کی جھیل ہے اور یہ دریا ہے''۔ اس نے تلوار کو چھڑی کی طرح نقشے پر مار مار کر بتایا......

''اور یہ واحد تالاب ہے جس میں پانی ہے۔ باقی تمام تالاب خشک ہو گئے ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جسے صلیب کے پجاری جون کہا کرتے ہیں۔ ہمیں پانی اور دشمن کے درمیان آنا ہے۔ میں الفاظ میں دشمن کو پانی سے محروم کر چکا ہوں، اُس کو عملی طور پر پیاسا مارنا آپ کا کام ہے۔ دشمن حطین کے میدان میں لڑنے سے گریز کرے گا، میں اُسے یہیں لڑاؤں گا۔ فوج کو میں نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مظفرالدین اور میرا بیٹا الافضل ہم میں نہیں ہیں۔ وہ ایک حصے کو ساتھ لے کر دریائے اُردن جھیل گیلیلی کے جنوب سے پار کر گئے ہیں۔ یہ دستے طبور (جبل طور) تک پہنچیں گے، شاید پہنچ چکے ہوں گے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جو میں دشمن کو دے رہا ہوں''۔

اس نے فوج کے باقی تین حصوں کی تفصیلات اور اُن کے مشن بتائے۔ ان تین میں سے ایک حصہ (مین باڈی) اپنی کمان میں رکھا۔ مورخین کے مطابق یہی حصہ ریزرو اور ٹاسک فورس کے طور پر استعمال کرنا تھا۔ یہ فیصلہ کن کارروائی کے لیے تھا۔ ان حصوں کو مختلف مقامات سے دریا پار کرایا گیا۔ صلیبی اپنے مخبروں اور دیکھ بھال کے دستوں کے ذریعے یہ نقل و حرکت دیکھ رہے تھے لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ سلطان ایوبی کا پلان کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے جھیل گیلیلی کے مغربی کنارے پر طبریہ کے مقام پر ایک پہاڑی پر جا ڈیرے ڈالے۔

☆

صلیبیوں کو ایک اور دھوکہ بھی ہوا۔ سلطان ایوبی اکثر چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑا کرتا تھا، شب خون زیادہ مارتا تھا۔ کم سے کم نفری سے دشمن کی زیادہ تعداد پر ''ضرب لگاؤ اور بھاگو'' کے اصول پر حملے کرتا اور دشمن کو پھیلا دیتا تھا۔ صلیبی اس کی اسی جنگ کے لیے تیار تھے۔ اس کی فوج کا جو حصہ مظفرالدین اور الافضل کی زیر کمان دریا پار کر گیا تھا۔ اس نے صلیبیوں کی فوج کی چوکیوں (آؤٹ پوسٹوں) پر شب خون مارنے شروع کر دیئے تھے۔ اس سے صلیبیوں کو یہ دھوکہ ہوا کہ سلطان ایوبی اپنے مخصوص انداز سے لڑے گا، لیکن اب اس نے کوئی اور ہی انداز سوچ رکھا تھا۔ چھاپہ ماروں کو اُس نے حسب معمول وہی مشن دیئے، جو ہر جنگ میں انہیں دیا کرتا تھا۔

صلیبی فوج قلعہ بندیوں میں تھی اور باہر بھی تھی۔ سلطان ایوبی نے تیز رفتاری سے فوج کو اس طرح ڈیپلائے کیا کہ جھیل گیلیلی اور جو ایک دو پانی کے تالاب تھے، وہ اس کے قبضے میں آگئے۔ صلیبیوں کی فوج کے ایک حصے (فرنگیوں) نے سیفوریہ کے مقام پر اجتماع کیا لیکن سلطان ایوبی آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کی بجائے طبریہ کے مقام پر رُکا رہا۔ وہ صلیبیوں کو حطین کے قریب لانا چاہتا تھا۔ صلیبی آگے آتے نظر نہ آئے تو اُس نے پیادہ دستے ذرا سا آگے بڑھا دیئے اور خود ہلکا رسالہ (لائٹ کیولری) لے کر طبریہ پر حملہ کر دیا اور حکم دیا کہ طبریہ کو تباہ و برباد کر کے شہر کو آگ لگا دی جائے۔ اس حکم پر عمل کیا گیا۔

طبریہ کا قلعہ ذرا ہٹ کر تھا۔ فوج قلعہ میں تھی۔ شہر کو بچانے کے لیے فوج قلعے سے نکل کر شہر کو روانہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے اس کا راستہ روک لیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے دوسرے حصے مختلف سمتوں کو روانہ کر دیئے تھے۔ صلیبیوں کی فوج جو قلعے سے آئی تھی، اس کی کمان شاہ ریمانڈ کے ہاتھ میں تھی۔ طبریہ کی ٹیکریوں پر اس کی اور سلطان ایوبی کی آمنے سامنے کی لڑائی ہوئی۔ قاضی بہاؤالدین شداد اس لڑائی کا آنکھوں دیکھا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''دونوں فوجوں کے سواروں نے ایک دوسرے پر ہلہ بولا۔ ہراول کے سوار تیر چلاتے آ رہے تھے، پھر پیادہ دستوں کو بھی میدان میں اُتار دیا گیا۔ صلیبیوں کو موت نظر آنے لگی تھی اور مسلمانوں کو پیچھے دریا اور سامنے دشمن نظر آ رہا تھا۔ پیچھے ہٹنے کے لیے ان کے پاس کوئی جگہ نہیں تھی، اس لیے دونوں فوجیں اتنے قہر سے لڑیں جس کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی''۔

سارا دن لڑائی جاری رہی۔ رات مسلمان چھاپہ ماروں نے دشمن کو پریشان رکھا۔ دشمن کی فوج اور گھوڑے پیاسے تھے لیکن پانی پر مسلمان قابض تھے۔ چھاپہ مار دشمن کو پانی کی تلاش میں جانے بھی نہیں دیتے تھے۔ اگلے روز صلیبیوں نے ٹیکریوں پر چڑھ کر لڑائی لڑی۔ مسلمان بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے مگر صلیبی بلندیوں سے فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ مسلمانوں کا رسالہ چونکہ ہلکا تھا، اس لیے انہوں نے ٹیکریوں کا گھیرا کر کے اوپر چڑھنا شروع کیا، پیادہ تیر اندازوں نے اُن کے سروں کے اوپر سے تیر برسائے۔ اتنے میں صلیبیوں نے دیکھا کہ ان کے کمانڈر کا جھنڈا نظر نہیں آ رہا۔ یہ فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ ان کا بادشاہ ریمانڈ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا ہے، حالانکہ اس نے صلیبِ اعظم پر ہاتھ رکھ کر اپنے اتحادیوں کا وفادار رہنے اور پیٹھ نہ دکھانے کا حلف اُٹھایا تھا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ صلیبِ اعظم حطین کی اس جنگ میں ساتھ لائی گئی تھی۔

صلیبیوں کے بھاگنے کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ وہ اب دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ بلندیاں اُن کی مدد کر رہی تھیں۔ یہ دِن بھی گزر گیا۔ مسلمان فوج نے بے انداز خشک گھاس اور لکڑیاں جمع کر کے صلیبیوں کے اردگرد آگ لگا دی۔ رات کو سلطان ایوبی کی فوج گھاس اور لکڑیاں جمع کرتی اور آگ تیز کرتی رہی۔ دِن بھر کے پیاسے اور تھکے ہوئے صلیبی ٹیکریوں پر جھلسنے لگے۔ ان میں سے ایک دستے نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیا۔ دوسرے دِن صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور جرنیلوں سمیت سلطان ایوبی کی قید میں آ گئی۔

☆

سلطان ایوبی کی فوج کے دوسرے تین حصے مختلف جگہوں پر اس قسم کی جنگ لڑ رہے تھے کہ کبھی صلیبیوں کے پہلو پر حملہ کرتے اور نکل جاتے اور کبھی عقب پر حملہ کر کے اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ ایک دو پیادہ دستے اس انداز سے دشمن کے سامنے رہے کہ آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے۔ اس طرح دشمن حطین کے میدان میں آ گیا مگر اُس وقت تک وہ اور اس کے گھوڑے پیاس سے اَدھ موئے ہو چکے تھے۔

۳ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے اپنے پلان کی اس کڑی پر کارروائی شروع کی جو اُس نے حطین کے لیے بنایا تھا۔ یہ بھی جمعہ کا مبارک دِن تھا۔ اسے پہلے سے جاسوسوں نے جن میں کلثوم اور بکر قابلِ ذکر ہیں، یہ بتا دیا تھا کہ سات صلیبیوں نے اتحاد کر لیا ہے، لہٰذا سلطان ایوبی کی جنگی طاقت جو تھی، سو تھی، اس نے اپنی چالوں، فوج کی تقسیم، چھاپہ ماروں کے استعمال، دیکھ بھال کے انتظام اور میدانِ جنگ میں برق رفتار نقل و حرکت کے انداز میں رد و بدل اور کارگر طریقے اور داؤ سوچ لیے تھے۔ دشمن کو وہ بڑی خوبی سے حطین میں لے آیا تھا۔ اِردگرد کی قلعہ بندیوں اور آبادیوں پر وہ قابض ہو چکا تھا۔ پانی اس کے قبضے میں تھا اور اب موسم کا قہر اُس کے حق میں تھا۔

دشمن جب حطین میں آیا تو وہ جان نہ سکا کہ وہ سلطان ایوبی کی نہایت خوبی سے تقسیم اور ذہانت سے پھیلائی ہوئی فوج کے نرغے میں آ گیا ہے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے دشمن کی دیکھ بھال کی چوکیوں اور گشتی جیشوں، آؤٹ پوسٹوں اور رسد کے لیے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ رات کو وہ دشمن کو نہ آرام کرنے دیتے تھے، نہ جرنیلوں کو سوچنے کی مہلت دیتے تھے۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی کی فوج کے درمیانی حصے نے آمنے سامنے حملہ کیا۔ ٹیکریوں کی وجہ سے

میدانِ جنگ تنگ تھا۔ صلیبی اِدھر اُدھر سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو مسلمانوں کا لائٹ رسالہ حرکت میں آجاتا۔ تیر انداز بلندیوں پر تھے جہاں سے وہ صلیبیوں پر تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ سلطان ایوبی کی کیفیت یہ تھی کہ کبھی اوپر جاتا اور کبھی نیچے آتا اور اُس کے صبا رفتار قاصد پیغام لا اور لے جا رہے تھے۔ صلیبی نائٹوں کو زرہ بکتر جلا رہی تھی۔ ان کے گھوڑے پیاسے تھے۔ پانی سامنے نظر آرہا تھا جو پیاس کو بڑھا رہا تھا۔

صلیبیوں نے کمک منگوا کر ایک جوابی حملہ کیا جو اُن کی آخری اُمید تھی۔ جہاں انہوں نے حملہ کیا وہاں کی کمان تقی الدین کے ہاتھ تھی۔ اُس نے حملہ روکنے کے لیے اپنے دستوں کو نیم دائرے کی شکل میں کر دیا۔ دشمن سیدھا اور سرپٹ آیا۔ تقی الدین نے نیم دائرے کے سرے بند کر دیئے اور صلیبی گھیرے میں آگئے۔ مسلمان سواروں نے انہیں کاٹ اور کچل ڈالا۔

اب جنگ کی یہ صورت تھی کہ صلیبی حطین کے میدان میں دفائی جنگ لڑ رہے تھے۔ حطین سے دُور ان کا اگر کوئی دستہ رہ گیا تھا تو اُسے مسلمانوں نے وہیں بے کار کر دیا جہاں وہ تھا۔ یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ عکرہ کا پادری ''محافظ صلیبِ اعظم'' صلیب الصلبوت کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا، یعنی جس صلیب پر صلیبیوں نے اسلام کو ختم کرنے کے حلف اُٹھائے تھے، وہ صلیب میدانِ جنگ میں لائی گئی تھی مگر صلیبی بادشاہوں نے پیٹھ دکھانی شروع کر دی۔ گائی آف لوزینان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ بھاگ رہا تھا کہ اُسے مسلمان سواروں نے دیکھ لیا اور انہیں زندہ پکڑ لیا۔

عکرہ کا پادری مارا گیا اور صلیبِ اعظم مسلمانوں کے قبضے میں آگئی۔ مشہور مورخوں نے اس صلیب کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اُس دَور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے صلیب وہاں کے عیسائیوں کو احترام سے لوٹا دی تھی۔

شام تک جنگِ حطین کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ صلیبیوں کے جانی نقصان کا کوئی شمار نہ تھا۔ باقی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کے سامنے جو قیدی لائے گئے، ان میں ریمانڈ کے سوا باقی چھ اتحادی تھے اور اُن میں کرک کا شہزادہ ارناط بھی تھا جسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم سلطان ایوبی نے کھائی تھی۔ مورخ لکھتے ہیں اور اس کا تفصیلی ذکر قاضی بہاؤ الدین شداد نے کیا ہے کہ سلطان ایوبی نے صلیبی بادشاہ جیفرے کو شربت پیش کیا۔ جیفرے نے آدھا شربت پی کر گلاس ارناط کو دے دیا۔

ارناط شربت پینے لگا تو سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے گرج کر کہا...... ''اُسے (ارناط سے) کہو کہ اسے میں نے نہیں، اپنے بادشاہ نے شربت دیا ہے۔ عربی میزبان صرف اس دشمن کو شربت پیش کرتے ہیں جس کی وہ جان بخشی کر دیتے ہیں۔ میں نے ارناط کو شربت پیش نہیں کیا'' ...... بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔

سلطان نے ملازموں سے کہا کہ ان سب کو کھانے پر بٹھاؤ۔ جب سب کھانے والے خیمے میں جا کر کھانا کھا چکے تو سلطان نے پھر جیفرے اور ارناط کو اپنے خیمے میں بلایا۔ اس نے ارناط سے کہا کہ تم ہمیشہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتے رہے ہو۔ تمہاری نجات اس میں ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ ارناط نے انکار کر دیا۔ سلطان ایوبی کو یہی توقع تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے تلوار نکالی اور ایک ہی وار سے ارناط کا ایک بازو جسم سے الگ کر دیا اور چلا کر کہا...... ''مردود! تو نے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کی۔ اگر یہ گالیاں مجھے دیتا تو آج تو زندہ ہوتا'' ...... مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کے خیمے میں اس کے جو دو تین سالار تھے۔ انہوں نے تلواروں سے ارناط کو ختم کر دیا۔ سلطان نے

نفرت کے لہجے میں حکم دیا...... ''اس ناپاک لاش کو باہر پھینک دو''۔

قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے...... ''سلطان ایوبی نے اس کی لاش خیمے سے باہر اور اس کی روح جہنم کے اندر پھینک دی''۔

بادشاہ جیفرے نے اپنے اتحادی کا یہ انجام دیکھا تو اُس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ وہ سمجھ گیا کہ اب اُس کی باری ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے دیکھا تو آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور تحمل سے کہا ..... ''بادشاہ بادشاہوں کو قتل نہیں کیا کرتے لیکن اس کے گناہ ایسے تھے کہ مجھے اسے اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی قسم کھانی پڑی۔ آپ نہ ڈریں''۔

قیدی بادشاہوں کو قیدیوں کے خیموں میں بھیج دیا گیا اور سلطان ایوبی سجدے میں گر پڑا۔

☆

کرک کے محل میں رات خاموش تھی، وہاں ارناط بھی نہیں تھا اور اس کے جرنیل اور درباری بھی نہیں تھے، وہاں اس کے حرم کی عورتیں تھیں، کلثوم تھی اور ان کے نوکر اور نوکرانیاں تھیں اور قلعے میں مختصر سی فوج تھی۔ وہاں ابھی ارناط کی موت کی اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ اس وقت تک کلثوم سو جاتی تھی۔

ایک عورت دبے پاؤں کلثوم کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ کلثوم کے پلنگ تک پہنچی۔ کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی۔ عورت نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور پوری طاقت سے خنجر کا وار کیا لیکن اسے کوئی چیخ نہ سنائی دی۔ خنجر پلنگ میں اُتر گیا تھا۔ اس نے بستر پر ہاتھ پھیرا، وہاں کلثوم نہیں تھی۔ عورت یہ سمجھ کر کہ کلثوم کہیں نکل گئی ہوگی، پلنگ کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گئی۔

ذرا سی دیر بعد کمرے میں دبے پاؤں کسی کی آہٹ سنائی دی جو پلنگ تک گئی۔ عورت نے اُٹھ کر اس پر خنجر کا وار کیا۔ فوراً بعد اس کے اپنے پیٹ میں خنجر اُتر گیا، پھر دونوں طرف سے خنجروں کے وار ہوئے، دونوں باہر کو دوڑیں اور باہر جا کر گر پڑیں۔ حرم کی دوسری عورتوں نے دیکھا کہ ان میں کلثوم نہیں تھی۔ یہ دونوں حرم کی عورتیں تھیں جو کلثوم کو قتل کرنے گئی تھیں۔ اسی روز دونوں نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا مگر یہ غلط فہمی رہی کہ قتل کرنے کون جائے گی۔ اندھیرے کمرے میں دونوں نے ایک دوسری کو کلثوم سمجھا۔

اُس وقت کلثوم محل سے ہی نہیں، کرک سے ہی نکل گئی تھی۔ اسی روز بکر بن محمد کو اپنے جاسوس ساتھیوں کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ حطین میں صلیبیوں کو بہت بُری شکست ہو رہی ہے۔ کرک کے جاسوسوں نے ہی بکر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ کلثوم کو لے کر نکل جائے۔ کلثوم کے لیے رات قلعے کا دروازہ کھلوانا مشکل نہیں تھا۔ سب جانتے تھے کہ یہ شہزادہ ارناط کی چہیتی ہے۔ بکر بن محمد سیبل کے روپ میں اس کے ساتھ اور اُسے شاہی بگھی میں لے جا رہا تھا۔ حرم کی کوئی عورت کلثوم کو جاتے نہیں دیکھ سکی تھی۔

شہر سے دُور جا کر انہیں وہ دو گھوڑے مل گئے جو جاسوسوں کے انتظام کے تحت وہاں انتظار میں کھڑے تھے۔ بگھی وہیں چھوڑ دی گئی۔ کلثوم اور بکر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور غائب ہوگئے۔ دوسرے دن راستے میں انہیں اپنی فوج کے ایک قاصد نے بتایا کہ صلیبیوں کو شکست ہو چکی ہے، ارناط مارا جا چکا ہے اور سلطان ایوبی ابھی حطین اور ناصرہ کے علاقے میں ہے۔ کلثوم سلطان کے پاس جانا چاہتی تھی۔

وہ جھیل گیلیلی پہنچ گئے...... اور جب کلثوم کو سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا تو وہ سلطان کے پاؤں پر گر پڑی۔

''میری بیٹی!''......سلطان ایوبی نے اُسے اُٹھا کر شفقت سے گلے لگایا اور کہا......''میری فتح میں تم جیسی نہ جانے کتنی بیٹیوں کا ہاتھ ہے''۔

''میں اُس کی لاش دیکھنا چاہتی ہوں''......کلثوم نے کہا

''سب کی لاشیں دریا میں پھینک دی گئی ہیں''......سلطان ایوبی نے کہا......''اُسے میں نے اپنے ہاتھوں سزا دی ہے......تمہیں کل قاہرہ بھجوا دیا جائے گا۔ مجھے ابھی بہت دُور جانا ہے، جہاں بھی رہو بیٹی! میرے لیے دُعا کرتی رہنا کہ میں آگے ہی آگے دُور ہی دُور جاتا رہوں اور جہاں شام کو سورج ڈوب جاتا ہے۔ وہاں تک اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچادوں''۔

حطین کی فتح اس لیے بہت اہم تھی کہ اس سے سلطان ایوبی نے ارضِ فلسطین کا دروازہ توڑ لیا اور اُس میں داخل ہو گیا تھا۔ اتنا وسیع علاقہ لے کر اس کے لیے بیت المقدس کی فتح آسان ہو گئی تھی۔ اس نے اس علاقے کو فوجی مستقر بنا لیا اور بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی تیاری اور اسلحہ اور رسد ذخیرہ کرنے لگا۔

......❁......

فصلِ صلیبی جس نے کاٹی تھی

حطین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے جو فتح حاصل کی تھی، وہ معمولی نوعیت کی نہیں تھی۔ سات صلیبی حکمران متحد ہو کر سلطان ایوبی کی جنگی قوت کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے اور اس کے بعد مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے آئے تھے لیکن وہ اپنی جنگی قوت کا یہ حشر کرا بیٹھے جیسے صحرا کا ٹیلہ آندھی سے ریت کے ذرّوں کی صورت میں صحرا میں بکھر جاتا ہے
چار مشہور اور طاقت ور حکمران جنگی قیدی بنے جن میں یروشلم (بیت المقدس) کا حکمران گائی آف لوزینان قابلِ ذکر ہے۔ صلیبی فوج کا مورال ٹوٹ گیا اور سلطان ایوبی کی فوج کا مورال بلند ہو گیا۔
جنگ ختم ہو چکی تھی۔ چھاپہ ماروں کی جنگ جاری تھی۔ وہ بھاگنے والے صلیبی سپاہیوں کو پکڑ رہے تھے۔ صلیبیوں کے حوصلے اس حد تک پست ہو چکے تھے کہ قاضی بہاؤالدین شداد کے الفاظ میں ''ایک شخص نے جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ سچ بولتا ہے، مجھے بتایا کہ اُس نے اپنی فوج کے سپاہی کو دیکھا جو تیس صلیبی سپاہیوں کو خیمے کی ایک ہی رسی سے باندھے ہوئے لا رہا تھا''۔ ایسے مناظر تو کئی ایک دیکھنے میں آئے کہ ایک ایک مسلمان سپاہی کئی کئی صلیبی سپاہیوں کو نہتہ کر کے ہانک کر لا رہا ہے۔ بعض یورپی مورخوں نے صلیبیوں کی اس شکست کے اسی قسم کے کئی واقعات لکھے ہیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی جنگی اہلیت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

بحیرۂ روم کے ساحل پر اسرائیل کے شمال میں عکرہ ایک مشہور شہر تھا جسے بعض نے عکّہ بھی لکھا ہے۔
اس شہر کی شہرت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں صلیبِ اعظم کا محافظ پادری رہتا تھا۔ پچھلی قسط میں سنایا جا چکا ہے کہ وہ صلیب عکرہ کے بڑے گرجے میں رکھی تھی جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی پر مصلوب کیا گیا تھا۔ اُسے صلیب الصلبوت کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے والے بلکہ دُنیائے عرب پر قبضہ کرنے کے لیے لڑنے والے عیسائی اسی صلیب پر حلف اُٹھاتے تھے۔ اسی لیے انہیں صلیبی کہا گیا تھا۔ حلف اُٹھانے والے ہر صلیبی کے گلے میں لکڑی کی چھوٹی سی صلیب تعویذ کی طرح ڈال دی جاتی تھی۔ لہٰذا جتنے صلیبی فوجی جنگ میں گرتے تھے، اتنی ہی صلیبیں گرتی تھیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کو فصلِ صلیبی کہا ہے۔

حطین اور اس کے گرد و نواح کے میل ہا میل علاقے میں اور اس سے بھی دُور دُور جہاں جہاں جنگ لڑی گئی تھی، صلیبیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ مرنے والے تڑپ تڑپ کر مرے تھے۔ معمولی طور پر زخمی ہونے والے بھی مر گئے تھے، جس کی وجہ زخم نہیں پیاس تھی۔ آہن پوش نائٹوں کے لیے زرہ بکتر تنور بن گئی اور ان کی موت کا باعث بنی تھی۔ زخمیوں کو پانی پلانے والا کوئی نہ تھا، نہ کوئی ان کی مرہم پٹی کرنے والا تھا۔ ان میں مسلمان زخمی اور شہید بھی تھے۔ انہیں رات مشعلوں کی روشنی میں اُٹھا لیا گیا تھا۔

آج کے دور کا ایک مورخ انتونی ویسٹ اُس دور کے مورخوں کے حوالے سے لکھتا ہے کہ حطین کے میدانِ

جنگ میں لاشوں کی تعداد تیس ہزار سے اوپر تھیں۔ لاشیں اُٹھانے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ اُن کے جو ساتھی زندہ رہے، وہ جنگی قیدی ہوگئے یا تتر بتر ہو کر بھاگ گئے تھے۔ انتونی ویسٹ نے لکھا ہے کہ ان لاشوں کو مردار خور پرندوں اور درندوں نے کھایا۔ مردار خور اتنے نہیں تھے جتنی لاشیں تھیں۔ بہت سی لاشیں چند دنوں میں ہڈیوں کے سالم ڈھانچوں میں بدل گئیں۔ بلندی سے دیکھنے والے کو حد نگاہ تک زمین ہڈیوں کی وجہ سے سفید نظر آتی تھی۔ ان ہڈیوں میں ہزاروں چھوٹی چھوٹی صلیبیں بکھری ہوئی تھیں جیسے پکے ہوئی فصل سے پھل گر کر خشک ہو گیا ہو۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ فصل کاٹ ڈالی تھی۔ اسے اس علاقے کو لاشوں سے صاف کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اُسے وہاں رُکنا نہیں تھا۔ اس کی منزل بیت المقدس تھی لیکن وہ باتیں عکرہ کی کر رہا تھا۔ عکرہ کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ صلیب الصلبوت کی بدولت اسے وہی مقام حاصل ہو گیا تھا جو ہمارے لیے مکہ معظمہ کا ہے۔ تمام صلیبی حکمران عکرہ جا کر صلیب کے محافظِ اعظم سے دُعا لیتے اور صلیبِ اعظم کو چوم کر میدانِ جنگ میں جاتے تھے، لیکن اب یہ صلیب سلطان صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے باہر پڑی تھی۔ اُس کا محافظِ اعظم پادری مارا جا چکا تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ صلیبی دِل چھوڑ بیٹھے تھے۔

☆

''ہمیں اب سیدھا عکرہ پر یلغار کرنی ہے''...... سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور نائب سالاروں سے کہا...... ''اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے پورا محفوظہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی''...... اس نے سب پر نگاہیں دوڑائیں اور مسکرا کر کہا...... ''یہ نہ سمجھو کہ مجھے آپ کی اور آپ کے دوستوں کی تھکن کا احساس نہیں۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ تمہارا حج مسجد اقصیٰ میں ہوگا۔ اگر ہم یہاں آرام کرنے بیٹھ گئے تو صلیبی کہیں جمع ہو کر تازہ دم ہو جائیں گے۔ میں انہیں زخم چاٹنے کی بھی مہلت نہیں دینا چاہتا''۔

سالار قدرے حیران ہوئے۔ انہیں توقع تھی کہ سلطان بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کا حکم دے گا مگر اُس نے عکرہ پر حملے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس کے پیچھے صلیب الصلبوت رکھی تھی۔ اُس نے صلیب کو دیکھا اور کچھ دیر دیکھتا رہا۔ حاضرین پر خاموشی طاری رہی۔ اس نے اچانک تیزی سے سالاروں کی طرف گھوم کر کہا...... ''میرے رفیقو! یہ دو عقیدوں کی جنگ ہے۔ یہ حق اور باطل کا تصادم ہے۔ اس صلیب پر جما ہوا خون دیکھو۔ یہ خون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہیں۔ یہ خون اس پادری کا نہیں جسے عیسائی دُنیا اس صلیب کا محافظ مانتی تھی اور یہ خون ان راہبوں کا بھی نہیں جنہوں نے یہ اتنی بڑی صلیب میدانِ جنگ میں اُٹھا رکھی تھی۔ وہ سب اللہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں، لیکن یہ خون اُن میں سے کسی کا بھی نہیں۔ یہ باطل کا خون ہے۔ یہ بے بنیاد عقیدے کا اور یہ انسانوں کے بنائے ہوئے نظریئے کا خون ہے''۔

سلطان ایوبی کی آواز میں جذبات کا جوش پیدا ہو گیا۔ اُس نے کہا...... ''میں ہر جنگی مہم جمعہ کے روز شروع کرتا ہوں۔ پیش قدمی جمعہ کے روز کرتا ہوں۔ جمعہ مبارک دِن ہے۔ میں ہر مہم کی ابتدا جمعہ کے خطبے کے وقت کیا کرتا ہوں کیونکہ یہ وقت قبولیت ایزدی کا ہوتا ہے اور جب تم دشمن سے لڑ رہے ہوتے ہو، تم پر تیروں کا مینہ برس رہا ہوتا ہے، دشمن کی منجنیقیں تم پر آگ اور پتھر برسا رہی ہوتی ہیں، اُس وقت قوم کے ہر فرد بشر کے ہاتھ اللہ کے حضور تمہاری سلامتی اور فتح کے لیے اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے کوچ جمعہ کے روز کیا تھا اور اس جنگ کی ابتدا بھی جمعہ کے روز کی تھی؟ اور تم فاتح ہو۔ تمہیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہے۔ یہ ہمارے عظیم عقیدے اور نظریئے کی فتح ہے۔ یہ چاند ستارے اور چوبی صلیب کا معرکہ تھا جو چاند ستارے نے جیت لیا...... میں تم سے یہ باتیں کیوں کہہ رہا ہوں؟ اس لیے کہ تم میں سے کسی کے

دل میں اپنے عقیدے کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ رفع ہو جائے اور تم اللہ کی رسی کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لو.....

''تم شاید حیران ہو رہے ہو کہ میں نے عکرہ پر حملے کا فیصلہ کیوں کیا ہے۔ جذباتی لحاظ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ صلیبیوں نے ایک بار مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ شہزادہ ارناط (کاؤنٹ ریجنالڈ) مکہ معظمہ سے صرف دو کوس دُور رہ گیا تھا۔ میں نے ارناط سے مکہ معظمہ کو بُری نظر سے دیکھنے کا انتقام لے لیا۔ اب مجھے صلیبیوں کے حکمرانوں اور نائٹوں سے انتقام لینا ہے۔ عکرہ ان کا مکہ ہے۔ میں اُسے تہہ تیغ کروں گا۔ مسجد اقصیٰ کی جو بے حرمتی ہو رہی ہے، میں اس کا انتقام لوں گا.....اور جنگی لحاظ سے بیت المقدس سے پہلے عکرہ پر قبضہ کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے صلیبیوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے''۔

سلطان ایوبی نے بہت بڑا نقشہ جو اُس نے اپنے ہاتھ سے بنا رکھا تھا، کھول کر سب کے آگے پھیلایا اور حطین پر اُنگلی رکھ کر کہا..... ''تم اس وقت یہاں ہو''..... وہ اپنی اُنگلی اس طرح عکرہ تک تیزی سے لے گیا جیسے اُس نے کچھ کاٹنے کے لیے خنجر کی نوک چلائی ہو۔ کہنے لگا..... ''میں صلیبیوں کے حکمرانوں کو دو حصوں میں کاٹ کر ان حصوں کے درمیان آ جاؤں گا۔ عکرہ پر قبضہ کر کے میں ٹائر، بیروت، حیفہ، عسقلان اور چھوٹے بڑے تمام ساحلی شہروں اور قصبوں کو تباہ و برباد کروں گا۔ کسی بھی صلیبی کو خواہ وہ فوجی ہے یا غیر فوجی ان علاقوں میں نہیں رہنے دوں گا۔ ساحلی علاقوں پر قبضہ اس لیے بھی ضرورت ہے کہ یورپ کی کچھ اور بادشاہیاں اپنے صلیبی بھائیوں کی مدد کے لیے اپنی فوجیں، مال و دولت اور جنگی سامان بھیجیں گی۔ ساحل تمہارا ہو گا تو دشمن کا کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب نہیں آ سکے گا۔ یہاں سے ہم بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ ہمیں جنگ جاری رکھنی چاہیے''۔

اگر آپ فلسطین (موجودہ اسرائیل) اور لبنان کا نقشہ دیکھیں تو آپ کو جھیل گیلیلی کے کنارے پر حطین اور اس کے بالمقابل سمندر کے کنارے عکرہ نظر آئیں گے۔ جنوب میں یروشلم (بیت المقدس) ہے۔ حطین سے عکرہ پچیس میل اور حطین سے بیت المقدس ستر میل ہے۔ آج کے لبنان اور فلسطین پر صلیبی قابض تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پلان بنایا ہے کہ حطین سے عکرہ تک اس طرح پیش قدمی کرے گا کہ راستے میں آنے والے علاقوں پر قبضہ کرتا جائے گا اور وہاں کے صرف مسلمان باشندوں کو وہاں رہنے دے گا اور صلیبیوں کو وہاں سے نکال دے گا۔ جنگی علوم کے ماہرین نے اُسے نہایت عمدہ پلان کہا ہے۔ سلطان ایوبی نے یہ پلان صلیبیوں کی جنگی قوت کو دو حصوں میں کاٹنے کے لیے ہی بنایا تھا۔ اس کی فوج صلیبیوں کے مقابلے میں صلیبیوں کے اتنے زیادہ جانی نقصان کے باوجود کم تھی، لیکن اُس کی جنگی چالیں صلیبیوں سے برتر اور نقل و حرکت کی رفتار بہت تیز تھی۔

☆

''عکرہ کا دفاع بہت مضبوط ہے''..... سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا..... ''ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہاں جوان اور تندرست مسلمان باشندے قید میں پڑے ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی قید میں ہیں۔ وہاں کے عیسائی شہری شہر کے دفاع میں جان کی بازی لگا کر لڑیں گے۔ چونکہ مسلمان قید میں ہیں، اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ میں لمبا محاصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ تمہاری یلغار طوفانی ہونی چاہیے۔ عکرہ تک ہماری پیش قدمی کی حفاظت چھاپہ مار کریں گے۔ پیش قدمی پھیل کر ہو گی۔ راستے میں کوئی بستی آباد نہ رہے مگر سپاہی مالِ غنیمت کے لیے رُکیں نہیں۔ اس کام کے لیے الگ جیش مقرر کر دیے گئے ہیں''۔

عکرہ میں مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ کوئی بوڑھا یا اپاہج مسلمان آزاد ہوگا۔ باقی سب دہشت زدگی کی زندگی گزار رہے تھے۔ بہاؤ الدین شداد نے ان مسلمانوں کی تعداد جو قید میں تھے چار ہزار سے زائد لکھی ہے۔ شداد کے علاوہ اُس دور کے دو وقائع نگاروں نے پانچ اور چھ ہزار کے درمیان لکھی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ عکرہ مسلمانوں کے لیے قید خانہ تھا۔ کسی مسلمان کی بہو بیٹی کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ صلیبیوں کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان چلتی پھرتی لاشیں بن کے رہ جائیں اور اُن کے بچوں میں مذہب اور قومیت کا احساس ہی پیدا نہ ہو، وہاں کی مسجدیں ویران ہوگئی تھیں۔

۴ جولائی ۱۱۸۷ء کے بعد وہاں کے مسلمانوں پر صلیبیوں نے ظلم و تشدد کا اضافہ کر دیا۔ گھروں میں جو مسلمان تھے، انہیں بھی ہانک کر کھلے قید خانے میں لے گئے۔ یہ ایک طرح کا بیگار کیمپ تھا۔ وہاں مسلمانوں سے مویشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ۵ جولائی ۱۱۸۷ء کے بعد انہیں کام کے لیے باہر نہ نکالا گیا اور اُس پر پہرہ اور سخت کر دیا گیا۔ اس سے ان بدنصیبوں نے اندازہ لگالیا کہ صلیبیوں کو کہیں شکست ہوئی ہے یا اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ عورتیں خدا کے حضور گڑگڑانے لگیں۔ سجدوں پہ سجدے کرنے لگیں۔ قید خانے میں سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ ماؤں نے ننھے ننھے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر دُعا کے لیے اُٹھائے اور کہا..... ''بیٹا! کہو اللہ اسلام کو فتح دے۔ کہو، میرے اللہ باہر کے مسلمانوں کو ہمت دے کہ ہمیں ظالموں کی بستی سے نکال لے جائیں''۔

سینکڑوں بچے اور سینکڑوں عورتیں اللہ کے حضور دست بدعا تھیں۔ بچے اپنی ماؤں کو سسکتا دیکھ کر رونے لگے تھے۔ انہیں آہ و بکا سنائی دی اور اس کے ساتھ کوڑوں کے زناٹے بھی سنائی دینے لگے۔ سب سہم گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بہت سے قیدی لائے جا رہے تھے۔ یہ شہر کے وہ باشندے تھے جو گھروں میں تھے۔ اُن کی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے آئے تھے، اُن پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔

۶/۷ جولائی کی درمیانی رات آدھی گزر گئی تھی جب شہر میں بڑبونگ بپا ہوگئی اور آگ کے شعلے کہیں کہیں سے بلند ہونے لگے۔ تیر اس کھلے قید خانوں میں بھی گرنے لگے۔ ان قیدیوں کے اردگرد خشک خاردار جھاڑیوں کی گھنی باڑ بچھی ہوئی تھی اور رسّوں کے جال بھی تنے ہوئے تھے۔ رات کو قید خانے کے اِردگرد جگہ جگہ مشعلیں جلا کر رکھ دی گئیں تاکہ قیدیوں پر نظر رکھی جا سکے۔ کسی قیدی نے باہر سے آیا ہوا ایک تیر اُٹھا کر مشعل کی روشنی میں دیکھا تو اس نے چلا کر کہا..... ''میں اس تیر کو پہچانتا ہوں۔ یہ اسلامی فوج کا تیر ہے''۔

رسّوں کے جال میں سے ایک تیر سنسناتا آیا جو اس قیدی کے سینے میں اُتر گیا۔ یہ کسی صلیبی سنتری نے اس مسلمان کو خاموش کرنے کے لیے چلایا تھا۔ شہر جاگ اُٹھا۔ شہر اور قلعے کی دیواروں پر بھاگ دوڑ اور شور میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور کمانوں سے تیر نکلنے کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھی۔ باہر ''اللہ اکبر'' کے نعرے گرجنے لگے تھے۔ دھمک دھمک کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ یہ بڑے بڑے پتھر تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی منجنیقیں دیوار کے کسی ایک مقام پر پھینک رہی تھیں۔

☆

یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا محاصرہ تھا جو محاصرہ کم اور یلغار زیادہ تھی۔ شہر میں آگ پھینکنے والی منجنیقوں کے علاوہ دروازوں اور دیوار پر وزنی پتھر پھینکنے والی بڑی منجنیقیں بھی استعمال کی جا رہی تھیں۔ بلند مچانیں ساتھ لائی گئی تھیں۔ ہر ایک مچان میں دس اور بیس تک سپاہی کھڑے ہو سکتے تھے۔ اُن کے نیچے پہیے تھے۔ انہیں گھوڑے یا اونٹ کھینچتے تھے۔ یہ

متحرک مچانیں دیوار تک لے جائی جاتی تھیں مگر صلیبی شہر کے دفاع میں بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ شہری بھی اپنی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے۔ وہ سلطان ایوبی کی متحرک مچانوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مار کر مسلمان سپاہیوں کو ختم کر دیتے تھے۔ بعض مچانیں جو دیوار کے قریب چلی گئی تھیں، ان پر صلیبیوں نے جلتی ہوئی مشعلیں پھینکیں اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینک کر انہیں جلا ڈالا۔

اندر قیدی کیمپ میں اب یہ کیفیت تھی کہ ہزار ہا قیدی ایک ہی آواز میں لا الٰہ الا اللّٰہ کا بلند ورد کر رہے تھے۔ عورتوں نے جھولیاں پھیلا رکھی تھیں اور بہتے آنسوؤں سے مردوں کے ساتھ آواز ملا کر کلمہ شریف کا ورد کر رہی تھیں۔ پھر کسی نے بلند آواز سے کہا..... نصر ”من اللّٰہ وفتح وقریب“ ..... فوراً ہی تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کی آوازیں ایک آواز بن گئی جو جنگ کے شور وغل سے زیادہ بلند تھیں اور سارے شہر میں سنائی دے رہی تھی۔

دو تین سنتری اندر آ گئے۔ وہ قیدیوں کو خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ تین چار جوشیلے جوان اُٹھے اور سنتریوں پر ٹوٹ پڑے۔ پھاٹک کھلا تھا۔ باقی قیدی باہر کو دوڑے مگر تیروں کی بوچھاڑ نے آگے والوں کو گرا دیا، پھر گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ سواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ قیدی اندر کو بھاگے اور جو پیچھے رہ گئے تھے، وہ سواروں کی برچھیوں سے شہید ہو گئے۔ فرار کامیاب نہ ہو سکا۔ عورتیں اور بچے اللّٰہ کے حضور سجدے کرنے لگے اور پھر سب ایک ہی آواز میں کلام پاک کا ورد کرنے لگے۔

رات بھر سلطان ایوبی کے جانباز جیش دیوار تک پہنچنے اور شگاف ڈالنے یا سرنگ کھودنے کے لیے آگے بڑھتے رہے اور اوپر سے صلیبی ان پر تیر، پتھر اور آگ پھینکتے رہے۔ سلطان ایوبی بے دریغ قربانی دے رہا تھا۔ شہر کی دیوار کے ایک مقام پر بڑی منجنیقوں سے وزنی پتھر مارے جا رہے تھے۔ صبح طلوع ہوئی تو دیوار پر ہر طرف عکرہ کے شہری اور فوجی مکھیوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ وہ تیر برسا رہے تھے۔ یہ بھی نظر آیا کہ دیوار ایک جگہ سے پھٹ رہی تھی۔ سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ذرا پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ جہاں سے دیوار پھٹ رہی ہے، اس کے اوپر اور دائیں بائیں سے دشمن پر تیروں کا مینہ برسا دو۔ اس نے دوسری طرف سے بھی تیر انداز بلا کر اسی مقام پر مرکوز کر دیئے۔ اُس نے سرنگیں کھودنے والے جیش سے کہا کہ دوڑ کر دیوار تک پہنچیں۔

جانبازوں کا جیش پہنچ گیا۔ دیوار کے اوپر اتنے زیادہ اور اتنے تیز تیر برسائے جا رہے تھے کہ اوپر والوں کے لیے سر اُٹھانا محال ہو گیا۔ جانبازوں نے دیوار میں اتنا شگاف ڈال لیا جس میں سے دو آدمی بیک وقت گزر سکتے تھے۔ سپاہیوں میں اس قدر جوش وخروش تھا کہ وہ حکم کے بغیر شگاف کی طرف اُٹھ دوڑے اور ایک دوسرے کے پیچھے اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے دیوار کے اوپر سے نیچے آتے اتنا وقت لگا دیا کہ بہت سے مسلمان سپاہی اندر چلے گئے۔ صلیبیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا مگر ان مسلمان عورتوں اور معصوم بچوں کی دُعائیں جو اندر قید میں پڑے کفار کا ظلم وستم سہ رہے تھے، عرش تک پہنچ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کی دراصل قوت تو یہ تھی۔

☆

شہر کے اندر بھگدڑ بپا ہو گئی۔ وہاں یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ صلیب الصلبوت مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہے اور اس کا محافظ اعظم مارا گیا ہے۔ حطین کی جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی سپاہی بھی اس شہر میں آئے تھے۔ کچھ زخمی بھی پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی شکست اور پسپائی کو برحق ثابت کرنے کے لیے بڑی دہشت ناک افواہیں پھیلائی تھیں۔ اُن

کے اثرات اس وقت سامنے آئے جب سلطان ایوبی کے جانبازوں نے دیوار توڑ ڈالی اور رُکے ہوئے سیلاب کی طرح اندر جانے لگے۔ صلیبیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن شہریوں میں بھگدڑ بپا ہوگئی۔ وہ شہر سے بھاگنے کے لیے دروازوں پر ٹوٹ پڑے اور سپاہیوں کے روکنے کے باوجود تین دروازے کھول دیئے۔

شہریوں کا ہجوم دروازوں میں پھنس گیا۔ مسلمان سواروں نے اپنے کمان داروں کے حکم سے گھوڑوں کو ایڑ لگادی۔ گھوڑے شہریوں کو کچلتے ہوئے اندر چلے گئے، پھر مجاہدین کے سیلاب کو کوئی نہ روک سکا۔ تمام دروازے کھل گئے اور صلیبی ہتھیار ڈالنے لگے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے عکرہ کا حکمران سلطان صلاح الدین ایوبی کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبی فوج کے جرنیلوں اور دیگر کمانڈروں کو الگ کردیا اور اُس جگہ چلا گیا جہاں مسلمانوں کے پورے پورے کنبے قید میں پڑے تھے۔ ان کے سنتری بھاگ گئے تھے اور قیدی پھاٹک اور رسّوں کا جال توڑنے کی کوشش کررہے تھے۔

سلطان ایوبی ان سے دُور ہی رُک گیا۔ یہ تو انسانی لاشیں تھیں۔ اُس نے عورتوں اور بچوں کو دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''جاؤ، رسّے کاٹ دو۔ انہیں آزاد کردو''...... سلطان ایوبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا...... ''اور انہیں یہ نہ بتانا کہ میں شہر میں موجود ہوں۔ میں اُن کا سامنا نہیں کرسکتا''۔

سلطان ایوبی کے حکم پر چند ایک سوار سرپٹ گھوڑے دوڑا کر پہنچے۔ انہوں نے لکڑی کا پھاٹک توڑ دیا۔ کئی جگہوں سے رسّوں کا جال کاٹ کر جھاڑیاں ہٹادیں۔ قیدیوں کا ہجوم بھگدڑ کے انداز سے نکل رہا تھا۔ سواروں نے اُن پر قابو پانے کے لیے چلا چلا کر کہا...... ''آرام سے نکلو۔ اب تمہیں پکڑنے کوئی نہیں آئے گا۔ وہ دیکھو۔ قلعے پر تمہارا جھنڈا لہرا رہا ہے''۔

''انہوں نے ہمارے گناہوں کی سزا بھگتی ہے''...... سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے ایک سالار سے کہا...... ''یہ غداروں کے گناہ تھے جن کی سزا ان معصوموں کی ملی۔ اپنے دین کے دشمنوں کو دوست سمجھنے والوں نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ قوم کا کیا حشر ہوگا۔ اگر میرا راستہ تخت و تاج کے شیدائی اور غدار نہ روک لیتے تو ہمارے ان ہزاروں بچوں اور بیٹیوں کی یہ حالت نہ ہوتی...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محبت اور امن کا سبق دیا تھا لیکن صلیب کے پجاریوں میں مسلمانوں کے خلاف اتنی نفرت بھری ہوئی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے فرمان کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ دُنیا میں صرف دو مذہب باقی رہیں گے۔ اسلام اور عیسائیت۔ اگر ہم نے دِل سے دُنیا کی جھوٹی لذتوں کو نہ نکالا تو عیسائیت ہماری اس کمزوری سے اسلام کا خاتمہ کردے گی''۔

سلطان ایوبی اُس جگہ گیا جہاں صلیبی جرنیل اور دیگر کمانڈر الگ کھڑے تھے۔ اُس نے کہا...... ''ان سب کو ساحل پر لے جاؤ اور سب کو قتل کرکے سمندر میں پھینک دو۔ دوسرے جنگی قیدیوں میں سے چھانٹی کرلو، جنہیں زندہ رکھنا چاہتے ہو، انہیں دمشق بھیج دو اور باقی سب کو ختم کردو۔ کسی نہتے شہری پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ ان میں سے جو شہر سے جانا چاہتے ہیں انہیں مت روکو، جو یہاں رہنا چاہتے ہیں، انہیں عزت سے رہنے دو''۔

۸ جولائی ۱۱۸۷ء عکرہ پر قبضہ مکمل ہو چکا تھا۔

رات جب سلطان ایوبی کھانے سے فارغ ہوا تو اسے اطلاع دی گئی کہ ایک نہایت اہم قیدی اُس کے سامنے لایا جارہا ہے۔

''کون ہے وہ؟''

''ہرمن''۔ سلطان کو بتایا گیا۔ ''صلیبیوں کا علی بن سفیان''۔

قارئین نے اس سلسلے کی پچھلی کہانیوں میں ہرمن کا نام کئی بار پڑھا ہوگا۔ یہ علی بن سفیان کی طرح صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا اور کردار کشی کا ماہر، جو صلیبی اور یہودی لڑکیاں مسلمان علاقوں میں جاسوسی اور کردار کشی کے لیے بھیجی جاتی تھیں، انہیں ٹریننگ دینے والا ہرمن تھا۔ وہ اپنی بہت سی لڑکیوں کے ساتھ عکرہ میں تھا اور پکڑا گیا۔ وہ شہر سے نکل رہا تھا لیکن ایوبی کا ایک جاسوس اس کے تعاقب میں تھا۔ اس نے ہرمن کو اس کے بہروپ میں بھی پہچان لیا۔ وہ لڑکیوں کو کسان عورتوں جیسا لباس پہنا کر ساتھ لے جا رہا تھا۔ جاسوس نے ایک کمان دار کو بتایا۔

کمان دار نے دو تین سپاہیوں کے ساتھ ہرمن اور اُس کے زنانہ قافلے کو گھیر لیا۔ ہرمن لڑکیوں کے علاوہ اپنے ساتھ سونا بھی لے جا رہا تھا۔ اس نے لڑکیاں کمان دار اور اس کے سپاہیوں کے سامنے کھڑی کر دیں اور سونا اُن کے آگے رکھ کر دیا۔ بولا...... ''جسے جو لڑکی پسند ہے لے لے اور یہ سونا بھی آپس میں بانٹ لو''۔

''مجھے تمام لڑکیاں پسند ہیں''۔ کمان دار نے کہا...... ''اور میں سارا سونا لے لوں گا۔ تم بھی میرے ساتھ چلو''۔

وہ ان سب کو ساتھ لے آیا اور ان سب کو سونے سمیت سلطان ایوبی کے ذاتی عملے کے حوالے کر دیا۔ ہرمن سلطان ایوبی کے لیے اہم اور قیمتی قیدی تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے کمرے میں داخل کر دیا گیا۔

''تم میری زبان جانتے ہو ہرمن!''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اس لیے میری زبان میں بات کرو۔ میں تمہارے فن اور تمہاری دانش مندی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تمہاری قدر جتنی میں کر سکتا ہوں، اتنی تمہارے حکمران نہیں کر سکے۔ میں تمہارے ساتھ کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

''اگر آپ مجھ سے باتیں کیے بغیر میرے قتل کا حکم دے دیں تو زیادہ اچھا ہوگا''۔ ہرمن نے کہا...... ''اگر مجھے عکرہ کی فوج کے جرنیلوں اور کمانڈروں کی طرح قتل ہونا اور میری لاشوں کو مچھلیوں کی خوراک بننا ہے تو باتیں کرنے سے کیا حاصل؟''

''تم قتل نہیں ہوگے ہرمن!''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں جسے قتل کرایا کرتا ہوں، اس کی صرف صورت دیکھا کرتا ہوں، اُس سے کبھی بات نہیں کی''۔

سلطان نے دربان کو بلایا اور اُسے کہا کہ ہرمن کو شربت پیش کرے۔ ہرمن کے چہرے پر رونق آ گئی۔ وہ عرب کے اس رواج سے واقف تھا کہ عربی میزبان دشمن کو پانی یا شربت پیش کرے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے دل سے دشمنی نکال دی ہے اور اُس نے جاں بخشی کر دی ہے۔ دربان نے شربت پیش کیا جو ہرمن نے پی لیا۔

''آپ مجھ سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کون کون سے علاقے میں ہماری کتنی فوج ہے''...... ہرمن نے کہا...... ''اور آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ اُن کی لڑنے کی اہلیت کیسی ہے''۔

''نہیں''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''یہ تم مجھ سے پوچھو کہ تمہارے کس علاقے میں کتنی فوج ہے۔ میرے جاسوس تمہارے سینے کے اندر بیٹھے رہے ہیں...... اور اب مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کہاں کتنی فوج ہے۔ حطین میں تمہاری فوج تھوڑی نہیں تھی۔ تھوڑی فوج میری تھی۔ اب اور تھوڑی رہ گئی ہے۔ ارضِ مقدس سے اب مجھے کوئی فوج نہیں نکال سکتی۔ تم یہ خبر سنو گے کہ صلاح الدین ایوبی مر گیا ہے، پسپا نہیں ہوا''۔

''اگر آپ کے تمام کمان دار اس کمان دار کے کردار کے ہیں جو مجھے پکڑ لایا ہے تو میں آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو بڑی سے بڑی فوج بھی یہاں سے نہیں نکال سکتی''۔ ہرمن نے کہا...... ''میں نے اسے جو لڑکیاں پیش کی تھیں، انہوں نے آپ کے پتھروں جیسے سالاروں اور قلعہ داروں کو موم کیا اور صلیب کے سانچے میں ڈھالا ہے اور سونا ایسی

چیز ہے جس کی چمک آنکھوں کو نہیں، عقل کو اندھا کر دیتی ہے۔ میں سونے کو شیطان کی پیداوار کہا کرتا ہوں۔ آپ کے کمان دار نے سونے کی طرف دیکھا تک نہیں۔ میری نظر انسانی فطرت کی کمزوریوں پر رہتی ہے۔ لذت اور ذہنی عیاشی ایمان کو کھا جاتی ہے۔ میں نے آپ کے خلاف یہی ہتھیار استعمال کیا ہے۔ جب یہ کمزوریاں کسی جرنیل میں پیدا ہو جاتی ہیں یا پیدا کر دی جاتی ہیں تو شکست اس کے ماتھے پر لکھ دی جاتی ہے۔ میں نے آپ کے ہاں جتنے غدار پیدا کیے ہیں، ان میں پہلے یہی کمزوریاں پیدا کی تھیں۔ حکومت کرنے کا نشہ انسانوں کو لے ڈوبتا ہے"۔

''میری فوج کے کردار کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟'' سلطان ایوبی نے پوچھا۔

''اگر آپ کی فوج کا کردار ویسا ہی ہوتا، جیسا میں بنانے کی کوشش کر رہا تھا تو آج آپ کی فوج یہاں نہ ہوتی''...... ہرمن نے کہا...... ''اگر آپ بدکردار حکمرانوں، امیروں، وزیروں اور سالاروں کو ختم نہ کر چکے ہوتے تو وہ آپ کو کبھی کے ہماری قید میں ڈال چکے ہوتے۔ میں آپ کی تعریف کروں گا کہ آپ نے دل میں حکومت کی خواہش نہیں رکھی''۔

''ہرمن!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں نے تمہاری جان بخشی کی ہے۔ تمہیں اپنا دوست کہا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں اپنی فوج کے کردار کو کس طرح مضبوط اور بلند رکھ سکتا ہوں اور میرے مرنے کے بعد یہ کردار کس طرح مضبوط رہ سکتا ہے''۔

محترم سلطان!'' ہرمن نے کہا...... ''میں آپ کو جاسوسی اور سراغ رسانی کا اُستاد سمجھتا ہوں۔ آپ صحیح مقام پر ضرب لگاتے ہیں۔ آپ کا جاسوسی کا نظام نہایت کارگر ہے۔ علی بن سفیان، حسن بن عبداللہ اور بلبیس جیسے جاسوسی کے ماہرین کی موجودگی میں آپ ناکام نہیں ہو سکتے، مگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ یہ صرف آپ کی زندگی تک ہے۔ ہم نے آپ کے ہاں جو بیج بویا ہے، وہ ضائع نہیں ہوگا۔ آپ چونکہ ایمان والے ہیں، اس لیے آپ نے بے دین عناصر کو دبا لیا ہے۔ خانہ جنگی کس نے کرائی تھی؟...... ہم نے۔ ہم نے آپ کے اُمراء کے دلوں میں حکومت، دولت، لذت اور عورت کا نشہ بھر دیا ہے۔ آپ کے جانشین اس نشے کو اُتار نہیں سکیں گے۔ میرے جانشین اس نشے کو تیز کرتے رہیں گے......

''محترم سلطان! یہ جنگ جو ہم لڑ رہے ہیں، یہ میری اور آپ کی، یا ہمارے بادشاہوں کی اور آپ کی جنگ نہیں۔ یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگ ہے جو ہمارے مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی۔ ہم میدانِ جنگ میں نہیں لڑیں گے۔ ہم کوئی ملک فتح نہیں کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے دل و دماغ کو فتح کریں گے۔ ہم مسلمانوں کے مذہبی عقائد کا محاصرہ کریں گے۔ ہماری یہ لڑکیاں، ہماری دولت اور ہماری تہذیب کی کشش، جسے آپ بے حیائی کہتے ہیں، اسلام کی دیواروں میں شگاف ڈالیں گی، پھر مسلمان اپنی تہذیب سے نفرت اور یورپ کے طور طریقوں سے محبت کریں گے۔ وہ وقت آپ نہیں دیکھیں گے، میں نہیں دیکھوں گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی''۔

سلطان ایوبی جرمن نژاد ہرمن کی باتیں بڑی غور سے سن رہا تھا۔ ہرمن کہہ رہا تھا...... ''ہم نے فارس، افغانستان یا ہندوستان پر جا قبضہ کیوں نہیں جمایا؟ ہم نے عرب کو کیوں میدانِ جنگ بنایا ہے؟...... صرف اس لیے کہ ساری دُنیا کے مسلمان اسی خطے کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور یہاں مسلمانوں کا کعبہ ہے۔ ہم مسلمانوں کے اس مرکز کو ختم کر رہے ہیں۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد اقصیٰ سے آسمانوں پر گئے تھے۔ ہم نے اس کی منڈیر پر صلیب رکھ دی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ اُن کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ اُن کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی یہاں آئے اور یہاں سے معراج کو گئے تھے''۔

''ہرمن!'' سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں تمہارے نظریئے اور عزائم کی تعریف کرتا ہوں۔ اپنے مذہب کے

ساتھ ہر کسی کو اسی طرح وفادار ہونا چاہیے جیسے تم ہو۔ زندہ وہی قوم رہتی ہے جو اپنے مذہب اور اپنی معاشرتی اقدار کی پاسبانی کرے اور اُن کے گرد ایسا حصار کھینچے کہ کوئی باطل نظریہ انہیں نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں جانتا ہوں کہ یہودی ہمارے ہاں نظریاتی تخریب کاری کر رہے ہیں اور وہ تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ میں بیت المقدس جا رہا ہوں اور اسی غرض سے جا رہا ہوں جس غرض سے تم یہاں آئے ہو۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز ہے۔ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہاں سے معراج کی سعادت بخشی تھی۔ میں اسے صلیب کے قبضے سے چھڑاؤں گا''۔

''پھر کیا ہوگا؟'' ہرمن نے کہا...... ''پھر آپ اس دُنیا سے اُٹھ جائیں گے۔ مسجد اقصیٰ پھر ہماری عبادت گاہ بن جائے گی۔ میں جو پیشین گوئی کر رہا ہوں، یہ اپنی اور آپ کی قوم کی فطرت کو بڑی غور سے دیکھ کر، کر رہا ہوں۔ ہم آپ کی قوم کو ریاستوں اور ملکوں میں تقسیم کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیں گے اور فلسطین کا نام ونشان نہیں رہے گا۔ یہودیوں نے آپ کی قوم کے لڑکوں اور لڑکیوں میں لذت پرستی کا بیج بونا شروع کر دیا ہے۔ ان میں سے اب کوئی نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی پیدا نہیں ہوگا''۔

سلطان ایوبی کا ذہن فارغ نہیں تھا۔ اس نے ہرمن سے مُسکرا کر ہاتھ ملایا اور کہا...... ''تمہاری باتیں بہت قیمتی ہیں۔ میں تمہیں دمشق بھیج رہا ہوں، وہاں تمہیں معزز قیدیوں میں رکھا جائے گا''۔

''اور یہ لڑکیاں جو میرے ساتھ ہیں؟''

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد بولا...... ''میں عورتوں کو جنگی قیدی نہیں بنایا کرتا، انہیں قتل کر کے سمندر میں پھینک سکتا ہوں''۔

''محترم سلطان! یہ بہت ہی خوب صورت لڑکیاں ہیں''۔ ہرمن نے کہا...... ''آپ انہیں ایک نظر دیکھیں تو آپ انہیں قتل نہیں کریں گے، قید میں بھی نہیں ڈالیں گے۔ آپ کے مذہب میں لونڈی کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت ہے۔ لونڈیوں کو حرم میں رکھا جا سکتا ہے''۔

''میرے مذہب نے ایسی عیاشی کی اجازت کبھی نہیں دی''۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ ''میں اپنے گھر میں یا کسی بھی مسلمان کے گھر سانپ نہیں پال سکتا''۔

''مگر اُن کا کوئی قصور نہیں''۔ ہرمن نے کہا...... ''انہیں اس کام کے لیے بچپن سے تیار کیا گیا تھا''۔

''اسی لیے میں ان کے قتل کا حکم نہیں دے رہا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں انہیں چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ میں تمہاری اس سوچ کی تعریف کرتا ہوں کہ تم یہ شیریں زہر میری قوم میں پھیلانا چاہتے ہو لیکن میں بھی تمہاری طرح سوچ سکتا ہوں۔ انہیں کہہ دو کہ عکرہ سے نکل جائیں۔ ان میں کوئی بھی یہاں کہیں یا جہاں کہیں میں گیا نظر آ گئی تو اُسے قتل کر دیا جائے گا''۔

☆

سلطان ایوبی نے دو تین دنوں میں عکرہ میں اپنی حکومت قائم کر دی۔ مسجدوں کو صاف کرایا۔ جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا، اس میں سے خاصا حصہ اپنی فوج میں تقسیم کیا۔ کچھ اُن مسلمان گھرانوں کو دیا جو قید میں پڑے رہے تھے مگر اس کی دلچسپیوں کا مرکز فلسطین کا نقشہ تھا۔ اُس کی اُنگلی آج کے لبنان اور اسرائیل کے ساحل کے ساتھ ساتھ نقشے پر چل رہی تھی اور اس کے دل ودماغ پر بیت المقدس غالب تھا۔ اُسے اِدھر اُدھر کی کوئی ہوش نہیں تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ اس کا کون سا دستہ

کہاں ہے۔ چھاپہ مار دستوں کی تقسیم نہایت اچھی تھی۔ اُن کا دوسرے دستوں کے ساتھ باقاعدہ رابطہ تھا۔

''سلطانِ عالی مقام!'' سلطان ایوبی کو حسن بن عبداللہ کی آواز سنائی دی۔

''حسن!'' سلطان نے نقشے سے آنکھیں ہٹائے بغیر کہا..... ''جو کہنا ہوتا ہے، فوراً کہہ دیا کرو۔ ہمارے پاس وقت نہیں کہ ہر بات سرکاری طور طریقوں سے کریں۔ میرا مقام اُس روز عالی ہوگا جس روز میں فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوں گا''۔

''تریپولی سے اطلاع آئی ہے کہ ریمانڈ مر گیا ہے''۔

''زخمی تھا؟''

''نہیں سلطان!'' حسن بن عبداللہ نے جواب دیا..... ''وہ صحیح و سلامت تریپولی پہنچا تھا۔ دوسرے دن اپنے کمرے میں مرا ہوا پایا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے خودکشی کی ہو''۔

''وہ اتنا خوددار اور غیور نہیں تھا''۔ سلطان ایوبی نے کہا..... ''وہ پہلے بھی کئی بار شکست کھا کر میدان سے بھاگ چکا ہے۔ بہر حال مجھے اُس کے مرنے کا افسوس ہے۔ اس نے مجھے قتل کرانے کے لیے حشیشین سے تین حملے کرائے تھے''۔

مورخین نے ریمانڈ آف تریپولی (موجودہ لبنان) کی موت کی مختلف وجوہات لکھی ہیں۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے پھیپھڑوں کی بیماری لکھی ہے لیکن زیادہ تر نے لکھا ہے کہ اُسے حشیشین نے زہر دے دیا تھا۔ ریمانڈ دوغلے کردار کا اور سازشی ذہن کا صلیبی حکمران تھا۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کرانے میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔ صلیبی حکمرانوں میں منافرت پھیلانے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ اُس کا یارانہ حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی پر اُس نے ایک دو قاتلانہ حملے کرائے تھے۔ اُس نے ایک دو صلیبی حکمرانوں کو بھی فدائی حشیشین سے قتل کرانے کی کوشش کی تھی مگر نہ صرف ناکام رہا بلکہ جنہیں وہ قتل کرانا چاہتا تھا، انہیں اس کے منصوبے کا علم بھی ہوگیا تھا۔ اُس دور کے کاتبوں اور وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے اشارے ملتے ہیں کہ ریمانڈ اتحادیوں کے ساتھ صلیب الصلبوت پر حلف اُٹھا کر حطین کے میدان میں گیا تھا لیکن بھاگ آیا۔ تریپولی پہنچا تو اگلے ہی روز اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ زندگی کی آخری رات حشیشین کا سردار شیخ سنان اُس کے پاس گیا تھا۔

اس سے پہلے ایک اور مشہور صلیبی حکمران بالڈون مر گیا تھا۔ یہ فرنگیوں (فرینکس) کا جنگجو بادشاہ تھا۔ آپ نے اس کا ذکر ان کہانیوں میں کئی بار پڑھا ہوگا۔ بیت المقدس اس کی عمل داری میں تھا۔ بالڈون جنگی امور کا ماہر تھا۔ وہ جانتا تھا سلطان ایوبی بیت المقدس کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ بالڈون نے بیت المقدس کو بچانے کا یہ اہتمام کیے رکھا کہ اپنی فوجیں مسلمان علاقوں میں گھماتا پھراتا اور لڑتا رہا اور یہ اس کی قابلیت کا ثبوت ہے کہ اس نے عزالدین، سیف الدین اور گمشتگین کو متحد کر کے سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا کر دیا تھا اور اس محاذ کو وہ جنگی ساز و سامان، شراب، زر و جواہرات اور حسین لڑکیوں سے مستحکم کرتا رہتا تھا۔ بوڑھا آدمی تھا۔ جنگِ حطین سے چند روز پہلے مر گیا۔ اس کی جگہ گائی آف لوزینان نے بیت المقدس کی حکومت سنبھال لی تھی۔

☆

تاریخ آج تک کمانڈو اور گوریلا آپریشن کی ایسی مثال پیش نہیں کر سکی جیسی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستوں نے کی [illegible] تباہی بپا کر سکتے ہیں لیکن کسی علاقے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ قبضہ فوج کیا کرتی ہے بشرطیکہ

وہ فوج تیز ہوا اور چھاپہ ماروں کی بپا کی ہوئی افراتفری اور تباہی کے فوراً بعد حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں اور فوج کو مشن دے دیا تھا، جو مختصراً یوں تھا کہ بیت المقدس کے اِردگرد، دُور دُور تک کے علاقوں سے صلیبی کو بے دخل اور تباہ کرنا، ساحلی علاقوں کی قلعہ بندیوں پر قبضہ کرنا اور دشمن کا جس قدر اسلحہ اور رسد ہاتھ آئے، اُسے محفوظ مقامات پر ذخیرہ کرنا۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو واضح مقصد دے رکھا تھا۔ یہی اُس کی اصل قوت تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہہ رکھا تھا کہ جس شہر اور قصبے پر قبضہ کرو، وہاں کے مسلمانوں کی حالت اپنے سپاہیوں کو دکھاؤ، انہیں وہ مسجدیں دکھاؤ، جنہیں صلیبیوں نے ویران کیا اور بے حرمتی کی تھی۔ انہیں وہ مسلمان خواتین دکھاؤ جو صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوتی رہیں۔ انہیں اچھی طرح دکھاؤ کہ ہمارا دشمن کیسا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کا چھوٹے سے چھوٹا دستہ بڑے سے بڑے دستے پر قہر بن کر ٹوٹا۔ سپاہیوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا جو سلطان ایوبی انہیں دکھانا چاہتا تھا۔ یہ دیوانگی کی کیفیت تھی، ایک جنون تھا، سلطان ایوبی کے کانوں میں ایک ہی آواز پڑتی تھی...... ''فلاں قصبے پر قبضہ کر لیا گیا ہے...... فلاں مورچے سے صلیبی پسپا ہو گئے ہیں''...... سپاہی آرام کے بغیر مسلسل لڑ اور بڑھ رہے تھے مگر ایک روز سلطان ایوبی سر سے پاؤں تک ہل گیا۔

وہ اپنے کمرے میں نقشے پر جھکا ہوا اپنی ہائی کمان کے سالاروں اور مشیروں سے اگلا پلان تیار کر رہا تھا، باہر شور اُٹھا۔ ''میں تمہارے سلطان کو بھی قتل کر دوں گا۔ تم صلیب کے پجاری ہو۔ چھوڑ دو مجھے...... نعرۂ تکبیر...... اللہ اکبر''...... یہ ایک ہی آدمی کی آواز تھی۔ اس کے ساتھ کئی اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں...... ''یہاں سے لے جاؤ اُسے...... سلطان خفا ہوں گے...... مار دو۔ جان سے مار دو اسے...... اس کے منہ پر پانی پھینکو...... پاگل ہو گیا ہے''۔

سلطان ایوبی دوڑ کر باہر نکلا۔ اُسے توقع تھی کہ کوئی صلیبی سپاہی ہو گا مگر وہ اس کی اپنی فوج کا ایک کمان دار تھا جس کے دونوں ہاتھ خون سے لال تھے اور اُس کے کپڑوں پر خون ہی خون تھا۔ اُس کی آنکھیں خون کی طرح گہری لال تھیں اور اُس کے ہونٹوں کے کونوں سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ اُسے چار آدمیوں نے بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا، وہ قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

''چھوڑ دو اُسے''۔ سلطان ایوبی نے گرج کر کہا۔

''سلطان!'' اس کمان دار نے قہر بھری آواز میں کہا۔ ''یہاں آ کر تمہاری سب فوج بے غیرت ہو گئی ہے۔ کفار کیوں زندہ نکل رہے ہیں۔ تم ہمارے سلطان بنے پھرتے ہو، تم نے ان مسلمان عورتوں اور بچوں کو دیکھا تھا جو قید میں پڑے تھے؟''۔

سلطان کے محافظ دستے کے کمانڈر نے لپک کر اس کمان دار کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کمان دار نے اس کمانڈر کے بازو کو پکڑ کر اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ کمانڈر اس کے کندھوں کے اوپر سے ہوتا ہوا سلطان ایوبی کے سامنے جا پڑا۔

''مت روکو اسے بولنے سے''...... سلطان ایوبی نے ایک بار پھر گرج کر کہا...... ''آگے آؤ دوست! مجھے بتاؤ انہوں نے تمہیں کیوں پکڑ لیا ہے؟''۔

بات یہ کھلی کہ وہ ایک جیش کا کمان دار تھا۔ اسے یہ فرض سونپا گیا تھا کہ جو مسلمان کئی قید میں پڑے رہے تھے، ان کے گھروں میں اناج وغیرہ پہنچائے اور ان میں جو بیمار ہیں، انہیں فوج کے طبیبوں کے پاس بھیجے۔ اس کام کے لیے سو سو سپاہیوں کے دو جیش مقرر کیے گئے تھے۔ یہ کمان دار مظلوم مسلمانوں کے گھروں میں جاتا رہا۔ ان سے اُسے معلوم ہوتا رہا کہ عیسائیوں نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ یہ تفصیلات بڑی ہی دردناک اور بڑی ہی شرم ناک تھیں۔ اس کمان دار

نے اپنی فوج کے سپاہیوں کو مسجدیں صاف کرتے دیکھا۔ ایک مسجد میں دو عورتوں کی برہنہ لاشیں نکلیں جو گل سڑ رہی تھیں۔ یہ اس کمان دار نے دیکھ لیں۔

لاشیں نکالنے اور مسجد کو صاف کرنے والے سپاہیوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی یہ حالت ہوتی رہی اور ہمارے سلطان نے کفار کو اجازت دے دی ہے کہ جو یہاں سے جانا چاہے، اپنے کنبے کو لے کر چلا جائے''۔

اس کمان دار کا خون کھول اُٹھا۔ وہ آگے گیا تو پندرہ بیس لڑکیاں اُسے جاتی نظر آئیں۔ ان کے ساتھ اس کا ایک ساتھی کمان دار چند ایک سپاہیوں کے ساتھ جا رہا تھا۔ لڑکیاں بہت خوب صورت تھیں۔ کمان دار نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ یہ لڑکیاں کون ہیں اور اُن کے ساتھ سپاہی کیوں جا رہے ہیں؟

''یہ وہ لڑکیاں ہیں جنہوں نے مصر اور شام میں غدار پیدا کیے تھے''...... کمان دار نے اُسے بتایا۔ وہ اس قافلے کے ساتھ چل پڑا۔ اُس کے ساتھی نے اُسے سنایا...... ''اُن کی کارستانیاں تم سنتے رہے ہو۔ ان کا سردار (ہرمن) پکڑا گیا ہے۔ یہ سب صلیبی ہیں۔ سلطان نے ان کے سردار کو قید میں ڈال دیا ہے اور لڑکیوں کے متعلق حکم دیا ہے کہ انہیں شہر سے دُور لے جا کر اُن عیسائیوں کے حوالے کر دو جو عکرہ سے جا رہے ہیں''۔

''اور تم انہیں زندہ چھوڑ آؤ گے؟'' کمان دار نے پوچھا۔

''ہاں، حکم یہی ملا ہے''۔

''کیا یہ ہماری اُن بہنوں سے زیادہ پاک اور مقدس ہیں جن کی برہنہ لاشیں مسجدوں سے نکل رہی ہیں اور جنہیں قید میں رکھ کر بے آبرو کیا جاتا رہا ہے؟''۔

اس کے ساتھی نے آہ بھر کر کہا...... ''میں حکم کا پابند ہوں''۔

کمان دار رُک گیا اور اس قافلے کو جاتے دیکھتا رہا۔ اچانک اُس نے تلوار نکال لی اور اُن کی طرف دوڑ پڑا۔ اُس نے نعرہ لگایا...... ''میں کسی کا پابند نہیں''...... اس نے تلوار اس قدر تیز چلائی کہ پلک جھپکتے ہی تین چار لڑکیوں کے سر کاٹ ڈالے۔ ان کا محافظ کمان دار اُسے پکڑنے کو دوڑا۔ لڑکیاں چیختی چلاتی اِدھر اُدھر بھاگیں۔ کمان دار ایک ایک لڑکی کے پیچھے گیا اور مزید تین چار لڑکیوں کو ختم کر دیا۔ ایک سپاہی اُسے پکڑنے کے لیے قریب گیا تو اُس نے اس سپاہی کے پیٹ میں تلوار برچھی کی طرح گھونپ دی۔ پھر اُس کے قریب کوئی نہیں جاتا تھا۔ اُس نے باقی لڑکیوں کو دیکھا جو اِدھر اُدھر بھاگ گئی تھیں۔

اس طرح وہ شہر سے باہر نکل گئے۔ اُسے کچھ عیسائی شہر سے جاتے نظر آئے۔ کمان دار نے ان پر حملہ کر دیا۔ اُس کے سامنے جو آیا اُسے اس نے قتل کیا اور یہی نعرے لگاتا رہا...... ''میں بے غیرت نہیں ہوں۔ اللہ اکبر''۔

اُس کے ساتھی کمان دار کے واویلے پر کئی ایک سپاہی اکٹھے ہو گئے جنہوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اُسے گھسیٹ کر لا رہے تھے کہ اُس عمارت کے قریب سے گزرے جہاں سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ قیام پذیر تھا۔ کسی نے کہا کہ اسے سلطان کے عملے کے حوالے کر دو۔ وہ ڈرتے تھے کہ سلطان کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ کسی نہتے شہری پر ہاتھ اُٹھانے کو جرم قرار دیا گیا تھا۔ یہ کمان [illegible] رہا تھا۔ اُس کا شور سن کر سلطان ایوبی باہر نکل آیا۔

سلطان ایوبی نے یہ واردات سنی اور کمان دار کی لعن طعن بھی سنی۔ سب ڈر رہے تھے کہ سلطان اسے قید میں ڈال دے [illegible] لیکن سلطان نے اُسے گلے لگا لیا اور اندر لے گیا۔ اُسے شربت پلایا اور اُسے ذہن نشین کرایا کہ اُن کا مقصد صلیبیوں

کا قتل نہیں، بلکہ اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کر کے اس تمام سرزمین عرب سے صلیبیوں کو نکالنا ہے۔ کمان دار کی ذہنی حالت ٹھکانے نہیں تھی۔ اُسے سلطان ایوبی نے اپنے طبیب کے حوالے کر دیا۔

''فوج کو اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے''۔ سلطان ایوبی نے سالاروں اور مشیروں سے کہا...... ''لیکن ایمان دیوانگی کی حد تک ہی پختہ ہونا چاہیے۔ ہمارا یہ کمان دار ہوش اور عقل کھو بیٹھا ہے۔ اگر مسلمان اپنے دین کے دشمن کو دیکھ کر دیوانے ہو جائیں تو اسلام کا پرچم وہاں تک پہنچ جائے جہاں یہ زمین ختم ہو جاتی ہے''۔

ہرمن کی جو لڑکیاں اس کمان دار سے بچ کر بھاگ گئی تھیں، ان میں سے دو سمندر کے کنارے جا پہنچیں۔ سمندر دُور نہیں تھا۔ وہ خوف سے کانپ رہی تھیں اور پناہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئیں۔ فوراً بعد ایک کشتی کنارے آ لگی۔ اس میں دو ملاح تھے، تیسرا کوئی افسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی بحریہ کا ایک افسر تھا جس کا نام الفارس بیدرین لکھا گیا ہے۔ بحریہ کا سب سے بڑا کمانڈر عبدالحسن تھا جو رئیس البحرین (دو سمندروں، بحیرۂ روم اور بحیرۂ احمر) کا ''ہائی ایڈمرل'' کہلاتا تھا۔ اس کے نیچے امیر البحر حسام الدین لولوء تھا۔

سلطان ایوبی کے حکم سے، بحری بیڑہ، جس کا ہیڈ کوارٹر سکندریہ میں تھا، بحیرۂ روم میں گشت کرتا تھا کہ یورپ سے صلیبیوں کے لیے کمک اور سامان وغیرہ آئے تو اُن کے جہازوں کو راستے میں ہی روکا جا سکے۔ حسام الدین لولوء بحیرۂ احمر میں تھا۔ سلطان ایوبی چونکہ ساحلی علاقے پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے مصری بیڑے کو حکم بھیجا تھا کہ چھ بحری جہاز ساحل کے ساتھ بھیج دیئے جائیں۔ یہ جنگی جہاز تھے جن میں منجنیقوں کے علاوہ دُور مار تیر انداز اور لڑاکا دستے بھی تھے۔

رئیس البحرین نے الفارس بیدرین کی کمانڈ میں چھ جہاز بھیجے تھے اور الفارس اپنے بحری جہاز سے کشتی میں آیا تھا۔ وہ احکام لینے کے لیے سلطان ایوبی کے پاس جا رہا تھا۔ ساحل پر اُسے یہ دو صلیبی لڑکیاں نظر آئیں جو کسانوں کے لباس میں تھیں۔ الفارس اُن کے قریب چلا گیا اور پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ خانہ بدوش قبیلے کی ہیں جو جنگ کی زد میں آ گیا تھا۔ ان کے بہت سے مرد مارے گئے اور باقی اِدھر اُدھر بھاگ گئے ہیں۔

''......اور ہم چھپتی پھر رہی ہیں''۔ ایک لڑکی نے کہا...... ''عیسائیوں سے ہم اس لیے ڈرتی ہیں کہ وہ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں اور مسلمان ہمیں عیسائی سمجھتے ہیں''۔

''تم مسلمان ہو یا عیسائی؟''

''ہمارا مذہب وہی ہے جو ہمارے مالک کا ہوگا''۔ دوسری لڑکی نے کہا...... ''ہمیں کسی نہ کسی کے ہاتھ فروخت ہی ہونا ہے''۔

الفارس بیدرین بحری لڑائی کا ماہر اور غیر معمولی طور پر دلیر کمانڈر تھا۔ ان خوبیوں کے علاوہ اُسے اس لیے بھی پسند کیا جاتا ہے کہ وہ شگفتہ طبیعت کا زندہ مزاج آدمی تھا۔ اُس دور میں اس کی حیثیت کے آدمی بیک وقت دو دو تین تین بیویاں رکھتے تھے لیکن اُس نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ وہ جنگ وجدل کا زمانہ تھا۔ بحریہ کو کئی کئی مہینے سمندر میں رہنا پڑتا اور خشکی دیکھنی نصیب نہیں ہوتی تھی۔ ہر بحری جہاز کا کپتان اپنی بیوی یا بیویوں کو ساتھ رکھتا تھا۔

الفارس کو ان لڑکیوں کے حسن نے ایسا متاثر کیا کہ اُس کے اندر یہ احساس بیدار ہو گیا کہ وہ تین مہینوں سے زیادہ عرصے سے سمندر میں گھوم پھر رہا ہے۔ اُس نے لڑکیوں سے پوچھا کہ وہ اس کے ساتھ رہنا پسند کریں تو انہیں اپنے جہاز میں رکھے گا۔

''ہم بے بس اور کمزور لڑکیاں ہیں، ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے''۔
''میں تمہیں فروخت نہیں کروں گا''۔ الفارس نے کہا۔ ''مصر لے جاؤں گا اور دونوں کے ساتھ شادی کر لوں گا''۔
لڑکیوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ طے کیا اور الفارس کے ساتھ چلنے کی رضا مندی ظاہر کر دی۔ الفارس نے اپنی کشتی کے ملاحوں سے کہا...... ''انہیں میرے جہاز میں لے جاؤ۔ انہیں میرے کمرے میں کھانا دو اور انہیں وہیں چھوڑ کر واپس یہیں آجاؤ اور میرا انتظار کرو''۔
لڑکیوں کو کشتی میں بٹھا کر الفارس رومانی گیت گنگناتا عکرہ کو چل دیا۔

☆

''الفارس!'' سلطان ایوبی نے اُسے کہا...... ''میں تمہارے نام سے واقف ہوں۔ تمہارے دو تین بحری کارنامے بھی سنے ہیں، لیکن اب صورتِ حال کچھ اور ہے۔ پہلے تم اِکا دُکا معرکے لڑتے رہے ہو۔ اب بڑے پیمانے کی بڑی جنگ کا امکان ہے۔ میں بیت المقدس فتح کرنے آیا ہوں لیکن اس سے پہلے میں تمام بڑی بڑی بندرگاہوں پر قبضہ کرنا اور شمال سے جنوب تک کے ساحلی علاقوں کو اپنی تحویل میں لینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان ساحلی شہروں میں بیروت، ٹائر اور عسقلان بہت اہم ہیں۔ تمہارے ساتھ میرا رابطہ قاصدوں سے ہوگا۔ تمہاری دو تین کشتیاں ساحل کے ساتھ موجود رہنی چاہئیں۔ میں خشکی پر جدھر جاؤں گا تمہیں اطلاع دیتا رہوں گا۔ تمہارے جہاز سمندر میں گشت کرتے رہیں گے...... تمہارے جہازوں میں اسلحہ اور رسد کی کمی تو نہیں؟''۔
''ہم ہر لحاظ سے تیار ہو کر آئے ہیں''۔ الفارس بیدرین نے جواب دیا۔
''بڑے پیمانے کی جنگ کا بھی امکان ہے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''صلیبیوں نے حطین میں جو شکست کھائی ہے اور جس بُرے طریقے سے یہ بھاگے ہیں، یہ دُنیائے صلیب کے لیے معمولی سا واقعہ نہیں۔ ان کے چار حکمران میری قید میں ہیں۔ ایک کو میں نے قتل کر دیا ہے۔ ریمانڈ مر گیا ہے۔ اُن کا بڑا ہی قابل اور دلیر بادشاہ بالڈوِن بھی مر گیا ہے۔ اُس کے فرنگی بہت بڑی طاقت ہیں۔ مجھے قاہرہ سے علی بن سفیان نے اطلاع دی ہے کہ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اور جرمنی کا بادشاہ فریڈرک ارضِ فلسطین پر صلیب کی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے اپنی فوجوں اور بحری بیڑے کے ساتھ آنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ آئے تو میں فیصلہ کر سکوں گا کہ انہیں خشکی پر آنے دوں یا سمندر میں ہی روکنے کی کوشش کروں۔ انگلستان کے بحری بیڑے کے متعلق سنا ہے کہ زیادہ طاقت ور ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے بارود تیار کیا ہے اور ایسی نلکیوں میں بھرا ہے جنہیں آگ لگاؤ تو نلکیاں اُڑتی ہوئی آتی اور جہازوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔ میں ایسی نلکیاں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہم خود بنا لیں گے...... بہر حال تم ساحل کے ساتھ اپنے جہازوں کو رکھنا۔ رئیس البحرین الحسن کھلے سمندر میں رہے گا''۔
الفارس نے مزید احکامات لیے اور چلا گیا۔ کشتی اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اپنے بحری جہاز میں جا کر اُس نے دوسرے جہازوں کے کپتانوں کو بلایا، انہیں ہدایات اور احکامات دے کر رخصت کر دیا اور اپنے کیبن میں چلا گیا جہاں دو لڑکیاں اُس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ وہ بھولی بھالی بنی رہیں اور اس سے پوچھتی رہیں کہ وہ سمندر میں کیا کرتا ہے۔ الفارس لمبے عرصے سے سمندر میں تھا۔ اس پر ہنسنے کھیلنے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ان لڑکیوں کو مردوں کی اس کیفیت میں لانے اور انہیں اپنے رنگ میں استعمال کرنے کی مہارت حاصل تھی۔
۲۰ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز سلطان صلاح الدین ایوبی عکرہ سے نکلا۔ اُس کے چھاپہ مار دستوں نے اُس کے

لیے راستہ صاف کر رکھا تھا۔ ساحل کے ساتھ ساتھ اُس نے کئی ایک قلعے اور قصبے فتح کر لیے۔ ۳۰ جولائی ۱۱۸۷ء کے روز اُس نے بیروت کا محاصرہ کیا۔ صلیبیوں نے اس اہم شہر کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن سلطان ایوبی نے بے دریغ قربانی دے کر بیروت لے لیا۔ وہاں بھی مسلمانوں کی وہی حالت تھی جو عکرہ میں تھی۔

۲۹ جولائی تک بیروت کو اپنی عمل داری میں لے کر سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر، ٹائر کا رُخ کیا۔ وہ جاسوسوں اور دیکھ بھال کے جیشوں سے رپورٹیں لیے بغیر پیش قدمی نہیں کیا کرتا تھا۔ اُسے بتایا گیا کہ اپنی فوج بہت زیادہ علاقے میں پھیل گئی ہے اور اِدھر اُدھر سے بھاگے ہوئے صلیبی ٹائر میں جمع ہو کر منظم ہو رہے ہیں۔ تمام فرنگی بھی ساحلی علاقے سے پسپا ہو کر ٹائر چلے گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے ٹائر پر حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ بیت المقدس کے لیے فوج بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اس دوران الفارس بیدرین کے بحری جہاز ساحل سے دُور گشت اور دیکھ بھال کرتے رہے۔ دونوں لڑکیاں اُس کے جہاز میں رہیں۔ وہ اُس کے دِل پر غالب آ گئی تھیں لیکن اُس نے اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کی۔ جب کوئی بحری جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا تھا، چھوٹی کشتیاں اس کے اِردگرد گھومنے لگتی تھیں۔ یہ غریب دیہاتیوں کی کشتیاں تھیں جو پھل، انڈے اور مکھن وغیرہ ملاحوں اور فوجی دستوں کے پاس بیچتے تھے۔ جہازوں کے کپتان اُن میں سے کسی کو رسّہ پھینک کر جہاز میں اُٹھا لیتے اور اُس سے خشکی کی دُنیا کی خبریں سنتے تھے۔

ایک روز الفارس کا جہاز ساحل پر چلا گیا۔ اُسے وہاں سے بری فوج کے کسی کمان دار سے کچھ پوچھنا تھا۔ دونوں لڑکیاں جہاز کے عرشے پر جنگلے کا سہارا لیے کھڑی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی تین چار کشتیاں آ گئیں۔ ان میں پھل وغیرہ تھا۔ ان کے ملاح جہاز والوں کی منتیں کرنے لگے کہ وہ ان سے کچھ لے لیں۔ ایک کشتی میں ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا، جس کے جسم پر تہمند کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ بہت غریب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے دونوں لڑکیوں کو جہاز میں کھڑے دیکھا تو کشتی قریب لے گیا۔

''کچھ لے لو شہزادی!'' اس نے کہا...... ''بہت غریب آدمی ہوں''۔

لڑکیوں نے اُسے نظر بھر کر دیکھا تو اُس نے بائیں آنکھ سے خفیف سے اشارہ کر دیا۔ دونوں نے حیران سا ہو کے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ اس آدمی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سینے پر اُنگلی اوپر نیچے اور پھر دائیں بائیں چلا کر صلیب کا نشان بنایا۔ ایک لڑکی نے اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی پر دوسرے ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی رکھ کر کراس بنایا۔ آدمی مُسکرایا۔ ایک لڑکی نے جہاز کے ملاح سے کہا کہ اس آدمی کو اوپر لاؤ۔

ملاحوں کو معلوم تھا کہ یہ لڑکیاں ان کے جہاز کے کپتان کی ہیں جو تمام جہازوں کا کمانڈر ہے۔ انہوں نے فوراً رسّوں کی سیڑھی پھینکی۔ وہ آدمی ٹوکری میں مختلف چیزیں رکھ کر اوپر لے آیا اور ٹوکری لڑکیوں کے آگے رکھ دی۔ لڑکیاں چیزیں دیکھنے لگیں۔ کسی اور کو اُن کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔

''تم یہاں کیسے پہنچ گئی ہو؟'' کشتی کے ملاح نے پوچھا۔

''اتفاق کی بات ہے''۔ ایک لڑکی نے جواب دیا...... ''ہرمن پکڑا گیا ہے''...... اُس نے اس آدمی کو سارا واقعہ سنا دیا اور الفارس کے متعلق بتایا کہ وہ انہیں خانہ بدوش سمجھ کر اپنے ساتھ لے آیا ہے۔

''کچھ سوچا ہے کیا کرو گی؟'' ملاح نے پوچھا۔ ''جاؤ گی کہاں؟''

''ابھی تو صرف جان بچانے کا بندوبست کیا ہے''۔ لڑکی نے جواب دیا...... ''کمانڈر الفارس کی رگوں پر ہم نے

قبضہ کرلیا ہے۔ کہیں موقعہ ملا تو بھاگنے کی کوشش کریں گی۔ اگر تم رہنمائی کرو تو یہیں رہ کر کچھ اور کریں گی''۔

یہ غریب سا ماہی گیر ملاح صلیبیوں کا جاسوس تھا اور وہ ان لڑکیوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ بھی اسے جانتی تھیں۔ اس نے کہا..... ''ساحل پر اُتر کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ بہت بُری موت مرو گی۔ بیروت تک مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہماری صلیبی فوج ہر جگہ سے پسپا ہو رہی ہے۔ اب ٹائر ایک جگہ رہ گئی ہے جہاں تمہیں پناہ مل سکتی ہے۔ ابھی اسی جہاز میں رہو۔ میں تمہیں ملتا رہوں گا۔ ہمارے لیے حالات بہت ہی خطرناک ہو گئے ہیں۔ ہر طرف مسلمان سپاہی دندناتے پھر رہے ہیں''۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''صلیب پر ہاتھ رکھ کر جو حلف اُٹھایا تھا، وہ پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں''۔ اس نے جواب دیا..... ''ان چھ جہازوں کی نقل و حرکت دیکھ رہا ہوں۔ انہیں تباہ کرانے کا انتظام کروں گا''۔

''اپنے جہاز کہاں ہیں؟''۔

''ٹائر کے قریب''۔ اُس نے بتایا..... ''یہ جہاز اُدھر گئے تو اپنے جہازوں کو پہلے سے اطلاع کر دوں گا۔ اب اتفاق سے تم کمانڈر کے جہاز میں آ گئی ہو۔ تم میری مدد کر سکو گی اور میں تمہیں اس جہاز سے نکال کر ٹائر پہنچا سکوں گا۔ مجھے اب جانا چاہیے۔ اشارے مقرر کر لو۔ میں ان جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہوں۔ یہ جہاز کہیں بھی ساحل کے قریب لنگر ڈالے گا، وہاں اسی بھیس میں موجود ہوں گا''۔

انہوں نے اشارے مقرر کر لیے۔ لڑکیوں نے اُس کی ٹوکری میں سے کچھ چیزیں اُٹھا لیں۔ اُسے پیسے دیئے اور وہ رسّوں کی سیڑھی سے اپنی کشتی میں اُتر گیا۔

☆

۲ ستمبر ۱۱۸۷ء کے روز سلطان ایوبی نے ایک اور مشہور ساحلی شہر عسقلان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں بھی وزنی پتھر پھینکنے والی منجنیقیں اور پہیوں پر چلنے والی مچانیں استعمال کی گئیں۔ سرنگیں کھودنے والے جیش رات کو دیوار توڑنے کی کوشش کرتے رہے۔ قریب ہی ایک بلندی تھی۔ وہاں سے منجنیقوں سے شہر کے اندر پتھر اور آتشیں گولے پھینکے گئے۔ دوسرے دن محصورین نے گھبرا کر شہر کے دروازے کھول دیئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔

اس شہر پر فرینکس نے ۱۹ ستمبر ۱۱۵۳ء میں قبضہ کیا تھا۔ پورے چونتیس برس بعد یہ شہر آزاد کرایا گیا۔

عسقلان سے بیت المقدس چالیس میل مشرق کی سمت واقع ہے۔ سلطان ایوبی کے تیز رفتار دستوں کے لیے یہ دو دن کا سفر تھا۔ اُس کے بعض دستے اور چھاپہ مار جیش پہلے ہی بیت المقدس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے صلیبیوں کی بیرونی چوکیاں تباہ کر دی تھیں۔ بچے کھچے صلیبی بیت المقدس پہنچ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے اپنے بکھرے ہوئے دستوں کو عسقلان میں اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور بیت المقدس پر حملے کی تیاری کرنے لگا۔

سلطان ایوبی کی فتوحات اور طوفانی پیش قدمی کی خبریں دمشق، بغداد، حلب، موصل اور اُدھر قاہرہ تک پہنچ چکی تھیں۔ آخری خبر یہ پہنچی کہ سلطان عسقلان میں ہے اور بیت المقدس پر حملہ کرنے والا ہے۔ قاضی بہاؤ الدین شداد جو اس حملے میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل فتوحات کی بدولت تھکن کے احساس سے بیگانہ تھی۔ وہ جوں جوں اِن مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی حالت دیکھتی گئی، قہر بنتی گئی جو بیت المقدس پر ٹوٹنے کو بے تاب تھا۔ یہ تو سلطان ایوبی کی جنگی قوت تھی۔ قاضی شداد لکھتا ہے کہ عسقلان میں سلطان ایوبی کے پاس روحانی قوت

بھی پہنچنے لگی۔ یہ دمشق، بغداد اور دیگر بڑے شہروں کے علماء درویش اور صوفی منش لوگ تھے۔ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ بیت المقدس میں داخل ہونے آئے تھے۔ انہوں نے آکر سلطان ایوبی کو دُعائیں دیں اور اُس کی فوج کو بیت المقدس کی اہمیت اور تقدس بتایا اور سپاہیوں کو آگ بگولا کر دیا۔ سلطان ایوبی علماء اور درویشوں کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ دیکھ کر اُس کی تھکن ختم ہوگئی اور اس نے جوش جذبات سے کہا..... ''اب دُنیا کی کوئی طاقت مجھے شکست نہیں دے سکتی''۔

عسقلان سے کوچ سے دو چار روز پہلے سلطان ایوبی کے پاس حلب سے ایک مہمان آیا جسے دیکھ کر سلطان حیران رہ گیا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا..... یہ نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ رضیع خاتون تھی جس نے عزالدین کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ کود کر گھوڑے سے اُتری اور دوڑی کر سلطان ایوبی کو گلے لگالیا۔ دونوں کے جذبات اُبھر آئے اور اُن پر رقت طاری ہوگئی۔

ذرا دیر بعد اونٹوں کی ایک لمبی قطار آرکی۔ ان پر کم و بیش دو سو لڑکیاں سوار تھیں۔

''یہ کیا؟'' سلطان ایوبی نے رضیع خاتون سے پوچھا۔

زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے تربیت یافتہ لڑکیاں''۔ رضیع خاتون نے جواب دیا۔ ''میں نے انہیں لڑائی کی تربیت بھی دے رکھی ہے۔ تیراندازی کی بھی انہیں خاصی مشق ہے..... مجھے معلوم ہے کہ تم عورت کو میدانِ جنگ میں نہیں دیکھنا چاہتے لیکن میرے اور اُن کے جذبے کو کچلنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم نہیں جانتے کہ شام میں جوان لڑکیوں پر قابو پانا محال ہو رہا ہے، جسے دیکھو وہ محاذ پر پہنچنے کے لیے بے تاب ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں ایک ہزار لڑکیاں محاذ پر بھیج دوں۔ سپاہیوں کی طرح لڑیں گی، جن ماؤں کے بیٹے یہاں لڑ رہے ہیں، وہ مائیں اُن کی خیریت کی نہیں، فتح کی خبر سننا چاہتی ہیں۔ آبادیوں میں ایک ہی آواز سنائی دیتی ہے..... ''محاذ کی کیا خبر ہے؟''..... کہو صلاح الدین! کتنی لڑکیاں بھیجوں؟''۔

''میں انہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا''..... سلطان ایوبی نے کہا..... ''اور کسی کو نہ بھیجنا''۔

''اس اونٹ پر ایک منبر لدا ہوا ہے''..... رضیع خاتون نے کہا۔ یہ کہتے ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ذرا خاموش رہنے کے بعد کہنے لگی..... ''تمہیں شاید یاد نہیں، میرے مرحوم شوہر (نورالدین زنگی) نے یہ منبر اس عہد کے ساتھ بنوا کر پاس رکھ لیا تھا کہ بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرائے گا تو یہ منبر مسجد اقصیٰ میں رکھے گا۔ بہت خوب صورت منبر ہے۔ یہ دمشق میں رکھا تھا۔ اُٹھا لائی ہوں۔ اللہ تمہیں فتح دے صلاح الدین، اور میں دیکھوں کہ تم نے یہ منبر مسجد اقصیٰ میں رکھ کر میرے مرحوم شوہر کا عہد پورا کر دیا ہے''۔

سلطان ایوبی پر رقت طاری ہوگئی۔ اُس کے منہ سے سسکی سی نکلی..... ''اللہ یہ عہد مجھ سے پورا کرائے''۔

ایک جوان سال لڑکی اُن کے قریب آ کھڑی ہوئی اور سلطان ایوبی کو مُسکرا کر سلام کیا۔ رضیع خاتون نے کہا..... ''پہچانا نہیں صلاح الدین؟ یہ میری بیٹی شمس النساء ہے''..... سلطان ایوبی نے لپک کر اسے گلے لگالیا اور پھر وہ اپنے آنسو نہ روک سکا۔ اس نے اس لڑکی کو اس وقت دیکھا تھا جب یہ بہت چھوٹی تھی۔

''یہ تمہارے ساتھ محاذ پر رہے گی''۔ رضیع خاتون نے کہا..... ''لڑکیاں اس کی کمان میں رہیں گی۔ مجھے واپس جانا ہے''۔

☆

وہ علماء اور درویش وغیرہ جو سلطان ایوبی کے پاس آئے تھے، ورد، وظیفے اور دعاؤں میں مصروف رہتے یا

سپاہیوں میں گھومتے پھرتے اور انہیں روحانی حوصلہ دیتے رہتے۔ وہ عسقلان سے باہر وہاں تک بھی گئے جہاں دستے اور جیش موجود تھے۔ اُن کے وعظ اور خطبوں کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے...... ''نوے سال سے کفار تمہارے قبلۂ اوّل پر قابض ہیں۔ قرآن کے احکام پڑھو تو قبلۂ اوّل کو کفار کے ناپاک قبضے سے چھڑانے تک کسی مسلمانوں کو نیند نہیں آنی چاہیے تھی۔ وہ مسجد اقصیٰ جہاں سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے بلاوے پر معراج پر تشریف لے گئے تھے، کفار کی عبادت گاہ بنی ہوئی ہے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روحِ مقدس ہم پر لعنت بھیج رہی ہے۔ ہم پر نیند، کھانا، پینا اور ہم پر اپنی بیویاں حرام ہونی چاہئیں تھیں مگر نوے سال سے ہم گہری نیند سو رہے ہیں اور عیش و عشرت میں مگن ہیں......

''اللہ کے سپاہیو! ہمارے حکمرانوں نے صلیبیوں اور یہودیوں کے خوب صورت جال میں پھنس کر اُن کے خلاف خانہ جنگی کی، جنہوں نے قبلۂ اوّل کو آزاد کرانے کا عہد کیا تھا۔ بیت المقدس وہ پاک جگہ ہے جہاں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک قدم آئے اور اُن کی جبین مبارک نے یہاں سجدے کیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہمارے جانے کتنے انبیاء نے یہاں ورود فرمایا، مگر نوے سال سے یہاں مسلمانوں پر جو قہر ٹوٹ رہا ہے، وہ تم شہر میں جا کر دیکھو گے۔ مسجدِ اقصیٰ پر صلیب کھڑی ہے۔ مسجدیں اصطبل بنی ہوئی ہیں۔ مسلمانوں کا قتلِ عام اس طرح ہوا ہے کہ گلیوں میں خون ندی کی طرح چلتا رہا۔ مسلمان قید و بند کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہماری بیٹیاں کفار کی لونڈیاں بنادی گئی ہیں......

''اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناموس پر مر مٹنے والو! اللہ نے یہ سعادت تمہیں عطا کی ہے کہ بیت المقدس کو آزاد کراؤ، پاک کرو اور اگر تم ناکام رہو تو وہاں سے تمہاری لاشیں اُٹھائی جائیں...... اور تم سن کر حیران ہو گے کہ جس بیت المقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی نوع انسان کو محبت کا سبق دیا تھا، وہاں صلیب کے پجاریوں نے یہاں تک درندگی کی ہے کہ جب انہیں کسی محاذ پر فتح ہوتی تو وہ بیت المقدس میں جشن مناتے جس میں ہماری بیٹیوں کو برہنہ کر کے نچاتے اور چند ایک تندرست و توانا مسلمانوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت پکا کر کھاتے...... اب تمہیں ایک ایک معصوم کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لینا ہے۔ دمشق سے سلطان نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ وہ منبر لائی ہے جو مرحوم نے مسجدِ اقصیٰ میں رکھنے کے لیے بنوایا تھا۔ یہ خاتون دو سو لڑکیوں کے ساتھ بہت دُور کا سفر کر کے آئی ہے۔ یہ عہد تمہیں پورا کرنا ہے''۔

اس دوران سلطان ایوبی اپنے دستوں کو یکجا کر کے اُن کی تقسیم کرتا رہا اور جاسوسوں کی رپورٹوں کے مطابق بیت المقدس کے محاصرے کا پلان بناتا رہا۔

۞

ایوبی مسجدِ اقصیٰ کی دہلیز پر

لڑکیاں جو بحریہ کے کمان دار الفارس بیدرون کے جہاز میں تھیں اُسی کی طرح شگفتہ مزاج اور بذلہ سنج تھیں۔ سمندر کی تنہائی میں یہ دونوں لڑکیاں الفارس کے دِل کو نئی زندگی دے رہی تھی لیکن یہ اس کے لیے معمہ سا بن گئی تھیں اور اُن کے لیے الفارس عجیب آدمی بنا ہوا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ خانہ بدوش ہیں۔ اُن کا قبیلہ جنگ کی زد میں آ گیا تھا اور وہ دونوں بڑی مشکل سے چھپتی چھپاتی ساحل تک پہنچی ہیں، مگر الفارس دیکھ رہا تھا کہ دونوں کی عادتیں اور طور طریقے خانہ بدوشوں والے نہیں۔ خانہ بدوش حسین ہوسکتی تھیں مگر ان میں یہ شائستگی نہیں ہوسکتی تھی جو ان دونوں میں تھی۔ ان دونوں لڑکیوں میں کسی حد تک بے حیائی بھی تھی جو خانہ بدوش عورتوں میں عموماً نہیں ہوا کرتی تھی۔

لڑکیوں کے لیے الفارس عجیب آدمی تھا۔ لڑکیوں کو توقع تھی کہ وہ اُن کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو ہر اُس مرد نے اُن کے ساتھ کیا ہے جس کے ذہن پر قبضہ کرنے کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا۔ الفارس نے ان میں اس قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا جس سے یہ لڑکیاں ابتدا میں مایوس ہوئی لیکن انہوں نے اس کی ایک اور کمزوری بھانپ لی۔ وہ یہ تھی کہ وہ فرض کے معاملے میں جہاں بڑا ہی سخت گیر اور سخت کوش تھا وہاں فراغت کے وقت کھلنڈرہ بچہ بن جایا کرتا تھا۔ ان لڑکیوں کے ساتھ وہ ہم راز سہیلیوں کی طرح کھیلتا اور اُن کے حسن اور اُن کی شوخیوں سے لطف اُٹھاتا تھا، اُن کے بکھرے بکھرے ریشمی بالوں سے کھیلتا اور اُن میں مگن ہو کر دُنیا کو بھول جاتا تھا۔

ایک روز ایک لڑکی نے جب دوسری لڑکی کمرے میں نہیں تھی، اس کے جذبات کو مشتعل کرنے کی یا یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ اس آدمی کے اندر جذبات ہیں بھی یا نہیں تو الفارس نے یہ کھلے اشارے سمجھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے جب تمہیں پہلے روز ساحل پر کہا کہ میں تمہیں اپنے جہاز میں پناہ دے سکتا ہوں تو تم نے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے کہا تھا کہ تمہیں مصر لے جاؤں گا اور شادی کرلوں گا...... میں اپنے اس وعدے پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ شادی سے پہلے میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا جس سے تمہیں یہ شک ہو کہ میں وقتی طور پر دِل بہلانے کے لیے تمہیں یہاں لایا ہوں۔ میں تمہاری مجبوری اور بے بسی سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا۔ مصر جانے تک تم سوچ لو۔ اگر میرے ساتھ رہنا پسند نہیں کرو گی تو جہاں کہو گی، وہاں بھیج دوں گا''۔

لڑکی نے بے تابی سے بازو اس کے گلے میں ڈال دیئے اور گال اس کے گال کے ساتھ لگا کر کہا...... ''ہم دونوں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی۔ تم پہلے مرد ملے ہو جس کے دِل میں انسانیت کی پاکیزگی ہے، شیطانیت اور حیوانیت نہیں''۔

لڑکی نے والہانہ محبت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ الفارس کو پانی پر تیرنے والا بحری جہاز فضا کی وسعتوں میں اُڑتا محسوس ہونے لگا۔ یہی اس کی کمزوری تھی جو انسانی فطرت کی سب سے زیادہ خطرناک کمزوری ہے۔

سمندر میں اتنا طویل عرصہ دن رات گشت کرتے رہنے سے اور وقتاً فوقتاً چھوٹی موٹی جھڑپیں لڑنے سے اُس کے اعصاب پر جو تھکن اور ذہن پر جو کوفت تھی، وہ ختم ہوگئی۔ اعصاب پُرسکون ہوگئے۔ اب تو اُس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھ جہازوں کی کمانڈ تھی اور وہ فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور گشت کرتا رہتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی بجلی کی طرح ارضِ فلسطین پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس نے ساحلی علاقوں پر قبضہ کرلیا اور اب عسقلان میں بیت المقدس پر حملے کی تیاری کررہا تھا۔ الفارس بیدرون کی ذمہ داری یہ تھی کہ سمندر کی طرف سے صلیبیوں کے لیے مدداور رسدوغیرہ آئے تو اُسے ساحل تک نہ پہنچنے دے۔ اس ذمہ داری نے اس کی نیندیں بھی حرام کررکھی تھیں۔ یہ دولڑکیاں اس کے اعصاب کو سہلا لیا کرتی تھیں۔

الفارس نے ان لڑکیوں سے ایک روز کہا کہ ان میں خانہ بدوشوں والی عادتیں نہیں، اُن کی بجائے ان میں شائستگی اور نفاست ہے۔ یہ ان میں کہاں سے آگئی ہے۔

''ہم بڑے بڑے عیسائی گھروں میں نوکری کرتی رہی ہیں''...... ایک لڑکی نے جواب دیا...... ''انہوں نے ہمیں میزبانی کے آداب اور اونچے درجے کے مہمانوں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے طورطریقے سکھادیئے تھے۔ اگر آپ معمولی آدمی ہوتے تو ہم آپ کے ساتھ خانہ بدوشوں جیسا سلوک کرتیں۔ ہماری باتیں اور حرکتیں خانہ بدوشوں جیسی ہوتی۔ آپ بحریہ کے اتنے بڑے کمانڈر ہیں اور آپ کے دِل میں ہماری اتنی زیادہ محبت ہے کہ ہم آپ کے ساتھ اجڈوں جیسا سلوک نہیں کرسکتیں''۔

دوسرے پانچ جہازوں کے کپتانوں کو پتہ چل چکا تھا کہ اُن کا کمانڈر الفارس اپنے جہاز میں دولڑکیاں لایا ہے۔ سب یہ خبر سن کر ہنسے یا مُسکرائے تھے، لیکن سب نے محسوس کیا تھا کہ جہاز میں جنگ کے دوران اپنی بیوی کو تو رکھا جاسکتا ہے، اجنبی لڑکیوں کو رکھنا خطرے سے خالی نہیں۔ انہوں نے الفارس سے بات کی تھی اور اس نے سب کو مطمئن کردیا تھا۔ سب اس لیے جلدی مطمئن ہوگئے تھے کہ وہ الفارس کو عرصے سے جانتے تھے۔ وہ بدکار آدمی نہیں تھا۔ فرائض سے کوتاہی برداشت نہیں کرتا تھا۔

☆

بیت المقدس کے اندر کی کیفیت غیر معمولی تھی۔ یہاں مسلمانوں پر جوظلم وتشدد ہورہا تھا، اس کی مثال کم ازکم فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں نہیں ملتی تھی۔ اس ظلم وتشدد کی تاریخ پرانی تھی۔ ۱۰۹۹ میں صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی بے اتفاقی اور اقتدار کی خاطر غداری کرنے والوں کا کرشمہ تھا۔ تاریخ میں حملہ آوروں نے اس سے زیادہ بڑے اور اہم شہر فتح کیے ہیں لیکن صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو اُسے اس قدر اہمیت دی جیسے انہوں نے آدھی دُنیا فتح کرلی ہو، سارے یورپ بلکہ تمام تر عیسائی دُنیا اور کلیسا کی نظریں بیت المقدس پر لگی ہوئی تھیں۔

اس اہمیت کی وجہ یہ تھی کہ بیت المقدس کو عیسائی اپنا مقدس مقام سمجھتے تھے۔ اُن کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی علاقے میں کہیں مصلوب کیا گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہیں سے معراج پر تشریف لے گئے تھے۔ اس لحاظ سے مسجدِ اقصیٰ کا تقدس خانہ کعبہ سے کم نہ تھا۔ مسلمان بیت المقدس کو اپنا نظریاتی مرکز سمجھتے تھے۔ یہ ہمارے عقیدوں کا مرکز تھا (اور اب بھی ہے) عیسائی مسلمانوں کے اس نظریاتی سرچشمے پر قبضہ کرکے ہمارے نظریات اور عقائد کو باطل قرار دینا چاہتے تھے۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے سربراہ ہرمن نے غلط نہیں کہا تھا کہ صلیبی جنگیں مسلمانوں اور عیسائیوں کے بادشاہوں کی نہیں، یہ کلیسا اور کعبہ کی جنگیں ہیں

جو اُس وقت تک لڑی جاتی رہیں گی جب تک دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔

جس طرح ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کو اور مسلمانوں کو شکست دینے کو اور مسلمانوں کو نہ صرف میدانِ جنگ میں بلکہ دھوکے سے بھی قتل کرنے کو مذہبی فریضہ قرار دے رکھا ہے، اسی طرح عیسائیوں کے پادریوں نے بھی مسلمان کے قتل کو کارِ ثواب قرار دے رکھا تھا۔ عیسائیوں کو جنگ کے احکام بڑے پادری (پوپ) کی طرف سے ملتے تھے۔ آپ نے پڑھ لیا ہے کہ حطین کی جنگ میں عکرہ کا پادری اُس صلیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہ ثبوت ہے اس حقیقت کا کہ کعبہ کے خلاف جنگ کلیسا نے شروع کی تھی اور یہ دو مذہبوں اور دو نظریات کی جنگ تھی۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ صلیبی جنگوں میں شامل ہونے والے بادشاہوں، جرنیلوں اور ادنیٰ سپاہیوں تک سے صلیب الصلبوت پر صلیب سے وفاداری اور جان و مال کی قربانی کا حلف لیا جاتا تھا۔ اس حلف سے وہ صلیبی کہلائے اور بیت المقدس کے لیے جو جنگیں لڑی گئیں، انہیں صلیبی جنگیں کہا گیا۔ عیسائی دُنیا میں مسلمانوں کے خلاف جنگ اور سرزمین عرب پر قبضہ کرنے کو ایسا جنون بنا دیا گیا تھا کہ عورتیں اپنے زیورات اور مال و دولت کلیسا کے حوالے کر دیتی تھیں۔ جنون کی انتہا یہ تھی کہ جوان لڑکیوں نے اپنی عصمتیں صلیب کی فتح اور مسلمانوں کی شکست کے لیے پیش کر دیں۔ کلیسا نے کھلی اجازت دے دی کہ مسلمانوں کی کردار کشی اور نظریاتی تخریب کاری کے لیے عیسائی لڑکیوں کو استعمال کیا جائے۔ لڑکیوں کو یقین دلایا گیا کہ کلیسا کے مقاصد اور عزائم کی خاطر عصمت قربان کرنے والی لڑکی بہشت میں جائے گی۔

اسی عقیدے کے تحت خوب صورت لڑکیوں کو باقاعدہ تربیت دے کر مسلمانوں کے علاقوں میں بھیجا گیا۔ یہ مسلمان اُمراء کے حرموں میں داخل ہوئیں اور وہ تباہی بپا کی جو آپ اس سلسلے کی کہانیوں میں پوری تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اس مقابلے میں مسلمان آپس میں ٹکراتے رہے اور صلیبیوں کے پھیلائے ہوئے اس حسین جال میں ایسے آئے کہ مذہبی نظریات اور عقائد کو نظر انداز کر کے تخت و تاج کے شیدائی ہو گئے۔ انہوں نے ایمان نیلام کر دیئے۔ پھر بھی کچھ لوگ ابھی زندہ تھے جن کی روحیں ایمان کے نور سے منور تھیں۔ وہ بیت المقدس کی پاسبانی کرتے اور لہو کے نذرانے دیتے رہے مگر یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک غدار ساری قوم کو بے وقار کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور جب غدار صاحبِ اقتدار ہو تو دشمن سے دس گنا زیادہ فوج بھی شکست کھا جاتی ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ صلیبی ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء (۲۳ شعبان ۴۹۲ ہجری) کے روز بیت المقدس پر قابض ہو گئے۔ اس فتح میں جن مسلمان اُمراء اور ریاستوں کے حکمرانوں نے صلیبیوں کو مدد دی اور جس طرح مدد دی، وہ ایک طویل اور شرمناک کہانی ہے۔ مثال کے طور پر اتنا ہی بتانا کافی ہوگا کہ جب صلیبی فوج بیت المقدس کی طرف بڑھ رہی تھی تو شہزاء کے امیر نے نہ صرف یہ کہ اس فوج کو نہ روکا بلکہ اسے رسد بھی دی اور رہبر (گائیڈ) بھی دیئے۔ حماۃ اور تریپولی کے مسلمان اُمراء نے بھی صلیبی فوج کو راستہ دے کر رسد بلکہ تحائف بھی دیئے اور اپنے قبلۂ اوّل کی طرف روانہ کیا۔ راستے میں کئی ایک مسلمان ریاستیں آتی تھیں۔ انہوں نے اپنی ریاست اور حکومت کے تحفظ کی خاطر صلیبیوں کے دِل کش اور حسین تحفے قبول کیے اور ان کے عوض صلیبی فوج کی ضروریات پوری کیں۔

عرقہ کا امیر مردِ مومن تھا جس کی جنگی طاقت صلیبیوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی لیکن اس نے صلیبی فوج کے جرنیلوں کے مطالبے پر بھی انہیں کچھ نہ دیا بلکہ اُن کے چیلنج کو قبول کر کے انہیں مقابلے کے لیے للکارا۔ صلیبی فوج نے

عرقہ کو محاصرے میں لے لیا۔ ۱۴ فروری سے ۱۳ مئی ۱۰۹۹ تک عرقہ کے مسلمانوں نے ایسی بے جگری سے مقابلہ کیا کہ صلیبی فوج نے بہت سا جانی نقصان اُٹھا کر محاصرہ اُٹھالیا اور راستہ بدل کر آگے چلی گئی۔ اگر یہ تمام مسلمان اُمراء اپنے اپنے علاقے میں بیت المقدس کی طرف بڑھتی ہوئی صلیبی فوج کے سامنے مزاحم ہوتے رہتے تو اُن کا اپنا نقصان تو ضرور ہوتا لیکن صلیبی فوج کا خون قطرہ قطرہ بہہ کر ختم ہو جاتا۔ یہ فوج اپنے پلان سے دو اڑھائی سال تاخیر سے بیت المقدس پہنچتی اور اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہ ہوتا۔

☆

یہ کہنا غلط نہیں کہ صلیبیوں کو بیت المقدس تک مسلمان اُمراء نے تازہ دم اور رسد سے مالا مال کر کے پہنچایا۔ اس کی سزا اُن مسلمانوں کو ملی جو بیت المقدس میں آباد تھے۔ وہاں مسلمان زائرین بھی گئے ہوئے تھے، وہ بھی کچلے گئے۔ ۷ جون ۱۰۹۹ء کے روز صلیبیوں نے اس عظیم اور مقدس شہر کا محاصرہ کیا، وہاں حکومتِ مصر کا گورنر افتخار الدولہ تھا، جس نے محاصرے میں بے مثال شجاعت اور عسکری ذہانت سے مقابلہ کیا۔ شہر کے جیش قلعے سے نکال کر صلیبیوں پر حملے کرائے گئے مگر صلیبیوں کے پاس ساز و سامان کی افراط تھی اور فوج تو بے شمار تھی۔ ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء صلیبی فوج شہر میں داخل ہوگئی۔

تمام تر یورپ اور ہر عیسائی ملک میں جشن منائے گئے مگر بھیانک اور ہولناک جشن وہ تھا جو فاتح صلیبیوں نے بیت المقدس کے اندر منایا۔ صلیبی سپاہی مسلمانوں کے گھروں میں گھس گئے۔ لوٹ مار کی، کسی گھر میں کسی فرد کو، خواہ وہ بوڑھا تھا یا دودھ پیتا بچہ، زندہ نہ چھوڑا۔ زندہ رہنے دیا تو صرف جوان لڑکیوں کو جو اُن کی درندگی کی اذیتوں سے مریں۔ گلیوں میں بھاگتے ہوئے مسلمان بچوں، عورتوں اور مردوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل کیا گیا۔ صلیبی ننھے ننھے بچوں کو برچھیوں کی انیوں میں اُڑس کر اوپر اُٹھاتے اور چیخ چیخ کر قہقہے لگاتے تھے۔ کھلے عام آبروریزی اور مقتولین کے سر کاٹ کر انہیں ٹھڈ مارنا صلیبیوں کا من پسند کھیل بن گیا تھا۔

مسلمانوں کو ایک ہی پناہ نظر آتی تھی جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ جان کی امان ملے گی اور کسی بھی مذہب کا پیروکار وہاں اُن پر زیادتی کرنے کو گناہ سمجھے گا۔ یہ تھی مسجدِ اقصیٰ۔ مسلمان اپنے بال بچوں کو لے کے مسجدِ اقصیٰ میں چلے گئے جنہیں وہاں پاؤں رکھنے کو بھی جگہ نہ ملی۔ وہ بابِ داؤد اور دوسری مسجدوں میں چلے گئے۔ خود عیسائی مورخین لکھتے ہیں کہ ان پناہ گزین مسلمانوں کی تعداد ستر ہزار کے لگ بھگ تھی۔ صلیبی جو مسجدِ اقصیٰ کو اپنی عبادت گاہ کہتے تھے، اُس کے احترام کا ذرّہ بھر خیال نہ کیا۔ وہ پناہ گزینوں پر ٹوٹ پڑے۔ کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑا۔ مسجدِ اقصیٰ، بابِ داؤد اور تمام مسجدیں لاشوں سے اَٹ گئیں اور خون باہر بہنے لگا۔ مورخین نے ان الفاظ میں یہ کیفیت بیان کی ہے..... "صلیبیوں کے گھوڑوں کے پاؤں ٹخنوں تک مسلمان شہریوں کے خون میں ڈوب گئے تھے"۔

لڑکیوں کو مسجدوں اور مسلمانوں کے دیگر مقدس مقامات میں لے جا کر بے آبرو کیا جاتا تھا۔ سب سے زیادہ بدنصیب یہ لڑکیاں تھیں اور اُن کے جنگی قیدی۔ جنگی قیدیوں کو مویشی بنا لیا گیا تھا۔ انہیں کھانے کو کم دیا جاتا اور مشقت زیادہ لی جاتی۔ جن کاموں میں پہلے گھوڑے اور اونٹ استعمال ہوتے تھے۔ ان میں اب جنگی قیدی استعمال ہونے لگے۔ اُن کے ہاتھوں مسجدیں مسمار کرائی گئیں۔ جنہوں نے انکار کیا، انہیں بے دردی سے قتل کیا گیا۔ کسی وحشی صلیبی نے ایک جنگی قیدی کو قتل کر کے اس کے جسم کا گوشت کاٹا اور پکا کر کھا گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ گوشت لذیذ ہے۔ اس کے بعد صلیبیوں نے انسان خوری (بلکہ مسلمان خوری) شروع کر دی۔ جب بھی کوئی جشن یا تقریب مناتے ایک دو تندرست

اور توانا مسلمانوں کو قتل کر کے ان کا گوشت کھاتے تھے۔

اس کی تردید عیسائی مورخین نے کی ہے لیکن انسان خوری کے واقعات خود یورپین مورخوں نے ہی اپنی تحریروں میں بیان کیے ہیں۔

مسجدوں کو حرام کاری کے لیے استعمال کرنے کے علاوہ صلیبیوں نے ان میں گھوڑے باندھے۔ مسجد اقصیٰ میں مختلف مسلمان سلاطین اور دیگر دولت مند زائرین نے سونے اور چاندی کے فانوس اور قندیلیں لگوائی تھیں۔ تحفے کے طور پر سونے اور چاندی کی کئی ایک اشیاء رکھی تھیں۔ صلیبیوں نے یہ تمام فانوس، قندیلیں اور بیش قیمت اشیاء اُٹھالیں اور مسجد کی منڈیر پر صلیب نصب کر دی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو بیت المقدس کی بے حرمتی اور وہاں کے مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کی یہ روئیداد اُس کے باپ نجم الدین ایوبی نے بچپن سے سنانی شروع کر دی تھی۔ نجم الدین ایوبی کو یہ روئیداد اس کے باپ (سلطان ایوبی کے دادا) شادی نے سنائی تھی۔ یہ روائیداد سلطان ایوبی کے خون میں شامل ہو گئی تھی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ بیت المقدس کو آزاد کرائے گا، اب جبکہ وہ اس مقدس شہر کو فتح کرنے نکلا تھا تو اُس کے دو بیٹے، الملک الافضل اور الملک الظاہر جوان تھے اور اس کی فوج میں تھے۔ بیت المقدس کے متعلق جو باتیں اُسے اپنے باپ نے سنائی تھیں، وہ اس نے اپنے بیٹوں کو یوں سنا دی تھیں جیسے ایک قیمتی ورثہ اُن کے حوالے کیا ہو۔

''بے مقصد جینے سے قبل از وقت مر جانا بہتر ہے''۔ اُس نے اپنے بیٹوں کی جنگی تربیت مکمل کر کے انہیں اپنی فوج میں شامل کرتے وقت کہا تھا...... ''یہ الفاظ تمہارے دادا مرحوم کے ہیں جو انہوں نے مجھے اُس وقت کہے تھے جب میں چچا شیرکوہ کے ساتھ صلیبیوں کے خلاف پہلی جنگ لڑنے کے لیے چلا تھا۔ انہوں نے کہا تھا، مجھے نظر آ رہا ہے کہ تم کسی جگہ کے حکمران بنو گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم سلطان بن جاؤ۔ یاد رکھو بیٹے! تم آج سے میرے بیٹے نہیں، قوم کے بیٹے ہو۔ قرآن کا حکم ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرو۔ اب تمہارے ماں باپ قوم اور سلطنت ہے۔ اولاد کو ماں باپ پر حکم چلانے اور اُن کا دِل دکھانے سے اللہ نے منع کیا ہے۔ خیال رکھنا یوسف! قوم کا دِل نہ دکھانا۔ دیکھنا کہ تم پر قوم کے کیا کیا حقوق ہیں۔ یہ ادا کرنا۔

''اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ جو لوگ قوم کی آن پر، اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں، انہیں نہ بھولنا۔ جو قوم اپنے شہیدوں کو بھول جاتی ہے، اُس قوم کو خدا بھول جاتا ہے۔ جس قوم سے خدا نظریں پھیر لیتا ہے، تم نہیں جانتے کہ یہ دُنیا اُس کے لیے جہنم بن جاتی ہے۔ اُس کی عبادت گاہیں اصطبل اور اُس کی بیٹیاں دشمن کی عیاشی کا سامان بن جاتی ہیں۔ اُس قوم کی تقدیر اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے...... جب تمہیں حکومت کی مسند پر بٹھایا جائے گا تو قوم کو رعایا نہ سمجھنا۔ بندوں پر حکومت کا حق صرف اللہ کا ہے، بندوں پر حکومت کر کے اللہ کی برابری کا گناہ کرو گے تو انجام مصر کے فرعونوں والا ہو گا۔ حکومت کا مطلب وہ ذمہ داری ہوتی ہے جو قوم کی طرف سے اللہ اُس کے حکمران پر عائد کرتا ہے۔ حکمران کی اپنی کوئی ذات نہیں رہتی۔ وہ فرد کی حیثیت سے مر جاتا ہے۔ وہ قوم کا امین اور قوم کا حصہ بن جاتا ہے۔ قوم کو فاقے کرنے پڑیں تو حکمران کو اپنا پیٹ نہیں بھرنا چاہیے۔ وہ اپنے منہ میں نوالہ ڈالے تو اُسے یقین کر لینا چاہیے کہ قوم کے ہر فرد کے منہ میں ایسا ہی نوالا جا رہا ہے۔ وہ جب گھوڑے پر سوار ہو تو دیکھے کہ اُس کی گردن مسجد کے مینار کی طرح اکڑ کر سیدھی تو نہیں ہو گئی؟......

''اور میرے عزیز بیٹو! تمہارے دادا نے کہا تھا کہ گردن اُس روز اونچی کرنا جس روز مسجدِ اقصیٰ کو کفار سے آزاد کرالو گے۔ اطمینان کی نیند اُس رات سونا جس رات مسجدِ اقصیٰ میں فتح کے نفل پڑھ لو گے اور اس مسجد کی دہلیز جہاں سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کے لیے اللہ کے حضور گئے تھے، اپنے آنسوؤں سے دھوؤ گے...... اور میرے بیٹو! وہ بچے جو بیت المقدس کی گلیوں اور مسجدوں میں قتل ہوئے تھے اور قوم کی وہ وہ بیٹیاں جو وہاں بے آبرو ہوئی تھیں، مجھے راتوں کو سونے نہیں دیتیں۔ جس مسجد میں میرے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدم گئے اور جس مسجد میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک جبیں نے سجدے کیے تھے، اس مسجد کی اینٹیں رات بھر میرے اوپر گرتی رہتی ہیں۔ میں بدک بدک جاتا ہوں۔ کبھی درد سے کراہتی ہوئی ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جیسے مسجدِ اقصیٰ میں قتل ہونے والے بچے بزبانِ گریہ اذانیں دے رہے ہوں...... وہ تمہیں پکار رہے ہیں میرے بیٹو! وہ مجھے پکار رہے ہیں......

''اور تمہارے دادا نے بڑھاپے سے کانپتے ہوئے ہاتھ مجھے دکھا کر کہا تھا کہ میں نے اپنی جوانی تمہیں دے دی ہے جو کام میں نہیں کر سکا وہ تم کرو۔ بیت المقدس جاؤ اور یہی تمہارے جینے کا مقصد ہوگا۔ سلطنت کی مسند پر بیٹھ کر اپنے دشمن کو اس لیے نظر انداز کیے رکھو گے کہ اطمینان سے قوم پر حکومت کر سکو تو اس مسند کی عمر طویل نہیں ہوگی۔ شہیدوں کی رُوحیں جنات بن کر تمہاری مسند کو اُلٹ دیں گی۔ جینے کا مقصد وہ رکھو جو خدا کو عزیز ہو اور جس میں قرآن کا حکم شامل ہو......

''میرے عزیز بیٹو! آج میں اپنے باپ کا ورثہ تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ آج سے تم میرے نہیں سلطنتِ اسلامیہ کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہاری ماں سے کہہ دیا کہ بھول جا تیری کوکھ نے کوئی بیٹے جنے تھے۔ اگر انہیں بھول نہ سکی تو اُن کی زندگی کی دُعا نہ کرنا، میں انہیں وہاں ذبح کرانے لے جا رہا ہوں جہاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ پر قربان کرنے کے لیے اس کی گردن پر چھری رکھی تھی۔ اگر دُعا کرنی ہے تو اللہ سے یہ التجا کرنا کہ تو نے جو دودھ ان بچوں کو پلایا ہے، یہ نور سے منور خون بن کر مسجدِ اقصیٰ کا فرش دھو ڈالے...... اور اللہ کرے گا ایسا ہی ہوگا۔ عہد کرو میرے بیٹو! میں زندہ نہ رہا تو بیت المقدس کو تم آزاد کراؤ گے''۔

اُس نے دونوں بیٹوں کو ۱۰۹۹ء کی خونچکاں داستان سنائی اور جب اُس نے بیٹوں کو جانے کی اجازت دی تو انہوں نے سلطان ایوبی کو اُس طرح سلام نہ کیا جس طرح بیٹے اپنے باپ کو کیا کرتے ہیں۔ وہ اُٹھے اور الافضل جو بڑا تھا، بولا...... ''سلطانِ عالی مقام! صرف شہید ہونا کوئی کارنامہ نہیں۔ ہم شہادت سے پہلے بیت المقدس کی گلیوں میں دشمنوں کا اتنا خون بہائیں گے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤں پھسلیں گے اور ہم دیکھیں گے کہ آپ مسجدِ اقصیٰ سے صلیب اپنے ہاتھوں اُتار کر صلیبیوں کے غلیظ خون میں پھینک رہے ہیں''۔

''مگر یہ خون نہتے شہریوں کا نہیں ہوگا، الافضل''...... سلطان ایوبی نے کہا۔

''یہ خون زرہ پوش صلیبیوں کا ہوگا''...... الافضل نے کہا...... ''یہ خون اس لوہے سے ٹپکے گا جس سے صلیبیوں نے اپنے جسم ڈھانپ رکھے ہیں۔ ایمان کی تلوار باطل کے فولاد کو کاٹنے کی طاقت رکھتی ہے''۔

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے''...... سلطان ایوبی نے کہا۔

بیٹوں نے فوجی انداز سے باپ کو سلام کیا اور باہر نکل گئے۔

☆

اب سلطان ایوبی بیت المقدس سے چالیس میل دُور بحیرۂ روم کے کنارے عسقلان میں اُس چیتے کی طرح بیٹھا

تھا جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے تیار ہو۔ جذباتی طور پر وہ فوراً بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کرنے کو تیار تھا، لیکن وہ جنگ کے حقائق کو دیکھ رہا تھا۔ یہ چالیس میل کا فاصلہ تو جیسے آتش فشاں چٹانوں سے بھرا پڑا تھا۔ بیت المقدس کا دفاع ہی ایسا تھا۔ صرف شہر کے اِردگرد ہی دیوار نہیں تھی بلکہ اس شہر کے اِردگرد دُور دُور تک کے علاقے میں چھوٹی چھوٹی قلعہ بندیاں اور صلیبی فوج کی چوکیاں (آؤٹ پوسٹیں) تھیں۔ گشتی پہرے کا انتظام بھی تھا۔ گھوڑ سوار پارٹیاں اُن راستوں پر گھومتی پھرتی رہتی تھیں جن سے بیت المقدس تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اب یہ دفاعی انتظامات پہلے سے زیادہ سخت کر دیئے گئے تھے۔ بیت المقدس کے اندر جو فوج تھی اس کے جرنیلوں کو سلطان ایوبی کی ہر ایک نقل و حرکت کا علم تھا، مگر اُن میں اب اتنی ہمت نہیں رہی تھی کہ سلطان ایوبی کو عسقلان میں روک لیتے یا اُس پر جوابی حملہ کرتے۔ حطین سے عسقلان تک سلطان ایوبی نے اُن کی عسکری قوت کا بہت زیادہ خون نکال لیا تھا۔

بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان تھا جو حطین میں جنگی قیدی ہو گیا اور اب دمشق کے قید خانے میں تھا۔ وہ جو فوج اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کا کچھ حصہ مارا گیا۔ کچھ جنگی قیدی ہوا اور باقی فوج ایسی بھاگی کہ اب اُس کے افسر، سپاہی اور زرہ پوش نائٹ زخمی یا خوف زدگی کی حالت میں بیت المقدس میں آ رہے تھے۔ نائٹوں کے مورال میں کچھ جان تھی کیونکہ انہیں اپنے رتبے اور اعزاز کا پاس تھا۔ دیگر فوج نے شہر میں جا کر دہشت پھیلا دی۔ جرنیلوں نے نائٹوں کو از سرِ نو منظم کر لیا۔ اس طرح بیت المقدس کے اندر کی تعداد ساٹھ ہزار ہو گئی تھی۔ چونکہ یہ تمام آبادی کو معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر پر شہر فتح کرتا آ رہا ہے، اس لیے شہری بھی لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ شہر کے دفاع کو اور زیادہ مستحکم کر لیا گیا۔

شہر کے ایک دو دروازوں کو دن کے دوران کھلا رکھنا پڑتا تھا کیونکہ میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے صلیبی اکیلے اکیلے اور دو دو چار چار کی ٹولیوں میں آتے رہتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوس پہلے ہی شہر میں موجود تھے، اب بھاگے ہوئے صلیبیوں کے بھیس میں چند اور جاسوس اندر چلے گئے اور شہر کے دفاعی انتظامات اور دیوار کو اچھی طرح دیکھ کر نکل بھی آئے۔ مسلمانوں پر پابندیاں پہلے سے زیادہ سخت کر دی گئیں۔

☆

بیت المقدس سے دس بارہ میل عسقلان کی طرف صلیبیوں کی ایک چوکی تھی جس میں ایک سو کے قریب صلیبی فوجی رہتے تھے، انہوں نے خیمے نصب کر رکھے تھے۔ ستمبر ۱۱۸۷ء کی ایک رات اُن کی چوکی کے قریب ایک دھماکا سا ہوا، پھر دو تین اور ایسے ہی دھماکے ہوئے۔ اُن کے فوراً بعد شعلے اُٹھے اور تین چار خیمے جلنے لگے۔ سپاہی جاگ کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ جونہی فوجیوں میں ہلچل مچی، اُن پر ہر طرف سے تیر آنے لگے۔ جلتے خیموں کی روشنی میں وہ نظر آ رہے تھے۔ یہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کے ایک چھاپہ مار جیش نے چھوٹی منجنیق سے پھینکی تھیں۔ یہ چوکی میں گر کر ٹوٹیں تو جہاں یہ گری تھیں وہاں جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے گئے۔ آتش گیر سیال جل اُٹھا۔

صلیبی اِدھر اُدھر بھاگے تو انہیں پتہ چلا کہ وہ گھیرے میں آئے ہوئے ہیں اور زندہ نکل نہیں سکیں گے۔ چھاپہ ماروں نے للکارنا شروع کر دیا...... ''زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال کر ایک طرف کھڑے ہو جاؤ''...... شعلوں کی دہشت اور تباہ کاری تو اپنی جگہ تھی، سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی للکار نے صلیبیوں کا رہا سہا دم خم بھی ختم کر دیا۔ وہ ہتھیار ڈال کر چھاپہ ماروں کی حراست میں آ گئے۔ اُن کی تعداد پچیس تیس رہ گئی تھی۔ اُن سے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ لے کر پیچھے بھیج دیا گیا۔

صبح طلوع ہوئی تو اس جلی ہوئی چوکی میں سلطان ایوبی کے ہراول دستے کا ایک جیش پہنچ چکا تھا۔ اس سے فوج

کی پیش قدمی خاصے دُور علاقے تک محفوظ ہوگئی۔ چھاپہ ماروں کی حالت جنگل کے درندوں کی سی ہوگئی تھی۔ دو دو جانباز جھاڑیوں، ٹیکریوں اور چٹانوں میں چھپ چھپ کر گھومتے پھرتے رہتے تھے، جہاں انہیں گشتی سواروں یا پیادہ سپاہیوں کی آواز آتی، وہ چھپ جاتے اور جب صلیبی قریب آتے یہ اُن پر ٹوٹ پڑتے۔ دو آدمی اگر چھ آدمیوں پر ٹوٹ پڑیں تو دو کا کیا حشر ہوتا ہوگا۔ اس سے چھاپہ مار شہید بھی ہوتے تھے، زخمی بھی۔

یہ اُن کی انفرادی جنگ تھی۔ انہیں کوئی کمانڈر نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ کہیں اِدھر اُدھر چھپے رہتے تو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا لیکن جسمانی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں جو روحانی اور ذہنی ٹریننگ دی گئی تھی، اس نے انہیں آگ بگولا کر رکھا تھا۔ حطین کی فتح کے بعد سلطان ایوبی نے جو بڑے شہر فتح کیے تھے، وہاں کے مسلمانوں کی حالت فوج کو دکھائی گئی تھی۔ انہیں مسجدوں کی بربادی اور بے حرمتی دکھائی گئی تھی اور انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ جنگ کسی بادشاہ کی بادشاہی کے تحفظ کے لیے نہیں لڑی جارہی بلکہ یہ اسلام کے تحفظ اور اس عظیم مذہب کے دشمن کے خلاف لڑی جارہی ہے۔ اس ٹریننگ سے یہ جنگ اُن کے ایمان کو جزو بن گئی تھی۔

عسقلان میں سلطان ایوبی رات کو سوتا بھی کم ہی تھا۔ چھاپہ ماروں کی طرف سے قاصد آتے رہتے تھے اور بیت المقدس سے کوئی جاسوس بھی آجاتا تھا۔ یہ رات کو بھی آتے تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے رکھا تھا کہ کہیں سے کوئی پیغام کسی بھی وقت آئے تو اُسے اُسی وقت دیا جائے، خواہ وہ گہری نیند سو رہا ہو۔ چھاپہ ماروں کی رپورٹیں یہی ہوتی تھیں کہ فلاں مقام پر صلیبیوں کی ایک چوکی پر حملہ کیا گیا۔ اتنے صلیبی مارے گئے اور اتنے چھاپہ مار شہید اور زخمی ہوئے ہیں اور فلاں راستہ صاف کرلیا گیا ہے۔ اس کے مطابق سلطان ایوبی نقشے پر پیش قدمی کے راستے کی لکیر میں ردوبدل کرتا رہتا تھا۔

☆

سلطان ایوبی نے سالاروں اور نائب سالاروں کی آخری کانفرنس منعقد کی۔ اس میں بحریہ کے کپتان الفارس بیدرَون کو بھی بلایا گیا۔ الفارس کے پاس جب قاصد پہنچا، اُس وقت اس کا جہاز عسقلان کے بیس میل دُور کھلے سمندر میں تھا۔ کشتی اُس تک پہنچتے آدھا دِن لگ گیا اور الفارس اسی کشتی میں رات کو عسقلان پہنچا۔ قاصد نے اُسے بتایا تھا کہ سلطان نے تمام سالاروں کو بلایا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بیت المقدس پر حملے کے متعلق اجلاس ہوگا۔ جہاز سے قاصد کے ساتھ روانہ ہوتے وقت اس نے دونوں لڑکیوں کو بتایا کہ وہ عسقلان جارہا ہے۔

''سلطان نے بلایا ہے؟'' ایک لڑکی نے پوچھا۔

''کیوں بلایا ہے؟'' دوسری نے پوچھا۔

''میرے سرکاری فرائض کے متعلق تم پوچھنا کیوں ضروری سمجھتی ہو؟'' الفارس نے انہیں کہا..... ''تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میری ذات کے سوا کچھ اور نہ پوچھا کرو''۔

دونوں ہنس پڑیں۔ ایک بولی۔ ''اگر ہم اس قابل ہوتیں تو آپ کی غیر حاضری میں آپ کے جہاز کو سنبھالے رکھتیں اور دشمن کے جہاز آجاتے تو اُن سے لڑائی کرتیں''۔

''تم جس قابل ہو، میں تم سے وہی کام لوں گا''۔ الفارس نے کہا..... ''میری غیر حاضری میں زیادہ وقت نیچے ہی گزارنا۔ اوپر جا کر ملاحوں اور عسکریوں کے کام میں دخل نہ دینا''۔

''آپ کب واپس آئیں گے؟''

''رات شاید نہ آسکوں''۔ الفارس نے جواب دیا۔''کل شام تک آسکوں گا''۔

الفارس لڑکیوں میں پوری طرح گھل مل گیا تھا۔ وہ اُس سے سلطان ایوبی کے آئندہ اقدامات کے متعلق اکثر پوچھتی تھیں۔ یہ بھی پوچھا کرتیں کہ بحیرۂ روم میں مصر اور شام کا بحری بیڑہ بندرگاہوں میں ہے یا سمندر میں اور کل کتنے جہاز ہیں، ان میں فوج کتنی ہے۔ الفارس نے انہیں ٹالنے کی بجائے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے ایسے سوال نہ پوچھا کریں۔ اس کے باوجود وہ اپنے حُسن اور ناز و ادا کا طلسم طاری کر کے اُس سے کوئی ایسی بات پوچھ ہی بیٹھتیں تھیں جو فوجی راز ہوتا تھا۔ الفارس جذباتی مدہوشی سے فوراً بیدار ہو جاتا اور انہیں پیار سے ڈانٹ دیا کرتا تھا۔

نشے کی حالت میں اِنسان دِل میں چھپائی ہوئی بات اُگل دیا کرتا ہے۔ نشہ خواہ شراب کا ہو یا کسی دوائی کا مگر الفارس شراب نہیں پیتا تھا، نہ جہاز میں کسی کو شراب یا کوئی اور نشہ آور چیز رکھنے کی اجازت تھی۔ الفارس بدکار بھی نہیں تھا مگر وہ اپنے آپ پر ان لڑکیوں کا نشہ طاری کر لیا کرتا تھا جس سے اُس کی تھکن دُور ہو جاتی اور وہ تازہ دم ہو جایا کرتا تھا۔ یہ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ الفارس میں نہ شراب کی عادت ہے، نہ اُس کے جذبات سفلی اور حیوانی ہیں تو انہوں نے اس پر پیار اور محبت کا نشہ طاری کرنا شروع کر دیا تھا، مگر الفارس اپنے فرائض اور ذمہ داری کا اتنا پکا تھا کہ جذبات پر مدہوشی طاری ہوتی تو بھی اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتا تھا۔

☆

ایک رات الفارس گہری نیند سویا ہوا تھا۔ لڑکیاں اپنے کیبن میں تھیں۔ دونوں اوپر چلی گئیں اور عرشے کے جنگلے کے سہارے سمندر پر چاندنی کے بکھرے اور چمکتے ہوئے موتیوں سے لطف اُٹھانے لگیں۔

''روزی!'' ایک لڑکی نے دوسری سے کہا..... ''مجھے اپنے سامنے گہرا اندھیرا نظر آتا ہے۔ الفارس لگتا موم ہے لیکن کوئی ایسی ویسی بات پوچھو تو پتھر بن جاتا ہے۔ میرا خیال ہے ہم اپنا یہاں کام نہیں کر سکیں گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اینڈریو آئے تو اُسے کہیں کہ ممکن ہو تو ہمیں یہاں سے لے جائے؟''

اینڈریو وہ آدمی تھا جو چھوٹی سی کشتی جہازوں کے قریب لے جا کر کھانے پینے اور ضروریات کی اشیاء جہاز کے ملاحوں اور سپاہیوں کے ہاتھ بیچتا تھا۔ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہے کہ یہ آدمی ان لڑکیوں کو اتفاق سے ملا تھا۔ وہ غریب ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنی کشتی پر الفارس کے جہاز کے قریب چیزیں بیچنے آیا تھا۔ اس نے لڑکیوں اور لڑکیوں نے اُسے پہچان لیا تھا اور انہوں نے رسّیوں کی سیڑھی نیچے کروا کر اُسے چیزیں خریدنے کے بہانے اوپر بلا لیا تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو بتایا تھا کہ وہ الفارس کے ان چھ جہازوں کے ساتھ سائے کی طرح لگا ہوا ہے اور وہ موقع ملتے ہی ان جہازوں کو تباہ کرا دے گا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ کس طرح الفارس سے ملی تھیں اور انہوں نے خانہ بدوش بن کر اس جہاز میں پناہ لے لی ہے۔ لڑکیوں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ وہ پناہ کے بہانے جاسوسی اور تباہ کاری کریں گی۔

اس آدمی کا نام اینڈریو تھا اور وہ تخریب کار جاسوس تھا۔ پہلی ملاقات کے بعد وہ دوبارا اپنے بہروپ میں آیا اور لڑکیوں سے ملا تھا۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ الفارس اُن کے جال میں نہیں آرہا اور وہ کوئی راز نہیں دیتا۔ اینڈریو یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ جہاز کب تک اس ڈیوٹی پر رہیں گے اور یہ ٹائر کی طرف جائیں گے یا نہیں۔ اس نے لڑکیوں سے کہا تھا..... ''معلوم ہوتا ہے تم اپنا فن بھول گئی ہو۔ اس جہاز میں اکیلا الفارس نہیں، اُس کا نائب بھی ہے اور اُس کے نیچے ایک افسر اور بھی ہے۔ ان میں سے کسی کو گانٹھ لو۔ ان میں رقابت پیدا کر دو۔ الفارس کے نائب کو اس کا دشمن بنا دو۔ اپنا جادو

چلاؤ۔ تم کیا نہیں جانتیں؟ سب جانتی ہو''۔

اُس رات ایک لڑکی دوسری سے مایوس ہو کر کہہ رہی تھی کہ روزی، اینڈریو آئے تو اُسے کہتی ہیں کہ ہمیں یہاں سے نکال لے جائے۔

''سنو فلوری!'' روزی نے اُسے جواب دیا..... ''اینڈریو ہمیں یہاں سے نہیں نکال سکے گا۔ یہ جنگی جہاز ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ رات کو عرشے پر، بلکہ وہ اوپر دیکھو، مستول پر مچان بنائے ایک بحری سپاہی کھڑا ہے۔ فرار کی کوشش میں ہمارے ساتھ اینڈریو کے پکڑے جانے کا بھی امکان ہے۔ ہمیں اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیے''۔

''دوسرا حربہ استعمال کریں؟'' فلوری نے پوچھا۔

''کرنا پڑے گا''۔ روزی نے کہا..... ''الفارس کا نائب کپتان تو پہلے ہی ہمیں بھوکی نظروں سے دیکھتا اور مُسکراتا رہتا ہے۔ یہ لوگ بڑے لمبے عرصے سے سمندر میں ہیں۔ ان کے سروں پر موت منڈلاتی رہتی ہے۔ خدا نے مرد میں عورت کی جو کمزوری پیدا کی ہے، وہ اسی کیفیت میں اُبھرتی ہے۔ اشارے کی دیر ہے۔ یہ بتادو کہ یہ کام میں کروں یا تم کرو گی۔ تمہیں مجھ سے زیادہ تجربہ حاصل ہے''۔

''میں ہی کر لیتی ہوں''۔ فلوری نے کہا۔

''لیکن اس کام کے اصول یاد رکھنا''..... روزی نے کہا..... ''راز لے لینا لیکن اس کی قیمت صرف دکھا دینا، ادا نہ کرنا۔ اس شخص میں اتنی تشنگی بلکہ دیوانگی پیدا کرنا کہ یہ شخص تمہیں یا الفارس کو قتل کرنے کی باتیں کرنے لگے''۔

الفارس کا نائب رؤف کُرد تھا۔ وہ اِن لڑکیوں کو دیکھتا اور مُسکراتا رہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ الفارس کی بیویاں یا داشتہ نہیں اور یہ خانہ بدوش ہیں، جنہیں الفارس نے اپنے جہاز میں پناہ دی ہے۔ رؤف کُرد کے دِل میں لڑکیوں نے ہلچل بپا کر دی تھی۔ اُس رات جب یہ لڑکیاں عرشے پر جنگلے کا سہارا لیے باتیں کر رہی تھیں، رؤف اپنی ڈیوٹی پر کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ الفارس سلطان ایوبی کے بلاوے پر جاچکا تھا۔ اب جہاز رؤف کُرد کی تحویل میں تھا۔

فلوری عرشے کے جنگلے کے ساتھ کھڑی رہی۔ روزی ٹہلنے کے انداز سے وہاں سے چل پڑی اور رؤف کُرد کے قریب سے گزرتے مُسکرائی۔ رؤف کُرد نے اُسے اپنے پاس بلایا اور رسمی سی باتیں کیں۔ روزی چلنے لگی تو رؤف کُرد نے اُسے رُکنے کو کہا۔

''میں آپ کے پاس رُکی رہتی تو وہ (فلوری) ناراض ہوگی''۔ روزی نے کہا۔

''ناراض کیوں ہوگی؟''

''اپنے اپنے دِل کی بات ہے''۔ روزی نے کہا..... ''ایک روز الفارس نیچے سو رہے تھے اور میں اوپر آپ کے پاس کھڑی تھی تو اس (فلوری) نے دیکھ لیا۔ بعد میں کہنے لگی ..... ''میری ملکیت پر قبضہ نہ کرو۔ رؤف میرا ہے۔ جب ہم مصر جائیں گے تو میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی''..... یہ الفارس کو پسند نہیں کرتی اور اس ڈر سے آپ کے قریب نہیں آتی کہ الفارس ناراض ہوگا''۔

رؤف کُرد کے جذبات میں زلزلے بپا ہو گئے۔ مردانہ فطرت کی کمزوری نے اُس سے ہتھیار ڈلوا لیے۔ اُس نے فلوری اور روزی سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں بھی دیکھی تھیں لیکن ان کے حُسن اور ڈیل ڈول میں جو زہد شکن کشش تھی، وہ اس نے کسی لڑکی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اب اُسے یہ پتہ چلا کہ ان میں سے ایک اُسے چاہتی ہے تو اُس کا دِل

جذبات کے بنائے اُس راستے پر چلنے لگا جس پر مرد جاتے نظر آتے ہیں، واپس آتے دکھائی نہیں دیتے۔ روزی اُسے طلسم ہوشربا میں چھوڑ کر چلی گئی۔ اُس نے اپنے کیبن میں اُترنے والی سیڑھیوں پر پاؤں رکھ کر پیچھے دیکھا۔ رؤف کُرد آہستہ آہستہ فلوری کی طرف جا رہا تھا۔

''آج رات سوؤ گی نہیں جواشی؟'' رؤف کُرد نے فلوری کا وہ نام لیا جو اُس نے الفارس کو بتایا تھا۔ روزی نے اپنا نام ازمیر بتایا تھا۔ خانہ بدوشوں کے نام اسی قسم کے ہوا کرتے تھے۔

رؤف کُرد کو اپنے قریب کھڑا دیکھ کر وہ ٹریننگ کے مطابق ایسے انداز سے شرمائی اور مُسکرائی کہ اس انداز سے کنواری دُلہن بھی نہ شرماتی ہوگی۔ رؤف کُرد نے اُس کندھے پر ہاتھ رکھا تو فلوری سکڑ گئی۔

''ازمیر نے مجھے تمہارے متعلق کچھ بتایا ہے''...... رؤف کُرد نے کہا...... ''کیا یہ سچ ہے؟''

فلوری نے اُس کی طرف دیکھا اور فوراً گردن گھما کر سمندر کی طرف دیکھنے لگی۔ رؤف کُرد نے اپنا سوال دُہرایا اور فلوری کے اس ہاتھ پر ہاتھ رکھا جو جنگلے پر رکھا تھا۔ فلوری نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اُلٹا کر کے اُنگلیاں رؤف کُرد کی اُنگلیوں میں اُلجھا دیں...... تھوڑی ہی دیر بعد فلوری اُس جگہ رؤف کُرد کے ساتھ بیٹھی تھی، جہاں اُس کی ڈیوٹی تھی۔ جہاز نے لنگر ڈال رکھے تھے۔ دو تین چار بتیاں سمندر پر تیر رہی تھیں۔ یہ الفارس کے جہاز تھے جو گشت کر رہے تھے۔

آدھی رات کو رؤف کُرد کی جگہ اُس کے ایک ماتحت افسر کو ڈیوٹی پر آنا تھا۔ رؤف کُرد نے فلوری سے کہا کہ وہ اس کے کیبن میں چلے اور وہ آتا ہے۔ فلوری چلی گئی۔

جہاز کے عرشے سے صبح کی اذان کی آواز آئی تو فلوری رؤف کُرد کے کیبن سے نکلی۔ اُس نے الفارس کے اس نائب کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ اُسے دِل و جان سے چاہتی ہے اور الفارس کو وہ خاوند کی حیثیت سے کبھی قبول نہیں کرے گی۔ اُس نے رؤف کُرد سے یہ بھی کہا...... ''الفارس مجھے کہتا تھا کہ رؤف کے ساتھ بات نہ کرنا، بہت بُرا آدمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بہت بُرا آدمی ہے۔ اس نے ہمیں پناہ تو دی ہے لیکن ہماری مجبوری سے پورا پورا فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ اگر ہم اتنی مجبور نہ ہوتی تو اتنی زیادہ قیمت کبھی نہ دیتیں''۔

رؤف کُرد کے دِل میں اپنی محبت کا دھوکہ اور الفارس کی دشمنی پیدا کر کے وہ اس کے کیبن سے نکل آئی اور جو باتیں اُسے الفارس نے کبھی نہیں بتائی تھی، وہ رؤف کُرد نے اُسے بتا دیں۔

اُس رات سلطان ایوبی سویا نہیں۔ رات اجلاس میں گزر گئی۔ وہ ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا جس سے بیت المقدس کا محاصرہ ناکام ہو جائے۔ اس نے سالاروں وغیرہ کو بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ نقشے پر دکھایا۔ اُس نے نقشے پر اُن جگہوں پر نشان لگا رکھے تھے جہاں کچھ دن پہلے صلیبیوں کی چوکیاں تھیں اور اب وہاں اپنے چھاپہ مار تھے یا ہراول کی تھوڑی نفری تھی یا وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ راستہ صاف تھا۔ ایسی جگہوں پر بھی اُس نے نشان لگا رکھے تھے جہاں صلیبیوں کی قلعہ بندیوں کی ساخت کی چوکیاں ابھی موجود تھیں اور اُن میں نفری کچھ زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی نے سب کو بتایا کہ اس نے اُن پر قبضہ کرنے کی کوشش ہی نہیں کیونکہ وہ اپنی جنگی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا علاج اس نے یہ بتایا کہ یہ سب چوکیاں بلندیوں پر ہیں، اس لیے انہیں نظر انداز کر کے ذرا سا دُور سے گزرنا ہے۔ ان میں جو فوج ہے، وہ ان میں بیٹھی رہے۔ یہ تھوڑی تھوڑی نفری باہر آ کر ہمارا راستہ روکنے کی جرأت نہیں کرے گی۔

''لیکن دُور سے ہمیں دیکھ کر ان میں سے قاصد بیت المقدس جا خبر دیں گے''۔ ایک سالار نے کہا۔ ''پھر ہم

بیت المقدس والوں کو بے خبری میں نہیں لے سکیں گے"۔

"بے خبری میں جالینے کی اُمید دِل سے نکال دو"۔ سلطان ایوبی نے کہا..... "صلیبیوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم بیت المقدس جارہے ہیں۔ ان کا انداز بتاتا ہے کہ وہ بیت المقدس کے راستے میں ہمارے مقابلے میں نہیں آئیں گے۔ ایک تو شہر میں پہلی فوج ہے جو کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئی۔ یہ شہر کے دفاع کے لیے محفوظ اور تیار رکھی گئی ہے، وہاں سے جاسوس اطلاع لائے ہیں کہ یہ فوج دِن رات محاصرے میں لڑنے اور محاصرہ توڑنے کی مشق کرتی رہتی ہے۔ اس میں اضافہ یوں ہوا ہے کہ ہم نے جو مقامات فتح کیے وہاں کی بھاگی ہوئی فوج بھی بیت المقدس چلی گئی ہے۔ اس میں زرہ پوش نائٹ بھی ہیں۔ ہمارے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ محاصرے کے دوران یہ نائٹ دروازوں سے باہر آکر حملے کریں گے اور ہر حملے کے بعد شہر میں چلے جائیں گے۔ انہوں نے یہ طریقہ ہم سے سیکھا ہے۔ جھپٹا مارو اور غائب ہو جاؤ۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ تم دشمن کو بے خبری میں جالو گے۔ دشمن تمہارے انتظار میں تیار کھڑا ہے، پھر بھی میں نے انتظام کر رکھا ہے کہ صلیبیوں کی کسی چوکی سے کوئی قاصد بیت المقدس نہ پہنچ سکے۔ بیت المقدس اور اُن کی چوکیوں کے درمیان ہمارے چھاپہ مار موجود ہیں۔ کسی کو زندہ نہیں جانے دیں گے.....

"فوج کی تعداد کے متعلق جاسوس مختلف اطلاعیں لائے ہیں۔ ان سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ بیت المقدس کے اندر صلیبیوں کی باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار سے کچھ زیادہ ہوسکتی ہے، کم نہیں ہوگی۔ یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ وہاں مسلمان قید اور نظر بندی میں ہیں، اس لیے وہ اندر سے ہماری کوئی مدد نہیں کرسکیں گے۔ اس مقابلے میں عیسائی شہری اپنی فوج کے دوش بدوش محاصرے میں بے جگری سے لڑیں گے۔ عیسائیوں نے اپنے بچوں کو بھی تیر اندازی کی تربیت دے رکھی ہے۔ شہر کی دیواروں کے اوپر سے ہم پر تیر صحیح معنوں میں موسلا دھار بارش کی طرح آئیں گے۔ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ صلیبی تیر پھینکنے کے لیے ایک نئی کمان لائے ہیں جس کی شکل صلیب کی سی ہے۔ اس سے تیر دُور بھی جاتا ہے اور نشانہ بھی صحیح ہوتا ہے"۔

سلطان ایوبی نے نقشے پر حاضرین کو تمام جگہیں اور راستے وغیرہ دکھائے پھر محاصرے کے متعلق ہدایات دیں اور سب سے پوچھا کہ یہ آخری اجلاس ہے، اس لیے کسی کے ذہن میں کوئی ذرا سا بھی شک ہو تو وہ رفع کرلے اور کوئی سوال خواہ وہ کتنا ہی بے معنی کیوں نہ ہو، پوچھ لے۔ قاضی بہاؤ الدین شداد جو اس تاریخی جنگی مہم میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا، اپنی ڈائری، "سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی" میں لکھتا ہے..... "سلطان ایوبی نے (اس آخری اجلاس میں) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی..... "جس کے لیے کامیابی کا دروازہ کھل جاتا ہے، اُسے فوراً داخل ہو جانا چاہیے، معلوم نہیں، یہ دروازہ کب بند ہو جائے۔ سلطان ایوبی بہت تیزی سے مقبوضہ علاقے اور قلعے فتح کرتا آرہا ہے، اس لیے وہ بیت المقدس پر یلغار کو التوا میں ڈالنے کے سخت خلاف تھا۔ اُس نے کہا..... "خدا نے ہماری کامیابی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ بند ہونے سے پہلے اس میں داخل ہو جاؤ"۔

"میرے رفیقو!" اُس نے نقشہ الگ رکھتے ہوئے کہا..... "حطین کی جنگ سے پہلے میں نے تمہیں ایک دو باتیں کہی تھیں، انہیں دُہرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد ہم باتیں نہیں کرسکیں گے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ ہم ایک دوسرے کو زندہ ملیں گے بھی یا نہیں۔ اس سے پہلے ہم نے صرف لڑائیاں لڑی ہیں۔ خانہ جنگی میں ایک دوسرے کا خون بہایا اور دشمن کو وقت اور مواقع فراہم کیے ہے کہ ہمارے علاقوں میں اپنے قلعے مضبوط اور بیت المقدس کا دفاع مستحکم کرلے، پھر ہم زمین دوز جنگ لڑتے رہے۔ صلیبی طلسماتی حُسن والی اور ناز و ادا اور چرب زبانی کی ماہر لڑکیاں ہمارے امیروں،

وزیروں، فوجی اور شہری حاکموں کے پاس بھیجتے رہے۔ صلیبیوں نے تخریب کاری اور سازش کے ماہرین ہماری صفوں میں داخل کیے۔ ان لڑکیوں اور اِن آدمیوں نے جو تباہی مچائی، اس سے تم میں سے کوئی بھی بے خبر نہیں۔ علی بن سفیان، غیاث بلبیس اور ان کے محکموں نے بڑی جانفشانی سے اس نظر نہ آنے والے محاذ پر دشمن کا مقابلہ کیا۔ میرے ہاتھوں تجربہ کار حکام اور سالار غداری کے جرم میں قتل ہوئے۔ بغاوتیں ہوئیں اور ہم نے دبائیں......

''دشمن کا مقصد کیا تھا؟...... نظریاتی تخریب کاری اور ہمارے مذہب اور ایمان کو کمزور کرنا اور ہماری اُٹھتی ہوئی نسل کو ذہنی عیاشی کا عادی بنا دینا۔ دشمن نے ہمارے درمیان ایمان فروش پیدا کیے۔ دشمن کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض رہے اور ہمارے ایمان فروش بھائیوں کی مدد سے مکہ معظمہ پر بھی قابض ہو جائے، تم بھولے نہیں ہو گے کہ پانچ سال گزرے جب میں شمالی علاقوں میں دشمن سے اُلجھا ہوا تھا، ریجنالڈ (شہزادہ ارناط) مدینہ منورہ سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ یہ میرے بھائی الملک العادل اور امیر البحر حسام الدین لولوء کا کمال تھا کہ انہوں نے بروقت حرکت کی اور اس صلیبی کو پسپا کیا۔ میں نے اُسے اپنے ہاتھوں قتل کر کے انتقام لے لیا ہے......

''دشمن کا مقصد ہمارے مذہب کے سرچشموں کو بند کرنا اور انہیں عیسائیت کا منبع بنانا ہے۔ ہمیں دشمن کے مقصد اور عزائم کو تباہ کرنا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس جنگ کے اس پہلو کو سامنے رکھو، یہ ہماری نظریاتی جنگ ہے۔ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا نہیں لیکن مذہب کے تحفظ کے لیے میں تلوار کو ضروری سمجھتا ہوں۔ قوم نے تلوار سپاہی کے ہاتھ میں دی ہے اور قوم کی تاریخ نے نظر ہم پر لگا دی ہیں۔ خدائے ذوالجلال کی نظریں بھی قوم کے سپاہی پر لگی ہوئی ہیں۔ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رُوح مبارک ہمیں دیکھ رہی ہے۔ ذرا غور کرو، ہماری ذمہ داری کتنی مقدس اور ہمارا فرض کتنا عظیم ہے۔ اللہ کا سپاہی حکومت نہیں کرتا، اللہ کی حکومت کا تحفظ کیا کرتا ہے''۔

سلطان ایوبی نے جذباتی سی آہ لے کر کہا...... ''آہ میرے رفیقو! سولہ ہجری کا ربیع الاوّل یاد کرو جب عمرو بن العاصؓ اور ان کے ساتھی سالاروں نے بیت المقدس کو کفار سے آزاد کرایا تھا۔ حضرت عمرؓ اُس وقت خلیفہ تھے۔ وہ بیت المقدس گئے۔ حضرت بلالؓ اُن کے ساتھ تھے۔ ان سب نے مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھی تھی اور اس نماز کی اذان بڑی مدت بعد حضرت بلالؓ نے دی تھی۔ حضرت بلالؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد ایسے خاموش ہوئے تھے کہ لوگ اُن کی پُرسوز آواز کو ترس گئے تھے۔ انہوں نے اذان دینی چھوڑ دی تھی، لیکن مسجدِ اقصیٰ میں آ کر حضرت عمرؓ نے انہیں کہا کہ بلالؓ! مسجدِ اقصیٰ اور بیت المقدس کے در و دیوار نے بڑی لمبی مدت سے اذان نہیں سنی۔ آزادی کی پہلی اذان تم نہ دو گے؟''...... حضور مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد پہلی بار حضرت بلالؓ نے اذان دی اور جب انہوں نے کہا ''اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰه'' تو مسجدِ اقصیٰ میں سب کی دھاڑیں نکل گئی تھیں......

''میرے عزیز دوستو! ہمارے دَور میں ایک بار پھر مسجدِ اقصیٰ اذان کو ترس رہی ہے۔ نوے برسوں سے اس عظیم مسجد کے در و دیوار کسی مؤذن کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ یاد رکھو، مسجدِ اقصیٰ کی اذانیں ساری دُنیا میں سنائی دیتی ہیں۔ صلیبی ان اذانوں کا گلا گھونٹ رہے ہیں...... اس مقدس مقصد کو سامنے رکھو۔ ہم کوئی عام سی جنگ لڑنے نہیں جا رہے ہیں، ہم اپنے خون سے تاریخ کا وہ باب پھر لکھنے جا رہے ہیں جو عمرو بن العاصؓ اور اُن کے ساتھیوں نے لکھا اور ان کے بعد آنے والوں نے اس درخشاں باب پر سیاہی پھیر دی تھی، اگر چاہتے ہو کہ خدا کے حضور ماتھوں پر روشنی لے کر جاؤ اور اگر چاہتے ہو کہ آنے والی نسلیں تمہاری قبروں پر آ کر پھول چڑھایا کریں تو تمہیں بیت المقدس میں یہ منبر رکھنا ہو گا جو بیس سال گزرے نور

الدین الدین زنگی مرحوم ومغفور نے وہاں رکھنے کے لیے بنوایا تھا"۔

اُس نے یہ منبر سب کو دکھایا اور کہا...... "یہ منبر زنگی مرحوم کی بیوہ اور اُس کی بیٹی لائی ہیں۔ ہمیں اس بیٹی کی لاج رکھنی ہے جو قوم کی دو سو بیٹیاں کو ساتھ لائی ہے کہ ہم میں سے کوئی میدانِ جنگ میں پیاسا نہ مر جائے۔ کوئی زخموں سے اس لیے نہ مر جائے کہ مرہم پٹی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ تم جانتے ہو کہ میں میدانِ جنگ میں عورتوں کو لانے کے حق میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ ان لڑکیوں کو میں نے اس لیے رکھ لیا ہے کہ غیرت اور قومی وقار کی یہ علامت ہمارے سامنے رہے اور ہم سب یاد رکھیں کہ ہماری اسی قسم کی بیٹیاں بیت المقدس میں کفار کی درندگی اور عیاشی کا شکار ہو رہی ہیں۔ یاد رکھو میرے رفیقو! قوم کی بیٹی اور قوم کے شہید کو فراموش کر دینے والی قوم کو خدا بھی فراموش کر دیا کرتا ہے اور اُس کی لوحِ تقدیر پر عمر بھر کی لعنت لکھ دی جاتی ہے...... یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ تم روزِ قیامت لعنتیوں میں اُٹھائے جاؤ گے یا اُن میں جن کے متعلق رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خدا سے کہیں گے کہ یہ ہیں وہ سرفروش جنہوں نے کفر کے طوفان کو روکا اور تیرے مذہب کا نام بلند کیا تھا"۔

سلطان ایوبی ایسی جذباتی باتیں کرنے کا عادی نہیں تھا لیکن (قاضی بہاؤ الدین شداد اور اُس دَور کے وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق) بیت المقدس کے معاملے میں وہ اس قدر جذباتی تھا کہ جب بھی اُس کا ذکر کرتا، اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے یا وہ غصے میں ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کے گھونسے مارنے لگتا اور بے چینی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگتا تھا۔ اس آخری جنگی اجلاس میں اُس نے سالاروں وغیرہ کے جذبات کی یہ حالت کر دی کہ وہ جب باہر نکلے تو انہوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ اُن کی چال ڈھال ہی بدل گئی تھی۔ وہ سیدھے اپنے اپنے دستوں میں گئے اور اپنے کمان داروں کی بھی جذباتی حالت وہی کر دی جو اُن کی اپنی اور سلطان ایوبی کی تھی۔

☆

سب چلے گئے تو سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کو اپنے پاس بلایا اور اُس سے پوچھا کہ سمندر کی کیا خبر ہے۔ الفارس نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ اس کے جہاز گشت کرتے رہتے ہیں اور سکندریہ سے اُسے پیغام ملتے رہتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبیوں کے بحری بیڑے کے کوئی آثار نہیں۔ ٹائر کی بندرگاہ میں اُن کے جنگی جہاز موجود ہیں۔ میرے جاسوس چھوٹی بادبانی کشتیوں میں ماہی گیروں کے بہروپ میں وہاں جاتے رہتے ہیں۔ ٹائر اور اس سے آگے صلیبیوں کے بیڑے میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ جو بیڑہ موجود ہے، یہ تیاری کی حالت میں ہے اور صلیبیوں نے جہازوں میں جل کر اُڑنے والے بارود کی نلکیاں لگا دی ہیں جو دُور سے آتی ہیں اور بادبانوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔

"یہ نلکیاں اتنی ہی دُور سے آسکتی ہیں جتنی دُور تمہارے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر جا سکتے ہیں"...... سلطان ایوبی نے کہا...... "ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

"ہم میں سے کسی کے بھی دِل میں ڈر نہیں"۔ الفارس نے کہا...... "بحری چھاپہ مار اس حد تک تیار ہیں کہ بحری جنگ کے دوران وہ چھوٹی کشتیوں میں دشمن کے جہازوں کے قریب جا کر اُن میں سوراخ کرنے اور اُن پر آگ پھینکنے کو تیار ہیں"۔

"بشرطیکہ جنگ رات کو ہو"۔ سلطان ایوبی نے کہا...... "دِن کے وقت کسی چھاپہ مار کو سمندر میں نہ اُتارنا۔ جوش میں آکر جانیں ضائع ہوں گی...... محتاط رہنا الفارس! جس طرح تم ماہی گیروں کے بہروپ میں اپنے جاسوس ٹائر تک بھیجتے ہو، اسی طرح دشمن کے جاسوس تمہارے جہازوں کے قریب آتے ہوں گے۔ اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے دُور رکھنا تاکہ اچانک حملے کی صورت میں سب گھیرے میں نہ آجائیں۔ انہیں اس طرح پھیلا رکھو کہ دشمن کو گھیرے میں لے سکو۔

آپس کا رابطہ دن میں جھنڈیوں سے اور رات کو بتیوں سے رکھو"۔

جب الفارس سلطان ایوبی سے رخصت ہوا، سحر کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ نماز کے لیے وہیں رُک گیا۔

"الفارس!" اُسے اپنے قریب آواز سنائی دی۔ اُس نے دیکھا۔ وہ انٹیلی جنس کا کمانڈر حسن بن عبداللہ تھا، اُس نے الفارس سے ہاتھ ملا کر پوچھا...... "مبارک ہو بھائی! ایک ہی بار دو لڑکیوں سے شادی کر لی ہے؟ دونوں کو ساتھ رکھا ہوا ہے؟ اپنے ساتھ مروانے کا ارادہ ہے؟"

"او حسن!" الفارس نے اندھیرے میں اُسے پہچانتے ہوئے کہا...... "وہ تو یار، پناہ گزین لڑکیاں ہیں، یہیں ساحل پر چھپی ہوئی تھیں۔ خانہ بدوش ہیں۔ کہتی تھیں کہ اُن کا سارا قبیلہ جنگ کی زد میں آکر گھوڑوں تلے کچلا گیا ہے"۔

"اور یہ محض اتفاق ہے کہ یہ دو لڑکیاں زندہ رہیں اور ساحل تک پہنچ گئیں"۔ حسن بن عبداللہ نے کہا...... "صلیبیوں نے باقی سب خانہ بدوشوں کو گھوڑوں تلے روند ڈالا اور اتنی زیادہ خوب صورت دو لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا...... سمندر میں رہ رہ کر تم خشکی پر رہنے والے انسانوں کی فطرت کو شاید بھول گئے ہو"۔

الفارس ہنس پڑا اور بولا...... "حسن بھائی! جاسوسی کرتے کرتے تم اب چیلوں اور کوؤں کو بھی صلیبیوں کے جاسوس سمجھنے لگے ہو۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ یہ لڑکیاں دشمن کی جاسوس ہوں گی"۔

"ہو سکتی ہیں"۔ حسن نے کہا...... "تم کچھ زیادہ ہی زندہ دِل ہو، الفارس! ان لڑکیوں کو ٹائر کے قریب ساحل پر اُتار آؤ۔ اجنبی لڑکیوں کو جنگی جہاز میں رکھنا مناسب نہیں"۔

"یہ نیکی نہیں ہوگی کہ میں انہیں مصر لے جا کر اُن کے ساتھ شادی کر لوں؟" الفارس نے کہا...... "یا ایک کے ساتھ شادی کر لوں اور دوسری کی شادی کسی اور اچھے آدمی سے کرا دوں؟ غریب لڑکیاں ہیں۔ انہیں ساحل پر اُتار دو تو تم جانتے ہو کہ صلیبی اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے"۔

"ہو سکتا ہے، وہ صلیبی ہی ہوں"۔ حسن بن عبداللہ نے کہا...... "سنو الفارس! تم بچے نہیں ہو۔ معمولی سپاہی بھی نہیں ہو، بحریہ کے تجربہ کار کمانڈر ہو۔ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم فرصت کا سارا وقت ان لڑکیوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے گزارتے ہو۔ ہزار قسمیں کھاؤ، میں نہیں مانوں گا کہ تم نے انہیں پاک صاف اور نیک لڑکیاں بنا کے رکھا ہوا ہے۔ وہ اگر تمہیں دھوکہ نہ دیں تو تم اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتے ہو۔ حسین اور جوان عورت کا جادو فرائض سے گمراہ کر دیتا ہے...... بہت کچھ ہو سکتا ہے الفارس! ان لڑکیوں کو کہیں چھوڑ آؤ"۔

"اگر میں نے تمہارا کہنا نہ مانا تو؟"

"تو مجھے دیکھنا پڑے گا کہ یہ لڑکیاں کیسی ہیں"۔ حسن بن عبداللہ نے کہا...... "اگر مشکوک ہیں تو میں انہیں تمہارے جہاز سے اُتروا کر اپنے پاس بلا لوں گا، مگر میں تم پر چھوڑتا ہوں۔ ہم پرانے دوست ہیں۔ تم خود ہی کوشش کرو کہ میں فرض کی ادائیگی میں دوستی کو قربان نہ کر دوں"۔

"مجھ سے کسی بے ہودگی کی توقع نہ رکھو حسن!" الفارس نے کہا...... "تم دوستی کی بات کرتے ہو۔ میں تو فرض کی ادائیگی میں اپنی جان بھی قربان کر دوں گا۔ یہ لڑکیاں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ مجھے ان پر ذرا سا بھی شک ہوا تو انہیں ساحل پر اُتاروں گا نہیں، زندہ سمندر میں پھینک دوں گا"۔

"واپس کس وقت جا رہے ہو؟" حسن بن عبداللہ نے پوچھا۔

''نماز پڑھ کر کچھ دیر سوؤں گا۔ بہت تھک گیا ہوں''۔ الفارس نے کہا..... ''پھر چلا جاؤں گا۔ شام تک کشتی جہاز تک پہنچا دے گی''۔

☆

الفارس سے فارغ ہو کر حسن بن عبداللہ اُس کمرے کی طرف چلا گیا جہاں اُس کے محکمے کے آدمی رہتے تھے۔ ان میں سے ایک کو باہر بلا کر اُسے کہا کہ الفارس بیدرون کا جہاز فلاں مقام پر لنگر انداز ہے۔ وہ کشتی میں جہاز تک جائے اور الفارس کے نائب رؤف کُرد سے کہے کہ اُسے حسن بن عبداللہ نے بھیجا ہے۔ رؤف کُرد کے نام حسن نے پیغام دیا کہ اِس آدمی کو کسی ڈیوٹی پر لگا لے۔ اُسے دونوں لڑکیوں کے متعلق معلوم کرنا ہے کہ جہاز میں ان کی کوئی درپردہ سرگرمی تو نہیں؟ اگر ہے تو لڑکیوں کو جہاز سے ہٹا کر اپنے پاس بلا لیا جائے۔

حسن بن عبداللہ نے اپنے اس آدمی کو ہدایات دیں اور ایک بادبانی کشتی کا انتظام کر کے اُسے رخصت کر دیا۔ ہوا کا رُخ بڑا اچھا تھا اور ہوا تیز تھی۔ کشتی جلدی جہاز تک پہنچ گئی۔ جہاز سے رسّہ لٹکا کر اس آدمی کو اُوپر کر لیا گیا۔ وہ رؤف کُرد سے ملا۔ اُسے پیغام دیا اور اپنا مقصد زبانی بھی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ تجربہ کار جاسوس ہے۔ رؤف کُرد کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُسے یہ آدمی اچھا نہیں لگا، لیکن اس آدمی کے خلاف وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے دِل میں جتنی قدر ایک جاسوس کی ہے، اتنی سالار کی بھی نہیں اور ایک جاسوس کی رپورٹ پر ایک سالار کو سزائے موت دی جاسکتی ہے، چنانچہ اس نے حسن بن عبداللہ کے اس جاسوس کی خاطر تواضع کی۔

''آپ لڑکیوں کو پہلے دِن سے دیکھ رہے ہیں''۔ جاسوس نے رؤف کُرد سے پوچھا..... ''اُن کے متعلق آپ کو ذرا سا بھی شک ہے تو بتا دیں۔ ہم انہیں عسقلان تفتیش کے لیے لے جائیں گے''۔

''میں نے ابھی تک اِن کی کوئی حرکت مشکوک نہیں دیکھی''۔ رؤف کُرد نے جواب دیا..... ''زیادہ تر الفارس کے کمرے میں رہتی ہیں''۔

رؤف کُرد کو فوراً فلوری کا خیال آ گیا تھا۔ اگر جاسوس ایک روز پہلے آتا تو رؤف کُرد کا جواب یہ ہوتا کہ اِن لڑکیوں کو یہاں سے لے جاؤ کیونکہ چھ جہازوں کا کمانڈر ان لڑکیوں کے ساتھ مگن رہتا ہے، مگر فلوری نے گزشتہ رات اُسے بتایا تھا کہ وہ اُسے دِل و جان سے چاہتی ہے۔ روزی اُن کی ہم راز تھی۔ اب رؤف کُرد کسی قیمت پر فلوری سے جُدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس کے دِل میں الفارس کی دشمنی پیدا ہو گئی تھی لیکن وہ الفارس کو لڑکیوں سے محروم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود فلوری سے محروم ہو جاتا۔

''مجھے اب آپ کے ساتھ رہنا ہے''۔ جاسوس نے کہا..... ''الفارس کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ میں جاسوسی کے لیے یہاں آیا ہوں۔ آپ نے حکم پڑھ لیا ہے۔ میں خود دیکھوں گا کہ لڑکیاں کیسی ہیں اور کیا کرتی ہیں۔ مجھے اگر ان پر جاسوسی کا نہیں، صرف یہ شک بھی ہوا کہ الفارس ان میں فرائض کے اوقات میں محو رہے ہیں تو میں ان لڑکیوں کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ اگر الفارس کو پتہ چل گیا کہ میں یہاں جاسوسی کر رہا ہوں تو مجھے آپ کے خلاف یہ بیان دینا پڑے گا کہ میرے متعلق الفارس کو آپ نے بتایا ہے کیونکہ آپ کے سوا کسی کو علم نہیں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں''۔

یہ جنگی جہاز تھا جس میں جہاز کا عملہ بھی تھا اور اس میں بحری لڑائی کی تربیت یافتہ بڑی فوج بھی تھی۔ جہاز کی صفائی وغیرہ، کھانا پکانے اور دیگر کاموں کے لیے فوجی ملازم بھی تھے۔ وہاں ایک آدمی کا اصل روپ چھپائے رکھنا مشکل نہ

تھا۔ الفارس کمانڈر تھا۔ وہ اِن چھوٹے چھوٹے ملازموں اور سپاہیوں میں سے کسی کو الگ کر کے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ آدمی اجنبی ہے جسے اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ رؤف کُرد جگہ جگہ گھوم پھر سکتا تھا مگر رؤف کو یہ شخص بالکل پسند نہیں آیا تھا۔

جاسوس نے اُسی روز دونوں لڑکیوں کو دیکھ لیا اور اس نے اُسی روز رؤف کُرد سے کہہ دیا ..... ''یہ لڑکیاں خانہ بدوش نہیں اور یہ مصیبت زدہ بھی نہیں۔ مجھے شک ہو گیا ہے''۔

''اتنے دنوں سے ہمارے ساتھ ہیں''۔ رؤف کُرد نے کہا..... ''مجھے ان پر کوئی شک نہیں ہوا''۔

''آپ کی آنکھ وہ نہیں دیکھ سکتی جو میری آنکھ دیکھ سکتی ہے''۔ جاسوس نے کہا..... ''ٹھنڈے علاقوں کی خانہ بدوش عورتوں کے رنگ ایسے ہی ہوتے ہیں لیکن اُن کی آنکھوں کا رنگ ایسا نہیں ہوتا اور ان میں یہ نفاست اور نزاکت نہیں ہوتی..... محترم! ہماری جنگ ایسی ہی لڑکیوں سے رہتی ہے۔ یہ لڑکیاں یہاں نہیں رہیں گی''۔

''کچھ دن دیکھ لو''۔ رؤف کُرد نے کہا..... ''کہیں ایسا نہ ہو کہ جو واقعی مصیبت زدہ ہوں اور تم انہیں کسی اور مصیبت میں ڈال دو''۔

''ہاں!'' جاسوس نے کہا۔ ''میں جلدی بازی نہیں کروں گا۔ کچھ دن دیکھ کر یقین کروں گا''۔

☆

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے ٹھیک کہا تھا کہ بیت المقدس میں جو صلیبی جرنیل ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اسلامی فوج بیت المقدس پر آ رہی ہے۔ اِدھر جب سلطان ایوبی اپنے سالارں کو آخری ہدایات دے رہا تھا، اُدھر بیت المقدس میں صلیبی ہائی کمانڈ اپنے جرنیلوں کو محاصرے میں لڑنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔

''ہم صلاح الدین ایوبی کو راستے میں نہیں روکیں گے''..... اُن کا کمانڈر اِن چیف کہہ رہا تھا ''بے شک اس کی فوج تعداد میں کم ہے لیکن اُسے اسلحہ اور رسد کی کوئی پریشانی نہیں۔ اُس کے امدادی انتظامات مضبوط اور قابلِ اعتماد ہیں۔ اُسے بیت المقدس کا محاصرہ کرنے دو۔ ہمارے پاس لمبے عرصے کے لیے خوراک اور دیگر سامان موجود ہے۔ اگر محاصرہ طویل اور خوراک کم رہ گئی تو ہم مسلمانوں کو بھوکا اور پیاسا رکھیں گے۔ اس سے خوراک بچے گی اور کھانے والے بھی کم ہو جائیں گے۔ مجھے سب سے زیادہ بھروسہ نائٹوں پر ہے۔ انہیں باہر نکل کر حملے کرنے اور واپس آنا ہے۔ میں آپ سب کو یقین دلاتا ہوں کہ محاصرہ ناکام رہے گا''۔

''آپ نے فوج کی حالت کو پیشِ نظر نہیں رکھا''۔ ایک جرنیل نے کہا..... ''شہر میں فوج کی آدھی نفری ایسی ہے جو حطین سے عسقلان تک کی لڑائیوں سے بھاگی ہوئی ہے اور اُن کا لڑنے کا جذبہ سرد پڑ گیا ہے، بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ ان پر صلاح الدین ایوبی کی فوج کا خوف طاری ہو گیا ہے۔ تازہ دم دستے وہی ہیں جو شہر میں موجود رہے ہیں، میدانِ جنگ میں نہیں گئے''۔

''ہم نے اس مسئلے کا حل نکال لیا ہے''..... کمانڈر اِن چیف نے کہا..... ''پادری فوج میں گھومنے پھرنے لگے ہیں۔ وہ سپاہیوں کو انجیل کے حوالے دے کر ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اسلامی فوج کو شکست دینا کیوں ضروری ہے اور یہ مذہبی فریضہ ہے..... اگر جرنیل اور دیگر کمانڈر اُسے مذہبی جنگ سمجھ کر لڑیں گے تو سپاہی بھی مذہبی جوش و خروش سے لڑیں گے۔ اگر ہم بیت المقدس کی جنگ ہار گئے تو پھر روم بھی ہمیں پناہ نہیں دے سکے گا۔ صلاح الدین ایوبی کیوں کامیاب ہوا ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ اپنے مذہب کا پکا ہے جسے وہ ایمان کہتا ہے۔ ہم نے اُسے خانہ جنگی سے تباہ کرنے کی کوشش کی مگر

اُس نے خانہ جنگی بھی جیت لی۔ ہم نے جن مسلمان حکمرانوں کو اُس کے خلاف کیا تھا وہ اُس کے مطیع ہو گئے۔ ہم نے اپنی بیٹیوں کی عصمتوں سے اُس کی جنگی طاقت اور سلطنت کو کمزور کرنے کی کوشش کی، مگر یہ قربانی بھی ضائع ہوئی۔ یہ شاید ہماری غلطی تھی کہ ہم نے عورت کو استعمال کیا اور اس اُمید پر بیٹھ گئے کہ صلاح الدین ایوبی گھر بیٹھے مر جائے گا"۔

"ہماری کوئی قربانی ضائع نہیں ہوئی"۔ بطریقِ اعظم جو وہاں موجود تھا، بولا...... "آپ کی یہ سوچ غلط ہے کہ دو مذہبوں کی جنگ صرف فوجیں لڑا کرتی ہیں۔ اپنے مذہب کے فروغ اور دشمن مذہب کی تباہی کے لیے بے شک تلوار ضروری ہے لیکن دشمن کے ذہن اور اُس کی رُوح کو گمراہ کرنے کے لیے یہ طریقے ضروری تھے جن کے متعلق آپ کہہ رہے ہیں کہ قربانیاں ضائع ہوئیں۔ ہم اپنی اِن بیٹیوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے اپنے غیر معمولی حُسن کی بدولت بڑے اونچے درجے کے حاکموں کی بیویاں بننا اور شاہانہ زندگی گزارنی تھی مگر انہوں نے اپنا آپ اور اپنا مستقبل صلیب پر قربان کر دیا اور وہ مسلمانوں کے حرموں اور درباروں میں ذلیل و خوار ہوئیں۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی انہوں نے کرائی۔ مسلمان حکمرانوں کے ایمان اِن لڑکیوں نے خریدے۔ ایک ہی حکمران کے اہم حاکموں میں رقابت پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا......

"صلیب کے جرنیلو! یہ مت بھولو کہ دشمن کو مارنے کا بہترین طریقہ ہے کہ اُس میں ذہنی عیاشی اور جنسی جذبات پرستی پیدا کر دو۔ اُسے راگ رنگ اور جھوٹی لذتوں کا عادی بنا دو۔ اُس کے حکمرانوں کو تخت و تاج اور زر و جواہرات کی ہوس میں مبتلا کر دو۔ مسلمان دُنیا بھر کا مانا ہوا اور دلیر سپاہی ہے۔ جنگی جذبہ اور مذہبی جنگ (جہاد) کا جتنا جنون مسلمانوں میں ہے، اتنا ہم میں نہیں۔ جتنے اعلیٰ جرنیل مسلمانوں نے پیدا کیے ہیں، اتنے ہم نہیں کر سکے۔ یہ اُن کی روایت ہے۔ اگر ہم نے اُن کے ذہن بدلنے کی کوشش نہ کی تو ان کا جذبہ، مذہبی جنون اور ان کی روایت زندہ رہے گی۔ اگر اُن کی روایت زندہ رہی تو صلیب زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اسلام یورپ تک گیا، ہندوستان اور اس سے اوپر چین تک گیا۔ چین کا امیر البحر مسلمان رہا۔ وہاں کے بعض جرنیل اب بھی مسلمان ہیں، ہندوستان کے مشرق میں بڑے بڑے جزیروں میں چلے جاؤ تو وہاں بھی تمہیں عربوں کی یعنی اسلام کی حکمرانی نظر آئے گی......

"آپ یہ طوفان صرف تلوار سے نہیں روک سکتے۔ یہ دوسرے طریقوں سے روکا جا سکے گا۔ ہمیں اسلام کے اس مرکز کو جسے مسلمان خانہ کعبہ کہتے ہیں، مردہ کرنا پڑے گا۔ بیت المقدس پر قبضہ برقرار رکھنا پڑے گا۔ مسلمان حکمران اور بادشاہ جہاں کہیں بھی ہیں، انہیں جنگی اور مالی مدد دے کر بے کار کرنا ہوگا اور اُس کے ساتھ ہی اُن کے حرموں میں اپنی تجربہ کار لڑکیاں اسی طرح داخل کرتے رہیں گے جس طرح عرب کی ریاستوں میں کرتے رہے ہیں۔ ہم نے یہ طریقہ یہودیوں سے سیکھا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی کردار کشی اور مذہبی بیخ کنی کا نہایت دانش مند منصوبہ بنا رکھا ہے اور وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ ہماری مدد کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ وقت تیزی سے آ رہا ہے کہ بیت المقدس پر ہمارا مستقل قبضہ ہو جائے گا۔ اس کے اِردگرد دور دور کے علاقے بھی ہمارے قبضے میں ہوں گے۔ مسلمان ریاستوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ اگر دشمن نہ ہوئے تو اُن میں اتحاد بھی نہیں ہوگا۔ یہودیوں کے دانشوروں نے صحیح کہا ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو بادشاہ سمجھیں گے لیکن ان کی بادشاہی اور آزادی کی باگ دوڑ ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ کام آپ ہم پر چھوڑیں۔ یہ در پردہ اور زمین دوز کام دانشوروں کا اور مذہبی پیشواؤں کا ہے۔ آپ فوجی ہیں۔ میدان جنگ کی بات کریں۔ آپ کا بڑا ہی خطرناک دشمن بیت المقدس پر آ رہا ہے۔ آپ اس کو شکست دینے کی سوچیں"۔

☆

وہ اتوار کی صبح تھی اور ۱۱۸۷ء کے ماہِ ستمبر کی بیس تاریخ تھی، جب سلطان ایوبی حیران کن تیز رفتاری سے بیت المقدس پہنچ گیا۔ ہجری کیلنڈر کے مطابق ۱۵ رجب ۵۸۳ ہجری کا روز تھا۔ صلیبیوں کو سلطان ایوبی کا انتظار تھا لیکن انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس قدر تیزی سے آئے گا۔ اُس نے راستے میں صلیبیوں کی بلندیوں والی قلعہ بندیوں اور پوسٹوں کو نظر انداز (بائی پاس) کیا اور فوج کو گزار کر لے گیا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ قلعہ بندیوں سے صلیبیوں نے بیت المقدس کو قبل از وقت اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیے ہوں گے لیکن کوئی بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا جس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سلطان ایوبی کے ہراول دستے شہر تک پہنچے تو اُس وقت اوپر دیوار پر دو چار سنتری کھڑے تھے۔ شہر کے دروازے بند تھے۔ اندر سے گرجوں کے گھنٹوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

نقارے اور بگل بج اُٹھے۔ دیوار پر ہر طرف انسانوں کے سر اُبھرنے لگے۔ اُن سروں پر فولادی خودیں تھیں اور کمانیں صاف نظر آ رہی تھیں۔ ان سروں میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر یوں نظر آنے لگا جیسے دیوار کے اوپر انسانی سروں کی ایک فصیل کھڑی کر دی گئی ہو۔ شہر کے مغرب کی جانب کچھ علاقہ چٹانی تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی دستوں کو وہاں خیمہ زن کر دیا اور خود شہر کے اِردگرد یہ دیکھنے کے لیے گھومنے پھرنے لگا کہ دیوار کس جگہ سے کمزور ہے اور نقب کہاں لگائی جا سکتی ہے یا کہیں سے سرنگ کھودی جا سکتی ہے یا نہیں۔ سلطان ایوبی کے نقب زن جیش جانبازی میں مشہور تھے۔

اسلامی فوج شہر کے ہر طرف موجود تھی لیکن بڑا اجتماع مغرب کی جانب تھا جس جانب شہر کی دیوار کے دو مستحکم بُرج تھے۔ ایک داؤد بُرج اور دوسرا اٹنکرڈ بُرج تھا۔ اِن میں دُور مار تیر انداز تھے اور وہاں منجنیقیں بھی نصب تھیں۔ سلطان ایوبی شہر کے اِردگرد دیوار کا جائزہ لیتا پھر رہا تھا۔ اس دوران مغرب کی جانب والے دستوں کے سالار نے آگ اور پتھر پھینکنے والی منجنیقیں نصب کرنی شروع کر دی۔ صلیبیوں نے بہادری کا یہ مظاہرہ کیا کہ اپنی دفاعی سکیم کے مطابق شہر کا ایک دروازہ کھول دیا۔ اس میں سے زرہ پوش نائٹ گھوڑوں پر سوار، ہاتھوں میں برچھیاں تانے سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نکلے اور منجنیقیں نصب کرنے والے مجاہدین پر ہلّہ بول دیا۔ اُن کے پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا۔

گھوڑوں کے گھومنے پھرنے کے لیے جگہ کافی تھی۔ نائٹ آہن پوش تھے۔ اس لیے اُن پر تیر کوئی اثر نہیں کرتے تھے۔ اُن کا ہلّہ (چارج) اس قدر تیز، شدید اور غیر متوقع تھا کہ مجاہدین کو پُر اثر مزاحمت کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے کئی نائٹوں کی برچھیوں سے زخمی اور شہید ہوئے اور پیچھے آنے والے گھوڑوں تلے کچلے گئے۔ گھوڑے بگولے کی طرح آئے تھے۔ اپنی اُڑاتی ہوئی گرد میں گھومیں اور جب دروازے کے قریب پہنچے تو دروازہ بند ہو گیا۔ وہ اپنے پیچھے خاک و خون میں تڑپتے کئی ایک مسلمان مہندس (منجنیقیں چلانے والے) چھوڑ گئے۔

سپاہی اُنہیں اُٹھانے کو دوڑے تو دو تین نسوانی آوازیں سنائی دیں..... ''پیچھے رہو، یہ ہمارا کام ہے''۔ اُس کے ساتھ ہی بہت سی لڑکیاں دوڑتی آئیں۔ اُنہوں نے درختوں کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر اُٹھا رکھے تھے۔ بعض لڑکیوں کے کندھوں سے پانی کے چھوٹے مشکیزے لٹک رہے تھے۔ اوپر سے صلیبیوں کے تیر آ رہے تھے، جن سے دو تین لڑکیاں گر پڑیں۔ بہت سے مسلمان تیر انداز دوڑ کر لڑکیوں اور اوپر سے آنے والے تیروں کے درمیان آ گئے اور انہوں نے بُرجوں پر تیز تیر اندازی شروع کر دی جو تیر انداز پیچھے تھے، انہوں نے بھی بُرجوں اور دیوار کے اوپر بڑی ہی تیز تیر اندازی شروع کر دی۔ اوپر سے تیروں کا مینہ تھم گیا اور دونوں طرف کے تیروں کے سائے میں لڑکیاں زخمیوں کو اُٹھا لائیں اور پیچھے درختوں کے سائے میں لے گئیں۔

اسد الاسدی جو اُس دور کا وقائع نگار تھا، اپنی ایک غیر مطبوعہ تحریر میں لکھتا ہے کہ سپاہی ہر جنگ میں زخمی ہوتے تھے۔ انہیں اُٹھا کر جراحوں کے خیموں تک پہنچا دیا جاتا تھا مگر انہیں اُٹھانے والے انہی کی طرح مرد اور سپاہی ہوتے تھے اور اس معاملے میں کوتاہی بھی نہیں کرتے تھے لیکن بیت المقدس کے محاصرے میں لڑکیوں نے زخمیوں کو اُٹھایا اور جراحوں کے جیش کے ساتھ اُن کی مرہم پٹی میں ہاتھ بٹایا اور زخمیوں کے سر اپنی گودیوں میں رکھ کر پانی پلایا تو کئی ایک زخمی جو ہوش میں تھے جوش میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور للکارنے لگے۔ ''یہ زخم ہمیں لڑنے سے نہیں روک سکتے'' ...... اور ایسی آوازیں بھی سنائی دیں۔ ''ہم بیت المقدس کے اندر جا کر زخموں پر پٹی باندھیں گے'' ...... اور جب زخمیوں نے دیکھا کہ تین چار لڑکیوں کو بھی تیر لگے ہیں تو زخمیوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ لڑکیوں نے سب کے جوش اور جذبے میں آگ بھر دی تھی۔

☆

اسی مقام پر منجنیقیں نصب کرنے کے لیے مہندسوں کا ایک اور جیش آگے بڑھا۔ تیر اندازی تیز کر دی گئی۔ منجنیقیں نصب ہو گئیں۔ اُن سے وزنی پتھر اور آگ کے گولے پھینکے جانے لگے جو دیوار پر بھی گرتے تھے اور اندر بھی۔ دروازہ ایک بار پھر کھلا اور نائٹوں کے گھوڑے منجنیقوں کی طرف ہوا کی رفتار سے آئے تو اُن کے پہلو سے مسلمان سوار اُن پر ٹوٹ پڑے۔ عقب سے مزید مسلمان سوار اُن کی واپسی کا راستہ روکنے کو آ گئے۔ مسلمانوں نے نائٹوں کے گھوڑوں کو برچھیوں اور تلواروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ نائٹوں کی زرہ بکتر انہیں محفوظ رکھے ہوئے تھی۔

گھوڑوں کے ساتھ نائٹ بھی گرنے لگے۔ زمین پر انہیں گھائل کرنا اتنا مشکل نہ تھا، مگر وہ تجربہ کار لڑاکا سوار تھے۔ سب کو نہ گرایا جا سکا۔ اس کی بجائے وہ کئی ایک مسلمان سواروں کو گرا گئے۔ وہ واپس ہوئے تو مسلمان سواروں نے انہیں روکنے کی کوشش کی مگر جو نائٹ گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے وہ اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا ...... اس کے بعد یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بُرج داؤد کے سامنے اس طرح کے جو معرکے لڑے گئے وہ رفتار، شدت، خون ریزی اور دونوں طرف کی شجاعت کے لحاظ سے بے مثال مانے جاتے ہیں۔ دونوں فوجوں کے عزم اور جذبے کی پختگی کا اندازہ اِن معرکوں سے ہوتا تھا۔ مورخ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس نے دونوں فوجوں پر جنون کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ وہ صلیبی سوار جو زخمی ہوئے اور باہر ہی گر پڑے وہ اس لحاظ سے بدقسمت تھے کہ انہیں اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ ستمبر کی گرمی اور دوپہر کا سورج انہیں زرہ بکتر میں جلا جلا کر مار رہا تھا۔ اُن کے مقابلے میں مسلمان زخمیوں کو لڑکیاں فوراً اُٹھا لے جاتیں، انہیں پانی پلاتیں، اُن کے منہ سر دھوتیں، ان کے کپڑے تبدیل کرتیں اور اُن میں کچھ لڑکیاں مشکیزے اُٹھائے چٹانوں میں کہیں سے پانی لا لا کر اُدھ موئی ہوئی جا رہی تھیں۔

سلطان ایوبی نے بھی یہ معرکے دیکھے۔ اُس پر بھی جنونی کیفیت طاری تھی۔ چٹانوں اور وادیوں سے وزنی پتھر لانے کے لیے خچر گاڑیاں مصروف تھیں۔ منجنیقیں رات کو بھی دیوار پر اور اندر پتھر پھینکتی رہتی تھیں۔ بُرجوں میں سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال گولے آنے لگے۔ اُن کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیروں نے آگ لگا دی۔ دو تین منجنیقیں آگ کی لپیٹ میں آ گئیں اور ان کے مہندس جھلس گئے مگر سنگ باری جاری رہی۔

دیوار کی دیگر اطراف سے بھی پتھر اور آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکی جا رہی تھیں۔ باہر کہیں کہیں زمین بلند تھی۔ وہاں سے پتھر اور ہانڈیاں (آتش گیر گولے) دیوار کے اوپر سے دُور اندر چلے جاتے تھے۔ اُن کے پیچھے فلیتے والے تیر بھی چلتے جاتے تھے۔ انہوں نے شہر میں کئی جگہوں پر آگ لگا دی۔ دھواں باہر سے نظر آ رہا تھا۔

☆

صلیبی فوج جو پہلے سے شہر میں اندر موجود تھی، اس کا مورال مضبوط تھا۔ دوسرے علاقوں سے جو فوجی بھاگ کر آئے تھے، اُن میں ایسے بھی تھے جو اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے حوصلہ منداور جوشیلے تھے اور اُن میں ایسے بھی تھے جن پر دہشت طاری تھی۔ یہ سب جم کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اُن کے جوش وخروش سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو پسپا کر دیں گے۔ ایک اور دروازے سے بھی سوار باہر جا کر محاصرے پر حملہ کرنے لگے تھے، مگر شہریوں کی کیفیت فوجیوں سے مختلف تھی۔ شہریوں میں عکرہ اور عسقلان وغیرہ سے آئے ہوئے پناہ گزین عیسائی بھی تھے، وہ تو سراپا دہشت بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے سارے شہر میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ اُن کے سامنے سلطان ایوبی کی فوج نے کئی بستیاں سلطان کے حکم سے نذرِ آتش کی تھیں۔

بیت المقدس کے تمام گرجوں کے گھنٹے مسلسل بج رہے تھے۔ دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ عیسائی گرجوں میں ہجوم کیے ہوئے تھے اور پادریوں کے ساتھ آواز ملا کر بلند آواز سے دعائیہ گیت گا رہے تھے۔ شہر کے باہر سلطان ایوبی کی فوج کے نعرے شہر کے اندر یوں سنائی دیتے تھے جیسے گھٹائیں گرجتی آرہی ہوں۔ شہر میں جلتے شعلے عیسائیوں کا دم خم ختم کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے جو جاسوس شہر میں عیسائیوں کے بھیس میں موجود تھے، وہ اس طرح نفسیاتی حملے کر رہے تھے کہ دہشت ناک افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک افواہ یہ پھیلائی گئی کہ سلطان ایوبی بیت المقدس پر قبضہ نہیں کرے گا بلکہ شہر کو تباہ و برباد کر کے تمام عیسائیوں کو قتل کر دے گا اور اُن کی جوان لڑکیوں کو اور تمام مسلمان آبادی کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ دہشت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ صلیب الصلبوت سلطان ایوبی کے قبضے میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یسوع مسیح عیسائیوں سے ناراض ہیں۔

اس دور کے مفکروں کی جو تحریریں ملتی ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائیوں کو اپنے وہ گناہ خوف زدہ کر رہے تھے جن کا تختۂ مشق انہوں نے وہاں کے مسلمانوں کو بنایا تھا (اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے) انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، بچوں کو برچھیوں پر اُٹھا کر قہقہے لگائے اور مسلمان خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔ مسجدوں اور قرآن کی بے حرمتی کی تھی اور نوے برسوں سے مسلمان اُن کے وحشیانہ سلوک اور بربریت کا مسلسل شکار ہو رہے تھے۔ عیسائیوں نے اپنے عقیدے کے مطابق گرجوں میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا شروع کر دیا۔

موجودہ صدی کا ایک امریکی تاریخ دان انتھونی ویسٹ بہت سے مورخوں کے حوالوں سے لکھتا ہے کہ بیت المقدس کے عیسائی محاصرے میں اس قدر دہشت زدہ ہو گئے تھے کہ بہت سے عیسائی گلیوں میں نکل آئے۔ ان میں سے بعض سینہ کوبی کرنے لگے اور بعض اپنے آپ کو کوڑے مارنے لگے۔ یہ خدا سے گناہ بخشوانے کا ایک طریقہ تھا۔ جو عیسائی لڑکیاں جوان تھیں، اُن کی ماؤں نے اُن کے سروں کے بال بالکل صاف کر دیئے اور انہیں پانی میں غوطے دینے لگیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اس طرح یہ لڑکیاں بے آبرو ہونے سے بچ جائیں گی۔ پادریوں نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کو اس خوف اور دہشت سے نجات دلائیں مگر اُن کے وعظ بے اثر ہو گئے تھے۔

مسلمان آبادی کی کیفیت کچھ اور تھی۔ تین ہزار سے زیادہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے قید میں تھے۔ گھروں میں جو مسلمان تھے وہ نظر بندی کی زندگی گزار رہے تھے۔ عیسائیوں سے ڈرتے کسی مسجد میں نہیں جاتے تھے۔ تمام مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ سلطان ایوبی نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا ہے۔ انہوں نے عیسائیوں کی خوف زدگی اور بزدلی کے مظاہرے دیکھے تو کئی ایک جوشیلے مسلمان جوانوں نے چھتوں پر چڑھ کر اذانیں دینی شروع کر دیں۔ قید میں جو مسلمان

تھے، انہوں نے بلند آواز سے آیاتِ قرآنی اور درود شریف کا ورد شروع کر دیا۔ عورتیں گھروں میں تھیں یا قید میں، انہوں نے اللہ کے حضور آہ وزاری اور حمد و ثنا شروع کر دی۔

عیسائی انہیں دیکھتے تھے مگر چپ رہے کیونکہ وہ پہلے ہی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں پر جو وحشیانہ اور غیر انسانی ظلم و تشدد کیا ہے، انہیں اس کی سزا مل رہی ہے۔ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ رہے تھے، اس لیے اب وہ مسلمانوں کو اذان اور ورد وظیفے سے روکنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کا یہ رویہ دیکھا تو جواں سال مسلمان گلی گلی چلانے لگے..... ''امام مہدی آ گیا ہے''..... ہمارا نجات دہندہ آ گیا ہے..... شہر کی دیواروں کے اوپر سے آ رہا ہے..... دروازے توڑ کر آ رہا ہے''۔

شہر کے اندر حق اور باطل کی، گرجوں کے گھنٹوں اور اذانوں کی معرکہ آرائی تھی۔ باہر گھوڑوں، تلواروں، برچھیوں اور تیروں کے معرکے لڑے جا رہے تھے۔ جوں جوں گرجوں میں دُعائیہ گیت بلند ہوتے جا رہے تھے، تلاوتِ قرآنِ پاک بھی بلند سے بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ننھے ننھے بچے بھی خدا کے حضور سجدہ ریز تھے..... مگر باہر سلطان ایوبی کو ابھی تک کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی جہاں سے دیوار میں شگاف ڈلوا سکتا یا سرنگ کھدوا سکتا۔ دیوار کے اوپر سے تیر موسلا دھار بارش کی مانند آ رہے تھے۔ مسلمان مہندسوں اور پتھر لانے والے سپاہیوں کے ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ زرہ پوش نائٹ ابھی تک باہر نکل نکل کر حملے کر رہے تھے اور انتہائی خون ریز معرکے لڑے جا رہے تھے۔

☆

چالیس میل دُور بحیرۂ روم میں الفارس بیدردن کے چھ جہاز پھیلے ہوئے گشت کر رہے تھے، تا کہ ٹائر میں صلیبیوں کا جو بحری بیڑہ ہے، وہ فوج اور سامان لے کر اِدھر نہ آ سکے۔ دونوں لڑکیاں اس کے جہاز میں تھیں مگر اُسے اب لڑکیوں کی طرف توجہ دینے کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ سلطان ایوبی اور رئیس البحرین الحسن نے اُسے بڑی نازک ذمہ داری سونپی تھی۔ کبھی کبھی وہ خود مستول کے اوپر بنی ہوئی مچان پر چڑھ جاتا اور سمندر کی وسعت کو گہری نظروں سے دیکھتا رہتا تھا۔ دوسرے جہازوں میں بھی جاتا رہتا، تا کہ ہر جہاز کا عملہ اپنے فرائض سے غافل نہ ہو جائے۔

اس کے جہاز میں اس کا نائب رؤف کرد فلوری سے ملتا رہتا تھا جو بہت حد تک چوری چھپے کی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس دونوں کو دیکھتا اور اُن پر گہری نظر رکھتا تھا۔

مصر کا بحری بیڑہ بحیرۂ روم میں دُور دُور تک گشت کرتا تھا، کیونکہ خطرہ تھا کہ یورپ، خصوصاً انگلستان سے بیت المقدس کو بچانے کے لیے مدد آئے گی۔ سلطان ایوبی کی طوفانی پیش قدمی اور صلیبیوں کے ہر قلعے اور شہر پر یلغار دیکھی تو انہوں نے جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک اور انگلستان کے شہنشاہ رچرڈ کو ان الفاظ کے پیغام بھیج دیئے تھے کہ عرب سے صلیب اکھڑ رہی ہے اور بیت المقدس کو بچانا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ان پیغامات کا لبِ لباب یہ تھا کہ آؤ اور ہمیں بچاؤ۔ سلطان ایوبی کی توقع یہی تھی کہ بیت المقدس کی جنگ بحیرۂ روم میں بھی لڑی جائے گی جو بڑی خوفناک جنگ ہو گی، مگر جرمنی اور انگلستان سے کسی حرکت کی کوئی اطلاع نہیں آ رہی تھی۔ شکست خوردہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ ٹائر کی بندرگاہ میں دبکا ہوا تھا۔ تاہم سلطان ایوبی کا رئیس البحر دشمن کی بحریہ کی اس خاموشی کو کسی خطرے کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا، اس لیے پوری طرح چوکنا تھا۔

☆

محاصرے کی چوتھی رات تھی۔ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ صلیبی نائٹوں اور دیگر سواروں نے باہر آ کر

بڑے ہی دلیرانہ حملے کیے اور جانوں کی قربانی دی تھی۔ سلطان ایوبی نے جب چار دنوں کے اپنے زخمیوں اور شہیدوں کا حساب کیا تو اُس کے ماتھے کے شکن گہرے ہو گئے۔ اُس کے پاس اسلحہ اور سامان کی کمی نہیں تھی۔ مفتوحہ جگہوں سے اُس نے لمبی جنگ کے لیے اسلحہ وغیرہ اکٹھا کر لیا تھا مگر کمی نفری کی تھی۔ نفری تیزی سے کم ہو رہی تھی اور بیت المقدس کی دیوار اُس کے لیے بدستور چیلنج بنی ہوئی تھی۔

پانچویں دن سلطان ایوبی نے مغرب کی جانب یعنی داؤد بُرج کے سامنے سے کیمپ اُکھاڑ دیا اور وہاں کی لڑائی بند کرا دی۔ اس نے شمال کی طرف ایک جگہ دیوار کو کمزور دیکھا تھا۔ مغرب سے جب منجنیقیں ہٹائی جا رہی تھی اور دور پیچھے جو خیمے لگے ہوئے تھے، وہ اُکھاڑے جا رہے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سلطان ایوبی محاصرہ اُٹھا کر جا رہے ہیں۔ دیوار کے اوپر جو شہری عیسائی تھے انہوں نے شہر میں خبر پھیلا دی کہ محاصرہ اُٹھ گیا ہے اور مسلمانوں کی فوج پسپا ہو رہی ہے۔ سلطان ایوبی دیوار سے دُور فوج کو منتقل کر رہا تھا اور شام ہو گئی۔

شہر میں جہاں آہ و زاری، دہشت زدگی اور دعاؤں کا واویلا تھا، وہاں خوشی کے نعرے گرجنے لگے۔ رات ہی رات عیسائی گرجوں میں جمع ہو کر خدا کا شکر ادا کرنے لگے۔ عیسائی جو شام تک اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہے تھے۔ مسلمان شہریوں پر ظلم و تشدد کا از سرِ نو آغاز کرنے کا پروگرام بنانے لگے۔ اس کی ابتدا انہوں نے طعنوں اور گالیوں سے کی۔ مسلمان بجھ کے رہ گئے۔

دوسرے دن (۲۵ ستمبر ۱۱۸۷ء) بروز جمعہ دیوار پر کھڑے صلیبیوں نے دیکھا کہ شمال کی جانب جبلِ زیتون پر سلطان ایوبی کا جھنڈا لہرا رہا ہے اور اس سے آگے، دیوار سے ذرا ہی دُور مسلمانوں نے منجنیقیں نصب کر دی ہیں اور کم و بیش دس ہزار فوج (سوار اور پیادہ) حملے کے لیے تیار کھڑی ہے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی ہر جنگی مہم کا آغاز جمعہ کے روز اس وقت کیا کرتا تھا جس مسجدوں میں خطبے دیئے جا رہے ہوتے تھے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دُعاؤں کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ بیت المقدس پر بھی اُس نے پوزیشن اور پلان بدل کر جمعہ کے روز فیصلہ کن حملہ کیا۔

شہر پر پہلے سے زیادہ پتھر اور ہانڈیاں گرنے لگیں۔ شہر میں فوراً خبر پھیل گئی کہ مسلمانوں کی اور زیادہ فوج آ گئی ہے اور اب شہر ایک دو دن کا مہمان ہے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ شہر میں دہشت زدگی کی نئی لہر آئی۔ لوگ گھروں سے نکل کر گلیوں اور بازاروں میں واویلا بپا کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اذانیں ایک بار پھر سنائی دینے لگیں۔ عیسائیوں کی حالتِ زار سے خود پادری متاثر ہوئے۔ وہ صلیبیں ہاتھوں میں اُٹھائے گلی گلی، کوچہ کوچہ پھرنے لگے۔ وہ بھی روتے تھے اور دُعائیں مانگتے تھے۔

صلیبی سواروں نے ایک بار پھر نکل کر منجنیقوں پر ہلّہ بولا مگر سلطان ایوبی نے اب یہ معرکہ اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ اُس کے سوار تین اطراف سے صلیبی سواروں کی طرف سرپٹ رفتار سے بڑھے اور انہیں پیس کر رکھ دیا۔ صلیبی مہندسوں تک پہنچ ہی نہ سکے اس کے بعد صلیبیوں نے دو اور ہلّے بولے لیکن مسلمان شاہسواروں نے انہیں دروازے سے زیادہ آگے نہ آنے دیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بار اپنے ایک نقب زن جیش (سرنگیں کھودنے اور دیواریں توڑنے والوں) کو آگے بڑھایا۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ ہر ایک کے ہاتھ میں لمبی ڈھال تھی جس کے پیچھے وہ سر سے پاؤں تک چھپا ہوا تھا۔ ان ڈھالوں کے علاوہ انہیں اوپر سے آنے والے تیروں سے بچانے کے لیے سلطان ایوبی کے ہزاروں تیراندازوں نے نہایت تیزی سے دیوار کے اس حصے پر تیر برسانے شروع کر دیئے جس حصے کے نیچے نقب لگائی یا سرنگ کھودنی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس قدر زیادہ برسائے جا رہے تھے کہ دیوار اُن کے پیچھے چھپ گئی تھی اور دیوار کے اوپر کسی صلیبی کا سر نظر نہیں آتا تھا۔

وہاں ایک دروازہ تھا جس کے اوپر عمارت بنی ہوئی تھی۔ اس دروازے کے پیچھے بھی ایسا ہی ایک مضبوط دروازہ تھا۔ دونوں کے درمیان ڈیوڑھی تھی جس کے اوپر عمارت تھی۔ سلطان ایوبی اُس کے نیچے سرنگ کھدوانا چاہتا تھا۔ اس دروازے سے کچھ دور دیوار ذرا کمزور نظر آتی تھی، وہاں بڑی منجنیقیں جو نورالدین زنگی مرحوم نے اپنی زندگی میں بنوائی تھیں، کئی کئی من وزنی پتھر مار رہی تھیں۔ دیوار خاصی چوڑی تھی، لیکن مسلسل ایک ہی جگہ سنگ باری سے اس میں شگاف پڑنے لگا تھا۔ پتھروں کے دھماکے شہر والوں کا خون خشک کر رہے تھے۔

دن کے وقت نقب زن جیش ڈھالوں کی اوٹ میں تیروں کے سائے میں دروازے تک پہنچ گئے۔ اب اوپر سے ان پر کوئی تیر نہیں چلا سکتا تھا۔ رات کے وقت سینکڑوں جانبازوں نے مل کر دروازے یعنی ڈیوڑھی کے نیچے تیس گز سے زیادہ لمبی سرنگ کھود لی، جو ڈیوڑھی جتنی چوڑی تھی۔ اوپر کی عمارت کو مضبوط شہتیروں سے سہارا دیا گیا۔ اس مہم میں دو دن صرف ہوئے۔ شہتیر آگے پہنچانے میں کئی مجاہد شہید ہو گئے۔ پھر اس سرنگ میں گھاس اور لکڑیاں بھر کر اُن پر آتش گیر سیال اور مادہ پھینکا گیا اور اُسے آگ لگا دی گئی۔ تمام نقب زن جانباز وہاں سے بھاگ آئے۔

آگ نے شہتیروں کو بھی جلا دیا اور اوپر سے عمارت دھنستے ہی پھر مہیب گڑگڑاہٹ سے گر پڑی۔ اُدھر دیوار پر جس جگہ وزنی پتھر مارے جا رہے تھے، وہاں بھی شگاف ہو گیا۔ اب ملبے کے اوپر سے گزر کر شہر میں داخل ہونا تھا مگر یہ بڑا ہی خطرناک اقدام تھا، یہاں سے ملبہ ہٹانے کی مہم شروع ہوئی۔

☆

شہر میں گرجوں کے گھنٹے اور زیادہ تیزی سے بجنے لگے۔ اذانوں کی مقدس اور فاتحانہ آوازیں اور زیادہ بلند ہونے لگیں۔ صلیبی جرنیلوں اور حکمران ٹولے کے بھی حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے کانفرنس بلائی جس میں جرنیلوں نے یہ تجویز پیش کی کہ تمام تر فوج اور جتنے بھی عیسائی شہری رضا کارانہ طور پر ہمارے ساتھ آ سکتے ہیں، ایک ہی بار باہر نکل کر سلطان ایوبی کی فوج پر حملہ بول دیں۔ یہ تجویز طریقِ اعظم ہرکولیز نے اس لیے منظور نہ کی کہ شکست کی صورت میں شہر میں عورتیں اور بچے رہ جائیں گے جو مسلمانوں کے انتقام کا نشانہ بنیں گے۔ آخر کار یہ تجویز منظور ہوئی کہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کی جائے۔ اُس کی نمائندگی ایک عیسائی سردار بالیان کو دی گئی۔

باہر سے سلطان ایوبی کی فوج نے دیکھا کہ دروازے کی گری ہوئی عمارت کے ملبے پر سفید جھنڈا لہرا رہا ہے۔ تیر اندازوں کو روک دیا گیا۔ جھنڈے کے ساتھ تین چار آدمی نمودار ہوئے۔ ایک نے بلند آواز سے کہا..... ''ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں''..... سلطان ایوبی سن رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ انہیں آگے لے آؤ۔

سلطان ایوبی نے اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے خیمے میں لے گیا۔ بات صلیبی سردار بالیان نے شروع کی اور کہا کہ مسلمان فوج محاصرہ اُٹھا کر واپس چلی جائے اور سلطان ایوبی اپنی شرائط بتائے۔ صلیبی دراصل بیت المقدس سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی بیت المقدس لیے بغیر ٹلنے والا نہیں تھا مگر اس کا ابھی ایک بھی سپاہی شہر میں داخل نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ابھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اُس نے شہر لے لیا ہے۔ ابھی صلیبی یہ کہہ سکتے تھے کہ شہر پر ان کا قبضہ ہے۔

اِدھر صلح کی بات چیت ہو رہی تھی، اُدھر محاصرے کی جنگ جاری تھی۔ سلطان ایوبی معاہدوں اور مذاکرات [illegible] اٹل نہیں تھا۔ بات چیت کے ساتھ اس نے جنگ جاری رکھی تھی، دیوار کا شگاف مکمل ہو گیا تھا۔ اِدھر مجاہدین نے جوش [illegible] کر گری ہوئی عمارت کے ملبے پر حملہ بول دیا۔ دیوار کے شگاف میں سے بھی جانباز اندر جانے لگے اور نقب زن [illegible]

کی سہولت کے لیے شگاف کو کھلا کرنے لگے، مگر صلیبی اس شہر سے دست بردار نہ ہونے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے دونوں جگہوں سے حملہ آوروں کو باہر دھکیل دیا۔ باہر سے دستے سیلاب اور طوفان کی طرح بڑھے۔ آگے جانے والے صلیبیوں کے تیروں اور برچھیوں سے گرے۔ پیچھے والے انہیں روندتے ہوئے آگے گئے۔ بڑا ہی خون ریز معرکہ لڑا گیا۔ ان دوران کسی جانباز نے شہر کے بڑے دروازے کے بُرج سے لال کراس والا جھنڈا اُتار پھینکا اور وہاں اسلامی جھنڈا چڑھا دیا۔ عیسائی شہریوں نے ایسی بھگدڑ مچائی کہ صلیبی فوج کے لیے رکاوٹ اور مسئلہ بن گئے۔

سلطان ایوبی کے جانباز دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ مسجدِ اقصیٰ میں داخل ہو گئے اور اوپر سے صلیب اُتار کر دُور پھینک دی، وہاں بھی اسلامی پرچم لہرانے لگا لیکن شہر میں دونوں فوجیں ایک دوسری کا بُری طرح کشت و خون کر رہی تھیں۔ یہ ضرور نظر آ رہا تھا کہ صلیبیوں کی جارحیت اور مزاحمت کی شدت تیزی سے کم ہو رہی تھی۔

☆

سلطان ایوبی صلیبیوں کے وفد کے ساتھ صلح کی بات چیت کر رہا تھا۔ اُسے باہر کی اور شہر کی ابھی کچھ خبر نہیں تھی۔ اُس نے بالیان سے کہا..... ''میں نے بیت المقدس کو اپنی طاقت سے آزاد کرانے کی قسم کھائی تھی۔ اگر آپ لوگ یہ شہر مجھے اس طرح دے دیں جیسے میں نے فتح کیا ہے تو میں صلح کی بات سن لوں گا''۔

''صلاح الدین!'' بالیان نے ذرا دبدبے سے کہا..... ''اس شہر کا نام ابھی یروشلم ہے، بیت المقدس نہیں۔ اگر صلح نہیں کرنا چاہتے تو ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے لیکن یہ سن لو کہ اس شہر میں آپ کے چار ہزار فوجی ہمارے جنگی قیدی ہیں اور جو مسلمان شہری ہماری قید میں ہیں، ان کی تعداد تین ہزار ہے۔ ہم ان تمام قیدیوں کو اور شہر کے ہر ایک مسلمان باشندے کو، خواہ وہ عورت ہے یا بچہ، جوان ہے یا بوڑھا، قتل کر دیں گے''۔

سلطان ایوبی کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں اور اُس کے ہونٹ کانپے۔ وہ کچھ کہنے لگا تھا کہ خیمے کا پردہ اُٹھا۔ اس کا ایک کمان دار اندر آیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے اشارہ سے اپنے پاس بلایا۔ کمان دار نے اس کے کان میں سرگوشی کی..... ''شہر لے لیا گیا ہے۔ بڑے دروازے اور مسجدِ اقصیٰ پر جھنڈے چڑھا دیئے گئے ہیں''۔

سلطان ایوبی کو بالیان کی دھمکی کا جواب مل گیا۔ اُس کی لال انگارہ آنکھوں میں غیر معمولی چمک پیدا ہوئی۔ اُس نے بڑے زور سے اپنی ران پر ہاتھ مار کر صلیبی سردار بالیان سے کہا..... ''فاتح مفتوح کے ساتھ صلح کی بات نہیں کیا کرتے، کوئی ایک بھی مسلمان تمہارا قیدی نہیں''..... وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی بڑے تحمل سے بات کیا کرتا تھا، مگر بالیان کی دھمکی کے ساتھ ہی فتح کی خبر سن کر اُس کی آواز میں قہر اور گرج پیدا ہو گئی۔ اُس نے کہا..... ''تم سب قیدی ہو۔ تمہاری ساری فوج میری قیدی ہے۔ شہر میں رہنے والا ہر ایک عیسائی میرا قیدی ہے۔ اس شہر سے اب وہ عیسائی نکل کر جا سکے گا جو میرا مقرر کیا ہوا زرِ فدیہ ادا کرے گا۔ جاؤ، اندر جا کر دیکھو، یہ یروشلم ہے یا بیت المقدس۔

بالیان اور اس کے ساتھ آئے ہوئے صلیبی گھبرا گئے۔ خیمے سے نکل کر دیکھا۔ سلطان ایوبی کی فوج کا بیشتر حصہ شہر میں داخل ہو چکا تھا اور بڑے دروازے پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

یہ اتفاق تھا یا سلطان ایوبی نے پلان ہی ایسا بنایا تھا، یا خدائے ذوالجلال کا منشا یہی تھا کہ سلطان ایوبی بروز جمعہ ۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء بمطابق ۲۷ رجب ۵۸۳ ہجری شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ غور فرمایئے یہ رجب کی ستائیسویں رات تھی اور یہ وہ رات ہے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی مقام سے معراج کو تشریف لے گئے تھے۔ تمام مسلم

اور غیر مسلم مورخین نے بیت المقدس کی فتح کی یہی تاریخ لکھی ہے۔

☆

سلطان ایوبی جب شہر میں داخل ہوا تو مسلمان گھروں سے نکل آئے۔ عورتوں نے سروں سے اوڑھنیاں اُتار کر اُس کے راستے میں پھینک دی۔ سلطان ایوبی کے باڈی گارڈوں نے گھوڑوں سے اُتر کر اوڑھنیاں راستے سے اُٹھالیں کیونکہ سلطان اپنی پرستش اور خوشامد سے سخت نفرت کرتا تھا۔ ظلم و تشدد کے مارے ہوئے مسلمان چیخ چیخ کر نعرے لگا رہے تھے اور بعض سجدے میں گر پڑے۔ آنسو تو سب کے جاری تھے۔ یہ بڑا ہی جذباتی اور دردناک منظر تھا۔ عینی شاہدوں کے مطابق، سلطان ایوبی اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ نعروں کے جواب میں ہاتھ بلند کر کے ہلاتا تھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ نہیں تھی، بلکہ وہ ہونٹوں کو بھینچتا اور دانتوں میں دبانے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ کوشش جذباتیت کو دبانے اور سسکیاں روکنے کی تھی۔

عیسائی شہری گھروں میں دبکے خوف سے کانپ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی جوان لڑکیوں کو چھپا لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اکثر لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنا دیئے گئے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان سپاہی خواتین کی بے حرمتی کا انتقام لینے کے لیے اُن کی بیٹیوں کو بے آبرو کریں گے، لیکن یورپی مورخ لین پول لکھتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے آپ کو ایسا عالی ظرف اور کشادہ دِل کبھی ثابت نہیں کیا جتنا اُس وقت کیا، جب اس کی فوج صلیبی فوج سے شہر کا قبضہ لے رہی تھی۔ اُس کی فوج کے سپاہی اور افسر گلی کوچوں میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے گھوم پھر رہے تھے اور اُن کی نظر اس پر تھی کہ کوئی مسلمان شہری کسی عیسائی شہری پر انتقاماً حملہ نہ کردے۔ سلطان ایوبی کے احکام ہی ایسے تھے۔ البتہ کسی عیسائی کو شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

سلطان ایوبی سب سے پہلے مسجدِ اقصیٰ میں گیا۔ جذبات کی شدت سے وہ مسجد کی دہلیز پر گھٹنوں کے بل جیسے گر پڑا ہو۔ وہ دہلیز پر سجدہ ریز ہو گیا اور بہاؤ الدین شداد اور احمد بلی مصری کے مطابق، سلطان ایوبی کے آنسو اس طرح بہہ رہے تھے کہ اس عظیم مسجد کی دہلیز ڈھل رہی تھی...... مسجد کی حالت بہت بُری تھی۔ کئی ایک مسلمان حکمرانوں نے وقتاً فوقتاً مسجد میں سونے اور چاندی کے فانوس اور شمع دان رکھے تھے۔ انہوں نے عقیدت کے طور پر مسجد میں طرح طرح کے بیش قیمت تحائف بھی رکھے تھے۔ صلیبی تمام فانوس، شمع دان اور قیمتی تحائف اُٹھا لے گئے تھے۔ فرش سے جگہ جگہ خارا اور مرمر کی سلیں غائب تھیں۔ مسجد مرمت طلب تھی۔

مرمت کی طرف توجہ دینے سے پہلے سلطان ایوبی نے شکست خوردہ عیسائیوں کے متعلق فیصلہ کرنا ضروری سمجھا، اس نے اپنی مشاورتی مجلس سے مشورہ کیا اور حکم نامہ جاری کیا کہ ہر عیسائی مرد دس اشرفی (دینار) عورت پانچ اشرفی اور ہر بچہ ایک اشرفی زرفدیہ ادا کر کے شہر سے باہر نکل جائے۔ کوئی بھی عیسائی وہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ بُرج داؤد کے نیچے والا دروازہ کھول دیا گیا، جہاں مسلمان حاکم فدیہ وصول کرنے کے لیے بیٹھ گئے اور عیسائی آبادی کا انخلاء شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے عیسائیوں کا سربراہ بالیان شہر سے نکلا۔ اُس کے پاس انگلستان کے بادشاہ ہنری کی بھیجی ہوئی بے اندازرقم تھی۔ اس میں سے اُس نے تیس ہزار اشرفی طلائی زرفدیہ ادا کی اور اُس کے عوض دس ہزار عیسائیوں کو رہا کرالیا۔

باب داؤد پر باہر جانے والے عیسائیوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ پورے پورے خاندان کا زرفدیہ ادا کر کے جارہے تھے۔ یہ رواج تھا کہ مفتوحہ شہر کو فوج بُری طرح لوٹ لیتی تھی...... بیت المقدس تو وہ شہر تھا جہاں صلیبیوں نے فتح کے بعد مسلمانوں کا قتلِ عام کیا اور اُن کے گھر لوٹ لیے اور اُن کی بیٹیوں اور مسجدوں کی بے حرمتی کی مگر مسلمانوں نے یہ شہر فتح کیا

تو لوٹ مار کی بجائے یوں ہوا کہ سلطان ایوبی کے فوجیوں نے اور باہر سے فوراً پہنچ جانے والے مسلمان تاجروں نے عیسائیوں کے گھروں کا سامان خریدا تاکہ وہ زرِفدیہ دینے کے قابل ہو جائیں۔ اس طرح وہ عیسائی خاندان بھی رہا ہو گئے جن کے پاس زرِفدیہ پورا نہیں تھا۔

اس موقع پر ایک تضاد دیکھنے میں آیا جو کئی ایک مورخوں اور اُس دور کے وقائع نگاروں نے بیان کیا ہے۔ بیت المقدس کے سب سے بڑے پادری بطریقِ اعظم ہرکولیز نے یہ حرکت کی کہ تمام گرجوں کی جمع شدہ رقم اپنے قبضے میں لے لی۔ گرجوں سے سونے کے پیالے اور دیگر بیش قیمت اشیاء چرا لیں۔ کہتے ہیں کہ یہ دولت اتنی زیادہ تھی کہ اس سے سینکڑوں غریب عیسائیوں کے خاندانوں کو رہا کرایا جاسکتا تھا مگر ان کے اس سب سے بڑے پادری نے کسی ایک کا بھی زرِفدیہ نہ دیا۔ وہ اپنا فدیہ ادا کر کے نکل گیا۔ کسی مسلمان فوجی نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بہت سی دولت ساتھ لے جا رہا ہے۔ اس فوجی کی رپورٹ پر کسی حاکم نے سلطان ایوبی سے کہا کہ اُسے اتنی دولت اور اتنا سونا نہ لے جانے دیا جائے۔

''اگر اُس نے زرِفدیہ ادا کر دیا ہے تو اُسے نہ روکا جائے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں اِن لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ کسی سے فالتو رقم نہیں لی جائے گی، جو کوئی جتنا ذاتی سامان ساتھ لے جا سکتا ہے، لے جائے۔ میں اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہونے دوں گا''۔

بطریقِ اعظم اپنے گرجوں سے چرائی ہوئی دولت اور قیمتی سامان لے گیا۔

سلطان ایوبی نے زرِفدیہ ادا کرنے کی میعاد چالیس دِن مقرر کی تھی۔ چالیس دن پورے ہو گئے تو ابھی تک ہزاروں غریب اور نادار عیسائی شہر میں موجود تھے۔ نوے برس پہلے جب صلیبیوں نے بیت المقدس فتح کیا تو دُور دُور سے عیسائی یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ انہیں توقع نہیں تھی کہ کبھی یہاں سے نکلنا بھی پڑے گا۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان ایوبی کا بھائی العادل اُس کے پاس آیا۔

''محترم سلطان!'' العادل نے کہا...... ''آپ جانتے ہیں کہ اس شہر کی فتح میں میرا اور میرے دستوں کا کتنا ہاتھ ہے۔ اس کے عوض مجھے ایک ہزار عیسائی بطور غلام دے دیں''۔

''اتنے غلام کیا کرو گے؟'' سلطان صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

''یہ میری مرضی پر ہوگا، میں جو چاہوں کروں''۔

سلطان ایوبی نے العادل کو ایک ہزار عیسائی دینے کا حکم دے دیا۔ العادل نے ایک ہزار عیسائی منتخب کیے اور انہیں باب داؤد لے جا کر سب کو رہا کر دیا۔

''سلطانِ محترم!'' العادل نے واپس آکر سلطان ایوبی سے کہا...... ''میں نے ان تمام عیسائی غلاموں کو شہر سے رخصت کر دیا ہے۔ اُن کے پاس زرِفدیہ نہیں تھا''۔

''میں جانتا تھا، تم ایسا ہی کرو گے''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''ورنہ میں تمہیں ایک بھی غلام نہ دیتا۔ انسان انسان کا غلام نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہاری یہ نیکی قبول کرے''۔

یہ واقعات افسانے نہیں، مورخوں نے بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عیسائی عورتوں کا ایک ہجوم سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ پتہ چلا کہ یہ اُن صلیبی فوجیوں کی بیویاں، بیٹیاں یا بہنیں ہیں جو مارے گئے ہیں یا قید ہو گئے ہیں اور اُن کے پاس زرِفدیہ نہیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو صرف رہا ہی نہ کیا بلکہ انہیں کچھ رقم دے کر رخصت کیا۔ اُس کے بعد اُس نے

عام حکم جاری کر دیا کہ تمام عیسائیوں کو جو شہر میں رہ گئے ہیں، زرِ فدیہ معاف کیا جاتا ہے، وہ جا سکتے ہیں۔ صلیبیوں کی صرف فوج قید میں رہی۔

اس سے پہلے سلطان ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ کی صفائی اور مرمت کروائی تھی۔ اُس دور کی تحریروں کے مطابق سلطان ایوبی خود سپاہیوں کے ساتھ اینٹیں اور گارا اُٹھاتا رہا۔ ۱۹ اکتوبر ۱۱۸۷ء جمعہ کا مبارک دن تھا۔ سلطان ایوبی جمعہ کی نماز کے لیے مسجدِ اقصیٰ میں گیا تو وہ منبر جو نورالدین زنگی مرحوم نے بنوایا تھا اور مرحوم کی بیوہ اور بیٹی لائی تھی، اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے منبر اپنے ہاتھوں مسجد میں رکھا۔ جمعہ کا خطبہ دمشق سے آئے ہوئے ایک خطیب نے پڑھا۔

اس کے بعد سلطان ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ کی آرائش کی طرف توجہ دی۔ مرمر کے پتھر منگوا کر فرش میں لگوائے اور مسجد کو جی بھر کے خوب صورت بنایا۔ وہ خوب صورت پتھر جو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں لگوائے تھے، آج بھی مسجد اقصیٰ میں موجود ہیں اور اُن کی خوب صورتی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

☆

بیت المقدس کی فتح تاریخ اسلام کا بہت بڑا واقعہ اور عظیم کارنامہ تھی، مگر سلطان ایوبی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اُسے سرزمینِ عرب اور فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کرنا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کو جہاں ایک مضبوط چھاؤنی اور عسکری مستقر بنایا، وہاں اس مقدس مقام کو علم وفضل کا مرکز بنا دیا۔ ۵ رمضان المبارک ۵۷۳ ہجری (۸ نومبر ۱۱۸۷ء) کے روز اُس نے بیت المقدس سے کوچ کیا۔ اُس کا رُخ شمال کی طرف تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے الملک لظاہر کو جو کسی اور جگہ تھا، پیغام بھیجا کہ اپنے دستے لے کر اُس کے پاس آئے۔ سلطان ٹائر پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ یہ صلیبیوں کی مضبوط چھاؤنی تھی اور بندرگاہ تھی۔ سلطان ایوبی نے بحریہ کے کمانڈر الفارس بیدرون کو پیغام بھیجا کہ وہ ٹائر سے کچھ دُور تک آجائے اور جب سلطان اس شہر کا محاصرہ کرے تو الفارس صلیبی بیڑے پر حملہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے الفارس کو حملے کے جو دن بتائے، وہ دسمبر کے آخر یا جنوری کے شروع کے تھے۔

دونوں لڑکیاں الفارس کے جہاز میں تھیں۔ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا، جاسوس وہاں نہیں تھا۔ حسن بن عبداللہ بیت المقدس کی جنگ پھر فتح کے بعد کاموں میں مصروف رہا۔ اِدھر سے فارغ ہو کر اُسے خیال آیا کہ اُس نے اپنا ایک آدمی الفارس کے جہاز میں بھیجا تھا۔ اُس نے ایک قاصد رؤف گرد کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجا کہ اُس کا آدمی کیا کر رہا ہے۔ اس قاصد کو جہاز تک پہنچتے کئی دن لگ گئے۔ رؤف گرد نے قاصد کو بتایا کہ حسن بن عبداللہ کا بھیجا ہوا جاسوس بہت دن ہوئے چلا گیا تھا۔

جاسوس اُس وقت تک بحیرۂ روم کی تہہ میں مچھلیوں کی خوراک بن چکا تھا اور رؤف گرد اُس کے اِس انجام سے اچھی طرح واقف تھا۔ کچھ روز پہلے جاسوس نے رؤف گرد سے کہا تھا کہ اِن لڑکیوں کو وہ یہاں نہیں رہنے دے گا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ جب جہاز ساحل کے قریب لنگر انداز ہوتا ہے تو چھوٹی چھوٹی کشتیاں اُس کے قریب آجاتی اور ماہی گیر قسم کے لوگ مختلف چیزیں فروخت کرتے ہیں۔ ان میں ایک آدمی کو اُس نے تین۔ چار جگہوں پر دیکھا تھا۔ لڑکیاں اُسے رسّے کی سیڑھی لٹکا کر اوپر بلاتی ہیں اور اُس سے کچھ خریدنے کی بجائے اُس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہیں۔ جہاز اگر دس پندرہ میل دُور ساحل کے ساتھ کہیں لنگر انداز ہوا تو وہاں بھی یہ آدمی کشتی لے کے آگیا۔ جاسوس کو اِس آدمی پر شک تھا۔

فلوری نے رؤف گرد کی عقل ماردی تھی۔ وہ اس سے راز کی باتیں پوچھتی اور وہ اُسے سب کچھ بتا دیتا تھا۔

الفارس بہت مصروف رہتا تھا۔ وہ دوسرے جہازوں میں بھی چلا جاتا تھا۔ ایک روز رؤف کُرد نے فلوری کے طلسم سے مسحور ہو کر اُسے بتادیا کہ جہاز میں ایک خطرناک آدمی ہے، اس کے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ رؤف کُرد ان لڑکیوں کو ابھی تک خانہ بدوش سمجھ رہا تھا اور وہ اُن کے اصلی ناموں، فلوری اور روزی سے واقف نہیں تھا۔ لڑکیاں دراصل تجربہ کار جاسوس تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ جس آدمی کے متعلق رؤف کُرد نے بات کی ہے، وہ جاسوس ہے۔ رؤف کُرد کو گوارا نہ تھا کہ فلوری جہاز سے چلی جائے۔ اُس نے ان لڑکیوں کو یہ بھی بتادیا کہ یہ جاسوس ہے۔

ایک رات الفارس کسی دوسرے جہاز میں گیا ہوا تھا۔ آدھی رات کے وقت رؤف کُرد اور فلوری عرشے پر جنگلے کے ساتھ ایسی جگہ چھپے ہوئے تھے جہاں پیچھے اور دائیں بائیں سامان پڑا تھا۔ حسن بن عبداللہ کا جاسوس دانستہ یا اتفاقیہ اُدھر آنکلا۔ رؤف کُرد گھبرانے یا کوئی جھوٹ بولنے کی بجائے اُٹھ کر اُسے ذرا پرے لے گیا اور کہا کہ وہ اُس لڑکی کو لالچ وغیرہ دے کر پوچھ رہا تھا کہ وہ دونوں کون ہیں۔ اُس نے جاسوس سے کہا کہ میں چلا جاتا ہوں، تم اس کے پاس بیٹھ جاؤ اور اپنے تجربے اور علم کے مطابق اس سے باتیں کر کے بھید لو کہ یہ ہیں کون؟

جاسوس کو فلوری کے پاس بھیج کر اُس نے روزی کو جاجگایا اور اُسے کہا کہ شکار فلاں جگہ ہے، تم بھی چلی جاؤ۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہوں گا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔

روزی اوپر آئی۔ رؤف کُرد نے اُسے گز بھر لمبی رسّی دی اور وہ اُس جگہ چلی گئی جہاں جاسوس اور فلوری بیٹھے تھے، وہاں اندھیرا تھا۔ روزی اُن کے پاس بیٹھ گئی۔ جاسوس گپ شپ کے انداز سے اُن کی اصلیت کا بھید حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ روزی نے رسّی اُس کی گردن کی گرد لپیٹ دی۔ لڑکیاں تربیت یافتہ تھیں۔ فلوری نے فوراً رسّی کا دوسرا پکڑ لیا۔ پیشتر اس کے جاسوس اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا، اُس کی گردن کا پھندا لڑکیوں نے رسّی اپنی اپنی طرف کھینچ کر تنگ کر دیا۔ وہ ذرا دیر تڑپا پھر اُس کا جسم ساکت ہو گیا۔

رؤف کُرد ذرا پرے کھڑا تھا۔ وہاں اگر کوئی ملازم تھا تو اُسے اُس نے کوئی کام بتا کر وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ لڑکیوں نے جاسوس کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ روزی چلی گئی۔ فلوری وہیں بیٹھی رہی۔ رؤف کُرد اُس کے پاس چلا گیا اور دونوں ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔

☆

الفارس کو معلوم ہی نہ تھا کہ اُس کے جہاز میں کوئی جاسوس آیا یا رؤف کُرد نے کسی نئے آدمی کو جہاز میں کسی کام پر لگایا تھا۔ اُس کے قتل کے دو چار روز بعد الفارس کو خیال آیا کہ اُس کے اپنے اور دوسرے پانچ جہازوں کے ملاح اور بحری سپاہی تو مہینوں سے سمندر میں ہیں اور وہ سب اُکتا گئے ہوں گے۔ اُس نے دوسرے جہازوں میں جا کر ملاحوں اور سپاہیوں کی کیفیت دیکھی تھی۔ وہ خشکی کی رونق سے دُور فراغت اور بے یقینی کیفیت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اگر کبھی کبھی بحری معرکہ ہو جایا کرتا تو اُن کی ذہنی حالت یہ نہ ہوتی۔ چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایک رات وہ تمام جہازوں کو اکٹھا کر کے لنگر ڈال دے گا اور جشن منائے گا۔ ملاح اور سپاہی گائیں بجائیں گے اور سب کو اچھا کھانا دیا جائے گا۔

اُس نے رؤف کُرد اور اپنے ماتحت افسروں سے بات کی۔ اُس وقت دونوں لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ ناچیں گی۔ الفارس زندہ دِل انسان تھا۔ وہ خود بھی جشن اور راگ رنگ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے ابھی کوئی رات مقرر نہ کی، کیونکہ اُسے خشکی سے سلطان ایوبی کے قاصد کا انتظار تھا۔ دسمبر کا آخری ہفتہ تھا۔

دو روز بعد قاصد آ گیا۔ اُس نے بتایا کہ سلطان ایوبی ٹائر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا ہے اور الفارس اپنے جہازوں کو ٹائر کے قریب لے جائے تا کہ محاصرے کے وقت وہ کم وقت میں ٹائر پہنچ سکے۔ قاصد نے خاص طور پر کہا تھا کہ اب دن اور رات چوکس رہیں کیونکہ صلیبی جہاز قریب ہی موجود ہیں...... الفارس نے قاصد کو رخصت کیا اور اُس شام اپنے بکھرے ہوئے جہازوں کو ایک جگہ اکٹھا ہونے کا اشارہ دے دیا۔ اُس نے رؤف کُرد کو بتایا کہ چند روز بعد شاید انہیں بحری جنگ لڑنی پڑے، اس لیے دو رات بعد جشن منالیا جائے۔

رؤف کُرد نے بتادیا کہ فلاں رات جہاز اکٹھے ہوں گے اور رونق میلہ ہوگا۔

اینڈریو کی کشتی آتی رہتی تھی۔ حسن بن عبداللہ کے جاسوس نے اُسے کئی جگہوں پر دیکھا تھا۔ اب جہاز ساحل کے قریب آ کر رُکا تو اینڈریو آ گیا۔ لڑکیوں نے حسبِ معمول اُسے اوپر بلالیا اور اُس سے کچھ خریدا اور اُس کے کان میں یہ قیمتی اطلاع ڈال دی کہ فلاں رات جہاز اکٹھے کھڑے ہوں گے اور عرشوں پر جشن ہوگا۔ اینڈریو دیکھ رہا تھا کہ دُور سے الفارس کے دوسرے جہاز آ رہے تھے۔ وہ لڑکیوں کو یہ کہہ کر چلا گیا...... ''اُس رات اسی طرف میری کشتی آ جائے گی۔ سیڑھی پھینک کر اُتر آنا''۔

☆

وہ رات آ گئی۔ چھ جہاز بادبان لپیٹے پہلو بہ پہلو کھڑے تھے۔ جہازوں کے کپتان اور دیگر افسر الفارس کے جہاز میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ پُرتکلف کھانا ہو رہا تھا۔ ملاح اور سپاہی اپنے اپنے جہازوں میں ناچ، کود اور گا رہے تھے۔ الفارس کے جہاز میں دونوں لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ دف اور ساز موجود تھے۔ جہازوں پر بہت سی مشعلیں جلادی گئی تھیں۔ رات کو دن بنا دیا گیا تھا۔

یہ رونق جب عروج پر پہنچی تو رات خاصی گزر چکی تھی۔ صلیبیوں کے دس بارہ جنگی جہاز بتیاں بجھائے ہوئے الفارس کے جہازوں کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ وہ نئے چاند کی ترتیب میں تھے۔ وہ قریب آ گئے تو بھی کسی کو پتہ نہ چلا۔ اِدھر چھوٹی سی ایک کشتی الفارس کے جہاز کے قریب ہو رہی تھی۔ اچانک الفارس کے جہازوں پر جلتے ہوئے گولے گرنے لگے اور تیروں کی ایسی بوچھاڑیں آئیں کہ کئی ملاح اور سپاہی تڑپنے لگے۔ الفارس اور اُس کے کپتانوں نے اس اچانک حملے سے نکلنے کی کوشش کی مگر جہازوں کا نکالنا ممکن نہ تھا۔ سپاہیوں نے تیروں سے جواب دیا۔ منجنیقوں سے آگ پھینکی۔ ایک صلیبی جہاز کو آگ لگی مگر صلیبی اپنا کام کر چکے تھے۔ اُن کے جہاز واپس چلے گئے۔

معرکہ جس طرح اچانک شروع ہوا تھا، اسی طرح اچانک ختم ہو گیا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی تحریر کے مطابق الفارس کے پانچ جہاز جل کر تباہ ہو گئے۔ دو کپتان اور بہت سے بحری سپاہی شہید ہو گئے۔ قاضی شداد نے اس کی تاریخ ۲۷ شوال ۵۸۳ ہجری (۳۰ دسمبر ۱۱۸۷ء) لکھی ہے۔

چونکہ جہاز جل رہے تھے، اس لیے روشنی بہت تھی۔ کسی نے دیکھا کہ ایک کشتی جا رہی ہے جس میں دو مرد اور دو عورتیں تھیں۔ الفارس نے اپنے جہاز سے ایک کشتی اُتروائی اور اُس کشتی کو پکڑنے کی کوشش کی گئی۔ اُس کشتی سے تیر آنے لگے۔ اِدھر سے بھی تیر چلے اور کشتی کو گھیر لیا گیا۔ دونوں مرد اور ایک لڑکی تیروں کا نشانہ بن گئی۔ ایک بچ گئی۔ بعد میں اسی لڑکی کے بیان سے تباہی کی اصل حقیقت کھلی۔

اُس وقت سلطان ایوبی ٹائر سے کچھ دُور خیمہ زن تھا۔ یہاں سے اُسے سیدھا ٹائر پر یلغار کرنی تھی۔ کوچ سے

ایک ہی روز پہلے اُسے اطلاع ملی کہ چھ میں سے پانچ جہاز تباہ ہو گئے ہیں۔ سلطان ایوبی بجھ کے رہ گیا۔ وہ ایسی بُری خبر سننے کے لیے تیار نہیں تھا اور وہ اتنی جلدی دِل چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔ اُس نے پیش قدمی ملتوی کر دی اور الفارس اور دوسرے کپتانوں کو بلایا۔ الفارس نے اُسے صاف الفاظ میں بتا دیا کہ ملاح اور سپاہی فراغت اور سمندر سے اُکتائے ہوئے تھے، اس لیے اُس نے جشن کا اہتمام کیا تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور مشیروں کا اجلاس بلایا اور یہ صورتِ حال سب کے سامنے رکھی۔ سب نے یہ مشورہ دیا کہ سخت سردی پڑ رہی ہے اور بارشیں شروع ہو چکی ہیں۔ اس موسم میں جنگ جاری نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کے علاوہ سپاہی مسلسل جنگ اور تیز رفتار کوچ اور پیش قدمی سے اتنے تھک چکے تھے کہ اُنہیں جذبات میں لا کر لڑاتے رہنا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ شکست بھی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بحری بیڑے کی تباہی کی مثال دے کر کہا کہ اتنا طویل عرصہ سپاہیوں کو گھروں سے دُور رکھنے کے اثرات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کی عظیم فتح ہمارے لیے کوئی اور حادثہ بن جائے۔

سلطان ایوبی ڈکٹیٹر نہیں تھا۔ اُس نے یہ مشورہ منظور کر لیا اور حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں سے جو عارضی فوج بنائی گئی تھی، وہ توڑ دی جائے اور ان لوگوں کو کچھ رقم دے کر گھروں کو بھیج دیا جائے۔ اُس نے اپنی باقاعدہ فوج کے بھی کچھ حصے کو تھوڑی چھٹی دے کر گھروں کو بھیج دیا اور ۳۰ جنوری ۱۱۸۸ء کے روز عکرہ کو روانہ ہو گیا۔ مارچ ۱۱۸۸ء تک وہ عکرہ میں رہا۔

......۞......

آنسو جو مسجدِ اقصیٰ میں گرے

صلیبی جنگ عروج کو پہنچ گئی تھی۔ بیت المقدس کی فتح نے سارے یورپ کو زلزلے کے بڑے ہی شدید جھٹکے کی طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی زندگی کا مشن پورا کر دیا تھا لیکن بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے سے چھڑا لینا ہی کافی نہیں تھا۔ اس مقدس شہر کا دفاع مستحکم کرنا تھا جو صرف شہر کی دیواریں مضبوط کر لینے تک محدود نہیں تھا۔ بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ اردگرد، دُور دُور کے علاقے پر قبضہ کیا جائے اور ساحل کو بھی اپنی تحویل میں رکھا جائے۔ بہت سے اہم مقامات پر سلطان ایوبی نے پہلے قبضہ کر لیا تھا، جو باقی رہ گئے تھے، ان پر سلطان ایوبی کی فوج حملے کرتی اور قابض ہوتی چلی جارہی تھی۔

مفتوحہ مقامات سے عیسائی آبادی بھاگتی چلی جارہی تھی جن مقامات پر عیسائیوں کا قبضہ تھا، وہاں انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ اُن کے لیے مسلمانوں کا قتلِ عام روزمرہ کا معمول اور مذہبی فریضہ تھا۔ اس کے برعکس سلطان ایوبی جو جگہ فتح کرتا تھا وہاں کے عیسائی باشندوں کو اپنی فوج کی حفاظت میں نکال دیتا تھا، سوائے جنگی قیدیوں یعنی صلیبی فوجیوں کے۔ ارضِ فلسطین کی اب یہ کیفیت تھی کہ سلطان ایوبی ہر ایک دستے کو خواہ وہ اُس کے ہیڈ کوارٹر سے کتنی ہی دُور کیوں نہ تھا، رابطے اور اپنے احکام کا پابند رکھے ہوئے تھا۔ چھاپہ مار جیش عقابوں اور چیتوں کی طرح پہاڑیوں، جنگلوں اور صحراؤں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے، جہاں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ یا رسد کا قافلہ نظر آیا، وہ اُس پر ٹوٹ پڑتے، شب خون مارتے، اور انہیں ہلاک، زخمی اور تتر بتر کر کے اُن کے گھوڑے، اسلحہ اور رسد اُٹھا لاتے۔

ان چھاپہ ماروں نے جو شب خون مارے، وہ ہماری تاریخ کی ولولہ انگیز، ایمان افروز اور مافوق الفطرت شجاعت کی داستانیں ہیں۔ ہر ایک کا بیان شروع ہو جائے تو یہ داستان بڑی لمبی مدت تک ختم نہ ہو۔ یہ ارضِ فلسطین کے پاسبان تھے جو اکیلے اکیلے، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں کئی کئی سو نفری کے دستوں اور دشمن کے کیمپوں پر شب خون مارتے اور شب کی تاریکی میں گم یا اپنے خون میں ڈوب جاتے تھے۔ انہوں نے دشمن سے رسد چھین کر اپنی فوجوں کو دی اور خود دشمن کی تلاش میں بھوکے بھٹکتے رہے، لڑتے اور کٹتے رہے، اپنی لگائی ہوئی آگ میں زندہ جلتے رہے۔ انہیں کفن نصیب نہ ہوئے، کسی نے ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی اور وہ کسی قبر میں دفن نہ ہوئے۔

وہ قہر تھے جو دشمن پر ٹوٹتے رہے۔ انہی کے بھروسے سلطان ایوبی بیت المقدس کی فتح کے بعد پورے فلسطین میں شیر کی طرح دندناتا، دھاڑتا اور گرجتا رہا۔ سلطان ایوبی کی ان گوریلا اور کمانڈو (چھاپہ مار) پارٹیوں کے متعلق مشہور و معروف یورپی مورخ لین پول لکھتا ہے..... "یہ بے دین (مسلمان) ہمارے نائٹوں (جنگجو سرداروں) کی طرح زرہ بکتر نہیں پہنتے تھے لیکن ہمارے زرہ پوش نائٹوں کو ناکوں چنے چبوا دیتے تھے۔ اُن پر حملہ کیا جاتا تو بھاگتے نہیں تھے۔ اُن کے گھوڑے ساری دُنیا میں تیز رفتار مانے گئے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ (صلیبی) اُن کے تعاقب سے ہٹ گئے ہیں تو وہ

پھر واپس آ جاتے تھے۔ ان (مسلمان چھاپہ ماروں) کی حالت اُن کبھی نہ تھکنے والی مکھیوں جیسی تھی جنہیں اڑاؤ تو ایک لمحے کے لیے اُڑ کر پھر تمہارے اوپر بیٹھ جاتی ہیں، اگر انہیں ہر وقت دُور رکھنے کی کوشش کرتے رہو تو وہ دُور رہتے تھے۔ جونہی یہ کوشش ترک کر دی جاتی، وہ شب خون مار جاتے...... وہ پہاڑی علاقے کی طوفانی بارش کی طرح چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں آتے اور صلیبی فوج کی ترتیب توڑ کر غائب ہو جاتے۔ ہمارے نائٹوں کو وہ قدم قدم پر پریشان کرتے اور ہماری فوج کی پیش قدمی کو سست کیے رکھتے''۔

☆

یہ خطہ جو آج اسرائیل کہلاتا ہے، سلطان ایوبی کے دور میں ارضِ مقدس تھا جسے صلیبیوں سے پاک کرنے کے لیے اللہ کے ایک ایک سپاہی نے وہاں اپنے خون کا نذرانہ دیا۔ سلطان ایوبی نے بعض بستیاں تباہ و برباد کرا دی تھیں۔ بعض اوقات یوں لگتا تھا جیسے اُس کے دِل میں رحم کا ایک ذرہ بھی نہیں رہا لیکن اُس نے رحم دلی کے ایسے مظاہرے کیے کہ صلیبی مورخوں نے بھی اُسے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس سے رحم کی بھیک مانگنے کے لیے صلیبیوں کی ایک ملکہ بھی آئی اور ایک غریب صلیبی عورت بھی۔

ملکہ [illegible] تھا... وہ مشہور حکمران ریمانڈ کی بیوی تھی۔ جنگِ حطین کے وقت وہ طبریہ کے قلعے کی ملکہ تھی۔ آپ پچھلی اقساط میں پڑھ چکے ہیں کہ ریمانڈ جنگِ حطین کے میدان سے بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی نے طبریہ کا قلعہ سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا تھا اور سلطان ایوبی نے اُسے قید نہیں کیا تھا۔ اسی جنگ میں سلطان ایوبی نے بیت المقدس کے حکمران گائی آف لوزینان کو جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب سلطان ایوبی عکرہ کے مقام پر خیمہ زن تھا، اُسے اطلاع ملی کہ ملکہ سبیلا اُسے ملنے آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے آنے سے نہ روکا بلکہ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

''صلاح الدین!''...... ملکہ سبیلا جو شکست کھا چکنے کے بعد بھی ملکہ ہی کہلانا پسند کرتی تھی، کیوں کہ اپنے خاوند کے قتل کے بعد وہ ترپولی کی حکمران تھی، بولی...... ''کیا آپ کو معلوم ہے کہ کتنے ہزار یا کتنے لاکھ عیسائی گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں؟ ان پر ظلم آپ کے حکم سے ہوا ہے''۔

''اور جن بے گناہ مسلمانوں کا آپ نے قتلِ عام کرایا اور کرایا جا رہا ہے، وہ کس کے حکم سے کرایا جا رہا ہے؟''...... سلطان ایوبی نے اُس کا جواب سنے بغیر کہا...... ''اگر میں خون کا بدلہ خون سے لوں تو ایک بھی عیسائی زندہ نہ رہے...... آپ کیوں آئی ہیں؟...... یہی شکایت مجھ تک پہنچانے؟''

''نہیں''۔ ملکہ سبیلا نے جواب دیا...... ''میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں...... گائی آف لوزینان آپ کے پاس جنگی قیدی ہے۔ میں اُسے رہا کرانے آئی ہوں''۔

''میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ آپ اُسے کیوں رہا کرانا چاہتی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''میں یہ ضرور پوچھوں گا کہ کس شرط پر میں اُسے رہا کروں؟''

''اگر آپ کا بیٹا یا بھائی قید ہو جائے تو کیا آپ اُسے رہا کرانے کی کوشش نہیں کریں گے؟''...... ملکہ سبیلا نے پوچھا۔

''میرے وہ کمان دار، عہدے دار اور سپاہی جو آپ کے جنگی قیدی ہیں، وہ سب میرے بیٹے اور میرے بھائی ہیں''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''اگر میں خود قید ہو گیا تو میں بھی آپ سے رہائی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میرا کوئی بیٹا اور میرا کوئی بھائی میری رہائی کے لیے آپ کے پاس نہیں جائے گا''۔

''صلاح الدین!'' ملکہ سبیلا نے کہا۔'' آپ خود بادشاہ ہیں۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ ایک بادشاہ کا قید میں پڑے رہنا، اُس کی کتنی توہین ہے۔ وہ یروشلم اور گردونواح کے دُور دُور کے علاقے کا حکمران تھا''۔

''یروشلم نہیں بیت المقدس'' ...... سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا ...... ''گائی اس خطے کا غاصب تھا۔ کسی غاصب کو ہم بادشاہ نہیں کہا کرتے۔ اگر آپ یہ کہتیں کہ وہ اسلام کا خاتمہ کر کے یہاں صلیب کی حکمرانی قائم کرنے آیا تھا تو میں آپ کی بھی اور اُس کی بھی قدر کرتا۔ میں ہر اُس انسان کی قدر دل و جان سے کرتا ہوں جو اپنے مذہب اور عقیدے کا قدر دان ہوتا ہے۔ اُس کا مذہب چاہے بے بنیاد اور جھوٹے عقیدوں کا ہی مجموعہ کیوں نہ ہو۔ میں نہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا ہوں، نہ کسی کی بادشاہی کو تسلیم کرتا ہوں۔ بادشاہی صرف اللہ کی ذات کی ہے اور ہم اُس کی بادشاہی کے محافظ ہیں۔ ہم اللہ کے سپاہی ہیں''۔

''ہم بھی خدا کی حکمرانی کے لیے کوشاں ہیں'' ...... ملکہ سبیلا نے کہا۔

''اگر آپ اُس خدا کی قائل ہوتیں جس کا میں قائل ہوں تو آپ ایک بادشاہ کی رہائی کی بجائے یہ درخواست لے کر آتیں کہ اس بادشاہ کے سپاہیوں کو رہا کر دو'' ۔سلطان نے کہا ...... ''آپ کو اس سے انکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ خطہ ہمارا ہے، آپ کا نہیں۔ یہاں صلیبی امن پسند باشندوں کی طرح رہ سکتے ہیں، بادشاہ بن کر نہیں۔ اپنے صلیبی دوستوں کو بتا دیں کہ انسانوں کی قتل و غارت سے باز آ جاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔ آپ کا ہر حربہ ناکام ہو چکا ہے۔ آپ نے اپنی معصوم بیٹیوں کو گناہوں کی تربیت دی اور ان کی عصمتیں داؤ پر لگائیں۔ آپ نے ہمارے مذہبی پیشواؤں کے بہروپ میں اپنے تخریب کار بھیج کر میری قوم کے عقیدوں کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے زر و جواہرات، شراب اور دل کش لڑکیوں کے ذریعے میری قوم میں غداری کا بیج بویا اور خانہ جنگی کرائی۔ آپ نے حشیشین سے مجھے قتل کرانے کی کئی بار کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں میں خانہ جنگی کرائی اور ہماری جنگی طاقت کو تباہ کر دیا ...... ہاں ملکۂ صلیب میں اعتراف کرتا ہوں کہ آپ اس میں کامیاب ہوئیں کہ اسلامی سلطنت کو ٹکڑوں میں کاٹ دیا اور مسلمان نے مسلمان کا خون بہایا ......''

''میرے عزیز سلطان!'' ملکہ سبیلا نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا ...... ''میں اتنی لمبی اور پیچیدہ بحث کے لیے نہیں آئی۔ میں ایک درخواست لے کر آئی ہوں کہ گائی آف لوزیناں کو رہا کر دو''۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے بعد میرے پاس نہیں آئیں گی'' ...... سلطان ایوبی نے کہا ...... ''میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ میرے اس خیمے سے ہی ہمیشہ کے لیے نہیں چلی جائیں گی بلکہ آپ اس خطے سے جا رہی ہیں، پھر آپ کبھی اِدھر کا رُخ نہیں کریں گی۔ آپ جب اِدھر کا کبھی رُخ کریں گی تو بحیرۂ روم کا پانی آپ کے جہازوں کے لیے اُبلتا ہوا سمندر بن جائے گا۔ میں آپ کو کسی بحث میں اُلجھانا نہیں چاہتا، آپ کو ایک پیغام دے رہا ہوں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ پیغام اپنی صلیب کے تمام پجاریوں تک پہنچا دینا ......

''کہاں ہے آپ کی صلیب الصلبوت جس پر آپ سب حلف اُٹھا کر آئے تھے کہ سرزمینِ عرب کو تہہ تیغ کریں گے۔ مسجدِ اقصیٰ اور خانہ کعبہ کو مسمار کر کے اپنی عبادت گاہیں بنائیں گے؟ ...... وہ صلیب میرے قبضے میں ہے اور آپ کے عزائم میرے رحم و کرم پر ہیں۔ آپ جسے یروشلم کہتے ہیں، وہ پھر بیت المقدس ہے اور ہمیشہ بیت المقدس رہے گا''۔

''آپ کی فوج بہتر اور زیادہ ہے'' ...... ملکہ سبیلا نے کہا ...... ''ہماری فوج کی قیادت ناقص ہے''۔

''حقیقت سے چشم پوشی نہ کرو ملکہ!'' ...... سلطان ایوبی نے کہا ...... ''اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ خود فریبی شکست

کی علامت ہوتی ہے۔ میری فوج کبھی بھی صلیب کی فوج سے زیادہ نہیں ہوئی۔ کبھی بہتر بھی نہیں ہوئی۔ میری فوج کو کبھی زرہ نصیب نہیں ہوئی۔ میرے سالاروں کو ایسی حسین لڑکیاں کبھی نہیں ملیں جو آپ کے سالاروں کے خیموں میں رہتی ہیں۔ میری فوج کا اسلحہ آپ سے بہتر نہیں۔ البتہ راز کی ایک بات آپ کو بتا دیتا ہوں۔ میری فوج کے پاس صرف ایک قوت ہے جس سے آپ کی فوج محروم ہے۔ اُسے ہم ایمان اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں۔ اگر آپ کا عقیدہ سچا ہوتا تو آپ کی قوم خدا کو عزیز ہوتی، مگر اُس خدا کو جو وحدہٗ لاشریک ہے، آپ نے ایک بیٹے کا باپ بنا رکھا ہے۔ آپ خدا کو انسان کی سطح پر لے آئے ہیں اور اُس کی حکومت کو تسلیم کرنے کی بجائے اپنے آپ کو بادشاہ کہتے اور کہلاتے ہیں"۔

"کیا آپ مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں؟"۔ ملکہ سبیلا نے کہا۔

"ملکہ سبیلا!"...... سلطان ایوبی نے اُس کے لہجے میں طنز کی جھلک دیکھتے ہوئے کہا......"میرے خدا نے قرآن کی معرفت مجھے بتایا ہے کہ ہم نے انہیں دماغ دیئے ہیں لیکن وہ سوچتے نہیں، ہم نے انہیں آنکھیں دی ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں، ہم نے انہیں کان دیئے ہیں لیکن وہ سنتے نہیں......اور خدائے ذوالجلال نے فرمایا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جب سزا دینے پر آتے ہیں تو ان کے دلوں اور دماغوں پر مہر ثبت کر دیتے ہیں......آپ اسلام قبول نہ کریں۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ فتح اُسے ملتی ہے جس کے دِل میں ایمان ہوتا ہے۔ میری قوم کے قائدین کے دلوں سے جب آپ نے دولت، عورت اور شراب کے ذریعے ایمان نکال دیا تھا تو ہم آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ خدا نے ہمیں سزا دی۔ ساری قوم گناہگار نہیں ہوا کرتی، قائدین گناہگار ہوتے ہیں مگر سزا پوری قوم کو ملتی ہے۔ قوم گناہگار نہیں ہوتی، اُسے گمراہ کیا جاتا ہے......

"میری اصل قوت یہ ہے کہ میں نے شکست کھائی تو اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ میں نے اپنے سالاروں سے بھی یہی کہا کہ غلطی ہے تو ہم سب کی۔ بدقسمتی ہے تو ہم سب کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں شکست ہوئی ہے اور اب قومی وقار کا تقاضا یہ ہے کہ شکست کو فتح میں بدلو۔ اگر شکست کی ذمہ داری ایک دوسرے پر پھینکتے اور اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرتے رہو گے تو ایک اور شکست سے دوچار ہو گے اور سلطنتِ اسلامیہ جو آج دو دھڑوں میں بٹ گئی ہے، کل کئی ٹکڑوں میں بٹے گی اور کفار ایک ایک ٹکڑے کو نگل لیں گے......محترمہ، ہماری خانہ جنگی کا ذمہ دار الملک الصالح تھا یا سیف الدین غازی، آپ تھے یا گمشتگین، مگر میں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ یہ بھی میری ذمہ داری ہے۔ میں نے ہر حربہ استعمال کیا اور اللہ کے سپاہیوں نے اپنے خون سے سلطنت کے ٹکڑے جوڑ دیئے۔ خون سے جوڑے ہوئے ٹکڑے پھر کبھی الگ نہیں ہوتے ملکہ سبیلا!......آج دیکھ لیں۔ وہ وقت یاد کریں جب آپ کی فوجیں مدینہ منورہ تک جا پہنچی تھیں، مگر آپ میرے پاس اپنے ایک بادشاہ کی رہائی کی بھیک مانگ رہی ہیں۔ یہ کس عمل کا نتیجہ ہے؟......صرف اس عمل کا کہ اللہ کی ذات نے مجھ پر جو فرض عائد کیا تھا، وہ میں نے جان کی بازی لگا کر ادا کیا اور اللہ نے مجھے انعام سے نوازا"۔

ملکہ سبیلا سلطان ایوبی کی باتیں انہماک سے سن رہی تھی لیکن اُس کے ہونٹوں پر جن میں جوانی، کشش اور حسن ابھی قائم تھا، طنزیہ سی مُسکراہٹ تھی۔

"میں آپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہیں دے رہا"۔ سلطان ایوبی نے کہا......"آپ کی مُسکراہٹ بتا رہی ہے کہ میرے خیمے سے نکل کر آپ میری باتوں کو ذہن سے اس طرح پھینک دیں گی جس طرح آپ کی فوج نے حطین اور بیت المقدس میں ہتھیار پھینکے تھے، میں آپ کو یہ باتیں صرف اس لیے سنا رہا ہوں کہ یہ میرے خدا اور میرے رسول صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ جن کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے، ان کی پٹی کھول دو اور انہیں دکھاؤ کہ حق کیا اور باطل کیا ہے..... غور کرو ملکہ محترمہ! آپ کے خاوند نے حسن بن صباح کے فدائیوں سے مجھے قتل کرانے کے لیے چار قاتلانہ حملے کرائے۔ ایک بار میں گہری نیند سویا ہوا تھا، جب انہوں نے مجھ پر حملہ کیا لیکن ہوا کیا؟ وہ خود قتل ہو گئے۔ ایک بار میں اکیلا اُن کے گھیرے میں آ گیا تھا لیکن میں بچ گیا اور وہ مارے گئے...... اور اب آپ اس حقیقت سے کس طرح انکار کر سکتی ہیں کہ آپ کا خاوند جو مجھے فدائیوں سے قتل کرانے کی کوشش کرتا رہا، انہی کے ہاتھوں خود قتل ہوا۔ اُسے کوئی نہ بچا سکا......

''غور سے سنو ملکہ! حطین کے میدان سے آپ کا خاوند لڑے بغیر بھاگ گیا۔ آپ نے لڑے بغیر طبریہ کا قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ آپ سب نے جس صلیب الصلبوت پر لڑنے اور لڑتے ہوئے مرنے کی قسم کھائی تھی، وہ اسی میدانِ جنگ میں آپ کے اُسی پادری کے خون میں ڈوب گئی جسے آپ اس صلیب کا محافظِ اعظم کہتے تھے۔ یہ صلیب اب میرے قبضے میں ہے اور آپ میرے پاس التجا لے کر آئی ہیں کہ گائی کو رہا کر دوں''۔

''آپ مجھے یہ باتیں کیوں یاد دلا رہے ہیں؟'' ملکہ سبیلا نے جھنجھلا کر کہا۔

''اس لیے کہ آپ خدا کے ان واضح اشاروں کو سمجھیں''۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ ''آپ کی آنکھوں پر شہنشاہیت کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ آپ کو شہنشاہیت پر بھروسہ ہے اور آپ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کریں گی کہ آپ کو اس پر بھی ناز ہے کہ آپ عورت ہیں اور حسین عورت ہیں۔ میں یہ کہہ کر آپ کو خوش کر سکتا ہوں کہ آپ واقعی حسین ہیں مگر یہ کہہ کر آپ کو مایوس کروں گا کہ میں کوئی فیصلہ آپ کے حسن سے متاثر ہو کر نہیں کروں گا۔ آپ کا یہ نیم عریاں جسم مجھے صراطِ مستقیم سے ہٹا نہیں سکتا''۔

ملکہ سبیلا ایک عام عورت کی طرح ہنس پڑی اور بولی...... ''مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ پتھر ہیں''۔

سلطان ایوبی نے مُسکرا کر کہا...... ''آپ کے لیے میں یقیناً پتھر ہوں مگر میں ایسا موم ہوں جو ایمان کی حرارت سے پگھل جاتا ہے اور اُسے رحم کا جذبہ بھی پگھلا دیتا ہے۔ جسمانی لذت اور آسائش انسان کو نہ اپنے کام کا رہنے دیتی ہے، نہ قوم کے کام کا اور اُسے خدا بھی دھتکار دیتا ہے''۔

''میں آپ کے دِل میں رحم کا جذبہ ہی بیدار کرنے آئی ہوں''...... ملکہ سبیلا نے کہا...... ''گائی کو رہا کر دیں۔ میں نے سنا ہے کہ سچے مسلمان کے گھر اُس کا دشمن چلا جائے تو وہ اُسے بھی بخش دیتا ہے''۔

اس کے بعد ملکہ سبیلا منت سماجت پر آ گئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ وہ گائی کو اس شرط پر چھوڑ دے گا کہ وہ تحریری عہد کرے کہ میرے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے گا۔ ملکہ سبیلا نے کہا کہ تحریری عہد نامہ دیا جائے گا اور یہ بھی تحریر کر دیا جائے گا کہ گائی اس عہد سے پھر جائے اور پھر کبھی گرفتار ہو جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ آخر یہی طے ہوا۔ ملکہ سبیلا چلی گئی۔ سلطان ایوبی نے اسی روز گائی آف لوزینان کی رہائی کا حکم نامہ قاصد کو دے کر دمشق روانہ کر دیا۔ تین چار دِنوں بعد گائی کو سلطان ایوبی کے پاس لایا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے ترجمان سے جس کی معرفت وہ صلیبیوں کے ساتھ بات چیت کیا کرتا اور اُن کی سمجھا کرتا تھا، کہا کہ اسے اس عہد نامے کا ترجمہ اس کی زبان میں سنا دو اور اگر یہ چاہے کہ اس کا ترجمہ اس کی زبان میں بھی تحریر کیا جائے تو کر دو اور اس پر اس کے دستخط کرا لو۔

''اور اُسے یہ بھی کہہ دو کہ میں اُس کے ساتھ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا''۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''اُسے کہہ دو کہ میں جانتا ہوں کہ یہ عہد نامے کی خلاف ورزی کرے گا اور میرے خلاف لڑے گا۔ اُسے کہہ دو کہ میں نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر

آنے رہا نہیں کیا۔ میں اُسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں اس جیسے گناہگار آدمی کو بھی بخش سکتا ہوں میں اللہ کی راہ میں لڑ رہا ہوں، کسی سے میں ذاتی انتقام نہیں لینا چاہتا...... اور یہ جہاں جانا چاہتا ہے، وہاں تک اُسے محافظوں کی حفاظت میں پہنچا دو۔"

گائی آف لوزینان جو بیت المقدس کا حکمران تھا اور جنگِ حطین میں جنگی قیدی ہوا تھا، عہد نامے پر دستخط کر کے سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ہاتھ بڑھایا۔ گائی نے پُرجوش طریقے سے ہاتھ ملایا اور کہا ..... "ایوبی! تم عظیم ہو"......اور خیمے سے نکل گیا۔

گائی کی رہائی کو یورپی مورخوں نے کھل کر بیان کیا ہے اور اُسے ملکہ سبیلا کا کارنامہ لکھا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے ملکہ سبیلا سے متاثر ہو کر اور گائی کو اپنے جیسا بادشاہ سمجھ کر رہا کیا تھا اور جیسے اُسے عام اور غریب لوگوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے جو صلیبی جنگوں میں سلطان ایوبی کے ساتھ تھا اور اس کی وفات تک اس کے ساتھ رہا، اپنی یادداشتوں میں ایک غریب عیسائی عورت کا واقعہ تحریر کیا ہے۔

یہ اُن دِنوں کا واقعہ ہے جب گائی آف لوزینان کی رہائی کے بعد صلیبیوں نے ساحلی شہر عکرہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ (اس محاصرے کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) صلیبی فوج کے کیمپ کے ساتھ ہی اُن عیسائی شہریوں کا کیمپ تھا جو دوسری جگہوں اور بیت المقدس سے نکل کر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ محاصرہ دو سال طویل ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے ایک تو چھاپہ مار تھے جو محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج کے کسی نہ کسی حصے پر شب خون مارتے رہتے تھے، دوسرے کچھ غیر فوجی مسلمان تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ انہیں اجازت دی گئی تھی کہ صلیبی فوج کو پریشان کرتے رہیں، چونکہ عیسائی شہری اپنی فوج کے ساتھ تھے، اس لیے وہ فوج کی بہت مدد کرتے تھے۔

مسلمان غیر فوجی گروہ ان عیسائی شہریوں کو بھی پریشان کرتے رہتے تھے۔ رات کو اُن کے کیمپ میں گھس جاتے اور اُن کا سامان اُٹھا لاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک دو عیسائیوں کو بھی اُٹھا لاتے اور انہیں جنگی قید میں دے دیتے۔ عیسائی شہری اپنی فوج سے شکایت کرتے رہتے تھے کہ "مسلمان چور اور ڈاکو" رات کو آ کر اُن کا سامان چوری کر لیتے ہیں۔ فوج نے پہرے کا انتظام کر دیا۔ اس کے باوجود "چوری چکاری" اور اغوا کا سلسلہ جاری رہا۔

ایک رات ایک آدمی عیسائیوں کے کیمپ سے تین ماہ عمر ایک بچی اُٹھا لایا۔ ماں کی یہ ایک ہی بچی تھی اور وہ بھی دودھ پیتی بچی۔ اُس نے واویلا بپا کر دیا۔ وہ صلیبی کمانڈروں کے پاس گئی۔ وہ پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ کسی کے ہاتھ نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں کے اعلیٰ کمانڈر تک وہ جا پہنچی۔ اُس نے اس عورت کو اجازت دے دی کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا کیمپ قریب ہی ہے، اُس کے پاس چلی جاؤ۔ سب کو یقین تھا کہ بچی کو مسلمان اُٹھا لے گئے ہیں۔

ماتا کی ماری ہوئی ماں پوچھتی بھٹکتی سلطان ایوبی کے کیمپ میں آن پہنچی۔ قاضی بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے کہ اُس وقت وہ سلطان ایوبی کے پاس کھڑا تھا اور سلطان کہیں جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ کسی نے اُسے بتایا کہ ایک غریب سی عیسائی عورت روتی آئی ہے اور سلطان سے ملنا چاہتی ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ اُسے فوراً لے آؤ، اُس پر یقیناً ہماری طرف سے زیادتی ہوئی ہو گی۔

عورت جب سلطان ایوبی کے سامنے آئی تو وہ گھوڑے کے قریب زمین پر پیٹ کے بل لیٹ گئی۔ وہ بار بار ماتھا زمین پر رگڑتی اور روتی تھی۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا کہ اُٹھو اور بتاؤ کہ تم پر کس نے زیادتی کی ہے؟"

"مجھے اپنے فوجی کمانڈروں نے کہا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاؤ۔ وہ بہت رحم دل ہے اور فریاد

سنے گا''.....عورت نے کہا..... ''آپ کے آدمی میری دودھ پیتی بچی اُٹھالائے ہیں''۔

قاضی بہاؤ الدین شداد لکھتا ہے کہ عورت جس انداز سے روتی تھی اور جو فریادیں کرتی تھی، اس سے سلطان ایوبی کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بچی کو اغوا ہوئے چھ سات دِن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اُتر آیا۔ اُس نے حکم دیا کہ ابھی معلوم کرو کہ بچی کون لایا ہے۔ اُس نے عورت کو کھانا کھلانے کو کہا اور جہاں کہیں وہ جا رہا تھا، وہاں نہ گیا۔ وہ مسلمان شہری جو عیسائی کیمپ میں سامان وغیرہ اُٹھانے جاتے تھے، فوج کے ساتھ رہتے تھے۔ ان میں جو آدمی بچی اُٹھالایا تھا، وہ وہاں موجود تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے پاس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ بچی اسی نے اغوا کی تھی اور اُسے وہ فروخت کر آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ اس آدمی کے ساتھ اُس شخص کے پاس جاؤ جس نے اس سے بچی خریدی ہے اور اُس نے جو قیمت دی تھی، وہ اُسے دے کر بچی لے آؤ۔

سلطان ایوبی بچی کی واپسی تک اپنے خیمے میں موجود رہا۔ بچی دُور نہیں گئی تھی۔ جلدی مل گئی۔ اس کی قیمت واپس کر دی گئی۔ سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھوں بچی ماں کے ہاتھوں میں دی۔ ماں نے بچی کو فوراً اپنی چھاتیوں کے ساتھ لگالیا اور ایسی بے تابی سے پیار کیا کہ (شداد کے الفاظ میں) ہم سب پر رقت طاری ہوگئی۔ سلطان ایوبی نے اُسے ایک گھوڑی پر رخصت کیا۔

بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور ارضِ فلسطین میں صلیبیوں کو ہر مقام پر شکست ہوئی تو صلیبی دُنیا میں بھونچال آ گیا۔ اُس وقت تین بادشاہیاں جنگی لحاظ سے بہت طاقتور مانی جاتی تھیں۔ ایک تھی فرانس، دوسری جرمنی اور تیسری انگلستان۔ اُن کے پوپ (پاپائے روم اربانوس ثانی) نے خود ہر ایک کو پاس جا کر انہیں جنگ کے لیے تیار کیا۔ اس کی زبان پر ہر جگہ یہی الفاظ تھے:

''اگر تم صلاح الدین ایوبی کے خلاف نہ اُٹھے تو سارے یورپ سے صلیب اُٹھ جائے گی اور ہر جگہ تمہیں اسلامی جھنڈے لہراتے نظر آئیں گے۔ یہ جنگ صلاح الدین ایوبی کی ذاتی جنگ نہیں۔ یہ عیسائیت اور اسلام کی جنگ ہے۔ صلیبِ اعظم مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ یروشلم پر مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ ہزار ہا عیسائی عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں چلی گئی ہیں۔ وہ مسلمان فوج میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ کیا تم گھر بیٹھے اسلام کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روک سکو گے؟ تم کس طرح برداشت کر رہے ہو کہ وہ صلیب جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا، مسلمانوں کے قبضے میں چلی جائے؟''

پوپ نے اس قسم کی جھوٹی سچی باتیں سنا کر بڑے بڑے صلیبی بادشاہوں کو مشتعل کر دیا۔ جرمنی کا بادشاہ فریڈرک دو لاکھ فوج لے کر سب سے پہلے آ گیا۔ یہ فوج اتنی زیادہ تھی کہ اُس نے کسی صلیبی بادشاہ کو اپنا اتحادی نہ بنایا۔ اُس نے اپنا پلان بنا رکھا تھا۔ اس کے مطابق اُس نے دمشق پر حملہ کیا۔ اس کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کے طریقۂ جنگ سے واقف نہیں تھا۔ وہ دو لاکھ نفری کے لشکر کے بھروسے پر سرزمینِ عرب پر قبضہ کرنے آیا تھا۔ دمشق پر اُس کے حملے کو دوسری صلیبی جنگ کہتے ہیں، جو فریڈرک نے اپنی کثیر افواج کے زعم میں لڑنے کی کوشش کی اور جس میں دمشق کی وہ ایک اینٹ بھی نہ اکھاڑ سکا۔ مسلمان چھاپہ ماروں نے اُس کی رسد پر ایسے دلیرانہ چھاپے مارے کہ اُس کے سینکڑوں گھوڑے اور گھوڑا گاڑیاں اپنے ساتھ لے آئے۔ رسد جو اُن کے ہاتھ لگی، وہ انہوں نے اپنی فوج کے حوالے کر دی۔

فریڈرک بُری طرح ناکام ہوا۔ اُس کے پاس رسد کی کمی ہوگئی اور فوج کا جانی نقصان بھی بہت ہوا۔ اُس نے پیچھے ہٹ کر دمشق پر ازسرِنو حملے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن مسلمان چھاپہ ماروں نے اس کی فوج کو چین سے نہ بیٹھنے دیا

پانی کے ذخیروں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی تاریخ ۲۰ جنوری ۱۱۹۱ء (۲۲ ذی الحج ۵۸۶ ہجری) لکھی گئی ہے۔ اس کے ماتم میں جرمنوں نے اپنے کیمپ میں جگہ جگہ لڑکیاں جمع کر کے اس طرح آگ لگائی جیسے ان کا کیمپ جل رہا ہو۔ ادھر مسلمان سپاہیوں نے وہ رات خوشی سے دف اور نقارے بجاتے اور ناچتے گاتے گزار دی۔

جرمن فوج کی کمان اس کے بیٹے نے سنبھال لی۔ اُسے معلوم تھا کہ شاہ فرانس فلپس آگسٹس اور شہنشاہِ انگلستان رچرڈ بھی آرہے ہیں۔ وہ بحری جہاز سے آرہے تھے۔ فریڈرک کے بیٹے نے فلسطین کے ساحلی شہر عکرہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو ہدایات دے رکھی تھیں۔ ان کے مطابق اُس کی فوج پر جوابی حملہ نہ کیا بلکہ اُسے جانے دیا۔ ان سالاروں کو معلوم تھا کہ راستے میں اپنے چھاپہ مار جیش موجود ہیں۔ ان چھاپہ ماروں کا انداز یہ تھا کہ دشمن کی فوج کے آخری حصے پر شب خون مارتے اور غائب ہو جاتے۔ یہ زیادہ نفری کے جیش تھے۔ رات کو جرمن پڑاؤ کرتے تو چھاپہ مار آتش گیر سیال کی ہانڈیاں چھوٹی منجنیقوں سے جرمنوں کے کیمپ پر پھینکتے اور ان کے پیچھے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلاتے جن سے کیمپ میں آگ لگ جاتی۔

جرمن فوج جب عکرہ پہنچی تو اس کی نفری صرف بیس ہزار رہ گئی تھی۔ یہ فوج جب ارضِ مقدس میں داخل ہوئی تھی تو اس کی نفری دو لاکھ تھی۔ اس میں سے کچھ دمشق پر حملے کے دوران تباہ ہوئی، کچھ بیماری، بھوک اور پیاس کی نذر ہوگئی، کچھ دمشق سے عکرہ تک کوچ کے دوران چھاپہ ماروں کا شکار ہوگئی اور اُن سپاہیوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی جو فوج سے بھگوڑے ہو گئے تھے، جو بیس ہزار نفری رہ گئی تھی وہ بُری طرح بددل ہو چکی تھی۔ اس کے دل سے صلیب کا احترام اور اپنا حلف صاف ہو چکا تھا۔

اُدھر سے شاہ فرانس اور شہنشاہِ انگلستان سمندر کے راستے چلے آرہے تھے۔ سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے قبل از وقت بتا دیا تھا کہ انگلستان کی فوج جو اُس وقت قبرص میں پہنچ چکی تھی، کیسی ہے اور اس کی نفری کتنی ہے۔ اس کی نفری ساٹھ ہزار تھی۔ فرانس کی فوج کی نفری بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ بیس ہزار جرمن فوج تھی۔ صلیبیوں کی کچھ فوج پہلے سے ارضِ مقدس میں موجود تھی۔

سلطان ایوبی کو جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ گائی آف لوزینان جو یہ عہد نامہ کر کے سلطان ایوبی کی جنگی قید سے رہا ہوا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے گا، کاؤنٹ کونراڈ کے ساتھ مل کر الگ فوج جمع کر چکا ہے جس میں سات سونائٹ (زرپوش سردار) ہیں، نو ہزار فرنگی فوج اور بارہ ولندیزی اور دیگر یورپی افسر اور سپاہی ہیں۔ اس طرح صرف اس فوج کی نفری تقریباً بائیس ہزار ہوگئی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق صلیبی فوج کی مجموعی نفری چھ لاکھ تھی جو اسلحہ اور دیگر جنگی ساز و سامان کے لحاظ سے اسلامی فوج سے برتر تھی۔

سلطان ایوبی کے ساتھ دس ہزار مملوک تھے۔ یہ اس کی منتخب فوج تھی جس پر اُسے پورا پورا بھروسہ تھا۔ عکرہ نہایت اہم مقام تھا۔ یہ بندرگاہ بھی تھی جسے قدرت نے ایسا بنایا تھا کہ بحریہ کا بہت بڑا اور محفوظ اڈہ بن سکتی تھی۔ عکرہ شہر میں سلطان ایوبی کی فوج کی نفری دس ہزار تھی۔ سلطان ایوبی بیت المقدس سے کمک نہیں لے سکتا تھا کیونکہ یہی وہ شہر تھا جس کی خاطر صلیبیوں نے اتنا زیادہ لشکر اکٹھا کیا تھا۔ اس شہر کے دفاع کو کمزور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے شہروں اور قلعوں سے بھی فوج کو نہیں نکالا جا سکتا تھا۔ انگلستان کا بحری بیڑہ بہت طاقتور اور خوف ناک تھا۔ سلطان ایوبی کو اچھی طرح احساس تھا کہ اس کا مصری بحری بیڑہ انگلستان کے بیڑے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سلطان ایوبی کے لیے یہ اتنا بڑا اور زیادہ خطرناک چیلنج تھا جو اُسے قبول کرنا تھا مگر اس کا مقابلہ مخدوش نظر آرہا

تھا۔ اُسے ایک خطرہ اور بھی نظر آ رہا تھا جو یہ تھا کہ اس کی فوج چار سال سے لڑ رہی تھی۔ اس کے چھاپہ مار اتنی لمبی مدت سے جنگلوں اور پہاڑوں میں لڑ اور مر رہے تھے اور وہ وہیں زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ کے جسمانی پہلو کو دیکھا جائے تو یہ فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ مذہب کی لگن کے جذبے کے زور پر وہ اس قلیل اور تھکی ہوئی فوج کو چھ لاکھ تازہ دم صلیبی فوج کے خلاف کس طرح لڑا سکتا تھا۔

قاضی بہاؤ الدین شداد جو اُس کی مجلس مشاورت کا رُکن اور اس کا مشیر خاص اور ہم راز بھی تھا، لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ ہر وقت گہری سوچ میں غرق رہتا اور ذہن میں جنگ کے نقشے بناتا رہتا تھا۔ اُس کی صحت گر رہی تھی اور ایک بار وہ بیمار پڑ گیا۔ چوتھے روز اُٹھ بیٹھا لیکن اس کی صحت میں پہلے والی جان نہیں رہی تھی۔ اس کی عمر ۵۴ برس ہو گئی تھی۔ وہ نوجوانی میں میدانِ جنگ میں اُترا تھا اور ابھی تک جنگلوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں لڑ رہا تھا۔ اُس نے بیت المقدس کی فتح کی قسم کھائی تھی جو اُس نے پوری کر دی تھی۔ اس کے بعد اُس نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے جیتے جی بیت المقدس سے اسلامی پرچم نہیں اُترنے دے گا۔ یہ تھا وہ عہد جس نے اُسے نیند اور آرام سے محروم کر دیا تھا۔

☆

امریکی تاریخ دان اور محقق، اینتھونی ویسٹ نے ہیرلڈلیم، لین پول، گبن اور ارنول جیسے مشہور و معروف مورخوں کے حوالے سے لکھا ہے۔ ''سلطان ایوبی مسجدِ اقصیٰ میں جا بیٹھا اور سارا دِن خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دُعا کرتا رہا کہ خدا اُسے اس نازک موقعے پر اسلامی فوج کی صحیح عسکری قیادت کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک شخص کے بیان کے مطابق، جس نے اُسے مسجد میں پڑے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ شام ہوئی تو وہ مسجد سے نکلا۔ اُس وقت اُس کے چہرے پر اطمینان اور سکون تھا''۔

یہ صحیح ہے کہ سلطان ایوبی مسجدِ اقصیٰ میں جا کر سجدہ ریز ہوا اور اس نے رو رو کر خدائے ذوالجلال سے مدد اور رہبری مانگی تھی لیکن اُس وقت کے عینی شاہدوں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ دن کے وقت نہیں بلکہ رات کے وقت مسجد اقصیٰ گیا تھا۔ اس نے ساری رات نوافل، دُعا اور وِردِ وظیفے میں گزاری اور صبح کی نماز پڑھ کر باہر آیا تھا۔

اُس رات وہ مسجد میں اکیلا نہیں تھا۔ مسجد کے صحن میں ایک کونے میں کوئی آدمی اپنے اوپر کمبل ڈالے بیٹھا تھا۔ وہ کبھی ایک سجدہ کرتا، کبھی دو اور دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے ہاتھ منہ پھیرتا، پھر سجدے میں چلا جاتا تھا۔ اُسے نماز پڑھنی نہیں آتی تھی یا وہ کوئی ایسا وردیا وظیفہ کر رہا تھا جس میں اسی طرح سجدے اور دُعا کرنی تھی۔ یہ شخص اُس وقت مسجد کے کونے میں آ بیٹھا تھا جس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر آخری نمازی مسجد سے نکل گیا تھا۔ اُس کا چہرہ کمبل میں چھپا ہوا تھا۔

صبح جب موذن نے اذان دی تو وہ اُٹھا اور اپنے آپ کو کمبل میں چھپا کر مسجد سے نکل گیا تھا۔ ایک آدمی جو مسجد کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا، اُسے دیکھ کر رُک گیا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا، پھر اس کے پیچھے چل پڑا۔ کمبل والے نے گھوم کر دیکھا اور قدم تیز کر لیے۔ اُس کے تعاقب میں جانے والا بھی تیز تیز چلنے لگا۔ آگے ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ کمبل والا اُس کے پاس رُکا اور کچھ کہہ کر آگے چلا گیا۔ دوسرا آدمی وہیں کھڑا رہا۔ تعاقب میں جانے والے نے اُس سے پوچھا کہ یہ کون تھا۔

''اوہ! یہ تم ہو''۔ اُس آدمی نے کہا۔ ''تم اُس کا تعاقب کر رہے ہو؟''

''میں نے اس کے پاؤں دیکھے ہیں''..... تعاقب کرنے والے نے کہا..... ''یہ مرد نہیں، عورت ہے۔ تمہاری

رشتہ دار ہے؟ تم اُسے جانتے ہو؟''

''احتشام دوست!''......اُس آدمی نے کہا......''میں جانتا ہوں تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو۔ ہر کسی پر نظر رکھنا تمہارے فرائض میں شامل ہے اور میرا فرض ہے کہ میں تم سے کچھ بھی نہ چھپاؤں، لیکن ایک عورت کا مسجد میں جانا گناہ تو نہیں''۔

''بالکل نہیں''......احتشام نے کہا......''مجھے شک اس سے ہوا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کمبل میں کیوں لپیٹ رکھا ہے؟......سنو العاص رات کو ہم تین آدمی مسجد کے اِرد گرد پہرے پر پھرتے رہے ہیں کیونکہ سلطان نے رات مسجد میں گزاری ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ ہم بہروپ میں اُن کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے رہے ہیں۔ سلطان کسی کو بتائے بغیر مسجد میں آئے تھے۔ انہیں معلوم نہیں کہ اُن کے باوردی محافظوں کے علاوہ بھی کوئی اُن کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہ حسن بن عبداللہ کا انتظام ہے۔ تم خود فوج کے کمان دار رہو اور مجھے اچھی طرح جانتے ہو، اس لیے تمہیں یہ سب کچھ بتا رہا ہوں''۔

''ضرور بتاؤ احتشام!''......العاص نے جواب دیا......''بیت المقدس میں اور مسجدِ اقصیٰ کے اتنی قریب کھڑے ہو کر مسلمان جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں تمہیں بتا دوں گا کہ یہ کون ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے اس پر کیوں شک کیا ہے؟''

''میں نے رات اُسے صحن کے کونے میں دیکھا''......احتشام نے جواب دیا......''سلطان کی حفاظت کے لیے ضروری تھا کہ اُسے وہاں سے اُٹھا دیا جاتا۔ عشاء کا وقت گزر گیا تھا۔ اس آدمی کو چلے جانا چاہیے تھا۔ اس وقت سلطان اندر منبر کے سامنے عبادت اور وظیفے میں مصروف تھا۔ یہ آدمی جو کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ سلطان پر قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا لیکن کسی کو مسجد سے اُٹھایا اور نکالا نہیں جا سکتا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ شخص عجیب طریقے سے عبادت کر رہا تھا۔ سجدے سے اُٹھتا اور دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیتا۔ اُس نے باقاعدہ نماز نہیں پڑھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔ میرے دونوں ساتھیوں نے باری باری اندر آ کر اس طرح اسے دیکھا کہ اُسے پتہ نہ چل کہ اُسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ میرے اس ساتھی نے باہر آ کر بتایا کہ اس پر نظر رکھو لیکن اُسے اُٹھانا نہیں، کیونکہ میں نے اُس کے بالکل پیچھے بیٹھ کر اُس کی سسکیاں سنی ہیں اور اس کے بعض الفاظ ایسے سنے ہیں جیسے یہ اپنے گناہوں کی بخشش اور صلیبیوں کی شکست کی دُعا کر رہا ہے......

''اس سے مجھے اور زیادہ شک ہوا۔ وہ اتنا بے خبر نہیں ہو سکتا تھا کہ اُسے یہ بھی پتہ نہ چل سکتا کہ اُس کے پیچھے کوئی آ کر بیٹھ گیا ہے۔ ہم کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کیا جائے۔ اس شش و پنج میں رات گزر گئی۔ صبح کی اذان کے ساتھ ہی یہ آدمی مسجد سے نکلا۔ ہم نے باری باری ساری رات اس پر نظر رکھی تھی۔ میں نے مسجد کی روشنی میں دیکھا کہ یہ جب باہر آ رہا تھا تو کمبل میں سے اُس کے پاؤں نظر آ رہے تھے اور میں نے اس کے ہاتھ بھی دیکھے جو اُس نے فوراً کمبل میں چھپا لیے تھے۔ میں اس کے تعاقب میں چل پڑا''۔

''ہاں میرے دوست!''......العاص نے کہا......''تم نے ٹھیک دیکھا ہے۔ یہ مرد نہیں، عورت ہے اور بڑی ہی خوب صورت اور جوان عورت ہے اور میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ یہ ایک گناہگار عورت ہے جو دس سال ہمارے خلاف جاسوسی کرتی رہی ہے''۔

[illegible] صلیبی تھی؟'' [illegible]

[illegible] صلیبی تھی!''......العاص نے جواب دیا......''اب مسلمان ہے۔ میں نے اُسے ایک مسلمان گھر میں رکھا ہوا ہے۔ [illegible] تم مجذوب کہہ سکتے ہو۔ درویشوں کی طرح باتیں کرتی ہے''۔

[illegible] تم لوگ اس کی باتوں میں آ گئے ہو''......احتشام نے کہا......''تم میدانِ جنگ میں لڑنے والے فوجی ہو، ان

عورتوں کی چالبازیوں کو نہیں سمجھ سکتے''۔

''تو میرے ساتھ آؤ''...... العاص نے کہا...... ''تم اُسے دیکھو، اُس کی باتیں سنو۔ اپنا شک رفع کرو۔ ہمیں بھی کچھ بتاؤ۔ یہ تمہارا فن ہے تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس کی باتوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ میں نے اُسے پناہ دلوائی ہے۔ میرے ساتھ آؤ''۔

اور احتشام العاص کے ساتھ چلا گیا۔

☆

وہ ایک بزرگ کا مکان تھا جو مدت سے بیت المقدس میں رہتا تھا۔ احتشام اور العاص اُس کے ڈیوڑھی میں جا بیٹھے۔ یہ بزرگ انسان جو عالم فاضل بھی تھا، نماز کے لیے مسجد میں چلا گیا تھا۔ احتشام نے العاص سے کہا کہ اس عورت کو دیکھنے سے پہلے میں تم سے پوچھوں گا کہ یہ عورت کہاں سے آئی ہے۔ اس کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو۔ مجھے بتا دو''۔

''یہ پچھلی گرمیوں کا واقعہ ہے''...... العاص نے احتشام کو سنایا...... ''میں مصر کی سرحد سے تھوڑی دُور چھاپہ ماروں کے ایک دستے میں تھا۔ بیت المقدس فتح ہو چکا تھا۔ ہماری زندگی ٹیلوں، ٹیکریوں اور صحرا میں گزر رہی تھی۔ اس علاقے میں ہمارا وہ کام نہیں رہ گیا تھا جو اِدھر کے چھاپہ مار ابھی تک کر رہے ہیں۔ آخر ہمیں واپسی کا حکم مل گیا۔ مجھے ایک جیش کی کمان دے دی گئی۔ میرے ساتھ سولہ چھاپہ مار تھے۔ ہر ایک جیش اپنے اپنے طور پر واپس آ رہا تھا۔ ایک جگہ ٹیلے ستونوں کی طرح کھڑے تھے اور بعض کی شکلیں بڑی ڈراؤنی اور عجیب عجیب سی تھیں۔ میرے ایک چھاپہ مار نے مذاق سے کہا کہ یہ جنات اور چڑیلوں کے محل ہیں، یہاں خوب صورت اور بدکار عورتوں کی بدروحیں بھی ہوں گی۔ ہم یہ سن کر ہنس پڑے اور ان ٹیلوں میں داخل ہو گئے......

''ہمیں ان ٹیلوں نے کیا ڈرانا تھا۔ ہم نے تو ان ٹیلوں سے زیادہ خوف ناک جگہوں میں راتیں گزاری ہیں۔ ہم اُس جگہ بھی رات کو سوئے ہیں جہاں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے اور کھوپڑیاں بکھری ہوئی تھیں لیکن ان ٹیلوں کے اندر گئے تو ہم ٹھٹھک کر رُک گئے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ خوف کیا ہوتا ہے۔ میرا سارا جیش رُک کر کلمہ شریف کا ورد کر رہا تھا...... سامنے ایک ٹیلے کے سائے میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جو مادر زاد برہنہ تھی۔ اس کے سامنے ایک عورت پیٹھ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ وہ بھی برہنہ تھی۔ بیٹھی ہوئی عورت جوان لگتی تھی۔ اس کا چہرہ بادامی رنگ کا تھا۔ ہونٹ ریت کے ڈھیلے کی طرح خشک اور پھٹے پھٹے۔ اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ برہنہ جسم کی ہڈیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس حالت میں بھی پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت خوب صورت ہے......

''یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ دونوں انسان ہوتیں۔ یہ راستہ نہیں تھا کہ کوئی قافلہ یہاں سے گزرا ہوتا اور ڈاکوؤں نے انہیں لوٹ لیا ہوتا اور یہ بچ بچا کر یہاں چھپ گئی ہوتیں۔ میں اپنے سپاہیوں کو ڈرانا نہیں چاہتا تھا مگر میں خود ڈر گیا اور انہیں دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ گناہگار عورتوں کی بھٹکتی ہوئی روحیں ہیں۔ میں اس اُمید پر وہیں رُکا رہا کہ یہ غائب ہو جائیں گی، مگر جو عورت بیٹھی ہوئی تھی، بیٹھی رہی اور جو لیٹی ہوئی تھی، وہ لیٹی رہی۔ بیٹھی ہوئی عورت پھٹی پھٹی نظروں سے ہمیں دیکھتی رہی۔ میرے ایک ساتھی نے آہستہ سے کہا...... 'پیچھے کو لوٹ چلو'...... ایک اور نے کہا...... 'ہاں...... پیچھے کو چلو، لیکن اُن کی طرف پیٹھ نہ کرنا'...... ''ہمارا اُن سے فاصلہ پندرہ قدم ہو گا۔ ہم سب نہایت آہستہ آہستہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹے۔ تب بیٹھی ہوئی عورت نے سر کا اشارہ کیا جیسے ہمیں بلا رہی ہو۔ میں نے ایک قدم اور پیچھے اُٹھایا تو اس نے سر سے

پھر اشارہ کیا۔ مجھے صاف نظر آیا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں نے واقعی کوئی آواز سنی تھی یا میرے دل میں خیال آیا تھا۔ مجھے اپنے آپ میں آواز سنائی دی...... ''بھاگو مت العاص! دیکھ لو۔ یہ انسان ہی نہ ہوں''...... اچانک میرا ہاتھ اپنی کمر پر پڑا اور اس ہاتھ سے تلوار نیام سے نکال لی۔ میرے قدم اپنے آپ آگے کو اُٹھنے لگے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ مجھے آگے جانے سے روک رہے تھے۔ میری زبان پر آیۃ الکرسی کا ورد تھا......

''میں اس سے تین چار قدم دُور رُک گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھی۔ پھر اُس نے میری طرف قدم اُٹھایا۔ اُس کا سر ڈولنے لگا۔ اس نے دوسرا قدم اُٹھایا۔ اُس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور وہ اس طرح گری کہ اس کا سر میرے پاؤں کے قریب آ کر اور اس کے بال میرے پاؤں پر بکھر گئے۔ میں برہنہ عورت کو ہاتھ لگانے سے گھبرا رہا تھا۔ وہ برہنہ نہ ہوتی تو بھی میں گھبرایا ہوا تھا، لیکن مجھے دیکھنا تھا کہ یہ انسان ہے یا کوئی شر شرار۔ میں بیٹھ گیا اور اس کی نبض دیکھی۔ نبض چل رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ جنات اور چڑیلوں کی نبض شائد نہیں ہوتی۔ میں نے اُس سے ہٹ کر اُس عورت کی نبض پر ہاتھ رکھا جو لیٹی ہوئی تھی۔ اتنی جھلسا دینے والی گرمی کے باوجود اُس عورت کا جسم غیر معمولی طور پر سرد تھا جیسے رات کو صحرا کی ریت سرد ہو جاتی ہے۔ اس کی نبضوں میں جان نہیں تھی۔ اُس کا منہ کھلا ہوا اور آنکھیں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھیں۔ جسم سفید تھا۔ میں نے اس میں موت کی تمام نشانیاں دیکھیں......

''اور وہ جو میرے سامنے گری تھی، اس کا جسم گرم تھا۔ یہ بدروحیں یا جنات نہیں ہو سکتی تھیں۔ اللہ نے مجھے عقل اور دلیری عطا فرمائی۔ میں نے اپنے جیش کو بلایا۔ ہمارے پاس پانی کے چھوٹے مشکیزے تھے۔ کھانے کا سامان بھی تھا جو تین ٹٹوؤں پر لدا ہوا تھا۔ میرا جیش پیادہ تھا۔ میں نے کہا کہ فوراً پانی اور دو چادریں لاؤ۔ میرے ساتھی پانی اور چادریں لے آئے۔ سورج ابھی سر پر نہیں آیا تھا۔ وہاں عمودی ٹیلے کا سایہ تھا۔ میں نے بے ہوش عورت پر چادر ڈالی اور اُسے سیدھا کر کے ٹیلے کے دامن میں کر دیا۔ اس کے جسم کو اچھی طرح لپیٹ دیا۔ دوسری چادر نیچے بچھا کر اس پر لٹا دیا اور اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اُس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس میں پانی ٹپکایا جو اس کے حلق میں اُترتا چلا گیا......

''مجھے ساتھی روکتے رہے کہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالوں لیکن مجھ پر اب نہ ڈر کا اثر تھا، نہ اپنے ساتھیوں کی باتوں کا اثر۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلیں۔ اُس کے ہونٹ بند ہوئے اور پھر کھل گئے۔ میں نے اس کے منہ میں اور پانی ٹپکایا، پھر ایک کھجور کی گٹھلی نکال کر کھجور اس کے منہ میں رکھی، وہ کھانے لگی۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو میں نے اُسے سہارا دے کر بٹھا دیا''۔

☆

العاص احتشام کو سنا رہا تھا...... ''اُسے میں نے کھانے کو دیا جو کچھ ہمارے پاس تھا۔ اُس نے اور پانی پیا، پھر ہم نے اُسے کھانے پینے سے روک دیا کیونکہ اس کا پیٹ بہت دِنوں سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں کہا...... ''میں تمہاری زبان سمجھتی اور بولتی ہوں...... یہ مرگئی ہے''...... پھر اُس نے پوچھا کہ ہم کون ہیں۔ میں نے بتایا کہ ہم اسلامی فوج کے چھاپہ مار ہیں۔ بیت المقدس کو جا رہے ہیں۔ اس نے کہا ''پھر مجھے تم سے رحم کی توقع نہیں رکھنی چاہیے''...... میں نے اسے کہا کہ تم مسلمان معلوم نہیں ہوتی۔ اس نے کہا...... ''میں جھوٹ نہیں بولوں گی لیکن سچ بولوں گی تو تم پچھتاؤ گے کہ تم نے مجھے مرنے کیوں نہ دیا''...... میں نے اُسے کہا...... ''تم صرف یہ یقین دلا دو کہ تم انسان ہو''...... اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ اُس کے جسم میں خون حرکت میں آ رہا تھا......

''اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ کھانے اور پانی سے اُسے نیند آ رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح لڑھک گئی اور گہری نیند سو گئی۔ ہم نے بہت قتل و غارت کی تھی۔ بہت شب خون مارے تھے۔ ہمارے کئی ساتھی ہمارے سامنے شہید ہوئے تھے۔ مرنا اور مارنا ہمارے لیے بچوں کا کھیل تھا لیکن ایک عورت پر، خواہ وہ ہماری دشمن ہی تھی، ہاتھ اُٹھانا ہمارے لیے گناہِ کبیرہ تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہا کہ سورج سر پر آ رہا ہے۔ جھکے ہوئے ٹیلے دیکھو اور اُن کے سائے میں آرام کر لو۔ یہ جاگے گی تو اُسے ساتھ لے جائیں گے......

''میرے ایک دو ساتھیوں نے کہا کہ جاسوس معلوم ہوتی ہے، لیکن باقی سب کہہ رہے تھے کہ اس جگہ جاسوس عورتوں کا کیا کام، یہ انسان نہیں۔ میری رائے یہ تھی کہ چونکہ ہمارے چھاپہ مار جیش مصر اور فلسطین کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ سرگرم تھے، اس لیے ان لڑکیوں کو یہاں بھیجا گیا ہوگا کہ ہمیں گمراہ کریں، لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ ان کے ساتھ ایک دو مردوں کا ہونا ضروری تھا......

''غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے وہ جاگی اور اُٹھ بیٹھی۔ میں اس کے قریب جا بیٹھا۔ اس نے پانی پیا اور کھانے کو کچھ اور مانگا۔ میں نے اُسے کھانا دیا۔ اب وہ اچھی طرح بول سکتی تھی۔ اُس نے مری ہوئی عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا...... ''اسے دفن کر دو''۔ میرے سپاہی دین دار تھے۔ ایک نے اپنی چادر دے دی۔ لاش کو چادر میں لپیٹ دیا گیا۔ سپاہیوں نے قبر کھودی اور اسے دفن کر دیا''۔

☆

العاص نے احتشام کو بتایا...... ''اس عورت نے یہ بتانے کی بجائے کہ وہ کون ہے، وہ دونوں کہاں سے آ رہی تھیں اور کہاں جا رہی تھیں، اس نے پوچھا...... ''تم نے اپنے خدا کو کبھی دیکھا ہے؟''...... میں نے جو جواب زبان پر آیا دے دیا۔ اُس نے کہا...... ''میں نے تمہارا خدا دیکھ لیا ہے۔ ابھی ابھی اُسے دیکھا ہے۔ تم کہو گے کہ تم نے خواب دیکھا ہے لیکن یہ خواب نہیں تھا۔ خدا نے مجھے کہا ہے کہ میں نے تجھے وہ آنکھیں دے دی ہیں جو آنے والے وقت کے اندھیرے میں دیکھ سکیں گی۔ خدا نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ تو نے گناہ کی پھر کبھی سوچی تو تیرے اپنے ہاتھ تیری آنکھیں نکال دیں گے۔ خدا نے مجھے کہا ہے کہ میں تجھے اس جگہ لے جا رہا ہوں جہاں سے میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلایا تھا''......

''اُس نے ایسی بہت سی باتیں کہیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ صحرا کے سفر اور صعوبتوں نے اُس کے دماغ پر اتنا اثر کیا ہے کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ مثلاً اس نے یہ بھی کہا...... ''تم نے میرا جسم کیوں ڈھانپ دیا ہے؟ اسے ننگا رہنے دیتے تو کیا ہو جاتا؟...... میں اب جسم نہیں، صرف روح ہوں۔ روح پاک ہو جائے تو جسم کے گناہ دُھل جاتے ہیں''...... وہ زیادہ تر اسی قسم کی باتیں کرتی رہی۔ ان سے مجھے یقین تو ہو گیا کہ یہ انسان ہے، بدروح نہیں اور مجھے اس کے بتانے کے بغیر ہی پتہ چل گیا کہ یہ اُن صلیبی لڑکیوں میں سے ہے جو ہمارے امیروں، وزیروں اور سالاروں کو غدار بنانے اور راز لے کر اپنے ملک کو بھیجنے کے لیے ہماری طرف بھیجی جاتی ہیں لیکن اُس کی اُن باتوں سے مجھے یہ شک ہونے لگا کہ اس کے دماغ پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور یہ اس قسم کی باتیں کر کے مجھے بے وقوف بنا رہی ہے تاکہ میں اُسے وہاں تک حفاظت سے پہنچا دوں جہاں یہ جانا چاہتی ہے۔

''میں نے اُسے کہا کہ مجھے صحیح صحیح بتا دو کہ تم دونوں کہاں جا رہی تھیں۔ میں نے اُسے دھمکیاں دیں، پھر یہ بھی ظاہر کیا کہ میں بے وقوف بن چکا ہوں اور وہ مجھے استعمال کر سکتی ہے مگر اُس کے انداز اور اس کی مجذوبانہ باتوں میں کوئی

تبدیلی نہ آئی۔ سورج غروب ہونے کے بعد میں نے اُسے سامان والے ٹٹو پر بٹھا دیا اور ہم چل پڑے۔ سفر رات کو ہی کرنا ہوتا تھا۔ دن کو صحرا جلنے اور جلانے لگتا تھا۔ میں نے اپنے جیش سے کہہ دیا تھا کہ مجھ پر کوئی شک نہ کرنا، اگر اسے تنہا میں لے جاؤں تو اس سے میرا مقصد صرف یہ ہوگا کہ میں اس سے بھید لینے کی کوشش کر رہا ہوں......

''میرا جیش آگے آگے چلتا رہا اور میں اس عورت کے ٹٹو کے ساتھ بہت پیچھے رہا۔ وہ اب سنبھلتی جا رہی تھی لیکن اس کی باتیں درویشوں کی طرح ہی رہیں۔ آدھی رات کے بعد ہم نے پڑاؤ کیا۔ اسے میں نے سب سے الگ رکھا اور خود بھی اس کے ساتھ رہا۔ میں نے اس سے ایک بار پھر پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا...... ''قید خانے میں بھی خدا ہوتا ہے''...... پھر میں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ میں نے سفلہ پن کا حیوانیت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ میرے ساتھ سودا بازی کرے گی یا کہے گی کہ میں اسے کسی ایسے شہر میں پہنچا دوں جو صلیبیوں کے قبضے میں ہو۔ لیکن اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اُس نے میری طرف توجہ ہی نہ دی۔ اگلی رات اُس نے بتایا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے......

''اس نے بتایا کہ وہ ڈیڑھ سال سے قاہرہ رہی ہے، وہاں کسی امیر کبیر تاجر کی بیٹی بنی رہی۔ ایک مسلمان حاکم کی داشتہ رہی اور دو حاکموں کو اس کا دشمن بنایا، پھر تینوں کو آپس میں ٹکرایا۔ قاہرہ کے سرکاری کاموں میں گڑبڑ کرائی۔ دو صلیبی جاسوسوں کو قید خانے سے رہا کرایا۔ ایک بڑے خطرناک جاسوس اور تخریب کار کو جسے سزائے موت دی جانے والی تھی، ان مسلمان حاکموں کی مدد سے فرار کرایا۔ اس نے اور بھی بہت سے کام کیے۔ آخر میں وہ جاسوسی اور سراغ رسانی کے اُستاد اور سربراہ علی بن سفیان کو قتل کرانے کا بندوبست کر رہی تھی......

''اسے جنگِ حطین کے نتیجے کی اطلاع ملی۔ اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ صلیب الصلبوت سلطان ایوبی کے قبضے میں آگئی ہے اور اس صلیب کا محافظِ اعظم میدانِ جنگ میں مارا گیا ہے۔ اُسے یہ بھی پتہ چلا کہ کچھ صلیبی حکمران مارے گئے اور جنگی قیدی ہو گئے ہیں اور بیت المقدس کا حکمران گائی آف لوزینان بھی قید ہو گیا ہے۔ یہ خبریں اُس کے دماغ پر ہتھوڑوں کی طرح پڑتی رہیں، پھر اُسے دو اور خبریں ملیں۔ ایک یہ کہ اُس کا پیر استاد ہرمن (جو لڑکیوں کو ٹریننگ دے کر مسلمان علاقوں میں بھیجا کرتا تھا) قید ہو گیا ہے اور بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ان خبروں نے اس کا دماغ ہلا ڈالا۔ اسے تربیت دے کر اور تیار کر کے قاہرہ بھیجا گیا اور گناہوں کی تربیت کہیں لڑکپن کے آغاز میں شروع کی گئی تھی۔ اس کے اندر جذبات کی جگہ فریب اور دھوکہ بھر دیا گیا لیکن مذہب کے معاملہ میں یہ کوری نہیں تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسے صلیب الصلبوت اور یسوعِ مسیح کی خوشنودی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، اسے تربیت کے بعد آخری اشیر باد عکرہ کے بڑے گرجے میں صلیب الصلبوت کے پادری نے دی تھی جسے محافظِ اعظم کہتے ہیں......

''اُس نے اُسے بتایا تھا کہ صلیب کی حکمرانی ناقابلِ تسخیر ہے اور اس کا مرکز یروشلم ہے جس کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ اسلام کوئی مذہب نہیں اور مسلمانوں کو عیسائیت میں لانا یا انہیں قتل کرنا ثواب کا کام ہے اور یہ کہ جو لڑکیاں صلیب کے نام پر عصمتیں قربان کر رہی ہیں، انہیں اگلے جہان بہشت کی حوریں بنایا جائے گا۔ ایسی ہی کچھ اور باتیں تھیں جو اُس کے ذہن اور دل پر نقش کر کے عقیدہ بنا دی گئیں اور وہ گناہوں کو نیکی سمجھتی رہی۔ فریب کاری اور دھوکہ دہی کو کارِ ثواب سمجھتی رہی......

''اُسے جب پتہ چلا کہ صلیب الصلبوت بھی نہیں رہی۔ اس کا محافظِ اعظم پادری بھی نہیں اور یسوع مسیح کی حکمرانی کا مرکز یروشلم بھی نہیں رہا تو اس کے عقیدے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ قاہرہ میں جو اس کے مرد

ساتھی یعنی صلیبی جاسوس تھے، وہ وہاں سے بھاگنے لگے تھے، پھر ایک روز وہ اپنے کسی ساتھی کی تلاش میں نکلی تو پتہ چلا کہ وہ غائب ہے۔ اُسے ایک اور ساتھی ملا۔ اُس نے اُسے کہا کہ ہماری مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ مسلمان ہو کر کسی سے شادی کر لو یا یہاں سے بھاگ جاؤ......

''اب تو اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔ اُس نے اپنی اس سہیلی کو ساتھ لیا۔ اپنے چاہنے والے ایک مسلمان حاکم سے دو گھوڑے شوقیہ سواری اور سیر سپاٹے کے لے لیے اور دونوں شام کے وقت نکلیں۔ اندھیرا گہرا ہوا تو شہر سے نکل آئیں۔ انہوں نے کھانے اور پانی کا کچھ انتظام کر رکھا تھا مگر انہیں صحرا کے سفر کی ذرا سی بھی سوجھ بوجھ نہیں تھی، نہ انہیں اپنی منزل کا کچھ پتہ تھا۔ انہیں اُمید تھی کہ راستے میں انہیں صلیبی فوج کا کوئی دستہ مل جائے گا۔ اُن کی بدقسمتی اور بہت بڑی حماقت تھی کہ راستے کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے ہوئے، چل پڑیں......

رات تو گزر گئی۔ انہوں نے گھوڑے سرپٹ دوڑائے تھے۔ دوسرے دن جب سورج اوپر آ کر صحرا کو جلانے لگا تو گھوڑے تھکن اور پیاس سے بے حال ہونے لگے۔ ان لڑکیوں کا اپنا حال بہت بُرا ہونے لگا۔ انہیں صحرا میں پانی اور سبزہ زار کے سراب نظر آنے لگے اور وہ ان کے پیچھے گھوڑے دوڑانے لگیں۔ اس روز تو گھوڑوں نے کچھ ساتھ دیا مگر دوسرے دن بھی انہیں کچھ کھانے کو اور پانی نہ ملا تو دونوں گھوڑے پہلے رُکے، پھر گرے اور پھر کبھی نہ اُٹھے......

''اُس کے بعد جوان دونوں کا سفر شروع ہوا اُسے احتشام دوست! تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ظالم صحرا اس قسم کے مسافروں کو کس انجام تک پہنچایا کرتا ہے۔ اس لڑکی نے اپنی زبان سے مجھے بتایا کہ میں نے جو دھوکے لوگوں کو دیئے تھے، اس سے زیادہ ظالمانہ دھوکے مجھے صحرا نے دیئے۔ میں نے صحرا میں ندیاں بہتی دیکھیں۔ اُن کے قریب گئی تو وہ دُور ہٹتی گئیں۔ ہم دونوں اُن کے پیچھے بھاگتی رہیں۔ میں نے نخلستان دیکھے، گلستان دیکھے اور میں نے صحرا میں بحری جہاز اور بادبانی کشتیاں تیرتی دیکھیں۔ ہم ہاتھ اوپر کر کے ہلاتی، چلاتی اور ان کے پیچھے دوڑتی رہیں، بعض جگہوں پر ہمیں پانی مل بھی گیا۔ ہم نے ایسی ہر جگہ کئی کئی دن گزارے......

''لڑکی نے مجھے بتایا کہ صحرا میں اُس کا وہ وجود مر گیا جس نے قاہرہ کے حاکموں پر جادو کر رکھا تھا۔ اُسے ہمارے خدا کا خیال آ گیا اور اُس کے اندر یہ احساس کانٹے کی طرح چبھنے لگا کہ صلیب الصلبوت کے محافظ اعظم نے اُسے دھوکہ دیا ہے اور اب وہ دوسروں کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے۔ اس پر یہ حقیقت کھلی کہ اپنی عصمت پیش کر کے کسی کو دھوکہ دینا ثواب کا کام نہیں ہو سکتا۔ اسے یہ خیال بھی آ گیا کہ مسلمان اپنی لڑکیاں کو اس طرح استعمال نہیں کرتے۔ ایک روز صحرا میں اُسے یہ احساس بھی ہوا جیسے وہ اور اُس کی سہیلی مر چکی ہیں اور وہ دوزخ میں پھینک دی گئی ہیں یا وہ بدروحیں بن چکی ہیں اور دوزخ کی طرح جلتے ہوئے میدان میں بھٹک رہی ہیں......

''ایک رات اُس نے اپنی سہیلی سے کہا کہ وہ اپنے عقیدے سے دِل برداشتہ ہو گئی ہے اور اب وہ مسلمانوں کے خدا کو پکارے گی۔ دونوں کے ہونٹ اور زبانیں لکڑی کی طرح ہو گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور وہ بڑی مشکل سے بات کرتی تھیں۔ اس کی سہیلی نے بہت بُرا منایا کہ وہ اپنے عقیدے سے منحرف ہو رہی ہے اور اپنے دشمن کے عقیدے کو اپنانا چاہتی ہے۔ اس نے اُس کی نہ سنی۔ اس کی جب سہیلی سو گئی تو یہ اُس سے کچھ دُور چلی گئی۔ اس نے سجدے کیے اور ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر خدا کو پکارتی اور گناہوں کی بخشش مانگتی رہی۔ وہ ساری رات روتی رہی۔ سجدے کے سوا عبادت کا اُسے کوئی اور طریقہ نہیں آتا تھا......

''اسی رات اس کے دماغ میں اثر ہو گیا یا واقعی خدا نے اُسے کوئی اشارہ دیا۔ یہ کہتی ہے کہ اسے اپنے سامنے دھوئیں کی طرح ایک باریش انسان کھڑا نظر آیا۔ اس نے کہا... ''اگر تو نے دِل سے توبہ کی ہے تو اس ریگستان میں جہاں سے انسانوں کا گزر نہیں ہوا کرتا، وہ انسان آئیں گے جن کے خدا کو تو نے پکارا ہے۔ تُو یہاں سے زندہ نکل جائے گی'...... اسے یاد نہیں کہ اس سے کتنی مدت بعد میں اپنے جیش کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ اُسے زندہ دیکھا اور اس کی سہیلی مر چکی تھی......

''تم جانتے ہو کہ یہ برہنہ کیوں تھیں۔ صحرا کا بھٹکا ہوا مسافر جب جلنے لگتا ہے تو پہلے اپنا سامان پھینکتا ہے، پھر اپنے جسم سے ایک ایک کپڑا اُتارتا اور پھینکتا جاتا ہے۔ یہ کام وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں کرتا اور چلتا رہتا ہے، حتیٰ کہ وہ کہیں گر پڑتا ہے۔ اس لڑکی کو یاد نہیں کہ اُس نے اور اس کی سہیلی نے کپڑے کب اور کہاں اُتار پھینکے تھے......

''ہم دس بارہ روز بعد بیت المقدس پہنچے۔ اس کی صحت بحال ہو گئی تھی۔ اس کی خوب صورتی نکھر آئی تھی لیکن یہ باتیں مجذوبوں کی طرح کرتی رہی۔ اگر یہ ایسی باتیں تمہارے ساتھ کرتی تو تم بھی اس سے متاثر ہو جاتے۔ اُس نے بار بار کہا...... ''بیت المقدس پر اب صلیبیوں کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ خدا انہیں راستے میں غرق کرے گا''...... وہ اسی طرح کی پیشین گوئیاں کرتی رہی۔ رات کو اس کی عبادت شروع ہوتی تھی۔ طریقہ یہی تھا کہ سجدے کرتی، روتی اور دعا مانگتی تھی......

''اب یہ جن کے گھر رہتی ہے، انہیں میں بہت عرصے سے جانتا ہوں۔ یہ عالم فاضل بزرگ ہیں۔ میں اُن کا معتقد ہوں۔ میں نے اُسے ان کے حوالے کر دیا''۔

☆

العاص یہ باتیں سنا رہا تھا اور یہ بزرگ نماز پڑھ کر آ گیا۔ اس نے احتشام سے کہا...... ''یہ ضروری نہیں کہ خدا سے یہ فضیلت اُسی کو عطا ہوتی ہے جس کے پاس علم و فضل ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کس وقت کیسی فریاد اس کے سینے سے نکلی جو خدا نے سن لی اور اس لڑکی کو یہ مقام عطا کر دیا۔ یہ مجذوب ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ پاگل نہیں اور یہ دھوکہ بھی نہیں دے رہی۔ اُس نے اپنی خواہش پر اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے اُسے نماز پڑھانے اور سکھانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اس کی عبادت کا اپنا ہی طریقہ ہے۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانتی ہے اور جب بولتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اُسے غیب سے کوئی اشارہ ملا ہے''۔

''یہ مسجدِ اقصیٰ میں جاتی رہتی ہے؟'' احتشام نے پوچھا

''نہیں''۔ بزرگ نے کہا...... ''رات کو پہلی بار مسجد میں گئی ہے۔ العاص صبح آیا تو میں نے اُسے بتایا کہ وہ مسجد میں چلی گئی ہے۔ العاص اس کے پیچھے چلا گیا اور وہ اُسے شاید راستے میں مل گئی''۔

''یہیں سے شک پیدا ہوتا ہے کہ یہ اُسی رات کیوں مسجد میں گئی جس رات سلطان مسجد میں موجود تھے؟''

''میں اس کا جواب نہیں دے سکتا''۔ بزرگ نے کہا۔

احتشام نے کہا کہ میرا فرض ہے کہ میں لڑکی کو حسن بن عبداللہ کے پاس لے جاؤں۔ یہ اُس کی مرضی ہے کہ اُسے آپ کے حوالے کر دے یا سلطان کے پاس لے جائے۔

لڑکی کو جب بتایا گیا کہ اُسے احتشام کے ساتھ جانا پڑے گا تو وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی۔ العاص بھی ساتھ گیا۔ حسن بن عبداللہ نے اس کی کہانی العاص اور احتشام سے سن کر لڑکی سے کچھ باتیں پوچھیں تو اس نے یہی جواب دیا...... ''اب تو سمندر سے آئے ہوئے بیڑے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ مجھ سے کیوں ڈرتے ہو...... مجھے اپنے

سلطان کے پاس لے چلو۔ اُس نے رات کو جو دُعا کی تھی، وہ خدا نے قبول کر لی ہے"۔

بہت کوشش کے باوجود اُس نے کچھ نہ بتایا تو اس کے متعلق سلطان ایوبی کو اطلاع دی گئی۔ سلطان کو اسی روز عکرہ جانا تھا۔ اُس نے کہا کہ لڑکی کو لے آؤ..... لڑکی سلطان ایوبی کے سامنے گئی تو دوزانو ہو کر سلطان کا دایاں ہاتھ چوما، پھر اُٹھی اور سلطان ایوبی کی آنکھوں میں قریب ہو کر دیکھا۔ اُس نے اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے لہجے میں کہا....."ان آنکھوں سے رات سجدے میں آنسو گرے تھے۔ مجھے تمہارے دشمن کے جہاز ان آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آرہے ہیں۔ بیت المقدس کی دیواروں تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا..... خون کا سمندر بہہ جائے گا..... وہ راستے میں مرجائیں گے..... وہ تباہ ہو رہے ہیں۔ آنسو جو خدا کے حضور سجدے میں بہتے ہیں، انہیں فرشتے موتی سمجھ کر اُٹھا لیتے ہیں۔ خدا ان موتیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ نیت صاف ہو تو راستے صاف ملتے ہیں"۔

بہت کوشش کی گئی کہ لڑکی کو اُس کے اصلی روپ میں لایا جائے، لیکن وہ ایسی باتیں کرتی رہی جیسے اُسے آنے والا وقت نظر آرہا ہو۔ اسے آخر مجذوب سمجھ کر اسی بزرگ کے حوالے کر دیا گیا اور اُسے ہدایت دی گئی کہ وہ اس پر نظر رکھے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے مسجدِ اقصیٰ میں خدا کے حضور جو آنسو بہائے تھے، وہ فرشتوں نے موتی سمجھ کر اُٹھا لیے۔ سب سے پہلے اُسے یہ اطلاع ملی کہ جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک مر گیا ہے۔ اس سے چند دن بعد ایک صلیبی حکمران کاؤنٹ ہنری کے مرنے کی اطلاع ملی۔ یہ بھی صلیبی فوج کا ایک اتحادی تھا اور بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے آیا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ کاؤنٹ ہنری کی موت کو صلیبیوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس کا انکشاف اس طرح ہوا کہ سلطان ایوبی کے بحری چھاپہ ماروں نے صلیبیوں کی دو جنگی کشتیاں پکڑیں جو فلسطین کے ساحل سے کچھ دُور سے گزر رہی تھیں۔ اس میں پچاس صلیبی بحری سپاہی تھے۔ انہیں قیدی بنالیا گیا۔

اس سے اگلے ہی روز صلیبیوں کی ایک بڑی کشتی پکڑی گئی۔ اس میں ایک کوٹ تھا جس پر ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے۔ یہ کسی شاہ کا کوٹ ہو سکتا تھا۔ صلیبی قیدیوں نے بتایا کہ یہ کاؤنٹ ہنری کا کوٹ ہے اور وہ مر گیا ہے۔ اس کشتی میں ایک قیدی اور بھی تھا جو بحری کمانڈر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے متعلق انکشاف ہوا کہ کاؤنٹ ہنری کا بھانجا ہے۔ ان سب کو جنگی قید میں ڈال دیا گیا۔

کاؤنٹ ہنری کی موت کے متعلق تین مختلف روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دریا میں ڈوب گیا تھا۔ مسلمان مورخ کہتے ہیں کہ صرف ایک گز گہرے پانی میں گرا اور مر گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ دریا میں نہانے اُترا تو بیمار پڑ گیا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی جس کے متعلق سب سے زیادہ سنجیدہ بلکہ متفکر تھا، وہ انگلستان کا جنگجو بادشاہ رچرڈ تھا جو بلیک پرنس (سیاہ شہزادہ) کے نام سے مشہور تھا اور اسے "شیر دِل رچرڈ" بھی کہا جاتا تھا۔ وہ جنگ کا ماہر تھا۔ ذاتی طور پر بہت دلیر اور اسے قدرت نے یہ وصف عطا کیا تھا کہ اس کا قد لمبا اور بازو بھی لمبے تھے۔ اس سے اُسے یہ فائدہ حاصل تھا کہ اس کی تلوار دشمن تک پہنچ جاتی تھی مگر دشمن کی تلوار اس تک مشکل سے ہی پہنچتی تھی۔ صلیبی دُنیا میں سب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی تھیں۔ اس کی جنگی قوت بھی زیادہ تھی اور اُس کی بحری جنگی قوت اس وقت دُنیا کی سب سے زیادہ طاقتور تھی۔ سلطان ایوبی کو یہی خطرہ نظر آرہا تھا۔

آپ نے اس سلسلے کی کہانیوں میں سلطان ایوبی کے ایک امیر البحر حسام الدین لولوہ کا نام پڑھا ہوگا۔ رئیس

البحرین عبد المحسن تھا۔ سلطان ایوبی کو جب یہ اطلاع ملی کہ رچرڈ اپنے بحری بیڑے کے ساتھ آرہا ہے تو اس نے المحسن کو یہ حکم بھیجا کہ وہ رچرڈ کے بیڑے کے سامنے نہ آئے اور اپنے جہاز بکھیر کر رکھے۔ حسام الدین لولو، کو اس نے چند ایک جہازوں اور جنگی کشتیوں کے ساتھ عسقلان بلالیا تھا اور اُسے کہا تھا کہ دشمن کے جہازوں پر نظر رکھے لیکن آمنے سامنے کی ٹکر نہ لے۔ اس کی بجائے بحری چھاپہ ماروں کو دشمن کے اکیلے دکیلے جہازوں کو تباہ کرنے کے لیے استعمال کرے۔

سلطان ایوبی نے دیکھ لیا تھا کہ سمندر میں بھی اُسے چھاپہ مار جنگ لڑنی پڑے گی۔ یہ وہ دن تھے جو سلطان ایوبی کے لیے بڑے ہی اذیت ناک تھے۔ وہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی مجلسِ مشاورت میں کہا کہ ہمیں ایک ساحلی شہر قربان کرنا پڑے گا اور وہ عکرہ ہی ہو سکتا ہے۔ میں دشمن کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہے عکرہ میں ہے اور اگر عکرہ لے لیا گیا تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی پھر بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانا آسان ہو جائے گا۔ سلطان ایوبی نے مجلسِ مشاورت کو بتایا کہ وہ دشمن کو عکرہ میں لانے میں کامیاب ہو گیا تو دشمن عکرہ کی دیواروں کے ساتھ ہی سر پٹختا رہے گا۔ مجلسِ مشاورت نے اسے اجازت دے دی کہ جس طرح وہ مناسب اور سودمند سمجھتا ہے کرے۔

☆

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیت المقدس اور ارضِ مقدس کو سلطان ایوبی کے وہ آنسو ہی بچا سکتے تھے جو اُس نے مسجدِ اقصیٰ میں بہائے تھے اور وہ دعائیں بچا سکتی تھی جو اُس نے اُس رات مسجدِ اقصیٰ میں سجدے میں گر کر مانگی تھیں...... دُعائیں اس لڑکی نے بھی مسجدِ اقصیٰ میں ہی مانگی تھیں جس نے سلطان ایوبی کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا......

''تمہارے دشمن کے جہاز تمہارے آنسوؤں میں ڈوبتے نظر آرہے ہیں''۔

یہ تو کوئی مورخ نہیں بتا سکتا کہ رات سلطان ایوبی نے خدائے ذوالجلال سے کیا کیا باتیں کی تھیں، البتہ یہ حقیقت ہر مورخ نے بیان کی ہے کہ رچرڈ کا وہ بحری بیڑہ جس سے ایوبی جیسا مردِ خدا بھی خوف زدہ تھا، انگلستان سے روانہ ہوا تو بحیرۂ روم میں داخل ہوتے ہی ایک خوف ناک طوفان کی لپیٹ میں آگیا۔ تمام جہاز بکھر گئے۔ ایک اندازے کے مطابق اس بیڑے میں پانچ سو بیس چھوٹے جہاز تھے۔ ان میں چند ایک بڑے جنگی جہاز تھے۔ یہ سب فوج، گھوڑوں، رسد اور سازوسامان سے بھرے ہوئے تھے۔

طوفان میں بیڑہ ایسا بکھرا کہ رچرڈ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ طوفان کے بعد جب کئی دنوں کی تگ ودو سے بیڑہ یکجا کیا گیا تو پتہ چلا کہ پچیس جہاز غرق ہو گئے ہیں اور دو بہت بڑے بار بردار جہاز بھی ڈوب گئے ہیں۔ ان میں بے انداز اسلحہ اور دیگر سامان تھا۔ رچرڈ کو جو سب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا، وہ ایک خطیر رقم تھی جو وہ اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ یہ بے بہا خزانہ تھا جو بحیرۂ روم کی تہہ میں چلا گیا۔

رچرڈ قبرص کے جزیرے میں لنگر انداز ہوا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے بیڑے کے تین چار جہازوں کو طوفان نے قبرص کے ساحل پر پہنچا دیا ہے۔ ان میں سے ایک میں اس کی نوجوان بہن جوآنا بھی تھی اور اس کی منگیتر بیرنگاریا بھی۔ ان دونوں کے متعلق اُس نے سمجھ لیا تھا کہ ڈوب مری ہیں لیکن وہ زندہ سلامت تھیں، البتہ قبرص کے بادشاہ آئزک نے رچرڈ کے لیے یہ مسئلہ کھڑا کر رکھا تھا کہ اس نے اپنے ساحل کے ساتھ آنے والے ان تین جہازوں سے سامان نکلوا کر اپنے قبضے میں لے لیا اور تمام آدمیوں کو رچرڈ کی بہن اور منگیتر سمیت قید میں ڈال دیا تھا۔ رچرڈ کو آئزک کے خلاف جنگ لڑنی پڑی۔ آئزک کو شکست دے کر اُسے ایک خیمے میں قید کیا مگر آئزک رات کو اس طرف سے خیمہ پھاڑ کر جدھر کوئی پہرہ دار نہیں تھا،

فرار ہوگیا۔ رچرڈ پندرہ بیس روز اُسے جزیرے میں ڈھونڈتا پھرا۔ آخر وہ اُسے مل گیا۔ رچرڈ نے اس کا گھوڑا لے لیا۔ یہ غیر معمولی طور پر تیز رفتار گھوڑا تھا۔ رچرڈ ارضِ مقدس میں لڑنے آیا تو یہی گھوڑا اس کے پاس تھا۔

☆

رچرڈ جب ارضِ مقدس کے ساحل کے قریب آیا تو اس وقت اس کے اتحادی صلیبی عکرہ کو محاصرے میں لے چکے تھے۔ سب سے پہلے جس کی فوج نے محاصرہ کیا وہ گائی آف لوزینان تھا جسے ملکہ سبیلا نے اس عہد نامے پر رہا کرایا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کے خلاف نہیں لڑے گا۔ اس کے ساتھ فرانس کے بادشاہ فلپس آگسٹس کی فوج آن ملی اور محاصرہ مستحکم ہوگیا۔ شہر کے اندر مسلمان فوجوں کی تعداد دس ہزار تھی اور رسد کم وبیش ایک سال کے لیے کافی تھی۔ محاصرہ ۱۳ اگست ۱۱۸۹ء کے روز شروع ہوا۔

عکرہ کے شہر کے محلِ وقوع کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے ایک طرف L شکل کی دیوار تھی اور تین اطراف کو سمندر تھا۔ سمندر میں صلیبیوں کا بحری بیڑہ موجود تھا۔ جہاز بکھیر کر کھڑے کیے گئے تھے۔ دیوار سے دور صلیبی فوج نے ڈیرے ڈال دیئے تھے۔ اس طرح خشکی کے تمام راستے بند ہوگئے تھے۔ سلطان ایوبی شہر کے اندر نہیں، باہر تھا۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے اور اپنی نقل وحرکت کی جھلک دکھا کر دشمن کو عکرہ میں گھسیٹ لیا تھا۔ صلیبیوں نے جب اس شہر کا محاصرہ کیا، اس وقت انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ سلطان ایوبی شہر میں ہے مگر جب انہوں نے تمام فوج محاصرے میں لگا دی تو اس کے ایک حصے پر عقب سے حملہ ہوا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ سلطان ایوبی باہر ہے اور اُس نے اس صلیبی فوج کو محاصرے میں لے لیا جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

سلطان ایوبی کی یہ دشواری تھی کہ اس کے پاس فوج کی کمی تھی۔ تاہم اُسے توقع تھی کہ وہ محاصرہ توڑ لے گا لیکن وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ محاصرہ زیادہ مدت تک رہے تاکہ صلیبیوں کی طاقت یہیں پر صرف ہوتی رہے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۱۸۹ء کے روز صلیبیوں پر زبردست حملہ کیا۔ صلیبی مقابلے کے لیے تیار تھے۔ بڑی ہی خون ریز جنگ ہوئی، جس میں نو ہزار صلیبی مارے گئے لین ان کے پاس چھ لاکھ کا لشکر تھا۔ نو ہزار کے مر جانے سے کوئی فرق نہ پڑا۔ انہوں نے شہر کو فتح کرنے پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی لیکن ان کی فوج دیوار کے قریب جانے سے ڈرتی تھی کیونکہ دیوار کے اوپر سے مسلمان ان پر تیروں کے علاوہ آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکتے تھے۔

صلیبیوں نے دیوار کے قریب پہنچنے، شہر کے اندر پتھر اور آگ برسانے اور دیوار پھلانگنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ بہت اونچے دبابے (برج) تیار کیے جو لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے لکڑی کے پہیے لگائے گئے اور یہ بُرج اتنے بڑے تھے کہ ان میں کئی سو سپاہی سما جاتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے پھینکے ہوئے آتشیں سیال اور آگ سے بچانے کے لیے ان کے فریموں پر تانبا چڑھا دیا گیا تھا۔ یہ بُرج جب دیوار کے قریب لے جائے گئے تو دیوار سے مسلمانوں نے ان پر آتش گیر سیال کی ہانڈیاں پھینکنی شروع کر دیں۔ سیال بُرجوں پر بھی پھیلا اور ان کے اندر جو سپاہی کھڑے تھے، ان پر بھی پڑھا۔ جب چند ہانڈیاں پھینکنے کے بعد برج بھیگ گئے تو صرف ایک ایک جلتی ہوئی لکڑی آئی۔ ہر بُرج سے ایک لکڑی ٹکرائی اور برج مہیب شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ ان میں سے ایک بھی سپاہی زندہ نہ رہا۔

دیوار کے باہر ایک خندق تھی جسے پار کرنا صلیبیوں کے لیے مشکل تھا۔ انہوں نے اس خندق کو مٹی سے بھرنا شروع کر دیا لیکن شہر کے اندر کی فوج اس قدر دلیر تھی کہ اس کے جیش باہر آ کر صلیبیوں پر حملہ کرتے اور واپس چلے جاتے۔

صلیبیوں نے خندق بھرنے کے لیے یہاں تک کیا کہ اس میں اپنے مرے ہوئے سپاہیوں کو لاشیں پھینک دیں، پھر اُن کے جتنے سپاہی مرتے، ان سب کی لاشیں خندق میں پھینک دیتے، عقب سے اُن پر سلطان ایوبی نے وسیع پیانے کے شب خونوں کے انداز کے حملے کیے مگر صلیبیوں کا محاصرہ ٹوٹنے کی بجائے مستحکم ہوتا گیا۔

شہر والوں کے ساتھ سلطان ایوبی نے پیامبر کبوتروں کے ذریعے رابطہ قائم کر رکھا تھا۔ دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ ایک آدمی جس کا نام عیسیٰ العوام تھا، چمڑے میں پیغام باندھ کر کمر کے ساتھ باندھ لیتا اور سمندر میں اُتر جاتا۔ وہ رات کو یہ کام کرتا تھا۔ وہ دشمن کے لنگر انداز جہازوں کے نیچے سے گزر آیا کرتا تھا۔ وہ پیغام لاتا اور لے جاتا تھا۔ ایک رات وہ اسی طرح آیا۔ اُسے شہر میں لے جانے کے لیے سونے کے ایک ہزار سکوں سے بھری ہوئی تھیلی اور تحریری پیغامات دیئے گئے۔ قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے...... ''وہ جب خیریت سے شہر میں داخل ہو جایا کرتا تھا تو ایک کبوتر اُڑا دیتا تھا جو ہمارے پاس آ جاتا تھا۔ اس سے ہم سمجھ لیتے تھے کہ عیسیٰ خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ ہم اس کے کبوتر کو واپس اُڑا دیتے تھے جس رات وہ ایک ہزار سونے کے سکے لے کر گیا، اس سے اگلے دن اس کا کبوتر نہ آیا۔ ہم سمجھ گئے کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ کئی روز بعد شہر سے اطلاع ملی کہ عیسیٰ کی لاش عکرہ کے ساحل کے ساتھ تیرتی ہوئی ملی تھی۔ سونے کے سکے اس کے جسم کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ لاش کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ سونے کے وزن سے تیر نہ سکا اور ڈوب گیا''۔

عکرہ کا حاکم میر فراقوش تھا اور سپہ سالار علی ابن احمد المشطوب تھا۔ وہ بار بار سلطان ایوبی کو یہی پیغام بھیجتے تھے کہ وہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے لیکن باہر سے صلیبیوں پر حملے جاری رکھے جائیں اور کسی نہ کسی طرح شہر میں فوج، اسلحہ اور رسد پہنچائی جائے۔

یہی سلطان ایوبی کے سامنے ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ شہر تک مدد کس طرح پہنچائے۔ اُس کی اپنی حالت یہ تھی کہ بخار سے اس کا جسم جل رہا تھا۔ اس کی ایک وجہ شب بیداری، دوسری وجہ اعصاب پر بوجھ اور تیسری وجہ یہ تھی کہ وہاں لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ گلی سڑی لاشوں کی اتنی زیادہ بدبو تھی کہ وہاں ٹھہرا نہیں جا سکتا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی بیماری میں اضافہ کیا۔ تین چار روز تو وہ اُٹھ بھی نہ سکا۔ اُسے عکرہ ہاتھ سے جاتا نظر آ رہا تھا۔

......❁......

پھر شمع بجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے خیمے میں بیمار پڑا تھا۔ اُس سے تھوڑی ہی دُور عکرہ کے باہر اُس کے جانباز دستے اس صلیبی لشکر پر حملے کر رہے تھے جس نے عکرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ فلسطین کی تاریخ میں سب سے زیادہ خون ریز معرکے لڑ جا رہے تھے مگر محاصرہ ٹوٹتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ شہر کے اندر سلطان ایوبی کی محصور فوج کی نفری دس ہزار تھی اور محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ تھی۔ سلطان ایوبی صلیبیوں کے عقب میں یعنی شہر سے باہر تھا۔ اُس کے پاس دس ہزار مملوک تھے جن پر اُسے بہت بھروسہ تھا۔ مملوک عقب سے صلیبیوں پر بڑے ہی جانبازانہ حملے کرتے تھے مگر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہونے کے علاوہ محاصرہ نہ ٹوٹ سکنے کی وجہ یہ تھی کہ صلیبیوں نے عکرہ کے اِردگرد مورچے کھود لیے تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے خطرناک تھے۔ سوار جب حملہ کرتے تو گھوڑے مورچوں میں گر پڑتے تھے۔

عکرہ کے باہر میلوں وسعت میدانِ جنگ بنی ہوئی تھی۔ لاشوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ عکرہ کی دیوار کے باہر دیوار جتنی لمبی اور اتنی چوڑی خندق تھی جسے عبور کرنا مشکل تھا۔ صلیبیوں نے اس خندق کے ایک حصے میں اپنے مرے ہوئے فوجیوں کی لاشیں اور مرے ہوئے گھوڑے پھینکنے شروع کر دیئے تھے، تاکہ یہاں سے خندق بھر جائے اور خندق سے گزر کر دیوار تک پہنچا جائے۔ جنگ کا شوروغل اتنا زیادہ تھا کہ فضا میں سوائے گدھوں کے کوئی اور پرندہ نظر نہیں آتا تھا۔ گدھ کہیں اُترتے، لاشوں کو کھاتے اور اُڑ جاتے تھے۔

اِن گدھوں کے درمیان تقریباً ہر روز ایک کبوتر عکرہ سے اُڑتا اور سلطان ایوبی کے کیمپ میں جا اُترتا تھا اور بہت دیر بعد کیمپ سے اُڑ کر عکرہ کو واپس چلا جاتا تھا۔ محاصرے اور خون ریز معرکوں کے دوران ایک روز یہ کبوتر عکرہ سے اُڑا۔ انگلینڈ کا بادشاہ رچرڈ اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ اُس کی ساتھ اس کی بہن جوآنا بھی تھی۔

''اس کبوتر پر نظر رکھو''۔ رچرڈ نے حکم دیا۔ ''جونہی نظر آئے، اس پر باز چھوڑ دو۔ یہ کبوتر ہماری شکست کا باعث بن سکتا ہے''۔

اُس کے پاس اُس کی بہن جوآنا اور اُس کی منگیتر بیرنگاریا کھڑی تھیں۔ رچرڈ کی عمر خاصی ہوگئی تھی اور اب اس نوجوان لڑکی کو اپنے ساتھ اس ارادے سے لایا تھا کہ بیت المقدس فتح کر کے اس سے شادی کرے گا۔ اُس کی بہن جوآنا تھوڑا ہی عرصہ پہلے تک سسلی کے بادشاہ کی بیوی تھی۔ بادشاہ مر گیا تو جوآنا جوانی میں بیوہ ہوگئی۔ وہ اس قدر خوب صورت تھی کہ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ اس لڑکی کی شادی ہوئی تھی۔ رچرڈ انگلستان سے آئے ہوئے اسے سسلی سے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ رچرڈ کو جوآنا کی ہنسی سنائی دی۔ رچرڈ نے اُس کی طرف دیکھا تو جوآنا نے اُس سے پوچھا۔ ''میرے بھائی! کیا اس کبوتر کے مر جانے سے صلاح الدین ایوبی بھی مر جائے گا''۔

"یہ کبوتر پیامبر ہے جوآنا!"...... رچرڈ نے کہا......"اس کی ایک ٹانگ کے ساتھ عکرہ والوں کا پیغام بندھا ہوتا ہے جو صلاح الدین ایوبی کے پاس جاتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی اس پیغام کا جواب اسی کبوتر کے ساتھ بھیجتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی ہم پر باہر سے جو حملے کرتا ہے، وہ عکرہ والوں کے پیغاموں کے مطابق ہوتے ہیں۔ عکرہ والوں کا جوش اور جذبہ اور ہتھیار نہ ڈالنے کا عزم اس کبوتر کی وجہ سے قائم ہے، ورنہ کوئی محصور فوج اتنے شدید حملے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ تم دیکھ رہی ہو کہ ہماری منجنیقوں کے پھینکے ہوئے پتھروں نے کئی جگہوں سے دیوار کا اوپر کا حصہ گرا دیا ہے اور ہماری پھینکی ہوئی آگ نے شہر میں تباہی بپا کر رکھی ہے مگر وہ ہتھیار نہیں ڈال رہے"۔

"آپ کا اصل مقصد اور منزل یروشلم ہے جو ابھی بہت دُور ہے"۔ جوآنا نے کہا...... "اگر عکرہ کی فتح میں کئی سال گزر گئے تو کیا آپ اپنی زندگی میں یروشلم تک پہنچ سکیں گے؟ ہمارے جاسوس اور مسلمان جنگی قیدی بتاتے ہیں کہ شہر کے اندر صرف دس ہزار تعداد کی فوج ہے۔ ہماری تعداد ابتدا میں چھ لاکھ تھی۔ اب پانچ لاکھ رہ گئی ہوگی۔ محاصرہ پچھلے سال (۱۱۸۹ء) ۱۳ اگست کے روز شروع ہوا تھا۔ اب ۱۱۹۱ء کا اگست آ گیا ہے۔ دو سال...... میرے بھائی! دو سال...... ابھی آپ دس ہزار نفری کے محصورین سے ہتھیار نہیں ڈلوا سکے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کو محاصرے میں شامل ہوئے ابھی چند مہینے گزرے ہیں لیکن چند مہینوں میں نے آپ نے عکرہ کی تھوڑی سی دیوار توڑنے اور منجنیقوں سے شہر کے کچھ حصے کو آگ لگانے کے سوا کیا کامیابی حاصل کی ہے؟ مجھے تو یہ نظر آ رہا ہے کہ اس شہر کے کھنڈر ہی آپ کو ملیں گے"۔

رچرڈ نے اپنی منگیتر کو وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ وہ چلی گئی تو رچرڈ اپنی بہن سے مخاطب ہوا۔ "صلیب الصلبوت اور یروشلم کے وقار اور تقدس کا مطالبہ یہ ہے کہ تم بھول جاؤ کہ تم میری بہن ہو۔ تم اس صلیب کی بیٹی ہو جو مسلمانوں کے قبضے میں ہے اور یروشلم جہاں ہمارے پیغمبر کی عبادت گاہ ہے، اس پر بھی مسلمان قابض ہیں۔ تم جانتی ہو کہ ہمیں اسلام کو ختم کرنا ہے اور تم یہ بھی دیکھ رہی ہو کہ مسلمان خودکشی کی طرح لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ موت کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ فتح حاصل کرنے کے لیے لڑتے ہیں۔ میں پہلی بار یہاں آیا اور انہیں لڑتے دیکھا ہے۔ اُن کے جذبے کے جنون کی جو کہانیاں سنی تھیں وہ اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مسلمان کو عورت مار سکتی ہے۔ اُن کے درمیان جو خانہ جنگی ہوئی تھی، وہ ہمارے بادشاہوں نے اُن پر ایک سازش کے تحت بادشاہی، زر و جواہرات، شراب اور عورت کا نشہ طاری کر کے کرائی تھی مگر صلاح الدین ایوبی ایسا پتھر نکلا کہ اس کے عزم کو متزلزل نہ کر سکے۔ اُس نے اپنے اُن بھائیوں کو جو ہمارے ہاتھ میں آ گئے تھے، تلوار کے زور سے اپنا مطیع کر لیا یا اُن کے دِلوں میں اسلامی جذبہ بیدار کر لیا"۔

"میں نے بھی یہ سنا ہے"۔ جوآنا نے کہا...... "میں نے اُن لڑکیوں کے ایثار کی کہانیاں بھی سنی ہیں جنہیں مسلمان اُمراء اور حاکموں کے پاس جاسوسی اور دیگر تخریب کاری کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ میرے خیال میں یہ طریقہ کامیاب نہیں رہا"۔

"میں اسے ناکام بھی نہیں کہتا"...... رچرڈ نے کہا...... "اگر مسلمانوں کے قومی جذبے کو تباہ کرنے کے لیے یہ لڑکیاں استعمال نہ کی جاتیں تو یہ لوگ بہت عرصہ پہلے نہ صرف یروشلم کو فتح کر چکے ہوتے بلکہ آدھے یورپ پر بھی قابض ہو چکے ہوتے۔ ہم نے عورت کے حُسن اور جسم کے جادو سے اور اُن میں سے بہت سے امیروں، وزیروں اور سالاروں کو سلطان بنانے کے لالچ سے اُن کا اتحاد توڑ دیا تھا۔ اُن کی جنگی قوت انہیں آپس میں لڑا کر تباہ کر دی تھی، مگر یہ پھر متحد ہو گئے ہیں"۔

"آپ یہ باتیں مجھے کیوں سنا رہے ہیں؟" جوآنا نے کہا......"آپ کے بولنے کے انداز میں مایوسی کیوں ہے؟ میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ تم بھول جاؤ کہ تم میری بہن ہو۔ تم صلیب کی بیٹی ہو۔ صلیب کی فتح کے لیے تم بہت کچھ کر سکتی ہو...... تم دیکھ رہی ہو کہ ہم مسلمانوں کے خلاف لڑ بھی رہے ہیں اور ہماری آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ ہم ایک دوسرے کی طرف اپنے ایلچی بھیجتے رہتے ہیں۔ میری ملاقات صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل سے بھی ہو چکی ہے۔ میں اُن سے اپنی شرائط منوانے کی کوشش کر رہا ہوں جو وہ نہیں مان رہے ہیں۔ میں انہیں کہہ رہا ہوں کہ یروشلم اور صلیب الصلبوت ہمارے حوالے کر دو اور تم ان علاقوں سے نکل جاؤ جن پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے ایک بھی شرط ماننے سے انکار کر دیا ہے''۔

''آپ صلاح الدین ایوبی سے کیوں نہیں ملتے؟''

''وہ مجھ سے ملنا نہیں چاہتا''۔ رچرڈ نے جواب دیا...... ''وہ بیمار بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کا بھائی العادل اُسی جیسا پُرعزم اور پکا مسلمان ہے۔ وہ صلاح الدین ایوبی کی جگہ لے رہا ہے۔ میں نے اِس میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ جوان ہے اور زندہ دِل بھی لگتا ہے۔ میں اس شخص کے دِل پر قبضہ کرنے کی سوچ رہا ہوں۔ میں اُسے دوست بنا سکوں گا لیکن جو کام تمہارا ہے، وہ میں کیسے کر سکتا ہوں؟...... کیا تم نے اُسے پسند نہیں کیا تھا؟''

''آپ مجھ سے وہ کام لینے کی سوچ رہے ہیں جو ہماری تربیت یافتہ لڑکیاں بہت مدّت سے کر رہی ہیں''۔

''ہاں!'' رچرڈ نے کہا...... ''اس کے دِل پر قبضہ کرو۔ محبت کا والہانہ اظہار کرو اور اُسے کہو کہ تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہو۔ میں درمیان میں آجاؤں گا اور صلاح الدین ایوبی سے کہوں گا کہ وہ اگر ساحلی علاقے اپنے بھائی اور میری بہن کو دے دے تو میں اپنی بہن کی شادی العادل کے ساتھ کرنے کو تیار ہوں۔ تم العادل کو تیار کرنا کہ وہ اپنا مذہب ترک کر کے عیسائیت کو قبول کر لے۔ اُسے یہ لالچ دو کہ وہ ساحلی علاقے کی اتنی وسیع سلطنت کا سلطان بن جائے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم اُسے صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر سکو گی''۔

جوآنا کچھ دیر خاموش رہی۔ رچرڈ اُسے دیکھتا رہا۔ آخر جوآنا نے آہ لی اور بولی۔ ''میں کوشش کروں گی''۔

''مسلمانوں کو اسی دھوکے سے مارا جا سکے گا''۔ رچرڈ نے کہا...... ''میں میدانِ جنگ میں انہیں شکست دینے کی پوری کوشش کروں گا لیکن بہت لمبی مدت درکار ہوگی۔ میں شاید اُس وقت تک زندہ نہ رہوں۔ مجھے واپس انگلستان بھی جانا ہے، وہاں کے حالات مخدوش ہیں۔ مخالفین میری غیر حاضری سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

☆

جو کبوتر رچرڈ کے اوپر سے گزر کر آ گیا تھا، وہ صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے سامنے بنی ہوئی ایک کھپریل پر آن بیٹھا۔ دربان نے دوڑ کر اُس کی ٹانگ سے بندھا ہوا پیغام کھولا اور خیمے میں لے گیا۔ سلطان ایوبی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ اُسے آرام کی سخت ضرورت تھی لیکن وہ اُٹھ بیٹھا اور پیغام پڑھنے لگا۔ شہر کے اندر کی فوج کے ساتھ سلطان ایوبی کا رابطہ پیامبر کبوتروں کے ذریعے قائم تھا۔ یہ پیغام عکرہ کے دونوں حاکموں المشطوب اور بہاؤ الدین قراقوش کا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد جو سلطان ایوبی کی مجلسِ مشاورت کا اہم رُکن اور اُس کا ہم راز دوست بھی تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ یہ دونوں غیر معمولی طور پر دلیر اور ذہین سالار تھے، محاصرے میں اُن کی حالت بہت بُری ہو گئی تھی۔ شہر تباہ ہو رہا تھا لیکن یہ دونوں ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ باہر والے ہر وقت یہ خبر سننے کے لیے تیار رہتے تھے کہ عکرہ کی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔

اس پیغام میں بھی المشطوب اور قراقوش نے سلطان ایوبی کو وہی کچھ لکھا تھا جو وہ ہر پیغام میں لکھتے ہیں۔ اب

کے انہوں نے زیادہ زور دے کر لکھا تھا کہ ہم سے یہ توقع نہ رکھنا کہ ہم جیتے جی ہتھیار ڈال دیں گے لیکن آپ کی مدد یہ ہمارے لیے بے حد ضروری ہوگئی ہے کہ صلیبیوں پر باہر سے حملے زیادہ کر دیں۔ سپاہیوں سے کہیں کہ وہ اسی جذبے سے لڑیں جس جذبے سے شہر والے مقابلہ کر رہے ہیں۔ آدھا شہر جل چکا ہے۔ فوج بھی آدھی رہ گئی ہے لیکن شہریوں کے جذبے کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ عورتیں بھی ہمارا ساتھ دے رہی ہیں۔ لوگ کھانا خود کم کھاتے اور فوج کو زیادہ کھلاتے ہیں۔

انہوں نے دیوار کی یہ کیفیت لکھی کہ صلیبیوں کی منجنیقوں کی مسلسل سنگ باری سے دیوار کئی جگہوں سے ٹوٹ گئی ہے۔ بالائی حصہ ختم ہو چکا ہے۔ بُرج گر پڑے ہیں۔ دشمن نے باہر خندق کو کئی جگہوں سے اپنے سپاہیوں کی لاشوں اور مرے ہوئے گھوڑوں اور مٹی سے بھر لی ہے جہاں سے وہ دیوار کے قریب آ کر دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ جب ڈھولوں کی آوازیں سنیں، عقب سے صلیبیوں پر بہت ہی سخت حملہ کریں۔ ہم ڈھول اُس وقت بجایا کریں گے جب صلیبی دیوار پر حملہ کیا کریں گے۔ آپ ایسے جانباز تیار کریں جو سمندر کی طرف سے ہم تک اسلحہ پہنچائیں۔

سلطان ایوبی کمزوری اور بخار کے باوجود اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے پیغام کا جواب لکھوایا جس میں اُس نے عکرہ والوں کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ بھی لکھا کہ جانباز پہلے ہی شہر تک اسلحہ پہنچانے کے لیے جا چکے ہیں۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اسلام پر بڑا ہی سخت وقت آن پڑا ہے۔ یہ میری ہی کوشش تھی کہ صلیبی بیت المقدس کی طرف بڑھنے کی بجائے عکرہ کا محاصرہ کریں تاکہ میں انہیں یہیں اُلجھا کر اُن کی جنگی طاقت کمزور کر دوں۔ تم لوگ عکرہ کے دفاع کے لیے نہیں، مسجدِ اقصیٰ کے دفاع کے لیے لڑ رہے ہو۔

یہ پیغام کبوتر کے ذریعے بھجوا کر سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ میرے پاس ہر ایک کمان دار اور ہر ایک سپاہی کے پاس جانے کا وقت نہیں رہا۔ میرے جسم میں جو طاقت رہ گئی ہے، اُسے میں جہاد میں صرف کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے کمان داروں اور سپاہیوں سے کہو کہ اپنے اللہ، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے مذہب کے لیے لڑو۔ اب یہ نہ سوچو کہ تم اپنے سلطان کے حکم سے لڑ رہے ہو، یہ بھی نہ سوچو کہ تمہیں اب زندہ رہنا ہے۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔

قاضی بہاؤالدین شداد لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی ایسا جذباتی کبھی نہیں ہوا تھا۔ اُس کی جذباتی حالت بالکل اُس ماں سے ملتی جلتی تھی جس کا بچہ کھو گیا ہو۔ وہ سوتا نہیں تھا۔ آرام نہیں کرتا تھا۔ میں نے اُسے کئی بار کہا کہ سلطان! اپنی صحت کا خیال رکھو۔ تم اپنے اعصاب کو تباہ کر رہے ہو۔ اللہ کو یاد کرو۔ فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے...... سلطان کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے جذباتیت سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا...... بہاؤالدین شداد! میں صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا۔ میں اس مقدس جگہ کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا جہاں سے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے حضور گئے تھے۔ اُس جگہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ کیا تھا...... وہ گرج کر بولا...... نہیں...... بہاؤالدین! نہیں۔ میں مر کے بھی صلیبیوں کو بیت المقدس نہیں دوں گا"۔

قاضی شداد آگے چل کر لکھتا ہے کہ ایک رات وہ اس قدر بے چین تھا کہ میں بہت دیر اس کے ساتھ رہا۔ اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اُسے قرآن کی دو تین آیتیں بتائیں اور کہا کہ یہ پڑھتے رہو۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور اُس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ آیتیں پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ سوتے میں بڑبڑایا...... "یعقوب کی کوئی خبر نہیں آئی؟...... وہ شہر میں داخل ہو جائے گا"...... پھر وہ سو گیا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ وہ نیند میں بھی بے چین تھا۔

سلطان ایوبی کے خیمے سے عکرہ کی دیوار نظر آتی تھی۔ اس کے باہر صلیبی لشکریوں دکھائی دیتا تھا جیسے چیونٹیاں کسی چیز پر اکٹھی ہو گئی ہوں۔ رات کو عکرہ کی دیواروں پر مشعلیں چلتی پھرتی رہتی تھیں اور رات کے اندھیرے میں آگ کے گولے دیوار کے اوپر سے اندر جاتے نظر آتے تھے۔ دیوار سے بھی ایسے گولے باہر آتے تھے۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار راتوں کو دشمن پر شب خون مارتے رہتے تھے۔

☆

نیند میں سلطان ایوبی جس یعقوب کا نام لے رہا تھا۔ وہ اس کی بحریہ کا ایک بڑا ہی دلیر کپتان تھا۔ عکرہ شہر کے اندر رسد اور اسلحہ پہنچانا ناممکن ہو گیا تھا۔ پچھلی قسط میں بیان کیا جا چکا ہے کہ شہر کے ایک طرف سمندر تھا اور ادھر صلیبیوں کے بحری جہاز بکھرے ہوئے تھے۔ شہر والوں کو سامان پہنچانا بڑا ہی ضروری تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے اس بحری بیڑے سے اس مہم کے لیے رضا کار مانگے تھے۔ یعقوب نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں، قاضی بہاؤالدین شداد اور دو اور موٴرخوں نے یعقوب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ حلب کا رہنے والا تھا۔ اُس نے بحریہ اور فوج کے سپاہی منتخب کیے۔ اُن کی تعداد چھ سو پچاس تھی۔ انہیں یعقوب اپنے جہاز میں لے گیا اور بیروت چلا گیا وہاں سے اُس نے جہاز کو (جو بڑا جنگی جہاز تھا) رسد اور اسلحہ سے بھر لیا۔ یہ اتنا زیادہ سامان تھا جو عکرہ والوں کو بڑے لمبے عرصے تک لڑنے کے قابل بنا سکتا تھا۔

یعقوب نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ جانیں قربان کر دینی ہے، یہ سامان عکرہ تک پہنچانا ہے۔ جہاز جب عکرہ سے کچھ ہی دُور رہ گیا تھا کہ صلیبیوں کے چالیس جہازوں نے اُسے گھیر لیا۔ یعقوب کے جانبازوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ جہاز چلتا رہا اور یعقوب اُسے عکرہ کے ساحل کی طرف لے جاتا رہا۔ جانبازوں نے دشمن کے جہازوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ایک فرانسیسی موٴرخ ڈی ونسوف نے لکھا ہے کہ وہ جنات اور بدروحوں کی طرح لڑے لیکن دشمن کے گھیرے سے نہ نکل سکے۔ آدھے سے زیادہ مسلمان سپاہی تیروں کا نشانہ بن گئے۔

یعقوب نے جب دیکھا کہ جہاز بادبان برباد ہو جانے سے کھلے سمندر کی طرف بہہ گیا ہے اور اب دشمن جہاز پر قبضہ کر لے گا تو اُس نے اپنے جانبازوں سے چلا کر کہا..... ''خدا کی قسم! ہم وقار سے مریں گے۔ دشمن کو نہ یہ جہاز ملے گا نہ اس میں سے کوئی چیز اُس کے ہاتھ آئے گی..... جہاز میں سوراخ کر دو۔ سمندر کو جہاز کے اندر آنے دو''..... عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ جو جانباز زندہ رہ گئے تھے، انہوں نے عرشے کے نیچے جا کر جہاز کو توڑنا شروع کر دیا۔ تختے ٹوٹے تو سمندر جہاز میں داخل ہونے لگا۔ کسی بھی جانباز نے جہاز سے کود کر جان بچانے کی کوشش نہ کی۔ سب جہاز کے ساتھ سمندر کی تہہ میں چلے گئے۔

اس واقعہ کی تاریخ ۸ جون ۱۱۹۱ء لکھی گئی ہے۔

سلطان ایوبی کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ خیمے سے نکلا۔ اُس کا گھوڑا ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے حکم دیا..... ''دف بجاؤ''۔ دف بج اُٹھے..... یہ حملے کا سگنل تھا۔ ذرا سی دیر میں اُس کے دستے حملے کی تیاری کے لیے جمع ہو گئے..... ''سلطان ایوبی نے اتنا ہی کہا............ ''آج دشمن کو چیر کر دیوار تک پہنچنا ہے''..... اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کے تمام دستے، سوار اور پیادے اُس کے پیچھے گئے یہ بظاہر اندھا دھند حملہ تھا لیکن سلطان ایوبی نے پہلے ہی فوج کو ترتیب بتا رکھی تھی۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کو یوں قہر و غضب سے آتے دیکھا تو اُن کے پیادہ دستے کمانوں میں تیر ڈال کر دیوار کی مانند کھڑے ہو گئے۔ صلیبی فوج کے مورچے بھی تھے۔ انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔

حملے کی قیادت سلطان ایوبی خود کر رہا تھا۔ اس لیے اُس کے مملوک بجلیوں کی طرح صلیبیوں پر ٹوٹے مگر صلیبیوں

کی تعداد بہت ہی زیادہ تھا۔ مسلمان یوں لڑے جیسے وہ زندہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ گھوڑ سوار گھوڑے گھما گھما کر لاتے اور حملے کرتے تھے۔ یہ معرکہ اُسوقت ختم ہوا جب شام تاریک ہوگئی۔ صلیبیوں کا نقصان بہت ہی زیادہ ہوا تھا مگر وہ کامیابی حاصل نہ کی جاسکی جس کے لیے سلطان ایوبی نے حملہ کرایا تھا۔

ایسا حملہ پہلا اور آخری نہیں تھا۔ عکرہ دو سال محاصرے میں رہا۔ اس دوران سلطان ایوبی نے عقب سے ایسے کئی حملے کرائے۔ ہر حملے میں جانبازوں نے بہادری کی ایسی مثالیں پیش کیں جو اس سے پہلے وہ خود بھی پیش نہیں کر سکے تھے۔ اس دوران سلطان ایوبی کو مصر سے بھی کمک ملی اور کئی ایک مسلمان امارتوں نے اُسے اپنی فوجیں اور سامان بھیجا۔ اگر ہر حملے کا ذکر تفصیل سے کیا جائے تو سینکڑوں صفحے درکار ہوں گے۔ یہ جہاد کا جذبہ نہیں، بلکہ جنون تھا۔ ان حملوں سے عکرہ کا محاصرہ تو نہ توڑا جاسکا لیکن صلیبیوں پر یہ خوف طاری ہوگیا کہ مسلمان انہیں یہاں سے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔ صلیبیوں کا چونکہ لشکر زیادہ تھا، اس لیے ان کا جانی نقصان بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اتنی زیادہ لاشوں اور زخمیوں کو دیکھ دیکھ کر صلیبیوں کا حوصلہ مجروح ہورہا تھا۔ مسلمانوں کے قہر کا اثر خود رچرڈ کے دِل پر پڑ رہا تھا۔

اس دوران رچرڈ سلطان ایوبی کے پاس صلح کے لیے اپنے ایلچی بھیجتا رہتا تھا۔ اس کا ایلچی العادل کے پاس آیا کرتا اور العادل صلح کا پیغام سلطان ایوبی تک پہنچایا کرتا تھا۔ اُس کے مطالبات یہ تھے کہ بیت المقدس جسے وہ یروشلم کہتے تھے، انہیں دے دیا جائے۔ صلیب الصلبوت انہیں واپس دے دی جائے اور صلیبی جن علاقوں پر حطین کی جنگ سے پہلے قابض ہوچکے تھے، وہ علاقے صلیبیوں کو واپس دے دیئے جائیں...... سلطان ایوبی یروشلم کا نام سن کر بھڑک اُٹھتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ رچرڈ کے ساتھ صلح کی بات چیت جاری رکھے۔ تقریباً تمام مورخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ اور العادل دوست بن گئے تھے اور العادل جب رچرڈ کے پاس جاتا یا رچرڈ اُسے ملنے آتا تو رچرڈ کی بہن جوآنا بھی ساتھ ہوتی تھی۔ اس دوستی کے باوجود العادل رچرڈ کی شرائط تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔

ان ملاقاتوں کے ساتھ عکرہ کی جنگ جاری تھی۔ خون ریزی بڑھتی جارہی تھی اور عکرہ والوں کی حالت بہت ہی بُری ہوتی جارہی تھی۔ محاصرہ کرنے والوں میں دوسرے صلیبی بادشاہ بھی تھے جن میں قابلِ ذکر فرانس کا بادشاہ تھا۔ انگلستان کا بادشاہ رچرڈ ان سب کا لیڈر بن گیا تھا۔

☆

''میں نے یہ کامیابی حاصل کر لی ہے کہ اُس نے میری محبت قبول کر لی ہے''...... جوآنا نے اپنے بھائی رچرڈ سے کہا...... ''لیکن میں نے اس میں وہ کمزوری نہیں دیکھی جو آپ بتاتے تھے کہ ہر مسلمان امیر اور حاکم میں پائی جاتی ہے۔ وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر آمادہ ہوگیا ہے لیکن اپنا مذہب چھوڑنے کی بجائے مجھے اسلام قبول کرنے کو کہتا ہے''۔

''معلوم ہوتا ہے تم نے اپنا جادو اس طرح نہیں چلایا جس طرح اس فن کی ماہر لڑکیاں چلاتی رہتی ہیں''...... رچرڈ نے کہا...... ''یہ میں نے بھی دیکھ لیا ہے کہ العادل کردار کا پکا ہے۔ میں اُسے کہہ چکا ہوں کہ اگر وہ تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں تو عیسائیت قبول کرلے اور اپنے بھائی سے کہے کہ ساحلی علاقہ اُسے دے دے جس پر اُس کی اور تمہاری حکمرانی ہوگی۔ اُس نے جواب دیا کہ اپنا مذہب ترک کرنا ہوتا تو اتنے خون خرابے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا، کہ تم میری بہن کو پسند کرتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ اپنی بہن سے پوچھو، میں اُسے اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا وہ مجھے چاہتی ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے اُن کے میل ملاقات اور محبت پر کوئی اعتراض نہیں...... شکار جال میں آگیا ہے۔ اب یہ تمہارا کمال

ہوگا کہ اُسے شیشے میں اُتارلو"۔

"مجھے یاد آیا"...... جوآنا نے کہا......"میری دونوں خادمائیں کہیں نظر نہیں آرہیں۔ رات یہیں تھیں۔ صبح سے غائب ہیں"۔

"میرا خیال ہے، وہ اَب غائب ہی رہیں گی"۔ رچرڈ نے کہا۔"وہ مسلمان تھیں"۔

"وہ سسلی کی مسلمان تھیں"...... جوآنا نے کہا......"اور وہ اُس وقت سے میرے ساتھ تھیں، جب میری شادی ہوئی اور میں سسلی گئی تھی"۔

"مسلمان کہیں کا بھی رہنے والا کیوں نہ ہو، سب کا جذبہ ایک سا ہوتا ہے"...... رچرڈ نے کہا......"اسی لیے ہم اس قوم کو خطرناک سمجھتے ہیں اور ہم اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ان کا اتحاد ٹوٹ جائے۔ ان دونوں نے یہاں آکر دیکھا کہ ہم اُن کی قوم کے خلاف لڑ رہے ہیں تو وہ اُن کے پاس چلی گئی"۔

رچرڈ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اُس وقت یہ دونوں عورتیں سلطان ایوبی کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ اُن کی چھان بین کر کے انہیں سلطان کے پاس لے جایا گیا۔ انہوں نے سلطان سے ملنے کی خواہش کی تھی اور کہا تھا کہ وہ کچھ باتیں صرف سلطان کو بتانا چاہتی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ سسلی میں جنی پلی ہیں اور لڑکپن میں شاہی محل میں ملازم ہوگئی تھیں، جب جوآنا بادشاہ کی بیوی بن کر آگئی تو ان دونوں کو جسمانی چستی اور اچھی شکل وصورت کی وجہ سے جوآنا کی خاص خادمائیں بنا دیا گیا...... سسلی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اس لیے وہاں اسلام زندہ تھا۔ ان دونوں کو بھی اپنا مذہب یاد رہا۔ جوآنا بیوہ ہوگئی تو شہنشاہ رچرڈ آ گیا۔ وہ جوآنا کو اپنے ساتھ لایا تو ان دونوں کو بھی ساتھ آنا پڑا۔ یہاں انہوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑتے دیکھا تو کفار کی نوکری سے اُن کا دِل اچاٹ ہوگیا۔

یہ دونوں عورتیں صرف جسمانی طور پر ہی چست اور چالاک نہیں تھیں، ذہنی طور پر بھی ہوشیار تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جوآنا رچرڈ کی منگیتر کو بتا رہی تھی کہ اُس نے صلاح الدین ایوبی کے بھائی العادل کو پھانس لیا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ العادل کے دِل میں اُس کی اور اُس کے دِل میں العادل کی محبت پیدا ہوگئی ہے اور اگر العادل نے اپنا مذہب ترک کر دیا تو اُن کی شادی ہو جائے گی پھر صلاح الدین ایوبی کو مارنا اور یروشلم پر قبضہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ ان عورتوں نے اس شک کا بھی اظہار کیا کہ العادل اور جوآنا کہیں ملتے ملاتے بھی ہیں۔ یہ خبر سلطان ایوبی تک پہنچانے کے لیے دونوں عورتیں وہاں سے بھاگ آئیں۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں ان عورتوں کے نام نہیں لکھے، یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ان دونوں کو نہایت عزت واحترام اور انعام واکرام کے ساتھ دمشق بھیج دیا۔

☆

سلطان ایوبی نے ان عورتوں کی اطلاع پر تو یقین کر لیا لیکن اُسے یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ اُس کا سگا بھائی اُسے دھوکہ دے رہا ہے۔ اُسے اپنے ہر سالار پر اعتماد تھا لیکن العادل اور اپنے دو بیٹوں (الافضل اور الظاہر) کی موجودگی میں وہ بہت سی پریشانیوں سے آزاد تھا۔ صلیبیوں پر عقب سے جو حملے کیے جاتے تھے۔ اُن کی قیادت یہ تینوں کرتے یا وہ خود کرتا تھا۔ اس کے علاوہ العادل ہی صلیبی حکمرانوں، خصوصاً رچرڈ سے ملتا اور بات چیت کرتا تھا۔ تاہم اُس نے العادل کے ساتھ بات کر لینا مناسب سمجھا، مگر عکرہ کی جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی کمک آرہی تھی۔ العادل کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے متعلق سلطان ایوبی کو یہی اطلاعیں ملتی تھیں کہ آج اُس نے فلاں جگہ حملہ کیا ہے اور آج فلاں جگہ۔ سلطان ایوبی کو

اپنے بیٹے بھی نہیں ملتے تھے۔اب تو اُس کی اپنی یہ حالت تھی کہ صحت کی خرابی کے باوجود جنگ میں شریک رہتا تھا۔

عکرہ کی دیوار ایک جگہ سے مسلسل سنگ باری سے گر پڑی تھی۔صلیبی وہاں سے اندر جانے کی کوشش کرتے تو مسلمان جانوں کی بازی لگا کر انہیں روکتے تھے۔دُور سے نظر آنے لگا تھا کہ یہ شگاف دونوں فریقوں کی لاشوں سے بھرتا جا رہا ہے۔آخر اندر سے کبوتر یہ پیغام لایا...... ''اگر کل تک ہمیں مدد نہ پہنچی یا آپ نے باہر سے محاصرہ توڑنے کی کوشش نہ کی تو ہمیں ہتھیار ڈالنے پڑیں گے، کیونکہ شہریوں کے بچے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔شہر جل رہا ہے اور فوج تھوڑی رہ گئی ہے اور جو رہ گئی ہے وہ مسلسل دو سال بغیر آرام کیے لڑ لڑ کر لاشیں بن گئی ہے''۔

سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔اُس نے اسی وقت اپنے تمام تر دستے یکجا کر کے بڑا ہی شدید حملہ کیا۔ایسی خون ریزی ہوئی کہ تاریخ کے ورق پھڑ پھڑانے لگے۔مورخ لکھتے ہیں کہ انسانی ذہن ایسی خون ریزی کو تصور میں نہیں لا سکتا۔رات کو بھی مسلمانوں نے صلیبیوں کو چین نہ لینے دیا۔آدھی رات کے بعد سلطان ایوبی اس طرح اپنے خیمے میں آیا اور پلنگ پر گرا جیسے اُس کا جسم زخموں سے چور ہو گیا ہو۔اس نے ہانپتی کانپتی آواز میں حکم دیا کہ صبح پھر ایسا ہی حملہ ہو گا، مگر صبح کی روشنی نے اُسے جو منظر دکھایا، اس سے اُس پر نیم غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔عکرہ کی دیواروں پر صلیبیوں کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔صلیبیوں کا لشکر شگاف سے اندر جا رہا تھا...... یہ جمعہ کا دِن تھا۔تاریخ ۱۷ جمادی الثانی ۵۸۷ ہجری (۱۲ جولائی ۱۱۹۲ء) تھی۔

المشطوب اور قراقوش نے صلیبیوں سے شرائط طے کر لی تھیں۔اس کے باوجود سلطان ایوبی کو یہ منظر بھی دیکھنا پڑا کہ فرنگی تقریباً تین ہزار مسلمان قیدیوں کو رسّوں سے باندھے عکرہ سے باہر لائے۔ان میں فوجی تھے اور شہری بھی۔انہیں ایک جگہ کھڑا دیا گیا اور چاروں طرف سے صلیبیوں کی فوج کے سوار اور پیادہ دستوں نے ان بندھے ہوئے نہتے قیدیوں پر حملہ کر دیا۔سلطان ایوبی کی فوج کو بالکل توقع نہیں تھی کہ صلیبی اس قدر درندگی اور ذلت کا مظاہرہ بھی کر سکتے ہیں۔جب صلیبی فوج قیدیوں پر ٹوٹ پڑی۔مسلمان فوج کسی کے حکم کے بغیر اُٹھ دوڑی اور صلیبیوں پر پورے قہر سے حملہ کیا مگر تمام قیدی شہید کیے جا چکے تھے۔دونوں فوجوں میں بڑا سخت تصادم ہوا۔

☆

اِس دوران رچرڈ پر بھی سلطان ایوبی کی طرح بیماری کے شدید حملے ہوئے۔دُنیائے صلیب کو اس پر بڑا ہی بھروسہ تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ شیر دِل تھا مگر عکرہ کے محاصرے میں جہاں وہ کامیاب ہوا تھا، وہاں اُس کا حوصلہ بھی ٹوٹ گیا تھا، اُسے توقع نہیں تھی کہ مسلمان اتنی بے جگری سے لڑتے ہیں۔اس کی منزل اب بیت المقدس تھی۔اُس نے ساحل کے ساتھ ساتھ کوچ کیا۔آگے عسقلان اور حیفہ جیسے بڑے بڑے شہر اور قلعے تھے۔سلطان ایوبی نے اس کا ارادہ بھانپ لیا۔وہ ان شہروں اور قلعوں پر قبضہ کر کے یہاں اپنے اڈے بناتا اور بیت المقدس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

سلطان ایوبی نے بیت المقدس کی خاطر بہت بڑی قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا۔اُس نے حکم دیا۔''عسقلان کو تباہ کر دو، قلعے اور شہر کو ملبے کا ڈھیر بنا دو''...... سالاروں اور مشیروں پر سکتہ طاری ہو گیا۔اتنا بڑا شہر؟ اتنا مضبوط قلعہ؟......

سلطان ایوبی نے گرج کر کہا...... ''شہر پھر آباد ہو جائیں گے۔انسان پیدا ہوتے رہیں گے، مگر بیت المقدس کو صلیبیوں سے بچائے رکھنے کے لیے صلاح الدین ایوبی شاید پھر پیدا نہ ہو...... اپنے تمام شہر اور بچے مسجدِ اقصیٰ پر قربان کر دو''۔

سلطان ایوبی بے شک جذباتی ہو گیا تھا لیکن اُس نے فنِ حرب وضرب اور حقائق سے چشم پوشی نہ کی۔اپنے چھاپہ مار دستوں کو صلیبی لشکر کے پیچھے ڈال دیا۔یہ دستے بکھر کر رچرڈ کے لشکر پر جو کوچ کر رہا تھا، عقبی حصے میں شب خون

مارتے اور غائب ہو جاتے۔ اس طرح اس لشکر کا کوچ بہت ہی سست رہا۔ دشمن کی رسد محفوظ نہ رہی۔ رچرڈ عسقلان جا رہا تھا، وہاں پہنچا تو قلعہ اور شہر ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے۔ وہاں جو مسلمان فوج تھی، اُسے بیت المقدس کے دفاع کے لیے بھیج دیا گیا تھا۔ رچرڈ کے راستے میں جتنے قلعے آئے وہ سب مسمار ہو چکے تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ رچرڈ کا دماغ خراب ہونے لگا تھا کہ مسلمان ایسی قربانی بھی دے سکتے ہیں۔ وہ جان گیا کہ بیت المقدس پر قبضہ آسان نہیں۔

اس پر یہ افتاد بھی پڑی کہ فرانس کا بادشاہ اُس کا ساتھ چھوڑ گیا۔ انہوں نے عکرہ لے تو لیا تھا لیکن مسلمانوں نے اس کامیابی میں اُن کی کمر توڑ دی تھی۔ سلطان ایوبی کو عکرہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت افسوس تھا لیکن اُس کی یہ چال کامیاب تھی کہ اُس نے صلیبیوں کا جنگی طاقت کا گھمنڈ توڑ دیا تھا۔ اُس نے اب پھر اپنا مخصوص طریقۂ جنگ شروع کر دیا تھا۔ یہ شب خونوں اور چھاپوں کا سلسلہ تھا۔ یورپی مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمان چھاپہ مار رات کی تاریکی میں طوفان کی طرح آتے اور صلیبی فوج کے عقبی حصے پر شب خون مار کر بے تحاشہ نقصان کرتے اور غائب ہو جاتے تھے۔ اس طرح صلیبیوں کے لیے ایک ماہ کا سفر تین ماہ کا ہو جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے صلیبیوں کے کوچ کی رفتار سست کر کے بیت المقدس کا دفاع مضبوط کر لیا۔

☆

''جوآنا کچھ کرو...... صلیب کی خاطر کچھ کرو''...... رچرڈ نے اپنی بہن سے کہا......''العادل کو ہاتھ میں لو۔ ہم لڑ کر بیت المقدس نہیں لے سکتے''۔

''وہ مجھے چاہتا ہے''...... جوآنا نے جواب دیا......''کوچ کے دوران بھی میری اس سے ملاقات ہو چکی ہے، میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھے والہانہ طور پر چاہنے لگا ہے لیکن کہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ وہ میری کوئی شرط ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا''۔

اُدھر سلطان ایوبی نے العادل، اپنے بیٹوں کو سالاروں کو بلا رکھا تھا۔ اس کی زبان پر اب دو ہی لفظ رہتے تھے......''اسلام اور بیت المقدس''...... اس نے ان سب کو بیت المقدس کے دفاع کی ہدایات دیں۔ کانفرنس کے بعد العادل اُسے تنہائی میں ملا اور کہا......''رچرڈ مجھے اپنی بہن پیش کر رہا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اپنا مذہب ترک کر دوں''۔

''تمہیں اسلام سے زیادہ محبت ہے یا رچرڈ کی بہن سے؟''

''دونوں سے''۔

''تو اُسے اپنے مذہب میں لاؤ اور شادی کر لو''...... سلطان ایوبی نے کہا......''میں اجازت دیتا ہوں''۔

''میں آپ سے شادی کی اجازت لینے نہیں آیا''...... العادل نے کہا......''میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ رچرڈ جیسا دلیر اور جنگجو بادشاہ بھی ان ذلیل ہتھکنڈوں پر اُتر آیا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس کی بہن اچھی لگتی ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے مذہب سے غداری نہیں کروں گا''۔

''اور وہ بھی اپنے مذہب سے غداری نہیں کرے گی''۔

''جائے جہنم میں''...... العادل نے کہا......''ان حربوں سے رچرڈ بیت المقدس نہیں لے سکتا''۔

سلطان ایوبی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ یورپی مورخوں نے رچرڈ کی اس حرکت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رچرڈ نے اس شرط پر اپنی بہن العادل کو پیش کی تھی کہ وہ عیسائی ہو جائے لیکن رچرڈ کی بہن نے العادل کو دھتکار دیا تھا۔

یہ پردہ اُسی وقت چاک ہو گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ رچرڈ بیت المقدس کے قریب جا کر خیمہ زن ہوا۔ یہاں عکرہ

کی جنگ سے زیادہ خون ریز معرکوں کی توقع تھی، لیکن رچرڈ نے اپنی وہی شرائط پیش کرنی شروع کر دیں جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک بار سلطان ایوبی نے اس کے ایلچی کی بے عزتی کر دی اور اُسے فوراً واپس چلے جانے کو کہہ دیا۔ اس دوران سلطان ایوبی کو پتہ چلا کہ رچرڈ اتنا زیادہ بیمار ہو گیا ہے کہ اُس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں رہی۔ سلطان ایوبی رات کو اپنے خیمے سے نکلا اور رچرڈ کے خیموں کا رُخ کر لیا۔ اس نے صرف العادل کو بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ العادل نے ہنس کر کہا کہ فلاں جگہ رچرڈ کی بہن میرے انتظار میں کھڑی ہوگی۔ اُسے بھی ساتھ لے جانا۔

جوآنا وہاں کھڑی تھی۔ اُس نے گھوڑے کے قدموں کی آہٹ سنی تو دوڑ کر آئی اور بولی...... ''تم آگئے العادل؟''...... سلطان ایوبی گھوڑے سے اُترا اور جوآنا کو گھوڑے پر بٹھا کر خاموشی سے رچرڈ کی خیمہ گاہ کی طرف چل پڑا۔ جوآنا کچھ کہہ رہی تھی۔ سلطان ایوبی نے عربی زبان میں کہا...... ''تمہاری زبان میرا بھائی سمجھ سکتا ہے میں نہیں سمجھتا''...... یہ جوآنا نہ سمجھ سکی۔

سلطان ایوبی رچرڈ کے خیمے میں داخل ہوا۔ رچرڈ واقعی سخت بیمار تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ بات کرنے کے لیے اپنا ترجمان بلا لیا۔ سلطان ایوبی نے پہلی بات یہ کہی...... ''اپنی بہن کو سنبھالو۔ میرا بھائی اپنا مذہب ترک نہیں کرے گا...... اور مجھے بتاؤ کہ تمہیں تکلیف کیا ہے۔ میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں مرتا دیکھ کر میں حملہ کر دوں گا۔ صحت یاب ہو جاؤ گے تو دیکھا جائے گا''۔

رچرڈ حیرت سے اُٹھ بیٹھا اور بے ساختہ بولا...... ''تم عظیم ہو صلاح الدین ایوبی...... تم سچے جنگجو ہو''...... اس نے اپنی تکلیف بتائی۔ سلطان ایوبی نے کہا...... ''ہمارے علاقے میں بیمار ہونے والے کو ہمارے ہی طبیب ٹھیک کر سکتے ہیں جس طرح انگلستان کی فوج یہاں آ کر بے کار ہو جاتی ہے، اسی طرح تمہارے ڈاکٹر بھی ہاں آ کر اناڑی ہو جاتے ہیں۔ میں اپنا طبیب بھیجوں گا''۔

''صلاح الدین! ہم کب تک ایک دوسرے کا خون بہاتے رہیں گے؟''...... رچرڈ نے کہا...... ''آؤ، صلح اور دوستی کر لیں''۔

''لیکن میں دوستی کی وہ قیمت نہیں دوں گا جو تم مانگ رہے ہو''...... سلطان ایوبی نے کہا...... ''تم خون خرابے سے ڈرتے ہو، بیت المقدس کی خاطر میری پوری قوم اپنا خون قربان کر دے گی''۔

وہاں سے واپس آ کر سلطان ایوبی نے اپنا طبیب رچرڈ کے علاج کے لیے بھیجا۔ اُسے صحت یاب ہوتے ہوتے بہت دن گزر گئے۔ سلطان ایوبی جنگ کے لیے تیار ہو چکا تھا لیکن حملے کی بجائے رچرڈ کی طرف سے صلح کی نئی شرطیں آ گئیں۔ رچرڈ بیت المقدس سے دست بردار ہو گیا تھا۔ اُس نے صرف یہ رعایت مانگی کہ عیسائی زائرین کو بیت المقدس میں داخلے کی اجازت دے دی جائے اور ساحل کا کچھ علاقہ صلیبیوں کو دے دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ شرائط مان لیں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ سلطان ایوبی کی فوج مسلسل لڑ رہی تھی اور شہادت اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ اب کم تعداد سے اتنی بڑی فوج سے لڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ دو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ سپاہی دن رات لڑتے رہتے تھے۔ وہ ذہنی طور پر شل ہو چکے تھے۔ بعض دستوں میں احتجاج بھی شروع ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی جسمانی طور پر تھکی ہوئی اور ذہنی طور پر پژمردہ فوج کے بل بوتے پر بیت المقدس کو خطرے میں ڈالنے سے گریز کر رہا تھا۔

رچرڈ مسلمانوں کی بے خوفی اور جذبے سے گھبرا رہا تھا۔ اُس کی صحت بھی جواب دے گئی تھی۔ اس کے علاوہ

اس کے اپنے ملک میں اس کے مخالفین سر اُٹھا رہے تھے۔ انگلستان کا تخت و تاج خطرے میں پڑ گیا تھا۔

اس معاہدے پر ۲ ستمبر ۱۱۹۲ء (۲۲ شعبان ۵۸۸ ہجری) کے روز دستخط ہوئے۔ رچرڈ ۹ اکتوبر ۱۱۹۲ء کے روز اپنی فوج کے ساتھ انگلستان کے لیے روانہ ہوا۔ اس معاہدے کی میعاد تین سال مقرر کی گئی۔ رچرڈ نے بوقتِ رخصت سلطان ایوبی کو پیغام بھیجا کہ میں معاہدے کی میعاد گزرنے کے بعد یروشلم فتح کرنے آؤں گا...... اُس کے بعد کوئی صلیبی بیت المقدس کو فتح نہ کر سکا۔ اس صدی میں جون ۱۹۶۷ء میں عربوں کی بے اتفاقی نے اور اُن کی انہی کمزوریوں نے جو کفار سلطان ایوبی کے دور میں مسلمان اُمراء میں پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، بیت المقدس یہودیوں کے حوالے کر دیا ہے۔

رچرڈ کی روانگی کے بعد سلطان ایوبی نے اعلان کیا کہ اس کی فوج کے جو افراد حج کے لیے جانا چاہتے ہیں، اپنے نام دے دیں، انہیں سرکاری انتظامات کے تحت حج کے لیے بھیجا جائے گا۔ فہرستیں تیار ہو گئیں اور اُن سب کو حج کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ خود سلطان ایوبی کی دیرینہ خواہش تھی کہ حج کعبہ کو جائے مگر جہاد نے اُسے مہلت نہ دی اور جب مہلت ملی تو اُس کے پاس سفر خرچ کے لیے پیسے نہیں تھے۔ اُسے سرکاری خزانے سے پیسے پیش کیے گئے جو اُس نے یہ کہہ کر قبول نہ کیے کہ یہ خزانہ میرا ذاتی نہیں۔ اس نے اپنے آپ کو حج کی سعادت سے محروم کر دیا، سرکاری خزانے سے ایک پیسہ نہ لیا۔ مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید لکھتا ہے کہ وفات کے وقت سلطان ایوبی کی کل دولت ۴۷ درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کا ذاتی مکان بھی نہیں تھا۔

......۞......

پھر شمع بجھ گئی

سلطان صلاح الدین ایوبی ۴ نومبر ۱۱۹۲ء کے روز بیت المقدس سے دمشق پہنچا۔ اُس کے چار ماہ بعد سلطان خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ دمشق پہنچنے سے وفات تک کا آنکھوں دیکھا حال قاضی بہاؤالدین شداد کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے:

''......اُس کے بچے دمشق میں تھے۔ اُس نے ستانے کے لیے اسی شہر کو پسند کیا۔ اُس کے بچے اُسے دیکھ کر تو خوش ہوئے ہی تھے، دمشق اور گردونواح کے لوگ اپنے فاتح سلطان کو دیکھنے کے لیے ہجوم در ہجوم آ گئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی قوم کی یہ بے تابانہ عقیدت مندی دیکھی تو اگلے ہی روز (۵ نومبر بروز جمعرات) دربارِ عام منعقد کیا جس میں سلطان کو ملنے اور اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو بیان کرنے کی ہر کسی کو اجازت تھی...... مرد، عورتیں، بوڑھے، بچے، امیر، غریب، حاکم اور عوام سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملنے جمع ہو گئے۔ شاعروں نے اس تقریب میں سلطان ایوبی کی شان میں نظمیں سنائیں......

''سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسلسل جہاد اور سلطنت کی مصروفیات نے نہ دن کو کبھی چین لینے دیا، نہ راتوں کو اطمینان کی نیند سونے دیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر بھی نڈھال ہو چکا تھا اور ذہنی طور پر بھی۔ تھکے ہوئے اعصاب کو تازہ دم کرنے کے لیے اُس نے دمشق کے علاقے میں ہرنوں (غزال) کے شکار کو شغل بنا لیا۔ وہ اپنے بھائیوں اور بچوں کے ساتھ شکار کھیلا کرتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کچھ روز آرام کر کے مصر چلا جائے گا مگر دمشق میں بھی سرکاری کاموں نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا......

''میں اُس وقت بیت المقدس میں (وزیر) تھا۔ ایک روز دمشق سے مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خط ملا۔ اُس نے مجھے دمشق میں بلایا تھا۔ میں فوراً روانہ ہونے لگا، مگر مسلسل موسلا دھار بارشوں نے راستوں کو دلدل بنا دیا تھا۔ اس قدر کیچڑ اور اتنی بارش میں میں انیس روز بعد بیت المقدس سے نکل سکا۔ میں ۲۳ محرم الحرام بروز جمعہ وہاں سے روانہ ہوا اور ۱۲ صفر بروز منگل دمشق پہنچا۔ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ملاقات کے کمرے میں اُمراء اور دیگر حکام سلطان ایوبی کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو میری آمد کی اطلاع دی گئی۔ اُس نے مجھے فوراً اپنے خاص کمرے میں بلا لیا۔ میں جب اُس کے سامنے گیا تو وہ بازو پھیلا کر اُٹھا اور مجھ سے بغلگیر ہو گیا۔ میں نے اُس کے چہرے پر ایسا اطمینان اور سکون کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے......

''اگلے روز اُس نے مجھے بلایا۔ اس کے خاص کمرے میں پہنچا تو اُس نے مجھ سے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کون لوگ بیٹھے ہیں۔ میں نے اُسے بتایا کہ (اُس کا بیٹا) الملک الافضل، چند ایک اُمراء اور بہت سے دوسرے لوگ آپ کی ملاقات کے لیے بیٹھے ہیں۔ اُس نے جمال الدین اقبال سے کہا کہ ان لوگوں سے میری طرف سے معذرت کر کے کہہ دو کہ آج میں کسی سے نہیں مل سکوں گا۔ اس نے میرے ساتھ کچھ ضروری باتیں کیں اور میں چلا آیا......

''دوسرے دن اُس نے مجھے علی الصبح بلا لیا۔ میں گیا تو وہ اپنے باغیچے میں بیٹھا، اپنے بچوں کے ساتھ کھیل رہا

تھا۔ اُس نے پوچھا کہ ملاقات کے کمرے میں کوئی ملاقاتی ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ فرنگیوں (فرینکس) کے ایلچی آئے بیٹھے ہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ فرنگی ایلچیوں کو یہیں بھیج دو۔ اس کے بچے وہاں سے چلے گئے۔ اس کا سب چھوٹا بچہ امیر ابوبکر جس سے سلطان ایوبی کو بہت پیار تھا، وہیں رہا۔ جب فرنگی آئے تو بچے نے اُن کے بغیر داڑھیوں کے چہرے اور اُن کا لباس دیکھا تو بچہ ڈر کر رونے لگا۔ بچے نے بغیر داڑھی کے کبھی کوئی انسان نہیں دیکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے فرنگیوں سے معذرت کی کہ اُن کے حلیے کو دیکھ کر بچہ رو پڑا ہے، مگر سلطان نے بچے کو اندر بھیجنے کی بجائے فرنگیوں سے کہا کہ وہ آج اُن سے نہیں مل سکے گا۔ اُس نے انہیں بغیر بات چیت کیے رخصت کر دیا......

''اُن کے جانے کے بعد اُس نے کہا...... ''جو کچھ پکا ہے لے آؤ'' ......اس کے آگے ہلکی پھلکی غذا رکھی گئی جس میں کھیر بھی تھی۔ اُس نے بہت تھوڑا کھایا۔ میں نے محسوس کیا جیسے اُس کی بھوک مر چکی ہو۔ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اُس نے بتایا کہ وہ ملاقاتیں کم کر رہا ہے کیونکہ وہ بدہضمی اور کمزوری محسوس کرتا ہے۔ کھانے کے بعد اُس نے مجھ سے پوچھا...... ''حاجی واپس آ گئے ہیں؟'' ...... میں نے اُسے بتایا کہ راستے میں کیچڑ زیادہ ہے۔ شاید کل تک حاجی آ جائیں۔ سلطان نے کہا...... ''ہم ان کے استقبال کے لیے جائیں گے'' ...... یہ کہہ کر اُس نے ایک حاکم کو بلا کر حکم دیا کہ حاجی آ رہے ہیں اور راستے میں کیچڑ اور پانی ہے۔ فوراً آدمیوں کو بھیجو اور جس راستے سے حاجی آ رہے ہیں، اس راستے سے کیچڑ اور پانی صاف کر دو۔ میں اس سے اجازت لے کر چلا آیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کا جوش و خروش اور اُس کی مستعدی ماند پڑ گئی تھی......

''دوسرے دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حاجیوں کے استقبال کے لیے نکلا۔ میں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے پیچھے گیا۔ اُس کا بیٹا الملک الافضل بھی آ گیا۔ لوگوں میں جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی کہ سلطان باہر آیا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر اُٹھ دوڑے۔ وہ اپنے فاتح سلطان کو قریب سے دیکھنا اور اُس سے ہاتھ بھی ملانا چاہتے تھے۔ جب سلطان عقیدت مندوں کے اس بے صبر اور بے قابو ہجوم میں گھر گیا تو اُس کے بیٹے الملک الافضل نے گھبراہٹ کے عالم میں مجھے کہا کہ سلطان نے سواری والا لباس نہیں پہن رکھا۔ (یہ زرہ بکتر کی قسم کا لباس ہوا کرتا تھا، سلطان صلاح الدین ایوبی اس لباس کے بغیر کبھی باہر نہیں نکلا تھا) ہمیں پریشانی ہوئی۔ سلطان کے ساتھ باڈی گارڈ بھی نہیں تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ (سلطان ایوبی پر اس سے پہلے قاتلانہ حملے ہو چکے تھے۔ اب بھی حملہ ہو سکتا تھا) میں ہجوم کو چیرتا ہوا سلطان تک پہنچا اور اُسے کہا کہ آپ اپنے مخصوص لباس میں نہیں ہیں۔ وہ اس طرح چونکا جیسے نیند سے جگا دیا گیا ہو۔ اُس نے کہا کہ میرا لباس یہیں لایا جائے مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا جو اُسے لباس لا دیتا۔ مجھے کچھ زیادہ ہی خطرہ محسوس ہونے لگا......

''مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے کوئی حادثہ ہونے والا ہو۔ میں نے اُسے کہا کہ میں یہاں کے راستوں سے واقف نہیں۔ کیا کوئی ایسا راستہ ہے، جہاں لوگ کم ہوں اور آپ واپس جا سکیں؟ اُس نے کہا کہ ایک راستہ ہے۔ اُس نے گھوڑا اس رُخ کو موڑ لیا۔ لوگوں کا ہجوم بے پناہ تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے گھوڑا باغوں کے درمیانی راستے پر ڈال دیا۔ میں اور الملک الافضل اُس کے ساتھ تھے۔ میرا دل بوجھل تھا۔ میں اُس کی جان کو بھی خطرے میں محسوس کر رہا تھا اور اُس کی صحت کو بھی۔ ہم المسینہ کے چشمے سے ہوتے ہوئے قلعے میں داخل ہوئے......

''جمعہ کی شام سلطان ایوبی نے غیر معمولی کمزوری محسوس کی۔ آدھی رات سے ذرا پہلے اُسے بخار ہو گیا۔ یہ صفراوی بخار تھا جسم کے اندر زیادہ تھا، باہر کم لگتا تھا۔ صبح (۲۱ فروری ۱۱۹۳ء) وہ نقاہت سے نڈھال ہو چکا تھا۔ جسم کو ہاتھ لگانے سے حرارت کم لگتی تھی۔ میں اُسے دیکھنے گیا۔ اس کا بیٹا الملک الافضل اُس کے پاس تھا۔ سلطان نے بتایا کہ اُس نے

رات بڑی تکلیف میں گزاری ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ ہم نے گپ شپ میں اُن کا ساتھ دیا۔ اس سے اُس کی مزاجی شگفتگی بحال ہوگئی۔ دن کے دوسرے پہر تک وہ خاصا بہتر ہو گیا۔ ہم وہاں سے اُٹھنے لگے تو اُس نے کہا کہ الملک الافضل کے ساتھ کھانا کھا کر جائیں۔ میرے ساتھ قاضی الفضل بھی تھا۔ وہ کسی اور کے ہاں کھانا کھانے کا عادی نہ تھا۔ وہ معذرت کر کے چلا گیا۔ میں کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ صلاح الدین ایوبی سے رخصت ہوتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں اپنا دل سلطان ایوبی کے پاس چھوڑ چلا ہوں۔ کھانے کے کمرے میں گیا۔ دستر خوان بچھ چکا تھا۔ بہت سے افراد بیٹھے تھے۔ الملک الافضل اپنے باپ کی جگہ بیٹھا تھا۔ بے شک الافضل صلاح الدین ایوبی کا بیٹا تھا لیکن سلطان کی جگہ بیٹے کو بیٹھا دیکھ کر بہت دُکھ ہوا۔ کھانے پر جو لوگ بیٹھے تھے، اُن کی بھی جذباتی حالت میرے جیسی تھی۔ ان میں سے بعض کے تو آنسو نکل آئے......

''اس روز کے بعد سلطان ایوبی کی صحت بگڑتی چلی گئی۔ میں اور قاضی الفضل روزانہ کئی بار اُس کمرے میں جاتے تھے جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی بیمار پڑا تھا۔ اُسے تکلیف میں ذرا سا بھی افاقہ ہوتا تو ہمارے ساتھ باتیں کرتا تھا، ورنہ اکثر یوں ہوتا کہ وہ آنکھیں بند کیے پڑا رہتا اور ہم اُسے دیکھتے رہتے۔ اُس کی جان کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اُس کا طبیب خاص غیر حاضر تھا (قاضی بہاؤالدین شداد نے یہ نہیں لکھا کہ طبیب خاص کہاں چلا گیا تھا) سلطان کا علاج چار طبیب مل کر رہے تھے مگر مرض بڑھتا جا رہا تھا......

''بیماری کے چوتھے روز چاروں طبیبوں نے فیصلہ کیا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے جسم سے خون نکال دیا جائے۔ اسی وقت سلطان کی حالت زیادہ بگڑ گئی اور اس کے بعد اہم غدود بے کار ہو گئے۔ اس سے اُس کے جسم میں اندر کی رطوبتیں خشک ہونے لگیں۔ سلطان ایوبی نقاہت کی آخری حد تک جا پہنچا۔ چھٹے دن ہم نے اُسے سہارا دے کر بٹھایا۔ اُسے ایک دوائی دی گئی جس کے بعد ہلکا گرم پانی پینا ضروری تھا۔ پانی لایا گیا۔ اُسے ہلکا گرم ہونا چاہیے تھا۔ سلطان ایوبی کے منہ سے پیالہ لگایا گیا تو اس نے کہا کہ پانی بہت گرم ہے۔ اُس نے نہ پیا۔ پانی ذرا ٹھنڈا کر کے لایا گیا تو سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ اُس نے غصے یا خفگی کا اظہار نہ کیا۔ مایوسی کے لہجے میں اتنا ہی کہا...... ''او خدا! کوئی بھی نہیں جو مجھے ہلکا گرم پانی دے سکے''......

''میری اور الفضل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (دُنیائے صلیب پر دہشت طاری کر دینے والا انسان بالکل بے بس ہو گیا تھا)...... ہم دونوں دوسرے کمرے میں آ گئے۔ قاضی الفضل نے کہا...... ''قوم کتنے عظیم انسان سے محروم ہو جائے گی۔ بخدا اُس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پانی کا یہ پیالہ اُس کے سر پر دے مارتا جو اُس کی پسند کا پانی نہیں لایا تھا''......
ساتویں اور آٹھویں روز صلاح الدین ایوبی کی حالت اتنی زیادہ بگڑ گئی کہ اُس کا ذہن بھٹکنے لگا۔ نویں روز اس پر غشی طاری ہو گئی۔ وہ پانی بھی نہ پی سکا۔ شہر میں خبر پھیل گئی کہ سلطان ایوبی کی حالت تشویش ناک ہو گئی ہے۔ تمام شہر پر موت کی اُداسی طاری ہو گئی۔ ہر جگہ اور ہر زبان پر اُس کی صحت یابی کی دُعائیں تھیں۔ تاجر اور سوداگر ایسے ڈرے کہ انہوں نے بازاروں سے اپنا مال اُٹھانا شروع کر دیا۔ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ایک فرد کس طرح اُداس اور کتنا پریشان تھا......
''میں اور قاضی الفضل رات کا پہلا پہر سلطان ایوبی کے پاس رہتے اور اُسے دیکھتے رہتے تھے۔ وہ بول اور دیکھ نہیں سکتا تھا۔ باقی رات ہم باہر کھڑے رہتے۔ کوئی اندر سے آتا تو اُس سے پوچھ لیتے کہ سلطان کی حالت کیسی ہے۔ ہم جب علی الصبح وہاں سے باہر نکلتے تو باہر لوگوں کا ہجوم کھڑا دیکھتے۔ اب لوگ ہم سے یہ پوچھنے سے بھی ڈرتے تھے کہ سلطان کی

صحت کیسی ہے۔ وہ ہمارے چہروں سے جان لیتے تھے کہ سلطان کی حالت ٹھیک نہیں۔ ہجوم چپ چاپ ہمیں دیکھتا اور ہم ہجوم کو دیکھ کر سر جھکا لیتے تھے...... دسویں روز طبیبوں نے اُسے انتڑیاں صاف کرنے والی دوا دی جس سے اُسے کچھ افاقہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب سب کو پتہ چلا کہ سلطان ایوبی نے جو کا پانی پیا ہے تو سب نے خوشی منائی۔ اُس رات ہم چند گھنٹے اس کے پاس جانے کا انتظار کرتے رہے، لیکن محل میں چلے گئے جہاں جمال الدین اقبال بیٹھا تھا۔ اس سے صلاح الدین ایوبی کی حالت پوچھی۔ وہ اندر چلا گیا اور توران شاہ سے پوچھ کر ہمیں بتایا کہ سلطان کے دونوں پھیپھڑوں میں نمی اور ہوا آنے جانے لگی ہے۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہم نے جمال الدین سے کہا کہ خود جا کر دیکھے کہ باقی جسم پر پسینے کے آثار ہیں یا نہیں۔ اُس نے اندر جا کر دیکھا اور واپس آ کر بتایا کہ پسینہ بہت آ رہا ہے۔ یہ ایک خوش خبری تھی۔ ہم سکون اور اطمینان سے چلے آئے......

''دوسرے دن جو منگل کا دِن تھا صفر کی ۲۶ تاریخ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی علالت کا گیارہواں روز تھا، ہم سلطان کو دیکھنے گئے۔ اندر نہ جا سکے۔ ہمیں بتایا گیا کہ پسینہ اس قدر زیادہ نکل رہا ہے کہ بستر میں سے ہوتا ہوا فرش پر ٹپک رہا ہے۔ یہ خبر اچھی نہیں تھی۔ جسم کی رطوبت تیزی سے ختم ہو رہی تھی...... طبیبوں نے حیرت سے بتایا کہ جسم اندر سے خشک ہو جانے کے باوجود سلطان کے جسم میں ابھی توانائی موجود ہے......

''صلاح الدین ایوبی کے بیٹے الملک الافضل نے دیکھا کہ سلطان کی صحت یابی کی کوئی اُمید نہیں رہی تو اُس نے اُمراء اور وزراء سے حلف وفاداری لینے کا فوری انتظام کیا۔ اُس نے تمام قاضیوں کو رضوان محل میں بلایا اور انہیں کہا کہ نئے حلف کا مسودہ تیار کریں جس میں صلاح الدین ایوبی جب تک زندہ ہے، اُس کی وفاداری کا حلف نامہ ہو اور اُن کی وفات کے بعد الملک الافضل کی وفاداری کا۔ الافضل نے معذرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا حلف نامہ کبھی تیار نہ کراتا لیکن سلطان ایوبی کی حالت تشویش ناک مرحلے میں داخل ہو چکی ہے......

''حلف نامہ تیار ہو گیا۔ دوسرے دِن حلف اُٹھانے کے لیے متعلقہ اُمراء اور وزراء کو بلایا گیا۔ سب سے پہلے دمشق کے گورنر سعد الدین مسعود نے حلف اُٹھایا۔ اس کے بعد نصر الدین آیا جو صہیون کا گورنر تھا، اس نے اس شرط پر حلف اُٹھایا کہ جس قلعے کا وہ گورنر ہے وہ سلطان ایوبی کی وفات کے بعد اُس کی (نصر الدین کی) ذاتی ملکیت سمجھا جائے گا۔ تمام اُمراء، وزراء اور گورنروں نے حلف اُٹھالیا۔ دو تین نے اپنی شرائط منوا کر حلف اُٹھایا۔ حلف نامے کے الفاظ یہ تھے......''اس لمحے سے میں متحدہ مقصد کی خاطر الملک الناصر (صلاح الدین ایوبی) کا وفادار رہوں گا جب تک کہ وہ زندہ ہے۔ اس کی حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے اَن تھک اور مسلسل کوشش کرتا رہوں گا۔ اس کی خاطر اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج اور اپنی رعایا کو وقف کیے رکھوں گا۔ میں اس کا ہر حکم مانوں گا اور اس کی ہر خواہش کی تکمیل کروں گا۔ میں خدا کو گواہ ٹھہرا کر اعلان کرتا ہوں کہ سلطان کے بعد میں یہی وفاداری اس کے بیٹے الافضل کے لیے وقف کر دوں گا اور اُس کے بعد الافضل کے بیٹوں کے لیے۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اس کے احکام کی تعمیل کروں گا۔ اس کے لیے میں اپنی جان، اپنا مال، اپنی تلوار اور اپنی فوج کو وقف کیے رکھوں...... میں اپنے حلف وفاداری میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں''......

''حلف نامے کی دوسری شق یہ تھی......''اگر میں اپنے حلف کی خلاف ورزی کروں تو میں حلفیہ تسلیم کرتا ہوں کہ صرف اس خلاف ورزی کی بناء پر میری بیویاں مطلقہ ہو جائیں (یعنی بیویاں میری نہیں رہیں گی) اور مجھے تمام ذاتی اور سرکاری خادموں سے محروم کر دیا جائے گا اور مجھے لازم ہوگا کہ میں ننگے پاؤں یا پیادہ حج کعبہ کو جاؤں''......

''۲۶ صفر ۵۸۹ ہجری (۳ مارچ ۱۱۹۳ء) منگل کی شام تھی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی بیماری کا

گیارہواں روز۔ اُس کی توانائی بالکل ختم ہوگئی اور اُمید دم توڑ گئی۔ رات کو ایسے وقت مجھے، قاضی الفضل اور ابنِ ذکی کو بلایا گیا جس وقت پہلے کبھی نہیں بلایا گیا تھا۔ ابنِ ذکی کا پورا نام ابوالمعالی محمد محی الدین تھا اور ابنِ ذکی کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ قانون، علم اور سائنس کا عالم تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا بہت احترام کرتا تھا۔ جب سلطان ایوبی نے یروشلم فتح کیا تو مسجدِ اقصیٰ میں پہلے جمعہ کا خطبہ دینے کے لیے سلطان ایوبی نے اسی کو منتخب کیا تھا۔ بعد میں اُسے دمشق کا قاضی مقرر کر دیا گیا تھا......

''ہم گئے تو الملک الافضل نے کہا کہ ہم تینوں ساری رات اُس کے ساتھ رہیں۔ وہ سوگوار تھا اور گھبرایا ہوا بھی۔ قاضی الفضل نے اعتراض کیا اور کہا رات بھر لوگ باہر کھڑے سلطان کی صحت کی خبر سننے کا انتظار کرتے ہیں۔ اگر ہم ساری رات اندر رہے تو وہ کچھ اور سمجھ لیں گے اور شہر میں غلط خبر پھیل جائے گی۔ الافضل سمجھ گیا۔ اُس نے کہا کہ ہم لوگ چلے جائیں۔ ہماری بجائے اُس نے امام ابوجعفر کو اس مقصد کے لیے بلا لیا کہ اگر رات کو صلاح الدین ایوبی پر نزع کا عالم طاری ہو گیا تو امام اُس کے سرہانے قرآن پڑھے گا۔ ہم وہاں سے آ گئے۔

''اس کے بعد امام ابوجعفر نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی آخری رات کی جو روئیداد سنائی، وہ میں تحریر کرتا ہوں۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے سلطان کے سرہانے قرآن خوانی کی۔ اس دوران سلطان پر کبھی غشی طاری ہو جاتی، کبھی ہوش میں آ جاتا اور کبھی اُس کا ذہن بھٹک جاتا۔ آدھی رات کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ ہجری (۴ مارچ ۱۱۹۳ء) کی تاریخ شروع ہو چکی تھی۔ امام ابوجعفر نے بتایا...... ''میں بائیسویں پارے کی سورۂ الحج پڑھ رہا تھا۔ میں نے جب پڑھا...... ''خدا ہی قادرِ مطلق ہے، برحق ہے اور وہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے'' ...... تو میں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی نحیف سی سرگوشی سنی۔ وہ کہہ رہا تھا...... ''یہ سچ ہے۔ یہ سچ ہے'' ...... یہ اُس کے آخری الفاظ تھے۔ اُس کے فوراً بعد صبح کی اذان سنائی دی۔ میں نے قرآن پاک بند کر دیا۔ اذان ختم ہوتے ہی سلطان صلاح الدین ایوبی نہایت سکون اور اطمینان سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا'' ...... امام ابوجعفر نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اذان شروع ہوئی تو وہ ایک آیت پڑھ رہا تھا...... ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اُسی سے مدد مانگتے ہیں'' ...... تو سلطان ایوبی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔ اُس کا چہرہ دمک اُٹھا اور وہ اسی کیفیت میں اپنے خدا کے حضور گیا......

''میں جب پہنچا اس وقت صلاح الدین ایوبی فوت ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے بعد اگر قوم پر کوئی کاری ضرب پڑی ہے تو وہ سلطان ایوبی کے انتقال کی تھی۔ قلعے، شہر، وہاں کے لوگوں اور دُنیا بھر کے مسلمانوں پر غم کی ایسی گھٹا چھا گئی جو صرف خدا جانتا ہے کہ کتنی گہری تھی۔ میں نے لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ انہیں جو شخص سب سے زیادہ عزیز ہے، اُس کے لیے وہ اپنی جان قربان کر دیں گے لیکن میں نے کبھی کسی کو کسی کے لیے جان قربان کرتے نہیں دیکھا۔ البتہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سلطان ایوبی کی زندگی کی آخری رات، ہم سے کوئی پوچھتا کہ سلطان ایوبی کی جگہ کون مرنے کو تیار ہیں تو ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی جانیں قربان کر کے سلطان ایوبی کو زندہ رکھتے......

''اُس روز شہر میں جسے دیکھا بے اختیار آنسو بہاتے دیکھا۔ لوگ رونے کے سوا کچھ اور سوچتے ہی نہیں تھے۔ کسی شاعر کو مرثیہ سنانے کی اجازت نہ دی گئی۔ کسی امام، کسی قاضی اور کسی عالم نے لوگوں کو صبر کی تلقین نہ کی۔ وہ خود رو رہے تھے۔ ہچکیاں لے رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کے بچے روتے چیختے، گلیوں میں نکل گئے۔ انہیں روتا دیکھ کر لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے...... ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کی میت کو آخری غسل دے کر کفن پہنایا جا چکا تھا۔ غسل

عدالت کے ایک اہل کار الدلائی نے دیا تھا۔ غسل کے لیے مجھے کہا گیا تھا مگر میرا دِل اتنا مضبوط نہ تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ میت باہر لا کر رکھی گئی۔ جنازے پر جو کپڑا ڈالا گیا وہ قاضی الفضل نے دیا تھا۔ جب جنازہ لوگوں کے سامنے رکھا تو مردوں کی دھاڑوں اور عورتوں کی چیخوں سے آسمان کا جگر چاک ہونے لگا۔ دمشق کی عورتوں کے بین سنے نہیں جاتے تھے......

''قاضی محی الدین ابن ذکی نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ جنازے میں کتنے لوگ تھے۔ البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ سب نمازِ جنازہ میں کھڑے تھے مگر نماز پڑھنے کی بجائے سب ہچکیاں لے رہے تھے اور بعض بے قابو ہو کر دھاڑیں مار اُٹھتے تھے۔ اِرد گرد عورتوں کا بے انداز ہجوم بین کر رہا تھا۔ نمازِ جنازہ کے بعد میت باغیچے کے اُس مکان میں رکھی گئی جہاں مرحوم نے علالت کے دِن گزارے تھے۔ عصر سے کچھ دیر پہلے سلطان ایوبی کو قبر میں اُتار دیا گیا۔ لوگ گھروں کو واپس گئے تو یوں لگتا تھا جیسے لاشوں کا ہجوم چلا جا رہا ہو۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبر پر قرآن خوانی کرتا رہا......

''منکہ بہاؤالدین ابن شداد نے یہ یادداشتیں خلیفہ کی اجازت سے قلم بند کی ہیں اور اس تحریر کو الملک الناصر ابوظفر یوسف ابن نجم ایوب صلاح الدین ایوبی کی وفات پر ختم کیا ہے۔ خدا اُس پر رحمت فرمائے۔ اس تحریر سے میرا مقصد خدا کی خوشنودی ہے اور میرا مقصود یہ بھی ہے کہ اُسے یاد رکھو جو نیک تھا اور صرف نیکی پر دھیان رکھو''۔

ان یادداشتوں کے بعد یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ سلطان ایوبی کی ایک خواہش یہ تھی کہ فلسطین کو صلیبیوں سے پاک کریں۔ اُس کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔ اس کی دوسری خواہش یہ تھی کہ فتح فلسطین کے فریضہ کے بعد فریضہء حج ادا کرے مگر اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ بیماری نہیں تھی بلکہ یہ کہ اُس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے۔ اُس کی ذاتی جیب خالی تھی۔ بلالِ نو کی درانتی سے فصلِ صلیبی کاٹنے والا مردِ مجاہد، مصر، شام اور فلسطین کا سلطان جس کے قدموں میں سلطنت کے خزانے تھے، وہ اتنا غریب تھا کہ حج کو نہ جاسکا اور اُسے جو کفن پہنایا گیا تھا۔ وہ قاضی بہاؤالدین شداد، قاضی الفضل ابن ذکی نے درپردہ پیسے جمع کر کے خریدا تھا...... آج فلسطین سلطان صلاح الدین ایوبی کا ماتم اسی طرح کر رہا ہے جس طرح ۴ مارچ ۱۱۹۳ء کے روز دمشق کی بیٹیوں نے بین کیے تھے۔

......❁......

عنایت اللہ کی بہترین کتابیں

داستان ایمان فروشوں کی (تین جلد) سیٹ
فردوس ابلیس (دو جلد)
فتح گڑھ سے فرار
اور نیل بہتا رہا (دو جلد)
ایک اور بت شکن پیدا ہوا (دو جلد)
خاکی وردی لال لہو
شمشیر بے نیام (دو جلد)
ڈوب ڈوب کے ابھری ناؤ
حجاز کی آندھی
اکھیاں میٹ کے سپنا تکیا
دمشق کے قید خانے میں
ستارہ جو ٹوٹ گیا
اندلس کی ناگن
ہماری شکست کی کہانی
بی آر بی بہتی رہے گی
میں کسی کی بیٹی نہیں
لاہور کی دہلیز پر
پرچم اڑتا رہا
دو پلوں کی کہانی
ہیرے کا جگر
اس نے کہا
کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس
چار دیواری کی دنیا
بدر سے باٹا پور تک
طاہرہ
لہو جو ہم بہا کے آئے
پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت
سزا اس گناہ کی
پانچویں لڑکی
1857ء کی داستانِ شجاعت
بھٹکے ہوؤں کی داستان
منزل اور مسافر (دو جلد)
پتن پتن کے پاپی
فتح گڑھ سے فرار
اُستانی اور ٹیکسی ڈرائیور
ناقابل فراموش
میں گناہ گار تو نہیں
پاکستان - ایک پیاز دو روٹیاں
جب میں تحفہ بنی
میں کسی کی بیٹی نہیں
چھوٹی بہن کا پگلا بھائی
اُلجھے راستے
پیاسی رُوحیں
جوانی کے جنگل میں
ایوبی، غزنوی اور محمد بن قاسم
اُس نے کہا

واحد تقسیم کار

عِلم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔
فون: 37352332، 37232336 فیکس: 37223584
www.ilmoirfanpublishers.com
E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com